

عام فہم زبان، مشکل الفاظ کے سلیس معانی، اور اختلافی مسائل کے محققانہ حل مزین تفسیر



الفوائد التفسیریة السلفیة

www.KitaboSunnat.com



تالیف
محمد البوسعدی

ابن
علامہ سید عبد السلام رحمہ اللہ

ناشر:

الجامعۃ العربیة

سیفین چوک کوہاٹ روڈ بیٹھ بیرکپشاور

091-2325499



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ
وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربعہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com

🌐 www.KitaboSunnat.com



اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾

الفوائد

التفسيرية السلفية

(يعني سلفي علماء كى تفسيرى فوائد)

ازافات

شيخ القرآن و الحديث عبد السلام عبد الرؤوف الرستمى (حفظه الله تعالى)

جمع وترتيب

ابوسعيد محمد ابن الشيخ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمۃ التفسیر

ان الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا، وسيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله. اما بعد

پس ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے رب، معبود کو پہچانے، اس کی صفتوں کو جانے، اس کے حکم کو معلوم کریں، اس کی مرضی نامرضی سمجھ بوجھ لے، کیونکہ بغیر اس کے بندگی نہیں ہوتی، اور جو بندگی بجانہ لائے وہ بندہ نہیں، گندہ ہے، اللہ تعالیٰ کی پہچان علم سے آتی ہے، آدمی محض نادان پیدا ہوتا ہے، سب چیز سکھانے سے سیکھتا ہے، بتانے سے جان لیتا ہے، سو بتانے والے کتنی ہی تقریر کریں پھر اس برابر نہیں ہو سکتی، جو اللہ تعالیٰ نے آپ بتائی ہے وہ ہدایت جو اللہ کی کلام میں ہے، ہرگز کسی دوسرے کی کلام میں نہیں ہو سکتی، لیکن اللہ کا کلام عربی زبان میں ہے ہمارے لئے (پاک و ہند کے رہنے والوں) اس کا سمجھنا محال ہے اس لئے پہلے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فارسی ترجمہ قرآن مجید کا لکھا، اس کا نام فتح الرحمن رکھا، پھر انکے فرزند شاہ عبدالقادر نے اردو میں ترجمہ کیا موضح القرآن کے نام سے، اس ترجمہ سے ہمیں بڑا نفع ہوا۔

جبکہ عربی زبان میں قرآن شریف کی تفسیریں دنیا میں بے شمار ہیں، تیرہ سو (۱۳۰۰) تفسیروں کا نام کتاب اکسیر میں درج ہیں، جبکہ اس کے بعد بھی عربی اور دیگر مختلف زبانوں میں قرآن کی تفسیریں لکھی گئی ہیں، بعض احباب نے مجھ سے یہ مطالبہ کیا کہ تم اردو زبان میں ایک ایسی تفسیر لکھ دو، جو کہ مختصر ہونے کے باوجود قرآن کا مطلب سمجھاوے کم علموں کو ہدایت کا راستہ بتاوے کافی اشغال کے باوجود میں نے ان بھائیوں کا مطالبہ پورا کرنے کا ارادہ کیا۔ اس واسطے کہ علماء پر واجب ہے کہ عوام کو کلام اللہ کا مطلب واضح کر دیں اور اس کی صحیح تفسیر کریں اور اسے باقاعدہ اپنا محور علم بنائیں اسے سیکھیں اور سکھائیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ
وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ. (ال عمران: ۱۸۷).

ہم نے کتاب والوں سے عہد لیا کہ وہ اسے بیان کرتے رہیں (اس کے احکامات نہ) چھپائیں لیکن ان

لوگوں نے اسے پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اس کے بدلے دنیا طلب کرنے لگے ان کا یہ بیوپار نہایت ہی برا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے: **إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ** (ال عمران: ۷۷)

جو لوگ اللہ تعالیٰ سے کے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑے تھوڑے مال کے بدلے بیچتے پھریں۔ ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ بات چیت نہیں کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے قیامت کے دن دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ پس جو لوگ جن کو ہم سے پہلے کتاب اللہ دی گئی تھی اور انہوں نے اس سے منہ پھیر لیا اور دنیا کے حاصل کرنے اور اس کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کے پیچھے پڑ کر اللہ کی پاک کتاب کو چھوڑ دیا۔

پروردگار نے ان کی مذمت بیان کی، مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ایسا نہ کریں جو مذمت کا سبب بنے بلکہ انہیں چاہئے کہ احکام الہی کی تعمیل میں دل و جان سے لگے رہیں اور قرآن پاک کے سیکھے سکھانے، سمجھنے اور سمجھانے میں مشغول رہا کریں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللَّهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۱۶﴾**

کیا ایمان والوں کے لئے اب تک وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے اور جو ان کی طرف حق اترا ہے اس سے کانپ اٹھیں اور ان کی طرح نہ ہو جائیں جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی لیکن کچھ زمانہ گزرتے ہی ان کے دل سخت ہو گئے اور اکثر لوگ نافرمان ہو گئے (سورت حدید)، اس آیت کے ترجمہ میں غور کرو کس لطافت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح بارش سے خشک زمین لہلہانے لگتی ہے اسی طرح ایمان اور ہدایت سے وہ دل جو نافرمانیوں اور گناہوں کی باعث سخت ہو گئے ہوں نرم پڑ جایا کرتے ہیں اللہ بزرگ و برتر اور جواد و بخشنے سے قبولیت کی امید پر ہم بھی دعا کرتے ہیں کہ وہ مالک ہمارے دلوں کو بھی نرم کر دیں۔ آمین۔

تفسیر کا بہترین طریقہ

جان لو:- تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اول تو قرآن مجید کی تفسیر قرآن ہی سے ہو۔ اس لئے کہ ایک بیان کہیں مختصر ہے تو کہیں اسکی تفصیل بھی ہے۔ اس کے بعد قرآن کی تفسیر حدیث سے ہوتی ہے۔ اس لئے کہ حدیث قرآن کریم کی شرح اور تفسیر ہے بلکہ امام ابو عبد اللہ محمد بن ادریس شافعی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے تمام احکام قرآن ہی سے سمجھے ہوئے

ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انا انزلنا الیک الكتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للکائناتین خصیماً (النساء: ۱۰۵)

ہم نے تم پر یہ کتاب حق کے ساتھ نازل فرمائی ہے۔ تاکہ تم لوگوں کے درمیان اللہ کے سمجھائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلے کر سکو۔ خبردار تم خیانت کرنے والوں کے طرف دار مت بننا۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے،

وما انزلنا علیک الكتاب الا لتبین لهم الذی اختلفوا فیہ وهدی ورحمة لقوم یؤمنون (نحل ۶۴)

ہم نے تو تم پر اسی لئے یہ کتاب نازل فرمائی ہے کہ لوگوں کے اختلافات کا تصفیہ کر دیا کرو۔ یہ کتاب ایمان داروں کیلئے ہدایت، رحمت ہے۔ دوسری جگہ فرمایا ہے کہ: وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (النحل: ۴۴) اور ہم نے تم پر بھی یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو اور تاکہ وہ غور کریں۔ اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث بھی مروی ہے: الا انی اویت القرآن

ومثله معه (مسند الشامیین: ۳/۴۵۱) وغیرہ۔ کہ مجھ کو یہ قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مانند ایک اور چیز بھی اس کے ساتھ دی گئی ہے (یعنی سنت) یہ یاد رہے کہ حدیثیں بھی اللہ کی وحی ہیں جس طرح قرآن پاک بذریعہ وحی اترا، اسی طرح حدیث رسول اللہ ﷺ بھی وحی الہی ہیں مگر قرآن وحی منلو ہے، اور حدیث وحی غیر منلو ہے امام شافعیؒ اور دوسرے بڑے بڑے

ائمہ نے اس حقیقت کو دلائل سے ثابت کر دیا ہے، لیکن یہاں اس کے بیان کرنے کا موقع نہیں، مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک کی تفسیر اولاً خود قرآن مجید پھر حدیث سے کرنی چاہئے جیسا کہ حدیث میں ہے: قال رسول اللہ ﷺ لمعاذ حین بعثہ

الی الیمن فیم تحکم؟ قال بکتاب اللہ، قال فان لم تجد؟ قال بسنة رسول اللہ، قال فان لم تجد؟ قال اجتهد رأیی، قال فضرب رسول اللہ ﷺ فی صدره وقال الحمد لله الذی وفق رسول رسول اللہ

لمایرضی رسول اللہ. وهذا الحدیث فی المسند والسنن باسناد جید كما هو مقرر فی موضعه (رواه الترمذی: ۴/۲۳۸ و ابوداؤد: ۳/۳۰۳ و الدارمی ۱/۶۰ و ابن ماجہ: ۲/۷۷۴ و احمد: ۲/۲۳۰، ۳۶۵ و صححہ ابن القیم فی اعلام المؤمنین، وابن تیمیہ فی الفتاوی: ۱۳/۴۶۴ و خطیب البغدادی و کذا المبارک فوری فی تحفة الاحوذی: ۶/۶۳۹). رسول اللہ ﷺ نے جب معاذؓ

کو یمن کی طرف بھیجا تو دریافت کیا کہ حکم (فیصلہ) کس طرح کرو گے؟ جواب دیا کتاب اللہ سے، فرمایا اگر اس میں نہ پائو تو کہا سنت رسول اللہ سے: کہا اگر اس میں بھی نہ پائو؟ کہا پھر اجتہاد کروں گا، نبی ﷺ نے یہ جواب سکران کے سینے

پاؤ تو کہا سنت رسول اللہ سے: کہا اگر اس میں بھی نہ پائو؟ کہا پھر اجتہاد کروں گا، نبی ﷺ نے یہ جواب سکران کے سینے

پاؤ تو کہا سنت رسول اللہ سے: کہا اگر اس میں بھی نہ پائو؟ کہا پھر اجتہاد کروں گا، نبی ﷺ نے یہ جواب سکران کے سینے

پر ہاتھ رکھ کر فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے اپنے نبی کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جو اس کے نبی کو پسند ہے۔

اس بنا پر جب کسی آیت کی تفسیر قرآن، حدیث دونوں میں نہ ملے تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ وہ تفسیر قرآن کو بہت زیادہ جانتے تھے اس لئے کہ جو فریضے اور احوال اس وقت تھے ان کا علم انہی کو ہو سکتا ہے وہ اس وقت موجود اور حاضر تھے (کما قال ابن عباسؓ انا انزل علينا القرآن فقأناه و علمنا فیم نزل، وانه سيكون بعدنا اقوام يقرؤون القرآن ولا يدرون فيم نزل، الحديث، فضائل القرآن لابی عبيدة: ۱۰۳، والفصوى: ۵۱۶/۱ و عبدالرزاق: رقم: ۲۰۳۶۸) علاوہ ازیں کامل صحیح بوجھ علم اور نیک عمل بھی انہیں حاصل تھا بالخصوص ان بزرگوں کو جو ان میں بڑے مرتبہ کے اور زبردست عالم تھے۔ بلاشبہ چاروں خلفاء جو رشد اور ہدایت والے تھے یعنی ابو بکر صدیق، عمر فاروق، عثمان ذی النورین، علی رضی اللہ عنہم، علی ہذا القیاس عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: و الذی لا اله غیره ما نزلت اية من كتاب الله الا وانا اعلم فيم نزلت و ابن نزلت ولو اعلم احداً اعلم بكتاب الله مني تناله المطايا لاتبته.

اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، کتاب اللہ کی کوئی آیت ایسی نہیں جسے میں نہ جانتا ہوں کہ یہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور کہاں نازل ہوئی؟ میں اگر جانتا؟ کہ کتاب اللہ کے علم سے متعلق کوئی مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور وہاں تک میں کسی طرح پہنچ بھی سکتا ہوں تو ضرور اس کی شاگردی میں اپنے آپ کو پیش کرتا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: كان الرجل منا اذا تعلم عشر آيات لم يجاوزهن حتى يعرف معانيهن و العمل بهن. ہم میں سے ہر شخص جب تک دس آیتوں کا پورا مطلب نہ جان لیتا اور ان پر عمل نہ کر لیتا گیارہویں آیت نہیں پڑھتا تھا۔

تابعی عبدالرحمن سلمیٰ فرماتے ہیں حدثنا الذين كانوا يقرأوننا انهم كانوا يستقرئون من النبي ﷺ و كانوا اذا تعلموا عشر آيات لم يخلفوها حتى يعملوا بما فيها من العمل فتعلمنا القرآن و العمل جميعا: کہ ہم نے جن سے قرآن سیکھا وہ ہم سے فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا جب تک ہم دس آیتوں کا علم و عمل نبی ﷺ سے نہ سیکھ لیتے آگے نہیں بڑھتے تھے، غرض قرآن کا علم اور قرآن پر عمل دونوں ہی ضروری ہے۔ کبھی کبھار بنی اسرائیل سے روایت لینا بھی جائز ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے بلغوا عني ولو اية و حدثوا عن بني اسرائيل و لا حرج و من كذب على متعمدا فليتبوا مقعده من النار. (بخاری: رقم: ۱۰۴) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری طرف سے پہنچا دیا کرو اگرچہ ایک آیت ہی ہو اور بنی اسرائیل سے بھی روایت

لینے میں کوئی حرج نہیں اور مجھ پر قصداً جھوٹ بولنے والا قطعاً جہنمی ہے۔

اس وجہ سے عبداللہ بن عمرو نے جنگ یرموک میں دو بوریاں بھود و نصاریٰ کی کتابیں پائی تھیں ان کی باتیں بھی وہ اس حدیث کو مد نظر رکھ کر نقل کر دیا کرتے تھے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ بنی اسرائیل کی یہ روایتیں صرف مسئلہ کی مضبوطی اور اس کی گواہی کے لئے لائی جاتی ہیں، خود ان سے مسائل ثابت نہیں کئے جاسکتے روایات بنی اسرائیل تین قسم کی ہیں:

ایک تو وہ جن کی تصدیق خود ہمارے ہاں موجود ہے (یعنی قرآن اور سنت میں) اس کی صحت میں تو کوئی کلام نہیں۔ دوسرے وہ جن کی تکذیب خود ہمارے ہاں موجود ہو (یعنی کسی ایت یا حدیث کے خلاف ہو) اس کے غلط ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

تیسرے وہ جس کی نہ ہم تصدیق کر سکتے ہیں اور نہ تکذیب، اس بنا پر ہم اسے جھوٹ (غلط) یا صحیح نہیں کہہ سکتے۔ اور جب کسی ایت کی تفسیر قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ تینوں میں نہ ملے تو اکثر ائمہ دین نے کہا ہے: کہ ایسے موقع پر تا بعین کی تفسیر سے مدد لی جائے، جیسے مجاہد بن جبر، سعید بن جبیر، قتادہ، ضحاک وغیرہ۔ (ابن کثیر و فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۳/۳۶۳) اور اپنی رائے سے تفسیر کرنا تو محض حرام ہے جیسا کہ ابو داؤد، ترمذی: ۶: ۲۸، میں روایت ہے عبداللہ بن عباس سے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ”من قال فی القرآن برأیه او بما لا یعلم فلیتوبوا مقعدہ من النار“ یعنی جو قرآن میں اپنی رائے کو دخل دے یا نہ جاننے کے باوجود جو کچھ کہہ دے تو اس نے اپنی جگہ جہنم میں بنالی۔

اسی طرح ابن جریر نے جندبؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من قال فی القرآن برأیه فقد اخطأ اور ترمذی میں سہیل بن ابی حزم سے روایت ہے کہ من قال فی کتاب اللہ برأیه فاصاب فقد اخطأ۔ یعنی قرآن کریم میں اپنے رائے سے جو کچھ کہے وہ خطا کریگا۔ دوسری روایت کا معنی یہ ہے کہ جو اپنی رائے سے قرآن میں کوئی ٹھیک بات کہہ دے جب بھی وہ خطا کار ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ سلف صالحینؓ کی ایک بڑی جماعت بلا علم تفسیر کرنے سے بہت ڈرتی تھی۔ ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ ای ارض تقلنی وای سماء تظلنی اذا قلت فی کتاب اللہ ما لا اعلم۔ مجھے کوئی زمین اٹھا بیگی، اور کونسا آسمان سایہ دے گا اگر میں قرآن مجید میں وہ بات کہوں جو نہیں جانتا۔

قرآن کریم کی جامعیت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ونزلنا علیک الكتاب تبیاناً لکل شیء وهدی ورحمة وبشری للمسلمین

(سورۃ نحل: ۷۹) یعنی اتاری ہم نے تجھ پر ایسی کتاب جو بیان کرتی ہے، ہر چیز کو اور ہدایت، رحمت اور مسلمانوں کے لئے خوشخبری ہے۔ جبکہ دوسری مقام پر فرمایا: مافرطنافی الكتاب من شی (انعام: ۳۸) ہم نے اس کتاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ستكون فتنۃ، فقلت ما المخرج منها یارسول اللہ؟ قال کتاب اللہ فیہ نبأ ما کان قبلکم وخبر ما بعدکم وحکم ما بینکم [الحدیث: ترمذی رقم: ۲۹۰۶]۔ یعنی عنقریب کچھ فتنے ہونے والی ہیں، میں نے سوال کیا ان سے بچاؤ کیوں کر ہوگی؟ نبی ﷺ نے فرمایا اللہ کی کتاب پر عمل کرنے سے اس میں اگلی، پچھلی خبر، حال کا حکم ہے۔ ابن مسعودؓ کہتے ہیں جو کوئی علم سیکھنا چاہے وہ قرآن کو حاصل کرے اس میں اولین اور آخرین کی خبر ہے، حسن بصری نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار (۱۰۴) کتابیں اتاریں سب کتابوں کا سارا علم ان چار کتابوں میں رکھا، تورات، انجیل، زبور، قرآن مجید۔ پھر پہلی تین کتابوں کا سارا علم قرآن مجید میں محفوظ کیا جبکہ قرآن مجید کا سارا علم مفصل سورتوں میں رکھا پھر مفصل سورتوں کا علم فاتحہ الکتاب میں سایا۔ جس نے سورت فاتحہ کو معلوم کر لی اس نے گویا کتب منزلہ کا علم حاصل کر لیا۔ (الاتقان)۔

امام شافعیؒ سے نقل ہے کہ کچھ ائمہ دین کہتے ہیں وہ سب شرح ہے سنت کی، یعنی حدیث رسول اللہ کی ساری سنت شرح ہے قرآن کریم کی، بعض سلف سے منقول ہے جو کوئی حدیث میں نے نہیں سنی مگر اس کے لئے ایک آیت کتاب اللہ کی ڈھونڈ نکالی۔

سعید بن جبیرؒ سے منقول ہے، کہ مجھ کو کوئی حدیث نہیں پہنچی صحیح سند سے مگر میں نے اس کا مصداق کتاب اللہ میں پایا۔ ابن ابی حاتم اور اسی طرح عبد اللہ بن مسعودؓ سے منقول ہے ابن جریر میں، کہ اس قرآن میں ہر علم اتارا گیا ہے اور ہم کو ہر چیز کا تمیز بخشا ہے (لیکن ہمارا علم دریافت سے بیان قرآن کے قاصر ہوا)۔ ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں اگر کسی چیز کو چھوڑتا تو لفظ ذرہ، خردلہ اور بعوضہ کو چھوڑ دیتا (ابو اشخ)۔

امام شافعیؒ نے کہا ہے جو حکم نبی ﷺ نے دیا ہے وہ سب قرآن سے سمجھا ہے۔ حدیث سلمانؓ میں مرفوعاً آیا ہے، میں حلال نہیں کرتا کسی چیز کو، مگر جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں حلال کی ہے (درواہ الطبرانی فی الکبیر: ۶۰۰۱) یہ بھی امام شافعیؒ کا قول ہے کہ دین میں کسی شخص پر کوئی حادثہ نہیں ہوتا مگر اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ایک راستہ ہدایت کا اس حادثے میں موجود ہوتا ہے۔ بعض احکام ثابت ہونا سنت سے ابتدا معلوم ہوتا ہے درحقیقت وہ بھی کتاب اللہ ہی سے ماخوذ ہے اسلئے کہ کتاب اللہ نے اتباع رسول ﷺ ہم پر واجب کیا ہے، رسول اللہ کی بات پر چلنا ہم پر فرض ٹھرا ہے۔ ایک بار امام

شافعیؒ نے مکہ معظمہ میں یہ بات کہی تھی، کہ اے لوگو، تم جو چاہو مجھ سے پوچھو، میں ہر بات کا جواب قرآن کریم سے دوں گا، کسی نے کہا بھلا بتاؤ محرم کو زبور کا قتل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا: ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ قال اللّٰهُ ”وما اتکم الرسول فخذوه و ما نهکم عنه فانتھوا“۔

پھر اپنی سند سے یہ حدیث حذیفہؓ روایت کی کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اقتدوا باللذین من بعدی، ابی بکر و عمر، پھر ایک دوسری حدیث بسند خود ذکر کی، جس کا مضمون یہ تھا کہ عمر بن خطابؓ نے محرم کو حکم قتل کرنے کا دیا ہے۔ بخاری نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے یہ حدیث پڑھی ”لعن اللّٰہ الواشمتا و المستوشمتا“ الحدیث، ایک عورت نے اسمیں گفتگو کی انہوں نے کہا بھلا جس پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہو اور وہ بات قرآن میں بھی موجود ہو، میں اُس پر کس طرح لعنت نہ کروں، اُس نے کہا میں نے تو سارا قرآن، جو درمیان ان دونوں لوحوں کی ہے، پڑھا مگر جو تم کہہ رہے ہو، وہ اسمیں کہیں نہیں پایا، انہوں نے کہا اگر تو پڑھتی تو ضرور پاتی، کیا تو نے یہ لیت نہیں پڑھی ہے ”ما اتکم الرسول فخذوه و ما نهکم عنه فانتھوا“ اُس نے کہا ہاں پڑھی ہے کہا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کاموں سے منع فرمایا ہے۔

ابن برجان کہتے ہیں، جو بات رسول اللہ ﷺ نے کہی ہے وہ یا تو خود قرآن میں موجود ہے یا قرآن میں اسکی اصل ہے قریب ہو یا بعید، جس نے سمجھا اُس نے سمجھا، اور جو اندھا رہا وہ اندھا رہا، اسی طرح ہر حکم و ہر فیصلہ آپ کا قرآن میں موجود ہے، حدیث عائشہؓ میں آیا ہے ”کان خلقه القرآن“ غضب ہے کہ پیغمبر تو قرآن پر چلیں امت نہ چلے۔

بعض علماء نے کہا ہے ایسی کوئی چیز نہیں ہے جس کا نکالنا قرآن سے ممکن نہ ہو لیکن اُس شخص کو جسے اللہ نے سمجھ دی ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے رسول اللہ ﷺ کی عمر تریسٹھ (۶۳) سال کی اس لیت سورۃ منافقون سے برآمد کی ہے ”ولن یؤخر اللّٰہ نفسا اذا جاء اجلها“ اس طرح پر کہ یہ لیت سر ہے تریسٹھ سورۃ کا اسکے پیچھے سورۃ تغابن ہے جسے نبی ﷺ کی مفقود ہونے پر افسوس ظاہر ہوتا ہے۔

ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ اگر ایک رسی اونٹ کی پاؤں باندھنے کی کھوجا وے، تو میں اُسکو کتاب اللہ میں پالونگا، پھر وہ علم صحابہ سے تابعین کی ارث میں آیا پھر ہمتیں گھٹ گئیں عزیمتیں ست پڑھ گئیں، اُمنگ جاتی رہی، اہل علم کم ہو گئے، جو بوجھ اُن علوم کا صحابہ و تابعین نے اٹھایا تھا، وہ اُن سے نہ اٹھ سکا انہوں نے علم کو نوع نوع کر ڈالا ہر گروہ ایک فن خاص کے ساتھ قائم ہوا۔

تلاوت قرآن پاک میں آسانی پیدا کرنے کے لئے اجزاء بنانا

تلاوت قرآن پاک میں آسانی پیدا کرنے کے لئے قرآن پاک کو احزاب، منزلیں اجزاء، پارے، اور رکوعات میں تقسیم کرنا اکثر صحابہ کرام اور تابعین کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک ختم قرآن کر لیتے تھے، اس مقصد کے لئے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرر کی ہوئی تھی، جسے، حزب، یا، منزل کہا جاتا ہے، اس طرح پورے قرآن کو کل سات احزاب پر تقسیم کیا گیا تھا (البرہان)

جیسا کہ ایک لمبی حدیث میں ذکر ہے: قال اوس بن حذیفۃ رضی اللہ عنہ سئلت اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیف تحزبون القرآن، قالوا ثلاثا، وخمس، وسبع، وتسع، وواحدی عشرة، وثلاثہ عشرة، واربعة عشر، والمفصل وحده. ابوداؤد: ۱۳۹۳.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں صحابہ کرام سے پوچھا گیا کہ قرآن کے وظیفے (پڑھنے کا مقرر مقدار) کس طرح کرتے ہیں، تو فرمایا، پہلی تین سورتوں کی ایک منزل (سورہ بقرہ، آل عمران، اور سورہ النساء) پھر ان کے بعد کی پانچ سورتوں کی دوسری منزل، سورت مائدہ، انعام، اعراف، انفال، اور سورت التوبہ) پھر ان کے بعد کی سات سورتوں کی تیسری منزل (سورت یونس، ہود، یوسف، زمر، ابراہیم، حجر، اور سورہ نحل) پھر ان کے بعد کی نو سورتوں کی چوتھی منزل ہے (سورت اسراء، کہف، مریم، طہ، انبیاء، حج، مومنون، نور اور سورہ فرقان) پھر ان کے بعد کی گیارہ سورتوں کی پانچویں منزل (سورہ الشعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، لقمان، السجدہ، الاحزاب، سبا، فاطر۔ اور سورہ یاسین) پھر ان کے بعد کی تیرا سورتوں کی چھٹی منزل ہے: (سورہ الصافات، ص، زمر، عافر، فصلت، شوری، زخرف، دخان، جاثیہ، احقاف، محمد، فتح، اور سورہ الحجرات) اور مفصل یعنی سورہ ق سے لیکر آخر قرآن تک ساتویں منزل ہے۔ اس روایت کو مسند احمد: ۸۹/۲۶، اور ابوداؤد نے باب تجزیب القرآن میں نقل کیا ہے۔

اور آج کل قرآن کریم میں اجزاء پر منقسم ہے جنہیں میں پارے کہا جاتا ہے، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لئے آسانی کے خیال سے تیس مساوی حصوں پر تقسیم کیا گیا ہے، چنانچہ بعض اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہو جاتا ہے، یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تیس پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ نے مصاحف نقل کراتے وقت انہیں تیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانہ کی ہے، لیکن منتقدین کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل احقر کو نہیں مل سکی، البتہ علامہ بدرالدین زرکشی نے لکھا ہے کہ قرآن کے

تیس پارے مشہور چلے آتے ہیں اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں ان کا رواج ہے (البرہان، مناہل العرفان) بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہد صحابہ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لئے کی گئی ہے، واللہ اعلم۔

قرون اولی کے قرآنی نسخوں میں ایک اور علامت کا رواج تھا اور وہ یہ کہ ہر پانچ آیتوں کے بعد حاشیہ پر لفظ ”نمس“ یا ”خ“ اور ہر دس آیتوں کے بعد لفظ، عشر، یا ”ع“ لکھ دیتے تھے، پہلی قسم کی علامتوں کو اجماس اور دوسری قسم کی علامتوں کو اعشار کہا جاتا تھا (مناہل العرفان) علماء متقدمین میں یہ اختلاف بھی رہا ہے کہ بعض علماء ان علامتوں کو جائز اور بعض مکروہ سمجھتے تھے، یقینی طور سے یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ یہ علامتیں سب سے پہلے کس نے لگائیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس کا موجد حجاج بن یوسف تھا اور دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے عباسی خلیفہ مامون نے اس کا حکم دیا تھا (البرہان) لیکن یہ دونوں اقوال اس لئے درست معلوم نہیں ہوتے، کہ خود صحابہ کے زمانے میں اعشار کا تصور ملتا تھا، چنانچہ مسروق فرماتے تھے کہ عبد اللہ بن مسعود کے مصحف میں ”اعشار“ کا نشان ڈالنے کو مکروہ سمجھتے تھے (مصنف ابن ابی شیبہ)۔

”اجماس“ اور ”اعشار“ کے علامتیں تو بعد میں متروک ہو گئیں لیکن ایک اور علامت جو آج تک رائج چلی آتی ہے، رکوع کی علامت ہے اور اس کا تعین قرآن کریم میں مضامین کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہو اوہاں رکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف عین بنا دی گئی، احقر کو بتیو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا، کہ رکوع کی ابتداء کس نے اور کس دور میں کی؟ البتہ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی ایک متوسط مقدار کی تعین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے۔ اور اس کو رکوع اس لئے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے، پورے قرآن میں ۵۴۰ رکوع ہیں، اس طرح اگر تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے تو ستائیسویں شب میں قرآن کریم ختم ہو سکتا ہے۔ فتاویٰ عالمگیریہ: فصل التراویح۔

اور اسی طرح قرآن کریم کی تمام آیتیں چھ ہزار ہیں اس سے اوپر اختلاف ہے۔ بعض تو اس پر زیادہ نہیں بتاتے مگر بعض دوسو چار آیتیں چھ ہزار سے زائد بتاتے ہیں۔ بعض دوسو چودہ آیتیں، بعض دوسو انیس، بعض دوسو چھپیس، ابو عمرو دانی نے کتاب البیان میں یہی تفصیل لکھی ہے۔

قرآن شریف کے کلمات کی نسبت، عطاء بن یسار فرماتے ہیں کہ ستر ہزار چار سو انتالیس کلمات ہیں۔ حروف کی گنتی کی نسبت مجاہد سے مروی ہے کہ قرآن شریف کے حروف تین لاکھ ایکس ہزار ایک سو اسی ہیں، فضل بن عطاء بن یسار فرماتے ہیں، کہ کل حروف تین لاکھ تینتیس ہزار پندرہ ہیں۔ حجاج نے اپنے زمانے میں قاریوں، حافظوں، اور کتابوں

کو جمع کر کے دریافت کیا، کہ قرآن کریم کی حروف کے گنتی کر کے مجھے بتاؤ، تو سب نے حساب کر کے بالاتفاق کہا، کہ تین لاکھ چالیس ہزار سات سو چالیس حروف ہیں، پھر حجاج نے کہا اچھا حروف کے اعتبار سے ادھا قرآن شریف کہاں ہوتا ہے؟ تو حساب سے معلوم ہوا کہ سورت کہف ”ولیلطف“ کی ”ف“ پر ٹھیک ادھا قرآن ہوتا ہے اور سورہ براءت کی سوائتوں پر قرآن کریم کا پہلا تہائی حصہ حروف کے اعتبار سے ختم ہوتا ہے۔ اور دوسری تہائی سورہ شعراء کی سوائت کے سرے پر یا ایک سوائیک کے سرے پر ختم ہوتی ہے اور تیسری تہائی آخر تک، اور اگر منزلوں کا شمار کیا جائے، یعنی سات حصے قرآن کریم کے کئے جائیں، تو پہلی منزل ”صد“ کی ”ذ“ پر ختم ہوتی ہے، جو اس آیت میں ”فمنہم من امن بہ ومنہم من صدعہ“ (النساء: ۵۵)۔ اور دوسری منزل ”حطت“ کی ”ت“ پر ختم ہوتی ہے، جو سورہ اعراف کی آیت: ۱۴۷، اور تیسری منزل ”اکلہا“ کے آخری ”الف“ پر جو سورہ رعد: ۳۵، میں ہے، اور چوتھی منزل ”جعلنا“ کے ”ا“ پر جو سورہ حج کی آیت جعلنا منسکا: ۳۵، میں ہے اور پانچویں منزل ”مومنة“ کی ”ة“ پر جو سورہ احزاب میں آیت: ۳۶ ”وماکان لمومن ولا مومنة“ میں ہے اور چھٹی منزل ”السوء“ کی ”و“ پر جو سورہ فتح کی آیت: ۶ ”الظانین باللہ ظن السوء“ میں ہے، اور ساتویں منزل قرآن پاک کے خاتمہ پر ہے۔ (البرہان)۔

ابو محمد سلام حسنی، کا بیان ہے کہ ہم نے چار مہینے کی متواتر محنت سے یہ سب باتیں معلوم کر کے حجاج کو بتائیں۔ حجاج کا معمول تھا کہ ہر رات پاؤ (ربع) قرآن شریف پڑھا کرتے تھے۔ (یعنی چوتھا حصہ) اس لحاظ سے پاؤ قرآن سورہ انعام کے خاتمہ پر ہوتا ہے، اور ادھا سورہ کہف کے لفظ ”ولیلطف“ پر اور پونا سورہ زمر کے خاتمہ پر، اور پورا اختتام قرآن پر۔ شیخ ابو عمر ودانی نے اپنی کتاب ”البیان“ میں ان باتوں میں بھی اختلاف نقل کیا ہے۔ بعض مفسرین نے قرآن کریم، بلحاظ تفسیر چار حصوں کو منقسم کیا ہے، حصہ اول سورت فاتحہ سے لیکر سورہ مائدہ پر ختم ہوتا ہے، جبکہ دوسرا حصہ سورہ انعام سے لیکر بنی اسرائیل پر ختم ہوتا ہے، تیسرا حصہ سورہ الکہف سے لیکر سورہ احزاب پر ختم ہوتا ہے، اور آخری حصہ سورت سبا سے لیکر قرآن کریم کی آخر پھر، یعنی سورت الناس پر ختم ہوتا ہے۔

سورة الفاتحة (مكية)

سورة فاتحہ کے بہت سے نام ہیں، جن میں سے ”ام القرآن“ سب سے زیادہ جامع اور مشہور ہے۔ اس نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ”ام“ کے معنی یہاں مغز اور خلاصے کے ہیں، یہ سورت چونکہ ان تمام مضامین کا خلاصہ ہے، جو سارے قرآن میں بالتفصیل مذکور ہیں، اس لئے یہ سورة مبارکہ ام القرآن کے نام سے موسوم کی گئی۔

اس کی دو تقریریں ہیں، مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے اس کی تقریر یہ فرمائی: کہ قرآن مجید میں چھ (۶) مضامین بیان کئے گئے ہیں: (۱) توحید (۲) رسالت (۳) احکام (۴) قیامت (۵) ماننے والوں کے احوال اور (۶) نہ ماننے والوں کے احوال۔

اور سورة فاتحہ میں یہ تمام مضامین بالاجمال موجود ہیں، ”الحمد لله“ سے ”الرحمن الرحيم“ تک توحید، ”مالک يوم الدين“ میں قیامت ”ایک نعبد“ اور ”اهدنا الصراط المستقیم“ میں احکام کا بیان ہے، کیونکہ ”نعبد“ میں عبادت کے تمام طریقے اور احکام کی طرف اشارہ ہے، اسی طرح ”الصراط المستقیم“ سے شریعت کے تمام احکام مراد ہیں، ”صراط الذين انعمت عليهم“ میں رسالت کا بیان ہے، کیونکہ ”منعم عليهم“ چار جماعتیں ہیں جن میں انبیاء علیہم السلام سرفہرست ہیں، جیسا کہ سورة نساء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا** ﴿۱۲۵﴾ دوسری طرف ماننے والوں کے احوال کی طرف اشارہ ہے، یعنی ماننے والوں کو ہر قسم کے انعام و اکرام سے نوازا جائے گا، اور ”غیر المغضوب علیہم ولا الضالین“ میں نہ ماننے والوں کا ذکر ہے۔ اس طرح یہ سورة قرآن مجید کے تمام مضامین کا خلاصہ ہے۔ اور اسی بناء پر اس کا نام ام القرآن رکھا گیا ہے۔

دوسری تقریر:۔ ہمارے شیخ مولانا حسین علیؒ کی ہے، آپ فرمایا کرتے تھے، کہ امام ربانی نے علیؑ سے نقل کیا ہے: نیز تفسیر مواہب الرحمن: ۳۱، میں ہے کہ سارے اسمانی علوم اور قرآن مجید کا خلاصہ سورة فاتحہ میں موجود ہے، آہ، و، اتقان)۔ کیونکہ مضامین کے اعتبار سے قرآن مجید کے چار حصے ہیں، اور ہر حصہ ”الحمد لله“ سے شروع ہوتا ہے۔

پہلا حصہ سورة فاتحہ سے سورة ماندہ کے آخر تک ہے اس حصہ میں زیادہ تر خالقیت کا بیان ہے یعنی ساری کائنات

کا پیدا کرنے والا صرف اللہ ہی ہے، اور کوئی نہیں۔

دوسرا حصہ سورۃ انعام سے سورۃ بنی اسرائیل کے آخر تک ہے، اس حصے کا مرکزی مضمون ربوبیت ہے، یعنی اس میں زیادہ تر یہ بیان کیا گیا ہے کہ، ہر چیز کو پیدا کرنے کے بعد اس کو حد کمال تک پہنچانے والا، اور ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اس کے سوا اور کوئی نہیں۔

تیسرا حصہ سورۃ کہف سے سورۃ احزاب کے آخر تک ہے، اس میں زیادہ تر یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ تخت بادشاہی پر وہ خود متمکن ہے، وہی مالک و متصرف اور مختار، و کارساز ہے، اور وہی برکات دہندہ ہے، اور وہ اپنی بادشاہی میں اپنے تصرفات اور اختیارات میں کسی کو شریک نہیں بناتا۔

چوتھا حصہ سورۃ سبا سے قرآن مجید کے آخر تک ہے، اس حصے کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ قیامت کے دن مالک و مختار، صرف اللہ ہی ہوگا۔ اور اس کے سامنے کوئی شفیع غالب نہیں ہوگا۔ یہ چاروں مضامین جو پورے قرآن میں تفصیل سے مذکور ہیں، ان کا خلاصہ اور اجمالی خاکہ سورۃ فاتحہ میں موجود ہے، چنانچہ ”الحمد لله“ حصہ اول کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ لفظ ”اللہ“ سے وصف مشہور مراد ہے، یعنی خالق برطابق قاعدہ مشہورہ (لکل فرعون موسیٰ) ای لکل مبطل محق۔ مشرکین عرب بھی اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کا اقرار کرتے تھے، جیسا کہ سورۃ زخرف میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۱۸۲﴾

اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ ان کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور یہی کہیں گے کہ (ان کو) اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: وَلَيْسَ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ﴿۱۸۱﴾

(لقمان) اور اگر آپ ان سے پوچھیں کہ اسمانوں اور زمینوں کو کس نے پیدا کیا ہے؟ تو وہ ضرور کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔

دوسرا حصہ:- ”رب العالمین“ میں مذکور ہے، اور تیسرے حصے کی طرف ”الرحمن الرحيم“ میں اشارہ ہے۔ یعنی مالک و مختار اور تخت حکومت پر وہی متمکن ہے، کیونکہ انتہائی رحمت اور غایت شفقت بادشاہوں ہی کی صفاتیں ہیں، اور چوتھا حصہ ”مالک يوم الدين“ میں مذکور ہے۔

نیز عبد اللہ بن عباسؓ سے منقول ہے: ”لکل شیء لباب ولباب القرآن الحواميم“ (خازن: ۶/۷۳)

یعنی ہر چیز کا ایک خلاصہ ہوتا ہے، اور قرآن کا خلاصہ حوامیم ہیں۔ اور تمام حوامیم کا مبداء سورۃ زمر ہے اور سورۃ زمر کا دعویٰ یہ

ہے کہ عبادت صرف اللہ ہی کی کرو، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، چنانچہ سورہ زمر میں ارشاد ہے: **فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا**

لَهُ الدِّينَ ۖ لَا لِلّٰهِ الدِّينَ الْخَالِصُ ۗ

سوء، آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی بندگی کرتے رہئے، یاد رکھو عبادت جو کہ (شرک) سے خالص ہو، اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے، اس آیت میں بقریہ ”فاعبد“ الدین، کے معنی عبادت کے ہیں اور عبادات سے مراد غائبانہ دعا و پکار ہے، جیسا کہ حم مومن، میں اس کی وضاحت کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فَاذْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۗ** سو ہم سب خالص اعتقاد کر کے اس کو پکارا کرو، یہاں ”عبدوا“ کے بجائے ”ادعوا“ فرما کر اس طرف اشارہ فرمادیا کہ عبادات سے مراد، دعا اور پکار ہے، اور پکار عبادت کا جزء اعظم ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام کا ارشاد ہے ”الدعاء هو العبادۃ“ اور ”الدعاء مخ العبادۃ“۔ (ترمذی: ۳۲۹۳)

اسی طرح حم مومن، میں دوسری جگہ ارشاد ہے: **وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الدِّينَ يَسْتَجِبُرُونَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيِّدٌ خُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ ۗ** تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے: کہ مجھ ہی کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا، جو لوگ صرف میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے، نبی کریم ﷺ سے اس آیت کی تفسیر میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: ”عن عبادتی قال عن دعائی“ (ابن جریر)۔ یعنی عن عبادتی میں عبادت سے مراد، دعا اور پکار ہے، اور حوامیم سبعہ کا دعویٰ یہی ہے کہ حاجات و مشکلات میں غائبانہ صرف اللہ ہی کو پکارو، اور صرف اسی سے استمداد اور استعانت کرو، سورہ زمر کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں ”ایاک نعبد“ میں آگیا، اور حوامیم سبعہ کا خلاصہ سورہ فاتحہ کے ”ایاک نستعین“ میں آگیا، اس طرح سارے قرآن کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں آگیا۔

سورہ فاتحہ کے خلاصہ اور دعویٰ کو سورہ جن میں اس طرح بیان فرمایا ہے: **قُلْ اِنَّمَا اَدْعُو رَبِّيْ وَلَا اَشْرِكُ بِهٖ اَحَدًا (۲۰)** کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار ہی کو (غائبانہ حاجات میں) پکارتا ہوں (اور اس کی پکار میں) کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا ہوں۔

بعینہ اس مفہوم کو علامہ ابن کثیر نے اس طرح بیان فرمایا ہے: ”الفتاحۃ سر القرآن و سرہا، ہذہ الکلمۃ، (ایاک نعبد و ایاک نستعین)۔ یعنی سورہ فاتحہ تمام قرآن کا مغز ہے، اور سورہ فاتحہ کا مغز ”ایاک نعبد

وایاک نستعین“ ہے۔ ابن قیم مدارج السالکین: ۴/۷۷، میں لکھتا ہے، انزل اللہ مائة کتاب واربعة کتب، جمع معانیہا فی التورات والانجیل و القرآن، وجمع معانی هذه الكتب الثلاثة فی القرآن، وجمع معانی القرآن فی المفصل، وجمع معانی المفصل فی الفاتحة، ومعانی الفاتحة فی، ایاک نعبد وایاک نستعین۔

فضائل السورة:-

حدیث ابی ہریرہؓ میں آیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: الحمد لله رب العلمین، ام القرآن، ام الكتاب، سبع مثانی، قرآن عظیم، ہے (رواه الترمذی وصححه) اس کو فاتحہ اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن میں پہلے سب سے یہی سورت لکھنے میں آتی ہے، قرأت نماز ہی اسی سے شروع ہوتی ہے، اس کو حمد ہی کہتی ہے، صلاة ہی بولتی ہیں، حدیث صحیح قدسی میں آیا ہے: ”قسمت الصلاة بینی و بین عبدی نصفین“ مراد ”الصلاة“ سے اس جگہ یہی سورت مبارکہ ہے، اس لئے کہ یہ سورت شرط نماز ہے، بغیر اس کے پڑھے نماز نہیں ہوتی، اس کا ایک نام شفاء، بھی ہے، حدیث ابی سعید میں مرفوعاً نزدیک دارمی کی آیا ہے کہ، فاتحہ الكتاب، شفاء، ہے ہرزہر سے۔ دوسری روایت میں اس کو رقیہ فرمایا ہے ایک شخص نے ایک سانپ کی کاٹے ہوئے پر اس کو پڑھا تھا، فرمایا کہ تو نے کیونکر جانا کہ یہ رقیہ ہے، یعنی منترز ہر کا۔ ابن عباسؓ اس کو ”اساس القرآن“ کہا کرتے تھے۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، کو، اساس فاتحة الكتاب، بتلاتی تھے، یہ سورت مکہ میں اتری تھی، کسی نے کہا کہ دوبار اتری ہے، ایک بار مکہ میں، ایک بار مدینہ میں، اور کسی نے کہا ہے کہ ادھی مکہ میں اور ادھی مدینے میں، پہلی بات زیادہ ٹھیک ہے، اکثر علماء کا یہی قول ہے، اسی کو بغوی بیضاوی نے صحیح تر ٹھرایا ہے، سب سورتوں کے نام اور سب سورتوں اور آیتوں کی ترتیب توفیقی ہے، یعنی نقل پر رسول پاک ﷺ پر موقوف ہے۔

سورت، قرآن کی ایک ٹکڑے کو کہتے ہیں، کبھی کسی سورت کا ایک ہی نام ہوتا ہے، کبھی کئی نام، جیسے سورہ فاتحہ کی بہت نام ہیں، صحابہ نے مصحف میں نام سورتوں کے نام نہیں لکھے تھے، یہ ایجاد حجاج نے کی ہے، اس سورت میں پچیس کلمے ایک سوتیرہ حرف ہیں۔

فائدہ:

رسول اللہ ﷺ نے ابوسعید بن المعلیٰ سے فرمایا، میں تجھے ایک بہت بڑی سورت قرآن کی سکھاؤں گا، پہلے اس کے کہ تو مسجد سے باہر آوے پھر سورت فاتحہ بتایا، کہا کہ یہی وہ سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے، جو مجھ کو دیا گیا ہے۔ اس کو بخاری احمد، ابوداؤد، نسائی نے روایت کیا ہے، ابی بن کعب سے کہا تو چاہتا ہے کہ میں تجھ کو ایک ایسی سورت سکھاؤں جو نہ تورات و انجیل میں اتری ہے، نہ زبور و فرقان میں، پھر فرمایا کہ وہ سورت یہی سورہ الفاتحہ ہے، اس کو احمد و نسائی نے روایت کیا ہے، ترمذی نے صحیح بتایا ہے۔ حدیث عبداللہ بن جابر میں، نزدیک احمد کی، بڑی خیر والی سورت ٹھرایا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ بعض سورتوں کو بعض سورتوں پر فضیلت حاصل ہے، اکثر علماء نے یہی کہا ہے، اگرچہ یوں تو سارا ہی اللہ کا کلام فاضل ہے، بلکہ نور علی نور۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من صل صلاة لم يقرأ فيها القرآن فہی خداج، ثلاثا، غیر تام، فقيل لابي هريرة، انانكون وراء الامام، قال اقرأ بها في نفسك، فاني سمعت رسول الله ﷺ يقول: قال الله عز وجل، قسمت الصلاة بيني وبين عبدی نصفين، ولعبدی ماسأل، فاذا قال العبد "الحمد لله رب العالمين" قال الله، حمدني عبدی، واذا قال "الرحمن الرحيم" قال الله، اثني عليّ عبدی، فاذا قال "مالک يوم الدين" قال، مجدني عبدی، وقال مرة، فوض اليّ عبدی، فاذا قال "اياک نعبدو اياک نستعين" قال هذا بيني وبين عبدی، ولعبدی ماسأل، فاذا قال "اهدنا الصراط المستقيم" صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين" قال هذا عبدی ولعبدی ماسأل. رواه النسائي ومسلم: رقم: ۵۹۸.

یعنی جو شخص اپنی نماز میں ام القرآن نہ پڑھے اسکی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، ناقص ہے، پوری نہیں ہے، ابو ہریرہؓ سے پوچھا گیا کہ جب ہم امام کے پیچھے ہوں تو؟ فرمایا چپکے چپکے پڑھ لیا کرو، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز (سورہ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان آدھوں آدھ کر دیا ہے، اور میرا بندہ مجھے سے جو مانگتا ہے وہ میں دیتا ہوں، جب بندہ کہتا ہے (الحمد لله رب العالمين) تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری تعریف کی۔ پھر بندہ کہتا ہے، (الرحمن الرحيم) اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے، اثنی علی عبدی میرے بندے نے میری ثناء بیان کی، پھر بندہ کہتا ہے، (مالک یوم الدین) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، (مجدنی عبدی) میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے جواب میں فرماتا ہے، (فوض الی عبدی) میرے بندے نے خود کو میرے سپرد کر دیا۔ پھر بندہ کہتا ہے، (ایساک نعبد وایساک نستعین) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے، اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں دوں گا۔ پھر بندہ آخر سورت تک پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب میرے بندے کے لئے ہے، اور یہ جو مانگے گا وہ اس کے لئے ہے۔

حدیث ابی سعید میں جو کہ سعید بن منصور اور بیہقی نے نقل کیا ہے، اس سورت کو ہر قسم کی شفاء کہا ہے، دارمی اور بیہقی نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے، جس میں اس سورت کو ہر بیماری کی دوا فرمایا ہے، ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس جبریل علیہ السلام بیٹھے تھے، کہ ناگہاں ایک آواز اُپر سے سنی گئی، جبریل نے منہ بہ طرف آسمان کی، کہا یہ ایک دروازہ ہے جو آج تک کبھی نہ کھلا تھا، اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا، تاکہ تم کو بشارت دے، دونوں کی جو تم کو دی گئیں ہیں، تم سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں، ایک فاتحہ الکتاب، دوسری خواتیم سورت البقرہ، تو کوئی حرف بھی ان دونوں کا نہ پڑھو گے، مگر وہ نور تجھ کو دیا جاوے گا۔ اس روایت کو مسلم اور نسائی نے نقل کیا ہے۔ (مخلص از تفسیر لطائف البیان)

قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا

قرات سے پہلے استعاذہ کرنا جمہور کی نزدیک سنت ہے واجب نہیں، کہ اس کے نہ پڑھنے سے گناہ ہو۔ عطاء بن ابی رباح کا قول ہے کہ جب کبھی قرآن پڑھے، استعاذہ کا پڑھنا واجب ہے خواہ نماز میں ہو خواہ غیر نماز میں۔ امام رازیؒ نے یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھ لینے سے وجوب ساقط ہو جاتا ہے، عطاء کے قول کی دلیل آیت کی ظاہری الفاظ ہیں، کیونکہ اس میں ”فاستعذ“ امر ہے اور عربیت کے قواعد کے لحاظ سے امر وجوب کے لئے ہوتا ہے، اسی طرح رسول اللہ کا اس پر دوام کرنا بھی وجوب کی دلیل ہے، اور اس سے شیطان کا شر دور ہوتا ہے، اور اس کا دور کرنا واجب ہے، اور جس چیز سے واجب پورا ہوتا ہو وہ بھی واجب ہو جاتی ہے، اور استعاذہ زیادہ احتیاط والا ہے، اور وجوب کا ایک طریقہ یہ بھی ہے، بعض علماء کا قول ہے کہ ”اعوذ“ پڑھنا نبی ﷺ پر واجب تھا، آپ کی امت پر واجب نہیں، امام مالک سے یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ فرض نماز میں ”اعوذ“ پڑھے، اور رمضان شریف کی اول رات کی نماز میں

اعوذ پڑھ لے۔ امام شافعیؒ، املاء، میں لکھتے ہیں کہ ”اعوذ“ زور سے پڑھے اور اگر پوشیدہ پڑھے تو بھی کوئی حرج نہیں، اور ”املاء“ میں لکھتے ہیں کہ بلند اور آہستہ پڑھنے میں اختیار ہے، اس لئے کہ ابن عمرؓ سے پوشیدہ پڑھنا، اور ابو ہریرہؓ سے اونچی آواز سے پڑھنا ثابت ہے۔ اعوذ، پڑھنا اللہ تعالیٰ کی طرف التجا کرنا ہے، اور ہر برائی والے کی برائی سے اس کے دامن میں پناہ طلب کرنا ہے ”عیاذ“ کے معنی برائی دفع کرنے کے ہیں اور ”لیاذ“ کے معنی بھلائی حاصل کرنے کے ہیں، منتہی کا شعر ہے۔

يامن الودبه فى ماؤمله ☆ ومن اعوذبه مما احاذره

لا يجبر الناس عظامانت كاسره ☆ ولا يهيضون عظامانت جابره

اے وہ پاک ذات، جس سے میری تمام امیدیں وابستہ ہیں، اور اے وہ پروردگار، کہ تمام برائیوں سے میں اس کی پناہ پکڑتا ہوں، جسے وہ توڑے اسے کوئی جوڑ نہیں سکتا، اور جسے وہ جوڑ دے اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ ”اعوذ“ کے معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی پناہ پکڑتا ہوں، کہ شیطان رجیم مجھے دین و دنیا میں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے، جن احکام کی بجا آوری کا مجھے حکم ہے، ایسا نہ ہو کہ میں ان سے رک جاؤں، اور جن کاموں سے میں منع کیا گیا ہوں، ایسا نہ ہو کہ مجھ سے وہ بدافعال سرزد ہو جائیں۔

اعوذ باللہ کی تفسیر اور اس کے احکام

قرآن پاک میں ہے: **حُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿١٠١﴾** وَمَا يَنْزَعُكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (اعراف: ۲۰۰) الخ، یعنی درگزر کرنے کی عادت رکھو، بھلائی کا حکم کیا کرو، اور جاہلوں سے منہ موڑ لیا کرو۔ اگر شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آجائے، تو اللہ تعالیٰ سننے والے، جاننے والے، سے پناہ طلب کر لیا کرو، کہ اللہ تعالیٰ شیطان کے وسوسوں اور ان کے حاضری سے ہم تیری مدد کے ذریعہ پناہ چاہتے ہیں اور سورہ مومنوں میں فرماتا ہے: **ادْفَعْ بِاللَّيْهِ هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةِ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿٤٤﴾** وَقَالَ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ﴿٤٥﴾ وَأَعُوذُ بِكَ رَبَّ أَنْ يَحْضُرُونِ ﴿٤٦﴾ هَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿٤٧﴾

یعنی بھلائی کے ساتھ دفع کرو۔ تم میں اور جس دوسرے شخص میں عداوت ہوگی وہ ایسا ہو جائے گا۔ جیسے ولی دوست۔ یہ کام صبر کرنے والوں اور نصیب داروں کا ہے، جب شیطانی وسوسہ آجائے تو اللہ تعالیٰ سننے والے، جاننے والے،

کہ ذریعہ، پناہ چاہو۔ ان آیتوں میں حکم فرمایا ہے کہ انسانوں میں سے جو تمہاری دشمنی کرے، اس کی دشمنی کا علاج تو یہ ہے کہ اس کے ساتھ سلوک اور احسان کرو، تاکہ اس کی انصاف پسند طبیعت خود اسے شرمندہ کرے، اور وہ تمہاری دشمنی سے نہ صرف بازر ہے بلکہ تمہارا بہترین دوست بن جائے، اور شیاطین کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لئے اس نے ایسی پناہ پکڑی، سکھائی، کیونکہ یہ پلید، دشمن سلوک اور احسان سے بھی قبضہ میں نہیں آتا، اسے تو انسان کی تباہی اور بربادی ہی میں مزہ آتا ہے اور اس کی پرانی عداوت آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے۔ قرآن فرماتا ہے: اے بنی ادم دیکھو، کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے جس طرح تمہارے ماں باپ کو وہ بہکا کر جنت سے نکلوا دیا، اور جگہ فرمایا، کہ شیطان تمہارا دشمن ہے اسے دشمن ہی سمجھو، ایک اور جگہ فرمایا، کیا تم اس شیطان سے اور اس کی ذریعات سے دوستی کرتے ہو، مجھے چھوڑ کر؟ وہ تمہارا دشمن ہے، یاد رکھو، ظالموں کے لئے برابر ملہ ہے، یہی وہ لعین ہے جس نے قسم کھا کر ہمارے باپ آدم علیہ السلام سے کہا تھا، کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ تو اب خیال کر لیجئے کہ ہمارے ساتھ اس کا کیا معاملہ ہوگا؟ ہمارے لئے تو وہ حلف اٹھا کر آیا ہے، کہ اللہ جل جلالہ کی عزت کی قسم، میں ان سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں سے جو مخلص بندے ہیں وہ محفوظ رہ جائیں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۹۸﴾** لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۹﴾ لَمَّا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۰﴾ (نحل)

جب قرآن کی تلاوت کرو، تو اللہ تعالیٰ کے ذریعہ پناہ طلب کیا کرو۔ شیطان راندھے ہوئے سے ایمان دار، اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والوں پر اس کا کوئی زور نہیں۔ اس کا زور تو انہی پر چلتا ہے جو اس سے دوستی رکھیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کریں۔

قاریوں کی ایک جماعت تو کہتی ہے، کہ قرآن پڑھنے کے بعد ”اعوذ“ پڑھنی چاہئے، اس میں دو فائدے ہیں ایک تو قرآن کے طرز پر عمل۔ دوسرے عبادت کے بعد کے غرور کا توڑ، ابو حاتم جستانی نے اور ابن فلو فانی حمزہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ جیسے کہ ابو القاسم یوسف بن علی بن جنادہ نے اپنی کتاب ”العبادة الكامل“ میں بیان کیا ہے، ابو ہریرہؓ سے بھی یہی مروی ہے۔ لیکن سند غریب ہے، قرطبی نے امام مالکؓ کا مذہب بھی یہی بیان کیا ہے، لیکن ابن العربی اسے غریب کہتے ہیں، ایک مذہب یہ بھی ہے کہ اول و آخر دونوں مقاموں پر ”اعوذ“ پڑھے، تاکہ دونوں دلیلیں جمع ہو جائیں، اور جمہور علماء کا مشہور مذہب یہ ہے کہ تلاوت سے پہلے ”اعوذ“ پڑھنا چاہئے، تاکہ وسوسے دور ہو جائیں، تو ان بزرگوں کے نزدیک آیت کے معنی ”جب پڑھے“ تو یعنی ”جب پڑھنا چاہئے“ ہو جائیں گے، جیسے آیت: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا**

فُتِمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ الْآيَةَ ﴿۴﴾ ﴿مَانِدَةٌ﴾

یعنی جب تم نماز کے لئے کھڑے ہو، تو وضوء کر لیا کرو کہ جب تم نماز کے لئے جب کھڑے ہونے کا ارادہ کرو، کے ہیں۔ احادیث کی رو سے بھی یہی معنی ٹھیک معلوم ہوتے ہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ رات کو نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرتے۔ پھر، سبحانک اللہم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالیٰ جدک ولا الہ غیرک، پڑھ کر تین مرتبہ ”لا الہ الا اللہ“ پڑھتے۔ پھر فرماتے ”اعوذ باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه ونفخه ونفثه“ سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے (ابوداؤد: رقم: ۶۵۸، ترمذی: ۲۲۵)۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس باب میں سب سے زیادہ مشہور یہی ہے ”ہمز“ کے معنی گلا گھونٹنے کے اور ”نفخ“ کے معنی تکبر اور ”نفثہ“ کے معنی شعر گوئی کے ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں یہی معنی بیان کئے گئے ہیں، اور اس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز میں داخل ہوتے ہی تین مرتبہ ”اللہ اکبر کبیرا“ تین مرتبہ ”الحمد للہ کثیرا“ اور تین مرتبہ ”سبحان اللہ بکرة واصیلا“ پڑھتے، پھر یہ پڑھتے ”اللہم انی اعوذ بک من الشيطان من همزه ونفخه ونفثه“ ابن ماجہ میں اور سند کے ساتھ یہ روایت مختصر بھی آئی ہے، مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ آپ پہلے تین مرتبہ تکبیر کہتے پھر تین مرتبہ ”سبحان اللہ وبحمدہ“ کہتے پھر ”اعوذ باللہ“ آخر تک پڑھتے، مسند ابویعلیٰ میں ہے کہ رسول پاک ﷺ کے سامنے دو شخص لڑنے جھگڑنے لگے۔ غصے کے مارے ایک کے نتھنے پھول گئے آپ نے فرمایا اگر یہ ”اعوذ باللہ من الشيطان الرجيم“ کہہ لے تو اس کا غصہ ابھی جاتا رہے، نسائی نے اپنی کتاب (عمل الیوم واللیلہ) میں بھی اسے روایت کیا ہے۔ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس کی ایک روایت میں اتنا اضافہ اور بھی ہے، کہ معاذ نے اس شخص سے اس کے پڑھنے کو کہا لیکن اس نے نہ پڑھا اور اس کا غصہ بڑھتا ہی گیا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ اضافہ والی روایت مرسل ہے۔ اس لئے کہ عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ جو معاذ سے اسے روایت کرتے ہیں اس کا معاذ سے ملاقات کرنا ثابت نہیں، بلکہ معاذ ان سے بیس برس پہلے فوت ہو چکے تھے، لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ شاید عبد الرحمن نے ابی بن کعب سے سنا ہو، وہ بھی اس حدیث کے راوی ہے، اور اسے معاذ تک پہنچایا ہو کیونکہ اس واقعہ کے وقت تو بہت سے صحابہ موجود تھے۔ صحیح بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی میں بھی مختلف سندوں اور مختلف الفاظ کے ساتھ یہ حدیث مروی ہے۔ استعاذہ، کے متعلق اور بھی بہت سے حدیثیں ہیں یہاں سب کو جمع کرنے سے بحث طویل ہوگا۔ ان کے بیان کے لئے اذکار، و وظائف، فضائل و اعمال کی کتابیں ہیں۔ واللہ اعلم۔

ایک روایت میں ہے، کہ جبرئیل علیہ السلام جب سب سے پہلے وحی لیکر نبی ﷺ کے پاس آئے، تو پہلے ”عوذ“ پڑھنے کا کہا۔ تفسیر ابن جریر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ پہلے پہل جب جبرئیل علیہ السلام، محمد ﷺ پر وحی لیکر آیا فرمایا کہ ”عوذ“ پڑھے آپ نے فرمایا: استعین باللہ السميع العليم من الشيطان الرجيم “ پھر جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ”اقرأ باسم ربك الذي خلق“۔ واللہ اعلم۔

یہ ظاہر ہے کہ شیطان سے بچانے والا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں، اسی لئے پروردگار عالم نے انسانوں کے شر سے محفوظ رہنے کی تو ترکیب سلوک و احسان وغیرہ بتائی ہے۔ اور شیطان کے شر سے بچنے کی صورت یہ بتائی، کہ ہم اس ذات پاک کے ذریعہ پناہ طلب کریں۔ اسلئے کہ نہ تو اسے رشوت دی جاتی ہے، نہ وہ بھلائی اور سلوک کے ذریعہ اپنی شرارت سے باز آتا ہے، اس کی برائی سے بچانے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ گزشتہ تینوں آیتوں میں یہ مضمون گذر چکا ہے۔ سورۃ اعراف میں ہے ”خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ“ ﴿۱۴۹﴾۔ اور سورۃ

مؤمنون:؛ میں ہے؛ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةِ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿۴۴﴾ اور سورۃ حم جہدہ میں ہے: وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿۲۲۲﴾ ان تینوں آیتوں کا مفصل بیان اور ترجمہ پہلے گذر چکا ہے۔ لفظ ”شیطان“، شطن سے ماخوذ ہے، اس کے لفظی معنی دوری کے ہیں چونکہ یہ مردود بھی انسانی طبیعت سے دور ہے، بلکہ ہر بھلائی سے بعید ہے، اس لئے اسے شیطان کہتے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ، شاط سے مشتق ہے اس لئے کہ وہ آگ سے پیدا شدہ ہے، اور، شاط، کے معنی یہی ہیں بعض کہتے ہیں کہ معنی کی رو سے تو دونوں ٹھیک ہیں، لیکن اول زیادہ صحیح ہے عرب شعراء کے شعر بھی اس کی تصدیق میں ملتے ہیں امیہ بن ابوصلت اور نابغہ کے شعروں میں بھی یہ لفظ، شطن، سے مشتق ہے جو دور ہونے کے معنی میں مستعمل ہے سیبویہ کا قول ہے کہ جب کوئی شیطانی کام کرے تو عرب کہتے ہیں، تشیطن فلان۔ یہ نہیں کہتے کہ، تشیط فلان، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لفظ، شاط، سے نہیں بلکہ شطن سے ماخوذ ہے اور اس کے صحیح معنی بھی دوری کے ہے، جو جن اور انس و حیوان سرکشی کرے اسے شیطان کہتے ہیں قرآن کریم میں۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شٰٓيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِيْ بَعْضُهُمْ اِلَى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ، وَاُوْكَوْا شَآءَ رَبِّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرُوْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ (عام)۔ مسند احمد میں ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں فرمایا اے ابوذرؓ، جنات اور انسان

کے شیطانوں سے اللہ تعالیٰ کی مدد کے ذریعہ پناہ طلب کرو، میں نے کہا انسان میں بھی شیطان ہوتے ہیں، آپ نے فرمایا ہاں، صحیح مسلم میں ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”نماز کو عورت، گدھا اور کالا کتا تھوڑ دیتا ہے، میں نے کہا جناب! سرخ، زرد، کتوں میں سے کالے کتے کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ آپ نے فرمایا: کالا کتا شیطان ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں وہ، ناز و خرم، سے چلتا ہے، عمرؓ سے مارتے پیتے بھی ہیں لیکن اس کا اکرنا اور بھی بڑھ جاتا ہے آپ اتر پڑتے ہیں اور فرماتے ہیں تم تو میری سواری کے لئے کسی شیطان کو پکڑ لائے ہو، میرے نفس میں تکبر آنے لگا۔ چنانچہ میں نے اس سے اترا نہی مناسب سمجھا۔

”رجیم“، فعیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہے، یعنی وہ مرجوم ہے اور ہر بلائی سے دور ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رُجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ (ملک: ۵) یعنی، ہم نے دنیا کے آسمان کو ستاروں سے مزین کیا اور انہیں شیطانوں کے لئے رجم بنایا: رجیم، کے ایک معنی راجم کے بھی کئے گئے ہیں، چونکہ شیطان لوگوں کو وسوسوں سے اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے اس لئے اسے رجیم یعنی راجم کہتے ہیں۔

﴿بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ﴾

صحابہ کرام نے کتاب اللہ کو اسی سے شروع کیا۔ علماء کا اتفاق ہے کہ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، سورت نمل کی ایک آیت ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ہر سورت کے شروع میں ایک مستقل آیت ہے؟ یا ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے، جو اس کے شروع میں لکھی گئی ہے؟ یا ہر سورت کے ایت کا جزو ہے یا صرف سورت فاتحہ ہی کی آیت ہے، اور دوسری سورتوں کی نہیں، یا صرف ایک سورت کو دوسری سورت سے علیحدہ کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اور آیت نہیں؟ علماء سلف اور متاخرین کا ان امور میں اختلاف چلا آیا ہے، اور اپنی جگہ پر اس کی تفصیل موجود ہے۔ سنن ابی داؤد میں صحیح سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ سورتوں کی جدائی نہیں جانتے تھے، جب تک آپؐ پر ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ نازل نہیں ہوتی تھی۔

چنانچہ صحیح ابن خزیمہ میں ام سلمہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ سورت فاتحہ کی شروع میں نماز میں پڑھا، اور اسے ایک آیت شمار کی، لیکن اس کے ایک راوی عمرو بن ہارون ثنی ضعیف ہے، اور اس طرح

کی ایک روایت ابو ہریرہؓ سے بھی مروی ہے۔ نیز علیؓ، ابن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن زبیرؓ، ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہم، عطاءؓ، طاوسؓ، سعید بن جبیرؓ، کحولؓ، زہریؓ، رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے، کہ ”بسم اللہ“ ہر سورت کی ایک مستقل آیت ہے سوائے سورت برأت کے۔ ان صحابہ اور تابعین کے علاوہ عبداللہ بن مبارکؓ، امام شافعیؒ، امام احمد اور اسحاق بن راہویہ اور ابو عبیدہ قاسم بن سلامؓ، رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ امام مالکؓ اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں کہ ”بسم اللہ“ نہ تو سورت فاتحہ کی آیت ہے اور نہ کسی اور سورت کی، امام شافعیؒ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ ”بسم اللہ“ سورت فاتحہ کی تو ایک آیت ہے لیکن اور سورتوں کی نہیں۔

ان کا ایک قول یہ بھی ہے، کہ یہ ہر سورت کے شروع کی آیت کا حصہ ہے، لیکن یہ دونوں قول غریب ہیں، داؤد کہتے ہیں کہ ہر سورت کے شروع میں ”بسم اللہ“ ایک مستقل آیت ہے، سورت میں داخل نہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ سے بھی یہی روایت ہے، اور ابو بکر رازی نے ابو حسن کرنی کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے، جو امام ابو حنیفہ کے بڑے پایہ کا ساتھی ہے۔ یہ تو تھی بحث ”بسم اللہ“ کے سورت فاتحہ کی آیت ہونے یا نہ ہونے کی۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ عثمان بن عفانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ کی نسبت سوال کیا، آپؐ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بڑے ناموں اور اس میں اس قدر نزدیکی ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں۔

ابن مردویہ میں بھی اس طرح کی روایت ہے۔ اور ابن مردویہ بھی یہی روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے معلم کے پاس بٹھایا اس نے کہا لکھئے ”بسم اللہ“ عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”بسم اللہ“ کیا ہے؟ استاد نے جواب دیا میں نہیں جانتا آپ نے فرمایا ”ب“ سے مراد اللہ تعالیٰ کا ”بہا“ یعنی بلندی ہے اور ”سین“ سے مراد اس کی ”سنا“ یعنی نور اور روشنی ہے اور ”م“ سے مراد اس کی ”مملکت“ یعنی بادشاہی ہے، اور اللہ کہتے ہیں معبودوں کے معبود کو، اور جن کہتے ہیں دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والے کو، اور رحیم کہتے ہیں، آخرت میں رحم و کرم کرنے والے کو۔

ابن جریر میں بھی یہی روایت ہے لیکن سند کے رو سے یہ بے حد غریب ہے، ممکن ہے کہ کسی صحابی وغیرہ سے مروی ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ بنی اسرائیل کی روایتوں میں سے ہو۔ مرفوع حدیث نہ ہو، واللہ اعلم۔

ابن مردویہ میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ مجھ پر ایک ایسی آیت اتری ہے جو کسی اور نبی

پرسوائے سلیمان علیہ السلام کے نہیں اتری۔ وہ آیت ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ ہے۔

جابرؓ فرماتے ہیں جب یہ آیت ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ اتری، بادل مشرق کی طرف چھٹ گئے۔ ہوائیں ساکن ہو گئی مسندؓ ٹھہر گیا جانوروں نے کان لگائے، شیاطین پر آسمان سے شعلے گرے، اور پروردگار عالم نے اپنی عزت و جلال کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا نام لیا جائے گا اس میں ضرور برکت ہوگی۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جہنم کی انیس داروغوں سے جو بچنا چاہو وہ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ پڑھے، اس کے بھی انیس حروف ہیں، ہر حرف ہر فرشتے سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گا۔ اسے ابن عطیہ نے بیان کیا ہے، اس کی تائید ایک حدیث سے بھی کی ہے، جس میں ہے میں نے تمیں سے اوپر فرشتوں کو دیکھا، کہ وہ جلدی کر رہے تھے، یہ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت فرمایا تھا، جب ایک شخص نے: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، حمدا کثیرا طیبامبار کافیه، پڑھا تھا اس میں بھی تیس سے اوپر حروف ہیں۔ اتنے ہی فرشتے اترے، اسی طرح ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ بھی انیس حروف ہیں، اور وہاں فرشتوں کی تعداد بھی انیس ہیں۔

مسند احمد میں مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کی سواری پر آپ کے پیچھے جو صحابی سوار تھے، ان کا بیان ہے کہ رسول پاک ﷺ کی اونٹنی ذرا پھسلی، تو میں نے کہا شیطان کا ستیاناس ہو، آپ نے فرمایا ایسا نہ کہو، اس سے شیطان پھولتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ گویا اس نے اپنی قوت سے گرایا۔ ہاں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کہنے سے وہ مکھی کی طرح ذلیل و پست ہو جاتا ہے۔

نسائی نے اپنی کتاب ”عمل الیوم واللیلہ“ میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے نقل فرمایا ہے، اور صحابی کا نام اسامہ بن عمیرؓ بتایا ہے، اور اس میں ہے کہ ”بِسْمِ اللّٰهِ“ کہہ یہ ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کی برکت ہے۔ اسی لئے ہر کام اور ہر بات کی شروع میں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کہہ لینا مستحب ہے۔ خطبہ کے شروع میں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ کہنی چاہئے، حدیث میں ہے کہ جس کام کو ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ سے شروع نہ کیا جائے، وہ بے برکت ہوتا ہے، پاخانہ میں جانے کے وقت ”بِسْمِ اللّٰهِ“ پڑھ لے، حدیث میں یہ بھی ہے کہ وضوء کے وقت بھی پڑھ لے۔ مسند احمد اور سنن میں ابو ہریرہؓ سعید بن زید اور ابو سعید رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو شخص وضوء میں اللہ کا نام نہ لے اس کا وضوء نہیں ہوتا۔ یہ حدیث حسن ہے، بعض علماء تو وضوء کے وقت آغاز میں ”بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ پڑھنا واجب بتاتے ہیں، بعض مطلق و جوب کے قائل ہیں، جانور کو ذبح کرتے وقت بھی اس کا پڑھنا مستحب ہے۔ امام شافعی اور ایک جماعت کا یہی خیال ہے۔

بعض نے یاد آنے کے وقت اور بعض نے اسے مطلقاً واجب کہا ہے، امام رازی نے اپنی تفسیر میں اس آیت کی فضیلت میں بہت سی احادیث نقل کی ہیں۔ ایک میں ہے کہ جب تو اپنی بیوی کے پاس جائے اور ”بسم اللہ“ پڑھے اور اللہ کوئی اولاد بخشے، تو اس کے اور اس کی اولاد کے سانس کی گنتی کے برابر تیرے نامہ اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گے۔ لیکن یہ روایت بالکل بے اصل ہے، میں نے تو یہ کہیں کسی معتبر کتاب میں نہیں پائی۔ کھاتے وقت بھی ”بسم اللہ“ پڑھنا مستحب ہے۔ صحیح مسلم میں ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے عمر بن ابوسلمہؓ سے فرمایا، جو آپ کے گھر میں ام المؤمنین ام سلمہؓ کے، اگلے خاوند سے تھے، کہ ”بسم اللہ“ کہو، اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھایا کرو اور اپنے سامنے سے نوالہ اٹھالیا کرو۔

بیوی سے ملنے کے وقت بھی ”بسم اللہ“ پڑھنی چاہئے، صحیحین میں ابن عباسؓ سے مروی ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ملنے کا ارادہ کرے تو یہ دعاء پڑھے ”بسم اللہ اللھم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان مارزقتنا“ یعنی اے اللہ! ہمیں اور جو ہمیں تو دے اسے شیطان سے بچا۔

فرماتے ہیں کہ اگر اس جماع سے حمل ٹھہرے تو اس بچہ کو شیطان کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا، یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ”بسم اللہ“ کی ”ب“ کا تعلق کس سے ہے؟ نحو یوں کے اس میں دو قول ہیں، اور دونوں ہی تقریباً ہم خیال ہیں۔ بعض ”اسم“ کہتے ہیں اور بعض ”فعل“ ہر ایک کی دلیل قرآن سے ملتی ہے، جو لوگ اسم کے ساتھ متعلق بتاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ”بسم اللہ“ ابتدائی، یعنی اللہ کے نام سے میری ابتداء ہے۔ قرآن میں ہے: اذ کبوا فیہا بسم اللہ مجربہا و مرسہا ان ربی لغفور الرحیم اس میں اسم یعنی مصدر ظاہر کر دیا گیا ہے، اور جو لوگ فعل مقدر بتاتے ہیں، چاہے وہ امر ہو یا خبر۔ جیسے کہ، ابدأ ”بسم اللہ“ اور، ابتداءت ”بسم اللہ“ ان کی دلیل آیت ”اقرأ باسم ربک الذی خلق“ ہے دراصل دونوں ہی صحیح ہیں، اس لئے کہ فعل کے لئے بھی مصدر کا ہونا ضروری ہے تو اختیار ہے کہ فعل کو مقدر مانا جائے اور اس کے مصدر کو بمطابق اس فعل کے جس کا نام پہلے لیا گیا۔ کھڑا ہونا، بیٹھنا، کھانا، پینا، قرآن کا پڑھنا، یا وضوء اور نماز وغیرہ، ان سب کے شروع میں برکت حاصل کرنے کے لئے، امداد چاہنے کے لئے اور قبولیت کے لئے اللہ تعالیٰ کا نام لینا شروع ہے، واللہ اعلم۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم، میں روایت ہے، ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام، محمد ﷺ پر جب وحی لے کر آئے تو فرمایا: اے محمد ﷺ کہئے ”استعین باللہ السميع العليم من الشیطان الرجیم“ پھر کہا: کہئے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ مقصود یہ تھا کہ اٹھنا، بیٹھنا، پڑھنا، سب اللہ کے نام سے شروع ہو۔

”اللہ“ وہ نام ہے جو سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے کسی اور کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک عرب کو یہ معلوم نہیں کہ اس کا اشتقاق کیا ہے؟ اس کا باب کیا ہے؟ بلکہ بہت بڑے نحوی کا خیال ہے کہ یہ اسم جامد ہے، اور اس کا کوئی اشتقاق ہے ہی نہیں۔ قرطبی نے علماء کرام کی ایک بڑی جماعت کا یہی مذہب نقل کیا ہے، جن میں امام شافعی، امام خطابی، امام الحرمین، امام غزالی شامل ہیں۔ خلیل اور سیبویہ سے روایت ہے کہ ”الف لام“ اس میں لازم ہے۔ امام خطابی نے اس کی ایک دلیل یہ بھی دی ہے کہ ”یا اللہ“ تو کہہ سکتے ہیں مگر ”یا الرحمن“ کہتے ہوئے کسی کو نہیں سنا، اگر لفظ ”اللہ“ میں ”الف لام“ اصل کلمہ کا نہ ہوتا تو اس پر نداء کا لفظ ”یا“ داخل نہ ہو سکتا، کیونکہ قواعد عربی کے لحاظ سے حرف نداء کا ”الف لام“ والے اسم پر داخل ہونا جائز نہیں۔

بعض لوگوں کا یہ قول بھی ہے کہ یہ مشتق ہے اور اس پر ”رو بہ بن العجاج“ کا ایک شعر بطور دلیل لاتے ہیں: جس میں مصدر ”تالہ“ کا بیان ہے جس کا ماضی ومضارع اَلَّهَ يَأَلُّهُ اَلِهَةٌ وَتَالَهَا، ہے، وہ شعر یہ ہے:

لله در الغايات المدة ☆ سبّحن واسترجعن من تالھی

جیسے کہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ وہ ”وینذرك والا هتك“ پڑھتے تھے، مراد اس سے عبادت ہے یعنی اس اللہ کی عبادت کی جاتی ہے اور وہ کسی کی عبادت نہیں کرتا۔ مجاہد وغیرہ کہتے ہیں، بعض نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی ہے کہ: ”وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ﴿۳۱﴾“ سورة انعام، اور ایت میں ہے ”وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۸۶﴾“ سورة زخرف، یعنی وہی اللہ ہے اسمانوں میں اور زمین میں وہی ہے جو اسمان میں معبود ہے، اور زمین میں معبود ہے، سیبویہ خلیل سے نقل کرتے ہیں، کہ اصل میں یہ ”الہ“ تھا جیسے فعان پھر ہمزہ کے بدلے ”الف ولام“ لایا گیا ہے جیسے ”الناس“ کہ اس کی اصل ”اناس“ ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ لفظ اللہ کی اصل ”الہ“ ہے ”الف لام“ حرف تعظیم کے طور پر لایا گیا ہے، سیبویہ کا بھی پسندیدہ قول یہی ہے، عرب شاعروں کے شعروں میں بھی یہ لفظ ملتا ہے کسائی اور فراء کہتے ہیں کہ اس کے اصل اللاتھی ہمزہ کو حذف کیا اور پہلے لام کو دوسرے لام میں ادغام کیا جیسے کہ ”لَكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ﴿۸۶﴾“ (کھف:) میں، لکن، انا، کا لکننا، ہوا ہے، چنانچہ حسن کی قرأت میں، لکن انا، ہی ہے، اور اس کا اشتقاق ”ولہ“ سے ہے اور اس کے معنی تھیر ہے، ولہ، عقل کے چلے جانے کو کہتے ہیں جب وہ جنگل میں بھیج دیا جائے، چونکہ ذات باری تعالیٰ اور اس

کی صفتوں کی تحقیق میں عقل حیران اور پریشان ہو جاتی ہے اس لئے اس پاک ذات کو اللہ کہا جاتا ہے، اس بناء پر اصل میں یہ لفظ ”ولاء“ تھا، واو، کو، ہمزے، سے بدل دیا گیا، جیسے کہ ”وشاح“ اور ”وسادة“ میں اشاح و اسادة، کہتے ہیں۔ رازی کہتے ہیں کہ یہ لفظ ”الہت الی فلان“ سے مشتق ہے جو کہ معنی میں سکنت کے ہے، یعنی میں نے فلان سے سکون اور راحت حاصل کی۔ چونکہ عقل کا سکون صرف ذات باری تعالیٰ کے ذکر کی طرف ہے اور روح کی حقیقی خوشی اسی کی معرفت میں ہے اس لئے کہ علی الاطلاق کامل وہی ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں، اسی وجہ سے ”اللہ“ کہا جاتا ہے قرآن مجید میں ہے **الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ** ﴿۲۸﴾ (الرعد)۔

یعنی ایمانداروں کے دل صرف اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہی اطمینان حاصل کرتے ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ”لا، یلوہ“ سے، ماخوذ ہے جس کے معنی چھپ جانے، اور حجاب کرنے کے ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ”الہ الفصیل“ سے ہے، چونکہ بندے اس کی طرف تضرع اور عاجزی سے جھکتے ہیں اسی کے دامن رحمت کا پلہ ہر حال میں تھامتے ہیں، اس لئے اسے اللہ کہا گیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ عرب، الہ الرجل یالہ، اس وقت کہتے ہیں جب کسی اچانک امر سے کوئی گھبرا اٹھے، اور دوسرا اسے پناہ دے اور بچالے، چونکہ تمام مخلوق کو ہر مصیبت سے نجات دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اس لئے اس کو اللہ کہتے ہیں، جیسے کہ قرآن مجید میں ہے: **قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ** ﴿۲۸﴾ (نور)۔ یعنی وہی بچاتا ہے اور اس کے مقابل میں کوئی نہیں بچایا جاتا۔

رازی کا مختار مذہب یہی ہے کہ لفظ ”اللہ“ مشتق نہیں ہے۔ خلیل، سیبویہ، اکثر اصولیوں اور فقہاء کا یہی قول ہے، اس کی بہت سی دلیلیں بھی ہیں، اگر یہ مشتق ہوتا، تو اس کے معنی میں بہت سے افراد کی شرکت ہوتی حالانکہ ایسا نہیں، پھر اس لفظ کو موصوف بنا یا جاتا ہے اور اس کی بہت ساری صفتیں آتی ہے۔ جیسے رحمن، رحیم، ملک، قدوس وغیرہ تو معلوم ہوا کہ یہ مشتق نہیں، قرآن میں ایک جگہ، **العزیز الحمید** ”اللہ“ الخ جو آتا ہے وہاں یہ عطف بیان ہے۔ ایک دلیل اس کے مشتق نہ ہونے کے یہ بھی ہے، **هل تعلم له سميا** (مریم: ۶۵)، یعنی کیا اس کا ہم نام بھی کوئی جانتے ہو؟ لیکن یہ غور طلب ہے۔ واللہ اعلم۔

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے۔ لیکن رازی فرماتے ہیں کہ مخلوق کی دو قسمیں ہیں: ایک تو وہ جو معرفت الہی کے کنارے پر پہنچ گئے دوسرے وہ جو اس سے محروم ہیں جو حیرت کی اندھیروں میں اور جہالت کی پر خار وادیوں میں پڑے ہوئے ہیں، وہ تو عقل اور روحانی کمالات کو کھو بیٹھے ہیں، لیکن جو ساحل معرفت پر پہنچ چکے ہیں،

جونورائیت کے وسیع بانگوں میں جاٹھڑے ہیں، جو کبریائی اور جلال کی وسعت کا اندازہ کر چکے ہیں وہ بھی یہاں تک پہنچ کر حیران و ششدر رہ گئے ہیں، غرض ساری مخلوق اس کی پوری معرفت سے عاجز اور سرگشتہ و حیران ہیں پس یہ ان معانی کے بناء پر اس پاک ذات کا نام اللہ ہے۔ ساری مخلوق اس کی محتاج، اس کے سامنے جھکنے والی، اور اس کی تلاش کرنے والی ہیں۔ اس معنی میں اسے اللہ کہتے ہیں۔ جیسا کہ خلیل کا قول ہے، عرب محاورے میں ہراونچی اور بلند چیز کو ”لاہ“ کہتے ہیں ”لاہت الشمس“ چونکہ پروردگار عالم بھی سب سے بلند و بالا ہے، اس کو بھی اللہ کہتے ہیں۔ اور ”اللہ“ کے معنی عبادت کرنے اور تالہ کے معنی قربانی کرنے کے ہیں، اور رب عالم کی عبادت کی جاتی ہے۔ اور اس کے نام پر قربانیاں کی جاتی ہیں، اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں۔ ابن عباسؓ کی قرأت میں ہیں ”ویندرک والہتک“ اس کی اصل ”الالہ“ ہے پس ”ف“ کلمہ کی جگہ پر جو ”ہمزہ“ ہے وہ حذف کیا گیا۔ پھر نفس کلمہ کا ”لام“ زائد ”لام“ سے، جو تعریف کے لئے لایا گیا ہے، اس سے ملا دیا گیا اور ایک کو دوسرے میں مدغم کر دیا گیا، تو ایک لام مشدود رہ گیا، اور تعظیماً ”اللہ“ کہا گیا۔ یہ تو تفسیر لفظ ”اللہ“ کی تھی۔

الرحمن الرحیم:، یہ دونوں نام رحمت سے مشتق ہیں۔ دونوں میں مبالغہ ہے، ”الرحمن“ میں ”الرحیم“ سے زیادہ مبالغہ ہے۔ علامہ ابن جریر کے قول سے معلوم ہوتا ہے وہ بھی ان معنوں میں متفق ہیں گویا اس پر اتفاق ہے۔ بعض سلف کی تفسیروں سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کا قول بھی اس معنی میں پہلے گزر چکا ہے، کہ ”رحمن“ سے مراد دنیا اور آخرت میں رحم کرنے والا اور ”رحیم“ سے مراد آخرت میں رحم کرنے والا ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ ”رحمن“، مشتق نہیں ہے، اگر یہ اس طرح ہوتا تو مرحوم کے ساتھ ملتا۔ حالانکہ قرآن میں ”بالمؤمنین رحیماً“ آیا ہے مرد کہتے ہیں کہ ”رحمن“ عبرانی نام ہے عربی نہیں۔ ابواسحاق زجاج معانی القرآن میں کہتے ہیں کہ احمد بن یحییٰ کا قول ہے کہ رحیم عربی لفظ ہے اور رحمن عبرانی ہے دونوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ لیکن ابواسحاق کہتے ہیں کہ اس قول کی طرف دل نہیں مانتا۔ قرطبی فرماتے ہیں: اس لفظ کے مشتق ہونے کی دلیل یہ ہے، کہ ترمذی و مسند احمد، کی صحیح حدیث ہے: عن ابراهیم بن عبد اللہ بن قارظ ان اباه حدثه: انه دخل علی عبد الرحمن بن عوف وهو مریض، فقال له عبد الرحمن: واصلتک رحم ان النبی ﷺ قال: قال اللہ عز وجل انا الرحمن خلقت الرحم وشققت لها من اسمی، فمن يصلها، اصله، ومن یقطعها اقطعہ فابته. او قال من یتہا ابته. (مسند احمد: رقم: ۱۶۸۰ ص: ۳/۲۱۲). رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ میں ”رحمن“

ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا، اور اپنے نام میں سے ہی اس کا نام مشتق کیا۔ اس کے ملانے والے کو میں ملاؤں گا، اور اس کے توڑنے والے کو میں کاٹ دوں گا۔ اس صریح حدیث کے ہوتے ہوئے مخالفت اور انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ رہا کفار عرب کا اس نام سے انکار کرنا، یہ محض ان کی جہالت کا ایک کرشمہ تھا۔ قرطبی کہتے ہیں کہ ”رحمن“ اور ”رحیم“ کے ایک ہی معنی ہیں جیسے ندان اور ندیم۔ ابو سعید کا بھی یہی خیال ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ، فعلان، فعیل، کی طرح نہیں۔ فعلان میں مبالغہ ضروری ہوتا ہے جیسے ”غضبنا“ اسی شخص کو کہہ سکتے ہیں جو بہت ہی غصہ والا ہو اور، فعیل، صرف، فاعل، اور صرف، مفعول، کے لئے بھی آتا ہے جو مبالغہ سے خالی ہوتا ہے۔

ابوعلی فارسی کہتے ہیں کہ ”رحمن“ عام اسم ہے جو ہر قسم کی رحمتوں کو شامل ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ رحیم باعتبار مومنوں کے ہے فرماتا ہے ”وکان بالمومنین رحیما“ مومنوں کے ساتھ، رحیم ہے، ابن عباس فرماتے ہیں یہ دونوں نام رحمت و رحم والے ہیں، ایک میں دوسرے سے زیادہ رحمت و رحم ہے۔ ابن عباسؓ کی اس روایت میں لفظ ”ارق“ ہے اس کے معنی خطابى وغیرہ ارفق کرتے ہیں جیسے کہ حدیث میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ رفیق“ یعنی مہربانى اور شفقت والا ہے وہ ہر کام میں نرمی اور آسانی کو پسند کرتا ہے وہ نرمی اور آسانی پر وہ نعمتیں مرحمت فرماتا ہے جو سختی پر عطا نہیں فرماتا۔ ابن مبارک فرماتے ہیں ”رحمن“ اسے کہتے ہیں کہ جب اس سے جو مانگا جائے عطا فرمائے اور رحیم وہ ہے کہ جب اس سے نہ مانگا جائے وہ، غضبناک، ہو۔ ترمذی کی حدیث میں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہوتا ہے۔ بعض شاعروں کا قول ہے۔

اللہ یغضب ان ترک سواہ
وبنی ادم حین یسال یغضب

یعنی اللہ سے نہ مانگو تو وہ ناراض ہوتا ہے اور بنی آدم سے مانگو تو وہ بگڑتے ہیں۔ عزری فرماتے ہیں کہ ”رحمن“ کے معنی تمام مخلوق پر رحم کرنے والا اور رحیم کے معنی مومنوں پر رحم کرنے والا ہے۔ دیکھئے قرآن کریم کی دو آیات ”ثم استوی علی العرش“ اور ”الرحمن علی العرش استوی“ میں استوی کے ساتھ ”رحمن“ کا لفظ ذکر کیا تا کہ تمام مخلوق کو یہ لفظ اپنے عام رحم و کرم کے معنی سے شامل ہو سکے اور مومنوں کے ذکر کے ساتھ لفظ ”رحیم“ فرمایا ”وکان بالمومنین رحیما“ پس معلوم ہوا کہ ”رحمن“ میں مبالغہ نسبت ”رحیم“ کے بہت زیادہ ہے۔ لیکن حدیث کی ایک دعائیں ”یارحمن الدنیا والآخرۃ ورحیمہما“ بھی آیا ہے۔ مسند بزار: ۱۳۱/۱، مسند مروزی: ۷۸، ۷۹۔

”رحمن“ یہ نام بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے سوا دوسرے کا نام نہیں جیسے کہ فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ

کو پکارو، یا ”رحمن“ کو جس نام سے چاہو اسے پکارو، اس کے بہت اچھے اچھے نام ہیں۔ ایک اور ایت میں ہے:

”وَاسْتَلْ مِنْ أَرْسَلْنَا الْخ“ (زخرف: ۴۵) یعنی اپنے سے پہلے کے رسولوں کو پوچھ لو، کیا ان کے لئے ”رحمن“

کے سوا کوئی اور معبود تھا جس کی عبادت وہ کرتے ہوں، جب مسلمہ کذاب نے بڑے بڑے دعوے شروع کئے اور اپنا نام ”

رحمان الیمامہ“ رکھا، تو پروردگار نے اسے بے انتہا سزا اور برباد کیا اور وہ جھوٹ و کذب کی علامت مشہور ہو گیا، آج اسے

مسلمہ کذاب کہا جاتا ہے اور ہر جھوٹے دعویدار کو اس کے ساتھ تشبیہ دی جاتی ہے، ہر دیہاتی اور شہری کچے پکے گھر والا اسے

بخوبی جانتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رحیم میں ”رحمن“ سے زیادہ مبالغہ ہے اس لئے اس لفظ کے ساتھ اگلے لفظ کی تاکید کئی گئی ہے

اور تاکید بہ نسبت اس کے کہ جس کی تاکید کی جائے زیادہ قوی ہوتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تاکید ہے ہی نہیں بلکہ

یہ تو صفت ہے اور صفت میں یہ قاعدہ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے جس نام میں اس کا کوئی شریک نہیں، اور اسکی صفت

سب سے پہلے ”رحمن“ بیان کی گئی، اور یہ نام رکھنا بھی دوسروں کو ممنوع ہے، جیسے فرما دیا کہ، اللہ ”یا رحمن“ کو پکارو، جس نام

سے چاہو پکارو، اس کیلئے اسماء حسنی بہت سارے ہیں۔ مسلمہ نے بدترین جرأت کی، اور برباد ہوا، اور اس کے گمراہ

ساتھیوں کے سوا یہ بات اوروں پر نہ چل سکی۔ رحیم، کے وصف کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بھی موصوف کیا ہے۔

فرماتا ہے: لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ

رَحِيمٌ ﴿۲۸﴾ (آہ) اس ایت میں اپنی نبی کو رحیم کہا، اسی طرح اپنے بعض اس ناموں سے دوسروں کو بھی اس نے

یاد کیا ہے۔ جیسے ایت: إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۲۰﴾ (الدرہر)

میں انسان کو سمیع اور بصیر کہا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض نام تو ایسے ہیں کہ دوسرے معنی میں اس کا اطلاق

ہو سکتا ہے، اور بعض ایسے ہیں کہ نہیں ہو سکتا، جیسے، اللہ تعالیٰ، اور، ”رحمن“، خالق، اور، رازق، وغیرہ، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے

اپنا پہلا نام ”اللہ“ ذکر کیا پھر اس کی صفت ”رحمن“ سے کی۔ اس لئے کہ ”رحیم“ کی نسبت یہ زیادہ خاص ہے اور زیادہ

مشہور ہے۔ قاعدہ ہے کہ پہلے سب سے زیادہ بزرگ نام لیا جاتا ہے۔ اس لئے سب سے پہلے سب سے زیادہ خاص نام

لیا، پھر اس سے کم، پھر اس سے کم، اگر کہا جائے کہ جب ”رحمن“ میں ”رحیم“ سے زیادہ مبالغہ موجود ہے تو پھر اسی

پر اکتفا کیوں نہ کیا گیا، تو اس کے جواب میں عطاء خراسانی کا یہ قول پیش کیا جا سکتا ہے کہ چونکہ کافروں نے ”رحمن“ نام بھی

غیروں کا رکھ لیا تھا، اس لئے ”رحیم“ کا لفظ بھی ساتھ لگایا گیا، تاکہ کسی قسم کا وہم ہی نہ رہے۔ ”رحمن“ اور ”رحیم“ صرف

اللہ تعالیٰ ہی کے نام ہیں۔

ابن جریر نے اس قول کو نقل کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جاہلیت کے زمانے کے عرب ”رحمن“ سے واقف ہی نہ تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی آیت: **قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ**، الایة ﴿۱۱۰﴾ (اسراء)۔ نازل فرما کر، ان کی تردید کی، کفار قریش نے حدیبیہ والے سال بھی جب رسول اللہ ﷺ نے علیؑ سے فرمایا تھا کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“، لکھو، تو کفار نے کہا تھا کہ ہم ”رحمن“ اور ”رحیم“ کو نہیں جانتے۔ بخاری میں یہ روایت موجود ہے بعض روایتوں میں ہیں کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم ”رحمن یمامہ“ کو جانتے ہیں کسی اور ”رحمن“ کو نہیں جانتے۔ اسی طرح اور جگہ قرآن پاک میں ہے: **وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحْمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحْمَنُ؟ أَنَسْجُدُ لِمَا تَأْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُورًا ﴿۲۰﴾** [الفرقان] یعنی جب ان سے کہا جاتا ہے، کہ ”رحمن“ کے سامنے سجدہ کرو، تو وہ حیرت زدہ ہو کر جواب دیتے ہیں کہ ”رحمن“ کون ہے؟ جسے ہم تیرے قول کی وجہ سے سجدہ کریں۔ درحقیقت یہ بدکار لوگ صرف عناد، تکبر، سرکشی اور دشمنی کی بناء پر ”رحمن“ کا انکار کرتے تھے، نہ کہ وہ اس نام سے نا آشنا تھے۔ اس لئے کہ جاہلیت کے زمانے کے پرانے اشعار میں بھی اللہ تعالیٰ کا نام ”رحمن“ موجود ہے۔ جو انہی شاعروں کے شعر ہیں، سلامہ کے شعر اور دیگر اشعار ملاحظہ ہوں:

عجلتم علينا عجلتنا عليكم
وما يشاء الرحمن يعقد ويطلق
الا ضربت تلك الفتاة هجينها
الاقضب الرحمن ربى يمينها

تفسیر ابن جریر میں نقل ہے عبداللہ بن عباس سے، کہ ”رحمن“، فعلان، کے وزن پر رحمت، سے ماخوذ ہے اور کلام عرب سے ہے۔ وہ اللہ، رفیق، اور رفیق ہے، جس پر رحم کرنا چاہے اور جس سے غصے ہو اس سے بہت دور اور اس پر بہت سخت گیر بھی ہے۔ اسی طرح ان کے سارے نام ہیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ ”رحمن“ کا نام دوسروں کے لئے منع ہے، کیونکہ خود اللہ تعالیٰ کا نام ہے، لوگوں کو اس نام پر کوئی حق نہیں۔ اور اسی طرح ایک جماعت ”بسم اللہ“ کو ایت قرار دیکر ایت ”الحمد“ کو الگ پڑھتی ہے اور بعض ملا کر پڑھتے ہیں۔ میم، کو دو ساکن جمع ہو جانے کی وجہ سے زید دیتے ہیں۔ جمہور کا بھی یہی قول ہے۔ کوئی کہتے ہیں کہ بعض عرب میم پر زبر پڑھتے ہیں، ہمزہ، کی حرکت زبر، میم کو دیتے ہیں۔ جیسے ”الم، اللہ لا الہ الا هو“، ابن عطیہ کہتے ہیں کہ زبر کی قرأت کسی سے بھی میرے خیال میں مروی نہیں۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢﴾

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پائے والا سارے جہان کا [۲]

(۲) الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٢﴾ جب کوئی شخص کوئی اچھا کام اپنے اختیار سے کرتا ہے، اور دوسرا شخص اس کی بزرگی کے ارادے سے اس کام کی ثناء و صفت اپنے زباں سے بجالاتا ہے، تو اس کو حمد کہتے ہیں، یہ حمد خاص اللہ ہی کے ذات پاک کو لائق ہے۔ دوسرے کو زیبا نہیں، حدیث میں آیا ہے ”اللهم لك الحمد كله“ ابن عباسؓ کہتے ہیں، الحمد لله، شکر کا کلمہ ہے۔ بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لو میرے بندے نے میرا شکر کیا۔ ابن عمرو کا لفظ مرفوع یہ ہے کہ ”الحمد لله“ سر ہے شکر کا۔ جس نے اللہ کی حمد نہ کہی اس نے اللہ کا شکر ادا نہ کیا، اس کو عبد الرزاق اور خطابی و حکیم ترمذی و بیہقی نے روایت کیا ہے۔ قرآن پاک میں نوح علیہ السلام کو بندہ شکر گزار فرمایا ہے: ذُرِّيَّةً مِّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴿١٢٣﴾ (اسراء)۔ اس لئے کہ وہ اللہ کی بہت حمد کیا کرتے تھے۔

جابرؓ نے مرفوعاً کہا ہے، کہ افضل ذکر، لا الہ الا اللہ ہے۔ اور افضل دعا الحمد لله ہے اس کو ترمذی نے حسن کہا ہے، نسائی و ابن ماجہ اور ابن حبان، بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔ ابو مالک اشعریؓ کا لفظ یہ ہے کہ ”الحمد لله“ ترازو کو بھردیتا ہے، رواہ مسلم والنسائی و احمد۔

انس کا لفظ مرفوع یہ ہے کہ، حمد سے زیادہ کوئی چیز اللہ کو محبوب نہیں ہے، ابو ہریرہؓ کی حدیث میں یوں فرمایا ہے کہ ہر عمدہ کام جو اللہ کے حمد سے شروع نہیں کیا جاتا، وہ برکت سے خالی ہوتا ہے، رواہ اہل السنن و ابن حبان و بیہقی، مسلم کا لفظ مرفوع انسؓ سے یوں آیا ہے کہ، خوش ہوتا ہے اللہ اس بندے سے جو ہر نوالے، ہر گھونٹ پر اللہ کی حمد کرتا ہے۔

دب: کہتے ہیں کسی چیز کے مالک، مربی، مدبر، مصلح، جابر، قائم کو، معبود کو، سو یہ سارے معنی اللہ پاک کی ذات میں موجود ہے۔ رب، کا استعمال غیر اللہ کے لئے اضافت سے ہوتا ہے، جیسے ”رب الدار“ وغیرہ بغیر اضافت خاص اللہ کے لئے بولا جاتا ہے، کسی نے یہی کہا ہے کہ یہ نام اسم اعظم ہے۔

العالمین: عالم کی جمع ہے، اور اسم آلہ کا صیغہ ہے، کہتے ہیں ہر موجود ماسوا اللہ کو، یعنی جو کچھ اللہ کے سوا موجود ہے وہ سب ”عالم“ ہے، لفظ عالم میں سارے خلق داخل ہیں کسی نے کہا عالم مشتق ہے علامت سے۔ یہ مصنوعات گویا وجود صانع =

الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿۳﴾ مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ﴿۴﴾
 بہت بخشش کرنے والا، بڑا مہربان، جزاء کے دن کا مالک

= کی علامت ہیں ابن معتر نے کیا خوب کہا ہے:

فيا عجا كیف يعصى الاله ام كيف يجحدده الجاحد وفي كل شيء له اية تدل على انه واحد
 بعض نے کہا، ہر زمانے کے لوگ ”عالم“ کہلاتے ہیں، ابن عباسؓ نے کہا مراد ”عالم“ سے جن اور انس ہے، بعض
 نے ملائکہ و شیاطین کا بھی اضافہ کیا ہے، قول اول صحیح تر ہے۔ اس دلیل سے کہ جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے
 پوچھا تھا کہ ”رب العلمین“ کون ہے؟ تو انہوں نے یہ جواب دیا تھا۔

قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُوقِنِينَ ﴿۳﴾ الشعراء۔ اس سے یہی
 معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عالم سے الگ تھلگ ہے، عالم میں داخل نہیں ہے، اس لئے قرآن میں آیا ہے کہ: ”الرَّحْمَنُ عَلَى
 الْعَرْشِ اسْتَوَى ﴿۱۶﴾ طہ۔ ”عالم“ کی گنتی میں اختلاف ہے کسی نے کہا چودہ ہزار عالم ہیں کسی نے
 کہا ستترہ ہزار، کسی نے کہا اٹھارہ ہزار، کسی نے کہا اسی ہزار ”عالم“ ہیں ٹھیک بات یہی ہے کہ سوا ”عالم الغیب“ کے کسی کو گنتی
 عوالم کی معلوم نہیں ہے۔ کعب احبار نے کہا نہیں جانتا کوئی شخص، عدد عوالم، مگر اللہ عز و جل، میں کہتا ہوں قرآن
 مجید میں آیا ہے: وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْبَشَرِ ﴿۱۰۱﴾ البقرہ۔

(۳) الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ: بہت مہربان نہایت رحم والا لفظ ”رب العلمین“ میں ایک طرح
 کا ڈرانا تھا، اس لئے ان دونوں نام مبارک کو ذکر کر کے تسلی، خاطر بخشی تر ہییب کو ترغیب ملا دیا۔ ”رحمن“ اور ”رحیم“ کی
 تحقیق بسملہ میں گذر گئی۔

(۴) مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ: لفظ ”مالک“ ”ملک“ سے مشتق ہے، جسکے معنی ہیں کسی چیز پر ایسا قبضہ کہ وہ اس میں
 تصرف کرنے کی جائز قدرت رکھتا ہو، (قاموس)۔

لفظ دین قرآن مجید میں کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے چنانچہ بعض مقامات میں پوری شریعت کو دین کہا گیا ہے۔
 مثلاً ارشاد ہے: وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ. (ال عمران: ۸۵) یعنی جس نے اسلام کے سوا =

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿١٦﴾

ہم تیری عبادت کرتے (۵) ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں (۶)

= کسی اور دین کو پسند کر لیا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا، اکثر جگہوں میں ”الدین“ اللہ کی توحید اس کی خالص عبادت، اور پکار کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے قیدیوں کو عطا کرتے ہوئے فرمایا: ان الحکم الا للہ امران لاتعبدوا الا ایاہ ذلک الدین القیم (یوسف: ۴۰) یعنی، نہیں حکم مگر اللہ کے لئے اس نے حکم دیا ہے کہ مت عبادت کرو اس کے سوا کسی کی، یہی ہے دین محکم۔ سورت زمر: ۳، میں فرمایا: اللہ الیدین الخالص۔ یعنی خبردار اللہ ہی کے لئے ہے خالص عبادت اور پکار۔ اور سورت حم مومن میں ہے: فادعوا اللہ مخلصین له الدین ولو کرہ الکافرون (۱۴) یعنی سوا اللہ کو پکارو، خالص کر کے اس کے لئے عبادت کو، گو کافروں کے لئے ناگوار ہی کیوں نہ ہو، مگر جہاں لفظ ”دین“ یوم کا مضاف ہو وہاں اس کے معنی جزاء کے ہوتے ہیں۔ جیسا کہ مالک یوم الدین میں ہے۔

یعنی روز جزاء کا مالک، اور اس دن میں تمام تصرفات اور اختیارات کا واحد مختار اور اعمال کی جزاء و سزا مقرر کرنے والا، اور اعمال پر نیک و بد نتائج مرتب کرنے والا، اور اختیار رکھنے والا، یہ مذکورہ دعویٰ یعنی ”الحمد للہ“ کی تیسری دلیل ہے۔

(۵) ایاک نعبد سورت فاتحہ میں یہ اہم مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ ”ایاک نعبد“ میں ”ایاک“ مفعول کو ”نعبد“ فعل پر مقدم کیا گیا ہے، تاکہ حصر کا فائدہ دے، اور مطلب یہ ہو کہ عبادت صرف اللہ کے لئے ہونی چاہئے، اور اس کے سوا کسی پیغمبر، فرشتہ یا، ولی کی عبادت اور پکار نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ وہ سارے خود اللہ کے حکم سے اسی ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی طرح ”ایاک نستعین“ میں فائدہ حصر کے لئے مفعول بہ کو فعل پر مقدم کیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ مدد صرف اللہ ہی سے مانگنی چاہئے۔ اور اس کے سوا کسی پیر یا پیغمبر سے اور کسی فرشتہ یا ولی سے مانفوق الاسباب امور میں مدد نہیں مانگنی چاہئے۔ امام ابن کثیر بعض بزرگوں سے نقل فرماتے ہیں، کہ سارے قرآن کا مرکزی حصہ سورت فاتحہ ہے اور سورت فاتحہ کا مرکزی حصہ ایاک نعبد وایاک نستعین ہے، وہ لکھتے ہیں: الفاتحة سر القرآن وسرها هذه الكلمة

(ایاک نعبدو ایاک نستعین۔ ابن کثیر)۔

عبادت کے مفہوم میں دو چیزیں داخل ہیں، ایک غایت تذلّل، یعنی انتہائی عاجزی اور ذلت، دوم غایت تعظیم، لیکن اس اعتقاد اور شعور کے ساتھ کہ معبود کو غائبانہ تصرف اور قدرت حاصل ہے، جس سے وہ نفع و نقصان پر قادر ہے۔ کیونکہ معبود صرف وہی ہو سکتا ہے جس میں دو صفتیں موجود ہوں: ۱۔ یہ کہ وہ عالم الغیب ہو، کائنات کا ذرہ ذرہ اس پر منکشف ہو، اور زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے ظاہر و باطن سر و علانیہ کو وہ اچھی طرح جانتا ہو۔ ۲۔ یہ کہ وہ مالک و مختار، متصرف فی الامور اور اقتدار اعلیٰ کا مالک ہو، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں اپنے لئے استحقاق عبادت و پکار کا ذکر فرمایا ہے وہاں اپنی انہی دونوں صفتوں کو اس کی علت قرار دیا ہے، اور جہاں کہیں غیر اللہ سے عباد و پکار کی نفی کی ہے، وہاں غیر سے دونوں صفتوں کی نفی فرمائی ہے، کہیں دونوں صفتوں کی نفی ہے اور کہی صرف ایک کی، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۸﴾ بَلْ كُنْتُمْ كَافِرِينَ ﴿۴۹﴾ ﴿۴۹﴾ هُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۰﴾ (قصص) اور تیرا رب جو کچھ چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، اور پسند کرتا ہے، ان لوگوں کو کوئی اختیار حاصل نہیں، اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک اور برتر ہے، اور تیرا رب جانتا ہے، جو ان کے دلوں میں پوشیدہ ہے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، اور وہی اللہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود بننے کے لائق نہیں، دنیا و آخرت میں تمام صفات کا رسانی کا مستحق وہی ہے، اور اسی کی حکومت ہوگی اور اسی کے پاس لوٹ کر جاؤ گے۔ دوسری جگہ فرمایا:

لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَىٰ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۱﴾ وَإِنْ تَجَهَّرَ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَىٰ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۲﴾ لَإِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۳﴾ (طہ) یعنی جو کچھ آسمانوں میں ہے، اور جو کچھ زمین میں ہے، اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور جو کچھ (زمین کی) مٹی کے نیچے ہے سب اسی کا ہے۔ اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ تو چھپے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔ (وہ برحق معبود ہے کہ) اُس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اُس کے (سب) نام اچھے ہیں۔ اور ایک جگہ ارشاد ہے:

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأُمُورُ كُلُّهَا فَعَبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۴﴾ (سج) انوں اور زمین میں جتنی بھی غیب کی باتیں ہیں، ان سب کا علم صرف اللہ ہی کو ہے، اور سب امور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں، پس تم اسی کی عبادت کرو، اور اسی پر بھروسہ کرو، اور تمہارا رب ان باتوں سے

بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو، ان کے علاوہ آیت الکرسی اور دوسری کئی آیتوں میں بھی یہ مضمون وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پہلے اپنی ان دونوں صفتوں کا ذکر فرمایا کہ وہ متصرف و مختار ہے، زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کے قبضہ میں ہے زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے تمام معاملات اور سارے کارخانہ عالم کی تدبیر اور پورا نظام عالم اسی کے زیر اقتدار ہے، اور زمین و آسمان کے تمام غیوب کو جاننے والا بھی وہی ہے، اور تینوں جگہوں میں دونوں صفتیں بیان کرنے کے بعد یہ اعلان فرمایا کہ جب عالم الغیب اور متصرف و مختار، اللہ ہے، تو معبود بننے اور پکارے جانے کے لائق بھی صرف اللہ ہی ہے، تمام صفات کا سازی بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لہذا تم اسی کی عبادت کرو، اسی کو پکارو، اسی کے آگے جھکو، اور اسی سے مانگو، جو کچھ بھی مانگو، ایک مقام پر تو اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو خطاب کر کے صاف صاف ان کے رویہ پر انکار فرمایا کہ تم ایسے بے بس اور بے چارے معبودوں کو پکارتے ہو جو تمہارے نفع اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتے، اور نہ تمہارے حالات کو جانتے، اور نہ تمہاری پکار کو سنتے ہیں۔ اور اس اللہ کو چھوڑتے ہو جو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اور تمہارے نفع اور نقصان کا بھی پورا پورا اختیار رکھتا ہے۔ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲﴾ (مائدہ: ۷۶) کہو کہ تم اللہ کے سوا ایسی چیز کی کیوں پرستش کرتے ہو جس کو تمہارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں اور اللہ ہی (سب کچھ) سنتا جانتا ہے۔

اس بیان سے یہ بات واضح ہوگئی کہ ہر وہ قول و فعل، دعا، اور پکار، ثناء، اور تعظیم، رکوع اور سجود قیام اور قعود، وغیرہ جو، اس اعتقاد اور شعور کے ساتھ ہو کہ معبود کو مافوق الاسباب ہمارے تمام معاملات پر غیبی قبضہ اور تسلط حاصل ہے۔ اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے عبادت ہے، چنانچہ علامہ ابن قیم نے عبادت کی تعریف کو ایک جامع تعبیر سے حسب ذیل عبارت میں بیان فرمایا ہے: عبادت اس اعتقاد اور شعور کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط حاصل ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نفع و نقصان پر قادر ہے۔ اس لئے ہر تعریف، ہر پکار اور ہر تعظیم جو اس مذکورہ اعتقاد، و شعور کے ساتھ ہو، وہ عبادت ہے۔ ملخص از مدارج السالکین بین منازل ایاک نعبد و ایاک نستعین۔

تقریر بالا سے اس شبہ کا جواب بھی ہو گیا، کہ تعظیم و تکریم، اور عزت و احترام تو اللہ کے سوا اوروں کا بھی کیا جاتا ہے۔ اللہ کے پیغمبر ﷺ کی تعظیم و تکریم تو ساری امت پر فرض ہے۔ استاد اور پیر و مرشد کا ادب و احترام بھی لازم ہے۔ اور والدین کی تعظیم و تکریم بھی ضروری ہے، لہذا اگر تعظیم و تکریم اور عجز کا نام عبادت ہے تو پھر یہ بھی عبادت ہوگی۔ حالانکہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے۔ غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعظیم صرف وہی عبادت

ہے جس میں معبود کو مانوق الاسباب غیبی طور پر متصرف اور مختار اور عالم الغیب سمجھا جائے، اور اگر معظم اور محترم ہستی کو صفات بالا سے متصف نہ مانا جائے تو یہ تعظیم عبادت میں داخل نہیں۔

اس لئے ایسی تعظیم غیر اللہ کی بھی جائز ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تعظیم کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جو ذات باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوم وہ جو غیر اللہ کے لئے بھی جائز ہے۔ پہلے آیات قرآنیہ سے بوضاحت معلوم ہو چکا ہے، کہ معبودیت کے لئے دو شرطیں ہیں، ایک متصرف و مختار اور قدرت کاملہ کا مالک ہونا۔ دوم زمین و آسمان کی تمام ظاہر اور چھپی ہوئی چیزوں کا عالم ہونا۔ علامہ ابن قیم کی جو عبارت پہلے نقل کی جا چکی ہے۔ اس کا حاصل بھی یہی ہے، کہ معبود وہی ہو سکتا ہے جسے علم اور تصرف کے اعتبار سے تمام مخلوق پر غیبی تسلط حاصل ہو۔ جس کی وجہ سے وہ نفع و نقصان پہنچانے پر قادر ہو، لہذا تعظیم کا ہر وہ طریقہ خواہ وہ حمد و ثنا ہو یا دعا و پکار، رکوع و سجود ہو، یا کچھ اور، جو اس اعتقاد اور شعور کے ساتھ بجالایا جائے کہ معظم و محترم ہستی مانوق الاسباب اختیار و تصرف کی مالک اور عالم الغیب ہے، تو ایسی تعظیم عبادت ہوگی، اور ذات باری تعالیٰ کے ساتھ محسوس ہوگی۔ لہذا جب یہ عقیدہ ہو کہ فلاں کو مجھ پر ظاہری اسباب کے سوا مانوق الاسباب غیبی تسلط حاصل ہے، اور وہ غالباً مجھے نفع و نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس اعتقاد کے تحت کوئی بھی تعظیم ہاتھ پاؤں سے سرزد ہو، یا زباں سے نثا یا پکار رہو، تو وہ اس کی عبادت ہوگی۔

اگر یہ اعتقاد اللہ تعالیٰ کے متعلق ہو تو اسکے تحت کئے گئے تمام افعال تعظیم، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں داخل ہونگے، اور اگر معاذ اللہ مذکورہ بالا اعتقاد غیر اللہ کے لئے ہو، مثلاً فرشتہ، جن، پیغمبر، ولی، زندہ یا فوت شدہ تو اس اعتقاد کے تحت سجدہ، رکوع۔ پکار، نذر، نیاز، جھکنا، دوزانوں بیٹھنا، قبر پر چادر یا پھول چڑھانا، وغیرہ تعظیمی افعال ان کی عبادت ہوگی، اور شرک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں خالص عبادت کا حکم دیا ہے اور شرک سے منع فرمایا ہے وہاں یہی مراد ہے کہ مذکورہ بالا اعتقاد اور شعور کے ساتھ تمام تعظیمی افعال و اقوال (سجدہ، رکوع، دعا، پکار، نذر، نیاز وغیرہ) صرف اللہ تعالیٰ کے لئے بجالائے جائیں۔ سورت زمر میں ارشاد ہے: **فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ** (۲ زمر)۔

سواپ خالص اعتقاد کر کے اللہ کی عبادت کرتے رہیے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ غیبی تسلط اور مانوق الاسباب، اقتدار اعلیٰ کے اعتقاد کے ساتھ ہر قسم کی تعظیم صرف اللہ ہی کی، بجالاؤ، نہ کسی پیغمبر، یا ولی یا فرشتہ کی۔ اور سورہ زمر میں پھر ارشاد ہے: **قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ** ﴿۱۱۱﴾ اور اس آیت کے بعد فرمایا **قُلِ اللّٰهَ اَعْبُدْ مُخْلِصًا لَهُ دِيْنِيْ** ﴿۱۱۲﴾ **فَاعْبُدُوْا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ**۔

مطلب یہ ہے: کہ اے پیغمبر ﷺ آپ فرمادیتے کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں غائبانہ تسلط اور مانوق الاسباب تصرف و قدرت کے تحت تمام تعظیمی افعال و اعمال صرف اللہ ہی کے لئے بجالاؤں، اور اے مشرکین تم مذکورہ اعتقاد کے ساتھ تعظیمی افعال اللہ کے سوا جس کے لئے چاہو بجالاؤ۔ ابراہیم و اسمعیل اور ہابیل (ہبل) علیہم السلام کے لئے، یا ”لات“ اور دوسرے بزرگوں کیلئے، لیکن میں تو ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ جو لوگ مذکورہ بالا تعظیم صرف اللہ کے لئے بجالا نہیں گے اور غیر اللہ کی ایسی تعظیم سے اجتناب کریں گے جنت اور نعیم آخرت کی خوش خبری بھی ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے جو سورۃ زمر میں ذکر ہے:

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوتَ أَنْ يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوا إِلَى اللَّهِ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ یعنی جو لوگ طاغوت کی عبادت اور غیبی تسلط کے اعتقاد کے تحت اس کے لئے تعظیمی افعال و اعمال بجالانے سے اجتناب کریں اور یہ سب کچھ صرف اللہ ہی کے لئے بجالائیں تو خوش خبری ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے۔

حاصل یہ ہے کہ غیبی تسلط اور مانوق الاسباب تصرف و قدرت کے اعتقاد کے تحت جو افعال تعظیمی بجالائے جائیں، وہ عبادت میں داخل ہیں، اور ایسی تعظیم اللہ کے ساتھ خاص ہے، اور اللہ کے سوا کسی پیغمبر، ولی پیر، و مرشد و استاد، اور ماں باپ اور حاکم وقت وغیرہ کے لئے جائز نہیں۔

تعظیم کی دوسری قسم یہ ہے، کہ غیبی تسلط اور مانوق الاسباب قدرت و تصرف کا اعتقاد رکھے بغیر، رسول ﷺ، اپنی استاد، پیر مرشد اور دوسروں کی تعظیم و تکریم بجالانا، ان کی اطاعت کرنا، ان کے سامنے دوزانو بیٹھنا، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دینا، ان کی خدمت میں تحفے تحائف اور ہدیے پیش کرنا، وغیرہ وغیرہ، یہ تعظیم چونکہ عبادت میں داخل نہیں اس لئے یہ اللہ کے سوا قابل احترام ہستیوں کے لئے جائز ہے۔ کیونکہ اس میں وہ اعتقاد نہیں پایا گیا جو عبادت کی روح ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ عبادت اور غیر عبادت میں فارق اور ماہ الامتیاز نیت اور اعتقاد ہے، لیکن یہ بات یاد رہے کہ تعظیم کی بعض سورتیں ایسی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، وہ کسی بھی نیت سے غیر اللہ کے لئے جائز نہیں ہیں، مثلاً سجدہ کرنا، اللہ کے گھر کا طواف کرنا، حلف اٹھانا (قسم کھانا)، اور نذر و نیاز دینا، وغیرہ یہ امور ایسے ہیں کہ ہر حال میں صرف اللہ ہی کے لئے کرنے جائز ہیں، غیر اللہ کیلئے بالکل ناجائز ہیں، اگر یہ امور غیر اللہ کے لئے مذکورہ بالا اعتقاد غیبی تسلط اور مانوق الاسباب قدرت کے ساتھ کئے جائیں۔ تو صریح شرک ہے، اور اگر اس اعتقاد کے بغیر کئے جائیں تو شرک نہیں ہوگی۔

(۶) وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ یہاں بھی مفعول کو فعل پر اس لئے مقدم کیا، تاکہ حصر کا فائدہ حاصل ہو، مطلب یہ کہ جس طرح عبادت صرف اللہ ہی کی ہونی چاہئے، اسی طرح استعانت (مدد طلب کرنا) بھی صرف اسی ہی سے ہونی چاہئے نہ کسی اور سے۔ استعانت (یعنی حاجت اور مشکلات میں پکارنا اور مدد مانگنا) چونکہ عبادت کی سب سے بڑی اور اہم شاخ ہے۔ اس لئے عبادت کے بعد خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ ہر آدمی جو کسی معبود کی عبادت کرتا ہے، دنیوی زندگی کے اعتبار سے اس کی عبادت کا مقصد اور لب لباب یہی ہوتا ہے۔ کہ اس کی تمام حاجتیں پوری ہو جائیں اور اس کی تمام مشکلیں آسان ہو جائیں۔

اس لئے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دعا (یعنی پکار) عبادت کا مغز اور لب لباب ہے۔ ”الدعاء مخ العبادۃ“ اور ایک روایت میں ہے ”الدعاء هو العبادۃ“ (ابوداؤد: ۱۲۶۳، ترمذی: ۲۸۹۵) تفسیر ابن جریر، یعنی پکارنا ہی اصل عبادت ہے قرآن مجید میں بھی لفظ عبادت بمعنی دعا اور پکار وارد ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ (مومن: ۶۰)۔ اور تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے: کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا۔ جو لوگ (صرف) میری عبادت سے سرتابی کرتے ہیں وہ عنقریب (مرتے ہی) ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہونگے۔ اس آیت میں پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی پکار کا حکم فرمایا ہے، پھر پکار کو لفظ عبادت سے تعبیر فرمایا، جیسا کہ خود نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے: کہ ”عبادتی“ سے مراد ”دعائی“ ہے، یعنی اس آیت میں عبادت سے دعاء اور پکار مراد ہے تفسیر ابن جریر وابن کثیر۔

سورہ زمر اور حوامیم کا مرکزی مقصد ہے۔ فَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ (مومن: ۶۵) اور سورت فاتحہ میں اسی دعویٰ کو ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ سے بیان کیا گیا ہے اس طرح سارے قرآن کا مرکزی مضمون حوامیم میں اور حوامیم کا خلاصہ سورت فاتحہ میں اور فاتحہ کا لب لباب ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ میں ہے۔ (جیسا کہ پہلے گذر گیا)۔

اعتراض: ہم ہر وقت یہ مشاہدہ کرتے رہتے ہیں، کہ ہر انسان دوسرے انسان سے مدد مانگتا ہے، اور اسے اپنی مدد کے لئے پکارتا، اور اس سے مدد کی درخواست کرتا ہے، یہ باہمی مدد و امداد کا سلسلہ اس قدر وسیع اور ضروری ہے کہ اس کے بغیر دنیا کا کاروبار ایک منٹ بھی نہیں چل سکتا۔ اور اس باہمی امداد کا ثبوت خود قرآن مجید میں بھی موجود ہے، عیسیٰ علیہ السلام

نے جب یہودیوں کی شرارت بھانپ لی، اور سمجھ لیا، کہ وہ کفر پر آڑ گئے ہیں تو اعلان کیا: مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ (ال عمران: ۵۲)

یعنی اللہ کی طرف میرے مددگار کون ہے؟ تو حواریوں نے جواب دیا کہ ہم ہیں، اللہ کے دین کے مددگار، اسی طرح ذوالقرنین نے بھی ایک قوم سے مدد کی درخواست کی تھی، سورت کہف: میں ارشاد ہے ”فاعينوني بقوة“ الایة (۹۵) یعنی تم لوگ قوت بازو سے میری مدد کرو، علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو امداد باہمی کا حکم دیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے: وتعاونوا على البر والتقوى (مائده: ۲) نیکی اور خوف الہی کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو، تو اس سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز ہے۔ آج کل کے اہل بدعت اس قسم کی چیزیں پیش کر کے عوام کو ورغلائے کی کوشش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں دیکھو جی، اللہ نے ایک دوسرے سے مدد مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی تبعین سے مدد مانگی تھی، لہذا اولیاء اللہ سے بھی مدد مانگنا جائز ہے۔

جواب: اہل بدعت کے قول سے معلوم ہوا، العیاذ باللہ، عوام الناس، اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کے حاجت روا، اور مشکل کشا ہیں، کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے مدد مانگی اور ذوالقرنین نے اپنی قوم سے۔ یہ اہل بدعت بھی عجب کشمکش اور مخمضے میں مبتلا ہے۔

ایک طرف تو دعویٰ کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام حاجت روا اور مشکل کشا ہیں، اور دوسری طرف عوام الناس کو انبیاء اور اولیاء کا حاجت روا سمجھتے ہیں، معاذ اللہ ربی، یہ تو الزامی جواب تھا، اس کا تحقیقی جواب یہ ہے ”ایاک نستعين“، میں جو استعانت اور استمداد اللہ کے ساتھ محتض کی گئی ہیں وہ اور ہے، اور جو استمداد اور استعانت روزمرہ کی زندگی میں ہر آدمی دوسرے سے کرتا ہے، یا جو انبیاء علیہم السلام نے اپنے تبعین سے کی، وہ اور ہے، اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

استعانت (مدد مانگنے) کی دو قسمیں ہیں: ایک استعانت ماتحت الاسباب یعنی ظاہری اسباب کے تحت کسی سے مدد مانگی جائیں، یہ وہ امداد ہے جو تمام انسانوں کو روزمرہ کی زندگی میں ایک دوسرے سے حاصل ہوتی ہے، عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے جو مدد مانگی تھی وہ بھی ماتحت الاسباب تھی، جب انہوں نے محسوس کیا کہ یہودان کو قتل کرنا چاہتے ہیں، تو حواریوں سے فرمایا کہ کیا تم میں کوئی ہے جو اللہ کے دین کے لئے میری مدد کریں؟ حواریوں نے جواب دیا ہم ہیں اللہ کے دین کے مددگار۔ یہ سارا معاملہ ماتحت الاسباب تھا، حواری عیسیٰ علیہ السلام کے پاس تھے، غائب نہیں تھے، انہوں نے بالمشافہ حواریوں سے اسباب عاویہ کے تحت امداد طلب کی، اسی طرح ذوالقرنین نے بھی یا جوج و ما جوج کو روکنے کے لئے

دیوار بناتے وقت لوگوں سے جو کہا تھا ”اعینونی بقوة“ کہ تم لوگ قوت بازو یعنی کام سے میری مدد کرو، یہ مدد بھی ظاہری اسباب کے تحت تھی، نہ عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو نانا بنانہ پکارا، اور نہ ان سے مافوق الاسباب مدد مانگی، اور نہ ہی ذو القرنین نے اپنی قوم سے ایسا کیا، جس طرح ظاہری اسباب کے تحت مدد، امداد جائز ہے، اسی طرح اسباب عادیہ کے تحت پکار بھی جائز ہے، یعنی جو آدمی سامنے موجود ہو، اسے پکار کر (اے فلاں کہہ کر) کوئی ایسا کام کرنے کا کہا جائے جو اسباب عادیہ کے تحت اس کی قدرت میں ہو، مثلاً اسے کہا جائے کہ مجھے پانی پلا دو یا بازار سے سودا سلف لادو وغیرہ، قرآن مجید میں ہے، جنگ احد میں وقتی افراتفری کی بنا پر جب کچھ صحابہ کرام رسول اللہ ﷺ سے علیحدہ ہو گئے، اور آپ نے ان کو واپس بلایا: ”والرسول یدعوکم فی اخر اکم“ (ال عمران: ۱۰۳) اور رسول پیچھے سے تم کو بلارہے تھے، نبی علیہ السلام کا یہ بلانا اور پکارنا اسباب ظاہری کے تحت تھا۔ اور آواز ان کو دی جا رہی تھی، جو میدان احد میں آپ کی آواز سن رہے تھے، یہ پکار ماتحت الاسباب ہے، اور اس کے بغیر دنیا کا کاروبار ہی نہیں چل سکتا۔

ایک جگہ فرمایا لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا (النور: ۶۳) یعنی جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے کو نام سے اور بلند آواز سے پکارتے ہو، اس طرح رسول اللہ کو نہ پکارا کرو۔ معلوم ہوا کہ جو استعانت امداد باہمی اور پکار عادی اسباب کے تحت ہو وہ نہ صرف جائز ہے بلکہ اس کے سوا دنیا کا کاروبار ہی نہیں چل سکتا، اور ”ایاک نستعین“ میں اس قسم کی استعانت کا حصر مقصود نہیں اور نہ ہی اس کی قرآن میں ممانعت ہے۔

استعانت کی دوسری قسم ہے مافوق الاسباب: یعنی اسباب عادیہ کے بغیر کسی کو دور و نزدیک سے غائبانہ پکارا جائے اور اس سے استمداد کی جائے، یہ پکار اور استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اور اللہ کے سوا کسی پیغمبر، فرشتہ، یا ولی سے ہرگز جائز نہیں۔ تمام انسانوں، بلکہ جانداروں کی مافوق الاسباب مدد اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے، اس کی امداد میں قرب و بعد کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اور یہ استمداد غیر اللہ سے شرک ہے، اور یہی وہ استمداد و استعانت ہے جس کا ”ایاک نستعین“ میں حصر ہے۔ اس موقع پر تفسیروں میں ایک سوال و جواب مذکور ہے، کہ انسان ایک دوسرے سے کئی امور میں مدد لیتا ہے، پانی مانگتا ہے، روٹی مانگتا ہے، اور اس سے کئی ضرورت کی چیزیں طلب کرتا ہے، تو پھر ”ایاک نستعین“ کا حصر کس طرح صحیح ہوا؟

اس کا جواب: یہ دیا گیا ہے کہ انسان ظاہری اسباب کے تحت ایک دوسرے سے جو امداد لیتا ہے، وہ ظاہری

امداد بھی دراصل اللہ تعالیٰ ہی سے ہوتی ہے، کیونکہ مدد کرنے والے انسان کے جسم و جان کو اللہ ہی نے پیدا فرمایا ہے، =

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱﴾ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ
ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ (۷) ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ [۸]

سے ہاتھ پاؤں اسی نے دیئے، اور ان میں حرکت بھی اسی نے پیدا فرمائی، لیکن استعانت اور استمداد کی مذکورہ بالا دو قسمیں (ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب) بیان کرنے کے بعد اس قسم کے سوال و جواب کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

بعض اہل بدعت اس موقع پر ایک اور مغالطہ پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ تو درست ہے، کہ غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں بلکہ شرک ہے خواہ کسی پیغمبر کی عبادت ہو یا فرشتہ اور ولی کی، لیکن انبیاء اور اولیاء کو حاجات و مشکلات میں امداد کے لئے غائبانہ پکارنا شرک نہیں بلکہ جائز ہے، اور قرآن مجید کی جن آیتوں میں غیر اللہ کی دعا سے منع کیا گیا ہے وہاں دعا سے مراد عبادت ہے نہ کہ پکار، اور ثبوت یہ پیش کرتے ہیں کہ مفسرین نے ”یدعون“ کی تفسیر ”یعبدون“ سے ”یدعون“ کی ”یعبدون“ اور ”ادع“ کی ”اعبد“ سے کی ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ: غیر اللہ کو غائبانہ مافوق الاسباب پکارنا شرک ہے، اور اہل بدعت کا استدلال سراسر غلط ہے، کیونکہ پہلے بالتفصیل بیان ہو چکا ہے کہ ”دعاء“ اور پکار کی دو قسمیں ہیں، ایک مافوق الاسباب، اور دوم ماتحت الاسباب، پکار کی پہلی قسم عبادت ہے، اور اللہ کے ساتھ خاص ہے، اور دوسری قسم چونکہ عبادت نہیں، اس لئے وہ غیر اللہ کے لئے بھی جائز ہے اور یہی وہ پکار ہے جس سے مغالطہ دیا جاتا ہے۔

باقی رہا مفسرین کا ”تدعون“ کی تفسیر ”تعبدون“ سے کرنا، تو اس سے ان مقصد دعا کا حاصل معنی بیان کرنا ہے، اور یہ مطلب ہے کہ غائبانہ مافوق الاسباب دعا بھی عبادت ہی کا فرد ہے۔ (بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ یہ دعا اور پکار عبادت کا سب سے اہم فرد ہے)۔ اور جس طرح عبادت اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں، اسی طرح یہ دعا اور پکار بھی اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں۔ شاہ ولی اللہ ”القول الکبیر“ میں فرماتے ہیں ”مفسرین حاصل معنی بطریق افہام بیان می کنند مردمان ناواقف گمان می کنند کہ لفظی معنی کردہ اند۔ دعا بمعنی مطلق خواندن کے راجح نیست مراد از خواندن کے رادر غائبانہ حاجات است، لہذا مفسرین تفسیر بہ عبادت می کنند“

شاہ صاحب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو پکارنا دو قسم ہے، ایک غائبانہ حاجات میں یعنی مافوق الاسباب

مفسرین کرام ”یدعون“ کی ”یعبدون“ سے تفسیر کر کے اس طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ مانوق الاسباب غائبانہ حاجات میں پکارنا عبادت ہے، اس لئے اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور غیر اللہ کے لئے شرک ہے۔ پکار کی دوسری قسم ماتحت الاسباب ہے، وہ غیر اللہ کے لئے جائز ہے، جیسا کہ ”و الرسول یدعوکم فی اخراکم“ اور ”لاتجعلوا دعاء الرسول“ میں ہے جیسا کہ تفصیل سے مذکور ہو چکا ہے، نیز تمام اہل لغت نے دعا کے معنی خواندن (پکارنا) سے کیئے ہیں، عبادت سے نہیں کیئے، اور مفسرین کا کام لغوی معنی بیان کرنا نہیں، بلکہ ان کا کام تو مطلب اور تفسیر بیان کرنا ہے۔

(۷) اٰهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ پہلی آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ سب کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اور پھر ہر چیز اور ہر جاندار کو رفتہ رفتہ حد کمال تک پہنچانے والا بھی وہی ہے، سارے عالم کا نظام بھی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہی متصرف و مختار ہے، اور پھر محاسبہ اعمال کے دن یعنی قیامت کے دن کا مالک بھی وہی ہے۔ جب انسان ان چاروں تحقیقوں کا اعتراف کر لے، اور ان پر پختہ ایمان لے آئے، وہ بے ساختہ پکارا لٹے گا۔ ”ایساک نعبدو ایساک نستعین“ یہ دراصل بندوں کا اپنے رب سے عہد ہے کہ اے اللہ ہم صرف تیری ہی بندگی کریں گے، صرف تجھے ہی حاجات و مشکلات میں مدد کے لئے پکاریں گے، اس کے بعد ”اٰهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ“ میں اسی عہد پر استقامت کی دعائیں جاری ہے، مطلب یہ ہے کہ اے اللہ یہ سیدھی راہ جو تو نے ہمیں دکھادی ہے یعنی توحید اور صرف تیری عبادت و پکار اور صرف تجھی سے استعانت و استمداد کی راہ، اب اس پر ہمیں قائم رکھ، تا دم آخر، ہمیں اس پر چلا ”الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ“ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اس سے ”ایساک نعبدو ایساک نستعین“ والا راستہ مراد ہے۔ اس صورت میں ”الصِّرَاطُ“ کا الف لام عہد خارجی کے لئے ہوگا۔ قرآن مجید کی دوسری کئی آیتوں میں ”صراط مستقیم“ سے توحید اور اللہ کی خالص عبادت و پکار کی طرف اشارہ ہے، ایک جگہ عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے صراط مستقیم کا مفہوم یہ بیان فرمایا:

وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾ ﴿٤٢﴾ اور بے شک اللہ ہی میرا پروردگار ہے اور وہی تمہارا پروردگار ہے، اس لئے صرف اسی کی عبادت کرو، اور صرف اسے ہی پکارو، یہی ہے صراط مستقیم (سیدھی راہ) اور ایک جگہ تمام بنی آدم کو خطاب کر کے فرمایا:

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿٤٠﴾ ﴿٤١﴾ أَنْ أَعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿٤١﴾ ﴿٤٢﴾ اے اولاد آدم کیا میں نے تمہیں اس بات کی تاکید نہیں کی تھی کہ شیطان کی بندگی مت کرنا اور صرف میری ہی بندگی کرنا یہی ہے صراط مستقیم۔

الصرط المستقیم، کا دوسرا مطلب یہ ہے، کہ اس سے مطلقاً راہِ حق مراد ہے، جو اسلام کے تمام احکام کو شامل ہے، مثلاً عبادات، معاملات، اخلاقیات، معاشیات، سیاسیات، احکام برزخ، احوالِ آخرت، وغیرہ، و المراد بہ طریق الحق و هو ملة الاسلام (مدارک) اور آیت، سورت انعام (۱۵۱) میں بھی اس طرف اشارہ ہے، وہاں پہلے اللہ تعالیٰ نے شرک سے منع فرمایا، پھر والدین سے احسان اور حسن سلوک کا حکم دیا، پھر قتلِ اولاد، قتلِ نفسِ محرمہ، اور دیگر تمام فواحش سے منع کیا، پھر یتیموں کے حق تلفی سے روکا۔ پھر ناپ تول پورا کرنے اور ہر حال میں عدل و انصاف کو قائم رکھنے کا حکم دیا۔ اور آخر میں جناب نبی کریم ﷺ کو اعلان کرنے کا حکم فرمایا: ”وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ“ اور بے شک یہ میرا راستہ جو بالکل سیدھا ہے۔ سو اس راہ پر چلو، یہاں دین کے تمام احکام کو ”صرط مستقیم“ فرمایا

”الصرط المستقیم“ مرکب تو صیغی ہے اور ”المستقیم“ اس چیز کو کہتے ہیں جو بالکل سیدھی ہو، اور اس میں کسی قسم کی کجی اور پیچ و خم نہ ہو، اور ”الصرط المستقیم“ (سیدھی راہ) توحید یا پوری ملتِ اسلام کو اس لئے فرمایا کہ توحید کی راہ بالکل سیدھی ہے۔ جس پر چلنے سے انسان اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر راہ توحید سے سرموہٹ گیا تو سیدھا جہنم میں پہنچے گا۔ اسی طرح ملتِ اسلام بھی سیدھی اور درمیانی راہ ہے، اس میں نہ افراط ہے نہ تفریط، جیسا کہ یہود نے عزیر علیہ السلام کے بارے میں افراط، اور مسیح علیہ السلام کے بارے میں تفریط سے کام لیا، اور عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں افراط سے کام لیا۔ اور جناب محمد ﷺ کی شان میں تفریط کی، اسی طرح باقی احکامِ شریعہ میں بھی، پہلی امتوں میں افراط و تفریط موجود تھی۔ لیکن شریعتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰت و السلام ہر قسم کی اعتقادی اور عملی افراط و تفریط سے بالکل پاک ہے۔

لفظ ”ہدایت“ ہمیشہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے، مفعول اول کی طرف ہمیشہ بلا واسطہ حرف جر، اور مفعول ثانی کی طرف کبھی بلا واسطہ حرف جر مثلاً ”یهدی من یشاء الی صراط مستقیم (یونس: ۲۵) اور ”وہدیناہم الی صراط مستقیم“ (انعام: ۸۸) اور کبھی بلا واسطہ حرف جر، مثلاً ”وہدیناہما الصراط المستقیم“ (سورت صافات: ۱۱۸) اور ”ویہدیک صراطاً مستقیماً (فتح: ۲)“، لیکن استعمال کے ان دونوں صورتوں کے معنوں میں فرق ہے، پہلی سورت میں ہدایت کے معنی ”اراءۃ الطریق“ راہ نمودن یعنی راہ دکھانے کی ہونگے۔ اور دوسری صورت میں اس کے معنی، ایصال الی المطلوب، بمنزل رسانیدن، یعنی منزل مقصود تک پہنچانے کے ہوں گے۔ ”اہدنا الصراط المستقیم“ میں ”نا“ ضمیر منصوب منکلم مفعول اول ہے اور ”الصرط المستقیم“ مفعول ثانی ہے جو بلا واسطہ حرف

جراستعمال ہوا ہے۔ اس لئے ہدایت کے معنی یہاں ایصال الی المطلوب (یعنی منزل مقصود تک پہنچا دینے) کے ہیں۔ یہاں چونکہ منزل مقصود صراط مستقیم ہے اس لئے معنی یہ ہونگے کہ ہم کو صراط مستقیم (سیدھی راہ) پر چلا، اور اس پر قائم رکھ۔ جیسا کہ شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ہے: (چلا ہم کو راہ سیدھی) اور یہاں یہ معنی موزون اور مناسب ہیں، کیونکہ جب ایک شخص ”الحمد لله“ سے ”ایاک نستعین“ تک بیان کردہ تمام باتوں پر ایمان لے آتا ہے اور ان پر عامل ہو جاتا ہے تو ”صراط مستقیم“ تو اس نے دیکھ لیا اور سیدھی راہ اسے مل چکی، اس لئے اب ”اهدنا الصراط المستقیم“ میں سیدھی راہ دیکھنے کی دعا نہیں کر رہا بلکہ وہ یہ التجا کر رہا ہے کہ: اے اللہ جو سیدھی راہ تو نے مجھے دکھا دی ہے، اب اس پر مجھے قائم رکھ، ومعناہ ادم ہدایتنا (قرطبی)۔

ہدایت کی دو قسمیں ہیں، ایک فطری، دوسری کسی فطری ہدایت تو انسان اور غیر انسان سب کے لئے عام ہے، اور اللہ کی طرف سے ہر ذی روح کو پیدائش کے ساتھ ہی عطا کیا جاتا ہے جیسا کہ سورت (طہ) میں ارشاد ہے: قَالَ رَبَّنَا الَّذِي اَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى ﴿۱۰﴾ اور اس نے ہر چیز کو صورت عطا کی اور پھر اس کی راہنمائی فرمائی۔

اور ایک جگہ فرمایا: ”وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى“ (الاعلیٰ: ۳) وہ جس نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کیا اور راہنمائی فرمائی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ مرغ کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی دانہ چکنے لگتا ہے، جانوروں کے بچے پیدا ہوتے ہی پستان مادر سے دودھ پینے لگتے ہیں۔ آخر انہیں کون بتاتا ہے کہ یہ ہماری غذا ہے، اور اسے حاصل کرنے کا مقام اور طریقہ یہ ہے، یہ راہنمائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے، اور ہر ذی روح کی فطرت میں ودیعت ہوتی ہے۔

ہدایت کی دوسری قسم کسی ہے جو اللہ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، پھر اس کے چار درجے ہیں: (۱) انابت، یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنا، اور ضد و عناد کو چھوڑ کر راہ ہدایت کی تلاش و جستجو کرنا، یہ ہدایت صرف انہیں لوگوں کو ملتی ہے جن میں انابت الی اللہ اور تلاش حق کا جذبہ ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَيَهْدِي الیه من انا ب (الرعد: ۲۷) اور دوسری جگہ فرمایا: وَيَهْدِي الیه من ینیب (شوری: ۱۳) یعنی اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق صرف ان لوگوں کو دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع اور انابت کرتے ہیں۔

(۲) ہدایت یعنی سیدھی راہ پانا، یہ انابت الی اللہ کے بعد حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا۔

(۳) استقامت: ہدایت کے بعد استقامت کا درجہ ہے۔ جب ایک آدمی کو ہدایت حاصل ہو جاتی ہے، اور اسے

صراط مستقیم مل جاتا ہے۔ تو اب وہ اللہ کی ہدایت کے مطابق سیدھی راہ پر چلتا ہے، اور اس پر قائم ہو جاتا ہے ارشاد ہے:

”ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا“ (حَمَّ سجدہ: ۳۰) اس میں دوسرے اور تیسرے درجہ کا بیان ہے
 ”قالوا ربنا اللہ“ میں ہدایت آگئی۔ اور ”ثم استقاموا“ میں استقامت۔

(۴) ربط القلب، راہ ہدایت اور صراط المستقیم پر استقامت کے بعد ربط القلب کا درجہ حاصل ہوتا ہے،
 یہ درجہ رسوخ ایمان اور یقین کی پختگی کا، سب سے اونچا اور بلند مقام ہے، جب مومن کو ایمان و یقین کا یہ درجہ حاصل
 ہو جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے راہ ہدایت سے نہیں ہٹا سکتی اور نہ اس کے ایمان و یقین کو متزلزل کر سکتی ہے۔ یہ درجہ بہت
 کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اصحاب کہف کو یہ درجہ حاصل تھا چنانچہ ارشاد ہے: **إِنَّهُمْ فِتْنَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَرِذْنَانَا هُمْ**
هُدًى ۝۱۳۳ رَبُّنَا عَلٰی قُلُوبِهِمْ اِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَدْعُو مِنْ دُونِهِ اِلٰهًا
لَقَدْ قُلْنَا اِذَا شَطَطًا ۝۱۳۴ لَكَهْفٍ۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے۔ اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی
 کر دی اور ان کے دل مضبوط کئے، اس آیت میں تین درجات کا ذکر ہے: آمنوا برہم میں ہدایت فز دنا ہم ہدیٰ میں
 استقامت اور وربطنا علی قلوبہم ربط القلب کا ذکر ہے، ہدایت کا یہ درجہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی حاصل
 تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ **وَلَكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمْ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَّهٗ فِیْ قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمْ الْكُفْرَ**
وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرَّاشِدُوْنَ ﴾ (الحجرات: ۷)

لیکن اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا، اور کفر و فسق اور نافرمانی
 سے تم کو نفرت دے دی۔ ”اھدنا“ میں ہدایت کی آخری دو درجے حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے، یعنی استقامت
 اور ربط القلب کیونکہ انابت اور ہدایت تو پہلے حاصل ہو چکی ہے، ہدایت کی طرح ضلالت کے بھی چار درجے ہیں، ان
 کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

(۸) ”صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ“ یہ الصراط المستقیم سے بدل کل ہے اور بدل کا فائدہ یہ ہے کہ
 صراط مستقیم کی تفسیر اور تعین ہو جائے یعنی صراط مستقیم وہ راستہ ہے، جس پر وہ لوگ قائم رہے جو ”الذین انعمت علیہم“
 کے مصداق ہیں، اور جہوہ مفسرین کے نزدیک اس سے انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین مراد ہیں۔ جیسا کہ
 ایک دوسری آیت میں اس طرف اشارہ ہے: **وَمَنْ يُطِيعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَقَوْلُكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ**
النَّبِيِّيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالشّٰهَدَاءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ۝۴۴ (النساء)۔ جو شخص اللہ اور رسول کی
 اطاعت کرے گا تو ایسے اشخاص بھی ان لوگوں کے ساتھ ہونگے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، =

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ﴿۹﴾

نہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ گمراہ ہوئے [۹].

= وصدیقین، اور شہداء، اور صالحین، اور یہ اشخاص بہت اچھے رفیق ہیں۔ قال الجمهور من المفسرين انه اراد صراط النبيين و الصديقين و الشهداء و الصالحين ، وانتزعا ذلك من قوله تعالى : وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّدِيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿۹۹﴾ ﴿قرطبی﴾۔

سوال: اگر ”الصراط المستقیم“ سے مندرجہ بالا چار گروہوں کی راہ مراد ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ ”اھدنا الصراط المستقیم“ میں ان چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے، اور اس میں ”النبيين“ کا درجہ بھی شامل ہیں، تو اس کے حاصل کرنے کی درخواست بھی اس میں شامل ہوگی۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اب بھی درجہ نبوت حاصل کرنے کا امکان موجود ہے۔

جواب: اول تو یہی غلط ہے کہ ”اھدنا الصراط المستقیم“ میں چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے، بلکہ اس میں تو صرف ان جماعتوں کی راہ پر چلنے کی اور قائم رکھنے کی درخواست ہے نہ درخواست اور دعا ہمیشہ ایسی چیز کے حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے، جس کا حصول کسب اور محنت سے ممکن ہو، اور جس فضل و کمال کا حصول کسب اور محنت سے ناممکن ہو، اس کے لئے درخواست کرنا بالکل بے معنی اور عبث ہے، اس لئے اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ ”اھدنا الصراط المستقیم“ میں ان چاروں جماعتوں کے درجات حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے، تو درجہ نبوت چونکہ کسب و ریاضت سے حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ نبوت ایک محض وہی چیز ہے، اور اس کے بارے میں قانون الہی یہ ہے ”اللہ یعلم حیث یجعل رسالته“ (الانعام: ۱۲۳)، لہذا درخواست کا تعلق نبوت سے نہیں بلکہ درخواست صرف صدیقین شہداء اور صالحین کے کمالات کے لئے ہے۔

(۹) ﴿غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ﴾ یہ ”الذین انعمت علیہم“ سے بدل ہے، یا اس کی صفت ہے اور ”ولا الضالین“ ”غیر المغضوب علیہم“ پر عطف ہے اور ”لا“ تا کید نفی کے لئے ہے، جو لفظ غیر سے مفہوم

ہے: بدل من ”الذین انعمت علیہم“ اوصفہ لہ، و ”لا“ مزیدۃ لتاکید مافی ”غیر“ من معنی النفسی (مظہری). رسول پاک ﷺ سے منقول ہے کہ ”مغضوب علیہم“ سے یہود اور ”ضالین“ سے نصاریٰ مراد ہیں، اسی طرح عبداللہ بن مسعود و ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی منقول ہیں (ابن جریر)۔

”غضب“ کے معنی شدید غصہ کے ہیں، اور ایک نفسانی کیفیت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات میں غضب کے معنی ارادہ عقوبت اور قصد سزا کے ہیں۔ ومعنی الغضب فی صفة اللہ تعالیٰ ارادۃ العقوبۃ، فہو صفة ذات، و ارادۃ اللہ تعالیٰ من صفات ذاته (قرطبی) اور سلف صالحین کے نزدیک کما یلیق بشانہ ہے۔

اور ”ضلال“ کے معنی سیدھی راہ سے بھٹک جانا اور ہدایت سے علیحدہ ہو کر چلنا۔ الضلال فی الدین الذہاب عن الحق (روح المعانی)۔ ان ایٹوں کا حاصل یہ ہے کہ، اے اللہ! ہم کو ان لوگوں کی راہ پر قائم رکھ، جن پر تو نے انعام فرمایا۔ اور جن پر نہ تیرا غضب ہوا، اور نہ وہ گمراہ ہوئے، جن لوگوں پر تیرا غضب ہو، مثلاً یہود، اور جو لوگ راہ حق سے گمراہ ہوئے، مثلاً نصاریٰ ان کی راہ سے ہم کو بچا، مغضوب علیہم کی تفسیر یہود سے اور ضالین کی نصاریٰ سے بطور تمثیل ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ مغضوب علیہم صرف یہود ہی ہیں اور ضالین سے صرف نصاریٰ ہی مراد ہیں، اس لئے یہود و نصاریٰ کے علاوہ مشرکین اور منافقین بھی ان دونوں لفظوں میں داخل ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے وقت چونکہ یہود و نصاریٰ، مذہب اور خانقاہیت کے اجارہ دار تھے، اور ساتھ ہی راہ حق سے گمراہ اور بھٹکے ہوئے تھے، اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کے مستحق تھے، اس لئے المغضوب علیہم اور الضالین کی تفسیر ان دونوں گروہوں سے کی گئی۔

ہدایت کی طرح گمراہی کے بھی چار درجے ہیں:

- (۱) **ریب و شک** یہ درجہ گمراہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے، پہلے آدمی کے دل میں توحید اور دین حق کے بارے میں شبہات و شکوک پیدا ہوتے ہیں، جو اسے صراط مستقیم اور راہ ہدایت سے بھٹکاتے ہیں۔
- (۲) **ضالت** (گمراہی) توحید اور دین حق سے متعلق شکوک و شبہات کا ازالہ نہ کیا جائے اور وہ کسی کے دل میں جاگزیں ہو جائیں، تو آدمی ضالت اور گمراہی میں جاگرتا ہے، اور راہ حق کو چھوڑ کر باطل کی راہ اختیار کر لیتا ہے۔
- (۳) **جدال**: ضالت کے بعد جدال کا درجہ ہے گمراہی کے بعد گمراہ شخص اپنے باطل نظریات اور غلط عقائد کو حق اور صحیح ثابت کرنے کے لئے اہل حق سے جھگڑا اور مجادلہ و مناظرہ کرتا ہے اور ضد و عناد سے ہر حق بات کو رد کر دیتا ہے۔
- (۴) **مہر جباریت** یا طبع علی القلب یا ختم علی القلب، گمراہی کے بعد جب آدمی حق کے مقابلہ میں جھگڑا اور جدال

شروع کرتا ہے اور تمام عقلی اور نقلی دلائل سے حق کے واضح اور ثابت ہو جانے پر بھی حق کو نہیں مانتا، اور اپنی ضد و عناد پر ڈٹا رہتا ہے، تو اب اس کے دل پر مہر لگ جاتی ہے، یعنی اس کے دل میں جو کفر و نفاق اور شرک ہے وہ دل سے باہر نہیں نکل سکتا، اور جو چیز اس کے دل سے باہر ہے یعنی ایمان و یقین اور توحید و اخلاص وہ اس کے دل میں داخل نہیں ہو سکتی، جب آدمی گمراہی کے اس درجے میں پہنچ جاتا ہے تو اس کا راہ راست پر آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس درجے میں اس سے ہدایت کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔

شیخ حسین علی رحمۃ اللہ علیہ، اس کو مہر جباریت سے تعبیر فرماتے تھے، قرآن مجید میں یہ چاروں درجے کہیں جدا جدا اور کہیں دو دو یا اس سے زیادہ یکجا مذکور ہیں، سورہ مومن، میں دو آیتوں کے اندر چاروں درجے ایک ساتھ مذکور ہیں۔

وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَكُمْ بِهِ حَتَّى إِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُرْتَابٌ (۳۴). الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ كَبْرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلْبٍ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۵﴾ بَيِّنَاتٍ اس سے قبل یوسف علیہ السلام تمہارے پاس دلائل توحید و نبوت لے کر آچکے تھے تو تم ان امور میں برابر شک میں رہے جو تمہارے پاس لائے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان کی وفات ہو گئی تو تم کہنے لگے کہ بس اللہ اب ان کے بعد کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں، اور توحید میں شک کرنے والوں کو گمراہ کر دیتا ہے، جو محض ضد و عناد کی وجہ سے بلا کسی دلیل کے، جو ان کے پاس موجود ہو، اللہ کی آیتوں میں جھگڑے نکالتے ہیں، یہ کج بحشی اور جھگڑا اللہ تعالیٰ کو بھی سخت ناپسند ہے، اور ایمان والوں کو بھی، اس لئے اللہ تعالیٰ ہر مغرور اور جابر کے پورے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔

اس آیت میں ”کذا لک“ میں دونوں جگہ ”کاف“ تعلیلیہ ہے اور بمعنی لام ہے جیسا کہ ترجمہ میں ظاہر کر دیا گیا ہے، اس آیت میں چاروں درجات باتدرج مذکور ہیں، پہلے وہ لوگ یوسف علیہ السلام کے لئے ہوئے دلائل توحید اور نبوت کے بارے میں ریب و شک میں پڑے رہے، اس وجہ سے گمراہ ہوئے، اور راہ ہدایت اور جاہ توحید سے بھٹک گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ضد و عناد سے جھگڑا اور مجادلہ شروع کر دیا اور توحید اور دین حق سے دور بھاگنے لگے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر جباریت لگا دی۔ ضلالت کے یہ چار درجے ہدایت کے چاروں درجوں کے مقابلے میں ہیں اول: انابت کے مقابلہ میں ریب و شک دوم ہدایت کے مقابلے میں ضلالت سوم استقامت کے مقابلہ میں جدال

ومخاضت چهارم ربط القلب کے مقابلہ میں طبع علی القلب۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ، میں ضالّات کے چاروں درجات مذکور ہیں پہلے تینوں درجے الضالین میں اور چوتھا درجہ مغضوب علیہم میں۔

(فوائد)

فائدہ اول:

اہل حدیث اور اہل رائے کے درمیان مسئلہ امین مختلف فیہ ہے، اہل حدیث کی تحقیق ہے، کہ جہری نمازوں میں امام اور مقتدی دونوں کو امین بالجہر کہنی چاہئے۔ سری نمازوں میں امین بالسر کہنے پر اجماع ہے۔ اہل رائے کا خیال ہے کہ جہری نمازوں میں امام اور مقتدی کو امین خفیہ کہنی چاہئے۔ اس مسئلہ میں جانین کے دلائل کا علمی و تحقیقی جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

حدیث اول: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اذا امن الامام فامنوا فانہ من وافق تأمینه تأمینہ الملائکۃ غفر لہ ماتقدم من ذنبہ۔ یعنی جب امام امین کہے، تو تم بھی امین کہو، کیونکہ جس کی امین فرشتوں کی امین سے موافق ہو جائے اس کے سابقہ گناہ معاف کر دئے جائیں گے، (بخاری رح ۸۰۷۷ و مسلم ج ۲/۴۱۰)۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جہر سے امین کہے۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ النیسابوری (متوفی ۳۱۱ھ) فرماتے ہیں: فی قول النبی ﷺ ((اذا امن الامام فامنوا)) مابان وثبت أن الامام یجہر بآمین، اذ معلوم عند من یفہم العلم أن النبی ﷺ لا یأمر المأموم أن یقول آمین عند تأمین الامام الا والمأموم یعلم أن الامام یقولہ، ولو کان الامام یسر بآمین، لایجہر بہ، لم یعلم المأموم أن امامہ قال آمین اولم یقلہ. ومحال أن یقال للرجل اذا قال فلان کذا فقل مثل مقالته وأنت لاتسمع مقالته، وهذا عین المحال، وما لایتوہمہ عالم أن النبی ﷺ یأمر المأموم أن یقول آمین اذا قالہ امامہ وهو لایسمع تأمین امامہ.

نبی کریم ﷺ کے فرمان ”جب امام امین کہے تو تم بھی امین کہو“ سے واضح طور پر یہ ثابت ہوا، کہ امام کو جہر سے امین کہنی چاہیے، کیونکہ ہر صاحب علم سمجھ رکھتا ہے کہ نبی ﷺ مقتدی کو امام کی امین کے وقت امین کہنے کا حکم نہیں فرماتے مگر

مقتدی امام کی آئین کو جانتا ہے۔ اور اگر امام آئین بالسسر کہے بالجبر نہ کہے تو مقتدی کو معلوم نہیں ہو سکتا کہ امام نے آئین کبھی ہے یا نہیں کبھی ہے، اور یہ مجال ہے کہ آدمی سے کہا جائے کہ جب فلاں یہ کہے تو تم بھی اسی طرح کہو، حالانکہ تم اس کی بات نہیں سن رہے ہو، یہ قطعی طور پر مجال ہے اور کوئی عالم بھی اس کا تصور نہیں کر سکتا کہ نبی ﷺ مقتدی کو آئین اس وقت کہنے کا حکم دیں جب امام آئین کہے اور مقتدی امام کی آئین نہ سن رہا ہو، (صحیح ابن خزیمہ ۲۸۶۱ ج ۵۷۰)۔

کئی قرآن امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کے اس بیان کی تائید کرتے ہیں۔

- (۱) ابو ہریرہؓ کی دوسری مرفوع حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس حدیث میں آئین بالجبر مراد ہے، مثلاً حدیث نعیم الجبر، حدیث اسحاق بن ابراہیم الزبیدی وغیرہ کا۔
 - (۲) منصور بن میسرہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہؓ کے ساتھ نماز پڑھی، جب آپ نے ﴿غیر المغضوب علیہم ولا الضالین﴾ کہا تو آئین کبھی یہاں تک کہ ہمیں سنا دیا، آپ کے پیچھے جو نماز پڑھ رہے تھے انہوں نے بھی آئین کبھی (مصنف عبدالرزاق ۹۵۱۲، ۹۶، ۹۷ ج ۲۶۳۳)۔
- اس اثر کے سارے راوی ثقہ ہیں، سوائے منصور بن میسرہ کے (جو تابعی ہے) اگر یہ تصحیف نہیں ہے تو اس کے حالات مجھے معلوم نہیں۔

خالد بن ابی عزہ کے بارے میں ظفر احمد تھانوی لکھتے ہیں: فلم اقف علی ترجمته ولكنه ثقة علی قاعدۃ ابن حبان: مجھے اس کے حالات نہیں ملے لیکن وہ ابن حبان کے قاعدہ پر ثقہ ہیں۔ (اعلاء السنن ۱/۷۷۷) دیوبندیوں کے نزدیک قرون ثلاثہ میں کسی کا مجھول ہونا چنداں مضرت نہیں۔ والجهالة في القرون الثلاثة لا يضر عندنا: (اعلاء السنن ۱/۱۶۱۳) اور قرون ثلاثہ میں مجھول ہونا ہمارے نزدیک مضرت نہیں ہے۔

اور حافظ ابن حبان رحمہ اللہ نے کہا: اخبرنا يحيى بن محمد بن عمر و بالفسطاط قال حدثنا اسحاق ابن ابراهيم بن العلاء الزبیدی قال حدثنا عمرو بن الحارث قال حدثنا عبد الله بن سالم عن الزبیدی قال أخبرني محمد بن مسلم عن سعيد بن المسيب وأبي سلمة عن أبي هريرة قال كان رسول الله ﷺ إذا فرغ من قراءة أم القرآن رفع صوته وقال آمين۔

تنگی بن محمد بن عمرو نے ہمیں حدیث بیان کی (انہوں نے کہا) ہمیں اسحاق بن ابراہیم بن العلاء الزبیدی نے حدیث بیان کی (انہوں نے کہا) ہمیں عمرو بن حارث نے حدیث بیان کی انہوں نے عبد اللہ بن سالم عن الزبیدی سے

حدیث بیان کی (کہا) مجھے محمد بن مسلم (الزہری) نے عن سعید بن مسیب عن ابی سلمة (کے واسطے) سے حدیث بیان کی کہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جب رسول اللہ ﷺ سورۃ فاتحہ کی قراءت سے فارغ ہوتے تو اپنی اواز بلند کرتے، اور فرماتے آمین۔ (صحیح ابن حبان ۳/۱۴۷ ح ۱۸۰۳، مصنف عبد الرزاق ۲/۹۷)۔

حدیث دوم: ابی ہریرہؓ (نقلی) امام نسائی نے نقل کیا ہے کہ: اخبرنا محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکم عن شعيب حدثنا الليث حدثنا خالد عن ابی هلال عن نعيم المجرم قال: صليت وراء ابی هريرة فقرا بسم الله الرحمن الرحيم ثم قرأ بأمر القرآن حتى بلغ غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال: آمين، فقال الناس آمين ويقول كلما سجد: الله أكبر واذا قام من الجلوس في الاثنتين قال: الله أكبر واذا سلم قال: والذي نفسي بيده اني لا شبهكم صلوة برسول الله ﷺ:

نعيم المجرم (تابعی) سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحيم پڑھی پھر آپ نے سورۃ فاتحہ پڑھی جب آپ نے ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ پڑھا تو آمین کہی اور لوگوں نے بھی آمین کہی، جب آپ سجدہ کرتے تو اللہ اکبر کہتے اور جب دو رکعتوں سے اٹھتے تو اللہ اکبر کہتے پھر فرماتے: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں تم سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کے مشابہ ہوں۔ (سنن نسائی ۲/۱۳۴ ح ۹۰۵)۔

حدیث سوم علیؓ: حدثنا عثمان بن ابی شيبه ثنا حميد بن عبد الرحمن ثنا ابن ابی ليلى عن سلمة بن كهيل عن حجية بن عدى عن عليؓ قال سمعت رسول الله ﷺ اذا قال ولا الضالين قال آمين. یعنی علیؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے جب ولا الضالين کہا تو آمین کہی۔ [رواہ ابن ماجہ فی سننہ ۱/۸۷ ح ۸۵۴] اور بیہقی نے بھی خلافيات میں نقل کیا ہے۔ جس کی عبارت یہ ہے: قال سمعت رسول الله ﷺ يقول آمين أذقرأ، غير المغضوب عليهم ولا الضالين“

حدیث چھارم: عبد اللہ بن زبیرؓ: عبد الرزاق عن ابن جريج عن عطاء قال قلت له أكان ابن الزبير يؤمن على اثر القرآن؟ قال نعم، ويؤمن من وراه حتى ان للمسجد للجة: ابن جريج نے کہا میں نے (عطاء بن ابی رباح) سے پوچھا، کیا ابن زبیرؓ فاتحہ کے اختتام پر آمین کہتے تھے؟ تو انھوں نے کہا ہاں اور جو ان کے پیچھے

(نماز پڑھتے تھے) وہ بھی، یہاں تک کہ مسجد گونج اٹھتی تھی۔ (مصنف عبدالرزاق ۹۶۲/۲، ۹۷، مصنف ابن ابی شیبہ ۲۲۶/۲)۔

حدیث پنجم: **عکرمہؓ (عن الاصحاب):** ابن ابی شیبہ نے کہا: حدثنا وکیع قال ثنا فطر قال سمعت عکرمہؓ يقول ادرکت الناس ولهم زجة [وفی المحلی ۲۶۲/۳، ضجة] فی مساجدهم بآمین اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔ یعنی وکیع نے ہمیں حدیث بیان کی (کہا) فطر نے ہمیں حدیث بیان کی (کہا) میں نے عکرمہؓ (تابعی) سے سنا، وہ کہہ رہے تھے، میں نے لوگوں کو (ان کی مساجد میں) اس حال میں پایا کہ جب امام ﴿غیر المغضوب علیہم ولا الضالین﴾ کہتا تو لوگوں کے آمین کہنے سے مساجد گونج اٹھتی تھیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۲۵/۲)۔

حدیث ششم: **ام الحصین رضی اللہ عنہ:** طبرانی نے فرمایا حدثنا ابراہیم بن ہاشم البغوی ثنا ہدبة بن خالد ثنا ہارون بن موسیٰ النحوی ثنا اسمعیل بن مسلم عن ابی اسحاق عن ابن ام الحصین عن جدته ام الحصین انها كانت تصلى خلف النبي ﷺ فی صف من النساء فسمعتہ يقول: الحمد لله رب العلمین، الرحمن الرحیم، ملک يوم الدين، بلغ (ولا الضالین) قال: ”آمین“ حتی سمعتہ وانافی صف النساء، وكان یکبر اذا سجد واذا رکع. (معجم الکبیر: ۲۵۸/۱۵۸)۔ یعنی میں رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھتی تھی (عورتوں کی صف میں) تو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، الحمد لله رب العلمین الخ۔ یہاں تک کہ ولا الضالین پڑھا، اس کے بعد آمین بلند آواز سے پڑھا یہاں تک کہ میں نے سنی اور میں عورتوں کی صف میں تھی۔ اور رسول اللہ ﷺ جب سجدہ اور رکوع کو جاتے تو اللہ اکبر پڑھتے۔

حدیث ہفتم: **حدیث عطاء:** ابن ابی شیبہ نے کہا: حدثنا وکیع عن عطاء قال: لقد کان لنا دوی فی مسجدنا ہذا بآمین، اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین. اور اسی روایت کو امام بیہقی نے اس الفاظ سے نقل کیا ہے۔ عن خالد بن ایوب عن عطاء قال ادرکت مآئین من اصحاب النبي ﷺ فی هذا المسجد اذا قال الامام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین سمعت لهم زجة بآمین المسجد. (۵۹/۲)۔ یعنی عطاء بن ابی رباحؓ نے کہا: کہ ہمارے مسجد میں جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین۔

کہتا تو بجنہناہٹ ہوتی تھی۔

حدیث ہشتم: وائل بن حجر: امام ترمذی نے کہا: حدثنا بنسار (محمد بن بشار) حدثنا يحيى بن سعيد وعبدالرحمن بن مهدى قالا: حدثنا سفيان عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال سمعت رسول الله ﷺ ﴿قرأ غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ فقال (آمين) ومد بها صوته (قال) وفي الباب عن عليّ و ابى هريرة قال ابو عيسى ،، حديث وائل بن حجر حديث حسن ،، بندار نے ہمیں حدیث بیان کی (انہوں نے کہا) ہمیں تکلی بن سعید اور عبدالرحمن بن مهدی نے حدیث بیان کی (انہوں نے کہا) ہمیں سفیان نے: عن سلمة عن حجر بن عنبس سے حدیث بیان کی کہ وائل بن حجر نے فرمایا میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ نے ﴿غیر المغضوب علیہم ولا الضالین﴾ پڑھا پھر کہا آمین، اور اپنی آواز کو اس کے ساتھ کھینچا، امام ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے (جامع ترمذی ۲/۲۷۲، ۲۸، ۲۸۸)۔

اس حدیث میں ذرا تفصیل سے تحقیق کرتے ہیں، اسلئے کہ یہ حدیث جانین کا مستدل ہے، اختلاف سفیان اور شعبۂ کی وجہ سے: سفیان سے یہ روایت ابن مہدی، تکلی بن سعید الحارثی، اور کعب نے ”مدبھا صوتہ“ اور ”یمد بھا صوتہ“ کے الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے، محمد بن کثیر، محمد بن یوسف الفریابی، قبیصہ اور ابوداؤد الحنفی نے ”رفع بھا صوتہ“، اور ”یرفع بھا صوتہ“ کے الفاظ سے بیان کی ہے، لہذا دونوں روایتیں صحیح ہیں اور ایک دوسرے کی توضیح کرتے ہیں۔ محمد ابن کثیر کی روایت سنن دارمی ۲۸۴/۱، میں اور سنن ابی داؤد: ۵۷۴/۱، ۹۳۲/۲، میں موجود ہے۔ محمد ابن کثیر کی متابعت دو ثقہ راویوں نے کی ہے۔ (۱) ابوداؤد الحنفی (السنن الکبریٰ: ۵۷۴/۲) ان کی روایت میں ”رفع بھا صوتہ“ کے الفاظ ہیں۔ ابوداؤد عمر بن سعد الحنفی، صحیح مسلم کا راوی اور ثقہ عابد تھا۔ (التقریب: ۴۰۴)۔

(۲) الفریابی نے ”یرفع صوتہ“ کے الفاظ روایت کئے ہیں۔ [سنن دارقطنی: ۳۳۳/۱] محمد ابن یوسف بن واقد الفریابی صحاح ستہ کے راوی اور الامام الحافظ شیخ الاسلام تھے۔ [النبلاء: ۱۱۴/۱۰] آپ جمہور کے نزد ثقہ ہیں، ابن معین وغیرہ نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔

(۳) قبیصہ نے بھی ”یرفع بھا صوتہ“ کے الفاظ نقل کئے ہیں۔ [المجمع الکبیر للطبرانی: ۲۲/۲۲ ح ۱۱۱]۔

شعبہ کی روایت

سلمہ بن کہیل سے حجر بن عنبسہ اور علقمہ بن وائلؓ کی سند کیساتھ امام شعبہ نے جو روایت بیان کی ہے۔ وہ سفیان ثوریؒ اور العلاء بن صالحؒ وغیرہ کی روایت کیخلاف ہے، یہ روایت [مسند احمد ۳۱۶/۴، سنن دارقطنی: ۳۳۴/۱، بیہقی: ۵۸، ۵۷/۲، مسند طیالسی: ۱۰۲۴، ابن حبان: ۱۴۶/۳، ح: ۱۸۰۲، اور حاکم: ۳۳۲/۲ وغیرہ میں ہے] شعبہ سے محمد بن جعفر اور یزید بن زریع نے ”اخفیٰ بہا صوتہ“ (آپ نے اپنی آواز پست رکھی) کے الفاظ بیان کئے ہیں۔ عبدالرحمن بن مہدی، ابوداؤد طیالسی، عمر بن مرزوق، اور سلیمان بن حرب، وغیرہ نے ”خفص بہا صوتہ“ اور ”خفص بہا صوتہ“ (اپنی آواز پست رکھی) کے الفاظ بیان کئے ہیں۔ ابوالولید الطیالسی سے اختلاف ہے ان کے شاگرد اسماعیل بن اسحاق القاضی (ثقفہ بالا جماع) کی روایت میں: ”خفص بہا صوتہ“، کے الفاظ ہیں۔ حاکم اور ذہبی نے اس روایت کی تصحیح کی ہے، ابرہیم بن مرزوق (متکلم فیہ) کی روایت میں ”رافعاً بہا صوتہ“ کے الفاظ ہیں۔ ابن مرزوق کی روایت شاذ اور اسماعیل القاضی کی روایت محفوظ ہے۔ شعبہ سے عبدالصمد اور وہب بن جریر نے یہ حدیث بیان کی ہے، اس میں خفص وغیرہ الفاظ نہیں بلکہ قال آمین (آپ نے آمین کہی) کے الفاظ ہیں۔

(صحیح ابن حبان ۱۴۶/۳) میں حافظ ابن حبان نے اس پر ”باب أن یجهر بآمین“ باندھا ہے۔ عبدالصمد بن عبدالوارث صحاح ستہ کے راوی اور صدوق ثبت ہیں۔ (التقریب ۱۰۸۰) وہب بن جریر بھی کتب ستہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔ (التقریب ۷۳۷۲) اور ان دونوں تک سند بالکل صحیح ہے، معلوم ہوا کہ شعبہ سے روایت میں ان کے شاگردوں کا اختلاف ہے، شعبہ بن الحجاج صحاح ستہ کے راوی، ثقہ، حافظ اور متقن تھے۔ (التقریب ۲۷۹۰) مگر جمہور غیر جانبدار محدثین نے متعدد علل کی وجہ سے آپ کی اس روایت کو خطا (غلط) اور سفیان کی روایت کو صواب قرار دیا ہے۔ حاکم اور حافظ ذہبی نے اگر شعبہ کی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے تو امام بخاری اور امام ابوزرعہ نے شعبہ کی حدیث کو خطا اور ثوری کی حدیث کو اصح قرار دیا ہے۔ (العلل الکبریٰ للترمذی: ۲۱۷/۱) امام دارقطنی نے کہا: یقال أنه وهم فیہ لأن سفیان الثوری ومحمد بن سلمہ بن کہیل وغیرہما رووا عن سلمة فقالوا: ورفع صوتہ بآمین وهو الصواب (سنن دارقطنی: ۳۳۴/۱ ح: ۱۲۵۶) امام بیہقی نے کہا: وقد اجمع الحفاظ: محمد بن اسماعیل وغیرہ علیٰ أنه أخطأ فی ذالک (معرفۃ السنن والاثار: ۲۱۰)۔

☆ سفیان ثوری کی روایت کو شعبہ کی روایت پر کئی لحاظ سے ترجیح حاصل ہے:

(۱) سفیان ثوری کی العلاء بن صالح (ثقفہ) نے متابعت کی ہے، اور شعبہ کا کوئی متابع نہیں۔

(۲) سفیان کی روایت کے دو شاہد ہیں، اور شعبہ کا کوئی شاہد نہیں۔

شاہد نمبر ۱: کہا جاتا ہے علقمہ بن وائل نے بھی یہ حدیث: یجہر بآمین: اپنے والد وائل بن حجر سے بیان کی ہے (مسند احمد ۴/۳۱۸، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۴/۵۸) علقمہ بن وائل صحیح مسلم کے راوی ہیں، ابن سعد اور ابن حبان نے آپ کو ثقہ قرار دیا ہے۔ (التهذیب: ۷/۲۴۷) ناقابل تردید دلائل سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنے والد سے احادیث سنی ہیں۔ (صحیح مسلم ۶۹۸۰، اور ۴/۳۸۷، ملاحظہ کیجئے) علقمہ سے ابواسحاق (عمر بن عبد اللہ الہمدانی) راوی ہیں، آپ کتب ستہ کے راوی اور ثقہ عابد تھے۔ آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ (التقریب: ۵۰۶۵) آپ مدلس بھی تھے۔ (طبقات المدلسین: ۱/۳۹۱، ملاحظہ کیجئے) آپ سے شریک نے یہ حدیث بیان کی ہے، آپ سے شریک کی روایت قبل از اختلاط ہے کیونکہ وہ آپ سے قدیم السماع تھے۔ (میزان الاعتدال: ۲/۲۷۳) سماک نے ابواسحاق کی متابعت کی ہے (کتاب التمییز لمسلم: ۱۰۶، امام مسلم نے فرمایا ہے: اخطأ شعبۃ فی هذه الروایة حین قال: واخفی صوته، وسند کرانشاء اللہ روایة من حدث عن شعبۃ فیہا فاصاب ثم ذکر الخ) سماک صحیح مسلم کے راوی اور صدوق تھے، مگر عمرہ سے ان کی روایت میں خاص کر اضطراب ہے، اور آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے اور تلقین قبول کر لیتے تھے۔ (التقریب: ۵۰۶۵)۔

شریک بن عبد اللہ القاضی صحیح مسلم کے راوی ہیں، صدوق یخطئی کثیراً تغیر حفظہ منذ ولی القضاء بالكوفة وکان عادلاً فاضلاً عابداً شديداً علی اهل البدع،، (التقریب: ۲/۲۷۷) یعنی منصب قضاء پر فائز ہونے کے بعد ان کا حافظہ کمزور پڑ گیا تھا۔ ایسے راوی سے روایت متابعت میں جب کہ اصل صحیح یا حسن ہو تو پیش کی جاسکتی ہے۔ شریک سے اسود بن عامر (ثقفہ) نے اور ان سے احمد بن حنبل وغیرہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

شاہد نمبر ۲: کہا جاتا ہے کہ عبد الجبار بن وائل نے بھی یہ حدیث اپنے والد سے آمین بالجھر کے مفہوم کے ساتھ بیان کی ہے۔ (سنن ابن ماجہ: ۸۵۵، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۲۲۵ ج ۷، ۹۵۹، مسند احمد ۴/۳۱۵ ج ۳، ۱۸۸۴، سنن دارقطنی: ۱/۳۳۲ ج ۱، ۱۲۵۹، نسائی بحوالہ نصب الراية: ۳۱۱) عبد الجبار بن وائل صحیح مسلم کے راوی اور ثقہ تھے ان کے والد سے ان کی روایت مرسل ہے۔ (التقریب: ۳/۴۴۳)

دیوبندیوں کے نزدیک مرسل حجت ہے۔ (احسن الکلام: ۲۶۲/۱) دیگر محدثین کے نزدیک مرسل ضعیف ہوتی ہے مگر صحیح و حسن لذاتہ کی تائید اور اعصاب کی صورت میں اسے شواہد میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ عبد الجبار سے ابواسحاق وغیرہ نے یہ حدیث بیان کی ہے، ابواسحاق سے زہیر، یونس بن ابی اسحاق، زید بن ابی ایسہ، اور ابو بکر بن عیاش نے یہ حدیث بیان کی ہے۔ زہیر ثقہ ثابت ہیں، مگر ان کا سماع ابواسحاق سے آخری عمر کا ہے، آپ کتب صحاح ستہ کے راوی ہیں۔ (التقریب: ۲۰۵/۱) یونس صحیح مسلم کے راوی اور جمہور کے نزدیک ثقہ اور صدوق ہیں، آپ کو کچھ اوہام بھی ہوئے ہیں۔ حافظ ذہبی نے کہا: بل هو صدوق لا بأس به، (میزان الاعتدال: ۴/۸۳۳) زید کتب ستہ کے راوی اور ثقہ تھے۔ (التقریب: ۲۱۱/۸) ابو بکر بن عیاش قول راجح میں جمہور کے نزدیک ثقہ و صدوق ہیں لہذا احسن الحدیث ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے نور العینین مطالعہ کیجئے (طبع جدید: ۱۶۸)۔

(۳) جمہور محدثین نے شعبہ کی روایت کو خطاً اور ثوری کی روایت کو صواب قرار دیا ہے۔

(۴) شعبہ کی روایت میں اضطراب ہے، یہ بات ابو بکر الاثرم نے کہی ہے جبکہ سفیان کی روایت میں اضطراب نہیں ہے (تلخیص الحجیر: ۳۳۷)۔

(۵) محدثین کا قاعدہ اور ضابطہ ہے کہ سفیان اور شعبہ کی روایت میں جب بھی اختلاف ہو تو سفیان کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ امام بیہقی نے کہا: لا أعلم اختلافاً بین اهل العلم بالحديث أن سفیان وشعبة إذا اختلفا فالقول قول سفیان۔

علم حدیث سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان اس امر میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جب سفیان اور شعبہ کے مابین اختلاف ہو تو سفیان کا قول راجح ہوگا۔ (اعلام الموقعین: ۲/۳۹۶، عون المعبود: ۳/۲۰۷، الخلافات للبيهقي: ۱/۵۰) تکلی القطان نے کہا ہے: جب شعبہ سفیان کی مخالفت کرے تو میں سفیان کے قول کو لیتا ہوں۔ (الجرح والتعديل: ۴/۲۲۳، ۲۲۴، وسنده صحيح. تهذيب التهذيب: ۴/۱۰۱) یعنی حدیث کی روایت میں، نیز ملاحظہ فرمائیں (شرح علل الترمذی لابن رجب: ۱/۱۵۶، ۱۷۷)۔

(۶) وائل بن حجر کی روایت (جو کہ ثوری کی سند کے ساتھ ہے) کے دیگر صحابہ کرام سے کئی روایات بھی شاہد ہیں، جب کہ شعبہ کی روایت کا کوئی شاہد نہیں ہے۔ دونوں روایات کی تطبیق علماء احناف کے الفاظ سے۔

(۱) ابن الہمام فرماتے ہیں: ولو كان الی فی هذا شیء لوفقت بأن رواية الخفض يراذ بها عدم القرع

العنیف، وروایۃ الجہر بمعنی قولہا فی زبر الصوت وذیلہ يدل علی هذا ما فی ابن ماجہ، کان صلی اللہ علیہ وسلم اذا تلا غیر المغضوب علیہم ولا الضالین ﴿﴾ قال آمین حتی یسمع من فی الصف الاول فیرتج بہا المسجد، ابن ماجہ: ۱/۲۶۲، برقم: ۸۵۲، وارتجاجہ اذا قیل فی الیم فانہ الذی یحصل عنہ دوی كما یشاہد فی المساجد، بخلاف ما اذا کان بقرع، وعلی ہذا فینبغی أن یقال علی هذا الوجه لا بقرع كما فعلہ بعضهم (فتح القدير: ۱/۳۰۲).

(۲) شاہ النور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بین: بقی اختلاف سفیان وشعبۃ فی حدیث وائلؓ فوجہہ عندی أنه من باب حفظ کل ما لم یحفظہ الآخرو الحدیث یسقط علیٰ مذهب الشافعیۃ، وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جہر فیہا بالتأمین دون جہر الفاتحۃ وهو مذهب الامام الشافعیؒ، فكان فی تأمینہ جہر وخفض معاً، الجہر فی نفسہ والخفض بالنسبۃ الی الفاتحۃ، فما یروہ شعبۃ ایضاً صحیح، وما یؤدیہ سفیان ایضاً صحیح الا ان کلاہما یؤدیان حصۃ من المراد، فجہرہ، أداہ سفیانؒ، وخفضہ، بالنسبۃ الی الفاتحۃ، ذکرہ شعبۃ، والأمران صحیحان ہذا هو الرأی عندی والناس حملوہ علی الاختلاف فاظطر کل الی اعلال ما عند الآخر، ولا حاجۃ الیہ عندی: فیض الباری: ۲/۲۹۵.

(۳) ان دونوں کی تطبیق کے بعد مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ نقل کرتے ہیں:

قلت: لقد طفنا كما طفتم سيننا بهذا البيت طرا جمعينا

فوجدنا بعد التأمل والامعان القول بالجهر بآمين هو الاصح لكونه مطابقا لما روى عن سيد بنى عدنان، ورواية الخفض عنه صلی اللہ علیہ وسلم ضعيفة لا تنوازى روايات الجهر، ولو صحت وجب ان تحمل علی عدم القرع العنیف كما اشار الیہ ابن الہمام، وای ضرورة داعیۃ الی حمل روايات الجهر علی بعض الاحیان او الجهر للتعلیم مع عدم ورود شئی من ذالک فی روایۃ، والقول بأنه کان فی ابتداء الأمر اضعف لان الحاکم قد صححہ من روایۃ وائل بن حجرؒ وهو انما اسلم فی اوخر الامر كما ذکرہ ابن حجر فی فتح الباری. واما اثر ابراہیم النخعی ونحوہ فلان تنوازى الروایات المرفوعۃ والله اعلم [السعاية: ۱۷۶/۲].

مذکورہ عبارات سے ان علماء کا مقصد ظاہر ہے کہ حدیث وائل بن حجرؒ میں شعبہ اور سفیان کا جو اختلاف ہے یہ اخفا

اور جبر کا نہیں بلکہ سفیان کا مقصد یہ ہے کہ آمین فی نفسہ جبر سے تھا جبکہ شعبہ کا مقصد یہ کہ نسبت فاتحہ آپ ﷺ نے آمین پست اواز سے کہی، تو ان علماء نے دونوں روایتوں کا تطبیق بھی کیا، تعارض کو دفع کیا اور یہ بھی ثابت کیا کہ آمین بالجبر صحیح سنت سے ثابت ہے۔ اور ان علماء کے قول کا تائید حدیث ابو محذورہ میں موجود ہے جو کہ ابوداؤد نے نقل کیا ہے: قال قلت یارسول اللہ علمنی سنة الآذان قال فمسح مقدم رأسه قال تقول الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، ثم تقول اشهدان لا اله الا الله، اشهدان لا اله الا الله، اشهدان محمد رسول الله، اشهدان محمد رسول الله، تخفض بها صوتك، الحديث سنن ابی داؤد: ۴/۱۳۵، مع المنهال یعنی میں نے کہا یا رسول اللہ مجھے اذان سکھلاؤ کیونکر کہتے ہیں، آپ نے میرے سر پر آگے کی جانب ہاتھ پھیرا، اور فرمایا: الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، الله اكبر، بلند آواز سے کہہ: پھر آہستہ سے کہہ: اور پھر بلند آواز سے کہہ: اشهدان لا اله الا الله، اشهدان لا اله الا الله، اشهدان محمد رسول الله، اشهدان محمد رسول الله، الحدیث۔

جبکہ یہی معنی حدیث ابی قتادہ میں بھی مذکور ہے کہ، عن ابی قتادہ ان النبی ﷺ خرج لیلۃ فاذا هو بابی بکری صلی یخفض من صوته، قال ومر بعمر بن الخطاب وهو یصلی رافعا صوته، قال فلما اجتمع عند النبی ﷺ قال النبی ﷺ یا ابابکر مررت بک وانت تصلی تخفض صوتک، قال قدا سمعت من ناجیت یارسول اللہ، قال وقال لعمر مررت بک وانت تصلی رافعا صوتک، قال فقال یارسول اللہ اوقظ الوسنان واطرد الشيطان. زاد الحسن فی حدیثہ فقال النبی ﷺ یا ابابکر ارفع من صوتک شیئا و قال لعمر اخفض من صوتک شیئا. ابوداؤد: باب رفع الصوت بالقرأة فی صلاة اللیل: ۱/۵۴۰ (مترجم)۔

ابوقادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک شب کو نکلے انہوں نے ابو بکرؓ کو دیکھا چپکے چپکے نماز پڑھ رہے ہیں، اور عمرؓ کو دیکھا بلند آواز سے قرأت کر رہے ہیں، جب دونوں (ابو بکرؓ و عمرؓ) رسول اللہ کے پاس آئے، آپ نے پوچھا اے ابو بکر میں جو تمہارے پاس گیا تو دیکھا تم چپکے چپکے نماز پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں اس کو سناتا تھا جو کا نا پھوسی بھی سن لیتا ہے۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کو) پھر آپ نے فرمایا اے عمر میں جو تمہارے پاس گیا تو دیکھا تم بلند آواز سے پڑھ رہے تھے؟ انہوں نے کہا یا رسول اللہ میں سوتے کو جگا تا تھا، اور شیطان کو بھگا تا تھا (یعنی پکار کر پڑھنے سے یہ غرض تھی

کہ جو لوگ سو رہے ہیں نماز کو نہیں اٹھے وہ آواز سن کر چونک جاویں۔ حسن کی روایت میں اتنی زیادہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو بکر تم اپنی آواز تھوڑی بلند کرو، اے عمر تم اپنی آواز تھوڑی پست کرو۔

تو ان دونوں حدیثوں سے بھی معلوم ہوا کہ خفض کا معنی پست آواز یعنی معمولی جہر ہے جبکہ محققین علماء کا بھی یہ قول ہے کہ آئین زیادہ اونچی آواز سے نہیں کہنا چاہئے۔ بس اتنا کہ بعد والی صف اس کو سنے جیسا کہ حدیث میں ہے:

چند غلط فہمیوں کا ازالہ:

(۱) بعض لوگوں نے کہا: آئین دعاء و ذکر ہے، اور دعاء و ذکر میں اصل اخفاء ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ادعوا ربکم تضرعاً وخفیةً انه لا یحب المعتدین﴾ اعراف: ۵۵۔

ترجمہ: اپنے رب سے عاجزی اور آہستگی کے ساتھ دعا کیا کرو، بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتے۔ (اظهار التحسین فی اخفاء التأمین: ۵۱؛ ۵۲)۔

جواب (۱) اس آیت کے معنی ہماری تحقیق کے مطابق آج تک کسی مستند مفسر نے بھی خفیہ آئین کہنے کے نہیں کئے۔ جیسے تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن جوزی، تفسیر معالم التنزیل، تفسیر بیضاوی، تفسیر کبیر، تفسیر مدارک، تفسیر جلالین، تفسیر فتح البیان وغیرہ ملاحظہ کیجئے، اور اس کے ساتھ کتاب (الظفر المبین فی رد مغالطات المقلدین) بھی ملاحظہ ہو، اسلئے یہ مفہوم ایک خود ساختہ اور جدید اختراع ہے۔

(۲) آئین بالجہر کا حکم اس آیت کے عموم سے مستثنیٰ اور مخصوص ہے، اسلئے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام نے آئین بالجہر کہا ہے، لہذا رسول اللہ ﷺ کی بات قرآن کی آیت کے مفہوم کے تعین میں حجت ہے۔ اس آیت کے مفہوم سے اور بھی کئی دعائیں مستثنیٰ ہیں۔ مشتمونہ خروار صحیح مسلم میں ہے: فلما قضی النبی ﷺ صلواتہ ثم دعا علیہم الخ، (کتاب الجہاد باب مالقی النبی ﷺ من اذی المشرکین: ح ۱۰۷، ۱۰۸) اور یہی صحیح مسلم میں ہے براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ: فسمعتہ یقول: رب قنی عذابک... الخ، (کتاب الصلوٰۃ باب استجاب التمیم الامام: ح ۹۲، ۹۳)۔

(۳) اگر اس آیت کی رو سے اہل الرائے کے نزدیک ہر دعا کو خفیہ پڑھنا لازم ہو تو وہ خود اس آیت کے خود ساختہ مفہوم

کے خلاف بلند آواز سے کیوں دعائیں کرتے ہیں؟ مثلاً جہری نمازوں میں فاتحہ بالجہر پڑھتے ہیں جو دعائے۔ فرض نماز کے بعد اونچی آواز سے دعا کرتے ہیں۔ بسا اوقات امام کی دعا پر مقتدی اونچی آواز میں آمین بھی کہتے ہیں۔

(۴) ہمارے نزدیک رسول اللہ ﷺ نے جو دعائیں کی ہے وہ خفیہ کرنی چاہئے اور جو بالجہر کی ہے وہ بالجہر کرنی چاہئے، چونکہ آمین آپ ﷺ سے اور آپ کے جان نثار صحابہ کرام سے ثابت ہے، لہذا آمین بالجہر کہنی چاہئے قرآن کریم کے عموم کی تخصیص خبر واحد کیساتھ ائمہ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔ (الاحکام لکامدی: ۲/۳۷۷)۔

فائدہ دوم:

امام بخاری نے (جزء القراءت: ۲۵) میں لکھا ہے: کہ متواتر احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نماز میں سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی، یہ ارشاد نبوی عام ہے اس میں مرد، عورت، امام، مقتدی اور منفرد سب شامل ہیں۔ ان احادیث میں سے ایک حدیث عبادہ بن صامت سے نقل ہے

پہلی حدیث: عبادہ بن صامت سے نقل ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الكتاب“ یعنی اس کی نماز نہیں ہوتی جو سورت فاتحہ نہ پڑھے، یہ روایت متفق علیہ ہے۔ (بخاری حدیث نمبر: ۷۶۵۶، مسلم: ۳۳۶، ۳۳۷) جبکہ امام بیہقی نے جزء القراءت: ۶۳ حدیث نمبر ۱۲۱، میں۔ اور اسی طرح امام نسائی نے ۱۴۱/۲، میں اور ابن حبان نے ۸۶۷، ۹۵، میں ان الفاظ سے نقل کی ہے: ”لا یقرآن احد منکم اذا جهرت الابام القرآن“ جب میں جہر کے ساتھ قرأت کر رہا ہوں تو تم میں سے کوئی شخص بھی سورت فاتحہ کے علاوہ اور کچھ نہ پڑھے۔

دوسری روایت: رفاعہ بن رافع الزرقانی سے ایک لمبی روایت نقل ہے: جو کہ صلوة کے متعلق ہے، اس میں یہ الفاظ نقل ہیں ”اذا اقمیت الصلوة فکبرتم اقرأ بفاتحة الكتاب و ماتیسرثم ارکع“ الحدیث، یعنی جب نماز کی اقامت ہو جائے، تو تکبیر کہہ، پھر سورت فاتحہ پڑھ اور اس کے بعد جو آسان ہو۔ پھر رکوع کر: شرح السنة للبلغوی ۱۰۳/۱۔ اور آگے فرمایا، یہ حدیث حسن ہے۔

تیسری حدیث: انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ: ان النبی ﷺ صلی باصحابہ فلما قضی صلاتہ اقبل علیہم بوجهہ فقال اتقروا فی صلاتکم والامام یقرأ؟ فسکتوا فقال ثلاث مرآت فقال قائل او قائلون انالنفعل قال: فلانفعلوا اولیقرأ احدکم بفاتحة الكتاب فی نفسه.

یعنی انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ کو ایک نماز پڑھائی، پس جب آپ نے نماز پوری کی تو ان کی طرف چہرہ مبارک کرتے ہوئے فرمایا، کیا تم اپنی نماز میں پڑھتے ہو جبکہ امام پڑھ رہا ہوتا ہے؟ تو وہ خاموش ہو گئے آپ نے یہ بات تین دفعہ دہرائی، تو ایک یا کئی اشخاص نے کہا: بے شک ہم ایسا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا: پس ایسا نہ کرو، اور تم میں سے ہر شخص سورت فاتحہ اپنے دل میں پڑھے۔ (مسند ابی یعلیٰ الموصلی: ۱۸۷، ۱۸۸، ح ۲۸۵۰)۔ صحیح ابن حبان: ۱۵۲۵۔

چوتھی حدیث: ایک صحابی کی روایت: ”عن محمد بن ابی عائشہ عن شہد ذاک قال: صلی النبی ﷺ فلما قضی صلاته قال: اتقروا والامام یقرأ قالوا: اناللفعل قال: فلا تفعلو الا ان یقرأ أحدکم بفاتحة الكتاب فی نفسه“

محمد ابو عائشہ نے ایک صحابی سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا: کیا تم اس وقت پڑھتے ہو جبکہ امام پڑھ رہا ہوتا ہے، انہوں (صحابہ) نے کہا: ہم بے شک ایسا کرتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: پس ایسا نہ کرو، سوائے اس کے کہ تم میں سے ہر شخص سورت فاتحہ اپنے دل میں پڑھے۔ (مصنف عبد الرزاق ۱۲۶۲، ۱۲۷، و مسند احمد ۲۳۶۲)۔

پانچویں حدیث: عبد اللہ عمروؓ کی ہے: عن عمرو بن شعیب عن ایبہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ اتقروا خلفی؟ قالوا نعم انالنهذہذا قال فلا تفعلو الا بام القرآن۔

عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میرے پیچھے پڑھتے ہو؟ تو انہوں نے جواب میں کہا: جی ہاں، ہم جلدی جلدی پڑھتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کچھ بھی نہ پڑھو سوائے فاتحہ کے، اس روایت کو امام بخاریؒ نے جزء القرأت حدیث نمبر ۶۳، میں اور امام بیہقی نے کتاب القرأت ۷۹، میں نقل کیا ہے۔

چھٹی حدیث: حدیث ابی ہریرہؓ عن ابی ہریرہؓ عن رسول اللہ ﷺ انالنهذہذا قال فلا تفعلو الا بام القرآن۔ حدیث، رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو فرمایا جب فرض نماز کی اقامت ہو جائے تو تکبیر کہہ پھر قرأت کر پھر رکوع کرو۔ یہ حدیث امام بخاریؒ نے جزء القرأت نمبر ۱۱۳، میں نقل کیا ہے۔

ساتویں حدیث: معاویہ بن الحکم السلمیؓ کی ہے: معاویہ بن الحکم السلمیؓ کی ایک طویل حدیث کا خلاصہ ہے کہ انہوں

نے نبی کریم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور نماز میں باتیں کرتے رہے فرماتے ہیں: فلما صلی رسول اللہ ﷺ فبأبی وأمی مارأیت معلما قبله، بعده، احسن تعلیما منه، فوالله ما کهرنی ولا ضربنی ولا شتمنی، ثم قال: ان هذا الصلوة لا یصلح فیها شیء من کلام الناس انما هو التسییح والتکبیر وقرأة القرآن“

پس جب رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تو میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ سے بہترین استاد نہ پہلے میں نے دیکھا اور نہ بعد میں۔ آپ نے نہ تو مجھے جھڑکا نہ مارا اور نہ برا بھلا کہا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اس نماز میں انسانوں کے کلام کی کوئی چیز جائز نہیں ہے، یہ نماز توسییح و تکبیر اور قرآن کا پڑھنا ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۳۱، ح ۵۳۷)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی جس طرح تسییح و تکبیر کہے گا، اسی طرح سورۃ فاتحہ بھی پڑھے گا، کیونکہ یہ حدیث خاص طور پر مقتدی کے بارے میں ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے بھی اس سے قرأت خلف الامام کے بارے میں استدلال کیا ہے۔ (جزء القرأت: ۶۹، ۷۰، بیہقی (۱۷۷ ح ۱۷۷))

آٹھویں حدیث: خلیفہ راشد امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے: قال یزید بن شریک انه سئل عمر عن القرأة خلف الامام؟ فقال اقرأ بفاتحة الكتاب قلت: وان كنت انت؟ قال فان كنت انا، قلت وان جهرت؟ قال وان جهرت“

یزید بن شریک (تابعی) سے روایت ہے کہ انہوں نے عمرؓ سے قرأت خلف الامام کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: فاتحہ پڑھ تو میں (یزید) نے کہا: اور اگر آپ ہوں؟ تو فرمایا: اگر میں ہوں (تو بھی پڑھ) میں (یزید) نے پوچھا: اگر آپ قرأت بالجہر کر رہے ہوں؟ تو فرمایا: اور اگر میں جہر سے پڑھوں (تو بھی پڑھ)۔ (المستدرک: ۲۳۰، سنن کبریٰ: ۱۶۷۲، مصنف عبدالرزاق: ۱۳۱/۲)

نویں حدیث ابوسعید خدری: امام بخاری نے فرمایا: قال ابونضرة سألت ابوسعید الخدری عن القرأة خلف الامام؟ فقال بفاتحة الكتاب“ ابونضرة نے کہا: میں نے ابوسعید خدریؓ سے امام کے پیچھے قرأت کا پوچھا؟ تو انہوں نے فرمایا سورۃ فاتحہ پڑھ۔ یہ روایت امام بخاری نے جزء القرأت: ۳۰، ۳۱، میں اور امام بیہقی نے کتاب القرأت: ۱۱۰، میں نقل کیا ہے۔

دسویں حدیث: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے: عن العیزار عن ابن عباس قال اقرأ خلف الامام

بفاتحة الكتاب“ عیزار نے کہا: کہ عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: امام کے پیچھے سورت فاتحہ پڑھ۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے مصنف: ۱/۳۷۵، میں اور امام بیہقی نے سنن کبریٰ: ۱۶۹/۲، میں نقل کیا ہے۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔ ان کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں مقتدی کو فاتحہ کا حکم دیا گیا ہے، لیکن یہاں اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

تیسرا فائدہ

بعض لوگ اس آیت کریمہ ”صراط الذین انعمت علیہم“ سے مسئلہ تقلید کے لئے استدلال کرتے ہیں تو اس مسئلہ کا مذکورہ آیت سے دور کا تعلق بھی نہیں یہ ایک جاہلانہ استدلال ہے، محمد رسول اللہ ﷺ سے لیکر آج تک کسی مفسر، عالم، فقیہ نے اس آیت سے یہ مسئلہ مستند نہیں کیا ہے، لہذا یہ ان لوگوں کا کام ہے جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا ہے: فاما الذین فی قلوبہم زینغ فیتبعون ماتشابہ منہ ابتغاء الفتنة وابتغاء تاويلہ (العمران: ۷۶)۔ اور اس آیت کی تفسیر بھی کسی سے مخفی نہیں، علاوہ ازیں اگر ان کا یہ تفسیر مان لیا جائے تو یہاں پر تمام ربانی انعام یافتہ لوگوں کے راستے کا ذکر ہے، بعض انعام یافتہ کا نہیں لہذا اس آیت کریمہ سے اجماع کا حجت ہونا ثابت ہوا، یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ ربانی انعام یافتہ (انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین) کا راستہ، اللہ اور رسول کی اطاعت ہے آنکھیں بند کر کے کسی غیر نبی کی بے دلیل تابع داری نہیں، لہذا اس آیت کریمہ سے بھی تقلید کا رد ہی ثابت ہے، اور اس مسئلہ کی مزید تحقیق انشاء اللہ سورہ بقرہ میں آئے گی۔

چوتھا فائدہ:-

یہاں اکثر مفسرین نے ”وسیلہ“ کے متعلق بحث لکھا ہے: لیکن بعض مفسرین نے یہاں وسیلہ کا ذکر ان الفاظ سے کیا ہے۔

وسیلہ، استعانت اور استمداد کے مسئلے میں بکثرت لوگوں کو اشکال رہتا ہے، امید ہے کہ اس تشریح سے اصل حقیقت واضح ہو جائے گی اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بنانا نہ مطلقاً جائز ہے اور نہ مطلقاً ناجائز ہے، بلکہ اس میں وہ تفصیل ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے، کہ کسی کو مختار مطلق سمجھ کر وسیلہ بنایا جائے تو شرک حرام ہے، اور محض واسطہ اور ذریعہ سمجھ کر کیا جائے تو جائز ہے۔ (معارف القرآن)۔ اور اسی طرح عبارت تفسیر عثمانی میں بھی ہے۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں اس کا تفصیلی بحث (سورت مائدہ: ۳۵) میں آئے گا۔

سورة البقرة (مدنية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ .

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اس سورت کا نام مشہور تو یہی ہے ”بقرة“ کے معنی گائے کے ہیں، چونکہ اس سورت کی آیت نمبر (۶۸) میں گائے سے متعلق ایک قصہ بیان ہوا ہے، اس لئے اسی مناسبت سے اس کا نام سورت البقرہ (یعنی وہ سورت جس میں گائے کا ذکر ہے) رکھا گیا۔

صحیح حدیثوں میں سورت بقرة کی بہت کچھ فضیلت ثابت ہے۔ ایک حدیث شریف میں رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے: ”ان لكل شىء سناماوان سنام القرآن سورة البقرة“ مستدرک، جامع الترمذی، وانظر تفسیر ابن کثیر، یعنی ہر چیز کا ایک اعلیٰ حصہ ہوتا ہے، اور قرآن مجید کا اعلیٰ و برتر حصہ سورة بقرة ہے۔ قرآن مجید کی سورتیں کلام اللہ ہونے کے لحاظ سے سب برابر ہیں، البتہ مضامین کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت ہے، سورة بقرة میں چونکہ تمام بنیادی عقائد، توحید و رسالت، کتب، آخرت وغیرہ مرکزی اعمال، جہاد، انفاق، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ اور بعض اہم معاملات نکاح، طلاق، عدت، قصاص، وصیت، رہن، قرض، سود وغیرہ تفصیل سے مذکور ہیں، بلکہ وہ تمام مضامین جو پورے قرآن مجید میں پھیلے ہوئے ہیں وہ تفصیلاً یا اجمالاً سارے کے سارے اس سورت میں آگئے ہیں، اسی مناسبت سے بعض روایتوں میں اس سورت کا نام ”فسطاط القرآن“ بھی آیا ہے فسطاط کے معنی خیمہ کے ہیں جس طرح خیمہ نیچے بیٹھنے والوں پر حاوی ہوتا ہے، اسی طرح یہ سورت بھی قرآن مجید کے تمام مضامین پر حاوی ہے، اس لئے اس لحاظ سے باقی سورتوں پر فضیلت و برتری حاصل ہے، ایک حدیث میں آپ کا ارشاد ہے: اقرؤا سورة البقرة فان اخذها برکة وترکها حسرة ولا يستطيعها البطلة۔ (صحیح مسلم و مسند احمد)۔

یعنی سورت بقرة پڑھا کرو، کیونکہ اس کا پڑھنا اور اس پر عمل کرنا باعث برکت اور اس کا ترک موجب حسرت و ندامت ہے۔ مگر باطل پرست لوگ اس پر عمل نہیں کر سکیں گے۔

ربط: سورت بقرة کو سورت فاتحہ کے ساتھ کئی طرح سے ربط ہے:

(۱) **ربط اسمی:** یہودی گائے کی پرستش اور اس کی تعظیم کیا کرتے تھے، چنانچہ سامری نے جب سونے

کا پچھڑا بنا کر ان کے سامنے لا رکھا، تو سب اس کے سامنے جھک گئے اور اسے پوجنے لگے، یہود کے علاوہ خود شریکین عرب بھی گاؤ پرستی میں مبتلا اور اس کے تقدس کے قائل تھے، جب کبھی بارش نہ ہوتی تو وہ گائے کی دم کے ساتھ گھاس پھوس باندھ کر اور اسے آگ لگا کر چھوڑ دیتے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جب آگ سے گائے کی دم جلے گی، تو وہ چیخ و پکار کرے گی، اور اس کی چیخ و پکار اور بے چینی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بارش برسائے گا۔ چنانچہ زمانہ جاہلیت کا ایک سمجھدار اور سلیم القدر شاعر الورل الطائی ایسے ضعیف الاعتقاد مشرکوں کو ملامت کرتے ہوئے کہتا ہے:

لا در در رجال خاب سعيهم يستمطرون لدى الازمات بالعشر

ان لوگوں کا عمل بے نتیجہ ٹھہرا جن کی کوشش ناکام ہوئی اور جو خشک سالی میں عشر (ایک پودا) کے ذریعہ بارش طلب کرتے ہیں۔ (لسان العرب)۔

اجاعل انت بيقورامسلعة ذريعة لك بين الله و المطر

کیا تو اللہ اور بارش کے درمیان اس گائے کو وسیلہ بناتا ہے جس کی دم سے سلح (ایک پودا) کی ٹہنیاں بندھی ہوئی ہیں۔ (مشکل القرآن ابن قتیبة)۔

اور اس وقت کے عیسائی تو آل عمران کے بعض بزرگوں کی الوہیت کے قائل تھے، اور انہیں مالک و مختار سمجھ کر حاجات و مشکلات میں پکارتے تھے۔ عیسیٰ و مریم علیہما السلام کے متعلق عیسائیوں کے جو شرکاتہ عقائد تھے، وہ قرآن مجید میں جا بجا تفصیل سے مذکور ہیں، سورت بقرہ میں زیادہ تر روئے سخن، یہود کی طرف اور سورہ آل عمران میں نصاریٰ کی طرف ہے، ان دونوں سورتوں میں زیادہ تر حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا نمبر آتا ہے۔ اس زمانہ میں جس طرح حقوق اللہ کو نہایت بیباکی سے پامال کیا جا رہا تھا اسی طرح حقوق العباد کو بھی نہایت بے درداری سے ضائع کیا جا رہا تھا، خصوصاً عورتوں کے ساتھ نہایت وحشیانہ اور غیر منصفانہ سلوک کیا جا رہا تھا۔ اور ان کی فطری کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کی خوب حق تلفی کی جاتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے سورت البقرہ اور سورت آل عمران کے بعد سورت نساء میں عورتوں کے حقوق کی ادائیگی اور ان سے حسن معاشرت کی تلقین فرمائی، تاکہ مسلمان حقوق اللہ اور حقوق العباد آدا کر کے اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کریں، اور اللہ تعالیٰ کے خوانِ نعمت سے دنیا اور عقبی میں بہرہ مند ہو سکیں۔ اب ان سورتوں میں امی ربط بطریق ذیل ہوگا: اللهم اياک نعبد و اياک نستعین (فاتحة) ولا نعبد و لا نستعین البقرة كما فعل اليهود و المشركون (بقرة) . ولا نعبد و لا نستعین ال عمران كما فعل النصارى (ال عمران) و نوادی حقوق النساء رغبة و نؤتی

صدقاتھن نحلۃ (نساء) فانزل علینا مائدۃ انعامک و افضالک فی الدنیا و الاخرۃ (مائدۃ) اے اللہ! ہم صرف تیری بندگی کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں اور تیرے سوا کسی کی بندگی اور پرستش نہیں کرتے، جس طرح یہود اور مشرکین عرب گائے کی اور نصاریٰ آل عمران کے بزرگوں کی عبادت اور پرستش کرتے تھے۔ ہم عورتوں کے حقوق بہ رضاً و رغبت ادا کریں گے۔ پس اے اللہ! دنیا و آخرت میں اپنے فضل و احسان اور انعام و اکرام سے سرفراز فرما۔ یہ ربط امی سورت ماندہ تک ہے اس کے بعد کا ربط امی سورت انعام کے شروع میں مذکور ہوگا۔

دوسرا ربط: سورت فاتحہ میں ”اهدنا الصراط المستقیم“ سے ہدایت کی درخواست کی گئی ہے۔ اب سورت بقرہ کی ابتداء میں اس کی منظوری آگئی کہ یہ پوری کتاب سرچشمہ ہدایت ہے، اور سیدھی راہ دکھاتی ہے اور پھر سورت میں ہدایت کا جامع اور مکمل پروگرام بیان فرمایا ہے۔

تیسرا ربط: سورت فاتحہ میں تین جماعتوں کا ذکر تھا (۱) منعم علیہم جن پر اللہ کا انعام ہوا۔ (۲) ”مغضوب علیہم“ جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے۔ (۳) ”الضالین“ گمراہ لوگ منعم علیہم سے مومنین مراد ہیں جن کے چار درجے ہیں باقی دونوں گروہ غیر مومنین کے ہیں ان کے بھی چار درجے ہیں۔ جیسا کہ سورت فاتحہ کی تفسیر میں مفصل گزر چکا ہے۔ ”مغضوب علیہم“ سے وہ لوگ مراد ہیں جو فساد باطن کے ساتھ ساتھ فساد عمل میں بھی مبتلا ہیں، یعنی نہ ان کے عقائد صحیح ہیں اور نہ اعمال درست، (یہ کافروں کا گروہ ہیں) اور ”الضالین“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو فساد باطن کا شکار ہیں۔ اور ان کے عقائد میں کفر و شرک کی گندگی موجود ہے البتہ ان کے کچھ ظاہری اعمال مسلمانوں کے سے ہیں، (یہ گروہ منافقوں کا ہے) سورت فاتحہ میں ان تینوں جماعتوں کا ذکر اجمالی تھا، اب سورت بقرہ کی ابتداء میں لف و نشر مرتب کے طور پر قدرے تفصیل سے ان کا ذکر کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی ان کے کچھ اوصاف اور ان کی جزا و سزا کا بیان بھی آ گیا ہے۔ ”قال الامام الرازی و یحتمل ان یقال المغضوب علیہم هم الکفار، و الضالون هم المنافقون، و ذلک لانه تعالیٰ بدأ بذكر المؤمنين و الثناء علیہم فی خمس آیات من اول سورة البقرة ثم اتبعه بذكر الکفار و هو قوله ان الذین کفروا ثم اتبعه بذكر المنافقین و هو قوله و من الناس من یقول امانا فکذبا بدأ بذكر المومنین و هو قوله انعمت علیہم ثم اتبعه بذكر الکفار و هو قوله غیر المغضوب علیہم ثم اتبعه بذكر المنافقین و هو قوله ولا الضالین۔ (تفسیر کبیر)۔

چوتھا ربط: سورت فاتحہ میں بندوں سے ”ایک نعبہ“ کے ذریعے اللہ کی توحید کا اقرار لیا گیا ہے، اور عبادت و استعانت کو اللہ =

سَمِ

آل

اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے۔ (۱)

= کے ساتھ مخصوص ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ سورت بقرہ میں اسی دعویٰ توحید کو مختلف مقاصد کے پیش نظر تین جگہ ذکر کر کے ہر جگہ اسے دلیل عقلی سے واضح اور ثابت کیا گیا ہے۔ چنانچہ (۲۱) نمبر آیت میں، یا ایہا الناس اعبدوا ربکم سے دعویٰ پیش کیا اور پھر ”الذی خلقکم“ سے رزق الکم تک دلیل عقلی پیش کی، دوسری دفعہ (آیت: ۱۶۳) میں: وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ سے دعویٰ پیش کیا، اور اس کے بعد: (آیت: ۱۶۴) میں: ”إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاجْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلُوكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ، الْآيَةَ. میں دلیل عقلی بیان کی، تیسری بار (آیت: ۲۵۵) میں الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ، الْآيَةَ. دعویٰ میں پیش کیا۔ اور اس میں آیت کی آخر تک عقلی دلیل پیش کی، دعویٰ توحید کو تین بار ذکر کرنے کا مقصد جداگانہ ہے۔ پہلے موقع پر شرک فی الدعاء کی نفی مقصود ہے یعنی اللہ کے سوا عابدانہ دعا اور پکار سننے والا اور کوئی نہیں، دوسرے مقام پر نذر و نیاز اور منت میں شرک کی نفی مقصود ہے۔ اور تیسری جگہ شفاعت قہری کی تردید مقصود ہے۔

مختصر خلاصہ

سورت بقرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول ابتداء سورت سے اولئک ہم المتقون (۱۷۷) تک ہے، اور دوسرا حصہ وہاں سے سورت کے آخر تک، حصہ اول میں دو مضمون بیان کئے گئے ہیں توحید اور رسالت ابتداء سورت سے ”وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ“ ﴿۳۳﴾ توحید اور ”وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ“ ﴿۱۲۴﴾ سے حصہ اول کے آخر تک رسالت کا بیان ہے، گویا کہ پہلا حصہ ”لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ“ کی تشریح ہے۔ دوسرا حصہ مسلمانوں کے ظاہر و باطن کی اصلاح کے طریقے، اور اندرونی نظام کو درست کرنے کے لئے امور انتظامیہ بیان فرما کر مشرکین کے مقابلے میں انہیں جہاد اور انفاق کا حکم دیا گیا ہے، گویا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی خاطر مشرکین سے جہاد کا حکم فرمایا گیا ہے۔

(۱) یہ حروف مقطعات میں سے ہیں۔ جو قرآن مجید کی انتیس (۲۹) سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں، مفسرین کرام

نے ان حروف کے ان سورتوں کی ابتداء میں ذکر کرنے کی حکمتیں، ان کے ظاہری معانی اور ان کی تمثیلات بیان فرمائی ہیں۔ مفسرین کرام نے جو کچھ بیان کیا ہے اسے ان حروف مقطعات کے حقیقی معانی اور مرادات الہی تو نہیں کہا جاسکتا زیادہ سے زیادہ انہیں فوائد سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

یہ حروف بے معنی اور مہمل نہیں ہیں، ان سے مراد الہی متعین ضرور ہیں، لیکن ان کا بھید اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ہذا علم مستور و سر محجوب است اثر اللہ تبارک و تعالیٰ بہ۔ تفسیر کبیر، روح المعانی، بیضاوی، خلفائے راشدین اور ابن مسعود سے یہی منقول ہے، لکل کتاب سرّ و سر القرآن اوائل السور۔ روح المعانی، تفسیر کبیر (یعنی ہر کتاب کا ایک بھید ہوتا ہے اور قرآن مجید کے بھید سورتوں کے ابتدائی حصے یعنی حروف مقطعات ہیں۔ امام شعی فرماتے ہیں: سر اللہ تعالیٰ فلا تطلبوہ تفسیر کبیر، روح المعانی، یعنی یہ حروف مقطعات اللہ کا بھید ہیں ان کے پیچھے مت پڑو۔

سورتوں کی ابتداء میں ان حروف کے ذکر کرنے میں جو حکمتیں مفسرین کرام نے بیان کی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اعمال شرعیہ کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جن کی حکمت اور علت ہماری سمجھ میں آسکے، جیسے نماز، روزہ اور زکوٰۃ، یہ بات بہ خوبی سمجھ میں آسکتی ہے کہ نماز میں قیام اور رکوع اور سجود وغیرہ کے ذریعے اپنے مالک اور آقا کے سامنے انتہائی عاجزی اور بے چارہ گی کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ روزہ سے شہوات نفسانیہ کو کمزور کر کے روحانی پاکیزگی حاصل کی جاتی ہے۔ بھوک کے تجربہ سے غریبوں اور بھوکوں کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اور زکوٰۃ کے ذریعے حاجت سے زائد دولت سوسائٹی کے معذور اور محتاج طبقہ میں تقسیم کر کے ان کی ضروریات کو پورا کیا جاتا ہے۔

دوسری قسم ان اعمال کی ہے جن کی حکمت اور علت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ مگر ہم ایسے اعمال بجالانے کے مکلف ہیں، جیسا کہ افعال حج ہیں مثلاً صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا (دوڑنا) طواف میں رمل کرنا (کندھوں بلا بلا کر چلنا) اور جمرات پر سنگریزے پھینکنا۔ کمال انقیاد اور تسلیم اسی کا نام ہے، کہ احکم الحاکمین کے حکم کی تعمیل کی جائے خواہ اس کی علت سمجھ میں آئے یا نہ آئے بلکہ اطاعت کرنے کے لئے علت دریافت کرنا بے ادبی میں داخل ہے۔

اعمال شرعیہ کی طرح اقوال کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک تو وہ ہیں جن کا مفہوم ہماری سمجھ میں آسکتا ہے۔ ایسے اقوال کے پڑھنے ان کے معانی میں غور و فکر کرنے اور ان کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور کچھ اقوال ایسے ہیں، جن کا مفہوم ہماری عقل و فہم سے ماوراء ہے۔ مگر ہمیں ان کے بھی ماننے اور پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے (تفسیر کبیر) سورت ال عمران کی آیت کا یہی مطلب ہے: هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أَمْ =

ذَلِكَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۲﴾

یہ وہ کتاب ہے (۲) جس میں کوئی بھی شک نہیں۔ پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔

= الْكِتَابِ (الایة: ۷) یعنی وہ ایسا ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی، جس کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو محکم ہیں یعنی جن کا مطلب واضح اور ظاہر ہے، یہی آیتیں اس کتاب کا اصلی مدار ہیں۔ اور اس میں کچھ آیتیں ایسی ہیں، جن کی مراد مشتبہ ہے تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ دین میں شورش ڈھونڈنے اور اس کا مطلب تلاش کرنے کی غرض سے اس کے پیچھے ہولیتے ہیں، جس کی مراد مشتبہ ہے۔ حالانکہ اس کا مطلب بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا، جو لوگ علم دین میں پختہ کار ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ ہم اس پر اجماعاً یقین رکھتے ہیں، کہ یہ سب ہمارے پروردگار کے طرف سے ہیں، اور نصیحت صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو اہل عقل ہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہو گیا کہ قرآن مجید کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک ”محکمات“ یعنی وہ جن کا مطلب معلوم اور مراد متعین ہے ان کا حکم یہ ہے کہ ان کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ دوسری ”مثنابہات“ یعنی وہ جن کی مراد مشتبہ ہے اور اللہ کے سوا ان کی صحیح مراد کسی کو معلوم نہیں، علماء ربانین کا مثنابہات کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہیں لیکن ان کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ مثنابہات کی دو قسمیں ہیں: قسم اول حروف مقطعات جو بعض سورتوں کی ابتداء میں آئے ہیں جیسے الم، الراء، المر، طه، حم، وغیرہ۔ (ابن کثیر، روح المعانی، خازن، معالم، قرطبی) اور قسم دوم وہ الفاظ ہیں جن کے ظاہری اور لغوی معانی تو معلوم ہوں، لیکن ان کی کیفیت کو سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہ ہو، جیسے اللہ کی طرف سے یذ (ہاتھ) وجہ (چہرہ) وغیرہ کے اضافت جیسے اینماتو لوافتم وجه اللہ (البقرہ: ۱۱۵) ید اللہ فوق یدیہم (الف: ۱۰)۔

(۲) اس آیت کریمہ میں ترکیب نحوی کی کئی صورتیں ہیں ”ذالک الكتاب“ مبتدا اور ”لا ریب فیہ“ جملہ اس کی خبر ہو یا، ذالک مبتدا ہو اور الكتاب اس کا پہلی خبر اور لا ریب فیہ خبر بعد خبر ہو، یا علیحدہ جملہ ہو، اس صورت ”الكتاب“ کا الف لام حقیقت کے لئے ہوگا اور ذالک الكتاب کا مطلب یہ ہوگا کہ کامل اور صحیح معنوں میں کتاب یہی قرآن ہے۔ (روح المعانی) یا الكتاب کا الف لام عہد کے لئے ہوگا، اور اس سے اشارہ اس کتاب کی طرف ہوگا جس کے نزول کی بشارت تو رات اور انجیل کے ذریعے یہود و نصاریٰ کو مل چکی تھی۔ اور وہ جانتے تھے کہ نبی اسطیل میں آخری =

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۱۳۱﴾

جو کہ یقین کرتے ہیں غیب پر، (۳) اور نماز قائم کرتے ہیں (۴) اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے۔ اس میں سے خرچ کرتے ہیں (۵)

= نبی پیدا ہوگا، اور اس پر اللہ کی طرف سے کتاب نازل ہوگی۔ (روح المعانی)

مگر اس صورت میں ”لاریب فیہ“ کو علیحدہ جملہ قرار دینا زیادہ موزوں ہوگا۔ اور ترجمہ یوں ہوگا: بے شک یہ وہی کتاب ہے یعنی جس کی بشارت انبیاء سابقین دے چکے ہیں۔ ذلک الكتاب، ای الكتاب الذی اخبر الانبياء المتقدمون بان الله تعالى سينزله على النبي المبعوث من ولد اسمعيل (تفسیر کبیر)۔

ان دونوں ترکیبوں میں ہدی للمتقین میں دو احتمال ہونگے: یا تو یہ جملہ پہلے مبتداء کی خبر بعد خبر ہوگا، یہ علیحدہ جملہ ہوگا اور اس کا مبتدا ”هو“ محذوف ہوگا، ان دونوں ترکیبوں کی صورت میں لاریب فیہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کتاب کے اللہ کی طرف سے ہونے میں اور اس کے مضامین کی صحت اور واقعیت میں کوئی شک اور شبہ نہیں۔ یہاں نفس قرآن میں شک کی نفی مقصود ہے، یہ مطلب نہیں کہ اس میں کسی فرد بشر کو شک نہیں کیونکہ کسی آدمی کا قرآنی مضامین کی صحت یا اس کے من عند اللہ ہونے میں شک کرنا اس کے اپنے تصور فہم کا نتیجہ ہے یہ ریب اس کے اپنے فہم میں ہے نہ کہ قرآن میں، اس لئے یہاں مقصود یہ ہے کہ یہ کتاب فی نفسہ ہر قسم کی شک و ریب سے پاک ہے، اس کے دلائل واضحہ اور براہین قاہرہ نے اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ (قرطبی، مدارک، کبیر)۔

”ذلک الكتاب“ مبتداء، لاریب فیہ جملہ معترضہ برائے تاکید ”هدی للمتقین“ خبر، اس صورت میں

آیت کا ترجمہ یوں ہوگا: بے شک یہ کتاب ڈرنے والوں کے لئے سرایا ہدایت ہے۔ اس ترکیب کی صورت میں نہ ریب کے متعلق کوئی اشکال وارد ہوتا ہے اور نہ ہی کسی لفظ کو مقدر ماننے کی ضرورت ہے۔

یہاں ایک شبہ کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید کی کئی دوسری آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب (قرآن) بلا تخصیص تمام

انسانوں کے لئے ہدایت ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ہدی للناس وینات من الہدی و الفرقان (سورۃ بقرہ: ۱۸۵) مگر اس آیت میں قرآن مجید کے ہدایت ہونے کو متقی لوگوں کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے تو اس

کا جواب یہ ہے کہ بلاشبہ قرآن تا قیامت تمام بنی آدم کے لئے ہدایت ہے۔ مگر چونکہ اس کی ہدایت سے فائدہ صرف وہی

لوگ حاصل کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں خوف الہی ہو۔ اس لئے یہاں صرف متقین کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ (تفسیر، روح المعانی) یا متقین سے مراد: المنیبین الی اللہ الذین یتقون الصدو یتجنبون العناد۔ یعنی جو لوگ اللہ کی طرف متوجہ اور راہ حق کے طالب ہیں، جب وہ ہمد و عناد کو بالائے طاق رکھ کر نظر انصاف سے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے، تو ان پر یہ کتاب یقیناً ہدایت کی راہیں کھول دیگی اور ان کے دلوں کو ضرور نور ہدایت سے روشن اور نور کر دیگی۔ کما قال اللہ تعالیٰ: ”وما یتذکر الا من نیب“ (مومن: ۱۳) ”ویہدی الیہ من نیب“ (شوری: ۱۳) ”ومن خشی الرحمن وجاء بقلب منیب“ (ق: ۳۳) ”ویہدی الیہ من اناب“ (رعد: ۲۷)۔

یعنی ہدایت کو قبول کرنے اور اس کو روکنے کے اعتبار سے لوگوں کی تین قسموں کا بیان

پہلی جماعت: یعنی وہ لوگ جو ظاہر و باطن میں مسلمان ہیں ان کی پانچ صفات بیان فرمائی ہیں۔

(۳) ”متقین“ کی پہلی صفت ”یومنون“ ایمان سے ماخوذ ہے اور ایمان کے معنی دل سے ماننے اور تصدیق کرنے کے ہیں [قرطبی]۔ اور ”غیب“ ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو حس و عقل کی رسائی اور دسترس سے ماوراء ہو، ما لا یقع تحت الشعور ولا تفتضیہ بداهت العقل (روح المعانی) وهو قول جمهور المفسرین، ان الغیب هو الذی یکون غائباً عن الحاسة۔ (کبیر)۔ اور یہاں غیب سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن کا ادراک عقل و حس سے ناممکن ہے اور ان کے متعلق جو کچھ بھی معلوم ہے وہ پیغمبر ﷺ کی اطلاع و اخبار ہی سے معلوم ہے، مثلاً ذات باری تعالیٰ، فرشتے، کتب سماویہ، انبیاء متقدمین علیہم السلام، احوال برزخ، علامات قیامت، حشر و نشر، صراط، و میزان، جنت، دوزخ، وغیرہ۔ کل ما أخبرہ الرسول ﷺ مما لا تہتدی الیہ العقول، من اشرط الساعة و عذاب القبر و الحشر و النشرو الصراط و المیزان و الجنة و النار الخ۔ (قرطبی) انه ما أخبرہ ﷺ فی حدیث جبریل علیہ السلام وهو اللہ تعالیٰ و ملائکتہ و رسلہ و الیوم الآخر و القدر خیرہ و شرہ الخ (روح المعانی، ابن کثیر، قرطبی، ابن جریر)۔ تو آیت کا ما حاصل یہ ہوا، کہ وہ لوگ ان تمام امور کو جو ان کی عقل و فہم اور حس و ادراک سے باہر ہیں محض پیغمبر علیہ السلام کی اطلاع پر سچا مانتے اور ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

یہاں ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہئے، کہ عالم غیب کی تمام اشیاء اور ان سے متعلق احوال و کوائف مثلاً عالم برزخ اور ما بعد الحشر کی تفصیلات و کوائف کو خبر صادق ﷺ کے بیان کے مطابق ہی مانا جائے گا، ظن و تخمین اور عالم شہادت پر قیاس کے ذریعے عالم غیب کی کوئی چیز ثابت نہیں کی جاسکتی، عالم غیب کے امور جو نصوص قطعیہ سے ثابت ہیں مثلاً عذاب

قبر، حشر و نشر وغیرہ، ان کا انکار کفر اور جو امور دلائل ظنیہ سے ثابت ہیں مثلاً زندوں کے بعض اعمال سے مردوں کا منتفع ہونا، مثلاً ایصالِ ثواب، امت کے صلوات و سلام کا نبی علیہ السلام کو پہنچانا، اور عالم برزخ میں ارواح کا اجساد مثالیہ میں متمثل ہو کر عبادات اور دیگر افعال بجالانا وغیرہ کا انکار بدعت ہے۔ اور وہ امور جن کی بنیاد محض ضعیف اور بالکل کمزور روایتوں پر ہو، ان کے انکار سے ایمان میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ ایسے امور کے رد و قبول میں قرآنی ارشادات اور صحیح روایتوں سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔ مردوں کا سننا، امت کے اعمال کا نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش ہونا وغیرہ ایسے ہی امور ہیں، ان امور کی پوری تحقیق اپنی جگہ آئے گی۔

(۴) متقی لوگوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ نماز قائم رکھتے ہیں نماز قائم رکھنے سے اس کو اس کے تمام فرائض و واجبات، سنن و مستحبات اور حقوق و اداب کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے۔ یاتون بہا بحقوقہا (جلالین) عن ابن عباسؓ اقامت الصلوٰۃ اتمام الرکوع و السجود و التلاوت و الخشوع و الاقبال علیہا فیہا، وقال قتادة اقامة الصلوٰۃ المحافظة علی موافقتها و وضوئہا و رکوعہا و سجودہا. (ابن کثیر). اقامتہا عبارة عن تعديل ارکانہا و حفظہا من ان يقع خلل فی فرائضہا و سننہا و ادابہا (کبیر). ان عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز کی ایک ظاہری صورت ہے، اور ایک باطنی حقیقت، ظاہری صورت تو یہ ہے، کہ شرعی طریقہ کے مطابق نمازی کا بدن، اس کے کپڑے اور نماز پڑھنے کی جگہ پاک ہو۔ اور نماز کو اس کے تمام ظاہری ارکان و آداب کی شرعی حدود کی پابندی کرتے ہوئے ادا کیا جائے، اور نماز کی باطنی صورت یہ ہے کہ نماز کو فریضہ الہی سمجھ کر محض رضائے مولیٰ کی خاطر پورے خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کیا جائے، اور نماز کے دوران نماز ہی کو اپنے دل کی توجہ کا مرکز بنایا جائے، خیالات فاسدہ اور وسوساں شیطانیہ سے دل کو خالی اور پاک رکھا جائے۔ لہذا نماز کو ان تمام ظاہری اور باطنی حقوق کے ساتھ ادا کرنے کا نام، اقامت صلوٰۃ ہے اور یہی متقین کی دوسری صفت ہے۔ اس صفت میں جس قدر کمال یا نقص ہوگا اسی قدر اتنا میں فرق پڑ جائے گا۔

(۵) یہ متقین کی تیسری صفت ہے بعض مفسرین نے اس آیت سے ”زکوٰۃ“ مراد لی ہے مگر اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ آیت اپنی عموم پر ہی محمول ہے، اور تمام حقوق مالیہ کی ادائیگی کو شامل ہے خواہ وہ واجب ہوں یا غیر واجب، مثلاً زکوٰۃ، نفلی صدقہ، قربانی، اپنی ذات اور اہل عیال پر خرچ وغیرہ۔ واولی التاویلات بالایۃ و احقہا بصفة القوم ان یکون کانوا لجمیع اللآزم فی اموالہم مؤدین، زکوٰۃ کان ذلک اونفقۃ من لزمته نفقته من اهل و عیال وغیرہم ممن تجب علیہم نفقته بالقرابة و الملک وغیر ذلک. (ابن جریر، ابن کثیر) ویدخل فیہ

انفاق الواجب كالزكوة و النذرو الانفاق على النفس وعلى من تجب نفقته عليه و الانفاق فى الجهاد اذا وجب عليه و الانفاق فى المندوب و هو صدقة التطوع و مواساة الاخوان و هذه كلها مما يمدح بها. (خازن).

بلکہ ایت اس سے بھی زیادہ عموم کی محتمل ہے، لفظ ”ما“ اپنے عموم اور وسعت کی وجہ سے ان تمام انعامات کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائے ہیں۔ خواہ مادی انعامات، جیسے مال و اولاد، و دولت، و ثروت و قوت، و صحت و غیرہ، خواہ علمی، جیسے علم و ہنر عقل و حکمت اور فہم و فراست و غیرہ۔ لہذا اپنی قوت و صحت اور اولاد کے ذریعے دوسروں کی مدد کرنا علم و حکمت سکھانا، مخلصانہ مشوروں سے تعاون کرنا، یہ سب اس ایت کے تحت داخل ہیں۔ الانفاق البذل، من النعم الظاہرة و الباطنة، و علم لا یقال بہ ککنز لا ینفق منه. (روح المعانی). و قال بعض المتقدمین فی تاویل قوله تعالی و ممارزناہم ینفقون ای مما علمناہم یعلمون. قرطبی۔

(۶) یہ متقین کی چوتھی صفت ہے، اس آیت میں دو چیزوں کا ذکر ہے ایک وہ وحی جو رسول پاک ﷺ پر نازل ہوئی، دوسری وہ وحی جو پہلے پیغمبروں پر اتری، پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں پر ایمان لانے سے مراد صرف یہ ہے کہ انہیں اللہ کی طرف سے مانا جائے اور انہیں سچھا سمجھا جائے، ان پر عمل کرنا واجب نہیں، رسول اللہ ﷺ کی وحی پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اسے حق اور من عند اللہ ماننے کے ساتھ ساتھ اس پر عمل بھی کیا جائے اور اپنی زندگی اس کی ہدایت کے مطابق بسر کی جائے۔ آپ کی وحی صرف قرآن مجید ہی میں منحصر نہیں، بلکہ آپ ﷺ کے تمام دینی ارشادات جو کتب احادیث میں موجود ہیں یہ سب وحی تھے، تو جس طرح قرآن پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح قرآن کے علاوہ دوسری وحی کو ماننا بھی فرض ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کے بعد وحی منقطع ہو چکی ہے، اگر جاری ہوتی تو یہاں اس پر بھی ایمان لانے کا ذکر ضرور ہوتا۔ اس آیت میں جس ایمان کا ذکر ہے حقیقت میں وہ ایمان بالغیب ہی کا ایک شعبہ ہے ”یومنون بالغیب“ کے الفاظ پورے عالم غیب پر حاوی تھے، مگر اس آیت میں عالم غیب کی صرف دو چیزوں کو خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے یعنی گزشتہ وحی اور موجودہ وحی پر ایمان لانا، تو اس تخصیص بعد التعمیم سے یہود و نصاریٰ میں سے جو لوگ ایمان لائے تھے، ان کی عزت افزائی اور ان کی فضیلت کا اظہار مقصود ہے۔ (روح المعانی، کبیر، مظہری)۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ

اور جو ایمان لاتے ہیں، اس پر جو اتارا گیا ہے آپ پر اور جو آپ سے پہلے اتارا گیا (۶) اور آخرت پر بھی وہ

يُوقِنُونَ ﴿۱﴾ ۱ ﴿۱﴾ وَلَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱﴾

یقین رکھتے ہیں۔ (۷) وہی لوگ اپنے رب کے راستہ پر ہیں اور وہی نجات پانے والے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲﴾

بے شک جو لوگ انکار کر چکے ہیں برابر ہے انہیں تو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ (۸)

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ط

اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگادی ہے (۹) اور ان کے آنکھوں پر پردہ ہے

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۳﴾

اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

(۷) یہ متقین کی پانچویں صفت ہے، یہاں آخرت سے مراد دار آخرت یعنی قیامت ہے نہ کہ نبوت، جیسا کہ منکرین ختم

نبوت کا خیال ہے، چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے: وان الدار الاخرة لهي الحيوان. (عنکبوت: ۲۴) قیامت پر

ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ حشر و نشر، حساب و کتاب، جنت، دوزخ، اور یوم قیامت کو جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب

کچھ مانتے اور اس کے وقوع پر یقین رکھتے ہیں یہاں تک تو دعوت کو قبول کرنے والوں اور کتاب ہدایت سے منتفع

ہونے والوں کی صفات و علامات کا ذکر تھا، اب آگے ان صفات کا ثمرہ اور ان کے حاملین کی جزاء کا بیان ہے۔

یہاں دونوں جگہوں میں ”اولئک“ کا اشارہ مذکورہ بالا صفات کے حاملین کی طرف ہے۔ ای المتصفون

بما تقدم من الايمان بالغيب و اقام الصلوة و الانفاق من الذی رزقهم. الخ. تفسیر ابن کثیر. ای

الذین هذه صفتهم (تفسیر خازن) ای اهل هذه الصفة (معالم)۔ یعنی جو لوگ مذکورہ صفات سے متصف ہیں

دنیا میں وہ سیدھی راہ پر ہیں۔ اور آخرت میں بھی انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوگی۔ فان الہدی فی الدنیا و الفلاح فی الاخرۃ (روح المعانی)۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ: ”مفلحون“ کا تعلق دنیا اور آخرت دونوں سے ہو، ابن کثیر، یعنی سیدھی راہ پر چلنے اور کتاب ہدایت پر عمل کرنے کی وجہ سے وہ دنیا میں بھی کامیاب ہونگے اور آخرت میں بھی۔ (اولئک ہم المفلحون) میں ”ہم“ ضمیر فصل ہے جو حصر اور تخصیص کے معنی پیدا کرتی ہے (بیضاوی، مظہری)۔ معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مرتکب کبیرہ مخلد فی النار ہے اور اس کے لئے نجات نہیں کیونکہ اس آیت نے فلاح کو مذکورہ صفات والے مومنوں میں محصور کر دیا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جن میں یہ صفات نہ ہوں وہ اس فلاح سے محروم رہیں گے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں حصر مطلق اعتبار سے نہیں ہے بلکہ فلاح کامل اعتبار سے ہے یعنی فلاح کامل تو انہیں لوگوں کے لئے مخصوص ہے جو مذکورہ صفات سے متصف ہوں گے۔ البتہ مطلق فلاح کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ جن لوگوں میں بعض عملی خامیاں ہوں گی نجات و فلاح تو ان کو بھی حاصل ہو جائے گی۔ واولئک ہم المفلحون یدل علی انہم الکاملون فی الفلاح فیلزم ان یکون صاحب الکبیرہ غیر کامل فی الفلاح (تفسیر کبیر) المراد المفلحون الکاملون فی الفلاح ویلزم منه عدم کمال فلاح من لیس منہم لاعدم الفلاح مطلقاً (تفسیر مظہری، بیضاوی)۔ یہاں تو ان لوگوں کا ذکر تھا جنہوں نے کتاب ہدایت کو دل و جان سے مانا اور اسے اپنی زندگی کا دستور العمل بنایا۔ اب آگے دوسری جماعت کا ذکر ہے۔

(۸) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دعوت حق کو ظاہر اوباطناً مکرادیا، نہ دل سے مانا نہ زبان سے، بلکہ اپنے پوری طاقت سے اس کی مخالفت کی، اس آیت میں ”کفروا“ سے مراد مطلق کافر مراد نہیں ہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ کی تبلیغ پر ہزاروں کافر ایمان لائے اور یہ سلسلہ ابھی تک جاری ہے، بلکہ اس سے مراد خاص قسم کے کافر ہیں یعنی وہ لوگ جو حق کو اچھی طرح سمجھ چکے اور پہچان چکے ہوں، مگر محض ضد و عناد کے وجہ سے اس کا انکار کرتے ہوں۔ ضد و انکار کی وجہ سے ان کے ضمیر مردہ اور دل سیاہ ہو چکے ہیں، اس لئے وعظ و نصیحت و تبلیغ و انداز، کا، ان پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ ای سترو الحق عناداً (مدارک) مشرکین مکہ میں ابو جہل، ابولہب، ولید بن مغیرہ، وغیرہ، اور یہود کے بعض علماء، اور رؤس مثلاً جیحی بن احطب، کعب بن اشرف وغیرہ اس قسم کے کافر تھے۔ (ابوسعود، قرطبی، نیشاپوری)۔ جیسا کہ فرعون اور اس کی قوم کی متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا (نمل: ۱۴)۔ انہوں نے انکار کر دیا حالانکہ ان کے دل یقین کر چکے تھے صرف ظلم اور تکبر کی بنا پر۔

یہی حال مشرکین مکہ کا تھا، اور احبار یہود کے متعلق ارشاد ہے: ”فلما جائهم ما عرفوا کفروا بہ (البقرہ: ۸۹) اور اُنڈر تھم“ میں ہمزہ استفہام کے لئے نہیں ہے بلکہ تسویہ کے لئے ہے، کیونکہ جو ہمزہ: سواء، ما اداری، ما ابالی، لیت شعری، وغیرہ، کے بعد آئے وہ تسویہ کے لئے ہوتا ہے، اور علامت اس کی یہ ہے کہ مصدر اس کے مدخول کے قائم مقام ہو سکے۔ (معنی ابن ہشام)۔ اور رضی شرح کافیہ میں ہے ”ان الهمزة تستعمل مطردامع ”آم“ التسوية“ اور ”ام“ اس آیت میں احد الامرین کے لئے نہیں بلکہ یہ ”ام“ متصل ہے اور تسویہ کے لئے (رضی شرح کافیہ، معنی) ترکیب نحوی: الذین کفروا، موصول مع صلہ اسم ان، سواء علیہم ائندرتھم، بتاویل مصدر مبتداء موخر اور یہ جملہ خبران۔ (مظہری، رضی) ”لا یؤمنون“ جملہ مفسرہ ہے جو ما قبل کی تفصیل کرتا ہے، جملہ مفسرہ، لا جمال ما قبلہا فیما فیہ الاستواء۔ (مظہری، روح المعانی) یعنی ان کافروں کے حق میں آپ ﷺ کے انذار اور عدم انذار کے یکساں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر کوئی اثر نہیں ہوگا اور ایمان نہیں لائیں گے۔ یا ”لا یؤمنون“ جملہ ”ان“ کی خبر ہے اور سواء علیہم الخ. درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ اور خبر ”ان“ و الجملة قبلها اعتراض (روح المعانی. مظہری، مدارک) آیت کا مفہوم دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے۔

(۹) یہ جملہ معللہ ہے اور ما قبل کی علت اور اس کا سبب بیان کر رہا ہے۔ اعلم انه تعالیٰ لمابین فی الایة انھم لا یؤمنون اخبر فی هذا الایة سبب الذی لاجلہ لم یؤمنوا هو الختم. (تفسیر کبیر) ختم اللہ علی قلوبہم. استیناف تعلیلی لما سبق من الحکم (ابو السعود) اشارہ الی برہان لمی للحکم السابق (روح المعانی) یعنی پیغمبر علیہ السلام کے انذار کے باوجود ایمان نہیں لائیں گے۔ کیونکہ ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگ چکی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑ چکا ہے، قبول حق کی تمام راہیں ان پر بند ہو چکی ہیں، اس لئے اب وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اور اس دولت سے ہمیشہ کے لئے محروم رہیں گے۔ اب یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا، اور اس طرح ان پر قبول ہدایت کی تمام راہیں روک دیں، تو پھر اگر وہ ایمان نہیں لائے اور کفر پر مر گئے تو انہیں سزا کس قصور پر دی جائی گی؟ کیونکہ مہر الہی کی وجہ سے وہ کفر پر مرنے پر مجبور تھے، لہذا یہ بات عدل و انصاف کے منافی ہے کہ ایسے لوگوں کو سزا دی جائے، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے، وہ کسی کو بلا قصور سزا نہیں دیتا، اس آیت میں ان کافروں کا جو انجام بیان کیا گیا ہے، وہ خود ان کے اپنے اعمال کی نتیجہ ہے، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، دیکھنے، سننے کے لئے اسے آنکھ اور کان دیئے

غور و فکر و سوچ بچار کے لئے اسے دل و دماغ اور عقل شعور کی دولت سے مالا مال فرمایا: ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنٍ اُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ ﴿نصیحہ﴾ اتفاق و انفس کے واضح اور روشن دلائل کے دفتر اس کے سامنے کھول دیئے تاکہ وہ
اپنے حواس کے ذریعے ان میں غور و فکر کر کے حق و باطل میں امتیاز کر سکے۔ سَنَسْرِیْهِمْ اٰیَاتِنَا فِی الْاِتِّفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِهِمْ
حَتّٰی یَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهٗ الْحَقُّ اُولَئِكَ یُخْفِیْ بِرَبِّكَ اِنَّهٗ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ (حم سجدہ: ۵۳)

اور پھر اسی پر ہی بس نہیں کی بلکہ سیدھی راہ دکھانے اور عقلی و نقلی دلائل کے ساتھ حق سمجھانے کے لئے پیغمبر بھی بھیجے
جنہوں نے دن رات اللہ کا پیغام سنایا اور ان کے تمام شبہات دور کر کے اللہ کی حجت ان پر قائم کی۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ
وَمُنذِرِیْنَ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلٰی اللّٰهِ حُجَّةٌۢۤ اَعْدَ الرَّسُوْلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِیْزًا حَكِیْمًا ﴿۷۹﴾ ﴿النساء﴾

لیکن اس کے باوجود کہ ان پر حق واضح ہو گیا اور انہوں نے حق کو اچھی طرح پہچان لیا۔ انہوں نے حق کو نہ مانا بلکہ
ضد و عناد کی وجہ سے کفر و انکار پر ڈٹے رہے، نہ انکھوں سے کام لیا، نہ کانوں سے، نہ عقل شعور ہی کو استعمال کیا، تو اس کا نتیجہ
یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ کفر و انکار ان کے رگ و ریشہ میں سرایت کر کے ان کی طبیعت ثانیہ بن گیا۔ ان کے حواس بے کار ہو گئے
اور حق کا احساس و شعور ہمیشہ کے لئے ان سے رخصت ہو گیا، اور ان پر گمراہی کی ایک ایسی تاریکی اور ظلمت چھا گئی، کہ اب
وہ اس سے باہر نہیں آسکتے، گمراہی کی اس کیفیت کو مہر سے تعبیر کیا گیا ہے تو یہ مہر جوگی ہے تو وہ قانون تکوینی کے تحت اپنے
اسباب و علل کی بنا پر لگی ہے، جب کوئی شخص حق کو پہچاننے کے بعد محض ضد و عناد کی وجہ سے اپنے ارادے اور اختیار سے
کفر کو ایمان پر ترجیح دیتا ہے تو اس سے ایمان کی توفیق چھین لی جاتی ہے اور اس کے حواس بے کار ہو جاتے ہیں، اور وہ
جدھر جانا چاہے اسے ادھر ہی کو دھکیل دیا جاتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فَمَا اَغْنٰی عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ وَلَا
اَبْصَارُهُمْ وَلَا اَفْئِدَتُهُمْ مِّنْ شَیْءٍ اِذْ كَانُوْا یُحْضِرُوْنَ اٰیَاتِ اللّٰهِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِئُوْنَ
(الاحقاف: ۲۶) اور دوسری جگہ ارشاد ہے: وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ
الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلّٰی وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَاَسَءَ لِمَصِیْرٍ اُولٰٓئِكَ ﴿النساء﴾

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے حواس پر مہر کا لگنا، اور سعادت ایمان سے ان کی ابدی محرومی، یہ ان کے اپنے ہی
اعمال کا نتیجہ ہیں، ان کے جھو دو انکار اور ضد و عناد کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اس مہر کی وجہ سے
انہیں کفر پر مجبور کیا گیا ہے۔ =

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے۔ (۱۰)

وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۸﴾ خَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا

حالانکہ وہ ایمان دار نہیں ہے۔ اللہ اور ایمان داروں کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ

يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۹﴾

وہ اپنی آپ ہی کو دھوکا دے رہے ہیں۔ اور نہیں سمجھتے۔

= اب یہاں ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے کہ: ”ختم اللہ علی قلوبہم“ میں مہر لگانے کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مہر لگانا ان کے اعمال کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک تمام افعال عباد کا خالق اللہ تعالیٰ ہے، اور ہر کام کے لئے فاعل مباشر اور سبب کا ہونا ضروری ہے۔ اور کام کو چونکہ تینوں سے نسبت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ سے مخلوق ہونے کی نسبت، فاعل سے صدور کی، اور سبب سے ترتیب کی، اس لئے فعل کو تینوں کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کو قتل اور غارت گری کے جرم میں پھانسی دے دی جاتی ہے، تو اس پر لوگ مختلف عبارتوں سے رائے زنی کریں گے۔ کوئی کہے گا اللہ تعالیٰ نے اس کا بیڑہ غرق کر دیا، کوئی کہے گا اس نے خود ہی اپنا خانہ خراب کر دیا، اور کوئی یوں گویا ہوگا کہ بد اعمالیاں اسے لے ڈوبیں، اپنی اپنی جگہ تینوں فقرے صحیح ہیں۔ جس نے اس مجرم کی تباہی کو اللہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس کی ہرگز یہ غرض نہیں اور نہ ہی سامعین نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس کی تباہی کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ ہے، اور وہ مجرم بری الذمہ اور بے قصور ہے۔ بلکہ اس کی تباہی کو اللہ کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ خالق الافعال ہے۔

باقی رہی اس کی تباہی تو وہ اس کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح مہر لگانے کو مختلف نسبتوں کی وجہ سے مختلف ذوات کی طرف منسوب کیا گیا ہے، مہر لگانے کا اصل سبب چونکہ ان کے اپنے اعمال تھے اس لئے کبھی اس کیفیت کو ان کے اعمال سے وابستہ کیا گیا۔ کلابیل ران علی قلوبہم ما کانو یکسبون (تطیف: ۱۴) اور کبھی ان معاندین نے

اس مہر کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے سب کچھ اپنی ہی طرف منسوب کر لیا۔ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِيْ اَكِنَّةٍ مِّمَّا نَدْعُوْنَ اِلَيْهِ وَفِيْ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاَعْمَلْ اِنَّا عَامِلُوْنَ (حَمَّ السَّجْدَه: ۴) اور اللہ تعالیٰ چونکہ خالق الافعال علة العلل اور مسبب الاسباب ہے، اس لئے اس لحاظ سے مہر لگانے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی کی گئی ہے، جیسا کہ زیر بحث آیت میں ہے اس لئے مہر لگانے کو اللہ کی طرف منسوب کرنے سے ایمان سے ان کی محرومی، کفر پر موت، اور ابدی عذاب کی ذمہ داری، اللہ پر عائد نہیں ہوتی، یہ سب کچھ ان کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے اور ان کا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔

(۱۰) تیسری فرقہ منافقین: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ظاہری طور پر اسلام تو قبول کر لیا مگر باطن میں کافر ہی رہے، ان لوگوں نے زبان سے تو اسلام کا اقرار کیا مگر دل سے انکار کیا، اس آیت میں منافقین کے ایمان کی حقیقت بیان فرمائی کہ یہ زبان سے تو اللہ کے توحید، اور آخرت کا اقرار کرتے ہیں لیکن ان کے دل یقین و ایمان اور تصدیق و اذعان سے یکسر خالی ہیں۔ اس کے بعد منافقت اور دو رخنی چال سے ان منافقین کی غرض و غایت بیان کئی گئی ہے، اس دور رخنی چال سے وہ مسلمانوں کو فریب دیکر ان سے دنیوی اور مادی فائدے حاصل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ظاہری طور پر اسلام قبول کر لینے سے دنیوی احکام میں وہ مسلمان ہی شمار ہونگے، ان کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا اور مسلمانوں کو وقتاً فوقتاً حاصل ہونے والے اموال غنیمت اور دیگر مادی فوائد میں وہ ان کے ساتھ برابر کے شریک ہونگے: ”يَخٰدَعُوْنَ اللّٰهَ“ پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ دھوکہ اور فریب تو اسے دیا جاسکتا ہے۔ جو لاعلم ہو اور حقیقت سے ناواقف ہو، لیکن اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب و الشہادۃ ہے، اور ہر ظاہر اور ہر چھپی چیز کو جانتا ہے، اسے کیونکر دھوکہ دیا جاسکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے: ای یخادعون رسول اللہ (مدارک، قرطبی، مظهری، خازن و معالم، کبیر، روح المعانی، نشاپوری، بحر المحيط) یعنی وہ اللہ کی رسول کو دھوکہ دیتے ہیں، (اس سے یہ بھی بخوبی ظاہر اور معلوم ہو گیا کہ ان تمام مفسرین اہل السنۃ و الجماعت کا یہ منفقہ اور مسلمہ عقیدہ تھا کہ رسول پاک ﷺ عالم الغیب نہ تھے نہ ذاتی طور پر اور نہ عطائی طور پر)۔

یا، اللہ کو دھوکہ دینے سے ایمان والوں کو دھوکہ دینا مراد ہے کیونکہ اللہ والوں کو دھوکہ دینا اور وہ بھی صرف اس لئے کہ وہ مومن، توحید کے پابند ہیں، ایسا ہی ہے جیسا کہ اللہ کو دھوکہ دینا۔ وقیل المراد به المومنون، واذ اخادعوا المومنین فكانهم خادعوا اللہ تعالیٰ (خازن) وقیل ذکر اللہ ههنا تحسین و المقصود بالمخادعة

مخادعة الذین امنوا. (معالم) اس سورت میں ”واو“ تفسیر یہ ہوگی، اور ”و الذین امنوا“ کا عطف ماقبل پر تفسیری ہوگا منافق یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ اپنی اس دورنگی پالیسی سے مسلمانوں کو دھوکہ دیکر مزے کر رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ نہیں دے رہے، بلکہ اپنی جانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں، اور اس منافقانہ روش سے غیر شعوری طور پر اپنی ہی عاقبت خراب کر رہے ہیں۔ مگر انہیں اس بات کا شعور و احساس تک نہیں ہے کہ ان کی یہ غلط روش خود انہی کی تباہی کا باعث ہوگی اور اس کا وبال خود انہی پر پڑھے گا۔ (قرطبی، معالم) اگلی آیت میں منافقین کے حال پر مزید روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان کے باطن کے خرابی اور فساد عقائد کو بیماری سے تعبیر فرمایا: و المرض عبارة مستعارة عن الفساد الذی فی عقائدہم. (قرطبی) اور یہ لفظ نفاق شک و ریب، جو دو انکار پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں سے عداوت اور بغض و حسد وغیرہ سب کو شامل ہے۔ فی قلوبہم مرض شک و نفاق. (معالم، ابن جریر) استعیرہنا لِمافی قلوبہم من الجهل وسوء العقيدة و عداوة النبی ﷺ و غیر ذلک من فنون الکفر (ابو سعود) و معازبان يستعار لبعض امراض القلب كسوء الاعتقاد و الغل و الحسد و الميل الى المعاصی فان صدورهم كانت تغلی علی رسول اللہ ﷺ غلا و حنقا (نشاپوری) اور بیماری عضو کی اس غیر طبعی حالت کا نام ہے جس کی وجہ سے عضو کے طبعی افعال میں خلل و فتور واقع ہو جائے، یہ تمام امور چونکہ دل کو اللہ کی معرفت اور اس کی سچی اطاعت اور مخلصانہ عبادت سے روکتے ہیں اس لئے یہ سب روحانی اور قلبی امراض ہیں۔ (کبیر)۔

شک و نفاق اور بغض و حسد کی یہ بیماری جو ان کے دلوں کو لگی ہوئی تھی کم ہونے کے بجائے روز بروز بڑھتی گئی۔ جوں جوں قرآن نازل ہوتا ان کا کفر و نفاق بڑھتا جاتا، کیونکہ ہر آیت کے ساتھ یہ وہ منافقانہ سلوک کرتے، بہ ظاہر اسے مانتے لیکن دل میں اس کا انکار کرتے یا جوں جوں پیغمبر ﷺ اور مسلمانوں کو دشمنوں پر غلبہ اور اقتدار حاصل ہوتا گیا اور دین اسلام کی شان و شوکت میں ترقی ہوتی گئی تو ان کی دلوں کی جلن اور تکلیف اور ان کے سینوں میں بغض و حسد کی آگ بڑھتی گئی۔ و زیادة الله مرضهم اما بتضعیف حسدهم بنعم الله تعالى علی رسوله و المؤمنین او ظلمة قلوبہم بتجدد کفرہم بما ينزلہ سبحانه شیئا فشیئا من الآيات و الذکر الحکیم. (روح المعانی) ”فزاہم اللہ“ میں فاء تعقیب کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ”فاء“ کا مابعد ماقبل پر مرتب ہے۔ و الفاء للدلالة علی ترتب مضمونہا علیہ (ابو سعود) یعنی ان کی بیماری انہیں کی بد اعمالیوں اور بد پرہیزیوں کا نتیجہ ہے، باقی رہا اضافہ مرض کو اللہ کی طرف منسوب کرنا تو محض اس لئے ہے کہ وہ مسبب الاسباب ہے، اور فاعل حقیقی ہے آیت =

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا

ان کے دلوں میں بیماری ہے، پھر اللہ نے ان کی بیماری بڑھادی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس لئے کہ وہ

يَكْذِبُونَ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ

جھوٹ بولتے تھے۔ اور جب انہیں کہا جاتا ہے کہ ملک میں فساد نہ ڈالو تو کہتے ہیں

مُصْلِحُونَ ﴿۱۱﴾ إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِن لَّا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲﴾

کہ ہم ہی تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ خبردار بیشک وہی لوگ فسادی ہیں۔ (۱۱) لیکن نہیں سمجھتے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا

اور جب انہیں کہا جاتا ہے ایمان لاؤ جس طرح اور لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائیں جس طرح

آمَنَ السُّفَهَاءُ إِلَّا أَنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾

بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں خبردار وہی بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا

اور جب ایمان داروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے (۱۴) اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے

إِنَّمَا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۴﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِءُ بِهِمْ

ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو صرف ہنسی کرنے والے ہیں اللہ ان سے ہنسی کرتا ہے

وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۵﴾

اور انہیں مہلت دیتا ہے کہ اپنی گمراہی میں حیران رہیں۔

= کے ان دونوں حصوں میں منافقین کے انجام کی علت اور سبب کا بیان تھا۔ آگے ان کے انجام کا ذکر ہے۔ منافقین جہنم

باطن اور فساد عقیدہ کی خطرناک بیماری میں مبتلا تھے اللہ کی طرف سے آیات شفاء لگا تا نازل ہوتی رہیں، مگر انہوں نے ان سے اعراض کیا اور ان سے فائدہ اٹھانے کی ادنیٰ سی کوشش بھی نہ کی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا مرض بڑھتا گیا اور بالآخر ان کی ہلاکت کا باعث ہوا اور وہ دائمی عذاب اور دردناک سزا کے مستحق قرار پائے۔ ”بما کانوا یکذبون“ یہاں ”باء سمیۃ“ کے لئے اور ”ما“ مصدر یہ ہے (روح، البوسعود) اور فعل ناقص دوام و استمرار کے لئے ہے۔ البوسعود، روح۔ یعنی مسلسل کذب بیانی اور نفاق پر لگا تا راصرار کی وجہ سے انہیں مذکورہ سزا کا حکم سنایا گیا ہے، اور یہاں جھوٹ بولنے سے وہی نفاق مراد ہے یعنی دل میں اسلام کا انکار چھپائے ہوئے ہیں مگر زبان سے ”امنا باللہ وبالیوم الاخر“ کا اقرار کرتے ہیں ومعناہ بکذبہم وقولہم امنوا لیسوا بمؤمنین۔ (قرطبی) ای بکذبہم فی قولہم امنوا باللہ وبالیوم الاخر۔ (مدارک) اگے منافقین کی مزید خباثتیں ذکر کر کے ان کے حال کو اور واضح کیا گیا ہے۔

منافقین بہ ظاہر مسلمان تھے لیکن درپردہ کافروں سے ربط قائم کر رکھا تھا مسلمانوں کے پوشیدہ راز ان تک پہنچاتے، اور انہیں مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہے، اور اس طرح فتنہ و فساد کے لئے زمین ہموار کر رہے تھے: وکان فساد المنافقین فی الارض انہم کانوا یمیلون الکفار ویمالؤنہم علی المسلمین بافشاء اسرارہم الیہم واغرائہم علیہم، وذلک مما یؤدی الی ہیج الفتن بینہم۔ (مدارک) والفساد، منها النفاق الذی صافوا بہ الکفار فاطلعوہم علی اسرار المؤمنین فان کل ذلک یؤدی الی خراب الارض وقلة الخیر ونزع البرکة وتعطل المنافع۔

یعنی ہم نے جو مسلمانوں اور کافروں دونوں فریقوں سے میل جول قائم کر رکھا ہے اس سے ہمارا مقصد صرف دونوں فریقوں میں صلح اور آشتی کی فضا پیدا کرنا ہے اور کچھ نہیں۔ ان ہذا المدارات سعی فی الاصلاح بین المسلمین و الکفار۔ (کبیر) قالوا انما نرید الاصلاح بین المؤمنین و اهل الكتاب۔ (ابن جریر)۔

(۱۱) یہ منافقوں کے دعوے کا نہایت ہی بلیغ طریقے سے رد ہے، جملہ مستانفہ لاکرا اور حرف تنبیہ سے متنبہ کر کے سامعین کو متوجہ کر کے حرف تاکید اور کلمہ حصر سے اس حقیقت کو واضح فرمایا، کہ یہ لوگ مصلح ہونے کا دعویٰ کر رہے ہیں حالانکہ فتنہ و فساد کا سرچشمہ یہی لوگ ہیں، اور زیادہ تر فساد انہیں کے ذریعے پھیل رہا ہے۔ ان کے دل مرض نفاق کی وجہ سے اس حد تک مردہ اور بے حس ہو چکے ہیں کہ اصلاح و فساد میں امتیاز نہیں کر پاتے، اور شر و فساد کو امن و اصلاح قرار دے رہے ہیں۔ و ہذا امانا شئ من جہل مرکب فاعتقدوا الفساد صلاحا

واصر وواستکبر وواستکبارا. (روح المعانی).

”واذا قیل لهم“ سے منافقین کی دوسری خباثت ذکر کیا، زبان سے ”امنا“ کہہ کر مومن ہونے کا دعویٰ تو وہ پہلے ہی کر چکے تھے یہاں دوبارہ انہیں ایمان لانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ وہ منافقانہ طور پر ایمان لائے ہوئے تھے۔ اب انہیں مخلصانہ طور پر ایمان لانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ای ایمان مقرر و نابال اخلاص بعید اعن النفاق. (کبیر) مقرون بال اخلاص، خالصا عن شوائب النفاق. (روح المعانی) اور ”الناس“ میں الف لام عہد کا ہے اور اس سے مراد مہاجرین اور انصار ہے یا وہ مومنین مراد ہیں جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے تھے۔ عبد اللہ بن سلام وغیرہ من مومنی اهل الكتاب، وقیل کما امن المهاجرون و الانصار. (معالم).

”قالوا انؤمن کما امن السفهاء“ یہ منافقین کا قول ہے اور لفظ ”سفهاء“ سے انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طنز کیا ہے یعنی ہم ان بیوقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں، جو اپنے نفع و نقصان کو بھی نہیں سمجھتے۔ و انما سفھوہم جهلا منهم حیث اشتغلوا بما لا یجدی فی زعمہم. (روح المعانی) امام رازی فرماتے ہیں کہ منافقین صاحب اقتدار لوگ تھے وہ دولت و اقتدار کے نشے میں محمور، طبقہ دین اسلام کو باطل سمجھتے تھے اور جو شخص باطل دین کو قبول کرے وہ بیوقوف ہوتا ہے۔ (کبیر) جیسا کہ آج کل روشن خیالی کے مرض میں مبتلا اور نشہ اقتدار میں بدمست طبقہ، دین کا در رکھنے والوں اور ان کی اللہ اور رسول کے احکام سے بغاوت پر حرف گیری کرنے والوں کو کم فہم، دقیانوسی اور موجودہ دور کے تقاضوں سے بے خبر، وغیرہ القاب سے سرفراز فرماتے ہیں، یہ بعینہ ان منافقین کی تقلید ہے۔

”الا انہم هم السفهاء“ سے زور اور تاکید کے ساتھ منافقین کا رد کیا ہے۔ یعنی اصل میں بیوقوف تو وہ خود ہیں جو تمام انبیاء علیہم السلام کے متفقہ دین کو قبول کرنے والوں پر سفاہت اور کم عقلی کا الزام لگا رہے ہیں۔ الا انہم ہم السفهاء دون المومنین و المصدقین باللہ و برسولہ و ثوابہ و عقابہ. (ابن جریر)

”ولکن لا یعلمون“ ان کی جہالت و نادانی کا یہ عالم کہ وہ اپنی اس کھلی ہوئی حماقت اور سفاہت کو بھی نہیں سمجھ سکتے۔ (فائدہ) ان اتیوں سے صحابہ کرام کی بہت بڑی فضیلت ثابت ہوئی ہے، یہ ایتیں ان کے مومنین، مخلصین ہونے کا بین اور لافانی ثبوت ہیں، ان کا ایمان اس قدر کامل، شوائب نفاق سے اس قدر پاک، اللہ کے نزدیک اس قدر پسندیدہ اور مقبول ہے، کہ اسے منافقین کے سامنے بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ نیز اس مبارک جماعت کو بیوقوف کہنے والوں کو پر =

أُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالََةَ بِالْهُدَىٰ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی

فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۴﴾ ۱۴ ﴿۱۴﴾ كَمْثَلِ الَّذِي

سوان کی تجارت نے نفع نہ دیا اور ہدایت پانے والے نہ ہوئے ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے

اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي

آگ جلائی پھر جب آگ نے اس کے آس پاس کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کی روشنی بجھادی اور انہیں

ظَلُمَتْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۵﴾ ۱۵ ﴿۱۵﴾ بَكْمُ عَمِي فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۸﴾ ۱۸ ﴿۱۸﴾

اندھیروں میں چھوڑا کہ کچھ نہیں دیکھتے۔ بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے۔ (۱۳)

= لے درجہ کے بیوقوف قرار دیا ہے۔

(۱۲) یہ منافقوں کی تیسری خباثت ہے، کہ جب وہ بااثر اور مخلص مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم خالص ایمان

لاچکے ہیں ”امننا“ سے منافقین مسلمانوں کو اس بات کا یقین دلانا چاہتے تھے کہ اب انہوں نے نفاق چھوڑ دیا ہے، اور دل

سے خالص ایمان قبول کر لیا ہے، کیونکہ ان کا زبانی ایمان تو مسلمانوں کو پہلے بھی معلوم تھا۔ فالمراد اخلصنا بالقلب، و

الدليل عليه ان الاقرار باللسان كان معلوما منهم. (کبیر) مگر یہی لفظ ان کے نفاق کی غمازی کرتا ہے کیونکہ

مسلمانوں کو پہلے سے اس نفاق کا علم تھا اب اس کی تردید کیلئے اور ان کے دلوں میں اپنے اخلاص کا سکہ بٹھانے کے لئے

انہیں کوئی تاکیدیری جملہ استعمال کرنا چاہئے تھا مگر اس کے باوجود وہ سرسری طور پر صرف ”امننا“ کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس

لئے کہ نفاق قلبی کی وجہ سے وہ تاکیدیری جملے گوارا نہیں کر سکتے۔

”خلا“ کا صلہ عام طور پر ”باء“ اتا ہے مگر یہاں ”الی“ آیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں ”خلا“ ذہاب کے معنی

کو متضمن ہے اور مطلب یہ ہے کہ منافقین مسلمانوں سے ملنے کے بعد جب اپنے لیڈروں کے پاس جاتے ہیں تو وہاں

مسلمانوں کے سامنے کئے ہوئے اقرار کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اس تضمین کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے منافقین کی

منافقت خوب عیاں ہو جاتی ہے۔ لہذا ”الی“ ”ذاہبین“ محذوف سے متعلق ہے جو ”خلوا“ کے فاعل سے حال ہے ای خلوا ذاہبین الی شیاطینہم، اور شیاطین سے علماء یہود اور شرک و کفر کے لیڈر مراد ہیں۔ شیاطینہم، ساداتہم و کبرائتہم ورؤسائہم من احبار الیہود و رؤس المشرکین و المنافقین۔ (ابن کثیر)۔

”انامعکم“ یعنی دین اور ایمان اور عقیدہ میں ہم تمہارے ساتھ ہیں انامصاحبوکم و موافقوکم علی دینکم۔ (مدارک)۔

(۱۳) مثال کو عربی میں مثل بھی کہتے ہیں، اس کی جمع امثال آتی ہے جیسے قرآن میں ہے ”و تلک الامثال“ (حشر: ۲۱) یعنی یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں، جنہیں صرف عالم ہی سمجھتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ منافق جو گمراہی کو ہدایت کے بدلے اور اندھے پن کو بینائی کے بدلے مول لیتے ہیں۔ ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو اندھیرے میں آگ جلائیں اس سے دائیں بائیں کی چیزیں اسے نظر آنے لگیں۔

پریشانی دور ہو اور فائدے کی امید بندھے، کہ دفعۃً آگ بجھ جائے، اور یک لخت اندھیرا چھا جائے، تو نہ نگاہ کام کرے اور نہ راستہ معلوم ہو سکے، اور باوجود اس کے وہ شخص خود بہرہو۔ کسی کی بات کو نہ سن سکتا ہو، گونگا ہو، کسی سے دریافت نہ کر سکتا ہو، اندھا ہو، جو روشنی سے کام نہ چلا سکتا ہو، اب بھلا یہ کیسے راہ پاسکے گا؟ ٹھیک اسی طرح یہ منافق بھی ہیں کہ ہدایت کو چھوڑ کر یہ راہ گم کر بیٹھے اور بھلائی کو چھوڑ کر برائی کو چاہنے لگے۔ اس مثال سے پتہ چلتا ہے کہ ان لوگوں نے ایمان قبول کر کے کفر کیا تھا، جیسے قرآن کریم میں کئی جگہ بصراحت موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

امام رازی نے اپنی تفسیر میں سدیٰ سے یہی نقل کیا ہے پھر کہا ہے کہ یہ تشبیہ بہت ہی درست اور صحیح ہے، اس لئے کہ پہلے تو ان منافقوں کو نور ایمان حاصل ہوا، پھر ان کے نفاق کی وجہ سے وہ بجھ گیا اور یہ حیرت میں پڑ گئے اور دین کی حیرت سے بڑی حیرت اور کیا ہوگی؟

ابن جریر فرماتے ہیں کہ جن کی یہ مثال بیان کی گئی ہے انہیں کسی وقت بھی ایمان نصیب ہی نہ ہوا تھا، کیونکہ پہلے فرمان باری تعالیٰ گذر چکا ہے: ”وما ہم بمؤمنین“ یعنی گو یہ زبان سے اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان لانے کی کہتے ہیں، مگر حقیقتاً یہ ایمان دار نہیں، لیکن ٹھیک بات یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں ان کے کفر و نفاق کے وقت کی خبر دی گئی ہے، اس سے اس کا انکار نہیں ہوتا کہ اس حالت کفر و نفاق سے پہلے کبھی انہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہوا، ممکن ہے ایمان لائے ہوں پھر اس سے ہٹ گئے اور دلوں پر مہریں لگ گئی ہوں، دیکھئے اور جگہ قرآن کریم میں ہے: ”ذلک بانہم آمنوا =“

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبُرْقٌ يَّجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي

یاجیسا کہ آسمان سے بارش ہو۔ جس میں اندھیرے اور گرج اور چمک ہو۔ اپنی انگلیاں

آذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۱۴﴾ كَذٰ

اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اور موت کے ڈر سے رکھتے ہوں۔ اور اللہ پاک کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ قریب ہے

الْبُرْقِ يَخطفُ أَبْصَارَهُمْ كَمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ

کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے۔ جب ان پر چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں چلتے ہیں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا ہے

قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

تو ٹھہر جاتے ہیں۔ اور اگر اللہ چاہے تو انکے کان اور آنکھیں لے جائے بیشک اللہ ہر چیز پر

قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾

قادِر ہے۔ (۱۴)

=ثم كفروا“ (منافقون: ۳) یہ اس لئے ہے کہ انہوں نے ایمان کے بعد کفر کیا پھر ان کے دلوں پر مہر لگ گئی، اب وہ کچھ نہیں سمجھتے، یہی وجہ ہے کہ اس مثال میں روشنی اور اندھیرے کا ذکر ہے یعنی کلمہ ایمان کے ظاہر کرنے کی وجہ سے دنیا میں کچھ نور ہو گیا، لیکن کفر کے چھپانے کی وجہ سے پھر آخرت کے اندھیروں نے گھیر لیا۔

(۱۴) یہ دوسری مثال ہے جو دوسری قسم کے منافقوں کے لئے بیان کی گئی ہے یہ وہ قوم ہے جن پر کبھی حق

ظاہر ہو جاتا ہے اور کبھی شک میں پڑ جاتے ہیں، تو شک کے وقت ان کی مثال برسات کی سی ہے۔ ”صیب“ کے معنی مینہ

اور بارش کے ہیں، بعض نے بادل کے معنی بیان کئے لیکن زیادہ مشہور معنی بارش کے ہی ہیں جو اندھیرے میں برسے۔

”ظلمات“ سے مراد شک اور کفر و نفاق ہے، اور ”رعد“ یعنی گرج جو اپنی خوفناک آواز سے دل ہلا دیتی ہے۔ یہی حال منافق

کا ہے کہ اسے ہر وقت خوف و ڈر، گھبراہٹ اور پریشانی ہی رہتی ہے، جیسے اور جگہ ہے: ”يَحْسِبُونَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ

” (منافقون: ۴) یعنی ہر آواز کو اپنے اوپر ہی سمجھتے ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُمْ مِّنكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرُقُونَ ﴿٤١﴾ ﴿٤٢﴾ يَجِدُونَ مَلْجَأًا أَوْ مَعَارَاتٍ أَوْ مُدْخَلًا لَّوَلُوا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿٤٣﴾ ﴿٤٤﴾ لَتَوْبَةٌ لَّهُمْ لِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٤٥﴾ کہ یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں، لیکن دراصل وہ ڈرپوک لوگ ہیں اگر وہ کوئی جائے پناہ یا راستہ پالیں تو یقیناً وہ اس میں سمٹ کر گھس جائیں۔ بجلی سے مثال دی ہے اس نور ایمان کی، جو ان کے دلوں میں کسی وقت چمک اٹھتا ہے۔ تو وہ اس وقت اپنی انگلیاں موت کے ڈر سے کانوں میں ڈال لیتے ہیں، لیکن یہ انہیں کوئی نفع نہ دے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں یہ بچ نہیں سکتے۔ جیسے اور جگہ ارشاد فرمایا: ”هل اتاك حديث الجنود“ (بروج: ۱۷) یعنی کیا تمہیں لشکر کی، فرعون اور شموذ کی روایات نہیں پہنچیں۔ پہنچی تو ہیں لیکن یہ کافر جھٹلانے میں ہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ بھی انہیں ان کے پیچھے سے گھیر رہا ہے۔ بجلی کا آنکھوں کو اچک لینا اس کی قوت اور سختی اور ان منافقین کی بینائی کی کمزوری اور ان کا ضعف ایمان ہے۔

ابن عباس فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قرآن کی مضبوط آیات ان منافقوں کی قلعی کھول دیں گی اور ان کے چھپے ہوئے عیوب ظاہر کر دیں گی اور اپنی نورانیت سے انہیں مبہوت کر دیں گی جب ان پر اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں یعنی ایمان جب ان پر ظاہر ہو جاتا ہے تو ذرا روشن دل ہو کر پیروی بھی کرنے لگتے ہیں لیکن پھر جہاں شک و شبہ آیا ان کے دل میں کدورت اور ظلمت بھر گیا اور بھونچکے ہو کر کھڑے رہ گئے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ اسلام کو ذرا عروج ملا تو ان کے دل میں قدرے اطمینان پیدا ہوا، لیکن جہاں اسکے خلاف نظر آیا کہ یہ اٹلے پیروں کفر کی طرف لوٹنے لگے۔ جیسے ارشاد الہی ہے: ”ومن الناس من يعبد الله على حرف“ (حج: ۱۱)۔

یعنی بعض لوگ وہ بھی ہیں جو کنارے پھر ٹھہر کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اگر بھلائی ملی تو مطمئن ہوئے اور اگر برائی پہنچی تو اسی وقت پھر گئے الخ۔ ابن عباسؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کا روشنی میں چلنا حق کو جان کر کلمہ اسلام پڑھنا ہے اور اندھیرے میں ٹھہر جانا کفر کی طرف لوٹ جانا ہے۔ اور بھی بہت سے مفسرین کا یہی قول ہے اور زیادہ صحیح اور ظاہر بھی یہی قول ہے۔ واللہ اعلم۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً

تاکہ تم (اس کے عذاب سے) بچو۔ جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا

فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الشِّمَارَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾

اور آسمان سے بارش برسا کر تمہارے کھانے کے لئے انواع و اقسام کے میوے پیدا کئے پس کسی کو اللہ کا ہمسر نہ بناؤ اور تم جانتے تو ہو۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا

اور اگر تم کو اس (کتاب) میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو اسی طرح کی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ

شُهَدَاءَ كُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾ لَنْ تَفْعَلُوا وَلَنْ

اور اللہ کے سوا جو تمہارے مددگار ہوں ان کو بھی بلاؤ اگر تم سچے ہو۔ لیکن اگر (ایسا) نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے

تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۴﴾

تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے (اور جو) کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ [۱۵]

[۱۵] ان دونوں آیتوں میں قرآن کریم کو رسول اللہ ﷺ کا اعلیٰ معجزہ بتلا کر آپ کی رسالت اور چھائی کا ثبوت

پیش کیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے معجزات تو ہزاروں ہیں اور بڑے بڑے حیرت انگیز ہیں لیکن ان میں سے اس جگہ آپ

کے علمی معجزے یعنی قرآن کے ذکر پر اکتفاء کر کے یہ بتلا دیا گیا کہ آپ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن ہے۔ اور اس معجزہ کو انبیاء

علیہم السلام کے عام معجزات میں بھی ایک خاص امتیاز حاصل ہے کہ عام دستور یہ ہے کہ ہر نبی و رسول کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنی

قدرت کاملہ سے کچھ معجزات ظاہر فرماتے ہیں، مگر یہ معجزات ان رسولوں کے ہاتھوں ظاہر ہوتے ہیں، انہیں کے ساتھ ختم

ہو جاتے ہیں، مگر قرآن حکیم ایک ایسا معجزہ ہے جو قیامت تک باقی رہنے والا ہے۔

وان کنتم فی ریب: لفظ ”ریب“ کا ترجمہ اردو میں شک کا کیا جاتا ہے، مگر امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ درحقیقت ریب ایسے تردد اور وہم کو کہا جاتا ہے جس کی بنیاد کوئی نہ ہو، ذرا غور و تامل کرنے سے رفع ہو جائے، اسی لئے قرآن کریم میں اہل علم سے ریب کی نفی کی گئی ہے۔ اگرچہ وہ مسلمان نہ ہوں، جیسے ارشاد ہے۔ ”ولا یرتاب الذین اوتوا الكتاب والمؤمنون“ (المدثر: ۳۱)، یہی وجہ ہے کہ شروع سورۃ بقرہ میں قرآن کریم کے متعلق فرمایا ”لا ریب فیہ“ کہ اس میں کسی ریب کی گنجائش نہیں، اور اس آیت میں فرمایا: ”وان کنتم فی ریب“ یعنی اگر ہوتم کسی تردد میں، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کریم اپنے واضح اور معجزانہ دلائل کی بناء پر کسی شک و تردد کا محل نہیں ہے، لیکن اپنی ناواقفیت سے پھر بھی تمہیں کوئی تردد ہے تو سن لو: فائوا بسورۃ من مثله۔ لفظ سورۃ کے معنی محدود قطعہ کے ہیں اور سورت قرآن مجید اس خاص حصہ قرآن کو کہا جاتا ہے جو بذریعہ وحی ممتاز اور علیحدہ کر دیا گیا ہے۔

پورے قرآن میں اس طرح ایک سو چودہ (۱۱۴) سورتیں چھوٹی بڑی ہیں۔ اور اس جگہ لفظ سورت بغیر الف لام کے لانے سے اس طرف اشارہ پایا گیا کہ چھوٹی سے چھوٹی سورت بھی اس حکم میں شامل ہے۔ معنی یہ ہیں کہ اگر تمہیں اس قرآن کریم کے کلام الہی ہونے میں کوئی تردد ہے اور یہ سمجھتے ہو کہ یہ نبی کریم ﷺ یا کسی دوسرے انسان نے خود بنا لیا ہے تو اس کا فیصلہ بڑی آسانی سے اس طرح ہو سکتا ہے کہ تم بھی اس قرآن کی کسی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثال بنا لاؤ، اگر تم اس کی مثال بنانے میں کامیاب ہو گئے تو بے شک تمہیں حق ہوگا کہ اس کو بھی کسی انسان کا کلام قرار دو، اور اگر تم عاجز ہو گئے تو سمجھ لو کہ یہ انسان کی طاقت سے بالاتر، خالص اللہ جلا جلالہ کا کلام ہے۔

یہاں کوئی کہہ سکتا تھا کہ ہمارا عاجز ہو جانا تو اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ سبھی انسان عاجز ہیں، ہو سکتا ہے کہ کوئی دوسرا آدمی یا جماعت یہ کام کر لے، اس لئے ارشاد فرمایا: ”وادعوا لشہداء کم من دون اللہ“، شہداء شاہد کی جمع ہے جس کے معنی حاضر کے آتے ہیں، گواہ کو بھی شاہد اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا حاضر عدالت ہونا ضروری ہے۔ اس جگہ شہداء سے مراد یا تو عام حاضرین ہیں، کہ سارے جہاں میں جس جس سے تم اس کام میں مدد لینا چاہو، لے سکتے ہو، اور یا اس سے مراد اُن کے بت ہیں، جن کے بارے میں ان کا یہ خیال تھا کہ قیامت کے روز یہ ہمارے لئے گواہی دیں گے۔

دوسری آیت میں ان کو ڈرایا گیا کہ اگر تم یہ کام نہ کر سکو تو پھر جہنم کی ایسی سخت آگ سے بچنے کا سامان کر لو، جس کے انکارے آدمی اور پتھر ہوں گے، اور وہ تم ہی جیسے انکار کرنے والوں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور اسی جملہ کے بیچ میں جو واقعہ ہونے والا تھا اس کی خبر بھی دیدی۔ ”ولن تفعلا“ یعنی خواہ تم کتنا ہی انفرادی اور اجتماعی زور لگاؤ تمہاری مجال نہیں کہ اس کی

مثال بنا سکو۔ اس پر غور کیا جائے کہ جو قوم اسلام اور قرآن کی مخالفت اور اس کو گرانے مٹانے کے لئے اپنی جان، مال، آبرو، اولاد سب کچھ قربان کرنے پر تگی ہوئی تھی، اس کو یہ آسان ساموق دیا جاتا ہے، کہ قرآن کی چھوٹی سے چھوٹی سورۃ کی مثال بنا لاؤ تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہو، اور یہ کہہ کر ان کی غیرت کو جوش میں لایا جاتا ہے، کہ تم ہرگز یہ کام نہ کر سکو گے، مگر پوری قوم میں کوئی بھی اس کام کے لئے آگے نہ بڑھا، اس سے بڑھ کر کونسا اعتراف اپنے عجز کا اور قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کا ہو سکتا ہے؟۔ جس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نبی کریم ﷺ کا ایسا کھلا معجزہ ہے جس نے تمام سرکشوں کی گردنیں جھکا دیں۔

تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات صرف ان کی حیات تک معجزہ ہوتے، لیکن قرآن کا معجزہ بعد وفات رسول کریم ﷺ بھی اسی طرح معجزہ کی حیثیت سے باقی ہے، آج بھی ایک ادنیٰ مسلمان ساری دنیا کے اہل علم و دانش کو لاکار کر دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کی مثال نہ کوئی پہلے لاسکا، نہ آج لاسکتا ہے۔ اور جس کو ہمت ہو، پیش کر کے دکھلائے۔

شیخ جلال الدین سیوطی، نے اپنی کتاب، خصائص کبریٰ: ۱/۲۷۹، میں رسول اللہ ﷺ کے دو معجزوں کے متعلق بحوالہ حدیث لکھا ہے کہ قیامت تک باقی ہے ایک قرآن کا معجزہ ہے، و معجزات القرآن مستمرة الی یوم القیامة النخ، اور امام بیہقی نے: دلائل النبوة: ۱۰۱، میں اسی طرح لکھا ہے کہ: فاما (العلم) الذی اقتسرن بدعوتہ ولم یزل یتزاید ایام حیاتہ، و دام فی امتہ بعد وفاتہ، فهو (القرآن) العظیم، المعجز المبین، و حبل اللہ المتین، الذی ہو کما وصفہ بہ من انزلہ فقال: فی سورة فصلت: ۴۱، ۴۲، و الواقعة: ۷۷، ۸۰، و البروج: ۲۱، ۲۲، و ال عمران: ۶۲، و غیرہا۔

دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے ابو سعید خدریؓ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ایام حج میں تینوں جرات پر لاکھوں آدمی تین روز تک مسلسل کنکریاں پھینکتے ہیں پھر کوئی ان کنکریوں کے ڈھیر کو یہاں سے اٹھاتا بھی نظر نہیں آتا۔ اور ایک مرتبہ پھینکی ہوئی کنکر کو دوبارہ استعمال کرنا بھی ممنوع ہے، اس لئے ہر حاجی اپنے لئے مزدلفہ سے کنکریاں نئی لیکر آتا ہے۔ اس کا مقتضی تو یہ تھا کہ جرات کے گرد ایک ہی سال میں ٹیلہ لگ جاتا، جس میں جرات چھپ جاتے اور چند سال میں تو پہاڑ ہو جاتا، رسول پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ہاں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے کہ جس جس شخص کا حج قبول ہو، اس کی کنکریاں اٹھالی جائیں، تو اب اس جگہ صرف ان کم نصیبوں کی کنکریاں باقی رہ جاتی ہیں جن کا حج قبول نہیں ہوا، اس لئے اس جگہ پڑی ہوئی کنکریاں بہت کم نظر آتی

ہیں، اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہاں پہاڑ کھڑا ہو گیا ہوتا۔ یہ روایت سنن بیہقی: ۱۲۸/۵، میں موجود ہے۔ اور فاکہی نے ”اخبار مکہ“: ۱۹۲/۴، پر بہت روایات نقل کی ہیں:

یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کے ذریعہ رسول کریم ﷺ کی سچائی کی تصدیق ہر سال اور ہر زمانے میں ہو سکتی ہے، کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ حج میں لاکھوں آدمی ہر سال جمع ہوتے ہیں اور ہر شخص ہر جمرہ پر ہر روز ساتھ ساتھ کنکریاں پھینکتا ہے اور بعض جاہل تو بڑے بڑے پتھر پھینکتے ہیں، اور یہ بھی یقینی طور پر معلوم ہے کہ ان کنکریوں کو یہاں سے اٹھانے اور صاف کرنے کا حکومت یا کوئی جماعت بھی روزانہ انتظام نہیں کرتی، نہ اٹھائی جاتی ہیں، اور جیسا زمانہ قدیم سے دستور چلا آتا ہے کہ اس جگہ سے کنکریاں اٹھائی ہی نہیں جاتیں۔ تو اگلے سال اس کا دو گنا اور تیسرے سال تکنا ہو جائے گا۔ پھر کیا شبہ ہے، کہ چند سال میں یہ حصہ زمین مع جمرات کے ان کنکریوں میں چھپ جائے گا۔ اور بجائے جمرات کے ایک پہاڑ کھڑا نظر آئے، مگر مشاہدہ اس کے خلاف ہے اور یہ مشاہدہ ہر زمانے میں رسول کریم ﷺ کی تصدیق اور آپ پر ایمان لانے کے لئے کافی ہے، سنا ہے کہ اب یہاں سے کنکریاں اٹھانے کا کچھ انتظام ہونے لگا ہے مگر تیرہ سو برس تک کا عمل بھی اس مضمون کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔ اسی طرح معجزہ قرآن ایک زندہ اور ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ ہے، جیسے رسول ﷺ کے عہد مبارک میں اس کی نظیر یا مثال پیش نہیں کی جاسکی۔ آج بھی نہیں کی جاسکتی۔

اس اجمالی بیان کے بعد آپ کو یہ معلوم کرنا چاہیے کہ قرآن کریم کو کس بناء پر رسول اللہ ﷺ کا معجزہ قرار دیا گیا؟ اور اس کا اعجاز کن کن وجوہ سے ہے؟ اور کیوں ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہو گئی؟ دوسرا یہ کہ مسلمانوں کا یہ دعویٰ کہ چودہ سو برس کے عرصہ میں قرآن کی زبردست تحدی چیلنج کے باوجود کوئی اس کی یا اس کے کسی ٹکڑے کی مثال نہ پیش کر سکا یہ تاریخی حیثیت سے کیا وزن رکھتا ہے؟ یہ دونوں باتیں طویل الذکر اور تفصیل کی طالب ہیں۔

پہلی بات کہ قرآن کو معجزہ کیوں کہا گیا؟ اور وہ کیا وجوہ ہیں جن کے سبب ساری دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے، اس پر قدیم وجدید علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، اور ہر مفسر نے اپنے اپنے طرز میں اس مضمون کو بیان کیا ہے، میں اختصار کے ساتھ چند ضروری چیزیں عرض کرتا ہوں، اس جگہ سب سے پہلے غور کرنے کی چیز یہ ہے، کہ یہ عجیب و غریب کل علوم کی جامع کتاب، کس جگہ، کس ماحول میں، اور کس پر نازل ہوئی؟ اور کیا وہاں کچھ ایسا علمی سامان موجود تھا جن کے ذریعہ دائرہ اسباب میں ایسی جامع بینظیر کتاب تیار ہو سکے، جو علوم اولین اور آخرین کی جامع، اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے متعلق بہترین ہدایت پیش کر سکے، جس میں انسان کی جسمانی اور روحانی تربیت

کا مکمل نظام ہو، اور تدبیر منزل سے لیکر سیاست ممالک تک ہر نظام کے بہترین اصول ہوں۔

جس سرزمین اور جس ذات پر یہ کتاب مقدس نازل ہوئی، اس کی جغرافیائی کیفیت اور تاریخی حالت معلوم کرنے کے لئے آپ کو ایک ریگستانی، خشک اور گرم علاقہ سے سابقہ کرنا پڑھے گا۔ جس کو بطحاء مکہ کہتے ہیں، اور جو نہ زری ملک ہے نہ صنعتی، نہ اس ملک کی آب و ہوا ہی کچھ ایسی خوش گوار ہے جس کے لئے باہر کے آدمی وہاں پہنچنے کی رغبت کریں، نہ راستے ہی کچھ ہموار ہیں، جن سے وہاں تک پہنچنا آسان ہو، اکثر دنیا سے کٹا ہوا ایک جزیرہ نما ہے، جہاں خشک پہاڑوں اور گرم ریگ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا، اور دور تک نہ کوئی بستی نظر آتی ہے، اور نہ کوئی کھیت نہ درخت۔

اس پورے خطہ ملک میں کچھ بڑے شہر بھی نہیں، چھوٹے چھوٹے گاؤں اور ان میں اونٹ بکریاں پال کر اپنی زندگی گزارنے والے انسان بستے ہیں، اس کے چھوٹے دیہات کا تو دیکھنا کیا، جو برائے نام چند شہر کہلاتے ہیں، ان میں بھی کسی قسم کے علم و تعلیم کا کوئی چرچا نہیں، نہ وہاں کوئی اسکول اور کالج ہے اور نہ کوئی بڑی یونیورسٹی یا دارالعلوم، وہاں کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے محض قدرتی اور پیداؤنی طور پر فصاحت و بلاغت کا ایک فن ضرور دیا ہے، جس میں وہ ساری دنیا سے فائق اور ممتاز ہیں، وہ نثر اور نظم میں ایسے قادر الکلام ہیں کہ جب بولتے ہیں تو عدد کی طرح کڑکتے اور بادل کی طرح برستے ہیں، ان کی ادنی ادنی چھوکریاں ایسی فصیح و بلیغ شعر کہتی ہیں، کہ دنیا کے ادیب حیران رہ جائیں۔ لیکن یہ سب کچھ ان کا فطری فن ہے، جو کسی مکتب یا مدرسہ میں حاصل نہیں کیا جاسکتا، غرض نہ وہاں تعلیم و تعلم کا کوئی سامان ہے، نہ وہاں کے رہنے والوں کو ان چیزوں سے کوئی لگاؤ یا دلچسپی ہے، ان میں کچھ لوگ شہری زندگی بسر کرنے والے ہیں، تو وہ تجارت پیشہ ہیں، مختلف اجناس مال کی درآمد، برآمد، ان کا مشغلہ ہے۔

اس ملک کے قدیم شہر ”مکہ“ کے ایک شریف گھرانہ میں وہ ذات مقدس پیدا ہوتی ہے، جو مہبط وحی ہے، جس پر قرآن اترتا ہے، اب اس ذات مقدس کا حال سنئے: ولادت سے پہلے ہی والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ پیدا ہونے سے پہلے یتیم ہو گئے، ابھی سات سال کی عمر بھی نہ تھی کہ والدہ کی بھی وفات ہو گئی، انوش مادر کا گہوارہ بھی نصیب نہ رہا شریف آباء و اجداد کی فیاضی اور بے مثل سخاوت نے اپنے گھر میں کوئی اندوختہ نہ چھوڑا تھا، جس سے یتیم کی پرورش اور آئندہ زندگی کا سامان ہو سکے، نہایت عسرت کی زندگی، پھر ماں باپ کا سایہ سر پر نہیں، ان حالات میں آپ نے پرورش پائی، اور عمر کا ابتدائی حصہ اسی طرح گزارا جو تعلیم و تعلم کا اصل وقت تھا ہے، اس وقت اگر مکہ میں کوئی دارالعلوم یا اسکول و کالج بھی ہوتا تو بھی آپ کے لئے اس سے استفادہ مشکل تھا، مگر معلوم ہو چکا کہ وہاں سرے سے یہ علمی مشغلہ اور اس سے دلچسپی ہی

کسی کو نہ تھی، اسی لئے یہ پوری قوم عرب امین کہلاتے تھے۔ قرآن کریم نے بھی ان کے متعلق یہ لفظ استعمال کیا ہے اس کا لازمی نتیجہ یہی ہوتا تھا کہ آپ ﷺ ہر قسم کی تعلیم و تعلم سے بے خبر رہے وہاں کوئی بڑا عالم بھی ایسا نہ تھا جس کی صحبت میں رہ کر یہ علوم حاصل کئے جاسکتے جن کا قرآن حامل ہے، پھر قدرت کو تو ایک فوق العادہ معجزہ دکھلانا تھا، آپ کے لئے خصوصی طور پر ایسے سامان ہوئے معمولی نوشت و خواند ہر جگہ کے لوگ کسی نہ کسی طریقے سے سیکھ ہی لیتے ہیں، آپ نے وہ بھی نہ سیکھا بالکل امی محض رہے کہ اپنا نام تک بھی نہ لکھ سکتے تھے۔

عرب کا مخصوص فن شعر و سخن تھا جس کے لئے خاص خاص اجتماعات کئے جاتے اور مشاعرے منعقد ہوتے اور اس میں ہر شخص مسابقت کی کوشش کرتا تھا، آپ کو حق تعالیٰ نے ایسی فطرت عطا فرمائی تھی کہ ان چیزوں سے بھی دلچسپی نہ تھی۔ نہ کبھی کوئی شعر یا قصیدہ لکھا، نہ کسی ایسی مجلس میں شریک ہوئے۔ ہاں امی محض ہونے کے ساتھ بچپن سے ہی آپ کی شرافت نفس، اخلاق فاضلہ، فہم و فراست کی غیر معمولی آثار، دیانت و امانت کا اعلیٰ ترین شہکار آپ کے ذات مقدس میں ہر وقت مشاہدہ کئے جاتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ عرب کے بڑے بڑے مغرور و متکبر سردار آپ کی تعظیم کرتے تھے اور سارے مکہ میں آپ کو امین کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اب ایک طرف قرآن کی یہ تحدی اور چیلنج اور دوسری طرف ساری دنیا کی مخالف طاقتیں جو اسلام اور نبی ﷺ کو شکست دینے کے لئے اپنی مال، جان، اولاد، ابرو، سب گوانے کو تیار ہیں۔

اور عرب کے سرداروں نے قرآن اور اسلام کے مٹانے اور پیغمبر اسلام ﷺ کو مغلوب کرنے میں جس طرح اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا، وہ کسی لکھے پڑھے آدمی سے مخفی نہیں۔ شروع میں رسول پاک ﷺ اور آپ کے گننے پنے رفقاء کو کس کس طرح کی ایذائیں دیکر چاہا کہ وہ کلمہ اسلام کو چھوڑ دیں، مگر جب دیکھا کہ، یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے، تو خوش آمد کا پہلو اختیار کیا۔

عرب کا سردار ”عتبہ بن ربیعہ“ قوم کا نمائندہ بن کر آپ کے پاس حاضر ہوا، اور عرب کی پوری دولت و حکومت اور بہترین حسن و جمال کی لڑکیوں کی پیشکش اس کام کے لئے کی کہ آپ اسلام کی تبلیغ چھوڑ دیں۔ آپ ﷺ نے اس کی جواب میں قرآن کی چند آیتیں سنا دینے پر اکتفاء فرمایا، جب یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی تو جنگ و مقابلہ کے لئے تیار ہو کر جو قریش عرب نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے مقابلہ میں سردھڑ کی بازی لگائی، جان، مال، اولاد، ابرو سب کچھ اس مقابلہ میں خرچ کرنے کے لئے تیار ہوئے۔ یہ سب کچھ کیا مگر یہ کسی سے نہ ہوسکا کہ قرآن کی چیلنج کو قبول کرتا، اور چند سطرے مقابلہ پر پیش کر دیتا، کیا ان حالات میں سارے عرب کا اس کے مقابلہ سے سکوت اور عجز اس کی کھلی ہوئی شہادت نہیں؟ کہ

یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس کے کام یا کلام کی نظیر انسان کی اساری مخلوق کی قدرت سے باہر ہے۔ پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ عرب نے اس کے مقابلہ سے سکوت کیا، بلکہ اپنے خاص مجلسوں میں سب نے اس کے پیش ہونے کا اعتراف کیا، اور جوان میں سے منصف مزاج تھے انہوں نے اس اعتراف کا اظہار بھی کیا، پھر ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے، اور کچھ اپنی ابائی رسوم کی پابندی یا بنی عبدمناف کی ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے محروم رہے، قریش عرب کی تاریخ ان واقعات پر شاہد ہے، میں اس میں سے چند واقعات اس جگہ بیان کرتا ہوں، جس سے اندازہ ہو سکے کہ پورے عرب نے اس کلام کے، بے مثل، بی نظیر ہونے کو تسلیم کیا، اور اس کی مثال پیش کرنے کو اپنی رسوائی کے خیال سے چھوڑ دیا۔

جب رسول اللہ ﷺ اور قرآن کا چرچا مکہ سے باہر حجاز کے دوسرے مقامات میں ہونے لگا، اور حج کا موسم آیا تو قریش مکہ کو اس کی فکر ہوئی کہ اب اطراف عرب سے حجاج آئیں گے، اور رسول کریم ﷺ کا یہ کلام سنیں گے، تو فریفتہ ہو جائیں گے اور غالب خیال یہ ہے کہ مسلمان ہو جائیں گے، اس کے انداد کی تدبیر سوچنے کے لئے قریش نے ایک اجلاس منعقد کیا، اس اجلاس میں عرب کے بڑے بڑے سردار موجود تھے، ان میں ولید بن مغیرہ، عمر میں سب سے بڑے اور عقل میں ممتاز سمجھے جاتے تھے، سب نے، ولید بن مغیرہ، کو یہ مشکل پیش کی کہ اب اطراف ملک سے لوگ آئیں گے اور ہم سے محمد ﷺ کے متعلق پوچھیں گے تو ہم کیا کہیں؟ ہمیں آپ کوئی ایسی بات بتلائیے کہ ہم سب وہی بات کہہ دیں، ایسا نہ ہو کہ خود ہمارے بیانات میں اختلاف ہو جائے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم ہی کو کیا کہنا چاہئے؟

لوگوں نے کہا ہمارے خیال میں ہم سب یہ کہیں، کہ محمد ﷺ (معاذ اللہ) مجنون ہیں، ان کا کلام مجنونانہ بڑ ہے۔ ولید بن مغیرہ نے کہا کہ تم ایسا ہرگز نہ کہنا، کیونکہ یہ لوگ جب ان کے پاس جائیں گے، اور ان سے ملاقات و گفتگو کریں گے، اور ان کو ایک فصیح و بلیغ، عاقل انسان پائیں گے، تو انہیں یقین ہو جائیگا کہ تم نے جھوٹ بولا ہے پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ اچھا ہم ان کو یہ کہیں کہ وہ ایک شاعر ہیں، ولید نے اس سے بھی منع کیا، اور کہا کہ جب لوگ ان کا کلام سنیں گے، وہ تو شعر و شاعری کے ماہر ہیں، انہیں یقین ہو جائے گا کہ یہ شعر نہیں، اور نہ آپ ﷺ شاعر ہیں، نتیجہ یہ ہو گا کہ سب لوگ تمہیں جھوٹا سمجھیں گے، پھر کچھ لوگوں نے کہا کہ تو پھر ہم ان کو کاہن قرار دیں، جو شیاطین و جنات سے سکر غیب کی خبریں بیان دیا کرتے ہیں۔ ولید نے کہا یہ بھی غلط ہے، کیونکہ جب لوگ ان کا کلام سنیں گے، تو پتہ چل جائے گا کہ یہ کلام کسی کاہن کا نہیں ہے، وہ پھر بھی تمہیں ہی جھوٹا سمجھیں گے، اس کے بعد قرآن کے بارے میں جو ولید بن مغیرہ کے تاثرات تھے ان

کوان الفاظ میں بیان کیا: اللہ کی قسم، تم میں کوئی ادبی، شعر و شاعری اور اشعار عرب سے میرے برابر واقف نہیں۔ اللہ کی قسم اس کلام میں خاص حلاوت ہے، اور ایک خاص رونق ہے جو میں کسی شاعر یا فصیح و بلیغ کے کلام میں نہیں پاتا۔ پھر ان کی قوم نے دریافت کیا، کہ آپ ہی بتلائیے، پھر ہم کیا کریں؟۔ اور ان کے بارے میں لوگوں سے کیا کہیں؟ ولید نے کہا میں غور کرنے کے بعد کچھ جواب دوں گا، پھر بہت سوچنے کے بعد کہا کہ اگر کچھ کہنا ہی ہے تو تم ان کو ساحر کہو، کہ اپنے جادو سے باپ بیٹے اور میاں بیوی میں تفرقہ ڈال دیتے ہیں۔ قوم اس پر مطمئن اور متفق ہو گئی اور سب سے یہی کہنا شروع کیا، مگر اللہ کا چراغ کہیں پھونکوں سے بجھنے والا تھا؟ اطراف عرب کے لوگ آئے، قرآن سنا، اور بہت سے مسلمان ہو گئے، اور اطراف عرب میں اسلام پھیل گیا (خصائص کبریٰ: ۱۳۸۱)۔

اسی طرح ایک قریشی سردانضر بن حارث نے ایک مرتبہ اپنی قوم کو خطاب کر کے کہا: اے قوم قریش! آج تم ایک مصیبت میں گرفتار ہو کہ اس سے پہلے کبھی ایسی مصیبت سے سابقہ نہیں پڑا تھا کہ محمد ﷺ تمہاری قوم کے ایک نوجوان تھے، اور تم سب ان کے اخلاق و عادات کے گرویدہ اور اپنی قوم میں ان کو سب سے زیادہ سچا اور سب سے زیادہ امانت دار جانتے، اور کہتے تھے، اب جبکہ ان کے سر میں سفید بال آنے لگے، اور انہوں نے ایک بے مثل کلام، اللہ کی طرف سے پیش کیا، تو تم ان کو جادو گر کہنے لگے، اللہ کی قسم وہ جادو گر نہیں، ہم نے جادو گروں کو دیکھا اور برتا ہے، ان کے کلام سنے ہیں، اور طریقوں کو سمجھا ہے، وہ بالکل اس سے مختلف ہیں۔

اور کبھی تم ان کو کاہن کہنے لگے، اللہ کی قسم، وہ کاہن بھی نہیں، ہم نے بہت کاہنوں کو دیکھا، اور ان کے کلام سنے ہیں، ان کو ان کے کلام سے کوئی مناسبت نہیں۔ اور کبھی تم ان کو شاعر کہنے لگے، اللہ کی قسم، وہ شاعر بھی نہیں، ہم نے خود شعر، شاعری کے تمام فنون کو سیکھا سمجھا ہے، اور بڑے بڑے شعراء کے کلام ہمیں یاد ہیں، ان کے کلام سے اس کو کوئی مناسبت نہیں، پھر کبھی تم ان کو مجنون بتاتے ہو، اللہ کی قسم، وہ مجنون بھی نہیں، ہم نے بہت سے مجنوں کو دیکھا بھالا، ان کی بکواس سنی ہے، ان کے مختلف اور مختلط کلام سنے ہیں، یہاں یہ کچھ نہیں، اے میری قوم، تم انصاف کے ساتھ ان کے معاملہ میں غور کرو، یہ سرسری ٹلا دینے کی چیز نہیں (خصائص کبریٰ: ۱۲۸۳)۔

ابوذر رقرماتے ہیں کہ میرا بھائی ”انیس“ ایک مرتبہ مکہ معظمہ گیا اس نے واپس آ کر مجھے بتلایا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے، میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ بھائی نے کہا کہ کوئی ان کو شاعر کہتا ہے، کوئی کاہن بتلاتا ہے، کوئی جادو گر کہتا ہے، میرا بھائی انیس خود بڑا شاعر اور کہانت وغیرہ سے

واقف آدمی تھا، اس نے مجھ سے کہا کہ جہاں تک میں نے غور کیا، لوگوں کی یہ سب باتیں غلط ہیں۔ ان کا کلام نہ شعر ہے، نہ کہانت ہے، نہ مجنونانہ کلمات ہیں، بلکہ مجھے وہ کلام صادق نظر آتا ہے۔

ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ بھائی سے یہ کلمات سنکر میں نے مکہ کا سفر کیا، اور مسجد حرام میں آکر رہنے لگا تیس روز میں نے اس طرح گزارے کہ سوائے زمزم کے پانی کے میرے پیٹ میں نہیں گیا، اس تمام عرصہ میں نہ مجھے بھوک کی تکلیف معلوم ہوئی، نہ کوئی ضعف محسوس کیا (خصائص: ۱۲۸)۔

اسلام اور پیغمبر پاک ﷺ کے سب سے بڑے دشمن ابو جہل اور ”خنس بن شریق“ وغیرہ بھی لوگوں سے چھپ کر قرآن سنا کرتے، اور اس کی عجیب و غریب بے مثل و بے نظیر اثرات سے متاثر ہوتے تھے، مگر جب قوم کی کچھ لوگوں نے ان کو کہا کہ جب تم اس کلام کو ایسا بے نظیر پاتے ہو، تو اس کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ تو ابو جہل کا جواب یہ تھا کہ تمہیں معلوم ہے کہ بنی عبدمناف میں اور ہماری قبیلہ میں ہمیشہ سے رقابت اور معاصرانہ مقابلہ چلتا رہتا ہے۔ وہ جس کام میں آگے بڑھنا چاہتے ہیں ہم بھی اس کا جواب دیتے ہیں، اب جبکہ ہم اور وہ دونوں برابر حیثیت کے مالک ہیں تو اب وہ کہنے لگے کہ ہم میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، اب ہم اس میں کیسے ان کا مقابلہ کریں؟ میں تو کبھی اس کا اقرار نہ کروں گا۔ (خصائص ۱۲۸۵)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کے اس دعوے اور چیلنج پر صرف یہی نہیں کہ پورے عرب نے ہار مان لی، اور سکوت اختیار کیا، بلکہ اس کے بے مثل اور بے نظیر ہونے اور اپنے عجز کا کھلے عام طور پر اعتراف بھی کیا ہے۔ اگر یہ کسی انسان کا کلام ہوتا تو اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ سارا عرب بلکہ ساری دنیا اس کا مثل لانے سے عاجز ہو جاتی۔

قرآن اور پیغمبر کے مقابلہ میں جان، مال، اولاد، آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لئے تو وہ تیار ہو گئے، مگر اس کے لئے کوئی آگے نہ بڑھا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے دو سطریں اس کے مقابلہ میں پیش کر دیتا۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اپنے جاہلانہ اعمال و افعال کے باوجود منصف مزاج تھے، جھوٹ کے پاس نہ جاتے تھے، جب انہوں نے قرآن کو سنکر یہ سمجھ لیا کہ جب درحقیقت اس کلام کی مثل ہم نہیں لاسکتے تو محض دھاندلی اور کھجکتی کے طور پر کوئی کلام پیش کرنا، اپنے لئے عار سمجھا، کیونکہ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ہم نے کوئی چیز پیش بھی کر دی تو پورے عرب کے فحشاء و بلغاء اس امتحانی مقابلہ میں ہمیں فیل کر دیں گے، اور خواخواہ رسوائی ہوگی، اس لئے پوری قوم نے سکوت اختیار کیا، اور جو زیادہ منصف مزاج تھے انہوں نے صاف طور پر اقرار و تسلیم بھی کیا، جسکے کچھ وقائع پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ عرب کا سردار سعد بن زرارہ نے رسول پاک ﷺ کے چچا عباسؓ کے سامنے اقرار کیا کہ ہم نے خواجواہ محمد ﷺ کی مخالفت کر کے اپنے رشتے ناطے توڑے اور تعلقات خراب کئے، میں یقین کیسا تھا کہتا ہوں کہ وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں، ہرگز جھوٹے نہیں۔ اور جو کلام وہ لائے ہیں بشر کا کلام نہیں ہو سکتا۔ (خصائص: ۱۲۸۷)۔

قبیلہ بنی سلیم میں قیس بن نسیبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ سے قرآن سنا، اور چند سوالات کئے جن کا جواب رسول ﷺ نے بیان فرمایا تو یہ اسی وقت مسلمان ہو گئے اور پھر اپنی قوم میں واپس گئے تو لوگوں سے کہا: میں نے روم و فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام سنے ہیں، بہت سے کاہنوں کے کلمات سننے کا تجربہ ہوا ہے، حمیر کے مقالات سنتا رہا ہوں، مگر محمد ﷺ کے کلام کی مثل میں نے آج تک کہیں نہیں سنا، تم سب میری بات مانو، اور ان کا اتباع کرو، انہیں کی تحریک و تلقین پر ان کی قوم کے ایک ہزار آدمی فتح مکہ کے موقع پر رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گئے۔ (خصائص: ۱۲۸۸)۔

یہ اقرار و تسلیم صرف ایسے لوگوں سے منقول نہیں جو آپ ﷺ کے معاملات سے یکسو اور غیر جانب دار تھے، بلکہ وہ لوگ جو ہر وقت ہر طرح رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں لگے ہوئے تھے، قرآن کے متعلق ان کا بھی یہی خیال تھا، مگر اپنی ضد اور حسد کی وجہ سے اس کا اظہار لوگوں پر نہ کرتے تھے۔

علامہ سیوطی نے خصائص کبری: ۱۲۸۵ء میں بحوالہ بیہقی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابو جہل اور ابو سفیان اور انض بن شریق رات کو اپنے اپنے گھروں سے اس لئے نکلے کہ چھپ کر رسول اللہ سے قرآن سنیں، ان میں ہر ایک علیحدہ علیحدہ نکلا، ایک کی دوسرے کو خبر نہ تھی، اور علیحدہ علیحدہ گوشوں میں چھپ کر قرآن سننے لگے، تو اس میں ایسے محو ہوئے کہ ساری رات گزر گئی، جب صبح ہو گئی تو سب واپس ہوئے، اتفاقاً راستہ میں مل گئے، اور ہر ایک نے دوسرے کا قصہ سنا، تو سب آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، کہ تم نے یہ بری حرکت کی، اور کسی نے یہ بھی کہا کہ آئندہ کوئی ایسا نہ کرے، کیونکہ اگر عرب کے عوام کو اس کی خبر ہو گئی تو وہ سب مسلمان ہو جائیں گے۔

یہ کہہ سکر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے، اگلی رات آئی تو پھر ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہی ٹیس اٹھی، کہ قرآن سنیں، اور پھر اسی طرح چھپ چھپ کر ہر ایک نے قرآن سنا، یہاں تک کہ رات گزر گئی اور صبح ہوتے ہی یہ لوگ واپس ہوئے، تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور اس کے ترک پر سب نے اتفاق کیا، مگر تیسری رات

آئی تو پھر قرآن کی لذت و حلاوت نے انہیں چلنے اور سننے پر مجبور کر دیا، پھر پہونچے اور رات بھر قرآن کریم سن کر لوٹنے لگے، تو پھر راستہ میں اجتماع ہو گیا، تو اب سب نے کہا کہ آؤ آپس میں معاہدہ کر لیں، کہ آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے، چنانچہ اس معاہدہ کی تکمیل کی گئی، اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے، صبح کو انص بن شریق نے اپنی لاشی اٹھائی، اور پہلے ابوسفیان کے پاس پہنچا کہ بتلاؤ اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے دبے دبے لفظوں میں قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا، تو انص نے کہا کہ اللہ کی قسم، میری بھی یہی رائے ہے، اس کے بعد وہ ابو جہل کے پاس پہنچا، اور اس سے بھی یہی سوال کیا، کہ تم نے محمد ﷺ کے کلام کو کیسا پایا؟

ابو جہل نے کہا کہ صاف بات یہ ہے کہ ہمارے خاندان اور بنو عبد مناف کے خاندان میں ہمیشہ سے چشمک چلی آئی ہے، قوم کی سیادت و قیادت میں وہ جس محاذ پر آگے بڑھنا چاہتے ہیں، ہم ان کا مقابلہ کرتے ہیں، انہوں نے سخاوت و بخشش کے ذریعے قوم پر اپنا اثر جمانا چاہا، تو ہم نے ان سے بڑھ کر یہ کام کر دکھایا، انہوں نے لوگوں کی ذمہ داریاں اپنے سر لے لیں، تو ہم اس میدان میں بھی ان سے پیچھے نہیں رہے، یہاں تک کہ پورا عرب جانتا ہے کہ ہم دونوں خاندان برابر حیثیت کے مالک ہیں۔ ان حالات میں ان کے خاندان سے یہ اواز اٹھی کہ ہمارے خاندان میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جس پر آسمان سے وحی آتی ہے، اب ظاہر ہے کہ اس کا مقابلہ ہم کیسے کریں؟ اس لئے ہم نے تو یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ہم زور اور طاقت سے ان کا مقابلہ کریں گے اور ہرگز ان پر ایمان نہ لائیں گے۔ یہ ہے قرآن کا وہ کھلا ہوا معجزہ جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے۔

تیسری وجہ اعجاز قرآنی کی یہ ہے، کہ اس میں غیب کی اور آئندہ پیش آنے والے واقعات

کی بہت سی خبریں ہیں، جو قرآن نے دیں، اور بعینہ اسی طرح واقعات پیش آئے، جس طرح قرآن نے خبر دی تھی، مثلاً قرآن نے خبر دی کہ روم و فارس کے مقابلہ میں ابتداء اہل فارس غالب آئیں گے، اور رومی مغلوب ہوں گے، لیکن ساتھ ہی یہ خبر دی کہ دس سال گزرنے نہ پائیں گے کہ پھر رومی اہل فارس پر غالب آجائیں گے، مکہ کے سرداروں نے قرآن کی اس خبر پر ابو بکر صدیقؓ سے ہار جیت کی شرط لگائی، اور پھر ٹھیک قرآن کی خبر کے مطابق رومی غالب آگئے تو سب کو اپنی ہار ماننا پڑی۔ اسی طرح اور بہت سے واقعات اور خبریں ہیں جو امور غیبیہ کے متعلق قرآن میں دی گئیں اور ان کی سچائی بالکل روز روشن جیسی واضح ہو گئی۔

چوتھی وجہ اعجاز قرآن کی یہ ہے کہ اس میں کچھلی اُمتوں اور ان کی شرائع اور تاریخی حالات کا ایسا صاف

تذکرہ ہے کہ اس زمانے کے بڑے بڑے علماء یہود و نصاریٰ جو پچھلی کتابوں کے ماہر سمجھے جاتے تھے ان کو بھی اتنی معلومات نہ تھیں، اور رسول اللہ ﷺ نے تو کبھی نہ کسی مکتب میں قدم رکھا، نہ کسی عالم کی صحبت اٹھائی، نہ کسی کتاب کو ہاتھ لگایا، پھر یہ ابتداء دنیا سے آپ ﷺ کے زمانے تک تمام اقوام عالم کے تاریخی حالات اور نہایت صحیح اور سچے سوانح اور ان کی شریعتوں کی تفصیلات کا بیان ظاہر ہے، کہ بجز اس کے نہیں ہو سکتا کہ یہ کلام اللہ تعالیٰ ہی کا ہو، اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو یہ خبریں دی ہوں۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ اس کی متعدد آیات میں لوگوں کے دل کی چھپی ہوئی باتوں کی اطلاع دی گئی اور وہ پھر ان کے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ وہ بات صحیح اور سچی تھی، یہ کام بھی عالم الغیب والاشہادۃ ہی کر سکتا ہے، کسی بشر سے عاۃً مکن نہیں، جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے ﴿اذھمت طائفان منکم ان تفسلا﴾ (ال عمران: ۱۲۲) جب تمہاری دو جماعتوں نے دل میں ارادہ کیا، کہ پسپا ہو جائیں۔ اور یہ ارشاد کہ ﴿یقولون فی انفسہم لولا یعدنا اللہ بمانقول﴾ (مجادلہ: ۸) یعنی وہ لوگ اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے انکار کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کو انہوں نے کسی سے ظاہر نہیں کیا، قرآن کریم نے ہی ان کا انکشاف کیا ہے۔

چھٹی وجہ اعجاز قرآنی کی وہ آیات ہیں، جن میں قرآن نے کسی قوم یا فرد کے متعلق یہ پیشگوئی کی کہ وہ فلاں کام نہ کر سکیں گے، اور پھر بھی وہ لوگ باوجود ظاہری قدرت کے اس کام کو نہ کر سکے، جیسے یہود کے متعلق قرآن نے اعلان کیا کہ اگر وہ درحقیقت اپنے آپ کو اللہ کے دوست اور ولی سمجھتے ہیں تو انہیں اللہ تعالیٰ کے پاس جانے سے محبت ہونا چاہیے، وہ ذرا موت کی تمنا کر کے دکھائیں اور پھر ارشاد فرمایا: ﴿ولن ینموہ ابداً﴾ (۹۵: بقرہ) وہ ہرگز موت کی تمنا نہ کر سکیں گے: موت کی تمنا کرنا کسی کیلئے مشکل نہ تھا خصوصاً ان لوگوں کیلئے جو قرآن کو جھٹلاتے تھے، قرآن کے ارشاد کی وجہ سے ان کو تمنائے موت میں خوف و ہراس کی کوئی وجہ نہ تھی، یہود کیلئے تو مسلمانوں کو شکست دینے کا یہ موقع بڑا غنیمت تھا کہ فوراً تمنائے موت کا ہر مجلس و محفل میں اعلان کرتے۔ مگر یہود ہوں یا مشرکین زبان سے کتنا ہی قرآن کو جھٹلائیں ان کے دل جانتے تھے کہ قرآن سچا ہے، اس کی کوئی بات غلط نہیں ہو سکتی، اگر موت کی تمنا ہم اس وقت کریں گے تو فوراً مر جائیں گے اس لئے قرآن کے اس کھلے ہوئے چیلنج کے باوجود کسی یہودی کی ہمت نہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زبان سے تمنائے موت کا اظہار کر دے۔

ساتویں وجہ اعجاز قرآن کی وہ خاص کیفیت ہے جو قرآن کے سننے سے ہر خاص و عام اور مومن و کافر

پر طاری ہوتی ہے جیسے جبیر بن مطعمؓ کو اسلام لانے سے پہلے پیش آیا کہ اتفاقاً انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز مغرب میں سو رہا، طور، پڑھتے ہوئے سنا، جب آپؐ آخری آیات پر پہنچے تو جبیرؓ کہتے ہیں، کہ میرا دل گویا اڑنے لگا، اور یہ سب سے پہلا دن تھا کہ میرے دل میں اسلام نے اثر کیا، وہ آیات یہ ہیں:

﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ﴾
﴿لَا يُوقِنُونَ﴾
﴿عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ﴾
﴿أَمْ هُمُ الْمُضْطَرُونَ﴾ (طور)

کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے تئیں) پیدا کرنے والے ہیں۔ یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں یا یہ (کہیں کے) داروغہ ہیں؟

آٹھویں وجہ یہ ہے: کہ اس کو بار بار پڑھنے اور سننے سے کوئی اکتانہ نہیں، بلکہ جتنا زیادہ پڑھا جاتا ہے اس کا شوق اور بڑھتا ہے دنیا کی کوئی بہتر سے بہتر اور مرغوب کتاب لے لیجئے اس کو دو چار مرتبہ پڑھا جائے تو انسان کی طبیعت اکتا جاتی ہے، پھر نہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے نہ سننے کو، یہ صرف قرآن کا خاصہ ہے، کہ جتنا کوئی اس کو زیادہ پڑھتا ہے اتنا ہی اس کو شوق و رغبت بڑھتا جاتا ہے، یہ بھی قرآن کے کلام الہی ہونے ہی کا اثر ہے۔

نویں وجہ: یہ ہے کہ قرآن نے اعلان کیا ہے کہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے، وہ قیامت تک بغیر کسی ادنیٰ تغیر و ترمیم کی باقی رہے گا، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدے کو اس طرح پورا فرمایا: کہ جب سے قرآن نازل ہوا ہے آج چودہ سو برس گزریں، ہر قرن ہر زمانے میں لاکھوں انسان ایسے رہے ہیں اور رہیں گے جن کے سینوں میں پورا قرآن اس طرح محفوظ رہا کہ ایک زیر و زبر کی غلطی کا امکان نہیں۔

ہر زمانے میں مرد، عورت، بچے بوڑھے، اس کے حافظ ملتے ہیں، بڑے سے بڑے عالم اگر کبھی ایک زیر و زبر کی غلطی کر جائے تو ذرا ذرا سے بچے وہی غلطی پکڑ لیں گے۔ دنیا کا کوئی مذہب اپنی مذہبی کتاب کے متعلق اس کے مثال تو کیا اس کا دسواں حصہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ بہت سے مذاہب کی کتابوں میں تو آج یہ پتہ چلانا بھی مشکل ہو گیا ہے کہ اس کی اصل کس زبان میں آئی تھی؟ اور اس کے کتنے اجزاء تھے۔ کتاب کی صورت میں بھی ہر قرن ہر زمانے میں جتنی اشاعت قرآن کی ہوئی، شاید دنیا کی کسی کتاب کو یہ بات نصیب ہوں، حالانکہ تاریخ شاہد ہے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں کی تعداد دنیا میں بہ نسبت منکرین اور کافروں کے بہت کم رہی، اور ذرائع نشر و اشاعت بھی جتنے غیر مسلموں کو حاصل رہے ہیں مسلمانوں

کو اس کا کوئی معتد بہ حصہ نصیب نہ ہوا، مگر ان باتوں کے باوجود کسی قوم کسی مذہب کی کوئی کتاب دنیا میں اتنی شائع نہیں ہوئی جتنا قرآن شائع ہوا، پھر قرآن کی حفاظت کو اللہ تعالیٰ نے صرف کتابوں اور صحیفوں پر موقوف نہیں رکھا، جن کے جل جانے اور محو ہوجانے کا امکان ہو، بلکہ اپنے بندوں کے سینوں میں بھی محفوظ کر دیا، اگر آج ساری دنیا کے قرآن (العیاذ باللہ) نابود کر دیا جائیں تو اللہ کی یہ کتاب پھر بھی اسی طرح محفوظ رہے گی۔

چند حافظ مل کر بیٹھ جائیں تو چند گھنٹوں میں پھر ساری کی ساری لکھی جاسکتی ہے۔ یہ بے نظیر حفاظت بھی صرف قرآن ہی کا خاصہ اور اس کے کلام الہی ہونے کا نمایاں ثبوت ہے، کہ جس طرح اللہ کی ذات ہمیشہ باقی رہنے والی ہے اس پر کسی مخلوق کا تصرف نہیں چل سکتا، اسی طرح اس کا کلام بھی ہمیشہ تمام مخلوقات کی دستبرد اور تصرفات سے بالاتر ہو کر ہمیشہ باقی رہے گا قرآن کی یہ پیشگوئی چودہ سو برس تک مشاہدہ میں آچکی ہیں، اور تا قیامت انشاء اللہ تعالیٰ آتی رہے گی اس کھلے ججزے کے بعد قرآن کے کلام الہی ہونے میں کیا کسی کو شک و شبہ کی گنجائش رہ سکتی ہے؟۔

دسویں وجہ: وہ علوم و معارف ہیں جن کا احاطہ آج تک کسی کتاب نے کیا ہے نہ آئندہ امکان ہے، کہ اتنے مختصر حجم اور محدود کلمات میں اتنے علوم و فنون جمع کئے جاسکیں جو تمام کائنات کی دائمی ضروریات کو حاوی اور انسان کی زندگی کے ہر شعبہ اور ہر حال سے متعلق پورا مرتب اور بہترین نظام پیش کر سکے، شخصی پھر عائلی زندگی سے لے کر قبائلی اور شہری زندگی تک اور پھر عمرانیات و اجتماعیات اور سیاست ممالک کے ہر پہلو پر حاوی نظام پیش کر دے۔ پھر صرف نظری اور علمی طور پر نظام پیش کرنا ہی نہیں عملی طور پر اس کا رواج پانا اور تمام نظامہائے دنیا پر غالب آکر قوموں کے مزاج، اخلاق، اعمال، معاشرت اور تمدن میں وہ انقلاب عظیم پیدا کرنا جس کی نظیر نہ قرون اولیٰ میں مل سکتی ہے۔ نہ قرون مابعد میں یہ حیرت انگیز انقلاب کیا کسی انسان کی قدرت اور اس کی حکمت عملی کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟ خصوصاً جبکہ وہ انسان امی اور اس کی قوم بھی امی ہو

یہی وہ محیر العقول تاثیرات ہیں کہ جن کی وجہ سے قرآن کو کلام الہی ماننے پر ہر وہ شخص مجبور ہے جس کی عقل و بصیرت کو تعصب عناد نے بالکل ہی برباد نہ کر دیا ہو۔ یہاں تک کہ اس دور مادہ پرستی کے، مسیحی مصنفین جنہوں نے کچھ بھی قرآن میں غور فکر سے کام لیا اس اقرار پر مجبور ہو گئے کہ یہ ایک بے مثل و بے نظیر کتاب ہے۔ فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس کو حکومت فرانس کی وزارت معارف نے قرآن حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کر لیا تھا، اس نے اعتراف کیا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔ بے شک قرآن کا طرز بیان خالق جل و علا شانہ

کا طرز بیان ہے، بلاشبہ جن حقائق و معارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ ایک کلام الہی ہی ہو سکتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک و شبہ کرنے والے بھی جب اس کی تاثیر عظیم کو دیکھتے ہیں تو تسلیم و اعتراف پر مجبور ہوتے ہیں، پچاس کروڑ مسلمان جو سطح زمین کے ہر حصے پر پھیلے ہوئے ہیں ان میں قرآن کی خاص تاثیر کو دیکھ کر مسیحی مشن میں کام کرنے والے بالاجماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا کہ جس مسلمان نے اسلام اور قرآن کو سمجھ لیا وہ کبھی مرتد ہوا، یا قرآن کا منکر ہو گیا ہو۔

مسلمانوں میں تاثیر قرآنی کا یہ اعتراف اس مسیحی مستشرق سے ایک ایسے دور میں ہو رہا ہے جبکہ خود مسلمان قرآن اور اسلام سے بیگانہ، اس کی تعلیمات سے دور، اس کی تلاوت سے غافل ہو چکے ہیں کاش! یہ مصنف اسلام اور قرآن کے اس دور کو دیکھتا جبکہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں قرآن کا عمل تھا اور انکی زبانوں پر قرآن کی آیات تھیں۔

اس طرح دوسرے مسیحی مصنفین نے بھی جو مصنف مزاج ہیں اسی قسم کے اعتراف کئے ہیں مسٹر ولیم میور نے اپنی کتاب ”حیات محمد“ میں واضح طور پر اس کا اعتراف کیا ہے، اور ڈاکٹر شلی شمیل نے اس پر ایک مستقل مقالہ لکھا ہے۔

قرآن کے کلام الہی اور معجزہ نبوی ہونے پر دس وجوہ آپ سن چکے ہیں، آخر میں ایک اجمالی نظر اس پر ڈالنے، کہ محمد ﷺ پیدائشی یتیم ہو کر دنیا میں تشریف لائے ہیں عمر بھر کسی کتب میں قدم نہیں رکھے، قلم اور کتاب کو ہاتھ نہیں لگایا، اپنا نام بھی خود نہیں لکھ سکتے، اسی میں جوان ہوتے ہیں، آپ کی طبیعت عزلت پسند ہے، کسی کھیل، تماشاء، جلسوں، ہنگاموں، میں جانے کے بھی عادی نہیں۔ شعر و سخن سے بھی مناسبت نہیں، کسی قومی اجتماع میں کبھی کوئی خطبہ دینے یا تقریر کرنے کا بھی عمر بھر اتفاق نہیں ہوتا، چالیس سال ہونے کے بعد جبکہ ادھیڑ عمر میں پہنچ جاتے ہیں، اور عادتاً کسی علم کے سیکھنے سکھانے کا وقت ختم ہو جاتا ہے، اس وقت آپ کی زبان مبارک پر ایک ایسا میر العقول، جامع حقائق، فصاحت و بلاغت میں اعجاز نما کلام، آنے لگتا ہے، جو کسی بڑے سے بڑے عالم، ماہر اور فصیح و بلیغ سے بھی ممکن نہیں، جس کے ذریعہ آپ عرب کے بڑے بڑے فضحاء و بلغاء کو خطاب فرماتے ہیں، ان کے جلسوں میں پہنچ کر خطبے دیتے ہیں، اور پوری دنیا کے لئے عموماً، اور عرب کے لئے خصوصاً، یہ چیلنج سناتے ہیں، کہ کوئی اس کے کلام الہی ہونے میں شبہ کرے، تو اس کے کسی چھوٹے سے حصہ کی مثال بنا کر دکھلا دے، اس پر پوری قوم مثال پیش کرنے سے عاجز ہو جاتی ہے۔

پوری قوم جو آپ کو پہلے ”امین“ کے لقب سے پکارتی، اور تعظیم کرتی تھی، آپ کی مخالف ہو جاتی ہے، اس کلام کی تبلیغ سے باز رکھنے کے لئے دولت، حکومت اور ہر انسانی خواہش کی چیزیں پیش کرتی ہے، آپ ان میں سے کسی چیز کو قبول

نہیں کرتے، پوری قوم آپ کو اور آپ کے رفقاء کو ستانے، اور ان پر ظلم کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے، آپ یہ سب کچھ برداشت کرتے ہیں مگر اس کلام کی تبلیغ نہیں چھوڑتے، قوم آپ کے قتل کی سازشیں کرتی ہے، جنگ و جدل پر آمادہ ہو جاتی ہے، آپ کو اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ جانا پڑتا ہے، آپ کی قوم آپ کو وہاں بھی سکون سے نہیں بیٹھنے دیتی۔

سارے عرب اور اہل کتاب آپ کی مخالفت پر جمع ہو جاتا ہے، آئے دن مدینہ پر حملے ہوتے ہیں، آپ کے مخالفین یہ سب کچھ کرتے ہیں، مگر قرآن کے چیلنج کو قبول کر کے ایک چھوٹی سی سورت قرآن کی مثل بنا کر پیش نہیں کرتے، قرآن ان کو غیرت دلاتا ہے اس پر بھی ان کی رگ حمیت میں حرکت نہیں ہوتی، صرف یہی نہیں کہ پورا عرب قرآن کی مثال پیش کرنے سے عاجز رہا۔ بلکہ خود وہ ذات اقدس جس پر یہ قرآن نازل ہوا، وہ بھی اس کی مثال اپنی طرف سے پیش نہیں کر سکتے، ان کا سارا کلام یعنی حدیث جس طرح کا ہے، قرآن کا کلام یقیناً اس سے ممتاز ہے، قرآن کریم کا ارشاد ہے: قَالَ الَّذِينَ لَا يُرْجُونَ لِقَاءَنَا انْتَبِهُوا هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ، (الایۃ ﴿۱۵۱﴾ یونس)

جو لوگ آخرت میں ہمارے سامنے آنے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسی جیسا ایک اور قرآن بنا دیجئے یا اسی کو بدل دیجئے، تو آپ فرما دیجئے کہ میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل ڈالوں۔

ایک طرف تو قرآن کے یہ کھلے کھلے معجزات ہیں، جو اس کے کلام الہی ہونے پر شاہد ہیں، دوسری طرف اس کے مضامین و مضمرات اور حقائق و معارف پر نظر ڈالئے تو وہ اس سے زیادہ محیرت کر دینے والی چیز ہے۔ نزول قرآن کے ابتدائی دور کے چند سال تو اس حالت میں گزرے کہ قرآنی تعلیمات کو کھلے طور پر پیش کرنا بھی ممکن نہ تھا، رسول ﷺ خفیہ طور پر لوگوں کو اصول قرآنی کی طرف دعوت دیتے تھے، پھر بے شمار مزامنتوں اور مخالفتوں کے نرغہ میں کچھ علانیہ دعوت بھی شروع کی جانے لگی، مگر قرآن کریم کے مجوزہ قانون کی تعفیذ کا کوئی امکان نہ تھا۔ ہجرت مدینہ کے بعد صرف دس سال ایسے ملے جن کو مسلمانوں کے لئے ازادی کا زمانہ کہا جاسکتا ہے، جس میں قرآنی نظام کا مکمل تعلیم اور تعفیذ کی کوشش اور کوئی تعمیری کام کیا جاسکتا تھا۔ لیکن ان دس سال میں بھی آپ تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ ابتدائی چھ سال دشمنوں کے نرغہ اور منافقین اور یہود مدینہ کی سازشوں سے کس کو فرصت تھی کہ کوئی تعمیری کام اور ایسا نظام جو ساری دنیا کے نظاموں سے مختلف ہوں، عملی طور پر نافذ کر سکے، مسلمانوں کے خلاف سب سے بڑے بڑے معرکے انہیں چھ سال کے اندر پیش آئے، نرغہ بدر، احد، احزاب وغیرہ، سب اسی مدت کے اندر ہوئے، ہجرت کے چھٹے سال، دس سال کے لئے حدیبیہ کا صلح نامہ لکھا گیا، اور صرف ایک سال اس معاہدہ پر قریش عرب قائم رہے، اس کے بعد انہوں نے اس کو بھی توڑ ڈالا۔ اور پھر جنگ

وجہاد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ظاہر اسباب میں یہ صرف ایک دو سال ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کو اس کام کے لئے ملے، کہ قرآن کی دعوت کو عام کر سکیں، اور اس کے نظام کو نافذ کرنے کی کوشش کر سکیں، اسی عرصہ میں آپ نے بڑے بڑے سلاطین دنیا کو خطوط لکھے، قرآن کی دعوت ان کو پہنچائی، قرآنی نظام کو قائم کرنے، پھیلانے کی سعی فرمائی، اور نبی کریم ﷺ کی آخری عمر تک اس آزادی کے صرف چار سال ہوتے ہیں، جن میں فتح مکہ کا جہاد بھی پیش آیا، اور مکہ مکرمہ فتح ہوا۔ اب اس چار سال کی قلیل مدت کو دیکھئے، اور قرآن کے اس نفوذ و اثر پر نظر ڈالئے، کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت تقریباً پورے جزیرۃ العرب پر قرآن کی حکومت تھی، ایک طرف سرحد روم تک، اور دوسری طرف عراق تک، تیسری طرف عدن تک، پہنچ چکی تھی۔

اگر اس سے بھی قطع نظر کر لی جائے کہ رسول اللہ ﷺ امی تھے، اس کو بھی نظر انداز کیا جائے کہ آپ ﷺ کی قوم ایک ایسی قوم تھی کہ جس نے کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کی تھی، اس کو بھی بھول جائیے کہ ساری دنیا آپ ﷺ کے خلاف تھی، اور مشرکین عرب، یہود و نصاریٰ، سب کے سب مل کر آپ ﷺ کو اور قرآن کو دنیا سے مٹانے پر تلے ہوئے تھے، بالکل سازگار فضا مان لیجئے تو بھی ایک نئے نظام، نئے قانون اور نئے اصول کی پہلے تو تدوین و ترتیب، پھر اس کی تعلیم و تفسیم پھر اسکی عملی تنفیذ اور اس کے ذریعہ ایک پاکباز معاشرہ، اور ملک بھر میں امن و سکون پیدا کرنے کے لئے کتنی مدت، کتنا سرمایہ، کتنے آدمی درکار ہیں، اور کیا وہ آپ ﷺ اور صحابہ کرام کو حاصل تھا؟ آج کے نظاموں کو سامنے رکھ کر حساب لگائیے تو ایک اندھے کی بھی آنکھیں کھل جائیں گی، کہ یہ نفوذ و اثر یہ روحانی تاثیر بجز خاص قدرت الہیہ کسی طرح ظاہر نہیں ہو سکتی۔

اعجاز قرآنی کے پورے وجوہ اور ان کی تفصیلات کا بیان ایک نہایت طویل بحث ہے، علماء امت نے اس پر بیسیوں مستقل کتابیں ہر زمانہ میں مختلف زبانوں میں تصنیف فرمائی ہیں، سب سے پہلے تیسری صدی ہجری میں جاحظ نے نظم القرآن، کے نام سے مستقل کتاب لکھی، پھر چوتھی صدی کے اوائل میں ابو عبد اللہ واسطی نے بنام ”اعجاز القرآن“ ایک کتاب تصنیف کی، پھر اسی صدی میں ابن عیسیٰ ربانی نے ایک مختصر رسالہ بنام ”اعجاز القرآن“ لکھا، قاضی ابوبکر باقلانی نے پانچویں صدی کے اوائل میں ”اعجاز القرآن“ کے نام سے ایک مفصل و مبسوط کتاب لکھی، علامہ جلال الدین سیوطی نے اتقان اور خصائص کبریٰ میں، امام رازی نے تفسیر کبیر میں، قاضی عیاض نے شفاء میں، بڑی شرح و بسط کے ساتھ اس مضمون کی تفصیل لکھی، آخری دور میں مصطفیٰ صادق رابعی مرحوم نے ”اعجاز القرآن“ کے نام سے، اور جناب سید رشید رضا مصری نے ”الوحی الحمدی“ کے نام سے مستقل، جامع اور مبسوط کتابیں لکھیں، اردو زبان میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایک رسالہ بنام

”عجاز القرآن“ تصنیف فرمایا۔ یہ بھی قرآن مجید کی خصوصیات میں سے ہے، کہ اس کے ایک ایک مسئلہ پر مکمل تفسیروں کے علاوہ مستقل رسائل و کتابیں اتنی لکھی گئی ہیں کہ اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔

عرض کرنا یہ ہے کہ یہ مضمون اپنی پوری تفصیل کے ساتھ تو اس جگہ بیان نہیں ہو سکتا لیکن، جتنا بیان ہو چکا ہے وہ بھی ایک منصف مزاج انسان کو اس پر مجبور کر دینے کے لئے کافی ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور رسول اللہ ﷺ کا عظیم الشان معجزہ تسلیم کر لے۔

بعض لوگوں کی طرف سے کہا جاتا ہے کہ بہت ممکن ہے کہ قرآن کے مقابلہ میں کتابیں اور مقالات لکھے گئے، مگر وہ محفوظ نہ رہے ہوں۔ لیکن اگر ذرا بھی انصاف سے کام لیا جائے تو اس احتمال کی کوئی گنجائش نہیں رہتی، کیونکہ دنیا جانتی ہے کہ جب سے قرآن نازل ہوا، پوری دنیا میں قرآن کے ماننے والے کم اور منکرین زیادہ رہے ہیں، اور یہ بھی معلوم ہے کہ ذرائع نشر و اشاعت جتنے منکرین قرآن کو حاصل رہے ہیں قرآن کے ماننے والوں کو اکثر قرون میں اس کا کوئی قابل ذکر حصہ حاصل نہیں رہا، قرآن اتنا بلند بانگ دعویٰ اپنے مخالفین کے سامنے کرتا ہے، ان کو چیلنج دیتا ہے، غیر تیس دلاتا ہے، اور مخالفین اسلام اسکے مقابلہ میں جان، مال اور اولاد سب کچھ قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں، اگر انہوں نے قرآن کا چیلنج قبول کر کے کوئی چیز مقابلہ کے لئے پیش کی ہوتی، تو کیسے ممکن تھا کہ وہ ساری دنیا میں شائع نہ ہوتی، اور ہر زمانہ میں منکرین قرآن مسلمانوں کے مقابلہ میں اسکو پیش نہ کرتے، اور مسلمانوں کی طرف سے اس پر جرح و قدح میں سینکڑوں کتابیں نہ لکھی گئی ہوتیں۔

اسلام کے قرن اول میں صرف ایک واقعہ مسلمہ کذاب کا پیش آیا، کہ اس نے کچھ چند بے حیائی کے اٹلے سیدھے کلمات لکھ کر یہ کہا تھا کہ یہ وحی آسمانی قرآن کی مثل ہے، مگر دنیا جانتی ہے کہ ان کلمات کا کیا حشر ہوا، خود اس کی قوم نے ان کے منہ پر مار دیئے، وہ کلمات ایسے شرمناک، غیر مہذب تھے کہ کسی مہذب سوسائٹی میں ان کو بیان بھی نہیں کیا جاسکتا، اور بہر حال جیسے بھی تھے وہ آج تک کتابوں میں نقل ہوتے چلے آئے ہیں، اگر کسی اور شخص نے کوئی اچھا کلام قرآن کے مقابلہ میں پیش کیا ہوتا، تو کوئی وجہ نہ تھی کہ دنیا کی تاریخ اس کو یکسر بھلا دیتی، اور منکرین قرآن اس کو ہر قیمت پر باقی رکھنے کی کوشش نہ کرتے۔

وہ لوگ جو قرآن کے مقابلہ میں ہر وقت سینہ سپر تھے قرآن کے اس چیلنج کے جواب میں انہوں نے طرح طرح کی باتیں کیں، جن کو قرآن میں نقل کر کے جواب دیا گیا، مگر اس کا ایک واقعہ نہیں کہ کوئی کلام مقابلہ پر پیش کر کے اس کے

قرآن کا مثل ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہو۔

ایک رومی غلام جو لوہاری کا کام کیا کرتا تھا، اور کچھ تو رات اور انجیل پڑھا ہوا تھا، کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ سے ملتا تھا، عرب کے کچھ جاہلوں نے تعصب اور عناد سے یہ مشہور کیا، کہ رسول پاک ﷺ کو یہ قرآنی مضامین اس نے سکھائے ہیں، قرآن نے ان کا یہ اعتراض نقل کر کے خود جواب دیا، کہ جس شخص کی طرف سکھانے کی نسبت کرتے ہیں وہ تو خود عجمی ہے، عربی زبان کی بلاغت کو کیا جانے، اور یہ قرآن عربی کی انتہائی بلیغ کتاب ہے، سورہ نحل کی آیت (۱۰۳) میں دیکھئے:

وَلَقَدْ نَعَلُمْ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ
لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا
لِّسَانُ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ﴿۱۰۳﴾

اور ہمیں معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) کو ایک شخص
سکھاتا ہے مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں
اُس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے

کچھ لوگوں نے قرآن کی تحدی کے جواب میں یہ کہا کہ: ”لو نشاء لقلنا مثل هذا“ (انفال: ۳۱) اگر ہم چاہتے تو ہم بھی قرآن کے مثل کلام کہہ دیتے۔ لیکن کوئی ان سے پوچھے کہ پھر چاہا کیوں نہیں؟ قرآن کے مقابلہ کے لئے سارا ایڑی چوٹی کا زور تو خرچ کیا، جان و مال کی قربانی دی، اگر تمہیں اس کا مثل کلام لکھنے یا کہنے کی قدرت تھی، تو قرآن کی اس تحدی کے بعد تم نے اس کی مثل کلام بنا کر نفع کا سہرا اپنے سر کیوں نہیں لیا؟

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے اس دعوے کے بعد مخالفین نے کچھ شریفانہ سکوت نہیں کر لیا بلکہ جو کچھ ان کے منہ پر آیا، اس کے مقابلہ پر کہتے رہے، لیکن یہ پھر بھی کسی نے نہیں کہا کہ ہم میں سے فلاں آدمی نے قرآن جیسا فلاں کلام لکھا ہے، اس لئے قرآن کا یہ دعویٰ یکتائی (معاذ اللہ) غلط ہے۔ بعض معاندین کو یہ سوچھی کہ رسول پاک ﷺ جو قبل از نبوت چند روز کے لئے ملک شام تشریف لے گئے، اور راستہ میں، ہجیرا، راہب سے ملاقات ہوئی وہ تو رات کا ماہر تھا، اس سے آپؐ نے علوم سیکھے، مگر کوئی ان سے پوچھے کہ ایک دن کی ایک ملاقات میں اس سے یہ ساری علوم و معارف فصاحت و بلاغت کا اعجاز، اخلاقی تربیت، نظام خانگی، نظام مملکت کیسے سیکھ لئے۔ آج کل کے بعض معترضین نے کہا کہ کسی کلام کی مثل نہ بنایا جانا اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ وہ اللہ کا کلام یا معجزہ ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک اعلیٰ درجہ کا ماہر بلاغت کوئی نثر یا نظم لکھے کہ دوسرا آدمی اس کی نظیر نہ لاسکیں۔

سعدی شیرازی کی گلستان، فیضی کی ”تفسیر بے نقط“ کو عام طور پر بے مثل و بے نظیر کتابیں کہا جاتا ہے، تو کیا وہ بھی معجزہ ہیں؟ لیکن اگر زانو رکریں تو انہیں معلوم ہوگا کہ سعدی اور فیضی کے پاس سامان تعلیم و تالیف کس قدر موجود تھا کتنے،

عرصہ تک انہوں نے تعلیم حاصل کی، برسوں مدرسہ میں پڑے رہے، راتوں جاگے، مدتوں محنتیں کیں، بڑے بڑے علماء کے سامنے زانوئے ادب طے کئے، سالہا سال کی محنتوں اور دماغ سوزیوں کے نتیجے میں اگر بالفرض فیضی یا حریری یا منٹنی یا کوئی اور عربی زبان میں اور سعدی فارسی میں اور ملٹن انگریزی میں یا ہومر یونانی میں، یا کالی داس سنسکرت میں ایسے ہوئے ہیں کہ، ان کا کلام دوسروں کے کلام سے فائق ہو گیا، تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

معجزہ کی تعریف تو یہ ہے کہ وہ اسباب متعارفہ کے توسط کے بغیر وجود میں آئے، کیا ان لوگوں کے لئے باقاعدہ تحصیل علوم، استادوں کے ساتھ طویل ملازمت و صحبت، وسیع مطالعہ، مدتوں کی مشاقی، ان کی علمی مہارت کے کھلے ہوئے اسباب نہیں ہیں؟ اگر ان کے کلام دوسروں سے ممتاز ہوں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ تعجب کی بات تو یہ ہے کہ جس نے کبھی کتاب و قلم کو ہاتھ نہ لگایا ہو، کسی مدرسہ و مکتب میں قدم نہ رکھا ہو، وہ ایسی کتاب دنیا کے سامنے پیش کرے کہ ہزاروں سعدی اور لاکھوں فیضی اس پر قربان ہو جانے کو اپنا سرمایہ فخر سمجھیں، اور ان کو جو کچھ علم و حکمت حاصل ہوئی اس کو بھی آپ ہی کے فیض تعلیم کا اثر قرار دیں۔ اس کے علاوہ فیضی اور سعدی کے کلام کا مثل پیش کرنے کی کسی کو ضرورت بھی کیا تھی؟ کیا انہوں نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اور اپنے کلام کے بے مثل و بینظیر ہونے کو اپنا معجزہ کہا تھا، اور دنیا کو اس کا چیلنج دیا تھا کہ ہمارے کلام کی کوئی مثال نہیں پیش کی جاسکتی؟ جس کے نتیجے میں لوگ اس کا مقابلہ کرنے، اور مثال پیش کرنے کے لئے مجبور ہوتے۔

پھر قرآن کی صرف فصاحت و بلاغت اور نظم و ترتیب ہی بے مثال نہیں، لوگوں کے دل و دماغ پر اس کی تاثیرات عجیبہ اس سے زیادہ بے مثال اور حیرت انگیز ہیں، جن کی وجہ سے قوموں کے مزاج بدل گئے، انسانی اخلاق میں ایک کاپلاٹ ہو گئی، عرب کے تند خو، گنوار، حلم و اخلاق اور علم و حکمت کے استاد مانے گئے، ان حیرت انگیز انقلابی تاثیرات کا اقرار صرف مسلمان ہی نہیں موجودہ زمانے کے سینکڑوں غیر مسلموں نے بھی کیا ہے، یورپ کے مستشرقین کے مقالات اس بارے میں جمع کئے جائیں، تو ایک مستقل کتاب بن سکتا ہے۔ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب بنام شہادت الاقوام علی صدق الاسلام تحریر فرمائی ہے اس جگہ چند حوالے نقل کئے جاتے ہیں:

ڈاکٹر گستاوی بان نے اپنی کتاب ”تمدن عرب“ میں صفائی سے اس حیرت انگیزی کا اعتراف کیا، ان کے الفاظ کا ترجمہ اردو میں یہ ہے: اس پیغمبر اسلام، اس نبی امی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگذشت ہے، جس کی آواز نے ایک قوم ناخچار کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہ آئی تھی، رام کیا، اور اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی

سلطنتوں کو زیر و زبر کر ڈالا، اور اس وقت بھی وہی نبی امی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان اللہ کو کلمہ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہیں۔

مسٹر ”وڈول“ جس نے قرآن کا ترجمہ اپنی زبان میں کیا ہے لکھتا ہے کہ: جتنا بھی ہم اس کتاب (یعنی قرآن مجید) کو الٹ پلٹ کر دیکھیں اسی قدر پہلے مطالعہ میں اس کی نامرغوبی، نئے نئے پہلوؤں سے اپنا رنگ جماتی ہے، فوراً ہمیں مسح کر لیتی ہے، متحیر بنا دیتی ہے، اور آخر میں ہم سے تعظیم کرا کر چھوڑتی ہے، اس کا طرز بیان باعتبار اس کے مضامین و اغراض کے عقیف، عالی شان، اور تہدید آمیز ہے، اور جابجا اس کے مضامین سخن کی غایت رفعت تک پہنچ جاتے ہیں۔ غرض یہ کتاب ہر زمانہ میں اپنا پُر زور اثر دکھاتی رہے گی (شہادت الاقوام: ۱۳)۔

مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک ذاعلول نے ۱۸۹۸ء میں مسٹر کونٹ ہنر دی کی کتاب ”الاسلام“ کا ترجمہ عربی میں شائع کیا تھا، اصل کتاب فرنج زبان میں تھی، اس میں مسٹر کونٹ نے قرآن کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر کئے ہیں۔ عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کے زبان سے کیونکر ادا ہوا، جو بالکل امی تھا، تمام مشرق نے اقرار کر لیا ہے، کہ نوع انسانی لفظ و معنی ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے، یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطابؓ کو مطمئن کر دیا۔ ان کو اللہ کا معترف ہونا پڑا، یہ وہی کلام ہے، کہ جب گئی علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالبؓ نے حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پڑھے، تو اس کی آنکھوں سے بے ساختہ آنسو جاری ہو گئے۔ اور بپ چلا اٹھا، کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا“ (شہادت الاقوام: ۱۴)۔

انسان کلو پیڈیا برٹانیکا، (جلد ۱۶ ص ۵۹۹) میں ہے: قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں: بہت سی آیات دینی و اخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں، مظاہر قدرت، تاریخ، الہامات انبیاء کے ذریعہ اس میں اللہ کی عظمت، مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے۔ بالخصوص محمد ﷺ کے واسطے سے اللہ کو واحد اور قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے۔ بت پرستی اور مخلوق پرستی کو بلا لحاظ نا جائز قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔

انگلستان کے نامور مورخ ڈاکٹر گین اپنی مشہور تصنیف (سلطنت روما کا انحطاط و زوال: ۵: باب: ۵۰) میں لکھتے ہیں: قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے، کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے، =

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے (نعمت کے) باغ ہیں جن کے نیچے سے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رُزِقُوا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا

نہریں بہ رہی ہیں جب انہیں ان میں سے کسی قسم کا میوہ کھانے کو دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا

مِنْ قَبْلُ وَأَتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اور ان کو ایک دوسرے کے ہم شکل میوے دیئے جائیں گے اور وہاں ان کے لئے پاک بیویاں ہوں گی اور وہ بہشتوں میں ہمیشہ رہیں گے

﴿۳۳﴾ اللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةٌ فَمَا فَوْقَهَا فَأَمَّا

بیٹک اللہ تعالیٰ اس بات سے عار نہیں کرتا کہ چھریاں اس سے بڑھ کر کسی چیز (مثلاً مکھی مکڑی وغیرہ) کی مثال بیان فرمائے۔

الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ

جو لوگ مومن ہیں وہ یقین کرتے ہیں کہ وہ ان کے رب کی طرف سے سچ ہے اور جو لوگ کافر ہیں وہ کہتے ہیں

مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ

کہ اس مثال سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہی کیا ہے؟ اس سے (اللہ تعالیٰ) بہت لوگوں کو گمراہ کرتا ہے اور بہتوں کو ہدایت بخشتا ہے اور گمراہ بھی کرتا ہے

إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿۳۴﴾ الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا

تو صرف نافرمانوں ہی کو جو اللہ کے اقرار کو مضبوط کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں اور جس چیز (یعنی رشتہ قرابت)

أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ

کے جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اس کو قطع کئے ڈالتے ہیں اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں

﴿۳۵﴾ كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ

(کافرو!) تم اللہ تعالیٰ سے کیونکر منکر ہو سکتے ہیں جس حال میں تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں جان بخشی پھر وہ تمہیں مارے گا

ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۶﴾

پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ [۱۶]

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ

وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین میں ہیں تمہارے لئے پیدا کیں [۱۷] پھر۔

= قانون اساسی ہے، اور صرف اصول مذہب ہی کے لئے نہیں، بلکہ احکام تعزیرات، کے لئے اور قوانین کے لئے بھی ہے، جن پر نظام کا دارومدار ہے، جن سے نوع انسانی کی زندگی وابستہ ہے، جن کو حیات انسانی کی ترتیب و تسبیق سے گہرا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ محمد ﷺ کی شریعت سب پر حاوی ہے۔ یہ شریعت ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے، کہ سارے جہاں میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ اس جگہ مستشرقین یورپ کے اقوال و اعتراضات کا استیعاب نہیں کر سکتا کہ اس کی گنجائش نہیں۔ نمونہ کے طور پر چند اقوال نقل کئے گئے ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور باعتبار اغراض و مقاصد کے اور باعتبار علوم و معارف کے قرآن کے بینظیر و بے مثل ہونے کا اقرار صرف مسلمانوں نے نہیں، بلکہ ہر زمانے کے منصف مزاج غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔

قرآن نے ساری دنیا کو اپنی مثال لانے کا چیلنج دیا تھا، اور کوئی نہ لاسکا، آج بھی ہر مسلمان دنیا کے ماہرین علوم و سیاست کو چیلنج کر کے کہہ سکتا ہے، کہ پوری دنیا کی تاریخ میں ایک واقعہ ایسا دکھلا دے، کہ ایک بڑے سے بڑا ماہر حکیم فیلسوف کھڑا ہو کر اور ساری دنیا کے عقائد و نظریات اور رسوم و عادات کے خلاف ایک نیا نظام پیش کرے، اور اس کی قوم بھی اتنی جاہل اور گنوار ہو، پھر وہ اتنے قلیل عرصہ میں اس کی تعلیم کو بھی عام کر دے، اور عقلی تمفیذ کو بھی اس حد پر پہنچا دے کہ اس کی نظیر آج کے مضبوط و مستحکم نظاموں میں ملنا ناممکن ہوں۔ دنیا کی پہلی تاریخ میں اگر اس کی کوئی نظیر نہیں تو آج تو بڑی روشنی، روشن خیالی، بڑی تیز رفتاری کا زمانہ ہے، آج کوئی کر کے دکھلا دے، اکیلا کوئی نہ کر سکے، تو اپنی قوم کو بلکہ دنیا کی ساری اقوام کو جمع کر کے اس کی مثال پیش کرے۔

[۱۶] اس آیت میں دنیا کی زندگی اور موت کے بعد صرف ایک حیات کا ذکر ہے، جو قیامت کے روز ہونے والی ہے،

قبر کی زندگی، جس کے ذریعہ قبر کا سوال و جواب، اور قبر میں ثواب و عذاب ہونا، قرآن کریم کی متعدد آیات اور حدیث کی متواتر روایات سے ثابت ہے، یہاں اس کا ذکر نہیں، وجہ یہ ہے کہ یہ برزخی زندگی اس طرح زندگی نہیں ہے جو انسان

کودنیا میں حاصل ہے، یا آخرت میں پھر ہوگی، بلکہ ایک درمیانی صورت مثل خواب کی زندگی کے ہے، اس کو دنیا کی زندگی کا تکملہ بھی کہا جاسکتا ہے اور آخرت کی زندگی کا مقدمہ بھی۔ اس لئے کوئی مستقل زندگی نہیں جس کا جداگانہ ذکر کیا جائے۔

[۱۷] اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کو کسی نہ کسی حیثیت سے بلا واسطہ یا بلا واسطہ فائدہ پہنچتا ہو، خواہ یہ فائدہ دنیا میں استعمال کرنے کا ہو، یا آخرت کے لئے عبرت و نصیحت حاصل کرنے کا، بہت سی چیزوں کا فائدہ تو انسان محسوس کرتا ہے، اس کی دوا، یا غذا یا استعمال میں براہ راست آتی ہیں۔ اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ انسان کو ان سے فائدہ پہنچتا ہے، مگر اس کو خبر بھی نہیں ہوتی، یہاں تک کہ جو چیزیں انسان کے لئے مضر سمجھی جاتی ہیں جیسے زہریلی اشیاء، زہریلے جانور وغیرہ۔ غور کریں تو وہ کسی نہ کسی حیثیت سے انسان کے لئے نفع بخش بھی ہوتی ہیں، جو چیزیں انسان کے لئے ایک طرح سے حرام ہیں دوسری کسی طرح اور حیثیت سے ان کا نفع بھی انسان کو پہنچتا ہے۔

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

ابن عطاء نے اس آیت کے تحت فرمایا، کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو تمہارے واسطے اس لئے پیدا فرمایا کہ ساری کائنات تمہاری ہو، اور تم اللہ تعالیٰ کے لئے ہو، اس لئے عقل مند کا کام یہ ہے کہ جو چیز اسی کے لئے پیدا ہوتی ہے، وہ تو اس کو ملے گی، اس کی فکر میں لگ کر اس ذات سے غافل نہ ہو جس کے لئے یہ پیدا ہوا ہے۔ (بحر محیط)۔

اس آیت سے بعض علماء نے اس پر استدلال کیا ہے کہ دنیا کی تمام چیزوں میں اصل یہ ہے کہ وہ انسان کے لئے حلال و مباح ہوں، کیونکہ وہ اسی کے لئے پیدا کی گئی ہیں، بجز ان چیزوں کے کہ شریعت نے حرام قرار دیدیا، اس لئے جب تک کسی چیز کی حرمت قرآن و سنت سے ثابت نہ ہو، اس کو حلال سمجھا جائے گا۔

اس کے بالمقابل بعض علماء نے یہ قرار دے دیا، کہ انسان کے فائدے کے لئے کسی چیز کے پیدا ہونے سے اس کا حلال ہونا ثابت نہیں ہوتا، اس لئے اصل اشیاء میں حرمت ہے، جب تک قرآن و سنت کی کسی دلیل سے جواز ثابت نہ ہو، ہر چیز حرام سمجھی جائے گی، بعض علماء نے توقف فرمایا۔

تفسیر بحر محیط میں ابن حیان نے فرمایا، کہ صحیح یہ ہے کہ اس آیت میں اقوال مذکورہ میں سے کسی کے لئے حجت نہیں، کیونکہ ﴿خلق لکم﴾ میں حرف لام سمیت بتلانے کے لئے آیا ہے، کہ تمہارے سبب سے یہ چیزیں پیدا کی گئی ہیں، اس سے نہ انسان کے لئے ان چیزوں کے حلال ہونے پر کوئی دلیل قائم ہو سکتی ہے، نہ حرام ہونے پر، بلکہ حلال و حرام کے احکام جداگانہ قرآن و سنت میں بیان ہوئے ہیں، انہیں کا اتباع لازم ہے، اس آیت میں زمین کی پیدائش پہلے =

إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۴﴾

آسمانوں کی طرف متوجہ ہوا تو ان کو ٹھیک سات آسمان بنا دیا اور وہ ہر چیز سے خبردار ہے۔ [۱۸]

= اور آسمانوں کی پیدائش بعد میں ہونا بلفظ ”ثم“ بیان کیا گیا ہے، اور یہی صحیح ہے، اور (سورۃ النازعات: ۳۰) میں جو یہ ارشاد ہے ”والارض بعد ذالک دحاها“، یعنی زمین کو آسمانوں کے پیدا کرنے کے بعد بچھایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زمین کی پیدائش آسمانوں کے بعد ہوئی ہو، بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ زمین کی درستی اور اس میں سے پیداوار نکالنے وغیرہ کے تفصیلی کام آسمانوں کی پیدائش کے بعد ہوئے، اگرچہ اصل زمین کی تخلیق آسمانوں سے پہلے ہو چکی تھی۔ (بحر محیط وغیرہ)۔ یا ”بعد“ بمعنی مع ہے، اس آیت سے آسمانوں کی تعداد سات ہونا ثابت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علم بصیحت والوں کا آسمانوں کی تعداد نو (۹) بتلانا غلط، بے دلیل اور محض خیالات پر مبنی ہے۔

[۱۸] اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اہل السنۃ کے دو قول منقول ہیں: ایک یہ کہ یہاں ”استوی الی السماء“ بمعنی ”ارتفع الی السماء“ ہے (مراد آسمان کی طرف چڑھنا اور بلند ہونا)۔ معروف مفسر ابن جریر نے اسی معنی کو راجح قرار دیا ہے۔ چنانچہ اپنی تفسیر میں ”استواء الی السماء“ کے معنی کے بارے میں علماء کا اختلاف نقل کر کے فرماتے

ہیں: ﴿ثم استوی الی السماء فسواهن سبع سموات﴾ کا معنی یہ ہے کہ، پھر وہ آسمان پر چڑھا اور بلند ہوا اور اپنی قدرت سے تدبیر فرمائی، اور انہیں سات کی تعداد میں پیدا فرمایا۔ اب یہاں ”استوی الی السماء“ کا معنی ظاہر یعنی ”ارتفاع الی السماء“ مراد لیا گیا اور ”ارتفاع الی السماء“ کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا گیا (یعنی بفحوائر آیت کریمہ ”ثم استوی الی السماء“ اس کا آسمان کی طرف چڑھنا ثابت اور برحق ہے، لیکن چڑھنے کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، جسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ضروری ہے۔ ”استوی الی السماء“ کا دوسرا معنی قصد تام ہے یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کی طرف قصد فرمایا۔

امام ابن کثیر نے سورۃ بقرہ اور امام بغوی نے سورۃ فصلت کی تفسیر میں اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں ”ثم استوی الی السماء“ کا معنی یہ ہے کہ پھر اس نے آسمانوں کی طرف قصد فرمایا، یہاں =

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ

اور جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا

خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ

ہوں تو انہوں نے کہا کہ کیا تو اس میں ایسے شخص کو خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو خرابیاں کرے اور گشت و خون کرتا پھرے؟ اور ہم

نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾

تیری تعریف کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔ (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ میں وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے [۱۹]

= ”استوی“ قصد کرنے اور متوجہ ہونے کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ”الی“ کے ساتھ متعدی ہے۔ امام بغوی نے بھی ”ثم

استوی الی السماء“ کا معنی ”عمد الی خلق السماء“ کیا ہے، یعنی اس نے آسمانوں کو خلق فرمانے کا قصد فرمایا۔

واضح ہو کہ یہاں ”استوا“ بمعنی ”قصد“ کی تفسیر کلام کو معنی ظاہر سے پھیرنا قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ فعل ”استوی“ حرف ”الی“

سے ملا ہوا ہے، اور حرف ”الی“ غایت اور انتہا پر دلالت کرتا ہے، جس کی وجہ سے یہ فعل ”استوی“ ایک ایسے معنی کی طرف منتقل

ہو گیا جو حرف مقترن یعنی ”الی“ کے بالکل مناسب ہے۔ اس کی ایک اور مثال اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: عینا یشرب

بہا عباد اللہ - الدر: ۶- یعنی چشمہ، جس سے اللہ کے بندے سیراب ہوں گے۔ اب ”یشرب“ کا اصل معنی پینا ہے لیکن یہاں

سیراب ہونا مراد ہے یعنی ”یشرب“ بمعنی ”یروی“ کیونکہ فعل ”یشرب“ حرف ”باء“ کے ساتھ ملکر آیا ہے، لہذا بمعنی ”یروی“ کی

طرف منتقل ہو گیا، جو ”باء“ کے مناسب ہے۔ ثابت ہوا کہ بعض اوقات فعل اپنے متعلقہ حرف کی وجہ سے اپنے اصل معنی سے

معنی دیگر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، تاکہ کلام میں حرف کے معنی کی مناسبت پیدا ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ”استواء“ کا مذکورہ

معنی متعلقہ حرف ”الی“ کی مناسبت سے ہے، ذیہ معنی ظاہر سے عدول قرار نہیں پائے گا۔

[۱۹] کچھلی آیتوں میں اللہ جل شانہ کی خاص و عام نعمتوں کا ذکر کر کے انسان کو ناشکری اور نافرمانی سے بچنے کی ہدایت

کی گئی، اب ان دس آیتوں میں آدم علیہ السلام کا قصہ بھی اسی سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے کیونکہ نعمت دو قسم کی ہوتی ہے، ایک

صوری یعنی محسوس، جیسے کھانا، پینا، روپیہ پیسہ، مکان جائداد، دوسری معنوی، جیسے عزت، آبرو، مسرت، علم، پچھلی آیات میں صوری اور ظاہری نعمتوں کا ذکر تھا، اور ان آیتوں میں معنوی نعمتوں کا ذکر ہے، کہ ہم نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو دولت علم دی، اور مسجد ملائکہ بنانے کی عزت دی اور تم کو ان کی اولاد میں ہونے کا نفع عطا کیا۔ خلاصہ مضمون آیت کا یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے جب تخلیق آدم اور دنیا میں اس کی خلافت قائم کرنے کا ارادہ کیا، تو فرشتوں سے بظاہر ان کا امتحان لینے کی لئے اس ارادے کا ذکر فرمایا، جس میں اشارہ یہ تھا کہ اس معاملے میں اپنی رائے کا اظہار کریں، فرشتوں نے رائے یہ پیش کی کہ انسانوں میں تو ایسے لوگ بھی ہوں گے جو فساد اور خون ریزی کریں گے، اُن کو زمین کی خلافت اور انتظام سپرد کرنا سمجھ میں نہیں آتا، اس کام کے لئے تو فرشتے زیادہ انسب معلوم ہوتے ہیں، کہ نیکی ان کی فطرت ہے، برائی کا صدور ہی اُن سے ممکن نہیں، وہ مکمل اطاعت گزار ہیں، دنیا کے انتظامات بھی وہ درست کر سکیں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کی رائے کے غلط ہونے کا اظہار اول ایک حاکمانہ طرز سے کیا، کہ خلافت ارضی کی حقیقت اور اس کی ضروریات سے تم واقف نہیں، اس کو میں ہی مکمل طور پر جانتا ہوں۔

پھر دوسرا جواب حکیمانہ انداز سے آدم علیہ السلام کی فرشتوں پر ترجیح، اور مقام علم میں آدمؑ کے تفوق کا ذکر کر کے دیا گیا، اور بتلایا گیا، کہ خلافت ارض کے لئے زمینی مخلوقات کے نام اور اُنکے خواص و آثار کا جاننا ضروری ہے اور فرشتوں کی استعداد اس کی متحمل نہیں۔ یہاں یہ بات غور طلب ہے، کہ اللہ جل شانہ کا فرشتوں کی مجلس میں اس واقعہ کا اظہار کس حیثیت سے تھا؟ کیا ان سے مشورہ لینا مقصود تھا، یا محض ان کو اطلاع دینا پیش نظر تھا، یا فرشتوں کی زبان سے ان کی رائے کا اظہار کرانا اس کا منشا تھا۔

سویہ بات ظاہر ہے کہ مشورہ کی ضرورت تو یہاں پیش آتی ہے، جہاں مسئلہ کے سب پہلو کسی پر روشن نہ ہوں، اور اپنے علم و بصیرت پر مکمل اطمینان نہ ہو، اس لئے دوسرے عقلاء اور اہل دانش سے مشورہ کیا جاتا ہے، یا ایسی صورت میں جہاں حقوق دوسروں کے بھی مساوی ہوں۔ تو ان کی رائے لینے کے لئے مشورہ ہوتا ہے، جیسے دنیا کی عام کونسلوں میں رائج ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ یہاں دونوں صورتیں نہیں ہو سکتیں، اللہ تعالیٰ خالق کائنات ہیں ذرہ ذرہ کا علم رکھتے ہیں، اور ظاہر و باطن ہر چیز ان کے علم و بصر کے سامنے برابر ہے، ان کو کیا ضرورت کہ کسی سے مشورہ لیں۔

اسی طرح یہاں یہ بھی نہیں کہ کوئی پارلیمانی حکومت ہے، جس میں تمام ارکان کے مساوی حقوق ہیں، اور سب سے مشورہ لینا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب کے خالق اور مالک ہیں، فرشتے ہوں یا جن و انس سب ان کی مخلوق

مملوک ہیں، کسی کو حق نہیں کہ ان کے کسی فعل کے متعلق سوال بھی کر سکے کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ اور فلاں کام کیوں نہیں کیا؟ ”لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ﴿۲۲۲﴾ ﴿انبیاء﴾ اللہ تعالیٰ سے اس کے کسی فعل کے متعلق سوال نہیں کیا جاسکتا، اور سب سے ان کے اعمال کا سوال کیا جائے گا۔

بات یہی ہے کہ درحقیقت یہاں مشورہ لینا مقصود نہیں، اور نہ اس کی ضرورت ہے، مگر صورت مشورہ کی بنائی گئی، جس میں مخلوق کو سنت مشورہ کی تعلیم کا فائدہ ہو سکتا ہے، جیسے رسول کریم ﷺ کو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کی ہدایت قرآن کریم میں فرمائی گئی جیسا کہ (ال عمران: ۱۵۹) میں ہے، حالانکہ آپ تو صاحب وحی ہیں، تمام معاملات اور ان کے تمام پہلو آپ کو بذریعہ وحی بتلائے جاسکتے تھے۔ مگر آپ کے ذریعہ مشورہ کی سنت جاری کرنے اور امت کو سکھانے کے لئے آپ کو بھی مشورہ کی تاکید فرمائی گئی۔ غرض فرشتوں کی مجلس میں اس واقعہ کے اظہار سے ایک فائدہ تو تعلیم مشورہ کا حاصل ہوا، (کمافی روح البیان)۔

دوسرا فائدہ خود الفاظ قرآنی کے اشارہ سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ انسان کی پیدائش سے پہلے فرشتے یہ سمجھے تھے کہ ہم سے زیادہ افضل و اعلم کوئی مخلوق اللہ تعالیٰ پیدا نہیں کریں گے۔ اور تفسیر ابن جریر میں عبداللہ بن عباسؓ سے ایک روایت میں اس کی تصریح بھی ہے، کہ خلقت آدم علیہ السلام سے پہلے فرشتے آپس میں کہتے تھے کہ: ”لَنْ يَخْلُقَ اللَّهُ خَلْقًا أَكْرَمَ عَلَيْهِ مِنَّا وَلَا أَعْلَمَ“۔ یعنی اللہ تعالیٰ کوئی مخلوق ہم سے افضل و اعلم پیدا نہ فرماویں گے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کے علم میں تھا کہ ایک ایسی مخلوق بھی پیدا کرنا ہے جو تمام مخلوق سے زیادہ افضل اور اعلم ہوگی، اس لئے فرشتوں کی مجلس میں آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے اور زمین کے خلیفہ بنانے کا ذکر کیا گیا، کہ وہ اپنے خیال کا اظہار کریں۔

چنانچہ فرشتوں نے اپنے علم و بصیرت کے مطابق نیاز مندی کے ساتھ رائے کا اظہار کیا کہ جس مخلوق کو آپ خلیفہ زمین بنا رہے ہیں، اس میں تو شر و فساد کا مادہ بھی ہے، وہ دوسروں کی اصلاح اور زمین میں امن امان کا انتظام کیسے کر سکتا ہے، جبکہ وہ خود خونریزی کا بھی مرتکب ہوگا..... اس کے بجائے آپ کے فرشتوں میں شر و فساد کا کوئی مادہ نہیں، وہ خطاؤں سے معصوم ہیں، اور ہر وقت آپ کی تسبیح و تقدیس اور عبادت و اطاعت میں لگے ہوتے ہیں، وہ بظاہر اس خدمت کو اچھی طرح انجام دے سکتے ہیں۔

غرض اس سے (معاذ اللہ) اللہ کے فعل پر اعتراض نہیں، کیونکہ فرشتے ایسے خیالات و حالات سے معصوم ہیں، بلکہ مقصد محض دریافت کرنا تھا، کہ ایک ایسی معصوم جماعت کے موجود ہوتے ہوئے دوسری غیر معصوم مخلوق پیدا کر کے یہ

کام اس کے حوالے کرنا، اور اس کو ترجیح دینا کس حکمت پر مبنی ہے؟۔ چنانچہ اس کے جواب میں پہلے تو حق تعالیٰ نے اجمالی طور پر یہ فرمایا کہ: ”انسی اعلم مالا تعلمون“ یعنی تم خلافت الہیہ کی حقیقت اور اس کے لوازم سے واقف نہیں، اس لئے یہ سمجھ رہے ہو کہ ایک معصوم مخلوق ہی اس کو انجام دے سکتی ہے، اسکی پوری حقیقت کو ہم ہی جانتے ہیں۔

اس کے بعد فرشتوں کو اس کا کچھ تفصیلی علم کرانے کے لئے ایک خاص واقعہ کا اظہار کیا گیا کہ تمام کائنات عالم کے نام اور ان کے خواص و آثار جن کے علم کی صلاحیت صرف آدم علیہ السلام ہی میں ودیعت کی گئی تھی، فرشتوں کی فطرت و جبلت اس کے مناسب نہ تھی، وہ سب آدم علیہ السلام کو سکھائے اور بتلائے گئے تھے، مثلاً دنیا کی نافع و مضر چیزیں، اور ان کے خواص و آثار، ہر جاندار اور ہر قوم کے مزاج و طبائع اور ان کے آثار، ان چیزوں کے معلوم کرنے کے لئے طبیعت ملکی متحمل نہیں، فرشتہ کیا جانے کہ بھوک کیا ہوتی ہے؟ پیاس کی تکلیف کیسی ہوتی ہے؟ نفسانی جذبات کا کیا اثر ہوتا ہے؟ کسی چیز سے نشہ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟ سانپ اور بچھو کا زہر بدن پر کیا اثر کرتا ہے؟ غرض زمینی مخلوقات کے نام اور خواص و آثار کی دریافت فرشتوں کے مزاج اور مخصوص طبیعت سے بالکل علیحدہ چیز تھی، یہ علم صرف آدم ہی کو سکھلایا جاسکتا تھا، انہیں کو سکھلایا گیا، پھر قرآن کی کسی تصریح یا اشارہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آدم علیہ السلام کو یہ تعلیم کسی تنہائی میں فرشتوں سے علیحدہ دی گئی، اس لئے ہوسکتا ہے کہ تعلیم سب کے لئے عام ہی ہو، مگر اس تعلیم سے فائدہ اٹھانا آدم علیہ السلام کی طبیعت میں تھا، وہ سیکھ گئے، فرشتوں کی فطرت میں نہ تھا، وہ نہ سیکھ سکے، اسی لئے یہاں تعلیم کو آدم کی طرف منسوب کیا گیا، اگرچہ یہ تعلیم فی نفسہ عام تھی، آدم اور ملائکہ دونوں کو شامل تھی، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ظاہری تعلیم کی صورت ہی عمل میں نہ آئی ہو، بلکہ آدم علیہ السلام کی فطرت میں ان چیزوں کا علم ابتدائے افرینش سے ودیعت کر دیا گیا ہو، جیسے بچہ ابتداء و ولادت میں ماں کا دودھ پینا جانتا ہے، بطخ کا بچہ تیرنا جانتا ہے، اس میں کسی ظاہری تعلیم کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو سب کچھ ہے، وہ فرشتوں کا مزاج اور طبیعت بدل کر ان کو بھی یہ چیزیں سکھاسکتے تھے، تو ان کو کیوں نہ سکھایا گیا؟ مگر اس کا حاصل تو یہ ہوا، کہ فرشتوں کو ہی انسان کیوں نہ بنا دیا، کیونکہ اگر فرشتوں کی جبلت و فطرت کو بدلا جاتا تو پھر وہ فرشتے نہ رہتے، بلکہ انسان ہی ہو جاتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ زمینی مخلوقات کے اسماء اور ان کے خواص و آثار کا آدم علیہ السلام کو علم دیا گیا، جو فرشتوں کے بس کا نہیں تھا، اور پھر ان مخلوقات کو فرشتوں کے سامنے کر کے سوال کیا گیا، کہ اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ ہم سے زیادہ کوئی مخلوق اعلم و افضل پیدا نہیں ہوگی۔ یا یہ کہ زمین کی خلافت و نیابت کے لئے فرشتے بہ نسبت انسان کے زیادہ موزوں ہیں

تو ان چیزوں کے نام اور خواص بتلاؤ جن پر خلیفہ زمین کو حکومت کرنا ہے۔ یہاں سے یہ فائدہ بھی حاصل ہو گیا کہ حاکم کے لئے ضروری ہے کہ اپنی محکوم رعایا کے مزاج و طبائع سے اور ان کے خواص و آثار سے پورا واقف ہو۔ اس کے بغیر وہ ان پر عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی نہیں کر سکتا۔ جو شخص یہ نہیں جانتا کہ بھوک سے کیسی اور کتنی تکلیف ہوتی ہے؟ اگر اس کی عدالت میں کوئی دعویٰ کسی کو بھوکا رکھنے کے متعلق پیش ہو تو وہ اس کا فیصلہ کیا اور کس طرح کرے گا؟

غرض اسی واقعہ سے حق تعالیٰ شانہ نے فرشتوں کو یہ بتلا دیا کہ زمین کی نیابت کے لئے معصوم ہونے کو دیکھنا نہیں، بلکہ اس کو دیکھنا ہے کہ وہ زمین کی چیزوں سے پورا واقف ہو، ان کے استعمال کے طریقوں اور ان کے ثمرات کو جانتا ہو، اگر تمہارا یہ خیال صحیح ہے کہ فرشتے اس خدمت کے لئے زیادہ موزوں ہیں، تو ان چیزوں کے نام اور خواص بتلاؤ؟

فرشتوں کا اظہار رائے چونکہ کسی اعتراض یا فخر و غرور یا اپنا استحقاق جتانے کے لئے نہیں بلکہ محض اپنے خیال کا اظہار، ایک نیاز مند خادم کی طرح اپنی خدمات پیش کرنے کے لئے تھا، اس لئے نوراً بول اٹھے: قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۱﴾ پاک ہیں آپ، ہم کو علم نہیں، مگر وہی جو آپ نے عطا فرمایا، بیشک آپ بڑے علم و حکمت والے ہیں۔

دوسرا سوال اس جگہ یہ ہے، کہ فرشتوں کو اس کی کیسے خبر ہوئی کہ انسان خون ریزی کرے گا، کیا انہیں علم غیب تھا، یا محض اٹکل اور تخمینہ سے انہوں نے یہ سمجھا تھا؟ اس کا جواب جمہور محققین کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو انسان کے حالات اور اس کے ہونے والے معاملات بتلا دیئے تھے، جیسا کہ بعض آثار میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے آدم علیہ السلام کو خلیفہ زمین بنانے کا ذکر فرمایا تو فرشتوں نے اللہ تعالیٰ ہی سے اس خلیفہ کا حال دریافت کیا، اللہ سبحانہ و تعالیٰ ہی نے ان کو بتلایا (روح المعانی) اس سے فرشتوں کو تعجب ہوا کہ جب انسان کا حال یہ ہے کہ وہ فساد و خون ریزی بھی کرے گا تو اس کو نیابت زمین کے لئے منتخب فرمانا کس حکمت پر مبنی ہے؟ اس کا ایک جواب تو حق تعالیٰ کی طرف سے آدم علیہ السلام کے علمی تفوق کا اظہار فرما کر دیا گیا، اور فساد و خون ریزی سے جو شبہ اس کے استحقاق نیابت پر کیا گیا تھا؟ اس کا جواب (انسی اعلم ما لا تعلمون) میں اجمالاً دے دیا گیا، جس میں اشارہ ہے کہ جس چیز کو تم خلافت و نیابت کے منافی سمجھ رہے ہو اور حقیقت وہ ہی اس کی اہلیت کا بڑا سبب ہے، کیونکہ نیابت زمین کی ضرورت ہی رفع فساد کے لئے ہے، جہاں فساد نہ ہو وہاں خلیفہ اور نائب بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں، غرض یہ بتلا دیا گیا کہ منشائے الہی یہ ہے کہ جس طرح اس نے ایک ایسی مقدس معصوم مخلوق فرشتے پیدا کر دئے جس سے کسی گناہ، خطا، کا صدور ہو ہی نہیں سکتا، اور جس طرح اس نے شیاطین پیدا کر دئے جن میں نیکی و بھلائی کی صلاحیت نہیں، اسی طرح ایک ایسی مخلوق بھی پیدا کرنا منشاء الہی ہے، جس میں

خیر و شر، نیکی اور بدی کا مخلوط مجموعہ ہو، اور جس میں خیر و شر کے دونوں جذبات ہوں، اور جو جذبات شر کو غلبہ کر کے خیر کے میدان میں آگے بڑھے، اور رضائے الہی کا خلعت حاصل کرے۔

اس قصہ آدم اور تعلیم اسماء کے واقعہ سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ زبان اور لغت کے اصل واضع خود اللہ تعالیٰ ہیں، پھر اس میں مخلوق کے استعمالات سے مختلف صورتیں اور مختلف زبانیں پیدا ہو گئیں، امام اشعری نے اسی آیت سے استدلال کر کے اللہ تعالیٰ ہی کو واضع لغت قرار دیا ہے۔

اس واقعہ میں قرآن حکیم کے یہ بلیغ الفاظ بھی قابل نظر ہیں کہ جب فرشتوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتلاؤ لفظ ”نبؤنی“ ارشاد فرمایا کہ مجھے بتلاؤ، اور جب آدم علیہ السلام کو اسی چیز کا خطاب ہوا تو لفظ ”انبہم“ فرمایا گیا، یعنی آدم کو حکم ہوا کہ فرشتوں کو یہ اسماء بتلائیں، اس طرز بیان کے فرق سے واضح ہو گیا کہ آدم علیہ السلام کو معلم کا درجہ دیا گیا، اور فرشتوں کو طالب علم کا، جس میں آدم علیہ السلام کی فضیلت و تفوق کا ایک اہم صورت سے اظہار کیا گیا ہے، اس واقعہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتوں کے علوم میں بھی کمی اور زیادتی ہو سکتی ہے، کیونکہ جس چیز کا ان کو علم نہیں تھا، آدم علیہ السلام کے ذریعہ ان کو بھی ان چیزوں کا اجمالی طور پر کسی نہ کسی درجہ میں علم دیدیا گیا۔

زمین کا انتظام اور اس میں اللہ کا قانون نافذ کرنے کے لئے اس کی طرف سے کسی خلیفہ کا مقرر ہونا، جو ان آیات سے معلوم ہوا، اس سے دستور مملکت کا اہم باب نکل آیا، کہ اقتدار اعلیٰ تمام کائنات اور پوری زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، جیسا کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات اس پر شاہد ہیں: ان الحکم اللہ، (یوسف: ۲۰، ۶۷) اور لہ ملک السموات و الارض (بقرہ: ۱۰۷) اور الالہ الخلق و الامر (اعراف: ۵۴) وغیرہ، زمین کے انتظام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ آتے ہیں، جو باذن اللہ، زمین پر سیاست و حکومت اور بندگان اللہ تعالیٰ کی تعلیم و تربیت کا کام کرتے، اور احکام الہیہ کا نفاذ کرتے ہیں، اس خلیفہ و نائب کا تقرر بلا واسطہ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس میں کسی کے کسب و عمل کا کوئی دخل نہیں، اسی لئے پوری امت کا اجماعی عقیدہ ہے، کہ نبوت کسی چیز نہیں، جس کو کوئی اپنی سعی و عمل سے حاصل کر سکے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی خود اپنے علم و حکمت کے تقاضے سے خاص خاص افراد کو اس کام کے لئے چن لیتے ہیں، قرآن حکیم نے جگہ جگہ اس کا اظہار فرمایا ہے ارشاد ہے: اللہ یصطفیٰ من الملائکۃ رسلا و من الناس ان اللہ سمیع بصیر (حج: ۷۵)۔ اللہ انتخاب کر لیتا ہے فرشتوں میں سے اپنے رسول کو اور انسانوں میں سے، بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے۔

نیز ارشاد ہے: اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ (انعام: ۱۲۴) اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں، کہ اپنی رسالت کس

کو عطا فرمادیں۔

یہ خلیفہ من اللہ بلا واسطہ حق تعالیٰ سے اس کے احکام معلوم کرتے اور پھر ان کو دنیا میں نافذ کرتے ہیں، یہ سلسلہ خلافت کا آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر خاتم الانبیاء ﷺ تک ایک ہی انداز میں چلتا رہا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ ہو کر بہت ہی اہم خصوصیات کے ساتھ تشریف لائے۔ ایک خصوصیت یہ تھی کہ آپ سے قبل انبیاء خاص خاص قوموں یا ملکوں کی طرف مبعوث ہوتے تھے، ان کا حلقہ حکومت و اختیار انہی قوموں اور ملکوں میں محدود ہوتا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام ایک قوم کی طرف، اور لوط دوسری قوم کی طرف مبعوث ہوئے موسیٰ عیسیٰ علیہما السلام اور ان کے درمیان آنے والے انبیاء بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے۔

رسول پاک ﷺ کو پورے عالم اور اس کی دونوں قوموں، جنات و انسان کی طرف بھیجا گیا، آپ کا اختیار و اقتدار پوری دنیا کی دونوں قوموں پر حاوی فرمایا گیا، قرآن کریم نے آپ کی بعثت و نبوت کے عام ہونے کا اعلان اس آیت میں فرمایا: **قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات والارض (اعراف: ۱۵۸)**۔ آپ کہہ دیجئے کہ: اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف، اللہ وہ ذات ہے جس کے قبضہ میں ہے ملک آسمانوں اور زمین کا۔

اور صحیح مسلم: ۵۲۳، ۵۲۱، میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ مجھے تمام انبیاء پر چھ چیزوں میں خاص فضیلت بخشی گئی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ مجھ کو تمام عالم کا نبی و رسول بنا کر بھیجا گیا۔

دوسری خصوصیت: خاتم الانبیاء ﷺ کی یہ ہے کہ پچھلے انبیاء کی خلافت و نبیابت جس طرح خاص خاص ملکوں اور قوموں میں محدود ہوتی تھی، اسی طرح ایک خاص زمانے کے لئے مخصوص ہوتی تھی، اس کے بعد دوسرا رسول آجاتا تو پہلی رسول کی خلافت ختم ہو کر آنے والے رسول کی خلافت قائم ہو جاتی تھی۔ ہمارے رسول ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خاتم الانبیاء بنا دیا، کہ آپ کی خلافت قیامت تک قائم رہے گی، اس کا زمانہ بھی کوئی مخصوص زمانہ نہیں، بلکہ جب تک زمین و آسمان قائم اور زمانہ کا وجود ہے وہ بھی قائم ہے۔

تیسری خصوصیت: یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات و شریعت ایک زمانہ تک محفوظ رہتی اور حل ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ اس میں تحریفات ہوتے ہوئے وہ کالعدم ہو جاتی تھیں، اس وقت کوئی دوسرا رسول اور دوسری شریعت بھیجی جاتی تھی۔ ہمارے رسول ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کا دین آپ کی شریعت قیامت تک محفوظ رہے گی، قرآن مجید جو رسول پاک ﷺ پر نازل ہوا اس کے الفاظ اور معانی سب چیزوں کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے لی، اور ارشاد فرمایا: **انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ**

لحافظون (حجر: ۹)۔ ہم نے ہی قرآن نازل فرمایا، اور ہم اس کے محافظ ہیں۔ اسی طرح رسول پاک ﷺ کی تعلیمات و ارشادات جن کو حدیث کہا جاتا ہے، اس کی حفاظت کا بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انتظام فرمایا، کہ قیامت تک آپ کی تعلیمات و ارشادات کو جان سے زیادہ عزیز سمجھنے والی ایک جماعت باقی رہے گی، جو آپ کے علوم و معارف اور آپ کے شرعی احکام صحیح صحیح لوگوں کو پہنچاتی رہے گی، کوئی اس جماعت کو نہ مٹا سکے گا، اللہ تعالیٰ کی تائید نبی ان کے ساتھ رہے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی کتابیں اور صحیفیں سب مسخ و محرف ہو جاتے، اور بالآخر دنیا سے گم ہو جاتے، یا غلط سلط باقی رہتے تھے، رسول پاک ﷺ کی لائی ہوئی کتاب قرآن اور آپ کی بتلائی ہدایات، حدیث سب کی سب اپنے اصلی خدو خال کے ساتھ قیامت تک موجود محفوظ رہیں گی، اسی لئے اس زمین پر آپ کے بعد نہ کسی نئے نبی اور رسول کی ضرورت ہے، نہ کسی اور خلیفۃ اللہ کی گنجائش۔

چوتھی خصوصیت: رسول پاک ﷺ کی یہ ہے کہ پچھلے انبیاء علیہم السلام کی خلافت جو محدود زمانہ کے لئے ہوتی تھی، ہر نبی و رسول کے بعد دوسرا رسول منجانب اللہ مقرر ہوتا، اور خلافت کا کام سنبھالتا تھا۔ خاتم الانبیاء ﷺ کا زمانہ خلافت تا قیامت ہے، اس لئے قیامت تک آپ ہی اس زمین میں خلیفۃ اللہ ہیں، آپ کی وفات کے بعد نظام عالم کے لئے جو نائب ہوگا، وہ خلیفۃ الرسول اور آپ کا نائب ہوگا۔ صحیح بخاری رقم: ۳۴۵۵، و مسلم: ۱۸۴۲، کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کانٹ بنو اسرائیل تسوسہم الانبیاء کلما ہلک نبی خلفہ نبی وانہ لانبی بعدی وسیکون خلفاء فیکثرون۔ بنی اسرائیل کی سیاست و حکومت ان کے انبیاء کرتے تھے، ایک نبی فوت ہوتا تو دوسرا نبی آجاتا تھا، اور خبردار ہو، کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، ہاں میرے خلیفہ ہوں گے اور بہت ہوں گے۔

پانچویں خصوصیت: رسول پاک ﷺ کی یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کی امت کے اجماع کو اللہ تعالیٰ نے وہ مقام عطا فرمایا، جو انبیاء علیہم السلام کا ہوتا ہے، یعنی امت کے اجماع کو معصوم قرار دیا، کہ آپ کی پوری امت کبھی گمراہی اور غلطی پر جمع نہ ہوگی، یہ پوری امت جس مسئلہ پر اجماع اور اتفاق کرے وہ حکم الہی کا مظہر سمجھا جائے گا، اسی لئے کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے بعد اسلام میں تیسری حجت اجماع امت قرار دی گئی ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لا تجتمع ہذہ الامۃ علی الضلالۃ (ترمذی: ۲۱۶۷)۔ میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی۔ اس کی مزید تفصیل اس حدیث سے معلوم ہو جاتی ہے جس میں یہ ارشاد ہے: لا تنزال طائفۃ من امتی علی الحق منصورین لا یضرہم من خالفہم حتی یأتی امر اللہ۔ (ابن ماجہ: رقم: ۱۰ و بخاری کتاب الاعتصام: و مسلم کتاب الامارۃ، و الترمذی رقم: ۲۲۲۹)۔ یعنی کہ میری امت میں ہمیشہ ایک جماعت حق پر قائم رہے گی، دنیا کتنی ہی بدل جائے حق کتنا ہی مضمحل ہو جائے مگر ایک جماعت حق کی حمایت

ہمیشہ کرتی رہے گی، اور انجام کار وہی غالب رہے گی۔ اس سے بھی واضح ہو گیا کہ پوری امت کبھی گمراہی اور غلطی پر جمع نہ ہوگی، اور جب کہ امت کا مجموعہ معصوم قرار دیا گیا تو خلیفہ رسول کا انتخاب بھی اسی کے سپرد کر دیا گیا اور خاتم الانبیاء ﷺ کے بعد نیابت زمین اور نظم و نسق حکومت کے لئے انتخاب کا طریقہ مشروع ہو گیا، یہ امت جسے خلافت کے لئے منتخب کر دے، وہ خلیفہ رسول کی حیثیت سے نظام عالم کا واحد ذمہ دار ہوگا اور خلیفہ سارے عالم کا ایک ہی ہو سکتا ہے۔ خلفائے راشدین کے آخری عہد تک یہ سلسلہ خلافت صحیح اصول پر چلتا رہا، اور اسی لئے ان کے فیصلے صرف دینی اور ہنگامی فیصلوں کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ ایک محکم دستاویز اور ایک درجہ میں امت کے لئے حجت مانے جاتے ہیں، کیونکہ خود رسول پاک ﷺ نے ان کے متعلق فرمایا: علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ، الحديث (ابن ماجه: ۴۲، ابو داود رقم: ۴۶۰۷، ترمذی: ۲۶۷۶)۔ میری سنت کو لازم پکڑو، اور سنت خلفاء راشدین کو۔ خلفاء راشدہ اور صحابہ و تابعین کے بعد کچھ طوائف املو کی کاغاز ہوا مختلف خطوں میں مختلف امیر بنائے گئے، ان میں سے کوئی بھی خلیفہ کہلانے کا مستحق نہیں، ہاں کسی ملک یا قوم کا امیر خاص کہا جاسکتا ہے، اور جب پوری دنیا کے مسلمانوں کا اجتماع کسی ایک فرد پر ہمعدر ہو گیا، اور ہر ملک، ہر قوم کا علیحدہ امیر بنانے کی رسم چل گئی، تو مسلمانوں نے اس کا تقرر اسی اسلامی نظریہ کے تحت جاری رکھا، کہ ملک کے مسلمانوں کی اکثریت جس کو امیر منتخب کرے وہ ہی اسی ملک کا امیر اور اولو الامر کہلانے، قرآن مجید کے ارشاد: و امرهم شوریٰ بینہم (شوری: ۳۸) کے عموم سے اس پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ اسمبلیاں اسی طرز عمل کا ایک نمونہ ہیں، فرق اتنا ہے کہ جمہوری ملکوں کی اسمبلیاں اور ان کے ممبران بالکل آزاد اور خود مختار ہیں، محض اپنی رائے سے جو چاہیں، اچھا یا برا قانون بنا سکتے ہیں، اسلامی اسمبلی اور اس کے ممبران اور منتخب کردہ امیر سب اس اصول و قانون کے پابند ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول ﷺ کے ذریعہ ان کو ملا ہے، اس اسمبلی یا مجلس شوریٰ کی ممبری کے لئے بھی کچھ شرائط ہیں، اور جس شخص کو یہ منتخب کریں، اس کے لئے بھی کچھ حدود و قیود ہیں، پھر ان کی قانون سازی بھی قرآن و سنت کے بیان کردہ اصول کے دائرہ میں ہو سکتی ہے، اس کے خلاف کوئی قانون بنانے کا ان کو اختیار نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو مخاطب کر کے جو ارشاد فرمایا کہ میں زمین میں اپنی طرف سے خلیفہ بنانے والا ہوں، اس سے دستور مملکت کی چند اہم دفعات پر روشنی پڑتی ہے: اول یہ کہ آسمان اور زمین میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ کا ہے، دوسرے یہ کہ زمین میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمید کے لئے اس کا خلیفہ اس کا رسول ہوتا ہے، اور ضمنی طور پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ خلافت الہیہ کا سلسلہ جب رسول ﷺ پر ختم ہو گیا، تو اب خلافت رسول کا سلسلہ اس کے قائم مقام ہوا، اور اس خلیفہ کا تقرر ملت کے انتخاب سے قرار پایا۔ مزید تفصیل کے لئے تفسیر قرطبی ملاحظہ کریں۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي

اور اس نے آدم کو سب چیزوں کے نام سکھائے پھر ان کو فرشتوں کے سامنے کیا اور فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے ان (چیزوں)

بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۷۱﴾ ﴿۱۷۱﴾ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا

کے نام بتاؤ۔ انہوں نے کہا کہ تو پاک ہے، جتنا علم تو نے ہمیں بخشا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں

عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۷۲﴾ ﴿۱۷۲﴾ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ

بیٹھ تو دانا (اور) حکمت والا ہے۔ (تب) اللہ تعالیٰ نے (آدم علیہ السلام کو) حکم دیا کہ اے آدم! تم ان (فرشتوں) کو ان (چیزوں) کے نام بتاؤ

فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ

جب انہوں نے ان (چیزوں) کے نام بتائے تو (اللہ نے فرشتوں سے) کہا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۱۷۳﴾ ﴿۱۷۳﴾ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ

اور زمین کی (سب) پوشیدہ باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو (سب) مجھے معلوم ہے۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا

اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى وَاسْتَكْبَرَ

کہ آدم کے آگے سجدہ کرو تو وہ سب کے سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان نے انکار کیا

وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ ﴿۱۷۴﴾

اور غرور میں آ کر کافر بن گیا۔

[۲۰] ربط ایات: پچھلے واقعہ میں جب آدم علیہ السلام کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر ہو چکی، اور دلائل سے یہ امر ثابت

ہو گیا کہ صلاحیت خلافت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے، وہ آدم علیہ السلام میں سب مجتمع ہیں، اور ملائکہ کو ان میں سے

بعض علوم حاصل ہیں، اور جنات کو تو بہت ہی کم حصہ ان علوم کا حاصل ہے، اور اس حیثیت خاص سے کہ ملائکہ و جن ہر دو گروہ

کے علوم کے یہ جامع ہیں، اس کا شرف ہر دو گروہ پر ظاہر ہو گیا، اب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس مقدمہ کو معاملہ سے بھی

ظاہر فرمادیں، اور ملائکہ اور جنوں سے ان کی کوئی خاص تعظیم کرائی جائے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ ان دونوں سے کامل اور مصداق۔

آنچه خوبان همه دانند تو تنہاداری،

کے ہیں۔ اور آدم علیہ السلام ان علوم خاصہ میں ملائکہ اور جن ہر دو گروہ سے کامل اور دونوں کے علوم و قوی کو جامع ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان غیر کاملوں سے اس کامل کی کوئی ایسی تعظیم کرائی جائے کہ عملاً بھی یہ امر ظاہر ہو جاوے، کہ یہ ان دونوں سے کامل اور جامع ہیں، جب تو یہ دونوں ان کی تعظیم کر رہے ہیں، اور گویا زبان حال کہہ رہے ہیں، کہ جو اوصاف ہم میں الگ الگ ہیں، وہ ان کے اندر یک جا ہیں، اس لئے جو عمل تعظیمی تجویز فرمایا گیا ہے، اس کی حکایت ذکر فرماتے ہیں کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں، سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے سجدے سے انکار کیا، اور غرور میں آگیا۔ اور یہ واقعہ قرآن کریم میں سات مرتبہ ذکر کیا گیا ہے: (۱) یہاں: (۲) سورة اعراف: آیت نمبر ۱۱، سے: (۳) سورة حجر: ۲۸، سے (۴) سورة بنی اسرائیل: ۶۱، سے۔ (۵) سورة کہف: ۵۰، سے (۶) سورة طہ: ۱۱۵، سے۔ (۷) سورة ص: ۱، سے۔ جبکہ ہم یہاں تفصیل کرتے ہیں اور باقی جگہوں میں اس تفصیل پر اکتفاء کریں گے۔

اس آیت میں جو بات صراحتاً مذکور ہے، وہ تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو دیا گیا۔ مگر آگے جب استثناء کر کے یہ بتلا دیا گیا، کہ سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہیں کیا، تو اس سے ثابت ہوا کہ سجدہ آدم کا حکم اس وقت کی تمام موجودین کے لئے تھا، جیسا کہ سورة اعراف: ۱۲، میں ہے، جن میں فرشتے اور ابلیس سب داخل ہیں، مگر حکم میں صرف فرشتوں کے ذکر پر اس لئے اکتفاء کیا گیا کہ وہ سب سے افضل اور اشرف تھے۔

اس آیت میں فرشتوں کو حکم دیا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، اور سورة یوسف میں یوسف علیہ السلام کے والدین اور بھائیوں کا مصر پہنچنے کے بعد یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا مذکور ہے، ”وخر والہ سجدا“ (یوسف: ۱۰۰)۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ سجدہ عبادت کے لئے نہیں ہو سکتا، کیونکہ غیر اللہ کی عبادت شرک و کفر ہے اور سجدہ عبادت ہے، جس میں یہ احتمال ہی نہیں کہ کسی وقت کسی شریعت میں جائز ہو سکے، اس کے سوا کوئی احتمال نہیں کہ قدیم انبیاء کے زمانے میں سجدے کا بھی وہی درجہ ہوگا جو ہمارے زمانے میں سلام، مصافحہ، معافتہ اور دست بوسی یا تعظیم کے لئے کھڑے ہو جانے کا ہے۔

جصاص نے احکام القرآن میں یہی فرمایا ہے، کہ انبیاء سابقین کی شریعت میں بڑوں کی تعظیم اور تجہ کے لئے سجدہ

مباح تھا، شریعت محمدیہ میں منسوخ ہو گیا، اور بڑوں کی تعظیم کے لئے صرف سلام، مصافحہ کی اجازت دی گئی، رکوع۔ سجدہ اور بہ ہیئت نماز ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کو ناجائز قرار دیا گیا۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ اصل کفر و شرک اور غیر اللہ کی عبادت تو اصول ایمان کے خلاف ہے، وہ کبھی کسی شریعت میں جائز نہیں ہو سکتے، لیکن کچھ افعال و اعمال ایسے ہیں جو اپنی ذات میں شرک و کفر نہیں، مگر لوگوں کی جہالت اور غفلت سے وہ افعال ذریعہ شرک و کفر کا بن سکتے ہیں، ایسے افعال کو انبیاء سابقین کی شریعتوں میں مطلقاً منع نہیں کیا گیا، بلکہ ان کو ذریعہ شرک بنانے سے روکا گیا، جیسے جانداروں کی تصویر بنانا، اور استعمال کرنا، اپنی ذات میں کفر و شرک نہیں، اس لئے کچھلی شریعتوں میں جائز تھا۔

اسی طرح سجدہ تعظیمی کچھلی شریعتوں میں جائز تھا، لیکن آخر کار لوگوں کی جہالت سے یہی چیزیں شرک و بت پرستی کا ذریعہ بن گئیں، اور اسی راہ سے انبیاء علیہم السلام کے دین و شریعت میں تحریف ہو گئی، اور پھر دوسرے انبیاء اور دوسری شریعتوں نے آکر اس کو مٹایا، شریعت محمدیہ چونکہ دائمی اور ابدی شریعت ہے، رسول کریم ﷺ پر نبوت و رسالت ختم اور آپ ﷺ کی شریعت آخری شریعت ہے، اس لئے اس کو منسوخ و تحریف سے بچانے کے لئے ہر ایسے سوراخ کو بند کر دیا گیا، جہاں سے شرک و بت پرستی آ سکتی تھی۔

تصویر سازی اور اس کے استعمال کو اس وجہ سے حرام کیا گیا، سجدہ تعظیمی اس وجہ سے حرام ہوا، ایسے اوقات میں نماز پڑھنے کو حرام کر دیا گیا ہے، جن میں مشرکین اور کفار اپنے معبودوں کی عبادت کیا کرتے تھے، کہ یہ ظاہری مطابقت کسی وقت شرک کا ذریعہ نہ بن جائے۔ صحیح مسلم: رقم: ۲۲۴۹، میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: **قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَامْتِي كَلِكُمْ عِبِيدَ اللَّهِ، وَكُلُّ نَسَائِكُمْ أُمَّاءُ اللَّهِ..... وَلَا يَقُلَنَّ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهِ، رَبِّي، وَلَا لَكُنْ لِقُلِّ سَيِّدِي.**

یعنی آقاؤں کو یہ حکم دیا کہ اپنے غلام کو عبد یعنی اپنا بندہ کہہ کر نہ پکاریں، اور غلاموں کو یہ حکم دیا کہ وہ آقاؤں کو اپنا رب نہ کہیں حالانکہ لفظی معنی کے اعتبار سے بندہ کے معنی غلام کے اور رب کے معنی پالنے والے اور ربیت کرنے والے کے ہیں، ایسے الفاظ کا استعمال ممنوع نہ ہونا چاہئے تھا، مگر محض اس لئے کہ یہ الفاظ موہم شرک ہیں، کسی وقت جہالت سے یہی الفاظ آقاؤں کی پرستش کا دروازہ نہ کھولیں، اس لئے ان الفاظ کے استعمال کو روک دیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں کا سجدہ اور یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ جو قرآن میں مذکور ہے یہ سجدہ تعظیمی تھا، جو ان کی شریعت میں سلام، مصافحہ، اور دست بوسی کا درجہ رکھتا تھا، اور جائز تھا،

شریعت محمدیہ کو کفر و شرک کے شائبہ سے بھی پاک رکھنا تھا، اس لئے اس شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو مقصد تعظیم بھی سجدہ یا رکوع کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔

بعض علماء نے فرمایا کہ نماز جو اصل عبادت ہے، اس میں چار طرح کے افعال ہیں، کھڑا ہونا، بیٹھنا، رکوع، سجدہ ان میں سے پہلے دو۔ یعنی کھڑا ہونا اور بیٹھنا تو ایسے کام ہیں، جو عادت بھی انسان اپنی ضرورتوں کے لئے کرتا ہے، اور عبادت بھی نماز میں کئے جاتے ہیں، مگر رکوع اور سجدہ ایسے فعل ہیں، جو انسان عادت نہیں کرتا، وہ عبادت ہی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس لئے ان دونوں کو شریعت محمدیہ میں عبادت ہی کا حکم دے کر غیر اللہ کے لئے ممنوع کر دیا۔

اب یہاں ایک سوال باقی رہ جاتا ہے کہ سجدہ تعظیمی کا جواز تو قرآن کی مذکورہ آیات سے ثابت ہے۔ شریعت محمدیہ میں اس کا منسوخ ہونا کس دلیل سے ثابت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آحادیث متواترہ مشہورہ سے سجدہ تعظیمی کا حرام ہونا ثابت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی کو جائز فرادیتا تو یہی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کیا کریں مگر اس شریعت میں سجدہ تعظیمی مطلقاً حرام ہے، اس لئے کسی کو کسی کے لئے جائز نہیں۔

یہ حدیث بیس (۲۰) صحابہ کرام کی روایت سے ثابت ہے، اصول حدیث کی معروف کتاب تدریب الراوی میں ہے کہ جس روایت کو دس صحابہ کرام نقل فرمادیں، تو وہ حدیث متواترہ ہو جاتی ہے، جو قرآن کی طرح قطعی ہے، یہاں تو بیس صحابہ کرام سے مروی ہے۔ بحوالہ بیان القرآن: از اشرف علی تھانویؒ۔ اس مسئلہ کی اہتمام کی وجہ سے ہم بیان القرآن (۱/۲۲) کا تفصیل ناظرین کو پیش کرتے ہیں: الفقه: سجدة التحية كان مشروعاً في شرع من قبلنا، ونسخ في شرعنا، و الناسخ مارواه الترمذی عن ابی ہریرة عن النبی ﷺ قال: لو كنت امر الاحدا ان يسجد لأحد لأمرت المرأة ان تسجد لزوجها. وفي العزیزی قال الشيخ حدیث صحیح الخ، وقال الترمذی وفي الباب عن معاذ بن جبل، وسراقه بن مالک، وصهيب، و عقبه بن مالک بن جعشم، وعائشة، وابن عباس، وعبدالله بن ابی اوفی، و طلق بن علی، وام سلمة، وانس، وابن عمر رضی الله عنهم .

وفي نيل الاوطار و قد روى حدیث ابی ہریرة المذكور. البزار باسناد فيه سليمان بن داود اليماني وهو ضعيف، و اخرج قصة معاذ المذكورة في الباب (والتي عزاها الماتن الى احمد و ابن ماجة عن عبدالله بن ابی اوفی) البزار - باسناد رجاله رجال الصحيح، و اخرجها ايضا البزار و الطبرانی

باسناداخر وفيه النهاس بن قحم وهو ضعيف، واخرجه ايضا البزارو الطبرانى باسناداخر رجاله ثقات، وقضية السجود ثابتة، عن حديث ابن عباس^{رضي} عند البزار، ومن حديث سراقه عند الطبرانى، ومن حديث عائشة عند احمد وابن ماجه، ومن حديث عصمة عند الطبرانى، وعن غيره هؤلاء، وحديث عائشة الذى ذكره المصنف ساقه ابن ماجه باسناد فيه على بن زيد بن جدعان وفيه مقال، (ضعفه كثيرون ووثقه بعضهم، واخرج له مسلم مقرؤنا غيره كما فى التهذيب). وبقيه اسناده من رجال الصحيح، واورده هذا الحديث ابن الجارود فى المنتقى فهو صحيح عنده، فانه لا يأتى الا بالصحيح كما صرح به السيوطى فى ديباجة "جمع الجوامع" وحديث عبدالله بن ابي اوفى^{رضي} ساقه ابن ماجه باسناد صالح اه، مختصرا، وفى الترغيب للمندرى بعد روايت انس بن مالك مع قصة الحمل رواه احمد باسناد جيد، رواه ثقات مشهورون، و البزار بنحوه، ورواه النسائى مختصرا، وابن حبان فى صحيحه من حديث ابي هريرة بنحوه، باختصار، وفيه بعد رواية قيس بن سعد، رواه ابو داود وفى اسناده شريك وقد اخرج له مسلم ووثق، قلت لما سكت عنه ابو داود فهو حجة عنده، وفيه بعد حديث ابن ابي اوفى، رواه ابن ماجه وابن حبان فى صحيحه اه، وساق فى كنى العمال بعده هذا الحديث متونا عديدة وطرقا كثيرة نسرد منها سوى التى ذكرناها انفا، حاكم عن بريدة، وقيس بن سعد، ولم يتعقب عليهما السيوطى، بل صححهما فى الصغير صريحا، فهما حديثان صحيحان، و الترمذى عن انس، و الطبرانى فى الكبير عن ابن عباس^{رضي}، و البيهقى عن ابي هريرة، و عبد ابن حميد عن جابر، و الطبرانى فى الكبير، وسعيد بن منصور عن زيد بن ارقم اه، وفى الخصائص الكبرى روايات كثيرة منها رواية ثعلبة بن ابي مالك عند ابي نعيم، ورواية يعلى بن مرة عند الطبرانى، و ابي نعيم، و وجدت فى قرطاس عتيق بخطى ولم يحضرنى الآن من اين كنت اخذته ان الحديث رواه ابو داود و الطبرانى و الحاكم و البيهقى عن قيس بن سعد، و الترمذى عن ابي هريرة، و الدارمى و الحاكم عن بريدة، و احمد عن معاذ، و الطبرانى عن سراقه بن مالك، و صهيب و عقبه بن مالك و غيلان بن مسلم. ورواه ابن ابي شيبة عن عائشة، و البيهقى ايضا عن ابي هريرة^{رضي} كذا فى "جمع الجوامع" للسيوطى انتهى ما فى القرطاس.

فہذہ اسانید عدیدہ بعضہا صحیح وبعضہا حسن وبعضہا ضعیف یقوی باخر، ومنتہی ہذہ الاسانید الی عشرين صحابيا، لو اقتصرنا علی الطرق المارة. و الحدیث اذا روی من عشرة فهو متواتر علی القول المختار (کما فی تدریب الراوی):، فہذہ الحدیث متواتر بالاولی، وان اختلف احد فی تواترہ للاختلاف فی العدد الذی یحصل بہ التواتر فلا یمكنہ ان ینکر من کونہ مشهورا، ویکفی المشہور لنسخ المتواتر علی ما تقرر فی الاصول، واطلنا الکلام فیہ للضرورة الداعیة فی ہذا الزمان والایکفینا اجماع الامۃ، ولم تراحد من السلف وامن الخلف اختلف فی حرمة سجدة التحیة مع التصحیح کثیر من کتب التفسیر و الحدیث و الفقه. ومانقل عن بعض الصوفیة فی کتب تواریخہم لم ینسب عنہم، وان ثبت فلا عبرة بقولہم لانہم لیسوا ممن یعتد بقولہم فی الاجماع، وان سلم کونہم ممن یعتد بقولہ فی الاجماع فلا یعتد بہ ایضاً فی ہذا المقام، لان الاجماع السابق لا یرتفع بالاختلاف اللاحق، نعم لایلام علیہم لعدم اشتغالہم بتحقیقات العلمیة، ومع ذلک لا یحتج بقولہم وصنیعہم، لاسیما اذا ثبت النکیر عن بعض اکابرہم، وویحتاج الی ہذا الکلام، اذا سلم ان سجود الملائکة لآدم وسجود اخوة یوسف وابیہ لہ کان سجودا حقیقیا وکان تحیة لہما، و الحال انہ مختلف فیہ فقال بعضہم لم یکن سجودا حقیقیا بل ہو کنایة عن التعظیم، وقال بعضہم کان آدم و یوسف بمنزلۃ الکعبۃ لہم، فاللام بمعنی الی، وقال بعضہم اللام للسبب، ای کانت السجدة للہ تعالیٰ شکر اعلیٰ ما نعم اللہ علیہم، لاجل یوسف، و آدم علی نبینا وعلیہما السلام، واذ جاء الاحتمال بطل الاستدلال، وحينئذ لا یحتاج الی اثبات النسخ، وینسب الحرمة بخبر الواحد ایضاً، ونقول ایضاً ان الآیة وان كانت قطعی الثبوت ولكنہا ظنی الدلالة فلا یبعد فی نسخہا، بحدیث ظنی الثبوت قطعی الدلالة کما لا یخفی، واللہ اعلم بالصواب.

مذکورہ عبارت میں کچھ غلطیاں ہیں، اس کی اصلاح کے پیش نظر ہم مذکورہ احادیث کو تفصیل سے پیش کرتے ہیں، تاکہ مخالفین کو اعتراض کی کوئی گنجائش نہ رہے، وہ یہ ہے کہ مولانا شرف علی نے امام ترمذی سے جو روایات نقل کی ہیں، وہ چونکہ امام ترمذی نے فی الباب میں ذکر کیا ہے، اور باب میں چونکہ خاندک کے حقوق ذکر کئے جاتے ہیں، اس لئے مذکورہ احادیث میں حق الزوج ذکر ہے، اور اس کے ضمن میں بعض احادیث میں سجدے کا ذکر بھی ہے، لیکن بعض میں نہیں۔ تو اسی وجہ سے ہم نے

یہاں مناسب سمجھا، کہ وہ احادیث جس میں سجدہ کے متعلق ذکر ہے، وہ تفصیل سے ذکر کریں، پہلی روایت ابو ہریرہؓ کا ہے۔

۱. عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ، قال: لو كنت امر احدا ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها. ترمذی مع التحفة: ۳۵۸/۲.

۲۔ دوسری حدیث معاذ بن جبل کا ہے: عن معاذ بن جبل قال قال رسول اللہ ﷺ: لو كنت امرأ احدا ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها، من حقه عليها. رواه احمد في مسنده: ۳۸۱/۵. و الطبرانی: ۵۲/۲۰۔

۳. عن عائشة قالت: قال رسول اللہ ﷺ لو كنت امرأ احدا ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها: ابن ماجہ (۲/۲۰۲) ابن ابی شیبہ ۳۹۸/۳۰. مسند احمد: ۶/۷۔

۴: عن سراقه بن مالك بن جعشم انه قال: يا رسول اللہ ﷺ: انا كنانرى ملوك العجم فيسجدوا لهم وانت احق ان نسجدلك، قال رسول اللہ ﷺ لو امرت احدا ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها، كتاب العيال لابن ابى الدنيا. ۸/۱۲۱. طبرانی. ۷/۱۲۹۔

۵. (عن قيس بن سعد قال: اتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم، فقلت لرسول اللہ ﷺ احق ان يسجد له، فاتيت رسول اللہ ﷺ فقلت انى اتيت الحيرة، فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم فانت احق بان يسجدلك، فقال لى: ارأيت لو مررت بقبرى، اكنت تسجد له؟ فقلت لا، قال: لا تفعلوا، لو كنت امر احدا ان يسجد لاحد، لامرت المرأة ان يسجدن لازواجهن، لما جعل الله لهم عليهن من حق۔ ابوداود: رقم: ۲۱۲۰، حاكم: ۱۸۷/۲، ارواء: ۵۷/۵، ۵۸۔

یعنی قیس بن سعدؓ سے روایت ہے کہا، میں حیرہ آیا، وہاں میں نے لوگوں کو اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے دیکھا، میں نے کہا رسول اللہ ﷺ زیادہ حق دار ہیں، کہ ان کو سجدہ کیا جاوے، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا میں نے عرض کی کہ میں حیرہ میں گیا، وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے تھے، آپ ﷺ سجدہ کے زیادہ لائق ہیں، آپ نے فرمایا مجھ کو اس بات کی خبر دے، اگر تو میری قبر سے گزرے تو اس کو سجدہ کرے گا؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا: اگر میں سجدہ کرنے کا حکم کرتا، تو سب سے پہلے عورتوں کو حکم کرتا، کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا حق رکھا ہے۔ طبرانی فی الکبیر ۱۸۳۵/۵. ابوداود: ۲/۲۱۱۔

- ۶: عن جابر^{رضی اللہ عنہ} قال: قال رسول اللہ^{صلی اللہ علیہ وسلم} لو كنت امرأً احداً، يسجد لاحد، لكان النساء لازواجهن مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۶۹.
- ۷: عن ابن عباس^{رضی اللہ عنہ} قال: (يعنى رسول الله^{صلی اللہ علیہ وسلم} لا آمر احدا ان يسجد لاحد، ولو امرت احداً، يسجد لاحد، لا امرت المرأة ان تسجد لزوجها. طبرانی ۱۱/۳۵۷).
- ۸: عن غيلان بن سلمة^{رضی اللہ عنہ}، قال: كنامع النبي^{صلی اللہ علیہ وسلم} في سفره فقال: لو كنت امرأً احداً ان يسجد لاحداً لا امرت المرأة ان تسجد لزوجها (طبرانی: ۱۸/۲۴۶).
- ۹: عن انس^{رضی اللہ عنہ}، فقال: لا يصلح لبشر ان يسجد لبشر، ولو صلح لبشر، ان يسجد لبشر لا امرت المرأة ان تسجد لزوجها من عظم حقه عليها. (مسند احمد: ۶۲/۶۵، ۲۰) و الترغيب: ۲/۶۷۴.
- ۱۰: عن صهيب^{رضی اللہ عنہ}، فقال: ^{صلی اللہ علیہ وسلم} كذبوا على انبيائهم كما حرفوا كتابهم، لو امرت احداً ان يسجد لاحداً لا امرت المرأة ان تسجد لزوجها. طبرانی في الكبير ۸/۳۶.
- ۱۱: عن سلمان^{رضی اللہ عنہ}، قال: ولو امرت احداً ان يسجد لاحداً لا امرت المرأة ان تسجد لزوجها العظم حقه عليها. (اخبار اصفهان: ۲/۱۹۳).
- ۱۲: عن بريدة^{رضی اللہ عنہ}، فقال: لو كنت امر احداً ان يسجد لاحداً لا امرت المرأة ان تسجد لزوجها. مستدرک حاكم: ۴/۱۷۲.
- ۱۳: عن زيد بن ارقم^{رضی اللہ عنہ}، ان معاذ قال: يا رسول الله أرأيت اهل الكتاب يسجدون لأساقفتهم وبطارقتهم افلا نسجد لك؟ قال: لو كنت امر احداً ان يسجد لاحد، لا امرت المرأة ان تسجد لزوجها، ولا تودى المرأة حق زوجها حتى لو سئلها نفسها على قتب لا عطته. طبرانی: ۵/۲۰۸.
- ۱۴: عن عبد الله بن بى اوفى^{رضی اللہ عنہ}، فقال: لو كنت امر احداً ان يسجد لاحداً لا امرت المرأة ان تسجد لزوجها. خصائص: ۲/۲۵۵.
- ۱۵: عن ثعلبة بن ابى مالك^{رضی اللہ عنہ}، فقالوا يا رسول الله كنا نحن احق بالسجود من هذه البهيمة، قال ^{صلی اللہ علیہ وسلم} لو ينبغي لشيء من الخلق ان يسجد لشيء دون الله لأنبغى للمرأة ان تسجد لزوجها. (خصائص كبرى للسيوطي: ۲/۲۵۷).

۱۶: عن يعلى بن مرة قال خرج النبي ﷺ يوماً فجاء بعير يرغو حتى سجده فقال المسلمون، نحن احق ان نسجد للنبي ﷺ فقال: لو كنت امر احدا ان يسجد لغير الله لامرت المرأة ان تسجد لزوجها: خصائص (۲/۲۵۸)۔

۱۷: حدیث عمر موقوف: عمر رضی اللہ عنہ کو شام میں ایک دہقان ملاقات کے لئے آیا، دیکھتے ہی سر بسجود ہوا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ما هذا السجود؟ قال: هكذا فعل بعظمتنا: فقال عمر: اسجد للذي خلقك. الحديث (التاريخ دمشق: ۱۰۷/۲۸، وابن ابی شیبہ فی المصنف: ۶/۶۷)۔

۱۸: روایة ابی موسیٰ جو کہ امام طبرانی اور بیہقی نے مجمع الزوائد: ۳۲/۶، میں لمبی روایت نقل کی ہے درمیان میں لکھتا ہے: وقد قال له (نجاشی) عمرو و عمارة، انهم لا يسجدون لك، فلما انتهينا بدرنا من عنده من القسيسين و الرهبان، اسجدوا للملك، فقال جعفر، انا لا نسجد الا لله.

۱۹: ثقی، نے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی نے علیؑ کو سجدہ کیا، تو آپ نے منع کیا اور فرمایا: اسجد لله۔ ابن ابی شیبہ فی المصنف: ۶/۶۷)۔

۲۰: ایک روایت دانیال علیہ السلام سے بھی ابو نعیم نے دلائل النبوة: ۸۳/۱، میں نقل کیا ہے لمبی حدیث ہے درمیان میں فرماتا ہے، فدعا دانیال فادخل عليه ولم يدخل عليه احد الا يسجد له، فوقف دانیال ولم يسجد، فقال الملك لمن في البيت: اخرجوا فخرجوا، فقال بخت نصر لدانیال ما منعك ان تسجد لي؟ فقال دانیال ان لي رباتا نأى هذا العلم الذي سمعت به على ان لا اسجد لغيره فخشيت ان اسجد لك فينسلخ عني هذا العلم، ثم اصير في يدك اميا، فلان تنفع بي فتقتلني، فرأيت ترك السجدة اهنون من قتلي وخطر سجدة اهنون من الكرب والبلاء الذي انت فيه، فتركت السجود نظرا الي ذلك۔

اور ایک اثر عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے کہ: اس کو ایک دربان نے سجدہ کیا تو اس نے اس کو معزول کر دیا، اور فرمایا انما السجدة لله عز وجل: ۱۳۶/۱۹۔ چونکہ پہلے ایک روایت کا ترجمہ گذر گیا، اس پر اکتفاء کرتے ہیں۔ اب یہاں بعض بے ادب لوگ ادب علیہ السلام کو کچھ غلط نسبت کرتے ہیں، اور چہرہ وجوہ سے اس کے لئے تمسک کرتے ہیں اس واقعہ سے: تو ہم ہر ایک کو تفصیل کے ساتھ مع جواب ذکر کرتے ہیں۔

پہلی وجہ: یہ نافرمان تھے اور نافرمانی کرنے والا ضرور صاحب کبیرہ ہوتا ہے، نافرمان ہونے پر، نص قرآنی دلالت کرتی

ہے: وعصى آدم ربه فغوى، طہ: ۱۳۱۔ تو اس کا جواب یہ ہے: معصیت نام ہے حکم کی مخالفت کا، اور حکم کبھی وجوب اور کبھی استحباب کے لئے ہوتا ہے، عرب کہتے ہیں: اشرت علیہ فی امر ولده بکذا فعصانی، میں نے فلان کو اس کے بیٹے کے متعلق رائے دی تو اس نے میری نہیں مانی، یا میں نے دو اپنے کو کہا، تو اس نے میری نافرمانی کی (دو انہیں پی) اور جب امر وجوب اور استحباب دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، تو یہ ممنوع نہ ہوگا کہ ”عصیان“ کا اطلاق آدم علیہ السلام پر اس لئے نہیں تھا کہ انہوں نے واجب کو چھوڑ دیا تھا، بلکہ ترک استحباب کی وجہ سے یہ اطلاق کیا گیا۔

دوسری وجہ:- آدم علیہ السلام نے توبہ کی تھی، جیسا کہ ارشاد ہے: فلتقى ادم من ربه كلمات فتاب عليه . بقرہ۔ پھر آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کئے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔ اور توبہ کرنے والا نافرمان ہی ہوتا ہے، اس لئے کہ تائب اپنے کئے پر نادم ہوتا ہے۔ اور اس کا نادم ہونا یہ درحقیقت اس بات کی اطلاع ہے کہ میں گناہ کر چکا ہوں، اب اگر وہ اس خبر و اطلاع میں جھوٹا ہو، تو جھوٹ بولنے سے نافرمان ہو اور اگر سچا ہو تو یہ ہمارا مطلوب ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس نے گناہ کبھی نہ کیا ہو اس کی طرف سے بھی توبہ کرنا مخلوق سے منقطع ہو کر اللہ کی طرف پوری طرح یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہونے کے لئے ایک اچھا اقدام ہے، اور اس کے مستحسن ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ وہ ابتدا ہی سے ثواب کا مستحق ہوگا، اور اس کی دلیل ہماری، یہ دعا ہے: اللهم اجعلنى من التوابين) پس اگر توبہ گناہ کرنے کے بعد ہی مستحسن قرار دی جائے تو پھر اس دعا کا یہ مطلب ہوگا کہ اے اللہ ہمیں گناہگار بنا، پھر توبہ کرنے والوں میں سے بنا، اور یہ ناجائز ہے۔ جبکہ قرآن وحدیث میں توبہ اور استغفار کی بہت فوائد ذکر کی گئی ہیں، صرف گناہ معاف کرنے کیلئے استغفار و توبہ مشروع نہیں۔ مثلاً آیت سورہ بقرہ: ۵۸، واعراف: ۱۶۸، وھود: ۳، ۵۲، ونوح: ۱۱۔ وغیرہ۔ اور اس باب میں احادیث بکثرت موجود ہیں۔

تیسری وجہ:- آدم علیہ السلام نے منہی عنہ (یعنی جس چیز سے انہیں روکا گیا تھا) اس کا ارتکاب کیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے: ولاتنقربا هذه الشجرة: بقرہ۔ اور اس درخت کے قریب نہ جاؤ۔

ارشاد ربانی ہے: الم انھکما عن تلکما الشجرة: اعراف: ۲۲۔ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا؟۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غیر مسلم ہے کہ منہی حرام ہی کے ارتکاب سے روکنے کے لئے کی جاتی ہے، بلکہ منہی مشترک ہے تحریم اور تنزیہ دونوں کے درمیان۔ اس ابہام کی تفسیر یہ ہے کہ نہیں کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ منہی عنہ (جس چیز سے روکا گیا) کا ترک بہتر ہے کرنے سے، اب رہی یہ بات کہ کرنے کی صورت میں کرنے والا عذاب کا مستحق ہوگا یا نہیں؟ توبہ

نہی کے مفہوم سے خارج ہے اور اس حقیقت کے ہوتے ہوئے فریق مخالف کا استدلال ساقط ہو کر رہ گیا۔ اور اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ نہی تحریم ہی کے لئے ہے تو یہ ارتکاب بھول کر کیا ہوا تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عِزًّا. طہ: ۱۱۵۔ وہ بھول گیا اور ہم نے اس میں پختگی نہ پائی۔

چوتھی وجہ: درخت سے پھل کھانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ظالم کہا ”فَتَكُونُوا مِنَ الظَّالِمِينَ“ (بقرہ) اور وہ خود بھی اپنے آپ کو ظالم کہتے ہیں۔ اور یہ دعوائے نکتے ہیں: رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا (اعراف: ۲۳)۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اولیٰ اور بہتر عمل کو ترک کرنا بھی ظلم ہے، اس لئے کہ جب ثواب عظیم کا حقدار بننے کے لئے بہتر کام کرنے کی توفیق و قدرت دی گئی تو کسی عذر کے بغیر اس کو چھوڑنا ثواب کے حصہ میں کمی کرنی ہوگی، اور ایسے شخص کو ظالم کہا جاسکتا ہے، اس لئے کہ درحقیقت ”ظلم“ چیز کو اپنے محل سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنے کا نام ہے۔ اور یہاں بھی اسی طرح ہے۔

پانچویں وجہ: آدم علیہ السلام خود یہ اقرار کرتے ہیں کہ اگر میرے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت و مہربانی نہ ہوتی تو میں گھاٹے میں رہتا جیسا کہ فرمایا: وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونُنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ: اعراف ۲۳۔ اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم ضرور تباہ ہو جائیں گے۔ یہ اس بات کا مقتضی ہے کہ آدم علیہ السلام گناہ کبیرہ کے مرتکب تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ارتکاب خلاف اولیٰ پر محمول ہے جبکہ اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

چھٹا اعتراض: آدم علیہ السلام، شیطان کے وسوسے اور اس کے پھسلانے کی وجہ سے جنت سے نکالے گئے تھے، اس کا جواب یہ ہے کہ آیت میں صرف یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جنت سے پھل کھانے کی وجہ سے نکالا گیا، اور یہ اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ نکالنا سزا تو تو بین کے طور پر تھا، اور کیسے ہو سکتا ہے جب کہ آدم علیہ السلام کو سزا تو تو بین کے طور پر بھیج دیا گیا۔ آیات سابقہ میں ہم تاویل کرنے پر مجبور اس لئے ہوئے ہیں، کہ اگر آدم علیہ السلام کو نفس الامر میں ظالم و عاصی قرار دیا جائے تو ان کے بارے میں معاذ اللہ جہنم کے مستحق ہونے کا فیصلہ بھی کرنا پڑے گا، اس لئے کہ ارشاد الہی ہے: وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ (جن: ۲۳)۔ اور یہ بھی کہنا پڑے گا کہ وہ (نعوذ باللہ) ملعون ہے، اس لئے کہ ارشاد ہے: اَللَّعْنَةُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا (ہود: ۱۸)۔ اور جب کہ امت کا اجماع ہے کہ نہ وہ جہنمی ہیں اور نہ ہی ملعون۔ اس لئے ہمیں یہ تاویل کرنے پڑی اور یہ اللہ ہی کی توفیق سے ہے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق دوسرا شبہ بھی ہے جس کا تفصیل سورت اعراف میں آئے گا۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكَلَامُنَهَا رَعْدًا حَيْثُ

اور ہم نے کہا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور جہاں سے چاہو بلا روک ٹوک کھاؤ (پیو)

شَيْئًا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۰﴾ ﴿۲۱﴾

لیکن اس درخت کے پاس جانا نہیں ورنہ ظالموں میں ہو جاؤ گے پھر شیطان نے دونوں کو وہاں سے بھسلا دیا

الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

اور جس (عیش و نشاط) میں تھے اس سے ان کو نکلوا دیا تب ہم نے حکم دیا کہ (جنت سے) چلے جاؤ تم ایک دوسرے کے

عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾

دشمن ہو اور تمہارے لئے زمین میں ایک وقت تک ٹھکانا اور معاش (مقرر کر دیا گیا) ہے۔ [۲۱]

[۲۱] یہ آدم علیہ السلام کے قصہ کا مکملہ ہے، جس میں بیان کیا گیا ہے کہ، جب آدم کی فضیلت اور خلافت ارضی کے لئے

صلاحیت فرشتوں پر واضح کر دی گئی، انہوں نے تسلیم کر لیا، اور ابلیس اپنے تکبر اور معارضہ کی وجہ سے کافر ہو کر نکال دیا گیا، تو آدم

علیہ السلام اور ان کی زوجہ حواء کو یہ حکم ملا کہ تم دونوں جنت میں رہو، اور اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ مگر ایک معین درخت کے لئے

یہ ہدایت کی کہ اس کے پاس نہ جانا، یعنی اس کے کھانے سے مکمل پرہیز کرنا، شیطان جو آدم کی وجہ سے مردود ہوا وہ خار کھائے

ہوئے تھا، اس نے کسی طرح موقع پا کر، اور ^{مصلحتیں} بتلا کر ان دونوں کو اس درخت کے کھانے پر آمادہ کر دیا، ان کی لغزش کی وجہ

سے ان کو بھی یہ حکم ملا کہ اب تم زمین پر جا کر رہو، اور یہ بھی بتلا دیا کہ زمین کی رہائش جنت کی طرح بے غل و غش نہ ہوگی، بلکہ وہاں

آپس میں اختلافات اور دشمنیاں بھی ہوں گی، جس سے زندگی کا لطف پورا نہ رہے گا۔ (وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ

وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ) یہ واقعہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ملائکہ کے سجدہ کے بعد کا ہے، بعض لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ

نکالا ہے کہ یہ تخلیق اور سجدہ کا واقعہ جنت سے باہر کہیں ہوا ہے، اس کے بعد جنت میں داخل کیا گیا، لیکن ان الفاظ میں یہ

منہوم یقینی نہیں، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تخلیق بھی جنت میں ہوئی، اور سجدے کا واقعہ بھی جنت میں پیش آیا، مگر اس وقت تک

ان کو کوئی فیصلہ اس کے متعلق نہیں سنایا گیا تھا، کہ آپ کا مسکن و مستقر کہاں ہوگا؟ اس واقعہ کے بعد یہ فیصلہ سنایا گیا۔

”وَكُلًّا مِنْهَا رَعَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا“ ”رعداً“ کے معنی عربی میں اس نعمت و رزق کے ہیں جن کا حاصل کرنے میں کوئی محنت و مشقت بھی نہ ہو، اور وہ اتنی وسیع اور کثیر ہو کہ اس کے کم یا ختم ہو جانے کا خطرہ نہ ہو، معنی یہ ہوئے کہ آدم و حواء علیہما السلام کو فرمایا کہ جنت کے پھل با فراغت استعمال کرتے رہو، نہ ان کے حاصل کرنے میں تمہیں کسی محنت کی ضرورت ہوگی، اور نہ یہ فکر کہ یہ غذا ختم یا کم ہو جائے گی۔

”وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ“ کسی خاص درخت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا گیا کہ اس کے قریب نہ جاؤ، اصل مقصد تو یہ تھا کہ اس کا پھل نہ کھاؤ، مگر تاکید کے طور پر عنوان یہ اختیار کیا گیا کہ اس کے پاس بھی نہ جاؤ، اور مراد یہی ہے کہ کھانے کے لئے اس کے پاس نہ جاؤ، یہ درخت کونسا تھا؟ قرآن کریم نے متعین نہیں کیا، اور کسی مستند حدیث میں بھی اس کی تعین مذکور نہیں، ائمہ تفسیر میں سے کسی نے گندم کا درخت قرار دیا، کسی نے انجور کا، کسی نے انجیر کا، مگر جس کو قرآن و حدیث نے مبہم چھوڑا ہے، اس کو متعین کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے (قرطبی)۔ فَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ یعنی اگر آپ نے اس شجرہ ممنوعہ کو کھایا، تو آپ ظالموں میں داخل ہو جائیں گے۔

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا ”زلزلہ“ کے معنی عربی لغت میں لغزش کے ہیں۔ ”ازلال“ کے معنی کسی کو لغزش دینا، معنی یہ ہیں کہ شیطان نے آدم و حواء کو لغزش دیدی، قرآن کے یہ الفاظ صاف اس کا اظہار کر رہے ہیں کہ آدم و حواء کی یہ خلاف ورزی اسی طرح کی تھی جو عام گنہگاروں کی طرف سے ہوا کرتی ہے، بلکہ شیطانی تلبیس سے کسی دھوکہ فریب میں مبتلا ہو کر ایسے اقدام کی نوبت آگئی، کہ جس درخت کو ممنوع قرار دیا تھا، اس کا پھل وغیرہ کھا بیٹھے ”عنہما“ میں لفظ ”عن“ بمعنی سبب ہے، یعنی اس درخت کے سبب و ذریعہ سے شیطان نے آدم و حواء کو لغزش میں مبتلا کر دیا۔

یہاں ایک سوال یہ ہوتا ہے کہ جب شیطان کو تجدے سے انکار کی بناء پر پہلے ہی مردود کر کے جنت سے نکال دیا گیا تھا۔ تو یہ آدم و حواء کو بہکانے کے لئے جنت میں کیسے پہنچا؟ اس کا بے غبار جواب یہ ہے کہ شیطان کے بہکانے اور وہاں تک پہنچنے کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ بغیر ملاقات کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان جنات میں سے ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ نے جنات کو بہت سے ایسے تصرفات پر قدرت دی ہے، جو عام طور پر انسان نہیں کر سکتے، انکو مختلف شکلوں میں متشکل ہو جانے کی بھی قدرت دی ہے، ہو سکتا ہے کہ اپنی قوت جنیہ کے ذریعہ مسمریزم کی صورت سے آدم و حواء کے ذہن کو متاثر کیا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رخصت ہوتے وقت یہ وسوسہ کیا ہو۔

اور شاید یہی سبب ہوا کہ ادم علیہ السلام کو اس کی دشمنی کی طرف دھیان نہ رہا، قرآن مجید کی آیت: ”قاسمہما انی

لکمالمن الناصحین“ (اعراف: ۲۱) سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان نے صرف وسوسہ اور ذہنی اثر ڈالنے سے کام نہیں لیا، بلکہ آدم و حواء سے زبانی گفتگو کر کے اور قسمیں کھا کر متاثر کیا۔

”فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ“ یعنی شیطان نے اس دھوکہ اور لغزش کے ذریعے آدم و حواء علیہما السلام کو ان نعمتوں سے نکال دیا، جن میں وہ آرام سے گزر بسر کر رہے تھے، یہ نکالنا اگرچہ حکم الہی ہوا، مگر سبب اس کا شیطان تھا، اس لئے نکالنے کی نسبت اس کی طرف کر دی گئی۔

”وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ“ یعنی ہم نے حکم دیا کہ نیچے اتر جاؤ، اس طرح کہ تم میں بعضے بعضوں کے دشمن رہیں گے، اس حکم کے مخاطب آدم و حواء ہیں، اور اگر شیطان کو اس وقت تک آسمانوں سے باہر نہیں کیا گیا تھا، تو وہ بھی اسی خطاب میں شامل ہے، اس صورت میں باہمی عداوت ہونے کا مطلب یہ ہوگا، کہ شیطان تمہاری عداوت کا سلسلہ دنیا میں بھی جاری رکھے گا۔

”وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ“ یعنی آدم و حواء علیہما السلام کو یہ بھی ارشاد ہوا کہ تم کو زمین پر کچھ عرصہ ٹھہرنا ہے، اور ایک میعاد معین تک کام چلانا ہے، یعنی زمین پر جا کر بھی دوام نہ ملے گا، کچھ مدت کے بعد اس گھر کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔

”اَسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ“ میں آدم اور حواء علیہما السلام دونوں کے لئے جنت کو مسکن بنانے کا ارشاد ہے، جس کو مختصر لفظوں میں یوں بھی کہا جاسکتا ہے ”اسکنا الجنة“ یعنی آپ دونوں جنت میں رہیں، جیسا کہ اس کے بعد ”کلا“ اور ”لا تقربا“ میں دونوں کو ایک ہی صیغہ میں جمع کیا گیا ہے، مگر یہاں اس کے خلاف ”انت و زوجک الجنة“ کے الفاظ کو اختیار کرنے میں صرف مخاطب آدم کو فرار دیا، اور انہی سے فرمایا کہ آپ کی زوجہ بھی جنت میں رہے۔ اس میں دو مسئلوں کی طرف اشارہ ہے، اول یہ کہ بیوی کے لئے رہائش کا انتظام شوہر کا ذمہ ہے، دوسرے یہ کہ سکونت میں بیوی شوہر کے تابع ہے، جس مکان میں شوہر رہے اس میں اس کو رہنا چاہئے۔

مسئلہ: لفظ ”اسکن“ میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اس وقت ان دونوں کے لئے جنت کا قیام محض عارضی تھا، دائمی قیام جو شان ملکیت کی ہوتی ہے وہ نہ تھی، کیونکہ لفظ ”اسکن“ کے معنی یہ ہیں کہ اس مکان میں رہا کرو یہ نہیں فرمایا کہ یہ مکان تمہیں دے دیا گیا، یہ تمہارا مکان ہے، وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ آئندہ ایسے حالات پیش آئیں گے کہ آدم و حواء علیہما السلام کو جنت کا مکان چھوڑنا پڑے گا، نیز جنت کا استحقاق ملکیت ایمان اور عمل

صالح کر کے معاوضہ میں حاصل ہوتا ہے جو قیامت کے بعد ہوگا، اسی سے فقہاء نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو کہے کہ میرے گھر میں رہا کرو، یا یہ کہ میرا گھر تمہارا مسکن ہے، اسی سے مکان کی ملکیت اور دائمی استحقاق اس شخص کو حاصل نہیں ہوتا (قرطبی)۔

”و کلامنہار غدا“: یعنی کھاؤ تم دونوں جنت سے با فراغت: اس میں بطرز مذکور سابق خطاب صرف آدم علیہ السلام کو نہیں کیا گیا، بلکہ دونوں کو ایک ہی لفظ میں شریک کر کے ”کلامنہا“ فرمایا، اس میں اشارہ اس کی طرف ہو سکتا ہے کہ غذا اور خوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں، وہ اپنی ضرورت اور خواہش کے وقت اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرے اور یہ اپنی خواہش کی مطابق۔

”رغدا حیث شتتما“: لفظ ”رغدا“ ما کولات میں وسعت و کثرت کی طرف اشارہ ہے، کہ جو چیز جتنی چاہیں کھا سکتے ہیں، بجز ایک درخت کے اور کسی چیز میں رکاوٹ اور ممانعت نہیں، اور لفظ ”شتتما“ میں مقامات کی وسعت کا بیان ہے، کہ پوری جنت میں جہاں چاہیں جس طرح چاہیں کھائیں، کوئی خطہ ممنوع نہیں، اس میں اشارہ ہے کہ چلنے پھرنے اور مختلف مقامات سے اپنی ضروریات حاصل کرنے کی ازادی انسان کا فطری حق ہے، ایک محدود و معین مقام یا مکان میں اگرچہ ضرورت و خواہش کی ساری چیزیں مہیا کر دی جائیں، مگر وہاں سے باہر جانا ممنوع ہو تو یہ بھی ایک قسم کی قید ہے، اس لئے آدم علیہ السلام کو کھانے پینے کے تمام چیزیں بکثرت و فراغت عطا کر دینے پر اکتفاء نہیں کیا گیا، بلکہ ”حیث شتتما“ فرما کر ان کو چلنے پھرنے اور ہر جگہ جانے کی آزادی بھی دی گئی۔ ”ولا تقربا هذه الشجرة“: یعنی اس درخت کی قریب بھی نہ جاؤ، ظاہر ہے کہ اصل مقصد تو یہ تھا کہ اس درخت اس کے پھل کو نہ کھاؤ مگر احتیاطی حکم یہ دیا گیا کہ اس کے قریب بھی نہ جاؤ، اس سے اصول فقہ کا مسئلہ ”سد ذرائع“ ثابت ہوا، یعنی بعض چیزیں اپنی ذات میں ناجائز یا ممنوع نہیں ہوتیں۔ لیکن جب یہ خطرہ ہو کہ ان چیزوں کے اختیار کرنے سے کسی حرام ناجائز کام میں مبتلا ہو جائے گا۔ تو اس ناجائز چیز کو بھی روک دیا جاتا ہے۔ جیسا درخت کے قریب جانا ذریعہ بن سکتا تھا اس کے پھل پھول کھانے کا، اس ذریعہ کو بھی منع فرما دیا گیا۔ اسی کا نام اصول فقہ کی اصطلاح میں ”سد ذرائع“ ہے۔

فَتَلَقَىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٢٣﴾

پھر آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے کچھ کلمات کیے (اور معافی مانگی) تو اس نے ان کا قصور معاف کر دیا بیشک وہ معاف کرنے والا اور صاحبِ رحم ہے۔ [۲۳]

[۲۳] یہ کلمات وہی ہیں جو کہ سورت اعراف ایت نمبر: ۲۳، میں موجود ہیں، یہی تفسیر، تفسیر ابن کثیر، جواہر القرآن، اور دیگر مفسرین نے بھی کیا ہے، شاہ صاحب نے تفسیر فتح الرحمن میں لکھا ہے: وَأَنَّ كَلِمَاتِ ابْنِ آدَمَ: قَالَ لَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِنَّ لَنَا تَغْفِيرًا لَنَا وَتَرْحَمًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾ (سورة اعراف)

تفسیر نعیمی نے یہاں غلط تفسیر کر کے حاکم والی روایت سے استدلال کیا ہے، لیکن یہ جمہور مفسرین اور روح قرآن سے مخالف ہے، اس کا ہم تفصیلی جواب لکھتے ہیں، تاکہ بعض کم علم لوگ اس پر غلط نہ ہو جائے، حافظ طبرانی، امام حاکم، حافظ ابو نعیم، اور امام بیہقی نے سیدنا علیؑ اور عمرؓ سے مرفوع روایت کی ہے، کہ جب آدم علیہ السلام پر عتاب ہوا، تو آپؑ فکر تو بہ میں حیران تھے اس پریشانی کے عالم میں یاد آیا کہ وقت پیدائش میں نے سر اٹھا کر دیکھا تھا کہ عرش پر لکھا ہے 'لا اله الا الله محمد رسول الله' میں سمجھا تھا کہ بارگاہ الہی میں وہ رتبہ کسی کو میسر نہیں جو محمد ﷺ کو حاصل ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام اپنے نام اقدس کے ساتھ عرش پر مکتوب فرمایا، لہذا آپ نے اپنی دعا میں "ربنا ظلمنا" الایة، کے ساتھ یہ عرض کیا، اسلک بحق محمد ﷺ ان تغفر لی، الخ، وحی نازل ہوئی کہ محمد ﷺ کون ہے؟ جن کے واسطے سے تم نے استغفار کیا؟ عرض کیا کہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا تھا تو میں نے عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا، کہ محمد ﷺ سے اونچی ہستی کوئی نہیں جن کا نام آپ نے اپنے نام کے ساتھ لکھا، وحی نازل ہوئی کہ وہ خاتم النبیین ہیں، تمہاری اولاد میں سے ہیں، اگر وہ نہ ہوتے تو تم بھی پیدا نہ کئے جاتے۔ فضائل ذکر ۹۵، ۹۶، نشر الطیب فی ذکر النبی ﷺ: ۱۳، نسیم الرياض ۳/۳۹۸۔ مقالات

کوثری: ۳۹۱۔ تفسیر نعیم الدین مراد ابادی: ۱۲۔ یہ روایت مختلف سندوں کے ساتھ، متدرک: ۶۱۵/۲۔ دلائل النبوة، امام بیہقی ۲۸۹/۵۔ اور مجمع صغیر، امام طبرانی: ۸۳، ۸۲/۲۔ میں موجود ہے اور تینوں کامرکزی راوی عبدالرحمن بن زید بن اسلم ہے، جس کے بارے میں امام ابن حبان فرماتے ہیں: کان یقلب الاخبار وهو لا یعلم حتی کثر ذلک فی روایتہ من رفع المراسیل و اسناد الموقوف فاستحق الترتک. (المجروحین: ۲/۵۹۳). لاعلمی میں روایات میں ہیر پھیر کرتا تھا، یہاں تک کہ اس نے کثرت سے یہ کام شروع کیا۔ مرسل روایت کو مرفوع کہنے لگا، جس کے سبب سے اس لائق

ٹھہرا، کہ اسے چھوڑ دیا جائے، اور اس کی روایت کو نہ لی جائے۔ امام ساجی نے فرمایا: ہمیں ربیع نے اور اسے امام شافعی نے بتایا کہ، عبدالرحمن بن زید بن اسلم سے پوچھا گیا کہ کیا تیرے باپ نے تیرے دادا، رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث سنی، کہ نوح علیہ السلام کی کشتی نے بیت اللہ کا طواف کیا، اور مقام ابراہیم میں نماز پڑھی، اس نے کہا ہاں، امام ساجی ہی فرماتے ہیں، منکر الحدیث ہے، امام طحاوی فرماتے ہیں حدیث کا علم جاننے والوں کے نزدیک اس کی روایت نہایت ضعیف ہوتی ہے، امام حاکم اور امام ابو نعیم نے فرمایا کہ: یہ اپنے باپ سے موضوع احادیث نقل کرتا ہے۔ تہذیب التہذیب: ۱۶۲/۶۔ محمد بن عبداللہ بن حکیم فرماتے ہیں کہ میں نے امام شافعی کو کہتے ہوئے سنا، کہ امام مالک کے سامنے کسی نے کوئی حدیث بیان کی آپ نے پوچھا: ——— حدیثک؟ فذکر لہ اسنادا منقطعاً، فقال اذهب الی عبد الرحمن بن زید بن اسلم یحدثک عن ابیہ عن نوح علیہ السلام (المجروحین: ۲/۲۳۔ تہذیب الکمال: ۱۸۰/۱)۔

یہ تجھے کس نے بیان کی ہے؟ تو اس نے ایک منقطع سند بیان کی، اس پر امام مالک نے فرمایا: عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے پاس جاؤ وہ اس روایت کو اپنے باپ سے اور اس کا باپ نوح علیہ السلام سے اس کو بیان کرے گا۔ اس راوی کی ایک منکر روایت یہ بھی ہے کہ مامن عبدیمر بقبر رجل کان یعرفہ فی الدنیاء یسلم علیہ الاعرفہ ورد علیہ السلام۔ میزان الاعتدال: ۱/۵۶۵۔

جب کوئی زندہ شخص کسی مردہ کے قبر کے پاس سے گزرے اور ان دونوں کی آپس میں جان پہچان ہو اور یہ اسے سلام دے تو وہ مردہ ہوا شخص اسے پہچان کر اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔

امام حاکم، اسی عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے بارے میں خود لکھتے ہیں: روی عن ابیہ احادیث موضوعۃ، لایخفی علی من تأملہا من اهل الصنعة ان الحمل فیہا علیہ۔ [المدخل الی الصحیح: ۱۵۴، ترجمہ ۹۷] یہ اپنے باپ کے سند سے موضوع احادیث کو روایت کرتا ہے۔ علم حدیث و آثار کے ماہرین کو خوب معلوم ہے۔ کہ اس کا اصل ذمہ دار عبدالرحمن ہی ہے۔ معجم صغیر طبرانی والی روایت میں تین ابتدائی راوی ماسوائے عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے سب مجہول ہیں: قال الہیثمی رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر وفیہ من لم اعرفہم۔ (مجمع الزوائد: ۲۵۳/۸)۔ بیہقی والی روایت میں عبدالرحمن بن زید بن اسلم کے ساتھ عبداللہ بن فہری موجود ہے، جس کے بارے میں حافظ ذہبی اور حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: کہ روی عبد الرحمن بن زید خبرا باطلا، فیہ، یا ادم لولا محمد ما خلقتک۔ رواہ البیہقی فی دلائل النبوة۔ [میزان الاعتدال: ۲/۵۰، لسان المیزان:

۳۶۰/۳] اس نے عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے ایک باطل روایت نقل کی ہے، کہ اے ادم علیہ السلام اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا، اسے بھیجی نے دلائل النبوة میں نقل کیا ہے۔ امام حاکم اگرچہ اس حدیث کے تصحیح میں فرماتے ہیں، (صحیح) مگر حافظ ذہبی لکھتے ہیں: بل موضوع و عبد الرحمن واہ۔ تلخیص المستدرک: ۲/۵۱۵۔ صحیح نہیں، بلکہ یہ روایت موضوع ہے اور عبد الرحمن واہی [شدید کم زور] راوی ہے۔ یہ بھی فرمایا: خبر باطل۔ میزان الاعتدال: ۲/۵۰۴۔ یہ روایت باطل ہے۔ اور حافظ ابن حجر بھی اس روایت کو باطل قرار دیتے ہیں۔ لسان المیزان: ۳۶۰/۳۔ نیز یہ روایت ارشاد ربانی: ”فَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ“ سورة البقرہ۔ اور: قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ، اعراف: ۲۳۔ کے معارض و مخالف ہے لہذا قطعاً ناقابل استدلال اور ناقابل التفات ہے۔

جبکہ حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہے، حدیثنا أبو سعید عمرو بن محمد بن منصور العدل، ثنا ابو

الحسن محمد بن اسحاق بن ابراہیم الحنظلی، ثنا ابو الحارث عبد اللہ بن مسلم

الفہری، ثنا اسماعیل بن مسلمة، انبا عبد الرحمان بن زید بن اسلم، عن ابيه عن جده، عن

عمر بن الخطاب قال: قال رسول الله ﷺ لَمَّا اقْتَرَفَ آدَمُ الْخَطِيئَةَ قَالَ يَا رَبِّ اسئلك بحق

محمد لما غفرت لي، فقال الله، يا آدم وكيف عرفت محمد اولم اخلقه؟ قال يا رب لأنك

خلقتني بيدك ونفخت في من روحيك، رفعت رأسي فرأيت على قوائم العرش مكتوباً: لا

إله الا الله محمد رسول الله، فعلمت انك لم تضيف الي اسمك الا احب الخلق اليك،

فقال الله، صدقت يا آدم، انه لأحب الخلق اليّ ادعني بحقه فقد غفرت لك،

ولولا محمد ما خلقتك. (حاكم في المستدرک: ۳/۵۱۷ رقم: ۲۲۸۶). اس حدیث کی آخر میں

ہے کہ، ولولا محمد ما خلقتك، اور یہ جملہ، آیت: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۳﴾

ذاریات، سے مخالف ہے۔



قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبَعَ هُدَايَ

ہم نے فرمایا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا

غمناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے (اس کو) قبول نہ کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا

بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۹﴾

تو وہ دوزخ میں جانے والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا

اے آل یعقوب! میرے وہ احسانات یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اُس اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا،

بِعَهْدِي أَوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿۳۰﴾ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلْتُ

میں اُس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو، اور جو کتاب میں نے نازل کی ہے جو تمہاری کتاب

مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا

کو سچا کہتی ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس سے منکر اول نہ بنو اور میری آیتوں میں ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ حاصل کرو [۲۳]

[۲۳] اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے میں قیمت لینے کی ممانعت کا مطلب وہ ہی ہے جو آیت کے سباق

وسباق سے معلوم ہوتا ہے، کہ لوگوں کے مرضی اور ان کی اغراض کی خاطر اللہ تعالیٰ کی آیات کا مطلب غلط

بتلا کر یا چھپا کر لوگوں سے پیسے لئے جائیں، یہ فعل باجماع امت حرام ہے۔ لفظ ”قلیلا“ بڑھانے سے دولت دنیا کی

حقارت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی میری آیتوں کے عوض تم جو رقم وصول کرتے ہو، وہ میری آیتوں یا دولتِ آخرت کی نسبت

نہایت قلیل اور حقیر ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کی آیتوں کو تھوڑی رقم کے عوض بیچنا جائز نہیں ہے، اور زیادہ رقم کے

عوض جائز ہے (من الکبیر: ۹۱، الروح: ۲۴۵ وغیرہما) حق چھپا کر پیٹ کا جہنم بھرنے کی یہ سنت آج بھی جاری ہے

، یہودیوں کی طرح بہت سے مولوی اور پیر آپ کو ایسے نظر آئیں گے جو لوگوں کو گیارہویں شریف کی ترغیب تو دیتے ہونگے، اپنے دادا کی قبر پر حاضر ہو کر چڑھاوے اور نظریں پیش کرنے کی تلقین کرتے ہوں گے، حاجتوں اور مصیبتوں میں اولیاء اللہ کی قبروں پر حاضری دیکر انہیں مدد کے لئے پکارنے کی تعلیم بھی دیتے ہونگے، مگر اپنے مریدوں کے سامنے آپ نے انہیں قرآن مجید کی ان آیتوں کا وعظ کہتے ہوئے کبھی نہیں سنا ہوگا، جن میں اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کی نذر و نیاز اور چڑھاوے کو حرام کہا ہے، اور جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے سوا کوئی حاجت روا اور مشکل کشا نہیں، میرے سوا کوئی عالم الغیب اور کارساز نہیں، اس لئے میرے سوا حاجات و مشکلات میں کسی اور کو مت پکارو، کیونکہ ایسا کرنے سے یہودیوں کی طرح انہیں بھی یقین ہے، کہ ان کی آمدنیاں بند ہو جائیں گی اور ان کا جھوٹا و قارختم ہو جائے گا۔

اس آیت کی ضمن میں بعض مفسرین نے **تعلیم قرآن پر اجرت لینے کا مسئلہ** ذکر کیا ہے۔

فرماتے ہیں، کہ رہا یہ معاملہ، کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی آیات صحیح صحیح بتلا کر یا پڑھا کر اس کی اجرت لینا کیسا ہے؟ اس کا تعلق ایت مذکورہ سے نہیں، خود یہ مسئلہ اپنی جگہ قابل غور و بحث ہے کہ تعلیم قرآن پر اجرت و معاوضہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ فقہاء امت کا اس میں اختلاف ہے، امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل، جائز قرار دیتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ منع فرماتے ہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کو ذریعہ کسب معاش کا بنانے سے منع فرمایا ہے۔ لیکن متاخرین حنفیہ نے بھی جب ان حالات کا مشاہدہ کیا، کہ قرآن مجید کے معلمین کو اسلامی بیت المال سے گزارہ ملا کرتا تھا، اب ہر جگہ اسلامی نظام میں فتور کے سبب ان معلمین کو عموماً کچھ نہیں ملتا، یہ اپنے معاش کے لئے کسی محنت، مزدوری یا تجارت وغیرہ میں لگ جائیں، تو بچوں کو تعلیم کا سلسلہ یکسر بند ہو جائے گا، کیونکہ وہ دن بھر کا مشغلہ چاہتا ہے، اس لئے تعلیم قرآن پر تنخواہ لینے کو بضرورت جائز قرار دیا۔ جیسا کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے، کہ آج کل اسی پر فتویٰ دینا چاہیے، کہ تعلیم قرآن پر اجرت و تنخواہ لینا جائز ہے، صاحب ہدایہ کے بعد آنے والے دوسرے فقہانے بعض ایسے ہی دوسرے وظائف جن پر تعلیم قرآن کی طرح دین کی بقاء موقوف ہے، مثلاً امامت، اذان اور تعلیم حدیث، وفقہ، وغیرہ کو تعلیم قرآن کے ساتھ ملحق کر کے ان کی بھی اجازت دی (درمختار)۔ اس آیت کی تفسیر میں بعض علماء نے ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن پر اجرت لینے کا بحث ذکر کیا ہے۔ تفسیر روح المعانی نے: ۵۵/۱۶، میں لکھا ہے کہ: ویسدخل فی العموم قرأۃ القرآن للموتی بالاجرة، فلا ثواب فیہا للمیت ولا للقراری اصلاً، وقد عمت البلوی بذلک و الناس عنہ غافلون، واذ انبھوا لا ینتھون، فاناللہ واناالیہ راجعون۔ اور ابن ابی العزیز شرح

عقیدۃ الطحاوی: ۶۷۲/۲، میں لکھا ہے: واما استئجار قوم یقرؤن القرآن ویهدونه للمیمت، فہذا لم یفعلہ احد من السلف ولا امر بہ احد من ائمة الدین، ولا رخص فیہ، و الاستجار علی نفس التلاوة غیر جائز بلا خلاف، وانما اختلفوا فی جواز الاستئجار علی التعلیم ونحوہ، مما فیہ منفعة تصل الی الغیر، و الثواب لا یصل الی المیت الا اذا کان العمل لله، و هذا لم یقع عبادة خالصة، فلا یكون ثوابہ مما یهدی الی الموتی، ولہذا لم یقل احد، انه یکتري من یصوم ویصلی ویهدی ثواب ذلك الی المیت، لكن اذا اعطی لمن یقرأ القرآن ویعلمہ ویتعلمہ معونة لاهل القرآن علی ذلك، كان ہذا من جنس الصدقة عنہ فیجوز، و فی ”الاختیار“ لو اوصی بان یعطى شیء من مالہ لمن یقرأ القرآن علی قبرہ فالوصیة باطلہ لانہ فی معنی الاجرة، انتهى. و ذکر الزاہدی فی ”القنیہ“ انہ لو وقف علی من یقرأ عند قبرہ فالتعین باطل۔ ابن عابدین شامی رد المحتار: ۳۵/۵، میں لکھتا ہے کہ: قال تاج الشریعة فی شرح الہدایة، ان القرآن بالاجرة لا یتحق الثواب، لا للمیمت ولا للفقاری، وقال العینی فی شرح الہدایة، و یمنع الفقاری للدنیا، و الآخذ و المعطى اثمان، فالحاصل ان ما شاع فی زماننا من قراة الاجزاء بالاجرة لا یجوز، لان فیہ الامر بالقراة و اعطاء الثواب للآمر، والقراة لاجل المال، فاذا لم یکن للفقاری ثواب لعدم النیة الصحیحة فاین یصل الثواب الی المستاجر، ولولا الاجرة ما قرأ احد لا حد فی هذا الزمان، بل جعلوا القرآن العظیم مکسبا و وسیلة الی جمع الدنیا. ان الله وانا الیہ راجعون۔ اور اسی طرح کا عبارت مجموعۃ الرسائل: ۱۸۰، میں بھی لکھا ہے: اور بہت تفصیل کے بعد فرماتا ہے، کہ ہمارے مدعی کے اثبات کے لئے قرآن و سنت اور اجماع، قیاس ہے، اما الكتاب فقوله تعالى ”ولا تشتروا بایاتی ثمنًا قليلاً“۔ واما السنة فکقولہ علیہ السلام ”اقرؤا القرآن ولا تأکلوا بہ“ الحدیث۔ اس روایت کو مسند جرمنے: ۲۸۸/۲۳ پر اور ۲۹۵ پر، جبکہ ابن ابی شیبہ نے: ۴۰۰/۲، ۴۰۱، اور طبرانی نے اوسط: ۲۵۹۵، میں نقل کیا ہے۔ جبکہ ۱۷۱، میں فرماتا ہے: ولولا الدرہم التی تدفع لہ بمقابلة ذلك، لم یتعب نفسه فی ذلك، ولم یسهر لہ جفنا، و لترك ذلك بالکلیة، و اتخذ حرفة غیرہ، یتعیش منها فاذن لاجر لہ سوی مانواہ، کما نطق بہ الحدیث الصحیح، کما قدمناہ، و اذا کان لا ثواب لہ فی قرائتہ و ذکرہ، فای

شیء یرہدیہ الی روح الذین لم یدفعوا الیہ مال الا فی مقابله ثواب هذه القراءة والذکر، ولو علموا انه لا ثواب له ولا لهم لم یدفعوا له فلسا واحدا، واذالم تحصل لهم تلك المنفعة او بطلت الاجارة والوصیة فباى وجه تحصل القربة، ویاخذ المدفوع الیہ ذلك فی مذهب من المذاهب. اور اسی طرح: ۱۷۳، میں بعض قراء کا عیوب ذکر کرتے ہیں: وکثیرا ما یدلس بعض فسقة القراءة فیسقط من بعض الاجزاء شیئا سرا، وربما سرقوا الخبز والطعام، زیادة علی ما یتناولونه من الحطام الحرام، ثم یرہون ما تحصل منهم فی تلك الاوقات الی روح من كان سببا فی اجتماعهم علی تلك المنکرات، و العجزاء من جنس العمل، فانظر ما قبح هذا الخلل، ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم۔ مزید تفصیل کے لئے اس کتاب کا صفحہ: ۱۲۵، ۱۲۹، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۱، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۹۰۔ دیکھئے۔

اور تقی الدین برکوی، نے اس مسئلہ کے متعلق ایک رسالہ لکھی ہے: جو کہ ”انقاذ الہالکین“ کی نام سے مشہور ہے اس کی اول میں لکھتا ہے: فہذہ رسالۃ معمولۃ لا بطل ما شاع فی البلاد واشتہر فی ما بین العباد و العباد من اتخاذ القرآن العظیم، و الفرقان الکریم ”تنزیل من رب العلمین، لا یمسہ الا المطہرون“ مکسبا بجمع الدنیا، و سببلا یشتر و بایات اللہ ثمنا قليلا، یرتدون الذی هو ادنی بالذی هو خیر، فہم کحاطب اللیل لا یفرقون بین نفع و ضرر۔ فویل لهم مما یقرؤن و ویل لهم مما یمسسون، فنعوذ باللہ ثم نعوذ به ان یتلینا و یا کم به و بامثاله الخ۔ یہ رسالہ کتاب شرح شریعت الاسلام کی حاشیہ: ۱۰۶، پر موجود ہے۔ اردو میں ہم مذکورہ عبارات کا خلاصہ معارف القرآن: ۲۰۸/۱، سے نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: علامہ شامی نے: درمختار کی شرح میں اور اپنے رسالہ شفاء العلیل میں بڑی تفصیل اور قوی دلائل کے ساتھ یہ بات واضح کر دی ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ پر اجرت لینے کو جن متاخرین فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، اس کی علت ایک ایسی دینی ضرورت ہے جس میں خلل آنے سے دین کا پورا نظام مختل ہو جاتا ہے، اس لئے اس کو ایک ایسی ہی ضرورت کے مواقع میں محدود رکھنا ضروری ہے، اس لئے مردوں کو ایصال ثواب کے لئے ختم قرآن کرنا یا کوئی دوسرا وظیفہ پڑھوانا اجرت کے ساتھ حرام ہے، کیونکہ اس پر کسی عام دینی ضرورت کا مدعا نہیں، اور اجرت لیکر پڑھنا حرام ہوا، تو اس طرح پڑھنے والا اور پڑھوانے والا دونوں گنہگار ہوئے

اور جب پڑھنے والے ہی کو کوئی ثواب نہ ملا تو میت کو وہ کیا پہنچائے گا۔ علامہ شامی نے اس بات پر فقہاء کی بہت سی تصریحات، تاج الشریعہ، یعنی شرح ہدایہ، حاشیہ خیر الدین بر بحر الرائق، وغیرہ سے نقل کی ہیں، اور خیر الدین رطلی کا یہ قول بھی نقل کیا ہے، کہ ایصال ثواب کے لئے قبر پر قرآن پڑھوانا یا اجرت دے کر ختم قرآن کرانا صحابہ و تابعین اور اسلاف امت سے کہیں منقول نہیں، اس لئے بدعت ہے (شامی ۱/۱۴۷) اور اسی طرح صلوٰۃ تراویح میں ختم قرآن پر اجرت لینا بھی جائز نہیں ہے، محمد بن نصر المروزی نے ”قیام اللیل“ ۱۷۷ (مختصر) میں ایک عنوان لکھا ہے کہ: باب اخذ الاجر علی الامامة فی رمضان، اس میں ابن معتقل کا واقعہ نقل کیا ہے، کہ صلی بہم، فی رمضان، فلما کان یوم الفطر ارسل الیہ عبید اللہ بن زیاد بخمس مائة درہم، وحلة، فردھا وقال، انالناخذ علی کتاب اللہ اجرا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ ابن مقرن سے بھی نقل کیا ہے۔ پھر آگے لکھتا ہے: وسئل احمد عن امام قال لقوم اصلی بکم رمضان بكذا وكذا درهما، قال اسئل اللہ العافیة من یرسلی خلف هذا۔ اور السنن والبتدعات: ۱۶۱، میں بھی یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔

یہاں پر ابو حازم کا واقعہ امام قرطبی نے وضاحت مسئلہ کے لئے نقل کیا ہے، ہم بھی اختصار سے اس کو نقل کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ سلیمان بن عبد الملک مدینہ طیبہ پہنچے، اور چند روز قیام کیا، تو لوگوں سے دریافت کیا کہ مدینہ طیبہ میں اب کوئی ایسا آدمی موجود ہے جس نے کسی صحابی کی صحبت پائی ہو؟ لوگوں نے بتلایا ہاں ابو حازم ایسے شخص ہیں، سلیمان نے اپنا آدمی بھیج کر ان کو بلوایا، جب وہ تشریف لائے تو سلیمان نے کہا کہ اے ابو حازم یہ کیا بے مروتی اور بیوفائی ہے؟ ابو حازم نے کہا آپ نے میری کیا بے مروتی اور بے وفائی دیکھی ہے؟ سلیمان نے کہا کہ مدینہ کے سب سے مشہور لوگ مجھ سے ملنے آئے، آپ نہیں آئے، ابو حازم نے کہا، امیر المؤمنین میں آپ کو اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، اس سے کہ آپ کوئی ایسی بات کہیں، جو واقعہ کے خلاف ہے، آج سے پہلے نہ آپ مجھ سے واقف تھے، اور نہ میں نے کبھی آپ کو دیکھا تھا، ایسے حالت میں خود ملاقات کے لئے آنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بیوفائی کیسی؟

سلیمان نے جواب سنکر ابن شہاب زہری اور حاضرین مجلس کی طرف التفات کیا، تو امام زہری نے فرمایا کہ ابو حازم نے صحیح فرمایا، آپ نے غلطی کی۔ اس کے بعد سلیمان نے روئے سخن بدل کر کچھ سوالات شروع کئے اور کہا اے ابو حازم، یہ کیا بات ہے کہ ہم موت سے گھبراتے ہیں؟ آپ نے فرمایا وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی آخرت کو ویران اور دنیا کو آباد کیا ہے، اس لئے ابادی سے ویرانہ میں جانا پسند نہیں۔ سلیمان نے تسلیم کیا، اور پوچھا کہ کل اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری کیسے ہوگی؟ فرمایا کہ نیک عمل کرنے والا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اسی طرح جایگا جیسا کوئی مسافر سفر سے

واپس اپنے گھر والوں کے پاس جاتا ہے، اور برے عمل کرنے والا اس طرح پیش ہوگا جیسا کوئی بھاگا ہوا غلام پکڑ کر آقا کے پاس حاضر کیا جائے۔ سلیمان یہ سنکر رو پڑے، اور کہنے لگے، کاش ہمیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے کیا صورت تجویز کر رکھی ہے، ابو حازم نے فرمایا کہ اپنے اعمال کو اللہ کے کتاب پر پیش کرو تو پتہ لگ جائے گا، سلیمان نے دریافت کیا کہ قرآن کی کس آیت سے یہ پتہ لگے گا؟ فرمایا اس آیت سے: ”ان الابرار لفسی نعیم ☆ وان الفجار لفسی جحیم“ (انفطار: ۱۳، ۱۴)، یعنی بلاشبہ نیک عمل کرنے والے جنت کی نعمتوں میں ہیں، اور نافرمان، گناہ شعار، دوزخ میں۔ سلیمان نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو بڑی ہے، وہ بدکاروں پر بھی حاوی ہے، فرمایا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ”مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ“ (اعراف: ۵۶)۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک عمل کرنے والوں سے قریب ہے۔ سلیمان نے پوچھا، اے ابو حازم، اللہ کے بندوں میں سب سے زیادہ عزت والا کون ہے؟ فرمایا وہ لوگ جو مروت اور عقل سلیم رکھنے والے ہیں۔ پھر پوچھا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ تو فرمایا کہ فرائض و واجبات کی ادائیگی، حرام چیزوں سے بچنے کے ساتھ، پھر دریافت کیا، کہ کونسی دعا زیادہ قابل قبول ہے؟ تو فرمایا کہ جس شخص پر احسان کیا گیا ہو، اس کی دعا اپنی محسن کے لئے اقرب الی القبول ہے۔ پھر دریافت کیا کہ صدقہ کونسا افضل ہے؟ تو فرمایا کہ مصیبت زدہ سائل کے لئے باوجود اپنے افلاس کے جو کچھ ہو سکے، اس طرح خرچ کرنا کہ نہ اس سے پہلے احسان جتائے اور نہ ٹال مٹول کر کے ایذا پہنچائے، پھر دریافت کیا کہ کلام کونسا افضل ہے؟ تو فرمایا کہ جس شخص سے تم کو خوف ہو، یا جس سے تمہاری کوئی حاجت ہو، امید وابستہ ہو، اس کے سامنے بغیر کسی رد و رعایت کے حق بات کہہ دینا، پھر دریافت کیا کہ کونسا مسلمان سب زیادہ ہوشیار ہے؟ فرمایا وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے اطاعت کے تحت کام کیا ہو، اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دی ہو۔ پھر پوچھا کہ مسلمانوں میں کون شخص احمق ہے؟ فرمایا وہ آدمی جو اپنے کسی بھائی کی اس کے ظلم میں مدد کرے۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اس نے دوسری کی دنیا درست کرنے لئے اپنا دین بیچ دیا۔ سلیمان نے کہا کہ صحیح فرمایا، اس کے بعد سلیمان نے اور واضح الفاظ میں دریافت کیا، کہ ہمارے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ ابو حازم نے فرمایا کہ مجھے اس سوال سے معاف رکھیں تو بہتر ہے۔ سلیمان نے کہا کہ نہیں، آپ ضرور کوئی نصیحت کا کلمہ کہیں، ابو حازم نے فرمایا، اے امیر المؤمنین، تمہارے ابا و اجداد نے بزور شمشیر لوگوں پر تسلط کیا۔ اور زبردستی ان کی مرضی کے خلاف ان پر حکومت قائم کی، اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا، اور یہ سب کچھ کرنے کے بعد وہ اس دنیا سے رخصت ہو گئے، کاش، آپ کو معلوم ہوتا کہ آپ کو مرنے کے

بعد کیا کہتے ہیں، اور ان کو کیا کہا جاتا ہے؟ حاشیہ نشینوں میں سے ایک شخص نے بادشاہ کے مزاج کے خلاف ابو حازم کی اس صاف گوئی کو سن کر کہا کہ ابو حازم تم نے یہ بہت بری بات کہی ہے، ابو حازم نے فرمایا: کہ تم غلط کہتے ہو بری بات نہیں کہی، بلکہ وہ بات کہی جس کا ہم کو حکم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے علماء سے اس کا عہد لیا ہے، کہ حق بات لوگوں کو بتلائیں گے۔ چھپائیں گے نہیں۔ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ (ال عمران: ۱۸۷) یہی وہ بات ہے جس کے لئے یہ طویل حکایت، امام قرطبی نے ایت مذکورہ کی تفسیر میں درج فرمائی، سلیمان نے پھر سوال کیا، کہ اچھا اب ہمارے درست ہونے کا کیا طریقہ ہے؟ فرمایا کہ تکبر چھوڑو۔ مروت اختیار کرو، اور حقوق والوں کو ان کے حقوق انصاف کے ساتھ تقسیم کرو۔ سلیمان نے کہا کہ ابو حازم کیا ہو سکتا ہے کہ آپ ہمارے ساتھ رہیں، فرمایا: اللہ کی پناہ، سلیمان نے پوچھا یہ کیوں؟ فرمایا: کہ اس لئے کہ مجھے خطرہ یہ ہے کہ میں تمہارے مال و دولت و جاہ کی طرف کچھ مائل ہو جاؤں، جس کے نتیجے میں مجھے عذاب بھگتنا پڑے۔ پھر سلیمان نے کہا کہ اچھا آپ کی کوئی حاجت ہو تو بتلائیے، کہ ہم اس کو پورا کریں، فرمایا ہاں ایک حاجت ہے، کہ جہنم سے نجات دلادو اور جنت میں داخل کرادو، سلیمان نے کہا کہ یہ تو میرے اختیار میں نہیں، فرمایا کہ پھر مجھے آپ سے اور کوئی حاجت مطلوب نہیں، آخر میں سلیمان نے کہا کہ اچھا میری لئے دعا کیجئے، تو ابو حازم نے یہ دعا کی، یا اللہ اگر سلیمان آپ کا پسندیدہ ہے، تو اس کے لئے دنیا و آخرت کی بہتری کو آسان بنا دے، اور اگر وہ آپ کا دشمن ہے، تو اس کی بال پکڑ کر اپنی مرضی اور محبوب کاموں کی طرف لے آ۔ اور اس مقام سے غیر حاضر نہ پائے جس کی طرف آنے کا آپ نے حکم دیا ہے، سلیمان نے اس مجلس سے فارغ ہونے کے بعد سو ۱۰۰ گنیاں بطور ہدیہ کے ابو حازم کے پاس بھیجیں، ابو حازم نے ایک خط کے ساتھ ان کو واپس کر دیا۔ خط میں لکھا تھا کہ اگر یہ سودینار میرے کلمات کا معاوضہ ہیں، تو میرے نزدیک خون اور خنزیر کا گوشت اس سے بہتر ہے، اور اگر اس نے بھیجا ہے کہ بیت المال میں میرا حق ہے۔ تو مجھ جیسے ہزار علماء اور دین کے خدمت کرنے والے ہیں، اگر سب کو آپ نے اتنا ہی دیا ہے، تو میں بھی لے سکتا ہوں، ورنہ مجھے اس کی ضرورت نہیں، ابو حازم کی اس ارشاد سے کہ اپنے کلمات نصیحت کا معاوضہ لینے کو خون اور خنزیر کی طرح قرار دیا ہے، اس مسئلہ پر بھی روشنی پڑھتی ہے کہ کسی طاعت و عبادت کا معاوضہ لینا، ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ یہ واقعہ: سنن دارمی نے: ۴۶۶/۳، اور حلیۃ الاولیاء: ۲۳۴/۳، اور ابن منظور نے: ۲، ۶، ۷، ۱۰، تہذیب میں نقل کیا ہے۔ ابن عساکر نے: تاریخ دمشق: ۳۳/۲۲، میں نقل کیا ہے۔

وَإِيَّايَ فَاتَّقُونِ ﴿١١٠﴾ وَلَا تَلْبَسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

اور مجھ ہی سے خوف رکھو۔ اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ

وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١١﴾ وَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ۔ اور نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو

وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿١١٢﴾ آمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ

اور (اللہ تعالیٰ کے آگے) بھگنے والوں کیساتھ جھکا کرو، یہ کیا (عقل کی بات ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کرنے کو کہتے ہو اور اپنے آپ کو فراموش کئے دیتے ہو

وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١١٣﴾ اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ

حالانکہ تم (اللہ تعالیٰ کی) کتاب بھی پڑھتے ہو کیا تم نہیں سمجھتے۔ اور (رنج و تکلیف میں) صبر اور نماز سے مدد لیا کرو

وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿١١٤﴾ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا رَبِّهِمْ

اور بیشک نماز گراں ہے مگر ان لوگوں پر (گراں نہیں) جو عجز و انکساری کرنے والے ہیں۔ جو یقین کئے ہوئے ہیں کہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں

وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١١٥﴾ إِنِّي إِسْرَائِيلُ إِذْ كُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ

اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اے یعقوب کی اولاد! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے

عَلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ فَضَلْتُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿١١٦﴾ اتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ

اور یہ کہ میں نے تمہیں تمام جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی کسی کے کچھ کام نہ

عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ

آئے گا اور نہ کسی کی سفارش منظور کی جائے اور نہ کسی سے کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے اور نہ لوگ (کسی اور طرح)

يُنصَرُونَ ﴿١١٧﴾ وَإِذْ نَجَّيْنَاهُ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ

مدد حاصل کر سکیں۔ اور (ہمارے ان احسانات کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعون سے نجات دی، وہ (لوگ) تمہیں بڑا دکھ

يُدَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ

دیتے تھے تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے

عَظِيمٌ ﴿١٢٤﴾ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمْ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنَاكُمْ وَاَغْرَقْنَا الْفِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ

بڑی (سخت) آزمائش تھی۔ اور جب ہم نے تمہارے لئے دریا کو بچھا ڈیا تو تمہیں نجات دی اور فرعون کی قوم کو غرق کر دیا

تَنْظُرُونَ ﴿١٢٥﴾ اِذْ وَاَعَدْنَا مُوسَىٰ اَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ

اور تم دیکھ رہے تھے۔ اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ کیا تو تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو (معبود) مقرر کر لیا

بَعْدِهِ وَاَنْتُمْ ظَلِمُونَ ﴿١٢٦﴾ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ

اور تم ظلم کر رہے تھے۔ پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معاف کر دیا تاکہ تم شکر کرو

تَشْكُرُونَ ﴿١٢٧﴾ اِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ

اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور معجزے عنایت کئے تاکہ تم ہدایت حاصل کرو۔

﴿١٢٨﴾ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَاقَوْمِ لَقَوْمِ اِنَّمَا اَنْتُمْ اَنْفُسُكُمْ بِاِتِّخَاذِكُمْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بھائیو! تم نے بچھڑے کو (معبود) ٹھہرانے میں (بڑا) ظلم کیا ہے

الْعِجْلَ فَتُوبُوا اِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ

تو اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالو۔ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے حق میں یہی بہتر ہے

بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٢٩﴾ اِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ

، پھر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور بیشک وہ معاف کرنے والا (اور) صاحبِ رحم ہے۔ اور جب تم نے (موسیٰ سے) کہا

لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى الْاِلٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذْتُمُ الصَّاعِقَةَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ

کہ اے موسیٰ! جب تک ہم اللہ تعالیٰ کو سامنے نہ دیکھ لیں گے تم پر یقین نہ کریں گے تو تم کو بجلی نے آگھیرا اور تم دیکھ رہے تھے

﴿لَقَدْ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ﴿٤٧﴾ ﴿وَلَقَدْ لَنَّا عَلَيْكُمْ

پھر موت آجانے کے بعد ہم نے تمہیں از سر نو زندہ کر دیا تاکہ احسان مانو۔ اور تم پر بادل کا سایہ کئے رکھا

الْغَمَامَ وَانزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰ وَالسَّلْوٰی ۚ كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا

اور (تمہارے لئے) من و سلوی اتارتے رہے کہ جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں ان کو کھاؤ (پو)

ظَلَمُونَا وَلٰكِن كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ ﴿٤٨﴾ ﴿لَقَدْ قُلْنَا اَدْخُلُوا هٰذِهِ

مگر تمہارے بزرگوں نے ان نعمتوں کی کچھ قدر نہ جانی اور وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑتے تھے بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے اور جب ہم نے (ان سے) کہا

الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُولُوا

کہ اس گاؤں میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ (پو) اور (دیکھو) دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا

حِطَّةً نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ وَّسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ﴿٤٩﴾ ﴿لَقَدْ بَدَّلَ الَّذِيْنَ

اور حطّہ (یعنی توبہ) کہنا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے تو جو ظالم تھے انہوں

ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلٰی الَّذِيْنَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنْ

نے اس لفظ کو، جس کا انہیں حکم دیا گیا تھا بدل کر اس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا پس ہم نے ان ظالموں پر آسمان سے عذاب نازل کیا

السَّمٰوٰتِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُوْنَ﴾ ﴿٥٠﴾ ﴿لَقَدْ اَسْتَسْقٰی مُوسٰی لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا

انکے فسق و نافرمانی کی وجہ سے۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے (اللہ سے) پانی مانگا تو ہم نے کہا

اَضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَاَنْفَجَرَتْ مِنْهُ اِثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ

کہ اپنی لٹھی پتھر پر مارو (انہوں نے لٹھی ماری) تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور تمام لوگوں نے اپنا اپنا

اُنٰسٍ مَّشْرَبَهُمْ كُلُّوا وَاَشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْتَوُوا فِی الْاَرْضِ

گھاٹ معلوم کر (کے پانی پی) لیا (ہم نے حکم دیا کہ) اللہ کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی کھاؤ اور پیو مگر زمین میں

مُفْسِدِينَ ﴿٤٠﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نَّبْرِيَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا

فساد نہ کرتے پھرنا۔ اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ! ہم سے ایک (ہی) کھانے پر صبر نہیں ہو سکتا تو اپنے رب سے دعا

رَبِّكَ يُخْرِجُ لَنَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا

کیجئے کہ ترکاری اور گھڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز (وغیرہ) جو نباتات زمین سے اُگتی ہیں ہمارے لئے پیدا کر دے

وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ اهْبُطُوا مِصْرًا

انہوں نے کہا کہ بھلا عمدہ چیزیں چھوڑ کر ان کے عوض ناقص چیزیں کیوں چاہتے ہو؟ (اگر یہی چیزیں مطلوب ہیں) تو کسی شہر میں جا اترو

فَإِنَّ لَكُمْ مِمَّا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلِيلَةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءَؤُا وَابْغَضَ

وہاں جو مانگتے ہو مل جائے گا، اور (آخر کار) ذلت (اور رسوائی) اور محتاجی (و بے نوائی) ان سے چٹھادی گئی اور وہ اللہ کے

مِّنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ

غضب میں گرفتار ہوئے یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور (اس کے) نبیوں کو ناحق قتل کر دیتے تھے

الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿٤١﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ

یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے۔ جو لوگ مسلمان ہیں

هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَن آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ

یا یہودی یا عیسائی یا ستارہ پرست (یعنی کوئی شخص کسی قوم و مذہب کا ہو) جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائے گا اور

صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

نیک عمل کرے گا تو ایسے لوگوں کو ان کے (اعمال کا) صلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا اور (قیامت کے دن) نہ ان کو کس طرح کا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا

خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ اور جب ہم نے تم سے عہد (کر) لیا اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا)

مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۳۳﴾

کہ جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے اس کو زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں (لکھا) ہے اسے یاد رکھو تاکہ (عذاب سے) محفوظ رہو

تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ

تم اس کے بعد (عہد سے) پھر گئے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم

الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اَعْتَدُوا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا

خسارے میں پڑ گئے ہوتے۔ اور تم ان لوگوں کو خوب جانتے ہو جو تم میں سے ہفتے کے دن (مچھلی کا شکار کرنے) میں حد سے تجاوز کر گئے تھے

لَهُمْ كُنُوزًا قَرَدَةً حٰسِيْنٍ ﴿۳۵﴾ لِيَجْعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا

تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل و خوار بند رہ جاؤ۔ اور اس قصے کو اس وقت کے لوگوں کے لئے اور جو ان کے بعد آنے والے تھے

خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۶﴾ وَاذْذٰ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ اِنَّ اللّٰهَ يٰمُرُكُمْ

عبرت اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت بنادیا۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے

اَنْ تَذْبَحُوْا بَقْرَةً قَالُوْا اَتَّخِذْنَٰ هٰزُوًا قَالِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ

کہ ایک گائے ذبح کرو۔ وہ بولے کہ کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو؟ (موسیٰ نے) کہا کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں [۳۴]

[۳۴] اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا مگر وہ خبث باطن کی وجہ سے اس حکم

کو مذاق سمجھنے لگے، اور اس معاملہ کو چالیس سال تک ٹالتے رہے، مفسرین نے لکھا ہے کہ، گائے ذبح کرنے کا حکم

اس لئے دیا گیا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص کو اس کے عمزادوں نے اس کی دولت حاصل کرنے کے لئے

رات کی تاریکی میں قتل کر دیا، صبح ہوئی تو شور و غل مچا کر دیا، اور معاملہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے پیش کیا۔ انہوں

نے اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کر کے انہیں گائے ذبح کر کے اس کا کوئی حصہ مقتول کے جسم پر لگانے کا حکم

دیا، تاکہ وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ بتادے، (ان روایات کے متعلق ابن کثیر لکھتے ہیں:

الظاہر انہا ماخوذة من کتب بنی اسرائیل، وهی مما یجوز نقلها ولكن لانصدق ولانکذب، فلہذا لا یعمد علیہا الا ما وافق الحق عندنا. واللہ اعلم. اس واقعہ کا پہلا حصہ بحر میں (واذ قتلتم نفسا فادار اتم فیہا) میں مذکور ہے۔ اور ”واذ قال موسیٰ لقومہ“ میں واقعہ کا آخری حصہ مذکور ہے۔ واقعہ کی ترتیب کو اس لئے بدلا گیا، تاکہ ایک ہی واقعہ سے متعلق ان کی دو خباثوں کی واضح طور پر نشاندہی کی جاسکے۔ اول گائے ذبح کرنے کے سلسلے میں پس و پیش اور ٹال مٹول۔ دوم بے گناہوں پر قتل کا الزام، اگر واقعہ کو اصل ترتیب سے ذکر کیا جاتا، تو اس سے یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا، اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے، لیکن شیخ حسین علی رحمہ اللہ نے فرمایا: کہ یہ دو مستقل واقعے ہیں، جیسا کہ گذشتہ واقعات کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ”واذ“ سے جتنے واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ سب مستقل واقعات ہیں، نیز بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ گائے ذبح کرنے کے حکم اور گائے حاصل کر کے ذبح کرنے کے درمیان چالیس سال کا طویل وقفہ تھا: مدارک: ۱/۴۴، کبیر: ۱/۵۶۳، انش کا اتنا عرصہ بے گور و کفن پڑا رہنا اور پھر متعفن نہ ہونا یہ امور بھی عقل و قیاس سے بعید ہیں، اس سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ یہ ایک واقعہ نہیں بلکہ دو مستقل واقعے ہیں، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ پہلے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہو طویل پس و پیش اور جستجو کے بعد جب وہ مطلوبہ گائے حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے ہوں تو قتل کا واقعہ پیش آ گیا ہو، اور انہیں اس گائے کا گوشت متناول کے بدن سے لگانے کا حکم دیا گیا ہو۔ تاکہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نشانہ ہی کرے۔

وقیل انہ یجوز ان یکون ترتیب نزولہا علی موسیٰ علیہ السلام علی حسب تلاوتہا بان یا مرہم اللہ تعالیٰ بذبح البقرۃ ثم یقع القتل فیؤمر و ابضرب بعضہا (روح المعانی: ۲۸۵/۱: وقرطبی: ۱/۴۴۵) لیکن ایک سوال باقی رہ جائے گا کہ اس صورت میں گائے ذبح کرنے کے حکم کی وجہ کیا ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک واقعہ ہونے کی صورت میں جس چیز کو مفسرین کرام نے ذبح کے لئے گائے ہی کو منتخب کرنے کی حکمت کہا ہے، اس صورت میں وہی ذبح بقرہ کی علت ہوگی، مصریوں کے ساتھ صدیوں رہنے کی وجہ سے اسرائیلی بھی گوسالہ پرستی کے شرک میں مبتلا ہو چکے تھے۔ وہ گائے کی پوجا کرتے اور اس کی تعظیم بجالاتے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے باوجود انہیں گوسالہ پرستی سے قدرے انس باقی تھی، اگرچہ عملی طور پر وہ گائے کی پوجا نہیں کرتے تھے، لیکن گوسالہ پرستی سے وہ پورے طور پر متنفر بھی نہیں ہوئے تھے، جبھی تو سامری کے

گو سالہ کو دیکھتے ہی اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے، اس لئے ان کے سابق معبود کو ان کی نظروں میں ذلیل کرنے اور انہیں اس کی عبادت سے کلی طور پر متنفر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا، تاکہ توحید کی جڑیں ان کے دلوں کی گہرائیوں میں پھیل کر خوب مضبوط ہو سکیں۔ وانما امر (واللہ اعلم) بذبح البقرة دون غيرها، لانها من جنس ما عبدوه من العجل، ليهون عندهم ما كانوا يرونه من تعظيمه. وليعلم باجابتهم زوال ما كان في نفوذهم من عبادته. ماوردى، قرطبي۔ وانما اختص البقر من سائر الحيوانات لانهم كانوا يعظمون البقر ويعبدونها من دون الله فاخترتوا بذلك، النخ. (بحر).

بنی اسرائیل سمجھے، کہ گائے تو ایک مقدس اور معظم جانور ہے، بھلا اللہ تعالیٰ اسے ذبح کرنے کا حکم کس طرح دے سکتا ہے؟ یا انہوں نے ذبح بقرہ کے ذریعے قاتل کے پتہ لگانے کو بعید از عقل سمجھا، اس لئے کہا ہونہ ہو، موسیٰ علیہ السلام ہم سے ہنسی مذاق کر رہے ہیں۔ ”قال اعوذ بالله ان اكون الجاهلين“۔ کیونکہ احکام الہی کی تبلیغ میں تمسخر کرنا، جابلوں اور بے وقوفوں کا کام ہے، اور انبیاء علیہم السلام کو یہ چیز زیب نہیں دیتی، لان الهزاء في اثناء تبليغ امر الله سبحانه، جهل وسفه، ابو السعود۔

”بین لنا ماھی“ سے اسرائیلیوں کے تعنت اور حکم الہی کے امتثال میں لیت و لعل کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، یہاں ،، ماھی ،، کے ذریعے گائے کی حقیقت مختصہ سے سوال نہیں، بلکہ یہ سوال محض ایضاح حال کے لئے ہے ،، لا فاض ولا بکر ،، یعنی نہ بوڑھی ہو اور نہ بچی ”الفاض“ اسم للمسننة التي انقطعت ولادتها من الكبر ”والبکر“ اسم للصغيرة التي لم تلد من الصغر : (روح).

”عوان بین ذالک“ یہ ما قبل کی تاکید ہے ”عوان“ اسے کہتے ہیں، جو مذکورہ دونوں عمروں کے درمیان ہو، وسط بین السنین (معالم) ای لاهی صغيرة ولاهی مسنة (قرطبی).

”فافعلوا ما تؤمرون“ یعنی حکم کی تعمیل کرو اور زیادہ سوال و جواب نہ کرو، ای من ذبح البقرة ولا تکرروا السؤال ولا تعنتوا (روح)۔ تجدید للامر و تاکید و تنبیہ علی ترک التعنت فیما ترکوه (قرطبی). جب عمر کے متعلق اطمینان ہو گیا، تو اب رنگ کے متعلق سوال کر دیا ”صفراء فاقع لونها“ ”فاقع“ کے معنی تیز، زرد، رنگ والے کے ہیں، شدید الصفرة تکا من صفرتها بیض۔ ابن کثیر۔

”تسر الناظرین“: یعنی اس کا تیز اور گہرا زرد رنگ بد نما نہ ہو بلکہ ایسا خوشنما ہو کہ دیکھنے والے اسے دیکھ کر راحت اور سرور محسوس کریں۔

”ان البقر تشابہہ علینا“ یہ اسرائیلیوں کی سرکشی اور ان کے حبث باطن کی انتہا ہے، کہ حکم الہی کی تعمیل میں کیسی چالاکی سے پس و پیش کر رہے ہیں۔ ان البقرة تشابہہ علینا، یعنی مذکورہ بالا اوصاف تو بہت سی گائیوں میں پائے جاتے ہیں، ان سے گائے کی تعین نہیں ہوتی، اس لئے مزید وضاحت فرمائی جائے۔

”وانا انشاء اللہ لمہتدون“ بار بار سوال کی وجہ سے گائے کے حصول میں دشواری بڑھ رہی تھی، اس لئے اب انہوں نے اپنی غلطی محسوس کی، اور اس پر نادم ہوئے، اور آخری سوال میں اپنی کامیابی کو مشیت الہی سے متعلق کیا، گویا وہ یہ کہنا چاہتے ہیں، کہ ہم مطلوبہ گائے حاصل کر کے ہی دم لیں گے۔ حدیث میں ہے کہ اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے تھے (قرطبی)۔

”لاذلول“ یعنی اس سے محنت کا کام نہ لیا جاتا ہو۔ ”تثیر الارض ولا تسقی الحرث“ یہ ما قبل کی تفسیر ہے، ”مسلمة“ بے عیب ہو، برینة من العیوب (معالم:).

”لاشیہ فیہا“ وہ یک رنگ ہو اور اس میں کسی دوسرے رنگ کا داغ دھبہ نہ ہو۔ ای لیس فیہالون یخالف معظم لونہاھی صفراء کلہا لابیاض فیہا ولا حمرة ولا سواد (قرطبی)۔

”جئت بالحق“ یہاں حق بمعنی حقیقت ہے یعنی اب تم نے مطلوبہ گائے کی ٹھیک ٹھیک حقیقت بیان کی ہے۔ ای اظہرت حقیقة ما امرنا بہ فالحق ہنا بمعنی الحقیقة (روح المعانی)۔

”فذبحوہا وما کادوا یفعلون“ یعنی ان کی طبیعت گائے کی ذبح کرنے پر آمادہ نہیں ہوتی تھی، اس لئے بار بار سوال کرتے تھے۔ ذبح تو کیا مگر بڑی مشکل سے بنی اسرائیل کو کوئی سی گائے ذبح کرنے کا حکم ملا تھا، مگر انہوں نے ازراہ تحت اس میں مویشا گفایاں شروع کر دیں، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مذکورہ بالا اوصاف کی گائے کے لئے ایک طرف تو انہیں بہت زیادہ قیمت ادا کرنا پڑی، اور دوسرا عرصہ دراز تک اس کی تلاش میں مارے مارے پھرے۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں، کہ اگر وہ کوئی سی گائے لے کر ذبح کر ڈالتے تو ان کا کام بن جاتا، لہذا ذبحوا ای بقرة ارادوا، لاجزأتہم، ولکن شددوا علی انفسہم فشدد اللہ علیہم (روح المعانی)۔

۱۸۷ ﴿قَالَ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا

انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے التجا کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہے؟ (موسیٰ نے) کہا کہ اللہ فرماتا ہے کہ

بَقْرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بَكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ فافعلوا ما تؤمرون

وہ گائے ہے نہ تو بوڑھی اور نہ بن بیاہی بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہے پس جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو

۱۸۸ ﴿قَالَ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ

انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ ہمیں یہ بھی بتادے کہ اس کا رنگ کیسا ہے؟ (موسیٰ نے) کہا کہ اللہ فرماتا ہے

صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْهَا تَسُرُّ النَّظْرِينَ ﴿۱۸۹﴾ ﴿قَالَ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا

کہ وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے، کہ دیکھنے والوں کو خوش کر دیتا ہو۔ انہوں نے کہا کہ اپنے رب سے پھر درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں

مَا هِيَ إِنْ الْبَقَرُ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِنْ شَاءَ

اس کی مزید ماہیت بتا دے؟ کیونکہ اس گائے میں شبہ پڑا ہے ہم کو، (اگر) اللہ نے چاہا تو

اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿۱۹۰﴾ ﴿قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا

ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی، کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے محنت کرنے والی نہیں۔ نہ تو زمین جوتی ہے

تَسْقِي الْحَرِّ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا قَالُوا أَلَيْسَ جِئْت بِالْحَقِّ

اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہے۔ اس میں کسی طرح کا داغ نہیں ہو۔ کہنے لگے کہ اب تم نے سب باتیں درست بتادیں،

فَذَبْحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۹۱﴾ ﴿إِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَّارَأْتُمْ فِيهَا وَاللَّهُ

انہوں نے اس گائے کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے تھے ہی نہیں۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو اس میں باہم جھگڑنے لگے

مُخْرَجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۱۹۲﴾ ﴿فَلَمَّا أَضْرَبُوهُ بِبَعْضِهَا كَذَلِكَ يُحْي

لیکن جو بات تم چھپا رہے تھے اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ تو ہم نے کہا کہ اس کا کوئی سا ٹکڑا اس کو مارو۔ اس طرح

اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۵﴾

اللہ تعالیٰ مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمہیں اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو [۲۵]۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنْ

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھر تو بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں سے چشمے پھوٹ

الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَّا يَشَقُّ فَيُخْرَجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَّا

ٹپکتے ہیں اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی نکلے لگتا ہے اور بعض ایسے ہوتے ہیں

يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۶﴾

کہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ کیا تم امید رکھتے ہو کہ

يُؤْمِنُوا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِنْ

یہ لوگ تمہارے (دین کے) قائل ہو جائیں گے؟ (حالانکہ) ان میں سے کچھ لوگ کلامِ الہی کو سنتے پھر

[۲۵]۔ پہلی تفسیر کے مطابق یہ مذکورہ واقعہ کا پہلا حصہ ہے جسے بعد میں ذکر کیا گیا ہے، اور دوسری تفسیر کے مطابق یہ مستقل

واقعہ ہے، جو پہلے واقعہ کے بعد پیش آیا ”اداراء تم“ درء سے ماخوذ ہے جسکے معنی ہٹانے اور دفع کرنے کے ہیں، اور یہ اصل میں

”تدارتتم“ تھا، ”تاء“ کو قرب مخرج کی وجہ سے دال سے تبدیل کیا گیا اور پھر اسے ساکن کر کے دوسرے دال میں ادغام

کر دیا گیا، اور ابتداء میں ہمزہ وصل کا اضافہ کیا گیا، باب تفعّل کا خاصہ مشارکت ہے، اس لئے مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے

ہر شخص قتل کا الزام دوسرے پر پھینکنے لگا ”واللہ مخرج ما کنتم تکتمون“ یعنی جس چیز کو تم مسلسل چھپانے کی کوشش کر رہے

تھے، اللہ اسے ظاہر کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا ”فقلنا اضربوه ببعضها“، ”ہ“ ضمیر نفس کی طرف راجع ہے، کیونکہ مونث معنوی

ہے۔ اس کی طرف مذکر مونث دونوں ضمیریں راجع ہو سکتی ہیں، اور ”بعضها“ کی ضمیر گائے کی طرف راجع ہے، مطلب یہ کہ

گائے کے بدن کا کوئی سا حصہ مقتول کے بدن سے لگا دو، تو وہ زندہ ہو کر قاتل کا پتہ بتا دے گا۔

بَعْدَ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۰﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا

اسے سمجھ لینے کے بعد اس کو جان بوجھ کر بدلتے رہے ہیں۔ اور یہ لوگ جب مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں

خَلَا بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ

اور جس وقت آپس میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ جو بات اللہ نے تم پر ظاہر فرمائی ہے

لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۱﴾ وَلَا

وہ تم ان کو اس لئے بتائے دیتے ہو کہ (قیامت کے دن) اسی کے حوالے سے تمہارے رب کے سامنے تمہیں الزام دیں۔ کیا تم سمجھتے نہیں

يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۴۲﴾ وَإِنَّهُمْ أُمِّيُونَ لَا

کیا یہ لوگ یہ نہیں جانتے کہ جو کچھ یہ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اللہ کو (سب) معلوم ہے اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں

يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۴۳﴾ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ

کہ اپنے خیالاتِ باطل کے سوا (اللہ کی) کتاب سے واقف ہی نہیں اور وہ صرف ظن سے کام لیتے ہیں تو ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے

يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لِيَشْتَرُوا

جو اپنے ہاتھ سے تو کتاب لکھتے ہیں اور کہتے یہ ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑی سی قیمت

بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا كَتَبَتْ أَيْدِيهِمْ

حاصل کریں، ان کے لئے ہلاکت ہے اس لئے کہ اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں

وَوَيْلٌ لَهُمْ مِمَّا يَكْسِبُونَ ﴿۴۴﴾ قَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً

اور (پھر) ان کے لئے ہلاکت ہے اس لئے کہ ایسے کام کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا

قُلْ اتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ

چھو ہی نہیں سکے گی۔ ان سے پوچھو کہ کیا تم نے اللہ تعالیٰ سے اقرار لے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرے گا

أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۰﴾ ۱۰۰ ہلی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ

(نہیں) بلکہ تم اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں مطلق علم ہی نہیں ہے۔ ہاں جو بڑے کام کرے اور اس کے گناہ

بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۱﴾ ۱۰۱ وَالَّذِينَ

اس کو گھیر لیں تو ایسے لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں (اور) وہ ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا

اور جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں وہ جنت کے مالک ہوں گے (اور) ہمیشہ اس میں رہیں گے

خَالِدُونَ ﴿۸۲﴾ ۱۰۲ إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ

اور ماں باپ اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں کیساتھ بھلائی کرتے رہنا اور لوگوں سے اچھی باتیں کہنا

حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ

اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہنا تو چند لوگوں کے سوا تم سب (اس عہد سے)

مَّعْرُضُونَ ﴿۸۳﴾ ۱۰۳ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا

منہ پھیر کر بیٹھے۔ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ آپس میں کشت و خون نہ کرنا

تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ ﴿۸۴﴾ ۱۰۴ أَنْتُمْ

اور اپنے کو اُن کے وطن سے نہ نکالنا تو تم نے اقرار کر لیا اور تم گواہ ہو۔ پھر تم وہی ہو

هَؤُلَاءِ تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظَاهَرُونَ

کہ اپنوں کو قتل کر دیتے ہو اور اپنے میں سے بعض لوگوں پر ظلم سے چڑھائی کر کے انہیں وطن سے نکال بھی دیتے ہو

عَلَيْهِمْ بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۚ وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسْرَىٰ تَفْدُوهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ

اور اگر وہ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو بدلادے کر ان کو چھڑوا بھی لیتے ہو حالانکہ ان کا نکال دینا ہی تم کو حرام تھا

عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ أَفْتُونُونَ بَعْضُ الْكُتُبِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضِ فَمَا جَزَاءُ

(یہ) کیا (بات ہے کہ) تم کتاب (الہی) کے بعض احکام کو تو مانتے ہو اور بعض سے انکار کر دیتے ہو

مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ

تو جو تم میں سے ایسی حرکت کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ دنیا کی زندگی میں تو رسوائی ہو اور قیامت کے دن

إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۸۵﴾

سخت سے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں اور جو کام تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سے غافل نہیں ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خریدی، پس نہ تو ان سے عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۸۶﴾ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ

(اور طرح کی) مدد ملے گی۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی اور ان کے پیچھے یکے بعد دیگرے

بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَىٰ ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ

پیغمبر بھیجتے رہے اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے نشانات بخشنے اور روح القدس (یعنی جبریل) سے ان کو مدد دی۔

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ

تو جب کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسی باتیں لے کر آیا جن کو تمہارا دل نہیں چاہتا تھا تو تم سرکش ہو جاتے رہے اور ایک گروہ (انبیاء) کو جھٹلاتے رہے

وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا

اور ایک گروہ کو قتل کرتے رہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے دل پردے میں ہیں (نہیں) بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے

مَا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ مَا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ

سبب ان پر لعنت کر رکھی ہے پس یہ تھوڑے ہی ایمان لاتے ہیں۔ اور جب اللہ کے ہاں سے ان کے پاس کتاب آئی

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا

جو ان کی (آسمانی) کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے۔ اور وہ پہلے (ہمیشہ) کافروں پر فتح مانگا کرتے تھے۔

جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۸۹﴾

تو جس چیز کو وہ خوب پہچانتے تھے جب ان کے پاس آپہنچی تو اُس سے کافر ہو گئے پس کافروں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے [۲۶]

[۲۶] کتاب سے مراد قرآن ہے اور تنوین اظہار عظمت کے لئے ہے، ہو القرآن، و تنکیرہ للتفخیم، ابو

السعود۔ ”مصدق لمامعہم“، مامعہم، سے مراد تورات ہے، یعنی قرآن مسئلہ توحید میں، تردید شرک میں، نبوت میں

، اور دیگر کئی احکام میں تورات کی تائید و تصدیق کرتا ہے، قرآن کی صدق کی ایک دلیل تو یہ ہوئی ”وکانوا من قبل

یستفتحون“ یہاں ”یستفتحون“ بمعنی یفتحون ہے، کیونکہ باب استفعال کی ایک خصوصیت موافقت مجرد ہے،

جیسے استفتر بمعنی فتر ہے، اور، فتح، کے معنی بتانے اور خبر دینے کے بھی آتے ہیں، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے، من قولہم فتح

علیہ، اذا علمہ ووقفہ کما فی قولہ تعالیٰ ”اتحدثونہم بما فتح اللہ علیکم“۔ روح المعانی، یعنی یہی یہودی

اس سے پہلے کفار اور مشرکین کو بتایا کرتے تھے، عرب میں جو آخری نبی پیدا ہونے والا ہے، اس کے ظہور کا وقت قریب

آپہنچا ہے۔ اور اس نبی پر اللہ کی طرف سے ایک کتاب نازل ہوگی، ای یعرفون المشرکین ان نبیایعت منہم

وقد قرب زمانہ۔ روح، بحر۔ یہ قرآن اور صاحب قرآن کی صدق پر دلیل ہے۔ جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب

آگئی اور اللہ کا وہ رسول بھی آگیا، جن کو وہ اچھی طرح جانتے اور پہچانتے تھے، تو انہوں نے محض بغض و حسد اور ضد و عناد کی

وجہ سے اور اپنے تقدس و اقتدار کی حفاظت اور حرص دنیا کی خاطر ان دونوں کا انکار کر دیا۔ بغضا و حسدا و حرصا علی

الریاسة۔ مدارک۔ کفر و اہلما، اولی، کا جواب ہے، اور لہما ثانیہ، اولی، کی تاکید ہے، یا لہما اولی، کا جواب

محذوف ہے، اور یہ لہما ثانیہ، کا جواب ہے۔ ”فلعنة اللہ علی الکافرین“ ان کافروں کے لئے کفر و انکار کی وجہ سے اللہ

کی رحمت سے دوری ہو۔ نہ دنیا میں ایمان کی توفیق نصیب ہوگی نہ آخرت میں نجات نصیب ہوگی۔ اس آیت کا ترجمہ

احمد رضا خان بریلوی نے اس طرح کیا ہے: (اور لوگوں کو شبہ میں ڈالا ہے) ”اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلہ سے

کافروں پر فتح مانگتے تھے، جبکہ حاشیہ والا (مولوی نعیم الدین) اس کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں، کہ سید الانبیاء کی بعثت اور قرآن کریم کے نزول سے پہلے یہود اپنے حاجات کے لئے حضور کے نام پاک کے وسیلہ سے دعا کرتے، اور کامیاب ہوتے تھے۔ اور اس طرح دعا کیا کرتے تھے، اللهم افتح علينا وانصرنا بالنبي الامي، يارب همين نبي، امي، کے صدقے میں فتح و نصرت عطا فرما۔ مولوی حمد اللہ جان، البصائر: ۲۱، ۳۰، میں لکھتے ہیں، یہ آیت بنو قریظہ کے متعلق نازل ہوئی، جیسا کہ سدی سے روایت ہے: کہ جب اوس و خزرج اور مشرکین کی لڑائی ہوتی، تو وہ تو رات نکال کر اس میں رسول اللہ ﷺ کا نام نکال لیتے، اور اپنے ہاتھ اس پر رکھ کر دعا کرتے کہ: اللهم اننا نسئلك بحق نبيك الذي وعدتنا ان تبعته في هذا الزمان ان تنصرنا على عدونا اليوم، تو ان کی مدد کی جاتی۔ مولوی صاحب، یہ روایت مستدرک: ۶۵۲/۲، اور، دلائل النبوة، ودرمنثور، وغیرہ نے نقل کیا ہے، روایت حاکم اس طرح ہے: کہ اخبرني الشيخ ابو بكر بن اسحاق، انبا محمد بن ايوب ثنا يوسف بن موسى، ثنا عبد الملك بن هارون بن عنترة، عن ابيه، عن جده، عن سعيد بن جبيرة عن ابن عباس قال: كانت يهود دخيبر تقاتل غطفان، فكلما التقوا هزمت يهود دخيبر، فعادت اليهود بهذا الدعاء: اللهم اننا نسئلك بحق محمد النبي الامي الذي وعدتنا، ان تخرجه لنا في اخر الزمان، الانصرنا عليهم، قال فكانوا اذا التقوا دعوا بهذا الدعاء، فهزموا غطفان، فلما بعث النبي ﷺ كفروا به، فانزل الله "وقد كانوا يستفتحون بك يا محمد على الكافرين".

امام حاکم اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے، ادت الضرورة الى اخراجه في التفسير وهو غريب من حديثه۔ اس کی سند میں، عبد الملك بن هارون ہے، اس کے متعلق، ابن حجر، لسان الميزان: ۸۶/۴، میں لکھتا ہے: متروک ہالک، اور امام ذہبی تلخیص المستدرک میں لکھتا ہے، ہالک، جبکہ امام حاکم نے خود ہی اشارہ کیا کہ یہ ضعیف ہے۔ اس روایت سے بعض مبتدعین تو سل بالذوات الفاضلہ کے لئے استدلال کرتے ہیں۔ اور نعیم الدین بریلوی اس آیت کی تفسیر کے بعد لکھتا ہے کہ: مسئلہ، اس سے معلوم ہوا کہ مقبولان کے حق کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور سے قبل جہان میں حضور کی تشریف آوری کا شہرہ تھا، اس وقت بھی حضور کے وسیلہ سے خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی، لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ یہ روایت صحیح نہیں، جبکہ مدارک، اور خازن وغیرہ لکھتے ہیں: کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ جب وہ آجائے تو ہم ان کے ساتھ ملکر تمہیں ایسا قتل و غارت کریں گے، کہ تمہارا نام و نشان مٹ جائے گا۔ مزید تفصیل کے لئے تفسیر احسن الکلام (پشتو) کو رجوع کریں۔

بَسُّمًا اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ بَغِيًّا أَنْ يُنَزِّلَ اللَّهُ

جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا وہ بہت بُری ہے یعنی اس جلن سے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے

مَنْ فَضَّلَهُ عَلَى مَنْ يُشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ فَبَاءَ وَابْغَضَ

جس پر چاہتا ہے اپنی مہربانی سے (وحی) نازل فرماتا ہے۔ اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب سے کفر کرنے لگے تو وہ (اس کے) غضب

عَلَى غَضَبٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۴۰﴾

بلائے غضب میں مبتلا ہو گئے اور کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے [۲۷]

[۲۷] یہاں ”اشترء“ کے معنی بیچنے کے ہیں، یعنی جن چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانیں بیچ دی ہیں، اور جس کام کیلئے

انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا ہے وہ بہت برا ہے، ”ان یکفروا بما انزل اللہ“ یہ ”بئس“ کا مخصوص بالذم ہے۔ یعنی

جس برے کام کے لئے انہوں نے اپنے آپ کو وقف کر رکھا تھا، وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ آیات بینات کا کفر و

انکار ہے، اور ”ما انزل اللہ“ سے مراد قرآن ہے، جس کا ”کتاب مصدق“ کے الفاظ میں پہلے ذکر ہو چکا ہے، والمراد،

بما انزل اللہ، کتاب مصدق، روح۔ ”بغیا ان ينزل اللہ“ بغیا، ان یکفروا، کا مفعول لہ، ہے اور ان کے کفر و انکار کی

علت بیان کر رہا ہے اور ”من فضله“ سے وحی مراد ہے، اور ”من يشاء من عباده“ سے مراد محمد ﷺ ہیں، اور مطلب یہ

ہے کہ اہل کتاب نے قرآن کا انکار کسی غلط فہمی کی بنیاد پر نہیں کیا، وہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کو اچھی طرح جانتے ہیں،

اور انکار محض بغض و حسد کی بناء پر کر رہے ہیں۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ آخری نبی بھی ہماری خاندان بنی اسرائیل ہی میں سے

ہوگا، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ تو بنی اسماعیل میں پیدا ہو گیا ہے، تو حسد کرنے لگے کہ بنی اسماعیل کے پیغمبر پر کیوں

وحی نازل ہوئی ہے؟ انہم ظنوا ان هذا الفضل العظيم بالنبوة المنتظرة يحصل في قومهم فلما وجدوه في

العرب حملهم ذلك على البغى و الحسد (کبیر)۔ یعنی وہ دوسرے غضب کے مستحق ہو گئے۔ ایک غضب

تو توحید کو چھوڑ کر شرک کرنے اور گوسالہ پرستی کی وجہ سے نازل ہوا، اور دوسرا غضب آخری نبی ﷺ کو نہ ماننے کی وجہ سے

۔ ”وللکافرین عذاب مہین“ اور ان کافروں کے لئے ایسا عذاب تیار ہے جو ان کے بغض و عناد اور کبر و غرور کو توڑ کر انہی

کو ذلیل و خوار کرے گا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کو مانو تو کہتے ہیں کہ جو کتاب ہم پر نازل ہو چکی ہے ہم تو اسی کو مانتے ہیں

بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ

(یعنی) یہ اس کے سوا اور (کتاب) کو نہیں مانتے حالانکہ وہ سچی ہے اور جو ان کی کتاب ہے اس کی بھی تصدیق کرتی ہے۔

أَنْبِيََاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٤١﴾ لَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ

(ان سے) کہہ دو کہ اگر تم صاحبِ ایمان ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو پہلے ہی کیوں قتل کیا کرتے؟ اور موسیٰ

بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٤٢﴾

تمہارے پاس کھلے ہوئے معجزات لے کر آئے تو تم ان کے (کوہ طور) جانے کے بعد بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے اور تم ظلم کرتے تھے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور کوہ طور کو تم پر اٹھا کھڑا کیا (اور حکم دیا کہ) جو کتاب ہم نے تمہیں دی ہے

بِقُوَّةٍ وَأَسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا

اس کو زور سے پکڑو اور سنو تو وہ (جو تمہارے بڑے تھے) کہنے لگے کہ ہم نے سن تو لیا لیکن مانتے نہیں

وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِسْمَايَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيْمَانُكُمْ إِنْ

اور ان کے کفر کے سبب بچھڑا ان کے دلوں میں رنج بس گیا تھا (اے پیغمبر ﷺ! ان سے) کہہ دو کہ اگر تم مومن ہو تو

كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٤٣﴾ قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ

تمہارا ایمان تم کو بُری بات بتاتا ہے۔ کہہ دو کہ آخرت کا گھر اور لوگوں کے لئے نہیں بلکہ اللہ کے نزدیک

خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۸﴾

صرف تمہارے ہی لئے مخصوص ہے تو اگر سچے ہو تو موت کی آرزو تو کرو [۲۸]

[۲۸] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے ایک باطل قول کی تردید کی، بعد میں ان کو مباہلے کا چیلنج دیا ہے، یہ چیلنج ان کے اسی سب سے بلند بانگ دعویٰ کے جواب میں ہے، کہ ہم اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں کی اولاد ہیں، اس لئے ہم اللہ کے چہیتے اور محبوب ہیں، اور جنت میں ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا۔ سبب نزولہا قولہم لن یدخل الجنة الخ ونحن ابناء اللہ و احباءہ الخ ولن تمسنا النار الخ (روح، قرطبی) معالم، ابن کثیر، تو اس کا جواب مباہلے سے دیا گیا۔

”الدار الاخرة“ سے مراد جنت ہے اور ”الناس“ سے مراد تمام وہ لوگ ہیں، جو ان کے دین پر نہیں تھے۔

”فتمنوا الموت“ یعنی ہر فریق دوسرے کی موت کی تمنا کرے، یعنی موت کی بددعا کرے، جیسا کہ مباہلہ میں ہوتا ہے۔

ای ادعوا بالموت علی الکاذب من الفریقین و المراد منه المباحلة كما صح عن ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ من السلف. جامع البیان، قرطبی، ان کنتم صادقین: یعنی اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ جنت صرف تمہارے ہی لئے ہے تو آؤ اور مباہلہ کرو۔ اور امام احمد نے: ۹۹۶۴، میں یہ حدیث نقل کیا ہے کہ، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لو ان اليهود تمنوا الموت لمتوا، وروا مقاعدہم من النار، ولو خرج الذین یباہلون رسول اللہ ﷺ لرجعوا لایجدون مالا ولا اهلا،

اس آیت کی تفسیر میں ایک قول یہ بھی ہے کہ یہاں تمہنی موت سے اپنی موت کی تمنا مراد ہے، یعنی اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اللہ سے اپنے لئے موت مانگو کیونکہ جس شخص کو یقین ہو کہ وہ جنت میں جائے گا اس کی دلی خواہش یہ ہوگی کہ وہ دنیا کے تکلیفوں سے نجات پائے اور آخرت کی طرف منتقل ہو کر جنت میں اپنا بسیرا کر لے، لیکن ابن کثیر نے اس قول کو مرجوح کہا ہے۔ اور فرمایا ہے، کہ: یہ قول کچھ دل کو نہیں لگتا، اس لئے کہ بہت سے اچھے اور نیک آدمی بھی زندگی چاہتے ہیں، بلکہ حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہتر وہ ہے جسکی لمبی عمر ہوئی ہو، اور اعمال اچھے ہوں، علاوہ ازیں یہی قول یہودی بھی کہہ سکتے تھے، تو بات فیصلہ کن نہ ہوتی، ٹھیک تفسیر وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی کہ دونوں فریق ملکر جھوٹے کی ہلاکت اور اس کی موت کی دعاء کریں، اس اعلان کے سنتے ہی یہودی تو ٹھنڈے پڑ گئے، اور تمام لوگوں پر ان کا جھوٹ کھل گیا۔ سورۃ جمعہ

ایت (۶) میں بھی یہودیوں کو مہابہلہ کی دعوت دی گئی ہے: وہاں سبب ذکر ہے اور یہاں مسبب اور ”العمران“: ۶۱، میں عیسائیوں کو مہابہلہ کی دعوت ہے۔ اسی طرح مشرکین عرب سے بھی کہا گیا، سورہٴ مریم: ۵۷، یعنی ہم میں سے جو گمراہ ہو، اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی بڑھا دے۔ اس کی پوری تفصیل اس آیت کے تحت بیان ہوگی انشاء اللہ۔

علامہ امیر علی نے مہابہلہ کے متعلق کچھ احکام اور شرائط لکھے ہیں، جس کا حاصل یہ ہے: کہ اب مہابہلہ جائز نہیں مگر کسی ایسے ہی امرمہم میں جو شرعی ہو، اور اس میں اشتباہ و عناد کیا گیا ہو، اور وہ بدون مہابہلہ کے دفع نہ ہوتا ہو، تو روا ہے، بشرطیکہ مہابہلہ سے پہلے حجت پوری پوری قائم کر دے، اور شبہ دور کرنے میں کوشش کر لے، اور پہلے نصیحت اور ڈراؤ دلا دے، پھر اگر وہ نفع نہ کرے اور یہی ضرورت پیش آوے کہ مہابہلہ کیا جاوے، تو روا ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن قیم کا بھی یہی قول معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے صفات حق عزوجل کو ظاہری معانی پر رکھے، اور اس کی مراد کو حق عزوجل کے سپرد کرنے کی حقیقت پر بدون تاویل و تحریف کے اپنے علماء زمانہ سے خانہ کعبہ کے رکن و مقام کے درمیان مہابہلہ کرنے کو بلایا، مگر کسی نے قبول نہ کیا، اور حق اس مسئلہ میں اکابر اہل اللہ کی طرف ہے اور اسی کے قریب قول عدم تاویل کا ہے، اور سب سے اخص قول تاویل ہے، اگرچہ متاخرین نے اس کو محکم و مضبوط قرار دیا لیکن وہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ (موہاب الرحمان: ۲۱۷/۳)۔ امام ذہبی نے تاریخ اسلام (کبیر): ۱۱/۱۳، اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ: ۵۸۲/۱۳، میں یہ واقعہ ذکر کیا ہے، کہ: وقد كان عبد الله بن مصعب الزبيري افتري عليه (يحيى) لبغضه للطلبية، وزعم انه طلب اليه ان يخرج معه، فباهله يحيى بحضرة الرشيد، وقام، فمات الزبيري ليومه، وكان يحيى قد طلب مباهلته وشبك يده في يده وقال: قل: اللهم ان كنت تعلم ان يحيى بن عبد الله بن حسن لم يدعني الى الخلاف والخروج على امير المؤمنين هذا، فكلني الى حولى وقوتى واستختنى بعدا من عندك، آمين، رب العالمين. قال: فتدلج يحيى وقالها. ولما قال يحيى مثله مات دلج.

اور عبد اللہ بن عباسؓ نے مسئلہ ظہار کے متعلق فرمایا تھا ”من شاء باهلته انه ليس للامة ظهار“ اس کو ابن حجر نے اتحاف المبرة: ۴۲۲/۷، میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ مصنف عبد الرزاق: ۳۵۵/۱۰، اور سنن سعید بن منصور: ۴۲۲/۱، میں اس سے، مسئلہ العول، میں بھی مہابہلہ کی ذکر ہے، اور ابوداؤد نے کتاب الطلاق باب عدة الحامل: ۳۶۲/۳، میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے مہابہلہ کا ذکر نقل کیا ہے، اور تفسیر جمل نے: ۴۳۱/۱، میں اس مسئلے کا تفصیل ذکر کیا ہے۔ اور قواعد السنن نے کتاب سیر السلف: ۱۰۶۲/۳، میں وثیق باللہ اور ابن ابی داؤد کا مہابہلہ ذکر کیا ہے۔

وَلَنْ يَتَمَنَّوهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۴۴﴾

لیکن ان اعمال کی وجہ سے جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں یہ کبھی اُس کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ظالموں سے واقف ہے

وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ ۖ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا

بلکہ ان کو تم اور لوگوں سے کہیں زیادہ زندگی کے حریص دیکھو گے یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی۔

يَوْمَ إِحْدَهُمْ لَوْ يَعْمُرُ الْآلَفَ سَنَةً ۖ وَمَا هُوَ بِمُزْحِزِحٍ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعْمَرَ

ان میں سے ہر ایک یہی خواہش کرتا ہے کہ کاش وہ ہزار برس جیتا رہے مگر اتنی لمبی عمر اُس کو مل بھی جائے تو اُسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی

وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۴۵﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلْجَبْرِيلِ

اور جو کام یہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو دیکھ رہا ہے۔ کہہ دو کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہو (اس کو غصے میں مرجانا چاہیے)

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اس نے تو (یہ کتاب) اللہ کے حکم سے تمہارے دل پر نازل کیا ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لئے

وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۶﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ

ہدایت اور بشارت ہے۔ جو شخص اللہ کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اُس کے پیغمبروں کا

وَجَبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۴۷﴾

اور جبریل کا اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے کافروں کا اللہ تعالیٰ دشمن ہے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۴۸﴾

اور ہم نے تمہارے پاس سلیجھی ہوئی آیتیں ارسال فرمائی ہیں اور ان سے انکار وہی کرتے ہیں جو بدکردار ہیں۔

أَوْ كَلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا نَبَّذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ

ان لوگوں نے جب کبھی (اللہ سے) پختہ وعدہ کیا تو ان میں سے ایک فریق نے اُس کو پھینک دیا

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۰﴾ ۱۰۰ لَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ

حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر بے ایمان ہیں۔ اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے پیغمبر آئے

لَمَّا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اور وہ ان کی کتاب کی بھی تصدیق کرتے ہیں تو جن لوگوں کو کتاب دی گئی تھی ان میں سے ایک جماعت نے

كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَانَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ ۱۰۱ اتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا

اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے بھینک دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔ اور ان (ہزلیات) کے پیچھے لگ گئے

الشَّيْطَانِ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلَكِنَّ الشَّيْطَانَ

جو سلیمان کے عہد سلطنت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے مطلق کفر کی بات نہیں کی بلکہ شیطان ہی

كَفَرُوا يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السَّحْرَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

کفر کرتے تھے کہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے اور ان باتوں کے بھی (پیچھے لگ گئے تھے) جو شہر بابل میں دو فرشتوں

هَارُوتَ وَمَارُوتَ وَمَا يُعَلِّمَنِ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا

ہاروت اور ماروت پر اتزی تھیں اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہیں سکھاتے تھے جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو (ذریعہ) آزمائش ہیں

تَكْفُرُ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ وَمَا هُمْ

تم کافر نہ بن، اور لوگ ان سے ایسا (جادو) سیکھتے جس سے میاں بیوی میں جدائی ڈال دیں۔

بِضَارَيْنَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ

اور اللہ کے حکم کے سوا وہ اس سے کسی کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے تھے اور کچھ ایسے (منتر) سیکھتے جو ان کو نقصان ہی پہنچاتے

وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ۚ

اور فائدہ کچھ نہ دیتے۔ اور وہ جانتے تھے کہ جو شخص ایسی چیزوں کا خریدار ہوگا اُس کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں

وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾

اور جس چیز کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا وہ بُری تھی۔ اگر وہ (اس بات) کو جانتے [۲۹]

[۲۹] اس آیت میں ”الشیاطین“ سے سرکش جن اور ابلیس کے چیلے مراد ہیں، جو لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، و

المتبادر من الشیاطین مردۃ الجن، وهو قول الاکثرین. (روح المعانی). ان یہودیوں نے تورات میں آخری

نبی پر ایمان لانے کے حکم ہی کو نہیں ٹھکرایا بلکہ انہوں نے تو تورات کی دعوت کو حید کو بھی پامال کر دیا، اور اسے چھوڑ کر شیطانی جادو

اور لوگوں کے پیچھے پڑ گئے، جو سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطانوں نے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے گھڑے تھے، جب

یہودیوں نے قرآن کی دعوت کو حید کے مقابلہ میں غیر اللہ کی پکار کا جواز ثابت کرنے کے لئے تورات پیش کی، تو تورات مسئلہ

توحید پر قرآن سے متفق نکلی، تو اب یہودی اپنی خفت مٹانے کے لئے جادو کی وہ پوتھیاں نکال لائے، جو شیطانوں نے لکھ

کر سلیمان علیہ السلام اور ان کے مومن وزیر اصف بن برخیا اور ہاروت و ماروت فرشتوں کے ناموں سے مشہور کر رکھی تھیں،

اور نسل بعد نسل موجودہ یہود تک پہنچی تھیں. قال السدی عارضت اليهود محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم بالتوراة فاتفقت التوراة

والقرآن، فنبذوا التوراة، واخذوا بکتاب اصف، وسحرها ہاروت وماروت، قرطبی: کبیر، نیشاپوری.

جادو میں چونکہ غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے، اس لئے ایسا جادو صریح شرک اور کفر ہے، جب یہودی جادو، اور لوگوں کی

پوتھیاں نکال لائے اور کہا دیکھو، یہ سلیمان علیہ السلام کے خاص نوشتے ہیں، اور وہ جادو کیا کرتے تھے،

اور غیر اللہ کو پکارا کرتے تھے، بلکہ اسی کی بناء پر وہ جنوں پر حکومت کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے اس دعویٰ کی

تردید و تکذیب فرما کر سلیمان علیہ السلام کی اس کفر و شرک سے برائت کا اعلان فرمایا، کہ سلیمان پیغمبر نے تو ایسا کفر و شرک

کبھی نہیں کیا، جو یہ لوگ ان کے ذمے لگا رہے ہیں، ”ولکن الشیاطین کفروا“، ”لکن“ ماقبل کی نفی اور مابعد کے

اثبات کے لئے آتا ہے، یعنی سلیمان علیہ السلام نے یہ جادو اور کفر و شرک نہیں کیا بلکہ یہ سب شیاطین کی کارستانیاں ہیں۔

قتادہ کا بیان ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیطانوں نے ایک کتاب تیار کی، جس میں جادو اور شرک تھا، اور لوگوں

میں اس کی اشاعت کی، اور اس میں لکھا ہوا جادو لوگوں کو سکھانے لگے، جب سلیمان علیہ السلام کو اس کا علم ہوا، تو انہوں نے

وہ کتابیں حاصل کر کے اپنے تخت کے نیچے دفن کر دیں۔

جب ان کی وفات ہوگئی تو جنوں نے یہ کتابیں پھر سے نکال لیں، اور اب لوگوں میں مشہور کرنا شروع کر دیا کہ یہ سلیمان علیہ السلام کے مخصوص نوشتے اور ان کا خاص علمی خزانہ ہے۔ جسے انہوں نے ہم سے چھپایا ہوا تھا، اور بعض نوشتوں کی ابتداء میں تو ان خبیثوں نے یہ الفاظ بھی بڑھادیئے تھے ”ہذا ما کتب اصف بن برخیا للملک سلیمان بن داؤد من ذخائر کنوز العلم“ یعنی یہ علم کے ذخیروں میں سے وہ خزانہ ہے جسے اصف بن برخیا نے سلیمان علیہ السلام کے حکم سے لکھا تھا، جنوں نے یہ کتابیں نکال کر لوگوں میں پھیلانا، اور انہیں سکھانا شروع کر دیا۔ ابن جریر۔ رفتہ رفتہ یہی نوشتے اور پوٹھیاں نبی کریم ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں کے پاس بھی پہنچ گئیں، اور بعض روایتوں میں ہے کہ سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیاطین اسماں کے قریب جا کر اندہ کاموں سے متعلق فرشتوں کی باتیں سنتے اور ان میں اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹ ملا کر کراہنوں اور نجومیوں کو بتاتے، اور وہ ان تمام باتوں کو کتابوں میں لکھ کر لوگوں میں پھیلاتے، اور انہیں سکھاتے، اور چونکہ کوئی بات سچی بھی ہو جاتی تھی، اس لئے انہوں نے لوگوں میں مشہور کر رکھا تھا، کہ جن غیب جانتے ہیں، اور یہ سلیمان علیہ السلام کا خاص علم ہے، اور اسی علم کے ذریعے انہوں نے جن وانس اور ہوا کو تابع کر رکھا ہے۔ مدارک، نیشاپوری۔ اگر اس روایت کو پیش نظر رکھا جائے تو ”شیاطین“ سے شیاطین الجن والانس دونوں مراد ہونے چاہئیں، کیونکہ اس کام کو شروع تو شیاطین الجن نے کیا تھا، لیکن لوگوں میں اسکی تعلیم و اشاعت، شیاطین الانس کے ذریعے ہوئی۔

تحقیق السحر

اس آیت میں جادو کو کفر کہا گیا ہے، اس لئے جادو سے یہاں دواؤں کے ذریعے یا ہاتھ کی صفائی سے عجیب و غریب کرتب دکھانے مراد نہیں، کیونکہ بعض لوگ ان پر بھی جادو، اور سحر کا اطلاق کر دیتے ہیں، اور یہ کفر بھی نہیں بلکہ اس سے جادو کی وہ تمام قسمیں مراد ہیں، جن میں غیر اللہ کو پکارا جاتا ہے، اور ارواح خبیثہ سے استعانت کی جاتی ہے، اور اس میں شرکیہ وظائف پڑھے جاتے ہیں: ويستعان فی تحصیله بالتقرب الی الشیطان بارتکاب القبائح قولاً، کالرقی الی فیہا الفاظ الشریک الخ. روح. شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ جادو کی تیرہ قسمیں ہیں، اور سب کا خلاصہ غیر اللہ کو پکارنا، غیر اللہ کو قادر، اور عالم الغیب سمجھنا ہے، اس کے بعد فرمایا ہے کہ جادوگر کی سزا قتل ہے، اور قتل کے بعد نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے، اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ شیخ، فرماتے ہیں، اے برادر! دعاء غیر اللہ کہ بروئے آثار عجیبہ ظاہر میشود سحر است، ہمین است ماہیت در الفاظ، دعوت قمری ”ای مرسل الرحمة ومنزل النعمة“ و در دعوت عطارد: ”کل ما حصل لی من الخیر فهو منک“۔

و نیز گویند ایہا العالم بحفیات الامور و المطلاع علی السرائر، و در تفسیر عزیزی است اگر در سحر قولی یا فعلی کہ موجب کفر باشد مثل ذکر نام بتان و ارواح خبیثہ بہ تعظیمکہ شایان رب العزت است مثلہ اثبات عموم علوم و قدرت و غیب دانی و مشکل کشائی یا ذبح لغیر اللہ یا سجدہ لغیر اللہ، و غیر ذلک واقع شود، بلاشبہ آن سحر کفر است۔ و صاحب ان مرتد شود، انجلی مختصر فی التوسل لابن تیمیہ: ۱۳۰۔ استغاشہ و اقسام لغیر اللہ سحر است۔

اسی طرح امام ابن تیمیہ ”قاعدہ جلیلیہ“ میں فرماتے ہیں کہ جادو میں غیر اللہ کو پکارنا لازم ہے، جس طرح یہودیوں نے اللہ کے معصوم پیغمبر سلیمان علیہ السلام کے ذمہ جادو اور غیر اللہ کو پکارنے جیسا شرک لگا دیا تھا، اور ثبوت میں غیر مستند نوشتے پیش کئے تھے، اسی طرح آج کل قرآن کی خالص توحید کے مقابلہ میں شرک پسند پیر اور بدعت نواز مولوی اپنے شرکیہ اعمال و عقائد اور بدعات کو جائز ثابت کرنے کے لئے امام ابوحنیفہؒ، شیخ عبد القادر جیلانی، امام شعرانی اور دیگر بزرگان دین کا نام لیتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ مشائخ بھی غیر اللہ کو نہ صرف پکارنے کی اجازت دیتے تھے بلکہ خود بھی پکارا کرتے تھے، اور ثبوت ”قصیدہ نعمانیہ، قصیدہ غوثیہ، لطائف المنن، اور بیچہ الاسرار“ ایسی غیر مستند اور بے سرو پا کتابیں پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ بزرگان دین اس قسم کی خرافات سے بالکل بری تھے، اگر قرآن کے مقابلے میں ایسی عبارتیں اور کتابیں بزرگوں کی طرف منسوب کر کے پیش کی جائیں، تو اگر واقعی وہ بزرگ اور اولیاء اللہ تھے جیسے مذکورہ بزرگان، تو اس نسبت کا صاف انکار کر دینا چاہیے، جس طرح وضاعوں اور کڈ ابوں نے رسول اللہ ﷺ کے ذمہ جھوٹی حدیثیں لگا دی ہیں، اسی طرح توحید کے غداروں اور سنت کے باغیوں نے یہ منگھڑت خرافات ان بزرگوں کے ذمہ لگا دی ہیں، اور اگر ان عبارتوں کی نسبت ان بزرگوں کی طرف صحت سے ثابت ہو جائے تو ان میں تاویل کی جائیگی، اور ان کا ایسا محمل بیان کیا جائیگا جو قواعد شرعیہ کے موافق ہو، اور اگر الفاظ میں تاویل کی گنجائش نہ ہو تو کہا جائے، کہ یہ کلمات اس شخص سے غلبہ حال کی حالت میں صادر ہوئے ہونگے، جس میں وہ معذور ہیں۔ بہر حال قواعد شرعیہ کے خلاف کسی کا کوئی قول قابل قبول نہیں، خواہ وہ کتنا ہی بڑا ولی اور امام کیوں نہ ہو، شریعت، اماموں، اور ولیوں کے تابع نہیں، بلکہ امام اور ولی شریعت کے تابع ہیں۔

”وما انزل“ میں ”ما“ موصولہ ہے، نافیہ نہیں، جیسا بعض کو غلطی لگی ہوئی ہے، اس کا عطف ”ما تلتلو“ پر ہے یعنی یہودیوں نے تو رات کا پیغام توحید چھوڑ چاڑ کر شیطانی ٹوکوں اور ہاروت کے جادو کی اتباع اور پیروی شروع کر دی، یہاں ”انزل“ سے مراد وحی نہیں بلکہ الہام کے ذریعے تعلیم مراد ہے۔ الانزال بمعنی الالہام و التعلیم۔ معالم ”الملکین“ میں مشہور قرأت لام کے فتح سے ہے القراءۃ المشہورۃ بفتح اللام، کبیر، اسی بناء

پرمحققین کی رائے یہ ہے، کہ ہاروت و ماروت دونوں فرشتے تھے، جنہیں لوگوں کے امتحان اور ابتلاء کے لئے اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجا تھا۔ ذہب کثیر من السلف الی انہما کانا ملکین من السماء وانہما انزل الی الارض۔ ابن کثیر۔ و هذا الملکان انزل لتعليم السحر ابتلاء من الله تعالى على الناس. روح المعانی۔ ان فرشتوں کو زمین پر اتارنے کی وجہ کے متعلق علمائے محققین نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں سحر اور جادو کا چرچا عام تھا، اور جادوگر بکثرت تھے، بعض دفعہ جادوگر نبوت کا دعویٰ کر دیتے، اور جادو کے عجیب و غریب کرتب دکھا کر لوگوں سے اپنی جھوٹی نبوت منوالیتے، جادوگر لوگوں کو ایسے ایسے شعبہ دے دکھاتے کہ وہ حیران رہ جاتے، سفلی عملیات اور جادو کے ٹوکوں سے عوام اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں حق سمجھنے لگے، اور ان کے ذہنوں میں ایسی الجھنیں پیدا ہو گئیں، کہ وہ جادو اور معجزے کے درمیان امتیاز نہیں کر پاتے تھے، اس طرح جادو کے ذریعہ روز بروز گمراہی پھیل رہی تھی، لوگ انبیاء علیہم السلام، اللہ کے نیک بندوں، اور جادوگروں، اور شعبہ ہا زوں کو ایک ہی سمجھنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کا فیصلہ کرنے اور جادو اور معجزہ میں امتیاز قائم کرنے کے لئے، ان فرشتوں کو جادو کی حقیقت سے آگاہ کر کے، زمین پر بھیجا تھا، تاکہ لوگ جادو اور معجزہ کی حقیقت اور باہمی امتیاز کو سمجھ کر جادوگروں کے مکر و فریب سے بچ سکیں، الکبیر، روح المعانی، و البحر۔

یہودیوں نے ہاروت و ماروت کے متعلق ایک عجیب و غریب اور جھوٹا قصہ مشہور کر رکھا تھا، جو کہ امام احمد نے مسند: ۳۱۷/۱۰ میں اور عبد بن حمید [۷۸۷]، ابن حبان [۶۱۸۶] ابن السنی [۶۶۲۲] سنن کبری: [۵۲/۱۰] وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ: حدثنا يحيى بن ابي بكير، حدثنا زهير بن محمد عن موسى بن جبير عن نافع، مولى عبد الله بن عمر عن عبد الله بن عمر، انه سمع نبي الله ﷺ يقول: ان آدم ﷺ لما هبطه الله تعالى الى الارض قالت الملائكة اى رب: اتجعل فيها من يفسد فيها ويسفك الدماء، ونحن نُسبح بحمدهك وتقدس لك قال انى اعلم ما لا تعلمون ﴿بقره، ۳۰﴾ قالوا ربنا نحن اطوع لك من بنى آدم، قال الله تعالى للملائكة: هلموا ملكين من الملائكة حتى يهبط بهما الى الارض فنظر كيف يعاملان، قالوا ربنا هاروت وماروت، فاهبطا الى الارض ومثلت لهما الزهرة امرأة من احسن البشر، فجاءتھما فسلتاھما نفسھا، فقالت لا والله حتى تكلما بهذه الكلمة من الاشرار. فقالا والله لا نشرك بالله ابداء، فذهبت عنھما ثم رجعت بصبي تحملھ، فسلتاھما نفسھا فقالت: لا والله حتى تقتلا هذا الصبي، فقالا والله لا نقتله ابداء، فذهبت ثم رجعت بقدر حمر تحملھ

فشربا، فسكرا، فوقعا عليها، وقتلا الصبي، فلما افاقا، قالت المرأة والله ماتر كتما شيئا مما ايتماه علي الاقد فعلت ما حين سكرتما، فخيّر ايين عذاب الدنيا والاخرة، فاختار اعذاب الدنيا.

جس کا حاصل یہ ہے، کہ اللہ نے ان دونوں فرشتوں کو بطور آزمائش، بشری لوازمات دیکر زمین پر بھیجا، تو انہوں نے ایک کنجری زہرہ کے ورغلانے پر شراب نوشی کی، ایک بچہ ناحق قتل کیا۔ اور زہرہ کنجری سے منہ کالا کیا، اس کے بعد انہوں نے زہرہ کنجری کو اسم اعظم بتادیا، اور وہ اس کے ذریعے آسمان پر چلی گئی، تو اللہ نے اسے زہرہ سیارہ بنا دیا۔ ہاروت و ماروت اپنے گناہوں کی وجہ سے آسمان پر نہ جاسکے، اور اب نہیں التالکا کر عذاب دیا جا رہا ہے۔ تعجب ہے کہ بعض مفسرین نے یہ جھوٹا قصہ بلا تکیہ اپنی کتابوں میں درج کیا ہے لیکن محققین علماء نے اس پر شدید انکار کیا ہے، جبکہ اس حدیث کے متعلق شعیب الارنؤوط تعلیق (مسند احمد) میں لکھتا ہے: اسنادہ ضعیف، و متنہ باطل، موسی بن جبیر۔ وهو الانصاری المدنی الحذاء، ذکرہ ابن حبان فی الثقات: ۷/ ۴۵۱، وقال یخطی و یخالف، وقال ابن القطان لا یعرف حالہ، وقال الحافظ فی التقریب مستور. وزہیر بن محمد، هو ابو المنذر الخراسانی المروری الخرقی، ذکرہ ابو ذرعة فی السامی الضعفاء، وقال ابو حاتم محلہ الصدق، وفی حفظہ سوء، و اختلف قول ابن معین فیہ، فوثقہ مرة وضعفہ اخرى، وضعفہ النسائی، و ذکرہ ابن حبان فی الثقات: وقال یخطی و یخالف، وقال الدارمی له اغالیط كثيرة، وقال الساجی صدوق منکر الحدیث، و ذکرہ العقیلی وابن الجوزی و الذہبی فی جملة الضعفاء، و بقیة رجالہ ثقات. و الصحیح ان هذا الحدیث لا تصح نسبتہ الی النبی ﷺ، و انما هو من قصص کعب الاحبار، نقلہ عن کتب بنی اسرائیل، فقد اخرج عبد الرزاق فی تفسیرہ: ۱/ ۵۳، وعنه ابن جریر: رقم: ۱۶۸۴، ۱۶۸۵، عن سفیان الثوری عن موسی بن عقبہ عن سالم عن ابن عمر، عن کعب الاحبار، قال ذکر الت الملائكة اعمال بنی آدم الخ، و اسنادہ صحیح علی شرط الشیخین وهو اصح و اوثق من السند المرفوع.

وقد ذکرہ ابن کثیر فی التفسیر، نقلہ عن هذا الموضوع، وقال هذا حدیث غریب من هذا الوجه، و رجالہ کلہم ثقات من رجال الصحیحین الاموسی بن جبیر هذا، وهو الانصاری السلمی مولاہم، وقد تفرد بہ عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ، ثم ذکر ابن کثیر متابعین له من طریقین آخرین عن نافع، احدهما من رواية ابن مردويه باسنادہ الی عبد اللہ بن رجاء، عن سعید بن سلمة، عن

موسیٰ بن سرجس، عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، ثانیہما من تفسیر الطبری باسناده من طریق الفرج بن فضالہ، عن معاویۃ بن صالح عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ثم قال ابن کثیر، وھذان ایضا غریبان جدا، واقرب ما یكون فی ھذا، انه من روایۃ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، عن کعب الاحبار، لاعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وبعدان اور دابن کثیر حدیث عبد الرزاق الصحیح فی التفسیر قال: فھذا اصح واثبت الی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما من الاسنادین المتقدمین، وسالم اثبت فی روایۃ ابیہ عن مولاه نافع، فدار الحدیث ورجع الی نقل کعب الاحبار، عن کتب بنی اسرائیل.

و ذکر ابن کثیر نحو من ذلک فی تاریخہ البدایۃ و النہایۃ: ۱/ ۳۷، ۳۸، ثم قال ھذا من اخبار بنی اسرائیل، کما تقدم من روایۃ ابن عمر رضی اللہ عنہما عن کعب الاحبار، و یكون من خرافاتہم الی لا یعول علیہا. اور اس روایت کو بزار نے نقل کیا ہے (۲۹۳۸، زوائد) اور پھر فرماتا ہے کہ بعض رواۃ نے اس روایت کو عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما موقوف نقل کیا ہے، اور میرے نزدیک زہیر نے اس کو مرفوع کیا ہے، حالانکہ یہ معتبر حافظ (قابل اعتبار) نہیں تھے۔ امام بیہقی اس روایت کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: رواہ موسیٰ بن عقبہ عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن کعب قال الحدیث و ھذا اشبه۔ الارنؤوط آگے لکھتا ہے کہ: و اور وہ الھیثمی فی مجمع الزوائد: ۵/ ۶۸. و قال رواہ احمد و البزار و رجالہ رجال الصحیح خلا موسیٰ بن جبیر و ہوثقہ، و اخرجہ بسباق آخر موقوفا الحاکم فی المستدرک ۴/ ۶۰۷، ۶۰۸. من طریق یحییٰ بن سلمہ بن کھیل عن ابیہ عن سعید بن جبیر عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، و قال ھذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاه، و ترک حدیث یحییٰ بن سلمہ عن ابیہ من المحالات الی یردھا العقل، فانہ لا خلاف انہ من اهل الصنعة، فلا ینکر لابیہ ان یخصہ باحدیث یتفر دبھا عنہ، فتعقبہ الذہبی بتضعیف یحییٰ بن سلمہ ھذا بقولہ، قال النسائی متروک و قال ابو حاتم منکر الحدیث، قلنا وضعفہ ایضاً یحییٰ بن معین و قال لیس بشیء، و قال البخاری فی حدیثہ منا کبر، و قال الترمذی یضعف فی الحدیث، و قال ابن حبان منکر الحدیث جدا، یروی عن ابیہ اشیاء لا تشبہ حدیث الثقات، کانه لیس من حدیث ابیہ، فلما اکثر عن ابیہ مما خالف الاثبات، بطل

الاحتجاج به، الا فيما وافق الثقات، وقال ابن نمير ليس ممن يكتب حديثه، وكان يحدث عن ابيه احاديث ليس لها اصول، وقال ابن سعد كان ضعيفا جدا، وقال ابو داود ليس بشيء، وقد اورد الحافظ حديث احمد هذا في القول المسدد: ۳۸، ۳۹، وقال اورد ابن الجوزي من طريق الفرغ بن فضالة، عن معاوية بن صالح عن نافع، وقال لا يصح، و الفرغ بن فضالة ضعفه يحيى، وقال ابن حبان يقلب الاسانيد، ويلزق المتون الواهية بالاسانيد الصحيحة، ثم دافع الحافظ ”ولم يصنع شيئا“ عن رواية احمد فقال وبين سياق معاوية بن صالح وسياق زهير تفاوت، وقد اخرج من طريق زهير بن محمد ايضا، ابو حاتم بن حبان في صحيحه وله طرق كثيرة جمعتهافي جزء مفرد يكاد الواقف عليه ان يقطع بوقوع هذه القصة لكثرة الطرق الواردة فيها، وقوة مخارج اكثرها، والله اعلم.

قلنا قد تقدم ان ابن كثير قد اشار الى رواية معاوية بن صالح هذه، وانه لا يعول عليها، و الفرغ بن فضالة الراوى عن معاوية بن صالح: ضعيف. ومهما كثرت الطرق الواردة فى هذه الرواية، فانها كلها ضعيفة، فلا تقوى بمجموعها فى مثل هذا المطلب. قال الشيخ احمد شاكر رحمه الله فى تعليقه على المسند، اما هذا الذى جزم به الحافظ بصحة وقوع هذه القصة لكثرة طرقها وقوة مخارج اكثرها، فلا، فانها كلها طرق معلولة او واهية الى مخالفتها الواضحة للعقل، لا من جهة عصمة الملائكة القطعية فقط. بل من ناحية ان الكوكب الذى تراه صغيرا فى عين الناظر قد يكون حجمه اضعاف حجم الكرة الارضية بالآلاف المؤلفة من الاضعاف، فانى يكون جسم المرأة الصغير الى هذه الاجرام الفلكية الهائلة. قلنا لم يرد فى هذا الخبر عند من خرج ان المرأة التى تسمى الزهرة قد مسخت نجما، قال ابن حبان بعد ان اورد الحديث الزهرة هذه امرأة كانت فى ذلك الزمان، لا، انها الزهرة التى هى فى السماء، التى هى من الخنس.

جبکہ اس کے متعلق الشيخ عبد الغنى النابلسى الدمشقى الحنفى نے ایک کتاب بنام ”برهان الثبوت فى تبرئة ہاروت وماروت“ لکھا ہے، اور اس کتاب میں تصحیح ابن حجر و سیوطی پر مفصل رد کیا ہے اور فرمایا ہے: وانظرو وتأمل فى قول الحافظ ابن حجر، يكاد الواقف عليه يقطع بوقوع هذه القصة، يعنى

انہا غیر واقعہ علی جہۃ القطع، بل ہوا مرظنون، ثم عللہ بکثرة الطرق الواردة فيها، وهي مختلفة اختلافًا كبيرًا بحيث ان بعضها لا يطابق بعضها متنا و اسنادًا.

وَأنا أورد لك جميع طرقها التي ذكر السيوطي، انها بلغت نيفا وعشرين طريقًا، حتى ترى الاختلاف الواقع فيها، فلان تغربها، وترجع الى عصمة جميع الملائكة، المقطوع بها عند علماء الاسلام، الوارد في كتاب الله تعالى، وعليه اجماع اهل السنة و الجماعة و جمهور العلماء. ص: ۲۵۵.

امام رازی فرماتے ہیں: و اعلم ان هذه الرواية فاسدة مردودة غير مقبولة لانه ليس في كتاب ما يدل على ذلك بل فيه ما يبطلها. (كبير). قرطبي لکھتے ہیں: قلنا هذا كله ضعيف و يعيد عن ابن عمر وغيره لا يصح منه شيء. امام ابو حيان رقمطراز ہیں: وهذا كله لا يصح منه شيء، و الملائكة معصومون لا يعصون الله ما امرهم و يفعلون ما يؤمرون، البحر۔

علامہ خازن لکھتے ہیں، فبان بهذه الوجوه ركة هذه القصة. علامہ سید محمود الوسی، امام رازی کا مذکورہ بالا قول نقل کر کے فرماتے ہیں: ونص الشهاب العراقي على ان من اعتقد في هاروت و ماروت انهما ملكان يعذبان على خطيئتهما مع الزهرة فهو كافر بالله العظيم. روح۔

یہ واقعہ موضح قرآن میں بھی ہے، جو شاہ عبد القادر محدث دہلوی کے نام پر کتابی صورت میں چھپی ہوئی ہے، مگر محققین، مثلاً محدث العصر مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ تفسیر شاہ عبد القادر کی نہیں ہے، کسی نے لکھ کر ان کے نام منسوب کر دی ہے، شاہ صاحب کی ”موضح قرآن“ صرف وہی حواشی ہیں، جو قرآن مجید کے حاشیہ پر چھپے ہوئے ہیں، بعض ناشرین نے اب ان میں بھی کچھ اور رد بدل کر دیا ہے۔

”یعلمان“ تعلیم سے ہے اور تعلیم کے معنی یہاں درس و تدریس کے نہیں ہیں، بلکہ یہاں تعلیم بمعنی اعلام ہے، انه من الاعلام لامن التعليم فيعلمان بمعنى يعلمان، قرطبي. وقرأ طلحة بن مصرف، يُعلمان من الاعلام لامن التعليم وعليها حمل بعضهم قراءة التشديد. روح۔ اور ”من“ زائدہ ہے، تاکیدا استغراق کے لئے۔ روح۔ ”فتنة“ کے معنی آزمائش اور امتحان کے ہیں: واما الفتنة في هذا الموضوع فان معناها الاختيار والابتلاء. ابن جرير. الفتنة، الاختبار و الامتحان. ابوسعود۔ یعنی جب کوئی ان دونوں فرشتوں کے پاس جا دو سیکھنے

کے لئے آتا، تو وہ پہلے ازراہ خیر خواہی اس پر واضح کر دیتے تھے، کہ دیکھو جادو پر اعتقاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا کفر ہے، اور ہم تو محض اس لئے بھیجے گئے ہیں، تاکہ جادو اور مجرہ کافر کو لوگوں پر واضح کر دیں، لہذا جادو کے اصول ہم تمہیں بتلائیں گے ان کو ناجائز طور پر استعمال نہ کرنا، اور اس طرح ہم تمہارے لئے آزمائش و امتحان کا ذریعہ ہیں۔ دیکھنا کہیں جادو کے پیچھے پڑ کر اپنا ایمان نہ ضائع کر بیٹھنا۔ مذکورہ بیان سے ہاروت و ماروت فرشتوں کا دامن بھی شرک و جادو سے پاک ہو گیا، جو کہ یہودیوں نے ان کے ذمہ لگایا تھا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ خود جادو نہیں کیا کرتے تھے، اور نہ ہی غیر اللہ کو پکارتے تھے، وہ تو اللہ کے حکم سے محض لوگوں کے امتحان کے لئے جادو کی حقیقت واضح کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔ فرشتوں کے روکنے کے باوجود اس جادو کو ناجائز طور پر استعمال کرنے لگے، اور زیادہ تر خاوند، بیوی کے درمیان جدائی ڈالنے کے لئے اسے استعمال کرتے تھے۔

”وما ہم بضارین بہ من احد الاباذن اللہ“۔ جادو ٹونکے اور تعویذ گنڈے سے جو بھی اثر ظاہر ہوتے ہیں، وہ اللہ کے حکم اور اس کی قضا سے ہوتے ہیں، کیونکہ فاعل اور موثر حقیقی وہی ہے نہ کہ یہ چیزیں۔ یہ چیزیں تو محض اسباب کا درجہ رکھتی ہیں: قال سفیان الثوری الابقضاء ہ و قدرتہ و مشیتہ. معالم۔ اس لئے ضروری نہیں کہ ہر ٹونکے اور تعویذ گنڈے کا اثر ظاہر ہو۔

یہ بد بخت یہودی جو کچھ سیکھ رہے تھے، اس کے ذریعہ دوسروں کو نقصان پہنچانا تو ان کے بس کی بات نہ تھی، البتہ یہ جادو، دنیا اور آخرت میں ان کے لئے سراسر نقصان ہی نقصان تھا، اور اس میں انہیں ذرہ برابر بھی فائدہ نہ تھا۔

”ولقد علموا“، ”علموا“ کا فاعل یہودیوں کے علماء ہیں، قبیل عائذ علی علماء الیہود، بحر، اشتراہ، میں ضمیر مفعول ”ماتتلو“ کی طرف راجع ہے، جس سے مراد جادو ہے، اور ”اشتراء“ سے مراد استبدال ہے:

ای استبدال ماتتلو الشیاطین بکتاب اللہ. ابو سعود۔ یعنی ان یہودیوں کے مولویوں کو اچھی طرح معلوم ہے کہ جس نے اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر اس پر جادو اور سحر کی پوتھیوں کو ترجیح دی، اور توحید سے منہ موڑ کر شرک اور غیر اللہ کو پکارنے میں لگ گیا، وہ آخرت میں سخت بد نصیب ہوگا۔ اللہ کی کتاب سے تورات یا قرآن مجید مراد ہے۔ ابو حیان ایک صورت یہ بھی لکھتے ہیں کہ (اشتراء) کی ضمیر تورات یا قرآن شریف کی طرف عائد ہو، اور، اشتراء، بمعنی بیع ہو، یعنی جس نے تورات یا قرآن کو چھوڑ کر اس کے عوض جادو کی کتابوں پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ (بحر محیط)۔

﴿۱۰۳﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّو كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾

اور اگر وہ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو اللہ کے ہاں سے بہت اچھا صلہ ملتا۔ اگر وہ اس سے واقف ہوتے

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا

اے اہل ایمان! (گفتگو کے وقت پیغمبر ﷺ سے) ”رَاعِنَا“ نہ کہا کر۔ [۳۰]

انظُرْنَا وَاسْمَعُوا لِّلْكَافِرِينَ عَذَابُ أَلِيمٍ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۴﴾ يَا يَهُودُ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور اُن نظرنا کہا کرو اور خوب سن رکھو اور کافروں کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے۔ جو لوگ کافر ہیں،

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَاللَّهُ

اہل کتاب یا مشرک ہو اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے خیر (ورکت) نازل ہو اور اللہ تعالیٰ تو جس کو چاہتا ہے

﴿۱۰۵﴾ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۱۰۵﴾

اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

[۳۰] اس آیت میں اس بات کی ہدایت ہے کہ ایسے الفاظ مت کہو جس میں ایہام شرک ہو۔ اسی وجہ سے

رشید احمد گنگوہی، درود تاج کو اسم قائل قرار دیتے ہیں، کیونکہ اس میں ”دافع البلاء“ وغیرہ شریکۃ الفاظ ہیں۔ فتاویٰ

رشیدیہ (۱۳۹)۔ تاویل اس لئے نہیں ہو سکتی کہ اس کا قائل مہدی علی شیعہ ہے جس کے غلط عقائد معلوم ہیں۔

”راعنا“ کی دو توجیہ ہیں: ”رعونت“ سے مشتق ہے یعنی احمق یا ”راعینا“ بمعنی چرواہا۔ عام مفسرین کا یہ قول

ہے، اور جناب شیخ حسین علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کا مقصد یہ تھا کہ ہم نبی کریم ﷺ کی زندگی میں موقع ادب میں

راعنا کہیں گے اور راعنا تو رعایت سے مشتق ہے، لہذا ہم رسول پاک کی وفات کے بعد کہیں گے کہ غیر اللہ نگاہبان ہو سکتا ہے،

کیونکہ ہم رسول اللہ کی حیات میں آپؐ کو راعنا کہتے تھے، اور آپؐ نے اس کی تردید نہیں فرمائی۔ باوجودیکہ رسولؐ کی زندگی

میں تو ماتحت الاسباب رعایت جائز تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا، راعنا، کا لفظ ہی چھوڑ دو، جو کہ شرک کا بیج ہے، اس جگہ

”وانظرنا“ کا لفظ کہو، جس میں شرک کا وہم نہیں ہے۔

مَا نَنْسَخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا

ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے یا اس کو فراموش کرا دیتے ہیں تو اُس سے بہتر یا ویسی ہی

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۴﴾

اور آیت بھیج دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے؟ [۳۱]

[۳۱] نسخ سے مراد یہ ہے کہ آیت کا حکم اٹھ جائے لیکن اس کی تلاوت باقی رہ جائے اور ”انسنا“ سے

مراد یہ ہے کہ تلاوت اور حکم دونوں اٹھ جائیں، یہ راعنا کو منسوخ کر کے اس کی جگہ انظرنا کہنے کے حکم کی طرف

اشارہ ہے ”نأت بخیر منها او مثلها“ یعنی اگر ہم کسی حکم کو منسوخ کر دیتے ہیں تو وہ بھی ہماری حکمت و مصلحت

کے عین مطابق ہوتا ہے، اور ہم منسوخ شدہ حکم کی جگہ اس سے زیادہ مفید اور زیادہ آسان یا نفع اور سہولت میں اس کے

برابر دوسرا حکم نازل کر دیتے ہیں۔ ای بما هو انفع لکم و اسهل علیکم و اکثر لاجراکم و امثلہا فی

المنفعة و الثواب الخ، معالم۔ ”الم تعلم ان اللہ علی کل شیء قدير“ یہاں استفہام تقریری ہے

اور اس کا مخاطب ہر سامع ہے، ہذا استفہام معناه التقریر، و الاولی ان یکون المخاطب

السامع۔ بحر۔

مطلب یہ ہے کہ اے مخاطب تو اچھی طرح جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اپنے بندوں پر احکام میں

رد بدل اور محو و اثبات کا اسے پورا پورا اختیار ہے، لہذا اس پر کسی کو اعتراض کا کوئی حق نہیں۔ اس سے اصل دعویٰ کی طرف بھی

اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قادر ہے اور وہ انسانوں کی تمام حاجتیں اور ضرورتیں پوری اور ان کی تمام مشکلات

آسان کر سکتا ہے، تو پھر اس کے سوا کیوں کسی اور کو پکارا جائے اور کیوں کسی اور سے استعانت کی جائے، اس آیت

کا دوسرا ربط یہ ہے کہ اگر ہم کوئی ایسی رسم منسوخ کر دیں جو موہم، ہم شرک ہو تو اس کی جگہ اس سے بہتر طریقہ رائج کرا دیتے ہیں

جس طرح راعنا کا لفظ منسوخ کر کے اس کی جگہ انظرنا کا لفظ کہنے کا حکم دیا ہے۔

فائدہ: متقدمین علماء، نسخ کو اس کے وسیع معنوں میں لیتے تھے، یعنی وصف ایت کے مطلق تغیر کو نسخ کہتے تھے، اس لئے ان کے نزدیک پانچ سو سے بھی زیادہ آیتیں منسوخ ہیں، لیکن متاخرین نے نسخ کو محدود معنی میں استعمال کیا، یعنی ایت کا حکم مع التلاوة یا بدون التلاوة اٹھادینے کو نسخ کہتے ہیں۔ اس لئے اس مفہوم کے پیش نظر بیس سے زیادہ آیتیں منسوخ نہیں ہیں، جیسا کہ علامہ سیوطی نے الاقان میں بسط و تفصیل سے ذکر کیا ہے، لیکن امام ولی اللہ محدث دہلوی الفوز الکبیر کے باب دوم، فصل دوم میں اس مفہوم کے تحت صرف پانچ آیتوں کو منسوخ مانتے ہیں، اور باقی تمام آیتوں کی توجیہ فرماتے ہیں، جناب شیخ رحمہ اللہ ان پانچ آیتوں کو بھی منسوخ نہیں مانتے، اور شاہ صاحب کی طرز بیان پر ان پانچوں آیتوں کی ایسی توجیہ فرماتے ہیں کہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچوں آیتوں کا حکم بھی تا قیامت باقی ہے، ان پانچ آیتوں کی توجیہ اپنی اپنی جگہ آئے گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔ بعض لوگ نسخ پر اعتراض کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ پہلے ایک حکم دیکر پھر اسے واپس کیوں لیتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ نسخ کے معنی پہلا حکم واپس لینے کا نہیں بلکہ اس سے پہلے حکم کی مدت کی انتہاء کا بیان مقصود ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اس مدت تک تھا۔ اس کے بعد کے لئے نہیں۔ جیسا طبیب، ڈاکٹر مریض کو ایک نسخہ ایک خاص مدت تک لکھتا ہے، پھر بعد میں اس کو بدل دیتا ہے۔ نسخ میں علماء، مفسرین کا بہت اختلاف ہے، لیکن اس اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ نسخ کی چار قسمیں ہیں:

(۱) نسخ القرآن بالقران جیسے واللتی یأتین الفاحشة الی قولہ فامسکوهن فی البیوت نساء (۱۵)۔ ایت رجم (سورہ نور: ۲) سے منسوخ ہے وغیرہ۔

(۲) نسخ القرآن بالحدیث جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: لا وصیة لوارث، یعنی وارث کے حق میں وصیت کا حکم اس حدیث سے منسوخ ہوا، اسی طرح شادی شدہ زنا کار سے جلد کا اسقاط اور رجم کا اثبات بھی حدیث سے ثابت ہے، جبکہ قرآن کریم میں صرف زانی، غیر شادہ شدہ کے لئے جلد کا حکم ہے، اس کو صرف سنت نے ساقط کیا، جو کہ نبی کریم ﷺ کا فعل ہے۔ قرطبی۔

(۳) نسخ الحدیث بالحدیث جیسے رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: كنت نهيتكم عن زيارة القبور، ألا فروروها، كنت نهيتكم عن لحوم الاضاحى الافكلوها وادخروها.

(۴) نسخ الحدیث بالقرآن جیسے کہ شام یعنی بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ہے اس کے باوجود اس طرف کو چھوڑ کر بیت اللہ کی طرف منہ پھیرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم حدیث کے ذریعہ تھا جس کو تحویل قبلہ کی آیتوں نے منسوخ کر دیا۔ قرطبی۔ امام شافعی نسخ مخالف یعنی نسخ الحدیث بالقرآن، نسخ القرآن بالحدیث، نہیں مانتے، کہتے ہیں کہ اس سے مخالف کو اعتراض کا موقع ملے گا، کہ خود باری تعالیٰ پیغمبر کی بات رد کرتے ہیں، یا پیغمبر علیہ السلام باری تعالیٰ کی بات رد کرتے ہیں۔ تو ہم کیسے مانیں۔ امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مخالف کے اعتراض کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ مخالف تو توافق کی صورت میں بھی اعتراض کر سکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ، یا رسول اللہ ﷺ اپنی بات خود نہیں مانتے۔

نسخ کے دو قسمیں

(۱) الفاظ اور حکم دونوں منسوخ ہو چکے ہوں۔ جیسے سورت احزاب، سورت بقرہ سے بڑی تھی، لیکن آپ سے بھلا دی گئی۔ عن ابی بن کعب قال: کم تقرؤن سورة الاحزاب؟ قال: بضعا وسبعین اية. قال: لقد قرأناها مع رسول الله ﷺ مثل البقرة، او أكثر منها، وان فيها اية الرجم. (مسند احمد: ۳۵/۱۳۴).

(۲) صرف الفاظ منسوخ ہوں حکم باقی ہو۔ جیسے یہ روایت: قال زرّ، قال لی ابی بن کعب: کأین تقرؤن سورة الاحزاب؟ او کأین تعدها قال: قلت له ثلاثا وسبعین آية، فقال: فقط، لقد رأيتنا ونحن نعدّها سورة البقرة، ولقد قرأنا فيها "الشيخ و الشيخة اذا زينا فارجموهما البتة نکالامن الله والله عزيز حكيم. (مسند احمد: ۳۵/۱۳۴).

یا یہ روایت: قال انسٌ فقرأنا فيهم قرآنا ثم ان ذلك رفع، بلغوا عن انا قد لقينا ربا نافرصى عنا وارضانا. (بخاری کتاب المغازی رقم: ۴۰۹۰).

یایہ: عشر رضاعات معلومات یحرم (ثم نسخن) بخمس معلومات۔ الفاظ منسوخ ہیں، الفاظ منسوخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے نماز نہیں ہوتی اور وحی تلو نہیں کہلاتی۔ یہ حدیث عائشہ سے منقول ہے، جو مسلم: ۳۷۹۱۲، مترجم، عربی نمبر: ۳۵۸۲، میں ہے۔ تفصیلی روایت ایسی ہے:

عن عائشہ رضی اللہ عنہا انھا قالت کان فیما انزل من القرآن، عشر رضاعات معلومات یحرم، ثم نسخن، بخمس معلومات، فتوفی رسول اللہ ﷺ وھی فیما یقر أمن القرآن۔

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں، کہ پہلے قرآن مجید میں یہ نازل ہوا تھا، کہ دس چکیوں سے حرمت لازم آتی ہے پھر وہ منسوخ ہو گیا۔ پھر پانچ چکیوں سے حرمت کا حکم ہوا، اور رسول اللہ ﷺ کے وصال تک قرآن مجید میں اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔

(بعد میں یہ الفاظ بھی منسوخ ہوئے، لیکن اکثر صحابہ یہ اس لئے تلاوت کرتے تھے، کہ انہوں کو نسخ کا علم نہ تھا، یہ روایت ابو داؤد نے بھی کتاب الرضاع میں نقل کیا ہے، مزید تشریح کے لئے کتاب (المنہل) مطالعہ کیجئے۔

(۳) حکم منسوخ ہوا الفاظ باقی ہو جیسے قدماء کے نزدیک آیات عفو، آیات قتال، سے منسوخ ہیں۔

نسخ کے تیسرے تقسیم

- (۱) حدیث متواتر کے ذریعہ کتاب اللہ کی نسخ ذاتی جائز ہے۔
- (۲) حدیث مشہور کے ساتھ کتاب اللہ کی نسخ وصفی جو کہ مطلق حکم کے تفسیر کا نام ہے، جائز ہے۔
- (۳) خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ کا بیان جائز ہے، اور جب محتف بالقرائن ہو تو نسخ بھی جائز ہے۔

متواتر حدیث، کتاب اللہ کی طرح علم یقینی کا فائدہ دیتا ہے، اور خبر مشہور علم طمانیت کا فائدہ اور خبر واحد علم ظنی کا فائدہ دیتا ہے۔ خبر متواتر وہ ہے کہ سب قرونوں میں اس کو اتنے لوگوں نے نقل کیا ہو، کہ قومیت، زبان اور وطن کے اختلاف کی وجہ سے ان کا جھوٹ پر اجتماع محال ہو۔

أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ

تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کی ہی ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی

مَنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۷۷﴾ اَلَمْ تَرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ

دوست اور مددگار نہیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے پیغمبر سے اسی طرح کے سوال کرو

كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ

جس طرح کے سوال پہلے موسیٰ سے کئے گئے تھے اور جس شخص نے ایمان (چھوڑ کر اس) کے بدلے کفر لیا وہ سیدھے رستے

السَّبِيلِ ﴿۱۷۸﴾ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ

سے بھٹک گیا۔ بہت سے اہل کتاب اپنے دل کی جلن سے یہ چاہتے ہیں کہ ایمان لا چکنے کے بعد تم کو پھر

كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا

کافر بنا دیں حالانکہ ان پر حق ظاہر ہو چکا ہے تو تم معاف کر دو اور درگزر کرو

وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۷۹﴾

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا (دوسرا) حکم بھیجے بیشک اللہ تعالیٰ ہر بات پر قادر ہے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور جو بھلائی اپنے لئے آگے بھیج رکھو گے اسکو اللہ کے ہاں پا لو گے۔

عِنْدَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۸۰﴾ قَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ

کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ ان کے سوا کوئی جنت

إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ

میں نہیں جائے گا۔ یہ ان لوگوں کے خیالاتِ باطلہ ہیں (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱۱﴾ اِنَّمَا لِلّٰهِ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ اَجْرُهُ

ہاں جو شخص اللہ کے آگے گردن جھکا دے (یعنی ایمان لے آئے) اور وہ نیکو کار بھی ہو تو اُس کا صلہ

عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۲﴾

اُس کے پروردگار کے پاس ہے اور ایسے لوگوں کو (قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ

اور یہودی کہتے ہیں کہ عیسائی رستے پر نہیں اور عیسائی کہتے ہیں کہ یہودی رستے پر نہیں

الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ

حالانکہ دونوں کتاب (الہی) پڑھتے ہیں۔ اسی طرح بالکل انہی کی سی بات وہ لوگ کہتے ہیں جو (کچھ) نہیں جانتے (یعنی

مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ يَخْتَلِفُوْنَ

مشرک) تو جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا فیصلہ کر دے گا۔

﴿۱۱۳﴾ اَوَلَمْ يَظْهَرَ لِمَنْ مِّنْهُمْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذَكَّرَ فِیْهَا اَسْمُهُ وَاسْعٰی فِی

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی مسجدوں میں اللہ کے نام کا ذکر کئے جانے کو منع کرے

خَرَابِهَا اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَدْخُلُوْهَا اِلَّا خَآفِیْنَ لَهُمْ فِی الدُّنْيَا

اور ان کی ویرانی میں ساعی ہو۔ ان لوگوں کو کچھ حق نہیں ہے کہ وہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ اُن کے لئے دنیا میں

حِزْبٍ وَّلَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ اَللّٰهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ

رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ اور مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے۔

فَاَیْنَ مَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ وَّاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۱۵﴾

تو جہر تم رخ کرو ادھر اللہ کی وجہ (رضا) ہے بیشک اللہ تعالیٰ وسعت والا اور باخبر ہے

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلِّ

اور یہ لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد رکھتا ہے (نہیں) وہ پاک ہے بلکہ جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے

لَهُ قَتِيۡوٰنٌ ﴿۱۱۴﴾ اِيۡدِيۡعِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قَضٰى اَمْرًا

سب اسی کا ہے اور سب اس کے فرمانبردار ہیں۔ (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ جب کوئی کام کرنا چاہتا

فَاِنَّمَا يَقُوۡلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوۡنُ ﴿۱۱۵﴾ اَوَقَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَعْلَمُوۡنَ

ہے تو اس کو ارشاد فرمادیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ اور جو لوگ (کچھ) نہیں جانتے (یعنی مشرک) وہ کہتے ہیں کہ

لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاۡتِيۡنَا آيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيۡنَ مِنْ قَبْلِهِمُ

اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے

مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوۡبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ

وہ بھی انہیں کی سی باتیں کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ جو لوگ صاحبِ یقین ہیں ان کے (سمجھانے کے) لئے

لِقَوْمٍ يُوقِنُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيۡرًا وَّنٰذِيۡرًا ۗ وَلَا

ہم نے نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ (اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہیں سچائی کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے

تَسۡئَلُ عَنِ اَصْحٰبِ الْجَحِيۡمِ ﴿۱۱۹﴾ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا

اور اہل دوزخ کے بارے میں تم سے کچھ پرسش نہیں ہوگی۔ اور تم سے نہ تو یہودی کبھی خوش ہوں گے

النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنۡ هٰدٰى اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى

اور نہ عیسائی یہاں تک کہ ان کے مذہب کی پیروی اختیار کر لو (ان سے) کہہ دو کہ اللہ کی ہدایت (یعنی دین اسلام) ہی ہدایت ہے

وَلٰٓئِنۡ اتَّبَعَتۡ اٰهۡوَاۡهُمۡ بَعَدَ الَّذِيۡ جَاۡءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ

اور (اے پیغمبر) اگر تم اپنے پاس علم (یعنی وحی الہی) کے آجانے پر بھی ان کی خواہشوں پر چلو گے تو تمہیں (عذاب) الہی

مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۲۰﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ

سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مددگار۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب عنایت کی ہے وہ اس کو (ایسے) پڑھتے ہیں

حَقًّا تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے تو یہی لوگ اس پر ایمان رکھنے والے ہیں اور جو لوگ اس کو نہیں مانتے وہ

الْخَاسِرُونَ ﴿۱۲۱﴾ إِنِّي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

خسارہ پانے والے ہیں۔ اے بنی اسرائیل! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے

وَإِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۲۲﴾ اتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ

اور یہ کہ میں نے تمہیں اہل عالم پر فضیلت بخشی۔ اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص کسی شخص کے کچھ کام نہ آئے گا

نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ

اور نہ اس سے کوئی بدلا قبول کیا جائے گا اور نہ اس کو کسی کی سفارش کچھ فائدہ دے اور نہ لوگوں کو (کسی اور طرح کی) مدد مل سکے

﴿۱۲۳﴾ اِبْتَلَىٰ اِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۗ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ

اور جب اللہ نے چند باتوں میں [۳۲] ابراہیم کی آزمائش کی تو وہ ان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ میں تمہیں لوگوں کا

لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يِنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۲۴﴾

پیڑوا بناؤں گا۔ انہوں نے کہا کہ میری اولاد میں سے بھی (پیڑوا بناؤ تو اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ میرا وعدہ ظالموں سے نہیں [۳۳]

[۳۲] ”ابتلاء“ کے معنی امتحان اور آزمائش کے ہیں جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے، تو اس سے اس کا

مقصد بندوں کے احوال کو جاننا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ تو پہلے بھی جانتا ہے، بلکہ اس سے ان کے احوال کا خود ان کے لئے

اور دوسرے لوگوں کے لئے اظہار مقصود ہوتا ہے تاکہ خود ان بندوں پر اپنی حقیقت واضح ہو جائے، اور دوسروں کو اس سے

سبق حاصل ہو سکے۔ و ابتلاء الله العباد ليس ليعلم احوالهم بالابتلاء لانه عالم بهم ولكن ليعلم

العباد احوالہم: معالم التنزیل۔ ”اذ“ کا عامل ”قال“ ہے جو آگے آ رہا ہے: و الاختیار ان یکون العامل فیہ ملفوظاہ و هو قال ”انی جاعلک“، بحر، ”کلمات“ کلمہ کی جمع ہیں، اور اس سے مراد وہ امور اور احکام ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا، ان کلمات کے بارے میں مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں۔ بعض نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ اس سے مراد خصائل فطرت ہیں، یعنی کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، مسواک کرنا، ناخن تراشنا، بغلوں اور زیر ناف کے بال صاف کرنا، اور مونچوں کے بال تراش کرنا، اور بال میں کنگی کرنا، ختنہ کرنا، استنجاء کرنا۔ جبکہ یہ حدیث مستدرک: ۲/۶۵۶، کتاب التفسیر میں عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل ہے کہ: عن ابن عباسؓ فی قولہ عز وجل

”وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ“ قال ابتلاء الله بالطهارة، خمس في الرأس وخمس في الجسد، في الرأس قص الشوارب، و المضمضة، و الاستنشاق، و السواك، و فرق الرأس، و في الجسد، تقليم الاظفار، و حلق العانة، و الختان، و نشف الابط، و غسل مكان الغائط، و البول بالماء. اور درمنثور نے: ۱/۲۱۰، میں بیہقی وغیرہ سے نقل کیا ہے۔ اور بعض نے اسی قسم کے کچھ اور احکام نقل کئے ہیں، لیکن اتنے بڑے جلیل القدر پیغمبر کا ابتلاء، اور پھر ایسے آسان احکام۔ یہ بات قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی۔ یہ صحیح ہے کہ ان خصائل کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا گیا ہے، مگر حدیث میں یہ کہیں مذکور نہیں، کہ جن کلمات میں ان کا امتحان لیا گیا تھا وہ یہ خصائل ہیں، اس لئے قرین قیاس یہ ہے کہ اس سے مراد بیٹے، اور پیاری جان کی قربانی ہے، جیسا کہ سورہ صافات: ۱۰۱، سے، یا باب کو تو حید کا مسئلہ بیان کرنا، جیسا کہ سورہ مریم: ۴۱، میں ہے، یا بادشاہ کے ساتھ مناظرہ کرنا، کمافی بقرہ: ۲۵۸، یا قوم کے ساتھ مناظرہ، اور جھگڑہ کرنا، جیسا کہ سورہ النعام: ۵۷، اور بیوی و بچے کو صحرا میں چھوڑنا، کمافی سورہ ابراہیم: ۳۵، قوم سے برائت کرنا، جیسا کہ سورہ ممتحنہ: ۴۰ میں ہے: بحر و ابن کثیر۔

[۳۳] عہد، سے مراد وہی عہد امامت ہے جس سے نبوت مراد ہے، فلتمتبادر من العهد، الامامة، ولیست ہی ہنہنا الا النبوة، روح۔ اور ”ظالمین“ سے مراد، نافرمان ہیں، مطلب یہ ہوا کہ تمہاری اولاد سے جو نافرمان ہونگے وہ اس نعمت سے محروم رہیں گے۔ اور فرمانبرداروں میں سے جنہیں اللہ چاہے گا، مرتبہ نبوت عطا فرمائے گا۔ بیضاوی لکھتا ہے: کہ اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام معصوم عن الخطاء ہیں،

(مسئلۃ عصمت الانبیاء)

یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جسے ہم نے اللہ تعالیٰ کی برگزیدہ ہستیوں، انبیاء علیہم السلام کی مدافعت کیلئے تفصیل سے

لکھا ہے، اور ہم نے اس میں یہ واضح کیا ہے کہ رذیل لوگوں نے انبیاء علیہم السلام سے جرائم اور گناہوں کا جو صدور جائز رکھا ہے اور ان کی طرف جن قبائح اور ناشائستہ امور کی نسبت کی ہے وہ جھوٹ اور بہتان ہے اور حجت سے عاری، محض گمان ہے، خواہ مخواہ خالی پیٹ ڈکارنے لگے ہیں، اور بے محل طمع میں مبتلاء ہیں، حالانکہ نہ تو ان میں اس مضبوط بازوؤں کے ساتھ ٹکرانے کی طاقت ہے، اور نہ ہی یہ لوگ شیر کی چال چل سکتے ہیں، كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا ﴿۱۰۱﴾ (کہف)

یاد رکھیے کہ اس مسئلہ میں اختلاف کے چار مقامات ہیں:

پہلا اختلاف: عقیدہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے، امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے، کہ انبیاء علیہم السلام کفر اور بدعت سے محفوظ و معصوم ہیں، بجز خوارج کے فرقہ فضیلیہ کے کہ ان ہاں انبیاء علیہم السلام معصوم نہیں، اس لئے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے گناہوں کا صدور جائز ہے اور ہر گناہ ان کے ہاں کفر ہے، تو اس طرح کفر کا صدور بھی ان سے جائز ہوا، اور روافض کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کیلئے تقیہ کے طور پر کلمہ کفر کا اظہار بھی جائز ہے۔

دوسرا اختلاف: اللہ تعالیٰ کے تمام احکام اور شرائع سے متعلق ہے، اس پر بھی امت کا اجماع ہے، کہ انبیاء علیہم السلام سے اس مسئلے میں تحریف اور خیانت کا صدور جائز نہیں، نہ قصداً اور نہ سہواً، ورنہ پھر تو شریعت کی کسی چیز پر بھی اعتماد باقی نہیں رہے گا۔

تیسرا اختلاف: فتویٰ سے تعلق رکھتا ہے، سو اس پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے قصداً خطا کا صدور جائز نہیں، سہواً میں اختلاف ہے۔

چوتھا اختلاف: انبیاء علیہم السلام کے افعال و احوال سے متعلق ہے، اس میں پانچ مذاہب ہیں:

(۱) حشویہ: ان کا مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا صغائر و کبائر پر اقدام جائز ہے۔

(۲) اکثر معتزلہ: قصداً کبیرہ کا ارتکاب جائز نہیں صغیرہ کا جائز ہے، بشرطیکہ اس سے کوئی جائے خلاصی نہ ہو، اگر ہو تو پھر جائز نہیں، جیسے کہ ناپ تول میں ایک دانے سے کم کی کمی کرنا۔

(۳) ابوعلی الجبائی کا مذہب ہے: انبیاء علیہم السلام سے قصداً کبیرہ و صغیرہ کا صدور جائز نہیں، لیکن تاویل میں خطا کی بنا پر ان سے گناہ کا صدور جائز ہے۔

(۴) ابواسحاق ابرہیم بن یسار النظام معتزلی کا مذہب ہے: انبیاء علیہم السلام سے کبیرہ و صغیرہ کا صدور نہ تو قصد آجائز ہے اور نہ تاویلاً و خطائاً، البتہ سہو اور نسیاناً گناہ کا صدور جائز ہے، لیکن ان کو اس سہو اور نسیان پر تنبیہ کی جاتی ہے، کیونکہ ان کا علم کامل ہے تو ان پر اس معاملہ میں بیدار رہنا واجب ہے۔

(۵) شیعہ: ان سے نہ تو کبیرہ گناہ کا صدور جائز ہے، اور نہ ہی صغیرہ کا، نہ قصداً اور نہ تاویلاً، اور نہ سہو و نسیان کے ساتھ۔

اسی طرح وجوب عصمت کے وقت میں بھی اختلاف ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام ابتداء، ولادت سے آخر عمر تک معصوم ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ عصمت زمانہ نبوت میں واجب ہے، زمانہ نبوت سے قبل واجب نہیں، یہی قول ہمارے اکثر اصحاب رحمہم اللہ کا بھی ہے۔ (اہل السنۃ و الجماعت)۔ اور ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام زمانہ نبوت میں قصداً صغائر و کبائر سے معصوم ہیں۔ اور سہواً صغائر و کبائر کا صدور ان سے جائز ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے اس وجوب پر پندرہ دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

پہلی دلیل: اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں، تو پھر امت کے عام گنہگاروں کی بہ نسبت انبیاء علیہم السلام دنیا میں مذمت اور آخرت میں عذاب کے زیادہ مستحق ہوں گے، اور یہ باطل ہے، تو پھر ان سے گناہ کا صدور بھی باطل ہے۔ ملازمہ: وجہ اس کی یہ ہے کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان میں سب سے بڑی نعمت نبوت اور رسالت ہے، اور جسے اللہ تعالیٰ نے نعمتیں زیادہ دی ہوں، اس کا نافرمانی کرنا بہت گناہ ٹونا ہے، اس پر صریح عقل کے دلالت کرنے کے ساتھ ساتھ نقل بھی تین طریقوں سے اس کی تائید کرتی ہے۔

(۱) حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے ازواج مطہرات کو، ﴿یا نساء النبی لستن کاحد من النساء﴾ [احزاب: ۳۲] اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں جیسی نہیں ہو۔ اور ارشاد ہے۔ ﴿یا نساء النبی من یأت منکن بفاحشۃ مبینة یتضعف لہا العذاب ضعفین﴾ [احزاب: ۳۰] اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کھلی ہوئی بدکاری کرے، تو اسے دو گنا عذاب دیا جائے گا۔

(۲) محسن (شادی شدہ) کو سنگسار اور غیر شادی شدہ کو کوڑے لگایا جاتے ہیں۔

(۳) غلام پر آزادی کی نسبت آدمی حد جاری کی جاتی ہے۔

لہذا ان تینوں دلائل سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو پھر وہ امت کے عام گنہگاروں کی نسبت دنیا میں زیادہ مذمت اور آخرت میں زیادہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔ جب کہ یہ بالاجماع باطل

ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی یہ کہنا گوارا نہیں کرتا کہ پیغمبر، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو سب سے اچھی حالت کا حامل ہو، اور رتبہ میں ہر ایک سے کمتر ہو۔ یہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ سرزد نہ ہونے کی پہلی دلیل ہے۔

دوسری دلیل: اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ سرزد ہوتا تو پھر ان کی گواہی قابل قبول نہ ہوتی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ [حجرات ۶۷] اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی سخی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کیا کرو۔ اس آیت میں فاسق کے قول کی تحقیق اور اس کی گواہی قبول ہونے سے توقف کا حکم دیا گیا ہے۔ جب کہ انبیاء علیہم السلام کا مردود الشہادۃ ہونا باطل ہے۔ اس لئے کہ جس کی گواہی دنیاوی معاملات میں معتبر نہ ہو تو ان کی گواہی کو کیسے قبول کیا جائے گا ان ادیان کے بارے میں جو قیامت تک باقی رہیں گے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ نبی علیہ السلام قیامت کے دن اپنی امت کے لئے گواہی دیں گے۔ اور یہ امت پہلی امتوں پر، ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ [بقرہ ۱۴۳] اور اسی طرح ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا، تاکہ تم اور لوگوں پر گواہ ہو، اور رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہو۔ اور جو قیامت کے دن سارے انبیاء علیہم السلام کے لئے گواہ ہوں گے، تو ان کی گواہی جنت کے بارے میں کیسے قابل قبول ہوگی؟۔

تیسری دلیل: اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں، تو پھر انہیں تنبیہ کرنا ضروری ہوتا، اس لئے کہ دلائل نیکیوں کے حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے کے وجوب پر دلالت کرتے ہیں، جب کہ انبیاء علیہم السلام کو زجر و توبیخ کرنا حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ [احزاب ۵۷] جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں لعنت کی ہے۔ پس انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صادر ہونا ممنوع ہوا۔

چوتھی دلیل: اگر نبی اکرم ﷺ سے فسق صادر ہو، تو یا ہمیں اس فسق میں ان کی پیروی کا حکم ہوگا اور یہ جائز نہیں، اور یا ان کی اتباع کا حکم نہ ہوگا اور یہ بھی باطل ہے، اس لئے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ [آل عمران ۳۱] کہدو اگر تم اللہ کی محبت رکھتے ہو، تو میری تابعداری کرو، تاکہ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے۔ اور جب یہ دو باطل قسمیں نبی ﷺ سے فسق سرزد ہونے کی صورت میں جنم لیتی ہیں، تو ان سے فسق کا سرزد ہونا ہی محال ہوگا۔

پانچویں دلیل: اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہوں تو پھر وہ ضرور جہنم کی وعیدات کے مستحق ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَمَنْ يَعصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يَدْخُلْهُ نَارَ اِخْلَادٍ اُفِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ﴾ [النساء / ۱۲] اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے، اور اس کی حدود سے نکل جائے، اللہ تعالیٰ اسے آگ میں ڈالیں گے، یہ اس میں ہمیشہ رہے گا، اور اس کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔ اور ملعون بھی ہوں گے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿الْاِلْعَنَةُ اللّٰهُ عَلٰى الظّٰلِمِيْنَ﴾ [ہود / ۱۸] خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ حالانکہ باجماع امت یہ باطل ہے، تو انبیاء علیہم السلام سے گناہ کا صادر ہونا باطل ہے۔

چھٹی دلیل: انبیاء علیہم السلام نیکی کرنے اور بدی چھوڑنے کا حکم دیتے تھے۔ پس اگر نیکی چھوڑ دیتے اور گناہ کا ارتکاب کرتے، تو ضرور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے تحت آجاتے۔

(۱) ﴿يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ [صف / ۲، ۳] اے ایمان والو! کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں، اللہ کے نزدیک بڑی ناپسند بات ہے جو کہو اور اس کو کرو نہیں۔

(۲) ﴿اتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ الْكُتُبَ﴾ [البقرة / ۲۲] کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم کرتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو، پھر کیوں نہیں سمجھتے؟ اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہو تو اس زجر و توبیح کے بھی مستحق ہوں گے۔ اور ظاہر یہ طرز عمل انتہائی قبیح ہے انبیاء علیہم السلام اس سے پاک ہیں جیسا کہ اس طرز عمل سے شعیب علیہ السلام نے یوں برائت کا اعلان کیا ہے۔ ﴿وَمَا ارِيْدُ اَنْ اُخَالَفَكُمْ اِلٰى مَا اَنْهَيْتُمْ عَنْهُ﴾ [سورۃ ہود / ۸۸] اور میں یہ نہیں چاہتا کہ جس کام سے تمہیں منع کروں، اس کے خلاف کروں۔

ساتویں دلیل: اللہ تعالیٰ ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہم السلام کی صفت میں فرماتے ہیں ﴿اِنَّهُمْ كَانُوْا اِيْسَارِعُوْنَ فِى الْخَيْرَاتِ﴾ [الانبیاء / ۹۰] یقیناً یہ لوگ نیک کاموں میں دوڑ پڑتے تھے۔ یہاں طریقہ استدلال یہ کہ الخیرات میں الف لام جمع پر داخل ہو کر عموم کا فائدہ دے رہا ہے، لہذا لفظ ”الخیرات“ ہر جائز و مناسب فعل کے کرنے اور ناجائز فعل کے چھوڑنے کو شامل ہوگا، اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر نیکی کو کرنے اور ہر برائی کو چھوڑنے والے تھے، اور یہی ہمارا مدعی ہے۔

آٹھویں دلیل: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفِيْنَ الْاٰخِيَارِ﴾ [ص / ۴۷] یقیناً وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ نیک بندوں میں سے تھے۔ اس آیت میں یہ دونوں لفظ، ”المصطفین“، ”الاخیار“؛ ساری نیکیاں کرنے

اور ساری برائیاں چھوڑنے کو شامل ہیں، اسلئے کہ اس جیسے لفظ سے استثناء کرنا جائز ہے، جیسا کہ عرب کہتے ہیں: فلان من المصطفین الاخيار الافی کذا۔ اور استثناء کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اگر حرف استثناء نہ آتا تو مستثنیٰ ضرور مستثنیٰ منہ میں داخل ہوتا۔ پس یہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام زندگی کے ہر شعبے میں برگزیدہ و چنیدہ ہی ہوا کرتے تھے، اور صرف یہ نہیں بلکہ اس قسم کے بلند و بالا تعریفی کلمات قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کیلئے جا بجا استعمال کئے گئے ہیں۔

(۱) ارشاد باری ہے: ﴿اللہ یصطفیٰ من الملائکة رسلاً ومن الناس﴾ [حج ۵/۷] اور اللہ تعالیٰ فرشتوں اور آدمیوں میں سے ہی پیغام پہنچانے کے لئے چن لیتا ہے۔

(۲) ﴿ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحا و آل ابراهیم و آل عمران علی العلمین﴾ [آل عمران ۳۳] بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم (علیہم السلام) کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو سارے جہان سے پسند کیا ہے۔

(۳) اور ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فرمایا گیا: ﴿ولقد اصطفینہ فی الدنیا و انہ فی الآخرة لمن الصالحین﴾ [البقرة ۱۳۵] اور ہم نے تو اسے دنیا میں بھی بزرگی دی تھی، بے شک وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں سے ہوگا۔

(۴) موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے کہا گیا ہے۔ ﴿یموسیٰ انی اصطفیتک علی الناس برسالتی و بکلامی﴾ [اعراف ۱۴۴] اے موسیٰ (علیہ السلام) میں نے تجھے پیغمبری اور ہم کلامی سے دوسرے لوگوں پر امتیاز دیا ہے۔

(۵) ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہم السلام کو ذکر کر کے فرمایا: ﴿واذکر عبادنا ابراهیم و اسحاق و یعقوب اولی الایدی و الابصار۔ انا اخالصنہم بخالصۃ ذکری الدار﴾ [ص ۴۵، ۴۶] اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب علیہم السلام کو یاد کر، جو ہاتھوں اور آنکھوں والے تھے، بیشک ہم نے انہیں ایک خاص فضیلت دی، یعنی ذکر آخرت کے لئے چن لیا تھا۔

اعتراض: ”اصطفاء“ کی صفت سے متصف ہونا گناہ سے مانع نہیں ہے۔ سورۃ فاطر میں ہے ﴿ثم اور ثنا الكتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنہم ظالم لنفسہ ومنہم مقتصد ومنہم سابق بالخیرات باذن اللہ﴾ [فاطر ۳۲] پھر ہم نے اپنی کتاب کا ان کو وارث بنایا، جنہیں ہم نے اپنے بندوں میں سے چن لیا، پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، اور بعض ان میں سے میانہ رو ہیں، اور بعض ان میں سے اللہ کے کلم سے نیکوں میں پیش قدمی کرنے والے ہیں۔ پس اس آیت میں مصطفین (برگزیدہ) لوگوں کی تین قسمیں بیان فرمائی گئیں (۱) ظالم (۲) مقتصد (۳) سابق بالخیرات۔ جبکہ ظالم کا ظلم تو بدترین گناہ ہے۔

جواب:- ”فمنہم“ کے اندر ضمیر ”عبادنا“ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ”الذین اصطفینا“ کی طرف نہیں، اس لیے نحوی

قواعد کے مطابق ضمیر کو مرجع قریب کی طرف لوٹانا واجب ہوتا ہے۔

نویں دلیل: - سورۃ ص میں اللہ تعالیٰ شیطان کی قسم کی حکایت فرماتے ہیں ﴿قال فبعزتك لاغوينهم اجمعين﴾ [۸۲] الا عبادك منهم المخلصين ﴿۸۳﴾ عرض کی کہ تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو گمراہ کر دوں گا، مگر ان کو جو تیرے خالص بندے ہوں گے۔ تو اس آیت میں ابلیس نے مخلصین ہی کو اپنے اضلال اور اغوا سے مستثنیٰ قرار دیا، اور کامل مخلص انبیاء علیہم السلام ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابراہیم، اسحاق، یعقوب، علیہم السلام کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ﴿انا اخلصناهم بخالصة﴾ اور یوسف علیہ السلام کے حق میں ارشاد ہے ﴿انہ من عبادنا المخلصين﴾ ابلیس کا یہ اقرار کہ میرے گمراہ کن حربوں سے مخلصین ہی بچ سکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی یہ گواہی کہ انبیاء علیہم السلام مخلصین میں سے ہیں۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہے کہ ابلیس کی گمراہ کن تدابیر اور دلفریب دوسوسوں سے انبیاء علیہم السلام محفوظ ہو کر چلے گئے تھے، اور اس سے یہ بات یقینی طور پر سامنے آتی ہے کہ ان سے کوئی بھی گناہ سرزد نہیں ہوا تھا۔

دسویں دلیل: - باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ولقد صدق عليهم ابليس ظنه فاتبعوه الا فريقا من المؤمنين﴾ [سباء: ۲۰] اور البتہ ابلیس نے ان پر اپنا گمان سچ کر دکھایا سوائے ایمانداروں کے ایک گروہ کے، سب اسکے تابع ہو گئے۔ اس آیت کریمہ میں اتباع ابلیس سے بچنے والے گروہ کے متعلق یہی کہا جائے گا۔ کہ وہ انبیاء علیہم السلام تھے، اس لئے کہ اگر یہ انبیاء علیہم السلام کے گروہ نہ ہوں تو یہ لوگ انبیاء علیہم السلام سے بہتر تھے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ان اکرمکم عند اللہ اتقکم﴾ [حجرات: ۱۳] اللہ کے نزدیک عزت والا تم میں سے وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔ اور یہ بالاجماع باطل ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام سے کوئی بھی افضل نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جس جماعت نے ابلیس کی اتباع نہیں کی وہ انبیاء علیہم السلام ہی کی جماعت تھی، اور جو ابلیس کی اتباع کرے گا، وہ گنہگار ہوگا پس یہ دلیل ہے، اس پر کہ انبیاء علیہم السلام نے کسی قسم کے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔

گیارویں دلیل: - اللہ تعالیٰ نے مکلفین کو دو گروہ میں تقسیم فرمایا ہے (۱) حزب الشیطان (۲) حزب اللہ۔ حزب الشیطان کے بارے میں ارشاد باری ہے ﴿اولئک حزب الشیطن الا ان حزب الشیطن ہم الخاسرون﴾ [مجادلہ: ۱۹]۔ یہی شیطان کا گروہ ہے خبردار یقیناً شیطان کا گروہ ہی نقصان اٹھانے والا ہے۔ اور حزب اللہ کے متعلق ارشاد ہے ﴿اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ہم المفلحون﴾ [مجادلہ: ۲۲]۔ یہی اللہ کا گروہ ہے خبردار بے شک اللہ کا گروہ ہی کامیاب ہونے والا ہے۔ اور بلاشبہ شیطانی گروہ تو وہی ہوگا جو شیطان کی چاہت اور اس کی مرضی کے مطابق چلے گا، پس اگر انبیاء علیہم السلام سے شیطانی عمل سرزد ہو جائے تو وہ بھی (نعوذ باللہ) شیطان کے گروہ میں

شمار ہوں گے۔ اور ان پر یہ آیت کریمہ صادق ہوگی ﴿الان حزب الشيطان هم الخاسرون﴾ اور امت کے نیک عمل لوگوں پر یہ آیت صادق ہوگی ﴿الان حزب الله هم المفلحون﴾ اور اس سے یہ نتیجہ نکلے گا کہ امت کے بعض افراد انبیاء علیہم السلام سے بہتر ہیں جبکہ یہ نتیجہ صریح البطلان ہے۔

بارویں دلیل:- ہمارے اصحاب (رحمہم اللہ تعالیٰ) یہ کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے بہتر ہیں، اور یہ حقیقت دلائل سے ثابت ہے کہ فرشتوں نے کسی قسم کے گناہ کا ارتکاب نہیں کیا۔ پس اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ صادر ہونا تسلیم کیا جائے تو فرشتوں سے ان کی افضلیت ممتنع ہوگی، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ام نجعل الذین آمنوا و عملوا الصلحت کالمفسدین فی الارض ام نجعل المتقین کالفجار﴾ [ص: ۲۸] کیا ہم کر دیں گے ان کو جو ایمان لائے اور نیک کام کیئے، ان کی طرح جو زمین میں فساد کرتے ہیں، یا ہم پر ہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے۔

تیرھویں دلیل:- اللہ تعالیٰ ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فرماتے ہیں ﴿انسی جاعلک للناس اماما﴾ [بقرہ: ۱۲۴] بے شک میں تجھے لوگوں کیلئے پیشوا بنا دوں گا۔ اور یہ پیشوا وہی ہوتا ہے جس کی اقتداء کی جاتی ہے۔ پس اگر ابراہیم علیہ السلام سے نافرمانی سرزد ہو جاتی تو لوگوں کا اس گناہ میں بھی اقتداء کرنا واجب ہو جاتا۔ اور یہ باطل ہے۔

چودھویں دلیل:- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿لا ینال عہدی الظالمین﴾ [بقرہ: ۱۲۴] میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ اور جو بھی گناہ کا ارتکاب کرے گا وہ اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہوگا، اس لئے کہ ارشاد باری ہے ﴿فمنہم ظالم لنفسہ﴾ [فاطر: ۳۲]۔ جب تو یہ مقدمہ پہچان چکا، تو اب ہم کہتے ہیں کہ جس عہد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ ہے کہ یہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا یا تو یہ عہد نبوت ہوگا اور یہ بعینہ ہمارا مقصود ہے، اور یا عہد امامت مراد ہوگا، اور اس صورت میں تو یہ ہمارے مدعی کیلئے زیادہ واضح دلیل ہوگی۔ اس لئے کہ امامت رتبہ میں نبوت سے کم ہوا کرتی ہے۔ جب عہد امامت نافرمان و عاصی کو حاصل نہیں ہے تو کیسے ان کے ساتھ عہد نبوت کر کے ان کو نبوت دی جائے گی۔

پندرھویں دلیل:- منقول ہے کہ خزیمہؓ نے ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کے دعوے کے مطابق گواہی دی۔ جب کہ وہ لیلین دین کے وقت موجود نہ تھے۔ [تو اس گواہی پر اعتراض کرنے والوں نے اعتراض کیا] تو خزیمہؓ نے کہا کہ جب میں عالم بالالی خبروں کے بارے میں ان کی تصدیق کر رہا ہوں تو کیوں دنیاوی معاملہ میں ان کی تصدیق نہ کروں؟ جب اس کا تذکرہ دربار رسول اللہ ﷺ میں ہوا تو آپ ﷺ نے اسکی تصدیق فرمائی اور ان کو ذوالشہادتین (یعنی ان کی گواہی دو کے برابر ہے) کا لقب عطا فرمایا، (ابوداؤد: رقم: ۳۶۰ ج: ۳۰۱ کتاب الاقضیہ) تو اگر انبیاء علیہم السلام سے گناہ سرزد ہونا جائز ہوتا تو خزیمہؓ کی یہ گواہی ناجائز ہوتی۔

(مخلص از کتاب عصمت الانبیاء)

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا

اور جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کیا

وَآتَخَذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ

اور (حکم دیا کہ) جس مقام پر ابراہیم کھڑے ہوئے تھے اس کو نماز کی جگہ بنا لو اور ابراہیم اور اسماعیل کو کہا

طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۱۲۵﴾

کہ طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں کے لئے میرے گھر کو پاک صاف رکھا کرو

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ

اور جب ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ! اس جگہ کو امن کا شہر بنا اور اس کے رہنے والوں میں سے

مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ آمَنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمْتِعُهُ

جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں ان کے کھانے کو میوے عطا کرو (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا کہ جو کافر ہوگا میں اس کو بھی کسی قدر فائدہ دوں گا

قَلِيلًا ثُمَّ اضْطَرَّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۲۶﴾

(مگر) پھر اس کو (عذاب) دوزخ کے (بھگتنے کے) لئے ناچار کر دوں گا اور وہ بُری جگہ ہے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا

اور جب ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے (تو دعا کئے جاتے تھے کہ) اے اللہ ہم سے یہ خدمت قبول فرما

إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ

بیٹک تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اے رب ہمیں اپنا فرمانبردار بنائے رکھ اور ہماری

ذُرِّيَّتَنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ

اولاد میں سے بھی ایک گروہ کو اپنا مطیع بناتے رہنا اور (اے اللہ) ہمیں ہمارے طریقِ عبادت بتا اور ہمارے حال پر (رحم کے ساتھ) توجہ فرما

الرَّحِيمِ ﴿۲۸﴾ إِنَّا وَابِعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ

بیشک تو توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔ اے پروردگار ان (لوگوں) میں انہیں میں سے ایک پیغمبر مبعوث فرما

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنایا کرے اور کتاب اور دانائی سکھایا کرے۔

وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ

اور اُن (کے دلوں) کو پاک صاف کیا کرے بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے۔ اور ابراہیم کے دین سے کون روگردانی کر سکتا ہے

إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ

سوائے اس کے جو نہایت نادان ہو۔ ہم نے ان (ابراہیم علیہ السلام) کو دنیا میں بھی منتخب کیا تھا اور آخرت میں بھی وہ

لِمَنْ الصَّالِحِينَ ﴿۳۰﴾ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمَ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ

(زمرہ) صلحاء میں ہوں گے۔ جب اُن سے اُن کے رب نے فرمایا کہ اسلام لے آؤ تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کے آگے سہرا طاعت خم کرتا ہوں

﴿۳۱﴾ وَرَضِيَ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ

اور ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اسی بات کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی کہ اے ہمارے بچو! اللہ تعالیٰ نے

اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۳۲﴾ كُنْتُمْ

تمہارے لئے یہی دین پسند فرمایا ہے خبردار تم مسلمان ہی مرنا۔ بھلا جس وقت۔

شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي

یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا

انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے

وَاحِدًا وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۳۳﴾ اِنَّكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ

اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔ یہ جماعت گزر چکی ان کو ان کے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تمہیں تمہارے اعمال (کا)

وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۴﴾ اَلْوَالُوْا كُوْنُوْا

اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پُرش تم سے نہیں ہو گی۔ اور (یہودی اور عیسائی) کہتے ہیں کہ

هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سیدھے رستے پر لگ جاؤ گے۔ (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو (نہیں) بلکہ (ہم) دین ابراہیم

حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۳۵﴾ اَلْوَالُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اَنْزَلَ اِلَيْنَا

(اختیار کئے ہوئے ہیں) جو ایک اللہ ہی کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ (مسلمانو) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہم پر اتاری

وَمَا اَنْزَلَ اِلَى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَاَلْسَابِطِ وَمَا

اس پر اور جو (صحیفے) ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر

اٰتٰى مُوسٰى وَعِيسٰى وَمَا اٰتٰى النَّبِيُوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ

اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان پر (سب پر ایمان لائے)

لَا نَفْرَقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۳۶﴾ اَلْبٰنِ

ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (معبود واحد) کے فرمانبردار ہیں۔ تو اگر یہ لوگ بھی

اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ

اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور اگر منہ پھیر لیں تو وہ

فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۳﴾

(تمہارے) مخالف ہیں اور ان کے مقابلے میں تمہیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ سنے والا (اور) جاننے والا ہے۔ [۳۳]

[۳۳] شروع سورہ بقرہ سے یہاں تک ایمان کی حقیقت کہیں مجمل اور کہیں مفصل بیان کی گئی ہے، اس آیت میں ایک ایسا اجمال ہے جو تمام تفصیلات اور تشریحات پر حاوی ہے کیونکہ ”امنتم“ کے مخاطب رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام ہیں، اس آیت میں ان کے ایمان کو ایک مثالی نمونہ قرار دیکر حکم دیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول و معتبر صرف اس طرح کا ایمان ہے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے اختیار فرمایا، جو اعتقاد اس سے سب سے مختلف ہو، اللہ کے نزدیک مقبول نہیں۔

توضیح اس کی یہ ہے، کہ جتنی چیزوں پر یہ صاحبان ایمان لائے ان میں کوئی کمی زیادتی نہ ہو، اور جس طرح اخلاص کے ساتھ ایمان لائے، اس میں کوئی فرق نہ آئے کہ وہ نفاق میں داخل ہے، اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات فرشتے اور انبیاء علیہم السلام و رسل، اسمانی کتابیں اور ان کی تعلیمات کے متعلق جو ایمان و اعتقاد رسول اللہ ﷺ نے اختیار کیا، وہی اللہ کے نزدیک مقبول ہے، اس کے خلاف اس میں کوئی تاویل کرنا، یا کوئی دوسرے معنی مراد لینا اللہ کے نزدیک مردود ہے، فرشتوں اور انبیاء و رسل کے لئے جو مقام آپ کے قول و عمل سے واضح ہوا اس سے ان کو گھٹانا یا بڑھانا ایمان کے منافی ہے۔

اس توضیح سے ان تمام باطل فرقوں کے ایمان کا خلل واضح ہو گیا جو ایمان کے دعویدار ہیں، مگر حقیقت ایمان سے بے بہرہ ہیں، کیونکہ زبانی دعویٰ ایمان کا تو بہت پرست مشرکین بھی کرتے تھے، اور یہود و نصاریٰ بھی، اور ہر زمانے میں زندیق و طغی بھی، مگر چونکہ ان کا ایمان اللہ پر، اور رسولوں پر، اور فرشتوں پر اور یوم قیامت وغیرہ پر اس طرح کا نہیں تھا، جیسا رسول اللہ ﷺ کا ہے، اس لئے وہ اللہ کے نزدیک مردود و نامقبول ہوا۔

مشرکین میں سے بعض نے تو فرشتوں کے وجود ہی کا انکار کیا، بعض نے ان کو اللہ کی بیٹیاں بنا دیا، دونوں کی تردید ”بمثل ما منتہم بہ“ سے ہو گئی، یہود و نصاریٰ کے بعض گروہوں نے اپنے پیغمبروں کی مخالفت اور نافرمانی کی، یہاں تک کہ بعض کو قتل بھی کر دیا، اور بعض گروہوں نے ان کی عزت و عظمت کو تناہر کر دیا کہ اللہ یا اللہ کا بیٹا یا اللہ کا مثل بنا دیا، یہ دونوں قسم کی افراط و تفریط ضلالت و گمراہی قرار دی گئی۔

شریعت اسلام میں رسول کی عظمت و محبت فرض ہے، اس کے بغیر ایمان ہی نہیں ہوتا مگر رسول کو کسی صفت علم یا قدرت وغیرہ میں اللہ کے برابر کر دینا گمراہی اور شرک ہے قرآن کریم نے شرک کی حقیقت یہی بیان فرمائی ہے، کہ غیر اللہ کو کسی صفت میں اللہ کے برابر کریں ”اِذْ نَسُوا بَرَبَ الْعَلَمِينَ“ (شعرا: ۹۸) کا یہی مفہوم ہے، آج بھی جو لوگ رسول کریم ﷺ کو عالم الغیب اور اللہ کی طرح ہر جگہ موجود حاضر ناظر کہتے ہیں، یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کی عظمت و محبت کا حق ادا کر رہے ہیں، حالانکہ وہ خود نبی کریم ﷺ کے حکم کی

اور عمر بھری کوششوں کی صریح مخالفت کر رہے ہیں، اس آیت میں ان کے لئے بھی سبق ہے کہ رسول اللہ کی عظمت و محبت اللہ کے نزدیک ایسی ہی مطلوب ہے جیسی صحابہ کرامؓ کے دل میں، آپؐ کی تھی، اس سے کسی بھی حرام ہے اور اس میں زیادتی بھی غلو اور گمراہی ہے۔

اسی طرح جن فرقوں نے رسول کریم ﷺ پر ختم نبوت کا انکار کر کے نئے نبی کے لئے دروازہ کھولنا چاہا، اور قرآن کریم کی واضح تصریح خاتم النبیین کو اپنے مقصد میں حائل پایا تو انہوں نے رسول و نبی کی بہت سی قسمیں اپنی طرف سے اختراع کر لیں، جن کا نام نبی ظلی، نبی بروزی وغیرہ رکھ دیا، اور ان کے لئے گنجائش نکالنے کی کوشش کی، مذکورہ صدر آیت نے ان کے دجل و گمراہی کو بھی واضح کر دیا، کیوں کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کے ایمان بالرسول میں کسی ظلی و بروزی کا کہیں نام و نشان نہیں، یہ کھلا ہوا زندقہ اور الحاد ہے۔ اسی طرح وہ لوگ جن کے قلب و دماغ صرف مادے اور مادیات میں کھوئی ہوئے ہیں عالم غیب اور عالم آخرت کی چیزیں جب انہیں مستبعد نظر آتی ہیں، تو طرح طرح کی تاویلوں میں پڑ جاتے ہیں، اور اپنے نزدیک اس کو دین کی خدمت سمجھتے ہیں کہ ہم نے اس کو اقرب الی الفہم کر دیا مگر چونکہ وہ تاویلیں ”بمشل ما امنتہم بہ“ کے خلاف ہیں، اس لئے سب مردود و باطل ہیں، آخرت کے تمام حالات و واقعات جس طرح قرآن و سنت میں وارد ہوئے ہیں ان پر بغیر کسی تحجک اور تاویل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے، حشر اجداد کے بجائے حشر روحانی اور عذاب و ثواب جسمانی و روحانی، اسی طرح وزن اعمال میں تاویلیں کرنا سب اللہ کے نزدیک مردود، باطل اور گمراہی ہے۔

یہاں ابن کثیر لکھتا ہے کہ اگر یہ کفار بھی تم جیسا ایمان لائیں یعنی تمام کتابوں، اور رسولوں کو مان لیں، تو حق و رشد، ہدایت و نجات پائیں گے۔ اور اگر باوجود قیام حجت کے پھر بھی باز رہے تو یقیناً حق کے خلاف پر ہے۔ جبکہ جواہر القرآن میں ہے: کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا ایمان معیاری اور عند اللہ مقبول تھا، اور وہ ہدایت یافتہ تھے، کیونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین کا ہدایت یافتہ ہونا ان جیسا ایمان لانے پر موقوف کیا گیا ہے۔ ”فسیکفیکہم اللہ“ میں واضح فرمادیا کہ آپؐ اپنے مخالفوں کی زیادہ فکر نہ کریں، ہم خود ان سے نمٹ لیں گے، اور یہ ایسا ہی ہے، جیسا دوسری آیت میں ”وَ اللّٰهُ یَعِصْمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ“ (مائدہ) میں اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ فرمادیا، کہ آپؐ مخالفین کی فکر نہ کریں، اللہ تعالیٰ ان سے آپؐ کی حفاظت خود کریں گے۔ نافع بن ابی نعیم کہتے ہیں، کہ کسی خلیفہ کے پاس عثمانؓ کی تلاوت والا قرآن مجید بھیجا گیا، زیاد نے یہ سن کر کہا! کہ لوگوں میں مشہور ہے کہ جب عثمانؓ لوگوں نے شہید کیا اس وقت یہ کلام اللہ ان کی گود میں تھا، اور آپؐ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر پڑا تھا ”فسیکفیکہم اللہ“ کیا صحیح ہے؟ نافع نے کہا بالکل ٹھیک ہے میں نے خود اس آیت پر ذوالنورین کا خون دیکھا تھا۔ (ابن کثیر)۔ اور امام بیہقی نے شعب الایمان: ۱۸۳/۵، ۱۸۳/۵، ۱۵۹، میں عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ: کان عثمان یقر افی المصحف وهو فی حجره فکان اول قطرة قطرت من دمه علی هذه الایة۔

﴿۳۸﴾ صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ ﴿۳۸﴾

(کہہ دو کہ ہم نے) اللہ کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے؟ اور ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ [۳۵]

قُلْ أَتَحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا

(ان سے) کہو کہ کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہی ہمارا اور تمہارا رب ہے اور ہمیں ہمارے اعمال (کا بدلہ ملے گا)

وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾ قُلْ لَوْ كُنَّا نَعْلَمُ

اور تمہیں تمہارے اعمال (کا) اور ہم خاص اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔ (اے یہود و نصاریٰ) کیا تم اس بات کے قائل ہو

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ

کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟

نَصَارَى قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةَ عِنْدَهُ

(اے محمد ﷺ! ان سے) کہو کہ بھلا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ تعالیٰ؟ اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی شہادت (یعنی

[۳۵] اس آیت میں نصاریٰ کی اس رسم باطل پر رد ہے، جو کہ یہاں بعض مفسرین وغیرہ نے ذکر کیا ہے، کتاب التکت

لنصرانی: ۱۴۰ (وہو شرح لزیادات الزیادات) ومعناه (اصباغ الاولاد) انہم کانوا یاخذون ماء من عین،

بقرب میلاد عیسیٰ علیہ السلام (ای وقت ولادۃ عیسیٰ علیہ السلام) یسمونه ماء العمودیة، یجعلون

ذلک فی قدر، ثم یغمسون اولادہم فیزعمون انہم یتطہرون بذلك عن کل شوب الا

النصرانیة۔ کتاب التکت میں امام نصرحسیؒ (جو کہ کتاب الزیادات کی شرح ہے) لکھتا ہے کہ: ”صغ“ کا معنی یہ ہے کہ یہ

نصاریٰ ایک چشمے سے، (عیسیٰ علیہ السلام کے وقت ولادت کے قریب)، پانی لیتے تھے، اور اس کو عمودی پانی سے موسوم

کرتے تھے، اور اس پانی کو ایک ہانڈی میں ڈال کر پھر بچوں کو اس میں نہلاتے اور یہ گمان کرتے کہ اس عمل سے ہمارے یہ

بچے تمام مذاہب و عقائد باطلہ سے پاک ہوتے ہیں، اور نصرانیت کے علاوہ تمام ادیان و افکار سے مبرا ہوتے ہیں۔

مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۰﴾ اِنَّكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ

اس گواہی) کو جو اس کے پاس (کتاب میں موجود) ہے چھپائے اور جو کچھ تم لوگ کر رہے ہو اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں ہے

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۱﴾

یہ جماعت گزر چکی ان کو (وہ ملے) گا جو انہوں نے کیا اور تمہیں وہ جو تم نے کیا اور جو عمل وہ کرتے تھے ان کی پریشانی تم سے نہیں ہوگی

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَاهُمُ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا

اجتہق لوگ کہیں گے کہ مسلمان جس قبلے پر (پہلے سے چلے آتے) تھے (اب) اس سے کیوں منہ پھیر بیٹھے؟

عَلَيْهَا قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

تم کہہ دو کہ مشرق اور مغرب سب اللہ ہی کا ہے وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔ [۳۶]

﴿۱۲۲﴾ اَوْ كَذٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدًاۙ عَلٰى النَّاسِ

اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں کو دین بیان کرتے رہو

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شٰهِيْدًا

اور پیغمبر تم کو بیان کرے گا۔ [۳۷]

[۳۶] امام بخاری نے براء سے (کتاب الصلوٰۃ، باب التوجه نحو القبلة) روایت کیا ہے کہ: رسول اللہ

ﷺ جب مکہ سے مدینہ آئے تو بیت المقدس کی طرف سولہ ۱۶، یا سترہ ۱۷، مہینے نماز پڑھی، مگر آپ کی یہ خواہش تھی کہ قبلہ

طرف کعبہ کے ہو۔ چنانچہ سب سے پہلے جو نماز طرف کعبہ کے پڑھی، عصر کی نماز تھی، آپ کے ہمراہ ایک قوم نے بھی پڑھی،

ان میں سے ایک کا گدڑ مسجد بنو سلمہ والوں پر ہوا، وہ لوگ رکوع میں تھے، اس نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں، کہ میں نے

رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ نماز کعبہ کی طرف پڑھی ہے، وہ سب لوگ مکہ کی طرف پھر گئے، کچھ لوگ جو پہلے قبلے پر قبل تھوہیل

کے طرف کعبے کے مرگئے تھے، ہم ان کے حق میں کچھ نہ کہہ سکتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

”سفہاء“ سے مراد یا تو مشرکین مکہ تھے یا یہود اور بعض نے منافقین ذکر کئے ہیں، لیکن لفظ اپنے عموم کے لحاظ

سے سب کو شامل ہے، اس لئے اس کو عموم پر محمول کرنا ہی بہتر ہے (کبیر)۔

[۳۷] یہاں تفسیر نعیمی والے نے کچھ یوں تفسیر کیا ہے، امت کو تو رسول اللہ ﷺ کی اطلاع کے ذریعہ سے احوال امم،

وتبلغ انبیاء کا علم قطعی و یقینی حاصل ہے، اور رسول اللہ ﷺ بکرم الہی نور نبوت سے ہر شخص کے حال، اور اس کی حقیقت ایمان

اور اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں۔

اس کا جواب تفسیر جوہر القرآن نے تفصیل سے دیا ہے، لکھتا ہے: یہ مرکزیت تمہیں اس لئے عطاء کی ہے تاکہ

میرا پیغمبر تم کو میری توحید بتائے اور میرے احکام سے تم کو آگاہ کرے، اور تم دوسرے لوگوں کو توحید بتاؤ، اور ان تک میرے

احکام پہنچاؤ، اس میں خطاب صحابہ کرام سے ہے ”اور شہداء“ شہید کی جمع ہے۔ جو شہادت سے ماخوذ ہے، جن کے معنی ہیں

بیان کرنا، اس لئے شہید اور اسی طرح شاہد کے معنی ہونگے۔ اللہ کے توحید بیان کرنے والا، اور راہ حق بتانے والا، جیسا کہ

علامہ ابن صفی حنفی نے لکھا ہے: انا ارسلناک شاہداً للہ بالوحدانیۃ (جامع)۔ یعنی آپ کو ہم نے توحید بیان

کرنے والا بنا کر بھیجا، اسی طرح سورہ مائدہ میں ”وکانوا علیہ شہداً“ کے تحت علامہ موصوف لکھتے ہیں: زقبا

لسلا یبدل (جامع)۔ یعنی علماء یہود تو رات کے محافظ تھے کہ اس میں تبدیلی نہ ہونے پائے، اور مولانا شاہ عبد القادر محدث

دہلوی نے سورہ مزمل میں ”شہداً“ کا ترجمہ بتانے والا کیا ہے۔ اِنَّا ارْسَلْنَا اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَا ارْسَلْنَا

اِلٰی فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (۱۵)۔ ہم نے بھیجا تمہاری طرف رسول بتانے والا تمہارا۔ لیکن شرک پسند اور بدعت نواز مولوی

کہتے ہیں کہ، یہاں شہید کے معنی گواہ کے ہیں، اور گواہ صرف وہی ہو سکتا ہے جو موقع پر موجود ہو، اور واقعہ کو اپنی آنکھوں سے

دیکھے، جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو امت پر گواہ فرمایا، تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر امتی کے ساتھ موجود ہوتے ہیں،

اور اس کی تمام حرکات و سکنات کو دیکھتے ہیں، ورنہ گواہ نہیں بن سکتے، تو اس سے ثابت ہوا کہ آپ ہر جگہ اور ہر وقت

حاضر و ناظر ہیں۔

پہلا جواب: لفظ ”شہید“ یہاں بمعنی گواہ نہیں، بلکہ جیسا کہ پہلے جامع البیان اور ترجمہ موضح قرآن کے حوالہ سے

بیان کیا گیا ہے۔ یہاں شہید کے معنی بیان کرنے والے اور بتانے والے کے ہیں۔ اور سیاق و سباق کے اعتبار سے بھی یہی

معنی موزوں ہیں کیونکہ اسی آیت میں صحابہ کرام کے لئے بھی لفظ ”شہداء“ کا استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ بعینہ وہی مفہوم ادا کر رہا ہے جو سورہ آل عمران میں ایک پوری آیت میں بیان کیا گیا ہے: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ (الایة: ۱۱۰)

دوسرا جواب: اگر مان لیا جائے کہ اس آیت میں شہید بمعنی گواہ ہے، لیکن یہ دعویٰ غلط ہے کہ گواہ صرف وہی شخص بن سکتا ہے جو موقع پر موجود ہو اور واقعہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے کیونکہ فقہاء کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ گواہی کے لئے واقعہ کا آنکھوں سے مشاہدہ کرنا ضروری نہیں، کیونکہ قرآن مجید میں وارد ہے: وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قَبْلِ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿۲۴﴾ (یوسف)۔

یہاں اس شخص کو شاہد (گواہ) فرمایا جس نے زلیخا کی دست اندازی کا اپنے آنکھوں سے مشاہدہ نہیں کیا تھا، بلکہ محض علامات کی بناء پر گواہی دی، تو معلوم ہوا کہ گواہی کے لئے مشاہدہ ضروری نہیں، اسی طرح اگر ایک شخص موقع پر موجود نہ ہو لیکن واقعہ کی خبر اس تک کسی ایسے معتبر اور باوثوق ذریعہ سے پہنچ جائے جس سے اس کو واقعہ کی صداقت کا یقین ہو جائے، تو اس کے لئے گواہی دینا جائز ہے، چنانچہ ہدایہ: ۳/۱۵۷، میں ہے انما يجوز للشاهد ان يشهد بالاشتهار و ذلك بالتواتر او اخبار من يثق به۔

تیسرا جواب: ”شہید“ کے معنی یہاں نگہبان اور رقیب کے ہیں، اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کا رسول تم پر (یعنی صحابہ کرام پر) نگہبان ہو، تاکہ تم دین اسلام سے نہ ہٹے پاؤ اور دین میں تحریف نہ ہونے پائے۔ اور تم ان لوگوں پر نگہبان ہو، جو تم سے دین سیکھیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: قیامت کے دن میں دیکھوں گا، کہ میرے امت کے کچھ لوگ لائے جا رہے ہونگے لیکن قبل اس کے کہ وہ مجھ تک حوض کوثر تک پہنچیں انہیں جہنم کی طرف لے جایا جائے گا، تو میں کہوں گا کہ یہ تو میرے امتی ہیں، تو مجھے جواب ملے گا کہ آپ کے بعد ان لوگوں نے کچھ کیا ہے آپ ﷺ کو معلوم نہیں تو: فاقول كما قال العبد الصالح: ﴿و كنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم﴾ (صحیح بخاری: ۲/۲۶۵)۔

”میں اس کے جواب میں وہی کچھ کہوں گا جو اللہ کے نیک بندہ عیسیٰ علیہ السلام کہے گا کہ جب تک میں ان میں موجود تھا ان پر نگران رہا اور جب تو نے مجھے اٹھالیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا“ اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے خود بیان

فرمادیا کہ جب تک میں ان میں موجود رہا، ان کے حالات سے آگاہ رہا، تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا گواہ ہونا صحابہ کے لئے ہے، اور ہر امتی پر گواہ نہیں ہے اور نہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

چوتھا جواب: یا گواہ سے مراد یہ ہے کہ جب قیامت کے دن آپ کی امت پہلی امتوں پر گواہی دے گی کہ ان کے پیغمبروں نے ان کو اللہ کے احکام پہنچائے ہیں اور آپ اپنی امت پر تبلیغ رسالت کی گواہی دیں گے۔ جیسا کہ قتادہ فرماتے ہیں: لتکونوا شهداء علی الناس لتکون هذه الامة شهداء علی الناس ان الرسول قد بلغکم ویکون الرسول علی هذه الامة شهيداً ان قد بلغ ما رسل به (ابن جریر)۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: یجاء بنوح علیہ السلام یوم القيامة فيقال له هل بلغت فيقول بلغت یعنی نعم یارب فیسئل امته هل بلغکم فيقولون ماجاء نامن نذیر فيقال من شهودك فيقول محمد و امته فقال رسول الله ﷺ فيجاء بکم فتشهدون (صحیح البخاری: ۲/۱۰۹۲)۔ یعنی ”قیامت کے دن نوح علیہ السلام سے سوال ہوگا کیا تو نے میرے احکام اپنی امت تک پہنچائے تو وہ جواب دیں گے کہ اے میرے رب میں نے پہنچا دیے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی امت سے سوال فرمائے گا کیا اس نے تم کو میرے احکام پہنچائے تھے؟ تو وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں، تو نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا۔ تیرے گواہ کون ہے؟ تو وہ جواب دیں گے کہ محمد ﷺ اور آپ کی امت میری گواہ ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: چنانچہ پھر تمہیں بلایا جائے گا اور تم گواہی دو گے۔“ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ قوم نوح امت محمدیہ پر اعتراض کرے گی کہ تم کس طرح گواہی دے سکتے ہو تم اس وقت موجود نہیں تھے۔ تو امت محمدیہ جواب دے گی: ان اللہ تعالیٰ بعث الینار سولاً وانزل علیہ الكتاب فکان فیما نزل الینا خبرکم یعنی ”اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اپنا رسول بھیجا اور اس پر کتاب نازل فرمائی اور اس پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں تمہارا ذکر بھی فرمایا کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی توحید اور اس کے احکام کا حق پہنچائے تھے۔“

پانچواں جواب: اگر بالفرض مان لیا جائے کہ تمام دلائل قطعیہ اور نصوص صریحہ کے خلاف یہاں لفظ شہید کے معنی حاضر و ناظر ہی کے ہیں اور اس سے نبی علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہو رہا ہے، تو پھر صرف نبی علیہ السلام ہی کو نہیں بلکہ ساری امت محمدیہ کو حاضر و ناظر ماننا پڑے گا۔ کیونکہ اسی آیت میں امت محمدیہ کے لئے بھی لفظ شہداء

استعمال کیا گیا ہے جو شہید کی جمع ہے۔ بلکہ اس صورت میں تو امت کا رتبہ نبی ﷺ سے بھی بڑھ جائے گا۔ کیونکہ آپؐ تو صرف اپنی امت کے گواہ ہیں، اور یہ امت پہلی تمام امتوں پر گواہ ہے۔ جیسا کہ ”لتكونوا شهداء على الناس“ سے ظاہر ہے۔

چھٹا جواب: اگر شہید کے وہی معنی تسلیم کر لئے جائیں جو مبتدعین کہتے ہیں تو اس آیت اور قرآن مجید کی دوسری آیتوں کے درمیان ایسا اختلاف اور تضاد رونما ہوگا جس کا اٹھنا ناممکن نہیں ہوگا۔ مثلاً سورہ بقرہ میں یہ آیت ہے مدینہ منورہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کے بعد تقریباً سولہ، سترہ، سو تیس اور نازل ہوئیں اور ان کے بعد سورہ منافقون نازل ہوئی جس کا شان نزول صحیح روایتوں کے مطابق یہ ہے: کہ غزوہ تبوک کے سفر میں عبد اللہ بن ابی ریس المنافقین نے موقع پا کر اپنے ساتھی منافقین سے کہا کہ اس پیغمبر اور اس کے ساتھیوں نے ہمیں بہت تنگ کر رکھا ہے۔ ان کی وجہ سے ہمیں بہت تکلیف ہے۔ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو (العیاذ باللہ) ان کینوں کو شہر سے نکال دیں گے۔ عبد اللہ کی یہ باتیں ایک کم سن صحابی، زید بن ارقم نے سن لیں اور اپنے چچا سے کہہ دیں، انہوں نے سارا ماجراجنبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ تو آپ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی کولہ کو پوچھا تو اس نے قسمیں کھا کر نبی علیہ السلام کو یہ باور کرایا کہ اس نے ایسی کوئی بات نہیں کی۔ چنانچہ آپ نے زید بن ارقم کو جھٹلادیا اور عبد اللہ بن ابی کو سچا مان لیا تو اس پر سورہ منافقون نازل ہوئی جس سے آپ پر حقیقت حال منکشف ہوئی۔

اگر آپ حاضر و ناظر ہوتے تو یقیناً آپ کو عبد اللہ بن ابی کی باتیں معلوم ہو جائیں اور آپ زید بن ارقم کی تصدیق فرماتے، اور عبد اللہ کی قسموں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کو جھٹلا دیتے۔ اسے لئے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شہید کے معنی یہاں حاضر و ناظر کے نہیں ہے جیسا کہ فریق مخالف کا زعم ہے۔

ایک شبہ بعض مبتدعین یہاں شاہ عبد العزیز قدس سرہ کی ایک عبارت پیش کر کے اس سے نبی علیہ السلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ شاہ صاحب نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: یعنی ”وہا بشد رسول شہا، بر شہا گواہ، زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت، برتبہ ہر متدین بدین خود، کہ در کلام درجہ از دین من رسیدہ، الخ۔ (تفسیر عزیزی)۔

یعنی ”اور ہر رسول تمہارا تم پر گواہ، کیونکہ آپ نور نبوت سے اپنے ہر امتی کا رتبہ جانتے ہیں۔ کہ وہ کس =

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا

اور جس قبلہ پر تم (پہلے) تھے اُس کو ہم نے اس لئے مقرر کیا تھا

إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلٰی عَقْبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ

کہ ظاہر کریں [۳۸] کہ کون (ہمارے) پیغمبر کا تابع رہتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور یہ بات (یعنی تحویل قبلہ لوگوں کو)

لَكِبْرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ

گراں معلوم ہوئی مگر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت بخشی ہے (وہ اسے گراں نہیں سمجھتے) اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ تمہارے ایمان کو یونہی ضائع کر دیں

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرُؤُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۸﴾ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ

اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر بڑا مہربان اور رحمت والا ہے۔ (اے محمد ﷺ!) ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا

فِي السَّمَاءِ فَلَنُلَیِّنَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ

دیکھ رہے ہیں پس ہم تمہیں اسی قبلہ کی طرف جس کو تم پسند کرتے ہو منہ کرنے کا حکم دیں گے۔ تو اپنا منہ مسجد حرام

= درجہ پر پہنچا ہے، تو اس سے معلوم ہوا، کہ آپ ہر امتی کے تفصیلی حالات سے آگاہ ہیں اور حاضر و ناظر ہیں۔

جواب: یہ عبارت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ کی نہیں ہے، بلکہ مدرج ہے، بعد میں کسی نے بڑھائی ہے، کیونکہ اس کے

بعد آگے چل کر شاہ صاحب لکھتے ہیں شہادت درینجا بمعنی گواہی نیست، بلکہ بمعنی اطلاع و نگہبانی است تا از جادہ حق بیرون

نروند، چنانچہ، واللہ علی کل شیء شہید، و در موقولہ عیسیٰ علیہ السلام، کہ ”و کنت علیہم شہید اما دمت فیہم

فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم وانت علی کل شیء شہید، تفسیر عزیز یزی“۔ یعنی اس آیت میں

شہادت کے معنی گواہی کے نہیں بلکہ اطلاع اور نگہبانی کے ہیں، تا کہ وہ راہ حق سے باہر نہ جاسکے، جیسا کہ، واللہ علی کل

شیء شہید، میں اور عیسیٰ علیہ السلام کے قول ”کنت علیہم شہید“ میں شہید بمعنی گواہ نہیں بلکہ اس کے معنی نگران

اور نگہبان کے ہیں، یہ عبارت اس بات کا کھلا ہوا قرینہ ہے، کہ پہلی عبارت شاہ صاحب کی نہیں ہے۔ کیونکہ دوسری عبارت

میں انہوں نے لفظ شہید کا جو مفہوم بیان فرمایا ہے، وہ پہلی عبارت کے بالکل منافی ہے۔

الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

(یعنی خانہ کعبہ) کی طرف پھیر لو اور تم لوگ جہاں ہوا کرو (نماز پڑھنے کے وقت) اسی مسجد کی طرف منہ کر لیا کرو

وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ (نیا قبلہ) ان کے رب کی طرف سے حق ہے

رَبِّهِمْ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۴﴾ وَلَئِن آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا

اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے بے خبر نہیں ہے۔ اور اگر تم ان اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے کر آؤ

الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ

تو بھی یہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہ کریں اور تم بھی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں ہو

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِن آتَيْتَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ

اور ان میں سے بھی بعض بعض کے قبلہ کے پیرو نہیں ہیں اور اگر تم باوجود اس کے کہ تمہارے پاس دانش (یعنی اللہ کی وحی) آچکی ہے

مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۲۵﴾ الَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ

ان کی خواہشوں کے پیچھے چلو گے تو ظالموں میں (داخل) ہو جاؤ گے۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ

وہ ان (پیغمبر آخر الزماں) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں مگر ایک فریق ان میں سے سچی

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۲۶﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۲۷﴾

بات کو جان بوجھ کر چھپا رہا ہے۔ (اے پیغمبر یہ نیا قبلہ) تمہارے رب کی طرف سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا

وَلِكُلِّ وُجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيُّهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ أَيْنَ مَا

اور ہر ایک (فرقے) کے لئے ایک سمت ہے جدھر وہ (عبادت کے وقت) منہ کیا کرتے ہیں تو تم نیکیوں میں سبقت حاصل کرو تم

تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمْ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۲۸﴾

جہاں ہوں گے اللہ تم سب کو جمع کر لے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لِلْحَقِّ

اور تم جہاں سے نکلو (نماز میں) اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیا کرو بلاشبہ وہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے

مِنْ رَبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ

اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں ہے۔ اور تم جہاں سے نکلو

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

مسجد محترم کی طرف منہ (کر کے نماز پڑھا) کرو اور مسلمانو تم جہاں ہوا کرو اسی (مسجد) کی طرف رخ کیا کرو

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ

(یہ تاکید) اس لئے (کی گئی ہے) کہ لوگ تمہیں کسی طرح کا الزام نہ دے سکیں

إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي

مگر ان میں سے جو ظالم ہیں (وہ الزام دیں تو دیں) سو ان سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا

وَلَا تَمَنَّوْا نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۳۰﴾

اور یہ بھی مقصود ہے کہ میں تمہیں اپنی تمام نعمتیں بخشوں اور یہ بھی کہ تم راہِ راست پر چلو۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا

جس طرح (مُجملہ اور نعمتوں کے) ہم نے تمہیں میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تمہیں ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے

وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا

اور تمہیں پاک بناتا اور کتاب (یعنی قرآن) اور دانائی سکھاتا ہے اور ایسی باتیں بتاتا ہے جو تم پہلے نہیں جانتے تھے

تَعَلَّمُونَ ﴿۳۲﴾ اذْكُرُونِي اذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونَ ﴿۳۳﴾

پس تم مجھے یاد کیا کرو میں تمہیں یاد کیا کروں گا اور میرا احسان مانتے رہنا اور ناشکری نہ کرنا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ

اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۳۴﴾ تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں ان کی نسبت یہ نہ کہنا

فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۳۵﴾

کہ وہ مرے ہوئے ہیں بلکہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔ [۳۹]

[۳۸] "لنعلم" استقبال کے لئے ہے لہذا اس سے شبہ پڑتا ہے، کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں تھا کہ کون مانے

گا اور کون نہیں مانے گا، حالانکہ یہ چیز اہل اسلام کے عقیدہ کے خلاف ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ازل سے ابد تک تمام کلیات

اور جزئیات کا علم رکھتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں علم سے مراد خارج میں تمیز اور اظہار ہے، روح المعانی میں ہے

ازید بہ التمییز فی الخارج، اور مدارک میں ہے: فوضع العلم موضع التمییز لان بہ یقع التمییز۔

یعنی ہم نے توحیل قبلہ اس لئے کی ہے، تاکہ ہمارے پیغمبر کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں میں امتیاز ہو جائے

، جو لوگ توحیل قبلہ کے حکم کو خوشی مان لیں گے، وہ فرمان بردار ہوں گے، اور جو نہ مانیں گے بلکہ اس کا مذاق اڑائیں گے، وہ

نافرمان ہوں گے، چنانچہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر کئی مسلمان مرتد ہو گئے۔ مگر یہ وہی مسلمان تھے

جو بظاہر مسلمان کہلاتے تھے، لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں تھے، یعنی منافقین، یہ لوگ پہلے تو پوشیدہ طور پر مخالفت کرتے

تھے، مگر تجویل قبلہ کے موقع پر علانیہ اس کا تمسخر اڑانا شروع کر دیا، تاکہ مخلص مسلمانوں کے دلوں میں بھی شبہات پیدا ہو جائیں، تجویل قبلہ بھی مخلص و منافق اور طیب و خبیث کے درمیان امتیاز کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔

”وان كانت لكبيرة الاعلى الذين هدى الله“ ہدایت سے مراد ایمان ہے، ای خلق الہدی الذی ہو الایمان فی قلوبہم (قرطبی)۔ یعنی تجویل قبلہ ایک بھاری آزمائش تھی مگر جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایمان پیدا کر دیا تھا ان کے لئے اس کا مقابلہ کرنا آسان تھا، کیونکہ وہ نہ مصلحتوں کو دیکھتے ہیں نہ حکمتوں کو، ان کی زندگی کا حاصل تو بس ایمان و تسلیم ہے جہاں حکم ہو وہی سر جھکا دیا۔

”قد نرى تقلب وجهك فى السماء“ نبی کریم ﷺ کی خواہش تھی کہ کعبہ کو آپ کا قبلہ بنا دیا جائے، کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ تھا، نیز اہل عرب کے لئے اس میں زیادہ کشش تھی، اور انہیں اسلام سے قریب لانے کے لئے ایک عمدہ ذریعہ تھا، اہل کتاب میں سے جنہوں نے ایمان لانا تھا، وہ ایمان لاپکے تھے اور جو باقی تھے ان کے ایمان سے آپ مایوس تھے، جیسا کہ: ”افتطمعون ان یؤمنوا الیکم“ الایہ، اور ”لن ترضى عنک الیہود ولا النصرى“ الایہ، سے واضح ہے، اور آپ کو یہ توقع بھی تھی کہ تجویل قبلہ ہو جائے گی، کیونکہ اب دین کی امامت و سیادت بنی اسرائیل سے بنی اسماعیل کی طرف منتقل ہو چکی تھی۔ اس لئے اب ضروری تھا کہ قبلہ وہی مقرر ہو۔ جو ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا تھا، اس لئے آپ وحی کی آمد کی توقع پر بار بار اسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم آپ کی بے چینی اور انتظار کو دیکھ رہے ہیں، مگر بعض حکمتوں کے تحت اب تک آپ کو تجویل قبلہ کا حکم نہیں دیا۔ ایت کا مذکورہ بالا مطلب اس آیت کی بنا پر ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ وحی کی آمد کے منتظر رہتے تھے اور بوجہ اشتیاق بار بار اسمان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے تھے۔

اور شیخ حسین علی فرماتے ہیں، کہ لفظ ’تقلب‘ باب تفاعل سے ہے جس کا خاصہ تکلف ہے، صراح، میں ہے، تقلب الشئ ظہراً لبطن، کالحیة تتقلب فی الرضاء، یعنی سخت گرمی میں سانپ کے تکلیف کے ساتھ چلنے پر تقلب کا لفظ بولتے ہیں، تو آیت کا مطلب یہ ہوگا ”کہ ہم دیکھ رہے ہیں تکلیف اور ناگواری کے ساتھ آپ کے بار بار آسمان کی طرف دیکھنے کو، کہ کہیں تجویل قبلہ کا حکم نہ آجائے“۔ کیونکہ آپ کی خواہش یہ تھی، ابھی تجویل قبلہ نہ ہو، اور بیت المقدس ہی قبلہ رہے، تاکہ اس معاملہ میں یہودیوں سے موافقت رہے اور شاید وہ اسی وجہ سے ایمان قبول کر لیں، آیت کا یہ مفہوم شیخ نے بیان فرمایا ہے، اور چونکہ لغت اور عرف کے بھی مطابق ہے، جبکہ اسلام کے کسی منصوص اور قطعی حکم کی مخالفت

بھی نہیں ہوئی، اس لئے آیت کی یہ تفسیر و تاویل بعض علماء نے صحیح مانا ہے۔

اور بعض نے فرمایا ہے کہ یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ بخاری کی اس روایت سے مخالف ہے جو کہ پہلے ذکر کی گئی، اس میں یہ جملہ تھا، کہ: وکان رسول اللہ ﷺ یحب ان یوجه الی الکعبۃ، فانزل اللہ عزوجل ﴿قَدْنری تقلب وجھک فی السماء﴾، فتوجه نحو القبلة۔ یعنی رسول اللہ ﷺ دل سے یہ چاہتے تھے، کہ آپ کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو۔ آخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رسول کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ دل میں ایک چیز کو پسند کرے اور ظاہر زبان پر دوسری چیز کا اظہار کرے۔ یہ وجہ بھی ہے کہ تفعل ہر وقت تکلف کے لئے نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تکرار اور کثرت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور ”مروضہا“ فعل مضارع ہے حال اور استقبال دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جبکہ بعض اوقات بمعنی ماضی بھی استعمال ہوتا ہے، واللہ اعلم۔

[۳۹] اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شہداء کی ایک بہت بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، کہ ان کو دنیا سے رخصت ہو جانے اور فی سبیل اللہ قتل ہو کر طبعی موت پا جانے کے بعد عالم برزخ میں ایک امتیازی زندگی اور حیات عطا کی جاتی ہے، جو دوسرے غیر شہداء مومنین کو حاصل نہیں ہوتی، اور اس حیات کا تعلق چونکہ عالم برزخ سے ہے، اس لئے اس کے متعلق ارشاد فرمایا کہ تم اپنے حواس و مشاعر سے اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔ اس مسئلہ کی مکمل تحقیق ہم یہاں کرتے ہیں تا کہ کسی کو اس مسئلے کو سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ حیات شہداء کے بارے میں قرآن مجید کی دو آیتیں ہیں، ایک تو یہی، دوسری آیت سورت آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۰، میں ہے یہاں فرمایا کہ ان کو مردہ مت کہو اور وہاں فرماتا ہے کہ شہداء کو مردے مت سمجھو، حالانکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شہداء قتل کر دیئے جاتے ہیں، اور ان کی روحوں ان کے ابدان عنصریہ سے پرواز کر جاتی ہیں۔

اور ان کے ابدان سے اس طرح جدا ہو جاتی ہیں، کہ ان سے ان کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔ جیسا کہ بیضاوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ: ولكن لا تشعرون، ما حالهم وهو تنبيه على ان حياتهم ليست بالجسد ولا من جنس ما يحس به من الحيوانات وانما هي امر لا يدرك بالعقل بل بالوحي، لیکن تم نہیں جانتے کہ وہ کس حال میں ہیں، اور یہ اس امر پر تنبیہ ہے کہ ان شہداء کی حیات جسمانی نہیں اور نہ زندوں کی مانند ظاہری حواس سے محسوس قسم کی زندگی ہے، اور نہ اس کا ادراک عقل سے ہو سکتا ہے۔ بلکہ اس کی کیفیت کا ادراک صرف وحی سے ہو سکتا ہے، اور مولانا شاہ عبد العزیز دہلوی فرماتے ہیں، حیات شہداء بمعنی تعلق ارواح بابدان است برائے استقاء لذاتی کہ موقوف بر آلات بدن نیست نہ

تعلق ارواح بابدان سابقہ و نہ بقائے روح بادرک و شعور الخ عزیز ی: ۲۸۵:۱، یعنی حیات شہداء کا مطلب یہ ہے کہ وہ لذات حاصل کرنے کے لئے جن کا حصول آلات پر موقوف ہے، ارواح ابدان مثالیہ سے متعلق ہو جائیں یہ مطلب نہیں کہ ارواح سابقہ (عصری) ابدان سے متعلق ہو جائیں اور نہ یہ کہ روح کا ادراک و شعور باقی رہے۔

عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لما أصيب اخوانكم باحد جعل الله عز وجل ارواحهم في اجواف طير خضرت ردانهار الجنة تأكل من ثمارها وتأوى الى قناديل من ذهب في ظل العرش فلما وجدوا طيب مشربهم وما كلهم وحسن مقيلهم قالوا يا ليت اخواننا يعلمون بما صنع الله لنا لان لا يزهوا في الجهاد ، ولا ينكلوا عن الحرب ، فقال الله عز وجل ، انا بلغهم عنكم فانزل الله عز وجل هؤلاء الايات على رسوله: ال عمران: ۱۶۹. اخرجہ ابن ابی شیبہ: ۲۹۵، ۲۹۴/۵، وھنادفی الزھد: ۱۵۵، وابن ابی عاصم فی الجھاد: ۱۹۴: ۱۹۵، و الطبری: ۱۷۰، ۱۷۱، و اخرجہ عبد اللہ ابن مبارک فی الجھاد: ۶۲، و ابوداؤد: رقم ۲۵۲۰، و ابویعلی: رقم ۳۱۲۳، و البیھقی: ۱۶۳/۹۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائی میدان احد میں شہید کر دئے گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں کے قابلوں میں داخل فرمادیا، جو جنت کی نہروں سے سیراب ہوتے اور اس کے میوے کھاتے ہیں، اور رات کو عرش کے سائے میں سونے کی قندیلوں میں بسیرا کرتے ہیں۔ جب ان روحوں نے اپنے کھانے اور پینے اور سونے کی خوشی حاصل کی، تو کہا کون ہے جو ہماری طرف سے ہمارے بھائیوں کو یہ خبر پہنچائے کہ ہم جنت میں زندہ ہیں، اور کھانے کھاتے ہیں، تاکہ وہ بہشت کو حاصل کرنے میں بے رغبتی نہ کریں، اور لڑائی کے وقت سستی نہ کریں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں پہنچاؤں گا ان کو تمہاری خبر، پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ترجمہ: جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ مت سمجھو، بلکہ وہ جیتے ہیں اپنے رب کے پاس کھانے کھلوائے جاتے ہیں، خوش ہیں ان نعمتوں پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی ہیں، اور خوشخبری حاصل کرتے ہیں ان لوگوں پر جو ابھی تک نہیں آئے کہ تم ہرگز مت ڈرو، اور نہ رنجیدہ ہوں۔

یہ روایت ابن عباس سے موقوف بھی منقول ہے کہ، ارواح الشهداء تجول فی طیر خضرت ردانھار الجنة تعلق من ثمر الجنة. سعید بن منصور: ۲/۲۱۷، یعنی شہیدوں کی روحوں سبز پرندوں کے قابلوں میں گھومتی اور جنت کے میوے کھاتی ہیں۔

اسی طرح ایک روایت عبد اللہ بن مسعود سے بھی منقول ہے کہ: قال مسروق سألتنا عبد الله عن هذه الاية:

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزُقُونَ ﴿۱۶۴﴾ اننا قد سألنا عن ذلك فقال: ارواحهم في جوف طير خضر، لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنة حيث شأت ثم تأوى الى تلك القناديل، فاطلع اليهم ربهم اطلاعة فقال هل تشتهون شيئاً، قالوا اى شىء نشتهى؟ ونحن نسرح من الجنة حيث شئنا، ففعل ذلك بهم ثلاث مرات، فلما رأوا انهم لم يتركوا من ان يسألوا، قالوا يا رب نريد ان ترداروا و احنا فى اجسادنا، حتى نقتل فى سبيلك مرة اخرى، فلما رأى ان ليس لهم حاجة تركوا - مسلم: رقم ۱۸۸۷ - مسند دارمی: ۴۲۹، ابن ابی شیبہ: ۳۰۸/۵، ترمذی: رقم ۳۰۱۱، ابن ماجہ: ۲۷۰۱، بیہقی سنن کبری: ۱۶۳/۹۹ - مسند ابی داؤد طیالوسی: ۱۵۱/۱ - مسروق سے روایت ہے، کہا، ہم نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا، اور نہ خیال کر ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں مردہ، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے ہاں رزق دیئے جاتے ہیں، آخر آیت تک - اس نے کہا، ان کی روحيں سبز پرندوں کے شکموں میں ہیں، عرش کے نیچے ان کے لئے قندیلیں لٹکائی گئی ہیں، جہاں سے چاہتے ہیں جنت کے میوے کھاتے ہیں، پھر ان قندیلوں کی طرف ٹھکانا پکڑتے ہیں - ان کا پروردگار ان کی طرف جھانکا، فرمایا تم کسی بات کی خواہش رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم کس چیز کی خواہش رکھیں جبکہ ہم جہاں سے چاہتے ہیں جنت کے میوے کھاتے ہیں، تین مرتبہ اللہ تعالیٰ اس طرح فرمائے گا جب وہ دیکھیں گے کہ ان کو چھوڑ نہیں جا رہا، پوچھنے سے کہیں گے اے ہمارے پروردگار ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسموں میں واپس لوٹا دے، یہاں تک کہ ہم ایک مرتبہ اور تیری راہ میں مارے جائیں - جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ ان کو کچھ حاجت نہیں ہے تو چھوڑ جاتے ہیں -

عبد اللہ ابن مسعودؓ سے ایک موقوف روایت ابن ابی عاصم کتاب الجہاد: ۵۱/۲، میں اور طبرانی: معجم کبیر: ۲۳۹/۱۰، میں نقل کرتے ہیں کہ: حَدَّثَنَا الثَّمَانِيَةُ عَشْرَ الذِّي قَتَلُوا مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ جَعَلَ اللَّهُ أَرْوَاحَهُمْ فِي الْجَنَّةِ فِي طَيْرٍ خَضِرٍ - یعنی وہ اٹھارہ (۱۸) صحابہ کرام جو ایک معرکے میں شہادت پا گئے تھے، ان کے ارواح سبز پرندوں کے پیٹوں میں ڈال کر جنت میں داخل کروائے، ان محدثین نے اس روایت کو موقوف اور مرفوع نقل کیا ہے -

ایک اور روایت کعب بن مالکؓ سے بھی منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان ارواح الشهداء فى طائر خضر تعلق من ثمر الجنة، وقرئ على سفیان، نسمة تعلق فى ثمره او شجرة الجنة - مسند احمد:

۱۳۳/۴۵، سنن سعید بن منصور: ۲۵۶۰-ترمذی: ۱۶۴۰، ابن ابی عاصم کتاب الجہاد: ۲/۵۲۱، طبرانی: ۱۹ ص ۶۶۔ حمیدی: ۲/۳۸۵، ابن عبد البر: ۱۱: ۷۰۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی شکل میں جنت کے میوے کھاتی ہیں۔

اسی طرح ایک روایت جابرؓ سے بھی منقول ہے: قال سمعت جابر بن عبد اللہ یقول لما قتل عبد اللہ بن عمرو بن حرام یوم احد قال رسول اللہ ﷺ: یا جابر الا خبرک ما قال اللہ عزوجل لابیک؟ قلت بلی، قال: ما کلم اللہ احدا الا من وراء حجاب، وکلم اباک کفاحا، فقال: یا عبدی، تمن علی اعطاک، قال: یارب تحیننی فاقتل فیک ثانیة قال: انه سبق منی انهم لایها لایرجعون (یس: ۳۱)، قال یارب فابلغ من ورائی، فانزل اللہ هذه الاية: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ ﴿۱۶۹﴾ ال عمران ﴿ابن ماجه: ۳/۲۵۳، رقم: ۲۸۰۰. و الترمذی: رقم: ۳۰۱۰، کتاب التفسیر.

جابرؓ سے روایت ہے کہ جب احد کی لڑائی میں عبد اللہ بن عمرو بن حرامؓ (جابرؓ کے باپ) مارے گئے، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے جابرؓ میں تجھ سے بیان کروں؟ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیرے باپ سے، میں نے عرض کیا بیان کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کسی سے بات نہیں کی مگر پردے کے پیچھے، اور تیرے باپ سے سامنے ہو کر بات کی، اور فرمایا: اے میرے بندے مجھ سے کچھ خواہش کرو، تو میں تجھ کو دوں، تیرے باپ نے کہا: اے میرے مالک، مجھ کو پھر جلا دے، تاکہ میں تیری راہ میں دوبارہ مارا جاؤں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرا قول ہو چکا ہے، کہ وہ دنیا میں دوبارہ نہیں جاویں گے، تب تیرے باپ نے کہا: اچھا اے میرے مالک جو لوگ دنیا میں رہ گئے ہیں، ان کو میرا حال پہنچا دے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری:

ایک روایت ابو سعید خدریؓ سے منقول ہے کہ: قال النبی ﷺ ان ارواح الشهداء فی طیر خضر ترعی فی ریاض الجنة، ثم یكون مأواها قنادیل معلقة بالعرش، فيقول الرب لهم هل تعلمون كرامة اكرم من كرامة اكرمتموها، فيقولون لا، الا ان وددنا انك اعدت ارواحنا في اجسادنا حتى نقاتل مرة اخرى فنقتل في سبيلك۔ کتاب الجہاد ابن ابی عاصم: ۲/۵۱۸، کتاب الزہد للہنجدی: ۱/۱۲۱، ابن ابی حاتم: ۲/۲۶۳۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی صورت میں جنت کے باغوں میں چرتی ہیں،

اور پھر عرش سے معلق قندیلوں میں آرام کرتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کیا جو اعزاز و اکرام میں نے تمہیں عطا کیا ہے اس سے بہتر تمہارے علم میں ہے؟ تو وہ کہتے ہیں نہیں، البتہ ہماری آرزو ہے کہ تو ہماری روحوں کو ہمارے جسدوں میں لوٹا دے، یہاں تک کہ ہم جہاد کریں اور ایک بار پھر تیری راہ میں جام شہادت نوش کریں۔

اس کے علاوہ صحابہ کرام اور سلف صالحین سے اور روایات بھی مروی ہیں۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ ان کی روحوں کو طیبوری قابلوں میں داخل کر کے علیین میں آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اب ہم بطور نمونہ بعض مفسرین کے اقوال پیش کرتے ہیں، امام رازی تفسیر کبیر: ۱۴۸/۴، میں لکھتا ہے کہ: ہذہ الارواح بعد المفارقة تتألم وتلتذی ان یردھا اللہ تعالیٰ الی الابدان یوم القیامة، فہناک یحصل الالتذاد و التألم للابدان، فہذا قول قال بہ عالم من الناس، قالوا وہب، ان لم یقم برہان قاہر علی القول بہ، ولکن لم یقم دلیل علی فسادہ، فانہ مما یرید الشرع وینصر ظاہر القرآن، ویزیل الشکوک و الشبہات عما ورد فی کتاب اللہ من ثواب القبر و عذابہ فوجب المصیر الیہ۔ یعنی بدن سے جدا ہونے کے بعد یہ روحمیں لذتیں و الم محسوس کرتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو قیامت کے دن ان کے بدنوں میں لوٹا دے تو وہاں لذت و الم ان عنصری بدنوں کو بھی حاصل ہوگا۔ یہ قول ہے جس کا ایک عالم قائل ہے۔ انکا کہنا ہے فرض کرو کہ اس قول پر کوئی برہان قاہر قائم نہیں، لیکن اس کے فساد پر بھی کوئی دلیل موجود نہیں۔ کیونکہ یہ قول شریعت کی تائید کرتا ہے اور ظاہری قرآن کی حمایت کرتا ہے، اور کتاب اللہ و ارد قبر کے ثواب و عقاب کے بارے میں جو شکوک و شبہات رونما ہوتے ہیں ان کو دور کر دیتا ہے، اس لئے اس کی طرف رجوع واجب ہے۔

اور امام محمد بن احمد القرطبی، تفسیر قرطبی میں لکھتا ہے: وقال اخرون ان ارواحہم فی اجواف طیر، وانہم یرزقون فی الجنة یا کلون و یتنعمون، و ہذا هو الصحیح من الاقوال، لان ماصح بہ النقل فہو الواقع و حدیث ابن عباسؓ نص یرفع الخلاف، و کذلک حدیث ابن مسعود اخرجہ مسلم۔ دوسروں نے کہا ہے کہ (حیات شہداء کا مطلب یہ ہے کہ) ان کی روحمیں پرندوں کے قابلوں میں ہیں، اور ان کو جنت میں رزق ملتا ہے وہ کھاتے اور عیش کرتے ہیں، تمام اقوال میں یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ جو بات نقل صحیح سے ثابت ہو۔ نفس الامر میں وہی درست ہے۔ اور ابن عباسؓ کی حدیث تو اس پر نص ہے جو اختلاف کو اٹھا دیتی ہے۔ اسی طرح ابن مسعودؓ کی حدیث جس کی امام مسلم نے تخریج کی ہے۔

علامہ سید محمود الاولویؒ اس جسدِ عرضی کی حیات پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: واما القول بحیات هذا الجسد لمریم مع هدم بنیته وتفرق اجزائه وذهاب هیئته وان لم یکن ذلک بعید عن قدرة من یدأ الخلق ثم یعیده، لکن لیس الیه کثیر حاجة ولا فیہ مزید فضل ولا عظیم منة، بل لیس فیہ سوی ایقاع ضعفة المؤمنین بالشکوک والاهام وتکلیفهم من غیر حاجة بالایمان بما یعدون قائله من سفهة الاحلام۔ یعنی باقی رہا اس بوسیدہ جسم کی حیات کا قول، باوجودیکہ اس کی بنیاد گر چکی ہو، اس کے اجزاء متفرق ہو چکے ہوں اور صورت مٹ چکی ہو۔ اگرچہ یہ اس کی قدرت سے بعید نہیں جس نے خلق کو از سر نو پیدا کیا اور دوبارہ بھی پیدا کرے گا۔ لیکن اسکی نہ کوئی ضرورت ہے نہ اس میں کوئی زیادہ فضیلت ہے اور نہ اس میں کوئی بڑا انعام ہے بلکہ اس میں ضعیف الایمان لوگوں کو شکوک و شبہات ڈالنے کے سوا اور ان کو بلا ضرورت ایک ایسی بات پر ایمان لانے کی تکلیف دینے کے سوا کوئی فائدہ نہیں جس کے قائل کو وہ کم عقل لوگوں میں شمار کریں۔

اس کے علاوہ دیگر مفسرین کے اقوال بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم یہاں مولانا اشرف علی تہانویؒ (بیان القرآن: ۸۷، ۸۸) کی عبارت نقل کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں کہ: ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں، اور اس کی نسبت گویہ کہنا کہ وہ مر گیا صحیح اور جائز ہے، لیکن اس کی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات ہر شخص کی روح کو حاصل ہے، اور اسی سے جزاء و سزا کا ادراک ہوتا ہے۔ لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے، اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اس کی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے، جس طرح ائمہ یعنی سرانگشت، میں ذکاء جس کے آثار حیات سے ہے بہ نسبت عقب یعنی پاشنہ کے طبعاً و حساً قوی ہے، حتیٰ کہ شہید کی اس حیات کی قوت کا ایک اثر برخلاف معمولی مردوں کے اس کے جسد ظاہری تک بھی پہنچا ہے، کہ اس کا جسد باوجود مجموعہ گوشت و پوست ہونے کے خاک سے متاثر نہیں ہوتا، اور مثل جسد زندہ کے صحیح سالم رہتا ہے، جیسا کہ احادیث اور مشاہدات شاہد ہیں، پس اس امتیاز کی وجہ سے شہد اکو 'احیاء' کہا گیا، اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی۔ اور یہ حیات ہے جس میں انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ قوت اور امتیاز رکھتے ہیں، حتیٰ کہ بعد موت ظاہری کے سلامت جسد کے ساتھ ایک اثر اس حیات کا اس عالم کے احکام میں یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مثل ازواجِ احیاء کے ان کی ازواج سے کسی کو نکاح جائز نہیں ہوتا۔ اور ان کا مال میراث میں تقسیم نہیں ہوتا۔ پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام، پھر شہداء، پھر اور معمولی مردے، البتہ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اولیاء اور صالحین بھی

اس فضیلت میں شہدائے شریک ہیں۔

اور سیوطی نے شرح الصدور: ۳۲۱، میں ”فی اجواف طیر“ کا یہ معنی کیا ہے کہ: وقال القابسی: انكر العلماء رواية (فی حواصل طیر خضر) لانها حينئذ تكون محصورة ومضيقا عليها، ورد بان الرواية ثابتة والتاويل محتمل بان يجعل ”فی“ بمعنى ”على“ والمعنى ارواحهم على جوف طير خضر كقوله تعالى: وَلَا صَلْبَنَّكُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ طه: ۱۷۱. ای علی جذوع النخل. وجائز ان يسمى الطير جوفاً، اذ هو محيط به ومشمول عليه. قاله عبد الحق.

وقال غيره لا مانع من ان تكون في الاجواف حقيقة، ويوسعها الله لها، حتى تكون اوسع من الفضاء. الخ. وقال القرطبي (التذكرة: ۱۷۹) في حديث كعب: نسمة المؤمن طائر، وهو يدل على ان نفسها تكون طائراً، ای علی صورته، لانها تكون فيه ويكون الطائر ظرفالها. وكذا في رواية عن ابن مسعود، عند ابن ماجه: ارواح الشهداء عند الله كطير خضر، وفي لفظ عن ابن عباس: تجول في طير خضر، وفي لفظ ابن عمرو: في صور طير بيض. وفي لفظ عن كعب: ارواح الشهداء طير خضر. وقال وهذا كله اصح من رواية ”فی جوف طير خضر“.

اپنے اہل حق اور انیس کا جواب

سیوطی نے شرح الصدور: ۳۲۲، اور ابن رجب نے احوال القبور: ۱۲۳، میں لکھا ہے: فان قيل الاموات كلهم كذلك، فكيف خصص هؤلاء؟ فالجواب ان الكل ليس كذلك لان الموت عبارة عن ان تنزع الروح عن الاجساد لقوله تعالى ”الله يتوفى الانفس حين موتها“ ای يأخذها وافية من الاجساد، و المجاهد تنقل روحه الى طائر خضر، فقد انتقل من الجسد الى آخر، بخلاف غيره، فان ارواحهم تنفی من الاجساد.

اگر کوئی کہے کہ تمام مردوں کا حال یہی ہے (کہ ان کی روحيں زندہ ہوتی ہیں) تو پھر شہداء کی کیا خصوصیت ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے، کہ تمام مردے شہیدوں کی مانند نہیں ہیں، کیونکہ موت کے معنی ہیں روح کو جسد سے نکال لینے کے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (الله يتوفى الانفس) الاية۔ یعنی وہ روحوں کو جسدوں سے بالکل نکال لیتا ہے، اور شہید کی روح سبز پرندے کے قالب میں منتقل کر دی جاتی ہے، اب شہید کی روح تو ایک جسد سے دوسرے جسد میں منتقل ہوگی، لیکن

دوسرے مردوں کی روحوں کو اجساد سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اور بیضاوی نے تفسیر: ۸۲/۱، میں بھی اس طرح لکھا ہے۔

مذکورہ تفصیل سے آیت میں جو اشکال تھا حل ہوا، کہ شہداء تو قتل ہو چکے ہیں، ہم نے انہیں اپنے ہاتھوں سے قبروں میں دفن کیا ہے، ان کے تر کے تقسیم ہو چکے ہیں، اور انکی بیویاں بیوہ ہو چکی ہیں، تو پھر وہ زندہ کس طرح ہیں؟

چونکہ انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں، اس وجہ سے بعض نے ان آیات سے حیات الانبیاء کے متعلق استدلال کیا ہے، بطریق دلالت النص (یعنی کوئی چیز نص سے بطریق اولی ثابت ہو) تو جب شہداء کی حیات اس آیت سے بطریق عبارت النص ثابت ہوئی، تو انبیاء علیہم السلام شہداء سے افضل و اعلیٰ ہیں تو اس لئے اس آیت سے بطریق دلالت النص ان کے لئے بھی حیات ثابت ہوئی۔

تو تکمیل فائدہ کے لئے اس مسئلہ کو بھی تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں: حیات الانبیاء کا مقصد یہ ہے کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں، جیسا کہ سیوطی نے شرح الصدور: ۳۲۵، اور روح المعانی نے: ۱۶۱/۱۵، میں لکھا ہے: اما الانبياء عليهم السلام فلا شك ان ارواحهم عند الله في اعلى عليين، وقد ثبت في الصحيح ان اخر كلمة تكلم بهار رسول الله ﷺ عند موته، اللهم الرفيق الاعلى (صحيح البخاري رقم: ۴۴۳۷). بہر حال انبیاء علیہم السلام کی روحيں تو بلاشک و تردید اللہ کے جو رحمت میں اعلیٰ علیین میں مقیم ہیں، چنانچہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات کے وقت آخری بات جو زبان مبارک سے ارشاد فرمائی، وہ یہ تھی کہ اے اللہ! مجھے رفیق اعلیٰ میں لے جا۔ (تفسیر مظہری: ۲۲۴/۱۰، اور روح المعانی: ۱۶۲/۱۵، میں بھی ایسی عبارت موجود ہے)۔

تفسیر جواہر القرآن نے یہاں خوب تفصیل کی ہے، تکمیل فائدہ کے لئے اس عبارت کو پیش کرتے ہیں: اس دنیا آب و گل سے رحلت و انتقال کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے تمام بنی آدم کے لئے ایک ہی مقرر فرمائی ہے، اور وہ ہے موت، اور اس سے کسی فرد بشر کو مفر نہیں جیسا کہ ارشاد ہے: كل نفس ذائقة الموت. (الانبیاء: ۳۵) یعنی ہر جی موت کا ذائقہ چکھنے والا ہے، خواہ پیغمبر ہو یا غیر پیغمبر، عیسیٰ علیہ السلام کے سوی اللہ کے تمام پیغمبر ساغر موت نوش فرما چکے ہیں۔ (ادریس، الیاس اور خضر علیہم السلام کے بارے میں محقق اور صحیح مذہب یہی ہے کہ وہ فوت ہو چکے ہیں) چنانچہ یعقوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد الہی ہے ﴿ام كنتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت﴾ ۱۳۳، بقرہ، کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام پر موت کا وقت آیا، یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ﴿حتى اذا هلك قلنم لن بيعت الله من بعده رسولا﴾. غافر: ۳۴. یہاں تک جب وہ فوت ہو گئے تم کہنے لگے: کہ اب تو اللہ تعالیٰ کوئی رسول نہیں بھیجے

گا، سلیمان علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿فلما قضينا عليه الموت ما دلهم على موته الا دابة الارض تاكل منسأته﴾۔ سب: ۱۴۔ پس جب ہم نے اس (سلیمان علیہ السلام) پر موت کا حکم جاری کر دیا، تو ان (جنوں) کو اس کی موت کا پتہ کسی نے نہ دیا، مگر گھن کے کیڑے نے جو اس کے عصا کو کھاتا تھا، اور خود جناب نبی کریم ﷺ کے بارے میں ارشاد فرمایا: ﴿انک میت وانهم میتون﴾ (الزمر: ۳۰) آپ ﷺ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے، علاوہ ازیں نبی کریم ﷺ کی موت پر تمام صحابہ کرام کا اجماع بھی ہو چکا ہے، جیسا کہ صحیح حدیثوں میں موجود ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو عمرؓ اس صدمہ جانکاہ کی شدت کو برداشت نہ کر سکے اور از خود رفتہ ہو کر اعلان کرنے لگے، خبردار کوئی یہ مت کہے کہ نبی کریم ﷺ فوت ہو گئے ہیں۔ ورنہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

جب ابو بکر الصديقؓ نے صورت حال دیکھی تو آپ نے تمام صحابہ کرام کے سامنے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا، اس کا اقتباس ملاحظہ ہو: من كان يعبد محمد افان محمد اقدمات ، و من كان يعبد الله فان الله حى لا يموت ، وقال ﴿انک میت وانهم میتون﴾ صحیح بخاری: ۵۱۷۱، تم میں سے جو محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، وہ سن لے کہ آپ تو فوت ہو گئے، اور آپ پر موت وارد ہو چکی اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا، سو اللہ زندہ جاوید ہے، اور یہ آیت بھی پڑھی: ترجمہ: بیشک آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے، ابو بکر الصديقؓ نے جب خطبہ دیا تو صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی ان کی کسی بات پر انکار نہیں کیا، اور عمرؓ نے بھی تسلیم کر لیا کہ واقعی آپ وفات پا چکے ہیں، چنانچہ تمام صحابہ کرام نے یہی سمجھ کر کہ آپ وفات پا چکے ہیں، آپ کے جسد اطہر کو قبر مبارک میں دفن کیا، الغرض موت سے کسی کو چھٹکارا نہیں، تمام انبیاء علیہم السلام اور تمام بنی آدم اسی درازے سے گزر کر عالم برزخ پہنچے، اور جو باقی ہیں وہ بھی اسی دروازے سے گزریں گے، اور موت کے معنی ہیں، روح کا بدن عنصری سے نکل جانا، اور اس سے جدا ہو جانا۔

امام راغب اصفہانی اس آیت میں موت کا مفہوم اس طرح بیان فرماتے ہیں: وقوله كل نفس ذائقة الموت، فعبارة عن زوال القوة الحيوانية وابانة الروح عن الجسد. (مفردات ۴۹۴)۔ یعنی موت قوت حیات کے زائل ہو جانے اور روح کے بدن سے جدا ہو جانے کا نام ہے، علامہ ابو عبد اللہ قرطبی لکھتے ہیں: واجل الموت هو الوقت الذى فى معلومه سبحانه وتعالى ان روح الحى تفارق جسده. (قرطبی) اجل موت اس وقت کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق جاندار کی روح اس کے بدن سے جدا ہوگی۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں: قال العلماء الموت ليس بعدم محض ولا فناء صرف ، وانما هو انقطاع

تعلق الروح بالبدن، ومفارقة، وحيلولة بينهما وتبدل حال وانتقال من دار الى دار (شرح الصدور: ۳۴، وبشرى الكتيب. على حاشية شرح الصدور ۱۵، ۱۶)۔ یعنی علماء نے کہا ہے کہ موت عدم محض اور فنا صرف کا نام نہیں بلکہ موت بدن سے تعلق روح کے منقطع ہو جانے، روح اور بدن میں جدائی اور پردہ حائل ہو جانے اور ایک دار (دنیا) سے دوسرے دار (عالم برزخ) کی طرف منتقل ہونے سے عبارت ہے۔ اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی رقمطراز ہیں: الاماتة بمعنى اخراج الروح وسلب الحياة (روح) یعنی اماتت کے معنی ہیں روح کا نکال لینا اور زندگی کا سلب کر لینا، اور پھر موت کی یہ کیفیت مذکورہ بالا مفہوم کے ساتھ سب کے لئے یکساں ہے۔ اور تمام بنی آدم، انبیاء، شہداء، اور عامۃ المسلمین پر موت، اخراج روح از بدن اور ابانت روح از جسد ہی کے طریقے پر وارد ہوتی ہے۔ جیسا کہ قرطبی نے ۲۷۶۴، میں یہ حدیث نقل فرمایا ہے کہ: ان جميع الانبياء قبض ارواحهم ملك الموت وهو الذي سيقبض روحى، یعنی تمام انبیاء علیہم السلام کی روحيں ملک الموت نے قبض کیں، اور وہی میری روح کو بھی قبض کرے گا۔

اور عائشہؓ بیان فرماتی ہیں: فقبضه وان رأسه لبين سحري ونحري، یعنی جب اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی روح قبض فرمائی اس وقت آپؐ کا سر مبارک میرے سینے اور حلق کے درمیان تھا۔ اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: فى رواية همام عن هشام بهذا الاسناد، وعند احمد: رقم: ۲۴۹۰۵، و البيهقي فى دلائل النبوة: ۲۱۳/۷، نحوه وزاد، فلما خرجت نفسه لم اجدر يحا قط اطيب منها۔ اس روایت کو امام احمد نے بھی اس سند کے ساتھ هشام سے بواسطہ ہمام روایت کیا ہے، اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں۔ عائشہؓ فرماتی ہیں، جب آپؐ کی روح مبارک بدن سے نکلی تو ایسی خوشبو آئی کہ میں نے اس سے عمدہ خوشبو کبھی نہیں سونگھی۔

اس مسئلہ میں احادیث بہت زیادہ ہیں، بعض محدثین نے اپنی تصانیف میں اس کے متعلق عنوانات لکھے ہیں، جبکہ بعض نے مستقل رسائل، جیسا کہ امام بیہقی وغیرہ، لیکن بخوف طوالت ہم بعض وہ روایات نقل کرتے ہیں، جو کہ امام بخاری نے، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، کتاب المغازی: میں نقل کی ہیں:

(۱) حدثنا محمد بن عرعرة حدثنا شعبة عن ابى بشر عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال قال كان عمر بن الخطاب يدنى ابن عباس فقال له عبد الرحمن بن عوف ان لنا ابناء مثله فقال انه من حيث تعلم فسأل عمر ابن عباس عن هذه الاية ﴿اذا جاء نصر الله والفتح﴾ فقال اجل رسول الله ﷺ اعلمه

ایاہ فقال ما اعلم منها الا ما تعلم . [حدیث نمبر ۴۴۳۰]۔

ابن عباسؓ نے کہا کہ عمرؓ کو اپنے پاس بٹھایا کرتے اس پر عبد الرحمن بن عوفؓ کہنے لگے کہ ان کے برابر تو ہمارے بیٹے ہیں عمرؓ نے کہا تم اس کی وجہ جانتے ہو؟ (کہ میں ابن عباسؓ کی کیوں تعظیم کرتا ہوں؟) پھر انہوں نے مجھ سے اس آیت کو پوچھا اذا جاء نصر الله، الایة، میں نے کہا: یہ نبی ﷺ کی وفات کا اشارہ ہے اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتار کر آپ ﷺ کو خبر دی کہ اب وفات کا وقت آن پہنچا، عمرؓ نے کہا میں بھی یہی سمجھتا ہوں، جو تم سمجھے۔

(۲) حدثنا يسيرة بن صفوان بن جميل اللخمي حدثنا ابراهيم بن سعد عن ابيه عن عروة عن عائشة قالت دعا النبي ﷺ فاطمة في شكواه الذي قبض فيه فسارها بشيء فبكت ثم دعاها فسارها بشيء فضحكت فسألنا عن ذلك فقالت سارني النبي ﷺ انه يقبض في وجعه الذي توفي فيه فبكت ثم سارني فاخبرني اني اول اهله يتبعه فضحكت . ۴۴۳۳۔

عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی ﷺ نے اس بیماری میں جس میں آپ کے وفات ہوئی فاطمہؓ کو بلایا ان کے کان میں بات کی وہ رونے لگیں، پھر بھلایا اور کان میں بات کی، تو وہ ہنس دیں ہم فاطمہؓ سے (جب آپ ﷺ کی وفات ہوگئی) اس کی وجہ پوچھی انہوں نے کہا: پہلے تو نبی کریم ﷺ نے میرے کان میں یہ فرمایا تھا کہ میں اس بیماری سے بچنے والا نہیں یہ سکر میں رو پڑی، پھر کان میں مجھ سے فرمایا کہ میں آپ کے عزیزوں میں سب سے پہلے آپ سے ملوں گی تو میں ہنس گئی۔

(۳) عن عائشة قالت لمامرض النبي ﷺ مرض الذي مات فيه جعل يقول (في الرفيق الاعلى) . ۴۴۳۵۔

عائشہؓ نے فرمایا: جب نبی کریم ﷺ موت کی بیماری میں مبتلا ہوئے تو فرماتے تھے یا اللہ بلند رفیقوں میں رکھ (یعنی پیغمبروں میں)۔

(۴) عن عباد بن عبد الله بن زبير ان عائشة اخبرته انها سمعت النبي ﷺ واصغت اليه قبل ان يموت وهو مسند اليّ ظهره يقول: اللهم اغفر لي وارحمني والحقني بالرفيق . ۴۴۴۰۔

عائشہؓ نے کہا: کہ وفات سے پہلے میں نے کان لگا کر نبی ﷺ کی بات سنی، آپ ﷺ اپنی پیٹھ کا ٹیک مجھ پر لگائے ہوئے تھے اور یہ فرما رہے تھے یا اللہ مجھ کو بخش دے مجھ پر رحم کر۔ مجھ کو بلند رفیقوں سے ملا دے۔

(۵) عن عائشة قالت مات النبي ﷺ وانه لبين حاقنتي وذاقنتي فلا اكره شدة الموت

لاحد ابدا بعد النبی ﷺ. ۴۲۴۶۔

عائشہؓ نے فرمایا: نبی کریم ﷺ نے میری دگدگی اور ٹھوڑی کے بیچ میں انتقال فرمایا جب سے میں نے نبی ﷺ پر موت کی سخت دیکھی اس کے بعد سے میں موت کی سختی کسی کے لئے برائیں سمجھتی۔

(۶) عن عائشةؓ ان رسول اللہ ﷺ كان يسأل في مرضه الذي مات فيه يقول: اين انا غدا اين انا غدا؟ يريد يوم عائشةؓ فاذن له ازواجه يكون حيث شاء فكان في بيت عائشة حتى مات عندها. قالت عائشةؓ فمات في اليوم الذي كان يدور على فيه في بيتي فقبضه الله وان رأسه لبين نحري وسحري وخالط ريقه ريقى ثم قالت دخل عبدالرحمن بن ابي بكر ومعه سواك يستن به فنظر اليه رسول الله ﷺ فقلت له اعطني هذا السواك يا عبدالرحمن فاعطانيه فقضته ثم مضغته فاعطيته رسول الله ﷺ فاستن به وهو مستند الى صدرى. ۴۲۵۰۔

عروہ نے کہا مجھ کو میرے والد نے خبر دی انہوں نے عائشہؓ سے انہوں نے کہا نبی ﷺ نے جس بیماری میں انتقال فرمایا اس میں یوں پوچھتے تھے کل میں کہاں ہونگا؟ کل میں کہاں ہوں گا؟ آپ ﷺ کا مطلب یہ تھا کہ عائشہؓ کی باری کب آئے گی؟ یہ حال دیکھ کر آپ ﷺ کی بیبیوں نے آپ کو اجازت دی۔ جہاں چاہے وہاں رہیں۔ آپ کی وفات تک عائشہؓ ہی کے پاس رہے عائشہؓ کہتی ہے کہ آپ ﷺ کی وفات جس دن ہوئی وہ دن میری باری کا تھا۔ اللہ نے اس وقت آپ کی روح قبض کی جب آپ ﷺ کا سر میری دگدگی اور سینہ کے درمیان تھا، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کا اور میرا تھوک ملا دیا۔ ہوا یہ کہ عبدالرحمن بن ابی بکر ایک مسواک لئے ہوئے آئے جس کو وہ اپنے دانتوں پر رگڑا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے اس مسواک کو دیکھا میں نے کہا عبدالرحمن یہ مسواک مجھ کو دے انہوں نے دیدی میں نے اس کو تراش کر دانتوں سے چبایا۔ پھر وہ مسواک نبی ﷺ کو دی آپ ﷺ نے میرے سینے پر ٹکا لگائے ہوئے دانتوں پر پھیری۔

(۷) عن عائشةؓ قالت توفي النبي ﷺ في بيتي وفي يومى وبين سحري ونحري وكانت احدا ناعوذه بدعاء اذا مرض فذهبت اعوذه فرفع رأسه الى السماء وقال في الرفيق الاعلى. ومر عبد الرحمن بن ابي بكر وفي يده جريدة رطبة فنظر اليه النبي ﷺ فظننت ان له بها حاجة فاخذتها فمضغت رأسها ونفضتها فدفعتها اليه فاستن بها كاحسن ما كان مستنثا ثم ناولنيها فسقطت يده۔ او سقطت من يده فجمع الله بين ريقى وريقه في اخريوم من الدنيا واول يوم من الاخرة. ۴۲۵۱۔

عائشہؓ نے کہا: نبی ﷺ نے میرے گھر میں میری باری کے دن میرے سینے اور دگردگی کے بیچ میں وفات پائی۔ اور ہم لوگوں کا قاعدہ تھا جب آپ ﷺ بیمار ہوتے تو دعا پڑھ کر آپ ﷺ کے واسطے پناہ مانگتے۔ میں نے آپ ﷺ کے لئے پناہ مانگنا شروع کی، (معوذتین سورتیں پڑھ کر) آپ ﷺ نے اپنا سر اسمان کی طرف اٹھایا فرمایا (یا اللہ) بلند رفیتوں میں رکھ، بلند رفیتوں میں رکھ، عبدالرحمن بن ابی بکرؓ ادھر آنکے ہاتھ میں تازہ ٹھنی تھی آپ ﷺ نے ادھر نگاہ ڈالی، میں سمجھ گئی کہ مسواک کرنا چاہتے ہیں میں نے اس کو لے لیا اور چبا کر جھاڑ کر آپ ﷺ کو دی آپ بہت اچھی طرح سے اس کو دانتوں پر پھیرا، پھر وہ مسواک مجھ کو دیتے وقت آپ ﷺ کا ہاتھ گر گیا، یا مسواک آپ ﷺ کے ہاتھ سے گر پڑی اللہ تعالیٰ نے دنیا کے آخری دن اور آخرت کے پہلے دن میں میرا اور آپ کا تھوک ملا دیا۔

(۸) عن ابی سلمة ان عائشة اخبرته ان ابا بکر اقبل علی فرس من مسکنه بالسبح حتی نزل فدخل المسجد فلم یکلم الناس حتی دخل علی عائشة فتیمم رسول اللہ ﷺ وهو مغشی بثوب حبرة فکشف عن وجهه ثم اکب علیه فقبله وبکی ثم قال بابی انت وامی واللہ لایجمع اللہ علیک موتین اما الموتة التی کتبت علیک فقدمتها. یہ حدیث تفصیل کے ساتھ سورت ال عمران ۱۴۴ کے ذیل میں آئے گا۔ ۲۲۵۲۔

ابن شہاب نے کہا، مجھ کو ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے خبر دی ان کو عائشہؓ نے (جب آپ ﷺ کی وفات ہو گئی) ابو بکرؓ ایک گھوڑے پر سوار اپنے گھر جو سنخ میں تھا آئے، گھوڑے سے اتر کر مسجد میں آئے، کسی سے بات نہیں کی، میرے حجرے میں آئے، نبی ﷺ کی نعش کی طرف گئے آپ ﷺ کو ایک یمن کے کپڑے سے ڈھانپ دیا تھا انہوں نے کپڑا اٹھایا۔ پھر آپ ﷺ کے اوپر اوندھے گر کر روئے، بوسہ دیا، کہنے لگے، میرے ماں باپ آپ پر صدقے اللہ تعالیٰ دوبار آپ کو نہیں مارے گا، بس ایک موت جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے لکھ دی تھی وہ ہو چکی۔

(۹) عن عائشة و ابن عباس ان ابا بکر قبل النبی ﷺ بعد موته . ۴۴۵۵ .

عائشہؓ اور عبداللہ بن عباسؓ دونوں فرماتے ہیں کہ ابو بکر صدیقؓ نے نبی کی وفات کے بعد آپ ﷺ کو بوسہ دیا۔

(۱۰) عن انس قال لما نقل النبی ﷺ جعل یتغشاہ فقالت فاطمة واکرب اباه فقال لها لیس علی ابیک کرب بعد الیوم فلما ماتت قالت یا ابتاه اجاب ربا دعاه یا ابتاه من جنة الفردوس ماواه یا ابتاه الی جبرئیل ننعاه فلما دفن قالت فاطمة یا انس اطابت انفسکم ان تحثوا علی رسول اللہ ﷺ

التراب. ۴۴۶۲. [تلك عشرة كاملة]

جب نبی ﷺ کی بیماری سخت ہوگئی تو آپ ﷺ پر غشی طاری ہونے لگی، فاطمہؓ آپ ﷺ کی صاحب زادی نے یہ حال دیکھ کر فرمایا، ہائے میرے باپ پر کیسی سختی ہو رہی ہے آپ نے فرمایا بس آج ہی کا دن ہے، اس کے بعد تیرے باپ پر کوئی سختی نہ ہوگی۔ جب آپ کی وفات ہوگئی تو فاطمہؓ یوں کہہ کر (رونے لگیں) ہائے بابا آپ نے اپنے رب کا بلاوا منظور کیا، ہائے بابا آپ نے جنت الفردوس میں ٹھکانہ بنایا، ہائے بابا میں جبریل کو آپ کی موت کی خبر سناتی ہوں، جب آپ دفنائے جاچکے تو فاطمہؓ نے انسؓ سے کہا، تم لوگوں نے یہ کیسے گوارا کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ پر مٹی ڈالو۔

اس مسئلہ میں مذکورہ احادیث کے علاوہ باقی روایات کے حوالہ جات مع راوی (یعنی صحابی) ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

[۱] انسؓ، بخاری: کتاب الوفاة: نسائی: ۶/۳۸۷. [۲] ابی بن کعبؓ، ابن ماجہ: ۱/۶۳۳.

[۳] ابو الدرداءؓ، ابن ماجہ: ۶۳۷. [۴] ابوسعید خدریؓ: بخاری: باب ہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ: ۱/۵۵۲. دارمی: ۳۷. [۵] ابوجحیفہؓ، بخاری: باب صفة النبی ﷺ: ۱/۵۰۱.

[۶] ابوبردہؓ، بخاری باب ما ذکر من درع النبی ﷺ: ۱/۴۳۸. [۷] ابوذر غفاریؓ، باب السؤال باسماء اللہ تعالیٰ: ۲/۱۱۰۰. [۸] انس بن مالکؓ، دارمی: ۱/۱۴۱ و الترمذی: ۲۶۱۸ مسلم:

[۹] ابوہریرہؓ، بخاری: ۲/۴۸۷ باب کان جبرئیل یعرض القرآن. [۱۰] ابوبکرؓ: طبقات الكبرى لابن سعد: [۱۱] أسید بن حضیر، بخاری: باب قول النبی ﷺ للأَنْصار، اصبروا: ۱/۵۳۵. [۱۲] ابن عباسؓ، ابن ماجہ: ۱۴۵۷ نسائی: ۶/۳۷۹. [۱۳] علی ابن الحسینؓ عن رجل، مشکوٰۃ رقم: ۵۹۱۸. [۱۴] عمرؓ، طبقات ابن سعد: ۲/۴۰۷، [۱۵] جویریہؓ: طبقات ابن سعد: ۲/۴۰۷. [۱۶] عمرو بن العارثؓ، بخاری: کتاب الوصایا، حدیث ۲۷۳۹ ص ۱/۳۸۲.

[۱۷] حذیفہؓ، بخاری باب السؤال باسماء اللہ تعالیٰ: ۲/۱۱۰۰. [۱۸] جبیر بن مطعمؓ، بخاری: ۱/۵۱۶. [۱۹] جندبؓ، طبقات کبری ابن سعد: ۲/۳۶۹. [۲۰] عبید اللہ بن عدی بن خیبارؓ، بخاری، باب قتل حمزہؓ: ۱/۵۸۳. [۲۱] سهل بن سعدؓ، بخاری، باب ما کان النبی ﷺ واصحابہ يأکلون: ۲/۸۱۴. [۲۲] طلحة بن عبید اللہؓ، تفسیر ابن عباسؓ تحت آیت ۵۳: سورت

احزاب [۲۳] ام سلمہؓ، نسائی ۳۸۸/۴ و ابن ماجہ ۱۶۲۵ [۲۴] حفصہؓ، مؤطاء امام مالک: ۴۸.
 مسند ابی عوانہ: ۲/۲۱۹ [۲۵] ام ایمنؓ، سنن دارمی: ۴۰ [۲۶] ام الفضل بنت الحارثؓ
 ، بخاری: ۲/۶۳۷ باب مرض النبی ﷺ [۲۷] ابن عمرؓ، ابن ماجہ: ۱۶۳۲، بخاری:
 ۳۰۵/۵۱۸۷ [۲۸] ابو ایوب [۲۹] زید بن ثابتؓ، ترمذی: ۴۱ [۳۰] علیؓ، طبقات الكبرى ابن
 سعد: ۲/۳۸۵ ابن ماجہ: ۱۴۶۷ [۳۱] محمد بن قیسؓ: طبقات ابن سعد [۳۲] صنابحی عن ركبؓ،
 بخاری: ۱/۶۴۲ [۳۳] قیس بن جریر عن ركبؓ، [۳۴] جابر بن عبد اللہؓ، بخاری باب اذا وهب هبة
 : ۱/۳۵۴ [۳۵] عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، بخاری: ۱/۲۸۵ باب كراهية الصخب في
 السوق [۳۶] مالک بن اوس بن الحدثانؓ، باب فرض الخمس بخاری: ۴۳۵.
 [۳۶] عثمانؓ، طبقات كبرى ابن سعد: ۲/۴۰۵، ومشکواة المصابيح باب عذاب القبر [۳۷]
 عبد اللہ بن مسعودؓ، مسند ابی عوانہ: ۲/۲۴۹، بخاری: ۹۲۶، باب الاخذ باليدين. طبقات كبرى ابن
 سعد: ۲/۳۷۷ [۳۸] معاويةؓ، سنن كبرى [۳۹] مغيرة بن شعبةؓ، طبقات الكبرى: ۲/۴۰۰ [۴۰]
 ابو عبيدة بن الجراحؓ، [۴۱] ابوسفیان ابن الحارثؓ، مواهب اللدنيہ: ۶/۳۷۶ [۴۲] سالم بن عبيدؓ،
 نسائی: ۶/۳۹۵، وابن ماجہ: ۱۲۳۴، بيهقي دلائل النبوة: ۷/۲۶۱ [۴۳] عباس ابن عبد المطلبؓ،
 طبقات الكبرى ابن سعد: ۲/۳۸۵، دارمی: ۳۷ [۴۴] عبيد بن عميرؓ، طبقات ابن سعد: ۲/۳۷۷.
 [۴۵] كعب بن مالكؓ، طبقات ابن [۴۶] مخرمه بن نوفلؓ: مستدرک: ۳/۵۲۳ [۴۷] ابو ذؤيب
 الهذليؓ، مواهب [۴۸] أسماء بنت عميسؓ، طبقات كبرى ابن سعد: ۲/۳۸۵ [۴۹] ابو الحويرثؓ:
 طبقات ابن سعد: ۲/۳۷۸ [۵۰] ابو عسيمؓ، طبقات كبرى ابن سعد: [۵۱] سعد بن ابى
 وقاصؓ: طبقات كبرى ابن سعد: [۵۲] ابو مويهبهؓ، دارمی: ۳۸، باب وفات النبی ﷺ، حاكم
 : ۳/۵۵، مسند احمد: ۳/۴۸۹ [۵۳] سلمان فارسيؓ، كنز العمال: ۷/۴۷۶، و الجامع الكبير:
 ۹/۱۶۷ [۵۴] ابو مرحب سويد بن قيسؓ: دلائل النبوة: ۷/۲۵۵ [۵۵] ابوليلی اوس بن اوس
 الخوليؓ: مسند احمد: ۱/۲۶۰ [۵۷] دغفل بن حنظلةؓ: دلائل النبوة: ۷/۴۴۰، مسند ابى يعلى
 رقم: ۱۵۷۵، شمائل ترمذی: ۳۶۶ [۵۸] فضل بن عباسؓ: ابن حبان: رقم: ۳۵۳۰ [۵۹] قثم بن

عباسؓ، ابن ماجہ: رقم: ۱۶۲۸.

اس مسئلہ کے متعلق ابن قیمؒ تصدیقہ نونیہ: ص ۱۳۰، میں بیان فرماتا ہے:

لو كان حيا في الضريح حياته	قبل الممات بغير ما فرقان
ما كان تحت الارض بل من فوقها	والله هذى سنة الرحمن
اتراه تحت الارض حيا ثم لا	يفتيهم بشرائع الايمان
ويريح امته من الآراء	والخلف العظيم وسائر البهتان
ام كان حيا عاجزا عن نطقه	وعن الجواب لسائل له فان
وعن الحراك فما الحيات فما الحيات اللات	قد اثبتموها ووضحوا بيان

یعنی اگر نبی کریم ﷺ قبر میں اسی طرح زندہ ہوتے جس طرح دنیا میں زندہ تھے وفات سے پہلے، تو قبر کے بجائے زمین کے اوپر زندہ رہتے، کیونکہ اللہ رحمن کا طریقہ یہی ہے، ذرا اتنا تو سوچ اور خیال کر کہ اگر آپ قبر میں زندہ موجود ہیں تو پھر مسائل ایمان کے فتوے کیوں نہیں دے رہے؟ امت آئے دن فتوے اور اختلافات کا شکار ہے۔ مگر آپ خاموش ہیں۔ کیا آپ گواہی دیا کہ اللہ کا حکم بدہن بولنے اور جواب دینے کی توفیق نہیں۔ اگر حس و حرکت نہیں پھر زندگی کے کیا معنی۔ سوچ سمجھ کر جواب دے۔ (فرمایا):

☆ ولقد اتواي وما الى العباس	☆ يستسقون من قحط وجدب زمان
☆ هذا وبينهم وبين نبهم	☆ عرض الجدار وحجرة النسوان
☆ فنبهم حى ويستسقون	☆ غير نبهم حاشا ولى الايمان

یعنی قحط و خشک سالی سے مجبور صحابہ عباسؓ کے پاس استسقاء کے لئے آئے حالانکہ تمہارے عقیدہ کے مطابق آپ ﷺ قبر میں بذات خود بنفس نفیس زندہ موجود تھے، اور فرق اور فاصلہ بھی صرف حجرات کی دیوار ہی کا ہے۔ اس سے بڑھ کر حیرت انگیز امر کیا ہو سکتا ہے کہ زندہ ہستی (نبی پاک) کو چھوڑ کر ایک امتی سے استسقاء کی دعاء کرائی جا رہی ہے۔ یہ عقیدہ چونکہ انتہائی مضحکہ خیز ہے، اس لئے ابن قیم، ابن معطلہ کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و التراب تحتهم وفوق رؤسهم	وعن الشمال ثم عن ايمان
مثل الذی قد قلتموه معاذنا	بالله من افك ومن بهتان

بل عند ربهم تعالیٰ مثل ما قد قال فی الشهداء فی القرآن

یعنی جن کے نیچے بھی مٹی ہو اور ان کے سروں پر بھی، اور دائیں بائیں بھی، غرض مٹی میں محصور اور گیرے ہوئے بھی کوئی زندگی ہے، تمہارے اس افک اور بہتان سے اللہ کی پناہ، حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ عند اللہ ویسے ہی زندہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے شہداء کی زندگی کا قرآن پاک میں اعلان فرمایا ہے۔ چونکہ یہ عقیدہ معطلہ اور ابن نورک کا عقل اور نقل کے سراسر خلاف ہے اس لئے حافظ ابن قیم کو جوش آتا ہے اور انتہائی غصے سے فرماتے ہیں:

يا قومنا استحيوا من العقلاء
والله لا قدر الرسول عرفتم
من كان هذا القدر مبلغ علمه
ولقد ابان الله ان رسوله
و المبعوث بالقرآن و الرحمن
كلا ولا للنفس و الانسان
فليستر بالصمت و الكتمان
ميت كما قد جاء في القرآن

یعنی اے قوم! تمہیں اللہ تعالیٰ، قرآن بلکہ خود رسول اللہ ﷺ اور اہل عقل و دانشمندیوں سے شرم آنی چاہئے۔ کیونکہ نہ ہی تو تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے قدر و مرتبہ کو پہچانا، اور نہ ہی تم نے انسانیت کی قدر و عظمت اور نفس یا روح کی شان و کمال کو سمجھا۔ جو کوئی اس درجہ عقل و فہم سے محروم ہے تو اسے بالکل خاموش رہتے ہوئے وقت گزارنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بالکل واضح الفاظ میں (انک میت) کا اعلان فرما کر نبی ﷺ کی وفات ظاہر فرمادی، مگر تم ہو کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں رٹ لگا رہے ہو۔ کہ آپ ﷺ زمین کے نیچے زندہ ہیں۔ اور ابن کثیر البدایہ و النہایہ: ۲۶۶/۵، (م: ۱۳۴/۸) میں لکھتا ہے: واختلف المتأخرون من اصحاب الشافعي في مشروعية الصلوة على قبر عليه السلام لغير الصحابة رضی الله عنهم، فقيل نعم: لان جسده عليه السلام طری فی قبره لان الله تعالیٰ قد حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء، كما ورد بذلك الحديث فی السنن وغيره فاهو كالميت اليوم وقال الاخرون لا يفعل لان السلف ممن بعد الصحابة لم يفعلوه ولو كان مشروعاً لبادروا اليه ولتأبروا عليه، والله اعلم۔

یعنی امام شافعیؒ کے متاخرین اتباع نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قبر مبارک پر نماز جنازہ اب صحیح ہے یا نہیں؟ تو بعض کا کہنا ہے کہ صحیح ہے، اس وجہ سے کہ تازہ موجود ہے جس طرح تدفین کے وقت تھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے جسوں (بدن) کو زمین پر حرام کر دیا ہے، جس کے متعلق حدیث سنن وغیرہ میں ذکر ہے

آپ قبر میں ایسے ہیں جیسے آج فوت ہوئے ہوں۔

جبکہ ہدایہ: ۱/۱۶۰، میں ہے: ان صلی الی لم یجز لحدان یصلی بعدہ لان الفرض ینادی بالاولی وتنفل بہا غیر مشروع ولہذا رئینا الناس ترکوا عن اخرہم الصلاة علی قبر النبی ﷺ وهو الیوم کما وضع الخ۔

اور ابن ہمامؒ نے فتح القدر: ۱/۴۵۸، میں لکھا ہے: ولو کان مشروعا لما اعرض الخلق کلہم من العلماء و الصالحین و الراغبین فی التقرب علیہ السلام بانواع الطرق عنہ، و ہذا دلیل ظاہر علیہ فوجب اعتباره،

اور عنایہ شرح ہدایہ میں برہامش فتح القدر، اکمل الدین محمد بن محمود البابتی نے لکھا: وقولہ وهو الیوم کما وضع لان لحوم الانبیاء علیہ السلام حرام علی الارض۔ بہ ورد الاثر۔

اور کبیری: ۵۴۰، میں ہے: ولو شرع التنفل بہا یصلی علی قبرہ علیہ السلام الی یوم القیامۃ لانه الان کما وضع، لان الارض لاتأکل اجسام الانبیاء۔

اور بدائع الصنائع: ۱/۳۱۱، میں علامہ کاسانی نے لکھا ہے: والدلیل علیہ لان الامۃ توارثت ترک الصلوۃ علی النبی ﷺ و علی خلفاء الراشدین و الصحابۃؓ، ولو جاز لمتا ترک مسلم الصلوۃ علیہم، خصوصاً علی رسول اللہ ﷺ لانه فی قبرہ کما وضع، وان لحوم الانبیاء حرام علی الارض، بہ ورد الاثر، وترکہم ذالک اجماعہم دلیل علی عدم جواز التکرار۔

اور مستخلص شرح کنز: ۵۱، میں ہے: انه فی القبر الیوم کما وضع لان لحوم الانبیاء حرام علی الارض۔ کما فی الہدایہ: ۶۰۔

اسی طرح بحر المراقب میں ابن نجیمؒ نے لکھا ہے، اور اسی طرح ابن عابدین شامی نے رد المحتار و دیگر رسائل میں بھی تحریر فرمایا ہے۔

حاصل بحث، کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے اجسام طیبہ کو مٹی نہیں کھاتی، بلکہ وہ صحیح سلامت اسی حالت میں ہیں کہ جس حالت میں انہیں قبر میں رکھا گیا تھا۔ صاحب الہدایہ، ابن الہمام، صاحب عنایہ، صاحب الکفایہ، صاحب مستخلص۔ تمام فقہاء کرام کا یہی قول ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کے قول پر اس بحث کا اختتام کرتے ہیں۔ علی القاریؒ نے شرح فقہ

اکبر: ۱۳۱، میں یہ قول نقل کیا ہے کہ: ورسول اللہ ﷺ مات علی الایمان۔

اب ہم قائلین حیات کے بعض دلائل پیش کرتے ہیں، ان کا ایک دلیل حدیث ابو ہریرہؓ ہے، جو کہ امام احمد نے مسند احمد: ۱۶/۴۷۷ میں نقل کیا ہے: عن رسول اللہ ﷺ قال: ما من احد یسلم علی الارذالہ عزوجل الیٰ روحی حتی ارذ علیہ السلام۔ یعنی کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر میری روح کو لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ اس روایت کو ابو داؤد نے: ۲۰۴۱، میں اور بیہقی نے: سنن کبریٰ: ۲۴۵/۵، میں۔ اور حیات الانبیاء: ۲۶، میں نقل کیا ہے اگرچہ بعض علماء نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن اس کے مختلف سندیں ہیں بلحاظ مختلف طرق یہ حدیث حسن ہے۔ (حاشیہ مسند احمد اور حاشیہ حیات الانبیاء میں اس حدیث پر تحقیق کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ روایت حسن ہے) ظاہر یہ ہے کہ رد الروح کا مفہوم ومعنی یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کا جسد اطہر اور روح الگ الگ ہیں، جس سے ہمارا مدعی ثابت ہوتی ہے نہ کہ ان کا اگرچہ بعض علماء نے یہ معنی نہیں لیا ہے۔

محدث شیخ عبدالحق دہلوی شارح مشکوٰۃ (لمعات: ۱۹۲۳) میں لکھتے ہیں: روح لوٹنے کا مطلب اس مقدس حدیث کے متعلق یوں بیان فرمایا ہے: قوله رد اللہ علیٰ روحی، لیس المراد بعود الروح عودھا بعد المفارقة عن البدن وانما المراد انہ ﷺ فی البرزخ مشغول حول الملكوت مستغرق فی مشاہدۃ رب العزۃ عزوجل کما کان فی الدنیاء فی حالة الوحی فی احوال الاخرۃ۔ عبر عن افاقته من تلک المشاہدۃ وذلك الاستغراق برد الروح (لمعات التنقیح: ۱۹۲/۳، باب الصلوٰۃ علی النبیؐ۔ یعنی روح کے لوٹنے سے یہ مراد نہیں ہے کہ روح بدن سے نکل کر پھر بدن میں لوٹ آتی ہے، بلکہ یہ مراد ہے کہ نبی ﷺ کی روح طیبہ عالم برزخ میں مشاہدہ ربانی میں مشغول و مستغرق ہے جیسا کہ دنیاوی زندگی میں نزول وحی کی حالت میں مستغرق ہو جاتی تھی اسی مشاہدہ واستغراق سے افاقہ کا نام رد روح ہے۔

امام سیوطیؒ اس اشکال سے (کتاب انباء الاذکیاء: ۴۳، میں ضمن حیات الانبیاء، وضمن الحاوی: ۱۵۲) مختلف جوابات دیتے ہوئے مذکورہ جواب کے بعد فرماتے ہیں: ثم ظهر لی جواب ثالث عشر. وهو ان المراد بالروح الملك الذی وکل بقبرہ ﷺ یتبلغہ السلام و الروح یطلق علی غیر جبرئیل ایضاً من الملائکۃ قال الراغب، اشراف الملائکۃ تسمى ارواحا. انتهى. ومعنی ”رد اللہ الیٰ روحی“ ای بعث الیٰ الملك الموکل بتبلیغی السلام هذا غایۃ مآظہر واللہ اعلم۔ یعنی پھر تیسرا جواب میری ذہن میں آیا ہے وہ یہ ہے کہ

روح سے وہ فرشتہ مراد ہے جو آپ ﷺ کے قبر شریف پر درود و سلام کے پہنچانے پر مقرر ہے اور روح کا لفظ جبرئیل علیہ السلام کے سوا اور فرشتوں پر بھی بولا جاتا ہے۔ امام راغب نے مفردات میں بھی یہی فرمایا ہے: اب ر: اللہ علی روحی کے یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اس فرشتہ کو میرے پاس بھیجتا ہے جو درود و سلام پہنچانے پر مقرر ہے میری تحقیق کی یہ انتہا ہے واللہ اعلم۔

علامہ عبدالحلیم لکھنوی فرہنگی محلی نور الایمان: ۱۴۰، میں ایسے ر: روح کی تشریح فرماتے ہیں ”فمعناه ان روحی لہ اشتغال واستغراق شہودی بحضرت الرب الاعلیٰ و اذا سلم احد علیّ ی توجہ روحی الیہ فرد الروح کنایة عن التوجہ والاقبال“ یعنی ر: روح کے یہ معنی ہیں کہ میری روح مشاہدہ الہی میں مشغول و مستغرق ہوتی ہے، اور جب کوئی مسلمان مجھ پر درود و سلام پڑھتا ہے تو میری روح اس کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے، بس ر: روح سے روح کی متوجہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ر: بمعنی پھیر دینا، ہٹا دینا، رخ موڑنا اور قاسم العلوم والخیرات، مولانا نانوتویؒ آج حیات“: ۲۳۱، میں ارشاد فرماتے ہیں، اس صورت میں معنی حدیث شریف کے یہ ہوں گے کہ جب کوئی رسول اللہ ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ آپ کے روح پر توجہ کو اس حالت استغراق فی ذات اللہ و تجلیات اللہ سے جو بوجہ محبوبیت و حبیبیت تامہ آپ کو حاصل رہتی ہے۔ ہوش عطا فرمادیتا ہے۔

اور علامہ سہودی ”وفاء الوفاء“: ۱۳۵/۴۴۴، میں فرماتے ہیں: ان السبکی قال: یحتمل ان یکون ر: دامعنویا وان تکون روحہ الشریفہ مشتغلة بشہود الحضرة و الملائکة الاعلیٰ عن هذا العالم و اذا سلم علیہ اقبلت روحہ علی هذا العالم لتدارک السلام وترد علی المسلم یعنی ان لروحہ الشریفہ النفات روحانی، یعنی علامہ سبکی فرماتے ہیں: یہ ممکن ہے کہ ر: روح سے ر: معنوی مراد ہو، اس لئے کہ آپ کی روح طیبہ اس عالم دنیا سے گذر کر مقام اعلیٰ میں تجلیات الہی میں مستغرق ہوتی ہے۔ جب کوئی آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھتا ہے تو اس عالم دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے، اور سلام کا جواب دیتی ہے۔ اس ر: روح کے معنی التفات روحانی ہے نہ حقیقی۔

علامہ بیضاوی کی بھی یہی رائے ہے: و الروح ملک موکل علی الارواح او جنسها او جبرئیل او خلق اعظم من الملائکة، تفسیر سورت نباء: ۴۴۵، روح سے وہ فرشتہ مراد ہے جو تمام فرشتوں کا افسر ہے، یا تمام فرشتے یا جبرئیل امین یا فرشتوں سے بڑھ کر کوئی اور مخلوق مراد ہو۔

ان حوالہ جات سے یہی بات ثابت ہو رہی ہے کہ سید الانبیاء و المرسلین ﷺ کی روح طیبہ عالم قدس رفیق اعلیٰ میں

مشاہدہ الہی میں مستغرق ہوتی ہے، اسی استغراق سے وقفہ کی حالت میں درود و سلام پڑھنے والے کی طرف روح طیبہ کا توجہ فرمانا درود روح سے تعبیر کیا گیا ہے، اگر آپ ﷺ اپنی عرفی قبر میں بحمدہ و روح دنیا کی طرح زندہ تشریف فرما ہوتے اور گوشہ نشینوں کی طرح حجرہ شریفہ کی قبر اطہر میں زندہ جلوہ افروز ہوتے تو پھر اس تعبیر کی کیا ضرورت تھی؟ اور اس قدر تاویلات کر نیکا کیا مقصد تھا جو ایک دو نہیں بلکہ تیرہ تاویلات ہیں اس قسم کی اضطراب والی حدیثیں بہت کچھ ہیں۔

تبلیغ صلاۃ و سلام کے متعلق علامہ طیبی شرح مشکوٰۃ المصابیح: ۳۶۳/۲، میں ارشاد فرماتے ہیں قولہ: فان صلاتکم تبلغنی، وذلك ان النفوس القدسية اذا تجردت عن العلائق البدنية وعرجت واتصلت بالمالأ الاعلی ولم یبق لها حجاب فیری الكل کالمشاهد بنفسها و باخبار الملک لها۔ یعنی یہ نفوس قدسیہ انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبات جب بدنی تعلقات سے جدا ہوتی ہے تو ملاً اعلیٰ میں پہنچ جاتی ہیں، اور پھر کوئی پردہ باقی نہیں رہتا۔ دنیاوی زندگی کی طرح ہر چیز کا مشاہدہ کرتی ہیں یا فرشتوں کے ذریعہ اطلاع پاتی ہیں۔ اور اس جملے کے تائیدان دوروایتوں سے ہوتی ہے:

[۱] عن ابن مسعود عن النبی ﷺ قال: ان لله ملائكة سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام۔ نسائی: ۴۳/۳، شعب الإیمان: ۱۴۰/۳، یعنی ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، یقیناً اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ فرشتے ہیں پھرنے والے، پہنچاتے ہیں مجھ پر میری امت کی طرف سے سلام۔

[۲] عن ابن عباس قال: لیس احد من امة محمد ﷺ صلی علیہ صلاۃ الا وہی تبلغہ یقول له الملک: فلان یصلی علیک کذا و کذا صلاۃ۔ شعب الإیمان: ۴۱/۳۔ یعنی عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے امتیوں میں سے کوئی آپ پر درود بھیجتا ہے تو آپ کو بتا دیا جاتا ہے ایک فرشتہ فرماتا ہے کہ، فلاں نے آپ پر اتنی بار درود بھیجا ہے۔

ان کی ایک دوسری دلیل روایت ابن ماجہ ہے جو کہ ۱۶۳، پر ہے، ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اکثرُوا الصلوۃ علیّ یوم الجمعة فانه مشہود تشهدہ الملائکة وإن أحدالن یصلی علیّ إلا عرضت علیّ صلاتہ حتی یفرغ منها، قال قلت وبعد الموت؟ قال وبعد الموت۔ ان اللہ حرم علی الارض ان تأکل اجساد الانبیاء فیسی اللہ حی یرزق۔ یعنی جمعہ کے دن مجھ پر بہت زیادہ درود بھیجا اس لئے کہ جمعہ کے دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور جو کوئی مجھ پر درود بھیجے گا اس کا درود مجھ پر پیش کیا جائے گا۔ جس وقت اس سے فارغ

ہوگا، میں نے عرض کیا، کیا آپ کے مرنے کے بعد بھی؟ آپ نے فرمایا میرے مرنے کے بعد بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے زمین پر پیغمبروں کا جسم کھانا، عرض یہ ہے کہ اللہ کے نبی زندہ ہیں اور ان کو روزی ملتی ہے۔

یہ روایت اسی نمط سے دیگر محدثین نے بھی نقل کی ہے لیکن آخری جملہ پر ابن ماجہ متفرد ہے، اور اس کا یہ سند ضعیف ہے دو جگہوں میں انقطاع ہے، عبادہ بن نسی کی ابوالدرداء سے روایت صحیح نہیں جبکہ زید بن ایمن کا عبادہ سے سماع ثابت نہیں۔

علی القاریؒ مرقات: ۲۳۲/۳، اور مبارک پوری مرعات المفاتیح: ۴۴۰/۴، اور شیخ عبد الحق ایضاً الممعات: ۵۱۶/۱، میں مزید لکھتے ہیں کہ تم هذه الجملة يحتمل ان تكون من قول النبي ﷺ انتيجتاللكلام، ويحتمل ان تكون من قول الراوى استفادة من كلامه وتفريعا عليه یعنی یہ جملہ (فنبى الله حتى يبرق) یا تو رسول اللہ ﷺ سے صادر شدہ ہے جو بطور نتیجہ کلام کے بیان فرمایا ہو، یا یہ نیچے کسی روای کا قول ہے یعنی مدرج ہے۔

ان کا ایک اور (متادل) حدیث جو کہ مشکوٰۃ المصابیح نے رقم: ۸۹۴، میں امام بیہقی سے نقل کیا ہے کہ: عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلى على عندقبرى سمعته ومن صلى على نائيا بلغته. (شعب الايمان: رقم: ۱۴۸۱) (۱۴۰/۳) یعنی جس نے میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھا تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے مجھ پر درود دور سے پڑھا تو وہ مجھے فرشتوں کے واسطے بتلایا جاتا ہے۔ یہ حدیث مختلف کتابوں میں مذکور ہے اختصار سے ہم اس کا ذکر کرتے ہیں:

طريق اول: طبرانى عن العلاء بن عمرو الحنفى عن محمد بن مروان (كذاب متروك الحديث) عن الاعمش عن ابى صالح عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلى على من قريب سمعته ومن صلى على نائيا بلغته.

طريق ثانى: عقیلی، شیخ عقیلی عن احمد بن ابراهيم عن العلاء بن عمرو الحنفى عن محمد بن مروان عن الاعمش عن ابى صالح عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلى على من قريب سمعته ومن صلى على نائيا بلغته. ۱۳۶/۴، تاریخ الخطیب: ۲۹۱/۳.

طريق ثالث: ابو الشيخ عن عبدالرحمن بن احمد الاعرج (مجهول العدالة) عن الحسن بن الصباح عن ابى معاوية عن الاعمش عن ابى صالح عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ من صلى

علی من قریب سمعته ومن صلی علی من بعد اعلمته۔

اس روایت کے متعلق (الصارم المنکی: ۱۹۰) میں لکھتا ہے کہ: قلت هذا الحديث موضوع علي رسول الله ﷺ ولم يحدث به ابو هريرة ولا ابو صالح ولا الاعمش، یعنی میں (مسئمی با بن عبد الہادی) کہتا ہوں کہ یہ حدیث منگھڑت ہے نبی کریم ﷺ پر۔ نہ یہ حدیث ابو ہریرہؓ نے بیان فرمائی ہے اور نہ ہی ان کے شاگرد ابو صالح نے اور نہ ہی ابو صالح کے شاگرد اعمش نے۔ پھر اس عبارت کی کچھ سطروں کے بعد ابو الشیخ اصفہانی کی سند پر بحث کرتے ہیں اسی صفحہ ۱۹۰، میں وقد روی بعضهم هذا الحديث من رواية ابى معاوية عن الاعمش وهو خطأ فاحش وانما هو محمد بن مروان تفرديه وهو متروك الحديث، یعنی بعض نے یہی حدیث ابی معاویہ عن الاعمش کے طریق سے روایت کی ہے مگر یہ اس (بعض) کی فاحش غلطی ہے۔ اصل میں یہ روایت محمد بن مروان سے ہے جو اس حدیث کی روایت کرنے میں متفرد (یعنی اکیلا) ہے اور محمد بن مروان کے سوا کسی نے یہ حدیث بیان نہیں کی۔ نہ ابو معاویہ نے اور نہ کسی اور راوی نے۔ اور محمد بن مروان کی اپنی حالت یہ ہے کہ وہ متروک الحدیث ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ حدیث صحیح نہیں بلکہ ضعیف اور ساقط الاعتبار ہے، اس وجہ سے ابن الجوزی نے اس کو کتاب الموضوعات: ۳۰۲/۱ میں ذکر کیا ہے۔ بعض کو یہ وہم ہوا ہے کہ سیوطی نے تعقبات میں اور ابن تیمیہ وغیرہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ تو اس کا جواب ناصر الدین الالبانی نے سلسلہ ضعیفہ: ۲۰۳، میں دیا ہے کہ: موضوع بهذا التمام اخرجہ ابن شمعون فی الامالی: ۱۹۳/۲، (۲) و الخطیب فی تاریخہ ۳/۲۹۱، ۲۹۲، و ابن عساکر: ۲/۷۰/۱۶، من طریق محمد بن مروان عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہؓ مرفوعا و اخرج طرفہ الاول ابو بکر بن الخلال فی الجزء الثانی من حدیثہ: ۲/۱۱۵، و ابو ہاشم السیلقی فی ما انتقاه علی ابن بشریہ ۶/۵۱، و العقیلی فی الضعفاء ۳۹۸، وقال لا اصل له من حدیث الاعمش و لیس بمحفوظ ولا یتابعہ الامن ہو دونہ، یعنی ابن مروان ہذا ثم روی الخطیب باسناده عن عبد الله بن قتيبة قال سألت ابن نمير عن هذا الحديث فقال دع، ذام محمد بن مروان لیس بشیء۔ قلت ومن طريقه اورده ابن الجوزی فی الموضوعات من رواية العقیلی ثم قال: لا یصح، محمد بن مروان هو السدی الصغیر کذاب، قال العقیلی لا اصل لهذا الحديث وتعقبه السیوطی فی اللالی: ۲۸۳/۱، بقوله قلت اخرجہ البیهقی فی شعب الایمان بهذا الطريق و اخرج له شواهد قلت

ثم ساقه السيوطي وبعضها صحيح مثل قوله صلى الله عليه وسلم: ان لله ملائكة سياحين في الارض يبلغوني عن امتي السلام. وقوله صلى الله عليه وسلم ما من احد يسلم علىّ الا رد الله علىّ روحى، الحديث. وتقدم ذكره قريبا وهى كلها انما تشهد لحديث فى الجملة، واما التفصيل الذى فيه، وانه من صلى علىّ عند قبره صلى الله عليه وسلم فانه ليسمعه، فليس فى شىء منها شاهد عليه. واما نصفه الاخر فلم يذكر السيوطي ولا حديثا واحدا يشهد له نعم، قال السيوطي ثم وجدت لمحمد بن مروان متابعا عن الاعمش. اخرج ابو الشيخ فى الثواب . حدثنا عبد الرحمن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابو معاوية عن الاعمش به قلت ورجال هذا السند كلهم ثقات معروفون غير الاعرج هذا، و الظاهر انه الذى اوردته ابو الشيخ نفسه فى طبقات الاصبهانين: ۳۱۳، فقال القاضى عبد الرحمن بن احمد الطبرى، ثم روى عنه حديثين ولم يذكر فيه جرحا ولا تعدى لافهوه مجهول، فقول الحافظ فى الفتح: ۶/ ۳۷۹، سنده جيد غير مقبول، ولهذا قال ابن القيم فى هذا السند، انه غريب، كما نقله السخاوى عنه فى القول البديع فى الصلوة على الحبيب الشفيع: ۱۱۶، وقال ابن عبد الهادى فى الصارم المنكى فى الرد على السبكي: ۱۹۰.

وقد روى بعضهم هذا الحديث من رواية ابى معاوية عن الاعمش وهو خطأ فاحش وانما هو محمد بن مروان تفرد به، وهو متروك الحديث متهم بالكذب، على ان هذه المتابعة ناقصة اذ ليس فيها ما فى رواية محمد بن مروان وكفى بها امر دنياه كذا لك اوردته الحافظ ابن حجر و السخاوى من هذا الوجه خلافا لما لفظه المذكور فى رواية السدى، كما لا يخفى على المشتغلين بهذا العلم الشريف.

وقال شيخ الاسلام ابن تيمية فى الرد على الاخنائى: ۲۱۰، ۲۱۱، وهذا الحديث وان كان صحيحا، لعله يعنى فى الجملة فاسناده لا يحتج به، وانما ثبت معناه باحدىث اخر، فانه لا يعرف الا من حديث محمد بن مروان السدى الصغير عن الاعمش، وهو عند اهل المعرفة بالحديث موضوع على الاعمش، وجملة القول ان الشرط الاول من الحديث ينجم من اطلاق القول بوضعه لهذه المتابعة التى خفيت على ابن تيمية، وامثاله، واما باقيه فموضوع لخلوه من الشاهد.

حاصل یہ ہوا کہ یہ حدیث ساقط الاعتبار ہے، جبکہ دوسری حدیثوں کی معارض بھی ہے۔ جن میں یہ ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ خود نہیں سنتے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے جو کہ آپ ﷺ کو رو دو سلام پہنچاتا ہے۔ جو کہ ابو داؤد، و نسائی نے عبد اللہ بن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ: ان لله ملائكة سياحين في الارض يبسلغوني عن امتي السلام۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تحقیق اللہ تعالیٰ کے لئے کچھ فرشتے ہیں پھرنے والے، پہنچاتے ہیں مجھ پر میری امت کی طرف سے سلام۔ اس روایت کو ابن حبان نے ۲۲۹۳، میں اور حاکم نے ۴۲۱۲، میں نسائی نے ۴۳۶۳، میں نقل کیا ہے۔ اور اس معنی کی دیگر روایات بھی ہیں مذکور پر اکتفاء کرتے ہیں۔ بنا بر اصول حدیث یہ حدیث منکر بھی ہوا۔

ان کی ایک دلیل حدیث انسؓ ہے کہ: رسول پاک ﷺ نے فرمایا ”الانبياء احياء في قبورهم يصلون“۔ یعنی انبیاء حیات ہیں اور قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ اس روایت کو ابو یعلیٰ نے اپنی مسند: ۱۴۷۶، امام بیہقی نے حیات الانبياء: ۱۷، ۱۸، میں اور بزار نے: ۲۵۶، میں ابو نعیم نے اخبار اصہبان: ۳۸۲، میں نقل کیا ہے مختلف طرق سے۔ جس سے حدیث صحیح لغیرہ کے درجہ پر پہنچ جاتی ہے۔

جبکہ اس کا ایک صحیح شاہد بھی انسؓ سے مسلم کتاب الفضائل اور کتاب الایمان باب الاسراء: ۹۹، اور مسند احمد: ۱۲۰۳، وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ قبر سے مراد برزخ ہے نہ کہ یہ گھڑا۔

شیخ عبدالحق اشعۃ الممعات: ۶۲۱، میں اور تکمیل الایمان: ۱۵، میں فرماتے ہیں کہ اہل السنّت کے اعتقادات میں سے ایک اعتقاد عذاب قبر ہے اور قبر سے مراد عالم برزخ ہے، جو دنیا کے اور آخرت کے دار کے درمیان واسطہ ہے، اور اس عالم کا تعلق دونوں مقاموں کے ساتھ ہے، قبر سے مراد گھڑا نہیں کہ مردہ کو جس میں دفناتے ہیں۔ امام راغب مفردات: ۳۹۸، میں قبر کے معنی ”مقر المیت“ لکھتے ہیں۔ شاہ ولی اللہ اپنی کتاب الخیر الکثیر: ۱۵۸، میں الخزانة التاسعة فی احکام نشأة المعاد کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں: ولها اربع منازل، المنزل الاول: عالم البرزخ و سماہ رسول اللہ ﷺ بالقبر، یعنی اخروی نشأة کی چار منزلیں ہیں ان میں سے پہلی منزل عالم برزخ ہے، جس کا نام رسول اللہ ﷺ نے قبر فرمایا ہے۔ کشف مغالطات: ۱۵۹، میں ابراہیم دہلوی لکھتا ہے کہ قبر اس گھڑے کا نام نہیں ہے جہاں جسد خاکی مدفون کر کے خاک ڈالتے ہیں بلکہ حقیقی قبر عالم برزخ ہے۔

مولانا اشرف علی مجالس الحکمة: ۴۳، اور اشرف الجواب: ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، میں لکھتا ہے کہ قبر سے مراد حدیث میں عالم برزخ ہے نہ حفرہ (یعنی گھڑا) مظاہر حق: ۶۲، نور الصدور: ۱۰۰، ۱۲۳، میں بھی یہی لکھتے ہیں، نظم

الفرائد: ۱۷۱، میں احسن سنجلی لکھتا ہے کہ: والمراد بالقبر ليس ما يحفر ويدفن فيه الميت بل المراد به عالم البرزخ مما بعد الموت الى يوم النشور، سليمان ندوي سيرة النبي ﷺ ۶/۲۶۸، کے حاشیہ میں بھی یہی تحقیق لکھتا ہے، مولانا ادریس کاند بلوی رسالہ عالم برزخ: ۲۵، میں اور شبیر احمد عثمانی تفسیر عثمانی میں یہی تحقیق کرتا ہے۔ وحید الزمان موطاً کے ترجمہ: ۹۶، ۹۷، میں بھی ایسی تحقیق کرتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی مالا بدمنہ: ۱۲، میں تفسیر ماجدی: ۶: ۱۱۷، میں مفتی کفایہ اللہ جوہر ایمان: ۶، میں یہی معنی مراد لیتے ہیں۔

تو اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ مذکورہ حدیث میں قبر سے عالم برزخ مراد ہے نہ کہ یہ گھڑا۔ جبکہ ان لوگوں کا ایک دوسری متدل خود اس سے خلاف ہے جو کہ انسؓ سے امام بیہقی نے حیات الانبیاء: ۱۸، کنز العمال: ۳۲۲۳۰، میں نقل کیا ہے کہ: ان الانبياء لا يتركون في قبورهم بعد اربعين ليلة ولكنهم يصلون بين يدي الله حتى ينفخ في الصور۔ یعنی انبیاء کو چالیس راتوں کے بعد ان کی اپنی قبروں میں رہنے نہیں دیا جاتا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں نماز پڑھتے ہیں تا آنکہ صور پھونکا جائے گا۔

اگرچہ یہ حدیث صحیح نہیں خود امام بیہقی اس حدیث کی صحت میں تردد کیا ہے اور فرماتے ہیں کہ: وهذا ان صح بهذا اللفظ، یعنی اول تو دل تسلیم نہیں کرتا کہ یہ حدیث صحیح ہو اور اگر ثابت ہو جائے کہ واقعی حدیث کے یہی الفاظ ہیں تو اس کی توجیہ کرنی پڑے گی، جبکہ اس حدیث کی سند میں محمد بن عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ ہے جو کہ تمام اصحاب الجرح والتعديل کے نزدیک ضعیف ہے۔

اور اس کے علاوہ ایک اور صحیح حدیث عبد اللہ بن عمرؓ سے صحیح بخاری: ۶۲۱، میں منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کچھ نماز اپنی گھروں میں ادا کیا کرو اور انہیں قبریں نہ بناؤ۔ اجعلوا فی بیوتکم من صلاتکم ولا تتخذوها قبورا۔ علماء کرام نے اس حدیث کے کئی مطلب لئے ہیں اور سب صحیح ہیں۔

ایک مطلب تو یہ ہے کہ قبرستان میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ دوسرا یہ کہ گھروں میں نوافل پڑھنا مندوب اور مستحب ہے، تو نبی کریم ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ تم مردوں کی طرح نہ بنو جو اپنے گھروں میں (قبروں) میں نماز نہیں پڑھتے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ گھروں میں مردوں کو دفن نہ کرو، اور بغوی نے شرح السنۃ میں اکثر اہل علم کا قول ابن منذر سے نقل فرمایا ہے، کہ اس حدیث سے علماء کرام نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ قبرستان نماز کی جگہ نہیں ہے، کذا فی فتح الباری: ۲/۹۵۔

اور شیخ عبدالحق لمعات: ۱۹۳/۳، میں اس حدیث کی تشریح میں کہ: (سمعت رسول اللہ ﷺ يقول لا تجعلوا بيوتكم قبوراً الحديث) - فرماتا ہے ای لا تكونوا في بيوتكم كالموتى في القبور لا يصلون ولا يعبدون الخ۔ اس کے علاوہ اکثر شراح حدیث نے اس کا یہی مقصد لکھا ہے:-

ان کا ایک اور متادل واقعہ معراج ہے۔ جو کہ کئی طرق سے مفسرین اور محدثین نے نقل کیا ہے تفصیل سورۃ اسراء میں آئے گی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث ابی ہریرہؓ میں تصریح موجود ہے کہ: ثم اتى ارواح الانبياء (یعنی ارواح الانبياء کو اللہ تعالیٰ نے مشکل کر کے رسول اللہ ﷺ کو دکھایا) جبکہ بعض روایات میں لفظ تمثیل بھی ذکر کیا گیا ہے اور امام ذہبی تاریخ اسلام: ۲۷۷/۱، میں اس حدیث کو ان الفاظ سے نقل کرتے ہیں: ثم اتى ارواح الانبياء اور: ۲۶۹/۱، میں ان مختلف احادیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ: فكيف الجمع بين هذه الاحاديث وبين ما تقدم من انه رأى هؤلاء الانبياء في السموات وانه راجع موسى؟ فالجواب انهم مثلوا له فرأهم غير مرة، فرأى موسى في مسيره قائما يصلى في قبره ثم رآه في بيت المقدس ثم رآه في السماء السادسة هو وغيره فخرج بهم كما عرج بنينا، والانبياء احياء عند ربهم كحياة الشهداء عند ربهم، وليست حياتهم كحياة اهل الدنيا ولا حياة اهل الآخرة، بل لون اخر كما ورد ان حياة الشهداء بان جعل الله ارواحهم في اجواف طير خضرتسرح في الجنة وتأوى الى قناديل معلقة تحت العرش فهم احياء عند ربهم بهذا الاعتبار كما اخبر سبحانه وتعالى واجسادهم في قبورهم. وهذه الاشياء اكبر من عقول البشر والايمن بها واجب، كما قال تعالى، الذين يؤمنون بالغيب، بقره۔ اسی طرح جواب ابن حجر نے فتح الباری: ۱۶۰/۷، میں دیا ہے۔

مذکورہ حدیث ابو ہریرہؓ سے بزار نے (کشف) رقم ۵۵: ۴۰۱، اور طبری نے تہذیب الآثار جزء ثانی: ۷۲، میں اور تفسیر سورۃ اسراء: ۵۰۸/۶، اور ابن ابی حاتم نے: ۳۲۱/۷، میں امام بیہقی نے دلائل النبوة: ۴۰۰/۲، اور بیہقی نے مجمع الزوائد: ۲۳۸/۱، میں بزار سے نقل کرنے کے بعد فرماتا ہے رواہ البزار، ورجاله موثقون) اور ابن حجر نے فتح الباری: ۵۹۹/۷، اور ابویعلیٰ نے ابطال التاویلات: ۱۲۳/۱، میں فرمایا ہے کہ: وقد جاء هذا في حديث المعراج في رواية ابي حفص بن شاهين وابي طالب بن العشاري، قال فيه، ثم اتينا بيت المقدس فنشركلى ارواح الانبياء فصليت معهم، فبين ان النشركان على الارواح وقد ذكر ابو بكر الخلال في كتاب السنة هذه

اللفظة، جبکہ حدیث جابر بن عبد اللہ میں لفظ (مثلاً) ہے فرماتا ہے: سمعت رسول اللہ ﷺ يقول لما كذبتني قريش قمت فمثل الله لي بيت المقدس۔

اس پر دلالت مضمون حدیث بھی کرتا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کا گذر ایک ایسے مقام پر ہوا کہ وہاں چھوٹا بل تھا یعنی زمین میں سوراخ تھا، اس سے ایک بڑا اژدھا نکلا اور وہ چاہتا تھا کہ پھر اس میں چلا جاوے مگر نہ جاسکتا تھا، اور وہ صورت اس شخص کی تھی کہ وہ کوئی کلمہ عظیمہ کہہ دیتا ہے اور پھر اس کو اس پر ندامت ہوتی ہے اور اس کے بارے میں جواب نہیں دے سکتا۔ اسی طرح کچھ لوگ ایسے بھی دیکھے کہ ان کا شکم گھڑے کی مانند بڑا تھا اس میں سانپ تھے کہ وہ باہر سے نظر آتے تھے۔ اور ان میں سے ایک سانپ دوسرے کو کاٹتا تھا اور وہ لوگ سوخور تھے، پھر ایسے لوگوں کی طرف گزرے کہ ان کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹ کے مانند تھے، وہ لوگ آگ کا انگارہ نکلتے تھے اور وہ ان کے نیچے سے نکالتے تھے، یہ لوگ وہ اشخاص تھے جو کہ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے تھے، پھر نبی کریم ﷺ کچھ عورتوں کی طرف سے گزرے کہ ان کے ہاتھ باندھے ہوئے تھے اور سرنگوں منہ لٹکائے ہوئے تھیں، اور وہ زانیہ عورتیں تھیں، پھر ایسے لوگوں کی طرف گزرے کہ ان کے پہلو کا گوشت کاٹا جاتا تھا اور وہ لوگ اپنے دانتوں سے کچلتے تھے وہ لوگ چغلوں تھے۔

پھر بیت المقدس کے پاس پہنچے آپ نے مسجد میں نماز پڑھی اور وہاں انبیاء علیہم السلام کی ارواح موجود کی گئیں۔ ابن جریر: ۶/۵۰۸۳۔ محمد بن درویش الحوت اسنی المطالب: ۲۵۷، میں لکھتا ہے و كذا رؤيته لالانباء ليلة الاسراء هي تمثيل لارؤية جسم وكذا رؤيته لموسى وهو قائم يصلى في قبره، و رؤيته لادم عليه السلام في السماء الدنيا وعن يمينه باب الجنة وعن يساره باب النار فانه تمثيل۔

ان روایات میں دیگر امتیوں کے متعلق بھی ذکر ہے، جو اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ تفسیر مظہری: ۲۲۲/۱۰، میں لکھا ہے کہ: ارواح الانبياء تخرج من جسدھا وتسير مثل صورتھا الخ۔ فیض الباری: ۴۲۳، میں شاہ انور نے لکھا ہے: ثم هذه ابدان مثالية لهم. لانهم ارواح مجردة۔ بیضاوی: ۴۷۳/۱، میں ایک حدیث نقل کیا ہے، جس میں الفاظ یہ ہیں کہ: مثل لى الانبياء عليهم السلام فصليت بهم۔ مولانا اشرف علی تھانوی کتاب الكشف: ۴۵۰، میں یہی لکھتا ہے: اس معنی کے وضاحت کے لئے کہ یہ حیات برزخی ہے اور روح جسد غصری سے الگ ہے، ہم دو انبیاء کرام کا ذکر کرتے ہیں، تا کہ کمزور عقیدے والوں کا شک زائل ہو جائے، مسند ابی یعلیٰ: ۲۳۶/۱۳، میں ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اتى النبي ﷺ اعرابيا فاکرمه فقال له اثنتان فاتاها فقال رسول

اللہ ﷺ سل حاجتک فقال ناقة نرکها واعزنا بحلبها اهلی، فقال رسول اللہ ﷺ عجزتم ان تكونوا مثل عجوز بنی اسرائیل. قال ان موسی لما سار بنی اسرائیل من مصر ضلوا الطريق فقال ما هذا؟ فقال علماؤهم ان یوسف لما حضره الموت اخذ علینا موثقا من اللہ ان لانخرج من مصر حتی ننقل عظامه معنا قال فمن یعلم موضع قبره قال عجوز من بنی اسرائیل فبعث الیها فاتته فقال دلنی علی قبر یوسف قالت حتی تعطینی حکمی قال ما حکمک؟ قالت اکون معک فی الجنة فکره ان یعطیها ذلک فاوحی اللہ الیه ان اعطها حکمها فانطلقت بهم الی بحیره (موضع مستنقع ماء) فقالت انضبو هذا الماء فانضبو اقلت احتفروا واستخرجوا عظام یوسف فلما اقلوها الی الارض اذا الطريق مثل ضوء النهار۔

یعنی رسول اللہ کسی اعرابی کے ہاں مہمان ہوئے اس نے آپ ﷺ کی بڑی خاطر تواضع کی، واپسی میں آپ ﷺ نے فرمایا کبھی ہم سے مدینہ میں بھی مل لینا، کچھ دنوں بعد اعرابی آپ کے پاس آیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کچھ چاہئے؟ اس نے کہا ہاں ایک تو اونٹنی دیجئے مع ہودج کے اور ایک بکری دیجئے جو دودھ دیتی ہو، آپ نے فرمایا افسوس تو نے بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسا سوال نہ کیا، صحابہ نے پوچھا وہ واقعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا جب موسیٰ کلیم اللہ بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ بھول گیا، ہزار کوشش کی لیکن راہ نہیں ملتی تھی، آپ نے لوگوں کو جمع کر کے پوچھا یہ کیا اندھیر ہے؟ تو علماء بنی اسرائیل نے کہا: بات یہ ہے کہ یوسف نے اپنے آخری وقت میں ہم سے عہد لیا تھا کہ جب ہم مصر سے چلیں تو آپ کا تابوت بھی یہاں سے لیتے جائیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم میں سے کون جانتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا تابوت کہاں ہے؟ سب نے انکار کر دیا کہ ہم نہیں جانتے، ہم میں سے سو ایک بوڑھی کے اور کوئی بھی آپ کی قبر سے واقف نہیں، آپ نے اس بڑھیا کے پاس آدمی بھیج کر اس سے کھلوا لیا کہ مجھے یوسف کی قبر دکھلا۔ بوڑھی نے کہا ہاں دکھاؤں گی لیکن پہلے اپنا حق لے لوں، موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جنت میں آپ کا ساتھ میسر ہو آپ پر اس کا یہ سوال بہت باری پڑا، اسی وقت وحی آئی کہ اس کی بات مان لو، اور اس کی شرط منظور کر لو، اب وہ آپ کو ایک جھیل کے پاس لے گئی جس کے پانی کارنگ بھی متغیر ہو گیا تھا۔ کہا کہ اس کا پانی نکال ڈالو، جب پانی نکال ڈالا اور زمین نظر آنے لگی تو کہا اب یہاں کھودو، کھودنا شروع ہوا تو قبر ظاہر ہو گئی تابوت ساتھ رکھ لیا۔ اب جو چلنے لگے تو راستہ صاف نظر آنے لگا اور سیدھی راہ

لگ گئے۔

اس روایت کو حاکم نے متدرک: ۱۷۱/۳، ۲۵۲، میں نقل کیا ہے، اور اس پر باب باندھا ہے (نقل عظام یوسف علیہ السلام من مصرفی عہد موسیٰ علیہ السلام) اور پیشی نے مجمع الزوائد: ۱۰/۲۶، میں نقل کیا ہے اور فرمایا ہے ورجال ابی یعلیٰ رجال الصحیح وهذا الذی حملنی علی سباقها۔ جبکہ مستدابی یعلیٰ کی تحقیق کرنے والے (حسین سلیم) نے اس کو حسن کہا ہے، ابن حبان نے صحیح: ۲/۵۰۰، میں اس پر عنوان باندھا ہے، اور ابن ابی حاتم نے تفسیر: ۶۸/۸ میں مجاہد سے مرسل نقل کیا ہے جو کہ اس کے لئے ایک شاہد ہے، اور سیوطی نے درمنثور: ۶/۲۹۸، میں قتادہ سے، اور جر جانی نے تفسیر درج الدرر: ۳/۱۲۰، میں ابن عباسؓ سے، اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء: ۶/۲، میں کعب سے، اور طبرانی نے الاوسط: ۶/۷۷، میں علیؓ سے نقل کیا ہے، اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث صحیح ہے اور ابن کثیر نے جو اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ ہذا حدیث غریب جدا میہ حکم صحیح نہیں۔

دوسری روایت دانیال علیہ السلام کی ہے: کہ عمرؓ کے زمانے میں ابو موسیٰ اشعری کی سپہ سالاری میں جب سوس فتح ہوا تو ایک بہت مکلف مکان میں دانیال نبی علیہ السلام کی نعش مبارک ملی، جو فارس وغیرہ کے قدیم دستور کے موافق دوائیں اور خوشبوئیں لگا کر رکھی ہوئی تھی۔ کسی عضو کی صورت و ہیبت میں فرق نہیں آیا تھا اور ابو موسیٰ نے ان کی نسبت عمرؓ کو خط لکھا عمرؓ نے جواب دیا: کہ ان کو پیر کے پتے اور خوشبودار پانی سے غسل دے کر دفن کر دو۔ ابو موسیٰ نے عمرؓ کی تحریر کے موافق غسل و کفن کے بعد نماز پڑھ کر سوس کے نہر سے کنارہ پر دفن کر کے اس طرف کو پانی جاری کرادیا۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے: اس طرح نقل کیا ہے حدثنا حماد بن سلمہ عن ابی عمران الجونی عن انسؓ انہم لما فتحو استرقال: فوجد رجل انفه ذراع فی التابوت كانوا یستظہرون ویستمطرون بہ فکتب ابو موسیٰؓ الی عمر بن خطابؓ بذلک فکتب عمرؓ، ان هذانی من الانبیاء والنار لا تأکل الانبیاء والارض لا تأکل الانبیاء فکتب ان انظر انت واصحابک، یعنی اصحاب ابی موسیٰ فادفنوه فی مکان لا یعلمہ احد غیر کم اقال فذهبت انساو ابو موسیٰ فدفناہ! مصنف ابن ابی شیبہ: ۱۳/۲۸، تاریخ دمشق: ۵۸/۳۲۴، ۳۲۱، دلائل النبوة للبیہقی: ۱/۳۸۲، ۳۹۰، تاریخ طبری: ۱/۴۰۰، ۲/۵۰۵، الاصابہ: ۶/۲۳۶، تاریخ اسلام للذہبی: ۵/۲۸۷، البدایہ و النہایہ: ۲/۳۷۵، قصص الانبیاء للتعلی: ۱۸۹، و تاریخ قزاعی: ۳۴۔

خليفة ثانی نے حکم دیا کہ جس طرح میت کو غسل دیا جاتا ہے، اسی طرح اس پیغمبر کو غسل دو، اور جس طرح میت کو کفن دیا جاتا ہے، اسی طرح اس کو کفن دو، اور جس طرح میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، اسی طرح اس پر بھی نماز جنازہ پڑھو۔ اور لحد کھود کر دفن کر دو۔ اس سے یہ واضح ہوا کہ انبیاء علیہم السلام قبض روح کے بعد عام انسانوں کی طرح ہوتے ہیں، یعنی جسد اور روح علیحدہ علیحدہ مکانوں میں ہوتے ہیں۔

ایسا ایک واقعہ قرآن کریم نے سورہ بقرہ ۲۵۹ء میں عزیر علیہ السلام کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس کی تفصیل ابن جریر وغیرہ نے ذکر کی ہے، جبکہ سلیمان علیہ السلام کا واقعہ جو سورہ سبأ: ۱۴ء میں ہے، بھی اس مسئلے کی وضاحت کرتی ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات اور جسدِ عرضی و روح کے علیحدہ علیحدہ ہونے کی ایک دلیل ان لوگوں کا یہ واقعہ ہے، جو کہ شذرات الذہب: ۲۳۰/۲، وفاء الوفاء: ۶۴۸/۲، میں نور الدین سلطان کے متعلق نقل کیا ہے کہ: بعض عیسائی بادشاہوں نے یہ سازش کی تھی اور ۱۵۵۵ء میں دو مراکشی عیسائیوں کے ذریعہ اسے عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی گئی، اپنی طرف سے اس سازش میں بڑی باریک بینی اور مہارت سے کام لیا گیا تھا۔

لیکن قدرت و قوت الہیہ ہر چیز پر غالب ہے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت و عصمت کا وعدہ کر رکھا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے خوب حفاظت فرمائی اور عیسائیوں کی سازش کو ناکام و نامراد کر دیا۔ مورخین نے اس سازش کا مفصل بیان کیا ہے، سمودی کہتے ہیں: کہ علامہ جمال الدین نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس کا موضوع یہ ہے کہ عیسائیوں کو ملازم نہ رکھا جائے۔ اس میں انہوں نے ذکر کیا، کہ مصر کے ایک عادل حکمران نور الدین زنگی شہید کے دور میں عیسائیوں نے ایک بہت بڑی سازش کی، اور انہیں پختہ یقین تھا کہ اس میں وہ کامیاب ہو جائیں گے۔ واقعہ یہ ہے کہ سلطان نور الدین زنگی تہجد گزار تھا، اور اوراد و وظائف کا پابند تھا ایک رات تہجد کے بعد سو گیا تو خواب میں رسول اکرم کی زیارت ہوئی آپ دوسرخ رنگ کے آدمیوں کی طرف اشارہ فرما کر ارشاد فرما رہے تھے ”انسجدنی انقذنی من ہذین“ مجھے ان دونوں سے بچاؤ۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا، وضوء کر کے نماز آدا کی اور سو گیا، تو ویسی ہی خواب پھر دیکھی، اور آنکھ کھل گئی اس نے پھر نماز ادا کیا اور سو گیا، تو تیسری مرتبہ پھر وہی خواب آئی تو اس کی نیند اڑ گئی، اس کا ایک وزیر جمال الدین موصلی بہت نیک شخص تھا، اسے اسی رات کو ہی طلب کر لیا۔

اور اس سے خواب کا واقعہ بیان کیا، اس نے کہا! تو بیٹھے کیوں ہو؟ ابھی مدینہ منورہ چلو اور کسی کو خواب نہ بتلانا، اس نے راتوں رات ہی تیاری کی، اور بیس ساتھی لیکر ہلکی پھلکی سوار یوں پر روانہ ہو گیا، وزیر موصوف بھی ہمراہ تھا، بہت سامان

بھی ساتھ لیا، سولہ روز میں مدینہ طیبہ پہنچ گیا، شہر سے باہر ہی غسل کیا، مسجد شریف میں حاضر ہو کر ریاض الجنۃ میں نوافل ادا کیئے، اور بارگاہ نبوت میں سلام عرض کیا، اور بیٹھ کر سوچ میں پڑ گیا۔ کہ اب کیا کرے، وزیر نے اٹھ کر اعلان کر دیا جبکہ اہل مدینہ مسجد میں جمع ہو چکے تھے کہ سلطان نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے ہیں، خیرات کیلئے مال بھی لائے ہیں، سب اہل مدینہ کی فہرست بنائی جائے، بعد میں سلطان نے سب کو حاضری کا حکم دیا، جو شخص بھی پیش ہوتا بادشاہ اسے بڑے غور سے دیکھتا، تا کہ جو اشخاص نبی اکرم ﷺ نے خواب میں دکھائے ہیں انہیں پکڑا جاسکے، لیکن ان شکلوں والے نہ مل سکے، ہر شخص کو عطیہ دیتے اور رخصت کر دیتے، تا آنکہ اہل مدینہ سے کوئی باقی نہ رہا۔

اب سلطان نے پوچھا کہ کوئی باقی تو نہیں رہا؟ سب نے کہا نہیں، سلطان نے کہا سوچو اور خوب غور کر لو، اخر لوگوں نے بتلایا اور تو کوئی نہیں صرف مراکشی بزرگ ہیں، جو کسی سے کچھ نہیں لیتے، وہ بڑے نیک اور امیر لوگ ہیں، محتاجوں کو بڑا صدقہ خیرات دیتے ہیں، ہمیشہ روزہ رکھتے ہیں، تہجد گزار ہیں، ریاض الجنۃ میں نماز آدا کرتے ہیں، ہر صبح بارگاہ نبوت میں صلاۃ و سلام پیش کرتے ہیں، روزانہ جنت البقیع میں حاضری دیتے ہیں، ہفتہ میں ایک دفعہ مسجد قبا جاتے ہیں۔

الغرض اہل مدینہ نے ان کی بہت تعریف کی، بادشاہ نے یہ سن کر سبحان اللہ کہا، اور انہیں خواب کا واقعہ نہ بتایا، اور حکم دیا کہ انہیں میرے پاس لاؤ، انہیں بلایا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم دولت مند ہیں، صدقہ قبول نہیں کرتے، سلطان کے اسرار پر جب انہیں لایا گیا تو اس نے فوراً پہچان لیا کہ یہ تو وہی ہیں، جو خواب میں دکھائے گئے ہیں، اور نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا تھا: انجدنی انقدنی من ہذین، بادشاہ نے پوچھا کہ کہاں کے رہنے والے ہو؟ تو انہوں نے کہا مراکش سے ہم حج کے لئے آئے تھے، ایک سال کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پڑوس میں رہنے کا ارادہ کر لیا ہے، بادشاہ نے کہا سچ بتلا دو، وہ اس پر چپ ہو رہے، بادشاہ نے ان کی رہائش کا پوچھا تو بتلایا گیا کہ ایک مسافر خانہ میں جو حجرہ شریفہ کے قریب ہے، سلطان انہیں پکڑ کر اس مکان میں لے آیا، وہاں بہت مال پڑا ہوا تھا، سلطان اکیلا اس مکان میں پھرتا رہا ایک جگہ سے بوریاں اٹھائی تو اس کے نیچے سرنگ نظر آگئی جو تازہ کھدی ہوئی حجرہ شریفہ کو جا رہی تھی۔

لوگ یہ دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے، سلطان نے کہا اب مجھے سچ بتادو اور خوب مارا، آخر انہوں نے اعتراف کر لیا کہ وہ عیسائی ہیں، اور ان کے بادشاہ نے انہیں مراکشی حاجیوں کے بھیس میں بھیجا ہے، اور بہت زیادہ مال و دولت

دیا ہے، اور ایک خطرناک کام سرانجام دینے کو کہا ہے، جس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ یہ کام سرانجام پا جائے گا۔ اور وہ یہ تھا کہ نبی ﷺ کی ذات اقدس تک پہنچیں، اور جو شیطان نے ان کے ذہن میں ڈالا تھا اس پر عملدرآمد کریں، کہ آپ کو یہاں سے نکال لے جائیں، اور اس کا جو نتیجہ ہوگا سو ہوگا، اس لئے وہ مسجد کے جنوبی طرف قریب ترین مسافر خانہ میں مقیم ہو گئے اور اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا اس طرح شروع کیا کہ رات کو کھدائی کرتے اور مراکشی لوگوں کے تھیلوں جیسے ان کے پاس تھیلے ہوتے جن میں مٹی ڈال کر یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ وہ بقیع کے زیارت کو جا رہے ہیں وہاں جا کر مٹی قبروں کے درمیان ڈال دیتے، یہ کام وہ عرصہ سے کر رہے تھے، جب وہ حجرہ شریفہ کے قریب پہنچے تو آسمان سخت کڑکا اور بجلی چمکی اور ایسا زلزلہ آیا کہ معلوم ہوتا تھا، پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں گے۔

اسی رات کی صبح کو آپ (سلطان) آپہنچے اور ہمیں پکڑ کر اعتراف جرم کروا لیا، جب انہوں نے اعتراف جرم کر لیا اور سلطان کے ذریعہ یہ سازش پکڑی گئی تو سلطان نے کہا کہ الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے مجھے منتخب فرمایا، کسی اور کا انتخاب نہیں کیا، اس کے بعد سلطان پر سخت رقت طاری ہوئی اور بہت رویا۔ اور انہیں مار ڈالنے کا حکم دیا، حجرہ شریفہ سے متصل جو کھڑکی بقیع کی طرف کھلتی تھی اس کے نیچے ان کی گردن اڑادی، پھر سلطان نور الدین زنگی اپنے ملک کو واپس چلا گیا اور عیسائیوں کے خلاف جنگی کارروائیاں بڑھادیں، اور انہیں سرکاری ملازم نہ رکھنے کا حکم جاری کیا۔ (جسم مبارک کی چوری کی سازشیں تقریباً پانچ مرتبہ کی گئی ہے، تفصیل کے لئے کتاب: التحفة اللطيفة: ۲/۲۲۷، وفاء الوفاء: ۲/۶۵۳، البدلیة والنہیة: ۱۳/۳، ۲، ۳، دیکھیں،

مذکورہ تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ انبیاء علیہم السلام شہداء جیسے برزخ میں زندہ ہیں، خود یہ تصریح امام بیہقی نے دلائل النبوة: ۲/۳۸۸، اور کتاب حیات الانبیاء: ۲۹، میں کی ہے فرماتا ہے: والانبیاء صلوات اللہ علیہم احياء عند ربہم كالشہداء۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کے ارواح طیبہ وفات کے بعد اللہ کے ہاں زندہ ہیں، جیسا کہ شہداء کرام، اور یہی معنی زرقانی نے شرح مواہب: ۵/۳۳۳، میں بھی ذکر کیا ہے، آخر میں ہم علامہ محمد بن درویش الحوت کا قول، جو کہ انہوں نے اسنی المطالب میں ذکر کیا ہے: ۵۸۳، ۶۱۴، ۶۱۹، لکھتا ہے کہ:

فہذہ الاخبار بمجموعہاتدل علی حیاتہ وحیاء جمیع الانبیاء علیہم السلام، ولكنہا علی نحو ما وصف، لا کحیاتنا لانہ لما قبض رسول اللہ ﷺ کان کبقیة الموتی من حیث فقد الروح وخر وجہا من الجسم الکریم ولو کانت حیاتہ کحیاتنا لخطبہم حین اختلفوا فی امر الخلفاء، وفي

محل دفنہ، وفی میراثہ، حین اختلفت فاطمة وابوبکرؓ علی ذلك وعلى الارض اللتی ادعتها من ارض فدک بنو احی خبیر، وانه اعطاها لها، وکالخلافا بین علی وعائشة و بین علی ومعابیه رضی اللہ عنہم اجمعین۔ فظهوره صلی اللہ علیہ وسلم للصحابۃ لنزع الخلافات المذكورة وهم اولی الناس بهذه الکرامة بل هم اکرم الخلق بعده اولی، واهم من ظهوره لغيرهم وهدایین جلی، فعلم ان حیاة الانبیاء لا تدرک حقیقتها، وانما تعتقد ان لهم مزیة علی غیرهم من الموتی۔

انبیاء علیہم السلام کی حیات برزخی ہے، جو دنیوی حیات سے مشابہ نہیں اور نہ نیند سے مشابہ ہے، اور نہ باقی لوگوں کی موت کے مانند ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ابدان مکرمہ کو بوسیدگی اور فناء سے محفوظ رکھتا ہے، اور بعض اوقات روح نورانیت سے کوئی سرّان پر لوٹاتا ہے،

چنانچہ بہت سی حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ امت کا سلام آپؐ پر پیش ہوتا ہے۔ بعض حدیثوں میں ہے، کہ آپؐ کی روح آپؐ پر لوٹائی جاتی ہے، تاکہ آپؐ سلام کہنے والا کا جواب دیں۔ بعض حدیثوں میں ہے، جو دور سے سلام بھیجے اس کا سلام فرشتے کے ذریعے پہنچایا جاتا ہے، بعض حدیثوں میں ہے عرض کیا گیا، کہ آپؐ پر صلوة و سلام کس طرح پیش ہوگا، آپؐ تو بوسیدہ ہو چکے ہوں گے تو فرمایا: اللہ نے زمین پر پیغمبروں کا گوشت کھانا حرام کر دیا ہے، یہ احادیث مجموعی طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر تمام صحابہ کرام کی حیات پر دلالت کرتی ہے، لیکن یہ حیات وہی ہے جو ہم نے پہلی بیان کی ہے یعنی برزخی ہے، ہماری حیات کی طرح نہیں ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کی گئی تو جسم مبارک سے روح کے نکلنے میں اور بدن میں روح موجود نہ ہونے میں آپؐ دوسرے اموات کی مانند تھے اگر آپؐ کی حیات ہماری حیات کی مانند ہوتی تو جب صحابہ کے درمیان خلافت کے معاملہ میں اختلاف ہوا تھا، اس وقت آپؐ ان سے مخاطب ہوتے تو معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی حیات کی حقیقت کا ادراک نہیں ہو سکتا پس ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ دوسری اموات پر ان کو نوقیت اور فضیلت حاصل ہے۔ مزید تحقیق کے لئے محمد حسین نیلویؒ کی کتاب نداء حق مطالعہ کیجئے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے

﴿۱۱۵﴾ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿۱۱۶﴾

تو صبر کرنے والوں کو (اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی) بشارت سنا دو۔

﴿۱۱۷﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿۱۱۸﴾

ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کا مال ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

﴿۱۱۹﴾ أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۲۰﴾

یہی لوگ ہیں جن پر اُن کے رب کی مہربانی اور رحمت ہے اور یہی سیدھے رستے پر ہیں۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا

بیشک (کوہ) صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو شخص خانہ کعبہ کا حج یا عمرہ کرے

جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ

اُس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے (بلکہ طواف ایک قسم کا نیک کام ہے) اور جو کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ

شَاكِرٌ عَلَيْهِمْ ﴿۱۲۱﴾ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ

قدر شناس اور داننا ہے۔ جو لوگ ہمارے احکام اور ہدایات کو جو ہم نے نازل کی ہیں (کسی غرض فاسد سے) چھپاتے ہیں

مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّهٖ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ

باوجودیکہ ہم نے اُن کو لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اپنی کتاب میں کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ایسوں پر اللہ

وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿۱۲۲﴾ الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا

اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ ہاں جو توبہ کرتے ہیں اور اپنی حالت درست کر لیتے اور (احکام الہی کو)

وَبَيْنُوا فَأُولَٰئِكَ تَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۴۰﴾

صاف صاف بیان کر دیتے ہیں تو میں اُن کے قصور معاف کر دیتا ہوں اور میں بڑا معاف کرنے والا (اور) رحم کرنے والا ہوں [۴۰]

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ لَعْنَةُ اللَّهِ

جو لوگ کافر ہوئے اور کافر ہی مرے اُن پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی لعنت ہے۔

وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۴۱﴾ ۱۴۱ اَللّٰهِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

وہ ہمیشہ اسی (لعنت) میں (گرفتار) رہیں گے اُن سے نہ تو عذاب ہی ہلکا کیا جائے گا

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۱۴۲﴾ ۱۴۲ وَلِلّٰهِ كُفُّمُ الْاِلٰهَ وَاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اور نہ انہیں (کچھ) مہلت ملے گی۔ اور (لوگو) تمہارا معبود ایک ہی (یعنی اللہ تعالیٰ) ہے [۴۱] اُس بڑے

[۴۰] اس آیت میں مولوی صاحبان کے توبہ کی قبولیت کی شرائط ذکر ہیں: (۱) توبہ کرنا (۲) اپنی اصلاح

کرنا (۳) بیسوا یہ مراد یہ ہے کہ جو حق یہ لوگ چھپاتے رہیں اب اسے خوب بیان کریں۔ جبکہ منافقین کے توبہ کی شرائط چار ہیں:

جو کہ سورت نساء: ۱۲۶، میں ذکر ہیں اور عام لوگوں کی توبہ کی دو شرط ہیں جو کہ سورت ال عمران: ۸۹، میں مذکور ہیں۔

[۴۱] الہ بمعنی معبود ہے اور وہ عبادت سے مشتق ہے، اور لفظ عبادت کے معنی کی تحقیق سورت فاتحہ میں گذر گئی

ہے، قرآن مجید میں عبادت کی زیادہ تر چار قسمیں آئی ہیں: ۱: غائبانہ حاجات میں پکارنا، ۲: نذر و نیاز دینا، ۳: سجدہ

کرنا، ۴: طواف کرنا۔

اگر غائبانہ حاجات میں اللہ تعالیٰ کو پکارا گیا، اور اس سے ڈر کر یا اس سے امید رکھ کر اس کے سامنے سجدہ کیا گیا،

اور اس کے نام کی نذر و نیاز دی گئی، اور اس کے گھر (بیت اللہ) کا طواف کیا گیا، تو یہ سب کچھ اللہ کی عبادت ہوگی، اور اگر یہ

امور غیر اللہ کے لئے کئے گئے: مثلاً کسی پیغمبر کو غائبانہ حاجات میں پکارا گیا۔ یا اس سے ڈر کر یا امید رکھ کر اس کی قبر کے

سامنے سجدہ کیا گیا۔ اس کے نام کی نذر و نیاز دی گئی، یا اس کی قبر کا طواف کیا گیا، تو یہ اس کی عبادت ہوگی۔ ان تمام اقسام

کو مکمل حقہ سمجھنے کے لئے عبادت کے معنی سمجھنے ضروری ہیں۔

(قانون لفظ ”الہ“) جہاں کہیں قرآن مجید میں ”الہ“ کا لفظ آجائے اور غیر اللہ سے الہ ہونے کی نفی کی جارہی ہو، وہاں غیر اللہ سے (خواہ وہ نبی ہو یا ولی) غائبانہ حاجت میں مانفوق الاسباب متصرف فی الامور ہونے کی نفی کی جائے گی، اور علم غیب کی بھی نفی کی جائے گی۔

لیکن زیادہ تر متصرف فی الامور ہونے کی نفی کی جاتی ہے، کیونکہ اس سے علم غیب کی نفی لازم آتی ہے۔ جیسا کہ سورت مائدہ: ۷۱، نمبر ایت سے ۲۱، تک۔

یہاں ان آیات میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ سے ”الہ“ ہونے کی نفی کی گئی ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہ دونوں محتاج ہیں، اور نفع و نقصان کا اختیار بھی نہیں رکھتے، اور ہر شے کو جاننے والے بھی نہیں۔ یہاں بھی مقصد یہ ہے کہ غائبانہ حاجات میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ نافع اور ضار نہیں۔ اور اسی طرح سورت انعام کا ایت: ۱۰۱، ۱۰۲، اور ۱۰۳، دیکھئے تو ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ امور مذکورہ فی الایات میں غائبانہ اور مانفوق الاسباب متصرف صرف اللہ کریم ہی ہے، اور ہر شے کا جاننے والا بھی وہی ہے۔ لہذا اگر وہ کوئی ضرر پہنچانا چاہے تو کوئی دور نہیں کر سکتا اور اگر وہ نفع پہنچانا چاہے تو قادر ہے، اور اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ چوتھی ایت پہلی تین ایت پر متفرع ہے، اور ان آیات کے بعد: اِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهَةً اُخْرٰى قُلْ لَا اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَاِنِّىْۤ اَبْرٰىءٌۭ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ (انعام)۔

سے نتیجہ نکالا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا الہ نہیں، کیونکہ کسی میں یہ امور مذکورہ، مانفوق الاسباب، غائبانہ حاجات میں نہیں پائے جاتے، اور اسی طرح سورت ال عمران اول سے ”کیف یشاء“: ۶۰، تک، ان آیات سے دلیل بیان کی گئی ہے، جس میں دو امور غائبانہ حاجات میں ظاہری اسباب کے علاوہ بیان کئے گئے ہیں: ۱. متصرف فی الامور اللہ تعالیٰ ہی ہے (۲) ہر شے کا جاننے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اس کے بعد لا الہ الا هو العزیز الحکیم سے نتیجہ نکالا گیا۔

اسی طرح سورت قصص ایت ۶۸، سے ۷۳، تک، ان آیات میں بھی وہی دعویٰ اور دلائل توحید ہیں، اور ان دلائل میں ان ہی دو امور یعنی غائبانہ حاجات میں متصرف اور غیب دان اللہ تعالیٰ ہی ہے، کو خوب واضح کیا گیا ہے۔ اس ایت میں ”ولہ الحکم“ سے غائبانہ حاجات میں نفع و نقصان کا حکم مراد ہے، اور ظاہری اسباب کے ماتحت حکم مراد لینے سے بہتر ہے۔ اسی طرح سورت طہ کی اول آیتوں میں بھی ذکر مانفوق الاسباب امور میں متصرف اور غیب دان ہونے کا ہے۔

اب اگر کوئی سوال کرے: کہ اگر اللہ تعالیٰ کو عالم الغیب بالذات اور غائبانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالذات تسلیم کر لیا جائے، جیسا اس کے شایان شان ہے، اور انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ اور اولیاء کرام کو عالم الغیب

بالعرض، یعنی بالواسطہ باعلام اللہ (عطائی) اور عاقلانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالعرض یعنی بتملیک اللہ، یعنی اللہ کی دی ہوئی طاقت سے تسلیم کیا جائے، جیسا کہ ان کے شایان شان ہے، تو کیا پھر بھی شرک ہوگا۔ شرک تو تب ہوتا کہ ان کو بھی بالذات مانا جاتا۔

تو جواب یہ ہے کہ مشرکین مکہ اپنے معبودوں کو عاقلانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالذات نہیں مانتے تھے، بلکہ انہیں متصرف فی الامور بالعرض بتملیک اللہ، جان کر پکارتے تھے، جیسا کہ مشرکین مکہ بوقت تلبیہ حج کہا کرتے تھے: لیبیک لیبیک اللہم لیبیک لا شریک لک لیبیک الا شریک اھولک تملکھ و ماملک۔ ابن کثیر: ۲/۲۲۵۔ اسی طرح صحیح مسلم ۶/۱۳۷، اور بخاری، میں ابو جہل کا تلبیہ آیا ہے۔ اسی طرح: ما نعبدھم الا لیقربنا الی اللہ زلفی (سورت الزمر: ۳)۔ اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: انہوں نے بتوں کی طرف قصد کیا کہ انہیں ملائکہ مقررین کی صورتوں پر بنالیا تھا۔ اور ان کی عبادت ملائکہ مقررین کی عبادت کے قائم مقام سمجھ کر کی، تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے رزق اور مدد اور جنہیں امور دنیا سے خیال کیا جاسکتا ہے، کے لئے اللہ تعالیٰ سے سفارش کریں۔ اور قیمت کے تو منکر ہی تھے۔

اور امام رازی نے تفسیر کبیر میں آیت کریمہ: ”فلا تجعلوا اللہ اندادا“ (بقرہ: ۲۲) لکھا ہے: جان لے کہ دنیا بھر میں کوئی بھی ایسا نہیں جو اللہ کا ایسا شریک مانے جو کہ وجود، قدرت، علم اور حکمت میں اس کے برابر ہو۔ یہ ان میں سے ہے جن کا وجود ابھی تک نہیں ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو معبود بنانا، تو اس کے قائل بکثرت موجود ہیں۔

دوسرا سوال: قرآن مجید نے: ”فلا تجعلوا اللہ اندادا“ میں ”ند“ کی نفی کی ہے، جس کے معنی مساوی اور مماثل کے ہیں، معلوم ہوا کہ کسی کو اللہ کے مساوی اور مماثل نہ بنانا چاہئے۔

جواب: تفسیر ابو سعید میں اس مقام پر لکھا ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بجائے اپنے معبودوں کی عبادت شروع کر دی تھی۔ اللہ کریم نے زجر سے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے ند بنا لئے ہیں، جو کام اللہ تعالیٰ کے لئے کرنا چاہئے تھا وہ انہوں نے اپنے معبودوں کے لئے شروع کر دیا۔

سوال: اگر انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام اور ملائکہ عظام کو عاقلانہ حاجات میں متصرف فی الامور بالعرض بھی نہ مانا جائے بلکہ اللہ جل شانہ کے دربار میں سفارشی سمجھ کر پکارا جائے تو کیا یہ بھی شرک ہے؟۔

جواب: یہ بھی شرک ہے، مکہ کے مشرک اپنے معبودوں کو سفارشی سمجھ کر پکارتے تھے، جیسا کہ پہلی آیت میں ”ما نعبدھم

الایقربنا الی اللہ زلفی “سورت الزمر (۳)۔ اور سورت یونس میں ہے: وَبَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ﴿۱۸﴾ اللہ کے سوا ان معبودان باطلہ کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں نہ نفع۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

امام رازی اور علامہ ابوسعود نے لکھا ہے: علماء نے اس میں اختلاف کیا کہ انہوں نے بہتروں کے حق میں کیسے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اور اس میں کئی قول نقل کئے ہیں: جن میں سے چوتھا یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں، پیروں اور فقیروں کی شکلیں ان بتوں کی سی بنالیں، اور گمان کیا کہ جب یہ ان مورتیوں کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں، تو وہ پیغمبر اور پیرو فقیر اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہوتے ہیں۔ اس زمانہ میں اس کی نظیر بہت سے لوگوں کا، پیروں، فقیروں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہونا ہے، اس اعتقاد پر کہ جب وہ ان کی قبروں کی تعظیم کریں گے تو وہ اللہ کے ہاں ان کے سفارشی ہونگے کیا انہوں نے اللہ کے سوا اوروں کو سفارشی بنا لیا ہے؟ سورہ زمر میں ہے: اَمْ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللّٰهِ شُفَعَاءَ قُلٌّ اَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۳﴾ فرما دیجئے کہ وہ اگرچہ کسی چیز کے مالک بھی نہ ہوں اور نہ ہی سمجھتے ہوں۔ تب بھی۔

سوال: ”من دون اللہ“ بت تھے، ان کو پکارنا، اور سفارشی بنانا، بیشک شرک ہے، لیکن اولیائے کرام وغیرہ کو پکارنا اور سفارشی بنانا کیونکر شرک ہے؟

جواب: پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مشرکین مکہ جنہیں سفارشی بناتے تھے، وہ انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور ملائکہ تھے، ان کی صورتوں پر بت بنا کر ان کی عبادت کرتے تھے، جیسا کہ تفسیر کے حوالہ جات نیز بخاری شریف وغیرہ کے حوالہ سے بیان ہو چکا ہے کہ وہ سواع وغیرہ بزرگان دین میں سے تھے۔ ”ان الذین تدعون من دون اللہ عباد ادمثالکم“ الاعراف: (۱۹۴) جنہیں تم اللہ کے سوا پکارتے ہوں وہ تم جیسے بندے ہیں۔

سوال: اگر ہر وقت انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کو غائبانہ حاجات میں حاجت روانہ سمجھا جائے، بلکہ ان کو بعض وقت سفارشی سمجھ کر پکارا جائے، اور بعض اوقات اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے تو کیا یہ بھی شرک ہے؟

جواب: مشرکین مکہ بھی اپنے معبودوں کو ہر وقت اور ہر کام میں نہیں پکارتے تھے، بلکہ زیادہ کھشن کاموں میں وہ اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے۔ جیسا کہ سورت یونس آیت: ۲۲، اور سورت عنکبوت آیت: ۶۵، سورت الروم آیت: ۳۲، سورت لقمان آیت: ۳۲، سورت نحل آیت: ۵۳، ۵۴، سورت انعام آیت: ۶۳، اور سورت الزمر آیت: ۸، میں ملاحظہ کریں۔

اور حدیث میں ہے: عن عمران بن حصین ^{رض} قال: قال النبی ﷺ لابی، یا حصین کم تعبد الیوم لها؟ قال ابی سبعة، ستافی الارض وواحدا فی السماء، قال فایہم تعدلرغبتك ورہبتك؟ قال الذی فی السماء، قال یا حصین اما انک لو اسلمت علمتک کلمتین تنفعانک۔ الحدیث (مشکوٰۃ: باب الاستعاذۃ الفصل الثانی: ۱: ۲۱۷)۔ اور حدیث، عکرمہ جو کہ امام نسائی وغیرہ نے نقل کیا ہے، اس باب میں زیادہ مشہور ہے۔ ان آیات اور احادیث سے معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ بھی ان مصائب کے وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے تھے، اور مصائب کے دور ہو جانے کے بعد اپنے معبودوں کو پکارنا شروع کر دیتے تھے، لیکن پھر بھی تو انین اسلامی کے رو سے مشرک تھے، اور آج کل کے مشرک تو ان سے بھی بڑے ہوئے ہیں، ایسے مصائب کے وقت بھی اپنے ہی معبودوں کو پکارتے ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

بگردآب بلا افتاد کشتی مدد کن یا معین الدین چشتی

اور کوئی کہتا ہے: بہاؤ الحق، بیڑا دھک۔ (معاذ اللہ)۔

مسئلہ اثبات الہ

مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے، اور اس کی ہستی اور بعض صفات کے منکر نہیں تھے، قرآن کریم میں اس کا ذکر کئی آیتوں میں موجود ہے: سورت عنکبوت: ۶۱، ۶۲، ۶۳، سورت زحرف: ۹، ۸۷، سورت مومنون: ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۸۹، سورت یونس: ۳۱۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اسمانوں اور زمین سے رزق دینے والا، کانوں اور آنکھوں کا مالک، یعنی ضامن، کافر سے مومن پیدا کرنے والا، اور مومن سے کافر پیدا کرنے والا، اور ازاد سے غلام اور غلام سے ازاد پیدا کرنے والا، اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا، اور ہر شے پر غالب اور بڑے علم والا، انسانوں کو پیدا کرنے والا، اور ہر شے کو قبضہ قدرت میں رکھنے والا، ہر شے کو پناہ دینے والا، جس کے مقابلے میں کسی کو پناہ نہ مل سکے، صرف اللہ ہی کو جانتے تھے، اور مذکورہ صفات میں ”وحدہ لا شریک لہ“ جانتے تھے۔

امام رازی اور ابن کثیر وغیرہ نے اللہ تعالیٰ کے وجود پر سورت بقرہ کی آیت نمبر ۲۱، سے استدلال کیا ہے، اور اس کے متعلق مختلف واقعات نقل کئے ہیں، فرماتے ہیں: فی الواقع یہ آیت اللہ تعالیٰ کے وجود پر بڑی دلیل ہے، زمین اور آسمان کی مختلف شکل و صورت، و مختلف رنگ، مختلف مزاج، اور مختلف نفع کی موجودات، ان میں سے ہر ایک کا نفع بخش ہونا، اور ان کے خالق کے وجود کا خاص حکمت کا حامل ہونا، اور اس کی عظیم الشان قدرت، حکمت اور زبردست سطوت، اور سلطنت

کا ثبوت ہے۔

کسی بدوی سے پوچھا گیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے موجودگی کی کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا ”یا سبحان اللہ، ان البعر لیدل علی البعیر، وان اثر الاقدام لتدل علی المسیر، فسماء ذات ابراج، وارض ذات فجاج، وبحار ذات امواج، الایدل ذلک علی وجود اللطیف الخبیر“، یعنی بیگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے، اور پاؤں کے نشان کو زمین پر دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ کوئی آدمی گیا ہے، تو کیا یہ برجوں والا آسمان، یہ راستوں والا زمین، یہ موجیں مارنے والے سمندر۔ اللہ تعالیٰ باریک بین اور باخبر کی وجود پر دلیل نہیں بن سکتے؟۔

امام مالکؒ سے ہارون الرشید نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی وجود پر کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا زبانوں کا مختلف ہونا، اوزوں کا جداگانہ ہونا، نغموں کا الگ ہونا، ثابت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی سوال ہوتا ہے، تو آپ جواب دیتے ہیں، کہ چھوڑو میں ابھی کسی اور سوچ میں ہوں، لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں، نہ کوئی اسکا نگہبان ہے، نہ چلانے والا۔ باوجود اس کے وہ برابر آ جا رہی ہے، اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گذر جاتی ہے، ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے، چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے، نہ کوئی اس کا ملاح ہے، نہ منتظم۔ سوال کرنے والے دہریوں نے کہا، آپ کیسی بات کرتے ہیں، کوئی ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنی بڑی نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے، اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو؟ آپ نے فرمایا، افسوس تمہاری عقلوں پر، ایک کشتی تو بغیر چلانے والے نہ چل سکے، لیکن یہ ساری دنیا، آسمان و زمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں، اور ان کا مالک، حاکم، خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لوگ لاجواب ہو گئے، اور حق معلوم کر کے مسلمان ہو گئے۔

امام شافعیؒ سے بھی یہ سوال ہوا، تو آپ نے جواب دیا، کہ توت کی پتے ایک ہی ہیں، ایک ہی ذائقہ کے ہیں کیڑے اور شہد کی مکھی، اور گائیں، بکریاں، ہرن وغیرہ سب اس کو کھاتے، اور چرتے، چگتے ہیں، اسی کو کھا کر کیڑے میں سے ریشم نکلتا ہے، مکھی شہد دیتی ہے، ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے، اور گائے، بکریاں، بیگنیاں دیتی ہیں، کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں؟ کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اس کو ہم اللہ تبارک و تعالیٰ مانتے ہیں، وہی موجد اور صانع ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایک مرتبہ وجود باری تعالیٰ پر دلیل طلب کی جاتی ہے، تو آپ نے فرمایا: سنو! یہاں

ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں، نہ کوئی راستہ ہے، بلکہ سوراخ تک نہیں۔ باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے، اور اندر سے سونے کی طرح دھمک رہا ہے۔ اور اوپر، نیچے، دائیں بائیں، چاروں طرف سے بالکل بند ہے۔ ہوا تک اس میں نہیں جاسکتی، اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے، اور جاندار آنکھوں، کانوں والا خوبصورت بولتا چالتا، خوبصورت شکل اور بیماری بولی والا، چلتا پھرتا نکل آتا ہے، کہو اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر، اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈھے کو دیکھوں چو طرف سے بند ہے، پھر اس میں پروردگار، خالق، یکتا، جاندار بچہ پیدا کر دیتا ہے۔ یہی دلیل ہے اللہ کے وجود پر، اور اس کا توحید پر۔

ابو نو اس سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو کہا، کہ اسمان سے بارش کا برسنا، اس سے درختوں کا پیدا ہونا، اور ان ہری ہری شاخوں پر خوش ذائقہ میوں کا لگنا، ہی اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی وحدانیت کی کافی دلیل ہے۔

ابن المعتز کا قول ہے، افسوس اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے تکذیب پر لوگ کیسی دلیری کرجاتے ہیں، حالانکہ ہر چیز اس پروردگار کی ہستی اور لائیک ہونے پر گواہ ہے۔

بعض علماء کا مقولہ ہے، کہ اسمانوں کو دیکھو ان کی بلندی، ان کی وسعت، ان کے چھوٹے بڑے چمکیلے اور روشن ستاروں پر نظر ڈالو، ان چمکنے اور دکنے، ان کے چلنے پھرنے اور ٹھہر جانے، ظاہر ہونے اور چھپ جانے کا مطالعہ کرو۔ سمندروں کو دیکھو جو موجیں مارتے ہوئے زمین کو گھیرے ہوئے ہیں۔ پھر اونچے نیچے مضبوط پہاڑوں کو دیکھو، جو زمین میں گڑے ہوئے ہیں، اور اسے بلنے نہیں دیتے۔ جن کے رنگ، جن کی صورتیں مختلف ہیں، پھر قسم قسم کی اور مخلوقات پر نظر ڈالو، پھر ادھر سے ادھر پھرے جانے والی کھیتوں اور باغوں کو شاداب کرنے والی خوشنما نہروں کو دیکھو، کھیتوں اور باغوں کی سبزیوں اور ان کے طرح طرح کے پھل پھول مزے مزے کے میووں پر غور کرو۔ زمین ایک، پانی ایک، لیکن شکلیں، صورتیں اور خوشبو میں، رنگت، ذائقہ اور فائدہ میں الگ الگ ہیں، کیا یہ تمام مصنوعات تمہیں نہیں بتاتیں کہ ان کا صانع کوئی ہے؟ کیا یہ تمام موجودات باوجود بلند نہیں کہہ رہی ہیں کہ ان کا موجد کوئی ہے؟ کیا یہ ساری مخلوق اپنے خالق کی ہستی، اس کی ذات، اور اس کی توحید پر دلالت نہیں کرتی؟ یہ ہیں وہ زوردار دلائل جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے منوانے کے لئے ہر نگاہ کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ جو اس کی زبردست قدرتوں، اس کی پرزور حکمتوں، اس کی لاثانی رحمتوں، اس کے بینظیر انعاموں، اس کے لازوال احسانوں پر دلالت کرنے کے لئے کافی وافی ہیں، ہمارا اقرار ہے، کہ اس کے سوا کوئی

پالنے پوسنے والا، نہ اسکے سوا کوئی پیدا کرنے، اور حفاظت کرنے والا، نہ اس کے سوا کوئی معبود برحق، نہ اس کے سوا کوئی مسجود لاشک، ہاں دنیا کے لوگوں سن لو! میرا توکل اور بھروسہ اسی پر ہے، میری انابت اور التجا اسی کی طرف ہے۔ میرا بھٹکانا اور پست ہونا، اسی کے سامنے ہے، میری تمناؤں کا مرکز، میری امیدوں کا آسرا، میرا ماؤی اور پلجا وہی ایک ہے، اسی کے دست رحمت کو دیکھتا ہوں۔

اسی طرح قرآن کریم میں لفظ ”الہ“ کی کچھ معانی اور مصداقات ہیں: جیسا کہ سورت نمل: ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، میں۔ ان آیات میں ”الہ“ کے معانی یہ بتائے گئے، کہ اسمائوں اور زمین کے پیدا کرنے کی طاقت، اسمانوں سے پانی اتارنے کی طاقت، بارش سے درختوں کے پیدا کرنے کی طاقت۔ اسی طرح زمین کو پیدا کرنے کے بعد اس کو برقرار رکھنے کی طاقت، زمین سے پانی نکالنے کی طاقت، زمین پر پہاڑوں کو رکھ کر اسے برقرار رکھنے کی طاقت، مختلف ذائقوں کے دریاؤں کو اکٹھا چلا کر درمیان میں پردہ ڈالنے کی طاقت، پریشان آدمی کی پکار سننے کی طاقت، برائی دور کرنے کی اور زمین پر خلیفہ بنانے کی طاقت، دریاؤں اور خشکیوں میں راستہ نہ ملنے پر رہنمائی کرنے والا، باران رحمت آنے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں، خوشخبری کے طور پر چلانے کی طاقت۔ اسی طرح تمام مخلوق کی پیدا کرنے کی طاقت، دوبارہ زندہ کرنے کی طاقت، اسمان اور زمین سے رزق دینے کی طاقت۔ ان معانی کے بیان کے ساتھ ساتھ مذکورہ آیتوں میں ان صفات کا ثبوت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے، اور دوسروں سے نفی بھی بیان ہوئی، اور اس کے باوجود بعض مسلمان مذکورہ صفات میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے، شاعر نے کیا خوب کہا:

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

غیر حق راہر کہ خواند اے پسر کیست در عالم از و گمراہ تر

تفسیر تنویر المعباس: ۳۱۶، میں لفظ ”الہ“ کے کچھ معانی بیان کئے ہیں: تکمیل فائدہ کے لئے ہم ناظرین کے لئے نقل کرتے ہیں: ”لا الہ“ کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: لا ضار ولا نافع ولا مانع ولا معطی ولا معز ولا منزل الخ یعنی مجرم کو ضرر دینے والا، دوستوں کو فائدہ پہنچانے والا، منع کرنے اور دینے والا، عزت اور ذلت دینا ”الہ“ کے معانی کو شامل ہیں۔

الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿۱۴۳﴾ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ

مہربان (اور) رحم والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ بیشک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن

اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا

کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں (اور جہازوں) میں جو دریا میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں

أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

اور بادل جس کو اللہ تعالیٰ آسمان سے برساتا اور اُس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہونے کے بعد سرسبز) کر دیتا ہے

وَبَتَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَّاحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ

اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو

بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۴۴﴾

آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں (ان سب میں) عقلمندوں کے لئے (اللہ تعالیٰ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو غیر اللہ کو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں اور ان سے اللہ کی سی محبت کرتے ہیں

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۗ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ

لیکن جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ اور اگر ظالم لوگ جو بات عذاب کے وقت دیکھیں گے

أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿۱۴۵﴾

(وہ بات) اب دیکھ لیتے کہ سب طرح کی طاقت اللہ ہی کو ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ

اُس دن (کفر کے) پیشوا اپنے پیروی کرنے والوں سے بیزاری ظاہر کریں گے اور (دونوں) عذاب (الہی) دیکھ لیں گے

وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۴۴﴾ ﴿۱۴۴﴾ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً

اور ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ (یہ حال دیکھ کر) پیروی کرنے والے (حسرت سے) کہیں گے

فَنَتَّبِعَ آئِينَ مَنُومًا كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ

کہ اگر ہمیں پھر دنیا میں جانا نصیب ہوتا کہ جس طرح یہ ہم سے بیزار ہو رہے ہیں اسی طرح ہم بھی ان سے بیزار ہو جائیں

يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ

اس طرح اللہ ان کے اعمال انہیں حسرت بنا کر دکھائے گا اور وہ دوزخ سے نکل نہیں سکیں گے

النَّارِ ﴿۱۴۵﴾ ﴿۱۴۵﴾ أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا

لوگو! جو چیزیں زمین میں حلال طیب ہیں وہ کھاؤ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو

خُطُواتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۴۸﴾ ﴿۱۴۸﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ

وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تمہیں بُرائی اور بے حیائی ہی کے کام کرنے کو کہتا ہے

وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۴۹﴾ ﴿۱۴۹﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ

اور یہ بھی کہ اللہ کی نسبت ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں (کچھ بھی) علم نہیں۔ اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے

اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا

کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ (نہیں) بلکہ ہم تو اسی چیز کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا

أَوْلَوْكَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾ ﴿۱۵۰﴾

بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہوں (تب بھی وہ انہیں کی تقلید کئے جائیں گے) [۴۲]

مسئلہ تقلید [۴۲]

اکثر مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں مسئلہ تقلید ذکر کیا ہے۔ چونکہ آج کل اس مسئلہ کی وضاحت بہت ضروری ہے، تو اس وجہ سے ہم ان مفسرین کے اتباع میں یہ مسئلہ تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔ ایسے مضمون والے آیات قرآن مجید میں سورۃ مائدہ: ۱۰۴، اور سورۃ لقمان: ۲۱، میں بھی مذکور ہیں۔

تقلید کی لغوی اور اصطلاحی تعریف: عربی لغت میں تقلید، کسی کی گردن میں طوق ڈالنے کو کہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ: ”قلائد، ان جانوروں کو کہتے ہیں جن کے گلے میں رسی ڈال دی گئی ہو، اور حرم شریف کیلئے وقف کیا گیا ہو، سورۃ مائدہ کی شروع میں ہے (ولا القلائد) اور متفق علیہ حدیث میں ہے عائشہؓ سے کہ: فتلت قلائد بدن النبی ﷺ بیدی ثم قلدها واشعرها واهداها فما حرم علیہ شیء کان احل لہ۔ خ: ۱۶۹۶، م: ۱۳۲۱۔ ابوالوفاء ابن عقیل: الواضح فی اصول الفقہ: ۲۳۷/۵، میں لکھتا ہے: ووحده التقلید، الرجوع الی قول الغیر بغیر حجة، ماخوذ من تقلیده بالقلادة وجعلها فی عنقه۔ غیاث اللغات میں تقلید کی تعریف یوں کی گئی ہے، گردن بند در گردن انداختن و کاربحدہ کے ساختن و برگردن خود کار برگرفتن۔ و مجازاً بمعنی پیروی کسی بے دریافت حقیقت آن: (۱۶۱) تقلید گلے میں رسی ڈالنے یا کسی کے ذمے کوئی کام لگانے کا نام ہے۔ اسی طرح اپنے ذمے کوئی کام لینا بھی تقلید کہلاتا ہے، اس کا مجازی معنی یہ ہے کہ حقیقت معلوم کئے بغیر کسی کی تابعداری کی جائے۔ شرح مختصر الروضة میں ابن سعید الطونسی: ۶۵۰/۳، لکھتا ہے: التقلید لغة جعل شیء فی العنق محیطا به و الشئ قلادة، و شرعاً قبول قول الغیر من غیر حجة، كأن المقلد یطوق المجتهد اثم ما غشه به فی دینه و کتمه عنه من علمه، علی وجه الاستعارة (یعنی من التقلید اللغوی)۔

علماء تفسیر کی اصطلاح میں تقلید کی کئی تعریضیں کی گئی ہیں۔

(۱) ہو عمل بقول الغیر من غیر حجة: کسی دوسرے کے قول پر بغیر دلیل کے عمل کرنا تقلید کہلاتا ہے۔ یعنی کسی شخص کے اقوال پر یہ جانے بغیر عمل کرنا کہ یہ اقوال اس نے کتاب و سنت سے اخذ کئے ہیں یا کہیں اور سے۔ (ارشاد الفحول: ۴۲۱، شرح قصیدہ امالیہ (ضوء المعالی) للملا علی قاری حنفی: ۸۳، مسلم الشبوت مع نواتج الرحموت: ۴/۲۲۴، قرطبی: ۲/۲۱۱)۔

(۲) التقلید، العمل بقول من لیس قوله احدى الحجج بلا حجة تقلید ایسے شخص کی بات پر عمل کرنے کو

کہتے ہیں جس کی بات بغیر دلیل کے حجت نہیں ہے، (التحریر مع التیسیر، لابن ہمام: ۴۲۲/۴، عقد الفرید، لملاحسن شرنبلالی: ۱۵، معیار حق: ۳۶)۔

(۳) علامہ قرطبی فرماتے ہیں: التقليد عند العلماء، حقیقته قبول قول بلا حجة: ۲/۱۱۲، وقال علمائنا، وقوة الفاظ هذه الآية تعطى ابطال التقليد: علماء فرماتے ہیں کہ اس آیت کے الفاظ کی قوت تقلید کو باطل کرتے ہیں (قرطبی: ۲۱۱/۲)۔

(۴) بحر العلوم علامہ سید امیر علی ملیح آبادی فرماتے ہیں۔ ایسے شخص کیلئے تقلید کرنا ممنوع ہے جو نظر اور اجتہاد پر قدرت رکھتا ہو۔ (اور رہا دین میں غیر آدمی کا اتباع کرنا کسی دلیل سے یہ جان کر کہ یہ حق ہے) جیسے انبیاء علیہم السلام یا مجتہدین فی الاحکام کی اتباع کرنا درحقیقت یہ تقلید نہیں، بلکہ جو اللہ تعالیٰ نے اتارا اس کا اتباع ہے۔ فعلى هذا التقليد یہ ہوتی کہ احکام دین میں غیر کا قول بلا دلیل مان لینا (مواہب الرحمن: ۶۹/۲)۔

(۵) صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: وفي الآيت دليل على المنع من التقليد لمن قدر على النظر واما اتباع الغير في الدين بعد العلم بدليل مانه محق، فاتباع في الحقيقة لما انزل الله وليس من التقليد المذموم في شيء (۴۱/۲)۔

(۶) صاحب بیضاوی لکھتے ہیں: وهو دليل على المنع من التقليد لمن قدر على النظر والاجتهاد (۴۴۷/۱) مع حاشیہ کا زرونی۔

(۷) ابوسعود محمد بن محمد العمادی لکھتے ہیں: هذه الآية نزلت في المشركين، امر واتباع القرآن وسائر ما نزل الله تعالى من الحجج الظاهرة والبيانات الباهرة فجنحو للتقليد (تفسیر ابوسعود: ۱۸۸/۱)

(۸) ابولیت نصر بن محمد السمرقندی لکھتے ہیں: فكأنه نهاهم عن التقليد و امرهم بالتمسك بالحجة (تفسیر سمرقندی: ۱۷۵/۱)۔

(۹) امام عبدالرحمن بن محمد الثعالبی لکھتے ہیں: وقوة الفاظ هذه الآية تعطى ابطال التقليد و اجمعت الامة على ابطاله في العقائد (تفسیر ثعالبی: ۳۵۵/۱)۔

(۱۰) امام رازی رقمطراز ہیں: انما ذكر الله تعالى هذه الآية عقيب الزجر عن اتباع خطوات الشيطان تنبيها على انه لا فرق بين متابعة وساوس الشيطان وبين متابعة التقليد، وفيه اقوى دليل على

وجوب النظر والاستدلال، وترك التعويل على ما يقع في الخاطر من غير دليل، او على ما يقوله الغير من غير دليل، وعنده تفصيل (تفسیر کبیر ۲/۷۸ و ۳/۷۸) وغيره مواضع میں یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

(۱۱) قاضی عبدالحق بن غالب بن عطیہ الاندلسی: اپنی تفسیر ”المحرر الوجیز“ میں لکھتے ہیں: وقوة الفاظ هذه الآية تعطى ابطال التقليد (۲/۴۵)۔

(۱۲) ابوحيان محمد بن يوسف الاندلسی یوں فرماتے ہیں: وفي هذا دلالة على ذم التقليد (المحرر الحیظ: ۲/۱۰۳)۔

(۱۳) ابو منصور محمد بن محمد بن محمود الماتریدی تقلید کی ذم کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: وكانوا قومًا سفهاء أصحاب التقليد فقالوا انا قلدنا آباءنا فلانقلد غيرهم (تفسیر القرآن العظیم، لہ: ۱۱۹/۱)۔

(۱۴) ابن عادل لکھتے ہیں: لا تتبع ذالك وانما تتبع آباءنا واسلافنا فعارضوه بالتقليد (اللباب: ۳/۱۵۸)۔

(۱۵) ابن عجبیہ لکھتے ہیں: قال الحق جل جلاله، ايتبعونهم تقليدًا وعمي (المحرر المريد: ۱/۱۷۱)۔

یہاں اقوال مفسرین ہم نے اس وجہ سے بکثرت نقل کئے، کہ بعض کم علم لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ اس آیت کا مسئلہ تقلید سے کوئی تعلق نہیں، اور یہ احبار و رہبان کے متعلق ہے، اور ہمارے ائمہ کرام تو ہدایت پر تھے، تو یہ قیاس مع الفارق ہے، اس وہم کے دفعہ کے لئے ابن عادل بہت تفصیل سے لکھتا ہے کہ: وضح ان يقال انها للعطف (يعنى الواو) فالمعنى، والله اعلم، انها انكار اتباع آباءهم في كل حال حتى في الحالة التي لا تناسب ان يتبعوهم فيها، وهي تلبسهم بعدم العقل والهداية، ولذلك لا يجوز حذف هذه الواو الداخلة على ”لو“ اذا كان تنبيهاً على ان ما بعدهم يمكن مناسبا ما قبلها. اللباب: ۳/۱۵۹۔

جبکہ ابن ابی العزّابی کتاب الاتباع: ۲۳، میں بھی فرماتا ہے، کہ اس آیت کا تعلق مسئلہ تقلید سے ہے: فرمایا. وان قلده فيماتين له فيه أن الدليل مخالف له او قدر على النظر في الدليل وفهمه ولم يفعل، فهذا هو التقليد المذموم فان صاحبه داخل في زمرة الذين قالوا: ﴿انا وجدنا آباءنا على امة وانا على اثارهم مقتدون﴾ [الزخرف: ۲۳] والذين قال الله عنهم ﴿واذا قيل لهم اتبعوا ما انزل الله قالوا بل نتبع ما الفينا عليه آباءنا﴾۔

اور حافظ ابن قیم فرماتے ہیں: وقد احتج العلماء بهذه الآية في ابطال التقليد ولم يمنعهم كفر

اولئک من الاحتجاج بها، لان التشبيه لم يقع من جهة كفر احدهما وايمان الآخر، وانما وقع التشبيه بين المقلدين بغیر حجة للمقلد: یعنی علماء نے ان آیات سے ابطال تقلید پر استدلال کیا ہے انہیں (ان آیات میں مذکورین) کے کفر نے استدلال کرنے سے نہیں روکا، کیونکہ تشبیہ کسی کے کفر یا ایمان کی وجہ سے نہیں ہے، تشبیہ تو مقلدین میں بغیر دلیل کے (اپنے) مقلد (امام رہنما) کی بات ماننے میں ہے (اعلام الموقعین: ۱۹۱/۲) اور ابن عبد البر نے یہی تفصیل ذکر کی ہے: الجامع ۲۲۰۲۔ اسکی عربی عبارت بعد میں آئیگی۔

اور اس آیت سے اکثر علماء اصول نے بھی استدلال کیا ہے، بطور مثال ہم چند حوالہ جات ذکر کرتے ہیں: جن میں سے ایک جامع الاسرار والے ہیں اس نے لکھا ہے،، لانه تعالی رد علی المقلدین بقوله، الاية، ۴۴۵/۵، اسی طرح حاجی نے بھی کتاب الاشارة: ۱۳۹، میں ذکر کیا ہے، جبکہ سیوطی نے کتاب الرد علی من اخلدالی الارض: ۱۲۲، میں اس آیت سے رد تقلید کیلئے استدلال کیا ہے، اور ولی الدین ابوزرعہ نے کتاب الغیث الجامع: ۳۰۷، میں اور ابن عقیل نے کتاب الواضح: ۵۲۳۸، میں آیات سورة الزخرف: ۲۲، ۲۳، سے ذم تقلید کیلئے استدلال کیا ہے کہ: ان الله سبحانه ذم التقليدي كتابه بمثل قوله: انا وجدنا ابائنا، الاية۔

دوسرا جواب والد محترم نے تفسیر میں لکھا ہے: کہ لفظ ”لو“ وصلیہ ہے اور یہ ثبوت حکم محذوف پر بطریق ترقی دلالت کرتا ہے: یعنی: يتبعون الآباء اصحاب الهداية بغیر دلیل فکیف اذا اتبعوهم وهم ضلال، تفسیر احسن الکلام [۱/۵۵۹]:

ان آیات کے علاوہ اور آیات بھی ہیں، جن سے علماء کرام نے رد تقلید مذموم کے لئے استدلال کیا ہے۔ (۱) سورة اعراف: ۲، میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونه اولیاء قليلا ما تذکرون﴾ تفسیر قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے ”الی کتاب والسنة“ یعنی ”ما انزل“ سے مراد کتاب وسنت ہے اور بس، اور ابن کثیر اس آیت کے تحت لکھتا ہے کہ: ودلت الآیة علی ترک اتباع الآراء مع وجود النص، یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے، کہ قرآن وحدیث کے دلائل کی موجودگی میں علماء کی آراء کو چھوڑنا چاہئے۔ تو اس آیت سے معلوم ہوا کہ بغیر دلیل کے کسی بات کو ماننا (دین کے معاملے میں) حرام ہے۔

(۲) سورة بنی اسرائیل: ۳۶، میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ولا تقف ما لیس لک به علم﴾ اور جس کا تجھے علم نہ ہو اس کی پیروی نہ کر۔ اس آیت کریمہ سے درج ذیل علماء نے تقلید کے باطل ہونے پر استدلال کیا ہے۔

ابو حامد محمد بن محمد الغزالی (المستصفی من علم الاصول: ۲/۳۸۹) السیوطی (الرد علی من اخلد الی الارض: ۱۲۵، ۱۳۰) ابن القیم (اعلام المؤمنین ۲/۱۸۸)۔

اور علامہ قرطبی رقمطراز ہیں: التقليد ليس طريق للعلم، ولا موصول له في الاصول ولا في الفروع، وهو قول جمهور العقلاء والعلماء خلافا لما يحكى عن الجهال الحشوية الثعلبية من انه طريق الى معرفة الحق: ۲/۲۱۲، تقليد نہ تو علم کا راستہ ہے اور نہ اصول و فروع میں علم تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہو سکتا ہے، یہ قول تمام عقلاء اور علماء کا ہے، برخلاف جہال حشویہ اور ثعلبیہ کے جو تقلید کو حصول حق کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

(۳) سورة توبه: ۳۱ ﴿اتخذوا احبارهم ورهبانهم ارباباً من دون الله﴾ یہود و نصاریٰ نے اپنے مولویوں اور پیروں کو حاکم اور شارع کی حیثیت دی۔ یہ آیت اگرچہ یہود و نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن یہ بات بالاتفاق قانون کی حیثیت رکھتی ہے کہ: العبرة لعموم اللفظ لا لخصوص السبب [التنبیہ علی مشکلات الهدایة: ۳/۱۵۲] و المستصفی: ۲/۶۰، کبیری: ۱۸۹، یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ سبب کے خصوص (شان نزول) کا اعتبار۔ اگر ایسا نہ ہو یعنی لفظ کے عموم کا اعتبار نہ کیا جائے، تو پھر قرآن مجید کی کوئی آیت ہم پر صادق نہیں آئے گی۔ دوسری بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، لتبعن سنن من كان قبلکم،، (بخاری: رقم: ۳۲۰، مشکوٰۃ: ۲/۳۸۵) یعنی تم ضرور میرے بعد اگلے لوگوں (یہود و نصاریٰ) کی چالوں پر چلو گے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جس طرح انہوں نے اپنے علماء اور پیروں کو شارع کی حیثیت دی، اسی طرح اس امت کے مقلدین نے بھی اپنے ائمہ کو وہی حیثیت دی ہے۔ اس آیت کی تفسیر حدیث کی رو سے ملاحظہ کریں۔

امام رازی فرماتے ہیں،، الاكثرون من المفسرين قالو اليس المراد من الارباب، انهم اعتقدوا فيهم انهم الهة العالم، بل المراد انهم اطاعوهم في اوامرهم ونواهيهم. ونقل ان عدی بن حاتم كان نصرانيا فانتهى الى رسول الله ﷺ وهو يقرأ، سورة براء، فوصل الى هذه الآية، قال فقلت لسنا نعبدهم، فقال أليس يحرمون ما احل الله، فتحرمونه، ويحلون ما حرم الله، فتستحلونه؟ فقلت بلى اقال فتلك عبادتهم (كبير: ۱۶/۳) اکثر مفسرین کا قول ہے کہ اس آیت میں،، اتخاذ ارباب،، سے مراد،، اتخاذ بالعبودية والالوهية،، نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے پیروں اور مولویوں کے کہنے پر حلال کو حرام اور حرام کو حلال بغیر دلیل کے مانا۔

حدیث میں آتا ہے، عدی بن حاتم نصرانیت سے تائب ہو کر مشرف باسلام ہوئے، اور نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر سورۃ براءۃ کی یہ آیت سنی، اتخذوا احبارہم و رہبانہم ارباباً من دون اللہ، الخ۔ تو نبی ﷺ سے سوال کیا کہ ہم نے تو ان کو الہ اور معبود نہیں بنایا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ جب وہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کہتے تو تم ان کو حرام نہیں سمجھتے تھے؟ اور جب وہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کہتے تو تم ان کو حلال نہیں سمجھتے تھے؟ عدی بن حاتم نے فرمایا کہ ایسا ہی کرتے رہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہی تو ان کی عبادت ہے۔

یہی تفسیر حذیفہؓ کی روایت میں بھی منقول ہے، جو کہ ابن عبد البرؒ نے جامع بیان العلم، ۲/۲۱۹، اور بیہقی نے سنن کبریٰ: ۱۱۶/۱۰، اور مدخل: ۲۱۶، اور خطیب بغدادی نے کتاب الفقیہ والمتفقہ: ۶۷، میں ابوالختری سے نقل کیا ہے: قال قيل لحذيفة في قوله تعالى: اتخذوا احبارهم الاية [التوبة: ۳۱] اكانوا يعبدونهم؟ فقال لا ولكن كانوا يحلون لهم الحرام فيحلونهم، ويحرمون عليهم الحلال فيحرمونهم۔ یہ روایت ابن ابی حاتم نے تفسیر: ۱۷۸۴/۶، اور طبری نے، ۱۶۶۸۹، میں نقل کی ہے۔

اور طبری نے رقم: ۱۶۶۹۶، میں عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے اس آیت کی تفسیر میں، کہ آپ نے جواب میں فرمایا: زينوا لهم طاعتهم، دوسری روایت میں ہے کہ: لم يأمرهم ان يسجدوا لهم، ولكن امرهم بمعصية الله فاطاعوهم، فسامهم الله بذلك ارباباً۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۳/۳۴۸، تبصیر الرحمن: ۲/۲۹۸، جامع البيان: ۲/۱۶۶، بیضاوی: ۲/۳۳۰، مسند احمد: ۲/۴۶۴، ترمذی: ۲/۱۴۰، تفسیر ابن جریر طبری: ۵/۳۹۷، تفسیر الدر المنثور: ۳/۲۳۱، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ۲/۲۱۹، ۲/۲۱۸، اعلام الموقعین لابن القيم: ۲/۱۹۰، الرد علی من اخلد الی الارض للسیوطی: ۱۲۰، الفقیہ والمتفقہ للخطیب البغدادی: ۲/۶۷، ویبہقی: ۱۰/۱۱۶، ومدخل: ۲۱۶۔

[۴] اور اسی طرح آیت سورۃ بقرہ: ۱۶۶ ﴿اذتبرأ الذین اتبعوا من الذین اتبعوا وراوا العذاب وتقطعت بهم الاسباب﴾ سے ابن عبد البرؒ مقلد کے لئے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ومثل هذا في القرآن كثير من ذم التقليد الآباء والرؤساء، وقد احتج العلماء بهذه الآيات في ابطال التقليد، ولم يمنعهم كفر اولئك من الاحتجاج بها، لان التشبيه لم يقع من جهة كفر احدهما وايمان الآخر، وانما وقع التشبيه بين التقليدين بغير حجة للمقلد، كما لو قلد رجل فكفر وقلد آخر فأذنب، فقلد

آخر فی مسئلة دنیاہ فاختطاً وجهہا ، کان کل واحد ملوما علی التقلید بغير حجة ، لأن کل ذالک تقلیدیشبه بعضہ بعضاً، وان اختلفت الاثام فیہ ؛جامع بیان العلم وفضلہ: ۲۲۰/۲۔

[۵] اور سورۃ بقرہ: ۱۱۱، ﴿قل ہاتوا برہانکم ان کنتم صدقین﴾ سے امام غزالی نے (المستصفیٰ: ۳۸۹/۲، السیوطی: الرد علی من اخلد الی الارض: ۱۳۰) میں تقلید کے باطل ہونے کے لئے استدلال کیا ہے۔

[۶] اور سورۃ زخرف والی: ۲۲، ۲۳، آیت جو کہ پہلے گذر گئی، اور اس کے علاوہ اور آیات بھی ہیں جن سے ابن قیم نے اعلام الموقعین: ۲/۲۷۱، میں استدلال کیا ہے۔

تقلید کا رد احادیث سے :-

اس میں کوئی شک نہیں کہ تقلید مذاہب اربعہ وغیرہ بدعت ہے۔ حافظ ابن قیم نے فرمایا: وانما حدثت هذه البدعة فی القرن الرابع المذموم علی لسان رسول اللہ ﷺ، اور (تقلید کی) یہ بدعت چوتھی صدی میں پیدا ہوئی ہے، جس (صدی) کی مذمت رسول اللہ ﷺ نے اپنی زبان (مقدس) سے بیان فرمائی ہے: [اعلام الموقعین: ۱۸۹/۲، حجة الله البالغة، لشاہ ولی الله: ۱/۱۵۲]، البحر المحیط [۳۴۳/۸] الاتباع [ص: ۸۱] الرد علی من اخلد الی الارض [ص: ۱۳۳]، صون المنطق والكلام [ص: ۱۲۶]، الاحکام فی اصول الاحکام: لابن حزم: ۱۳۳/۶، اور کتاب الرد علی ابن النغريلة: ۱۶۶، له، قوت القلوب: ۱/۱۲۴] تفسیر أضواء البیان: ۵۰۹/۷، بلکہ اس لفظ کے متعلق امام سیوطی، صون المنطق: ۱/۷۱، میں لکھتا ہے کہ: واما لفظ التقليد فلا نعرفه جاء فی شیء من الاحادیث واقوال السلف فیما يرجع الی الدین، اور اسی طرح عبارت کتاب الحجة: ۱۱۹/۲، میں بھی ہے۔

بدعت کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ: وکل بدعة ضلالة، اور ہر بدعت گمراہی ہے، (صحیح مسلم کتاب الجمعة باب تخفیف الصلوة والخطبة: [ح ۸۶۸]۔

(۱) اور نبی ﷺ نے قیامت سے پہلے کی ایک نشانی یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ: فیبقى ناس جهال یستفتون فیفتون برایہم، فَيُضَلُّونَ وَيَضَلُّونَ [صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یذکر من ذم الرأی: ح، ۷۳۰۷] پس جاہل لوگ رہ جائیں گے، ان سے مسئلے پوچھے جائیں گے، تو اپنی رائے سے

فتویٰ دیں گے، وہ خود بھی گمراہ ہوں گے، اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ اور اسی روایت کو نقل کرنے کے بعد ابن عبد البر جامع بیان العلم [۲۲۷/۲] میں فرماتے ہیں: وھذا کلمۃ نفی للتقلید وابطال لہ، لمن فہمہ وھدی لرشدہ.

(۲) حدثنا مطلب قال حدثنا عبد الله قال وبه حدثني الليث قال قال يحيى بن سعيد حدثني أبو حازم عن عمر بن مرة عن معاذ بن جبل عن رسول الله ﷺ قال اياكم وثلاثة؛ زلة عالم، وجدال منافق، و دنیا تقطع اعناقکم؛ فأما زلة عالم فان اھتدی فلا تقلدوہ دینکم، وان زل فلا تقطعوا عنہ آمالکم [المعجم الاوسط: ۳۲۶/۹، ۳۲۷، شرح اصول اعتقاد اھل السنة: ۱۶۶/۱، ۱۱۷].

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزوں سے بچو، عالم کی غلطی، منافق کا (قرآن لیکر) جھڑا کرنا، اور دنیا جو تمہاری گردنوں کو کاٹے گی۔ رہی عالم کی غلطی، تو اگر وہ ہدایت پر بھی ہو تو دین میں اس کی تقلید نہ کرو، اور اگر وہ پھسل جائے تو اس سے ناامید نہ ہونا۔

(۳) اور اس طرح ایک روایت معاذ سے موقوف منقول ہے، کہ معاذ نے فرمایا: یا معشر العرب کیف تصنعون بثلاث، دنیا تقطع اعناقکم، و ذلۃ العالم، وجدال منافق بالقرآن؟ فسکتوا، فقال: اما العالم فان اھتدی فلا تقلدوہ دینکم، وان افتتن فلا تقطعوا منہ اناتکم، فان المؤمن یفتتن ثم یتوب، واما القرآن فله منار کمنار الطریق، لا تخفی علی احد، فماعر فتم منہ فلا تسئلوا عنہ و ما شککم فکلوہ الی عالمہ. اما الدنیا، فمن جعل اللہ الغنی فی قلبه فقد افلح، ومن لا فلیس بنا فتنۃ دنیاہ. [کتاب الزھد، لو کعب بن الجراح: ۲۹۹/۱، ۳۰۰، و ابو داؤد فی الزھد: ۱۷۷، و ابو نعیم فی الحلیۃ: ۹۷/۵، جامع بیان العلم و فضلہ: ۲۲۲/۲].

(۴) اخبرنا ابو عبد الله الحافظ ثنا ابو العباس محمد بن يعقوب ثنا محمد بن خالد ثنا احمد بن خالد الوهبي ثنا اسرائيل عن ابي حصين عن يحيى بن وثاب عن مسروق عن عبد الله ابن مسعود أنه قال: لا تقلدوا دينكم الرجال فان ابيتم فبالأموات لا بالاحياء۔

عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا دین میں لوگوں کی تقلید نہ کرو، پس اگر تم (میری بات کا) انکار کرتے ہو، تو مردوں کی (اقتداء) کر لو، زندوں کی نہ کرو [السنن الکبریٰ: ۱۰۲] جبکہ طبرانی نے کبیر میں ابن مسعود سے ان الفاظ میں مذکورہ روایت نقل کی ہے کہ: لا یقلدن احدکم دینہ رجلا فان امن امن وان کفر کفر، وان کنتم لابد مقتدین فاقنوا

بالمیت فان الحی لا یأمن علیه الفتنة [کبیر: ۱۶۶/۹، جامع بیان العلم: ۲۲۷/۲، ابوداؤد فی الزہد: ۱۴۰، حلیۃ الاولیاء: ۱۳۶/۱]۔

(۵) اسی طرح عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک اور روایت ابن عبدالبر نے (جامع میں) مختلف سندوں سے نقل کی ہے کہ: حدثنا عبدالرحمن بن یحییٰ قال حدثنا علی بن محمد قال حدثنا أحمد بن داؤد قال حدثنا سحنون قال حدثنا ابن وهب قال سمعت سفیان یعنی: ابن عیینة یحدث عن عاصم بن بهدلة عن زربین حبیب عن ابن مسعودؓ أنه کان یقول: اغد عالما او متعلما ولا تغد امعة فیما بین ذالک [جامع بیان العلم وفضلہ: ۲۲۳/۲]۔

(۶) جبکہ ”امعة“ کی تفسیر ابن عبدالبر نے خود ابن مسعودؓ سے متصل سند کے ساتھ نقل کی ہے: قال ابن وهب فسألت سفیان عن الامعة؟ فحدثنی عن ابی الزعراء عن ابی الاحوص عن ابن مسعودؓ قال کنا ندعوا الامعة فی الجاهلیة الذی یدعی الی الطعام فیذهب معه بغیره، وهو فیکم الیوم المحقب دینه الرجال، [جامع: ۲۲۳/۲، ابوداؤد فی الزہد: ۱۴۰، حلیۃ الاولیاء: ۱۳۷/۱]۔

(۷) جبکہ امام ترمذی نے حدیث سے اسی طرح کی روایت نقل کی ہے کہ: عن حدیفةؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا تكونوا امعة، تقولون ان احسن الناس احسننا، وان ظلموا ظلمنا، ولكن وطئوا انفسکم، ان احسن الناس ان تحسنوا، وان اساؤا فلا تظلموا، [ترمذی مع التحفة: ۱۳۵/۶]۔

(۸) اور ابوالبختری نے علیؓ سے نقل کیا ہے کہ: ایا کم والاستنان بالرجال، فان الرجل یعمل بعمل اهل الجنة، ثم ینقلب لعلم الله فيه، فیعمل بعمل اهل النار، فیموت وهو من اهل النار، وان الرجل لیعمل بعمل اهل النار فینقلب لعلم الله فیعمل بعمل اهل الجنة، فیموت وهو من اهل الجنة، فان کتم لا بد فاعلین فبالاموات لا بالاحیاء، [ابن عبدالبر فی جامع بیان العلم وفضلہ: ۲۲۷/۲] جبکہ شاطبی نے الاعتصام: ۳۵۸/۲، ۳۵۹، میں اس روایت میں یہ الفاظ بڑھادیئے ہیں: و اشار الی رسول اللہ ﷺ واصحابہ الکرام، تو اس سے بعض لوگوں کو عبداللہ بن مسعودؓ والی روایت سے جو شبہ لاحق ہوا تھا وہ ختم ہوا، وہ کہتے ہیں کہ ہمارے مقتدا بھی فوت شدہ ہیں۔

(۹) جبکہ خود عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ جواب منقول ہے: قال عبد الله بن مسعودؓ من کان مستنفا فلیستن بمن

قدمات ، فان الحی لاتؤ من علیہ الفتنة، اولئک اصحاب محمد ﷺ، كانوا افضل هذه الامة، ابرها قلوبا، واعمقها علما، واكلها تكلفا، اختارهم الله لصحبته، ولاقامة دينه، فاعرفوا لهم فضلهم، واتبعوا على اثارهم، تمسكوا بما استطعتم من اخلاقهم، وسيرهم، فانهم كانوا على الهدى المستقيم [مشکوٰۃ المصابیح؛ کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة رقم: ۱۹۲، و صون المنطق: ۱۳۸، وتحريم النظر: ۴۴، والهروی: ۳۸/۲. جامع بیان العلم: ۱۹۶/۲. اور: ۱۹۵/۲، میں حسن بصری سے یہ روایت نقل کیا ہے۔

(۱۰) اور یہی روایت ابو نعیم نے حلیہ [۳۰۵/۱] میں عبد اللہ بن عمر سے نقل کیا ہے کہ: من كان مستنافليستن بمن قدمات اولئک اصحاب محمد ﷺ كانوا خير هذه الامة، ابرها قلوبا، واعمقها علما، واكلها تكلفا، قوم اختارهم الله لصحبة نبيه ونقل دينه، فتشبهوا باخلاقهم وطرائقهم، فهم اصحاب محمد ﷺ كانوا على الهدى المستقيم، والله رب الكعبة، الحديث۔

(۱۱) جبکہ ابن عبدالبر نے سلمان فارسی سے نقل کیا ہے کہ: قال سلمان كيف أنتم عند ثلاث: زلة عالم، وجدال منافق بالقرآن، وودنيا تقطع أعناقكم، فأما زلة العالم فإن اهتدى فلا تقلدوه دينكم، واما مجادلة منافق بالقرآن، فإن للقرآن منارا كمنار الطريق فما عرفتم منه فخذوه، ومالم تعرفوه فكلوه الى الله، واما دنيا تقطع أعناقكم، فانظروا الى من هو دونكم، ولا تنظروا الى من هو فوقكم، [جامع: ۲۲۳/۲]۔

تقلید کارد علماء کرام کے اقوال سے

(۱) امام ابو حنیفہ نے قاضی ابو یوسف کو فرمایا: ويحك يا يعقوب (هو ابو يوسف) لا تكتب كل ماتسمع مني، فأني قد اري الرأي اليوم و اتركه غدا، و اري الرأي غدا و اتركه بعد غد۔ اے یعقوب (ابو یوسف) تیری خرابی ہو، میری ہر بات نہ لکھا کر، میری آج ایک رائے ہوتی ہے اور کل بدل جاتی ہے اور کل دوسری رائے ہوتی ہے، تو پھر پرسوں وہ بھی بدل جاتی ہے، تاریخ نجی بن معین: ۶۰۷/۲، و تاریخ بغداد: ۳۲۲/۱۳۔ اور اسی طرح امام صاحب نے یہ بھی فرمایا: اذا صح الحديث فهو مذهبي، صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔ [الخاصیہ لابن عابدین: ۶۳/۱، رسم المفتی: ۲۴، ۲۵، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶۵/۱، ایضاً همم اولی الابصار: ۶۲]

یہ بھی امام ابو حنیفہ کا قول ہے: لا یحل لاحد ان یأخذ بقولنا ما لم یعلم من ابن اخذناہ، [ابن عبد البر فی الانتقاء: ۲۶۷، وجامع الفصولین: ۱۵۱، اعلام المؤمنین: ۳۰۹/۲، میزان الشعرانی: ۵۸/۱]، [مجموعۃ الرسائل (شامی): ۲۸، ۲۹، ۱۳۵۔

امام صاحب یہ بھی فرماتے ہیں: حرام علی من لم یعرف دلیلہ ان یتفی بکلامی فاننا بشر، نقول الیوم ونرجع عنہ غداً، میزان الكبرى: ۵۸۔

(۲) امام ابو جعفر الطحاوی نے فرمایا ہے: وهل یقلد الا عصبی او غبی: اور تقلید تو صرف وہی کرتا ہے جو متعصب ہو یا بے وقوف ہوتا ہے۔ رسم المفتی، ضمن مجموعۃ الرسائل لابن عابدین: ۳۲۱، لسان المیزان لابن الحجر: ۳۸۴۔

(۳) علامہ بدر الدین عینی نے فرمایا: فالمقلد ذہل والمقلد جہل وآفة کل شیء من التقليد؛ پس مقلد غلطی کرتا ہے اور مقلد جہالت کا ارتکاب کرتا ہے اور ہر چیز کی مصیبت تقلید کی وجہ سے ہے۔ [البنایہ شرح ہدایہ: ۳۱۷]۔ عمدۃ القاری: ۶۵/۱۳۔

(۴) امام زیلعی نے فرمایا ہے: فالمقلد ذہل والمقلد جہل: [نصب الراية: ۲۸]۔

(۵) امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: فان شئت ان تری انموذج الیہود فانظر الی علماء السوء من الذین یطلبون الدنیا، وقد اعتادوا تقلید السلف واعرضوا عن نصوص الكتاب والسنة، وتمسکوا بتعمق عالم وتشددہ واستحسانہ، فاعرضوا کلام الشارع المعصوم وتمسکوا باحادیث موضوعۃ وتاویلات فاسدۃ کانت سبب ہلاکہم:

اگر تم یہودیوں کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو علماء سوء کو دیکھو، جو دنیا کی طلب اور سلف کی تقلید پر جمے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ کتاب و سنت کے نصوص سے منہ پھیرے اور کسی عالم کے تعق، تشدد اور استحسان کو مظبوطی سے پکڑے بیٹھے ہیں، انہوں نے رسول اللہ ﷺ جو معصوم ہیں کے کلام کو چھوڑ کر موضوع روایات اور فاسد تاویلوں کو مظبوطی سے پکڑ لیا ہے اسی وجہ سے وہ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں۔ [الفوز الکبیر فی اصول التفسیر: ۱۰، ۱۱]۔

(۶) صاحب شامی لکھتے ہیں: فأخرج نفسک من ظلمة التقليد وحيرة الاوهام واستضئ بمصباح التحقیق، الخ [۱۹۲/۲]۔

(۷) دیوبندیوں اور بریلویوں کا مشترک معتد اور امام، فخر الدین الرازی کا قول بھی پیش کرتے ہیں: فثبت ان اختيار مذهب المعين ليس بشئى، وهو طريق العوام، ويؤيد مقاله الصوفية، الكتاب والسنة، وجمع عليه المحققون، فالكتاب هو قوله تعالى: ﴿فاسئلواهل الذكر ان كنتم لاتعلمون﴾، والامر بالسؤال من غير تعيين يدل على ان اختيار المذهب المعين بدعة، واما السنة، فقوله عليه السلام اصحابى كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم، فالامر بالافتداء كالامر بالسؤال فى ترك الاختيار، واما الاجماع فهو ظاهر، لان النظر فى اقوال العلماء المجتهدين واجب، حتى يميز العاقل دليل الراجح من المرجوح، والقوى من الضعيف، لزيادة الرشد فى الاصول، وهو طريق طلب العلم، وطلبه واجب بالاجماع، ولهذا ورد فى الحديث، طلب العلم فريضة على كل مسلم ومسلمة، فاختيار المذهب المعين بالتقليد اغلاق لهذا الباب، والقياس كذلك، لكونه ترجيحاً بلا مرجح وحرماً فى حق المكلف كما ذكره [نزہۃ الخواطر: ۲/۱۰۸]۔

جبکہ فقہاء ہند: ۲۶۱/۱؛ والا اس عربی عبارت کا ترجمہ کچھ یوں کرتا ہے، کہ نبی ﷺ کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ، مذہب معین اختیار کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ عوام کا طریقہ ہے، صوفیاء کے اس نقطہ نظر کی تائید کتاب وسنت سے واضح الفاظ میں ہوتی ہے، اور محققین کا اس پر اجماع ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون، اس آیت کریمہ میں بلا کسی تعین کے فقط اہل ذکر سے سوال کرنے کا حکم دینا اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ کسی مذہب معین کا اختیار کرنا بدعت ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ، اصحابی كالنجوم بايهم اقتديتم اهتديتم؛ کہ میرے صحابہ کرام ستاروں کی مانند ہیں، ان میں سے تم جس کی بھی اقتداء کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ اس حدیث میں صحابہ کی اقتداء کا حکم اسی آیت کی طرح ہے، جس میں مشکل مسائل کے حل کیلئے اہل ذکر اور اصحاب بصیرت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ اجماع امت بالکل ظاہر و واضح ہے، کیونکہ علماء مجتہدین کے اقوال و فرامین کو محض نظر ٹھرانا واجب ہے، تاکہ عاقل و فہم شخص دلیل راجح کو مرجوح سے اور قوی کو ضعیف سے ممیز کر سکے، اور اصول میں رشد و ہدایت نکھر کر سامنے آسکیں، اور یہی طلب علم کا طریقہ ہے اور طلب علم واجب ہے۔ حدیث میں ہے، طلب العلم فريضة على كل مسلم، کہ طلب علم ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے۔ آگے چل کر مولانا زراذی فرماتے ہیں، کسی مذہب معین کو از روئے تقلید اختیار کرنا اسکے دروازے بند کر دینے کے مترادف ہیں کیونکہ یہ ترجیح

بلامرئج اور مکلف کے لئے حرج و تکلیف کا باعث ہے۔

(۸) امام مالکؒ نے فرمایا ہے: انما انا بشر اخطئی واصیب، فانظروا فی رأیی، فکل ما وافق الكتاب والسنة فخذوا به، وکل ما لم یوافق الكتاب والسنة فاتركوه، [ارشاد السالک: ۱/۲۲۷، جامع بیان العلم وفضلہ لابن عبد البر: ۲/۷۰، مختصر المؤمن: ۶۰، ۶۱، والاحکام لابن حزم: ۶/۹۰، والایقظ: ۲/۷۵، اعلام الموقعین: ۲/۷۵]۔ یقیناً میں بشر ہوں لہذا میری ہر رائے کو قرآن و سنت کی روشنی میں پرکھو، جو قرآن و حدیث کے موافق ہو اس کو قبول کرو، اور جو مخالف ہو اس کو چھوڑ دو۔ اسی طرح یہ بھی فرماتے ہیں: لیس احد الا ویؤخذ من قوله ویرد علیہ الا النبی ﷺ۔ نبی کریم ﷺ کے علاوہ ہر ایک شخص کی بات کو قبول بھی کیا جاسکتا ہے اور رد بھی کیا جاسکتا ہے۔ [جزء القراءة للبخاری: ۱۴، مجموعة الفتاوی: ۲۰/۲۱۰]۔

(۹) امام شافعیؒ فرماتے ہیں: ما من احد الا وتذہب علیہ سنة رسول اللہ ﷺ وتعزب عنه، فمهما قلت من قول او اصلت من اصل، فیہ عن رسول اللہ ﷺ خلاف ما قلت، فالقول ما قال رسول اللہ ﷺ وهو قولی۔ نبی ﷺ کی تمام سنتوں کا کلی ادراک ناممکن ہے۔ طالب سنت سے کچھ سنتوں کا پوشیدہ رہ جانا لازمی امر ہے، لہذا میرا جو قول یا میرا بنایا ہوا جو قاعدہ سنت نبوی ﷺ کے مخالف ہو تو اسکو چھوڑ دو، لیکن اللہ کے نبی ﷺ کی سنت کو نہیں چھوڑنا اور جو سنت مجھ سے مخفی رہ گئی، وہی میرا مذہب ہے۔ [اعلام الموقعین: ۲/۳۶۲، ایقظ ہم اولسی الابصار: ۱۰۰، المجموع للنووی: ۱/۶۳، الحلیہ: ۹/۱۰، الہروی فی ذم الکلام: ۳/۷۴، ابن عبد البر فی الانتقاء: ۷۵، آداب الشافعی: ۵۱]۔

اور اسی طرح یہ بھی فرماتے ہیں: اجمع المسلمون علی ان من استبان له سنته عن رسول اللہ ﷺ لم یحل له ان یدعها لقول احد، پوری امت کا اس پر اتفاق ہے، کہ کسی امتی کے قول کے مقابلے میں نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑنا حرام ہے۔ [اعلام الموقعین: ۱/۷۷، نزہۃ الخاطر: ۲/۳۳۸، مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ: اذا صح الحدیث فهو مذہبی، صحیح حدیث میرا مذہب ہے۔ البحر المحیط: ۳۳۲/۸]۔

(۱۰) امام احمدؒ کا قول: امام ابو داؤد السجستانی فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا: لا تقلد دینک احداً من هؤلاء۔ ”اپنے دین میں ان میں سے کسی ایک کی بھی تقلید نہ کر“ [مسائل ابی داؤد: ۷۷۷]۔ والعدة لابی یعلیٰ: ۲/۲۲۹، والمسودة: للحرانیین ابن تیمیہ ووالده وجدہ: ۲۶۸]۔

(۱۱) ابوطالب مکی لکھتا ہے کہ: کان الفقہاء یکرہون التقلید [قوت القلوب : ۱ / ۳۲۷].

(رأیت احد عشرة کوکبا).

علماء کے اقوال رد تقلید میں بہت زیادہ ہیں، خاص کر وہ علماء جنہوں نے اصول فقہ میں تصنیفات لکھی ہیں، ہر ایک نے اپنی تصنیف کی آخر میں تقلید کا مسئلہ بمعہ تعریفات و حکم ذکر کیا ہے۔ تو یہاں ہم صرف مذکورہ علماء کی عبارات پر اکتفاء کرتے ہیں۔

اب ہم ان لوگوں کے دلائل پر نظر ڈالتے ہیں جو کہ تقلید کے قائل ہیں:

پہلے ہم ان کے وہ دلائل ذکر کرتے ہیں جو آیات قرآنیہ ہیں۔ سورۃ نحل: ۴۳، سورۃ الانبیاء: ۷، النساء: ۵۹، ۸۳، التوبہ: ۱۲۲۔ ان آیات کی تفسیر اپنی اپنی جگہ پر کی جائیگی، یہاں اجمالی جواب یہ ہے کہ: ان آیات میں اتباع کا ذکر ہے تقلید کا نہیں، اس لئے کہ ان مقلدین نے تقلید کی تعریف عملاً کچھ یوں کی ہے: تمام مسائل میں امام ابوحنیفہؒ اور حنفی مفتی بہا مسائل کی تقلید کرنا چاہئے، اگرچہ یہ مسائل قرآن و حدیث کے خلاف اور غیر ثابت بھی ہوں، مفتی بقول کے مقابلے میں کتاب و سنت و اجماع کو رد کر دینا۔ اور قولاً، اس پر دلائل ان کی کتابوں میں موجود ہیں۔ جیسا کہ ابن ابی العزائم الحنفیؒ فرماتے ہیں، و اهل التقلید لا یفعلون ذالک، بل یاخذ أحدہم بما یجد فی کتب اصحاب ذالک الامام الذی قلده، ولا یلتفت الی قول من خالفہ کائنات من کان، ونص ذالک الامام والکتب عنده بمنزلة نص الشارع، و کثیرا ما یكون ذالک النص من کلام بعض الاصحاب فی الفتاوی، ولم یکن لذلک الامام فی تلک المسألة قول منقول [الاتباع: ۳۱]

اور اس کی ایک زندہ مثال، شیخ الہند محمود الحسنؒ مقدمہ تقریر ترمذی: ۳۶، ۳۹، میں لکھتے ہیں،، فالحاصل ان مسألة الخیار من مهمات المسائل، وخالف ابو حنیفة فیہ الجمهور، و کثیرا من الناس من المتقدمین والمتأخرین، و صنفوا رسائل فی ترید مذہبہ فی هذه المسألة، ورجح مولانا شاہ ولی اللہ الدہلوی قدس سرہ فی رسائلہ مذہب الشافعیؒ من جهة الاحادیث والنصوص، و کذلک قال شیخنا بترجیح مذہبہ، وقال: الحق والانصاف ان الترجیح للشافعیؒ فی هذه المسألة، ونحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفةؒ،۔

حاصل یہ ہے کہ خیار مجلس کا مسئلہ اہم مسائل میں سے ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے (جو کہ اس کے قائل نہیں) اس

بارے میں جمہور کی مخالفت کی ہے۔ متقدمین اور متاخرین میں سے اکثر علماء نے اس بارے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ جن میں اس مسئلے کے حوالے سے امام ابوحنیفہؒ کی تردید کی ہے اور امام شافعیؒ کے مذہب کو ترجیح دی ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ کا موقف احادیث اور نصوص کی رو سے مدلل ہے، ہمارے شیخ بھی امام شافعیؒ کے مذہب کو راجح قرار دیتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے، حق اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ خیار مجلس میں امام شافعیؒ کے مذہب کو ترجیح دی جائے، (جبکہ شیخ الہند محمود الحسن فرماتے ہیں) لیکن ہم مقلدین ہیں اس لئے ہم پر امام ابوحنیفہؒ کی تقلید واجب ہے۔

اسی طرح ایک قول ابن نجیم حنفی نے البحر الرائق: ۱۹۵/۵، میں لکھا ہے،، نعم نفس المؤمن تمیل الی قول المخالف فی مسئلة السب، لكن اتباعنا للمذهب واجب. ہاں مومن کی رائے اس مسئلہ میں جانب مخالف کی طرف مائل ہوتی ہے، لیکن ہم اپنے مذہب کے تابع ہیں۔ ان کے متعلق سلطان العلماء عز الدین السلمیؒ، قواعد الاحکام: ۱۳۵/۲، میں لکھتا ہے: ومن العجب العجیب ان الفقهاء المقلدین یقف احدہم علی ضعف ماخذ امامہ، بحيث لا یجد لضعفه مدفعا، ومع هذا یقلدہ فیہ، ویتراک من الكتاب و السنة والاقسیة الصحیحة لمذہبہ جمودا علی تقلید امامہ، بل یتحلل لدفع ظواہر الكتاب و السنة یتناولہما بالتاویلات البعیدة الباطلة نضالاً عن مقلدہ، الخ۔ اور اس سے یہ عبارت شاوولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغۃ: ۱۵۵، میں نقل کی ہے:

جبکہ موجودہ زمانے کا مفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوی، ارشاد القاری: ۴۱۲/۱، میں رقمطراز ہیں، غرض یہ کہ یہ مسئلہ اب تک تشنہ تحقیق ہے، مع ہذا ہمارا فتویٰ اور عمل قول امام کے مطابق ہی رہیگا۔ اس لئے کہ ہم امام کے مقلد ہیں اور مقلد کے لئے قول امام حجت ہوتا ہے، نہ کہ ادلہ اربعہ، کہ ان سے استدلال وظیفہ مجتہد ہے، ۲۸۸، میں لکھتا ہے، کہ توسیع مجال کی خاطر اہل بدعت، فقہ حنفی کو چھوڑ کر قرآن و حدیث سے استدلال کرتے ہیں، اور ارضاء عثمان کے لئے ہم بھی یہ طرز قبول کر لیتے ہیں، ورنہ مقلد کے لئے صرف قول امام ہی حجت ہوتا ہے۔

اسی طرح کا ایک قول مقدمہ کتاب دفاع امام ابوحنیفہؒ: ۲۶، میں بھی موجود ہے۔

جبکہ امام ربانی نے بھی مکتوبات (مترجم اردو): ۶۰۱/۱، مکتوب ۲۸۶، میں لکھا ہے کہ مقلد کو لائق نہیں کہ مجتہد کی رائے کے برخلاف کتاب و سنت سے احکام اخذ کرے اور ان پر عمل کرے (اصل فارسی نسخہ: ۵۴۶/۱)۔

جبکہ یہ صاحب (شیخ الہند) تعصب تقلید میں اتنا منہمک تھا، کہ آیت قرآنی میں تحریف کرنے لگا، ایضاح الادلہ: ۹۷، میں اہل حدیث پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں، اس طرح پر اطاعت انبیاء کرام علیہم السلام و جملہ اولی الامر بعینہ اطاعت

خداوند جل جلالہ خیال کیا جائیگی، اور متبعین انبیاء کرام علیہم السلام اور دیگر الوالام کو خارج از اطاعت خداوندی سمجھنا ایسا ہوگا جیسا متبعین احکام، حکام ماتحت کو کوئی کم فہم خارج از اطاعت حکام بالادست کہنے لگے، یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا کہ ﴿فان تنازعتم فی شئی فردوه الی اللہ والی الرسول والی اولی الامر منکم﴾ (جبکہ صحیح آیت اس طرح ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٤٥﴾ النساء) اور ظاہر ہے کہ اولوالامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی ہیں، سو دیکھئے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام و جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں، آپ نے آیت ﴿فردوه الی اللہ والی الرسول ان کنتم تؤمنون باللہ والیوم الاخر﴾ تو دیکھی لی، اور آپ کو یہ اب تک معلوم نہ ہوا کہ جس قرآن مجید میں یہ آیت ہے اسی قرآن میں آیت مذکورہ بالا، معروضہ احقر بھی موجود ہے، عجب نہیں کہ آپ تو دونوں آیتوں کو حسب عادت متعارض سمجھ کر ایک کے نسخ اور دوسرے کے منسوخ ہونے کا فتویٰ لگانے لگیں۔

جناب مجتہد صاحب صحیح عرض کرتا ہوں، کہ ان آیات سے تقلید متنازع فیہ کے بطلان کی امید رکھنی ایسا قصہ ہے جیسا کسی بھوکے نے کہا تھا، دو اور دو چار روٹیاں ہوتی ہیں، سو اس کے کہ اس قسم کے استدلالات سے آپ کی خوبی اجتہاد ظاہر ہوا، اور کچھ نفع نہیں، اور آپ کے اس قسم کے استدلالات سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کے نزدیک تمام مقتدیان دین و ائمہ مجتہدین خلاف احکام خداوندی و ارشادات نبوی حکم دینے والے ہیں، اور آیت ﴿ما آتاکم الرسول فخذوه و ما نہاکم عنہ فانتهوا﴾ حشر: ۷، کی صریح مخالفت کرنے والے ہیں۔ اس پوری عبارت کو ہم نے اس وجہ سے ذکر کیا کہ بعض کوشبہ ہے کہ یہ کاتب کی غلطی ہے۔

اور ان کے نزدیک علماء کے کچھ طبقات ہیں جس کو شامی نے: ۱/۶۵، میں ذکر کیا ہیں۔ (۱) طبقہ مجتہدین فی الشرع: جیسے ائمہ اربعہ (۲) طبقہ مجتہدین فی المذہب: جیسا کہ امام ابو یوسفؒ و محمدؒ وغیرہ ہیں (۳) طبقہ مجتہدین فی المسائل اللتی لانص فیہا عن صاحب المذہب جیسے ابو جعفر طحاوی وغیرہ۔ (۴) طبقہ اصحاب التخریج، امام رازی وغیرہ جیسا علماء۔ (۵) طبقہ اصحاب الترجیح، جیسے صاحب قدوری وغیرہ۔ (۶) طبقہ مقلدین (محققین) جو کہ صحیح و ضعیف میں تمیز کرنے پر قادر ہو، جیسے صاحب کنز وغیرہ۔ (۷) طبقہ مقلدین، یہ وہ طبقہ ہے جو مذکورہ اشیاء میں کسی ایک پر بھی قادر نہ ہو، و کذا فی فوائد البھیة: [۲۲، ۲۱]۔

توان طبقات کو بیان کرنے سے معلوم ہوا کہ آج کل کوئی نہ اجتہاد کریگا اور نہ دلیل سے حکم معلوم کرنے کی اجازت ہے، اور نہ دوسرا مذہب اختیار کرنے کا، تو اس سے اب ان لوگوں کا دعویٰ ظاہر ہوا جو کہتے ہیں کہ ہم ان مسائل میں تقلید کرتے ہیں جو کہ اجتہادی اور غیر منصوصی ہوں، اور ائندہ تفصیل سے ان کا یہ وہم بھی دور ہو جائے گا۔

اب تقلید اور اتباع میں فرق واضح کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں کے اقوال پر کوئی اعتماد نہ کرے۔

تقلید اور اتباع میں فرق: التقليد معناه في الشرع، الرجوع الى قول لاحجة لقائله عليه، وذاك ممنوع منه في الشريعة، والاتباع ماثبت عليه الحجة. شريعت میں تقلید ایسی بات ماننے سے تعبیر ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو، شریعت اس عمل کو سختی سے منع کرتی ہے۔ جبکہ اتباع ایسی بات ماننے کو کہتے ہیں جس پر دلیل ہو، [اعلام المؤمنین: ۱۹۷/۲، کتاب الرد علی من اغلدا فی الارض، للسیوطی: ۱۲۰، ۱۲۳۔]

اور تفسیر التحریر والتویر میں: ۴۲۳/۷۔ لکھا ہے کہ،،الاتباع فی الاصل، اقتفاء اثر الماشی، ثم استعمال فی العمل بمثل عمل الغير، كما فی قوله تعالى: والذين اتبعوهم باحسان۔ الآية (التوبة: ۱۰۰)۔ اور نضرۃ النعیم میں: ۱۰/۲: لکھا ہے کہ،،قال الامام احمد بن حنبل، هو ان يتبع الرجل ماجاء عن النبي ﷺ وعن اصحابه،، اور تفسیر رضو البیان: ۴۷۹/۷، ۴۸۸، ۵۲۸، میں ہے کہ،،الاتباع ماثبت عليه الحجة، وهو اتباع كل من اوجب عليك الدليل اتباع قوله۔ اور ابن عبد البر متعدد مواضع میں اس کا فرق بیان کرتے ہیں،،التقليد معناه في الشرع، الرجوع الى قول لاحجة لقائله عليه، وذاك ممنوع منه في الشريعة، والاتباع ماثبت عليه حجة،، اور کچھ عبارت کے بعد لکھتا ہے:

،،كل من اتبع قول من غير ان يجب عليك قوله لدليل يوجب ذلك، فأنت مقلده، والتقليد في دين الله غير صحيح، و كل من اوجب عليك الدليل اتباع قوله، فأنت متبعه، والاتباع في الدين مسوغ والتقليد ممنوع [جامع بيان العلم وفضله: ۲۳۱/۲] اور راہ سنت میں مولانا صفدر صاحب لکھتے ہیں، اور یہ بات طے شدہ ہے، کہ اقتداء اور اتباع اور چیز ہے اور تقلید اور۔ اور مولانا اشرف علی نے امداد الفتاویٰ: ۶۰۶/۳، میں مفصل فرق بیان کیا ہے۔

اس فرق بیان کرنے سے اب کوئی ان لوگوں کے دلائل بیان کرنے سے دھوکہ نہیں کھائے گا، کیونکہ مذکورہ آیات اور جو احادیث وغیرہ ان کے مستدلات ہیں، وہ اتباع کے متعلق ہیں۔

شبهات ، اعتراضات ، تناقضات

(۱) عوام کا کوئی متعین مذہب نہیں ہوتا۔۔۔ العامی لامذہب له: حقیقت الفقہ: ۳۴، امی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا بلکہ اس کا مذہب وہی ہوتا ہے جو اس کے مفتی کا ہوتا ہے، شامی: ۱/۱۳۰، اعلام المؤمنین: ۲/۲۷۳، شذرات الذهب ۴/۶۱، معیار حق: ۷۵، میزان الكبرى، للامام الشعرانی: ۳۴، ادب المفتی والمستفتی لابن الصلاح: ۱۶۱، نہایۃ الوصول للہندی: ۸/۳۹۲، آیات بینات: ۴/۳۸۰، تیسیر التحریر: ۴/۲۵۳، ادب الفتوی لابن الصلاح: ۳۹، الغیث الہامع، لابی زرعه احمد العراقی: ۳/۹۰۵، التقرير والتحییر: ۳/۳۵۱، بحر الرائق: ۲/۱۲۸۔

(۲) مقلد کا دلیل مجتہد کا قول ہے: اقوال المجتہدین فی حق المقلد کالدلۃ فواتح الرحموت: ۲/۴۴۴، نہایۃ السؤل: ۴/۶۲۵، ارشاد القاری: ۱۲/۴۔ اس کی عبارت پہلے گزر گئی۔

(۳) ایک عالم کا دوسرے عالم کا تقلید کرنا باطل عمل ہے۔۔۔ ابو الولید الباجی نے احکام الفصول میں عنوان لکھا ہے کہ، فصل فی ابطال تقلید العالم للعالم،،: ۶۳۵۔ و کتاب الاشارة، ل: ۱۳۷۔

(۴) تقلید دلیل نہیں:۔۔۔ کا کی جامع الاسرار میں لکھتا ہے۔ وهو قبول قول الغير بلا دلیل لیس بحجة فی اصول الدین ولا فی فروعه لانه تعالیٰ رد علی المقلدین بقوله اولو کان آباؤهم لا یعقلون شیئاً ولا یہتدوون ﴿۱۴۴﴾۔

(۵) مقلد علم حاصل نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہے۔۔۔ کا کی نے لکھا ہے، و اجمع العلماء علی ان المقلد عاص بترک الاستدلال: جامع الاسرار: ۵/۱۴۴۔

(۶) تقلید طریقہ علم نہیں بلکہ جہل ہے: امام زرکشی نے فرمایا ہیں،، والتقلید جہل [البحر المحیط: ۸/۳۲۱،

۳۲۳، نفاس الاصول: ۹/۳۹۴، اور سمعانی قواعد الادلہ فی اصول الفقہ میں لکھتے ہیں: العلم لا یحصل للمقلد

بتقلید غیرہ۔ قواعد الادلۃ: ۸۹۴/۲، المستصفیٰ للغزالی: ۳۸۷/۲، نصب الراية: ۲۱۹/۱، ۲۲۸/۳، فواتح الرحموت: ۳۴۶/۲،
 الاشارة للباجی: ۱۳۸، اصول الاحکام للامدی: ۲۲۳/۴، الواضح: ۲۳۸/۵، ۲۴۵، کتاب الرد علی من اغلذ الی الارض للسیوطی
 : ۶۸، ۱۱، ۱۲، ۱۲۲، ۱۲۴، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۵، تقویم الادلۃ للدبوسی الحنفی: ۳۸۹، جبکہ ۳۹۰، میں لکھتا ہے فالمقلد فی
 حاصل امره ملحق نفسه بالبهائم فی اتباع الاولاد الامهات، علی مناهجها بالتمیز، فان الحق نفسه
 بها لفقده آلة التميز فمعدور فیداوی، ولا یناظر وان الحقہ بها ومعہ آلة التميز فالسیف اولیٰ بہ حتی
 یقبل علی الآلة فیستعملها ویجب خطاب اللہ تعالیٰ المفترض طاعته الخ، التحییر: ۲۵/۸، ۲۱۱۳۔ والعدۃ
 لقاضی ابی یعلیٰ: ۱۲۱۸/۴۔ اور اسی کی قریب عبارت عبداللہ بن المعتز کا ہے آپ نے فرمایا، لا فرق بین بهیمة تنقاد
 وانسان یقلد: جامع بیان العلم وفضله، لابن عبد البر: ۲۲۸/۲، جبکہ ابن عبد البر نے اس کے متعلق ایک لمبی نظم بھی
 کہی ہے، جس کا ایک بیت یہ ہے:

، لا فرق بین مقلد وبھیمة ، تنقاد بین جنادل ودعائر ،،

(۷) اُمی کا مفتی سے استفتاء طلب کرنا تقلید نہیں۔۔۔ فظہرانہ لم یجعل الاستفتاء تقلیداً

[۳۲۱، نفائس الاصول: ۳۹۱/۹، المستصفیٰ: ۳۸۷، ۳۸۹، آیات بینات: ۳۵۸/۴، فواتح
 الرحموت: ۲۴۴/۲، تیسیر التحریر: ۳۱۴/۴، شرح منتهی الاصول، لسعد الدین تفتازانی
 : ۳۰۶، شرح مختصر الاصول: لعضد الدین: ۳۰۵/۲، اصول الاحکام للامدی: ۲۲۱/۴، الغیث
 الہامع، لابی زرعه: ۸۹۴/۴، البحر الحیط: ۳۱۸/۸، ۳۲۰، ۳۲۱، نفائس الاصول
 : ۳۹۱/۹، التقرير والتحییر: ۳۴۰/۳، مسلم الثبوت: ۲۸۹، التحییر: ۲۰۱۳/۸، ۴۰۱۵، شرح
 مختصر الروضة، لابن سعید الطوفی: ۶۵۲/۳،

(۸) قاضی کا عادل گواہوں کی گواہی یا خبر واحد قبول کرنا تقلید نہیں۔۔۔ و قبول خبر الواحد وشهادة
 العدول لا یسمى تقلیداً. البحر المحیط للزرکشی: ۳۲۱/۸، نفائس الاصول: ۳۹۱/۹، قواعد
 الادلۃ: ۸۴۸، المستصفیٰ: ۳۸۷، فواتح الرحموت: ۲۴۴/۲، تیسیر التحریر: ۲۲۱/۴، شرح
 منتهی الاصول: ۳۰۶/۲، شرح مختصر الاصول، لعضد الدین: ۳۰۵/۲، اصول الاحکام، للامدی

۲۲۱/۲، التقرير والتحجير: ۳/۳۴۰، مسلم الثبوت: ۲۸۹،

(۹) صحابی کا تقلید کرنا جائز ہے۔۔۔ يجوز تقليد الصحابة فقط [الکافی، للسغانی: ۲/۱۵۸۱، نفاس الاصول: ۹/۴۰۳۸، قال الامام ابو حنیفة اقلد من كان من القضاة والمفتیین من الصحابة] شرح ادب القاضی للخضاف: ۱۸۳/۱، فواتح الرحموت: ۲/۳۴۹، تقویم الادلیة: ۲۵۶، نهایة السؤل: ۴/۵۹۱، المعتمد لابن الحسین: [۲/۳۶۶]۔ علاء الدین الحنفی، افاضة الانوار میں لکھتا ہے: ”وتقلید اصحابی واجب یتبرک به القیاس [ص: ۲۰۷] وايضا المنار [ص: ۲۰۸] والتقرير والتحجير لا میر الحاج [۳/۳۵۳]۔ شامی: ۳/۳۱۔ اور اس مسئلے کا تفصیل کتاب المدرخل الی ارشاد الامتہ، محمد صبحی حسن حلاق کا: ۲۲۷ میں دیکھیں۔

(۱۰) عوام کو صحابہ کے اقوال کا اتباع نہیں کرنا چاہئے: ان العامی لا یقلده “البحر المحيط [۳۳۸/۸] اور امیر بادشاہ الحنفی نے تیسیر التحریر میں لکھا ہے کہ: ”نقل الامام فی البرهان اجماع المحققین علی منع العوام من تقلید اعیان الصحابة. [۴/۲۵۵] ونهایة السؤل [۴/۲۲۱]

(۱۱) حدیث پر عمل کرنا تقلید نہیں ہے۔۔۔ جیسا کہ امام زرکشی نے فرمایا ہے: العمل بقول النبی ﷺ لیس بالتقلید [البحر المحيط: ۸/۳۱۶، ۳۲۳، نفائس الاصول: ۹/۳۹۱۹، فواتح الرحموت: ۲/۴۴۴، ۴/۴۲۶، تیسیر التحریر: ۴/۲۲۱، شرح منتهی الاصول: لسعد الدین تفتازانی: ۲/۳۰۶، شرح المختصر، لقاضی عضد الملة والدين: ۲/۳۰۵، اصول الاحکام للامدی: ۲/۲۲۱، التقرير والتحجير: ۳/۳۴۰، مسلم الثبوت: ۲۸۹، التحجير: ۸/۱۳، ۱۵، ۲۰، شرح مختصر الروضة، لابن السعيد الطوفي: ۳/۶۵۲، العدة لقاضی ابی یعلی: ۴/۱۲۱۔

(۱۲) عوام کے لئے شریعت کے دلائل پر عمل کرنا جائز نہیں:۔۔۔ بانه لا یتاھل للعمل بادلۃ الشرع ونصوصه وظواہرہ۔ البحر المحیط [۸/۳۳۹] احسن الفتاوی میں رشید احمد لدھیانوی لکھتے ہیں ”رجوع الی الحدیث مقلد کا وظیفہ نہیں۔ [۳/۵۵۳]۔ والتقرير والتحجير: ۳/۳۵۴۔ والفصول للجصاص: ۴/۲۸۴] صاوی لکھتا ہے: لأن الاخذ بظواہر

الكتاب والسنة من اصول الكفر- [۱۰/۳] (اس پر تفصیلی رد شقیطی نے اضواء البیان: [۳۳۷/۷] میں کیا ہے)

(۱۳) عوامِ اولہ شرعیہ پر عمل کریں:- ملا علی القاری صلاۃ الجواز میں لکھتے ہیں: فرضی اللہ عنہ

حيث نهينا على ان الواجب على الامة كافة من الائمة والعامه متابعة الكتاب والسنة فمن جاوزهما فقد وقع في الكفر او البدعة- [ص ۳۸]، البحر الحظ: [۳۳۴/۸]؛ تبصیر التحریر: [۲۵۵/۴]،

(۱۴) مقلد کے لئے فتویٰ دینا جائز نہیں:- المجتهد يجوز له الافتاء واما المقلد فقال ابو الحسين

البصرى وغيره ليس له الافتاء مطلقا- البحر الحظ: [۳۵۹/۸] والرولى من اخلد الى الارض للسيوطى [ص: ۸۳]، ۸۶، ۱۱۸، ونهاية السؤل للاسنوى [۵۸۳/۴]، كتاب التحصيل لراموى [۳۰۱/۲] التحبير للمرداوى [۴۰۷/۱۸]-

(۱۵) حدیث کی تصحیح، تضعیف، تحسین، میں علماء کی بات ماننا تقلید نہیں:- ابن ابی العزّ نے فرمایا کہ: وانما

قولنا "رواه البخارى ومسلم" كقولنا "رواه القراء السبع" و القرآن منقول بالتواتر، لم يختص هؤلاء السبع بنقل الشئ منه، وكذلك التصحيح، لم يقلد اهل الحديث فيه البخارى ومسلمابل جمهور ما صححاه وكان قبلهما عند ائمة الحديث صحيحا. الخ- الاتباع: [ص ۴۸]-

(۱۶) غیر مجتہد عالم تقلید نہیں کریگا:- وقيل لا يقلد العالم وان لم يكن مجتهدا لان له صلاحية

اخذ الحكم من الدليل- ايات البيئات للعبادى: ۳۶۲/۴، احكام الفصول میں ہے کہ فانه لا يجوز له ان يقلد من هو مثله فى العلم ولا من هو فوقه [ص ۶۳۵]، قواعد الاحكام، لعز الدين السلمى [۱۳۵/۲]، الغيث الهامع، لابی زرعہ [۸۹۲/۳، ۸۹۳]، التقرير والتحبير [۳۵۱/۳]، نهاية السؤل [۵۸۶/۴]۔

اور امام ذہبی اپنی کتاب تذکرۃ الحفاظ: ۱۶/۱، میں لکھتا ہے،، في الله العجب من عالم يقلد دينه اماما بعينه فى كل ما قال مع علمه بما يرد على مذهب امامه من النصوص النبوية، فلا قوة الا بالله-

(۱۷) اُمی اور غیر اُمی کیلئے تقلید اور التزام مذہب معین لازم ہے:- ايات بيئات [۳۶۱/۴، ۳۸۲]، میں ہے کہ:

ويلزم غير المجتهد عاميا كان او غيره الخ [مقلد جس کے قول پر عمل کرے تو کوئی مضائقہ نہیں:- اور، احكام لابن حزم [۶۴۴/۶] میں ہے کہ: انما يقلد من يجهل الحكم فى النازلة الخ.

(۱۸) کسی انسان پر مذہب معین کا التزام لازم نہیں:- ابن امير الحاج شرح تحرير ابن همام میں لکھتے ہیں

وقيل لا يلزم وهو الاصح، كما في الرافي وغيره، لأن التزامه غير ملزم، اذ لا واجب الا ما وجبه الله ورسوله، ولم يجب الله ورسوله على احد من الناس ان يتمذهب بمذهب الرجل من الامة فيقلده في دينه۔۔ الخ۔ [۳۵۰/۳] شامی [۱۶۳، ۳۰۱/۱] نہایت السؤل [۶۱۹/۴] العدة لابن يعلیٰ [۱۲۲۶/۴]۔

(۱۹) ایک مذہب سے دوسرے مذہب کو انتقال کرنا جائز نہیں:۔ ”ويحرم الانتقال من مذهب الى اخر حتى شدد بعض المتأخرين المتكلفين من الحنفية وقالوا ان الحنفى اذا صار شافعيًا يعزر۔“ نہایت السؤل، بلا سنوی [۶۱۸/۴] اور صاوی نے لکھا ہے ”فالخارج عن المذاهب الاربعة ضال ومضل وربما اذاه ذلك الى الكفر۔“ [۱۰/۳] اس کا تفصیلی رد شفقٹی نے اضواء البیان [۴۳۶/۷] میں کیا ہے۔

(۲۰) ایک مذہب سے دوسرے مذہب کو انتقال کرنا جائز ہے:۔ نہایت السؤل میں اسنوی نے لکھا ہے ”ويصح الانتقال من مذهب الى مذهب، وهذا هو الحق الذى ينبغى ان يؤمن به ويعتقد“ [۶۱۸/۴]

(۲۱) مطلق خبر ماننا تقلید نہیں:۔ ”وذكر، الرجوع الى خبر الواحد فى حكاية حديث او اجماع او فى اخبار عن نجاسة اناء او دخول فى وقت او عين القبلة لا يسمي تقليدا“۔ التحير [۴۰۱۵، ۴۰۱۴/۸]

(۲۲) دلیل سے حکم معلوم کرنا اجتہاد ہے:۔ ”واخذ القول مع معرفة دليله فهو اجتهاد“ آیات بیانات: [۳۵۹/۴]۔

(۲۳) اُمی کا تعریف:۔ جس میں دلیل سے حکم معلوم کرنے کا صلاحیت نہ ہو:۔ آیات بیانات [۳۶۲/۴]، احکام الفصول [ص: ۲۲۸/۴]، والواضح فى اصول الفقه لابن عقيل [۴۴۶/۵]۔

(۲۴) اُمی مستفتی وہ شخص ہے جو طرق احکام نہیں جانتے:۔ ”الذى لا يعرف طرق الاحكام“ تقرب الوصول [ص: ۱۶۰]۔

(۲۵) مفتی کی تعریف، یعنی مفتی کون ہو سکتا ہے:۔ ”المفتى من استكمل فيه ثلاث شرائط

الاجتهاد، والعدالة، والكف عن الترخيص والتساهل۔ البحر المحیط [۳۵۸/۸] نفاس الاصول: [۳۹۱۹/۹] معین الحکام لطرابلسی [ص: ۲۱۸] اور امیر بادشاہ الحنفی نے تیسیر میں لکھا ہے کہ: ”واجمع الفقهاء ان المفتى يجب ان يكون من اهل الاجتهاد“ [۲۵۱/۴] التقرير والتحير [۳۴۱/۳، ۳۴۲، ۳۴۸] الواضح

[۴۵۶/۵] و الرد علی من اخلد الی الارض [ص: ۸۳] و التحبیر للمرداوی [۸/۴۰، ۴۰، ۴۰، ۴۰].

مجتہد مطلق کی تعریف مجتہد مطلق پر لازم ہے کہ وہ کسی کا تقلید نہیں کریگا۔ آیات بینات [۳۶۲/۴، ۳۸۰] اور قاضی

ابویعلیٰ نے العدة میں لکھا ہے کہ ”فاما العالم هو الذی کملت له الات الاجتهاد“ [۱۲۳۸/۴] و کشف

الاسرار [۱۴/۴] الواضح [۲۳۷/۵] و مسلم الثبوت [ص: ۲۹۰] اور سیوطی کتاب الرد علی من اخلد الی الارض: ۱۱۳، میں لکھتا ہے:

فالمجتهد المستقل: شرطه ان یکون قیما بمعرفة الاحکام الشرعية من الكتاب و السنة و الاجماع و

القیاس الخ۔

(۲۷) مقلدین کا یہ قبیح قول: کہ ہر آیت یا حدیث یا قول صحابی جو کہ احناف کے رائے کا خلاف ہو تو یہ

قابل قبول نہیں ہوگا۔ اصول کرخی [ص: ۱۲، ۱۱] میں لکھتا ہے: الاصل ان کل ایه تخالف قول اصحابنا فانها تحمل

علی النسخ الخ۔ تفسیر صاوی [۱۰۳]۔

(۲۸) اتباع کی بعض صورتوں پر تقلید کا اطلاق مجازی ہے۔ علماء نے اتباع کی بعض صورتوں پر تقلید کا جو اطلاق

کیا ہے تو وہ مجازی ہے جیسا کہ امام زرکشی نے لکھا ہے ویسمی تقلیدا مجازا [البحر الحیط: ۸/۳۱، ۳۲، ۳۲۲، اور امام

غزالی نے المستصفیٰ: ۳۹۰/۲، میں لکھا ہے: فان فرض العامی الاخذ بقول العالم، وانما نسیمہ تقلیدا علی

سبیل المجاز و الاتساع، احکام: ۶۴۲، شرح مختصر الاصول لعصم الدین: ۲/۳۰۵، اصول الاحکام للامدی

: ۳۳۱/۴، انقیری و الخبیر: ۳۴۰/۳، الخبیر: ۸/۴۱۴، العدة: ۴/۱۳۱۔

(۲۹) علماء نے تقلید کو اضطراری حالت میں جائز قرار دیا ہے۔۔ الواضح [۲۵۵/۵] اور شمشیطی نے تفسیر اضواء

البیان [۵۵۳/۷] میں تقلید پر تفصیلی رد کرتے ہوئے فرماتا ہے ”لاخلاف بین اهل العلم فی ان الضرورة، لها

احوال خاصة تستوجب احکاما غیر احکام الاختیار، فکل مسلم الجائت ضرورة الی شیء الجاء

صحيحا حقیقا فهو فی سعة من امره فيه وقد استثنی الله جل و علا حالة الاضطرار فی خمس آیات

من كتابه، ذکر فيه المحرمات الاربعه التي هی من اغلظ المحرمات تحريما، وهي الميتة، و الدم،

ولحم الخنزیر، و ما اهل لغير الله به، فان الله تعالى کلما ذکر تحريمها استثنی منها حالة الضرورة

فاخرج من حکم التحريم.“ قال الله تعالى فی سورة البقرة [۳۷/۱] سورة مائده، [۳] سورة

انعام [۱۱۹، ۱۲۵] سورة النحل [۱۱۵] وبهذا تعلم ان المضطر للتقليد الاعمى اضطرارا حقيقيا بحيث يكون لاقدرة له البتة على غيره مع عدم التفريط لكونه لاقدرة له اصلا على الفهم اوله قدرة على الفهم وقد عاقته عوائق قاهرة عن التعلم او هو في اثناء التعلم ولكنه يتعلم تدريجا لأنه لايقدر على تعلم كل ما يحتاجه في وقت واحد اولم يجد كفتا يتعلم منه ونحو ذلك فهو معذور في التقليد المذكور للضرورة لأنه لامندوحة له عنه، اما القادر على التعلم المفرط فيه والمقدم اراء الرجال على ما علم من الوحي فهذا الذي ليس بمعذور.

(۳۰) موجودہ صورتہ تقلید کو تقلید کا نام دینا صحیح نہیں ہے۔ یہ اصل میں ”تقلد“ باب تفعل ہے لیکن انہوں نے اس سے تقلید بنایا ہے جیسا کہ ابن ہمام (تحریر الامام) میں لکھتا ہے وکان الوجه جعل المعرف بما ذکر التقليد لأن المقلد جعل قوله (ای من قلده) قُلادة فی عنقه وهذا تقلد لا تقليد۔ [۳۲۱/۳]

(۳۱) شریعت میں تقلید کا کوئی صورت ممدوح نہیں ہے۔ ویتخرج من هذا، انه لا يتصور تقليد مباح في الشريعة لافي الاصول، ولا في الفروع، اذ التقليد على ما عرفه القاضي، اتباع من لم يقم باتباعه حجة ولم يستند الى علم الخ. “البحر المحيط للزر كشي [۳۲۲، ۳۲۰/۸] اور ابو زر نے الغيث الجامع ۳/۸۹۴، میں لکھا ہے، و ليس في الشريعة تقليد، فانه قبول القول من غير حجة، واقوال المفتيين والحكام، مقبولة بالاجماع لقيام الدليل الشرعي على وجوب العمل بها، والتقرير والتحبير: ۳/۳۲۰، ويكفي في ابطال التقليد ان القائلين به مقرون على انفسهم بالباطل، لان كل طائفة من الحنفية والمالكية والشافعية مقررة بان التقليد لايجل، وائمتهم الثلاثة قد نهوا عن تقليدهم، ثم مع ذلك خالفوهم وقلدوهم وهذا عجب مامثله عجب حيث اقروا ببطلان التقليد ثم دانوا الله بالتقليد الخ: كتاب الرد على من اخلد الى الارض للسيوطي: ۱۳۳، كتاب التحصيل للارموي: ۲/۳۰۳، ۳۰۸. التلخيص للجويني: ۵۳۰.

(۳۲) حدیث کی مقابلہ میں فقہاء کے قول کو اختیار کرنا شرک ہے۔ فتاویٰ عزیزی [ص ۱۶۲] میں

شاہ عبدالعزیز لکھتا ہے کہ: وفي الحقيقة اگر مقلد ان مذہب تفحص کنند می یا بند کہ این بلاء تقلید ایشان را بحدے کشیدہ کہ قول ہر

یکے را از احاد فقہاء در مقابل حدیث می آرند و ترجیح می دهند و این ازان قبیل است کہ علماء را بہ پیغمبرے رسانیدہ شود بلکہ بخدائے زیر کہ در حدیث صحیح ترمذی آمدہ است کہ عدی ابن حاتم از جناب نبوت ﷺ در تفسیر آیت اتخذوا احبارہم و رہبانہم اربابا من دون اللہ، عرض کرد کہ یا رسول اللہ ای ایشان را بخدائے می پرستیدند و خدا میدانستند فرمودند کہ بگفتہ ایشان حلال و حرام می دانستند گفت آرے فرمودند ہمین ست ارباب گرفتن و ظاہر ست کہ منصب ضرب تکلیف و نصب شریعت مخصوص بخداست و بے نص قاطع او کسے را این منصب دادند شرک محض ست، نعوذ باللہ منہا۔

(۳۳) تقلید کرنا کفر ہے: سیوطی نے کتاب الروعی من اغلدا لی الارض: ۱۳۹ و ۱۴۵، میں مختلف علماء سے نقل کیا ہے کہ تقلید کرنا کفر ہے، کہ، فنقول وبالله التوفیق، التقلید هو ان یقلد الغیر ویتبعہ من غیر دلیل ظہر لہ وانہ من افعال الکفر، قال اللہ تعالیٰ حاکیا عنہم فی سورۃ زخرف: ۲۳ و عنکبوت: ۱۲

(۳۴) مقلدین کا یہ قول کہ ہم ان اماموں کی تقلید۔ اس وجہ سے کرتے ہیں کہ ان کے پاس دلائل تھے اور یہ قرآن و حدیث پر ہم سے زیادہ عالم تھے، تو اس کا جواب علی القاری نے مرقات المفاتیح: [۸/۱۵۷] میں لکھا ہے، کہ، قال الطیبی ولا ریب ان الامام احمد بن حنبل ما ذهب الی هذا القول الا بعد ما تلقی من الصحابة والتابعین، علی انه امام من الائمة الکبار يجب أن یتلقى کلامہ بالقبول ویحسن الظن بہ .. ۵۱، وفيہ ان عدم الريب فی تلقيه من الصحابة والتابعين، من علم الغيب، وان وجوب قبول کلامہ انما یكون بالنسبة الی مقلده لابن النسبة الی العلماء المجتهدين الذين خرجوا عن ربة التقلید و دخلوا فی مقام تحقیق الادلة والتسديد والتأييد۔ اور تفصیل جواب تفسیر اضواء البیان: ۵۳۳/۷، میں مذکور ہے۔

(۳۵) مقلدین کا یہ قول کہ ہم فقہاء کی تقلید۔ اس وجہ سے کرتے ہیں کہ انہوں نے تمام مسائل مرتب اور جمع کر کے ہمارے لئے اسان بنا دیا، اور فقہ کے کتابوں سے اخذ آسان ہے، جبکہ قرآن اور حدیث سے مشکل، غلط ہے، فیض الباری میں شاہ انور شاہ کشمیری لکھتے ہیں: فمن زعم ان الدين كله في الفقه بحيث لا يبقى ورائه شيء فقد حاد عن الصواب: ۲/۱۰۔

(۳۶) مقلد ہونے کے باوجود علم اصول سیکھنا: امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اصول الفقه لا حاجة لک بہ یا مقلد، و یا من بزعم ان الاجتهاد قد انقطع وما بقى مجتهد، ولا فائدة في اصول الفقه الا ان

یصیر محصلہ مجتہدا، فاذا عرفہ، ولم یفک تقلید امامہ لم یصنع شیئاً بل اتعب نفسه و رکب علی نفسه الحجۃ فی مسائل، وان کان یقرأه لتحصیل الوظائف و ليقال، فهذا من الوبال، وهو ضرب من الخبال. (کلمات فی العلم و ادب الطلب للذہبی: ۲۱۳، و بیان زغل العلم و الطلب: ۲۰، ۲۱)۔

(۳۷) مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کوئی تقلید نہیں اور یہی وجہ ہے کہ امام زرکشیؒ بحریط: ۳۲۲/۸، میں فرماتا ہے کہ: و اعلم ان القاضی و الغزالی یقولان لا تقلید فی الدنیا الخ۔ التلخیص للجوینی: ۵۳۰۔

مذکورہ تفصیل سے حقیقت تقلید خوب واضح ہوا، کہ یہ ایک بدعت ہے، خیر القرون میں اس کا وجود نہیں تھا، اور یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی میں اس کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے مسائل شرعیہ میں اگرچہ علماء کا اختلاف ہوتا رہتا ہے لیکن اختلاف تضاد تک نہیں پہنچتا، ہم نے دیکھا کہ مجتہد مطلق کا تعریف کرتے ہیں کہ کسی کا تقلید نہیں کریگا پھر کہتے ہیں صحابیؓ یا بوقت ضرورت دوسری مجتہد کا تقلید کر سکتا ہے، جبکہ بعض نے وجوب کا حکم بھی لگایا ہے، تقلید کی تعریف میں بھی اختلاف کیا ہے، یہ بھی معلوم نہیں کہ کون تقلید کریگا، اور کون نہیں کرے گا، کبھی کہتا ہے کہ عامی تقلید کریگا، پھر اس کے دو قسم بناتے ہیں ایک عامی محض، دوسرا عالم غیر مجتہد، تو عامی کے متعلق کبھی کہتے ہیں کہ اس پر تقلید واجب ہے تو کبھی کہتے ہیں کہ اس کا تقلید سے کیا واسطہ، اس کا تو کوئی مذہب نہیں، عالم غیر مجتہد کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ تقلید کریگا، پھر لکھتے ہیں کہ دلائل سے استنباط کریگا، یہ بھی کہتے ہیں کہ مفتی کیلئے مجتہد ہونا ضروری ہے، جبکہ آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ لاکھوں کی تعداد میں غیر مجتہد، مقلدین منتقین موجود ہیں، اوپر گزر گیا کہ مقلد دلائل اربعہ سے استدلال نہیں کریگا، اور ہم دیکھتے ہیں ان مقلدین کو، کہ بحث و مناظرہ میں دلائل سے استدلال کرتے ہیں۔ اگر آپ لوگ مذکورہ عبارات اور ان لوگوں کے کتابوں میں تقلید کی متعلق دیگر عبارات میں نظر عمیق سے دیکھیں اور سوچیں تو آپ کو مختلف قسم کے تضادات نظر آئیں گے، اور آپ یقین کریں گے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا مصداق ہے ﴿ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا﴾ [النساء ۸۲] تو ہم پر یہ عیاں ہوا کہ یہ تقلید دین الہی نہیں ہے اس وجہ سے اس میں اختلاف ہے۔ بعض مقلدین چالاکی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم قرآن و حدیث و اجماع کو مانتے ہیں اور مسائل منصوصہ میں تقلید نہیں کرتے، ہم تو صرف مسائل اجتہاد یہ میں امام ابوحنیفہؒ اور حنفی مفتی بھاسا کی تقلید کرتے ہیں، اور اگر قرآن و حدیث کے خلاف امام کی قول ہو تو ہم چھوڑ دیتے ہیں، یہ بات اگر چہ فی نفسہ بہت اچھی اور شرعی لحاظ سے مأمور بہ ہے، لیکن ان لوگوں کا یہ قول ان کے اعمال ظاہرہ سے خلاف ہے اور بعینہ منافقوں کی اس قول سے مشابہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے

﴿کہ اذا جاءك المنافقون قالوا نشهد انك لرسول الله، والله يعلم انك لرسوله، والله يشهد ان المنافقين لكاذبون﴾ [المنافقون: ۱] ہم ان کے اس دعوے کو جھوٹے ثابت کرنے کے لئے مزید وضاحت کرتے ہیں، اگرچہ اشارۃً مذکورہ تفصیل میں گزر چکا ہے، ہم ان سے اول یہ استفسار اور وضاحت طلب کرتے ہیں، کہ آپ کے فقہاء نے جو مراتب ذکر کیئے ہیں، آپ کون سی رتبہ میں ہیں، حالانکہ آپ کے بزرگوں نے یہ تصریح کیا ہے کہ ہم آخری طبقہ میں ہیں، دوسری وجہ یہ کہ پہلے گزر گیا کہ علماء غیر مجتہدین کا دلیل قول مجتہد ہے قرآن و سنت سے استدلال نہیں کریگا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں ان لوگوں کے کتابوں میں کافی سارے مسائل قرآن و سنت سے خلاف ہیں، جن کے امثال ابن قیمؒ نے اعلام المؤمنین اور دیگر ان علماء نے، جنہوں نے تقلید کی رد میں کتابیں لکھی ہیں، تفصیل سے ذکر کی ہیں، مذکورہ تفصیل سے اس مسئلے کا وضاحت پوری طرح ہوئی اور کوئی خفاء نہ رہی، نصیحتاً سورۃ نجم کا یہ آیت ان کو پیش کرتے ہیں ﴿ان يتبعون الا الظن وما تهوى الانفس، ولقد جاءهم من ربهم الهدى﴾ [۲۳] اس سے یہ بات بھی واضح ہوئی کہ یہ لوگ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ کرام کی تقلید نہیں کرتے بلکہ ہوائی کے پجاری اور خواہش پرست ہیں، ورنہ ان کے اقوال منع تقلید میں کتنے واضح ہیں۔ آخر میں ابن ابی العز الحنفی کا قول جو کہ اس نے کتاب الاتباع [ص: ۸۰] میں ذکر کیا ہے، نقل کرتے ہیں تاکہ ان لوگوں کا اعتراض ختم ہو جائے، کہ جب ہم تقلید چھوڑ دیں گے تو کیا کریں گے، ہم تو مجتہدین اور علماء نہیں، فرمایا: ، فان الامة قد اجتمعت على انه لا يجب طاعة احد في كل شيء الا رسول الله ﷺ، بل غاية ما يقال انه يسوغ او ينبغي او يجب على العامى ان يقلد واحدا من الائمة من غير تعيين زيد او عمرو، واما ان يقول قائل انه يجب على الامة تقليد فلان دون غيره، فهذا هو المحذور، فمن تعصب لواحد من الائمة دون الباقيين فهو بمنزلة من تعصب لواحد من الصحابة دون الباقيين كالرافضى الذى تعصب لعلىؑ دون الخلفاء الثلاثة، فهذا طرق اهل الهوى، نسأل الله السلامة والعافية، وهذا رفض وتشنيع لكنه تشنيع فى بعض الطوائف والعلماء لافى تفضيل بعض الصحابةؓ. والواجب على كل مسلم يشهد ان لا اله الا الله وان محمد ارسول الله ان يكون اصل قصده توحيد الله بعبادته وطاعة رسوله، ويعلم ان افضل الناس بعد الرسول هم الصحابة، فلا يتنصر لشخص انتصارا عاما مطلقا الا لرسوله ﷺ ولا لطائفة انتصارا عاما مطلقا الا للصحابةؓ، فان الهدى يدور مع الرسول ومع اصحابه دون اصحاب غيره، فاذا جمعوا لم يجمعوا على خطأ، فان الدين

الذی بعث اللہ بہ رسوله لیس مسلماً الی عالم واحد واصحابہ، ولو کان کذا لکان لکان ذالک الشخص نظیراً لرسول اللہ ﷺ وهو شیبہ بقول الرافضة. وائمة الاسلام ابو حنیفۃؒ ومالک والشافعیؒ واحمدؒ وغيرهم رضی اللہ عنہم کل منهم ذهب الی ما ذهب الیہ عن اجتهاد، واما ان یقال المجتهد تارة یخطئی وتارة مصیب، وهذا هو الحق، فما اختلفوا فیہ علی قولین او اکثر فأحدهم مصیب وهو صاحب الاجرین، ومن خالفه مخطئی وله اجر علی اجتهاده، وخطأه مغفور، وهذا فی کل مسألة حصل فیها اختلاف، وليس الصواب وقفا علی احدہم بعینہ، والخطأ وقفا علی الباقین. ومن اعتقد هذا فلیر اجمع عقله فان هذه غفلة عظيمة واذا کان الامر کذا لکان فما من امام الا وقد فاتہ الصواب ولو فی مسألة، لانه غیر معصوم وما یؤمن من من قلده فی مسألة قد خالفه فیہا غیره فحکم بها وافتی ان تكون تلك المسألة هی التي اخطأ فیہا امامه، فعليه ان يعرضها علی الدلیل ولا یقتصر علی ما قاله اصحابه فی الکلام علیها لاحتمال ان یكون عند من خالفه من الدلیل ما لیس عندهم لاناقد امرنا ان نرد ما تنازعنا فیہ الی اللہ والرسول، والاخلال بهذا الواجب هو الذی اوجب الافتراق المذموم. وهذه كانت طريقة الصحابة والتابعین وتابعیهم، اهل القرون الثلاثة، المفضلة، اعنی رد المتنازع فیہ الی اللہ والرسول، ولم یکن فیہم من يأخذ بقول واحد معین منهم دون غیره، غیر رسول اللہ ﷺ وهي طريقة التابعین لهم باحسان الی یوم الدین.

اور صفحہ: ۸۸ میں طلباء کو وصیت خاصہ فرماتا ہے: فالواجب علی من طلب العلم النافع ان یحفظ کتاب اللہ یتدبره، وکذا لکان من السنة ما تیسر له ویطلع منها یتروی ویأخذ معه من اللغة والنحو ما یصلح به کلامه ویستعین به علی فهم الكتاب والسنة، وکلام السلف الصالح فی معانیہا، ثم ینظر فی کلام عامة العلماء الصحابة، ثم من بعدهم ما تیسر له من ذالک من غیر تخصیص، فما اجتمعوا علیه لا یتعداه، وما اختلفوا فیہ نظر فی ادلتهم بغير هوى ولا عصبية ثم بعد ذالک ﴿من یهد اللہ فهو المہتد ومن یضلل فلن تجد له ولیا مرشدا﴾ [الكهف: ۱۷] اور قرطبی: ۲/۲۱۲: مسألة سادسہ میں لکھتا ہے کہ: فرض علی العامی الذی لا یشتغل باستنباط الاحکام من اصولها لعدم اہلیتہ فیما لا یعلمہ من امر دینہ و یحتاج الیہ ان یقصد اعلم من فی زمانہ وبلدہ فیسألہ عن نازلته فیتمثل فیہا فتواہ، لقولہ

تعالیٰ ﴿فَأَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ وعلیہ الاجتہاد فی اعلم اهل وقته بالبحث عنه حتی يقع علیہ الاتفاق من الاكثر من الناس، وعلی العالم ایضا فرض ان یقلد عالمائہ فی نازلة خفی علیہ فیہا وجہ الدلیل والنظر، و اراد ان یجد دالفکر فیہا والنظر، حتی یقف علی المطلوب فضاقت الوقت عن ذالک، وخاف علی العبادۃ ان تفوت او علی الحکم ان یذهب، سواء كان ذالک المجتهد الآخر صحابیا او غیرہ، والیہ ذهب القاضی ابوبکر وجماعة من المحققین۔

مذکورہ عبارات کا حاصل یہ ہے، جو شخص عامی محض اور جاہل ہے وہ علاقے کی عالم سے مسائل پوچھتا رہے گا، اور جو عالم ہے وہ بوقت ضرورت دوسرے عالم سے معلومات حاصل کر سکتا ہے، اور یہ اتباع ہے تقلید نہیں، اگرچہ بعض نے اس کو تقلید مجازی یا تقلید ممدوح کا نام دیا ہے۔ ان بھائیوں کیلئے نصیحت جو کہ کہتے ہیں کہ وہ قرآن و سنت کے متبع ہیں اور کسی کی تقلید نہیں کرتے۔ ان پر یہ لازم ہے کہ وہ اپنے اس دعویٰ میں سچے ہوں کہ وہ قرآن و سنت پر عمل کرتے ہیں، کہ اتباع قرآن و سنت ان کے ظاہر اور باطن میں نمایا ہوں، اور مقلدین جیسے نہ ہوں، جو کہ چند احادیث کو مانتے ہیں اور اکثریت سے پہلو تہی کرتے ہیں، یہی وصیت عباد الخواص الشامی نے اپنے شاگردوں کو فرمایا تھا: ولا تکفوا من السنة بان تحالها بالقول دون العمل بها، فان انتحال السنة دون العمل بها كذب بالقول مع اضاعة العمل [دارمی: ۳/۷۱۷] اور بغیر عمل کے صرف نسبت کرنا اللہ تعالیٰ کے غضب کی سبب ہے، جیسا کہ سورۃ الصف میں ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ ﴿۲﴾ ﴿كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ ﴿۳﴾ اور سورۃ بقرہ میں یہ یہودیوں کی صفت ذکر کیا گیا ہے ﴿اتَّامُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَعْقِلُونَ﴾ ﴿۴۴﴾ اور رسول اللہ ﷺ نے بغیر عمل کے قول کو قیامت کی نشانیوں میں شمار کیا ہے۔ عن عبد اللہ بن عمرو عن رسول اللہ ﷺ أنه قال: من اقترب الساعة أن ترفع الأشرار وتوضع الأخيار ويفتح القول ويخزن العمل ويقرأ بالقوم المشناة، ليس فيهم احد ينكرها قبيل وما المشناة؟ قال: ما كتبت سوى كتاب الله عز وجل. (متدرک: ۷/۷۱۷) اتباع سنت کی تفصیل بعد میں آئے گا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الذِّئْبِ يُنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً

جو لوگ کافر ہیں ان کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو کسی ایسی چیز کو آواز دے جو پکار اور آواز کے سوا کچھ سن نہ سکے

صُمْ بُكُمْ غُمِي فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۸﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

(یہ) بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے کہ (کچھ) سمجھ ہی نہیں سکتے۔ اے اہل ایمان!

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۲۹﴾

جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں اُن کو کھاؤ اور اگر اللہ ہی کے بندے ہو تو اُس (کی نعمتوں) کا شکر بھی ادا کرو

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ

اُس نے تم پر مہرا ہوا جانور اور لہو اور سوؤ کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے۔

لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ

ہاں جو ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اُس پر کچھ گناہ نہیں

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۳۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ

بیتک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے [۳۰]۔ جو لوگ (اللہ کی) کتاب سے اُن (ہدایتوں) کو جو اُس نے نازل فرمائی ہیں

[۳۰] اس آیت کریمہ میں ان چیزوں کی حرمت کا بیان فرماتا ہے جن کو شرکین حلال سمجھتے تھے، اس آیت میں حصر کے

ساتھ چار چیزوں کی حرمت بیان کی گئی ہے (۱) مردار (۲) بہنے والا خون (۳) خنزیر (۴) نذر لغیر اللہ: اب ایک اشکال

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ”انما“ کلمہ حصر استعمال کر کے حرام چیزوں کو صرف چار میں بند کر دیا ہے، حالانکہ ان

چار چیزوں کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں حرام ہیں، جن کی حرمت خود قرآن میں اپنی اپنی جگہ مذکور ہے، تو پھر اس

حصر کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں چوپایوں کی حلت و حرمت کا کوئی قانون بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ

مقصود صرف مشرکین کی خود ساختہ تحلیل کی تردید ہے، مشرکین میں بچیرہ، سانپ اور وسیلہ وغیرہ کو جن کا ذکر سورہ مائدہ میں

آئے گا اپنی طرف سے حرام کر رکھا تھا، تو ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن چیزوں کو تم نے حرام ٹھہرا رکھا ہے وہ حرام نہیں ہیں، بلکہ حرام تو صرف یہ اشیاء ہیں۔ لیس المراد من الایة قصر الحرمة علی ما ذکر مطلقاً کما هو الظاهر..... بل مقید بما اعتقدوه حلالاً. روح المعانی.

میتة: سے مراد ہر وہ جانور ہے جو ذبح کئے یا ہلاک کئے بغیر از خود مر جائے، یا اسے ذبح تو کیا جائے لیکن وہ ذبح شرعی طریقہ کے مطابق نہ ہو۔ وہی السلی ماتت من غیر ذکاة شرعیة. روح المعانی، جس طرح مردار کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح اس کے باقی تمام اجزاء سے فائدہ اٹھانا بھی جائز نہیں۔ البتہ اس کے بال، ہڈی بشرطیکہ اسے تمام رطوبتوں سے پاک صاف کر لیا گیا ہو، اور اس کا چمڑہ دباغت (رنگائی) کے بعد پاک ہیں، ان کا استعمال جائز ہے۔

اور دم (خون) سے، دم مسفوح مراد ہے یعنی وہ خون جو جانور کے بدن کے کسی حصہ سے بہہ کر نکلے، جیسا کہ ذبح کے وقت رگوں سے خون نکلتا ہے۔

”ولحم الخنزیر“ خنزیر کے تمام اجزاء یعنی گوشت، کھال، ہڈی، چربی، بال، وغیرہ سب حرام ہیں، اس کے بدن کے کسی حصہ سے اشقاع جائز نہیں۔ کیونکہ وہ نجس العین ہے، اور گوشت کی تخصیص صرف اس لئے کی گئی ہے کہ گوشت ہی جانور کا مقصودی اور ضروری حصہ ہوتا ہے، جب وہ حرام ہے تو باقی اجزاء بطریق اولیٰ حرام ہونگے۔

ان محرمات میں سے چوتھی چیز ”ما اهل به لغير الله“ ہے ”اہل“ اہلال سے ہے، جس کے معنی اواز بلند کرنے اور شہرت دینے کے ہیں ”الاهلال اصله رفع الصوت (کیسے) اهل اهل“ سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے چنانچہ عربی محاورات میں کہا جاتا ہے ”اهل الرجل، یا اهل المعتمر، اذا رفع صوته بالتلبية“ یعنی عمرہ ادا کرنے والے نے بلند آواز سے تلبیہ پڑھا۔ لسان العرب: ۱۱۷۔

”لغير الله“ بحذف مضاف ای لتعظیم غیر الله اور ”به“ میں ”باء“ بمعنی علی ہے اس جملے میں کئی

احتمالات ہیں:

۱: یعنی ”ما“ سے مراد وہ چوپایہ ہے جسے غیر اللہ (یعنی غیر، ولی، فرشتہ یا جن وغیرہ) کو متصرف و کارساز، غیب دان اور مافوق الاسباب حاجت اور مشکل کشا سمجھ کر اس کی تعظیم کے پیش نظر اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے نذر و منت کے طور پر متعین اور نامزد کر دیا جائے یہ نذر غیر اللہ ہے اور حرام ہے، اس طرح یہ جانور حرام ہو جاتا ہے، اگر اسے

اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے تب بھی یہ حرام ہی رہتا ہے اور حلال نہیں ہوتا، اور اس کا حکم بالکل وہی ہے جو مردار کا ہے، نذیر اللہ کی حرمت کا مسئلہ قرآن مجید میں مختلف انداز بیان کے ساتھ کئی جگہ مذکور ہے مثلاً:

سورة مائده: (۳) میں اوفسقا اهل به لغير الله، سورة النعام: [۱۳۶، ۱۳۵] اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَآلِحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ، سورة نحل: ۱۱۵۔

اسی طرح علیؑ سے ایک روایت منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے سنا: لعن الله من ذبح لغير الله ولعن الله من آوى محدثا، ولعن الله من لعن والديه ولعن الله من غير تخوم الارض. یعنی المنار۔ جس شخص نے غیر اللہ کے لئے ذبح کیا اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جس نے بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جس نے اپنے والدین پر لعنت کی اس پر اللہ کی لعنت ہے اور جس نے زمین کی حد بندی کے نشانات تبدیل کئے اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ اس روایت کو مسلم نے: ۱۹۷۸، میں نقل کیا ہے: واخرجه ابن ابی شیبہ ۵۶۶/۶۔ ۵۶۷۔ ۵۶۸۔ ۵۶۹۔ ۵۷۰۔ ۵۷۱۔ ۵۷۲۔ ۵۷۳۔ ۵۷۴۔ ۵۷۵۔ ۵۷۶۔ ۵۷۷۔ ۵۷۸۔ ۵۷۹۔ ۵۸۰۔ ۵۸۱۔ ۵۸۲۔ ۵۸۳۔ ۵۸۴۔ ۵۸۵۔ ۵۸۶۔ ۵۸۷۔ ۵۸۸۔ ۵۸۹۔ ۵۹۰۔ ۵۹۱۔ ۵۹۲۔ ۵۹۳۔ ۵۹۴۔ ۵۹۵۔ ۵۹۶۔ ۵۹۷۔ ۵۹۸۔ ۵۹۹۔ ۶۰۰۔ ۶۰۱۔ ۶۰۲۔ ۶۰۳۔ ۶۰۴۔ ۶۰۵۔ ۶۰۶۔ ۶۰۷۔ ۶۰۸۔ ۶۰۹۔ ۶۱۰۔ ۶۱۱۔ ۶۱۲۔ ۶۱۳۔ ۶۱۴۔ ۶۱۵۔ ۶۱۶۔ ۶۱۷۔ ۶۱۸۔ ۶۱۹۔ ۶۲۰۔ ۶۲۱۔ ۶۲۲۔ ۶۲۳۔ ۶۲۴۔ ۶۲۵۔ ۶۲۶۔ ۶۲۷۔ ۶۲۸۔ ۶۲۹۔ ۶۳۰۔ ۶۳۱۔ ۶۳۲۔ ۶۳۳۔ ۶۳۴۔ ۶۳۵۔ ۶۳۶۔ ۶۳۷۔ ۶۳۸۔ ۶۳۹۔ ۶۴۰۔ ۶۴۱۔ ۶۴۲۔ ۶۴۳۔ ۶۴۴۔ ۶۴۵۔ ۶۴۶۔ ۶۴۷۔ ۶۴۸۔ ۶۴۹۔ ۶۵۰۔ ۶۵۱۔ ۶۵۲۔ ۶۵۳۔ ۶۵۴۔ ۶۵۵۔ ۶۵۶۔ ۶۵۷۔ ۶۵۸۔ ۶۵۹۔ ۶۶۰۔ ۶۶۱۔ ۶۶۲۔ ۶۶۳۔ ۶۶۴۔ ۶۶۵۔ ۶۶۶۔ ۶۶۷۔ ۶۶۸۔ ۶۶۹۔ ۶۷۰۔ ۶۷۱۔ ۶۷۲۔ ۶۷۳۔ ۶۷۴۔ ۶۷۵۔ ۶۷۶۔ ۶۷۷۔ ۶۷۸۔ ۶۷۹۔ ۶۸۰۔ ۶۸۱۔ ۶۸۲۔ ۶۸۳۔ ۶۸۴۔ ۶۸۵۔ ۶۸۶۔ ۶۸۷۔ ۶۸۸۔ ۶۸۹۔ ۶۹۰۔ ۶۹۱۔ ۶۹۲۔ ۶۹۳۔ ۶۹۴۔ ۶۹۵۔ ۶۹۶۔ ۶۹۷۔ ۶۹۸۔ ۶۹۹۔ ۷۰۰۔ ۷۰۱۔ ۷۰۲۔ ۷۰۳۔ ۷۰۴۔ ۷۰۵۔ ۷۰۶۔ ۷۰۷۔ ۷۰۸۔ ۷۰۹۔ ۷۱۰۔ ۷۱۱۔ ۷۱۲۔ ۷۱۳۔ ۷۱۴۔ ۷۱۵۔ ۷۱۶۔ ۷۱۷۔ ۷۱۸۔ ۷۱۹۔ ۷۲۰۔ ۷۲۱۔ ۷۲۲۔ ۷۲۳۔ ۷۲۴۔ ۷۲۵۔ ۷۲۶۔ ۷۲۷۔ ۷۲۸۔ ۷۲۹۔ ۷۳۰۔ ۷۳۱۔ ۷۳۲۔ ۷۳۳۔ ۷۳۴۔ ۷۳۵۔ ۷۳۶۔ ۷۳۷۔ ۷۳۸۔ ۷۳۹۔ ۷۴۰۔ ۷۴۱۔ ۷۴۲۔ ۷۴۳۔ ۷۴۴۔ ۷۴۵۔ ۷۴۶۔ ۷۴۷۔ ۷۴۸۔ ۷۴۹۔ ۷۵۰۔ ۷۵۱۔ ۷۵۲۔ ۷۵۳۔ ۷۵۴۔ ۷۵۵۔ ۷۵۶۔ ۷۵۷۔ ۷۵۸۔ ۷۵۹۔ ۷۶۰۔ ۷۶۱۔ ۷۶۲۔ ۷۶۳۔ ۷۶۴۔ ۷۶۵۔ ۷۶۶۔ ۷۶۷۔ ۷۶۸۔ ۷۶۹۔ ۷۷۰۔ ۷۷۱۔ ۷۷۲۔ ۷۷۳۔ ۷۷۴۔ ۷۷۵۔ ۷۷۶۔ ۷۷۷۔ ۷۷۸۔ ۷۷۹۔ ۷۸۰۔ ۷۸۱۔ ۷۸۲۔ ۷۸۳۔ ۷۸۴۔ ۷۸۵۔ ۷۸۶۔ ۷۸۷۔ ۷۸۸۔ ۷۸۹۔ ۷۹۰۔ ۷۹۱۔ ۷۹۲۔ ۷۹۳۔ ۷۹۴۔ ۷۹۵۔ ۷۹۶۔ ۷۹۷۔ ۷۹۸۔ ۷۹۹۔ ۸۰۰۔ ۸۰۱۔ ۸۰۲۔ ۸۰۳۔ ۸۰۴۔ ۸۰۵۔ ۸۰۶۔ ۸۰۷۔ ۸۰۸۔ ۸۰۹۔ ۸۱۰۔ ۸۱۱۔ ۸۱۲۔ ۸۱۳۔ ۸۱۴۔ ۸۱۵۔ ۸۱۶۔ ۸۱۷۔ ۸۱۸۔ ۸۱۹۔ ۸۲۰۔ ۸۲۱۔ ۸۲۲۔ ۸۲۳۔ ۸۲۴۔ ۸۲۵۔ ۸۲۶۔ ۸۲۷۔ ۸۲۸۔ ۸۲۹۔ ۸۳۰۔ ۸۳۱۔ ۸۳۲۔ ۸۳۳۔ ۸۳۴۔ ۸۳۵۔ ۸۳۶۔ ۸۳۷۔ ۸۳۸۔ ۸۳۹۔ ۸۴۰۔ ۸۴۱۔ ۸۴۲۔ ۸۴۳۔ ۸۴۴۔ ۸۴۵۔ ۸۴۶۔ ۸۴۷۔ ۸۴۸۔ ۸۴۹۔ ۸۵۰۔ ۸۵۱۔ ۸۵۲۔ ۸۵۳۔ ۸۵۴۔ ۸۵۵۔ ۸۵۶۔ ۸۵۷۔ ۸۵۸۔ ۸۵۹۔ ۸۶۰۔ ۸۶۱۔ ۸۶۲۔ ۸۶۳۔ ۸۶۴۔ ۸۶۵۔ ۸۶۶۔ ۸۶۷۔ ۸۶۸۔ ۸۶۹۔ ۸۷۰۔ ۸۷۱۔ ۸۷۲۔ ۸۷۳۔ ۸۷۴۔ ۸۷۵۔ ۸۷۶۔ ۸۷۷۔ ۸۷۸۔ ۸۷۹۔ ۸۸۰۔ ۸۸۱۔ ۸۸۲۔ ۸۸۳۔ ۸۸۴۔ ۸۸۵۔ ۸۸۶۔ ۸۸۷۔ ۸۸۸۔ ۸۸۹۔ ۸۹۰۔ ۸۹۱۔ ۸۹۲۔ ۸۹۳۔ ۸۹۴۔ ۸۹۵۔ ۸۹۶۔ ۸۹۷۔ ۸۹۸۔ ۸۹۹۔ ۹۰۰۔ ۹۰۱۔ ۹۰۲۔ ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۰۵۔ ۹۰۶۔ ۹۰۷۔ ۹۰۸۔ ۹۰۹۔ ۹۱۰۔ ۹۱۱۔ ۹۱۲۔ ۹۱۳۔ ۹۱۴۔ ۹۱۵۔ ۹۱۶۔ ۹۱۷۔ ۹۱۸۔ ۹۱۹۔ ۹۲۰۔ ۹۲۱۔ ۹۲۲۔ ۹۲۳۔ ۹۲۴۔ ۹۲۵۔ ۹۲۶۔ ۹۲۷۔ ۹۲۸۔ ۹۲۹۔ ۹۳۰۔ ۹۳۱۔ ۹۳۲۔ ۹۳۳۔ ۹۳۴۔ ۹۳۵۔ ۹۳۶۔ ۹۳۷۔ ۹۳۸۔ ۹۳۹۔ ۹۴۰۔ ۹۴۱۔ ۹۴۲۔ ۹۴۳۔ ۹۴۴۔ ۹۴۵۔ ۹۴۶۔ ۹۴۷۔ ۹۴۸۔ ۹۴۹۔ ۹۵۰۔ ۹۵۱۔ ۹۵۲۔ ۹۵۳۔ ۹۵۴۔ ۹۵۵۔ ۹۵۶۔ ۹۵۷۔ ۹۵۸۔ ۹۵۹۔ ۹۶۰۔ ۹۶۱۔ ۹۶۲۔ ۹۶۳۔ ۹۶۴۔ ۹۶۵۔ ۹۶۶۔ ۹۶۷۔ ۹۶۸۔ ۹۶۹۔ ۹۷۰۔ ۹۷۱۔ ۹۷۲۔ ۹۷۳۔ ۹۷۴۔ ۹۷۵۔ ۹۷۶۔ ۹۷۷۔ ۹۷۸۔ ۹۷۹۔ ۹۸۰۔ ۹۸۱۔ ۹۸۲۔ ۹۸۳۔ ۹۸۴۔ ۹۸۵۔ ۹۸۶۔ ۹۸۷۔ ۹۸۸۔ ۹۸۹۔ ۹۹۰۔ ۹۹۱۔ ۹۹۲۔ ۹۹۳۔ ۹۹۴۔ ۹۹۵۔ ۹۹۶۔ ۹۹۷۔ ۹۹۸۔ ۹۹۹۔ ۱۰۰۰۔

طارق ابن شہاب سلمان رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق ایک عجیب واقعہ نقل کرتے ہیں کہ: دخل الجنة رجل فى ذباب ودخل النار رجل فى ذباب، قالوا وما الذباب؟ فرأى ذبابا على ثوب انسان فقال هذا الذباب، قالوا كيف ذاك؟ قال مر رجلان مسلمان على قوم يعكفون على صنم لهم، فقالوا لهما، قربا لصنمنا قربانا قال لا نشرك بالله شيئا، قالوا قربا ما شئتما، ولو ذبابا، فقال احدهما لصاحبه ماترى؟ فقال احدهما لا اشرك بالله شيئا فقتل فدخل الجنة، فقال الاخر بيده على وجهه فاخذ ذبابا فالفاه على الصنم فدخل النار. ابن ابى شيبه: ۳۵۸/۱۲، وابو نعيم فى الحلية ۲/۲۰۳، كتاب الزهد: ۱۵ الدر المنثور: ۷۵/۶، كفاية: ۱۸۵، شعب الايمان: ۴۵۷/۹، المعجم لابن الاعرابي: ۸۶۲/۲، یعنی ایک آدمی مکھی کی وجہ سے جنت میں داخل ہوا، اور دوسرا جہنم میں، انہوں نے پوچھا یہ کیسے؟ اس نے جواب میں کہا: کہ دو مسلمانوں کا ایک قوم پر گذر ہوا، وہ ایک بت کی عبادت کر رہے تھے، تو ان لوگوں نے ان دونوں مسلمانوں کو کہا: اس بت کے نام کوئی چیز نذر کر کے دیدو۔ تو ان دونوں نے کہا: ہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے نام نذر نہیں دیتے (یعنی اس عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھراتے، تو انہوں نے کہا کہ آپ کو ضرور دینا پڑے گا۔ اگرچہ ایک مکھی ہو۔ تو ان دونوں میں ایک نے انکار کیا تو ان مشرکوں نے اس کو قتل کر دیا، جس کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہوا، دوسرے نے قریب ایک مکھی کو پکڑ

کربت کی طرف پھینکا تو موت کے بعد وہ جہنم میں داخل ہوا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے، جو کہ ثابت بن ضحاک سے نقل ہے کہ: نذر رجل علی عهد النبی ﷺ ان ینحر ابلا بیوانة، فاتی النبی ﷺ فقال انی نذرت ان انحر ابلا بیوانة، فقال النبی ﷺ هل کان فیہا وثن من اوثن الجاهلیة یعبد؟ قالوا لا، قال هل کان فیہا عید من اعیادہم؟ قالوا لا، قال رسول اللہ ﷺ اوف بنذرک، فانہ لا وفاء لنذرفی معصیة اللہ، ولا فیما لا یملک ابن آدم۔ ابوداؤد: ۱۹۶/۳، ابن ماجہ: حدیث ۲۱۳۱، مسند احمد: ۱۹۵/۲۴۔

یعنی ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نذر مانی کہ وہ بوانہ مقام میں اونٹ ذبح کرے گا، وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ کو خبر دی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس میں جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا کہ اس کی عبادت کی جاتی تھی؟ صحابہ کرام نے کہا نہیں، فرمایا اس میں کافروں کی کوئی عید تھی؟ کہا نہیں۔ فرمایا اپنی نذر پوری کر، اس لئے کہ گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں اور جس میں آدم کا بیٹا مالک نہیں اس کا پورا کرنا بھی جائز نہیں۔

امام بخاری ایک عنوان لکھتا ہے ”باب ما ذبح علی النصب و الاصنام“ اور اس میں موحد جاہلیت کا واقعہ نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ زید بن عمرو ابن نفیل سے بلدح کے نشیب میں ملے۔ و ذاک قبل ان ینزل علی رسول اللہ ﷺ الوحی، فقدم الیہ رسول اللہ ﷺ سفرة لحم، فابی ان یأکل منها، ثم قال انی لا اکل مما تذبحون علی انصابکم، ولا اکل الا ما ذکر اسم اللہ علیہ۔

یہ اس وقت کا ذکر ہے کہ جب آپ پر وحی نہیں اتری تھی، پیغمبر نہیں ہوئے تھے، رسول اللہ ﷺ نے زید کے سامنے ایک دسترخوان رکھا (یہ دسترخوان مشرکوں نے بواسطہ رسول اللہ ﷺ آپ کو پیش کیا، اس لئے آپ نے مشرکوں کو مخاطب کرتے ہوئے یہ جملہ فرمایا: ازفتح) جس پر گوشت تھا، زید نے اس کے کھانے سے انکار کیا پھر کہنے لگے میں ان جانوروں کا گوشت نہیں کھاتا جن کو تم بتوں کے تھانوں پر ذبح کرتے ہو، میں تو اسی جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ بخاری مع الفتح: ۱۸/۱۱۔

ابن کثیر اور ابن ابی حاتم نے تفسیر سورہ مائدہ میں ابوالطفیل سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آدم علیہ السلام کے وقت سے لیکر آج تک یہ چاروں چیزیں حرام رہی ہیں، کسی وقت ان میں سے کوئی بھی حلال نہیں ہوئی۔ مردار، خون، سور کا گوشت، اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کے نام کی چیز۔

اسی طرح ابن کثیر وابن ابی حاتم نے تفسیر سورہ مائدہ میں علیؑ کا ایک واقعہ نقل کیا ہے: قال كان رجل من بني رباح يقال له ابن وثيل، وكان شاعرا، نافر "غالبا" ابا الفرزدق، بماء بظهر الكوفة، علي ان يعقر هذا مائة من ابله، وهذا مائة من ابله، اذاوردت الماء، فلماوردت الماء قاما اليها بالسيوف، فجعلا يكدسان عراقيهما، قال فخرج الناس على الحمرة والبغال يريدون اللحم، قال وعلي بالكوفة، قال فخرج عليؑ علي بغلة رسول الله البيضاء وهو نادى يا ايها الناس لاتاكلوا من لحومها فانما اهل به لغير الله. اور یہی قالی نے کتاب امالی میں: ۱۱۷۲، و ذیل الامالی: ۵۴۳، میں نقل کیا ہے۔

علیؑ جب کوفہ کے حاکم تھے، اس وقت قبیلہ بن رباح کا ایک شخص جو شاعر تھا، فرزدق کے دادا غالب سے مقابل ہوا، اور یہ طے پایا کہ دونوں آمنے سامنے ایک ایک سواونٹوں کی کوچیں کاٹیں گے، چنانچہ کوفہ کی پشت پر پانی کی جگہ یہ آئے اور جب وہاں ان کے اونٹ آئے تو یہ اپنی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور اونٹوں کی کوچیں کاٹنی شروع کیں اور دکھلاوے، سناوے اور فخر و ریا کاری کے لئے دونوں اس میں مشغول ہو گئے۔

کوفیوں کو جب یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے لئے آنے لگے، اتنے میں جناب علی المرتضیٰ رسول اللہ کے سفید خچر پر سوار ہو کر یہ منادی کرتے ہوئے وہاں پہنچے کہ لوگو، یہ گوشت نہ کھانا یہ جانور "ما اهل به لغير الله" میں داخل ہیں۔ اور قرطبی نے یہ واقعہ: ۲۲۴، میں مختصر نقل کیا ہے۔

عائشہؓ سے امام قرطبیؒ: ۲۲۴، ایک واقعہ نقل کرتا ہے: ۲۲۴: قالت امرأة عند ذلك من الناس: يا ام المؤمنين ان لنا ظارا من العجم لا يزال يكون لهم عيد، فيهدون لنا منه، أفناكل منه شيئا؟ قالت اما مذبح لذلك اليوم فلا تأكلوا ولكن كلوا من اشجارهم۔ یعنی ایک عورت نے ام المؤمنین عائشہؓ سے سوال کیا کہ ام المؤمنین، ہمارے کچھ رشتہ دار عجمی لوگوں میں سے ہیں اور ان کے یہاں تو روز روز کوئی نہ کوئی تہوار ہوتا رہتا ہے یہ اپنے تہواروں کے دن کچھ ہدیہ (تحفہ) ہمارے پاس بھی بھیج دیتے ہیں، ہم اس کو کھائیں یا نہ؟ اس پر عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا: جو جانور اس عید کے دن کے لئے ذبح کیا گیا ہو وہ نہ کھاؤ، لیکن ان کے درختوں کے پھل وغیرہ کھا سکتے ہو۔

اور اسی طرح قرطبی نے حسنؓ سے مذکورہ صفحہ میں ایک فتویٰ نقل کیا ہے: انه سئل عن امرأة مترفة صنعت للبعها عرسا فنحرت جزورا، فقال الحسن لا يحل أكلها فانها انما نحرت لصنم۔ یعنی ایک مال دار عورت اپنی گڑیوں کے نکاح پر اونٹ وغیرہ ذبح کرتی ہے تو یہ حلال ہیں؟ تو حسن نے فتویٰ دیا کہ اسے نہ کھانا چاہئے اس لئے کہ یہ ایک

تصویر کے لئے ذبح کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ ابن عطیہ نے محرر الوجیز: ۵۰۲، میں بھی ذکر کیا ہے۔

اس کے متعلق اکثر مفسرین نے یہی مسئلہ ذکر کیا ہے کہ جو شخص غیر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کی تعظیم بجالانے کے لئے جانور ذبح کرے، وہ ملعون اور مرتد ہے۔ تفسیر غرائب القرآن میں اس آیت کے تحت نظام الدین نیساپوری اور شیخ زادہ حاشیہ بیضاوی: ۴۸۱/۱، میں لکھتا ہے: قال العلماء لوان مسلما ذبح ذبیحة وقصد بذبحها التقرب لغير الله، صار مرتدا، وذبيحته ذبیحة مرتد .

یعنی علمائے کرام نے کہا ہے کہ اگر کسی مسلم نے ایک جانور کو ذبح کیا اور اس سے غیر اللہ کے تقرب کا قصد کیا تو وہ مرتد ہو گیا، اور اس کا مذبح مرتد کا مذبح ہے۔ اور ایسی عبارت امام رازی نے تفسیر کبیر: ۱۱/۵، میں لکھی ہے۔ و فتاویٰ عزیز: ۵۰۱۔

اور شاہ عبدالعزیز فتاویٰ عزیز: ۱۶۵، میں لکھتا ہے: کہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ ملعون من ذبح لغير الله یعنی ہر کہ بذبح جانور تقرب بغير خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح خدا بگیرد یا نہ، زیرا کہ چون شہرت داد کہ این جانور برائے فلان است ذکر نام خدا بوقت ذبح فائدہ نہ کرد چہ آن جانور منسوب بآں غیر گشت و شبیہ درو پیدا شد کہ زیادہ از خبث و مردار است و ہر گاہ این خبث دروے سرایت کرد، دیگر بذکر نام خداوند حلال نمی شود مانند سنگ و خوک کہ اگر بنام خداوند مذبح شوند حلال نمی گردند۔

یعنی صحیح حدیث میں ہے کہ ہر شخص جانور ذبح کرنے سے تقرب لغير اللہ چاہے وہ ملعون ہے، ذبح کے وقت اللہ کا نام لے یا نہ لے، کیونکہ جب اس نے مشہور کر دیا کہ یہ جانور فلاں غیر اللہ کے لئے ہے تو ذبح کے وقت اللہ کا نام لینے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا، جب وہ جانور بطور نذر و منت غیر کی طرف منسوب ہو گیا ہو تو اس میں مردار سے بھی بڑھ کر نجاست پیدا ہوگی اور اس میں اس طرح گھس جائے گی کہ اب وہ اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوگا۔ جس طرح کتا اور خنزیر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہوتے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جب اس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذبح کرنے کے وقت لیا جائے تو پھر جانور حلال اور پاک ہوتا ہے تو اس کا جواب بصیر الرحمن میں علی مہاشی دیتے ہیں: وما اهل لغير الله به فانه وان ذكر معه اسم الله فقد عارض المطهر فيه المنجس مع نجاسته بالموت وان لم يذكر فقد زيد في تنجيسه۔ اور معارف القرآن والے نے ۲۹۳، میں لکھا ہے: وہ جانور جو غیر اللہ کے لئے نام زد کیا گیا ہو پھر اگر ذبح کے وقت بھی اس

پر غیر اللہ کا نام لیا ہے تو وہ کھلا شرک ہے۔ اور یہ جانور با تفاق مردار کے حکم میں ہے۔ جیسا کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے، یا بعض جاہل کسی پیر فقیر کے نام پر، اور اگر بوقت ذبح نام تو اللہ کا لیا، مگر جانور کسی غیر اللہ کے نام پر نذر کیا ہو اور اس کی رضامندی کے لئے قربان کیا ہے، تو جوہور فقہانے اس کو بھی ”ما اھل بہ لغیر اللہ“ کے تحت حرام قرار دیا ہے۔

بعض لوگ اعتراض میں ملا جیوں کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں: ومن ہہنا علم ان البقرة المنذورة لاولیاء کما هو الرسم فی زماننا حلال طیب، لانه لم یدکر اسم غیر اللہ علیہا وقت الذبح، وان کانوا ینذرونہا لہ۔ تفسیرات احمدی: ۴۵۔ تو اس کا جواب مولانا اشرف علی تفسیر بیان القرآن: ۱/۹۷، میں اور فتاویٰ امدادیہ: ۹/۴ میں دیتا ہے۔

بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہو گیا ہے، اس کا جواب اس کے منہیہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصال ثواب کی بناء پر حلت کا حکم فرمایا ہے، اور بلا تاویل حلال نہیں کہتے، جیسا کہ اسی قسم کی تاویل سے نووی نے ابراہیم مروزی کے قول کے بعد رافعی کا قول نقل کیا ہے تو جہاں یہ تاویل یقیناً منفی ہو اس کو کیسے حلال کہا جاوے گا، اور عوام کا یہ فعل یقیناً قابل تاویل نہیں، دلیل اس کی یہ ہے کہ اگر اس جانور کے بدلے اس سے دو گنی قیمت انکو دیکر کہا جاوے کہ بجائے اس جانور کے اس چیز سے ایصال ثواب کر دو، ہرگز وہ گوارہ نہ کریں اور استبدال میں اندیشہ ناراضی ان بزرگوں کا کریں جس سے فساد نیت یقینی ہے اور یہی مدار تھا حرمت کا۔

اور یہی جواب مفتی رشید احمد نے: احسن الفتاویٰ: ۴۹/۱، میں دیا ہے، جب کہ بحر العلوم علامہ سید امیر علی تفسیر مواہب الرحمن: ۲/۷۷، میں بہت تفصیل کے بعد لکھتا ہے، اور صاحب تفسیر احمدی نے جو اس مقام پر تساہل کیا، وہ سخت خطا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور ان کو عفو کرے اور بخشدے اور: ۴۳/۵، میں اس کا سخت جواب دیتا ہے: پس عجب ان لوگوں سے کہ خالی منطق و فلسفہ پڑھ کر فتویٰ پر قلم اٹھاتے ہیں اور شیخ صدو کے نام کا بکر اور مانند اس کے جائز بتاتے ہیں، یہ خلاف مذاہب ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ، بلکہ خلاف مذہب فقہاء و ائمہ مجتہدین ہے، جس کا گناہ تا قیامت اپنے سر پر لیتے ہیں۔ اور معنی بھی یہ لکھتے ہیں کہ ہر وہ چیز حرام کی گئی کہ غیر اللہ کے لئے پکاری گئی ہو۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ پھر تو مہمانوں وغیرہ کے لئے ذبح کرنا بھی ناجائز ہے، تو اس کا جواب در مختار اور رد المختار (شامی): کتاب الذبائح ۳۷۵/۹، میں دیتا ہے: ذبح لقدم الامیر ونحوہ کو احد من العظماء یحرم لانه

”اہل بہ لغیر اللہ“ ولو ذکر اسم اللہ، ولو ذبح للضیف لایحرم، لانه سنة الخلیل علیہ السلام، واکرام الضیف اکرام اللہ تعالیٰ، و الفارق انه ان قدمهالیاً کل منها کان الذبح لله تعالیٰ، و المنفعة للضیف، اولولیلیمه، اوللربح، وان لم یقدمهالیاً کل منها بل یدفعهالغیره کان لتعظیم غیر اللہ فتحرم، وهل یکفر؟ قولان۔

یعنی کسی کے آنے پر جانور کو ذبح کرنا حرام ہے اس لئے کہ یہ [ما اهل به لغیر اللہ] کا معنی اس کو شامل ہے اگرچہ ذبح کے وقت اس پر اللہ کا نام لیا جائے۔ اور اگر ذبح کے وقت یہ ارادہ ہو کہ مہمان کے لئے ضیافت میں ذبح کرنا ہے تو پھر حرام نہ ہوگا، کیونکہ یہ سنت ابراہیمی ہے، اور مہمان کا اکرام اللہ ہی کا اکرام ہے، اس میں فرق واضح ہے، کہ اگر مہمان کے کھانے کے لئے ذبح کیا جائے تو ذبح اللہ تعالیٰ کے نام ہے، اور کھانے کا فائدہ مہمان وغیرہ کے لئے ہے، اور اگر اس کو کھانے نہ دیا صرف اس کی تعظیم کے لئے ذبح کر کے دوسروں کو دیا، تو اس میں تعظیم لغیر اللہ ہے، اور یہ حرام ہے، جبکہ کفر میں علماء کا اختلاف ہے۔

اور اسی طرح تفسیر مواہب الرحمن: ۷۲، میں بھی فرماتا ہے اور یہ جو بعض لوگوں کو وہم ہوا کہ مہمان کے لئے ذبح کرتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ اگر اس کے تقرب کے لئے ہو تو مرتد و کافر ہے کمانی الفتاویٰ، بلکہ یہ تو مہمان کی ضیافت کے لئے اللہ کے نام پر ذبح ہوتا ہے جیسے روز بازار میں ہزاروں جانور ذبح ہو کر فروخت ہوتے ہیں، الخ۔

مولانا عبدالحی فرنگی نے مجموعہ فتاویٰ: ۸۹/۲، میں لکھا ہے کہ ”ما اهل به لغیر اللہ“ سے مراد وہ جانور ہے جو مقصد تقرب الی غیر اللہ ذبح کیا جاوے، اور مقصود اراقتہ الدم سے تعظیم غیر خدا ہو، اور جان دینا خاص غیر کے لحاظ سے ہووے ایسا جانور حرام ہے، اگرچہ وقت ذبح کے بسم اللہ اس پر کہی جاوے، ذبح لقدم الامیر ونحوہ کو احد من العظام یحرم لانه اهل به لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ علیہ ولو ذبح للضیف لایحرم۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے: فتاویٰ امدایہ: ۸۹/۴، میں فرمایا ہے (جس کا حاصل یہ ہے) کہ: بزرگوں کی نذر و نیاز کا جانور اگر کسی واسطے ذبح کیا جاوے کہ وہ بزرگ ہم سے خوش ہوں، اور ہمارا کام کر دیں، اور ان کو متصرف فی التکوین سمجھے، اور ان سے تقرب کے لئے ذبح کرے اور ذبح سے وہی مقصود ہوں، چنانچہ اس زمانہ میں اکثر جہاں کا یہی عقیدہ ہوتا ہے، تو یہ عقیدہ رکھنے والا مشرک اور وہ ذبیحہ بالکل حرام ہے، اگرچہ بوقت ذبح اللہ کا نام لیا جاوے۔

”وما اهل به لغیر اللہ“ اور اگر اللہ کے واسطے دیکر اس کا ثواب کسی بزرگ کی روح کو بخش دیا تو یہ جائز ہے فقط۔

”ما“ کی تفسیر میں دوسرا احتمال یہ ہے جیسا کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں فرمایا ہے کہ ”ما“ عام ہے اور اس کی مراد بھی عام ہے، خواہ جانور ہو یا غلہ یا مٹھائی ہو یا کوئی اور چیز جو غیر اللہ کے تقرب کے لئے دی جائے سب اس میں شامل ہیں، اگر ”ما“ سے صرف ذبیحہ مراد لیا جائے تو پھر اس کے بعد ”ماذبح علی النصب“ کی ضرورت باقی نہیں رہتی، لہذا جن لوگوں نے ”ما“ سے صرف ذبیحہ مراد لیا ہے انہوں نے ماہل کی صرف ایسی صورت بیان کی ہے جو مشرکین میں اس وقت رائج تھی، ورنہ یہ بات وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ مشرکین مکہ جانوروں کے علاوہ غلہ وغیرہ کی نذریں بھی غیر اللہ کے لئے مانتے تھے، جیسا کہ ﴿وجعلوا للہ مما ذرأمن الحرت و الانعام نصیباً﴾ الخ سے معلوم ہوتا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ وماذبح علی النصب سے صرف ذبیحہ مراد ہو اور ماہل سے مراد عام ہو، یعنی جانور، غلہ وغیرہ پہلی اور دوسری دونوں تفسیروں کی صورت میں ”ب“ کو بمعنی علی لینا پڑیگا۔

یہی معنی نواب صاحب نے تفسیر ترجمان القرآن اور شاہ عبدالعزیز نے اور صاحب فتح الجید نے بھی: ۱۴۰، میں اختیار کیا ہے اور مفتی رشید احمد حسن الفتاوی: ۵۲۱، میں لکھتا ہے کہ: ماہل بہ لغیر اللہ، کے عموم میں مٹھائی وغیرہ بھی داخل ہے، اور ماذبح علی النصب کا بالاستقلال ذکر اس پر قرینہ ہے کہ، ماہل بہ لغیر اللہ حیوان وغیر حیوان دونوں کو شامل ہے، اور اگر اسے حیوان کے ساتھ خاص رکھا جائے تو غیر حیوان کی حرمت ثابت بالقیاس ہوگی، بعلة التقرب الی غیر اللہ۔

اور اسی طرح مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن: ۱۴۲۳، میں لکھتا ہے کہ: یہاں ایک چوتھی صورت اور ہے، جس کا تعلق حیوانات کے علاوہ دوسری چیزوں سے ہے، مثلاً، مٹھائی کھانا وغیرہ جن کو غیر اللہ کے نام پر نذر کے طور سے ہندو لوگ بتوں پر، اور جاہل مسلمان بزرگوں کے مزارات پر چڑھاتے ہیں، فقہاء نے اس کو بھی اشتراک علت یعنی تقرب الی غیر اللہ کی وجہ سے ”ماہل بہ لغیر اللہ“ کے حکم میں قرار دیکر حرام کہا ہے۔

فقہاء احناف مسئلہ نذر لغیر اللہ کے متعلق لکھتے ہیں، خصوصاً ابن نجیم بحر الرائق: ۵۲۱، میں لکھتا ہے: وقد قد منان النذر لا یصح بالمعصیۃ” للحدیث“ (لانذر فی معصیۃ اللہ تعالیٰ). یہ روایت امام مسلم نے کتاب النذر حدیث نمبر ۸، ابوداؤد نے کتاب الایمان باب: ۱۲، ۹، امام ترمذی نے کتاب النذر و باب اول امام نسائی نے کتاب الایمان: ۱۷، ابن ماجہ نے کتاب الکفارات باب: ۱۶، اور مسند احمد نے: ۲۰۷، اور ۲۴۷، میں نقل کیا ہے۔

فقال الشيخ قاسم في شرح الدرر، واما النذر الذي ينذره اكثر العوام على ما هو مشاهد، كان يكون للانسان غائب، او مريض، او له حاجة ضرورية، فيأتي الى بعض الصلحاء ويجعل على رأسه سترة، ويقول ياسيدي فلان ان رداً لله غائبى او عوفى مريضى او قضيت حاجتى، فلك من الذهب كذا، او من الفضة او من الطعام كذا، او من الماء كذا، او من الشمع كذا، او من الزيت كذا، فهذا النذر باطل بالاجماع لوجوه: منها انه نذر مخلوق و النذر للمخلوق لا يجوز، لانه عبادة، و العبادة لا تكون لمخلوق. ومنها ان المنذوره ميت، و الميت لا يملك، ومنها انه ظن ان الميت يتصرف فى الامور دون الله تعالى، و اعتقاده ذلك كفر.

پھر کچھ عبارت کے بعد لکھتا ہے: ولا يجوز لخادم الشيخ اخذه، ولا اكله، ولا التصرف فيه، بوجه من الوجوه الا ان يكون فقير اوله عيال فقراء عاجزون عن الكسب، وهم مضطرون فيأخذون على سبيل الصدقة المبتدأة، فاخذه ايضا مكروه ما لم يقصده الناذر التقرب الى الله تعالى و صرفه الى الفقراء و يقطع النظر عن نذر الشيخ، فاذا علمت هذا فما يؤخذ من الدراهم و الشمع و الزيت و غيرها، وينقل الى ضرائح الاولياء تقرباً اليهم، فحرام باجماع المسلمين ما لم يقصد و بصرفها للفقراء الاحياء قولاً واحداً. اور یہی عبارت فتح الجید والے نے: ۱۵۷، میں نقل کی ہے۔

اور اسی طرح در مختار جو کہ شامی کا متن ہے اس میں لکھتا ہے: ۳۷۹/۳، و اعلم، ان النذر الذى يقع للاموات من اكثر العوام و ما يؤخذ من الداراهم و الشمع و الزيت و نحوها، الى ضرائح الاولياء الكرام تقرباً اليهم، فهو بالاجماع باطل و حرام، ما لم يقصد و اصرافها للفقراء الانام و قد ابتلى الناس بذلك، و لاسيما فى هذه الاعصار. و قد بسطه العلامة قاسم فى شرح درر البحار، و لقد قال الامام محمد لو كانت العوام عبيدى، لا اعتقتهم و اسقطت و لائى، و ذلك لانهم لا يهتدون فالكل بهم يتبعون۔ اور اس کی شرح میں ابن عابدین شامی لکھتا ہے: صاحب بحر الرائق کی عبارت نقل کرنے کے بعد: اما لو نذر زينا لا يقاد قنديل فوق ضريح الشيخ اوفى المنارة كما يفعل النساء من نذر الزيت لسيدى عبد القادر و يوقد فى المنارة جهة المشرق فهو باطل، واقبح منه النذر بقراءة المولدفى المنائر و مع اشتماله على الغناء و اللعب و ايها ثواب ذلك الى حضرة المصطفى ﷺ: ۳۸۰/۳۔

یعنی حاصل عبارت یہ ہے کہ ایک حنفی عالم شیخ قاسم اپنی کتاب ”شرح درر البحار“ میں لکھتے ہیں: کہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر لوگ کسی ولی یا بزرگ کی قبر پر اس کے سر ہانے کھڑے ہو کر نذر مانتے ہیں اور ان میں سے ایک شخص آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے جناب! اگر میرا گم شدہ مل جائے، یا میرا مرض صحت یاب ہو جائے، یا اپنی کسی حاجت کا نام لیکر کہتا ہے کہ میری یہ ضرورت اور حاجت پوری کر دے گا، تو میں اتنا سونا یا اتنی چاندی تیری نذر کروں گا، یا اتنا کھانا یا اتنا دودھ یا فلاں فلاں شے اتنی مقدار میں تجھے دوں گا، یا اتنا تیل تیری قبر پر جلاؤں گا۔ یاد رکھیے: یہ نذر بالاجماع باطل قرار پائے گی جس کی کئی وجوہ ہیں۔

(۱) ایک وجہ یہ ہے کہ یہ نذر مخلوق کے لئے ہے اور مخلوق کے لئے نذر ماننا جائز ہے کیونکہ نذر بھی ایک قسم کی عبادت کا نام ہے اور عبادت اگرچہ کسی قسم کی ہو کسی مخلوق کے لئے نہیں کی جاسکتی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ نذر میت کے لئے مانی گئی ہے اور میت کو کسی چیز پر بھی قدرت اور تصرف حاصل نہیں ہے۔

(۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ نذر ماننے والے نے یہ خیال کیا کہ میت کو معاملات میں تصرف حاصل ہے اور یہ عقیدہ رکھنا کفر ہے۔

علامہ قاسم لکھیؒ مزید فرماتے ہیں کہ، مندرجہ بالا دلائل معلوم ہونے کے بعد جو شخص نقدی، یا شمع یا تیل وغیرہ اولیاء اللہ کی قبر پر اس لئے لے جاتا ہے کہ وہاں سے تبرک حاصل کرے گا، تو یہ فعل اور عمل بالاجماع المسلمین حرام ہے، اس عبارت کو ابن نجیم، شامی، اور شیخ صنع اللہ لکھیؒ نے بھی ذکر کیا ہے۔

اور اسی طرح کی عبارات اور کتابوں میں بھی زیادہ ہیں، لیکن مذکورہ عبارات پر اکتفاء کرتے ہیں، البتہ دیگر کتابوں کے صرف حوالہ جات نقل کرتے ہیں: غایۃ الامانی: ۲/۳۱، ۳۱۲، اغاثة اللہفان: ۱/۳۰۵، حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۴۷۱، البلاغ المبین: ۲۹، جلاء العینین: ۴۹۰، ۵۰۳، منهاج التاسیس: ۴۱، روح المعانی: ۱۳/۶۷، ۱۲/۲۱۲، ابداع: ۸۹، مجموعۃ الفتاویٰ لعبد الحی: ۲/۸۹، ۲۹۹، ۱۵۱، ۳۹۰ اور ۳/۱۰۵، ۱۲۴. کتاب سیف اللہ: ۶۹، تیسیر العزیز الحمید: ۲۰۳، تلخیص کتاب الاستغاثۃ: ۹۰، ۲۹۷، رسالہ زیارۃ القبور للبرکوی: ۷، ۲۲، ۲۹، ۵۲، مجالس الابرار: ۱۱۹، کشف القناع: ۶/۲۷، الفروع لابن مفلح: ۶/۳۵۹، الدین الخالص: لصدیق حسن خان: ۲/۱۸۹، ۱۹۱، ۳/۴۸، ۵۰، ۵۲، ۵۶، ۶۵، ۶۶، ومدارج السالکین: ۱/۳۴۵

مغنی المحتاج للشربینی: ۳/۴۷۱، ومجموعۃ الفتاویٰ لشیخ الاسلام: ۲۴/۳۱۹، ۲۶/۳۰۷، ۲۷/۱۴۶، وفتح المعین: شرح شرح ملامسکین علی الكنز: ۴۵۰، واقتضاء الصراط المستقیم: ۲/۶۷۱، ۸۰۸، ۷۴۰، والروض الندی: شرح کافی المبتدی: ۵۰۲، وغمز عیون البصائر لابن نجیم المصری: ۲۳۱، الفتاویٰ الحامدیہ: ۳۱، شفاء الصدور: ۶۶، ۶۷۔ جبکہ امام سیوطی کتاب الامر بالاتباع: ۱۳۴، میں لکھتا ہے۔

لایحل اسراج القبورو لا النذر لسرجھاو كذلك ایقاد المصابیح كالسرج و الشمع و القنادیل فی هذه المشاهدو الترب لایجوز بلاخلاف، للنهی الوارد فی ذلك و فاعله ملعون علی لسان رسول اللہ ﷺ حیث قال: لعن اللہ زائرات القبورو المتخذین علیھا المساجدو السرج. یہ روایت ابوداؤد نے کتاب الجنائز رقم: ۳۲۳۶، اور ترمذی نے کتاب الصلوٰۃ رقم: ۳۲۰، امام نسائی نے کتاب الجنائز: ۹۵، ۹۴/۴، ابن ماجہ نے کتاب الجنائز رقم: ۱۵۷۵، ابن ابی شیبہ نے: ۳۲۴/۳، مسند احمد: ۲۲۹/۱، ۲۸۷، ۳۲۴، ۳۳۷۔ مسند طیبی رقم: ۲۷۳۳، ابن حبان: رقم: ۳۱۶۹، معجم کبیر: ۱۴/۱۲۸، مستدرک: ۳۷۱/۳، سنن کبریٰ بیہقی: ۷۸/۲، تاریخ بغداد: ۷۰۸، ۷۰۹، شرح السنۃ: ۲/۴۱۶، وغیرہ نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے۔

اس کے بعد امام سیوطی لکھتا ہے: ولا یجوز الوفاء بما نذر لھا من زیت و شمع و غیر ذلك۔ جبکہ: ۱۱۷، پر لکھتا ہے: واقع من ذلك ان ینذر لتلك البقعة، دھنا لتنویرھا او شمعا و یقول: انها تقبل النذور كما یقولہ بعض الضالین۔ اور ۱۱۸، پر لکھتا ہے: او ینذر ذلك لقبرای قبر کان، فان هذا نذر معصیة باتفاق العلماء لایجوز الوفاء به، بل علیہ کفارة یمین عند کثیر من العلماء، منهم احمد و غیرہ۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ”ما“ عام ہے تو بعض مفسرین نے اس سے صرف ذبیحہ کیوں مراد لیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عرب کے یہاں لفظ اہلال کا زیادہ تر استعمال مذبح پر ہوتا تھا، اس کے پیش نظر انہوں نے ”ما“ سے مذبح مراد لیا، اس سے ان کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مذبح کے علاوہ باقی اشیاء سے غیر اللہ کی نیاز جائز ہے، بلکہ ان مفسرین کے نزدیک جس طرح جانوروں سے غیر اللہ کا نیاز حرام ہے اسی طرح باقی اشیاء، غلہ، کپڑا وغیرہ سے بھی حرام ہے۔

اور آیت کے منہوم میں ایک تیسرا احتمال بھی ہے، وہ یہ کہ ما سے مراد کلام ہو، جس سے غیر اللہ کے تقرب کے لئے

جانور نامزد کیا گیا ہو، مطلب یہ ہے کہ ایسا کلمہ بھی حرام اور مشرکاً نہ ہے جسے غیر اللہ کی نذرو منت مانتے وقت بلند کیا جائے۔ حاصل مطلب اس کا بھی وہی ہوگا جو شاہ عبدالعزیز صاحب نے لکھا ہے اس صورت میں ”بہ“ کی ”ب“ اپنے اصل پر رہے گی۔ اور اسے علی کے معنی میں لینے کی ضرورت نہیں ہوگی جیسا کہ کہا جاتا ہے: اهللت بالتلبیة و اهللت بالتسمیة علی الذبیحة .

صراح میں ہے: اهل المعتمر اذا رفع صوته بالتلبیة و التسمیة علی الذبیحة، جیسے کہ پہلے لسان العرب سے منقول ہو چکا ہے: فمجرور الباء هو لفظ یرفع به الصوت ای اسم اللہ مثلاً، فالمراد من قوله تعالیٰ ”وما اهل به“ ای لفظ رفع به الصوت لتعظیم غیر اللہ و التقرب الیہ، حاصل یہ کہ اس کلام سے تکلم اور اس قول کا تلفظ بھی حرام کر دیا جس سے غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو، اور اسی وجہ سے ہر وہ چیز بھی حرام ہوگی جس سے غیر اللہ کا تقرب مطلوب ہو، اور بعینہ انہ رجس اور فسقا اهل لغير الله به (الانعام) میں فسقا سے بھی کلمہ تقرب ہی مراد ہے جس کے ذریعے غیر اللہ کی نذرو منت مانی جائے۔

طبری نے ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے بعض علماء یہ استدلال کرتے ہیں کہ نذر لغير الله کا کھانا حلال ہے اور یہ نفل حرام ہے۔ حدثنا ابن حميد قال حدثنا سلمة عن ابن اسحاق عن يعقوب بن عتبة قال، فلما خرجوا من عند رسول الله ﷺ وتوجهوا الى بلادهم راجعين، بعث رسول الله ﷺ اباسفيان بن حرب و المغيرة بن شعبه في هدم الطاغية، فخرج مع القوم حتى اذا قدموا الطائف، اراد المغيرة ان يقدم اباسفيان، فابى ذلك ابوسفيان عليه، وقال ادخل انت على قومك، واقام ابوسفيان بماله بذي الهرم، فلما دخل المغيرة علاها يضربها بالمعول وقام قومه دونه، بنو متعب، خشية ان يرمى او يصاب كما اصيب عروة و خرج نساء ثقيف حسرا يبكين عليها ويقلن:

الابكين دُفَاع ☆ اسلمها الرُّضَاع ☆ لم يحسنوا المِصَاع .

قال : ويقول ابوسفيان و المغيرة يضربها بالفأس و اهالك، و اهالك، فلما هدمها المغيرة اخذ مالها و حليها و ارسل الى ابى سفيان و حليها مجموع و مالها من الذهب و الجزع، و كان رسول الله ﷺ امر اباسفيان ان يقضى من مال اللات دين عروة و الاسود ابني مسعود فقضى منها دينهما. وفي هذه السنة غزا رسول الله ﷺ غزوة تبوك - تاريخ طبری: ۲/۱۸۱-

راوی کہتے ہیں کہ جب وہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس سے نکل گئے اور چلے اور جب اپنے گاؤں واپس ہونے لگے تو رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیانؓ اور مغیرہؓ بن شعبہؓ کو بتوں کو توڑنے کیلئے بھیجا، تو یہ دونوں اپنی قوم کے ساتھ نکل گئے حتیٰ کہ یہ طائف تک پہنچے، تو مغیرہؓ نے ابوسفیانؓ کو آگے کرنے کا ارادہ کیا، ابوسفیانؓ نے ایسا کرنے سے انکار کیا، اور کہنے لگا کہ تم اپنے قوم کے پاس چلے جاؤ، اور ابوسفیانؓ اپنے مال کے ساتھ ذی ہرم مقام پر ٹھہر گیا اور مغیرہؓ جب داخل ہوئے تو اوپر چڑھ کر ہتھوڑے سے مارنے لگا، اور اس کی قوم بنو مسعب یہاں ٹھہرے، اس خوف سے کہ ان کو مارا جائے گا یا عروہ جیسی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں گے (یعنی یہ معبودان کو ضرر پہنچائے گا) تو بنو ثقیف قبیلہ کی کچھ خواتین ننگے سر نکل گئیں جو کہ اس پر گریہ کر کے یہ اشعار کہتی رہیں۔ ضرور روئینگے دفاع کرنے والے ☆ اسکو دے دیا لئیم لوگوں نے ☆ اور انہوں نے تلوار کے داروں میں اچھا مقابلہ نہیں کیا۔

راوی کہتا ہے کہ ابوسفیانؓ نے فرمایا کہ مغیرہؓ طاغیہ (یعنی معبود) کو کھلاڑی سے مارتے رہے اور یہ کہتے رہے، تعجب ہے تم پر، تعجب ہے تم پر، اور جب مغیرہؓ نے اس کو توڑ کر گرایا تو اس کے مال اور زیورات لے لئے، ابوسفیانؓ کو پیغام بھیجا، جبکہ اس نے ان کے زیورات کو جمع کیا ہوا تھا، اس کے مال میں سونا اور موتیاں تھیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ابوسفیانؓ کو حکم دیا کہ لات (بت) کے مال سے مسعود کے دو بیٹوں عروہ اور اسود کا قرضہ ادا کرے، تو ابوسفیانؓ نے اس مال سے دونوں کا قرضہ ادا کیا اور اسی سال میں غزوہ تبوک بھی پیش آیا تھا۔

یہ واقعہ امام طبری نے محمد بن حمید سے نقل کیا ہے جس کے متعلق امام ذہبی سیر اعلام النبلاء: ۵۰۳/۱۱، میں لکھتا ہے: کہ یہ منکر الحدیث تھا۔ اس کا استاد سلمہ ابن الفضل ہے یہ اگرچہ مغازی میں قوی تھا لیکن احادیث میں یہ غیر معتبر ہیں، سیر اعلام النبلاء: ۵۰۹/۹، تیسرا راوی محمد بن اسحاق ہے جو کہ مختلف فیہ ہے۔ آخری راوی جو کہ یہ واقعہ ذکر کرتا ہے امام ذہبی نے: ۲۴۶/۶، میں اور ابن حجر نے: تہذیب التہذیب: ۴۱۰/۱۰، میں لکھا ہے کہ یہ تابعی تھا۔ مذکورہ سند میں ہم دیکھتے ہیں کہ یعقوب بن عقبہ تابعی ہے امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء: ۱۲۴/۶، ابن حجر نے تہذیب التہذیب: ۴۱۰/۹، میں اور امام مزنی نے: تہذیب الکمال: ۳۵۰/۳۲، میں اس کے احوال نقل کیے ہیں، جس میں لکھتا ہے کہ اس نے سائب بن یزیدؓ کو دیکھا ہے اور ۱۲۸ھ ہجری میں وفات ہوا ہے جبکہ ابوسفیانؓ میں ۲۰، ہجری میں وفات ہوا ہے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲۰۵/۱۔ تو یہ روایت منقطع ہے۔

یہی واقعہ ابن ہشام نے السیرۃ النبویہ: ۱۹۵/۴، میں نقل کیا ہے بغیر سند کے۔ فرمایا ہے: قال ابن اسحاق

فلما فرغوا الخ۔ اور اسی طرح ایک واقعہ طبقات ابن سعد ۲/۳۳۱، میں ذکر ہے فرماتا ہے: قالوا بعث رسول الله ﷺ على ابن ابى طالب في خمسين ومائة رجل من الانصار على مائة بعير وخميسن فرسا ومعه راية سوداء ولواء ابيض الى الفللس ليهدمه فشنو الغارة على محلة آل حاتم مع الفجر فهدموا الفللس وخرّبوه وملاؤ ايديهم من السبي و النعم و الشاء و في السبي اخت عدى بن حاتم و هرب عدى الى الشام و وجد في خزانة الفللس ثلاثة اسياف رشوب و المحزم و سيف يقال له اليماني و ثلاثة ادراع و استعمل رسول الله ﷺ على السبي ابقتادة و استعمل على الماشية و الرثة عبد الله بن عتيك فلما نزلوا ركك اقتسموا الغنائم و عزل للنبي ﷺ صفيار سوبا و المحزم ثم صار له بعد السيف الاخر و عزل الخمس و عزل آل حاتم، فلم يقسمهم حتى قدم بهم المدينة۔

انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے علیؑ کو بمعہ ۱۵۰ سپاہیوں کے بھیجا، اور علیؑ کے ساتھ ایک بڑا کالا جھنڈا، جبکہ سفید چھوٹا جھنڈا بھی تھا، تاکہ فلس مجبور کو توڑ ڈالے۔ انہوں نے صبح کے وقت حاتم طائی کے قبیلہ پر حملہ کیا اور فلس مجبور کو نیست و نابود کر دیا۔ جبکہ مال غنیمت میں جانور، بکریاں حاصل کیں اور لوگوں کو قیدی بنایا، اور ان قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی بھی تھی جبکہ بیٹا شام (دمشق) کو فرار ہوا، اور اس مجبور کے خزانہ میں تین تلواریں تھیں، جس میں سے ایک کا نام رسوف، یعنی بہت تیز دھار والی اور دوسرے کا نام مخدم، یعنی کٹائی کرنے والا، اور تیسرے کو یمانی کہا جاتا تھا اور تین زرے بھی تھے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان قیدیوں کا انتظام ابو قتادہ کے حوالے کیا۔ اور جانوروں و دیگر اشیاء کو عبد اللہ بن عتيك کے سپرد کیا۔ جب رکک کے مقام پر پہنچے، تو مال غنیمت کو تقسیم کیا اور رسول اللہ ﷺ کے حصے میں تینوں تلواریں آگئیں جبکہ انہوں نے اس کے ساتھ جس بھی الگ کیا اور حاتم طائی کے قبیلہ والوں کو بغیر تقسیم مدینہ لے آئے۔

ان دونوں واقعات سے بعض علماء استدلال کرتے ہیں کہ نذر بغیر اللہ کا جو مال ہے اس کا استعمال جائز ہے لیکن ان کا یہ قول صحیح نہیں اس لئے کہ یہ دونوں متدل ضعیف ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ابن سعد نے یہ واقعہ بلفظ قالوا نقل کیا ہے نزدیک صفحات پر تا کلین تو معلوم نہیں البتہ جزء ثانی کے اول میں کچھ روایت نقل کئے ہیں غالب یہ ہے کہ ضمیر ان کو راجع ہوگا جس میں، پہلا محمد بن عمر بن واقد الاسلمی ہے یعنی واقدی جو مشہور کذاب ہے۔ دوسرا راوی رویم بن یزید امقری ہے جو کہ مجہول ہے۔ امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاء ۱۴/۲۳۵، میں لکھا ہے کہ: كان في ايام المامون اور یہ ہارون بن ابی عیسیٰ سے نقل کرتا ہے جس کے متعلق ابن حجر تہذیب التہذیب

۱۱/۹: میں لکھتا ہے: کہ یہ ضعیف راوی ہے۔ تیسرا راوی حسین بن محمد ہے جو کہ مجہول ہے، اور ابو معشر سے نقل کرتا ہے امام ذہبی نے سیر: ۴۳۷/۷، میں اس کے متعلق منکر الحدیث لکھا ہے۔ چوتھا راوی اسماعیل بن عبد اللہ ہے ابن حجر تہذیب التہذیب: ۳۲۱/۱، میں اس کے متعلق تفصیل سے لکھتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ متکلم فیہ ہے، اس کا استاد اسماعیل بن ابراہیم ہے جو کہ ثقہ ہے تہذیب التہذیب: ۲۸۹/۱۔ اور اس کا استاد موسیٰ بن عقبہ ہے وہ ثقہ ہے لیکن یہ چوٹھا تابعی تھا۔ تاریخ ابن ابی خیشمہ: ۲/۳۱۳، میں اس کا قول نقل کرتا ہے کہ قال موسیٰ فلم اسمع احدی يقول قال النبی ﷺ الام خالد یعنی ام خالد کے علاوہ کسی صحابی سے اس کی روایت نقل کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس سند کے بعد ابن سعد لکھتا ہے دخل حدیث بعضهم فی حدیث بعض۔ یعنی یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ روایت کس کی ہے؟ اور سند متصل بھی نہیں بلکہ منقطع اور مرسل ہے جو کہ اقسام ضعیف میں سے ہے۔

بعض علماء نے ان واقعات کی تصحیح کی ہے، لیکن یہ تصحیح باعتبار سیرت ہے نہ کہ باعتبار احادیث، جبکہ دونوں میں فرق واضح ہے۔ جیسا کہ سیر اعلام النبلاء: ۴۰۷/۷، میں امام ذہبی نے محمد بن اسحاق کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

قلت لساندعی فی ائمة الجرح و التعديل، العصمة من الغلط النادر، و لامن الکلام بنفس حادّ فيمن بينهم وبينه شحنة واحدة، وقد علم ان كثيرا من كلام الاقران بعضهم في بعض مهدر لا عبرة به ولا سيما اذا وثق الرجل جماعة يلوح على قولهم الانصاف، وهذان الرجلان كل منهما قانداً من صاحبه، لكن اثر كلام مالك في محمد بعض اللين ولم يؤثر كلام محمد فيه، ولا ذرة، وارتفع مالك و صار كالنجم، و الاخر فله ارتفاع بحسبه، ولا سيما في السير، و اما في احاديث الاحكام فينحط حديثه فيها عن رتبة الصحة الى رتبة الحسن. الا فيما شذفيه فانه يعد منكر، وهذا الذي عندي في حاله "والله اعلم"۔

اس لئے ان علماء کی تصحیح پر بعض کو غلطی ہوئی اور اس سے استدلال کرنے لگے، جبکہ ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ مذکورہ واقعات میں یہ تصریح نہیں ہے، کہ یہ مال ان معبودوں کے نام نذر کیا گیا تھا، یہ احتمال ہے کہ ان لوگوں نے مرمت کے لئے جمع کئے ہونگے، ہم یہ جواب بھی کرتے ہیں کہ حربی کافروں کا ہر قسم مال حاصل ہو جائے تو اس کا حکم مال غنیمت کا ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرے واقعہ میں یہ تصریح موجود ہے۔ اس بحث کے آخر میں ایک روایت سائب بن ابی السائب کی نقل کرتے ہیں جس کو طبرانی نے: ۱۳۹/۷، میں اور دارمی نے: اترقم ۳، پر اور مسند احمد نے: ۴۲۵/۳، میں نقل کیا ہے، اس میں یہ صحابی (سائب بن عبد اللہ) بتلاتے ہیں کہ نذر لغير اللہ مشرک کا نہ عمل ہے۔ =

وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ

چھپاتے اور ان کے بدلے تھوڑی سی قیمت (یعنی دنیاوی منفعت) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں محض آگ بھرتے ہیں

وَلَا يَكْلَمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٤﴾

ایسے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نہ کلام کرے گا اور نہ ان کو (گناہوں سے) پاک کرے گا اور ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت چھوڑ کر گمراہی اور بخشش چھوڑ کر عذاب خریدا یہ (آتش) جہنم کی

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿٢٥﴾ ﴿٢٦﴾ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ

کیسی برداشت کرنے والے ہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی

وَإِنَّ الَّذِينَ اٰخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿٢٧﴾ ﴿٢٨﴾

اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں (آ کر نیکی سے) دُور (ہو گئے) ہیں۔ نیکی یہی نہیں

= فرماتا ہے کہ: بعث معی اہلی قدح لبن وزبد الی الہتہم فذہبت بہ فلقد خفت ان اکل منہ شیئاً، ووضعتہ اذ جاء کلب فشرب اللبن واکل الزبد وبال علی الصنم. وھو اساف وناثلة۔ یعنی مجھے اپنے گھر والوں نے کچھ مکھن اور دودھ دیکر کہا: کہ یہ معبود کو دیکر آنا میں یہ لے کر گیا اور ڈر کی وجہ سے کچھ بھی اس سے نہ کھایا۔ جب میں نے یہ چیزیں اپنے معبود کے قریب رکھ دیں تو ایک کتے نے آ کر وہ کھالی۔ اور پھر معبود پر چڑھ کر پیشاب کیا۔

اور انسؓ سے ایک روایت مشہور ہے کہ: لا عقرفی الاسلام، وکانوا یعقرون الابل علی قبور الموتی، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسلام میں عقرف نہیں ہے، عبدالرزاق نے کہا جاہلیت میں لوگ قبروں کے پاس جا کر اونٹ یا بکری کو ذبح کرتے تھے، اسی کو عقرف کہتے ہیں، اسلام میں اس کی ممانعت ہوئی ہے۔ مسند الفردوس: ۵/۳۲۵ ابو داؤد: ۳/۱۶۶، اس بحث کا اختتام مندرجہ بالا حدیث پر ہوا۔

الْبِرَّ أَنْ تُولُوا وَجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ

کہ تم مشرق یا مغرب (کو قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ

اللہ پر اور روزِ آخرت پر اور فرشتوں پر اور (اللہ کی) کتابوں پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں

وَأَتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينَ

اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں

وَأَبْنِ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ

اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں

وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ

اور جب عہد کر لیں تو اُس کو پورا کریں اور سختی اور تکلیف میں

وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ

اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں

الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷۷﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ

جو (اللہ سے) ڈرنے والے ہیں اے مومنو! تمہیں مقتولوں کے بارے میں قصاص (یعنی خون کے بدلے خون) کا حکم دیا جاتا ہے

الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ

(اس طرح پر کہ) آزاد کے بدلے آزاد (مارا جائے) اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت

فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبَعْ بِالْمَعْرُوفِ

اور اگر قاتل کو اس کے (مقتول) بھائی سے کچھ معاف کر دیا جائے تو (وارث مقتول کو) پسندیدہ طریق سے پیروی کرنا

وَأَدَّاءَ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ذَلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ

اور (قاتل) کو خوش خوئی کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ یہ رب کی طرف سے تمہارے لئے آسانی اور مہربانی ہے۔

فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾

جو اس کے بعد زیادتی کرے اُس کیلئے دردناک عذاب ہے۔ اور اے اہل عقل!

فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۹﴾

(حکم) قصاص میں (تمہاری) زندگانی ہے کہ تم (قتل و خونریزی سے) بچو۔ تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے

إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ

کسی کو موت کا وقت آجائے تو اگر وہ کچھ مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ داروں کیلئے دستور کے مطابق وصیت کر جائے

بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹۰﴾

(اللہ سے) ڈرنے والوں پر یہ ایک حق ہے۔ جو شخص وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالے تو اس (کے بدلنے) کا گناہ انہیں

عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۹۱﴾

لوگوں پر ہے جو اُس کو بدلیں اور بیشک اللہ تعالیٰ سنتا (اور) جانتا ہے اگر کسی کو وصیت کرنے والے کی طرف سے

جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ

(کسی وارث کی) طرفداری یا حق تلفی کا اندیشہ ہو تو اگر وہ (وصیت کو بدل کر) وارثوں میں صلح کر دے تو اُس پر کچھ گناہ نہیں

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۹۲﴾

ہے بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) رحم والا ہے۔ اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں

كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۹۳﴾

جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ

(روزوں کے دن) گنتی کے چند روز ہیں تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کا شمار پورا کر لے

مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ

اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھیں [۴۴] (لیکن رکھیں نہیں) وہ روزے کے بدلے محتاج کو کھانا کھلا دیں

[۴۴] اس آیت میں اللہ پاک نے مومنوں کو یہ حکم دیا ہے کہ تم روزہ رکھا کرو، یعنی کھانے پینے جماع کرنے سے خالص

اللہ کی نیت سے رک جاؤ، اس میں پاکی و پاکیزگی ہے، جی کی اخلاط ردیہ و اخلاق رزیلہ سے یہ روزہ کچھ تمہیں پرانوں کا فرض نہیں ہوا ہے، جو امتیں تم میں سے پہلے تھیں ان پر بھی فرض تھا، تم کو اس نیک کام میں ان کی پیروی کرنا چاہیے، بلکہ اس فرض

کے ادا کرنے میں تم انکی نسبت زیادہ کشش و کوشش رکھو: کما قال تعالیٰ: ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شُرْعَةً

وَمِنْهَا جَا طَوْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَلْوَكُمْ فِي مَا أَنْتُمْ فَأَسْتَبِقُوا

الْخَيْرَاتِ﴾ (الایة مائدہ: ۴۸)۔

اور یہاں جو کہا ”لعلکم تتقون“ اسلئے کہ روزے میں بدن کا پاک کرنا شیطان کے راستوں کو بند کرنا ہے، اسی

لئے صحیحین میں آیا ہے، اے گروہ جوانوں کے، جو کوئی تم میں بیاہ کر سکے وہ کریں، جو نہ کر سکے، وہ روزہ رکھے، یہ روزہ اس

کے لئے لخصی ہونا ہے، پھر یہ فرمایا کہ روزہ کچھ ہر دن مقرر نہیں ہے۔ کہ جی پر شاق گذرے یا اس کے ادا کرنے بجالانے میں

ضعف پیدا ہو، بلکہ کئی دن ہیں گنتی کے۔ شروع اسلام میں ہر مہینے میں تین دن روزہ رکھتے تھے پھر صوم رمضان سے وہ حکم

منسوخ ہو گیا۔ معاذ و ابن مسعود و ابن عباس و عطاء و قتادہ و ضحاک نے کہا ہے، کہ زمانہ نوح علیہ السلام سے اب تک یہی

دستور تھا کہ ہر مہینے میں تین روزے ہوتے، اللہ نے وہ حکم روزہ رمضان سے اٹھا دیا، مگر حسن بصری نے کہا ہے:

واللہ ہر امت گذشتہ پر یہی ایک ماہ کامل کے روزے فرض تھے، جس طرح ہم پر فرض ہیں۔

”ایام معدودات“ سے مراد عدد معلوم ہے، ابن عمرؓ سے مروی ہے، رمضان کا روزہ اللہ نے اگلے امتوں

پر فرض کیا تھا، الحدیث بطولہ، رواہ ابن ابی حاتم۔ یہ بھی ابن عمرؓ نے کہا ہے کہ اگلی امتوں پر یہ فرض تھا، کہ جب نماز شب پڑھ

کر سور ہیں تو ان پر کھانا پینا عورتوں سے ملنا آئندہ شب تک حرام ہو جاتا۔ یہی قول ہے ایک جماعت صحابہ و تابعین کا۔ ابن

عباسؓ نے کہا ہے مراد اگلوں سے اس جگہ اہل کتاب ہے، یہی بات شعی و سدی و عطاء خراسانی سے بھی مروی ہے، پھر اللہ نے ابتداء اسلام کا ذکر کیا، کہ اس زمانے میں مرض و سفر میں قضاء کرنا درست تھا، مقیم صحیح جس کو طاقت تھی اس کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے روزہ رکھے چاہے افطار کرے۔ افطار کے بدلے ایک فقیر کو ہر روز کھانا کھلا دیا کرے، یا ایک سے زیادہ کو۔ اور جو روزہ رکھے تو افضل ہے، یہی قول ہے ابن عباسؓ و مجاہد و طاؤس وغیرہ سلف کا۔

امام احمد نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے کہ نماز، روزے نے تین پلٹے کھائے، جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں آئے تو سترہ مہینے تک نماز طرف بیت المقدس کے پڑھا کئے، پھر اللہ نے حکم کعبہ کا دیا، یہ ایک پلٹا ہوا، دوسرا پلٹا یہ تھا کہ جب نماز کے لئے جمع ہوتے، تو ایک دوسرے کو پکارتے، یہاں تک کہ ناقوس بجانے کی ٹھیرتی تھی کہ اتنے میں عبد اللہ بن زید نے خواب میں آذان سنی، رسول اللہ ﷺ نے اس کو جاری کیا، اسی طرح کے دوسرے خواب عمر بن خطابؓ نے دیکھے تھے، یہ دو پلٹے ہوئے۔

تیسرا پلٹا یہ تھا کہ جب نماز کو آتے اور رسول اللہ ﷺ بعض رکعات پڑھ چکے ہوتے تو ایک نمازی دوسرے نمازی سے اشارہ پوچھتا کہ کتنے رکعتیں ہو چکی ہیں؟ وہ کہتا ایک یا دو، اس پر وہ شخص اتنی نماز پڑھ کر پھر جماعت میں داخل ہوتا، معاذ آئے انہوں نے کہ نہیں، ہم جس حال پر رسول اللہ ﷺ کو پائینگے وہی کریں گے، پھر جو نماز ہم سے پہلے ہو چکی ہے اس کو پورا کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا، جناب ﷺ نے فرمایا یہ سنت تمہارے لئے معاذ نے نکالی ہے، سو تم ایسا ہی کیا کرو، یہ تین حال ہوئے نماز کے، رہا روزہ سو جب رسول اللہ ﷺ مدینے میں آئے تو ہر ماہ میں تین روزے اور ایک روزہ عاشورہ کا رکھتے تھے، پھر اللہ نے یہ ایت اتاری، اس پر یہ ٹھیری کہ جس کا جی چاہے وہ روزے رکھے، جو نہ رکھے وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، اس کے بعد ایت آئندہ: ﴿شہر رمضان الذی﴾ الایۃ آئی فلیصمہ تک، اس پر ہر مقیم صحیح پر ایک ماہ کا صوم ثابت ہوا، مریض و مسافر کو رخصت ملی، بوڑھے کو جسے طاقت روزہ رکھنے کی نہیں ہے کھانا دینا ٹھیرا، یہ دو پلٹے ہوئے، تیسرا پلٹہ یہ تھا کہ جب تک رات کو نہ سوتے تب تک کھاتے پیتے عورتوں کے پاس جاتے جب سو گئے تو رک جاتے، ایک شخص انصاری صرمہ نام روزے رکھتا، مزدوری کرتا رات کو گھر آیا نماز عشاء پڑھ کر سو گیا، نہ کچھ کھایا نہ پیا، صبح کو روزہ دار اٹھا، جناب ﷺ نے اسکو سخت تکلیف میں دیکھ کر حال پوچھا، اس نے یہ قصہ حال بتلایا، ادھر تو یہ ہوا، ادھر عمرؓ بعد سو جانے کے جماع کر بیٹھے، پھر جناب ﷺ سے حال کہا، اس پر یہ ایت اتری: اس حدیث کو ابوداؤد نے سنن (کتاب الصلاة) میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا ہے۔

صحیحین میں عائشہ سے نقل ہے، کہ عاشورے کا روزہ مقرر تھا، جب رمضان فرض ہوا، تو اب جسکا جی چاہتا وہ رکھتا اور جسکا جی نہ چاہتا وہ نہ رکھتا، اس کو بخاری نے ابن عمرؓ و ابن مسعودؓ سے بھی روایت کیا ہے۔

معاذؓ نے کہا ابتداء امر میں جو کوئی چاہتا روزہ رکھتا، نہ رکھتا تو ہر روز ایک مسکین کو کھلا دیتا، بخاری نے سلمہ بن الاکوعؓ سے اتنا اور زیادہ روایت کیا ہے کہ پھر ایت مابعد اتری، اس نے اس حکم منسوخ کر دیا۔ ابن عمرؓ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اسی طرح عبداللہؓ نے بھی کہا ہے کہ ایت ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ اس کی ناسخ ہے، ہاں بخاری میں ابن عباسؓ سے آیا ہے کہ یہ ایت منسوخ نہیں ہے، بلکہ بوڑھے مرد و عورت کے لئے، جن کو روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، وہ ہر دن ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں، یہ روایت ابن عباسؓ سے کئی طریق سے آئی ہے، ابن ابی لیلیٰ کہتے ہیں میں عطا کے پاس گیا رمضان میں، اور وہ کہہ رہے تھے، کہ مجھے کہا ابن عباسؓ نے، یہ ایت اتری اس نے پہلی ایت کو منسوخ کر دیا مگر کبیر فانی اگر چاہے تو ہر روز ایک مسکین کو کھلا دے، خود افطار کریں، ابن کثیر نے کہا حاصل امر یہ ہوا کہ نسخ حق میں صحیح مقیم کے ثابت ہے، روزہ رکھنا اس پر واجب ہے لقولہ تعالیٰ: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔

رہا شیخ فانی بوڑھا جو روزہ نہیں رکھ سکتا، وہ افطار کرے، اس پر قضا نہیں، اس لئے کہ اس کو ایسا وقت کہاں آویگا کہ وہ اس وقت میں قضا کر سکے، وہ تو روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے، رہی یہ بات کہ جب اس نے افطار کیا تو ہر روز ایک مسکین کا کھانا اس پر اگر مقدور رکھتا ہے واجب ہے یا نہیں، اس میں علماء کی دو قول ہیں: قول صحیح جس پر اکثر اہل علم ہیں، یہی ہے کہ فدیہ دینا عوض ہر دن کے واجب ہے، جس طرح ابن عباسؓ وغیرہ سلف نے ”یطیقونہ“ کی تفسیر کیا ہے، ساتھ لفظ ”ینتجشمونہ“ کے یہی قول ابن مسعودؓ کا ہے، اسی کو بخاری نے بھی اختیار کیا ہے لفظ بخاری کا یہ ہے کہ جو شیخ کبیر طاقت صوم نہ رکھتا ہو، وہ کھانا کھلا دے۔

انسؓ نے جب بوڑھے ہو گئے ایک یا دو سال تک ہر دن ایک مسکین کو گوشت روٹی کھلائی، اور خود افطار کیا، یہ بات جس پر بخاری ہیں، اس کو حافظ ابو یعلیٰ موصلی نے مسند کیا ہے یعنی ایوب بن ابی تمیمہ نے کہا ضعیف ہو گئے انسؓ روزے رکھنے سے، ایک بڑا طباق شریک تیار کر کے تیس مسکین کو بلا کر کھلا دیا، یہ روایت انسؓ کی کئی طریق سے آئی ہے، اسی حکم میں حامل و مرضع کو بھی رکھا ہے، جب ان کو اپنی جان یا بچے کی جان کا ڈر ہو تو افطار کرے، فدیہ دیں، قضا رکھیں، بعض کا قول یہ ہے کہ فقط فدیہ دیں، قضا نہ رکھیں، بعض نے کہا بلکہ قضا بلا فدیہ واجب ہے۔

روزہ ایک عبادت قدیم ہے جو آدمؑ سے لیکر اس دم تک یکساں فرض رہی، اللہ نے کسی امت کو فرضیت صیام سے

خالی نہ چھوڑا، یہ بات نہیں ہے کہ نرے مسلمانوں ہی پر فرض کیا ہو، ہاں یہ اور بات ہے کہ قدر و وقت صوم میں اختلاف ہو۔ اہل کتاب پر تو یہی رمضان کا روزہ فرض تھا، مگر انہوں نے بدل ڈالا و غفل بن حنظلہؓ فرموا کہتے ہیں کہ نصاریٰ پر صوم رمضان فرض تھا، اتفاقاً انکا بادشاہ بیمار ہوا، انہوں نے کہا اگر اللہ اس کو شفا دے گا تو ہم دس روزے زیادہ رکھا کریں گے، پھر دوسرا شخص بادشاہ ہوا اس نے گوشت کو کھایا منہ دکھنے لگا، اس نے کہا اگر مجھکو شفا ہوگی تو سات روزے اور رکھوں گا، پھر تیسرا بادشاہ ہوا، اس نے کہا ان تین دن کو بھی پورا کرنا چاہے، ہم ربیع میں روزہ رکھیں گے، سو ایسا ہی کیا، پچاس روزے ہو گئے۔

بیمار کو اگر طاقت صوم نہیں ہے تو افطار عزیمت ہوگا اور جو ہے مگر مشکل کے ساتھ تو رخصت ہے، جمہور کا یہی قول ہے، جمہور کہتے ہیں جو سفر میخ افطار ہے، وہ بقدر مسافت قصر صلوة ہوتا ہے، قدر مسافت میں جو اختلاف ہے، وہ معروف ہے، پھر بعض نے ایسے مقادیر بیان کئے ہیں، جن پر کوئی دلیل قائم نہیں ہوتی، حق یہ ہے کہ جس پر رسمی سفر صادق آتا ہے وہی میخ افطار ہے، اسی طرح جس پر رسمی مرض صادق آوے، اس میں افطار کرے۔

سفر طاعت میں افطار کرنے پر تو اجماع ہے، لکن سفر مباح میں اختلاف ہے، حق یہ ہے کہ سفر مباح میں بھی رخصت فطر ثابت ہے، سفر معصیت مختلف فیہ ہے۔

لفظ ”یطیقونہ“ کو مخفف و مشدد دونوں طرح پڑھا ہے، مخفف کے بنیاد پر آیت منسوخ ہے، تشدید واو کی بنیاد پر محکم ہے، تشدید کے معنی تکلیف و مشقت کے ہوتے ہیں، اگر ہمزہ باب افعال کا اس جگہ واسطے سلب کے ٹھیسر ایا جاوے، تو بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں حاجت تقدیر کرنے صرف لائے نفی کی بھی نہوگی، ایت بھی محکم رہے گی، ورنہ منسوخ ٹھیسر گی، ندیے کے مقدار میں اختلاف ہے، کسی نے کہا گہیوں ہر دن نصف صاع، غیر گندم ایک صاع۔ بعض نے کہا فقط ایک مد، غالب قوت بلد سے دے، ابن عباسؓ نے کہا ہر مسکین کو صبح و شام کا کھانا دے، اپنی ام ولد سے کہا تو انہیں کے حکم میں ہے، جن کو طاقت روزہ رکھنے کی نہیں ہے، تو کھانا دے روزہ نہ رکھ، وہ حامل تھی یا مرضعہ۔ ابن عمرؓ کی ایک بیٹی نے سوال کیا کہ میں روزہ رمضان کا رکھوں، وہ حامل تھی، کہا افطار کر، ہر دن ایک مسکین کو کھلا، اسی طرح ایک جماعت تابعین سے مروی ہے، عرضیکہ حامل و مرضعہ و شیخ فانی و شیخ فانیہ فدیه دیکر افطار بلا قضا کر سکتے ہیں، اسی طرح سفر مرض، حیض نفاس، عذر فطر ہے لکن ان پر قضا واجب ہے نہ کہ فدیه۔

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ

اور جو کوئی شوق سے نیکی کرے تو اُس کے حق میں زیادہ اچھا ہے اور اگر سمجھو تو روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں بہتر ہے

﴿۱۸۳﴾ اَللّٰهُمَّ رَمَضَانَ الَّذِي اُنزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ

(روزوں کا مہینہ) رمضان کا مہینہ (ہے) جس میں قرآن (اول اول) نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے

وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور (جو حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔ تو جو کوئی تم میں سے اس مہینے میں موجود ہو

فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

تو چاہیے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں (روزے رکھے) ان کا شمار پورا کر لے

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ

اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا اور (یہ آسانی کا حکم) اس لئے (دیا گیا ہے) کہ تم روزوں کا شمار پورا کر لو

﴿۱۸۴﴾ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

اور اُس احسان کے بدلے کہ اللہ نے تمہیں ہدایت بخشی ہے تم اُس کو بزرگی سے یاد کرو اور اُس کا شکر ادا کیا کرو

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ

اور (اے پیغمبر ﷺ!) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں

أَجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي

جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیے کہ میرے احکام کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں

لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۵﴾ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ

تا کہ نیک رستہ پائیں۔ روزوں کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کے پاس جانا جائز کر دیا گیا ہے

نَسَائِكُمْ ط هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ

وہ تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم (ان کے پاس جانے سے) اپنے حق میں خیانت

أَنْفُسِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالآنَ بَاشِرُوهُنَّ

کرتے تھے پس اُس نے تم پر مہربانی کی اور تمہاری حرکات سے درگزر فرمایا اب (تمہیں اختیار ہے کہ) ان سے مباشرت کرو

وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ

اور اللہ نے جو چیز تمہارے لئے لکھ رکھی ہے (یعنی اولاد) اُس کو (اللہ سے) طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ صبح کی سفید دھاری

الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتُمُوا الصَّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ

(رات کی) سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے پھر روزہ (رکھ کر) رات تک پورا کرو

وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ

اور جب مسجدوں میں اعتکاف کے واسطے بیٹھے ہو (۴۵) تو ان سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جانا۔

﴿۱۸۷﴾ فَلَا تَقْرُبُوهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۸۷﴾

اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ وہ پرہیز گار بنیں

(۴۵) اعتکاف کے لغوی معنی کسی جگہ ٹھہرنے کے ہیں، اور اصطلاح قرآن و سنت میں خاص شرائط کے ساتھ

مسجد میں ٹھہرنے اور قیام کرنے کا نام اعتکاف ہے، لفظ ”فسی المساجد“ کے عموم سے ثابت ہوا کہ اعتکاف

ہر مسجد میں ہو سکتا ہے، فقہاء کرام نے جو یہ شرط بیان کی ہے کہ اعتکاف صرف اس مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں

جماعت ہوتی ہو، غیر آباد مسجد جہاں جماعت نہیں ہوتی، اس میں اعتکاف درست نہیں، یہ شرط درحقیقت مسجد کے

مفہوم ہی سے مستفاد ہے، کیونکہ مساجد کے بنانے کا اصل مقصد جماعت کی نماز ہے، ورنہ تنہا نماز تو ہر جگہ دکان

مکان وغیرہ میں ہو سکتی ہے۔

فائدہ

اور یہ جو حدیث حذیفہؓ کا ہے جو کہ امام طحاوی وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ: عن هشام بن عمار قال حدثنا سفيان بن عيينة، عن جامع بن ابي راشد، عن ابي وائل قال: قال حذيفة، لعبدالله عكوف بين دارك ودار ابي موسى لا تغير؟ وقد علمت ان رسول الله ﷺ قال: لا اعتكاف الا في المساجد الثلاثة، المسجد الحرام، ومسجد النبي ﷺ، ومسجد بيت المقدس، قال عبدالله لعلك نسيت وحفظوا، واخطأت واصابوا، تو اس کا جواب خود امام طحاوی مشکل الآثار: ۲۰۱/۷، میں دیتا ہے کہ: قال ابو جعفر فتأملنا هذا الحديث فوجدنا فيه إخبار حذيفة، ابن مسعود أنه قد علم ما ذكره له عن النبي ﷺ وترك ابن مسعود انكار ذلك عليه، وجوابه اياه بما اجابه به في ذلك من قوله ”لعلهم حفظوا“ نسخ ما قد ذكرته في ذلك، واصابوا فيما قد فعلوا، و كان ظاهر القرآن يدل على ذلك، وهو قوله عز وجل: ﴿ولا تبashروهن وانتم عاكفون في المساجد﴾. فعم المساجد كلها بذلك، وكان المسلمون، عليه من الاعتكاف في مساجد بلدانهم، امام مساجد الجماعات التي تقام فيها الجُمُعات، واما هي و ما سواها من المساجد التي لها الائمة و المؤذنون على ما قاله اهل العلم في ذلك. والله عز وجل نسأله التوفيق.

اور اس کتاب کا محقق شعیب الارنؤوط، اس حدیث کی تحقیق میں لکھتا ہے کہ: هشام بن عمار قال فيه ابو حاتم صدوق، لما كبر تغير حفظه، و كلما دفع اليه قرأه، و كلما قن تلقن.

ورواه البيهقي: ۳۱۶/۴، و الذهبی فی سیر اعلام النبلاء: ۸۱/۱۵، من طریق محمود بن آدم المروزی (ولم يوثقه غير ابن حبان). حدثنا سفيان بن عيينة بهذا الاسناد، ولفظه: وقد علمت ان رسول الله ﷺ قال: لا اعتكاف الا في المسجد الحرام، او قال، الا في المساجد الثلاثة، وقال عبدالله: لعلك نسيت وحفظوا، او اخطأت واصابوا، الشك

منی۔ وقول الذهبی باثره، صحیح غریب عال، یرید بالغرابة غرابة منتنه، ورواه الاسماعیلی فی معجمه: ۳۳۶، ۷۲۱، من طریق محمد بن الفرّج (وهو صدوق) عن سفیان بن عیینة به، (ولکن فیہ عباس بن احمد الوشاء، وهو مجهول الحال) فهؤلاء الثلاثة هشام بن عمار و محمود بن آدم و محمد بن الفرّج رفعوا الحديث، وقد خالفهم من هو اوثق منهم، فرواه علی الشک سعید بن منصور فی سننه، فیما نقله عنه ابن حزم فی المحلی: ۵/ ۱۹۵، حدثنا سفیان بن عیینة عن جامع بن ابی راشد عن شقیق بن سلمة قال، قال: حذیفة لعبد الله بن مسعود قد علمت ان رسول الله ﷺ قال: لا اعتكاف الا فی المساجد الثلاثة، او قال مسجد جماعة، (وكذا فی الغیلانیات: ۲۴۹) قال ابن حزم هذا شك من حذیفة او ممن هو دونه، ولا یقطع علی رسول الله ﷺ بشك، ولو انه علیه السلام قال: لا اعتكاف الا فی المساجد الثلاثة، لحفظه الله علیه، ولم یدخل فیہ شك، فصح یقینانه علیه السلام لم یقله قط .

ورواه موقوفاً علی حذیفة، عبد الرزاق: ۸۰۱۲، ومن طریقہ الطبرانی فی الكبير: ۹۵۱۱، عن سفیان بن عیینة بهذا الاسناد، ورواه عبد الرزاق: ۸۰۱۴، ومن طریقہ الطبرانی: ۹۵۱۰، وابن ابی شیبة: ۳/ ۹۱، عن سفیان الثوری عن واصل الاحدب عن ابراهیم النخعی، قال جاء حذیفة الی عبد الله، فقال الا اعجبك من ناس عكوف بین دارك و بین دار الاشعری؟ قال عبد الله، فلعلهم اصابوا واخطأت، فقال حذیفة ما بالی، أفیہ اعتكف او فی بیوتكم هذه؟، انما الاعتكاف فی هذه المساجد الثلاثة، مسجد الحرام، و مسجد المدينة و المسجد الاقصى، وكان الذین اعتكفوا فعباب علیهم حذیفة فی مسجد الكوفة الاكبر، وهذا سند رجاله ثقات، رجال الشیخین، ولا یضره ان ابراهیم النخعی ارسله عن حذیفة و عبد الله، فقد ثبت عنه، كما فی تهذیب الكمال انه قال: اذا حدثتكم عن عبد الله، فهو الذی سمعت، و اذا قلت قال عبد الله، فهو عن غیر واحد عن عبد الله، قال الحافظ ابن رجب فی شرح

العلل: ۱/ ۲۹۴، ۲۹۵، وهذا يقتضى ترجيح المرسل على المسند لكن عن النخعي خاصة فيما ارسله عن ابن مسعود خاصة. قلت وهذا الحديث منها، فرواية من رواه على الشك، ورواية من وقفه على حذيفة، اصح واقوى واثبت. ورواه الطبراني: ۹۵۰۹، عن علي بن عبد العزيز البغوي، حدثنا حجاج بن منهال، حدثنا ابو عوانه، عن مغيرة، عن ابراهيم ان حذيفة قال لابن مسعود الاتعجب من قوم بين دارك ودار ابي موسى يزعمون انهم معتكفون قال فلعلهم اصابوا وخطأت، او حفظوا ونسيت، قال اما انا فقد علمت انه لا اعتكاف الا في مسجد جماعة.

وقال امام البخارى في صحيحه في اول كتاب الاعتكاف: ۲/ ۲۷۱، بشرح الفتح باب الاعتكاف في العشر الاواخر والاعتكاف في المساجد كلها لقوله تعالى: "ولا تبشروهن وانتم عاكفون في المساجد" قال الامام العيني في عمدة القارى: ۱/ ۱۴۱، قيد الاعتكاف بالمساجد، لانه لا يصح في غير المساجد وجمع المساجد واكثرها بلفظ كلها اشارة الى ان الاعتكاف لا يختص في مسجد دون مسجد وفيه خلاف. فقال حذيفة لا اعتكاف الا في المساجد الثلاثة، مسجد مكة، ومدينة، والاقصى، وقال سعيد بن المسيب، لا اعتكاف الا في مسجد نبي، وفي الصوم لابن ابي عاصم باسناده الى حذيفة لا اعتكاف الا في مسجد رسول الله.

وذهبت طائفة الى انه لا يصح الاعتكاف الا في مسجد تقام فيه الجمعة، روى ذلك عن علي وابن مسعود وعروة وعطاء والحسن والزهرى، وهو قول مالك في المدونة، قال امامنا تلزمه الجمعة فلا يعتكف الا في الجامع، وقالت طائفة، الاعتكاف يصح في كل مسجد، روى ذلك عن النخعي وابي سلمة والشعبي، وهو قول ابي حنيفة والثوري و الشافعي في الجديد، واحمد واسحاق وابي ثور وداود، وهو قول مالك في المؤطاء، وهو قول الجمهور، و البخارى ايضا، حيث استدلل بعموم الاية، في سائر المساجد قال صاحب الهداية الاعتكاف لا يصح الا في مسجد الجماعة، وعند ابي حنيفة انه لا يصح الا في مسجد

یصلیٰ فیہ الصلوات الخمس . وقال الزهری و الحكم و حماد، هو مخصوص بالمساجد التي يجمع فيها، وفي الذخيرة للمالكية قال مالك، يعتكف في المسجد سواء اقيم فيه الجماعة ام لا. وفي المنتقى: عن ابي يوسف، الاعتكاف الواجب لا يجوز اداءه في غير مسجد الجماعة، و النفل يجوز اداءه في غير مسجد الجماعة. وفي الينابيع، لا يجوز الاعتكاف الواجب الا في مسجد له امام ومؤذن معلوم، ويصلیٰ فیہ خمس صلوات .

ورواه الحسن عن ابي حنيفة، وروى عبد الرزاق في المصنف: ۸۰۰۹، عن الثوري عن جابر الجعفي، عن سعد بن عبيدة، عن ابي عبد الرحمن السلمي، عن علي بن ابي طالب[ؓ] قال لا اعتكاف الا في مسجد جماعة، ورواه ابن ابي شيبة: ۳ / ۹۱، عن وكيع عن سفيان، عن ابي اسحاق، عن الحارث الاعور، عن علي[ؓ]، وعن جابر الجعفي عن سعد بن عبيدة عن ابي عبد الرحمن، عن علي[ؓ]. قلت و الحارث الاعور و جابر الجعفي ضعيفان. وروى عبد الرزاق: ۸۰۱۰، عن معمر، عن رجل، عن الحسن، وعن هشام بن عروة، عن ابيه، قال لا اعتكاف الا في مسجد جماعة. و السند الثاني صحيح على شرطهما. وروى ابو داود: ۲۴۷۳، عن وهب بن بقية اخبرنا خالد عن عبد الرحمن بن اسحاق، عن الزهری عن عروة، عن عائشة[ؓ] انها قالت، السنة على المعتكف الا يعود مريضا، ولا يشهد جنازة، ولا يمسه امرأة، ولا يباشرها، ولا يخرج للحاجة الا لما لا بد منه، ولا اعتكاف الا بصوم، ولا اعتكاف الا في مسجد جامع، وهذا سند قوي، رجاله ثقات، رجال الصحيح، غير عبد الرحمن بن اسحاق، فقد روى له مسلم في الشواهد و البخاري في ادب المفرد، واصحاب السنن، وهو صدوق، و جانب الثواب من قال انه على شرط مسلم. ورواه البيهقي: ۳ / ۳۱۵، من طريق عبيد بن شريك، حدثنا يحيى بن بكير حدثنا ليث، عن عقيم عن ابن شهاب عن عروة بن زبير، وفيه، و السنة في المعتكف الا يخرج الا للحاجة التي لا بد منها، ولا يعود مريضا، ولا يمسه امرأة، ولا يباشرها، ولا اعتكاف الا في

مسجد جماعة، و السنة فيمن اعتكف ان يصوم. ورواه الدارقطني: ۲/ ۲۰۱، و البيهقي، عن عبد الملك بن جريح، عن محمد بن شهاب عن سعيد بن مسيب، و عروة بن زبير، عن عائشة^{رض} انها اخبرتهما ان رسول الله كان يعتكف العشر الاواخر، في شهر رمضان حتى توفاه الله، ثم اعتكفن ازواجه من بعده، و ان السنة للمعتكف ان لا يخرج الالحاجة الانسان، و لا يتبع جنازة، و لا يعود مريضا، و لا يمسه امرأة و لا يباشرها، و لا اعتكاف الا في مسجد جماعة و يأمر من اعتكف ان يصوم. يعني، سفیان بن عیینہ نے ایک حدیث، عن جامع بن ابی راشد عن ابی وائل قال حذیفة ان رسول الله^{صلی اللہ علیہ وسلم} قال لا اعتكاف الا في المساجد الثلاثة، المسجد الحرام، و مسجد النبی^{صلی اللہ علیہ وسلم}، و مسجد بیت المقدس، بیان کی ہے، جس کا مفہوم درج ذیل ہے۔ رسول اللہ^{صلی اللہ علیہ وسلم} نے فرمایا: تین مسجدوں کے علاوہ اعتکاف نہیں ہوتا، مسجد حرام، مسجد النبی^{صلی اللہ علیہ وسلم}، اور مسجد اقصی (بیت المقدس)۔ (شرح مشکل الآثار للطحاوی: ۲۰۱/ ۷ ح ۲۷۷، السنن الكبرى للبيهقي: ۳۱۶/ ۲، سير اعلام النبلاء للذهبي: ۱۵، ۸۱، وقال الذهبي صحيح غريب عال، معجم الاسماء على: ۳۲۶، سفیان بن عیینہ سے اسے تین روایوں: محمود بن آدم المرزوي، هشام بن عمار اور محمد بن الفرج نے روایت کیا ہے۔ اور یہ سب صدوق (سچے) راوی تھے۔ جامع بن ابی راشد ثقہ فاضل تھے۔ تقریب التہذیب ۸۸۷، و ہومن رجال الستة۔ ابو وائل شفیق بن سلمہ ثقہ تھے۔ تقریب التہذیب: ۲۸۱۶، و ہومن رجال الستة ومن الخضرین)۔ یہ روایت سفیان بن عیینہ کی تدلیس (عن) کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام بخاری نے عنوان لکھا ہے کہ: باب الاعتكاف في العشر الاواخر (كتاب الصوم)۔ و الاعتكاف في المساجد كلها، لقوله تعالى: ﴿و لا تباشر و هن و انتم عاكفون في المساجد﴾ الایة، یعنی باب ہے رمضان کے اخیر میں اعتکاف کرنا، اور اعتکاف ہر مسجد میں درست ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ میں فرمایا الایة۔ اور یہی قول و علت امام مالک نے مؤطاء میں ذکر کیا ہے۔ اس تفصیل سے ان لوگوں کا یہ وہم دفع ہوا جن کا قول تھا کہ مساجد ثلاثہ کے علاوہ کہیں بھی اعتکاف کرنا صحیح نہیں۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ

اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اُس کو (رشوۃ) حاکموں کے پاس پہنچاؤ

﴿۱۸۸﴾ لَتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾

تاکہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ ناجائز طور پر کھا جاؤ اور (اسے) تم جانتے بھی ہو۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهْلِ قُلْ هِيَ مَوَاقِئُ لِلنَّاسِ

(اے محمد ﷺ!) لوگ تم سے نئے چاند کے بارے میں دریافت کرتے ہیں (کہ گھٹتا بڑھتا کیوں ہے) کہہ دو کہ وہ لوگوں کے (کاموں کی میعادیں)

وَالْحَجِّ ۚ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا

اور حج کے وقت معلوم ہونے کا ذریعہ ہے اور نیکی اس بات میں نہیں کہ (احرام کی حالت میں) گھروں میں اُن کے پچھواڑے کی طرف سے آؤ

وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

بلکہ نیوکار وہ ہے جو پرہیزگار ہو۔ اور گھر میں اُن کے دروازوں سے آیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ نجات پاؤ

تَفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾ ﴿۱۸۹﴾ اِنْفَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا

ور جو لوگ تم سے لڑتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں اُن سے لڑو مگر زیادتی نہ کرنا

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۹۰﴾ ﴿۱۹۰﴾ اِقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ

کہ اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور ان (کافروں) کو جہاں پاؤ قتل کر دو

وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ

اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے وہاں سے تم بھی اُن کو نکال دو اور (دین سے گمراہ کرنے کا)

وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ

فساد قتل و خونریزی سے کہیں بڑھ کر ہے اور جب تک وہ تم سے مسجدِ حرام (یعنی خانہ کعبہ) کے پاس نہ لڑیں تم بھی وہاں اُن سے نہ لڑنا

فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۹۱﴾ إِنَّ أَنْتَهُوَ

ہاں اگر وہ تم سے لڑیں تو تم اُن کو قتل کر ڈالو۔ کافروں کی یہی سزا ہے۔ اور اگر وہ باز آجائیں

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔ اور اُن سے اُس وقت تک لڑتے رہنا کہ فساد ناپود ہو جائے

وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ أَنْتَهُوَ أَفْلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۹۳﴾

اور (ملک میں) اللہ ہی کا دین ہو جائے اور اگر وہ (فساد سے) باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں (کرنی چاہیے)

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرْمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ اعْتَدَى

ادب کا مہینہ ادب کے مہینے کے مقابل ہے اور ادب کی چیزیں ایک دوسرے کا بدلا ہیں۔ پس اگر کوئی تم پر زیادتی کرے

عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

تو جیسی زیادتی وہ تم پر کرے ویسی ہی تم اُس پر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ

أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹۴﴾ وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ

اللہ ڈرنے والوں کیساتھ ہے۔ اور اللہ کی راہ میں (مال) خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾ وَأَمُوا الْحَجَّ

اور نیکی کرو بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور اللہ (کی خوشنودی) کیلئے حج اور عمرے کو پورا کرو

وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا

اور اگر (راستے میں) روک لئے جاؤ تو جیسی قربانی میسر ہو (کردو) اور جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے

رُؤُسَكُمْ حَتَّى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى

سر نہ منڈاؤ اور اگر کوئی تم میں بیمار ہو یا اُس کے سر میں کسی طرح کی تکلیف ہو تو (اگر وہ سر منڈا لے تو)

مَنْ رَأَاهُ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسْكٍَ فَإِذَا أَمِنْتُمْ

اُس کے بدلے روزے رکھے یا صدقہ دے یا قربانی کرے پھر جب (تکلیف دُور ہو کر) تم مطمئن ہو جاؤ

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

تو جو (تم میں) حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہے وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے اور جس کو

فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ

(قربانی) نہ ملے وہ تین روزے ایام حج میں رکھے اور سات جب واپس ہو۔ یہ پورے دس ہوئے۔

ذَلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ

اور یہ حکم اس شخص کیلئے ہے جس کے اہل و عیال مکہ میں نہ رہتے ہوں اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٤٤﴾ الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ

اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے۔ حج کے مہینے (معیّن ہیں جو) معلوم ہیں تو جو شخص ان مہینوں میں

فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ

حج کی نیت کر لے تو حج (کے دنوں) میں نہ عورتوں سے اختلاط کرے نہ کوئی بُرا کام کرے نہ کسی سے جھگڑے۔

وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمُهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ

اور جو نیک کام تم کرو گے وہ اللہ کو معلوم ہو جائے گا۔ اور زادِ راہ (یعنی رستے کا خرچ) ساتھ لے جاؤ کیونکہ بہتر (فائدہ) زادِ

التَّقْوَى وَاتَّقُوا يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿١٤٥﴾ الْبَسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

راہ (کا) پرہیز گاری ہے اور اے اہل عقل مجھ سے ڈرتے رہو۔ اس کا تمہیں کچھ گناہ نہیں کہ

أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ فَإِذَا أَفْضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ

(حج کے دنوں میں بذریعہ تجارت) اپنے رب سے روزی طلب کرو اور جب عرفات سے واپس ہونے لگو

فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ

تو مشعر حرام (یعنی مزدلفہ) میں اللہ کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اُس نے تمہیں سکھایا ہے اور اُس سے

كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ ﴿۱۴۸﴾ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ

پیشتر تم لوگ (ان طریقوں سے) محض ناواقف تھے۔ پھر جہاں سے اور لوگ واپس ہوں وہیں سے تم بھی واپس ہو۔

وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴۹﴾ إِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ

اور اللہ سے بخشش مانگو بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحمت کرنے والا ہے۔ پھر جب حج کے تمام ارکان پورے کر چکو

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا فَمِنَ النَّاسِ

تو (منیٰ میں) اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور بعض لوگ ایسے ہیں

مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۱۵۰﴾

جو (اللہ سے) التجا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں (جو دینا ہے) دنیا ہی میں عنایت کر اور ایسے لوگوں کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں

وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً

اور بعض ایسے ہیں کہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ ہمیں دنیا میں بھی نعمت عطا فرما اور آخرت میں بھی نعمت عطا فرمانا

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۵۱﴾ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا

اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا۔ یہی لوگ ہیں جن کیلئے ان کے کاموں کا حصہ (یعنی نیک اجر تیار) ہے

وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۵۲﴾ وَذُكِّرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ

اور اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والا ہے۔ اور (قیام منیٰ کے) دنوں میں (جو) گنتی کے (دن ہیں)

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ

اللہ کو یاد کرو اگر کوئی جلدی کرے (اور) دو ہی دن میں (چل دے) تو اُس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو بعد تک ٹھہرا رہے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں

لِمَنْ اتَّقَى وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۳۳﴾

اور یہ باتیں اُس شخص کیلئے ہیں جو (اللہ سے ڈرے) اور تم لوگ اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم سب اُس کے پاس جمع کئے جاؤ گے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُ قَوْلَهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهَ

اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تمہیں دلکش معلوم ہوتی ہے اور جو اُس کے دل میں ہے اس پر

عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ اللَّهُ الْخَصَامُ ﴿۳۴﴾ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ

اللہ کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے۔ اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے

لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ﴿۳۵﴾

تا کہ اس میں فتنہ انگیزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کر دے اور اللہ تعالیٰ فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ

اور جب اُس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے خوف کرو تو غرور اُس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے سو ایسے کو جہنم سزاوار ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے

﴿۳۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَؤُفٌ

اور کوئی شخص ایسا ہے کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور اللہ بندوں پر بہت مہربان ہے

بِالْعِبَادِ ﴿۳۷﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السَّلَامِ كَافَّةً

مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ

﴿۳۸﴾ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۳۸﴾

اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

فَإِنْ زَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ

پھر اگر تم احکام روشن پہنچ جانے کے بعد لڑکھڑا جاؤ تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب (اور) حکمت والا ہے

﴿۲۰۶﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ

کیا یہ لوگ اسی بات کے منتظر ہیں کہ ان پر اللہ (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں آنازل ہو اور فرشتے بھی (اتر آئیں)

وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَالِىَّ اللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورُ ﴿۲۰۷﴾ هَلْ بَنَىٰ إِسْرَائِيلَ

اور کام تمام کر دیا جائے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ (اے محمد ﷺ!) بنی اسرائیل سے پوچھو

كَمْ آتَيْنَاهُمْ مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ

کہ ہم نے ان کو کتنی کھلی نشانیاں دی اور جو شخص اللہ کی نعمت کو اپنے پاس آنے کے بعد بدل دے تو اللہ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۰۸﴾ إِنَّا لَنَدِينَنَّ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ

سخت عذاب دینے والا ہے۔ اور جو کافر ہیں ان کیلئے دنیا کی زندگی خوشنما کر دی گئی ہے اور وہ مومنوں سے تمسخر کرتے ہیں

مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ

لیکن جو پرہیزگار ہیں وہ قیامت کے دن ان پر غالب ہوں گے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے

بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۰۹﴾ كَذَّبَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ

(پہلے تو سب) لوگوں کا ایک ہی مذہب تھا (لیکن وہ آپس میں اختلاف کرنے لگے) تو اللہ نے (ان کی طرف) بشارت

مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

دینے اور ڈرسانے والے پیغمبر بھیجے اور ان پر سچائی کیساتھ کتابیں نازل کیں تاکہ جن امور میں لوگ اختلاف کرتے تھے ان کا ان میں فیصلہ کر دے

فِيمَا اختلفوا فِيهِ وَمَا اختلف فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ

اور اُس میں اختلاف بھی انہیں لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی تھی باوجودیکہ ان کے پاس کھلے ہوئے احکام آچکے تھے

الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اختلفوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ

(اور یہ اختلاف انہوں نے صرف) آپس کی ضد سے (کیا) تو جس امر حق میں وہ اختلاف کرتے تھے

بِإِذْنِهِ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١١٣﴾

اللہ نے اپنی مہربانی سے مومنوں کو اُس کی راہ دکھا دی اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھا راستہ دکھا دیتا ہے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ (یونہی) جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں کی سی (مشکلیں)

مَسَّتْهُمْ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ

تو پیش آئی ہی نہیں اُن کو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ (صعبوتوں) میں ہلا ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ پیغمبر

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُ اللَّهُ إِلَّا إِنْ نَصَرَ اللَّهُ قَرِيبٌ ﴿١١٤﴾

اور مومن لوگ جو اُن کیساتھ تھے سب پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد آنے والی ہے۔ دیکھو اللہ کی مدد عنقریب (آیا چاہتی) ہے

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ

(اے محمد ﷺ!) لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کس طرح کا مال خرچ کریں؟ کہہ دو کہ

فَلِلَّوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَى وَالْمَسْكِينِ

(جو چاہو خرچ کرو لیکن) جو مال خرچ کرنا ہو وہ (درجہ بدرجہ اہل استحقاق یعنی) ماں باپ کو اور قریب کے رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو

وَأَبْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿١١٥﴾

اور مسافروں کو (سب کو دو) اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا

(مسلمانوں) تم پر (اللہ کے رستے میں) لڑنا فرض کر دیا گیا ہے وہ تمہیں ناگوار تو ہوگا اور یقیناً ایک چیز تمہیں بُری لگے

وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ

اور وہ تمہارے حق میں بھلی ہو اور یقیناً ایک چیز تم کو بھلی لگی اور وہ تمہارے لئے لمضر ہو اور (ان باتوں کو) اللہ ہی بہتر جانتا ہے

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١١٤﴾ سَأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ

اور تم نہیں جانتے (اے محمد ﷺ!) لوگ تم سے عزت والے مہینوں میں لڑائی کے بارے میں دریافت کرتے ہیں

قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

تو کہہ دو کہ اُن میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اُس سے کفر کرنا اور مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ میں جانے)

وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ

سے (بند کرنا) اور اہل مسجد کو اُس میں سے نکال دینا (جو یہ کفار کرتے ہیں) اللہ کے نزدیک اس سے بھی زیادہ (گناہ) ہے اور فتنہ انگیزی

أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ

خوڑ دے گی اور یہ لوگ ہمیشہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر طاقت رکھیں تو تمہیں تمہارے دین

إِنْ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ

سے پھیر دیں اور جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر کر (کافر ہو) جائے گا اور کافر ہی مرے گا

فَأُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ

تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہو جائیں گے اور یہی لوگ دوزخ (میں جانے) والے ہیں

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا

جس میں ہمیشہ رہیں گے۔ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کیلئے (اپنا) وطن چھوڑ گئے اور (کفار سے) جنگ کرتے رہے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١٨﴾

وہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) رحمت کرنے والا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ

(اے پیغمبر) لوگ تم سے شراب اور جوئے کا حکم دریافت کرتے ہیں تو کہہ دو کہ اُن میں نقصان بڑا ہے

وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِنَّهُمْ مَّا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ

اور لوگوں کیلئے کچھ فائدے بھی ہیں مگر اُن کے نقصانات فائدوں سے کہیں زیادہ ہیں اور یہ بھی تم سے پوچھتے ہیں

مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ

کہ (اللہ کی راہ میں) کونسا مال خرچ کریں تو کہہ دو کہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے احکام کھول کھول کر بیان فرماتا ہے

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۱۴﴾ اَللّٰهُمَّ اِنِّى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ

تا کہ تم سوچو۔ (یعنی) دنیا اور آخرت (کی باتوں) میں (غور کرو) اور تم سے یتیموں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں

قُلِ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ

تو کہہ دو کہ اُن کی (حالت کی) اصلاح بہت اچھا کام ہے اور اگر تم اُن سے مل جل کر رہنا (یعنی خرچ اکٹھا رکھنا) چاہو تو وہ تمہارے بھائی ہیں

وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْتَبَتْكُمْ

اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ خرابی کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں تکلیف میں ڈال دیتا

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ

بیشک اللہ تعالیٰ غالب (اور) حکمت والا ہے۔ اور (مومنو) مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں

وَلَا مَمَّةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَلَوْ أَعْجَبَتْكُمْ

(اُن سے) نکاح نہ کرنا کیونکہ مشرک عورت خواہ تمہیں کیسی ہی بھلی لگے اُس سے مومن لونڈی بہتر ہے

وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا

اور (اسی طرح) مشرک مرد جب تک ایمان نہ لائیں مومن عورتوں کو اُن کی زوجیت میں نہ دینا کیونکہ

وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَىٰ

مشرک (مرد) خواہ وہ تمہیں کیسا ہی بھلا لگے (اُس سے) مومن غلام بہتر ہے یہ (مشرک، لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں

النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

اور اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے بہشت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اور اپنے حکم لوگوں سے کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ

يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۳۱﴾ وَسَأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ آذَىٰ

نہیحت حاصل کریں۔ اور تم سے حیض کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ وہ تو نجاست ہے۔

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ

سو ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو اور جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو۔

فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ

ہاں جب پاک ہو جائیں تو جس طریق سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں ارشاد فرمایا ہے ان کے پاس جاؤ کچھ شک نہیں ہے

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۳۲﴾ وَكَمْ حَرَتْ لَكُمْ

کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

فَأْتُوا حَرَّتْكُمْ أَنِّي شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ

تمہاری عورتیں تمہاری بھیتی ہیں تو اپنی بھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ۔ اور اپنے لئے (نیک عمل) آگے بھیجو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُلْقَوُهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۳۳﴾

اور جان رکھو کہ (ایک دن) تمہیں اُس کے روبرو حاضر ہونا ہے اور (اے پیغمبر) ایمان والوں کو بشارت سنا دو۔

وَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ عُرُضًا لِيَأْخُذَكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا

اور اللہ (کے نام) کو اس بات کا حیلہ نہ بنانا کہ (اُس کی) قسمیں کھا کھا کر نیک سلوک کرنے اور پرہیزگاری کرنے

وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۳۴﴾ لِيَأْخُذَكُمْ اللَّهُ بِاللَّغْوِ

اور لوگوں میں صلح و سازگاری کرانے سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اللہ تمہاری لغو قسموں پر تم سے

فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ

مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جو قسمیں تم قصدِ دلی سے کھاؤ گے اُن پر مواخذہ کرے گا اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔

﴿۲۲۵﴾ الَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرْبُصُ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا

جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھالیں اُن کو چار مہینے تک انتظار کرنا چاہیے اگر (اس عرصے میں قسم سے) رجوع کر لیں تو

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۷﴾

اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیں تو بھی اللہ سنتا اور جانتا ہے۔ [۴۶]

[۴۶] ایلاء کہتے ہیں قسم کھانے کو، اور اصطلاح شرع میں اس کو کہتے ہیں کہ کوئی مرد یہ قسم کھائے کہ میں چار مہینے یا اس سے

زائد (مثلاً پانچ مہینے یا چھ مہینے) تک اپنی بیوی سے جماع نہیں کروں گا، لہذا اگر اس مرد نے اپنی بیوی سے جماع نہیں کیا، یہاں

تک کہ چار مہینے گزر گئے، تو اس صورت میں اکثر صحابہ کے قول کے مطابق اس مرد کی بیوی پر محض چار مہینے گزر جانے سے طلاق

نہیں پڑے گی، بلکہ ایلاء کرنے والے کو ”ٹھہرایا“ جائے گا، یعنی حاکم وقاضی اس کو مجبوس کرے گا، اور اس سے یہ کہے گا کہ یا تو اپنی

عورت سے رجوع کرو، یعنی اس سے جماع کر لو، یا اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ چنانچہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کا مسلک

یہی ہے، نیز امام شافعی یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مرد، حاکم وقاضی کی اس بات پر عمل نہ کرے یعنی نہ تو عورت سے رجوع کرے

اور نہ طلاق دے تو حاکم کو اختیار ہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دے دے۔ جیسا کہ صاحب مشکوات (رقم: ۳۲۳۲) نے سلیمان

بن یسار سے نقل کیا ہے کہ: ادرکت بضعة عشر من اصحاب النبی ﷺ كلهم يقول: يوقف المولى (مسند

الشافعی: ۱۳۹، ودارقطنی: ۶۲/۴) یعنی سلمان بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ کے دس بلکہ اس سے بھی

زیادہ صحابیوں کو پایا ہے، وہ سب یہ فرمایا کرتے تھے، کہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے۔ اور امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے، اس

صورت میں اگر اس مرد نے چار مہینے کے اندر اپنی بیوی سے رجوع کر لیا تو اس کا ایلاء ساقط ہو جائے گا، مگر اس پر قسم پوری نہ

کرنے کا کفارہ لازم آئے گا۔ اور اگر اس نے جماع نہ کیا یہاں تک کہ چار مہینے گزر گئے، تو اس کی بیوی پر ایک طلاق بائن

پڑ جائے گی، ایلاء کے دیگر مسائل اور اس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ

اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنے تئیں روکے رہیں

أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور اگر وہ اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کو جائز نہیں کہ اللہ نے جو کچھ ان کے شکم میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں

وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا

اور ان کے خاوند اگر پھر موافقت چاہیں تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ

اور عورتوں کا حق (مردوں) پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾ طَلَّاقٌ مَرَّتَانٍ

اور اللہ تعالیٰ غالب (اور) صاحبِ حکمت ہے۔ طلاق (صرف) دو بار ہے (یعنی جب دو دفعہ طلاق دیدی جائے تو) پھر

فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا

(عورت کو) یا تو بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا ہے یا بھلائی کیساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم

مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ

ان کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ ہاں اگر زن و شوہر کو خوف ہو کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے تو (دونوں پر) کچھ گناہ نہیں

فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ

یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلنا اور جو لوگ اللہ کی حدوں سے باہر نکل جائیں گے

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۲۹﴾ إِن طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ

وہ گنہگار ہوں گے۔ پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دیدے تو اُس کے بعد جب تک عورت کسی

حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ۚ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اُس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہوگی ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دیدے اور عورت اور پہلا خاوند

أَنْ يَتَرَاجَعَا ۚ إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ

پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کر لیں تو اُن پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ دونوں یقین کریں کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے

وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲۳۰﴾

اور یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کو وہ اُن لوگوں کیلئے بیان فرماتا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔ [۴۷]

[۴۷] ان آیات کے ذیل میں تفسیر لطائف البیان والے نے خوب تفسیر کیا ہے ہم ناظرین کے لئے اس کو پیش کرتے

ہیں: اس آیت میں تین مسئلے ارشاد فرمائے، ایک مسئلہ طلاق کا، دوسرا خلع کا، اور تیسرا احلالہ کا، موضح قرآن میں لکھا ہے کہ

عدت تک مرد چاہے تو عورت کو پھر رکھ لے، یہ بات پہلی طلاق میں ہے، دوسری میں بعد اس کے نہ پھر سکے گی، تو موافق

شرع اس کے حق ادا کر سکے تو رکھے، کہ پھر قضیہ نہ ہو، نہ رکھ سکے تو رخصت کرے، اس نیت سے نہ انکاوے کہ عاجز ہو کر جو میں

نے دیا تھا وہ پھر جاوے، یہ تب روا ہے کہ ناجاری ہو کسی طرح دونوں کی خون نہ ملے، مرد کی طرف سے ادائے حق میں قصور نہ

ہو، اس وقت سب لوگ ملکر عورت سے کچھ پھر وادیں، مرد کو راضی کر کے طلاق دلوادے، اس کو خلع کہتے ہیں۔

تیسری طلاق کے بعد پھر نہیں سکتی، بلکہ دونوں کی خوشی ہو تو بھی نکاح نہیں بندھ سکتا، جیتک کہ بیچ میں اور خاوند کی

صحبت نہ ہو چکے انتہی، اس کو حلالہ کہتے ہیں۔

ابن کثیر نے کہا، اس آیت نے اس دستور کو جو شروع اسلام میں تھا اٹھا دیا، وہ دستور یہ تھا، کہ مرد گوسو طلاق دے،

جیتک عورت عدت میں ہے تب تک رجعت کا حقدار رہتا تھا، اس میں عورتوں کا نقصان ہوتا، اللہ تعالیٰ نے تین طلاق میں

حصہ کر دیا، ایک دو طلاق تک رجعت کو مباح رکھا، تیسری طلاق کے بعد بالکل جدا کر دیا۔

عروۃ نے کہا ایک شخص نے اپنی جورو سے کہا تھا کہ میں کبھی تجھ کو طلاق نہ دوں گا، نہ تیرے پاس رہوں گا، اس نے کہا یہ کیونکر ہوگا، کہا طلاق دوں گا جب مدت پوری ہونے لگے گی رجوع کر لوں گا، اس نے آکر یہ بات جناب ﷺ سے کہی، اس پر یہ آیت اتری کہ طلاق دو بار تک ہوتی ہے، رواہ ابن ابی حاتم، اس کو ابن جریر و عبد بن حمید نے بھی روایت کیا ہے، کہا اس آیت کے اترنے پر لوگوں نے درستی طلاق کی شروع کر دی، جس نے دی تھی یا نہ دی تھی، یہ حدیث کئی طریق سے نزدیک ابن مردویہ و ترمذی و حاکم کے آئی ہے۔ حاکم نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے، عائشہؓ نے کہا پہلے طلاق کا کوئی وقت نہ تھا، اللہ نے وقت مقرر کر دیا، کہ تیسری طلاق کے بعد رجعت نہیں ہے، جب تک کہ دوسرا خصم نہ کرے، یہی قول قتادہ و سدی و ابن زید کا ہے، اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے،

حاصل یہ ہوا کہ گنتی اس طلاق کی جس کے بعد رجعت ہو سکتی ہے دو بار ہے۔ لفظ ”مرتان“ سے یہ نکلا کہ طلاق مرۃ بعد مرۃ ہو، نہ ایک دفعہ میں دو طلاق، ایک جماعت مفسرین اسی طرف گئی ہے، پھر جب ایک طلاق دی یا دو بار میں دو طلاق تو بقائے عدت تک اختیار ہے، چاہے بیعت اصلاح و احسان پھیر لے یا چھوڑ رکھے، عدت گزر جانے پر وہ جدا ہو جائے گی، یہ جدائی ساتھ بھلائی کے، چاہیے کوئی حق اس کا ضائع نہ کرے، نہ اس کو نقصان پہنچاوے۔ ابن عباسؓ نے کہا جب مرد نے عورت کو دو بار طلاق دیدی، تو اب تیسری طلاق پر اللہ سے ڈرے، یا تو دستور کے موافق روکے اور اچھا برتاؤ رکھے، یا احسان کے ساتھ بدون کسی ظلم کے رخصت کر دے یعنی ستاوے نہیں۔

حدیث ابو زین میں مرفوعاً آیا ہے کہ رخصت کرنا یہی تیسری طلاق ہے (رواہ ابن ابی حاتم و عبد بن حمید و احمد و غیر ہم) کسی نے کہا کہ امساک سے مراد رجعت ہے، بعد دوسری طلاق کے ”تسریح“ سے مراد ترک رجعت ہے، بعد تیسری طلاق کے یہاں تک کہ عدت گزر جائے، لیکن اظہر یہ ہے کہ مراد تیسری طلاق کا دینا ہے، بدون اضرار کے، ابو عمرو نے کہا علماء کا اجماع ہے اس بات پر کہ ”تسریح“ سے تیسری طلاق دینا ہے بعد دو طلاق کے، یہی مطلب ہے اس ارشاد کا ”فان طلقھا فلا تحل لہ“ الایۃ، اسمیں اختلاف ہے کہ تینوں طلاق کا ایک بار دینا کیسا ہے؟ وہ تین ہوگی یا ایک؟ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ تین ہوگی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد حافظ ابن القیم اور قاضی محمد بن علی شوکانی اور ایک جماعت محققین کا یہ مذہب ہے کہ وہ ایک ہی طلاق ہوئی، یہی حق ہے، عمر بن خطاب رضی عنہ نے کسی مصلحت سے ایسی طلاق کو تین طلاق ٹھیرا یا تھا، ورنہ زمانہ ابو بکر صدیقؓ وہ عہد نبوت میں وہ ایک ہی طلاق سمجھی جاتی تھی، یہ مسئلہ بڑے جھگڑے کا ہے، اس باب میں مستقل کتابیں، رسالے ہیں، بڑی لمبی چوڑی بحث ہے،

مذہب مشہور ائمہ اربعہ مطابق مذہب جمہور ہے، لیکن ہر ایک مذہب کے بعض محققین اسی طرف گئے ہیں، جو مختار شیخ الاسلام ہے، حتیٰ کہ بعض حنفیہ بھی جس طرح اعلام الموقعین وغیرہ میں حکایت کیا ہے۔ سو جب اللہ کی نہر آئی تو اب عقل کی نہر سے کیا کام رہا، آیت شریف اس بات پر بھی دلیل ہے کہ طلاق دینے پر عورت سے کوئی چیز تنگ کر کے واپس نہ لے، بہت ہو یا کم، جو دیا سو دیا، تنکیہ لفظ شیعی“ سے یہ نکلا کہ کچھ بھی نہ لے، جب ذرا سا لینا بھی جائز نہ ہوا، تو بہت لینا تو بالاولیٰ ناجائز ٹھہریگا، پھر جب مہر کا واپس کرنا حلال نہ ہوا، تو جو مال خاص ملک اس عورت کا ہے اس کا لینا تو کسی طرح جائز نہیں۔ یہ خطاب ازواج کو ہے، بعض نے کہا حکام کو، پہلا قول ٹھیک ہے یہ آیت مثل اس آیت کے ہے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لَتَذَهَبُوا بِبَعْضٍ مَّا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ (النساء: ۱۹)**۔ ہاں اگر عورت پھر اپنی خوشی سے کچھ دیدے تو پھر وہ روا ہے۔

دوسرا مسئلہ خلع

دوسرا مسئلہ خلع کا بیان فرمایا: کہ جب باہم میاں بیوی کے شقاق و نفاق ہو، عورت حقوق مرد کے ادا نہ کرے، بلکہ اس کو دشمن رکھے، اس کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کر سکے، تو جو مال شوہر نے دیا تھا، وہ اپنی جان چھڑانے میں دیکرا لگ ہو جاوے، اس بذل مال میں نہ کچھ حرج عورت پر ہے، نہ اس کے لینے میں کوئی حرج خاوند پر آتا ہے، جمہور کا مذہب یہی ہے، بخاری میں ابن عباسؓ سے آیا ہے کہ جلیلہ زن ثابت بن قیسؓ نے اکر کہا، میں ثابت سے کسی خلق یا دین کے سبب سے روٹھی نہیں ہوں، لیکن بغض کی وجہ سے مجھے اسکے دیکھنے کی تاب و طاقت نہیں، میں کفر کو اسلام میں مکروہ رکھتی ہوں، فرمایا تو اس کا باغ اس کو پھیرتی ہے؟ کہا ہاں، ثابت سے کہا، باغ لے ایک طلاق دیدے، ابن ماجہ کا لفظ یہ ہے کہ باغ لے لیں، زیادہ نہ لیں، اس باب میں بہت سے حدیثیں آئی ہیں، معلوم ہوا کہ یہ امر ایجابی تھا نہ ارشادی، یہ بھی ثابت ہوا کہ جو دیا ہو اس سے زیادہ نہ لے، کہ اس میں عورت کا ضرر ہے، بعض نے کہا ظاہر قرآن سے جواز اخذ زائد ظاہر ہے، اس لئے کہ کسی مقدار معین کی قید نہیں لگائی ہے، مالک و شافعی و ابو ثور اسی طرف گئے ہیں۔ ایک جماعت صحابہ و تابعین سے بھی یوں ہی روایت ہے۔ طاوس و عطاء و اوزاعی و احمد و اہلق کہتے ہیں زیادہ لینا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث ابن عباسؓ میں

مرفوعا روایت ہے: امرہ ان يأخذن ماساق ولا يزداد. رواه ابن بطة وابن مردويه وابن ماجه۔ ابن کثیر نے کہا: اسناد ابن ماجہ جید و صحیح ہے۔ یہ بھی نکلا کہ خلع اسی صورت میں جائز ہے کہ جب کسی طرح نباہ نہ ہو سکے، ایک کو دوسرے کی صورت بُری لگے، خوف کفر کا ہو۔ حدیثیں مذمت مختلفات میں بہت آئی ہیں، ثوبانؓ نے کہا ہے کہ جناب ﷺ نے فرمایا، جس عورت نے اپنے شوہر سے بے کسی کھٹکے کے طلاق مانگی، تو اسپر جنت کی بوجرام ہے، خلع کرنے والیاں منافقات ہیں، رواہ ابن جریر۔ ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن ہے، حاکم نے کہا صحیح ہے، رواہ احمد و ابوداؤد، وابن ماجه و البیہقی ایضا۔ عقبہ بن عامرؓ کا لفظ یہ ہے کہ خلع کرنے والیاں الگ تھلگ ہونیوالیاں منافقات ہیں، رواہ ابن جریر، اس کی سند ضعیف ہے اس کو امام احمد نے بھی ابو ہریرہ سے روایت کیا ہے، ابن عباسؓ کا لفظ نزدیک ابن ماجہ کے مرفوعا یوں ہے، نہیں مانگتی کوئی عورت طلاق اپنے شوہر سے، بغیر کسی گناہ کے پھر وہ جنت کی بو بھی پاوے، حالانکہ بوجنت کی چالیس برس کی راہ سے پائی جاتی ہے۔

ایک جماعت سلف و ائمہ خلف نے یہ کہا ہے کہ جائز نہیں ہے خلع جب تک کہ طرف سے عورت کے شقاق و نشوز نہ ہو۔ جب ہو تو مرد کو جائز ہے کہ فدیہ لیکر چھوڑ دے بدلیل: ”الا ان یخافا الا یقیم احدو د الله“ معلوم ہوا کہ سوا اس حالت کے خلع درست نہیں ہے کسی اور حالت میں خلع نکرے مرد دلیل سے، اور دلیل موجود نہیں ہے، یہی مذہب ہے ابن عباسؓ طاؤس ابراہیم عطاء حسن و جمہور کا، یہاں تک کہ مالکؓ و اوزاعیؓ نے کہا ہے کہ اگر شوہر نے کچھ اس سے لے لیا ہے اور عورت کا نقصان ہوتا ہے تو پھر دینا اس کا واجب ہے، یہ طلاق رجعی ٹھہریگی، مالکؓ نے کہا ہم نے علماء کو اسی بات پر پایا ہے،

شافعیؒ کہتے ہیں نہیں بلکہ خلع جب حالت شقاق میں جائز ہو تو حالت اتفاق میں بالاولیٰ جائز ہوگا۔ یہی قول ساری اصحاب شافعی کا، مگر پہلی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے، مزنی نے کہا خلع منسوخ ہے۔ بقولہ تعالیٰ: ”وَ اِنْ اَرَدْتُمْ اِسْتِیْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانٍ زَوْجٍ وَ اَتَيْتُمْ اِحْدَاثَهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَاْخِذُوْا مِنْهُ شَيْئًا اَتَاْخِذُوْا نَهْ بُهْتَانًا وَ اَنْتُمْ مُّبِيْنًا“ (نساء: ۲۰)۔ ابن کثیر نے کہا یہ قول ضعیف یا ماخذ مردود ہے، قائل پر شوکاٹی نے کہا یہ قول خارج ہے اجماع سے، دونوں آیتوں میں کوئی منافات نہیں ہے، ابن جریر نے کہا یہ آیت حق ثابت بن قیس میں اتری ہے، کئی طریق سے آئی ہے، انکی جو رو کا نام حبیبہ بنت عبد اللہ تھا۔ بخاری میں جمیلہ آیا ہے، موطاءؓ میں حبیبہ بنت سہل انصاری کہا ہے، عائشہؓ کا لفظ یہ ہے کہ ثابتؓ نے اس کو مارا تھا، بعض جسم اس کا ٹوٹ گیا، اس نے نبی ﷺ سے کہا، آپ نے

ثابت ہو بلایا، فرمایا: کچھ مال لے کر اس کو جدا کر دے، کہا یہ ہو سکتا ہے فرمایا ہاں کہا میں نے اس کو دو باغ دئے ہیں، وہ اسکے ہاتھ میں ہیں، فرمایا دونوں لیلے، اس کو چھوڑ دے، اس نے یہی کیا، رواہ ابن جریر و ہذا الفظہ والبوداؤد۔ دوسرا لفظ ابن جریر کا یہ ہے، کہ نبی ﷺ نے جملہ سے کہا، تو اس سے کس بات پر ناخوش ہے؟ کہا نہ دین پر اور نہ خلق پر، مگر مجھ کو اس کی بد صورتی بری لگتی ہے، فرمایا تو اس کا باغ واپس دے گی؟ کہا ہاں، اس نے باغ پھیر دیا، دونوں میں تفریق کر دی۔ ابن عباسؓ نے کہا سب سے پہلے اسلام میں یہی خلع ہوا، کہ وہ پاس رسول اللہ ﷺ کے آئی، اور کہا اے رسول اللہ! کوئی شی کبھی اس کے اور میرے سر کو کیجا نہ کرے گی، میں نے ایک جانب خیمہ سے اس کو دیکھا کہ وہ کچھ لوگوں کے ساتھ آتا تھا، سب سے زیادہ کالا سب سے زیادہ قد میں چونا سب سے زیادہ صورت میں بد ہے، شوہر نے کہا میں نے اس کو افضل مال جو میرا باغ تھا دیا ہے، یہ اس کو پھیر دے، فرمایا تو کیا کہتی ہے، کہا ہاں، اگر اور کچھ چاہے تو وہ بھی دوں، اس پر نبی ﷺ نے دونوں کے بیچ میں فراق کر دیا۔ رواہ ابن جریر۔

معلوم ہوا کہ یہ امر ارشادی نہ تھا، بلکہ ایجابی تھا، یہ بھی ثابت ہوا کہ وعدہ زیادت، عورت نے اپنی طرف سے کیا، کچھ جناب ﷺ نے اس کو نہیں فرمایا، جناب ﷺ نے توفیق واپسی اسی باغ کی کرائی، پھر یہ بھی ثابت نہیں کہ اس نے کچھ زیادہ دیا ہو، اور جناب ﷺ نے مقرر رکھا ہو، بلکہ حدیث اول میں صاف زیادہ لینے سے منع فرمایا ہے، اطلاق ایت شریف مقید ہے ساتھ اس حدیث مذکور کے، مگر جمہور کہتے ہیں قولہ تعالیٰ ”فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ“ عام ہے، لیکن یہ کچھ منافی ایت باب نہیں ہے، کہ حجت ہو سکے، بلکہ قرأت ربیع بن انسؓ یوں ہے ”فیما افتدت بہ منہ“ اسی لئے بعد اس کے یہ فرمایا ہے کہ تم اللہ کے قاعدے سے آگے نہ بڑھو اگر بڑو گے ظالم ہو گے، ابن ماجہ کے نزدیک عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ سے یوں آیا ہے: کہ ثابت ایک بد شکل آدمی تھے حبیبہؓ نے کہا اے رسول اللہ واللہ اگر ڈرا اللہ کا نہ ہوتا تو جب وہ میرے پاس آتا میں اس کے منہ پر تھوک دیتی، الحدیث، اس حدیث میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ تفریق بحکم رسول اللہ ﷺ ہوئی، ابن کثیر نے کہا ائمہ کا اختلاف ہے اس باب میں کہ مرد کو زیادہ لینا مقدار عطاء سے جائز ہے یا نہیں جمہور کہتے ہیں جائز ہے یہی قول ہے ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، مجاہد، عکرمہ، ابراہیم نخعی، قیسہ، حسن بن صالح، عثمان بن عفان، کا، اسی طرف مالک، لیث، شافعی، ابو ثور، بھی گئے ہیں، اسی کو ابن جریر نے اختیار کیا ہے، اصحاب ابو حنیفہؓ نے کہا، اضرار اگر طرف زوجہ کے ہوتو جتنا دیا ہے اتنا لے لیں، زیادہ لینا درست نہیں، اگر زیادہ دیا ہے تو قضا میں جائز ہے اور اگر اضرار طرف زوجہ سے ہو تو کچھ بھی نہ لے، اگر لے لیا ہے تو قضا میں جائز ہے، امام احمد، ابو عبیدہ، وابن

راہویہ کا یہ قول ہے، کہ جتنا دیا ہے، اس سے زیادہ لینا درست نہیں ہے، اسی طرف ایک جماعت تابعین کی بھی گئی ہے، ابن کثیر کا میلان خاطر بھی اسی طرف ہے، عطاء نے کہا جناب ﷺ نے عطاء سے زیادہ لینے کو مکروہ رکھا ہے۔

ابن عباسؓ نے کہا: جس شخص نے اپنی عورت کو دو طلاقیں دیں، پھر اس عورت نے اس مرد سے خلع کیا تو وہ مرد اگر چاہے تو پھر اس سے نکاح کر لے، اس لئے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ طلاق دو بار تک ہوتی ہے، عکرمہ نے کہا ہر شی جس کو مال نے جائز رکھا ہے، وہ طلاق نہیں ہے۔ ابراہیم بن سعد بن ابی وقاص نے یہی مسئلہ ابن عباسؓ سے پوچھا تھا، کہا خلع طلاق نہیں ہے اللہ نے ذکر طلاق کا اول اور آخر آیت میں کیا ہے خلع کا درمیان میں، خلع کوئی چیز نہیں ہے (یعنی طلاق بلکہ یہ فسخ ہے) پھر یہ آیت پڑھی: ”الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ“۔ پھر یہ پڑھا ”فَان طَلِقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ“۔ یہ مذہب ابن عباسؓ کا ہے کہ خلع طلاق نہیں ہے بلکہ فسخ ہے۔ اسی طرف عثمانؓ، ابن عمرؓ، وطائوسؓ، وعکرمہ، احمد بن راہویہ، ابو ثور داؤد ظاہری، شافعیؒ بھی گئے ہیں، ابن کثیر کہتے ہیں ظاہر ایت کریمہ بھی یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ خلع طلاق بائن ہے، مگر یہ کہ زیادہ کی نیت کرے، یہی قول ہے ایک جماعت صحابہ و تابعین و مالک و ابو حنیفہ و شافعی کا، قول جدید میں حنفیہ کہتے ہیں اگر نیت ایک یا دو طلاق کی کی ہے، یا چھوڑ دیا ہے تو یہ ایک ہی طلاق بائنہ ہوئی، اور جو تین کی نیت کی ہے تو تین طلاقیں ہوئیں، شافعی کا تیسرا قول یہ ہے کہ جب خلع بلفظ طلاق نہ ہوگا اور وہ نیت سے بالکل عاری ہوگا تو وہ بالکل کچھ چیز نہیں ہے، شوکانی پہلے اس بات کے قائل تھے کہ خلع طلاق ہے پھر اس کو فسخ ٹھہرایا۔

ائمہ اربعہ و ابن راہویہ نے یہ کہا ہے عدت مختلعه کی مثل مطلقہ کے تین حیض ہیں، اگر حیض آتا ہو، اسی طرف ایک جماعت کثیر صحابہ و تابعین کی بھی گئی ہے، ترمذی نے کہا ہے یہی قول ہے اکثر اہل علم کا صحابہ وغیر ہم سے ان کا ماخذ یہ ہے کہ جب خلع طلاق ٹھہری تو مثل سائر مطلقات کے عدت کرنا چاہیے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ عدت مختلعه کی ایک حیض ہے، اس میں استبراء حرم کا ہو جاتا ہے، عثمانؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، وعکرمہ۔

اور وہ لوگ جو خلع کو فسخ کہتے ہیں سب اسی طرف گئی ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ جناب ﷺ نے عورت ثابت بن قیسؓ کو ایک ہی حیض کی عدت کا حکم دیا تھا، اس کو ابو داؤد نے روایت کیا ہے، ترمذی نے حسن غریب کہا ہے۔ دوسرا لفظ ترمذی کا یہ ہے کہ ربیع بنت معوذ نے عہد نبوت میں خلع کیا، اس کو جناب ﷺ نے حکم دیا کہ وہ ایک حیض کی عدت کرے،

مخالف کو رجوع کرنا طرفِ مٹلعه کے عدت میں بغیر اس کی رضامندی کے جائز نہیں ہے، ائمہ اربعہ، وجہوں اور علماء اسی طرف گئے ہیں، اسلئے کہ وہ مال خرچ کر کے اپنی جان کی مالک ہو چکی ہے۔ ابن ابی اوفیٰ و ماہان حنفی نے کہا اگر مال پھیر دے تو بغیر رضائے رجعت اندر عدت کی درست ہوگی، اسی کو ابو ثور نے بھی اختیار کیا ہے، ثوری نے کہا کہ اگر خلع بغیر لفظ طلاق ہوا ہے تو یہ فرقت ہوئی، اب کوئی راہ شوہر کو طرف اس کے نہیں ہے، اور اگر برائے نام طلاق ہے تو وہ عدت تک مالک رجعت ہے، اسی طرف داؤد ظاہری بھی گئے ہیں، سب کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ خلع کو نکاح کرنا مٹلعه سے عدت میں جائز ہے، ایک گروہ نے کہا کہ نہیں جائز ہے۔ ابن کثیر نے کہا یہ قول شاذ و مردود ہے۔ رہی یہ بات کہ خلع اس کو عدت میں دوسری طلاق بھی دے سکتا ہے یا نہیں اس میں علماء کے تین قول ہیں:

ایک یہ کہ نہیں، اس لئے کہ وہ اپنی جان کی مالک ہوگئی، اس سے چھوٹ گئی، ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ، عکرمہ، جابر بن زید، حسن بصری، شافعیؒ، احمد، ابن راہویہ، ابو ثور، اسی کے قائل ہیں۔ دوسرا قول مالک کا یہ ہے کہ اگر خلع کے ساتھ ہی طلاق بھی کہدی ہے دونوں کے بیچ میں سکوت نہیں کیا تو طلاق پڑے گی، اور اگر سکوت کیا ہے تو نہیں پڑے گی۔ ابن عبد البر نے کہا عثمانؓ سے اسی طرح مروی ہے، تیسرا قول یہ ہے کہ طلاق ہر حال میں پڑ جاوے گی، جب تک کہ عدت میں ہے۔ ابو حنیفہ و ثوری و اوزاعی و ابن مسعود و ابو الدرداء و غیر ہم اسی کے قائل ہیں، مگر ابن عبد البر کہتے ہیں کہ ان دونوں صحابہ سے یہ قول ثابت نہیں ہے، پھر اللہ پاک نے بعد اس کے یہ فرمایا، کہ یہ شرائع جو بیان کئے گئے ہیں، اللہ کے قواعد ہیں، ان سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، حدیث صحیح میں آیا ہے، اللہ نے حدیں باندھی ہیں، تم اس سے اگے نہ بڑھو، اللہ نے فرائض مقرر کئے ہیں، تم ان کو برباد نہ کرو، اللہ نے محارم ٹھیرائے ہیں تم اس کا ہتک نہ کرو، کچھ چیزوں سے سکوت کیا ہے بغیر نسیان کے تم ان کو مت پوچھو،

اس آیت سے بعض نے یہ استدلال کیا ہے کہ جمع کرنا تین طلاق کا ایک کلمہ میں حرام ہے، مالکیہ اور جو لوگ ان کے موافق ہیں اسی طرف گئے ہیں، ان کے نزدیک سنت یہ ہے کہ ایک طلاق دے، لفظہ تعالیٰ: ”الطلاق مرتان“ پھر فرمایا ”تَلَکْ حُدُودَ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا“ الایة، پھر اس قول کو مؤید کیا ہے، حدیث محمود بن لبید سے جو نزدیک نسائی کے اس لفظ سے آئی ہے، کہ خبر ملی جناب ﷺ کو، ایک شخص نے اپنی جو رو کو اکھٹی تین طلاقیں دی ہیں، نہایت غضبناک کھڑے ہو کر فرمایا: کیا اللہ کی کتاب کو کھیل تماشا بنایا ہے؟ اور میں درمیان تمہارے موجود ہوں، یہاں تک کہ ایک آدمی نے کہا، اگر حکم ہو تو میں اس کو مار ڈالوں، مگر اس سند میں انقطاع ہے۔

تیسرا مسئلہ تحلیل کا ہے کہ جب کوئی مرد اپنی جوڑو کو تیسری طلاق دیدے بعد اس کے کہ دو طلاق پہلے دے چکا ہو، تو وہ عورت اس پر حرام ہو جاتی ہے، جب تک دوسرا خاوند نہ کرے، اور وہ اس سے صحبت نہ کرے بِنکاح صحیح، کیونکہ اگر وطی بغیر نکاح کے ملک بئین میں کی ہے، تو پہلے مرد کو حلال نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ اس کا شوہر نہ ہوا، اسی طرح اگر بیاہ کر لیا لیکن مدخولہ نہ ہوئی تو بھی زوج اول کے لئے حلال نہ ہوگی، بہت سے فقہاء میں یہ مشہور ہے کہ سعید بن مسیب کا یہ قول ہے کہ مجر وعقد کے ہمراہ ثانی کے مقصود تحلیل حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اس قول کی صحت میں نظر ہے، اگرچہ ابن عبد البر نے استدکار میں ذکر اس کا کیا ہے کیونکہ امام احمد نے بطریق سعید بن مسیب ابن عمرؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے کہ جناب ﷺ نے فرمایا کہ پہلی شوہر کو نہیں مل سکتی، جب تک کہ دوسرے شوہر کا شہد نہ چکھ لے، ابن جریر کا لفظ ابن مسیب سے حدیث مذکور میں مرفوع یوں ہے: قال لا، حتی تذوق عسیلتہ ویدوق عسیلتہا۔ اس کو نسائی و ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ سو یہ حدیث مخالف حکایت مذکور ہے یہ بات بعید ہے کہ راوی خلاف روایت بغیر کسی مستند کے کرے، دوسرا لفظ احمد و نسائی کا حدیث ابن عمرؓ سے یوں ہے: کہ جناب ﷺ سے پوچھا کہ ایک آدمی نے اپنی جوڑو کو تین طلاقیں دیدی ہیں، اس نے دوسری مرد سے نکاح کیا دروازہ بند کر کے پردہ چھوڑا، پھر طلاق دی دخول نہ کیا، کیا زوج اول کے لئے حلال ہوگی؟ فرمایا اول پر حلال نہیں جب تک کہ اس دوسرے کا شہد نہ چکھ لے، یہ لفظ احمد کا ہے۔

ان کی تیسری روایت میں انس بن مالکؓ سے یوں آیا ہے: قال لا حتی یکون الاخر قد ذاق من عسیلتہا وذاقت من عسیلتہ، ابن جریر کا لفظ ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً یہ ہے: حتی یدوق الاخر عسیلتہا، دوسرا لفظ ابن جریر کا حدیث عائشہ سے یہ ہے: کہ فرمایا: لا حتی یدوق من عسیلتہا کما ذاق الاول، اس کو شیخین و نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔ تیسرا لفظ ان کا عائشہ سے یہ ہے: قال لا تحل لزوجہا الاول حتی یدوق الاخر عسیلتہا، و تذوق عسیلتہ، اس کو ابو داؤد نے بھی روایت کیا ہے، صحیحین میں یہ حدیث کئی طرق سے آئی ہے، عائشہ نے کہا: رفاعہ قرظی نے ایک عورت سے نکاح کیا، پھر طلاق دی، اس نے دوسرا بیاہ کیا، پھر آ کر جناب ﷺ سے کہا: کہ وہ میری پاس نہیں آتا ہے، اس کے پاس تو کچھ نہیں مگر مثل ہد بہ ثوب کے، یعنی جیسے ایک لتا کپڑے کا، فرمایا: لا حتی تذوقی عسیلتہ ویدوق عسیلتک۔

امام احمد کی روایت میں آیا ہے کہ یہ شکایت نسبت عبد الرحمن بن زبیرؓ کی تھی، یعنی وہ جماع پر قادر نہیں ہے۔ جناب نے کہا تو چاہتی ہے کہ رفاعہ کے پاس پھر جاوے، یہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ کچھ شہد اس کا اور وہ کچھ شہد تیرا چکھ نہ لے، اس

کو تشخیص و نسائی نے روایت کیا ہے، یہ قصہ بھی کئی طرح سے نزدیک مالک وغیرہ ہم کے آیا ہے، غرض کہ بات یہ ٹھہری کہ مجرد خلوت کافی نہیں ہے، صحبت کا ہونا ضروری ہے زوج ثانی سے، مقصود ہے کہ وہ عورت میں راغب ہو، نکاح بقصد دوام عشرت کرے، کیونکہ مشروع تزوج میں یہی امر ہے۔

امام مالک نے یہ بھی شرط کیا ہے کہ وطی مباح ہو، یہ نہ ہو کہ وطی محرم ہو، یا وہ صائمہ یا معتکفہ یا حائضہ یا نساء ہو، یا زوج ثانی صائم یا محرم یا معتکف ہو، کہ ان صورتوں میں وہ پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی، اسی طرح اگر دوسرا خاوند ذمی ہے تو اس کے نکاح کرنے سے پہلے شوہر مسلم کے لئے حلال نہیں ہو سکتی کیونکہ کفار کے نکاح نزدیک مالک کے باطل ہیں، حسن بصری نے یہ شرط بھی زیادہ کی ہے کہ زوج ثانی منزل بھی ہو جاوے شاید یہ بات لفظ عسیلہ سے سمجھی ہے، مگر اس بنیاد پر یہ بھی لازم آتا ہے کہ عورت بھی منزل ہو، مگر مراد عسیلہ سے منی نہیں ہے، اس لئے کہ احمد و نسائی نے عائشہؓ سے مروی روایت کیا ہے، الا ان العسیلۃ الجماع۔

یعنی مراد شہد سے صحبت ہے نہ انزال، پھر اگر زوج ثانی نے وہ نکاح اس قصد سے کیا ہے کہ پہلے شوہر کے لئے حلال ہو جاوے تو محلل ٹھہرا، احادیث میں محلل کی مذمت، اس پر لعنت آئی ہے، وقت عقد اگر اس امر کی تصریح کرے گا تو نزدیک جمہور ائمہ کے سرے سے نکاح ہی نہ ہوگا، باطل ہوگا، حدیث ابن مسعودؓ میں آیا ہے، کہ جناب ﷺ نے فرمایا: کہ لعنت ہے محلل اور محلل لہ پر، الحدیث، رواہ احمد، والنسائی، اور ترمذی نے کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے، اسی پر عمل ہے اہل علم کا، صحابہ سے ان میں عمرؓ و عثمانؓ و ابن عمرؓ ہیں، یہی قول ہے، فقہائے تابعین کا، یہی مروی ہے علی و ابن عباسؓ و ابن مسعودؓ سے۔

دوسرا لفظ ابن مسعودؓ کا یہ ہے جناب ﷺ نے فرمایا "لعن اللہ المحلل و المحلل لہ" رواہ احمد، یعنی لعنت کرے اللہ دونوں پر، محلل سے زوج ثانی مراد ہے، محلل لہ سے زوج اول، تیسرا لفظ ان کا مروی ہے کہ محلل اور محلل لہ ملعون ہیں، زبان محمد ﷺ پر، قیامت تک، رواہ احمد، والنسائی۔

عقبہ بن عامر نے کہا کہ جناب ﷺ نے فرمایا: کہ کیا خبر نہ دوں میں تم کو تمیں مستعار سے؟ کہا ہاں، وہ محلل ہے لعنت کرے اللہ محلل و محلل لہ پر، رواہ ابن ماجہ، دوسرا لفظ ابن ماجہ کا ابن عباس سے مروی ہے: لعن رسول اللہ ﷺ المحلل و المحلل لہ۔ اس حدیث کو امام احمد نے ابو ہریرہؓ سے بھی روایت کیا ہے، ابن عمرؓ نے کہا ہم اس کو عہد رسالت میں زنا گنتے تھے، حاکم نے کہا یہ اسناد صحیح ہے، عمرؓ نے کہا محلل و محلل لہ میرے پاس آئیں گے، تو میں ان کو رجم

کروں گا، رواہ الاثرم وابن ابی شیبہ، ایک آدمی نے حلالہ کیا، یعنی واسطے حلال کرنے کے زوج اول پر، عثمانؓ نے دونوں میں تفریق کرادی۔

اس طرح علیؓ وابن عباسؓ وغیرہما سے بھی مروی ہے، اس باب میں بہت حدیثیں آئی ہیں، سات حدیثیں تو ابن کثیر نے لکھی ہیں، ابن قیم نے اعلام الموقوعین واناثة اللہنغان میں اس پر بڑا غل مچایا ہے لعنت کی دھوم دہام ثابت کی ہے۔ پھر اللہ نے فرمایا: کہ اگر دوسرے خاوند نے بعد دخول کے طلاق دی ہے، تو پھر دونوں پر کچھ گناہ نہیں ہے، اگر وہ گمان کرتے ہیں کہ باہم اچھا برتاؤ رہے گا، اور اگر اس بات کا یقین نہیں ہے کہ اللہ کے حدود قائم رہیں گے یا تردد ہے، ایک کومیاں بیوی میں سے، یا دونوں کو، پھر اس نکاح میں پھنسا مظنہ معصیت اور حرام میں گرفتار ہونا ہے، یہ ہیں شرائع احکام اللہ کے، جن کو واسطے جاننے والوں کے بیان فرمایا ہے۔

ایک آدمی نے ایک یا دو طلاق دیکر عورت کو چھوڑ دیا، عدت گذر گئی اس نے دوسرے سے نکاح کر لیا، اس نے اس کو بعد دخول کے پھر طلاق دیدی، عدت پوری ہوئی، پھر زوج اول نے اس سے نکاح کر لیا، تو وہ عورت اس کو معہ ایک طلاق باقی کے مل سکتی ہے، یا کیا ہوگا اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، مالک شافعی احمد ایک گروہ صحابہ نے کہا یہ عود مع طلاق باقی کی ہوگا۔

دوسرا قول یہ ہے کہ زوج ثانی نے طلاق سابق کو توڑ دیا دیتا ہے، اب جو پہلے کو ملی ہے تو تینوں طلاق سمیت ملے گی، ابوحنیفہ کا مذہب یہی ہے، اس دلیل سے کہ جب دوسرا شوہر تینوں طلاق کوڑھ دیا تھا ہے تو پھر تین سے کم کو بطریق اولیٰ ڈھا دیا واللہ اعلم۔ ابن المنذر نے کہا علماء کا اجماع ہے اس بات پر کہ جب کسی ازاد مرد نے تین طلاقیں دیں، عدت گذر گئی، اس نے دوسرا خصم کر لیا، پھر اس دوسرے نے بعد دخول کے طلاق دیدی، پھر اس سے اگلے خاوند نے نکاح کیا، تو وہ عورت پاس اس کے تین طلاق پر رہی۔ تکمیل فائدہ کے لئے ہمارے جامعہ کے مفتی نے طلاق ثلاثہ کے متعلق ایک فتویٰ جاری کیا ہے، ہم اسکو ادھر لکھتے ہیں:

فتویٰ مختصر

مذکورہ مسئلہ میں اگرچہ علماء کرام کا اختلاف ہے، لیکن اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ تین طلاق واقع ہوئے ہیں، اور اس کو طلاق مغلاظ سمجھا جاتا ہے، تو احتیاط اس میں ہے کہ اس بیوی کو چھوڑ کر دوسری سے نکاح کیا جائے، لیکن اگر کسی وجہ کی بناء پر اس بیوی سے جدائی اختیار کرنا مشکل ہو، اور اس کو حلال کرنے کے لئے مختلف تدابیر اور حیل اختیار کرتے ہیں، تو پھر

اس سے بہتر یہ ہے کہ ان علماء کے قول پر عمل کیا جائے جن کی رائے یہ ہے کہ ایسی صورت میں ایک طلاق واقع ہوتی ہے، ان علماء کا قول اگرچہ اکثریت کے قول کے خلاف ہے، لیکن قرآن وحدیث سے مؤید ہے اور دین میں اکثریت کو اعتبار نہیں بلکہ دلیل کا اعتبار ہے۔

چونکہ قرآن مجید سورت بقرہ آیت: ۲۲۹، میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان“ آیت کا معنی ابن ابی العز نے شرح ہدایہ میں لکھا ہے: فان قوله ”مرتان“ لا يفهم منه مرة الامرة بعد اخرى، فاذا قال انت طالق ثلاثا هذا مرة كمن رمى الجرمة بحصاتين او اكثر رمية واحدة كانت له مرة حتى لور ماها بسبع جملة، كانت له رمية، وبقي عليه رمية ستة حصيا، ستة مرات، ولو قال عقيب الصلاة سبحان الله ثلاثا وثلاثين مرة هكذا من غير تكرير والحمد لله ثلاثا وثلاثين، كذلك والله اكبر اربعا وثلاثين كذلك، لم يكن بهذا، كما لو كرر التسبيح والتحميد والتكبير، بهذا العدد الخ.

اس قول کا حاصل یہ ہے کہ آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک جگہ جتنی بھی عدو طلاق دی جائے اس کو ایک بار ہی مانا جائے گا۔ ”قرآن کے اس لفظ کی رو سے“۔ اور ایسا ہی حدیث میں بھی ہے، جس کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے: ان ابا الصهباء قال لابن عباس ان ما كانت الثلاث تجعل واحدة على عهد النبي ﷺ و ابي بكر وثلاثا من امارة عمر وقال ابن عباس نعم: ۲/۱۰۹۹.

اور اسی صفحہ پر مسلم کی دوسری روایت میں بھی ہے: فلما كان في عهد عمر تابع الناس في الطلاق فاجازهم عليه. حدیث کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ اور تین سال خلافت عمرؓ میں عدو کے اعتبار سے جتنی بار طلاق دی جاتی تو وہ ایک ہی طلاق واقع ہوتی تھی۔ لیکن عمرؓ نے یہ سنت کچھ وقت کے لئے ترک کر کے بطور تعزیر حکم میں سختی کی، اور ایک مجلس میں تینوں طلاقوں کو تینوں ہی پر محمول کیا، تاکہ لوگ اس فعل سے منع ہو جائیں، جیسے کہ ابن ابی العز اس کی طرف اشارہ کر کے لکھتا ہے: ولا يدل عليها قول عمر، كما ادعى، وانما يدل قوله على ان الله تعالى شرع الطلاق مرة بعد اخرى للحاجة، فالذي يطلق ثلاثا يقصد استعجال ايقاعها، وكان لهم عن ذلك غنية، فان الغرض يحصل بالواحدة فزيادة الثانية والثالثة زيادة على المشروع من غير حاجة، ولهذا يحصل لهم الندم غالبا، فرأى عمرؓ

الزامہم بتعجيل ما قصدوا وتعجيله من ايقاع الثانية و الثالثة، ليرتدعوا عن الطلاق، بمنزلة التعزير لمن يفعل ذلك، فان التعزير الى رأى الامام، وعمر^{رضي} رأى ان التعزير بالزامهم بحكمها رادع لهم عن ايقاعها، لانه غير حكم الطلاق عما كان عليه. ۲/۱۲۹۹.

اور اسی وجہ سے بعض علماء کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ عمر^{رضي} نے تعزیر کیا ہے تو اصل مسئلہ کو رجوع کر کے ایک وقت میں تین طلاقوں کو ایک ہی قرار دیا، چونکہ یہ مشہور قاعدہ ہے کہ قرآن و حدیث کو رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی بھی منسوخ نہیں کر سکتا، خواہ اجماع صحابہ کیوں نہ ہو جیسا کہ ابن ابی العز^{رضي} ۳۱۲۰۴، میں رقمطراز ہیں: وان اراد به انه كان ثابتاً بالسننة، وان الصحابة بعد رسول الله ﷺ اجمعوا على نسخه، فممنوع فان النسخ لا يكون بعد رسول الله.

اور یہی وجہ ہے کہ جب عمر^{رضي} نے حج کے متعلق حکم کیا کہ تمتع نہ کرو اور حج افراد کرو تو ان کے بیٹے نے اس کے خلاف فتویٰ دیا، جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ: كان عبد الله بن عمر يفتي بالذي انزل الله عز وجل من الرخصة بالتمتع، وسن رسول الله ﷺ فيه، فيقول ناس لابن عمر، كيف تخالف اباك وقد نهى عن ذلك؟ فيقول لهم عبد الله ويلكم! الاتقون الله؟ ان كان عمر^{رضي} نهى عن ذلك، فيبتغي فيه الخير، يلتمس به تمام العمرة، فلم تحرمون ذلك وقد احلّه الله، وعمل به رسول الله ﷺ، افرسول الله احق ان تتبعوا سنته ام سنة عمر^{رضي}؟ مسند احمد: ۹/۵۱۰۔

اس طرح مسلم میں ہے کہ: عن وبيرة قال سأل رجل ابن عمر اطوف بالبيت وقد احرمت بالحج، فقال وما يمنحك؟ قال انى رأيت فلانا يكرهه، وانت احب الينامنه، رأيناه قد فتنته الدنيا، وقال وانا وايكم لم تفتنه الدنيا؟ ثم قال رأينا رسول الله ﷺ احرم بالحج، وطاف بالبيت، وسعى بين الصفا والمروة، وسنة الله وسنة رسوله احق ان تتبع من سنة فلان، ان كنت صادقاً. صحيح مسلم: ۲/۹۰۵.

مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی صحابی ایک عمل کرے اور اس کے مقابل رسول اللہ ﷺ کی حدیث موجود ہو، تو ہمیں چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث پر عمل کریں، اور اس کے بارے میں مفصل حدیث مسند ابی یعلیٰ میں نقل ہے، اور وہ بھی ابن عباس سے منقول ہے: عن ابن عباس قال طلق ركانة بنت عبد يزيد في مجلس ثلاثاً، فحزن عليها حزناً شديداً، فقال له رسول الله ﷺ كم طلقته يار كانة؟ فقال ثلاثاً، في مجلس واحد، فقال رسول

اللہ فانہا واحدة.

اور اگر کوئی اعتراض کرے کہ ابن عباسؓ نے اس روایت کے خلاف قول کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اعتبار روایت کو ہے نہ کہ کسی کی رائے کو، جیسے کہ آگے بیان ہو چکا ہے، اور تفصیل کے لئے دیکھئے: ”التنبیہ“ وہاں فرماتے ہیں کہ: **وَإِذَا مَكَانَ ان تَكُونِ الْمَخَالَفَةُ عَنِ رَأْيِ وَاجْتِهَادِ، وَهُوَ مَأْجُورٌ، وَمَغْفُورٌ لَهُ، فَالْعَبْرَةُ حِينَئِذٍ لِمَارُوِي لَالْمَارِأَى، فَاِنَّمَا مَارُوَاهُ ثَابِتٌ عَنِ قَائِلِ مَعْصُومٍ، وَمَارِأَى عَنْهُ غَيْرُ ثَابِتٍ عَنِ قَائِلِ غَيْرِ مَعْصُومٍ، وَقَدْ اخَذَ الْاَصْحَابُ فِي مَوَاضِعَ بِرَوَايَةِ مَنْ افْتَى مِنَ الصَّحَابَةِ بِخِلَافِ رَوَايَتِهِ، كَمَا فِي حَدِيثِ اَبِي هُرَيْرَةَؓ فَالْبَحْرُ هُوَ الطَّهُّورُ مَاؤُهُ ۵: ۱۳۶۶.**

اور اسی طرح علماء احناف سے بھی ضرورت کے وقت تین طلاقوں کا ایک طلاق واقع ہونا ثابت ہے۔ جیسا کہ مولانا عبدالحی (صاحب مجموع الفتاوی) لکھتے ہیں: علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟ کہ زید نے اپنی عورت کو حالت غضب میں کہا: کہ میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا، میں نے طلاق دیا۔ پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق ہونگے یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوں، اور شافعیؒ میں مثلاً واقع نہ ہوں، تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورت خاص میں عمل کرنے کی اجازت دی جاوے گی یا نہیں؟۔ الجواب: اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہونگی، اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا۔ مگر بوقت ضرورت، کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا اس کے لئے دشوار ہو، اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو۔ تقلید کسی اور امام کی اگر کرے گا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا، نظیر اس کی مسئلہ نکاح زوجہ مفقودہ و عدت ممتدة الطہور موجود ہے، کہ حنفیہ عند الضرورت امام مالکؒ کے قول پر عمل کرنے کو درست رکھتے ہیں، چنانچہ رد المحتار میں تفصیلاً ذکر ہے، لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ شخص کسی شافعی عالم سے استفسار کر کے اس کے فتوے پر عمل کرے۔ واللہ اعلم۔ حررہ عبد الحسی عفی عنہ: نسخہ اردو: ۵۳، ۵۴، ۲/۵۴۔ نسخہ فارسی: ۲/۴۲۔

اور اسی طرح ملا علی قاری نے کتاب شرح الفاظ الکفرص: ۱۷۹: میں بھی لکھا ہے کہ بوقت ضرورت دوسرے عالم کے رائے پر عمل ہو سکتا ہے۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ

اور جب تم عورتوں کو (دو دفعہ) طلاق دے چکو اور اُن کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں یا تو حسن سلوک سے نکاح میں رہنے دو یا بطریق شائستہ رخصت کر دو

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ

اور اس نیت سے اُن کو نکاح میں نہ رہنے دینا چاہیے کہ انہیں تکلیف دو اور اُن پر زیادتی کرو اور جو ایسا کرے گا

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۗ وَلَا تَخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا

وہ اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور اللہ کے احکام کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ۔

وَأذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ

اور اللہ نے تمہیں جو نعمتیں بخشی ہیں اور تم پر جو کتاب اور دانائی کی باتیں نازل کی ہیں۔

يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

جن سے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے اُن کو یاد کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور اُن کی عدت پوری ہو جائے تو اُن کو دوسرے شوہروں کیساتھ جب

إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ

وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں نکاح کرنے سے مت روکو۔ اس (حکم) سے اُس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں

يَوْمَئِذٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا

سے اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ یہ تمہارے لئے نہایت خوب اور پاکیزگی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم

تَعْلَمُونَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِينَ يَرِضُنَ أَولَادَهُنَّ حَوْلِينَ كَامِلِينَ لِمَنْ أَرَادَ

نہیں جانتے۔ اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں یہ (حکم) اُس شخص کیلئے ہے جو پوری مدت تک دودھ

أَنْ يُتِمَّ الرِّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ

پلوانا چاہئے اور دودھ پلانے والی ماؤں کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق باپ کے ذمے ہو گا۔

لَا تُكَلِّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا لَا تُضَارُّ وَالِدًا وَلَا بَوْلِدًا

کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی (تو یاد رکھو کہ) نہ تو ماں کو اس کے بچے کے سبب نقصان پہنچایا جائے۔

وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ

اور نہ باپ کو اس کی اولاد کی وجہ سے نقصان پہنچایا جائے۔ اور اسی طرح (نان نفقہ) بچے کے وارث کے ذمے ہے۔

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

اور اگر دونوں (یعنی ماں باپ) آپس کی رضا مندی اور صلاح سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔

وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا

اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم دونوں پلانے والیوں کو دستور کے مطابق ان کا حق

آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۳﴾

جو تم نے دینا تھا دیدو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ

اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں تو عورتیں چار مہینے دس دن اپنے آپ کو روکے رہیں

وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ

اور جب (یہ) عدت پوری کر چکیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کر لیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں

بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۳۴﴾ جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا

اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ اگر تم (اشارے) کنائے کی باتوں میں عورتوں کو

عَرَضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ عِلْمَ اللَّهِ

نکاح کا پیغام بھیجو یا (نکاح کی خواہش کو) اپنے دلوں میں مخفی رکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اللہ کو معلوم ہے

أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُؤَاعِدُوهُنَّ سِرًّا

کہ تم ان سے (نکاح کا) ذکر کرو گے مگر (ایام عدت میں) اس کے سوا کہ دستور کے مطابق کوئی بات کہہ دو۔

إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ

پوشیدہ طور پر ان سے قول و اقرار نہ کرنا اور جب تک عدت پوری نہ ہو جائے نکاح کا پختہ ارادہ نہ کرنا۔

حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابَ أَجَلَهُ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ

اور جان رکھو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے تو اس سے ڈرتے رہو۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ النِّكَاحِ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ

اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور حلم والا ہے۔ اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے یا ان کا مہر مقرر کرنے سے پہلے طلاق دیدو

مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَىٰ الْمَوْسِعِ قَدَرُهُ

تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔ ہاں ان کو دستور کے مطابق کچھ خرچ ضرور دو (یعنی) مقدور والا اپنے مقدور کے مطابق دے

وَعَلَىٰ الْمُقْتَرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَىٰ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۵﴾

اور تنگدست اپنی حیثیت کے مطابق۔ نیک لوگوں پر یہ ایک طرح کا حق ہے۔

وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فِصْفُ

اور اگر تم عورتوں کو ان کے پاس جانے سے پہلے طلاق دیدو لیکن مہر مقرر کر چکے ہو تو آدھا مہر دینا ہو گا۔

مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ

ہاں اگر عورتیں بخش دیں یا مرد جن کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے (اپنا حق) چھوڑ دیں (اور پورا مہر دیدیں تو ان کو اختیار ہے)

وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبَ لِلتَّقْوَىٰ وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ

اور اگر تم مرد لوگ ہی اپنا حق چھوڑ دو تو یہ پرہیزگاری کی بات ہے۔ اور آپس میں بھلائی کرنے کو فراموش نہ کرنا۔

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۷﴾ فِظُورًا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ

کچھ شک نہیں کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ (مسلمانوں) سب نمازیں خصوصاً درمیانی نماز (یعنی نمازِ عصر)

الْوَسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَنِينٌ ﴿۳۸﴾ إِن خِفْتُمْ فَرِجَالًا

پورے التزام کیساتھ ادا کرتے رہو اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔ اگر تم خوف کی حالت میں ہو تو پیادے

أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم

یا سوار (جس حال میں ہو نماز پڑھ لو) پھر جب امن ہو جائے تو جس طریق سے اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔

مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾ وَالَّذِينَ يَتُوفَّوْنَ مِنْكُمْ

جو تم پہلے نہیں جانتے تھے اللہ کو یاد کرو۔ اور جو لوگ تم میں سے مر جائیں اور عورتیں چھوڑ جائیں۔

وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا وَصِيَّةً لَّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ

وہ اپنی عورتوں کے حق میں وصیت کر جائیں کہ ان کو ایک سال تک خرچ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں۔

فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ

ہاں اگر وہ خود گھر سے نکل جائیں اور اپنے حق میں پسندیدہ کام (یعنی نکاح) کر لیں تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۰﴾ وَالْمُطَلَّاتُ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى

اور اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والا ہے۔ اور مطلقہ عورتوں کو بھی دستور کے مطابق نان و نفقہ دینا چاہیے پرہیزگاروں پر (یہ بھی) حق ہے

الْمُتَّقِينَ ﴿۴۱﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۴۲﴾

اسی طرح اللہ اپنے احکام تمہارے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو۔ بھلا

تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ

تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو (شام میں) ہزاروں ہی تھے اور موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے۔

فَقَالَ لَهُمْ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ

تو اللہ نے ان کو حکم دیا کہ مر جاؤ۔ پھر ان کو زندہ بھی کر دیا کچھ شک نہیں کہ اللہ لوگوں پر مہربانی رکھتا ہے لیکن

أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۳۳﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ يَتْلُو فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ

اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔ اور (مسلمانو!) اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان رکھو کہ اللہ (سب کچھ)

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۳۴﴾ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفُهُ لَهُ

سنتا اور (سب کچھ) جانتا ہے۔ کوئی ہے کہ اللہ کو قرض حسندے کہ وہ اس کے بدلے اُس کو کئی حصے زیادہ دے گا

أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْسُطُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۳۳۵﴾

اور اللہ ہی روزی کو تنگ کرتا اور کشادہ کرتا ہے اور تم اُسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَآئِمِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّ لَهُمْ

بھلا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو نہیں دیکھا جس نے موسیٰ کے بعد اپنے پیغمبر سے کہا

أَبْعَثْ لَنَا مَلَكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

کہ آپ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگر تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے

الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ

تو عجب نہیں کہ لڑنے سے پہلو تہی کرو۔ وہ کہنے لگے کہ ہم اللہ کی راہ میں کیوں نہ لڑیں گے جب کہ ہم وطن سے

دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ وَاللَّهُ

اور بال بچوں سے جدا کر دیئے گئے۔ لیکن جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا تو چند لوگوں کے سوا سب پھر گئے اور اللہ تعالیٰ ظالموں

عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۲۴﴾ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ

سے خوب واقف ہے۔ اور پیغمبر نے ان سے (یہ بھی) کہا کہ اللہ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا ہے۔

مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

وہ بولے کہ اُسے ہم پر بادشاہی کا حق کیونکر ہو سکتا ہے؟ بادشاہی کے مستحق تو ہم ہیں

وَلَمْ يُوْتِ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً

اور اُس کے پاس تو بہت سی دولت بھی نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اللہ نے اُس کو تم پر (فضیلت دی ہے اور بادشاہی کیلئے) منتخب فرمایا ہے

فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۗ وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ

اُس نے اُسے علم بھی بہت سا بخشا ہے اور تن بھی (بڑا عطا کیا ہے) اور اللہ (کو اختیار ہے) جسے چاہے بادشاہی بخشے

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۷﴾ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ

اور وہ بڑا وسعت والا اور دانا ہے۔ اور پیغمبر نے اُن سے کہا کہ اُن کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے۔

أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ

کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا جس کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس میں تمہارے رب کی طرف سے تسلی

وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ

ہو گی اور کچھ اور چیزیں بھی ہوں گی جو موسیٰ اور ہارون چھوڑ گئے تھے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۸﴾ لَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ

اگر تم ایمان رکھتے ہو تو یہ تمہارے لئے ایک بڑی نشانی ہے۔ جب طالوت نو جیس لیکر روانہ ہوا

بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ

تو اُس نے کہا کہ اللہ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ جو شخص اُس میں سے پانی پی لے گا

فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا

(اُس کی نسبت تصور کیا جائیگا کہ) وہ میرا نہیں اور جو نہ پیئے گا وہ (سمجھا جائیگا کہ) میرا ہے۔ ہاں اگر کوئی

مَنْ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا

ہاتھ سے چلو بھر پانی لے لے (تو خیر جب وہ لوگ نہر پر پہنچے) تو چند اشخاص کے سوا سب نے پانی پی لیا۔

جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ

پھر جب طالوت اور مومن لوگ جو اُس کیساتھ تھے نہر کے پار ہو گئے تو کہنے لگے کہ آج ہم میں جالوت

وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلِقُوا اللَّهَ كَمُ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ

اور اُس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں۔ جو لوگ یقین رکھتے تھے کہ اُن کو اللہ کے روبرو حاضر ہونا ہے وہ کہنے لگے کہ بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے

عَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۲۴﴾

اللہ کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے اور اللہ استقلال رکھنے والوں کیساتھ ہے۔

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا

اور جب وہ لوگ جالوت اور اُس کے لشکر کے مقابلے میں آئے تو (اللہ سے) دعا کی کہ اے اللہ ہم پر صبر کے دہانے کھول دے

وَوَثِّبْتَ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ

اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ اور (لشکر) کفار پر فتح عطا فرما۔

﴿۲۲۵﴾ لَمَّا هَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ

تو طالوت کی فوج نے اللہ کے حکم سے اُن کو ہزیمت دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر ڈالا اور اللہ نے اُس کو بادشاہی

وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضُهُمْ

اور دانائی بخشی اور جو کچھ چاہا سکھایا۔ اور اللہ لوگوں کو ایک دوسرے پر (چڑھائی اور حملہ کرنے) سے نہ ہٹاتا

لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۰۱﴾ ﴿۱۰۰﴾

تو ملک تباہ ہو جاتا لیکن اللہ تعالیٰ اہل عالم پر بڑا مہربان ہے۔ یہ

آیۃ اللہ نزلوہا علیک بالحقّ وإنک لمن المرسلین ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۱﴾

اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں سچائی کیساتھ پڑھ کر سناتے ہیں (اور اے محمد ﷺ!) تم بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہو۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّن كَلَّمَ اللَّهُ

یہ پیغمبر (جو ہم وقتاً فوقتاً بھیجتے رہے ہیں) اُن میں سے ہم نے بعضکو بعض پر فضیلت دی ہے۔ بعض ایسے ہیں جن سے اللہ نے گفتگو فرمائی

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيْتَ وَإِدْنَهُ

اور بعض کے (دوسرے امور میں) مرتبے بلند کئے۔ اور عیسیٰ بن مریم کو ہم نے کھلی ہوئی نشانیاں عطا کیں

بِرُوحِ الْقُدُسِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِن بَعْدِهِمْ مِّن بَعْدِ

اور روح القدس سے اُن کو مدد دی اور اگر اللہ چاہتا تو اُن سے پچھلے لوگ اپنے پاس کھلی نشانیاں آنے کے بعد

مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ وَلَكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ

آپس میں نہ لڑتے لیکن انہوں نے اختلاف کیا تو اُن میں سے بعض تو ایمان لے آئے اور بعض کافر ہی رہے

﴿۱۰۳﴾ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۱﴾

اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ باہم جنگ و قتال نہ کرتے لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِّن قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ

اے ایمان والو جو (مال) ہم نے تمہیں دیا اُس میں سے اُس دن کے آنے سے پہلے پہلے خرچ کر لو جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہو

وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۳﴾ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۱﴾

اور نہ دوستی اور نہ سفارش ہو سکے اور کفر کرنے والے لوگ ظالم ہیں۔ اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

زندہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اُسے نہ اُدکھ آتی ہے اور نہ نیند۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

کون ہے کہ اُس کی اجازت کے بغیر اُس سے (کسی کی) سفارش کر سکے۔ جو کچھ لوگوں کے رو برو ہو رہا ہے۔

وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ

اور جو کچھ اُن کے پیچھے ہو چکا ہے اُسے سب معلوم ہے۔ اور یہ لوگ اُس کی معلومات میں سے کسی چیز پر دسترس حاصل نہیں کر سکتے

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ

ہاں جس قدر وہ چاہتا ہے اُس کی بادشاہی آسمان اور زمین سب پر حاوی ہے۔ اور اُسے اُن کی حفاظت کچھ بھی دشوار نہیں

حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۲۸﴾

اور وہ بڑا عالی رتبہ اور جلیل القدر ہے۔ [۲۸]

[۲۸] یہ آیت قرآن کریم کی عظیم ترین آیت ہے، احادیث میں اس کے بڑے فضائل و برکات مذکور ہیں، مسند احمد کی

روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کو سب آیات سے افضل فرمایا ہے، اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ رسول

اللہ ﷺ نے ابی بن کعبؓ سے دریافت کیا کہ قرآن کریم میں کونسی آیت سب سے زیادہ عظیم ہے؟ ابی بن کعبؓ نے عرض

کیا، آیت الکرسی، نبی کریم ﷺ نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے فرمایا، اے ابوالمزدر تمہیں علم مبارک ہو۔

ابو ذرؓ نے رسول پاک ﷺ سے دریافت کیا: یا رسول اللہ قرآن میں عظیم تر آیت کونسی ہے؟ فرمایا، آیت الکرسی

(ابن کثیر عن احمد فی المسند)۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سورت بقرہ میں ایک آیت ہے جو سیدہ آیات قرآن ہے، وہ

جس گھر میں پڑھی جائے، شیطان اس سے نکل جاتا ہے۔ سنائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص

ہر نماز فرض کے بعد آیت الکرسی پڑھا کرے تو اس کو جنت میں داخل ہونے کے لئے بجز موت کے کوئی مانع نہیں ہے، یعنی

موت کے بعد فوراً وہ جنت کے اثار اور راحت و آرام کا مشاہدہ کرنے لگے گا۔ اس آیت میں اللہ جل شانہ کی توحید ذات و صفات کا بیان ایک عجیب و غریب انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ جس میں اللہ جل شانہ کا موجود ہونا، زندہ ہونا، سمیع و بصیر ہونا، متکلم ہونا، واجب الوجود ہونا، دائم و باقی ہونا، سب کائنات کا موجد و خالق ہونا، تغیرات اور تاثرات سے بالاتر ہونا، تمام کائنات کا مالک ہونا، صاحب عظمت و جلال ہونا، کہ اس کے آگے کوئی بغیر اس کی اجازت کے بول نہیں سکتا، ایسی قدرت کاملہ کا مالک ہونا، کہ سارے عالم اور اس کی کائنات کو پیدا کرنے، باقی رکھنے، اور ان کا نظام محکم قائم رکھنے سے اس کو نہ کوئی تھکان پیش آتا ہے نہ سستی، ایسے علم محیط کا مالک ہونا، جس سے کوئی کھلی یا چھپی چیز کا کوئی ذرہ یا قطرہ باہر نہ رہے، یہ اجمالی مفہوم ہے، اس آیت کا اب تفصیل کے ساتھ اس الفاظ کے معنی سنئے: اس آیت میں دس جملے ہیں:

پہلا جملہ: ”اللہ لا الہ الاہو“ اس میں ”اللہ“ اسم ذات ہے، جس کے معنی ہیں ”وہ ذات جو تمام کمالات کی جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے“ ”لا الہ الاہو“ میں اسی ذات کا بیان ہے کہ قابل عبادت، اس ذات کے سوا کوئی چیز نہیں۔

دوسرا جملہ ہے ”الحی القيوم“، لفظ ”حی“ کے معنی عربی زبان میں ہیں ”زندہ“ اسمائے الہیہ میں سے یہ لفظ لاکریہ بتلانا ہے کہ وہ ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا ہے، وہ موت سے بالاتر ہے۔

لفظ ”قیوم“ قیام سے نکالا ہے، قیام کے معنی کھڑا ہونا، قائم کھڑا ہونے والے کو کہتے ہیں، قیوم، اور، قیام مبالغہ کے صیغہ کہلاتے ہیں، انکے معنی ہیں وہ جو خود قائم رہ کر دوسروں کو قائم رکھتا، اور سنبھالتا ہے، قیوم حق تعالیٰ کی خاص صفت ہے، جس میں کوئی مخلوق شریک نہیں ہو سکتی، کیونکہ جو چیزیں خود اپنے وجود و بقاء میں کسی دوسرے کی محتاج ہوں وہ کسی دوسری چیز کو کیا سنبھال سکتی ہیں؟

اس لئے کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں۔ جو لوگ عبد القیوم کے نام کو بگاڑ کر صرف قیوم بولتے ہیں گنہگار ہوتے ہیں۔ اللہ جل شانہ کے اسمائے صفات میں حی و قیوم کا مجموعہ بہت سے علماء کے نزدیک اسم اعظم ہے۔ علیؑ فرماتے ہیں کہ غزوہ بدر میں، میں نے ایک وقت یہ چاہا کہ نبی کریم ﷺ کو دیکھوں، آپ ﷺ کیا کر رہے ہیں؟ پہنچا، تو دیکھا کہ آپ ﷺ سجدہ میں پڑے ہوئے بار بار ”یا حی، یا قیوم، یا قیام“ کہہ رہے ہیں۔

تیسرا جملہ: ”لا تأخذہ سنة ولا نوم“ ہے لفظ ”سنة“ میں ”س“ کے زیر کے ساتھ اونگھ کو کہتے ہیں، جو نیند کے ابتدائی آثار ہوتے ہیں، اور نوم مکمل نیند کو، اس جملہ کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ جل شانہ اونگھ اور نیند سب سے بری وبالا ہے، پچھلے جملے میں لفظ ”قیوم“ نے جب انسان کو یہ بتلایا کہ اللہ جل شانہ سارے اسمانوں، اور زمینوں، اور ان میں سمآنے والی تمام کائنات کو تھامے اور سنبھالے ہوئے ہیں، اور ساری کائنات اسی کے سہارے قائم ہے، تو ایک انسان کا خیال اپنی جبلت و فطرت کے مطابق اس طرف جانا ممکن ہے کہ جو ذات پاک اتنا بڑا کام کر رہی ہے، اس کو کسی وقت تھکان بھی ہونا چاہئے، کچھ وقت آرام اور نیند کے لئے بھی ہونا چاہیے، اس دوسرے جملے میں محدود علم و بصیرت اور محدود قدرت رکھنے والے انسان کو اس پر متنبہ کر دیا کہ اللہ جل شانہ کو اپنی اوپر یا دوسری مخلوقات پر قیاس نہ کرے، اپنا جیسا نہ سمجھے، وہ مثل و مثال سے بالاتر ہے، اس کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سارے کام نہ کچھ مشکل ہیں نہ اس کے لئے تھکان کا سبب ہیں، اور اس کی ذات پاک تمام تاثرات اور تھکان و تعب اور اونگھ اور نیند سے بالاتر ہے۔

چوتھا جملہ: ”لہ مافی السموات و مافی الارض“ اس کے شروع میں لفظ ”لہ“ کا لام تملیک کے معنی کے لئے آیا ہے، جس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام چیزیں جو اسمانوں یا زمین میں ہیں سب اللہ کی مملوک ہیں، وہ مختار ہے، جس طرح چاہے ان میں تصرف فرماوے۔

پانچواں جملہ ہے: ”مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ“ یعنی ایسا کون ہے جو اس کے آگے کسی کی سفارش کر سکے۔ بدون اس کی اجازت کے، اس میں چند مسائل بیان فرمادیئے ہیں، اول یہ کہ جب اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے، کوئی اس سے بڑا اور اس کے اوپر حاکم نہیں، تو کوئی اس سے کسی کام کے بارے میں باز پرس کرنے کا بھی حق دار نہیں، وہ جو حکم جاری فرمائیں اس میں کسی کو چون و چرا کی مجال نہیں، ہاں یہ ہو سکتا تھا کہ کوئی شخص کسی سفارش و شفاعت کرے، سو اس کو بھی واضح فرمادیا، کہ بارگاہِ عزت و جلال میں کسی کو مجال دم زدن نہیں، ہاں کچھ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں جن کو خاص طور پر کلام اور شفاعت کی اجازت دیدی جائیگی، غرض بلا اجازت کوئی کسی کی سفارش و شفاعت بھی نہ کر سکے گا، حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ محشر میں سب سے پہلے ساری امتوں کی میں شفاعت کروں گا، اسی کا نام مقام محمود ہے، جو رسول ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔

چھٹا جملہ ہے: ”يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ“، یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے آگے پیچھے کے تمام حالات و واقعات سے واقف و باخبر ہے، آگے اور پیچھے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے پیدا ہونے سے پہلے اور پیدا ہونے کے بعد کے تمام حالات و واقعات حق تعالیٰ کے علم میں ہیں، اور یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ آگے سے مراد وہ حالات ہے جو انسان کے لئے کھلے ہوئے ہیں، اور پیچھے سے مراد اس سے مخفی واقعات و حالات ہوں، تو معنی یہ ہونگے کہ انسان کا علم تو بعض چیزوں پر ہے اور بعض پر نہیں، کچھ چیزیں اس کے سامنے کھلے ہوئی ہیں کچھ چھپی ہوئی، مگر اللہ جل شانہ کے سامنے یہ سب چیزیں برابر ہیں اس کا علم ان سب چیزوں کو یکساں محیط ہے، اور ان دونوں مفہوموں میں کوئی تعارض نہیں، آیت کی وسعت میں یہ دونوں داخل ہیں:

ساتواں جملہ ہے: ”وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ“ یعنی انسان اور تمام مخلوقات اللہ کے علم کے کسی حصہ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے، مگر اللہ تعالیٰ ہی خود جس کو جتنا حصہ علم عطا کرنا چاہیں صرف اتنا ہی اس کو علم ہو سکتا ہے، اس میں بتلا دیا گیا کہ تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم محیط صرف اللہ جل شانہ کی خصوصی صفت ہے۔ انسان یا کوئی مخلوق اس میں شریک نہیں ہو سکتی۔

آٹھواں جملہ ہے: ”وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ“ یعنی اس کی کرسی اتنی بڑی ہے جس کی وسعت کے اندر ساتوں آسمان اور زمین سمائے ہوئے ہیں، اس قسم کی آیات کو اپنے معاملات پر قیاس نہ کیا جائے، اس کی کیفیت و حقیقت کا ادراک انسانی عقل سے بالاتر ہے، البتہ مستند روایات حدیث سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ عرش اور کرسی بہت عظیم الشان جسم ہیں، جو تمام آسمان اور زمین سے بدرجہا بڑے ہیں۔

ابن کثیر نے بروایت ابو ذر غفاری نقل کیا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ کرسی کیا اور کبھی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی مثال کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں کوئی حلقہ انگشتی جیسا ڈال دیا جائے۔ اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ عرش کے سامنے کرسی کی مثال بھی ایسی ہی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں انگشتی کا حلقہ۔ نواں جملہ ہے:

”وَلَا يُوَدُّهُ حِفْظُهُمَا“ یعنی اللہ تعالیٰ کو ان دونوں عظیم مخلوقات آسمان زمین کی حفاظت کچھ گراں نہیں =

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ

دین (اسلام) میں زبردستی نہیں ہے ہدایت (صاف طور پر ظاہر اور) گمراہی سے الگ ہو چکی ہے تو جو شخص

يَكْفُرُ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ

غیر اللہ سے اعتقاد نہ رکھے اور اللہ پر ایمان لائے اُس نے ایسی مضبوط رسی ہاتھ میں پکڑ لی ہے

بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۹﴾

جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں اور اللہ (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے۔ [۴۹]

= معلوم ہوتی، کیونکہ اس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کے سامنے یہ سب چیزیں نہایت آسان ہیں۔

دسواں آخری جملہ ہے: ”وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ“ یعنی وہ عالیشان اور عظیم الشان ہے، پچھلے نو جملوں میں حق

تعالیٰ کی ذات و صفات کے کمالات بیان ہوئے ہیں ان کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد ہر عقل رکھنے والا انسان یہی کہنے

پر مجبور ہے کہ ہر عزت و عظمت اور بلندی و برتری کی مالک و سزاوار وہی ذات پاک ہے (تک عشرۃ کاملتہ) ان دس جملوں

میں اللہ جل شانہ کی صفات کمال اور اس کی توحید کا مضمون پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ آ گیا۔ امام بقاعی نے اس

آیت کی تفسیر میں ایک مکمل جلد لکھی ہے۔

[۴۹] اسلام کو مضبوط پکڑنے والا چونکہ ہلاکت اور محرومی سے محفوظ رہتا ہے اس لئے اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی جو کسی

مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تام کر گرنے سے مامون رہتا ہے، اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ

نہیں اور یوں کوئی رسی ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے، اسی طرح اسلام میں کسی قسم کی ہلاکت اور خسران نہیں ہے، اور خود کوئی

اسلام کو ہی چھوڑ دیں تو اور بات ہے۔ (بیان القرآن)۔

اس آیت کو دیکھتے ہوئے بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دین میں زبردستی

نہیں ہے، حالانکہ اسلام میں جہاد اور قتال کی تعلیم اس کے معارض ہے۔ اگر ذرا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے

کہ یہ اعتراض صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اسلام میں جہاد اور قتال کی تعلیم لوگوں کو قبول ایمان پر مجبور کرنے کے لئے نہیں =

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کا دوست اللہ تعالیٰ ہے کہ ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے اور جو کافر ہیں

أُولَئِكَ لَهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ أُولَئِكَ

ان کے دوست شیطان ہیں جو ان کو روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۷﴾ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ

اہل دوزخ ہیں کہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے۔ بھلام نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جو اس سبب سے کہ اللہ نے اُسکو سلطنت بخشی تھی ابراہیم سے رب

أَنَّ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا

کے بارے میں جھگڑنے لگا۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔ وہ بولا کہ

أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ

جلانا اور مارنا تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے

فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۸﴾

آپ اُسے مغرب سے نکال دیجئے (یہ سن کر) کافر حیران رہ گیا۔ اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا [۵۰]

= ہے، ورنہ جزیہ لے کر کفار کو اپنی ذمہ داری میں رکھنے اور ان کی جان و مال و ابرو کی حفاظت کرنے کے اسلامی احکام کیسے جاری ہوتے، بلکہ دفع فساد کے لئے ہے کیونکہ فساد اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، جس کے درپے کافر رہتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمَفْسِدِينَ“ (مائدہ: ۶۴)۔ یہ لوگ زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد اور قتال کے ذریعے سے ان لوگوں کے فساد کو دور کرنے کا حکم دیا ہے، پس ان لوگوں کا قتل ایسا ہی ہے جیسے سانپ، بچھو اور دیگر موذی جانوروں کا قتل، اسلام نے عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور اپانچ وغیرہ کے قتل

کو عین میدان جہاد میں بھی سختی سے روکا ہے، کیونکہ وہ فساد کرنے پر قادر نہیں ہوتے، ایسے ہی ان لوگوں کے بھی قتل کرنے کو روکا ہی جو جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے قانون کے پابند ہو گئے ہوں۔

اسلام کے اس طرز عمل سے واضح ہو جاتا ہے، کہ وہ جہاد اور قتال سے لوگوں کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا، بلکہ اس سے وہ دنیا میں ظلم و ستم کو مٹا کر عدل و انصاف اور امن و امان قائم رکھنا چاہتا ہے، عمرؓ نے ایک نصرانی بڑھیا کو اسلام کی دعوت دی، تو اس کے جواب میں اس نے کہا: اناعاجوز کبیر وقو الموت الیٰ قریب، یعنی میں ایک قریب المرگ بڑھیا ہوں، آخری وقت میں اپنا مذہب کیوں چھوڑوں؟ عمرؓ نے یہ سن کر اس کو ایمان پر مجبور نہیں کیا۔ بلکہ یہی آیت تلاوت فرمائی: ”لا اکوہ فی الدین“ یعنی دین میں زبردستی نہیں ہے۔ درحقیقت ایمان کے قبول پر جبر واکراہ ممکن بھی نہیں ہے اس لئے کہ ایمان کا تعلق ظاہری اعضاء سے نہیں ہے، بلکہ قلب کے ساتھ ہے، اور جبر واکراہ کا تعلق صرف ظاہری اعضاء سے ہوتا ہے، اور جہاد و قتال سے صرف ظاہری اعضاء ہی متاثر ہو سکتے ہیں، لہذا اس کے ذریعے سے ایمان کے قبول کرنے پر جبر ممکن نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آیات جہاد و قتال آیت ”لا اکوہ فی الدین“ کے معارض نہیں ہیں۔ (منظہری، قرطبی)۔

[۵۰] اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جو ضد و عناد کی وجہ سے کفر پر رہنا چاہتے ہیں، اور اپنے اختیار سے کفر کی راہ اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے ایمان کی توفیق چھین کر شیطانوں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے، جو ان کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کے دل شبہات کی سیاہی سے بالکل ڈھک جاتے ہیں اور ان سے فطری نور چھین لیا جاتا ہے اور ان کے دلوں پر مہر جباریت لگ جاتی ہے۔

”اولئک“ کا اشارہ ”الذین کفروا“ کی طرف ہے یعنی وہ لوگ جنہوں نے عنادا اور اختیاراً کفر قبول کیا ہے، وہ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے بعد اللہ نے تین قصے بیان فرمائے ہیں۔

”الم تر“ الایۃ یہ پہلا واقعہ ہے اور اسکو بطور تمثیل ذکر کیا گیا ہے۔ کہ ضدی اور معاند آدمی کو وضوح حق کے باوجود قبول حق کی توفیق نہیں ملتی۔ جیسا کہ نمرود کے سامنے ابراہیم علیہ السلام نے ٹھوس اور اطمینان بخش دلائل سے اللہ کی توحید واضح کر کے اس پر حجت الہی قائم کر دی، مگر اس کے باوجود اس نے اسے قبول نہ کیا، کیونکہ وہ ضد و عناد کے وجہ سے قبول حق کی استعداد سے محروم ہو چکا تھا۔ جس شخص سے ابراہیم علیہ السلام کے مناظرے کا یہاں ذکر ہے، مفسرین نے اس

سے نمرود مراد لیا ہے، جو اس زمانے کا بڑا ظالم و جاہل اور سرکش بادشاہ تھا، اور خود کو اللہ کا شریک سمجھتا تھا۔ ”ہذا الذی حاج ابراہیم فی ربہ“ وہو ملک بابل نمرود بن کنعان بن کوش بن سام بن نوح (ابن کثیر، قرطبی)۔

”اِنَّ“ سے پہلے لام تعلیلیہ محذوف ہے، یعنی اللہ کے بارے میں اس کے جھگڑنے کا سبب یہ تھا کہ اللہ نے اس کو حکومت دی، اقتدار بخشا، اور وہ شہہ اقتدار سے مخمور ہو کر غرور کرنے لگا، اور اللہ کا شریک بن بیٹھا۔ لان اتساء اللہ، یعنی ان ایتساء الملک ابطرہ و اورثہ الکبر فحاج لذلک (مدارک)۔ ”اِذْ ظُفِرَ“ کے متعلق ہے، ابراہیم علیہ السلام کا یہ قول نمرود کے سوال کا جواب ہے، نمرود نے سوال کیا تھا کہ وہ رب کونسا ہے جس کی توحید کی تو دعوت دیتا ہے؟ قالہ اترقول نمرود من ربک الذی تدعو الیہ؟ (روح)۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں اللہ کی دو ایسی صفتوں کا ذکر کیا جو بالکل واضح تھیں، اور جن کا روزمرہ کی زندگی میں نمرود بھی مشاہدہ کرتا تھا، یعنی زندہ کرنا، پیدا کرنا، اور مارنا۔ موت و حیات اللہ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہتا ہے زندگی عطا کرتا ہے، اور جس سے چاہتا ہے زندگی سلب کر لیتا ہے۔

”قال اناسی وامیت“ اس ضدی ملعون نے ان کے قول کو غلط مفہوم میں لیا اور کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ جس کو زندگی دیتا یا جس سے زندگی چھینتا ہے وہ ظاہری اسباب ہی کے ذریعے ایسا کرتا ہے، اور اس طرح ظاہری اسباب کے ذریعے تو میں بھی ایسا کر سکتا ہوں۔ مثلاً جسے چاہوں معاف کر دوں اور جسے چاہوں قتل کر دوں۔ نمرود خوب جانتا تھا کہ موت و حیات اس کے قبضہ میں نہیں، مگر محض ضد و عناد اور ڈھٹائی کی بناء پر اس نے یہ جواب دیا۔

وانما اراد ان يدعی لنفسه هذا المقام عنادا و مکابرة (ابن کثیر)۔ ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ وہ ضد اور ڈھٹائی پر تلا ہوا ہے، اس لئے فوراً ایسی دلیل پیش کر دی، جس کے سامنے وہ بالکل بے بس ہو گیا، اور اس کی ضد و ڈھٹائی کی بھی پیش نہ چل سکی، جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا، ان کی پہلی دلیل اس سرکش پر کارگر نہیں ہوئی تو فوراً دوسری دلیل پیش فرمادی، جس طرح طبیب حاذق جب دیکھتا ہے کہ مریض کو ایک نسخہ سے فائدہ نہیں ہوا تو اس کے لئے دوسرا نسخہ تجویز کر دیتا ہے، اسی طرح ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق کی طرف سے نکالتا ہے اگر تو الہ ہے تو اسے مغرب کی طرف سے نکال کر دکھا دے۔ ”فبہت الذی کفر“ اس پر وہ کافر جھگڑا جو حیرت زدہ ہو گیا اور اپنا سامنے لیکر رہ گیا۔ ”واللہ لایہدی القوم الظالمین“ جو لوگ ضد و عناد کے وجہ سے حق قبول نہیں کرتے، اور اپنے لئے عذاب جہنم کا سامان مہیا کرتے ہیں، ایسے ظالموں کو اللہ ہدایت قبول کرنے کی توفیق نہیں دیتا۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا

یا اسی طرح اُس شخص کو (نہیں دیکھا) جسے ایک گاؤں میں جو اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا اتفاق گزر ہوا تو اُس نے کہا کہ

قَالَ اِنِّي يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ

اللہ اس (کے باشندوں) کو مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا تو اللہ نے اُس کی روح قبض کر لی (اور) سو برس تک (اُس کو مردہ رکھا)

ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ

پھر اُس کو جلا اٹھایا اور پوچھا کہ تم کتنا عرصہ (مرے) رہے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ ایک دن یا اُس سے بھی کم۔

قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ

اللہ نے فرمایا کہ (نہیں) بلکہ سو برس (مرے) رہے ہو۔ اور اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو دیکھو کہ (اتنی مدت میں مطلق) گلی سڑی نہیں

وَأَنْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَ آيَةً لِلنَّاسِ

اور اپنے گدھے کو بھی دیکھو (جو مر پڑا ہے) غرض (ان باتوں سے) یہ ہے کہ ہم تم کو لوگوں کیلئے (اپنی قدرت کی) نشانی بنا سکیں

وَأَنْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا

اور (ہاں گدھے کی) ہڈیوں کو دیکھو کہ ہم اُن کو کس طرح جوڑ دیتے اور اُن پر گوشت پوست چڑھا دیتے ہیں۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۵۱﴾

جب یہ واقعات اُس کے مشاہدے میں آئے تو بول اٹھا کہ میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے [۵۱]

[۵۱] یہ دوسرا واقعہ ہے اور ”او“ تو بوجہ یہ یعنی دوسری نوع کے بیان کے لئے ہے یہ قصہ اس کی تشبیل ہے کہ جو لوگ

اللہ کی طرف انابت کرتے ہیں۔ حق و صداقت اور اطمینان باطن کے متلاشی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کس طرح ان کی دستگیری کرتا، اور

ان کے اطمینان کا سامان مہیا کرتا ہے۔ استشہاد علی ما ذکر من ولايته تعالیٰ للمؤمنين وتقرير له. (ابو

السعود)۔

”کالذی“ میں ”ک“، تمثیل کے لئے ہے، یعنی اس کے منجملہ شواہد میں سے ایک یہ ہے، اس قسم کے اور بھی کئی واقعات ہو چکے ہیں، مثلاً ایک واقعہ، الم تر الی الذین خرجوا (بقرہ: ۲۴۳) میں مذکور ہوا ہے، کہ بعض مومنوں کو قتال نہ کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مار کر پھر زندہ فرمایا۔

یا ”ک“، زندہ ہے، ”الذی مر“ کے بارے میں اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ وہ عزیر علیہ السلام تھے، و المار هو عزیر بن شریخا کما اخرجہ الحاکم عن علیؓ، و اسحاق بن بشر عن ابن عباسؓ و عبد اللہ بن سلام و الیہ ذهب قتادة و عكرمة و الربیع و الضحاک و السدی و خلق كثير (روح)۔

اور قریہ سے مراد بیت المقدس ہے جسے بخت نصر نے تباہ و برباد کیا تھا، و قتال عكرمة و الربیع و وهب هی بیت المقدس و كان قد حاربها بخت بنصر و هذا هو الاشهر (روح المعانی، بحر)۔

انہوں نے جب اس کی تباہی کا منظر دیکھا تو اظہار تأسف کے طور پر کہا کہ اللہ تعالیٰ اس بستی والوں کو دوبارہ کس طرح زندہ کرے گا؟ مطلب یہ نہیں کہ انہیں ان کے دوبارہ جی اٹھنے کا یقین نہیں تھا، بلکہ وہ کیفیت احیاء کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ ”فاماته الله“ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کیفیت احیاء کا مشاہدہ کرانے کے لئے ان پر موت وارد کر دی، اور وہ پورے سوسال اسی حالت میں زمین کے اوپر ہی پڑے رہے، اور سوسال کا عرصہ گزر جانے کے بعد اللہ نے ان کو زندہ کیا، ”قال کم لبثت“ یہ سوال و جواب احاطہ صفات سے ان کے عجز کے اظہار کے لئے کیا گیا ہے۔

عزیر علیہ السلام نے حالت موت کی مدت صرف ایک دن یا اس سے بھی کم بتائی، یہ محض ان کا اندازہ اور تخمینہ تھا، سوسال کا عرصہ انہیں یک روزہ خواب کی طرح معلوم ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ حالت موت میں یہ جلیل القدر پیغمبر علیہ السلام اختلاف لیل و نہار اور انقلابات زمانہ سے بالکل بے خبر تھا۔

اگر انہیں ان چیزوں کا احساس ہوتا تو مدت کا یہ تخمینہ بیان نہ کرتے، بلکہ ان کو پوری مدت کا ٹھیک ٹھیک علم ہوتا، اس واقعہ سے سماع موتی کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ عزیر علیہ السلام دنیا میں ہونے والے تمام انقلابات سے بے خبر تھے۔ سوسال کے عرصہ میں نہ تو رات دن کے اختلاف کا ان کو پتہ چلا، اور انہیں انہیں بیرونی آوازیں سنائی دیں، نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ وفات کے بعد انبیاء علیہم السلام کی ارواح طیبہ ان کے ابدان مبارکہ میں موجود نہیں رہتیں، اور ان کی حیات دنیوی ناسوتی نہیں ہوتی بلکہ برزخی ہوتی ہے۔

یعنی تم تو پورے سوسال حالت موت میں رہے ہو مگر دیکھ لو اس کے باوجود تمہارا کھانا پینا خراب نہیں ہوا، اس =

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ

اور جب ابراہیم نے (اللہ سے) کہا کہ اے رب مجھے دکھا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کریگا تو اللہ نے فرمایا کہ

أَوَلَمْ تُؤْمِنُ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي

کیا تم نے (اس بات کو) باور نہیں کیا؟ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں لیکن (میں دیکھنا) اس لئے (چاہتا ہوں) کہ میرا دل

قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ

اطمینانِ کامل حاصل کر لے۔ اللہ نے فرمایا کہ چار پرندے پکڑو اور اپنے پاس منگوا لو (اور ٹکڑے ٹکڑے کر دو)

ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ

پھر اُن کا ایک ایک حصہ ہر ایک پہاڑ پر رکھو دو پھر اُن کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس

يَأْتِيَنَّكَ سَعْيًا وَاعْلَمَنَّ أَنَّهُ اللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۵۲﴾

دوڑتے چلے آئیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ [۵۲]

= میں کسی کا قسم تغیر اور بوبید نہیں ہوئی، بلکہ وہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہے جس طرح آج سے سو سال پہلے تھا۔

”وانظر الی حمارک“ الخ عزیز علیہ السلام جب یہاں سے گزرے تھے اس وقت گدھے پر سوار تھے، آرام

کرنے کے لئے گدھے کو چھوڑ کر لیٹ گئے، اور حالت نوم ہی میں ان کی روح قبض کر لی گئی، ادھر گدھا بھی مر گیا، اور اس

اشاء میں اس کا گوشت، پوست تو مٹی نے کھا لیا، مگر ہڈیاں صحیح سلامت پڑی رہیں، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اپنے گدھے کی

طرف بھی دیکھ، ہم اسے کس طرح زندہ کرتے ہیں تاکہ ہم تمہیں بعث بعد الموت یعنی دوبارہ جی اٹھنے پر لوگوں کے لئے

دلیل اور برہان بنا دیں۔

”ولنجعلک آية للناس“ ودلالة علی البعث بعد الموت (قرطبی)۔ انشاء کے معنی بلانے اور جنبش

دینے کے ہیں ہماری قدرتِ کاملہ کا اپنی آنکھوں سے نظارہ کر لو اور مشاہدہ کر لو کہ ہم کس طرح گدھے کی ہڈیوں کو گوشت

پوست پہنا کر اور اس میں روح پھونک کر اسے دوبارہ زندہ کرتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ہگدھے کو زندہ کر دیا۔ علم سے یہاں علم مشاہدہ اور معاینہ مراد ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا علم ولیقین تو انہیں پہلے بھی حاصل تھا، مگر وہ علم مشہور نہیں تھا، قال مکى انه اخبر عن نفسه عندما عاين من قدرة الله تعالى فى احيائه الموتى فتيقن ذلك بالمشاهدة. (قرطبي)۔

[۵۲] اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ خلیل اللہ نے حق تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ مجھے اس کا مشاہدہ کرا دیجئے، کہ آپ مردوں کو کس طرح زندہ کریں گے؟ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس درخواست کی کیا وجہ ہے؟ کیا آپ کو ہماری قدرت کاملہ پر یقین نہیں؟ کہ وہ ہر چیز پر حاوی ہے، ابرہیم علیہ السلام نے اپنا واقعی حال عرض کیا کہ یقین کیسے نہیں ہوتا، کیونکہ آپ کی قدرت کاملہ کے مظاہر ہر لحظہ ہر آن مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں، اور غور و فکر کرنے والے کے لئے خود اس کی ذات میں اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں اس کا مشاہدہ ہوتا ہے، لیکن انسانی فطرت ہے کہ جس کام کا مشاہدہ نہ ہو خواہ وہ کتنا ہی یقینی ہو اس میں اس کے خیالات منتشر رہتے ہیں، کہ یہ کیسے اور کس طرح ہوگا؟ یہ ذہنی انتشار سکون قلب اور اطمینان میں خلل انداز ہوتا ہے، اس لئے یہ مشاہدہ کی درخواست کی گئی کہ احیاء موتی کی مختلف صورتوں اور کیفیوتوں میں ذہنی انتشار واقع نہ ہو کہ قلب کو سکون و اطمینان حاصل ہو جائے۔

حق تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول فرما کر ان کے مشاہدہ کی بھی ایک ایسی عجیب صورت تجویز فرمائی، جس میں منکرین کے تمام شبہات و خدشات کے ازالہ کا بھی مشاہدہ ہو جائے، وہ صورت یہ تھی کہ آپ کو حکم دیا گیا کہ چار پرندے (جانور) اپنے پاس جمع کر لیں، پھر ان کو پاس رکھ کر آموختہ کر لیں، کہ وہ ایسے آموختہ ہو جائیں کہ آپ کے بلانے سے آجایا کریں، اور ان کی پورے طرح شناخت بھی ہو جائے۔ یہ شبہ نہ رہے کہ شاید کوئی دوسرا پرندہ آگیا ہو، پھر ان چاروں کو ذبح کر کے اور ہڈیوں اور پروں سمیت ان کا خوب قیمہ سا کر کے اس کے کئی حصے کر دیں۔ اور پھر اپنے تجویز سے مختلف پہاڑوں پر اس قیمہ کا ایک ایک حصہ رکھ دیں، پھر ان کو بلائیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے زندہ ہو کر دوڑے دوڑے آپ کے پاس آجائیں گے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ: قال النبى ﷺ نحن احق بالشك من ابراهيم اذ قال ﴿ رَبِّ اَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى ﴾ ويرحم الله لوطا، لقد كان يأوى الى ركن شديد، ولولبت في السجن طول مالبث يوسف، لاجبت الداعي. (بخاری: ۳۳۷۲، مسلم: ۲۳۷۱)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے لائق ہیں، جب انہوں نے کہا تھا (ترجمہ) اے پروردگار! مجھے دکھا دے کہ تو مردوں کو کس طرح جلائے گا، اور اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم کرے جو رکن شدید کا سہارا پکڑے ہوئے تھے۔ اور اگر میں جیل خانے میں اتنی طویل مدت تک رہتا جتنی مدت یوسف علیہ السلام رہے تو میں یقیناً بلانے والے کی دعوت قبول کر لیتا۔

اس حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کے جس شک کا ذکر کیا گیا ہے، اس کا تذکرہ قرآن کریم کی اس آیت میں ہے: اور اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ، ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے لائق ہیں، تو اس کی وضاحت یہ ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی عظمت اور برتری ظاہر کرنے کے لئے کہا، کہ یہ شک ابراہیم علیہ السلام کو ہوا، ہمارے نبی کریم ﷺ نے اس طرح کا شک ظاہر نہیں کیا۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا کہ ہم ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ شک کرنے کے لائق ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کے ظاہری اسلوب سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نہ صرف ابراہیم علیہ السلام کے لئے بلکہ اپنی ذات کے لئے بھی مذکورہ شک کا اثبات کیا، حالانکہ دونوں کا اس طرح کے شک میں بتلا ہونا امر محال ہے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام جن کی ذات ایمان و ایقان کا اولین مظہر بلکہ اصل اور بنیاد ہوتی ہے، اور جن کا وجود طمانیت و عرفان کا سرچشمہ ہوتا ہے، فطری طور پر شک و تردد سے محفوظ و مامون ہوتے ہیں، ان میں عدم ایقان اور شک و شبہ کے وجود کے کوئی معنی نہیں، لہذا مذکورہ ارشاد سے رسول اللہ ﷺ کی مراد وہ نہیں ہے جس کا تقاضا ظاہری اسلوب کرتا ہے، بلکہ آپ ﷺ کی اصل مراد یہ ہے کہ اس آیت کریمہ سے یہ نہ سمجھنا چاہئے، کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پروردگار سے جو درخواست کی اس کا تحریک احیاء موتی کے نفس وقوع میں کوئی شک و شبہ تھا، وقوع پر تو ان کو پورا ایمان و ایقان تھا، وہ صرف مراتب عرفان اور کمالات ایقان میں ترقی کے طلب گار تھے، علم الیقین سے اور آگے بڑھ کر عین الیقین اور حق الیقین کے درجہ پر پہنچنے کے متنی تھے، جس کو اطمینان قلبی سے تعبیر کیا، یعنی ان کا مدعا یہ تھا کہ احیاء موتی کے وقوع پر ایمان کے درجہ تک تو یقین اب بھی حاصل ہے، صرف یہ چاہتا ہوں کہ مشاہدہ بھی حاصل ہو جائے، تا کہ اطمینان قلب کی دولت میں اور اضافہ ہو، ان صحابہ پر اسی بات کو واضح کرنے کے لئے نبی کریم ﷺ نے یہ پیرایہ بیان اختیار فرماتے ہیں کہ دیکھو شک و تردد اگر ابراہیم علیہ السلام میں راہ پاسکتا تو یقیناً ہم میں بھی راہ پاتا، اور تم یہ جانتے ہی ہو کہ ہم میں شک و تردد کسی طرح گزر نہیں ہوتا، لہذا جان لو! کہ ابراہیم علیہ السلام بھی ہماری ہی طرح کمال ایقان و عرفان کے درجہ پر فائز تھے، اور ان کے دل و دماغ میں بھی کسی طرح کا کوئی شک و تردد راہ پائے ہوئے نہیں تھا۔

تفسیر روح المعانی میں بسند ابن المنذر حسنؓ سے روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ پھر ان کو پکارا تو فوراً ہڈی سے ہڈی، پر سے پر، خون سے خون، گوشت سے گوشت، ہلکے سب اپنی اپنی اصلی ہیئت میں زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آگئے، حق تعالیٰ نے فرمایا، کہ اے ابراہیم قیامت کے روز اسی طرح سب اجزاء واجساد کو جمع کر کے ایک دم سے ان میں جان ڈالوں گا۔

قرآن کے الفاظ میں یأتینک سعیا آیا ہے کہ پرندے دوڑتے ہوئے آئیں گے جس سے معلوم ہوا کہ دوڑ کر نہیں آئیں گے کیونکہ آسمان میں اڑھکر آنے میں نظروں سے اوجھل ہو کر بدل جانے کا شبہ ہو سکتا ہے زمین پر چل کر آنے بالکل سامنے رہیں گے اس واقعہ میں حق تعالیٰ نے قیامت کے بعد حیات بعد الہمات کا ایسا نمونہ خلیل اللہ کو دکھا دیا جس نے مشرکین اور منکرین کے سارے شبہات کا ازالہ مشاہدہ سے کر دیا۔

حیات بعد الہمات اور عالم آخرت کی زندگی پر سب سے بڑا اشکال منکرین کو یہی ہوتا ہے کہ انسان مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے، پھر یہ مٹی کہیں ہوا کے ساتھ اڑ جاتی ہے، کہیں پانی کے ساتھ بہ جاتی ہے، کہیں درختوں اور کہیتوں کی شکل میں برآمد ہوتی ہے، پھر اس کا ذرہ ذرہ دنیا کے اطراف بعیدہ میں پھیل جاتا ہے، ان منتشر ذروں اور اجزاء انسانی کو جمع کر دینا اور پھر ان میں روح ڈال دینا سطحی نظر والے انسان کی اس لئے سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ سب کو اپنی قدرت اپنی حیثیت پر قیاس کرتا ہے، وہ اپنے سے مافوق اور ناقابل قیاس قدرت میں غور نہیں کرتا۔

حالانکہ اگر وہ ذرا سا اپنے ہی وجود میں غور کر لے، تو اسے نظر آئے کہ آج بھی اس کا وجود ساری دنیا میں بکھری ہوئے اجزاء و ذرات کا مجموعہ ہے، انسان کی آفرینش جن ماں اور باپ کے ذریعے ہوتی ہے، اور جن غذاؤں سے ان کا خون اور جسم بنتا ہے، وہ خود جہاں کے مختلف گوشوں سے سمٹے ہوئے ذرات ہوتے ہیں، پھر پیدائش کے بعد انسان جس غذا کے ذریعے نشوونما پاتا ہے جس سے اس کا خون اور گوشت پوست بنتا ہے۔ اس میں غور کرے تو اس کی غذاؤں میں ایک ایک چیز ایسی ہے جو تمام دنیا کے مختلف ذرات سے بنی ہوئی ہے، دودھ پیتا ہے تو وہ کسی گائے، بھینس یا بکری کے اجزاء ہیں، اور ان جانوروں میں یہ اجزاء اس گھاس، دانے سے پیدا ہوئے، جو انہوں نے کھائے ہیں، یہ گھاس، دانے، معلوم نہیں کس کس خطہ زمین سے آئے ہیں، اور ساری دنیا میں پھرنے والی ہواؤں نے کہا کہاں کے ذرات کو ان کی تربیت میں شامل کر دیا ہے، اسی طرح دنیا کا دانہ دانہ اور پھل اور ترکاریاں اور انسان کی تمام غذائیں اور دوائیں جو اس کے بدن کا جزو بنتی ہیں، وہ کس کس گوشہ عالم سے کس کس طرح حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور نظام محکم نے ایک انسان کے بدن میں جمع

فرمادے، اگر غافل اور کوتاہ نظر انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنی ہی تن بدن کی تحقیق کرنے بیٹھ جائیں تو اس کو یہ نظر آئے گا کہ اس کا وجود ایسے بے شمار اجزاء سے مرکب ہے جو کوئی مشرق کا ہے کوئی مغرب کا، کوئی جنوبی دنیا کا، کوئی شمالی حصے کا، آج بھی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اجزاء قدرت کے نظام محکم نے اس کے بدن میں جمع فرمادیئے ہیں، اور مرنے کے بعد یہ اجزاء پھر اسی طرح منتشر ہو جائیں گے تو اب دوسری مرتبہ پھر ان کا جمع فرمادینا اس کی قدرت کاملہ کے لئے کیا دشوار ہے جس نے پہلی مرتبہ اس کے وجود میں ان منتشر ذرات کو جمع فرمادیا تھا۔

والا اقمہ منکرہ پر چند سوالات مع جوابات

آیت متذکرہ بالا کے مضمون میں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں اول یہ کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو یہ سوال ہی کیوں پیدا ہوا، جبکہ وہ حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر ایمان لانے میں اس وقت کی ساری دنیا سے زیادہ یقین پر تھے؟ اس کا جواب اس تقریر کے ضمن میں آچکا ہے جو اوپر کی گئی ہے کہ درحقیقت خلیل اللہ علیہ السلام کا سوال کسی شک و شبہ کی بناء پر تھا ہی نہیں، بلکہ سوال کا منشا صرف یہ تھا کہ حق تعالیٰ قیامت میں مردوں کو زندہ کریں گے، ان کی قدرت کاملہ سے یہ کسی طرح بھی مستبعد یا حیرت انگیز نہیں، بلکہ یقینی ہے، لیکن مردہ کو زندہ کرنے کا کام انسان کی طاقت سے باہر ہے، اس نے کبھی کسی مردہ کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھا نہیں، اور مردہ کو زندہ کرنے کی کیفیات اور صورتیں مختلف ہو سکتی ہیں، انسان کی فطرت ہے کہ جو چیز اس کے مشاہدہ میں نہ ہو اس کی کیفیات کی کھوج لگانے کی فکر میں رہا کرتا ہے، اس میں اس کا خیال مختلف راہوں پر چلتا ہے، جس میں ذہنی انتشار کی تکلیف بھی برداشت کرتا ہے، اس ذہنی انتشار کو رفع کر کے قلب کو سکون مل جانے ہی کا نام اطمینان ہے۔ اس کے لئے خلیل اللہ علیہ السلام نے یہ درخواست پیش فرمائی تھی۔

اسی سے معلوم ہو گیا کہ ایمان اور اطمینان میں فرق کیا ہے؟ ایمان اس اختیاری یقین کا نام ہے جو انسان کو رسول ﷺ کے اعتماد پر کسی غیب کی بات کے متعلق حاصل ہو جائے، اور اطمینان سکون قلب کا نام ہے بعض اوقات نظروں سے غائب کسی چیز پر یقین کامل تو ہوتا ہے، مگر قلب کو سکون اس لئے نہیں ہوتا کہ اس کی کیفیات کا علم نہیں ہوتا، یہ سکون صرف مشاہدہ سے حاصل ہو سکتا ہے۔ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو بھی حیات بعد الموت پر تو کامل ایمان و یقین تھا، سوال صرف کیفیت احیاء کے متعلق تھا۔

اس کے متعلق ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ علم کے تین مرتبے ہیں، (۱) علم الیقین، وهو ما علمه بالسماع و الخبر و القياس (۲) عین الیقین، وهو ما شاهدہ و عاینہ بالبصر (۳) حق الیقین، وهو ما باشرہ و وجدہ

و ذاقه و عرفه بالاعتبار، و هذا اعلى من الكل، مجموعة الفتاوى: ۱۰/۶۳۵۔ یعنی علم کے تین رتبے ہیں۔

(۱) علم یقین جو کہ خبر، قیاس وغیرہ سے حاصل ہوا ہو، کمافی سورۃ التکاثر: ۵۔

(۲) عین یقین، جو کہ دیکھنے اور مشاہدہ سے حاصل ہوا ہو، کمافی التکاثر: ۷۔

(۳) حق یقین، کمافی واقعہ: ۹۵، یہ وہ علم ہے جس میں مذکورہ وجوہ یعنی اسباب علم تمام کے تمام جمع ہوئے ہو۔

اور یہ سب سے اعلیٰ رتبہ ہے۔ تو ابراہیم علیہ السلام اس رتبے کا خواہشمند تھا، جبکہ عزیر علیہ السلام اور حورائین جن کا ذکر سورۃ مائدہ: ۱۱۳، میں ہے، بھی اس رتبہ کے طلبگار تھے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ جب خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کا سوال زندہ کرنے کی کیفیت سے متعلق تھا، اصل حیات بعد

الموت میں اس کی کوئی شک و شبہ نہ تھا، تو پھر ارشاد ربانی ”اولم تؤمن“ یعنی کیا آپ کو یقین نہیں فرمانے کا کوئی موقع نہیں رہتا۔

جواب یہ ہے کہ جو سوال خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام نے پیش فرمایا کہ اصل واقعہ میں کوئی شک نہیں، لیکن اس

سوال کا ایک مفہوم تو یہی ہے کہ زندہ کرنے کی کیفیت دریافت کرنا منظور ہے۔ انہی الفاظ سوال کا دوسرا مفہوم بھی ہو سکتا ہے،

جو اصل قدرت میں شبہ یا انکار سے پیدا ہوا کرتا ہے، جیسے آپ کسی بوجھ کے متعلق یقین رکھتے ہیں کہ فلاں آدمی اس کو نہیں

اٹھا سکتا، اور آپ اس کا عاجز ہونا ظاہر کرنے کے لئے کہیں کہ دیکھیں تم کیسے اس بوجھ کو اٹھاتے ہو، چونکہ خلیل اللہ ابراہیم

علیہ السلام کے سوال کا یہ غلط مفہوم بھی کوئی لے سکتا تھا، اس لئے حق تعالیٰ نے خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو اس غلط بات سے

بری ثابت کرنے کے لئے ہی یہ ارشاد فرمایا ”اولم تؤمن“ تاکہ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام اس کے جواب میں

”بلی“ فرما کر افتراء پر دازوں کی زد سے نکل جائیں۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ اس سوال ابراہیمی سے کم از کم اتنا تو معلوم ہوا کہ ان کو حیات بعد الموت پر اطمینان حاصل

نہ تھا حالانکہ علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر عالم غیب سے پردہ اٹھا دیا جائے تو میرے یقین

و اطمینان میں کوئی زیادتی نہ ہوگی، کیونکہ مجھے ایمان بالغیب ہی سے اطمینان کامل حاصل ہے، تو جب بعض امتیوں کو درجہ

اطمینان حاصل ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے، کہ اللہ کے خلیل کو اطمینان کا درجہ حاصل نہ ہو۔ اس کے متعلق یہ سمجھنا لینا چاہئے کہ

اطمینان کے بھی بہت سے درجات ہیں، ایک وہ اطمینان ہے جو اولیاء اللہ اور صدیقین کو حاصل ہوتا ہے، اور ایک اس سے

اعلیٰ مقام اطمینان ہے جو عام انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتا ہے، اور ایک اس سے بھی مافوق ہے جو خاص خاص کو =

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اُن (کے مال) کی مثال

كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةٌ حَبَّةٌ وَاللَّهُ

اُس دانے کی سی ہے جس سے سات بالیں اُگیں اور ہر ایک بال میں سو دانے ہوں اور اللہ جس (کے مال) کو چاہتا ہے

يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۴﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ

زیادہ کرتا ہے اور وہ بڑی وسعت والا ہے۔ جو لوگ اپنا مال اللہ کے رستے میں خرچ کرتے ہیں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبَعُونَ مِمَّا نَفَقُوا مِمَّا وَلَا أذى لَهُمْ أَجْرُهُمْ

پھر اُس کے بعد نہ اُس خرچ کا (کسی پر) احسان رکھتے ہیں اور نہ (کسی کو) تکلیف دیتے ہیں اُن کا صلہ

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۴۴﴾

اُن کے رب کے پاس (تیار) ہے اور (قیامت کے روز) نہ اُن کو کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا أذى

جس خیرات دینے کے بعد (لینے والے کو) تکلیف دی جائے اُس سے تو نرم بات کہہ دینی اور (اُس کی بے ادبی سے) درگزر کرنا بہتر ہے

= بصورت مشاہدہ عطا فرمایا جاتا ہے جیسا کہ پہلے ابن تیمیہ سے نقل کی گئی۔ علی کرم اللہ وجہہ کو جو درجہ اطمینان کا حاصل تھا وہ

بلاشبہ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو حاصل تھا، بلکہ اس سے اعلیٰ درجہ اطمینان جو مقام نبوت کے ساتھ خاص ہے اس اطمینان میں

خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام اور سب امتیوں سے فائق تھے۔ پھر جس کو وہ طلب فرما رہے ہیں وہ سب سے اعلیٰ مقام اطمینان

ہے، جو خاص خاص انبیاء کو عطا فرمایا جاتا ہے، جیسے سرور کائنات سید الانبیاء ﷺ کو جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرا کر اطمینان خاص

بخشا گیا۔ الغرض اس سوال کی وجہ سے یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ خلیل اللہ ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان حاصل نہ تھا، یہاں یہ کہہ سکتے

ہیں کہ وہ اطمینان کامل جو مشاہدہ سے حاصل ہوا کرتا ہے وہ نہ تھا، اسی کے لئے یہ درخواست فرمائی تھی۔

وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿٤٣٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى

اور اللہ بے پروا اور بردبار ہے۔ مومنو! اپنے صدقات (و خیرات) احسان رکھنے اور ایذا دینے سے اس شخص کی طرح برباد نہ کر دینا

كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ

جو لوگوں کو دکھانے کیلئے مال خرچ کرتا ہے اور اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو اُس (کے مال) کی مثال

كَمَثَلِ صَفْوَانَ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا

اُس چٹان کی سی ہے جس پر تھوڑی سی مٹی پڑی ہو اور اُس پر زور کا مینہ برس کر اُسے صاف کر ڈالے

لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ

(اسی طرح) یہ (ریاکار) لوگ اپنے اعمال کا کچھ بھی صلہ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ اور اللہ ایسے ناشکروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا

﴿٤٣٤﴾ مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِينًا مِّنْ

اور جو لوگ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے اور خلوصِ نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال

أَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ

ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو۔ (جب) اُس پر مینہ پڑے تو دُگنا پھل لائے اور اگر مینہ نہ بھی پڑے

يُصِبَهَا وَابِلٌ فَطَلَّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤٣٥﴾ رُدُّوا حُدُكُمُ

تو خیر پھوار ہی سہی۔ اور اللہ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ بھلا تم میں کوئی یہ چاہتا ہے

أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

کہ اس کا کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو جس میں نہریں بہ رہی ہوں۔

لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ

اور اس میں اُس کیلئے ہر قسم کے آمدنی موجود ہوں اور اُسے بڑھاپا آ پڑے اور اُس کے ننھے ننھے بچے بھی ہوں

فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ

تو (ناگہاں) اُس باغ پر آگ کا بھرا ہوا گولہ چلے اور وہ جل (کر راکھ کا ڈھیر ہو) جائے۔ اس طرح اللہ تم سے اپنی آیتیں

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۴﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا

کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو (اور سمجھو)۔ مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کھاتے ہو اور جو چیزیں ہم تمہارے

كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ

لئے زمین سے نکالتے ہیں اُن میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرو اور رُری اور ناپاک چیزیں دینے کا قصد نہ کرنا کہ اگر وہ

وَلَسْتُمْ بِأَخْذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ

چیزیں تمہیں دی جائیں تو بجز اس کے کہ (لیتے وقت) آنکھیں بند کر لو اُن کو کبھی نہ لو۔ اور جان رکھو کہ اللہ غنی اور قابل ستائش ہے

﴿۴۵﴾ وَيُظَنُّ عِلْمُ الْفَقْرِ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُمْ

(اور دیکھنا) شیطان (کا کہنا ماننا وہ) تمہیں تنگدستی کا خوف دلاتا اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے۔ اور اللہ تم سے اپنی

مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۴۸﴾ يَا أَيُّهَا الْحَكَمَةُ مَنْ يَشَاءُ

بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے

وَمَنْ يُؤْتِ الْحَكَمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ

اور جس کو دانائی ملی بیشک اُس کو بڑی نعمت ملی۔ اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

﴿۴۹﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ

اور تم (اللہ کی راہ میں) جس طرح کا خرچ کرو یا کوئی نذر مانو اللہ اُس کو جانتا ہے۔

﴿۵۰﴾ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۵۰﴾ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ

اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اگر تم خیرات ظاہر اُدو تو وہ بھی خوب ہے اور اگر پوشیدہ دو اور دو بھی اہل حاجت کو تو وہ خوب تر ہے

وَإِنْ تَخْفَوْهَا وَتُوْتُوَهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيَكْفُرْ عَنْكُمْ مَنْ

اور (اس طرح کا دینا) تمہارے گناہوں کو بھی دور کر دے گا۔

سَيُتِّبِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۰۱﴾ اَلَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ

اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔ (اے محمد ﷺ!) تم ان لوگوں کی ہدایت کے ذمہ دار نہیں ہو بلکہ

اللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا نُفْسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُونَ

اللہ ہی جس کو چاہتا ہے ہدایت بخشتا ہے۔ اور (مومنو) تم جو مال خرچ کرو گے تو اُس کا فائدہ تمہیں کو ہے اور تم تو جو خرچ کرو گے

إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تظَلْمُونَ

اللہ کی خوشنودی کیلئے کرو گے اور جو مال تم خرچ کرو گے وہ تمہیں پورا پورا دیدیا جائے گا اور تمہارا کچھ نقصان نہ کیا جائے گا

﴿۱۰۲﴾ اَلَّذِينَ أَحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي

(اور تم جو خرچ کرو گے تو) اُن حاجتمندوں کیلئے جو اللہ کی راہ میں رُکے بیٹھے ہیں اور زمین میں کسی طرف جانے کی طاقت نہیں رکھتے

الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعْفُفِ

(اور مانگنے سے عار رکھتے ہیں) یہاں تک کہ نہ مانگنے کی وجہ سے ناواقف شخص اُن کو غنی خیال کرتا ہے۔

تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا

اور تم چہرے سے اُن کو صاف پہچان لو (کہ حاجتمند ہیں اور شرم کے سبب) لوگوں سے چٹ کر نہیں مانگ سکتے

﴿۱۰۳﴾ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۱۰۳﴾

اور تم جو مال خرچ کرو گے کچھ شک نہیں کہ اللہ اُس کو جانتا ہے۔ جو لوگ

يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اپنا مال رات اور دن اور پوشیدہ اور ظاہر (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں اُن کا صلہ اللہ کے پاس ہے۔ اور اُن کو

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۴۱﴾ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا

(قیامت کے دن) نہ کسی طرح کا خوف ہو گا اور نہ غم۔ جو لوگ سود کھاتے ہیں

لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ

وہ (قبروں سے) اس طرح (حواس باختہ) اٹھیں گی جیسے کسی کو جن نے چھو کر دیوانہ بنا دیا ہو۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا

یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ سود بیچنا بھی تو (نفع کے لحاظ سے) ویسا ہی ہے جیسے سود (لینا) حالانکہ تجارت کو اللہ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام

فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى فَلَهُ مَا سَلَفَ

تو جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت پہنچی اور وہ (سود لینے سے) باز آ گیا تو جو پہلے ہو چکا وہ اُس کا اور (قیامت میں)

وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ وَمَنْ عَادَ فَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اُس کا معاملہ اللہ کے سپرد۔ اور جو پھر لینے لگا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں کہ ہمیشہ دوزخ میں (جلتے) رہیں گے۔

﴿۲۴۲﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۴۳﴾

اللہ سود کو نابود (یعنی بے برکت) کرتا اور خیرات (کی برکت) کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی ناشکرے گنہگار کو دوست

كُفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۴۴﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ

نہیں رکھتا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے اور نماز پڑھتے

وَاتَّوُوا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ

اور زکوٰۃ دیتے رہے اُن کو اُن کے کاموں کا صلہ اللہ کے ہاں ملے گا اور اُن کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے

﴿۲۴۵﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ

مومنو! اللہ سے ڈرو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو جتنا سود باقی رہ گیا ہے اُس کو چھوڑ دو۔

﴿۸۸﴾ لَم تَفْعَلُوا فَاذْنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَاِنْ تَبْتُمْ

اگر ایسا نہ کرو گے تو خبردار ہو جاؤ (کہ تم) اللہ اور رسول سے جنگ کرنے کیلئے (تیار ہوتے ہو) اور اگر توبہ کر لو گے

فَلَكُمْ رُؤُسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۸۹﴾ اِنْ كَانَ

(اور سوچوڑ دو گے) تو تم کو اپنی اصل رقم لینے کا حق ہے جس میں نہ اوروں کا نقصان اور نہ تمہارا نقصان۔ اور اگر

ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلَىٰ مِيسْرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوا

قرض لینے والا تنگ دست ہو تو (اُسے) وسعت (کے حاصل ہونے تک) مہلت (دو) اور اگر (زر قرض) بخش ہی دو

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹۰﴾ اِقْوَا يَوْمًا تَرْجَعُونَ فِيهِ اِلَى اللّٰهِ

تو تمہارے لئے زیادہ اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو۔ اور اُس دن سے ڈرو جب کہ تم اللہ کے حضور میں لوٹ کر جاؤ گے

ثُمَّ تُوْفَىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۹۱﴾ اَلَّذِيْنَ

اور ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائے گا اور کسی کا کچھ نقصان نہ ہو گا۔ مومنو!

اٰمَنُوْا اِذَا تَدٰىيْتُمْ بِيَدِيْنَ اِلَىٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ وَلِيَكْتُبَ بَيْنَكُمْ

جب تم آپس میں کسی میعاد معین کیلئے قرض کا معاملہ کرنے لگو تو اُس کو لکھ لیا کرو اور لکھنے والا تم میں (کسی کا نقصان نہ کرے

كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ

بلکہ) انصاف سے لکھے نیز لکھنے والا جیسا اُسے اللہ نے سکھایا ہے لکھنے سے انکار بھی نہ کرے اور دستاویز لکھ دے۔

وَلِيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلِيَتَّقِيَ اللّٰهَ رَبَّهُ

اور جو شخص قرض لے وہی (دستاویز کا) مضمون بول کر لکھوائے اور اللہ سے جو کہ اُس کا رب ہے خوف کرے

وَلَا يَخْسُ مِنْهُ شَيْئًا اِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا

اور زر قرض میں سے کچھ کم نہ لکھوائے۔ اور اگر قرض لینے والا بے عقل یا ضعیف ہو

أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمَلَّ هُوَ فَلْيُمَلِّ وَلِيَّهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ
یا مضمون لکھوانے کی قابلیت نہ رکھتا ہو تو جو اُس کا ولی ہو وہ انصاف کیساتھ مضمون لکھوائے اور اپنے میں سے دو مردوں کو

مَنْ رَجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ
(ایسے معاملے کے) گواہ کر لیا کرو اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہ پسند کرو (کافی ہیں)

مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكَّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى
کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے گی تو دوسری اسے یاد دلا دے گی اور جب گواہ (گواہی کیلئے) طلب کئے جائیں

وَلَا يَأْتِي الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا
تو انکار نہ کریں۔ اور قرض تھوڑا ہو یا بہت اُس (کی دستاویز) کے لکھنے لکھانے میں کاہلی نہ کرنا۔

إِلَىٰ أَجَلِهِ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا
یہ بات اللہ کے نزدیک نہایت قرین انصاف ہے۔ اور شہادت کیلئے بھی یہ بہت درست طریقہ ہے۔ اس سے تمہیں کسی طرح کا شک و شبہ نہیں پڑے گا

إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
ہاں اگر سودا دست بدست ہو جو تم آپس میں لیتے دیتے ہو تو اگر (ایسے معاملے کی) دستاویز نہ لکھو تو تم پر کچھ گناہ نہیں۔

أَلَّا تَكْتُبُوهَا وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ
اور جب خرید و فرخت کیا کرو تو بھی گواہ کر لیا کرو اور کاتب دستاویز اور گواہ (معاملہ کرنے والوں کا) کسی طرح نقصان نہ کریں

وَإِنْ تَفَعَّلُوا فإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَيَعْلَمُ اللَّهُ
اگر تم (لوگ) ایسا کرو تو یہ تمہارے لئے گناہ کی بات ہے اور اللہ سے ڈرو اور (دیکھو کہ) وہ تمہیں (کیسی مفید باتیں) سکھاتا ہے۔

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٢٨﴾ كُنْتُمْ عَلَىٰ سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا
اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ اور اگر تم سفر پر ہو اور (دستاویز) لکھنے والا نہ مل سکے

فَرِهَانَ مَّقْبُوضَةً فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا

تو (کوئی چیز) رہن باقبضہ رکھ کر (قرض لے لو) اور اگر کوئی کسی کو امین سمجھے

فَلْيُؤَدِّ الَّذِي أُؤْتِيَ مِنْ أَمَانَتِهِ وَلِيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ

تو امانتدار کو چاہیے کہ صاحبِ امانت کی امانت ادا کر دے۔ اور اللہ جو کہ اُس کا رب ہے اُس سے ڈرے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

اور (دیکھنا) شہادت کو مت چھپانا۔ جو اُس کو چھپائے گا وہ دل کا گنہگار ہوگا۔ اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے

عَلِيمٌ ﴿۸۳﴾ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنْ تُبَدُّوا مَا فِي

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم اپنے دلوں کی بات کو ظاہر کرو گے

أَنفُسِكُمْ أَوْ تَخْفُوهُ يُحَاسِبُكُمْ بِهِ اللَّهُ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ

یا چھپاؤ گے تو اللہ تم سے اُس کا حساب لے گا۔ پھر وہ جسے چاہے مغفرت کرے اور جسے چاہے عذاب دے

يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۸۴﴾ إِنَّ الرِّسُولَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ رسول (اللہ) اس کتاب پر جو اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئی ایمان رکھتے ہیں

مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلُّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ

اور مومن بھی۔ سب اللہ پر اور اُس کے فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا

(اور کہتے ہیں کہ) ہم اُس کے پیغمبروں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے۔ اور وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم نے (تیرا حکم) سنا

وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۸۵﴾

اور قبول کیا۔ اے رب ہم تیری بخشش مانگتے ہیں اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا

اللہ کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ اچھے کام کرے گا تو اُس کو اُن کا فائدہ ملے گا اور بُرے کرے گا تو اُسے

مَا كَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا

اُن کا نقصان پہنچے گا اے رب اگر ہم سے بھول چوک ہو گئی ہو تو ہم سے مواخذہ نہ کرنا۔ اے اللہ

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا

ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا۔ اے اللہ

وَلَا تُحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا

جتنا بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں اتنا ہمارے سر پر نہ رکھنا اور (اے اللہ) ہمارے گناہوں سے درگزر کر اور ہمیں بخش دے

وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۸۴﴾

اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مالک ہے اور ہمیں کافروں پر غالب فرما (۵۳)

(۵۳) ان آیتوں کی فضیلت

عن ابن عباس قال بينما جبرئيل عليه السلام قاعد عند النبي ﷺ وسلم سمع نقيضان

فوقه فرفع رأسه فقال هذا باب من السماء، فتح اليوم لم يفتح الا اليوم، فنزل منه ملك، فقال

هذا ملك نزل الى الارض لم ينزل قط الا اليوم، فسلم فقال ابشر بنورين اوتيتهما لم يؤتهما نبي

قبلك، فاتحة الكتاب، وخواتيم سورة البقرة، لن تقرأ بحرف منهما الا اعطيته (رواه

مسلم: ۲۸۹، و الترمذی: ۳۲۷۶)۔

ابن عباس سے روایت ہے کہ (ایک دن) جب جبرئیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے

تھے، تو انہوں نے (یعنی جبریل نے) اوپر کی طرف دروازہ کھلنے کی سی آواز سنی، چنانچہ انہوں نے اپنا سر اوپر اٹھالیا، اور کہا کہ، یہ آسمان کا دروازہ کھولا گیا ہے، آج کے علاوہ اور کبھی یہ نہیں کھولا گیا ہے، جب ہی اس دروازے سے ایک پرشتہ اترا، جبریل نے کہا کہ یہ فرشتہ آج سے پہلے کبھی زمین پر نہیں اترا ہے، پھر اس فرشتے نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا اور کہا کہ خوشخبری ہو کہ آپ کو وہ دونوں عطا فرمائے گئے ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے اور کسی نبی کو نہیں دئے گئے، اور وہ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کا آخری حصہ ہیں۔ ان میں سے آپ ﷺ کی طرف پڑھے گئے ایک ایک حرف کے عوض آپ ﷺ کو ثواب ملے گا، یا آپ ﷺ کی دعا قبول کی جائی گی۔

عن ابی مسعود قال: قال رسول اللہ ﷺ الايتان من آخر سورة البقرة من قرأ بهما في ليلة كفتاه. متفق عليه. (بخاری: ۴۰۰۸، مسلم: ۲۵۵). ابو مسعود راوی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، جو شخص رات میں سورہ بقرہ کی آخری دو آیتیں یعنی ”امن الرسول“ سے آخر تک پڑھتا ہے تو اس کے لئے وہ کافی ہیں۔

عن جبير بن نفير بن رسول اللہ ﷺ قال ان الله ختم سورة البقرة بايتين اعطيتهما من كنزه الذي تحت العرش فتعلموهن وعلموهن نسائكم، فانها صلاة وقربان ودعاء. (دارمی: ۳۳۹۰، وحاکم: ۵۶۲/۱)

جبیر بن نفیر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کو دو آیتوں (یعنی امن الرسول سے آخر تک) پر ختم فرمایا ہے۔ یہ دو آیتیں مجھے اس خزانے سے عطا فرمائی گئی ہیں جو عرش کے نیچے ہے، لہذا ان آیتوں کو تم سیکھو اور اپنی عورتوں کو سکھاؤ، کیونکہ وہ آیتیں رحمت ہیں (اللہ کے) قرب کا ذریعہ ہیں، اور تمام دینی و دنیوی بھلائیوں کے حصول کے لئے دعاء ہیں۔

”کافی ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ رات میں ان آیتوں کے پڑھنے کی وجہ سے انسان و جنات کے شرارت و ایذاء سے محفوظ رہتا ہے، گویا یہ آیتیں اس لئے دافع شر و بلا ہو جاتی ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ یہ دو آیتیں اس کے حق میں قیام لیل و عبادت، ذکر کے لئے شب بیداری کا قائم مقام بن جاتی ہیں۔



سورۃ ال عمران (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَلَمْ نَلَمُكَ اِنَّ اللّٰهَ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَىُّ الْقَیُّوْمُ ﴿۱﴾ نَزَلَ

اَلَمْ نَلَمُكَ (جو معبود برحق ہے) اُس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ زندہ، ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔

عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ

اُس نے (اے محمد ﷺ) تم پر سچی کتاب نازل کی جو پہلی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اور اُسی نے تورات اور

وَ الْاِنْجِيلَ ﴿۲﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ

انجیل نازل کی۔ لوگوں کی ہدایت کیلئے پہلے اور (پھر جو حق اور باطل کو) الگ الگ کر دینے والا (ہے) نازل کیا جو لوگ

كَفَرُوا بِآیَاتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۗ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾

اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اُن کو سخت عذاب ہوگا اور اللہ تعالیٰ زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے۔

(۱) یہ سورت مدنی ہے اس کے شروع کی ۸۳ (تریا سی) آیات نجران کے عیسائیوں کے جو اپنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں سن ۹ھ میں آئے تھے، ان کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔ اس وفد میں تین آدمی سرکردہ تھے، عاقب، سید،

اور ابو حارثہ، یہ لوگ رسول کریم ﷺ کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جھگڑنے لگے، اور کہا کہ وہ اللہ کے ولد

اور نائب ہیں، اور مریم عیسیٰ علیہا السلام ہمارے معبود ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا رب تو زندہ

جاوید اور سارے جہاں کا نگہبان اور رازق ہے، زمین و آسمان کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں، وہ ماں کے رحم میں اپنی مرضی

کے مطابق بچے کی شکل بناتا ہے، وہ نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، اب تم بتاؤ کیا ان صفات میں سے کوئی ایک صفت بھی عیسیٰ علیہ

السلام میں پائی جاتی ہے؟ جب ان صفات میں سے کوئی صفت بھی ان میں نہیں تو پھر وہ معبود کس طرح بن سکتے ہیں؟

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ

اللہ (ایسا خبیر و بصیر ہے کہ) کوئی چیز اُس سے پوشیدہ نہیں۔ نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

﴿هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ وَهِيَ تَوْبَعُ جَوْ (ماں کے پیٹ میں) جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں بناتا ہے۔ اس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۴﴾ ۚ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ

اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے وہی تو ہے۔ جس نے تم پر کتاب نازل کی۔

مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخْرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِينَ

جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (اور) وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں

فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ

کجی ہے وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں حالانکہ

وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ

مراد اصلی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں دستگاہِ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اُن پر ایمان لائے۔

كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۷﴾ ۚ رَبَّنَا

یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں، [۲] اے اللہ

[۲] یہاں بیان ہو رہا ہے کہ قرآن مجید میں ایسی آیتیں بھی ہیں، جن کا بیان بالکل واضح صاف اور سیدھا ہے، ہر شخص

ان کے مطلب تک پہنچ سکتا ہے، اور بعض آیات ایسی بھی ہیں جن کے مطلب تک عموماً ذہن رسائی نہیں کر سکتے، اب جو لوگ

دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف لوٹائیں، یعنی جس مسئلہ کی صراحت جس آیت میں پائیں لے لیں تو وہ ہدایت

پر ہیں، اور جو صاف صریح آیات کو چھوڑ کر ایسی آیات کو دلیل بنائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہیں، اور ان میں الجھ جائیں یہ وہ

ہے جو منہ کے بل گر پڑے۔

”ام الکتاب“ یعنی اصل اصول کتاب اللہ کی، وہ صاف اور واضح آیات ہیں۔ شک و شبہ میں نہ پڑو، اور کھلے احکام پر عمل کرو، انہی کو فیصلہ کرنے والی مانو، اور جو نہ سمجھ میں آئے اسے بھی ان سے سمجھو۔ بعض اور آیتیں ایسی بھی ہیں کہ ایک معنی تو ان کا ایسا نکلتا ہے جو ظاہر آیتوں کے موافق ہو، اور ممکن ہے کہ اس کے سوا اور معانی بھی نکلیں گو وہ لفظ اور ترکیب کے اعتبار سے ہوں نہ کہ واقعی طور پر، تو ان غیر ظاہر معنوں میں نہ پھنسو۔

محکمات اور متشابہات کی وضاحت:

محکم اور متشابہ کے بہت سے معنی سلف سے منقول ہیں، ابن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں کہ محکمات وہ ہیں جو ناسخ ہوں، جن میں حلال، حرام، احکام، حکم، منوعات، حدیں اور اعمال کا بیان ہو، اسی طرح آپ سے یہ بھی مروی ہے ﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّي عَلَيْكُمْ﴾ (انعام: ۱۵۱) اور اس کے بعد کی حکموں والی آیتیں محکمات ہیں اور ﴿وَقَضَىٰ رَبِّيكَ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ (بنی اسرائیل: ۴) اور اس کے بعد کی تین آیات۔

متشابہات ان آیات کو کہتے ہیں جو منسوخ ہیں، اور جو پہلے کی ہیں اور جو پیچھے کی ہیں، اور جن میں مثالیں دی گئی ہیں، اور قسمیں کھائی گئی ہیں، اور جن پر صرف ایمان لایا جاتا ہے، اور عمل کے لئے وہ احکام نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی فرمان ہے، مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد سورتوں کے شروع کے حروف مقطعات ہیں، مجاہد کا قول ہے کہ یہ ایک دوسری کی تصدیق کرنے والی ہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِي﴾ (زمر: ۲۳) اور یہ بھی مذکور ہے کہ یہ وہ کلام ہے جو ایک ہی طرز کے ماتحت ہو، اور مثالی وہ ہے جہاں دو مقابل کی چیزوں کا ذکر ہو جیسے صفت جنت، دوزخ کی، اور حال نیکوں اور بدوں کا وغیرہ وغیرہ۔

اس آیت میں متشابہ، محکم کے مقابلہ میں ہے، اس لئے ٹھیک مطلب وہی ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا، اور یہ فرمان ہے محمد بن اسحاق بن یسار کا، فرماتے ہیں کہ یہ رب کی حجت ہے، ان میں بندوں کا بچاؤ ہے، جھگڑوں کا فیصلہ ہے باطل کا چکوتہ ہے، انہیں ان کے صحیح اور اصل مطلب سے کوئی گھما نہیں سکتا، نہ ان کے معنی میں ہیر پھیر کر سکتا ہے، متشابہات کی سچائی میں کلام نہیں، نہ ان میں تصریف و تاویل کرنی چاہئے، ان سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ایمان کو آزما تا ہے جیسے حلال حرام سے آزما تا ہے انہیں باطل کی طرف لے جانا اور حق سے پھیر دینا نہیں چاہیے۔

اہل بدعت متشابہات سے ہی استدلال کرتے ہیں

پھر فرماتا ہے کہ جن دلوں میں کبھی ”ٹیزھا پین“ گراہی اور حق سے باطل کی طرف جانا ہے وہ متشابہ آیات کو لیکر اپنے بدترین مقاصد کو پورا کرنا چاہتے ہیں، اور لفظی اختلافات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی طرف موڑ لیتے ہیں، اور جو محکم آیات ہیں ان میں ان کا وہ مقصد پورا نہیں ہوتا، کیونکہ ان کے الفاظ بالکل صاف اور کھلے ہوئے ہوتے ہیں، نہ وہ انہیں ہٹا سکتے ہیں، نہ ان میں اپنے لئے کوئی دلیل پاتے ہیں، اس لئے فرمان ہے کہ اس سے مقصد ان کا فتنہ کی تلاش ہوتی ہے، تاکہ اپنے ماننے والوں کو بہکائیں، اپنی بدعتوں کی دلیل قرآن سے لانا چاہتے ہیں، حالانکہ قرآن تو بدعتوں کی تردید کرتا ہے، جیسے کہ عیسائیوں نے دلیل پکڑی ہے، عیسیٰ کے اللہ کا لڑکا ہونے پر قرآن کے الفاظ ”روح اللہ“ اور ”کلمۃ اللہ“ سے۔ پس اس متشابہ آیت کو لے کر صاف آیت جس میں یہ لفظ ہیں کہ ﴿إِنَّ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ﴾ (زخرف: ۵۹) یعنی عیسیٰ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہیں، جن پر اللہ کا انعام ہے۔ اور جگہ ہے ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ﴾ (العمران: ۵۹) الخ، یعنی عیسیٰ کی مثال اللہ تعالیٰ کے نزدیک آدم کی طرح ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا، پھر اسے کہا کہ ہو جا، وہ ہو گیا۔ اسی طرح کی اور بھی صریح آیتیں ہیں ان سب کو چھوڑ دیا اور متشابہ آیتوں سے عیسیٰ کے اللہ کا بیٹا ہونے پر دلیل پکڑی، حالانکہ آپ اللہ کے مخلوق ہیں، اللہ کے بندے ہیں، اس کے رسول ہیں۔

غلط تاویل و تحریف کی مذمت

پھر فرماتا ہے کہ ان کی دوسری غرض آیت کی تحریف ہوتی ہے، کہ اسے اپنی جگہ سے ہٹالیں۔ عن عائشةؓ قالت قرأ رسول الله ﷺ هو الذي انزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن ام الكتاب واخر متشابهات الى قوله ﴿اولوا الالباب﴾ فقال اذ اريتم الذين يجادلون فيه، فهم الذين عنى الله، فاحذروهم. (مسند احمد: ۲۳۲۱۰). نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ آیات میں جھگڑتے ہیں تو انہیں چھوڑ دو، یہی لوگ اس آیت میں مراد لئے گئے ہیں، یہ حدیث مختلف طریق سے بہت سی کتابوں میں مروی ہے صحیح بخاری شریف میں بھی یہ حدیث اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے (کتاب القدر)۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں: عن ابی امامة يحدث النبی ﷺ فی قوله تعالیٰ ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ﴾ قال هم الخوارج وفي قوله تعالیٰ يوم تبيض وجوه

وتسود وجوه قال هم الخوارج۔ (مسند احمد ۲۲۲۵۹)۔ پس اس حدیث کو زیادہ سے زیادہ موقوف سمجھ لیا جائے، تاہم اس کا مضمون صحیح ہے اس لئے کہ پہلی بدعت خوارج نے ہی پھیلائی، یہ فرقہ محض دنیوی رنج کی وجہ سے مسلمانوں سے الگ ہوا، نبی ﷺ نے جس وقت حنین کی غنیمت کا مال تقسیم کیا، اس وقت ان لوگوں نے اسے خلاف عدل سمجھا، اور ان میں سے ایک نے جسے ذوالخویصرہ کہا جاتا تھا، اس نے نبی ﷺ کے سامنے آکر صاف کہا کہ عدل کیجئے آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا، آپ نے فرمایا مجھے تو اللہ نے امین بنایا تھا، اگر میں بھی عدل نہ کروں تو پھر تو، تو برباد ہوا، اور نقصان میں پڑا۔ جب وہ لوٹا تو عمرؓ نے درخواست کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ میں اسے مار ڈالوں۔ آپ نے فرمایا چھوڑ دو اس کی جنس سے ایک ایسی قوم نکلے گی کہ تم لوگ اپنی نمازوں کو ان کے نمازوں کے مقابلہ میں اور اپنی قرآن خوانی کو ان کی قرآن خوانی کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے۔ دراصل وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے، تم جہاں انہیں پاؤ قتل کرو، ان کی قتل کرنے والے کو بڑا ثواب ملے گا۔ (المہنتی لابن الجارود: ۱۰۸۳، و مسند حمیدی: ۱۲۷۱)۔

علیؑ کی خلافت کے زمانے میں ان کا ظہور ہو گیا، اور آپؐ نے انہیں نہروان میں قتل کیا، ابو یعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ: عن ابی سعید الخدریؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ان منکم من یقاتل علی تأویل القرآن کما قاتلت علی تنزیلہ، فقال ابو بکرؓ انا هو یارسول اللہ؟ قال لا قال عمرؓ انا هو یارسول اللہ؟ قال لا ولکنہ خاصف النعل، وکان اعطی علیانعلہ یخصفہا۔ (مسند ابی یعلیٰ: رقم: ۱۰۸۶)۔ پھر ان میں پھوٹ پڑی اور ان کی مختلف انجیال فرقی ہو گئے، اور نئی بدعتیں دین میں جاری کر لیں۔ اور اللہ کی راہ سے بہت دور جا پڑے۔ ان کے بعد قدریہ فرقے کا ظہور ہوا، پھر معتزلہ نکلے، جہمیہ وغیرہ پیدا ہوئے، اور نبی ﷺ کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی کہ میری امت عنقریب تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے، سب جہمی ہوں گے سوائے ایک جماعت کے، صحابہؓ نے پوچھا وہ کون لوگ ہوں گے؟ آپ ﷺ نے فرمایا وہ جو اس چیز پر ہوں، جس پر میں ہوں، اور میرے اصحاب۔ اعتقاد اہل السنۃ: ۱۵۱۔

ابو یعلیٰ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ہلاک امتی فی الكتاب واللبن، قالوا وما الكتاب واللبن؟ قال یتعلمون القرآن فیئأولونہ علی غیر تأویلہ، ویحبون اللبن فیدعون الجماعات و الجمع ویسدون (مسند ابی یعلیٰ: ۱۷۲۶، مسند احمد: ۱۵۵۴) میری امت میں ایک قوم ہوگی جو قرآن تو پڑھے گی لیکن اسے اس طرح پہنکے گی جیسے کوئی کھجور کی گھٹلیاں پہنکتا ہو۔ اسکے غلط مطالب بیان کرے گی۔ پھر فرمایا ”اس کی حقیقی تاویل اور واقعی مطلب اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔“

لفظ ”اللہ“ تعالیٰ پر وقف ہے یا نہیں

اس میں اختلاف ہے، عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تفسیر چار قسم کی ہیں، ایک وہ جس کے سمجھنے میں کوئی معذور نہیں، ایک وہ جسے عرب اپنی لغت سے سمجھتے ہیں، ایک وہ جسے جدید علماء اور پورے علم والے ہی جانتے ہیں، اور ایک وہ جسے بجز ذات باری تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ عائشہؓ وغیرہ کا بھی یہی قول ہے (معجم کبیر: ۳۳۶۴) میں ابو مالک اشعریؓ سے حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا اخاف علی امتی الاثلاث خلال، ان یکثر لهم من المال فیتحاسدوا فیقتتلوا، وان یفتح لهم الکتب یاخذ المؤمن یتغی تأویلہ، ولیس یعلم تأویلہ الا اللہ، و الراسخون فی العلم یقولون امنابه کل من عند ربنا، وما یدکر الا اولو الالباب، وان یروا ذا علمهم فیضیعوه ولا یبالون علیہ۔

مجھے اپنی امت پر صرف تین باتوں کا ڈر ہے، مال کی کثرت کا، جس سے حسد و بغض پیدا ہو، اور آپس کی سر پھٹول شروع ہوگی، دوسرے یہ کہ کتاب اللہ کی تاویل کے پیچھے پڑ جائیں گے، حالانکہ اصلی مطلب ان کا اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور گہرے علم والے کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے، الخ۔ تیسرے یہ کہ علم والے کو پائیں گے تو اسے بے پرواہی سے ضائع کر دیں، یہ حدیث بالکل غریب ہے، اور حدیث میں ہے کہ قرآن اس لئے نہیں اترا کہ ایک آیت دوسری آیت کے خلاف ہو، جس کا تم کو علم ہو اس پر عمل کرو، اور جو تشابہ ہوں ان پر ایمان لاؤ،۔ (ابن مردویہ)۔

ابن عباسؓ، عمر بن عبد العزیز، اور مالک بن انسؓ سے بھی یہی مروی ہے کہ گہرے علم والے بھی اس حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے، ہاں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

ابن مسعودؓ فرماتے ہیں اس کی تاویل کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، پختہ علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہمارا اس پر ایمان ہے، ابی بن کعبؓ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابن جریر بھی اس کو پسند کرتے ہیں یہ تو تھی وہ جماعت جو ﴿إِلَّا اللّٰهُ﴾ پر وقف کرتی تھی، اور بعد کے جملے کو اس سے الگ کرتی تھی۔ اور لوگ یہاں نہیں ٹہرتے بلکہ ﴿فِی الْعِلْمِ﴾ پر وقف کرتے ہیں اور اکثر مفسرین اور اہل اصول بھی یہی کہتے ہیں ان کی بڑی دلیل یہ ہے کہ جو سمجھ میں نہ آئے ایسی بات کہنی ٹھیک نہیں۔

ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں ان راسخ علماء میں ہوں جو تاویل جانتے ہیں، مجاہد فرماتے ہیں راسخ علم والے تفسیر جانتے ہیں، محمد بن جعفر بن زبیر فرماتے ہیں کہ اصل تفسیر اور مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور مضبوط علم والے کہتے ہیں کہ

ہم اس پر ایمان لائے، پھر متشابہات آیات کی تفسیر محکمات سے کرتے ہیں جن میں کسی کو مجال سخن نہیں رہتی، مضامین قرآن ٹھیک ٹھاک ہو جاتے ہیں۔ دلیل جاری ہوتی ہے، عذر ظاہر ہو جاتا ہے، باطل چھٹ جاتا ہے، اور کفر دفع ہو جاتا ہے، حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے ابن عباسؓ کے لئے دعا کی کہ: ”اللہم فقہ فی الدین و علمہ التاویل“ اے اللہ انہیں دین کی سمجھ دے، اور تفسیر کا علم دے۔

بعض علماء نے یہاں تفصیل کی ہے، وہ فرماتے ہیں تاویل دو معنی میں قرآن کریم میں آئی ہے، ایک معنی تو ایک چیز کی اصلی حقیقت اور صحیح اصلیت، جیسے قرآن میں ہے ﴿وَقَالَ يَا بَتِ اهَذَا تَاوِيلُ رُءْيَايَ﴾ (یوسف: ۱۰۰) میرے باپ میرے خواب کی یہی تعبیر ہے۔

اور جگہ ہے۔ ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَاوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَاوِيلُهُ﴾ (اعراف: ۵۳) کافروں کو انتظار صرف اس کی حقیقت ظاہر ہونے کا ہے، جس دن اس کا مصداق آجائے گا، پس ان دونوں جگہ مراد تاویل سے حقیقت ہے، اگر اس آیت مبارکہ میں تاویل سے مراد یہی تاویل لی جائے تو ﴿إِلَّا اللَّهُ﴾ پر وقف ضروری ہے، اس لئے کہ تمام کاموں کی حقیقت اور اصلیت بجز ذات پاک کے اور کوئی نہیں جانتا۔ تو ”راسخون فی العلم“ مبتدرا ہوگا اور ”یقولون امنا“ خبر ہوگی، اور یہ جملہ بالکل الگ ہوگا، دوسرے معنی تاویل کے تفسیر اور بیان، اور ایک شے کی تعبیر دوسرے شے سے ہوتے ہیں جیسے قرآن میں ہے ﴿تَبَيَّنَا بَتَاوِيلِهِ﴾ (یوسف: ۳۶) ہمیں اس کی تاویل بتاؤ، یعنی تفسیر اور بیان۔ اگر آیت مذکورہ میں تاویل سے یہ مراد لی جائے تو ”فی العلم“ پر وقف کرنا چاہئے، اس لئے کہ پختہ علم والے علماء جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیونکہ خطاب انہیں سے ہے، گو حقائق کا علم انہیں بھی نہیں تو اس بناء پر ”امنا بہ“ حال ہوگا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معطوف ہو بغیر معطوف علیہ کے، جیسے اور جگہ ہے ﴿لَلْفُقَرَاءِ الْمُهَجْرِينَ سَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا تَك﴾ (حشر: ۱۰) اور ان کی طرف سے یہ خبر کہ ہم اس پر ایمان لائے، اس کے معنی ہے کہ متشابہ پر۔ پھر اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب یعنی حکم اور متشابہ حق و صدق ہے، اور ان میں سے ہر ایک دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اور گواہی دیتا ہے، کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس میں کوئی اختلاف اور تضاد نہیں جیسے اور جگہ ہے ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ (نساء: ۸۱) یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں غور فکر نہیں کرتے اگر یہ اللہ کے سوا اور کی طرف سے ہوتا

تو اس میں بہت اختلاف ہوتا۔ اسی لئے یہاں بھی فرمایا کہ اسے صرف عقل مند ہی سمجھتے ہیں، جو اس پر غور اور تدبر کریں، جو صحیح سالم عقل والے ہوں جن کے دماغ درست ہو۔

اور حدیث میں ہے: عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال خرج رسول الله ﷺ ذات يوم والناس يتكلمون في القدر، قال وكانما تفقأ في وجهه حب الرمان من الغضب، قال: فقال لهم: مالكم تضربون كتاب الله، بعضه ببعض؟ بهذاهلك من كان قبلكم قال: فما غبطت نفسي بمجلس فيه رسول الله ﷺ لم أشهده. (مسند احمد: ۶۶۶۸، ۶۸۴۶، غلق افعال العباد: ۱۶۵)۔

آپ ﷺ نے چند لوگوں کو دیکھا کہ وہ قرآن شریف کے بارے میں لڑجھگڑ رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا سنو! تم سے پہلے لوگ بھی اس میں ہلاک ہوئے۔ کہ انہوں نے کتاب اللہ کی آیات کو ایک دوسرے کے خلاف بتا کر اختلاف کیا، حالانکہ کتاب اللہ کی ہر آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے، تم ان میں اختلاف نکال کر ایک کو دوسری کے متضاد بناؤ، جو جانو کہو، اور جو نہ جانو اسے جاننے والوں کو سونپو۔ رافع بن یزید کہتے ہیں کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں، جو متواضع ہوں، عاجزی کرنے والے ہوں، رب کی رضا کے طالب ہوں، اپنے سے بڑوں سے دبنے والے نہ ہوں، اپنے سے چھوٹے کو حقیر بنانے والے نہ ہوں۔ پھر فرمایا: کہ یہ لوگ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو جب کہ تو نے ہدایت پر جمادیا ہے، انہیں ان لوگوں کے دلوں کی طرح نہ کر جو متشابہ کے پیچھے پڑ کر خراب ہو جاتے ہیں، بلکہ ہمیں اپنے صراط مستقیم پر قائم رکھ، اور اپنے مضبوط دین پر دائم رکھ، اور ہم پر اپنی رحمت نازل کر، ہمارے دلوں کو ثبات دے، ہمارے پراگندگی کو دور کر، ہمارے ایمان و یقین کو بڑھا، تو بہت بڑا دینے والا ہے۔ رسول کریم ﷺ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ﴿يا مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك﴾ (متفق علیہ) اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر جما ہوا رکھ، پھر یہ دعا: ﴿ربنا لاترغ﴾ الخ پڑھتے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ بکثرت یہ دعا پڑھا کرتے تھے: ﴿اللهم مقلب القلوب ثبت قلبي على دينك﴾ عائشہ نے ایک دن پوچھا، کیا دل الٹ پلٹ ہو جاتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، ہر انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے اگر چاہے قائم رکھے، اگر چاہے پھیر دے، ہماری دعا ہے کہ ہمارا رب ہمارے دلوں کو ہدایت کے بعد ٹیڑھا نہ کر دے، اور ہمیں اپنے پاس سے رحمتیں عنایت فرمائے، وہ بڑی دین والا ہے، پھر یہ آیت پڑھی: الابابۃ: ۱۲۸۴۱ الباب الرابع۔

لَا تَزِعُ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً

جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اُس کے بعد ہمارے دلوں میں کچی پیدائندہ کر دینا۔ اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما۔

إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ

تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔ اے رب تو اُس روز جس میں کچھ بھی شک نہیں سب لوگوں کو جمع کر لے گا

إِنَّ اللَّهَ لَا يُخَلِّفُ الْمِيعَادَ ﴿۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ

بیشک اللہ خلاف وعدہ نہیں کرتا۔ جو لوگ کافر ہوئے نہ تو اُن کا مال ہی اللہ (کے عذاب) سے اُن کو بچا سکے گا

وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿۱۰﴾ كَذَابِ آلِ

اور نہ اُن کی اولاد ہی (کچھ کام آئے گی) اور یہ لوگ آتش کا ایندھن ہوں گے۔ اُن کا حال بھی فرعونوں

فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ

اور اُن سے پہلے لوگوں کا سا ہو گا جنہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تھی تو اللہ نے اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب

وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ

پکڑ لیا تھا اور اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (اے پیغمبر) کافروں سے کہہ دو کہ تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ

وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ كَذَّبُوا لَكُمْ آيَةً فِي فَتْنَيْنِ

گے اور (آخرت میں) جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بُری جگہ ہے۔ تمہارے لئے دو گروہوں میں جو (جنگ بدر کے

التَّقَاتِيَّةُ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ

دن) آپس میں لڑے نشانی تھی۔ ایک گروہ (مسلمانوں کا تھا وہ) اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ (کافروں کا تھا وہ)

يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأَى الْعَيْنِ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ

اُن کو اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا مشاہدہ کر رہا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی نصرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۱۳۱﴾ الَّذِينَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ

جو اہل بصارت ہیں اُن کیلئے اس (واقعی) میں بڑی عبرت ہے۔ لوگوں کو اُن کی خواہشوں کی چیزیں

مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ

یعنی عورتیں اور بیٹے اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیر اور نشان لگے ہوئے

وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

گھوڑے اور مویشی اور کھیتی باڑی مزین کی گئیں ہیں یہ سب دنیا ہی کی زندگی کے سامان ہیں۔

وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ﴿۱۳۲﴾ قُلْ أَوْبِئْكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذَلِكَم

اور اللہ کے پاس بہت اچھا ٹھکانہ ہے۔۔۔ (اے پیغمبر) ان سے کہو کہ بھلا میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جو ان چیزوں سے کہیں اچھی ہو

لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

(سنو) جو لوگ پرہیزگار ہیں اُن کیلئے اللہ کے ہاں باغات ہیں جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں

خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ

اُن میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور پاکیزہ عورتیں ہیں اور اللہ کی خوشنودی۔ اور اللہ تعالیٰ

بِالْعِبَادِ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّا أَمْنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ

بندوں کو دیکھ رہا ہے۔ جو اللہ سے التجا کرتے ہیں کہ اے اللہ ہم ایمان لے آئے پس ہمیں ہمارے گناہ معاف فرما اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

النَّارِ ﴿۱۳۴﴾ الصَّابِرِينَ وَالصَّادِقِينَ وَالْقَانِتِينَ وَالْمُنْفِقِينَ

یہ وہ لوگ ہیں جو صبر کرتے ہیں اور سچ بولتے ہیں اور عبادت میں لگے رہتے ہیں اور خرچ کرتے

وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ﴿۱۳۵﴾ هَذَا اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

اور اوقاتِ سحر میں گناہوں کی معافی مانگا کرتے ہیں۔ اللہ تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اُس کے سوا کوئی معبود نہیں

وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ

اور فرشتے اور علم والے لوگ جو انصاف پر قائم ہیں وہ بھی (گو انہی دیتے ہیں کہ) اُس غالب حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں

الْحَكِيمُ ﴿۱۸﴾ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا

دین تو اللہ کے نزدیک اسلام (ہی) ہے اور اہل کتاب نے جو (اس دین سے) اختلاف کیا تو علم حاصل ہونے کے بعد

الْكِتَابِ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ

آپس کی ضد سے کیا۔ اور جو شخص اللہ کی آیتوں کو نہ مانے تو اللہ تعالیٰ جلد حساب

فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ إِنَّا نَحْنُ حَاجُوكَ فَقُلْ أَصَلَّمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ

لینے والا (اور سزا دینے والا) ہے اگر یہ لوگ تم سے جھگڑنے لگیں تو کہنا کہ میں اور میرے پیرو تو اللہ کے فرمانبردار ہو چکے۔

وَمَنْ اتَّبَعَنِي وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَأَسَلَّمْتُ فَإِنِ اسْلَمُوا

اور اہل کتاب اور اُن پڑھ لوگوں سے کہو کہ تم بھی اسلام لاتے ہو؟ اگر یہ لوگ اسلام لے آئیں

فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

تو بیشک ہدایت پالیں اور اگر نہ مانیں تو تمہارا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ

جو لوگ اللہ کی آیتوں کو نہیں مانتے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں اور جو انصاف کا حکم دیتے ہیں

يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۱﴾ وَلَئِكَ

انہیں بھی مار ڈالتے ہیں اُن کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ یہ ایسے لوگ ہیں

الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ

جن کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں میں برباد ہیں اور اُن کا کوئی مددگار نہیں (ہوگا)

نَصْرِينَ ﴿۲۲۱﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ

بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب کا علم دیا گیا اور وہ کتاب اللہ کی طرف بلائے

اِلَى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيْقًا مِّنْهُمْ وَهُمْ

جاتے ہیں تاکہ وہ (اُن کے تنازعات کا) اُن میں فیصلہ کر دے تو ایک فریق اُن میں سے کج ادائیگیسا تھ

مُعْرِضُوْنَ ﴿۲۲۲﴾ اَلَمْ يَكُ بَانَ لَهُمْ اَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ ۗ

منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ اس لئے کہ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ (دوزخ کی) آگ ہمیں چند روز کے سوا چھو ہی نہیں سکے گی۔

وَغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۲۳﴾ كَيْفَ اِذَا

اور جو کچھ یہ دین کے بارے میں بہتان باندھتے ہیں اُس نے ان کو دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ تو اُس وقت کیا حال ہوگا جب

جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيْهِ وَوَفِّيْتُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ

ہم اُن کو جمع کریں گے (یعنی) اُس روز جس میں کچھ بھی شک نہیں اور ہر نفس اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ پائیگا

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲۴﴾ اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ

اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ کہو کہ اے اللہ بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے

مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ

اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلیل کرے

بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۲۵﴾ تَوَلَّجَ اللَّيْلَ فِي الْنَّهَارِ

ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے۔

وَتَوَلَّجَ النَّهَارَ فِي الْلَيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ

اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا اور تو ہی جاندار سے

مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾ يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ

بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔ مومنوں کو چاہئے کہ مومنوں کے سوا

الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ

کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کریگا اُس سے اللہ کا کچھ (عہد) نہیں ہاں اگر اس طریق سے تم اُن (کے شر) سے

فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَةً ۚ وَيَحْذَرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾

بچاؤ کی صورت پیدا کرو (تو مضائقہ نہیں) اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے [۳]

قُلْ إِنْ تَخَفُوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْدُوهُ يَعْلَمَهُ اللَّهُ

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ کوئی بات تم اپنے دلوں میں مخفی رکھو یا اُسے ظاہر کرو اللہ اُس کو جانتا ہے

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

ور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اُس کو سب کی خبر ہے اور وہ ہر چیز پر

[۳] اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ کافروں کو دوست نہ بنائیں اور اس ہدایت کی مخالفت

کرنے والوں کے لئے سخت وعید ہے، کہ جو ان کو دوست بنائے گا۔ اس کا اللہ تعالیٰ سے دوستی و محبت کا علاقہ قطع

ہو جائے گا، کافروں سے باطنی اور دلی دوستی تو مطلقاً حرام ہے، اور ظاہری دوستی معاملات کے درجہ میں اگرچہ

جائز ہے مگر بلا ضرورت وہ بھی پسند نہیں۔ اس مضمون کی آیات قرآن مجید میں جاہجا مختلف عنوانات کے ساتھ بکثرت

آئی ہیں (سورۃ ممتحنہ: ۱، ۱۳، سورۃ مائدہ: ۵۱، سورۃ مجادلہ: ۲۲) یہ مضمون بہت سی آیات قرآنیہ میں مجمل و مفصل

مذکور ہے، جس میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ موالات، دوستی اور محبت سے شدت کے ساتھ روکا گیا ہے، ان

تصریحات کو دیکھ کر حقیقت حال سے ناواقف غیر مسلموں کو تو یہ شبہ ہو جاتا ہے، کہ مسلمانوں کے مذہب میں

غیر مسلموں سے کسی قسم کی رواداری اور تعلق کی بلکہ حسن اخلاق کی بھی گنجائش نہیں، اور دوسری طرف اس کے بالمقابل

جب قرآن کی بہت سی آیات سے اور رسول اللہ ﷺ کے ارشادات اور عمل سے خلفاء راشدین اور دوسرے صحابہ کرام کے تعامل سے غیر مسلموں کے ساتھ احسان و سلوک اور ہمدردی و عنخواری کے احکام اور ایسے ایسے واقعات ثابت ہوتے ہیں، جن کی مثالیں دنیا کی اقوام میں ملنا مشکل ہیں، تو ایک سطحی نظر رکھنے والے مسلمان کو بھی اس جگہ قرآن و سنت کے احکام و ارشادات میں باہم تعارض و تضادم محسوس ہونے لگتا ہے، مگر یہ دونوں خیال قرآن کی حقیقی تعلیمات پر طائرانہ نظر اور ناقص تحقیق کا نتیجہ ہوتے ہیں، اگرچہ مختلف مقامات سے قرآن کریم کی آیات کو جو اس معاملہ سے متعلق ہیں جمع کر کے غور کیا جائے تو نہ غیر مسلموں کے لئے وجہ شکایت باقی رہتی ہے، نہ آیات و روایات میں کسی قسم کا تعارض باقی رہتا ہے، اس لئے اس مقام کی پوری تشریح کر دی جاتی ہے جس سے موالات اور احسان و سلوک یا ہمدردی و عنخواری میں باہمی فرق اور ہر ایک کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی، اور یہ بھی کہ ان میں کونسا درجہ جائزہ کونسا جائز؟ اور جو ناجائز ہے اس کی وجوہ کیا ہیں؟

بات یہ ہے کہ دو شخصوں یا دو جماعتوں میں تعلقات کے مختلف درجات ہوتے ہیں، ایک درجہ تعلق کا قلبی موالات یا دلی مودت و محبت ہے، یہ صرف مومنین کے ساتھ مخصوص ہے غیر مومنین کے ساتھ مومن کا یہ تعلق کسی حال میں قطعاً جائز نہیں۔

دوسرا درجہ مواسات کا ہے، جس کے معنی ہیں ہمدردی و خیر خواہی اور نفع رسانی کے، یہ بجز کفار اہل حرب کے جو مسلمانوں سے برسر پیکار ہیں، باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے سورہ ممتحنہ کی آیت: ۸۔ میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

تیسرا درجہ مدارات کا ہے، جس کے معنی ہیں ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ کے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جبکہ اس سے مقصود ان کو دینی نفع پہنچانا ہو۔ یا ان کے شر و ضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو، سورہ ال عمران کی آیت مذکورہ میں الا ان تتقوا منهم تقوا۔ سے یہی درجہ مدارات کا مراد ہے، یعنی کافروں سے موالات جائز نہیں، مگر ایسی حالت میں جبکہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنا چاہو، اور چونکہ مدارات میں بھی صورت موالات کی ہوتی ہے، اس لئے اس کو موالات سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ (بیان القرآن)۔

ابوالعباس قرطبی شرح مسلم میں حدیث عائشہؓ کی تشریح میں لکھتا ہے: فیہ جواز غیبة المعلن بالفسق او الفحش ونحو ذلك مع جواز مداراتهم اتقاء شرهم مالم یؤد ذلك الی المداھنة، ثم قال: تبع اللقاضي حسين، و الفرق بين المداراة و المداھنة، ان المداراة بذل الدنیا لصلاح الدنیا او الدین او هما معا، وھی مباحة، و ربما استحسن، و المداھنة بذل الدین لصلاح الدنیا، انتهى۔ اس عبارت کو قاضی اور مبارکپوری نے بھی اس حدیث کی تشریح میں ذکر کی ہے، تحفۃ الاحوذی: باب ماجاء فی المداراة: ۳۱۴۱ (ق)۔

اس تفصیل سے مدافعت اور مدارات کے درمیان فرق واضح ہوا، کہ مدافعت دنیاوی مفاد کے لئے دین کو قربان کرنا ہے، اور مدارات حصول دنیا یا دین ہے جس طریقہ سے بھی ہو۔

چوتھا درجہ معاملات کا ہے، کہ ان سے تجارت یا اجرت و ملازمت اور صنعت و حرفت کے معاملات کئے جائیں یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، بجز ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام کا تعامل اس پر شاہد ہے، فقہاء نے اسی بنا پر کفار اہل حرب کے ساتھ اسلحہ فروخت کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے باقی تجارت وغیرہ کی اجازت دی ہے، اور ان کو اپنا ملازم رکھنا یا خود ان کے کارخانوں اور اداروں میں ملازم ہونا یہ سب جائز ہے۔

اس تفصیل سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ قلبی اور دلی دوستی اور محبت تو کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں جائز نہیں، اور احسان و ہمدردی و نفع رسانی بجز اہل حرب کے اور سب کے ساتھ جائز ہے، اسی طرح ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ بھی سب کے ساتھ جائز ہے، جبکہ اس کا مقصد مہمان کی خاطر داری یا غیر مسلموں کو اسلامی معلومات اور دینی نفع پہنچانا، یا اپنے آپ کو ان کے کسی نقصان و ضرر سے بچانا ہو۔

رسول کریم ﷺ جو رحمتہ للعالمین ہو کر اس دنیا میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان و ہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کئے اس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے، مکہ میں قحط پڑا تو جن دشمنوں نے آپ ﷺ کو اپنے وطن سے نکالا تھا، ان کی خود امداد فرمائی، پھر مکہ مکرمہ فتح ہو کر یہ سب دشمن آپ ﷺ کے قابو =

قَدِيرٌ ﴿۲۴۰﴾ يَوْمَ تَجْدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ

قادر ہے۔ جس دن ہر شخص اپنے اعمال کی نیکی کو موجود پالے گا اور اُن کی برائی کو بھی (دیکھ لے گا)

مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ

تو آرزو کرے گا کہ اے کاش اس میں اور اُس کی برائی میں دور کی مسافت ہو جاتی اور اللہ تمہیں اپنے (غضب) سے ڈراتا ہے

وَاللَّهُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۴۱﴾ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي

اور اللہ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے (اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو

يُحِبِّكُمْ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۴۲﴾

اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

= میں آگئے، تو سب کو یہ فرما کر آزاد کر دیا کہ: "لا تشریب علیکم الیوم"۔ یعنی آج تمہیں صرف معافی نہیں دی جاتی بلکہ تمہارے پچھلے مظالم اور تکالیف پر ہم کوئی ملامت بھی نہیں کرتے (قرطبی)۔

غیر مسلم جنگی قیدی ہاتھ آئے تو ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو اپنی اولاد کے ساتھ بھی ہر شخص نہیں کرتا، کفار نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، کبھی آپ ﷺ کا ہاتھ انتقام کے لئے نہیں اٹھا، زبان مبارک سے بددعا بھی نہیں فرمائی۔

فاروق اعظم نے غیر مسلم محتاج ذمیوں کو مسلمانوں کی طرح بیت المال سے وظیفے دیئے۔ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کے معاملات اس قسم کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں، یہ سب مواسات یا مدارات یا معاملات کی صورتیں تھیں، جس موالات سے منع کیا گیا وہ نہ تھی۔ اس تفصیل اور تشریح سے ایک طرف تو یہ معلوم ہو گیا کہ غیر مسلموں کے لئے اسلام میں کتنی رواداری اور حسن سلوک کی تعلیم ہے دوسری طرف جو ظاہری تعارض ترک موالات کی آیات سے محسوس ہوتا تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔

﴿۳۳﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ﴿۳۳﴾

کہہ دو کہ اللہ اور اُس کے رسول کا حکم مانو۔ اگر نہ مانیں تو اللہ بھی کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ [۴۲]

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرٰهِيْمَ وَآلَ عِمْرٰنَ عَلٰی

اللہ نے آدم اور نوح کو اور خاندانِ ابراہیم اور خاندانِ عمران کو تمام جہان کے لوگوں میں منتخب فرمایا تھا۔

﴿۳۴﴾ الَّذِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلٰی بِبَعْضٍ مِّنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾

اُن میں سے بعض بعض کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔

[۴۲] ابن کثیر نے اس آیت کے تحت اتباع الرسول کے متعلق ایک مختصر نوٹ لکھا ہے، اس کو ہم نقل کرتے ہیں: فرماتے

ہیں کہ، اس آیت نے فیصلہ کر دیا کہ جو شخص اللہ کی محبت کا دعویٰ کرے، اور اس کے اعمال، افعال، عقائد، مطابق فرمانِ نبوی

ﷺ نہ ہوں، طریقہ محمدیہ پر وہ کار بند نہ ہو، تو وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹا ہے۔ متفق علیہ حدیث میں ہے: من احدث

فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد: بخاری: ۴۶۹۷، مسلم: ۱۷۱۸۔ یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں، جو شخص

کوئی ایسا عمل کرے جس پر ہمارا حکم نہ ہو (یعنی بدعت ہو) وہ مردود ہے۔ اس لئے یہاں بھی ارشاد ہے، کہ اگر تم اللہ سے

محبت رکھنے کے دعوے میں سچے ہو، تو میری سنتوں پر عمل کرو، اس وقت تمہاری چاہت سے زیادہ اللہ تمہیں دے گا۔ یعنی وہ

خود تمہارا چاہنے والا بن جائے گا، جیسے کہ بعض حکیم علماء نے کہا ہے کہ تیرا چاہنا کوئی چیز نہیں لطف تو اس وقت ہے کہ اللہ تجھے

چاہنے لگ جائے۔

غرض اللہ کی محبت کی نشانی یہی ہے کہ ہر کام میں اتباع سنت مد نظر ہو۔ تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ رسول

پاک ﷺ نے فرمایا: دین صرف اللہ کے لئے محبت اور اسی کے لئے دشمنی کا نام ہے، پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کی تلاوت

کی، لیکن یہ حدیث سندا منکر ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ حدیث پر چلنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہارے تمام تر گناہوں کو بھی معاف

فرمادے گا۔ پھر ہر خاص و عام کو حکم ملتا ہے کہ سب اللہ تعالیٰ و رسول اللہ ﷺ کے ماننے رہیں، جو اس سے لوٹ جائیں، یعنی

اللہ و رسول کی اطاعت سے ہٹ جائیں، تو وہ کافر ہے، اور اللہ ان سے محبت نہیں رکھتا۔ اور یہی مقصد ہے ابن عمرؓ کے قول

کا کہ ”من ترک السنة کفر: ابن بطہ: ۱۱۸/۱۔

اس سے صاف واضح ہو گیا کہ رسول اللہ کے طریقہ کی مخالفت کفر ہے، ایسے لوگ اللہ کے دوست نہیں ہو سکتے، گوان کا دعویٰ ہو، لیکن جب تک اللہ تعالیٰ کے سچے نبی امی خاتم المرسل کی پیروی، اور اتباع سنت نہ کریں، وہ اپنے اس دعویٰ میں جھوٹے ہیں۔

رسول پاک ﷺ تو وہ ہے کہ اگر آج انبیاء اور رسول بلکہ بہترین اور اولو العزم پیغمبر بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی آپ کے ماننے بغیر اور آپ کی شریعت پر کار بند ہونے بغیر چارہ ہی نہ تھا، اس کا بیان بسط اور تفصیل کے ساتھ آیت ”واذا اخذ اللہ میثاق النبیین“ (ال عمران: ۸۱) کی تفسیر میں آئے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اس مسئلے کے مزید تفصیل کے لئے ہم قرآنی آیات مبارکہ کے حوالہ جات نقل کرتے ہیں: جو کہ مندرجہ ذیل

ہیں: بقرہ: ۴۳، ال عمران: ۱۳۲، سورة النساء: ۱۳، ۱۴، ۵۹، ۶۱، ۶۲، ۶۵، ۶۹، ۸۰، ۱۱۵، مائدہ: ۹۲، انفال: ۱، ۱۳، ۲۰، ۲۲، ۲۶، توبہ: ۷، اعراف: ۱۵۷، ۱۵۸، ابراہیم: ۴۴، نور: ۵۴، ۶۳، ۵۶، ۵۲، ۵۱، یوسف: ۸، افرقان: ۲، احزاب: ۲۱، ۳۳، ۳۶، ۶۶، ۷۱، محمد: ۳۳، فتح: ۱۷، احقاف: ۳۱، ۳۲، حجرات: ۱۴، مجادلہ: ۱۳، حشر: ۷، تغابن: ۱۲۔

رسول کی اطاعت کو اطاعت الہی سے الگ کر کے بیان کرنے کی حکمت

آیت (۱۳۲) میں فرماتا ہے ”اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے“ اس میں رحمت الہی کے لئے جس طرح اللہ کی اطاعت کو ضرور اور لازم قرار دیا ہے، رسول کریم ﷺ کی اطاعت کو بھی اسی طرح لازم اور ضروری قرار دیا ہے، اور یہ پھر صرف اسی آیت میں نہیں پورے قرآن میں بار بار اس کا تکرار اسی طرح ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہوتا ہے وہیں اطاعت رسول کا بھی ذکر مستقلاً ہے، قرآن کریم کے یہ متواتر اور مسلسل ارشادات ایک انسان کو اسلام اور ایمان کے بنیادی اصول کی طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ ایمان کا پہلا جزو اللہ تعالیٰ کے وجود، اس کی وحدانیت اور اسکی بندگی اور اس کی اطاعت کا اقرار کرنا ہے، تو دوسرا جزو رسول کی تصدیق اور اس کی اطاعت ہے۔

اب یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ قرآن کریم ہی کے ارشادات سے یہ بھی ثابت ہے کہ نبی ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں وہ سب باذن اللہ ہوتا ہے، اپنی طرف سے کچھ نہیں ہوتا، قرآن کریم کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ﴾

هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿۱۰۱﴾ (النجم)۔ یعنی رسول کریم ﷺ جو کچھ بولتے ہیں وہ کسی اپنی خواہش سے نہیں کہتے، بلکہ وہ سب اللہ کی طرف سے وحی ہوتی ہے، اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ رسول کی اطاعت بعینہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہوتی ہے، اس سے الگ کوئی چیز نہیں سورہ نساء میں خود بھی ان الفاظ میں اس کو واضح فرمادیا: ﴿مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (نساء: ۸۰)۔ یعنی جس نے اطاعت کی رسول کی، اس نے اطاعت کی اللہ کی، تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان دونوں اطاعتوں کو الگ الگ بیان کرنے میں کیا فائدہ؟

خصوصاً اس التزام اور اہتمام کے ساتھ کہ پورے قرآن کریم میں یہی عادت مستمرہ ہے کہ دونوں اطاعتوں کا ساتھ ساتھ حکم دیا جاتا ہے، راز اس میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے ایک کتاب بھیجی، اور ایک رسول، رسول کے ذمہ یہ کام لگائے گئے: اول یہ کہ وہ قرآن کریم کی آیات ٹھیک اسی صورت اور لب لہجہ کے ساتھ لوگوں کو پہنچادیں، جس صورت سے وہ نازل ہوں۔

دوسرے یہ کہ وہ لوگوں کو ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک کریں۔

تیسرے یہ کہ وہ اس کتاب کے مضامین کی امت کو تعلیم دیں، اور اس کے مقاصد کو بیان فرمائیں، نیز یہ کہ وہ کتاب کے ساتھ حکمت کی تعلیم دیں، یہ مضمون قرآن کریم کی متعدد آیاتوں میں تقریباً ایک ہی عنوان سے آیا ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (جمہ: ۲)۔ معلوم ہوا کہ رسول کے فرائض منصبی میں صرف اتنا ہی داخل نہیں کہ وہ قرآن لوگوں تک پہنچادے، بلکہ اس کی تعلیم اور تیسرے بھی رسول کے ذمہ ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے مخاطب عرب کے فصحاء وبلغاء تھے، ان کے لئے قرآن کریم کی تعلیم کے یہ معنی تو نہیں ہو سکتے کہ محض الفاظ قرآنی کے لغوی معنی ان کو سمجھائے جائیں، کیونکہ وہ سب خود بخود ان کو بخوبی سمجھتے تھے، بلکہ اس تعلیم اور تیسرے کا مقصد صرف یہی تھا اور یہی ہو سکتا ہے، کہ قرآن کریم میں ایک حکم مجمل یا مبہم الفاظ میں بیان فرمایا، اس کی تشریح اور تفصیل نبی ﷺ نے اس وحی کے ذریعے سے لوگوں تک پہنچائی جو قرآن کے الفاظ میں نہیں آئی، بلکہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کے قلب مبارک میں ڈالی، جس کی طرف آیات قرآن کریم: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم) میں اشارہ کیا گیا ہے۔

مثلاً قرآن نے بیٹا ر مواقع میں صرف ” اقيموا الصلوة واتوا الزكوة “ فرمانے پھر اکتفا کیا ہے، کہیں نماز کے معاملہ میں قیام، رکوع اور سجدہ کا ذکر بھی آیا، تو وہ بھی بالکل مبہم ہے۔

ان کی کیفیات کا ذکر نہیں، نبی ﷺ کو جبریل نے خود آ کر اللہ کے حکم سے ان تمام اعمال اور ارکان کی تفصیلی صورت عمل کر کے بتلائی، اور آپ ﷺ نے اسی طرح قول و عمل کے ذریعہ امت کو پہنچا دیا۔ زکوٰۃ کے مختلف نصاب اور ہر نصاب پر زکوٰۃ کی مقدار کا تعین۔ پھر یہ بات کہ کس مال پر زکوٰۃ ہے اور کس مال پر نہیں؟ اور مقدار نصاب میں کتنا حصہ معاف ہے؟ یہ سب تفصیلات رسول کریم ﷺ نے بیان فرمائی،

چونکہ یہ تفصیلات قرآن کریم میں مذکور نہیں، اس لئے یہ احتمال تھا کہ کسی وقت کسی ناواقف کو یہ دھوکہ ہو کہ یہ تفصیلی احکام اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام نہیں، اس لئے حق تعالیٰ کی اطاعت میں ان کی تعمیل ضروری نہیں، اس لئے حق تعالیٰ نے سارے قرآن میں بار بار اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول کی اطاعت کو لازم فرمادیا ہے۔ جو حقیقت میں تو حق تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے، مگر ظاہری صورت اور تفصیل بیان کے اعتبار سے اس سے کچھ مختلف بھی ہے، اس لئے بار بار تاکیدات کے ساتھ بتلا دیا کہ رسول کریم ﷺ تمہیں جو کچھ حکم دیں اس کو بھی حق تعالیٰ ہی کی اطاعت سمجھ کر مانو، خواہ وہ قرآن میں صراحتاً موجود ہو یا نہ ہو یہ مسئلہ چونکہ اہم تھا اور کسی ناواقف کو دھوکہ لگ جانے کے علاوہ دشمنان اسلام کے لئے اسلامی اصول میں گڑ بڑ پھیلانے اور مسلمانوں کو اسلام کے صحیح راستہ سے بہکانے کا بھی ایک موقع تھا۔

اس لئے قرآن کریم نے اس مضمون کو صرف لفظ اطاعت رسول کے ساتھ ہی نہیں بلکہ مختلف عنوانات سے امت محمدیہ کو بتلایا ہے، مثلاً آپ ﷺ کے فرائض میں تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ علاوہ کتاب کے کچھ اور بھی آپ ﷺ کی تعلیمات میں داخل ہے اور وہ بھی مسلمانوں کے لئے واجب الاتباع ہے، جس کو لفظ حکمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہیں ارشاد فرمایا کہ: ﴿لَتُبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (نحل: ۴۴)۔ یعنی رسول کے بھیجنے کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے لئے آپ ﷺ پر نازل شدہ آیات کے مطالب و مقاصد اور تشریحات کو بیان فرمائیں۔ اور کہیں یہ ارشاد ہے کہ: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (حشر: ۷)۔ یعنی رسول تم کو جو کچھ دیں وہ لے لو، اور جس سے روکیں اس سے باز آ جاؤ۔

یہ سب انتظام اس لئے کیا گیا کہ کل کو کوئی شخص یہ نہ کہے کہ ہم تو صرف ان احکام کے مکلف ہیں جو قرآن میں آئے ہیں، جو احکام ہمیں قرآن میں نہ ملیں ان کے ہم مکلف نہیں، رسول کریم ﷺ پر غائبانہ مکتشف ہو گیا تھا کہ کسی زمانے

میں ایسے لوگ پیدا ہونگے جو رسول کی تعلیمات اور تشریحات سے گلو خلاصی حاصل کرنے کے لئے یہی دعویٰ کریں گے کہ ہمیں کتاب اللہ کافی ہے، اس لئے ایک حدیث میں صراحتہً بھی اس کا ذکر فرمایا جس کو ترمذی ۲۶۶۳، ابوداؤد: ۴۶۰۵، ابن ماجہ: ۱۳، نے اپنی اپنی کتابوں میں ان الفاظ سے نقل فرمایا ہے: لا الفین احدکم متکنا علی اریکنہ یأتیہ الامر من امری مما امرت بہ اونہیت عنہ فیقول لا ادری ما وجدنا فی کتاب اللہ اتبعناہ۔ یعنی ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کسی کو ایسا پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر تکیہ لگائے ہوئے بے فکری سے بیٹھے ہوئے میرے امر و نہی کے متعلق یہ کہہ دے کہ ہم اس کو نہیں جانتے، ہمارے لئے تو کتاب اللہ کافی ہے، جو کچھ اس میں پاتے ہیں اس کا اتباع کر لیتے ہیں۔

ایک دوسری حدیث جو صفوان بن عسالؓ سے منقول ہے کہ قال: قال یهودی لصاحبہ اذہب بنا الی ہذا النبی، فقال لہ صاحبہ لا تقل، نبی، انہ لو سمعک کان لہ اربع اعین، فأتیار رسول اللہ ﷺ فسألاه عن تسع آیات بینات، فقال لہما رسول اللہ ﷺ، لا تشرکوا باللہ شیاً، ولا تسرقوا، ولا تزنوا، ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ الابالحق، ولا تمشوا بیری الی ذی سلطان لیقتلہ، ولا تسحرُوا، ولا تأکلوا الربا، ولا تنذفوا محصنة، ولا تولوا الفراریوم الزحف، وعلیکم خاصة الیہود، ان (لا تعدوا فی السبت) قال فقبا لیدیہ ورجلیہ، وقالنا نشہد انک نبی، قال فما یمنعکم ان تتبعونی؟ قالان داود دعار بہ ان لا یزال من ذریئہ نبی، وانا نخاف ان اتبعناک ان تقتلنا الیہود۔ (رواہ الترمذی: ۳۱۴۴، و النسائی فی السنن الكبرى: ۸۲۵۶، وابن ماجہ: ۳۷۰۵۔

ایک دن ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ اؤ اس نبی کے پاس چلیں! اس کے ساتھی نے کہا نہیں، نبی نہ کہو، کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا کہ یہودی بھی مجھے نبی کہتے ہیں، تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی، یعنی خوشی سے پھولے نہیں سمائیں گے، بہر حال وہ دونوں رسول کریم ﷺ کی خدمت میں آئے، اور آپ ﷺ سے نو (۹) واضح احکام کے بارے میں سوال کیا، رسول پاک ﷺ نے فرمایا! کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، کسی بے گناہ کو قتل کرانے کے لئے اس پر غلط الزام عائد کر کے حاکم کے پاس مت لے جاؤ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاکدامن عورت کو زنا کی تہمت نہ لگاؤ، میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ، اور اے یہودیو! تمہارے لئے خاص طور پر واجب ہے، کہ یوم شنبہ کے معاملہ میں حکم الہی سے تجاوز نہ کرو، راوی کہتے ہیں کہ یہ سن کر دونوں یہودیوں نے نبی ﷺ کے ہاتھ، پیر، چوم لئے، اور بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ واقعی نبی ہیں۔ =

إِذْ قَالَتِ امْرَأَةُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي

(وہ وقت یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے رب جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اُس کو تیری نذر کرتی ہوں

مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۵﴾

اُسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی، تو میری طرف سے قبول فرما تو سننے والا جاننے والا ہے

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ

جب اُن کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ اُن کے ہاں پیدا ہوا تھا اللہ کو خوب معلوم تھا تو کہنے لگیں کہ رب میرے تو لڑکی ہوئی

أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ

ہے اور (نذر کیلئے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (نا تو ان) نہیں ہوتا، اور اس کا نام مریم رکھا ہے

وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۱۲۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا

اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ تو پروردگار نے اُس کو پسندیدگی کیساتھ

= نبی ﷺ نے فرمایا: جب تمہیں میری رسالت پر یقین ہے، تو میری اتباع سے تم کو کون سا امر مانع ہے؟ انہوں

نے کہا حقیقت یہ ہے کہ داؤد نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی ہوا کرے، لہذا ہم ڈرتے ہیں کہ

اگر آپ ﷺ کی پیروی کریں، تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے۔

اس حدیث سے یہ ظاہر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان الگ چیز ہے، اور آپ ﷺ کی اتباع الگ چیز ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ جگہ جگہ رسول ﷺ کی اطاعت کا بار بار ارشاد اور پھر مختلف عنوانات

سے رسول کے دینے ہوئے احکام کو ماننے کی ہدایات یہ سب اسی خطرہ کے پیش نظر ہیں کہ کوئی شخص ذخیرہ احادیث میں رسول

کریم ﷺ کی بیان کی ہوئی احکام کو قرآن سے الگ اور اطاعت الہی سے جدا سمجھ کر انکار نہ کر بیٹھے۔

اتباع رسول کے متعلق احادیث اور علماء کے اقوال بہت زیادہ ہیں، مذکورہ بحث پر اکتفاء کرتے ہیں۔

رَبُّهَا بِقَبُولِ حَسَنِ وَاَنْبَتِهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَلَهَا زَكَرِيَّا كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا

قبول فرمایا اور اُسے اچھی طرح پرورش کیا۔ اور زکریا کو اُس کا متکفل بنایا۔ زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اُس کے پاس

زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالِ يَمْرِيْمُ اَنِي لِكِ هَذَا

جاتے تو اُس کے پاس کھانا پاتے (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے

قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۲۷﴾

آتا ہے؟ وہ بولیں کہ اللہ کے ہاں سے (آتا ہے) بیشک اللہ جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ

اُس وقت زکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی (اور) کہا کہ اے رب مجھے اپنی جناب سے اولادِ صالح عطا فرما بیشک تو

سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۱۲۸﴾ اِنَّهَا دَتُهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ

دعا سننے (اور قبول کرنے) والا ہے۔ وہ ابھی عبادت گاہ میں کھڑے نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ فرشتوں نے آواز دی کہ

اِنَّ اللّٰهَ يَبْشُرُكَ بِحَيٍّ مُّصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا

(زکریا) اللہ تمہیں بخیر کی بشارت دیتا ہے جو اللہ کے فیض (یعنی عیسیٰ) کی تصدیق کریں گے اور سردار ہوں گے

وَخَصُورًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۲۹﴾ قَالِ رَبِّ اَنِي

اور عورتوں سے رغبت نہ رکھنے والے اور (اللہ کے) پیغمبر (یعنی) نیکوکاروں میں ہوں گے۔ زکریا نے کہا اے پروردگار

يَكُوْنُ لِيْ غُلَامًا وَقَدْ بَلَغَنِي الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ قَالِ

میرے ہاں لڑکا کیونکر پیدا ہوگا کہ میں تو بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اللہ نے فرمایا

كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَّشَاءُ ﴿۱۳۰﴾ قَالِ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْ آيَةً قَالِ

اسی طرح اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ زکریا نے کہا کہ اے اللہ (میرے لئے) کوئی نشانی مقرر فرما۔ اللہ نے فرمایا

آيَتِكَ إِلَّا تَكَلَّمَ النَّاسُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا رَمَزًا وَاذْكُر رَبَّكَ كَثِيرًا

نشانی یہ ہے کہ تم لوگوں سے تین دن اشارے کے سوا بات نہ کر سکو گے تو (ان دنوں میں) اپنے رب کو کثرت سے یاد کر

وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۲۱۱﴾ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ

اور صبح و شام اُس کی تسبیح کرنا۔ اور جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا کہ

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَكَ وَطَهَّرَكَ وَاصْطَفَكَ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ﴿۲۱۲﴾

اللہ نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک بنایا ہے اور جہان کی عورتوں میں منتخب کیا ہے۔

يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿۲۱۳﴾

مریم اپنے رب کی فرما نبرداری کرنا اور سجدہ کرنا اور رکوع کرنے والوں کیساتھ رکوع کرنا۔

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ

(اے محمدؐ) یہ باتیں اخبارِ غیب میں سے ہیں جو ہم تمہارے پاس بھیجتے ہیں۔ اور جب وہ لوگ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال

إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ

رہے تھے کہ مریم کا متکفل کون بنے تو تم اُن کے پاس نہیں تھے اور نہ اُس وقت ہی اُن کے پاس تھے جب وہ آپس میں جھگڑ رہے تھے

يَخْتَصِمُونَ ﴿۲۱۴﴾ إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ

(وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے (مریم سے کہا) کہ مریم، اللہ تم کو اپنی طرف سے ایک فیض کی بشارت دیتا ہے

مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ

جس کا نام مسیح (اور مشہور) عیسیٰ بن مریم ہوگا (اور جو) دنیا اور آخرت میں با آبرو اور (اللہ کے) خاصوں میں ہوگا

الْمُقَرَّبِينَ ﴿۲۱۵﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۱۶﴾

اور ماں کی گود میں اور بڑی عمر کا ہو کر (دونوں حالتوں میں) لوگوں سے (یکساں) گفتگو کرے گا اور نیکوکاروں میں سے ہوگا

قَالَتْ رَبِّ انى يَكُونُ لى وَلَدٌ وَلَمْ يَمَسِّنِى بَشْرًا قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ

مریم نے کہا کہ اللہ میرے ہاں بچہ کیونکر ہوگا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تک تو لگایا نہیں؟ فرمایا کہ اللہ اسی طرح جو چاہتا ہے

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۲۸﴾

پیدا کرتا ہے۔ وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرما دیتا ہے کہ ہو جا، وہ ہو جاتا ہے۔

وَيَعْلَمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۲۹﴾ ۗ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِي

اور وہ انہیں لکھنا (پڑھنا) اور دانائی اور تورات اور انجیل سکھائے گا۔ اور (عیسیٰ) بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر (ہو کر جائیں گے

اِسْرٰٓئِيْلَ اِنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ اِنِّىْ اَخْلَقْتُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ

اور کہیں گے) کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، وہ یہ کہ تمہارے سامنے مٹی کی مورت

الطَّيْرِ فَاَنْفَخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُبْرِيْ الْاَكْمَةَ وَالْاَبْرَصَ

بہ شکل پرندہ بناتا ہوں پھر میں اُس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے جاندار ہو جاتا ہے اور اندھے اور جذامی

وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاَنْبِئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدْخِرُوْنَ

کو تندرست کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردے میں جان ڈال دیتا ہوں اور جو کچھ تم کھا کرتے ہو اور جو اپنے گھروں

فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لٰاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۳۰﴾

میں جمع رکھتے ہو سب تم کو بتا دیتا ہوں اگر تم صاحب ایمان ہو تو ان باتوں میں تمہارے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانی ہے

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْ مِنَ التَّوْرٰةِ وَاٰحِلًّا لَّكُمْ

اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اُس کی تصدیق بھی کرتا ہوں اور (میں) اس لئے بھی (آیا ہوں) کہ

بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ

بعض چیزیں تم پر حرام تھیں، اُن کو تمہارے لئے حلال کر دوں اور میں تو تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا أَمْرًا مِّنْ أَمْرِ اللَّهِ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا

تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو یہ

صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۱۱۱﴾ لَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي

یہی سیدھا راستہ ہے۔ جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے نافرمانی دیکھی تو کہنے لگے کہ کوئی ہے جو اللہ کا طرفدار

إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ وَاشْهَدُوا

اور میرا مددگار ہو؟ حواری بولے کہ ہم اللہ کے (طرفدار اور آپ کے) مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہیں

بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۱۱۲﴾ لَمَّا نَزَلْنَا بِمَاءِ مَدْيَنَ وَاتَّبَعَنَا الرَّسُولَ

کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ اے اللہ۔ جو (کتاب) تو نے نازل فرمائی ہے ہم اُس پر ایمان لائے اور (تیرے) پیغمبر کے تابع

فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۱۱۳﴾ كَرُّوا وَمَكَرَ اللَّهُ

ہو چکے، تو ہم کو ماننے والوں میں لکھ رکھ۔ اور وہ (یعنی یہود قتل عیسیٰ کے بارے میں ایک) چال چلے

وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمَاكِرِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَىٰ

اور اللہ بھی (عیسیٰ کو بچانے کیلئے) تدبیر چلا اور اللہ خوب تدبیر چلنے والا ہے۔ اس وقت اللہ نے فرمایا کہ عیسیٰ میں تمہاری دنیا

إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ .

میں رہنے کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا [۵]

[۵] اس آیت کریمہ سے مرزا غلام احمد قادیانی اور سر سید احمد اور دیگر باطل فرقے وفات عیسیٰ علیہ السلام کے

لئے استدلال کرتے ہیں، اور ان کا منہ تھوڑا جواب تفسیر ثنائی میں مولانا ابوالوفاء محمد ثناء اللہ نے دیا ہے لہذا ہم وہ

عبارت قارئین کو لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں تاکہ فائدہ تام حاصل ہو جائے۔

فرماتے ہیں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسی بزرگ (مسیح علیہ السلام) کے متعلق (جن کی تمام زندگی کے حالات کے علاوہ مرنے جینے میں بھی لوگ مختلف ہیں) ان کی وفات کا ذکر فرماتا ہے اس آیت کے معنی میں علماء کا قریب قریب اتفاق ہے کہ یہاں موت مراد نہیں بلکہ دنیا سے اٹھانا مراد ہے، مگر ہم نے سید احمد صاحب جو اس مسئلہ (وفات مسیح) کے موجد ہیں اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے لحاظ سے (جو سید صاحب کے اس مسئلہ اور دیگر استحالہ سپرنچرل میں پیرو ہیں) اس آیت کے معنی میں انہیں کا ترجمہ منظور کیا ہے، اور ”متوفی“ کے معنی موت دینے والا ہی لکھا ہے، مسئلہ ولادت مسیح میں تو سید صاحب ہی ہمارے مخاطب تھے، اس مسئلہ (وفات مسیح) میں دونوں صاحبوں (سید صاحب اور مرزا صاحب) سے (جو دراصل پیرو پیرو ہیں) ہمارے روئے سخن ہے۔

اس بیان سے پہلے کہ قرآن شریف نے اس مسئلہ کے متعلق کیا فیصلہ دیا ہے؟ بیرونی شہادت دیکھنی بھی ضروری ہے، یہود و نصاریٰ جو مسیح علیہ السلام کی حالات کو پچشم خود دیکھنے والے اور ایک دوسرے سے نسلاً بعد نسل سننے والے ہیں، اسپر متفق ہیں کہ مدوح سولی دیئے گئے، گو ان کے اتفاق کے نتائج مختلف ہیں، یہود کا نتیجہ بموجب تعلیم تورات استثناء ۱۳ باب فتیابی ہے، اور عیسائیوں کا نتیجہ کفارہ گناہ ہے، خیر اسکا یہاں ذکر نہیں، ہماری غرض صرف یہ ہے کہ دونوں فریق اس پر متفق ہیں، کہ مسیح علیہ السلام کو سولی ہی دی گئی۔

پس ان دونوں گروہوں کے اتفاق سے یہ امر باسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ مسیح علیہ السلام موت طبعی سے نہیں مرے ورنہ ممکن نہ تھا کہ دونوں گروہوں سے ان کی موت مخفی رہتی، کیونکہ یہود و نصاریٰ سے زیادہ اور نصاریٰ یہودوں سے بڑھ کر ان کے حالات کے متلاشی تھے، یہودیوں کی غرض یہ تھی کہ وہ کہیں ملیں تو ان کو موت کا مزہ چکائیں، عیسائیوں کو ان سے دلی محبت تھی اس لئے وہ ان کی حال کی تلاش میں سرگرم تھے، چنانچہ اناجیل مروجہ سے اس بات کا پتہ بہ آسانی ملتا ہے کہ عیسائیوں کو مسیح کے حالات سے کس قدر مانوسیت تھی، کہ ان کے معمولی مشاغل چلنا پھرنا بھی قلم بند کر رکھا ہے، پھر اگر وہ موت طبعی سے مرتے تو ممکن نہیں کہ عیسائیوں کو اس کی خبر نہ ہوتی۔ پس سید صاحب کا فرمانا کہ عیسیٰ علیہ السلام تین چار گھنٹے کے بعد صلیب پر سے اتار لئے گئے تھے، اور ہر طرح پر یقین ہو سکتا ہے کہ وہ زندہ تھے، رات کو وہ لحد میں سے نکال لئے گئے، اور وہ مخفی اپنے مریدوں کی حفاظت میں رہے،

حواریوں نے ان کو دیکھا اور ملے اور پھر کسی وقت اپنی موت سے مر گئے، بلاشبہ ان کو یہودیوں کے خوف سے نہایت مخفی طور سے کسی نامعلوم مقام میں دفن کر دیا ہوگا۔ جو اب تک نامعلوم ہے اور یہ مشہور کیا ہوگا کہ وہ اسمان پر چلے گئے (۲۵)۔ تاریخکوت سے بھی ضعیف ہے، یہ کبھی ممکن نہیں کہ سچے نبی کے تابعدارجن کی قرآن میں بھی تعریف آئی ہے ایسے صریح کذب کے مرتکب ہوں، اور بے فائدہ اپنے نبی اور اللہ پر افتراء کریں، کہ وہ اسمان پر چلا گیا۔ حالانکہ نہ گیا ہو۔ علاوہ اس کے اگر مسیح حواریوں کو ملے اور اپنی موت سے مرے، تو کیا اتنی دیر میں یہودیوں کو خبر نہ ہوئی کہ وہ اپنی ناکامیابی پر افسوس کرتے اور دوبارہ سعی بلیغ کر کے کامیابی حاصل کرتے۔

پس سید صاحب کے احتمال کو نہ صرف واقعات جھٹلاتے ہیں بلکہ روایت و درایت دونوں اس کی تکذیب کرتی ہیں، حاصل یہ کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا اس امر پر متفق ہونا کہ مسیح علیہ السلام موت طبعی سے فوت نہیں ہوئے ضرور قابل غور ہے، خصوصاً مرزا صاحب قادیانی کے نزدیک تو یہ طریق استدلال بہت ہی صحیح ہے کیونکہ وہ اس طریق سے خود بھی متدل ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: بابیسویں (۲۲) آیت وفات مسیح پر یہ ہے کہ: فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔ یعنی اگر تمہیں ان بعض امور کا علم نہ ہو جو تم میں پیدا ہوں تو اہل کتاب کی طرف رجوع کرو اور ان کی واقعات پر نظر ڈالو، تا اصل حقیقت تم پر منکشف ہو جائے، سو جب ہم نے موافق حکم اس آیت کے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی کتابوں کی طرف رجوع کیا اور معلوم کرنا چاہا کہ اگر کسی نبی گذشتہ کے آئین کا وعدہ دیا گیا، تو وہی اجاتا ہے، یا ایسی عبارت کے کچھ اور معنی ہوتی ہے، تو معلوم ہوا کہ اسی امر متنازعہ فیہ کا ہمشکل ایک مقدمہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام آپ ہی فیصلہ کر چکے ہیں، اور ان کے فیصلہ کا ہمارے فیصلہ کے ساتھ اتفاق ہے، دیکھو کتاب سلاطین: بولاک کی نبی اور انجیل جو ایلینہ کا دوبارہ اسمان سے اترنا کس طور سے مسیح علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے۔ ازالہ: ۶۱۶۔

مذکورہ بالا تقریر میں مرزا صاحب نے جو علمیت اور قابلیت کا اظہار کیا ہے وہ تو اہل علم سے مخفی نہیں، دعویٰ وفات مسیح ہے اور دلیل عدم رجوع کیا ہے، تقریب تام ہے لیکن بلحاظ اس کے کہ مرزا صاحب تو علم لدنی کے عالم ہیں، علوم ظاہر یہ مناظرہ وغیرہ سے بے نصیب ہونا، ان پر کوئی الزام عائد نہیں کر سکتا، ہاں بطور معارضہ بالمثل جو ہم

نے استدلال کیا ہے اس میں بفضلہ تعالیٰ تقریب تام ہے، کیونکہ ہمارا دعویٰ عدم وفات بموت طبعی ہے، اور بقول مرزا صاحب حسب الحکم آیت کریمہ جب ہم نے اہل کتاب سے وفات مسیح طبعی کے متعلق سوال کیا تو دونوں گروہ نے بالاتفاق جواب دیا کہ نہیں۔ اب ہم آیت قرآنی پر غور کرتے ہیں تو ان آیات میں کسی قدر تفصیل سے اس واقعہ کا بیان ہے، خصوصاً سورۃ نساء: ۱۵۷، والی آیت۔

اور مفتی شفیع اس آیت کی تفصیل میں لکھتے ہیں کہ: اس آیت کے الفاظ و معانی میں بعض فرقوں نے تحریفات کا دروازہ کھولا ہے، جو تمام امت کے خلاف عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور آخرا زمانہ میں نزول کے منکر ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان الفاظ کی تشریح و وضاحت کے ساتھ کر دی جائے۔ ”واللہ خیر الماکرین“ لفظ ”مکر“ عربی زبان میں لطیف و خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں، اگر وہ اچھے مقصد کے لئے ہو، تو اچھا ہے، اور برائی کے لئے ہو تو برا ہے، اسی لئے ”ولایحیق المکر السی“ میں مکر کے ساتھ ”سی“ کے قید لگائی، اردو زبان کے محاورات میں مکر صرف سازش اور بری تدبیر اور حیلہ کے لئے بولا جاتا ہے، اس سے عربی محاورات پر شبہ نہ کیا جائے، اسی لئے یہاں اللہ کو ”خیر الماکرین“ کہا گیا، مطلب یہ ہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور خفیہ تدبیریں شروع کر دیں، حتیٰ کہ بادشاہ کے کان بھر دیئے کہ یہ شخص (معاذ اللہ) ملحد ہے، تورات کو بدلنا چاہتا ہے، سب کو بددین بنا کر چھوڑے گا، اس نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔ ادھر یہ ہورہا تھا اور ادھر حق تعالیٰ کی لطیف و خفیہ تدبیر ان کے توڑ میں اپنا کام کر رہی تھی جس کا ذکر اگلی آیات میں ہے۔

”انسی متوفیک“ لفظ ”متوفی“ کا مصدر ”توفی“ اور مادہ ”توفی“ ہے اس کے اصل معنی عربی لغت کے اعتبار سے پورا پورا لینے کے ہیں، وفاء، ایفاء، استیفاء، اسی معنی کے لئے بولے جاتے ہیں، توفی، کے بھی اصلی معنی پورا پورا لینے کے ہیں، تمام کتب لغت عربی زبان کی اس پر شاہد ہیں، اور چونکہ موت کے وقت انسان اپنی اجل مقدر پوری کر لیتا ہے، اور اللہ کی دی ہوئی روح پوری لے لی جاتی ہے، اس کی مناسبت سے یہ لفظ بطور کنایہ موت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، اور موت کا ایک ہلکا سا نمونہ روزانہ انسان کی نیند ہے، اس کے لئے بھی قرآن کریم میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے: (زمر: ۴۲)۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ لے لیتا ہے جانوں کو ان کی موت کے وقت

، اور جن کی موت نہیں آتی ان کی نیند کے وقت۔

حافظ ابن تیمیہ نے الجواب الصحیح: ۸۳/۲، میں فرمایا: التوفی فی لغة العرب معناها القبض والاستیفاء، وذلک ثلاثة انواع، احدها التوفی فی النوم، و الثانی توفی الموت، و الثالث توفی الروح و البدن جمیعا۔

اور کلیات ابوالبقاء میں ہے، التوفی الاماتة وقبض الروح وعلیه استعمال العامة، و اخذ الحق، وعلیه استعمال البلغاء۔ اسی لئے آیت مذکورہ میں لفظ ”متوفیک“ کا ترجمہ اکثر علماء نے پورا لینے سے کیا ہے، جیسا کہ ترجمہ شیخ الہند میں مذکور ہے، اس ترجمہ کے لحاظ سے مطلب واضح ہے، کہ ہم آپ کو یہودیوں کے ہاتھ میں نہ چھوڑیں گے، بلکہ خود آپ کو لے لیں گے۔ جس کی صورت یہ ہوگی کہ اپنی طرف آسمان پر چڑھالیں گے۔ اور بعض نے اس کا ترجمہ موت دینے سے کیا ہے، اور یہی ترجمہ مفسر قرآن عبداللہ بن عباسؓ سے اسانید صحیحہ کے ساتھ منقول ہے، مگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی منقول ہے کہ معنی آیت کے یہ ہیں، کہ حق تعالیٰ نے اس وقت جبکہ یہودی آپ کے قتل کے درپے تھے آپ کی تسلی کے لئے دو لفظ ارشاد فرمائے، ایک یہ کہ آپ کی موت ان کے ہاتھوں قتل کی صورت میں نہیں بلکہ طبعی موت کی صورت میں ہوگی۔

دوسرا یہ کہ اس وقت ان لوگوں کے زعمہ سے نجات دینے کی ہم یہ صورت کریں گے کہ آپ کو اپنی طرف اٹھالیں گے، یہی تفسیر عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے۔ تفسیر درمنثور میں ابن عباسؓ کی یہ روایت اس طرح منقول ہے: عن ابن عباسؓ فی قوله تعالیٰ ”انی متوفیک ورافعک الی“ یعنی رافعک ثم متوفیک فی آخر الزمان۔ درمنثور۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آیت ”انی متوفیک“ و ”رافعک الی“ کی تفسیر میں یہ لفظ نقل کئے ہیں کہ میں آپ کو اپنی طرف اٹھاؤں گا، پھر آخر زمانہ میں آپ کو طبعی طور پر وفات دوں گا۔

اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ ”توفی“ کے معنی موت ہی کے ہیں، مگر الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے، رافعک کا پہلے اور متوفیک کا وقوع بعد میں ہوگا، اور اس موقع پر متوفیک کو مقدم ذکر کرنے کی حکمت و مصلحت اس

پورے معاملے کی طرف اشارہ کرنا ہے، جو آگے ہونے والا ہے، یعنی یہ اپنی طرف بلا لینا ہمیشہ کے لئے نہیں، چند روزہ ہوگا اور پھر آپ اس دنیا میں آئیں گے اور دشمنوں پر فتح پائیں گے۔ اور بعد میں طبعی طور پر آپ کی موت واقع ہوگی، اس طرح دوبارہ آسمان سے نازل ہونے اور دنیا پر فتح پانے کے بعد موت آنے کا واقعہ ایک معجزہ بھی تھا، اور عیسیٰ علیہ السلام کے اعزاز و اکرام کی تکمیل بھی۔

نیز اس میں عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت کا ابطال بھی تھا، ورنہ ان کے زندہ آسمان پر چلے جانے کے واقعہ سے ان کا یہ عقیدہ باطل اور پختہ ہو جاتا، کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرح حی و قیوم ہے، اس لئے پہلے ”متوفیک“ کا لفظ ارشاد فرما کر ان تمام خیالات کا ابطال کر دیا پھر اپنی طرف بلانے کا ذکر فرمایا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ کفار و مشرکین کی مخالفت و عداوت تو انبیاء علیہم السلام سے ہمیشہ ہی ہوتی چلی آئی ہے، اور عادت اللہ یہ رہی ہے کہ جب کسی نبی کی قوم اپنے افکار اور ضد پر جمی رہی، پیغمبر کی بات نہ مانی، ان کے معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائی، تو دوسورتوں میں سے ایک صورت کی گئی ہے۔

یا تو اس قوم پر آسمانی عذاب بھیج کر سب کو فنا کر دیا گیا، جیسے عاد، و ثمود، اور قوم لوط علیہ السلام، و قوم صالح علیہ السلام کے ساتھ معاملہ کیا گیا، یا پھر یہ صورت ہوتی کہ اپنے پیغمبر کو اس دارالکفر سے ہجرت کر کے کسی دوسری طرف منتقل کیا گیا، اور وہاں ان کو وہ قوت و شوکت دی گئی کہ پھر اپنی قوم پر فتح پائی، ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کر کے شام میں پناہ لی، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے ہجرت کر کے شام تشریف لائے، اور آخر میں خاتم الانبیاء ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے، پھر وہاں سے حملہ آور ہو کر مکہ فتح کیا۔ یہودیوں کے نرغہ سے بچانے کے لئے یہ آسمان پر بلا لینا بھی درحقیقت ایک قسم کی ہجرت تھی، جس کے بعد وہ پھر دنیا میں واپس آ کر یہودیوں پر مکمل فتح حاصل کریں گے۔

رہا یہ معاملہ کہ ان کی یہ ہجرت سب سے الگ آسمان کی طرف کیوں ہے؟ تو حق تعالیٰ نے ان کے بارے میں خود فرمادیا ہے کہ ان کی مثال آدم علیہ السلام کی سی ہے، جس طرح آدم علیہ السلام کی پیدائش عام مخلوقات کے طریق پیدائش سے مختلف بغیر ماں باپ کے ہے، اسی طرح ان کی پیدائش عام انسانوں کی پیدائش سے مختلف

صورت میں ہوئی، اور موت بھی عجیب و غریب طریقہ سے صد ہا سال کے بعد دنیا میں آکر عجیب ہوگی، تو اس میں کیا تعجب ہے کہ ان کی ہجرت بھی کسی ایسے عجیب طریقہ سے ہو۔

یہی عجائب قدرت تو جاہل نصاریٰ کے لئے اس عقیدہ میں مبتلا ہونے کا سبب بن گئے، کہ ان کو اللہ کہنے لگے، حالانکہ انہی عجائب کے ہر قدم اور ہر چیز پر غور کیا جائے تو ہر ایک واقعہ میں ان کی عبدیت و بندگی اور تابع فرمان الہی ہونے اور بشری خصائص سے متصف ہونے کے دلائل ہیں۔

اور اسی لئے ہر ایسے موقع پر قرآن حکیم میں عقیدہ الوہیت کے ابطال کی طرف اشارہ کر دیا ہے، آسمان پر اٹھانے سے یہ شبہ بہت قوی ہو جاتا، اس لئے ”متوفیک“ کو پہلے بیان کر کے شبہ کا قلع قمع کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں یہودی تردید تو مقصود ہی ہے کہ یہود جو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے اور صولی دینے کا عزم کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ اس تقدیم و تاخیر الفاظ کے ذریعہ اسی کے ساتھ نصاریٰ کی بھی تردید ہوگئی۔ کہ وہ اللہ نہیں جو موت سے بری ہوں، ایک وقت آئے گا جب ان کو بھی موت آئے گی۔

امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ قرآن کریم میں اس طرح کی تقدیم و تاخیر اسی طرح کے مصالح کے ماتحت بکثرت آئی ہے کہ جو واقعہ بعد میں ہونے والا تھا اس کو پہلے اور پہلے ہونے والے واقعہ کو بعد میں بیان فرمایا، تفسیر کبیر۔

”ورافعک الی“ اس کا مفہوم ظاہر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا گیا ہے، کہ آپ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا، اور سب جانتے کہ عیسیٰ نام صرف روح کا نہیں بلکہ روح مع الجسد کا ہے، تو رفع عیسیٰ کا یہ مفہوم لینا کہ صرف رفع روحانی ہوا، جسمانی نہیں اٹھایا گیا، بالکل غلط ہے، رہا یہ کہ لفظ ”رفع“ کبھی بلندی مرتبہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ”ورفع بعضکم فوق بعض درجات“ (انعام: ۱۶۵) اور ”یرفع اللہ الذین امنوا منکم و الذین اتوا العلم درجات“ (مجادلہ: ۱۱) وغیرہ آیات میں مذکور ہے۔ تو یہ ظاہر ہے کہ لفظ رفع درجہ کے معنی میں استعمال کرنا ایک مجاز ہے جو قرآن کی بنا پر مذکورہ آیات میں ہوا ہے، یہاں حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی لینے کی کوئی وجہ نہیں، اس کے علاوہ اس جگہ لفظ رفع کے ساتھ لفظ ”الی“ استعمال فرما کر اس مجازی معنی

کا احتمال بالکل ختم کر دیا گیا ہے۔

اس آیت میں ”رافعک الی“ فرمایا اور سورۃ نساء کی آیت میں بھی جہاں یہودیوں کے عقیدہ کا رد کیا گیا وہاں بھی یہی فرمایا، وما قتلوه یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ، الایۃ (۱۵۷، ۱۵۸) یعنی یہودیوں نے یقیناً عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا، بلکہ ان کو تو اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا، اپنی طرف اٹھالینا روح مع الجسد کے اٹھالینے ہی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہودیوں کے مقابلہ میں عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدے فرمائے: سب سے پہلا وعدہ یہ تھا کہ ان کی موت یہودیوں کے ہاتھوں قتل کے ذریعہ نہیں ہوگی طبعی طور سے وقت موعود پر ہوگی، اور وہ وقت موعود قرب قیامت میں آئے گا، جب عیسیٰ علیہ السلام اسماں سے زمین پر نازل ہونگے جیسا کہ احادیث صحیحہ متواترہ میں اس کی تفصیل موجود ہے اور اس کا کچھ حصہ آگے آئے گا۔

دوسرا وعدہ فی الحال عالم بالا کی طرف اٹھالینے کا تھا، یہ اسی وقت پورا کر دیا گیا، جس کے پورا کرنے کی خبر سورۃ نساء کی آیت میں اس طرح دے دی گئی ”وما قتلوه یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ“ یقیناً ان کو یہودیوں نے قتل نہیں کیا، بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھالیا۔

تیسرا وعدہ، ان کو دشمنوں کی تہمتوں سے پاک کرنے کا تھا ”ومطہرک من الذین کفروا“ میں وہ اس طرح پورا ہوا کہ خاتم الانبیاء ﷺ تشریف لائے، اور یہود کے سب غلط الزامات کو صاف کر دیا، مثلاً یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ کے پیدا ہونے کی وجہ سے ان کے نسب کو مطعون کرتے تھے، قرآن کریم میں اس الزام کو یہ فرما کر صاف کر دیا کہ وہ محض اللہ کی قدرت اور اس کے حکم سے بلا باپ کے پیدا ہوئے، اور یہ کوئی تعجب کی چیز نہیں۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش اس سے زیادہ تعجب کی چیز ہے کہ ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔

چوتھا وعدہ، ”وجاعل الذین اتبعوک“ میں ہے کہ آپ کے متبعین کو آپ کے منکرین پر قیامت تک غالب رکھا جائے گا، یہ وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ یا اتباع سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا اعتقاد اور اقرار مراد ہے، ان کے سب احکام پر ایمان و اعتقاد کی شرط نہیں، تو اس طرح نصاریٰ اور اہل اسلام دونوں اس میں داخل ہو گئے کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے معتقد ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ صرف اتنا اعتقاد نجات آخرت کیلئے

کافی نہیں، بلکہ نجاتِ آخرت اس پر موقوف ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے تمام احکام پر اعتقاد و ایمان رکھے، اور عیسیٰ علیہ السلام کے قطعی اور ضروری احکام میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کے بعد خاتم الانبیاء ﷺ پر بھی ایمان لائیں، نصاریٰ نے اس پر اعتقاد و ایمان اختیار نہ کیا، اس لئے نجاتِ آخرت سے محروم رہے۔ مسلمانوں نے اس پر بھی عمل کیا، اس لئے نجاتِ آخرت کے مستحق ہو گئے، لیکن دنیا میں یہودیوں پر غالب رہنے کا وعدہ صرف عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر موقوف تھا، وہ دنیا کا غالب نصاریٰ اور مسلمانوں کو بمقابلہ یہود ہمیشہ حاصل رہا اور یقیناً قیامت تک رہے گا۔

پانچواں وعدہ، قیامت کے روز ان مذہبی اختلافات کا فیصلہ فرمانے کا تو وہ وعدہ بھی اپنے وقت پر ضرور پورا ہوگا، جیسا کہ آیت میں ارشاد ہے ”ثم الی مرجعکم فاحکم بینکم“۔

مسئلہ حیات و نزول عیسیٰ علیہ السلام

دنیا میں صرف یہودیوں کا یہ کہنا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب ہو کر دفن ہو گئے، اور پھر زندہ نہیں ہوئے، اور ان کے اس خیال کی حقیقت قرآن کریم میں سورۃ نساء کی آیت میں واضح کر دی ہے، اور اس آیت میں بھی ”و مکروا و مکر اللہ“ میں اس کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے کہ حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں کے کید اور تدبیر کو خود انہیں کی طرف لوٹا دیا، کہ جو یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے مکان کے اندر گئے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں میں سے ایک شخص کی شکل و صورت تبدیل کر کے بالکل عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ڈھال دیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ اسمان پر اٹھالیا۔

آیت کے الفاظ یہ ہیں ”و ما قتلوه و ماصلبوه و لکن شبہ لهم“ نہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا نہ صولی چڑھایا لیکن تدبیر حق نے ان کو شبہ میں ڈال دیا کہ اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوش ہوئے۔

اس کی مزید تفصیل سورۃ نساء میں آئے گی، نصاریٰ کا کہنا یہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول و مصلوب تو ہو گئے مگر پھر دوبارہ زندہ کر کے اسمان پر اٹھائے گئے، مذکورہ آیات میں ان کی اس غلط خیال کی بھی تردید کر دی، اور بتلا دیا کہ جیسے یہودی اپنی ہی آدمی کو قتل کر کے خوشیاں منا رہے تھے، اس سے یہ دھوکہ عیسائیوں کو بھی لگ گیا کہ

قتل ہونے والے عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس لئے ”شبه لهم“ کے مصداق یہود کی طرح نصاریٰ بھی ہو گئے، ان دونوں گروہوں کے بالمقابل اسلام کا وہ عقیدہ ہے جو اس آیات اور دوسری کئی آیاتوں میں وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہودیوں کے ہاتھ سے نجات دینے کے لئے آسمان پر زندہ اٹھایا، نہ ان کو قتل کیا جاسکا نہ صولی پر چڑھایا جاسکا۔ وہ زندہ آسمان پر موجود ہیں، قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہو کر یہودیوں پر فتح پائیں گے اور آخر میں طبعی موت سے وفات پائیں گے، اسی عقیدہ پر تمام امت مسلمہ کا اجماع و اتفاق ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحجیر (۳۱۹) میں یہ اجماع نقل کیا ہے، قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیث کی متواتر روایات سے یہ عقیدہ اور اجماع امت سے بھی ثابت ہے، یہاں اس کی پوری تفصیل کا موقع بھی نہیں، اور ضرورت بھی نہیں، کیونکہ علماء امت نے اس مسئلہ کو مستقل کتابوں اور رسالوں میں پورا پورا واضح فرما دیا ہے اور منکرین کے جوابات تفصیل سے دئے ہیں ان کا مطالعہ کافی ہیں۔

مثلاً سید محمد انور شاہ کشمیری کی تصنیف بزبان عربی عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام، مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی کی تصنیف بزبان اردو حیات عیسیٰ علیہ السلام، سید محمد ادریس کی تصنیف حیات مسیح علیہ السلام اور بھی سینکڑوں چھوٹے بڑے رسائل اس مسئلہ پر مطبوع و مشتمل ہو چکے ہیں، احقر نے بامر استاذ محترم سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری کی سو سے زیادہ احادیث جن سے عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ اٹھایا جانا اور پھر قرب قیامت میں نازل ہونا بتواتر ثابت ہوتا ہے ایک مستقل کتاب ”التصریح“ بماتوا ترفی نزول المسیح میں جمع کر دیا ہے، جس کو حال میں حواشی و شرح کے ساتھ حلب میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔

اور حافظ ابن کثیر نے سورۃ احزاب کی آیت ”وانہ لعلم للساعة“ کی تفسیر میں لکھا ہے: وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ انه اخبر بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیامة اماما عادلا، الخ، یعنی رسول کریم ﷺ کی احادیث اس معاملہ میں متواتر ہیں کہ آپ ﷺ نے عیسیٰ علیہ السلام کے قبل قیامت نازل ہونے کی خبر دی ہے، عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر اٹھائے جانے اور زندہ رہنے، پھر قرب قیامت میں نازل ہونے کا عقیدہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے، جن کو علماء امت نے مستقل

کتابوں، رسالوں کی صورت میں شائع کر دیا ہے، جن میں سے بعض کے نام اوپر درج ہیں۔

یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس پر نظر کرنے سے ذرا بھی عقل و انصاف ہو تو اس مسئلہ میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی، وہ یہ ہے کہ سورۃ ال عمران کی آیت (۳۳) میں حق تعالیٰ نے انبیاء سابقین کا ذکر فرمایا تو آدم، نوح، آل ابراہیم، ال عمران، سب کا ذکر ایک ہی آیت میں اجمالاً ذکر کرنے پر اکتفاء فرمایا، اس کے بعد بآئ (۲۲) آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاندان کا ذکر اس بسط و تفصیل کے ساتھ کیا گیا کہ خود خاتم الانبیاء ﷺ جن پر قرآن نازل ہوا، ان کا ذکر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ نہیں آیا، عیسیٰ علیہ السلام کی نانی کا ذکر ان کی نذر کا بیان، والدہ کی پیدائش، ان کا نام، ان کی تربیت کا تفصیلی ذکر عیسیٰ علیہ السلام کا ظن مادر میں آنا، پھر ولادت کا مفصل حال، ولادت کے بعد ماں نے کیا کھایا یا اس کا ذکر، اپنے خاندان میں بچے کو لے کر آنا، ان کے طعن و تشنیع، اول ولادت میں ان کو بطور معجزہ گویائی عطا ہونا، پھر جوان ہونا اور قوم کو دعوت دینا، ان کی مخالفت، حواریین کی امداد، یہودیوں کا زہر، ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا جانا وغیرہ، پھر احادیث متواترہ میں ان کی مزید صفات شکل و صورت، ہیئت، لباس وغیرہ کی پوری تفصیلات، یہ ایسے حالات ہیں کہ پورے قرآن وحدیث میں کسی نبی و رسول کے حالات اس تفصیل سے بیان نہیں کئے گئے۔ یہ بات ہر انسان کو دعوت فکر دیتی ہے کہ ایسا کیوں اور کس حکمت سے ہوا۔ ذرا بھی غور کیا جائے تو بات صاف ہو جاتی ہے کہ خاتم الانبیاء ﷺ چونکہ آخری نبی و رسول ہیں کوئی دوسرا نبی آپ ﷺ کے بعد آنے والا نہیں، اس لئے آپ ﷺ نے اپنی تعلیمات میں اس کا بڑا اہتمام فرمایا کہ قیامت تک جو مراحل امت کو پیش آنے والے ہیں ان کے متعلق ہدایات دیدیں، اس لئے آپ نے ایک طرف تو اس کا اہتمام فرمایا کہ آپ ﷺ کے بعد قابل اتباع کون لوگ ہوں گے؟ ان کا تذکرہ اصولی طور پر عام اوصاف کے ساتھ بھی بیان فرمایا، بہت سے علماء کے نام متعین کر کے بھی امت کو ان کے اتباع کی تاکید فرمائی، اس کے بالمتقابل ان گمراہ لوگوں کا بھی پتہ دیا جن سے امت کے دین کو خطرہ تھا۔ بعد کے آنے والے گمراہوں میں سب سے بڑا شخص مسیح دجال تھا، جس کا فتنہ سخت گمراہ کن تھا، اس کے اتنے حالات و صفات بیان فرمادیئے کہ اس کے آنے کے وقت امت کو اس کے گمراہ ہونے میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہ رہے، اسی طرح بعد کے آنے والے مصلحین

اور قابل اقتداء بزرگوں میں سب سے زیادہ عظیم عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جن کو حق تعالیٰ نے نبوت و رسالت سے نوازا، اور فتنہ دجال میں امت مسلمہ کی امداد کے لئے ان کو آسمان میں زندہ رکھا اور قرب قیامت میں ان کو قتل دجال کے لئے مامور فرمایا، اس لئے ضرورت تھی کہ ان کے حالات و صفات بھی امت کو ایسے و اشکاف بتلائے جائے جن کے بعد نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت کسی انسان کو ان کے پہچاننے میں کوئی شک و شبہ نہ رہ جائے۔ اس میں بہت سی حکم و مصالح ہیں اول یہ کہ اگر امت کو ان کے پہچاننے ہی میں اشکال پیش آیا تو ان کے نزول کا مقصد بھی فوت ہو جائے گا۔ امت مسلمہ ان کے ساتھ نہ جڑے گی، تو وہ امت کی امداد و نصرت کسی طرح فرمائیں گے؟ دوسرے یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اگرچہ اس وقت فرانس نبوت و رسالت پر مامور ہو کر دنیا میں نہ آئیں گے بلکہ امت محمدیہ کی قیادت و امانت کے لئے بحیثیت خلیفہ رسول تشریف لائیں گے، مگر ذاتی طور پر جوان کو منصب نبوت و رسالت حاصل ہے اس سے معزول بھی نہ ہونگے بلکہ اس وقت ان کی مثال اس گورنر کی سی ہوگی جو اپنے صوبے کا گورنر ہے۔ مگر کسی ضرورت سے دوسرے صوبہ میں چلا گیا ہے، تو وہ اگرچہ صوبے میں گورنر کی حیثیت پر نہیں مگر اپنے عہدہ گورنری سے معزول بھی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اس وقت بھی صفت نبوت و رسالت سے الگ نہیں ہونگے، اور جس طرح ان کی نبوت سے انکار پہلے کفر تھا اس وقت بھی کفر ہوگا، تو امت مسلمہ جو پہلے سے ان کی نبوت پر قرآنی ارشادات کی بنا پر ایمان لائیں ہوئے ہیں۔ اگر نزول کے وقت ان کو نہ پہچانے تو انکار میں مبتلا ہو جائے گی۔ اس لئے ان کی علامات و صفات کو بہت زیادہ واضح کرنے کی ضرورت تھی۔ تیسرے یہ کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ تو دنیا کی آخری عمر میں پیش آئے گا، اگر ان کی علامات و حالات مبہم ہوتے تو بہت ممکن ہے کہ کوئی دوسرا آدمی دعویٰ کر بیٹھے کہ میں مسیح عیسیٰ بن مریم ہوں۔ ان علامات کے ذریعہ اس کی تردید کی جاسکے گی، جیسا کہ ہندوستان میں مرزا قادیانی نے دعویٰ کیا کہ میں مسیح موعود ہوں، اور علماء امت نے انہی علامات کی بناء پر اس کی قول کو رد کیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس جگہ اور دوسرے مواقع میں عیسیٰ علیہ السلام کے حالات و صفات کا اتنی تفصیل کے ساتھ بیان ہونا خود ان کے قرب قیامت میں نازل ہونے اور دوبارہ دنیا میں تشریف لانے ہی کی خبر دے رہا ہے۔

وَمُطَهَّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ

اور تمہیں کافروں کی طعن سے پاک کر دوں گا اور جو لوگ

فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ

تمہاری پیروی کریں گے ان کو کافروں پر قیامت تک نائق (وغالب) رکھوں گا۔ پھر تم سب میرے پاس لوٹ کر آؤ گے

فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا الَّذِينَ

تو جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے اس دن تم میں ان کا فیصلہ کر دوں گا۔ یعنی جو کافر ہوئے

كَفَرُوا فَأُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ

ان کو دنیا اور آخرت (دونوں) میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔

نَاصِرِينَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ

اور جو ایمان لائے اور عمل نیک کرتے رہے ان کو اللہ پورا پورا صلہ دے گا

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۳﴾ لَكَ نَتْلُوهُ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ

اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ (اے محمد ﷺ) یہ ہم تم کو (اللہ کی) آیتیں اور حکمت بھری نصیحتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں

وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ﴿۱۰۴﴾ مِثْلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمِثْلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ

عیسیٰ کا حال اللہ کے نزدیک آدم کا سا ہے کہ اُس نے (پہلے) مٹی سے ان کا قالب بنایا پھر فرمایا کہ

تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱۰۵﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنْ

(انسان) ہو جا تو وہ (انسان) ہو گئے۔ (یہ بات) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے سو تم ہرگز شک کرنے والوں میں

الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۰۶﴾ مَن حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ

نہ ہونا۔ پھر اگر یہ لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے جھگڑا کریں اور تم کو حقیقت حال تو معلوم ہو ہی چلی ہے تو ان سے کہنا

تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ

کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلائیں، تم اپنے بیٹوں اور عورتوں کو بلاؤ اور ہم خود بھی آئیں اور تم خود بھی آؤ

ثُمَّ نَبْتِهَلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿٤١﴾ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ

پھر دونوں فریق (اللہ سے) دعا والتجا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔ یہ تمام بیانات صحیح ہیں

الْحَقُّ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٢﴾ إِن تَوَلَّوْا

اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بیشک اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ تو اگر یہ لوگ پھر جائیں

فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٤٣﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ

تو اللہ مفسدوں کو خوب جانتا ہے۔ کہہ دو کہ اے اہل کتاب جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان

سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ

یکساں ہے اُس کی طرف آؤ، وہ یہ کہ اللہ کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اُس کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے

بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٤٤﴾

کوئی کسی کو اللہ کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔ اگر یہ لوگ نہ مانیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو ہم (اللہ کے) فرمانبردار ہیں۔ [۶]

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَحٰجُّونَ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَمَا

اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ

اُنزِلَتِ التَّوْرَةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْ بَعْدِهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٥﴾ اَنْتُمْ

تورات اور انجیل ان کے بعد اُتری ہیں تو کیا تم عقل نہیں رکھتے۔ سنو! ایسی بات میں

[۶] اس مقام پر مولانا، نانوتوی نے تفسیر مظہری میں اتباع سنت کے متعلق اور مسئلہ ربوبیت کی تفصیل کرتے ہوئے

بے مثال اور عظیم الشان بحث کیا ہے فرماتے ہیں، عدی بن حاتم راوی ہیں کہ جب آیت ”اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ“ (التوبة: ۳۱) نازل ہوئی، تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم تو علماء اور مشائخ کا پوجائیں کرتے تھے فرمایا: کیا وہ (اپنی مرضی سے اشیاء کو) تمہاری لئے حلال حرام نہیں کرتے تھے؟ اور پھر تم ان کے قول پر عمل کیا کرتے تھے، میں نے عرض کیا جی ہاں، ایسا کرتے تھے، فرمایا یہی تو وہ ہے (یعنی یہی تو غیر اللہ کو رب بنانا ہوا) ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

اطاعت رسول حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہے، اس کے علاوہ کچھ نہیں، اللہ نے فرمایا: ومن يطع الرسول فقد اطاع الله۔ (نساء: ۸۰) اسی طرح علماء، اولیاء، حکام، اور بادشاہوں کا حکم جب شریعت کے موافق ہو اللہ ہی کی اطاعت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ“ (۵۹: نساء) اور جو خلاف شرع ہو اس کی اطاعت غیر اللہ کی ربوبیت کو تسلیم کرنا ہے۔ رواہ الشيخان فی صحیحہما، وابوداؤد والنسائی۔

عمران بن حصینؓ اور حکیم بن عمر وغفاریؓ کی روایت ہے کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اس مقام سے اس بات کی وضاحت ہوتی ہے کہ اگر کسی کی تحقیق میں کوئی مرفوع حدیث صحیح ثابت ہو جائے اور اس کے مقابل دوسری حدیث نہ ہو اور نہ ہی کوئی حدیث اس کی ناسخ ہو، اور امام ابوحنیفہ کا فتویٰ حدیث مذکورہ کے خلاف ہو، اور باقی ائمہ میں سے کسی امام کا مسلک حدیث مذکورہ کے موافق ہو، تو اس صورت میں حدیث کا اتباع واجب ہے، ایسی حالت میں اگر امام اعظم کے فتوے پر چما ہے، تو گویا یہ غیر اللہ کی ربوبیت کی تسلیم ہوگی۔ بیہقی نے مدخل میں صحیح اسناد کے ساتھ عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کیا ہے، ابن مبارک نے کہا کہ میں نے خود ابوحنیفہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے، کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث مل جائے تو ہمارے سر، آنکھوں پر، اور اگر کسی صحابی کا قول مل جائے تو ان کے اقوال سے ہم (کسی مسلک کو) ترجیح دیں گے، اور کسی تابعی کا قول ہو تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔

بیہقی نے روضۃ العقلاء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ نے فرمایا: رسول اللہ کی حدیث اور صحابہ کے قول کے مقابل میں میرے قول کو ترک کر دو۔ یہ بھی منقول ہے، کہ امام صاحب نے فرمایا: اگر حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے، ہم نے عمل بالحدیث کے لئے یہ شرط لگائی، کہ چاروں اماموں میں سے کسی امام کا قول اس حدیث کے موافق ہونا ضروری ہے، اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں حدیث کے خلاف عمل کرنے سے اجماع کی

خلاف ورزی لازم ہو جائے گی۔ کیونکہ تیسری یا چوتھی قرن کے بعد فرعی مسائل میں اہل سنت کے چار فرقے ہو چکے، کوئی پانچواں مذہب باقی نہ رہا۔ پس گویا اس امر پر اجماع ہو گیا، کہ جو قول ان چاروں کے خلاف ہو، وہ باطل ہے اور رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ میری امت کا اتفاق گمراہی پر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے: وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا (نساء: ۱۱۵)۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یہ بات تو ممکن ہے کہ حدیث مذکورہ کا علم چاروں اماموں میں سے کسی کو نہ ہوا ہو، اور نہ ان کے شاگردوں میں سے کسی بڑے عالم کو اطلاع ہو، اس سے معلوم ہوا کہ اگر سب نے بالاتفاق حدیث مذکورہ کے خلاف فتویٰ دیا ہے اور حدیث پر عمل ترک کر دیا ہے، تو اس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ اس حدیث کو کسی دوسری حدیث سے انہوں نے منسوخ یا موقوف قرار دیا ہے۔ [یہ قول اگرچہ اکثر علماء کا ہے جیسا کہ امام نووی ابو عمرو ابن صلاح سے نقل کرتا ہے: قال الشيخ ابو عمرو ومن وجد من الشافعية حديثا يخالف مذهبه، نظر ان كملت الآت الاجتهاد فيه مطلقا، اوفى ذلك الباب او المستلة، كان له الاستقلال بالعمل به، وان لم تكمل وشق عليه مخالفة الحديث بعد ان بحث فلم يجد لمخالفته عنه جوابا شافيا، فله العمل به، وان كان عمل به امام مستقل غير الشافعي، ويكون هذا عذر له في ترك مذهب امامه هنا، وهذا الذي قاله حسن متعين، والله اعلم. قلت وهناك صورة اخرى، لم يتعرض لذكرها ابن الصلاح، وهي فيما اذا لم يجد من عمل بالحديث فما يصنع؟ اجاب عن هذا اتقى الدين السبكي في رسالة، معنى قول الشافعي اذا صح الحديث، ص: ۲۰۲ / ۳، فقال والاولى عندي اتباع الحديث وليفرض الانسان نفسه بين يدي النبي ﷺ وقد سمع ذلك منه، ايسعه التاخر عن العمل به؟ لا والله، وكل واحد مكلف بحسب فهمه وتمام هذا البحث وتحقيقه تجده في اعلام الموقعين: ۲ / ۳۰۲، ۳۰۳، اور ۱ / ۷۰ میں جو کہ امام شافعی کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں: اجمع المسلمون على ان من استبانت له سنة رسول الله ﷺ لم يكن له ان يدعها لقول احد من الناس - وكتاب الفلاني المسمى ايقاظ همم اولى الابصار للاقتداء بسيد المهاجرين والانصار، وتحذيرهم عن الابتداع الشائع في القرى والامصار، من تقليد المذاهب مع الحمية و العصية بين فقهاء الاعصار، وهو كتاب فذ في بابه يجب على كل محب

للحق ان بدرسه دراسة تفهم وتدبر.

اور ابن ابی العز (التنبیہ: ۴۰۰)، میں لکھتا ہے: ولكن لا عذر لمن بلغه الحديث الصحيح اور اسی طرح علماء اربعہ کا یہ قول مطلق جو کہ مشہور ہے کہ اذا صح الحديث فهو مذهبي۔ اس قول کی تائید کرتا ہے۔

فائدہ ۱:۔ اگر علماء شرع کسی مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کر چکے ہوں، تو پھر اس فتوے کی خلاف ورزی یہ کہہ کر کرنا جائز نہیں، کہ مشائخ صوفیہ کا طریقہ اس کے علاوہ ہے، اور ہم صوفیہ کے طریقہ کے پابند ہیں، حقیقت میں صوفیائے کرام نے شرع کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ شریعت کا بگاڑ تو ان جاہلوں کی وجہ سے ہوا، جو صوفیہ کے پیچھے آئے (اور تصوف کے علمبردار بنے)۔

فائدہ ۲:۔ اولیاء اور شہداء کے مزارات پر سجدے لگانا، طواف کرنا، چراغ روشن کرنا۔ ان پر مسجدیں قائم کرنا، عید کی طرح مزارات میں عرس کے نام پر میلے لگانا، جس طرح آج کل جاہل کرتے ہیں۔ جائز نہیں۔ ام المؤمنین عائشہؓ اور ابن عباسؓ راوی ہیں، کہ مرض (وفات) میں رسول اللہ ﷺ نے دھاری دار کبیل سے چہرہ مبارک ڈھانپ لیا، اور دم گھٹا، تو منہ سے ہٹا دیا، اور اسی حالت میں فرمایا: یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت، انہوں اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ عائشہؓ کا بیان ہے کہ رسول پاک ﷺ نے اس ارشاد میں یہود و نصاریٰ کے فعل سے مسلمانوں کو بازداشت کی، (بخاری، مسلم، امام احمد، اور ابو داؤد طیالسی نے بھی اسامہ بن زیدؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے)۔

حاکم نے ابن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے، اور اس کو صحیح بھی کہا ہے، کہ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر، اور ان لوگوں پر جو قبروں پر سجدہ گاہ بناتے اور چراغ جلاتے ہیں، اللہ کی لعنت ہو۔ مسلم نے جندب بن عبد الملک کا قول نقل کیا ہے۔ جندبؓ کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا، وفات سے پانچ رات پہلے، رسول پاک ﷺ فرما رہے تھے، ہوشیار! قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا، میں تاکید کے ساتھ تم کو اس کی ممانعت کرتا ہوں۔

هَؤُلَاءِ حَاجِبْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ
تو تم نے جھٹھا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم تھا مگر ایسی بات میں کیوں جھٹھتے ہو جس کا تم کو کچھ

عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۴﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُودِيًّا
بھی علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ تو یہودی تھے

وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۴۷﴾
اور نہ عیسائی بلکہ سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ) کے ہو رہے تھے اور اسی کے فرمانبردار تھے اور شرکوں میں سے نہ تھے

اِنَّ اَوْلٰى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
ابراہیم سے قرب رکھنے والے تو وہ لوگ ہیں جو ان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ پیغمبر (آخر الزماں) اور وہ لوگ جو ایمان

وَاللّٰهُ وِلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَاٰتٰ طَآئِفَةً مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَضِلُّوْنَكُمْ
لائے ہیں اور اللہ مومنوں کا کارساز ہے۔ (اے اہل اسلام) بعضے اہل کتاب اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ تم کو گمراہ

وَمَا يَضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَاْ اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ
کردیں مگر یہ (تم کو کیا گمراہ کریں گے) اپنے آپ کو ہی گمراہ کر رہے ہیں اور نہیں جانتے۔ اے اہل کتاب تم اللہ کی آیتوں

بِآيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۵۰﴾ يَاْ اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ
سے کیوں انکار کرتے ہو اور تم (تورات کو) مانتے تو ہو۔ اے اہل کتاب تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ خلط ملط کیوں کرتے ہو

بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ
اور حق کو کیوں چھپاتے ہو اور تم جانتے بھی ہو۔ اور اہل کتاب ایک دوسرے سے کہتے ہیں

الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْ اُنزِلَ عَلٰى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجِهَ النَّهَارِ
کہ جو (کتاب) مومنوں پر نازل ہوئی ہے اُس پر دن کے شروع میں تو ایمان لے آیا کرو

وَ اكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۱﴾ وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبَعَ دِينَكُمْ

اور اُس کے آخر میں انکار کر دیا کرو تا کہ وہ (اسلام سے) برگشتہ ہو جائیں۔ اور اپنے دین کے پیرو کے سوا کسی اور کے قائل نہ ہونا

قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَن يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ

(اے پیغمبر) کہہ دو کہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (وہ یہ بھی کہتے ہیں) یہ بھی (نہ ماننا) کہ جو چیز تم کو ملی ہے ویسی کسی اور کو ملے گی

أَوْ يُحَاجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ

یا وہ تمہیں اللہ کے روبرو قائل معقول کر سکیں گے۔ یہ بھی کہہ دو کہ بزرگی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲﴾ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ

اور اللہ وسعت والا ہے۔ (۷) وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے

(۷) طائفہ اہل کتاب سے مراد یہود ہیں، اور ”امنوا“ میں ایمان لانے سے مراد بطور نفاق انظہار ایمان ہے۔ اور

”الذین امنوا“ سے نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام مراد ہیں ”وجه النهار“ سے دن کا پہلا حصہ اور ”اخیر

النهار“ سے دن کا آخری حصہ یعنی شام مراد ہے، یہودی اسلام کی بڑھتی ہوئی شان و شوکت دیکھ کر حسد و بغض سے جل

اٹھے تھے، اور ہمیشہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتے، چنانچہ انہوں نے مسلمانوں کو

اسلام سے بدظن کرنے اور اسلام کا وقار ان کے دلوں میں کم کرنے کے لئے اجتماعی منصوبہ تیار کیا، اور اس منصوبے کے

کرتے دھرتے یہود کے بڑے بڑے عالم تھے، چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ صبح کے وقت ظاہری طور محض زبانی اسلام

قبول کر لیا کریں، اور شام کو دین اسلام سے بیزاری کا اعلان کر دیا کریں، اور اس کے ساتھ یہ بھی واضح کر دیں کہ اسلام

قبول کرنے کے بعد ہم نے اپنی کتابوں کو دیکھا، اور اپنے علماء سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ دین (العیاذ باللہ) سچا نہیں

، اس لئے ہم نے اس کو چھوڑ کر پھر سے اپنا پہلا دین قبول کر لیا ہے، نیز وہ کہتے، سارا دن اس پیغمبر کے پاس گزارا ہے،

پیغمبروں اور ولیوں کے بے ادبی کے سوا اس سے اور کچھ نہیں سنا، وہ صاف کہتا ہے کہ نبی اور ولی نہ کارساز ہیں نہ حاجت

روا۔ اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ جب ہم اسلام کو چھوڑ کر اس کے بارے میں مذکورہ بالا ریمارکس دیں گے،

تو مسلمانوں کے دلوں میں بھی یہ خیال پیدا ہوگا، جب پہلی کتابوں کے اتنے بڑے عالم اسلام سے برگشتہ ہو گئے ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی یہ دین سچا نہیں، اس طرح مسلمانوں میں بھی اسلام سے بیزاری اور برگشتگی پیدا ہو جائے گی، اور اسلام کی ترقی رک جائے گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ، جو غیب و شہادت کا جاننے والا ہے، اس نے مسلمانوں پر یہودیوں کا یہ منصوبہ منکشف کر کے اسے ناکام بنا دیا۔

ومعنى الآية، ان اليهود قال بعضهم لبعض اظهروا الايمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم اول النهار، ثم اكفروا به اخره، فانكم اذا فعلتم ذلك ظهر لمن يتبعه ارياب في دينه، فيرجعون عن دينه الى دينكم، ويقولون ان اهل الكتاب اعلم به منا. (قرطبي) قال الحسن والسدي تواطأ اثنا عشر رجلا من احبار يهود خيبر، وقرى عرنية، وقال بعضهم لبعض ادخلوا في دين محمد صلی اللہ علیہ وسلم اول النهار باللسان، دون الاعتقاد، واكفروا اخر النهار، وقولوا انا نظرنا في كتبنا وشاورنا علماءنا، فوجدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ليس بذاك، وظهر لنا كذبه وبطلان دينه، فاذا فعلتم ذلك شك اصحابه في دينهم، فقالوا انهم اهل الكتاب، وهم اعلم به، فيرجعون عن دينهم الى دينكم (روح المعاني).

﴿أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيْتُمْ﴾ یہ بھی ان منصوبہ ساز احبار یہودی کا قول ہے، البتہ ”قل ان الهدى هدى الله“ جملہ معترضہ ہے جو قول یہود کا جواب ہے، اور ”ان يؤتى“ جملہ استفہامیہ ہے اور ہمزہ استفہام محذوف ہے، اصل ”ان يؤتى“ تھا جیسا کہ ابن کثیر کی قرأت میں ہے، لیکن یہ استفہام انکاری ہے، اور ”او بحاجوكم“ ”يؤتى“ پر معطوف ہے، مطلب یہ ہے کہ یہودیوں نے آپس میں طے کیا کہ ظاہری طور پر اسلام کا اظہار تو مسلمانوں کے سامنے کر دینا، لیکن صدق دل سے اس کو نہ ماننا، اور نہ ہی اپنے دین کے متبعین کے علاوہ کسی کی یہ بات ماننا کہ تمہارے دین کی طرح کسی اور کا دین ہے، یا تمہاری کتاب کی طرح کسی اور دین والوں کے پاس بھی کوئی سچی کتاب ہے، یا یہ کہ کسی دوسرے دین والے اللہ کے پاس تم پر قیامت کے دن دلیل اور حجت سے غالب آجائیں گے۔

”قُلْ إِنَّ الْفُضْلَ بِيَدِ اللَّهِ“ یہ یہودیوں کے قول کی تردید ہے، یہودیوں نے جو یہ فرض کر رکھا تھا، کہ رسالت و نبوت بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص ہے، اس لئے ان کے علاوہ اور کسی قوم میں نہ کوئی نبی پیدا ہو سکتا ہے، اور نہ اللہ کی کوئی کتاب نازل ہو سکتی ہے، اصل میں یہودیوں کی مولویوں اور گدی نشینوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کا یہ ایک بہانہ تراشا تھا، اصل ضد تو ان کو مسئلہ تو حید سے تھی، کیونکہ اس سے ان کی گدیوں اور آمدنیوں پر ضد پڑتی تھی، تو اللہ تعالیٰ نے

الْعَظِيمِ ﴿۴۳﴾ وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِقِنطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ

اور اہل کتاب میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اُس کے پاس (روپوں کا) ڈھیر رکھ دو تو تم کو (نورا) واپس دے دے

وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا

اور کوئی اس طرح کا ہے کہ اگر اُس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو جب تک اُس کے سر پر ہر وقت کھڑے نہ رہو

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ

تمہیں دے ہی نہ دے۔ یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں کے بارے میں ہم سے مواخذہ نہیں ہوگا، یہ اللہ پر محض جھوٹ

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾ عَلَىٰ مَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاتَّقَىٰ فَإِنَّ اللَّهَ

بولتے ہیں اور (اس بات کو) جانتے بھی ہیں۔ ہاں جو شخص اپنے اقرار کو پورا کرے اور (اللہ سے) ڈرے تو اللہ

يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۴۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا

ڈرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ جو لوگ اللہ کے اقراروں اور اپنی قسموں (کو بیچ ڈالتے ہیں اور اُن) کے عوض تھوڑی سی

= ان کے اس خیال کا ابطال فرمایا، کہ فضل و رحمت کے خزانے جن میں رسالت و نبوت بھی شامل ہیں، سارے کے سارے

اللہ کے قبضے میں ہیں، وہ ان میں سے جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اس کی رحمت صرف بنی اسرائیل ہی کے لئے مخصوص نہیں،

اس کی رحمت نہایت وسیع اور بے پایاں ہے جسے وہ اپنی رحمت کے کسی عطیہ کا مستحق سمجھتا ہے، اسے اس سے نواز دیتا ہے۔

أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ

قیامت حاصل کرتے ہیں ان کا آخرت میں کچھ حصہ نہیں، ان سے اللہ نہ کلام کرے گا اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف دیکھے گا

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۷﴾ وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ

اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کو دردناک والا عذاب ہوگا۔ اور ان (اہل کتاب) میں بعض ایسے ہیں

الَّذِينَ هُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ

کہ کتاب (تورات) کو زبان بل دے کر پڑھتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھتے ہیں کتاب میں سے ہیں۔

مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ

حالانکہ وہ کتاب میں سے نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا

وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۷۸﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ

اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اور جانتے بھی ہیں۔ کسی آدمی کو شایاں نہیں کہ اللہ تو اُسے

أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا

کتاب اور حکمت اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ

لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ

(اُس کو یہ کہنا سزاوار ہے کہ اے اہل کتاب) تم (علمائے) ربانی ہو جاؤ کیونکہ تم کتاب (اللہ)

وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ

پڑھتے پڑھاتے رہتے ہو اور اس کو یہ بھی نہیں کہنا چاہیے کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو

أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۰﴾

رب بنا لو۔ بھلا جب تم مسلمان ہو چکے تو کیا اُسے زیبا ہے کہ تمہیں کافر ہونے کو کہے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ

اور جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور دانائی عطا کروں پھر

جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ

تمہارے پاس کوئی پیغمبر آئے جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرے تو تمہیں ضرور اُس پر ایمان لانا ہوگا اور ضرور اُس کی مدد کرنی ہوگی

قَالَ ءَأَقْرَرْتُمْ وَأَخَذْتُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ إِصْرِي قَالُوا أَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوا

اور (عہد لینے کے بعد) پوچھا کہ بھلا تم نے اقرار کیا اور اُس اقرار پر میرا ذمہ لیا (یعنی مجھے ضامن بٹھرایا) انہوں نے کہا (ہاں) ہم نے اقرار کیا

وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۱﴾ مَن تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

(اللہ نے) فرمایا کہ تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ، گواہ ہوں۔ (۸) تو جو اُس کے بعد پھر جائیں وہ

[۸] اللہ تعالیٰ نے اس عہد کا ذکر فرمایا جو نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے اور آپ کے پیشگوئی کرنے کے بارے میں تمام انبیاء

علیہم السلام سے لیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آخر الزمان پیغمبر پر ایمان لائیں یعنی اسے اللہ کا سچا نبی

مانے اور اپنی امت کو اس کی آمد کی اطلاع دے، اور انہیں حکم دے کہ اگر وہ اس کا زمانہ پائیں تو اس پر ایمان لائیں، شیخ

حسین علیؒ کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے یہ عہد نبوت ملنے کے ساتھ ساتھ لیا گیا، یہ عہد و میثاق آپ

کی سچائی کی بہت بڑی دلیل ہے، چنانچہ اہل کتاب کے سامنے پہلے اسے ہی پیش فرمایا کہ جناب محمد ﷺ وہ پیغمبر ہے جن

پر ایمان لانے کا عہد تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں سے لیا گیا، سوائے اہل کتاب تو رات، و انجیل میں تمہاری

پیغمبروں سے بھی یہ عہد لیا جا چکا ہے، اور تو رات اور انجیل پر ایمان لانے کا دعویٰ کر کے تم بھی اس پیغمبر پر ایمان لانے

کا عہد کر چکے ہو، وہ عہد و پیغمبر اب آچکا ہے لہذا اس پر ایمان لاؤ اور ہر طریقہ سے اس کی نصرت اور مدد کرو۔

اسی مضمون کا ایک روایت علیؒ اور ابن عباسؓ سے ابن جریر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ: ما بعث الله نبيا من الانبياء

الاخذعليه الميثاق، لئن بعث الله محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم وهو حي، لیؤمنن به وينصرنّه، وامره ان يأخذ الميثاق على امته، لئن بعث محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم وهم احياء لیؤمنن به ولينصرنّه. وفي رواية عند اللالكائي (۳/۵۶۰) وخصّوا بميثاق اخر من الرسالة و النبوة (كما في سورة الاحزاب: ۷) - یعنی علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے عہد لیا، کہ اس کی زندگی میں اگر اللہ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجے، تو اس پر فرض ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں لگ جائے۔ جبکہ لاکائی کی روایت میں یہ ہے کہ انبیاء سے ایک دیگر ميثاق بھی لی گئی، جو کہ سورت احزاب آیت: ۷ میں مذکور ہے۔ یہ روایت ابن جریر اور ابن کثیر اور سیوطی نے خصائص کبریٰ: ۲۲۱، میں نقل کیا ہے۔

اور یہاں پر ابن کثیر نے عمر رضی اللہ عنہ کا روایت نقل کیا ہے: ان عمر بن خطاب اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنسخة من التوراة، فقال یا رسول اللہ! هذه نسخة من التوراة فسکت فجعل یقرأ ووجه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتغیر فقال ابوبکر ثکلتک التواکل ماتری ما بوجه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم؟ فنظر عمر الی وجه رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ، رضینا باللہ ربنا، وبالاسلام دیننا، و بمحمد نبینا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و الذی نفس محمد یدہ لو بدالکم موسی فاتبعتموہ و ترکتمونی. لصللتم عن سواء السبیل ولو کان حیوا و ادرك نبوتی لاتبعنی. رواه الدارمی: ۱/۱۵، ۱۶، ۱۱۷ و احمد: ۳/۳۸۷۔ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: میں نے ایک دوست قریطی یہودی سے کہا تھا کہ وہ تورات کے جامع باتیں مجھے لکھ دے تو اگر آپ فرمائیں میں انہیں پیش کروں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا۔ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم دیکھتے نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ کا کیا حال ہے؟ تو عمر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر، خوش ہوں، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ دور ہوا، اور فرمایا قسم ہے اس اللہ تعالیٰ کی جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر موسیٰ علیہ السلام تم میں آجائیں، اور تم ان کی تابعداری میں لگ جاؤ اور مجھے چھوڑ دو تو تم سب گمراہ ہو جاؤ۔

یہاں ابن کثیر نے ایک روایت یہ بھی نقل کیا ہے: وفي بعض الاحاديث، لو كان موسى وعيسى حيين لما وسعهما الاتباعی۔ یعنی بعض احادیث میں ہے کہ اگر موسیٰ اور عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے سوا چارہ نہ تھا۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی نہ کوئی حوالہ اور نہ کوئی سند ہے، تو مرزائیوں کا اس سے استدلال کرنا بے جا ہے۔ اس کے بعد ابن کثیر لکھتا ہے۔

فالرسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبياء دائماً الى يوم الدين، وهو الامام الاعظم الذى لو وجد فى اى عصر وجد، لكان هو الواجب طاعته، المقدم على الانبياء كلهم۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبياء ہیں، اور امام =

۱۸۲ ﴿۱۸۲﴾ الْفٰسِقُوْنَ ۙ اَغْيَرَ دِيْنَ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗ اَسْلَمَ مِنْ فِى السَّمٰوٰتِ

بدکردار ہیں۔ کیا یہ (کافر) اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں۔ حالانکہ سب آسمان

وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّالِيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ

وزمین خوشی یا زبردستی سے اللہ کے فرمانبردار ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے

وَمَا اَنْزَلَ عَلَيْنَا وَّمَا اَنْزَلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمَاعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

اور جو کتاب ہم پر نازل ہوئی اور جو صحیفے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب

وَالْاَسْبَاطِ وَّمَا اُوْتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَبِّهِمْ

اور ان کی اولاد پر اترے اور جو کتابیں موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کو رب کی طرف سے ملیں سب پر ایمان لائے

= اعظم ہیں۔ ابن کثیر نے البدلیۃ والنہایہ: ۲/۱۸۰، اور ۲۶۵، میں اس آیت سے خضر علیہ السلام کی فوتگی کا استدلال کرتے

ہوئے لکھتے ہیں: فاخذ اللہ الميثاق كل نبى على ان يؤمن بمن يبعث بعدہ من الانبياء وينصره، فلو كان

الخضر حيا فى زمانه، لما وسعه الاتباعه، والاجتماع به، و القيام بنصره، ولو كان من جملة من تحت

لوائه يوم بدر، كما كان تحتها جبرئيل وسادات من الملائكة، وقصارى الخضر عليه السلام، ان يكون

نبيا وهو الحق اور سولا كما قيل، او ملكا فيما ذكر، و اياما كان، ف جبرئيل رئيس الملائكة، وموسى

اشرف من الخضر، ولو كان حيا لوجب عليه الايمان بمحمد صلی اللہ علیہ وسلم ونصرته، فكيف اذا كان

الخضر وليا، كما يقوله طوائف كثيرون، فاولى ان يدخل فى عموم البعثة واخرى۔

عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتا تو ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے، آگے لکھتے ہیں: ولم

ينقل فى حديث حسن بل ولا ضعيف يعتمد، انه جاء يوما واحدا الى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم، ولا اجتمع به،

وما ذكر من حديث التعزية فيه، وان كان الحاكم قد رواه، مستدرک: ۲/۲۴۲۔ فاسناده ضعيف،

والله اعلم۔ یعنی تعزیہ والی حدیث صحیح نہیں۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۸۳﴾ وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ

ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں کچھ فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (اللہ واحد) کے فرمانبردار ہیں۔ اور جو شخص اسلام

الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۸۴﴾

کے سوا کسی اور دین کا طالب ہوگا وہ اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرُّسُولَ حَقٌّ

اللہ ایسے لوگوں کو کیوں کر ہدایت دے جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے اور (پہلے) اس بات کی گواہی دے چکے کہ یہ پیغمبر برحق ہیں

وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۵﴾ وَلَئِكَ

اور ان کو دلائل بھی آگئے اور اللہ بے انصافوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ان لوگوں کی۔

جَزَاءُ لَهُمْ أَنْ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۸۶﴾

سزا یہ ہے کہ اُن پر اللہ کی اور فرشتوں کی اور انسانوں کی سب کی لعنت ہو۔

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۷﴾ الَّذِينَ

ہمیشہ اس لعنت میں (گرفتار) رہیں گے، اُن سے نہ تو عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ ہاں جنہوں

تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۸﴾ الَّذِينَ

نے اس کے بعد توبہ کی اور اپنی حالت درست کر لی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ جو لوگ

كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ اِزْدَادُوا كُفْرًا لَنْ نُقْبَلَ تَوْبَتَهُمْ وَأُولَئِكَ هُمُ

ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے، پھر کفر میں بڑھتے گئے، ایسوں کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوگی اور یہ لوگ

الضَّالُّونَ ﴿۸۹﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِمْ

گمراہ ہیں۔ جو لوگ کافر ہوئے اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے وہ اگر (نجات حاصل کرنی چاہیں اور) بدلے میں

مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوْ افْتَدَىٰ بِهِ أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُمْ مِنْ
زمین بھر سونا دیں تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا ان لوگوں کو دردناک عذاب ہوگا اور ان کی کوئی مدد نہیں کرے گا

۴۱ ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تَحِبُّونَ
(مومنو!) جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو گے کبھی نیکی حاصل نہ کر سکو گے

۴۲ ﴿وَمَا تَنفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝۴۲ ﴿كُلُّ الطَّعَامِ
اور جو چیز تم خرچ کرو گے اللہ تعالیٰ اُس کو جانتا ہے۔ بنی اسرائیل کیلئے (تورات کے نازل ہونے سے) پہلے کھانے کی

كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلَ عَلَىٰ نَفْسِهِ
سب چیزیں حلال تھیں سوائے اُن (چیزوں) کے جو یعقوب (علیہ السلام) نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔

۴۳ ﴿مَنْ قَبِلَ أَنْ تَنْزَلَ التَّوْرَةُ قُلْ فَاتُوا بِالْحَقِّ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ
کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تورات لاؤ اور اُسے پڑھو (یعنی دلیل پیش کرو)۔

۴۴ ﴿فَمَنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ
اگر تم سچے ہو، جو اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹے افتراء کریں تو ایسے لوگ ہی

۴۵ ﴿لَهُمُ الظُّلْمُونَ ۝۴۵ ﴿كُلُّ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا
بے انصاف ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے سچ فرما دیا پس دینِ ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کرو

۴۶ ﴿وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۴۶ ﴿أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ
جو سب سے بے تعلق ہو کر ایک (اللہ ہی) کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔ پہلا گھر جو لوگوں کیلئے مقرر کیا گیا تھا

۴۷ ﴿لِلَّذِي بَكَرَتْهُ مَبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ۝۴۷ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
وہی ہے جو مکہ میں ہے، بابرکت اور جہان کیلئے موجب ہدایت۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جن میں سے ایک

مَقَامٍ اِبْرَاهِيمَ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰهِ

ابراہیم (علیہ السلام) کے کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ جو شخص اس گھر میں داخل ہوا، اس نے امن پا لیا۔

عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ

اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک جانے کا مقدور رکھے وہ اُس کا حج کرے اور جو اُس کے حکم کی تعمیل نہ کرے گا

فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ

تو اللہ تعالیٰ بھی اہل عالم سے بے نیاز ہے۔ کہو کہ اے اہل کتاب! تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کیوں کفر کرتے ہو

اللّٰهِ وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۸﴾ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ

اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔ کہو کہ اے اہل کتاب! تم مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے کیوں روکتے

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبِعُوْنَهَا عَوْجًا وَاَنْتُمْ شٰهَدَآءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

ہو؟ اور باوجودیکہ تم اس سے واقف ہو، اس میں کجی نکالتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۹﴾ اٰیٰتِهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا

بے خبر نہیں۔ مومنو! اگر تم اہل کتاب کے کسی فریق کا کہا مان لوگے

الْكِتٰبِ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ كٰفِرِيْنَ لَئِنْ

تو وہ تمہیں ایمان لانے کے بعد کافر بنا دیں گے۔ اور تم کیونکر کفر کرو گے

وَاَنْتُمْ تُتْلٰی عَلَيْكُمْ آيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهُ وَمَنْ يَعْصِمْ بِاللّٰهِ

جب کہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تم میں اُس کے پیغمبر موجود ہیں اور جس نے اللہ کی (رسی کو) مضبوط پکڑ لیا

فَقَدْ هُدِيَ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۱﴾ اٰیٰتِهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ

تو وہ سیدھے رستے لگ گیا۔ اے مومنو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ

حَقُّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۱﴾ وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ

اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔ اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا

جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً

اور متفرق نہ ہونا اور اللہ کی اُس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے

فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ

تو اُس نے تمہارے دلوں میں اُلفت ڈال دی اور تم اُس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے۔ اور تم آگ کے گھڑے

النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۰۳﴾ ﴿۱۰۲﴾

کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اُس سے بچالیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ

وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے

الْمُنْكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا

منع کرے۔ یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔ اور اُن لوگوں کی طرح نہ ہونا جو متفرق ہو گئے

وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ

اور احکامِ بَیِّن کے آنے کے بعد ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے، یہ وہ لوگ ہیں جن پر

عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾ ﴿۱۰۴﴾ أَيُّومٌ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ

بڑا عذاب ہوگا۔ جس دن بہت سے منہ سفید ہوں گے اور بہت سے منہ سیاہ۔ تو جن لوگوں کے منہ سیاہ ہوں گے

وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ

(اُن سے اللہ فرمائے گا کہ) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ پس (اب) اس کفر کے بدلے۔

تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۴﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا

عذاب (کے مزے) چکھو۔ اور جن لوگوں کے منہ سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور اُن میں

خَلِدُونَ ﴿۱۰۵﴾ لَكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ

ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تمہیں صحت کیساتھ پڑھ کر سناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اہل عالم پر ظلم نہیں کرنا چاہتا

ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۶﴾ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی

تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۱۰۷﴾ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

طرف ہے۔ جتنی امتیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم اُن سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو

وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا

اور بُرے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو اُن کیلئے بہت اچھا

لَهُمْ مِّنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۰۸﴾

ہوتا۔ اُن میں ایمان لانے والے بھی ہیں اور اکثر نافرمان ہیں

لَنْ يَضُرُّكُمْ إِلَّا أَدَىٰ وَإِنْ يُقَاتِلْوَكُمْ يُولُوكُمْ الْأَذْبَارَ

اور یہ تمہیں خفیف سی تکلیف کے سوا کچھ نقصان نہیں پہنچاسکیں گے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے

ثُمَّ لَا يُنصَرُونَ ﴿۱۰۹﴾ هَرَبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةُ أَيَّنَمَا تَقْفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ

پھر اُن کو مدد بھی نہیں ملے گی۔ یہ جہاں نظر آئیں گے ذلت اُن سے چٹ رہی ہے بجز اس کے کہ یہ اللہ

مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءٌ وَابْغَضِبَ مِنَ اللَّهِ وَضَرِبَتْ عَلَيْهِمُ

اور (مسلمان) لوگوں کی پناہ میں آجائیں اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہیں۔

الْمَسْكَنَةُ ذَلِكَ بَأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ

اور ناداری اُن سے لپٹ رہی ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے اور پیغمبروں کو ناحق

بَغَيْرِ حَقٍّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۳﴾

قتل کر دیتے تھے، یہ اس لئے کہ یہ نافرمانی کئے جاتے اور حد سے بڑھے جاتے تھے۔

لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ

یہ بھی سب ایک جیسے نہیں ہیں ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (اللہ کے حکم پر) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے

وَهُمْ يَسْجُدُونَ ﴿۱۱۴﴾ بِاللَّيْلِ مُنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

اور سجدے کرتے ہیں۔ (اور) اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کام کرنے کو کہتے

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ

اور بُری باتوں سے منع کرتے اور نیکیوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ

الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۵﴾ مَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

نیو کار ہیں۔ اور یہ جس طرح کی نیکی کریں گے اُس کی ناقدری نہیں کی جائے گی اور اللہ تعالیٰ

بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۶﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ

پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔ جو لوگ کافر ہیں اُن کے مال اور اولاد اللہ کے عذاب کو

مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۷﴾

ہرگز نہیں ٹال سکیں گے۔ اور یہ لوگ اہلِ دوزخ ہیں کہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ

یہ جو مال دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اُس کی مثال ہوا کی سی ہے جس میں سخت سردی ہو اور وہ ایسے لوگوں کی

حَرَّتْ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتُهُ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسَهُمْ

کھتی پر جو اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے چلے اور اُسے تباہ کر دے اور اللہ نے اُن پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے اوپر

يَظْلِمُونَ ﴿۱۷۱﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بَطَانَةً مِّنْ دُونِكُمْ

ظلم کر رہے ہیں۔ مومنو! کسی غیر (مذہب کے آدمی) کو اپنا رازداں نہ بنانا

لَا يَأْتِيَنَّكُمْ خَبَالٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْكُمْ وَمَا يَأْتِيَنَّكُمْ

یہ لوگ تمہاری خرابی میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے اور چاہتے ہیں کہ (جس طرح ہو) تمہیں تکلیف پہنچے

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ

اُن کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو (کینے) اُن کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۷۲﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَحِبُّونَهُمْ

اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سنا دی ہیں۔ دیکھو تم ایسے لوگ ہو کہ اُن لوگوں سے دوستی رکھتے ہو

وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا

حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے اور تم سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو (اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے)

لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغِيظِ

اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں

قُلْ مَوْتُوْا بِغِيظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۷۳﴾ إِن تَمَسُّكُمْ

(اُن سے) کہہ دو کہ (بدجنجو) غصے میں مر جاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔ اگر تمہیں آسودگی

حَسَنَةً تَسْؤُهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوا بِهَا وَإِن تُصْبِرُوا وَتَتَّقُوا

حاصل ہو تو اُن کو بُری لگتی ہے اور اگر رنج پہنچے تو خوش ہوتے ہیں اور اگر تم تکلیفوں کو برداشت اور (اُن سے) گناہ کشی کرتے رہو گے

لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾

تو اُن کا فریب تمہیں کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اُس پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّءُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ

اور جب تم صبح کو اپنے گھر سے روانہ ہو کر ایمان والوں کو لڑائی کیلئے مورچوں پر تعین کرنے لگے

وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٢١﴾ هَمَّتْ طَّائِفَتَانِ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا وَاللَّهُ

اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ اُس وقت تم میں سے دو جماعتوں نے جی چھوڑ دینا چاہا مگر اللہ تعالیٰ

وَلِيَهُمَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾ وَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ

اُن کا مددگار تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ اور اللہ نے جنگِ بدر میں بھی تمہاری مدد کی تھی

وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢٣﴾ قَوْلٌ لِلْمُؤْمِنِينَ

اور اُس وقت بھی تم بے سروسامان تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ شکر کرو۔ جب تم مومنوں سے یہ کہہ

أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمَدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلاَفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنَزَّلِينَ ﴿١٢٤﴾

رہے تھے کہ کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے نازل کر کے تمہیں مدد دے؟

بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فُورِهِمْ هَذَا يُمَدِّدْكُمْ رَبُّكُمْ

ہاں اگر تم دل کو مضبوط رکھو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو اور کافر تم پر جوش کیساتھ دفعہ حملہ کر دیں تو اللہ

بِخَمْسَةِ آلاَفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿١٢٥﴾ مَا جَعَلَهُ اللَّهُ

پانچ ہزار فرشتے جن پر نشان ہوں گے تمہاری مدد کو بھیجے گا۔ اور اس مدد کو تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے

إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ

بشارت بنایا یعنی اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اس سے تسلی حاصل ہو ورنہ مدد تو اللہ ہی کی ہے جو غالب (اور)

الْحَكِيمِ ﴿۲۲۴﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْتَبَتَهُمْ

حکمت والا ہے۔ اس لئے کہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک یا انہیں ذلیل و مغلوب کر دے کہ

فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿۲۲۵﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ

(جیسے آئے تھے ویسے ہی) ناکام واپس جائیں۔ (اے پیغمبر!) اس کام میں تمہارا کچھ اختیار نہیں (اب دو صورتیں ہیں)

أَوْ يُتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذَّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۲۲۶﴾

یا تو اللہ ان کے حال پر مہربانی کرے یا انہیں عذاب دے کہ یہ ظالم لوگ ہیں۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب

يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۲۷﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا

دے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے ایمان والو! ڈگنا چوکننا سود نہ کھاؤ۔

أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۲۸﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي

اور اللہ سے ڈرو تاکہ نجات حاصل کرو۔ اور (دوزخ کی) آگ سے بچو جو

أَعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۲۹﴾ وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۳۰﴾

کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْأَرْضُ

اور اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے۔

أَعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۲۳۱﴾ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ

اور جو (اللہ سے) ڈرنے والوں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظِ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۳﴾

اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاِحْسَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنفُسَهُمْ ذَكَرُوْا اللّٰهَ فَاَسْتَغْفَرُوْا

اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور بُرائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں

لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يُّعْفِرِ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ

اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور باوجود علم کے کسی برے کام پر اڑ نہیں جاتے۔

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَلَا لِيَكْ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّتْ تَجْرِيْ مِنْ

ایسے ہی لوگوں کا صلہ رب کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ خَلَّتْ مِنْ

بہر رہی ہیں (اور) وہ اُس میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔ تم لوگوں سے پہلے

قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَاَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں تو تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا

عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اَلَا بَيِّنٌ لِّلنَّاسِ وَهٰدٰى وَمَوْعِظَةٌ

انجام ہوا یہ (قرآن) لوگوں کیلئے بیانِ صریح اور اہل تقویٰ کیلئے ہدایت اور

لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۷﴾ اَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمْ الْاَعْلَوْنَ

نصیحت ہے۔ اور بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن ہو تو تم

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمُ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ

ہی غالب رہو گے، اگر تمہیں زخم (شکست) لگا ہے تو اُن لوگوں کو بھی ایسا زخم لگ چکا ہے

وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نَدَاوِلَهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

اور یہ دن ہیں کہ ہم ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں اور اس سے یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو تمیز کر دے

وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۲۰﴾

اور تم میں سے گواہ بنائے اور اللہ تعالیٰ بے انصافوں کو پسند نہیں کرتا۔

وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۲۱﴾ ۞ حَسِبْتُمْ أَنْ

اور یہ بھی مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو خالص (مومن) بنا دے اور کافروں کو نابود کر دے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ

تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

(بے آزمائش) جنت میں جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھی طرح ظاہر کیا ہی نہیں

وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۲۲﴾ ۞ وَالْقَدْ كُنْتُمْ تَمَنُّونَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ

اور وہ ثابت قدم رہنے والوں کو ظاہر کرے۔ اور تم موت کے آنے سے پہلے

فَقَدْ رَأَيْتُمْوَهُ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۲۳﴾ ۞ إِنَّمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ

اس کی تمنا کیا کرتے تھے پس تم نے اُس کو آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اور محمد (ﷺ) تو صرف (اللہ کے) پیغمبر ہیں

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ

اُن سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو گزرے ہیں بھلا اگر یہ فوت ہو جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم اٹلے پاؤں پھر جاؤ گے؟

وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنُيَضِرَّ اللَّهُ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۲۴﴾

اور جو اٹلے پاؤں پھر جائے گا تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کر سکے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو ثواب دے گا [۹]

[۹] میدان احد میں مسلمانوں کو جب شکست ہوئی تو شیطان نے یہ مشہور کر دیا کہ محمد ﷺ شہید ہو گئے، اس غلط بات

کی شہرت نے بعض مسلمانوں کے دل توڑ دئے، اور ان کے قدم اکھڑ گئے۔ لڑائی سے بددل ہو کر باگ کھڑے ہوئے اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی کہ اگلے انبیاء کی طرح یہ بھی ایک نبی ہیں، ہو سکتا ہے کہ میدان میں قتل کر دیئے جائیں، لیکن کچھ اللہ کا دین جاتا نہیں رہے گا۔ اسی آیت سے ابو بکرؓ نے نبی ﷺ کی وفات پر دلیل پکڑی جو کہ مشہور واقعہ ہے۔ امام بخاریؒ نے باب مرض النبی ﷺ ووفاته: ۶/۱۷۷، میں نقل کیا ہے: ان ابا بکرؓ اقبل علی فرس من مسکنه بالسبح حتی نزل فدخل المسجد فلم یکلم الناس، حتی دخل علی عائشةؓ، فتمیم رسول اللہ ﷺ و هو مغشى بثوب جبرة، فکشف عن وجهه، ثم اکب علیه وقبله وبکی، ثم قال بابی انت وامی واللہ لا یجمع اللہ علیک موتین اما الموتة اللتی کنت علیک، فقد متها. ان ابا بکرؓ خرج وعمر یحدث الناس فقال اجلس یا عمرؓ فابی عمرؓ ان یجلس، فاقبل الناس الیه وترکوا عمرؓ، فقال ابو بکرؓ اما بعد: من کان یعبد محمدًا ﷺ فان محمدًا ﷺ قدمات، ومن کان یعبد اللہ فان اللہ حی لا یموت، قال اللہ تعالیٰ: (وتلا هذه الاية) قال فواللہ لکان الناس لم یعلموا ان اللہ انزل هذه الاية حتی تلاها ابو بکرؓ، فتلقها منه الناس کلهم، فماسمعها بشر من الناس اتلاها.

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جناب نبی کریم ﷺ کی وفات کی خبر سنا کر جناب ابو بکر الصدیقؓ گھوڑے پر سوار ہو کر مسجد میں تشریف لے گئے، لوگوں کی حالت دیکھی بھالی، اور بغیر کچھ کہنے سے عائشہؓ کے گھر پر آئے، یہاں نبی کریم ﷺ پر جبری چادر ڈالی گئی تھی، آپ نے چادر کا کونہ چہرہ مبارک سے ہٹا کر بے ساختہ بوسے لے لئے، اور روتے ہوئے فرمانے لگے، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر نذر ہوں، اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ پر دوم تہ موت نہ لائے گا۔ جو موت آپ پر لکھ دی گئی تھی وہ آپ کو آچکی، اس کے بعد آپ پھر مسجد میں آئے اور دیکھا کہ عمرؓ خطبہ سنارہے رہیں، ان سے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ، انہیں چپ کر کر آپ نے لوگوں سے فرمایا: جو شخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ محمد ﷺ مر گیا، اور جو شخص اللہ کی عبادت کرتا تھا وہ خوش رہے کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اس پر موت نہیں آتی، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: لوگوں کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا یہ آیت اب اتری ہے، پھر تو ہر شخص کی زبان پر یہ آیت چڑھ گئی اور لوگوں نے یقین کر لیا کہ آپ ﷺ فوت ہو گئے، ابو بکر الصدیقؓ کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر عمرؓ کے تو گویا قدم ٹوٹ گیا، انہیں بھی یقین ہو گیا کہ نبی ﷺ اس جہاں فانی کو چھوڑ کر چلے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ كِتَابًا مُؤَجَّلًا ؕ

اور کسی شخص میں طاقت نہیں کہ اللہ کے حکم کے بغیر مر جائے (اُس نے موت کا) وقت مقرر کر کے لکھ رکھا ہے [۱۰]

وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ

اور جو شخص دنیا میں (اپنے اعمال کا) بدلہ چاہے اُس کو ہم یہیں بدلا دے دیں گے اور جو آخرت میں طالبِ ثواب ہو

نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَنَجْزِي الشُّكْرِينَ ﴿١١﴾ ﴿١٢﴾ ﴿١٣﴾ ﴿١٤﴾ ﴿١٥﴾ ﴿١٦﴾ ﴿١٧﴾ ﴿١٨﴾ ﴿١٩﴾ ﴿٢٠﴾

اُس کو وہاں اجر عطا کریں گے اور ہم شکر گزاروں کو عنقریب (بہت اچھا) صلہ دیں گے۔ اور بہت سے نبی ہوئے ہیں

قَاتَلَ مَعَهُ رَبِّيُونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

جن کیساتھ ہو کر اکثر اہل اللہ (اللہ کے دشمنوں سے) لڑے ہیں تو جو مصیبتیں اُن پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئیں

﴿٢١﴾ ﴿٢٢﴾ ﴿٢٣﴾ ﴿٢٤﴾ ﴿٢٥﴾ ﴿٢٦﴾ ﴿٢٧﴾ ﴿٢٨﴾ ﴿٢٩﴾ ﴿٣٠﴾

اُن کے سبب اُنہوں نے نہ تو ہمت ہاری اور نہ بزدلی کی، نہ (کافروں سے) دبے۔ اور اللہ تعالیٰ استقلال رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے

[۱۰] قال حجر بن عدی، ما يمنعکم ان تعبروا الی هؤلاء العدو هذه النطفة؟ یعنی دجلة، (تم

قرأ هذه الآية) ”ما كان لنفوس ان تموت الا باذن الله كتابا موجلا“ تم اقحم فرسه دجلة، فلما اقحم،

اقحم الناس، فلما رآهم العدو، قالوا اديوان فهربوا۔ یعنی حجر بن عدی جب دشمنان دین کے مقابلہ میں جاتے ہیں

اور دریائے دجلہ بیچ میں آجاتا ہے اور لشکر اسلام ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے، تو آپ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے ہیں کہ

کوئی بھی بے اجل نہیں مرتا، آؤ اسی دجلہ میں گھوڑے ڈال دو، یہ فرما کر آپ اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیتے ہیں، آپ کی

دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اپنے جانوروں کو پانی میں کدا دیتے ہیں، دشمن کا خون خشک ہو جاتا ہے، اور اس پر ہیبت طاری

ہو جاتی ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو دیوانی آدمی ہیں، یہ تو پانی کی موجوں سے بھی نہیں ڈرتے، بھاگو بھاگو، چنانچہ سب کے

سب بھاگ کھڑے ہوئے۔

وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا

اور (اس حالت میں) اُن کے منہ سے کوئی بات نکلتی تو یہی کہ اے رب ہمارے گناہ اور زیادتیاں جو ہم اپنے کاموں میں

وَتَبَّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ تَاهُمْ اللَّهُ ثَوَابَ

کرتے رہے ہیں معاف فرما۔ اور ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں پر فتح عنایت فرما۔ تو اللہ تعالیٰ نے اُن کو

الدُّنْيَا وَحَسَنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ يٰهَا

دنیا میں بھی بدلا دیا اور آخرت میں بھی بہت اچھا بدلا (دے گا) اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے

الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يُرْذُوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا

مومنو! اگر تم کافروں کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں پھیر (کر مرتد کر) دیں گے پھر تم بڑے۔

﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾

خسارے میں پڑ جاؤ گے۔ (یہ تمہارے مددگار نہیں ہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے۔

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنزلْ

ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیں گے کیونکہ یہ اللہ کیساتھ شرک کرتے ہیں جس کی اُس نے کوئی بھی

بِهِ سُلْطَانًا وَمَا وَاهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ صَدَقَكُم

دلیل نازل نہیں کی اور اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے وہ ظالموں کا بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ اور اللہ نے اپنا وعدہ سچا کر دیا (یعنی)

اللَّهُ وَعَدَهُ إِذْ تَحْسُونَهُمْ بِإِذْنِهِ حَتَّىٰ إِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ

اُس وقت جب کہ تم کافروں کو اُس کے حکم سے قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جو تم چاہتے تھے اللہ نے تم کو دکھا دیا اُس کے بعد

فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ مِنْكُمْ

تم نے ہمت ہار دی اور حکم (پیغمبر) میں جھگڑا کرنے لگے اور اُس کی نافرمانی کی، بعض تو تم میں سے دنیا کے طلبگار تھے [۱۱]

مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ. ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ

اور بعض آخرت کے طالب۔ اُس وقت اللہ نے تم کو اُن (کے مقابلے) سے پھیر (کر بھگا) دیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے

[۱۱] آیت مذکورہ میں بتایا گیا ہے کہ شروع جنگ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان پر غالب کر دیا لیکن جب تم نے بزدلی دکھائی، اور نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کی، ان کی بتلائی ہوئی جگہ سے ہٹ گئے، اور آپس میں اختلاف کرنے لگے، بعض آدمیوں نے کہا تھا کہ ہمیں یہ جگہ ہرگز نہ چھوڑنی چاہئے، لیکن بعض نے کہا کہ ہمیں فتح ہو چکی ہے اب ٹھہرنے کی کوئی ضرورت نہیں، مسلمان صاف طور پر غالب آگئے تھے، مال غنیمت آنکھوں کے سامنے موجود تھا، جب کفار نے پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے، تو تم میں سے بعض نے دنیا طلبی کی اور کفار کی شکست کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ کے فرمان کا خیال نہ کر کے غنیمت کے مال کی طرف لپکے۔

گو بعض نیک نیت اور آخرت طلب بھی تھے، لیکن اس نافرمانی کی بناء پر تم غالب ہو کر مغلوب ہو گئے، تم شکست دیکھ کر گھبرا گئے اور چلا اٹھے: "قلتم انسی هذا" تم نے کہا یہ مصیبت کہاں سے آگئی تو اللہ تعالیٰ نے جواب دیا "ہو من عند انفسکم" اے پیغمبر فرما دیجئے کہ یہ خود تمہاری طرف (پیغمبر کی نافرمانی کی وجہ سے ہے) اگرچہ اللہ تعالیٰ نے "ولقد عفا عنکم" اور یقیناً اس نے تمہاری خطا کو معاف فرمایا "فرما کر صحابہ کرام کی اس غلطی کو معاف فرمایا، لیکن قیامت تک کے لوگوں کے لئے ایک مثال قائم کر دی کہ اگر نبی ﷺ کے جانثار صحابہ بھی نبی ﷺ کے حکم کی نافرمانی کریں، تو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصول کے مطابق وہ بھی عذاب الہی سے نہیں بچ سکتے۔ قارئین کرام غور فرمائیں جب صحابہ کرام جیسی مقتدر ہستیاں نبی ﷺ کی نافرمانی (حالانکہ یہ نافرمانی جان بوجھ کر نہیں کی تھی) پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچ سکتے، تو ہم کونسے باغ کی مولیٰ ہیں کہ ہم خلاف سنت عمل کرتے رہیں اور ہم سے مواخذہ نہ ہو، یقیناً جانے موجودہ دور کے بڑے بڑے سیاسی فتنے آئے دن کے سیلاب اور زلزلے وغیرہ اسی وجہ سے آتے ہیں کہ ہم نے سنت رسول ﷺ کا دامن چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ ۱۲ شوال ۳ھ میں کوہ احد کے دامن میں قریش مکہ کے مقابلے میں نبی ﷺ نے لشکر کی صف بندی فرمائی، عقب سے امکان تھا کہ دشمن کا رسالہ احد پہاڑ کا چکر کاٹ کر اچانک حملہ آور ہو، اس لئے آپ ﷺ نے جبل عینین (جبل المرماۃ) پر عبداللہ بن جبیر کے تحت پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ مقرر فرمایا، اور ان کو تاکید کر دی کہ میرے حکم کے بغیر =

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۵﴾ اِنصُعدُونَ

اور اُس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ جب تم لوگ دُور بھاگے جاتے تھے

وَلَا تَلُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَائِكُمْ فَأَتَابَكُمْ عَمَّا بَغِمَ

اور کسی کو پیچھے پھر کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول اللہ تم کو تمہارے پیچھے کھڑے بلا رہے تھے تو اللہ نے تم کو نعم پر نعم پہنچایا

لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا

تاکہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے جاتی رہی یا جو مصیبت تم پر واقع ہوئی ہے اُس سے تم اندوہناک نہ ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے

تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۶﴾ ﴿۱۰۷﴾ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمْنَةً نَّعَاسًا يَغْشَىٰ طَائِفَةً

سب اعمال سے خبردار ہے۔ پھر اللہ نے غم و رنج کے بعد تم پر تسلی نازل فرمائی (یعنی) نیند کہ تم میں سے ایک جماعت پر طاری

مِّنْكُمْ وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ

ہو گئی اور کچھ لوگ جن کو جان کے لالے پڑ رہے تھے اللہ کے بارے میں ناحق گمان کرتے تھے

الْجَاهِلِيَّةِ يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ

اور کہتے تھے کہ بھلا ہمارے اختیار کی کچھ بات ہے؟ تم کہہ دو کہ بیشک سب باتیں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں

= اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑنا، خواہ ہمیں پرندے اچک لیں یا ہم کامیاب ہو جائیں۔ جب تک تم اپنی جگہ پر قائم رہو گے ہمارا پلہ

بھاری رہے گا۔ جبل عینین (دو چشموں والا پہاڑ) احد کے جنوب میں وادی قنات کے جنوبی کنارے پر واقع ہے، جنگ

شروع ہونے پر پہلے حملے میں قریشی فوج کے قدم اکھڑ گئے، ایک رسالہ کے سپہ سالار خالد بن ولیدؓ جو ابھی تک مسلمان نہیں

ہوئے تھے میدان سے شکست کھا کر احد پہاڑ کا چکر لگا کر جبل عینین پر آ گئے، جبل عینین پر صرف بارہ آدمی رہ گئے تھے، ان

کے باقی آدمی مسلمانوں کی فتح دیکھ کر نبی کریم ﷺ کے فرمان کو چھوڑ کر اپنی مقررہ جگہ چھوڑ گئے تھے، چنانچہ خالد بن ولیدؓ کے

رسالہ نے ان بارہ آدمیوں کو شہید کر کے اسلامی فوج کے عقب سے حملہ کر دیا۔

يُخْفُونَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ

یہ لوگ (بہت سی باتیں) دلوں میں مخفی رکھتے تھے جو تم پر ظاہر نہیں کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہمارے بس کی بات ہوتی

شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هَاهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِيْٓ بِيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ

تو ہم یہاں قتل ہی نہ کئے جاتے۔ کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں مارا جانا لکھا تھا وہ اپنی اپنی قتل گاہوں

الْقَتْلِ اِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحَّصَ

کی طرف ضرور نکل آتے۔ اس میں حکمت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سینوں کی باتوں کو آزمائے

مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۲﴾

اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اُس کو خالص اور صاف کر دے اور اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ التَّقْيِ الْجَمْعِ اِنَّمَا

جو لوگ تم میں سے جب کہ دو جماعتیں ایک دوسرے سے گٹھ گئیں بھاگ گئے

اَسْتَزَلَّوْهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ

تو اُن کے بعض افعال کے سبب شیطان نے اُن کو پھسلا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے اُن کا قصور معاف کر دیا

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۳﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا (اور) بردبار ہے۔ [۱۳] مومنو! اُن لوگوں جیسے نہ ہونا جو کفر کرتے ہیں

[۱۲] واقعہ احد میں جو غزشتیں اور خطائیں بعض اصحاب کرام سے صادر ہوئیں، وہ اپنی ذات میں بڑی شدید اور سخت

تھیں، جس مورچہ پر پچاس صحابہ کرام کو یہ حکم دیکر بٹھایا تھا کہ ہم پر کچھ بھی حال گذرے تم یہاں سے نہ ہٹنا، ان کی بڑی

تعداد یہاں سے ہٹ گئی اگرچہ ہٹنے کا سبب انکی یہ اجتہادی غلطی تھی، کہ اب فتح ہو چکی ہے اس حکم کی تعمیل پوری ہو چکی ہے،

یہاں سے نیچے آ کر سب مسلمانوں کے ساتھ مل جانا چاہئے، مگر درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی واضح ہدایات کے خلاف

تھا۔ (اس سے یہ قاعدہ معلوم ہوتا ہے کہ نص صریح کے مقابلہ میں مجتہد اجتہاد نہ کریں، اور نہ یہ قابل اعتبار ہے) اسی خطاء و قصور کے نتیجہ میں جنگ کے میدان سے بھاگنے کے غلطی سرزد ہوئی، چاہے اس میں بھی اسی تاویل ہی کا سہارا لیا گیا ہو جیسا کہ زجاج سے نقل ہے۔

بہر حال ان تمام آیات میں یہ بات بڑی وضاحت سے سامنے آگئی کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے رسول کے ساتھیوں کو محبوبیت کا وہ مقام حاصل ہے کہ اتنی بڑی عظیم خطاؤں اور لغزشوں کے باوجود ان کے ساتھ معاملہ صرف عفو و درگزر کا ہی نہیں بلکہ لطف و کرم بھی فرمایا۔ یہیں سے اہل سنت والجماعت کے اس عقیدہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ صحابہ کرام اگرچہ گناہوں سے معصوم نہیں ان سے بڑے گناہ بھی ہو سکتے ہیں اور ہوئے بھی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود امت کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان کی طرف کسی برائی اور عیب کو منسوب کرے۔

جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کی اتنی بڑی لغزشوں اور خطاؤں کو معاف کر کے ان کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمایا اور ان کو رضی اللہ عنہم و رضوانہ کا مقام عطا فرمایا، تو پھر کسی کو کیا حق ہے کہ ان میں سے کسی کا برائی کے ساتھ تذکرہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ابن عمرؓ کے سامنے ایک مرتبہ کسی نے عثمانؓ یعنی اور بعض صحابہ کرام پر غزوہ احد کے اسی واقعہ کا ذکر کر کے طعن کیا کہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، اس پر عبد اللہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جس چیز کی معافی کا اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا اس پر طعن کرنے کا کسی کو کیا حق ہے۔ (صحیح البخاری: ۸/۱۱۰۸ مع الفتح)۔

روایت یہ ہے: اتی ابن عمرؓ رجل فقال انی سائلک عن شیئی اتحدثنی؟ اتعلم ان عثمان فریوم احد؟ فقال نعم، قال فتعلمه تغیب عن بدر فلم یشهدھا؟ قال نعم، قال فتعلم انه تخلف عن بیعة الرضوان فلم یشهدھا؟ قال نعم، قال فکبر، قال ابن عمرؓ تعال لایین لک عما سئلتنی عنه، اما فراره یوم احد فاشهد ان اللہ عفی عنه، و اما تغیبہ عن بدر فانه کان تحتہ بنت رسول اللہ ﷺ، و کانت مریضة، فقال له النبی ﷺ، ان لک اجر رجل ممن شهد بدر، و سهمہ، و اما تغیبہ عن بیعة الرضوان، فانه لو کان احد اعز بطن مکه، من عثمان لبعته مکانہ، فبعث عثمان و کانت بیعة الرضوان بعد ما ذهب عثمان الی مکه، فقال رسول اللہ ﷺ بیده الیمنی، هذه ید عثمان، فضرب بها علی یده، فقال هذه لعثمان، و قال ابن عمرؓ اذهب بها الان معک. (بخاری: ۲/۲۸۲ مع الفتح: ۲/۱۱۰). رقم الحدیث: ۴۰۶۶.

اسی طرح ایک روایت خود عثمانؓ سے منقول ہے، مسند احمد: ۶۸۱، ۵۔ میں ہے، کہ ولید بن عقبہؓ نے ایک مرتبہ عبدالرحمن بن عوفؓ سے کہا: آخر تم امیر المؤمنین عثمان بن عفانؓ سے اس قدر کیوں بگڑے ہوئے ہوں؟ انہوں نے کہا: ان سے کہہ دو کہ میں نے احوالے دن فرمائیں کیا، بدر کے غزوہ میں غیر حاضر نہیں رہا، اور نہ سنت عمر ترک کی، ولید نے جا کر عثمانؓ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا: کہ قرآن کہہ رہا ہے (ولقد عفا الله عنهم) یعنی احوالے دن کی اس لغزش سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا۔ پھر جس خطا کو اللہ نے معاف کر دیا اس پر عار دلانا کیسا؟ بدر والے دن میں رسول اللہ ﷺ کی صاحبزادی، اپنی بیوی، رقیہؓ کی تیمارداری میں مصروف تھا، یہاں تک کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گئیں، چنانچہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں سے پورا حصہ دیا، اور ظاہر ہے کہ حصہ انہیں ملتا ہے جو موجود ہوں، پس حکما میری موجودگی ثابت ہوئی، رہی سنت عمر تو اس کی طاقت نہ مجھ میں ہے نہ عبدالرحمن میں جاؤ انہیں یہ جواب بھی پہنچا دو۔

اس لئے اہل السنۃ والجماعت کے عقائد کے کتابیں سب اس پر متفق ہیں کہ تمام صحابہ کرام کی تعظیم اور ان پر طعن و اعتراض سے پرہیز واجب ہے، عقائد نسفیہ میں ہے ویکف عن ذکر الصحابة الا بخیر یعنی واجب ہے کہ صحابہ کا ذکر بغیر خیر کے اور بھلائی کے نہ کرے۔ اور ”شرح المسامرة“ لابن ہمام میں ہے، اعتقاد اہل السنۃ تزکیۃ جمیع الصحابة و الثناء علیہم، یعنی اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام کو عدول و ثقات سمجھیں ان کا ذکر مدح و ثناء کے ساتھ کریں۔ شرح مواقف میں ہے، یجب تعظیم الصحابة کلہم و الکف عن القدر فیہم یعنی تمام صحابہ کی تعظیم واجب ہے اور ان پر طعن و اعتراض سے باز رہنا واجب ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے عقیدہ واسطیہ میں فرمایا ہے کہ اہل السنۃ والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے درمیان جو اختلافات اور قتل قتال ہوئے ہیں ان میں کسی پر الزام اور اعتراض کرنے سے باز رہیں، وجہ یہ ہے کہ تاریخ میں جو روایات ان کے عیوب کے متعلق آئی ہیں، ان میں بکثرت تو جھوٹی اور غلط ہیں جو دشمنوں نے اڑائی ہیں، اور بعض وہ ہیں جن میں کمی بیشی کر کے اپنی اصلیت کے خلاف کردی گئی ہیں، اور جو بات صحیح بھی ہے تو صحابہ کرام اس میں اجتہادی رائے کی بناء پر معذور ہیں، اور بالفرض جہاں وہ معذور بھی نہ ہوں، تو اللہ کا قانون یہ ہے کہ ”ان الحسنات یذہبن السیئات“۔ یعنی اعمال صالحہ سے برے اعمال کا بھی کفارہ ہو جاتا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کرام کے اعمال صالحہ کے برابر کسی دوسرے کے اعمال نہیں ہو سکتے، اور اللہ تعالیٰ کے عفو و کرم کے جتنے وہ مستحق ہیں کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کسی کو یہ حق نہیں کہ انکے اعمال پر مواخذہ کرے، اور ان میں سے کسی پر طعن و اعتراض کی زبان کھولے، (عقیدہ واسطیہ ملخصاً)۔

وَقَالُوا لِأَخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًى

اور اُن کے (مسلمان) بھائی جب (اللہ کی راہ میں) سفر کریں (اور مرجائیں) یا جہاد کو نکلیں (اور مارے جائیں)

لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا ۚ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي

تو اُن کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ ان باتوں سے مقصود یہ ہے کہ اللہ اُن

قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۵۴﴾

لوگوں کے دلوں میں افسوس پیدا کر دے۔ اور زندگی اور موت تو اللہ ہی دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے

وَلَعِنُ قَتَلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مِتُّمْ لِمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةً خَيْرٍ

اور اگر تم اللہ کے رستے میں مارے جاؤ یا مرجاؤ تو جو (مال و متاع) لوگ جمع کرتے ہیں اس سے اللہ کی بخشش اور رحمت

مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۵۵﴾ لَعِنُ مِتُّمْ أَوْ قَتَلْتُمْ لَأَلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ ﴿۱۵۸﴾

کہیں بہتر ہے۔ اور اگر تم مرجاؤ یا مارے جاؤ، اللہ کے حضور میں ضرور اکٹھے کئے جاؤ گے

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ

ان پر آپ نرم دل ہیں اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے

لَأَنْفَضُوكَ مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، تو اُن کو معاف کر دو اور اُن کیلئے (اللہ سے) مغفرت مانگو

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۚ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ

اور اپنے کاموں میں اُن سے مشورہ لیا کرو اور جب (کسی کام کا) عزم مصمم کر لو تو اللہ پر بھروسہ رکھو بیشک اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۱۵۶﴾ إِنَّ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ

بھروسہ رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اگر اللہ تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے

﴿۱۴۰﴾ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصَرُّكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۴۰﴾

تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے۔ اور مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ وَمَنْ يَغُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

اور (یہ) کبھی نہیں ہو سکتا کہ پیغمبر خیانت کرے۔ اور خیانت کرنے والوں کو قیامت کے دن خیانت کی ہوئی چیز

﴿۱۴۱﴾ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۴۱﴾

(اللہ کے روبرو) لا کر حاضر کرنی ہوگی، پھر ہر شخص کو اُس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی

﴿۱۴۲﴾ أَفَمَنْ اتَّبَعَ رِضْوَانَنَا اللَّهُ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطِ مِّنَّا اللَّهُ

بھلا جو شخص اللہ کی خوشنودی کا تابع ہو وہ اُس شخص کی طرح (مرکبِ خیانت) ہو سکتا ہے جو اللہ کی ناخوشی میں گرفتار ہو اور

﴿۱۴۳﴾ وَمَا وَاهُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۴۳﴾ ﴿۱۴۳﴾ دَرَجَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بَصِيرٌ

جس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ اٹھکانہ ہے۔ ان لوگوں کیلئے اللہ کے ہاں (مختلف) درجے ہیں اور اللہ اُن کے سب اعمال کو

﴿۱۴۴﴾ ﴿۱۴۴﴾ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۴﴾ مِّنَّا اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ

دیکھ رہا ہے۔ اللہ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا

﴿۱۴۵﴾ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو پاک کرتا اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتا ہے۔

﴿۱۴۶﴾ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۴۶﴾ ﴿۱۴۶﴾ لَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ

، اور پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔ [۱۳] (بھلا یہ) کیا (بات ہے کہ) جب تم پر مصیبت واقع ہوئی

[۱۳] اس آیت کے اس حصے میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی تین صفیں بیان فرمائی ہیں: یاد دوسرے الفاظوں میں

انہیں رسالت کے تین فرائض کہہ لیجئے، اول یہ کہ وہ لوگوں پر اللہ کی آیتیں تلاوت کرتے ہیں اور ان کے الفاظ پڑھ کر ان کو سناتے ہیں۔ دوم یہ کہ وہ ماننے والوں کی عملی تربیت کرتے ہیں، اور اخلاقِ رذیلہ، عقائدِ باطلہ، اور اعمالِ سیئہ، مثلاً شرک و کفر اور ابائی رسم و رواج سے ان کے ظاہر و باطن کو پاک کرتے ہیں۔

سوم، یہ کہ وہ انکو کتاب اللہ کے مطالب و معانی اور اس کے اسرار و رموز سکھاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر ﷺ کی ڈیوٹی صرف یہی نہیں تھی کہ آپ اللہ سے کتاب حاصل کر کے لوگوں کو دے دیں، اور لوگ خود ہی اسے پڑھیں، سمجھیں، اور اس پر عمل کریں، جیسا کہ منکرینِ حدیث کا خیال ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمادیا کہ اللہ کی کتاب کو پڑھ کر لوگوں کو سنانا، کتاب اللہ کے اسرار و معانی ان کو سمجھانا، اور کتاب اللہ کی تعلیمات کے مطابق ان کی عملی تربیت کرنا، یہ بھی پیغمبر علیہ السلام کے فرائض میں سے ہے، اور یہ تمام فرائض اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذمہ لگائے ہوئے تھے، جیسا کہ قرآن کے اسلوب بیان سے ظاہر ہو رہا ہے، کہ ہم نے اس رسول اللہ ﷺ کو مذکورہ بالا صفات سے متصف اور مندرجہ بالا فرائض کا ذمہ دار بنا کر بھیجا۔ قرآن کا انداز بیان اس خیال کی تردید کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ مذکورہ بالا کام اپنے طور پر یا لوگوں کی درخواست اور تفویض کی بناء پر سرانجام دیتے تھے جیسا کہ پرویزیوں کا زعم ہے۔ اس آیت میں جو نبی کریم ﷺ کی تین صفتیں بیان کی گئی ہیں، ان کا تعلق صحابہ کرامؓ سے براہ راست اور بلا واسطہ تھا، نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس ان کو قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائیں، ان کو کتاب اللہ کے اسرار و معارف سمجھائے، اور ان کا تذکرہ فرمایا، تو اس آیت میں جس طرح نبی کریم ﷺ کے فضائل و مناقب اور محامد و محاسن بیان کئے گئے ہیں، اسی طرح اس سے صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی فضیلت معلوم ہوتی ہے کہ وہ خود نبی کریم ﷺ کے تربیت یافتہ اور اخلاقِ رذیلہ اور افعالِ ذمیرہ سے مطہر و نڈکی تھے۔ آخر میں ”و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین“ کی جامع تعبیر سے اس ناپاک ماحول کی تصویر بھی پیش فرمادی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کو مبعوث فرمایا آپ کی بعثت سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے، وہ زندگی کی ہر شعبے میں سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے تھے، ان کے اکثر عقائد و اعمال و اخلاق و شمائل اللہ کے یہاں پسندیدہ نہیں تھے، وہ لوگ انسان ہونے کے باوجود انسانیت سے کوسوں دور حیوانیت و بربریت سے قریب تر تھے، اس ناپاک ماحول کے ذکر سے بعثت رسول کے احسانِ عظیم کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔



قَدْ أَصَبْتُمْ مَثَلِيهَا قُلْتُمْ أَنِي هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ

حالانکہ (جنگ بدر میں) اُس سے دو چند مصیبت تمہارے ہاتھ سے اُن پر پڑ چکی ہے تو تم چلا اٹھے کہ (ہائے) آفت (ہم پر) کہاں سے آ پڑی

﴿۴۴﴾ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۴۴﴾

بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ۔

وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ التَّقِي الْأَجْمَعِينَ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ

اور جو مصیبت تم پر دونوں جماعتوں کے مقابلے کے دن واقع ہوئی سو اللہ کے حکم سے (واقع ہوئی) اور یہ کہ

الْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۴﴾ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا

اللہ تعالیٰ مومنوں کو اچھی طرح ظاہر کر لے اور منافقوں کو بھی ظاہر کر لے۔ اور (جب) اُن سے کہا گیا کہ آؤ

قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَاتَّبَعْنَاكُمْ

اللہ کے رستے میں جنگ کرو یا (کافروں کے) حملوں کو روکو تو کہنے لگے کہ اگر ہمیں لڑائی کی خبر ہوتی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ رہتے

هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ

یہ اُس دن ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو اُن کے

﴿۴۵﴾ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿۴۵﴾

دل میں نہیں ہیں اور جو کچھ یہ چھپاتے ہیں اللہ اس سے خوب واقف ہے ۔

الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أِطَاعُونَا

یہ خود تو (جنگ سے بچ کر) بیٹھ ہی رہے تھے مگر (جنہوں نے اللہ کی راہ میں جانیں قربان کر دیں) اپنے (اُن) بھائیوں کے

مَا قَاتِلُوا قُلْ فَادْرَءُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ

بارے میں بھی کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو اپنے اوپر سے موت کو ٹال دینا

صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۗ بَلْ اَحْيَآءٌ

جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے اُن کو مرے ہوئے نہ سمجھنا بلکہ اللہ کے نزدیک زندہ ہیں اور

عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَرِحِيْنَ بِمَا آتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ

اُن کو رزق مل رہا ہے۔ جو کچھ اللہ نے اُن کو اپنے فضل سے بخش رکھا ہے اُس میں خوش ہیں

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ

اور جو لوگ اُن کے پیچھے رہ گئے اور اُن میں شامل نہیں ہو سکے اُن کی نسبت خوشیاں منا رہے ہیں کہ

اَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۵۰﴾

(قیامت کے دن) اُن کو بھی نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔

يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ

اور اللہ کے انعامات اور فضل سے خوش ہو رہے ہیں اور اس سے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۱﴾ الَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمْ

اجر ضائع نہیں کرتا۔ جنہوں نے باوجود زخم کھانے کے اللہ اور رسول (کے حکم) کو قبول کیا

الْقَرْحِ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۵۲﴾ الَّذِيْنَ قَالَ لَهُمْ

جو لوگ اُن میں نیکوکار اور پرہیزگار ہیں اُن کیلئے بڑا ثواب ہے۔ (جب) اُن سے لوگوں نے آکر بیان کیا

النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا

کہ کفار نے تمہارے (مقابلے کے) لئے (شکر کثیر) جمع کیا ہے تو اُن سے ڈرو تو اُن کا ایمان اور زیادہ ہو گیا اور کہنے لگے

حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۵۳﴾ اِنْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ

کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت اچھا کارساز ہے۔ پھر وہ اللہ کی نعمتوں اور اُس کے فضل کیساتھ (خوش و خرم) واپس آئے

لَمْ يَمَسَّهُمْ سُوءٌ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿۱۷۳﴾

اُن کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچا اور وہ اللہ کی خوشنودی کے تابع رہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ هُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونَ إِن كُنْتُمْ

یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے، تو اگر تم مومن ہو تو اُن سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۴﴾ يَحْزُنَكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ

ڈرتے رہنا۔ اور جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں اُن (کی وجہ) سے غمگین نہ ہونا

إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوْا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِزَابًا فِي الْآخِرَةِ

یہ اللہ کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں اُن کو کچھ حصہ نہ دے

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷۵﴾ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوْا

اور اُن کیلئے بڑا عذاب تیار ہے۔ جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خریدا وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے

اللَّهُ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۶﴾ يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمَلِّئُ

اور اُن کو دردناک عذاب ہو گا۔ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں۔

لَهُمْ خَيْرٌ لَّأَنفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمَلِّئُ لَهُمْ لِيَزِدُوا ظُورًا إِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ

کہ یہ اُن کے حق میں اچھا ہے (نہیں بلکہ) ہم اُن کو اس لئے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں آخر کار اُن کو

مُهَيِّنٌ ﴿۱۷۷﴾ كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ

ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔ (لوگو) جب تک اللہ ناپاک کو پاک سے الگ نہ کر دے گا

الْخَبِيثَاتِ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ

مومنوں کو اس حال میں جس میں تم ہو ہرگز نہیں رہنے دے گا۔ اور اللہ تم کو غیب کی باتوں سے بھی

اللَّهُ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَاءُ فَاٰمِنُوْا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ

مطلع نہیں کرے گا البتہ اللہ اپنے پیغمبروں میں سے جسے چاہتا ہے انتخاب کر لیتا ہے، تو تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ

وَإِنْ تُوْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

اور اگر ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو تمہیں اجر عظیم ملے گا۔ [۱۷۹]

[۱۷۹] یہ یا قبل پر معطوف ہے اور ”ليطلعكم“ میں خطاب مومنوں سے ہے بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ خطاب عام ہے

مؤمنوں اور کافروں سب کو شامل ہے ”و الاول اولی“ یہ بھی سوال مقدر کا جواب ہے۔ مومنوں نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ انہیں کوئی علامت دی جائے جس سے وہ مومن اور منافق میں پہچان کر سکیں۔ ان المؤمنین سألوا ان يعطوا اعلامة يفرقون بها بين المؤمن والمنافق فنزلت (روح المعانی) حاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نہ تو ایسا کرے گا کہ مومنوں اور کافروں کو باہم ملا جا رہے دے، اور ان میں حد امتیاز قائم نہ کرے، بلکہ وہ ضرور منافقین کو مومنوں سے جدا کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ ایسا نہیں کریگا، کہ تم کو غیب کا علم دے دے۔

اور تم دل کی پوشیدہ باتوں پر مطلع ہو جاؤ، اور اس طرح مومن اور منافق کو پہچان لیا کرو، بلکہ تمہارے لئے ایک ہی صورت ہے کہ امتحان و ابتلاء اور تکلیف و محنت کے ذریعے بطور استدلال تم مومن اور منافق میں امتیاز کر لو، جیسا کہ احد میں واقع ہوا ”يامعشر المؤمنین، ای ماکان اللہ ليعینکم المنافقین حتی تعرفوہم ولكن يظہر ذالک لکم بالتکلیف والمحنة، وقد ظہر ذالک فی یوم احد، فان المنافقین تخلفوا و اظہروا الشماتة (قرطبی)۔“

باقی رہا اطلاع علی الغیب کے ذریعے مومن اور منافق میں امتیاز کرنا تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنے بعض رسولوں کو منتخب کرتا ہے اور بذریعہ وحی ان کو اطلاع دیتا ہے۔ جہاں تک آیت کے نفس مفہوم کا تعلق تھا وہ تو بیان ہو چکا، اب یہاں اہل بدعت کے ایک مغالطہ کا رد مقصود ہے، مبتدعین اس آیت سے نبی کریم ﷺ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے لئے کلی علم غیب ثابت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہاں الغیب میں الف لام استعراق کے لئے ہے، اس آیت میں غیر انبیاء سے الغیب یعنی کلی غیب کی نفی کی گئی ہے، اور پھر ”لکن“ سے برگزیدہ رسولوں کے لئے الغیب یعنی کلی غیب کو ثابت کیا گیا ہے، لیکن

یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے۔

اولاً، اس لئے کہ ”الف لام“ بلاشبہ استغراق کے لئے بھی آتا ہے لیکن یہ اس کا حقیقی معنی نہیں بلکہ مجازی ہے، اور الف لام عہد خارجی میں اصل اور حقیقت ہے علامہ تفتازانی فرماتے ہیں: التعریف لایلزم ان یکون للاستغراق بل العہد هو الاصل (التلویح: ۱۶۰) یعنی الف لام تعریف کے لئے ضروری نہیں کہ وہ استغراق کے لئے ہو بلکہ اصل تو عہد خارجی ہے، اور مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی فرماتے ہیں انما الفرق بان الجنس لایحتاج الی مؤنة المقام الخطابی بخلاف الاستغراق (حاشیہ عبد الغفور:- ۲) یعنی جنس اور استغراق میں فرق بائن طور ہے کہ جنس کے لئے مقام خطابی کے قرینہ کی ضرورت نہیں لیکن استغراق قرینہ کا محتاج ہوتا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ استغراق میں الف لام کا استعمال مجازی ہے کیونکہ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ قرینہ کے محتاج ہمیشہ مجازی معنی ہوتے ہیں اور حقیقی معنی محتاج قرینہ نہیں ہوتے۔

اور فاضل مدق مولانا نور محمد کہتے ہیں: قال العلامة التفتازانی فی بعض تصانیفہ انہم اختلفوا فی السلام المزید بعد رفع الاسم بالابتداء کما فی سلام علیک، فذهب بعضهم الی انها تعریف الجنس از لا عہد ہنہا، ولا ثالث لمعنی السلام باتفاق ائمة اللغة، اس کے بعد صاحب لہاب الاعراب سے نقل کیا ہے کہ السلام لایفید الا التعریف و الاسم لایدل الاعلی الجنس فاذا لایکون ثمة الاستغراق، نعم یصار الیہ بقرینة المقام، لان یکون مدلول السلام. (حاشیہ عبد الغفور: ۳).

دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ الف لام باتفاق ائمہ لغت عہد خارجی اور جنس میں اصل اور حقیقت ہے اور استغراق میں اس کا استعمال مجازی اور محتاج قرینہ ہے۔ ہذا فی المتن الثمین وغیرہ۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ استغراق الف لام کا مجازی استعمال ہے تو بلا قرینہ صارفہ حقیقت یعنی عہد خارجی کو چھوڑ کر استغراق مراد لینا ہرگز جائز نہیں ”لان المجاز فرع الحقیقة“ اور مجازی معنی صرف اسی وقت مراد لئے جاتے ہیں جب حقیقت ”عذر ہو“ متنی تعذر الحقیقة ارید المجاز“ لیکن یہاں تو حقیقی معنی ”عذر نہیں ہیں بلکہ ممکن اور عین مراد ہیں۔

ثانیاً، اس آیت میں الف کو استغراق پر محمول کرنا ویسی بھی مقام کے مناسب نہیں، کیونکہ مقام تو عہد خارجی کا مقتضی ہے اس لئے کہ سوال تو غیب کے ایک خاص معاملہ کی بات کے بارے میں تھا، یعنی اللہ تعالیٰ ہمیں صاف صاف بتادے کہ فلاں فلاں شخص منافق ہے، یعنی انکے دلوں میں نفاق ہے، اس لئے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ ہرگز نہیں

ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس غیب پر مطلع فرمادے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے برگزیدہ رسول کو اس غیب کی اطلاع دیدے، اس لئے ”الغیب“ میں الف لام عہد خارجی کے لئے ہے، اور اس سے وہ مخصوص غیب مراد ہے یعنی منافقوں کی نشاندہی بذریعہ وحی الہی۔

ثالثاً، تمام مفسرین نے یہاں ”الغیب“ سے بعض علم غیب مراد لیا ہے، ما کان اور ما یکون اور جمع مغیبات کا کلی اور تفصیلی علم کسی نے بھی مراد نہیں لیا، تو یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ الف لام استغراق کے لئے نہیں، چنانچہ علامہ قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ولکن اللہ یجتبیٰ من رسلہ من یشاء، فیوحی الیہ ویخبرہ بعض المغیبات. (بیضاوی)۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، تو اس کی طرف وحی کرتا ہے، اور اسے بعض مغیبات کی خبر دیتا ہے۔ امام بغوی فرماتے ہیں: ولکن اللہ یجتبیٰ من رسلہ من یشاء فیطلعه علی بعض علم الغیب (معالم) لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے چن لیتا ہے، تو اسے بعض علم غیب پر مطلع فرمادیتا ہے، اور علامہ ابن صفی لکھتے ہیں: ولکن اللہ یجتبیٰ من رسلہ من یشاء فیخبرہ ببعض المغیبات (جامع البیان) اور مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: فیطلعه علی البعض من علوم الغیب احياناً. (تفسیر مظہری) یعنی اللہ تعالیٰ جن کو رسول منتخب کرتا ہے اسے بعض غیب کی اطلاع دیتا ہے، اور وہ بھی احياناً یعنی کبھی کبھی۔

رابعاً، اگر یہاں تمام قواعد عربیت اور اصول تفسیر کے خلاف لام استغراق کے لئے مان لیا جائے اور یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ نبی کریم ﷺ کو ما کان و ما یکون کا علم کلی اور تفصیلی علم غیب تھا تو اس سے مذکورہ بالا خرابیوں کے علاوہ قرآن مجید کی ان بہت سی آیتوں کی تکذیب لازم آئے گی، جن میں نہایت صراحت سے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی سے کلی علم غیب کی نفی کی گئی ہے مثلاً: التوبہ: ۴۳، ۱۰۱، ۱۰۷، ۱۰۸۔ التحريم: (۱)۔ مندرجہ بالا آیتیں سورہ ال عمران کے بعد نازل شدہ سورتوں کی ہیں، اور ان میں رسول اللہ ﷺ سے کلی علم غیب کی صاف صاف نفی ہوتی ہے لہذا معلوم ہوا کہ اس صورت کی اس آیت میں ”الغیب“ کا الف لام استغراق کے لئے نہیں ہے، اور نہ ہی یہاں ”الغیب“ سے ما کان و ما یکون کا کلی علم غیب مراد ہے۔ بلکہ الف لام یہاں عہد کے لئے ہے۔ اور الغیب سے احد میں بے وفائی کرنے والے منافقین کی پہچان مراد ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ

جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے

مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ

اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لئے بہتر خیال نہ کرے بلکہ وہ ان کے لئے نہایت بدتر ہے۔

سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلِلَّهِ

وہ جس مال میں بخل کرتے ہیں قیامت کے دن اسکا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔

مِيرَاتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

اور آسمانوں اور زمین کا وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے اور جو تم عمل کرتے ہو اللہ کو معلوم ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيْرٌ وَنَحْنُ اغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا

اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم امیر ہیں، یہ جو کہتے ہیں ہم اُس کو لکھ لیں گے

قَالُوا وَقَتْلُهُمْ اَلْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ

اور پیغمبروں کو جو یہ ناحق قتل کرتے رہے ہیں اُس کو بھی (قلمبند کر رکھیں گے) اور (قیامت کے روز) کہیں گے کہ عذاب

الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ لِكَمْ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ وَاِنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ

(آتش) سوزاں کے مزے چکھتے رہو۔ یہ اُن کاموں کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھ آگے بھیجتے رہے ہیں اور اللہ تو بندوں

لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُوْمِنَ لِرَسُوْلٍ

پر مطلق ظلم نہیں کرتا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم بھیجا ہے کہ جب تک کوئی پیغمبر

حَتّٰى يٰٓاْتِنَا بِقُرْبٰنٍ تَاْكُلُهٗ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَ

ہمارے پاس ایسی نیاز لے کر نہ آئے جس کو آگ آ کر کھا جائے تب تک ہم اُس پر ایمان نہ لائیں گے (اے پیغمبر! ان سے) کہہ دو

كُم رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالذِّكْرِ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنَّ

کہ مجھ سے پہلے کئی پیغمبر تمہارے پاس کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے اور وہ (معجزہ) بھی لائے جو تم کہتے ہو تو اگر سچے ہو تو تم

كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۸۳﴾ إِنَّ كَذِبُوكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

نے اُن کو قتل کیوں کیا؟۔ پھر اگر یہ لوگ تم کو سچا نہ سمجھیں تو تم سے پہلے بہت سے پیغمبر

جَاءُوا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿۱۸۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

کھلی ہوئی نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آچکے ہیں اور لوگوں نے اُن کو بھی سچا نہیں سمجھا۔ ہر نفس کو موت کا مزہ

وَإِنَّمَا تَوْفِقُونَ أَجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحِرَ عَنِ النَّارِ

چکھنا ہے اور تم کو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، تو جو شخص آتش جہنم سے دور رکھا گیا

وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ ﴿۱۸۵﴾

اور جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچ گیا اور دنیا کی زندگی تو دھوکے کا سامان ہے۔

لَتُبْلَوْنَ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

تمہارے مال و جان میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور تم اہل کتاب سے اور اُن لوگوں سے جو مشرک

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا ۚ وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ

ہیں بہت سی ایذا کی باتیں سنو گے، تو اگر صبر اور پرہیزگاری کرتے رہو گے تو

ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۱۸۶﴾ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ اور جب اللہ نے اُن لوگوں سے جن کو کتاب عنایت کی گئی تھی اقرار لیا کہ (جو کچھ اس میں لکھا

لَتَبَيِّنَنَّ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا

ہے) اُسے صاف بیان کرتے رہنا اور اس کو نہ چھپانا تو انہوں نے اس کو پس پشت ڈال دیا

بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾ ۱۸۷ تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ

اور اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کی۔ یہ جو کچھ حاصل کرتے ہیں بُرا ہے۔ جو لوگ اپنے (ناپسند) کاموں سے خوش

يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا

ہوتے ہیں اور (پسندیدہ کام) جو کرتے نہیں اُن کیلئے چاہتے ہیں کہ اُن کی تعریف کی جائے

﴿۱۸۸﴾ ۱۸۸ فَلَا تَحْسَبَنَّاهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾

اُن کی نسبت خیال نہ کرنا کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ اور انہیں دردناک عذاب ہو گا۔

﴿۱۸۹﴾ ۱۸۹ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۸۹﴾

بیشک آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کیلئے ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدل بدل کر آنے جانے میں

لِلَّذِينَ الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ ۱۹۰ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ

عقل والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حال میں) اللہ کو یاد کرتے

وَيَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا

اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے رب! تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا

سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ ۱۹۱ رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تَدْخِلِ النَّارَ

تو پاک ہے تو (قیامت کے دن) ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچانا۔ اے رب جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا

فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ ۱۹۲ رَبَّنَا إِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا

اُسے رُسا کیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ اے رب! ہم نے ایک ندا کرنے والے کو سنا کہ

يُنَادِي لِلْإِيمَانِ أَنْ آمِنُوا بِرَبِّكُمْ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا

ایمان کیلئے پکار رہا تھا (یعنی) اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان لے آئے، اے اللہ! ہمارے گناہ معاف فرما

وَكَفَّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ ﴿١٤٣﴾ رَبَّنَا مَا وَعَدْتَنَا

اور ہماری برائیوں کو ہم سے محو کر اور ہم کو دنیا سے نیک بندوں کیساتھ اٹھا۔ اے اللہ تو نے جن جن چیزوں کے ہم سے اپنے

عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿١٤٤﴾

پیغمبروں کے ذریعے وعدے کئے ہیں وہ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کرنا۔ کچھ شک نہیں کہ تو خلاف وعدہ نہیں کرتا

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ

تو اُن کے رب نے اُن کی دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے کے عمل کو، مرد ہو یا عورت، ضائع نہیں کرتا۔

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ

تم ایک دوسرے کی جنس ہو۔ تو جو لوگ میرے لئے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے

وَأُذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

اور ستائے گئے۔ اور لڑے اور قتل کئے گئے، میں اُن کے گناہ دور کر دوں گا۔

وَلَأُدْخِلَنَّاهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ

اور اُن کو جنتوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں اللہ کے ہاں سے بدلا ہے۔

وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿١٤٥﴾ يَغْرَنكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي

اللہ کے ہاں اچھا بدلا ہے۔ تجھ کو کافروں کے شہر میں چلنا پھرنا دھوکہ نہ دے

الْبِلَادِ ﴿١٤٦﴾ إِجَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَاؤُهُمْ جَهَنَّمَ وَيُبْسَسُ الْمِهَادُ ﴿١٤٧﴾

یہ تھوڑا سا فائدہ ہے پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے لیکن

الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا

جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے

نَزَّلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلَّابْرَارِ ﴿١٤٨﴾ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

یہ اللہ کے ہاں مہمانی ہے اور جو اللہ کے ہاں ہیں وہ نیک بندوں کے لئے بدرجہا بہتر ہے اور اور ان اہل کتاب میں بعض ایسے بھی

لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِينَ لِلَّهِ

ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور جو چیز تمہاری طرف اور ان کی طرف نازل کی گئی ہے اس پر بھی اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں

لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اللہ کے آیتوں پر تھوڑا سا مول نہیں لیتے یہی ہے جن کے لئے ان کے رب کے ہاں بدلہ ہے

إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٤٩﴾ بِآيَاتِهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَصْبَرُوا وَصَابِرُوا

بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ایمان والو! صبر کرو اور ایک دوسرے کو تلقین صبر کرو اور مقابلہ کے وقت

وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٥٠﴾

مضبوط رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ۔ [۱۵]

[۱۱۵] یہ آیت اس سورت کی آخری آیت ہے، مسلمانوں کے لئے چند اہم وصیتوں پر مشتمل ہے، گویا پوری سورت

کا خلاصہ ہے، اس میں تین چیزوں کی وصیت مسلمانوں کو کی گئی ہیں، صبر، مصابروہ۔ مرابطہ اور چوتھی چیز تقویٰ ہے، جو کہ ان

تینوں کے ساتھ لازم ہے۔

صبر کے لفظی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں، اور اصطلاح قرآن و سنت میں نفس کو خلاف طبع چیزوں پر جمائے

رکھنے کو صبر کہا جاتا ہے۔ جس کی تین قسمیں ہیں، ”صبر علی الطاعات“، یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول

ﷺ نے حکم دیا ہے ان کی پابندی طبعیت پر کتنی بھی شاق ہو، اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔

دوسرے ”صبر عن المعاصی“ یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے وہ نفس کے لئے کتنی ہی محبوب و لذیذ ہوں نفس کو اس سے روکنا۔ تیسرے ”صبر علی المصائب“ یعنی مصیبت اور تکلیف پر صبر کرنا، حد سے زیادہ پریشان نہ ہونا، اور سب تکلیف و راحت کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔

”مصابرت“ اسی لفظ صبر سے ماخوذ ہے، اس کے معنی ہیں، دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا۔

”مرابطہ“ یہ لفظ ربط سے بنا ہے، جسکے اصلی معنی باندھنے کے ہیں، اور اسی وجہ سے رباط اور مرابطہ کے معنی گھوڑے باندھنے، اور جنگ کی تیاری کرنا ہے، قرآن کریم میں اسی معنی کے لئے آیا ہے: ”ومن رباط الخیل“ (انفال: ۶۰)۔ اصطلاح قرآن وحدیث میں یہ لفظ دو معنی کے لئے استعمال کیا گیا ہے، اول اسلامی سرحدوں کی حفاظت، جس کے لئے جنگی گھوڑے اور جنگی سامان کے ساتھ مسلح رہنا لازمی ہے، تا کہ دشمن اسلامی سرحدوں کی طرف رخ کرنے کی جرأت نہ کرے۔ دوسرے نماز جماعت کی ایسی پابندی کہ ایک نماز کے بعد ہی سے دوسرے نماز کے انتظار میں رہے، یہ دونوں چیزیں اسلام میں بڑی مقبول عبادات ہیں، جن کے فضائل بے شمار ہیں۔

ابن کثیر نے عائشہؓ سے ان آخری ۱۱ آیات کے شان نزول سے متعلق ایک حدیث نقل کی ہے بحوالہ ابن حبان وغیرہ کہ عطاء ابن ابی رباح عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے حالات میں جو سب سے زیادہ عجیب چیز آپ نے دیکھی ہو، وہ ہمیں بتاؤ، اس پر عائشہؓ نے فرمایا: آپ کی کس شان کو پوچھتے ہو؟ ان کی تو ہر شان عجیب ہی تھی، ہاں ایک واقعہ عجیب سناتی ہوں، وہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ ایک رات میرے پاس تشریف لائے، اور لحاف میں میرے ساتھ داخل ہو گئے، پھر فرمایا، کہ اجازت دو، کہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں، بستر سے اٹھے، وضوء کیا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہو گئے، اور قیام میں اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو سینہ مبارک پر بہہ گئے، پھر رکوع فرمایا، اور اس میں بھی روئے، اور پھر سجدہ کیا، اور سجدہ میں بھی اسی قدر روئے، پھر سر اٹھایا، اور مسلسل روتے رہے۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی، بلالؓ آئے، اور رسول کریم ﷺ کو اطلاع نماز دی، بلال فرماتے ہیں، کہ میں نے عرض کیا کہ نبی کریم ﷺ اس قدر کیوں گریہ فرماتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے اگلے، پچھلے، گناہ معاف فرمادیے ہیں، آپ نے فرمایا تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اور شکر میں گریہ وزاری کیوں نہ کروں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آج کی شب مجھ پر یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی ہے ”ان فی خلق السموات و الارض“ الایۃ، اس کے بعد آپ نے فرمایا بڑی تباہی ہے اس شخص کے لئے جس نے ان آیتوں کو پڑھا اور ان میں غور نہیں کیا۔ (شرح مشکل الآثار باب نمبر ۷۷۷ رقم الحدیث ۴۶۱۸ ص: ۱۲۳۴، ابن حبان

رقم: ۶۲۰، و ابوالشیخ: ۱۸۶)۔ یکہ بخاری، ابوداؤد وغیرہ میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میں نے اپنی خالہ میمونہؓ کے گھر رات گزاری، رسول اللہ ﷺ جب آئے تھوڑی دیر تک تو آپ ﷺ میمونہؓ سے باتیں کرتے رہے، پھر سو گئے، جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی، تو آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے یہ گیارہ آیتیں تلاوت فرمائیں، پھر کھڑے ہوئے مسواک کر کے وضوء کیا، اور گیارہ رکعات نماز ادا کی۔ (الحدیث)۔

مسلم: ۱۵۱/۱، اور نسائی میں ابو ہریرہؓ سے ”رابطوا“ کے متعلق ایک روایت ہے جو کہ ابن کثیر نے بھی نقل کیا ہے: عن ابی ہریرہ عن النبی ﷺ قال الا خبرکم بما میحو اللہ بہ الخطایا، و یرفع بہ الدرجات؟ اسباغ الوضوء علی المکارہ و کثرة الخطا الی المساجد، و انتظار الصلاة بعد الصلاة، فذلکم الرباط، فذلکم الرباط، فذلکم الرباط۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے؟ اور درجوں کو بڑھاتا ہے؟ تکلیف ہوتے ہوئے کامل وضوء کرنا۔ دور سے چل کر مسجدوں میں آنا۔ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا، یہی رباط ہے، یہی رباط ہے، یہی رباط ہے۔

جبکہ حاکم نے مستدرک: ۳۰۱/۲، کتاب التفسیر میں ابوسلمہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: قال ابوسلمہ: یا ابن اخی هل تدری فی ای شیئی نزلت هذه الایة؟ ”یا ایہا الذین امنوا اصبروا و صابروا و رباطوا“ (ال عمران: ۲۰۰)؟ قال قلت لا، قال: یا ابن اخی انی سمعت ابا ہریرہ یقول: لم یکن فی زمان النبی ﷺ غزویرابط فیہ، و لکن انتظار الصلاة بعد الصلاة۔

ابوسلمہ سے ایک دن ابو ہریرہؓ نے پوچھا، اے میرے بھتیجے جانتے ہو اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں، آپ نے فرمایا سنو! اس وقت کوئی غزوہ نہ تھا اس طرح کہ اس میں رابطہ تھا، یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مسجدوں کو باہر رکھتے تھے اور نمازوں کو ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے۔

اور مسلم نے: ۵۰۶/۶، میں سلمان فارسیؓ سے نقل کیا ہے: عن رسول اللہ ﷺ انه قال، رباط یوم و لیلۃ خیر من صیام شهر و قیامہ، و ان مات جرى علیه [عمله] الذی کان یعمله، و اجرى علیه رزقه، و امن الفتان۔ ایک دن، رات کی مرابطہ (جہاد کی تیاری) ایک ماہ کے کامل روزوں اور ایک ماہ کی تمام شب بیداری سے افضل ہے، اور اسی تیاری کی حالت میں موت آجائے تو جتنے اعمال صالحہ کرتا تھا سب کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے روزی پہنچائی جاتی ہے۔ اور فتنوں سے امن پاتا ہے۔

سورة النساء (مدنیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا۔

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت روئے زمین پر پھیلا دیئے اور اللہ سے ڈرو

الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ﴿۱﴾

جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنا حق مانگتے ہو اور رشتہ داری کے تعلقات کو بگاڑنے سے بچو بیشک اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے [۱]

وَأَتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا

اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور ناپاک کو پاک سے نہ بدلو اور ان

أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ﴿۲﴾ وَإِنْ

کے مال کو اپنے مال سے ملا کر نہ کھاؤ یہ بڑا گناہ ہے۔ اور اگر تم

خِفْتُمْ إِلَّا تَقْسَطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانْكحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ

یتیم لڑکیوں سے بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تمہیں پسند آئیں ان میں سے

[۱] "تساءلون" یہ اصل میں "تتسائلون" تھا ایک تا، بطور تخفیف حذف کردی گئی، باب تفاعل کا خاصہ اشتراک

ہے، اس لئے "تساءلون بہ" کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اللہ کے نام پر ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، ایسی

بعضکم بعضا باللہ (مدارک) و التساءل باللہ هو کقولک اسألك باللہ واحلف علیک باللہ واستشفع الیک باللہ (خازن) یا، تساءلون بمعنی ”تسألون“ مجرد ہے اور ”به“ میں باء، زائدہ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ جس اللہ سے تم سوال کرتے اور مانگتے ہو، اس سے ڈرو۔

”و الارحام“ یہ رحم کی جمع ہے اور لفظ اللہ پر معطوف ہے۔ اور اس سے مراد قطع ارحام ہے یعنی اللہ سے ڈرو اور قطع رحمی سے بھی بچو۔ اتقوا الارحام ان تقطعوا۔ (مدارک، معالم، خازن)۔

تفسیر مواہب الرحمن میں ہے کہ: اتقوا الارحام۔ ان تقطعوا، اور بچو ارحام سے، ناتوں کو کاٹنے سے، یعنی آپس کا ناتہ جن حقوق کے ساتھ ہے اس کو ملائے رکھو۔ ہکذا فسر ابن عباس وعکرمہ ومجاہد وحسن وضحاك وربیع وغیرہم۔ گویا اس میں اشارہ ہے کہ اے اہل مکہ سب سے پہلے کفر کرنے والے اور ایذا دینے والے نبی ﷺ کو تم مت ہوں، اور پھر اتقاء ارحام کے حکم میں تنبیہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناتے کا ایک مرتبہ ہے۔ اور حدیث میں عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ رحم لٹکا ہوا ہے عرش الرحمن عزوجل سے، کہتا ہے جو مجھے ملائے رکھے، اللہ تعالیٰ اس کو ملادے، اور جو مجھے کاٹے اللہ تعالیٰ اس کو کاٹے۔ رواہ البخاری ومسلم۔

اور قرطبی نے کہا ہے کہ امت کا اتفاق ہے کہ صلہ رحمی یعنی ناتے کا ملانا واجب ہے، اور کاٹنا حرام ہے، ایک قرأت میں جو کہ حمزہ وغیرہ کی ہے بالجرح ہے بناء بریکہ عطف ہے ضمیر ’به‘، پر یعنی وبالارحام اہل عرب کا دستور تھا کہ رحم کے واسطہ دیا کرتے تھے جیسا کہ ابن جریر نے مجاہد سے نقل کیا ہے۔ یقول اسألك باللہ وبالرحم اور یہ تقریر اولیٰ ہے بعض مفسرین کے کلام سے کہ تفسیر میں کہا، ای یسأل بعضکم باللہ وبالرحم کیونکہ اس طرح ملا کر زمانہ جاہلیت کی قسم تھی جو شرع میں مستنکر ہے، پس اگر یوں تفسیر کی جاوے تو تقریر کا وہم ہے۔ یعنی اگر یوں تفسیر کی جاوے تو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ زمانہ جاہلیت کی قسم کو مقرر و ثابت رکھا۔

ابن جریر نے بھی اس تفسیر پر رد کیا ہے فرماتا ہے کہ وذلک غیر فصیح من الکلام عند العرب، لانہا تنق بظاہر علی مکی مخفوض الافی ضرورة شعر وذلک لصیق الشعر، واما الکلام فلا شیء یضطر المتکلم الی اختیار المکره من المنطق و الردی فی الاعراب منہ۔ زحشری اور بیضاوی وغیرہ نے بھی اس کو ضعیف کہا ہے یہ تفصیل اس وجہ سے کیا کہ بعض مبتدعین اس کو مجرور پڑھ کر وسیلہ بدعیہ کے لئے استدلال کرتے ہیں فانہم۔

مَثْنَى وَثُلَّةَ وَرُبْعَ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِشَةً أَوْ

دو دو تین تین چار چار سے نکاح کرلو اگر تمہیں خطرہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو پھر ایک ہی سے نکاح کرلو

مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ﴿۳۳﴾

یا جو لوہڈی تمہاری ملک میں ہو وہی سہی یہ طریقہ بے انصافی سے بچنے کے لئے زیادہ قریب ہے۔ [۲]

وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَتِهِنَّ نِحْلَةً فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا

اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دیا کرو۔ ہاں اگر وہ اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ تمہیں چھوڑ دیں

فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ﴿۳۴﴾ وَلَا تَوْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي

تو اُسے ذوق و شوق سے کھا لو۔ اور بے عقولوں کو ان کا مال جسے اللہ نے تم لوگوں کیلئے سبب معیشت بنایا ہے مت دو

جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا

(ہاں) اس میں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو اور ان سے معقول باتیں

مَعْرُوفًا ﴿۳۵﴾ وَابْتُلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُمْ مِنْهُمْ

کہتے رہو۔ اور یتیموں کو بالغ ہونے آزماتے رہو پھر (بالغ ہونے پر) اگر ان میں عقل کی چنگلی دیکھو تو ان کا

رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَأْكُلُوهَا

مال ان کے حوالے کر دو اور اس خوف سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے (یعنی بڑے ہو کر تم سے اپنا مال واپس لے لیں گے)

إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ

اس کو فضول خرچی میں اور جلدی میں نہ اڑا دینا، جو شخص آسودہ حال ہو اُس کو پرہیز کرنا چاہیے

[۲] عائشہؓ سے روایت ہے (اس آیت کی تفسیر کے متعلق): قالت یا ابن اختی هذه الیتیمۃ تکون فی حجر

وليات شرکہ فی مالہ، ويعجبہ مالہا وجمالہا، فيريد وليها ان يتزوجها بغير ان يسقط في صداقها، فيعطيهامثل ما يعطيها غيره، فنهوا ان ينكحوهن الا ان يقسطوا اليهن، ويبلغوا بهن اعلى سنتهن في الصداق، وامروا ان ينكحو اماطاب لهم من النساء سواهن۔ (بخاری فی التفسیر)۔

زمانہ جاہلیت میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک شخص کی تولیت میں یتیم لڑکی مثلاً اس کی چچا زاد بہن ہوتی، جو وراثت میں اس کی شریک ہوتی، وہ شخص یہ سوچ کر کہ اگر اس یتیمہ کی شادی کسی دوسرے شخص سے کرے گا تو اس کی دولت اس کے ہاتھ سے نکل جائے گی، وہ خود ہی اس لڑکی سے نکاح کر لیتا، لیکن مہر اور دیگر حقوق معاشرت میں اس سے بے انصافی کرتا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یتیم سے بے انصافی اور ان پر ظلم کرنے سے ممانعت فرمادی، اور مسلمانوں کو تلقین فرمائی کہ اگر وہ اپنی زیر کفالت یتیم لڑکیوں سے نکاح کریں، تو ان کی حیثیت کے مطابق ان کے مہر ادا کریں، اور ان کے دوسرے حقوق بھی پورے کریں۔ لیکن اگر انہی یہ لڑکیوں سے نکاح کے بعد وہ ان سے انصاف کا برتاؤ نہیں کر سکیں گے، تو انہیں چاہیے کہ وہ یتیم لڑکیوں سے نکاح نہ کریں، بلکہ دوسری عورتوں میں سے جو شرعاً ان کے نکاح میں آسکتی ہیں، ایک، دو، تین، یا چار عورتوں سے نکاح کر لیں ”ماطاب“ سے مراد ”ماحل“، یعنی جن عورتوں سے نکاح حلال ہے، اور ”من النساء“ سے مراد وہ عورتیں ہیں جو یتیمی کے علاوہ ہوں۔

”واحدة“ کا ناصب اس سے پہلے محذوف ہے، ای فاختاروا واحدة (روح، مدارک) ایک سے زیادہ بیویوں کی اجازت اس صورت میں ہے کہ ان سب کے ساتھ انصاف کر سکو۔ لیکن اگر یہ اندیشہ ہو کہ انصاف کے ساتھ ان کے حقوق ادا کرنے سے قاصر رہے گا تو صرف ایک بیوی پر ہی اکتفاء کرو۔

اور ”ماملکت ایمانکم“ اس کا عطف ”واحدة“ پر ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر ایک ازاد عورت کے بھی حقوق ادا نہ کر سکو تو اپنی مملو کہ لونڈیوں پر ہی اکتفاء کرو۔ ای ان خاف ان لا يعدل فی واحدة فماملکت یمینہ“ (قرطبی)۔

”ذالک“ سے ایک بیوی یا لونڈیوں پر اکتفاء کرنے کی طرف اشارہ ہے ”الاتعولوا، ای ان لاتجوروا“ (قرطبی، روح، مدارک) یعنی ایک بیوی یا اپنی مملو کہ لونڈیوں پر اکتفاء کرنا تمہارے لئے عدل و انصاف سے قریب تر ہے، اور ظلم و جور سے بچنے کا قریب ترین ذریعہ ہے۔

وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ

اور جو محتاج ہو وہ مناسب طور پر کچھ لے لے اور جب اُن کا مال اُن کے حوالے کرنے لگو تو

فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٤٧﴾ ۴۷ لَرِّجَالٍ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

گواہ کر لیا کرو اور حقیقت میں تو اللہ ہی حساب لینے والا کافی ہے۔ جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑ کر مر میں

الْوَالِدَانَ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ

تھوڑا ہو یا بہت، اس میں مردوں کا بھی حصہ ہے اور عورتوں کا بھی

مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٤٨﴾ ۴۸ وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ

یہ حصے (اللہ کے) مقرر کئے ہوئے ہیں۔ اور جب میراث کی تقسیم کے وقت

أَوْلُوا الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا

رشتہ دار اور یتیم اور محتاج آجائیں تو اُن کو بھی اُس میں کچھ دے دیا کرو اور شیریں کلامی سے پیش آیا کرو۔

مَعْرُوفًا ﴿٤٩﴾ ۴۹ وَلِيُخَشِ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا

اور ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہیے جو اپنے بعد ننھے ننھے بچے چھوڑ جائیں اور اُن کو اُن کی نسبت

عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٥٠﴾ ۵۰

خوف ہو (کہ اُن کے مرنے کے بعد اُن بیچاروں کا کیا حال ہوگا) پس چاہئے کہ یہ لوگ اللہ سے ڈریں اور معقول بات کہیں

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا

جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طور پر کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔ اور دوزخ میں ڈالے جائیں گے

وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ﴿٥١﴾ ۵۱ وَيُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ

اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں ارشاد فرماتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے

الْأُنثَىٰ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ

اور اگر اولاد میت صرف لڑکیاں ہی ہوں (یعنی دو یا) دو سے زیادہ تو کل ترکے میں ان کا دو تہائی اور اگر صرف ایک لڑکی ہو

وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ، وَلَا بَوِيهَ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ

تو اُس کا حصہ نصف۔ اور میت کے ماں باپ کا یعنی دونوں میں سے ہر ایک کا ترکے میں چھٹا حصہ

مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ فَإِن لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبُوهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ،

شرطیکہ میت کی اولاد ہو اور اگر اولاد نہ ہو اور صرف ماں باپ ہی اُس کے وارث ہوں تو ایک تہائی ماں کا حصہ

فَإِن كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا

اور اگر میت کے بھائی بھی ہوں تو ماں کا چھٹا حصہ (اور یہ تقسیم ترکہ میت کی وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو اُس نے کی ہو

أَوْ دِينَ، آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ

یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو اُس کے ذمے ہو عمل میں آئے گی)۔ تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں

أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا

پوتوں میں سے فائدے کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے یہ حصے اللہ کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اللہ سب کچھ

حَكِيمًا ﴿٣٠﴾ وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ

جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ [۳۰] اور جو مال تمہاری عورتیں چھوڑ کر مریں اگر ان کی اولاد نہ ہوں تو اُس میں نصف حصہ

الحقوق المتقدمة على الميراث

[۳۰]

شریعت کا اصول یہ ہے کہ مرنے والے کے مال سے پہلے شریعت کے مطابق اس کے کفن و دفن کے اخراجات

پورے کئے جائیں، جن میں نہ فضول خرچی ہو نہ کنجوسی ہو، اس کے بعد اس کے قرضے ادا کئے جائیں، اگر قرضے اتنے ہی

ہوں جتنا اس کا مال ہے یا اس سے بھی زیادہ، تو نہ کسی کو میراث ملے گی، نہ کوئی وصیت نافذ ہوگی، اور اگر قرضوں کے بعد مال بچ جائے یا قرضے بالکل ہی نہ ہوں تو اگر اس نے کوئی وصیت کی ہو، اور وہ کسی گناہ کی وصیت نہ ہو، تو اب جو مال موجود ہے اس کے ایک تہائی میں سے اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی۔ اگر کوئی شخص پورے مال کی وصیت کر دے تب بھی تہائی مال ہی میں وصیت معتبر ہوگی، تہائی مال سے زیادہ کی وصیت کرنا مناسب بھی نہیں ہے، اور وارثوں کو محروم کرنے کی نیت سے وصیت کرنا گناہ بھی ہے، ادائے دین کے بعد ایک تہائی میں وصیت نافذ کر کے شرعی وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے، جس کی تفصیلات فرائض کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اگر وصیت نہ کی ہو تو اداء دین کے بعد پورا مال میراث میں تقسیم ہوگا۔

”اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے میراث پانے کے باب میں“ [وہ یہ کہ] لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر (یعنی ایک لڑکا، لڑکی ایک یا کئی کئی ملی جلی ہوں، تو ان کے حصوں میں باہم یہ نسبت ہوگی کہ ہر لڑکے کو دو ہرا اور ہر لڑکی کو اکہرا) اور اگر (اولاد میں) صرف لڑکیاں ہی ہوں، گودو سے زیادہ ہوں، تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا، اس مال کا جو کہ میت چھوڑا ہے۔ (اور اگر دو لڑکیاں ہوں، تب تو دو تہائی ملنا بہت ہی ظاہر ہے۔ کیونکہ اگر ان میں ایک لڑکی کی جگہ لڑکا ہوتا تو اس لڑکی کا حصہ باوجود یکہ بھائی سے کم ہے ایک تہائی سے نہ گھٹتا، پس جب دوسری بھی لڑکی ہے، تب تو تہائی سے کسی طرح گھٹ نہیں سکتا، اور دونوں لڑکیاں یکساں حالت میں ہیں، پس اس کا بھی ایک تہائی ہوگا۔

دونوں کامل کر دو تہائی ہوا، البتہ تین لڑکیوں میں شبہ تھا کہ شاید ان کو تین تہائی یعنی کل مل جاوے، اس لئے فرمایا کہ گو لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں مگر دو تہائی سے نہ بڑھے گا، اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو (کل ترکہ کا) نصف ملے گا۔ (اور پہلی صورت میں ایک ثلث، پچا، اور دوسری صورت کا ایک نصف، پچا، دوسرے خاص خاص اقارب کا حق ہے یا اگر کوئی نہ ہو تو پھر اسی کو دیدیا جاوے گا۔ جیسا کہ کتب فرائض میں مذکور ہے)۔

اور ماں باپ (کو میراث ملنے میں تین صورتیں ہیں، ایک صورت تو ان) کے لئے یعنی دونوں میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ مقرر ہے، اگر میت کے کچھ اولاد ہو (خواہ مذکر یا مؤنث، خواہ ایک یا زیادہ، اور بقیہ میراث دوسرے خاص خاص ورثہ کو ملے گی)۔

اور پھر بھی بچ جاوے، تو پھر سب کو دی جاوے گی) اور اگر اس میت کے کچھ اولاد نہ ہو اور صرف اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں، یہ دوسری صورت ہے اور صرف اس لئے کہا کہ بہن بھائی بھی نہ ہو جیسا آگے آتا ہے تو (اس صورت میں) اس کی ماں کا ایک تہائی ہے (اور باقی دو تہائی باپ کا، اور چونکہ صورت مفروضہ میں یہ ظاہر تھا، اس =

وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ يُوْصِيْنَ

اور اگر اولاد ہو تو ترکے میں تمہارا چوتھائی (لیکن یہ تقسیم) وصیت (کی تعمیل کے) بعد جو انہوں نے کی ہو

بِهَا أَوْ دَيْنٍ ، وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ

یا قرض کے (ادا ہونے کے بعد جو ان کے ذمے ہو کی جائے گی)۔ اور جو مال تم (مرد) چھوڑ کر مر و اگر تمہاری اولاد نہ ہو

فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمْنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ تُوْصَوْنَ بِهَا

تو تمہاری عورتوں کا اُس میں چوتھا حصہ اور اگر اولاد ہو تو اُن کا آٹھواں حصہ (یہ حصے) تمہاری وصیت (کی تعمیل) کے بعد جو تم نے کی ہو

أَوْ دَيْنٍ ، وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً

اور ادائے قرض کے (بعد تقسیم کئے جائیں گے)۔ اور اگر ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے نہ باپ نہ ہو بیٹا

= لئے تصریح کی حاجت نہیں ہوئی)۔ اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن (کسی قسم کے) ہوں (خواہ ماں باپ

دونوں میں شریک، جس کو اعیانی کہتے ہیں، خواہ صرف باپ ایک، ماں الگ الگ، جس کو علاتی کہتے ہیں، عرضیکہ کسی طرح

کے بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں، اور اولاد نہ ہوں اور ماں باپ ہوں، اور یہ تیسری صورت ہے تو اس صورت میں اس کی

ماں کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملے گا، اور باقی باپ کو ملے گا۔ یہ سب حصے وصیت (کے قدر مال) نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی

وصیت کر جاوے، یا قرض اگر ہو تو اس کو بھی نکال لینے کے بعد تقسیم ہوں گے۔ تمہارے اصول و فروع جو ہیں تم ان کے متعلق

پورے طور پر یہ نہیں جان سکتے کہ ان میں کونسا شخص تم کو (دنیوی یا اخروی) نفع پہنچانے میں (باستثنا توقع کے) نزدیک تر ہے

(یعنی اگر تمہاری رائے پر یہ قصہ رکھا جاتا تو بغالب احوال تم لوگ تقسیم میں مدار ترجیح و تفضیل کا اس شخص کے نفع رسانی پر رکھتے،

اور اس مدار کے یقین کا خود کو کوئی طریقہ کسی کے پاس نہیں ہے۔ تو اس کا مدار تجویز ٹھہرانا ہی صحیح نہ تھا، پس جب نفع میں مدار بننے کی

قابلیت نہ تھی اس لئے دوسرے مصالح اور اسرار کو گو وہ تمہارے ذہن میں نہ آویں اس حکم کا مبنی اور مدار ٹھہرا کر) یہ حکم منجانب

اللہ مقرر کر دیا گیا (اور یہ امر) بالیقین (مسلم ہے کہ) اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں۔ (پس جو حکمتیں انہوں

نے اپنے علم سے اس میں مرعی رکھی ہیں وہی قابل اعتبار ہیں۔ اس لئے تمہاری رائے پر نہیں رکھا۔

أَوْ امْرَأَةً وَهِيَ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ

مگر اس کے بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ اور اگر ایک سے زیادہ ہوں

مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ

تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے۔ (یہ حصے بھی) بعد ادائے وصیت و قرض

غَيْرِ مُضَارٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱۳﴾

بشرطیکہ ان سے میت نے کسی کا نقصان نہ کیا ہو یہ اللہ کا فرمان ہے اور اللہ تعالیٰ نہایت علم والا (اور) نہایت حکم والا ہے [۴]

[۴] اور تم کو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جاویں، اگر انکے کچھ اولاد نہ ہو (نہ مذکر نہ مؤنث، نہ

واحد نہ کثیر) اور اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو (خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے) تو (اس صورت میں) تم کو ان

کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا۔ (لیکن ہر صورت میں یہ میراث) وصیت (کے قدر مال) نکالنے کے بعد، کہ وہ

اس کی وصیت کر جائیں یا قرض (اگر ہو تو اس کے نکالنے کے بعد ملے گی) اور بیبیوں کو چوتھائی ملے گا۔ اس ترکہ

کا جس کو تم چھوڑ جاؤ (خواہ وہ ایک ہو یا کئی ہوں، تو وہ چوتھائی سب میں برابر بٹ جاوے گا) اگر تمہارے کچھ

اولاد نہ ہو (نہ مذکر نہ مؤنث نہ واحد نہ کثیر) اور اگر تمہارے کچھ اولاد ہو تو (اس صورت میں) ان کو (خواہ وہ ایک

ہو یا کئی) تمہارے ترکہ سے اٹھواں حصہ ملے گا۔ (یہ بھی دو صورتیں ہیں، اور دونوں صورتوں میں بقیہ دوسرے ورثہ

کو ملے گا، لیکن یہ میراث وصیت (کے قدر مال) نکالنے کے بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ، یا قرض (اگر ہو، تو اس

کے بھی نکالنے کے بعد ملے گی۔

اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت ایسا ہو جس کے نہ اصول ہوں (یعنی

باپ دادا) اور نہ فروع ہوں (یعنی اولاد اور بیٹے کی اولاد) اور اس (میت) کے ایک بھائی یا ایک بہن (اخینی) ہو، تو ان

دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

اور یہ لوگ اس سے (یعنی ایک سے) زیادہ ہوں (مثلاً دو ہوں یا اور زیادہ) تو وہ سب تہائی میں (برابر کے)

شریک ہونگے (اور ان میں مذکر و مؤنث کا برابر حصہ ہے، اور بقیہ میراث دوسرے ورثہ کو، اور اگر کوئی اور نہ ہو تو پھر انہی کو دی جائے گی، یہ دو صورتیں ہوں گی، اور دونوں صورتوں میں یہ میراث) وصیت (کے قدر مال) نکالنے کے بعد جس کی وصیت کر دی جاوے یا (اگر) قرض (ہو، تو اس کے بھی نکالنے) کے بعد (ملے گی) بشرطیکہ (وصیت کرنے والا) کسی (وارث) کو ضرر نہ پہنچاوے (نہ ظاہراً نہ ارادۃً ظاہریہ کہ مثلاً ثلث سے زیادہ وصیت کرے، تو وہ وصیت میراث پر مقدم نہ ہوگی۔ اور ارادۃً یہ کہ رہے ثلث کے اندر، لیکن نیت یہ ہو کہ وارث کو کم ملے، یہ ظاہراً نافذ ہو جاوے گی، لیکن گناہ ہوگا) یہ (جس قدر یہاں تک مذکور ہوا)۔

واضح رہے کہ اس آیت میں اخیانی (ماں شریک) بہن بھائی کا حصہ بتلایا گیا ہے اگرچہ قرآن کریم کی اس آیت میں یہ قید مذکور نہیں ہے، لیکن یہ قید بالاجماع معتبر ہے۔

سعد بن ابی وقاص کی قرأت بھی اس آیت میں اس طرح ہے: ولہ اخ او اخت من امہ، جیسا کہ علامہ قرطبی، صاحب روح المعانی، اور ابو بکر جصاص اور دیگر علماء نے نقل کیا ہے، گو یہ قرأت متواتر نہیں ہے، لیکن اجماع امت ہونے کی وجہ سے معمول بھا ہے۔ اور اس کی ایک واضح دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ نساء کے اختتام پر بھی کلالہ کی میراث کا ذکر کیا ہے، وہاں بتایا ہے کہ اگر ایک بہن ہو تو اس کو آدھا ملے گا، اور اگر ایک بھائی ہو تو اپنی بہن کے پورے مال کا وارث بنے گا، اور اگر دو بہنیں ہوں تو دو تہائی مال پائیں گی، اور اگر متعدد بھائی بہن ہوں تو مذکورہ مؤنث سے دوہرا دیا جائیگا۔ سورۃ کے اختتام پر جو یہ حکم ارشاد فرمایا ہے، اعمیانی یعنی حقیقی بہن بھائی، اور علانی یعنی باپ شریک بہن بھائی کا ذکر ہے، اگر یہاں علانی اور یعنی بھائی بہن کو شامل کر لیا جائے تو احکام میں تعارض لازم آجائے گا۔

بعض لوگوں کو یتیم پوتے کی وراثت میں کچھ شبہات لاحق ہوئے ہیں ہم ان شبہات کے جوابات تفصیل کے ساتھ ذکر کرتے ہیں:-

(۱) پوتے کو چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث سے حصہ نہ دینا ظلم اور بے انصافی ہے۔ (۲) یہ فقہاء کی غلطی ہے کہ دادا کو پوتے کا وارث بناتے ہیں، اور پوتے کو دادا کا وارث نہیں بناتے، اور حال یہ کہ نسبت ایک ہے۔ (۳) پوتا اپنے باپ کا قائم مقام ہے، اس کا چچا واسطہ نہیں اس کا باپ واسطہ تھا، اور وہ فوت ہو چکا ہے تو چاہئے کہ پوتا اپنے باپ کی طرح دادا کا وارث بن جائے۔

جوابات بالترتيب :-

تَعْبِيهِ ذَهَبِيْنَ: شبہے کے جواب دینے سے قبل منکرین حدیث سے ایک اہم سوال یہ ہے کہ قرآن میں ایسی آیت بتلا دو، جس میں چچا کی موجودگی میں یتیم پوتے کا حصہ میراث ذکر ہو، یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچاؤں کی موجودگی میں اپنے دادا عبدالمطلب کی وراثت سے حصہ نہیں ملا تھا، تو یہ مسئلہ ضرور قرآن کریم میں صراحتاً یا اشارۃً ذکر ہونا چاہئے تھا، لیکن کسی طریقہ سے بھی ذکر نہیں، تو کیا اللہ تعالیٰ نے اس ظلم کو رد کرنے کی طرف توجہ نہیں کی؟ حالانکہ ﴿وَمَا لِلَّهِ يَرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔ ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یتیم کے ساتھ ہمدردی کرنے کے دیگر بہت سارے طریقے بتلا دیئے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے ہر ایت میراث میں حصص میراث بیان کرنے کے ساتھ فرمایا ہے [من بعد وصية توصون بها ودين] یعنی اللہ تعالیٰ نے وصیت کی طرف ترغیب دلائی، تو دادا کے لئے چاہئے کہ یتیم پوتے کے لئے 1/3 مال کی وصیت کر لے۔ ہو سکتا ہے کہ جب اس کے چچے دو ہوں، تو اس کا حصہ ان کے ساتھ برابر ہو جائیگا اور اگر چچے تین یا زیادہ ہوں تو یتیم پوتے کا حصہ وصیت کی وجہ سے ہر ایک چچا سے بھی بڑھ جائے گا۔

(۲) اگر دادا نے وصیت نہیں کی، تو چچا اس کو اپنے ساتھ میراث میں شریک کر سکتا ہے، بلکہ اپنا سارا حصہ بھی اس کو دے سکتا ہے، کیونکہ قرآن کریم میں بہت ساری آیات میں یتیموں کو مال دینے کی ترغیبات مذکور ہیں [واتى المال على حبه ذوى القربى واليتيمى] [بقرہ: ۱۷۷] [قل ما انفقتم من خير فليلو الدين والاقربين واليتيمى] [بقرہ: ۲۱۵] ترجمہ۔ اسی طرح بہت سی آیات قرآن مجید میں موجود ہیں۔

(۳) اگر چچا اس کو کچھ نہ دے تو دوسرے رشتہ دار اس کے ساتھ ہمدردی کر سکتے ہیں، اور اس بات کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے [واذا حضر القسمة اولو القربى واليتيمى والمساكين فارزقوهم منه] [نساء: ۸]۔ یہ تین طریقے اسلام نے اس واسطے رکھے ہیں کہ اس قسم کی حالت میں (یتیم پوتہ جاتا ہے) انہیں طریقوں سے اس کے ساتھ ہمدردی کرتے رہو اس کی حوصلہ افزائی ہو جائیگی۔

تَعْبِيهِ: ۴: کا جواب: دادا کو یتیم پوتے کا وارث بنایا اور یتیم پوتے کو دادا کا وارث نہیں بنایا، اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے قانون وراثت (جس کے متعلق تین آیات سورت نساء میں نازل ہوئی ہیں) کی بنیاد قریب پر رکھی ہے یعنی جو شخص میت کے زیادہ نزدیک ہو تو وہ پہلے مستحق میراث ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: [للرجال نصیب مما ترک الوالدان و الاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان و الاقربون] (نساء: ۷)

آیات کا مفہوم یہ ہے کہ تو والد کے رابطہ اور اقرابت کی نسبت کے لحاظ سے میراث ملتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے میراث کی تینوں آیات میں الاقرب فالاقرب کا قانون رکھا ہے سورہ نساء: ۱۱، میں اولاد کا ذکر کیا ہے پھر والدین کا ذکر فرمایا ہے، یہ اقرب فالاقرب پر مبنی ہے، اور سورہ نساء: ۱۲، میں خاوند اور بیوی کی میراث کا ذکر فرمایا، جو کہ تو والد کے بعد اقرب نسبت ہے، اور سورہ نساء: ۶، میں اعمیانی اور علاتی بھائیوں کی میراث کا تذکرہ فرمایا اس میں بھی اعمیانی علاتی پر مقدم ہیں یہ بھی الاقرب فالاقرب کی بنیاد پر ہے۔

اس بنیاد پر یتیم کا چچا، دادا کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ وہ اس کا بیٹا ہے، اور یتیم اس کی بنسبت دور ہے، کیونکہ وہ باپ کے واسطے سے پوتا بنا ہے اور باپ کے مرنے سے پوتا بیٹا نہیں بن سکتا بلکہ وہی پوتا ہی ہے تو اس وجہ سے چچا کی موجودگی میں اس کا بھتیجا وارث نہیں بن سکتا، اگر ایسی صورت میں یتیم کو میراث میں حصہ دار بنایا جائے (جبکہ اس کے لئے کوئی شرعی دلیل بھی نہیں) تو یہ دادا کا اپنے بیٹے پر ظلم کے مترادف ہوگا۔ اور دادا کو یتیم پوتے کا وارث اس وجہ سے بنایا جاتا ہے کہ دادا یتیم پوتے کے لئے اقرب ہے چچا البعد ہے کیونکہ چچا دادا کی وساطت سے چچا بنا ہے۔

﴿۱۱﴾

پوتا قائم مقام بن گیا؟

یہ قائم مقامی کا اصول حافظ اسلم اور پرویز کے خود ساختہ اصول میں سے ہیں، اس کے لئے قرآن کریم میں کوئی ماخذ نہیں، اور نہ وہ پیش کر سکتے ہیں، بلکہ یہ تو عقلی تقاضا کے بھی خلاف ہے، وہ یہ کہ پوتا اپنے دادا کے باپ کی وساطت سے قریب تھا جب باپ اس کے دادا سے پہلے فوت ہوا، تو اب اس کو واسطہ نہیں کہا جا سکتا، یہ حقیقت سے چشم پوشی ہے، اگر کوئی اعتراض میں مثال پیش کرے، کہ کسی کا باپ فوت ہوا ہو، اور وہ دادا زندہ ہو تو دادا باپ کی جگہ پر قائم ہوتا ہے، لیکن جواب یہ ہے کہ اس صورت میں دادا اقرابت کی وجہ سے وارث ہے قائم مقامی کے اصول کے تحت وارث نہیں، اور یتیم پوتے کے مسئلہ میں اقرب [چچا] موجود ہے تو یہاں قائم مقامی کے اصول کا رآمد نہیں۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

یہ (تمام احکام) اللہ کی حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرے گا

يُدْخِلُهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ

اللہ تعالیٰ اُس کو جنتوں میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہ رہی ہیں، وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی

الْعَظِيمُ ﴿۱۳﴾ مَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا

کامیابی ہے۔ اور جو اللہ اور اُس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اُس کی حدوں سے نکل جائے گا اُس کو اللہ دوزخ میں

خَالِدًا فِيهَا وَلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۴﴾ الَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ

ڈالے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اُس کو ذلت کا عذاب ہوگا۔ مسلمانو! تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں

فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ

اُن پر اپنے لوگوں میں سے چار آدمیوں کی شہادت لو۔ اگر وہ گواہی دیں تو اُن عورتوں کو گھروں میں بند رکھو

حَتَّىٰ يَتَوَفَّيَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿۱۵﴾

یہاں تک کہ موت اُن کا کام تمام کر دے یا اللہ اُن کیلئے کوئی اور سبیل (پیدا) کر دے۔

وَالَّذِينَ يَأْتِيَنَّهَا مِنْكُمْ فَادْوُهُمَا فَإِنَّ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا

اور جو دو مرد تم میں سے بدکاری کریں تو اُن کو ایذا دو پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نیکوکار ہو جائیں تو اُن کا پیچھا چھوڑ دو

إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۱۶﴾ مَّا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ

بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا (اور) مہربان ہے [۱۵] اللہ انہیں لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو

[۱۵] ان آیات میں ایسے مردوں اور عورتوں کے بارے میں سزا تجویز کی گئی ہے جن سے فاحشہ یعنی زنا کا صدور

ہو جائے، پہلی آیت میں فرمایا کہ، جن عورتوں سے ایسی حرکت سرزد ہو جائے تو اس کے ثبوت کے لئے چار گواہ مرد طلب کئے جائیں، یعنی جن حکام کے پاس یہ معاملہ پیش کیا جائے ثبوت زنا کے لئے وہ چار گواہ طلب کریں، جو شہادت کی اہلیت رکھتے ہوں، اور گواہی بھی مردوں کی ضروری ہے، اس سلسلہ میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں، زنا کے گواہوں میں شریعت نے دو طرح سے سختی کی ہے۔

چونکہ یہ معاملہ بہت اہم ہے جس سے عزت اور عقبت مجروح ہوتی ہے، اور خاندانوں کے ننگ و عار کا مسئلہ سامنے آجاتا ہے، اولاً تو یہ شرط لگائی کہ مرد ہی گواہ ہوں، عورتوں کی گواہی کا اعتبار نہیں کیا گیا، ثانیاً چار مردوں کا ہونا ضروری قرار دیا، ظاہر ہے کہ یہ شرط بہت سخت ہے جس کا وجود میں آنا شاذ و نادر ہی ہو سکتا ہے، یہ سختی اس لئے اختیار کی گئی کہ عورت کا شوہر یا اس کی والدہ یا بیوی بہن ذاتی پر خاش کی وجہ سے خواہ مخواہ الزام نہ لگائیں، یا دوسرے بدخواہ لوگ دشمنی کی وجہ سے الزام اور تہمت لگانے کی جرأت نہ کر سکیں، کیونکہ اگر چار افراد سے کم لوگ زنا کی گواہی دیں تو ان کی گواہی نامعتبر ہے ایسی صورت میں مدعی اور گواہ سب جھوٹے قرار دئے جاتے ہیں، اور ایک مسلمان پر الزام لگانے کی وجہ سے ان پر حد قذف جاری کر دی جاتی ہے۔

سورت نور میں واضح طور پر ارشاد فرمایا: لولا جأؤ علیہ باربعۃ شہداء فان لم یأتوا بالشہداء فاولئک عند اللہ ہم الکاذبون“ کہ جو لوگ چار گواہ نہ لاسکے وہ جھوٹے ہیں۔ بعض علماء نے چار گواہوں کی ضرورت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ اس معاملہ میں چونکہ دو افراد ملوث ہوتے ہیں۔ مرد، اور عورت، تو گویا کہ یہ ایک ہی معاملہ تقدیراً دو معاملوں کے حکم میں ہے، اور ہر ایک معاملہ دو گواہوں کا تقاضا کرتا ہے، لہذا اس کے لئے چار گواہ ضروری ہو گئے۔ آیت کے اخیر میں فرمایا: کہ اگر وہ دونوں توبہ کر لیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے تعرض مت کرو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سزا دینے کے بعد اگر انہوں نے توبہ کر لی تو پھر انہیں ملامت مت کرو، اور مزید سزا مت دو، یہ مطلب نہیں کہ توبہ سے سزا بھی معاف ہو گئی اسلئے کہ یہ توبہ سزا کے بعد مذکور ہے، جیسا کہ ”فاء“ کی تفریح سے ظاہر ہے، ہاں اگر توبہ نہ کی ہو، تو سزا کے بعد بھی ملامت کر سکتے ہیں قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں زنا کے لئے کوئی متعین حد بیان نہیں کی گئی بلکہ صرف اتنا کہا گیا ہے کہ ان کو تکلیف پہنچاؤ اور زنا کار عورتوں کو گھروں میں بند کر دو۔ تکلیف پہنچانے کا بھی کوئی خاص طریقہ نہیں بتلایا گیا، اور حکام کے صوابدید پر اس کو چھوڑ دیا گیا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں ایذا دینے کے معنی یہ ہیں کہ ان کو زبان سے عار دلائی جائے، اور شرمندہ کیا جائے، اور ہاتھ سے بھی جوتے وغیرہ کے ذریعہ ان کی مرمت کی جائے۔ ابن

عباس کا یہ قول بھی بطور تمثیل کے معلوم ہوتا ہے۔ اصل بات وہی ہے کہ یہ معاملہ حکام کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

نزول کے اعتبار سے قرآن کریم کی ان دو آیاتوں کی ترتیب یہ ہے کہ شروع میں تو ان کو ایذا دینے کا حکم نازل ہوا، اور اس کے بعد خاص طور سے عورتوں کے لئے یہ حکم بیان کیا گیا کہ ان کو گھروں میں محبوس رکھا جائے، یہاں تک کہ وہ عورت مر جائے یا اس کی زندگی ہی میں آنے والا حکم آجائے گا تو بطور حد کے اسی کو نافذ کر دیا جائے گا۔

چنانچہ بعد میں وہ سبیل بیان کر دی گئی جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں وعدہ فرمایا تھا، ابن عباسؓ ”سبیل“ کی تفسیر فرماتے ہیں ”یعنی الرجم للثیب والجلد للبکر“ کہ شادی شدہ کے حق میں زنا کی حد اس کو سنگسار کر دینا ہے اور غیر شادی شدہ کے لئے اس کو کوڑے مارنا (بخاری کتاب التفسیر) مرفوع احادیث میں بھی اس ”سبیل“ کا بیان رسول کریم ﷺ سے وضاحت کے ساتھ ثابت ہے، اور شادی شدہ، غیر شادی شدہ ہر ایک کے لئے الگ الگ حکم بیان کیا گیا ہے رسول اللہ ﷺ نے معاذ بن مالکؓ اور قبیلہ ازد کی ایک عورت پر زنا کی حد جاری فرمائی تھی۔ اور یہ دونوں چونکہ شادی شدہ تھے، اس لئے ان کو سنگسار کر دیا گیا تھا، نیز ایک یہودی کو بھی زنا کی وجہ سے رجم کیا گیا تھا، اور اس کے حق میں یہ فیصلہ تورات کے حکم پر کیا گیا تھا۔

غیر شادی شدہ کا حکم خود قرآن کریم کی سورت نور (۲) میں مذکور ہے: الزانية والزانی فاجلدوا کل واحد منهما مائة جلدة“ زنا کار عورت اور زنا کار مرد میں سے ہر ایک کو سو [۱۰۰] کوڑے مارو۔ شروع میں رجم کے حکم کے لئے قرآن کریم کی آیت بھی نازل کی گئی تھی لیکن بعد میں اس کی تلاوت منسوخ کر دی گئی، البتہ حکم باقی رکھا گیا۔ عمرؓ کا ارشاد ہے: ان الله بعث محمدًا بالحق وانزل عليه الكتاب فكان مما انزل الله تعالى اية الرجم، رجم رسول الله ﷺ ورجمنا بعده، و الرجم في كتاب الله حق على من زنى اذا احسن من الرجال والنساء الحديث [بخاری رقم: ۶۸۳۰ و مسلم: رقم: ۱۶۹۱] یعنی اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو نبی برحق بنا کر بھیجا، اور ان پر کتاب بھی نازل کر دی، جو کچھ وحی اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی، اس میں رجم کی آیت بھی تھی، رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا، اور ہم نے بھی ان کے بعد رجم کیا، رجم کا حکم اس شخص کے لئے ثابت ہے، جو زنا کرے، اور وہ شادی شدہ ہو خواہ مرد ہو یا عورت۔

خلاصہ یہ کہ، ان آیات میں جو جس فی البیوت اور ایذا کا حکم ہے، وہ شرعی حد نازل ہونے پر منسوخ ہو گیا، اور اب حد زنا سو [۱۰۰] کوڑے یا رجم پر عمل کرنا لازم ہوگا، مزید تفصیل انشاء اللہ سورہ نور کی تفسیر میں بیان ہوگی۔

قاضی ثناء اللہ پانی پٹی تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں: کہ میرے نزدیک ”الذان یأثیانہا“ کا مصداق وہ لوگ ہیں، جو غیر فطری طریقہ پر قضاء شہوت کرتے ہیں، یعنی مرد استلذ اذبالمثل کے مرتکب ہوتے ہیں، قاضی صاحب کے علاوہ دیگر علماء نے بھی اسی قول کو لیا ہے، الفاظ قرآن میں چونکہ لفظ ”الذان یأثیانہا“ موصول اور صلہ دونوں مذکر کے الفاظ ہیں، اس لئے ان علماء کا یہ قول بعید نہیں ہے، گو جن علماء نے زانی اور زانیہ مراد لیا ہے انہوں نے بطور تغلیب مذکر کا یہ صیغہ زانیہ کے لئے بھی شامل رکھا ہے، تاہم موقع کی مناسبت سے استلذ اذبالمثل کی حرمت و شدت اور اس کی جزاء و تعزیر کا ذکر اس جگہ بے جا نہ ہوگا، احادیث و آثار سے اس سلسلہ میں جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس میں سے بطور نمونہ کچھ نقل کیا جاتا ہے:

عن ابی ہریرۃؓ ان رسول اللہ ﷺ قال لعن اللہ السبعة من خلقه من فوق سبع سمواته ورددک اللعنة علی واحد منهم ثلاثا، ولعن کل واحد منهم لعنة تکفیه، قال ملعون من عمل عمل قوم لوط، ملعون من عمل عمل قوم لوط، ملعون من عمل عمل قوم لوط، [التغییب و الترهیب: ۳ / ۲۴۸، مجمع الزوائد: ۶ / ۲۷۲] ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے سات قسم کے لوگوں پر سات آسمانوں کے اوپر سے لعنت بھیجی ہے، اور ان سات میں سے صرف ایک پر تین دفعہ لعنت بھیجی ہے، اور باقی پر ایک دفعہ، فرمایا ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے، ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے، ملعون ہے وہ شخص جو قوم لوط والا عمل کرتا ہے۔

وعن ابی ہریرۃؓ عن النبی ﷺ قال: اربعة یصبحون فی غضب اللہ ویمسون فی سخط اللہ قلت من ہم یا رسول اللہ؟ قال المتشبهون من الرجال بالنساء و المتشبهات من النساء بالرجال و الذی یأتی البہیمۃ و الذی یأتی الرجال [تغییب و الترهیب: ۳ / ۲۴۹ و شعب الایمان: رقم: ۵۳۸۵۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چار آدمی صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے غضب میں ہوتے ہیں، اور شام کو بھی اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوتے ہیں، میں نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا: وہ مرد جو عورتوں کی طرح بنتے ہیں، اور وہ عورتیں جو مردوں کی طرح بنتی ہیں، اور وہ شخص جو چوپایہ کے ساتھ غیر فطری حرکت کرتا ہے، اور وہ مرد جو مرد سے قضاء شہوت کرتا ہے۔

وعن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ من وجدتموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتلوا الفاعل و المفعول بہ. [ابوداؤد، رقم: ۴۴۶۲، و ترمذی، رقم: ۱۴۵۶، و تغییب: ۳ / ۲۵۰]. ابن عباسؓ سے روایت

ہے فرمایا: کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جسکو تم قوم لوط کی طرح غیر فطری حرکت کرتا ہو ادیکھ لو، تو فاعل اور مفعول دونوں کو مار ڈالو۔

حافظ زکی الدین نے الترغیب والترہیب میں لکھا ہے کہ چار خلفاء عبداللہ بن زبیر اور ہشام بن عبدالملک نے اپنے زمانوں میں غیر فطری حرکت والوں کو آگ میں جلا ڈالا تھا۔

اس سلسلہ میں انہوں نے محمد بن المنکدر کی روایت سے ایک واقعہ بھی لکھا ہے، کہ خالد بن ولید نے ابوبکرؓ کو خط لکھا کہ یہاں عرب کے ایک علاقہ میں ایک مرد ہے جس کے ساتھ عورت والا کام کیا جاتا ہے، ابوبکرؓ نے اس سلسلہ میں صحابہ کرام کو جمع کیا، اور ان میں علیؓ بھی تشریف لائے، علیؓ نے فرمایا: کہ یہ ایک ایسا گناہ ہے جس کا ارتکاب سوائے ایک قوم کے کسی نے نہیں کیا، اور اللہ جل شانہ نے اس قوم کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ آپ سب کو معلوم ہے، میری رائے ہے کہ اسے آگ میں جلا دیا جائے، دوسرے صحابہ کرام نے اس پر اتفاق کر لیا، اور ابوبکرؓ نے اسے آگ میں جلا دینے کا حکم دیدیا۔

مذکورہ روایات میں قوم لوط کے عمل کا حوالہ بار بار آیا ہے، لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے وہ قوم کفر و شرک کے علاوہ اس بدترین اور غیر فطری حرکت کی بھی عادی تھی، اور جب لوط علیہ السلام کی دعوت و تبلیغ کا ان پر اثر نہ ہوا، تو اللہ جل شانہ کے حکم سے فرشتوں نے اس قوم کی بستیوں کو زمین سے اٹھالیا اور اوندھا کر کے زمین پر پھینک دیا، جس کا ذکر سورہ اعراف میں آئے گا۔ انشاء اللہ۔

مندرجہ بالا روایات استدلالاً ذیالجنس سے متعلق تھیں، روایات میں عورتوں کے ساتھ غیر فطری فعل کرنے پر بھی شدید ترین وعید آئی ہیں۔

عن ابن عباسؓ قال: إن رسول الله ﷺ قال لا ينظر الله عز وجل الى رجل اتى رجلا وامرأة في دبرها [ترمذی: رقم: ۱۱۶۵، نسائی: باب عشرة النساء الخ: ص ۱۱۵، و الترغیب و الترہیب: ۳/ ۲۵۲] ابن عباسؓ سے روایت ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ جل شانہ اس مرد کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، جو مرد عورت کیساتھ غیر فطری فعل کرے۔

عن خزيمه بن ثابت قال قال رسول الله ﷺ ان الله لا يستحي من الحق، ثلاث مرات، لاتأتوا النساء في ادبارهن [ابن ماجه: رقم: ۱۹۲۴، نسائی: باب عشرة النساء ص: ۱۰۳، ۱۰۶] . خزيمه بن ثابتؓ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ جل شانہ، حق بیان کرنے میں شرم نہیں کرتے، یہ الفاظ =

يَعْمَلُونَ الشُّوْءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٤٧٨﴾ ۱۷۸ لَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ أُوْرُوهُ سَبْ كَچھ جانتا (اور) حڪمٲ والا ہے۔ اور ایسے لوگوں كی توبہ قبول نہیں ہوتی جو (ساری عمر) بُرے كام كرتے رہے ہیں

السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ

یہاں تک کہ جب اُن میں سے کسی كی موت آ موجود ہو تو اُس وقت کہنے لگے کہ اب میں توبہ كرتا ہوں اور نہ اُن كی

= آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائے، پھر فرمایا: عورتوں کے پاس غیر فطری طریقہ سے مت آیا کرو۔

وعن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال: ملعون من اتى امرأة فى دبرها [ابوداؤد رقم :

۲۱۶۲، احمد ۴۴۴/۲، الترغیب و الترهیب: ۳/۳۵۴] ابو ہریرہ سے روایت ہے: کہ رسول اللہ ﷺ كا ارشاد ہے، وہ شخص ملعون ہے، جو غیر فطری طریقہ سے بیوی کے ساتھ جماع كرتا ہے۔

وعنه ان رسول اللہ ﷺ قال من اتى حائضا و امرأة فى دبرها و كا هنا فصدقه فقد كفر بما انزل

علی محمد ﷺ [ابوداؤد: رقم: ۳۹۰۴، و ترمذی: رقم: ۱۳۵، الترغیب و الترهیب: ۳/۲۵۴] ابو ہریرہ سے روایت ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص حیض كی حالت میں بیوی کے ساتھ جماع كرتا ہے، یا غیر فطری طریقہ سے اس کے ساتھ جماع كرتا ہے، یا کسی كا ہن کے پاس جاتا ہے، اور غیب سے متعلق اس كی خبر كی تصدیق كرتا ہے، تو ایسے لوگ اس دین سے منكر ہو گئی جو محمد ﷺ پر نازل ہوا۔

اس قبیح فعل کے لئے کسی معین حد کے مقرر كرنے میں تو فقہاء كا اختلاف ہے، جس كی تفصیل كتب فقہ میں

موجود ہے، تاہم اس کے لئے شدید سے شدید سزائیں منقول ہیں، مثلاً آگ میں جلا دینا، دیوار گرا کر پکیل دینا، اونچی جگہ سے گرا کر سنگسار كردینا، تلوار سے قتل كردینا وغیرہ۔

وَالَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

جو کفر کی حالت میں مرے۔ ایسے لوگوں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ

مومنو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن جاؤ اور (دیکھنا) اس نیت سے کہ جو کچھ تم نے ان کو دیا ہے اس میں

لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ وَعَاشِرُوهُنَّ

سے کچھ لے لو انہیں (گھروں میں) مت روک رکھنا۔ ہاں اگر وہ کھلے طور پر بدکاری کی مرتکب ہوں (تو روکنا مناسب نہیں)

بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ

اور ان کیساتھ اچھی طرح سے رہو سہو۔ اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو یقین کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ اس میں بہت سی

خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ

بھلائی پیدا کر دے۔ اور اگر تم ایک عورت کو چھوڑ کر دوسری عورت کرنی چاہو

إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِنَّمَا مُبِينًا ﴿٢٠﴾

اور پہلی عورت کو بہت سا مال دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ مت لینا۔ [۶]

[۶] ایک دفعہ عمر فاروقؓ نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرمایا: لوگو! تم نے نکاح کے لئے کیوں زیادہ مہر باندھنے شروع

کر دیئے ہیں؟ رسول ﷺ اور آپ کے اصحاب نے تو تقریباً چار سو درہم مہر باندھا ہے، اگر یہ زیادتی تقویٰ اور کرامت کے

لحاظ سے بہتر ہوتی تو تم اس کی طرف سبقت نہ لیجاتے (یعنی نبی ﷺ خود یہ کام کرتے) خبردار، آج سے میں، یہ نہ سنوں کہ

کسی نے چار سو درہم سے زیادہ کا مہر مقرر کیا ہے، یہ فرما کر آپؐ نیچے اتر آئے، تو ایک قریشی عورت سامنے آئی اور کہنے لگی

امیر المؤمنین! کیا آپ نے چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے لوگوں کو منع فرمادیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس نے کہا،

کیا آپ نے اللہ کا کلام جو اس نے نازل فرمایا ہے نہیں سنا، عمرؓ نے کہا وہ کیا؟ تو اس عورت نے کہا، سنیجے: اللہ تبارک =

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمُ إِلَىٰ بَعْضٍ

بھلا تم ناجائز طور پر بوجہ غلطی سے اپنا مال اُس سے واپس لوگے؟ اور تم دیا ہو مال کیونکہ واپس لے سکتے ہو جب کہ تم ایک دوسرے کیساتھ صحبت کر چکے ہو اور وہ تم سے عہد

وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾ لَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ

واثق بھی لے چکی ہیں۔ اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو اُن سے نکاح مت کرنا

مِّنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾

مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) یہ نہایت بے حیائی اور ناخوشی کی بات تھی اور بہت بُرا دستور تھا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعَمَّاتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ

تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں

وَبَنَاتُ الْأَخِ وَبَنَاتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ

اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو

وَأَخَوَاتُكُم مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ وَرَبَّائِبُكُمُ الَّتِي فِي

اور رضاعی بہنیں اور سائیں حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو اُن کی لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے ہو

حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَائِكُمُ الَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ

(وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں اگر اُن کیساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو (اُن کی لڑکیوں کیساتھ نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں

=والغالی فرماتا ہے: اور اسی آیت کو تلاوت فرمائی۔ عمرؓ نے فرمایا: یا اللہ مجھے معاف فرما، عمرؓ سے تو ہر شخص زیادہ

سمجھدار ہے، پھر آپ واپس چلے گئے، اور اسی وقت منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا: اے لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم

سے زیادہ کے مہر سے روک دیا تھا، لیکن اب کہتا ہوں جو شخص اپنے مال میں سے مہر میں جتنا چاہے دے۔ اپنی خوشی سے

جتنا مہر مقرر کرنا چاہے، کرے، میں نہیں روکتا۔ (سنن کبریٰ للبیہقی: ۲/۲۳۳، والہروی: ۲/۲۳۷)۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ. وَحَلَالٌ لِّلْأُنثَىٰ مِمَّا رَزَقْنَاهَا وَأَنَّ تَجْمَعُوا

اور تمہارے صلی بیٹوں کی عورتیں بھی اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے)

بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾

مگر جو ہو چکا (بیشک اللہ بخشنے والا (اور) رحم والا ہے۔

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

اور شوہر والی عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) مگر وہ جو (اسیر ہو کر لونڈیوں کے طور پر) تمہارے قبضے میں آجائیں

كِتَابَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَأَحِلَّ لَكُمْ مَّا رَزَاكُمْ أَن تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ

(یہ حکم) اللہ نے تمہیں لکھ دیا ہے اور ان کے سوا اور عورتیں تم کو حلال ہیں۔ اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے

مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ

ان سے نکاح کر لو بشرطیکہ مقصود عفت قائم رکھنا ہو نہ شہوت رانی۔ تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو

فَاتُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ فَرِيضَةً. وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ

ان کا مہر جو مقرر کیا ہو ادا کرو اور اگر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کر لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں

مِن بَعْدِ الْفَرِيضَةِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ

بیشک اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں سے

مِنْكُمْ طَوْلًا أَن يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ

نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھے تو مومن لونڈیوں میں ہی جو تمہارے قبضے میں آگئی ہوں

مِّن فِتْيَانِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ

(نکاح کر لے) اور اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔

فَانُكِحُوهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ اُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ

تو ان لونڈیوں کیساتھ ان کے مالکوں کی اجازت حاصل کر کے نکاح کر لو اور دستور کے مطابق ان کا مہر بھی ادا کر دو

مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ اِخْدَانٍ ۚ فَاِذَا اُحْصِنَ

بشرطیکہ عقیقہ ہوں۔ نہ ایسی کہ کھلم کھلا بدکاری کریں اور نہ درپردہ دوستی کرنا چاہیں۔ پھر اگر نکاح میں آ کر

فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ

بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں تو جو سزا آزاد عورتوں کیلئے ہے اُس کی آدھی ان کو (دی جائے)۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ

یہ اجازت اس شخص کو ہے جسے گناہ کر بیٹھنے کا اندیشہ ہو۔ اور اگر صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۴۱﴾ يَرْيُدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنْنَ الدّٰيِنِ

اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول کھول کر بیان فرمائے اور تمہیں اگلے لوگوں

مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۲﴾ وَاللّٰهُ يَرْيُدُ اَنْ يَّتُوبَ

کے طریقے بتائے اور تم پر مہربانی کرے اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ اور اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے

عَلَيْكُمْ وَيَرْيُدُ الدّٰيِنِ يَتَّبِعُوْنَ الشّهَوَاتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مِيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۴۳﴾

اور جو لوگ اپنی خواہشات کے پیچھے چلتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے رستے سے بھٹک کر دُور جا پڑو۔

يَرْيُدُ اللّٰهُ اَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ وَاَخْلَقَ الْاِنْسَانَ ضَعِيْفًا ﴿۲۴۴﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

يَآٰئِهَآ الدّٰيِنِ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالِكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ

مومنو! ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔

إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَن تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ

ہاں اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو (اور اس سے مالی فائدہ ہو جائے تو وہ جائز ہے) اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو

إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿۲۴﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ

کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔ اور جو تعدی و ظلم سے ایسا کرے گا

نُصَلِّيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۲۵﴾

ہم اس کو عنقریب جہنم میں داخل کریں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے

إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ

اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے اجتناب کرو گے تو ہم تمہارے (چھوٹے چھوٹے) گناہ معاف

عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ﴿۲۶﴾ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ

کر دیں گے اور تمہیں عزت کے مکانوں میں داخل کریں گے۔ [۷] اور جس چیز میں

[۷] ایت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ گناہوں کی دو قسمیں ہیں، کچھ کبیرہ، یعنی بڑے گناہ، اور کچھ صغیرہ، یعنی چھوٹے گناہ،

اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر کوئی شخص ہمت کر کے کبیرہ گناہوں سے بچ جائے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان کے صغیرہ گناہوں

کو وہ خود معاف فرمادیں گے۔ کبیرہ گناہوں سے بچنے میں یہ بھی داخل ہے کہ تمام فرائض و واجبات کو ادا کرے، کیونکہ فرض

و واجبات کا ترک کرنا خود ایک کبیرہ گناہ ہے، تو حاصل یہ ہوا کہ جو شخص اس کا اہتمام پورا کرے کہ تمام فرائض و واجبات

ادا کرے، اور تمام کبیرہ گناہوں سے اپنے آپ کو بچالے، تو حق تعالیٰ اس کے صغیرہ گناہوں کا کفارہ کر دیں گے۔ اعمال

صالہ صغائر کا کفارہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اعمال صالہ کو صغیرہ گناہوں کا کفارہ بنا کر اس کا حساب بیباق کر دیں

گے، اور بجائے عذاب کے ثواب اور بجائے جہنم کے جنت نصیب ہوگی۔ جیسے احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ جب کوئی شخص

نماز کے لئے وضوء کرتا ہے تو ہر عضو کے دھونے کے ساتھ ساتھ گناہوں کا کفارہ ہو گیا چہرہ دھویا تو آنکھ، کان، ناک وغیرہ

کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا، کلی کر لی تو زبان کے گناہوں کا کفارہ ہو گیا، پاؤں دھوئے تو پاؤں کے گناہ دھل گئے، پھر جب وہ

مسجد کی طرف چلتا ہے تو ہر قدم پر گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ ایت سے معلوم ہوا کہ وضوء نماز وغیرہ اعمال صالحہ کے ذریعہ گناہوں کا کفارہ ہونا جو روایات حدیث میں مذکور ہے اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، اور کبیرہ گناہ تو بہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے، اور صغیرہ کے یہ شرط ہے کہ آدمی ہمت اور کوشش کر کے کبیرہ گناہوں سے بچ گیا ہو معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کبیرہ گناہوں میں مبتلا رہتے ہوئے وضوء اور نماز ادا کرتا رہے تو محض وضوء نماز یا دوسرے اعمال صالحہ سے اس کے صغیرہ گناہوں کا بھی کفارہ نہیں ہوگا، اور کبیرہ تو اپنی جگہ ہیں، اس لئے کبیرہ گناہوں کا ایک بہت بڑا ضرر خود ان گناہوں کا وجود ہے جس پر قرآن وحدیث کی شدید وعیدیں آئی ہیں اور وہ بغیر سچی توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اس کے علاوہ دوسری محرومی یہ بھی ہے کہ ان کی وجہ سے چھوٹے گناہ بھی معاف نہیں ہونگے اور یہ شخص محشر میں کبار و صغار کے بوجھ میں لدا حاضر ہوگا اور کوئی اس وقت اس کا بوجھ ہلکا نہ کر سکے گا۔

آیت میں کبار کا لفظ آیا ہے اس لئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ گناہ کبیرہ کسے کہتے ہیں اور وہ کل کتنے ہیں؟ اور صغیرہ گناہ کی کیا تعریف ہے اور اس کی تعداد کیا ہے؟

علماء امت نے اس مسئلہ پر مختلف انداز میں مستقل مستقل کتابیں لکھی ہیں: کبیرہ گناہ اور صغیرہ کی تقسیم اور ان کی تعریفات سے پہلے یہ خوب سمجھ لیجئے کہ مطلق گناہ نام ہے ہر ایسے کام کا جو اللہ تعالیٰ کے حکم و مرضی کے خلاف ہو، اسی سے آپ کو یہ اندازہ بھی ہو جائے گا کہ اصطلاح میں جس گناہ کو صغیرہ یعنی چھوٹا کہا جاتا ہے درحقیقت وہ بھی چھوٹا نہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مرضی کی مخالفت ہر حالت میں نہایت سخت و شدید جرم ہے۔ اسی حیثیت سے امام الحرمین اور بہت سے علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی اور اس کی مرضی کی مخالفت کبیرہ ہی ہے، کبیرہ اور صغیرہ کا فرق صرف گناہوں کے باہمی مقابلہ اور موازنہ کی وجہ سے کہا جاتا ہے، اسی معنی میں عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ ”کل ما نہی عنہ فهو کبیرہ“ (مصنف عبدالرزاق رقم: ۱۹۷۰۲، معجم کبیر للطبرانی: ۱۲۷۰۹، ۱۲۷۱۱) یعنی جس کام سے شریعت اسلام میں منع کیا گیا ہے وہ سب کبیرہ ہیں۔ گناہ کبیرہ کی تعریف قرآن وحدیث اور اقوال سلف کی تشریحات کے ماتحت یہ ہے کہ جس گناہ پر قرآن میں کوئی شرعی حد یعنی سزا دنیا میں مقرر کی گئی ہے یا جس پر لعنت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، یا جس پر جہنم وغیرہ کی وعید آئی ہے، وہ سب گناہ کبیرہ ہیں (ابن کثیر)، اسی طرح ہر وہ گناہ بھی کبیرہ میں داخل ہوگا جس کے مفاسد اور نتائج بد کسی کبیرہ گناہ کی برابر یا اس سے زائد ہوں، اسی طرح جو گناہ صغیرہ جرأت و بیباکی کے ساتھ کیا جائے یا جس پر دامت کی جائے تو وہ بھی کبیرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔ ابن عباسؓ کے سامنے کسی نے کبیرہ گناہوں کی تعداد سات بتلائی، تو آپ نے فرمایا: سات سو کہا جائے تو زیادہ مناسب ہیں (ابن کثیر)۔ =

اللَّهُ بِهِ بَعْضُكُمْ عَلَى بَعْضٍ لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبُوا

اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اُس کی ہوس مت کرو۔ مردوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے

وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا كَتَبْنَ وَاسْئَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

اور عورتوں کو اُن کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کئے اور اللہ سے۔ اُس کا فضل (و کرم) مانگتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ

بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿٢٢٢﴾ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ

تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے۔ اور جو مال ماں باپ اور رشتہ دار چھوڑیں تو (حقداروں میں تقسیم کر دو کہ) ہم نے ہر ایک

وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى

کے حقدار مقرر کر دیئے ہیں اور جن لوگوں سے تم عہد کر چکے ہو اُن کو بھی اُن کا حصہ دو بیشک اللہ تعالیٰ

كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٢٢٣﴾ الرَّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ

ہر چیز پر حاضر ہے۔ مرد عورتوں پر حاکم و مسلط ہیں اس لئے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے

= ابن حجر مکی نے اپنی کتاب الزواجر میں ان تمام گناہوں کی فہرست اور ہر ایک کی مکمل تشریح بیان فرمائی

ہے، جو مذکورہ الصدقہ تعریف کی رو سے کبائر میں داخل ہیں، ان کی اس کتاب میں کبائر کی تعداد چار سو ستاسٹ (۴۶۷) تک

پہنچی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ بعض نے بڑے بڑے ابواب معصیت کو شمار کرنے پر اکتفاء کیا ہے، تو تعداد کم لکھی ہے، بعض

نے ان کی تفصیلات اور انواع و اقسام کو پورا لکھا تو تعداد زیادہ ہو گئی (مثلاً امام ذہبی) اس لئے یہ کوئی تعارض و اختلاف نہیں

ہے، رسول کریم ﷺ نے مختلف مقامات میں بہت سے گناہوں کا کبیرہ ہونا بیان فرمایا، اور حالات کی مناسبت سے کہیں

تین، کہیں چھ، کہیں سات، کہیں ان سے بھی زیادہ بیان فرمائے ہیں، اسی سے علماء امت نے یہ سمجھا کہ کسی عدد میں

اخصار کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ مواقع اور حالات کے مناسب جتنا سمجھا گیا اتنا بیان کر دیا گیا۔

بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا انْفَقُوا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالْصَّالِحَاتُ قُنْتِ

اور اس لئے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں، تو جو نیک بیویاں ہیں وہ مردوں کے حکم پر چلتی ہیں

حَفِظَتْ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ

اور ان کے پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت میں (مال و آبرو کی) خبر داری کرتی ہیں اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی

فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ

کرنے لگی ہیں تو (پہلے) ان کو (زبانی) سبھاؤ (اگر نہ سمجھیں تو) پھر ان کیساتھ سونا ترک کر دو۔ اگر اس پر بھی باز نہ آئیں

وَاضْرِبُوهُنَّ فَاِنْ اَطَعَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

تو زد و کوب کرو اور اگر فرمانبردار ہو جائیں تو پھر ان کو ایذا دینے کا کوئی بہانہ مت ڈھونڈو بیشک اللہ تعالیٰ سب سے اعلیٰ (اور)

كَبِيْرًا ﴿۸﴾ اِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اٰهْلِهٖ

جلیل القدر ہے [۸] اور اگر تمہیں معلوم ہو کہ میاں بیوی میں ان بن ہے تو ایک منصف مرد کے خاندان میں سے اور ایک

[۸] ”قوام“ کی لغوی تشریح، قوام مفرد ہے اس کی جمع ”قوامون“ ہے جس کا معنی (۱) المتکفل بالامر یعنی کام

کی ذمہ داری لینے والے کو کہتے ہیں (۲) القوی علی القیام بالامر یعنی کام قائم کرنے پر قوت رکھتا ہے، یہ باب نصر

ینصر سے قام یقوم قوماً و قومتہ و قیاماً و قامہ بالامر ہے یعنی تو لاہ اس کام کا والی بنا اور سربراہ ہوا، و علی الامر یعنی

راقبہ و دام و ثبت یعنی نگرانی اور ہمیشہ ثابت رہا (منجد) قوام اسم مبالغہ ہے جو صفت کی آخری ڈگری ہے اس کے بعد

صفت کا کوئی درجہ نہیں ہوتا اور لغوی معنی سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مرد سربراہ اور ہمیشہ کا نگران ہے۔ قوام کا اردو ترجمہ معتبر

اور ثقہ علمائے کرام کی جماعت سے ملاحظہ فرمائیں،

(۱) شاہ رفیع الدین صاحب فرماتے ہیں کہ ”مرد قائم رہنے والے یعنی حاکم ہیں اور عورتوں کے سبب اس کے کہ

بزرگی دی اللہ تعالیٰ نے بعض ان کے، کو اوپر بعض کے، اور بسبب اس کے کہ خرچ کرتے ہیں مالوں اپنے سے“۔ =

وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِن يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا

منصف عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ وہ اگر صلح کرا دینی چاہیں گے تو اللہ ان میں موافقت پیدا کر دے گا۔

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿١٠١﴾ وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا

یقیناً اللہ پورے علم والا پوری خبر والا ہے، اور اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کیساتھ کسی چیز کو شریک نہ بناؤ۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي

اور ماں باپ اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور رشتہ دار ہمسایوں۔

الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ

اور اجنبی ہمسایوں اور رفقائے پہلو (یعنی پاس بیٹھنے والوں) اور مسافروں اور جو لوگ تمہارے قبضے میں ہوں سب کیساتھ

= (۲) شاہ عبدالقادرؒ لکھتے ہیں ”مرد قائم رہنے والے ہیں یعنی حاکم ہیں اوپر عورتوں کے، بسبب اس کے کہ بزرگی دی

اللہ تعالیٰ نے بعض ان کے، کو اوپر بعض کے، اور بسبب اس کے کہ خرچ کرتے ہیں مالوں اپنے سے۔

(۳) ابن جریر طبریؒ لکھتے ہیں ”امراء علیہا غالباً علیہن“ یعنی مرد عورتوں پر صاحب امر ہیں۔

(۴) ابن کثیرؒ لکھتے ہیں ”الحاکم علیہا“ یعنی مرد عورت پر حاکم ہے اور سردار ہے جو اسے درست اور ٹھیک ٹھاک

رکھنے والا ہے، اس لئے مرد عورتوں سے افضل ہے وجہ اول یہ ہے کہ نبوت مردوں میں رہی اور اسی طرح شرعی طور پر خلیفہ بھی

مرد ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد بخاری شریف کی حدیث نقل کرتے ہیں ”وہ لوگ کبھی نجات نہیں پاسکتے جو اپنا والی کسی عورت

کو بنائیں۔ وجہ دوم یہ ہے کہ مرد اپنا مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں جو کتاب و سنت سے ان کے ذمہ ہیں۔ وجہ سوم یہ ہے کہ

مرد کو عورت پر نفی نفسہ و باعتبار نفع کے اور حاجت براری کے درجہ ہے کما قال اللہ تعالیٰ، وللرجال علیہن درجۃ۔

(۵) ابن عباسؒ فرماتے ہیں کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑے گی۔

(۶) امام ماوردیؒ اپنی مشہور تصنیف الاحکام السلطانیہ، میں لکھتے ہیں کہ ”اسلامی ریاست کی امارت بھی عورت کے سپرد

نہیں کی جاسکتی۔

﴿۳۳۴﴾ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُورًا ﴿۳۳۴﴾

احسان کرو کہ اللہ تعالیٰ (احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور) تکبر کرنے والے بڑائی مارنے والے کو دوست نہیں رکھتا

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا آتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ

جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو (مال) اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھیں

فَضْلِهِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۳۳۵﴾ ﴿۳۳۵﴾ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ

اور ہم نے ناشکروں کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور خرچ بھی کریں تو (اللہ کیلئے نہیں بلکہ)

رِئَاءَ النَّاسِ وَاللّٰهُ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطٰنُ

لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان نہ اللہ پر لائیں نہ روزِ آخرت پر (ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے) اور جس کا ساتھی شیطان

لَهُ قَرِيْنًا فَسَاءَ قَرِيْنًا ﴿۳۳۶﴾ ﴿۳۳۶﴾ اِذَا عَلِيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

ہوا تو (کچھ شک نہیں کہ) وہ بُرا ساتھی ہے۔ اور اگر یہ لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے

﴿۳۳۷﴾ وَاَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۳۷﴾

اور جو کچھ اللہ نے اُن کو دیا تھا اُس میں سے خرچ کرتے تو اُن کا کیا نقصان ہوتا اور اللہ اُن کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضَاعِفْهَا

اللہ کسی کی ذرا بھی حق تلفی نہیں کرتا۔ اور اگر نیکی (کی) ہوگی تو اُس کو دوچند کر دے گا۔

وَيُوْتِ مِنْ لَدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۳۳۸﴾ ﴿۳۳۸﴾ كَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيدٍ

اور اپنے ہاں سے اجرِ عظیم بخشے گا۔ بھلا اُس دن کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے احوال بتانے والے کو بلائیں گے

وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿۲۱﴾

اور تمہیں اُن لوگوں کا گواہ طلب کریں گے۔ (۹)

يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُوا

اُس روز کافر اور پیغمبر کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش

الرَّسُولَ لَوْ تَسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهُ حَدِيثًا ﴿۲۲﴾

اُن کو زمین میں مدفون کر کے مٹی برابر کر دی جاتی اور اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔

(۹) ابن جریر وابن کثیر وغیرہ نے اس آیت کی تفسیر میں عبد اللہ ابن مسعود کی یہ روایت نقل کی ہے، کہ: عن عبد اللہ

بن مسعود، فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا، قال رسول

اللَّهِ ﷺ شهيدا عليهم مادمت فيهم، فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم، وانت على كل

شيء شهيد. دوسری سند سے نقل کیا ہے کہ: ان النبي ﷺ قال لابن مسعود، اقرأ عليّ، قال، اقرأ عليك

وعليك انزل؟ قال اني احب ان اسمعه من غيري، قال فقرا ابن مسعود، النساء: حتى بلغ هذه

الاية: قال استعبر النبي ﷺ، وكف ابن مسعود. (بخاری: ۴۵۸۲، مسلم: ۲۴۷، ترمذی: ۳۰۲۵، احمد: ۳۸۰۱)۔

اس کے بعد ابن جریر نے یہ الفاظ نقل کیے ہیں، ان النبي ﷺ قال: شهيدا عليهم مادمت فيهم

فلما (فاذا) توفيتني كنت انت الرقيب عليهم وانت على كل شيء شهيد. یعنی بخاری وغیرہ نے یہ روایت نقل

کیا ہے کہ ابن مسعود سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے کچھ قرآن پڑھ کر سناؤ، ابن مسعود نے کہا: یا رسول اللہ! میں

آپ کو پڑھ کر کیا سناؤں گا؟ آپ پرتو قرآن اتر رہے، فرمایا: ہاں لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں، پس میں نے

سورۃ نساء کی تلاوت شروع کی، پڑھتے پڑھتے جب میں نے یہ آیت تلاوت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا بس کرو، میں نے

دیکھا کہ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اور پھر آپ نے فرمایا: کہ جب تک میں زندہ تھا تو اسی حالت کی

گواہی دوں گا، پھر سورۃ مائدہ: والی: ۱۱، آیت تلاوت کی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا

مومنو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو جب تک (ان الفاظ کو) جو منہ سے کہو سمجھنے (نہ) لگو نماز کے پاس نہ جاؤ

تَقُولُونَ وَلَا جُنْبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ

اور جنابت کی حالت میں بھی جب تک کہ غسل (نہ) کر لو۔ اور اگر تم بیمار ہوں

أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ

یا بحالت سفر راستے میں چلے جا رہے ہو (اور پانی نہ ملنے کے سبب غسل نہ کر سکو تو تیمم کر کے نماز پڑھ لو) اور اگر تم میں سے

تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ

کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہمہستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی لو اور منہ اور ہاتھوں کا مسح

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا غَفُورًا ﴿٢٢٢﴾ تَرَىٰ الَّذِينَ أَلْفَتْهُمُ

(کر کے تیمم) کر لو بیشک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے

الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَالََةَ وَيُرِيدُونَ أَنْ تَضِلُّوا السَّبِيلَ ﴿٢٢٣﴾

حصہ دیا گیا تھا کہ وہ گمراہی کو خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی رستے سے بھٹک جاؤ۔

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَائِكُمْ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ نَصِيرًا ﴿٢٢٤﴾

اور اللہ تمہارے دشمنوں سے خوب واقف ہے۔ اور اللہ ہی کافی کارساز اور کافی مددگار ہے۔

مِنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ وَيَقُولُونَ سَمِعْنَا

اور یہ جو یہودی ہیں ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا

وَعَصَيْنَا وَاسْمَعُ غَيْرِ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لِيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ

اور نہیں مانا اور سننے اور نہ سنوائے جاؤ اور زبان کو مروڑ کر اور دین میں طعن کی راہ سے (تم سے گفتگو کے وقت)

وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَسْمَعُ وَانظُرْنَا

راعنا کہتے ہیں اور اگر (یوں) کہتے کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا اور (صرف) اسمع اور (راعنا کی جگہ) انظرننا (کہتے)

لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَقْوَمَ . وَلَكِنْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ

تو اُن کے حق میں بہتر ہوتا اور بات بھی بہت درست ہوتی لیکن اللہ نے اُن کے کفر کے سبب اُن پر لعنت کر رکھی ہے

فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٢٤﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے - اے کتاب والو!

آمَنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّن قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا

قبل اس کے کہ ہم لوگوں کے مونہوں کو بگاڑ کر اُن کو پیٹھ کی طرف پھیر دیں

عَلَىٰ أَدْبَارِهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ

یا اُن پر اس طرح لعنت کریں جس طرح ہفتے والوں پر کی تھی ہماری نازل کی ہوئی کتاب پر جو تمہاری کتاب کی بھی تصدیق

وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿٢٥﴾ لَئِن لَّا يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ لَآتِيَنَّ الشُّرَكَاءُ بِكُمْ

کرتی ہے ایمان لے آؤ اور اللہ نے جو حکم فرمایا سو (سمجھ لو کہ) ہو چکا - اللہ تعالیٰ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے

وَيَغْفِرَ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا

اور اس کے سوا اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس نے اللہ کا شریک مقرر کیا اُس نے

عَظِيمًا ﴿٢٦﴾ لَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنفُسَهُمْ

بڑا بہتان باندھا - کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں (نہیں)

بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿٢٧﴾

بلکہ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پاکیزہ کرتا ہے اور اُن پر دھاگے برابر بھی ظلم نہیں ہو گا -

۱۰۰ ﴿۱۰۰﴾ انْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَكَفَى بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿۱۰۰﴾

دیکھو یہ اللہ پر کیسا جھوٹ باندھتے ہیں اور یہی گناہ صریح کافی ہے ۔

۱۰۱ ﴿۱۰۱﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ

بھلا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب سے حصہ دیا گیا ہے کہ بتوں

۱۰۲ ﴿۱۰۲﴾ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا

اور شیطان کو مانتے ہیں اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ مومنوں کی نسبت سیدھے

۱۰۳ ﴿۱۰۳﴾ سَبِيلًا ﴿۱۰۳﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ

رستے پر ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے تو تم اُس کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے

۱۰۴ ﴿۱۰۴﴾ نَصِيرًا ﴿۱۰۴﴾ لَّهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذَا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ

کیا اُن کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے کہ لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیں گے ۔

۱۰۵ ﴿۱۰۵﴾ نَقِيرًا ﴿۱۰۵﴾ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

یا جو اللہ نے اُن لوگوں کو اپنے فضل سے دے رکھا ہے اُس کا حسد کرتے ہیں،

۱۰۶ ﴿۱۰۶﴾ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا ﴿۱۰۶﴾

تو ہم نے خاندانِ ابراہیم کو کتاب اور دانائی عطا فرمائی تھی اور سلطنتِ عظیم بھی بخشی تھی

۱۰۷ ﴿۱۰۷﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿۱۰۷﴾

پھر لوگوں میں سے کسی نے تو اُس کتاب کو مانا اور کوئی اُس سے رکارہا تو اُن نہ ماننے والوں کو دوزخ کی جلتی ہوئی آگ کافی ہے

۱۰۸ ﴿۱۰۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اُن کو ہم عنقریب آگ میں داخل کریں گے، جب اُن کی کھالیں جل جائیں گی

بَدَلْنَا هُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا

تو ہم اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ عذاب (کامزہ) چکھتے رہیں بیشک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے

حَكِيمًا ﴿٤٧﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو ہم جنتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ

نہریں بہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے وہاں ان کیلئے پاک بیویاں ہیں۔

وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٤٨﴾ وَاللَّهُ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ

اور ان کو ہم گھنے سائے میں داخل کریں گے۔ اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں

أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ

ان کے حوالے کر دیا کرو اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو اللہ تعالیٰ تمہیں بہت خوب نصیحت کرتا ہے

بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٤٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ

بیشک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔ مومنو! اللہ تعالیٰ اور اس کے

وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولَى الْأَمْرِ مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ

رسول کی فرمانبرداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں [۱۰] ان کی بھی اور اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو

[۱۰] بعض مفسرین نے ”اولو الامر“ سے مراد علمائے کرام لیا ہے، تو اس تفسیر کی وجہ سے بعض اس سے علماء کی

تقلید کو ثابت کرتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ”اولو الامر“ (علماء) کی اطاعت کا حکم دیکر مسلمانوں کو تقلید کرنے پر مامور کیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے، اگر اس آیت پر غور کیا جائے تو مختلف وجوہات کی بناء پر اس سے تقلید کا رد ثابت ہوتا ہے، پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اس آیت میں ”اولو الامر“ کے ساتھ لفظ ”اطیعوا“، کو مستقل استعمال نہ کرنا، اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اولو الامر کی بات کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کے تحت مانا جائے گا، نہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مخالفت میں ان کی مستقل اطاعت کی جائے گی، اگر ”اولو الامر“ کی اطاعت مستقل جائز قرار پائی تو پھر نبی ﷺ کی اطاعت میں اور اولو الامر کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں رہ جائے گا، کیونکہ مطلقاً اولو الامر کی اطاعت سے دونوں میں باہم فرق مٹ جاتا ہے۔ سب سے پہلے احناف نے اولو الامر کی اطاعت کو مطلقاً اور مستقلاً جائز قرار دیکر اور احادیث میں تاویلات کر کے اس فرق کو مٹایا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت میں اولو الامر سے مراد حکام المسلمین (حاکم وقت) ہیں کیونکہ معروفات میں حاکم وقت کا حکم ماننا ضروری ہوتا ہے۔ اگر بالفرض علماء کو بھی اس میں داخل کیا جائے تو ”لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق“ الحدیث، کے تحت ہی میں ان کی بات مانی جائے گی۔ اگر ایسا نہ کیا جائے تو پھر تلفیق میں واقع ہونے کا خدشہ ہوتا ہے۔ کیونکہ علماء کی ہر بات میں بتقاضہ بشریت خطاء کا احتمال پایا جاتا ہے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”اولو الامر“ جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے، کہ تمام علماء کی بات مانو لیکن مقلد تو صرف ایک عالم کی بات کو اپنے لئے دین میں حجت سمجھتا ہے، اس طرح مقلدین نے سب سے پہلے ایک عالم کی تابعداری کر کے اس آیت کی مخالفت کی ہے،

چوتھی وجہ یہ ہے علماء کے اقوال کو صرف دلیل کی بنیاد پر مانا جائے گا، بغیر دلیل کے اقوال سے اختلاف کیا جاسکتا ہے، اور رفع اختلاف کے لئے کتاب و سنت کی طرف رجوع کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ﴾

الایة۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تنازع فیہ مسائل کو کتاب و سنت پر پیش کرنے کا حکم دیا ہے، اور ایسا کرنے والوں کو مومن قرار دیا ہے۔

فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ

تو اگر اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اُس میں اللہ اور اس کے رسول (کے حکم) کی طرف رجوع کرو یہ

خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۴۴﴾ كُمْ تَرَى إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ

بہت اچھی بات ہے اور اس کا انجام بھی اچھا ہے۔ کیا تم نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں۔

أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ

کہ جو (کتاب) تم پر نازل ہوئی اور جو (کتابیں) تم سے پہلے نازل ہوئیں اُن سب پر ایمان رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں یہ

أَنْ يَتَّحَاكُمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ

کہ اپنا مقدمہ ایک سرکش کے پاس لجا کر فیصلہ کرائیں حالانکہ اُن کو حکم دیا گیا تھا کہ اُس سے اعتقاد نہ رکھیں۔

وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۴۵﴾ إِذَا قِيلَ لَهُمْ

اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے کہ اُن کو بہکا کر رستے سے دُور ڈال دے۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ

تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَالرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ

جو حکم اللہ نے نازل فرمایا ہے اُس کی طرف (رجوع کرو) اور پیغمبر کی طرف آؤ تو تم منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تم سے اعراض

صُدُّوْا ﴿۴۶﴾ كَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ

کرتے اور رُکے جاتے ہیں۔ تو کیسی بات ہے کہ جب اُن کے اعمال (کی شامت) سے اُن پر کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے

ثُمَّ جَاءَهُمْ وَكَانَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿۴۷﴾

تو تمہارے پاس بھاگے آتے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں کہ واللہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور موافقت تھا۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ

ان لوگوں کے دلوں میں جو جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ اُس کو خوب جانتا ہے تم ان (کی باتوں) کا کچھ خیال نہ کرو اور انہیں نصیحت کرو

وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿۴۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ

اور ان سے ایسی باتیں کہو جو ان کے دلوں پر اثر کر جائیں۔ اور ہم نے جو پیغمبر بھیجا ہے اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے فرمان کے

بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ

مطابق اس کا حکم مانا جائے۔ اور یہ لوگ جب اپنے حق میں ظلم کر بیٹھے تھے، اگر تمہارے پاس آتے اور اللہ سے بخشش مانگتے

وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۴۴﴾

اور رسول (اللہ ﷺ) بھی ان کیلئے بخشش طلب کرتے تو اللہ کو معاف کرنے والا (اور) مہربان پاتے۔ [۱۱]

[۱۱] اس آیت کے تحت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی لکھتے ہیں: یہ آیت اگرچہ خاص واقعہ منافقین کے بارے میں

نازل ہوئی ہے لیکن اس کے الفاظ سے ایک عام ضابطہ نکل آیا، کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت حاضر ہو جائے

اور آپ ﷺ اس کے لئے دعائے مغفرت کر دیں، اس کی مغفرت ضرور ہو جائے گی، لیکن اس کا یہ قول سراسر آیات قرآنی

واحدیث نبوی سے مخالف ہے، بطور مثال سورہ توبہ کی آیت: ۸۰، ۱۱۳، ملاحظہ فرمائیں۔ (پھر آگے لکھتا ہے) اور رسول

اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری جیسے آپ ﷺ کی حیات دنیوی کے زمانہ میں ہو سکتی تھی، اسی طرح آج بھی روضہ اقدس

پر حاضری اسی حکم میں ہے۔ معارف القرآن: ۴۵۹/۲۔

اور تفسیر نعیمی: ۱۲۹، میں کچھ یوں لکھتا ہے: اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہ الہی میں رسول اللہ ﷺ کا وسیلہ اور آپ

کی شفاعت کا برابری کا ذریعہ ہے سید عالم ﷺ کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضہ اقدس پر حاضر ہوا، اور روضہ

شریفہ کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو آپ پر نازل ہوا، اس

میں یہ آیت بھی ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا﴾ الایة، میں نے بیشک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے

اپنے گناہ کی بخشش چاہنے حاضر ہوا، تو میرے رب سے میرے گناہ کی بخشش کرائیے، اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری

بخشش کی گئی، اس سے چند مسائل معلوم ہوئے۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض حاجت کے لئے اس کے مقبولوں کو وسیلہ بنانا ذریعہ کامیابی ہے۔

مسئلہ: قبر پر حاجت کے لئے جانا بھی ”جاؤک“ میں داخل اور خیر القرون کا معمول ہے۔

مسئلہ: بعد وفات مقبولان حق کو ”یا“ کے ساتھ نداء کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: مقبولان حق مدد فرماتے ہیں اور ان کی دعاء سے حاجت روائی ہوتی ہے۔

تو ہم ان جیسے لوگوں کو جواب میں کہتے ہیں، کہ یہ تفسیر صحیح نہیں، اس لئے کہ آیت کو سیاق سباق سے کاٹ کر یہ تفسیر کی گئی ہے۔ اگر یہ آیت ہم اور بعد کے امتیوں کو عام ہے تو صحابہ کرام نے اسے عام سمجھ کر استفتاء کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی قبر اطہر پر جا کر آپ ﷺ سے دعا کیوں نہ کرائی؟ بیان جواز کے لئے ایک بار تو دعا کروا ہی لیتے، مگر صحابہ تابعین و تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اور نہ ہی یہ کسی امام کا مذہب ہے۔ جس طرح یہ آیت عام ہے اسی طرح آیت: فان تنازعتم فی شیء فردوه الی اللہ و الرسول، سورة النساء: ۵۹۔ اور وہ آیت جو اس کے بعد ہے یعنی: ۶۵، کے الفاظ بھی عام ہے، اور ہم عصر اور بعد کے امتیوں کو شامل ہیں، اس میں بھی تخصیص نہیں، تو پھر ہر مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے حاکموں اور قاضیوں کی بجائے رسول اللہ ﷺ سے براہ راست قبر اطہر پر جا کر چکا یا کریں، اگر ان کا اللہ اور روز آخرت پر ایمان ہے۔

آیت کریمہ کی بلا دلیل تعمیم کا قول اور دوسری آیت میں تخصیص کا کیا مطلب؟ کیا آپ ﷺ شرعی فیصلہ کرنے کے لئے ہم عصر اور بعد کے امتیوں کے لئے یکساں رحمت نہیں؟ کوئی مومن اس بات کی جرأت نہیں کر سکتا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس کا قائل ہو جائے کہ آپ ﷺ بعد کے امتیوں کے لئے رحمت نہیں، پس وجہ فرق کیا ہے کہ ایک آیت کو عموم پر رکھا اور دوسری میں تخصیص کر دی؟ جبکہ تنازع کا فیصلہ اہم ہے بنسبت استغفار کے، کیونکہ یہ موقوف علیہ ہے۔

اس نادرست تفسیر کو دیکھ کر کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے، کہ قبر نبی ﷺ کے پاس جا کر ان سے مختلف فیہ مسائل کے بارے میں پوچھو، وہ ضرور جواب عنایت کریں گے، اس لئے کہ دین کو مفصل بیان کرنا ان کا فرض منصبی بھی ہے، تو کیا یہ استدلال درست ہے؟ بالفاظ دیگر، استشفاع بدعاء الرسول ﷺ، تحکیم الی ذات الرسول ﷺ پر مبنی ہے، اور یہ اس کا ثمرہ اور نتیجہ ہے، اور جب تحکیم الی ذات الرسول موت کے بعد نہیں تو استشفاع بدعاء الرسول ﷺ کیسے؟۔

بعض علماء یہ بھی فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت کریمہ میں لفظ ”جاؤک“ ہے، نہ کہ ”جاؤوا قبرک“، یعنی لفظ ”جاؤوک“ حیاة سے متعلق ہے۔ اور حیاة دنیوی و بعد الہمات کے احکام میں فرق ظاہر ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

(عن قيس بن سعد قال: اتيت الحيرة فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم، فقلت لرسول الله ﷺ احق ان يسجد له، فاتيت رسول الله ﷺ فقلت اني اتيت الحيرة، فرأيتهم يسجدون لمرزبان لهم، فانت احق بان يسجد لك؟ فقال لى: ارايت لو مررت بقبرى، اكنت تسجد له؟ فقلت لا، فقال: لا تفعلوا، لو كنت امر احدا ان يسجد لاحد، لامرت النساء ان يسجدن لازواجهن لما جعل الله لهم عليهن من حق - ابوداود: رقم: ۲۱۳۰، حاكم: ۱۸۷۲، ارواء: ۵۷۷، ۵۸ -)

یعنی قیس بن سعد سے روایت ہے کہا، میں حیرہ آیا، وہاں میں نے لوگوں کو اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے دیکھا، میں نے کہا (اپنے دل میں) کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ حق دار ہیں، کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا جاوے، میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا میں نے عرض کی کہ میں حیرہ گیا، وہاں کے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے تھے، آپ ﷺ کو سجدہ کے زیادہ لائق ہیں، آپ نے فرمایا: مجھ کو اس بات کی خبر دے، اگر تو میری قبر سے گزرے، تو اس کو سجدہ کرو گے؟ میں نے کہا نہیں، فرمایا: اگر میں سجدہ کرنے کا حکم کرتا، تو سب سے پہلے عورتوں کو حکم کرتا، کہ وہ اپنے خاندانوں کو سجدہ کریں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا حق رکھا ہے (اس حدیث نے یہ واضح کیا کہ انسان صرف اپنے خالق ہی کے سامنے سجدہ ریز ہو سکتی ہے، کسی مخلوق کے سامنے نہیں جھک سکتی، خواہ وہ مخلوق کتنی ہی باعظمت و بافضیلت ذات کیوں نہ ہو)۔

بعض علمائے یہ جواب بھی کیا ہے، کہ جب انسان مرجاتا ہے تو اس کے اعمال کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، جیسا کہ حدیث ابی ہریرہ میں ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اذا مات الانسان انقطع عنه عمله، الحدیث رواہ مسلم: رقم: ۱۶۳۱، و مشکوٰۃ: رقم: ۲۰۱، کتاب العلم۔ یعنی جب آدمی مرجاتا ہے اس کے عمل منقطع ہو جاتا ہے۔ ایک جواب ملا علی قاری نے مرقات: ۲۳۶، میں اس حدیث کے ضمن میں، جو کہ عقبہ سے مروی ہے: صلی رسول اللہ ﷺ علی قتلی احد بعد ثمان سنین کالمؤدع للاحیاء و الاموات، الحدیث۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے احد کے شہداء پر نماز پڑھی آٹھ برس بعد، مانند زندوں اور مردوں کو رخصت کرنے والے کے۔ متفق علیہ۔ [خ: ۳۹۰۴م: ۲۳۸۲]۔ کیا ہے، ای استغفر لہم، و استغفر لہم کالوداع للاحیاء و الاموات، اما الاحیاء فبحر وجہ من بینہم، و اما الاموات فبانقطاع دعائہ، و استغفر لہم۔ یعنی رسول اللہ ﷺ وفات کے بعد کسی کے لئے دعا اور استغفار نہیں کر سکتا۔

اس سے زیادہ مصرح اور منہ توڑ جواب حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں موجود ہے: جو کہ بخاری نے: حدیث

نمبر: ۵۶۶۶، میں نقل کیا ہے: عن عائشة رضی اللہ عنہا أنها قالت: واراأسأه، فقال رسول اللہ ﷺ ذاک لو کان وانا حی فاستغفر لک وادعولک، فقالت، عائشة واثکلیاه، واللہ انی لاظنک تحب موتی، لو کان ذاک لظلمت اخریومک معرّسا ببعض ازواجک، فقال ﷺ بل انا واراأسأه، لقد هممت اواردت، ان ارسل الی ابی بکروابنه، فاعهد ان یقول القائلون اویتمنی المتمنون، ثم قلت یابی اللہ ویدفع المومنون اویدفع اللہ ویاأبی المومنون. عائشة سے روایت ہے، کہ انہوں نے ایک دن رسول کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے اپنے سردرد کی شدت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ہائے میرا سر پھٹا جا رہا ہے، رسول کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا عائشہ وہ (تمہاری موت) اگر ایسی صورت میں آئی کہ میں زندہ رہا، تو تمہارے لئے سینات سے مغفرت و بخشش کی دعا مانگوں گا۔ اور تمہارے (درجات و مراتب کی بلندی) کے لئے بھی دعا کروں گا، عائشہ بولیں، ہائے میرے درد کی مصیبت، اللہ کی قسم میرا تو خیال ہے کہ آپ ﷺ میری موت کو پسند فرماتے ہیں؟ اگر ایسا ہوا کہ میں مر گئی، تو آپ ﷺ اسی دن کے آخری حصہ میں اپنی کسی بیوی کے ساتھ شب باشی فرمائیں گے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عائشہ (چھوڑو اس بات کو اور سنو) میرا قصد تھا، یا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ میرا ارادہ تھا، کہ میں (تمہارے والد) ابو بکرؓ اور ان کے بیٹے (یعنی تمہارے عزیز بھائی عبد الرحمن) بلا بھیجوں، اور ان کے حق میں وصیت کر دوں، تاکہ پھر کہنے والے کچھ نہ کہیں، یا آپ نے یہ فرمایا کہ تاکہ متمنی لوگ ابو بکرؓ کے بجائے خود اپنے لئے یا کسی اور کے لئے خلافت کی تمنا کا اظہار نہ کریں۔ پھر میں نے اپنے دل میں کہا خود اللہ تعالیٰ (ابو بکرؓ کے علاوہ کسی دوسرے کی خلافت کو) منظور نہیں کرے گا، اور مسلمان بھی مدافعت کریں گے۔ یا آپ ﷺ نے یوں فرمایا: کہ خود اللہ تعالیٰ مدافعت کرے گا اور مسلمان بھی نہیں مانیں گے۔

اور شاہ اسحاق نے مسائل اربعین: ۴۳، میں مسئلہ: ۴۰، میں رقمطراز ہیں: وحق آن است کہ انکار فقہاء عام است، از آنکہ استمد ادا ز قبور انبیاء کنند یا از قبور غیر ایشان ہمہ جائز نیست، چنانچہ از عبارت دیگر کتب فقہاء کہ درین جواب ایراد کردہ میشود واضح خواهد گردید۔ اور حق یہ ہے کہ فقہاء کا انکار عام ہے استمد ادخواہ، انبیاء علیہم السلام کی قبروں سے ہو خواہ غیر انبیاء کی قبروں سے سب ناجائز ہے، جیسا کہ فقہاء کرام کی دوسری کتابوں کے حوالوں سے جو ہم اسی سوال کے جواب میں ذکر کریں گے واضح ہو جائے گا۔

بعض علماء عمرؓ کی حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر آیت کا معنی یہ ہے تو عمرؓ نے اس پر عمل کیوں نہیں

کیا؟ اور عباسؓ کے دعا کا وسیلہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کیا، یہ روایت بخاری نے: ۱۰۱۰- اور ۳۷۱۰ میں نقل کیا ہے، بلکہ صاحب نشر المرجان والا لکھتا ہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اس بات پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی منعقد ہوا، کہ رسول اللہ ﷺ انتقال کے بعد عالم برزخ میں دعا و استغفار نہیں فرماتے۔ مزید تفصیل کے لئے الصارم المنکی: ۲۶۵، ملاحظہ کیجئے۔

تکمیل فائدہ کے لئے اب ہم روایت اعرابی نقل کرتے ہیں: جو کہ تفسیر قرطبی، وابن کثیر، تفسیر الیمن وغیرہ نے بھی نقل کیا ہے۔ اور امام بیہقی نے شعب الایمان: ۶/۶۰، میں نقل کیا ہے کہ: اخبرنا ابو علی الروذباری، حدثنا عمرو بن محمد بن عمرو بن الحسين بن بقیة املاء، حدثنا شکر الهروی، حدثنا یزید الرقاشی، عن محمد بن روح بن یزید البصری، حدثنی ابو حرب الہلالی، قال: حج اعرابی فلما جاء الی باب مسجد رسول اللہ اناخ راحلته فعلقها، ثم دخل المسجد، حتی اتی القبر، ووقف بحذا وجه رسول اللہ ﷺ فقال، بابی انت وامی، یا رسول اللہ جئتک مثقالا بالذنوب والخطایا، یا مستشفعاً بک علی ربک، لانه قال فی محکم کتابه: وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿٤٢﴾ جئتک بابی انت وامی مثقالا بالذنوب والخطایا، استشفع بک علی ربک ان یغفر لی ذنوبی، وان تشفع فیّ، ثم اقبل فی عرض الناس ویقول:

یاخیر من دفنت فی التراب اعظمه

فطاب من طیبہ الابقاع والاکم

نفسی الفداء بقبرانت ساکنه

فیہ العفاف فیہ الجود والکرم

جبکہ ابن عساکر نے اتحاف الزائر: ۵۴، ۵۵، میں اور ابن النعمان نے مصباح الظلام: ۲۱، میں نقل کیا ہے اور ابن الجوزی نے کتاب المثیر، میں یہ الفاظ زیادہ نقل کئے ہیں: ثم استغفر، وانصرف، فرقدت فرأیت النبی ﷺ فی نومی وهو یقول، الحق الرجل فبشره ان الله قد غفر له بشفاعته، فاستیقظت فخرجت اطلبه فلم أجده۔ ابو حرب ہلالی کہتا ہے، کہ ایک اعرابی فریضہ حج ادا کرنے کے بعد مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور کہا ”السلام علیکم یا رسول اللہ“ میں نے قرآن کریم کی یہ آیت سنی، اور آپ کے پاس آیا ہوں، تاکہ آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ کی شفاعت طلب کروں پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

جن جن کی ہڈیاں میدانوں میں دفن کی گئی ہیں ☆ اور ان کی خوشبو سے وہ میدان اور ٹیلے مہک اٹھے ہیں

اے ان تمام میں سے بہترین ہستی ☆ میری جان اس قبر پر سے صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے جس میں پارسائی و سخاوت اور کرم ہے، پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آگئی خواب میں دیکھتا ہوں کہ رسول ﷺ مجھ سے فرما رہے ہیں، جا، اس اعرابی کو خوشخبری سنا کہ اللہ نے اس کے گناہ معاف فرمادینے۔

اس واقعہ کی نقل میں اضطراب ہے، بعض تھی سے نقل کرتے ہیں، اور بعض ابو حرب الہملالی سے، اور بعض علیؓ سے، بہر حال اس واقعہ کی کوئی صحیح سند نہیں ہے۔ جبکہ اعرابی بھی مجہول ہے۔ ابو حرب ہلالی بھی مجہول ہے، یزید رقاشی ضعیف ہے، عمر بن محمد مجہول ہے۔ اتحاف الزائر کی سند میں دوراوی (۱) ابو العباس اور (۲) محمد بن زہیر مجہول ہیں، اور مصباح القلام کی سند میں مجاہیل ہیں، اور یہ ابو شبل تک سند ہے، جو کہ امام مالک کا شاگرد ہے۔

اس وجہ سے صارم المنکی والے لکھتے ہیں، کہ اس واقعہ کی تکذیب کے لئے یہ کافی ہے کہ بعض اس کو تھی سے تو بعض ابو شبل سے، اور بعض ابو حرب ہلالی، جبکہ بعض علیؓ کو منسوب کرتے ہیں، کہ انہوں نے یہ ماجرا اپنے آنکھوں سے دیکھا ہے۔

اور وہ روایت جو علیؓ کو منسوب ہے، جو کہ قرطبی وغیرہ نے نقل کیا ہے، تو کتاب صیانة الانسان: ۲۲۸، میں ہے کہ یہ خبر منکر اور موضوع ہے اور مخلوق مصنوع ہے، اس میں بیشم متروک کذاب ہے، اور مزید تفصیل کے لئے کتاب الصارم المنکی: ۲۵۲، ۲۶۴، ۳۲۱-۳۱۲، اور فتح المنان: ۳۵۱، اور کتاب التوصل: ۲۷۴، اور صیانة الانسان: ۲۳۷، اقتضاء الصراط المستقیم ملاحظہ کیجئے۔

اور اس واقعہ کو عمر بن جماعت نے ہدایت السالک: ۱۳۸۳-۳، میں سبل الہدی و الرشاد: ۳۸۰/۱۲، وفاء الوفاء: ۱۳۶/۱۳، اور ابن قدام نے المغنی، نووی نے کتاب الايضاح اور شرح مجموع المہذب، ماوردی نے الحاوی الکبیر، کتاب الحج میں بلفظ ”یروی“، نقل کیا ہے جس کا شرع میں کوئی اعتبار نہیں۔

بعض مبتدعین اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں جو کہ مسند بزار نے: ۳۰۸/۵، میں نقل کیا ہے، کہ حدثنایوسف بن موسیٰ، قال اخبرنا عبد المجید بن عبد العزیز بن ابی رواہ، عن سفیان عن عبد اللہ بن السائب عن زاذان عن عبد اللہ، عن النبی ﷺ قال: ان لله ملائكة سياحين يبلغونني عن امتي السلام، قال وقال رسول الله ﷺ حياتي خير لكم تحدثون ونحدث لكم، ووفاتي خير لكم تعرض علي اعمالكم، فمارأيت من خير حمدت الله، ومارأيت من شر استغفرت الله لكم۔

پیشی نے مجمع الزوائد: ۵۹۵/۸، اور کشف الاستار: ۳۹۷، وعلوئی، الکشف: ۴۴۲/۱، میں اس کو نقل کیا ہے۔ کہ میری زندگی تمہارے لئے بہتر ہے، تم بیان کرتے ہو اور تمہیں میں بھی بیان کروں گا۔ اور جب میں وفات ہو جاؤں، تو میری وفات بھی تمہاری لئے بہتر ہے، تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہونگے، جب میں بہتر دیکھوں تو میں اللہ کا شکر ادا کروں گا، اور جب میں اس کے سوا دیکھوں تو میں تمہارے لئے اللہ سے استغفار مانگوں گا۔

یہ حدیث صحیح نہیں، بزار اس کے آخر میں فرماتا ہے کہ وهذا الحدیث اخره لانعلمه بروی عن عبد اللہ الامن هذا الوجه، بهذا الاسناد، اس میں ایک راوی ہے جس کا نام عبد المجید بن عبد العزیز ہے، اور وہ اس زیادہ پر متفرد ہے۔ ابن حبان نے کتاب المجروحین: ۱۵۲/۲، میں لکھا ہے: کہ یہ منکر الحدیث تھا۔ اور ابن ابی حاتم نے جرح وتعدیل: ۶۲/۶، میں اس کے متعلق لکھا ہے: کان الحمیدی یتکلم فیہ، ولیس بالقوی، جبکہ تہذیب الکمال: ۲۷۴/۱۸، اور تہذیب التہذیب: ۳۸۲/۶، میں اس کے متعلق لکھا ہے ”صدوق یخطی“ اور بعض نے اس کا توثیق بھی کیا ہے۔

وہ اس وجہ سے کہ مسلم نے اس کا ذکر متابعت میں کیا ہے، نہ کہ اصلاً، اور اس وجہ سے حافظ پیشی کو مجمع الزوائد: ۵۹۵/۸، اور سیوطی کو خلاص کبری: ۲۸۱/۲، میں مغالطہ ہو کر اس روایت کی تصحیح کیا ہے۔ اس روایت کا ایک دوسرا سند بھی ہے جو کہ ابن عدی نے: ۵۳۳/۳، اور عروس الازواء: ۳۹۷/۲، میں انسؓ سے نقل کیا ہے۔ لیکن ابن عدی نے روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اس کی سند میں خراش بن عبد اللہ ہے اور وہ مجہول ہے معلوم نہیں۔ بلکہ اس میں عدوی جو ہے اس کے متعلق لکھتا ہے و العدوی هذا کناہمہ بوضع الحدیث، و ظاہر الامر فی الکذب۔

جبکہ اس روایت کو مسند الفردوس نے بھی: ۲۱۹/۲، میں نقل کیا ہے، اس کے حاشیہ ”تسدید القوس“ میں حافظ ابن حجر لکھتا ہے، اس کی سند میں خراش بن عبد اللہ اور عدوی ہے لہذا روایت ساقط الاعتبار ہے۔ اور اس روایت کو اسطیعیل قاضی نے: فضل الصلوٰۃ: ۱۲۵، ۱۲۶، میں نقل کیا ہے جو کہ بکر بن عبد اللہ سے نقل ہے، اور اسی سند سے مسند حارثی: ۸۸۴/۲، (بغیۃ الباحث) نے بھی نقل کیا ہے۔ اور طبقات ابن سعد: ۳۲۷/۲، میں بکر بن عبد اللہ المزنی سے منقول ہے لیکن یہ مرسل ہے۔ اگرچہ روایت ثقہ ہیں۔ و سلسلہ ضعیفہ: ۴۰۶/۲۔

حاصل یہ ہوا کہ یہ روایت تمام سندوں سے ضعیف ہے، بعض نے اس کو حسن یا صحیح لغیرہ کہا ہے لیکن مذکورہ صحیح روایت۔ اور وہ روایت جو کہ ابن جریر وغیرہ نے تفسیر سورۃ النساء: ۴۱، میں اور وہ حدیث جو سورۃ مائدہ: ۱۱، میں نقل

کیا گیا ہے، کے مقابلے میں، بنا بر قول اول منکر، اور بنا بر قول ثانی شاذ ہے۔ اور عمل کیلئے درست نہیں، خصوصاً باب عقیدہ میں ایسے روایات ساقط الاعتبار ہوتے ہیں۔

مذکورہ تحقیق سے ابن حجر اور قرطبی کا جو وہم تھا وہ بھی ختم ہوا۔ ابن حجر کو، سورہ نساء: ۴۱، والی آیت میں جو حدیث وارد ہے اس کے بعض طرق میں (جو کہ طبرانی وغیرہ نے نقل کیا ہے) یہ الفاظ ہے (اسی وجہ سے اس کو یہ اشکال لاحق ہوا ہے) : ان النبی ﷺ: اتاهم فی بنی ظفر ومعہ ابن مسعود و ناس من اصحابہ، فامر قاراً فقراً، فاتی علی ہذہ الایة ۴۱، فبکی حتی ضرب لحياءه و وجنتاه فقال: يارب، هذا علی من انابین ظهريه فكيف بمن لم اراه. و اخرج ابن المبارک فی الزهد: ۴۲/۲، من طریق سعید بن المسیب قال: ليس من يوم الاتعرض فيه علی النبی ﷺ امته غدوة وعشية، فيعرفهم بسماهم واعمالهم. فلذلك يشهد عليهم. ففي هذ المرسل ما يرفع الاشكال الذي تضمنه حديث ابن فضالة، والله اعلم. فتح الباری: ۱۰/۱۲۲. یعنی محمد بن فضالہ انصاری فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی ظفر کے پاس رسول اللہ ﷺ آئے، اور اس صحرہ پر بیٹھ گئے۔ جواب تک ان کے محلے میں ہے۔ آپ کے ساتھ ابن مسعود، معاذ بن جبل، اور دیگر صحابہ کرام بھی تھے۔ آپ نے ایک قاری سے فرمایا: قرآن پڑھو، وہ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت (کیف) تک پہنچے، تو آپ اس قدر روئے کہ دونوں رخسار اور داڑھی تر ہو گئی، اور عرض کرنے لگے کہ یارب جو موجود ہیں ان پر تو خیر میری گواہی ہوگی، لیکن جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہی نہیں ان کی بابت کیسے؟۔

اور یہی اشکال قرطبی نے کتاب التذکرہ: ۳۳۹، میں نقل کیا ہے۔ تو ابن کثیر: ۲/۲۶۹، سورہ نساء: ۴۲، میں، اس کا جواب دیتا ہے کہ: واما، ما ذكره ابو عبد الله القرطبي في التذكرة حيث قال: باب ماجاء في شهادة النبی ﷺ علی امته قال: اخبرنا ابن مبارک، اخبرنا رجل من الانصار، عن المنهال بن عمرو، حدثه انه سمع سعید بن المسیب يقول: ليس من يوم الاتعرض فيه علی النبی ﷺ امته غدوة وعشية، فيعرفهم باسمائهم، واعمالهم، فلذلك يشهد عليهم يقول الله تعالى: فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد وجئناك علی هولاء شهيدا، فانه اثر وفيه انقطاع، فان فيه رجلا مبهمالم يسم، وهو من كلام سعید بن المسیب لم يرفعه۔

یعنی ابو عبد اللہ قرطبی نے اپنی کتاب ”التذکرہ“ میں باب باندھا ہے، کہ نبی اکرم ﷺ کی اپنی امت پر شہادت =

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

تمہارے رب کی قسم! یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں۔

ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيْٓ أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيَسْلُمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۱۲﴾

اور جو فیصلہ تم کر دو اُس سے اپنے دل میں تنگی محسوس نہ کریں بلکہ اُس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔ [۱۲]

= کے بارے میں کیا آیا ہے۔ اس میں سعید بن مسیب کا یہ قول ذکر کیا ہے، کہ ہر دن صبح شام نبی اکرم ﷺ پر آپ ﷺ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں، مع ناموں کے، پس آپ قیامت کے دن ان سب پر گواہی دیں گے۔ پھر یہی آیت تلاوت فرمائی، لیکن اولاً تو یہ سعید بن مسیب کا اپنا قول ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے سند میں انقطاع ہے۔ تیسرا یہ کہ، اس میں ایک راوی مبہم ہے جس کا نام ہی نہیں۔ چوتھا یہ کہ یہ حدیث مرفوع کر کے بیان ہی نہیں کرتے۔ اخیر میں روح المعانی کا عبارت نقل کرتے ہوئے اس بحث کو ختم کرتے ہیں: امام آلوسی اپنی تفسیر: ۶/۱۲۵، میں آیت الوسیلہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: اما اذا كان المطلوب منه ميتا او غائبا فلا يستريب عالم انه (ای طلب الدعاء) غير جائز، وانه من البدع اللتى لم يفعلها احد من السلف. اور جس کسی سے بھی خواہ وہ میت ہو یا غائب، دعاء مانگی جاتی ہے، تو اس کی ناجائز ہونے میں کسی عالم کا شک نہیں، اور ان بدعات میں سے ہے جس کا وجود سلف صالحین کے دور میں نہیں تھا۔

[۱۲] اس آیت میں رسول کریم ﷺ کی عظمت اور علوم تربت کے اظہار کے ساتھ آپ کی اطاعت جو بے شمار آیات قرآنیہ سے ثابت ہے، اس کی واضح تشریح بیان فرمائی ہے۔ اس آیت میں قسم کھا کر حق تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اس وقت تک مومن یا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک وہ نبی کریم ﷺ کو ٹھنڈے دل سے پوری طرح تسلیم نہ کرے، کہ اس کے دل میں بھی اس فیصلہ سے کوئی تنگی نہ پائی جائے۔ مفسرین نے فرمایا کہ ارشاد قرآنی پر عمل نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک کے ساتھ مخصوص نہیں۔ آپ کے بعد آپ کی شریعت مطہرہ کا فیصلہ خود آپ ﷺ ہی کا فیصلہ ہے، اس لئے یہ حکم قیامت تک اس طرح جاری ہے، کہ آپ کے زمانہ مبارک میں خود بلا واسطہ آپ سے رجوع کیا جائے، اور آپ کے بعد آپ کی شریعت کی طرف رجوع کیا جائے۔ جو درحقیقت آپ ہی کی طرف رجوع ہے۔ بخاری نے: کتاب التفسیر: ۵۸/۶ میں اس آیت کے متعلق یہ واقعہ ذکر کیا ہے: کہ زبیرؓ کا کسی شخص سے نالیوں سے بارغ میں پانی لینے کے بارے میں جھگڑا پڑا، تو رسول پاک ﷺ نے

فرمایا زبیر! تم پلا لو پھر پانی کو انصاری کے باغ میں جانے دو، اس پر انصاری نے کہا ہاں، یا رسول اللہ ﷺ یہ تو آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں، یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا، اور فرمایا زبیر! تم پانی پلاؤ، پھر پانی کو روک رکھو، یہاں تک کہ باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے، پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو، پہلے تو نبی کریم ﷺ نے ایک ایسی صورت نکالی تھی کہ جس میں زبیر کو تکلیف نہ ہو، اور انصاری کو کشادگی ہو جائے۔ لیکن جب انصاری نے اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو رسول پاک ﷺ نے زبیر کو ان کا پورا حق دلویا۔ زبیر غر ماتے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے یہ ایت (فلا وربک، الخ) اسی بارے میں نازل ہوئی ہے۔

تفسیر بحر محیط میں ہے کہ اس ایت سے یہ مسئلہ نکلا کہ لفظ: ﴿فیماشجر﴾ صرف معاملات اور حقوق کے ساتھ متعلق نہیں، عقائد، نظریات، اور دوسرے نظری مسائل کو بھی حاوی ہے، یہ بھی معلوم ہوا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ سے تو لایا عملاً ثابت ہو اس کے کرنے سے دل میں تنگی محسوس کرنا بھی ضعف ایمان کی علامت ہے۔ ایت سے یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ رسول پاک ﷺ امت کے صرف مصلح اور اخلاقی رہبر ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک عادل حاکم بھی تھے۔ پھر حاکم بھی اس شان کے، کہ آپ ﷺ کے فیصلہ کو ایمان و کفر کا معیار قرار دیا گیا۔ اس لئے ہر مسلمان کا فرض کہ جب بھی کسی مسئلہ میں باہم اختلاف کی نوبت آئے تو باہم جھگڑتے رہنے کے بجائے دونوں فریق رسول پاک ﷺ کی طرف اور آپ کے بعد آپ کی شریعت کی طرف رجوع کر کے مسئلہ کا حل تلاش کریں۔ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ شعی سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک یہودی اور منافق کا کسی چیز کے متعلق جھگڑا ہو گیا، یہودی نے منافق سے کہا کہ محمد ﷺ کے پاس یہ مقدمہ لے چلو، جو وہ فیصلہ کر دیں وہ مجھے منظور ہے، کیونکہ یہودی یہ جانتا تھا کہ آپ ﷺ رشوت لے کر فیصلہ نہیں کرتے، منافق نے کہا نہیں، یہودیوں کے حکام کے پاس چلو ان سے فیصلہ کرائیں گے، کیونکہ منافق جانتا تھا کہ یہودی کے علماء و حکام رشوت لے کر حق کو ناحق کر دیتے ہیں، آخر کار وہ اپنا جھگڑا لے کر دربار محمدی ﷺ میں آئے، آپ نے فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا، لیکن منافق اس پر راضی نہ ہوا، اور کہنے لگا ہمیں یہ فیصلہ عمر فاروق سے کرانا چاہئے، اس کا خیال تھا کہ عمر یہودیوں پر بہت سخت ہیں، وہ ضرور میرے حق میں فیصلہ کریں گے، چنانچہ جب یہ دونوں عمر کے پاس گئے، اور اپنا مقدمہ سنایا، تو یہودی نے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ محمد ﷺ نے اس مقدمے کا فیصلہ میرے حق میں کیا ہے، عمر نے یہ سن کر کہا، اچھا تم دونوں ٹھہرو میں ابھی تمہارا فیصلہ کئے دیتا ہوں، عمر اندر گئے، تھوڑی دیر میں تلوار تانے آگئے، اور منافق کی گردن اڑادی، اور فرمایا: هذا قضاء من لم یرض بقضاء رسول اللہ ﷺ، یعنی جو شخص رسول اللہ کے فیصلے سے راضی نہ ہو اس کا یہی فیصلہ ہے۔ اب مقتول کے وارثوں نے عمر کے خلاف قصاص کا دعویٰ کر دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر عمر کے فیصلے کو درست قرار دیا۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ أَخْرِجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ

اور اگر ہم انہیں حکم دیتے کہ اپنے آپ کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھر چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں سے تھوڑے ہی ایسا کرتے،

إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ

اور اگر یہ اُس نصیحت پر کاربند ہوتے جو ان کو کی جاتی ہے تو ان کے حق میں بہتر اور (دین میں) زیادہ

تَثْبِيثًا ﴿٤٧﴾ وَإِذْ آتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٨﴾

ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔ اور ہم ان کو اپنے ہاں سے اجر عظیم بھی عطا فرماتے۔

وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿٤٨﴾ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ

اور سیدھا راستہ بھی دکھاتے۔ اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں وہ (قیامت کے روز) اُن لوگوں

مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ

کیساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے بڑا فضل کیا یعنی انبیاء اور صدیق اور شہید۔

وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿٤٩﴾ لَكَ الْفَضْلُ مِنَ اللَّهِ

اور نیک لوگ اور ان لوگوں کی رفاقت بہت ہی خوب ہے۔ یہ اللہ کا فضل ہے

وَكَفَى بِاللَّهِ عَلِيمًا ﴿٥٠﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا

اور اللہ جاننے والا کافی ہے۔ مومنو! (جہاد کیلئے) ہتھیار لے لیا کرو پھر یا تو جماعت جماعت ہو کر نکلا کرو

ثَبَاتٍ أَوْ انفِرُوا جَمِيعًا ﴿٥١﴾ وَإِنْ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيْطِئَنَّ فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ

یا سب اکٹھے کوچ کیا کرو۔ اور تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ (عمدًا) دیر لگاتا ہے پھر اگر تم پر کوئی

مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٥٢﴾

مصیبت پڑ جائے تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑی مہربانی کی کہ میں ان میں موجود نہ تھا

وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فُضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ

اور اگر اللہ تم پر فضل کرے تو اسی طرح سے کہ گویا تم میں اس میں دوستی تھی ہی نہیں (افسوس کرتا اور) کہتا ہے کہ کاش میں بھی

يَلْتَنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۳۳﴾ فَيُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

ان کیساتھ ہوتا تو مقصدِ عظیم حاصل کرتا۔ تو جو لوگ آخرت (کو خریدتے اور اُس) کے بدلے دنیا کی زندگی کو بیچنا چاہتے ہیں

الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ

اُن کو چاہیے کہ اللہ کی راہ میں جنگ کریں اور جو شخص اللہ کی راہ میں جنگ کرے پھر شہید ہو جائے

أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۴﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ

یا غلبہ پائے تو ہم عنقریب اُس کو بڑا ثواب دیں گے۔ اور تم کو کیا ہوا کہ تم اللہ کی راہ میں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ

اور اُن بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہیں لڑتے۔

يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا

جو دعائیں کیا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ہمیں اس شہر سے، جس کے رہنے والے ظالم ہیں، نکال کر کہیں اور لے جا

وَأَجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿۳۵﴾

اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا حامی بنا اور اپنی ہی طرف سے کسی کو ہمارا مددگار مقرر فرما۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ

جو مومن ہیں وہ تو اللہ کیلئے لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ بتوں کیلئے لڑتے ہیں

الطَّاغُوتِ فَقاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿۳۶﴾

سو تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو (اور ڈرو مت) کیونکہ شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ
 بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو (پہلے یہ) حکم دیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رہو [۱۳] اور نماز پڑھتے

مسئلہ رفع الیدین۔

[۱۳] اس آیت کریمہ کا تفسیر تمام مفسرین نے یہ کیا ہے کہ کف الید سے مراد یہاں جنگ سے روکنا ہے اور اس کا تائید
 اسی سورة کا [۹۱] آیت ہے جبکہ مستدرک [۲/۳۰۷] اور نسائی نے [مجتبیٰ: ۲۶۶، کبریٰ: ۲۶۵/۴] میں عبد الرحمن بن عوفؓ
 کا واقعہ سبب نزول نقل فرمایا ہے، جو کہ اس تفسیر کو مزید تقویت دیتا ہے۔ عبد الرحمن بن عوفؓ اور آپ کے ساتھی مکہ میں رسول
 اللہ ﷺ کے پاس آتے ہیں، اور کہتے ہیں اے نبی اللہ! ہم کفر کی حالت میں ذی عزت تھے، آج اسلام کی حالت میں ذلیل
 سمجھے جانے لگے (مطلب یہ تھا کہ آپ ﷺ کی حکم برداری ضروری ہے، اور آپ ﷺ مقابلہ سے منع کرتے ہیں، جس سے
 کفار کی جرأت بڑھ گئی ہے، اور وہ ہمیں ذلیل کرنے لگے ہیں، تو آپ ﷺ ہمیں مقابلہ کی اجازت کیوں نہ دیں) لیکن
 آپ ﷺ نے جواب دیا مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم یہی ہے کہ ہم درگزر کریں، خیردار کافروں سے جنگ نہ کرنا۔ پھر مدینہ کی ہجرت
 ہوئی اور یہاں جہاد کے احکام نازل ہوئے، تو لوگ رکنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن کثیر نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ بعض مفسرین نے
 منافقوں کا ذکر کیا ہے تفصیل کے لئے مواہب الرحمن، کبیر اور روح المعانی دیکھیں، حاصل یہ ہے کہ کسی بھی تفسیر نے ”کف
 الید“ سے عدم رفع الیدین کے لئے استدلال نہیں کیا، مگر بعض متعصب مقلدین اس آیت سے عدم رفع الیدین کے لئے
 استدلال کرتے ہیں، قاضی عیاض نے اکمال المعلم [۲/۳۲۲]، محمد بن خلیفۃ اللہی نے اکمال المعلم [۲/۳۲۲] میں
 اور محمد بن یوسف السنوسی نے مکمل اکمال الاکمال [۳۲۲/۲] میں لکھا ہے کہ: وقد ذکر ابن القصار هذا الحدیث
 حجة فی النهی عن رفع الایدی فی الصلاة علی رواية المنع من ذالک جملة، و ذکر ان فی ذالک
 نزلت هذه الایة، والمفسرون فی سبب نزول الایة علی غیر هذا. حاصل یہ ہے کہ ابن قسار نے
 جمہور مفسرین سے خلاف کرتے ہوئے اس آیت سے عدم رفع الیدین کے لئے استدلال کیا ہے، ہم ارادہ رکھتے ہیں کہ اس
 صاحب کو منہ توڑ جواب دیں۔ مذکورہ حوالہ جات سے یہ معلوم ہوا کہ بعض متعصبین اس آیت کی طرح ایک حدیث سے جو کہ

جابر بن سمرہ سے منقول ہے، سے عدم رفع الیدین کے لئے استدلال کرتے ہیں، تو ہم دونوں متدلالت سے یکجا جواب دیتے ہیں، وہ حدیث یہ ہے، عن جابر بن سمرہ قال خرج علينا رسول الله ﷺ فقال: مالي اراكم رافعي ايديكم، كأنها اذئاب خيل شمس، اسكنوا في الصلاة: [مسلم: ۱۸۱/۱، رقم ۴۳۰، ۱۲۱] یعنی رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے، اور فرمایا، میں تمہیں ہاتھ اٹھائے ہوئے اس طرح دیکھتا ہوں جیسے شریگھوڑوں کی دمیں ہوتی ہیں، نماز میں سکون اختیار کرو۔ تو اس حدیث سے پہلا جواب وہ ہے، جو کہ آیت سے ہم نے کیا، جیسا کہ آیت کا وہ معنی نہیں تھا، اور قرآن کریم نے خود اس کا وضاحت کیا، اسی طرح یہ حدیث خود بخود پیناؤں کے لئے وضاحت کرتا ہے، یہ حدیث امام مسلم نے، رقم ۴۳۰، ۱۲۱، پر درج ذیل طریقہ سے نقل کیا ہے۔ جابر فرماتا ہے، ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے، تو ختم نماز پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر آپ ﷺ نے فرمایا، تمہیں یہ کیا ہو گیا ہے؟ تم اپنے ہاتھوں سے اس طرح اشارہ کرتے ہو، جیسے شریگھوڑوں کی دمیں ہوتی ہیں۔ تم میں سے جب کوئی نماز پڑھے تو اپنے بھائی کی طرف منہ کر کے صرف زبان سے ”السلام علیکم ورحمۃ اللہ“ کہے، اور ہاتھ سے اشارہ نہ کرے۔ تو اس سے خود بخود معنی حدیث ظاہر ہوئی۔ لہذا اس حدیث کے ساتھ استدلال بالکلیہ مردود ہے یہی جواب امام بخاری جزء رفع الیدین: ص: ۱۰۰، میں بیان فرماتا ہے۔

بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ حقیقت میں یہ حدیثیں دو ہیں، ایک تو مذکورہ ہے، جس میں ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، الحدیث۔ جبکہ دوسری حدیث میں ہے کہ ہم نماز میں مشغول تھے، اور رسول اللہ ﷺ نکل آئے، جسکے الفاظ ایسے ہیں، دخل رسول الله ﷺ، وفي رواية خرج علينا رسول الله ﷺ۔ اور ساتھ ساتھ یہ دھوکہ بھی دیتے ہیں، کہ اس حدیث کا حوالہ مسند احمد پر دیتے ہیں، حالانکہ یہ حدیث مسلم، ابوداؤد، نسائی، جبکہ ان کے امام، امام طحاوی نے بھی نقل کیا ہے۔ یہ دجل اس لئے کرتے ہیں، کہ امام مسلم اور امام ابوداؤد اور امام نسائی نے ان دونوں احادیثوں کو ایک ہی باب میں نقل کئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں احادیث کے الفاظ میں اگرچہ فرق ہے لیکن معنی ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق بوقت سلام رفع الیدین سے ہے، اس لئے کہ امام مسلم نے ان حدیثوں پر باب باندھا ہے: باب الامر بالسكون في الصلاة، والنهي عن الاشارة باليد، ووضعها عند السلام. اور ابوداؤد نے لکھا ہے، باب في السلام، امام نسائی نے سنن کبریٰ: ۳۳۲/۲، میں لکھا ہے، السلام بالايدي في الصلاة، اور اسی طرح مجتبیٰ: ۴۲۳، میں اور امام طحاوی نے اس روایت کو مشکل الاثار: ۱۶۸/۱۵، میں، باب النبي ﷺ حامل امامة في

الصلاة اور معانی الآثار: ۱/ ۵۸۷: باب الاشارة فى الصلاة، میں نقل کیا ہے، جبکہ اس باب میں لکھتا ہے:

فلما امر رسول الله ﷺ بالسكون فى الصلاة، وكان رد السلام بالاشارة فيه خروج من ذلك، الخ، اور ایسی عبارت مشکل الآثار میں بھی لکھا ہے۔ امام بیہقی نے سنن کبریٰ میں اس حدیث پر ایسا عنوان لکھا ہے: باب كراهت الاماء باليد عند التسليم، جبکہ خفیوں کے امام محمد بن الحسن الشیبانی نے کتاب الحجیہ: ۱۴۳۱، میں اس حدیث پر ایسا عنوان ذکر کیا ہے: باب التشهد والسلام على النبي ﷺ، اور علی المتقی نے کنز العمال: ۳۴۰/۷، میں لکھا ہے، باب منع الاشارة باليد وقت الصلاة، ان علماء کے عنوانات سے یہ واضح ہوا کہ حدیث کا معنی کیا ہے۔ اور امام نووی شرح مہذب: ۳۰۳/۳، میں ایسوں کے متعلق فرماتا ہے، واما حدیث جابر بن سمرہ فاحتجاجهم من اعجب الاشياء، واقبح انواع الجهالة بالسنة، لان الحدیث لم يرد فى رفع الايدي فى الركوع والرفع منه، ولكنهم كانوا يرفعون ايديهم فى حالة السلام من الصلاة، ويشيرون بها الى الجانبين، يريدون بذلك السلام على من عن الجانبين، وهذا الاختلاف فيه بين اهل الحديث ومن له ادنى اختلاط بالحديث۔ اور ابن حبان اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد دوسرا عنوان لکھتا ہے، باب ذكر الخبر المقتضى للفظة المختصرة التى تقدم ذكرنا لها بأن القوم انما امروا بالسكون فى الصلاة عند الاشارة بالتسليم دون رفع اليدين عند الركوع. بطور، ارخاء العنان، اگر یہ آیت اور حدیث عدم رفع الیدین پر دلیل ہے، تو ہم عند الركوع اور رکعتین سے اٹھنے کے وقت نہیں کریں گے، لیکن مسترلین کو چاہیے کہ وہ تکبیر تحریمہ، وتر، اور عبیدین میں نہ کریں، اگر مذکورہ رفع الیدین اس حدیث کے ساتھ منسوخ ہے، تو درج بالا تینوں رفع الیدین بطریق اولیٰ ممنوع، منسوخ ہیں۔ جو ان کا جواب ہے وہی ہمارا جواب ہوگا، اگر ان مواضع کی تخصیص دوسرے احادیث کے ساتھ ہیں تو رکوع والے رفع الیدین کی تخصیص بھی متواتر احادیث کے ساتھ ہے۔

ان میں بعض کہتے ہیں کہ ہم لفظ ”اسکنوا فى الصلاة“ سے استدلال کرتے ہیں، کہ نماز میں اصل سکون اور حرکات نہ کرنا ہے، تو اس کا بھی جواب وہی ہے، مزید یہ بھی کہتے ہیں کہ رکوع، سجود، اور قعدے بھی نہ کریں، اس لئے کہ امر مطلق ہے۔ اور ابی و سنوی اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ وہی التی لا تستقر عند النخس وتشير بذنبها الى اليمين والشمال، اور یہی معنی امام ابو العباس قرطبی نے مفہم میں بھی کیا ہے، جبکہ اس حدیث کی بعض طرق میں ہے۔ یمناً و شمالاً [مسلم و بزار: ۲۰۴۱۰]۔ اور مبارکپوری شرح مسلم میں لکھتا ہے، لو كان فيه الانكار على رفع اليدين

قبل الركوع وبعده، لكان فيه تقبيح بعد تشریح بالانقدايم النهى، وهو غير معقول - مذكوره تفصيل سے واضح ہوا کہ اس آیت کریمہ اور حدیث کا مسئلہ رفع الیدین سے دور کا تعلق بھی نہیں، مسئلہ مذکورہ اگرچہ علماء کرام کے درمیان اختلافی ہے لیکن اثبات رفع الیدین کی متعلق جو روایات ہیں، وہ زیادہ، اصح اور قوی ہیں، جبکہ اس کے راوی بھی وہ صحابہ کرام ہیں جو کہ افقہ تھے، اس دعویٰ کی اثبات کے لئے ہم جانبین کے دلائل پیش کرتے ہیں، جبکہ نتیجہ آپ خود بخود اخذ کریں گے۔ پہلے ہم مشہور روایات نقل کرتے ہیں۔ چونکہ اس باب میں عبد اللہ بن عمرؓ کا روایت زیادہ پیش پیش ہے، اس لئے ہم اس کو اولاً ذکر کرتے ہیں:

،عن ابن عمرؓ ان رسول اللہ ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلوة، واذا كبر للركوع، واذا رفع رأسه من الركوع رفعهما، وقال سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد، وكان لا يفعل ذلك فى السجود: [بخارى مع الفتح: ۲/۲۱۹، مسلم: ۱/۲۹۳، ابوداؤد: ۱/۲۷۶، ترمذی: ۲/۱۵۹، ابن ماجه: رقم: ۸۵۸، سنن نسائی: ۲/۱۳۱، مسند احمد: ۸/۱۴۵، وغیرہ]۔ ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ جب نماز کو شروع کرتے، تو اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے، اسی طرح جب رکوع کی تکبیر کہتے، جب رکوع سے سر اٹھاتے، تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھاتے، اور سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد کہتے، اور سجدوں میں رفع الیدین نہ کرتے تھے۔

۱۔ عبد اللہ بن عمرؓ سے یہ روایت مختلف طرق سے نقل کی گئی ہے، مذکورہ سند سب سے زیادہ معتمد اور صحیح ہے۔ بعض نے اس روایت پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت مسند حمیدی میں اس طرح ہے، ،حدثنا الحمیدی قال ثنا الزهري قال اخبرنى سالم بن عبد الله عن ابيه قال رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه، واذا اراد ان يركع وبعد ما يرفع رأسه من الركوع، فلا يرفع، ولا بين سجدتين۔

تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اس نسخہ میں تنازع عبارت محرف ہے، اس لئے کہ یہ عبارت مسند حمیدی کے تمام قلمی نسخوں میں اسی طرح موجود نہیں، بلکہ کچھ یوں ہے کہ: رأيت رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة رفع يديه حذو منكبيه، واذا اراد ان يركع، وبعد ما يرفع رأسه من الركوع، ولا يرفع بين السجدتين۔ یہ عبارت نسخہ ظاہریہ کی ہے، جس کو شک ہو تو مسند حمیدی کی قلمی نسخہ کا عکس (جامعہ کی مکتبہ) میں ملاحظہ فرمائیں، اور یہی نسخہ جس میں مذکورہ بالا عبارت ہے اس کے محقق حبیب الرحمن اعظمی نے خود بعض مقامات پر اعتراض کیا ہے، کہ اس نسخہ میں تحریفات ہیں۔ اور خود یہ سند بھی آپ

ملاحظہ کیجئے کہ اس میں حمیدی نے یہ حدیث زہری سے نقل کیا ہے اور دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ ہے، جو جواب یہ لوگ کرتے ہیں وہی ہمارا جواب ہے۔ اور کتاب المستخرج لابی نعیم الاصبہانی: ۱۲/۲، میں اسی سند کے ساتھ یہ روایت منقول ہے، جو کہ نسخہ ظاہریہ کی موافق ہے، اور اسی طرح مسند ابی عوانہ میں بھی یہ روایت محرف اور غلط پیش کیا ہے کہ: قال رأیت رسول اللہ ﷺ اذا افتتح الصلاة رفع يديه حتى يحاذى بهما، وقال بعضهم: حذو منكبيه، واذا اراد أن يركع، وبعد ما يرفع رأسه من الركوع لا يرفعهما: [۹۹/۲]۔ اس نسخہ سے حرف واو گرائی گئی ہے، اس لئے کہ مسند ابی عوانہ کے قلمی نسخوں میں موجود ہے، جبکہ ابو عوانہ نے اس حدیث پر جو عنوان لکھا ہے وہ بھی اسی پر شاہد ہے کہ: بیان رفع اليدين في افتتاح الصلوة قبل التكبير بحذاء منكبيه، وللركوع، ولرفع رأسه من الركوع، وانه لا يرفع بين السجدين۔

دیگر جواب یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کے پہلے علماء مثلاً امام طحاوی، زیلعی، وغیرہ نے عدم رفع اليدين کے حق میں یہ روایت پیش نہیں کیا۔

بعض یہ روایت پیش کرتے ہیں جو کہ مدوینۃ الکبریٰ: ۶۹/۱، میں ابن عمرؓ سے منقول ہے: ابن وهب عن مالك بن انس عن ابن شهاب عن سالم بن عبد الله عن ابيه ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح التكبير للصلوة۔ عبد الله بن عمرؓ مارتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رفع اليدين اپنے کان دھوں کے برابر اس وقت کرتے تھے جب نماز شروع کرتے تھے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے، اس میں رکوع سے پہلے اور بعد کے رفع اليدين کا ذکر نہیں۔ جبکہ یہی روایت امام مالکؒ نے مؤطا: ۱۳۳، رقم ۵۹، پر نقل کیا ہے، اور التمهيد: ۲۱۰/۹، میں بھی اسی طرح ہے۔ جبکہ عدم ذکر نفی ذکر (عدم وجود) کے لئے مستلزم نہیں ہوتا۔

بعض یہ روایت نقل کرتے ہیں: عن عبد الله بن عون النخراز ثنا مالك عن الزهري عن سالم عن ابن عمرؓ ان النبي ﷺ كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة ثم لا يعود۔ عبد الله بن عمرؓ مارتے ہیں کہ نبی ﷺ رفع اليدين اس وقت کرتے تھے، جب نماز شروع کرتے، پھر رفع اليدين کرنے کے لئے نہ لوٹتے تھے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس روایت کے ساتھ استدلال کرنا باطل و مردود ہے، جیسے کہ امام ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الزیلعی نصب الراية: [۳۷۹/۱] میں فرماتے ہیں: هذا باطل موضوع، ولا يجوز ان يذكر الا على سبيل

القدح، فقد روينا بالاسانيد الصحيحة عن مالك بخلاف هذا، ولم يذكر الدارقطني هذا في غرائب حديث مالك۔

یہ (روایت) باطل، موضوع ہے، اس کا ذکر سوائے اسے برا کہنے کے جائز نہیں ہے، تحقیق یہ ہے کہ صحیح اسانید کے ساتھ امام مالک سے اس کے خلاف (رفع الیدین) ہم تک روایت کیا گیا ہے۔ اور مختصر الخلافات: [۳۸۵/۱] میں ابن ابی لیلیٰ سے ابن عمر کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ، ابن ابی لیلیٰ عن نافع عن ابن عمر (رفعه قال) ترفع الایدی فی سبعة مواطن، عند افتتاح الصلاة، واستقبال البيت، والصفاء والمروة، والوقوفین، والجمرتین۔

رفع الیدین سات مقامات پر کیا جاتا ہے ابتداء نماز کے وقت، بیت اللہ کی زیارت کے وقت، صفا اور مروہ پہاڑی پر قیام کے وقت، وقوف عرفہ اور مزدلفہ کے وقت، رمی الجمار کے وقت۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے اس کی سند میں ابن ابی لیلیٰ ہے، جس کے متعلق مختصر الخلافات: [۳۸۶/۱] میں امام حاکم سے نقل کرتا ہے، تفرد ابن ابی لیلیٰ بروایتہ، وقد اتفق اهل الحديث على ترك الاحتجاج بروایتہ، مزید تفصیل حدیث ابن عباس میں آئیگا۔

بعض لوگ ایک روایت کتاب اخبار الفقہاء والمحدثین سے نقل کرتے ہیں، اس کتاب کے ص: ۲۱۳ میں عثمان بن سوادہ کے متعلق لکھتا ہے کہ، وکان یحدث بحديث رواه مسندا فى رفع الیدین، وهو من غرائب الحديث، وراه من شواذها، حدثنى عثمان بن محمد قال قال لى عبیدالله بن یحیٰ، حدثنى عثمان بن سوادة ابن عباد عن حفص بن میسرۃ عن زید بن اسلم عن عبد الله بن عمر قال كنا مع رسول الله ﷺ بمكة، نرفع ایدینا فی بدأ الصلاة، وفى داخل الصلاة عند الركوع، فلما هاجر النبی ﷺ الى المدينة ترك رفع الیدین فی داخل الصلاة عند الركوع، وثبت على رفع الیدین فی بدء الصلاة. الخ.

ابن عمر نے فرمایا کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ میں تھے، تو ہم رفع الیدین کرتے تھے نماز کی ابتداء میں، اور نماز کے اندر رکوع کے وقت، اور جب نبی ﷺ نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی، تو نبی ﷺ نے نماز کے اندر رکوع والا رفع الیدین چھوڑ دیا، اور ابتداء کی رفع الیدین پر آپ ﷺ ثابت رہے، حتیٰ کہ آپ ﷺ وفات پائے۔ اس حدیث کا جواب خود اس کتاب میں موجود ہے، لیکن عربی میں ایک مثال مشہور ہے کہ ”صاحب الغرض مجنون“ اور پشتو میں بھی ایک مثال ہے کہ: صاحب غرض اندھا ہوتا ہے، یعنی اس کتاب والے نے لکھا ہے کہ یہ غریب حدیثوں میں سے ہے،

اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ شاذ روایتوں میں سے ہے، مزید تفصیل کے لئے ماہنامہ الحدیث نمبر [۱۱] ملاحظہ کیجئے۔

ایک روایت مجاہد سے منقول ہے کہ، ابو بکر بن عیاش عن حصین عن مجاہد قال صلیت خلف ابن عمر فلم یکن یرفع یدیه الا فی التکبیرة الاولی من الصلوٰة، کہ میں نے ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی، تو وہ صرف تکبیر اولیٰ میں ہاتھ اٹھاتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے، کہ امام بخاری نے اس حدیث کے متعلق تکی بن معین کا قول نقل کیا ہے کہ: حدیث ابی بکر عن حصین انما ہو توہم لا اصل له۔ یعنی ابو بکر کی حصین سے روایت اس کا وہم ہے اس روایت کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بعض علماء یہ بھی کہتے ہیں کہ اس کا مرکزی کردار ابو بکر بن عیاش ہے، اور وہ تکلم فیہ ہے، جبکہ خود نصب الراہیہ: ۴۰۹/۱، میں یہ تصریح موجود ہے، کہ ابو بکر بن عیاش آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ یہ روایت محمد بن الحسن نے مؤطا: ۹۲، میں نقل کیا ہے اس سند سے، اخبارنا محمد بن ابان بن صالح عن عبد العزیز بن حکیم قال رأیت ابن عمر یرفع یدیه حذاء اذنیہ فی اول تکبیرة افتتاح الصلوٰة، ولم یرفعہما فیما سوی ذالک۔

تو اس میں محمد بن ابان راوی ہے جو کہ بائناق علماء ضعیف ہے۔ جبکہ امام بخاری اس روایت سے جوابات کرتے ہوئے یہ بھی نقل کرتا ہے، کہ مجاہد خود رفع الیدین کرتے تھے، اب احناف اپنی قاعدہ کو یاد رکھیں۔

عبداللہ بن عمرؓ سے ایک روایت مشہور ہے کہ آپؐ جس شخص کو دیکھتے کہ رکوع سے پہلے اور بعد، رفع الیدین نہیں کرتا تو اسے کنکریوں سے مارتے تھے۔ یہ روایت مسند حمیدی: ۲/۷۷۲، میں نقل ہے کہ، حدثنا الحمیدی قال ثنا الولید بن مسلم قال سمعت زید بن واقد یحدث عن نافع، ان عبد اللہ بن عمرؓ کان اذا ابصر رجلا یصلی لا یرفع یدیه کلما خفض ورفع، حصبه حتی یرفع یدیه،، اس کو امام بخاری نے جزء رفع الیدین: [۵۳] میں اور ابن عبد البر نے تمہید: [۲۲۳/۹] میں اور مسائل امام احمد (روایت عبداللہ) [۷۰] میں اور دارقطنی نے [۲۸۹/۱] میں اور حاکم نے معرفۃ علوم الحدیث: ۲۱۸، میں اور سہمی نے تاریخ جرجان: [۴۳۳] میں نقل کیا ہے۔ اب ناظرین خود سوچیں کہ عبداللہ بن عمرؓ سے کونسی روایت صحیح ہے۔

(۲) روایت مالک بن حویرثؓ:۔ عن ابی قلابہ انہ رأى مالک ابن حویرث اذا صلی کبر ورفع یدیه، واذا راد ان یرکع رفع یدیه، واذا رفع رأسه من الركوع رفع یدیه، وحدث ان رسول اللہ ﷺ صنع هكذا۔ [صحیح البخاری: ۱۰۲/۱، مسلم: ۲۹۳/۱، ترمذی مع التحفہ: ۱۱۰۲/۱۱، ابوداؤد: ۲۸۵/۱، نسائی: ۱۸۲/۲، ابن ماجہ: ۱۹۴/۱]

۱۶۶/۲۳] ابو قتادہ فرماتے ہیں کہ مالک بن حویرثؓ جب نماز پڑھتے، تو تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے، اور جب رکوع کرتے تو رفع الیدین کرتے، اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع الیدین کرتے، اور فرماتے کہ رسول اللہ ﷺ اسی طرح کرتے تھے۔

(۳) روایت وائل بن حجرؓ: عن وائل بن حجرؓ انه رأى النبي ﷺ رفع يديه حين دخل فى الصلوة كبر، وصف همام حيال اذنيه، ثم التحف بثوبه، ثم وضع يده اليمنى على اليسرى، فلما اراد ان يركع اخرج يديه من الثوب، ثم رفعهما، ثم كبر فركع، فلما قال سمع الله لمن حمده رفع يديه، فلما سجد سجد بين كفيه. مسلم: رقم: ۴/۲۰۱، [ابوداؤد: ۲/۶۷، سنن نسائي: ۱۲۶/۲، سنن كبرى مع الجوهر النقى: ۱/۲، معرفة السنن والاثار: ۱/۵۳۳، مصنف ابن ابى شيبة: ۱/۲۳۵، دار قطنى: ۱/۳۹۳، جزء رفع الیدین: ص: ۶۰، ۸۳، ۱۲۵، التمهيد لابن عبد البر: ۹/۲۲۷]. وائل بن حجرؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ نماز میں داخل ہوئے جب تکبیر کہی رفع الیدین کیا، ہمام نے کانوں تک بیان کیا، پھر کپڑا لپیٹ لیا، اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ دیا، اور جب رکوع کا ارادہ کیا تو اپنے دونوں ہاتھ کپڑے سے نکالے اور رفع الیدین کیا، پھر تکبیر کہی اور رکوع کیا، اور سمع الله لمن حمدہ کہا، (یعنی رکوع سے کھڑے ہوئے) تو رفع الیدین کیا، پس جب سجدہ کیا تو اپنی دونوں ہتھیلیوں کے درمیان سجدہ کیا۔

اس روایت کے بارے میں مسند امام اعظم نے یہ اعتراض کیا ہے کہ:، وفى رواية، ذكر عنده وائل حجرؓ انه رأى النبي ﷺ رفع يديه عند الركوع، وعند السجود، فقال هو اعرابي، لا يعرف الاسلام، لم يصل مع النبي الا صلوة واحدة۔ یعنی اس حدیث پر ان کے دو اعتراض ہیں (۱) وائل اعرابی یعنی بدو تھے (۲) انہوں نے نبی ﷺ کو صرف ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کے جواب میں ہم ان کے مختصر احوال ذکر کرتے ہیں۔ آپ یمن کے عظماء میں سے تھے، اور بادشاہوں کی اولادوں میں سے تھے، رسول اللہ ﷺ نے آپ کے آنے سے تین دن پہلے آپ کی بشارت دی تھی، ۹ھ میں جو نوذ نبی ﷺ کے پاس آئے تھے، ان میں وائلؓ کی آمد کا ذکر ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ: ۱/۵، میں کیا ہے، اس سے اگلے سال یعنی [۱۰ھ] ہجری میں آپ دوبارہ آئے تھے، صحیح ابن حبان: [۳/۱۶۸] باقی صحابہ کرام کا مقام بہت بلند ہے، اور کسی کی دفاع کا محتاج نہیں۔

(۴) روایت ابی حمید الساعدیؓ: قال عبد الحميد بن جعفر حدثنا محمد بن عمرو بن عطاء قال

سمعت اباحميد الساعدي^{رض} في عشرة من اصحاب النبي ﷺ، فيهم ابو قتادة^{رض}، فقال ابو حميد اني اعلمكم بصلاة رسول الله ﷺ، قالوا لم؟ فوالله ما كنت اكثر له تبعا ولا اقدمنا له صحبة؟ قال بلى، قالوا فاعرض، قال كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة كبر، ثم رفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه، ويقيم كل عظم في موضعه، ثم يقرأ، ثم يرفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه، ثم يركع ويضع راحتيه على ركبتيه، معتدلا لا يصب رأسه، ولا يقنع به (ثم يرفع رأسه فيه) يقول سمع الله لمن حمده، ويرفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه (قال زبير: فذكر الحديث ثم قال) ثم اذا قام من الركعتين رفع يديه حتى يحاذي بهما منكبيه، كما صنع عند افتتاح الصلوة (قال زبير: ثم ذكر الحديث وفيه) فقالوا صدقت، هكذا كان يصلي النبي ﷺ: [ابوداؤد: ۱/۲۷۸، سنن الترمذی: ۱/۶۷، سنن الكبرى للبيهقي مع الجوهر النقي: ۲/۷۲، معرفة السنن والآثار: ۱/۵۴۴، مصنف ابن ابي شيبة: ۱/۲۳۵، جزء رفع اليدين: ۳۷]-

عبد الحميد بن جعفر نے کہا میں نے محمد بن عمرو بن عطاء سے سنا، اس نے کہا: میں نے ابو حمید الساعدی سے دس صحابہ کرامؓ میں سنا جن میں ابو قتادہؓ بھی تھے، ابو حمید الساعدیؓ نے کہا، میں تم میں سب سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی نماز کو جانتا ہوں۔ انھوں نے کہا: آپ نہ تو ہم سے پہلے مسلمان ہوئے، نہ ہم سے زیادہ آپ ﷺ کی صحبت اختیار کی ہے (اور نہ ہم سے زیادہ ان کی اتباع کی ہے) ابو حمید نے کہا: یہ بات ٹھیک ہے، تو انھوں نے کہا، اچھا پھر پیش کریں، ابو حمید نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اللہ اکبر کہتے، اور اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے، اور ہر جوڑ اپنی جگہ پر ٹھہراتی، پھر قرأت کرتے، پھر اپنے دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے، پھر رکوع کرتے اور اپنی ہتھیلیاں اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھتے، رکوع میں نہ سرو اونچا رکھتے نہ نیچا، پھر سر اٹھاتے اور سمع اللہ لمن حمدہ کہتے، اور دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھاتے۔۔۔ پھر جب دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوتے، تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں تک اٹھاتے، دس کے دس صحابہ کرامؓ نے کہا چھ ہے نبی ﷺ اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

(۵) روایت علیؓ: قال سليمان بن داود الهاشمي اخبرنا عبد الرحمن بن ابي الزناد عن موسى بن عقبة عن عبد الله بن الفضل الهاشمي اخبرنا عبد الرحمن الاعرج عن عبيد الله بن ابي رافع عن ابي ابن ابي طالب عن النبي ﷺ انه كان اذا قام الى الصلوة المكتوبة كبر، ورفع يديه حذو منكبيه،

و یصنع مثل ذالک اذا قضی قراته، و اراد ان یرکع، و یصنعه اذا رفع من الرکوع، و لا یرفع یدیه فی شیء من صلاته و هو قاعد، و اذا قام من السجدتین رفع یدیه کذلک و کبر: [ابو داؤد: ۲۸۵/۱، ترمذی مع التحفة: ۳۵۳/۹]. و قال الترمذی بعد نقل هذا الحدیث بطوله... هذا عندنا مثل حدیث الزهیری عن سالم عن ابيه: ۳۵۵/۹، بخاری فی رفع الیدین: ۳۹، و السنن الکبری: ۲/۶۷۷، معرفۃ السنن: ۵۲۶/۱، ابن ماجہ: ۲۶۸/۱، سنن کبری: ۲/۴۷۷، الاوسط لابن المنذر: ۳/۱۳۷، دارقطنی: ۳۹۰/۱، جزء رفع الیدین: ۴۲، مستدرک: ۲/۱۲۳]۔

جبکہ ابن ابی حاتم نے علیؑ سے نقل کیا ہے کہ فرشتے بھی رفع الیدین کرتے ہیں: حدثنا وهب بن ابراهيم حدثنا اسرائيل بن حاتم المروزي حدثنا مقاتل بن حبان عن الاصبغ بن نباته عن علي بن ابي طالب قال لما نزلت هذه السورة على النبي ﷺ، ﴿انا اعطيناك الكوثر فصل لربك وانحر﴾ قال رسول الله ﷺ يا جبرئيل ما هذه النحيرة التي امرني بهاربي؟ فقال ليست بنحيرة، ولكنه يأمرك اذا تحرمت للصلوة ارفع يديك، اذا كبرت و اذا ركعت و اذا رفعت رأسك من الرکوع و اذا سجدت فانها صلوتنا و صلوة الملائكة الذين في السموات السبع، و ان لكل شيء زينة و زينة الصلوة رفع الیدین عند كل تكبيرة. تفسیر ابن ابی حاتم: ۱۰/۳۷۰، مستدرک: ۳/۳۹، بیہقی فی السنن الکبری: ۲/۵، المعجم لابن الاعرابی: ۲/۲۹۹۔ علیؑ کہتے ہیں: کہ جب سورہ کوثر اتری تو نبی کریم ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ ”و انحر“ سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ تمہیں حکم فرماتے ہیں کہ جب تو نماز شروع کریں تو رفع الیدین کر، اور جب رکوع کرے تو بھی، اور جب رکوع سے اٹھے تو بھی، یہی ہماری نماز ہے اور ساتوں اسمانوں کے فرشتوں کی بھی یہی نماز ہے۔

علیؑ سے ایک موقوف روایت منقول ہے جو کہ امام طحاوی نے: ۱/۳۲۱، اور جزء رفع الیدین: ۴۴، اور مؤطا: ۹۰، میں نقل کی ہے کہ: حدثنا ابو بکر النهشلي عن عاصم بن كليب عن ابيه ان عليا كان يرفع يده في اول تكبيرة من الصلوة ثم لا يرفع بعد .

تو اس کا جواب یہ ہے کہ علیؑ سے روایت رفع بسند صحیح گذر چکی ہے، احناف اس کے خلاف انکاء یہ عمل پیش کیا کرتے ہیں، حالانکہ اسکی سند میں عاصم ہے جو منفرد ہے، اور وہ تفرّد کی حالت میں حجت نہیں، جیسے امام ابن المدینی

کا قول اس کے بارے میں مشہور ہے، اور حنفیہ کو بھی یہ تسلیم ہے، اور ثقہ ہونا نکلے قول کے منافی نہیں، امام بخاری جزء رفع الیدین میں فرماتے ہیں، قال عبدالرحمن ابن مہدی ذکرت للثوری حدیث النهشلی عن عاصم بن کلیب فانکره . میزان میں ہے کان من العباد الاولیاء، لکنہ مرجئی وثقہ یحیی بن معین وغیرہ، وقال ابن المدینی لایحتج بما انفرد به : اسی وجہ سے تخریج میں زیلعی نے امام دارمی کا قول نقل کیا ہے: وما روی عن علی بخلاف ذالک فطرقه واهیه: یعنی حدیث رفع الیدین کے ماسوا جو کچھ علیؑ سے مروی ہے اس کے جملہ طرق کمزور ہیں۔

(۶) روایت ابی ہریرہؓ: قال ابو داؤد حدثنا عبد الملک بن شعیب بن اللیث حدثنی ابی عن جدی عن یحییٰ عن عبد الملک عن ابن شہاب عن ابی بکر بن عبدالرحمن عن ابی ہریرہؓ انه قال قال کان رسول اللہ ﷺ اذا کبر للصلاة جعل یدیه حذو منکبیه، واذ رکع فعل مثل ذالک، واذ ارفع للسجود فعل مثل ذالک، واذ اقام من الرکعتین فعل مثل ذالک: ابو داؤد: ۱/۲۸۲، صحیح ابن خزیمہ: ۱/۱۲۴، وهو ایضاً فی حدیث ابی حمید الساعدی: ابو داؤد: ۱/۲۷۸، جزء رفع الیدین: ۶۳، ۱۳۴، التمهید لابن عبد البر: ۲۱۷/۹۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز کے لئے تکبیر کہتے تو اپنے ہاتھ اپنے دونوں کندھوں کے برابر کرتے، اور جب رکوع کرتے تو اسی طرح کرتے، اور جب سجدوں کے لئے کھڑے ہوتے تو اسی طرح کرتے، اور جب دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوتے تو اسی طرح کرتے تھے۔

ابو ہریرہؓ سے یہ روایت ابن الاعرابی نے اس طرح نقل کیا ہے: نامحمد بن عصمة نا سوار بن عمارۃ نا رذیح بن عطیة عن ابی زرعة بن ابی عبد الجبار بن معج قال رأیت اباہریرةؓ فقال لاصلین بکم صلاة رسول اللہ ﷺ، لا ازید فیہا ولا انقص فاقسم باللہ، ان کانت ہی صلاتہ حتی فارق الدنیا، قال فقمت عن یمینہ لانظر کیف یصنع، فابتدا فکبر ورفع یدیه، ثم رکع فکبر ورفع یدیه، ثم سجد، ثم کبر، ثم سجد، وکبر، حتی فرغ من صلاتہ، قال اقسام باللہ ان کانت لہی صلاتہ حتی فارق الدنیا: ۱/۹۷، المعجم.

کہ میں ضرور آپ کو رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھاؤں گا۔ اس میں نہ زیادت کروں گا اور نہ کمی۔ پس انھوں نے اللہ کی قسم اٹھا کر کہا، کہ آپ ﷺ کی یہی نماز تھی، حتیٰ کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے گئے۔ راوی نے کہا: پس میں آپ کی دائیں طرف کھڑا ہو گیا، تاکہ دیکھوں کہ آپ کیا کرتے ہیں۔ پس انہوں نے نماز کی ابتدا کی۔ اللہ اکبر کہا اور اپنے دونوں

ہاتھ اٹھائے پھر رکوع کیا۔ پس (رکوع کے بعد) آپ نے اللہ اکبر کہا، اور اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر سجدہ کیا۔ پھر اللہ اکبر کہا، اور پھر سجدہ کیا، اور اللہ اکبر کہا حتیٰ کہ آپ اپنی نماز سے فارغ ہو گئے۔ ابو ہریرہؓ نے فرمایا میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ آپ ﷺ کی یہی نماز تھی حتیٰ کہ دنیا سے تشریف لے گئے۔

امام طبرانی نے مسند الشامیین: ۳۵۲، میں اس الفاظ سے نقل کرتے ہیں: حدثنا حصین بن وہب الارسوفی ثنا زکریا الارسوفی ثنا عباد بن الخواص ثنا ابو زرعة یحی بن ابی عمرو والسیبانی عن ابی عبد الجبار "واسمه عبد الله" عن ابی هريرة قال: لا صلین بکم صلوة رسول الله ﷺ، ان استطعت لم ازد ولم انقص، فکبر فرکع فلم یطل ولم یقصر، ثم رفع رأسه فشهّر بیدیه ثم کبر فسجد،

ابو ہریرہؓ نے کہا میں ضرور رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھ کر بتاؤں گا، حتیٰ الوسع اس میں نہ زیادتی کروں گا اور نہ کمی۔ پس انھوں نے اللہ اکبر کہا، اور رفع الیدین کیا، پس آپ نے رکوع کیا نہ یہ رکوع لمبا تھا اور نہ ہلکا۔ پھر آپ نے اپنا سر اٹھایا اور رفع یدین کیا۔ پھر اللہ اکبر کہا (پھر اس کے بعد) سجدہ کیا۔

ابو ہریرہؓ سے بعض متعصبین ایک روایت نقل کرتے ہیں جو کہ ابن الجوزی نے کتاب التحقیق: ۳۳۱/۱ (مع شرح ابن عبدالمہادی) میں نقل کیا ہے کہ۔ حدثت عن محمد بن نصر قال انبأنا علی بن محمد بن عبد الحمید قال حدثنا ابو بکر محمد بن علی بن بلال حدثنا عبید الرحمن بن علی بن محمد الفقیہ قال حدثنی ابی قال حدثنا المأمون بن احمد السلمی حدثنا المسیب بن واضح عن ابن المبارک عن یونس عن الزهري عن سعید عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال من رفع یدیه فی الصلاة فلا صلاة له،، یہ روایت ابن جوزی نے موضوعات: ۹۷۲، میں بھی نقل کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اسکی سند میں جو مأمون بن احمد ہے، تو یہ کذب تھا، اور ابن حبان سے نقل کرتا ہے کہ: کان دجالا من الدجالین جبکہ یہی عبارت صاحب نصب الراية نے: [۴۷۹/۱] میں بھی ذکر کیا ہے۔

(۷) روایت ابو موسیٰ الأشعریؓ:۔ عن ابی موسیٰ الأشعریؓ قال هل اریکم صلوة رسول الله ﷺ، فکبر ورفع یدیه، ثم کبر ورفع یدیه، ثم کبر ورفع یدیه، ثم قال سمع الله لمن حمده، ثم رفع یدیه، ثم قال هكذا فاصنعوا، ولا یرفع بین السجدتین: [سنن دار قطنی محقق: ۶۱۸/۱، الاوسط لابن المنذر: ۱۳۸/۳، المحلی لابن حزم: ۵۹/۴۔

ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ کو رسول اللہ ﷺ والی نماز پڑھ کر دکھاؤں؟ پس آپ نے اللہ اکبر کہہ کر رفع الیدین کیا، پھر (رکوع کے وقت) پر اللہ اکبر کہہ کر رفع الیدین کیا۔ پھر سمع اللہ لمن حمدہ کہہ کر رفع الیدین کیا، اور فرمایا کہ اس طرح کیا کرو۔ اور سجدہ میں رفع الیدین نہ کیا۔

(۸) روایت ابی بکرؓ: عن عطاء بن ابی رباح: قال صلیت خلف عبد اللہ بن الزبیرؓ فكان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ، واذا رکع واذا رفع رأسه من الركوع، فساله فقال عبد اللہ بن الزبیرؓ صلیت خلف ابی بکرؓ فكان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ، واذا رکع واذا رفع رأسه من الركوع، وقال ابو بکرؓ صلیت خلف رسول اللہ ﷺ فكان یرفع یدیه اذا افتتح الصلوٰۃ، واذا رکع واذا رفع رأسه من الركوع. سنن الکبریٰ للبیہقی [۲/۷۳، ۷۴].

عطاء بن ابی رباح نے کہا ہے کہ میں نے ابن الزبیرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، وہ نماز شروع کرتے وقت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے، میں نے ان سے پوچھا تو ابن الزبیرؓ نے کہا: میں نے ابو بکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، وہ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔ ابو بکرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی ہے، آپ ﷺ نماز شروع کرتے وقت رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع الیدین کرتے تھے۔

(۹) روایت براء بن عازبؓ: اخبرنا ابو عبد اللہ الحافظ حدثنا ابو بکر احمد بن اسحاق الفقیہ انبأنا ابو مسلم ابراہیم بن عبد اللہ . ح، واخبرنا ابو سعید المالینی انبأنا ابو احمد بن عدی الحافظ حدثنا فضل بن الحباب قال حدثنا ابراہیم بن بشار حدثنا سفیان حدثنا یزید بن ابی زیاد بمکة عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء بن عازب قال رأیت النبی ﷺ اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه، و اذا اراد ان یرکع، واذا رفع رأسه من الركوع: [السنن الکبریٰ مع الجوہر النقی: ۲/۷۷]۔ براء بن عازبؓ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب نماز شروع کرتے تو رفع الیدین کرتے، اور جب رکوع کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے۔

(۱۰) روایت جابر بن عبد اللہؓ: حدثنا محمد بن یحییٰ حدثنا ابو حذیفہ حدثنا ابراہیم بن طہمان عن ابی الزبیر عن جابر بن عبد اللہؓ کان اذا افتتح الصلوٰۃ رفع یدیه، واذا رکع واذا رفع رأسه من الركوع فعل

مثل ذالک، وبقول رأیت رسول اللہ ﷺ فعل مثل ذالک، ورفع ابراهیم بن طهمان یدیه الی اذنیه
[ابن ماجه: ۱/۲۶۹، جزء رفع الیدین: ۶۲، ۱۳۵، التمهید لابن عبدالبر: ۹/۲۱۷]۔

جابرؓ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے، اور کہتے تھے
کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے وہ بھی اسی طرح نماز پڑھتے تھے۔

(۱۱) روایت سہل بن سعد الساعدیؓ: ان کی حدیث ابو حمید الساعدی کی حدیث میں گزر چکی ہے اب — وداؤد
۱/۲۷۸، ۲۸۰، سنن الكبرى للبيهقي مع جوهر النقي: ۲/۷۳، معرفة السنن والآثار
۱/۵۴۴، جزء رفع الیدین: ۳۷، معجم ابن الاعرابی: ۲/۶۳۳، تاریخ دمشق: ۲۲/۲۲، وعند ابن
الاعرابی عن ابی حازم قال رأیت سهل فی الف من اصحاب النبی ﷺ یرفع یدیه فی کل خفض
ورفع: ۲/۶۳۳، تاریخ ابن عساکر: ۲۲/۲۲۔ ابو حازم کہتا ہے کہ میں نے سہلؓ کو ایک ہزار صحابہ کرام کے ساتھ
دیکھا تھا کہ ہر اونچ نیچ میں رفع الیدین کرتے تھے۔

(۱۲) روایت محمد بن مسلمہؓ: حدثنا محمد بن بشار حدثنا ابو عامر حدثنا فلیح بن سلیمان حدثنا عباس
بن سهل الساعدی قال اجتمع ابو حمید و ابو اسید الساعد وسهل بن سعد الساعدی ومحمد بن
مسلمة فذکروا صلوة رسول اللہ ﷺ، فقال ابو حمید انا اعلمکم بصلوة رسول اللہ ﷺ، ان رسول
اللہ ﷺ قام فکبر ورفع یدیه، ثم رفع کبر للركوع، ثم قام فرفع یدیه واستوی حتی رجع کل
عظم الی موضعه: ابو داؤد: ۱/۲۸۱، سنن الكبرى مع الجوهر: ۲/۷۳، معرفة السنن والآثار
۱/۵۴۴، جزء رفع الیدین: ص: ۳۷۔

عباس بن سہل کہتے ہیں صحابہؓ کا اجتماع تھا، ان میں سہل بن سعد، ابو اسید اور محمد بن مسلمہ بھی تھے جن کے
سامنے ابو حمید ساعدیؓ نے آپ ﷺ کی نماز پڑھ کر دکھائی، کہ شروع میں بھی رفع الیدین کیا، اور رکوع کرتے وقت بھی
اور اٹھتے وقت بھی رفع الیدین کیا۔

(۱۳) روایت انسؓ: حدثنا محمد بن بشار حدثنا عبد الوهاب حدثنا حمید عن انس ان رسول
اللہ ﷺ کان یرفع یدیه اذا دخل فی الصلوة واذا ركع: ابن ماجه: ۱/۲۶۸، ابن ابی شیبہ
۱/۲۳۵، دارقطنی: ۱/۳۹۳، بخاری فی جزئه: ۳۸، الاوسط لابن المنذر: ۳/۱۳۸، وابن

الاعرابی فی معجمه: ۳/۹۴۱۔ انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع میں رفع الیدین کرتے تھے۔

ایک دوسری روایت انسؓ کو منسوب کی گئی ہے جس کو امام حاکم نے کتاب المدخل: ۱۱۳، وتاریخ دمشق: ۲۳۳/۵۴، والجزوقانی: ۱۵۸/۲، اور ابن جوزیؒ نے: ۲۸۷/۲، میں نقل کیا ہے: حدثنا المسيب بن واضح ثنا عبد الله بن المبارك عن يونس بن يزيد عن الزهري عن انس قال قال رسول الله ﷺ من رفع يديه في الركوع فلا صلاة له۔ یہ سند موضوع ہے، اور اس کا گھڑنے والا محمد بن عکاشہ ہے، محمد بن عکاشہ مشہور کذاب تھا۔ لسان المیزان: ۳۲۴/۵۔ اور دوسری سند میں مامون بن احمد ہے، جو کہ کذاب راوی ہے، تفصیل سلسلہ احادیث ضعیفہ: ۴۰/۲، پر دیکھیں۔

(۱۴) روایت ابی سعید الخدریؓ:۔ حدثنا مالك بن اسماعيل حدثنا شريك عن ليث عن عطاء قال رأيت ابا سعيد الخدریؓ وابن عمر وابن عباسؓ وابن الزبير يرفعون ايديهم، نحو امن حديث الزهري عن سالم عن ابن عمر عن النبي ﷺ في رفع اليدين: [الاوسط لابن المنذر: ۳/۱۳۸، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۳۵، جزء رفع اليدين: ۶۲، ۱۳۵]۔ عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے ابو سعید الخدریؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، ابن الزبيرؓ، اور ان سب کو دیکھا کہ شروع نماز اور رکوع کے وقت رفع الیدین کرتے تھے۔

جبکہ ایک روایت اس سے اس طرح بھی نقل کی گئی ہے: عن عطية العوفي ان ابا سعيد الخدریؓ وابن عمرؓ كانا يرفعان ايديهما اول ما يكبران ثم لا يعودان۔ یعنی ابو سعید خدریؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ دونوں شروع نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، امام بیہقی روایت ابن عمرؓ کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ اس کا راوی عطیہ عوفی سی الحال ہے، اور دوسرا راوی سوار بن مصعب منکر الحدیث ہے۔

(۱۵) روایت عبد اللہ بن عباسؓ:۔ حدثنا ايوب بن محمد الهاشمي حدثنا عمرو بن رباح عن عبد الله بن طاؤس عن ابيه عن ابن عباسؓ ان رسول الله ﷺ كان يرفع يديه عند كل تكبيرة. ابن ماجه: ۱/۴۶۸، الاوسط لابن المنذر: ۳/۱۳۸، جزء رفع اليدين للامام البخاري: ۴۷، ۱۳۲، مصنف ابن ابی شیبہ: ۱/۲۳۵، مسند احمد: ۴/۱۵۳۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ امام طبرانی نے: ۳۸۵/۱۱، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/۹۶، جزء رفع الیدین للبخاري: ص: ۱۵۸، میں عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک روایت نقل ہے عن ابن ابی لیلی عن الحكم عن مقسم عن ابن عباسؓ عن

النبي ﷺ قال: لا ترفع الايدي الا في سبع مواطن، في افتتاح الصلوة، واستقبال القبلة، وعلى الصفا والمروة، وبعرفة وجمع، وفي المقامين وعند الجمرتين .

یعنی رفع الیدیں سات مقامات کے علاوہ کسی اور مقام پر نہیں کی جائے گی، ابتداء نماز، بیت اللہ کی زیارت کے وقت، صفا اور مروہ پہاڑی پر قیام کے وقت، وقوف عرفہ اور مزدلفہ کے وقت، رمی الجمار کے وقت۔

اس کا اجمالی جواب یہ ہے کہ اس کا مرکزی راوی ابن ابی لیلیٰ ہے، جو کہ باتفاق علماء ضعیف ہے، صرف حنفی علماء کے اقوال اس کے متعلق نقل کرتے ہیں، طحاوی مشکل الاثار: ص: ۲۲۶/۳، الزیلعی فی النصب الرایة: ۳۱۸/۱، ابن الترمذی فی الجواهر النقی: ۳۴۷/۷، وقال: ابن ابی لیلیٰ متکلم فیہ . النیموی (اثر السنن مع تعلیقاتہ: ۱۵) وقال لیس بالقوی . خلیل احمد سہارنپوری قال: کثیر الوهم، بذل المجہود: ۳۷۹/۹، قال شاہ انور شاہ دیوبندی، فہو ضعیف عندی کما ذہب الیہ الجمهور وہ میرے نزدیک ضعیف ہے، اور جمهور کا بھی یہی فیصلہ ہے۔ فیض الباری: ۱۶۸/۳۔

محمد یوسف بنوری نے بھی: ابن ابی لیلیٰ کو جمهور کے نزدیک ضعیف قرار دیا ہے، معارف السنن: ۲۹۰/۵۔ اور عبد اللہ بن مبارک نے ابن ابی لیلیٰ کی اس روایت کے بارے میں کہا ہے، ہذا من فواہش ابن ابی لیلیٰ: کتاب المجر وحین: ۲۲۶/۲، اس پر جتنے اعتراضات امام بخاری وغیرہ نے ذکر کئے ہیں، سب کے سب امام زیلعی نے نقل کرنے کے بعد بغیر جواب کے چھوڑ دئے ہیں، اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ بالفرض ہم اس حدیث کو صحیح مانے، تو احناف کا استدلال پھر بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ لوگ خود کئی جگہوں پر مذکورہ مقامات کے علاوہ رفع الیدین کرتے ہیں، مثلاً دعاء قنوت، عیدین اور مختلف ادعیہ میں۔

اس حدیث میں دو قسم رفع الیدین کا ذکر ہے، یعنی نماز میں، اور دعاء میں، بلکہ یہ لفظ تیسری قسم کو بھی شامل ہے، یعنی کعبہ دیکھنے کے وقت ہاتھ اٹھانا، تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ لفظ مشترک ہے، اور احناف کے نزدیک عموم المشرک جائز نہیں، جیسا کہ یہ مسئلہ اصول الشاشی وغیرہ نے فصل فی المشرک و المؤل میں تفصیل سے ذکر کیا ہے، اصول الشاشی کا عبارت ہے: اذلا عموم للمشرک اصلا یعنی مشترک کے لئے بالکل عموم نہیں۔ تفصیل کلام اس روایت پر امام بخاری نے جزء رفع الیدین: ۱۵۸، سے کیا ہے۔

یہ لوگ تفسیر تنویر المقباس ۲۱۲، کا ایک روایت نقل کرتے ہیں: وباسنادہ عن ابن عباسؓ فی قوله تعالیٰ

الذین ہم فی صلواتہم خاشعون . ای مختون متواضعون ، لایلتفتون یمینا ولا شمالا ، ولا یرفعون ایدیہم فی الصلوٰۃ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تفسیر عبداللہ بن عباسؓ کو منسوب ہے، اس کا جامع فیروز ابادی صاحب القاموس ہے جو کہ ۸۱۷ھ ہجری میں فوت ہوا ہے، کتاب کے اول میں اپنی سند عبداللہ بن عباس تک تفصیل سے لکھتا ہے کہ: اخبرنا عبد اللہ الثقة ابن المامور الهروی قال اخبرنا ابی قال اخبرنا ابو عبيد الله، قال اخبرنا محمود بن محمد الرازی قال اخبرنا عمار بن عبد المجيد الهروی قال اخبرنا علی ابن اسحاق السمرقندی عن محمد بن مروان عن الكلبي عن ابی صالح عن ابن عباسؓ الخ۔ حاصل یہ ہے، اس کے بنیادی راوی محمد بن مروان السدی، والکلبی اور ابوصالح تینوں کذاب ہیں۔ تفصیل کے لئے میزان الاعتدال وغیرہ ملاحظہ فرمائیں: لہذا اس نام نہاد تفسیر سے استدلال کسی کے لئے بھی حلال نہیں (اس کا مزید تفصیل سورہ مومنون میں آئے گا) ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس میں مطلق عدم رفع الیدین کے متعلق جملہ موجود ہے جس کا تفصیل پہلے گذر گیا۔

(۱۶) روایت عبداللہ بن الزبیرؓ: . حدثنا قتيبة بن سعيد حدثنا ابن لهيعة عن ابی هبيرة عن ميمون المكي انه رأى عبد الله بن زبيرؓ صلى بهم يشير بكفيه حين يقوم . وحين يركع ، وحين يسجد، وحين ينهض للقيام، فيقوم فيشير بيديه، فانطلقت الى ابن عباسؓ فقلت انى رأيت ابن الزبير صلى صلوة لم ار احدا يصلها ، فوصفت له هذه الاشياء ، فقال ان احببت ان تنظر الى صلوة رسول الله ﷺ فاقند بصلوة عبداللہ بن الزبیرؓ: ابو داؤد: ۵ / ۱ / ۲۸۲، الاوسط لابن المنذر: ۳ / ۱۳۸، طبرانی فی الکبیر: ۱۱ / ۱۳۳، التمهيد لابن عبد البر: ۲۱۷، جزء رفع الیدین للامام بخاری: ص: ۴۷، ۱۳۶ .

میمون کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن الزبیرؓ کو دیکھا دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے، اور جب رکوع کرتے، اور جب سجدہ کرتے (یعنی رکوع سے اٹھ کر) اور جب دوبارہ قیام کرتے، تو میں نے عبداللہ بن عباسؓ سے کہا کہ میں نے ابن الزبیرؓ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، وہ نماز میں وہ کام کرتے ہیں جو دوسرے نہیں کرتے، تو عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا، اگر تو رسول اللہ ﷺ کی طرح نماز پڑھنا چاہتے ہو تو ابن الزبیرؓ کی طرح پڑھ۔

(۱۷) روایت عمر بن الخطابؓ:۔ اخبرنا محمد بن عبد الله الحافظ حدثنا ابو جعفر احمد بن عبيد الحافظ، و ابو القاسم عبدالرحمن بن الحسن القاضي الاسديان بهمدان ، قال حدثنا ابراهيم بن الحسين بن ديزيل الهمداني حدثنا ادم بن ابی ایاس حدثنا شعبة حدثنا الحكم ، قال رأيت طاؤسا كبر

ورفع يديه حذو منكبيه عند التكبير، وعند ركوعه، وعند رفع رأسه من الركوع، فسألت رجلا من اصحابه، فقال انه يحدث به عن ابن عمر عن عمر عن النبي ﷺ: سنن كبرى مع الجوهر النقى: ۷۴/۲، ابن الاعرابى فى معجمه: ۱۰۳۷/۳ - حکم کہتے ہیں میں نے طاؤس کو دیکھا، شروع نماز میں اور رکوع کرتے اور اٹھتے وقت تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے، میں نے ان کے ساتھیوں میں سے ایک سے پوچھا! تو انہوں نے بتایا کہ وہ بیان کرتے ہیں عبداللہ بن عمر سے وہ عمر سے وہ رسول اللہ ﷺ سے یعنی نبی ﷺ نے نماز میں رفع الیدین کر کے پڑھیں۔

عمر سے ایک روایت سنن دارقطنی: ۲۹۵/۱، اور تاریخ بغداد: ۲۲۴/۱۱، سنن کبری: ۱۱۳/۲، والکامل: لابن عدی: ۱۵۲/۶، میں منقول ہے کہ: ”محمد بن جابر عن حماد عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله، قال صليت مع النبي ﷺ ومع ابى بكر ومع عمر رضی اللہ عنہما، فلم يرفعا ايديهم الا عند التكبير الاولى فى افتتاح الصلوة“

یعنی عبداللہ بن مسعود نے فرمایا، کہ میں نے نبی کریم ﷺ اور ابو بکر اور عمر کے ساتھ نماز پڑھی ہے، وہ شروع نماز میں تکبیر تحریرہ کے سوا ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ لیکن اس کاراوی محمد بن جابر، اتفاقاً ضعیف ہے، تہذیب التہذیب میں: اس کے متعلق تفصیل دیکھئے۔ ابن عدی نے اس کو ساقط الاعتبار کہا ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ ابن حبان نے اس کو ثقات میں داخل کیا ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں کتاب الثقات میں اس کا ذکر نہیں، بلکہ ابن حبان نے کتاب البحر و جبین: ۲۷۰/۲، میں اس کا ذکر کیا ہے۔ امام طحاوی نے: ۲۹۴/۱۔

امام بیہقی نے خلائیات: ۳۸۹/۱ (مختصر) میں اسود سے ایک روایت نقل کیا ہے کہ: ”رأيت عمر بن الخطاب يرفع يديه فى اول تكبيره ثم لا يعود“ کہ میں نے عمر کو دیکھا کہ تکبیر تحریرہ کے علاوہ اور مقامات میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ لیکن حاکم نے اس کے متعلق کہا ہے، کہ یہ، شاذ روایت ہے، اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں، یہ قول امام بیہقی اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ: قال الحاکم ابو عبد الله، هذه رواية شاذة لا تقوم بها الحجة، ولا يعارض بها الاخبار الصحيحة الماثورة عن طاوس بن كيسان عن ابن عمران عمر كان يرفع يديه فى الركوع۔

اور عراقی نے اس حدیث کے متعلق لکھا ہے کہ: وهو عجب فان المعروف عنه الرفع فى المواطن

الثلاثة، وعلى فرض صحته، يحمل على انه تركه، لبيان ان الرفع سنة يجوز تركها، ويجوز فعلها: طرح الشريب: ۲/۲۵۴۔ ”امام ابو زرعة رازی نے علل الحدیث: ۱/۹۵، میں لکھا ہے کہ حسن بن عیاش کے مقابلے میں اس روایت کو اصح قرار دیا جاتا ہے، جس میں پھر نہ کرنے کا ذکر نہیں۔ ایک علت یہ بھی ہے کہ اس روایت میں ابراہیم نخعی کو فی مدلس ہیں اور یہ روایت مععن ہے۔

(۱۸) روایت معاذ بن جبل: عن معاذ بن جبل قال قال النبي ﷺ اذا كان في صلته، رفع يديه قبالة اذنيه، فاذا كبر ارسلهما ثم سكت، وربما رأيت يده يضع يمينه على يساره، فاذا فرغ من فاتحة الكتاب سكت، فاذا ختم السورة سكت، ثم يرفع يديه قبالة اذنيه، ويكبر ويركع وكنا لانركع حتى نراه راكعا، ثم يستوي قائما من ركوعه حتى يأخذه كل عضو مكانه، ثم يرفع يديه قبالة اذنيه ويكبر ويخرساجدا، وكان يمكن جبهته وانفه من الارض، ثم يقوم كأنه السهم، لا يعتمد على يديه، وكان اذا جلس في اخر صلوته اعتمد على فخذه اليسرى، ويده اليمنى على فخذه اليمنى، ويشير باصبعه اذا دعا، وكان اذا سلم اسرع القيام. (المعجم الكبير: للطبراني: ۲۰/۷۷)۔

معاذ بن جبل فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ جب نماز پڑھتے تو اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے، اور اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیتے تھے۔ اور خاموش رہتے۔ اور بہت دفعہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ دائیں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے۔ اور جب سورہ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو خاموش ہوتے، اور جب سورہ ختم کرتے تب بھی خاموش ہوتے، تو پھر دونوں ہاتھ کانوں تک اٹھاتے۔ اور اللہ اکبر کہہ کر رکوع کرتے، اور جب تک ہم رسول اللہ ﷺ رکوع کرتے نہ دیکھتے اس وقت تک رکوع کرنے نہ جاتے۔ پھر نبی کریم ﷺ رکوع کے بعد قیام کرتے۔ اس وقت تک جب ہر جوڑ اپنی جگہ پر آجاتا پھر رفع الیدین کرتے، پھر اللہ اکبر کہہ کر سجود کرنے چلے جاتے، اور ماتھے اور ناک کو زمین پر رکھ دیتے، اور ہاتھ پر ٹیک کئے بغیر کھڑے ہو جاتے، اور جب نماز کی آخر میں بیٹھ جاتے تو اپنے ہاتھوں کو اپنے دونوں رانوں پر رکھتے، اور دعا کرتے وقت انگلی سے اشارہ کرتے تھے، اور جب سلام پھیرتے تو جلدی اٹھ جاتے تھے۔

(۱۹) روایت عمیر بن حبیب اللہی: حدثنا هشام بن عمار حدثنا رفة بن قضاة الغسانی حدثنا

الاوزاعی عن عبد الله بن عبيد بن عمير عن ابيه عن جده عمير بن حبيب قال: كان رسول الله ﷺ يرفع يديه مع كل تكبيرة في الصلوة المكتوبة: ابن ماجه: ۱/۲۶۶. معجم الكبير للطبراني

۱۷/۴۸، ۴۹، جزء رفع الیدین: ص؛ ۷۸۔ کہ رسول اللہ ﷺ ہر تکبیر کیساتھ رفع الیدین کرتے فرض نماز میں۔

(۲۰) روایت عقبہ بن عامرؓ۔ حدثنا بشر بن موسى حدثنا ابو عبد الرحمن المقرئ عن ابن لهيعة حدثني ابن هبيرة ان ابالمصعب مشرح بن هاعان المعافري حدثه انه سمع عقبه بن عامرؓ يقول: في كل اشارة يشيرها الرجل بيده في الصلاة، بكل اصبع حسنة او درجة: معجم الكبير للطبراني ۱۷/۱۹۷. فوائد ابن منده: ۱/۱۲۲، جزء مؤمل بن ايهاب: ۹۸۔ یعنی عقبہ بن عامرؓ نے فرمایا ہے، نماز میں جو شخص اشارہ کرتا ہے اسے ہر (مسنون) اشارہ کے بدلے ایک انگلی پر ایک نیکی یاد دہاتا ہے۔

(۲۱) روایت اعرابی:۔ حدثنا هاشم وبهز قال حدثنا سليمان بن المغيرة عن حميد بن هلال حدثني من سمع الاعرابي يقول: رأيت النبي ﷺ يصلي ورفع كفيه حتى حاذتا او بلغتا اذنيه، كانهما المروحتان: مسند احمد: ۳۳/۲۲۹، مسند حارثي: ۱/۲۸۹۔ اعرابی کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو نماز میں ہتھیلیوں کو کانوں تک اٹھاتے دیکھا، جیسا کہ یہ دو پتکھے ہیں۔

(۲۲) حدیث الاصحاب: عن قتادة عن الحسن قال: كان اصحاب رسول الله ﷺ يرفعون ايديهم اذا ركعوا واذارفعوا رؤسهم من الركوع، كأنما ايديهم مراوح. سنن كبرى للبيهقي: ۲/۷۵، الاوسط لابن منذر: ۳/۱۳۹، التمهيد: ۲۱۷، مصنف ابن ابي شيبة: ۱/۲۳۵۔ یعنی حسن کہتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام رفع الیدین کر کے نماز پڑھتے، جب بھی رکوع کرتے یا رکوع سے سر اٹھاتے، اس طرح ہوتا کہ جیسے ان کے ہاتھ پتکھے ہوں۔ ایسی روایت سعید بن جبیرؓ سے بھی منقول ہے کہ: انہ سئل عن رفع الیدین فی الصلوة فقال هوشى، يزين به الرجل صلوته، وكان اصحاب رسول الله ﷺ يرفعون في الافتتاح وعند الركوع، واذارفعوا رؤسهم۔ یعنی سعید بن جبیر تابعی سے رفع الیدین کے متعلق پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا کہ یہ نماز کی زینت ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام شروع نماز میں، رکوع کے وقت، اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد، رفع الیدین کرتے تھے۔ السنن الكبرى للبيهقي: ۲/۷۵۔

(۲۳) روایت ابواسید ساعدیؓ:۔ اس کا ذکر ابوجمید الساعدیؓ کی حدیث میں گزر چکا ہے: ابو داؤد: ۱/۲۸۰، سنن

الكبير مع الجوهر النقي: ۲/۷۳، معرفة السنن والآثار: ۱/۵۲۴، جزء رفع الیدین: ص ۳۷۔

مندرجہ بالا احادیث کا خلاصہ یہ ہوا، کہ رفع الیدین کی احادیث متواتر ہیں، جیسا کہ شمار سے ظاہر ہے، اور بعض علماء

نے اس حدیث کی متواتر ہونے کی تصریح بھی کی ہے، مثلاً تنظیم المتناثرہ: ۹۶، ۹۷، فتح الباری: ۱/۲۰۳، لفظ اللالی المتناثرۃ: ۲۰۷، التقییدو الايضاح: ۲۷۰، فتح المغیث: ۳/۴۱، شرح الکبیر: ۱/۵۳۸۔ اور مولانا اشرف علی تھانوی نے: بوادر النوادر: ۳۶، اور تفسیر بیان القرآن: ۲۲۱ میں لکھا ہے و الحدیث اذا روى من عشرة فهو متواتر على القول المختار، اور مولانا محمد شفیع: معارف القرآن: ۱/۱۹۰، میں لکھتا ہے کہ جس روایت کو دس صحابہ کرام نقل فرمادیں، تو وہ حدیث متواتر ہو جاتی ہے جو کہ قرآن کی طرح قطعی ہے۔ اور یہاں تو میں سے زائد صحابہ کرام سے یہ روایت منقول ہے۔

لہذا رفع الیدین کا اثبات قطعی الثبوت ہے، اس میں ذرا برابر بھی شک نہیں، جو اس سے انکار کرتا ہے تو اس کی ایمان کا خطرہ ہے۔

تکمیل فائدہ کے لئے تارکین رفع الیدین کے روایات کو نقل کرتے ہیں، اگرچہ مذکورہ بالا بحث میں ان کے بعض روایات بمعطل بیان ہوئے۔ لیکن دو روایات باقی ہیں، اس کو بھی ذکر کرتے ہیں تاکہ کسی کا شک و شبہ باقی نہ رہے۔ ان کا مشہور دلیل حدیث ابن مسعودؓ ہے، جو کہ سنن ترمذی نے: ۵۹۱، اور ابوداؤد: ۴۷۸۱، وغیرہ میں نقل کی گئی ہے۔ حدثنا سفيان (الثوري) عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الاسود عن علقمة قال قال ابن مسعود الا اصلى بكم صلوة رسول الله ﷺ، فصلى فلم يرفع يديه الا في اول مرة۔

عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی نماز پڑھاؤں؟ پھر آپ نے نماز پڑھی، اور ہاتھ نہیں اٹھائے سوائے پہلی دفعہ کے۔ اس حدیث کے متعلق محی الدین ابن عربی (صوفیوں کے امام) فتوحات مکیہ: ۴۳۷، میں لکھتا ہے: کہ وغایة المقصود من حدیث ابن مسعود انه كان عليه السلام يرفع يديه عند الاحرام مرة واحدة لا يزيد عليها، ای انہ مرة واحدة لم يصنع ذلك مرتين عند الاحرام (فتوحات مکیہ: ۴۳۷) یعنی رسول اللہ ﷺ تکبیر تحریر کے وقت ایک ہی دفعہ رفع یدین کرتے (عبیدین اور جنازہ کی طرح) بار بار نہ کرتے۔ ابوداؤد اس روایت کے بعد یہ الفاظ فرماتے ہیں: ”هذا مختصر من حدیث طویل ولیس هو بصحیح علی هذا اللفظ۔ کہ یہ لمبی حدیث سے مختصر الفاظ ہیں، اور جس طرح جس مقصد کے لئے اس کو بیان کیا جاتا ہے درست نہیں۔“

اور امام بخاری نے جزء رفع الیدین: ۸۶، میں لمبی حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس حدیث کے بعد فرمایا ہے: قال

احمد بن حنبل عن يحيى بن ادم قال نظرت في حديث عبد الله بن ادریس عن عاصم بن كليب، ليس فيه، ثم لم يعد، فهذا اصح، لان الكتاب احفظ عند اهل العلم، لان الرجل يحدث بشيء ثم يرجع الى الكتاب فيكون كما في الكتاب. حدثنا الحسن بن الربيع حدثنا ابن ادریس عن عاصم بن كليب عن عبد الرحمن بن الاسود حدثنا علقمة ان عبد الله قال علمنا رسول الله ﷺ الصلاة، فقام فكبر ورفع يديه، ثم ركع فطبق يديه، فجعلهما بين ركبتيه، فبلغ ذلك سعدا فقال صدق اخي، اابل قد فعل ذلك في اول الاسلام، ثم امرنا بهذا (يعني الامساك عن الركبتين) قال البخاري هذا هو المحفوظ عند اهل النظر من حديث عبد الله بن مسعود۔

يعني ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز سکھائی، تو تکبیر کہہ کر رفع الیدین کی، پھر رکوع کیا تو دونوں ہاتھ ملا کر گھٹنوں میں رکھ لیئے تھے، جب یہ روایت سعد کو پہنچی تو انہوں نے کہا، کہ میرے بھائی نے سچ کہا ہے، شروع اسلام میں ہمیں اسی طرح حکم تھا، پھر گھٹنوں کو پکڑنے کا حکم دیا۔ امام ترمذی اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد عبد اللہ بن مبارک سے نقل کرتا ہے کہ لم یثبت حدیث ابن مسعود۔ اس کے علاوہ ابن عبد البر نے تمہید: ۲۲۰۶۹، اور ابن جوزی وغیرہ نے اس حدیث کے متعلق مذکورہ قسم کے عبارات لکھیں ہیں،

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت کا مرکزی راوی سفیان ثوری ہے، اور وہ مدلس تھے۔ اور اس کا معنیہ قابل قبول نہیں۔ جبکہ سفیان ثوری کی اس حدیث میں رکوع سے پہلے اور بعد کے رفع الیدین کا ذکر نہیں ہے، یہ روایت مجمل ہے، اگر اس کو عام تصور کیا جائے تو پھر تاریخین خود اس روایت پر عمل نہیں کرتے، و تراویع الیدین میں کیوں رفع الیدین کرتے ہیں؟ فما هو جو ابکم فہو جو ابنا۔

بعض کہتے ہیں کہ ابن حزم نے اس حدیث کی تصحیح کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے، کہ مذکورہ علماء کے مقابلے میں ابن حزم کے قول کا کیا اعتبار ہے؟ اور اگر ابن حزم کے قول کو اعتبار دیا جائے، تو پھر اس کا یہ قول بھی ماننا پڑے گا کہ: ولولا هذا الخبر لكان رفع الیدین عند كل رفع وحفظ فرضاً: ۸۸/۴، یعنی اگر یہ حدیث نہ ہوتی تو ہر اٹھنے اور جھکنے کے وقت رفع الیدین فرض ہوتا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دو بار جواز کے لئے نہیں اٹھائے۔ عبد اللہ بن مسعود سے ایک موقوف روایت بھی نقل کی گئی ہے۔ جو کہ طحاوی وغیرہ نے ابراہیم نخعی وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ: كان عبد الله بن مسعود لا يرفع يديه في شيء من الصلوات الا في الافتتاح۔ یعنی ابراہیم نخعی نے

کہا، ابن مسعودؓ کسی نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے سوائے شروع نماز میں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابراہیمؑ کا ملاقات عبداللہ بن مسعود سے نہیں ہوا، لہذا یہ سند منقطع ہے، کتاب الام: ۲۷۱/۷، میں امام شافعیؒ نے فرمایا ہے: ان ابراہیم النخعی لوروی عن علی و عبد اللہ لم یقبل منه، لانه لم یلق واحدا منهما۔ مزید تفصیل کے لئے میزان الاعتدال: ۳۵۱/۱، ملاحظہ کیجئے۔

دوسری روایت براء بن عازبؓ کا ہے کہ: عن یزید بن ابی زیاد عن ابن ابی لیلی عن البراء بن عازبؓ قال کان النبی ﷺ اذا کبر لا یفتح الصلوٰۃ رفع یدیه حتی یكون ابهاما قریباً من شحمتی اذنیہ، ثم لا یعود۔ شرح معانی الآثار للطحاوی: ۲۲۴/۱۔ تو اس کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا دارودار یزید بن ابی زیاد القرشی پر ہے، اور علماء نے اسے ضعیف قرار دیا ہے، تفصیل کے لئے دیکھئے تہذیب الکمال للمزی: ۵۳۴/۳، اور تہذیب التہذیب: ۲۸۸/۱۱۔

دوسرا جواب، یہ روایت یزید بن ابی زیاد نے اختلاط کے بعد بیان کی ہے، سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ہمیں یزید بن زیاد نے مکہ میں حدیث سنائی: عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن البراء بن عازبؓ قال رأیت النبی ﷺ اذا فتحت للصلوٰۃ رفع یدیه۔ یعنی اس روایت میں رفع یدین نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے۔

تیسرا جواب، یزید بن ابی زیاد مدلس تھا، اسے امام دارقطنی اور حاکم وغیرہا نے مدلس قرار دیا ہے۔ یزید بن ابی زیاد سے رفع یدین نہ کرنے کی ”ثم لا یعود“ وغیرہ کے مختلف الفاظ کے ساتھ جتنی روایات بھی ملتی ہے، کسی میں سماع کی تصریح نہیں ہے۔ شعبہ کی روایت میں سماع کی تصریح ہے، مگر اس میں رفع الیدین نہ کرنے کا ذکر نہیں ہے، لہذا معلوم ہوا کہ یہ روایت یزید مدلس عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔

چوتھا جواب، محدثین کا اجماع ہے، کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اور نہ کرنے کے الفاظ اس میں، یزید بن ابی زیاد نے اضافہ کر دئے ہیں۔ یحییٰ بن معین نے روایت الدوری: ۲۶۲/۳، میں فرمایا ہے کہ: حدیث البراء ان النبی ﷺ کان یرفع یدیه، لیس ہو صحیح الاسناد۔

پانچواں جواب، اس بات پر بھی امت کا اجماع ہے کہ: یزید الکوفی کی حدیث میں ”لم یعد“ کہ الفاظ مدرج ہیں حافظ ابن حجر نے کہا، و اتفق الحفاظ علی ان قوله ”لم یعد“ مدرج فی الخبر، من قول یزید بن ابی زیاد، وروہ عنہ بدونہا شعبہ و الثوری و خالد الطحان و زہیر و غیرہم من الحفاظ۔ (التلخیص

الحیبر: ۲۲۱/۱)۔ ”یعنی حفاظ حدیث کا اس پر اتفاق ہے کہ اس حدیث میں ”لم یعد“ کا قول یزید کا مدرج ہے، اس سے شعبہ، ثوری، خالد اور زہیر وغیرہم نے اس قول کے بغیر اس روایت کو بیان کیا ہے۔ اس روایت سے دیگر جوابات ابن مسعود کی روایت میں گذر چکا ہے۔

ہمارے اس تفصیل سے ان لوگوں کا یہ وہم بھی زائل ہوا، کہ جانبین کے پاس احادیث ہیں، تو حاصل جواب یہ ہے کہ حدیثوں میں تعارض ہو تو محکم اور قطعی کو بحال خود رکھ کر محتمل، ضعیف، اور ظنی کو چھوڑ دینگے۔ جبکہ پہلے ہم ثابت کر چکے ہیں، کہ رفع الیدین کے احادیث محکم اور قطعی ہیں بدرجہ تو اتر۔ جبکہ اختیار رفع کے لئے یہ قاعدہ بھی ہے کہ کثرت کو قلت پر ترجیح دی جاتی ہے۔ جیسا کہ بدرالدین عینی شرح بخاری: ۳/۱۲۰، میں لکھتا ہے، ان من جملة اسباب الترجیح کثرة عدد الرواة، وشهرة المرؤی، حتی اذا کان احد الخبرین یرویہ واحدا والاخر یرویہ اثنان، فالذی یرویہ اثنان اولی بالعمل به انتھی۔ علامہ ابن الہمام: التقریر: ۳/۳۳۳، میں فرماتے ہیں: ”قال ابو حنیفہ وابویوسف لا ترجیح بکثرة الادلة ولا بکثرة الرواة ما لم تبلغ الشهرة، فحینئذ یترجح الحدیث الذی بلغ بکثرته حد الشهرة علی الحدیث الذی لم تبلغ بکثرته حدھا، انتھی“۔ بعض ایک مغالطہ دیتے ہیں کہ روایت کو شہادت پر قیاس کرتے ہیں، لیکن یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ عرف عام میں بھی روایت اور شہادت میں فرق سمجھا جاتا ہے۔ اور حازمی کتاب الاعتبار ص: ۹، میں لکھتا ہے: وقال بعض الکوفیین کثرة الرواة لا تاثیر لھا فی باب الترجیحات، لان طریق کل واحد منها غلبة الظن، فصار کشهادة الشاہدین مع شهادة الاربعة، یقال علی هذا ان الحاق الروایة بالشهادة غیر ممکن، لان الروایة وان شارکت الشهادة فی بعض الوجوه فقد افارقتها فی اکثر الوجوه۔

ترجیح کا ایک وجہ یہ بھی ہے، کہ رفع الیدین کی متواتر احادیث میں اثبات ہے، یہ بات عام طلباء کو بھی معلوم ہے کہ اثبات نفی پر مقدم ہوتا ہے۔ محدث نووی نے کہا: ان احادیث الرفع اولی، لانھا اثبات وھذا نفی، فیلقدم الاثبات لزیادة العلم: المجموع شرح المہذب: ۳/۴۰۳، نور الانوار: ۱۹۷، نصب الرایہ: ۱/۳۵۹، فتح الباری: ۱/۳۳۳۔ اس بحث کا اختتام احناف اس قاعدے پر کرتے ہیں: کہ جب خلفاء اربعہ اور ابن مسعود کے قول میں تعارض ہو، تو خلفاء اربعہ کا قول لیا جائے گا۔ جیسا کہ علی القاری نے مرقات: ۱۱/۴۳۲، میں لکھا ہے: ولذا یختار امامنا الاعظم روایتہ وقولہ علی سائر الصحابة بعد الخلفاء الاربعة لکمال فقاہتہ۔

وَأَتُوا الزَّكَاةَ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ

اور زکوٰۃ دیتے رہو پھر جب اُن پر جہاد فرض کر دیا گیا تو بعض لوگ اُن میں سے لوگوں سے یوں ڈرنے لگے

كَخَشِيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا

جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور بڑھانے لگے کہ اے اللہ! تو نے

الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا

ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی (اے پیغمبر ان سے) کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ بہت

قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۸۷﴾

تھوڑا ہے اور بہت اچھی چیز تو پرہیزگار کیلئے (نجات) آخرت ہے۔ اور تم پر دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا

أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ۚ

(اے جہاد سے ڈرنے والو!) تم کہیں رہو موت تو تمہیں آ کر رہے گی خواہ بڑے بڑے محلوں میں رہو

وَإِنْ تُصِيبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَإِنْ تُصِيبْهُمْ سَيِّئَةٌ

ور اُن لوگوں کو اگر کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے

يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِكَ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ

تو (اے محمد ﷺ! تم سے) کہتے ہیں کہ یہ آپ کی وجہ سے (ہمیں پہنچی) ہے، کہہ دو کہ (رحم و راحت) سب اللہ ہی کی طرف سے ہے

فَمَا لَهُمْ وَلَا ءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿۸۸﴾ ۚ أَصَابَكَ

ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟ تمہیں جو فائدہ پہنچے

مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللَّهِ وَمَا أَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۚ وَأَرْسَلْنَاكَ

وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو نقصان پہنچے وہ تیری ہی (شامت اعمال کی) وجہ سے ہے اور (اے محمد!) ہم نے تمہیں لوگوں

لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٤٩﴾ ۚ مَنْ يُطِيعِ الرَّسُوْلَ

کیلئے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا

فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ﴿٥٠﴾

تو بیشک اُس نے اللہ کی فرمانبرداری کی اور جو نافرمانی کرے تو اے پیغمبر تمہیں ہم نے اُن کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ

اور یہ لوگ منہ سے تو کہتے ہیں کہ (آپ کی) فرمانبرداری (دل سے) منظور ہے لیکن جب تمہارے پاس سے چلے جاتے ہیں

بَيِّنَاتٍ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ

تو ان میں سے بعض لوگ رات کو تمہاری باتوں کے خلاف مشورے کرتے ہیں اور جو مشورے یہ کرتے ہیں اللہ اُن کو لکھ لیتا ہے

مَا يُبَيِّنُونَ فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفَىٰ بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿٥١﴾

، تو ان کا کچھ خیال نہ کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٥٢﴾

بھلا یہ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا (کلام) ہوتا تو اس میں (بہت سا) اختلاف پاتے [۱۴]

[۱۴] اختلاف کا مطلب یہ ہے کہ اس میں بیان کردہ امور و حقائق نفس الامر اور واقع سے مختلف ہوتے، اور بیان کا نفس

الامر سے مختلف ہونا جھوٹ اور کذب ہوتا ہے، تو حاصل یہ نکلا کہ اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا، بلکہ انسان کا خود ساختہ ہوتا، تو اس

کے کئی بیانات نفس الامر کے خلاف اور جھوٹے ہوتے، لیکن اگر قرآن کے بیان کردہ امور و حقائق کو بنظر انصاف دیکھا جائے

اور ان میں نور و فکر کیا جائے تو اس میں ایک بات بھی خلاف واقع نہیں مل سکے گی، بان یکون بعض اخباراتہ الغیبیۃ،

کالاخبار عمایسره المنافقون غیر مطابق للواقع، روح المعانی، خازن۔ نیز حسین علی صاحب کے نزدیک یہی راجح ہے، یا اختلاف سے عام اختلاف مراد ہے، خواہ باہمی تناقض ہو، یا نفس الامر سے مخالفت، یا اسلوب بیان اور فصاحت و بلاغت میں اختلاف وغیرہ، کمافی القرطبی۔ ابوبکر حصاص نے احکام القرآن: ۲/۲۱۵، میں لکھا ہے: کہ اختلاف کے تین اقسام ہیں: (۱) تناقض، یعنی ایک دعویٰ دوسرے دعوے سے بالکل مخالف اور متضاد ہو، (۲) اختلاف تفاوت، یہ وہ ہے کہ بعض کلام فصیح اور بلیغ ہو، جبکہ بعض فصاحت سے خالی ہو، (۳) اختلاف تلاوم، یعنی ظاہر الفاظ میں تعارض ہو، اور حقیقت میں موافقت ہو۔ تو یہاں مذکورہ بالا پہلے دو قسم کے اختلاف کافی ہے، جبکہ تیسری قسم کافی نہیں، اور اس کا وجود دوسرے صحابہ کرام سے لیکر آج تک موجود ہے، مثلاً اس حدیث میں: عن عمرو بن شعیب عن ایہ عن جدہ: سمع النبی ﷺ يقول ما يتدارؤون في القرآن، فقال: انما هلك من كان قبلکم بهذا، ضربوا کتاب اللہ ببعضہ ببعض، فانما نزل کتاب اللہ یتصدق ببعضہ بعضا، فلا تکذبوا بعضہ ببعض، فما علمتم منه فقولوا، وما جهلتم، فكلوا الى عالمه، رواه احمد: ۲/۱۸۵، ۱۹۵، ۱۹۶، وابن ماجه: ۸۵، باختصار، و فی شرح السنه: ۱۲۱. عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں، کہ نبی کریم ﷺ نے ایک جماعت کے بارے میں سنا کہ وہ آپس میں قرآن کے بارے میں بحث کر رہے ہیں، اور جھگڑ رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تم میں سے پہلے کے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے، انہوں نے کتاب اللہ کے بعض حصہ کو بعض پر مارا یعنی آیات میں تضاد اور اختلاف ثابت کیا، کہ فلاں آیت فلاں آیت کے مخالف ہے، اور یہ آیت فلاں آیت کے مخالف ہے، اور بے شک کتاب اللہ کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے، لہذا تم قرآن کے بعض حصہ کو بعض سے نہ جھٹلاؤ، اور اس کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو اس کو بیان کرو، اور جو نہیں جانتے ہو اسے جاننے والوں کی طرف سونپ دو۔ یعنی، جن لوگوں کا علم ناقص ہوتا ہے، اور جن کے ایمان و عقیدہ میں کمزوری اور ذہن و فکر میں کمی ہوتی ہے، وہ آیات میں باہم اختلاف پیدا کرتے رہتے ہیں، اور آیت کے حقیقی مفہوم و مراد سے ہٹ کر ان کے ناقص ذہن و فکر میں جو مفہوم آتا ہے، اسے بیان کرتے ہیں، اور پھر اسی طرز پر اپنے نظریات و اعتقادات کی بنیاد بھی رکھ دیتے ہیں۔ اس کے بارے میں اس حدیث میں بھی فرمایا جا رہا ہے کہ، اگر تمہیں کچھ آیتوں میں اختلاف نظر آئے تو ان میں سے ایک کو دوسرے کے ذریعہ ساقط نہ کرو اور نہ اس کی تکذیب کرو بلکہ جہاں تک تمہارا علم مدد کر سکے ان میں تطبیق پیدا کرو، اگر ایسا نہ کر سکو تو پھر تم بجائے اس کے کہ اس میں اپنی عقل و سمجھ کے تیر چلاؤ، اس کے حقیقی معنی و مفہوم کا علم اللہ اور اللہ کے رسول کی جانب سونپ دو، یا پھر ایسے علماء و صلحاء جو علم کے اعتبار سے تم سے اعلیٰ و افضل ہوں، اور تم پر فوقیت رکھتے ہیں ان سے رجوع کرو۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَدَّعَوْا بِهِ وَلَوْرَدُوهُ
 اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچتی ہے تو اُسے مشہور کر دیتے ہیں
 إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ
 اور اگر اُس کو پیغمبر اور اپنے سرداروں کے پاس پہنچاتے تو تحقیق کرنے والے اُس کی تحقیق کر لیتے
 وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۸۳﴾
 اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اُس کی مہربانی نہ ہوتی تو چند اشخاص کے سوا سب شیطان کے پیرو ہو جاتے [۱۵]

[۱۵] اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے بیان نہیں کرنا چاہئے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا: ”کفی بالمرء کذباً ان یحدث بكل ماسمع“ مقدمہ مسلم: ۸/۱، یعنی کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بغیر تحقیق کے بیان کر دے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا ”من حدث بحديث وهو يرى انه كذب فهو احد الكاذبين، مقدمہ مسلم: ۱/۷، و الترمذی: ۴۲۲/۷۔“ یعنی جو آدمی کوئی ایسی بات بیان کرے جس کے بارے میں وہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹی ہے تو دو جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا وہ بھی ہے (تفسیر ابن کثیر)۔

”وَلَوْرَدُوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَى أُولَى الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ“ الخ، استنباط اصل میں کنوئیں کی تہہ سے پانی نکالنے کو کہتے ہیں، کنواں کھودنے میں جو پانی پہلی مرتبہ نکلتا ہے اس کو ماء مستبیط کہتے ہیں، مگر یہاں مراد یہ ہے کہ کسی بات کی، تہہ تک پہنچ کر اس کی صحیح حقیقت معلوم کرنا (قرطبی) اور اس کے دو معنی ہیں اول یہ کہ ”الذین یستنبطونہ“ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس قسم کی خبر کو معلوم کرنے کے درپے اور اس کے علم کے متلاشی تھے اور ”منہم“ کی ضمیر رسول اور اولو الامر کی طرف راجع ہے، اور جار مجرور ”علمہ“ کے متعلق ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ان خبروں کو مشہور نہ کرتے اور جن لوگوں کو یہ خبریں معلوم کرنے کا شوق تھا وہ رسول اللہ ﷺ اور ”اولو الامر“ یعنی صحابہ کرام میں جو صاحب مشورہ اور صاحب تدبیر تھے ان سے معلوم کر لیتے۔ دوئم یہ کہ ”منہم“ میں ”من“ بیان یہ ہے اور ”ہم“

ضمیر ”اولو الامر“ کی طرف راجع ہے اور ”الذین یستنبطونہ“ سے وہ لوگ مراد ہیں جو اولو الامر میں صاحب بصیرت اور استنباط تھے۔ ”اولو الامر“ کی تعین میں متعدد اقوال ہیں، حسن، قتادہ کے نزدیک علماء اور فقہاء مراد ہیں، سدی فرماتے ہیں کہ امراء اور حکام مراد ہیں، ابو بکر جصاص ان دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں، اس لئے کہ اولو الامر کا اطلاق ان سب پر ہوتا ہے، البتہ اس پر بعض لوگ یہ شبہ کرتے ہیں کہ اولو الامر سے مراد فقہاء نہیں ہو سکتے، کیونکہ اولو الامر اپنے لفظی معنی کے اعتبار سے وہ لوگ ہیں جن کا حکم چلتا ہو، اور ظاہر ہے کہ فقہاء کا یہ کام نہیں، حقیقت یہ ہے کہ حکم چلنے کی دو صورتیں ہیں، ایک جبر و تشدد سے، وہ تو صرف اہل حکومت ہی کر سکتے ہیں، دوسری صورت اعتقاد و اعتماد کی وجہ سے حکم ماننے کی ہے، وہ فقہاء ہی کو حاصل ہے، جس کا مشاہدہ عام مسلمانوں کے حالات سے ہر دور میں ہوتا رہا ہے، کہ دین کے معاملات میں عام مسلمان اپنے اختیار سے علماء ہی کے حکم کو واجب العمل قرار دیتے ہیں، اور از روئے شرع ان پر ان کے احکام کی اطاعت واجب بھی ہے، لہذا اس وجہ سے ان پر بھی اولو الامر کا اطلاق صحیح ہے۔ (احکام القرآن للجصاص)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن مسائل میں کوئی نص نہ ہو ان کے احکام اجتہاد و قیاس کے اصول پر قرآنی حیثیت سے نکالے جائیں، کیونکہ اس آیت میں اس بات کا حکم دیا گیا، کہ مسائل جدیدہ کے حل میں اگر رسول کریم ﷺ موجود ہیں تو ان کی جانب رجوع کرو اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو علماء اور فقہاء کی طرف رجوع کرو، کیونکہ وہ احکام کو مستنبط کرنے کی صلاحیت تامہ رکھتے ہیں اس بیان سے چند امور مستفاد ہوئے ہیں:

ایک یہ کہ فقہاء اور علماء کی جانب عدم نص کی صورت میں رجوع کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ احکام اللہ کی دو قسمیں ہیں، بعض وہ ہیں جو مخصوص اور صریح ہیں، اور بعض وہ ہیں جو غیر صریح اور مبہم ہیں، جن کو آیات کی گہرائیوں میں اللہ تعالیٰ نے ودیعت کر رکھے ہیں۔ تیسرے یہ کہ علماء کا یہ فریضہ ہے کہ وہ ایسے معانی کو اجتہاد و قیاس کے ذریعہ استنباط کریں۔

چوتھے یہ کہ عوام کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل میں علماء کی تقلید کریں۔ [احکام القرآن: ۲/۲۱۵]، لیکن یہ چوتھی بات کئی وجوہ سے صحیح نہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ مقلدین کا دعویٰ تقلید کے جواز کا نہیں بلکہ وجوب کا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تقلید کرنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس سے تقلید کے وجوب پر استدلال مقلدین کی اپنی تفسیر ہے۔ اسمیں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کی مصلحت پسندی کا ذکر کیا ہے جو منافقین کی طرح تحقیق کے بغیر انہوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔ ہمارے خیال میں اس آیت میں رد تقلید کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جس طرح منافقین تحقیق کے بغیر ہر بات پر عمل کرتے تھے اسی طرح مقلدین بھی ہر سنی سنائی بات پر عمل کرتے ہیں۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلَّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ

تو تم اللہ کی راہ میں لڑو تم اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہو اور مومنوں کو بھی ترغیب دو

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكْفِيَ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنْكِيلًا

یقین ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی کو بند کر دے اور اللہ لڑائی کے اعتبار سے بہت سخت ہے اور سزا کے لحاظ سے بھی بہت سخت ہے

﴿۸۲﴾ مَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعُ شَفَاعَةً

جو شخص نیک بات کی سفارش کرے تو اس کو اس (کے ثواب) میں سے حصہ ملے گا اور جو بُری بات کی سفارش کرے

سَيِّئَةٌ يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتًا ﴿۸۳﴾

اس کو اس (کے عذاب) میں سے حصہ ملے گا اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا

اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو (جواب) تم اُس سے بہتر (کلمے) سے انہیں لفظوں سے دو

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿۸۴﴾

بیشک اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ

اللہ (وہ معبودِ برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ قیامت کے دن تم سب کو ضرور جمع کرے گا

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿۸۷﴾ ﴿۸۷﴾ مَالِكُمْ فِي الْمُنْفِقِينَ فِتْنِينَ

اور اللہ سے بڑھ کر بات کا کون سچا ہے؟ تو کیا سبب ہے کہ تم منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو

وَاللَّهُ أَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ أَنْ تَهْدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ وَمَنْ

حالانکہ اللہ نے ان کو ان کے کرتوتوں کے سبب اوندھا کر دیا ہے کیا تم چاہتے ہو کہ جس شخص کو اللہ نے گمراہ کر دیا ہے

يُضِلُّ اللَّهُ فَلَئِنْ تَجَدَّلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ﴿٨٨﴾ وَتَدْرَأُونَ

اُس کو رستے پر لے آؤ؟ اور جس شخص کو اللہ گمراہ کر دے تم اُس کیلئے کبھی راستہ نہیں پاؤ گے۔ وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ جس طرح

لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ حَتَّىٰ

وہ خود کافر ہیں (اسی طرح) تم بھی کافر ہو کر (سب) برابر ہو جاؤ۔ تو جب تک وہ اللہ کی راہ میں وطن نہ چھوڑ جائیں

يُهَاجِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ

اُن میں سے کسی کو دوست نہ بنانا اگر (ترک وطن کو) قبول نہ کریں تو اُن کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کر دو

وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٨٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ

اور ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ بناؤ۔ مگر جو لوگ ایسے لوگوں سے جا ملے ہوں

إِلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاؤُكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ

جن میں اور تم میں (صلح کا) عہد ہو یا اس حال میں کہ اُن کے دل تمہارے ساتھ یا اپنی قوم کیساتھ لڑنے سے رک گئے ہوں

أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ

تمہارے پاس آجائیں (تو ان سے نہ لڑنا) اور اگر اللہ چاہتا تو اُن کو تم پر غالب کر دیتا

فَلَقَاتِلُوكُمْ فَإِنْ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ

تو وہ تم سے ضرور لڑتے پھر اگر وہ تم سے (جنگ کرنے سے) کنارہ کشی کریں اور لڑیں نہیں

وَأَلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ﴿٩٠﴾

اور تمہاری طرف صلح (کا پیغام) بھیجیں تو اللہ نے تمہارے لئے اُن پر (زبردستی کرنے کی) کوئی سبیل مقرر نہیں کی۔

سَتَجِدُونَ آخِرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ

تم کچھ اور لوگ ایسے بھی پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں

كَلَّمَارِدُّوْآ اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكُسُوْا فِيْهَا فَاِنْ لَّمْ يَعْزِلُوْكُمْ

لیکن جب فتنہ انگیزی کو بلائے جائیں تو اُس میں اوندھے منہ گر پڑیں تو ایسے لوگ اگر تم سے (لڑنے سے) کنارہ کشی نہ کریں

وَيُلْقُوْا اِلَيْكُمْ السَّلَامَ وَيَكْفُوْا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاَقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

اور نہ تمہاری طرف (پیغام) صلح بھیجیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو ان کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ قتل کردو

ثِقِفْتُمْوَهُمْ وَاَوْلٰئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۶۱﴾ ﴿۶۰﴾ مَا كَانَ

ان لوگوں کے مقابلے میں ہم نے تمہارے لئے دلیل صریح مقرر کر دی ہے۔ اور کسی مومن کو شایاں نہیں

لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ

کہ مومن کو مار ڈالے مگر بھول کر اور جو بھول کر بھی مومن کو مار ڈالے تو (ایک تو) ایک مسلمان غلام آزاد کر دے

مُؤْمِنَةٍ وَّدِيَّةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلَى اَهْلِهِ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ

اور (دوسرے) مقتول کے وارثوں کو خون بہادے ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے) اگر مقتول تمہارے

لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ

دشمنوں کی جماعت میں سے ہو اور وہ خود مومن ہو تو صرف ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو

مِّشَاقٌ فَدِيَّةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلَى اَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ

جن میں اور تم میں صلح کا عہد ہو تو وارثان مقتول کو خون بہادینا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہیے اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ

فَصِيَامٌ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا

متواتر دو مہینے کے روزے رکھے یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبول) توبہ (کیلئے) ہے اور اللہ (سب کچھ) جانتا (اور)

حَكِيمًا ﴿۱۶﴾ وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا

بڑی حکمت والا ہے۔ [16] اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اللہ

[۱۶] یہ حکم سلطانی ہے۔ راستہ میں خیال رکھنا کہیں غلطی سے تمہارے ہاتھوں کوئی مسلمان قتل نہ ہو جائے، اور اگر ”خطا“ ایسا ہو جائے تو اس کا حکم یہ ہے، فرمایا، یہ تو مؤمن کی شان نہیں کہ وہ کسی مؤمن کو عمداً اور جان بوجھ کر قتل کرے، البتہ یہ ممکن ہے کہ اس کے ہاتھوں غلطی اور خطا سے مؤمن قتل ہو جائے۔

قتل خطا کی بڑی دو قسمیں ہیں: ایک یہ کہ قصد و ارادہ میں غلطی سے قتل مسلم واقع ہو، یا عمل کی غلطی سے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ دور سے کسی آدمی کو دیکھا، اور سمجھا کہ وہ حربی کافر ہے اور اس پر فائر کر دیا، لیکن دراصل وہ مؤمن تھا۔ دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ کافر کو نشانہ بنا کر تیر پھینکا، یا شکار پر فائر کیا مگر وہ کسی مسلمان کو جا لگا، اور وہ مر گیا، پھر جو شخص غلطی سے کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو جائے، اس کی تین صورتیں ہیں: اول یہ کہ مقتول مؤمن ہو اور دار اسلام کا شہری ہو۔ دوم یہ کہ مقتول ہو تو مؤمن، لیکن حربی کافروں میں رہتا ہو۔ سوم یہ کہ مقتول کافر ہو لیکن ایسی قوم کافر ہو جس کا مسلمانوں سے معاہدہ ہو، مثلاً ذمی ہو، جو دار اسلام میں مستقل طور پر سکونت پذیر ہو، یا مستامن ہو، یعنی دار اسلام میں اجازت نامہ کے ذریعے عارضی طور پر مقیم ہو۔ تینوں کا حکم مختلف ہے۔ (الاحطاً) ای مخطأ فی قتله من غیر قصد، یعنی قاتل نہ ہوگا مگر بائین طور کہ بدون قصد کے اس سے قتل کرنا صادر ہو گیا۔

مفسرین نے خطا کی تفسیر بدون قصد ہونے سے بہت اچھی بیان کی، جس میں خطا و چوک کی سب صورتیں و وجہیں آگئیں اور ”مخطأ“ سے تفسیر کرنے میں اشارہ کیا کہ نصب اس کو بنا بر حال واقع ہونے کے ہے، ای لیس له قتله فی حال من الاحوال الاحال المخطأ، یعنی اللادرجالیکہ وہ خطا کرنے والا ہو، بھائی مومن کے قتل میں۔ اور بعض نے کہا کہ مفعول لہ ہے، یعنی نہیں قتل کرے گا اس کو کسی علت سے سوائے علت خطا کے، اور کہا گیا کہ صفت مصدر محذوف ہے، ای ماکان لہ ان یقتله قتلاً الا قتلاً مخطأ۔ اور ظاہر ایہ توجیہ سلیس ہے، اور کہا گیا ہے کہ استثناء منقطع ہے، پس قولہ ”الاحطاً“ ای لکن ان قتله خطا فجزاؤہ ما یذکر، یعنی اگر اس کو چوک کر قتل کیا تو جزاء اس کی وہ ہے جو آئندہ مذکور ہے۔ اور پوشیدہ نہ رہے کہ استثناء منقطع ہونا یہاں اجود بلکہ ثواب ہے، اس واسطے کہ ”ماکان“ کے ساتھ استثناء متصل

کے یہ معنی ہو جاویں گے کہ ”الاجطاء“ سے سزاوار ہے، حالانکہ میرا نہیں ہے، وما قیل ان ”ماکان“ بمعنی النهی، فالمعنی لایقتله الاجطاء فلا یجدی اذلا یندفع به ما قلنا فلیتامل۔ (وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا) سے قتل کی پہلی صورت کا حکم ہے۔ اس صورت میں قاتل پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا اور مقتول کے ورثاء کو دیت (خون بہا) ادا کرنا واجب ہے۔ دیت کی رقم ورثاء میں ان کے حصوں کی مناسبت سے تقسیم ہوگی، اگر اس کا کوئی وارث نہیں تو وہ رقم بیت المال (سرکاری خزانہ) میں جمع ہوگی ”الا ان یصدقوا“ یہ جو دیت سے متعلق ہے، یعنی اگر مقتول کے ورثاء پورا خون بہایا اس کا کچھ حصہ معاف کر دیں تو معاف کردہ حصے کا ادا کرنا واجب نہیں ہوگا۔ خون بہا کی مقدار ایک سواونٹ ہے اور اگر سو اونٹ کا انتظام نہ ہو سکے تو ایک ہزار دینار یا دس ہزار درہم۔

”فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ“ میں قتل کی دوسری صورت کا حکم ہے کہ قاتل پر ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے اس صورت میں خون بہا واجب نہیں اذالسلام الحربی فی دار الحرب ولم یهاجر الینا فقتله مسلم خطأ تجب الکفارة بقتله للعصمة المؤثمة وهی الاسلام ولا تجب الدية لان العصمة المقومة بالدار، ولم توجد (مدارک)۔ ”وان كان من قوم بینکم وبينهم ميثاق“ میں ذمی یا کافر معاہد کے قتل کا حکم ہے، یعنی اس کے قاتل پر کفارہ اور دیت دونوں واجب ہیں ہذا فی الذمی والمعاهد یقتل خطأ فتجب الدية والكفارة (قرطبی) مقتول مومن ہو جیسا کہ پہلی صورت میں تھا، یا کافر جیسا کہ تیسری صورت میں، دونوں کے قاتل پر دیت کا ایجاب ایک ہی انداز سے بیان کیا گیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ مومن اور کافر ذمی یا مستامن کا خون بہا برابر ہے وان كان المقتول ذمیاً فحکمه حکم المسلم وفيه دلیل علی ان دية الذمی کدية المسلم (مدارک)۔

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ اس کا تعلق کفارے کی تینوں صورتوں سے ہے، یعنی غلام یا لونڈی میسر نہ آسکے تو اس کی جگہ متواتر دو ماہ کے روزے رکھنے سے کفارہ ادا ہو جائے گا، لیکن شرط یہ ہے کہ دو ماہ میں ایک دن کا روزہ بھی نافع نہ ہو، اگر ایک دن بھی نافع ہو گیا تو پھر از سر نو دو ماہ روزے رکھنے پڑیں گے، یہاں قتل خطا کی تینوں صورتوں کا حکم بیان ہوا۔ ”ومن یقتل مؤمناً متعمداً فجزائه جہنم، قتل خطا کے بعد قتل عمد پر تجویف اخروی فرمائی، قتل عمد کا فقہی حکم کتب علیکم القصاص فی القتلی (البقرة: ۱۷۸)۔ میں بیان ہو چکا ہے یہاں ”خالدا فیہا“ کے الفاظ سے اس طرف اشارہ فرما دیا ہے کہ یہاں قتل عمد سے اس کا درجہ کامل مراد ہے یعنی مومن کو عمد اور اس کے قتل کو بوجہ

ایمان جائز سمجھ کر قتل کرے اور قتل مومن کی حلت کا معتقد ہو چنانچہ امام نسفی فرماتے ہیں۔ ای قاصدا قتلہ لایمانہ و هو کفر او قتلہ مستحلالا قتلہ و هو کفر ایضا (مدارک)۔

اور بعض لوگ اس حدیث کی وجہ سے وہم میں مبتلا ہوئے ہیں، حدیث عائشہؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ: ان رسول اللہ ﷺ قال: رفع القلم عن ثلاثة، عن النائم حتى يستيقظ، وعن المبتلى حتى يبرأ، وعن الصبي حتى يكبر (ابوداؤد رقم: ۴۳۹۸) یعنی رسول پاک ﷺ نے فرمایا: قلم اٹھایا گیا ہے، تین قسم آدمیوں سے (یعنی ان کی بدی کچھ نہیں لکھی جاتی) ایک تو سونے والے سے، جب تک وہ جاگے، دوسرے دیوانے سے، جب تک اس کو عقل آوے، تیسرے لڑکے سے (نا بالغ) جب تک وہ عاقل بالغ ہو جائے۔ یہ حدیث دیگر کتب احادیث میں بھی موجود ہے۔ کہ اگر کسی بچے کو نیند کی حالت میں ماں کی کسی عضو کے نیچے آنے سے موت واقع ہو جائے تو یہ قتل، قتل خطا میں داخل نہیں، اور ماں نہ دیت اور مبینہ روزے رکھے گی۔ حالانکہ اس حدیث کے معنی یہ نہیں جو کہ انہوں نے مراد لیا ہے، بلکہ حدیث طبرانی میں وضاحت موجود ہے کہ: عن ابی ادریس اخبرنی غیر واحد من اصحاب رسول اللہ ﷺ منهم شداد بن اوس، وثوبان ان رسول اللہ ﷺ قال: رفع القلم في الحد عن الصغير حتى يكبر، وعن النائم حتى يستيقظ، وعن المجنون حتى يفيق، وعن المعتوه الهالك: كبير ۷/۲۸، ومنه الشامي ۶: ۳۸۶، ۳۵۰۰، یعنی بچے سے بلوغ تک، نیند والے سے جاگنے تک، دیوانہ اور معتوہ سے جب تک وہ صحیح نہ ہو، حد معاف کیا گیا ہے، تو اس سے واضح ہوا کہ مذکورہ حدیث جو کہ ابوداؤد وغیرہ نے نقل کیا ہے اس میں ”رفع“ بمعنی حد معاف ہونے کے ہے، نہ کہ دیت اور مبینہ روزے۔ ان کی خطائی کی دوسری وجہ اس حدیث مشہور میں بھی ہے، جو کہ ابن ماجہ وغیرہ نے: عبد اللہ بن عباسؓ اور ابو ہریرہؓ وغیرہ سے نقل کی ہے کہ: قال النبی ﷺ ان الله وضع عن امتي الخطا والنسيان: ۲۰۴۵۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا میری امت کو بھول چوک اور جس کام کو خطا سے کریں۔ یہ حدیث ابن حبان نے صحیح ۲۱۹، میں نقل کیا ہے۔ مزید تفصیل اس حدیث کے متعلق الہدایہ فی تخریج البدایہ: ۱۶، اور العواصم و القواصم: ۱۹۲، میں ملاحظہ کیجئے۔ تو بناء برین اس حدیث کا مطلب یہ ہوا، کہ قتل خطا والے پر بھی دیت وغیرہ نہیں۔ حالانکہ جمہور علماء میں سے کسی نے اس پر قول نہیں کیا ہے، اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ قتل خطا میں دیت دینا، اور روزے رکھنا لازم ہے۔ تو یہ لوگ اس حدیث کا جو معنی کرتے ہیں وہی معنی حدیث اول کا بھی ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا، کہ مذکورہ لوگوں کا یہ خیال غلط ہے کہ قتل خطا میں مبتلا عورت پر روزے اور دیت نہیں، جب تک ورثاء معاف نہ کریں۔

وَعَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ﴿١٣١﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کیلئے اُس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مومنو! جب تم

إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَى إِلَيْكُمُ السَّلَامَ

اللہ کی راہ میں باہر نکلا کرو تو تحقیق سے کام لیا کرو اور جو شخص تم سے سلام کرے

لَسْتُمْ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ

اُس سے یہ نہ کہو کہ تم مومن نہیں ہو اور اس سے تمہاری غرض یہ ہو کہ دنیا کی زندگی کا فائدہ حاصل کرو، پس اللہ کے پاس بہت

مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ

سی غنیمتیں ہیں۔ تم بھی تو پہلے ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو (آئندہ) تحقیق کر لیا کرو اور جو عمل تم کرتے ہو

كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرًا ﴿١٣٢﴾ لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ

اللہ کو سب کی خبر ہے۔ جو مسلمان (گھروں میں) بیٹھ رہتے ہیں اور کوئی عذر نہیں رکھتے

أُولَى الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

وہ اور جو اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے لڑتے ہیں وہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً

اللہ نے مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر درجے میں فضیلت بخشی ہے

وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ

اور (گو) نیک وعدہ سب سے ہے لیکن اجر عظیم کے لحاظ سے اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٣٣﴾ جَرَّتْ مِنْهُ وَمَغْفِرَةٌ وَرَحْمَةٌ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا

پر کہیں فضیلت بخشی ہے۔ (یعنی) اللہ کی طرف سے درجات میں اور بخشش میں اور رحمت میں۔ اور اللہ بڑا بخشنے والا (اور)

رَّحِيمًا ﴿٤٤﴾ الَّذِينَ تَوْفَّيْتُمُ الْمَلَائِكَةَ ظَالِمِيْ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ

مہربان ہے۔ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم

كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضِ اللّٰهِ

کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز و ناتواں تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کہ کیا اللہ کا ملک

وَ اِسْعَۃً فَتَهَاجِرُوْا فِیْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَا وَاٰهُمْ جَهَنَّمُ وَاَسَآءُ ت مَصِيْرًا ﴿٤٥﴾

فراخ نہیں تھا کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے؟ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے

اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ حِیْلًا

ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے بے بس ہیں کہ نہ تو کوئی چارہ کر سکتے ہیں

وَلَا یَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿٤٨﴾ اُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّعْفُو عَنْهُمْ وَكَانَ

اور نہ رستہ جانتے ہیں۔ یقین ہے کہ اللہ ایسوں کو معاف کر دے اور

اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٩﴾ مَنْ یُّهَاجِرْ فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ

اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔ اور جو شخص اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ جائے وہ زمین میں بہت سی جگہ

مُرَاغَمًا كَثِيْرًا وَّ سَعَةً . وَمَنْ یُّخْرَجْ مِنْ بَیْتِهِ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ ثُمَّ

اور وسعت پائے گا اور جو شخص اللہ اور اُس کے رسول کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے

یُدْرِكُهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهُ عَلٰی اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٠٠﴾

پھر اس کو موت آئے تو اُس کا ثواب اللہ کے ذمے ہو چکا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلِیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ

اور جب تم سفر کو نکلو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ نماز کو کم کر کے پڑھو

إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكُفْرَيْنَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا

بشرطیکہ تمہیں خوف ہو کہ کافر لوگ تمہیں ایذا دیں گے بیشک کافر تمہارے کھلے۔

مُبِينًا ﴿۱۰۱﴾ إِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ

دشمن ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) جب تم ان میں ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت

مَعَكَ وَلِيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ

تمہارے ساتھ مسلح ہو کر کھڑی رہے جب وہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جائیں

وَلَتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلِيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ

پھر دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی آئے اور ہوشیار

وَأَسْلِحَتَهُمْ وَذَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ

اور مسلح ہو کر تمہارے ساتھ نماز ادا کرے۔ کافر اس گھات میں ہیں کہ تم ذرا اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے غافل ہو جاؤ

فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذَىٰ مِنْ

تو تم پر یکبارگی حملہ کر دیں۔ اگر تم بارش کے سبب

مَطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ

تکلیف میں یا بیمار ہو تو تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار رکھو مگر ہوشیار ضرور رہنا۔ اللہ نے کافروں کیلئے ذلت آمیز

أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿۱۰۲﴾ إِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَادْكُرُوا اللَّهَ

عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر جب تم نماز تمام کر چکو تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے (ہر حالت میں) اللہ کو یاد کرو

قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ

پھر جب خوف جاتا رہے تو (اُس طرح سے) نماز پڑھو (جس طرح امن کی حالت میں پڑھتے ہو) بیشک نماز

كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْفُوتًا ﴿۳۳﴾ ۱۰۳۳ اَوَّلًا تَهْنُؤًا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ

کا مومنوں پر اوقات (مقررہ) میں ادا کرنا فرض ہے۔ اور کفار کے پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا

إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ

اگر تم بے آرام ہوتے ہو تو جس طرح تم بے آرام ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں اور تم اللہ سے ایسی ایسی

مَا لَا يَرْجُونَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۳۴﴾ ۱۰۳۴ إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ

امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھ سکتے اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) بڑی حکمت والا ہے۔ (اے پیغمبر!) ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے

بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُنْ

تاکہ اللہ کی ہدایات کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرو اور (دیکھو)

لِلْخَائِبِينَ خَصِيمًا ﴿۳۵﴾ ۱۰۳۵ سَتَغْفِرَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۳۶﴾ ۱۰۳۶

دعا بازوں کی حمایت میں کبھی بحث نہ کرنا۔ اور اللہ سے بخشش مانگنا بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ

اور جو لوگ اپنی ہی کی خیانت کرتے ہیں ان کی طرف سے بحث نہ کرنا کیونکہ اللہ خائن اور مرتکب جرائم کو دوست

خَوَانًا أَثِيمًا ﴿۳۷﴾ ۱۰۳۷ سَتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ

نہیں رکھتا۔ یہ لوگوں سے تو چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے حالانکہ جب وہ راتوں کو ایسی باتوں کے مشورے کیا کرتے ہیں

مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ

جن کو وہ پسند نہیں کرتا تو ان کیساتھ ہوا کرتا ہے اور اللہ ان کے (تمام) کاموں پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

مَّحِطًا ﴿۳۸﴾ ۱۰۳۸ هَآؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

بھلا تم لوگ دنیا کی زندگی میں تو ان کی طرف سے بحث کر لیتے ہو

فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ﴿١٠٩﴾
قیامت کو ان کی طرف سے اللہ کے ساتھ کون جھڑے گا اور کون

ان کا وکیل بنے گا؟

وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا
اور جو شخص کوئی بُرا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ کو بخشنے والا

رَحِيمًا ﴿١١٠﴾ وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ اللَّهُ
اور مہربان پائے گا۔ اور جو کوئی گناہ کرتا ہے تو اُس کا وبال اُسی پر ہے اور اللہ تعالیٰ۔

عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا
جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ اور جو شخص کوئی تصور یا گناہ تو خود کر لے لیکن اس سے کسی بے گناہ کو متہم کرے تو اس نے

فَقَدْ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴿١١٢﴾ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ
بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر اٹھایا۔ اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی

لَهَمَّت طَّائِفَةٌ مِّنْهُمْ أَنْ يُضْلَوْكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ
تو ان میں سے ایک جماعت تم کو بہکانے کا قصد کر ہی چکی تھی اور یہ اپنے سوا (کسی کو) بہکا نہیں سکتے

وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
اور نہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اور اللہ نے تم پر کتاب اور دانائی نازل فرمائی ہے۔

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ، وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ﴿١١٣﴾
اور تمہیں وہ باتیں سکھائی ہیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ [۱۷] اور تم پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔

[۱۷] اس آیت سے بریلوی نبی کریم ﷺ کے، کلی علم غیب پر استدلال کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ ”ما“ استعمال ہوا ہے، جو عموم کے لئے ہوتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ تمام وہ چیزیں جو آپ کو معلوم نہ تھیں وہ ساری کی ساری اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتادیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے کلی علم غیب عطا کر دیا تھا، مگر اس آیت سے نبی کریم ﷺ کے لئے کلی علم غیب پر استدلال سراسر باطل ہے، اولاً اس لئے کہ یہ استدلال اس بات پر مبنی ہے کہ ”ما“ اس آیت میں عموم اور استغراق حقیقی کے لئے ہے، حالانکہ ”ما“ ہر جگہ عموم اور استغراق کے لئے نہیں آتا، بلکہ اس میں خصوص کا بھی احتمال ہوتا ہے۔ نسفی حنفی فرماتے ہیں ”ومن“ و ”ما“ یحتملان العموم و الخصوص و اصلهما العموم (رسالہ منار مع شرح نور الانوار: ۷۹) یعنی اگرچہ اصل دونوں میں عموم ہے لیکن دونوں میں خصوص کا احتمال بھی ہوتا ہے اس کی شرح میں ملا جیون فرماتے ہیں: یعنی انہما فی اصل الوضع للعموم و يستعملان فی الخصوص بعراض القرآن، اور ایسی مثالیں خود قرآن میں بکثرت موجود ہیں۔ جن میں کلمہ ”ما“ عموم کے لئے نہیں، چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے: وبعلمکم مالکم تکنونوا تعلمون (بقرہ: ۱۵۱) اور وہ (پیغمبر ﷺ) تم کو وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے، اس آیت میں خطاب براہ راست صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ہے، اور ان کی وساطت سے ساری امت تا قیامت اس آیت کی مخاطب ہے، اگر یہاں کلمہ ”ما“ کو عموم اور استغراق حقیقی پر محمول کیا جائے جیسا کہ بریلویوں کا خیال ہے، تو اس سے لازم آئے گا کہ تمام صحابہ کرام بلکہ امت محمدیہ کا ہر فرد تا قیامت غیب دان ہو، اور اسے ماکان و ما یكون کا کلی علم غیب حاصل ہو۔ حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں۔

اور اسی طرح ایک جگہ فرمایا: وعلمتم مالکم تعلموا انتم ولا ابناءکم (انعام: ۹۱) اور سکھایا گیا تم کو وہ کچھ جو تم نہ جانتے تھے، اور نہ تمہارے باپ دادا۔ اس آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ اس میں خطاب یہود سے ہے جیسا کہ اکثر مفسرین نے لکھا ہے، اور اگر خطاب مسلمانوں سے ہوں تو بھی اگر ”ما“ کو یہاں استغراق حقیقی کے لئے لیا جائے تو اس سے ان تمام یہودیوں کو یا تمام مسلمانوں کو غیب دان ماننا پڑے گا، جو اس آیت کے مخاطب ہیں ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ ”ما“ ہر جگہ عموم کے لئے نہیں ہوتا۔

ثانیاً مفسرین کرام نے بھی اس آیت میں ”ما“ کو خصوص پر محمول کیا ہے۔ اور اس سے مخصوص امور ہی مراد لئے ہیں، اور استغراق حقیقی پر اسے کسی نے بھی محمول نہیں کیا۔ جناب عبداللہ بن عباسؓ اور مقاتل کہتے ہیں ”ما“ سے مراد شریعت

ہے۔ قال ابن عباس ومقاتل هو الشرع، بحر۔ مفسر قرطبی۔ اور امام بخوی، امام نسفی اور علامہ خازن فرماتے ہیں: ”ما“ سے امور دین اور احکام شریعت مراد ہیں، و علمک مالکم تکن تعلم یعنی من الشرائع و الاحکام قرطبی۔ یعنی من احکام الشرع و امور الدین، معالم و خازن و اللفظ له، من امور الدین و الشرائع: مدارک، امام ماوردی کہتے ہیں ”ما“ سے کتاب و حکمت مراد ہے۔ و ذکر الماوردی الكتاب و الحكمة: بحر، ان حوالوں سے بخوی واضح ہو گیا کہ ”ما“ یہاں عموم کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سے مراد امور دین اور احکام شریعت ہیں، اگر کہا جائے کہ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ”ما“ سے مراد علم غیب ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن مفسرین نے علم غیب یا اخبار اولین و آخرین لکھا ہے انہوں نے صحیح اور مختار قول امور دین اور احکام شریعت ہی کو قرار دیا ہے، اور دوسرے قول یعنی علم غیب کو کلمہ تریض ”قیل“ سے ذکر کر کے اس کے ضعف اور غیر معتبر ہونے کی طرف اشارہ کر دیا۔ نیز اس ضعیف قول میں بھی کلی علم غیب کا کوئی ذکر نہیں بلکہ اس سے بھی بعض غیب ہی مراد ہے۔

ثالثاً ”ما“ کو یہاں عموم اور استغراق پر محمول کرنا آیت کے سیاق و سباق کے بالکل منافی ہے کیونکہ اس سے پہلے ”انما انزلنا الیک الكتاب بالحق“ الخ، سے حکم سے سلطانی بیان فرمایا کہ اللہ کے نازل کردہ احکام اور اس کے مقرر کردہ قوانین کے مطابق فیصلے کیا کرو۔ اس کے بعد جھوٹی تہمت لگانے والوں اور جھوٹی گواہی دینے والوں کو جریں کیں، اور پھر فرمایا، و علمک مالکم تکن تعلم، لہذا ”ما“ سے یہاں وہی کچھ مراد ہے جو مفسرین نے بیان کیا ہے، یعنی احکام شریعت لہذا علم غیب کلی مراد لینا سراسر غلط اور باطل ہے۔

رابعاً، سورۃ نساء جس میں یہ آیت ہے اس کے بعد تقریباً چوبیس سورتیں اور نازل ہوئیں، اگر اس سے آپ ﷺ کو کلی علم غیب حاصل ہو چکا تھا، تو پھر ان چوبیس سورتوں کی نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

بعض مبتدع مولوی کہتے ہیں: کہ ”ما“ عموم کے لئے ہے، اور ”علم“ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور مفعول نبی کریم ﷺ ہیں، اللہ، مفیض عام ہے اور نبی ﷺ میں استعداد تام۔ تو اس سے ثابت ہوا، کہ نبی علیہ السلام کو کلی علم غیب معلوم تھا، اس کا جواب سورہ علق ”علم الانسان مالکم يعلم“ میں الانسان سے بعض مفسرین کے نزدیک نبی کریم ﷺ مراد ہیں، اور بعض مبتدع مولوی بھی اس کو ترجیح دیتے ہیں، تو یہاں بھی فاعل اللہ اور مفعول نبی ﷺ ہیں اور سورہ علق کی یہ آیتیں بھی بالاتفاق ساری قرآن سے پہلے نازل ہوئی تھیں، تو اگر ”ما“ کو عموم و استغراق حقیقی کے لئے لیا جائے اور ”علم“ ماضی کا صیغہ ہے جو گذشتہ زمانے میں وقوع فعل پر دلالت کرتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے

پہلے یا اس آیت کے نزول کے ساتھ نبی کریم ﷺ کو تمام علوم غیبیہ سکھا دیئے تھے، تو (معاذ اللہ) پھر سارے قرآن کے نازل کرنے کی کیا ضرورت تھی کیونکہ یہ تحصیل حاصل ہے۔ =

لَا خَيْرَ فِى كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوفٍ
ان لوگوں کی بہت سی مشوریں اچھی نہیں ہاں (اُس شخص کی مشورہ اچھی ہو سکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات
اَوْ اِصْلَاحِ بَيْنِ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ
یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے اور جو ایسے کام اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کرے گا۔
فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۲۱﴾ اَلَّذِيْنَ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
تو ہم اس کو بڑا ثواب دیں گے۔ اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے

= نیز یہ قانون بھی کسی کتاب میں نہیں لکھا ہوا کہ فاعل اللہ تعالیٰ ہو اور مفعول نبی علیہ السلام کی ذات ہو تو وہاں ہمیشہ
عموم ہی مراد لیا جاتا ہے، بلکہ شرک پھیلانے کے لئے ان مولویوں نے یہ قاعدہ اپنی طرف سے وضع کیا ہے۔

غلط استدلال

مخالفین عموم علم نبی کریم ﷺ پر بعض حدیثوں سے بھی استدلال کرتے ہیں مثلاً حدیث میں ہے اخبرنا بما كان
وما يكون، (مسند احمد: ۲۲۸۸۸) تو اس کا جواب یہ ہے کہ علوم غیبیہ کلیہ یعنی کل ما كان وما يكون متلاکل
فوجداری اور دیوانی احکام ہندی بنگالی، جرمنی وغیرہ کا بیان کرنا تھوڑے سے وقت میں ناممکن ہے بلکہ یہاں ”ما“ سے مراد بجز من
امور عظام ہیں، یعنی بعض نہایت اہم امور جیسا کہ دوسری روایت میں اس کی تصریح موجود ہے۔ نیز وہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ
نے فرمایا ایک شب میں اللہ تعالیٰ نے میری پشت پر ہاتھ رکھا ”فتجلی لی کل شیء“ تو میرے لئے سب کچھ روشن
ہو گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سات صحابہ نے یہ الفاظ بیان کئے ہیں ”فعلمت الذى سئلى عنه كما هو مصرح فى
الدر المنثور“ اور لفظ ”تجلی لی کل شیء“ کے بارے میں خازن نے بیہقی سے نقل کیا ہے کہ اس کے تمام طرق ضعیف

ہیں، (مزید تفصیل کے لئے حاشیہ مصابیح السنۃ ملاحظہ کریں) لہذا ان حدیثوں سے نبی کریم ﷺ کے کل علم غیب پر استدلال کرنا غلط اور باطل ہے۔

لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ
اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستے پر چلے [۱۸] تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اُسے اُدھر ہی چلے دیں گے اور (قیامت کے دن)
وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿۱۸﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ
جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔ اللہ اس گناہ کو نہیں بخشنے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا (اور

[۱۸] اس آیت میں دو چیزوں کا جرم عظیم اور دخول جہنم کا سبب ہونا بیان فرمایا ہے، ایک مخالفت رسول ﷺ اور یہ ظاہر ہے، کہ مخالفت رسول ﷺ کفر و وبال عظیم ہے، دوسرے جس کام پر سب مسلمان متفق ہوں اس کو چھوڑ کر اس کے خلاف کوئی راستہ اختیار کرنا، اس سے معلوم ہوا کہ اجماع امت حجت ہے، یعنی جس طرح قرآن و سنت کے بیان کردہ احکام پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح امت کا اتفاق جس چیز پر ہو جائے اس پر بھی عمل کرنا واجب ہے، اور اس کی مخالفت گناہ عظیم ہے، جیسا کہ آپ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا اید اللہ علی الجماعۃ من شد شد فی النار۔ یہ روایت عبد اللہ بن عمر سے حاکم نے مستدرک: ۱/۱۵۱، میں اور ترمذی نے: ۲۱۶۷، میں نقل کیا ہے۔ اور ابن ماجہ نے انس سے، ۳۹۵۰، میں نقل کیا ہے۔ اور اسامہ سے ابن قانع نے معجم میں نقل کیا ہے: تفصیل کے لئے ظلال الجنت: ۸۰، ۸۱، ۸۲، ملاحظہ کیجئے۔ یعنی جماعت کے سر پر اللہ کا ہاتھ ہے اور جو شخص جماعت مسلمین سے علیحدہ ہو گا وہ علیحدہ کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

امام شافعیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ اجماع امت کے حجت ہونے کی دلیل قرآن مجید میں ہے؟ آپ نے قرآن سے دلیل معلوم کرنے کے لئے تین روز تک مسلسل تلاوت قرآن کو معمول بنایا، ہر روز دن میں تین مرتبہ اور رات میں تین مرتبہ پورا قرآن ختم کرتے تھے، بالآخر یہی مذکورہ آیت ذہن میں آئی، اور اس کو علماء کے سامنے بیان

کیا تو سب نے اقرار کیا کہ اجماع کی حجت پر یہ دلیل کافی ہے۔ یہ واقعہ احکام القرآن للشافعی: ۱۳۹/۱، تاریخ دمشق: ۵۱/۳۶۳، اور سیر اعلام النبلاء: ۸۵/۱۰، میں مذکور ہے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۱۴﴾

گناہ) جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس نے اللہ کیساتھ شریک بنایا وہ رستے سے دُور جا پڑا۔

اِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ اِلَّا اِنَاثًا وَاِنْ يَدْعُونَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾

یہ جو اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں تو موتوں ہی کی اور پکارتے ہیں تو شیطان سرکش ہی کو

لَعَنَهُ اللّٰهُ وَقَالَ لَا تَخِذْنَ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾

جس پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ (جو اللہ سے) کہنے لگا کہ میں تیرے بندوں سے ایک مقرر حصہ لے لیا کروں گا

وَلَا ضَلٰلَتْهُمْ وَلَا مَنِئْتَهُمْ وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَبْتِكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَا مَرْنَهُمْ

اور ان کو گمراہ کرتا اور امیدیں دلاتا رہوں گا اور یہ سکھاتا رہوں گا کہ جانوروں کے کان چیرتے رہیں اور کہتا رہوں گا

فَلْيَغَيِّرَنَّ خَلْقَ اللّٰهِ . وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ

کہ وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بدلتے رہیں اور جس شخص نے اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو دوست بنایا

خُسْرًا نَّامِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ يَعِدُهُمْ وَيَمْنِيْهِمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا

وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔ وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے اور جو کچھ شیطان انہیں وعدے دیتا ہے

عُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ مَا وَاٰهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

وہ دھوکا ہی دھوکا ہے۔ ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ وہاں سے نجات نہیں پاسکیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کو ہم بہشتوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے سے

الْأَنْهَرُ خَلْدَيْنَ فِيهَا أَبَدًا وَعَدَدَ اللَّهِ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قَلِيلًا ﴿۱۲۲﴾

نہریں جاری ہیں ہمیشہ اُن میں رہیں گے، اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے؟
لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِيَّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا
(نجات) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو شخص بُرے عمل کرے گا
يُجْزَبُ بِهِ وَلَا يَجِدُ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۲۳﴾ وَهَنْ يَعْمَلْ
اُسے اُسی (طرح) کا بدلہ دیا جائے گا [۱۹] اور وہ اللہ کے سوا نہ کسی کو حمایتی پائے گا اور نہ مددگار۔ اور جو نیک کام

[۱۹] عن علي بن زيد عن امية انها سألت عائشة عن قول الله عز وجل: ﴿ان تبدوا ما في
انفسكم او تخفوه يحسبكم به الله﴾ (بقرہ: ۲۸۴) وعن قوله: ﴿ومن يعمل سوءا يعجز
به﴾ (نساء: ۱۲۳) فقالت ما سألتني عنها احد منذ سألت رسول الله ﷺ، فقال هذه معاتبه الله العبد بما
يصيبه من الحمى و النكبة، حتى البضاعة يضعها في يد قميصه، فيفقد هافي فزع لها، حتى ان العبد
ليخرج من ذنوبه كما يخرج التبر الاحمر من الكبير (رواه الترمذی: ۲۹۹۱، واحمد: ۲۱۸/۶).

علیٰ بن زید (بصری تابعی) امیہ سے روایت کرتے ہیں، کہ انہوں نے عائشہؓ سے، اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے
معنی پوچھے، ”اگر تم وہ چیز جو تمہارے دلوں میں ہے ظاہر کر دو، یا چھپاؤ، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا“۔
اور اس آیت کے معنی بھی پوچھے: ”جو شخص برا عمل کرے (یعنی خواہ صغیرہ گناہ کرے خواہ کبیرہ گناہ) تو اس کی جزا
(یعنی اس کی سزا دنیا یا آخرت میں) دی جائے گی“۔

عائشہؓ نے فرمایا جیسا کہ، میں نے اس کے بارہ میں رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا تھا، ویسا کسی نے مجھ سے
اس مسئلہ کے بارہ میں نہیں پوچھا، چنانچہ آپؐ نے (میرے دریافت کرنے پر فرمایا کہ یہ یعنی محاسبہ اور سزا جو دونوں آیتوں
میں مذکور ہیں، اللہ تعالیٰ کا عتاب ہے، جس میں بندہ، بخار و رنج کی تکلیف کی صورت میں مبتلا ہوتا ہے، یہاں تک کہ کوئی
بندہ اپنا کچھ مال اپنے کرتے کے آستین (جیب) میں رکھتا ہے اور (پھر وہ مال گم ہو جاتا ہے جسے) وہ نہیں پاتا، چنانچہ وہ اس

مال کے نہ ملنے سے غمگین ہوتا ہے، تو اس کی وجہ سے اس کے گناہ دور کیے جاتے ہیں، اور ہمیشہ یہی سلسلہ جاری رہتا ہے کہ بندہ کسی تکلیف اور رنج میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ بندہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسا کہ سونا اور چاندی بھٹی سے آگ میں پڑھنے کی وجہ سے سرخ نکلتا ہے۔ =

مِنَ الصَّالِحَاتِ مَنْ ذَكَرٍ أَوْ أَنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ

کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو گا تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے

وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿۱۲۴﴾ ﴿۱۲۳﴾ مَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ

اور ان کی تیل برابر بھی حق تلفی نہ کی جائے گی۔ اور اُس شخص سے کس کا دین اچھا ہو سکتا ہے جس نے حکمِ الہی کو قبول کیا

وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿۱۲۵﴾ ﴿۱۲۴﴾

اور وہ نیکو کار بھی ہے اور ابراہیم کے دین کا پیرو ہے جو یکسو (مسلمان) تھے۔ اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

اور آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز پر

= ان دونوں آیتوں کے معنی پوچھنے کی وجہ یہ تھی، کہ پہلی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بندوں سے ان کے

دلوں کے خطرات و وسوس اور برے خیالات پر محاسبہ کیا جائے گا۔ اور دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بندوں

کو ہر برے عمل پر سزا دی جاتی ہے، خواہ وہ عمل چھوٹا ہو یا بڑا، تھوڑا ہو یا زیادہ، چنانچہ اس سے صحابہ پریشان ہوئے کہ

کیا کریں، کیونکہ اس سے چنانچہ ممکن نہیں، چنانچہ امیہؓ نے، عائشہؓ سے ان آیات کا مطلب پوچھا، تو انہوں نے ان آیات کی

وضاحت کی، جس کا حاصل یہ ہے کہ ان آیات کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مومنین کو ان کے دل کی تمام

باتوں اور ان کے تمام چھوٹے بڑے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ بلکہ آیات میں محاسبہ اور سزا کی مراد یہ ہے

کہ اللہ تعالیٰ مومنین کو ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کی وجہ سے دنیا میں اپنے عتاب میں مبتلا کرتا ہے، بایں طور کہ کسی

کو بیماری کی تکلیف میں اور کسی کو دوسرے رنج و غم میں مبتلا کر دیتا ہے، تاکہ یہ چیزیں ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جائیں، عتاب کے معنی یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی دوست سے اس کی کسی غلط روی اور بے ادبی کی وجہ سے بظاہر اس پر اپنے غصہ کا اظہار کرے مگر دل میں اس کی محبت بدستور باقی رہے۔

مُحِطًا ﴿۲۴۴﴾ وَتَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ

احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (اے پیغمبر!) لوگ تم سے (یتیم) عورتوں کے بارے میں فتویٰ طلب کرتے ہیں، کہہ دو کہ اللہ تم کو یفتیکم فیہنّ وما یتلی علیکم فی الکتب فی یتمی النساء الّتی لا ان کے (ساتھ نکاح کرنے کے) معاملے میں اجازت دیتا ہے اور جو حکم اس کتاب میں پہلے دیا گیا ہے وہ ان یتیم عورتوں تو تونھنّ ما کتب لھنّ وترغبون ان تنکحوھنّ والْمُسْتَضْعَفِیْنَ کے بارے میں ہے جن کو تم ان کا حق تو دیتے نہیں اور خواہش رکھتے ہو کہ ان کیساتھ نکاح کر لو اور (نیز) بیچارے

مِنَ الْوَالِدَانِ وَاَنْ تَقَوْمُوا لِیْتَمٰی بِالْقِسْطِ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ بیکس بچوں کے بارے میں اور یہ (بھی حکم دیتا ہے) کہ یتیموں کے بارے میں انصاف پر قائم رہو اور جو بھلائی تم کرو گے

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِیْمًا ﴿۲۴۷﴾ اِنْ اُمَّرَاةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا اللہ اُس کو جانتا ہے۔ اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے پرواہی کا خوف ہو

اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِنَّ اَنْ یُّصْلِحَا بَیْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَیْرٌ ۗ تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے

وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا اور طبعیتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہیں اور اگر تم نیکو کاری اور پرہیزگاری کرو گے تو اللہ تمہارے

تَعْمَلُوْنَ خَیْرًا ﴿۲۴۸﴾ اِنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَاءِ

اعمال پر پوری طرح خبردار ہے، تم سے تو یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں نے ہر طرح عدل کرو گو تم اسکی کتنی ہی خواہش کر لو

وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَدْرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ

تو ایسا بھی نہ کرنا کہ ایک ہی کی طرف ڈھل جاؤ اور دوسری کو (ایسی حالت میں) چھوڑ دو کہ گویا ادھڑ میں لٹک رہی ہے اور اگر

تُصَلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۲۹﴾ وَإِنْ يَتَفَرَّقَا

آپس میں موافقت کر لو اور پرہیزگاری کرو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر میاں بیوی

يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ كَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿۱۳۰﴾

ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنی دولت سے غنی کر دے گا اور اللہ بڑی وسعت والا اور حکمت والا ہے

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب

الْكِتَابِ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنْ اتَّقُوا اللَّهَ وَإِنْ تَكْفُرُوا

دی گئی تھی اُن کو بھی اور تم کو بھی ہم نے حکم تاکید کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور اگر کفر کرو گے

فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا ﴿۱۳۱﴾

تو جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ غنی اور سزاوار حمد و ثنا ہے

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۱۳۲﴾

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کا رساز کافی ہے

إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذٰلِكَ

لوگو! اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور اور لوگوں کو پیدا کر دے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر

قَدِيرًا ﴿۱۳۳﴾ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

تادر ہے۔ جو شخص دنیا (میں عملوں) کی جزا کا طالب ہو تو اللہ کے پاس دنیا اور آخرت (دونوں) کیلئے اجر (موجود) ہیں

وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾ بِهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ

اور اللہ سنتا دیکھتا ہے۔ اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور اللہ کیلئے سچی گواہی دو،

بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ

خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔ اگر کوئی امیر ہے۔

إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَاقِرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا

یا فقیر تو اللہ ان دونوں سے زیادہ مقدم ہے، تو تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا

وَإِنْ تَلَوْا أَوْ تَعْرَضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾

اگر تم بیچد ارشہادت دو گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو (جان رکھو کہ) اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَيَّ

مومنو! اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور جو کتاب اُس نے اپنے پیغمبر

رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ

پر نازل کی ہے اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لادو اور جو شخص اللہ اور اُس کے فرشتوں

وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾ الَّذِينَ

اور اُس کی کتابوں اور اُس کے پیغمبروں اور روزِ قیامت سے انکار کرے وہ رستے سے بھٹک کر دُور جا پڑا جو لوگ

آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أزدَادُوا كُفْرًا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ

ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہو گئے پھر کفر میں بڑھتے گئے اُن کو اللہ نہ تو بخشنے گا۔

لَهُمْ وَلَا لِيُهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿۳۶﴾ ﴿۳۶﴾ الْمُنْفِقِينَ بَأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا

اور نہ سیدھا رستہ دکھائے گا۔ (اے پیغمبر) منافقوں کو بشارت سنا دو کہ اُن کیلئے دردناک عذاب

الْيَوْمَ ﴿٣٨﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ

(تیار) ہے۔ جو مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔

أَيَّتَعُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿٣٩﴾ نَزَلَ عَلَيْكُمْ فِي

کیا یہ اُن کے ہاں عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں عزت تو سب اللہ ہی کی ہے [۲۰] اور اللہ نے تم پر اپنی کتاب میں

[۲۰] اسی آیت میں کفار و شرکین کے ساتھ دوستانہ تعلقات رکھنے اور گھل مل کر رہنے کی ممانعت اور ایسا کرنے والوں

کے لئے وعید مذکور ہے، اور اس کے ساتھ ہی اس مرض میں مبتلا ہونے کی اصل منشاء اور سبب کو بیان کر کے اس کا لغو اور بے

ہودہ ہونا بھی بتلادیا، ارشاد فرمایا: أَيَّتَعُونَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا: یعنی کفار و شرکین کے ساتھ دوستانہ

تعلقات رکھنے اور ان کے ساتھ ملنے کی غرض عموماً یہ ہوتی ہے کہ ان کی ظاہری عزت و قوت اور جھٹے سے متاثر ہو کر یوں خیال

کیا جاتا ہے کہ ان سے دوستی رکھی جائے تو ہمیں بھی ان سے عزت و قوت حاصل ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ نے اس لغو خیال کی

حقیقت اس طرح واضح فرمائی کہ تم ان کے ذریعہ عزت حاصل کرنا چاہتے ہو جن کے پاس خود عزت نہیں، عزت جس کے

معنی ہیں قوت و غلبہ کے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، اور مخلوق میں سے جس کسی کو کبھی کوئی قوت و غلبہ ملتا ہے وہ

سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، تو کس قدر بے عقلی ہوگی کہ عزت حاصل کرنے کے لئے اصل عزت کے مالک اور عزت دینے

والے کو تو ناراض کیا جائے، اور اس کے دشمنوں کے ذریعہ عزت حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

سورة منافقون: ۸، میں بھی یہی مضمون ایک اضافہ کے ساتھ اس طرح آیا ہے: وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ

وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ: یعنی عزت تو صرف اللہ کے لئے ہے اور اس کے رسول ﷺ کے لئے اور

مسلمانوں کے لئے، لیکن منافقین اس گُر کو نہیں سمجھتے، اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ رسول ﷺ اور مومنین کا اضافہ کر کے یہ بھی

بتلادیا کہ اصل عزت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ جس کو چاہتا ہے کچھ حصہ عزت عطا فرما دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے رسول

ﷺ اور ان پر ایمان لانے والے چونکہ اس کے نزدیک محبوب اور مقبول ہیں اس لئے ان کو عزت، وغلبہ دیا جاتا ہے

، کفار و شرکین کو خود ہی عزت نصیب نہیں، ان کے تعلق سے کسی دوسرے کو کیا عزت مل سکتی ہے، اس لئے فاروق اعظمؓ نے

فرمایا: من اعتز بالعبید اذله اللہ (حلیۃ الاولیاء: ۱۷۴/۲) یعنی جو شخص مخلوقات اور بندوں کے ذریعے عزت حاصل کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کر دیتے ہیں۔ مستدرک حاکم: ۸۸/۳، حلیۃ الاولیاء: ۱۷۴/۲، میں ہے کہ عمرؓ نے ملک شام کے عامل (گورنر ابو عبیدہؓ) سے فرمایا: کنتم اقل الناس واذل الناس فکشرکم بالاسلام وکنتم اذل =

الْكِتَابِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يَكْفُرُ بِهَا وَيُسْتَهْزِءُ بِهَا (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سناؤ کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور اُن کی ہنسی اڑائی جاتی ہے فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهِ اِنَّكُمْ اِذَا مَثَلْتُمْ (یہ حکم) نازل فرمایا ہے کہ جب تم (کہیں) سناؤ کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور اُن کی ہنسی اڑائی جاتی ہے۔ تو جب تک وہ لوگ اور باتیں (نہ) کرنے لگیں اُن کے پاس مت بیٹھو ورنہ تم بھی انہیں جیسے ہو جاؤ گے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكَافِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۲۰﴾ کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں، سب کو دوزخ میں اکٹھا کرنے والا ہے۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فِتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ (جو تم کو دیکھتے رہتے ہیں اگر اللہ کی طرف سے تمہیں فتح ملے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے) وَاِنْ كَانَ لِّلْكَافِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ (اور اگر کافروں کو (فتح) نصیب ہو تو (اُن سے) کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے۔)

وَنَمْنَعُكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ (اور تم کو مسلمانوں (کے ہاتھ) سے بچایا نہیں؟ تو اللہ تم میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔)

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِّلْكَافِرِيْنَ عَلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۲۱﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ اور اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔ - مناقب

=الناس فاعزكم الله بالاسلام مهماتطلبوا العزة بغير الله يذلكم الله : یعنی اے ابو عبیدہ تم تعداد میں کم اور سب سے زیادہ کمزور تھے، تم کو محض اسلام کی وجہ سے عزت و شوکت ملی ہے، تو خوب سمجھ لو! اگر تم اسلام کے سوا کسی دوسرے ذریعہ سے عزت حاصل کرنا چاہو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو ذلیل کر دے گا۔

يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ
اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اُس کو کیا دھوکا دیں گے) وہ انہیں دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔ اور جب یہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں

﴿۱۲۳﴾ قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۲۳﴾

تو ست اور کاہل ہو کر (صرف) لوگوں کو دکھانے کیلئے اور اللہ کو یاد ہی نہیں کرتے مگر بہت کم

﴿۱۲۴﴾ مُذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَلِكَ لَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ
بچ میں لٹک رہے ہیں نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ ان کی طرف اور جس کو اللہ تعالیٰ بھٹکائے

﴿۱۲۵﴾ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿۱۲۵﴾ ﴿۱۲۶﴾ الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ اَوْلِيَاءَ
تو تم اُس کیلئے کبھی بھی رستہ نہ پاؤ گے۔ اے اہل ایمان! مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ

﴿۱۲۷﴾ ﴿۱۲۸﴾ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ اَتْرِيدُونَ اَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۱۲۸﴾
کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ کی صاف حجت قائم کر لو

﴿۱۲۹﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرَكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۲۹﴾
کچھ شک نہیں کہ منافق لوگ دوزخ کے سب سے نچلے درجے میں ہوں اور تم اُن کا کسی کو مددگار نہ پاؤ گے

﴿۱۳۰﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاَعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنََهُمْ لِلّٰهِ
ہاں جنہوں نے توبہ کی اور اپنی حالت کو درست کیا اور اللہ (کی رسی) کو مضبوط پکڑا اور خاص اللہ کے فرمانبردار ہو گئے

﴿۱۳۱﴾ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۳۱﴾

تو ایسے لوگ مومنوں کے زمرے میں ہوں گے اور اللہ تعالیٰ عنقریب مومنوں کو بڑا ثواب دے گا۔

﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا﴾ ﴿۱۲۷﴾

اگر تم شکر گزار رہو اور اس پر ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اور اللہ تعالیٰ تو قدر شناس اور داناستہ۔

﴿لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ

اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی کسی کو اعلانیہ بُرا کہے مگر وہ جو مظلوم ہو اور اللہ (سب کچھ)

سَمِيعًا عَلِيمًا﴾ ﴿۱۲۸﴾ ﴿تَبَدُّوا خَيْرًا أَوْ تَخْفَوْهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ فَإِنَّ

سننا (اور) جانتا ہے۔ اگر تم لوگ بھلائی کھلم کھلا کرو گے یا چھپا کر، یا بُرائی سے درگزر کرو گے تو

اللَّهُ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾ ﴿۱۲۹﴾ ﴿الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ

اللہ بھی معاف کرنے والا (اور) قدرت والا ہے۔ جو لوگ اللہ سے اور اُس کے پیغمبروں سے کفر کرتے ہیں اور اللہ

وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضِ

اور اُس کے پیغمبروں میں فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے

وَنَكْفُرُ بِبَعْضِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ ﴿۱۳۰﴾

اور ایمان اور کفر کے بیچ میں ایک راہ نکالنی چاہتے ہیں۔

﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ ﴿۱۳۱﴾

وہ بلا شبہ کافر ہیں اور کافروں کیلئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ

اور جو لوگ اللہ اور اُس کے پیغمبروں پر ایمان لائے اور ان میں کسی میں فرق نہ کیا ایسے لوگوں کو وہ عنقریب

يُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ﴿۱۳۲﴾ ﴿سَأَلُوا

ان (کی نیکیوں) کے صلے عطا فرمائے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (اے محمد ﷺ!) اہل کتاب تم سے مطالبہ

الْكِتَابِ أَنْ تُنَازِلَهُمْ عَلَيْهِمْ مِّمَّا كَتَبْنَا فِيهَا وَاللَّهُ مُخْتَلِفٌ فِي مَا تَحْتَقِقُ سَأَلُوا لِمَ تَنزِيلُ الْكِتَابِ مِنْ

ذٰلِكَ فَقَالُوا اَرْنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذْتَهُمُ الصّٰعِقَةُ بَظُلْمِهِمْ

(اُن سے) کہتے تھے کہ ہمیں اللہ ظاہر (یعنی آنکھوں) سے دکھا دو۔ ان کے گناہ کی وجہ سے ان کو بجلی نے آ پکڑا۔

ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ

پھر کھلی نشانیاں آنے کے بعد بچھڑے کو (معبود) بنا بیٹھے تو اس سے بھی ہم نے درگزر کی

وَآتَيْنَا مُوسٰى سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۱۳۱﴾ اَلرَّحْمٰنُ فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِثْقٰلِ هِمِّ قُلْنَا

اور موسیٰ کو صریح غلبہ دیا۔ اور ان سے عہد لینے کو ہم نے ان پر کوہ طور اٹھا کھڑا کیا اور انہیں حکم دیا کہ

لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِى السَّبْتِ

(شہر کے) دروازے میں (داخل ہونا) تو سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور یہ بھی حکم دیا کہ ہفتے کے دن (مچھلیاں پکڑنے)

وَآخَذْنَا مِنْهُم مِّثْقٰلًا غَلِيظًا ﴿۱۳۲﴾ اَلَّذِيْ مَا نَقَضْتَهُمْ

میں تجاوز (یعنی حکم کے خلاف) نہ کرنا۔ غرض ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا۔ (لیکن انہوں نے عہد کو توڑ ڈالا)

مِثْقٰلَهُمْ وَكُفِّرِهِمْ بآيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ

تو ان کے عہد توڑ دینے اور اللہ کی آیتوں سے کفر کرنے اور انبیاء کو ناحق مار ڈالنے

وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ

اور یہ کہنے کے سبب کہ ہمارے دلوں پر پردے (پڑے ہوئے) ہیں (اللہ نے ان کو مردود کر دیا اور ان کے دلوں پر پردے ہیں)

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۳۳﴾

نہیں ہیں) بلکہ ان کے کفر کے سبب اللہ نے ان پر مہر کر دی ہے تو یہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتٰنًا عَظِيْمًا ﴿۱۳۴﴾

اور ان کے کفر کے سبب اور مریم پر ایک بہتان عظیم باندھنے کے سبب۔

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ

اور یہ کہنے کے سبب کہ ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ مسیح کو جو اللہ کے پیغمبر (کہلاتے) تھے قتل کر دیا ہے

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ

(اللہ نے ان کو ملعون کر دیا) اور انہوں نے عیسیٰ کو قتل نہیں کیا اور نہ انہیں سولی پر چڑھایا بلکہ ان کو ان کی ہی صورت معلوم ہوئی [۲۰]

وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ

اور جو لوگ ان کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں وہ ان کے حال سے شک میں پڑے ہوئے ہیں اور پیروی

الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿٢١﴾ لَوْلَا رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ

ظن کے سوا ان کو اُس کا مطلق علم نہیں اور انہوں نے عیسیٰ کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف اٹھالیا

وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٢٢﴾ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا لِيُؤْمِنُوا بِهِ قَبْلَ

اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہو گا مگر ان کی موت سے پہلے

مَوْتِهِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكُونُ عَلَيْهِمْ شَهِدًا ﴿٢٣﴾ فَيُظْلَمُ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا

ان پر ایمان لے آئے گا اور وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے۔ [۲۱] تو ہم نے یہودیوں کے ظلموں کے سبب (بہت

(۲۱) سورۃ ال عمران کی آیت: ”یا عیسیٰ انی متوفیک“ الایۃ، میں حق تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن

یہود کے عزائم کو ناکام بنانے، اور عیسیٰ علیہ السلام کو ان کی دستبرد سے بچانے کے سلسلہ میں پانچ وعدے فرمائے تھے، جن کی

تفصیل وکھل تشریح اور تفسیر سورۃ ال عمران کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے، ان وعدوں میں ایک وعدہ یہ بھی تھا کہ یہود کو آپ

کے قتل پر قدرت نہیں دی جائے گی۔ بلکہ آپ کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف اٹھالیں گے، اس آیت میں یہود کی شرارتوں اور جھوٹے

دعووں کے بیان میں اس وعدہ البیہ کی تکمیل اور یہود کے مغالطہ کا مفصل بیان اور یہود کے اس قول کی مکمل تردید ہے کہ

انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا ہے۔

ان آیات میں واضح کر دیا گیا ہے کہ: ”وما قتلوه وما صلبوه“ یعنی ان لوگوں نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا

اور نہ سولی پر چڑھایا، بلکہ صورت حال یہ پیش آئی کہ معاملہ ان کے لئے مشتبہ کر دیا گیا۔

”ولکن شبہ لہم“ کی تفسیر میں امام تفسیر ضحاک فرماتے ہیں کہ قصہ یوں پیش آیا کہ جب یہود نے مسیح علیہ السلام کے قتل کا ارادہ کیا تو آپ کے حواری ایک جگہ جمع ہو گئے، عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے پاس تشریف لے آئے، ابلیس نے یہود کے اس دستہ کو جو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لئے تیار کھڑا تھا، عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ دیا، اور چار ہزار آدمیوں نے مکان کا محاصرہ کر لیا، عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریین سے فرمایا! کہ تم میں سے کوئی شخص اس کے لئے آمادہ ہیں کہ باہر نکلے اور اس کو قتل کر دیا جائے۔ اور پھر جنت میں میرے ساتھ ہو، ان میں سے ایک آدمی نے اس عرض کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا، آپ نے اس کو اپنا کرتہ، عمامہ، عطا کیا، پھر اس پر آپ کی مشابہت ڈال دی گئی، اور جب وہ باہر نکل آیا تو یہود اسے پکڑ کر لے گئے، اور سولی پر چڑھادیا، اور عیسیٰ علیہ السلام کو اٹھایا گیا (قرطبی)۔

بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں نے ایک شخص طریلانوس کو عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے واسطے بھیجا تھا، عیسیٰ علیہ السلام تو مکان میں نہ ملے، اس لئے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اٹھالیا تھا۔ اور یہ شخص جب گھر سے نکلا تو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا، یہودیہ سمجھے کہ یہی عیسیٰ علیہ السلام ہے، اور اس اپنے ہی آدمی کو لے جا کر قتل کر دیا۔ (منظہری)۔

ان میں سے جو بھی صورت حال پیش آئی ہو، سب کی گنجائش ہے، قرآن کریم نے کسی خاص صورت کو متعین نہیں فرمایا، اس لئے حقیقت حال کا صحیح علم تو اللہ ہی کو ہے، البتہ قرآن کریم کے اس جملے اور دوسری تفسیری روایات سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتی ہے، کہ یہود نصاریٰ کو زبردست مغالطہ ہو گیا تھا، حقیقی واقعہ ان سے پوشیدہ رہا، اور اپنے گمان و قیاس کے مطابق انہوں نے طرح طرح کے دعوے کئے۔ اور ان کے آپس ہی میں اختلافات پیدا ہو گئے۔ اسی حقیقت کی طرف قرآن کریم کی ان الفاظوں میں اشارہ کیا گیا ہے: ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ ط مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ

عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ج وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا﴾ ان کے پاس صحیح علم کی بنیاد پر کوئی یقینی بات نہیں ہے، جن جن لوگوں نے مسیح عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اختلاف کر کے طرح طرح کے دعوے کئے ہیں یہ سب شک اور انکلی کی باتیں ہیں، صحیح صورت واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی طرف اٹھالیا، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ کچھ لوگوں کو تنبیہ ہوا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے تو اپنے ہی آدمی کو قتل کر دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ مقتول چہرے میں تو عیسیٰ علیہ السلام کے مشابہ ہے، لیکن باقی جسم میں ان کی طرح نہیں، اور یہ کہ اگر یہ مقتول عیسیٰ علیہ السلام ہیں

تو ہمارا آدمی کہاں ہے؟ اور اگر یہ ہمارا آدمی ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں؟

وكان الله عزيزا حكيما“ یہود لاکھ دفعہ قتل کے منصوبے بناتے لیکن جب اللہ نے عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کا ذمہ لیا، تو اس کی قدرت و غلبہ کے سامنے ان کے منصوبوں کی حیثیت کیا ہے؟ وہ قدرت والا ہے، صرف مادہ کے پرستار انسان اگر فرغ عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکے تو یہ ان کی اپنی کمزوری ہے، وہ حکمت والا ہے، اس کے ہر فعل حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

آخر میں اسی مضمون کے تتمہ کے لئے فرمایا کہ ”وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته“ یہ لوگ اس وقت اگر چہ بغض و حسد کی وجہ سے حقیقت کی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے، اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق باطل خیالات رکھتے ہیں، نیز محمد مصطفیٰ کی نبوت کا بھی انکار کر رہے ہیں، لیکن ایک وقت ایسا آنے والا ہے جبکہ ان کی آنکھیں کھل جائیں گی، اور اس وقت انہیں یقین ہو جائیگا، کہ عیسیٰ علیہ السلام اور محمد ﷺ کے متعلق جو کچھ ہمارا خیال تھا، وہ سب باطل تھا، اس آیت کی ایک تفسیر تو یہ ہے کہ ”موتہ“ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع کی جائے اور آیت کا مطلب اس صورت میں یہ ہے کہ یہ یہود اپنی موت سے چند لمحے پیشتر جب عالم برزخ کو دیکھیں گے، تو عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لے آئیں گے، اگرچہ اس وقت کا ایمان ان کے حق میں نافع نہیں ہوگا، جس طرح کہ فرعون کو اس کے اس ایمان نے فائدہ نہیں دیا تھا، جو وہ غرق ہونے کے وقت لایا تھا۔

دوسری تفسیر جسکو صحابہ و تابعین کی بڑی جماعت نے اختیار کیا ہے، اور حدیث صحیح سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، یہ ہے کہ ”موتہ“ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور آیت کے مطلب یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اگرچہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لاتے، یہود تو انہیں نبی ہی تسلیم نہیں کرتے۔ بلکہ انہیں العیاذ باللہ مفتزی اور کاذب قرار دیتے ہیں، اور نصاریٰ اگرچہ ان پر ایمان لانے کا عوی کرتے ہیں مگر بعض تو ان میں اپنی جہالت میں یہاں تک پہنچ گئے کہ یہود ہی کی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے مقتول اور مصلوب ہونے کے قائل ہو گئے، اور بعض اعتقاد کے غلو میں اس حد تک نکل گئے کہ انہیں اللہ اور اللہ کا بیٹا سمجھ لیا۔ قرآن کریم کی اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ یہ لوگ اگرچہ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر صحیح ایمان نہیں رکھتے، لیکن جب وہ قیامت کے قریب اس زمین پر نازل ہو نکلے۔ تو یہ سب اہل کتاب ان پر صحیح ایمان لے آئیں گے، نصاریٰ تو سب کے سب صحیح اعتقاد کے ساتھ مسلمان ہو جائیں گے، یہود میں جو مخالفت کریں گے، قتل کر دیئے جائیں گے، باقی مسلمان ہو جائیں گے، اس وقت کفر اپنی تمام قسموں کے ساتھ دنیا سے فنا کر دیا جائے گا۔

اور اس زمین پر صرف اسلام ہی کی حکمرانی ہوگی۔

ابو ہریرہؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ: عن النبی ﷺ انه قال لينزلن ابن مريم حكما عدلا فليقتلن الدجال وليقتلن الخنزير وليكسرن الصليب وتكون السجدة واحدة لله رب العالمين. ثم قال ابو هريرةؓ، وقرأوا ان شئتم، وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته، قال ابو هريرةؓ، قبل موت عيسى، يعيدها ثلاث مرات - (قرطبي)۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک عادل حکمران بن کر ضرور نازل ہونگے، وہ دجال اور خنزیر کو قتل کر دیں گے، صلیب کو توڑ ڈالیں گے، اور اس وقت عبادت صرف پروردگار عالم کی ہوگی، اس کے بعد ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم چاہو تو قرآن کریم کی یہ آیت بھی پڑھ لو، جس میں اسی حقیقت کا ذکر کیا گیا ہے، کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا، مگر یہ کہ وہ ان پر ان کی موت سے پہلے ایمان لے آئے گا، آپ نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے، اور تین بار ان الفاظ کو دہرایا۔

آیت مذکورہ کی یہ تفسیر ایک جلیل القدر صحابی ابو ہریرہؓ سے بروایت صحیحہ ثابت ہے، جس میں ”قبل موت“ سے مراد قبل موت عیسیٰ علیہ السلام قرار دیا ہے، جس نے آیت کا مفہوم واضح طور پر متعین کر دیا، کہ یہ آیت قرب قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے متعلق ہے، اس تفسیر کی بناء پر یہ آیت ناطق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ابھی نہیں ہوئی، بلکہ قیامت کے قریب جب وہ آسمان سے نازل ہونگے، اور ان کے نزول سے اللہ جل شانہ کی جو حکمتیں وابستہ ہیں وہ حکمتیں پوری ہو جائیں گی، تب اس زمین پر ہی ان کی وفات ہوگی۔

اس کی تائید سورہ زخرف کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے: ﴿وَإِنَّهُ لَعَلَّمٌ لِلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۶۱﴾۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک نشانی ہیں، پس تم قیامت کے آنے میں شک مت کرو، اور میرا کہا مانو!

مفسرین کی ایک بڑی جماعت نے یہاں پر لکھا ہے کہ ”انہ“ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے، اور معنی یہ ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی ایک علامت ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کی خبر دی گئی ہے، کہ قیامت کے قریب نازل ہونگے، اور ان کا آنا قیامت کی علامات میں سے ہوگا۔ اس آیت میں ایک =

حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴿۱۴۰﴾

سی (یا) کیزہ چیزیں جو ان کو حلال تھیں ان پر حرام کر دیں اور اس سبب سے بھی کہ وہ اکثر اللہ کے رستے سے (لوگوں کو) روکتے تھے

وَأَخَذِهِمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ وَأَكْلِهِمْ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ

اور اس سبب سے بھی کہ باوجود منع کئے جانے کے سود لیتے تھے اور اس سبب سے بھی کہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے

وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۴۱﴾ لِيَكُنِ الرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ

اور ان میں سے جو کافر ہیں ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مگر جو لوگ ان میں سے علم میں پکے ہیں

= دوسری قرأت ”لَعَلَّمُ“ بھی منقول ہے، اس سے یہ معنی زیادہ واضح ہو جاتے ہیں، کیونکہ علم نفتح اللام کے معنی علامت کے ہیں، ابن عباسؓ کی تفسیر بھی اس کی مؤید ہے: عن ابن عباسؓ فی قوله ”وَإِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ“ قال خروج عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیامة .

ابن عباسؓ سے ”إِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ“ کے بارے میں منقول ہے، کہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں، جو قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے۔ (ابن کثیر)۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ ”قبل موتہ“ کے ساتھ جب ابو ہریرہؓ کی حدیث صحیح کے ساتھ تفسیر کو شامل کیا جائے، تو اس سے واضح طور پر عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ ہونا اور پھر قرب قیامت میں نازل ہو کر یہود پر مکمل غلبہ پانا ثابت ہو جاتا ہے، اسی طرح آیت ”إِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ“ سے بھی حسب تفسیر ابن عباسؓ کا یہ مضمون یقینی ہو جاتا ہے، امام ابن کثیر نے آیت ”إِنَّهُ لَعَلَّمُ لِلسَّاعَةِ“ کی تفسیر میں لکھا ہے: وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ ﷺ انه اخبر بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیامة امام عادلا (ابن کثیر)۔

رسول اللہ ﷺ کی احادیث اس معاملے میں متواتر ہیں، کہ آپ ﷺ نے قیامت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں نازل ہونے کی خبر دی ہے، ان روایات متواترہ کو شاہ انوشاہ کشمیری نے جمع فرمایا، جن کی تعداد سو ۱۰۰ سے زائد ہیں۔ اور والد محترم نے بھی اپنی کتاب ”انکار حدیث سے انکار قرآن تک“ میں جمع کی ہیں۔

مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ وَمَا أَنْزَلَ مِنْ قَبْلِكَ

اور جو مومن ہیں وہ اس (کتاب) پر جو تم پر نازل ہوئی اور جو تم سے پہلے نازل ہوئیں (سب پر) ایمان رکھتے ہیں

وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اور نماز پڑھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور روزِ آخرت کو مانتے ہیں۔

أُولَئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٤٨﴾ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا

انکو ہم عنقریب اجرِ عظیم دیں گے۔ (اے محمد!) ہم نے تمہاری طرف اسی طرح وحی بھیجی ہے جس طرح

إِلَى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ

نوح اور ان سے پچھلے پیغمبروں کی طرف بھیجی تھی اور ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور

وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ وَعِيسَى وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا

یعقوب اور اولادِ یعقوب اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان (علیہم السلام) کی طرف بھی ہم نے وحی بھیجی تھی

دَاوُدَ زَبُورًا ﴿١٤٩﴾ وَسَلَاةً قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ

اور داؤد کو ہم نے زبور بھی عنایت کی تھی۔ اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات ہم تم سے پیشتر بیان کر چکے ہیں

وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَى تَكْلِيمًا ﴿١٥٠﴾

اور بہت سے پیغمبر ہیں جن کے حالات تم سے بیان نہیں کئے اور موسیٰ سے تو اللہ تعالیٰ نے باتیں بھی کیں۔

رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ

(سب) پیغمبروں کو (اللہ نے) خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے (بنا کر بھیجا تھا) تاکہ پیغمبروں کے آنے کے بعد

وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٤٥﴾ كِنِ اللَّهُ يَشْهَدُ

لوگوں کو اللہ پر الزام کا موقع نہ رہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔ [22] لیکن اللہ نے جو (کتاب) تم پر نازل کی ہے

[22] ابن عباس فرماتے ہیں کہ سکین اور عدی بن زید نے کہا اے محمد ﷺ! ہم نہیں مانتے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو، اس پر یہ آیات اتریں۔ محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں جب آیت ”یسئلک اهل الكتاب“ سے ”عظیما“ تک اتری، اور یہودیوں کے برے اعمال کا ایجنہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا، تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کسی انسان پر اللہ نے کوئی اپنا کلام نازل نہیں فرمایا، نہ موسیٰ علیہ السلام پر، اور نہ عیسیٰ علیہ السلام پر، اور نہ کسی اور نبی پر۔ آپ ﷺ اس وقت گوٹ لگائے لیٹے تھے اسے آپ ﷺ نے کھول دیا اور فرمایا کسی پر بھی نہیں؟۔ پس اللہ تعالیٰ نے آیت: ”وما قدر و اللہ“ الایة، نازل فرمائی، لیکن یہ قول تامل طلب ہے، اس لئے کہ یہ آیت سورہ انعام میں ہے جو مکہ ہے، اور سورہ نساء کی مندرجہ بالا آیت مدنیہ ہے، جو ان کے رد میں ہے، جبکہ انہوں نے کہا تھا کہ اسماں سے کوئی کتاب آپ اتارا لائیں، جس کی جواب میں فرمایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا پھر ان کے عیوب بیان فرمائے، اور ان کی پہلی اور اب کی سیاہ کاریاں کھولیں، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے، جس طرح اور انبیاء کی طرف زبور اس کتاب کا نام ہے جو داؤد علیہ السلام پر اتری تھی، پھر فرماتا ہے اس آیت: یعنی مکی سورت کی آیت سے پہلے بہت سے انبیاء علیہ السلام کا ذکر ہو چکا ہے اور بہت سوں کا نہیں بھی ہوا، جن انبیاء علیہم السلام کے نام قرآن کے لفظوں میں آگئے ہیں یہ ہیں آدم علیہ السلام، ادریس، نوح، ہود، ابراہیم، لوط، اسطیعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، شعیب، موسیٰ، ہارون، یونس، داؤد، سلیمان، الیسع، زکریا، عیسیٰ، یحییٰ علیہم السلام، اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل، ایوب، اور الیاس علیہم السلام اور ان سب کے سردار محمد ﷺ۔

اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا۔ اسی وجہ سے انبیاء اور مرسلین کے تعداد میں اختلاف ہے۔ اس بارے مشہور حدیث ابو ذرؓ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے: کہ آپ نے پوچھا یا رسول اللہ انبیاء کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار، میں نے پوچھا کہ ان میں رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ، بہت بڑی جماعت۔ میں نے دریافت کیا، سب سے پہلے کون سے ہیں؟ فرمایا آدم علیہ السلام، میں نے کہا کیا وہ بھی رسول تھے؟ فرمایا ہاں، اللہ =

بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَائِكَةُ يَشْهَدُونَ وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿٤٤﴾

اس کی نسبت اللہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے اپنے علم سے نازل کی ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور گواہ تو اللہ ہی کافی ہے [23]

= تعالیٰ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، پھر ان میں اپنی روح پھونکی، پھر درست اور ٹھیک ٹاک کیا، پھر فرمایا ای ابو ذر! چار سریانی ہیں، آدم علیہ السلام، شیت علیہ السلام، اور نوح علیہ السلام، اور خنوخ علیہ السلام، جن کا مشہور نام ادریس علیہ السلام ہے، انہی نے پہلے قلم سے خط لکھا۔ چار عربی ہیں، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، اور تمہارے نبی ﷺ۔ اے ابو ذر! بنو اسرائیل میں پہلے نبی موسیٰ علیہ السلام ہیں، اور آخری عیسیٰ علیہ السلام ہیں، تمام نبیوں میں سب سے پہلے آدم علیہ السلام ہے اور سب سے آخری تمہارے نبی ہیں۔ ابن کثیر۔

اور یہ حدیث دوسری سند سے ابو امامتہ سے بھی مروی ہے لیکن اس میں معان بن رفاعہ سلامی ضعیف ہیں اور علی بن یزید بھی ضعیف ہیں، اور قاسم بن عبد الرحمن بھی ضعیف ہیں، اور ایک حدیث ابو یعلیٰ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں، چار ہزار بنی اسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی اور لوگوں کی طرف، یہ حدیث بھی ضعیف ہے اس میں زبیدی اور اس کے استاد قاشی دونوں ضعیف ہیں، واللہ اعلم۔

ابو یعلیٰ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا آٹھ ہزار انبیاء میرے بھائی گذر چکے ہیں، ان کے بعد عیسیٰ علیہ السلام آئے، ان کے بعد میں آیا ہوں، اور حدیث میں ہے، کہ میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد آیا ہوں، جن میں سے چار ہزار تو بنی اسرائیل میں سے تھے۔ یہ حدیث اس سند سے غریب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہے اور سند میں کوئی خوف نہیں بجز احمد بن طارق کے، ان کے بارے میں مجھے کوئی عدالت یا جرح نہیں ملی۔ مسند احمد: ۲۶۵، ۲۶۶، میں بھی یہ حدیث کچھ کمی کے ساتھ موجود ہے۔ واللہ اعلم۔

[23] عن ابی ہریرۃ عن رسول اللہ ﷺ انه ذکر رجلا من بنی اسرائیل، سأل بعض بنی اسرائیل، ان یسلفہ الف دینار فقال ائتنی بالشہداء اشہدہم، فقال کفی باللہ شہیدا، قال فأتنی بالكفیل قال کفی باللہ کفیلا، قال قال صدقت، فدفعها الیہ الی اجل مسمی، فخرج فی البحر فقضى حاجتہ ثم التمس مرکبایر کبها، یقدم علیہ للاجل الذی اجلہ، فلم یجد مرکبا فخذ خشبۃ فنقرها فدخل فیہا الف

دینار و صحیفہ منہ الی صاحبہ، ثم زجج موضعها، ثم اتی بها الی البحر فقال اللهم انک تعلم انی کنت تسلفت فلانا الف دینار فسألنی کفیلا فقلت کفی بالله کفیلا فرضی بک، وسألنی شهیدا فقلت کفی بالله شهیدا، فرضی بک، وانی جهدت ان اجدمر کبا بعث الیه الذی له فلم اقدر، وانی استودعکها، فرمی بهافی البحر حتی ولجت فیہ، ثم انصرف وهو فی ذلک یلتمس مرکبا، ینخرج الی بلده فخرج الرجل الذی کان اسلفه ینظر، لعل مرکبا قد جاء بماله فاذا بالخشبۃ التی فیها المال، فاخذ لاهله حطباً، فلما نشرها وجد المال و الصحیفۃ، ثم قدم الذی کان اسلفه فاتی بالف دینار، فقال والله ما زلت جاهد فی طلب مرکب لآتیک بمالک فما وجدت مرکبا قبل الذی اتیت فیہ، قال هل کنت بعثت الیّ بشئ؟ قال اخبرک، انی لم اجدمر کبا قبل الذی جئت فیہ، قال فان الله قد ادى عنک الذی بعثت فی الخشبۃ فانصرف بالف الدینار راشداً. (بخاری کتاب الکفالة: ۲۲۹۱).

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کا ذکر کیا، انہوں نے بنی اسرائیل کے دوسرے شخص سے ہزار اشرفیاں قرض مانگیں، اس نے کہا اچھا گواہوں کو بلا لانا، تاکہ میں ان کے سامنے دوں، ان کو گواہ کروں، اس نے کہا! اللہ کی گواہی بس کرتی ہے، اس نے کہا سچ کہتا ہے، پھر اس نے کہا اچھا، ضمانت دے، اس نے کہا اللہ کی ضمانت بس کرتی ہے، اس نے کہا سچ کہتا ہے، اور ہزار اشرفیاں اس کو وعدے پر دے دیں، پھر جس نے قرض لیا تھا، اس نے سمندر کا سفر کیا، اور اپنا کام پورا کر کے یہ چاہا کہ جہاز پر سوا ہو کر اپنے وعدہ پر پہنچ جائے، (اور قرض ادا کرے) لیکن کوئی جہاز نہ ملا، آخر اس نے ایک لکڑی کریدی، اس میں ہزار اشرفیاں اور ایک خط رکھ کر اس کا منہ بند کر دیا اور سمندر پر آیا۔ کہنے لگا کہ، یا اللہ تو جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ہزار اشرفیاں قرض لی تھیں، اس نے مجھ سے ضمانت مانگی تو میں نے کہا تھا کہ تیری ضمانت بس کرتی ہے، وہ اس پر راضی ہو گیا تھا، اور اس نے مجھ سے گواہ بھی مانگے تھے میں نے کہا تھا تیری گواہی بس کرتی ہے، وہ اس پر راضی ہو گیا تھا، میں نے بہت کوشش کی کہ کوئی جہاز ملے، میں اس کا قرض (وعدے پر) ادا کر دوں، لیکن میں کیا کروں جہاز ہی نہیں ملا، اب میں یہ مال تیرے سپرد کرتا ہوں (تو پہنچا دے) یہ کہہ کر اس نے وہ لکڑی سمندر میں پھینک دی وہ ڈوب گئی، اور لوٹ کر چلا آیا، اس وقت وہ شخص بھی جہاز ڈھونڈتا رہا، جس نے قرض دیا تھا، وہ سمندر پر اس خیال سے گیا، کہ شاید کوئی جہاز آئے اور اس کا روپیہ لائے، =

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلَالًا

جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا وہ رستے سے بھٹک کر دُور جا پڑے

بَعِيدًا ﴿١٤٧﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرَ لَهُمْ

جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کرتے رہے اللہ اُن کو بخشنے والا نہیں

وَلَا لِيُهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٤٨﴾ طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۗ وَكَانَ

اور نہ انہیں رستہ ہی دکھائے گا۔ ہاں دوزخ کا رستہ جس میں وہ ہمیشہ (جلتے) رہیں گے اور یہ (بات)

ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٤٩﴾ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ كُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ

اللہ کو آسان ہے۔ لوگو! اللہ کے پیغمبر تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق بات لے کر آئے ہیں

مِنْ رَبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَكُمْ ۗ وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ

تو (ان پر) ایمان لاؤ (یہی) تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر کفر کرو گے تو (جان رکھو کہ) جو کچھ آسمانوں

= اتنے میں ایک لکڑی اس کو دکھلائی دی، اس نے جلانے کے لئے اٹھالی، جب اس کو چیرا تو اشرفیاں پائیں خط بھی ملا، پھر وہ شخص آن پہنچا جس نے قرض لیا تھا، اور (دوبارہ) ہزار اشرفیاں لایا اور عذر کرنے لگا، اللہ کی قسم، میں جہاز ڈھونڈتا رہا کہ تمہارا قرض ادا کروں، مگر جس جہاز میں آیا اس سے پہلے کوئی جہاز نہ ملا، تب قرض خواہ نے کہا تو نے میرے پاس کچھ بھیجا تھا؟ اس نے کہا میں کہوں، بات یہ ہے کہ جب اس سے پہلے کوئی جہاز مجھ کو نہ ملا تو میں نے ایک لکڑی میں اشرفیاں رکھ کر ڈال دی تھیں، قرض خواہ کہنے لگا، اللہ نے وہ اشرفیاں پہنچا دیں، جو تو نے لکڑی میں رکھ بھیجی تھیں، پھر وہ اشرفیاں لے کر اطمینان کے ساتھ لوٹ گیا۔

وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۲۰﴾ أَيُّهَا أَهْلَ الْكِتَابِ

اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ اے اہل کتاب!

لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى

اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ

ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ

(نہ اللہ تھے اور نہ اس کے بیٹے بلکہ) اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اُس نے مریم کی طرف بھیجا تھا

وَرُوحٌ مِّنْهُ فَآمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةً ط إِنَّتُهَا خَيْرًا لَّكُمْ

اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور (یہ) نہ کہو (کہ اللہ) تین (ہیں اس اعتقاد سے)

إِنَّمَا اللَّهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ ط سُبْحٰنَهُ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اللہ ہی اکیلا معبود ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو جو کچھ آسمانوں میں

وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفَى بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۲۱﴾ الَّذِينَ يَسْتَنكِفَ الْمَسِيحُ

اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔ [24] مسیح اس بات سے عار نہیں رکھتے

[24] اس آیت میں اہل کتاب کو غلو فی الدین سے منع فرمایا گیا، غلو کے لفظی معنی حد سے نکل جانے کے ہیں، اور امام

بصاص نے احکام القرآن میں فرمایا ہے: الغلو فی الدین ہو مجاوزة حد الحق فیہ۔ یعنی دین کے بارے میں غلو یہ

ہے کہ دین میں جس چیز کی جو حد مقرر کی گئی ہے اس سے آگے نکل جائے، اہل کتاب یہود و نصاریٰ دونوں کو اس حکم کا مخاطب

اس لئے بنایا گیا کہ غلو فی الدین ان دونوں میں مشترک ہے، اور یہ دونوں فرقتے غلو فی الدین ہی کا شکار ہیں، کیونکہ

نصاریٰ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے اور ان کی تعظیم میں غلو کیا، ان کو الہ یا اللہ کا بیٹا یا تیسرا الہ، بنا دیا، اور یہود نے ان کے

نہ ماننے اور رد کرنے میں غلو کیا، کہ ان کو رسول اللہ ﷺ بھی نہ مانا بلکہ معاذ اللہ ان کی والدہ ماجدہ مریم بتول پر تہمت لگائی

اور ان کے نسب پر عیب لگایا۔

چونکہ غلوفی الدین کے سبب یہود و نصاریٰ کی گمراہی اور تباہی مشاہدہ میں آچکی تھی اس لئے رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس معاملہ میں پوری احتیاط کی تاکید فرمائی، مسند احمد میں عمر فاروق کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لا تطرونی کما اطرت النصارى عیسیٰ بن مریم، فانما انا عبد، فقولوا عبد اللہ ورسولہ۔ یعنی میری مدح و ثناء میں ایسا مبالغہ نہ کرو جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کے معاملہ میں کیا ہے، خوب سمجھ لو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس لئے تم مجھے اللہ کا بندہ اور رسول کہا کرو۔ اس روایت کو بخاری نے: کتاب الانبیاء: ۲۰۴، و مسند احمد: ۳۳۷۱، میں نقل کیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ غلوفی الدین وہ تباکن چیز ہے جس نے پچھلی امتوں کے دین کو دین ہی کے نام پر برباد کر دیا ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کو اس وباء عظیم سے بچانے کے لئے مکمل تدبیریں فرمائیں۔ حدیث میں ہے کہ حج کے موقع پر رسول پاک ﷺ نے رمی جمرات کے لئے عبد اللہ بن عباس کو فرمایا کہ آپ ﷺ کے واسطے کنکریاں جمع کر لائیں، انہوں نے متوسط قسم کی کنکریاں پیش کر دیں، آپ ﷺ نے ان کو بہت پسند فرما کر دو مرتبہ فرمایا: بمثلھن بمثلھن یعنی ایسی ہی متوسط کنکریوں سے جمرات پر رمی کرنا چاہئے پھر فرمایا: ایاکم و الغلوفی الدین فانما ہلک من کان قبلکم بالغلوفی دینھم۔ مسند احمد: ۳/۳۵۰، وابن ماجہ: ۳۰۲۹، و ابویعلیٰ: ۲۴۲۔

”و کلمتہ“ اس لفظ میں یہ بتلایا گیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا کلمہ ہیں، مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں:

۱۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی پیدائش میں دو عامل کار فرما ہوتے ہیں، ایک عامل نطفہ ہے، اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا کلمہ ”کن“ فرمانا، جس کے بعد وہ بچہ وجود میں آجاتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں چونکہ پہلا عامل مستفی ہے اس لئے دوسرے عامل کی طرف نسبت کر کے آپ کو کلمۃ اللہ کہا گیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مادی اسباب کے واسطے کے بغیر صرف کلمہ ”کن“ سے پیدا ہوئے ہیں، اس صورت میں ”القہا الی مریم“ کے معنی یہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کلمہ مریم علیہا السلام تک پہنچا دیا، جس کے نتیجے میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عمل میں آگئی۔

۲۔ بعض نے فرمایا کہ ”کلمۃ اللہ“ بشارۃ اللہ کے معنی میں ہے، اور مراد اس سے عیسیٰ علیہ السلام ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ مریم علیہا السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت دی تھی اس میں ”کلمہ“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، اذ قالت الملائکۃ یمریم ان اللہ یشرک بکلمۃ۔

۳۔ بعض نے فرمایا کلمۃ ایت و نشانی کے معنی میں ہے جیسا کہ دوسری جگہ یہ لفظ آیہ کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، و صدقت بکلمات ربہا (تحریم: ۱۲)۔

”و روح منہ“ اس لفظ میں دو باتیں قابل غور ہیں، ایک یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو روح کہنے کے کیا معنی ہیں؟ اور دوسرے یہ کہ اللہ جل شانہ کے طرف جو اس کی نسبت کی گئی ہے اس نسبت کا کیا مطلب ہے؟ اس سلسلے میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں:

بعض نے فرمایا عرف کا قاعدہ یہ ہے کہ جب کسی شی کی طہارت اور پاکیزگی کو بیان کرنا ہوتا ہے، تو مبالغہ کے لئے اس پر روح کا اطلاق کر دیا جاتا ہے، عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں چونکہ کسی باپ کے نطفہ کا دخل نہیں تھا۔ اور وہ صرف اللہ جل شانہ کے ارادہ اور کلمہ ”کن“ کا نتیجہ تھے، اس لئے اپنی طہارت و نظافت میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے، اسی وجہ سے عرف کے محاورہ کے مطابق ان کو روح کہا گیا، اور اللہ کی طرف نسبت ان کی تعظیم و تشریف کے لئے ہے، جس طرح مساجد کی تعظیم کے لئے ان کی نسبت اللہ کی طرف کر دی جاتی ہے ”مساجد اللہ“ یا کعبہ کی نسبت اللہ کی طرف کر کے ”بیت اللہ“ کہا جاتا ہے، چنانچہ سورہ بنی اسرائیل میں نبی کریم ﷺ کے لئے یہ صیغہ استعمال کیا گیا ہے، ”اسری بعبدہ“۔

۲۔ بعض علماء نے فرمایا عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کا حکمت یہ تھا کہ لوگوں کے مردہ دلوں میں روحانی حیات ڈال کر پھر زندہ کر دیں۔ چونکہ وہ روحانی حیات کا سبب تھے، جس طرح روح جسمانی حیات کا سبب ہوا کرتی ہے، اس لئے اس اعتبار سے ان کو روح کہا گیا، جیسا کہ خود قرآن کریم کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے ”و کذلک اوحینا الیک روحامن امرنا (شوری: ۵۲): کیونکہ قرآن کریم بھی روحانی حیات بخشتا ہے۔

۳۔ بعض نے فرمایا کہ روح کا استعمال راز کے معنی میں ہوتا ہے عیسیٰ علیہ السلام اپنی عجیب و غریب پیدائش کی وجہ سے چونکہ اللہ جل شانہ کے ایک نشانی اور راز تھے اس لئے انہیں ”روح اللہ“ کہا گیا۔

۴۔ بعض نے کہا کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور اصل عبارت یوں تھی: ذور روح منہ، اور چونکہ ذی روح ہونے میں سب حیوان برابر ہیں اس لئے عیسیٰ علیہ السلام کا امتیاز اس طرح ظاہر کیا گیا کہ ان کی نسبت اللہ جل شانہ نے اپنی طرف کر دی۔

۵۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ روح ”نفس“ پھونک کے معنی میں ہے، جبریل علیہ السلام نے مریم کے گریبان میں اللہ کے حکم سے پھونک دیا تھا، اور اسی سے حمل قرار پا گیا۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بطور معجزہ کے صرف نفس سے پیدا ہو گئے تھے، اس

لئے آپ کو روح اللہ کہا گیا۔ قرآن کریم کی دوسری آیت: فنفسنا فیہا من روحنا (انبیاء: ۹۱) سے اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی متعدد احتمالات بیان کئے گئے ہیں، بہر حال اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا ایک جز ہے، اور یہی روح عیسیٰ علیہ السلام کی انسانی شکل میں ظاہر ہو گئی ہے۔

علامہ الوسی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک نصرانی طبیب نے علی بن حسین واقدی سے مناظرہ کیا، اور ان سے کہا کہ تمہاری کتاب میں ایسا لفظ موجود ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کا جز ہیں، اور دلیل میں یہ آیت پڑھدی جس میں ”روح منہ“ کے الفاظ ہیں۔ واقدی نے ان کے جواب میں ایک دوسرے آیت پڑھدی وسخر لکم مافی السموات و مافی الارض جمیعاً منہ (الجاثیة: ۱۳) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب اسی اللہ سے ہے۔ اور منہ کے ذریعہ سے سب چیزوں کی نسبت اللہ کی طرف کردی گئی ہے، اور فرمایا کہ روح منہ کا مطلب یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کا جزو ہیں، تو اس آیت کا مطلب پھر یہ ہوگا کہ اسمان و زمین میں جو کچھ ہے وہ بھی اللہ کا جزو ہے؟ یہ جواب سکر نصرانی طبیب لا جواب ہوا، اور مسلمان ہو گیا۔

ولاتقولوا ثلاثۃ: نزول قرآن کے وقت نصاریٰ جن بڑے بڑے فرقوں میں تقسیم تھے تثلیث کے متعلق ان کا عقیدہ تین جدا جدا اصولوں پر مبنی تھا۔ ایک فرقہ کہتا تھا کہ مسیح عین اللہ ہیں، اور اللہ ہی بشکل مسیح دنیا میں اتر آیا ہے، دوسرے فرقہ کا کہنا یہ تھا کہ مسیح ابن اللہ ہے اور تیسرا فرقہ یہ دعویٰ کرتا تھا کہ وحدت کا راز تین میں پوشیدہ ہے، باپ، بیٹا، مریم۔ اس جماعت میں بھی دو گروہ تھے دوسرا گروہ مریم کی جگہ روح القدس کو اقوم ثالث کہتا تھا، غرض یہ لوگ مسیح علیہ السلام ثالث ثلاثہ تسلیم کرتے تھے، اس لئے قرآن کریم میں تینوں کو جدا جدا بھی مخاطب کیا ہے، اور یکجا بھی،

اور نصاریٰ پر یہ واضح کر دیا گیا ہے، کہ حق ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ مسیح علیہ السلام مریم علیہ السلام کے لطن سے پیدا شدہ انسان اور اللہ کے سچے رسول ہیں، اس سے زیادہ جو کچھ کہا جاتا ہے سب باطل اور لغو ہے، خواہ اس میں تفریط ہو، جیسا کہ یہود کا عقیدہ ہے، کہ العیاذ باللہ وہ شعبہ باز اور مفتری تھے، یا افراط جیسا کہ نصاریٰ کا عقیدہ ہے، کہ وہ اللہ ہیں، یا اللہ کے بیٹے ہیں، یا تین میں کے تیسرے ہیں۔

أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ

کہ اللہ کے بندے ہوں اور نہ مقرب فرشتے (عار رکھتے ہیں) اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے

وَيَسْتَكْبِرُ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا ﴿٢٢٠﴾ ﴿٢١٩﴾ مَا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

اور سرکشی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے

الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَأَمَا الَّذِينَ

وہ اُن کو اُن کا پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عنایت کرے گا۔ اور جنہوں نے (بندہ ہونے سے)

اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ

عار و انکار اور تکبر کیا وہ اُن کو دردناک عذاب دے گا اور یہ لوگ اللہ کے سوا

اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٢٢١﴾ ﴿٢٢٠﴾ أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِنْ رَبِّكُمْ

اپنا حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔ لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس (روشن) دلیل آ چکی ہے

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُبِينًا ﴿٢٢٢﴾ ﴿٢٢١﴾ مَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ

اور ہم نے (کفر اور ضلالت کا اندھیرا دور کرنے کو) تمہاری طرف چمکتا ہوا نور بھیج دیا ہے پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے

وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ

اور اُس (کے دین کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہے اُن کو وہ اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا

وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا ﴿٢٢٣﴾ ﴿٢٢٢﴾ تَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يَفْتِيكُمْ فِي

اور اپنی طرف سیدھا رستہ دکھائے گا۔ (اے پیغمبر) لوگ تم سے (کلالہ کے بارے میں) حکم (الہی) دریافت

الْكَوَالَةِ إِنْ أَمَرُوا هَلْكَ لِيْسَ لَهُ وَلَدٌ

کرتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کلالہ کے بارے میں یہ حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد جائے جس کے اولاد نہ ہو

وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا

(اور نہ ماں باپ) اور اس کے بہن ہوں تو اُس کے بھائی کے ترکے میں سے آدھا حصہ ملے گا اور اگر بہن مر جائے

إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا

اور اس کی اولاد نہ ہو تو اُس کے تمام مال کا وارث بھائی ہوگا اور اگر (مرنے والے بھائی کی) دو بہنیں ہوں تو دونوں کو بھائی

الثلثانِ مِمَّا تَرَكَ وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رَجُلًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ حَظِّ

کے ترکے میں سے دو تہائی اور اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں تو مرد کا حصہ دو عورتوں

الْأُنثَىٰ بَيْنَ اللَّهِ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۵﴾

کے حصے کے برابر ہے اللہ تعالیٰ تم سے اس لئے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو اور اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے [25]

[25] اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو (یعنی نہ مذکر نہ مؤنث نہ ماں باپ ہوں) اور اس کے ایک (اعیانی یا اعلاتی

(بہن ہو تو اس (بہن) کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا (یعنی بعد حقوق متقدمہ اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہو اس کو دیا جائے

گا ورنہ پھر اسی پر رد ہو جائے گا) اور وہ شخص اس (اپنی بہن) کا وارث (کل ترکہ کا) ہوگا۔ اگر (وہ بہن مر جائے اور) اس کے

اولاد نہ ہو (اور والدین بھی نہ ہوں) اور اگر (ایسی) بہنیں دو (یا زیادہ) ہوں تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے

(اور ایک تہائی عصبہ کو، ورنہ بطور رد کے انہی کو مل جائے گا) اور اگر (ایسی میت کے جس کے نہ اولاد ہے نہ والدین خواہ وہ

میت مذکر ہو یا مؤنث) وارث چند (یعنی ایک سے زیادہ ایسے ہی) بھائی بہن ہوں مرد اور عورت، تو (ترکہ اس طرح تقسیم

ہوگا) کہ ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر (یعنی بھائی کو دو ہر بہن کو اکہرا، لیکن اعیانی بہن سے علاقائی بھائی بہن سب

ساقط ہو جاتے ہیں، اور اعیانی بہن سے کبھی وہ ساقط ہو جاتے کبھی حصہ گھٹ جاتا ہے)، روایت احمد میں ہے: کہ قال

عمر بن الخطابؓ ما سألت رسول الله ﷺ عن شيء أكثر مما سألته عن الكلاله حتى طعن باصبعة في

صدری، وقال يكفیک آية الصیف النبی فی آخر سورة النساء۔ (مسند احمد رقم: ۸۹)۔ عمر فرماتے ہیں کہ کلالہ کے

بارے میں، میں نے جس قدر سوالات رسول اللہ ﷺ سے کئے، اتنے کسی اور مسئلہ میں نہیں کئے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے

اپنی لنگی سے میرے سینے میں کچھ کا لگا کر فرمایا! کہ تجھے گرمیوں کی وہ آیت کافی ہے جو سورہ نساء کے آخر میں ہے۔

سورة المائدة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ

اے ایمان والو! اپنے اقراروں کو پورا کرو تمہارے لئے چارپائے جانور حلال کر دیئے گئے ہیں

إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ غَيْرِ مُحَلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا

بجز اُن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں مگر احرام (حج) میں شکار کو حلال نہ جانا اللہ تعالیٰ جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے

يُرِيدُ ۞ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ

مومنو! اللہ کے نام کی چیزوں کی بے حرمتی نہ کرنا

وَلَا الشُّهُرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ

اور نہ ادب کے مہینے کی اور نہ قربانی کے جانوروں کی اور نہ اُن جانوروں کی جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں

وَلَا آمِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَتَّغُونَ فَضْلًا مِّنْ رَبِّهِمْ وَرِضْوَانًا

اور نہ اُن لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جا رہے ہوں (اور) اپنے رب کے فضل اور اُس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَا نُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنْ

اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں

الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبُرِّ وَالتَّقْوَىٰ

عزت والی مسجد سے روکا تھا تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم اُن پر زیادتی کرنے لگو اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری

وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانَ وَاتَّقُوا اللَّهَ

کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو

إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۰۱﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ

کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔ تم پر مرا ہوا جانور اور (بہتا) لہو اور سور کا گوشت

الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ

اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے اور جو چوٹ لگ کر مر جائے اور جو گر کر مر جائے

وَالنَّطِيطَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا ذَكَيْتُمْ

اور جو سینگ لگ کر مر جائے یہ سب حرام ہیں اور وہ جانور بھی جس کو درندے پھاڑ کھائیں مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصَبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۗ ذَٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ

اور وہ جانور بھی جو آستانوں پر ذبح کیا جائے اور یہ بھی کہ تیر سے قسمت معلوم کرو یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔

الْيَوْمَ يَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۗ

آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے ہیں تو ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي

(اور) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں

وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا ۗ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ

اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند فرمایا۔ ہاں جو شخص بھوک میں ناچار ہو جائے (بشرطیکہ) گناہ کی طرف

لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۰۲﴾ يُسْأَلُونَكَ مَاذَا أُحِلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ

مائل نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ تم سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کیلئے حلال ہیں (ان سے) کہہ دو

الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُم مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلَّبِينَ تَعْلَمُونَ هُنَّ

کہ سب پاکیزہ چیزیں تمہارے لئے حلال ہیں اور وہ (شکار) بھی حلال ہے جو تمہارے لئے ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جنہیں تم نے سدھار کھا ہوا

مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكَنَّ عَلَيْكُمْ

جس (طریق) سے اللہ نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لئے پکڑ رکھیں اُس کو کھالیا کرو

وَاذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۲۴﴾

اور (شکاری جانوروں کے چھوڑتے وقت) اللہ کا نام لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَّكُمْ

آج تمہارے لئے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں اور اہل کتاب کا کھانا بھی تمہارے لئے حلال ہے

وَطَعَامُكُمْ حَلَلٌ لَهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ

اور تمہارا کھانا اُن کو حلال ہے اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں)

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ

جب کہ اُن کا مہر دے دو اور اُن سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو۔

مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ ۗ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ

نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔ اور جو شخص ایمان سے منکر ہو

فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲۵﴾

اس کے عمل ضائع ہو گئے اور وہ آخرت میں نقصان پانے والوں میں سے ہو گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ

مومنو! جب تم نماز پڑھنے کا قصد کیا کرو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو

إِلَى الْمَرَاْفِقِ وَأَمْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ
اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو) [۱]

[۱] اس آیت کریمہ میں فرضیت وضوء کا ذکر ہے، اور اس میں چار چیزیں فرض ہیں، وضوء میں باقی امور مسنون و مستحب ہیں، جن کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ اور ایک قرأت میں ارجلکم مجرور ہے، جس سے بعضوں کو شبہ ہو گیا ہے کہ پاؤں کا حکم بھی مثل سر کے مسح ہے، لیکن چونکہ دو قرأتوں کا مثل دو آیتوں کے متوافق ہونا بلکہ اس سے بھی زیادہ متحد المعنی ہونا ضرور ہے، اور ان میں تعارض محال ہے، اس لئے لا محالة غسل ارجل اور مسح ارجل سے ایک ہی معنی مراد ہونگے۔

اور ابو زید انصاری وغیرہ اہل لغت نے تصریح کی ہے کہ مسح بمعنی غسل آتا ہے، چنانچہ ”متوضی“ کو ”تمسح“ کہتے ہیں، اور مسح الارض المطر بولتے ہیں، جبکہ بارش سے زمین دھل جاوے۔ پھر احادیث صحیحہ غسل ارجل پر متفق ہیں، اور حدیث شیحین میں ایڑیاں خشک رہ جانے پر ”ویل للاعقاب“ (یہ حدیث متفق علیہ ہے، مسلم نے طہارت: ۲۳۲، اور بخاری نے وضوء: ۱۶۳، میں نقل کیا ہے) سے نارکی وعید فرمانا: مصرح ہے، جس سے عدم جواز مسح کالشمس فی النهار واضح ہے۔

پھر اہل حق کا اس پر اجماع بھی ہے، اس لئے مسح ارجل غسل پر محمول کیا جاوے گا، اور ایک ”امسحوا“ مقدر کر لیا جاوے گا تاکہ امسحوا المفوظ میں جمع بین الحقیقة والمجاز لازم نہ آوے، اور اس صورت میں نکتہ لفظ ”مسح“ لانے میں یہ اشارہ ہوگا کہ پاؤں دھونے میں جیسا عادت ہے اسراف پانی کا نہ کریں۔ یا جرجوار کا کہا جاوے، اور یہ کہنا کہ عطف میں جرجوار نہیں ہوتا، غیر مسلم ہے، چنانچہ نابغہ کے شعر میں موسق اسیر پر معطوف ہے، اور پھر بھی مجرور ہے۔ لم یبق الا اسیر غیر منفلت، وموثق فی حبال القدم جنوب خوب سمجھ لو! اور پوری بحث اس کی روح المعانی میں ہے۔

اور ایک مشہور تاویل یہ بھی ہے کہ یہ اس حالت پر محمول ہے، جب پاؤں میں خف (موزے) یا جراب

ہوں، موزوں کا مسئلہ تو تمام اہل سنت والجماعت کے نزدیک ثابت اور متفق علیہ ہے۔ تفسیر مواہب الرحمن۔ لیکن جرابوں پر مسح کرنے میں بعض علماء نے اختلاف کیا ہے، تحقیق مسئلہ کے لئے ہماری جامعہ سے ایک فتویٰ دیا گیا ہے جو ناظرین کے لئے حرف بحرف نقل کرتے ہیں: جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے کئی روایات منقول ہیں۔ اور بعض صحابہ کرام سے یہ عمل منقول ہے، ہم تفصیل کے ساتھ جواب صادر فرماتے ہیں، تاکہ معترضین کے اعتراضات اور شبہات کی قلع قمع ہو جائے۔

(۱) عن المغيرة بن شعبة، أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين والنعلين.

مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وضوء فرمایا، اور جوربین اور نعلین یعنی (جوتے) پر مسح فرمایا۔ (ابوداؤد مع المنہل: ۱۳۴/۲، والترمذی مع التحفة: ۳۴۳/۱، کتاب الطہارۃ۔ وابن ماجہ: ۱۵۹/۱ کتاب الطہارۃ وسنہا باب المسح علی الجوربین والنعلین۔ والنسائی: ۸۳/۱، کتاب الطہارۃ، وأحمد: ۲۵۲/۴، وابن خزيمة: ۹۹/۱، وعبد بن حمید، ص ۱۵۲۔

اس حدیث پر کچھ اعتراضات ہیں جو کہ ابوداؤد وغیرہ نے کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ قال ابوداؤد، کان

عبدالرحمن بن مہدی لایحدث بهذا الحديث، لأن المعروف عن المغيرة أن النبي ﷺ مسح على الخفين: ۱۳۶/۲۔

اور دوسرا اعتراض یہ ہے، قال البيهقي في السنن، أما المسح على الجوربين، فقد

روى ابو قيس الاودي عن هزيل ابن شرحبيل عن المغيرة بن شعبة، ان النبي ﷺ مسح على جوربيه ونعليه، وذاك حديث منكر، ضعفه سفيان الثوري وعبدالرحمن بن مہدی واحمد بن حنبل... الخ. تو اس تضعیف سے ابن ترکمانی لکھی جواب فرماتے ہیں۔ قلت هذا الخبر أخرجه ابوداؤد وسكت عنه، وصححه ابن حبان، وقال الترمذی حسن صحيح، وأبو قيس عبدالرحمن بن ثروان، وثقه ابن معين، وقال العجلي ثقة ثبت، وهزيل وثقه العجلي، وأخرج لهما معا البخاري في صحيحه، ثم انهما لم يخالفا الناس مخالفة معارضة، بل روبا أمرًا زائدا على ما روه بطريق مستقل غير معارض، فيحمل

علیٰ انہما حدیثان . (الجوہر النقی مع السنن : ۱ / ۳۸۴) اور اسی طرح ابن دقیق العید بھی فرماتے ہیں۔ بأن من یصححہ یعتمد بعد تعدیل اَبی قیس علیٰ کونہ لیس مخالفاً لروایۃ الجمهور مخالفة معارضة ، بل هو أمر زائد علی مارووه ، ولا یعارضہ ، ولا سیما وهو طریق مستقل بروایۃ ہزیل عن المغیرةؓ ، ولم یشارك المشهورات فی سندھا . اور محمود سکی نے شرح ابوداؤد میں لکھا ہے۔ والعمدة فی الجواز علی ہؤلاء ، لا علی حدیث اَبی قیس مع أن المنازعين فی المسح متناقضون ، فانہم لو كان هذا الحدیث من جانبہم لقالوا ہذہ زیادة والزیادة من الثقة مقبولة ، ولا یلتفتون الی ما ذکر وہ ہنا من تفرد اَبی قیس ، فاذا كان الحدیث مخالفاً لہم اعلوہ بتفرد راویہ ، ولم یقولوا زیادة الثقة مقبولة ، كما هو موجود فی تصرفاتہم ، والانصاف ان تکتال لمنازعک بالصاع الذی تکتال بہ لنفسک ، فان فی کل شیء وفاء وتطفیفاً ، ونحن لانرضی بہذہ الطریقة .

وأجیب ، عن قول مسلم ، لا یتربک ظاہر القرآن بمثل اَبی قیس و ہزیل ، بجوابین . (احدہما) أن ظاہر القرآن لا ینفی المسح علی الجوریین ، كما لا ینفی المسح علی الخفین .

(الثانی) ان الذین سمعوا القرآن من النبی ﷺ وعرفوا تأویلہ ، مسحوا علی الجوریین ، وهم أعلم الامة بظاہر القرآن ، ومراد اللہ تعالیٰ منہ ، افادہ ابن قیم . (أبوداؤد مع المنہل : ۲ / ۱۳۷ ، وتہذیب السنن لابن قیم : ۱ / ۱۲۲) . وقال احمد شاکر فی تصحیح ہذا الحدیث فی مقدمة الرسالة المسمی ب... المسح علی الجوریین . فی ص ۱۰ . صنع الترمذی فی تصحیح ہذا الحدیث مصاب ، و ہذا حدیث آخر غیر حدیث المسح علی الخفین . اور اسی طرح شرح ترمذی میں ان اعتراضات کے جوابات میں رقم طراز ہیں۔ و لیس الامر كما قال هؤلاء الاثمة ، والصواب صنع الترمذی فی تصحیح ہذا

الحديث ، وهو حديث آخر غير حديث المسح على الخفين. وقد روى الناس عن المغيرة أحاديث المسح في الوضوء، فمنهم من روى المسح على الخفين، ومنهم من روى المسح على العمامة، ومنهم من روى المسح على الجوربين، وليس شئ منها بمخالف للآخر، اذ هي احاديث متعددة، وروايات عن حوادث مختلفة. والمغيرة صحب النبي ﷺ نحو خمس سنين، فمن المعقول أن يشهد من النبي ﷺ وقائع متعددة في وضوءه، ويحكىها فيسمع بعض الرواة منه شيئاً ويسمع غيره شيئاً آخر، وهذا واضح بديهي. (شرح ترمذى لأحمد شاكر : ۱/ ۱۲۸)

روایت نمبر ۲: عن أبي موسى الأشعري أن رسول الله ﷺ توضأ ومسح على الجوربين والنعلين. (ابن ماجه : ۱/ ۳۰۲) اس روایت پر ابوداؤد ان الفاظ میں اعتراض کرتا ہے۔ قال ابوداؤد، وروى هذا الحديث عن ابي موسى الأشعري عن النبي ﷺ أنه مسح على الجوربين، وليس بالمتصل، ولا بالقوى (ابوداؤد مع المنهل : ۱/ ۱۳۷) ابوداؤد کے اعتراضات کا حاصل یہ ہے۔ کہ اس میں دو علتیں ہیں۔ (۱) یہ کہ یہ حدیث متصل نہیں، بلکہ منقطع ہے، یعنی ضحاک بن عبدالرحمن کا ابو موسیٰ سے حدیث سننا ثابت نہیں ہے، اور (۲) یہ کہ اس حدیث کی سند میں راوی عیسیٰ بن سنان ہے، جو کہ ضعیف ہے۔

تو پہلی اعتراض سے جواب یہ ہے، کہ ضحاک بن عبدالرحمن کا سننا ابو موسیٰ سے ثابت ہے، جیسا کہ بدرالدین عینی نے شرح ابوداؤد میں لکھا ہے، اس اعتراض کو نقل کرنے کے بعد۔ قلت قال عبدالغنی فی الکمال، ضحاک بن عبدالرحمن بن عزرب سمع اباہ و ابا موسیٰ الأشعری و ابا هريرة (۱/ ۳۷۷) اور اسی طرح تہذیب الکمال میں ضحاک بن عبدالرحمن بن عزرب کے ترجمہ میں ہے۔ روى عن ابي موسى عبد الله بن قيس الأشعري. وأبيه عبد الرحمن بن عزرب، وعبد الرحمن بن غنم الأشعري، وعبد الرحمن بن أبي ليلي، وأبي هريرة، (تہذیب الکمال

۱۳ / ۲۷۰) اور اسی طرح امام بخاری اپنی مشہور کتاب التاریخ الکبیر میں لکھتا ہے۔ حدثنا ضحاک بن عبدالرحمن بن عوزب الأشعری سمع أبا موسى، امام بخاری نے اسی سند کو نقل کرتے ہوئے آگے لکھا ہے، عیسیٰ بن سنان عن ضحاک بن عبدالرحمن عن أبي موسى في المسح، تابعه معلىٰ (۳۳۳ / ۲) تو اس سے ثابت ہوا کہ ابوداؤد اور بیہقی وغیرہ کا قول صحیح نہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب، کہ عیسیٰ بن سنان ضعیف ہے۔ یہ ہے کہ اس کا ضعف متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ مختلف فیہ ہے، جیسا کہ علامہ عینی نے مذکورہ کتاب میں لکھا ہے۔ وقال ایضا فی ترجمة عیسیٰ بن سنان، قال یحیٰ بن معین ثقہ۔ (ص ۳۷۷ ج ۱۳) اور تھذیب الکمال میں بھی یحییٰ بن معین کا قول نقل ہے کہ ہو ثقہ۔ (ص ۶۰۸ ج ۲۲) اور عیسیٰ سے نقل کرتا ہے کہ لا بأس به۔ جیسا کہ عیسیٰ نے اپنے کتاب الثقات ص ۴۴، میں بھی اسی طرح کہا ہے۔ اور ابن خراش سے نقل کرتا ہے کہ صدوق۔ اور ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں نقل کیا ہے، امام ذہبی اس کے متعلق لکھتا ہے۔ وهو ممن یکتب حدیثہ علیٰ لینه، وقواہ بعضهم یسیرا۔ (میزان: ۳ / ۳۱۲) تو اس سے معلوم ہوا کہ یہ ساقط الاعتبار نہیں، اور اس کا حکم مختلف فیہ راوی کا ہے۔ جو کہ ہر ذی علم کو معلوم ہے۔

بعض اس حدیث سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے جو رہین منعلین مراد ہیں۔ اور مطلق جو رہین نہیں ہے۔ تو اس کا جواب سبکی اور ابن قیم نے کیا ہے۔ (شرح ابوداؤد اللسبکی ۱۳۶ / ۲، تھذیب لابن قیم: ۱۲۲ / ۱) ابن قیم اولاً اعتراض نقل کرتا ہے۔ وتأول الاستاذ أبو الولید حدیث المسح علی الجوربین والمنعین، علیٰ أنه مسح علیٰ جوربین منعلین، لانه جورب علیٰ الانفراد، ونعل علیٰ الانفراد۔ تو جواب میں لکھتا ہے قلت هذا مبني علیٰ أنه يستحب مسح أعلی الخف وأسفله، والبیان فی ذالک، والظاهر أنه مسح علیٰ الجوربین الملبوس علیہما نعلان منفصلان، هذا المفهوم منه فانه فصل بینہما وجعلہما سنتین ولو كان جوربین منعلین لقال مسح علیٰ الجوربین المنعین، وایضا فان الجلد الذی فی أسفل الجورب

لا یسمى نعلا فی لغة العرب ولا أطلق علیه أحد هذا الاسم. وایضا فالمنقول عن عمر بن الخطاب فی ذلك أنه مسح علی سیرور النعل التي علی ظاهر القدم مع الجورب فأما أسفله وعقبه فلا. وفيه وجه آخر أنه یمسح علی الجورب وأسفل النعل وعقبه. وایضا فان تجلید أسافل الجوربین لا یخرجهما عن كونهما جوربین ولا یؤثر اشتراط ذلك فی المسح. وای فرق بین أن یكونا مجلدين او غیر مجلدين. (تهذیب السنن لابن قییم: ۱/۱۲۳) اور اس اعتراض سے ابن ترکمانی نے بھی جواب کیا ہے. قلت، الحدیث ورد بعطف النعلین علی الجوربین وهو یقتضی المغائرة، فلفظه مخالف لهذا التاویل. (جوهر النقی: ۱/۲۸۵)

روایت ۳: عن كعب بن عجرة عن بلال قال، كان رسول الله ﷺ یمسح علی الخفین والجوربین. (المعجم الكبير للطبرانی: ۱/۳۵۱، والأوسط لابن منذر: ۱/۴۶۳).
روایت ۴: عن كعب بن عبد الله قال رأیت علیا بال، فمسح علی جوربيه ونعليه، ثم قام یصلی. مصنف عبدالرزاق: ۱/۱۹۹، وابن ابی شیبة: ۱/۱۸۸. وبیہقی: ۱/۲۸۵، والأوسط: ۱/۴۶۲)

روایت ۵: عن أبی الجلاس عن ابن عمر أنه كان یمسح علی جوربيه ونعليه. (مصنف عبدالرزاق: ۱/۱۹۹، ۲۰۱، وابن ابی شیبة: ۱/۱۹۰، والاسط: ۱/۴۶۳).
روایت ۶: عن خالد بن سعد قال كان أبو مسعود الانصاری یمسح علی جوربین له من شعر ونعليه. (مصنف عبدالرزاق: ۱/۱۹۹).

روایت ۷: عن اسماعیل بن رجاء عن أبيه قال رأیت البراء بن عازب یمسح علی جوربيه ونعليه. (مصنف عبدالرزاق: ۱/۲۰۰، وابن ابی شیبة: ۱/۱۸۹، وبیہقی: ۱/۲۸۵، والأوسط: ۱/۴۶۳)

روایت ۸: عن قيادة عن أنس بن مالك أنه كان يمسح على الجوربين؟ قال نعم، يمسح عليهما مثل الخفين. (مصنف عبدالرزاق: ۱/۲۰۰، وابن ابى شيبة: ۱/۱۸۸، بيهقي: ۱/۲۸۵، الاوسط: ۱/۴۶۲)

روایت ۹: عن ابراهيم عن ابن مسعود، كان يمسح على خفيه ويمسح على جوربيه. (مصنف عبدالرزاق: ۱/۲۰۱، وابن ابى شيبة: ۵/۳۵، طبرانی فی المعجم الكبير: ۲۸۸/۹)

روایت ۱۰: عن ابى غالب عن ابى امامة انه كان يمسح على الجوربين والخفين والعمامة. (الاوسط لابن منذر: ۱/۴۶۳، ابن ابى شيبة: ۱/۱۸۸)

روایت ۱۱: عن مطرف قال دخلت على عمار فرأيت يتوضأ ويمسح على الجوربين. (الاوسط: ۱/۴۶۳)

روایت ۱۲: عن أبى حازم قال رأيت سهلاً يمسح على الجوربين. (الاوسط: ۱/۴۶۳، وابن ابى شيبة: ۱/۱۸۸)

روایت ۱۳: عن جلاس ابن عمرو، أن عمرؓ توضأ يوم الجمعة ومسح على جوربيه ونعليه. (مصنف ابن ابى شيبة: ۱/۱۸۸)

روایت ۱۴: عن اسماعيل بن امية قال بلغنى عن سعد بن أبى وقاص، كان لا يرى بالمسح على الجوربين بأساً. (مصنف ابن ابى شيبة: ۱/۱۸۹)

اس کے علاوہ ابو داؤد وغیرہ نے اور صحابہ کرامؓ کے نام بھی ذکر کئے ہیں، لیکن چونکہ ان صحابہ کرام کے روایات سنداً ہمیں معلوم نہیں، اسی وجہ سے ہم نے اسکا ذکر کرنا چھوڑ دیا، کیونکہ مذکورہ بالا جن صحابہ کرام سے ہم نے روایات نقل کی ہیں، ان سب کے اسناد مذکورہ کتابوں میں موجود ہیں۔

اور بعض لوگ یہ اعتراض بھی پیش کرتے ہیں، کہ ہم ان روایات کی وجہ سے قرآن کے ظاہر کو نہیں چھوڑ

سکتے، تو اس کا جواب پہلے اجمالاً گزر چکا ہے۔ اور دوسرا جواب یہ کہ یہ آیات عام مخصوص عنہ البعض ہے، یعنی روایات مسح علی الخفین سے۔ اور یہ بات کسی سے مخفی نہیں کہ عام مخصوص عنہ البعض کا حکم ظنی جیسا ہوتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ار جلكم میں دو قرأت ہیں، ایک زیر کے ساتھ، اس کا معنی پاؤں دھونا ہے۔ اور دوسری قرأت زیر کیساتھ ہے، اور یہ قرأت بھی مشہور ہے۔ تفصیل کے لئے تفسیر ابن جریر ص ۲۶۹ ج ۴، ملاحظہ کیجئے۔ تو اس قرأت سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اس سے مسح علی الجورین والخفین مراد ہے۔ جیسا کہ کتاب العدة میں امیر صنعانی رقمطراز ہیں۔ ولا یخفی ان التعارض انما هو علی قراءة نصب الارجل، لا علی قراءة جرها، وقال القائلون بجوازه، لیس بین الایة والاثار تعارض. لأن الامر بالغسل انما هو متوجه الی من لاخف له. والرخصة انما هی. للابس الخف. وقیل أن التاویل قراءة الارجل بالخفض هو المسح علی الخفین، فتكون الآية بقراءة النصب افادة ایجاب الغسل مطلقاً، ثم خصت الاطلاق قراءة الجر انما یجب علی من لاخف له. و بین ذلك فعله ﷺ (العدة ص ۲۹۹ ج ۱).

اور اسی طرح ابن جریر بہت لمبی تفصیل ذکر کرنے کے بعد آخر میں لکھتا ہے۔ ولو صح ذلك عن النبی ﷺ كان جائزاً أن يكون مسح علی نعليه وهما ملبوسان فوق الجورین. (تفسیر ابن جریر: ۴/۲۷۷).

تو مذکورہ بالا تفصیل سے یہ ثابت ہوا کہ مسح علی الجورین جائز اور مسنون ہے اور اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کونع کا جوقول منسوب ہے، وہ صحیح نہیں، جیسا کہ صاحب مبسوط نے امام صاحب کا قول مفصل نقل کیا ہے، لکھتا ہے ”وان كانا ثخينين غير متعلين، لا يجوز المسح عليهما عند ابي حنيفة رحمه الله، لان مواظبة المشي بهما سفرا غير ممكن، فكان بمنزلة الجورب الرقيق، وعلى قول ابي يوسف محمدٌ يجوز المسح عليهما، وحكى أن ابا حنيفة في مرضه مسح علی جوربيه، ثم قال لعوده فعلت ما كنت امنع الناس عنه، فاستدلوا به علی رجوعه، وحجتهم حديث ابي موسى

الاشعری رضی اللہ عنہ وارضاه أن النبی ﷺ مسح علی جوربیه، وقد روی المسح علی الجورب عن ابی بکرؓ، وعلیؓ، وانسؓ، (مبسوط: ۱۰۲/۱)۔

اور اسی طرح امام ترمذی نے بھی امام ابوحنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے۔ قال ابو عیسیٰ سمعت صالح بن محمد الترمذی قال سمعت ابامقاتیل السمرقندی یقول دخلت علی ابی حنیفة فی مرضه الذی مات فیہ، فدعا بماء فتوضأ وعلیہ جوربان فمسح علیہما۔ ثم قال فعلت الیوم شیئا لم أکن أفعله، مسحت علی الجوربین وهما غیر منعّالین (ترمذی نسخہ محققہ مع التخفة: ۱/۳۵۰، ونسخہ محققہ لاحمد شاکر: ۱/۱۶۹)۔

اور اسی طرح امام طحاویؒ نے بھی فرمایا ہے لانری بأسا بالمسح علی الجوربین اذا کان صفیقتین، قد قال ذالک ابویوسف ومحمد، وأما أبوحنیفة فانه کان لا یری ذالک حتی یکونا صفیقتین ویکونا مجلدين۔ (شرح معانی الآثار: ۱/۱۲۷)۔ تو اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علماء احناف وغیرہم کے نزدیک بھی مسح علی الجوربین جائز ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ جرابیں موٹی ہوگی، مععل ہوگی، اور پھٹی ہوئی نہ ہوں، یہ سب قیودات ایسی ہیں کہ ان پر کوئی دلیل نہیں۔ اور نصوص کو اپنی جانب سے مقید کرنا ہے۔ جو کہ علماء اصول کے نزدیک ناجائز ہے۔ اسلئے ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جب تک ایسے جراب پہنے ہوئے ہوں (علماء لغت جراب کی تفسیر لفافة الرجل کے ساتھ کرتے ہیں، قاموس وغیرہ) کہ جن پر جراب کا اطلاق ہوتا ہو۔ خواہ پھٹے ہوئے ہوں، موٹے ہوں، باریک ہوں، مععل ہوں، غیر مععل ہوں، ان سب پر مسح جائز ہے۔

اور یہ اعتراض کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں باریک کپڑے نہ تھے، سب کے سب موٹے کپڑے تھے، تو لہذا یہ قید (موٹے) خود بخود آگیا کیونکہ یہ واقع تھا اور یہ قید واقعی ہے احترازی نہیں، تو ہم جواب میں کہتے ہیں کہ یہ اعتراض ان لوگوں کا ہے جن کا احادیث رسول اللہ ﷺ سے کوئی واسطہ نہیں، احادیث میں رسول

ﷺ کے زمانے میں باریک کپڑوں کے وجود کا بھی ذکر ملتا ہے، ہم بطور نمونہ چند احادیث ذکر کرتے ہیں۔

(۱) عن دحية بن خليفة الكلبى أنه قال أتى رسول الله ﷺ بقباطى، فأعطانى منها قبطية، فقال اصدعها صدعين، فأقطع أحدهما قميصا وأعط الآخر امرأتك تختمر به، فلما أدبر قال وأمر امرأتك أن تجعل تحته ثوبا لا يصفها. قبطى وہ کپڑا ہے کہ مصر میں بنتا تھا، شرح حدیث اس لفظ کی تشریح میں لکھتے ہیں، القباطى بفتح القاف وموحدة وكسر طاء مهملة وتحتية مشددة، جمع قبطية، وهى على مافى النهاية، ثوب من ثياب مصر رقيقة بيضاء، كأنه منسوب الى القبط، وهم أهل مصر. اور لا يصفها کی تشریح میں لکھتے ہیں. ای لا یبغضها ولا یبین لون بشرتها لكون ذالك القبطى رقيقا، اس حدیث کو ابوداؤد نے کتاب اللباس باب فى القباطى للنساء: ۱۱/۱۳۶، مع العون. میں نقل کیا ہے۔

(۲) عن زياد بن كسيب العدوى قال كنت مع أبى بكره تحت منبر ابن عامر، وهو يخطب وعليه ثياب رفاق، فقال أبو بلال أنظر وا، الى أميرنا يلبس ثياب الفساق (الحديث) اس حدیث کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے (باب ماجاء فى الخلفاء: ۳/۲۹۹ مع التحفة).

(۳) اور حدیث اسماءؓ جو کہ ابوداؤد میں ہے: عن عائشة رضی اللہ عنہا ان اسماء بنت ابى بكر دخلت على رسول الله ﷺ وعليها ثياب رفاق، فأعرض عنها رسول الله ﷺ، وقال يا اسماء! ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح لها. (لم تصلح) ان یرى منها الا هذا وهذا. و اشار الى وجهه وكفيه. (ابوداؤد: ۵/۲۹۹).

(۴) اور ایک اور روایت میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے. عن مالك عن علقمة بن ابى علقمة عن امه انها قالت دخلت حفصة بنت عبد الرحمن على عائشة زوج النبي ﷺ وعلى حفصة خمار رقيق. فشقها عائشة. وكستها خمارا كثيفا. (موطأ امام مالك: ۵۶۱). هذا ما عندى (والله اعلم بالصواب).

إِلَى الْكَعْبِيِّنَ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ

اور اگر نہانے کی حاجت ہو تو (نہا کر) پاک ہو جایا کرو اور اگر بیمار ہو یا سفر میں ہو یا کوئی تم میں سے

مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا

بیت الخلاء میں سے ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ہمبستر ہوئے ہو اور تمہیں پانی نہ مل سکے تو پاک مٹی لو

فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ

اور اُس سے منہ اور ہاتھوں کا مسح (یعنی تیمم) کر لو اللہ تعالیٰ تم پر کسی طرح کی تنگی نہیں کرنا چاہتا

حَرَاجٍ وَلَٰكِنْ يُرِيدُ لِيُطَهَّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ

بلکہ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کرے اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کرے تاکہ تم شکر کرو۔

﴿٤٤﴾ وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ

اور اللہ نے تم پر جو احسان کئے ہیں اُن کو یاد کرو اور اُس عہد کو بھی جس کا تم سے قول لیا تھا (یعنی) جب تم نے کہا تھا

سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأَتَقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٥﴾

کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا اور قبول کیا اور اللہ سے ڈرو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں (تک) سے واقف ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اے ایمان والو! اللہ کیلئے انصاف کی گواہی دینے کیلئے کھڑے ہو جایا کرو اور لوگوں کی دشمنی تمہیں اس بات پر

شَنَّانُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ

آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو (بلکہ) انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٤٦﴾ وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۹۹﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا

اور نیک کام کرتے رہے اُن سے اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ اُن کیلئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۰۰﴾ أَيَّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔ اے ایمان والو!

اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ

اللہ نے جو تم پر احسان کیا ہے اس کو یاد کرو جب ایک جماعت نے ارادہ کیا کہ تم پر دست درازی کریں

فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۱﴾

تو اس نے اُن کے ہاتھ روک دیئے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا

اور اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا اور اُن میں ہم نے بارہ سردار مقرر کئے

وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي

پھر اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے

وَعَزَّزْتُ مُؤْمِنَهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا لَا كُفْرَانَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ کو قرضِ حسنہ دو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا

وَلَا دُخْلَانَكُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ

اور تمہیں باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں۔ پھر جس نے اس کے بعد تم میں سے کفر کیا

مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۰۲﴾ بِمَا نَقَضْتُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنَهُمْ

وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔ تو اُن لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب ہم نے اُن پر لعنت کی

وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا

اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔ یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں اور جن باتوں کی ان کو

ذُكِّرُوا بِهِ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ

نصیحت کی گئی تھی ان کا بھی ایک حصہ فراموش کر بیٹھے اور تھوڑے آدمیوں کے سوا ہمیشہ تم ان کی (ایک نہ ایک) خیانت کی خبر پاتے رہتے ہو

إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۱﴾

تو ان کی خطائیں معاف کر دو اور (ان سے) درگزر کرو کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ

اور جو لوگ (اپنے تئیں) کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے بھی عہد لیا تھا

فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبُغْضَاءَ

مگر انہوں نے بھی اس نصیحت کا جو ان کو کی گئی تھی ایک حصہ فراموش کر دیا تو ہم نے ان میں

إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۳۲﴾

قیامت تک کیلئے دشمنی اور کینہ ڈال دیا اور جو کچھ وہ کرتے رہے اللہ تعالیٰ عنقریب ان کو اس سے آگاہ کرے گا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ

اے اہل کتاب! تمہارے پاس ہمارے پیغمبر (آخر الزماں) آگئے ہیں کہ جو کچھ تم کتاب (الہی) میں سے چھپاتے تھے

مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ

وہ اس میں سے بہت کچھ تمہیں کھول کھول کر بتا دیتے ہیں اور تمہارے بہت سے قصور معاف کر دیتے ہیں

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿۱۵﴾

بیشک تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور روشن کتاب آچکی ہے۔ [۲]

[۲] اس آیت میں ”نور“ سے مراد کتاب مبین یعنی قرآن مجید ہے، اور عطف تفسیری ہے، و المراد به بقولہ ”کتاب مبین“ القرآن لمافیہ من کشف ظلمات الشکر، و الشکر، و ابانۃ ما خفی علی الناس من الحق، و الاعجاز البین، و العطف لتنزیل المغایرة بالعنوان، له المغایرة بالذات (ابو سعود: ۵۴۳/۳) یعنی نور اور کتاب سے قرآن مراد ہے کیونکہ اس سے شرک و شبہات کے اندھیرے دور ہوتے ہیں۔ اور لوگوں پر حق واضح ہوتا ہے باقی رہی یہ بات کہ معطوف علیہ اور معطوف میں تغایر ضروری ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تغایر فی العنوان کافی ہے۔ اس کے بعد کتاب کی تین صفتیں بیان فرمائیں:

اول: ”یہدی بہ اللہ“ الایة ”من اتبع رضوانہ“ ”یہدی“ کا مفعول اول ہے، اور ”سبل السلام“ اس کا مفعول ثانی ہے، جو لوگ اللہ کی رضامندی کی متلاشی ہیں، ان کو وہ اس کتاب کے ذریعہ سلامتی کی راہوں تک پہنچا دیتا ہے۔ جن پر چل کر وہ اللہ کے رضا حاصل کر سکتے ہیں۔

دوم: ”ویخرجہم من الظلمات الی النور“ اور اپنی توفیق اور تائید سے ان کو شرک اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر توحید و ہدایت کی روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

سوم: ”ویہدیہم الی صراط مستقیم“ اور ان کو صراط مستقیم (سیدھی راہ) دکھاتا ہے، جن پر تمام انبیاء علیہم السلام خود گامزن رہے۔ اور جس کی طرف اپنی امتوں کو دعوت دیتے رہے۔

لفظ ”نور“ کی تحقیق

بعض لوگ جو علم و دیانت سے بے بہرہ ہیں، اور قرآن مجید کو اپنی تحریفات کا نشانہ بنانا ہی جن کا سرمایہ دین ہے، کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو نور فرمایا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ بشر نہیں ہیں، اور آپ ﷺ کے جسد اطہر کا سایہ نہیں تھا۔ کیونکہ بشریت اور نور میں تضاد ہے، اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس کے دو جواب

ہیں: پہلا جواب اس آیت میں نور سے رسول کریم ﷺ کی ذات گرامی مراد نہیں بلکہ اس سے قرآن مجید مراد ہے، جیسا کہ سیاق و سباق سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ کی طرف سے ہمارے پاس دو چیزیں آئی ہیں، ایک نبی کریم ﷺ، دوم قرآن مجید، رسول پاک ﷺ کی آمد کا ذکر، اس سے قبل ﴿یا اهل الكتاب قد جاءكم رسولنا﴾ سے فرمایا، اور دوسری چیز یعنی قرآن مجید کا ذکر ﴿قد جاءكم من الله نور و کتاب مبین﴾ سے فرمایا ”کتاب مبین“ کا عطف ”نور“ پر عطف تفسیری ہے۔ متعدد مفسرین نے اس کی صراحت کی ہے۔ ابوسعود کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے۔ امام نفیسی حنفی فرماتے ہیں: یرید القرآن لكشفه ظلمات الشرك و الشك و لا بانته ما كان خافيا على الناس من الحق: مدارک۔

قاضی ثناء اللہ فرماتے ہیں: و جازان يكون العطف تفسيريا، و سمي محمد ﷺ و القرآن نورا لكونهما كاشفين لظلمات الكفر: مظهری، بحر، جیسا کہ سورہ حدید میں فرمایا: ”و انزلنا معهم الكتاب و المیزان“ (حدید: ۲۵) یہاں بھی عطف تفسیری ہے، اور ”المیزان“ سے ”الكتاب“ مراد ہے، اور اگر واکو عطف ہی قرار دیا جائے تو اس صورت میں وہ ایک ہی چیز (قرآن) کے دو متغایر وصف (نور اور کتاب مبین) بیان کرنے کیلئے ہوگی، قرآن نور ہے کیونکہ اس سے کفر و شرک و شبہات اور شکوک کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں، نیز وہ کتاب مبین ہے، یعنی حق و باطل کو اس طرح کھول کر بیان کرتی ہے، کہ ہر شخص بخوبی ان میں امتیاز کر سکتا ہے، قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے کئی بار نور سے تعبیر فرمایا مثلاً ارشاد ہے: ﴿و انزلنا اليكم نور ا مبينا﴾ (نساء: ۱۷۴) اسی طرح سورہ تغابن میں فرمایا: ﴿فامنوا ب الله ورسوله و النور الذی انزلنا﴾ (تغابن: ۸)۔ ان دونوں آیتوں میں نور سے لامحالہ قرآن مجید ہی مراد ہے۔

دوسرا جواب: اگر سیاق و سباق کے خلاف اس آیت میں نور سے مراد نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ہی مراد لی جائے، تو بھی ان کا مطلب حاصل نہیں ہو سکتا۔ نہ اس سے آپ ﷺ کی بشریت کا انکار ثابت ہوتا ہے، نہ آپ ﷺ کے سایہ کی نفی ہوتی ہے، کیونکہ لفظ نور کا آپ ﷺ کے ذات اقدس پر اطلاق بطور تشبیہ و استعارہ ہے، جس سے آپ ﷺ کی شان رہنمائی اور وصف ہدایت کو نمایاں کرنا مقصود ہے، جس طرح نور (روشنی) سے اندھیرا ازل ہو جاتا ہے اور ہر چیز صاف نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے کفر و شرک اور ضلالت و جہالت کے اندھیرے دور ہوتے ہیں، اور صراط مستقیم صاف دکھائی دینے لگتی ہے، تو رسول اللہ ﷺ کو نور اس لئے نہیں فرمایا کہ آپ ﷺ کی ذات نور ہے بشر نہیں ہے، بلکہ آپ ﷺ کو نور اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ کی صفت نور ہے، آپ ﷺ کے ذریعے کفر و شرک کا اندھیرا دور ہوا، اور راہ حق واضح ہوئی، جیسا کہ مفسرین کرام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

علامہ خازن لکھتے ہیں: یعنی محمد ﷺ ”انما سماه نور لانه يهتدى بالنور فى الظلام“: خازن، امام نسفی فرماتے ہیں او النور محمد ﷺ لانه يهتدى به كما يهتدى بالنور فى الظلام كماسمى سراجا . مدارک، جن مفسرین نے نور سے محمد ﷺ کی ذات گرامی مراد لی ہے، ان میں سے کسی نے بھی اس سے آپ ﷺ کی بشریت یا آپ ﷺ کے سایہ کی نفی پر استدلال نہیں کیا، بلکہ سب نے اس اطلاق کو استعارہ قرار دیکر اس سے نور ہدایت یعنی ہدایت کی روشنی مراد لی ہے۔

مزید تفصیل اس مسئلے کا یہ ہے، کہ جتنے انبیاء گذر گئے ہیں وہ بشر تھے، دیکھئے سورۃ ال عمران: ۷۹، ۸۰۔ انعام: ۹۱، ابراہیم: ۱۰، ۱۱، بنی اسرائیل: ۹۳، ۹۶، اور ۶۱، ص: ۷۱ تا ۷۶، اور سورۃ حجر ۲۸ تا ۳۳، اعراف: ۱۲، ۶۳، ۶۹، ال عمران: ۵۹، صود: ۲، مومنون: ۲۳، ۳۳، ۳۴، ۳۷، شعراء: ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۵۴، سورۃ قمر: ۲۲، مریم: ۳۳، یس: ۱۵، ان دلائل سے یہ بات بخوبی واضح ہو چکی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام انسان تھے، اور نبی کریم ﷺ تمام انبیاء کرام کے خاتم ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی انسان بنایا، اور انسان ہونے کے ناطق اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت ہی زیادہ بزرگی اور فضیلت عطا فرمائی ہے، یہاں تک کہ تمام انبیاء کرام پر اللہ تعالیٰ نے ان کو فضیلت عطا فرمائی ہے، نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام عطا فرمایا ہے وہ انسان ہونے کی وجہ سے ہے قرآن کریم میں خاص دلائل بھی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بشر تھے۔ ملاحظہ کیجئے سورۃ بنی اسرائیل ۹۳ کہف: ۱۰، فرقان: ۷، ۲۰، حم سجدہ: ۶، ال عمران: ۶۴، سورۃ جمعہ: ۲، سورۃ بقرہ: ۱۲۹، ۱۵۱، یونس: ۲، ص: ۴، توبہ: ۱۲۸،

احادیث اس باب میں زیادہ ہے بطور نمونہ ہم چند روایات پیش کرتے ہیں: ایک روایت متفق علیہ، خ: ۴۰، م: ۲/۸۹، ۵۷، جو کہ ابن مسعودؓ سے منقول ہے۔ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نماز میں بھول گئے تو نماز پوری کرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا: انما انابشر مثلکم انسیٰ کما تنسون فاذا نسیت فذکرونی۔ میں بھی تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں، میں بھی بھولتا ہوں جس طرح تم بھولتے ہو۔ لہذا میں جب بھول جایا کروں تو تم مجھ کو یاد دلا دیا کرو۔

ایک دوسری روایت ام سلمہؓ سے منقول ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: وانما انابشر وانکم تختصمون الی، ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجته من بعض، فاقضی له علی نحو ما اسمع منه، فمن قضیت له بشیء من حق اخیه، فلا یأخذہ، فانما اقطع له قطعة من النار۔ یعنی میں ایک انسان ہی تو ہوں، ہو سکتا ہے کہ تم ایک مقدمہ میرے پاس لاؤ اور تم میں سے ایک فریق دوسرے کی نسبت زیادہ چرب زبان ہو،

اور اس کے دلائل سن کر میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، مگر یہ سمجھ لو! کہ اگر اس طرح اپنے کسی بھائی کے حق میں سے کوئی چیز تم نے میرے فیصلہ کے ذریعے حاصل کی، تو دراصل تم جہنم کا ایک ٹکڑا حاصل کرو گے۔ یہ روایت بخاری نے ۲۴۵۸: میں اور مسلم نے ۱۷۱۳/۴، ابوداؤد: ۳۵۸۳، نسائی: ۲۳۳۸، ترمذی: ۱۳۳۹، اور ابن ماجہ نے: ۲۳۱۷، میں نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ روایات زیادہ ہیں، صرف حوالہ جات پر اکتفاء کرتے ہیں۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے جو کہ صحیح مسلم نے ۶۶۲۲: میں اور احمد نے ۴۹۳۲: میں نقل کیا ہے، ابو ہریرہؓ کی دوسری روایت ہے جو کہ صحیح مسلم نے ۶۶۱۶: میں اور مسند احمد نے ۴۰۰۳: میں اور ابن ابی شیبہ نے ۳۳۹/۱۰: میں نقل کیا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ سے مسلم: ۶۶۲۸: میں ایک طویل حدیث منقول ہے، اور مسند احمد نے ۱۰۷۶: میں۔

آخر میں ہم وہ مشہور روایت جو کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے بعد فرمایا تھا کہ: الا یا ایہا الناس انما انا بشر یوشک ان یأتینی رسول ربی عزوجل فاجیب۔ مسلم: ۲۷۹/۲، مسند احمد: ۳۷۶/۴، سنن دارمی: ۴۲۴: سنن کبریٰ للبیہقی: ۱۱۴/۱۰۔ خبر دار لو گویا! میں ایک بشر ہی ہوں، قریب ہے کہ میرے پاس رب کا قاصد (ملک الموت) آجائے اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں۔

جبکہ صحابہ کرام بھی رسول اللہ ﷺ کو بشر مانتے تھے۔ مستدرک حاکم: ۱۰۵۱، ۱۰۶، میں عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی احادیث لکھا کرتے تھے: چند قریشی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا آپ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات لکھتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ بشریتکلم فی الرضاء و الغضب۔ الحدیث، یعنی رسول اللہ ﷺ ایک بشر ہیں آپ ﷺ خوشی اور غصہ میں بھی کلام کرتے ہیں۔ جناب عبد اللہ بن عباسؓ نے نبی ﷺ کی وفات کے بعد ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ الفاظ بھی تھے: ان رسول اللہ ﷺ قد مات وانہ بشر: سنن الدارمی: ۲۳۔ بیشک رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو چکی ہے کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک بشر ہی تھے۔

ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ عائشہؓ نے فرمایا کان بشر امن البشر یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم نفسه (مسند احمد: ۶/۲۵۶، الصحیحۃ: ۶۷۱) رسول اللہ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان ہی تھے آپ ﷺ اپنے کپڑوں سے جوئیں نکالتے، اور اپنے بکری کا دودھ خود دودھ لیتے، اور اپنی خدمت خود کرتے تھے۔ صحیح ابن حبان کی حدیث میں یہ الفاظ ہیں: ما کان الا بشر امن البشر۔ آپ ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان ہی تھے (رقم: ۲۱۳۶)۔

بعض لوگ مذکورہ آیت کریمہ سے رسول اللہ ﷺ کے نور ہونے کے لئے استدلال کرتے ہیں، لیکن غور طلب بات ہے کہ اس آیت کا یہ اتنا بڑا حصہ لوگوں کے سامنے کیوں تلاوت نہیں کیا جاتا؟ اس کی وجہ صاف ظاہر ہے کہ اس حصہ کو بیان کرنے سے وہ پول کھل جاتا ہے، کہ جس کے لئے اس کو تلاوت نہیں کیا جاتا۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ اس کے پہلے بڑے حصہ میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر الگ اور مستقل طور پر کیا گیا ہے، اور دوسرے حصہ میں صرف قرآن کریم کا ذکر ہے کیونکہ قرآن کریم خود نور بھی ہے اور مضامین کو کھول کر بیان بھی کرتا ہے اور دوسرے مقامات پر اس کی وضاحت موجود ہے۔ جیسا کہ سورت اعراف: ۱۵۷، تغابن: ۸، النساء: ۱۷۴ قرآن کریم میں عموماً نور سے مراد نور ہدایت یعنی ہدایت کا نور ہے اور متعدد مقامات پر نور کا انہیں معنوں میں استعمال ہے جیسا کہ سورہ بقرہ: ۲۵۷، ماائدہ: ۴۴، ۴۶، سورہ نور: ۳۵۔

اور رسول اللہ ﷺ بھی نور ہدایت تھے۔ جن آیات اور روایات میں بعض مفسرین اور علماء نے نور سے رسول اللہ ﷺ مراد لیا ہے تو اس کا یہی معنی ہے۔

باقی یہ لوگ کچھ بے سرو پا روایات سے استدلال کرتے ہیں جیسا کہ یہ روایت مشہور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، یا جابر! ان الله خلق قبل الاشياء نور نبيك، الحديث۔

یعنی اے جابر! بیشک اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے قبل تیرے نبی کا نور پیدا کیا، یہ روایت زرقاتی نے: ۵۴۱/۱، اور صاحب نشر الطیب نے: ۱۶، میں نقل کیا ہے، لیکن ابھی تک اس کا کوئی سند کسی کو معلوم نہیں، علامہ البانی نے فرمایا ہے: کہ میں نے بہت کوشش کی کہ اس روایت کی سند کہیں سے مل جائے لیکن پوری کوشش کے باوجود مجھے نہیں ملا۔

بعض نے اس روایت کو امام عبد الرزاق کی طرف منسوب کیا ہے، لیکن یہ روایت ان کی مصنف اور تفسیر دونوں میں موجود نہیں ہے، البتہ اب مصنف کا ایک جلد بنام (الجزء المفقود من الجزء الاول من المصنف) چھپ چکا ہے، اور یہ حدیث اس جزء کی ص: ۶۴، میں موجود ہے، لیکن یہ جزء مصنف کا نہیں، بلکہ بعض مبتدعین نے امام عبد الرزاق کو غلط منسوب کیا ہے، اور امام کو اس کی نسبت صحیح نہیں، بلکہ بعض مبتدعین مخرّفين کا اختراع ہے، جیسا کہ اکثر علماء نے بیان فرمایا ہے، اور اس کے رد کے لئے شیخ تکلہ کی کتاب ”مجموع فی کشف هذا الجزء المفقود المزعوم“ زیادہ مشہور و معروف ہے۔ یہ حدیث دراصل شیعہ مذہب کی مشہور کتاب اصول کافی: ۳۲۸/۲، میں ذکر کی گئی ہے۔

عن جابر بن یزید قال قال لی ابو جعفر یا جابر ان اول ما خلق، خلق محمد ﷺ، وعترته المهداة المهتدين فكانوا الشباح نور بين يدي الله، الخ۔ یعنی جابر بن یزید بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے امام جعفر

نے کہا اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات میں سب سے پہلے محمد ﷺ اور ان کی ہدایت یافتہ اولاد (ائمہ) کو پیدا کیا، پس ان کے نور کے (یعنی نورانی) وجود اللہ تعالیٰ کے سامنے تھے۔

جبکہ ایک اور روایت: ۳۲۵/۲، میں نقل کرتا ہے کہ قال اللہ تبارک وتعالیٰ یا محمد انی خلقتک وعلیاً نوراً، یعنی روح بلا بدن۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد ﷺ میں نے تجھے اور علیؑ کو نور سے پیدا کیا ہے، یعنی روح بلا بدن۔ (اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک نور سے مراد روح ہے)۔

امام سیوطیؒ نے ایک روایت ذیل اللالی المصنوعۃ: ۵۰، میں ابونعیم سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خلقنی اللہ من نورہ وخلق ابابکر من نوری وخلق عمر من نور ابی بکر وخلق امتی من نور عمر، یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے نور سے پیدا کیا، اور ابو بکر کو میرے نور سے پیدا کیا، اور عمر کو ابو بکر کے نور سے پیدا کیا، اور میری امت کو عمر کے نور سے پیدا کیا۔

امام سیوطیؒ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں، یہ روایت باطل ہے اس کی سند میں ابو معشر، و ابو شعیب اور ابیہیم متروک رواۃ ہیں۔ علامہ محمد طاہر القفنی تذکرۃ الموضوعات: ۸۶، میں اور شوکانی نوائد مجموعہ: ۳۲۶، میں اور علی القاری موضوعات کبری: ۱۱۹، میں ایک روایت نقل کرتے ہیں کہ انامن نور اللہ، و المومنون منی، اور یہ تمام ناقلین فرماتے ہیں کہ انہ کذب مختلق موضوع یعنی یہ ایک گھڑا ہوا جھوٹ ہے، اس کا کوئی سند نہیں۔ جبکہ اصل کتاب میں لفظ ”انامن اللہ“ ہے نور کا لفظ نہیں۔ اور اس حدیث کی رد کے لئے شیخ غماری کی کتاب مرشد الحارک کافی شافی ہے، جس کسی کا شک ہو، وہ اس کا مطالعہ کرے، جبکہ محمد صالحی الشامی، سل الہدی: ۶۹۱، میں کچھ روایات نقل کرتے ہیں: روی الحافظ محمد بن عمر العدنی، شیخ مسلم، فی مسندہ عن ابن عباسؓ ان قریشا، ای المسعدۃ بالاسلام، کانت نور ابین یدی اللہ تعالیٰ قبل ان یخلق آدم بالفی عام، یسبح ذلک النور وتسبح الملائکۃ بتسبیحہ، قال ابن القطان: فیجمع من ہذا مع مافی حدیث علی، ان النور النبوی جسّم بعد خلقہ باثنی عشر الف عام، وزید فیہ سائر قریش، وانطق بالتسبیح، انتھی۔

وقد اشار عمہ العباسؓ الی ذلک فیما رواہ الطبرانی ان سیدنا العباسؓ قال: یا رسول اللہ انی ارید ان امتدحک، فقال لہ رسول اللہ ﷺ قل: لا یفضض اللہ فاک، فقال رضی اللہ عنہ.

وانت لما ولدت اشرفت الارض وضائت بنورک الافق

ونحن في ذلك الضياء وفي النور وسبل الرشاد نحترق

عبداللہ بن عباسؓ والی روایت کو شرف المصطفیٰؐ میں خرکوشی نے: ۳۰۴/۱، میں نقل کیا ہے، جس میں کچھ ایسے الفاظ ہیں: انہ قال، ان قریشا کانت نور ابین یدی اللہ عزوجل قبل ان یخلق آدم بالفی عام، الخ۔ جبکہ اس روایت کو بوسیری نے کتاب الاتحاف: ۷/۹، اور ابن حجر نے: مطالب عالیہ: ۱۷۷/۳، میں نقل کیا ہے، اس کے سند میں عبداللہ بن فرات راوی ہے، جو کہ مجہول ہے۔ اور عثمان بن داؤد بھی مجہول ہے، اور ضحاک، عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتا ہے جس میں انقطاع ہے۔ اور اس کے بعد علیؓ والی روایت: ۳۰۷/۱، میں نقل کرتے ہیں، یہ روایت بہت لمبی نقل کیا ہے، لیکن اس سند میں بھی انقطاع ہے، اس لئے کہ مصنف کا عبداللہ بن مبارک سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اور اس کے علاوہ اس کی صحیح سند کہیں نہ ملی۔ جبکہ خرکوشی: ۱۳۰۰، کعب الاحبار سے ایک لمبی روایت نقل کرتے ہیں۔ جس میں وہ فرماتے ہیں:

هل تدرون ما هذه؟ فيها صفة رسول الله ﷺ، ان الله تبارك وتعالى لما اراد ان يخلق محمداً ﷺ امر جبرئيل عليه السلام ان يأتيه بالقبضة البيضاء التي هي نور الارض، فهبط جبرئيل مع الملائكة فقبض قبضة من موضع قبره، وهي يومئذ بيضاء، نقية، فعجنت حتى جعلت كالدرة البيضاء، ثم غمست في كل انهار الجنة، وطيف بهافي السموات والارضين والبحار، فعرفت الملائكة محمداً ﷺ وفضلته، قبل ان تعرف آدم عليه السلام، فلما خلق الله تعالى آدم عليه السلام سمع في تخطيط جبهته كغشيش النذر، فقال ما هذا؟ قال الله تعالى هذا تسيح سيد ولدك فخذ به عهدى وميثاقى ولا تودعه الا في الاصلاب الطاهرين. وكان نور محمداً ﷺ يرى في دائرة عرة جبين آدم عليه السلام. الخ.

اس روایت سے نور کا معنی معلوم ہوا کہ جن روایات میں محمد ﷺ یا امت یا قریش وغیرہ کے متعلق نور کا ذکر ہے، اس سے مراد وہ صاف مٹی ہے زمین کا، جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا کیا۔ اس کی تائید صالحی کی یہ عبارت بھی کرتا ہے: زوی ابوسعید النیسابوری فی الشرف: ۱/۳۰۱، وابن الجوزی فی الوفاء، عن کعب الاحبار قال لما اراد الله سبحانه وتعالى ان يخلق محمداً ﷺ امر جبرئيل ان يأتيه بالطينة التي هي قلب الارض وبهاؤها، ونورها، فهبط جبرئيل في ملائكة الفردوس وملائكة الرفيق الاعلى فقبض قبضة رسول الله ﷺ من موضع قبره الشريف وهي بيضاء نيرة فعجنت بماء التسنيم في معين انهار الجنة

حتى صارت كالدرة البيضاء لها شعاع عظيم۔

یا اس نور سے نور ایمانی مراد ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے فطرت میں تمام مومنوں کو دیا، جبکہ انبیاء علیہم السلام کو با اعتبار رتبہ زیادہ دیا۔ یہ مسئلہ اس روایت میں خوب واضح ہے: عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لما خلق الله آدم مسح ظهره، فسقط عن ظهره كل نسمة هو خالقها من ذريته الى يوم القيامة، وجعل بين عيني كل انسان منهم وبينهم نور، ثم عرضهم على آدم، فقال اى رب من هؤلاء؟ قال داود، فقال رب! كم جعلت عمره؟ قال ستين سنة، قال: رب زدہ من عمرى اربعين سنة، قال رسول اللہ ﷺ فلما انقضى عمر آدم الاربعين، جاءه ملك الموت، فقال آدم اولم يبق من عمرى اربعون سنة؟ قال اولم تعطها ابنك داود؟ فجحد آدم فجحدت ذريته، ونسى آدم فاكل من الشجرة فنسيت ذريته، وخطئ وخطئت ذريته. (الترمذی: ۳۰۷۶، حاکم: ۵۸۵/۲، ۵۸۶)۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے، کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ اس کی پشت سے ہر ایک جان گر پڑی، جس کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک پیدا کرنا تھا۔ ہر آدمی کی آنکھوں کے درمیان نور کی ایک چمک رکھ دی۔ پھر ان کو آدم علیہ السلام کے سامنے کیا، اس نے کہا! اے میرے پروردگار! یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا! تیری اولاد ہے، پس ایک آدمی ان میں دیکھا، اس کی آنکھوں کی چمک بہت بھلی معلوم ہوئی، کہا! اے میرے پروردگار! یہ کون ہے؟ فرمایا یہ داود علیہ السلام ہے۔ کہا! اے پروردگار! تو نے اس کی عمر کتنی مقرر کی ہے؟ فرمایا! ساٹھ برس۔ کہا! اے میرے رب میری عمر کے چالیس سال اس کی عمر میں زیادہ کر دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدم علیہ السلام کی ساری عمر ختم ہو گئی اور چالیس برس رہ گئے، اس کے پاس موت کا فرشتہ آیا، آدم علیہ السلام نے کہا، میری عمر کے چالیس سال نہیں باقی رہتے؟ اس نے کہا کیا تو نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں دے دیئے تھے؟ آدم علیہ السلام نے انکار کر دیا، اس کی اولاد بھی انکار کرتی ہے۔ آدم علیہ السلام بھول گئے، درخت کھا لیا، اس کی اولاد بھی بھول جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام نے خطا کی اس کی اولاد بھی خطا کرتی ہے۔

اسی طرح ابوالدرداء سے روایت ہے کہ: عن ابی الدرداء عن النبی ﷺ قال خلق الله آدم حين خلقه، فضرب كتفه اليمنى فاخرج ذرية بيضاء كأنهم الدر، وضرب كتفه اليسرى فاخرج ذرية سوداء كأنهم الحمم، فقال للذى فى يمينه الى الجنة ولا ابالى، وقال للذى فى كتفه اليسرى الى

النار ولا ابالی۔ ابوالدرداء سے روایت ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اس کے دائیں کندھے کو مارا، اس سے سفید اولاد نکالی، گویا کہ وہ چیونٹیاں ہیں، پھر بائیں کندھے پر مارا، اس کی سیاہ اولاد نکالی گویا کہ وہ کوندہ ہیں۔ یہ روایت امام احمد نے ۴۴۱/۶ میں نقل کیا ہے۔ اور شیخی نے مجمع الزوائد: ۱۸۵/۷ میں بحوالہ بزار و طبرانی نقل کیا ہے۔ اس اولاد کے لئے کہا جو دائیں طرف تھی کہ یہ جنت میں جائیں گے، اور میں پرواہ نہیں کرتا، اور اس اولاد کے لئے کہا جو بائیں کندھے سے نکلی تھی، یہ آگ میں جائیں گے، میں پرواہ نہیں کرتا۔ علی القاریؒ مرقات: ۱۸۹/۱ میں یہاں لفظ ”بیضاء“ کا معنی نور سے کرتا ہے، اور پھر فرماتا ہے کہ پہلے روایت جس میں لفظ ”و بیصامن نور“ کا ذکر تھا، دونوں روایات ایک ہی ہیں۔

امام ترمذیؒ نے: (۲۶۴۲) عبد اللہ بن عمروؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: سمعت رسول اللہ ﷺ يقول ان الله خلق خلقه في ظلمة فلقى عليهم من نوره، فمن اصابه من ذلك النور اهتدى، ومن اخطاه ضل، فلذلك اقول: جف القلم على علم الله۔ یعنی عبد اللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ فرماتے تھے، اللہ نے اپنی مخلوق اندھیرے میں پیدا کیا، اور پھر ان پر اپنا کچھ نور ڈالا، لہذا جس کو اس نور کی روشنی میسر آگئی، وہ راہ راست پر لگ گیا، اور جس کو نور نہ پہنچا گمراہ ہو گیا۔ اس لئے میں کہتا ہوں، اللہ کے علم پر قلم خشک ہوا۔ ترمذی کے علاوہ اس روایت کو امام احمد نے ۱۷۶۲، ۱۷۶۳، اور حاکم نے مستدرک: ۳۰۱/۱ میں نقل کیا ہے۔

ابن عساکر نے تاریخ دمشق: ۳/۳۱۰، میں عائشہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: قالت استعرت من حفصة بنت رواحة ابرة، كنت اخيط بها ثوب رسول الله ﷺ، فسقطت مني الابرة فطلبتها فلم اقدر عليها، فدخل رسول الله ﷺ، فتبينت الابرة من شعاع نور وجهه، فضحكت، فقال: يا حميراء لم ضحكت؟ قلت: كان كيت وكيت، فنادى باعلى صوته يا عائشة! الويل ثم الويل ثلاثا لمن حرم النظر الى هذا الوجه، مامن مومن ولا كافر الا ويستهي ان ينظر الى وجهي۔ یعنی فرماتی ہیں: کہ میں نے حفصہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے کپڑے سینے کے لئے سوئی مانگی، تو مجھ سے گم ہو گئی، کافی تلاش کے باوجود نہ مل سکی، کچھ دیر بعد رسول اللہ ﷺ گھر تشریف لائے، تو آپ ﷺ کے چہرے مبارک کی روشنی کی وجہ سے وہ سوئی مجھے نظر آگئی، تو میں ہنس پڑی، رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ اے حمیرا! کیوں ہنسی؟ تو میں نے مندرجہ بالا واقعہ سنایا، نبی کریم ﷺ نے تین بار باروازل بلند فرمایا! اے عائشہ! ہلاکت ہے ان لوگوں کے لئے جو اس چہرے کے دیدار سے محروم ہوئے۔ یہ روایت ضعیف

ہے، اس لئے کہ محمد بن اسحاق نے اس روایت کو ”عن“ کے ساتھ یزید بن رومان سے نقل کیا ہے، اور اس کا معنیہ با تفاق علماء علمت قادحہ ہے۔ تفصیل کے لئے سیر اعلام النبلاء: ۴۰۷ اور تہذیب التہذیب: ۳۵۷، دیکھئے۔

اور اس کا شاگرد سلمہ بن الفضل کے بارے میں امام بخاری نے فرمایا ہے کہ: عندہ مناکیر، امام نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ سیر اعلام النبلاء: ۵۰۹، اور ابن عساکر کا استاد بھی مجہول ہے۔ جبکہ ابوالبرہیم بن اسماعیل اور ابوالحسن، دونوں مجہول ہیں۔ بعض لوگ خصائص کبریٰ: ۱۶۹۱۔ اور صالحی کے اس عبارت سے غلط استدلال کرتے ہیں جو کہ اس نے: ۹۰۲، میں لکھا ہے کہ: قال ذکوان لم یر لرسول اللہ ﷺ ظل فی شمس ولا فی قمر، یعنی رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ سورج میں اور نہ چاند کی روشنی میں ہوتا تھا۔ کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات نور تھی، نہ کہ بشر، تو اس کا جواب حکیم ترمذی دیتا ہے کہ: قال معناه لئلا یطأ علیہ کافر فیکون مذلة له۔ یعنی یہ اس وجہ سے تھا کہ کہیں کافر لوگ رسول اللہ ﷺ کے سایہ پر قدم نہ رکھیں اور کہیں رسول اللہ ﷺ کی ناقدری کا سبب بن نہ جائے۔

پھر ابن سبع سے نقل کرتا ہے: وقال ابن سبع فی خصائصہ ان ظلہ ﷺ کان لا یقع علی الارض وانہ کان نورا وکان اذا مشی فی الشمس او القمر لا یظہر لہ ظل۔ ابن سبع کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ سورج یا چاند کی روشنی میں اس لئے دکھائی نہیں دیتا تھا کہ وہ نور تھے۔ ان سب روایات و عبارات کا جواب یہ ہے کہ یہ بے سند اور ضعیف ہیں اور جو روایات صحیح ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس نور سے مراد وہ نور ہے جو کہ رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز کو جاتے وقت اللہ تبارک و تعالیٰ سے مانگتے تھے۔ متفق علیہ روایت میں مذکور ہے، عبد اللہ بن عباس فرماتا ہے: وکان فی دعائه، اللهم اجعل فی قلبی نوراً و فی بصری نوراً و فی سمعی نوراً و عن یمینی نوراً و عن یساری نوراً و فوقی نوراً و تحتی نوراً و امامی نوراً و خلفی نوراً و اجعل لی نوراً۔ (بخاری: ۶۳۱۶ و مسلم: ۶۳، ۱۸۱)۔

یعنی آپ کے دعا میں یہ الفاظ بھی تھے، یا اھبی! کر میرے دل میں نور، اور میرے آنکھوں میں نور، اور میرے کانوں میں نور، اور میرے داہنے نور، اور میرے بائیں نور، میرے اوپر نور، میرے نیچے نور، اور میرے آگے نور، اور میرے پیچھے نور، اور کر میرے لئے نور، اور بعض روایوں نے یہ زیادہ کیا، پیدا کر میرے زبان میں نور، اور ذکر کیا بعض نے، کر چٹھے میرے میں گوشت میرے میں اور میرے خون میں اور میرے بالوں میں اور میرے چمڑے میں نور۔ اور صحیح روایات میں یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ تھا، جبکہ مذکورہ روایت کا اصل حکیم ترمذی کی کتاب نوادر الاصول میں ہے، اور یہ ضعیف

ہے، اس لئے کہ اس کی سند میں ایک راوی عبد الرحمان بن قیس ہے، اس کے متعلق امام ذہبی میزان الاعتدال: ۵۸۳/۲، میں فرماتے ہیں، کہ یہ جھوٹا تھا، اور اس کا استاد عبد الملک بن عبد اللہ مجہول ہے، اور یہ روایت ذکوان کی طرف منسوب کیا گیا ہے جو کہ صحابی نہیں تابعی ہے، تو روایت مرسل بھی ہے، علاوہ ازیں بستان الحدیث میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ نوادر الاصول کتاب کی اکثر احادیث غیر معتبر ہیں۔

ایک روایت انسؓ سے مقدسی نے کتاب المختارہ: ۶۱۳۸، میں اور حاکم مستدرک: ۶۲۸/۵، میں اور ابن خزیمہ صحیح: ۵۱۲، میں نقل کیا ہے کہ: بينما النبي ﷺ يصلي ذات ليلة صلاة، اذ اميدده ثم اخرها فقلنا يا رسول الله ايناك صنعت في هذه الصلاة شيئا لم تكن تصنعه فيما قبله، قال: اجل، انه عرضت علي الجنة فرأيت فيها دالية قطوفها دانية، فاردت ان اتناول منها شيئا، فاوحى الي ان استأخر، فاستأخرت، وعرضت علي النار فيما بيني وبينكم، حتى رأيت ظلي وظلكم فيها، فاموت اليكم ان استأخروا، فاوحى الي ان اقرهم فانك اسلمت واسلموا وهاجرت وهاجروا وجاهدت وجاهدوا فلم ارك فضلًا عليهم الا بالنبوة فاولت ذلك ما يلقي امتي بعدى الفتن۔

یعنی انسؓ ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، کہ اچانک آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا، پھر پیچھے ہٹا لیا، پس ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ، ہم نے آپ کو اس نماز میں ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا، کہ اس سے قبل آپ کو ایسا کام کرتے ہوئے نہیں دیکھا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، بلاشبہ مجھ پر جنت پیش کی گئی، تو میں نے اس میں اونچے درخت دیکھے جن کے (پھلوں) گچھے نیچے کو جھکے ہوئے تھے، تو میں نے ارادہ کیا کہ ان سے کچھ لے لوں۔ پس میری طرف وحی آئی کہ پیچھے ہٹ جا، سو میں پیچھے ہٹ گیا، اور مجھ پر جہنم بھی پیش کی گئی، جو میرے اور تمہارے درمیان تھی۔ یہاں تک کہ اس آگ کی روشنی میں، میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ پس میں نے تمہیں اشارہ کیا، کہ پیچھے ہٹ جاؤ، پس میری طرف وحی آئی، کہ ان کو ان کی جگہ پر رہنے دو، کیونکہ تو نے اسلام قبول کیا اور انہوں نے بھی، تو نے جہاد کیا اور انہوں نے بھی، پس ان میں اور تجھ میں ان پر بجز نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں۔ پس میں نے اس کی تاویل کی کہ میرے امت میرے بعد فتوں میں مبتلا ہوگی۔ ایک دوسری روایت عائشہؓ سے منقول ہے جو کہ مسند احمد نے: ۲۶۳/۲۱، میں، اور معجم کبیر: ۱۷۱/۲۴، میں ذکر ہے کہ: عن عائشة ان رسول الله ﷺ كان في سفره فاعتل بعير لصفية، وفي ابل زينب فضل، فقال لها رسول الله ﷺ ان بعير الصفية اعتل،

فلو اعطيت بها بعير امن ابلک؟ فقالت انا اعطى تلك اليهودية؟ قال: فتركها رسول الله اذا الحجة و المحرم شهرين او ثلاثة، لاياتيها، قالت حتى يئست منه و حولت سريري قالت فبينما انا يوم انصاف النهار اذا انا بطل رسول الله ﷺ مقبل - يعني عائشةؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے (اور اس سفر میں بعض دیگر ازواج مطہرات بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھیں) صفیہؓ کا اونٹ (دوران سفر) بیمار ہو گیا۔ زینبؓ کے پاس اپنی ضرورت سے زائد اونٹ موجود تھا۔ آپ ﷺ نے (زینبؓ سے) فرمایا کہ صفیہؓ کا اونٹ بیمار ہے اے زینبؓ اگر تو اسے اپنا فالتو اونٹ دے دے تو بہتر ہوگا، انہوں نے کہا کیا میں اس یہودیہ کو اونٹ دے دوں؟ ان کے اس نازیبا جواب سے آپ ﷺ ناراض ہو گئے، اور آپ ﷺ نے ذالحجہ، محرم دو یا تین ماہ زینبؓ کے پاس جانا ترک کر دیا۔ زینبؓ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ سے ناامید ہو گئی اور میں نے اپنی چار پائی وہاں سے ہٹادی۔ فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں نے رسول اللہ کا سایہ دیکھا، جو میری طرف آرہا ہے۔ ایسی روایت صفیہؓ سے بھی مستند احمد میں: ۴۳۶۱، ۴۳۶۲، میں مروی ہے اور البانی نے سلسلہ الصحیحہ: ۳۲۰۵، میں نقل کیا ہے۔

مذکورہ بحث کا حاصل یہ ہوا کہ جناب نبی کریم ﷺ کا جسد خاکی تھا، بشر اور انسان تھا، آدم علیہ السلام کے نسل سے تھا۔ جو آیات اور روایات نور کے متعلق وارد ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اصل مٹی نور جیسی پاک تھی، یا ان کی نورانیت علم اور ہدایت کی تھی۔ ان لوگوں کی اس عقیدہ کا حاصل یہ ہے کہ (نعوذ باللہ) محمد ﷺ اللہ کا جزء ہے، اور یہ عقیدہ کافروں اور مشرکوں کا تھا، ارشاد الہی ہے: ﴿وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ﴾ (زخرف: ۱۵) اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کا جز نہیں ہے، لیکن مشرک اور کافر انسانوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات کے بھی حصے کر دیئے، اور اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اس کی مخلوق ہی کو اس کی ذات کا جز قرار دے ڈالا۔ اس بحث کا اختتام حدیث انسؓ پر کرتے ہیں: قال لما كان اليوم الذي دخل فيه رسول الله ﷺ المدينة اضاء منها كل شيء، فلما كان اليوم الذي مات فيه اظلم منها كل شيء، ومانفضنا ابدينا عن التراب و انالفي دفنه حتى انكرنا قلوبنا - یعنی جب وہ دن ہوا جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ میں داخل ہوئے، ہر چیز روشن ہوئی، اور جب وہ دن ہوا کہ جس میں رسول اللہ ﷺ وفات ہوئے، تو مدینہ میں ہر چیز تاریک ہوئی، اور ہم نے اپنے ہاتھ خاک دفن سے نہ جھاڑے تھے، اور رسول اللہ ﷺ کو دفن کرنے میں مشغول تھے، کہ ہم نے اپنے دلوں کو نا آشنا پایا۔ یہ روایت امام ترمذی نے: ۲۶۱۸، میں اور دارمی نے: ۱۴۱۱، میں نقل کیا ہے۔

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ

جس سے اللہ اپنی رضا پر چلنے والوں کو نجات کے رستے دکھاتا ہے اور اپنے حکم سے اندھیرے میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا

إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿١٤﴾ قَدْ كَفَرَ الَّذِينَ

اور ان کو سیدھے رستے پر چلاتا ہے۔ جو لوگ

قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا

اس بات کے قائل ہیں کہ عیسیٰ بن مریم، اللہ ہیں وہ بیشک کافر ہیں (ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ تعالیٰ

إِن أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

عیسیٰ بن مریم اور ان کی والدہ کو اور جتنے لوگ زمین میں ہیں سب کو ہلاک کرنا چاہے تو اس کے آگے کس کی پیش چل سکتی ہے؟

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ

اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٥﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ

ہر چیز پر قادر ہے۔ اور یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے

اللهِ وَأَحِبَّآؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ

بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہو کہ پھر وہ تمہاری بد اعمالیوں کے سبب تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے؟ (نہیں)

بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ

بلکہ تم اُس کی مخلوقات میں (دوسروں کی طرح کے) انسان ہو وہ جسے چاہے بخشے اور جسے چاہے عذاب دے

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿١٦﴾

اور آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکومت ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ

اے اہل کتاب! (پیغمبروں کے آنے کا سلسلہ جو ایک عرصے تک منقطع رہا تو) اب تمہارے پاس ہمارے پیغمبر آگئے ہیں جو

عَلَى فِتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ

تم سے (ہمارے احکام) بیان کرتے ہیں [۳] تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری یا ڈر سنانے والا نہیں آیا

[۳] ”فتنہ“ کے لفظی معنی ست ہونے، ساکن ہونے اور کسی کام کو معطل اور بند کر دینے کے آتے ہیں۔ اس آیت میں ائمہ تفسیر نے فتنہ کے یہی معنی بیان فرمائے ہیں اور مراد اس سے کچھ عرصہ کے لئے سلسلہ نبوت و انبیاء بند رہنا ہے، جو عیسیٰ علیہ السلام کے بعد خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت تک کا زمانہ ہے۔

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک ہزار سات سو سال کا زمانہ ہے، اس تمام مدت میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ برابر جاری رہا، اس میں کبھی فتنہ نہیں ہوئی۔ صرف بنی اسرائیل میں سے ایک ہزار انبیاء اس عرصہ میں مبعوث ہوئے۔ اور غیر بنی اسرائیل میں سے جو انبیاء ہوئے وہ ان کے علاوہ ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور نبی کریم ﷺ کی بعثت کے درمیان صرف پانچ سو سال کا عرصہ ہے۔ اس میں سلسلہ انبیاء بند رہا۔ اسی لئے اس زمانہ کو زمانہ فتنہ کہا جاتا ہے۔ اس سے پہلے کبھی اتنا زمانہ انبیاء کی بعثت سے خالی نہیں رہا۔ (قرطبی)۔

موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کی مدت اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام سے نبی کریم ﷺ کے درمیان کی مدت میں اور بھی مختلف روایات ہیں جن میں اس سے کم و بیش مدتیں بیان ہوئی ہیں، مگر اصل مقصد پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا۔

امام بخاری نے سلمان فارسیؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم ﷺ کے درمیان کا زمانہ چھ سو سال کا تھا۔ اور اس پوری مدت میں کوئی نبی مبعوث نہیں ہوئے۔ (صحیح البخاری: ۲۰۳۴، کتاب الانبیاء)۔

فَقَدْ جَاءَكُمْ بِشِيرٌ وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٩﴾ وَإِذْ قَالَ

سو (اب) تمہارے پاس خوشخبری اور ڈر سنانے والے آگئے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جب موسیٰ نے اپنی قوم

مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ أذكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ

سے کہا کہ بھائیو تم پر اللہ نے جو احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ اُس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے

وَجَعَلَكُمْ مَلُوكًا وَأَتَاكُمْ مَالًا مَّا يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿٢٠﴾

اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں اتنا کچھ عنایت کیا کہ اہل عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔

يَقَوْمِ ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ

تو بھائیو! تم ارض مقدس (یعنی ملک شام) میں جسے اللہ نے تمہارے لئے لکھ رکھا ہے چل داخل ہو اور (دیکھنا مقابلے کے

أَدْبَارِكُمْ فَتَقْلِبُوا خَاسِرِينَ ﴿٢١﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ

وقت) پیٹھ نہ پھیر دینا ورنہ نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ وہ کہنے لگے کہ موسیٰ! وہاں تو بڑے زبردست (لوگ) رہتے ہیں

وَإِنَّا لَنُدْخِلُهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا

اور جب تک وہ اس سرزمین سے نکل نہ جائیں ہم وہاں نہیں جا سکتے ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم

دَاخِلُونَ ﴿٢٢﴾ قَالِ رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا

داخل ہوں گے۔ جو لوگ (اللہ سے) ڈرتے تھے ان میں سے دو شخص جن پر اللہ کی عنایت تھی

ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَىٰ اللَّهِ

کہنے لگے کہ ان لوگوں پر دروازے کے رستے سے حملہ کرو۔ جب تم دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہے اور اللہ ہی

فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٢٣﴾ قَالُوا يَا مُوسَىٰ إِنَّا لَنُدْخِلُهَا أَبَدًا مَا

پر بھروسہ رکھو بشرطیکہ صاحب ایمان ہو۔ وہ بولے کہ اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جا سکتے

دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۱﴾

(اگر ضرور لڑنا ہی ہے) تو تم اور تمہارا رب جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔ موسیٰ نے (اللہ سے) التجا کی

رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرُقْ بَيْنَنَا

کہ اے اللہ! میں اپنے اور اپنے بھائی کے سوا اور کسی پر اختیار نہیں رکھتا تو ہم میں

وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۲﴾ قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً

اور ان نافرمان لوگوں میں جدائی کر دے۔ اللہ نے فرمایا کہ وہ ملک ان پر چالیس برس تک کیلئے حرام کر دیا گیا

بَيْتُهُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۳﴾

(کہ وہاں جانے نہ پائیں گے اور جنگل کی) زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کرو۔ [۴]

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ

اور (اے محمد ﷺ!) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ہابیل اور قابیل) کے حالات (جو بالکل) سچے (ہیں)

إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبَلُ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَلْ

پڑھ کر سنا دو کہ جب ان دونوں نے (اللہ کی جناب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی

مِنَ الْآخِرِ قَالَ لَاقُتْلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۴﴾

قبول نہ ہوئی (تب قابیل ہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا اس نے کہا کہ اللہ پر ہیروز گاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے

لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ

اور اگر تو مجھے قتل کرنے کیلئے مجھ پر ہاتھ چلائے گا تو میں تجھے قتل کرنے کیلئے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاؤں گا

[۴] ارض مقدسہ سے کوئی زمین مراد ہے۔ اس میں مفسرین کے اقوال بظاہر متعارض ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ بیت

المقدس مراد ہے۔ بعض نے شہر قدس اور ایلیا کو اراض مقدسہ کا مصداق بتلایا ہے۔ بعض نے شہر اریحا کو جو نہر اردن اور بیت المقدس کے درمیان دنیا کا قدیم ترین شہر تھا اور آج تک موجود ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس کی عظمت و وسعت کے عجیب و غریب حالات نقل کئے جاتے ہیں۔

واقعہ اس کا جو ائمہ تفسیر عبداللہ بن عباسؓ اور عمرہ اور علی بن ابی طلحہ وغیرہ سے منقول ہے یہ ہے، کہ اس وقت ملک شام اور بیت المقدس پر قوم عمالقہ کا قبضہ تھا۔ جو قوم عاد کی کوئی شاخ اور بڑے ڈیل ڈول اور ہیبت ناک قد و قامت کے لوگ تھے۔ جن سے جہاد کر کے بیت المقدس فتح کرنے کا حکم موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو ملا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام حکم الہی کی تعمیل کے لئے اپنی قوم بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر ملک شام کی طرف روانہ ہوئے جانا بیت المقدس پر تھا۔

جب نہر اردن سے پار ہو کر دنیا کی قدیم ترین شہر اریحا پر پہنچے، تو یہاں پر قیام فرمایا، اور بنی اسرائیل کے انتظام کے لئے بارہ سرداروں کا انتخاب کرنا قرآن کریم کی کچھلی آیات میں بیان ہو چکا ہے۔ ان سرداروں کو آگے بھیجا تا کہ وہ ان لوگوں کے حالات اور محاذ جنگ کی کیفیات معلوم کر کے آئیں، جو بیت المقدس پر قابض ہیں، اور جن سے جہاد کرنے کا حکم ملا ہے۔ یہ صاحبان بیت المقدس پہنچے تو شہر سے باہر ہی قوم عمالقہ کا کوئی آدمی مل گیا اور وہ اکیلا ان سب کو گرفتار کر کے لے گیا، اور اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا کہ یہ لوگ ہم سے جنگ کرنے کے قصد سے آئیں ہیں۔ شاہی دربار میں مشہور ہوا کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے یا کوئی دوسرا سزا دی جائے، بالآخر رائے اس پر پھری کہ ان کو آزاد کر دیں، تاکہ یہ اپنی قوم میں جا کر عمالقہ کی قوت و شوکت کے ایسے عینی گواہ ثابت ہوں کہ کبھی ان کی طرف رخ کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لائیں۔ اس موقع پر اکثر کتب تفسیر میں اسرائیلی روایات کی لمبی چوڑی کہانیاں درج ہیں جن میں ان ملنے والے شخص کا نام عوج بن عنق بتلایا ہے، اور اس کی بے پناہ قد و قامت اور قوت و طاقت کو ایسی مبالغہ آمیزی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ کسی سمجھ دار آدمی کو اس کا نقل کرنا بھی زیب نہیں دیتا۔

امام ابن کثیرؒ نے فرمایا: کہ عوج بن عنق کے جو قصے ان اسرائیلی روایات میں مذکور ہیں نہ عقل ان کو قبول کر سکتی ہے اور نہ شرع میں ان کا کوئی جواز ہے۔ بلکہ یہ سب کذب و افتراء ہے بات صرف اتنی ہے کہ قوم عمالقہ کے لوگ چونکہ قوم عاد کے بقایا ہیں، جن کے ہیبت ناک قد و قامت کا خود قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے اس قوم کا ڈیل ڈول اور قوت و طاقت ضرب المثل تھی، ان میں ایک آدمی قوم بنی اسرائیل کے بارہ آدمیوں کے گرفتار کر کے لے جانے پر قادر ہو گیا۔ بہر حال بنی اسرائیل کے بارہ سردار عمالقہ کی قید سے رہا ہو کر اپنی قوم کے پاس مقام اریحا پر پہنچے اور موسیٰ علیہ السلام سے اس عجیب

اور غریب قوم اور اس کی ناقابل قیاس قوت و شوکت کا ذکر کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر تو ان سب باتوں کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی فتح کامیابی کی بشارت سنادی تھی۔ بقول اکبر:

مجھ کو بے دل کر دے ایسا کون ہے یاد مجھ کو ”انتم الا علون“ ہے

موسیٰ علیہ السلام تو ان کی قوت و شوکت کا حال سن کر اپنی جگہ کوہ استقامت بنے ہوئے اقدام جہاد کی فکر میں لگے رہے۔ مگر خطرہ یہ ہو گیا کہ بنی اسرائیل کو اگر حریف مقابل کی اس بے پناہ طاقت کا علم ہو گیا تو یہ لوگ پھسل جائیں گے، اس لئے ان بارہ سرداروں کو ہدایت فرمائی کہ قوم عمالقہ کے یہ حالات بنی اسرائیل کو ہرگز نہ بتائیں، بلکہ راز رکھیں، مگر ہوا یہ کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دوستوں سے خفیہ طور پر اس کا تذکرہ کر دیا، صرف دو آدمی جن میں سے ایک کا نام یوشع بن نون اور دوسرے کا کالب بن یوقنا تھا۔ انہوں نے موسوی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے اس راز کو کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ اور (ظاہر ہے کہ بارہ میں سے جب دس نے راز پاش کر دیا) تو اس کا پھیل جانا قدرتی امر تھا بنی اسرائیل میں جب ان حالات کی خبریں شائع ہونے لگیں تو رونے پینے اور کہنے لگے کہ اس سے تو اچھا یہی تھا کہ قوم فرعون کی طرح ہم بھی غرق دریا ہو جاتے، وہاں سے بچا لاکر ہمیں یہاں مروایا جا رہا ہے، انہیں حالات میں بنی اسرائیل نے یہ الفاظ کہے ”یا موسیٰ ان فیہا قوم اجبارین و انالین ندخلہا حتی ینخر جو امنہا“ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام اس شہر میں تو بڑی زبردست قوم آباد ہے، جن کا مقابلہ ہم سے نہیں ہو سکتا، اس لئے جب تک وہ لوگ آباد ہیں ہم وہاں جانے کا نام نہ لیں گے، اگلی آیت میں ہے: کہ دو شخص جو سے ڈرنے والے تھے اور جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا تھا انہوں نے بنی اسرائیل کی یہ گفتگو سکر بطور نصیحت ان کو کہا: کہ تم پہلے ہی کیوں ڈر سے مرتے ہو، ذرا قدم اٹھا کر شہر بیت المقدس کے دروازہ تک تو چلو۔ اور دروازہ بیت المقدس میں داخل ہوتے ہی تم غالب ہو جاؤ گے۔ اور دشمن شکست کھا کر بھاگ جائے گا۔ یہ دو شخص جن کا اس آیت میں ذکر ہے اکثر مفسرین کے نزدیک وہ ہی بارہ میں سے دوسرے ہیں، جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت پر عمل پیرا ہو کر عمالقہ کا پورا حال بنی اسرائیل کو نہ بتایا تھا، یعنی یوشع بن نون اور کالب بن یوقنا۔

قرآن کریم نے اس جگہ ان بزرگوں کی دو صفتیں خاص طور پر ذکر فرمائی ہیں۔ ایک: الذین یخافون۔ یعنی یہ لوگ جو ڈرتے ہیں اللہ سے۔ دوسری صفت ان بزرگوں کی قرآن کریم نے یہ بتائی کہ انعم اللہ علیہم یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر انعام فرمایا۔

إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۸﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ

مجھے تو اللہ رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنے گناہ سمیٹ لے

فَتَكُونُ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾

پھر (زمرہ) اہل دوزخ میں ہو جائیں اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الخَاسِرِينَ ﴿۳۰﴾

مگر اُس کے نفس نے اُس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اُس نے اُسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا۔

فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُؤَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ

اب اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدنے لگا تاکہ اُسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کیونکر چھپائے۔

قَالَ يُوَيْلَتِي ۖ أَعْجَزْتُ أَنْ أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُؤَارِي سَوْءَةَ أَخِي ۗ

کہنے لگا کہ افسوس! مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوا کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا

فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿۳۱﴾ إِنَّا لَنَرِيكَ فِي سَمْعِ الْأَيْمَنِ

پھر وہ پشیمان ہوا۔ [۵] اس (قتل) کی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا

[۵] ان لوگوں کو آدم کے دو بیٹوں کا قصہ صحیح صحیح واقعہ کے مطابق سنا دیجئے اس میں ”بالحق“ کے لفظ سے تاریخی

روایات کی نقل میں ایک اہم اصول کی تلقین فرمائی گئی ہے، کہ تاریخی روایات کی نقل میں بڑی احتیاط لازم ہے، جن میں نہ کوئی جھوٹ ہونے کوئی تلمییس اور دھوکہ، اور نہ اصل واقعہ میں کسی قسم کی تبدیلی یا کمی زیادتی (ابن کثیر)۔

قرآن کریم نے صرف اسی جگہ نہیں بلکہ دوسرے مواقع میں بھی اس اصول پر قائم رہنے کی ہدایات دی ہیں ایک

جگہ ارشاد ہے: ان هذا هو القصص الحق. (ال عمران: ۶۲) دوسری جگہ ارشاد ہے نحن نقص عليك نبأهم

بالحق (كهف: ۱۳). تیسری جگہ ارشاد ہے: ذلك عيسى ابن مريم قول الحق (مريم: ۲۴) ان تمام مواقع میں

تاریخی واقعات کے ساتھ لفظ حق لاکر اس بات کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے کہ نقل و واقعات میں حق و صدق کی رعایت لازمی ہے۔ روایات و حکایات کی بناء پر جس قدر مفاسد دنیا میں ہوتے ہیں، ان سب کی بنیاد عام طور پر نقل و واقعات میں بے احتیاطی ہوتی ہے۔ ذرا سا لفظ اور عنوان بدل دینے سے واقعہ کی حقیقت مسخ ہو جاتی ہے۔

چھپلی اقوام کے مذاہب و شرائع اسی بے احتیاطی کی راہ سے ضائع ہو گئے، اور ان کی مذہبی کتابیں چند بے سند و بے تحقیق کہانیوں کا مجموعہ بن کر رہ گئیں، اس جگہ لفظ ”بالحق“ کا اضافہ کر کے اس اہم مقصد کی طرف اشارہ فرما دیا گیا۔ اس کے علاوہ اسی لفظ میں قرآن کریم کے مخاطبین کو اس طرف بھی رہنمائی کرنا ہے کہ نبی کریم ﷺ جو امی محض ہیں اور ہزاروں سال پہلے کے واقعات بالکل سچے اور صحیح فرما رہے ہیں، تو اس کا سبب مجروحی اٹھی اور نبوت کے کیا ہو سکتا ہے؟ اس تمہید کے بعد ان دونوں بیٹوں کا واقعہ قرآن کریم نے یہ بیان فرمایا: اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبَلْ مِنْمَا حِدْهُمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ .

لفظ ”قربان“ عربی لغت کے اعتبار سے ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے جس کو کسی کے قرب کا ذریعہ بنایا جائے، اور اصطلاح شرع میں اس ذبیحہ وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے کیا جائے۔ اس قربانی کے پیش کرنے کا واقعہ صحیح اور قوی سندوں کے ساتھ منقول ہیں اور ابن کثیر نے اس کو علماء سلف و خلف کا متفقہ قول قرار دیا ہے، یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام اور حواء علیہما السلام دنیا میں آئے اور والد و تناسل کا سلسلہ شروع ہوا، تو ہر ایک حمل سے ان کے دو بچے تو اُم پیدا ہوئے، ایک لڑکا اور دوسری لڑکی، اس وقت جبکہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں بجز بہن بھائیوں کے کوئی اور نہ تھا، اور بھائی بہن کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا تو اللہ جل شانہ نے اس وقت کی ضرورت کے لحاظ سے شریعت ادم علیہ السلام میں یہ خصوصی حکم جاری فرما دیا تھا کہ ایک حمل سے جو لڑکا اور لڑکی پیدا ہووے تو آپس میں حقیقی بہن بھائی سمجھے جائیں، اور ان کے درمیان نکاح حرام قرار پائے، لیکن دوسرے حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے کے لئے پہلے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی حقیقی بہن کے حکم میں نہیں ہوگی۔ بلکہ ان کے درمیان رشتہ از دو اوج و مناکحت جائز ہوگا۔ لیکن ہوا یہ کہ پہلے لڑکے کا تائیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ حسین و جمیل تھی اور دوسرے لڑکے کا تائیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی بد شکل تھی، جب نکاح کا وقت آیا تو حسب ضابطہ ہائیل کے ساتھ پیدا ہونے والی بد شکل لڑکی کا تائیل کے حصہ میں آئی، اس پر قاتیل ناراض ہو کر ہائیل کا دشمن ہو گیا، اور اس پر اصرار کرنے لگا کہ میرے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی ہے وہی میری نکاح میں دی جائے، ادم

علیہ السلام نے شرعی قاعدہ کے موافق اس کو قبول نہ فرمایا، اور ہائیل و قائیل کے درمیان میں رفع اختلاف کے لئے یہ صورت تجویز فرمائی: کہ تم دونوں اپنی اپنی قربانی اللہ کے لئے پیش کرو جسکی قربانی قبول ہو جائے گی یہ لڑکی اس کو دی جائے گی۔ کیونکہ ادم علیہ السلام کو یقین تھا کہ قربانی اسی کی قبول ہوگی جس کا حق ہے یعنی ہائیل کی۔

اس زمانہ میں قربانی قبول ہونے کی ایک واضح اور کھلی ہوئی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آتی اور قربانی کو دکھا جاتی تھی۔ اور جس قربانی کو آگ نہ دکھاتے تو یہ علامت اس کے نامقبول ہونے کی ہوتی تھی، اب صورت یہ پیش آئی کہ ہائیل کے پاس بیٹھ بکریاں تھیں اس نے ایک عمدہ دنبہ کی قربانی کی، قائیل کاشت کار آدمی تھا، اس نے کچھ غلہ، گندم قربانی کے لئے پیش کیا، اور ہوا یہ کہ حسب دستور آسمان سے آگ آئی، ہائیل کی قربانی کو دکھا گئی، اور قائیل کی قربانی جوں کی توں پڑی رہ گئی، اس پر قائیل کو اپنی ناکامی کے ساتھ رسوائی کا غم و غصہ اور بڑھ گیا، تو اس سے رہانہ گیا۔ اور کھلے طور پر اپنے بھائی سے کہہ دیا ”لاقتلنک“، یعنی میں تجھے قتل کر ڈالوں گا۔ ہائیل نے اس وقت بھی غصہ کی بات کا جواب غصہ کے ساتھ دینے کے بجائے ایک ٹھنڈی اور اصولی بات کہی، جس میں اس کی ہمدردی و خیر خواہی بھی تھی، کہ ”انما یقبل اللہ من الممتقین“ یعنی اللہ تعالیٰ کا دستور یہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ متقی پرہیزگار کا عمل قبول فرمایا کرتے ہیں۔ اگر تم تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو تمہاری قربانی بھی قبول ہوتی، تم نے ایسا نہیں کیا تو قربانی قبول نہ ہوئی اس میں میرا کیا قصور ہے؟ اس کلام میں حاسد کے حسد کا علاج بھی ذکر کر دیا گیا ہے، کہ حاسد کو جب یہ نظر آئے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی خاص نعمت عطا فرمایا ہے جو اس کو حاصل نہیں تو اس کو چاہئے کہ اپنی محرومی کو اپنی عملی کوتاہی اور گناہوں کے سبب سے سمجھ کر ان سے تائب ہونے کی فکر کرے، نہ یہ کہ دوسرے سے اس نعمت کے زوال کی فکر میں پڑ جائے، کیونکہ یہ اس کے فائدہ کے بجائے ضرر کا سبب ہے، کیونکہ مقبولیت عند اللہ کا مدار تقویٰ پر ہے۔ (مظہری)۔

”یسرہ“ الخ، اس میں لام تعلیلیہ نہیں بلکہ یہ لام عاقبت ہے، یعنی ایک کو ا اڑتا ہوا، آیا اور قائیل کے سامنے زمین کریدنے لگا، جس کا نتیجہ اور انجام یہ ہوا کہ اسے اپنے مقتول بھائی کی نعش چھپانے کی ترکیب سوچ گئی، ورنہ کو اغیب دان نہیں تھا، کہ ہائیل کے قتل کا اسے علم تھا، اور نہ قائیل کو دفن کرنے کا طریقہ سکھانے آیا تھا، لام، عاقبت کے لئے قرآن مجید میں عام مستعمل ہے جیسا کہ سورہ قصص (۸) میں ہے: ”فالتقطه ال فرعون لیكون لهم عدوا و خزنا“ یہاں کیونکہ میں لام عاقبت کے لئے ہے۔

أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ

کہ جو شخص کسی کو (ناحق) قتل کرے گا (یعنی) بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے

فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا

اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اُس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا

وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ بَعَدَ ذَلِكَ فِي

اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لایچکے ہیں پھر اس کے بعد بھی ان میں بہت سے لوگ ملک میں حد اعتدال

الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿١٠١﴾ مَا جَزَاؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

سے نکل جاتے ہیں۔ جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے لڑائی کریں

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَن يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا

اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں

أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ

یا ایک ہاتھ ایک پاؤں ایک دوسرے کے خلاف کاٹ دیئے جائیں یا ملک سے نکال دیئے جائیں یہ تو دنیا

خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٢﴾ الَّذِينَ

میں اُن کی رسوائی ہے اور آخرت میں اُن کیلئے بڑا (بھاری) عذاب (تیار) ہے۔ ہاں جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ

تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٠٣﴾

تمہارے قابو آجائیں تو بہ کر لی تو جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اُس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ تلاش کرتے رہو اور اُس کے رستے میں جہاد کرو

لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۶۱﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

تاکہ فلاح پاؤں [۶۱]۔ جو لوگ کافر ہیں اگر ان کے پاس روئے زمین (کے تمام خزانے اور اس) کا سب مال و متاع ہو

وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ

اور اس کیساتھ اسی قدر اور بھی ہو تاکہ قیامت کے روز عذاب (سے چھٹکارا حاصل کرنے) کا بدلہ دیں

الوسیلہ

[۶] وسیلہ کے معنی لغت عرب میں ”التوسل“ خالص عربی لفظ ہے، قرآن و سنت اور کلام عرب کی لفظ

و نثر میں بھی وارد ہوا ہے اور اس کے معنی، مطلوب تک تقرب حاصل کرنے کے ہیں، اور اس تک رغبت کے ساتھ پہنچنے کے۔

ابن اثیر نہایہ میں لکھتے ہیں: کہ، الواسل، کے معنی راغب کے ہیں اور الوسیلہ کے معنی قربت اور واسطہ کے ہیں یعنی وہ چیز جس

کے ساتھ کسی دوسری چیز تک پہنچنا یا تقرب حاصل کیا جائے۔ اس کی جمع وسائل ہے۔ علامہ فیروز آبادی قاموس میں لکھتے

ہیں: و سئل الی اللہ تعالیٰ توسیلاً، کے معنی یہ ہیں: کہ اس نے ایسا عمل کیا جس کے باعث اللہ کے ہاں تقرب حاصل

کیا ہے، و سئل اور توسئل کے معنی ایک ہی ہیں، ابن الفارس، معجم المقائیس، میں لکھتے ہیں: الوسیلہ کے معنی رغبت اور طلب

کے ہیں ”وسل“ کے معنی رغبت اور ”الواسل“ کے معنی ”الراغب الی اللہ عزوجل“ کے ہیں۔ لیبید کا شعر ہے:

اری الناس لا یبدرون ما قدر امرهم بلی کل ذی دین الی اللہ واسل

میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنے امور کی قدر و منزلت سے آشنا نہیں ہیں، بلکہ ہر دین والا شخص اللہ ہی کی طرف رغبت

کرنے والا ہے۔ امام راغب الاصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں: الوسیلہ کے معنی کسی تک رغبت کے ساتھ پہنچنے کے ہیں۔ یہ

الوسیلہ کی نسبت خاص ہے، کیونکہ رغبت کے معنی کو بھی متضمن ہے۔ قرآن مجید میں ہے، وابتغوا الیہ الوسیلۃ، اور اللہ

کی طرف وسیلہ تلاش کرنے کی حقیقت یہ ہے کہ علم و عبادات اور اخلاق و آداب شریعت کی پابندی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے

راستہ پر چلا جائے۔ وسیلہ کے معنی قربت کے بھی ہیں اور، الواسل، کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف رغبت کرنے والا۔

وسیلہ کے ایک دوسرے معنی بھی ہیں، اور وہ ہیں، بادشاہ کے ہاں قدر و منزلت، درجہ و قرابت کے، جیسا کہ حدیث

شریف میں جنت کے سب سے اعلیٰ درجہ کے لئے بھی یہ نام وارد ہوا ہے چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَإِنَّ مِنْ صَلَاتِي عَلَيْكَ بِهَا عَشْرًا، ثُمَّ سَلُوا اللَّهَ لِي الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ، وَارْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ فَمَنْ سَأَلَ لِي الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ۔ (عن ابن عمر: مسلم: ۳۸۴/۱۱، ابوداؤد: ۵۲۳۱، ترمذی: ۳۶۱۴، نسائی: ۲۵/۲)۔

جب تم مؤذن کو اذان کہتے ہوئے سنو، تو اسی طرح کہو جیسے وہ کہتا ہے: پھر مجھ پر درود بھیجو جو شخص مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے، اللہ تعالیٰ اس پر دس بار اپنی رحمتیں نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لئے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ کا سوال کرو، یہ جنت کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے جو اللہ کے بندوں میں سے صرف ایک بندے کو ملے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں۔ جو شخص میرے لئے وسیلہ کا سوال کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی۔

وسیلہ کے جو معانی بیان کئے گئے ہیں لغوی اعتبار سے یہ مشہور و معروف ہیں، کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا۔ سلف صالح اور ائمہ تفسیر نے انہی معانی کے مطابق ان دو آیتوں کی تفسیر کی ہے، جن میں وسیلہ کا لفظ وارد ہوا ہے۔

(۱) یہ آیت کریمہ۔ (۲) سورت اسراء: ۵۷۔ حافظ ابن کثیر نے ابن عباسؓ سے نقل فرمایا ہے کہ وسیلہ کے معنی

تقرب ہیں مجاہد، ابو ائیل، حسن، عبد اللہ بن کثیر، سدی، ابن زید رحمہم اللہ تعالیٰ رحمة و افرۃ الی یوم القیامۃ۔ اور کئی دیگر علماء کرام سے بھی یہی منقول ہیں۔

قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا کے مطابق عمل کر کے اس کا تقرب حاصل کرو۔ یہ بیان کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:، یہ جو ان ائمہ کرام نے فرمایا ہے، مفسرین کا اس سلسلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اور وسیلہ وہ ہوتا ہے جس کے ساتھ مقصود تک پہنچا جاسکے (ابن کثیر)۔

دوسری آیت مبارکہ کے سلسلہ میں جلیل القدر صحابی عبد اللہ بن مسعودؓ نے جو شان نزول بیان فرمایا ہے اس سے اس آیت کریمہ کے معنی کی وضاحت ہوتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: یہ آیت کریمہ عرب کے ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو جنوں کی فرستش کرتے تھے، جن تو مسلمان ہو گئے، لیکن ان انسانوں کو پتہ ہی نہ چلا جو ان کی پوجا کرتے تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: ”انسان“ جنوں کے مسلمان ہونے کے بعد بھی جنوں کی ہی کی پوجا کرتے رہے، لیکن جن چونکہ مشرف بہ اسلام ہو گئے تھے اس لئے وہ یہ پسند نہ کرتے تھے۔ بلکہ وہ تقرب الہی کا ذریعہ تلاش کرتے رہتے تھے اور اس آیت کریمہ کی تفسیر میں یہی قول سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔ (فتح الباری: ۳۲۰/۸، ۱۳، ۱۲/۱۰، نووی: ۲۴۵/۸)۔

اب ہم وسیلہ کی دو قسمیں تفصیل سے بیان کرتے ہیں: (۱) شرعی وسیلہ سے مراد ہر وہ سبب ہے جو اس طریقے کے مطابق منزل مقصود تک پہنچائے جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے، اس کی کئی اقسام ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے اسماء حسنیٰ میں سے کسی ایک اسم پاک یا اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت کے ساتھ وسیلہ پکڑنا، مثلاً کوئی مسلمان یوں دعا کرے، اے اللہ! تو رحمان، رحیم، لطیف اور خبیر ہے، میں تجھ سے سوال کرتا ہوں انج۔ جیسا کہ سورہ اعراف: ۱۸۰، بنی اسرائیل: ۱۱۰، میں اجمالاً ہیں اور تفصیل کے لئے: سورہ نمل ۱۹، سورہ ابراہیم: ۳۸ تا ۴۱، الشعراء: ۵۷ تا ۸۵، وغیرہ۔

اور احادیث میں اس قسم کے روایات بہت زیادہ ہیں۔ جیسا کہ (نسائی کبریٰ: ۳۸۷، کبیری: ۳۵۵) میں ہے کہ رسول پاک ﷺ یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اللھم بعلمک الغیب وقدرتک علی الخلق احینی ما علمت الحیاة خیر الی، وتوفنی اذا کانت الوفاة خیر الی۔ یعنی اے اللہ تیرے علم غیب اور مخلوق پر قدرت کے وسیلے سے میں تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں، کہ جب تک تو میرے لئے زندگی کو بہتر جانے۔ زندہ رکھ، اور جب وفات میرے لئے بہتر ہو، تو فوت کر لے۔ اور متفق علیہ میں رسول اللہ ﷺ سے یہ دعا منقول ہے: اللھم انی اعوذ بعتزتك لا الہ الا انت ان تضلنی۔ یعنی اے اللہ! میں تیری عزت کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں تیرے سوا کوئی معبود نہیں کہ مجھے گمراہ کرے۔ (بخاری: رقم: ۳۸۳، مسلم: ۷۰۷، ایک اور روایت انسؓ سے منقول ہے: کہ جب رسول اللہ ﷺ غم و فکر میں مبتلا ہوتے تو یہ دعا فرماتے: یا حی یا قیوم برحمتک استغیث۔ (ترمذی: ۲۶۷۱، حاکم: ۵۰۹۱) یعنی اے اللہ! زندہ رہنے والے اور قائم رکھنے والے میں تیری رحمت کے ساتھ تجھ سے فریاد رسی کرتا ہوں۔ ان جیسے دیگر روایات بہت زیادہ ہیں اس پر اکتفاء کرتے ہیں۔

۲: کسی عمل صالح کے ذریعہ وسیلہ اس کی مثال اس طرح ہے جیسے کوئی مسلمان یوں دعا کرے: اے اللہ! میں تیرے ساتھ جو ایمان رکھتا ہوں، تیرے ساتھ محبت رکھتا ہوں، تیرے رسول کی اتباع کرتا ہوں، ان کے وسیلے سے میرے گناہ معاف فرمادے، اس کی مشروعیت پر بہت سے دلائل قرآن و سنت میں موجود ہیں، بطور مثال سورہ ال عمران: ۱۶، ۵۳، ۱۹۳، مومنون: ۱۰۹، وغیرہ۔ نیز اس قسم کی مشروعیت پر کثرت سے احادیث وارد ہیں، مثلاً بریدہؓ نے روایت کیا ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے جب ایک آدمی سے یہ دعا کرتے ہوئے سنا: اللھم انی اسئلک بانى اشهد انک انت اللہ الذی لا الہ الا انت الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن له کفو احد۔ (مسند

احمد: ج: ۵: ص: ۳۵۰، والوداؤد: رقم: ۱۳۹۳) یعنی اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کیونکہ میں شہادت دیتا ہوں کہ تو اللہ ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو واحد، صمد (ایک، اور بے نیاز) ہے جس نے کسی کو جنم نہیں دیا اور نہ اسے کسی نے جنم دیا ہے اور نہ کوئی اس کی ہمسری کرنے والا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: اس شخص نے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کے ساتھ دعا کی ہے کہ جب اس کے ساتھ کوئی سوال کیا جائے تو وہ ضرور عطا فرماتا ہے اور جب اس کے ساتھ دعا کی جائے تو وہ ضرور شرف قبولیت سے سرفراز فرماتا ہے۔

جب کہ اس باب میں عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت یعنی اصحاب غار کا قصہ بہت مشہور ہے، اس حدیث کے آخر میں ہے۔ فان كنت تعلم اني فعلت ذلك ابتغاء وجهك ففرج ما بقى، (الحديث)، یعنی اے اللہ! اگر میں نے یہ عمل تیری رضا کی خاطر کیا تھا تو ہمیں اس مشکل سے نجات دے دے، جس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں۔ چنانچہ غار کے منہ سے ہٹ گئی اور وہ تینوں اس سے باہر نکل کر اپنی راہ چل دیئے۔ اس حدیث پاک سے واضح ہوا کہ جب ان تین آدمیوں پر انتہائی مشکل وقت آیا تو وہ زندگی سے مایوس ہو گئے البتہ اس بات کی انہیں امید ضرور تھی کہ اس وقت ان کی اس مشکل کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوز نہیں کر سکتا، چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اسے اخلاص سے پکارا، اپنے ان اعمال صالحہ کو یاد کیا جو انہوں نے اسائن اور آسانی کے اوقات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کئے تھے۔ تاکہ مشکل اوقات میں وہ کام آئیں۔ (متفق علیہ: ج: ۳۳۶۵، م: ۲۷۳۳۔)

جیسا کہ حدیث نبویؐ عبد اللہ بن عباسؓ سے منقول ہے: تعرّف الى الله في الرخاء يعرفك في الشدة۔ ”تم آسانی کے دور میں اللہ کو پہچانو وہ مشکل میں تمہیں پہچانے گا“ (مسند احمد: ۵/رقم ۲۸۰۳، السنۃ لابن ابی عاصم: ۳۱۸)۔ تو انہوں نے اپنے اعمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ پکڑا، پہلے نے اپنے ماں باپ کے ساتھ محبت و شفقت کو وسیلہ بنایا۔ اس کا ماں باپ کے ساتھ محبت و رحمت کا مظاہرہ اس حد تک شدید تھا کہ میرے خیال میں انبیاء کرام کے علاوہ کوئی انسان شاید اس حد تک مظاہرہ نہ کر سکے۔ دوسرے نے زنا سے پاکدامنی اور عفت و عصمت کو وسیلہ کے طور پر پیش کیا، جبکہ وہ اپنی عم زاد کی محبت میں نہایت شدت سے گرفتار ہو چکا تھا۔

۳: نیک آدمی کی دعا کا وسیلہ

وسیلہ کی اس قسم کی صورت یوں ہے، کہ مثلاً کوئی مسلمان کسی ایسے آدمی کے پاس جائے جس کے بارے میں اس کا اعتقاد ہو کہ وہ صالح اور متقی ہے یا کتاب و سنت کا عالم اور صاحب علم و فضل ہے، تو اس سے دعا کا مطالبہ کرے۔ وسیلہ کی

اس نوعیت کی کئی مثالیں حدیثوں میں وارد ہوئی ہیں: اس کا مشہور مثال حدیث انس ہے کہ: اصاب الناس سنة علي عهد النبي ﷺ، فبينما النبي ﷺ يخطب على المنبر قائم في يوم الجمعة دخل اعرابي فقال يا رسول الله هلك المال وجاع العيال فادع الله لنا فرجع يديه يدعو، الحديث. یعنی رسول اللہ ﷺ کے عہد میں لوگ قحط میں مبتلا ہوئے، اسی دور کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی اندر داخل ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ مال ہلاک ہو گیا، اور اہل و عیال بھوکے ہیں، لہذا آپ اللہ تعالیٰ سے ہمارے لئے دعا فرمائیے، آپ نے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمادی، یہ روایت بخاری وغیرہ نے نقل کی ہے۔

ایک دوسری روایت انسؓ ہی سے منقول ہے کہ: ان عمر بن الخطاب كان اذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبد المطلب، فقال اللهم انا كنا نتوسل اليك بنينا فتسقينا، وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا، قال فيسقون. (بخاری: ۱۰۱۰)۔ یعنی عمرؓ قحط کے زمانے میں عباس بن عبد المطلبؓ سے بارش کی دعا کا مطالبہ کرتے اور خود یہ دعا پڑھتے: اے اللہ! ہم تجھ سے اپنے نبی ﷺ کے وسیلے سے بارش طلب کرتے تھے، تو تو ہمیں بارش دے دیتا تھا، اب ہم اپنے نبی ﷺ کے چچا کے وسیلے سے دعا کرتے ہیں، پس تو ہمیں بارش دے۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں بارش دے دیتے تھے۔ (اس کے متعلق مزید بحث بعد میں آئے گا)۔

نیک لوگوں سے دعا کے ساتھ وسیلہ کی مثال کے طور پر اس روایت کو بھی پیش کیا جاسکتا ہے جسے ابن عساکر نے تاریخ دمشق: ۱۱۱/۶۵، اور ابن حجر نے الاصابہ: ۵۳۸/۶، میں نقل کیا ہے۔ سلیم بن عامر خبازی سے، کہ: قحط کا زمانہ تھا اور بارش نہیں ہو رہی تھی کہ معاویہ بن ابی سفیانؓ اور اہل دمشق استسقاء کے لئے باہر نکلے۔ معاویہؓ جب منبر پر بیٹھے تو آپ نے فرمایا: یزید بن اسودؓ جرش کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں آواز دی، تو وہ فوراً معاویہؓ کے پاس پہنچ گئے۔ آپ نے انہیں منبر پر بٹھا دیا اور خود ان کے پاؤں کے پاس بیٹھ گئے، اور یہ کہا کہ اے اللہ! آج ہم میں سے جو بہتر اور افضل ہے اسے لیکر تیرے دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔ اے اللہ! ہم سفارش کے لئے یزید بن اسودؓ جرش کو لائے ہیں، اور پھر کہا: اے یزید ہاتھ اٹھاؤ اور اللہ سے دعا کرو، یزید نے ہاتھ اٹھایا لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے اور دعا شروع کر دی۔ اب تھوڑی دیر بھی نہ ہوئی تھی کہ مغرب کی جانب سے ڈھال کی مانند ایک بادل نمودار ہوا۔ ہوا چلنے لگی اور ابھی تک لوگ گھروں میں بھی نہ پہنچنے پائے تھے کہ بارش شروع ہو گئی۔ (ابن عساکر: ۱۱۲/۶۵، المعرفۃ والتاریخ لخلفسوی: ۳۸۱/۲)۔

یہ بھی ابن عساکر ہی نے صحیح سند سے بیان کیا ہے، کہ ضحاک بن قیس لوگوں کے ساتھ استسقاء کے لئے باہر نکلے،

تو انہوں نے بھی یزید بن اسود سے کہا: اے اللہ کے سامنے بکثرت گریہ و زاری کرنے والے! کھڑے ہو کر دعا کیجئے ایک روایت میں ہے کہ ابھی تین بار ہی دعا کی تھی، کہ اس قدر شدت سے موسلا دھار بارش شروع ہو گئی کہ خدشہ پیدا ہو گیا کہ لوگ کہیں غرق ہی نہ ہو جائیں۔ (تاریخ دمشق: ۶۵/۱۱۳، تاریخ ابی ذر: ۶۰۲/۱)۔

۴: ان تین صورتوں کے علاوہ ایک اور صورت یہ بھی ہے کہ ایک آدمی اپنی عاجزی و انکساری یا اقرار ظلم و عصیان، اللہ تعالیٰ کے دربار میں پیش کرے، جیسا کہ دعاء آدم علیہ السلام، سورہ اعراف: ۲۳، اور بقرہ: ۲۸۶، انبیاء: ۸۷، میں ہے۔ اور اسی طرح حدیث ابو بکرؓ میں ہے کہ: قال للنبي ﷺ علمني دعاء، ادعوه في صلاتي كثير، قال قل: اللهم اني ظلمت نفسي ظلما كبيرا (كثيرا)، ولا يغفر الذنوب الا انت، فاغفر لي مغفرة من عندك وارحمني انك انت الغفور الرحيم. (بخاری رقم: ۸۳۴ و مسلم رقم: ۴۸ و ۲۰۷۵)۔ ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! سکھلاؤ مجھ کو الفاظ دعاء، کہ اس کے ساتھ دعاء مانگوں اپنی نماز میں، فرمایا کہ: یا اللہ! ظلم کیا میں نے اپنے نفس پر بہت، اور گناہوں کو کوئی نہیں بخشا مگر تو، پس بخش مجھ کو بخشا خاص، نزدیک اپنے سے، اور مجھ پر رحم کر، تحقیق تو بخشنے والا، مہربان ہے۔

اور حدیث ابن مسعودؓ میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: من كثر همه فليقل: اللهم! انى عبدك وابن عبدك وابن امتك وفي قبضتك، ناصيتي بيدك، ماض في حكمك، عدل في قضاؤك، الحديث۔ (مشکوٰۃ: ۲۳۸۷، مسند احمد: ۳۹۱/۱ م: ۱۲۷۱۴)۔ جس شخص کا فکر بڑھ جائے وہ یہ دعا پڑھے: اے اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تیرے بندے کا بیٹا ہوں، تیری لوٹڈی کا بیٹا ہوں، تیرے قبضے میں ہوں، اور میری پیشانی کے بال تیرے قبضہ میں ہیں، میرے حق میں تیرا حکم جاری ہے، میرے بارے میں تیرا قضاء عدل ہے۔

اور اسی طرح دعائے استخارہ بھی ہے، جب کہ یہ دعا رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو اس قدر اہتمام سے سکھایا کرتے تھے جیسا کہ قرآن مجید کی تعلیم اہتمام سے دیا کرتے تھے۔ اور فرماتے کہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ ہو تو یہ دعا پڑھو: اللهم انى استخیرک بعلمک، واستقدرک بقدرتک، واستلک من فضلک العظیم، فانک تقدر، ولا اقدر، وتعلم ولا اعلم، وانت علام الغیوب، الحديث: بخاری: ۱۶۲، النسائی: ۶/۸۰، ابوداؤد: ۵۳۸، ترمذی: ۴۸۰، ابن ماجہ: ۱۳۸۳۔ یعنی اے اللہ! میں تیرے علم کیساتھ تجھ سے خیر کا سوال کرتا ہوں، اور تیری قدرت کے ساتھ قدرت حاصل کرتا ہوں، تجھ سے تیرے فضل

عظیم کا سوال کرتا ہوں، بیشک تو قدرت رکھتا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا۔ تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا، اور تو غیبوں کو جاننے والا ہے۔

(۲) ممنوع وسیلہ کا بیان اور مبتدعین کے اعتراضات اور ان کے جوابات

پہلی دلیل عمر کی عباسؓ سے بارش کی دعا کی درخواست، بعض لوگ، اشخاص کے ذات، جاہ، حرمت، اور حق کے ساتھ وسیلہ کے جواز کے لئے عمرؓ کے اس واقعہ کو بطور حجت پیش کرتے ہیں: لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم اس نیک انسان کی ذات، جاہ، اور حق کا وسیلہ پیش کرتے ہیں، بلکہ اس کی دعا اللہ تعالیٰ کی طرف تضرع اور ان کی اللہ سے فریاد رسی کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں، اور یہی معنی ہیں عمرؓ کے اس قول کے: اللھم انا کننا نوسل الیک بنینا فتسقینا. اور اس کے بعد والی جملہ وانا نوسل الیک بعم نبینا فاسقنا، یعنی رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کے چچا عباسؓ سے دعا کا مطالبہ کر رہے ہیں، تاکہ اے اللہ تو بارش نازل فرما دے۔

اس میں یہ تصریح موجود ہے، اگر آپ ﷺ کے ذات اقدس کے ساتھ وسیلہ جائز ہوتا تو عمرؓ اور تمام صحابہ کیوں آپ ﷺ کے ذات کو چھوڑ کر عباسؓ کا وسیلہ پیش کرتے، تو ظاہر ہے کہ یہاں وسیلہ ذات سے نہیں بلکہ دعا سے تھا، اور رسول اللہ ﷺ برزخ میں دعا نہیں فرما سکتے، اس لئے صحابہ کرام نے عباسؓ کی طرف رجوع کیا اور عباسؓ نے دعا کی، اور آپ کے دعا کے الفاظ بھی ابن حجر نے فتح الباری (م): ۱۸۶/۳، میں نقل کیا ہے کہ: زبیر بن بکار نے ”انساب“ میں اس واقعہ کے سلسلہ میں عباسؓ کی دعا کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں: اللھم انہ لم یمنزل بلاء الابذنب، ولم یکشف الابتوبۃ، وقد توجه القوم بی الیک، لمکانی من نبیک، وھذہ ایدینا، الیک بالذنوب، ونواصینا الیک بالتوبۃ، فاسقنا الغیث۔

اے اللہ! ہر بلا گناہ کی وجہ سے نازل ہوتی ہے، اور توبہ سے دور ہوتی ہے، میری قوم تیرے نبی ﷺ سے قربت کے باعث میری طرف متوجہ ہوئی ہے، تاکہ تجھ سے دعا کی جائے۔ یہ ہمارے گناہگار ہاتھ تیرے سامنے پھیلے ہوئے ہیں، جبکہ ہماری پیشانیاں توبہ کے باعث جھکی ہوئی ہیں۔ تو ہمیں بارش عطا فرما دے۔

اور بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری: ۲۵۲/۵، میں اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ: ۲/۱۰، میں اور طبری نے تاریخ: ۸۰/۲، میں اور عبد الرزاق نے مصنف: ۹۳/۳، میں ابن ابی الدنیانے کتاب المطر: ۱-۹۴، میں دونوں کا دعا تفصیل سے نقل کیا ہے، عن ابن عباسؓ ان عمر استسقی بالمصلی، فقال للعباسؓ قم فاستسق، فقام

العباس فقال ،، اللهم ان عندك سحابا ، وان عندك ماءً فانشر السحاب ، ثم انزل فيه الماء ، ثم انزله علينا ، فاشدد به الاصل ، واطل به الزرع ، وادّر به الضرع ، اللهم شفّعنا في انفسنا واهلينا ، اللهم انا شفّعنا اليك عمن لا منطق له ، عن بهائمنا ، وانعامنا ، اللهم اسقنا سقيا وادعة بالغة ، طبقا ، عاما ، محييا ، اللهم لا نرغب الا اليك وحدك ، لا شريك لك ، اللهم ان نشكو اليك سغب كل ساعب ، وغرم كل غارم ، وجوع كل جائع ، وعرى كل عار ، وخوف كل خائف ، في دعاء له ،، اور عمرؓ کی دعا کی الفاظ یہ نقل کئے ہیں ،، اللهم انا نستغفرک ونستسقیک ،، یہ دعا ابن ابی الدیانی نے مجاہد الدرعوۃ : ۷۹ ، میں نقل کیا ہے ، جبکہ یہی نے بروایت شعبی ، السنن الکبریٰ : ۳۵۲/۳ ، میں یہ الفاظ نقل کئے ہیں ،، خرج عمرؓ يستسقی ، فلم يزد على الاستغفار حتى رجع ، فقيل ما رأيناك استسقيت ، فقال لقد طلبت المطر بمجاديح السماء ، الذي يستنزل بها المطر ، ثم قرأ : فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا ﴿١٠٦﴾ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا ﴿١٠٧﴾ اور تارخ دمشق : ۳۳۶/۳۳۷ ، میں بھی یہی الفاظ ہیں ۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عمرؓ کا وسیلہ عباسؓ کی ذات و جاہ کے ساتھ ہوتا تو آپؐ ، رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے وسیلہ کو ترک نہ فرماتے۔ عمرؓ کا یہ عمل اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ عمر اور دیگر صحابہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ وسیلہ کو جائز تصور نہیں کرتے تھے۔ صحابہ کرام کے بعد سلف صالح کا بھی عمل اسی طرح رہا۔ جیسے کہ معاویہؓ اور ضحاک نے یزید بن اسود کے وسیلہ کو اختیار کیا تھا ، جو کہ پہلے گذر گیا ؛ بعض کہتے ہیں : کہ عمرؓ کو نابینا آدمی کے رسول اللہ ﷺ کی ذات کے ساتھ وسیلہ پکڑنے والی حدیث نہیں پہنچی تھی (اس کا ذکر بعد میں آئے گا) اور اگر پہنچی ہوتی تو وہ یقیناً آپ ﷺ ہی کا وسیلہ اختیار کرتے۔

اس کا ہم جواب دیتے ہیں کہ وہ بھی وسیلہ بالدعاء ہے بالذات نہیں۔ دوئم یہ اگر عمرؓ کو پتہ نہیں تھا تو آیا سب صحابہ کرام اس سے ناخبر تھے؟ علاوہ ازیں یہ بھی کہتے ہیں کہ عمرؓ نے اس وسیلہ کا کئی بار اعادہ فرمایا ، جب بھی اہل مدینہ کسی خطرے میں مبتلا ہوتے یا جب بھی بارش کی ضرورت ہوتی تو عمرؓ اسی طرح کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ اس پر لفظ ”کان“ دلالت کرتا ہے۔

بعض مبتدعین کہتے ہیں کہ ابن حجر نے : فتح الباری : ۱۸۶/۳ ، میں ، اور دیگر مؤرخین نے زبیر بن بکار سے یہ واقعہ اس طرح نقل کیا ہے : استسقی عمرؓ بن الخطاب عام الرمادة بالعباس بن عبد المطلب فخطب عمرؓ

فقال ان رسول الله ﷺ كان يرى للعباس ما يرى الولد للوالد، فاقتدوا ايهالناس برسول الله ﷺ، واتخذوه وسيلة الى الله - فخط والى سال عمر بن عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ استفتاء کیا۔ عمر نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ عباس کو وہ مقام و مرتبہ دیتے تھے جو بیٹا، باپ کو دیتا ہے، تو اے لوگو! تم بھی رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو، اور انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ کے طور پر پیش کرو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سند میں داؤد بن عطا مدنی ہے جو کہ ضعیف ہے، اس روایت کو حاکم نے [۴۰۰۰/۴۳] میں مذکورہ سند کے ساتھ ذکر کیا ہے، لیکن نیچے امام ذہبی لکھتا ہے کہ اس میں داؤد راوی متروک ہے۔ اور اس کا شاگرد (یعنی اس سے یہ حدیث نقل کرنے والا) ساعدہ بن عبید اللہ مجہول ہے، جبکہ سند میں اضطراب بھی ہے، اور یہ سیر اعلام النبلاء: ۹۲/۲، میں بھی مذکور ہے۔

دوسری دلیل: ان لوگوں کا دوسرا شبہ اور مستدل حدیث ضریر ہے جو کہ امام احمد نے: ۴۷۸/۲۸، میں نقل کیا ہے۔ (مزید تخریج اس کا بعد میں کریں گے)۔ کہ ایک نابینا شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا! ادع اللہ ان یعافینی فقال ان شئت دعوت لک وان شئت اخرت ذلک، فهو خیر (وفی روایتہ وان شئت صبرت فهو خیر لک) فقال ادعه، فامرہ ان يتوضأ فيحسن وضوءه فيصلي ركعتين ويدع بهذا الدعاء: اللهم انى اسئلك واتوجه اليك محمد بنى الرحمة، يا محمد ﷺ انى توجهت بك الى ربى فى حاجتى هذه، فتقضى لى، اللهم فشفعه فىّ (وشفّعنى فيه) قال ففعل الرجل فبرأ. یعنی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے، کہ اللہ مجھے عافیت بخشے، آپ ﷺ نے فرمایا! اگر تم چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں، اور اگر چاہو تو دعا کو موخر کر دیتا ہوں، اور یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا (ایک روایت میں ہے کہ اگر تم صبر کرو تو تمہارے لئے بہتر ہوگا)۔ اس نے عرض کیا کہ آپ ﷺ دعا فرمائیں۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا کہ نہایت اچھے طریقے سے وضوء کرے، دو رکعت نماز پڑھے اور یہ دعا مانگے، کہ اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیرے نبی رحمت محمد ﷺ کے ساتھ تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں، اے محمد ﷺ میں تیرے ساتھ اپنے رب کی طرف، اپنی اس حاجت کے سلسلہ میں متوجہ ہوتا ہوں، تو میری اس حاجت کو پورا کر دے۔ اے اللہ! اپنے نبی ﷺ کی میرے بارے سفارش قبول فرما (اور میری سفارش اپنے نبی ﷺ کے بارے میں قبول فرما)۔ اس نے اسی طرح کیا تو وہ بیٹا ہو گیا۔“

اس حدیث کو مسند احمد [۴۷۸/۲۸] میں، عبد بن حمید نے [المختب: ۳۷۹] میں، ترمذی نے: ۳۵۷۸، میں، نسائی نے کبریٰ

[۱۰۴۱۹/۹] میں، ابن ماجہ نے: ۱۳۸، میں اور طبرانی نے الکبیر [۸۳۱۱/۲] میں نقل کیا ہے۔ سب نے عثمان بن عمر (جو کہ احمد کے شیخ ہیں) کے سند سے روایت کیا ہے۔ شعبہ نے ابو جعفر مدنی سے روایت کرتے ہوئے کہا، کہ میں نے عمارہ بن خزیمہ سے سنا کہ وہ اسے عثمان سے روایت کرتے تھے۔ امام ترمذی نے اسے ”حسن صحیح غریب“ قرار دیا ہے۔ ابن ماجہ میں ہے کہ ابواسحاق نے اسے ”حدیث صحیح“ کہا ہے۔ پھر امام احمد نے اسے روایت کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ ہمیں شعبہ نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

اور اس میں ایک دوسری روایت بھی ہے۔ جس کی محمد بن جعفر نے متابعت کی ہے، اور اسے شعبہ سے بیان کیا ہے۔ متدرک [۵۱۹/۱] امام حاکم نے اسے ”صحیح الاسناد“ قرار دیا ہے۔ امام ذہبی نے بھی آپ کی متابعت کی ہے، جبکہ بعض علماء، مثلاً صاحب ”صیانتہ الانسان“ اور صاحب ”تطہیر الجنان“ [ص: ۳۷] نے اسے معلول قرار دیا ہے، کیونکہ اس کی سند میں ابو جعفر ہے، اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ہم اسے صرف ابو جعفر کی سند سے جانتے ہیں، جو کہ خطمی نہیں، بلکہ وہ رازی ہیں، صدوق ہیں، لیکن سینی الحفظ ہیں!

میں عرض کرتا ہوں کہ یہ اعتراض اس طرح دور کیا جائے گا کہ درست بات یہی ہے کہ یہی ابو جعفر خطمی ہیں۔ امام احمد نے ایک روایت [۱۳۸/۳] میں ان کی نسبت خطمی ہی ذکر کی ہے، جبکہ دوسری روایت میں انہیں ابو جعفر مدنی کہا ہے، امام حاکم نے بھی اسی طرح ان کا نام لیا ہے، اور خطمی ہی مدنی ہیں، رازی مدنی نہیں ”معجم صغیر طبرانی: ۳۰۶۱“ اور سنن ترمذی کی طبع بولاق میں بھی اسی طرح ہے، تو قطعی شکل یہی ہے، کہ خطمی، عمارہ بن خزیمہ سے اور وہ شعبہ سے روایت کرتے ہیں جیسا کہ اس سند میں ہے اور یہ صدوق ہیں تو گویا بلاشبہ سند جید ہوئی۔

اس حدیث سے ہمارے مخالفین استدلال کرتے ہیں، کہ یہ دعائی کریم ﷺ یا دیگر صلحاء کی حرمت و جاہ کے ساتھ وسیلے کے جواز پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ اس میں یہ مذکور ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نابینا آدمی کو یہ سکھایا کہ وہ دعائیں آپ ﷺ کا وسیلہ پیش کرے۔ چنانچہ جب اس نابینا آدمی نے اس طرح دعا کی تو اس کی بینائی واپس لوٹ آئی۔

ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ حدیث وسیلہ کی مختلف فیہ صورت کے سلسلہ میں ہرگز حجت نہیں ہو سکتی، بلکہ ہم نے شرعی وسیلہ کی جو صورتیں ذکر کی تھیں یہ ان میں سے تیسری صورت کی ایک مزید دلیل ہے، کیونکہ نابینا آدمی کا وسیلہ نبی کریم ﷺ کی دعاء کے ساتھ تھا۔ ہم اس سلسلہ میں جو موقف رکھتے ہیں اس کی تائید میں اسی حدیث سے ہمیں کئی دلائل ملتے ہیں چنانچہ ان میں سے اہم ترین حسب ذیل ہیں:

[۱] نابینا آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا تھا کہ آپ ﷺ دعا فرمائیں جیسا کہ اس کے قول: ادع اللہ ان یعافینی، آپ ﷺ دعا فرمائے کہ اللہ تعالیٰ مجھے عافیت بخشے، سے ثابت ہے، یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کے پاس آپ ﷺ کی دعا کے وسیلہ کو پیش کیا۔ کیونکہ اس سے معلوم تھا کہ کسی دوسرے کی نسبت نبی کریم ﷺ کی دعا کی مقبولیت کی زیادہ امید ہے۔ اگر اس نابینا آدمی کا مقصود آپ ﷺ کی ذات اقدس، جاہ و حرمت یا حق وغیرہ کے ساتھ وسیلہ پیش کرنا ہوتا، تو اسے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری دینے کی ضرورت نہ تھی، اور نہ اس بات کی حاجت تھی کہ آپ ﷺ سے دعا کی درخواست کرتا، بلکہ اسے گھر میں بیٹھ کر دعا کرنی چاہئے تھی۔

[۲] کہ رسول اللہ ﷺ نے اس شخص سے دعا کا وعدہ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی خیر خواہی کرتے ہوئے ایک ایسی بات کو بھی بیان فرمادیا، جو اس کے لئے زیادہ افضل تھی یعنی آپ ﷺ نے فرمادیا کہ اگر تم چاہو تو میں دعا کر دیتا ہوں، اور اگر چاہو تو صبر کرو اور صبر کرنا تمہارے لئے زیادہ بہتر ثابت ہوگا۔ اس امر ثانی کی طرف آپ ﷺ نے اس حدیث میں بھی اشارہ کیا ہے۔ جسے اللہ تبارک و تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا ہے: اذا ابتليت عبدي بحبيبتيه فصبر عوضت منه الجنة. (بخاری، ۵۶۵۳) (الصحيحه: ۲۰۱۰) یعنی جب میں اپنے بندے کو اس کی دو پیاری چیزوں (یعنی آنکھوں) کے بارے میں آزمائش میں ڈالوں، اور وہ صبر کرے، تو میں اسے اس صبر کے عوض جنت دوں گا۔

سوم کہ نابینا شخص نے دعا کے لئے اسرار کیا جیسا کہ اس کے قول ”فادع“ سے ثابت ہوتا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔

چہارم: یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے اس نابینا شخص کو جو دعاء سکھائی اس میں ایک جملہ یہ بھی ہے اللهم فشفعه في، یعنی اے اللہ، رسول پاک ﷺ کی سفارش میرے بارے میں قبول فرما۔ میں کہتا ہوں اسے نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی، جاہ یا حق سے وسیلہ پکڑنے پر مجبور کرنا محال ہے، کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ! رسول پاک ﷺ کی میرے بارے میں شفاعت قبول فرما، یعنی آپ ﷺ کی دعا قبول فرما، اور میری بینائی لوٹا دے۔

شفاعت کے لغوی معنی دعا ہیں۔ نبی کریم ﷺ انبیاء کرام اور صالحین کے بارے میں جو یہ ثابت ہے کہ وہ قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گے تو اس سے مراد دعا ہی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ شفاعت دعاء کی ایک مخصوص

صورت ہے کیونکہ یہ اسی صورت میں ہوتی ہے۔ جب دو شخص کسی ایک امر کا مطالبہ کر رہے ہوں، ان میں سے ایک دوسرے کے لئے شفع ہوتا ہے چنانچہ لسان العرب میں ہے: شفاعت کے معنی کسی شفع کا وہ کلام ہے جس کے ذریعے وہ کسی دوسرے شخص کی حاجت کے لئے بادشاہ سے گفتگو کرے۔ شافع وہ، جو غیر کے لئے مطالبہ کرے اور مطلوب کی طرف سفارش کرے۔ عربی زبان میں کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کی فلاں کے پاس سفارش کی تو اس نے میرے شفاعت کو قبول فرمایا۔ تو اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی دعاء کے ساتھ ناپید ادمی نے وسیلہ پکڑا تھا۔ اس کا وسیلہ نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کے ساتھ نہ تھا۔

پنجم: رسول پاک ﷺ نے ناپید شخص کو جو دعا سکھائی، اس میں ایک جملہ یہ بھی تھا، وشفعنی فیہ، اور میری شفاعت آپ ﷺ کے بارہ میں قبول فرما، یعنی میری یہ دعا قبول کرو اور میرے بارے میں نبی کریم ﷺ کی شفاعت کو شرف قبولیت عطا فرما، آپ ﷺ کی دعا کے نتیجے میں میری بصارت واپس لوٹا دے۔ اس کے سوا اس جملہ سے اور کوئی مفہوم اخذ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

ششم: علماء کرام نے اس حدیث کو نبی کریم ﷺ کے معجزات آپ ﷺ کی دعا کے مستجاب ہونے اور آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے جو خرق عادت امور کا ظہور فرمایا، اور بتلائے آلام و مصائب لوگوں کو نجات دی، کے ضمن میں ذکر فرمایا ہے جیسا کہ امام بیہقی نے دلائل النبوة: ۱۶۶/۶، وخصائص الرسول لابن الملتن: ص ۲۹۸، میں ذکر کیا ہے۔

تنبیہ: سابقہ حدیث ضریر کے بعض طرق میں دو زائد امر بیان ہوئے ہیں جن کا شذوذ اور ضعف بیان کرنا از حد ضروری ہے، تاکہ قارئین کرام ان سے روشناس ہو سکیں، اور جن لوگوں نے ان سے غلط استدلال کیا ہے ان کے غلط استدلال سے دھوکے میں مبتلا نہ ہوں۔

پہلی زیادتی: تو حماد بن سلمہ کی ہے انہوں نے اس حدیث کو ابو جعفر خطمی سے بیان کیا ہے اور انہوں نے اس حدیث کی سند کو شعبہ کی روایت کے مطابق بیان کیا ہے اور متن کو اسی طرح بیان کیا ہے۔ مگر کچھ اختصار کے ساتھ اور آخر میں وشفع نبی فی ردبصری کے بعد یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ وان كانت حاجة فافعل مثل ذلک۔ ابو بکر بن ابی خیمہ نے اسے اپنی تاریخ میں بیان کرنے کے بعد کہا ہے: حدثنا مسلم بن ابراہیم حدثنا حماد بن سلمة به۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے، القاعدة الجلیلة: ۱۵۶، میں اس زیادتی کو حماد بن سلمہ کے تفر و اور شعبہ

کی روایت کی مخالفت کے باعث معلول قرار دیا ہے۔ شعبہ اس روایت کے سب راویوں سے جلیل المرتبہ ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا اس علت کو بیان کرنا قواعد حدیث کے عین مطابق ہے اور بالکل مخالف نہیں البتہ غماری کا المصباح: ص ۳۰، میں یہ قول کہ حماد ثقہ ہے اور صحیح کے رجال میں سے ہے، اور ثقہ راوی کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ غفلت یا تغافل پر منہی ہے۔ کیونکہ مصطلحات حدیث کا یہ متعین اصول ہے کہ ثقہ کی زیادتی اس وقت مقبول ہے جب وہ اپنے سے اوثق (زیادہ ثقہ) راوی کی مخالفت نہ کرے، چنانچہ حافظ ابن حجر نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں: و الزيادة مقبولة ما لم تقع منافية لمن هو اوثق، فان خولف بارجح، فالراجح المحفوظ ومقابلته الشاذ۔ یعنی زیادتی اس وقت مقبول ہوگی جب اس میں اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت واقع نہ ہوئی ہو، اگر مخالفت میں راجح روایت ہے تو راجح کو محفوظ کہیں گے اور اس کے مقابلے میں شاذ کہلائے گی۔

دوسری زیادتی: طبرانی نے معجم صغیر: ۲۰۶۱، اور معجم کبیر: ۹، ۱۸، ۱۸، و کتاب الدعاء: ۲/۱۲۸۸، میں اور دلائل النبوة ۱۶۶۶: ۱، میں امام بیہقی نے: عبد اللہ بن وہب، شعیب بن سعید کی، روح بن قاسم، ابو جعفر خطمی مدنی، ابو امامتہ، سہل بن حنیف اور عثمان بن حنیف کی سند سے روایات ذکر کی ہے، کہ ایک آدمی اپنی کسی ضرورت کے سلسلہ میں عثمان بن عفانؓ کی خدمت میں آتا جاتا رہتا تھا، لیکن آپؓ توجہ نہیں فرماتے تھے اور نہ اس کی حاجت پوری کرتے تھے، وہ آدمی عثمان بن حنیف سے ملا اور شکایت کی، تو انہوں نے کہا کہ وضوء کرو اور مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا کرو: اللھم انسی اسئلک واتوجه الیک بنی نامحمد ﷺ نبی الرحمة، یا محمد انی اتوجه بک الی ربک عزوجل، فی قضی لی حاجتی۔ الحدیث۔ یعنی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیری طرف اپنے نبی رحمت ﷺ کے (وسیلہ) کے ساتھ متوجہ ہوتا ہوں، اور اے محمد ﷺ میں تیرے ساتھ تیرے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں، کہ وہ میری حاجت کو پورا فرمادے۔ اور پھر اپنی حاجت بیان کر دینا، اور پھر میرے پاس آجانا، میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا، وہ آدمی چلا گیا اور اس نے ایسا ہی کیا، پھر وہ آدمی عثمان بن عفانؓ کے دروازے پر گیا، تو دربان نے اس کے ہاتھ کو پکڑ کر اندر داخل کر دیا، اور عثمانؓ نے اسے اپنے ساتھ چٹائی پر بٹھالیا، اور فرمایا کہ اپنی حاجت بیان کرو، اس نے اپنی حاجت بیان کی، تو عثمانؓ نے اسے پورا فرمادیا۔ اور فرمایا کہ اب تک تم نے اپنی حاجت ذکر کیوں نہ کی؟ تمہیں جو بھی حاجت پیش آئے تو ہمارے پاس آجانا، وہ آدمی عثمانؓ سے رخصت ہو کر جب عثمان بن حنیف سے ملا تو انہیں کہنے لگا، کہ اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر سے نوازے، عثمانؓ تو میری طرف توجہ ہی نہ فرماتے تھے، حتیٰ کہ آپ نے ان سے میرے بارے میں

گفتگو فرمائی، انہوں نے کہا واللہ! میں نے تو گفتگو نہیں کی، لیکن میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا جب آپ ﷺ کے پاس ایک نابینا شخص نے اپنی بینائی کے چلے جانے کی شکایت کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ صبر کرو، اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میرے پاس کوئی قائد نہیں، اور مجھے بجد تکلیف ہے، نبی ﷺ نے فرمایا وضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھو، اور پھر یہ دعا کرو، عثمان بن حنیف کہتے ہیں، واللہ! ہم ابھی تک جدا نہیں ہوئے تھے کیونکہ ہماری گفتگو طول پکڑ گئی تھی، حتیٰ کہ ہمارے پاس وہ آدمی آیا، اور اس طرح تھا گویا اسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

امام طبرانی فرماتے ہیں روح بن قاسم سے اس روایت کو صرف شیب بن سعید ابو سعید کی نے بیان کیا ہے، وہ ثقہ ہے۔ یہی وہ راوی ہے جس سے احمد بن شیب عن ابیہ عن یونس بن یزید الایلی کی سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں، اس حدیث کو شعبہ نے ابو جعفر خطمی سے بھی روایت کیا ہے، جن کا نام عمیر بن یزید ہے اور وہ ثقہ ہیں، لیکن شعبہ سے روایت کرنے میں عثمان بن فارس متفرد ہے اور حدیث صحیح ہے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ اس حدیث کی صحت میں تو کچھ شک نہیں اس وقت موضوع بحث یہ قصہ ہے جسے بیان کرنے میں شیب بن سعید متفرد ہے جیسا کہ امام طبرانی نے فرمایا: یہ شیب متکلم فیہ راوی ہے۔ خاص طور پر اس روایت میں تو یہ بالکل متفرد ہوتا ہے۔ جو ابن وہب نے ان سے روایت کی ہو، لیکن شیب بن سعید کے دو بیٹوں اسماعیل اور احمد نے ابن وہب کی متابعت کی ہے، اس میں اسماعیل مجہول ہے، اور اس کا بھائی احمد صدوق ہے۔ شیب کے بارے میں خلاصہ یہ ہے کہ یہ ثقہ ہے لیکن اس کے حفظ میں ضعف ہے، مگر جب اس کا یہ بیٹا احمد اس سے اور پھر یونس سے روایت کرتا ہے تو وہ جت ہے۔ تفصیل میزان الاعتدال وابن ابی حاتم کی جرح و تعدیل میں ملاحظہ کرے۔

خلاصہ کلام یہ کہ یہ قصہ تین امور کے باعث ضعیف اور منکر ہے (۱) اس روایت کے منفرد راوی ضعیف ہے (۲) اس راوی کے ساتھ اس تفرّد میں اختلاف کیا گیا ہے۔ (۳) اس متفرد راوی نے ثقات کی مخالفت کی ہے ان تین امور میں سے اگر کوئی ایک امر ہوتا تو وہ بھی اس قصہ کو ساقط کر دیتا، لیکن اب تو تینوں جمع ہو گئے ہیں۔ (از حاشیہ معجم کبیر طبرانی)۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں اگر یہ قصہ عثمان بن حنیف سے ثابت بھی ہو جائے تو انہوں نے اس آدمی کو نابینا شخص کی پوری دعا نہیں سکھائی تھی، بلکہ انہوں نے اس سے یہ جملہ، اللھم فشفعہ فی وشفعنی فیہ، ساقط کر دیا تھا، کیونکہ وہ اپنے عربی زبان جاننے کے سلیقہ کی بدولت سمجھتے تھے، کہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کے لئے بھی دعا کی،

جیسے کہ اس نابینا شخص کے لئے کی تھی۔ لیکن آپ ﷺ نے اس کے لئے چونکہ دعا نہیں فرمائی تھی لہذا انہوں نے اس جملہ کو ذکر نہ کیا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کتاب التوسل میں لکھتا ہے کہ رسول پاک ﷺ کے وصال کے بعد یہ جملہ کہنا باطل ہے۔ اس حدیث کا تفصیلی جواب کتاب التوسل: ۲۳۳، ۲۳۷، اور فتح المنان: ۳۳۵، ۳۳۹، ۳۶۹، ۳۷۰، جلاء العینین: ۴۵۳، صیابۃ الانسان: ۱۱، ۱۲۵، اور ۱۸۲، میں مذکور ہے۔

تیسری دلیل: ابن ابی الدنیانے کتاب مجابوا الدعوة: ۱۳۶، میں عبد الملک بن سعید بن حیان سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ اس کو آدمی آیا، اس کے پیٹ میں دو بیلا بیماری تھی۔ تو اس نے یہ دعا پڑھی: اللہ، اللہ، اللہ، ربی لا اشکرک بہ شیئا، اللهم انی اتوجه الیک بنبیک محمد ﷺ نبی الرحمة، یا محمد اتوجه بک الی ربک وربی، ان یرحمنی ممابى، رحمةً یغینى بهاعن رحمة من سواہ، ثلاث مرات. فقال له ابن ابجر لم اجس بطنہ قد برأت، ما بک علة، تو اس آدمی کو شفا نصیب ہوئی۔

یہ روایت منقطع ہے اور ایک عام آدمی کا عمل ہے، اس سے استدلال کرنا علماء کا کام نہیں۔

مذکورہ بالا تحقیق کے بعد اگر کوئی شوکانی کے قول سے استدلال کرے، تو یہ اس کی حماقت ہوگی، جو کہ اس نے تحفۃ الذاکرین: ۱۳۸، میں اس حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے کہ: وفى الحدیث دلیل علی جواز التوسل برسول اللہ ﷺ الی اللہ عزوجل، مع اعتقاده ان الفاعل هو اللہ سبحانه وتعالى. وانه المعطى المانع ماشاء كان وما لم یسأ لم یکن۔

چوتھی دلیل: یہ مبتدعین ابو سعید خدریؓ کی مرفوع روایت سے استدلال کرتے ہیں جس کو امام احمد نے: ۲۲۸/۱، میں اور ابن ماجہ: ۷۸، بطبرانی: ۴۲۱، وابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ: ۸۴، ابن ابی شیبہ: ۲۱۱/۱۰، مسند ابن الجعد: ۹۱/۲، وجعدیات: ۷۳۲۔ اور ابو حاتم نے ”العلل“: ۱۸۴/۲، میں ذکر کیا ہے۔ عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ من خرج من بیته الی الصلوة فقال: اللهم انی اسئلك بحق السائلین علیک، واسئلك بحق ممشای هذا، فانی لم اخرج اشرا ولا بطرا ولا ربا ولا سمعة، وخرجت اتقاء سختک وابتغاء مرضاتک، الخ۔ ابو سعید خدریؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جو شخص نماز کے لئے اپنے گھر سے نکلے اور یہ دعا پڑھے: اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اس حق کی وجہ سے جو مانگنے والوں کا تجھ پر ہے، اور اس چلنے کے حق کی وجہ سے، کیونکہ میں

غرور اور اترانے اور دکھلانے اور سنانے اور تکبر کے ساتھ گھر سے نہیں نکلا، تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنے چہرے اقدس کے ساتھ متوجہ ہوتے ہیں۔

اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اسے ابو سعید خدریؓ سے عطیہ عوفی نے روایت کیا ہے، اور عطیہ ضعیف ہے، جیسا کہ امام نووی نے الاذکار: ۳۲، میں، ابن تیمیہ نے القاعدۃ الجلیلیۃ، میں، ذہبی نے میزان میں ذکر فرمایا ہے، بلکہ انہوں نے الضعفاء: ۸۸/۱، میں لکھا ہے کہ عطیہ کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔ حافظ ھیثمی نے مجمع الزوائد کے کئی ایک مقامات، مثلاً: ۵۲۳۶، میں اسے ضعیف قرار دیا ہے، ابو بکر بن محبت بلعکی نے اسے الضعفاء والمتر وکین میں ذکر کیا ہے، بوسیری نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ صدوق ہے لیکن غلطیاں بہت کرتا ہے، شیعہ اور مدلس ہے، آپ نے اس کے ضعف کا سبب بھی بیان فرمایا ہے، وہ دو امر ہیں۔ ایک حفظ کا ضعف دوم تمدلیس ہے۔

پانچویں دلیل: مذکورہ حدیث کا ایک شاہد ابن السنی نے: ۵، میں بلالؓ سے نقل کیا ہے: عن بلال مؤذن رسول اللہ ﷺ قال کان رسول اللہ ﷺ اذا خرج الى الصلوة قال: بسم الله امنت بالله، تو كلت على الله لاحول ولا قوة الا بالله، اللهم بحق السائلين عليك وبحق مخرجي هذا، الحديث۔ یعنی رسول پاک ﷺ جب نماز کے لئے نکلے تو یہ دعا پڑھتے: اللہ کے نام سے، میں نے اللہ پر ایمان لایا، اللہ پر میں نے توکل کیا، اللہ کی توفیق کے بغیر نہ نیکی کی جاسکتی اور نہ برائی سے بچا جاسکتا ہے، اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرنے والوں کے حق، اور اپنے اس نکلنے کے حق سوال کرتا ہوں الخ۔ اس حدیث کو ابن السنی نے: عمل الیوم و اللیلۃ میں بطریق وازع بن نافع عقیلی از ابو سلمہ بن عبد الرحمن عن جابر بن عبد اللہ بیان کیا ہے۔ یہ حدیث سخت ضعیف ہے اس کے راویوں میں وازع آفت ہے، اسے جھوٹ سے کوئی چیز باز نہ رکھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ نووی نے الاذکار: ۳۲، میں بیان فرمایا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، اس کے راویوں میں سے ایک وازع بن نافع عقیلی ہے جس کے ضعف پر اتفاق ہے، اور وہ منکر الحدیث ہے۔ حافظ نے اس کی تخریج کے بعد لکھا ہے: یہ حدیث بہت واپسی ہے، امام دارقطنی نے اسے (الافراد، اطراف: ۲۷۴) میں اسی سند کے ساتھ بیان کر کے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں وازع متفرد ہے، اور اس کے ضعف پر اتفاق ہے اور وہ منکر الحدیث ہے۔

اور اسی طرح ابن حجر نے نتائج الافکار: ۲۶۶/۱، میں اس حدیث پر جرح کرتے ہوئے لکھتا ہے: هذا حدیث واه جدا، وقال فيه (ای فی الوازع) یحیی بن معین، لیس بثقة، متروک، وقال حاکم

روى احاديث موضوعه، وقال ابن عدی احاديثه كلها غير محفوظة، الخ۔ یہ دونوں حدیثیں ضعیف ہونے کی وجہ سے اس بات پر دلالت کرتی نہیں، کہ مخلوق کے ساتھ وسیلہ جائز ہے، بلکہ ان سے اسی مشروع وسیلہ ہی کی ایک نوعیت کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ جس کی بابت قبل ازیں گفتگو ہو چکی ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت کا وسیلہ پیش کرنا، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے والوں کے حق کا وسیلہ، اور نمازیوں کے چلنے کے حق کا وسیلہ مذکور ہے، اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے والوں کا حق کیا ہے؟ بلاشبہ ان کا حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعاؤں کو قبول فرمائے، اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کی دعاؤں کو قبول کرنا اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ اسی طرح مسلمان کے مسجد کی طرف چلنے کا حق کیا ہے؟ صرف یہ کہ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمادے جنت میں داخل کر دے اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت اور اپنے فرمانبردار بندوں کو جنت میں داخل فرمانا یہ سب رب تبارک و تعالیٰ کی صفات ہیں۔

اس حدیث کی تشریح میں علامہ سندھی نے، حاشیہ سنن ابن ماجہ: ۱/۲۶۲، میں فرمایا ہے: بحق السائلین علیک، ای متوسل الیک فی قضاء الحاجة وامضاء المسألة باللسائلین عندک من الفضل الذی يستحقونه علیک بمقتضى فضلک و وعدک وجودک واحسانک، ولا يلزم منه الوجوب المتنازع فيه، علیه تعالیٰ لکن لایہامہ الوجوب بالنظر الی الافہام القاصرة، یحترز عنہ علماءنا الحنفیة ویرون اطلاقہ لایخلو عن کراهة۔

اور محدث جلیل شاہ عبدالغنی دہلوی انجیح الحاجیہ حاشیہ ابن ماجہ: ۵۶، (مذکورہ حدیث کی تشریح میں) میں لکھتے ہیں: اعلم انه لاحق لاحد فی الحقيقة علی اللہ تعالیٰ، ولا یجب علیہ شیء عند اهل السنة، وانما هو رأی المعتزلة، الا ان له معینین، احدهما اللزوم والثانی الالتزام، فالاول كما قلنا، والثانی تفضل منه واحسان حیث التزم لنا باعمالنا ما سنا اهل الذلک، فهو الجواد والمنعم، یفضل علی عبادہ بما یشاء، فهذا المعنی ورد فی الاحادیث، فافہم، انتہی۔

چٹھی دلیل: ایسی مضمون کا ایک حدیث ابوامامہؓ سے امام طبرانی نے: ۳۱۶/۸، نقل کیا ہے جس حدیث ہے آخر میں یہ الفاظ ہیں: استلک بنور وجهک الذی اشرقت له السموات والارض وبکل حق هولک، وبحق السائلین علیک ان تقبلنی فی هذه الغداة اوفی هذه العشیة، وان تجیرنی من النار بقدرتک۔ میں

تیرے چہرہ اقدس کے اس نور کے ساتھ تجھ سے سوال کرتا ہوں جس کے باعث آسمان وزمین منور ہو گئے ہیں، اور ہر اس حق کے واسطے سے بھی جو تیرا ہے، اور تجھ سے سوال کرنے والوں کے حق کے واسطے سے بھی۔

علامہ پیشی مجمع الزوائد ۱۰/۱۱۱ میں لکھتے ہیں، کہ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے، اور اس میں فضال بن جبیر ہے جو کہ بالاتفاق ضعیف ہے۔ میں عرض کرتا ہوں کہ شدید ترین ضعیف ہے۔ ابن حبان نے اسے متہم قرار دیتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ شیخ گمان کرتا تھا کہ اس نے ابو امامہؓ سے سنا ہے، اور ان سے وہ روایت کرتا جو ان کی احادیث ہی نہیں ہیں۔ انہوں نے مزید یہ بھی لکھا ہے کہ یہ ہر حال میں ناقابل احتجاج ہے، اور بے اصل حدیثیں روایت کرتا ہے۔ ابن عدی نے الکامل میں لکھا ہے کہ اس کی سب حدیثیں غیر محفوظ ہیں۔

اور اس حدیث کا تفصیلی جواب صیانتہ الانسان: ۱۲۳، میں ہے جبکہ مذکورہ حدیث میں بھی ”بحق السائلین“ کے متعلق جو معنی گذر گئی وہ ادھر بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔ اس کا مزید تفصیل ابن ابی العز، شرح العقیدۃ الطحاویۃ: ۲۹۵/۱، میں فرماتا ہے، مذکورہ حدیث کی تشریح میں، فہذا حق السائلین هو اوجبه علی نفسه، فهو الذی احق للسائلین ان یجیبہم، وللعبادین ان یشیہم،

ولقد احسن القائل:

کلا ولا سعی لیدیہ ضائع

ماللعباد علیہ حق واجب

فبفضله وهو الکریم الواسع

ان عذبوا فعدله او نعموا

فان قيل فای فرق بین قول الداعی بحق السائلین علیک وبين قوله (بحق) نبيک) او نحو ذلك؟ فالجواب: ان معنى قوله (بحق السائلین علیک، انک وعدت السائلین بالاجابة، وانا من جملة السائلین، فاجب دعائی، بخلاف قوله: بحق فلان، فان فلانا وان كان له حق على الله بوعده الصادق، فلان مناسبة بين ذلك وبين اجابة دعاء هذا السائل، فكأنه يقول لكون فلان من عبادک الصالحین اجب دعائی، وای مناسبة فی هذا، وای ملازمة، وانا هذا من الاعتداء فی الدعاء، وقد قال تعالى ”ادعوا بکم تضرعوا وخفية انه لا یحب المعتدین“ اعراف: ۵۵، وهذا ونحوه من الادعية المبتدعة، ولم یقل عن النبی ﷺ ولا عن الصحابة ولا عن التابعین ولا عن احد من الائمة رضوان الله عنهم اجمعین. وانا یوجد مثل هذا فی الحروز و الهياكل التي یکتبها الجهال و الطرقة. و الدعاء من افضل العبادات، و العبادات مبناها علی السنة و الاتباع لا علی الهوی و الابتداع، وان

کان مراده الاقسام على الله بحق فلان فذلك محذور ايضا، لان الاقسام بالمخلوق على المخلوق لا يجوز فكيف على الخالق؟ وقد قال من حلف بغير الله فقد اشرك، مسند احمد: ۲/۶۹، ۸۷، ۱۲۵، وابوداؤد: ۳۲۵۱، و الترمذی: ۱۵۳۵. ولهذا قال ابو حنيفة وصاحباہ، يكره ان يقول الداعي اسئلك بحق فلان او بحق انبيائك ورسلك وبحق البيت الحرام و المعشر الحرام ونحو ذلك۔ حاصل اس کا یہ ہے اگر یہ حدیث صحیح مان لی جائے تو اس کا معنی یہ ہے کہ کہنے والا اللہ تعالیٰ کی صفت اجابت کا وسیلہ لیتا ہے، کیونکہ سوال کرنے والے کا اللہ پر حق یہ ہے، کہ اللہ ان کی دعائیں سن لے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”ادعونی استجب لکم“ اور اجابت اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اور صفات الہی کا وسیلہ اعلیٰ ترین مشروع وسیلہ ہے۔

یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ جب بحق السائلین علیک کہنا صحیح ہو سکتا ہے تو بحق نیک یا بحق فلان کہنا کیوں صحیح نہیں ہو سکتا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بحق السائلین کہنے والا خود بھی سائل ہوتا ہے، اس لئے وہ اپنے حق سوال کے وسیلہ سے دعا کرتا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، اور وعدہ بھی، لیکن جو شخص ”بحق النبی“ وغیرہ کہتا ہے تو سائل کو نبی وغیرہ کے حق سے کوئی تعلق نہیں ہوتا، دوسرے لفظوں میں وہ یوں کہتا ہے، کہ اے اللہ! چونکہ تیرا فلاں بندہ صالح ہے اس لئے میری دعا قبول فرما، تو کسی اور کی صالحیت اور حق سے سائل کو کیا تعلق؟ بلکہ یہ تو ایک طرح سے دعائیں زبردستی کرنی ہے، حالانکہ دعائیں عاجزی اور مسکنت کی تاکید کی گئی ہے جیسا کہ سورہ اعراف: ۵۵، میں مذکور ہے، نیز اس قسم کی دعائیں نہ تو نبی ﷺ سے منقول ہیں نہ صحابہ کرام نہ تابعین نہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی سے منقول ہیں۔ اور دعا افضل ترین عبادت ہے اور عبادات کی بنیاد سنت اور اتباع پر ہے نہ کہ ہوا اور بدعات پر۔

ساتویں دلیل: اور دعائیں بحق النبی وغیرہ کے متعلق جو حدیث مشہور ہے انسؓ سے: کہ جب فاطمہ بنت اسد بن ہاشم یعنی علیؓ کی والدہ فوت ہوئیں، تو انہوں نے اسامہ بن زید، ابو ایوب انصاریؓ، عمر بن خطابؓ، اور ایک سیاہ رنگ کے غلام کو بلوایا، جنہوں نے قبر کھودی، جب نبی کریم ﷺ اس قبر میں داخل ہوئے تو لیٹ گئے، اور آپ ﷺ نے یہ دعا کی: اللہ الذی یحی ویمیت وھو حی لا یموت، اغفر لامی فاطمۃ بنت اسد، ولقنها حاجتها، ووسع مدخلها، بحق نیک و الانبیاء الذین من قبلی، فانک ارحم الراحمین، الحدیث۔ اللہ ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے، وہ زندہ ہے جو کبھی فوت نہ ہوگا، اے اللہ! میری ماں فاطمہ بنت اسد کو معاف فرمادے۔ اسے ان کی دلیل کی تلقین فرما، اور ان

کی قبر کو کشادہ فرما، اپنے نبی اور مجھ سے پہلے کے انبیاء کے حق کے ساتھ، بے شک تو رحم الراحمین ہے۔ اس روایت کو طبرانی نے کبیر: ۲۴/۳۵۳، میں اور اوسط: ۱۵۳، میں اور ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء: ۱۲۱، اور بیہقی نے مجمع الزوائد: ۹/۲۵، میں نقل کیا ہے لیکن طبرانی نے نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ غریب من حدیث عاصم و الثوری، لم نکتبه الامن حدیث روح بن صلاح، تفرّد به، میزان الاعتدال: ۲/۵۸، میں اس کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ ضعیف ہے، ابن عدی، دارقطنی اور ابن ماکولا وغیرہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ تفصیلی کلام سلسلہ ضعیفہ: ۳۲، میں ملاحظہ کیجئے۔

آٹھویں دلیل: جو کہ امیہ بن عبد اللہ بن خالد بن اُسَید سے روایت ہے کہ: کان رسول اللہ ﷺ یستفتح ویستنصر بصعاليك المسلمين (المہاجرین) الطبرانی کبیر: ۱/۲۹۲، مجمع الزوائد: ۱۰/۲۶۲، شرح السنۃ: ۱۴/۲۶۲، یعنی نبی کریم ﷺ فقراء مہاجرین کے ساتھ فتح و نصرت طلب کیا کرتے تھے۔ مخالفین کا خیال ہے کہ یہ حدیث اس بات کا فائدہ دیتی ہے کہ نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کیا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ ضعیف اور مسکین مہاجرین کے وسیلہ سے فتح عطا فرمادیا کرتے تھے۔

ان کے خیال میں یہ مختلف فیہ وسیلہ ہے، ہم اس کا جواب دو طریقوں سے دیں گے۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ طبرانی نے اس حدیث کو کبیر: ۱/۲۹۲، میں بیان کیا ہے کہ حدیثنا محمد بن اسحاق بن راہویہ حدیثنا ابی حدیثنا عیسیٰ بن یونس حدیثنا ابی عن ایبہ بہ۔ دوسری سند اس طرح ہے کہ حدیثنا عبد اللہ بن محمد بن عبد العزیز البغوی بن عبید اللہ بن عمر القواریری حدیثنا یحییٰ بن سعید عن سفیان عن ابی اسحاق عن امیہ بن خالد۔

پھر انہوں نے بطریق قیس بن ربیع عن ابی اسحاق عن المہلب عن ابی صفرة عن امیہ بن خالد مر فو عا روایت کیا ہے۔ اور الفاظ یہ ہیں: یستفتح ویستنصر بصعاليك المسلمين۔ آپ فقراء مسلمانوں کے ساتھ فتح و نصرت طلب کیا کرتے تھے۔ اس حدیث کا دارودمدار، اس امیہ پر ہے اور ان کا صحابی ہونا ثابت نہیں تو یہ حدیث مرسل و ضعیف ہے، ابن عبد البر الاستیعاب: ۳۸۱، میں فرماتے ہیں میرے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں ہیں، حافظ ابن حجر ”الاصابہ“: ۳۳۱، میں فرماتے ہیں کہ ان کی صحبت و روایت ثابت نہیں ہے، اس میں ایک دوسری علت بھی ہے اور وہ ہے ابواسحاق کا اختلاف اور عن عنہ کیونکہ یہ مدلس تھا، مگر سفیان نے ان سے قبل از اختلاف سنا تھا۔ لیکن عن عنہ کی علت باقی رہ گئی۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح بھی ہو تو یہ صالحین کی دعا کے اس وسیلہ پر دلالت نہیں کرتی، جس پر حدیث عمرؓ اور حدیث اعمیٰؓ دلالت کرتی تھی۔ اس حدیث کے معنی بیان کرتے ہوئے مناوی: فیض القدر میں فرماتے ہیں کہ کان یستفتح کے معنی یہ ہیں کہ نبی کریم ﷺ درج ذیل ارشاد ربانی کے ساتھ جنگ شروع فرمایا کرتے تھے۔ ﴿ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح﴾۔ الانفال: ۱۹، اگر تم فتح طلب کرو تو تمہارے پاس فتح آچکی ہے۔ یہ معنی علامہ زمخشری نے ذکر کیا ہے، اور یسنصر بضعالیک المسلمین کے معنی یہ ہے کہ آپ فقیر مسلمانوں کی دعاؤں کے ساتھ فتح نصرت طلب کیا کرتے تھے۔

یہ تفسیر حدیث نبوی سے بھی ثابت ہے امام نسائی نے ۲/۱۵۸، ۲۵، میں ان الفاظ کے ساتھ حدیث بیان کی ہے: انما ینصر اللہ هذه الامة بضعیفها، بدعوتهم، وصلاحهم، واخلاصهم۔ یعنی اللہ اس امت کی اس کے کمزور لوگوں، ان کی دعاؤں، نمازوں اور اخلاص کے ساتھ مدد فرمائے گا۔ اور اصل حدیث صحیح بخاری مع الفتح: ۶/۱۸۳، میں ہے، اور یہی تاویل موصلی نے کتاب الزہد: ۲۵۴، ۲۵۵، اور طبرانی معجم اوسط: ۸۸/۵، میں مرفوعاً ذکر کیا ہے۔

نویس دلیل: مذکورہ حدیث کی شاہد، روایت سعد بن مالک ہے جو کہ امام احمد نے مسند احمد: ۸۶/۳، میں نقل کیا ہے کہ: قال قلت یارسول اللہ، الرجل یكون حامیة القوم، ایكون سہمہ وسہم غیرہ سواء؟ قال ثکلتک امک ابن ام سعد، وهل ترزقون وتنصرون الابطضعفائکم۔ لیکن یہ حدیث بھی منقطع ہے، مکتول شامی نے سعد سے یہ روایت سنا نہیں۔ یہ روایت ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء ۸/۹۰، میں ذکر کیا ہے، اور یہ الفاظ ذکر کئے ہیں کہ: بدعوتهم واخلاصهم۔ اور اسی طرح: ۲۶/۵، میں بھی نقل کیا ہے جبکہ: ۱۰۰/۵، میں نقل کیا ہے کہ: قال رسول اللہ ﷺ ینصر المسلمون بدعاء المستضعفین۔

البتہ حافظ ابن حجر نے فتح الباری: ۸۹/۶، و، م: ۱۸۲/۶، میں فرمایا ہے: قال ابن البطال تاویل الحدیث، ان الضعفاء اشد اخلاص فی الدعاء، واکثر خشوعا فی العبادۃ، لخلایا قلوبہم عن التعلق بزخرف الدنیا۔ وقال المہلب اراد اللہ ﷺ بذلك حض سعد علی التواضع ونفی الزهو علی غیرہ۔ وترک احتقار المسلم فی کل حالۃ۔ ثم اورد الحافظ حدیث المسند، وجمع بینہ وبين حدیث البخاری وقال: فالمراد بالفضل ارادة الزیادة من الغنیمۃ، فاعلمہ النبی ﷺ ان سہام المقاتلۃ سواء، فان کان القوی ینرجح بفضل شجاعته فان الضعیف ینرجح بفضل دعائه واخلاصہ۔

دسویں دلیل: مذکورہ حدیث کی دوسری شاہد، روایت ابوالدراءؓ ہے کہ: سمعت رسول اللہ ﷺ يقول

ابغونی ضعفاکم، فانکم انما ترزقون وتنصرون بضعفائکم۔ اس روایت کو امام احمد: نے ۶۰۳۶، میں ترمذی رقم: ۱۷۰۲، ابن حبان: ۴۷۶۷، ابوداؤد: ۲۵۹۳، وغیرہ نے نقل کیا ہے لیکن اس کا بھی وہی معنی ہے جو پہلے گذر گیا۔

علی القاریؒ اس کی تاویل میں لکھتے ہیں فیرجی تاثیر دعائهم اکثر من عوام المؤمنین واغنیائهم: مرقات: ۷۹۔ اور تحفۃ الاحوذی والا بھی لکھتا ہے کہ ببرکة دعائهم، بدرالدین عینی اور امام قرطبی اور صاحب فیض الباری نے بھی یہی تاویل لکھا ہے۔

گیارھویں دلیل: ان کا ایک مستدل، وسیلۃ آدم والی حدیث ہے، کہ عرش پر آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ لکھا ہوا تھا کہ ”لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ“ اور پھر آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ کے وسیلہ سے دعا مانگی۔ اس روایت کا تفصیل سورہ بقرہ: ۳۷، میں گذر گئی ہے اور ابن تیمیہ نے قاعدہ جلیلہ: ۸۹، میں اس پر تفصیلی رد کیا ہے۔

بارھویں دلیل: ابن تیمیہ نے: قاعدہ جلیلہ: ۱۹، میں ان لوگوں کا ایک مستدل یہ ذکر کیا ہے: اذا سئلتم اللہ فاسئلوه بجاہی فان جاہی عند اللہ عظیم۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے سوال کرو، تو میرے جاہ کے ذریعے وسیلہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں میرا جاہ بہت بڑا ہے۔ یہ ایک بالکل باطل روایت ہے۔ کتب حدیث میں اس کا بالکل کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ اسے علم سنت سے نا آشنا بعض جاہل لوگ بیان کیا کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ مزید فرماتا ہے کہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی ﷺ کا جاہ سب انبیاء و مرسلین کے جاہ سے عظیم ترین ہے۔ لیکن مخلوق کا خالق کے ہاں جاہ اس طرح نہیں ہوتا جس طرح مخلوق کا جاہ مخلوق کے ہاں ہوتا ہے۔ کیونکہ خالق کے ہاں اس کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کر سکتا، جبکہ مخلوق کے ہاں بغیر اذن کے بھی شفاعت کر سکتا ہے، کیونکہ حصول مطلوب میں وہ شریک ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی کریم ﷺ کا جاہ و مرتبہ عظیم ہے تو ہم آپؐ کی ذات کے ساتھ وسیلہ اختیار کریں، کیونکہ اس کا آپ ﷺ سے حکم ثابت نہیں ہے۔

جبکہ ابن ابی العز کا قول لفظ جاہ کے متعلق پہلے ذکر ہوا، کہ یہ لفظ ادعیہ میں استعمال کرنا صحیح نہیں۔

تیرھویں دلیل: ابن ابی شیبہ نے: ۶۲/۱۷، مالک الدار سے نقل کیا ہے جو کہ عمرؓ کے خازن تھے، بیان کیا ہے کہ:

حدثنا ابو معاویہ عن الاعمش عن ابی صالح عن مالک الدار قال: وکان خازن عمر علی الطعام،

قال اصاب الناس قحط في زمن عمر، فجاء رجل الى قبر النبي ﷺ، فقال يا رسول الله! استسق لامتك، فانهم قد هلكوا، فاتى الرجل في المنام، فقيل له ائت عمر، فاقرئه السلام، واخبره انكم مسقيون، وقل له عليك الكيس، عليك الكيس، فاتى عمر فاخبره فبكى عمر ثم قال: يارب لا آلو الا ما عجزت عنه۔ اسی سند سے ابن عسا کرنے تاریخ دمشق: ۳۲۵/۲۴، و، ۲۸۹/۵۶، میں اور ابن ابی خيثمه نے التاريخ الكبير: ۸۰/۲، میں اور ابن عبد البر نے: الاستيعاب: ۱۴۹/۳، اور ابو يعلى نے كتاب الارشاد: ۳۱۴/۱، میں بخاری نے تاریخ كبير: ۳۰۴/۷، بیہقی نے دلائل النبوة: ۴۷/۷، میں اور عبد الرزاق: ۹۴، ۹۳/۳، البدایہ والنہایہ: ۹۱/۷، فتح الباری: ۲/۹۵، اور ذہبی نے تاریخ اسلام: ۳/۲۷، میں۔ ان سب نے ایک ہی سند سے نقل کیا ہے۔ یعنی عمرؓ کے دور میں لوگ قحط میں مبتلا ہو گئے، تو ایک شخص نبی کریم ﷺ کی قبر کے پاس آ کر کہنے لگا یا رسول اللہ! اپنی امت کے لئے بارش طلب کیجئے کیونکہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے وہ ہلاک ہو رہے ہیں، چنانچہ جب یہ آدمی سویا تو اسے خواب میں کہا گیا کہ عمر کے پاس جاؤ، الحدیث۔ سیف نے فتوح میں ذکر کیا ہے کہ مذکورہ خواب دیکھنے والے بلال بن حارث مزینی تھے جو کہ صحابہ کرام میں سے ہیں۔

اس کا جواب کئی وجوہ سے دیا جاسکتا ہے: چنانچہ پہلی وجہ یہ ہے کہ ہم اس قصہ کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں، کیونکہ مالک الدار، عدالت و ضبط میں غیر معروف ہے، اور ہر صحیح سند کے لئے یہ دو شرطیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، جیسا کہ اصول حدیث میں یہ بات تسلیم شدہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے الجرح والتعديل: ۲۱۳/۸، میں اسے ذکر کیا ہے اور مالک دار سے اس ابوصالح کے سوا کوئی اور راوی ذکر نہیں کیا، گویا اس سے وہ یہ بات باور کرانا چاہتے ہیں کہ یہ مجہول ہے، اس کی اس بات سے بھی تائید ہوتی ہے کہ امام ابن ابی حاتم نے وسعت حفظ و اطلاع کے باوصف کسی سے اس کی توثیق ذکر نہیں کی، جس کا معنی یہ ہے کہ یہ فی الواقع مجہول ہے، اور یہ حافظ کے اس قول کے منافی نہیں ہے، کہ صحیح سند کے ساتھ بروایت ابی صالح سمان، کیونکہ ساری سند کی تصحیح کے سلسلہ میں یہ کوئی نص نہیں ہے بلکہ فقط ابوصالح تک سند صحیح ہے، اور اگر یہ بات نہ ہوتی تو حافظ، ابوصالح سے اس سند کی ابتداء نہ کرتے، بلکہ مالک دار سے اس کی ابتداء کرتے ہوئے فرماتے کہ اس کی سند صحیح ہے، لیکن انہوں نے جو کیا ہے قصد ایسا کیا ہے، تا کہ وہ اس طرف توجہ مبذول کرا سکیں کہ یہ مقام غور ہے۔ علماء ایسا کئی اسباب کے پیش نظر کیا کرتے ہیں، کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ انہیں بعض راویوں کے حالات اس وقت متحضر نہیں ہوتے، لہذا وہ ساری سند کو حذف کر دینا جائز نہیں سمجھتے، کیونکہ اس سے سند کے صحیح ہونے کا وہم ہوتا ہے، بالخصوص بوقت استدلال،

بلکہ صرف اتنا حصہ ذکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں جو قابل غور ہوتا ہے۔

حافظ نے یہاں اسی طرح کیا ہے، گویا آپ یہاں اشارہ کر رہے ہیں، کہ ابوصالح سامان، مالک الدار سے اس روایت کرنے میں متفرّد ہیں، جیسا کہ ابن ابی حاتم سے ان کا نقل کرنا اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ اس مالک کے حالات کو معلوم کرنا چاہئے یا ابن ابی حاتم کا اس طرف اشارہ ہے کہ یہ روای مجہول ہے واللہ اعلم۔ مزید تفصیل کے لئے کتاب الارشاد کا حاشیہ دیکھئے۔

چودھویں دلیل: ایسی ایک واقعہ ابن ابی خیمہ نے محمد بن منکدر سے تاریخ: ۲۵۸/۲، میں نقل کیا ہے، لیکن اس کی سند میں اسماعیل بن یعقوب تبی ہے جو کہ ساقط الاعتبار ہے، اور واقعہ محمد بن المنکدر کا ہے صحابی یا نبی کا قول نہیں۔

پندرھویں دلیل: اسی مضمون کا ایک دوسرا واقعہ جو کہ واقعہ اعرابی سے مشہور ہے، وہ سورہ نساء میں تفصیل کے ساتھ گذر گئی ہے، مزید یہ کہ یہاں چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے قبر کو بہ نیت دعا (یعنی وہاں اپنے لئے دعا مانگنا) جانا ممنوع ہے، اور اس حدیث پر عمل نہ کرنے کا مرتکب ہوتا ہے جو کہ اس الفاظ سے مشہور ہے [لا تجعلوا قبری عیداء الحدیث یہ حدیث ابوداؤد: ۲۰۴۲، اور مسند احمد: ۲/۳۶۷، میں منقول ہے] یہی معنی رسول اللہ ﷺ کے نواسے علی بن حسینؑ نے اس حدیث سے مستنبط کیا ہے، جو کہ مشہور واقعہ ہے: اسماعیل قاضی نے فضل الصلوٰۃ: ۱۱۴، ۱۲۹، میں نقل کیا ہے۔ ابن عساکر نے تاریخ دمشق: ۲/۶۲۱۳، مسند ابی یعلیٰ نے: ۱/۳۶۱، مصنف عبدالرزاق: ۳/۵۷۷، مصنف ابن ابی شیبہ: ۲/۳۷۵، الاحادیث المختارہ: ۲/۴۹، تاریخ الاسلام للذہبی: ۶/۳۲۹، وسیر اعلام النبلاء، ۴/۴۸۲، مسند بزار: ۲/۱۲۸، کہ: حدثنا ابو بکر زید بن حباب ثنا جعفر بن ابراہیم من ولد ذی الجناحین قال حدثنی علی ابن عمر عن ابیہ عن علی ابن حسین، انه رأى رجلا یجئ الی فرجة کانت عند قبر النبی ﷺ، فیدخل فیہا فیدعو، فدعاہ فقال الا احدثک بحدیث سمعته من ابی عن جدی عن رسول اللہ ﷺ، قال لا تتخذوا قبری عیداء، ولا بیوتکم قبورا، وصلوا علی فان صلاتکم تبلغنی حیث ما کنتم۔

علی ابن حسینؑ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قبر کے نزدیک ایک آدمی اس ہول (غار) کے قریب دعا کرتے تھے۔ جو وہاں موجود تھا، تو اس نے ان کو کہا کہ قبر کے نزدیک دعا نہ کرے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ، میری قبر کو عبادت خانہ مت بناؤ، اور جہاں بھی ہو مجھ پر درود پڑھو، تمہاری درود مجھے پہنچتا ہے۔ یہ الفاظ ابن ابی شیبہ کی ہے

یہ مختلف طرق سے مذکورہ کتب میں موجود ہیں، ابن تیمیہ نے اقتضاء الصراط المستقیم: ۲۹۸/۱، میں اور قاعدہ جلیلیہ: ۱۲۲، میں اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا ہے: یہ حدیث صحیح ہے، اور وہاں دعا کرنا علماء امت کی نظر میں صحیح نہیں بلکہ دعا کرتے وقت رو بہ قبلہ ہونا چاہئے۔

اور جو قول امام مالک سے قاضی عیاض نے الشفاء: ۴۱۶/۲، و اتحاف الزائر: ۱۱۶، وغیرہ میں نقل ہے کہ، قال مالک لابی جعفر منصور، حین سأل عنه، فقال یا ابا عبد اللہ استقبل القبلة و ادعو، ام استقبل رسول اللہ ﷺ؟ فقال: ولم تصرف وجهک عنه، و هو وسیلتک و وسیلة ابیک آدم، الی اللہ یوم القيامة، بل استقبله و استشفع به، فیشفعک اللہ، ثم قرأ اية النساء [۶۴]۔ تو یہ امام مالک کی اپنی رائے ہے۔

سولھویں دلیل: ان کا ایک متادل حدیث ابن عباسؓ ہے جو کہ مستدرک: ۲۶۳/۲، اور دلائل النبوة: ۶۲/۷، میں منقول ہے۔ اور امام ذہبی نے اس کے متعلق لکھا ہے، کہ اس میں عبد الملک راوی ہے جو کہ متروک اور مالک ہے مزید تفصیل اس کا سورہ بقرہ: ۸۹، میں ذکر ہوا ہے۔

جبکہ امام ذہبی نے تاریخ الاسلام: ۲۴۶/۲، میں عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس اور دیگر صحابہ سے مذکورہ آیت کا تفسیر اس طریقہ سے نقل کیا ہے کہ: كانت العرب تمر باليهود فيؤذونهم و كانوا يجدون محمدا في التوراة فيسألون الله ان يعثه فيقاتلون معه العرب فلما جاءهم ما عرفوا كفروا به حين لم يكن من بني اسرائيل۔ یعنی جب کبھی عرب کے مشرکین یہودیوں سے ملتے اور ان کو تکلیف وغیرہ دیتے تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب اللہ تعالیٰ کی سچی کتاب لیکر ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرتے ہیں کہ اے اللہ! اس نبی کو جلد بھیج، جس کی صفات ہم تو رات میں پاتے ہیں، تاکہ ہم ان پر ایمان لا کر ان ساتھ ہو کر تم سے لڑیں گے، لیکن جب یہ نبی مبعوث ہوئے تو یہ صاف انکار کر بیٹھے۔

سترھویں دلیل: اور یہ لوگ جو داؤد علیہ السلام کا جو قول نقل کرتے ہیں: جس کو مسند بزرار: ۱۳۳/۴، میں اور حلیۃ الاولیاء: ۱۹۵/۵، میں نقل کیا ہے کہ: حدثنا ابو کریب قال نازید بن حباب قال نا ابو سعید عن علی بن زید عن الحسن عن الاحنف عن العباس عن النبی ﷺ قال: قال داود علیه السلام اسألک بحق آبائی ابراهیم و اسحاق و یعقوب، فقال اما ابراهیم فالقی فی النار فصبر من اجلی، و تلک بلیة لم تنلک، و اما اسحق فبذل نفسه للذبح فصبر من اجلی و تلک بلیة لم تنلک، و اما یعقوب فغاب یوسف عنه و تلک بلیة

لم تنلک - یہ روایت ضعیف ہے، خود بزار نے کہا ہے کہ: ایک سند سے مرسل ہے اور دوسری روایت میں ابوسعید حسن بن دینار ضعیف ہے۔ اور علی بن زید بھی ضعیف ہے، تقریب: ۳۷۲/۳، پیشمی نے مجمع الزوائد: ۲۰۲/۸، وکشف الاستار: ۱۰۰/۳، میں لکھا ہے کہ یہ روایت بزار نے ضعیف سند سے نقل کیا ہے، جبکہ ابن تیمیہ کتاب التوسل: ۲۱۹، میں لکھتا ہے کہ: وھذا وان لم یکن من الدلالة الشرعية، فالاسرائیلیات یعتضدبھا ولا یعتمد علیھا یعنی یہ اسرائیلی روایت ہے (حکم اس کا واضح ہے)۔

اٹھارھویں دلیل: امام شعبیؒ کا ایک واقعہ جو کہ ابن عساکر نے: ۱۷۲/۳۱، میں نقل کیا ہے کہ: اخبرنا ابو محمد ہبہ اللہ بن احمد بن طاؤس انبأ طراد بن محمد انابو الحسن بن بشران انابو علی بن صفوان نابو بکر بن ابی الدیاح حدثنی ابو الحسن احمد بن عبد الاعلی الشیبانی ناسماعیل بن ابان العامری ناسفیان الثوری عن طارق بن عبد العزیز عن الشعبي قال لقد رأیت عجا، کتابفناء الکعبہ انابو عبد اللہ بن عمرو عبد اللہ بن الزبیر ومصعب بن الزبیر وعبد الملک بن مروان، فقال القوم بعد ان فرغوا من حدیثهم، لیقم کل رجل منکم فلیأخذ بالرکن الیمانی ویسأل اللہ حاجتہ، فانه یعطی من ساعتہ، قم یاعبد اللہ بن الزبیر فانک اول مولود ولد فی الهجرة، فقام فاخذ بالرکن الیمانی ثم قال: - اللھم انک عظیم ترجی لکل عظیم اسألک بحرمة وجهک وحرمت عرشک وحرمت نبیک الاتمیتنی من الدیاحتی تولینی الحجاز ویسأل علی بالخلافة، وجاء حتی جلس، فقالوا قم یامصعب بن الزبیر، فقام حتی اخذ بالرکن الیمانی، فقال انک رب کل شیء والیک یصیر کل شیء اسألک بقدرتک علی کل شیء ان لاتمیتنی من الدیاحتی تولینی العراق وتزوجنی سکینة بنت الحسن، وجاء حتی جلس، وقالوا قم یاعبد الملک بن مروان، فقام فاخذ بالرکن الیمانی فقال: اللھم رب السموات السبع ورب الارضین السبع ذات النبت بعد القفر، اسألک بحقک علی جمیع خلقک وبحق الطائفین حول عرشک ان لاتمیتنی من الدیاحتی تولینی شرق الارض وغربھا ولا ینازعنی احد الا تیت برأسه، ثم جاء حتی جلس، ثم قالوا قم یاعبد اللہ بن عمرو فقام حتی اخذ بالرکن الیمانی ثم قال: اللھم انک رحمن رحیم اسألک برحمتک التي سبقت غضبک واسألک بقدرتک علی جمیع خلقک ان لاتمیتنی من الدیاحتی توجب لی الجنة، قال الشعبي وما ذهبت عینای من

الدنیاحتی رأیت کل رجل منه قد اعطی ماسأل، وبشر عبد اللہ بن عمر بالجنة ورتبت له۔ اس روایت کو ابن ابی الدنیانے کتاب مجاہد الدعوة: ۱۰۹، میں ذکر کیا ہے مذکورہ سند کے ساتھ۔

اس واقعہ سے ان لوگوں کا یہ استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ اس کی سند میں اسماعیل بن ابان العامری ہے اور اس کے متعلق امام ذہبی میزان الاعتدال: ۱۱۱، میں لکھتا ہے: کذبہ یحییٰ بن معین، اور امام بخاری سے نقل کیا ہے کہ امام احمد اور دیگر محدثین نے اس کو ترک کیا تھا، ابن حبان نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ يضع الحديث على الثقات یعنی محدثین پر اپنے طرف سے احادیث گھڑتے تھے۔ امام مزی تہذیب الکمال: ۱۱۳، میں لکھتا ہے کہ امام بخاری نے اس کو متروک سمجھا، اور اسی طرح ابو ذر سے بھی نقل کیا ہے، کہ اس کے احادیث متروک ہیں، جر جانی سے نقل کیا ہے کہ ظہر منہ الکذب۔ امام مزی اس کے متعلق لکھتا ہے: وهو مجمع على ضعفه۔ مزید تفصیل کتاب الضعفاء للعقيلي: ۱۸۲، کتاب الحجر و حین: ۲۸، ۱، اکال: ۳۰۳، الضعفاء لددار قطنی: ۷۵۔ تہذیب التہذیب: ۱/۲۰۷۔ میں ملاحظہ کرے۔

انیسویں دلیل: مسند فردوس: ۳۹۶، منتخب کنز العمال: ۹۲، میں ایک روایت بغیر سند کے موجود ہے: علیؑ اور عمرؓ سے منقول ہے: اذا شجاک شیطان او سلطان فقل: یا من یکفی من کل احد ولا یکفی منه احد، یا احد من لا احد له، یا سند من لا سند له، انقطع الرجاء الا منک، فکنی مما انافیہ واعنی علی ما انافیہ ما قد نزل، بجاہ وجہک الکریم بحق محمدؐ وآمین۔

اس روایت کی سند ”تسدید القوس“ میں ابن حجر نے یوں بیان کیا ہے: من رواية ابی عبد اللہ الجرجانی عن شفیق عن ابراہیم بن ادہم عن موسیٰ بن یزید عنہ۔ اس میں موسیٰ بن یزید مجہول ہے، اور شفیق بلخی منکر الحدیث ہے، امام ذہبی نے میزان الاعتدال: ۲۷۹، میں اس کے متعلق تفصیل کیا ہے۔ اور سیوطی نے اللالی المصنوعة: ۳۵۲، میں بحوالہ ابن الجرار اس روایت کو عمرؓ اور علیؓ سے لے لی نقل کی ہے جس میں لفظ ”وبحق کل عبد“ ہے لیکن پہلے سے معلوم ہوا کہ یہ سند ناقابل اعتبار ہے۔

بیسویں دلیل: یہ لوگ امام ذہبیؒ نے عبد الرحمن بن ربیعہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے سے استدلال کرتے ہیں، جو کہ اس نے تاریخ اسلام: ۲۴۳/۳، اور ۳۲۲، میں ذکر کیا ہے۔ ثم قاتلهم فاستشهد، اعنی عبد الرحمن بن ربیعہ، فاخذ اخوه سلمان بن ربیعہ الراية، وتحيز بالناس، قال فهم یعنی الشرک يستسقون بجسد عبد

الرحمن حتی الآن۔ یہ واقعہ خلیفہ نے تاریخ: ۱۶۵، میں اور طبری نے تاریخ: ۳۰۴/۳، ۳۰۶، میں اور ابن عدی نے تاریخ: ۳/۳۲، ۳۴، میں ذکر کیا ہے۔ لیکن اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں اس لئے کہ یہ ترکوں اور عوام کا عمل ہے، جس کا دین میں کوئی اعتبار نہیں۔

اکسویس دلیل: اسی قسم کا ایک واقعہ ابن ابی عاصم نے کتاب الاحاد والمثنانی: ۱۶۳/۱، میں ذکر کیا ہے کہ: وقد رأيت جماعة من اهل العلم واهل الفضل اذا هم اخذهم امر قصد الى قبره فسلم عليه ودعا بحضرتہ وکان يعرف الاجابة واخبرنا مشايخنا قديما انهم رأوا من كان قبلهم يفعلہ۔ اس واقعہ کو ابو نعیم نے معرفۃ الصحابة: ۱۰۰/۱، میں اس سے نقل کیا ہے بغیر سند کے، اور بغیر سند کے واقعہ کو دین میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

بائیسویس دلیل: حدیث عبد اللہ بن مسعودؓ ہے یہ حدیث کتاب الحث علی طلب العلم (ضمن مجموعہ): ۲۲۳، میں منقول ہے کہ: من اراد ان يوتيه الله حفظ القرآن وحفظ العلم، فليكتب هذا الدعاء في اناء نظيف بعسل ثم يغسله بماء مطريا خذه قبل ان يقع على الارض، ثم ليشربه على الريق ثلاثة ايام فانه يحفظ باذن الله: اللهم انى اسألك بانك مسؤل لم يسأل مثلك، اسئلك بحق محمد رسولك ونيك ، الحديث۔ لیکن یہ حدیث ساقط الاعتبار ہے، ابن جوزی نے کتاب الموضوعات: ۳/۱۷۵، میں اس کے متعلق لکھا ہے کہ: هذا حديث موضوع على رسول الله، و المتهم به عمر بن الصبح، قال ابن حبان، يضع الحديث على الثقات لا يحل كتب حديثه، الأعلى وجه التعجب۔

امام ذہبیؒ نے میزان الاعتدال: ۴/۱۹۹، میں لکھا ہے کہ کذبہ یحییٰ وقال الدارقطنی وغیرہ متروک فمن بلاياہ قال حدثنا وكيع عن عبدة عن ابى وائل عن ابن مسعود عن النبي ﷺ قال من اراد ان يوتيه الله حفظ العلم فليكتب هذا الدعاء: الحديث۔ یہ روایت خطیب بغدادی نے کتاب الجامع: ۲/۲۶۱، میں نقل کیا ہے، اور ابن عراق نے تنزيه الشريعة: ۲/۳۲۲، اور سیوطی نے اللالی المصنوعة: ۲/۳۵۶، میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ یہ روایت دوسندوں سے منقول ہیں، لیکن ایک سند میں عمر بن صبح ہے جو کہ مہتم ہے، اور خطیب والی روایت میں موسیٰ بن ابراہیم مروزی ہے جو کہ کذاب ہے۔

تیسویس دلیل: ایسی ایک روایت ابو بکرؓ کو بھی منسوب ہے جو کہ ابن اثیر نے جامع الاصول: ۳/۳۰۲، میں نقل کیا ہے

بغیر سند کے۔ کہ: قال: علمنی رسول اللہ ﷺ هذا الدعاء قال: قل اللهم انی استلک بمحمدنیک و بابر اہیم خلیک، و موسیٰ نجیک الحدیث، لیکن سیوطیؒ مذکورہ کتاب کی صفحہ: ۳۵۷/۲، میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے، کہ اس میں عبد الملک ہے جو کہ دجال ہے، باوجود اسکے کہ سند میں اعضاء بھی واقع ہے۔ اور ابن تیمیہؒ نے مجموع فتاویٰ: ۲۵۲/۱، میں اس کے متعلق لکھا ہے: ہی من الاحادیث الضعیفة الواہیة بل الموضوعۃ، و لایوجد فی ائمة الاسلام من احتج بها ولا اعتمد علیہا۔

چوبیسویں دلیل: بعض لوگ سواد بن قارب، جو کہ طبرانی نے کبیر: ۹۴/۷، اور امام بیہقی نے دلائل النبوة: ۲۵۰/۲، میں نقل کیا ہے، کے اشعار سے استدلال کرتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

فاشھدان اللہ لارب غیرہ	وانک مامون علی کل غائب
وانک ادنی المرسلین وسیلۃ	الی اللہ یا ابن الاکرمین الاطایب
فمرنا بما یتیک یا خیر من مشی	وان کان فیما جاء شیب الذوائب
وکن لی شفیعایوم لا ذو شفاعۃ	سواک بمغن عن سواد بن قارب

امام بیہقی کی کتاب میں لفظ وسیلہ کی جگہ لفظ شفاعت مذکور ہے۔ اور عمدۃ القاری: ۱۱/۵۱۸، میں بھی لفظ شفاعت ہے، امام ذہبی نے تاریخ اسلام: ۲۰۶/۱، میں لفظ شفاعت نقل کیا ہے۔ ابن کثیر نے بحوالہ ابویعلیٰ موصلی سے لفظ وسیلہ نقل کیا ہے، اور ابویعلیٰ نے کتاب المعجم: ۲۶۵، میں اور حاکم نے: ۸۰۰/۴، میں ابونعیم نے دلائل النبوة: ۱۱۴/۱، میں مجمع الزوائد: ۴۳۹/۸، میں اور صفدی نے الوافی بالوفیات: ۲۲/۱۶، میں اور ابن عبد البر نے الاستیعاب: ۲/۶۷۵، میں اور ابو القاسم اصہبانی نے: ۱۱۹۴/۴، میں لفظ وسیلہ نقل کیا ہے۔ مصاعد بن سلیمان نے دلائل النبوة کی تحقیق اور تخریج میں بہت تفصیل کے بعد لکھا ہے کہ: انہار وایات لا تقوم بہا حجة ولا یبنی علیہا دین و عقیدۃ: ۱۲۰/۴۔ یہ حدیث بہر حال ناقابل اعتبار ہے امام ذہبی تاریخ اسلام میں لکھتا ہے کہ ہذا حدیث منکر و محمد بن تراس و زیاد مجھولان، لا تقبل روایتہما، و اخاف ان یكون موضوعا علی ابی بکر بن عیاش و لکن اصل الحدیث مشہور۔ (جو کہ امام بخاری نے ۳۸۶۶، میں نقل کیا ہے اس اشعار کے بغیر)۔ پھر آگے فرماتا ہے موصلی کی سند میں ابوعبدالرحمن ہے جو کہ متفق علی ترکہ اور علی ابن منصور میں جہالت ہے، مزید یہ کہ حدیث منقطع بھی ہے، پھر ابن عدی کے حوالہ سے فرماتا ہے کہ عبادلیس بثقة یأتی بالطامات۔ تو ایسی روایت سے استدلال کرنا علماء کا کام نہیں۔

چکھوس دلیل: روایت امام دارمی ہے جو اس نے، سنن: ۵۵۸/۱، میں نقل کیا ہے: عائشہؓ سے: حدثنا ابو النعمان ثناسعید بن زید ثنا عمرو بن مالک النکری ثنا ابو الجوزاء اوس بن عبد اللہ قال: قحط اهل المدينة قحطاً شدیداً فاشکوا الى عائشة، فقالت انظروا قبر النبی ﷺ، فاجعلوا منہ کواً، الى السماء حتی لا یكون بینہ وبين السماء سقف، قال ففعلوا فمطرونا. مطراحتی نبت العشب وسمنت الابل حتی تفتقت من الشحم، فسمی عام الفتق. اور یہ روایت ابن جوزی نے، کتاب الوفاء: ۸۰۱، میں بغیر سند کے نقل کیا ہے۔ اوس بن عبد اللہ نے روایت کی ہے کہ اہل مدینہ شدید قحط میں مبتلا ہو گئے، تو انہوں نے عائشہؓ کے پاس شکایت کی، تو انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی قبر پر ایک روشن دان بنا دو، کہ اس کے اور آسمان کے درمیان کوئی چھت نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا جس سے اس قدر بارش ہوئی کہ نباتات اُگ آئیں، اونٹ موٹے ہو گئے، ان میں خوب چربی پیدا ہو گئی، اور اس کا نام ہی کشادگی کا سال پڑ گیا۔ اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور تین امور کے باعث ناقابل احتجاج ہے۔

پہلی وجہ: تو یہ ہے کہ سعید بن زید جو کہ حماد بن زید کا بھائی ہے اس میں کچھ ضعف ہے، حافظ تقریب میں فرماتے ہیں کہ یہ صدوق ہے، اور اس کے ہاں کچھ اوہام بھی ہیں، ذہبی میزان میں فرماتے ہیں کہ نجی بن سعید ضعیف ہے۔ سعدی کہتے ہیں کہ حجت نہیں ہے۔ محدثین اس کی حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ امام نسائی اور کئی دیگر محدثین نے فرمایا کہ یہ قوی نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ روایت عائشہؓ پر موقوف ہے یہ نبی کریم ﷺ کی مرفوع روایت نہیں ہے۔ اگر یہ صحیح بھی ہو، تو پھر بھی حجت نہیں کیونکہ احتمال ہے کہ یہ بعض صحابہ کرامؓ کی اجتہادی اراء کے قبیل سے ہو۔ اجتہادی اراء میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اور ہم ان کے اجتہادات کے مطابق عمل کے مکلف نہیں ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کی سند میں جو ابو النعمان ہے اس کا نام محمد بن فضل ہے جو عارم کے نام سے معروف ہے، یہ اگرچہ ثقہ ہے مگر آخر عمر میں اختلاط کا شکار ہو گیا تھا۔ حافظ برہان الدین حلبی نے الاعتباط بمن رمی بالاختلاط ص: ۲۳، میں حافظ ابن الصلاح کے بالفتح ذکر کیا ہے۔ حافظ نے مقدمہ میں مختلطین کے ضمن میں: ص: ۳۹۱، میں اسے ذکر کیا تھا۔

ابن تیمیہ کتاب الرد علی البکری: ۶۸، اور ۷۴، میں فرماتا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں، اس لئے کہ عائشہؓ کی حیات میں آپ ﷺ کے گھر میں روشن دان نہیں تھا، بلکہ گھر کی کیفیت اسی طرح تھی جس طرح عہد نبوی میں تھی، گھر کے کچھ حصہ

پر چھت پڑی ہوئی تھی اور کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔

ولید بن عبد الملک نے اپنے دور امارت میں حجرہ کو مسجد میں داخل کر دیا، اور قبر کے گرد ایک بلند دیوار کھڑی کر دی، اور پھر بعد میں ایک روشن دان بنایا۔ اور اگر صحیح ثابت بھی ہو جائے تو روشن دان کھلنا نزول رحمت الہی کے لئے تھا دعا کا تو یہاں کوئی ذکر ہی نہیں ہے، تو اس سے استدلال کرنا بعید از عقل ہے۔

فائدہ: رسول اللہ ﷺ کی قبر پر جو سبز گنبد بنایا گیا ہے تدفین کے وقت سے کافی عرصہ تک اس کا وجود نہیں تھا، ابن نجار نے کہا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کے قبر کے ارد گرد دیوار تھا۔ اس لئے کہ قبر اور مسجد کے مابین فرق ہو، اور یہ تقریباً ۶۷ھ تک اسی حالت پر تھا۔ اس کے بعد کمال احمد بن برہان نے یہ گنبد بنایا اور اس پر بہت پیسہ خرچ کیا، پھر بعض لوگوں نے ان کے خلاف بادشاہ کو شکایت کی اور کہا کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی بے ادبی کی ہے، اور اس حدیث کی خلاف کیا ہے جو ابوداؤد نے، ابواب السلام باب فی البناء، میں نقل کیا ہے کہ: ان رسول اللہ ﷺ خرج فرأى قبة مشرفة فقال ما هذه؟ قال له اصحابه لفلان (رجل من الانصار) قال فسكت وحملها فى نفسه حتى اذا جاء صاحبها رسول الله ﷺ يسلم عليه فى الناس اعرض عنه "صنع ذلك مراراً" حتى عرف الرجل الغضب فيه والاعراض عنه فشكا ذلك الى اصحابه فقال والله انى لانكر رسول الله ﷺ" قالوا اخرج فرأى قبتك، فرجع الى قبته فهدمها حتى سواها بالارض، فخرج رسول الله ﷺ ذات يوم فلم يرها فقال ما فعلت القبة؟ قالوا اشكا اليها صاحبها اعراضك عنه فاخبرناه فهدمها فقال امان كل بناء وبال على صاحبه الا مالا يغنى مالا بدمنه۔

یعنی نبی کریم ﷺ نے راہ میں ایک گنبد اونچا دیکھا، تو آپ نے فرمایا یہ کیا ہے تو صحابہ نے عرض کیا کہ فلان انصاری کا مکان ہے آپ سن کر چپ ہو رہے اور دل میں اس بات کو رکھا جب وہ شخص آپ کے پاس آیا اور مجلس میں آپ پر سلام کیا تو آپ نے اس کی طرف التفات نہ کیا اور چند بار ایسا ہی کیا یہاں تک کہ اس کو معلوم ہو گیا غصہ آپ کا، اس نے اپنے دوستوں سے شکایت کی اور کہا تم اللہ کی میں رسول اللہ ﷺ کو اپنے ساتھ ویسا نہیں پاتا جیسے پہلے آپ میرے ساتھ محبت کرتے تھے لوگوں نے کہا آپ ایک روز باہر نکلے تھے تو تیرا مکان دیکھا تھا (شاید اسی مکان کو دیکھ کر آپ ناراض ہوئے ہوں) یہ سن کر وہ شخص اپنے مکان میں آیا اور اس کو گردایاز مین کے برابر کر دیا، پھر ایک روز آپ نکلے اور اس مکان کو نہ دیکھا آپ نے فرمایا وہ مکان کیا ہوا؟ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ اس کے مالک نے ہم سے شکایت کی آپ کی بے

التفاتی کی توہم نے اس کو بتادیا، اس لئے اس نے اس کو منہدم کر دیا تو آپؐ نے فرمایا: ہر مکان اس کے مالک پر وبال ہے۔ مگر وہ کہ اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو: ۳۸/۳، مترجم ابوداؤد۔ تو بادشاہ نے اس کو سزا دی۔ اس کے بعد ملک ناصر قلاؤں کے عہد میں ان کی تجدید کی گئی اور بہت زیادہ مال اس پر خرچ کیا گیا۔

پہلی صدی ہجری میں ۸۷ھ تک مسجد نبوی کی مشرقی جانب حجرات شریفہ موجود تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے ۸۷ھ میں مسجد کی توسیع کی، تو ان حجرات کو گرا کر مسجد میں شامل کر لیا، چونکہ تمام ازواج مطہرات فوت ہو چکی تھیں، البتہ حجرہ عائشہؓ کو باقی رکھا، جس میں قبور شریفہ تھیں۔ اس کی اصل دیواروں کی مرمت کی، اب یہ حجرہ تعمیر شدہ مسجد کے اندر تھا، عمر بن عبدالعزیز نے کمال بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے دواہم کام کیے، ایک تو حجرہ شریف کے ارد گرد پانچ کوئی دیوار تعمیر کر دی، تاکہ حجرہ کی شمالی جانب نماز آدا کرنے والوں کا رخ براہ راست اور سیدھا حجرہ شریف کی طرف نہ ہو۔

نیز حجرہ شریفہ کے چوکور ہونے کی وجہ سے اس کی مشابہت کعبۃ اللہ سے نہ ہو، دوسرا کام یہ کیا کہ مسجد کی چھت کا جو حصہ حجرہ شریف کے اوپر تھا، اسے عام چھت کی سطح سے زرا اونچا اور نمایاں کر دیا۔ تاکہ چھت پر جانے والا کوئی بھی شخص اس کے اوپر سے نہ گزرے کہ یہ آدب کا تقاضا ہے، ساڑھے چھ سو سال تک پانچ کوئی حجرے اور چھت کی یہی کیفیت رہی چھ سو اٹھاسٹھ ۶۸۸ھ ہجری میں سلطان بیہرس نے حجرہ شریف کے ارد گرد کچھ فاصلہ چھوڑ کر لکڑی کی جالیاں نصب کر دیں، پھر آٹھ سو اٹھاسی ۸۸۸ھ ہجری میں سلطان کا قیامی نے ان کی جگہ پتیل اور لوہے کی جالیاں نصب کیں، جو آج تک موجود ہیں، ادھر چھت کے بارہ میں چھ سو اٹھتر ۸۷۸ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے تبدیلی کی، کہ حجرہ شریفہ کے بالائی حصہ کو چھت پر مزید نمایاں کرنے کے لئے گنبد بنا دیا، بعد میں اسی گنبد کی تجدید ہوتی رہی اس تاریخی پس منظر سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ قبور مبارکہ والے حجرہ شریفہ کی بالائی چھت مسجد نبوی شریف کے ساتھ مشترک تھی، لہذا اس مقام کے تقدس اور آدب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اسے عام چھت سے نمایاں کر دیا۔ اور ساتویں صدی ہجری میں اس پر گنبد بنا دیا گیا۔ لہذا ان معروضی حالات کو نظر انداز کرنا اور گنبد خضراء کو بنیاد بنا کر جگہ جگہ قبروں پر گنبد بنانا صحیح نہیں ہے۔ خود سید الاولیاء نے قبروں کو پختہ کرنے اور ان پر کسی قسم کی عمارت بنانے سے سختی کے ساتھ روکا ہے۔

عن جابر یقول سمعت رسول اللہ ﷺ یمنی ان یقع علی القبر وان یقصد (ای یجسس) ویسنی علیہ. (ابوداؤد: ۵: کتاب الجنائز باب فی البناء علی القبر)۔ مزید تفصیل کے لئے سمھودی کی کتاب: وفاء الوفاء: ۶۰۹/۲، مطالعہ کریں۔

چھبیسویں دلیل: جبکہ بعض مبتدعین سورہ نساء آیت نمبر: ۱ سے استدلال کرتے ہیں کہ ”تساء لون بہ و الارحام“۔ یعنی رحم کے واسطے سوال کرنا جائز ہے۔ تو اس کا جواب فتح المنان: ۴۰۸، اور مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۳۹/۱، میں لکھا ہے کہ، واما قول الناس اسألک باللہ وبالرحم، وقرأة من قرأ (تسائلون بہ و الارحام) بجر الارحام، فهو من باب التسبب بہا، فان الرحم توجب الصلة وتقتضى ان يصل الانسان قرابته، فسؤال السائل لغيره بالرحم توسل اليه بما يوجب صلته من القرابة التي بينهما، ليس هو من باب التوسل بما لا يقتضى المطلوب، بل هو توسل بما يقتضى المطلوب، كالتوسل بدعاء الانبياء وبطاعتهم. و الصلاة عليهم. ومن هذا الباب: ما يروى عن عبد الله بن جعفر انه قال: كنت اذا سئلت عليا شيئا فلم يعطيني، قلت له بحق جعفر الا ما اعطينيه فيعطيني، او كما قال: فان بعض الناس ظن ان هذا من باب الاقسام عليه بجعفر او من قولهم: اسألک بحق انبيائك، ونحو ذلك وليس كذلك. الخ.

یعنی: طریقہ استدلال یہ ہے کہ لفظ ”ارحام“ کو جر (زیر) کے ساتھ پڑھتے ہیں، تو یہ باب التسبب سے ہے اس لئے کہ رحم یہ تاکید کرتا ہے کہ آدمی اپنے رشتہ داروں سے صلہ رحمی و قرابت قائم کرے۔ جب ایک آدمی دوسرے سے رحم کے ذریعے سوال کرتا ہے، تو یہ دراصل اس نے اپنے مابین جو صلہ و قرابت ہے، اس کو وسیلہ بنایا، اور یہ وسیلہ اس باب سے نہیں جس کا مطلوب تقاضا کرتا، بلکہ یہ ایک ایسا وسیلہ ہے جو کہ مطلوب اس کا تقاضا کرتا ہے، جیسا کہ وسیلہ انبیاء علیہم السلام کی دعاء، یا اس کی طاعت یا ان پر درود وغیرہ سے ہو۔ اور اس باب سے وہ روایت بھی جو کہ عبد اللہ بن جعفر سے مروی ہے کہ جب میں علیؑ سے کچھ مانگتا اور وہ نہ دیتا تو میں اس کو کہتا کہ جعفر کے حق کے وسیلہ سے دے دو تو پھر دیتا۔ اور بعض کو وہم ہے کہ یہ اس باب سے ہے کہ علیؑ کو بحق جعفر قسم دینا اور یا اس باب سے ہے کہ اسٹلک بحق انبیائک لیکن یہ صحیح نہیں۔

اور ان کا یہ استدلال تحریف قرآن کا مترادف ہے، اس آیت کی تفسیر مفسرین نے جو کیا ہے اس میں سرے سے اس غلط وسیلے کا ذکر نہیں۔ (آیت کا تفسیر اپنی جگہ پر ملاحظہ کیجئے)۔

ستائسویں دلیل: جبکہ یہ لوگ واقعہ دانیال علیہ السلام سے بھی استدلال کرتے ہیں جس کو ابن جریر طبری نے تاریخ: ۲۲۰/۴، الاصابہ لابن حجر: ۶: ۲۳۶، اور ابن عساکر نے تاریخ دمشق: ۵۸: ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، اور تاریخ اسلام: ۵/۲۶، ومنہاج التائیس: ۳۳۴، دلائل النبوة ہلال صفحہ ۱: ۸۴۔ اور ابن ابی شیبہ نے: ۱۳/۲۸، میں نقل

کیا ہے کہ: عمر کے زمانے میں ابو موسیٰ اشعریؓ کی سپہ سالاری میں جب سوس فتح ہوا، تو ایک بہت مکلف مکان میں دانیال نبی علیہ السلام کی نعش مبارک ملی، جو فارس وغیرہ کے قدیم دستور کے موافق دوائیں اور خوشبوئیں لگا کر رکھی ہوئی تھی۔ کسی عضو کی صورت و ہیبت میں فرق نہیں آیا تھا، اور ابو موسیٰؓ نے ان کی نسبت عمر کو خط لکھا، عمرؓ نے جواب دیا کہ ان کو بیر کے پتے اور خوشبودار پانی سے غسل دے کر دفن کر دو۔

ابو موسیٰؓ نے عمرؓ کی تحریر کے موافق غسل و کفن کے بعد نماز پڑھ کر سوس کے نہر سے کنارہ پر دفن کر کے اس طرف کو پانی جاری کر دیا۔ اس روایت کو ابن ابی شیبہ نے: اس طرح نقل کیا ہے حدثنا حماد بن سلمہ عن ابی عمران الجونی عن انسؓ انہم لما فتحوا تسترقال: فوجد رجل انفه ذراع فی التابوت كانوا یستظہرون ویستمطرون بہ، فکتب ابو موسیٰؓ الی عمر بن خطابؓ بذلک فکتب عمرؓ، ان ہذا نبی من الانبیاء والنار لا تأکل الانبیاء والارض لا تأکل الانبیاء، فکتب ان انظر انت واصحابک . یعنی اصحاب ابی موسیٰ، فادفونہ فی مکان لا یعلمہ احد غیر کما، قال فذہبت انا و ابو موسیٰ فدفناہ!۔ خلیفہ ثانی نے حکم دیا کہ جس طرح میت کو غسل دیا جاتا ہے اسی طرح اس بیغمیر کو غسل دو، اور جس طرح میت کو کفن دیا جاتا ہے اسی طرح اس کو کفن دو، اور جس طرح میت پر نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے اسی طرح اس پر بھی نماز جنازہ پڑھو۔ اور لحد کھود کر دفن کیا جائے۔ ابن قیم اناشۃ اللہ فان: ۳۱۹/۱، میں فرماتے ہیں: اس کہانی میں حکمت یہ ہے کہ: صحابہ کرامؓ نے اس کی قبر کو لوگوں سے مخفی رکھا، تاکہ اس کے سبب لوگ فتنے میں نہ پڑ جائے، اگر دعاء و نماز قبر کے نزدیک اچھا کام ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم اجمعین اس قبر کو مخفی نہ چھوڑتے بلکہ اس کو نمایاں کر دیتے۔ اور یہی جواب منہاج التائیس اور صیۃ الانسان: ۲۶۶، میں مذکور ہے۔

اب ہم علماء احناف کے اقوال کو نقل کرتے ہیں اس لئے کہ اس وسیلہ کے قائلین خصوصاً ہمارے ملک میں احناف ہیں، تاکہ اس آیت کا مصداق بنے: وشہد شاہد من اہلہا۔ ان کے معتبر کتاب ہدایہ میں ہے: کہ ویکرہ ان یقول فی دعائہ بحق فلان ” اور “ بحق انبیائک ورسلك، لانه لاحق للمخلوق علی الخالق۔ بدرالدین عینی ان الفاظ کی تشریح میں مزید لکھتا ہے وکذا الحق و المشعر الحرام۔ ہذا ماتوہم ان علی اللہ حقاً للمخلوقین وان کانت عادیۃ الناس جرت بذلک۔ (البنایہ فی شرح الہدایہ: ۱۱/۲۸۱) مشہور ترین کتاب در المختار: ۲۸۳/۹، لکھتا ہے: عن ابی یوسف عن ابی حنیفہ لا ینبغی لاحدان یدعو اللہ الابہ، و الدعاء الماذون فیہ ” الامور بہ“ ما استفید من قولہ تعالیٰ: واللہ الاسماء الحسنی فادعوه بہا۔ و کرہ قولہ (بحق رسلک

واولیائک وانبیائک) اوبحق البیت، لانه لاحق للخلق علی الخالق تعالی، ولوقال لاخربحق اللہ اوباللہ ان تفعل کذا لابلزمہ ذلک۔ (رد المحتار مع الشرح: ۹/۴۸۴۔

اور صاحب بحر الرائق کنز کی اس متن (وجن فلان) کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لایجوز ان یقول بحق فلان علیک، وکذابحق انبیائک واولیائک ورسلك و البیت و المعشر الحرام، لانه لاحق للمخلوق علی الخالق، وانما یخص برحمته من یشاء من غیر وجوب علیہ، ولوقال رجل لغيره بحق اللہ اوباللہ افعال کذا، لایجب علیہ ان یأتی بذلک شرعا۔ (البحر الرائق: ۳۷۹/۸۔ اسی طرح کی عبارات اور کتابوں میں ہے صرف حوالہ جات پر اکتفاء کرتے ہیں: ابن عربی: فتوحات: ۱۷۷/۴، شرح العقیلة الطحاویہ: من ۱/۲۹۴، خلاصة الفتاوی: ۴/۳۲۶، شرح فقہ اکبر لملا علی القاری: ۱۶۱، فتاوی سراجیہ: ۷۲، جلاء العینین: ۲۵۲، فتح القدیر لابن الہمام: ۷۷/۱۰، مجمع الانهر: ۲/۲۳۲، مخزن اسلام: ۳۷، ۳۸، تبیین الحقائق: ۷۰/۷، العنایہ، لبا برتی: ۶/۱۴۵۔

فتاوی ہندیہ: ۲۱۸/۵، میں بھی اسی طرح موجود ہے۔ قدوری نے فقہ کی اپنی بڑی کتاب جو کہ ”شرح انکرخی“ کے نام سے موسوم ہے، کے باب الکراہیۃ میں ذکر کیا ہے بشر بن ولید نے کہا ہے کہ ہمیں امام ابو یوسف القاضی نے بیان کیا کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا! کہ کسی کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پکارے، مگر اسی کے نام کے ساتھ، اور میں یہ مکروہ سمجھتا ہوں کہ کوئی یہ کہے کہ اے اللہ! میں تیرے عرش کی عزت والی گروہوں کے وسیلہ سے تجھ سے یہ سوال کرتا ہوں، یا یہ کہے کہ میں تیری مخلوق کے حق کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا ہوں۔ امام ابو یوسف کا بھی یہی قول ہے لیکن امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عرش کے عزت والا اللہ تعالیٰ ہی ہے لہذا میں اسے مکروہ نہیں سمجھتا البتہ یہ مکروہ سمجھتا ہوں کہ کسی کے حق، انبیاء و مرسلین کرام کے حق، یا بیت الحرام و مشعر الحرام کے حق سے دعا کی جائے۔

امام قدوری فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کو مخلوق کا واسطہ دیکر سوال کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ مخلوق کا خالق پر کوئی حق نہیں ہے، لہذا بالاتفاق سوال کرنے کی یہ صورت ناجائز ہے۔ امام ابو حنیفہ اور صاحبین یہ مکروہ سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص یوں دعا کرے کہ اے اللہ! میں تجھ سے فلاں کے حق یا انبیاء و مرسلین کے حق یا بیت الحرام کے حق کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا حق نہیں ہے۔ اسی طرح امام ابو حنیفہ اور امام محمد بن حسن الشیبانی یہ بھی مکروہ سمجھتے ہیں کہ کوئی یوں دعا کرے: اے اللہ! میں تیرے عرش کی ”گروہوں کا واسطہ دیکر سوال کرتا ہوں“ لیکن امام ابو یوسف کو جب اس سلسلہ =

مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۳﴾ يُرِيدُونَ أَنْ يُخْرِجُوكَ مِنَ النَّارِ
 تو اُن سے قبول نہیں کیا جائے گا اور اُن کو دردناک عذاب ہوگا۔ (ہرچند) چاہیں گے کہ آگ سے نکل جائیں
 وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۴﴾ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ
 مگر اُس سے نکل نہیں سکیں گے اور اُن کیلئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت
 فَاقْطِعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ
 اُن کے ہاتھ کاٹ ڈالو یہ اُن کے فعلوں کی سزا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے اور اللہ زبردست

= میں اثر پہنچا تو انہوں نے اسے جائز قرار دے دیا تھا۔

میں نے یہ نقول اس لئے کثرت سے ذکر کی ہیں کہ بہت سے متعصب حنفی اس سے انکار کرتے ہیں، اور کہتے
 ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ سے یہ قول صحت کے ساتھ منقول نہیں ہے، اگر یہ قول صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے تو پھر ہم یہ کہنے میں
 حق بجانب ہیں کہ کتب فقہ میں امام صاحب کی طرف منسوب کوئی قول بھی صحیح نہیں ہے، کیونکہ کسی بھی عالم، فقیہ سے یہ بات
 مخفی نہیں کہ حنفی کتب میں ائمہ حنفیہ کے اقوال نقل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ عجیب بات یہ ہے کہ جب ان لوگوں کو امام ابو
 حنیفہؒ کا یہ قول پیش کر کے جواب دیا جاتا ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم پر اس قول کی پابندی لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث کے
 مخالف ہے، اور حدیث سے (ان کے گمان کے مطابق) یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ کے وسیلے سے پکارنا جائز ہے
 ۔ جیسا کہ حدیث اصحاب غار، اور حدیث بریدؓ سے ثابت ہوتا ہے، یہ دونوں حدیثیں قبل ازیں ذکر کی جا چکی ہیں۔ لیکن یہ
 لوگ ان احادیث کی غلط تفسیر کرتے ہیں، یہاں امام صاحب کی مخالفت کر رہے ہیں، حالانکہ یہ کانوں تک تقلید میں ڈوبے
 ہوئے ہیں، اور حدیث خواہ کتنی ہی صحیح الاسناد اور صریح الدلائل ہو۔ جب ان کے مذہب کے خلاف ہو تو پھر اس حدیث
 سے اعراض کر لیتے ہیں، لیکن اب نہ معلوم کہ اپنے معروف طریقے کو خیر اباد کہہ کر ہمارے انداز کو کیوں اپنا رہے ہیں؟ نہ
 معلوم یہ تناقض ہے یا غفلت یا پھر یہ کہ ﴿يَقُولُونَ بِاللَّسْتَنَّمِ مَالِيسَ فِي قُلُوبِهِمْ﴾۔

حَكِيمٌ ﴿۸۱﴾ مَن تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ عَلَيْهِ

حکمت والا ہے۔ اور جو شخص گناہ کے بعد توبہ کر لے اور نیلوقار ہو جائے تو اللہ اس کو معاف کر دے گا

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۲﴾ لَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ

کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ ہی کی سلطنت ہے؟

وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَعْفُو لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۸۳﴾

جس کو چاہے عذاب کرے اور جسے چاہے بخش دے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ

اے پیغمبر! جو لوگ کفر میں جلدی کرتے ہیں (کچھ تو) اُن میں سے (ہیں)

قَالُوا آمَنَّا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ وَمِنَ الَّذِينَ هَادُوا

جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں لیکن اُن کے دل ایمان نہیں لائے اور (کچھ) اُن میں سے جو یہودی ہیں

سَمَاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَاعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ يَحْرَفُونَ الْكَلِمَ

اُن کی وجہ سے غمناک نہ ہونا۔ یہ غلط باتیں بنانے کیلئے جاسوسی کرتے پھرتے ہیں اور ایسے لوگوں (کے بہکانے) کیلئے

مَنْ بَعْدَ مَا وَاضَعَهَا يَقُولُونَ إِنَّ

جاسوس بنے ہیں جو ابھی تمہارے پاس نہیں آئے (صحیح باتوں کو اُن کے مقامات میں ثابت ہونے) کے بعد بدل دیتے ہیں اور کہتے ہیں

أُوتِيتُمْ هَذَا فَخَذُّوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتُوهُ فَاحْذَرُوا وَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ

کہ اگر تم کو یہی (حکم) ملے تو اُسے قبول کر لینا اور اگر یہ نہ ملے تو اُس سے احتراز کرنا۔ اور اگر کسی کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہے

فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَطَهَّرَ

تو اُس کیلئے تم کچھ بھی اللہ سے اختیار نہیں رکھتے یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے پاک کرنا نہیں چاہا

قُلُوبُهُمْ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا حِزْبٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۱﴾

اُن کیلئے دنیا میں بھی ذکر ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔

سَمْعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْلُونَ لِّلْسُحْرِ فَإِنْ جَاءُوكَ

(یہ) جھوٹی باتیں بنانے کیلئے جاسوسی کرنے والے اور (رشوت کا) حرام مال کھانے والے ہیں۔ اگر یہ تمہارے پاس

فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا

(کوئی مقدمہ فیصلہ کرانے کو) آئیں تو تم اُن میں فیصلہ کر دینا یا اعراض کرنا اور اگر اُن سے اعراض کرو گے تو وہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکیں گے

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۲۲﴾

اور اگر فیصلہ کرنا چاہو تو انصاف کا فیصلہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

وَكَيْفَ يُحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ

اور یہ تم سے (اپنے مقدمات) کیونکر فیصلہ کرائیں گے جب کہ خود اُن کے پاس تورات موجود ہے جس میں اللہ کا حکم لکھا ہوا ہے

ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۳﴾

پھر اس کے بعد اُس سے پھر جاتے ہیں اور یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔ بیشک ہم نے ہی تورات

التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَّحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا

نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیاء جو (اللہ کے) فرمانبردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے

وَالرَّبَّنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ

اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب اللہ کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الہی کا یقین رکھتے تھے)

وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنَ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي

تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھ ہی سے ڈرتے رہنا اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑی سی

ثَمَنًا قَلِيلًا ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ﴿۲۴۳﴾

قیمت نہ لینا اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔

وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ

اور ہم نے ان لوگوں کیلئے تورات میں یہ حکم لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے آنکھ کے بدلے اور ناک کے بدلے ناک

وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۚ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ

اور کان کے بدلے کان اور دانت کے بدلے دانت اور سب زخموں کا اسی طرح بدلا ہے لیکن جو شخص بدلا معاف کر دے

فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۴۴﴾

وہ اس کیلئے کفارہ ہوگا اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے تو ایسے ہی لوگ بے انصاف ہیں

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ

اور ان پیغمبروں کے بعد انہیں کے قدموں پر ہم نے عیسیٰ بن مریم کو بھیجا جو اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتے تھے

وَأَتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ

اور ان کو انجیل عنایت کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تورات کی جو اس سے پہلی (کتاب) ہے تصدیق کرتی ہے

وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۵﴾ ۚ وَلِيَحْكُمَ أَهْلُ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

اور پرہیزگاروں کو راہ بتاتی اور نصیحت کرتی ہے۔ اور اہل انجیل کو چاہیے کہ جو احکام اللہ نے اس میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطابق حکم دیا کریں

فِيهِ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۲۴۶﴾ ۚ وَأَنْزَلْنَا

اور جو اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے گا تو ایسے لوگ نافرمان ہیں۔ اور ہم نے تم پر

إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ

سچی کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان (سب) پر شامل ہے۔ تو جو حکم اللہ نے نازل

فَأَحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ

فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آچکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا

عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے اور اگر اللہ چاہتا

لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

تو سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تمہیں دیئے ہیں ان میں تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے سو نیک کاموں میں پہل کرو

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۲۸﴾

تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر جن باتوں میں تم کو اختلاف تھا وہ تمہیں بتا دے گا۔

وَأَنْ أَحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ

اور جو (حکم) اللہ نے نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق ان میں فیصلہ کرنا اور ان کی خواہشوں کی

أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرُهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ

پیروی نہ کرنا اور ان سے بچتے رہنا کہ کسی حکم سے جو اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے یہ کہیں تمہیں بہکا نہ دیں اگر یہ

تَوَلَّوْا فَاَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ

نہ مانیں تو جان لو کہ اللہ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں کے سبب ان پر مصیبت نازل کرے اور اکثر لوگ تو نافرمان ہیں

﴿۲۹﴾ فَاحْكُمَ الْجَاهِلِيَّةَ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۳۰﴾

کیا یہ زمانہ جاہلیت کے حکم کے خواہشمند ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کیلئے اللہ سے اچھا حکم کس کا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ

اے ایمان والو یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ ایک دوسرے کے

بَعْضٍ طَوْمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے انہیں دوست بنائے گا وہ بھی انہیں میں سے ہوگا بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت

الظَّالِمِينَ ﴿۱۱۱﴾ تَسْرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ

نہیں دیتا۔ تو جن لوگوں کے دلوں میں مرض ہے تم انہیں دیکھو گے کہ ان میں دوڑ دوڑ کے ملے جاتے ہیں کہتے

نَخْشَىٰ أَنْ تَصِيبَنَا دَآئِرَةٌ فَعَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهِ

ہیں کہ ہمیں خوف ہے کہ کہیں ہم پر زمانے کی گردش نہ آجائے سو قریب ہے کہ اللہ فتح بھیجے یا اپنے ہاں سے کوئی اور امر (نازل

فَيَصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسْرُوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوا قَوْلَ الَّذِينَ آمَنُوا

فرمائے) پھر یہ اپنے دل کی باتوں کو جو چھپایا کرتے تھے پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔ اور مسلمان کہیں گے

أَهْلَؤْلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ

کہ کیا یہ وہی ہیں جو اللہ کی سخت سخت قسمیں کھایا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں؟ ان کے اعمال اکارت گئے اور وہ

أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿۱۱۳﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ

خسارے میں پڑ گئے۔ اے ایمان والو! اگر کوئی تم میں سے اپنے

عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ

دین سے پھر جائے گا تو اللہ ایسے لوگ پیدا کر دے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں

أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكُفْرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، اللہ کی راہ میں جہاد کریں

وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ

اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈریں، یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور

عَلِيمٌ ﴿۱۴۱﴾ مَا وَلِيكُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ

جاننے والا ہے۔ تمہارے دوست تو اللہ اور اس کے پیغمبر اور مومن لوگ ہی ہیں جو نماز

الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿۱۴۲﴾ مَن يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر

وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۱۴۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اور مومنوں سے دوستی کرے گا تو (وہ اللہ کی جماعت میں داخل ہوگا اور) اللہ کی جماعت ہی غلبہ پانے والی ہے۔ اے ایمان والو!

لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

جن لوگوں کو تم سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں اُن کو اور کافروں کو

مِن قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۴﴾ ذَا

جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل بنا رکھا ہے دوست نہ بناؤ اور مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور جب تم لوگ

نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُؤًا وَلَعِبًا ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ

نماز کیلئے اذان دیتے ہو تو یہ اُسے بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں یہ اس لئے کہ سمجھ نہیں رکھتے

﴿۱۴۵﴾ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقُمُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ أَمْنَا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ

کہو اے اہل کتاب تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو سوا اس کے کہ ہم اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر نازل

إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ مِن قَبْلُ وَأَنَّ أَكْثَرَكُمْ فَسِقُونَ ﴿۱۴۶﴾ هَلْ

ہوئی اس پر اور جو (کتابیں) پہلے نازل ہوئیں اُن پر ایمان لائے ہیں اور تم میں اکثر بد کردار ہیں۔ کہو کہ

هَلْ أَنْبَأُكُمْ بِشَرِّ مِّنْ ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ ۚ مَن لَّعَنَهُ اللَّهُ

میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں اس سے بھی بدتر جزا پانے والے کون ہیں، وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی

وَعَزَبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرْدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ ۝

اور جن پر غضبناک ہوا اور ر (جن کو) ان میں سے بندر اور رسور بنا دیا

أُولَئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ ۝۴۰

اور جنہوں نے شیطان کی پرستش کی ایسے لوگوں کا برا ٹھکانا ہے اور وہ سیدھے رستے سے بہت دور ہیں۔

وَإِذَا جَاءَ وَكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا بِالْكَفْرِ

اور جب یہ لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ کفر لے کر آتے ہیں

وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ۝ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ۝۴۱ ۝ تَرَى كَثِيرًا

اور اسی کو لے کر جاتے ہیں اور جن باتوں کو یہ مخفی رکھتے ہیں اللہ ان کو خوب جانتا ہے۔ اور تم دیکھو گے کہ

مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتِ لَبِئْسَ مَا كَانُوا

ان میں اکثر گناہ اور زیادتی اور حرام کھانے میں جلدی کر رہے ہیں بے شک یہ جو کچھ کرتے ہیں

يَعْمَلُونَ ۝۴۲ ۝ لَوْلَا يُنْهَاهُمُ الرَّبُّنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَن قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ

برا کرتے ہیں۔ بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں

وَأَكْلِهِمُ السُّحْتِ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝۴۳ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُودُ

اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے بلاشبہ وہ بھی برا کرتے ہیں۔ اور یہود کہتے ہیں

يَدُ اللَّهِ مَغْلُوبَةٌ غَلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا

کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے (یعنی اللہ بخیل ہے) انہیں کے ہاتھ باندھے جائیں اور ایسا کہنے کے سبب ان پر لعنت ہو

بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ

[اس کا ہاتھ بندھ ہوا نہیں) بلکہ اُس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے] [۷۰]

وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا

اور (اے محمد ﷺ!) یہ جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوئی اس سے اُن میں سے اکثر کی شرارت

وَكُفْرًا ط وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ كُلَّمَا

اور انکار اور بڑھے گا۔ اور ہم نے اُن میں عداوت اور بغض قیامت تک کیلئے ڈال دیا ہے یہ جب

[۷۰] اس جملے کا ظاہری حقیقی معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے اور ہاتھوں کی یہ صفت بھی ہے کہ دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں

یہ مفرد بھی ذکر ہوا ہے جیسے کہ سورۃ فتح: ۱۰، میں اور جمع بھی سورۃ یس: ۷۰، میں، یہ مسئلہ بھی اسماء و صفات

میں سے ہے، ہم اس کو ظاہر پر حمل کرتے ہیں کہ معنی تو ظاہر ہے لیکن کیفیت مجہول ہے یہی صفت بہت سی احادیث میں بھی

مذکور ہے۔ ایک روایت عبداللہ بن عمرو سے امام مسلم نے ۳ کتاب الامارۃ: ۱۸۲، میں نقل کی ہے کہ: قال رسول

اللہ ﷺ ان المقسطین علی منابر من نور عن یمین الرحمن عز وجل، وکلنا یدیہ یمین، الذین یعدلون

فی اہلہم و حکمہم و ما ولوا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انصاف کرنے والے (قیامت کے دن) اللہ ﷻ

کے دائیں طرف نور کے منبروں پر ہونگے، اور اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ ہی دائیں ہیں یعنی وہ لوگ جو اپنے اہل و عیال،

اور رعایا میں فیصلہ عدل و انصاف سے کرتے ہیں۔ سورۃ الزمر: ۶۷، میں بھی یہ صفت ہاتھ کی ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دائیں

ہاتھ، اس مسئلہ میں احادیث بہت زیادہ ہیں صرف مذکورہ حدیث پر اکتفاء کرتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہے کہ جب ید (ہاتھ) کا ذکر ہو جائے تو اس سے مراد انسانی ہاتھ ہوتا ہے تو اس وجہ سے ہم

یہاں تاویل کرنے پر مجبور ہیں جبکہ یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ هو المکون من العظم واللحم و

الاعصاب بہذہ کیفیۃ، (یعنی الجارحۃ) الحام العوام: ۴۷، للغزالی و کتاب الاسماء و الصفات

للبیہقی: ۴۹، ۵۰۔ تو ہم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ علی القاری نے شرح فقہ اکبر: ۴۴، میں لکھا ہے [و لایقال] ای

فی مقام التاویل کما علیہ بعض الخلف مخالفین للسلف . [ان یدہ قدرتہ] ای بطریق الکناہیة [اونعمتہ] ای بناء علی ان الید یطلق علی النعمة..... [لان فیہ] ای فی تاویلہ [ابطال الصفة] ای فی الجملة لانه تعالیٰ حیث اطلق الید ولم یذكر القدرة و النعمة بدلها فالظاهر انه اراد بها غیر معانیها..... ثم اكد القضية بقوله [ولکن یدہ صفتہ بلا کیف] ای بلا معرفة الی کیفیتہ کعجزنا عن کنہ۔

اسی طرح بدرالدین عینی عمدة القاری: ۲۲۲/۱، میں لکھتا ہے: ولفظ الید من المتشابهات ففی مثل هذا افترق العلماء علی فرقتین: احدا هم اماماتسمى مفوضة، وهم الذين يفوضون الامر فیها الی الله تعالیٰ قائلین [وما یعلم تاویلہ الا الله] ال عمران: ۷، و الاخری تسمى مؤلة، وهم الذين يؤولون مثل هذا كما یقال المراد من الید القدرة عاطفین [و الراسخون فی العلم] ال عمران: ۷، علی: الله، و الاول اسلم و الثانی احکم قلت، ذکر ابو حنیفة ان تاویل الید بالقدرة و نحو ذلك یؤدی الی التعطیل، فان الله تعالیٰ اثبت لنفسه یدا فاذا اولت بالقدرة یصیر عین التعطیل، وانما الذی ینبغی فی مثل هذا ان نؤمن بما ذکره الله من ذلك علی ما اراده و لان شغل بتاویلہ فنقول له ید علی ما اراده لا کید المخلوقین و كذلك فی نظائر ذلك.

مزید وضاحت کے لئے ہم ان کو کہتے ہیں کہ ہاتھ کی جو تعریف ہے یہ انسانی ہاتھ کا ہے، جبکہ اس کے علاوہ قرآن و سنت میں اور ہاتھوں کا بھی ذکر ہے تو وہاں آپ یہ تعریف صادق نہیں کر سکیں گے؟۔

(۱) سورہ انعام: ۹۳، میں ملائکہ کے ہاتھ کا ذکر ہے۔ (۲) جبرئیل علیہ السلام کے ہاتھ کا ذکر فتح الباری: ۱۴۲/۱، میں، اور امام احمد نے مسند: ۴۵۷/۲۹، میں، ابو مالک کی حدیث میں ذکر کیا ہے کہ: ان النبی ﷺ بینما هو جالس فی مجلس فیہ اصحابہ، جاءه جبرئیل علیہ السلام فی غیر صورته یحسبہ رجلا من المسلمین فسلم علیہ فرد علیہ السلام ثم وضع جبرئیل یدہ. الحدیث:۔ (۳) اس ملک کا ہاتھ جو کہ بادلوں پر مقرر ہے، مسند احمد: ۲۸۵/۴، میں لمبی حدیث ہے درمیان میں فرماتا ہے: قالوا اخبرنا ما هذا الرعد؟ قال: ملک من ملائكة الله عزوجل مؤکل بالسحاب بیده او فی یدہ مخراق من نار یزجر بہ

السحاب . الحدیث .

(۴) جنات کے ہاتھوں کو بھی ید کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث ابن ابی بن کعبؓ میں ہے جو کہ مسند الشاشی: ۳۳۷، اور نسائی نے سنن الکبریٰ: ۳۵۲/۹، اور ابن حبان نے رقم: ۸۴۷، میں نقل کیا ہے کہ: ان اباء اخبرہ انه کان لهم جرین فیہ تمر، فكان ابی یعاهدہ فوجده ینقص فحرسہ ذات لیلة فاذا هو بدابة شبیه الغلام المحتلم قال: فسلمت فرد السلام فقلت له من انت أجن ام انس؟ قال جن، قال ناولنی یدک قال فناولنی فاذا ید کلب وشعر، فقلت له أهكذا خلق الجن . الحدیث .

(۵) گھوڑے کے آگلے پاؤں کو ید کہا جاتا ہے: جیسا کہ حدیث ابن ہریرہؓ میں ہے کہ: عن ابی ہریرہؓ قال کان رسول اللہ ﷺ یکرہ الشکال من الخیل والشکال: ان یکون الفرس فی رجله الیمنی بیاض، وفی یدہ الیسری او فی یدہ الیمنی ورجلہ الیسری [مسلم رقم: ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۸۷۵، ابو داؤد رقم: ۲۵۴۷، ترمذی رقم: ۱۶۹۸: یعنی ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے میں شکال کو مکروہ سمجھتے تھے اور شکال یہ ہے کہ گھوڑے کے دائیں پاؤں اور بائیں ہاتھ میں سفیدی ہو یا دائیں ہاتھ اور بائیں پاؤں میں سفیدی ہو۔

(۶) اونٹ کے آگلے پاؤں کو ید کہا گیا ہے ابو داؤد میں عبد اللہ ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: افاض رسول اللہ ﷺ من عرفة وعلیه السکینة وردیفہ اسامة فقال یا ایہا الناس علیکم بالسکینة فان البرلیس بایحاف الخیل و الابل. قال فمارأیتہار افعۃ یدبہا عادیة حتی اتی جمعا. زاد وہب ثم اردف الفضل بن عباسؓ وقال ایہا الناس ان البرلیس بایحاف الخیل و الابل. قال فمارأیتہار افعۃ یدبہا حتی اتی منی - کہ رسول اللہ ﷺ عرفات سے لوٹے اطمینان اور سہولت سے اور آپ کے ساتھ اسامہؓ سوار تھے آپ نے فرمایا اے لوگو، لازم ہے تم پر آہستہ اطمینان سے چلنا، کیونکہ گھوڑوں اور اونٹوں کا دوڑنا کچھ نیکی نہیں ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا پھر میں نے کسی گھوڑے یا اونٹ کو نہ دیکھا جو ہاتھ اٹھائے دوڑتا ہو۔ یہاں تک کہ آپ مزدلفہ میں آئے وہاں فضل بن عباسؓ کو اپنے ساتھ بٹھایا پھر فرمایا اے لوگو، نیکی گھوڑے یا اونٹ کے دوڑانے کا نام نہیں ہے لازم جانو، اطمینان سے آہستہ چلنا، ابن عباسؓ نے کہا: پھر میں نے کسی گھوڑے یا اونٹ کو نہ دیکھا جو ہاتھ (آگے کے پاؤں ان کو ہاتھ کہتے ہیں) اٹھائے دوڑتا ہو (بلکہ سب آہستہ چلنے

لگے)۔ ابوداؤد: ۱۳۸۲/۲، رقم: ۱۹۲۰۔

(۷) ید القمیص: یعنی آستین کو بھی ید کہا گیا ہے۔ امیہ سے روایت ہے کہ: انہا سألت عائشة عن قول اللہ تبارک وتعالیٰ ﴿ان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوه یحاسبکم بہ اللہ﴾ بقرہ: ۲۸۴. وعن قوله ﴿من یعمل سوء یجزیہ﴾ النساء: ۱۲۳. فقالت ما سألتی عنہا احد من ذسألت رسول اللہ ﷺ فقال هذه معاتبہ اللہ العبد بما یصیبہ من الحمی والنکبۃ حتی البضاعة یضعہا فی ید قمیصہ فیفقدہا فیفزع لها حتی ان العبد لیخرج من ذنوبہ کما یخرج التبر الاحمر من الکبیر۔ یعنی اس نے عائشہ سے پوچھا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق، اگر تم ظاہر کر دو جو تمہاری دلوں میں ہے یا اس کو چھپا لو، اللہ تم سے اس کا حساب لے گا، اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے متعلق جو شخص برا عمل کرے گا اس کا بدلہ دیا جائے گا۔ عائشہ نے فرمایا: جب سے میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا بندے پر عتاب کرنا ہے جو بندے کو بخاریارنج وغیرہ پہنچتا ہے یہاں تک کہ مال سے کوئی چیز جس کو وہ اپنے کرتے کی آستین میں رکھتا ہے اس کو گم پاتا ہے اس کے لئے غمگین ہوا، یہاں تک کہ بندہ اپنے گناہوں سے اس طرح نکل جاتا ہے جس طرح سونا بھٹی سے سرخ نکلتا ہے۔ ترمذی رقم: ۲۹۹۱، ومسند احمد: ۲۱۸۶، اور اسی طرح ایک روایت عبد اللہ ابن عباس سے کتاب المعجم: ۱۱۷، میں بھی مروی ہے۔

(۸) ید الاسد: یعنی شیر کی آگے کی ٹانگوں کو بھی ید کہا گیا ہے جیسا کہ حدیث عثمان میں ہے جو کہ قسطلی نے کتاب الدلائل: ۵۳۰/۲، اور طبقات فضول الشعراء: ۵۹۳/۲، اور الاغانی: ۱۲/۱۲، ۱۳۱، میں منقول ہے کہ فضر ب ید یدہ فارہج وکشر فارہج عن انیاب کالمعاول (الحدیث)۔

(۹) ید الصورة: یعنی تصویر یا جسد بغیر روح کے ہاتھ کو بھی ید کہا گیا ہے۔ جو کہ سورہ اعراف: ۱۹۵، میں مذکور ہے۔

(۱۰) ید الشیطان (شیطان کی ہاتھ) کو ید کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ابن کثیر نے سورہ انفال، آیت: ۲۸، کی ذیل میں ایک روایت نقل کی ہے کہ: وکانت یدہ فی ید رجل من المشرکین، انتزع یدہ ثم ولی مدبراً۔ مزید تفصیل کے لئے امام ذہبی کی کتاب الاربعین ملاحظہ فرمائیں۔

أَوْ قَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَاهَا اللَّهُ وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۗ وَاللَّهُ

لرؤی کیلئے آگ جلاتے ہیں اللہ تعالیٰ اُس کو بجھا دیتا ہے اور یہ ملک میں فساد کیلئے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۴۴﴾ ۗ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا

فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو

عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَآدْخُلْنَهُمْ جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿۴۵﴾ ۗ

ہم ان سے ان کے گناہ محو کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغوں میں داخل کرتے۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ

اور اگر وہ تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوئیں ان کو قائم رکھتے

لَا كَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمَنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۗ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ

تو (ان پر رزق مینہ کی طرح برستا کہ) اپنے اوپر سے اور پاؤں کے نیچے سے کھاتے۔ ان میں کچھ لوگ میانہ روی ہیں اور بہت

سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿۴۶﴾ ۗ أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ

سے ایسے ہیں جن کے اعمال بُرے ہیں۔ اے پیغمبر! جو ارشادات اللہ کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں

وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۗ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ

سب لوگوں کو پہنچا دو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم اللہ کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے اور اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے رکھے گا

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۴۷﴾ ۗ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ

بیشک اللہ منکروں کو ہدایت نہیں کرتا۔ [۸] کہو کہ اے اہل کتاب!

[۸] ما: موصولہ ہے جو عموم کے لئے ہے اور اس سے وہ تمام احکام مراد ہیں جو وحی جلی یا وحی خفی کے ذریعے آپ ﷺ

پر نازل ہوئے، یہاں ”ما انزل“ سے چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں جو آگے آرہی ہیں۔ ”وان لم تفعل“ الایۃ اگر آپ ﷺ نے ایک چیز کا بھی انخفا کیا اور اس کی تبلیغ نہ کی تو آپ ﷺ نے حق تبلیغ ادا نہیں کیا، اسی طرح نبی کریم ﷺ کے جانشین علماء کا بھی فرض ہے کہ قرآن و سنت کے تمام احکام کی اشاعت کریں، اگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ بعض قرآنی احکام کو بعض دنیوی مصلحتوں اور ذاتی اغراض کی وجہ سے بیان نہ کیا مثلاً شرک و بدعت کا رد نہ کیا اور غیر اللہ کی نذر و نیاز کا مسئلہ بیان نہ کیا تو انہوں نے حق تبلیغ ادا نہیں کیا اور ان کی باقی احکام کی تبلیغ بھی اللہ کی یہاں مقبول نہیں ہوگی۔

اس معنی کی تائید عائشہؓ کی روایت سے ہوتی ہے، کہ: ومن زعم ان محمداً ﷺ کتم شیئاً من کتاب اللہ فقد اعظم علی اللہ الفریۃ، لان اللہ یقول: ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ (بخاری: کتاب التفسیر، سورت النجم، ترمذی: ۳۰۶۸) کہ جس نے زعم کیا کہ محمد ﷺ نے وحی میں کچھ چھپایا تو وہ جھوٹا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، الایۃ۔ یعنی آپ ﷺ اللہ کے تمام احکام کی تبلیغ کئے جائیں، اور مشرکین کی مخالفت طعن و تشنیع اور ملامت کی پرواہ نہ کریں، اللہ آپ کو ان کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ اور ایک دوسری روایت عائشہؓ سے نقل ہے کہ: ان رسول اللہ ﷺ سهر ذات لیلة وهی الی جنبه، قالت فقلت ماشانک یا رسول اللہ؟ قال لیت رجلاً صالحاً من اصحابی یحرسنی الیلۃ؟ قالت فینا انا علی ذلک اذ سمعت صوت السلاح، فقال من هذا؟ فقال اناسعد بن مالک فقال ماجاء بک؟ قال جئت لاحرسک یا رسول اللہ، قالت فسمعت غطیط رسول اللہ ﷺ یبکی نومہ. اخرجه احمد فی مسنده: ۶/۱۲۰، ۱۲۱، و بخاری کتاب الجهاد باب الحراسة فی الغزو۔

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات کو رسول اللہ ﷺ بیدار تھے، نیند نہیں آرہی تھی، میں نے کہا یا رسول اللہ آج کیا بات ہے؟ فرمایا کاش کہ کوئی میرا نیک بخت صحابی آج پہرا دیتا، یہ بات ہو رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی، آپ ﷺ نے فرمایا، کون ہے؟ جواب ملا، کہ میں سعد بن مالک ہوں، فرمایا کیسے آئے؟ جواب دیا اس لئے کہ رات بھر آپ ﷺ کی چوکیداری کروں، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ با آرام سو گئے، یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔

”ان اللہ لایہدی“ الایۃ آپ ﷺ کی تبلیغ کئے جائیں اگر کچھ لوگ آپ کی تبلیغ سے متاثر نہیں ہوتے اور ہدایت قبول نہیں کرتے تو آپ اس کا غم نہ کریں۔ جو لوگ ایمان نہیں لاتے وہ معاندین ہیں، اور معاندین کے دلوں پر ان کی ضد و عناد کی وجہ سے مہر جباریت لگ جاتی ہے، اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت کی توفیق نہیں ملتی۔

لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ مِنْ

جب تک تم تورات اور انجیل کو اور جو (اور کتابیں) تمہارے رب کی طرف سے تم لوگوں پر نازل ہوئیں اُن کو قائم نہ رکھو گے

رَبِّكُمْ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ط

کچھ بھی راہ پر نہیں ہو سکتے اور (یہ قرآن) جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے اس سے اُن میں سے اکثر کی سرکشی اور کفر اور بھی بڑھائے گا

فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٤٨﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا

تو تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو۔ جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان لائیں گے اور نیک عمل کریں گے خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی

وَالصَّبِؤْنَ وَالنَّصَارَى مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا

یا ستارہ پرست یا عیسائی ان کو (قیامت کے دن)

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٩﴾ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ

نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے۔ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد بھی لیا

وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا ط كَلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَى أَنْفُسُهُمْ

اور ان کی طرف پیغمبر بھی بھیجے (لیکن جب کوئی پیغمبر ان کے پاس ایسی باتیں لے کر آتا جن کو اُن کے دل نہیں چاہتے تھے

فَرِيقًا كَذَبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ﴿٥٠﴾

تو وہ (انبیاء کی) ایک جماعت کو تو جھٹلا دیتے اور ایک جماعت کو قتل کر دیتے تھے۔

وَحَسِبُوا أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةً فَعَمَّوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

اور یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی آفت نہیں آئے گی تو وہ اندھے اور بہرے ہو گئے پھر اللہ نے اُن پر مہربانی فرمائی

ثُمَّ عَمَّوْا وَصَمُّوْا كَثِيرٌ مِنْهُمْ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٥١﴾

(لیکن) پھر اُن میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ اُن کے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ

وہ لوگ بلاشبہ کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ مریم کے بیٹے مسیح، اللہ ہیں حالانکہ مسیح یہودیوں سے کہا کرتے تھے

يَبْنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ

کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی جو شخص اللہ کیساتھ شرک کرے گا

فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

اللہ اس پر جنت کو حرام کر دے گا اور اُس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَلَاثٌ ثَلَاثَةٌ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهٌ وَاحِدٌ

وہ لوگ (بھی) کافر ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ اللہ تین تین میں کا تیسرا ہے۔ حالانکہ اس موجودیکتا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ

اگر یہ لوگ ایسے اقوال سے باز نہیں آئیں گے تو ان میں جو کافر ہوئے ہیں وہ دردناک عذاب پائیں گے

﴿۷۳﴾ فَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۷۴﴾

تو یہ کیوں اللہ کے آگے توبہ نہیں کرتے اور اُس سے گناہوں کی معافی نہیں مانگتے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔

مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ

مسیح ابن مریم تو صرف (اللہ کے) پیغمبر تھے اُن سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور اُن کی والدہ (مریم) اللہ کی ولی

كَانَا يَأْكُلَنِ الطَّعَامَ ۗ أَنْظُرْ كَيْفَ نَبِّئِنُ لَهُمُ الْآيَاتِ

اور سچی فرمانبردار تھیں دونوں (انسان تھے اور) کھانا کھاتے تھے دیکھو ہم ان لوگوں کیلئے اپنی آیتیں کس طرح کھول کھول کر

ثُمَّ أَنْظُرْ أَنى يُؤْفَكُونَ ﴿۷۵﴾ قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

بیان کرتے ہیں پھر دیکھو کہ یہ کدھرا لٹے جا رہے ہیں۔ کہو کہ تم اللہ کے سوا ایسی چیز کی کیوں پرستش کرتے ہو

﴿۷۴﴾ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

جس کو تمہارے نفع اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں اور اللہ ہی سنتا جانتا ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ

کہو کہ اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق مبالغہ نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش کے پیچھے نہ چلو جو

﴿۷۷﴾ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ

پہلے گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اکثر گمراہ کر گئے اور سیدھے رستے سے بھٹک گئے۔

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ

جو لوگ بنی اسرائیل میں کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان سے لعنت کی گئی

﴿۷۸﴾ مَرِيْمَ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ

یہ اس لئے کہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔

﴿۷۹﴾ كَانُوا لَا يَتَنَهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ

(اور) بُرے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو نہیں روکتے تھے بلاشبہ وہ بُرا کرتے تھے۔

تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ

تم ان میں سے بہتوں کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی رکھتے ہیں انہوں نے جو کچھ اپنے واسطے آگے بھیجا ہے بُرا ہے

﴿۸۰﴾ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ

(وہ یہ) کہ اللہ ان سے ناخوش ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں (بتلا) رہیں گے۔

وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا لَهُمْ أَوْلِيَاءَ

اور اگر وہ اللہ پر اور پیغمبر پر اور جو کتاب ان پر نازل ہوئی تھی اُس پر یقین رکھتے تو ان لوگوں کو دوست نہ بناتے

وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۱﴾ جَدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً

لیکن اُن میں اکثر بدکردار ہیں۔ (اے پیغمبر!) تم دیکھو گے کہ مومنوں کیساتھ سب سے زیادہ دشمنی کرنے والے

لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودُ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا

یہودی اور مشرک ہیں اور دوستی کے لحاظ سے مومنوں کے قریب تر اُن لوگوں کو پاؤ گے

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيَسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۲﴾

جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ اُن میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی اور وہ تکبر نہیں کرتے۔ [9]

[9] ان آیات میں مسلمانوں کے ساتھ عداوت یا مودت کے معیار سے ان اہل کتاب کا ذکر فرمایا گیا ہے، جو اپنی حق

پرستی اور خوفِ الہی کی وجہ سے مسلمانوں سے بغض و عداوت نہیں رکھتے تھے، مگر ان اوصاف کے لوگ یہود میں بہت کم، بلکہ

معدوم تھے، جیسے عبداللہ ابن سلامؓ وغیرہ، نصاریٰ میں نسبتاً ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ تھی، خصوصاً نبی ﷺ کے عہد میں ملک

حبشہ کا بادشاہ نجاشی اور وہاں کے حکام و عوام میں ایسے لوگوں کی بڑی تعداد تھی، اور اسی سبب سے جب مکہ مکرمہ کے مسلمان

قریش کے مظالم سے تنگ آ گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کا مشورہ دیا، اور فرمایا کہ میں نے

سنا ہے کہ حبشہ کا بادشاہ نہ خود ظلم کرتا ہے، نہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے دیتا ہے، اس لئے مسلمان کچھ عرصہ کے لئے وہاں چلے

جائیں۔ اس مشورہ پر عمل کرتے ہوئے پہلی مرتبہ گیا رہ صحابہ کرام حبشہ کی طرف نکلے، جن میں عثمان غنیؓ اور ان کی زوجہ رسول

کریم ﷺ کی صاحبزادی رقیہؓ بھی شامل تھیں۔

اس کے بعد جعفر بن ابی طالبؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک بڑا قافلہ جو عورتوں کے علاوہ بیاسی

(۸۲) مردوں پر مشتمل تھا، حبشہ پہنچ گیا، شاہ حبشہ اور وہاں کے باشندوں نے ان کا شریفانہ استقبال کیا اور یہ لوگ امن

و عافیت سے وہاں رہنے لگے، قریش مکہ کے غیض و غضب نے ان کو اس پر بھی نہ رہنے دیا، کہ یہ لوگ کسی دوسرے ملک میں

اپنی زندگی عافیت سے گذار لیں، انہوں نے اپنا ایک وفد بہت سے تحفے دے کر شاہ حبشہ کے پاس روانہ کیا، اور یہ

درخواست کی کہ ان مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دیں، مگر شاہ حبشہ نے حالات کی تحقیق کی، اور جعفر بن ابی طالبؓ اور ان

کے رفقاء سے اسلام اور پیغمبر اسلام کے حالات معلوم کئے، ان حالات اور اسلام کی تعلیمات کو عیسائی علیہ السلام اور انجیل کی

پیشگوئی کے عین مطابق پایا، جس میں خاتم الانبیاء ﷺ کی بعثت کا ذکر اور ان کی تعلیمات کا مختصر خاکہ، اور ان کا اور ان کے صحابہ کا حلیہ وغیرہ مذکور تھا، اس سے متاثر ہو کر شاہ حبشہ نے قریشی وفد کے ہدیئے، تحفے واپس کر دئے اور ان کو صاف جواب دے دیا کہ میں ایسے لوگوں کو اپنے ملک سے نکلنے کا کبھی حکم نہیں دے سکتا۔

جعفر بن ابی طالبؓ نے نجاشی کے دربار میں اسلام اور اس کی تعلیمات کا ایک مختصر مگر جامع خاکہ کھینچ دیا تھا، اور پھر ان صحابہ کرام کے قیام نے نہ صرف اس کے دل میں بلکہ وہاں کے حکام و عوام سب کے دل میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سچی محبت و عظمت پیدا کر دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی، اور وہاں آپ ﷺ کا اور صحابہ کرامؓ کا مطمئن ہو جانا معلوم ہوا، اور مہاجرین حبشہ نے مدینہ طیبہ جانے کا عزم کیا تو نجاشی نے ان کے ساتھ اپنے ہم مذہب نصاریٰ کے بڑے بڑے علماء، مشائخ کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بھیجا، جو ستر آدمیوں پر مشتمل تھا، جن میں باسٹھ (۶۲) آدمی حبشہ کے اور آٹھ (۸) شام کے تھے۔

یہ وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک درویشانہ اور راہبانہ لباس میں ملبوس حاضر ہوا، رسول اللہ ﷺ نے ان کو سورہ یسین پڑھ کر سنائی، یہ لوگ سنتے جاتے تھے اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، سب نے کہا کہ یہ کلام اس کلام کے کتنا مشابہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوتا تھا، اور یہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ ان کی واپسی پر نجاشی نے بھی اسلام کا اعلان کر دیا اور اپنا ایک خط دے کر اپنے صاحبزادے کو ایک دوسرے وفد کا قائد بنا کر بھیجا، مگر سوء اتفاق سے یہ کشتی سمندر میں غرق ہو گئی، الغرض حبشہ کا بادشاہ اور حکام و عوام نے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ نہ صرف شریفانہ اور عادلانہ سلوک کیا بلکہ بالآخر خود بھی مسلمان ہو گئے۔

جمہور مفسرین نے فرمایا کہ آیات متذکرہ انہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئیں ہیں: لتجدن اقربہم مودۃ للذین امنوا الذین قالوا اننا نصاریٰ: اور بعد کی آیات میں ان کا خوف حق تعالیٰ سے رونا اور حق کو قبول کرنا بیان فرمایا گیا ہے، اس پر بھی جمہور مفسرین کا اتفاق ہے کہ اگرچہ یہ آیات نجاشی اور اس کے بھیجے ہوئے وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، لیکن الفاظ میں عموم ہے، اس لئے اس کا حکم ان تمام نصاریٰ کے لئے عام اور شامل ہے، جو اہل حبشہ کی طرح حق پرست اور انصاف پسند ہوں، یعنی اسلام سے پہلے انجیل کے تابع تھے، اور اسلام آنے کے بعد اسلام کے پیروکار ہو گئے۔

یہود میں بھی اگرچہ چند افراد اسی شان کے موجود تھے، جو عہد موسوی میں تورات پر عامل رہے، پھر اسلام آنے کے بعد اسلام کے حلقہ بگوش ہو گئے، لیکن یہ اتنی کم تعداد تھی کہ امتوں اور قوموں کے ذکر کے وقت اس کو ذکر نہیں

کیا جاسکتا ہے، باقی یہود کا حال کھلا ہوا تھا، کہ وہ مسلمانوں کی عداوت اور بیخ کنی میں سب سے آگے تھے، اسی لئے صدر آیت میں یہود کا یہ حال ذکر فرمایا: لتجدن اشد الناس عداوة للذین امنوا الیہود: یعنی مسلمانوں کی عداوت میں سب سے زیادہ سخت یہود ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ اس آیت میں نصاریٰ کی ایک خاص جماعت کی مدح فرمائی گئی ہے جو خوفِ الہی اور حق پرستی کی حامل تھی، اس میں نجاشی اور اس کے اعموان بھی داخل ہیں۔ اور دوسرے نصاریٰ بھی جو ان صفات کے حامل تھے، یا آئندہ زمانہ میں داخل ہوں، لیکن اس کے یہ معنی نہ آیات سے نکلتے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں کہ نصاریٰ خواہ کیسے بھی گمراہ ہو جائیں اور اسلام دشمنی میں کتنے ہی سخت اقدام کریں ان کو بہر حال مسلمانوں کا دوست سمجھا جائے، اور مسلمان ان کی دوستی کی طرف ہاتھ بڑھائیں، کیونکہ یہ بدایۃ غلط اور واقعات کے قطعاً خلاف ہے، اسی لئے ابو بکر جصاص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ بعض جاہل جو یہ خیال کرتے ہیں کہ ان آیات میں مطلقاً نصاریٰ کی مدح ہے اور وہ علی الاطلاق یہود سے بہتر ہیں، یہ سراسر جہالت ہے، کیونکہ اگر عام طور پر دونوں جماعتوں کے مذہبی عقائد کا موازنہ کیا جائے تو نصاریٰ کا مشرک ہونا زیادہ واضح ہے، اور مسلمانوں کے ساتھ معاملات کو دیکھا جائے تو آج کل کے عام نصاریٰ نے بھی اسلام دشمنی میں یہودیوں سے کم حصہ نہیں لیا، ہاں یہ صحیح ہے کہ نصاریٰ میں ایسے لوگوں کی کثرت ہوئی ہے، جو حق پرست تھے، اسی کے نتیجے میں ان کو قبول اسلام کی توفیق ہوئی، اور یہ آیات ان دونوں جماعتوں کے مابین اسی فرق کو ظاہر کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں خود اسی آیت کے آخر میں قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح فرما دیا ہے: ذلک بان منہم قسیسین و رہبانا وانہم لایستکبرون: یعنی جن نصاریٰ کی مدح ان آیات میں کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں علماء اور متقیین، تارک الدنیا افراد ہیں اور ان میں تکبر نہیں کہ دوسروں کی بات پر غور کرنے کے لئے تیار نہ ہوں، مقابلہ سے معلوم ہوا کہ یہود کے یہ حالات نہ تھے، ان میں حق پرستی نہ تھی، ان کے علماء نے بھی بجائے ترک دنیا کے اپنے علم کو صرف ذریعہ معاش بنا لیا تھا، اور طلب دنیا میں ایسے مست ہو گئے تھے کہ حق و ناحق اور حلال اور حرام کی بھی پروا نہ رہی تھی، آیت مذکورہ کے بیان سے ایک اہم بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ قوم و ملت کی اصلی روح حق پرست، اور متقی علماء و مشائخ ہیں، ان کا وجود پوری قوم کی حیات ہے جب تک کسی قوم میں ایسے علماء و مشائخ موجود ہوں جو دنیوی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں، تقویٰ ان کا مقام ہو تو وہ قوم خیر و برکت سے محروم نہیں ہوتی۔

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ

اور جب اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو پیغمبر (محمد ﷺ) پر نازل ہوئی تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھوں

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا

سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق بات پہچان لی اور وہ عرض کرتے ہیں کہ اے رب!

آمَنَّا فَكُتِبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿۸۳﴾ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ

ہم ایمان لے آئے تو ہمیں ماننے والوں میں لکھ لے۔ اور ہمیں کیا ہوا ہے کہ اللہ پر اور حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے

الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبَّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿۸۴﴾ إِنَّا نَبْغِيهِمُ اللَّهُ

ایمان نہ لائیں اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ اللہ ہمیں نیک بندوں کیساتھ (جنت میں) داخل کرے گا۔ تو اللہ نے ان کو اس کہنے

بِمَا قَالُوا جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ

کے عوض (جنت کے) باغ عطا فرمائے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور نیکو کاروں کا یہی

الْمُحْسِنِينَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

صلہ ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں۔

الْجَحِيمِ ﴿۸۶﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْرِمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ

مومنو! جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہیں

وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ

اُن کو حرام نہ کرو اور حد سے نہ بڑھو کہ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے اُسے کھاؤ

حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا

اور اللہ سے جس پر ایمان رکھتے ہو ڈرتے رہو۔ اللہ تمہاری بے ارادہ قسموں پر تم سے مواخذہ نہ کرے گا

بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ
 لیکن پختہ قسموں پر (جن کے خلاف کرو گے) مواخذہ کرے گا تو اُس کا کفارہ
 إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ
 دس محتاجوں کو اوسط درجے کا دو وقت کھانا کھلانا ہے جو تم اپنے اہل و عیال کو کھلاتے ہو یا اُن کو کپڑے دینا
 أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ
 یا ایک غلام آزاد کرنا۔ اور جس کو یہ میسر نہ ہو وہ تین روزے رکھے۔ یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے
 إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ
 جب تم قسم کھا لو (اور اسے توڑ دو) اور (تم کو) چاہیے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔ اس طرح اللہ تمہارے
 لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۰۹﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ
 اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم شکر کرو۔ [۱۰] اے ایمان والو! شراب

[۱۰] اس آیت میں قسم کھانے کی چند صورتوں کا بیان ہے، بعض کا بیان سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے، اور خلاصہ سب
 کا یہ ہے کہ اگر کسی گذشتہ واقعہ پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے اس کو اصطلاح فقہاء میں بیمن غموس کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص
 نے کوئی کام کر لیا ہے، اور وہ جانتا ہے کہ میں نے یہ کام کیا ہے، اور پھر جان بوجھ کر قسم کھالے کہ میں نے یہ کام نہیں کیا، یہ
 جھوٹی قسم سخت گناہ کبیرہ اور موجب وبال دنیا و آخرت ہے، مگر اس پر کوئی کفارہ واجب نہیں ہوتا، تو بہ و استغفار لازم ہے، اسی
 لئے اس کو اصطلاح فقہاء میں بیمن غموس کہا جاتا ہے کیونکہ غموس کے معنی ڈوبادینے والے کے ہیں، یہ قسم انسان کو گناہ
 اور وبال میں غرق کر دینے والی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی گذشتہ واقعہ پر اپنے نزدیک سچا سمجھ کر قسم کھائے اور واقع میں وہ غلط ہو مثلاً کسی ذریعہ
 سے یہ معلوم ہوا کہ فلاں شخص آگیا ہے، اس پر اعتماد کر کے اس نے قسم کھالی، کہ وہ آگیا ہے، پھر معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کے
 خلاف ہے، اس کو بیمن لغو کہتے ہیں۔ اسی طرح بلا قصد زبان سے لفظ قسم نکل جائے تو اس کو بھی بیمن لغو کہا جاتا ہے اس کا حکم

یہ ہے کہ نہ اسپر کفارہ ہے نہ گناہ۔

تیسری صورت قسم کی یہ ہے کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اس کو یقین منعقدہ کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس قسم کو توڑنے کی صورت میں کفارہ واجب ہوتا ہے اور بعض صورتوں میں اس پر گناہ بھی ہوتا ہے۔ بعض میں نہیں ہوتا۔ اس جگہ قرآن کریم کی ایت مذکورہ میں بظاہر لغو سے وہی قسم مراد ہے جس پر کفارہ نہیں خواہ گناہ ہو یا نہ ہو کیونکہ بالمقابل ”عقدتم الایمان“ مذکور ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں مواخذہ سے مراد صرف دنیا کا مواخذہ ہے جو کفارہ کی صورت میں ہوتا ہے۔

اور سورہ بقرہ کی ایت: ۲۵۲، میں ارشاد ہے: ﴿لَا يُوَافِقُكُمْ اللَّهُ بِاللُّغُوفِ إِيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُوَافِقُكُمْ بِمَا كَسَبْتُمْ قُلُوبِكُمْ﴾۔ اس میں لغو سے مراد وہ قسم ہے۔ جو بلا قصد و ارادہ زبان سے نکل جائے، یا اپنے نزدیک سچی بات سمجھ کر قسم کھالے۔ مگر وہ واقع میں غلط نکلے۔ اس کے بالمقابل وہ قسم مذکور ہے جس میں قصد اجموت بولا گیا ہو۔ جس کو یقین غموس کہتے ہیں۔ اس لئے اس ایت کا حاصل یہ ہوا کہ یقین لغو پر تو کوئی گناہ نہیں بلکہ گناہ یقین غموس پر ہے جس میں قصد کر کے جھوٹ بولا گیا ہو تو سورہ بقرہ میں حکم آخرت کے گناہ کا بیان ہے، اور اس سورت کی ایت متذکرہ میں دنیوی حکم یعنی کفارہ کا۔ جس کا حاصل یہ ہوا کہ یقین لغو پر اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ یعنی کفارہ واجب نہیں کرتا، بلکہ کفارہ صرف اس قسم پر لازم کرتا ہے جو آئندہ زمانے میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں منعقد کی ہو۔ اور پھر اس کو توڑ دیا ہو اس کے بعد کفارہ کی تفصیل اس طرح ارشاد فرمائی ہے۔ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ یعنی تین کاموں میں سے کوئی ایک اپنے اختیار سے کر لیا جائے۔ اول یہ کہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا صبح و شام دو وقت کھلا دیا جائے۔ یا یہ کہ دس مسکینوں کو بقدر رستر پوشی کپڑا دیا جائے، مثلاً ایک پاجامہ یا تہبند یا لمبا کرتہ، یا کوئی مملوک غلام ازاد کر دیا جائے اس کے بعد ارشاد ہے: فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ یعنی اگر کسی قسم توڑنے والے کو اس مالی کفارہ کے ادا کرنے پر قدرت نہ ہو کہ دس مسکینوں کا کھانا کھلا سکے نہ کپڑا دے سکے اور نہ غلام ازاد کر سکے تو پھر اس کا کفارہ یہ ہے کہ تین دن روزے رکھے۔ بعض روایات میں اس جگہ تین روزے پے درپے مسلسل رکھنے کا حکم آیا ہے اسی لئے امام ابوحنیفہ اور بعض دوسرے ائمہ کے نزدیک کفارہ قسم کے تین روزے مسلسل ہونا ضروری ہیں۔ ایت مذکورہ میں کفارہ قسم کے متعلق اول لفظ اطعام آیا ہے اور اطعام کے معنی عربی لغت کے اعتبار سے کھانا کھلانے کے بھی آتے ہیں، اور کسی کو کھانا دیدینے کے بھی، اس لئے فقہاء نے ایت مذکورہ کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ =

وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ

اور جوا، اور بت اور فال کے تیر سب شیطان کے گندے کام ہیں۔

فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۱﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقَعَ بَيْنَكُمْ

سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ [11] شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے سبب تمہارے آپس میں

= کفارہ دینے والے کو دونوں باتوں کا اختیار ہے، کہ دس مسکینوں کی دعوت کر کے کھانا کھلا دے، یا کھانا ان کی ملکیت میں دیدے، مگر پہلی صورت میں یہ ضروری ہے کہ متوسط درجہ کا کھانا جو وہ عادی اپنے گھر کھاتا ہے، دس مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھلا دے۔ اور دوسری صورت میں ایک مسکین کو بقدر ایک فطرہ کے دیدے۔ لیکن روزہ رکھنا صرف اس صورت میں کافی ہو سکتا ہے جبکہ ان تینوں میں سے کسی پر قدرت نہ ہو۔

[11] ان آیات میں بتلانا یہ منظور ہے کہ مالک کائنات نے ساری کائنات کو انسان کی خدمت کے لئے پیدا فرمایا، اور ہر ایک چیز کو انسان کی خاص خاص خدمت پر لگا دیا ہے، اور انسان کو مخدوم کائنات بنایا ہے، انسان پر صرف ایک پابندی لگا دی کہ ہماری مخلوقات سے نفع اٹھانے کی جو حدود ہم نے مقرر کر دی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، جن چیزوں کو تمہارے لئے حلال طیب بنا دیا ہے ان سے احتراز کرنا بے ادبی اور ناشکری ہے اور جن چیزوں کے کسی خاص استعمال کو حرام قرار دیدیا ہے، اس میں خلاف ورزی کرنا نافرمانی اور بغاوت ہے، بندہ کا کام یہ ہے کہ مالک کی ہدایات کے مطابق اس کی مخلوقات کا استعمال کرے، اسی کا نام عہدیت ہے۔

پہلی آیت میں شراب، جوا، بت اور جوئے کی تیر، چار چیزوں کی حرمت کا بیان ہے، اسی مضمون کی ایک آیت تقریباً ایسے ہی الفاظ کے ساتھ سورہ بقرہ میں بھی آچکی ہے، اس آیت میں ان چار چیزوں کو رجس فرمایا، رجس عربی زبان میں ایسی گندری چیز کو کہا جاتا ہے جس سے انسان کی طبیعت کو گھن اور نفرت پیدا ہو، یہ چاروں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر انسان ذرا بھی عقل سلیم اور طبع سلیم رکھتا ہو تو خود بخود ہی ان چیزوں سے اس کو گھن اور نفرت ہوگی۔

ان چار چیزوں میں سے ایک ازلام ہے، جو زلم کی جمع ہے ازلام ان تیروں کو کہا جاتا ہے جن پر قرعہ اندازی کر کے عرب میں جوا کھیلنے کی رسم جاری تھی، جس کی صورت یہ تھی کہ دس آدمی شرکت میں ایک اونٹ ذبح

کرتے تھے، پھر اس کا گوشت تقسیم کرنے کے لئے بجائے اس کے کہ دس حصے برابر کر کے تقسیم کرتے اس میں اس طرح جو ا کھیلنے کے دس عدد تیروں میں سات تیروں پر کچھ مقررہ حصوں کے نشانات بنا رکھے تھے، کسی پر ایک کسی پر دو یا تین، اور تین تیروں کو سادہ رکھا ہوا تھا، ان تیروں کو ترکش میں ڈال کر ہلاتے تھے، پھر ایک ایک شریک کے لئے ایک ایک تیر ترکش میں سے نکالتے، اور جتنے حصوں کا تیر کسی کے نام پر نکل آئے وہ اُن حصوں کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔

اور جس کے نام پر سادہ تیر نکل آئے وہ حصہ سے محروم رہتا تھا، جیسے آج کل بہت سی قسمیں لائٹری کے طریقہ پر بازاروں میں جاری ہیں، اس طرح کی قرعہ اندازی، قمار یعنی جو ابے جواز روئے قرآن کریم حرام ہے۔ ہاں ایک طرح کی قرعہ اندازی جائز اور رسول کریم ﷺ سے ثابت ہے، وہ یہ کہ جب حقوق سب کے مساوی ہوں اور حصے بھی مساوی تقسیم کر دیئے گئے ہوں، پھر ان میں سے حصوں کی تعیین بذریعہ قرعہ اندازی کر لی جائے، مثلاً ایک مکان چار شریکوں میں تقسیم کرنا ہے تو قیمت کے لحاظ سے چار حصے برابر لگائے گئے، اب یہ متعین کرنا کہ کونسا حصہ کس شریک کے پاس رہے، اس کی تعیین اگر آپس میں مصالحت و رضامندی سے نہ ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ قرعہ اندازی کر کے جس کے نام پر جس طرف کا حصہ نکل آئے اس کو دیدیا جائے، یا کسی چیز کے خواہش مند ایک ہزار ہیں اور سب کے حقوق مساوی ہیں، مگر جو چیز تقسیم کرنا ہے وہ کل سو ہیں تو اس میں قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔ اِزلام کی قرعہ اندازی کے ذریعہ گوشت تقسیم کرنے کی جاہلانہ رسم کی حرمت سورہ مائدہ ہی کی ایک آیت میں پہلے آچکی ہے: ﴿وَ اَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْاَزْلَامِ﴾۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں جن چار چیزوں کا حرام ہونا مذکور ہے ان میں سے دو یعنی میسر اور اِزلام نتیجے کے اعتبار سے ایک ہی ہیں، باقی تین میں ایک انصاب ہے جو نصب کی جمع ہے ایسی چیزوں کو نصب کہا جاتا ہے جو عبادت کے لئے کھڑی کی گئی ہو خواہ بت ہو یا کوئی درخت، پتھر وغیرہ۔ آیت کے شان نزول اور اس کے بعد والی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں اصل مقصود دو چیزوں کی حرمت اور مفساد کا بیان کرنا ہے، یعنی شراب اور جوا، انصاب یعنی بتوں کا ذکر اس کے ساتھ اس لئے ملا دیا گیا ہے کہ سننے والے سمجھ لیں کہ شراب اور جوا کا معاملہ ایسا سخت جرم ہے جیسے بت پرستی۔

ابن ابی شیبہ کی ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَدَمَنْ الْخَمْرُ كَعَابِدِ الْوَتْنِ

(رقم: ۲۴۰۷۰) یعنی دائمی شراب پینے والا ایسا مجرم ہے جیسے بت کو پوجنے والا، اور بعض روایات میں ہے: شراب الخمر کعباد اللات والعزی: (مصنف عبدالرزاق: رقم ۶۴۰۱۷) یعنی شراب پینے والا ایسا ہے جیسا لات وعزی کی پرستش کرنے والا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہاں شراب اور جوئے کی شدید حرمت اور ان کی روحانی اور جسمانی خرابیوں کا بیان ہے، اول روحانی اور معنوی خرابیاں: رجس من عمل الشیطن: کے الفاظ میں بیان کیں، جن کا منہوم یہ ہے کہ یہ چیزیں فطرت سلیمہ کے نزدیک گندی قابل نفرت چیزیں اور شیطانی جال ہیں، جن میں پھنس جانے کے بعد انسان بے شمار مفسد اور مہلک خرابیوں کے گڑھے میں جا گرتا ہے، یہ روحانی مفسد بیان فرمانے کے بعد حکم دیا گیا: ﴿فاجتنبوه﴾: کہ جب یہ چیزیں ایسی ہیں تو ان سے اجتناب کرو اور پرہیز کرو، آخر میں فرمایا: لعنکم تفلحون: جس میں بتلادیا گیا کہ تمہاری فلاح دنیا و آخرت اسی پر موقوف ہے کہ ان چیزوں سے پرہیز کرتے رہو۔

اس کے بعد دوسری آیت میں شراب اور جوئے کے دنیوی اور ظاہری مفسد کا بیان اس طرح فرمایا: انما یرید الشیطن ان یوقع بینکم العداوة والبغضاء فی الخمر والمیسر: یعنی شیطان یہ چاہتا ہے کہ تمہیں شراب اور جوئے میں مبتلا کر کے تمہارے درمیان بغض و عداوت کی بنیادیں ڈال دے، ان آیات کا نزول بھی کچھ ایسے ہی واقعات کے بارے میں ہوا ہے کہ شراب کے نشہ میں ایسی حرکات صادر ہوئیں جو باہمی غیظ و غضب اور پھر جنگ و جدل کا سبب بن گئیں، اور یہ کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا شراب کے نشہ میں جب آدمی عقل کھو بیٹھتا ہے تو اس سے ایسی حرکات کا صدور لازمی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح جوئے کا معاملہ ہے کہ ہارنے والا اگر چہ اپنی ہار مان کر اس وقت نقصان اٹھالیتا ہے، مگر اپنے حریف پر غیظ و غضب اور بغض و عداوت اس کے لازمی اثرات میں سے ہے، قنادہؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بعض عرب کی عادت تھی کہ جوئے میں اپنے اہل و عیال اور مال و سامان سب کو ہرا کر انتہائی رنج و غم کی زندگی گزارتے تھے۔

آخر آیت میں پھر ان چیزوں کی ایک خرابی ان الفاظ میں ارشاد فرمائی: ﴿ویصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوٰۃ﴾: یعنی یہ چیزیں تمہیں اللہ کی یاد اور نماز سے غافل کر دیتی ہیں، یہ خرابی بظاہر روحانی اور اخروی خرابی ہے، جس کو دنیوی خرابی کے بعد مکرر ذکر فرماتے ہیں، اس میں اشارہ ہو سکتا ہے کہ اصل قابل نظر اور قابل فکر

وہ زندگی ہے جو ہمیشہ رہنے والی ہے، غفلت کے نزدیک اسی کی خوبی مطلوب و مرغوب ہونی چاہئے، اور اسی کی خرابی سے ڈرنا چاہئے، دنیا کی چند روزہ زندگی کی خوبی نہ کوئی قابل فخر چیز ہے، نہ خرابی زیادہ قابل رنج و غم ہے، کہ اس کی دونوں حالتیں چند روز میں ختم ہو جانے والی ہے۔ اور یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ذکر اللہ اور نماز سے غفلت یہ دنیا و آخرت اور جسم و روح دونوں کے لئے مضر ہے۔ آخرت اور روح کے لئے مضر ہونا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے غافل، بے نماز کی آخرت تباہ اور روح مردہ ہے، اور ذرا غور سے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ سے غافل کیلئے دنیا بھی وبال جان بن جاتی ہے کہ جب اللہ سے غافل ہو کر اس کا انتہائی مقصود مال و دولت اور عزت و جاہ ہو جائے تو وہ اتنے بکھیڑے اپنے ساتھ لاتے ہیں کہ وہ خود ایک مستقل غم ہوتے ہیں جس میں مبتلا ہو کر انسان اپنے مقصود المقاصد یعنی راحت و آرام اور اطمینان و سکون سے محروم ہو جاتا ہے، اور ان اسباب راحت میں ایسا مست ہو جاتا ہے کہ خود راحت کو بھی بھول جاتا ہے، اور اگر کسی وقت یہ مال و دولت یا عزت و جاہ جاتے رہیں یا ان میں کمی آجائے تو ان کے غم اور رنج کی انتہاء نہیں رہتی، غرض یہ خالص دنیا دار انسان دونوں حالتوں میں رنج و فکر اور غم و اندوہ میں گھرا رہتا ہے۔ بخلاف اس شخص کے جس کا دل اللہ کی یاد سے روشن اور نور نماز سے منور ہے، دنیا کے مال و منال اور جاہ و منصب اس کے قدموں پر گرتے ہیں، اور انکو صحیح راحت و آرام پہنچاتے ہیں، اور اگر یہ چیزیں جاتی رہیں تو ان کے قلوب اس سے متاثر نہیں ہوتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذکر اللہ اور نماز سے غفلت اگر بغور دیکھا جائے تو اخروی اور دنیوی دونوں طرح کی خرابی ہے، اس لئے ممکن ہے کہ: رجس من عمل الشیطن: سے خالص اخروی اور روحانی مضرت بیان کرنا مقصود ہو، اور: یوقع بینکم العدوۃ والبغضاء: سے خالص دنیوی اور جسمانی خرابی بتلانا ہو اور: یصدکم عن ذکر اللہ وعن الصلوۃ: سے دین و دنیا کی مشترک تباہی و بربادی کا ذکر کرنا مقصود ہو، یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ذکر اللہ میں تو نماز بھی داخل ہے، پھر نماز کو علیحدہ بیان کرنے میں کیا حکمت ہے، وجہ یہ ہے کہ اس میں نماز کی اہمیت اور ذکر اللہ کی تمام اقسام میں افضل و اشرف ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے نماز کو مستقل طور پر ذکر فرمایا گیا ہے، اور تمام دینی اور دنیوی، جسمانی اور روحانی خرابیوں کی تفصیل بتلانے کے بعد ان چیزوں سے باز رکھنے کی ہدایت ایک عجیب دل نواز انداز سے فرمائی ہے ارشاد ہوتا ہے: فہل انتم منتہون: یعنی جب یہ ساری خرابیاں تمہارے علم میں آگئیں تو اب بھی ان سے باز نہیں آؤ گے۔

الْعَدَاوَةَ وَالْبُغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيُصَدِّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

دشمنی اور رنجش ڈلوا دے اور تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے روک دے

وَعَنِ الصَّلَاةِ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿۴۱﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

تو تمہیں (ان کاموں سے) باز رہنا چاہیے۔ اور اللہ کی فرمانبرداری اور رسول (اللہ ﷺ) کی فرمانبرداری کرتے رہو

وَاحْذَرُوا فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا إِنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۴۲﴾

اور ڈرتے رہو اگر منہ پھیرو گے تو جان رکھو کہ ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعَمُوا

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے

إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا

جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے پھر پرہیز کیا اور ایمان لائے پھر پرہیز کیا

وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۴۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

اور نیکو کاری کی اور اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کو دوست رکھتا ہے۔ مومنو! کسی قدر شکار سے جن کو تم ہاتھوں اور نیزوں سے پکڑ سکو

لَيَبْلُوكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ

اللہ تمہاری آزمائش کرے گا (یعنی حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت سے) تاکہ ظاہر کرے

مَنْ يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ فَمَنْ أَعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۴﴾

کہ اس سے غائبانہ کون ڈرتا ہے تو جو اس کے بعد زیادتی کرے اُس کیلئے دردناک عذاب ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَمِّدًا

مومنو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اُسے مارے تو

فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعْمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ

(یا تو اُس کا) بدلا (دے اور وہ یہ ہے کہ) اسی طرح کا چوپایہ جسے تم میں سے دو معتبر شخص مقرر کر دیں قربانی (کرے اور یہ

ہدیا بِالِغِ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكَ صِيَامًا

قربانی) کعبہ پہنچائی جائے۔ یا کفارہ (دے اور وہ) مسکینوں کو کھانا کھلانا (ہے) یا اس کے برابر روزے رکھے

لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ وَمَنْ عَادَ

تاکہ اپنے کام کی سزا (کا مزہ) چکھے (اور) جو پہلے ہو چکا وہ اللہ نے معاف کر دیا اور جو پھر کرے گا

فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴۴﴾

تو اللہ اس سے انتقام لے گا اور اللہ غالب اور انتقام لینے والا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ

تمہارے لئے سمندر کا شکار اور ان کا کھانا حلال کر دیا گیا ہے (یعنی) تمہارے اور مسافروں کے فائدے کیلئے

وَحُرْمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرْمًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي

اور جنگل (کی چیزوں) کا شکار جب تک تم احرام کی حالت میں رہو تم پر حرام ہے

إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۴۴﴾ عَمَلُ اللَّهِ الْكَعْبَةَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ

اور اللہ سے جس کے پاس تم (سب) جمع کئے جاؤ گے ڈرتے رہو۔ اللہ نے عزت کے گھر (یعنی) کعبہ کو لوگوں کیلئے موجب

قِيَامًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَائِدَ ذَلِكَ لِتَعْلَمُوا

امن مقرر فرمایا ہے اور عزت کے مہینوں کو اور قربانی کو وہ اُن جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں۔ یہ اس لئے کہ تم جان لو

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ

کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ سب کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ کو

﴿۴۷﴾ اَلَمْ يَأْنِ لِلّٰهِ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۸﴾

ہر چیز کا علم ہے۔ جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے اور یہ کہ اللہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔

﴿۴۹﴾ مَا عَلٰی الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۵۰﴾

پیغمبر کے ذمے تو صرف پہنچا دینا ہے اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ

کہہ دو کہ ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں گو ناپاک چیزوں کی کثرت تمہیں خوش

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَأُوْلٰى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

ہی لگے تو عقل والو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْاَلُوْا عَنۡ اَشْيَآءٍ اِنۡ تُبَدَّلَ لَكُمْ تَسْوٰكُمْ

مومنو! ایسی چیزوں کے بارے میں مت سوال کرو کہ اگر (ان کی حقیقتیں) تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بُری لگیں

وَ اِنۡ تَسْاَلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبَدَّلَ لَكُمْ

اور اگر قرآن کے نازل ہونے کے ایام میں ایسی باتیں پوچھو گے تو تم پر ظاہر بھی کر دی جائیں گی

عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ اَلَمْ تَسْاَلْهَا قَوْمٌ

(اب تو) اللہ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اس طرح کی باتیں تم سے پہلے

مِّنۡ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اَلَمْ جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ

لوگوں نے بھی پوچھی تھیں پھر ان سے منکر ہو گئے۔ اللہ نے نہ تو بحیرہ کچھ چیز بنایا ہے

وَلَا سَابِئَةٍ وَلَا وَصِيْلَةٍ وَلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ

اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام بلکہ کافر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں

الْكَذِبَ وَأَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۱﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ

اور یہ اکثر عقل نہیں رکھتے۔ [۱۱] اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے

[11] یہ مضمون تحریمات غیر اللہ کا اعادہ ہے۔ بجز اس اونٹنی کو کہتے تھے جس کو طواغیت کے خاطر چھوڑ دیتے تھے، اور اس کا دودھ استعمال نہیں کرتے تھے۔ سائبہ وہ جانور جس کو طواغیت کی خاطر بار برداری کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے،

وصیلہ: اس نوع اونٹنی کو کہتے ہیں جو یکے بعد دیگرے دو مادہ بچے جنین اور ان کے درمیان زچہ پیدا نہ ہو اور۔ ایسے اونٹنی کو مشرکین اپنی معبودوں کی خوشنودی کے لئے ازاد چھوڑ دیتے تھے۔
حام: اس اونٹ کو کہتے ہیں جس کی پشت سے دس بچے پیدا ہو چکے ہوں مشرکین اس کو طواغیت کے لئے چھوڑ دیتے۔ قالہ ابن المسیب۔ (بخاری کتاب التفسیر)۔

اللہ تعالیٰ نے تو مذکورہ بالا تحریمات کی ہرگز اجازت نہیں دی لیکن مشرکین یہ سب کچھ اپنی طرف سے کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کفر و شرک کا حکم نہیں دیتا، اور تحریمات غیر اللہ تو صریح شرک ہے۔

مشرکین جس طرح غیر اللہ کی خوشنودی اور اپنے معبودان باطلہ کی رضا جوئی کے لئے نذریں مانتے تھے اسی طرح وہ بعض جانوروں کو اپنے معبودوں کی خاطر آزاد چھوڑ دیتے تھے۔ نہ ان کا گوشت کھاتے، نہ دودھ پیتے، نہ ان پر سواری کرتے، نہ بوجھ لاتے، یہ تحریمات وہ اپنے معبودوں کو راضی کرنے کے لئے کیا کرتے تھے، بجز سائبہ، وصیلہ اور حام جن کا ابھی ذکر ہوا ہے، تحریمات غیر اللہ میں داخل ہیں، غیر اللہ کی نیازوں کو مشرکین حلال سمجھتے تھے، اور جن چیزوں کی انہوں نے اپنی طرف سے تحریم کر دی تھی ان کو حرام سمجھتے تھے، اللہ تعالیٰ نے دونوں کا حکم بیان فرمایا، کہ غیر اللہ کی نذریں حرام ہیں، انہیں مت کھاؤ اور بجز سائبہ وغیرہ تحریمات غیر اللہ حلال ہیں، ان کو کھاؤ، اور اپنی خود ساختہ تحریمات کو اٹھاؤ کیونکہ جو چوپائے اللہ نے اپنے بندوں کے لئے حلال کئے ہیں وہ حلال ہی رہیں گے، اور بندوں کے حرام کرنے سے حرام نہیں ہو جائیں گے۔ =

وَالِی الرِّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا

اُس کی اور رسول اللہ کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ جس طریق پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے وہی ہمیں کافی ہے

أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۰۲﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ

بھلا اگر اُن کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے ہوں اور نہ سیدھے رستے پر ہوں؟ - اے ایمان والو!

آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

اپنی جانوں کی حفاظت کرو جب تم ہدایت پر ہو تو کوئی گمراہ تمہارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۳﴾

تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے اس وقت وہ تمہیں تمہارے سب کاموں سے جو کئے تھے آگاہ کرے گا [۱۲]

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةٌ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ

اے ایمان والو! تمہارے آپس میں دو شخص کا گواہ ہونا مناسب ہے جبکہ تم میں سے کسی کو موت آنے لگے

حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرَانِ مِّنْ غَيْرِكُمْ

اور وصیت کرنے کا وقت ہو، وہ دو شخص ایسے ہوں کہ دیندار ہوں خواہ تم میں سے ہوں یا غیر لوگوں میں سے دو شخص ہوں

= بعض مفسرین نے بحیرہ سائبہ وغیرہ کو نذر غیر اللہ میں داخل کر کے حرام قرار دیا ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک

طرف تو یہ حکم دیا ہے: لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم یعنی جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حال کی ہیں انہیں حرام

مت کرو۔ اور دوسری طرف فرمایا: ﴿ما جعل الله من بحيرة﴾ الایة یعنی اللہ تعالیٰ نے بحیرہ سائبہ وغیرہ کی تحریم کا کوئی حکم نہیں

دیا، اور نہ اس کی اجازت دی ہے، اس لئے یہ جانور حلال ہے اور حلال ہی رہیں گے، بندوں کی تحریم سے حرام نہیں ہو سکتے۔

[۱۲] اس آیت کے مفہوم سے یہ دلیل نہیں لی جاسکتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا ضروری نہیں رہا، اس اشکال

کا جواب ابو بکرؓ نے خود فرمایا، تمہیں کہتا ہے کہ: قام ابو بکرؓ فحمد الله واثنى عليه وقال ايها الناس انكم تقرؤن

هذه الآية: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ، وانكم تضعونها على غير موضعها، وانی سمعت رسول الله ﷺ قال: ان الناس اذارأوا المنكر ولا يغيرونه اوشك الله عزوجل ان يعمهم بعقابه. قال وسمعت ابا بكر يقول: يا ايها الناس اياكم و الكذب فان الكذب مجانب الايمان. اس رویت کو مسند احمد نے: ۵/۱، میں نقل کیا ہے۔ یعنی ابو بکر گھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر فرمایا، اے لوگو! تم یہ آیت پڑھتے ہو لیکن اس کے مفہوم پر اس کو نہیں رہنے دیتے، رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ اگر کوئی گناہ کی بات دیکھے اور پھر اسے غیرت نہ آئے اور غصہ نہ آئے تو کیا عجب، کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں کو عذاب میں گھسیٹ لے۔ اے لوگو! جھوٹ بولنے سے بچو۔ جھوٹ انسان کو ایمان سے ہٹا دیتا ہے۔

اور امام ترمذی نے ابوامیہ سے روایت نقل کی ہے (تحفۃ الاحوذی: ۲۳۶/۴، ۲۳۶/۸) اتيت ابانعلبة الخشني، فقلت له كيف تصنع في هذه الآية؟ فقال آية اية؟ قلت قوله: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ، فقال اما والله لقد سألت عنها خبير اسألت عنها رسول الله ﷺ فقال: بل ائتمروا بال معروف ، وتناهوا عن المنكر ، حتى اذارأيت شحامطاعا، وهوى متبعا، وديناموثرة، و اعجاب كل ذي رأى براهه، فعليك بخاصة نفسك ودع العوام فان من وراءكم اياما، الصبر فيهن مثل القبض على الجمر، للعامل فيهن اجر خمسين رجلا يعملون كعملكم ، قال عبد الله بن المبارك وزاد غير عتبة، قيل يا رسول الله اجر خمسين رجلا منهم او منا؟ قال بل اجر خمسين منكم. یعنی میں ابو ثعلبة الخشني سے اس آیت کے بارے میں پوچھا (مذکورہ آیت) تو انہوں نے کہا! کہ تم نے واللہ بہت ہی باخبر آدمی سے پوچھا، سنو! میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی اپنی پگڑی سنبھالنے کے بعد بے فکر ہو کر نہ بیٹھ رہنا۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر برابر کئے جاؤ، اس وقت تک کہ لوگ تنگ دل اور تنگ حوصلہ ہو جائے، زکوٰۃ نہ دیں، اور خواہشات کی پیروی کرنے لگیں، دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگیں، ہر شخص اپنی ہی رائے پر اڑنے لگے، کسی ناصح کی کچھ نہ سنے، اس وقت تک الگ تھلگ ہو جاؤ، نابکاروں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو۔ تمہارے بعد ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں دم سادھ کر بیٹھ رہنے والا ایسی مشکلات میں ہوگا گویا آگ کو ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔ اپنے آپ نیک عمل کر لینے والا گویا پچاس آدمیوں کے نیک اعمال کے برابر اجر پائے گا۔ کہا گیا یا رسول اللہ ﷺ کیا ہمارے پچاس آدمی یا اس گروہ کے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارے پچاس نیک آدمی۔

إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ ۗ
اگر تم کہیں سفر میں گئے ہو اور تمہیں موت آجائے

تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنْ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ
اگر تم اُن گواہوں کی نسبت کچھ شک کرو تو اُن کو (عصر کی) نماز کے بعد کھڑا کرو اور دونوں اللہ کی قسمیں کھائیں کہ ہم شہادت

ثَمْنَا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنَّا إِذَا لَمْنَا لِالْآثِمِينَ ﴿۱۰۴﴾
کا کچھ عوض نہیں لیں گے گو ہمارا رشتہ دار ہی ہو اور نہ ہم اللہ کی شہادت کو چھپائیں گے اگر ایسا کریں گے تو گنہگار ہوں گے [۱۳]

فَإِنْ عُرِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَأَخْرَانَ
پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے (جھوٹ بول کر) گناہ حاصل کیا ہے تو جن لوگوں کا انہوں نے حق مارنا چاہا تھا

يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلِيَانِ فَيُقْسِمَانِ
ان میں سے ان کی جگہ اور دو گواہ کھڑے ہوں جو (میت سے) قرابت قرینہ رکھتے ہوں پھر وہ اللہ کی قسمیں کھائیں

[۱۳] یہ مبتداء ہے اور "اثنان" اس کی خبر ہے، خبر سے پہلے "شهادة" مضاف محذوف ہے، اصل میں "شهادة اثنتين" تھا، مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اسی کا اعراب دیکر اس کے قائم مقام کر دیا گیا "من بعد الصلاة" یہ قید اتفاقی ہے، کیونکہ نماز میں مسلمان جمع ہوتے ہیں، اس لئے شہادت ان کے سامنے ہو تو بہتر ہے۔ شرک فعلی کی نفی کے بعد شہادت کے مضمون کا ذکر بظاہر بے ربط سا معلوم ہوتا ہے، لیکن ایسا نہیں ہے۔ اللہ کا کلام اس عیب سے پاک ہے جناب شیخ حسین علی فرماتے ہیں کہ تحریمات اللہ تحریمات غیر اللہ، نذر اللہ، اور نذر غیر اللہ کے مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ غیب دان اور کارساز صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے سوا نہ کوئی غیب دان ہے، نہ متصرف و کارساز، اس لئے قسم بھی اللہ کے نام ہی کی کھانی چاہئے۔ یہاں تک کہ غیر مسلموں سے بھی غیر اللہ کی قسم نہ لی جائے کیونکہ غیب دان اور کارساز صرف اللہ ہے، اور کوئی نہیں، اور جس کے نام کی قسم کھائی جائے اس کا غیب دان اور کارساز ہونا ضروری ہے، نبی کریم ﷺ کے زمانے میں ایک واقعہ پیش آیا، دو عیسائی اور ایک مسلمان اکٹھے تجارتی سفر پر روانہ ہوئے، مسلمان بیمار ہو گیا اس نے ایک

کاغذ پر اپنے سامان کی فہرست تیار کی، اور اسے سامان میں چھپا دیا، اور ان کو وصیت کی کہ وہ اس کا سامان اس کے وارثوں کو دیدیں، وہ فوت ہو گیا اس کے ساتھیوں نے اس کے سامان سے ایک نہایت قیمتی جام نکال لیا۔ اور باقی سامان اس کے وارثوں کو دیدیا۔ جب وارثوں نے سامان میں رکھی ہوئی فہرست میں جام کا ذکر دیکھا لیکن سامان میں اسے نہ پایا، تو ان دونوں سے اس کا مطالبہ کیا انہوں نے کہا، ہمیں اس کا علم نہیں، چنانچہ میت کے وارثوں نے یہ مقدمہ نبی ﷺ کے سامنے پیش کر دیا۔ آپ ﷺ نے وارثوں سے گواہ طلب کئے ان کے پاس گواہ نہیں تھے اس لئے آپ ﷺ نے وارثوں سے کہا کہ وہ ان سے کسی ایسی چیز کی قسم لے، جو ان کے دین میں بڑی سمجھی جاتی ہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ قسم خواہ غیر مسلم سے لی جائے وہ صرف اللہ کے نام کی ہونی چاہئے نہ کہ غیر اللہ کی، یہ روایت ترمذی کی ہے اس کے الفاظ یہ ہے: فسئلہم البینة فلم یجدوا فامرہم ان یستحلفوہ بما یعظم علی اہل دینہ فحلف فانزل اللہ یا ایہا الذین امنوا شہادۃ بینکم الخ۔ ترمذی: ۳۰۶۹ (خازن)۔

اس آیت میں ”فیقسمان باللہ“ مقصود جملہ ہے، یعنی اگر کوئی ایسے صورت پیش آجائے اور اس میں غیر مسلم سے قسم لینے کی ضرورت پڑ جائے تو اس سے بھی اللہ کے نام ہی کی قسم لینا چاہئے، جیسا کہ کتب فقہ میں لکھا ہے: کہ یہودی سے اس طرح قسم لی جائے واللہ الذی انزل التوراة علی موسیٰ علیہ السلام اور عیسائی سے واللہ الذی انزل الانجیل علی عیسیٰ علیہ السلام اور آتش پرست سے واللہ الذی خلق النار۔ (ہدایہ وغیرہ)۔

”استحقا اثما“ یعنی وہ خیانت اور جھوٹی شہادت سے گناہ کے مستحق ہوئے۔ ”الذین“ سے ورثاء میت مراد ہیں اور ”الاولین“ سے وہ دونوں شخص مراد ہیں جنہوں نے میت کے مال میں خیانت کی، اور پھر جھوٹی گواہی دی، اور میت کے وارثوں کو نقصان پہنچایا۔

المراد بالاولیان الوصیان اللذان ظہرت خیانتہما، فمعنی استحقا علیہم الاولین خان فی مالہم وجنی علیہم الوصیان اللذان عشر علی خیانتہما (روح المعانی)۔ حاصل یہ کہ جب بعد میں معلوم ہو جائے کہ سفر میں جن دو آدمیوں کو میت نے وصیت کی تھی وہ خیانت مجرمانہ کی مرتکب ہوئے ہیں، اور انہوں نے غلط بیانی کی ہے، تو پھر میت کے وارثوں میں سے دو آدمیوں سے قسم لی جائے وہ اللہ کے نام کی قسم کھا کر اپنا بیان دیں، کہ ان دونوں نے جھوٹ بولا ہے، اور ہمارا بیان صحیح اور قابل قبول ہے، اور ہم نے اپنے بیان میں حق سے تجاوز نہیں کیا۔

بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا إِنَّا إِذَا لَمْنَا

کہ ہماری شہادت ان کی شہادت سے بہت سچی ہے اور ہم نے کوئی زیادتی نہیں کی، ایسا کیا ہو تو ہم

الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۷﴾ لِيَاذُنِي أَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَيَّ وَجْهَهَا أَوْ يَخَافُوا

بے انصاف ہیں۔ اس طریق سے بہت قریب ہے کہ یہ لوگ صحیح صحیح شہادت دیں یا اس بات سے خوف کریں کہ (ہماری)

أَنْ تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاسْمَعُوا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

فستیمیں ان کی قسموں کے بعد رد کردی جائیں گی اور اللہ سے ڈرو اور (اس کے حکموں کو توجہ سے) سنو اور اللہ نافرمان لوگوں کو

الْفٰسِقِينَ ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ

ہدایت نہیں دیتا۔ (وہ دن یاد کرو) جس دن اللہ پیغمبروں کو جمع کرے گا پھر ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا تھا؟ [۱۰۷]

[۱۰۷] پہلے نفی شرک فعلی کے سلسلے میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ غیب دان صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کے

سوا کوئی غیب دان نہیں اب یہاں قیامت کے دن پیش آئیو الا ایک واقعہ ذکر کر کے یہ حقیقت بیان فرمائی کہ

اور تو خود انبیاء علیہم السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق پر فوقیت اور برتری عطا فرمائی وہ بھی غیب دان

نہیں تھے۔ وہ نہ زندگی میں غیب جانتے تھے، نہ موت کے بعد، غیر اللہ کے نام ندریں اور نیازیں صرف اس لئے

دیتے تھے کہ وہ ہماری حاجات کو جانتے اور ہمیں نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں، جیسا کہ آج کل کے

مشرکین کا بھی اپنے پیروں کے متعلق عقیدہ ہے تو آخر میں اللہ تعالیٰ نے یہ معاملہ صاف فرمادیا کہ انبیاء علیہم السلام

تو غیب جانتے نہیں، جو سب سے افضل ہیں۔ چنانچہ وہ قیامت کے دن صاف کہیں گے کہ ان کے پیچھے جو کچھ

ہوتا رہا ہے اس کا انہیں کچھ علم نہیں۔ پھر جو لوگ انبیاء علیہم السلام سے رتبہ میں کمتر ہیں وہ کس طرح غیب دان

ہو سکتے ہیں۔

’یوم‘ ظرف کا عامل بعد میں مذکور ہے قالوا لا علم لنا. فيقول، يجمع پر معطوف ہے

یعنی جس دن اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کر کے ان سے یہ سوال کرے گا کہ تمہیں تبلیغ توحید کے بعد اپنی

امتوں کی طرف سے کیا جواب ملا؟ اس دن وہ سب کہیں گے ہمیں تو اس کا کچھ علم نہیں یہ تو غیب کی بات ہے اور تمام غیبوں کا جاننے والا صرف تو ہی ہے اور کوئی نہیں۔ یہ آیت انبیاء علیہم السلام سے علم غیب کی نفی پر برہان قاطع ہے۔

اس آیت میں ”ماذا اجبتم“ کے دو معنی ہیں: بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ سوال تبلیغ کے وقت سے متعلق ہوگا کہ جب تم تبلیغ کرتے تھے اس وقت لوگوں نے تمہاری بات کو قبول کیا یا نہ؟ تو وہ جواب دیں گے لا علم لنا باطن ما اجاب به اممنا (قرطبی) یعنی ان کے باطن کو ہم نہیں جانتے تھے ہمیں صرف ان کے ظاہر کا علم تھا لیکن اس میں عبارت مقدر کر کے مطلب نکالنا پڑتا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ یہ سوال انبیاء علیہم السلام سے ان کی وفات سے بعد کے حالات سے متعلق ہوگا کہ تمہاری وفات کے بعد ان لوگوں کے کیا حالات تھے؟ کیا یہ تمہیں پکارتے رہے ہیں؟ اور کیا تمہیں اس کا علم ہے تو اس کے جواب میں انبیاء علیہم السلام کہیں گے کہ اے اللہ بعد کے حالات کا تو ہمیں کوئی علم نہیں، جیسا کہ اگلی آیت سے اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سوال کے جواب میں یہی کہیں گے۔ کنت علیہم شہیدا ما دمت فیہم، الایۃ اسی طرح سورہ یونس میں ہے کہ جن انبیاء، اولیاء کو لوگ دنیا میں پکارتے رہے، قیامت کے دن وہ صاف کہیں گے کہ ہمیں تو ان کی پکار وغیرہ کا کوئی علم نہیں۔ ”ان کنا عن عبادتہم لغافلین“ (یونس: ۲۹) بہت سے مفسرین نے اس سوال کو بعد الوفاات کے حالات سے متعلق قرار دیا ہے۔ امام رازمی لکھتے ہیں لا علم لنا الا ان علمنا جو ابہم لنا وقت حیاتنا ولا نعلم ما کان منہم بعد وفاتنا، (کبیر)۔

اہل بدعت کی طرف سے اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو معلوم تو سب کچھ ہوگا لیکن ہول قیامت کی وجہ سے وہ جواب نہیں دے سکیں گے، یہ جواب دو، وجوہ سے غلط ہے اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام قیامت کے جزع فزع سے محفوظ ہوں گے اور ان پر کوئی گبراہٹ طاری نہیں ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد ہے: لا یحزنہم الفزع الا کبر (انبیاء: ۱۰۳) یعنی جن لوگوں کے لئے جنت کا وعدہ ہو چکا ہے وہ قیامت کے فزع اکبر (بڑی گبراہٹ) سے خوفزدہ نہیں ہونگے (۲): اگر یہ مان لیا جائے کہ ان کو سب کچھ معلوم تھا تو اس صورت میں لا علم لنا، واقعہ کے صریح خلاف اور جھوٹ ہوگا۔

قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۱۰۹﴾ ۱۰۹ قَالَ اللَّهُ

وہ عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں، تو ہی غیب کی باتوں سے واقف ہے۔ جب اللہ (علیہ السلام) سے فرمائے گا کہ اے

يُعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ

عیسیٰ بن مریم! میرے ان احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر اور تمہاری والدہ پر کئے

إِذُ أَيَّتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ

جب میں نے روح القدس (یعنی جبریل) سے تمہاری مدد کی تم جھولے میں اور جوان ہو کر (ایک ہی نسل پر)

تَكَلَّمُ النَّاسُ فِي الْمَهْدِ وَكَهَلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

لوگوں سے گفتگو کرتے تھے اور جب میں نے تمہیں کتاب اور دانائی

وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي

اور تورات اور انجیل سکھائی اور جب تم میرے حکم سے مٹی کا جانور بنا کر اُس میں پھونک مار دیتے تھے تو وہ میرے حکم سے

فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِءُ الْأَكْمَةَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي

اڑنے لگتا تھا اور مادر زاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتے تھے

وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ

اور مردے کو میرے حکم سے (زندہ کر کے قبر سے) نکال کھڑا کرتے تھے اور جب میں نے بنی اسرائیل

عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ

تم سے روک دیا جب تم ان کے پاس کھلے نشانیاں لے کر آئے تو جو ان میں سے کافر تھے کہنے لگے

إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱۰﴾ ۱۱۰ إِذْ أُوحِيَتْ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ

کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ اور جب میں نے حواریوں کی طرف حکم بھیجا کہ مجھ پر

آمَنُوا بِى وَبِرَسُولِى قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۱۱۱﴾

اور میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ تو وہ کہنے لگے کہ (اللہ!) ہم ایمان لائے تو شاہد رہنا کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ

جب حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تمہارا رب ایسا کر سکتا ہے

أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾

کہ ہم پر آسمان سے (طعام کا) خوان نازل کرے؟ انہوں نے کہا کہ اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ سے ڈرو۔

قَالُوا نُرِيدُ أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَّقَتْنَا

وہ بولے کہ ہماری یہ خواہش ہے کہ ہم اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل تسلی پائیں اور ہم جان لیں کہ تم نے ہم سے سچ کہا ہے

وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا

اور ہم اس (خوان کے نزول) پر گواہ رہیں۔ (تب) عیسیٰ بن مریم نے دعا کی کہ اے ہمارے رب!

انزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا

ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ ہمارے لئے (وہ دن) عید قرار پائے یعنی ہمارے اگلوں اور پچھلوں (سب) کیلئے

وَآيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّى مُنَزِّلُهَا

اور وہ تیری طرف سے نشانی ہو اور ہمیں رزق دے تو بہتر رزق دینے والا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ میں تم پر ضرور خوان نازل

عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّى أَعَذُّبُهُ عَذَابًا

فرماؤں گا لیکن جو اس کے بعد تم میں سے کفر کرے گا اُسے ایسا عذاب دوں گا

لَا أَعَذُّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱۵﴾ وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

کہ اہل عالم میں کسی کو ایسا عذاب نہ دوں گا۔ اور جب اللہ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم!

ءَ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالَ سُبْحَانَكَ

کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کے سوا مجھے اور میری والدہ کو معبود مقرر کرو؟ وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے

مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ

مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں اگر میں نے ایسا کہا ہو گا تو تجھے معلوم ہو گا

تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ

(کیونکہ) جو بات میرے دل میں ہے تو اسے جانتا ہے اور جو تیرے نفس میں ہے اسے میں نہیں جانتا بیشک تو علام الغیوب ہے

﴿۱۱۴﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ

میں نے ان سے کچھ نہیں کہا، جز اس کے جس کا تو نے مجھے حکم دیا وہ یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے

وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ

اور جب تک میں ان میں رہا ان (کے حالات) کی خبر رکھتا رہا جب تو نے مجھے دنیا سے اٹھالیا تو تو ان کا نگہبان تھا

عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۱۷﴾ تَعَذَّبُهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ

اور تو ہر چیز سے خبر دار ہے۔ (۱۱۷) اگر تو ان کو عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں

وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمُ

اور اگر بخش دے تو (تیری مہربانی ہے) بیشک تو غالب (اور) حکمت والا ہے۔ اللہ فرمائے گا کہ آج

يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کی سچائی ہی فائدہ دے گی اُن کیلئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۹﴾

ہمیشہ ان میں بستے رہیں گے، اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں یہ بڑی کامیابی ہے

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۰﴾

آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان (دونوں) میں ہے سب پر اللہ ہی کی بادشاہی ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۱۵) عن ابن عباسؓ قال خطب رسول الله ﷺ فقال: يا ايها الناس انكم محشورون الى الله حفاة عرارة غرلاً. ثم قال: كما بدأنا اول خلق نعيده وعدا علينا انا كنا فاعلين. الى آخر الاية. ثم قال: الاوان اول الخلائق يكسى يوم القيامة ابراهيم، الاوانه يجاء برجال من امتي فيؤخذ بهم ذات الشمال فاقول: يارب اصحابي، فيقال: انك لاتدرى ما احدثوا بعدك فاقول كما قال العبد الصالح: وكنت عليهم شهيدا ما دمت فيهم، فلما توفيتني كنت انت الرقيب عليهم فيقال: ان هؤلاء لم يزوالوا مرتدين على اعقابهم منذ فارقتهم. الحديث. بخارى: ۴۶۲۵.

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو! قیامت کے روز تم ننگے اور غیر محتون اٹھائے جاؤ گے جیسے کہ پیدائش کے وقت تھے۔ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو لباس پہنایا جائے گا۔ اب میری امت کے چند لوگ لائے جائیں گے جنہیں دوزخ کی نشانی کے طور پر بائیں طرف رکھا جائے گا۔ تو میں کہوں گا کہ یہ تو میری امت ہے، تو کہا جائے گا کہ تم نہیں جانتے کہ تمہارے بعد تمہاری سنت کو چھوڑ کر کیا بدعتیں ان لوگوں نے جاری کیں۔ تو میں بندہ صالح کی طرح یہی کہوں گا (عیسیٰ علیہ السلام) (یعنی ایت میں جو مضمون ہے) کہا جائے گا کہ تمہارے بعد لوگ مرتد اور بدعتی ہو گئے تھے۔ اس روایت کو اس آیت کی تفسیر میں ابن کثیر وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

سورة الأنعام مکیہ [۱]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ

سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین بنائے اور اندھیرا اور اجالا بنایا

ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهْمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ

پھر بھی یہ کافروں کو اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھراتے ہیں۔ اور اللہ وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر

قَضٰی اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّی عِنْدَهُ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

ایک وقت مقرر کر دیا اور اس کے ہاں ایک مدت مقرر ہیں تم پھر بھی شک کرتے ہو۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ

اور آسمان اور زمین میں وہی (ایک) اللہ ہے تمہاری پوشیدہ اور ظاہر سب باتیں جانتا ہے اور تم جو عمل کرتے ہو سب سے واقف ہے

[۱] سورت انعام مکہ میں ایک ہی رات کے اندر ایک ہی دفعہ میں نازل ہو گئی، اس کو ستر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے لے

کر حاضر ہوئے تھے، اور تسبیح پڑھتے جا رہے تھے، اسماء بنت یزید کہتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ ناقہ پر سوار تھے اور سورہ انعام

اتر رہی تھی، میں ناقہ نبی ﷺ کی باگ تھامے ہوئے تھی، وحی کے بوجھ سے ناقہ ایسی دب گئی تھی کہ گویا اس کی ہڈیاں ہی

ٹوٹ جائیں گی، ملائکہ زمین و آسمان کو گھیرے ہوئے تھے۔ سورہ انعام اترنے کے بعد نبی کریم ﷺ تسبیح پڑھنے لگے اور

فرمایا اس سورت کی مشابعت میں فرشتے افق تک گھیرے ہوئے تھے۔

وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ﴿۳۳﴾ وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا

اور اللہ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی اُن لوگوں کے پاس نہیں آتی مگر
كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۳۴﴾ فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ
یہ کہ اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ جب ان کے پاس حق آیا تو اُس کو بھی جھٹلا دیا

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۵﴾
پس ان کو اُن چیزوں کا جن سے یہ استہزاء کرتے ہیں عنقریب انجام معلوم ہو جائے گا۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی امتوں کو ہلاک کر دیا جن کے پاؤں ملک میں ایسے جمادیئے تھے کہ

مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَهُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ

تمہارے پاؤں بھی ایسے نہیں جمائے اور اُن پر آسمان سے لگاتار مینہ برسایا اور نہریں بنا دیں

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَا هُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ

جو اُن کے (مکانوں کے) نیچے بہ رہی تھیں پھر اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور اُن کے بعد

قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۳۶﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ

اور اُمتیں پیدا کر دیں۔ اور اگر ہم تم پر کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب نازل کرتے اور یہ اُسے اپنے ہاتھوں سے بھی ٹول لیتے

لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿۳۷﴾ وَقَالُوا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ

تو جو کافر ہیں وہ یہی کہہ دیتے کہ یہ تو (صاف اور) صریح جادو ہے اور کہتے ہیں کہ ان (پیغمبر) پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا

مَلَكٌ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ﴿۳۸﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ

؟ اگر ہم فرشتہ نازل کرتے تو کام ہی فیصل ہو جاتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی

مَلَكًا جَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلْبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبَسُونَ ﴿٤١﴾

نیز اگر ہم کسی فرشتے کو بھیجتے تو اُسے مرد کی صورت میں بھیجتے اور جو شبہہ (اب) کرتے ہیں اسی شے میں انہیں پھر ڈال دیتے

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ

اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کیساتھ مذاق ہوتے رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے مذاق کیا کرتے تھے

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٤٢﴾ اَقْلُ سِيرُوا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا

اُن کو مذاق کی سزا نے آ گھیرا۔ کہو کہ ملک میں چلو پھرو پھر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿٤٣﴾ اَقْلُ لَمَنْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ

کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا؟ ۱۱۔ (ان سے) پوچھو کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے؟

قُلْ لِلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لِيَجْمَعَ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا رَيْبَ

کہہ دو کہ اللہ کا۔ اُس نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کر لیا ہے وہ تم سب کو قیامت کے دن جس میں کچھ بھی شک نہیں

فِيهِ ؕ الَّذِينَ خَسِرُوا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٤٤﴾

ضرور جمع کرے گا۔ جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے۔

وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي الْاَلْيَلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٤٥﴾ اَقْلُ اَغِيْرَ اللّٰهِ

اور جو مخلوق رات اور دن میں آرام کرتے ہیں سب اُسی کی ہے اور وہ سنتا جانتا ہے۔ کہو کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو

اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُهُمْ وَلَا يُطْعَمُ

مردگار بناؤں؟ کہ (وہی تو) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی (سب کو) کھانا دیتا ہے اور خود کسی سے کھانا

قُلْ اِنِّيْ اَمَرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٤٦﴾

نہیں لیتا (یہ بھی) کہہ دو کہ مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ میں سب سے پہلے اسلام لانے والا ہوں اور یہ کہ تم (اے پیغمبر!) مشرکوں میں نہ ہونا

﴿قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ ﴿۱۵﴾

(یہ بھی) کہہ دو کہ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے

﴿مَنْ يُصِرْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ﴾ ﴿۱۶﴾

جس شخص سے اس روز عذاب ٹال دیا گیا تو اُس پر اللہ نے (بڑی) مہربانی فرمائی اور یہ کھلی کامیابی ہے

﴿وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ﴾

اور اگر اللہ تمہیں کوئی سختی پہنچائے تو اُس کے سوا اس کو کوئی دُور کرنے والا نہیں اور اگر نعمت (وراحت) عطا کرے تو (کوئی)

﴿فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ﴿۱۷﴾ ﴿هُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ﴾

اُس کو روکنے والا نہیں) وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ دانا

﴿الْخَبِيرُ﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿أَلَمْ يَأْتِ شَيْءٌ أَكْبَرُ شَهَادَةً ۖ قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾

اور خبردار ہے۔ ان سے پوچھو کہ سب سے بڑھ کر (قرین انصاف) کس کی شہادت ہے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی مجھ میں اور تم میں گواہ ہے

﴿وَأُوْحِيَٰ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرْكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ﴾

اور یہ قرآن مجھ پر اس لئے اتارا گیا ہے کہ اس کے ذریعے سے تمہیں اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے اس کو آگاہ کر دوں

﴿أَنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ قُلْ لَا أَشْهَدُ﴾

کیا تم اس بات کی شہادت دیتے ہو کہ اللہ کیساتھ اور بھی معبود ہیں؟ (اے محمد ﷺ!) کہہ دو کہ میں تو (ایسی) شہادت نہیں دیتا

﴿قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ﴾

کہہ دو کہ صرف وہی ایک معبود ہے اور جن کو تم لوگ شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی

﴿الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمُ الَّذِينَ﴾

ہے وہ ان (ہمارے پیغمبر) کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا کرتے ہیں۔ جنہوں نے

خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۰﴾

اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے وہ ایمان نہیں لاتے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ

اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا کیا یا اُس کی آیتوں کو جھٹلایا کچھ شک نہیں

إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ

کہ ظالم لوگ نجات نہیں پائیں گے۔ اور جس دن ہم سب لوگوں کو جمع کریں گے پھر

نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا آيُنَ شَرَكَاؤِكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۲۲﴾

مشرکوں سے پوچھیں گے کہ (آج) وہ تمہارے شریک کہاں ہیں جن کا تمہیں دعویٰ تھا؟

ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۲۳﴾

تو اُن سے کچھ عذر نہ بن پڑے گا (اور) بجز اس کے (کچھ چارہ نہ ہوگا کہ) کہیں اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم شریک نہیں بناتے تھے

أَنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾

دیکھو انہوں نے اپنے اوپر کیسا جھوٹ بولا اور جو کچھ یہ جھوٹ بناتے تھے سب ان سے جاتا رہا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ

اور ان میں بعض ایسے ہیں کہ تمہاری (باتوں کی) طرف کان رکھتے ہیں اور ہم نے اُن کے دلوں پر تو پر دے ڈال دیئے ہیں

وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۗ وَإِنْ يَرَوْا كَلِمًا لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا

کہ اُن کو سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں بوجھ پیدا کر دیا ہے (کہ سن نہ سکیں) اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی تو اُن پر ایمان نہ لائیں

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ وَكُفْرًا يَدُلُّونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا

یہاں تک کہ جب تمہارے پاس تم سے بحث کرنے کو آتے ہیں تو جو کافر ہیں کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) اور کچھ بھی نہیں صرف

أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۳﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْعُونَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ

پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ وہ اس سے (اوروں کو بھی) روکتے ہیں اور خود بھی پرے رہتے ہیں مگر (ان باتوں سے)

إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۴﴾ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقَفُوا عَلَى النَّارِ

اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور (اس سے) بے خبر ہیں۔ اگر تم (ان کو اس وقت) دیکھو جب یہ دوزخ کے کنارے

فَقَالُوا يَا لَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا

کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے کہ اے کاش ہم پھر (دنیا میں) لوٹا دیئے جائیں تاکہ اپنے رب کی آیتوں کی تکذیب نہ کریں

وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾ بَلْ بَدَّلْنَا مَا كَانُوا يَخْفُونَ مِنْ قَبْلُ

اور مومن ہو جائیں۔ ہاں یہ جو کچھ پہلے چھپایا کرتے تھے (آج) ان پر ظاہر ہو گیا ہے اور اگر

﴿۳۸﴾ وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۳۸﴾

یہ (دنیا میں) لوٹائے بھی جائیں تو جن (کاموں) سے ان کو منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگیں کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں

﴿۳۹﴾ وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۹﴾

اور کہتے ہیں کہ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے اور ہم (مرنے کے بعد) پھر زندہ نہیں کئے جائیں گے

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقَفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ قَالَ أَيْسَ هَذَا

اور اگر تم (ان کو اس وقت) دیکھو جب یہ اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے اور وہ فرمائے گا کہ کیا یہ (دوبارہ زندہ ہونا) برحق نہیں ہے

بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۴۰﴾

تو کہیں گے کہ کیوں نہیں، اللہ کی قسم! (بالکل برحق ہے) اللہ فرمائے گا کہ اب کفر کے بدلے (جو دنیا میں کرتے تھے) عذاب چکھو

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ تَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

جن لوگوں نے اللہ کے روبرو حاضر ہونے کو جھوٹ سمجھا وہ گھائے میں آگئے یہاں تک کہ جب ان پر قیامت ناگہاں آ

قَالُوا يَا حَسْرَتَنَا عَلَى مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ

موجود ہوگی تو بول اٹھیں گے کہ (ہائے) اس تفسیر پر افسوس ہے جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی اور وہ اپنے (اعمال کے) بوجھ

أَوْزَارَهُمْ عَلَى ظُهُورِهِمْ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

اپنی پیٹھوں پر اٹھائے ہوئے ہوں گے دیکھو! جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بہت بُرا ہے۔ اور دنیا کی زندگی تو ایک

إِلَّا لَعِبٌّ وَلَهُوَ وَلِلدَّارِ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۲﴾

کھیل اور تماشہ ہے اور بہت اچھا گھر تو آخرت کا گھر ہے (یعنی) ان کیلئے جو (اللہ سے) ڈرتے ہیں۔ کیا تم نہیں سمجھتے؟

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزَنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَكِنَّ

ہمیں معلوم ہیں کہ ان (کافروں) کی باتیں تمہیں رنج پہنچاتی ہیں (مگر) یہ تمہاری تکذیب نہیں کرتے بلکہ

الظَّالِمِينَ بآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِي كَذَّبَ رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ

ظالم اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں۔ [۲] اور تم سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے جاتے رہے

فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُودُوا حَتَّىٰ أَنَّهُمْ نَصَرْنَا وَلَا مَبْدَلَ لِكَلِمَاتِ

تو وہ تکذیب اور ایذا پر صبر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد پہنچتی رہی اور اللہ کی باتوں کو کوئی بھی بدلنے

اللَّهُ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَّبِإِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۴﴾ وَإِنْ كَانَ

والا نہیں۔ اور تمہیں پیغمبروں (کے احوال) کی خبریں پہنچ چکی ہیں۔ اور اگر ان کی روگردانی تم پر

كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنُ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ

شاق گزرتی ہے تو اگر طاقت ہو تو زمین میں کوئی سرنگ ڈھونڈھ نکالو

[۲] علیؑ سے روایت ہے کہ: ان ابا جہل قال للنبی ﷺ انا لانکذبک، ولكن نکذب بما جئت به،

فانزل اللہ تعالیٰ هذه الآية، (ترمذی رقم: ۳۰۶۴ مستدرک، ۲/۳۱۵)۔

جب ابو جہل نے نبی کریم ﷺ سے یہ کہا: کہ اے محمد ﷺ! ہم تمہیں نہیں جھٹلاتے، ہم تو اس چیز کو جھٹلاتے ہیں جو تم لیکر آئے ہو، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی: ابو جہل کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے ساتھ ہمارا اختلاف اس دین و شریعت کے بارے میں ہے جس کی طرف تم ہمیں بلا تے ہو، ہم تو تمہاری تکذیب صرف اس لئے کرتے ہیں کہ تمہاری لائی ہوئی کتاب و شریعت کو سچ نہیں مانتے، اگر درمیان میں سے تمہاری یہ کتاب و شریعت ہٹ جائے تو پھر تمہارے ساتھ ہمارا کوئی جھگڑا نہیں رہے گا، لیکن وہ لعین اتنا نہیں سمجھا کہ جب محمد ﷺ دنیاوی معاملات میں لوگوں سے جھوٹ نہیں بولتے، اور صدق و سچائی ان کا وصف ہے، جس کا اقرار و اعتراف خود قریش مکہ کو بھی تھا، تو پھر وہ دین و آخرت کے معاملہ میں لوگوں سے کیوں جھوٹ بولیں گے؟ اور ان کو جھوٹ کی طرف بلائیں گے، اور اللہ پر بہتان باندھیں گے۔

اصل بات یہ تھی کہ قریش مکہ کے سارے بڑے بڑے سردار نبی کریم ﷺ کے تین سخت بغض و عناد اور حسد کا شکار تھے، ان کو ساری جلن اس بات کی تھی کہ اس یتیم و امی شخص کو اتنا بڑا مرتبہ کیسے مل گیا؟ اور ہم اتنی ساری دنیاوی وجاہتیں رکھتے ہوئے اس کی پیروی کیسے کریں، کس طرح اس کو اپنا بڑا اور قابل اتباع مان لیں۔ اور یہی جلن ان سے طرح طرح کی باتیں کہلواتی تھی، جن میں نہ کوئی معقولیت ہوتی تھی اور نہ کوئی سچائی۔

تفسیر کشف میں اس آیت کی تفسیر میں دو مطلب لکھے ہیں، ایک تو یہ کہ اے محمد ﷺ یہ کافر جو تمہیں جھٹلاتے ہیں، اور یہ ماننے سے انکار کرتے ہیں کہ تم واقعہ اپنے پروردگار کی طرف سے نئی کتاب و شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہو، تو یہ تمہیں نہیں جھٹلاتے، درحقیقت اللہ کی نازل کردہ آیتوں اور اس کے اتارے ہوئے دین کو جھٹلاتے ہیں، گویا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی مالک اپنے اس غلام سے کہ جس کو لوگ ناروا اطوار پر پریشان کرتے اور ستاتے ہوں، یہ کہے کہ وہ لوگ تجھے نہیں ستاتے، بلکہ مجھے ستاتے ہیں، تو دیکھنا میں ان کے ساتھ کیا معاملہ کرتا ہوں، اور ان کو کیسا مزہ چکھاتا ہو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! یہ کافر تمہیں نہیں جھٹلاتے ہیں کیونکہ تم تو ان کے نزدیک بڑے سچے اور آئین ہو، اور تمہاری سچائی اور امانت ان میں ضرب المثال کی حیثیت رکھتی ہے، ہاں یہ لوگ اللہ کی آیتوں اور اس کے فرمائے ہوئے دین کو جھٹلاتے ہیں۔ یہ مطلب حدیث کے مضمون سے زیادہ مطابقت اور موزونیت رکھتا ہے۔

أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَاتِيَهُمْ بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ

یا آسمان میں سیڑھی (تلاش کرو) پھر ان کے پاس کوئی معجزہ لاؤ اور اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا۔

فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۹﴾ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

پس تم ہرگز نادانوں میں سے نہ ہونا۔ بات یہ ہے کہ (حق کو) قبول وہی کرتے ہیں جو سنتے بھی ہیں

وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

اور مردوں کو تو اللہ (قیامت ہی کو) اٹھائے گا پھر اُسی کی طرف لوٹ کر جائیں گے۔ [۳] اور کہتے ہیں کہ ان پر

[۳] ”یسمعون“ کے معنی ”ینبیون“ کے ہیں یعنی صرف وہی لوگ حق کو قبول کرتے ہیں جن کے دلوں میں اللہ کی

طرف رغبت ہو بقرینہ و مایتذکر الامن ینیب (مومن: ۱۳) اور الموتی (مردے) سے مراد یہاں کفار و مشرکین ہیں،

کیونکہ ان کے دل ایمان اور توحید سے خالی ہونے کی وجہ سے مردہ اور بے جان ہے و الموتی ای الکفار کما قال

الحسن و رواہ عنہ غیر واحد.....وفی اطلاق الموتی علی الکفار استعارة طبعية مبنية علی تشبیه

کفرهم و جهلهم بالموت۔ (روح)۔ جامع البیان میں ہے الکفار الذین کالموتی لایسمعون یعنی

کافران مردوں کی طرح ہے، نہیں سنتے۔ بیضاوی میں ہؤلاء کالموتی الذین لایسمعون۔ جلالین میں ہے

الموتی ای الکفار شبہہم بهم فی عدم السماع۔ امام رازکی نے فرمایا: ای لاسبیل الی استماعہم

ابوسعود نے بھی یہی کہا۔ ابن جریر میں ہے: جعلہم اللہ ذکرہ فی اعداد الذین لایسمعون صوتا، ولا یعقلون

دعاء، ولا یفقیہون قولا۔ خازن میں ہے و المعنی انہم فی حال کفرہم و تکذیبہم کمن لایسمع

ولایتکلم، و لہذا شبہ الکفار بالموتی، لان المیت لایسمع ولا یتکلم (مدارک) و الموتی یبعثہم

اللہ، ثم الیہ یرجعون، فحیثذ یسمعون و اما قبل ذلک فلا (نیسابوری) یعنی ان الذین تحرص علی

حصول ایمانہم بمنزلة الموتی الذین لایسمعون۔ اور کشاف میں ہے: ہم بمنزلة الموتی الذین

لایسمعون۔ خلاصہ ان تمام عبارات کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردوں میں شمار کیا ہے، جو نہ حق سنتے ہیں نہ کسی کی

پکار سنتے ہیں، نہ بات سمجھتے ہیں، جیسے مردہ نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے، مزید تفصیل بعد میں آئے گا۔

نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنْزِلَ آيَةً وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ

ان کے رب کے پاس سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ اللہ نشانی اتارنے پر قادر ہے لیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُونَ ﴿۷۰۲﴾ لَوْ هُمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَيْرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ

نہیں جانتے۔ اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا (حیوان) یا دو پروں سے اڑنے والا جانور ہے

إِلَّا أُمَّةٌ أَمَّاكُمْ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔ ہم نے کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں کسی چیز (کے لکھنے) میں کوتاہی نہیں کی پھر

يُحْشَرُونَ ﴿۷۰۳﴾ لَوَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمْ وَبُكْمٌ

سب اپنے رب کی طرف جمع کئے جائیں گے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے ہیں

فِي الظُّلُمَاتِ ۚ مَنْ يَشَاءِ اللَّهُ يُضِلِّهِ وَمَنْ يَشَاءِ يُجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ

(اس کے علاوہ) اندھیرے میں (پڑے ہوئے) جس کو اللہ چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے سیدھے رستے پر چلا دے

مُسْتَقِيمٍ ﴿۷۰۴﴾ لَوْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ

کہو (کافرو!) بھلا دیکھو تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا قیامت آموچھو ہو

أَغْيَرَ اللَّهُ تَدْعُؤُنَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۷۰۵﴾

تو کیا تم (ایسی حالت میں) اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے؟ اگر سچے ہو (تو بتاؤ) [4]

[4] یہ دلیل عقلی ہے علی سبیل الاعتراف من الخصم۔ امام فراء کہتے ہیں: کہ ”ارایت“ دو معنوں میں

مستعمل ہیں اول رؤیت عین، دوم بمعنی ”أخبرنی“ مثلاً کہا جاتا ہے ”ارایتک ای اخبارنی“ اس صورت میں ضمیر ثانی

خواہ واحد ہی کی ہو، (ک) یا تشبیہ (کما) اور جمع (کم) کی اعراب میں اس کا کوئی مقام نہیں ہوتا، اور اس کی حیثیت محض ایک

حرف کی ہوتی ہے، جو مخاطب کی حالت افراد اور تشبیہ و جمع کا اظہار کرتا ہے (من الکبیر)۔ =

بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ

(نہیں) بلکہ (مصیبت کے وقت) تم اسی کو پکارتے ہو تو جس دکھ کیلئے اُسے پکارتے ہو وہ اگر چاہتا ہے

وَتَنْسُونَ مَا تَشْرِكُونَ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ

تو اُس کو دُور کر دیتا ہے اور جن کو تم شریک بناتے ہو (اس وقت) انہیں بھول جاتے ہو۔ اور ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے

فَأَخَذْنَا هُمْ بِالْبُاسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾

پھر (اُن کی نافرمانیوں کے سبب) ہم انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے تاکہ عاجزی کریں۔

= علامہ رضی لکھتے ہیں: کہ یہاں یہ روایت بصری ہے یا قلبی اور ”ارئیت“ بمعنی، ابصرت، ہے یا بمعنی

عرفت اور صرف ایک مفعول کو چاہتا ہے جو یہاں ”حالکم“ محذوف ہے اور مجازاً ”اخبرنی“ مجھے بتا کے معنی میں

مستعمل ہے، اور ہمیشہ حالت عجیبہ سے استفسار کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ذہب الرضی تبعا لغيره ان رأى، هنا

بصرية، وقيل قلبية بمعنی عرف وهی على القولین: متعدد لواحد، واصل اللفظ الاستفهام عن

العلم و العرفان، او الابصار، الا انه تجوز به عن معنی اخبرنی، ولا يستعمل الا فى الاستخبار عن

حالة عجيبة لشيء.

اس کے بعد استفہام کا ہونا ضروری ہے خواہ مذکور ہو خواہ مقدر، یہاں مذکور ہے، یعنی، اغیر اللہ، مطلب یہ ہے

کہ رسول ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ مشرکین سے فرمائے مجھے بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا قیامت آئیے تو کیا پھر بھی تم

غیر اللہ ہی کو پکارو گے؟ ”بل ایہا“ یہ اس کا جواب ہے، یعنی اس وقت تم غیر اللہ کو نہیں پکارو گے بلکہ اللہ کے سوا تم جن

معبودوں کو پکارتے ہو ان سب کو بھول جاؤ گے، اور صرف ایک اللہ ہی کو پکارو گے تو وہ اگر چاہے گا تو تم سے وہ مصیبت

دور فرمادے گا۔ جس کے لئے تم نے اسے پکارا ہے۔

اور ابن حیان نے فرمایا ہے، کہ یہ بمعنی ”اخبرنی“ ہے، اور ”التاء“ فیہ للخطاب (الفاعل)

ومالحقها حرف يدل على اختلاف المخاطب، وايضاجى بالكاف للتاكيد فاذا كان المخاطبون

كثيرون جئ بصيغة الجمع. واذا كان المخاطب واحدا جئ بصيغة الافراد، كما فى اسراء: ۲۲۔ (بج)۔

فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ

تو جب ان پر ہمارا عذاب آتا رہا تو کیوں عاجزی نہیں کرتے رہے مگر ان کے تو دل ہی سخت ہو گئے تھے

وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۳﴾ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ

اور جو وہ کام کرتے تھے شیطان ان کو (ان کی نظروں میں) آراستہ کر دکھاتا تھا۔ پھر جب انہوں نے اس نصیحت کو جو ان کو کی گئی تھی فراموش کر دیا

فَتَحْنَأُ عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا

تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جب ان چیزوں سے جو ان کو دی گئی تھیں خوب خوش ہو گئے

أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴿۱۳۵﴾ ﴿۱۳۶﴾ قَطَعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا

تو ہم نے ان کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ اس وقت مایوس ہو کر رہ گئے۔ غرض ظالم لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۷﴾ ﴿۱۳۸﴾ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ

اور سب تعریف اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے۔ (ان کافروں سے) کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ تمہارے کان

وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ أَنْظُرُوا

اور آنکھیں چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے سوا کون سا معبود ہے جو تمہیں یہ نعمتیں پھر بخشنے؟ دیکھو

كَيْفَ نَصَرَفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُونَ ﴿۱۳۹﴾ ﴿۱۴۰﴾ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ

ہم کس کس طرح اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ روگردانی کرتے ہیں۔ کہو کہ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر

عَذَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الظَّالِمُونَ ﴿۱۴۱﴾ ﴿۱۴۲﴾

اللہ کا عذاب بے خبری میں یا خبر آنے کے بعد آئے تو کیا ظالم لوگوں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہو گا؟

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ

اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجتے رہے ہیں تو خوشخبری سنانے اور ڈرانے کو پھر جو شخص ایمان لائے اور نیکوکار ہو جائے

فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ اندوہناک ہوں گے۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

يَمْسُهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۲۹﴾ لَّا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي

اُن کی نافرمانیوں کے سبب انہیں عذاب ہوگا۔ کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس

خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ

اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں اور نہ (یہ کہ) میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں

إِنُ اتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَىٰ قَلْبِ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ

میں تو صرف اُس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے (اللہ کی طرف سے) آتا ہے کہہ دو کہ بھلا اندھا اور آنکھ والا برابر ہوتے ہیں؟

أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ ﴿۳۰﴾ وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ

تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟۔ اور جو لوگ خوف رکھتے کہ اپنے رب کے رُوبرو حاضر کئے جائیں گے (اور جانتے ہیں کہ)

لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ وَّلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۳۱﴾

اُس کے سوا نہ تو اُن کا کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا، اُن کو اس (قرآن) کے ذریعے سے نصیحت کرو تا کہ پرہیزگار بنیں

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ

اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب سے دعا کرتے ہیں (اور) اُس کی ذات کے طالب ہیں

مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ

اُن کو (اپنے پاس سے) مت نکالو اُن کے حساب (اعمال) کی جوابدہی تم پر کچھ نہیں اور تمہارے حساب کی جوابدہی اُن پر کچھ نہیں

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۲﴾ كَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُم بِبَعْضٍ

اگر اُن کو نکالو گے تو ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ اور اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کی بعض سے آزمائش کی ہے

لِيَقُولُوا أَهْلًا لَنَا وَمِنَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا

کہ (جو دولت مند ہیں وہ غریبوں کی نسبت) کہتے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم میں سے فضل کیا ہے؟

أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ

بھلا اللہ تعالیٰ شکر کرنے والوں سے واقف نہیں؟ - اور جب تمہارے پاس ایسے لوگ آیا کریں

يُؤْمِنُونَ بِآيِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ

جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو (اُن سے) سلام علیکم کہا کرو اللہ نے اپنی ذات پر رحمت کو لازم کر لیا ہے

أَنَّهُ مَن عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا أَوْ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّهُ غَفُورٌ

کہ جو کوئی تم میں سے نادانی سے کوئی بری حرکت کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیکو کار ہو جائے تو وہ بخشے والا

رَحِيمٌ ﴿۱۳۴﴾ وَكَذَلِكَ نَفِصُّ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳۵﴾

مہربان ہے - اور اسی طرح ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں اور اس لئے کہ گنہگاروں کا رستہ ظاہر ہو جائے

قُلْ إِنِّي نُهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلْ

(اے پیغمبر! کفار سے) کہہ دو کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے اُن کی عبادت سے منع کیا گیا ہے (یہ بھی) کہہ دو

لَا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَ كُمْ قَدْ ضَلَلْتُمْ إِذَا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۱۳۶﴾

کہ میں تمہاری خواہشوں کی پیروی نہیں کروں گا۔ ایسا کروں گا تو گمراہ ہو جاؤں اور ہدایت یافتہ لوگوں میں نہ رہوں

قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ مَا عِنْدِي

کہہ دو کہ میں تو اپنے رب کی روشن دلیل پر ہوں اور تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ جس چیز کیلئے

تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ يَقِصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ ﴿۱۳۷﴾

تم جلدی کر رہے ہو وہ میرے پاس نہیں ہے (ایسا) حکم اللہ ہی کے اختیار میں ہے وہ سچی بات بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَقُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ

کہہ دو کہ جس چیز کیلئے تم جلدی کر رہے ہو اگر وہ میرے اختیار میں ہوتی تو مجھ میں اور تم میں فیصلہ ہو چکا ہوتا

وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۰﴾ عِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ

اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔ اور اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں جن کو اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا

اور اُسے جنگلوں اور سمندروں کی سب چیزوں کا علم ہے اور کوئی پتا نہیں جھرتا مگر وہ اُس کو جانتا ہے

وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمَتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَابِسٌ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ

اور زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی ہری اور سوکھی چیز نہیں مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے

﴿۴۲﴾ ﴿۴۱﴾ وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ

اور وہی تو ہے جو رات کو (سونے کی حالت میں) تمہاری روح قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اس کا خبر رکھتا ہے

ثُمَّ يَعْثُكُم فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ

پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تاکہ معین مدت پوری کر دی جائے پھر تم

إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾

(سب) کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے (اس روز) وہ تمہیں تمہارے اعمال جو تم کرتے ہو (ایک ایک کر کے) بتائے گا

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ

اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر نگہبان مقرر کئے رکھتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلْنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾

موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اُس کی روح قبض کر لیتے ہیں اور وہ کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے۔ پھر

رُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقُّ ۗ اِلَّا لَهٗ الْحُكْمُ وَهُوَ

(قیامت کے دن تمام) لوگ اپنے مالک حقیقی اللہ تعالیٰ کے پاس واپس بلائے جائیں گے۔ سن لو کہ حکم اسی کا ہے اور وہ

اَسْرَعُ الْحَسِبِیْنَ ﴿۴۲﴾ قُلْ مَنْ يُنَجِّیْكُمْ مِّنْ ظُلْمِ الْبُرِّ وَالْبَحْرِ

نہایت جلد حساب لینے والا ہے۔ کہو بھلا تمہیں جنگلوں اور سمندروں کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟

تَدْعُوْنَهُ تَضْرَعًا وَخُفِیَّةً لِّئِنْ اَنْجَاْنَا مِنْ هٰذِهِ

(جب) کہ تم اُسے عاجزی سے اور چپکے چپکے پکارتے ہو (اور کہتے ہو) کہ اگر اللہ ہمیں اس مصیبت سے نجات بخشنے

لَنْكُوْنَنَّ مِنَ الشَّكْرِیْنَ ﴿۴۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّیْكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ

تو ہم اُس کے بہت شکر گزار ہوں۔ کہو کہ اللہ ہی تمہیں اُس مصیبت سے اور ہر سختی سے نجات بخشتا ہے پھر (تم) اس کیساتھ

اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عَذَابًا مِّنْ

شرک کرتے ہو۔ کہہ دو کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے تم پر اوپر کی طرف سے

فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ یَلْبِسْكُمْ شِیْعًا وَّیَذِیْقَ بَعْضَكُمْ

یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے

بِاَسِّ بَعْضٍ اَنْظُرْ كَيْفَ نَصَرَفَ الْاٰیٰتِ لَعَلَّهُمْ یَفْقَهُوْنَ ﴿۴۵﴾

کی لڑائی کا مزہ چکھا دے، دیکھو ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھیں [5]

[5] امام بخاری نے اس آیت کی تفسیر میں جابرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ جب یہ آیت اتری کہ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ تُوْا اَب

نے فرمایا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ پھر ”من تحت ارجلكم“ سنکر بھی فرمایا ”اعوذ باللہ پھر یلبسکم شیعا“ سنکر فرمایا یہ

اسان تر ہے۔ اگر اس پر بھی آپ ﷺ پناہ مانگتے تو مانگ سکتے تھے۔ سعد بن ابی وقاصؓ سے بھی مروی ہے کہ اس آیت کو سن

کر آپ ﷺ فرمایا کہ یہ بات ہو کر رہے گی اور ابھی تک ہوئی نہیں ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۷۶، کتاب التفسیر)۔

وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿٤٤﴾ كُلُّ نَبِيٍّ

اور اس (قرآن) کو تمہاری قوم نے جھٹلایا حالانکہ وہ سراسر حق ہے، کہہ دو کہ میں تمہارا داروغہ نہیں ہوں۔ ہر خبر کیلئے

مُسْتَقَرٌّ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿٤٥﴾ وَإِذْ رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا

ایک وقت مقرر ہے اور تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ اور جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو ہماری آیتوں کے بارے میں

فَاعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ وَإِمَّا يُنسِينِكَ

بیہودہ بکواس کر رہے ہوں تو اُن سے الگ ہو جاؤ یہاں تک کہ اور باتوں میں مصروف ہو جائیں اور اگر (یہ بات)

الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَى مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٨﴾

شیطان تمہیں بھلا دے تو یاد آنے پر ظالم لوگوں کیساتھ نہ بیٹھو۔

وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَلَكِنْ ذِكْرًا لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ

اور پرہیزگاروں پر ان لوگوں کے حساب کی کچھ بھی جواب دہی نہیں ہاں نصیحت تاکہ وہ بھی پرہیزگار ہوں

﴿٤٤﴾ وَذُرِّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

اور جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ بنا رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکے میں ڈال رکھا ہے اُن سے کچھ کام نہ رکھو

وَذَكَّرْ بِهِ أَنْ تُبَسَّلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ

ہاں اس (قرآن) کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہو تاکہ (قیامت کے دن) کوئی اپنے اعمال کی سزا میں ہلاکت میں نہ ڈالا جائے

لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ وَإِنْ تَعَدِلْ كُلُّ عَدْلٍ

اللہ کے سوا نہ تو کوئی اُس کا دوست ہوگا اور نہ سفارش کرنے والا۔ اور اگر وہ ہر چیز کا بدلہ بطور معاوضہ دینا چاہے

لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا أُولَئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا كَسَبُوا لَهُمْ

تو وہ اُس سے قبول نہ ہو۔ یہی لوگ ہیں کہ اپنے اعمال کے وبال میں ہلاکت میں ڈالے گئے اُن کیلئے پینے کو

شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۷۰﴾

کھولتا ہوا پانی اور دکھ دینے والا عذاب ہے اس لئے کہ کفر کرتے تھے

قُلْ أَدْعُو مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا بَعْدَ

کہو کیا ہم اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکاریں جو نہ ہمارا بھلا کر سکے اور نہ بُرا اور جب ہمیں اللہ نے سیدھا راستہ دکھا دیا

إِذْ هَدَانَا اللَّهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيْطَانُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ م

تو (کیا) ہم لٹے پاؤں پھر جائیں؟ (پھر ہماری ایسی مثال ہو) جیسے کسی کو جنات نے زمین میں بھلا دیا ہو (اور وہ) حیران

لَهُ أَصْحَابٌ يَدْعُونَهُ إِلَى الْهُدَىٰ ائْتِنَا قُلْ إِنْ هُدَى اللَّهُ

(ہو رہا ہو) اور اُس کے کچھ رفیق ہوں جو اُس کو رستے کی طرف بلائیں کہ ہمارے پاس چلا آ۔ کہہ دو کہ رستہ تو وہی ہے

هُوَ الْهُدَىٰ وَأَمْرًا لِنُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۱﴾ أَنْ أَقِيمُوا الصَّلَاةَ

جو اللہ نے بتایا ہے اور ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ ہم اللہ رب العالمین کے فرمانبردار ہوں۔ اور یہ (بھی) کہ نماز پڑھتے رہو

وَاتَّقُوهُ وَهُوَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ

اور اس سے ڈرتے رہو اور وہی تو ہے جس کے پاس تم جمع کئے جاؤ گے۔ اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں

وَالْأَرْضِ بِالْحَقِّ وَيَوْمَ يَقُولُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ

اور زمین کو تدبیر سے پیدا کیا ہے اور جس دن وہ فرمائے گا کہ ہو جا تو (حشر برپا) ہو جائیگا۔ اُس کا ارشاد برحق ہے

يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ

اور جس دن صور پھونکا جائے گا اُسی کی بادشاہت ہوگی وہی پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا اور وہی دانا

الْخَبِيرُ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۳﴾ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزرَ اتَّخَذُ صَنَامًا آلهَةً

اور خبردار ہے۔ اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تم بتوں کو معبود بناتے ہو؟

إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۳﴾ ۚ كَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ

میں دیکھتا ہوں کہ تم اور تمہاری قوم صریح گمراہی میں ہو۔ اور ہم اسی طرح ابراہیم کو

مَلَكَوَتِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ ﴿۴۴﴾ ۚ

آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّي

(یعنی) جب رات نے اُن کو (پردہ تاریکی سے) ڈھانپ لیا تو (آسمان میں) ایک ستارا نظر پڑا، کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے

فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أَحِبُّ الْآفِلِينَ ﴿۴۵﴾ ۚ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ

جب وہ غائب ہو گیا تو کہنے لگے کہ مجھے غائب ہو جانے والے پسند نہیں۔ پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے تو کہنے لگے

هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لئن لم يَهْدِنِي رَبِّي

کہ یہ میرا رب ہے۔ لیکن جب وہ بھی چھپ گیا تو بول اٹھے کہ اگر میرا رب مجھے سیدھا رستہ نہ دکھاتے

لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴿۴۶﴾ ۚ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَذَا

تو میں ان لوگوں میں ہو جاتا جو بھٹک رہے ہیں۔ پھر جب سورج کو دیکھا کہ جگمگا رہا ہے تو کہنے لگے کہ یہ میرا رب ہے

رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يَا قَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۴۷﴾ ۚ

یہ سب سے بڑا ہے۔ مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگے کہ لوگو! جن چیزوں کو تم شریک بناتے ہو میں اُن سے بیزار ہوں [6]

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ

میں نے سب سے یکسو ہو کر اپنے آپ کو اسی ذات کی طرف متوجہ کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے

[6] یہاں بعض لوگ ابراہیم علیہ السلام کے ان اقوال سے غلط نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) ابراہیم علیہ السلام

پہلے ایمان میں متردد تھے، تو امام رازی کتاب عصمت الانبیاء میں اس سے یہ جواب دیتے ہیں، کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ بلوغ سے قبل کہا تھا۔ اس لئے کہ جب آپ کو بلوغ سے کچھ عرصہ قبل اللہ کی الوہیت کے بارے میں خیال آیا، تو آپ متفکر ہو کر ستاروں کی طرف دیکھنے لگے ان کی عجیب و غریب حرکات سے متاثر ہو کر کہا کہ ضرور یہ رب ہوگا، اور یہی بات انہوں نے سورج اور چاند کے بارے میں بھی کہی، اور اسی دوران وہ بالغ ہوئے تو اس نظر یہ سے اعلان برأت کرتے ہوئے فرمایا ”انسی بری ممتشر کون“ اور سورج و چاند اور ستاروں کے بارے میں یہ خیال اس لئے پیدا ہوا کہ ان کے اندر نورانیت کے ساتھ بلندی بھی تھی۔

اور بعض لوگ یہ گفتگو بلوغ کے بعد پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ گفتگو نظر و استدلال کے دوران ہوئی تھی البتہ یہ قول اخبار کے طور پر صادر نہیں ہوا بلکہ فرض کے طور پر کہا گیا، جیسا کہ ایک فلسفی حدوث اجسام پر استدلال کرتے ہوئے کہتا ہے۔ الجسم القديم (جسم قدیم ہے) تو وہ قدم اجسام کی خبر نہیں دیتا، بلکہ اس کو فرض کرتا ہے۔

بعض یہ جواب دیتے ہیں (ہذا ربی فی زعمہم)، یعنی ان کے خیال میں یہ میرا رب ہے، جیسا کہ ہم میں سے کوئی شخص فرقہ مشبہ کے بارے میں بطور تعریض و تذلیل کہے (انّ الہہ) جسم متغیر) یا جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بطور طنز کہا تھا (فانظر الی الہک الذی ظلت علیہ عاکفا) (طہ: ۹۷) ترجمہ: یعنی تیرے خیال کے مطابق یہ تیرا الہ ہے اس کا حشر تو دیکھ لے۔

۲۔ یہ استفہام انکاری کے طور پر کہا گیا ہے اور حرف استفہام کو واضح ہونے کی وجہ سے حذف کیا گیا (مطلب یہ کہ کیا یہ میرا رب ہو سکتا ہے؟)۔

۳۔ آیت میں اختصار ہے، اور پوری عبارت یہ ہے (يقولون هذا ربی) یعنی یہ مشرکین مجھے کہتے ہیں کہ یہ تیرا رب ہے۔
۴۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے تعظیم کو اکب کا نظریہ باطل کرنا چاہا تو انہوں نے ان کو یہ یقین دلایا، کہ میں بھی ستاروں کی تعظیم کرتا ہوں، پھر دلیل سے ان کی تعظیم کو ختم کر ڈالا۔ اور ایک قول کے مطابق انہوں نے ابراہیم علیہ السلام کو ستاروں کی عبادت کی طرف دعوت دی۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کی غلطی کو اشکارا کرتے ہوئے فرمایا: کیا یہی میرا رب ہے؟۔

۵۔ صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ کہنا بطور اخبار نہ تھا بلکہ بطور استدلال و قیاس تھا اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر جرح و توہین نہیں فرمائی بلکہ اسے مدح و تعظیم کے شکل میں ذکر کر کے سراہا گیا۔

حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۰﴾ حَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ اتَّحَاجُونِي فِي

اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ اور اُن کی قوم اُن سے بحث کرنے لگی تو انہوں نے کہا کہ تم مجھ سے اللہ کے بارے میں

اللَّهُ وَقَدْ هَدَانِ ۗ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ

بحث کرتے ہو؟ اُس نے تو مجھے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے اور جن چیزوں کو تم اُس کا شریک بناتے ہو میں اُن سے نہیں ڈرتا

إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ۗ وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۰﴾

ہاں جو میرا رب چاہے۔ میرا رب اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیا تم فکر نہیں کرتے؟

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ

بھلا میں اُن چیزوں سے جن کو تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو کیونکر ڈروں جب کہ تم اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ کیساتھ شریک بناتے ہو

مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا ۗ فَأَيُّ الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ

جس کی اُس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ اب دونوں فریق میں سے کون سا فریق امن (اور جمعیت خاطر) کا مستحق ہے اگر

إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۰﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ

سمجھ رکھتے ہو۔ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے مخلوط نہیں کیا

أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۱﴾ وَلِكَلِمَاتٍ حُجَّتْنَا آتَيْنَاهَا

اُن کیلئے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں۔ اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے

إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَأٍ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ

ابراہیم کو اُن کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ بیشک تمہارا رب دانا اور خبردار ہے

﴿۹۳﴾ ﴿۹۲﴾ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ

اور ہم نے اُن کو اسحاق اور یعقوب بخشے (اور) سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح کو بھی ہدایت دی تھی

وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ

اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو بھی۔

وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٣﴾ زَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِلْيَاسَ

اور ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی

كُلِّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿٨٤﴾ وَإِسْمَاعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا

یہ سب نیکوکار تھے۔ اور اسماعیل اور الیسع اور یونس اور لوط کو بھی۔

وَكَأَلَّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٨٥﴾ وَمِن آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ

اور ان سب کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور ان کے بعض باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی

وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٨٦﴾ ذٰلِكَ هُدَىٰ اللّٰهِ

اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا رستہ بھی دکھایا تھا۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے

يَهْدِي بِهِ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبَطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا

اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چلائے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتے

يَعْمَلُونَ ﴿٨٧﴾ ذٰلِكَ الَّذِي آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِنْ

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائی تھی اگر یہ (کفار)

يَكْفُرُ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٨٨﴾

ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر (ایمان لانے کیلئے) ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَىٰ اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ

یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی تو تم انہیں کی ہدایت کی پیروی کرو۔ کہہ دو کہ

لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرًا لِلْعَالَمِينَ ﴿٤٠﴾

میں تم سے اس (قرآن) کا صلہ نہیں مانگتا یہ تو جہان کے لوگوں کیلئے محض نصیحت ہے
وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْنَا بَشِيرًا مِّنْ شَيْءٍ
اور ان لوگوں نے اللہ کی قدر جیسی جانتی چاہیے تھی نہ جانی۔ جب انہوں نے کہا کہ اللہ نے انسان پر (وحی اور کتاب وغیرہ)

قُلْ مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَى نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ

کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ کہو کہ جو کتاب موسیٰ لے کر آئے تھے اُسے کس نے نازل کیا تھا جو لوگوں کیلئے نور اور ہدایت تھی
تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا
اور جسے تم نے علیحدہ علیحدہ اوراق (پر نقل) کر رکھا ہے۔ اُن (کے کچھ حصے) کو تو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپاتے ہو۔

وَعَلَّمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ قُلِ اللَّهُ

اور تمہیں وہ باتیں سکھائی گئیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا۔ کہہ دو (اس کتاب کو) اللہ ہی نے (نازل کیا)

ثُمَّ ذَرَهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يَلْعَبُونَ ﴿٤١﴾ وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبْرَكًا

پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بیہودہ بکواس میں کھیلتے رہیں۔ اور یہ کتاب ہے جسے ہم نے نازل کیا ہے بابرکت

مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا

جو اپنے سے پہلی (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے اور (جو) اس لئے (نازل کی گئی ہے) کہ تم مکہ اور اس کے آس پاس کے

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٤٢﴾

لوگوں کو آگاہ کر دو اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی خبر رکھتے ہیں

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ

اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو

شَيْءٌ ۝ وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ

اور جو یہ کہے کہ جس طرح کی کتاب اللہ نے نازل کی ہے اس طرح کی میں بھی بنا لیتا ہوں۔ اور اگر تم ان ظالم

فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ

لوگوں کو اس وقت دیکھو جب موت کی سختیوں میں (بتلا) ہوں اور فرشتے (ان کی طرف عذاب کیلئے) ہاتھ بڑھا رہے ہوں

أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمْ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَىٰ

کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں ذلت کے عذاب کی سزا دی جائے گی اس لئے کہ تم اللہ پر جھوٹ بولا کرتے تھے

اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿۱۳۳﴾ لَقَدْ جِئْتُمُونَا

اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔ اور جیسا ہم نے تمہیں پہلی دفعہ پیدا کیا تھا ایسا ہی آج اکیلے اکیلے ہمارے پاس آئے

فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ

اور جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا تھا وہ سب اپنی پیٹھے پیچھے چھوڑ آئے

وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَ كُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۗ

اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے سفارشچیوں کو بھی نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم خیال کرتے تھے کہ وہ تمہارے (شفیع

لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۱۳۴﴾

اور ہمارے) شریک ہیں (آج) تمہارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے اور جو دعویٰ تم کیا کرتے تھے سب جاتے رہے

إِنَّ اللَّهَ فَلِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ

بیشک اللہ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ (کر ان سے درخت وغیرہ) اگاتا ہے وہی جاندار کو بے جان سے نکالتا ہے اور وہی بے جان

مِنَ الْحَيِّ ذَلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿۱۳۵﴾ فَاَلِقُ الْإِصْبَاحَ

کا جاندار سے نکالنے والا ہے۔ یہی تو اللہ ہے پھر تم کہاں بٹکے پھرتے ہو؟۔ وہی صبح کی روشنی پھاڑ نکالتا ہے

وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَٰلِكَ

اور اسی نے رات کو (موجب) آرام (ٹھہرایا) اور سورج اور چاند کو (ذرائع) شمار بنایا ہے یہ

تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۴۴﴾ ۴۴ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ

اللہ کے (مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں جو غالب (اور) علم والا ہے۔ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے ستارے بنائے

لِتَهْتَدُوا بِهِ فِي ظُلْمَتِ الْبُرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا

تا کہ جنگلوں اور سمندروں کے اندھیروں میں اُن سے رستے معلوم کرو۔ عقل والوں کیلئے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر

الآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۴۷﴾ ۴۷ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ

بیان کر دی ہیں۔ اور وہی تو ہے جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا

فَمُسْتَقَرًّا وَمُسْتَوْدَعًا قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿۴۸﴾ ۴۸

پھر (تمہارے لئے) ایک ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ایک سپرد ہونے کی۔ سمجھنے والوں کیلئے ہم نے (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کر دی ہیں

وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ

اور وہی تو ہے جو آسمان سے مینہ برساتا ہے پھر ہم ہی (جو مینہ برساتے ہیں) اس سے ہر طرح کی فصلیں اُگاتے ہیں پھر

فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُخْرَجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ

اُس میں سے سبز سبز کوٹھلیں نکالتے ہیں اور اُن کو پلوں میں سے ایک دوسرے کیساتھ جڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا

کے گابھے میں سے لٹکتے ہوئے گچھے اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے بھی ہیں

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۗ انظُرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذَٰلِكُمْ

اور نہیں بھی ملتے۔ یہ چیزیں جب پھلتی ہیں تو اُن کے پھلوں پر اور (جب پکتی ہیں تو) اُن کے پکنے پر نظر کرو ان میں اُن

لَا يَتْلُو لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۹۹﴾ ۹۹ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ

لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں (اللہ کی قدرت کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرایا

وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ

حالانکہ ان کو اسی نے پیدا کیا۔ اور بے سمجھے (جھوٹ بہتان) اس کیلئے بیٹے اور بیٹیاں بنا کھڑی کیں۔

سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۰۰﴾ ۱۰۰ ﴿۱۰۰﴾ اٰۤیٰتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وہ ان باتوں سے جو اُس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے اور ان سے بلند ہے۔ (وہی) آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا

اِنِّیْ یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَهٗ صٰحِبَةً ۗ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ ۚ وَهُوَ بِکُلِّ

(ہے) اُس کی اولاد کہاں سے ہو جب کہ اُس کی بیوی ہی نہیں اور اُس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز سے

شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ۱۰۱ ﴿۱۰۱﴾ اِنَّکُمْ اللّٰهُ رَبُّکُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ

باخبر ہے۔ یہی (اوصاف رکھنے والا) اللہ تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) ہر چیز کا پیدا کرنے والا (ہے)

فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ ﴿۱۰۲﴾ ۱۰۲ ﴿۱۰۲﴾ تَدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ

تو اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کا نگران ہے۔ (وہ ایسا ہے کہ) نگاہیں اُس کا ادراک نہیں کر سکتیں اور وہ

یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴿۱۰۳﴾ ۱۰۳ ﴿۱۰۳﴾ اِنۡذِجَاۤءُ کُمْ

نگاہوں کا ادراک کر سکتا ہے اور وہ بھید جاننے والا خبردار ہے۔ (اے محمد ﷺ! ان سے کہہ دو کہ) تمہارے (پاس) اللہ کی

بَصَاۤئِرُ مِنْ رَبِّکُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمٰی

طرف سے (روشن) دلیلیں پہنچ چکی ہیں تو جس نے (ان کو آنکھ کھول کر) دیکھا اُس نے اپنا بھلا کیا اور جو اندھا بنا رہا

فَعَلِیْهَا وَمَا اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ ﴿۱۰۴﴾ ۱۰۴ ﴿۱۰۴﴾ کَذٰلِکَ نَصَرَفُ الْاٰیٰتِ

اُس نے اپنے حق میں بُرا کیا اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں۔ اور ہم اسی طرح اپنی آیتیں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں

وَلِيَقُولُوا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۵﴾

تاکہ کافر یہ نہ کہیں کہ تم (یہ باتیں اہل کتاب سے) سیکھے ہوئے ہو اور تاکہ سمجھنے والے لوگوں کیلئے تشریح کر دیں

اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

اور جو حکم تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس آتا ہے اسی کی پیروی کرو اُس (رب) کے سوا کوئی معبود نہیں

وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا وَمَا

اور مشرکوں سے کنارہ کر لو۔ اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے اور (اے پیغمبر!)

جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿۱۰۷﴾

ہم نے تم کو اُن پر نگہبان مقرر نہیں کیا اور نہ تم اُن کے داروغہ ہو

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور جن لوگوں کو یہ مشرک اللہ کے سوا پکارتے ہیں اُن کو بُرا نہ کہنا کہ یہ بھی کہیں اللہ کو بے ادبی سے بغیر سمجھے بُرا (نہ) کہہ

كَذَلِكَ زَيْنًا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلُهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ

بیٹھیں۔ اس طرح ہم نے ہر ایک فریق کے اعمال (اُن کی نظروں میں) اچھے کر دکھائے ہیں پھر ان کو اپنے رب کی طرف

مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰۸﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ

لوٹ کر جانا ہے تب وہ اُن کو بتائے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔ اور یہ لوگ اللہ کی پکی قسمیں کھاتے ہیں

أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لِيُؤْمِنُوا بِهَا قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ

کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئے تو وہ اس پر ضرور ایمان لے آئیں۔ کہہ دو کہ نشانیاں تو سب اللہ ہی کے پاس ہیں

وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۴﴾

اور تمہیں کیا معلوم ہے کہ ان کے پاس نشانیاں آ بھی جائیں تب بھی ایمان نہ لائیں [6]

وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ

اور ہم اُن کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیں گے (تو) جیسے یہ اس (قرآن) پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے (ویسے پھر نہ لائیں

[6] یہ زجر ہے۔ وہ بڑی پکی قسمیں کھاتے ہیں، کہ اگر ان کو مجرہ دکھاجائے تو وہ مان لیں گے۔ قل انما الایات عند الله الخ

جواب ہے، آپ ﷺ فرمادیں معجزات تو اللہ کے اختیار میں ہیں، میرے اختیار میں نہیں ہیں۔ انما الایات عندا الله لا عندی

فکیف اجبیکم الیہا و اتیکم بہا، او المعنی هو القادر علیہا، لانا، حتی اتیکم بہا (روح)۔ چونکہ تمام صحابہ کرام کی بھی

آرزو تھی کہ مشرکین کا مطلوبہ مجرہ آجائے، تا کہ وہ ایمان لے آئیں، اس لئے یہاں ”کم“ ضمیر جمع سے خطاب میں ان کو بھی شامل

فرمایا، اور فرمایا کہ تمہیں یہ بات معلوم نہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ اگر ان کو مطلوبہ مجرہ دے بھی دیا جائے تب بھی وہ ایمان نہیں

لائیں گے۔ اس لئے مجرہ دکھانا حکمت کی خلاف ہے۔ نیز ان کی بہتری اسی میں ہے کہ ان کو مجرہ نہ دکھایا جائے کیونکہ مطلوبہ مجرہ کے

انکار کے بعد فوری عذاب آجاتا ہے اور مہلت نہیں ملتی۔ قیل للمؤمنین تتمنون ذلك وما یدریکم انہم یؤمنون . حاصل

الکلام ان القوم طلبوا من الرسول معجزات قوية، وحلفوا انہا لوظہرت لامنوا، فبین اللہ تعالیٰ انہم وان حلفوا علی

ذلك الا انہ تعالیٰ عالم بانہا لوظہرت لم یؤمنوا (کیں)۔ یہاں پر اشعار کے معنی فہم ہے اور ما استفہامیہ انکاریہ ہے

اور بعد میں جو ”لا“ ہے یہ مخم ہے استفہام میں جو انکار ہے اس کی تاکید کی لئے ذکر کی گئی ہے (یعنی زائد ہے) یا دوسری مفعول محذوف

ہے عبارت اس طرح ہوگی وما یشعرکم مافی الواقع وفي علم اللہ انہا الخ . یا یہ کہ ”انہا“ خلیل اور کسائی کے نزدیک (لعن)

کے معنی میں ہیں اور مفعول ثانی محذوف ہے، عبارت اس طرح ہوگی، وما یشعرکم حالہم لعلہا اذا جأت الخ - بعض علماء کے

نزدیک خطاب کافروں کو ہے اور کلام میں تقدیر ہے، یعنی وما یشعرکم انکم امتتم عند معجی الایات، یہاں پر وقف ہے

اور ”انہا“ سے کلام متناقض ہے۔ ”وا“ تعلیلیہ ہے اور یہ ”لا یؤمنون“ کی علت ہے اور، کما لم یؤمنوا، نقلاً عنہم کی تعلیل

ہے۔ یعنی جب پہلی بار ان کے پاس آئیں تو انہوں نے ضد و عناد کی وجہ سے ان کا انکار کر دیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں

پر مہر ثبت کر دی، اس لئے اب اگر وہ منہ مانگا مجرہ دیکھیں گے تو تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۱۰﴾

(گے) اور ان کو چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں۔

وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ

اور اگر ہم ان پر فرشتے بھی اتار دیتے اور مردے بھی ان سے گفتگو کرنے لگتے

وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبَلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ

اور ہم سب چیزوں کو ان کے سامنے لا موجود بھی کر دیتے تو بھی یہ ایمان لانے والے نہ تھے الا ماشاء اللہ

وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿۱۱۱﴾ كَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا

بات یہ ہے کہ یہ اکثر نادان ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا تھا

شَاطِئِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ط

وہ دھوکا دینے کیلئے ایک دوسرے کے دل میں مزین باتیں ڈالتے رہتے تھے

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرُهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۱۱۲﴾

اور اگر تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ تو ان کو اور جو کچھ یہ جھوٹ باندھتے ہیں اسے چھوڑ دو۔

وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَلِيَرِضُوهُ

اور (وہ ایسے کام) اس لئے بھی (کرتے تھے) کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل ان کی باتوں پر مائل ہوں

وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ﴿۱۱۳﴾ فَغَيْرَ اللَّهِ ابْتِغَىٰ حَكَمًا

اور وہ انہیں پسند کریں اور جو کام وہ کرتے تھے وہی کرنے لگیں۔ (کہو) کیا میں اللہ کے سوا اور منصف تلاش کروں

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ط وَالَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ

حالانکہ اُس نے تمہاری طرف واضح المطالب کتاب بھیجی ہے اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب (تورات) دی ہے

يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۱۱۳﴾

وہ جانتے ہیں کہ وہ تمہارے رب کی طرف سے برحق نازل ہوئی ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۗ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِهِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۱۴﴾

اور تمہارے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں۔ اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں اور وہ سنتا اور جانتا ہے

وَإِنْ تُطِيعُوا أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم ان کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ کا راستہ بھلا دیں گے

إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۱۴﴾ رَبِّكَ هُوَ أَعْلَمُ

یہ محض خیال کے پیچھے چلتے اور محض اٹکل کے تیر چلاتے ہیں۔ تمہارا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے

مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۱۵﴾

جو لوگ ان کے راہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور اللہ ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے

فَكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾

تو جس چیز پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو اُسے کھا لیا کرو

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذَكَرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ

اور کیا سبب ہے کہ جس چیز پر اللہ کا نام لیا جائے تم اُسے نہ کھاؤ حالانکہ جو چیزیں اُس نے تمہارے لئے حرام ٹھہرا دی ہیں وہ

مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرُّرْتُمْ إِلَيْهِ

ایک ایک کر کے بیان کر دی ہیں (بیشک ان کو نہیں کھانا چاہیے) مگر اس صورت میں کہ ان کے (کھانے کے) لئے ناچار ہو جاؤ

وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَاءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ

اور بہت سے لوگ بغیر سمجھے اپنے نفس کی خواہشوں سے لوگوں کو بہکا رہے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ ایسے لوگ

بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۴﴾ ذَرُّوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهُ اِنَّ الَّذِيْنَ

جو (اللہ کی مقرر کی ہوئی) حد سے باہر نکل جاتے ہیں تمہارا رب خوب جانتا ہے اور ظاہری اور پوشیدہ (ہر طرح کا) گناہ ترک کر دو

يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۵﴾

جو لوگ گناہ کرتے ہیں وہ عنقریب اپنے کئے کی سزا پائیں گے

وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذَكَّرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّيْطٰنَ

اور جس چیز پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اُسے مت کھاؤ کہ اُس کا کھانا گناہ ہے اور شیطان (لوگ)

لِيُوْحُوْنَ اِلَىٰ اَوْلِيَآئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمْوَهُمْ اِنَّكُمْ

اپنے رفیقوں کے دلوں میں یہ بات ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم لوگ اُن کے کہے پر چلے تو بیشک تم بھی

لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مِّنْ كَانَ مِيْتًا فَاحْيِيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُورًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِى

مشرک ہو جاؤ گئے۔ بھلا جو پہلے مردہ تھا پھر ہم نے اُسے زندہ کیا اور اُس کیلئے روشنی کر دی جس کے ذریعے سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے

النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِى الظُّلْمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا كَذٰلِكَ

کہیں اُس شخص جیسا ہو سکتا ہے جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو اور اُس سے نکل ہی نہ سکے۔ اسی طرح

زِيْنٍ لِّلْكَافِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِى كُلِّ قَرْيَةٍ

کافر جو عمل کر رہے ہیں وہ انہیں اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں

اَكْبَرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا

بڑے بڑے مجرم پیدا کئے کہ اُن میں مکاریاں کرتے رہیں اور جو مکاریاں یہ کرتے ہیں اُن کا نقصان انہیں کو ہے اور (وہ)

يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَاِذَا جَاآءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوْا

اس سے) بے خبر ہیں۔ اور جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ جس طرح کی

لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ
رسا مگر اللہ کے پیغمبروں کو ملی ہے جب تک اسی طرح کی رسالت ہمیں نہ ملے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا
اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ (رسالت کا کون سا محل ہے اور) وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔ جو لوگ جرم کرتے ہیں

صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾
اُن کو اللہ کے ہاں ذلت اور عذاب شدید ہوگا اس لئے کہ مکاریاں کرتے تھے۔ تو جس شخص کو اللہ چاہتا ہے

أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا
کہ ہدایت بخشے اُس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اس کا سینہ تنگ

حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصْعَدُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ
اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح اللہ اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے، عذاب

عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۴﴾ هَذَا صِرَاطٌ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا قَدْ فَصَّلْنَا
بھیجتا ہے۔ اور یہی تمہارے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ جو لوگ غور کرنے والے ہیں ان کیلئے ہم نے اپنی آیتیں کھول کھول کر

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۵﴾ هَلْ لَكُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ
بیان کر دی ہیں۔ ان کیلئے ان کے اعمال کے صلے میں رب کے ہاں سلامتی کا گھر ہے اور وہی ان کا دوست ہے

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۶﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ
اور جس دن وہ سب (جن وانس) کو جمع کرے گا (اور فرمائے گا کہ) اے گروہ جنات! تم نے انسانوں سے بہت

اسْتَكْبَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا
(فائدے) حاصل کئے تو جو انسانوں میں ان کے دوست ہوں گے وہ کہیں گے کہ پروردگار! ہم ایک دوسرے سے فائدے

بَعْضٍ وَبَلَّغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ

اٹھاتے رہے اور (آخر) اس وقت کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر کیا تھا اللہ فرمائے گا کہ (اب) تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے

خَالِدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۸﴾ وَكَذَلِكَ

ہمیشہ اس میں (جلتے) رہو گے مگر جو اللہ چاہے۔ بیشک تمہارا رب دانا اور خبردار ہے۔ اور اسی طرح

نُؤَلِّى بِعُضِّ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۲۲۹﴾ اِيَّاكُمْ مَعَشَرَ الْجِنِّ

ہم ظالموں کو ان کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں۔ اے جنوں

وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي

اور انسانوں کی جماعت! کیا تمہارے پاس تمہیں میں سے پیغمبر نہیں آتے رہے جو میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے

وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا

اور اس دن کے سامنے آ موجود ہونے سے ڈراتے تھے؟ وہ کہیں گے کہ (پروردگارا!) ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۲۳۰﴾

ان لوگوں کو دنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال رکھا تھا اور (اب) خود اپنے اوپر گواہی دی کہ کفر کرتے تھے

ذَلِكَ أَنْ لَّمْ يَكُنْ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ

(اے محمد ﷺ!) یہ (جو پیغمبر آتے رہے اور کتابیں نازل ہوتی رہیں تو) اس لئے کہ تمہارا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم سے

وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ ﴿۲۳۱﴾ اَوَلَمْ يَكُلَّ دَرَجَتٌ مِّمَّا عَمِلُوا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والوں کو (کچھ بھی) خبر نہ ہو۔ اور سب لوگوں کے بلحاظ اعمال درجے (مقرر) ہیں

عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۲۳۲﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ إِنْ يَشَأْ

اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ ان سے بے خبر نہیں ہے۔ اور تمہارا رب غنی (اور) رحمت والا ہے اگر چاہے

يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ

تو (اے بندو!) تمہیں نابود کر دے اور تمہارے بعد جن لوگوں کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے جیسا تم کو بھی دوسرے لوگوں کی

آخِرِينَ ﴿۳۳﴾ مَا تُوْعَدُونَ لَاتٍ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۳۴﴾

نسل سے پیدا کیا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ (واقع میں) آنے والا ہے اور تم (اللہ کو) مغلوب نہیں کر سکتے

قُلْ يَا قَوْمِ اِعْمَلُوا عَلَيَّ مِثْلَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ

کہہ دو کہ لوگو! تم اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) عمل کئے جاتا ہوں عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا

مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۵﴾

کہ آخرت میں (جنت) کس کا گھر ہو گا۔ کچھ شک نہیں کہ مشرک نجات نہیں پائیں گے

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا

اور (یہ لوگ) اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا ایک حصہ مقرر کرتے ہیں اور اپنے خیال

هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ

(باطل) سے کہتے ہیں کہ یہ (حصہ) تو اللہ کا اور یہ ہمارے شریکوں (یعنی بتوں) کا۔ تو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہوتا ہے

فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا

وہ تو اللہ کی طرف نہیں جا سکتا اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے شریکوں کی طرف جا سکتا ہے۔ یہ کیسا بُرا

يَحْكُمُونَ ﴿۳۶﴾ كَذَلِكَ زَيْنَ لِكَثِيرٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ قَتَلَ أَوْلَادِهِمْ

انصاف ہے۔ [۳۶] اسی طرح بہت سے مشرکوں کو ان کے شریکوں نے ان کے بچوں کو جان سے مار ڈالنا

[۳۷] ان چار آیاتوں میں ان کے رسوم باطلہ کا ذکر ہے، پہلی آیت میں غیر اللہ کی نذر و نیاز کا دوسری بار ذکر ہے

پہلے قد فصل الخ میں اجمالاً ذکر کیا یہاں قدرے تفصیل سے ذکر فرمایا، یعنی مشرکین نہ صرف چوپایوں ہی سے غیر اللہ کا حصہ نکالتے ہیں بلکہ وہ غلوں اور پھلوں سے بھی غیر اللہ کی نذر نیاز مقرر کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ صرف وہی جانور حرام نہیں جسے غیر اللہ کی تعظیم کے لئے ذبح کیا جائے بلکہ وہ بھی حرام ہے جو زندہ غیر اللہ کی نذر نیاز کے طور پر دیدیا جائے۔ مشرکین زمین کی پیداوار سے اور جانوروں سے اپنے معبودوں کی نذر نیاز کے حصے معین کر دیتے تھے۔

اور دوسری آیت میں ان لوگوں کے معبودان باطلہ کی نذر نیاز کے حصوں کو اللہ تعالیٰ کی نذر کے مصارف میں خرچ نہ کرنے کی ذکر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی نذروں کو اپنے معبودوں کی نذروں کے مصارف میں خرچ کر دیتے تھے۔ آگے غیر اللہ کی نذر نیاز کی ایک تیسری شق کا بیان ہے: جس طرح مشرکین پھلوں، غلوں اور چوپایوں سے غیر اللہ کا حصہ نکالتے تھے، اسی طرح وہ اپنی اولاد میں سے بھی بعض کو اپنے معبودوں کی نذر کے طور پر ذبح کرتے تھے: وقیل انہم کانسوا یسذرا حدہم اذا بلغ بنوہ عشرة نحر واحد منہم (روح)۔ پھر آیت نمبر: ۱۳۸، میں تحریمات غیر اللہ کا دوسری بار ذکر ہے یہاں باقی ماندہ صورتوں میں سے چار کا ذکر ہے۔

(۱) ہذہ انعام وحرث حجر الخ کچھ چوپایوں اور کھیتوں کو وہ اپنے معبودوں کے لئے مقرر کر دیتے تھے اور کہتے تھے انہیں کوئی نہیں کھا سکتا۔

(۲) وانعام حرمت ظہورہا بعض نامزد چوپایوں پر سواری کرنے اور بوجھ لادنے کو حرام سمجھتے تھے۔

(۳) وانعام لایذکرون اسم اللہ علیہا۔ جن چوپایوں کو وہ غیر اللہ کے لئے نامزد کرتے تھے ذبح کے وقت ان پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔

(۴) وقالوا ما فی بطون ہذہ الانعام خالصۃ لذکورنا۔ الخ، بحائرو سوائب کے بارے میں وہ یہ فیصلہ کر دیتے تھے کہ ان کے پیٹ کا بچہ اگر زندہ پیدا ہو تو مردوں کے لئے حلال اور عورتوں کے لئے حرام ہوگا، اور اگر مردہ پیدا ہو تو دونوں جنسوں کے لئے حلال ہوگا۔ مشرکین کا عقیدہ تھا کہ ان معبودوں کے لئے تحریمیں کرنے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتا ہے کہ ہم نے اس کی برگزیدہ بندوں کی تعظیم کی ہے، اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اس فعل کو اپنی ذات مقدسہ پر افتراء قرار دیا، اور اس افتراء پر ان کو توبیخ و توبیخ سنائی۔

شُرَكَاءُ هُمْ لِيُرُدُّوهُمْ وَلِيَلْبَسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا فَعَلُوهُ

اچھا کر دکھایا ہے تاکہ انہیں ہلاکت میں ڈال دیں اور ان کے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے

فَذَرَهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۷﴾ اَلْوَالُوا هَذِهِ اَنْعَامٌ وَّحَرَّتْ حِجْرُهُ لَا يَطْعَمُهَا

تو ان کو چھوڑ دو کہ وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔ اور اپنے خیال سے یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھتی منع ہے اسے

اِلَّا مَنْ نَشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا

اُس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے اور (بعض) چوپائے ایسے ہیں کہ انکی پیٹھ پر چڑھنا منع کر دیا گیا ہے

وَاَنْعَامٌ لَا يَذْكُرُونَ اِسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا

اور بعض مویشی ایسے ہیں جن پر (ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام نہیں لیتے۔ سب اللہ پر جھوٹ ہے اور وہ عنقریب ان کو ان

يَفْتَرُونَ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۸﴾ اَلْوَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا

کے جھوٹ کا بدلہ دے گا۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچہ ان چوپایوں کے پیٹ میں ہے وہ خاص ہمارے مردوں کیلئے ہے

وَمُحَرَّمٌ عَلٰى اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَكُنْ مَيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَاءُ

اور ہماری عورتوں کو (اس کا کھانا) حرام ہے اور اگر وہ بچہ مرا ہوا ہو تو سب اس میں شریک ہیں

سَيَجْزِيهِمْ وَصَفَهُمْ اِنَّهُ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾ خَسِرَ الَّذِيْنَ

عنقریب اللہ تعالیٰ ان کو ان کے ڈھکوسلوں کی سزا دے گا بیشک وہ حکمت والا خبردار ہے۔ جن لوگوں نے

قَتَلُوا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ

اپنی اولاد کو بے وقوفی سے بے سمجھی سے قتل کیا اور اللہ پر افتراء کر کے اُس کی عطا فرمائی ہوئی روزی کو حرام ٹھہرایا

اَفْتِرَاءً عَلٰى اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۰﴾

وہ گھائے میں پڑ گئے بلا شبہ وہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ

اور اللہ ہی تو ہے جس نے باغ پیدا کئے، چھتریوں پر چڑھائے ہوئے بھی اور چھتریوں پر نہیں چڑھائے ہوئے وہ بھی

وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُمُ وَالزَّيْتُونَ وَالرَّمَانَ مُتَشَابِهًا

اور کھجور اور کھیتی جن کے طرح طرح کے پھل ہوتے ہیں اور زیتون اور انار جو (بعض صفتوں میں) ایک دوسرے سے ملتے

وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُّوْا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ

جلتے ہیں اور (بعض صفتوں میں) نہیں ملتے جب یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کھاؤ اور جس دن (پھل توڑو اور کھیتی) کاٹو

يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۲۱﴾

تو اللہ کا حق بھی اُس میں سے ادا کرو اور بے جا نہ اڑانا کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا كُلُّوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ

اور چوپایوں میں بوجھ اٹھانے والے (یعنی بڑے بڑے) بھی پیدا کئے اور زمین سے لگے ہوئے بھی (پس) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهِ إِذِ انبَأَتْ بِوَعْدِ رَبِّهَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۱۲۳﴾

اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ یہ آٹھ قسم کے (ہیں)

مِّنَ الضَّالِّينَ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْرِزِ اثْنَيْنِ قُلْ

دو (دو) بیٹھروں میں سے اور دو (دو) بکریوں میں سے (یعنی ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ اے پیغمبر! ان سے) پوچھو

أَلَا الذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أُمُّ الْأَنْثِيِّنِ أَمَا اشْتَمَلْتُمْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأَنْثِيِّنِ

کہ (اللہ نے) دونوں (کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں (کی) مادوں کو یا جو بچہ مادیوں کے پیٹ میں لپٹ رہا ہو اسے؟

نَبُّونِي بِعَلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۲۴﴾ رَبَّنَا الْإِبِلَ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ

اگر سچے ہو تو مجھے سند سے بتاؤ۔ اور دو (دو) اونٹوں میں سے اور دو (دو) گایوں میں سے (ان کے بارے میں بھی)

قُلْ آذَكَرَيْنِ حَرَّمَ امَّ الْاَنْثِيْنَ اَمَّا اَشْتَمَلْتُ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاَنْثِيْنَ

ان سے پوچھو کہ (اللہ نے) دونوں (کے) نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں (کی) مادنیوں کو یا جو بچہ مادنیوں کے پیٹ میں لپٹ رہا ہو اس کو؟ [۸]

[۸] ”حمولة و فرشا“ دونوں ”جنت“ پر معطوف ہیں۔ یہ تحریمات غیر اللہ کا چوتھی بار تفصیل سے ذکر ہے ”حمولة“ سے وہ چوپائے مراد ہیں جو بوجھاٹھاتے ہیں اور ”فرش“ سے وہ مراد ہیں جنہیں ذبح کے لئے زمین پر گرایا جاتا ہے، یا جن کے بالوں سے بنے ہوئے فرش زمین پر پھائے جاتے ہیں۔

”كلوا مما راكم الله“، یعنی ان میں سے جو حلال ہیں انہیں کھاؤ، اور زمانہ جاہلیت کی تحریمات کو اٹھاؤ، اور اللہ کا شکر بجالاؤ، اور شیطان کی بیروی میں اللہ کی حلال چیزوں کو حرام نہ کرو۔ ای مما احله الله لكم ولا تحرموا كفضل الجاهلية، و هذا نص في الاباحة و ازالة ماسنه الكفار من البحيرة و السائبة (بحر محیط)۔

”ثمانية ازواج“ یہ حمولة و فرشا سے بدل ہے یہاں حلال چوپائیوں کی آٹھ جوڑوں میں تقسیم فرمائی ”انثین“ (دو) سے ہر جگہ زومادہ مراد ہے ”ضان“ سے اس نے زومادہ پیدا کیا یعنی دنبہ اور دنبی، مینڈ اور بھیڑ بھی، یہاں اسی میں داخل ہے۔ اور ایک جوڑا معز کا پیدا فرمایا یعنی بکر اور بکری۔

”قل آذَكَرَيْنِ حَرَّمَ امَّ الْاَنْثِيْنَ“ الخ۔ استفہام انکاری اور توجیح کے لئے ہے (بحر) اور اس میں مشرکین سے اس خود ساختہ تحریم پر دلیل عقلی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یعنی اللہ نے یہ دونوں جوڑے تمہارے انقاع کے لئے پیدا فرمائے ہیں اب تم بتاؤ کہ تم نے ان کے زومادہ اور مادہ کے پیٹ کے بچے کے بارے میں اپنی طرف سے حلت و حرمت کے جو احکام وضع کر رکھے ہیں، یہ تم نے کہاں سے اخذ کئے ہیں۔ ان کی تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ کیا اللہ نے ان جوڑوں کے نر کو حرام کیا ہے؟ یا مادوں کو یا ان بچوں کو جو ابھی مادہ جانوروں کے رحموں ہی میں ہیں۔

اگر کسی جانور کا زومادہ ہونا اس کی حرمت کی علت ہے تو ہر نر جانور حرام ہونا چاہئے۔ اور اگر اس کا مادہ ہونا حرمت کی علت ہے تو اس صورت میں تمام مادہ جانور حرام ہونے چاہئیں، اور اگر بچے کا مادہ کے رحم میں ہونا اس کی حرمت کا سبب ہے تو ہر چوپایہ (زومادہ) حرام ہونا چاہئے تو اس سے معلوم ہوا کہ ان کی بلاوجہ تحریم محض تسویل شیطان اور تلبیس ابلیس ہے، فلو علل بالذکورة و جب ان یحرم الذکر، او بالانوثة فکذلک، او باشتمال الرحم و جب ان یحرما لاشتمالها علیہما (بحر)۔

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّكُمْ اللَّهُ بِهَذَا فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن

بھلا جس وقت اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا تھا تم اس وقت موجود تھے؟ تو اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہے

اَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

جو اللہ پر جھوٹی تہمت لگائے تاکہ بغیر علم کے لوگوں کو گمراہ کرے۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

الظَّالِمِينَ ﴿۲۲۱﴾ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ

کہو کہ جو احکام مجھ پر نازل ہوئے ہیں میں ان میں کوئی چیز جسے کھانے والا کھائے حرام نہیں پاتا

إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا

بجز اسکے کہ وہ مرا ہوا جانور ہو یا بہتا لہو یا سور کا گوشت کہ یہ سب ناپاک ہیں یا کوئی گناہ کی چیز ہو

أَهْلٍ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ

کہ اس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو اور اگر کوئی مجبور ہو جائے لیکن نہ تو نافرمانی کرے اور نہ حد سے باہر نکل جائے

فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۲۲﴾ وَالَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرِ

تو تمہارا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ اور یہودیوں پر ہم نے سب ناخن والے جانور حرام کر دیئے تھے

وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا

اور گایوں اور بکریوں سے ان کی چربی حرام کر دی تھی سوا اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہو

أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ بِبِغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ

یا اوجھڑی میں ہو یا ہڈی میں ملی ہو۔ یہ سزا ہم نے ان کو ان کی شرارت کے سبب دی تھی اور ہم تو سچ کہنے والے ہیں

﴿۲۲۳﴾ إِن كَذَّبُوكُمْ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ

اور اگر یہ لوگ تمہاری تکذیب کریں تو کہہ دو کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے مگر اس کا عذاب

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۷۷﴾ اَلَّذِي يَقُولُ الَّذِينَ اَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللّٰهُ

گنہگار لوگوں سے نہیں ملے گا۔ جو لوگ شرک کرتے ہیں وہ کہیں گے کہ اگر اللہ چاہتا

مَا اَشْرَكْنَا وَلَا اَبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ شَيْءٍ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ

تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا (شرک) کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے۔ اسی طرح ان لوگوں نے

مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذٰقُوْا بِاَسْنٰقِكُمْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ

تکذیب کی تھی جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ ہمارے عذاب کا مزہ چکھ کر ہے۔ کہہ دو کہ کیا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے

فَتَخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ اَلَّذِيْ قُلْتُ لِلّٰهِ

(اگر ہے) تو اُسے ہمارے سامنے نکالو۔ تم محض خیال کے پیچھے چلتے اور اٹکل کے تیر چلاتے ہو۔ کہہ دو کہ اللہ ہی کی

الْحُجَّةُ الْبٰلِغَةُ فَلَوْ شَاءَ لَهٰدٰكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۷۹﴾ اَلَّذِيْ قُلْتُ هَلُمَّ شُهَدَآءَ كُمْ

حجت غالب ہے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دیدیتا۔ کہو کہ اپنے گواہوں کو لاؤ جو

الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَمَ هٰذَا فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدُ مَعَهُمْ

بتائیں کہ اللہ نے یہ چیزیں حرام کی ہیں پھر اگر وہ (آکر) گواہی دیں تو تم اُن کیساتھ گواہی نہ دینا

وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَاَءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ

اور نہ اُن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرنا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے

وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ اَلَّذِيْ قُلْتُ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيْ عَلَيْكُمْ

اور (بتوں کو) اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ کہہ دو کہ (لوگو!) آؤ میں تمہیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں

اِلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدِيْنَ اِحْسَانًا ؕ

(اُن کی نسبت اُس نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے) کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ بنانا اور ماں باپ سے (بدسلوکی نہ کرنا بلکہ)

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِّنْ إِمْلَاقٍ نَّحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ

سلوک کرتے رہنا اور ناداری (کے اندیشے) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا کیونکہ تمہیں اور انہیں ہم ہی رزق دیتے ہیں

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطْنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي

اور بے حیائی کے کام ظاہر ہوں یا پوشیدہ اُن کے پاس نہ جانا اور کسی جان (والے) کو جس کے قتل کو اللہ نے

حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذَلِكُمْ وَصَّكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۵۱﴾

حرام کر دیا ہے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (جس کا شریعت حکم دے) ان باتوں کا وہ تمہیں ارشاد فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو [۹]

[۹] تیر تحریمات الہیہ کا ذکر ہے سورہ ماندہ میں تحریمات الہیہ کی صرف ایک صورت مذکور تھی یعنی "غیر محلی الصيد

وانتم حرم" اور باقی ماندہ صورتیں سورہ انعام کی اس آیت میں ذکر کی گئی ہیں، اس سورہ میں مسئلہ نذر غیر اللہ کا ذکر نہیں

کیا گیا الا تشکر کوا، ای امر کم۔ یا "لا" زاید ہے، یا حرام، بمعنی وجب ہے، تو اب اشکال رفع ہوا۔

محرمات الہیہ میں سب سے پہلے شرک کو ذکر کیا گیا اور پھر قتل سے روکا گیا درمیان میں والدین سے حسن سلوک

کا حکم دیا گیا، اس سے مقصود یہ ہے کہ شرک سب سے بڑا گناہ ہے، اگر ماں باپ بھی شرک کرنے پر مجبور کرے تو اس معاملہ

میں ان کی اطاعت بھی جائز نہیں، جیسا کہ سورہ عنکبوت: ۸، میں فرمایا، وان جاهدناک لتشرک بی مالیس لک بہ

علم فلا تطعہما۔ مذکورہ محرمات کے علاوہ حسب ذیل امور کو بھی اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے، فواحش ظاہرہ و باطنہ یعنی بے

حیائی کی تمام صورتیں خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ، قتل نفس ناحق، مال یتیم کا ناجائز طریقے سے کھانا، ناپ تول میں کمی بیشی

کر کے، کسی کی حق تلفی کرنا، جھوٹی شہادت دینا، اور فیصلے میں بے انصافی کرنا، وغیرہ یہ تمام محرمات الہیہ ہیں، یعنی ان

امور کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے لہذا ان کی تحریم کو باقی رکھو اور ان کو حلال مت سمجھو۔

عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ: قال من اراد ان یقرأ صحیفۃ رسول اللہ ﷺ الی علیہا

خاتمہ۔ فلیقرأ ہؤلاء الآیات: الی قوله لعلکم تتقون۔ ترمذی کتاب التفسیر: ۶/۲۴۸۔ یعنی جو نبی ﷺ

کی آخری وصیت کو دیکھنا چاہتا ہے وہ مندرجہ بالا آیتوں کو پڑھیں۔ اور حاکم نے مستدرک: ۲/۳۱۸، میں عبادۃ =

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ

اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ جانا مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے

وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا

اور ناپ اور تول انصاف کیساتھ پوری پوری کیا کرو۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب

قُلْتُمْ فَأَعْدِلُوا وَلَا وَكَّانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا

(کسی کی نسبت) کوئی بات کہو تو انصاف سے کہو گو وہ (تمہارا) رشتہ دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو

ذَلِكُمْ وَصَّكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٢٢٠﴾ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمًا

ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔ اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے

فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ

تو تم اسی پر چلنا اور دوسرے رستوں پر نہ چلنا کہ (اُن پر چل کر) اللہ کے رستے سے ہٹ جاؤ گے۔ ان باتوں کا اللہ تمہیں

وَصَّكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢٢١﴾ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ تَمَامًا

حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ (ہاں) پھر (سن لو کہ) ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی

= بن الصامت سے نقل کیا ہے کہ: قال رسول الله ﷺ: ايكم يباعني على ثلاث؟ ثم تلى رسول الله ﷺ، قل تعالوا

اتل ما حرم ربكم عليكم، حتى فرغ من الآيات. فمن وفى فاجره على الله من انقص منهن شيئا فادركه

الله به في الدنيا كانت عقوبته، ومن اخر الى الآخرة فامر به الى الله ان شاء عذبه وان شاء عفى عنه۔ یعنی رسول

اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کون مجھ سے تین باتوں کا وعدہ کرے گا؟ پھر آپ ﷺ نے یہ آیتیں آخر تک پڑھیں، جو ان باتوں

کی قرآن واقعی تعمیل کرے گا۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ثابت ہے۔ اور جو تعمیل میں کوتاہی کرے گا تو ممکن ہے اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں اس

کو سزا دے۔ اور اگر سزا کو آخرت تک اٹھا رکھے تو اس وقت اس کی مرضی، چاہے عذاب دے، چاہے معاف کر دے۔

رَبُّكَ أَوْ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ

آئیں۔ (مگر) جس روز تمہارے رب کی کچھ نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس وقت اسے ایمان لانا

لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيْمَانِهَا

کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کئے ہوں گے

خَيْرًا قُلْ أَنْتَظِرُونَ إِنْ أَنْتَظِرُونَ ﴿۱۴۱﴾

(تو لگنا ہوں سے تو بہ کرنا مفید نہ ہوگا اے پیغمبران سے) کہہ دو کہ تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں۔ جن لوگوں نے

فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ

اپنے دین میں (بہت سے) رستے نکالے اور کئی کئی فرتے ہو گئے ان سے تمہیں کچھ کام نہیں۔ ان کا کام اللہ کے حوالے

ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۴۲﴾ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَلِهَا

پھر جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں وہ ان کو (سب) بتائے گا۔ جو کوئی (اللہ کے حضور) نیکی لے کر آئے گا اس کو ویسی دس نیکیاں

وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۴۳﴾

ملیں گی اور جو بُرائی لائے گا اُسے سزا ویسی ہی ملے گی اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا

قُلْ إِنْ نِيَّ هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيمًا مِثْلَ إِبْرَاهِيمَ

کہہ دو کہ مجھے میرے رب نے سیدھا رستہ دکھا دیا ہے مذہب ابراہیم (علیہ السلام) کا

حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي

جو ایک (اللہ) ہی کی طرف کے تھے اور شرکوں میں سے نہ تھے۔ (یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت

وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۵﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ

اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کیلئے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھے اسی بات کا

أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۴۳﴾ اَغْيَرَ اللَّهُ اَبْعَى رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ

حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔ کہو کہ کیا میں اللہ کے سوا اور رب تلاش کروں اور وہی تو ہر چیز کا

شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهِا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةً وَّزْرًا اٰخِرٰى

مالک ہے اور جو کوئی (برا) کام کرتا ہے تو اُس کا نقصان اُسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

ثُمَّ اِلَى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۱۴۴﴾ اٰهُو

پھر تم سب کو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا۔

الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ اِلَّا اَرْضٍ وَّرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ

اور وہی تو ہے جس نے زمین میں کو خلیفہ بنایا اور ایک دوسرے پر رتبہ بڑھایا تاکہ تمہیں آزمانے

لِيَلْوَكُمْ فِي مَا اَتَكُمُ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ اٰه

ان چیزوں میں جو تم کو دی ہیں بیشک تیرا رب جلدی عذاب دینے والا ہے اور بیشک البتہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔



سورة الاعراف (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الْمَصَّ ۝۱۱ ۝ كِتَابٌ أَنْزَلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ

الْمَصَّ۔ یہ کتاب تیری طرف بھیجی گئی ہے تاکہ تو اس کے ذریعہ سے ڈرائے اور اس سے تیرے دل میں تنگی نہ ہونا چاہئے

لِتُنذِرَ بِهِ وَذِكْرًا لِلْمُؤْمِنِينَ ۝۱۲ ۝ تَبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ

اور یہ ایمان والوں کے لئے نصیحت ہے۔ جو چیز تمہاری رب کی طرف سے تم پر اتاری ہے اس کی پیروی کرو

وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝۱۳ ۝

اور اللہ کو چھوڑ کر دوسرے دوستوں کی پیروی نہ کرو تم لوگ بہت ہی کم نصیحت مانتے ہو

وَكَمُ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ قَائِلُونَ ۝۱۴ ۝

اور کتنی ہی بستیاں ہیں کہ ہم نے تباہ کر ڈالیں جن پر ہمارا عذاب آتا تھا جب کہ وہ سوتے تھے یا جب وہ دوپہر کو آرام کرتے تھے

فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بِأَسُنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ۝۱۵ ۝

تو جس وقت ان پر عذاب آتا تھا ان کے منہ سے یہی نکلتا تھا کہ (ہائے) ہم (اپنے اوپر) ظلم کرتے رہے

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝۱۶ ۝

تو جن لوگوں کی طرف پیغمبر بھیجے گئے ہم ان سے بھی پرش کریں گے اور پیغمبروں سے بھی پوچھیں گے

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ ۝۱۷ ۝ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ

پھر اپنے علم سے ان کے حالات بیان کریں گے اور ہم کہیں غائب تو نہیں ہیں۔ اور اس روز (اعمال کا) تولنا برحق ہے

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۸﴾

تو جن لوگوں کے (اعمال کے) وزن بھاری ہوں گے وہ تو نجات پانے والے ہیں
وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ بِمَا
اور جن لوگوں کے وزن ہلکے ہوں گے تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالا اس لئے

كَانُوا بآيِنَا يَظْلِمُونَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ مَكَنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ

کہ ہماری آیتوں کے بارے میں بے انصافی کرتے تھے۔ اور ہم ہی نے زمین میں تمہارا ٹھکانہ بنایا
وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۱۰﴾

اور اس میں تمہارے لئے سامانِ معیشت پیدا کئے (مگر) تم کم ہی شکر کرتے ہو
وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ

اور ہم ہی نے تمہیں (ابتداء میں مٹی سے) پیدا کیا پھر تمہاری صورت شکل بنائی پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو

فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ﴿۱۱﴾ قَالَ

تو (سب نے) سجدہ کیا لیکن ابلیس کہ وہ سجدہ کرنے والوں میں (شامل) نہ ہوا۔ (اللہ نے) فرمایا

مَا مَنَعَكَ إِلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ

کہ جب میں نے تمہیں حکم دیا تو کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے باز رکھا؟ اُس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں

خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ

مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔ فرمایا کہ تو (جنت سے) اتر جا تجھے شایاں نہیں

أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّاغِرِينَ ﴿۱۳﴾ قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ

کہ یہاں غرور کرے۔ پس نکل جا تو ذلیل ہے۔ اُس نے کہا کہ مجھے اُس دن تک مہلت عطا فرما جس دن

يُبْعَثُونَ ﴿١٢١﴾ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿١٢٢﴾

لوگ (قبروں سے) اٹھائے جائیں گے۔ فرمایا (اچھا) تجھ کو مہلت دی جاتی ہے

قَالَ فَبِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١٢٤﴾

کہا جیسا تو نے مجھ کو گمراہ کیا میں ضروران کے تاک میں تیری سیدھی راہ میں بیٹھوں گا۔

ثُمَّ لآتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ

پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا)

وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿١٢٥﴾ قَالَ أَخْرَجَ مِنْهَا مَذْجُورًا

اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہیں پائے گا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ نکل جا یہاں سے پاجی مردود

لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٢٨﴾

جو لوگ ان میں سے تیری پیروی کریں گے میں (ان کو اور تجھے جہنم میں ڈال کر) تم سب سے جہنم کو بھر دوں گا

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا

اور (ہم نے) آدم (سے کہا کہ) تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو نوش جان کرو

وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٣١﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا

مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ گنہگار ہو جاؤ گے۔ تو شیطان دونوں کو بہکانے لگا تاکہ

الشَّيْطَانُ لِيُدِيَّ لَهُمَا مَا وَرَىٰ عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِحِهِمَا وَقَالَ

ان کے ستر کی چیزیں جو ان سے پوشیدہ تھیں کھول دے اور کہنے لگا کہ تمہیں تمہارے رب نے

مَا نَهَكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَينِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ﴿١٣٠﴾

اس درخت سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تم فرشتے نہ بن جاؤ یا ہمیشہ جیتے نہ رہو

وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّصِيحِينَ ﴿۲۱﴾ ۞ هَدَاهُمَا بِغُرُورٍ

اور اُن سے قسم کھا کر کہا کہ میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں۔ غرض (مردود نے) دھوکا دے کر اُن کو (معصیت کی طرف) کھینچ ہی لیا

فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَ رَدَّ بَدَنَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفْنَ

جب اُنہوں نے اس درخت (کے پھل) کو کھا لیا تو اُن کے ستر کی چیزیں کھل گئیں اور وہ جنت کے (درختوں کے) پتے

عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنهَكُمَا

(توڑ توڑ کر) اپنے اوپر چکانے (اور ستر چھپانے) لگے۔ تب اُن کے رب نے اُن کو پکارا کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت

عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقُلْ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۲۲﴾ ۞

کے (پاس جانے) سے منع نہیں کیا تھا اور بتا نہیں دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ عرض کرنے لگے کہ پروردگار

قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ

ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے

﴿۲۳﴾ ۞ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ

(اللہ نے) فرمایا کہ (تم سب جنت سے) اتر جاؤ (اب سے) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہارے لئے ایک وقت

وَمَتَاعٍ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۲۴﴾ ۞ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا

(خاص) تک زمین پر ٹھکانہ اور (زندگی کا) سامان (کر دیا گیا) ہے۔ (یعنی) فرمایا کہ اسی میں تمہارا جینا ہوگا

تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۵﴾ ۞ إِنِّي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ لِبَاسًا

اور اسی میں مرنا اور اسی میں سے (قیامت کو زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے اے بنی آدم! ہم نے تم پر پوشاک اتاری

يُؤَارِي سَوْآتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ

کہ تمہارا ستر ڈھانکے اور (تمہارے بدن کو) زینت (دے) اور (جو) پرہیزگاری کا لباس (ہے) وہ سب سے اچھا ہے

ذٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَدْذَكَّرُونَ ﴿۲۴۱﴾ ۲۴۱. اِنِّىْٓ اَدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ

یہ اللہ کی نشانیاں ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ اے بنی آدم! (دیکھنا کہیں) شیطان تمہیں بہکا نہ دے

الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اَبُو يٰكُومٍ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا

جس طرح تمہارے ماں باپ کو (بہکا کر) جنت سے نکلوا دیا اور اُن سے اُن کے کپڑے اتروا دیئے تاکہ اُن کے ستر اُن کو

سَوَاتِيَهُمَا اِنَّهُ يَرٰكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ

کھول کر دکھا دے وہ اور اُس کے بھائی تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے رہتے ہیں جہاں سے تم اُن کو نہیں دیکھ سکتے

اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيْطٰنَ اَوْلِيَاً لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۴۲﴾ ۲۴۲. اِذَا فَعَلُوْا فَاحْشَةً

ہم نے شیطانوں کو انہیں لوگوں کا رفیق بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔ اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں

قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اَبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمْرًاۗنَا بِهَا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ

تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بزرگوں کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے اور اللہ نے بھی ہم کو یہی حکم دیا ہے۔ کہہ دو کہ اللہ

بِالْفَحْشَاۗءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلٰى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۴۳﴾ ۲۴۳. قُلْ

بے حیائی کے کام کرنے کا حکم ہرگز نہیں دیتا بھلا تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں۔ کہہ دو

اَمْرًاۗ رَبِّىْۤ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے اور یہ کہ ہر نماز کے وقت سیدھا (قبلہ کی طرف) رخ کیا کرو

وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ كَمَاۢ بَدَاۤءَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۴۴﴾ ۲۴۴.

اور خاص اسی کی عبادت کرو اور اُس کو پکارو اُس نے جس طرح تمہیں ابتداء میں پیدا کیا تھا اُسی طرح تم پھر پیدا ہوں گے

فَرِيْقًاۢ هٰدِيًّا وَفَرِيْقًاۢ حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمْ اتَّخَذُوْا الشَّيْطٰنَ اَوْلِيَاً

ایک فریق کو تو اُس نے ہدایت دی اور ایک فریق پر گمراہی ثابت ہو چکی۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو رفیق بنا لیا

مِنْ دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّكُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۱۰﴾ يٰۤاٰدَمُ خُذْ وَاٰزِجَتَكَ

اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہدایت یافتہ ہیں۔ اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے آپ کو سنوارو

عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ

اور کھاؤ اور پیو اور بے جا نہ اڑاؤ کہ اللہ بے جا اڑانے والوں کو دوست نہیں رکھتا

﴿۱۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي اُخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ

پوچھو تو کہ جو زینت (و آرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں اللہ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اُن کو حرام کس نے کیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کیلئے ہیں اور قیامت کے دن خاص

كَذٰلِكَ نَفْصَلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي

انہی کا حصہ ہوں گی۔ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں سمجھنے والوں کیلئے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے۔ کہہ دو کہ میرے رب نے

الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطْنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ

تو بے حیائی کی باتوں کو ظاہر ہوں یا پوشیدہ اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور اس کو بھی کہ تم

تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا

کسی کو اللہ کا شریک بناؤ جس کی اُس نے کوئی دلیل نازل نہیں کی اور اس کو بھی کہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاٰتِ كُلُّ اُمَّةٍ اَجَلًا فَاِذَا جَاءَ اَجْلُهُمْ لَا يَسْتَاخِرُوْنَ سَاعَةً

کچھ علم نہیں۔ اور ہر ایک فرتے کیلئے ایک وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آجاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے

وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ يٰۤاٰدَمُ اٰتِنَاكِ مِنْهَا بِمَآءٍ نَّارِيٍّ

ہیں نہ جلدی۔ اے بنی آدم! جب ہمارے پیغمبر تمہارے پاس آیا کریں

مِّنْكُمْ يَقْضُونَ عَلَيْكُمْ آيَتِي فَمَنْ اتَّقَى

اور ہماری آیتیں تمہیں سنایا کریں (تو ان پر ایمان لایا کرو کہ) جو شخص (ان پر ایمان لا کر اللہ سے) ڈرتا رہے گا

وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۱﴾

اور اپنی حالت درست رکھے گا تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا اور نہ وہ غمناک ہوں گے

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ

اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے سرتابی کی وہی دوزخی ہیں کہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۲﴾ مَن أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

ہمیشہ اس میں (جلتے) رہیں گے تو اُس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے

أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمُ نَصِيبُهُم مِّنَ الْكِتَابِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ

یا اُس کی آیتوں کو جھٹلائے ان کو ان کے نصیب کا لکھا ملتا ہی رہے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس

تَهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَقَّوْنَهُمْ قَالُوا أَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا

ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) جان نکالنے آئیں گے تو کہیں گے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے وہ (اب) کہاں ہیں؟

ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۱۱۳﴾

وہ کہیں گے کہ وہ ہم سے (کہاں) غائب ہو گئے اور اقرار کریں گے کہ بیشک وہ کافر تھے

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ فِي النَّارِ

تو اللہ فرمائے گا کہ جنوں اور انسانوں کی جو جماعتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں انہی کیساتھ تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ

كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّىٰ إِذَا

جب ایک جماعت (وہاں) داخل ہو گی تو اپنی (نذیبی) بہن پر لعنت کرے گی یہاں تک

اِذْ اَرَاكُمْ فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ اُخْرَاهُمْ لَأُوْلَاهُمْ رَبَّنَا هَؤُلَاءِ اَضَلُّوْنَا

کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے تو پچھلی جماعت پہلی کی نسبت کہے گی کہ اے اللہ! انہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا

﴿۳۸﴾ فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٍ وَلٰكِنْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

تھا تو ان کو جہنم کا دگنا عذاب دے اللہ فرمائے گا کہ (تم) سب کو دگنا (عذاب دیا جائے گا) مگر تم نہیں جانتے

وَقَالَتْ اُوْلٰهُمُ لَأُخْرَاهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلِ

اور پہلی جماعت پچھلی سے کہے گی کہ تم کو ہم پر کچھ بھی فضیلت نہیں تو جو (عمل)

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا

تم کیا کرتے تھے اُن کے بدلے میں عذاب کے مزے چکھو۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفْتَحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمٰوٰتِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ

اور اُن سے سرتابی کی اُن کیلئے نہ آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے

حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾

یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے نہ نکل جائے اور گتھگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ

ایسے لوگوں کیلئے جھونکا بھی جہنم کا ہوگا اور اوپر سے اوڑھنا بھی (اُسی کا) اور ظالموں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں

﴿۴۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ہم کسی شخص کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے

اُوْلٰئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾

ایسے ہی لوگ اہل جنت ہیں (کہ) اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ

اور جو کینے اُن کے دلوں میں ہوں گے ہم سب نکال ڈالیں گے، اُن کے (مخلوں کے) نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا

اور وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں کا رستہ دکھایا اور اگر اللہ ہم کو رستہ نہ دکھاتا تو ہم رستہ نہ پا سکتے

اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُوا

بیشک ہمارے رب کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔ اور (اس روز) اواز کر دی جائے گی

أَنْ تِلْكُمْ الْجَنَّةُ أَوْ رِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۱﴾ الرَّبَّكَادَى أَصْحَبُ

کہ تم اُن اعمال کے صلے میں جو (دنیا میں) کرتے تھے اس جنت کے وارث بنا دیئے گئے ہو۔ اور اہل جنت دوزخیوں سے

الْجَنَّةِ أَصْحَابِ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا

پکار کر کہیں گے کہ جو وعدہ ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا ہم نے تو اُسے سچا پایا، بھلا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا

فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَيْنَهُمْ

کیا تم نے بھی اُسے سچا پایا؟ وہ کہیں گے ہاں۔ تو (اُس وقت) اُن میں ایک پکارنے والا پکار دے گا

أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۲﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

کہ بے انصافوں پر اللہ کی لعنت ہو۔ وہی لوگ جو اللہ کی راہ سے روکتے

وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۗ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ﴿۱۳۳﴾ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ

اور اس میں کبھی ڈھونڈتے اور آخرت سے انکار کرتے ہیں۔ ان دونوں یعنی جنت اور دوزخ کے درمیان

وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ

(اعراف نام کی) ایک دیوار ہوگی اور اعراف پر کچھ آدمی ہوں گے جو سب کو ان کی صورتوں سے پہچان لیں گے

وَنَادُوا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلِّمُوا عَلَيْنَا لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ

تو وہ اہل جنت کو پکار کر کہیں گے کہ تم پر سلامتی ہو یہ لوگ (ابھی) جنت میں داخل تو نہیں ہوئے ہوں گے مگر امید رکھتے ہوں گے

﴿۲۴﴾ إِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا

اور جب اُن کی نگاہیں پلٹ کر اہل دوزخ کی طرف جائیں گی تو عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب

لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۷﴾ نَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رَجَالًا

ہمیں ظالم لوگوں کیساتھ شامل نہ کرنا اور اہل اعراف (کافر) لوگوں کو جنہیں اُن کی صورتوں سے شناخت کرتے ہوں گے پکاریں گے

يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ

اور کہیں گے (کہ آج) نہ تو تمہاری جماعت ہی تمہارے کچھ کام آئی اور نہ تمہارا

تَسْتَكْبِرُونَ ﴿۲۸﴾ ۞ وَالَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ

تکبر (ہی سو مند ہوا)۔ (پھر مومنوں کی طرف اشارہ کر کے کہیں گے) کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں تم قسمیں

لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ ۖ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمْ

کھایا کرتے تھے کہ اللہ اپنی رحمت سے ان کی دستگیری نہیں کرے گا (تو مومنو!) تم جنت میں داخل ہو جاؤ تمہیں کچھ خوف

وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۲۹﴾ نَادَى أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ

نہیں اور نہ تمہیں کچھ رنج و غم ہوگا۔ اور دوزخی جنتیوں سے کہیں گے کہ

أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ قَالُوا

کسی قدر ہم پر پانی بہاؤ یا جو رزق اللہ نے تمہیں عنایت فرمایا ہے اس میں سے (کچھ ہمیں بھی دو) وہ جواب دیں گے کہ

إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَ مَا عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۳۰﴾ ۞

اللہ نے جنت کا پانی اور رزق کافروں پر حرام کر دیا ہے

الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا وَغَرَّتُهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

جنہوں نے اپنے دین کو تماشہ اور کھیل بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے ان کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا

فَالْيَوْمَ نَنْسَاهُمْ كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا

تو جس طرح یہ لوگ اُس دن کے آنے کو بھولے ہوئے اور ہماری آیتوں سے منکر ہو رہے تھے اسی طرح آج ہم بھی انہیں

يَجْحَدُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنَاهُمْ بِكِتَابٍ فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً

بھلا دیں گے۔ اور ہم نے ان کے پاس کتاب پہنچا دی ہے جس کو علم و دانش کیساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے

لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۱۲﴾ لَعَلَّ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ

(اور) وہ مومن لوگوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ کیا یہ لوگ اس کے وعدہ عذاب کے منتظر ہیں؟ جس دن وہ وعدہ آجائے گا

يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَ تِ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ

تو جو لوگ اس کو پہلے سے بھولے ہوئے ہوں گے وہ بول اٹھیں گے کہ بیشک ہمارے پروردگار کے رسول حق لے کر آئے تھے

فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ

بھلا (آج) ہمارے کوئی سفارشی ہیں کہ ہماری سفارش کریں یا ہم (دنیا میں) پھر لوٹا دیئے جائیں

فَنَعْمَلْ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ قَدْ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ

کہ جو عمل (بد) ہم (پہلے) کرتے تھے (وہ نہ کریں بلکہ) ان کے سوا اور (نیک) عمل کریں۔ بیشک ان لوگوں نے اپنا نقصان کیا

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُفْتَرُونَ ﴿۱۱۳﴾ رَبُّكُمْ اللَّهُ الَّذِي

اور جو کچھ یہ افتراء کرتے تھے ان سے سب جاتا رہا۔ کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اللہ ہی ہے جس نے

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ
آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر قائم ہوا [۱]

مسئلہ استوی علی العرش

[۱] مسئلہ استوی علی العرش کا تعلق توحید اسماء و صفات سے ہے، اور توحید اسماء و صفات توحید کی تین اقسام میں سے ایک مستقل قسم ہے: (۱) (توحید ربوبیت (۲)۔ توحید الوہیت (۳)۔ توحید اسماء و صفات)۔ ابن ابی العرش عقیدۃ الطحاویہ: ۲۴۱/۱، میں فرماتا ہے کہ: فان التوحیدیتضمن ثلاثة انواع، احدها، الکلام فی الصفات، و الثانی توحید الربوبیة، و الثالث: توحید الألوهیة۔

توحید اسماء و صفات کا دین میں مقام و مرتبہ بہت اونچا ہے، اور اس کی اہمیت نہایت عظیم ہے، انسان کے لئے اس وقت تک مکمل طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت ممکن نہیں ہے جب تک اسے اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا علم نہ ہو، اور اس کے متعلق ایک ضروری عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اعلام و اوصاف ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے تمام نام علم ہیں، اس لحاظ سے کہ وہ اس کی ذات پر دلالت کرتے ہیں، نیز وہ سب کے سب وصف بھی ہیں۔ اس لحاظ سے کہ ان تمام ناموں کے اندر معانی موجود ہیں جو کہ اس کی ذات کے ساتھ صفات کی حیثیت سے قائم ہیں، اب یہ سارے نام بحیثیت علم ہونے کے آپس میں مترادف ہیں، کیونکہ ان سب کا مسمیٰ ایک ہی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اور بحیثیت اوصاف ہونے کے یہ تمام نام آپس میں متباہین ہیں، کیونکہ ہر نام اپنے خاص معنی پر دلالت کر رہا ہے۔

اس قاعدے کا ذکر صالحی نے: سبل الہدی والرشاد: ۱/۴۰۷، میں کیا ہے، فرماتا ہے: هو علم و صفة، اجتمع فیہ الامران فی حقہ ﷺ، وان کان علما محضافی حق کثیر ممن یسمی بہ غیرہ ﷺ، و هذا شأن اسماء الرب تبارک و تعالیٰ، و اسماء نبیہ ﷺ، ہی اعلام دالة علی معان ہی بہا و اوصاف مدح، فلا تضاد فیہا العلمیة الوصفیة، بخلاف غیرہا من اسماء المخلوقین، فهو اللہ الخالق الباری المصور القہار، فہذہ اسماء لہ تعالیٰ دالة علی معان لہ ہی صفات۔

ابن نطفویہ مسئلہ سبحان: ۵/۱۳۷، میں (مجموعہ اجزاء حدیثیہ) میں لکھتا ہے: و اسماء اللہ صفات لہ،

وصفات اللہ مدح، وکل من ذکر اللہ باسم من اسمائه فقد اطاعه، اذا وصفه بصفته التي رضيه لنفسه، ونفى سواها عنه. پھر آگے فرماتا ہے: فالاثبات باسمائه التي هي صفاته، و النفي فيما سوا ذلك، فتامله تجده في سائر القرآن۔

اور قوام السنۃ کتاب الحجہ: ۱۴۲/۲، میں لکھتا ہے: الصفات و الاسماء التي هي صفات الخ اس کے علاوہ اور علماء نے بھی اس مسئلہ کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، واضح ہو کہ ہم نے جو یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر نام علم ہے اور وصف بھی، تو یہ حقیقت خود قرآن کریم نے بتلا دی ہے، جیسا کہ سورۃ احقاف: ۸، میں فرماتا ہے: وهو الغفور الرحيم، یعنی وہ ذات غفور اور رحیم ہے، اور سورۃ کہف: ۵۸، میں فرمایا: وربك الغفور ذو الرحمة، یعنی تیرا رب غفور اور رحمت والا ہے۔ پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام الرحيم بھی ہے۔ اور دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ رحمت والا ہے یعنی صفت رحمت سے متصف ہے،

پھر لغت اور عرف عام میں یہ بات اجماع کا درجہ رکھتی ہے کہ (علیم) اسے ہی کہا جائے گا جس میں ”علم“ کا وصف ہو، اور (سمیع) اسے ہی کہا جائے گا جس میں سماع کا وصف ہو، اور (بصیر) وہی کہلائے گا جس میں بصر (دیکھنے) کی صفت ہو، اور یہ بات اس قدر واضح اور صریح ہے، کہ اسے ثابت کرنے کے لئے کسی دلیل کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ اس تفصیل سے ان معطلہ کی گمراہی اور ضلالت کھل کر سامنے آگئی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ناموں کو، ان سے معانی سلب کر کے مانا۔

چنانچہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سمیع ہے لیکن بلا سمیع، بصیر ہے لیکن بلا بصر، انہوں نے اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ ان اسماء کے اندر پائے جانے والے معنی یا صفت کا ثبوت تعدد قدماء کو مستلزم ہے، لیکن یہ علت علیل بلکہ میت ہے، کیونکہ قرآن، حدیث اور عقل سب کے سب اسے باطل قرار دیتے ہیں۔

جہاں تک قرآن و حدیث کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے باوجودیکہ وہ ”الواحد الاحد“ ہے لیکن اپنے آپ کو بہت سی صفات کے موصوف ہونے کے طور پر ذکر فرمایا: مثلاً سورۃ بروج ۱۶ تا ۱۲۔ سورۃ الاعلیٰ: ۱ تا ۵، ان آیات کریمہ میں ایک ہی موصوف کے بہت سے اوصاف مذکور ہیں، لیکن ان بہت سے اوصاف سے تعدد قدماء لازم نہیں آتا، عقل بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتی ہے۔

چنانچہ کوئی ذات اگر بہت سی صفات سے متصف ہو تو یہ بہت سی صفات اس ذات موصوف سے متباین نہیں ہیں،

کہ جن کو ثابت کرنے سے تعدد موصوف لازم آتا ہو، بلکہ یہی کہا جائے گا کہ یہ ایک ہی ذات موصوفہ کی مختلف و متعدد صفات ہیں، جو کہ اس کے ساتھ قائم ہیں، اور ہر وہ شی جو موجود ہو اس میں مختلف صفات کا پایا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ اگر کسی کو الموجود کہا جائے تو اس میں صفت وجود پایا جانا آگیا، پھر یہ بھی کہ وہ واجب الوجود ہے، یا ممکن الوجود، نیز یہ کہ اس کا وجود ذاتی ہے، جو قائم بنفسہ ہے، یا ایسے وصف کے طور پر ہے کہ جو کسی شی میں پایا جائے۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ”الدھر“ (زمانہ) اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے نہیں ہے، کیونکہ ”الدھر“ ایک جامد نام ہے، جس میں ایسا کوئی معنی یا وصف نہیں جو اسے اسماء حسنیٰ کے ساتھ ملحق ہونے کے لائق بنائے۔ اور اس لئے بھی کہ ”الدھر“ محض وقت یا زمانہ کا نام ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے منکرین قیامت کے بارے میں فرمایا ہے سورۃ الحجاثیہ: ۲۴، میں یہاں ”الدھر“ سے ان کی مراد زمانہ ہے، یعنی راتوں اور دنوں کا گزرنا۔

اگر کوئی اعتراض میں کہے کہ حدیث متفق علیہ میں ہے۔ (بخاری: ۴۸۲۶، و مسلم: ۴۵۸/۵) کہ: یؤذینی ابن آدم یسب الدھر وانا الدھر بیدی الامر قلب اللیل و النهار تو جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ایسی کوئی دلالت نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ ”دھر“ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، کیونکہ جو لوگ دھر کو گالی دیتے تھے، ان کی مراد اللہ تعالیٰ نہیں بلکہ زمانہ ہوتا ہے۔ جو کہ حوادث و مصائب کا محل ہے۔ اس حدیث کے لفظ انا الدھر، کا معنی وہی ہوگا جو حدیث میں خود تفسیر کر کے یہاں بیان کر دیا یعنی میں زمانہ ہوں میرے ہاتھ میں امر ہے میں رات اور دن کو پھیرتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ خود دھر نہیں ہے بلکہ دھر کا خالق ہے۔ اس حدیث نے یہ بھی بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ ”دھر“ کو پھیرنے والا ہے، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ ”مُقَلَّبٌ“، یعنی پھیرنے والا ”مُقَلَّبٌ“ جس کو پھیرا جاتا ہو۔ جانے، لہذا واضح ہو کہ اس حدیث میں ”دھر“ سے مراد اللہ تعالیٰ نہیں ہے۔ (مفصل از القواعد المثلی).

یہ بات بھی ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں جو صفات اور معانی ہیں وہ یا تو متعدی ہونگے یا لازم، اگر متعدی ہوں تو ان پر ایمان تین چیزوں کے اثبات سے مکمل ہوگا:

- (۱) یہ ایمان لانا کہ یہ اسم اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے۔ (۲) یہ ایمان لانا کہ یہ اسم جس صفت کو متضمن ہے وہ صفت بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے۔ (۳) یہ ایمان لانا کہ اس صفت کا حکم اور مقتضی بھی ثابت ہے، صفت متعدی کی مثال (السمیع) ہے، اس میں پہلا واجب یہ ہے کہ (السمیع) کو بطور نام اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات ہو۔
- دوسرا واجب یہ ہے کہ (السمیع) کا بطور صفت اللہ تعالیٰ کے لئے اثبات ہو۔

تیسرا واجب یہ ہے کہ اس کے حکم اور مقتضی کا بھی اثبات ہو، اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر مخفی بات کو سن لیتا ہے، جیسا کہ سورۃ المجادلہ، کی پہلی آیت میں مذکور ہے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کا نام ایسے وصف پر مشتمل ہو جو غیر متعدی، یعنی لازم ہے تو اس پر ایمان کی تکمیل دو امور سے ہوگی: (۱) یہ ایمان لانا کہ یہ اسم اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے (۲) یہ ایمان لانا کہ اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کی جو صفت ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہے، مثلاً ”الٰہی“ تو ضروری ہے کہ ”الٰہی“ کو بطور نام اور اس کے ضمن میں جو حیات کا معنی ہے اسے بطور صفت، اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہونے کا ایمان رکھا جائے۔

یہ بھی ذہن نشین کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء اس کی ذات و صفات پر مطابقتاً، تضمناً، و التزاماً، دلالت کرتے ہیں مثلاً ”الخالق“ اس کی ذات پر اور اس اسم کے اندر موجود ”صفت خلق“ پر مطابقتاً دلالت کرتا ہے، جبکہ صرف اس کی ذات پر اور صرف صفت خلق پر تضمناً دلالت کرتا ہے، اور صفت علم و قدرت پر التزاماً دلالت کرتا ہے، یعنی جو ذات خالق ہے وہ لازماً علیم بھی ہے، اور قدرت والی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ طلاق: ۱۲، پر اسمانوں اور زمینوں کی تخلیق کا ذکر کر کے آخر میں فرماتا ہے: لنعلموا ان الله على كل شيء قدير وان الله قد احاط بكل شيء علما۔

ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام اسماء و صفات تو قیفی ہیں، اور ان میں عقل کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس قاعدے کے پیش نظر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء سے آگاہی کے لئے کتاب و سنت پر اکتفاء کیا جائے، کیونکہ عقل انسانی کے لئے ممکن ہی نہیں کہ وہ اس امر کا ادراک کر سکے۔ کہ اللہ تعالیٰ کن ناموں کا مستحق ہے؟۔

اس کے ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ قرآن و سنت میں جو نام ذکر کی گئی ہے انہیں ان کے ظاہر پر محمول کیا جائے، اور کسی قسم کی تحریف کا ارتکاب نہ کیا جائے، بالخصوص اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل نصوص کے لئے۔ تو بہت ضروری ہے، اور نصوص صفات کے ظاہر کی دو حیثیتیں ہیں: ایک حیثیت ہمیں معلوم ہے، جبکہ دوسری حیثیت مجہول ہے، چنانچہ ایک حیثیت معنی کی ہے، اور دوسری کیفیت کی۔ تو معنی معلوم ہے اور کیفیت مجہول ہے۔

اور یہ بات دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے ثابت ہے، تو اس سے مفوضہ کے مسلک کا باطل ہونا ثابت ہو گیا، مفوضہ صفات باری تعالیٰ کے نصوص کے معانی کے علم کے بارہ میں تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نصوص صفات کے معانی بھی ہم نہیں جانتے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ مفوضہ کا دعویٰ ہے کہ سلف صالحین کا مذہب بھی یہ ہے، مفوضہ کا یہ قول صراحتاً باطل ہے، اور سلف صالحین معانی کے تفویض کے عقیدہ سے بری ہیں، ان سے تو اتر کے ساتھ ایسے اقوال

منقول ہیں جو صفات کے معانی کے اثبات پر دال ہیں۔ کبھی وہ معانی اجمالاً ہوتے ہیں تو کبھی تفصیلاً۔ البتہ وہ صفات کی کیفیت کے بارہ میں تفویض کا عقیدہ رکھتے ہیں یعنی کیفیت کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے ہم صفات کا صرف معنی جانتے ہیں، کیفیت نہیں جانتے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنی معروف کتاب ”العقل والنقل“، ۱۱۶/۱، میں جو منہاج السنۃ کے حاشیہ پر مطبوع ہے میں فرماتے ہیں: جہاں تک تفویض کا تعلق ہے تو یہ بات معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن میں تدبر کا حکم دیا ہے، اور اس کے تعقل و فہم کی ترغیب دلائی ہے۔ مزید فرماتے ہیں اگر یہ بات مان لیں کہ نصوص صفات کے معانی صرف اللہ ہی جانتا ہے، تو پھر یہ کہنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جو اپنی صفات بیان کی ہیں، انبیاء ان کے معانی سے ناواقف تھے، تو گویا انبیاء کرام لوگوں کے سامنے ایک ایسا کلام پڑھتے رہے، جس کا معنی وہ خود بھی نہیں جانتے (والعیاذ باللہ) یہ بات تو قرآن پاک اور انبیاء کرام دونوں کے حق میں موجب جرح و طعن ہوگی۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن اتارا ہے اور اسے لوگوں کے لئے بیان اور ہدایت قرار دیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اسے مکمل طور پر پہنچا دینے پر مامور کیا ہے۔ نیز انہیں اس بات کا بھی پابند کیا ہے کہ وہ لوگوں کو اس کا بیان بھی سکھلا دیں، پھر تمام لوگوں کو قرآن پاک پر تدبر و تعقل کا حکم دیا ہے تو اس سب کے بعد قرآن پاک کے سب سے اشرف و اعلیٰ حصے یعنی رب کائنات کی صفات کے معانی کا علم نہ ہونا انتہائی تعجب خیز ہوگا۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ ان نصوص پر تعقل و تدبر نہ کیا جائے، اور رسول اللہ ﷺ نے نہ تو بلاغ مبین کے تقاضے پورے کئے اور نہ ہی اس وحی منزل کے بیان کا پورا حق ادا کیا (والعیاذ باللہ)۔

اس میں سلف صالحین کا عقیدہ یہ ہے کہ ظاہر نصوص سے جو معنی متبادری الذہن ہے اور ذات باری تعالیٰ کے لائق شان ہے اس کو حق قرار دیا اور اس کی اس دلالت کو ثابت اور برقرار رکھا۔ اور یہی لوگ حقیقت میں اہل السنۃ و الجماعۃ کے لقب کے حقیقی مصداق ہیں، اس پاکیزہ عقیدے پر سلف صالحین کا اجماع ثابت ہے چنانچہ ابن عبد البر، التہمید: ۱۲۵/۷، میں فرماتے ہیں: کہ: اہل السنۃ مجمعون علی الاقرار بالصفات الواردة کلهما فی القرآن و السنۃ، و الایمان بہا، و حملہا علی الحقیقۃ لا علی المجاز، الا انہم لایکتفون شیئاً من ذالک، و لایحدون فیہ صفة محصورة، و اما اهل البدع و الجہمیۃ و المعتزلة کلهما الخوارج، فکلہم ینکرہا، و لایحمل شیئاً منہا علی الحقیقۃ و یزعمون ان من اقر بہا مشبہ..... و الحق

فیما قاله القائلون بمانطق به کتاب اللہ وسنة رسولہ وهم ائمة الجماعة، و الحمد لله الخ۔

یعنی قرآن وسنت میں اللہ تعالیٰ کی جتنی صفات وارد ہیں ان کے اقرار پر ان کے ساتھ ایمان لانے پر اور انہیں ان کے مجازی معنی کے بجائے حقیقی معنی پر محمول کرنے پر اہل السنۃ کا اجماع ثابت ہے، وہ نہ تو کسی صفت کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی کسی صفت کو حد میں محدود کرتے ہیں۔

قاضی ابوبعلی اپنی کتاب ”ابطال التاویلات“ میں فرماتے ہیں: واعلم انه لا يجوز زده هذه الاخبار على ما ذهب اليه جماعة من المعتزلة، ولا التشاغل بتاويلها على ما ذهب اليه الاشعرية، والواجب حملها على ظاهرها، وانها صفات لله تعالى، لا تشبه سائر الموصوفين بهامن الخلق ولا نعتقد التشبيه فيها، الخ یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات پر مشتمل اخبار کو رد کرنا جائز نہیں نہ ان صفات کی تاویل روا ہے بلکہ ضروری ہے کہ انہیں ان کے معنی ظاہر پر محمول کیا جائے اور یہ ایمان رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کوئی صفت اس کی کسی مخلوق کی صفت سے کوئی مشابہت اور مماثلت نہیں رکھتی۔ تشبیہ کا عقیدہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے امام اہل السنۃ (امام احمد بن حنبل) اور دیگر ائمہ کرام سے یہی عقیدہ منقول ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے مجموع الفتاوی: ۸۷/۵، ۸۹، میں بھی یہ دونوں قول نقل کئے ہیں۔

بعض لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نصوص صفات کا معنی ظاہر و متبادر تو لیا، لیکن ایک باطل رنگ کے ساتھ، اور وہ تشبیہ ہے، چنانچہ انہوں نے نصوص صفات کی دلالت کو تشبیہ کے عقیدہ پر قائم کر دیا، یعنی خالق کی صفات مخلوق کی صفات کے مشابہ ہیں۔ یہ فرقہ مشبہ ہے اور ان کا مذہب کئی وجہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ یہ ہے کہ تشبیہ کا عقیدہ نصوص پر ظلم اور ان کے معنی مراد کو معطل کرنے کے مترادف ہے۔ بھلا نصوص صفات تشبیہ پر کیسے قائم ہو سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ لیس کمثلہ شیء: (الشوری: ۱۱) یعنی اس جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عقل سلیم کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ خالق اپنی مخلوق سے ذات و صفات میں ہر لحاظ سے مباہین اور جدا ہے، تو پھر ان نصوص پر یہ حکم کیونکر لگایا جا سکتا ہے کہ یہ خالق و مخلوق میں مشابہت پر دلالت کرتے ہیں۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مشابہت کا جو معنی مشبہ نے سمجھا وہ سلف صالحین کے فہم کے خلاف ہے کیونکہ صحابہ و تابعین میں کوئی تشبیہ کا قائل نہیں تھا لہذا مشبہ کا مذہب باطل ہوا۔ اگر تا کلین تشبیہ یہ سوال کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن مجید میں

ہماری عقل و فہم کے مطابق مخاطب فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات مثلاً نزول (اترنا) یا پید (ہاتھ)۔ (اس کا تفصیلی جواب سورہ مائدہ: ۶۴، میں گذر گیا ہے)۔ کو ہم انسانوں کے نزول اور پید کو مثال بنا کر ہی سمجھ سکتے ہیں۔ لہذا تشبیہ کا عقیدہ ثابت ہو گیا اس کا جواب یہ ہے کہ جس ذات نے ہمارے عقل و فہم کے مطابق مخاطب فرمایا ہے اسی کا فرمان ہے: لیس کمثله شیء، الشوری: ۱۱، یعنی اس جیسے کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی ذات نے بندوں کو اپنی لئے مثالیں بیان کرنے سے منع فرمایا: فلا تضربوا للہ الامثال ان اللہ یعلم وانتم لاتعلمون، النحل: ۷۴، اسی ذات نے بندوں کو اس کا ہم مثل بنانے سے منع فرمایا، سورہ بقرہ: ۲۲، اور اللہ تعالیٰ کا پورا کلام حق ہے جس کا بعض، بعض کی تصدیق کرتا ہے، اور یہ کلام پاک ہر قسم کے تناقض سے پاک ہے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جنہوں نے نصوص صفات سے ایک باطل معنی مراد لیا جو ہرگز اللہ تعالیٰ کے لائق شان نہیں اور وہ معنی ”تشبیہ“ ہے پھر انہوں نے مشبہ کی طرح تشبیہ کا عقیدہ اپنانے کی بجائے تشبیہ سے بچنے کے لئے صفات کے انکار کا راستہ اپنایا، اور یہ فرقہ معطلہ، ہمیشہ ہے، جن میں سے بعض نے اسماء و صفات دونوں کا انکار کر دیا اور بعض نے اسماء کو تو مان لیا لیکن ان سے حاصل ہونے والی صفات کا انکار کر دیا۔ معطلہ نے نصوص صفات کے ظاہری معانی سے صرف نظر کر کے خود ساختہ معانی تراش لیے جو محض ان کی بیمار عقول کی پیداوار ہیں، ان معانی کی تعین میں وہ آپس میں خود بڑی حیرت و اضطراب کا شکار ہیں، اور اسے وہ تاویل کا نام دیتے ہیں جو درحقیقت تحریف ہے۔

جبکہ کچھ معطلہ تناقض کا شکار ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کو مانتے ہیں، اور بعض کا انکار کرتے ہیں، اس گروہ میں اشعر یہ اور ماترید یہ وغیرہ کے نام آتے ہیں، یہ لوگ اگر کسی صفت کو شامل کرتے ہیں تو محض اس حجت کے ساتھ کہ اس کے صحیح ہونے پر عقل دلالت کر رہی ہے۔ اور اگر کسی صفت کی نفی کرتے ہیں تو محض اس حجت کے ساتھ کہ اس صفت کی عقل نفی کر رہی ہے یا یہ کہ اس کی صحت پر عقل دلالت نہیں کر رہی۔

ان لوگوں کا ایک شبہ ہے کہ ہم جو تاویل کرتے ہیں یہ احکم ہے، اگرچہ تاویل نہ کرنا اسلم ہے، تو اس کے متعلق بدرالدین عینی عمدة القاری: ۲۲۲/۱، میں مسئلۃ الید (ید اللہ) کے متعلق لکھتا ہے: ولفظ الید من المتشابهات، ففی مثل هذا افترق العلماء علی فرقتین، احداہما تسمى مفوضة، وهم الذین یفوضون الامر فیہا الی اللہ تعالیٰ، قائلین (وما یعلم تاویلہ الا اللہ) ال عمران: ۷، والاخری تسمى مؤلة، وهم الذین یؤلون مثل هذا، كما یقال المراد من الید القدرة، عاطفین (و الراسخون فی العلم) ال عمران: ۷، علی، اللہ، والاول

اسلم، والثانی احکم، قلت ذکر ابو حنیفہؒ، ان تاویل الید بالقدرة ونحو ذلک یؤدی الی التعطیل، فان اللہ تعالیٰ اثبت لنفسه یدا، فاذا اولت بالقدرة یصیر عین التعطیل، وانما الذی ینبغی فی مثل هذا ان نؤمن بما ذکره اللہ من ذلک علی ما ارادہ، ولانشتغل بتاویله فنقول، له ید، علی ما ارادہ، لا کتید المخلوقین، وکذلک فی نظائر ذلک۔

آمد بر سر مطلب، یہاں چونکہ مسئلہ استواء علی العرش مذکور ہے ہم اختصار کے ساتھ سلف صالحین کے اقوال کو نقل کر کے وضاحت کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ایسی مضمون والی جملے سات جگہوں میں ذکر کی گئی ہیں (۱)۔ یہاں [۲]۔ سورہ یونس: ۳۳ [۳]۔ سورہ رعد: ۴ [۴]۔ طہ: ۵ [۵]۔ سورہ فرقان: ۵۹ [۶]۔ سورہ المجدہ: ۴ [۷]۔ سورہ حدید: ۴۔ پہلے ان لوگوں کا ایک شبہ ہے اس کے متعلق کہ استوی کا معنی استولی ہے یعنی عرش پر قدرت پانا اور قبضہ کرنا۔ اس کا جواب علامہ ذہبی نے کتاب ”الاربعین فی صفات رب العالمین: ۳۸، میں دیا ہے۔

ابوسلیمان داؤد بن علی اصہبانی فرماتے ہیں کہ ہم ابن اعرابی کے پاس تھے، کہ ایک آدمی ان کے پاس آ کر کہنے لگا: الرحمن علی العرش، استوی کا کیا معنی ہے؟ انہوں نے فرمایا ”رُئِنَ عَرشَ پر ہے، جیسا کہ اس نے خبر دی ہے، تو اس آدمی نے کہا، اے ابو عبد اللہ، استوی کا معنی ”استولی“ ہے یعنی عرش پر قدرت پانا اور قبضہ رکھنا، تو ابن اعرابی نے کہا خاموش ہو جاؤ! استولی علی الشئ کسی چیز پر قابض ہونا صرف اس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی مد مقابل ہو، تو جب کوئی ایک دوسرے پر غالب و قابض ہو جائے تو اس وقت استولی کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

امام ذہبی مذکورہ کتاب کی ۳۹، میں امام مالکؒ کا قول نقل کرتے ہیں کہ ابن وہب نے فرمایا: کہ ہم امام مالک کے پاس تھے کہ ایک آدمی آ کر کہنے لگا ”الرحمن علی العرش، استوی، میں استواء کی کیفیت بیان کیجئے؟ تو امام مالک خاموش ہو کر نگاہ جھکالی، اور پسینے سے شرابور ہو گئے، پھر اپنا سر اٹھا کر فرمایا: اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے جیسا کہ اس نے اپنا وصف بیان کیا ہے۔ کیفیت بارے سوال نہیں کیا جائے گا، وہ کیفیت سے ماوراء اور پاک ہے تو بدعتی ہے (اور ساتھیوں کو حکم دیا کہ) اسے نکال باہر کرو۔

امام مالک کے استاذ محترم امام ربیعہ بن ابی عبد الرحمن فروخ نے بھی اسی طرح فرمایا ہے نیز امام سلمہ اور وہب بن منبہ سے بھی (اسی طرح) مروی ہے۔ امام مالک کا یہ قول کتاب الرد علی الجہمیۃ: ۱۰۴، (دارمی) الابانیۃ: ۲۲۹، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ: ۳۹۸/۳، کتاب اسماء وصفات للہبثی: ۵۱۵، ۵۱۶، فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴۱/۵، اجتماع جیوش الاسلامیہ: ۷۷،

العلو: ۱۰۳، فتح الباری: ۱۳/۶۱۳، میں مذکور ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کا قول بھی امام ذہبی نے مذکورہ کتاب کی ص: ۵۹، میں نقل کیا ہے: فرماتا ہے: قال ابوحنیفہؒ من انكر ان الله في السماء فقد كفر، یعنی امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسمان پر ہونے کا انکار کرتا ہے وہ یقینی کافر ہے، یہ قول امام ذہبی نے کتاب العلو: ۲۰۲، ابن قدامہ نے اثبات صفۃ العلو: ۱۷۰، فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴۹/۵، اجتماع جیوش الاسلامیہ: ۴۷، میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ علی القاری نے شرح فقہ اکبر: ۱۳۹، میں تفصیل سے یہ قول نقل کیا ہے۔

عن ابی مطیع الحکم بن عبد اللہ البلخی انه سأل اباحنیفہؒ، عن قال لا اعرف ربی فی السماء هو ام فی الارض؟ فقال: قد كفر لان الله يقول: الرحمن على العرش استوی، وعرشه فوق سبع سمواته، قلت فان قال انه على العرش استوی، ولكنه يقول لا ادري العرش في السماء ام في الارض؟ قال هو كافر، لانه..... كونه في السماء، فمن انكر ان الله في السماء فقد كفر، لانه تعالى في اعلى عليين، وهو يدعى من اعلى لامن اسفل۔

امام شافعیؒ نے اپنے عقیدے اور اپنی وصیت میں فرمایا ہے وہ بات جو سنت سے ثابت ہے میرا عقیدہ وہی ہے اور میں نے اہل حدیث کو بھی اسی عقیدہ پر دیکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسمان پر اپنے عرش پر (مستوی) ہے وہ اپنی مخلوق سے جس طرح چاہتا ہے قریب ہوتا ہے اور آسمان دنیا پر جس طرح چاہتا ہے نزول فرماتا ہے۔ اس کو امام ذہبی نے مذکورہ کتاب کی ص: ۲۲، اور العلو: ۱۲۰، میں اور کتاب اثبات صفۃ العلو: ۱۸۰۔ ابن بطہ نے کتاب الابانہ: ۲۳۲، اور ابن قیم نے اجتماع الجیوش الاسلامیہ: ۵۹، میں نقل کیا ہے۔

جبکہ امام شافعیؒ نے اپنی مسند: ۷۰، میں انسؓ سے ایک روایت بھی نقل کیا ہے جس کو امام ذہبی نے سنداً کتاب الاربعین: ۳۴، میں نقل کیا ہے: عن انس بن مالک، يقول اتى جبرئيل بمرآة بيضاء فقال ما هذه؟ قال الجمعة وهو اليوم الذي استوى فيه ربك على العرش. هذا حديث غريب، رواه الشافعي في مسنده۔

انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام ایک سفید آئینہ لے کر آئے، تو آپؐ نے فرمایا یہ کیا ہے؟ تو جبرئیل نے جواب دیا یہ جمعہ کا دن ہے، اور یہی وہ دن ہے جس میں آپؐ کے رب عرش پر مستوی ہوئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جمعہ المبارک کے دن عرش معلیٰ پر مستوی ہوئے۔ اس حدیث کو عبد اللہ بن احمد نے کتاب

السنة: ۵۶، میں کشف الاستار: ۱۹۴/۴، ابن مندہ نے الرد علی الجہمیة: ۱۰۱، میں، آجری نے الشریعة: ۲۶۵، میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ امام ذہبی نے کتاب العلوم تقریباً، ۱۶۸، علماء سے اس کے متعلق اقوال نقل کیے ہیں۔

جبکہ اس میں ایک قول امام ابو یوسفؒ کا بھی ہے کہ: قال بشر بن موسی الخفاف: جاء بشار بن الوليد الكندي الى القاضي ابو يوسف، فقال له تنهانی عن الكلام، وبشر المريسي وعلی الاحول يتكلمون قال: وما يقولون؟ قال: يقولون الله في كل مكان، فقال ابو يوسف علی بهم فانتهوا اليهم وقد قام بشر، فجئ بعلي الاحول وبالاخر شيخ، فقال ابو يوسف، ونظر الى الشيخ، لولان فيك موضع ادب لا وجعتك، فامر به الى الحبس، وضرب الاحول وطوف به. كتاب مختصر العلو: ۱۵۴۔

امام احمدؒ کا قول اور عبد اللہ بن مبارک کا قول امام ذہبی نے ایک ساتھ ذکر کیا ہے، فرماتا ہے: علی بن حسن بن شفيق کہتے ہیں: میں نے عبد اللہ بن مبارک سے کہا: ہم اپنے رب کو کیسی پہچانیں؟ تو انہوں نے فرمایا: (وہ) ساتویں آسمان پر اپنے عرش پر ہے، جہمیہ کی طرح نہیں کہا جائے گا کہ وہ یہاں زمین پر ہے۔ پھر یہ بات امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھی گئی تو انہوں نے فرمایا میرے نزدیک بھی اسی طرح ہے۔ یہ دونوں اقوال امام ذہبی نے: ۴۰، ۴۱، میں ذکر کیا ہے جبکہ عبد اللہ بن مبارک کا قول امام بخاریؒ نے کتاب خلق افعال العباد: ۸، میں امام دارمی نے کتاب الرد علی المريسي: ۱۰۳، میں عبد اللہ بن احمد نے کتاب السنة: ۱۳، میں الابانہ: ۲۳۲، کتاب اسماء وصفات: ۵۳۸، اجتماع الجيوش الاسلامية: ۴۴، ۸۳، میں ذکر کیا ہے۔ جبکہ امام احمد کا قول ابن قدامہ نے اثبات صفة العلو: ۱۰۰، اور ابن تیمیہ نے فتاویٰ: ۵۲، ۵۳، میں نقل کیا ہے۔

محمد بن جریر طبری تفسیر جامع البیان عن تاویل آی القرآن میں فرماتے ہیں ”ثم استوى على العرش میں ”استواء“ سے مراد علو اور ارتقاع ہے۔

امام ذہبیؒ الاربعین: ۴۳، پر فرماتا ہے: قلت وكونه تعالى فوق العرش: رواه عن النبي ﷺ جبير بن مطعم، و العباس بن عبد المطلب، وابن مسعود، وجابر بن سليم، وهو مروى عن غير واحد من الصحابة والتابعين، وفي الكتب المنزلة مثل ماصح عن كعب الاحبار قال: في التوراة أنا الله فوق عبادى على عرشى ادبر امور عبادى۔ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کا عقیدہ سیدنا جبير بن مطعم، عباس بن عبد المطلب، ابو ہریرہ، سعد بن ابی وقاص، جابر بن عبد اللہ، انس بن مالک، ابن عباس، قتادہ بن نعمان، عبادہ بن صامت، ابن مسعود، اور جابر بن سليم رضوان اللہ عنہم اجمعین، نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے، نیز یہ عقیدہ کئی ایک صحابہ رضی اللہ عنہم

سے مروی ہے، سابقہ کتب سماویہ میں بھی اسی طرح ہے، جیسا کہ کعب احبار سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے، انہوں نے فرمایا: تورات میں ہے (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) میں اللہ اپنے عرش پر اپنے بندوں کے اوپر ہوں، اپنے بندوں کے معاملات کا منتظم و مدبر ہوں۔

دفع وہم ”فی“ بہت دفعہ علی، کے معنی میں استعمال ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿فَمَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ﴾ (توبہ: ۲) یعنی علی الارض۔ نیز ﴿وَلَا صَلْبِنُكُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ﴾ (طہ: ۷۱)۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿أَنَّمَتُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ﴾ (ملک: ۱۶)۔ دراصل میں من علی السماء ہے۔ اور ہر وہ چیز جو بلند ہو وہ ”سما“ کہلاتی ہے۔ تو یہاں ”سما“ سے مراد عرش ہے۔ کیونکہ عرش آسمانوں پر ہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا اسمان پر ہونا رسول اللہ ﷺ سے صاف الفاظ میں متواتر طور پر منقول ہے۔ ایک درج ذیل ہے:

حدیث: قوله ﷺ للجارية: اين الله؟ قالت في السماء، قال اعتقها فانها مؤمنة۔ (ابوداؤد: رقم: ۹۳۱، السنن الكبرى للبيهقي: ۲۰۴۷۸)۔ ترجمہ آپ ﷺ کا لوٹنے سے یہ فرمانا، اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس لوٹنے نے جواب دیا: اسمان پر۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے آزاد کرو یہ ایمان دار ہے۔ اس حدیث کو سیدنا ابو ہریرہؓ، معاویہ بن حکم، محمد بن شرید اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے۔ (الاربعة للذہبی)۔

اس بحث کی اخیر میں ایک حدیث جو کہ جبیر بن مطعم سے منقول ہے، نقل کرتے ہیں، اور اس پر اکتفاء کرتے ہیں اگرچہ اس باب میں احادیث زیادہ ہے جیسا کہ امام ذہبی نے ذکر کیا ہے۔ عن جبیر بن مطعم عن ابیہ عن جدہ قال اتی رسول اللہ ﷺ اعرابی فقال: یا رسول اللہ جہدت الانفس، وضاعت العیال، ونهکت [نہت] الاموال و هلکت الانعام، فاستسق اللہ لنا، فاننا نستشفع بک علی اللہ، ونستشفع باللہ علیک، قال رسول اللہ ﷺ ویحک اتدری ما تقول، وسیح رسول اللہ ﷺ؛ فما زال یسبح حتی عرف ذلک فی وجہ اصحابہ، ثم قال: ویحک انه لا یستشفع باللہ علی احد من خلقه، شأن اللہ اعظم من ذلک، ویحک اتدری ما اللہ؟ ان عرشہ علی سمواتہ، لهکذا، وقال باصابعه مثل القبة علیه، وانه لیسط به ایطیط الرجل بالراکب، قال ابن بشار فی حدیثہ ان اللہ فوق عرشہ، وعرشہ فوق سمواتہ، وساق الحدیث. [ابوداؤد: ۴/۲۴۳، کتاب التوحید لابن خزیمہ: ۱۰۳، کتاب الرد علی المریسی: ۱۰۵]۔

یعنی رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک گنوار آیا، اور کہنے لگا، یا رسول اللہ! مصیبت میں پڑ گئے لوگ، اور تباہ ہو گئے گھر بار، اور گھٹ گئے مال، اور مر گئے جانور، تو دعا کیجئے اللہ سے پانی برسنے کی، ہم سفارش لے جاتے ہیں آپ کی اللہ کے پاس، اور سفارش لاتے ہیں اللہ کی آپ کے پاس، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ارے تو سمجھتا ہے، کیا کہہ رہا ہے؟، اور رسول اللہ ﷺ نے سبحان اللہ کہا، پھر اللہ کی تعریف کرتے رہے (بڑی دیر تک) یہاں تک کہ معلوم ہوا اثر اس گنوارے کے کہنے کا آپ ﷺ کے اصحاب کے چہروں میں، پھر آپ نے فرمایا: ارے اللہ کی سفارش نہیں کی جاتی، اس کی مخلوقات میں سے کسی پر، اللہ جل جلالہ کی شان بہت بڑی اور برتر ہے، ایسی بات سے، ارے تو جانتا ہے کہ اللہ جل جلالہ کی بڑائی اور بزرگی کیسی ہے؟ اس کا عرش (تخت) آسمانوں پر اس طرح ہے، اور اشارہ کیا انگلیوں سے ایک گنبد کے طور پر، باوجود اس کے وہ چرچاتا ہے (اللہ کے خوف اور عظمت سے) جیسے پالان چرچاتے ہیں سوار کے نیچے، ابن بشار نے اپنی روایت میں اتنا زیادہ کیا کہ اللہ جل جلالہ اپنے عرش کے اوپر ہے اور عرش اس کا اس کے آسمانوں کے اوپر ہے۔

مذکورہ مسئلہ کی تفصیل کے لئے امام ذہبی کا کتاب العلو، و کتاب الاربعین، امام بیہقی کا کتاب الاسماء و الصفات، شرح عقیدۃ الطحاوی، شرح العقیدۃ الواسطیۃ اور الصواعق المرسلۃ وغیرہ مطالعہ کیجئے۔ اس مسئلے کے متعلق ابن تیمیہ نے بہت تفصیل سے اپنی مختلف کتابوں میں بحث کیا ہے، بعض لوگوں نے آپ کو یہ غلط قول منسوب کیا ہے، کہ آپ نے کہا ہے کہ عرش قدیم ہے۔ لیکن یہ قول احمد رضا بجنوری نے، ملفوظات کشمیری: ۲۰۳، آپ کے طرف منسوب کر کے شیخ الاسلام پر بہتان باندھا ہے، کیونکہ یہ قول آپ کے کسی کتاب میں مذکور نہیں، بلکہ مجموع فتاویٰ: ۲۱۴/۱۸، میں آپ نے یہ تصریح کیا ہے، کہ ان العروش مخلوق ایضا، یعنی بیشک عرش بھی مخلوق ہے، جبکہ بجنوری نے ملفوظات: ۲۴۳، میں یہ قول بھی آپ کو منسوب کیا ہے، کہ آپ نے دوران خطبہ نزول الہی کا تشریح کرتے ہوئے منبر سے نیچے اترے اور پھر فرمایا، اللہ یسنزل کنز و لسی هذا، لیکن یہ بھی آپ پر جھوٹ اور بہتان ہے، بلکہ اس مسئلے کے متعلق شیخ الاسلام کا رسالہ ”شرح حدیث النزول“ مشہور ہے اس میں آپ نے یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور اس میں فرمایا ہے کہ، و كذلك نعلم معنی النزول ولا نعلم کیفیتہ، یعنی اسی طرح ہم نزول کا معنی جانتے ہیں اور اس کی کیفیت کو نہیں جانتے: ص ۳۲۔ تو بجنوری کے دونوں انتساب جھوٹ پر مبنی ہے۔

يُغْشَى اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَيْثُهَا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ

وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے کہ وہ اُس کے پیچھے دوڑتا چلا آتا ہے اور اُسی نے سورج اور چاند ستاروں کو پیدا کیا اس

مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ إِلَّا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَرَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۴﴾

سب اُسی کے حکم کے مطابق کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دیکھو سب مخلوق بھی اُسی کی ہے اور حکم بھی (اُسی کا ہے) یہ اللہ رب العالمین بڑی برکت والا ہے

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۵﴾

(لوگو) اپنے رب سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ

اور ملک میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرنا اور اللہ سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہنا کچھ شک نہیں

رَحِمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۶﴾ ۱۶ ﴿هُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَّاحَ

کہ اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں سے قریب ہے۔ اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت (یعنی مینہ) سے پہلے ہواؤں کو خوشخبری (بنا کر) بھیجتا ہے

بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ

یہاں تک کہ جب وہ بھاری بھاری بادلوں کو اٹھا لاتی ہے تو ہم اس کو ایک مری ہوئی بستی کی طرف ہانک دیتے ہیں

فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ

پھر بادل سے مینہ برساتے ہیں پھر مینہ سے ہر طرح کے پھل پیدا کرتے ہیں اسی طرح ہم مُردوں کو (زمین سے) زندہ کر کے

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۷﴾ ۱۷ ﴿لِلَّذِينَ هُمْ يُرْسِلُونَ﴾

باہر نکالیں گے (یہ آیات اس لئے بیان کی جاتی ہیں) تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ جو زمین پاکیزہ (ہے) اُس میں سے سبزہ بھی

بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبَتْ لَا يُخْرِجُ إِلَّا نَكِدًا كَذَلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ

رب کے حکم سے (نہیں ہی) نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے ناقص ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم آیتوں کو

لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿۳۸﴾ قَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ

شکر گزار لوگوں کیلئے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے (ان سے) کہا

يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ

کہ اے میری برادری کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں

عَذَابٍ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۳۹﴾ قَالِ الْمَلَائِكَةُ لَنْ نَجِدَ فِي قَوْمِهِ إِلَّا لِنَرَاكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۰﴾

بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ تو جو ان کی قوم میں سردار تھے وہ کہنے لگے کہ ہم تمہیں صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں۔

قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي ضَلَالَةٌ وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۱﴾

انہوں نے کہا کہ اے قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں

أَبْلَغُكُمْ رَسُولٌ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾

تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے ایسی باتیں معلوم ہیں جن سے تم بے خبر ہو

أَوْعَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِنْكُمْ

کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی

لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۴۳﴾ فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنَاهُ

تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم پر ہیزگار بنو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ مگر ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی تو ہم نے نوح کو

وَالَّذِينَ مَعَهُ فِي الْفُلِكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ

اور جو ان کیساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو تو بچا لیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں غرق کر دیا کچھ شک نہیں

كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿۴۴﴾ إِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَقَوْمِ

کہ وہ اندھے لوگ تھے۔ اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، انہوں نے کہا کہ اے میری قوم!

﴿۴۴﴾ اَعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۴۵﴾

اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیا تم ڈرتے نہیں؟

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَنظُرُكَ

تو اُن کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ تم ہمیں احمق نظر آتے ہو اور ہم تمہیں

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۴﴾ قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ

جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اے میری قوم مجھ میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں رب العالمین

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ اٰتٰىكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاِنَّا لَكُمْ نٰصِحٌ اٰمِيْنٌ ﴿۴۸﴾

کا پیغمبر ہوں۔ میں تمہیں اللہ کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارا امانتدار خیرخواہ ہوں

اَوْعَجِبْتُمْ اَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ

کیا تمہیں اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی

لِيُنذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ

تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد تو کرو جب اُس نے تمہیں قومِ نوح کے بعد سردار بنایا اور تمہیں پھیلاؤ زیادہ دیا

فِي الْخَلْقِ بَسۜطَةً فَاذْكُرُوْا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَلْوَاۤءِجِبۜنَا

پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تاکہ نجات حاصل کرو۔ وہ کہنے لگے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو

لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحُدُوْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا

کہ ہم اکیلے اللہ ہی کی عبادت کرے اور جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے چلے آئے ہیں اُن کو چھوڑ دیں؟

فَاَتٰنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۰﴾

تو اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اُسے لے آؤ

فَاذْكُرُوا الْآيَةَ اللَّهُ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۲۴﴾ قَالَ الْمَلَأُ

پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔ تو اُن کی قوم میں سردار لوگ

الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِلَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ اتَّعَلَمُونَ

جو تکبر کرتے تھے، غریب لوگوں سے جو اُن میں سے ایمان لے آئے تھے کہنے لگے کہ بھلا تم یقین کرتے ہو

أَنَّ صَالِحًا مَّرْسَلٌ مِنْ رَبِّهِ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۲۵﴾

کہ صالح اپنے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں؟ انہوں نے کہا ہاں جو چیز وہ دے کر بھیجے گئے ہیں ہم اُس پر بلاشبہ ایمان رکھتے ہیں

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَفَرُونَ ﴿۲۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ

تو مغرور کہنے لگے کہ جس چیز پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اُس کو نہیں مانتے۔ آخر انہوں نے اونٹنی (کی کونجوں) کو کاٹ ڈالا

وَعَتُوا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا يَا صَالِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ

اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور کہنے لگے کہ صالح! جس چیز سے تم ہمیں ڈراتے تھے اگر تم (اللہ کے)

الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۷﴾ فَخَذَّتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَاثِمِينَ ﴿۲۸﴾

پیغمبر ہو تو اُسے ہم پر لے آؤ۔ تو اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے

فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا قَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولًا مِنْ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ

پھر صالح ان سے (نا امید ہو کر) پھرے اور کہا کہ اے میری قوم! میں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی

وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ طَا

مگر تم (ایسے ہو کہ) خیر خواہوں کو دوست ہی نہیں رکھتے۔ اور (اسی طرح جب ہم نے) لوط کو (پیغمبر بنا کر بھیجا تو)

إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اتَّاتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ

اس وقت انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ایسی بے حیائی کا کام کیوں کرتے ہو کہ تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے

الْعَلَمِينَ ﴿۸۰﴾ لَكُمْ لَتَاتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونَ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ

اس طرح کا کام نہیں کیا۔ یعنی خواہش نفسانی پورا کرنے کیلئے عورتوں کو چھوڑ کر لوٹنوں پر گرتے ہو حقیقت یہ ہے کہ تم لوگ حد

مُسْرِفُونَ ﴿۸۱﴾ مَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا

سے نکل جانے والے ہو۔ تو اُن سے اس کا جواب کچھ نہ بن پڑا اور بولے تو یہ بولے کہ ان لوگوں (یعنی لوط اور اُس کے گھر

أَخْرَجُوهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿۸۲﴾ فَأَنجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ

والوں) کو اپنے گاؤں سے نکال دو (کہ) یہ لوگ پاک بننا چاہتے ہیں۔ تو ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچا لیا

إِلَّا أُمَّرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۸۳﴾ أَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانظُرْ

مگر ان کی بیوی (نہ بچی) کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی۔ اور ہم نے اُن پر (پتھروں کا) مینہ برسایا سو دیکھ لو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۸۴﴾ وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ

کہ گنہگاروں کا کیا انجام ہوا۔ اور مدین کی طرف اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا (تو) انہوں نے کہا کہ اے قوم!

اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَهِ غَيْرُهُ قَدْ جَاءَ تَكْمٌ بَيْنَهُ مِّنْ رَبِّكُمْ

اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی آ چکی ہے

فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا

تو تم ناپ اور تول پورا کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور

تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۸۵﴾

زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے

وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ

اور ہر رستے پر مت بیٹھا کرو کہ جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے اُسے تم ڈراتے اور اللہ کی راہ سے روکتے

وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَرَكُمْ

اور اُس میں کچی ڈھونڈتے ہو اور (اس وقت کو) یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو اللہ نے تمہیں جماعت کثیر بنا دیا

وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۸۴﴾ وَإِنْ كَانَ طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ

اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر

آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَائِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ

ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کئے رہو یہاں تک کہ اللہ ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے

بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَكِمِينَ ﴿۸۵﴾ قَالَ الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِن قَوْمِهِ

اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (تو) اُن کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے

لَنُخْرِجَنَّكَ يَا شُعَيْبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا

کہ شعیب! (یا تو) ہم تمہیں اور جو لوگ تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اُن کو اپنے شہر سے نکال دیں گے

أَوْ لَتَعُودَنَّ فِي مِلَّتِنَا قَالَ أَوْلَوْ كُنَّا كَرِهِينَ ﴿۸۸﴾

یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ اُنہوں نے کہا خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں (تو بھی؟)

قَدْ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللَّهُ مِنْهَا

اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بیشک ہم نے اللہ پر جھوٹا باندھا

وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ

اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں، ہاں اللہ جو ہمارا رب ہے وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں) ہمارے رب کا علم

عِلْمًا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ

ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے، ہمارا اللہ ہی پر بھروسہ ہے اے اللہ! ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کیساتھ فیصلہ کر دے

وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ

اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ اور اُن کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو!)

لَئِنْ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخَسِرُونَ ﴿۹۰﴾

اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بیشک تم خسارے میں پڑ گئے

فَأَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثْمِينَ ﴿۹۱﴾ الَّذِينَ

تو اُن کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (یہ لوگ) جنہوں نے

كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَأَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا

شعیب کی تکذیب کی تھی ایسے برباد ہوئے کہ گویا وہ اُن میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے اور جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا

كَانُوا هُمُ الْخَسِرِينَ ﴿۹۲﴾ هُوَلِيَّ عَنْهُمْ وَقَالَ يَلْقَوْمٌ لَقَدْ أَبْلَغْتُمْ

وہ خسارے میں پڑ گئے۔ تو شعیب اُن میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو میں نے تمہیں اپنے رب کے پیغام پہنچا دیئے ہیں

رَسَلْتِ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ فَكَيْفَ آسَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۹۳﴾

اور تمہاری خیر خواہی کی تھی تو میں کافروں پر رنج و غم کیوں کروں؟

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے کسی شہر میں کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہاں کے رہنے والوں کو دکھوں اور مصیبتوں میں مبتلا کیا تاکہ وہ

يَضُرَّعُونَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ

عاجزی اور اکتساری کریں۔ پھر ہم نے تکلیف کو آسودگی سے بدل دیا یہاں تک کہ (مال و اولاد میں) زیادہ ہو گئے تو کہنے لگے کہ اسی طرح

مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءُ وَالسَّرَّاءُ فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۹۵﴾

کارنج و راحت ہمارے بڑوں کو بھی پہنچتا رہا ہے تو ہم نے اُن کو ناگہاں پکڑ لیا اور وہ (اپنے حال میں) بے خبر تھے۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے)

﴿۴۴﴾ وَالْأَرْضِ وَلَكِنْ كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ

کھول دیتے مگر انہوں نے تو تکذیب کی سو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا۔

﴿۴۷﴾ فَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ

کیا بستیوں کے رہنے والے اس سے بے خوف ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو واقع ہو اور وہ (بے خبر) سو رہے ہوں

﴿۴۸﴾ وَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يُلْعَبُونَ

اور کیا اہل شہر اس سے نڈر ہیں کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آ نازل ہو اور وہ کھیل رہے ہوں

﴿۴۹﴾ فَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ

کیا یہ لوگ اللہ کے داؤ کا ڈر نہیں رکھتے (سن لو کہ) اللہ کے داؤ سے وہی لوگ نڈر ہوتے ہیں جو خسارہ پانے والے ہیں

﴿۵۰﴾ أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ

کیا ان لوگوں کو جو اہل زمین کے (مر جانے کے) بعد زمین کے مالک ہوتے ہیں یہ امر موجب ہدایت نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں

﴿۱۰۰﴾ أَصْبَنَهُم بِذُنُوبِهِمْ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ

تو ان کے گناہوں کے سبب ان پر مصیبت ڈال دیں اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیں کہ کچھ سن ہی نہ سکیں۔

﴿۱۰۱﴾ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

یہ بستیاں ہیں جن کے کچھ حالات ہم تمہیں سناتے ہیں اور ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے

﴿۱۰۲﴾ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ

مگر وہ ایسے نہیں تھے کہ جس چیز کو پہلے جھٹلا چکے ہوں اُسے مان لیں اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے

الْكَافِرِينَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ

اور ہم نے ان میں سے اکثروں میں (عہد کا نباہ) نہیں دیکھا اور ان میں اکثروں کو (دیکھا تو) بدکار ہی دیکھا۔

لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ اَلَمْ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُوسٰى بِآيٰتِنَا اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلٰٓئِهٖ

پھر ان (پیغمبروں) کے بعد ہم نے موسیٰ کو نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے اعیانِ سلطنت کے پاس بھیجا

فَظَلَمُوْا بِهَا فَاَنْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ اَوْ قَالَ مُوسٰى

تو انہوں نے ان کیساتھ کفر کیا سو دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیا ہوا۔ اور موسیٰ نے کہا کہ اے

فِرْعَوْنَ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنۡ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَحْقِیْقْ عَلٰى اَنْ لَا اَقُوْلَ عَلٰى

فرعون! میں رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ مجھ پر واجب ہے کہ اللہ کی طرف سے جو کچھ کہوں سچ ہی کہوں

اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ۚ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنۡ رَبِّكُمْ فَاَرْسِلۡ مَعِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾

میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں سو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ جانے کی رخصت دے دیجئے

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَاتِّبِعْنِيْ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

فرعون نے کہا کہ اگر تم نشانی لے کر آئے ہو تو اگرچے ہو تو لاؤ (دکھاؤ)۔

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ اَلَا نَنْزَعُ يَدَهُ فَاِذَا هِىَ

موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ اسی وقت صرغ اژدھا (بن گیا)۔ اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو اسی دم دیکھنے والوں

بَيۡضَآءٌ لِّلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اَلَمْ نَجْعَلِ الْمَلٰٓئِمۡنَ قَوْمَ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ عَلِيۡمٌ

کی نگاہوں میں سفید (تھا)۔ تو قوم فرعون میں جو سردار تھے وہ کہنے لگے کہ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔

﴿۱۰۹﴾ اَلَمْ نُرِيۡدُ اَنْ يُخْرِجَكُمۡ مِّنۡ اَرْضِكُمۡ فَمَاذَا تَأۡمُرُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

اس کا ارادہ یہ ہے کہ تمہیں تمہارے ملک سے نکال دے بھلا تمہاری کیا مشورہ ہے؟

قَالُوا أَرْجَاهُ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۱۱۱﴾

انہوں نے (فرعون سے) کہا کہ فی الحال موسیٰ اور اس کے بھائی کے معاملے کو موقوف رکھئے اور شہروں میں نقیب روانہ کیجئے

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ﴿۱۱۲﴾ وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا

کہ تمام ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں۔ (چنانچہ ایسا ہی کیا گیا) اور جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے اور کہنے لگے

إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِن كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ

کہ اگر ہم جیت گئے تو ہمیں صلہ عطا کیا جائے گا۔ (فرعون نے) کہا ہاں (ضرور) اور (اس کے علاوہ) تم

لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۱۱۴﴾ قَالُوا يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْقَىٰ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ ﴿۱۱۵﴾

مقربوں میں داخل کر لئے جاؤ گے۔ جادوگروں نے کہا موسیٰ یا تو تم (جادو کی چیز) ڈالو یا ہم ڈالتے ہیں

قَالَ الْقَوْمَ فَلَمَّا الْقَوْمُ سَحَرُوا أَعْيَنَ النَّاسِ

(موسیٰ نے) کہا کہ تم ہی ڈالو۔ جب انہوں نے (جادو کی چیزیں) ڈالیں تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا (یعنی نظر بندی کر دی)

وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَظِيمٍ ﴿۱۱۶﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ

اور لاشیوں اور رسیوں کے سانپ بنا بنا کر انہیں ڈرایا اور بڑا بھاری جادو دکھایا۔ اور (اس وقت) ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی

أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿۱۱۷﴾

کہ تم اپنی لاشی ڈال دو وہ فوراً (سانپ بن کر) جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں کو نگل جائے گی

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۸﴾ فَغَلَبُوا هَنَالِكَ

اور حق واقع ہوا، اور ان کے کی ہوئی عمل باطل ہوئی۔ پس یہ لوگ اس وقت یہاں مغلوب ہوئیں۔

وَأَنْقَلَبُوا صَغِيرِينَ ﴿۱۱۹﴾ وَأَلْقَى السَّحَرَةُ سِيْدِينَ ﴿۱۲۰﴾

اور ذلیل ہو کر رہ گئے۔ (یہ کیفیت دیکھ کر) جادوگر سجدے میں گر پڑے

﴿۱۲۲﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۲۳﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۱۲۴﴾

اور کہنے لگے کہ ہم جہان کے رب پر ایمان لائے۔ (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے رب پر۔

﴿۱۲۵﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ آمَنْتُ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اَدْنٰ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكْرَتُمْوٰهُ

فرعون نے کہا کہ بیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟ بیشک یہ فریب ہے جو تم نے مل کر شہر

﴿۱۲۶﴾ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَا اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو سو عنقریب (اس کا نتیجہ) معلوم کر لو گے۔

﴿۱۲۸﴾ لَا قَطْعَنَ اَيْدِيْكُمْ وَاَرْجُلُكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَا صَلْبٰنِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۲۹﴾

میں (پہلے تو) تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹو ادوں گا پھر تم سب کو سولی چڑھا دوں گا۔

﴿۱۳۰﴾ قَالُوْا اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ اِنَّا تَنُقِمُ مِّنَّا

وہ بولے کہ ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔ اور اُس کے سوا تجھ کو ہماری کون سی بات بُری لگی ہے

﴿۱۳۲﴾ اِلَّا اَنْ اٰمَنَّا بِآيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَنَا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا

کہ جب ہمارے رب کی نشانیاں ہمارے پاس آگئیں تو ہم اُن پر ایمان لے آئے اے اللہ! ہم پر صبر و استقامت

﴿۱۳۳﴾ وَتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ اِنَّ الْمَالِ الْمَلَا مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَدْرُ مُوسٰى

کے دہانے کھول دے اور ہمیں (مارنا) تو مسلمان ہی مارو۔ اور قوم فرعون میں جو سردار تھے کہنے لگے کہ کیا آپ موسیٰ

﴿۱۳۵﴾ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَيَذْرٰكُ وَاِلٰهَتِكَ قَالَ

اور اس کی قوم کو چھوڑ رہے ہیں کہ ملک میں خرابی کریں اور وہ آپ کو اور آپ کے معبودوں کو چھوڑ دیں وہ بولے

﴿۱۳۶﴾ سَنُقْتَلُ اَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِيْ نِسَاءَهُمْ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

کہ ہم اُن کے لڑکوں کو تو قتل کر ڈالیں گے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے اور بلاشبہ ہم اُن پر غالب ہیں۔

قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو زمین تو اللہ کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے

مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۸﴾ ﴿۱۲۸﴾ لَوْ أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ

اس کا مالک بناتا ہے اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔ وہ بولے کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچتی رہیں

أَنْ تَأْتِينَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا قَالَ عَسَى رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوَّكُمْ

اور آنے کے بعد بھی۔ موسیٰ نے کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے

وَيَسْتَخْلِفْكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۹﴾ ﴿۱۲۹﴾ وَالْقَدْ

اور اُس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنائے پھر ظاہر کرے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ اور ہم نے

أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقْصٍ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۳۰﴾ ﴿۱۳۰﴾

فرعونوں کو قحطوں اور میووں کے نقصان میں پکڑا تاکہ نصیحت حاصل کریں۔

فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيَّرُوا بِمُوسَى

تو جب اُن کو آسائش حاصل ہوتی تو کہتے کہ ہم اس کے مستحق ہیں اور اگر سختی پہنچتی تو موسیٰ اور اُن کے رفیقوں کی بدشگونی

وَمَنْ مَعَهُ إِلَّا إِنَّمَا طَآئِرُهُمْ عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۱﴾ ﴿۱۳۱﴾

بتاتے۔ دیکھو اُن کی بدشگونی اللہ کے ہاں (مقدر) ہے لیکن اُن میں اکثر نہیں جانتے۔

وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لَتُسْحَرْنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ

اور کہنے لگے کہ تم ہمارے پاس (خواہ) کوئی ہی نشانی لاؤ تا کہ اس سے ہم پر جادو کرو مگر ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں

﴿۱۳۲﴾ ﴿۱۳۲﴾ سَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ

تو ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈیاں اور جوئیں اور مینڈک اور خون

آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۱۳۳﴾ اِسْرَائِلُ مَا وَقَعَ

کتنی کھلی ہوئی نشانیاں بھیجیں مگر وہ تکبر ہی کرتے رہے، اور وہ لوگ تھے ہی گنہگار۔ اور جب اُن پر عذاب واقع ہوتا

عَلَيْهِمُ الرَّجْزُ قَالُوا يَا مُوسَىٰ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

تو کہتے کہ موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو جیسا اُس نے تم سے عہد کر رکھا ہے،

لَئِنْ كَشَفْنَا عَنْكَ الرَّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيَّ

اگر تم ہم سے عذاب کو ٹال دو گے تو ہم تم پر ایمان بھی لے آئیں گے اور بنی اسرائیل کو بھی تمہارے ساتھ جانے (کی

اِسْرَائِيلَ ﴿۱۳۴﴾ اِسْرَائِيلُ مَا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرَّجْزَ اِلَىٰ اَجَلٍ هُمْ بِالْعَوَةِ اِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۱۳۵﴾

اجازت) دیں گے۔ پھر جب ہم ایک مدت کیلئے جس تک اُن کو پہنچنا تھا اُن سے عذاب دُور کر دیتے تو وہ عہد کو توڑ ڈالتے

فَاِنْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا

تو ہم نے اُن سے بدلہ لے کر ہی چھوڑا کہ اُن کو دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور اُن سے بے پروائی کرتے تھے

غٰفِلِينَ ﴿۱۳۶﴾ اَوَلَمْ نَرْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقِ الْاَرْضِ

اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے اُن کو زمین (شام) کے مشرق

وَمَغَارِبِهَا الَّذِي بَارَكْنَا فِيْهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيَّ

و مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی وارث بنایا اور بنی اسرائیل کے بارے میں اُن کے صبر کی وجہ سے تمہارے رب کا

اِسْرَائِيْلَ بِمَا صَبَرُوا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا

نیک وعدہ پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے

يَعْرِشُونَ ﴿۱۳۷﴾ اَوَلَمْ نَجَاوِزْنَا بِبَنِيَّ اِسْرَائِيْلَ الْبَحْرَ فَاتُوا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُونَ

تباہ کر دیا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کیلئے

عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ قَالُوا يُمُوسَىٰ اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ
بیٹھے رہتے تھے۔ (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ موسیٰ! جیسے اُن لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنا دو

قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۳۸﴾ ۳۸ اِنَّا هُوَ لَآءِ مُتَبَّرًا مَا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَا
موسیٰ نے کہا کہ تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۹﴾ ۳۹ اِنَّا اَغْيَرَ اللّٰهُ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا
یہ کرتے ہیں سب بیہودہ ہیں۔ (اور یہ بھی) کہا کہ بھلا میں اللہ کے سوا تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں

وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۴۰﴾ ۴۰
حالانکہ اس نے تم کو تمام اہل عالم پر فضیلت بخشی ہے۔

وَإِذْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ
اور (ہمارے ان احسانوں کو یاد کرو) جب ہم نے تم کو فرعونوں (کے ہاتھ) سے نجات بخشی وہ لوگ تم کو بڑا دکھ دیتے تھے

يُقَتِّلُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ
تمہارے بیٹوں کو تو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے

عَظِيمٌ ﴿۴۱﴾ ۴۱ وَاعْدْنَا مُوسَىٰ ثَلَاثِينَ لَيْلَةً وَأَتَمَّهَا بِعَشْرِ
سخت آزمائش تھی۔ اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کی میعاد مقرر کی اور دس (راتیں) اور ملا کر اُسے پورا کر دیا

فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ
تو اس کے رب کی چالیس رات کی میعاد پوری ہو گئی اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا

اخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۴۲﴾ ۴۲
کہ میرے (کوہ طور پر جانے کے) بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو (ان کی) اصلاح کرتے رہنا اور شریروں کے رستے پر نہ چلنا

وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ

اور جب موسیٰ ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہ طور پر) پہنچے اور اُن کے رب نے ان سے کلام کیا تو کہنے لگے

رَبِّ ارْنِي مَا تَرَانِي قَالَ لَنْ تَرَانِي

کہ اے اللہ! مجھے (جلوہ) دکھا کہ میں تیرا دیدار (بھی) کروں۔ اللہ نے فرمایا کہ تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے

وَلَكِنْ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّىٰ

ہاں پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے جب اُن کا رب پہاڑ پر نمودار ہوا

رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ

تو (تجلی انوار ربانی نے) اُس کو ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش میں آئے تو کہنے لگے کہ تیری ذات پاک ہے

تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۰۳﴾ قَالَ

اور میں تیرے حضور میں تو بہ کرتا ہوں اور جو ایمان لانے والے ہیں اُن میں سب سے اوّل ہوں۔ (اللہ نے) فرمایا

يٰمُوسَىٰ إِنِّي اصْطَفَيْتَكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسَالَاتِي

کہ اے موسیٰ! میں نے تمہیں اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے

وَبِكَلَامِي فَخُذْ مَا آتَيْتَكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۲۰۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهُ

تو جو میں نے تمہیں عطا کیا ہے اُسے پکڑ رکھو اور (میرا) شکر بجا لاؤ۔ اور ہم نے (تورات کی) تختیوں

فِي الْأَوْحَادِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ

میں ان کیلئے ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ دی پھر (ارشاد فرمایا کہ) اسے طاقت سے پکڑے رہو

وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا سَأُرِيكُمْ دَارَ الْفٰسِقِينَ ﴿۲۰۵﴾

اور اپنی قوم سے بھی کہہ دو کہ ان باتوں کو جو اس میں (درج ہیں اور) بہت بہتر ہیں پکڑے رہیں۔ میں عنقریب تم کو نافرمان لوگوں کا ٹھکانہ دکھاؤں گا

سَأَصْرَفُ عَنْ آيَاتِي الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

جو لوگ زمین میں ناحق غرور کرتے ہیں اُن کو اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا

وَإِنْ يَرَوْا كَلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ

اگر یہ سب نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی اُن پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کا راستہ دیکھیں تو اسے (اپنا) راستہ نہ بنائیں

سَبِيلًا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

اور اگر گمراہی کی راہ دیکھیں تو اسے رستہ بنا لیں یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا

وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿۱۲۶﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ حَبِطَتْ

اور ان سے غفلت کرتے رہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے

أَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۷﴾ تَخَذَ قَوْمٌ مُوسَىٰ

یہ جیسے عمل کرتے ہیں ویسا ہی ان کو بدلا ملے گا۔ اور قوم موسیٰ نے موسیٰ کے بعد اپنے زیور کا ایک بچھڑا بنا لیا

مِنْ بَعْدِهِ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَهُ خُورٌ أَلْمُ يَرَوْنَ أَنَّهُ لَا يُكَلِّمُهُمْ

(وہ) ایک جسم (تھا) جس میں سے آواز نکلتی تھی، ان لوگوں نے یہ نہ دیکھا کہ وہ نہ اُن سے بات کر سکتا ہے

وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿۱۲۸﴾ لَمَّا

اور نہ اُن کو رستہ دکھا سکتا ہے اُس کو انہوں نے (معبود) بنا لیا اور ظلم کیا۔ اور جب

سُقِطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ

وہ نادم ہوئے اور دیکھا کہ گمراہ ہو گئے ہیں تو کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہیں کرے گا اور ہمیں معاف نہیں فرمائے گا

لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۱۲۹﴾ لَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ

تو ہم برباد ہو جائیں گے۔ اور جب موسیٰ اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے

أَسِفًا قَالَ بئسَ مَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي أَعَجَلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ
 تو کہنے لگے کہ تم نے میرے بعد بہت ہی بد اطواری کی کیا تم نے اپنے رب کا حکم جلد چاہا (یہ کہا)
 وَالْقِي الْأَلْوَا حَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ
 اور تختیاں رکھ دیں [۲] اور اپنے بھائی کے سر (کے بالوں) کو پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگے
 قَالَ ابْنُ أُمَّ إِنْ الْقَوْمَ اسْتَضَعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي
 انہوں نے کہا کہ بھائی جان لوگ تو مجھے کمزور سمجھتے تھے اور قریب تھا کہ قتل کرتے

[۲] ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لیس الخبر كالمعينة، ان اللہ تعالیٰ اخبار موسیٰ
 بمصنوع قومہ فی العجل، فلم یلق الألواح، فلما عاین ما صنعوا، القی الألواح فانكسرت.
 (مسند احمد: ۱/۲۷۱، ابن حبان رقم: ۲۰۸۸، و الحاکم: ۲/۳۳۱، ۳۸۰۔ یعنی کسی چیز کے بارے میں
 سنا، اس کو آنکھ سے دیکھنے کے برابر نہیں ہو سکتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کے اس عمل کے بارے
 میں خبر دی، جو انہوں نے گوسالہ پرستی کی صورت میں کیا تھا، تو انہوں نے تختیوں کو نہیں پھینکا، لیکن جب وہ اپنی قوم میں
 واپس آئے، اور اپنی آنکھوں سے قوم کے اس عمل کو دیکھا تو تختیوں کو جلدی سے رکھ دیا دیا اور ٹوٹ گئیں۔

”و القی الألواح“ (القاء) کے لغوی معنی ڈال دینے کے ہیں، اور الألواح لوح کی جمع ہے، جس کے معنی
 ہیں تختی یہاں لفظ القاء سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے غصہ کی حالت میں تورات کی تختیوں کی بے ادبی کی، کہ ان
 کو ڈال دیا، لیکن یہ ظاہر ہے کہ الألواح تورات کو بے ادبی کے ساتھ ڈال دینا گناہ عظیم ہے، اور انبیاء علیہم السلام سب
 گناہوں سے معصوم ہیں، اس لئے مراد آیت کی یہی ہے کہ اصل مقصود ہارون علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے اپنا ہاتھ خالی
 کرنا تھا، اور غصہ کی حالت میں جلدی سے ان کو رکھا، جس سے دیکھنے والا یہ سمجھے کہ ڈال دیا، اس کو قرآن کریم نے
 بطور تنبیہ کے ڈال دینے کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (بیان القرآن)۔

﴿۱۰﴾ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰﴾

تو ایسا کام نہ کریں کہ دشمن مجھ پر نہیں اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملائیے

﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلَا خِيَّ وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ

تب انہوں نے دعا کی کہ اے میرے رب مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر تو سب سے

الرَّحِيمِينَ ﴿۱۱﴾ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعَجَلَ سَيُنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّهِمْ

بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔ (اللہ نے فرمایا کہ) جن لوگوں نے پتھرے کو (معبود) بنا لیا تھا ان پر اللہ کا غضب واقع ہوگا اور

وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿۱۲﴾ الَّذِينَ عَمِلُوا

دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم افتراء پردازوں کو ایسا ہی بدلادیا کرتے ہیں۔ اور جنہوں نے بُرے کام کئے

السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ

پھر اس کے بعد توبہ کر لی اور ایمان لے آئے تو کچھ شک نہیں کہ تمہارا رب اس کے بعد بخشنے والا مہربان ہے

﴿۱۳﴾ وَاللَّهُمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ أَخَذَ الْأَلْوَابَ وَفِي نُسُخَتِهَا

اور جب موسیٰ کا غصہ فرو ہوا تو (تورات کی) تختیاں اٹھا لیں اور جو کچھ ان میں لکھا تھا

﴿۱۴﴾ هُدًى وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿۱۴﴾

وہ ان لوگوں کیلئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ہدایت اور رحمت تھی۔

وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا فَلَمَّا

اور موسیٰ نے اس میعاد پر جو ہم نے مقرر کی تھی اپنی قوم کے ستر آدمی منتخب کئے جب

أَخَذْتُهُمُ الرِّجْفَةَ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُمْ مِنْ قَبْلُ وَإِيَّايَ أَتَهْلِكُنَا

ان کو زلزلے نے پکڑا تو موسیٰ نے کہا کہ اے اللہ! اگر تو چاہتا تو ان کو پہلے ہی سے ہلاک کر دیتا اور مجھ کو بھی کیا تو اس فعل کی سزا

بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا إِنَّ هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي

میں جو ہم میں سے بے عقلوں نے کیا ہے ہمیں ہلاک کر دے گا؟ یہ تو تیری آزمائش ہے اس سے تو جس کو چاہے گمراہ کرے اور جسے چاہے

مَنْ تَشَاءُ أَنْتَ وَلِيْنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ﴿۱۱۴﴾

ہدایت بخشے، تو ہی ہمارا کارساز ہے تو ہمیں (ہمارے گناہ) بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

وَاَكْتُبْ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ إِنَّا هُدْنَا إِلَيْكَ قَالَ

اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی لکھ دے اور آخرت میں بھی ہم تیری طرف رجوع ہو چکے (اللہ نے) فرمایا

عَذَابِي أُصِيبُ بِهِ مَنْ أَشَاءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

کہ جو میرا عذاب ہے اُسے تو جس پر چاہتا ہوں نازل کرتا ہوں اور جو میری رحمت ہے وہ ہر چیز کو شامل ہے،

فَسَاكُتْهَا لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۱۴﴾

میں اس کو ان لوگوں کیلئے لکھ دوں گا جو پرہیزگاری کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں [۳]

[۳] اس آیت میں ایک خاص واقعہ کا ذکر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب اللہ کی کتاب تورات لا کر بنی اسرائیل

کو دی، تو اپنی کج روی اور جیلہ جوئی کی وجہ سے کہنے لگے کہ ہمیں یہ کیسے یقین آئے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کا کلام ہے، ممکن ہے کہ

آپ اپنی طرف سے لکھ لائے ہوں۔ ان کو اطمینان دلانے کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی، تو حق تعالیٰ کی طرف سے

یہ ارشاد ہوا، کہ اس قوم کے منتخب آدمیوں کو آپ کوہ طور پر لے آئیں تو ہم ان کو بھی خود اپنا کلام سنا دیں گے جس سے ان

کو یقین آجائے، موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر آدمیوں کا انتخاب کیا، اور کوہ طور پر لے گئے، حسب وعدہ انہوں نے

اپنے کانوں اللہ تعالیٰ کا کلام سن لیا، مگر جب یہ حجت پوری ہو گئی تو کہنے لگے ہمیں کیا معلوم یہ اواز اللہ تعالیٰ ہی کی ہے یا کسی

اور کی۔

ہم تو جب یقین کریں جب کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیں، ان کا یہ سوال چونکہ ہٹ دھرمی اور جہالت پر مبنی تھا۔ اس

پر غضب الہی متوجہ ہوا، ان کے نیچے سے زلزلہ آیا اور اوپر سے بجلی کی کڑک آئی جس سے یہ بے ہوش ہو کر گر گئے،

اور بظاہر مردہ ہو گئے سورہ بقرہ میں اس جگہ ”صاعقہ“ کا لفظ آیا ہے اور یہاں ”رجفہ“ کا ”صاعقہ“ کے معنی بجلی کی کڑک اور ”رجفہ“ کے معنی زلزلہ کے ہیں، اس میں کوئی بعد نہیں کہ دونوں چیزیں جمع ہو گئی ہوں۔

بہر حال یہ لوگ ایسے ہو کر گر گئے، جیسے مردے ہوتے ہیں، خواہ حقیقتاً مر ہی گئے ہوں، یا ظاہر مردہ نظر آتے ہوں، موسیٰ علیہ السلام کو اس واقعہ سے سخت صدمہ پہنچا، اول تو اس لئے کہ یہ لوگ اپنی قوم کے منتخب لوگ تھے۔ دوسرے اس لئے کہ اب اپنی قوم میں جا کر کیا جواب دیں گے، وہ یہ تہمت لگائیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سب کو کہیں لے جا کر قتل کر دیا ہے، اور اس تہمت کے بعد یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کر ڈالیں گے، اس لئے اللہ جل شانہ سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں جانتا ہوں کہ اس واقعہ سے آپ کا مقصود ان کو ہلاک کرنا نہیں کیونکہ اگر یہ مقصود ہوتا تو اب سے پہلے بہت سے واقعات تھے جن میں یہ ہلاک کئے جاسکتے تھے۔

فرعون کے ساتھ غرق کر دیئے جاتے یا گوسالہ پرستی کے وقت سب کے سامنے ہلاک کر دیئے جاتے، اور آپ چاہتے تو مجھے بھی ان کے ساتھ ہلاک کر دیتے مگر آپ نے یہ نہیں چاہا، تو معلوم ہوا کہ اس وقت بھی ان کا ہلاک کرنا مقصود نہیں بلکہ سزا دینا اور تنبیہ کرنا مقصود ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ ہم سب کو چند بیوقوفوں کے عمل کی وجہ سے ہلاک کر دیں۔ اس جگہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا اس لئے ذکر کیا کہ ان ستر آدمیوں کی اس طرح غائبانہ ہلاکت کا نتیجہ یہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ہاتھوں ہلاک کئے جائیں۔

پھر عرض کیا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ محض آپ کا امتحان ہے جس کے ذریعہ آپ بعض لوگوں کو گمراہ کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شکایت و ناشکری کرنے لگیں۔ اور بعض لوگوں کو ہدایت پر قائم رکھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں اور مصلحتوں کو سمجھ کر مطمئن ہو جاتے ہیں، میں بھی آپ کے فضل سے آپ کے حکیم ہونے کا علم رکھتا ہوں لہذا اس امتحان میں میں مطمئن ہوں اور آپ ہی تو ہمارے خبر گیر ہیں، ہم پر مغفرت اور رحمت فرمائیے، اور آپ سب معافی دینے والوں سے زیادہ معافی دینے والے ہیں، اس لئے ان کی اس گستاخی کو بھی معاف کر دیجئے چنانچہ وہ سب لوگ صحیح سالم اٹھ کھڑے ہوئے۔

اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ستر آدمی جن کا ذکر اس آیت میں ہے، وہ نہیں جنہوں نے ”ارنا للہ جہرۃ“ کی درخواست کی تھی، اور وہ صاعقہ کے ذریعہ ہلاک کئے گئے تھے بلکہ یہ وہ لوگ تھے جو خود تو گوسالہ پرستی میں شریک نہ تھے مگر قوم کو اس حرکت سے روکنے کی کوئی کوشش بھی نہ کی تھی اس کی سزا میں ان پر زلزلہ آیا اور بے ہوش ہو گئے واللہ اعلم بہر حال یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي

وہ جو (محمد ﷺ) رسول (اللہ) کی، جو نبی اُمی ہیں، پیروی کرتے ہیں جن (کے اوصاف) کو وہ اپنے ہاں

يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ

تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں

وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ

اور بُرے کام سے روکتے ہیں اور پاک چیزوں کو اُن کیلئے حلال کرتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو اُن پر حرام ٹھہراتے ہیں

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَاَلَّذِينَ آمَنُوا بِهِ

اور اُن پر سے بوجھ اور طوق جو اُن (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں تو جو لوگ ان پر ایمان لائے

وَعَزَّزُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ ۗ أُولَٰئِكَ هُم

اور ان کی رفاقت کی اور انہیں مدد دی اور جو نور ان کیساتھ نازل ہوا ہے اس کی پیروی کی، وہی

الْمُفْلِحُونَ ﴿٧٨٢﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ

مرا دپانے والے ہیں (اے محمد ﷺ!) کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا (یعنی اُس کا رسول) ہوں

جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي

(وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی زندگی بخشتا

وَيُمِيتُ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ

اور وہی موت دیتا ہے تو اللہ پر اور اُس کے رسول پیغمبر اُمی پر، جو اللہ پر اور اُس کے تمام کلام پر ایمان رکھتے ہیں،

وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٧٨٣﴾ إِن قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ

ایمان لاؤ اور اُن کی پیروی کرو تا کہ ہدایت پاؤ اور قوم موسیٰ میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو حق کا راستہ بتاتے اور اسی کیساتھ

يَعْدِلُونَ ﴿۱۴۰﴾ وَطَعَنَاهُمْ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا

انصاف کرتے ہیں اور ہم نے ان کو (یعنی بنی اسرائیل کو) الگ الگ کر کے بارہ قبیلے (اور) بڑی بڑی جماعتیں بنا دیا

وَإِذْ حِينَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ أَنْ اَضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ

اور جب موسیٰ سے اُن کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو

فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ

تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا اور ہم نے اُن (کے سروں)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلْوٰى كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ

پر بادل کو سا تباہ بنائے رکھا اور اُن پر من و سلوی اتارتے رہے (اور اُن سے کہا کہ) جو پاکیزہ چیزیں

مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۴۱﴾

ہم تمہیں دیتے ہیں اُنہیں کھاؤ اور اُن لوگوں نے ہمارا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ (جو) نقصان (کیا) اپنا ہی کیا

وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ

اور جب اُن سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کر لو اور اس میں جہاں سے جی چاہے کھانا (پینا)

وَقُولُوا حِطَّةٌ وَاَدْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتِكُمْ

اور (ہاں شہر میں جانا تو) حطّۃ (توبہ) کہنا اور دروازے میں داخل ہونا تو سجدہ کرنا ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے

سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴۲﴾ لِيَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ

اور نیکی کرنے والوں کو اور زیادہ دیں گے۔ مگر جو اُن میں ظالم تھے اُنہوں نے اس لفظ کو جس کا اُنہیں حکم دیا گیا تھا

لَهُمْ فَارْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۱۴۳﴾

بدل کر اُس کی جگہ اور لفظ کہنا شروع کیا تو ہم نے اُن پر آسمان سے عذاب بھیجا اس لئے کہ ظلم کرتے تھے

وَسَأَلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ

اور ان سے اُس گاؤں کا حال تو پوچھو جو بکر دریا واقع تھا جب یہ لوگ ہفتے کے دن کے بارے میں

إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيَتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرْعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ

حد سے تجاوز کرنے لگے (یعنی) اس وقت کہ ان کے ہفتے کے دن مچھلیاں ان کے سامنے پانی کے اوپر آتیں

كَذَلِكَ نَبُؤُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿۴۳﴾

اور جب ہفتے کا دن نہ ہوتا تو نہ آتیں، اسی طرح ہم ان لوگوں کو ان کی نافرمانیوں کے سبب آزمائش میں ڈالنے لگے اور

قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا

جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کر دینے والا یا سخت عذاب دینے والا ہے

قَالُوا مَعُومَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۴۴﴾

تو انہوں نے کہا کہ اس لئے کہ تمہارے رب کے سامنے معذرت کر سکیں اور عجیب نہیں کہ وہ پرہیزگاری اختیار کریں [۴۴]

[۴۳] قصص کے اختتام پر اصحاب سبت کا واقعہ ذکر فرمایا اور اس سے مقصود تنخوف دنیوی ہے ”القریہ“ سے ایلہ

مراد ہے، جو مدین اور طور کے درمیان سمندر کے کنارے پر واقع تھا، ہفتہ کا دن دین موسوی میں قابل تعظیم تھا، اور اس

دن میں مچھلی کا شکار ان کے لئے جائز نہیں تھا، لیکن ابتلا و امتحان کے لئے اللہ کے حکم سے ہفتہ کے دن مچھلیاں پانی کے

اوپر کنارے سے بالکل قریب کثرت سے آجاتیں۔ اور باقی ایام میں غائب رہتیں۔ اس صورت حال کو دیکھ کر انہوں

نے یوم سبت کی تعظیم کو بالائے طاق رکھ کر مچھلی کا شکار کرنا شروع کر دیا، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ابلیس نے ان کو یہ

حیلہ بتایا کہ وہ سمندر کے کنارے حوض بنا لیں اور جمعہ کے دن مچھلیوں کو ہانک کر حوض میں ڈال دیا کریں، اور اتوار کے

دن پکڑ لیا کریں، چنانچہ انہوں نے اس حیلے سے اللہ کے حکم کو توڑا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا اور وہ سب

بندر بن گئے۔

ان لوگوں میں تین جماعتیں تھیں پہلی جماعت ہفتہ کے دن شکار کرتی تھی، دوسری جماعت ان کو اس سے منع

کرتی تھی، اور تیسری جماعت نہ شکار کرتی تھی اور نہ شکار کرنے والوں کو منع کرتی تھی، بلکہ منع کرنے والوں سے بھی کہتی تھی کہ تم خوب جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ان کو ہلاک کرنے والا یا شدید عذاب میں مبتلا کرنے والا ہے۔ اس لئے ان کو وعظ و نصیحت کر کے کیوں دماغ سوزی کرتے ہو۔، قالوا معذرة الی ربکم،، تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو اللہ کے سامنے بطور معذرت ان کو اس فعل قبیح سے روکتے ہیں تاکہ نبی عن المنکر کا جو فریضہ ہمارے ذمہ ہے اس میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ نیز ممکن ہے کہ وہ اس فعل سے باز آجائیں ”معذرة“، فعل مقدر یعنی نعتذر کا مفعول مطلق ہے۔ قال جمهور المفسرین ان بنی اسرائیل افتقرت ثلث فرق.. فرقة عصت وصادت، و فرقة نهت واعتزلت، و فرقة اعتزلت ولم تنه ولم تعص، وان هذه الطائفة قالت للناهیة ﴿لم تعظون قوما الله مهلكهم او معذبهم عذابا شديدا﴾ (قرطبی)۔

یہاں ”نسوا“ بمعنی ترکوا ہے، یعنی انہوں نے اپنی قوم کے صلحاء اور ناصحین کی پند و نصیحت کو چھوڑ دیا اور اس سے بالکل یہ اعراض کر لیا، تو برائی سے روکنے والوں کو تو ہم نے بچالیا مگر ان ظالموں کو جو سرکشی اور نافرمانی کرتے تھے اور ناک عذاب سے پکڑ لیا۔ ”فلما عتوا“ جب وہ اللہ کی نافرمانی میں حد سے بڑھ گئے اور ان کا انکار ضد و عناد کی حد کو پہنچ گیا تو ہم نے ان کی شکلیں مسخ کر دیں اور ان کو بندر بنا دیا۔

ابن کثیر نے یہاں عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک روایت نقل کیا ہے: عکرمہ کہتے ہیں کہ ایک دن میں ابن عباسؓ کے پاس آیا، وہ آبدیدہ تھے، اور مصحف ان کی گود میں تھا، میں اس بات کو اہم سمجھ کر ان کے پاس گیا۔ آگے بڑھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا، اور پوچھا آپ کیوں رورہے ہیں؟ انہوں نے کہا قرآن کے یہ ورق رلا رہے ہیں، سورہ اعراف زیر تلاوت تھی کہنے لگے ایلہ کیا ہے جانتے ہو؟ میں نے کہا ہاں وہ کہنے لگے ایلہ میں یہود لوگ بستے تھے، انہیں ہفتہ کے روز مچھلی کے شکار کی ممانعت تھی، ان کے آزمائش کے لئے مچھلیوں کو حکم ہوا کہ وہ صرف ہفتہ کے دن ہی نکلیں۔ ہفتہ کے دن دریا مچھلیوں سے پر رہتے تھے۔ تروتازہ، موٹی اور عمدہ بہ کثرت مچھلیاں پانی کے اوپر کودتی پھاندتی رہتی تھیں۔ ہفتہ کے سوا دوسرے دنوں میں سخت کوشش کے بعد ملتی تھیں۔ کچھ دنوں تو یہ لوگ اللہ ہی کی عظمت کرتے رہے، اور انہیں پکڑنے سے رکے رہے۔ لیکن پھر شیطان نے ان کے دلوں میں یہ قیاس ڈال دیا کہ ممانعت تو ہفتہ کے روز مچھلیوں کے کھانے کی ہے تم ہفتہ کو انہیں پکڑ سکتے ہو لیکن کھا نہیں سکتے، دوسرے روز کھا لینا۔ یہ خیال ایک جماعت کا ہو گیا لیکن دوسری جماعت نے کہا کہ کھانے اور پکڑنے دونوں کی ممانعت ہے، غرض یہ کہ اس بحث کے بعد جمعہ کا دن آیا تو یہ لوگ

اپنی عورتوں اور بچوں کو لئے ہوئے نکلے، انکی سیدھی طرف رکنے والے جماعت تھی جو ان سے الگ رہی اور بائیں طرف دوسری جماعت تھی جس نے خاموشی اختیار کر لی، سیدھی جانب والوں نے کہا دیکھو! ہم تمہیں منع کرتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مستحق بن جاؤ، اور بائیں طرف والوں نے کہا کہ، ارے اس ہلاک ہونے والی اور بتلائے عذاب ہونے والی لوگوں کو کیا نصیحت کر رہے ہو، یہ کہیں ماننے والی ہیں؟ اصحاب یمن نے کہا اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کرے اس لئے ہم روک رہے ہیں کہ شاید رک جائیں، ہماری تو دلی خواہش ہے کہ وہ گرفتار عذاب نہ ہوں، اگر وہ باز آئے تو اللہ تعالیٰ معاف کرے۔

لیکن وہ لوگ خطا پر قائم رہے تو انہوں نے کہا اے دشمنان رب آخر تم نے نہ مانا، اللہ تعالیٰ کی قسم ہم کو تو اندیشہ ہے کہ تم کو دن بھی نہ نکلے گا، یا تو زمین میں دھنسا دیئے جاؤ گے یا بھتر برس پڑیں گے، یا ایسا ہی کوئی اور عذاب، یہ منع کرنے والے اور چپ رہنے والے عذاب اللہ سے ڈر کر شہر سے باہر ہی رہ گئے اور یہ گناہ گار شہر کے اندر رہے۔ شہر پناہ کا دروازہ اندر سے لگا لیا اب باہر رہنے والے صبح ہی، فصیل کے دروازے پر پہنچے، لوگ باہر نکلے ہوئے نہیں تھے دروازہ اندر سے بند تھا بہت کچھ کٹھایا اوازیں دیں، لیکن کچھ جواب نہ ملا، اب فصیل کے دیوار کے اوپر سیڑھیاں لگا کر چڑھے، دیکھا کہ یہ سب بند رہے ہوئے ہیں، ان کی لمبی لمبی دیں ہیں، اب شہر پناہ کا دروازہ کھولا، اندر داخل ہوئے، ان بندروں نے اپنے عزیزوں کو پہچان لیا، لیکن انسانوں نے اپنے عزیز بندروں کو نہیں پہچانا، یہ بندرزدیک آتے، ان کے پاؤں پر لوٹتے، تو انسان ان سے کہتے کہ کیا ہم تم کو منع نہیں کرتے تھے؟ تو سر ہلا کر کہتے کہ ہاں۔

پھر ابن عباسؓ نے یہ ایت پڑھی کہ جب انہوں نے نصیحت نہ مانی تو منع کرنے والوں کو ہم نے بچا لیا اور ظالموں کو مبتلائے عذاب کر دیا۔

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ منع کرنے والوں کو تو میں جانتا ہوں کہ نجات پا گئے، لیکن دوسروں کے بارے میں ایسا نہیں سمجھتا، مصیبت تو یہ ہے کہ ہم بھی لوگوں کو گناہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن انہیں کچھ نہیں کہتے، تو عکرمہؓ کہتے ہیں کہ میں نے کہا میں آپ پر فدا، یہ دوسرے بھی تو ان گنہگاروں سے بہت ناراض تھے، اور ان کی مخالفت کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ اس ہلاک ہونے والی قوم کو نصیحت کر کے کیا کرو گے؟ اس سے ظاہر ہے کہ وہ عذاب میں شریک نہیں بنائے جاسکتے، تو ابن عباسؓ نے خوش ہو کر مجھے دو اچھے کپڑے انعام میں دیئے کہتے ہیں کہ مچھلیاں ہفتہ کے روز ساحل

فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ
جب انہوں نے ان باتوں کو فراموش کر دیا جن کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو جو لوگ بُرائی سے منع کرتے تھے

وَآخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بَعْدَ بَيِّنَاتٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٤٤﴾
اُن کو ہم نے نجات دی اور جو ظلم کرتے تھے اُن کو بُرے عذاب میں پکڑ لیا کہ نافرمانی کئے جاتے تھے

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ

پس جن اعمال (بد) سے اُن کو منع کیا گیا تھا جب وہ اُن (پر اصرار اور ہمارے حکم سے) گردن کشی کرنے لگے

قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٤٤﴾ وَإِذِ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لِيُبَعِثَنَّ عَلَيْهِمُ
تو ہم نے اُن کو حکم دیا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ۔ اور جب تمہارے رب نے (یہود کو) آگاہ کر دیا تھا کہ وہ

إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ
اُن پر قیامت تک ایسے شخص کو مسلط رکھے گا جو ان کو بُری بُری تکلیفیں دیتا رہے بیشک تمہارا رب جلد عذاب کرنے والا ہے

وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٤٥﴾ وَطَعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَّمًا مِّنْهُمْ الصَّالِحُونَ
اور وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے۔ اور ہم نے ان کو جماعت جماعت کر کے ملک میں منتشر کر دیا؛ بعض ان میں سے نیکوکار ہیں

وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ وَبَلَّوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ
اور بعض اور طرح کے (یعنی بدکار) اور ہم آسانشوں اور تکلیفوں (دونوں) سے ان کی آزمائش کرتے رہے

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٤٨﴾ خَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ
تا کہ (ہماری طرف) رجوع کریں۔ پھر ان کے بعد ناخلف ان کے قائم مقام ہوئے جو کتاب کے وارث بنے

يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا
یہ (بے تامل) اس دنیائے ادنیٰ کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بخش دیئے جائیں گے

وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرْضٌ مِّثْلَهُ بِأَخْذِوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ

اور (لوگ ایسوں پر طعن کرتے ہیں) اگر ان کے سامنے بھی ویسا ہی مال آجاتا ہے تو وہ بھی اُسے لے لیتے ہیں کیا ان سے کتاب کی نسبت عہد نہیں لیا گیا

أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالِدَارُ الْآخِرَةُ

کہ اللہ پر سچ کے سوا اور کچھ نہیں کہیں گے اور جو کچھ اس (کتاب) میں ہے اُس کو انہوں نے پڑھ بھی لیا ہے، اور آخرت کا گھر

خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۴۹﴾ الَّذِينَ يُمْسِكُونَ بِالْكِتَابِ

پر ہیزگاروں کیلئے بہتر ہے، کیا تم سمجھتے نہیں؟ - اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نَضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿۱۵۰﴾

اور نماز کا التزام کرتے ہیں (ان کو ہم اجر دیں گے کہ) ہم نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے

وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ

اور جب ہم نے اُن (کے سروں) پر پہاڑ اٹھا کھڑا کیا گویا وہ ساہن تھا اور انہوں نے خیال کیا کہ وہ اُن پر گرتا ہے

خَذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۵۱﴾

تو (ہم نے کہا کہ) جو ہم نے تمہیں دیا ہے اسے زور سے پکڑے رہو اور جو اس میں لکھا ہے اُس پر عمل کرو تا کہ بچ جاؤ

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ

اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھ سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کرا لیا

عَلَىٰ أَنفُسِهِمُ الَّتِي بَرَّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنْ تَقُولُوا

کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کیوں نہیں، ہم گواہ ہیں

يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ ﴿۲۳﴾ اَوْ تَقُولُوا اِنَّمَا اَشْرَكَ اَبَاؤُنَا

کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔ [۵] یا یہ نہ کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے بڑوں نے کیا تھا

مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفْتَهَلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۲۴﴾

اور ہم تو اُن کی اولاد تھے (جو) اُن کے بعد (پیدا ہوئے) تو کیا جو کام اہل باطل کرتے رہے اُس کے بدلے تو ہمیں ہلاک کرتا ہے

وَكَذٰلِكَ نَفْصَلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۵﴾ اَوْ تَقُولُوا اِنَّمَا عَلَّمَنَا نَبَا الَّذِي

اور اسی طرح ہم (اپنی) آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ رجوع کریں۔ اور ان کو اُس شخص کا حال پڑھ کر سنا دو

[۵] جملہ (من ظہورہم) جملہ ”من بنی آدم“ سے بدل ہے اور ”ذریعتہم“ ”اخذ“ کا مفعول ہے، یعنی

اولاد آدم سے ان کی اولاد کو پیدا کیا، اور سب سے عہد لیا ”الست بربکم“ کیا میں تمہارا پروردگار اور مالک نہیں ہو؟ بے

شک تو ہمارا رب ہے ہم سب اس کا اقرار کرتے ہیں کہ تو ہمارا رب اور اور معبود ہے۔ والمعنی شہدنا انک

ربنا والہنا (قرطبی) یہ عہد کب لیا گیا؟ عام طور پر مفسرین نے لکھا ہے کہ عہد عالم ارواح میں لیا گیا اس طرح کہ آدم علیہ

السلام کی پشت سے ان کی تمام اولاد کی روجوں کو نکال کر ان سے اقرار لیا گیا۔ جناب شیخ فرماتے تھے کہ یہ عہد ہر شخص سے

اس کی پیدائش کے وقت لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر شخص اپنی فطرت کے لحاظ سے موحد ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

فطرتہ اللہ النبی فطر الناس علیہا لا تبدل لخلق اللہ (روم: ۳۰)۔ اسی طرح ایک جگہ فرمایا: ولئن سئلتمہم من

خلقہم ليقولن اللہ (زخرف: ۸۷) یہ اللہ کے خالق و مالک ہونے کا سبق ان کو پیدائش کے وقت ہی سے ملا تھا۔ یہ

اصل میں، کراہۃ ان تقولوا، بالثلاث تقولوا، تھا، یعنی یہ عہد ربو بیت اس لئے لیا، تاکہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم

تو توحید سے بالکل بے خبر تھے، اور ہم کو اس کا بالکل علم ہی نہ تھا، ”او تقولوا“ یہ پہلے تقولوا پر معطوف ہے، اور نہ یہ

عذر پیش کر سکو کہ شرک کے اصل بانی تو ہمارے باپ و دادا تھے، ہم ان کے بعد پیدا ہوئے اور ہم نے محض ان کی

دیکھا دیکھی شرک کیا، اس لئے ان کے فعل کی وجہ سے ہمیں کیوں ہلاک کرتا ہے۔ اس عذر کو ختم کرنے کے لئے ہم نے

ہر ایک سے عہد لیا۔

اور مسلم بن یسار نے فرمایا کہ عمرؓ سے اس آیت کے متعلق سوال کیا گیا: فقال عمرؓ سمعت رسول

اللہ ﷺ یسأل عنها؟ فقال ان الله خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه، فاستخرج منه ذريةً، فقال خلقت هؤلاء للجنة، ويعمل اهل الجنة يعملون، ثم مسح ظهره ببيده، فاستخرج منه ذريةً، فقال خلقت هؤلاء للنار، ويعمل اهل النار يعملون، فقال رجل فقيم العمل يا رسول الله؟ فقال رسول الله ﷺ ان الله اذا خلق العبد للجنة استعمله بعمل اهل الجنة، حتى يموت على عمل من اعمال اهل الجنة، فيدخله به الجنة، واذا خلق العبد للنار، استعمله بعمل اهل النار حتى يموت على عمل من اعمال اهل النار، فيدخله به النار، ابو داود: ۴۷۰۴، ۴۷۰۳، في السنن الترمذی ۳۰۷۵، والنسائی فی الكبرى: ۱۱۱۹۰، فی التفسیر، وصححه الحاكم ۳۵۲/۲، وقال الترمذی حسن.

انہوں نے کہا! کہ جب اس آیت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا تو میں نے آپ ﷺ کو فرماتے سنا! کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، پھر ان کی پیٹھ پر داہنا ہاتھ پھیرا، اور اس میں سے ان کی اولاد نکالی، اور فرمایا! کہ میں نے ان کو جنت کے لئے اور جنتیوں کے سے اعمال کرنے کے لئے جو وہ کریں گے پیدا کیا ہے، پھر آپنا ہاتھ آدم علیہ السلام کی پشت پر پھیرا، اور اس میں سے ان کی اولاد نکالی اور فرمایا: کہ میں نے ان کو دوزخ کے لئے اور دوزخیوں کے سے کام کرنے کے لئے جو وہ کریں گے پیدا کیا ہے، یہ سکر ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ پھر عمل کی کیا ضرورت ہے؟ نبی ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو جنت کے لئے پیدا کرتا ہے تو اس سے جنتیوں ہی کے سے عمل کراتا ہے، یہاں تک کہ اس بندہ کی وفات جنتیوں جیسے عمل پر ہو جاتی ہے، چنانچہ حق تعالیٰ ان اعمال کی بناء پر اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے، اور جب کسی بندہ کو دوزخ کے لئے پیدا کرتا ہے تو اسے دوزخیوں کے سے اعمال صادر کراتا ہے، یہاں تک کہ وہ اہل دوزخ جیسے اعمال پر مرجاتا ہے، لہذا اسے ان اعمال کی بناء پر دوزخ میں ڈال دیتا ہے۔

یہ عہد میثاق عالم ارواح میں ہوا تھا، جیسا کہ دیگر احادیث میں آتا ہے، کہ حق تعالیٰ نے تمام روحوں کو جواز سے لیکر ابد تک دنیا میں آنے والی تھیں، ننھی ننھی چیونٹیوں کی شکل میں جمع کیا، اور پھر ان کو عقل و دانائی بھی عنایت فرمائی، اور اپنی ربوبیت والوہیت کا سب سے اقرار کرایا۔



آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَوِينَ ﴿۱۷۵﴾ ﴿۱۷۶﴾

جس کو ہم نے اپنی آیتیں عطا فرمائیں تو اُس نے اُن کو اتار دیا پھر شیطان اُس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں ہو گیا [۶]

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ

اور اگر ہم چاہتے تو اُن آیتوں سے اس (کے درجے) کو بلند کر دیتے مگر وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا

[۶] یہ ان کے قول کے رد کی چوتھی وجہ ہے، یعنی اگر وہ بخشنے ہوئے ہوتے اور ان کو کسی عمل خیر کی حاجت اور گناہوں سے بچنے کی ضرورت نہ ہوتی تو ان ہی میں سے ایک نیک اور پارسا آدمی کو اس کے گناہ عظیم کی وجہ سے ہم ذلت کے گھڑے میں کیوں ڈال دیتے، ان آیتوں میں بلعم بن باعور کے قصے کی طرف اشارہ ہے، بلعم بن باعور اپنی اسرائیل میں سے تھا، اور اس کے پاس اسمانی کتاب کا علم تھا وہ بہت نیک اور صالح تھا کہتے ہیں وہ اسم اعظم جانتا تھا اس لئے بہت مستجاب الدعوات تھا بعد میں دولت کے لالچ اور اپنی بیوی کے بہکانے سے آیات و ہدایات کو چھوڑ کر گمراہ ہو گیا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے جبارین سے جہاد کا ارادہ کیا، تو وہ بلعم کے پاس آئے، اور اس سے موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کرنے کی درخواست کی، پہلے تو اس نے انکار کیا، اور کہا کہ موسیٰ علیہ السلام، اللہ کا رسول ہے، اور اس کے ساتھ فرشتے اور مومنین ہیں اس لئے میں اس پر کس طرح بددعا کر سکتا ہوں اخراں کے اصرار اور کچھ تحفے تحائف پیش کرنے پر اور بیوی کے بہکانے پر وہ مان گیا جو نہیں اس نے اللہ کے نبی کے خلاف زبان کھولی۔ اللہ نے اس کی ساری روحانیت سلب کر لی۔ تمام کمالات زائل ہو گئے ایمان سے محروم کر دیا گیا اور اس کی زبان منہ سے نکل کر نیچے لٹک گئی جس طرح شدت گرمی کی وجہ سے کتے کی زبان باہر نکل آتی ہے اور وہ ہانپنے لگتا ہے اس میں اس کی ذلت کا اظہار ہے۔

یعنی وہ دنیا کی طرف مائل ہو گیا ای رکن الی الدنیا و مال الیہا (روح). ذلت و دنائت طبع میں اس کی مثال بالکل کتے کی سی ہے کہ اگر تم اس پر حملہ کرو اور بھگاؤ تو بھی وہ ہانپتا ہے، اور اگر اسے آزاد چھوڑ دو تو بھی وہ ہانپتا ہے یعنی زبان باہر لٹکا کر ہانپنا اس کی طبعی عادت ہے۔ اسی طرح بلعم بن باعور کی زبان لٹک گئی تھی۔

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَتْرُكُهُ يَلْهَثُ

اور اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑا تو اُس کی مثال کتے کی سی ہو گئی کہ اگر سختی کرو تو زبان نکالے رہے

ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا فَاقْصِصْ الْقِصَصَ لَعَلَّهُمْ

اور یونہی چھوڑ دو تو بھی زبان نکالے رہے یہی مثال ان لوگوں کی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تو (ان سے) یہ قصہ

يَتَفَكَّرُونَ ﴿٤٧﴾ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوا

بیان کر دوتا کہ وہ فکر کریں۔ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی اُن کی مثال بُری ہے اور انہوں نے نقصان (کیا تو)

يَظْلِمُونَ ﴿٤٨﴾ يَهْدِي اللهُ فَوْهُ الْمُهْتَدِي وَمَنْ يُضِلْ فَاُولَئِكَ هُم

اپنا ہی کیا۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس کو گمراہ کرے تو ایسے ہی لوگ

الْخٰسِرُونَ ﴿٤٩﴾ وَقَدْ ذَرٰنَا لِحٰجَتِهِمْ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اور ہم نے بہت سے جن اور انسان دوزخ کیلئے پیدا کئے ہیں،

لَهُمْ قُلُوْبٌ لَا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَا

اُس کے دل ہیں لیکن اُس سے سمجھتے نہیں اور اُس کی آنکھیں ہیں مگر اُس سے دیکھتے نہیں اور اُس کے کان ہیں

يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولَئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولَئِكَ هُم

پر اُس سے سنتے نہیں یہ لوگ (بالکل) چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ اُن سے بھی بھٹکے ہوئے، یہی وہ ہیں جو

الْغٰفِلُوْنَ ﴿٥٠﴾ وَاللّٰهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَاَدْعُوْهُ بِهَا وَذَرُوْا الَّذِيْنَ

غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اور اللہ کے سب نام اچھے ہی اچھے ہیں تو اُس کو اُس کے ناموں سے پکارا کرو

يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۸۰﴾

اور جو لوگ اُس کے ناموں میں کجی کرتے ہیں اُن کو چھوڑ دو، وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اُس کی سزا پائیں گے [۷]

[۷] ادھر دو مسئلے بیان کرنا ضروری ہے ایک اسماء حسنیٰ، دوسرا اللہ کے ناموں میں الحاد، اس لئے کہ دونوں مسئلے از حد ضروری ہے، اللہ تعالیٰ کے اسماء کسی مخصوص و معین تعداد میں محصور نہیں، کیونکہ حدیث مشہور میں ہے: اسألک بكل اسم هو لک سمیت به نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احد امن خلقک، او استأثرت به فی علم الغیب عندک (الحديث) (مسند احمد ۱/۳۹۱، ۲۵۲، وغیرہ)۔ اے اللہ میں تجھ سے تیرے نام کے واسطے سے دعا کرتا ہوں، وہ نام جو تو نے اپنی ذات کیلئے اختیار کیا ہے، یا وہ نام جو تو نے اپنی کتاب میں نازل کیا ہے۔ یا وہ نام جو تو نے اپنی مخلوقات میں سے کسی کو سکھایا ہے۔ یا وہ نام جو تو نے اب تک اپنے خزانہ غیب میں محفوظ فرما کر رکھے ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ اسماء و صفات (نام) اس کے خزانے غیب میں محفوظ ہیں، اور جو چیز اللہ کے علم غیب میں ہو، اس کا حصر و احاطہ کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث: ان لله تسعة وتسعين اسمًا، مائة الا و احدا، من احصاها دخل الجنة۔ ترجمہ بے شک اللہ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں، ایک کم سو، جس شخص نے ان ناموں کو یاد کیا وہ جنت میں داخل ہوگا (بخاری مع الفتح ۱/۲۱۸)۔ صحیح مسلم مع المفہم ۷/۱۴)۔

اس حدیث میں جو کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (۹۹) نام ہیں، تو اس سے حصر اور تحدید مراد نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے بس اتنے ہی نام ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بہت سارے نام ہیں، جبکہ حدیث کے الفاظ اس طرح نہیں وارد ہوئے، بلکہ حدیث کے الفاظ کو دیکھتے ہوئے معنی اس طرح ہوتا ہے: اللہ تعالیٰ کے ناموں کی اس تعداد (۹۹) کی شان یہ ہے کہ جو انہیں پڑھنے کا حق ادا کرے گا وہ جنت میں جائیگا، اس مفہوم کے مطابق حدیث کے الفاظ من احصاها دخل الجنة۔ مستقل جملہ نہیں بلکہ سابقہ جملے کی تکمیل ہے۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ آپ کہیں، میرے پاس سو درہم ہیں جو میں نے صدقہ کے لئے رکھے ہیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ کے پاس سو درہم نہیں ہیں، جو آپ نے صدقہ کے لئے نہیں رکھے۔ واضح ہو کہ ان ناموں کی تعیین کے سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے کوئی حدیث ثابت نہیں

ہے۔ اور جو حدیث بسلسلہ تعین پیش کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ ۳۸۲/۹، میں فرماتے ہیں: اہل الحدیث کا اتفاق ہے کہ ۹۹ ناموں کی تعین کے سلسلہ میں جو حدیث پیش کی جاتی ہے وہ نبی کریم ﷺ کے قول سے نہیں ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ ۹/۳۷۹، پر مزید فرماتے ہیں: یہ نام ولید نامی راوی نے اپنے بعض شامی شیوخ سے ذکر کئے ہیں، جیسا کہ بعض طرق حدیث میں یہ واضح طور پر آیا ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری: ۲۲۵/۱۱، میں فرمایا ہے اس حدیث کے ضعف کے سلسلہ میں علت صرف ولید کا تفرّد نہیں ہے، بلکہ نقل متن میں اختلاف واضطراب، تدلیس اور احتمال اور اج، یہ ساری علتیں ہو سکتی ہیں۔ اب چونکہ ان ننانوے ناموں کی تعین نبی کریم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت نہیں ہے، لہذا سلف صالحین سے اس تعین کے سلسلہ میں خاصہ اختلاف منقول ہے اور بہت سے اقوال وارد ہیں۔ کتاب اللہ سے ننانوے نام جو سفیان ثوری پر ظاہر ہوئے، انہیں جمع کر کے آپ کے خدمت میں پیش کر رہے ہیں: سورۃ فاتحہ میں:

(۱) (اللہ) (۲) الرب (۳) الرحمان (۴) الرحیم (۵) المالک، اور سورۃ بقرہ میں (۶) المحيط
(۷) القدیر (۸) العلیم (۹) الحکیم (۱۰) التواب (۱۱) البصیر (۱۲)
الواسع (۱۳) البدیع (۱۴) السميع (۱۵) الکافی (۱۶) الرؤوف (۱۷) الشاکر (۱۸) القیوم
(۱۹) العلی (۲۰) المعظیم (۲۱) الولی (۲۲) الغنی (۲۳) الحمید.
(۲۴) القابض (۲۵) الباسط، اور سورۃ آل عمران میں (۲۶) القائم (۲۷) الوهاب (۲۸)؛ سریع
الحساب (۲۹) الخبیر، اور سورۃ نساء میں (۳۰) الرقیب (۳۱) الحسیب (۳۲) الشہید (۳۳)
الغفور (۳۴) المعین (۳۵) الوکیل، اور سورۃ النعام میں (۳۶) الفاطر (۳۷) الظاہر (۳۸)
القادر (۳۹) اللطیف (۴۰) شفیع، اور سورۃ اعراف میں (۴۱) المحیی (۴۲) الممیت
(۴۳) خیر الحاکمین، اور سورۃ انفال میں (۴۴) نعم المولی (۴۵) نعم النصیر، اور سورۃ ہود میں
(۴۶) الحفیظ (۴۷) أحکم الحاکمین (۴۸) القریب (۴۹) القوی (۵۰) الممجیب (۵۱) الودود
(۵۲) فعّال، اور سورۃ یوسف میں (۵۳) الواحد (۵۴) القہّار، اور سورۃ الرعد میں (۵۵) الکبیر
(۵۶) المتعال، اور سورۃ ابراہیم میں (۵۷) المنّان، اور سورۃ حجر میں (۵۸) الخلاق، اور سورۃ اسماء

میں (۵۹) الحلیم، اور سورۃ مریم میں (۶۰) الصادق (۶۱) الوارث، (۶۲) الحفی اور سورۃ طہ میں (۶۳) الملک، اور سورۃ حج میں (۶۴) الباعث، اور سورۃ المؤمنون میں (۶۵) الکریم (۶۶) أحسن الخالقین، اور سورۃ النور میں (۶۷) الحق (۶۸) المبین (۶۹) النور، اور سورۃ الفرقان میں (۷۰) الہادی، اور سورۃ سبأ میں (۷۱) الفتح، اور سورۃ المؤمن میں (۷۲) غافر الذنب (۷۳) قابل التوب (۷۴) شدید العقاب (۷۵) ذو الطول، اور سورۃ الذاریات میں (۷۶) الرزاق (۷۷) المتین، اور سورۃ طور میں (۷۸) البر، اور سورۃ القمر میں (۷۹) الملک (۸۰) المقتدر، اور سورۃ الرحمن میں (۸۱) ذو الجلال (۸۲) ذو الاکرام، اور سورۃ الحديد میں (۸۳) الاول (۸۴) الآخر (۸۵) الباطن، اور سورۃ الذاریات میں (۸۶) ذو القوۃ، اور سورۃ الحشر میں (۸۷) القُدوس (۸۸) السلام (۸۹) المؤمن (۹۰) المہیمن (۹۱) العزیز (۹۲) الجبار (۹۳) المتکبر (۹۴) الخالق (۹۵) الباری (۹۶) المصوّر، اور سورۃ البروج میں (۹۷) المبدی، اور سورۃ الاخلاص میں (۹۸) الاحد، (۹۹) الصمد۔

از کتاب السنۃ لابن الخلال: ۶/۷۴۔

اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد

الحاد سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں پر ایمان لانے سے متعلق جو واجب اور ضروری امور ہیں ان میں سے کسی امر سے انحراف کرنا۔ اس الحاد کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) یہ کہ اللہ تعالیٰ کے کسی نام کا انکار کر دیا جائے۔ یا وہ نام جن صفات و احکام پر دلالت کر رہے ہیں ان کا انکار کر دیا جائے۔ گمراہ فرقہ جہمیہ اس الحاد کا مرتکب تھا۔ ضروری تو یہ تھا کہ ان ناموں پر جو با ایمان لایا جاتا، نیز یہ نام جن احکام اور صفات لائقہ پر مشتمل ہیں ان پر ایمان لایا جاتا، لیکن اس گمراہ فرقے نے انکار کر کے اس الحاد و انحراف کا ارتکاب کیا۔

(۲) الحاد کی دوسری شکل یہ ہے کہ ان ناموں کی مدلول صفات باری تعالیٰ کو مخلوقات کی صفات کے مشابہ قرار دیا جائے، حالانکہ یہ تشبہ باطل ہے، اور یہ ممکن ہی نہیں کہ نصوص قرآن و حدیث اس تشبیہ پر دلالت کریں۔ بلکہ نصوص تو ہر قسم کی تشبیہ

کے باطل ہونے پر دال ہیں، تو جو یہ تشبیہ کا نظریہ اپنائے گا اس نے اسماء حسنیٰ میں الحاد و انحراف کا ارتکاب کیا۔

(۳) الحاد کی تیسری شکل یہ ہے کہ اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام رکھے، جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ذکر نہیں فرمایا، جیسا کہ نصاریٰ نے ذات باری تعالیٰ کو ”الاب“ یعنی باپ کا نام دیا فلاسفہ نے العلة الفاعلة کا نام دیا یہ سب الحاد ہے، اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں، لہذا اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کا کوئی نام تجویز کرنے والا الحاد و انحراف کا مرتکب قرار پائے گا۔ نیز ان گمراہ فرقوں نے اللہ تعالیٰ کے جو نام رکھے ہیں وہ سب کے سب فی نفسہ باطل ہیں، ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ان ناموں سے تنزیہ و پاکیزگی بیان کی جائے۔

(۴) الحاد کی چھوتی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے اپنے معبودوں کے نام اشتقاق کرنا، اس الحاد کے مرتکب مشرکین مکہ تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے نام ”العزیز“ سے اشتقاق کرتے ہوئے اپنے ایک معبود کا نام ”العزیز“ رکھ دیا، اور اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک ”الاله“ سے اشتقاق کرتے ہوئے اپنے ایک معبود کا نام ”اللات“ رکھ دیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام اس کے ساتھ مختص ہے۔ چنانچہ اس کا فرمان ہے: **اللہ لا اله الا هو له الاسماء الحسنی طہ: ۸۔** یعنی وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بہترین نام اسی کے ہیں، نیز فرمایا: ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ الاعراف: ۱۸۰۔ یعنی اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لئے ہیں، سو ان ناموں سے اللہ ہی کو موسوم کیا کرو، نیز فرمایا ﴿لِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی یَسْبَحُ لَهٗ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یعنی اس کے لئے نہایت اچھے نام ہیں، ہر چیز خواہ وہ آسمانوں میں ہو خواہ زمین میں، وہ اس کی پاکی بیان کرتی ہے، الحشر ۲۴۔

اب جس طرح اللہ تعالیٰ اپنی عبادت والوہیت کے ساتھ مختص ہے، نیز یہ بھی اس کا خاصہ ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی ہر چیز اس کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ اسی طرح اس کے تمام اسماء حسنیٰ اس کے ساتھ مختص ہیں۔ اور اس حقیقت پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس سے روگردانی کرتے ہوئے کسی غیر کو وہ نام دینا الحاد و انحراف ہی قرار پائے گا۔ واضح ہو کہ یہ الحاد اپنی تمام اقسام کے ساتھ حرام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ملحدین کو اس انداز سے تہدید و تنبیہ فرمائی: ﴿وَذُرُوا الَّذِیْنَ یَلْحَدُوْنَ فِیْ اَسْمَائِهِمْ سَیْجُزُوْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ یعنی اور ایسے لوگوں سے تعلق بھی نہ رکھو جو اس کے ناموں میں کج روی کرتے ہیں ان لوگوں کو ان کے کیئے کی ضرور سزا ملے گی (الاعراف: ۱۸۰)۔ بلکہ ادلہ شرعیہ کے بعض مقتضیات کے پیش نظر تو الحاد کی بعض صورتیں شرک یا کفر کے درجہ پر پہنچی ہوئی ہیں۔ (العیاذ باللہ)۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِينَ

اور ہماری مخلوقات میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی کیساتھ انصاف کرتے ہیں۔ اور جن لوگوں نے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸۲﴾ وَأُمْلَىٰ لَهُمْ

ہماری آیتوں کو جھٹلایا اُن کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ اُن کو معلوم ہی نہ ہوگا۔ اور میں اُن کو مہلت دینے جاتا ہوں

إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۸۳﴾ وَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جَنَّةٍ

میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔ کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ اُن کے رفیق (محمد ﷺ) کو (کسی طرح کا بھی) جنوں نہیں

إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۸۴﴾ لَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمَوَاتِ

ہے وہ تو ظاہر ظہور ڈر سنانے والے ہیں۔ کیا انہوں نے آسمان اور زمین کی بادشاہت میں

وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ

اور جو چیزیں اللہ نے پیدا کی ہیں اُن پر نظر نہیں کی اور اس بات پر (خیال نہیں کیا) کہ عجب نہیں اُن (کی موت)

قَدْ أَقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۵﴾

کا وقت نزدیک پہنچ گیا ہو تو اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے۔

مَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ

جس شخص کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرے اُس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور وہ ان (گمراہوں) کو چھوڑے رکھتا ہے کہ اپنی

يَعْمَهُونَ ﴿۸۶﴾ هَذَا نَذِيرٌ لَّكَ مِنَ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسَاهَا قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا

سرکشی میں پڑے بہکتے رہیں۔ (یہ لوگ) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اُس کے واقع ہونے کا وقت

عِنْدَ رَبِّي لَا يُجَلِّئُهَا لَوْ قَتَلْتُهَا إِلَّا هِيَ تَقُلْتُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

کب ہے؟ کہہ دو کہ اُس کا علم تو میرے رب ہی کو ہے وہی اُسے اُس کے وقت پر ظاہر کر دے گا، وہ آسمان اور زمین میں

لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً يَسْأَلُونَكَ كَانَتْ حَفِيٌّ عَنْهَا

ایک بھاری بات ہوگی اور ناگہاں تم پر آجائے گی۔ یہ تم سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا تم اُس سے بخوبی واقف ہو

قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸۷﴾

کہو کہ اُس کا علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن اکثر لوگ یہ نہیں جانتے۔ [۸]

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ

کہہ دو کہ میں اپنے فائدے اور نقصان کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا ہوتا

الْغَيْبِ لَا سْتَكْتَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ

تو بہت سے فائدے جمع کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو مومنوں کو ڈر اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔

[۸] یہ زجر ہے جب آپ قیامت سے ڈراتے ہیں تو ماننے کے بجائے الٹے ضد و عناد کی وجہ سے سوال کرنے لگتے

ہیں کہ وہ قیامت آئے گی کب۔ نبی کریم ﷺ سے علم قیامت کی نفی سات طریقوں سے کی گئی۔

پہلا طریقہ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ اس کے جواب میں صاف کہہ دیں ﴿انما علمها عند ربی﴾ کہ اس کا علم

اللہ ہی کو ہے کہ قیامت کب آئے گی۔

دوسرا طریقہ: ﴿لا یجلیہا لوقتہا الاہو﴾۔ جب اس کا وقت آپہنچے گا تو وہ خود ہی اس کو ظاہر فرمائے گا۔

تیسرا طریقہ: ﴿ثقلت فی السموات﴾ زمین و آسمان میں قیامت کے علم کا معاملہ بہت اہم ہے۔ زمین

و آسمان کی ساری مخلوق سے قیامت کا علم پوشیدہ ہے۔ اور ہر ایک کی تمنا ہے کہ اس کا علم اس پر منکشف ہو جائے۔ ای کل

من اہلہامن الملائکة و الثقلین اہمہ شان الساعة و یتمنی ان یتجلی لہ علمہا، و یشق علیہ

خفائہا (مدارک)۔ و المراد کبر و عظمت علی اہلہا حیث لم یعلموا وقت وقوعہا (روح المعانی)۔

چوتھا طریقہ: ﴿یسئلونک کانک حفی عنہا﴾ مشرکین قیامت کے بارے میں آپ سے اس طرح

سوال کرتے ہیں کہ گویا آپ اس کی تلاشی اور جستجو میں ہیں، اور اس کا علم حاصل کر چکے ہیں (ای عالم بھا کثیر السؤال

عنها) قرطبی.

پانچواں طریقہ: ﴿قل انما علمها عند اللہ﴾ دوبارہ تاکیدِ احکم دیا کہ آپ اعلان کر دیں کہ قیامت کا علم صرف اللہ ہی کے پاس ہے اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم تمام مخلوق سے پوشیدہ کر رکھا ہے، کیونکہ حکمت تشریحیہ کا اقتضا یہی ہے، اسی طرح انسان کی موت کے وقت کا علم مخفی ہے کیونکہ یہ چیز احکام الہی کی بجاوری اور گناہوں سے اجتناب میں زیادہ معاون و موثر ہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس علم کو کسی نبی مرسل اور ملک مقرب پر بھی ظاہر نہیں فرمایا: وانما اخفی سبحانه امر الساعة، لاقتضاء الحكمة التشريعية ذلك، فانه ادعى الى الطاعة وازجر عن المعصية، كما ان اخفاء الاجل الخاص للانسان كذلك، وظاهر الآيات انه عليه السلام لم يعلم وقت قيامها، نعم علم عليه السلام قربها على الاجمال (روح المعانی)۔

چھٹا طریقہ: قیامت کا علم تو درکنار وہ تو بہت بڑی بات ہے، میں تو اپنے نفع و نقصان کا مالک بھی نہیں ہوں، الا ماشاء اللہ، یہ استثناء منقطع ہے، یعنی جو کچھ اللہ چاہے، وہی ہوتا ہے۔ اس میں انتہائی عجز کا اظہار ہے، اور اس سے نبی ﷺ کا علم قیامت سے عجز کامل طور پر ثابت ہوتا ہے، ولکن ماشاء اللہ من ذلك كائن، فالاستثناء منقطع، وهذا ابلغ في اظهار العجز (ابو السعود). و الكلام مسوق لاثبات عجزه عن العلم بالساعة على اتم وجه (روح المعانی)۔

ساتواں طریقہ: یہ نبی ﷺ سے علم غیب کی نفی پر ایک واضح دلیل ہے، اگر میں غیب جانتا ہوتا تو دنیا کے تمام منافع حاصل کر لیتا، اور تمام مضار سے بچ جاتا، اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، اہل بدعت کہتے ہیں کہ یہاں ﴿كنت﴾ ماضی کا صیغہ ہے اور یہ پہلے کی بات ہے، بعد میں آپ کو کلی علم غیب حاصل ہو گیا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ جب کلمہ ”لو“ ماضی پر داخل ہو جائے، تو مفید استمرار ہوتا ہے، جیسا کہ شرح عقائد اور حاشیہ خیالی میں مذکور ہے۔

”خیر“ سے دنیوی منافع اور ”سوء“ سے دنیوی تکلیفیں مراد ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ نبی ﷺ سے کئی دنیوی منافع فوت ہو گئے اور کئی دنیوی تکلیفیں آپ ﷺ کو پہنچیں، باقی رہی آخرت کی خیر تو وہ آپ ﷺ کو تمام و کمال حاصل تھی، اور آخرت کی مضار سے بھی محفوظ تھے، لہذا اب مبتدعین کا یہ اعتراض باطل ہو گیا، کہ تمہارے مطلب سے (نعوذ باللہ) نبی ﷺ کا بھلائی سے محروم ہونا لازم آتا ہے۔

لَّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۸۸﴾ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا

وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اُس سے اُس کا جوڑا بنایا

زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ بِهِ

تاکہ اُس سے راحت حاصل کرے۔ سو جب وہ اُس کے پاس جاتا ہے تو اُسے ہلکا سا حمل رہ جاتا ہے اور وہ اُس کیساتھ چلتی

فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَا اللَّهَ رَبَّهُ مَا

پھرتی ہے۔ پھر جب کچھ بوجھ معلوم کرتی ہے (یعنی بچہ پیٹ میں بڑا ہوتا ہے) تو دونوں (میاں بیوی) اپنے رب سے التجا کرتے ہیں

لِئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنُكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّا آتَاهُمَا صَالِحًا

کہ اگر تو ہمیں صحیح و سالم (بچہ) دے گا تو ہم تیرے شکر گزار ہوں گے۔ جب وہ اُن کو صحیح و سالم (بچہ) دیتا ہے تو اُس (بچے)

جَعَلَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَاهُمَا فَتَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۹۰﴾

میں جو وہ اُن کو دیتا ہے اُس کا شریک مقرر کرتے ہیں۔ جو وہ شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ (کا رتبہ) اُس سے بلند ہے۔ [9]

[9] یعنی یہ لوگ اولاد کے لئے غیر اللہ کی نذر و نیاز دیتے تھے، مفسرین کے نزدیک ”نفس واحدة“ سے آدم

علیہ السلام مراد ہیں، ان آیتوں میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے بعض لوگ اس کو آدم و حواء علیہما السلام کی طرف منسوب

کرتے ہیں، اور ایک روایت سے تمسک کرتے ہیں (وہ روایت امام احمد نے ۱۱/۵، میں اور ترمذی ۳: ۵۰۷، وغیرہ

نے سمرہ سے نقل کیا ہے کہ: عن النبی ﷺ قال لما ولدت حواء طافت بها ابلیس وکان لا یعیش

لہا ولد فقال سمیہ عبد الحارث فانہ یعیس فسمتہ عبد الحارث فعاش وکان ذلک من وحی

الشیطان وامرہ۔ یعنی نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: کہ حواء کو جب وضع حمل ہوا تو ابلیس ان کے پاس آیا۔ ان کا بچہ

زندہ نہیں رہتا تھا تو حواء کو مشورہ دیا کہ بچہ کا نام عبد الحارث رکھو تو وہ زندہ رہے گا چنانچہ بچہ کا نام عبد الحارث

رکھا گیا اور وہ زندہ رہا۔ یہ شیطان کی طرف کی وحی تھی اور حارث شیطان کا نام ہوتا ہے۔ یہ حدیث ضعیف ہے، اس

میں تین علتیں ہیں:

(۱) ایک تو یہ کہ اس کا راوی عمر بن ابراہیم ایک بصری شخص ہے اگرچہ ابن معین نے اس کی توثیق کی ہے لیکن ابو حاتم نے کہا ہے کہ اس سے حجت نہیں پکڑی جاسکتی۔

(۲): دوسرے یہ کہ یہی روایت موثقا سمرہ کے اپنے قول سے مروی ہے جو مرفوع نہیں۔ ابن جریر میں خود سمرہ بن جندب کا کہنا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔

(۳): تیسرے یہ کہ اس کے راوی حسن سے بھی اس آیت کی تفسیر اس کے سوا بیان کی گئی ہے تو ظاہر ہے کہ اگر یہ مرفوع حدیث ان کی روایت کردہ ہوتی تو یہ خود اس کے خلاف تفسیر نہ کرتے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ یہ آدم علیہ السلام کا واقعہ نہیں بلکہ بعض دوسرے مذہب والوں کا ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد بعض مشرک انسان ہیں جو ایسا کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ یہود اور نصاریٰ کا فعل بیان ہوا ہے کہ اپنی اولاد کو اپنی روش پر ڈال لیتے ہیں۔ اس آیت کی جو تفسیریں بیان کی گئی ہیں ان سب میں بہتر یہی تفسیر ہے۔

دوسری حدیث بھی اس بارے میں ابن عباس سے مروی ہے کہ: عن ابن عباس قال كانت حواء تلد لآدم عليه السلام اولاداً فيعبدهم الله ويسميه "عبدالله وعبيدالله" ونحو ذلك، فيصيهم السموت فأتاها ابليس و آدم، فقال انكما لتسميانه بغير الذي تسميانه به لعاش، قال فولدت له رجلاً فسماه عبدالحارث ففيه انزل الله يقول الله (هو الذي خلقكم من نفس واحدة الى قوله جعلاله شركاء فيما آتاهما) [ابن جرير وابن كثير]. 'يعني حواء کے جو اولاد ہوتی تھی، ان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے مخصوص کر دیتی تھیں، اور ان کا نام عبد اللہ، عبيد اللہ وغیرہ رکھتی تھیں۔ یہ بچے مر جاتے تھے۔ چنانچہ آدم علیہ السلام و حواء کے پاس ابلیس آیا اور کہنے لگا کہ اگر اپنی اولاد کا کچھ دوسرا نام رکھا کرو گے تو وہ زندہ رہے گا۔ اب حواء کے بچہ ہوا تو ماں باپ نے بچہ کا نام عبدالحارث رکھا۔ اسی سے متعلق اللہ پاک فرماتا ہے: هو الذي خلقكم الخ. ابن عباس سے اس حدیث کو لے کر ان کے شاگردوں کی ایک جماعت نے بھی یہی کہا ہے، جیسے مجاہد، سعید بن جبیر، عکرمہ قتادہ اور سدی رحمۃ اللہ علیہم۔

اسی طرح سلف سے لے کر خلف تک بہت سے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں یہی کہا ہے۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ واقعہ اہل کتاب سے لیا گیا ہے۔ اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ ابن عباس سے ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں، جیسے کہ ابن ابی حاتم میں ہے۔ پس ظاہر ہے کہ یہ بات اہل کتاب سے نقل کی گئی ہے۔ محققین نے اس روایت کو غیر معتبر

اور اسراہیلیات قرار دیا ہے۔

ابن حزم ”کتاب الفصل“: ۵۴، میں لکھتا ہے کہ: واما قوله عز وجل (یعنی یہ آیت) (فہذا تکفیر لآدم علیہ السلام. ومن نسب لآدم علیہ السلام الشریک و الکفر، کفراً مجرداً بلا خلاف من احد من الامۃ ونحن ننکر علی من کفر المسلمین العصاة، العشارین، القتالین، و الشرط، الفاسقین، فکیف من کفر الانبیاء علیہم السلام؟. وهذا الذی نسبوه الی آدم علیہ السلام من انه سمی ابنه عبد الحارث، خرافة، موضوعة، مکذوبة، من تالیف من لادین له ولا حیاء، ولم یصح سندھا قط، وانما نزلت فی المشرکین علی ظاہرها، الخ۔

صحیح بات یہ ہے کہ ”فلما تغشاها“ سے روئے سخن بنی آدم کی طرف ہو گیا ہے، اور ثمنیہ کے صیغوں سے اولاد آدم میں سے مشرک خاوند بیوی مراد ہیں کہ وہ پہلے تو اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں، کہ ان کے گھر میں صحیح اور تندرست بیٹا پیدا ہو، اور وہ اس کا شکر ادا کریں گے لیکن جب اللہ تعالیٰ ان کو فرزند زینہ عطا کر دیتا ہے تو وہ اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگتے ہیں کہ یہ بیٹا تو ان کو فلاں بزرگ کی برکت سے ملا ہے۔ پھر اسی بزرگ کی نذر و نیاز دیتے ہیں، اور بعض اس کا نام بھی مشرک کا ہی تجویز کرتے ہیں، مثلاً: عبدود، عبدیغوث، عبدالعزیز پیراں دتہ، نبی بخش، علی بخش، حسین بخش وغیرہ۔ وقال قوم ان هذا راجع الی جنس الادمیین، و التبیین عن حال المشرکین من ذریۃ آدم علیہ السلام وهو الذی یعول علیہ. فقوله ﴿جعلالہ﴾ یعنی الذکور والانسی الکافرین الخ (قروطیی) لیکن جناب شیخ حسین علیؒ کے یہاں ”نفس واحدة“ سے مرد مراد ہے، اور ”منہا“ سے ”من جنسہا“ مراد ہے۔ یعنی تم کو اپنے اپنے باپ سے پیدا کیا اور اس کا جوڑا بھی اسی کی جنس سے پیدا کیا۔

علامہ البیہقی فرماتے ہیں ای من جنسہا کما فی قوله سبحانه وتعالی ﴿جعل لکم من انفسکم ازواجاً﴾ (نحل: ۷۲). فمِن ابتدائیۃ (روح). اس طرح آیت میں حواء آدم علیہ السلام کا ذکر نہیں بلکہ شروع ہی سے مطلق خاوند بیوی کا ذکر ہے۔

أَيْشُرُّكُمْ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلِقُونَ ﴿١٩١﴾ لَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ

کیا وہ ایسوں کو شریک بناتے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور نہ ان کی مدد کی طاقت رکھتے ہیں

نَصْرًا وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ إِنَّ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُوكُمْ

اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔ اگر تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ تو تمہارا کہا نہ مانیں۔

سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَمِتُونَ ﴿١٩٣﴾ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ

تمہارے لئے برابر ہے کہ تم ان کو بلاؤ یا چپ ہو رہو۔ (مشرکوں!) جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو

دُونَ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

وہ تمہاری طرح کے بندے ہی ہیں (اچھا) تم ان کو پکارو اگر سچے ہو تو چاہیے کہ وہ تمہیں جواب بھی دیں۔

﴿١٩٤﴾ لَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبِطْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ

بھلا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں یا ہاتھ ہیں جن سے پکڑیں یا آنکھیں ہیں

يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ

جن سے دیکھیں یا کان ہیں جن سے سنیں؟ کہہ دو کہ اپنے شریکوں کو بلا لو

ثُمَّ كِيدُوا فَلَا تُنْظِرُونَ ﴿١٩٥﴾ وَلِيَّ اللَّهِ الَّذِي

اور میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی ہو) کر لو اور مجھے کچھ مہلت بھی نہ دو۔ (پھر دیکھو کہ وہ میرا کیا کر سکتے ہیں) میرا مددگار تو اللہ ہی ہے

نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿١٩٦﴾ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ

جس نے کتاب (برحق) نازل کی اور نیک لوگوں کا وہی دوست ہے۔ اور جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُونَ ﴿١٩٧﴾ إِنَّ تَدْعُوهُمْ

وہ نہ تمہاری ہی مدد کی طاقت رکھتے ہیں اور نہ خود اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں۔ اور اگر تم ان کو سیدھے رستے کی طرف بلاؤ

إِلَى الْهُدَى لَا يَسْمَعُوا وَتَرَاهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿٤٨﴾

تو سن نہ سکیں اور تم انہیں دیکھتے ہو کہ (بظاہر) آنکھیں کھولے تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں مگر (نی الواقع) کچھ نہیں دیکھتے

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿٤٩﴾ وَإِنَّمَا يَنْزِعَنَّكَ

(اے محمد ﷺ!) عفو اختیار کرو اور نیک کام کرنے کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کر لو۔ اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے

مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾

دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمُ

جو لوگ پرہیزگار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول

مُبْصِرُونَ ﴿٥١﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَىِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿٥٢﴾

کر) دیکھنے لگتے ہیں۔ اور ان (کفار) کے بھائی انہیں گمراہی میں کھینچ جاتے ہیں پھر (اس میں کسی طرح کی) کوتاہی نہیں کرتے

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا آلُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا

اور جب تم ان کے پاس (کچھ دنوں تک) کوئی آیت نہیں لاتے تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے) کیوں نہیں بنالی؟

قُلْ إِنَّمَا اتَّبَعُ مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي هَذَا

کہہ دو کہ میں تو اسی حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میرے پاس آتا ہے۔ یہ (قرآن)

بَصَائِرُ مِّنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْقَوْمِ الْيُؤْمِنُونَ ﴿٥٣﴾ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ

تمہارے رب کی جانب سے دانش و بصیرت اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اور جب قرآن پڑھا جائے

فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٥٤﴾ وَذُكِّرْ رَبِّكَ

تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اور اپنے رب کو

فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُؤْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ
 دل ہی دل میں عاجزی اور خوف سے، پست آواز سے صبح و شام یاد کرتے رہو اور
 وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ﴿۱۰۴﴾ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ
 غافل نہ ہونا۔ بیشک جو کوئی تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی بندگی سے تکبر نہیں کرتے
 عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ﴿۱۰۵﴾
 اور اس کی پاک ذات کو یاد کرتے ہیں اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں۔

سورة الانفال [مدنية]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ

یہ لوگ تم سے مالِ غنیمت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، کہہ دو کہ غنیمت اللہ اور اُس کے رسول کا مال ہے

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

تو اللہ سے ڈرو اور آپس میں صلح رکھو اور اگر ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر چلو [۱]

[۱] یہ آیت غزوہ بدر میں پیش آنے والے ایک واقعہ سے متعلق ہے، آیت کی مفصل تفسیر سے پہلے وہ واقعہ سامنے رکھا جائے تو تفسیر سمجھنا آسان ہو جائے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ غزوہ بدر جو کفر و اسلام کا سب سے پہلا معرکہ تھا، اس میں جب مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کچھ مالِ غنیمت ہاتھ آیا، تو صحابہ کرام کے درمیان اس کی تقسیم کے متعلق ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو اخلاص و اتفاق کے اس مقام کے

شایان شان نہ تھا، جس پر صحابہ کرام کی پوری زندگی ڈھلی ہوئی تھی، اس لئے پہلی ہی آیت میں اس کا فیصلہ فرمادیا گیا، تاکہ اس مقدس گروہ کے قلوب میں صدق و اخلاص اور اتفاق و ایثار کے سوا کچھ نہ رہے۔ اس واقعہ کی تفصیل غزوہ بدر کے شریک عبادہؓ کی زبانی مسند احمد: ۲۲۷، ترمذی: رقم: ۱۶۰۶، ابن ماجہ: ۲۸۰۲، مستدرک: ۳۶۲، وغیرہ میں اس طرح منقول ہے: کہ عبادہ بن صامتؓ سے کسی نے آیت مذکورہ میں لفظ انفال کا مطلب پوچھا، تو انہوں نے فرمایا: کہ یہ آیت تو ہمارے یعنی اصحاب بدر ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہے، جس کا واقعہ یہ تھا کہ مال غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہمارے درمیان کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا، جس نے ہمارے اخلاق پر بُرا اثر ڈالا۔ حق تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ اموال غنیمت کو ہمارے ہاتھوں سے لے کر رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے سب حاضرین بدر میں اس کو مساوی طور پر تقسیم فرمادیا۔ صورت یہ پیش آئی تھی کہ ہم سب غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلے اور دونوں فریق میں گھسمان کی جنگ کے بعد اللہ تعالیٰ نے دشمن کو شکست دی، تو اس وقت ہمارے لشکر کے تین حصے ہو گئے کچھ لوگوں نے دشمن کا تعاقب کیا، تاکہ وہ پھر واپس نہ آسکے۔ کچھ لوگ کفار کے چھوڑے ہوئے مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے، اور کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے گرد اس لئے جمع رہے کہ کسی طرف سے چھپا ہوا دشمن رسول پاک ﷺ پر حملہ نہ کر دے۔ جب جنگ ختم ہو گئی اور رات کو ہر شخص اپنے ٹھکانے پر پہنچا تو جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا وہ کہنے لگے کہ یہ مال تو ہم نے جمع کیا ہے اس لئے اس میں ہمارے سوا کسی کا حصہ نہیں۔ اور جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے، انہوں نے کہا کہ تم لوگ ہم سے زیادہ اس کے حق دار نہیں ہو۔ کیونکہ ہم نے ہی دشمن کو پسپا کیا، اور تمہارے لئے یہ موقع فراہم کیا کہ تم بے فکر ہو کر مال غنیمت جمع کرو۔ اور جو لوگ نبی کریم ﷺ کی حفاظت کے لئے آپ کے گرد جمع رہے انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے تو ہم بھی مال غنیمت جمع کرنے میں تمہارے ساتھ شریک ہوتے لیکن نبی کریم ﷺ کی حفاظت جو جہاد کا سب سے اہم کام تھا، ہم اس میں مشغول رہے اس لئے ہم بھی اس کے مستحق ہیں۔ جب صحابہ کرام کی یہ گفتگور رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی جس نے واضح کر دیا کہ یہ مال اللہ کا ہے اس کا کوئی مالک و حق دار نہیں بجز اس کے، جس کو رسول اللہ عطا فرمائیں۔ نبی کریم ﷺ نے ارشادات ربانی کے تحت اس مال کو سب شرکاء جہاد میں مساوی طور پر تقسیم فرمادیا، اور سب کے سب اللہ و رسول کے اس فیصلہ پر راضی ہو گئے۔ اور ان کے خلاف شان جو صورت حال باہمی مسابقت کی پیش آگئی تھی اس پر نام نہاد ہوئے۔ لفظ ”انفال“ نفل کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں فضل و انعام، نفلی نماز، روزہ، صدقہ، کو بھی نفل اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ کسی کے ذمہ لازم و واجب نہیں، کرنے والے اپنی خوشی سے کرتے ہیں، اصطلاح قرآن و سنت میں لفظ نفل اور انفال

مال غنیمت کے لئے بھی کہا جاتا ہے، جو کفار سے بوقت جہاد حاصل ہوتا ہے، مگر قرآن کریم میں اس معنی کے لئے تین لفظ استعمال ہوئے ہیں ”انفال“ اسی آیت میں، لفظ ”فسیء“ سورت حشر میں بیان ہوئی ہے۔ اور لفظ غنیمت اس صورت کی اکتالیسویں آیت میں ہے۔ اور ان تینوں کے معانی تھوڑے تھوڑے فرق کے ساتھ مختلف ہیں، فرق معمولی اور قلیل ہونے کی وجہ سے بعض اوقات ایک لفظ دوسرے کی جگہ مطلقاً مال غنیمت کے لئے بھی استعمال کر لیا جاتا ہے، غنیمت عموماً اس مال کو کہتے ہیں جو جنگ و جہاد کے ذریعہ مخالف فریق سے حاصل ہو، اور فئے اس مال کہتے ہیں جو بغیر جنگ و قتال کے کفار سے ملے، خواہ وہ چھوڑ کر بھاگ جائیں یا رضامندی سے دیدینا قبول کریں۔ اور نفل اور انفال کا لفظ اکثر اُس انعام کیلئے بولا جاتا ہے، جو امیر جہاد کسی خاص مجاہد کو اس کی کارگزاری کے صلہ میں علاوہ حصہ غنیمت کے بطور انعام عطا کرے۔ یہ معنی تفسیر ابن جریر میں عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کی گئی ہے (ابن کثیر)۔

اور کبھی مطلقاً مال غنیمت کو بھی نفل و انفال کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اس آیت میں اکثر مفسرین نے یہی عام معنی لئے ہیں، صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباسؓ سے یہی عام معنی نقل کئے ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لفظ خاص اور عام دونوں معنی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس لئے کوئی اختلاف نہیں اور اس کی بہترین تشریح و تحقیق وہ ہے جو امام ابو عبیدہؓ نے اپنی کتاب ”الاموال“ میں ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اصل لغت میں نفل کہتے ہیں فضل و انعام کو، اور اس امت مرحومہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی انعام ہے کہ جہاد و قتال کے ذریعہ جو اموال کفار سے حاصل ہوں ان کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا۔

ورنہ پچھلی امتوں میں یہ دستور نہ تھا، بلکہ مال غنیمت کے لئے قانون یہ تھا کہ وہ کسی کے لئے حلال نہیں تھے، تمام اموال غنیمت کو ایک جگہ جمع کر دیا جاتا تھا۔ اور اسمان سے قدرتی طور پر ایک آگ اتی تھی اور اس کو جلا کر خاک کر دیتی تھی یہی اس جہاد کے مقبول عند اللہ ہونے کی علامت ہوتی تھی، اور اگر کوئی مال غنیمت جمع کیا گیا اور اسانی آگ نے آکر اس کو نہ جلایا تو یہ علامت اس کی ہوتی تھی کہ یہ جہاد اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں اس لئے اس مال غنیمت کو بھی مردود اور منحوس سمجھا جاتا تھا اور اسے کوئی استعمال نہ کرتا تھا۔

نبی کریم ﷺ سے بروایت جابرؓ بخاری میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا ہوئی ہیں، جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر اور ان کی امت کو نہیں ملیں۔ انہیں پانچ میں سے ایک یہ ہے، احلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی، یعنی میرے لئے اموال غنیمت حلال کر دیے گئے حالانکہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے (بخاری: رقم: ۲۲۳۱) آیت مذکورہ میں انفال کا حکم یہ بتلایا گیا، کہ وہ اللہ کے ہیں اور رسول کے۔ معنی اس کے یہ ہیں کہ اصل ملکیت

تو اللہ تعالیٰ کی ہے، اور متصرف ان میں اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں جو حکم الہی کے مطابق اپنی صوابدید پر ان کو تقسیم کرتے ہیں۔ اس لئے ائمہ تفسیر کے ایک جماعت نے جن میں عبد اللہ بن عباسؓ، مجاہد، عکرمہ و سدی وغیرہ داخل ہیں یہ فرمایا کہ یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا جب تک تقسیم غنائم کا وہ قانون نازل نہ ہوا تھا جو اسی سورۃ کے پانچویں رکوع، آیت: ۴۱، میں آرہا ہے کیونکہ اس میں پورے مال غنیمت کو رسول اللہ ﷺ کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے، کہ جس طرح چاہیں تصرف فرمائیں، اور آگے جو تفصیلی احکام آئے ہیں ان میں یہ ہے کہ کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ بیت المال میں عام مسلمانوں کی ضروریات کے لئے محفوظ کر دیا جائے اور چار حصے شرکاء جہاد میں ایک خاص قانون کے تحت تقسیم کر دیے جائیں، جن کی تشریح احادیث صحیحہ میں مذکور ہیں۔ اس تفصیلی بیان نے سورۃ انفال کی پہلی آیت کو منسوخ کر دیا، اور بعض علماء نے فرمایا: کہ یہاں کوئی نسخ و منسوخ نہیں، بلکہ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے، سورۃ انفال کی پہلی آیت میں اجمال ہے، اور اکتالیسویں آیت میں اسی کی تفصیل ہے، البتہ مال فنی جس کے احکام سورۃ حشر میں بیان ہوا ہے، وہ پورا کا پورا رسول کریم ﷺ کے زیر تصرف ہے آپ اپنی صوابدید سے جس طرح چاہیں عمل فرمائیں، اسی لئے اس جگہ احکام بیان فرمانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا ہے: ”وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا“ یعنی، جو کچھ تم کو ہمارا رسول دیدے اس کو لے لو، اور جس کو روک دے اس سے باز رہو۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت وہ ہے جو جنگ و جہاد کے ذریعہ ہاتھ آئے، اور مال فنی وہ جو بغیر قتال و جہاد کے ہاتھ آجائے، اور لفظ ”انفال“ دونوں کے لئے عام بھی بولا جاتا ہے اور خاص اس انعام کو بھی کہتے ہیں جو کسی غازی کو امیر جہاد عطا کرے، اس سلسلہ میں غازیوں کو انعام دینے کے چار صورتیں نبی کریم ﷺ کے عہد سے رائج ہیں، ایک یہ کہ یہ اعلان فرمادیں کہ جو شخص کسی مخالف کو قتل کرے تو جو سامان مقتول سپاہی سے حاصل ہو وہ اسی کا ہے جس نے قتل کیا۔ یہ سامان مال غنیمت میں جمع ہی نہ کیا جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ بڑی لشکر میں سے کوئی جماعت الگ کر کے کسی خاص جانب جہاد کے لئے بھیجی جائے، اور یہ حکم دے دیا جائے کہ اس جانب سے جو مال غنیمت حاصل ہو وہ اسی خاص جماعت کا ہوگا جو وہاں گئی ہے، صرف اتنا کرنا ہوگا کہ اس مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ عام مسلمانوں کے ضروریات کے لئے بیت المال میں جمع کیا جائے گا۔ تیسرے یہ کہ پانچواں حصہ جو بیت المال میں جمع کیا جاتا ہے اس میں سے کسی خاص غازی کو اس کی ممتاز کارگزاری کے صلہ میں امیر کی صوابدید کے مطابق دیا جائے۔ چوتھے یہ کہ پورے مال غنیمت میں سے کچھ حصہ الگ کر کے خدمت پیشہ لوگوں کو بطور انعام دیا جائے، جو مجاہدین کے گھوڑوں وغیرہ کی نگہداشت کرتے ہیں، اور ان کے کاموں میں مدد کرتے ہیں [ابن کثیر]۔

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱﴾ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ

مؤمن تو وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈرجاتے ہیں اور جب انہیں اُس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں

وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تَلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ

تو ان کا ایمان اور بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے رب پر

يَتَوَكَّلُونَ ﴿۲﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿۳﴾

بھروسا رکھتے ہیں [۲] وہ جو نماز پڑھتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں،

[۲] ابن کثیر اس آیت کے تحت لکھتا ہے کہ یہ آیت سورہ توبہ کی آیت: '۹' جیسی ہے، پھر لکھتے ہیں سو اب بات یہ ہے کہ اس

کا ایمان بڑھ جاتا ہے جو پہلے ہی سے مؤمن ہے اور جنت کی خوشخبری اسی کے حق میں ہے۔ امام بخاری اور دوسرے ائمہ نے

اسی نوعیت کی آیتوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ ایمان میں زیادتی اور کمی ہو سکتی ہے، جیسا کہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے بلکہ

کہا گیا ہے کہ بہت سارے ائمہ کا اسی پر اجماع ہے، جیسے امام شافعی، امام احمد، اور ابو عبیدہ، مزید تفصیل ہم نے شرح بخاری

میں بیان کیا ہے۔

ابن ابی العزیز شرح عقیدہ الطحاویۃ: ۳۴۲/۱ (باب الایمان هو الاقرار) میں اس مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ بیان

کرنے کے بعد رقم طراز ہیں: کتاب و سنت اور آثار سے اس پر کثرت کے ساتھ دلائل پیش کئے جاسکتے ہیں، ارشاد الہی ہے

: ﴿وَإِذَا تَلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ [الانفال]۔ نیز ارشاد الہی ہے: "ويزيد الله الذين

اهتدوا هدى" [مریم: ۶]۔ نیز ارشاد الہی ہے: ﴿ويزداد الذين امنوا ايمانا﴾ [المدثر: ۳۱]۔ نیز ارشاد الہی

ہے: ﴿هو الذي انزل السكينة في قلوب المؤمنين ليزدادوا ايمانا مع ايمانهم﴾ [الف: ۴]۔ نیز ارشاد الہی

ہے: ﴿الذين قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لكم فاخشوهم فزادهم ايمانا وقالوا حسبنا الله ونعم

الوكيل﴾ (العمران: ۱۷۳)۔

مذکورہ اور اس سے قبل والی آیت کے مفہوم پر غور کرنے کے بعد کیسے کہا جاسکتا ہے، کہ ایمان کی زیادتی مؤمن بہ کی

زیادتی کی وجہ سے ہے، کیا لوگوں کے کہنے میں کہ لوگ تمہارے مقابلہ کے لئے اکٹھے ہو گئے ہیں تم ان سے ڈر جاؤ؟۔ مومن بہ زیادہ ہوا ہے؟ اور کیا ایمان داروں کے دلوں پر سکون کے اتارنے میں مومن بہ زیادہ ہوا ہے؟ جب حق تعالیٰ نے ایمان داروں کے دلوں پر اس وقت سکون نازل فرمایا جب وہ حدیبیہ سے واپس آ رہے تھے تا کہ ان کے یقین و اطمینان میں اضافہ ہو، اس کی تاکید اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہو رہی ہے، ارشاد الہی ہے: ”ہم للکفریو منڈا قرب منہم للایمان“ (العمران: ۱۶۷)۔ نیز ارشاد الہی ہے: ﴿وَإِذَا مَا نَزَلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ إِنَّمَا هَذِهِ آيَاتُهَا وَمَا تَأْتِيهِمْ إِلَّا رِجْسٌ مِّنْ رَّجْسِهِمْ وَمَا تَأْتِيهِمْ إِلَّا رِجْسٌ مِّنْ رَّجْسِهِمْ﴾ (التوبة: ۱۲۳، ۱۲۵)۔

اس آیت کی تفسیر میں فقیہ ابو الیث شمر قندیؒ نے تفسیر بحر العلوم میں ابو ہریرہؓ سے سند کے ساتھ ایک حدیث ذکر کی ہے، کہ بنو ثقیف قبیلہ کا ایک وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، انہوں نے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول! کیا ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے؟ آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا، اور فرمایا: ایمان دل میں مکمل ہے اس میں زیادتی کفر اور کمی شرک ہے، اس حدیث کے بارے میں علامہ ابن کثیر سے دریافت کیا گیا؟ آپ نے فرمایا: اس کی سند میں ابو الیث سے ابو مطیع راوی تک مجہول روایت ہیں، مشہور تاریخ کی کتابوں میں ان کا کہیں ذکر نہیں ہے، نیز ابو مطیع حکم بن عبد اللہ بن مسلم بلخی کو احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، عمرو بن علی فلاس، بخاری، ابو داؤد، نسائی، ابو حاتم رازی، ابو حاتم محمد بن حبان بسیتی، عقیل بن عدی، دارقطنی وغیرہ نے کمزور کہا ہے، نیز ابو ہریرہؓ سے روایت کرنے والا ابو الہزم تھیف کرنے والا ہے، اس کا نام یزید بن سفیان ہے، اس کو اکثر ائمہ نے کمزور کہا، شعبہ بن حجاج نے متروک قرار دیا، نیز اس کو وضاع قرار دیتے ہوئے بیان کیا کہ اگر لوگ اس کو دوپیسے دیتے ہیں تو وہ لوگوں کے لئے جھوٹ موٹ بنا کر حدیثیں بیان کر دیتا۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں عورتوں کو ناقصات العقول والدین کہا ہے، نیز آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک کامل مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، [متفق علیہ: خ: ۱۵، وم: ۴۴] اس میں کمال کی نفی ہے، مطلق ایمان کی نفی نہیں۔

اس مضمون کی حدیثیں کثرت کے ساتھ مروی ہیں، نیز ایمان کی شاخوں والی حدیث، شفاعت کی حدیث، اور یہ وضاحت کہ دوزخ سے وہ لوگ نکالے جائیں گے جن کے دل میں ادنیٰ ذرہ کے برابر ایمان ہوگا۔ کمال کی نفی کرتی ہے، اس وضاحت کے بعد کیسے کہا جاسکتا ہے کہ تمام آسمان والوں اور زمین والوں کا ایمان برابر ہے؟ اور ان میں تفاضل ایمان کے

علاوہ دیگر اسباب کی بنا پر ہے، صحابہ کرامؓ کے اقوال سے بھی ایمان کی کمی بیشی کا پتہ چلتا ہے، چنانچہ ابوالدرداء کا قول ہے، وہ شخص فقیہ ہے جو اپنے ایمان کا خیال رکھتا ہے، کہ کہیں اس میں کمی نہ آجائے۔

عمرؓ اپنے رفقاء سے کہا کرتے تھے، آئے! ہم ایمان میں اضافہ کریں، چنانچہ وہ ذکر اذکار میں محو ہو جاتے۔ نیز عبد اللہ بن مسعودؓ دعا کرتے ہوئے فرماتے: اے اللہ! ایمان، یقین اور فقہت میں اضافہ فرما۔ نیز معاذ بن جبلؓ نے ایک آدمی سے فرمایا: ہمارے ساتھ ایک مجلس کرو، ہم ایمان کی باتیں کریں، اسی مضمون کا قول عبد اللہ بن رواحہؓ سے بھی منقول ہے، عمار بن یاسر سے صحیح سند کے ساتھ منقول ہے، انہوں نے بیان کیا جس شخص میں تین چیزیں ہیں، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا، اپنے آپ سے انصاف دلایا، تنگی کے وقت خرچ کیا، اور السلام علیکم کو عام کیا (بخاری) اتنا بیان کافی ہے، وباللہ التوفیق۔

لیکن یہ کہنا کہ اعمال کا ایمان پر عطف مغایرت کا متقاضی ہے، لہذا اعمال ایمان کے مسمیٰ میں داخل نہیں ہیں۔ ذرا تفصیل طلب ہے، خیال کیجئے، کہیں تو صرف ایمان کا لفظ مستعمل ہوا ہے، اور کہیں اس کے ساتھ اعمال صالحہ کا ذکر ہے، اور کہیں اسلام کا ذکر ہے، مطلق ایمان تو اعمال کو مستلزم ہے، ارشاد الہی ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ﴾ (الانفال)۔ نیز ارشاد الہی ہے: ﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا آلِيَاءَ﴾ (المائدہ: ۸۱)۔

ارشاد نبوی ہے: زانی زنا کرتے وقت ایمان والا نہیں ہوتا، نیز فرمایا تم ایمان دار نہیں جب تک کہ تم آپس میں محبت نہ کرو، نیز فرمایا جو شخص ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے، نیز فرمایا: جس شخص نے ہم پر ہتھیار اٹھایا وہ ہم میں سے نہیں ہے، اس شخص کا قول راہ حق سے بعید ہے، جو کہتا ہے کہ، ہم میں سے نہیں ہے۔ کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہمارے جیسا نہیں ہے، کاش مجھے کوئی شخص بتائے کہ جو دھوکہ باز ہے وہ کیسے نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام جیسا ہے۔

جب ایمان پر عمل صالح کا عطف ہے تو اس وقت عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے لیکن ان دونوں پر جو حکم لگایا جا رہا ہے اس میں دونوں مشترک ہیں۔

خیال رہے کہ مغایرت کے کچھ مراتب ہیں، اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے متباین ہوں، انہیں سے کوئی بھی نہ دوسرے کا عین ہو، نہ جز ہو، اور نہ ہی ان میں تلازم ہو، جیسے ارشاد الہی ہے: ﴿خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

وجعل الظلمات والنور ﴿العام: ۱﴾ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور اندھیروں اور روشنی کو پیدا کیا۔

نیز فرمایا: وانزل التوراة والانجیل ﴿آل عمران: ۳﴾ اس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا ہے، اس کا استعمال کثرت سے ہے اس کے قریب یہ صورت ہے کہ ان میں تلازم ہو، جیسے ارشاد الہی ہے: ﴿ولاتتلبسواالحق بالباطل وتكتمواالحق وانتم تعلمون﴾ (بقرہ: ۲۴)۔

اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ، نیز فرمایا: ﴿واطيعواالله واطيعوا الرسول﴾ (المائدہ: ۹۲) اور اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، اس کے بعد یہ صورت ہے کہ بعض کا کل پر عطف ہے جیسے ارشاد الہی ہے: ﴿حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى﴾ (البقرہ: ۲۳۸)۔ نیز فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ﴾ (البقرہ: ۹۸)۔

نیز ارشاد الہی ہے: ﴿واذاخذنا من النبيين ميثاقهم ومنك﴾ (الاحزاب: ۷) اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا اور تم سے۔ اس جیسی صورت میں دو تو جہیں ہیں، ایک یہ کہ معطوف اول میں داخل ہے، تو اس کا دو دفعہ ذکر ہو گیا، دوسری یہ کہ وہ اس جگہ اول میں داخل نہیں اگرچہ انفرادی داخل ہے، اس کی مثال میں فقراء اور مساکین کا ذکر کیا جاتا ہے کہ ان ان دونوں کا مفہوم انفرادی ایک ہے اور افتراؤ کا مختلف ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں صفات کے لحاظ سے اختلاف ہے ارشاد الہی ہے: ﴿غافر الذنب وقابل التوب﴾ (غافر: ۳) گناہ معاف کرنے والا، توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اشعار میں عطف کی یہ صورت بھی ہے کہ الفاظ مختلف ہیں معنی ایک ہے شاعر کہتا ہے: فالفی قولها كذبا ومينا: یعنی اس نے اس کے قول کو جھوٹا پایا۔

اس شعر میں ”کذب“ اور ”مین“ ہم معنی ہیں، قرآن پاک میں بھی یہ استعمال موجود ہے ارشاد الہی ہے: ﴿لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجا﴾ (المائدہ: ۴۸) تم میں سے ہر ایک کے لئے شریعت اور دین بنایا جب کلام میں عطف کی یہ سب صورتیں مستعمل ہیں، تو ہم شارح کا کلام دیکھیں گے کہ اس میں لفظ ایمان کس طرح استعمال ہوا ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ جب وہ مطلقا استعمال ہو تو اس سے مراد وہی معنی لیا جاتا ہے جو لفظ میں تقویٰ، دین سے لیا جاتا ہے، چنانچہ اسباب النزول کے ضمن میں مذکور ہے، کہ جب لوگوں نے ایمان کے بارے میں دریافت کیا تو اللہ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی ارشاد الہی ہے: ﴿ليس البر ان تولوا وجوهكم قبل المشرق والمغرب﴾ (البقرہ: ۱۷۷) نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف کرو۔ =

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ

یہی سچے مومن ہیں اور ان کیلئے اللہ کے ہاں (بڑے بڑے) درجے اور بخشش اور عزت کی روزی ہے

كَرِيمٌ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۲﴾ كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۗ

جس طرح تمہارے رب نے تمہیں تدبیر کیساتھ اپنے گھر سے نکالا

وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكُرِهُونَ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾

اور (اس وقت) مومنوں کی ایک جماعت ناخوش تھی

يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ

وہ لوگ حق بات کے بارے میں اُس کے بعد کہ اس کا ظہور ہو گیا تھا تم سے جھگڑنے لگے گویا موت کی طرف دھکیلے جاتے ہیں

وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ وَإِذْ يَعِدُّكُمْ اللَّهُ إِحْدَى الطَّاغُوتِ

اور اسے دیکھ رہے ہیں۔ [۳۳] اور جب اللہ تم سے وعدہ کرتا تھا (ابو سفیان اور ابو جہل کے)

= محمد بن نصر سند کے ساتھ قاسم سے نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص ابو ذرؓ کے پاس آیا، اس نے اس سے ایمان کے

بارے میں دریافت کیا، انہوں نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اس شخص نے کہا میں نے آپ سے اس کے متعلق سوال نہیں

کیا، اس نے جواب دیتے ہوئے کہا، کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے آپ سے وہی سوال

کیا جو آپ نے مجھ سے کیا ہے، آپ ﷺ نے اس پر یہی آیت تلاوت فرمائی، جو میں نے آپ پر تلاوت کی ہے، اس نے

بھی آپ ﷺ کو وہی بات کہی جو آپ نے مجھ سے کہی ہے، تو جب وہ مطمئن نہ ہوا تو آپ نے فرمایا: مومن وہ شخص ہے

جو نیک عمل کرتا ہے، تو اس کو خوشی حاصل ہوتی ہے اور وہ ثواب کی امید رکھتا ہے، اور جب برائی کرتا ہے تو اس کو غم لاحق

ہوتا ہے اور عذاب سے خائف رہتا ہے۔ اسلاف نے بھی اسی طرح کا جواب دیا ہے۔

[۳] شروع سورت میں یہ بیان ہو چکا ہے کہ سورہ انفال کے بیشتر مضامین کفار و مشرکین پر عذاب و انتقام

اور مسلمانوں پر احسان و انعام کے متعلق ہیں، اور اس کے ضمن میں دونوں فریق کے لئے عبرت و نصیحت کے احکام بیان

ہوئے ہیں۔ اور ان معاملات میں سب سے پہلا اور سب سے اہم واقعہ غزوہ بدر کا تھا، جس میں بڑے ساز و سامان اور تعداد و قوت کے باوجود مشرکین کو جانی اور مالی نقصانات کیساتھ شکست اور مسلمانوں کو باوجود ہر طرح کی قلت، اور بے سامانی کی فتح عظیم نصیب ہوئی۔ اس سورت میں واقعہ بدر کا تفصیلی بیان ہے، جو آیات مذکورہ سے شروع ہو رہا ہے۔

پہلی آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ بعض مسلمانوں کو بدر کے موقع پر جہاد کے لئے اقدام ناپسند تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فرمان کے ذریعہ اپنے رسول ﷺ کو جہاد کا حکم دیا تو ناپسند کرنے والے بھی ساتھ ہو گئے۔ اس بات کے بیان کرنے کے لئے قرآن کریم نے جو الفاظ اختیار فرمائے ہیں، وہ کئی طرح سے قابل غور ہیں۔

اول یہ کہ آیت کا شروع ”کما اخرجک ربک“ سے ہوتا ہے، اس میں لفظ ”کما“ ایک ایسا لفظ ہے جو تشبیہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، تو غور طلب یہ ہے کہ یہاں تشبیہ کس چیز کی کس چیز سے ہے۔ مفسرین نے اس کی مختلف توجیہات بیان فرمائی ہیں: ابو حیان نے اس طرح کے پندرہ اقوال نقل کئے ہیں ان میں زیادہ اقرب تین احتمال ہیں۔

اول یہ کہ اس تشبیہ سے مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جس طرح غزوہ بدر کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت صحابہ کرام کے آپس میں کچھ اختلاف رائے ہو گیا تھا، پھر حکم الہی کے تحت سب نے آپ کے حکم کی تعمیل کی، اور اس کی برکات اور اچھے نتائج کا ظہور سامنے آ گیا، اسی طرح اس جہاد کے شروع میں کچھ لوگوں کی طرف سے ناپسندیدگی کا اظہار ہوا، پھر حکم ربانی کے ماتحت سب نے اطاعت کی اور اس کے مفید نتائج اور اعلیٰ ثمرات کا مشاہدہ ہو گیا۔ یہ توجیہ فراء اور مبرد کی طرف منسوب ہے (بحر محیط)۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ گذشتہ آیات میں سچے مومنین کے لئے آخرت میں درجات عالیہ اور مغفرت اور باعزت روزی کا وعدہ کیا گیا تھا۔ ان آیات میں اس وعدہ کے یقینی ہونے کا ذکر اس طرح کیا گیا کہ آخرت کا وعدہ اگرچہ ابھی آنکھوں کے سامنے نہیں، مگر اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ نصرت و فتح، غزوہ بدر میں آنکھوں کے سامنے آچکا ہے اس سے عبرت پکڑو اور یقین کرو کہ جس طرح یہ وعدہ دنیا ہی میں پورا ہو چکا ہے اسی طرح آخرت کا وعدہ بھی ضرور پورا ہوگا۔ (قرطبی)۔

تیسرا احتمال وہ ہے جس کو ابو حیان نے مفسرین کے پندرہ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ مجھے ان میں سے کسی قول پر اطمینان نہیں تھا ایک روز میں اسی آیت پر غور و فکر کرتے ہوئے سو گیا تو میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی جگہ جا رہا ہوں، اور ایک شخص میرے ساتھ ہے میں اسی آیت کے متعلق اس سے بحث کر رہا ہوں، اور یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے کبھی ایسی مشکل پیش نہیں آئی، جیسی اس آیت کے الفاظ میں پیش آئی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی لفظ محذوف ہے

پھر ایک ایک خواب ہی میں میرے دل میں پڑا، کہ یہاں لفظ ”نصر — ر ک“ محذوف ہے، اس کو خود میں نے بھی پسند کیا اور جس شخص سے بحث کر رہا تھا اس نے بھی پسند کیا۔ بیدار ہونے کی بعد اس پر غور کیا تو میرا اشکال ختم ہو گیا۔ کیونکہ اس سورت میں لفظ ”کما“ تشبیہ کے لئے نہیں بلکہ بیان سبب کے لئے استعمال ہوا ہے اور معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ غزوہ بدر میں اللہ جل شانہ کی طرف سے جو خاص نصرت و امداد آپ کی ہوئی اس کا سبب یہ تھا کہ اس جہاد میں آپ نے جو کچھ کیا اپنی خواہش اور رائے سے نہیں بلکہ خالص امر ربی اور حکم الہی کے تابع کیا۔

اسی کے حکم پر آپ اپنے گھر سے نکلے، اور اطاعت حق کا یہی نتیجہ ہونا چاہیے، اور یہی ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی امداد و نصرت اس کے ساتھ ہو جاتی ہے بہر حال آیت کے اس جملہ میں یہ تینوں معنی محتمل اور صحیح ہیں۔ اس کے بعد اس پر نظر ڈالئے کہ قرآن کریم نے اس جہاد کے لئے نبی کریم ﷺ کا خود نکلنا ذکر نہیں کیا بلکہ یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نکالا، اس میں اشارہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی کمال عبدیت و اطاعت کی طرف کہ آپ کا فعل درحقیقت حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو آپ کے اعضاء و جوارح سے صادر ہوتا ہے، جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ بندہ جب اطاعت و عبدیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ دیکھتا ہے میرے ذریعہ دیکھتا ہے، میں اس کے کان بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں، وہ جس کو پکڑتا ہے میرے ذریعہ پکڑتا ہے جس کی طرف چلتا ہے میرے ذریعہ چلتا ہے۔ خلاصہ اس کا یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی خاص نصرت و امداد ان کے ساتھ ہو جاتی ہے جن افعال کا صدور بظاہر اس کے آنکھ یا ہاتھ پاؤں سے ہوتا ہے درحقیقت اس میں قدرت حق تعالیٰ شانہ کی کار فرما ہوتی ہے: (بخاری: رقم: ۶۵۰۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ لفظ ”اخر جک“ میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ نبی کریم ﷺ کا جہاد کے لئے نکلنا درحقیقت حق تعالیٰ کا نکالنا تھا جو آپ ﷺ کے ذات سے ظاہر ہوا۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ”اخر جک ربک“ فرمایا، جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ذکر صفت رب کے ساتھ کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ اس جہاد کے لئے آپ کو نکالنا نشان ربوبیت سے اور تربیت کے تقاضا سے تھا۔ کیونکہ اس کے ذریعہ مظلوم و مقہور مسلمانوں کے لئے فحیاب اور مغرور و ظالم کے لئے پہلے عذاب کا مظاہرہ کرنا تھا۔

”من بیتک“ کے معنی ہیں آپ کے گھر سے، مطلب یہ ہوا کہ نکالا آپ ﷺ کو آپ ﷺ کے رب نے آپ

ﷺ کے گھر سے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس گھر سے مراد مدینہ طیبہ کا گھر یا یا خود مدینہ طیبہ ہے جس میں ہجرت کے بعد آپ مقیم ہوئے، کیونکہ واقعہ بدر ہجرت کے دوسرے سال میں پیش آیا ہے اس کے ساتھ لفظ ”بالحق“ کا اضافہ کر کے بتلادیا کہ یہ ساری کاروائی احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے عمل میں آئی ہے۔ دوسری حکومتوں کی طرح ملک گیری کی ہوس یا بادشاہوں کا غصہ اس کا سبب نہیں۔ آخر آیت میں فرمایا: ”وان فریقامن المؤمنین لکارہون“ یعنی ایک جماعت مسلمانوں کی اس جہاد کو گراں سمجھتی، اور ناپسند کرتی تھی۔ صحابہ کرام کو یہ گرانی کس طرح اور کیوں پیش آئی اس کے سمجھنے کے لئے نیز آئندہ آنے والی دوسری آیات کو پوری طرح سمجھنے کے لئے غزوہ بدر کے ابتدائی حالات اور اسباب کا پہلے معلوم کر لینا مناسب ہے، اس لئے پہلے غزوہ بدر کا پورا واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔ ابن عقبہ اور ابن عامر کے بیان کے مطابق واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کو مدینہ طیبہ میں یہ خبر ملی کہ ابوسفیان ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ ملک شام سے مال تجارت لے کر مکہ معظمہ کی طرف جا رہے ہیں۔ اور اس تجارت میں مکہ کے تمام قریشی شریک ہیں۔

ابن عقبہ کے بیان کے مطابق مکہ کا کوئی قریشی مرد یا عورت ایسا نہ تھا جس کا اس میں حصہ نہ ہو، اگر کسی کے پاس صرف ایک مثقال (یعنی ساڑھے چار ماشہ) سونا بھی تھا تو اس نے اس میں اپنا حصہ ڈال دیا تھا۔ اس قافلہ کے پورے سرمایہ کے متعلق ابن عقبہ کی روایت یہ ہے کہ پچاس ہزار دینار تھے۔ دینار سونے کا سکہ ہے جو ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس تجارتی قافلہ کی حفاظت اور کاروبار کے لئے قریش کے ستر جوان اور سردار ساتھ تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ تجارتی قافلہ درحقیقت قریش مکہ کی ایک تجارتی کمپنی تھی۔ بغوی نے بروایت ابن عباسؓ وغیرہ نقل کیا ہے کہ اس قافلہ میں قریش کے چالیس سوار قریش کے سرداروں میں سے تھے، جن میں عمرو بن العاصؓ، مخرمہ بن نوفل، خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ قریش کی سب سے بڑی طاقت ان کی یہی تجارت اور تجارتی سرمایہ تھا جس کے بل پر انہوں نے نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو تنگ کر کے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس وقت جب رسول کریم ﷺ کو سفر شام سے اس قافلہ کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپ کی رائے میں اس وقت اس قافلہ کا مقابلہ کر کے قریش کی طاقت توڑ دینے کا موقع ہے۔

صحابہ کرام سے مشورہ کیا تو زمانہ رمضان کا تھا پہلے سے کسی جنگ کی تیاری نہ تھی۔ بعض نے تو چستی اور ہمت کا اظہار کیا، مگر بعض نے کچھ پس و پیش کی۔ آپ نے بھی سب پر اس جہاد کی شرکت کو لازم نہ قرار دیا۔ بلکہ یہ حکم دیا کہ جن لوگوں کے پاس سواریاں موجود ہیں وہ ہمارے ساتھ چلیں۔ اس وقت بہت سے آدمی جہاد میں جانے سے رہ گئے،

اور جو لوگ جانا چاہتے تھے اور ان کی سواریاں دیہات میں تھیں انہوں نے اجازت چاہی کہ ہم اپنی سواریاں لے آویں تو ساتھ چلیں گے۔ مگر وقت اتنے انتظار کا نہ تھا۔ اس لئے حکم یہ ہوا کہ جن لوگوں کے سواریاں پاس موجود ہیں اور جہاد میں جانا چاہیں صرف وہی لوگ چلیں۔ باہر سے سواریاں منگانے کا وقت نہیں۔ اس لئے ساتھ جانے کا ارادہ رکھنے والوں میں سے بھی تھوڑے ہی آدمی تیار ہو سکے۔ اور جن صحابہ نے جہاد میں ساتھ جانے کا ارادہ ہی نہیں کیا اس کا سبب بھی یہی تھا، کہ آپ نے سب کے ذمہ اس جہاد کی شرکت کو واجب نہ قرار دیا تھا، اور ان لوگوں کو یہ بھی اطمینان تھا کہ یہ تجارتی قافلہ ہے، کوئی جنگی لشکر نہیں جس کے مقابلہ میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کو زیادہ لشکر اور مجاہدین کی ضرورت پڑے۔ اس لئے صحابہ کرام کی بہت بڑی تعداد اس جہاد میں شریک نہ ہوئی۔

نبی کریم ﷺ نے جب ”بیسر سفیا“ پر پہنچ کر قیس بن صعصعہ کو حکم دیا کہ لشکر کو شمار کریں تو انہوں نے شمار کر کے اطلاع دیں کہ تین سو تیرہ افراد ہیں، نبی کریم ﷺ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ تعداد اصحاب طالوت کی ہے، اس لئے فال نیک، فتح اور کامیابی ہے، صحابہ کرام کے ساتھ کل ستر اونٹ تھے۔ ہر تین آدمی کے لئے ایک اونٹ تھا جس پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے۔ خود رسول کریم ﷺ کے ساتھ بھی دو مجاہد ایک اونٹ کے شریک تھے، ابولبابہؓ اور علیؓ، جب آپ کی باری پیدل چلنے کی آتی تو یہ دونوں عرض کرتے کہ آپ سوار ہیں، ہم آپ کے بدلے پیدل چلیں گے۔ رحمۃ للعالمین کی طرف سے یہ جواب ملتا کہ نہ تو تم مجھ سے زیادہ قوی ہو، اور نہ میں آخرت کے ثواب سے مستغنی ہوں، کہ اپنے ثواب کا موقع تمہیں دے دوں۔ اس لئے اپنی باری میں رسول کریم ﷺ بھی پیدل ہی چلتے تھے۔

دوسری طرف کسی شخص نے ملک شام کے مشہور مقام ”عین زرقا“ پر پہنچ کر رئیس قافلہ ابوسفیان کو اس کی خبر پہنچادی کہ نبی کریم ﷺ ان کے قافلہ کے انتظار میں ہیں، اور ان کا تعاقب کریں گے۔ ابوسفیان نے احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔ جب یہ قافلہ حدود و حجاز میں داخل ہوا تو ایک ہوشیار مستعد آدمی ”ضمضم بن عمر“ کو بیس مشقال سونا اجرت دیکر اس پر راضی کیا کہ وہ تیز رفتار سائڈنی پر سوار ہو کر جلد سے جلد مکہ مکرمہ میں یہ خبر پہنچا دے کہ ان کے قافلہ کو صحابہ کرام سے خطرہ لاحق ہے۔ ”ضمضم بن عمر“ نے اس زمانہ کی خاص رسم کے مطابق خطرہ کا اعلان کرنے کے لئے اپنی اونٹنی کے ناک کان کاٹ دیئے، اور اپنے کپڑے آگے پیچھے سے پھاڑ ڈالے۔ اور کجاوہ کو الٹا کر کے اونٹنی کی پشت پر رکھا۔ یہ علامات اس زمانہ میں خطرہ کی گھنٹی سمجھی جاتی تھی۔ جب وہ اس شان سے مکہ میں داخل ہوا تو پورے مکہ میں ہلچل مچ گئی، اور تمام قریش مدافعت کے لئے تیار ہو گئے جو لوگ اس جنگ کے لئے نکل سکتے تھے خود نکلے اور جو کسی وجہ سے معذور تھے

انہوں نے کسی کو اپنا قائم مقام بنا کر جنگ کے لئے تیار کیا، اور صرف تین روز میں یہ لشکر پورے ساز و سامان کے ساتھ تیار ہو گیا۔

ان میں جو لوگ اس جنگ میں شرکت سے ہچکچاتے اس کو یہ لوگ مشتبہ نظروں سے دیکھتے اور مسلمانوں کا ہم خیال سمجھتے، اس لئے ایسے لوگوں کو خصوصیت سے جنگ کے واسطے نکلنے پر مجبور کیا۔ جو لوگ علانیہ طور پر مسلمان تھے اور ابھی تک بوجہ اپنی اعذار کے ہجرت نہیں کر سکے تھے، بلکہ مکہ میں بس رہے تھے ان کو اور بنو ہاشم کے خاندان میں جس پر بھی یہ گمان تھا کہ یہ مسلمانوں سے ہمدردی رکھتا ہے، ان کو بھی اس جنگ کے لئے نکلنے پر مجبور کیا۔ انہیں مجبور لوگوں میں نبی کریم ﷺ کے چچا عباسؓ اور ابوطالب کے دو بیٹے طالب اور عقیل بھی تھے۔

اس طرح اس لشکر میں ایک ہزار جوان دو سو گھوڑے اور چھ سو زربیں، اور ترانے گانے والی لونڈیاں اور ان کے طبیلے وغیرہ لے کر بدر کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ہر منزل پر دس اونٹ ان لوگوں کے کھانے کے لئے ذبح ہوتے تھے۔ دوسری طرف رسول کریم ﷺ صرف ایک تجارتی قافلہ کے انداز سے مقابلہ کی تیاری کر کے بارہ رمضان کو شنبہ کے دن مدینہ طیبہ سے نکلے اور کئی منزل طے کرنے کے بعد بدر کے قریب پہنچ کر آپ نے دو شخصوں کو آگے بھیجا کہ وہ ابوسفیان کے قافلہ کی خبر لائیں۔ (مظہری)۔

مخبروں نے یہ خبر پہنچائی کہ ابوسفیان کا قافلہ نبی کریم ﷺ کے تعاقب کی خبر پا کر ساحل دریا کے کنارے کنارے گزر گیا اور اس کی حفاظت اور مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے مکہ مکرمہ سے ایک ہزار جوانوں کا لشکر جنگ کے لئے آ رہا ہے۔ (ابن کثیر)۔ ظاہر ہے کہ اس خبر نے حالات کا نقشہ پلٹ دیا۔ اس وقت رسول پاک ﷺ نے اپنے رفیق صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کہ اس آنے والے لشکر سے جنگ کرنا ہے یا نہیں۔ ابویوب انصاری اور بعض دوسرے صحابہ نے عرض کیا کہ ہم میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہیں، اور نہ ہم اس قصد سے آئے ہیں۔ اس پر صدیق اکبر کھڑے ہوئے اور تعمیل کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا پھر فاروق اعظم کھڑے ہوئے اور اسی طرح تعمیل حکم اور جہاد کے لئے تیار ہونے کا اظہار کیا پھر مقداد کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو کچھ آپ کو اللہ کا حکم ملا ہے آپ اس کو جاری کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ واللہ، ہم آپ ﷺ کو وہ جواب نہ دیں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا: ”اذھب انت وریک فقط اتلانا ہھنا قاعدون“ یعنی جائیے آپ اور آپ کا رب لڑ بھڑ لیں، ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہمیں ملک حبشہ کے مقام ”برک الغماد“ تک بھی لے جائیں گے تو ہم آپ

کے ساتھ جنگ کے لئے چلیں گے۔ (سنن الکبریٰ للبیہقی: ۱۰۹۱۰)۔ نبی کریم ﷺ خوش ہوئے اور ان کو دعائیں دیں، مگر ابھی تک انصار کی طرف سے موافقت کی کوئی آواز نہ اٹھی تھی، اور یہ احتمال تھا کہ انصار نے جو معاہدہ نصرت و امداد کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ کیا تھا وہ اندرون مدینہ کا تھا۔ مدینہ کے باہر امداد کرنے کے وہ پابند نہیں تھے، اس لئے آپ نے پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا کہ لوگو! مجھے مشورہ دو کہ اس جہاد پر اقدام کریں یا نہیں؟ اس خطاب کا روئے سخن انصار کی طرف تھا سعد بن معاذ انصاریؓ مجھ گئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ ہم سے پوچھنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں، سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ پر ایمان لائے، اور اس کی شہادت دی کہ جو کچھ آپ فرماتے ہیں سب حق ہے، اور ہم آپ سے عہد و پیمانہ کئے ہیں ہر حال میں آپ کی اطاعت کریں گے۔ اس لئے آپ کو جو کچھ اللہ تعالیٰ کا حکم ملا ہو، اس کو جاری فرمائیے۔ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو دین حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہم کو مسند میں لے جائیں تو ہم آپ کے ساتھ دریا میں گھس جائیں گے۔ ہم میں سے ایک آدمی بھی آپ سے پیچھے نہ رہے گا۔ ہمیں اس میں کوئی گرائی نہیں کہ آپ کل ہی ہمیں دشمن سے بھڑا دیں۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے کام سے ایسے حالات کا مشاہدہ کرائے گا جس سے آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوگی۔ ہمیں اللہ کے نام پر جہاں چاہیں لے چلئے۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر بہت مسرور ہوئے اور قافلہ کو حکم دیدیا کہ اللہ کے نام پر چلو۔ اور یہ خوش خبری سنائی کہ مجھ سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ان دونوں جماعتوں میں سے ایک جماعت پر ہمارا غلبہ ہوگا۔ دونوں جماعتوں سے مراد ایک ابوسفیان کا تجارتی قافلہ اور دوسرا یہ مکہ سے آنے والا لشکر ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ کی قسم میں گویا اپنی آنکھوں سے مشرکین کی قتل گاہ کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ پورا واقعہ تفسیر ابن کثیر اور مظہری سے لیا گیا ہے۔ واقعہ کے تفصیل سننے کے بعد ان آیات مذکورہ صدر کو دیکھئے، پہلی آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا: ”وان فریقامن المؤمنین لکارہون“ یعنی ایک جماعت مسلمانوں کی اس جہاد کو بھاری سمجھ رہی تھی، اس سے اشارہ اس حال کی طرف ہے جو صحابہ کرام سے مشورہ لینے کے وقت بعض صحابہ کرام کی طرف سے ظاہر ہوا کہ انہوں نے جہاد سے پست ہمتی کا اظہار کیا۔ اور اسی واقعہ کا بیان دوسری آیت میں ہے: ”یجادلونک فی الحق بعد ما تبیین کانما یساقون الی الموت وهم یظنون“ یعنی یہ لوگ آپ سے حق کے معاملہ میں مجادلہ اور اختلاف کرتے ہیں گویا ان کو موت کی طرف کھینچا جا رہا ہے، جس کو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ صحابہ کرام نے اگرچہ کوئی عدول حکمی نہ کی تھی بلکہ مشورہ کے جواب میں اپنے ضعف اور پست ہمتی کا اظہار کیا تھا۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں سے ایسی رائے کا اظہار بھی ان کے مقام بلند کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند تھا اس لئے ناراضگی کے الفاظ سے اس کو بیان فرمایا۔

انَّهُ الْكُفْمُ وَتَوَدُّونَ أَنْ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ

دو گروہوں میں سے ایک گروہ تمہارا ہو جائے گا اور تم چاہتے تھے کہ جو قافلہ بے (شان و) شوکت (یعنی بغیر ہتھیار)

لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ﴿٤﴾

ہے وہ تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ چاہتا تھا کہ اپنے فرمان سے حق کو قائم رکھے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے [4]

[4] پہلی اور دوسری آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جس وقت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام کو یہ اطلاع ملی کہ قریشوں کا ایک عظیم لشکر اپنے تجارتی قافلہ کی حفاظت کے لئے مکہ سے نکل چکا ہے، تو اب مسلمانوں کے سامنے دو جماعتیں تھیں، ایک تجارتی قافلہ جس کو روایات میں ”عیسر“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسری یہ مسلح فوج جو مکہ سے چلی تھی، جس کو ”نقییر“ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، اس آیت میں یہ بتلایا کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ اور بواسطہ آپ کے سب مسلمانوں سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر تمہارا مکمل قبضہ ہو جائے گا۔ کہ اس کے متعلق جو تم چاہو گے کر سکو گے۔

اب یہ ظاہر ہے کہ تجارتی قافلہ پر قبضہ آسان اور بے خطر تھا اور مسلح فوج پر مشکل اور خطرات سے پر، اس لئے اس مبہم وعدہ کو سن کر بہت سے صحابہ کرام کی تمنا اور خواہش یہ ہوئی کہ وہ جماعت جس پر مسلمانوں کا قبضہ ہونے کا وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے وہ غیر مسلح تجارتی قافلہ ہو جائے، لیکن نبی کریم اور بہت سے اکابر صحابہ کا باشارات ربانی یہ ارادہ ہوا کہ مسلح فوج پر قبضہ ہو تو بہتر ہوگا۔

اس آیت میں غیر مسلح جماعت پر قبضہ چاہنے والے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ تمہیں تو اپنی سہولت پسندی اور خطرات سے یکسوئی کے پیش نظر یہی پسند تھا کہ غیر مسلح تجارتی قافلہ پر تمہارا قبضہ ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ اسلام کا اصل مقصد حاصل ہو یعنی حق کا حق ہونا واضح ہو جائے، اور کافروں کی جڑ کاٹ جائے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام اسی وقت ہو سکتا تھا جب کہ مسلح فوج سے مقابلہ ہو اور اس پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ اور غلبہ ہو۔

خلاصہ اس کا مسلمانوں کو اس پر تنبیہ ہے کہ تم نے جو صورت پسند کی وہ نہایت پست ہمتی اور آرام طلبی اور وقتی اور ہنگامی فائدہ کی چیز تھی، اور اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا وہ عالی ہمتی اور بلند مقاصد اور مکمل اور دائمی فوائد پر مشتمل

تھا۔ پھر دوسری آیت میں اس کو مزید واضح فرمادیا، کہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت سے تو کوئی چیز باہر نہ تھی، اگر وہ چاہتے تو تجارتی قافلہ پر مسلمانوں کا غلبہ اور قبضہ ہو جاتا۔

مگر اس نے رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام کی شایان شان اس کو سمجھا کہ مسلح فوج سے مقابلہ ہو کر اس پر قبضہ ہو، تا کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا واضح ہو جائے۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ حق تعالیٰ تو علیم خیر اور ہر کام کے آغاز و انجام سے باخبر ہیں، ان کی طرف سے اس مبہم وعدہ میں کیا مصلحت تھی کہ ان دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک جماعت پر مسلمانوں کا غلبہ اور قبضہ ہوگا۔ وہ ان میں سے کسی ایک کو متعین کر کے بھی فرما سکتے تھے کہ فلاں جماعت پر قبضہ ہو جائے گا۔ اس ابہام کی وجہ ’واللہ اعلم‘ یہ معلوم ہوتی ہے، کہ اس میں صحابہ کرام کا امتحان کرنا تھا، کہ آسان کام کو پسند کرتے ہیں یا مشکل کو۔ اور ان کی اخلاقی تربیت بھی تھی جس کے ذریعہ ان کو عالی ہمتی اور اعلیٰ مقاصد کی جدوجہد اور خطرات سے نہ گھبرانا سکھایا گیا۔

تیسری اور چوتھی آیتوں میں اس واقعہ کا بیان ہے جو مسلح فوج سے مقابلہ ٹھن جانے کے بعد پیش آیا کہ رسول کریم ﷺ نے جب یہ دیکھا کہ آپ کے رفقاء صرف تین سو تیرہ اور وہ بھی اکثر غیر مسلح ہیں، اور مقابلہ تقریباً ایک ہزار جوانوں کا مسلح لشکر ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کی بارگاہ میں نصرت و امداد کی دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

عبداللہ بن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ کی دعا کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں: یا اللہ مجھ سے جو وعدہ آپ نے فرمایا ہے، اس کو جلد پورا فرمادے۔ یا اللہ اگر یہ تھوڑی سی جماعت مسلمین فنا ہوگئی تو پھر زمین میں کوئی تیری عبادت کرنے والا باقی نہ رہے گا۔ کیونکہ ساری زمین کفر و شرک سے بھری ہوئی ہے یہی چند مسلمان ہیں جو صحیح عبادت بجالاتے ہیں۔ (ترمذی: رقم: ۳۰۸۱، و مسند احمد: ۲۰۸)۔

نبی کریم ﷺ برابر اسی طرح الحاج و زاری کے ساتھ دعا میں مشغول رہے، یہاں تک کہ آپ کے کندھے سے چادر بھی سرک گئی، ابو بکرؓ نے آگے بڑھ کر چادر اڑھائی اور عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ زیادہ فکر نہ کریں اللہ تعالیٰ آپ کی دعاء ضرور قبول فرمائیں گے، اور اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے۔ ایت میں ’اذتستغیثون ربکم‘ کے الفاظ سے یہی واقعہ مراد ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب تم اپنے رب سے استغاثہ کر رہے تھے، اور مدد طلب کر رہے تھے، یہ استغاثہ اگرچہ دراصل رسول کریم ﷺ کی طرف سے ہوا تھا مگر تمام صحابہ اس پر راضی تھے اس لئے پوری جماعت کی طرف منسوب کیا گیا۔

اس کے بعد اس دعاء کی قبولیت کا بیان اس طرح فرمایا: ”فاستجاب لکم انی ممدکم بالف من الملائکة مردفین“، یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری فریاد سن لی اور فرمایا کہ ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد کروں گا جو یکے بعد دیگرے قطار کی صورت میں آنے والے ہوں گے۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے جو بی نظیر قوت و طاقت عطا فرمائی ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جو قوم لوط علیہ السلام کی زمین کا تختہ الٹنے کے وقت پیش آیا، کہ جبرئیل امین نے ایک پر کے ذریعہ یہ تختہ الٹ دیا۔

ایسی بے مثال طاقت والے فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد مقابلہ میں بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی ایک بھی کافی تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی فطرت سے واقف ہیں کہ وہ تعداد سے بھی متاثر ہوتے ہیں، اس لئے مقابلہ فریق کی تعداد کے مطابق فرشتوں کے تعداد بھیجنے کا وعدہ فرمایا تا کہ ان کے قلوب پوری طرح مطمئن ہو جائیں۔

چوتھی آیت میں بھی یہی مضمون ارشاد فرمایا: ”وما جعلہ اللہ الابشری ولنطمئن بہ قلوبکم“، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ صرف اس لئے کیا کہ تمہیں بشارت ہو اور تا کہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔ غزوہ بدر میں جو اللہ تعالیٰ کے فرشتے امداد کے لئے بھیجے گئے ان کی تعداد اس جگہ ایک ہزار مذکور ہے، اور سورہ آل عمران میں تین ہزار اور پانچ ہزار ذکر کی گئی ہے۔

اس کا سبب دراصل تین مختلف وعدے ہیں، جو مختلف حالات میں کئے گئے ہیں۔ پہلا وعدہ ایک ہزار فرشتوں کا ہوا جس کا سبب رسول کریم ﷺ کی دعا اور عام مسلمانوں کی فریاد تھی، دوسرا وعدہ جو تین ہزار فرشتوں کا سورہ آل عمران میں پہلے مذکور ہے وہ اس وقت کیا گیا جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ قریشی لشکر کے لئے اور مکہ آرہی ہے۔ روح المعانی میں ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر وغیرہ سے بروایت شععی منقول ہے کہ مسلمانوں کو بدر کے دن یہ خبر پہنچی کہ کرز بن جابر محاربی مشرکین کے امداد کے لئے مکہ لے کر آ رہا ہے، اس خبر سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ اس پر آل عمران کی آیت: ”السن یکفیکم ان یمدکم ربکم بثلاثة الاف من الملائکة منزلین“ نازل ہوئی، جس میں تین ہزار فرشتے امداد کے لئے آسمان سے نازل کرنے کا وعدہ ذکر کیا گیا۔

اور تیسرا وعدہ پانچ ہزار کا اس شرط کی ساتھ مشروط تھا کہ اگر فریق مخالف نے یکبارگی حملہ کر دیا تو پانچ ہزار فرشتوں کی مدد بھیج دی جائے گی، وہ آل عمران کی آیت مذکورہ کے بعد کی آیت میں اس طرح مذکور ہے: ”بلی ان تصبروا وتنقوا“

ویاتوکم من فورہم ہذا یمدکم ربکم بخمسۃ الاف من الملائکۃ مسومین“ یعنی اگر تم ثابت قدم رہے اور تقویٰ پر قائم رہے اور مقابل لشکر یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑا تو تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا، جو خاص نشان یعنی خاص وردی میں ہوں گے۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس وعدہ میں تین شرطیں تھیں، ایک ثابت قدمی، دوسرے تقویٰ، تیسرے مخالف فریق کے یکبارگی حملہ، پہلی دو شرطیں تو صحابہ کرام میں موجود تھیں، اور اس میدان میں اول سے آخر تک ان میں کہیں فرق نہیں آیا، مگر تیسری شرط یکبارگی ہلہ بولنے کی واقع نہیں ہوئی، اس لئے پانچ ہزار ملائکہ کے لشکر کی نوبت نہیں آئی۔ اس لئے معاملہ ایک ہزار اور تین ہزار میں دائر رہا جس میں یہ بھی احتمال ہے کہ تین ہزار سے مراد یہ ہو کہ ایک ہزار جو پہلے بھیجے گئے ان کے ساتھ مزید دو ہزار شامل کر کے تین ہزار کر دیئے گئے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ تین ہزار اس پہلے ہزار کے علاوہ ہوں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان تین آیتوں میں ملائکہ کی تین جماعتوں کے بھیجنے کا وعدہ ہے، اور ہر جماعت کے ساتھ ایک خاص صفت کا ذکر ہے، اس سورت کی آیت جس میں ایک ہزار کا وعدہ ہے، اس میں تو ان ملائکہ کی صفت میں ”مردفین“ فرمایا ہے، جس کے معنی ہیں پیچھے لگانے والے، اس میں شاید اس طرف پہلے ہی اشارہ کر دیا گیا کہ ان فرشتوں کے پیچھے دوسرے بھی آنے والے ہیں۔

اور سورہ ال عمران کی پہلی آیت میں ملائکہ کی صفت ”منزلین“ ارشاد فرمائی، یعنی یہ فرشتے آسمان سے اتارے جائیں گے، اس میں اشارہ خاص اہمیت کی طرف ہے کہ زمین میں جو فرشتے پہلے سے موجود ہیں ان سے کام لینے کے بجائے خاص اہتمام کے ساتھ یہ فرشتے آسمان سے اسی کام کے لئے بھیجے جائیں گے، اور آل عمران کی دوسری آیت جس میں پانچ ہزار کا ذکر ہے اس میں ملائکہ کی صفت ”مسومین“ ارشاد فرمائی ہے، کہ وہ ایک خاص لباس اور علامت کے ساتھ ہوں گے، جیسا کہ روایات حدیث میں ہے کہ بدر میں نازل ہونے والے فرشتوں کے عمائے سفید اور غزوہ حنین میں مدد کے لئے آنے والے فرشتوں کے عمائے سرخ (یا زرد) تھے۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا: ”وما النصر الا من عند اللہ ان اللہ عزیز حکیم“ اس میں مسلمانوں کو تنبیہ فرمادی کہ جو مدد بھی کہیں سے ملتی ہے خواہ ظاہری صورت سے ہو یا مخفی انداز سے سب اللہ تعالیٰ ہی کے طرف سے ہے اسی کے قبضہ میں ہے فرشتوں کی مدد بھی اسی کے تابع فرمان ہے اس لئے تمہاری نظر صرف اسی ذات وحدہ لا شریک لہ کی طرف رہنی چاہئے کیونکہ وہ بڑا قدرت والا حکمت والا ہے۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿۸﴾

تاکہ سچ کو سچ ثابت اور جھوٹ کو جھوٹ مٹا کر دے گو مشرک ناخوش ہی ہوں۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری دعا قبول کر لی (اور فرمایا) کہ (تسلی رکھو) ہم ہزار فرشتوں سے

مُرْدِفِينَ ﴿۹﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ

جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جائیں گے تمہاری مدد کریں گے۔ اور اس مدد کو اللہ نے محض بشارت بنایا تھا کہ تمہارے دل اس سے اطمینان حاصل کریں

وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾

اور مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

إِذْ يُغَشِّكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيَنْزِلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

جب اُس نے (تمہاری) تسکین کیلئے اپنی طرف سے تمہیں نیند (کی چادر) اڑھادی اور تم پر آسمان سے پانی برسایا

لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْسَ الشَّيْطَانِ

تاکہ تمہیں اُس سے (نبھلا کر) پاک کر دے اور شیطانی نجاست کو تم سے دور کر دے اور اس لئے بھی

وَلِيُرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ إِذْ يُوحِي رَبُّكَ

کہ تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور اس سے تمہارے پاؤں جمائے رکھے۔ جب تمہارا رب فرشتوں کو ارشاد فرماتا تھا

إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبَّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأَلْتَنِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ

کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مومنوں کو تسلی دو کہ ثابت قدم رہیں، میں ابھی ابھی کافروں کے دلوں میں

كَفَرُوا الرَّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

رعب و ہبت ڈالے دیتا ہوں تو اُن کے سر مار (کر) اڑا دو اور اُن کا پور پور مار (کر توڑ) دو۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

یہ (سزا) اسلئے دی گئی کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے

فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّكُمْ فِدُوْكُمْ وَاَنَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴۱﴾

تو اللہ بھی سخت عذاب دینے والا ہے۔ یہ چکھو اور یہ کہ کافروں کیلئے (آخرت میں) دوزخ کا عذاب ہے [5]

[5] ابتداء سورہ انفال سے اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا بیان ہو رہا ہے جو اس کے فرمانبردار بندوں پر مبذول ہوئے،

غزوہ بدر کے واقعات بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ غزوہ بدر میں جو انعامات حق تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئے، ان میں سے پہلا انعام تو خود اس جہاد کے لئے مسلمانوں کو نکالنا ہے، جس کا بیان آیت ”اذا خر جک ربک“ میں ہوا ہے۔ دوسرا انعام فرشتوں کی مدد کا وعدہ ہے، جس کا ذکر آیت ”اذ یعدکم اللہ“ میں آیا ہے۔ تیسرا انعام دعا کی قبولیت اور مدد کا وعدہ پورا کرنا ہے، جس کا ذکر آیت ”اذ تستغیثون ربکم“ میں ہوا ہے۔

مذکورہ صدر آیات میں سے پہلی آیت میں چوتھے انعام کا تذکرہ ہے، جس میں مسلمانوں کے لئے دو نعمتوں کا ذکر ہے، ایک سب پر نیند غالب آکر پریشانی اور تھکان کا دور ہو جانا، دوسرے بارش کے ذریعہ ان کے لئے پانی مہیا فرمانا، اور میدان جنگ کو ان کے لئے ہموار اور دشمن کے لئے دلدل بنا دینا۔

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ جس وقت کفر و اسلام کا یہ پہلا معرکہ ٹھن گیا تو کفار مکہ کا لشکر پہلے پہنچ کر ایک ایسے مقام پر پڑاؤ ڈال چکا تھا جو انچائی پر تھا، پانی اس کے قریب تھا، نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام اس جگہ پہنچے تو وادی کے نچلے حصہ میں جگہ ملی قرآن کریم نے اس میدان جنگ کا نقشہ اسی سورت کی بیاسویں آیت میں اس طرح کھینچا ہے: ”اذ انتم بالعدوۃ الدنیا وھم بالعدوۃ القصویٰ“۔ جس جگہ پہنچ کر رسول پاک ﷺ نے اول قیام فرمایا، اس مقام کے واقف کار ”حباب بن منذر“ نے اس کو جنگی اعتبار سے نامناسب سمجھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو مقام آپ نے اختیار فرمایا ہے یہ اللہ کے حکم سے ہے، جس میں ہمیں کوئی اختیار نہیں یا محض رائے اور مصلحت کے پیش نظر اختیار فرمایا گیا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا کہ نہیں یہ کوئی حکم الہی نہیں اس میں تغیر تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ تب حباب بن منذر نے عرض کیا کہ پھر تو بہتر ہے کہ اس مقام سے آگے بڑھ کر کئی سرداروں کے لشکر کے قریب ایک پانی کا مقام ہے اس پر قبضہ کیا جائے

وہاں ہمیں پانی افراط کے ساتھ مل جائے گا۔

نبی کریم ﷺ نے ان کا مشورہ قبول فرمایا اور وہاں جا کر پانی پر قبضہ کیا، ایک حوض پانی کے لئے بنا کر اس میں پانی کا ذخیرہ جمع فرمایا۔ اس سے مطمئن ہونے کے بعد سعد بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم آپ کے لئے ایک سایہ بان کسی محفوظ جگہ میں بنا دیں، جہاں آپ مقیم رہیں، اور آپ کی سواریاں بھی آپ کے پاس رہیں۔ منشا اس کا یہ ہے کہ ہم دشمن کے مقابلہ میں جہاد کریں گے اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح نصیب فرمائی تو یہی مقصد ہے، اور اگر اللہ نخواستہ کوئی دوسری صورت ہو تو آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر ان صحابہ کرام کے ساتھ جا ملیں جو مدینہ میں رہ گئے ہیں، کیونکہ میرا گمان یہ ہے کہ وہ لوگ بھی جانثاری اور آپ سے محبت میں ہم سے کم نہیں اور اگر ان کو آپ کے نکلنے کے وقت یہ خیال ہوتا کہ آپ کا اس مسلح لشکر سے مقابلہ ہوگا تو ان میں سے کوئی بھی پیچھے نہ رہتا، آپ مدینہ میں پہنچ جائیں گے تو وہ آپ کے رفیق کار رہیں گے۔ رسول پاک ﷺ نے ان کی اس جانبازانہ پیش کش پر دعائیں دیں۔ اور ایک مختصر سا سایہ بان آپ ﷺ کے لئے بنا دیا گیا، جس میں نبی کریم ﷺ اور صدیق اکبرؓ کے سوا کوئی نہ تھا۔ معاذؓ دروازہ پر حفاظت کے لئے تلوار لئے کھڑے تھے۔

معرکہ کی پہلی رات تھی، تین سو تیرہ بے سرو سامان لوگوں کا مقابلہ اپنے سے تین گنا تعداد یعنی ایک ہزار مسلح فوج سے تھا، میدان جنگ کا بھی اچھا مقام ان کے قبضے میں آچکا تھا، نچلا حصہ وہ بھی سخت ریتیلہ جس میں چلنا دشوار مسلمانوں کے ہاتھ آتا تھا، طبعی پریشانی اور فکر سب کو تھی، بعض لوگوں کے دل میں شیطان نے یہ وساوس بھی ڈالنے شروع کئے کہ تم لوگ اپنے آپ کو حق پر کہتے ہو اور اس وقت بھی بجائے آرام کرنے کے نماز تہجد وغیرہ میں مشغول ہو مگر حال یہ ہے کہ دشمن ہر حیثیت سے تم پر غالب اور تم سے بڑھا ہوا ہے، ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر ایک خاص قسم کی نیند مسلط فرمادی جس نے ہر مسلمان کو خواہ اس کا رادہ ہونے کا تھا یا نہیں جبراً اسلادیا۔

ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ علی مرتضیٰ نے فرمایا کہ غزوہ بدر کی اس رات میں ہم میں سے کوئی باقی نہیں رہا جو سونہ گیا ہو۔ صرف رسول اللہ ﷺ تمام رات بیدار رہ کر صبح تک نماز تہجد میں مشغول رہے۔ اور ابن کثیر نے بحوالہ ابن جریر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس رات میں جب کہ اپنے عریش یعنی سائبان میں نماز تہجد میں مشغول تھے آپ کو بھی کسی قدر اونگھ آگئی، مگر فوراً ہی ہنستے ہوئے بیدار ہو کر فرمایا۔ اے ابو بکر خوشخبری سنو! یہ جبرئیل علیہ السلام

ٹیلے کے قریب کھڑے ہیں اور یہ کہہ کر سائبان سے باہر یہ آیت پڑھتے ہوئے تشریف لے گئے: ”سیهزم الجمع ویولون الدبر“ (قمر: ۴۵) یعنی عنقریب دشمن کی جماعت ہار جائے گی، اور پیٹھ پھیر کر بھاگے گی، بعض روایات میں ہے کہ آپ نے باہر نکل کر مختلف جگہوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ابو جہل کی قتل گاہ ہے، یہ فلاں کی یہ فلاں کی، اور پھر ٹھیک اسی طرح واقعات پیش آئے۔ (اب اس جگہ ایک مسجد بنام مسجد عریش تعمیر کی گئی ہے) (تفسیر مظہری)۔

اور جیسا غزوہ بدر میں تھکان اور پریشانی دور کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے تمام صحابہ کرام پر خاص قسم کی نیند مسلط فرمائی اسی طرح غزوہ احد میں بھی اسی طرح کا واقعہ ہوا۔ سفیان ثوری نے بروایت عبد اللہ بن مسعود نقل کیا ہے کہ جنگ کی حالت میں نیند اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن و اطمینان کی نشانی ہوتی ہے اور نماز میں نیند شیطان کی طرف سے ہوتی ہے۔ (ابن کثیر)۔

دوسری نعمت مسلمانوں کو اس رات میں یہ ملی کہ بارش ہو گئی جس نے میدان جنگ کا نقشہ بالکل پلٹ دیا، قریشی لشکر نے جس جگہ پر قبضہ کیا تھا وہاں تو بارش بہت تیز آئی، اور میدان میں دلدل ہو کر چلنا مشکل ہو گیا۔ اور جس جگہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام مقیم تھے، یہاں ریت کی وجہ سے چلنا مشکل تھا، یہاں بارش ہوئی جس نے تمام ریتے کو جما کر میدان کو نہایت ہموار کر دیا۔

آیت مذکورہ میں انہیں دو نعمتوں کا ذکر ہے نیند اور بارش جس نے میدان کارراز کا نقشہ پلٹ کر وہ شیطانی وساوس دھو ڈالے جو بعض کمزور لوگوں کو ستا رہے تھے، کہ ہم حق پر ہونے کے باوجود مقہور و مغلوب نظر آتے ہیں اور دشمن باطل پر ہونے کے باوجود قوت و شوکت اور اطمینان کی حالت میں ہے۔ آیت مذکورہ میں فرمایا کہ اس وقت کو یاد کرو جب کہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا، چین دینے کے لئے، اور تم پر پانی برس رہا تھا، تاکہ اس پانی سے تم کو پاک کر دے۔ اور تم سے شیطانی وساوس کو دفع کر دے اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے اور تمہارے پاؤں جمادے۔

دوسری آیت میں پانچویں انعام کا ذکر ہے جو اس غزوہ بدر کے میدان کارزار میں مسلمانوں پر مبذول ہوا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے بھیجے تھے ان کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ، میں ابھی کفار کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ سو تم کفار کی گردنوں پر حرج بہ مارو اور ان کے پور پور کو مارو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا

اے اہل ایمان! جب میدانِ جنگ میں کفار سے تمہارا مقابلہ ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرنا اور جو شخص جنگ کے روز

فَلَا تُولُوهُمْ الْأَدْبَارَ ﴿۱۴﴾ وَمَنْ يُولُوهُمْ يَوْمَئِذٍ ذُبْرُهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ

اس صورت کے سوا کہ لڑائی کیلئے کنارے کنارے چلے (یعنی حکمتِ عملی سے دشمن کو مارے) یا اپنی فوج میں جا ملنا چاہے

أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا وَاهُ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ

ان سے پیٹھ پھیرے گا تو (سمجھو کہ) وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گیا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت ہی بُری

الْمَصِيرُ ﴿۱۴﴾ قَلِمٌ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ

جگہ ہے۔ [6] تم لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور (اے محمد ﷺ!) جس وقت تم نے نکلیا پھینکی تھیں

[6] آیات مذکورہ میں سے پہلی دو آیتوں میں اسلام کا ایک جنگی قانون بتلایا گیا ہے، پہلی آیت میں لفظ ”زحف

“ سے مراد دونوں لشکروں کا مقابلہ اور اختلاط ہے، معنی یہ ہیں کہ ایسی جنگ چھڑ جانے کے بعد پشت پھیرنا اور میدان سے

بھاگنا مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔

دوسری آیت میں اس حکم سے استثناء کا ذکر اور ناجائز طور پر بھاگنے والوں کے عذاب شدید کا بیان ہے۔ استثناء

دو حالتوں کا ہے ﴿المتحرفا للقتال او متحيزا الى فئة﴾ یعنی جنگ کے وقت پشت پھیرنا صرف دو حالتوں میں

جائز ہے ایک تو یہ کہ میدان سے پشت پھیرنا محض ایک جنگی چال کے طور پر دشمن کو دکھانے کے لئے ہو حقیقتاً میدان سے

ہٹنا مقصد نہ ہو بلکہ مخالف کو ایک غفلت میں ڈال کر یکبارگی حملہ پیش نظر ہو یہ معنی ہیں ”المتحرفا للقتال“ کے، کیونکہ

”حرف“ کے معنی کسی ایک جانب مائل ہونے کے آتے ہیں۔ (روح المعانی)۔ دوسری استثنائی حالت جس میں میدان

سے پشت پھیرنے کی اجازت ہے یہ ہے کہ اپنے موجودہ لشکر کی کمزوری کا احساس کر کے اس لئے پیچھے ہٹیں تاکہ مجاہدین کی

مزید کمک حاصل کر کے پھر حملہ آور ہوں۔ اور امام احمد: ۷۰۲، اور ابوداؤد: ۲۶۳۶، وترمذی: ۱۷۷۰، وغیرہ کی ایک

روایت میں جو قصہ عبد اللہ بن عمرؓ کا منقول ہے، کہ: قال عبد الله بن عمرؓ كنت في سرية من سرى ارسول

اللہ ﷺ، فخاص الناس حیصۃ وکنت فیمن خاص فقلنا: کیف نصنع وقد فررنا من الزحف، وبنو بالغضب؟ ثم قلنا لو دخلنا المدينة فبتنا؟ ثم قلنا، لو عرضنا انفسنا على رسول الله ﷺ، فان كانت لنا توبة والاذھبنا؟ فاتیناه قبل صلاة الغداة، فخرج فقال من القوم؟ فقلنا نحن الفرارون، فقال لا بل انتم العکارون، انا فتکتکم وانا فتة المسلمین، قال فاتیناه حتی قبلنا یدہ.

یعنی ایک مرتبہ جنگ سے بھاگ کر انہوں نے مدینہ میں پناہ لی اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اعتراف جرم کیا کہ ہم میدان جنگ سے بھاگنے والے مجرم ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے بجائے اظہار ناراضگی کے ان کو تسلی دی اور فرمایا ”بل انتم العکارون وانا فتکتکم“ یعنی تم بھاگنے والے نہیں بلکہ مکہ حاصل کر کے دوبارہ حملہ کرنے والے ہو، اور میں تمہارے لئے مکہ ہوں، اس میں نبی کریم ﷺ نے اس حقیقت کو واضح فرمادیا کہ ان لوگوں کا بھاگ کر مدینہ میں پناہ لینا اس استثناء کے اندر داخل ہے جس میں مکہ حاصل کرنے کے لئے میدان چھوڑنے کی اجازت دی گئی ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ کو حق تعالیٰ کے خوف اور ہیبت و عظمت کا جو مقام خاص حاصل تھا اس کی بنا پر وہ اس ظاہری پسپائی سے بھی گھبرائے اور اپنے آپ کو مجرم کی حیثیت میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

اور ”متحیز الی فئۃ“ کے یہی معنی ہیں کیونکہ ”تحیز“ کے لفظی معنی انضمام اور ملنے کے ہیں، اور ”فئۃ“ کے معنی جماعت کے، مطلب یہ ہے کہ اپنی جماعت سے مل کر قوت حاصل کرنے اور پھر حملہ کرنے کی نیت سے میدان چھوڑے تو یہ جائز ہے۔

یہ استثناء ذکر کرنے کے بعد ان لوگوں کی سزا کا ذکر ہے جنہوں نے استثنائی حالات کے بغیر ناجائز طور پر میدان چھوڑا یا پشت موڑی ارشاد ہے: فقد باء بغضب من اللہ ومأواہ جہنم وبئس المصیر یعنی میدان جنگ سے بھاگنے والے اللہ تعالیٰ کا غضب لے کر لوٹے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔

ان دونوں آیتوں سے یہ حکم معلوم ہوا کہ فریق مقابل کتنی ہی زیادہ تعداد اور قوت و شوکت میں ہو مسلمانوں کو ان کے مقابلہ سے پشت پھیرنا حرام ہے، بجز دو استثنائی صورتوں کے یہ کہ پشت پھیرنا بھاگنے کے لئے نہ ہو بلکہ یا تو پینترا بدلنے کے طور پر ہو، اور یا مکہ حاصل کر کے دوبارہ حملہ کرنے کے قصد سے ہو۔

غزوہ بدر میں آیتیں یہ نازل ہوئیں، اس وقت یہی حکم عام تھا کہ خواہ کتنی ہی بڑی تعداد سے مقابلہ ہو جائے اور اپنی تعداد سے ان کی کوئی نسبت نہ ہو پھر بھی پشت پھیرنا اور میدان چھوڑنا جائز نہیں۔ میدان بدر میں یہی صورت =

وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ، وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

تو وہ تم نے نہیں بھیجی تھیں بلکہ اللہ نے بھیجی تھیں، اس سے یہ حکمت تھی کہ مومنوں کو اپنے سے اچھی طرح آزمالے بیشک اللہ سنتا جانتا ہے [7]

= تھی کہ تین سو تیرہ کا مقابلہ کئی تعداد یعنی ایک ہزار سے ہو رہا تھا، بعد میں تخفیف کے احکام سورہ انفال کی آیت ۶۵، ۶۶، میں نازل ہوئے آیت ۶۵، میں بیس مسلمانوں کو دو سو کافروں کے اور مسلمانوں کو ایک ہزار کافروں کے مقابلہ میں جہاد کرنے کا حکم ہے اور آیت ۶۶، میں مزید تخفیف کا یہ قانون نازل ہو گیا۔

اس میں اشارہ کر دیا کہ اپنے سے دو گنی تعداد تک تو مسلمانوں ہی کے غالب رہنے کی توقع ہے، اس لئے پشت پھیرنا جائز نہیں ہاں فریق مخالف کی تعداد دو گنی سے بھی زیادہ ہو جائے تو ایسی حالت میں میدان چھوڑ دینا جائز ہے۔

عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ جو شخص اکیلا تین آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگا وہ نہیں، ہاں جو دو آدمیوں کے مقابلہ سے بھاگا وہ بھاگنے والا ہے یعنی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے (روح البیان)۔ اب یہی حکم قیامت تک باقی ہے جمہور امت اور ائمہ اربعہ کے نزدیک حکم شرعی یہی ہے کہ جب تک فریق مخالف کی تعداد دو گنی سے زائد نہ ہو اس وقت تک میدان جنگ سے بھاگنا حرام اور گناہ کبیرہ ہے۔

صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سات کاموں کو انسان کے لئے مہلک فرمایا، ان میں میدان جنگ سے بھاگنا بھی شمار فرمایا۔ (خ: ۶۶-۶۷، م: ۲۷-۲۸) اور غزوہ حنین کے واقعہ میں صحابہ کرام کی ابتدائی پسپائی کو قرآن کریم نے ایک شیطانی لغزش قرار دیا جو اس کے گناہ عظیم ہونے کی دلیل ہے ارشاد فرمایا: ”انما استنزلهم الشيطان“۔

[7] واقعہ جو اس آیت میں بیان ہوا اس کی تفصیل ابن جریر طبری اور بیہقی وغیرہ نے عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ سے یہ نقل کی ہے کہ معرکہ بدر کے دن جب مکہ کے ایک ہزار جوانوں کا لشکر ٹیلہ کے پیچھے سے میدان میں آیا تو مسلمانوں کی قلت اور ضعف اور اپنی کثرت و قوت پر فخر کرتا ہوا تکبرانہ انداز سے سامنے آیا۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے دعا کی کہ یا اللہ یہ تیرے جھٹلانے والے قریش فخر و تکبر کرتے ہوئے آرہے ہیں، آپ نے جو فتح کا وعدہ مجھ سے فرمایا ہے اس کو جلد پورا فرما (روح البیان)۔ تو جبریل امین نازل ہوئے اور عرض کیا کہ ایک مٹھی خاک کی لے کر دشمن کے لشکر کی =

﴿۱۸﴾ إِنَّ تَسْتَفْتِحُوا

(بات) یہ (ہے) کچھ شک نہیں کہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کر دینے والا ہے (کافرو) اگر تم (محمد ﷺ پر) فیصلہ چاہتے ہو

فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَإِنْ تَعُودُوا

تو تمہارے پاس فیصلہ آچکا (دیکھو) اگر تم (اپنے افعال سے) باز آ جاؤ تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر پھر (نافرمانی)

نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتِكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ

کرو گے تو ہم بھی پھر (تمہیں عذاب) دیں گے اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی

= طرف پھینک۔ دیں آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا۔ اور ابن ابی حاتم نے بروایت ابن زید نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین مرتبہ

مٹی اور کنکریوں کی مٹھی بھری ایک لشکر کے داہنے حصہ پر دوسری بائیں حصہ پر، تیسری سامنے کی جانب پھینک دی، جس کا نتیجہ یہ

ہوا کہ اس ایک یا تین مٹھی بھر کنکریوں کو قدرت نے معجزانہ انداز میں اس طرح پھیلا دیا کہ مخالف لشکر کا کوئی آدمی باقی نہ رہا جس

کی آنکھوں میں اور چہروں پر یہ دھول اور کنکریاں نہ پہنچی ہوں، جس کا اثر یہ ہوا کہ پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور مسلمانوں نے

ان کا تعاقب کیا فرشتے الگ ان کے ساتھ شریک قتال تھے (مظہری)۔ بالآخر کچھ لوگ مخالف فریق کے قتل ہو گئے، کچھ

گرفتار کر لئے گئے، باقی بھاگ گئے، اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ بالکل مایوسی اور ناامیدی کے عالم میں یہ فتح عظیم

مسلمانوں کو حاصل ہوئی، میدان جنگ سے واپس آ کر آپس میں گفتگوئیں شروع ہوئیں، صحابہ کرام اپنے اپنے کارنامے ایک

دوسرے سے بیان کرنے لگے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ﴾ جس میں ان کو یہ ہدایت دی گئی

کہ اپنی سعی و عمل پر ناز نہ کرو، یہ جو کچھ ہوا وہ صرف تمہاری محنت و کوشش کا نتیجہ نہیں بلکہ خالص حق تعالیٰ کی نصرت و امداد کا ثمرہ

تھا، جو دشمن تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے ان کو درحقیقت تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے۔ اسی طرح رسول

کریم ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد ہوا: ﴿وَمَارِمِيتِ اِذْمِيتِ وَلَكِنَّ اللّٰهَ رَمٰی﴾ یعنی یہ مٹھی کنکریوں کی جو آپ نے پھینکی وہ

درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی ہے مطلب یہ ہے کہ پھینکنے کا یہ نتیجہ کہ لشکر دشمن کے ہر فرد کی آنکھوں میں پہنچ

کر سب کو ہراسیمہ کر دے یہ آپ کے پھینکنے کا اثر نہیں تھا بلکہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ صورت پیدا فرمائی۔

وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۹﴾ بِأَيِّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور اللہ تو مومنوں کیساتھ ہے۔ [8] اے ایمان والو! اللہ اور اُس کے رسول کے حکم پر چلو

[8] اس آیت میں شکست خوردہ قریشی کفار کو خطاب اور ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو قریشی لشکر کے مسلمانوں کے مقابلہ پر مکہ سے نکلنے کے وقت پیش آیا تھا۔ وہ یہ کہ جب قریشی کفار کا لشکر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا تو مکہ سے نکلنے سے پہلے لشکر کے سردار ابو جہل وغیرہ نے بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر دعائیں مانگی تھیں، اور عجیب بات یہ ہے کہ اس دعائیں انہوں نے اپنی فتح کی دعا کرنے کے بجائے عام الفاظ میں اس طرح دعا مانگی: یا اللہ! دونوں لشکروں میں سے جو اعلیٰ و افضل ہے اور دونوں جماعتوں میں سے جو زیادہ ہدایت پر ہے، اور دونوں پارٹیوں میں سے جو زیادہ شریف ہے، اور دونوں میں سے جو دین کے اعتبار سے افضل ہے اس کو فتح دیجئے۔ (مظہری)۔

یہ بے وقوف تو یوں سمجھ رہے تھے کہ بمقابلہ مسلمانوں کے ہم ہی اعلیٰ و افضل اور زیادہ ہدایت پر ہیں، اس لئے یہ دعا ہمارے حق میں ہے اور اس دعا کے ذریعہ وہ یہ چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و باطل کا فیصلہ ہو جائے۔ اور جب ہم فتح پائیں تو یہ گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے حق پر ہونے کا فیصلہ ہوگا۔

مگر ان کو یہ خبر نہ تھی کہ اس دعائیں درحقیقت وہ اپنے لئے بد دعا اور مسلمانوں کے لئے دعا کر رہے ہیں، انجام جنگ سامنے آنے کے بعد قرآن کریم نے ان کو بتلایا: ﴿ان تستفتحوا فقد جاءكم الفتح﴾ یعنی اگر تم الہی فیصلہ چاہتے ہو، تو وہ سامنے آچکا کہ حق کو فتح اور باطل کو شکست ہوگی۔ ﴿وان تستنہوا فهو خیر الکم﴾ اور اگر تم اب بھی اپنے کفر و عناد سے باز آگئے تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، ﴿وان تعودوا نعد﴾ اور اگر تم پھر اپنی شرارت اور جنگ کی طرف لوٹے تو ہم بھی مسلمانوں کی امداد کی طرف لوٹیں گے۔ ﴿ولن تغنی عنکم فتکم شیئا ولو کثرت﴾ یعنی تمہاری جماعت اور جتھا کتنا ہی زیادہ ہو اللہ تعالیٰ کی نصرت کے مقابلہ میں تمہیں کچھ کام نہ دے گا۔ ﴿وان اللہ مع المومنین﴾ یعنی کوئی جماعت تمہیں کیا کام دے سکتی ہے، جب کہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَانْتُمْ تَسْمَعُونَ ﴿۲۰﴾

اور اُس سے روگردانی نہ کرو اور تم سنتے ہو

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۱﴾

اور اُن لوگوں جیسے نہ ہونا جو کہتے ہیں کہ ہم نے (حکمِ الہی) سن لیا مگر (حقیقت میں) نہیں سنتے

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۲﴾ وَلَوْ عَلِمَ

کچھ شک نہیں کہ اللہ کے نزدیک تمام جانداروں سے بدتر بہرے گونگے ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے اور اگر اللہ ان میں نیکی (کا مادہ) دیکھتا

اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّا سَمْعَهُمْ وَلَوْ سَمِعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۲۳﴾

تو ان کو سننے کی توفیق بخشا اور اگر (بغیر صلاحیت ہدایت کے) سماعت دیتا تو وہ منہ پھیر کر بھاگ جاتے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ

مومنو! اللہ اور اُس کے رسول کا حکم قبول کرو جب کہ رسول اللہ تمہیں ایسے کام کیلئے بلاتے ہیں جو تمہیں (جاوداں) زندگی بخشتا ہے

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾

اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ تم سب اُس کے رُو برو جمع کئے جاؤ گے [9]

[9] پہلی آیت میں ارشاد ہے اگر اللہ تعالیٰ ان میں کوئی بھلائی دیکھتے تو ان کو اعتقاد کے ساتھ سننے کی توفیق بخش

دیتے، اور اگر ان کو بحالت موجودہ کہ ان میں طلب حق نہیں ہے حق بات سنا دیں تو وہ ضرور روگردانی کریں گے بے رُخی

کرتے ہوئے۔ بھلائی سے مراد اس جگہ طلب حق ہے کہ طلب ہی کے ذریعہ تدبر اور فہم کے دروازے کھلتے ہیں، اور اسی سے

اعتقاد و عمل کی توفیق ہوتی ہے، اور جن میں طلب حق نہیں گویا اس میں کوئی بھلائی نہیں، معنی یہ ہیں کہ اگر ان میں کوئی بھلائی

موجود ہوتی تو ظاہر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتی، جب اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے اندر کوئی بھلائی نہیں، تو معلوم

ہوا کہ درحقیقت وہ ہر بھلائی سے محروم ہیں، اور اس محرومی کی حالت میں اگر ان کو نورِ تدبر اور اعتقاد حق کی دعوت دی جائے

تو وہ ہرگز قبول نہ کریں گے، بلکہ اس سے منہ پھیر کر بھاگیں گے، یعنی ان کی یہ روگردانی اس بنا پر نہ ہوگی کہ دین میں ان کو اعتراض کی بات نظر آگئی اس لئے نہیں مانا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے حق بات پر دھیان ہی نہیں دیا۔

اس تقریر سے وہ منطقی شبہ بھی رفع ہو گیا جو اہل علم کے دلوں میں ٹھکتا ہے کہ یہ قیاس کی شکل اول ہے، حد اوسط حذف کریں تو نتیجہ غلط نکل رہا ہے، جواب یہ ہے کہ درحقیقت یہاں حد اوسط مکرر نہیں کیونکہ پہلے ”لا سمعہم“ کا مفہوم الگ ہے، دوسرے ”اسمعہم“ کا الگ، پہلے میں سماع قبول اور سماع نافع مراد ہے دوسرے میں خالی سماع۔

دوسری آیت میں پھر اہل ایمان کو خطاب کر کے اللہ اور رسول کے احکام کی تعمیل و اطاعت کا حکم ایک خاص انداز سے دیا گیا، کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تمہیں جس چیز کی دعوت دیتے ہیں اس میں اللہ اور رسول کا اپنا کوئی فائدہ مضمر نہیں بلکہ سب احکام تمہارے ہی فائدہ کے لئے دیئے گئے ہیں ارشاد فرمایا ہے: ﴿استجیبوا لله وللرسول اذا دعاكم لما يحییکم﴾ یعنی بات مانو اللہ کی اور رسول کی جب کہ رسول تم کو ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لئے زندگی بخش ہے۔ وہ حیات جس کا ذکر اس آیت میں ہے کیا ہے اس میں کئی احتمال ہیں: اس لئے علماء تفسیر نے مختلف قول اختیار کئے ہیں، سدی نے کہا کہ وہ حیات بخش چیز ایمان ہے کیونکہ کافر مردہ ہے۔ قتادہ نے فرمایا کہ وہ قرآن ہے جس میں دنیا و آخرت کی زندگی اور فلاح مضمر ہے۔ مجاہد نے فرمایا کہ وہ حق ہے، ابن اسحاق نے فرمایا کہ مراد اس سے جہاد ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عزت بخشا، اور یہ سب احتمالات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، ان میں کوئی تضاد نہیں اور مراد یہ ہے کہ ایمان یا قرآن یا اتباع حق وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن سے انسان کا دل زندہ ہوتا ہے اور دل کی زندگی یہ ہے کہ بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو غفلت و شہوت وغیرہ کے حجابات حائل ہیں وہ راہ سے ہٹ جائیں اور حجابات کی ظلمت دور ہو کر نور معرفت دل میں جگہ کر لے۔

ترمذی: ۲۸۷۵، اور نسائی فی سنن کبریٰ: ۱۱۲۰۵، نے بروایت ابو ہریرہؓ نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز ابی بن کعبؓ کو بلایا ابی بن کعب نماز پڑھ رہے تھے جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ میرے پکارنے پر آنے میں دیر کیوں لگائی؟ ابی بن کعب نے عرض کیا، کہ میں نماز میں تھا آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا: ﴿استجیبوا لله وللرسول اذا دعاكم﴾؟ ابی بن کعب نے عرض کیا کہ آئندہ اس کی اطاعت کروں گا اگر بحالت نماز بھی آپ بلائیں گے فوراً حاضر ہو جاؤں گا۔ اور اس جیسی ایک روایت امام بخاری نے کتاب التفسیر میں ابو سعید بن اہعلیؓ سے نقل کیا ہے۔

وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً

اور اُس فتنے سے ڈرو جو خصوصیت کیساتھ انہیں لوگوں پر واقع نہ ہو گا جو تم میں گنہگار ہیں

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

اور جان رکھو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے

وَإِذْ كُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ

اور (اُس وقت کو) یاد کرو جب تم زمین (مکہ) میں قلیل اور ضعیف سمجھے جاتے تھے اور ڈرتے رہتے تھے

أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ

کہ لوگ تمہیں اڑا (نہ) لے جائیں (یعنی بے جان و مال نہ کر دیں) تو اُس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے تمہیں تقویت بخشی

مِّنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۱۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ

اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں تاکہ (اُسکا) شکر کرو۔ اے ایمان والو! نہ تو اللہ اور رسول کی امانت میں خیانت کرو

وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۱۳﴾ وَعَلِمُوا أَنَّ

اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو اور تم (ان باتوں کو) جانتے ہو۔ اور جان رکھو کہ تمہارا

أَمْوَالِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ فَتْنَةٌ وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۱۴﴾

مال اور اولاد بڑی آزمائش ہے اور یہ کہ اللہ کے پاس (نیکیوں کا) بڑا ثواب ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ

مومنو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا (یعنی تمہیں ممتاز کر دے گا) اور تمہارے گناہ مٹا دے گا

سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۱۵﴾ وَإِذْ يَمْكُرُ بِكَ

اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ اور جب کافر لوگ تمہارے بارے میں

الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُثْبِتُوكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ وَيَمْكُرُونَ

جال چل رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا جان سے مار ڈالیں یا (وطن سے) نکال دیں تو (ادھر تو)

وَيَمْكُرُ اللَّهُ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينِ ﴿۱۰﴾

وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا اور سب سے زیادہ مستحکم تدبیر والا اللہ تعالیٰ ہے [10]

[10] اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک خاص قسم انعام و احسان کا ذکر ہے، جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام پر بلکہ پوری دنیا پر ہوا ہے، کہ قبل از ہجرت جب نبی کریم ﷺ کفار کے نرغہ میں تھے اور وہ آپ کے قیدی یا قتل کرنے کے مشورے کر رہے تھے، تو اللہ نے ان کے ناپاک عزائم کو خاک میں ملادیا، اور نبی کریم ﷺ کو بسلامت و عافیت مدینہ طیبہ پہنچا دیا۔ جس کا واقعہ تفسیر ابن کثیر اور مظہری میں بروایت محمد بن اسحاق وغیرہ یہ نقل کیا گیا ہے کہ جب مدینہ طیبہ سے آنے والے انصار کا مسلمان ہو جانا مکہ میں مشہور ہوا تو قریش مکہ کو یہ فکر دامنگیر ہو گئی کہ اب تک تو ان کا معاملہ صرف مکہ میں دائر تھا جہاں ہر طرح کی قوت ہمارے ہاتھ میں ہے۔

اور اب جبکہ مدینہ میں اسلام پھیلنے لگا اور بہت سے صحابہ کرام ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچ گئے تو اب ان کا ایک مرکز مدینہ طیبہ قائم ہو گیا، جہاں یہ ہر طرح کی قوت ہمارے خلاف جمع کر سکتے ہیں اور پھر ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں، اور ان کو یہ بھی احساس ہو گیا کہ اب تک تو کچھ صحابہ کرام ہی ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے ہیں اب یہ بھی قوی امکان ہے کہ محمد ﷺ بھی وہاں چلے جائیں، اس لئے روسائے مکہ نے مشورہ کے لئے دارالندوہ میں ایک خاص مجلس طلب کی، دارالندوہ مسجد حرام کے متصل قصی بن کلاب کا مکان تھا، جس کو ان لوگوں نے قومی مسائل میں مشورہ اور مجلس کرنے کے لئے مخصوص کر رکھا تھا اور زمانہ اسلام میں اس کو مسجد حرام میں داخل کر لیا گیا ہے۔ حسب عادت اس مہم مشورہ کے لئے قریشی سرداروں کا اجتماع دارالندوہ میں ہوا جس میں ابو جہل، نضر بن حارث، عقبہ، شیبہ، امیہ بن خلف، ابوسفیان وغیرہ قریش کے تمام نمایاں اشخاص شامل ہوئے، اور رسول کریم ﷺ اور اسلام کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابلہ کی

تذبیہیں زیر غور آئیں۔

ابھی مشورہ کی مجلس شروع ہی ہوئی تھی، کہ ابلیس لعین ایک سن رسیدہ عربی شیخ کے صورت میں دارالندوہ کے دروازہ پر آکھڑا ہوا، لوگوں نے پوچھا کہ تم کون ہو، کیوں آئے ہو؟ بتلایا کہ میں نجد کا باشندہ ہوں، مجھے معلوم ہوا کہ آپ لوگ ایک اہم مشورہ کر رہے ہیں، تو قومی ہمدردی کے پیش نظر میں بھی حاضر ہو گیا کہ ممکن ہے میں کوئی مفید مشورہ دے سکوں۔ یہ سن کر اس کو اندر بلا لیا گیا، اور مشورہ شروع ہوا، تو سہیلی کی روایت کے مطابق ابوالختری بن ہشام نے یہ مشورہ پیش کیا کہ ان کو یعنی نبی کریم ﷺ کو آہنی زنجیروں میں قید کر کے مکان کا دروازہ بند کر دیا جائے اور چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ معاذ اللہ وہ آپ اپنی موت مر جائیں، یہ سن کر شیخ نجدی ابلیس لعین نے کہا کہ یہ رائے صحیح نہیں کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو معاملہ چھپے گا نہیں، بلکہ اس کی شہرت دور دور پہنچ جائیگی، اور ان کے صحابہ اور رفقاء کے فدا یا نہ کارنامے تمہارے سامنے ہیں، بہت ممکن ہے کہ یہ لوگ جمع ہو کر تم پر حملہ کر دیں اور اپنی قیدی کو تم سے چھڑالیں۔ سب طرف سے آوازیں اٹھیں کہ شیخ نجدی کے بات صحیح ہے اس کے بعد ابوالاسود نے یہ رائے پیش کی کہ ان کو مکہ سے نکال دیا جائے یہ باہر جا کر جو چاہیں کرتے رہیں ہمارے شہران کے فساد سے مامون ہو جائے گا اور ہمیں کچھ جنگ و جدال بھی کرنا نہ پڑے گا۔

شیخ نجدی یہ سن کر پھر بولا کہ یہ رائے بھی صحیح نہیں کیا تمہیں معلوم نہیں، کہ وہ کیسے شرین کلام آدمی ہے؟ لوگ ان کا کلام سنکر مفتون اور مسحور ہو جاتے ہیں، اگر ان کو اس طرح آزاد چھوڑ دیا بہت جلد اپنی طاقتور جماعت بنا لیں گے، اور تم پر حملہ کر کے شکست دے دیں گے۔ اب ابو جہل بولا کہ جو کرنے کا کام ہے تم میں سے کسی نے نہیں سمجھا میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے وہ یہ کہ ہم عرب کے سب قبیلوں میں سے ہر قبیلہ کا ایک نوجوان لے لیں، اور ہر ایک کو عمدہ کام کرنے والی تلوار دے دیں، یہ سب لوگ یکبارگی ان پر حملہ کر کے قتل کر دیں۔ ہم ان کے فساد سے تو اس طرح نجات حاصل کر لے، اب رہا ان کے قبیلہ بنو عبد مناف کا مطالبہ جو ان کے قتل کے سبب ہم پر عائد ہوگا سو ایسی صورت میں جب کہ قتل کسی ایک نے نہیں بلکہ ہر قبیلہ کے ایک ایک شخص نے کیا ہے، تو قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینے کا مطالبہ تو باقی نہیں رہ سکتا۔ صرف خون بہا دیت کے مال کا مطالبہ رہ جائے گا، وہ ہم سب قبیلوں سے جمع کر کے ان کو دے دیں گے۔ اور بے فکر ہو جائیں گے۔ شیخ نجدی ابلیس لعین نے یہ سن کر کہا کہ بس رائے یہی ہے اور اس کے سوا کوئی چیز کارگر نہیں، پوری مجلس نے اسی کے حق میں رائے دے دی، اور آج ہی رات

میں اپنا یہ ناپاک عزم پورا کرنے کا تہیہ کر لیا گیا۔ مگر انبیاء علیہم السلام کی غیبی نصرت کو یہ جاہل کیا سمجھ سکتے تھے، اس طرف جبرئیل امین نے ان کے دارالندوہ کی ساری کیفیت سے رسول پاک ﷺ کو باخبر کر کے یہ تدبیر بتلائی کہ آج رات میں آپ اپنے بسترے پر آرام نہ کریں اور بتلایا کہ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو مکہ سے ہجرت کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

ادھر مشورہ کے مطابق شام ہی سے قریشی نوجواں نے سروردو عالم ﷺ کے مکان کا محاصرہ کر لیا۔ رسول پاک ﷺ نے یہ دیکھا تو علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ آج کی رات وہ رسول کریم ﷺ کے بسترے پر آرام کریں، اور یہ خوشخبری سنائی کہ اگرچہ بظاہر اس میں آپ کی جان کا خطرہ ہے مگر دشمن آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ علیؑ نے اس کام کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا اور آپ کے بستر پر لیٹ گئے مگر اب مشکل یہ درپیش تھی کہ نبی کریم ﷺ اس محاصرہ سے کیسے نکلیں؟ اس مشکل کو اللہ تعالیٰ نے ایک معجزہ کے ذریعہ حل کیا وہ یہ کہ بامرالہی رسول اللہ ﷺ ایک مٹھی میں مٹی بھر کر باہر تشریف لائے اور محاصرہ کرنے والے جو کچھ آپ کے بارہ میں گفتگو رہے تھے، حالانکہ آپ ان میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے نکلتے چلے گئے۔ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد کسی آنے والے نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کیوں کھڑے ہو؟ تو انہوں نے بتلایا کہ محمد ﷺ کے انتظار میں، اس نے کہا کہ تم کس خام خیالی میں ہو وہ تو یہاں سے نکل کر جا بھی چکے ہیں، اور تم میں سے ہر ایک کے سر پر خاک ڈالتے ہوئے گئے ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے اپنے سروں پر ہاتھ رکھا تو اس کی تصدیق ہوئی کہ ہر ایک کے سر پر مٹی پڑی تھی۔

علیؑ کرم اللہ وجہہ آپ کے بستر پر لیٹے ہوئے تھے مگر محاصرہ کرنے والوں نے ان کے کروٹیں بدلنے سے پہچان لیا کہ یہ محمد ﷺ نہیں، اس لئے قتل پر اقدام نہیں کیا صبح تک محاصرہ کرنے کے بعد یہ لوگ خائب و خاسر ہو کر واپس ہو گئے، یہ رات اور اس میں رسول کریم ﷺ کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا علیؑ کے خاص فضائل میں سے ہے۔ قریشی سرداروں کے مشورہ میں جو تین رائیں نبی کریم ﷺ کے متعلق پیش کی گئی تھیں، ان تینوں کو قرآن کریم کی اس آیت میں ذکر فرمایا ہے: ”وَ اذ ی مکر بک الذین کفرو الیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک“ یعنی وہ وقت یاد رکھنے کے قابل ہے جب کہ کفار آپ کے خلاف تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ کو قید کریں یا قتل کر دیں یا شہر بدر کر دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی سب تدبیریں خاک میں ملادیں، اسی لئے آخر آیت میں فرمایا: ”واللہ خیبر الماکرین“ یعنی اللہ تعالیٰ بہتر تدبیر کرنے والے ہیں جو ساری تدبیروں پر غالب آجاتی ہے جیسا کہ اس واقعہ میں مشاہدہ ہوا۔

وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا

اور جب اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں (یہ کلام) ہم نے سن لیا ہے اگر ہم چاہیں تو اسی طرح کا

إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۱﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ

(کلام) ہم بھی کہہ دیں اور یہ ہے ہی کیا صرف اگلے لوگوں کی حکایتیں ہیں۔ اور جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ!

إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ

اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے برحق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسائے،

أَوْ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۲﴾ مَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ

یا کوئی اور تکلیف دینے والا عذاب بھیج۔ اور اللہ ایسا نہ تھا کہ جب تک تم اُن میں تھے

وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۳۳﴾ مَا لَهُمْ إِلَّا يَعَذِّبُهُمُ اللَّهُ

اُنہیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور اُنہیں عذاب دے۔ اور (اب) اُن کیلئے کوئی وجہ ہے کہ وہ اُنہیں

وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءُ هَٰؤُلَاءِ

عذاب نہ دے جب کہ وہ مسجد محترم (میں نماز پڑھنے) سے روکتے ہیں اور وہ اس مسجد کے متولی بھی نہیں اُس کے متولی

إِلَّا الْمُتَّقُونَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ

تو صرف پرہیزگار ہیں لیکن اُن میں اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور ان لوگوں کی نماز خانہ کعبہ کے پاس

إِلَّا مُكَاةً وَتَصَدِيَةً فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۵﴾

سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا کچھ نہ تھی تو تم جو کفر کرتے تھے اس کے بدلے عذاب (کا مزہ) چکھو

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا

جو لوگ کافر ہیں اپنا مال خرچ کرتے ہیں کہ (لوگوں) کو اللہ کے رستے سے روکیں سو ابھی اور خرچ کریں گے

ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ

مگر آخر وہ (خرچ کرنا) اُن کیلئے (موجب) افسوس ہوگا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے اور کافر لوگ دوزخ کی طرف

يُحْشَرُونَ ﴿۳۷﴾ لِيُمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضُهُ

ہانکے جائیں گے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ناپاک کو ایک دوسرے پر رکھ کر

عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمُهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ

ایک ڈھیر بنا دے پھر اُس کو دوزخ میں ڈال دے۔ یہی لوگ خسارہ پانے والے ہیں

﴿۳۷﴾ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ

(اے پیغمبر!) کفار سے کہہ دو کہ اگر وہ اپنے انفعال سے باز آ جائیں تو جو ہو چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر پھر

يَعُدُّوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۸﴾

(وہی حرکات) کرنے لگیں گے تو اگلے لوگوں کا (جو) طریق جاری ہو چکا ہے (وہی اُن کے حق میں برتا جائے گا)

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انْتَهَوْا

اور اُن لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا غلبہ) باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے

فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۹﴾ وَإِن تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُوْا أَنَّ اللَّهَ مَوْلٰكُم

اور اگر باز آ جائیں تو اللہ اُن کے کاموں کو دیکھ رہا ہے۔ [11] اور اگر گروگردانی کریں تو جان رکھو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے

[11] اس آیت کریمہ میں دو لفظ قابل غور ہیں ایک لفظ ”فتنہ“ دوسرا ”دین“۔ یہ دونوں لفظ عربی لغت کے اعتبار سے کئی معنی کے

لئے استعمال ہوتے ہیں۔ ائمہ تفسیر صحابہ و تابعین سے اس جگہ دو معنی منقول ہیں، ایک یہ کہ فتنہ سے مراد کفر و شرک اور دین سے مراد دین

اسلام لیا جائے۔ عبداللہ بن عباسؓ سے یہی تفسیر منقول ہے اس تفسیر پر معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ مسلمانوں کو کفار سے قتال اس

وقت تک جاری رکھنا چاہئے جب تک کہ کفر مٹ کر اس کی جگہ اسلام آجائے، اسلام کے علاوہ کوئی دین و مذہب باقی نہ رہے۔ اس

صورت میں یہ حکم صرف اہل مکہ اور اہل عرب کے لئے مخصوص ہوگا کیونکہ جزیرۃ العرب اسلام کا گھر ہے اس میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین رہے تو دین اسلام کے لئے خطرہ ہے۔ باقی ساری دنیا میں دوسرے ادیان و مذاہب کو قائم رکھا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی دوسری آیات اور روایات حدیث اس پر شاہد ہیں۔ اور دوسری تفسیر جو عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ سے منقول ہے وہ یہ ہے کہ فتنہ سے مراد اس جگہ وہ ایذا اور عذاب و مصیبت ہے جس کا سلسلہ کفار مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر ہمیشہ جاری رہا تھا جب تک وہ مکہ میں تھے تو ہر وقت ان کے زغہ میں پھنسے ہوئے طرح طرح کی ایذائیں سہتے رہے پھر جب مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی، تو ایک ایک مسلمان کا تعاقب کر کے قتل و غارتگری کرتے رہے مدینہ میں پہنچنے کے بعد بھی پورے مدینہ پر حملوں کی صورت میں ان کا غیظ و غضب ظاہر ہوتا رہا۔ اور اس کے بالمقابل دین کے معنی قہر و غلبہ کے ہیں اس صورت میں تفسیر آیت کی یہ ہوگی، کہ مسلمانوں کو کفار سے اس وقت تک قتال کرتے رہنا چاہئے جب تک کہ مسلمان ان کے مظالم سے محفوظ نہ ہو جائیں، اور دین اسلام کا غلبہ نہ ہو جائے کہ وہ غیروں کے مظالم سے مسلمانوں کی حفاظت کر سکے۔ عبداللہ بن عمرؓ کے ایک واقعہ بھی اسی تفسیر کی تائید ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جب امیر مکہ عبداللہ بن زبیرؓ کے مقابلہ میں حجاج بن یوسف نے فوج کشی کی اور دونوں طرف مسلمانوں کی تلواریں مسلمانوں کے مقابلہ میں چل رہی تھیں تو دو شخص عبداللہ بن عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ اس وقت جس بلا میں مسلمان مبتلا ہیں آپ دیکھ رہے ہیں، حالانکہ آپ عمر بن خطابؓ کے صاحبزادے ہیں جو کسی طرح ایسے فتنوں کو برداشت کرنے والے نہ تھے کیا سبب ہے کہ آپ اس فتنہ کو رفع کرنے کے لئے میدان میں نہیں آتے۔ تو عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کا خون بہانا حرام قرار دیا ہے ان دونوں نے عرض کیا کہ کیا آپ قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھتے: "قاتلوہم حتی لا تکون فتنۃ" یعنی مقاتلہ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ بیشک میں یہ آیت پڑھتا ہوں اور اس پر عمل بھی کرتا ہوں۔ ہم نے اس آیت کے مطابق کفار سے قتال جاری رکھا یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو گیا۔ اور غلبہ دین اسلام کا ہو گیا۔ اور تم لوگ یہ چاہتے ہو کہ اب باہم قتال کر کے فتنہ پھر پیدا کر دو اور غلبہ غیر اللہ کا اور دین حق کے خلاف کا ہو جائے۔ (بخاری تفسیر سورہ انفال)، مطلب یہ تھا کہ جہاد و قتال کا حکم فتنہ کفر اور مظالم کفار کے مقابلہ میں تھا وہ ہم کر چکے اور برابر کرتے رہے یہاں تک کہ یہ فتنہ فرو ہو گیا۔ مسلمانوں کی باہمی خانہ جنگی کو اس پر قیاس کرنا صحیح نہیں بلکہ مسلمانوں کے باہمی مقاتلہ کے وقت تو نبی کریم ﷺ کی ہدایات یہ ہیں کہ اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑا ہونے والے سے بہتر ہے۔ خلاصہ اس تفسیر کا یہ ہے کہ مسلمانوں پر اعداء اسلام کے خلاف جہاد و قتال اس وقت تک واجب ہے جب تک کہ مسلمانوں پر ان کے مظالم کا فتنہ ختم نہ ہو جائے اور اسلام کو سب ادیان پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے۔ اور یہ صورت صرف قرب قیامت میں ہوگی اس لئے جہاد کا حکم قیامت تک جاری اور باقی ہے۔

نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿۱۰﴾ وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ

(اور) وہ خوب حمایتی اور خوب مددگار ہے۔ اور جان رکھو کہ جو چیز تم (کفار سے) لوٹ کر لاؤ

فَإِنَّ لِلَّهِ خُمْسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِلَّذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ

اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا اور اس کے رسول کا اور اہل قربانیت کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا

وَابْنِ السَّبِيلِ إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ

اور مسافروں کا ہے اگر تم اللہ پر اور اس پر ایمان رکھتے ہو جو (حق و باطل میں) فرق کرنے کے دن (یعنی جنگ

يَوْمَ التَّقَىٰ الْجَمْعِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۱﴾

بدر میں) جس دن دونوں فوجوں میں ٹھہر بھینٹ ہو گئی اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل فرمائی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ

جس وقت تم (مدینے سے) قریب کے ناکے پر تھے اور کافر بچید کے ناکے پر اور قافلہ تم سے نیچے (اتر گیا) تھا

وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لِاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ وَلَكِن لِّيَقْضِيَ اللَّهُ

اور اگر تم (جنگ کے لئے) آپس میں قرارداد کر لیتے تو وقت معین (پر جمع ہونے) میں تقدیم و تاخیر ہو جاتی لیکن

أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ

اللہ کو منظور تھا کہ جو کام ہو کر رہنے والا تھا اسے کربھی ڈالے تاکہ جو مرے بصیرت پر مرے اور جو جیتا رہے وہ بھی بصیرت پر

وَيُحْيِيَ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲﴾ يُدِيرُ كَهُمُ اللَّهُ

جیتا رہے اور کچھ شک نہیں کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ اس وقت اللہ نے تمہیں خواب میں کافروں کو تھوڑی

فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۗ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشَلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ

تعداد میں دکھایا اور اگر بہت کر کے دکھاتا تو تم لوگ جی چھوڑ دیتے اور (جو) کام (درپیش تھا اس) میں جھگڑنے لگتے

وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۲﴾

لیکن اللہ نے (تمہیں اس سے) بچا لیا بیشک وہ سینوں کی باتوں تک سے واقف ہے۔ اور اس وقت جب

يُرِيكُمْهُمْ إِذِ التَّقِيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ

تم ایک دوسرے کے مقابل ہوئے تو کافروں کو تمہاری نظروں میں تھوڑا کر کے دکھایا تھا اور تم کو ان کی نگاہوں میں

لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۗ وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورُ ﴿۱۲﴾

تھوڑا کر کے دکھایا تھا تاکہ اللہ کو جو کام کرنا منظور تھا اسے کر ڈالے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ [12]

[12] غزوہ بدر کفر و اسلام کا وہ پہلا معرکہ تھا جس نے ظاہری اور مادی طور پر بھی اسلام کی برتری اور حقانیت کا ثبوت

دیا، اس لئے قرآن کریم نے اس کی تفصیلات بیان کرنے کا خاص اہتمام فرمایا۔ آیات متذکرہ میں اسی کا بیان ہے۔ جس

کے ذکر میں بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے علاوہ ایک خاص مصلحت کا اظہار ہے کہ اس معرکہ میں ظاہری اور مادی

طور پر مسلمانوں کے فتح پانے کا کوئی امکان نہ تھا اور مشرکین مکہ کی شکست کا کوئی احتمال نہ تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی غیبی قوت نے

سارے ساز و سامان اور ظاہری اسباب کی کاپاپٹ دی۔ اسی واقعہ کی وضاحت کے لئے ان آیات میں غزوہ بدر کے

مخاڈ جنگ کا پورا نقشہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے ان آیات کی تشریح سے پہلے چند الفاظ و لغات کی تشریح دیکھ لیجئے۔

”عدوۃ“ کے معنی ایک جانب کے آتے ہیں، اور لفظ ”دنیا“ ادنیٰ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں قریب تر،

آخرت کے مقابلہ میں اس جہان کو بھی ”دنیا“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ عالم آخرت کی نسبت انسان کی طرف قریب

تر ہے۔ اور لفظ ”قصوی“ اقصیٰ سے بنا ہے ”اقصیٰ“ کے معنی ہیں بعید تر۔ بعد میں ہلاکت اور اس کے مقابلہ میں

حیات کا ذکر آیا ہے ان دونوں لفظوں سے موت و حیات کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ معنوی موت و حیات یا ہلاکت و نجات

مراد ہے معنوی حیات اسلام و ایمان ہے اور موت شرک و کفر، قرآن کریم نے کئی جگہ یہ الفاظ اس معنی میں استعمال کئے، ایک

جگہ ارشاد ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ“ (انفال: ۲۴) مراد حیات

سے وہ حقیقی اور دائمی حیات ہے جو ایمان و اسلام کے صلہ میں ملتی ہے اب آیات کی تفسیر یہ ہوئی کہ مسلمان عدوہ دنیا (قریبی

کنارہ) کے پاس تھے اور کفار عدوہ قصوی (دور کنارہ) کے پاس مسلمانوں کا مقام اس میدان کے اس کنارے پر تھا جو مدینہ سے قریب تھا اور کفار میدان کے دوسرے کنارے پر تھے جو مدینہ سے بعید تھا اور ابوسفیان کا تجارتی قافلہ جس کی وجہ سے یہ جہاد کھڑا کیا گیا تھا وہ بھی مکہ سے آنے والے لشکر کفار سے قریب اور مسلمانوں کی زد سے باہر تین میل کے فاصلہ پر سمندر کے کنارے کنارے چل رہا تھا۔ اس نقشہ جنگ کے بیان سے مقصد یہ بتلانا ہے کہ جنگی اعتبار سے مسلمان بالکل بے موقع غلط جگہ ٹھہرے تھے جہاں سے دشمن پر قابو پانے کا بلکہ اپنی جان بچانے کا بھی کوئی امکان ظاہری اعتبار سے نہ تھا، کیونکہ اس میدان کی وہ جانب جو مدینہ سے قریب تھی ایک ریٹیلی زمین تھی جس میں چلنا بھی دو بھر تھا۔ پھر پانی کی کوئی جگہ ان کے پاس نہ تھی اور مدینہ سے بعید والی جانب جس پر کفار نے اپنا پڑاؤ ڈالا تھا وہ صاف زمین تھی اور پانی بھی وہاں قریب تھا۔

اور اس میدان کے دونوں کناروں کا پتہ دے کر یہ بھی بتلادیا کہ دونوں لشکر بالکل آمنے سامنے تھے کہ کسی کی طاقت یا ضعف دوسرے سے مخفی نہ رہ سکتا۔ نیز یہ بھی بتلادیا کہ مشرکین مکہ کے لشکر کو یہ بھی اطمینان حاصل تھا کہ ہمارا تجارتی قافلہ مسلمانوں کی زد سے نکل چکا ہے اب اگر ہمیں ضرورت پڑے تو وہ بھی ہماری امداد کر سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل مسلمان اپنی جگہ کے اعتبار سے بھی تکلیف و پریشانی میں تھے، اور کہیں سے مکہ ملنے کا بھی کوئی احتمال نہ تھا۔ اور یہ بات پہلے سے متعین اور ہر لکھے پڑھے آدمی کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کی کل تعداد تین سو تیرہ تھی اور کفار کی تعداد ایک ہزار مسلمانوں کے پاس نہ سواریوں کی تعداد کافی تھی اور نہ اسلحہ کی، اس کے بالمقابل لشکر کفار ان سب چیزوں سے آراستہ تھا۔

نہ مسلمان اس جہاد میں کسی مسلح لشکر سے جنگ کی تیاری کر کے نکلے تھے، بلکہ ہنگامی طور پر ایک تجارتی قافلہ کا راستہ روکنے اور دشمن کی قوت کو پست کرنے کے خیال سے صرف تین سو تیرہ مسلمان بے سرو سامانی کے عالم میں نکل کھڑے ہوئے تھے اچانک غیر ارادی طور پر ایک ہزار جوانوں کے مسلح لشکر سے مقابلہ پڑ گیا۔

قرآن کی اس آیت نے بتلایا کہ لوگوں کی نظر میں یہ واقعہ اگرچہ ایک اتفاقی حادثہ کی صورت میں بلا ارادہ پیش آیا۔ لیکن دنیا میں جتنے اتفاقیات غیر اختیاری صورت سے پیش آیا کرتے ہیں، ان کی سطح اور صورت اگرچہ محض اتفاقیات کی ہوتی ہے لیکن خالق کائنات کی نظر میں وہ سب کے سب ایک مستحکم نظام کی لگی بندھی کڑیاں ہوتی ہیں، ان میں کوئی چیز بے ربط یا بے موقع نہیں ہوتی جب وہ پورا نظام سامنے آجائے اس وقت انسان کو پتہ لگ سکتا ہے کہ اس اتفاقی واقعہ میں کیا کیا حکمتیں مستور تھیں۔

غزوہ بدر ہی کے واقعہ کو لے لیجئے اس کی اتفاقی اور غیر اختیاری صورت سے ظاہر ہونے میں یہ مصلحت تھی کہ

﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ﴾ یعنی اگر عام دنیا کی جنگوں کی طرح یہ جنگ بھی تمام پہلوؤں پر غور و فکر اور باہمی قراردادوں کے ذریعہ لڑی جاتی، تو حالات کا تقاضا یہ تھا کہ یہ جنگ ہوتی ہی نہیں بلکہ اس میں اختلاف پڑ جاتا، خواہ اس طرح کہ خود مسلمانوں کی رائے اپنی قلت و کمزوری اور مقابل کی قوت و کثرت کو دیکھ کر مختلف ہو جاتی۔ یا اس طرح کہ دونوں فریق اہل کفر و اہل اسلام مقررہ وعدہ پر میدان میں نہ پہنچتے، مسلمان تو اپنی قلت و کمزوری کو دیکھ کر اقدام کی ہمت نہ کرتے اور کفار پر حق تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب جمایا ہوا تھا وہ کثرت و قوت کے باوجود مقابلہ پر آنے سے گھبراتے۔

اس لئے قدرت کے مستحکم نظام نے دونوں طرف ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ زیادہ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہ ملے مکہ والوں کو تو ابوسفیان کے قافلہ کی گھبرائی ہوئی فریاد نے ایک ہولناک صورت میں سامنے آ کر بے سوچے سمجھے چلنے پر آمادہ کر دیا۔ مسلمانوں کو اس خیال نے کہ ہمارے مقابلہ پر کوئی جنگی مسلح لشکر نہیں ایک معمولی تجارتی قافلہ ہے مگر علیم و خبیر کو منظور یہ تھا کہ دونوں میں باقاعدہ جنگ ہو جائے تاکہ اس جنگ کے پیچھے جو نتائج فتح اسلام کے ظہور میں آنے والے ہیں وہ سامنے آجائیں۔ اسی لئے فرمایا ﴿وَلٰكِن لِّقَضٰى اللّٰهِ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا﴾ یعنی ان حالات کے باوجود جنگ اس لئے ہو کر رہی، کہ اللہ تعالیٰ کو جو کام کرنا ہے اس کی تکمیل کر دکھائے، اور وہ یہ تھا کہ ایک ہزار جوانوں کے مسلح باسامان لشکر کے مقابلہ میں تین سو تیرہ بے سر و سامان فاقہ زدہ مسلمانوں کی ایک ٹولی اور وہ بھی محاذ جنگ کے اعتبار سے بے موقع جب اس پہاڑ سے ٹکراتی ہے، تو یہ پہاڑ پاش پاش ہو جاتا ہے، اور یہ چھوٹی سی جماعت فتمند ہوتی ہے جو کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہے کہ اس جماعت کی پیٹھ پر کوئی بڑی قدرت اور طاقت کام کر رہی تھی جس سے یہ ایک ہزار کا لشکر محروم تھا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس کی تائید اسلام کی وجہ سے اور اس کی محرومی کفر کی وجہ سے تھی۔ جس سے حق و باطل اور کھرے کھوٹے کا پورا امتیاز ہر سمجھدار انسان کے سامنے آ گیا، اسی لئے آخر آیت میں ارشاد فرمایا: ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنِ بَيْنَةِ وَيَحْيٰى مَنْ حٰى عَنِ بَيْنَةِ﴾ یعنی واقعہ بدر اسلام کی کھلی حقانیت اور کفر و شرک کے باطل و مردود ہونے کو اس لئے کھول دیا گیا کہ آئندہ جو ہلاکت میں پڑے وہ دیکھ بال کر پڑے اور جو زندہ رہے وہ بھی دیکھ بال کر رہے اندھیرے اور مغالطہ میں کوئی کام نہ ہو۔

اس آیت کے الفاظ میں ہلاکت سے مراد کفر اور حیات و زندگی سے مراد اسلام ہے مطلب یہ ہے حق واضح ہو جانے کے بعد غلط فہمی کا احتمال اور عذر تو ختم ہو گیا اب جو کفر اختیار کرتا ہے وہ دیکھتی آنکھوں ہلاکت کی طرف

جا رہا ہے اور جو اسلام اختیار کرتا ہے وہ دیکھ بال کر دانی زندگی اختیار کر رہا ہے۔ پھر فرمایا: ”ان اللہ سمیع علیم“ یعنی اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہیں، کہ سب کے دلوں میں چھپے ہوئے کفر و ایمان تک ان کے سامنے ہیں اور ہر ایک کی سزا و جزا بھی۔

تینتالیسویں اور چوالیسویں دونوں آیتوں میں ایک خاص کر شہہ قدرت کا ذکر ہے جو غزوہ بدر کے میدان میں اس غرض کے لئے عمل میں لایا گیا کہ ایسا نہ ہونے پائے کہ دونوں لشکروں میں سے کوئی بھی میدان جنگ چھوڑ کر اس جنگ کو ہی ختم کر ڈالے، کیونکہ اس جنگ کے نتیجے میں مادی حیثیت سے بھی حقانیت اسلام کا مظاہرہ کرنا مقدر تھا۔

اور وہ کرشمہ قدرت یہ تھا کہ لشکر کفار اگر چہ واقع میں مسلمانوں سے تین گنا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے مسلمانوں کو ان کی تعداد بہت کم کر کے دکھلائی تاکہ مسلمانوں میں کمزوری اور اختلاف پیدا نہ ہو جائے، اور یہ واقعہ دو مرتبہ پیش آیا، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کو خواب دکھلایا گیا، آپ ﷺ نے سب مسلمانوں سے بتلادیا جس سے ان کی ہمت بڑھ گئی، دوسری مرتبہ عین میدان جنگ میں جبکہ دونوں فریق آمنے سامنے کھڑے تھے مسلمانوں کو ان کی تعداد کم دکھلائی گئی آیت ۴۳ میں خواب کا واقعہ اور ۴۴ میں بیداری کا مذکور ہے۔

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہماری نظروں میں اپنا مقابل لشکر ایسا نظر آ رہا تھا کہ میں نے اپنے قریب کے ایک آدمی سے کہا کہ یہ لوگ نوے آدمیوں کی تعداد میں ہوں گے اس شخص نے کہا کہ نہیں سو (۱۰۰) ہوں گے۔

آخری آیت میں اس کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے ”یقللکم فی اعینہم“ یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو بھی مقابل لشکر کی نظر میں کم کر کے دکھلایا، اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مسلمانوں کی تعداد تو حقیقت ہی میں کم تھی وہ صحیح تعداد ان کو دکھلا دی اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جتنی تعداد واقعی تھی اس سے بھی کم کر کے دکھلایا گیا جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ ابو جہل نے مسلمانوں کے لشکر کو دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ ان کی تعداد تو اس سے زیادہ معلوم نہیں ہوتی جن کی خوراک ایک اونٹ ہو۔ عرب میں کسی لشکر کی تعداد معلوم کرنے کے لئے اس سے اندازہ قائم کیا جاتا تھا کہ کتنے جانوران کی خوراک لئے ذبح ہوتے ہیں، ایک اونٹ سو آدمیوں کی خوراک سمجھا جاتا تھا رسول پاک ﷺ نے بھی اس میدان بدر میں وہاں کے کچھ لوگوں سے فریش مکہ کے لشکر کا پتہ چلانے کے لئے پوچھا تھا کہ ان کی لشکر میں روزانہ کتنے اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں؟ تو آپ کو دس اونٹ روزانہ بتلائے گئے، جس سے آپ نے ایک ہزار لشکر کا تخمینہ قائم فرمایا، خلاصہ یہ ہے کہ ابو جہل کی نظر میں مسلمان کل سو آدمی کی تعداد میں دکھلائے =

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۴۳﴾

مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو بہت یاد کرو تا کہ مراد حاصل کرو۔

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ

اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا کرو گے تو) تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا

وَاصْبِرُوا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۲۴۴﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا

اور صبر سے کام لو کہ اللہ صبر کرنے والوں کا مددگار ہے۔ اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو اترتے ہوئے

مِنْ دِيَارِهِمْ بَطْرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

اور لوگوں کو دکھانے کے لئے گھروں سے نکل آئے اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں

وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۲۴۵﴾ وَإِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ

اور جو یہ اعمال کرتے ہیں اللہ ان پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور جب شیطانوں نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر دکھائے

وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ فَلَمَّا

اور کہا کہ آج کے دن لوگوں میں سے کوئی تم پر غالب نہ ہو گا اور میں تمہارا رفیق ہوں (لیکن) جب

= گئے یہاں بھی کم کر کے دکھانے میں یہ حکمت تھی، کہ مشرکین کے قلوب پر مسلمانوں کا رعب پہلے ہی نہ

چھا جائے جس کی وجہ سے وہ میدان چھوڑ بھاگیں۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض اوقات معجزہ اور خرق عادت

کے طور پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آنکھوں کا مشاہدہ غلط ہو جائے جیسا یہاں ہوا۔ اس لئے اس جگہ دوبارہ فرمایا "لِيَقْضِيَ اللَّهُ

امرا كان مفعولا"، یعنی یہ کرمہ قدرت اور آنکھوں کا مشاہدات پر تصرف اس لئے ظاہر کیا گیا کہ جو کام اللہ تعالیٰ کرنا چاہتے

ہے وہ پورا ہو جائے۔ یعنی مسلمانوں کو قلت و بے سامانی کی باوجود فتح دے کر اسلام کی حقانیت اور تائیدِ نبی کا اظہار جو اس

جنگ سے مقصود تھا وہ پورا کر دکھائے۔

تَرَآءَتِ الْفِئْتَيْنِ نَكَصَ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ

دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل (صف آراء) ہوئیں تو پسپا ہو کر چل دیا اور کہنے لگا کہ مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں

إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۸﴾

میں تو ایسی چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سخت عذاب والا ہے [13]

[13] عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ: جاء ابليس يوم بدر في جند من الشياطين معه رأيتہ

، فی صورۃ رجل من بنی مدلج ، و الشیطان فی صورۃ سراقۃ بن مالک بن جعشم

، فقال الشیطان للمشرکین ” لا غالب لکم الیوم من الناس ، وانی جار لکم “ فلما اصطف

الناس اخذ رسول اللہ ﷺ قبضۃ من التراب فرمی بہافی وجوہ المشرکین ، فولو امدرین

، و اقبل جبرئیل علیہ السلام الی ابلیس ، فلما رآہ و كانت یدہ فی یدرجل من المشرکین

انتزع یدہ ثم ولی مدبرا ، هو و شیعتہ ، فقال الرجل یا سراقۃ انزع منک لنا جار ؟ فقال ” انی

اری ما لاترون انی اخاف اللہ و اللہ شدید العقاب “ و ذلك حین رأى الملائکۃ ابن

کثیر۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں بدر والے دن ابلیس اپنا جھنڈا بلند کئے مد لُجی شخص کی صورت میں اپنے لشکر سمیت

پہنچا اور شیطان سراقہ بن مالک بن جعشم کی صورت میں نمودار ہوا اور مشرکین کے دل بڑھائے ، ہمت دلائی ، جب

میدان جنگ میں صف بندی ہو گئی تو رسول کریم ﷺ نے مٹی کی مٹھی بھر کر مشرکوں کے منہ پر ماری ، اس سے ان

کے تو قدم اکھڑ گئے اور ان میں بھگدڑ مچ گئی ، جبرئیل علیہ السلام شیطان کی طرف چلے اس وقت یہ ایک مشرک کے

ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے تھا ، آپ علیہ السلام کو دیکھتے ہی اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر اپنے لشکروں سمیت

بھاگ کھڑا ہوا۔ اس شخص نے کہا سراقہ تم تو کہہ رہے تھے کہ ہم تمہارے حمایتی ہیں ، پھر یہ کیا کر رہے ہو ، یہ ملعون

چونکہ فرشتوں کو دیکھ رہا تھا ، کہنے لگا میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ، میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا آدمی

ہوں ، اللہ تعالیٰ کے عذاب بڑے بھاری ہیں۔

إِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ غَرَّ هَؤُلَاءِ دِينُهُمْ

اس وقت منافق اور (کافر) جن کے دلوں میں مرض تھا کہتے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے مغرور کر رکھا ہے

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۴﴾ لَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّىٰ

اور جو شخص اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے تو اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور اگر تم اس وقت (کی کیفیت) دیکھو جب فرشتے

الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَذْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ

کافروں کی جانیں نکالتے ہیں ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر (کوڑے اور تھوڑے وغیرہ) مارتے (ہیں اور کہتے ہیں)

الْحَرِيقِ ﴿۲۵﴾ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ

کہ (اب) عذاب آتش (کا مزہ) چکھو یہ ان (اعمال) کی سزا ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں اور یہ (جان رکھو)

لِّلْعَبِيدِ ﴿۲۶﴾ ذَٰلِكَ عَذَابُ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ جیسا حال فرعونوں کا اور ان سے پہلے لوگوں کا (ہوا تھا ویسا ہی ان کا ہوا کہ)

كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۷﴾

انہوں نے اللہ کی آیتوں سے کفر کیا تو اللہ نے ان کے گناہوں کی سزا میں ان کو پکڑ لیا بیشک اللہ زبردست اور سخت عذاب دینے والا ہے

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَىٰ قَوْمٍ

یہ اس لئے کہ جو نعمت اللہ کسی قوم کو دیا کرتا ہے جب تک وہ خود اپنے دلوں کی حالت نہ بدل ڈالیں

حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۸﴾ ذَٰلِكَ عَذَابُ آلِ فِرْعَوْنَ

اللہ اسے نہیں بدلا کرتا اور اس لئے کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ جیسا حال فرعونوں

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

اور ان سے پہلے لوگوں کا (ہوا تھا ویسا ہی ان کا ہوا) انہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ان کے

﴿۱۴﴾ فَاهْلَكْنَهُمْ بِذُنُوبِهِمْ وَاَعْرِفْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَكُلُّ كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿۱۴﴾

گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور فرعونوں کو ڈبڈیا اور وہ سب ظالم تھے

﴿۱۵﴾ إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۵﴾

جانداروں میں سب سے بدتر اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں سو وہ ایمان نہیں لاتے۔

﴿۱۶﴾ الَّذِينَ عَاهَدتْ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لَا

جن لوگوں سے تم نے (صلح کا) عہد کیا ہے پھر وہ ہر بار اپنے عہد کو توڑ ڈالتے ہیں اور (اللہ سے) نہیں

يَتَّقُونَ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۷﴾ إِنَّمَا تَتَّقِنَهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرَّدْتَهُمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ

ڈرتے۔ اگر تم ان کوڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسی سزا دو کہ جو لوگ ان کے پس پشت ہوں وہ ان کو دیکھ کر بھاگ جائیں جب نہیں

لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾ إِنَّمَا تَخَافَنَ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةٌ فَاَبْدِ إِلَيْهِمْ

کہ ان کو (اس سے) عبرت ہو اور اگر تمہیں کسی قوم سے دغا بازی کا خوف ہو تو (ان کا عہد) انہیں کی طرف پھینک دو

عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِنِينَ ﴿۱۸﴾

اور برابر کا جواب دو کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ دغا بازوں کو دوست نہیں رکھتا۔ [14]

[14] اس آیت میں رسول پاک ﷺ کو جنگ و صلح کے قانون کی ایک اہم دفعہ بتلائی گئی ہے، جس میں معاہدہ کی

پابندی کی خاص اہمیت کے ساتھ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اگر کسی وقت معاہدہ کے دوسرے فریق کی طرف سے خیانت

یعنی عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو یہ ضروری نہیں کہ ہم معاہدہ کی پابندی کو بدستور قائم رکھیں، لیکن یہ بھی جائز نہیں کہ

معاہدہ کو صاف طور پر ختم کر دینے سے پہلے ہم ان کے خلاف کوئی اقدام کریں بلکہ صحیح صورت یہ ہے کہ ان کو اطمینان

و فرصت کی حالت میں اس سے آگاہ کر دیا جائے کہ تمہاری بدینتی یا خلاف ورزی ہم پر ظاہر ہو چکی ہے یا یہ کہ تمہارے

معاملات مشتبہ نظر آتے ہیں اس لئے ہم آئندہ اس معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے، تم کو بھی ہر طرح اختیار ہے کہ

ہمارے خلاف جو کاروائی چاہو کرو۔ ایت کے الفاظ یہ ہیں: ”واما تخافن من قوم خیانة فان بذالہم علی سوا ط ان اللہ لایحب الخائنین“ یعنی اگر آپ کو کسی قوم معاہدہ سے خیانت اور عہد شکنی کا اندیشہ پیدا ہو جائے تو ان کا عہد ان کی طرف ایسی صورت سے واپس کر دیں کہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

مطلب یہ ہے کہ جس قوم کے ساتھ کوئی معاہدہ صلح ہو چکا ہے اس کے مقابلہ میں کوئی جنگی اقدام کرنا خیانت میں داخل ہے، اور اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتے، اگرچہ یہ خیانت دشمن کافروں ہی کے حق میں کی جائے، وہ بھی جائز نہیں، البتہ اگر دوسری طرف سے عہد شکنی کا خطرہ پیدا ہو جائے تو ایسا کیا جاسکتا ہے کہ کھلے طور پر ان کو اعلان کے ساتھ آگاہ کر دیں کہ ہم اندہ معاہدہ کے پابند نہیں رہیں گے۔ مگر یہ اعلان ایسی ہو کہ مسلمان اور دوسرا فریق اس میں برابر ہوں۔ یعنی ایسی صورت پیدا نہ کی جائے کہ اس اعلان و تنبیہ سے پہلے ان کے مقابلہ کی تیاری کر لی جائے اور وہ خالی الذہن ہونے کی بنا پر تیاری نہ کر سکیں بلکہ جو کچھ تیاری کرنا ہے وہ اس اعلان و تنبیہ کے بعد کریں۔

یہ ہے اسلام کا عدل و انصاف کہ اس میں خیانت کرنے والے دشمنوں کے بھی حقوق کی حفاظت کی جاتی ہے اور مسلمانوں کو ان کے مقابلہ میں اس کا پابند کیا جاتا ہے کہ عہد کو واپس کرنے سے پیشتر کوئی تیاری بھی ان کے خلاف نہ کریں (مظہری)۔

معاویہؓ کا ایک قوم کے ساتھ ایک میعاد کے لئے التواء جنگ کا معاہدہ تھا۔ معاویہؓ نے ارادہ فرمایا کہ اس معاہدہ کے ایام میں اپنا لشکر اور سامان جنگ اس قوم کے قریب پہنچادیں تا کہ معاہدہ کی میعاد ختم ہوتے ہی وہ دشمن پر ٹوٹ پڑیں، مگر عین اس وقت جب معاویہؓ کا لشکر اس طرف روانہ ہو رہا تھا یہ دیکھا کہ ایک معمر آدمی گھوڑے پر سوار بڑے زور سے یہ نعرہ لگا رہے ہیں ”اللہ اکبر اللہ اکبر و فاء لا غدر“ یعنی نعرہ تکبیر کے ساتھ یہ کہا کہ ہم کو معاہدہ پورا کرنا چاہئے اس کی خلاف ورزی نہ کرنا چاہئے۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس قوم سے کوئی صلح یا ترک جنگ کا معاہدہ ہو جائے تو چاہئے کہ ان کے خلاف نہ کوئی گرہ کھولیں اور نہ باندھیں۔ معاویہؓ کو اس کی خبر کی گئی، دیکھا تو یہ کہنے والا بزرگ عمر و بن عبدمنہ صحابی تھے، معاویہؓ نے فوراً اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تا کہ التواء جنگ کی میعاد میں لشکر کشی پر اقدام کر کے خیانت میں داخل نہ ہو جائیں اس کو نقض عہد نہیں بلکہ فتح عہد کہا جاتا ہے اور یہ کئی ایک حدیث میں وارد ہے۔ (اس حدیث کو ابوداؤد: ۵۹۰، ۲۷، ترمذی: ۵۸۰، نسائی: امام احمد: ۱۱۳۴، نے سلیم بن عامر کی روایت سے نقل کیا ہے)۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا
اور کافر یہ خیال نہ کریں کہ وہ بھاگ نکلے ہیں، وہ (اپنے چالوں سے ہمیں)
إِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ﴿۴۱﴾ وَعَدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ

ہرگز عاجز نہیں کر سکتے۔ اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے
وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ
اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلے کے) لئے مستعد ہو کہ اس سے اللہ کے دشمنوں اور تمہارے دشمنوں

وَأَخْرَيْنَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ
اور ان کے سوا اور لوگوں پر جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ جانتا ہے بہت بیٹھی رہے گی اور تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تظَلَمُونَ ﴿۴۲﴾ وَإِنْ جَنَحُوا
اس کا ثواب تمہیں پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارا ذرا نقصان نہیں کیا جائے گا اور اگر یہ لوگ

لِلسَّلَامِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۴۳﴾
صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مائل ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو کچھ شک نہیں کہ وہ سب کچھ سننا اور جانتا ہے

وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي
اور اگر یہ چاہیں کہ تمہیں فریب دیں تو اللہ تمہیں کفایت کرے گا وہی تو ہے جس نے تمہیں

أَيْدِكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۴۴﴾ وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ
اپنی مدد سے اور مسلمانوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی۔ اور ان کے دلوں میں الفت پیدا کر دی اگر تم دنیا بھر کی دولت

مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا آفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ آفَتْ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ
خرچ کرتے تب بھی ان کی دلوں میں الفت پیدا نہ کر سکتے مگر اللہ ہی نے ان میں الفت ڈال دی بیشک

عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۵﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ

وہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ اے نبی! اللہ تمہیں اور مومنوں کو جو تمہارے پیروکار ہیں

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ

کافی ہے [15] اے نبی! مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر

مِّنْكُمْ عَشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتِينَ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِّائَةٌ

تم میں بیس آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دوسو کافروں پر غالب رہیں گے اور اگر سو (ایسے)

يَغْلِبُوا أَلْفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۷﴾

ہوں گے تو ہزار پر غالب رہیں گے اس لئے کہ کافر ایسے لوگ ہیں کہ کچھ بھی سمجھ نہیں رکھتے۔ [16]

[15] حاصل آیت یہ ہے، کہ آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ کافی ہے، اللہ آپ کا حامی و ناصر اور کارساز ہے، آپ

ایمان والوں کو جہاد کی ترغیب دیں، اور اللہ پر بھروسہ رکھیں، اگر تم تعداد میں کم ہو گے تو بھی تمہیں دشمن پر فتح و غلبہ عطا کروں

گا، ”و من اتبعك من المومنين“ یہ ”حسبک“ میں کاف ضمیر پر معطوف ہے، یا بقول امام زجاج یہ مفعول معہ ہے، یا یہ

مبتداء ہے اور اسکی خبر محذوف ہے، (ای من اتبعك من المومنين كذلك حسبهم الله) حاصل یہ ہے کہ آپ کو

اور ایمان والوں کو تمام مہمات میں اللہ کافی ہے (روح، بحر، کبیر، مدارک) لفظ ”اللہ“ پر اس کو معطوف ماننا غلط ہے، کیونکہ

کفایت کرنے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور کوئی نہیں، علامہ ابن قیم نے زاد المعاد: ۳۵۱/۱، اور ابن تیمیہ نے کتاب

الرد علی الاختیاری: ۲۱۳، میں اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے، اور اس کا عطف لفظ ”اللہ“ پر غلط ثابت کیا ہے۔

[16] عام مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت اس سے بعد کی آیت یعنی ”أَلَسُنْ خَفَفَ اللَّهُ“ السخ سے

منسوخ ہو چکی ہے، شیخ ”حسین علی“ فرماتے ہیں کہ اگر ”حرض المؤمنین علی القتال“ کو منسوخ مانا

جائے تو یہ غلط ہے کیونکہ اس میں ترغیب الی الجہاد ہے جو بالاتفاق منسوخ نہیں اور اگر ”ان یکن منکم

عشرون“ السخ کو منسوخ مانا جائے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ نہیں ہوتا بلکہ =

الَّذِينَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ

اب اللہ نے تم پر سے بوجھ ہلکا کر دیا اور معلوم کر لیا کہ (ابھی) تم میں کسی قدر کمزوری ہے پس اگر تم میں

مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ

ایک سو ثابت قدم رہنے والے ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر ایک ہزار ہوں گے تو اللہ کے حکم سے دو ہزار پر

بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۴۴﴾ كَانِ لِنَبِيِّ أَنْ يُكُونَ لَهُ أُسْرَى

غالب رہیں گے اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں کا مددگار ہے۔ پیغمبر کو شایان نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں

حَتَّى يُثَخِّنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا

جب تک (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون (نہ) بہا دے تم لوگ دنیا کے مال کے طالب ہو

وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۷﴾ لَوْلَا كَتَبَ مِنَ اللَّهِ

اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے [17] اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا

= احکام میں ہوتا ہے البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے بیس مسلمانوں پر دو سو کافروں سے جنگ کرنا فرض تھا اب

اس آیت سے فرضیت منسوخ ہو گئی جیسا کہ عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں: شق ذالک علی

المسلمین اذ فرض علیہم ان لا یفر واحد من عشرة فجاء التخیف (روح

المعانی). لہذا اس کو تخفیف کہا جاتا ہے، نسخ نہیں۔

[17] یہ بھی تانوں جنگ ہے، جنگ بدر میں مشرکین کے ستر آدمی مسلمانوں نے قید کر لئے تھے ان قیدیوں کے بارے

میں چونکہ اللہ کی طرف سے کوئی فیصلہ نازل نہیں ہوا تھا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے ان کے متعلق صحابہ کرام سے مشورہ

لیا۔ ابو بکر الصدیقؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کی اپنی قوم کے آدمی اور آپ کے رشتہ دار ہیں آپ ان کی جان بخشی

فرمادیں، ممکن ہے یہی اسلام قبول کر کے اسلام کے مددگار بن جائیں اور ان سے فدیہ کی جو رقم وصول کی جائے وہ اتندہ

جہاد میں کام آئے گی۔

لیکن عمر فاروقؓ کا مشورہ تھا، یا رسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آپ کی تکذیب کی، آپ کو وطن سے نکالا، اور آپ سے برسرِ پیکار ہوئے، آپ ان کی گردنیں اڑادیں، اکثر صحابہ ابوبکر الصديقؓ کی رائے سے متفق تھے، خود نبی علیہ السلام کا رجحان طبع بھی اسی طرف تھا۔ چنانچہ فدیہ لے کر تمام قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ عتاب نازل ہوا کہ کسی پیغمبر کو یہ نہیں چاہئے کہ اس کے قبضہ میں مشرک محارب قیدی ہوں اور وہ انہیں قتل نہ کرے اور فدیہ لے کر چھوڑ دے۔

اس آیت کریمہ، اور سورۃ انبیاء (۷۹) سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام بھی مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کرتے تھے: والمذہب الثانی، وعلیہ الجمهور، وهو ظاہر مذہب الشافعیؒ کما قالہ الماوردیؒ وسلیم، ومذہب احمدؒ، واكثر المالکیة، منهم القاضي عبد الوهاب و القاضیان ابویوسف و عبد الجبار و ابو الحسین و القاضي فی (التقریب) انه يجوز لنبینا ﷺ وغيره من الانبیاء علیہم السلام ذلک، وأوماً الیہ الشافعیؒ فی الرسالة "لان الله تعالیٰ خاطب نبیہ، کما خاطب عباده، و ضرب له الامثال، وامره بالتدبر و الاعتبار، وهو اجل المتفکرین فی آیات الله، واعظم المعتبرین بها، واما قوله تعالیٰ: ان هو الا وحی یوحی [النجم: ۴]۔ فالمراد به القرآن، لانهم قالوا: انما یعلمہ بشر۔

سلمنان ضمیر للنطق، ولا یلزم منه ما ذکرتم، لان الاجتہاد الشرعی ما ذون فیہ۔ و الدلیل علیہ فی الاراء والحروب کثیر، کقتله النضرون حوہ فی الامور التي تحری فیہا، واختار احد الجائزین۔ واما الاحکام فلانہ اکمل من غیرہ، لعصمته من الخطاء، فاذا جاز لغيره الذی هو عرضة للخطاء، فلان يجوز للکامل اولی، ولان العمل بالاجتہاد اشق من العمل بالیقین فیکون اکثر ثوابا۔

پھر آخر میں لکھتا ہے وقال الماوردی و الرؤیانی فی کتاب القضاء، اختلف اصحابنا فی عصمة الانبیاء من الخطاء فی الاجتہاد علی وجهین..... لکن لا یقرهم الله علیہ لیزول الارتیاب به وان جاز ان یكون غیرهم من العلماء مقرا علیہ۔

امام زرکشی کتاب ”البحر المحیط“ ۲۳۸/۸، میں لکھتا ہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء بھی مجتہدین تھے، اور اجتہادات کرتے تھے، اور یہ ان کے لئے جائز تھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے عام علماء کو مخاطب کیا ہے ایسے ہی اپنے انبیاء کو بھی مخاطب کیا ہے، اور ان کو تہذیب اور اعتبار کا حکم دیا ہے اور آیات اللہ میں متفکرین اور معتبرین میں سے انبیاء کرام زیادہ عظیم الشان تھے، اور ہر وہ جو آیت ہے سورہ نجم: ۴، میں، تو اس سے مراد قرآن کریم ہے، کیونکہ جب مشرکین نے یہ اعتراض کیا کہ یہ قرآن آپ کو ایک انسان سکھاتا ہے، تو اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا، اور اگر ہم یہ بات مانیں، کہ یہ آیت عام ہے، تو پھر بھی ان لوگوں کی مدعا ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ دنیائی امور سب کے نزدیک اس سے مستثنیٰ ہے، اور جہادی اراء و دیگر انتظامی امور وغیرہ سب کے نزدیک مستثنیٰ ہیں۔ پس جب امتیوں کے لئے یہ امور جائز ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے لئے بطریق اولیٰ جائز ہیں، اور یہی وجہ بھی ہے کہ اجتہاد اور اعتبار میں تکلیف اور مشقت ہوتی ہے تو اس کا ثواب بھی زیادہ ہوتا ہے۔ تو انبیاء کرام کو اس سے کس طرح محروم تصور کر سکتے ہیں؟ البتہ یہ ہے کہ اگر ان سے اجتہاد میں خطائی واقع ہو جائے تو یہ خطائی دائمی نہیں ہوتی، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو تنبیہ دی جاتی ہے۔ اور حدیث ام سلمہؓ میں یہ تصریح بھی ذکر ہے کہ انما اقصیٰ بینکم برأیی فیما لم یُنزل علی فیہ۔

یعنی میں تمہارے درمیان فیصلہ کروں گا اپنی رائے سے اس مقدمے میں جس میں کوئی حکم (وحی) مجھ پر نہیں اترا۔

ابوداؤد: ۳۵۸۵، سنن الصغری: ۳/۳۲۰، سنن کبری: ۱۰/۲۶۰، و مسند ابی یعلیٰ: ۱۲/۲۵۶، و مشکل الاثار: ۲/۱۶۳، یہ مسئلہ اکثر اصولیوں نے باب الاجتہاد میں ذکر کیا ہے، مثلاً المعتمد، ۲/۶۲۲، اللعۃ: ۶، المتصنی: ۲/۳۵۵، مختصر ابن الحاجب: ۲/۲۹۱، جمع الجوامع: ۲/۳۸۶، نہایت السؤل: ۳/۲۳، وغیرہ۔

سَبَقَ لِمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۴۸﴾ فَكُلُوا مِمَّا عَنَّمْتُمْ

ہو تو جو (ندیہ) تم نے لیا ہے اس کے بدلے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا۔ تو جو مالِ غنیمت تمہیں ملا ہے اسے کھاؤ

حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۴۹﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ

(کہ وہ تمہارے لئے) حلال طیب (ہے) اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اے پیغمبر!

قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَعْزِمُ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ

جو قیدی تمہارے ہاتھ میں (گرفتار) ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے دلوں میں نیکی معلوم کرے گا تو جو (مال) تم سے

خَيْرًا مِمَّا أَخَذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵۰﴾

چھن گیا ہے اس سے بہتر تمہیں عنایت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ

اور اگر یہ لوگ تم سے دغا کرنا چاہیں گے تو یہ پہلے ہی اللہ سے دغا کر چکے ہیں تو اس نے ان کو (تمہارے) قبضے میں کر دیا اور

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۵۱﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ

اللہ دانا حکمت والا ہے۔ [18] جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال

[18] اکثر مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت رسول پاک ﷺ کے چچا عباسؓ کے بارہ میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ وہ بھی

بدر کے قیدیوں میں شامل تھے اور ان سے بھی نذیر لیا گیا تھا، ان کی خصوصیت اس معاملہ میں یہ تھی کہ جنگ بدر میں یہ مکہ سے

اپنے ساتھ تقریباً سات سو گنی سونالے کر چلے تھے، تاکہ وہ لشکر کفار پر خرچ کیا جائے، اور ابھی یہ خرچ ہونے نہیں پایا تھا، کہ وہ

مخ اس سونے کے گرفتار کر لئے گئے۔

جب نذیر دینے کا وقت آیا تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ میرے ساتھ جو سونا تھا اس کو میرے نذیر

کی رقم میں لگا لیا جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو مال آپ کفر کی امداد کے لئے لائے تھے وہ تو مسلمان کا مال غنیمت بن

گیا۔ فدیہ اس کے علاوہ ہونا چاہئے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اپنے دو بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کاندیہ بھی آپ ادا کریں، عباسؓ نے عرض کیا کہ اگر اتنا مالی بار مجھ پر ڈالا گیا تو مجھے قریش سے بھیک مانگنا پڑے گی، میں بالکل فقیر ہو جاؤں گا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا! کیوں؟ کیا آپ کے پاس وہ مال موجود نہیں جو مکہ سے روانگی کے وقت آپ نے اپنی زوجہ ام الفضل کے حوالہ کیا ہے۔ عباسؓ نے پوچھا کہ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ جبکہ وہ میں نے رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنی بیوی کے سپرد کیا تھا، اور کوئی تیسرا آدمی اس سے واقف نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے میرے رب نے اس کی پوری تفصیل بتلا دی، عباسؓ کے دل میں یہ سن کر نبی کریم ﷺ کے سچے رسول ہونے کا یقین ہو گیا۔ اس سے پہلے بھی وہ نبی کریم ﷺ کے دل سے معتقد تھے مگر کچھ شبہات تھے جو اللہ تعالیٰ نے اس وقت رفع فرمادیئے اور وہ درحقیقت اسی وقت مسلمان ہو گئے مگر ان کا بہت سارو پیہ قریش مکہ کے ذمہ قرض تھا اگر یہ اسی وقت اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیتے تو وہ رو پیہ مارا جاتا، اس لئے اعلان نہیں کیا، اور رسول پاک ﷺ نے بھی کسی سے اس کا اظہار نہیں کیا، فتح مکہ سے پہلے انہوں نے رسول پاک ﷺ سے اس کی اجازت چاہی کہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائیں مگر نبی کریم ﷺ نے ان کو یہی مشورہ دیا کہ ابھی ہجرت نہ کریں۔

عباسؓ کی اس گفتگو پر رسول پاک ﷺ نے آیت مذکورہ میں آیا ہوا وعدہ بھی ان کو بتلادیا کہ اگر آپ نے اسلام قبول کر لیا اور اخلاص کے ساتھ مومن ہو گئے تو جو کچھ مال فدیہ میں خرچ کیا ہے اس سے بہتر اللہ تعالیٰ آپ کو عطا فرمادیں گے۔ چنانچہ عباسؓ اظہار اسلام کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اس وعدہ کا ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ کیونکہ مجھ سے بیس اوقیہ سونا فدیہ لیا گیا تھا، اس وقت میرے بیس غلام مختلف جگہوں میں تجارت کا کاروبار کر رہے ہیں، اور کسی کا کاروبار بیس ہزار درہم سے کم نہیں ہے، اور اس پر مزید یہ انعام ہے کہ مجھے حجاج کو آب زمزم پلانے کی خدمت مل گئی ہے، جو میرے نزدیک ایسا گرانقدر کام ہے کہ سارے اہل مکہ کے اموال بھی اس کے مقابلہ میں بیچ سکتا ہوں۔

وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ

اور جان سے لڑے وہ اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق

بَعْضِ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ

ہیں اور جو لوگ ایمان تو لے آئے لیکن ہجرت نہیں کی تو جب تک وہ

يُهَاجِرُوا وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ

ہجرت نہ کریں تم کو ان کی رفاقت سے کچھ سروکار نہیں اور اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد طلب کریں

إِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۴﴾

تو تم کو مدد کرنی لازم ہے مگر ان لوگوں کے مقابلے میں کہ تم میں اور ان میں (صلح کا) عہد ہو (مدد نہیں کرنی چاہیے) اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ

اور جو لوگ کافر ہیں (وہ بھی) ایک دوسرے کے رفیق ہیں تو (مومنو!) اگر تم یہ (کام) نہ کرو گے تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائے

وَفَسَادٌ كَبِيرٌ ﴿۲۵﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ

گا اور بڑا فساد مچے گا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور اللہ کی راہ میں لڑائیاں کرتے رہے

وَالَّذِينَ آوَوْا وَنَصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا ۗ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ

اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی یہی سچے مسلمان ہیں ان کے لئے (اللہ کے ہاں) بخشش

كَرِيمٌ ﴿۲۶﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدِ وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا مَعَكُمْ

اور عزت کی روزی ہے۔ اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کر گئے اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کرتے رہے

فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ

وہ بھی تم ہی میں سے ہیں اور رشتہ دار اللہ کے حکم کی رو سے ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں

فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۷﴾

کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

سورة التوبة (مدنية) [۱]

[۱] سورت برأت شروع ہو رہی ہے جس کو سورہ توبہ بھی کہا جاتا ہے برأت اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں کفار سے برأت کا ذکر ہے اور توبہ اس لئے کہ اس میں مسلمانوں کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے (مظہری)۔

اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مصاحف قرآن میں اس سورت کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہیں لکھی جاتی ہے، اس کے سوا تمام قرآنی سورتوں کے شروع میں ”بسم اللہ“ لکھی جاتی ہے، اس کی وجہ معلوم کرنے سے پہلے یہ جان لینا چاہئے کہ قرآن مجید تیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا نازل ہوا ہے، ایک ہی سورت کی آیتیں مختلف اوقات میں نازل ہوئیں، جبریل امین جب وحی لے کر آتے تو ساتھ ہی حکم الہی یہ بھی بتلاتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھی جائے، اسی کے مطابق رسول کریم ﷺ کا تین وحی کو ہدایت فرما کر لکھوا دیتے تھے۔ اور جب ایک سورت ختم ہو کر دوسری سورت شروع ہوتی تھی، تو سورت شروع ہونے سے پہلے ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ نازل ہوتی تھی، جس سے یہ سمجھ لیا جاتا تھا کہ پہلی سورت ختم ہو گئی اب دوسری سورت شروع ہو رہی ہے۔ قرآن مجید کی تمام سورتوں میں ایسا ہی ہوا ہے، سورت توبہ نزول کے اعتبار سے بالکل آخری سورتوں میں سے ہے، اس کے شروع میں عام دستور کے مطابق نہ ”بسم اللہ“ نازل ہوئی اور نہ رسول کریم ﷺ نے کاتب وحی کو اس کی ہدایت فرمائی۔ اسی حال میں رسول کریم ﷺ کی وفات ہو گئی۔ جامع قرآن عثمان غنی نے اپنی دور خلافت میں جب قرآن مجید کو کتابی صورت میں ترتیب دیا، تو سب سورتوں کے خلاف سورت توبہ کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہ تھی، اس لئے یہ شبہ ہو گیا کہ شاید یہ کوئی مستقل سورت نہ ہو بلکہ کسی دوسرے سورت کا جزء ہے اب اس کی فکر ہوئی کہ اگر یہ کسی دوسرے سورت کا جزء ہے تو وہ کونسی سورت ہو سکتی ہے۔ مضامین کے اعتبار سے سورہ انفال اس کے مناسب معلوم ہوئی۔

عثمانؓ سے یہ بھی منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں ان دونوں سورتوں کو قرینین یعنی ملی ہوئی کہا جاتا تھا (مظہری) اس لئے سورہ انفال کے بعد اس کو رکھ دیا گیا یہ احتیاط تو اس لئے کی گئی کہ دوسرے سورت کا جزء ہو تو اس کے ساتھ رہنا چاہئے مگر احتمال یہ بھی تھا کہ علیحدہ مستقل سورت ہو اس لئے لکھنے میں یہ صورت اختیار کی گئی کہ سورہ انفال کے ختم پر سورہ توبہ کے شروع سے پہلے کچھ جگہ خالی چھوڑ دی گئی جیسے عام سورتوں میں ”بسم اللہ“ کی جگہ ہوتی ہے۔

سورہ برات یا سورت توبہ کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہ لکھے جانے کی یہ تحقیق خود جامع قرآن عثمانؓ سے ابو داؤد، رقم: ۶۸۶، نسائی کبریٰ: ۱۰۷۵، مسند احمد: ۱/۵۷۵، ترمذی: ۴۰۸۱۔ میں عبد اللہ ابن عباسؓ کے ایک سوال کے جواب میں منقول ہے:

ابن عباسؓ نے عثمانؓ سے پوچھا کہ آخر کیا وجہ ہے جو آپ نے سورہ انفال کو جو مثنائی میں سے ہے اور سورہ برات جو کہ مبین میں سے ہے ملا دیا؟، اور ان کے درمیان ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ نہیں لکھی، اور پہلے کی سات لمبی سورتوں میں انہیں رکھا؟ آپ نے جواب دیا کہ بسا اوقات نبی ﷺ پر ایک ساتھ کئی سورتیں اترتی تھیں۔ جب آیت اترتی آپ وحی کے لکھنے والوں میں سے کسی کو بلا کر فرمادیتے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں لکھ دو، جس میں یہ ذکر ہے، سورہ انفال مدینہ منورہ میں سب سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور سورہ برات سب سے آخر میں اترتی تھی، بیانات دونوں کے ملتے جلتے تھے، مجھے خیال ہوا کہ کہیں یہ بھی اسی میں سے نہ ہو، نبی ﷺ کا انتقال ہو گیا اور آپ ﷺ نے ہم سے نہیں فرمایا کہ یہ اس میں سے ہے، اس لئے میں نے دونوں سورتوں کو متصل لکھا اور ان کے درمیان ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ نہیں لکھی، اور سات پہلی لمبی سورتوں میں انہیں رکھا۔

اس تحقیق سے یہ معلوم ہو گیا کہ سورہ توبہ کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہ لکھنے کے وجہ یہ ہے کہ اس کا احتمال ہے کہ سورہ توبہ علیحدہ سورت نہ ہو بلکہ انفال کا جز ہو، اس احتمال پر یہاں ”بسم اللہ“ لکھنا ایسا نادرست ہو گا جیسے کوئی شخص کسی سورت کے درمیان ”بسم اللہ“ لکھ دے۔

اسی بناء پر علماء نے فرمایا ہے کہ جو شخص اوپر سے سورہ انفال کے تلاوت کرتا آیا ہو اور سورہ توبہ شروع کر رہا ہو وہ ”بسم اللہ“ نہ پڑھے، لیکن جو شخص اسی سورت کے شروع یا درمیان سے اپنی تلاوت شروع کر رہا ہے اس کو چاہئے کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھ کر شروع کرے، بعض ناواقف یہ سمجھتے ہیں کہ سورہ توبہ کی تلاوت میں کسی حال ”بسم اللہ“ پڑھنا جائز نہیں، یہ غلط ہے اور اس پر دوسری غلطی یہ ہے کہ بجائے ”بسم اللہ“ کے یہ لوگ اس کے شروع میں ”اعوذ باللہ من النار“ پڑھتے ہیں، جس کا کوئی ثبوت نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام سے نہیں ہے۔ اور علیؓ سے جو بروایت ابن عباس منقول ہے کہ سورہ برات کے شروع میں ”بسم اللہ“ نہ لکھنے کے وجہ یہ ہے کہ ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ امان ہے اور سورہ برات میں کفار کے امان اور عہد و پیمان کو ختم کیا گیا ہے۔ مستدرک: ۳/۳۲۷، روح۔ سو یہ ایک نکتہ اور لطیفہ ہے جو اصلی سبب کی منافی نہیں یعنی اصلی سبب تو یہی ہے کہ سورہ انفال اور توبہ کے ایک ہونے کے احتمال کی بنا پر ”بسم اللہ“ نہیں لکھی گئی، پھر اس نہ لکھے جانے کا ایک

لطیفہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سورت میں کفار سے برأت اور رفع امان مذکور ہے جو ”بسم اللہ“ کے مناسب نہیں اس لئے تکوینی طور پر یہاں ایسے اسباب پیدا کر دیئے گئے کہ ”بسم اللہ“ یہاں نہ لکھی جائے۔

سورہ توبہ کی آیات مذکورہ کو پورے طور پر سمجھنے کے لئے چند واقعات کا جاننا ضروری ہے جن کے سبب یہ آیات نازل ہوئی ہیں اس لئے پہلے ان واقعات کی مختصر تفصیل لکھی جاتی ہے۔

(۱): پوری سورہ توبہ میں چند غزوات اور ان سے متعلقہ واقعات کا اور ان کے ضمن میں بہت سے احکام و مسائل کا بیان ہوا ہے مثلاً تمام قبائل عرب سے معاہدات کا ختم کر دینا، فتح مکہ، غزوہ حنین، غزوہ تبوک، ان واقعات میں فتح مکہ سب سے پہلے ۸ ہجری میں، پھر غزوہ حنین اسی سال میں، پھر غزوہ تبوک رجب ۹ ہجری میں، پھر تمام قبائل عرب سے معاہدات ختم کرنے کا اعلان ذی الحجہ ۹ ہجری میں ہوا۔

(۲): (نبرد عہد) یعنی معاہدات ختم کر دینے کے متعلق جو مضامین ان آیات میں مذکور ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ سن ۶ ہجری میں رسول پاک ﷺ نے عمرہ کا قصد فرمایا، اور قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا۔ اور مقام حدیبیہ میں ان سے صلح ہوئی، اس صلح کی میعاد و روح المعانی کی نقل کے مطابق دس سال کی تھی، مکہ میں علاوہ قریش کے دوسرے قبائل بھی تھے معاہدہ صلح کی ایک شرط یہ بھی رکھی گئی کہ قریش کے علاوہ دوسرے قبائل میں جس کا جی چاہے وہ قریش کا حلیف اور ساتھی بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ رسول پاک ﷺ کا حلیف ہو کر آپ کے ساتھ ہو جائے چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے نبی کریم ﷺ کا حلیف بنا پسند کیا اور آپ کے ساتھ ہو گئے، اور قبیلہ بنی بکر نے قریش کے ساتھ ہونا اختیار کر لیا، اس معاہدہ کی رو سے یہ لازمی تھا کہ دس سال کے اندر نہ باہمی جنگ ہوگی اور نہ کسی جنگ کرنے والے کو کسی جانب سے کوئی مدد دی جائیگی اور جو قبیلہ کسی فریق کا حلیف ہے وہ بھی اسی کے حکم میں سمجھا جائے گا کہ اس پر حملہ کرنا یا حملہ آور کو مدد دینا معاہدہ کی خلاف ورزی سمجھا جائے گا۔

یہ معاہدہ سن ۶ ہجری میں ہوا، ۷ ہجری میں معاہدہ کے مطابق رسول کریم ﷺ مع صحابہ کرام کے عمرہ قضاء ادا کرنے کے لئے مکہ معظمہ تشریف لے گئے، اور تین روز قیام کر کے حسب معاہدہ واپس تشریف لے آئے، اس وقت تک کسی فریق کی طرف سے معاہدہ کی کوئی خلاف ورزی نہ ہوئی۔ اس کے بعد پانچ ماہ گزرے تھے کہ قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ خزاعہ پر رات کے وقت چھاپہ مارا اور قریش نے بھی یہ سمجھ کر کہ رسول پاک ﷺ بہت دور ہیں اور رات کا وقت ہے آپ تک واقعہ کی تفصیلات پہنچنا مشکل ہے اس حملہ میں بنی بکر کو ہتھیاروں اور اپنے جوانوں سے مدد دی۔

ان واقعات اور حالات کے مطابق جن کو بالآخر قریش نے بھی تسلیم کر لیا وہ معاہدہ صلح ٹوٹ گیا جو حدیبیہ میں دس سال کے التواء جنگ کا ہوا تھا۔ قبیلہ خزاعہ جو رسول پاک ﷺ کے حلیف تھے انہوں نے اس واقعہ کی اطلاع آپ کو دے دی۔ نبی کریم ﷺ نے قریش کی عہد شکنی کی خبر پا کر قریش کے خلاف جنگ کی خفیہ تیاری شروع کر دی۔

قریش کو بدر، احد، احزاب کے معرکوں میں مسلمانوں کی غیبی اور ربانی قوت کا اندازہ ہو کر اپنی قوت و طاقت کا نشہ اتر چکا تھا، اس وقت عہد شکنی کرنے کے بعد مسلمانوں کی طرف سے جنگ کا خطرہ تو پیدا ہو ہی چکا تھا۔ نبی کریم ﷺ کو اطلاع پہنچنے کے بعد مکمل خاموشی سے یہ خطرہ اور زیادہ قوی ہو گیا۔ مجبور ہو کر ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ خود جا کر حالات کا اندازہ لگائیں، اور اگر رسول کی طرف سے جنگ کی تحریک کا اندازہ ہو تو پچھلے واقعہ پر عذر و معذرت کر کے امداد کے لئے تجدید معاہدہ کر لیں۔ ابوسفیان کو مدینہ پہنچ کر رسول پاک ﷺ کی جنگی تیاریوں کا کچھ علم ہوا تو پریشان ہو کر اکابر صحابہ میں سے ایک ایک کے پاس گئے کہ وہ سفارش کر کے معاہدہ کی تجدید کرا دیں مگر سب نے ان کے سابقہ اور لاحقہ تلخ معاملات کے سبب انکار کر دیا۔ اور ابوسفیان ناکام واپس آئے، قریش مکہ پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ ادھر نبی کریم ﷺ نے حسب روایت البدایہ والنہایہ، لابن کثیر، ۱۰ رمضان ۸ھ کو مدینہ طیبہ سے صحابہ کرام کی بڑی جماعت کے ساتھ مکہ پر حملہ کرنے کے قصد سے کوچ فرمایا اور بالآخر مکہ فتح ہو گیا۔

فتح کے وقت بہت سے رؤساء قریش جو پہلے سے اسلام کی حقانیت کا یقین رکھتے تھے، مگر برادری کے خوف سے اظہار نہ کر سکتے تھے اب ان کو موقع مل گیا وہ شرف بہ اسلام ہو گئے، اور جو اس وقت بھی اپنے قدیم مذہب کفر پر جتھے رہے انکو بھی بجز معدود چند افراد کے نبی کریم ﷺ نے سب کو جان و مال کا امان دے کر پیغمبرانہ اور مجرمانہ اخلاق کا وہ ثبوت دیا جس کا دوسرے لوگوں سے تصور بھی نہیں ہو سکتا، ان کی تمام گزشتہ عداوتوں اور مظالم اور بے رحمی کے واقعات کو یکسر نظر انداز فرمایا کہ میں آج تم سے وہی بات کہتا ہوں جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے اس وقت کہی تھی، جب کہ وہ والدین کے ساتھ یوسف علیہ السلام کے پاس مصھر پہنچے تھے: لا تتریب علیکم الیوم یعنی تمہارے ظلم و جور کا انتقام لینا یا کوئی سزا دینا تو کیا ہم تم کو ملامت کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔

بہر حال اس وقت مکہ پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو گیا، مکہ اور اطراف مکہ میں رہنے والے غیر مسلموں کو جان و مال کا امان دے دیا گیا۔ لیکن اس وقت ان غیر مسلموں کے مختلف حالات تھے ایک قسم تو وہ لوگ تھے جن سے حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا، اور انہوں نے خود اس کو توڑ دیا اور وہی فتح مکہ کا سبب ہوا، دوسرے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے صلح کا معاہدہ

کسی خاص میعاد کے لئے کیا گیا، اور وہ اس معاہدہ پر قائم رہے جیسے بنی کنانہ کے دو قبیلے بنی ضمہ اور بنی مدلج، جن سے ایک مدت کے لئے صلح ہوئی تھی: اور سورت برأت نازل ہونے کے وقت بقول خازن ان کی میعاد صلح کے نومینے باقی تھے۔ تیسرے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے معاہدہ صلح بغیر تعیین مدت کے ہوا تھا۔ چوتھے وہ لوگ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔

فتح مکہ سے پہلے جتنے مشرکین یا اہل کتاب سے رسول پاک ﷺ نے معاہدات کئے ان کا سب کا یہ تلخ تجربہ مسلسل ہوتا رہا کہ انہوں نے خفیہ اور علانیہ عہد شکنی کی اور دشمنوں سے سازش کر کے رسول کریم ﷺ اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی مقدور بھرکوششیں کی۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے اپنے مسلسل تجربہ اور اشارات الہیہ کے ماتحت یہ فیصلہ کر لیا تھا، کہ آئندہ ان میں سے کسی کے ساتھ کوئی معاہدہ صلح نہ کیا جائے گا۔ اور جزیرۃ العرب کو ایک اسلامی قلعہ کی حیثیت سے صرف مسلمانوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے گا جس کا مقتضی یہ تھا کہ مکہ اور جزیرۃ العرب پر اقتدار حاصل ہوتے ہی اعلان کر دیا جائے کہ غیر مسلم یہاں سے دوسری جگہ منتقل ہو جائیں، لیکن اسلام کے اصول عدل و انصاف اور رحیمانہ سلوک اور رحمۃ للعالمین کی رحمت عامہ کے ماتحت بلا مہلت کے ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔ اس لئے سورت برأت کے شروع میں ان چاروں قسم کی غیر مسلم جماعتوں کے جدا جدا احکام نازل ہوئے۔ پہلی جماعت جو قریش مکہ کی تھی جنہوں نے میثاق حدیبیہ کو خود توڑ دیا تھا اب یہ کسی مزید مہلت کے مستحق نہ تھے مگر چونکہ یہ زمانہ اشہر حرم کا زمانہ تھا جن میں جنگ و قتال منجانب اللہ ممنوع تھا اس لئے ان کے متعلق تو وہ حکم آیا جو سورہ توبہ کی پانچویں آیت میں مذکور ہے:

جس کا حاصل یہ ہے: کہ ان لوگوں نے عہد شکنی کر کے اپنا کوئی حق باقی نہیں چھوڑا مگر اشہر حرم کا احترام بہر حال ضروری ہے اس لئے اشہر حرم ختم ہوتے ہی یا وہ جزیرۃ العرب سے نکل جائیں یا مسلمان ہو جائیں ورنہ ان سے جنگ کی جائے۔

اور دوسرے جماعت جن سے کسی خاص میعاد کے لئے معاہدہ صلح کیا گیا اور وہ اس پر قائم رہے ان کا حکم سورہ توبہ کی چوتھی آیت میں یہ آیا: یعنی وہ مشرک لوگ جن سے تم نے معاہدہ صلح کر لیا پھر انہوں نے معاہدہ پر قائم رہنے میں کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی، تو تم ان کے معاہدہ کو اسکی مدت تک پورا کر دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ احتیاط رکھنے والوں کو پسند کرتے ہیں۔ یہ حکم بنو ضمہ اور بنو مدلج کا تھا جس کی رو سے ان کو نومینے کی مہلت مل گئی۔ اور تیسری اور چوتھی دونوں جماعتوں کا ایک ہی حکم آیا جو سورہ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت میں مذکور ہے:

یعنی اعلان دست برداری اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی رسول کی طرف سے ہے، ان مشرکین کے لئے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا، سو تم لوگ اس سرزمین میں چار مہینے چل پھر لو۔ اور یہ جان رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ کہ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرے گا۔

غرض پہلی دوسری آیتوں کی رو سے ان سب لوگوں کو جن سے بلا تعین مدت کوئی معاہدہ تھا یا جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا چار مہینے کی مہلت مل گئی۔ اور چوتھی آیت کی رو سے ان لوگوں کو تا اختتام معاہدہ مہلت مل گئی جن کے ساتھ کسی خاص میعاد کا معاہدہ تھا اور پانچویں آیت سے مشرکین مکہ کو اشہر حرم ختم ہونے تک مہلت مل گئی۔ ان احکام کا نفاذ اور مہلت کا شروع اس وقت سے تجویز ہوا جب کہ ان احکام کا اعلان تمام عرب میں ہو جائے، اس اعلان عام کے لئے یہ انتظام کیا گیا کہ ۹ھ کے ایام حج میں منی و عرفات کے عام اجتماعات میں اس کا اعلان کیا جائے، جس کا ذکر سورہ توبہ کی تیسری آیت میں آیا:

یعنی اعلان عام ہے عام لوگوں کے سامنے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں اس بات کا کہ اللہ اور اس کا رسول دونوں دست بردار ہوتے ہیں ان مشرکین سے۔ پھر اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور اگر تم نے اعراض کر لیا تو یہ سمجھ رکھو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکو گے، اور ان کافروں کو ایک دردناک عذاب کی خبر سنا دیجئے۔

چنانچہ اس حکم ربانی کی تعمیل کے لئے رسول کریم ﷺ نے ۹ھ ہجری کے حج میں صدیق اکبرؓ اور علی مرتضیٰؓ کو مکہ بھیج کر میدان عرفات اور منی میں جہاں تمام قبائل عرب کا اجتماع تھا یہ اعلان کرا دیا اور یہ بھی ظاہر تھا کہ اس عظیم الشان مجمع کی معرفت پورے عرب میں اس حکم کا مشتہر ہو جانا لازمی تھا، پھر احتیاطاً علیؓ کی معرفت یمن میں بالخصوص اس کا اعلان کرا دیا۔ اس اعلان عام کے بعد صورت حال یہ ہو گئی کہ پہلی جماعت یعنی مشرکین مکہ کو اشہر حرم کے خاتمہ یعنی محرم ۱۰ھ ہجری کے ختم تک اور دوسری جماعت کو رمضان ۱۰ھ ہجری تک اور تیسری چھوٹی جماعتوں کو ۱۰ھ ربیع الثانی ۱۰ھ تک حدود سے خارج ہو جانا چاہئے، اور جو اس کی خلاف ورزی کرے وہ مستحق قتال ہے اس طرح اگلے سال کے زمانہ حج تک کوئی کافر داخل حدود نہ رہنے پائے گا۔ جس کا ذکر سورہ توبہ کی اٹھائیسویں آیت میں آئے گا۔ اور حدیث میں رسول کریم ﷺ کا ارشاد: ”لایحجن بعد العام مشرک: ترمذی: ۴۰۹۱، ابوداؤد: ۱۹۴۸“ کا یہی مطلب ہے۔

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۱﴾

اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکوں سے جن سے تم نے عہد کر رکھا تھا بیزاری (اور جنگ کی تیاری) ہے

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ

تو (مشرکوں! تم) زمین میں چار مہینے چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہ کر سکو گے اور یہ بھی کہ

وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ﴿۱۲﴾ وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ

اللہ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ اور حج اکبر کے دن اللہ

وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ أَنَّ اللَّهَ بَرِيءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ

اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اللہ مشرکوں سے بیزار ہے

وَرَسُولُهُ فَإِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ

اور اس کا رسول بھی (ان سے دستبردار ہے) پس اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر نہ مانو (اور اللہ سے مقابلہ کرتے ہو)

فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابِ أَلِيمٍ ﴿۱۳﴾

تو جان رکھو کہ تم اللہ کو ہرا نہیں سکو گے اور (اے پیغمبر!) کافروں کو دکھ دینے والے عذاب کی خبر سنا دو

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوا شَيْئًا وَلَمْ يُظْهِرُوا

البتہ جن مشرکوں کے ساتھ تم نے عہد کیا ہو اور انہوں نے تمہارا کسی طرح کا قصور نہ کیا ہو اور نہ تمہارے مقابلے میں کسی کی مدد

عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَاتَّمُوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ

کی ہو تو جس مدت تک ان کے ساتھ عہد کیا ہو اسے پورا کرو (کہ) اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے

الْمُتَّقِينَ ﴿۱۴﴾ فَإِذَا انْسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرْمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ

جب عزت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو

وَجَدْتُمُوهُمْ وَخُدُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَافْعَدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ فَاِنْ تَابُوا

اور پکڑ لو اور گھیر لو اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھے رہو پھر اگر وہ توبہ کر لیں

وَاقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱﴾

اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو ان کی راہ چھوڑ دو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ

اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ کلامِ الہی سننے لگے

ثُمَّ أَبْلغُهُ مَأْمَنَهُ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۲﴾ كَيْفَ يَكُونُ

پھر اس کو امن کی جگہ واپس پہنچا دو اس لئے کہ یہ بے خبر لوگ ہیں۔ [۲] بھلا مشرکوں کے لئے (جنہوں نے عہد توڑ ڈالا)

[۲] اس آیت کریمہ سے یہ واضح ہوا، کہ قرآن مجید کلامِ الہی ہے اہل السنۃ، مذاہب اربعہ، متقدمین اور متاخرین اس

نظریہ پر متفق ہیں کہ قرآن مجید اللہ کا کلام اور غیر مخلوق ہے، بعد میں متاخرین مختلف ہو گئے کہ اللہ کا کلام ایک معنی ہے جو قائم

بالذات ہے یا حروفِ اصوات کا بھی نام ہے، اللہ ان کے ساتھ متکلم ہوا جبکہ وہ پہلے متکلم نہ تھا یا وہ ہمیشہ متکلم رہا، جب اس

نے چاہا اور جس وقت چاہا جیسے چاہا، اور کلام قدیم ہے، بعض معتزلہ قرآن پاک کو غیر مخلوق اس معنی میں کہتے ہیں کہ وہ کلام

جھوٹا نہیں اس کا افتراء نہیں کیا گیا، بلکہ وہ سچا کلام ہے، اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ معنی تو اس لفظ سے کوئی شخص نہیں

لیتا اور تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن پاک جھوٹا کلام نہیں ہے۔

اختلاف تو اس مسئلہ میں ہے کہ کیا قرآن مخلوق ہے یا اللہ کا کلام ہے اس کے ساتھ قائم ہے؟ معتزلہ کے توحید

اور صفات میں جو عقائد ہیں یہ ان کی عقل کی پیداوار ہیں کتاب و سنت سے ماخوذ نہیں ہیں، اگرچہ بظاہر یہی کہتے ہیں کہ ہم

تمام مسائل ائمہ سے اخذ کرتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اگر لوگوں کو فطرتِ سلیمہ پر آزاد چھوڑ دیا جائے اور وہ اپنی عقلوں سے

صحیح راہ جانچنا چاہیں تو تمام جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں لیکن شیطان نے بعض لوگوں کو مغالطوں میں ڈال دیا ہے جس سے ان

میں یہ افتراق پیدا ہو گیا ہے ارشادِ باری ہے: "وان الذین اختلفوا فی الكتاب لفی شقاق بعید" (البقرہ: ۱۷۶،

اور جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ ضد میں (آ کر نیکی سے) دور (ہو گئے ہیں)۔ امام طحاوی کا کلام واضح ہے کہ اللہ پاک ہمیشہ متکلم رہا جب چاہا اور جس طرح چاہا وہ متکلم ہوا، اور اس کا کلام قدیم ہے۔

امام ابو حنیفہ کا قول فقہ اکبر: ۴۸، میں ہے: القرآن فی المصاحف مکتوب، وفي القلوب محفوظ، وعلى اللسان مقروء، وعلى النبی ﷺ منزل، ولفظنا بالقرآن مخلوق، و القرآن غیر مخلوق، وما ذکر الله فی القرآن عن موسى عليه السلام وغيره وعن فرعون وابليس فان ذلك كلام الله اخبار امنهم وكلام موسى وغيره من المخلوقين مخلوق، و القرآن كلام الله لا كلامهم، وسمع موسى عليه السلام كلام الله فلما كلم موسى بكلامه الذي هو من صفاته لم يزل، و صفاته كلها خلاف صفات المخلوقين، يعلم لا كعلمنا، ويقدر لا كقدرتنا، ويرى لا كرؤيتنا، ويتكلم لا ككلامنا انتهى۔ قرآن پاک مصاحف میں لکھا ہوا ہے، دلوں میں محفوظ ہے، اور زبانوں پر پڑھا جاتا ہے، نبی ﷺ پر نازل ہوا، ہمارے الفاظ قرآن مخلوق ہیں، (یعنی انسان کا تلاوت کرنا اس کا عمل ہے اور یہ مخلوق ہے) جبکہ قرآن غیر مخلوق ہے، اور قرآن پاک میں موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے واقعات، نیز فرعون اور ابلیس کے واقعات، یہ سب اللہ کا کلام ہے، اللہ نے ان کے واقعات سے ہمیں خبر دی ہے، جبکہ موسیٰ علیہ السلام اور دیگر پیغمبروں کا اپنا کلام مخلوق ہے، اور قرآن پاک تو اللہ کا کلام ہے ان کا کلام نہیں، اور موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کا کلام سنا، جب اللہ پاک موسیٰ علیہ السلام سے ہم کلام ہوئے تو اللہ نے اس سے جو کلام کیا وہ اللہ کی صفات سے ہے جو ہمیشہ ہیں، اور اللہ کی تمام صفات مخلوق کی صفات کے خلاف ہیں، اللہ کا علم ہمارے علم جیسا نہیں، اللہ کی قدرت ہماری قدرت جیسی نہیں ہے، اللہ کی رویت ہماری رویت جیسی نہیں ہے، اور اللہ کا کلام ہمارے کلام جیسا نہیں ہے۔

خیال رہے جب اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا تو وہ اللہ کا وصف تھا یعنی جب موسیٰ آئے تو اللہ اس کے ساتھ ہم کلام ہوئے، ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں: فلما جاء موسى لميقاتنا وكلمه ربه (الاعراف: ۱۴۳)۔ اور جب موسیٰ علیہ السلام ہمارے مقرر کئے ہوئے وقت پر (کوہ طور) پر پہنچے اور ان کے پروردگار نے ان سے کلام کیا۔ اس آیت میں ان لوگوں کا رد مقصود ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ کا وصف کلام اگرچہ اس کے نفس کے ساتھ قائم ہے اس کا سننا متصور نہیں، لیکن اللہ فضاء میں آواز فرمالتا ہے جیسا کہ ابو منصور ماتریدی کا قول ہے۔

معتزلہ کا کہنا (کہ اللہ کا کلام اس کی مشیت اور قدرت کے ساتھ متعلق ہے وہ جب چاہتا ہے کلام کرتا ہے اور وہ

، شبثا بعد شیء، کلام کرتا ہے بالکل صحیح اور درست ہے نیز ان کا کہنا کہ اللہ کا کلام اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور کلام اس کا وصف ہے، ظاہر ہے کہ صفت کا قیام موصوف کے ساتھ ہوتا ہے یہ بھی صحیح ہے اس کو ماننا اور اس کے مطابق کہنا درست ہے، ہاں ان کا وہ قول تسلیم نہ ہوگا جو عقل اور شرع کے خلاف ہوگا۔ لیکن معتزلہ کا یہ کہنا (کہ حوادث کا قیام اللہ کے ساتھ ہے) مجمل ہے، ہم ان سے سوال کرتے ہیں کہ وہ کون ائمہ ہیں جو اللہ کے ساتھ حوادث کے قیام کو تسلیم نہیں کرتے جبکہ قرآن و سنت کے نصوص اس پر دال ہیں نیز ائمہ کے نصوص اور صریح عقل بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ پیغمبر جو لوگوں سے مخاطب ہوئے، اور انہیں بتایا کہ اللہ نے فلاں بات کہی فلاں کی منادی دی، اور فلاں سرگوشی کی یا وہ فلاں بات کہتا ہے، ان تمام صورتوں میں ان کا نظریہ یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ان کو مخلوق مانتے ہیں اور اس کی ذات سے منفصل مانتے ہیں، بلکہ وہ کہتے ہیں کہ کلام اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، خود اللہ متکلم ہوا، جیسا کہ عائشہ کے واقعہ انک میں وہ خود کہتی ہیں کہ میری شان ایسی کہاں تھی کہ میرے بارے میں اللہ کلام فرماتا، اور وحی نازل فرماتا، کہ اس کی تلاوت ہوتی۔

نیز لغت عرب میں اور میدان عقل میں اس وقت تک کسی کو متکلم نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ اس کے ساتھ کلام کا قیام نہ ہو، معتزلہ کا یہ کہنا کہ اگر ہم نے کلام کو اللہ کے ساتھ متعلق کر دیا تو پھر تشبیہ لازم آئے گی، اس سے بچنے کے لئے انہیں تاویلات کا سہارا لینا پڑتا ہے، حالانکہ تشبیہ تو اس سے بھی ختم ہو جاتی ہے جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ متکلم ہے لیکن اس کا تکلم ہمارے جیسا نہیں ہے جیسا کہ ہم نے کہا کہ اللہ کا علم ہمارے علم جیسا نہیں، اسی طرح تمام صفات سمجھ لیجئے، ہم سوال کرتے ہیں کیا قادر کا تصور قدرت کے بغیر اور کیا حی کا تصور حیات کے بغیر ممکن ہے؟ نبی کریم ﷺ سے ذیل کے دعائیہ کلمات منقول ہیں: کیا آپ جب کلمات اللہ کے ساتھ پناہ طلب کر رہے ہیں تو آپ مخلوق کے ساتھ پناہ مانگ رہے ہیں، ہرگز نہیں کلمات اللہ مخلوق نہیں ہیں، اللہ کے کلمات غیر مخلوق ہیں۔ الفاظ ملاحظہ فرمائیں: - اعوذ بکلمات اللہ التامات النبی لایعجاوزہن برولا فاجر (مسند احمد: ۴۱۹/۳، عمل الیوم و اللیلۃ: رقم: ۶۴۲)

میں اللہ کے کلمات کے ساتھ (جو پورے ہیں) پناہ طلب کرتا ہوں جن سے کوئی نیک اور برا انسان متجاوز نہیں ہو سکتا۔

متاخرین حنفیہ کہتے ہیں کہ کلام بس ایک معنی ہے، تعدد، تکرار، بلحاظ دلالت کے ہے، بلحاظ مدلول کے نہیں ہے اور کلام کی عبارتیں مخلوق ہیں اور عبارتوں کو کلام اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اس پر دلالت کرتی ہیں اور ان کے ساتھ اس کی

ادا ہوگی ہوتی ہے ان کو عربی میں پیش کرو تو قرآن ہے عبرانی میں ذکر کرو تو تورات ہے بس اختلاف عبارات میں ہے کلام میں نہیں مجازا عبارات کو ہی کلام اللہ کہا گیا ہے۔

جواب: ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ”لا تقربوا الزنی“ کا وہی معنی ہے جو ”اقیموا الصلوۃ“ کا ہے اور آیت الکرسی کا وہی معنی ہے جوایت مدائنہ کا ہے اور سورت اخلاص کا وہی معنی ہے جو ”تبت ید ابی لہب“ کا ہے معمولی غور و فکر رکھنے والا انسان بھی اس کو صحیح تسلیم نہیں کرتا۔

نیز یہ نظریہ سلف صالح کے نظریہ کے بھی خلاف ہے، پس حقیقت یہ ہے کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن فی الحقیقت اللہ کا کلام ہیں، اور اللہ کے کلام کا انتہا ماننا بھی درست نہیں، وہ ہمیشہ سے کلام کرتا رہا اور ہمیشہ کلام کرتا رہے گا۔ جس طرح اس نے چاہا اور جب چاہا ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں۔ ”قل لو کان البحر مداد الکللمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کللمات ربی ولو جئنا بمثله مددا“ (الکہف: ۱۰۹)۔ کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کی باتوں کے (لکھنے) کے لئے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے، اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کولائیں۔ نیز فرمایا: ولوان مافی الارض من شجرة اقلام و البحر ممدہ من بعدہ سبعة ابھر مانفدت کللمات اللہ، ان اللہ عزیز حکیم (لقمان: ۲)۔

اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں وہ سب کے سب قلم ہوں اور سمندر کا (تمام پانی) سیاہی ہو اور اس کے بعد سات سمندر اور (سیاہی ہو جائیں) تو اللہ کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں، بے شک اللہ غالب، حکمت والا ہے۔

پس اگر جو مصحف میں ہے اس کو عبارت مانا جائے کلام اللہ نہ کہا جائے، تو جب اور بے وضوء انسان کا اس کو ہاتھ لگانا کیسے ممنوع ہوتا اور اگر قاری کا پڑھنا قرآن نہ ہوتا تو جب اور بے وضوء انسان کے لئے اس کا پڑھنا کیسے ناجائز ہوتا، پس اللہ کا کلام دلوں میں محفوظ ہے زبانوں سے پڑھا جاتا ہے، مصاحف میں لکھا ہوا ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ کا قول پہلے گزر چکا ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں مذکور ہے کہ وہ لوح محفوظ میں یا کتاب مکنون (پوشیدہ کتاب) یا ”رق منشور“ (کشادہ اوراق) میں ہے، ان تینوں کا مفہوم ایک ہے، یعنی قرآن پاک لوح محفوظ میں ہے، یا وہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے لیکن قرآن پاک کے بارے میں اللہ کا یہ قول:۔ وانہ لفی زبر الاولین (الشعرا ۱۹۶)۔ اور بے شک وہ

قرآن ضرور پہلی کتابوں میں ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کا ذکر اور اس کا بیان پہلی سماوی کتابوں میں موجود تھا، جیسا کہ محمد ﷺ اور آپ کے اوصاف کا ذکر بھی پہلی کتابوں میں موجود تھا، لیکن یہ معنی درست نہیں کہ قرآن پہلے صحیفوں میں ہے، جب کہ قرآن پاک کو اللہ پاک نے محمد ﷺ پر نازل فرمایا آپ کے علاوہ کسی پر نازل نہیں فرمایا ہمارے اس موقف کی وضاحت ایک دوسری آیت سے بھی ہو رہی ہے ارشاد ربانی ہے: ”الذی یجدونہ مکتوباً عندهم فی التورات والانجیل“ (اعراف: ۱۵۷) وہ شخص (جس کا وصف) اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تورات اور انجیل میں۔

خیال رہے کہ ”زبر“ کا معنی لکھنا اور جمع کا آتا ہے، یعنی اس کا ذکر پہلی سماوی کتابوں میں لکھا ہوا ہے۔ اور لفظ کتاب سے کبھی محل کتابت اور کبھی کلام مکتوب مراد لیا جاتا ہے اور کتاب میں کلام لکھنا اور ان چیزوں کو لکھنا جو خارج میں موجود ہیں ان دونوں میں فرق واضح ہے اس لئے کہ جو چیزیں خارج میں موجود ہیں ان کے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا کتاب میں ذکر ہو۔ اللہ کا کلام جو خارج میں حقیقتاً موجود ہے اولاً بواسطہ جبریل، اللہ سے سنا گیا، پھر ہر پہنچانے والے سے اسے سنا جاتا ہے جب سامع اس کو سنتا ہے تو اس کو اس کا علم حاصل ہو جاتا ہے اور وہ اس کو حافظہ میں محفوظ رکھتا ہے، پس اس لحاظ سے اللہ کا کلام مسموع، محفوظ، معلوم ہے، جب سامع اس کی قرأت کرتا ہے تو وہ مقررہ ہوا۔

اور جب تحریر میں آ گیا تو مکتوب ہو گیا ان تمام صورتوں میں اللہ کا کلام حقیقی ہے اس کی نفی کرنا درست نہیں تو یہ کہنا بالکل جائز نہیں کہ مصحف میں اللہ کا کلام نہیں ہے، اس طرح جب قاری اس کی تلاوت کر رہا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ جس کو اس نے پڑھا ہے وہ کلام نہیں جیسا کہ اس آیت سے ظاہر ہے۔

کیا اس صورت میں مشرک اللہ سے اللہ کا کلام سنے گا وہ تو اللہ کی جانب سے جو مبلغ ہے اس سے سنے گا پس اس آیت کی روشنی میں اس شخص کا قول قابل اعتبار نہیں جو کہتا ہے کہ مشرک اللہ کا کلام نہیں سن رہا ہے، وہ تو اللہ کے کلام کی عبارت سن رہا ہے حالانکہ مذکورہ آیت میں کلام اللہ ہے عبارت کلام اللہ نہیں، اور اصل بات یہ ہے کہ ہر لفظ کا حقیقی معنی مراد لیا جائے اسی طرح جو شخص کہتا ہے کہ مصاحف میں لکھا ہوا عبارت کلام اللہ یا حکایت کلام اللہ ہے کلام اللہ نہیں ہے اس نے کتاب و سنت اور سلف امت کے مسلک کی مخالفت کی ہے اور یہی گمراہی کافی ہے۔

امام طحاوی کا قول (قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اس سے اس کی ابتداء ہے، دیگر ائمہ اضافہ کرتے ہوئے کہتے ہیں اس کی طرف ہی اسی کی ابتداء ہے، ان لوگوں کے قول کے مخالف ہے جو کہتے ہیں اللہ کا کلام ایک معنی ہے جس کا سننا ممکن

نہیں اور مسموع، منزل، مقروء، مکتوب، اللہ کا کلام نہیں، وہ تو عبارت کلام اللہ ہے۔ نیز امام طحاویؒ کی اس تشریح سے جہمیہ، معتزلہ، کاردہورہا ہے جو قائل ہیں کہ اللہ نے کلام کا معنی میں خلق کیا تو وہاں سے کلام کا آغاز ہے اللہ سے نہیں، جب کہ سلف امت کا نظریہ ہے کہ اللہ متکلم ہے اس سے کلام کا آغاز ہے مخلوقات سے آغاز نہیں ہے، ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں: تنزیل الكتاب من الله العزيز الحكيم (الزمر: ۱) اللہ غالب حکمت والے کی طرف سے کتاب کو نازل کرنا ہے۔

نیز: ولكن حق القول مني (السجدة: ۱۳) میرا قول حق ہے۔ نیز: قل نزله روح القدس من ربك بالحق (نحل: ۱۰۲)، کہہ دو کہ اس (قرآن) کو تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ روح القدس نے اتارا ہے۔

امام طحاوی کا قول کہ اللہ کی طرف کلام کا انتہا ہوگا اس سے مقصود یہ ہے کہ اللہ کا کلام سینوں اور مصحف سے اٹھایا جائے گا تو سینوں اور مصحف میں اللہ کے کلام کا کچھ اثر باقی نہیں رہے گا۔ جیسا کہ متعدد آثار میں اس کا ذکر موجود ہے۔ امام طحاوی کا قول اللہ کے تکلم کی کیفیت معلوم نہیں اللہ نے اپنے کلام کی فرشتے کے ذریعہ اپنے رسول کی جانب وحی کی۔ جبریل نے کلام کو اللہ سے سنا اور جبریل سے محمد مصطفیٰ ﷺ نے سنا آپ نے لوگوں پر اس کو پڑھا۔ جیسا کہ سورہ اسراء: ۱۰۶، اور سورہ شعراء: ۱۹۳، میں ہے۔

پھر امام طحاوی لکھتا ہے: ”اللہ کا کلام مخلوق کے کلام کی طرح مخلوق نہیں“ اس میں بھی معتزلہ کا رد مقصود ہے اور اس قول میں بھی کہ اللہ کا کلام حقیقی معنی میں ہے۔ ان کا رد ہے جبکہ وہ کلام کو ایک معنی کہتے ہیں جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے لیکن اللہ سے سنا نہیں جاتا، یعنی ان کے ہاں نفسانی کلام ہے اس لئے کہ جس کے ساتھ نفسانی کلام کا قیام ہو اور وہ اس کے ساتھ متکلم نہ ہو تو اس کلام کو حقیقی کلام نہیں کہا جاسکتا، وگرنہ ماننا پڑے گا کہ گوٹکا انسان بھی متکلم ہے اور ماننا پڑے گا کہ جو کچھ مصحف میں ہے وہ قرآن نہ ہو اور نہ اللہ کا کلام ہو بلکہ عبارت کلام اللہ ہو۔

جیسا کہ جب ایک گوٹکا انسان کسی دوسرے شخص کی جانب اشارہ کرے جس سے مقصود سمجھ میں آئے تو وہ شخص معنی کی عبارت کو تحریر کرے پس اس صورت میں مکتوب معنی کی عبارت ہے، یہ ایسی مثال ہے جس کے بارے میں معتزلہ کہتے ہیں کہ ہمارے نظریہ کو واضح انداز میں پیش کرتی ہے۔

اگرچہ مثال کی مطابقت کے لحاظ سے اللہ کو کوئی شخص کوٹکا کہنے کے لئے تیار نہیں، البتہ ان کے ہاں اس کی وضاحت یوں ہے کہ فرشتے نے اللہ سے وہ معنی سمجھا جو اس کے ساتھ قائم تھا اگرچہ فرشتے نے اللہ سے کسی آواز کو نہیں سنا

اور نہ کسی حرف کو سنا ہے بس ایک معنی کو سمجھا اس کو تعبیر کیا پھر قرآن پاک کی ترتیب و تالیف کو پیدا فرمایا۔ بلکہ اللہ نے بعض اجسام میں جو فرشتے سے بہت پست درجہ والے ہیں اس قسم کی عبارت کا خلق کیا۔ امام طحاوی فرماتے ہیں جو شخص اللہ کے کلام کو ایک معنی سمجھتا ہے ہم اس سے دریافت کریں گے کیا موسیٰ علیہ السلام نے تمام معنی کو سنا، یا بعض کو سنا؟ اگر وہ کہے تمام کو سنا تو یہ قول فاسد ہے اگر بعض کا کہے تو دعویٰ ٹوٹ گیا کہ وہ ایک معنی ہے نیز جب اللہ نے فرشتوں سے کہا: ﴿انسی جاعل فی الارض خلیفۃ﴾ (البقرہ: ۳۰) بیشک میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں، نیز جب اللہ نے کہا آدم کو سجدہ کرو ان میں یہ اللہ کا تمام کلام ہے یا بعض کلام ہے اگر کہے تمام ہے تو یہ مکابہ ہے، اگر بعض کہے تو معنی ایک نہ رہا اس میں تعدد آ گیا۔ کلام اور قول سے کیا مراد ہے اس میں چار قول ہیں:

پہلا قول: کلام لفظ معنی دونوں کو متناول ہے جیسا کہ لفظ انسان جسم اور روح دونوں کو متناول ہوتا ہے یہ سلف امت کا قول ہے۔

دوسرا قول: کلام سے مراد صرف لفظ ہے اور معنی مسمیٰ کا جز نہیں بلکہ مسمیٰ کا مدلول ہے۔ یہ معتزلہ کی ایک جماعت کا قول ہے۔

تیسرا قول: کلام صرف معنی کا نام ہے لفظ پر اس کا اطلاق مجازاً ہے یہ قول ابن کلاب اور اس کے ہم خیال لوگوں کا ہے۔ چوتھا قول: کلام لفظ اور معنی میں مشترک ہے یہ قول بعض متاخرین کلابیہ کا ہے۔

پانچواں قول: کلام کا لفظ، کلام اللہ میں مجاز اور انسانوں کے کلام میں حقیقت ہے اس لئے کہ انسانوں کے حروف ان کے ساتھ قائم ہیں۔ پس کلام کا قیام غیر متکلم کے ساتھ نہ ہوا لیکن اللہ کا کلام اس کے ہاں اس کا قیام اللہ کے ساتھ نہیں ہے۔ تو اس کو اللہ کا کلام کہنا ممنوع ہوا۔ کلام ایک معنی ہے اس پر ایک شعر سے استدلال کیا جاتا ہے جو فاسد ہے۔ شعر ملاحظہ فرمائیں:

ان الکلام لفی الفؤاد وانما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا

کلام کا تعلق تودل کے ساتھ ہے زبان تودل کی صرف رہنمائی کا کام دیتی ہے۔ لیکن یہ شعر موضوع ہے اگرچہ انحطاط کی جانب منسوب ہے جب کہ اس کے دیوان میں نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے ”ان البیان“ نقل کیا، یہ اقرب الی الصحیح ہے اس کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود بھی اس سے استدلال صحیح نہیں ہے شعر موضوع سے استدلال بالکل ناقص ہے جبکہ اگر صحیحین سے استدلال کیا جائے تو اس پر بھی ہم کہتے ہیں کہ حدیث خبر واحد ہے جو یقین کا فائدہ نہیں دیتی اگرچہ علمائے

صحیحین کو شرف قبول سے نوازا ہے نیز جبکہ ہم دیکھتے ہیں عیسائی کلام کا معنی بیان کرنے میں گمراہ ہو گئے انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کہا اور لاہوت کا ناسوت کے ساتھ اتحاد ہو گیا، یعنی اللہ اور لوگ ایک ہو گئے تو کیا ہم کلام کے معنی کے سلسلہ میں عیسائیوں کے قول سے استدلال کریں جو کلام کا معنی بیان کرنے میں سیدھے راہ سے بھٹک گئے۔ یعنی انہوں نے کلام کا وہ معنی بیان نہ کیا جو لغت عرب میں ہے، پھر معنی صحیح نہیں ہے اس لئے کہ لازم آتا ہے کہ ہم آخرس یعنی گونگے کو متکلم کہیں جبکہ کلام کا قیام اس کے دل کے ساتھ ہے زبان سے نہ وہ بات کرتا ہے اور نہ اس سے کوئی بات سنی جاتی ہے۔ پس یہ معنی عیسائیوں کے قول کے کس قدر مشابہ ہے جو لاہوت ناسوت کے قائل ہیں، یعنی اللہ اور مخلوق میں وحدت ہے اور اللہ کا کلام ایک معنی ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ لیکن اس کا سننا ممکن نہیں اور جس ترتیب کو ہم سن رہے ہیں وہ مخلوق ہے پس قدیم معنی کو مخلوق ترتیب کے انداز سے بتانا بالکل اسی طرح ہے جس طرح لاہوت کو ناسوت کی شکل میں ظاہر کیا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام الہ ہیں یعنی اللہ، عیسیٰ علیہ السلام کے وجود میں ظہور پذیر ہے۔

امام طحاوی ان لوگوں کے قول کا رد کرتے ہوئے (جو کلام کو معنی سے تعبیر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ معنی اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے) ایک حدیث نقل کرتے ہیں، رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ان هذه الصلاة لا يصلح فيها شيء من كلام الناس انما هو التسييح - الحدیث، ہماری نمازوں میں لوگوں کا کلام درست نہیں (مسلم: ۸۳۶)۔

نیز: ان الله يحدث من امره ما يشاء وان الله يحدث من امره ان لا تكلموا في الصلاة، الحدیث، اللہ پاک احکام میں تجدید فرماتا رہتا ہے، اب جو اللہ نے حکم دیا ہے وہ یہ ہے کہ تم نماز میں کلام نہ کرو (نسائی فی السنن الکبریٰ: ۱۴۴، وابوداؤد رقم: ۷۸۹)۔

علماء اس بات پر متفق ہیں کہ جب نمازی عمدًا ابلا مصلحت نماز میں کلام کرتا ہے تو اس کی نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن کیا دل میں جو تصدیق کا معنی موجود ہے یا امور دنیوی کی طلب ہے تو اس سے بھی نماز باطل ہوگی۔ ہرگز نہیں نماز کلام کرنے سے باطل ہوگی معلوم ہوا معنی کو کلام کہنا درست نہیں۔

نیز صحیحین میں ہے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان الله تجاوز لامتنى عما حدثت به انفسها ما لم تتكلم به او تعمل به، بخاری: ۲۵۲۸، مسلم: ۱۲۷، اللہ نے میری امت کے نفسانی خیالات کو معاف کر دیا ہے، جب تک کہ وہ کلام نہ کریں یا عمل نہ کریں، معلوم ہوا کہ دل کی خیالات کلام نہیں۔ خیالات آنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی، نماز کلام کرنے سے باطل ہوتی ہے۔ لغت عرب میں کلام کا معنی زبان سے بات کرنا ہے ہمیں شریعت کے احکام عربی زبان میں

ہی بتائے گئے ہیں۔

نیز سنن میں ہے: معاؤ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! انما لمواخذون بمانتکلم بہ؟ فقال وہل یکب الناس فی النار علی مناخرہم الا حصائد السننہم، (ترمذی: ۲۶۱۶، ابن ماجہ: ۳۹۷۳) یعنی، یا رسول اللہ! کیا ہم جو زبان سے کہتے ہیں اس پر ہمارا مواخذہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کو ناک کے بل جہنم میں گرانے والیاں ان کی تیز زبانیں تو ہیں، معلوم ہوا کلام کا تعلق زبان کے ساتھ ہے اور قول، کلام نیز ان سے جو صغ مشفق ہوتے ہیں کتاب و سنت اور کلام عرب میں ان کا تعین موجود ہے، لفظ، کلام اور قول میں صحابہ، تابعین کرام کے دور میں کچھ نزاع نہ تھا، یہ نزاع متاخرین اہل بدعت علماء میں رونما ہوا، پھر وسیع ہوتا چلا گیا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ کلام اور قول کا مفہوم واضح ہے اس کے بیان کے لئے کسی شاعر کے شعر کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے تمام اہل زبان متقدمین اور متاخرین کلام کے معنی سے اسی طرح متعارف ہیں جس طرح وہ سر، ہاتھ، پاؤں کے مسمی سے متعارف ہیں نیز اس میں بھی شک نہیں کہ اللہ کا کلام معنی نہیں جو اللہ کے ساتھ قائم ہے اور نہ ہی مقرو، محفوظ، مکتوب، مسموع کلام اللہ کی حکایت ہے بلکہ کلام اللہ ہے اور نہ ہی وہ مخلوق ہے۔ جو شخص قرآن پاک کو مخلوق کہتے ہیں اس میں کچھ شعور نہیں ہے جیسا کہ (سورہ اسراء: ۸۸) میں ہے۔ کیا اس آیت میں اشارہ اس معنی کی جانب ہے جو اس کے نفس میں ہے یا اس سے مراد تلو مسموع ہے ظاہر ہے کہ اشارہ تلو، مسموع کی طرف ہے، اس لئے کہ جو چیز اللہ کی ذات میں ہے نہ اس کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے نہ وہ اتارا گیا ہے، نہ وہ مقرو ہے اور نہ ہی مسموع ہے، اگر اشارہ اس چیز کی طرف ہوتا جو اس کے نفس میں ہے تو یوں کہا جاتا:

لا یاتون بمثل ما فی نفسی . اور جو چیز اللہ کی نفس میں ہے نہ وہ مسموع ہے نہ اس کی طرف پہنچنا ممکن ہے اور نہ ہی اس کا علم حاصل ہو سکتا ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ مذکورہ آیت میں اشارہ اس چیز کی حکایت کی طرف ہے جو اللہ کے نفس میں ہے، اور وہ تلو، مکتوب، مسموع ہے، پس اشارہ یا تو اللہ کی ذات کی طرف ہوگا یہ درست نہیں، اس لئے کہ یہ تو صریح قول ہے کہ قرآن مخلوق ہے بلکہ یہ لوگ تو معتزلہ سے بھی زیادہ کافر ہیں، اس لئے کہ کسی چیز کی حکایت اس کے مثل اور مشابہ کے ساتھ ہوتی ہے اور یہ وضاحت ہے کہ اللہ کے صفات کی حکایت بیان کی جاتی ہے، اگر تلاوت حکایت کا نام ہوتا تو سب لوگ اللہ کے کلام کا مثل پیش کر سکتے تھے، اور انہیں عجز حاصل نہ ہوتا اور ان کے خیال میں تلاوت کرنے والا آواز اور حروف کی حکایت

کرنے والا ہے، آواز اور حروف نہیں ہے، حالانکہ قرآن پاک تو سورتوں اور آیات کے مجموعہ کا نام ہے، جو پاکیزہ صحائف میں ہے ارشاد ربانی ہے: ”فاتوا بعشر سور مفتريات (ہو: ۵: ۱۳)۔ تو اس جیسی دس سورتیں لاؤ جو جھوٹ موٹ ہوں۔

نیز فرمایا: بَلْ هُوَ آيَةٌ بَيِّنَةٌ فِى صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا الظَّالِمُونَ“ عنکبوت: ۳۹۔ یعنی بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں محفوظ ہیں اور ہماری آیتوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں۔

نیز فرمایا: ”فی صحف مکرمة مرفوعة مطهرة“ (عیس: ۱۳: ۱۴)۔ قابل ادب ورقوں میں (لکھا ہوا) جو بلند مقام پر رکھے ہوئے اور پاک ہیں۔ پس جو شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اس کو ہر حرف کے بدلے میں دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں، ارشاد نبوی ہے: قال النبی ﷺ امانی لا اقول ”الم“ حرف ولكن الف حرف ولام حرف وميم حرف. (ترمذی: ۲۹۱۰)۔

میں نہیں کہتا ہوں کہ الم ایک حرف ہے لیکن الف ایک حرف لام دوسرا حرف، اور میم تیسرا حرف ہے، قرآن پاک حفاظ کے سینوں میں محفوظ ہے تلاوت کرنے والوں کی زبانوں سے اسے سنا جاتا ہے۔

قرآن پاک کے بارے میں نواقوال ہیں:

پہلا قول: فلاسفہ اور صابون کا قول ہے کہ قرآن پاک اللہ کا کلام ہے اس کے معانی کا عقل فعال کی طرف سے نفوس پر فیضان ہوتا ہے۔

دوسرا قول: قرآن پاک مخلوق ہے اللہ سے منفصل ہے یہ قول معتزلہ کا ہے۔

تیسرا قول: قرآن پاک معنی ہے جو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس میں امر، نہی، خبر، استفہام سبھی اسلوب ہیں، جب ان معانی کو عربی میں تعبیر کیا جاتا ہے تو وہ قرآن ہے اور اگر عبرانی میں تعبیر کیا جاتا ہے تو تورات ہے یہ قول ابن کلاب اور اس کے ہم خیال اشعری وغیرہ کا ہے۔

چوتھا قول: قرآن پاک حروف اور آوازیں اور آوازوں کا نام ہے جو ازل میں مجتمع تھیں، یہ قول بعض متکلمین اور بعض محدثین کا ہے۔

پانچواں قول: قرآن پاک حروف اور اصوات کا نام ہے اللہ پاک ان کے ساتھ متکلم ہوا اس سے پہلے کہ ان کے ساتھ متکلم نہ تھا یہ قول کرامیہ وغیرہ کا ہے۔

چھٹا قول: قرآن پاک اللہ کا کلام ہے جس کو اپنے علم اور ارادہ سے (جو اس کی ذات کے ساتھ ہیں) بناتا ہے صاحب المعتمد کا یہی قول ہے اور امام رازی، المطالب العالیہ میں اس کی طرف مائل ہیں۔

ساتواں قول: اللہ کا کلام ایسے معنی کو متضمن ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے جس کو اس نے اپنی غیر میں مخلوق کیا، یہ قول ابو منصور ماتریدی کا ہے۔

آٹھواں قول: قرآن پاک معنی قدیم قائم بالذات اور ان اوزوں کے درمیان جن کو اللہ اپنے غیر میں پیدا فرماتا ہے یہ مشترک ہے یہ قول ابو المعالی اور اس کے پیروں کا ہے۔

نواں قول: اللہ پاک ہمیشہ سے کلام کے ساتھ متکلم رہا اس لئے جب چاہا اور جسے چاہا وہ ایسی آواز کے ساتھ متکلم رہا جو سنی جاتی ہے اور کلام قدیم ہے اگرچہ معین آواز قدیم نہیں ہے۔ یہ قول ائمہ حدیث و سنت کا ہے۔

اس مسئلہ کے متعلق امام عبدالعزیز کی اور بشر مرسی کا مناظرہ مشہور ہے ”کتاب الحیۃ“: ۹، ۷، ۸۰، سے مختصر نقل کرتے ہیں، یہ مناظرہ مامون عباسی کے سامنے ہوا، امام عبدالعزیز کی کا اصرار تھا کہ مناظرہ میں نص قرآن کے علاوہ کسی دیگر دلیل کو پیش نہیں کیا جائے لیکن بشر مرسی نے امیر المؤمنین سے مطالبہ کیا کہ مناظرہ میں اس شرط کو ختم کیا جائے کہ دلیل صرف نص قرآن سے ہو، پھر دیکھنا کہ وہ کس طرح اپنے قول سے رجوع کرتا ہے، اور قرآن پاک کو مخلوق کہتا ہے، اگر اس طرح نہ ہوا تو میں اپنے خون کے حلال ہونے کی اجازت دیتا ہوں، چنانچہ مناظرہ شروع ہوتا ہے امام عبدالعزیز نے دریافت کیا تو پہل کرتا ہے یا میں تجھ سے سوال کروں؟ بشر نے کہا تم پہلے سوال کرو، اور وہ میرے بارے میں پر امید تھا، میں نے کہا تین باتوں میں سے ایک ضروری ہے اولاً یہ اقرار کرو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو اپنے نفس میں پیدا کیا (جب کہ میں تو قرآن پاک کو اللہ کا کلام سمجھتا ہوں) یا یوں کہوں کہ اللہ نے قرآن پاک کو اس حال میں پیدا کیا کہ وہ اس کی ذات یا اس کے نفس کے ساتھ قائم ہے یا پھر تیسری صورت یہ ہے کہ اس نے قرآن کو اپنے غیر میں پیدا کیا۔ اس نے جواباً کہا اللہ نے قرآن پاک کو اسی طرح پیدا فرمایا جس طرح اس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا، اور جواب سے گریز کیا، مامون نے بشر کا جواب سنا، تو امام عبدالعزیز سے کہا کہ تم اس کی تشریح کرو، بشر تو نا کام ہو چکا ہے، وہ اب کیا بات کرے گا، چنانچہ مامون کے کہنے پر امام عبدالعزیز نے تشریح کرتے ہوئے کہا اگر بشر کہے کہ اللہ نے اپنے کلام کو اپنے نفس میں پیدا کیا تو یہ محال ہے اس لئے کہ اللہ کی ذات حوادث مخلوقہ کا محل نہیں ہے، اس کی ذات میں کوئی چیز مخلوق نہیں، اگر یہ کہے کہ اللہ نے اس کو اپنے غیر میں پیدا کیا وہ کلام ہے یہ بھی محال ہے اور قائل کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ہر وہ کلام جس کو اللہ نے اپنے غیر میں

پیدا کیا ہے وہ اللہ کا کلام ہو، اس کو قائل نہیں مانتا، اگر یہ کہے کہ اللہ نے کلام کو پیدا کیا اس حال میں کہ وہ اس کے نفس اور ذات کے ساتھ قائم ہے تو یہ بھی محال ہے اس لئے کہ کلام تو متکلم سے ہوتا ہے جیسا کہ ارادہ اس سے ہوتا ہے جو ارادہ کرنے والا ہے، اور علم عالم سے ہوتا ہے اور کسی ایسے کلام کا معقول ہونا ممکن نہیں جو بنفسہ قائم ہو تو جب ان وجوہ سے اس کا مخلوق ہونا محال ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اللہ کا وصف ہے۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ اللہ کے کلام کو حرف و صوت سے مرکب ماننا جسمیت نہیں، اور جو ملفوظات کشمیری: ۲۰۰، میں ہے کہ، واضح ہو کہ حافظ ابن تیمیہ بھی قیام، حوادث، حرف و صوت، وغیرہ ذات باری کے ساتھ مانتے ہیں، حافظ ابن قیم نے بھی اپنے ”عقیدہ نونیہ“ میں کلام باری کو حرف و صوت سے مرکب کہا، جس کا، رد، علامہ کوثری نے ”تعلیقات السیف الصقلیل“ میں کیا ہے، اور وہاں شیخ عز الدین ودیگر اکابر امت کے فتاویٰ نقل کر دئے ہیں، ان فتاویٰ سے ثابت ہوا کہ جس نے خدا کو متکلم بالصوت والحروف کہا، اس نے خدا کے لئے جسمیت ثابت کی، جو کفر ہے۔

لیکن اس کا یہ قول صحیح نہیں، بلکہ اس مسئلے کی پوری وضاحت امام الحرمین کے والد ”ابو محمد عبد اللہ بن یوسف الجوینی“ نے اپنی ایک رسالہ جس کا نام ”رسالة فی اثبات الاستواء و الفوقیة و مسئلة الحرف و الصوت فی القرآن المجید“: ۱/۱۶۱ میں کیا ہے کہ، والتحقق هو ان اللہ تعالیٰ قد تکلم بالحروف کما یلیق بجلاله وعظمتہ، فانه قادر، والقادر لا یحتاج الی جوارح ولا الی لہوات، وكذلك له صوت کما یلیق به، یسمع ولا یفتقر ذلک الصوت المقدس الی الحلق و الحنجرة، کلام اللہ تعالیٰ کما یلیق به، و صوته کما یلیق به، ولا ننفی الحرف و لا الصوت عن کلامه سبحانه لا فتقارهما من الی الجوارح و اللہوات، فانہما من جناب الحق تعالیٰ لا یفتقران الی ذلک، و ہذا ینشرح الصدر له ویستریح الانسان به من التعسف و التکلف۔

اور تحقیق یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے حروف کے ساتھ کلام فرمایا، جیسا کہ اس کے جلال اور عظمت کے لائق ہیں، کیونکہ وہ قادر ہے اور قادر مطلق کو اعضاء اور حلق کے کوئے کی حاجت نہیں ہوتی، اور اسی طرح (اس کے کلام) کی سنی جانے والی آواز ہے، جیسا کہ اس کے لائق ہے اور یہ مقدس آواز حلق اور زخروے کی محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جیسا کہ اس کے لائق ہے اور اس (کلام) کی آواز ہے جیسا کہ اس کے لائق ہے۔ ہم اللہ سبحانہ کے کلام سے حرف و صوت کی نفی (انکار) اس وجہ سے نہیں کرتے کہ ہم اعضاء اور حلق کے کووں کے محتاج ہیں (بلکہ ان صفات کا اقرار کرتے ہیں) کیونکہ حق تعالیٰ کی جناب (ذات) ان چیزوں کی محتاج نہیں ہے اور یہ وہ بات ہے جس پر شرح صدر ہوتا ہے اور تعسف اور تکلف سے (دور رہ کر) انسان

کو آرام پہنچتا ہے۔ (مسئلہ الحروف و الصوت: ۱۱، ضمن الرسائل المنبرية ۱۸۴/۱)۔

اور ابراہیم نخعی نے ابو العالیہ الریاحی کی تعلیم القرآن میں احتیاط کے بارے میں فرمایا: أظن صاحبکم قد سمع انه من كفر بحرف منه فقد كفر به كله، میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے ساتھی نے یہ سنا ہے کہ جس نے قرآن کے ایک حرف کا انکار کیا تو اس نے سارے قرآن کا انکار کیا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۵۱۳/۱۰)۔

اور ابو سعید خدریؓ سے جو لمبی روایت نقل ہے اس میں یہ جملہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فينادى بصوت ان الله يأمرك، الحديث - صحيح بخاری: رقم: ۲۸۳۰۔

امام بخاری اپنی کتاب ”خلق افعال العباد: ۹۲، میں اس حدیث کی تشریح میں لکھتا ہے: وفي هذا دليل ان صوت الله لا يشبه اصوات الخلق، یعنی اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اواز مخلوق کی اواز سے مشابہ نہیں ہے۔ اسی قسم کی روایات زیادہ ہیں صرف اسی پر اکتفاء کرتے ہیں۔

مجموع فتاویٰ ۵۷۹/۱۲، میں شیخ الاسلام لکھتا ہے کہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں بعض مبتدعین نے حرف اور صوت کا صریح انکار کر کے نیا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ علماء اہل سنت کی ان واضح تصریحات کے مقابلے میں کوثری کی اس عبارت کی کوئی وقعت باقی نہ رہی، جو کہ مقالات الكوثری: بدعة الصوتیه حول القرآن: ۲۷، میں ہے کہ: و الواقع ان القرآن فی اللوح، وفي لسان جبرئيل عليه السلام، وفي لسان النبي ﷺ، والسنة سائر التالين، وقلوبهم و الواهم مخلوق حادث محدث ضرورة، ومن ينكر ذلك يكون مسفسطا ساقطا من مرتبة الخطاب، وانما القديم هو المعنى القائم بالله سبحانه، يعنى الكلام النفسى فى علم الله جل شانہ فى نظر احمد بن حنبل و ابن حزم، و قد صح عن احمد قوله فى المناظرة: القرآن علم الله و علم الله غير مخلوق۔

اور واقعی یہ ہے کہ لوح محفوظ، زبان جبرئیل علیہ السلام، زبان نبی ﷺ، اور تمام تلاوت قرآن کرنے والوں کی زبانوں، دلوں اور تختیوں پر قرآن مخلوق حادث ہے جو کہ ضروریات (بدیہی حقیقتوں) کا مسئلہ ہے۔ جو شخص اس کا انکار کرتا ہے تو وہ بدیہیات کا منکر اور وہمیات کا قائل ہے، وہ اس مرتبے سے ساقط ہے کہ اس سے گفتگو کی جائے۔ قدیم تو وہ معنی ہے جو اللہ سبحانہ کے ساتھ قائم ہے، احمد بن حنبل اور ابن حزم کی نظر میں وہ اللہ جل شانہ کے علم میں کلام نفسی کے معنی میں ہے۔ احمد سے صحیح ثابت ہے کہ انہوں نے مناظرے میں کہا: قرآن اللہ کے علم میں سے ہے اور اللہ کا علم مخلوق نہیں ہے۔

لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ

اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عہد کیونکر (قائم) رہ سکتا ہے ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد محترم (یعنی خانہ کعبہ)

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يَحِبُّ

کے نزدیک عہد کیا ہے اگر وہ (اپنے عہد پر) قائم رہیں تو تم بھی اپنے قول و اقرار (پر) قائم رہو بیشک اللہ پرہیزگاروں کو

الْمُتَّقِينَ ﴿۷۷﴾ كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ

دوست رکھتا ہے۔ (بھلا ان سے عہد) کیونکر (پورا کیا جائے جب ان کا یہ حال ہے) کہ اگر تم پر غلبہ پالیں

إِلَّا وَلَا ذِمَّةٌ يُرْضُونَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَىٰ قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ

تو نہ قربت کا لحاظ کریں نہ عہد کا یہ منہ سے تو تمہیں خوش کر دیتے ہیں لیکن ان کے دل (ان باتوں کو) قبول نہیں کرتے اور ان

فَسِقُونَ ﴿۷۸﴾ اشْتَرُوا بِآيَةِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ

میں اکثر نافرمان ہیں۔ یہ اللہ کی آیتوں کے عوض تھوڑا سا فائدہ حاصل کرتے اور لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکتے ہیں

إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۷۹﴾ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وَلَا

کچھ شک نہیں کہ جو کام یہ کرتے ہیں بُرے ہیں۔ یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ تو رشتہ داری کا پاس کرتے ہیں نہ عہد کا

ذِمَّةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ﴿۸۰﴾ فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ

اور یہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے

وَأَتُوا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَنُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۸۱﴾

اور زکوٰۃ دینے لگیں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور سمجھنے والے لوگوں کے لئے ہم اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أُمَّةً

اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعن کرنے لگیں تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو

الْكَفْرِ إِنَّهُمْ لَا إِيمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ﴿۱۲﴾ ۱۲ لَا تُقَاتِلُونَا

(یہ بے ایمان لوگ ہیں اور) ان کی قسموں کا کچھ اعتبار نہیں عجب نہیں کہ اپنی حرکات سے باز آجائیں۔ بھلا تم ایسے لوگوں سے کیوں نہ لڑو

قَوْمًا نَكُثُوا إِيمَانَهُمْ وَهُمْ أَوْبَاءُ اخْرَاجِ الرَّسُولِ

جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر (الہی) کے جلا وطن کرنے کا عزم مصمم کر لیا اور انہوں نے تم سے (عہد شکنی کی)

وَهُمْ بَدَأُوا وَاكْمَأُولَ مَرَّةٍ ۖ أَتَخْشَوْنَ اللَّهَ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ

ابتداء کی کیا تم ایسے لوگوں سے ڈرتے ہو؟ حالانکہ ڈرنے کے لائق اللہ تعالیٰ ہے بشرطیکہ

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾ ۱۳ قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ

ایمان رکھتے ہو۔ ان سے لڑو اللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب میں ڈالے گا اور رسوا کرے گا اور تم کو ان پر غلبہ

عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾ ۱۴ يُرِيدُ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ

دے گا اور مومن لوگوں کے سینوں کو ٹھنڈا کرے گا۔ اور ان کے دلوں سے غصہ دُور کرے گا اور

وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَى مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۵﴾ ۱۵

جس پر چاہے گا رحمت کرے گا اور اللہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

کیا تم لوگ یہ خیال کرتے ہو کہ چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی تو اللہ نے ایسے لوگوں کو تمیز کیا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے جہاد کئے

وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِجَنَّةٍ وَاللَّهُ خَبِيرٌ

اور اللہ اور اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دلی دوست نہیں بنایا اور اللہ تمہارے سب کاموں سے

بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾ ۱۶ مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ

واقف ہے مشرکوں کو زیبا نہیں کہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں

شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنفُسِهِمْ بِالْكَفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ

جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر کی گواہی دے رہے ہیں ان لوگوں سے سب اعمال بے کار ہیں اور یہ ہمیشہ دوزخ میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّمَا يَعْمرُ مَسْجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

رہیں گے۔ اللہ کی مسجدوں کو تو وہ لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان لاتے

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ

اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے یہی لوگ یقین ہے کہ

يَكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۸﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ

ہدایت یافتہ لوگوں میں (داخل) ہوں۔ [3] کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ محترم (یعنی خانہ کعبہ) کو آباد کرنا

[3] یہ مشرکین مکہ اپنی مشرکانہ رسوم کو عبادت اور مسجدِ حرام کی عمارت و آبادی کو اپنا نام دیتے، اور اس پر فخر کیا کرتے تھے

کہ ہم بیت اللہ اور مسجدِ حرام کے متولی اور اس کی عمارت کے ذمہ دار ہیں۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ عباسؓ جب اسلام

لانے سے پہلے غزوہ بدر میں گرفتار ہوئے اور مسلمانوں نے ان کو کفر و شرک پر قائم رہنے سے عار دلانی، تو انہوں نے جواب

دیا کہ تم لوگ صرف ہماری برائیاں یاد رکھتے ہو اور بھلائیوں کا کوئی ذکر نہیں کرتے، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ہم بیت

اللہ اور مسجدِ حرام کو آباد رکھنے اور اس کا انتظام کرنے اور حجاج کو پانی پلانے وغیرہ کی خدمات کے متولی بھی ہیں؟ اس پر قرآن

کریم کی یہ آیتیں نازل ہوئیں: ”مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَعْمُرُوْا مَسْجِدَ اللّٰهِ“ یعنی مشرکین کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اللہ

کی مساجد کی تعمیر کریں، کیونکہ مسجد صرف وہی جگہ ہے جو ایک اللہ وحدہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہے، شرک و کفر اس کی

ضد ہے، وہ عمارت مسجد کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔

عمارت مسجد کا لفظ جو اس آیت میں آیا ہے کئی معنی میں استعمال کیا جاتا ہے: ایک ظاہری درود یوار کی تعمیر، دوسرے

مسجد کی حفاظت اور صفائی اور ضروریات کا انتظام، تیسرے عبادت کے لئے مسجد میں حاضر ہونا، عمرہ کو عمرہ اسی مناسبت سے

کہا جاتا ہے کہ اس میں بیت اللہ کی زیارت اور عبادت کے لئے حاضری ہوتی ہے۔

مشرکین مکہ تینوں معنی کے اعتبار سے اپنے آپ کو معمار بیت اللہ اور عمارت مسجد حرام کا ذمہ دار سمجھتے، اور اس پر فخر کیا کرتے تھے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ مشرکین کو اللہ کی مساجد کی عمارت کا کوئی حق نہیں، جبکہ وہ خود اپنے کفر و شرک کے گواہ ہیں، ان لوگوں کے اعمال حیط اور ضائع ہو گئے، اور وہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں رہیں گے۔ خود اپنے کفر و شرک کی گواہی کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اپنے مشرکانہ افعال و اعمال کے سبب گویا خود اپنے کفر و شرک کی گواہی دے رہے ہیں اور یہ کہ عادتاً جب کسی نصرانی یا یہودی سے پوچھا جائے کہ تم کون ہو؟ تو وہ اپنے آپ کو نصرانی یا یہودی کہتا ہے اسی طرح مجوس اور بت پرست اپنے کافرانہ ناموں ہی سے اپنا تعارف کراتے ہیں یہی ان کے کفر و شرک کا اعتراف اور شہادت ہے (ابن کثیر)۔

اور عمارت مسجد کے متعلق ان آیتوں میں یہ ذکر ہے کہ یہ کام مشرک کافر نہیں کر سکتے بلکہ وہ صرف نیک صالح مسلمان ہی کا کام ہے، اس سے مراد مساجد کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی کافر کو کسی اسلامی وقف کا متولی اور منتظم بنانا جائز نہیں، باقی رہا ظاہری درود یوار وغیرہ کی تعمیر سوا اس میں کسی غیر مسلم سے بھی کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں (تفسیر مراغی)۔

اسی طرح اگر کوئی غیر مسلم ثواب سمجھ کر مسجد بنادے یا مسجد بنانے کے لئے مسلمانوں کو چندہ دیدے تو اس کا قبول کر لینا بھی اس شرط سے جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان یا الزام کا، یا اس لئے اس پر قبضہ کر لینے کا، یا احسان جتلانے کا خطرہ نہ ہو (رد المحتار، شامی، مراغی)۔

اور اس آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا کہ مساجد کی عمارت اور آبادی صرف نیک مسلمان ہی کا کام ہے اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو شخص مساجد کی حفاظت، صفائی اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہے اور جو عبادت اور ذکر اللہ کے لئے یا علم دین اور قرآن پڑھنے پڑھانے کے لئے مسجد میں آتا جاتا ہے اس کے یہ اعمال اس کے مومن کامل ہونے کی شہادت ہے۔

امام ترمذی اور ابن ماجہ نے بروایت ابوسعید خدری نقل کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کی حاضری کا پابند ہے تو اس کے ایمان کی شہادت دو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿انما يعمر مساجد

اللہ من امن باللہ﴾ (الترمذی: ۵۰۹۰، کتاب التفسیر، ومسند احمد: ۶۸/۳)۔

اور صحیحین کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص صبح وشام مسجد میں حاضر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ =

الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

اس شخص کے اعمال جیسا خیال کیا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے؟

لَا يَسْتَوْنَ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴﴾ الَّذِينَ آمَنُوا

یہ لوگ اللہ کے نزدیک برابر نہیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ جو لوگ ایمان لائے

وَهَاجَرُوا وَجْهَهُدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ

اور وطن چھوڑ گئے اور اللہ کی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرتے رہے اللہ کے ہاں

أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأَوْلَىٰكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۲۰﴾

ان کے درجے بہت بڑے ہیں اور وہی مراد کو پہنچنے والے ہیں

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۲۱﴾

ان کا پروردگار ان کو اپنی رحمت کی اور خوشنودی کی اور بہشتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لئے نعمت ہائے جاودانی

= اس کے لئے جنت کا ایک درجہ تیار فرمادیتے ہیں (بخاری: ۲۶۲، مسلم: ۱۵۵۶)۔ اور سلمان فارسیؓ نے روایت کیا کہ نبی

کریم ﷺ نے فرمایا: ”ان المساجد بيوت الله في الارض وانه لحق على الله ان يكرم من زاره فيها“

(مصنف عبد الرزاق: ۱۱/۲۹۶ و شعب الایمان: رقم: ۲۹۴۳) زمین پر اللہ کے گھر مساجد ہیں، اور جو شخص

مسجد میں آیا وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کرنے والے مہمان ہے اور میزبان پر حق ہے کہ مہمان کا اکرام کرے۔

مولانا ثناء اللہ پانی پتی نے فرمایا کہ عمارت مسجد میں یہ بھی داخل ہے کہ مسجد کو ایسی چیزوں سے پاک کرے جن

کے لئے مسجد میں نہیں بنائی گئیں، مثلاً خرید و فروخت دنیا کی باتیں کسی گمشدہ چیز کی تلاش یا دنیا کی چیزوں کا لوگوں سے سوال

یا فضول قسم کے اشعار، جھگڑائی اور شور و شغب وغیرہ۔ (منظہری)۔

خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۱﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

ہے۔ (اور وہ) ان میں ابداً باد رہیں گے کچھ شک نہیں کہ اللہ کے ہاں بڑا صلہ (تیار) ہے۔ اے اہل ایمان!

لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ

اگر تمہارے (ماں) باپ اور (بہن) بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو

وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۲﴾ إِن كَانَ آبَاؤُكُمْ

اور جو ان سے دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہیں۔ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ

وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ نِ افْتَرَقْتُمُوهَا

اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کھاتے ہو

وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ

اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو اللہ

وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ

اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۳﴾ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي

(یعنی عذاب) بھیجے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔ اللہ نے بہت سے موقعوں پر تمہیں مدد دی ہے

مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا

اور (جنگ) حنین کے دن جب کہ تم کو اپنی (جماعت کی) کثرت پر ناز تھا تو وہ تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی

وَوَاصَقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّدْبِرِينَ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۴﴾

اور زمین باوجود (اتنی بڑی) فراخی کے تم پر تنگ ہو گئی پھر تم پیٹھ پھیر کر پھر گئے

ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا

پھر اللہ نے اپنے پیغمبر پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل فرمائی (اور تمہاری مدد کو فرشتوں کے) لشکر

لَمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿۲۴﴾

جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے (آسمان سے) اتارے اور کافروں کو عذاب دیا اور کفر کرنے والوں کی یہی سزا ہے

ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۷﴾

پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہے مہربانی سے توجہ فرمائے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے [4]

[4] آیات مذکورہ میں غزوہ حنین کے واقعات شکست و فتح کا اور ان کے ضمن میں بہت سے اصولی اور فروعی مسائل

اور فوائد کا بیان ہے جیسا کہ اس سے پہلے سورت میں فتح مکہ اور اس کے متعلقات کا ذکر تھا، شروع آیت میں حق تعالیٰ نے

اپنے اس انعام و احسان کا ذکر فرمایا ہے، جو مسلمانوں پر ہر موقع اور ہر حالت میں مبذول رہا ہے ارشاد فرمایا:

﴿وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ﴾ یعنی حق تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی، بہت سے مقامات میں، اور اس تمہید کے

بعد خصوصیت کے ساتھ فرمایا ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ﴾ یعنی غزوہ حنین کے دن بھی حق تعالیٰ کی مدد پہنچی۔ غزوہ حنین کی خصوصیت اس

وجہ سے فرمائی ہے کہ اس میں بہت سے واقعات اور حالات خلاف توقع عجیب انداز سے ظاہر ہوئے، جن میں غور کرنے

سے انسان کے ایمان میں قوت اور عمل میں ہمت پیدا ہوتی ہے، اس لئے آیات مذکورہ کی لفظی تفسیر سے پہلے اس غزوہ کے

ضروری واقعات و تاریخ کی مستند کتابوں میں مذکور ہیں کسی قدر تفصیل سے بیان کر دینا مناسب ہے، تاکہ آیات

مذکورہ کے سمجھنے میں آسانی ہو اور جن فوائد کے لئے یہ واقعات بیان فرمائے گئے ہیں وہ سامنے آجائیں، ان واقعات

کا بیشتر حصہ تفسیر مظہری سے لیا گیا ہے جس میں بحوالہ کتب حدیث و تاریخ واقعات کا ذکر ہے۔

حنین: مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک مقام کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع

ہے، رمضان ۸ھ ہجری میں جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور قریش مکہ نے نبی کریم ﷺ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے تو عرب

کا ایک بہت بڑا مشہور بہادر جنگجو اور مالدار قبیلہ ہوازن جس کی ایک شاخ طائف کے رہنے والے بنو ثقیف بھی تھے، ان میں

اہل چل مچ گئی۔ انہوں نے جمع ہو کر یہ کہنا شروع کیا کہ فتح مکہ ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہو گئی ہے اس سے فارغ ہونے کے بعد لازمی ہے کہ ان کا رخ ہماری طرف ہوگا، اس لئے دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ان کی حملہ آور ہونے سے پہلے ہم خود ان پر حملہ کر دیں، اس کام کے لئے قبیلہ ہوازن نے اپنی سب شاخوں کو جو مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں جمع کر لیا۔ اس قبیلہ کے سب سے بڑے چھوٹے بجز معدودے چند افراد کے جن کی تعداد سو سے بھی کم تھی سب ہی جمع ہو گئے۔ اس تحریک کے لیڈر مالک بن عوف تھے، جو بعد میں مسلمان ہو گئے، اور اسلام کے بڑے علم بردار ثابت ہوئے، اس وقت مسلمانوں کے خلاف حملہ کا سب سے زیادہ جوش انہیں میں تھا، قبیلہ کی عظیم اکثریت نے ان کی رائے سے اتفاق کر کے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، اس قبیلہ کی چھوٹی چھوٹی دو شاخیں بنو کعب، بنو کلاب اس رائے سے متفق نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو کچھ بصیرت دیدی تھی۔ انہوں نے کہا کہ اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا بھی محمد کے خلاف جمع ہو جائے گی تو وہ ان سب پر بھی غالب آئیں گے، ہم الہی طاقت کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے، باقی سب کے سب نے معاہدے کئے۔ اور مالک بن عوف نے ان سب کو پوری قوت سے جنگ پر قائم رہنے کی ایک تدبیر یہ کی کہ ہر شخص کے تمام اہل و عیال بھی ساتھ چلیں، اور اپنا اپنا پورا مال بھی ساتھ لے کر نکلیں، جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ میدان سے بھاگنے لگیں تو بیوی بچوں اور مال کی محبت ان کے پاؤں کی زنجیر بن جائے، میدان سے گریز کا ان کے لئے کوئی موقع نہ رہی، ان کی تعداد کے بارے میں اہل تاریخ کے مختلف اقوال ہیں حافظ حدیث علامہ ابن حجر وغیرہ نے راجح اس کو قرار دیا ہے کہ چوبیس یا اٹھائیس ہزار کا مجمع تھا، اور بعض علماء نے چار ہزار کی تعداد بیان کی ہے، یہ ممکن ہے کہ سب اہل و عیال عورتوں بچوں سمیت تعداد چوبیس یا اٹھائیس ہزار ہو، اور لڑنے والے جوان ان میں چار ہزار ہوں۔

بہر حال رسول کریم ﷺ کو مکہ مکرمہ میں ان کے خطرناک عزائم کی اطلاع ملی، تو آپ ﷺ نے ان کے مقابلہ پر جانے کا عزم فرمایا، مکہ مکرمہ پر عتاب بن اسید گوا میر بنا یا، اور معاذ بن جبل کو ان کے ساتھ لوگوں کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لئے چھوڑا۔ اور قریش مکہ سے اسلحہ اور سامان جنگ عاریت کے طور پر مانگا۔ صفوان بن امیہ جو قریش کا سردار تھا بول اٹھا کہ کیا آپ یہ سامان جنگ ہم سے غصب کر کے لینا چاہتے ہیں؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ عاریت کے طور پر لیتے ہیں، جس کی واپسی ہمارے ذمہ ہوگی، یہ سن کر اس نے سوزرہ میں مستعادریں، اور نوفل بن حارث تین ہزار نیزے اسی طرح پیش کر دیئے۔ امام زہریؒ کی روایت کے مطابق رسول کریم ﷺ چودہ ہزار صحابہ کائنات لے کر اس جہاد کی طرف متوجہ ہوئے جن میں بارہ ہزار انصار مدینہ تھے جو فتح مکہ کے لئے آپ کے ساتھ آئے تھے، اور دو ہزار وہ

مسلمان تھے جو مکہ اور اطراف مکہ کے لوگوں میں سے بوقت فتح مسلمان ہو گئے تھے، جن کو ”مطلقاء“ کہا جاتا ہے، شوال کی چھٹی تاریخ ہفتہ کے دن آپ اس غزوہ کے لئے نکلے اور فرمایا کہ کل انشاء اللہ ہمارا قیام ”خیف بنی کنانہ“ کے اس مقام پر ہوگا جہاں جمع ہو کر قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کے لئے عہد نامہ لکھا تھا۔

یہ چودہ ہزار مجاہدین کا لشکر تو جہاد کے لئے نکلا ان کے ساتھ مکہ کے بیٹا رلوگ مرد و عورت تماشائی بن کر نکلے جن کے دلوں میں عموماً یہ تھا کہ اگر اس موقع پر مسلمانوں کو شکست ہو تو ہمیں بھی اپنا انتقام لینے کا موقع ملے گا اور یہ کامیاب ہوں تو بھی ہمارا کوئی نقصان نہیں۔ اسی قسم کے لوگوں میں ایک شیبہ بن عثمان بھی تھے، جنہوں نے بعد میں مسلمان ہو کر خود اپنا واقعہ بیان کیا کہ غزوہ بدر میں میرا باپ حمزہؓ کے ہاتھ سے اور چچا علیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا جس کا جوش انتقام اور انتہائی غیظ میرے دل میں تھا میں اس موقع کو غنیمت جان کر مسلمانوں کے ساتھ ہولیا کہ جب کہیں موقع پاؤں رسول کریم ﷺ پر حملہ کر دوں، میں ان کے ساتھ ہو کر ہر وقت موقع کی تلاش میں رہا یہاں تک کہ اس جہاد کے ابتدائی وقت میں جب کچھ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے، اور وہ بھاگنے لگے، تو میں موقع پا کر نبی کریم ﷺ کے قریب پہنچا، مگر دیکھا کہ وہ اپنی طرف عباسؓ آپ ﷺ کی حفاظت کر رہے ہیں، اور بائیں طرف ابوسفیان بن حارث، اس لئے میں پیچھے کی طرف پہنچ کر ارادہ ہی کر رہا تھا کہ یکبارگی تلوار سے آپ پر حملہ کر دوں کہ یکا یک آپ کی نظر مجھ پر پڑی اور آپ ﷺ نے مجھے آواز دی کہ شیبہ یہاں آؤ، اپنے قریب بلا کر دست مبارک میرے سینے پر رکھ دیا، اور دعا کی کہ یا اللہ اس سے شیطان کو دور کر دے، اب جو میں نظر اٹھاتا ہوں تو نبی کریم ﷺ نے میرے دل میں اپنے آنکھ، کان اور جان سے بھی زیادہ محبوب ہو جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ کفار کا مقابلہ کرو، اب تو میرا یہ حال تھا کہ میں اپنی جان آپ پر قربان کر رہا تھا، اور بڑی بے جگری کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا، جب نبی کریم ﷺ اس جہاد سے واپس آئے تو میں خدمت میں حاضر ہوا، تو آپ ﷺ نے میرے دل کے تمام خیالات کی نشاندہی کر دی، کہ تم مکہ سے اس نیت پر چلے تھے، اور میرے گرد میرے قتل کے لئے گھوم رہے تھے۔ مگر حق تعالیٰ کا ارادہ تم سے نیک کام لینے کا تھا جو ہو کر رہا۔

مقام حنین پر پہنچ کر مسلمانوں نے پڑاؤ ڈالا تو سہیل بن حنظلہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں یہ خبر لیکر حاضر ہوئے کہ گھوڑے سوار آدمی ابھی دشمن کے طرف سے آیا ہے وہ بتلا رہا ہے کہ قبیلہ ہوازن پورا کا پورا مع اپنے سب سامان کے مقابلہ پر آ گیا ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر تبسم فرمایا اور کہا کہ پروانہ کرو یہ سارا سامان مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بن کر ہاتھ آئے گا۔ اس جگہ ٹھہر کر نبی کریم ﷺ نے عبد اللہ بن حدار کو جاسوس بنا کر بھیجا، کہ دشمن کے حالات کا پتہ چلائیں، وہ ان کی

قوم میں جا کر دو دن رہے۔ سب حالات دیکھتے سنتے رہے ان کے لیڈر اور کمانڈر مالک بن عوف کو دیکھا کہ وہ اپنے لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ محمد کو اب تک کسی بہادر تجربہ کار قوم سے سابقہ نہیں پڑا، مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کر کے انہیں اپنی طاقت کا زعم ہو گیا، اب ان کو پتہ لگے گا، تم سب لوگ صبح ہوتے ہی اس طرف صف بندی کرو کہ ہر ایک کے پیچھے اس کے بیوی بچے اور مال ہو، اور اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ ڈالو، اور سب مل کر یکبارگی ہلہ بولو، یہ لوگ جنگ کے بڑے تجربہ کار تھے، اپنی فوج کے چند دستوں کو مختلف گھاٹیوں میں چھپا دیا تھا۔ اس طرف کفار کے لشکر کی یہ تیاریاں تھیں، دوسری طرف مسلمانوں کا یہ پہلا جہاد تھا جس میں چودہ ہزار سپاہی جنگ کے لئے نکلے تھے، اور سامان جنگ بھی پہلے سے زیادہ تھا، اور یہ لوگ بدر اور احد کے میدانوں میں یہ دیکھ چکے تھے کہ صرف تین سو تیرہ بے سامان لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح پائی، تو آج اپنی کثرت اور تیاری پر نظر کر کے حاکم اور بزار کی روایت کے مطابق ان میں بعض کی زبان سے ایسے کلمات نکل گئے کہ آج تو یہ ممکن نہیں کہ تم کسی سے مغلوب ہو جائیں، آج تو مقابلہ کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگے گا۔

”مالک الملک والملتوت“ کو یہی چیز ناپسند تھی کہ اپنی طاقت پر کوئی بھروسہ کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں کو اس کا سبق اس طرح ملا کہ جب قبیلہ ہوازن نے فرار داد کے مطابق یکبارگی ہلہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چار طرف سے گھیرا، ڈال دیا، گردوغبار نے دن کو رات بنا دیا، تو صحابہ کرام کے پاؤں اکھڑ گئے اور بھاگنے لگے، صرف نبی کریم ﷺ اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے، اور بہت تھوڑے سے صحابہ کرام جن کی تعداد تین سو اور بعض نے ایک سو یا اس سے بھی کم بتلائی ہے نبی کریم ﷺ کے ساتھ جبرے رہے، وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ آپ آگے نہ بڑھیں۔

یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ نے عباس کو حکم دیا کہ بلند آواز سے صحابہ کو پکارو کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنہوں نے شجرہ کے نیچے جہاد کی بیعت کی تھی، اور سورہ بقرہ والے کہاں ہیں، اور وہ انصار کہاں ہیں، جنہوں نے جان کی بازی لگانے کا عہد کیا تھا، سب کو چاہئے کہ واپس آئیں اور نبی کریم ﷺ یہاں ہیں۔ عباس کی آواز بجلی کی طرح دوڑ گئی، اور یکا یک سب بھاگنے والوں کو پشیمانی ہوئی اور بڑی دلیری کے ساتھ لوٹ کر دشمن کا پورا مقابلہ کیا، اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج دی، ان کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل و عیال اور سب مال کو چھوڑ کر بھاگا، اور طائف کے قلعہ میں چھپا، اور پھر باقی پوری قوم بھاگ کھڑی ہوئی، ان کے ستر سردار مارے گئے، بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ بچے زخمی ہو گئے، تو نبی کریم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا ان کا سب مال مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، چھ ہزار جنگی قیدی جو بیس ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریاں چار ہزار اونٹ چاندی ہاتھ آئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ

مومنو! مشرک تو پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں اور اگر تمہیں مفلسی کا خوف ہو تو اللہ چاہے گا

الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

تو تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا

إِنْ شَاءَ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

بیشک اللہ سب کچھ جانتا (اور) حکمت والا ہے۔ جو لوگ اہل کتاب میں سے اللہ پر ایمان نہیں لاتے

وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ

اور نہ روزِ آخرت پر (یقین رکھتے ہیں) اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں

وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ

اور نہ دینِ حق کو قبول کرتے ہیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ ذلیل ہو کر اپنے

يَدٍ وَهُمْ صَغِيرُونَ ﴿۲۹﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى

ہاتھ سے جزیہ دیں۔ اور یہود کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں اور عیسائی کہتے ہیں

الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَوْنَ قَوْلَ الَّذِينَ

کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں پہلے کافر بھی اسی طرح کی باتیں کہا کرتے تھے

كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنى يُؤْفَكُونَ ﴿۳۰﴾

یہ بھی انہیں کی ریس کرنے لگے ہیں اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بیکے پھرتے ہیں

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ

انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ اور مسیح ابن مریم کو اللہ کے سوا معبود بنا لیا حالانکہ ان کو یہ حکم دیا

وَمَا أَمْرُوآ إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۚ لَآ إِلَهَ إِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٥١﴾

گیا تھا کہ ایک اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اسکے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے [5]

[5] ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں مسند احمد: ۱۹۳۸۱، وابن حبان: ۱۸۳۱۶، وجمع کبیر: ۲۰/۱۲، و۹۹/۱، وترمذی رقم: ۵۰۹۳، کی وہ حدیث نقل کی ہے جو کہ عدی بن حاتم سے منقول ہے کہ: انه لما بلغته دعوة رسول الله ﷺ فرأى الشام، وكان قد تنصّر في الجاهلية، فاسرت اخته وجماعة من قومه، ثم من رسول الله ﷺ على اخته واعطاها، فرجعت الى اخيها، ورغبته في الاسلام وفي القدوم على رسول الله ﷺ، فقدم عدی المدينة، وكان رئيسا في قومه طى، وابوه حاتم الطائي المشهور بالكرم، فتحدث الناس بقدومه، فدخل على رسول الله ﷺ وفي عنق عدی صليب من فضة، فقرأ رسول الله ﷺ هذه الآية، قال فقلت انهم لم يعبدوهم، فقال بلى، انهم حرموا عليهم الحلال، واحلوا لهم الحرام، فاتبعوهم، فذلك عبادتهم اياهم، وقال رسول الله ﷺ يا عدی ما تقول؟ ايفرک ان يقال "الله اكبر"؟ فهل تعلم شيئا اكبر من الله؟ ما يفرک؟ ايفرک ان يقال لا اله الا الله؟ فهل تعلم من اله الا الله؟ ثم دعاه الى الاسلام فاسلم، وشهد شهادة الحق، قال: فلقد رأيت وجهه استبشر ثم قال: ان اليهود مغضوب عليهم، و النصارى الضالون.

یعنی عدی بن حاتم کو رسول اللہ ﷺ کا دین پہنچا، تو شام کی طرف بھاگ نکلا جاہلیت میں ہی یہ نصرانی بن گیا تھا، یہاں اس کی بہن اور اس کی جماعت قید ہو گئی پھر نبی ﷺ نے بطور احسان اس کی بہن کو آزاد کر دیا، اور رقم بھی دی، یہ سیدی اپنے بھائی کی پاس گئیں، اور انہیں اسلام کی رغبت دلانی اور سمجھایا، کہ تم رسول کریم ﷺ کے پاس چلے جاؤ، چنانچہ یہ مدینہ منورہ آ گئے تھے، اپنی قوم طے کے سردار تھے، ان کے باپ کی سخاوت دنیا بھر میں مشہور تھی، لوگوں نے رسول کریم ﷺ کو خبر پہنچائی، آپ ﷺ خود ان کے پاس آئے اس وقت عدی کی گردن میں چاندی کی صلیب لٹک رہی تھی، نبی ﷺ کی زبان سے اسی آیت (اتخذوا) کی تلاوت ہو رہی تھی، تو انہوں نے کہا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور درویشوں کی عبادت نہیں کی، آپ ﷺ نے فرمایا ہاں سنو! ان کے کئے ہوئے حرام کو حرام سمجھنے لگے، اور جسے ان کے =

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں اور اللہ اپنے نور کو پورا کئے بغیر رہنے کا نہیں۔ اگرچہ

وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿۱۰۱﴾ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ

کافروں کو برا ہی لگے۔ وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام

لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿۱۰۲﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

دینوں پر غالب کرے اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔ مومنو! (اہل کتاب کے)

إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ

بہت سے عالم اور مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے

بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا

اور (ان کو) اللہ کے رستے سے روکتے ہیں اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں

= علماء اور درویش حلال بتلا دیتے اسے حلال سمجھنے لگے، یہی ان کی عبادت تھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا عیدی! کیا تم اس سے

منکر ہو کہ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے؟ کیا تمہارے خیال میں اللہ تعالیٰ سے بڑا اور کوئی ہے؟ کیا تم اس سے انکاری ہو کہ

معبود برحق اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں؟ کیا تمہارے نزدیک اس کے سوا اور کوئی بھی عبادت کے لائق ہے؟ پھر آپ ﷺ نے

انہیں اسلام کی دعوت دی، انہوں نے مان لی اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور نبی ﷺ کی رسالت کی گواہی دی، آپ ﷺ کا چہرہ

خوشی سے چمکنے لگا اور فرمایا یہود پر اللہ کا غضب اترا ہے اور نصرانی گمراہ ہو گئے ہیں۔

حذیفہ بن یمانؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ سے بھی اس آیت کی تفسیر اسی طرح مروی ہے، کہ اس سے مراد حلال و حرام کے مسائل

میں علماء اور ائمہ کی محض باتوں کی تقلید ہے۔

يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۳۴﴾

اور اس کو اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے ان کو عذاب الیم کی خوشخبری سنا دو۔

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فُتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ

جس دن وہ مال دوزخ کی آگ میں (خوب) گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو

وَأَظْهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿۳۵﴾

اور پٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا) یہ وہی ہے جو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا سو جو تم جمع کرتے تھے (اب) اس کا مزہ چکھو

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ

اللہ کے نزدیک مہینے گنتی میں (بارہ ہیں یعنی) اس روز (سے)

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ

کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کتاب الہی میں (برس کے) بارہ مہینے (لکھے ہوئے) ہیں ان میں سے چار مہینے

حُرْمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ

ادب کے ہیں یہی دین کا سیدھا رستہ ہے تو ان مہینوں میں (قتالِ ناحق سے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرنا

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں اور جان رکھو کہ اللہ

مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۶﴾ ۞ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا

پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ امن کے کسی مہینے کو ہٹا کر آگے پیچھے کر دینا کفر میں اضافہ کرنا ہے اس سے کافر گمراہی میں پڑے رہتے ہیں

يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُؤَاطُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيَحِلُّوا

ایک سال تو اس کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور دوسرے سال حرام ہوتا کہ مہینوں کی جو اللہ نے مقرر کئے ہیں گنتی پوری کر لیں

مَا حَرَّمَ اللَّهُ زِينَةَ لَهُمْ سُوءَ أَعْمَالِهِمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

اور جو اللہ نے منع کیا ہے اس کو جائز کر لیں ان کے بُرے اعمال ان کو بھلے دکھائی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو ہدایت

الْكَافِرِينَ ﴿٦﴾ مومنو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم (کاہلی کے سبب سے)

نہیں دیا کرتا۔ [6] مومنو! تمہیں کیا ہوا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں نکلو تو تم (کاہلی کے سبب سے)

[6] کچھلی آیات میں کفار و مشرکین کے کفر و شرک، گمراہی اور بد اعمالیوں کا ذکر تھا، ان دو آیتوں میں بھی اسی

سلسلہ کا ایک مضمون اور عرب جاہلیت کی ایک جاہلانہ رسم کا بیان اور مسلمانوں کو اس سے اجتناب کی ہدایت ہے، وہ رسم

بداہک واقعہ سے متعلق ہے جس کی تفصیل یہ ہے، کہ عہد قدیم سے تمام انبیاء علیہم السلام سابقین کی شریعتوں میں سال

کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے، اور ان میں سے چار مہینے بڑے متبرک اور ادب و احترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے، تین

مہینے مسلسل، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک رجب۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتیں اس پر متفق ہیں کہ ان چار مہینوں

میں ہر عبادت کا ثواب زیادہ ہوتا ہے، اور ان میں کوئی گناہ کرے تو اس کا وبال اور عذاب بھی زیادہ ہے، سابق

شریعتوں میں ان مہینوں کے اندر قتل و قتال بھی ممنوع تھا۔ مکہ مکرمہ کے عرب چونکہ اسماعیل علیہ السلام کے واسطے سے

ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اس لئے یہ سب لوگ ابراہیم علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے قائل اور ان کی شریعت

کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے۔

اور چونکہ ملت ابراہیم علیہ السلام میں بھی ان چار مہینوں (اشہر حرم) میں قتل و قتال اور شکار ممنوع تھا، عرب جاہلیت

پر اس حکم کی تعمیل اس لئے سخت دشوار تھی کہ دور جاہلیت میں قتل و قتال ہی ان کا پیشہ بن کر رہ گیا تھا، اس لئے اس میں آسانی

پیدا کرنے کے لئے انہوں نے اپنی نفسانی اغراض کے لئے طرح طرح کے حیلے نکالے، کبھی اشہر حرم کے کسی مہینے میں جنگ

کی ضرورت پیش آتی یا لڑتے لڑتے شہر حرام آجاتا تو کہہ دیتے کہ اب کے سال یہ مہینہ حرام نہیں ہوا، اگلا مہینہ حرام

ہوگا، مثلاً حرم آگیا تو کہتے کہ اس سال حرم کا مہینہ حرام نہیں بلکہ صفر کا مہینہ حرام ہوگا۔

اور مزید ضرورت پڑتی تو کہتے کہ ربیع الاول حرام ہوگا، یا یہ کہتے کہ اس سال صفر کا مہینہ پہلے آگیا حرم بعد میں

آئے گا، اس طرح حرم کو ہفر بنا دیا، غرض سال بھر میں چار مہینے تو پورے کر لیتے تھے لیکن اللہ کی متعین کردہ ترتیب اور تعین

کا لحاظ نہ کرتے تھے، جس مہینہ کو چاہیں ذی الحجہ کہہ دیں، اور جس کو چاہیں رمضان کہہ دیں، جس کو چاہیں مقدم کر دیں، اور جس کو چاہیں موخر کر دیں، اور کبھی زیادہ ضرورت پڑتی مثلاً لڑتے لڑتے دس مہینے گزر گئے اور سال کے صرف دو مہینے باقی رہ گئے، تو ایسے موقع پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑا دیتے اور کہتے کہ اب کے برس سال چودہ مہینوں کا ہوگا، اسی طرح باقی ماندہ چار مہینوں کو اشہر حرم بنا لیتے تھے، غرض دین ابراہیم کا اتنا تو احترام کرتے تھے کہ سال میں چار مہینوں کا احترام کرتے اور ان میں قتل و قتال سے باز رہتے تھے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں اس کا امتیاز ہی دشوار ہو گیا تھا، کہ کونسا مہینہ رمضان یا شوال کا ہے اور کونسا ذی القعدہ اور ذی الحجہ یا رجب کا ہے، ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ مکرمہ فتح ہوا اور نویں سال میں نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبرؓ کو موسم حج میں تمام کفار و مشرکین سے برأت کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تو یہ مہینہ حقیقی حساب سے اگرچہ ذی الحجہ کا مہینہ تھا مگر جاہلیت کے اسی پرانے دستور کے مطابق یہ مہینہ ذی القعدہ قرار پایا تھا، اور اس سال ان کے نزدیک حج کا مہینہ بجائے ذی الحجہ کے ذی القعدہ مقرر تھا۔ پھر سن ۱۰ھ میں جب رسول کریم ﷺ حجۃ الوداع کے لئے تشریف لے گئے تو قدرتی طور پر ایسا نظام بن گیا کہ مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا اہل جاہلیت کے حساب میں بھی وہ ذی الحجہ ہی قرار پایا، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اپنے منیٰ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: ”عن اسی بکرة ان النبی ﷺ خطب فی حجته فقال: ”ان الزمان قد استدار کھیتہ یوم خلق اللہ السموات والأرض، السنة إثناعشر شهر امنها أربعة حرم ثلاث متوالیات، ذو القعدة وذو الحجة والمعجم ورجب مضر الذی بین جمادى وشعبان“ [أبو داؤد باب أشهر الحرم: ۲/۱۴۰]. یعنی زمانہ پھر پھر اکر پھر اپنی اسی ہیئت پر آ گیا جس پر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا، یعنی جو مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا جاہلیت والوں کے نزدیک بھی اس سال وہی مہینہ ذی الحجہ کا مہینہ قرار پایا۔

یہ تھی وہ رسم جاہلیت جو مہینوں کی تعداد اور ترتیب اور تعین میں کمی بیشی اور رد و بدل کر کے کی جاتی تھی، جس کے نتیجے میں ان تمام احکام شرعیہ میں خلل آتا تھا جو کسی خاص مہینہ یا اس کی کسی خاص تاریخ سے متعلق ہیں، یا جو سال کے شروع یا ختم سے متعلق ہیں، مثلاً عشرہ ذی الحجہ میں احکام حج اور عشرہ محرم کے روزے اور ختم سال پر زکوٰۃ وغیرہ کے احکام۔ بات تو مختصر سی تھی کہ مہینہ کا نام بدل کر مقدم و موخر کر دیا کہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم بنا دیا، لیکن اس کے نتیجے میں سینکڑوں احکام شرعیہ کی تحریف ہو کر عمل برباد ہوا، قرآن کریم کی ان دو آیتوں میں اس رسم جاہلیت کی خرابی اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہدایت

ہے۔ پہلی آیت میں ارشاد ہے: ”ان عدة الشهور عند الله اثنا عشر شهرا“، اس میں لفظ ”عدة“ تعداد کے معنی میں ہے، اور ”شهور“ شہر کی جمع ہے، معنی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک مہینوں کی تعداد بارہ متعین ہے اس میں کسی کو کمی بیشی کا کوئی اختیار نہیں۔

اس کے بعد ”فی کتاب اللہ“ کا لفظ بڑھا کر بتلایا کہ یہ بات ازل سے لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تھی پھر: ”یوم خلق السموات والأرض“ فرما کر اشارہ کر دیا کہ قضا الہی اس معاملہ میں اگرچہ ازل میں جاری ہو چکی تھی لیکن یہ مہینوں کی ترتیب اور تعین اس وقت عمل میں آئی جب آسمان و زمین پیدا کیے گئے۔ پھر ارشاد فرمایا: ”منہا اربعة حرم“، یعنی ان بارہ مہینوں میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں ان کو حرمت والا دو معنی کے اعتبار سے کہا گیا ایک تو ان لئے کہ ان میں قتل و قتل حرام ہے دوسرے اس لئے کہ یہ مہینے متبرک اور واجب الاحترام ہیں، ان میں عبادت کا ثواب زیادہ ملتا ہے، ان میں سے پہلا حکم تو شریعت اسلام میں منسوخ ہو گیا، مگر دوسرا حکم احترام و ادب اور ان میں عبادت گذاری کا اہتمام اسلام میں بھی باقی ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ یوم النحر میں رسول کریم ﷺ نے ان مہینوں کی تشریح یہ فرمائی کہ تین مہینے مسلسل ہیں، شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم اور ایک مہینہ رجب کا ہے مگر ماہ رجب کے معاملہ میں عرب کے دو قول مشہور تھے، بعض قبائل اس مہینہ کو رجب کہتے تھے جس کو ہم رمضان کہتے ہیں اور قبیلہ مضر کے نزدیک رجب وہ مہینہ تھا جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کو رجب مضر فرمایا کہ وضاحت بھی فرمادی کہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے درمیان ہے وہ ماہ رجب مراد ہے۔

”ذالک الدین الیم“ یہ ہے دین مستقیم یعنی مہینوں کی تعین اور ترتیب اور ان میں ہر مہینہ خصوصاً اشہر حرم کے متعلق جو احکام ہیں ان کو حق تعالیٰ کے حکم ازلی کے مطابق رکھنا ہی دین مستقیم ہے، اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی اور تغیر و تبدل کرنا کج فہمی اور کج طبعی کی علامت ہے۔

”فلا تظلموا فیہن انفسکم“، یعنی ان مقدس مہینوں میں تم اپنا نقصان نہ کر بیٹھنا کہ ان کے معینہ احکام و احترام کی خلاف ورزی کرو، یا ان میں عبادت گذاری میں کوتاہی کرو۔ امام حصص نے احکام القرآن میں فرمایا کہ اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان متبرک مہینوں کا خاصہ یہ ہے کہ ان میں جو شخص کوئی عبادت کرتا ہے اس کو بقیہ مہینوں میں بھی عبادت کی توفیق اور ہمت ہوتی ہے، اسی طرح جو شخص کوشش کر کے ان مہینوں میں اپنے آپ کو گناہوں اور برے کاموں

سے بچالے تو باقی سال کے مہینوں میں اس کو ان برائیوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے اس لئے ان مہینوں سے فائدہ نہ اٹھانا ایک عظیم نقصان ہے۔

یہاں تک مشرکین مکہ کی ایک خاص رسم جاہلیت کا بیان اور اس کا ابطال تھا آخر آیت میں پھر اس حکم کا اعادہ ہے جو شروع سورت میں دیا گیا تھا کہ میعاد معاہدہ ختم ہونے کے بعد تمام مشرکین و کفار سے جہاد واجب ہے۔ دوسری آیت میں بھی رسم جاہلیت کا ذکر اس طرح فرمایا: ”انما النسئ زيادة فى الكفر“ لفظ ”نسئ“ مصدر ہے جس کے معنی پیچھے ہٹا دینے اور مؤخر کر دینے کے ہیں اور بمعنی مؤخر بھی استعمال ہوتا ہے۔

مشرکین عرب نے ان مہینوں کے آگے پیچھے کرنے کو یہ سمجھا تھا کہ اس طرح ہماری اغراض نفسانی بھی فوت نہ ہوگی، اور حکم الہی کی تعمیل بھی ہو جائے گی، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تمہارا مہینوں کو مؤخر کرنا اور اپنی جگہ سے ہٹا دینا کفر میں اور زیادتی ہے، جس سے ان کفار کی گمراہی اور بڑھتی ہے کہ وہ شہر حرام کو کسی سال تو حرام قرار دیں اور کسی سال حلال کر لیں۔ ”لیسوا طؤ اعدة ما حرم الله“ یعنی تاکہ وہ پوری کر لیں گنتی ان مہینوں کی جن کو حق تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مطلب یہ ہے کہ محض گنتی پوری کر لینے سے تعمیل حکم نہیں ہوتی، بلکہ جو حکم جس مہینہ کے لئے دیا گیا تھا، اس مہینہ میں اس کو پورا کرنا ضروری ہے۔

مذکورہ آیتوں سے ثابت ہوا کہ مہینوں کی جو ترتیب اور ان مہینوں کے جو نام اسلام میں معروف ہیں، وہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاح نہیں، بلکہ رب العالمین نے جس دن آسمان و زمین پیدا کئے اسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور ان کے ساتھ خاص خاص مہینوں کے خاص خاص احکام متعین فرمائے تھے، اس لئے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے، اسی قمری حساب پر تمام احکام شرعیہ، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ دائر ہیں، لیکن قرآن کریم نے تاریخ و سال معلوم کرنے کے لئے جیسے قمر کو علامت قرار دیا ہے اسی طرح آفتاب کو بھی اس کی علامت فرمایا ہے۔

”لتعلموا عدد السنین و الحساب“ اس لئے تاریخ و سال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کیلئے چاند کے حساب کو پسند فرمایا، اور احکام شرعیہ اس پر دائر فرمائے، اس لئے قمری حساب کا محفوظ رکھنا فرض کفایہ ہے، اگر ساری امت قمری حساب ترک کر کے اس کو بھلا دے تو سب گناہ گار ہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے لیکن سنت اللہ اور سنت سلف کے خلاف ضرور ہے، اس لئے بلا ضرورت اس کو اختیار کرنا اچھا نہیں۔

فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّا قُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ

زمین پر گرے جاتے ہو (یعنی گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے) کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو

فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۳۸﴾ تَنْفَرُوا يُعَذِّبْكُمْ

بیٹھے ہو؟ دنیا کی زندگی کے فائدے تو آخرت کے مقابل بہت ہی کم ہیں۔ اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تمہیں بڑی تکلیف

عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ

کا عذاب دے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کر دے گا (جو اللہ کے پورے فرمانبردار ہوں گے) اور تم اس کو کچھ نقصان

شَيْئًا وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾ تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ

نہ پہنچا سکو گے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اللہ ان کا مددگار ہے (وہ وقت تمہیں یاد ہوگا)

أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا

جب ان کو کافروں نے گھروں سے نکال دیا (اس وقت) دو (ہی شخص تھے جن) میں (ایک ابو بکر تھے) دوسرے (خود رسول

فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ

اللہ) جب وہ دونوں غار (ثور) میں تھے اس وقت پیغمبر اپنے رفیق کو تسلی دیتے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ

سَكِنَتْهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ

نے ان پر تسکین ناز فرمائی اور ان کو ایسے لشکروں سے مدد دی جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے اور

كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۰﴾

کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے اور اللہ زبردست (اور) حکمت والا ہے۔ [7]

[7] عن انس بن مالك ان ابا بكر قال نظرت الى اقدام المشركين على رؤوسنا ونحن في

الغار، فقلت یارسول اللہ لوان احدہم نظرالی قدمہ ابصرنا فقال یااباکر! ماظنک باثنین اللہ ثالثہما (بخاری: ۳۶۵۳ و مسلم: ۲۳۸۱). انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ابو بکر صدیقؓ نے بیان فرمایا، جب ہم غار میں چھپے ہوئے تھے اور میں نے مشرکوں کی پیروں کی طرف دیکھا، جو گویا ہمارے سروں پر تھے، تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اگر ان میں سے کسی ایک کی بھی نظر اپنے پیروں کی طرف چلی گئی تو ہم کو دیکھ لے گا، نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا: ان دو شخصوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی اللہ ہے؟

”غار“ سے مراد مشہور پہاڑ جبل ثور کے بالائی حصہ کی وہ غار ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے مکہ سے مدینہ کو سفر ہجرت کے دوران تین راتیں بسر فرمائی تھیں، اور ابو بکر صدیقؓ آپ ﷺ کی ساتھ تھے، جبل ثور مکہ کے مشرقی جنوبی سمت تقریباً چھ (۶) میل کے فاصلے پر واقع ہے، جب نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنا وطن عزیز چھوڑ کر مدینہ منورہ جانے کیلئے مکہ سے روانہ ہوئے اور آپ ﷺ کی روانگی کے بعد مشرکین مکہ کو جیسے ہی پتہ چلا، انہوں نے اپنے گماشتے آپ ﷺ کی تعاقب میں روانہ کر دیئے، ان کو حکم دیا گیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو نبی کریم ﷺ کو مکہ واپس لایا جائے، نبی کریم ﷺ اپنے رفیق سفر ابو بکر صدیقؓ کے ساتھ جبل ثور کے اس غار میں چھپے ہوئے تھے، کہ اچانک ان گماشتوں کی ایک ٹولی اس غار کے دہانے تک پہنچ گئی۔

اس غار کا محل وقوع اس طرح کا ہے کہ اگر کوئی شخص غار کے باہری کنارہ پر کھڑا ہو تو غار کے اندر موجود شخص کی نظر اس کے پیروں پر پڑتی ہے، اور اگر باہری کنارہ پر کھڑا ہو شخص نیچے نظر کر کے اپنے پیروں کی طرف دیکھے تو وہ غار کے اندر موجود شخص کو بڑی آسانی کے ساتھ دیکھ سکتا ہے۔

چنانچہ ابو بکر صدیقؓ نے دیکھا کہ مشرکین مکہ کے گماشتے نبی کریم ﷺ کی تلاش میں اس غار تک پہنچ گئے ہیں اور وہ لوگ بالکل غار کے منہ پر کھڑے ہوئے ہیں، جو ہی ان میں سے کسی شخص کی نظر ان کے اپنے پیروں کی طرف جائے گی، وہ ہمیں دیکھ لے گا، اور اس طرح نبی کریم ﷺ پر دسترس کا موقع ان لوگوں کو مل سکتا ہے، ابو بکر صدیقؓ نے اپنی اس تشویش کا اظہار آپ کے سامنے کیا لیکن آپ نے بڑے یقین کے ساتھ ان کو اطمینان دلایا کہ ہم اور تم وہ دو شخص ہیں جن کے ساتھ ایک تیسری ذات اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت بھی ہے۔ ہمارا پروردگار ہماری حفاظت فرمائے گا اور ہمیں اپنے دشمنوں کے چنگل میں پڑنے سے بچائے گا، اور ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے =

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

تم سبک بار ہوں یا گراں بار (یعنی مال و اسباب تھوڑا رکھتے ہو بہت، گھروں سے) نکل آؤ اور اللہ کے رستے میں مال اور جان سے لڑو

ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا

یہی تمہارے حق میں اچھا ہے بشرطیکہ سمجھو۔ اگر مالِ غنیمت آسان ہوتا اور سفر بھی

قَاصِدًا لَاتَّبَعُوكَ وَلَكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ

ہلکا سا ہوتا تو تمہارے ساتھ (شوق) سے چل دیتے لیکن مسافت ان کو دُور (دراز) نظر آئی (تو عذر کریں گے)

وَسَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ

اور اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے تو آپ کے ساتھ ضرور نکل کھڑے ہوتے یہ اپنے تئیں

= اپنے پیارے رسول کریم ﷺ اور آپ کے پیارے ساتھی ابو بکر صدیقؓ کی اس طرح حفاظت فرمائی کہ وہ مشرکین

مکہ جو غار کے بالکل منہ پر کھڑے ہوئے اپنی تیز نگاہوں سے ادھر ادھر نبی کریم ﷺ کو تلاش کر رہے تھے اور اس

بات کا یقین رکھتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اسی غار میں موجود ہیں، عین موقع پر حوصلہ ہار بیٹھے، نہ تو ان کو آگے تلاش

کا موقع ملا اور نہ انہیں پیروں کی طرف غار کے اندر دیکھنا نصیب ہو سکا، صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کرشمہ اور نبی

کریم ﷺ کے معجزہ کا ظہور تھا۔

طیبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے ان مشرکوں کے حق میں یہ بددعا فرمائی تھی: اے

اللہ! انکی آنکھوں کی بینائی معطل کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان سب کو اس طرح بے بصر کر دیا کہ وہ

غار کے چاروں طرف گھومتے تھے مگر اس کے اندر موجود نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیقؓ کو دیکھنے پر قادر نہ ہو سکتے

تھے، اور جیسا کہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ اس موقع پر کبوتروں نے غار کے منہ پر انڈے رکھ دیئے اور کڑیوں نے

جالا تن دیا، یہ بھی معجزہ ہی تھا۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۴﴾ فَاِنَّ اللّٰهَ عَنكَ لَمَ اَذْنَتَ لَهُمْ حَتّٰی

ہلاک کر رہے ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔ [8] اللہ تمہیں معاف کرے تم نے پیشتر اس کے کہ

[8] آیات مذکورہ میں نبی کریم ﷺ کے غزوات میں سے ایک اہم غزوہ کا بیان اور اس کے ضمن میں بہت سے احکام اور ہدایات ہیں،

یہ غزوہ غزوہ تبوک کے نام سے موسوم ہے اور نبی کریم ﷺ کا تقریباً آخری غزوہ ہے تبوک مدینہ کے شمال میں سرحد شام پر ایک مقام کا نام ہے شام اس وقت رومی مسیحیوں کی حکومت کا ایک صوبہ تھا رسول کریم ﷺ ۸ ہجری میں جب فتح مکہ اور غزوہ حنین سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ پہنچے تو اس وقت جزیرۃ العرب کے اہم حصے اسلامی حکومت کے زیر نگیں آچکے تھے اور مشرکین مکہ کی ہشت سالہ مسلسل جنگوں کے بعد اب مسلمانوں کو ذرا سکون کا وقت ملا تھا۔ مگر جس ذات کے بارے میں حق تعالیٰ نے پہلے ہی: لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ، نازل فرما کر پورے عالم کی فتوحات اور اس میں اپنے دین حق کو غالب کرنے کی بشارت دیدی تھی اس کو اور اس کے رفقاء کا رکو فرصت کہاں، مدینہ پہنچتے ہی ملک شام سے آنے والے تجارت پیشہ لوگ جو شام سے زیتون کا تیل لا کر مدینہ وغیرہ میں فروخت کیا کرتے تھے، ان لوگوں نے یہ خبر پہنچائی کہ شاہ روم ہرقل نے اپنی فوجیں مقام تبوک میں سرحد شام پر جمع کر دی ہیں، اور فوجیوں کو پورے ایک سال کی تنخواہیں پیشگی دے کر مطمئن اور خوش کر دیا ہے، اور عرب کے بعض قبائل سے بھی ان کی ساز باز ہے، ان کا تہیہ یہ ہے کہ مدینہ پر یکبارگی حملہ کریں، جب رسول کریم ﷺ کو اس کی اطلاع پہونچی تو آپ ﷺ نے یہ ارادہ فرمایا، کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے پیش قدمی کر کے وہیں مقابلہ کیا جائے جہاں ان کی فوجیں جمع ہیں (تفسیر مظہری بحوالہ محمد یوسف صالحی)۔

یہ زمانہ اتفاق سے سخت گرمی کا زمانہ تھا اور مدینہ کے لوگ عموماً زراعت پیشہ لوگ تھے، ان کی کھیتیاں اور باغات کے پھل پک رہے تھے جس پر ان کی ساری معیشت اور پوری سال کے گزارہ کا مدار تھا۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ جس طرح ملازمت پیشہ لوگوں کی جیسیں مہینہ کے آخری دنوں میں خالی ہو جاتی ہیں اسی طرح زراعت پیشہ لوگ فصل کے ختم پر خالی ہاتھ ہوتے ہیں، ایک طرف افلاس دوسری طرف قریب آمدنی کی امید، اس پر مزید موسم گرما کی شدت اس قوم کے لئے جس کو ابھی ابھی ایک حریف کے ساتھ آٹھ ۸ مسلسل جنگوں کے بعد ذرا دم لینے کا موقع ملا تھا، ایک انتہائی صبر ازما امتحان

تھا۔ مگروقت کا تقاضا تھا اور یہ جہاد اپنی نوعیت میں پہلی سب جنگوں سے اس لئے بھی ممتاز تھا کہ پہلے تو اپنی ہی طرح کے عوام سے جنگ تھی، اور یہاں ہرقل، شاہ روم کی تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ تھا، اس لئے رسول کریم ﷺ نے مدینہ طیبہ کے پورے مسلمانوں کو اس جہاد کے لئے نکلنے کا حکم دیدیا اور کچھ آس پاس کے دوسرے قبائل کو بھی شرکت جہاد کے لئے دعوت دی تھی۔ یہ اعلان عام اسلام کے فداکاروں کا ایک سخت امتحان تھا اور منافق دعویداروں کا امتحان بھی، اس کے علاوہ لازمی نتیجے کے طور پر اسلام کا کلمہ پڑھنے والوں کے مختلف حالات ہو گئے۔

قرآن کریم نے ان میں سے ہر حالت کے متعلق جدا جدا ارشادات فرمائے ہیں، ایک حالت ان کا مل مکمل اشخاص کی تھی جو بلا تردد جہاد کے لئے تیار ہو گئے، دوسری وہ لوگ جو ابتداً کچھ تردد کے بعد ساتھ ہو گئے ان دونوں طبقوں کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا ”الذین اتبعوه فی ساعة العسرة من بعد ما کاد یرزق قلوب فریق منهم“ یعنی وہ لوگ قابل مدح ہیں جنہوں نے سخت تنگی کے وقت رسول کریم ﷺ کا اتباع کیا، بعد اس کے کہ ان میں سے ایک فریق کے قلوب لغزش کرنے لگے تھے۔

تیسری حالت ان لوگوں کی تھی جو کسی صحیح عذر کی بنا پر اس جہاد میں نہ جاسکے، اس کے متعلق قرآن کریم نے ایت: ”لیس علی الضعفاء ولا علی المرضى“ میں ان کے عذر کی قبولیت کا اظہار فرمادیا۔ چوتھی قسم ان لوگوں کی تھی جو باوجود کوئی عذر نہ ہونے کے کابلی کے سبب جہاد میں شریک نہیں ہوئے ان کے متعلق کئی آیتیں نازل ہوئیں ”آخرون اعترفوا بذنوبهم“ اور ”آخرون مرجون لامر اللہ“ اور ”وعلی الثلاثة الذین خلفوا“ اللایۃ، تینوں آیتیں ایسے ہی افراد کے بارے میں نازل ہوئیں جن میں ان کی کابلی پر زبردستی بھی ہے اور بالآخر ان کی توبہ کے قبول ہونے کی بشارت بھی۔

پانچواں طبقہ منافقین کا تھا جو اپنے نفاق کی وجہ سے اس سخت امتحان میں اپنے نفاق کو چھپا نہ سکا اور شرکت جہاد سے الگ رہا اس طبقہ کا ذکر بہت سی آیات میں آیا ہے۔ چھٹا طبقہ ان منافقین کا تھا جو جاسوسی اور شرارت کے لئے مسلمانوں کے ساتھ ہولیا تھا ان کی حالت کا ذکر قرآن کریم کی ان آیات میں ہیں: ”وفیکم سمعون لہم“ ”ولئن سألتموہم لیقولن“ ”وہمو ابما لم ینالوا“۔ لیکن اس ساری سختی اور تکلیف کے باوجود شرکت جہاد سے باز رہنے والوں کی مجموعی تعداد پھر بھی برائے نام تھی، بھاری اکثریت انہی مسلمانوں کی تھی جو اپنے سارے منافع اور راحت کو قربان کر کے اللہ کی راہ میں ہر طرح کی مشقت برداشت کرنے کے لئے تیار ہو گئے، اسی لئے اس جہاد میں نکلنے والے =

يَتَّبِعَنَّ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِينَ ﴿۳۳﴾

تم پر وہ لوگ بھی ظاہر ہو جاتے جو سچے ہیں اور وہ بھی تمہیں معلوم ہو جاتے جو جھوٹے ہیں ان کو اجازت کیوں دی؟

لَا يَسْتَاذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ اَنْ يُجَاهِدُوا بِاَمْوَالِهِمْ

جو لوگ اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تم سے اجازت نہیں مانگتے (کہ پیچھے رہ جائیں بلکہ چاہتے ہیں کہ) اپنے مال

وَانْفُسِهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ لِمَا يَسْتَاذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

اور جان سے جہاد کریں اور اللہ ڈرنے والوں سے واقف ہے۔ اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو اللہ پر اور پچھلے دن پر ایمان نہیں رکھتے

= اسلامی لشکر کی تعداد تیس ہزار تھی جو اس سے پہلے کسی جہاد میں نظر نہیں آئی۔

نتیجہ اس جہاد کا یہ ہوا کہ جب ہر قتل شاہ روم کو مسلمانوں کی اتنی بڑی جمعیت کے مقابلہ پر آنے کی خبر پہنچی تو اس پر رعب طاری ہو گیا مقابلہ پر نہیں آیا رسول کریم ﷺ اپنے فرشتہ خصلت صحابہ کرام کے لشکر کے ساتھ چند روز محاذ جنگ پر قیام کر کے جب مخالف کے مقابلہ پر آنے سے مایوس ہو گئے تو واپس تشریف لے آئے۔ جو آیتیں اوپر لکھی گئی ہیں بظاہر ان کا تعلق اس چوتھی جماعت سے ہے جو بغیر کسی صحیح عذر کے اپنی سستی اور کاہلی کی بناء پر شریک جہاد نہیں ہوئے پہلی آیت میں ان کو اس کاہلی اور غفلت پر تنبیہ کی گئی اور اس کے ساتھ ان کے اس مرض غفلت و کاہلی کا سبب اور پھر اس کا علاج بھی ارشاد فرمایا گیا۔

تیسری آیت میں رسول کریم ﷺ کی ہجرت کا واقعہ پیش کر کے یہ بتلایا گیا کہ حق تعالیٰ کا رسول کسی انسان کی نصرت اور امداد کا محتاج نہیں اللہ تعالیٰ آپ کو براہ راست غیب سے امداد پہنچا سکتے ہیں جیسا کہ ہجرت کے وقت پیش آیا جب آپ کو آپ کی برادری اور اہل وطن نے وطن سے نکلنے پر مجبور کر دیا، سفر میں آپ کا رفیق بھی ایک صدیق کے سوا کوئی نہ تھا، دشمنوں کے پیادے اور سوار تعاقب کر رہے تھے آپ کی جائے پناہ بھی کوئی مستحکم قلعہ نہ تھا بلکہ ایک غار تھا جس کے کنارے تک تلاش کرنے والے دشمن پہنچ چکے تھے۔

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَبِّهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿۱۴۱﴾

اور ان کی دل شک میں پڑے ہوئے ہیں سو وہ اپنے شک میں ڈانواڈول ہو رہے ہیں

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انْبِعَاثَهُمْ

اور اگر وہ نکلنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کے لئے سامان تیار کرتے لیکن اللہ نے ان کا اٹھنا (اور نکلنا) پسند نہ کیا

فَتَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿۱۴۲﴾ ۞ وَخَرَجُوا فِيكُمْ

تو ان کو ملنے جلنے ہی نہ دیا اور (ان سے) کہہ دیا گیا کہ جہاں (مغزور) بیٹھے ہیں تم بھی ان کے ساتھ بیٹھے رہو۔ اگر وہ تم

مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أُضْعَعُوا خِلَالَكُمْ

میں (شامل ہو کر) نکل بھی کھڑے ہوتے تو تمہارے حق میں شرارت کرتے اور تم میں فساد ڈالوانے کی غرض سے دوڑے

يَبْغُونَكُمْ الْفِتْنَةَ وَفِيكُمْ سَمْعُونُ لَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۱۴۳﴾

دوڑے پھرتے اور تم میں ان کے جاسوس بھی ہیں اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے

لَقَدْ ابْتَغُوا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ

یہ پہلے بھی طالبِ فساد رہے ہیں اور بہت سی باتوں میں تمہارے لئے الٹ پھیر کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ حق آ پہنچا

وَوَظَّهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونُ ﴿۱۴۴﴾ ۞ مِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي

اور اللہ کا حکم غالب ہوا اور وہ بُرا مانتے ہی رہ گئے۔ اور ان میں کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ مجھے تو اجازت ہی دیجئے

وَلَا تَفْتِنِي إِلَّا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۱۴۵﴾

اور فتنہ میں نہ ڈالنے دیکھو یہ آفت میں پڑ گئے ہیں اور دوزخ سب کافروں کو گھیرے ہوئے ہے

إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا

(اے پیغمبر!) اگر تمہیں آسائش حاصل ہوتی ہے تو ان کو بُری لگتی ہے اور اگر کوئی مشکل پڑتی ہے تو کہتے ہیں

قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿۱۰﴾

کہ ہم نے اپنا کام پہلے ہی (درست) کر لیا تھا اور خوشیاں مناتے لوٹ جاتے ہیں
قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا
کہہ دو کہ ہمیں کوئی مصیبت نہیں پہنچ سکتی بجز اس کے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہو وہی ہمارا کارساز ہے۔

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا

اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ کہہ دو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ہو

إِلَّا إِحْدَى الْحُسَيْنِيْنَ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ أَنْ يُصِيبَكُمْ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ

اور ہم تمہارے حق میں اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ (یا تو) اپنے پاس سے تم پر کوئی عذاب نازل کرے

عِنْدِهِ أَوْ بَأْيَدِنَا فَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ﴿۱۲﴾ قُلْ أَنْفِقُوا

یا ہمارے ہاتھوں سے (عذاب دلوائے) تو تم بھی انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ تم (مال)

طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ إِنْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَاسِقِينَ ﴿۱۳﴾

خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا تم نافرمان لوگ ہو

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقَبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ

اور ان کے خرچ (اموال) کے قبول ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ انہوں نے اللہ سے اور اس کے رسول سے کفر کیا

وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿۱۴﴾

اور نماز کو آتے ہیں تو ست و کابل ہو کر اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا

تم ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۱۴۴﴾

اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) وہ کافر ہی ہوں

وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنَّهُمْ لَمِنكُمْ وَمَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرُقُونَ ﴿۱۴۵﴾

اور اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں اصل یہ ہے کہ یہ ڈرپوک لوگ ہیں

لَوْ يَجِدُونَ مَلَجًا أَوْ مَغْرَبًا أَوْ مَدْخَلًا لَوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ ﴿۱۴۶﴾

اگر ان کو کوئی بچاؤ کی جگہ (جیسے قلعہ) یا غار و مفاک یا (زمین کے اندر) گھنے کی جگہ مل جائے تو اسی طرح رسیاں تڑاتے ہوئے بھاگ جائیں

وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا

اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ (تقسیم) صدقات میں تم پر طعن زنی کرتے ہیں اگر ان کو اس میں سے (خاطر خواہ) مل

رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿۱۴۷﴾

جائے تو خوش رہیں اور اگر نہ ملے تو جھٹ خفا ہو جائیں۔ اور اگر وہ اس پر خوش رہتے

مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

جو اللہ اور اس کے رسول نے ان کو دیا تھا اور کہتے کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور اللہ اپنے فضل سے

وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ رَاغِبُونَ ﴿۱۴۸﴾

اور اس کے پیغمبر (اپنی مہربانی سے) ہمیں (پھر) دے دیں گے اور ہمیں تو اللہ ہی کی خواہش ہے (تو ان کے حق میں بہتر ہوتا)

وَالْعَمَلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةَ قُلُوبُهُمْ

صدقات (یعنی زکوٰۃ و خیرات) تو مفلسوں اور محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلب

وَفِي الرِّقَابِ وَالْغُرْمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ

منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرضداروں (کے قرض ادا کرنے میں) اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی

فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

[مد] میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے یہ حقوق) اللہ کی طرف سے مقرر کر دیئے گئے ہیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے [9]

[9] اس آیت میں مصارفِ زکوٰۃ بیان کئے گئے ہیں۔ جو کہ آٹھ ہیں: جن میں سے ایک مصرف فی سبیل اللہ ہے، جملہ ”فی سبیل اللہ“ کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے، اکثر علماء نے اس کو جہاد فی سبیل اللہ میں مقصور کیا ہے، اور جہاد و مجاہدین کی جتنی ضروریات ہیں تمام کے تمام پر زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے۔ جبکہ بعض علماء کی رائے ہے کہ جملہ ”فی سبیل اللہ“ لفظ کے اعتبار سے عام ہے اور اس کے لئے کوئی تخصّص نہیں ہے۔ جبکہ بعض احادیث میں بھی اس جملہ کے عموم کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ حدیث ابن عمرؓ میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ: ”ان الحج والعمرة من سبیل اللہ، اخرجه ابو داود رقم: ۱۹۸۸۔“

عن يزيد بن ابى مریم قال لحقنى عباية بن رفاعه بن رافع وانا ماش الى الجمعة فقال ابشر فان خطاك هذه فى سبيل الله سمعت ابا عيسى يقول قال رسول الله ﷺ من اغبرت قدما فى سبيل الله فهو محرام على النار۔ يزيد بن مسلم کہتا ہے کہ عباية بن رفاعہ مجھے راستے میں ملا جبکہ میں نماز جمعہ کے لئے جا رہا تھا، تو آپ نے مجھے کہا کہ خوش ہو جاؤ (اس عمل پر) کیونکہ تمہارے یہ قدم اللہ کی راہ میں ہیں، میں نے ابو عیسیٰ سے سنا کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: جس کے قدم اللہ کی راہ میں گرد آلود ہوں تو اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔ (ترمذی مع الختمہ: ۱۶۳۲، بخاری: ۹۰۷) اور اسی عموم کی طرف امام طحاوی اپنی کتاب احکام القرآن میں اشارہ فرماتا ہے، یہ قول کہ (فی سبیل اللہ) یہ امداد کرنا ہے اہل سبیل اللہ کے ساتھ، اور پھر آگے لکھتا ہے: اور اسی طرح وہ حاجی بھی ہیں جن کے پاس خرچ ختم ہوا ہو، بہت تفصیل کے بعد امام طحاوی فرماتے ہیں، کہ دیکھو یہ ابن عمرؓ ہے اور آپ نے حج کو جہاد فی سبیل اللہ میں شمار کیا ہے، اور محمد بن الحسن کتاب سیر الکبیر ص: ۶، ۲۰، ج: ۵، میں اس آدمی کے متعلق لکھتا ہے جو فی سبیل اللہ اپنے مال میں ثلث کی وصیت کرے، کہ وصیت حاجی منقطع کے بارے میں نافذ کی جائے، اور کسی صحابی سے اس کے خلاف کوئی قول نقل نہیں۔ امام ابو یوسفؒ سے اس قول کے خلاف مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اہل سبیل اللہ ﷺ صرف غازی ہیں (اور جو امام محمد نے اس کے بارے میں نقل کیا ہے، نسبت قول امام ابو یوسف مجھے زیادہ محبوب ہے اس لئے کہ یہ حدیث کے زیادہ موافق ہے۔ احکام القرآن: ۲۳۷۰۔ تو مذکورہ تفصیل سے واضح ہوا کہ لفظ ”سبیل اللہ“ عام ہے۔

اور ایک دوسری حدیث میں اس لفظ کے عموم کی طرف اشارہ ہے، اور یہ واضح کیا ہے کہ طلب علم ”فی سبیل اللہ“ میں داخل ہے۔ عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ ﷺ من خرج في طلب العلم كان في سبيل الله حتى يرجع. انس سے مروی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: جو شخص گھر سے علم حاصل کرنے کے لئے نکلا تو وہ اللہ کی راہ میں ہے جب تک کہ گھر واپس نہ آجائے۔ رواہ الترمذی: ۲/۴۴۲، و الضیاء المقدسی فی المختارہ ۶/۱۲۴ و ابن عبدالبر فی جامع بیان العلم: ۶۶ و الطبرانی فی الصغیر ج: ۱/۲۳۴ و اخبار اصفہان: ۱/۱۰۲ و العقیلی: ۲/۱۷۷۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، اور اسی طرح عبدالملک الدھیش نے تعلیق المختار میں کہا ہے، اور اس کیلئے حدیث ابی ہریرہ بھی شاہد ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ: عن ابی ہریرۃ سمعت رسول اللہ ﷺ يقول من جاء مسجدی هذا، لم یأت الالخیر، یتعلمہ او یعلمہ، فهو بمنزلة المجاہد فی سبیل اللہ ومن جاء لغير ذلك فهو بمنزلة الرجل ينظر الی متناع غیرہ۔ ابن ماجہ: ۲۲۷۔ شعب الایمان: رقم: ۱۶۹۸۔ میں نے نبی ﷺ سے سنا: کہ جو شخص میری اس مسجد میں داخل ہوا، محض اس غرض سے کہ نیک کام سیکھے یا سکھائے تو وہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کا ہم مرتبہ ہے، اور جو شخص اس غرض سے نہ آئے تو وہ اس شخص کی مانند ہے جو دوسرے کے اسباب کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے۔ ورواہ ابن حبان: ۱/۲۸۸، و اخرجه الحاكم في المستدرک (قدیم: ۱/۹۱) و جدید: ۱/۲۸۱، و صححه الحاكم و وافقه الذهبی و رواه ابن ابی شیبہ فی مصنفہ ۲/۲۲۷، و قال البوصیری فی زوائدہ ہذا السناد صحیح احتج مسلم بجمیع رواہ: ۵۹۔ و رواہ احمد فی مسندہ: ۲۱/۲۵۷۔ سندہ و مظاہر حق: ۱/۵۰۳، وغیرہ نے اس حدیث کی تشریح میں فرمایا ہے کہ، آپ ﷺ نے اپنی مسجد کی تخصیص کر کے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ میری مسجد اپنی عظمت و فضیلت کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ و ارفع ہے، اور دوسری مسجدیں چونکہ اس کے تابع ہیں، اس لئے مذکورہ حکم تمام مساجد کے لئے یکساں ہے۔ شرح سنن ابی ماجہ: ۱/۱۰۱۔ ولہ شاہد اخر من حدیث سهل بن سعد عند الطبرانی: رقم: ۱۱/۵۹، ص ۶/۱۷۵۔ سهل بن سعد سے روایت ہے کہ: ان النبی ﷺ قال من دخل مسجدی هذا یتعلم خیرا او یعلمہ کان بمنزلة المجاہد فی سبیل اللہ، و من دخلہ لغير ذلك من احادیث الناس کان بمنزلة من یری ما یعجبه و هو شئی غیرہ۔

یقیناً نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری مسجد میں داخل ہوا، اس لیے کہ وہ خیر سیکھے اور سکھائے تو یہ مجاہد فی سبیل

اللہ کے مرتبہ میں ہے اور جو اس کے علاوہ دوسری جگہ میں داخل ہوا ہو جیسے لوگوں کی باتیں تو یہ اس شخص کے مرتبہ میں ہے جو من یری مایعجبہ ہوشیء غیرہ۔ اور اس حدیث کے لئے ابی بکر بن عبد الرحمن کی روایت شاہد ہے اور یہ ابی بکر علم السبعہ مشہورین میں سے ہے وہ فرماتے ہیں: من غدا اوراح الی المسجد لا یرید غیرہ لیتعلم خیرا او یعلمہ ثم رجع الی بیتہ الذی خرج منه کان کالمجاهد فی سبیل اللہ رجع غانما. مؤطا، ۸/۲۔ (روایۃ الشیبانی).

جو مسجد کی طرف روانہ ہو جائے بس خیر سیکھنے اور سکھانے کے علاوہ ان کا کوئی اور کام نہ ہو اور پھر اپنے گھر کلوٹ جائے تو یہ فی سبیل اللہ کے مرتبہ میں ہے اور واپس ہوا مال غنیمت کے ساتھ: ۲۱/۶۔

اور کعب بن عجرؓ سے روایت ہے کہ: ان رجلا مر علی النبی ﷺ فرأی اصحاب رسول اللہ ﷺ من جلدہ ونشاطہ ما اعجبہم، فقالوا یا رسول اللہ لو کان ہذا فی سبیل اللہ فقال رسول اللہ ﷺ ان کان یسعی علی ولده صغارا فہو فی سبیل اللہ، وان کان یسعی علی ابویں شیخین کبیرین ففی سبیل اللہ وان کان یسعی علی نفسہ لیعفیہا ففی سبیل اللہ، وان کان یسعی علی اہلہ ففی سبیل اللہ، وان کان یسعی تفاعرا وتکاثرا ففی سبیل الطاعت. المعجم الکبیر: رقم: ۹۴۰. شعب الایمان ۱۱/۱۵۸. ہم سب لوگ دربار نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے سامنے سے گزرا، نبی کریم ﷺ کے ساتھیوں نے (جب) اس کی تندرتی اور چہرہ پر اپن دیکھا تو کہنے لگے: اللہ کے رسول! کاش یہ شخص اللہ کی راہ میں ہوتا۔ (یعنی اس کی یہ چستی اور تندرتی جہاد میں کام آتی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر یہ شخص اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کے لئے کمانے نکلا ہے تب بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ اور اگر یہ شخص اپنے بوڑھے ماں، باپ کے لئے کمانے نکلا تب بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے، اور اگر یہ خود اپنے لئے کمانے نکلا ہے تاکہ پا کدامن اور باعزت رہ سکے تب بھی یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ ہاں اگر یہ شخص فخر و ریا اور شان و شوکت کی خاطر کمانے نکلا ہے تو یہ راہ شیطان میں ہے۔

اور اسی طرح یہ جہاد باللسان ہے، حدیث میں ہے کہ ”جاہدوا المشرکین باموالکم وانفسکم والسننکم“ کہ مشرکین کے ساتھ اپنے مال، نفس، اور زبان سے جہاد کرو۔ رواہ احمد: ۲۷۲/۱۹، ابوداؤد ۲۵۰۴، و الدارمی: ۲۷۱، و المستدرک: ۲/۱۸، و البیہقی: ۲۰/۹، اس مسئلہ کی تائید اور وضاحت کیلئے بعض علماء کی عبارات نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

۱: عبداللہ بن عبدالرحمن البسام نے اپنی کتاب ”الاختیارات الجلیبۃ فی المسائل الخلافیۃ“ ۴۰۵/۱، میں اس مسئلے کو تفصیل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں: معنی ”وفی سبیل اللہ“ علماء کا اجماع ہے کہ زکوٰۃ صرف کرنے کے آٹھ اقسام جو قرآن کریم میں ذکر ہیں ”انما الصدقات للفقراء“ آلیۃ کہ زکوٰۃ فقرہ کے لئے ہے الخ۔ بس یہی ہیں، تو ان اقسام میں ایک ”فی سبیل اللہ“ ہے، اس کی تفصیل میں علماء نے دو اقوال ذکر کئے ہیں:

۱ کہ ”فی سبیل اللہ“ سے مراد غازی ہے خواہ وہ غنی ہو یا فقیر، امام ابوحنیفہؒ نے غازی فقیر کو مقید کیا ہے۔ یہ قول جمہور علماء مفسرین، محدثین اور فقہاء جو کہ تبع ائمہ اربعہ ہیں نے ذکر کیا ہے۔

۲ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد مسلمانوں کے عام مصالحوں ہیں۔ یہ قول علماء کے ایک گروہ نے نقل کیا ہے اور اس میں سے اکثر معاصرین علماء بھی ہیں اور ان کی دلیل (فی سبیل اللہ) کے الفاظ ہیں اس کا حصہ و تخصیص کسی خاص شخص و افراد میں جائز نہیں مگر دلیل کے ساتھ، لیکن ان کے پاس دلیل تخصیص نہیں، اور جو دلائل جمہور علماء کے مصالحوں عامہ میں زکوٰۃ نہ صرف کرنے کے ہیں، تو وہ دلائل مشہور ہیں، سلف میں سے اس پر کسی نے قول نقل نہیں کیا، اور لفظ ”سبیل اللہ“ عام مسلمانوں کے نزدیک جہاد میں محدود ہے، اور اس باب میں صحیح احادیث بھی ہیں کہ سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے، لیکن یہ بطور تمثیل اور قید واقعی ہے نہ کہ قید احترامی، اور ایت کو آٹھ اقسام میں مقصور کیا گیا ہے اور اس سے مصالحوں عامہ مراد نہیں ہیں۔ اور مجلس مجمع فقہی کا اس نے درج ذیل مقالہ ذکر کیا ہے: الحمد للہ رب العلمین، و الصلاة والسلام علی نبینا محمد و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین، و بعد ۲/۰۴/۱۴۰۵، ۸/۰۵/۱۴۰۵، ہجری۔

آیت کریمہ میں ”فی سبیل اللہ“ کا معنی اور اس میں مناقشہ کرنے میں علماء کے دو قول ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ سے مراد غازی ہیں اور یہ جمہور علماء کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ تمام کار خیر اور مسلمانوں کے مصالحوں عامہ، جیسے مساجد کو تعمیر کرنا، اور اسی طرح مدارس اور ہر وہ کار خیر جو مسلمانوں اور دین کے لئے مفید ہو۔ اور اس قول کو معتقدین میں سے اور متاخرین میں سے اکثر علماء نے نقل کیا ہے۔ (۲) اگر دیکھا جائے کہ دوسرا قول جس کو علماء المسلمین کے ایک طائفہ نے ذکر کیا ہے تو ان کے لئے بعض آیات کریمہ میں غور و فکر کرنے کا کچھ حصہ ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ”الذین ینفقون فی سبیل اللہ ولا یتبعون ما انفقوا منا ولا اذی“ (البقرہ: ۲۲۲)۔ جو اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتلاتے ہیں نہ ایذا دیتے ہیں۔

اور اسی طرح احادیث میں ذکر ہے: جیسا کہ ابوداؤد: ۶۰۹/۱، میں ہے کہ: کان ابو معقل حاجا مع رسول

اللہ ﷺ فلما قدم قالت ام معقل قد علمت ان علي حجة، فانطلقا يمشيان حتى دخلا عليه، فقالت يارسول الله ان علي حجة، وان لابي معقل بكرا، قال ابو معقل صدقت جعلته في سبيل الله، فقال رسول الله ﷺ اعطها، فلتحج عليه، فانه في سبيل الله، فاعطاها البكر فقالت يارسول الله انى امرأة قد كبرت وسقمت فهل من عمل يجزئ عني من حجتى؟ قال عمرة في رمضان تجزئ حجة. ابو داود: ۶۰۸/۱.

ام معقلؓ نے کہا: کہ ابو معقلؓ حج کرنے کو نکلے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ، جب آئے تو ام معقلؓ نے کہا تم جانتے ہو کہ مجھ پر حج لازم ہے، پھر دونوں ام معقلؓ اور ابو معقلؓ چلے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، ام معقلؓ نے کہا یا رسول اللہ! ابو معقلؓ کے پاس ایک اونٹ ہے اور مجھ پر حج فرض ہے ابو معقلؓ نے کہا یہ سچ کہتی ہے، میں نے اس اونٹ کو اللہ کی راہ میں وقف کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا تو وہ اونٹ ام معقلؓ کو دے، وہ اس پر سوار ہو کر حج کرے گی، یہ بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے، ابو معقلؓ نے وہ اونٹ ام معقلؓ کو دے دیا، ام معقلؓ نے کہا یا رسول اللہ! میں ایک بوڑھی اور بیمار عورت ہوں کوئی کام ایسا ہے جو کافی ہو مجھ کو حج سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا! رمضان کے مہینے میں ایک عمرہ کرنا حج کے بدلے کافی ہو سکتا ہے۔

(۲) اگر دیکھا جائے کہ ملحدین، یہود و نصاریٰ اور دین اسلام کے دوسرے دشمنوں کے ساتھ، اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ مادی اور معنوی مدد کرتے ہیں فکری و عقیدوی جنگ مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں، تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان ملحدین، یہود و نصاریٰ کے ساتھ ان اسلحوں سے مقابلہ کریں جو یہ ملحدین مسلمانوں کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور ان اسلحوں سے لڑیں جو اس سے بھی زیادہ قوی ہو۔

(۳) اور مسلح جہاد کا مقصد اعلائے کلمۃ اللہ اور دین اسلام کی اشاعت ہے، اور اس کے لئے داعین تیار کرنا تمام مسلمانوں کا فریضہ ہے، تو یہ دونوں کام اس حدیث کی وجہ سے جو امام احمد اور نسائی نے نقل کی ہے اور حاکم نے تصحیح کی ہے، جہاد ہیں، انسؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ مشرکوں کے ساتھ جہاد کرو اپنے مال، نفس، اور زبان کے ساتھ۔

(۴) اسی طرح اگر دیکھا جائے کہ اسلامی ممالک میں جہاد اور دعوت کے لئے کوئی خاص وزارتیں نہیں، اور اکثر ممالک میں اس کے لئے کوئی معقول فنڈ نہیں ہے، اس لئے علماء مجلس میں اکثر نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ دعوت کا کام ”فی سبیل اللہ“ میں داخل ہے۔ شیخ محمد ابراہیم نے کہا ہے کہ یہاں ضروری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ داعین کے افرادی و مالی قوت اور دین کے لئے دفاعی مراکز تعمیر کرنے میں خرچ کیا جائے، یہ ”فی سبیل اللہ“ میں عظیم سبیل ہے۔

قونوی نے اس آیت کی تفسیر میں بعض فقہاء سے نقل کیا ہے کہ جو بھی دینی کام ہیں، مردوں کی تکفین و تجہیز کرنا، دشمن سے بچاؤ کے لئے قلعے بنانا، یا مساجد وغیرہ بنانا، ان سب میں زکوٰۃ خرچ کرنا جائز ہے۔ (۴۶۴/۹)۔

اس طرح صاحب اللباب نے فقال کا قول نقل کیا ہے، اور پھر کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ ”فی سبیل اللہ“ ان سب کو عام ہیں (۲۴۷/۱۰)۔ اور کاسائی نے بدائع الصنائع: (۳۷۱/۴) میں لکھا ہے: کہ اللہ تعالیٰ کے قول ”فی سبیل اللہ“ سے مراد وہ تمام چیزیں ہیں جن سے تقرب الی اللہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جو طاعت اللہ کی طرف کوشش کرتا ہے اور ہر کار خیر میں اس کا احتیاج ہو تو صرف کیا جاسکتا ہے۔ اور صدیق حسنؑ نے فتح البیان: (۱۵۱/۴) میں لکھا ہے کہ لفظ ”فی سبیل اللہ“ عام ہے، ایک خاص قسم میں اس کا حصر کرنا جائز ہے، اور اس میں تمام خیر کے کام داخل ہیں، جیسا کہ میتوں کی تکفین اور تجہیز، پل بنانا، قلعے بنانا اور مساجد وغیرہ بنانا۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر: (۱۱۳/۱۶) میں لکھا ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ اس ظاہر لفظ سے غازیوں میں حصر لازم نہیں آتا، پس اس معنی کی وجہ سے فقال نے لکھا ہے کہ بعض نے زکوٰۃ خرچ کرنے کو خیر کے کاموں میں جائز قرار دیا ہے۔ قلعے بنانا اور مساجد وغیرہ بنانا۔ اس لئے کہ قول ”فی سبیل اللہ“ عام ہے۔

اور ابوالمظفر السمعانیؒ اپنی تفسیر (۳۴۴/۴) میں ”فی سبیل اللہ“ کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ یہ غازیوں اور حاجیوں کو بھی شامل ہیں اور ”سبیل اللہ“ سے مراد طاعت اللہ ہے۔

سید سابقؒ نے فقہ السنۃ (۴۹۷/۱، ۴۹۶) میں لکھا ہے کہ ”فی سبیل اللہ“ سے مراد وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا تک پہنچاتا ہو، جیسے علم اور اس پر عمل۔ اور آگے لکھتا ہے کہ اس میں مسلمان فوجیوں کا ہسپتال بھی داخل ہے، اور اسی طرح ہر کار خیر، جیسے راستوں کو درست کرنا، مسلمان فوج کے لئے لڑا کہ طیاروں کے اڈے بنانا، جنگی طیارے خریدنا، خندقیں کھودنا، اور ہر وہ چیز جس کا خرچ کرنا اس زمانے اہم اور ضروری ہو دین اسلام کی تائید کے لئے۔ مثلاً ایک تنظیم جو کہ داعیان حق تیار کرتی ہے، جس طرح کفار اپنے دین کے نشر و اشاعت کیلئے یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔ اور اس میں علوم شرعیہ کی وجہ سے جس میں مسلمانوں کی مصلحت ہے۔ مدارس پر خرچ کرنا بھی شامل ہے۔ اور اسی حالت میں مدارس کے مدرسین کو بھی دیا جائے، کیونکہ وہ اپنا وقت مدارس میں گزارتے ہیں اور لوگوں کو اپنے علم سے فائدہ پہنچاتے ہیں اور دوسرے دنیاوی کاموں سے منقطع رہتے ہیں۔

طحاویؒ نے تفسیر الوسیط میں: (۲۰۲/۶) میں لکھا ہے کہ ”سبیل اللہ“ سے مراد وہ راستہ ہے جس میں سہولت ہو، اور بہت راستوں پر محیط ہو، اور اس کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو۔ اس اشارہ کی وجہ سے کہ یہ سبیل حق ہے، اور باطل اس پر اثر انداز نہیں ہوتا پھر آگے لکھتا ہے کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ ”سبیل اللہ“ حج ادا کرنے والے کے ارادے کو بھی شامل ہے،

اور بعض علما نے لکھا ہے کہ دینی طاہر علموں کو بھی شامل ہے، اور بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ یہ لفظ تمام تقربات الہیہ کو شامل ہے اور رشید رضا اپنی تفسیر المنار میں تفصیل سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ”فی سبیل اللہ“ مال خرچ کرنے کے ہمارے زمانے میں مصاریف یہ ہے کہ داعین تیار کئے جائیں اور کفار کے ممالک کو بھیجے جائیں الخ۔

پھر آگے لکھتا ہے اس میں علوم شرعیہ کے واسطے مدارس اور ہر وہ چیز جس میں مصلحت عامہ ہو پر خرچ کرنا شامل ہے، اور اس مال سے مدرسہ کے مصاریف اور اساتذہ پر بھی خرچ کیا جائے، جب تک وہ اپنے فرائض پورے سرانجام دیتے ہیں، اور دنیاوی کاروبار سے منقطع ہوں: (۵۰۶۱۰)۔

اور جمال الدین القاسمی اپنی تفسیر القاسمی (۲۴۱/۸) میں لکھتے ہیں کہ ”فی سبیل اللہ“ کو غازیوں تک محدود کرنا واجب نہیں ہے، اس وجہ سے توقال نے بعض فقہاء سے اس کا عموم بیان کیا ہے جیسا کہ آگے گزر گیا ہے۔

اور اسی طرح نواب صدیق حسن خان قنوجی اپنی کتاب المروضۃ الندیۃ: (۲۰۶۱) میں لکھتا ہے کہ ”سبیل اللہ“ سے یہاں مراد اللہ تعالیٰ کی طرف راستہ اور جہاد ہے، تو اس کا حصر قبال میں نہیں کرنا چاہئے بلکہ یہ ہر اس راستہ کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ تک رسائی کا ذریعہ ہو، اور یہ آیت کا لغوی معنی بھی ہے۔

اور اسی طرح احمد المصطفیٰ المراغی نے اپنی تفسیر المراغی: (۱۴۵/۱۰) میں لکھا ہے کہ حق بات یہ ہے ”سبیل اللہ“ سے مراد مصالِح المسلمین ہے الخ۔

اور امام محمد آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی (۱۴۳۱/۱۰) میں لکھتے ہیں کہ ”سبیل اللہ“ سے مراد طالب علم ہے۔ اور فتاویٰ ظہیر یہ نے اس کا حصر کیا ہے، اور بدائع نے عموم ذکر کیا ہے کہ تمام خیر کے کاموں کو شامل ہے۔

محمد علی تفسیر آیات الاحکام: (۵۵/۴) اور عبدالکریم زیدان نے المفصل فی احکام المرأة میں بہت تفصیل کے بعد لکھا ہے کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ آیت ”فی سبیل اللہ“ تمام مجاہدین اسلام کو شامل ہے، اسے ایک قسم جہاد کو خاص کرنا صحیح نہیں، اس لئے جہاد سے مراد اعلیٰ کلمۃ اللہ ہے، تو جہاد باللسان اور جہاد بالمال سب کو شامل ہیں، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے رسول پاک ﷺ نے فرمایا: مشرکین سے جہاد کرو مال کے ساتھ نفس اور زبان کے ساتھ الخ۔

اور جو شخص تفصیل چاہتا ہے تو وہ تفسیر المنار کو رجوع کرے، وکذافی فقہ الزکوٰۃ للدکتور یوسف۔

باقی قبض کا جو مسئلہ ہے تو وہ اس میں علی سبیل التوکیل ہوتا ہے۔ جیسا کہ جہاد میں امیر جہاد یا عاملین علی الزکوٰۃ

یا خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے حیات مبارکہ میں کیا تھا۔ دیکھئے المغنی لابن قدامة: ۱۹۶/۷۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنٌ

اور ان میں بعض ایسے ہیں جو پیغمبر کو ایذا دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ شخص نرا کان ہے (ان سے) کہہ دو کہ (وہ) کان ہے

خَيْرٌ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا

(تو) تمہاری بھلائی کے لئے وہ اللہ کا اور مومنوں (کی بات) کا یقین رکھتا ہے اور جو لوگ تم میں ایمان لائے ہیں

مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤١﴾

ان کے لئے رحمت ہے اور جو لوگ رسول اللہ کو رنج پہنچاتے ہیں ان کے لئے عذاب الیم تیار ہے۔

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضَوْكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ

مومنو! یہ لوگ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں خوش کر دیں حالانکہ

إِنْ كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٤٢﴾ لَمْ يَعْلَمُوا أَنَّهُ مَنْ

اگر یہ (دل سے) مومن ہوتے تو اللہ اور اس کے پیغمبر خوش کرنے کے زیادہ مستحق ہیں۔ کیا ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ جو شخص

يُحَادِدِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَأَنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا

اللہ اور اس کے رسول سے مقابلہ کرتا ہے تو اس کے لئے جہنم کی آگ (تیار ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا

ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿٤٣﴾ يُحَذِّرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تَنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ

یہ بڑی رسوائی ہے۔ منافق ڈرتے رہتے ہیں کہ ان (کے پیغمبر) پر کہیں کوئی ایسی سورت (نہ) اتر آئے

تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ اسْتَهْزِءُوا إِنَّا اللَّهُ مُخْرِجٌ مَا تَحْذَرُونَ ﴿٤٤﴾

کہ ان کے دل کی باتوں کو ان (مسلمانوں) پر ظاہر کر دے کہہ دو کہ ہنسی کئے جاؤ جس بات سے تم ڈرتے ہو اللہ اس کو ضرور ظاہر کر دے گا

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ

اور اگر تم ان سے (اس بارے میں) دریافت کرو تو کہیں گے کہ ہم تو یونہی بات چیت اور دل لگی کرتے تھے کہو

﴿۱۰﴾ اَبِ اللّٰهِ وَاٰتِيَهٗ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ
 کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول سے ہنسی کرتے تھے؟ [10]

[10] شاتم رسول اللہ ﷺ کا شرعی حکم

حق و باطل ہمیشہ سے ایک دوسرے کے خلاف معرکہ آراء اور برسر پیکار رہے ہیں، اہل باطل داعیان حق کے مقابلے میں نت نئے حربوں کا سہارا لیتے رہے ہیں۔ جناب نوح علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ ﷺ تک جتنے انبیاء کرام دنیا میں توحید کا علم بلند کرنے اور غلبہ حق کے لئے تشریف لائے تو منکرین حق نے ان کی بھرپور مخالفت کی۔ انہیں برے القاب سے نوازا، ان کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کا بازار گرم کیا حتیٰ کہ حق کے دشمنوں نے بعض انبیاء کرام کو قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا۔ یاد رہے کہ بنی اسرائیل سے قبل جتنے انبیاء کرام تشریف لائے ان کی قوموں (مشرکین) نے ان کو جسمانی اذیتیں بھی دیں اور دشنام طرازی سے بھی کام لیا۔ لیکن سب سے بڑھ کر جس قوم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی بے حرمتی کی اور ان پاک ہستیوں کو طعن و تشنیع اور سب و شتم کا نشانہ بنا یا وہ ”یہود“ ہیں۔ کیونکہ یہودیوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کی بے حرمتی کی تمام تر حدیں پامال کیں۔ بے غیرت اور بزدل لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ سامنے آ کر مقابلہ کرنے کے بجائے اکثر اوقات گالی گلوچ اور سب و شتم کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہودیوں کی ہی صفت یوں مذکور ہے: ﴿لَا يقاتلونكم جميعا الا في قريء محصنة او من وراء جدر بأسهم بينهم شديد تحسبهم جميعا وقلوبهم شتى ذالک بانہم قوم لا یعقلون﴾ [الحشر ۱۲]۔ ”وہ تم سے سب ملکر بھی نہیں لڑ سکتے مگر محفوظ ہستیوں میں یاد یواروں کی آڑ میں، ان کی لڑائی تو آپس میں سخت ہے آپ ان کو متفق سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دل الگ الگ ہیں اس لئے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔“

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مخاطب کر کے فرمایا کہ ہم انبیاء کو ایذا رسانی اور ان کے سب و شتم سے گریز کریں اور یہودیوں جیسے نہ بنیں۔ ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِبُّهَا﴾ [الاحزاب] ۶۹۔ ”اے ایمان والو! تم ان لوگوں جیسے نہ بنو جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت دی (ستایا) پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان باتوں سے بری کر دیا جو وہ کہتے تھے، اور وہ اللہ تعالیٰ

کے نزدیک بڑے معزز تھے۔“

قرآن مجید میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی عزت و توقیر پر بہت زور دیا گیا ہے، بالخصوص جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کی توقیر و تعظیم کے متعلق آیات قرآنیہ بہت زیادہ ہیں، مضمون کی مناسبت سے ہم یہاں ان آیات کریمہ کا تذکرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جن میں اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی جانب سے جناب نبی کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر کو اجاگر کرنے کے ساتھ آپ کی ایزاء رسانی سے منع فرمایا گیا ہے۔

پہلی آیت سورۃ توبہ کی ہے: ﴿وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أذنِ قُلْ اذنِ خَيْرٍ لَكُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [التوبہ ۶۱]۔
سورۃ توبہ کی یہی آیتیں اس مضمون کی پوری وضاحت کرتے ہیں، ۶۵، ۶۶۔

ان آیات سے شاتم رسول (ﷺ) کا حکم بھی واضح ہوا۔ اس آیت کی تفسیر میں صاحب ”مواہب الرحمن“ لکھتے ہیں:

”مسئلہ: جو کوئی کسی آیت پر یا نبی ﷺ کا کلام جان کر حدیث پر یا مسئلہ شرعی پر اس راہ سے کہ حکم شرعی ہے، یا نبی ﷺ پر استہزاء کرے، یا استخفاف کرے، یا عیب لگا دے، وہ کافر ہے، اور اگر دل ہی میں رکھے زبان سے نہ کہے تو وہ منافق حقیقی ہے۔ اور اگر اس کے دل میں شیطان نے ان باتوں کے ساتھ وسوسہ ڈالا، اور اس نے ایسا وسوسہ بہت برا اور شیطانی دھوکا جانا تو وہ مؤمن ہے۔“ [مواہب الرحمن: ۱۵۶/۱۰]۔

تیسری آیت و ماکان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابداً ان ذالکم کان عند اللہ عظیماً ﴿۵۳﴾ [الاحزاب]۔ ”اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو ایذا دو، اور نہ یہ کہ تم آپ کی بیویوں سے آپ کے بعد کبھی بھی نکاح کرو، بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑا گناہ ہے۔“

چوتھی آیت: ﴿ان الذین يؤذون اللہ ورسوله لعنہم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدلہم عذابا مہینا﴾ ﴿۵۷﴾
والذین يؤذون المؤمنین والمؤمنات بغير ما کتبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مہینا﴾ ﴿۵۸﴾ [الاحزاب]۔ ”جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں لعنت کی ہے اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کیا ہے، اور جو ایماندار مرد اور عورتوں کو ناکردہ گناہوں پر ستاتے ہیں، سو وہ اپنے سر بہتان اور صریح گناہ لیتے ہیں۔“

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ جو نبی ﷺ کو سب و شتم کرتا ہے وہ یہودی ہے، اگر پہلے مؤمن تھا تو اس گستاخی سے کافر اور مرتد ہوا اور اس کے لئے عذاب الیم ہے، جب کہ سورۃ احزاب والی آیت میں اس کو دنیا اور آخرت میں ملعون قرار دیا ہے اور فرمایا کہ مؤمن کی یہ صفت قطعاً نہیں ہو سکتی۔

مذکورہ بالا آیات میں جس عذاب دنیوی کا ذکر اجمالاً ہوا ہے اس کی تفصیل احادیث کریمہ سے معلوم کرتے ہیں۔ تاکہ واضح ہو کہ دنیا میں شاتم رسول اللہ ﷺ کا حکم کیا ہے۔

”کعب بن اشرف یہودی کاقتل:

(۱): پہلے ہم وہ حدیث ذکر کریں گے جو کہ امام بخاریؒ نے کتاب المغازی میں نقل کی ہے۔

”جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من لكعب بن اشرف؟ فإنه قداذی اللہ ورسوله.... الخ۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: کعب بن اشرف کی کون خبر لیتا ہے کون اس کا کام تمام کرتا ہے۔ اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ستا رکھا ہے، یہ سن کر محمد بن مسلمہ انصاریؒ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو منظور ہے کہ میں اس کو مار ڈالوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! تو انہوں نے کہا کہ پھر اجازت دیجئے جو میں مناسب سمجھوں (کعب کو خوش کرنے کیلئے) کہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو مناسب سمجھے کہہ۔“ محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کعب کے پاس آئے اور کہنے لگے! یہ شخص (پیغمبر ﷺ) ہم سے زکوٰۃ مانگتا ہے ہمارے پاس خود کھانے کو نہیں، عجب تکلیف میں پھنسے ہیں، میں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں، مجھ کو کچھ قرض ہی دلو اور کعب نے کہا: ابھی کیا ہے؟ قسم اللہ کی آگے چل کر تم کو بہت تکلیف ہوگی، محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کہا: بات یہ ہے کہ ہم ایک بار اس کی پیروی کر چکے، اب یہ بھی تو اچھا نہیں لگتا کہ ایک دم اس کو چھوڑ دیں، مگر دیکھ رہے ہیں اس کا انجام کیا ہوتا ہے، خیر اب یہ کہو (یار) ہماری غرض یہ ہے کہ ایک وسق یا دو وسق بھور یا نعلہ ہم کو قرض دلو اور کعب نے کہا: اچھا دلائیں گے، مگر کچھ گروی رکھو۔ ان لوگوں نے کہا: تم کیا چیز گروی چاہتے ہو؟ کعب نے کہا: اپنی عورتیں رہن رکھ دو۔ ان لوگوں نے کہا: واہ اچھی ٹھہری، سارے عرب لوگوں میں تم تو خوبصورت ہو، بھلا ہم اپنی بیویاں تمہارے پاس کیوں کر رہن کریں؟۔

کعب نے کہا: اچھا اپنے بیٹوں کو گروی رکھ دو۔ ان لوگوں نے کہا: بیٹوں کو گروی رکھ دیں تو ساری عمر لوگ ان پر طعنہ ماردیتے رہیں گے کہ وسق یا دو وسق پر یہ گروی ہوئے تھے، بڑے شرم کی بات ہے۔ البتہ ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس

گروی کر سکتے ہیں۔

اتنی گفتگو کے بعد محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ رات کو پھر آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے، رات کو آئے تو ابونا نکلہ کو ساتھ لائے جو کعب کا رضاعی بھائی تھا۔ کعب نے ان کو قلعہ کے پاس بلا لیا، اور خود قلعہ سے اتر کر نیچے آ کر ان سے ملا، جب وہ قلعہ سے اترنے لگا تو اس کی بیوی (نام نامعلوم) کہنے لگی اتنی رات کو کہاں جاتا ہے؟ کعب کہنے لگا: یہ محمد بن مسلمہ اور میرا بھائی ابونا نکلہ بلا رہے ہیں۔

بیوی کہنے لگی: میں تو ایسی آواز سنتی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے۔ کعب نے کہا: واہ وہاں ہے کون؟ محمد بن مسلمہ میرا دوست اور ابونا نکلہ میرا بھائی؟ اور شریف آدمی کو اگر رات کو نیزہ مارنے کو بلائیں تو وہ جائے گا۔

ادھر محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ دو آدمی اور اپنے ساتھ لے کر آئے تھے [ایک روایت کے مطابق ساتھی شخص ابو عیسٰ بن جبیر، حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم تھے]۔ محمد بن مسلمہ ان سے کہنے لگے: جب کعب یہاں آئے گا میں اس کے سر کے بال تھام کر سو گھوں گا۔ جب تم دیکھنا میں نے اس کا سر مضبوط تھام لیا ہے تو تم اپنا کام کر ڈالنا (تلوار کی ضرب لگانا) کعب سر سے چادر اوڑھے ہوئے اترا، اس کے بدن سے خوشبو مہک رہی تھی۔

محمد بن مسلمہ نے کہا: میں نے تو ساری عمر میں آج کی طرح خوشبودار ہوا نہیں سو گھی۔ کعب نے جواب میں کہا: میرے پاس عرب کی وہ عورت ہے جو سب عورتوں سے زیادہ معطر رہتی ہے اور حسن و جمال میں بھی بے نظیر ہے۔ محمد بن مسلمہ نے کہا: تم مجھ کو اپنا سر سو گھنے کی اجازت دیتے ہو۔ اس نے کہا: اچھا سو گھو، انہوں نے خود بھی سو گھا اور ساتھیوں کو بھی سو گھایا، پھر دوبارہ درخواست کی میں تمہارا سر سو گھوں؟ کعب نے کہا: جی ہاں محمد بن مسلمہ نے اس کا سر زور سے تھاما اور اپنے ساتھیوں سے کہا ادھر آؤ۔ چنانچہ انہوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور آپ ﷺ کو خوشخبری دی۔ [بخاری کتاب المغازی: رقم: ۲۵۱۰، مسلم: رقم: ۱۸۰۱]۔

قتل ابورافع عبداللہ بن ابی الحقیق:

(۲): دوسری حدیث امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابورافع عبداللہ بن ابی الحقیق یہودی کے قتل کے بارے میں نقل کی ہے۔ جو کہ براء بن عازب سے منقول ہے کہ: بعث رسول اللہ ﷺ الی ابی رافع الیہودی رجلا من الانصار فأمر علیہم عبداللہ بن عتیک وکان ابورافع یؤذی النبی ویعین علیہ وکان فی حصن لہ بارض الحجاز فلما دنوا منه..... الخ..

اوس اور خزرج کی جاہلانہ رقابت اسلام لانے کے بعد مسابقت فی الخیرات میں بدل چکی تھی، چونکہ دشمن دین کعب بن اشرف کو اوس قبیلہ نے قتل کیا تھا، اس لئے ابورافع یہودی کو قتل کرنے کے لئے خزرج نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی، تو آپ ﷺ نے عبد اللہ بن عتیکؓ کی سربراہی میں مسعود بن سنان، عبد اللہ بن انیس، ابوقادہ، خزاعی بن اسود اور عبد اللہ بن عتیبہ رضی اللہ عنہم کو روانہ فرمایا۔ [فتح الباری: ۷/۳۹۷]۔

رسول اللہ ﷺ نے چند انصار کو ابورافع یہودی کے پاس بھیجا اور ان پر عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ کو امیر مقرر کیا۔ یہ ابورافع رسول اللہ ﷺ کو سخت اذیت و تکلیف دیتا تھا اور آپ کے مخالفین کی اعانت کرتا تھا۔ زمین حجاز میں اس کا قلعہ تھا وہ اس میں رہا کرتا تھا جب یہ لوگ اس کے پاس پہنچے تو سورج غروب ہو چکا تھا اور شام کے وقت لوگ اپنے موسیٰ واپس لاکچے تھے۔ عبد اللہ بن عتیک نے اپنے ساتھیوں سے کہا: تم اپنی جگہ پر بیٹھے رہو، میں جاتا ہوں اور دربان سے مل کر نرم نرم باتیں کر کے قلعہ کے اندر جانے کی کوئی تدبیر کرتا ہوں۔

چنانچہ وہ قلعہ کی طرف روانہ ہوئے اور دروازے کے قریب پہنچ کر خود کو کیڑوں میں اس طرح چھپایا گویا قضاے حاجت کے لئے بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس وقت اہل قلعہ اندر جا چکے تھے، دربان نے اپنا آدمی سمجھ کر آواز دی۔ کہ اے اللہ کے بندے! کہ اگر تو اندر آنا چاہتا ہے تو آ جا میں دروازہ بند کر رہا ہوں۔

عبد اللہ بن عتیکؓ کہتے ہیں، کہ یہ سن کر میں قلعہ کے اندر داخل ہوا اور چھپ گیا جب سب لوگ اندر آ چکے تو دربان نے دروازہ بند کر کے چابیاں کیل پر لٹکا دیں۔

عبد اللہ بن عتیکؓ کہتے ہیں: میں نے اٹھ کر چابیاں لیں اور قلعے کا دروازہ کھول دیا۔ ادھر ابورافع کے پاس رات کو داستان ہوا کرتی تھی۔ وہ اپنے بالا خانوں میں رہتا تھا۔ جب داستان گویا چل دیے تو میں اس کی طرف چلنے لگا اور جب کوئی دروازہ کھولتا تھا تو اسے اندر کی طرف سے بند کر لیتا تھا۔ میرا مطلب یہ تھا کہ اگر لوگوں کو میری خبر ہو جائے تو مجھ تک ابورافع کو قتل کرنے سے پہلے نہ آسکیں۔

جب اس کے پاس پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک تاریک مکان میں اپنے بال بچوں کے درمیان سو رہا تھا۔ چونکہ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ کس جگہ پر ہے، اس لئے میں نے ابورافع کہہ کر آواز دی، ابورافع نے جواب دیا کون ہے؟ میں آواز کی طرف جھکا اور اس پر تلوار سے زوردار وار کیا، جبکہ میرا دل خوب دھک دھک کر رہا تھا۔ اس ضرب سے کچھ کام نہ نکلا اور وہ چلانے لگا تو میں مکان سے باہر آ گیا۔ تھوڑی دیر ٹھہر کر پھر داخل ہوا، پھر میں نے کہا: اے ابورافع! یہ کیسی آواز تھی (وہ آواز

کی پہچان نہ کر سکے)۔ البورافع نے کہا: تیری ماں پر مصیبت پڑے ابھی ابھی کسی نے اس مکان میں مجھ پر تلوار کا وار کیا۔
عبداللہ بن عتیک کا بیان ہے: کہ میں نے پھر ایک اور بھر پور وار کیا مگر وہ بھی خالی گیا اگرچہ اس کو زخم لگ چکا تھا
لیکن وہ اس سے مرانہیں تھا۔ اس لئے میں نے تلوار کی نوک اس کے پیٹ پر رکھی (خوب زور دیا تو) تو اس کی پیٹھ تک پہنچ
گئی (آر پار چلی گئی)۔

جب مجھے یقین ہو گیا کہ میں نے اسے مار ڈالا ہے تو میں پھر ایک ایک دروازہ کھولتا ہوا سیڑھی تک پہنچ
گیا۔ چاندنی رات تھی، یہ خیال کر کے کہ میں زمین پر پہنچ گیا ہوں، نیچے پاؤں رکھا تو دھڑام سے نیچے آگرا جس سے میری
پنڈلی ٹوٹ گئی۔ میں نے اپنی پگڑی سے اسے باندھا اور باہر نکل کر دروازے پر بیٹھ گیا۔ اپنے دل میں کہا کہ میں یہاں سے
اس وقت تک نہیں جاؤنگا جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ میں نے اسے قتل کر دیا ہے۔ لہذا جب صبح کے وقت مرغ نے
آذان دی تو موت کی خبر سنانے والا دیوار پر کھڑا ہو کر اعلان کرنے لگا۔

اے لوگو! حجاز کے سوداگر البورافع کے مرنے کی تمہیں خبر دیتا ہوں۔ یہ سنتے ہی میں اپنے ساتھیوں کی طرف چلا اور ان سے کہا
یہاں سے جلدی بھاگو۔ اللہ تعالیٰ نے البورافع کو (ہمارے ہاتھوں) قتل کر دیا ہے۔ پھر وہاں سے رسول اللہ ﷺ کے پاس
پہنچا اور آپ کو تمام قصہ سنایا۔

آپ نے فرمایا اپنا ٹوٹا ہوا پاؤں پھیلاؤ۔ چنانچہ میں نے اپنا پاؤں پھیلایا تو آپ نے اپنا دست مبارک اس پر
پھیر دیا جس سے وہ ایسا ہو گیا کہ گویا مجھے اس کی کبھی شکایت ہی نہیں تھی۔

(۳) تیسری حدیث:۔ عکرمہ عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان اعمیٰ کانت لہ ام ولد تشتتم
النسی علیہ وسلم وتقع فیہ..... الخ ایک نابینا (صحابی) کی ایک ام ولد تھی جو رسول اللہ ﷺ کو برا کہا کرتی تھی۔ اور آپ
ﷺ کی جھوٹ کیا کرتی تھی۔

وہ نابینا جو اس کا مولیٰ تھا۔ اس بات سے اس کو منع کرتا تھا۔ لیکن وہ باز نہ آتی تھی۔ اور جھڑکتا تھا لیکن وہ کسی طرح
نہ مانتی تھی۔ ایک رات کو (اس نے عادت کے موافق) آپ ﷺ کی جھوٹ شروع کی اور آپ ﷺ کو برا کہنے لگی۔ اس کے
مولیٰ (نابینا) نے چہرے لے کر اس کے پیٹ میں رکھا، اور اس پر زور دیا (یعنی چہرے پر بوجھ ڈالا) وہ اس کے پیٹ میں گھس
گیا۔ وہ عورت مر گئی۔ اس کے دونوں پاؤں کے بیچ میں ایک لڑکا آ گیا، اور جہاں وہ بیٹھے تھے وہ سب خون سے لت پت
رنگین ہو گیا جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ سے اس خون کا ذکر ہوا، آپ ﷺ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور فرمایا جس شخص نے یہ

کام کیا ہے میں اس کو اللہ کی قسم دیتا ہوں اور اپنے حق کی جو میرا اس پر ہے کہ وہ کھڑا ہو جاوے اور اقرار کرے کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ یہ سن کر وہی ناپید کھڑا ہو گیا۔ اور لوگوں کو پھاندتا ہوا اور لرزتا ہوا آیا یہاں تک کہ آپ ﷺ کے سامنے آں کر بیٹھ گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ۔ انا صاحبہا کانت تشتمک۔ میں اس کا قاتل ہوں وہ آپ کو برا کہتی تھی۔ اور آپ کی جھوہ کرتی تھی۔ میں اس کو منع کرتا تھا لیکن باز نہ آتی تھی، اور جھڑکتا تھا، جب بھی باز نہ آتی تھی، اور اس کے پیٹ سے میرے دو بیٹے ہیں، مثل دو موتیوں کے، اور میری بڑی رفیق تھی کل کی رات وہ آپ کو برا کہنے لگی اور آپ کی جھوہ کرنے لگی تو میں نے چھرا لے کر اس کی پیٹ پر رکھا اور اس پر زور دیا یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ((الاولا انشهدوا ان دمها هدر)) دیکھو گواہ رہو اس کا خون لغو ہے [سنن ابی داؤد کتاب الحدود باب فیمن سب النبی ﷺ رقم ۴۳۶۱]۔

(۴) چوتھی حدیث:۔ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ان یهودیہ کانت تشتم النبی ﷺ وتقع فیہ الحدیث، کہ ایک یہودیہ رسول اللہ ﷺ کو برا کہا کرتی تھی، اور آپ ﷺ کی جھوہ کرتی تھی۔ اس پر ایک شخص نے اس کا گلا گھونٹا یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کا خون لغو کر دیا (ابوداؤد ۴۳۶۲)۔

ان دونوں روایات کا حاصل یہ ہے کہ ذمی کا فر مرد ہو یا عورت اگر ہمارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے تو اس کا قتل کر ڈالنا درست ہے۔

(۵) پانچویں حدیث:۔ عبد اللہ بن مطرف ابو برة رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ کنت عند ابی بکرؓ فتغیظ علی رجل فاشتد علیہ الحدیث، کہ میں ابو بکر الصدیقؓ کے پاس بیٹھا تھا وہ ایک شخص پر غصہ ہوئے اور نہایت غصہ ہوئے (شاید اس نے کوئی بری بات ان کو کہی ہوگی) میں نے کہا اے خلیفہ رسول ﷺ اگر آپ مجھے اجازت دیتے ہیں تو میں اس کی گردن ماروں؟ یہ کہنے سے ان کا غصہ جاتا رہا اور کھڑے ہو کر اندر چلے گئے پھر مجھ کو بلا بھیجا، اور کہا تو نے کیا کہا تھا میں نے کہا آپ مجھے اجازت دیجئے تو میں اس کی گردن اڑا دوں، ابو بکر الصدیقؓ نے کہا اگر میں تجھے حکم کرتا تو تو اس کی گردن ماری دیتا؟ میں نے کہا ہاں بے شک ماردیتا۔ ابو بکرؓ نے کہا یہ درجہ کسی بشر کو رسول اللہ ﷺ کے بعد حاصل نہیں ہوا۔ یعنی یہ رسول ہی کا منصب تھا کہ جو کوئی ان کی گستاخی کرے ان کو برا کہے اس کی گردن ماری جائے، نبی کے سوا کسی کو یہ درجہ حاصل نہیں۔ [کتاب الحدود رقم: ۴۳۶۳]۔

(۶): چھٹی روایت: کعب بن علقمہ روایت کرتے ہیں: کہ ایک نصرانی کا غرقہ ابن الحارث الکندی پر گذر ہوا۔

اور اسے اسلام کی طرف دعوت دی۔ اور کعب بن علقمہ نے پورا واقعہ ذکر کیا ہے۔ اس واقعہ میں یہ بھی ہے۔ کہ غرفہ نے کہا: معاذ اللہ ان تكون العهود والمواثيق على أن يؤذونافي الله ورسوله. معاذ اللہ کہ ہم ان کے ساتھ معاہدہ کریں کیونکہ یہ لوگ پھر ہمیں ہمارے نبی ﷺ کے متعلق تکالیف دیں گے سب و شتم کریں گے۔ (اور غرفہ صحابی ہے عکرمہ بن ابوجہل کے ساتھ حالت ارتداد میں لڑائی بھی کی تھی) [الاصحاح: ۲۴۵/۵۔ والاوسط: ۳۱/۹]۔

حاصل یہ کہ اس صحابی نے معاہدہ کرنے سے اس لئے انکار کیا کہ معاہدہ کی صورت میں ان کے ساتھ جنگ بندی ہوگی اور شاتم رسول کے لئے تو امن نہیں ہے۔

(۷): ساتویں روایت: عمیر ابن امیہ رضی اللہ عنہ سے ہے کہ اس کی بہن تھی جب آپ نبی ﷺ کے پاس تشریف لے جاتے تو آپ کی بہن آپ کو نبی (ﷺ) کی وجہ سے بہت تکلیف دیتی۔ اور نبی ﷺ کو سب و شتم کرتی تھی، اور یہ عورت مشرک تھی۔ تو عمیر بن امیہ نے ایک دن اپنے ساتھ تلوار لے کر آئے اور اسے قتل کر دیا۔ تو اس کے بیٹے چلائے کہ ہم اس کے قاتل کو جانتے ہیں، اور کہا کہ کیا صرف ہماری ماں کو ہی قتل کیا جاسکتا ہے۔ حالانکہ ان لوگوں کا قبیلہ بھی مشرک تھا۔ جب عمیر ابن امیہ کو یہ خطرہ لاحق ہوا کہ یہ لوگ اصل قاتل کی بجائے کسی دوسرے شخص کو قتل کرتے ہیں تو نبی ﷺ کو واقعہ کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: (أَقْتَلْتِ أَخِيكَ؟) کیا تو نے اپنی بہن کو قتل کیا ہے؟ جواب دیا ہاں! پوچھا ((وَلِمَ)) کس وجہ سے قتل کیا ہے؟۔ جواب دیا: ((انہما كانت تؤذیننی فیک)) یہ آپ کے بارے میں مجھے تکلیف دیتی تھی۔ نبی ﷺ نے ان کے بیٹوں کی طرف قاصد بھجوایا۔ ان سے پوچھا: تو انہوں نے اصل قاتل کی بجائے دوسرے شخص پر دعویٰ داری کی۔ تو نبی ﷺ نے ان کو حقیقی قاتل (عمیر بن امیہ) کے بارے میں خبر دی۔ اور ان (لڑکوں کی ماں) کے خون کو لغوہ قرار دے دیا۔ تو لڑکوں نے اس فیصلے کو سرپشتم قبول کیا ((قالوا: سمعنا وطاعة))۔ [مجمع الزوائد: ۳۹۸/۶ و الکبیر: ۶۴/۱۷۔ ۶۵]۔

(۸): علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: قال رسول الله ﷺ: ((مَنْ سَبَّ الْأَنْبِيَاءَ قُتِلَ. وَمَنْ سَبَّ أَصْحَابِي جُلِدَ)).

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے انبیاء کو سب و شتم کیا ان کو قتل کیا جائے گا، اور جس نے میرے صحابہ کو گالیاں دی ان کو کوڑے مارے جائیں گے۔ [الصغیر: ۱/۳۹۳، ح: ۶۵۹، والأوسط: ۵/۳۰۵]۔

(۹): اسی طرح انس ابن زینم جو کہ قریش کے ساتھ عہد اور صلح میں شامل تھا۔ نے نبی ﷺ کا جھوٹا گواہ کیا۔ تو خزاعہ قبیلہ کے ایک جوان نے یہ جھوٹا سنا اور انس بن زینم پر حملہ کر کے زخمی کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی خزاعہ اور مدینہ قبیلوں کی پرانی دشمنی پھر بھڑک اٹھی۔ تو خزاعہ قبیلہ کے افراد نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے انتقام لینے کا مطالبہ کیا۔ اور انس بن زینم کا وہ قصیدہ بھی سنا دیا، جس میں اس نے جھوٹا گواہ کیا تھا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے انس کو مباح الدم قرار دیا۔

انس بن زینم کو جب یہ خبر پہنچی تو نبی ﷺ کے ہاں معذرت کرنے آئے۔ اور نبی ﷺ کی مدح میں ایک قصیدہ سنایا۔ یہ قصیدہ بھی نبی ﷺ کے پاس پہنچا۔ اور نوفل بن معاویہ نے انس کی سفارش بھی کی۔ اور کہا کہ یا رسول اللہ: آپ تو سب امت میں سے معافی کرنے کے سب سے زیادہ لائق ہیں۔ اور ہم میں ایسا کون نہیں ہے جس نے آپ کو تکلیف اور اذیت نہ پہنچائی ہو۔ ہم جہالت کے اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے واسطے ہمیں ہدایت نصیب فرمائی اور ہمیں ہلاکت سے بچایا۔ آخر کار رسول اللہ ﷺ نے آپ کو معاف فرمادیا [السیف المسلول للسبکی: ۲۶۲]۔

حاصل یہ کہ کہ شاتم رسول واجب القتل ہے اور اسلام قبول کرنے کی وجہ سے بھی معاف نہیں ہو سکتا۔ جب تک رسول اللہ ﷺ خود معافی نہ فرمائیں۔ حالانکہ انس بن زینم نے بعد میں اسلام قبول بھی کیا تھا اور رسول اللہ ﷺ کی مدح میں قصیدہ بھی پڑھا تھا لیکن بعد میں نوفل بن معاویہ کی سفارش پر نبی کریم ﷺ نے معاف کر دیا۔

طوالت سے بچنے کے لئے مفسرین، محدثین، اور فقہاء کے اقوال نقل نہ کرتے ہوئے مذکورہ دلائل پر اکتفا کرتا ہوں۔ اگرچہ اور بھی بے شمار دلائل اس پر موجود ہیں۔ اور اس پر ”السیف المسلول للسبکی“ اور ”الصارم المسلول لابن تیمیہ“ نے سلف صالحین کا اجماع نقل کیا ہے۔ ماسوائے احناف کے جن کا اہل ذمہ کے قتل میں اختلاف ہے سزاء میں اتفاق ہے۔ (یعنی احناف کا قول یہ ہے کہ اہل ذمہ میں سے کوئی شان رسول ﷺ میں گستاخی کا ارتکاب کرے تو اسے قتل نہ کیا جائے البتہ کوئی اور سزا تجویز کی جائے)۔ اور بدر الدین عینی نے لکھا ہے کہ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ اتفاق ہے۔ یعنی جمہور علماء سلف کا فتویٰ مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی اور توہین کا ارتکاب کرنے والے کو قتل کر دیا جائے۔ گستاخ رسول واجب القتل ہے۔

لَا تَعْتَدِرُوا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِنَّ نَعْفَ عَنْ طَائِفَةٍ مِّنْكُمْ

بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف کر دیں

نُعَذِّبُ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۴۴﴾ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ

تو دوسری جماعت کو سزا بھی دیں گے کیونکہ وہ گناہ کرتے رہے ہیں۔ منافق مرد اور منافق عورتیں

بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ

ایک دوسرے کے ہم جنس ہیں کہ بُرے کام کرنے کو کہتے اور نیک کاموں سے منع کرتے

وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيهِمْ إِنَّ الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۴۷﴾

اور (خرچ کرنے سے) ہاتھ بند کئے رہتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا بیشک منافق نافرمان ہیں

وَعَدَ اللَّهُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے آتشِ جہنم کا وعدہ کیا ہے جس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔

هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۴۸﴾

وہی ان کے لائق ہے اور اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب تیار ہے۔

كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا

(تم منافق لوگ) ان لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں وہ تم سے بہت طاقتور اور مال و اولاد میں کہیں زیادہ تھے

فَاسْتَمْتَعُوا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِينَ

تو وہ اپنے حصے سے بہرہ یاب ہو چکے سو جس طرح تم سے پہلے لوگ اپنے حصے سے فائدہ اٹھا چکے ہیں اسی طرح تم نے اپنے

مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا أُولَٰئِكَ

حصے سے فائدہ اٹھا لیا اور جس طرح وہ باطل میں ڈوبے رہے اسی طرح تم باطل میں ڈوبے رہے یہ وہ لوگ ہیں

حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۴۴﴾

جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے اور یہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ کیا

يَأْتِيَهُمْ نَبَأُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ وَقَوْمِ إِبْرٰهِيْمَ

ان کو ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے پہلے تھے (یعنی) نوح اور عاد اور ثمود کی قوم اور ابراہیم کی قوم

وَأَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكِ أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا

اور مدین والے اور الٹی ہوئی بستیوں والے ان کے پاس پیغمبر نشانیاں لے لے کر آئے اور اللہ ایسا تو نہ تھا

كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يٰمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوفِ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہیں کہ اچھے کام کرنے کو کہتے

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيعُوْنَ اللّٰهَ

اور بڑی باتوں سے منع کرتے اور نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور اللہ

وَرَسُوْلَهُ اُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۶﴾

اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنَّتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے بہشتوں کا وعدہ کیا ہے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (وہ)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسْكَنٌ طَيِّبَةٌ فِيْ جَنَّتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ

ان میں ہمیشہ رہیں گے اور بہشت ہائے جاودانی میں نفیس مکانات کا (وعدہ کیا ہے) اور اللہ کی رضامندی تو سب سے بڑھ کر

ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱﴾ أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفْرَ وَالْمُنَافِقِينَ

نعمت ہے یہی بڑی کامیابی ہے۔ [11] اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو

نسخہ حصول رضوان الہی

[11] عن سلمان الفارسی قال: خطبنا رسول الله ﷺ في احدى ايام من شعبان فقال يا ايها الناس قد اظلمكم شهر عظيم، شهر مبارك، شهر فيه ليلة خير من الف شهر، جعل الله صيامه فريضة وقيام ليله تطوعا، من تقرب فيه بخصلة من الخير، كان كمن ادى فريضة فيما سواه، ومن ادى فريضة فيه كان كمن ادى سبعين فريضة فيما سواه، وهو شهر الصبر، والصبر ثوابه الجنة، شهر المواساة، وشهر يزداد في رزق المؤمن، من فطره صائما، كان له مغفرة لذنوبه، وعتق رقبتة من النار، وكان له مثل اجره من غير ان ينقص من اجره شيء، قلنا يا رسول الله! ليس كلنا يجدمنا يفطر الصائم؟ فقال رسول الله ﷺ يعطى الله هذا الثواب من فطر صائما على مذقة لبن او تمرة، او شربة من ماء، ومن اشبع صائما سقاها الله من حوضي شربة، لا يظمأ حتى يدخل الجنة، وهو شهر اوله رحمة، واوسطه مغفرة، واخره عتق من النار، من خفف عن مملوكه فيه، غفر الله له واعتقه من النار، فاستكثروا فيه من اربع خصال، خصلتان ترضون بهار بكم، وخصلتان لا غنى بكم عنهما، فاما الخصلتان اللتان ترضون بهار بكم فشهادة ان لا اله الا الله، وتستغفرونه، واما اللتان لا غنى بكم عنهما فتسألون الجنة وتعوذون به من النار. (شعب الايمان لليهقي: ۵/۲۲۴، وابن خزيمة: ۳/۱۹۱ رقم: ۱۸۸۷، والعقيلي: ۱/۳۵) وتاريخ بغداد: ۴/۳۳۳.

سلمانؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ میں ہم لوگوں کو وعظ فرمایا: کہ اے لوگو! تمہارے اوپر ایک مہینہ آرہا ہے، جو بہت بڑا مہینہ ہے، بہت مبارک مہینہ ہے، اس میں ایک رات ہے (شب قدر) جو ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے روزوں کو فرض فرمایا، اور اس کی رات کے قیام کو (یعنی تراویح کو) ثواب کی چیز بنایا ہے، جو شخص اس مہینہ میں کسی نیکی کے ساتھ اللہ کا قرب حاصل کرے، ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں =

وَأَغْلَظُ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۱﴾ يَخْلِفُونَ بِاللَّهِ

اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ یہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں
مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ
کہ انہوں نے (تو کچھ) نہیں کہا حالانکہ انہوں نے کفر کا کلمہ کہا ہے اور یہ اسلام لانے کے بعد کافر ہو گئے ہیں
وَهُمْ مُّوَابِقُوا بِالْمَالِ يَنْبَالُوا وَمَا نَقْمُوا
اور ایسی بات کا تصد کر چکے ہیں جس پر قدرت نہیں پاسکے اور انہوں نے (مسلمانوں میں) عیب ہی کون سادیکھا ہے
إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمْ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا
سوائے اس کے کہ اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے پیغمبر نے (اپنی مہربانی سے) ان کو دوامتند کر دیا ہے تو اگر یہ لوگ توبہ کر

= فرض ادا کیا، اور جو شخص اس مہینہ میں کسی فرض کو ادا کرے گا وہ ایسا ہے جیسا کہ غیر رمضان میں ستر فرض ادا کرے، یہ مہینہ
صبر کا ہے، اور صبر کا بدلہ جنت ہے، اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غم خواری کرنے کا ہے، اس مہینہ میں مومن کا رزق
بڑھا دیا جاتا ہے، جو شخص کسی روزہ دار کے افطار کرائے اس کے لئے گناہوں کے معاف ہونے اور آگ سے خلاصی کا سبب
ہوگا، اور روزہ دار کے ثواب کی مانند اس کو ثواب ہوگا، مگر اس روزہ دار کے ثواب سے کچھ کم نہیں کیا جائے گا، صحابہ رضی اللہ
عنہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے، تو نبی کریم ﷺ
نے فرمایا: کہ (پیٹ بھر کر کھلانے پر موقوف نہیں) یہ ثواب تو اللہ جل شانہ ایک کھجور سے کوئی افطار کرادے یا ایک گھونٹ پانی
پلا دے، اس پر بھی مرحمت فرمادیتا ہے، یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اول حصہ اللہ کی رحمت ہے، اور درمیانی حصہ مغفرت
ہے، اور آخری حصہ آگ سے ازادی ہے، جو شخص اس مہینے میں ہلکا کرے اپنے غلام و خادم کے بوجھ کو، حق تعالیٰ شانہ اس کی
مغفرت فرمادیتا ہے، اور آگ سے نجات فرماتا ہے، اور چار چیزوں کی اس میں کثرت کیا کرو، جن میں سے دو چیزیں
اللہ تعالیٰ کی رضا کے واسطے اور دو چیزیں ایسی ہیں جن سے تمہیں چارہ کار نہیں۔ پہلی دو چیزیں جن سے تم اپنے رب کو راضی
کرو، وہ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے، اور دوسری چیزیں یہ ہیں کہ جنت کی طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو۔

يَكُ خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

لیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر منہ پھیر لیں تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب دے گا

وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۲﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهُ

اور زمین میں ان کا کوئی دوست اور مددگار نہ ہوگا۔ اور ان میں بعض ایسے ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا

لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۳﴾

کہ اگر وہ ہمیں اپنی مہربانی سے مال عطا فرمائے گا تو ہم ضرور خیرات کیا کریں گے اور نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے۔ [12]

[12] یہ آیت بھی ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے، جو ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ، الاحاد والمثنائی: ۲۷۵/۶،

طبرانی (معجم کبیر: ۲۳۶/۷، ۲۳۸) اور بیہقی (دلائل النبوة: ۵/۳۷۵) اور ابو نعیم نے معرفۃ الصحابة: ۳۰۵/۳، میں ابو امامہؓ

باہلی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ: ایک شخص ثعلبہ بن حاطب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ

درخواست کی کہ آپ دعا کریں کہ میں مال دار ہو جاؤں، آپ نے فرمایا کہ کیا تم کو میرا طریقہ پسند نہیں، تم ہے اس ذات کی

جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر میں چاہتا تو مدینہ کے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ پھرا کرتے، مگر مجھے ایسی مال داری

پسند نہیں، یہ شخص چلا گیا، مگر دوبارہ پھر آیا اور پھر یہی درخواست اس معاہدہ کے ساتھ پیش کی کہ اگر مجھے مال مل گیا تو میں ہر

حق والے کو اس کا حق پہنچاؤں گا، رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی، جس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ اس کی بکریوں میں بے پنا زیادتی

شروع ہوئی، یہاں تک کہ مدینہ کی جگہ اس پر تنگ ہو گئی، تو باہر چلا گیا، اور ظہر عصر کی دو نمازیں مدینہ میں آ کر آپ کے ساتھ

پڑھتا تھا، باقی نمازیں بھی جنگل میں جہاں اس کا یہ مال مویشی تھا وہیں ادا کرتا تھا، پھر انہی بکریوں میں اور زیادتی اتنی ہو گئی

کہ یہ جگہ بھی تنگ ہو گئی، اور شہر مدینہ سے دور جا کر کوئی جگہ لی، وہاں سے صرف جمعہ کی نماز کے لئے مدینہ میں آتا اور ہجرت کا

نمازیں وہیں پڑھنے لگا، پھر اس مال کی فراوانی اور بڑھی تو یہ جگہ بھی چھوڑنا پڑی، اور مدینہ سے بہت دور چلا گیا، جہاں جمعہ

اور جماعت سب سے محروم ہو گیا، کچھ عرصہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے اس کا حال دریافت کیا تو لوگوں نے

بتلایا کہ اس کا مال اتنا زیادہ ہو گیا کہ شہر کے قریب میں اس کی گنجائش ہی نہیں، اس لئے کسی دور جگہ پر جا کر اس نے قیام کیا

ہے، اور اب یہاں نظر نہیں پڑتا، رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر تین مرتبہ فرمایا ”یا وایح ثعلبہ“، یعنی ثعلبہ پر افسوس ہے۔

اتفاق سے اسی زمانہ میں آیت صدقات نازل ہو گئی، جس میں رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے صدقات وصول کرنے کا حکم دیا گیا (خذ من اموالہم صدقۃ) آپ نے مویشی کے صدقات کا مکمل قانون لکھوا کر دو شخصوں کو عامل صدقہ کی حیثیت سے مسلمانوں کے مویشی کے صدقات وصول کرنے کے لئے بھیج دیا، اور ان کو حکم دیا کہ ثعلبہ بن حاطب کے پاس بھی پہنچیں، اور بنی سلیم کے ایک اور شخص کے پاس جانے کا بھی حکم دیا، یہ دونوں جب ثعلبہ کے پاس پہنچے اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان دکھایا، تو ثعلبہ کہنے لگا کہ یہ تو جزیہ ہو گیا، جو غیر مسلموں سے لیا جاتا ہے، اور پھر کہا کہ اچھا اب تو آپ جائیں جب واپس ہوں تو یہاں آجائیں، یہ دونوں چلے گئے، اور دوسرے شخص سلیمی نے جب نبی ﷺ کا فرمان سنا تو اپنے مویشی اونٹ اور بکریوں میں جو سب سے بہتر جانور تھے نصاب صدقہ کے مطابق وہ جانور لے کر خود ان دونوں قاصدان رسول کریم ﷺ کے پاس پہنچ گئے، انہوں نے کہا کہ ہمیں تو حکم یہ ہے کہ جانوروں میں اعلیٰ چھانٹ کر نہ لیں، بلکہ متوسط وصول کریں، اس لئے ہم تو یہ نہیں لے سکتے، سلیمی نے اصرار کیا کہ میں اپنی خوشی سے یہ پیش کرنا چاہتا ہوں، یہی جانور قبول کر لیجئے۔ پھر یہ دونوں دوسرے مسلمانوں سے صدقات وصول کرتے ہوئے واپس آئے تو پھر ثعلبہ کے پاس پہنچے، تو اس نے کہا کہ لاؤ وہ قانون صدقات مجھے دکھلاؤ، پھر اس کو دیکھ کر یہی کہنے لگا کہ یہ تو ایک قسم کا جزیہ ہو گیا، جو مسلمانوں سے نہیں لینا چاہئے اچھا اب تو آپ جائیں میں غور کروں گا پھر کوئی فیصلہ کروں گا۔

پھر یہ دونوں مدینہ طیبہ واپس پہنچے اور رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے ان سے حالات پوچھنے سے پہلے ہی پھر وہ کلمہ دہرایا جو پہلے فرمایا تھا۔ یا وایح ثعلبہ یا وایح ثعلبہ یعنی ثعلبہ پر سخت افسوس ہے، یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا، پھر سلیمی کے معاملہ پر خوش ہو کر اس کے لئے دعا فرمائی، اس واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی ”و منہم من عہد اللہ“ یعنی ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو مال عطا فرمے گا تو وہ صدقہ خیرات کریں گے اور صالحین امت کی طرح سب اہل حقوق رشتہ داروں اور غریبوں کے حقوق ادا کریں گے۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل سے مال دیا تو بخل کرنے لگے۔ اور اللہ اور رسول کی اطاعت سے پھر گئے۔

”فاعقبہم نفاقاً فی قلوبہم“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بد عملی اور بد عہدی کے نتیجے میں ان کے دلوں میں نفاق کو اور پختہ کر دیا۔ کہ اب ان کو توبہ کی توفیق ہی نہ ہوگی۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ بعض اعمال بد کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ توبہ کی توفیق سلب ہو جاتی۔ نعوذ باللہ منہ۔

ابن جریر نے ابوامامہؓ کی تفصیلی روایت جو ابھی ذکر کی گئی ہے اس کے آخر میں لکھا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ نے ثعلبہ کے لئے یاسیح ثعلبہ تین مرتبہ فرمایا تو اس مجلس میں ثعلبہ کے کچھ عزیز و اقارب بھی موجود تھے یہ سن کر ان میں سے ایک آدمی فوراً سفر کر کے ثعلبہ کے پاس پہنچا اور اس کو ملامت کی، اور بتلایا کہ تمہارے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہو گئی ہے، یہ سن کر ثعلبہ گھبرایا اور مدینہ حاضر ہو کر درخواست کی کہ میرا صدقہ قبول کر لیا جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے حق تعالیٰ نے تمہارا صدقہ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے یہ سن کر ثعلبہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا اپنا عمل ہے میں نے تمہیں حکم دیا، تم نے اطاعت نہ کی، اب تمہارا صدقہ قبول نہیں ہو سکتا، ثعلبہ ناکام واپس ہو گیا، اور اس کے کچھ دن بعد ہی رسول کریم ﷺ کی وفات ہو گئی اور صدیق اکبر خلیفہ ہوئے، تو ثعلبہ صدیق اکبر کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا میرا صدقہ قبول کر لیجئے، صدیق اکبر نے فرمایا جب رسول پاک ﷺ نے قبول نہیں کیا تو میں کیسے قبول کر سکتا ہوں؟ پھر صدیق اکبر کی وفات کے بعد ثعلبہ فاروق اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور وہی درخواست کی، اور وہی جواب ملا جو صدیق اکبر نے دیا تھا۔ پھر عثمان غنی کے زمانہ خلافت میں ان سے درخواست کی انہوں نے بھی انکار کر دیا۔ اور خلافت عثمان کے زمانہ میں ثعلبہ مر گیا۔ نعوذ باللہ من سیئات الاعمال۔

یہاں پراکٹر مفسرین نے اپنے تفاسیروں میں ثعلبہ بن حاطب کا قصہ بغیر تحقیق اور چھان بین کے نقل کیا ہے۔ یہ چند وجوہ کی بناء پر صحیح نہیں، غالب خیال یہ ہے کہ اکثر مفسرین نے امام طبری کا قول نقل کیا ہے اور بعد میں جتنے مفسرین آئے ہوئے ہیں بغیر تحقیق انہوں نے یہ واقعہ نقل کیا ہے یہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔

اس لئے علامہ شامیؒ فرماتا ہے کہ کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ پہلا شخص غلطی کرے تو اسی غلطی کو متاخرین کئی کتابوں میں نقل کرتے ہیں تو اسی طرح غلط چلتا رہتا ہے اور ایک دوسرے سے اسی غلطی کو نقل کرتے ہیں۔ مجموعہ رسائل ۱۳۱۔

میں کہتا ہوں کہ بعض اوقات ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ متقدمین میں سے پہلے شخص سے غلطی ہوتی ہے تو پچاس سے زائد کتابوں میں اسی غلطی کو بغیر تحقیق متاخرین نقل کرتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ عالم کی لغزش عالم کی لغزش کے لئے سب بنتی ہے۔ مجموعہ رسائل: ۱۹۰/۱۔

تو یہاں ابن جریر خود یاد دہانے جو واقعہ نقل کیا ہے یہ اصول حدیث کی بناء سے ناقابل اعتبار ہے۔ ابن جریر نے اسی طرح نقل کیا ہے کہ: حدثنی المشنی قال حدثنا هشام بن عمار قال حدثنا محمد بن شعيب قال حدثنا

معان بن رفاعۃ السلمی عن ابی عبد الملک علی بن یزید الالہانی انه اخبرہ عن القاسم بن عبد الرحمن انه اخبرہ عن ابی امامۃ الباہلی عن ثعلبہ بن حاطب الانصاری۔ اسی سند کے ساتھ طبرانی نے معجم کبیر: رقم ۷۸۷۳: ج ۸ ص ۲۶۰، اور بیہقی نے مجمع الزوائد: ۳۵۷/۷، میں نقل کرنے بعد لکھا ہے کہ وہیہ علی بن یزید الالہانی، ہو متروک، بیہقی فی الشعب: رقم: ۳۰۳۸ ج ۶ ص ۱۹۹، میں نقل کیا ہے، اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں نظر ہے فرمایا کہ (وفی اسناد ہذا الحدیث نظر، وهو مشہور فی مابین اہل التفسیر)۔ اور امام بغوی نے معالم التنزیل: ۸۴۳، ۸۵، میں، اور ابن ابی حاتم نے تفسیر: ۱۸۴۷/۶، میں اسی سند کے ساتھ نقل کیا ہے، اس حدیث کی سند میں معان بن رفاعہ ہے، اسکے بارے میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ لیسن الحدیث اور کثیر الارسال راوی ہے، ابن معین نے کہا ہے کہ اس کا روایت لکھا جاتا ہے لیکن قابل استدلال نہیں، اور ابن معین نے یہ بھی کہا ہے کہ ضعیف ہے تھذیب التھذیب: ۲۰۲/۱۔

اور اس حدیث کی سند میں علی بن یزید راوی ہے ابن حجر نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، امام ذہبی نے کہا ہے کہ محدثین کی ایک جماعت نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن متروک نہیں کہا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کثیر المنکرات اور واہی الحدیث ہے۔ تھذیب التھذیب: ۳۹۷/۷۔ جبکہ امام بیہقی نے دلائل النبوة: ۲۸۹/۵، میں بھی مذکورہ سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور شیخ البانی نے ضعیف جامع الصغیر رقم ۲۱۱۶، میں ضعیف قرار دیا ہے، مزید تفصیل کے لئے کتاب شعب الایمان کی حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

اور ابن حزم مَحلی: ۵۱۳/۷، میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: کہ ہذہ صفة اور دھا اللہ تعالیٰ، یعرفھا کل من فعل ذالک من نفسه، و لیس فیہا نص ولا دلیل علی أن صاحبہا معروف بعینہ، علی انه قد روینا اثرًا لا یصح، وفیہ انہا نزلت فی ثعلبہ بن حاطب و ہذا باطل، لأن ثعلبہ بدری معروف۔ حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: ہذا باطل بلاشک، لأن اللہ تعالیٰ أمر بقبض زکوٰۃ أموال المسلمین، وأمر علیہ السلام عند موته أن لا یبقی فی جزیرۃ العرب دینان، فلا یخلو ثعلبہ من ان یکون مسلمًا، ففرض علی ابی بکر، وعمر قبض زکوٰۃ ولا بد، ولا فسحة فی ذالک. ان کان کافرًا ففرض ان لا یقر فی جزیرۃ العرب. فسقط ہذا الاثر بلاشک، وفی رواۃ معان بن رفاعۃ، والقاسم بن عبد الرحمن، وعلی بن یزید وهو عبد الملک الالہانی، وکلہم ضعفاء، ومسکین بن بکیر، لیس

بالقوی۔ کہ یہ ایک صفت ہے اللہ تعالیٰ نے یہاں ذکر کی ہے اس کو جانتا ہے، ہر وہ شخص جس نے یہ کام کیا ہے اور اس میں کوئی دلیل نہیں اس بات پر کہ آدمی بعینہ معلوم تھا، علاوہ اس کے ہم نے ایک اثر کی روایت کی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے، جس میں ہے کہ یہ آیت ثعلبہ بن حاطب کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ باطل ہے کیونکہ ثعلبہ بدری معروف ہیں۔

پھر آگے لکھتا ہے کہ یہ اثر بلاشک باطل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے لینے پر امر فرمایا ہے کہ مسلمانوں سے مال وصول کریں، اور نبی کریم ﷺ نے وفات ہونے سے پہلے امر فرمایا تھا کہ جزیرۃ العرب میں دودین باقی نہ رہیں، تو ابھی یا ثعلبہ مسلمان ہوگا تو ابو بکر عمرؓ پر فرض تھا کہ اس سے زکوٰۃ وصول کرتے، اور یہ خواہنا ہوا ہے اس میں وسعت نہیں، اگر کافر ہوگا تو ان پر فرض تھا کہ اس کو جزیرۃ العرب میں نہ چھوڑتے۔ تو یہ روایت بلاشک اور شبہ ساقط ہوگئی۔

اس کے علاوہ امام طبری اور دیگر محدثین نے اس واقعہ کو دیگر طرق سے نقل کیا ہے، لیکن بعض میں مذکورہ روایت، جبکہ بعض منقطع، اور موقوف سندوں سے نقل ہے، جس کا صحیح روایت کے مقابلے میں کوئی اعتبار نہیں۔ ہم عصر مفسرین میں سے وہبہ زہیلی نے اور سعید حوئی نے تفسیر اساس میں اور رشید رضا نے تفسیر المنار میں اس پر رد کیا ہے جبکہ صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ ثعلبہ بدری صحابی ہے اور بدر والے سب کے سب (مغفور لہم) (یعنی بخشے گئے ہیں)۔

امام بخاری نے علیؓ سے مختلف جگہوں میں یہ حدیث نقل کی ہے: [۳۰۸۱، ۳۰۰۷، ۳۹۸۳، ۴۲۷۴، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، ۶۹۳۹] مسلم رقم: ۲۴۹۴، ترمذی رقم: ۳۳۰۵، و مسند حمیدی: ۴۹ و النسائی فی سننہ الكبرى: ۱۱۵۸۵، اور اس کے علاوہ اوروں نے بھی کہ: بعثنی رسول اللہ ﷺ انا و الزبیر و مقداد فقال انطلقوا حتی تاتوا روضة خاخ فان بها طعينة، معها كتاب فخذوه منها، فذهبناتعادی بناخيلناحتی اتینا الروضة، فاذا نحن بالطعينة، فقلنا اخرجی الكتاب فقالت مامعی من کتاب فقلنا لتخرجن الكتاب اولنلقین الثياب فاخرجته من عقاصها، فاتینابه النبی ﷺ فاذا فیه من حاطب بن ابی بلتعہ الی اناس من المشرکین ممن بمكة یخبرهم ببعض امر النبی ﷺ، فقال النبی ﷺ ما هذا یا حاطب؟ قال لا تعجل علی یرسول اللہ انی کنت امرأ من قریش ولم اکن من انفسهم، وکان ممن معک من المهاجرین لهم قرابات یحمنون بها اهلہم و اموالہم بمكة، فاحببت اذفاتی من النسب فیہم، ان اصطع الیہم یدأیحمنون قرابتی، و ما فعلت ذالک کفرا و لا ارتدادا عن دینی، فقال النبی ﷺ انه قد صدقکم، فقال عمر دعنی یرسول اللہ فا ضرب عنقه، فقال انه شہد بدر او ما یدریک لعل اللہ عزوجل اطع علی اهل

بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لكم فقال عمر ونزلت فيه يا ايها الذين امنوا لاتتخذوا عدوى وعدوكم. الاية.

علیؑ نے کہا کہ نبی ﷺ نے مجھ کو اور زبیر اور مقداد تین آدمیوں کو بھیجا، فرمایا: (مکہ کے راستے پر) روضہ خاخ تک چلے جاؤ (جو ایک مقام کا نام ہے) وہاں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی (اس کا نام سارہ تھا) اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ علیؑ کہتے ہیں ہم تینوں آدمی گھوڑے دوڑاتے ہوئے روضہ خاخ پہنچے تو (سچ مچ) وہاں ایک عورت شترسوار ملی ہم نے اس سے کہا خط نکال، وہ بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا، لے اب خط نکالتی ہے یا ہم تجھ کو ننگا کریں، تو مجبور ہو کر اس نے اپنے جوڑے میں سے ایک خط نکال کر دیا، ہم وہ خط نبی ﷺ کے پاس لیکر آئے، اس کا مضمون یہ تھا: حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے چند مکہ کے مشرکوں کے نام پر، اور نبی کریم ﷺ کی تیاری وغیرہ کا اس میں ذکر تھا کہ آپ ﷺ بڑی فوج لیکر آرہے ہیں۔ تم اپنا بچاؤ کرو، نبی ﷺ نے حاطب سے پوچھا ارے حاطب یہ کیا بات؟ (تو نے مسلمان ہو کر کافروں کو مخبری کی) حاطب نے عرض کیا یا رسول اللہ جلدی نہ فرمائیے (میرا سب قصہ سن لیجئے، پھر جو جی چاہے سزا دیجئے) ہوا یہ کہ میں اصل قریشی تو ہوں نہیں اور آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجر ہیں وہ (اصل قریشی ہیں) ان کے عزیز ناٹے دار قریش کے کافروں میں ہیں جن کی وجہ سے ان کے گھر بار، مال اسباب محفوظ رہتے ہیں، میں نے یہ چاہا کہ جب میرا ناٹان سے نہیں ہے تو کچھ احسان ہی کر کے اپنا حق ان پر قائم کروں، تاکہ وہ اس کی وجہ سے میرے رشتہ داروں کو نہ ستائیں، میں نے یہ کام اس وجہ سے نہیں کیا کہ (نعوذ باللہ) میں کافر ہوا ہوں یا اسلام سے پھر گیا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا حاطب نے سچ کہا۔ عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا: حاطب نے سچ کہا دیا، عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یقیناً وہ بدر کی جنگ میں شریک تھا اور تجھ کو معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے عرش معلیٰ پر سے بدر والوں کو جھانکا، فرمایا: اب تم کیسے بھی اعمال کرو (تم سے کیسے بھی گناہ ہو جائیں، بشرطیکہ کفر اور شرک نہ کرو) میں نے تو تم کو بخش دیا۔ پھر یہ ایت اتری: يا ايها الذين امنوا لاتتخذوا عدوى وعدوكم اولياء۔

دوسری حدیث میں ہے کہ: جاء عبدلحاطب بن ابی بلتعہ، احد بنی اسد، یشتکی سیدہ، فقال

والله يا رسول الله ليدخلن حاطب النار، فقال له رسول الله ﷺ كذبت لا يدخله ابداء، انه قد شهد =

فَلَمَّا آتَاهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۴۷﴾

لیکن جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے (مال) دیا تو اس میں بخل کرنے لگے اور (اپنے عہد سے) رُوگردانی کر کے پھر بیٹھے

فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمُ إِلَى يَوْمِ

تو اللہ نے اس کا انجام یہ کیا کہ اس روز تک کے لئے جس میں وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے ان کے دلوں میں نفاق ڈال

يَلْقَوْنَهِ بِمَآ أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿۴۸﴾

دیا اس لئے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور اس لئے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔ کیا ان کو معلوم نہیں

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۴۹﴾

کہ اللہ ان کے بھیدوں اور مشوروں تک سے واقف ہے اور یہ کہ وہ غیب کی باتیں جاننے والا ہے۔ (جو ذی استطاعت)

يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا

مسلمان دل کھول کر خیرات کرتے ہیں اور جو صرف اتنا ہی کما سکتے ہیں جتنی مزدوری کرتے (اور تھوڑی سی کمائی میں سے بھی خرچ کرتے) ہیں

جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۵۰﴾

ان پر جو (منافق) طعن کرتے اور ہنستے ہیں اللہ ان پر ہنستا ہے اور ان کے لئے تکلیف دینے والا عذاب (تیار) ہے۔

= بدرًا والحديبية (مسلم: رقم ۲۱۹۵، ترمذی: رقم ۳۸۶۳، نسائی فی الکبریٰ رقم: ۸۲۹۶، طبرانی

فی الکبریٰ: رقم ۳۰۶۳)۔ کہ حاطب کا غلام رسول اللہ ﷺ کے پاس حاطب سے شکایت کرتے ہوئے آیا، اور کہا کہ

حاطب خواجواہ آگ میں داخل ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو نے جھوٹ بولا۔ یہ آگ کو داخل نہیں ہوگا کیونکہ یہ بدر

اور حدیبیہ (کی لڑائی) میں حاضر تھا۔ اور ثعلبہ بدری تھے جیسا کہ ابن حجر نے الاصابہ: ۱۹۸/۱، میں اور محمود عذاب نے تفصیل

سے لکھا ہے، حاصل یہ نکلا کہ تفسیر ایت عام ہے منافقوں کے متعلق ہے، اور صحابہ کے متعلق اس ایت کریمہ میں دور کا اشارہ

بھی نہیں مزید تفصیل کتاب ثعلبہ بن حاطب الصحابی المفتری علیہ لمحمود عذاب مطالعہ کیجئے۔

اسْتَغْفِرُ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ

تم ان کے لئے بخشش مانگو یا نہ مانگو (بات ایک ہے) اگر ان کے لئے ستر دفعہ بھی بخشش مانگو گے تو بھی اللہ ان کو نہیں بخشے گا

اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۸۰﴾

یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلْفَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرِهُوا

جولوگ پیچھے رہ گئے وہ پیغمبر الہی (کی مرضی) کے خلاف بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے اور اس بات کو ناپسند کیا

أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا

کہ اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کریں اور (آروں سے بھی) کہنے لگے کہ گرمی میں مت نکلتا

فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴿۸۱﴾

(ان سے) کہہ دو کہ دوزخ کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے اگر یہ (اس بات کو) سمجھتے۔

فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَلْيَبْكُوا كَثِيرًا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۸۲﴾

یہ (دنیا میں) تھوڑا سا ہنس لیں اور (آخرت میں) ان کو ان اعمال کے بدلے جو کرتے رہے ہیں بہت سارونا ہوگا۔

فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذِنُوكَ لِلْخُرُوجِ

پھر اگر اللہ تم کو ان میں سے کسی گروہ کی طرف لے جائے اور وہ تم سے نکلنے کی اجازت طلب کریں

فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا

تو کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں نکلو گے اور نہ میرے ساتھ (مددگار ہو کر) دشمن سے لڑائی کرو گے

إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَلِيفِينَ ﴿۸۳﴾

تم پہلی دفعہ بیٹھ رہنے سے خوش ہوئے تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّتَّ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهٖ

اور (اے پیغمبر!) ان میں سے کوئی مرجائے تو کبھی اس (کے جنازے) پر نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (جا کر) کھڑے

إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸۴﴾

ہونا یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کرتے رہے اور مرے بھی تو نافرمان (ہی مرے) [13]

[13] احادیث صحیحہ سے باتفاق امت ثابت ہے کہ یہ آیت عبد اللہ بن ابی منافق کی موت اور اس پر نماز جنازہ

کے متعلق نازل ہوئی، اور صحیحین کی روایت سے ثابت ہے کہ اس کے جنازہ پر رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی، پڑھنے

کے بعد یہ آیت نازل ہوئی، اور اس کے بعد آپ نے کبھی کسی منافق کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی، صحیح مسلم

۸: ۱۲۰، بخاری ۶: ۸۵۶ میں عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت سے واقعہ نزول کی یہ تفصیل بیان کی گئی ہے، کہ جب عبد اللہ

بن ابی ابن سلول مر گیا تو اس کے صاحبزادے عبد اللہ جو مخلص مسلمان اور صحابی تھے وہ نبی ﷺ کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ اپنا قمیص عطا فرمائیں، تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہناؤں، رسول اللہ

ﷺ نے اپنا قمیص مبارک عطا فرمادیا، پھر عبد اللہ نے یہ بھی درخواست کی کہ آپ اس کے جنازے کی نماز بھی

پڑھائیں، آپ نے قبول فرمایا، اور نماز جنازہ کے لئے کھڑے ہو گئے، تو عمر بن الخطابؓ نے آپ کا کپڑا پکڑ کر

عرض کیا کہ آپ اس منافق کی نماز جنازہ پڑھتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ وان کی نماز جنازہ سے منع

فرمادیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ میں دعا مغفرت کروں یا نہ کروں، اور

آیت میں جو ستر مرتبہ استغفار پر بھی مغفرت نہ ہونے کا ذکر ہے تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کر سکتا ہوں، آیت

سے مراد سورہ توبہ کی وہی آیت ہے جو ابھی گزر چکی ہے یعنی، اِسْتَغْفِرُ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرُ

لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ، پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، نماز کے بعد ہی یہ

آیت نازل ہوئی وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ، الایة۔ چنانچہ اس کے بعد آپ نے کبھی کسی منافق کے جنازے کی

نماز نہیں پڑھی۔

وَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا

اور ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کرنا ان چیزوں سے اللہ یہ چاہتا ہے کہ ان کو دنیا میں عذاب کرے

فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كْفِرُونَ ﴿۸۵﴾

اور (جب) ان کی جان نکلے تو (اس وقت بھی) یہ کافر ہی ہوں۔

وَإِذَا أَنْزَلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ

اور جب کوئی سورۃ نازل ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ ہو کر لڑائی کرو

أُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿۸۶﴾

تو جوان میں دولت مند ہیں وہ تم سے اجازت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں تو رہنے ہی دیجئے کہ جو لوگ گھروں میں رہیں گے ہم بھی ان کے ساتھ رہیں

رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ

یہ اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ جو پیچھے رہ جاتی ہیں (گھروں میں بیٹھے) رہیں ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی

فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۸۷﴾ لَكِنِ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

ہے تو یہ سمجھتے ہی نہیں۔ لیکن پیغمبر اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے سب

جَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأَوْلِيكَ لَهُمُ الْخَيْرَاتُ وَأُولَئِكَ هُمُ

اپنے مال اور جان سے لڑے انہی لوگوں کے لئے بھلائیاں ہیں اور یہی مراد پانے والے ہیں۔

الْمُفْلِحُونَ ﴿۸۸﴾ هَذَا اللَّهُ لَهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

اللہ نے ان کے لئے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے

فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۸۹﴾ وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ

یہ بڑی کامیابی ہے۔ اور دیہاتیوں میں سے بھی کچھ لوگ عذر کرتے ہوئے (تمہارے پاس) آئے

لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

کہ ان کو بھی اجازت دی جائے اور جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے جھوٹ بولا وہ (گھر میں) بیٹھ رہے

سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۴۰﴾

سو جو لوگ ان میں سے کافر ہوئے ہیں ان کو دکھ دینے والا عذاب پہنچے گا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا

نہ تو ضعیفوں پر کچھ گناہ ہے اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جن کے پاس خرچ موجود نہیں (کہ شریک جہاد نہ ہوں یعنی)

يُنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ

جبکہ اللہ اور اس کے رسول کے خیر اندیش (اور دل سے ان کے ساتھ) ہوں نیکو کاروں پر کسی طرح کا الزام نہیں ہے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۴۱﴾ وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّاتُوا لِحَمْلِهِمْ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور نہ ان (بے سرو سامان) لوگوں پر (الزام) ہے کہ تمہارے پاس آئے کہ ان کو سواری دو

قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا

اور تم نے کہا کہ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں تو وہ لوٹ گئے اور اس غم سے

أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ ﴿۴۲﴾ مَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ

کہ ان کے پاس خرچ موجود نہ تھا ان کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔ [14] الزام تو ان لوگوں پر ہے

[14] وعن جابر قال: ما سئل رسول الله ﷺ شينا قط فقال لا. (بخاری: ۶۰۳۴ و مسلم: ۲۳۱۱)۔

جابر کہتے ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ رسول کریم ﷺ سے کسی نے سوال کیا ہو اور آپ ﷺ نے اس

کو انکار کر دیا ہو۔ علامہ ابن حجر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب کوئی شخص آپ ﷺ سے کچھ مانگا اور آپ ﷺ کے

يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ

جو دو کمزور ہیں اور (پھر) تم سے اجازت طلب کرتے ہیں (یعنی) اس بات سے خوش ہیں کہ عورتوں کے ساتھ

وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۳﴾

جو پیچھے رہ جاتے ہیں (گھروں میں بیٹھے) رہیں اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے پس وہ سمجھتے ہی نہیں۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُونَ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ

جب تم ان کے پاس واپس جاؤ گے تو تم سے عذر کریں گے تم کہنا کہ عذر مت کرو ہم ہرگز تمہاری بات نہیں مانیں گے

= پاس ہوتا تو فوراً دے دیتے تھے۔ اگر آپ ﷺ کے پاس دینے کے لئے کچھ نہ ہوتا اور مسائل کا سوال پورا کرنے پر قادر نہ ہوتے تو اس صورت میں بھی صفائی کے ساتھ انکار نہ کرتے، بلکہ یا تو خاموشی اختیار کر لیتے، یا مناسب الفاظ میں عذر بیان کرتے، جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل: ۲۸، میں ہے۔ یاد عانیہ جملے ارشاد فرمادیتے، گویا آپ ﷺ کسی بھی حالت میں مسائل کے سامنے اپنی زبان پر صاف انکار کا لفظ نہیں لاتے تھے۔

اور شیخ عز الدین نے لکھا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ”لا“ انکار کا لفظ آپ ﷺ کی زبان پر کبھی اس لئے نہیں آیا کہ کسی سائل نے آپ ﷺ سے کوئی سوال کیا ہو، اور آپ ﷺ اس سوال کو ٹھکرانا چاہتے ہوں، یہ اور بات ہے کہ کوئی سوال پورا کرنا آپ ﷺ کے بس میں نہیں رہا ہو، اور آپ ﷺ نے عذر بیان کرنے کے لئے یا کسی اور مقصد کی خاطر اس لفظ کا استعمال فرمایا ہو، جیسے اس آیت کریمہ میں آپ ﷺ نے فرمایا ”لا اجد ما احملکم علیہ“ میرے پاس کوئی سواری نہیں ہے کہ تمہیں سوار ہونے کے لئے دوں۔ مشہور شاعر فرزدق نے نبی کریم ﷺ کے اسی وصف کا، کہ ”لا“ کا لفظ آپ ﷺ کی زبان پر کبھی نہیں آیا، اپنے شعر میں اس طرح ذکر کیا ہے:

ما قال لا قط الا في تشهده ☆ لولا التشهد كانت لاؤه نعم

اسی مضمون کو ایک فارسی شاعر نے یوں ادا کیا ہے۔

نرفت کلمہ لا بر زبان او ہرگز ☆ مگر با شہدان لا الہ الا اللہ۔

قَدْ نَبَأْنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ

اللہ نے ہمیں تمہارے سب حالات بتا دیئے ہیں اور ابھی اللہ اور اُس کا رسول تمہارے عملوں کو دیکھیں گے

إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٦﴾

پھر تم غائب و حاضر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور جو عمل تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتائے گا

سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انْقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِنُعْرِضُوا عَنْهُمْ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ

جب تم اُن کے پاس لوٹ کر جاؤ گے تو تمہارے رُؤبِو اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے درگزر کرو۔

إِنَّهُمْ رِجْسٌ وَمَا وَاهُمْ جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٤٧﴾

سو اُن کی طرف التفات نہ کرنا، یہ ناپاک ہیں اور جو کام یہ کرتے رہے ہیں اُن کے بدلے اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ

یہ تمہارے آگے قسمیں کھائیں گے تاکہ تم اُن سے خوش ہو جاؤ لیکن اگر تم اُن سے خوش ہو جاؤ گے تو اللہ

لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿٤٨﴾ الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ

تو نافرمان لوگوں سے خوش نہیں ہوتا۔ دیہاتی لوگ سخت کافر اور سخت منافق ہیں اور اس قابل ہیں کہ جو احکام (شریعت)

الَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٤٩﴾

اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں اُن سے واقف (ہی) نہ ہوں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُّ بِكُمْ الدُّوَابِرَ

اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُسے تاوان سمجھتے ہیں اور تمہارے حق میں مصیبتوں کے منتظر ہیں

عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٠﴾ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ

اُنہی پر بُری مصیبت (واقع) ہو اور اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اور بعض دیہاتی ایسے ہیں کہ اللہ پر

بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرْبًا عِنْدَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ

اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اُس کو اللہ کی قربت اور پیغمبر کی دعا کا ذریعہ سمجھتے ہیں

۴۴ ﴿الْآيَاتُ قُرْبَةٌ لَّهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

دیکھو بلاشبہ وہ اُن کیلئے (موجب) قربت ہے اللہ اُن کو عنقریب اپنی رحمت میں داخل کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ

جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے) پہلے (ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں

اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ

نے نیوکامری کیساتھ اُن کی پیروی کی اللہ اُن سے خوش ہے اور وہ اللہ سے خوش ہیں اور اُس نے ان کیلئے باغات تیار کئے

۱۰۰ ﴿تَجْرِي تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (اور) وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے [15]

[15] اس سے پہلی آیت میں دیہاتی مومنین مخلصین کا ذکر تھا، اس آیت میں تمام مومنین مخلصین کا ذکر ہے جن میں

ان کے درجات فضیلت کا بھی بیان ہے۔ السَّابِقُونَ السَّابِقُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، اس جملہ میں اکثر

مفسرین نے حرف {من} کو تبعیض کے لئے قرار دے کر مہاجرین و انصار، صحابہ کرامؓ کے دو طبقے قائم کئے ہیں، ایک

سابقین اولین کا دوسرا دوسرے درجے کے صحابہ کرامؓ کا۔

پھر اس میں اقوال مختلفہ ہیں، بعض نے صحابہ کرامؓ میں سے سابقین اولین ان کو قرار دیا ہے جنہوں نے دو قبلوں کی

طرف نماز پڑھی ہے، یعنی توویل قبلہ سے پہلے جو مسلمان ہو چکے تھے وہ سابقین اولین ہیں، یہ قول سعید بن مسیبؓ اور قتادہؓ کا

ہے، عطاء بن ابی رباحؓ نے فرمایا کہ سابقین اولین وہ صحابہ کرامؓ ہیں جو غزوہ بدر میں شریک ہوئے، اور شعبیؓ نے فرمایا کہ جو

صحابہ کرامؓ حدیبیہ کی بیعت رضوان میں شریک ہوئے وہ سابقین اولین ہیں، اور ہر قول کے مطابق باقی صحابہ کرامؓ مہاجر

ہوں یا انصار سابقین اولین کے بعد دوسرے درجے میں ہیں (مظہری، قرطبی)

اور تفسیر مظہری میں ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ حرف ”من“ کو اس آیت میں تبعیض کے لئے نہ لیا جائے، بلکہ بیان کے معنی میں ہو، تو مفہوم اس جملے کا یہ ہوگا کہ تمام صحابہ کرامؓ بہ نسبت باقی امت کے سابقین اولین ہیں، اور ”من — المہاجرین و الانصار“ اس کا بیان ہے، پہلی تفسیر کے مطابق صحابہ کرامؓ میں دو طبقے ہو جاتے ہیں، ایک سابقین اولین کا، دوسرا وہ جو تحویل قبلہ یا غزوہ بدر یا بیعت رضوان کے بعد مسلمان ہوئے، اور آخری تفسیر کا حاصل یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب سابقین اولین ہی ہیں کیونکہ ان کا ایمان باقی امت سے اول اور سابق ہے۔

وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ یعنی جن لوگوں نے اعمال و اخلاق میں سابقین اولین کا اتباع مکمل طریقہ پر کیا، پہلے جملے کی پہلی تفسیر کے مطابق ان لوگوں میں درجہ اول ان مہاجرین و انصار صحابہ کرامؓ کا ہے جو تحویل قبلہ یا غزوہ بدر یا بیعت حدیبیہ کے بعد مسلمان ہو کر صحابہ کرامؓ میں داخل ہوئے، دوسرا درجہ ان کے بعد کے سب مسلمانوں کا ہے، جو قیامت تک ایمان اور اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ میں صحابہ کرامؓ کے اسوہ پر چلے، اور ان کا مکمل اتباع کیا، اور دوسری تفسیر کے مطابق الذین اتبعوا میں صحابہ کرامؓ کے بعد کے لوگ داخل ہیں، جن کو اصطلاح میں تابعی کہا جاتا ہے، اور پھر ان اصطلاحی تابعین کے بعد قیامت تک آنے والے وہ سب مسلمان بھی اس میں شامل ہیں جو ایمان و عمل صالح میں صحابہ کرامؓ کا مکمل اتباع کریں۔ محمد بن کعب قرظیؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرامؓ کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب جنت میں ہیں، اگرچہ وہ لوگ ہوں جن سے دنیا میں غلطیاں اور گناہ بھی ہوئے ہیں، اس شخص نے دریافت کیا کہ یہ بات آپ نے کہاں سے کہی؟ (اس کی کیا دلیل ہے؟) انہوں نے

فرمایا قرآن کریم کی یہ آیت پڑھو السابقون الاولون اس میں تمام صحابہ کرامؓ کے متعلق بلا کسی شرط کے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ارشاد فرمایا ہے۔ البتہ تابعین کے معاملہ میں اتباع باحسان کی شرط لگائی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ بلا کسی قید و شرط کے سب کے سب بلا استثناء رضوان الہی سے سرفراز ہیں، (بغوی) تفسیر مظہری میں یہ قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ میرے نزدیک سب صحابہ کرامؓ کے جنتی ہونے پر اس سے بھی زیادہ واضح استدلال اس آیت سے

ہے: لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد

وقاتلو او کلا وعد اللہ الحسنی، (حدید: ۱۰) اس آیت میں پوری صراحت سے یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ صحابہ کرامؓ اولین ہوں یا آخرین سب سے اللہ تعالیٰ نے حسنی یعنی جنت کا وعدہ فرمایا ہے، اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے =

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنْفِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلٰی

اور تمہارے گرد و نواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور بعض مدینے والے بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں تم انہیں نہیں جانتے

النَّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنَعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يَرُدُّونَ إِلَىٰ عَذَابِ

ہم جانتے ہیں، ہم انہیں دہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑے عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

عَظِيمٍ ﴿۱۰۱﴾ ﴿۱۰۲﴾ آخِرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ

اور کچھ اور لوگ ہیں کہ اپنے گناہوں کا (صاف) اقرار کرتے ہیں انہوں نے اچھے اور بُرے عملوں کو ملا جلا دیا تھا

سَيِّئًا عَسَىٰ اللَّهُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۰۳﴾ ﴿۱۰۴﴾ هٰذَا مِنْ

قریب ہے کہ اللہ ان پر مہربانی سے توجہ فرمائے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اُن کے مال میں سے زکوٰۃ

= کہ جہنم کی آگ اس مسلمان کو نہیں چھو سکتی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والوں کو دیکھا ہے (المعجم

الکبیر للطبرانی: ۱۲/۳۳۰)

تنبیہ:۔ جو لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باہمی مشاجرات اور ان میں پیش آنے والے واقعات کی بنا پر بعض

صحابہ کرامؓ کے متعلق ایسی تنقیدات کرتے ہیں جن کو پڑھنے والوں کے قلوب ان کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہو سکیں، وہ

اپنے آپ کو ایک خطرناک راستہ پر ڈال رہے ہیں (نعوذ باللہ منہ)۔ امام دارمی نے فرمایا ہے کہ: لیس اختلاف التابعین

سنة لازمة كسنة النبي ﷺ واصحابه، فاما ان لا يكون اثرا، فانه اثر لا شك فيه، واقاويلهم الزم للناس من

اقاويل ابى يوسف واصحابه، لان الله تعالى اثنى على التابعين فى كتابه فقرا هذه الابهة. عقائد السلف

للددارمى: ۲/۶۵۹، ۳۸۳۔ اور ص ۵۰۳، میں لکھا ہے کہ ولولم يكن فيه عن الرسول وقال اصحابه من بعده

كانوا اولى فيه بالحق منا، لان الله اثنى على من بعدهم باتباعهم اياهم، وكذا عن الاوزاعى عند

الهروى: ۱۵۰/۳، اور ابن قیوم نے اعلام الموقعین میں یہ مسئلہ مفصل ذکر کیا ہے اور احمد اسلام نے اس کو ایک مستقل رسالہ میں

بنام ”البيئات السلفية على ان اقوال الصحابة حجة شرعية“ کے نام سے شائع کیا ہے۔

أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِمْ بِهَا وَصَلَّ عَلَيْهِمْ

قبول کر لو کہ اس سے تم اُن کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے ہو اور اُن کے حق میں دعائے خیر کرو

إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُمْ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۳۳﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

کہ تمہاری دعا اُن کیلئے موجب تسکین ہے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ ہی

هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ

اپنے بندوں سے توبہ قبول فرماتا اور صدقات لیتا ہے اور بیشک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا

الرَّحِيمُ ﴿۱۳۴﴾ قُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَالْمُؤْمِنُونَ ۗ

مہربان ہے۔ اور ان سے کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ، اللہ اور اُس کا رسول اور مومن (سب) تمہارے اعمال کو دیکھ لیں گے

وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عِلْمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۵﴾

اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتا دے گا

وَآخَرُونَ مُّرْجُونَ لَأَمْرِ اللَّهِ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَإِمَّا يَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ

اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا کام اللہ کے حکم پر موقوف ہے چاہے اُن کو عذاب دے اور چاہے معاف کر دے اور اللہ جاننے والا

حَكِيمٌ ﴿۱۳۶﴾ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَكُفْرًا

حکمت والا ہے۔ اور جنہوں نے اس غرض سے مسجد بنائی ہے کہ ضرر پہنچائیں اور کفر کریں

وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ مِنْ قَبْلُ ۗ

اور مومنوں میں تفرقہ ڈالیں۔ اور جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے پہلے جنگ کر چکے ہیں اُن کیلئے گھات کی جگہ بنائیں۔

وَلِيَحْلِفُنَّ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ ۖ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۰۷﴾

اور قسمیں کھائیں گے کہ ہمارا مقصود تو صرف بھلائی تھی مگر اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں [16]

[16] منافقین کے حالات اور خلاف اسلام ان کی حرکتوں کا ذکر اوپر بہت سے آیات میں آچکا ہے، مذکورۃ الصدر آیات میں بھی ان کی ایک سازش کا ذکر ہے، جس کا واقعہ یہ ہے کہ مدینہ طیبہ میں ایک شخص ابو عامر نام زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گیا تھا، اور ابو عامر راہب کے نام سے مشہور تھا، یہ وہی شخص ہے جن کے لڑکے، حنظلہ مشہور صحابی ہیں جن کی لاش کو فرشتوں نے غسل دیا اس لئے غسل ملائکہ کے نام سے معروف ہوئے، مگر باپ اپنی گمراہی اور نصرانیت پر قائم رہا۔

جب رسول پاک ﷺ مدینہ طیبہ تشریف لائے تو ابو عامر راہب حاضر خدمت ہوا اور اسلام پر اعتراضات کئے، رسول اللہ ﷺ کے جواب پر بھی اس بد نصیب کا اطمینان نہ ہوا، بلکہ یہ کہا کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہو وہ مردود اور احباب و اقارب سے دور ہو کر پردیس میں مرے، اور کہا کہ آپ کے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئے گا میں اس کی مدد کروں گا، چنانچہ غزوہ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ قتال میں شرکت کی، جب ہوازن کا بڑا اور قوی قبیلہ بھی شکست کھا گیا تو یہ مایوس ہو کر ملک شام بھاگ گیا کیونکہ یہی ملک نصرانیوں کا مرکز تھا، وہیں جا کر اپنے احباب و اقارب سے دور مر گیا، جو دعا کی تھی وہ اس کے سامنے آگئی جب کسی شخص کی رسوائی مقدر ہوتی ہے تو وہ ایسے ہی کام کیا کرتا ہے خود ہی اپنی دعا سے ذلیل و خوار ہوا۔

مگر جب تک زندہ رہا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں لگا رہا، چنانچہ قیصر ملک روم کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ وہ اپنے لشکر سے مدینہ پر چڑھائی کر دے، اور مسلمانوں کو یہاں سے نکال دے۔ اسی سازش کی ایک معاملہ یہ پیش آیا کہ اس نے منافقین مدینہ کو جن کے ساتھ اس کا ساز باز تھا خط لکھا کہ میں اس کی کوشش کر رہا ہوں کہ قیصر مدینہ پر چڑھائی کرے، مگر تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہئے، جو اس وقت قیصر کی مدد کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ ہی میں ایک مکان بناؤ، اور یہ ظاہر کرو کہ ہم مسجد بنا رہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو شبہ نہ ہو پھر اس مکان میں تم اپنے لوگوں کو جمع کرو، اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کر سکتے ہو وہ بھی کرو، یہاں مسلمانوں کے خلاف آپس کے مشورے سے بات طے کیا کرو۔

اس کے مشورہ پر بارہ منافقین نے مدینہ کے محلہ قبا میں جہاں اول ہجرت میں نبی کریم ﷺ نے قیام فرمایا اور ایک مسجد بنائی تھی وہیں ایک دوسری مسجد کی بنیاد رکھی، ان منافقین کے نام بھی ابن اسحاق وغیرہ نے نقل کئے ہیں، پھر مسلمانوں کو فریب دینے، اور دھوکے میں رکھنے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ خود رسول کریم ﷺ سے ایک نماز اس جگہ پڑھوادیں، تاکہ سب مسلمان مطمئن ہو جائیں کہ یہ بھی ایک مسجد ہے جیسا کہ اس سے پہلے ایک مسجد یہاں بن چکی ہے، ان کا ایک وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قبا کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے، ضعیف، بیمار آدمیوں کو وہاں تک پہنچنا مشکل ہے، اور خود مسجد قبا اتنی وسیع بھی نہیں کہ پوری بستی کے لوگ اس میں سما سکیں، اس لئے ہم نے ایک دوسری مسجد اس کام کے لئے بنائی ہے تاکہ ضعیف مسلمانوں کو فائدہ پہنچے آپ ﷺ اس مسجد میں ایک نماز پڑھ لیں تاکہ برکت ہو جائے۔

رسول کریم ﷺ اس وقت غزوہ تبوک کی تیاری میں مشغول تھے آپ نے یہ وعدہ کر لیا کہ اس وقت تو ہمیں سفر درپیش ہے واپسی کے بعد ہم اس میں نماز پڑھ لیں گے لیکن غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت جبکہ آپ مدینہ کے قریب ایک مقام پر فروکش ہوئے تو آیات مذکورہ آپ پر نازل ہوئیں جن میں ان منافقین کی سازش کھول دی گئی تھی، آیات کے نازل ہونے پر رسول پاک ﷺ نے اپنے چند اصحاب جس میں عامر بن سکین اور وحشی قاتل حمزہ وغیرہ شریک تھے ان کو حکم دیا کہ ابھی جا کر اس مسجد کو ڈھادو، اور اس میں آگ لگا دو، یہ سب صحابہ اسی وقت گئے اور حکم کی تعمیل کر کے اس کی عمارت کو ڈھا کر زمین کے برابر کر دی، یہ تمام واقعہ تفسیر قرطبی اور مظہری کی بیان کی ہوئی روایات سے اخذ کیا گیا ہے۔

تفسیر مظہری میں محمد بن یوسف صالحی کے حوالہ سے یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ قباء سے واپس مدینہ منورہ میں پہنچ گئے تو مسجد ضراری کی جگہ خالی پڑی تھی، آپ نے عاصم بن عدی کو اس کی اجازت دی کہ وہ اس جگہ میں اپنا گھر بنا لیں، انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جس جگہ کے متعلق قرآن کریم کی یہ آیات نازل ہو چکی ہیں میں تو اس منحوس جگہ میں گھر بنانا پسند نہیں کرتا، البتہ ثابت بن اقرم ضرور تمند ہیں ان کے پاس کوئی گھر نہیں ان کو اجازت دے دیجئے کہ وہ یہاں مکان بنا لیں، ان کے مشورہ کے مطابق آپ نے یہ جگہ ثابت بن اقرم کو دیدی، مگر ہوا یہ کہ جب سے ثابت اس مکان میں مقیم ہوئے ان کے کوئی بچہ نہیں ہوا یا زندہ نہیں رہا۔

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ انسان تو کیا اس جگہ میں کوئی مرغی بھی اٹھے سے بچہ دینے کے قابل نہ رہی، کوئی کبوتر اور جانور بھی اس میں پھلا پھولا نہیں، چنانچہ اس کے بعد سے یہ جگہ آج تک مسجد قبا کے کچھ فاصلہ پر ویراں پڑی

ہے۔ واقعہ کی تفصیل سننے کے بعد آیات مذکورہ کے متن کو دیکھئے، پہلی آیت میں فرمایا ”والذین اتخذوا مسجداً“ یعنی جس طرح اوپر دوسرے منافقین کے عذاب اور ذلت و رسوائی کا ذکر ہوا ہے یہ منافقین بھی ان میں شامل ہیں، جنہوں نے مسجد کا نام رکھ کر ایک ایسی عمارت بنائی جس کا مقصد مسلمانوں کو نقصان پہنچانا تھا۔

اس آیت میں مسجد مذکور کے بنانے کی تین غرضیں ذکر کی گئی ہیں: اول ”ضراراً“ یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے لفظ ”ضرر“ اور ”ضرار“ دونوں عربی زبان میں نقصان پہنچانے کے معنی میں مستعمل ہوتے ہیں۔ بعض اشخاص نے یہ فرق بیان کیا ہے کہ ضرر تو اس نقصان کو کہا جاتا ہے جس میں اس کے کرنے والے کا اپنا تو فائدہ ہو دوسروں کو نقصان پہنچے، اور ”ضرار“ دوسروں کو وہ نقصان پہنچانا ہے جس میں اس پہنچانے والے کا اپنا کوئی فائدہ بھی نہیں، چونکہ اس مسجد کا انجام یہی ہونے والا تھا کہ بنانے والوں کو اس سے کوئی فائدہ نہ پہنچے، اس لئے یہاں لفظ ”ضرار“ استعمال کیا گیا۔

دوسری غرض اس مسجد کی ”تفسیر یقابین المؤمنین“ بتلائی گئی ہے، یعنی ان کا مقصد اس مسجد کے بنانے سے یہ بھی تھا کہ مسلمانوں کی جماعت کے دو ٹکڑے ہو جاویں، ایک ٹکڑا اس مسجد میں نماز پڑھنے والوں کا الگ ہو جائے، اور یہ کہ قدیم مسجد قبا کے نمازی گھٹ جائیں اور کچھ لوگ یہاں نماز پڑھا کریں۔

تیسری غرض ”وارصاد المن حارب اللہ“ بتلائی گئی جس کا حاصل یہ ہے کہ اس مسجد سے یہ کام بھی لینا تھا کہ یہاں اللہ اور رسول کے دشمنوں کو پناہ ملے اور وہ یہاں مسلمانوں کے خلاف سازش کیا کریں۔

اس مجموعہ بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ جس مسجد کو قرآن کریم نے مسجد ضرار قرار دیا اور نبی کریم ﷺ کے حکم سے اس کو ڈھایا گیا اور آگ لگائی گئی درحقیقت نہ وہ مسجد تھی نہ اس کا مقصد نماز پڑھنے کے لئے تھا، بلکہ مقاصد وہ تین تھے جن کا ذکر اوپر آیا ہے، اس سے معلوم ہو گیا کہ آج کل اگر کسی مسجد کے مقابلہ میں اس کے قریب کوئی دوسری مسجد کچھ مسلمان بنالیں، اور بنانے کا مقصد یہی باہمی تفرقہ اور پہلی مسجد کی جماعت توڑنا وغیرہ اغراض فاسدہ ہوں، تو اگرچہ ایسی مسجد بنانے والے کو ثواب تو نہ ملے گا بلکہ تفریق بین المؤمنین کی وجہ سے گناہگار ہوگا، لیکن با این ہمہ اس جگہ کو شرعی حیثیت سے مسجد ہی کہا جائے گا، اور تمام آداب اور احکام مسجد کے اس پر جاری ہونگے، اس کا ڈھانا، آگ لگانا، جائز نہیں ہوگا، اور جو لوگ اس میں نماز پڑھیں گے ان کی نماز بھی ادا ہو جائے گی اگرچہ ایسا کرنا فی نفسہ گناہ رہے گا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس طرح ریا و نمود کے لئے یا ضد و عناد کی وجہ سے جو مسلمان کوئی مسجد بنا لے اگرچہ مسجد بنانے والے کو مسجد کا ثواب نہ ملے گا بلکہ گناہ ہوگا، مگر اس کو اصطلاح قرآن والی مسجد ضرار نہیں کہا جائے گا، بعض لوگ جو اس طرح کی مسجد کو مسجد ضرار کہہ دیتے ہیں یہ درست نہیں، البتہ اس کو مسجد ضرار کے مشابہ کہہ سکتے ہیں، اس لئے اس کے بنانے کو روکا بھی جاسکتا ہے، جیسا کہ فاروق اعظمؓ نے ایک فرمان جاری فرمایا تھا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ایک مسجد کے قریب دوسری مسجد نہ بنائی جائے جس سے پہلی مسجد کی جماعت اور رونق متاثر ہو۔ (کشاف)۔ اس مسجد ضرار کے متعلق دوسری آیت میں نبی کریم ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہے ”لا تقسم فیہ ابدا“ اس میں قیام سے مراد نماز کے لئے قیام ہے مطلب یہ ہے کہ آپ اس نام کی مسجد میں ہرگز نماز نہ پڑھیں۔ اس سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ آج بھی اگر کوئی نئی مسجد پہلی مسجد کے متصل بلا کسی ضرورت کے محض ریا و نمود کے لئے یا ضد و عناد کی وجہ سے بنائی جائے تو اس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں اگرچہ نماز ہو جاتی ہے۔ اسی آیت میں آپ کو یہ بھی ہدایت دی گئی کہ آپ کا نماز پڑھنا اسی مسجد میں درست ہے جس کی بنیاد اول سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔ اور اس میں ایسے لوگ نماز پڑھتے ہیں جن کو پاکی اور طہارت میں پوری احتیاط محبوب ہیں اور اللہ بھی ایسے مطہرین کو پسند کرتا ہے۔ سیاق آیت سے ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد مسجد قبا ہے جس میں اس وقت نبی کریم ﷺ نماز پڑھا کرتے تھے، اور بعض روایات حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے (کمار واہ ابن مردویہ عن ابن عباسؓ و عمرو بن شیبہ عن سهل الانصاری و ابن خزیمہ فی صحیحہ عن عویم بن ساعدہ، از مظہری) اور بعض روایات میں جو یہ آیا ہے کہ اس سے مراد مسجد نبوی ہے وہ اس کے منافی نہیں کیونکہ مسجد نبوی جس کی بنیاد وحی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے اپنے دست مبارک سے رکھی، ظاہر ہے کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے اور رسول اللہ ﷺ سے زیادہ مطہر کون ہو سکتا ہے اس لئے وہ بھی اس کی مصداق ضرور ہے۔ کمار واہ الترمذی و صححہ عن ابی سعید الخدریؓ مرفوعاً، از قرطبی)۔

”فیہ رجال یحبون ان یتطہروا“ آیت مذکورہ میں رسول کریم ﷺ کی نماز کے لئے اس مسجد کو احق قرار دیا جس کی بنیاد اول سے تقویٰ پر رکھی گئی جس کی مفہوم میں مسجد قبا اور مسجد نبوی دونوں داخل ہیں اس مسجد کی ایک فضیلت یہ بھی بتلائی گئی کہ اس مسجد کے نمازی ایسے لوگ ہیں جو طہارت کا بہت زیادہ خیال اور اہتمام کرتے ہیں طہارت کے مفہوم میں اس جگہ عام نجاسات اور گندگیوں سے پاکی بھی داخل ہے اور معاصی اور اخلاق رذیلہ سے پاکی بھی، مسجد قبا اور مسجد نبوی کے نمازی عموماً ان سب اوصاف کے ساتھ متصف تھے۔

لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ

تم اس (مسجد) میں کبھی (جا کر) کھڑے بھی نہ ہونا البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے اس قابل ہے

أَنْ تَقُومَ فِيهِ، فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَنْ يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ

کہ اُس میں جایا (اور نماز پڑھایا) کرو۔ اُس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ

يُحِبُّ الْمُطَهَّرِينَ ﴿۱۰۸﴾ مَنْ أُسِّسَ بُنْيَانُهُ عَلَى تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ

پاک رہنے والوں ہی کو پسند کرتا ہے۔ بھلا جس شخص نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ کے خوف اور اُس کی رضامندی پر رکھی وہ

خَيْرٌ أَمْ مَنْ أُسِّسَ بُنْيَانُهُ عَلَى شَفَا جُرْفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ،

اچھا ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد گر جانے والی کھائی کے کنارے پر رکھی کہ وہ اُس کو دوزخ کی آگ میں لے گری۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۹﴾ يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً

اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ہمیشہ اُن کے دلوں میں (موجب)

فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۱۰﴾

خلجان رہے گی (اور اُن کو متردد رکھے گی) مگر یہ کہ اُن کے دل پاش پاش ہو جائیں اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنْ لَهُمُ الْجَنَّةُ،

اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال خرید لئے ہیں (اور اس کے) عوض میں اُن کیلئے جنت (تیار کی) ہے،

يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَةِ

یہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں تو مارتے بھی ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں، یہ تورات

وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللَّهِ

اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اُسے ضرور ہے اور اللہ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے،

فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمْ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۱﴾

تو جو سودا تم نے اُس سے کیا ہے اس سے خوش رہو اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

التَّائِبُونَ الْعِبَادُونَ الْحَمِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّكِعُونَ السَّجِدُونَ

تو بہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، حمد کرنے والے، روزہ رکھنے والے، رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے

الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّهْيُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ

نیک کاموں کا حکم کرنے والے اور بُری باتوں سے منع کرنے والے، اللہ کی حدوں کی حفاظت کرنے والے (یہی مومن لوگ ہیں)

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ كَانِ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا

اور اے پیغمبر مومنوں کو (جنت کی) خوشخبری سنا دو۔ پیغمبر اور مسلمانوں کو شایاں نہیں کہ جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ مشرک

لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولَىٰ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ

اہل دوزخ ہیں تو ان کیلئے بخشش مانگیں گو وہ ان کے قرابت دار ہی ہوں۔

الْجَحِيمِ ﴿۱۱۳﴾ وَإِذَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَّهَا

اور ابراہیم کا اپنے باپ کیلئے بخشش مانگنا تو ایک وعدے کے سبب تھا جو وہ اُس سے کر چکے تھے

إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱۴﴾

لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اُس سے پیزا ہو گئے، کچھ شک نہیں کہ ابراہیم بڑے نرم دل اور متحمل تھے [17]

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ

اور اللہ ایسا نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہ کر دے جب تک ان کو وہ چیز نہ بتا دے جس سے وہ پرہیز کریں

[17] امام بخاری نے میسب بن حزم صحابی سے نقل کیا ہے کہ جب ابوطالب مرنے لگے تو نبی کریم ﷺ ان کے =

إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۴۱﴾ إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ اللہ ہی ہے جس کیلئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے

يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۴۲﴾ هَذَا تَابَ

وہی زندگی بخشتا اور (وہی) موت دیتا ہے اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی دوست اور مددگار نہیں ہے۔ بیشک اللہ نے پیغمبر پر مہربانی

اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ

کی اور مہاجرین اور انصار پر باوجود اس کے کہ ان میں بعضوں کے دل جلد پھر جانے کو تھے، مشکل کی گھڑی میں

مَنْ بَعْدَ مَا كَادَ يَزِيغُ قُلُوبَ فَرِيقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ إِنَّهُ بِهِمْ رَؤُفٌ

پیغمبر کیساتھ رہے پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی بیشک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور)

رَحِيمٌ ﴿۱۴۳﴾ وَالْعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خَلَفُوا حَتَّىٰ إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ

مہربان ہے۔ اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی

= پاس تشریف لے گئے، دیکھا تو وہاں ابو جہل بن ہشام اور عبد اللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ ام سلمہؓ کے بھائی جو سخت کافر تھے

بیٹھے ہوئے تھے نبی کریم ﷺ نے ابوطالب سے فرمایا چچا میاں تم ایک کلمہ لا الہ الا اللہ کہہ لو، میں پروردگار کے پاس تمہاری

لئے گواہی دوں گا، یہ سن کر ابو جہل اور عبد اللہ بن ابی امیہ بولے، ابوطالب کیا تم اپنے باپ عبدالمطلب کے دین سے

پھر جاتے ہو؟ عرض نبی کریم ﷺ براہِ یہ کلمہ ان پر پیش کرتے رہے، اور وہ دونوں وہی کہتے رہے کہ آپ اپنے باپ عبد

المطلب کے دین سے پھر جاتے ہو، ابوطالب نے اتربات جو کہی وہ یہی تھی کہ عبدالمطلب کے دین پر ہوں، لا الہ

الا اللہ کہنے سے انکار کیا، اس وقت نبی کریم ﷺ بہت رنجیدہ ہو کر یہ فرمایا! خیر جو ہونا تھا وہ ہوا، اب میں تمہارے لئے اس

وقت تک دعا کرتا رہوں گا جب تک منع نہ کیا جاؤں، پھر اللہ نے یہ آیت اتاری ”مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ“ آخر تک۔ بخاری

رقم: کتاب التفسیر و مسلم: ۲۴۰۔

بِمَا رَحِبَتْ وَصَافَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْا أَنْ لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ

اور اُن کی جانیں بھی اُن پر دو بھر ہو گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ (کے ہاتھ) سے خود اس کے سوا کوئی پناہ نہیں

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوبُوْا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

پھر اللہ نے اُن پر مہربانی کی تاکہ توبہ کریں، بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اے اہل

آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

ایمان! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچوں کیساتھ رہو [18]۔ اہل مدینہ کو اور جو ان کے آس پاس دیہاتی رہتے ہیں ان کو شایاں نہ تھا

[18] امام بخاری نے کعب سے متخلف کا واقعہ تفصیل سے نقل کرتے ہوئے کہتے تھے کہ میں نبی کریم ﷺ کو کسی لڑائی میں

چھوڑ کر پیچھے نہیں رہا، صرف غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گیا، اور جنگ بدر سے پیچھے رہ جانے پر اللہ تعالیٰ نے کسی پر عتاب نہیں

فرمایا تھا، جنگ بدر میں نبی کریم ﷺ نے قریش کا قافلہ لوٹنے کے نیت سے تشریف لے گئے تھے، لڑائی کا ارادہ نہ

تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں اور ان کے دشمنوں کو اچانک بن وعدہ اور بن شہراؤٹھرا دیا لڑائی ہو گئی، اور میں لیلۃ العقیقہ میں

نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہوا تھا، جہاں ہم نے اسلام پر قائم رہنے کا اور نبی کریم ﷺ کی مدد کرنے کا مضبوط قول

قرار کیا تھا، مجھ کو تو جنگ بدر اس رات سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے، اگرچہ بدر کا شہرہ لوگوں میں اس رات سے زیادہ ہے،

میرا حال یہ گذرا کہ غزوہ تبوک کے وقت میں خوب چاق و چوبند اور مال دار تھا، جب نبی کریم ﷺ کو چھوڑ کر پیچھے رہ

گیا تھا، میرے پاس سواری کی دو اونٹنیاں کبھی اکٹھی نہیں ہوئی تھیں، اس جنگ کے وقت میرے پاس ایک چھوڑ دو اونٹنیاں

سواری کے لئے موجود تھیں، اور نبی کریم ﷺ کا یہ قاعدہ تھا جب کہیں جنگ پر جانے والے ہوتے تو اس کو صاف نہیں بیان

کرتے، گول گول ایسا فرماتے کہ لوگ دوسرا کوئی مقام سمجھیں، جب اس جنگ کا وقت آیا تو اتفاق سے اس وقت سخت گرمی

تھی، اور سفر بھی دور دراز راستے میں غیر آباد جنگل (بے آب و گیاہ) دشمن بے شمار، روم کے نصاریٰ، عرب کے نصاریٰ، اس

لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں سے صاف صاف بیان کر دیا، کہ ہم تبوک کو جانا چاہتے ہیں آپ ﷺ کی غرض یہ تھی کہ وہ اچھی

طرح لڑائی اور سفر کا سامان درست کر لیں، خیر نبی کریم ﷺ نے صاف صاف تبوک کا ارادہ مسلمانوں سے بیان

کر دیا، اس وقت مسلمانوں کا شمار بہت تھا، اور کوئی دفتر وغیرہ نہ تھا، جس میں ان کے نام محفوظ ہوتے، کعب نے کہا کوئی

مسلمان ایسا نہ تھا جو اس لڑائی میں غیر حاضر رہنا چاہتا تھا، مگر وہ یہ گمان کرتا تھا کہ اس کا غیر حاضر رہنا نبی کریم ﷺ کو اس وقت تک معلوم نہ ہوگا جب تک اس کے باب میں کوئی وحی نہ اترے، نبی کریم ﷺ نے اس لڑائی کا اس وقت قصد کیا جب درختوں کا میوہ پک گیا تھا، اور سایہ میں رہنا آدمی کو بہت پسند تھا یعنی سخت گرمی تھی، خیر نبی کریم ﷺ نے اور آپ ﷺ کے ساتھ مسلمانوں نے بھی سفر کا سامان تیار کرنا شروع کیا۔ میں بھی ہر صبح کو جاتا کہ سفر کا سامان تیار کروں پھر خالی لوٹ آتا کچھ تیاری نہ کرتا، میں اپنے دل میں کہتا میں ہر وقت اپنا سامان تیار کر سکتا ہوں جلدی کیا ہے؟ اس طرح دن گذرتے رہے یہاں تک کہ لوگوں نے سخت مشقت اٹھا کر اپنا سامان تیار کر لیا۔ اور نبی کریم ﷺ اور مسلمان ایک صبح کو روانہ ہو گئے اس وقت تک بھی میں نے کوئی تیاری نہ کی تھی۔

لیکن میں نے اپنے دل میں کہا (آپ کو جانے دو) میں ایک یا دو دن میں سب تیاری کر کے آپ ﷺ سے مل جاؤں گا، جب وہ روانہ ہو گئے، تو دوسری صبح کو میں نے سامان تیار کرنا چاہا، لیکن اس روز بھی خالی پھر آیا، کوئی تیاری نہ کی، پھر تیسری صبح کو بھی ایسا ہی ہوا، خالی لوٹ آیا، کوئی تیاری نہ کی، میرا ابراہیم بھی حال رہا کہ آج نکلتا ہوں کل نکلتا ہوں، ادھر سب لوگ جلدی جلدی سفر کر کے دور نکل گئے میرا (کئی بار) قصد ہوا کہ میں بھی کوچ کروں اور ان سے مل جاؤں، کاش میں ایسا کرتا، مگر قسمت میں نہ تھا۔ اب ایسا ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد میں مدینہ میں نکلتا اور گھوم پھر کر دیکھتا تو وہی لوگ نظر آتے جو منافق کہلاتے تھے یا معذور تھے، ضعیف و ناتواں تھے، اس سے مجھ کو بہت رنج ہوتا، ادھر نبی کریم ﷺ نے تبوک پہنچنے تک مجھ کو یا نہیں فرمایا، جب تبوک پہنچے تو ایک مرتبہ لوگوں کے ساتھ وہاں بیٹھے تھے اتنے میں فرمایا کعب بن مالک کہاں ہے؟ بنی سلمہ کے ایک آدمی عبد اللہ بن انیس نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ اپنے حسن و جمال یا لباس کی خوبی پر اترا کر رہ گیا۔

آپ ﷺ کے ساتھ نہیں آیا، یہ سن کر معاذ بن جبلؓ نے کہا تو نے بری بات کہی، اللہ کی قسم، یا رسول اللہ! ہم تو اس کو اچھا آدمی سچا مسلمان سمجھتے ہیں، نبی کریم ﷺ خاموش ہو رہے کعب بن مالک کہتے ہیں جب یہ خبر آئی کہ نبی کریم ﷺ تبوک سے لوٹے آ رہے ہیں، تو میرا غم تازہ ہو گیا جھوٹے جھوٹے خیال دل میں آنے لگے، یہ عذر کروں گا وہ عذر کروں گا، مجھ کو یہ فکر ہوئی کعب بن مالک آپ ﷺ کے غصے سے تو کیوں کر بچے گا؟ میں نے اپنے عزیزوں میں سے جو عقل والے تھے ان سے بھی مشہورہ لیا جب یہ خبر آئی کہ آپ ﷺ مدینہ کے قریب آپہنچے اس وقت سارے جھوٹے خیالات میرے دل سے مٹ گئے، اور میں نے یہ سمجھ لیا کہ جھوٹی باتیں بنا کر میں آپ ﷺ کے غصے سے بچنے والا نہیں۔ اب میں نے یہ ٹھان

لیا جو ہونا ہو وہ ہو، میں تو بیچ بیچ کہہ دوں گا، خیر صبح کے وقت آپ ﷺ مدینے میں داخل ہوئے آپ کی عادت تھی کہ جب سفر سے تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے، وہاں ایک دو گناہ آد فرماتے، آپ ﷺ نے مسجد میں دو گناہ ادا کیا پھر لوگوں سے ملنے کیلئے بیٹھے، اب جو جو منافق لوگ پیچھے رہ گئے تھے انہوں نے آنا شروع کیا اور لگے اپنے اپنے عذر بیان کرنے، قسمیں کھانے، ایسے لوگ اسی (۸۰) پر گئی آدمی تھے، آپ ﷺ نے ظاہر میں ان کا عذر مان لیا ان سے بیعت لی، ان کے واسطے دعا کی، ان کے دلوں کی بھید کو اللہ کے حوالے کیا۔

کعبؑ کہتے ہیں میں بھی آیا میں نے جب آپ ﷺ کو سلام کیا آپ ﷺ مسکرائے، مگر جیسے کوئی آدمی غصہ میں مسکراتا ہے، پھر فرمایا آؤ میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا، آپ ﷺ نے پوچھا کعبؑ تو کیوں پیچھے رہ گیا، تو نے تو سواری بھی خرید لی تھی، میں نے عرض کیا بے شک اگر کسی دنیا دار شخص کے سامنے میں اس وقت بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اس کے غصے سے بچ جاتا، میں خوش تقریر بھی ہوں مگر اللہ کی قسم میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر آج میں جھوٹ بول کر آپ ﷺ کو خوش کر لوں، تو کل اللہ تعالیٰ اصل حقیقت کھول کر پھر آپ ﷺ کو مجھ پر غصہ کر دے گا۔ اس سے فائدہ ہی کیا ہے؟ میں سچ ہی کیوں نہ بولوں؟ گو آپ ﷺ اس وقت سچ بولنے کی وجہ سے مجھ پر غصہ کریں گے، مگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی مجھ کو امید تو رہے گی، اللہ کی قسم میں سراسر قصور وار ہوں (زور طاقت قوت دولت) سب میں میرا کوئی برابر نہ تھا، اور میں یہ سب چیزیں ہوتے ہوئے پیچھے رہ گیا، یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا! کعبؑ نے سچ بیچ کہہ دیا، کعبؑ اب تو ایسا کر چل جا، جب تک اللہ تعالیٰ تیرے باب میں کوئی حکم نہ اتارے، میں چلا، بنی سلمہ کے کچھ لوگ اٹھ کر میرے پیچھے ہوئے، اور کہنے لگے اللہ کی قسم ہم کو معلوم نہیں کہ تو نے اس سے پہلے بھی کوئی قصور کیا ہو، تو نے اور لوگوں کی طرح جو پیچھے رہ گئے تھے، نبی کریم ﷺ سے کوئی بہانہ کیوں نہ کر دیا، اگر تو بھی کوئی بہانہ کرتا تو نبی کریم ﷺ کی دعا تیرے قصور کے لئے کافی ہو جاتی، وہ برابر مجھ کو لعنت ملامت کرتے رہے اللہ کی قسم، ان کی باتوں سے میرے دل میں آیا، کہ نبی کریم ﷺ کے پاس لوٹ کر چلوں، اور اپنی اگلی بات (گناہ) کے اقرار کو جھٹلا کر کوئی بہانہ نہ نکالوں۔

میں نے ان سے پوچھا، اور بھی کوئی ہے جس نے میری طرح گناہ کا اقرار کیا ہے، انہوں نے کہا ہاں دو آدمی ہیں، جنہوں نے تیری طرح اقرار کیا، اور ان سے بھی نبی کریم ﷺ نے یہی فرمایا ہے، جو تم سے فرمایا ہے، میں نے پوچھا وہ دو شخص کون ہیں؟ انہوں نے کہا مرارہ بن ربیع، اور ہلال بن امیہ واقفی، انہوں نے ایسے دو نیک شخصوں کا بیان کیا، جو بدر کی لڑائی میں شریک ہو چکے تھے، اور جن کے ساتھ رہنا مجھ کو اچھا معلوم ہوا، خیر جب انہوں نے ان دو شخصوں کا بھی نام لیا تو مجھ کو تسلی ہو گئی

میں چل دیا، نبی کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو منع کر دیا خاکسکر ہم تینوں آدمیوں سے کوئی بات نہ کرے، اور دوسرے جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے جنہوں نے جھوٹے بہانے کئے تھے، ان کے لئے یہ حکم نہیں دیا، اب لوگوں نے ہم سے پرہیز شروع کیا، کوئی بات تک نہ کرتا، بالکل کورے ہو گئے جیسے کوئی آشنائی ہی نہ تھی، ایسے معلوم ہوا جیسے زمین آسمان بدل گئے، وہ زمین ہی نہ رہی جس پر ہم رہتے تھے، خیر پچاس راتیں اسی پریشان حالی میں گذریں، میرے دونوں ساتھی مرارہ بن ربیع اور ہلال تروتے پیٹھتے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے، اور میں جوان مضبوط آدمی تھا تو مصیبت پر صبر کر کے باہر نکلتا، جماعت کی نماز میں شریک ہوتا، بازاروں میں گھومتا رہتا، مگر کوئی شخص مجھ سے بات نہ کرتا، میں نبی کریم ﷺ کے پاس آتا، نبی کریم ﷺ نماز پڑھ کر اپنی جگہ بیٹھے ہوتے، میں آپ ﷺ کو سلام کرتا، پھر مجھے شہر رہتا، آپ ﷺ نے اپنے مبارک ہونٹ ہلا کر مجھ کو سلام کا جواب بھی دیا، یا نہیں، پھر میں آپ کے قریب کھڑے ہو کر نماز پڑھتا رہتا، اور زدیدہ نظر سے آپ کو دیکھتا رہتا، آپ ﷺ کیا کرتے جب میں نماز میں ہوتا تو مجھ کو دیکھتے اور جب میں آپ کو دیکھتا تو آپ منہ پھیر لیتے، جب اسی طرح ایک مدت گذری، اور لوگوں کی روگردانی دو بھر ہو گئی، تو میں چلا اور اپنے چچا زاد بھائی ابوققادہ کی باغ کی دیوار پر چڑھا، اس سے مجھ کو بہت محبت تھی، میں نے اس کو سلام کیا تو اللہ کی قسم اس نے سلام کی جواب تک نہ دیا، میں نے کہا، ابوققادہ تجھ کو اللہ کی قسم، تو مجھ کو اللہ اور اس کے رسول کا خیر خواہ سمجھتا ہے یا نہیں؟ جب بھی اس نے جواب نہ دیا میں نے پھر قسم دیکر دوبارہ یہی کہا لیکن جواب نہ وارد، پھر تیسری بار قسم دیکر یہی کہا تو اس نے یہ کہا، اللہ اور رسول خوب جانتے ہیں، بس اس وقت تو مجھ سے رہا نہ گیا، میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور پیٹھ موڑ کر دیوار پر چڑھ کر وہاں سے چل دیا، میں ایک بار مدینے کے بازار میں جا رہا تھا اتنے میں ملک شام کا ایک نصرانی کسان ملا جو مدینہ میں اناج بیچنے لایا تھا، وہ کہہ رہا تھا، لوگو! کعب بن مالک کو بتلاؤ، لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا، اس نے غسان کے بادشاہ کا جو (نصرانی تھا) ایک خط مجھ کو دیا، مضمون یہ تھا، مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے، کہ تمہارے پیغمبر صاحب نے تم پر تم کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے تم کو ایسا ذلیل نہیں بنایا ہے، نہ بیکار، تم تو کام کے آدمی ہو، تم ہم لوگوں سے آکر مل جاؤ، ہم تمہاری خاطر مدارت خوب کریں گے، میں نے جب یہ خط پڑھا تو دل میں کہنے لگا یہ ایک دوسری بلا ہوئی، میں نے وہ خط لے کر آگ کے تندور میں جھونک دیا، ابھی پچاس راتوں میں سے چالیس راتیں گزری تھیں کہ نبی کریم ﷺ کا پیغام لانے والا خزیمہ بن ثابت میرے پاس آیا، کہنے لگا، نبی کریم ﷺ کا یہ حکم ہے، تم اپنی جو رو (عمیرہ بنت جبیر) سے بھی الگ رہو، میں نے پوچھا کیا اسے طلاق دیدوں یا کیسا کروں؟ اس نے کہا نہیں، اس سے الگ رہو، صحبت وغیرہ نہ کرو، میرے دونوں ساتھیوں کو بھی یہی حکم دیا، آخر میں نے اپنی جو رو سے کہہ دیا، نیک بخت تو اپنے کنبے والوں میں چلی

جا، وہیں رہ، جبکہ اللہ میرا کچھ فیصلہ نہ کرے، وہ چلی گئی، کعب نے کہا، ہلال بن امیہ کی جو رو (خولہ بنت عاصم) نبی کریم ﷺ کے پاس آئی اور کہنے لگی، یا رسول اللہ ہلال بن امیہ میرا خاوند بوڑھا چھوٹا ہے اگر میں اس کا کام کاج کرتی رہوں، تو کیا آپ ﷺ اس کو برا سمجھتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، کام کاج کرنے میں قباحت نہیں، وہ تجھ سے صحبت نہ کرے، اس نے کہا اللہ کی قسم وہ تو کہیں چلتا پھرتا بھی نہیں ہے۔ جب سے واقعہ ہوا ہے تب سے برابر رو رہا ہے، ارج تک وہ اسی حال میں ہے، کعب نے کہا مجھ سے بھی میرے بعض عزیزوں نے کہا، تم بھی اگر اپنی جو رو کے باب میں نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگو کہ تمہاری خدمت کرتی رہے، تو مناسب ہے، جیسے نبی کریم ﷺ ہلال بن امیہ کی جو رو کو خدمت کی اجازت دی، تم کو بھی اجازت دیں گے، کعب نے کہا اللہ کی قسم کبھی اس باب میں نبی کریم ﷺ سے اجازت نہیں مانگوں گا، کیونکہ مجھ کو معلوم نہیں کہ نبی کریم ﷺ کیا فرمائیں، اجازت دیں یا نہ دیں، میں جوان آدمی ہوں، ہلال کی طرح ضعیف اور ناتواں نہیں ہوں، خیر اس کے بعد دس راتیں اور گزریں، اب پچاس راتیں پوری ہو گئیں، اس وقت سے جب سے آپ ﷺ نے لوگوں کو ہم سے سلام کلام کی ممانعت فرمادی تھی، پچاسویں رات کی صبح کو جب میں صبح کی نماز پڑھ کر اپنے گھر کی چھت پر بیٹھا تھا، تو جیسے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا: (وضاقت علیہم انفسہم) میرا دل تنگ، زندگی بھی تنگ ہو رہی تھی، اور زمین اتنی کشادہ ہونے پھر بھی تنگ ہو گئی تھی، اتنے میں، میں نے ایک پکارنے والے کی آواز سنی، جو سلح پہاڑ پر چڑھ کر پکار رہا تھا (یہ ابو بکر صدیقؓ تھے) کعب بن مالک خوش ہو جا، یہ سنتے ہی میں سجدے میں گر پڑا، اور مجھ کو یقین ہو گیا، اب میری مشکل دور ہوئی، اور نبی کریم ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد لوگوں کو خبر کر دی، کہ اللہ تعالیٰ ہمارا قصور معاف کر دیا ہے، اب لوگ خوشخبری دینے کو میرے پاس اور میرے دونوں ساتھیوں (مراہ اور ہلال) کے پاس جانے لگے ایک شخص زبیر بن عوام گھوڑا اگداتے ہوئے میرے پاس آئے، اور اسلم قبیلے کا ایک شخص دوڑتا ہوا پہاڑ پر چڑھ گیا، اور پہاڑ پر کی آواز گھوڑا والے سے جلد مجھ کو پہنچی، خیر جب یہ شخص جس کی خوشخبری کی آواز مجھ کو پہنچی میرے پاس آیا، تو میں نے خوشی میں آ کر کیا کیا، وہ کپڑے جو میرے پاس تھے، وہ کپڑے اتار کر اس کو پہنادیئے، اس وقت کپڑوں کی قسم سے میرے پاس یہی دو کپڑے تھے، اور میں نے ابوقادہ سے دو کپڑے مانگ کر پہنے، اور نبی کریم ﷺ کے پاس چلا آیا، راستے میں فوج در فوج لوگ مجھ سے ملتے جاتے تھے، اور مجھ کو مبارک بادی دیتے جاتے تھے، اور کہتے تھے، اللہ کی معافی تم کو مبارک ہو، کعب کہتے ہیں جب میں مسجد میں پہنچا، دیکھا تو نبی کریم ﷺ بیٹھے ہیں، لوگ آپ ﷺ کے گرد ہیں، طلحہ بن عبید اللہ مجھ کو دیکھ کر دوڑاٹھے اور مصافحہ کیا، مبارک بادی دی، اللہ کی قسم مہاجرین میں سے اور کسی نے اٹھ کر مجھ کو مبارک بادی نہیں دی، میں طلحہ کا یہ احسان کبھی

بھولنے والا نہیں، کعب کہتے ہیں جب میں نے نبی کریم ﷺ کو سلام کیا، میں نے دیکھا آپ ﷺ کا چہرہ خوشی سے جگمگا رہا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کعب! اس دن کی تجھ کو بشارت ہو جو ان دنوں میں سے سب سے بہتر ہے، جب سے تیری ماں نے تجھ کو جتنا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ معافی اللہ کی طرف سے ہوئی یا آپ کی طرف سے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، اللہ کی طرف سے ہوئی، اس نے خود معافی کا حکم اتارا، نبی کریم ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرہ چاند کی طرح روشن ہو جاتا، ہم لوگ اس کو پہچان لیتے، خیر میں جب آپ ﷺ کے سامنے بیٹھا تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنی معافی کے شکر یہ میں اپنا سا رمال خیرات کر دوں؟ اللہ اور اللہ کے رسول کو دیدوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تھوڑا مال اپنے لئے بھی رہنے دے، یہ تیرے حق میں بہتر ہے، میں عرض کیا بہت خوب، خیر میں جو میرا حصہ ہے، میں وہ رہنے دیتا ہوں، باقی سب خیرات کر دیتا ہوں، پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے جو سچ بول دیا، اس وجہ سے مجھ کو نجات ملی، اور میری توبہ میں یہ بھی ہے کہ اب میں جیسے تک ہمیشہ سچ ہی کہوں گا، اللہ کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ اللہ نے سچ بولنے کی وجہ سے کسی مسلمان پر اتنا فضل کیا ہو جتنا مجھ پر فضل کیا ہے، جب سے میں نے نبی کریم ﷺ سے اس معاملے میں سچ سچ عرض کر دیا، اس وقت سے آج کی دن تک میں نے کبھی قصدا جھوٹ نہیں بولا، اور مجھ کو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جیسے تک مجھ کو جھوٹ سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری: ”لقد تائب الله على النبي و المهاجرين وكونوا مع الصادقين“ تک، اللہ کی قسم، میں تو اسلام کی ہدایت کے بعد اللہ تعالیٰ کا کوئی احسان اپنے اوپر اس سے بڑھ کر نہیں سمجھتا، کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے سامنے مجھ کو سچ بولنے کی توفیق دی، اور جھوٹ سے بچایا، اگر میں جھوٹ بولتا تو دوسرے منافق لوگوں کی طرح تباہ ہو جاتا، جیسے وہ تباہ ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان جھوٹوں کے لئے برالفاظ اتارا کہ ویسا بر کسی کے لئے نہیں اتارا۔

فرمایا اب جب تم لوٹ کر آئے تو یہ لوگ اللہ کی جھوٹی قسمیں کھائیں گے ”خیر آیت“ فان الله لا يرضى عن القوم الفاسقين“ تک۔ کعب نے کہا ہم تینوں آدمیوں کا حکم ملتا ہی رکھا گیا اور ان لوگوں کا مقدمہ جنہوں نے جھوٹی قسمیں کھائیں تھیں فیصل ہو گیا۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے بیعت لی، ان کے واسطے دعا کی، اور ہمارے مقدمہ کو ڈھیل میں ڈال دیا، اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری معافی کا حکم اتارا، اور اس آیت: ”وعلى الثلاثة الذين خلفوا“ میں سے ”خلفوا“ سے یہی مراد ہے کہ ہمارا مقدمہ ملتا ہی رکھا گیا۔ اور ہم ڈھیل میں ڈال دئے گئے، یہ مراد نہیں ہے کہ جہاد سے پیچھے رہ گئے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے پیچھے رہے جنہوں نے قسمیں کھا کر عذر بیان کئے اور نبی کریم ﷺ نے ان کے عذر قبول کر لئے۔ رقم الحدیث، بخاری، ۴۳۱۸، و مسلم ۶۹-۲۷۔

وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ أَنْ يَتَخَلَّفُوا عَنْ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا يَرْغَبُوا

کہ اللہ کے پیغمبر سے پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ کہ اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ عزیز رکھیں

بِأَنْفُسِهِمْ عَنْ نَفْسِهِ ذَلِكِ بَأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَلَا نَصَبٌ

یہ اس لئے نہیں کہ انہیں اللہ کی راہ میں جو تکلیف پہنچتی ہے پیاس کی یا محنت کی

وَلَا مَخْمَصَةٌ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَطَؤْنَ مَوْطِئًا يَغِيظُ الْكُفَّارَ

یا بھوک کی یا وہ ایسی جگہ چلتے ہیں کہ کافروں کو غصہ آئے

وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوِّ نِيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ

یا دشمنوں سے کوئی چیز لیتے ہیں تو ہر بات پر ان کیلئے نیک عمل لکھا جاتا ہے

إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۰﴾ وَلَا يُنْفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً

کچھ شک نہیں کہ اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ اور (اسی طرح) وہ جو خرچ کرتے ہیں تھوڑا

وَلَا كَبِيرَةً ۗ وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُم

یا بہت یا کوئی میدان طے کرتے ہیں تو یہ سب کچھ ان کیلئے (اعمالِ صالحہ میں) لکھ لیا جاتا ہے

لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۱۱﴾ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ

تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے۔ اور یہ تو ہونے نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب

لِيَنْفِرُوا كَافَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ

نکل آئیں تو یوں کیوں نہ ہو کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تاکہ دین (کا علم سیکھتے

وَلْيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ ﴿۱۹﴾ ﴿۱۹﴾ إِلَيْهَا الَّذِينَ

اور اس میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سنا تے تاکہ وہ بچیں۔ [19] اے اہل

آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً

ایمان! اپنے نزدیک کے (رہنے والے) کافروں سے جنگ کرو اور چاہیے کہ وہ تم میں (اپنے لئے) سختی معلوم کریں اور

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۲۰﴾ ﴿۲۰﴾ إِذَا مَا أَنْزَلَتْ سُورَةً فَمِنْهُمْ مَّنْ

جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کیساتھ ہے۔ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو بعض منافق (مذاق کرتے اور) پوچھتے ہیں

يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فزَادَتْهُمْ إِيمَانًا

کہ اس سورت نے تم میں سے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ سو جو ایمان والے ہیں ان کا تو ایمان زیادہ کیا

[19] مفسر قرطبی نے فرمایا ہے کہ یہ آیت طلب علم دین کی اصل اور بنیاد ہے، اور غور کیا جائے تو اسی آیت میں علم دین

کا اجمالی نصاب بھی بتلادیا گیا ہے، اور علم حاصل کرنے کے بعد عالم کے فرائض بھی، اور بعض کم علموں نے اس آیت سے

تقلید جامد ثابت کرنے کے لئے استدلال کیا ہے، لیکن ان کا یہ استدلال صحیح نہیں، اس لئے کہ اس آیت میں تو اللہ تعالیٰ نے

فرمایا ہے کہ ہر قوم اپنے عالم کی بات مانے گی، لیکن مقلدین نے تو پوری امت پر امام ابوحنیفہؒ کی تقلید فرض کر دی

ہے۔ اور مذاہب اربعہ نے صرف ائمہ اربعہ کو ”مذہبین“ قرار دیا ہے، حالانکہ اس سے پوری امت کے علماء مراد ہیں۔ اس

آیت میں نہ صرف تقلید شخصی کی تردید ہے بلکہ علم اور انداز کو صرف ائمہ اربعہ میں منحصر کرنے پر واضح رد بھی موجود ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ علماء کرام اپنی قوم کو محض اپنی رائے اور اجتہاد کی روشنی میں یا کسی تیسرے کی بات کی روشنی

میں ڈرائیں گے، یا پھر قرآن وحدیث کی روشنی میں؟ یہ علماء کرام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی قوم کو بے وقوف نہ بنائیں بلکہ

کتاب وسنت کا صریح حکم ان کو بتائیں۔ تو معلوم ہوا کہ اس آیت میں تقلید کا رد ہے نہ کہ اثبات۔ فیروز آبادی اپنی کتاب ”

التبصر فی الاصول“: ۴۰، میں لکھتا ہے کہ: ان المراد بذلك قبول الاخبار وما سمعوه من

النبي ﷺ، فنحملها عليه او نحملها على العامة، وكذا في ”العدة“ لابی يعلى: ۴/ ۱۲۳۲۔

وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۲۴۱﴾ وَمَا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ

اور وہ خوش ہوتے ہیں۔ اور جن کے دلوں میں مرض ہے

فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۲۴۲﴾

اُن کے حق میں نخبث پر نخبث زیادہ کیا اور وہ مرے بھی تو کافر کے کافر

أَوْ لَا يَرُونَ أَنَّهُمْ يُفْتَنُونَ فِي كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ

کیا یہ دیکھتے نہیں کہ یہ ہر سال ایک یا دو بار بلا میں پھنسا دیئے جاتے ہیں پھر بھی توبہ نہیں کرتے

وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۲۴۳﴾ وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا سُورَةً نَّظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ

اور نہ نصیحت پکڑتے ہیں۔ اور جب کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتے ہیں (اور پوچھتے ہیں

هَلْ يَرَاكُمْ مِّنْ أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ

کہ) بھلا تمہیں کوئی دیکھتا ہے؟ پھر پھر جاتے ہیں، اللہ نے اُن کے دلوں کو پھیر رکھا ہے کیونکہ یہ ایسے لوگ ہیں کہ سمجھ سے

لَا يَفْقَهُونَ ﴿۲۴۴﴾ هَذَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

کام نہیں لیتے۔ (لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں! تمہاری تکلیف اُن کو گراں معلوم ہوتی ہے اور

حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۴۵﴾ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ

تمہاری بھلائی پر وہ حریص ہے مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ پھر اگر یہ لوگ پھر جائیں تو کہہ دو کہ مجھے

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۲۴۶﴾

اللہ کافی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی پر میں بھروسہ کرتا ہوں اور وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔



سورة یونس (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الرَّٰسِیۡۤ اِنَّ لَکَ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ﴿۱﴾ اَکَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اُوْحِیْنَا

آر۔ یہ بڑی دانائی کی کتاب کی آیتیں ہیں۔ کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے

اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ

ایک مرد کو حکم بھیجا کہ لوگوں کو ڈرنا دے اور ایمان لانے والوں کو خوشخبری دے دو کہ ان کے رب کے ہاں ان کا سچا درجہ ہے (ایسے

عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲﴾ اِنَّ رَبَّکُمْ اللّٰهُ

شخص کی نسبت) کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادوگر ہے۔ تمہارا رب تو اللہ ہی ہے

الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ

جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنائے پھر عرش (عظیم) پر قائم ہوا، [۱]

مسئلہ استوی علی العرش

[۱] یہاں ہم تفسیر مظہری والے کا قول نقل کرتے ہیں تاکہ ان متعصبین کو حقانیت مذہب اہل حدیث معلوم

ہو جائے (و شہد شاہد من اہلہا)۔

سلف سے خلف تک تمام اہل سنت کا با اتفاق عقیدہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ تمام جسمانی صفات اور حدوث کے عوارض

سے پاک ہے، لیکن آیت مذکورہ الصدر اور اس جیسی دوسری آیات (جن میں صفات جسم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اتصاف

ظاہر کیا گیا ہے) بظاہر اہل سنت کے مسلک و عقیدے کے خلاف نظر آتی ہیں، اس شبہ کو دور کرنے کے لئے دو جواب

دئے گئے ہیں۔

(۱) تاویل کا مسلک اختیار کیا گیا ہے یعنی ظاہری الفاظ کے وہ (مجازی) معنی لئے گئے ہیں: جو شان الہی کے مناسب ہیں۔ کیونکہ آیت: وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ میں ”الراسخون“ کا عطف ”اللہ“ پر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ متشابہات کا صحیح علم اللہ کو اور مضبوط علم رکھنے والوں کو ہی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ متشابہات کی حقیقی مراد اور تاویل سے علماء ربانین بھی واقف ہیں۔ اس کی تفصیلی بحث سورہ ال عمران میں گزر چکی ہے، اس توجیہ کی روشنی میں آیت مذکورہ میں ”استوی“ کو بمعنی ”استولی“ قرار دیا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ عرش جو سب سے اعلیٰ اور بالاحق ہے، جب اللہ اس پر غلبہ رکھتا ہے، تو دوسری مخلوق پر اللہ کا تسلط بدرجہ اولیٰ ظاہر ہے، پس ساری مخلوق اس کے زیر تسلط ہے۔ لیکن بغوی نے کہا ”استوی“ کو بمعنی استیلاء و تسلط قرار دینا معتزلہ کا قول ہے۔

(۲) سلف صالحین کا مسلک اہل تاویل کے مسلک کے خلاف ہے تمام علماء سلف کا قول ہے کہ اس قسم کی آیات کے ظاہر پر ایمان لانا واجب ہے، ان کی تنقیح اور مویشگانوں سے اجتناب لازم ہے۔ ان کی حقیقت کے علم کو اللہ کے سپرد کر دینا ضروری ہے۔ اسی بناء پر امام محمد بن حسن نے فرمایا تھا: کہ پورب سے پچھم تک تمام فقہاء کا اتفاق ہے، کہ قرآن اور صحیح احادیث میں اللہ کی جو صفات آئی ہیں انکو (یونہی) بغیر تشریح و تنقیح و توضیح کے ماننا اور ان پر ایمان لانا واجب ہے، جو شخص ان کی توضیح کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ اور اجماع سلف کے خلاف عمل کرتا ہے۔ اس کا رسول اللہ ﷺ کے لئے ہونے دین اور جماعت مسلمین کے اختیار کردہ مسلک سے تعلق نہیں۔ امام مالک بن انس نے فرمایا ”استوی“ کا حقیقی ترجمہ مجہول نہیں، ”استواء“ کی کیفیت معلوم نہیں، اور کیفیت استواء کو دریافت کرنا بدعت ہے۔ سلف صالحین تفسیرہ باری تعالیٰ کے قائل تھے، اسی کے ساتھ استواء علی العرش کو بغیر تاویل کے مانتے تھے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اللہ آسمان میں یقیناً ہے زمین میں نہیں، رواہ البیہقی۔

اس قول کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف کی گئی ہے کہ جس نے کہا: مجھے نہیں معلوم کہ میرا رب آسمان میں ہے یا زمین میں وہ کافر ہو گیا، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: الرحمن علی العرش استوی۔ اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔ امام ابوحنیفہ کا ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ جس نے اللہ کے آسمان میں ہونے کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔

امام شافعی نے فرمایا! اللہ اپنے عرش پر اپنے آسمان میں ہے، وہ جیسا چاہتا ہے اپنی مخلوق کے قریب بھی ہوتا ہے۔ اور جس طرح چاہتا ہے اترتا ہے یعنی اللہ کا عرش پر ہونا مخلوق کے قریب ہونا، اور نیچے اترنا، تینوں قول صحیح ہیں۔ لیکن عرش پر موجود ہونے، مخلوق کے قریب ہونے، اور نیچے اترنے، کی کیفیت معلوم نہیں۔

ایسا ہی قول امام احمد بن حنبل کا بھی مروی ہے۔ اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے، تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اللہ عرش کے اوپر مستوی ہے، اور ہر چیز کو جانتا ہے، مزنی، بخاری، ابوداؤد، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، ابویعلیٰ، بیہقی، ذہبی اور دوسرے ائمہ حدیث کا یہی قول ہے، ابوزرعہ رازی کے قول سے پتہ چلتا ہے کہ اسی قول پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ حافظ عثمان بن سعید داری نے لکھا ہے کہ تمام مسلمان اس قول پر متفق ہیں کہ اللہ اپنے عرش پر آسمان وں کے اوپر ہے، سہل بن عبد اللہ تستری نے فرمایا: یہ کہنا جائز نہیں کہ جس نے استواء کو پیدا کیا، وہ کیسے مستوی ہو سکتا ہے؟ ہمارے لئے (استوی) کو ماننا اور تسلیم کرنا لازم ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے۔ محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے مسلمان کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس کا رب عرش پر مستوی ہے جو اس سے آگے بڑھے گا وہ نامراد اور خسران مآب ہوگا۔ محمد بن خزمیہ نے کہا جو شخص اللہ کو عرش پر ساتوں آسمان وں کے اوپر مستوی اور سب مخلوق سے جدا نہیں کہتا وہ کافر ہے۔ اس سے توبہ کرائی جائے تو بہ کر لے تو خیر، ورنہ اسکی گردن ماری جائے۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ عرش و کرسی ویسے ہی ہیں جیسے اللہ نے اپنی کتاب میں ان کو بیان کیا ہے۔ اللہ عرش سے بے نیاز ہے اور عرش کے نیچے والی چیزوں سے بھی وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے، اور ہر چیز سے اوپر ہے۔ شیخ ابوالحسن اشعری بصری اپنی کتاب اختلاف المضلین و مقالات الاسلامیین میں اہل السنۃ اور اصحاب حدیث کا ایک قول لکھا ہے: جس کی خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا، اللہ کے پرشتوں، کتابوں، اور پیغمبروں کا ماننا، اور جو کلام اللہ کی طرف سے آیا ہے، اور جو رسول کریم ﷺ کی صحیح حدیثوں میں مذکور ہے۔ سب پر اقرار کرنا ضروری ہے، ان میں سے کسی چیز کو رد نہیں کیا جاسکتا، اور یہ بھی ماننا لازم ہے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے، جیسا کہ اس نے خود آیت الرحمن علی العرش استوی میں فرمایا ہے: اور اللہ کے دو ہاتھ بھی ہیں مگر بغیر کیفیت (مخلوقیہ) کے اس نے خود فرمایا ہے ”خلقت بیدی“۔

ابونعیم نے حلیہ میں لکھا ہے: ہمارا طریقہ سلف کے طریقے کے موافق ہے جو کتاب اللہ احادیث نبی کریم ﷺ اور اجماع کے پیرو تھے، اور اس بات کا اعتقاد رکھتے تھے، کہ اللہ ہمیشہ سے اپنی تمام صفات میں کامل ہے،۔ آخر میں ابونعیم نے کہا جن احادیث میں اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا ذکر ہے سلف ان کو مانتے تھے، اور اللہ کو عرش پر بغیر کسی (مخلوقی) کیفیت اور تشبیہ کے مستوی مانتے تھے، اور اس امر کے بھی قائل تھے کہ اللہ اپنی مخلوق سے جدا ہے۔

ابن عبد البر نے لکھا ہے کہ اللہ عرش پر سات آسمانوں کے اوپر ہے، جیسا کہ اہل سنت کا قول ہے۔ خطیب نے کہا سلف کا مسلک یہ ہے کہ ایسی متشابہ آیات کا اقرار کیا جائے اور ان کے ظاہری معنی پر ہی الفاظ کو محمول کیا جائے اور کیفیت

وتشبیہ کی نفی کی جائے، یعنی کوئی کیفیت اور تمثیل و تشبیہ بیان نہ کی جائے، کہ معنی معلوم ہے مگر معنی کی کیفیت مجہول ہے، اور وجہ اللہ یا اید اللہ یا استوی علی العرش کو، مخلوق کے چہرے ہاتھ اور استواء سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ یہ چیزیں اللہ کی صفات ہیں مگر ویسی ہیں جیسی اس کی شان کے مناسب ہیں، امام الحرمین نے کہا: عقیدہ سلف کا اتباع ہی پسندیدہ اعتقاد اور دین اللہ ہے۔ ائمہ سلف نے تاویل سے اجتناب کیا ہے الفاظ کے ظاہری معنی کو اختیار کیا ہے اور معانی و ضاحت و تفصیل کو اللہ کے سپرد کیا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے اہل السنّت قائل ہیں کہ ”استوی علی العرش“ اللہ کی صفت ہے، بلا کیف، اس پر ایمان واجب ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے: اس کا مطلب یہ ہے کہ ”استوی علی العرش“ اللہ کے لئے ویسا ہے جیسا اس کے مناسب ہے۔ استقرار اور مکانیت کی آمیزش سے پاک ہے۔ ابو بکر علی بن عیسیٰ شبلی جو اپنے زمانہ کے صوفیاء میں سب سے بڑے عالم تھے، کہتے ہیں: رب آسمان میں ہے، حکم دیتا ہے، اور فیصلہ نافذ کرتا ہے۔

شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری نے اخبار ششی میں لکھا ہے کہ اللہ ساتویں آسمان میں عرش پر ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے، اور اس موضوع پر بہت تفصیلی بحث کی ہے۔ (جس کا خلاصہ

وہی ہے جو علماء سلف سے منقول ہے کہ معانی معلوم ہیں کیفیت نامعلوم اور ہر تشبیہ سے پاک) یہ تمام اقوال ذہبی نے ”کتاب العلو“ میں نقل کئے ہیں۔ صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء، اور صوفیہ کے کثیر جماعت (تقریباً سب) کا یہی مسلک ہے۔

میں نے مختصر سورہ اعراف کی آیت ”ثم استوی علی العرش یغشی اللیل والنہار“ اور سورہ البقرہ کی آیت ”یا تہیہم اللہ فی ظلل من الغمام“ کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے۔ کہ اصحاب قلوب کے نزدیک ذات باری تعالیٰ کی خصوصی تجلی اور خاص پر تو بعض مخلوق پر پڑتا ہے وہ مخلوق نورانی لہروں سے نور چیں ہوتی ہے۔ اس سے ذات باری تعالیٰ محل حوادث نہیں بن جاتی نہ خالص مرتبہ تنزیہ سے اس کا (تشبیہ کی طرف) تنزل ہوتا ہے) بلکہ ممکنات میں ایسا جو ہر پیدا ہو جاتا ہے جو پر تو اندوزی کے قابل بن جاتا ہے، امکان و حدوث کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے اس میں جلوہ پذیری کی قابلیت بڑھ جاتی ہے، اور بڑھتی رہتی ہے۔ اس جلوہ پاشی سے وجوب و قدم میں کوئی تغیر نہیں آتا۔ وجوب سے امکان اور قدم سے حدوث کی طرف ذات واجب و قدیم کا تنزل نہیں جاتا، میں نے سورہ بقرہ میں ”ثم استوی الی السماء فسواهن سبع سموات“ کی تفسیر کے ذیل میں اس جلوہ پاشی کی تنقیح کر دی ہے، جو مومن کے دل پر، کعبہ پر، اور عرش عظیم پر خصوصیت کے ساتھ ہوتی ہے (یعنی بعض مخلوق تجلی الہی کی خصوصی جولا نگاہ ہے، خصوصیت کے ساتھ وہ جلوہ الہی سے نور چیں ہوتی ہے، اس پر خاص چکارا اور پرتو پڑتا ہے، اس سے جلوہ ریزی اور نور پاشی کرنے والی ذات کا محتاج مکان و زمان اور حامل

کیف و کم ہونا لازم نہیں آتا۔ وہ جلوہ قدیم بے کیف ہے۔ بے مکان ہے بے زمان ہے اور ہر حادثہ مقدر، و عوارض سے پاک ہے۔ انتہی بلطفہ۔ اور اس مسئلہ کے متعلق سید امیر علی نے تفسیر مواہب الرحمن: ۳۱/۳۱ میں لکھا ہے کہ: اور حق اس مسئلہ میں قول اکابر اہل اللہ تعالیٰ ہے، اور اسی کے قریب قول عدم تاویل کا ہے، اور سب سے اخس قول تاویل ہے، اگرچہ متاخرین نے اس کو محکم و مضبوط قرار دیا ہے۔ لیکن وہ مکڑی کے جالے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ اور مترجم کو تعجب ہے کہ کیونکر بندے یہ جرات کرتے ہیں کہ حق عزوجل کی صفات پاک کو اپنی سمجھ کے موافق کر لیں۔ ”فاستقم، واللہ ہو العلیٰ الکبیر“ اور ایسی قول بدرالدین عینی نے عمدۃ القاری: ۲۲۲/۱ کہا ہے۔

اور مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے ”پھر عرش پر مستوی ہوا“، کرنی نے لکھا کہ عرش پر مستوی ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے، اس کی کیفیت بالکل سمجھ سے باہر ہے، مفسر نے لکھا کہ یہ استواء ایسا ہے جو اس کی شان کے لائق ہے، یعنی کوئی جاہل یہ گمان نہ کرے کہ عرش پر مستوی ہونا ایسی کیفیت پر ہے، یا اس کی مثال اس طرح ہے، یا یوں متصور ہے، کیونکہ حضرت باری تعالیٰ کو کسی چیز سے تشبیہ نہیں، اور نہ آدمی کے قیاس کو مجال ہے، پس جب یہ صریح آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز سے مشابہ نہیں ہے تو اتنا بالیقین معلوم ہو گیا کہ جو کیفیت بندہ تصور کرے وہ حادث ہوگی، اور اللہ تعالیٰ حادث سے پاک ہے، تو اس کی کیفیت کبھی معلوم نہیں، اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے ”استواء علی العرش“ کو بیان فرمایا تو ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ کچھ نہیں ہے، بلکہ یقین کرتے ہیں کہ جو کچھ اس نے فرمایا وہ صحیح ہے، اور کیفیت ہم کو معلوم نہیں ہے، ہاں اتنا یقین ہے کہ کوئی تشبیہ و تمثیل و تصور یہاں نہیں ہے، پس یہ طریقہ تو سلف الامۃ و اماموں کا ہے، کہ ایسی آیات کو جو اللہ تعالیٰ کی شان میں ہیں، ان پر بدون تاویل کے اسی طرح ایمان لاتے ہیں کہ جس طرح وارد ہوا ہیں، بدون کیفیت کے، اور یقین جانتے ہیں کہ یہاں قیاس و گمان و وہم وغیرہ سب باطل ہے، اور پچھلے علماء نے ان آیات میں تاویلیں کیں، تاکہ سمجھ سے موافق ہو جاوے، لیکن بے ضرورت تاویل ہے اور بکثرت احادیث جو صفات میں وارد ہیں ان میں تاویل بعض جگہ بنتی ہے اور بعض جگہ بالکل نہیں بنتی، تو تاویل بے کار ہے، اور کوئی آدمی جس کو ذرا بھی عقل ہو وہ ایمان لانے کے لئے اس بات پر ہٹ نہیں کرے گا، کہ مجھے شان و صفت الہی کا علم ہو جاوے، اس لئے کہ مخلوق کو اتنا مجال نہیں کہ حضرت خالق تبارک و تعالیٰ کا علم حاصل کرے، لہذا آیات و احادیث صفات کو اپنے معنی پر یقین کرے بدون دخل اپنے قیاس کے، اور جان لے کہ یہ صفت الہی ہے جس طرح اس کی شان پاک کے لائق ہے اسی طرح ہے۔

يُدَبِّرُ الْأُمْرَ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ
 وہی ہر ایک کام کا انتظام کرتا ہے، [2] کوئی (اُس کے پاس) اُس کی اجازت حاصل کئے بغیر (کسی کی) سفارش نہیں کر سکتا یہی اللہ

[2] آیت مذکورہ سے اتنا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں آسمان و زمین اور تمام کائنات بنائی، اور اس کے بعد عرش پر قیام فرمایا، یہ یقینی اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیات اور اس کی تمام صفات و خصوصیات سے بالا و برتر ہے، اس کا کسی مکان میں قیام اس طرح کا نہیں ہے جس طرح دنیا کی چیزوں کا قیام اپنی اپنی جگہ میں ہوتا ہے، پھر عرش پر قیام فرمانا کس طرح اور کس کیفیت کے ساتھ ہے، یہ ان تشابہات میں سے ہے جن کو انسان کی عقل و فہم نہیں پاسکتی،

اسی لئے قرآن حکیم کا ارشاد ان کے بارے میں یہ ہے کہ ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ، وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ اهْتَابَهُ﴾، یعنی ان کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور مضبوط اور صحیح علم والے اس پر ایمان لانے کا اقرار کرتے ہیں، مگر اس کی حقیقت جاننے کی فکر میں نہیں پڑتے، اس لئے اس قسم کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی نسبت کسی مکان یا جہت کی طرف کی گئی ہے، یا جن میں حق تعالیٰ کے لئے اعضاء، بد، وجہ، ساق وغیرہ کے الفاظ قرآن میں وارد ہوئے، عقیدہ جمہور علماء امت کا یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے کہ یہ کلمات اپنی جگہ پر حق ہیں اور ان سے جو مراد حق تعالیٰ کی ہے وہ صحیح ہے اور اس کی کیفیت و حقیقت کے جاننے کی فکر کو اپنی عقل سے بالاتر ہونے کی بناء پر چھوڑ دیا جائے:

اور جن متاخرین علماء نے ان چیزوں کے کوئی معنی بیان فرمائے ہیں ان کے نزدیک بھی وہ محض ایک احتمال کے درجہ میں ہیں، کہ شاید یہ معنی ہوں، اس معنی کو یقینی وہ نہیں فرماتے اور نرے احتمالات ظاہر ہے کہ کسی حقیقت کا انکشاف نہیں کر سکتے،

اس لئے صاف اور سیدھا مسلک صالحین اور صحابہ و تابعین ہی کا ہے جنہوں نے ان چیزوں کی حقیقت کو علم الہی کے سپرد کرنے پر قناعت فرمائی، اس کے بعد فرمایا: ﴿يُدَبِّرُ الْأُمْرَ﴾ یعنی عرش پر مستوی ہو کر وہ تمام عالموں کا انتظام خود دست قدرت سے انجام دیتا ہے۔ (معارف القرآن)۔

رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۳۳﴾ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعَدَدَ اللَّهُ حَقًّا

تمہارا رب ہے تو اسی کی عبادت کرو بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟۔ اسی کے پاس تم سب کولوٹ کر جانا ہے، اللہ کا وعدہ سچا

إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

ہے، وہی خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ ایمان والوں اور نیک کام کرنے والوں کو

بِالْقِسْطِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ

انصاف کیساتھ بدلہ دے اور جو کافر ہیں اُن کیلئے پینے کو نہایت گرم پانی اور درد ناک عذاب ہو گا

بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۳۴﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا

کیونکہ (اللہ سے) انکار کرتے تھے۔ وہی تو ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو ممتور بنایا

وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ

اور چاند کی منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کا شمار اور (کاموں کا) حساب معلوم کرو یہ (سب کچھ) اللہ نے تدبیر سے پیدا کیا

ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۵﴾

ہے سمجھنے والوں کیلئے وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

رات اور دن کے (ایک دوسرے کے پیچھے) آنے جانے میں اور جو چیزیں اللہ نے آسمان اور زمین میں پیدا کی ہیں

لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ﴿۳۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ

(سب میں) ڈرنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں اور دنیا کی زندگی سے خوش

الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ﴿۳۷﴾

اور اسی پر مطمئن ہو بیٹھے اور ہماری نشانیوں سے غافل ہو رہے ہیں۔

أُولَئِكَ مَا وَاهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۸﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا

اُن کا ٹھکانہ اُن (اعمال) کے سبب جو وہ کرتے ہیں دوزخ ہے۔ (اور) جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ

اور نیک کام کرتے رہے اُن کو اللہ تعالیٰ اُن کے ایمان کی وجہ سے (ایسے مخلوق کی) راہ دکھائے گا (کہ) اُن کے نیچے

الْأَنْهَارُ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۹﴾ دَعُواهُمْ فِيهَا

نعت کے باغوں میں نہریں بہ رہی ہوں گی۔ (جب وہ) اُن میں (اُن کی نعمتوں کو دیکھیں گے تو بے ساختہ) کہیں گے سبحان اللہ!

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۖ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ

اور آپس میں اُن کی دعا السلام علیکم ہو گی اور اُن کا آخری قول یہ (ہو گا) کہ

إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾ وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ

اللہ رب العالمین کی حمد (اور اُس کا شکر) ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کی بُرائی میں جلدی کرتا

اسْتَعْجَلَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقَضَىٰ إِلَيْهِمْ أَجْلَهُمْ فَانذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا

جس طرح وہ طلبِ خیر میں جلدی کرتے ہیں تو اُن کی (عمر کی) میعاد پوری ہو چکی ہوتی سو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی توقع نہیں

فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۱﴾ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبِهِ

انہیں ہم چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بہکتے رہیں۔ اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو لیٹا

أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ

اور بیٹھا اور کھڑا (ہر حال میں) ہمیں پکارتا ہے پھر جب ہم اس تکلیف کو اس سے دُور کر دیتے ہیں تو (بے لحاظ ہو جاتا اور)

مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرِّ مَسَّهُ كَذَلِكَ زِينٌ لِّلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا

اس طرح گزر جاتا ہے کہ گویا کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا اسی طرح حد سے نکل جانے والوں کو اُن کے

يَعْمَلُونَ ﴿۱۲﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا

اعمال آراستہ کر کے دکھائے گئے ہیں۔ اور تم سے پہلے ہم کئی امتوں کو جب انہوں نے ظلم اختیار کیا

وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ

ہلاک کر چکے ہیں اور اُن کے پاس پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے، ہم گنہگاروں کو اسی

الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳﴾ جَعَلْنَاكُمْ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ

طرح بدلا دیا کرتے ہیں۔ پھر ہم نے اُن کے بعد تم لوگوں کو ملک میں خلیفہ بنایا تاکہ ظاہر کریں کہ تم کیسے

كَيْفَ تَعْمَلُونَ ﴿۱۴﴾ وَإِذَا تُلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ

کام کرتے ہو۔ اور جب اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو جن لوگوں کو ہم سے ملنے کی امید نہیں وہ کہتے ہیں

لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ نَا ائْتِ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ

کہ (یا تو) اس کے سوا کوئی اور قرآن (بنا) لاؤ یا اس کو بدل دو۔ کہہ دو کہ مجھے اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے

أَبَدِّلْهُ مِنْ تَلْقَاءِ نَفْسِي إِنْ اتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ

بدل دوں میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں

إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۵﴾

تو مجھے بڑے (سخت) دن کے عذاب سے خوف آتا ہے

قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ

(یہ بھی) کہہ دو کہ اگر اللہ چاہتا تو (نہ تو) میں ہی یہ (کتاب) تمہیں پڑھ کر سناتا اور نہ ہی تمہیں اس سے واقف کرتا،

فَقَدَلَبْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۶﴾ مِمَّنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ

میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں بھلا تم سمجھتے نہیں؟۔ تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا

عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۷﴾

جو اللہ پر جھوٹ باندھے اور اُس کی آیتوں کو جھٹلائے بیشک گنہگار فلاح نہیں پائیں گے

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ

اور یہ (لوگ) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ اُن کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں اور نہ کچھ بھلا ہی کر سکتی ہیں۔

وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ قُلْ اتَّبِعُونِ اللَّهَ بِمَا

اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں کہہ دو کہ کیا تم اللہ کو ایسی چیز بتاتے ہو جس کا وجود اُسے نہ [3]

أَوْ يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا

آسمانوں میں معلوم ہوتا ہے اور نہ زمین میں۔ وہ پاک ہے اور (اُس کی شان) ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے

يُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾ مَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا

اور (سب) لوگ (پہلے) ایک ہی اُمت (یعنی ایک ہی ملت پر) تھے پھر جدا جدا ہو گئے

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقَضِيَ بَيْنَهُمْ فِي مَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۹﴾

اور اگر ایک بات جو تمہارے رب کی طرف سے پہلے ہو چکی ہے نہ ہوتی تو جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں اُن میں فیصلہ کر دیا جاتا

[3] ”وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ“ اگر اس آیت سے شفاعت اخروی مراد ہو، تو معنی یہ ہے کہ

اگر بالفرض قیامت آ بھی جائے تو یہ ہماری سفارش کریں گے، اور اگر دنیوی مراد ہو تو پھر اس سے شفاعت مانوق الانساب

مراد ہے، اور اصنام کی طرف ان کی نسبت بطریق سمیٹ کے ہے، کہ وہ بت انہوں نے ہی نیک لوگوں کے صورتوں

پر بنائے تھے، کفار کا خیال تھا کہ جب ہم ان کی عبادت میں مشغول ہوں گے تو یہ ذوات فاضلہ ہماری سفارش کریں گے

(روح المعانی)۔ جیسا کہ آج کل کے قبروں پرستوں کا یہی خیال ہے۔

وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ

اور کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ غیب (کا علم) تو اللہ ہی کو ہے

فَانتَظِرُوا أَنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً

سو تم انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اور جب ہم لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد (اپنی) رحمت

مِّن بَعْدِ ضَرَاءٍ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَكْرَفٌ فِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرَاءً

(سے آسائش) کا مزہ چکھاتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں میں حیلے کرنے لگتے ہیں۔ کہہ دو کہ اللہ بہت جلد حیلہ کرنے والا ہے

إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿۱۱﴾ هُوَ الَّذِي يُسِيرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

اور جو حیلے تم کرتے ہو ہمارے فرشتے اُن کو لکھتے جاتے ہیں۔ وہی تو ہے جو تمہیں جنگل اور دریا میں چلنے پھرنے اور سیر کرنے

حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرِينَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ

کی توفیق دیتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں (سوار) ہوتے ہو اور کشتیاں پاکیزہ ہوا (کے نرم نرم جھونکوں) سے

وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَ تَهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ

سواروں کو لے کر چلنے لگتی ہیں اور وہ اُن سے خوش ہوتے ہیں تو ناگہاں زناٹے کی ہوا چل پڑتی ہے اور لہریں ہر طرف سے

وَوَظَّنُّوا أَنَّهُمْ أَحْيَاهُمْ أَطْبَهُمْ دَعَا اللَّهُ

اُن پر جوش مارتی ہوئی آنے لگتی ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ اب تو لہروں میں گھر گئے تو اُس وقت خالص اللہ ہی کی

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

عبادت کر کے اُس سے دعا مانگنے لگتے ہیں [4]

[4] جب مکہ مکرمہ فتح ہوا تو عکرمہ (ابو جہل کا بیٹا) بھاگ کر بحری جہاز میں سوار ہوا، مخالف ہوا چلنے لگی تو جہاز =

لَئِنْ اُنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهِ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

کہ (اے اللہ) اگر تو ہمیں اس سے نجات بخشنے تو ہم (تیرے) بہت ہی شکر گزار ہوں

فَلَمَّا اَنْجَاهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ يَآئِيْهَا النَّاسُ اِنَّمَا

لیکن جب وہ اُن کو نجات دیدیتا ہے تو ملک میں ناحق شرارت کرنے لگتے ہیں۔ لوگو! تمہاری

بَغْيُكُمْ عَلٰى اَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ

شرارت کا وبال تمہاری ہی جانوں پر ہوگا تم دنیا کی زندگی کے فائدے اٹھاؤ پھر تمہیں ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے،

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۳﴾ اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ

اُس وقت ہم تمہیں بتائیں گے جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔ دنیا کی زندگی کی مثال مینہ کی سی ہے

اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ

کہ ہم نے اُس کو آسمان سے برسایا پھر اُس کیساتھ سبزہ جسے آدمی اور جانور کھاتے ہیں

حَتّٰى اِذَا اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازْيَنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَا اَنَّهُمْ قَادِرُوْنَ

ملا کر نکلا یہاں تک کہ زمین سبزے سے خوشنما اور آراستہ ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ اس پر پوری دسترس رکھتے ہیں

عَلَيْهَا اَتَاهَا اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَبِ الْاُمْسِ

ناگہاں رات کو یا دن کو ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے اُس کو کاٹ (کر ایسا کر) ڈالا کہ گویا کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔

= والے لوگوں نے کہا کہ اب اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی ہمیں نہیں بچا سکتا، لہذا اب صرف اللہ تعالیٰ ہی سے بچاؤ کی دعا کرو، یہ

سنکر عکرمہ نے کہا! اے اللہ جب سمندر میں بچانے والا تو ہی ہے تو پھر خشکی میں کوئی اور بچانے والا ہوگا؟ اے اللہ اگر تو نے مجھے

نجات دی تو میں جاتے ہی اپنا ہاتھ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ ہی میں دوں گا، چنانچہ چونچتے ہی مسلمان ہوا (ابن عباسؓ)۔

كَذَلِكَ نَفْصِلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۳۱﴾ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ

جو لوگ غور کرنے والے ہیں اُن کیلئے ہم (اپنی قدرت کی) نشانیاں اسی طرح کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ اور اللہ سلامتی

السَّلَامِ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۲۳۲﴾ وَاللَّذِينَ أَحْسَنُوا

کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے سیدھا رستہ دکھاتا ہے جن لوگوں نے نیکو کاری کی

الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

اُن کیلئے بھلائی ہے اور (مزید برآں) اور بھی اور اُن کے مونہوں پر نہ تو سیاہی چھائے گی اور نہ رسوائی، یہی

الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ

جنتی ہیں کہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جنہوں نے بُرے کام کئے تو بُرائی کا بدلہ

بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۚ مَّا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ

ویسا ہی ہوگا اور اُن کے مونہوں پر ذلت چھا جائے گی اور کوئی اُن کو اللہ سے بچانے والا نہ ہوگا

كَانَمَّا أَغْشِيَتْ وُجُوهَهُمْ قِطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

اُن کے مونہوں (کی سیاہی کا یہ عالم ہوگا کہ اُن) پر گویا اندھیری رات کے ٹکڑے اڑھادیئے گئے ہیں، یہی دوزخی ہیں

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۳۴﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ

کہ ہمیشہ اُس میں رہیں گے۔ اور جس دن ہم ان سب کو اکٹھا جمع کریں گے پھر مشرکوں سے کہیں گے

أَشْرَكُوا مِمَّا كَانَتْكُمْ أُمَّتُمْ وَشُرَكَائِكُمْ فَوَيْلٌ لَّنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاءُهُمْ

کہ تم اور تمہارے شریک اپنی جگہ ٹھہرے رہو تو ہم اُن میں تفرقہ ڈال دیں گے اور اُن کے شریک (اُن سے) کہیں گے

مَّا كُنْتُمْ إِبَانًا تَعْبُدُونَ ﴿۲۳۵﴾ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

کہ تم ہمیں نہیں پوجتے تھے۔ ہمارے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے

إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغْفَلِينَ ﴿۳۴﴾ هَذَا لِكَيْ تَبْلُو كُلَّ نَفْسٍ مَّا أَسْلَفَتْ

ہم تمہاری پرستش سے بالکل بے خبر تھے۔ وہاں ہر شخص (اپنے اعمال کی) جو اُس نے آگے بھیجے ہوں گے آزمائش کر لے گا

وَرُدُّوْاۤ اِلَى اللّٰهِ مَوْلَاَهُمُ الْحَقُّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۵﴾

اور وہ اپنے سچے مالک کی طرف لوٹائے جائیں گے اور جو کچھ وہ بہتان باندھا کرتے تھے سب اُن سے جاتا رہے گا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ

(اُن سے) پوچھو کہ تمہیں آسمان اور زمین میں رزق کون دیتا ہے یا (تمہارے) کانوں اور آنکھوں کا مالک کون ہے

وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدْبِرُ

اور بے جان سے جاندار کون پیدا کرتا ہے اور جاندار سے بے جان کون پیدا کرتا ہے اور دنیا کے کاموں کا

الْاَمْرَ فَسَيَقُولُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۶﴾ هَذَا لِكَيْ تَرْبُّوْاۤ اِلَى اللّٰهِ رَبِّكُمْ الْحَقُّ

انتظام کون کرتا ہے؟ جھٹ کہہ دیں گے کہ اللہ۔ تو کہو کہ پھر تم (اللہ سے) ڈرتے کیوں نہیں؟۔ یہی اللہ تو تمہارا رب ہے

فَمَاذَا بَعَدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَالُ فَاِنِّي تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۷﴾ هَذَا لِكَيْ تَحَقِّقَ

اور حق بات کے ظاہر ہونے کے بعد گمراہی کے سوا ہے ہی کیا تو تم کہاں پھرے جاتے ہو؟۔ اسی طرح اللہ کا ارشاد اُن

كَلِمَاتٍ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا اِنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۸﴾

نافرمانوں کے حق میں ثابت ہو کر رہا کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَاُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَاُ الْخَلْقَ

(ان سے) پوچھو کہ بھلا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ مخلوقات کو ابتداء پیدا کرے (اور)

ثُمَّ يُعِيْدُهُ فَاِنِّي تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۹﴾

پھر اُس کو دوبارہ بنائے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اُس کو دوبارہ پیدا کرے گا تو تم کہاں پھرے جا رہے ہو؟

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ قُلِ اللَّهُ

پوچھو کہ بھلا تمہارے شریکوں میں کون ایسا ہے کہ حق کا رستہ دکھائے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی

يَهْدِي لِلْحَقِّ أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمْ لَا

حق کا رستہ دکھاتا ہے بھلا جو حق کا رستہ دکھائے وہ اس قابل ہے کہ اُس کی پیروی کی جائے یا وہ

يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۱۱﴾

کہ جب تک کوئی اُسے رستہ نہ بتائے رستہ نہ پائے تو تمہیں کیا ہوا ہے؟ کیا فیصلہ کرتے ہو؟

وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا

اور ان میں سے اکثر صرف گمان کی پیروی کرتے ہیں اور کچھ شک نہیں کہ گمان حق کے مقابلے میں کچھ بھی کارآمد نہیں ہو سکتا

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۱۱۲﴾

بیشک اللہ تمہارے (سب) افعال سے واقف ہے۔ اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کے سوا کوئی اس کو اپنی طرف سے بنا لائے

مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ

ہاں (یہ اللہ کا کلام ہے) جو (کتابیں) اس سے پہلے (کی) ہیں اُن کی تصدیق کرتا ہے اور انہی کتابوں کی (اس میں)

لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۱۳﴾ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ

تفصیل ہے اس میں کچھ شک نہیں (کہ) یہ رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے۔ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے

قُلْ فَاتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنْ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ

اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم بھی اس طرح کی ایک سورت بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جن کو تم بلا سکو بلا

صَادِقِينَ ﴿۱۱۴﴾ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِطُوا بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ

بھی لو۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پاسکے اس کو (نادانی سے) جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں

كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

اسی طرح جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے تکذیب کی تھی سو دیکھ لو کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا۔

الظَّالِمِينَ ﴿٢٨﴾ مِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ وَرَبُّكَ

اور ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں کہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ ایمان نہیں لاتے اور تمہارا رب

أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٢٩﴾ وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ

شریروں سے خوب واقف ہے۔ اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو کہہ دو کہ مجھے میرے اعمال (کا بدلہ ملے گا) اور تمہیں

عَمَلِكُمْ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٣٠﴾ مِنْهُمْ

تمہارے اعمال (کا) تم میرے اعمال کے جواب دہ نہیں ہو اور میں تمہارے اعمال کا جواب دہ نہیں ہوں۔ اور ان میں بعض

مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنْتَ تَسْمَعُ الصَّمَّةَ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ﴿٣١﴾

ایسے ہیں کہ تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سناؤ گے اگرچہ کچھ بھی (سننے) سمجھتے نہ ہوں؟

وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ ۚ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوا لَا

اور بعض ایسے ہیں کہ تمہاری طرف دیکھتے ہیں تو کیا تم اندھوں کو راستہ دکھاؤ گے اگرچہ کچھ بھی دیکھتے (بھالتے) نہ ہوں؟

يُبْصِرُونَ ﴿٣٢﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ

اللہ تو لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا لیکن لوگ ہی اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں

يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾ وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَأَنْ لَّمْ يَلْبُثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ

اور جس دن اللہ ان کو جمع کرے گا (تو وہ دنیا کی نسبت ایسا خیال کریں گے کہ) گویا (وہاں) گھڑی بھر دن سے زیادہ رہے

يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ

ہی نہیں تھے (اور) آپس میں ایک دوسرے کو شناخت بھی کریں گے، جن لوگوں نے اللہ کے روبرو حاضر ہونے کو جھٹلایا

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۴۱﴾ ﴿۱۴۰﴾ وَمَا نُرِيكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ

وہ خسارے میں پڑ گئے اور ہدایت یافتہ نہ ہوئے اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں

أَوْ نَتَوَفِّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ﴿۱۴۲﴾ ﴿۱۴۱﴾

تمہاری آنکھوں کے سامنے کریں یا تمہاری مدت حیات پوری کر دیں تو ان کو ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے پھر جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس کو دیکھ رہا ہے

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا

اور ہر ایک امت کی طرف پیغمبر بھیجا گیا، جب ان کا پیغمبر آتا ہے تو ان میں انصاف کیساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر کچھ

يُظْلَمُونَ ﴿۱۴۳﴾ ﴿۱۴۲﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۴۴﴾ ﴿۱۴۳﴾

ظلم نہیں کیا جاتا۔ اور یہ کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو (جس عذاب کا) یہ وعدہ (ہے وہ) کب آئے گا؟

قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ

کہہ دو کہ میں تو اپنے نقصان اور فائدے کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے ہر ایک امت کیلئے (موت کا) ایک وقت

إِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿۱۴۵﴾ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ

مقرر ہے جب وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی بھی دیر نہیں کر سکتے اور نہ جلدی کر سکتے ہیں۔ کہہ دو بھلا دیکھو

إِنْ آتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ﴿۱۴۶﴾ ﴿۱۴۵﴾

تو اگر اس کا عذاب تم پر (ناگہاں) آجائے رات کو یا دن کو تو پھر گنہگار کس بات کی جلدی کریں گے؟

أَنْتُمْ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ آلْتُمْ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۴۷﴾ ﴿۱۴۶﴾

کیا جب وہ واقع ہوگا تب اُس پر ایمان لاؤ گے اور اب (ایمان لائے)؟ اسی کیلئے تو تم جلدی مچایا کرتے تھے

ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ

پھر ظالم لوگوں سے کہا جائے گا کہ عذابِ دائمی کا مزہ چکھو (اب) تم انہی (اعمال) کا بدلا پاؤ گے جو (دنیا میں)

تَكْسِبُونَ ﴿۲۱﴾ تَكْسِبُونَ كَسَبًا مِّنْ قَبْلِكَ أَحَقُّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ وَمَا أَنْتُمْ

کرتے رہے۔ اور تم سے دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ سچ ہے؟ کہہ دو کہ ہاں اللہ کی قسم سچ ہے اور تم (بھاگ کر اللہ کو)

بِمُعْجِزِينَ ﴿۲۲﴾ لَوْ لَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِي الْأَرْضِ

عاجز نہیں کر سکو گے۔ اور اگر ہر ایک نافرمان شخص کے پاس روئے زمین کی تمام چیزیں ہوں تو (عذاب سے بچنے کے)

لَا فَتَدَتْ بِهِ وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ

بدلے میں (سب) دے ڈالے اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو (پچھتائیں گے اور) ندامت کو چھپائیں گے

وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۳﴾ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مَا فِي

اور ان میں انصاف کیساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور (کسی طرح کا) ان پر ظلم نہیں ہوگا۔ سن رکھو کہ جو کچھ

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا إِنْ وَعَدَ اللَّهُ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۴﴾

آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے اور یہ بھی سن لو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۵﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تَكْمُ

وہی جان بخشتا ہے اور (وہی) موت دیتا ہے اور تم لوگ اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ لوگو! تمہارے پاس

مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ

رب کی طرف سے نصیحت اور دلوں کی بیماریوں کی شفا اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت

لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۶﴾ لَقَدْ بَدَّلْنَا لَكُمُ الْفُلَ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا

آپہنچی ہے۔ کہہ دو کہ (یہ کتاب) اللہ کے فضل اور اس کی مہربانی سے (نازل ہوئی ہے) تو چاہیے کہ لوگ اس سے خوش ہوں،

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۸﴾ اَللّٰهُمَّ مَا اَنْزَلْتَ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ

یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔ [5] کہو کہ بھلا دیکھو تو اللہ نے تمہارے لئے جو رزق نازل فرمایا

فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا ۗ اَقُلُّ اَللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلٰى اَللّٰهِ تَفْتَرُونَ ﴿۹﴾

تو تم نے اس میں سے (بعض کو) حرام ٹھہرایا اور (بعض کو) حلال (ان سے) پوچھو کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر افتراء کرتے ہو؟

وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلٰى اَللّٰهِ الْكُذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اَللّٰهَ

اور جو لوگ اللہ پر افتراء کرتے ہیں وہ قیامت کے دن کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں؟ بیشک اللہ

لَذُو فَضْلٍ عَلٰى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ مَا تَكُوْنُ فِىْ شَأْنٍ

لوگوں پر مہربان ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اور تم جس حال میں ہوتے ہو

وَمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا

یا قرآن میں سے کچھ پڑھتے ہو یا تم لوگ کوئی (اور) کام کرتے ہو جب اس میں مصروف ہوتے ہو

[5] فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے توفیق ایمان و اسلام مراد ہے، یاد دونوں سے مراد قرآن ہی ہے، اس

آیت میں نہایت تاکید اور اہتمام سے قرآن کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت ہے خوش ہونے کا حکم

دیا گیا ہے، اس آیت کی فصاحت و بلاغت کا کمال یہ ہے کہ لفظی تکرار کے بغیر اس میں معنوی تکرار اور تاکید موجود

ہے، چنانچہ یہاں تین بار اس کی تاکید ہے: (۱) بفضل اللہ کا متعلق محذوف ہے اصل میں تھا بفضل اللہ

و برحمتہ فلیفرحوا، (۲) فبذلک، فاء، اس پر دلالت کر رہی ہے کہ ”بذلک“ کا متعلق محذوف ہے، جو قرینہ

ما بعد ”لیفرحوا“ ہے، (۳) ”فلیفرحوا“ جملہ ہے، جس کا متعلق بذلک مقدر ہے اس طرح فبذلک

فلیفرحوا، دو مستقل جملے ہونگے اور اصل کلام یوں ہوگا، فبذلک لیفرحوا، فبذلک لیفرحوا، پہلے جملہ سے

فلیفرحوا اور دوسرے جملہ سے بذلک محذوف ہوگا، فبذلک فلیفرحوا میں ظرف کی فعل پر تقدیم مفید حصر ہے،

اسی ہی کے ساتھ انہیں خوش ہونا چاہئے، نہ کسی دوسری کتاب یا دنیوی مال و منال سے۔ =

إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ

ہم تمہارے سامنے ہوتے ہیں اور تمہارے رب سے ذرہ برابر بھی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں

وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ

اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی ہے یا بڑی، مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے

﴿٤١﴾ لَا إِنْ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٢﴾

سن رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گے

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿٤٣﴾ هُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

(یعنی) وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے۔ تو ان کیلئے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے

وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿٤٤﴾

اور آخرت میں بھی۔ اللہ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ [6]

= دیگر مفسرین نے صرف دو جملے بنائے ہیں ایک بفضل اللہ وبرحمته فلیفرحوا، دوم، فبذلک فلیفرحوا، امام رازی فرماتے ہیں وتقديره بفضل الله وبرحمته فلیفرحوا، ثم يقول مرة اخرى، فبذلک فلیفرحوا، والتكرار للتأكيد.

[6] آیات مذکورہ میں اولیاء اللہ کے مخصوص فضائل اور ان کی تعریف اور پہچان پھر دنیا اور آخرت میں ان کے لئے بشارت کا ذکر ہے، ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ کونہ کسی ناگوار چیز کے پیش آنے کا خطرہ ہوگا اور نہ کسی مقصد کے فوت ہو جانے کا غم، اور اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کی، ان کے لئے دنیا میں بھی خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی۔ اس میں چند باتیں قابل غور ہیں، اول یہ کہ اولیاء اللہ پر خوف و غم نہ ہونے کے کیا معنی ہیں؟ دوسرے یہ کہ اولیاء اللہ کی تعریف کیا ہے اور ان کی علامات کیا ہیں؟ تیسرے یہ کہ دنیا اور آخرت

میں ان کی بشارت سے کیا مراد ہے؟۔

پہلی بات کہ اولیاء اللہ پر خوف و غم نہیں ہوتا، اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ آخرت میں حساب کتاب کے بعد جب ان کو ان کے مقام جنت میں داخل کر دیا جائے گا، تو خوف و غم سے ان کو ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی، نہ کسی تکلیف و پریشانی کا خطرہ رہے گا نہ کسی محبوب و مطلوب چیز کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم ہوگا، بلکہ جنت کی نعمتیں دائمی اور لازوال ہوں گی، اس معنی کی اعتبار سے تو مضمون ایت پر کوئی اشکال نہیں لیکن یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس میں اولیاء اللہ کی کوئی خصوصیت نہ رہی بلکہ تمام اہل جنت جن کو جہنم سے نجات مل گئی وہ اسی حال میں ہوں گے، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ جو لوگ انجام کار جنت میں پہنچ گئے وہ سب اولیاء اللہ ہی کہلائیں گے۔

دنیا میں ان کے اعمال کتنے ہی مختلف رہے ہوں، مگر دخول جنت کے بعد سب کے سب اولیاء اللہ کی ہی فہرست میں شمار ہوں گے۔ لیکن بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ اولیاء اللہ پر خوف و غم نہ ہونا دنیا و آخرت دونوں کے لئے عام ہے اور اولیاء اللہ کی خصوصیت یہی ہے کہ دنیا میں بھی وہ خوف و غم سے محفوظ ہیں اور آخرت میں ان پر خوف و غم نہ ہونا تو سب ہی جانتے ہیں اور اس میں سب اہل جنت داخل ہیں۔

مگر اس پر حالات و واقعات کے اعتبار سے یہ اشکال ہے کہ دنیا میں تو یہ بات مشاہدہ کے خلاف ہے کیونکہ اولیاء اللہ تو کیا انبیاء علیہ السلام بھی اس دنیا میں خوف و غم سے محفوظ نہیں، بلکہ ان کا خوف و خشیت اوروں سے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے (انما یخشى الله من عباده العلماء) (فاطر: ۲۸) یعنی اللہ تعالیٰ سے پوری طرح علماء ہی ڈرتے ہیں، اور دوسری جگہ میں اولیاء اللہ ہی کا یہ حال بیان فرمایا ہے ”والذین ہم من عذاب ربهم مشفقون ط ان عذاب ربهم غیر مامون“۔ (معارج: ۲۸) یعنی یہ لوگ اللہ کے عذاب سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں، کیونکہ ان کے رب کا عذاب ایسی چیز نہیں جس سے کوئی بے فکر ہو کر بیٹھ سکے۔

اور واقعات بھی یہی ہیں جیسا کہ شامل ترمذی کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم ﷺ اکثر حالات میں متفکر و غمگین نظر آتے تھے، اور آپ نے خود فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ صحابہ کرام میں سب سے افضل صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما اور تمام صحابہ و تابعین اور اولیاء اللہ کی گریہ و زاری اور خوف آخرت کے

واقعات بیٹھا رہیں۔

اس لئے روح المعانی میں علامہ آلوسی نے یہ فرمایا کہ اولیاء اللہ کا دنیا میں خوف و غم سے محفوظ ہونا اس اعتبار سے ہے کہ جن چیزوں کے خوف و غم میں عام طور سے اہل دنیا مبتلا رہتے ہیں، کہ دنیوی مقاصد آرام و راحت، عزت و دولت میں ذرا سی کمی ہو جانے پر مرنے لگتے ہیں، اور ذرا ذرا سی تکلیف و پریشانی کے خوف سے ان سے بچنے کی تدبیروں میں رات دن کھوئے رہتے ہیں، اولیاء اللہ کا مقام ان سب سے بالا و بلند ہوتا ہے ان کی نظر میں نہ دنیا کی فانی عزت و دولت، راحت و آرام کوئی چیز ہے، جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں ہوں، اور نہ یہاں کی محنت و کلفت اور رنج کچھ قابل التفات ہے، جس کی مدافعت میں پریشان ہوں۔ اللہ جل شانہ، کی عظمت و محبت اور خوف و خشیت ان اولیاء پر ایسی چھائی ہوتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں دنیا کی رنج و راحت سودوزیاں پر کاہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتے،

دوسری بات اولیاء اللہ کی تعریف اور ان کی علامات سے متعلق ہے، اولیاء ولی کی جمع ہے لفظ ولی عربی زبان میں قریب کے معنی میں بھی آتا ہے اور دوست و محبت کے معنی میں بھی، اللہ تعالیٰ کے قرب و محبت کا ایک عام درجہ تو ایسا ہے کہ اس سے دنیا کا کوئی انسان و حیوان بلکہ کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں، اگر یہ قرب نہ ہو تو سارے عالم میں کوئی چیز وجود ہی میں نہیں آسکتی، تمام عالم کے وجود کی اصلی علت وہی خاص رابطہ ہے جو اس کو حق تعالیٰ جل شانہ سے حاصل ہے، گو اس رابطہ کی حقیقت کو نہ کسی نے سمجھا اور نہ سمجھ سکتا ہے، مگر ایک بے کیف رابطہ کا ہونا یقینی ہے، مگر لفظ اولیاء اللہ میں یہ درجہ ولایت کا مراد نہیں بلکہ ولایت و محبت اور قرب کا ایک دوسرا درجہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے مخصوص بندوں کے ساتھ خاص ہے، یہ قرب محبت کہلاتا ہے جن لوگوں کو یہ قرب خاص حاصل ہو وہ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرا بندہ نقلی عبادات کے ذریعہ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں بھی اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو پھر میں ہی اسکے کان بن جاتا ہوں وہ جو کچھ سنتا ہے میرے ذریعہ سنتا ہے۔ میں ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہوں وہ جو کچھ دیکھتا ہے مجھ سے دیکھتا ہے، میں ہی اس کے ہاتھ پاؤں بن جاتا ہوں، وہ جو کچھ کرتا ہے مجھ سے کرتا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ اس

کی کوئی حرکت و سکون اور کوئی کام میری رضا کے خلاف نہیں ہوتا۔ بخاری: ۲۰۵۶۔

اور اس ولایت خاصہ کے درجات پیشا اور لائتا ہی ہیں، اس کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہ السلام کو حاصل ہے، کیونکہ ہر نبی کا ولی اللہ ہونا لازمی ہے، اور اس میں سب سے اونچا مقام سید الانبیاء نبی اکرم ﷺ کا ہے، اور ادنیٰ درجہ اس ولایت کا وہ ہے جس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں درجہ فناء کہا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ادنیٰ کا قلب اللہ تعالیٰ کی یاد میں ایسا مستغرق ہو کہ دنیا میں کسی کی محبت اس پر غالب نہ آئے، وہ جس سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے، جس سے نفرت کرتا ہے تو اللہ کے لئے کرتا ہے، اس کے حب و بغض اور محبت و عداوت میں اپنی ذات کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں مشغول رہتا ہے، اور وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند ہو، اسی حالت کی علامت ہے کثرت ذکر اور دوام طاعت، یعنی اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرنا اور ہمیشہ ہر حال میں اس کے احکام کی اطاعت کرنا، یہ دو وصف جس شخص میں موجود ہوں وہ ولی اللہ کہلاتا ہے، جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک نہ ہو وہ اس فہرست میں داخل نہیں، پھر جس میں یہ دونوں موجود ہوں اس کے درجات ادنیٰ و اعلیٰ کی کوئی حد نہیں، انہیں درجات کے اعتبار سے اولیاء اللہ کے درجات متفاضل کم و بیش ہوتے ہیں ایک حدیث میں بروایت ابو ہریرہؓ مذکور ہے کہ رسول کریم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اس آیت میں اولیاء اللہ سے کون لوگ مراد ہیں؟ آپ نے فرمایا: کہ وہ لوگ جو خالص اللہ کے لئے آپس میں محبت کرتے ہیں کوئی دنیاوی غرض درمیان میں نہیں ہوتی (مظہری، از بن مردویہ)۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حالت انہیں لوگوں کی ہوسکتی ہے جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔

یہاں ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے کہ اس درجہ ولایت کے حاصل کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ قاضی ثناء اللہ پانی پٹی نے تفسیر مظہری میں فرمایا کہ امت کے افراد کو یہ درجہ ولایت رسول کریم ﷺ ہی کے فیض صحبت سے حاصل ہو سکتا ہے، اسی سے تعلق مع اللہ کا وہ رنگ جو رسول کریم ﷺ کو حاصل تھا اپنے حوصلہ کے مطابق اس کا کوئی حصہ امت کے اولیاء کو ملتا ہے، پھر یہ فیض صحبت صحابہ کرام کو بلا واسطہ حاصل تھا، اسی وجہ سے ان کا درجہ ولایت تمام امت کے اولیاء سے بالاتر تھا، بعد کے لوگوں کو یہی فیض ایک واسطہ یا چند واسطوں سے حاصل ہوتا ہے جتنے وسائل بڑھتے

جاتے ہیں اتنا ہی اس میں فرق بڑھتا جاتا ہے۔ یہ واسطہ صرف وہی لوگ بن سکتے ہیں جو رسول کریم ﷺ کے رنگ میں رنگ ہوئے، آپ کی سنت کے پیرو ہیں، ایسے لوگوں کے کثرت سے مجالست اور صحبت جبکہ اس کے ساتھ ان کے ارشادات کی پیروی اور اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت بھی ہو۔

یہی نسخہ درجہ ولایت حاصل کرنے کا جو تین جز سے مرکب ہیں کسی ولی اللہ کی صحبت اس کی اطاعت اور ذکر اللہ کی کثرت بشرطیکہ یہ کثرت ذکر مسنون طریقہ پر ہوں کیونکہ کثرت ذکر سے آئینہ قلب کو جلا ہوتی ہے، تو وہ نور ولایت کے انعکاس کے قابل بن جاتا ہے، حدیث میں ہے کہ ہر چیز کے لئے صیقل اور صفائی کا کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ قلب کی صیقل ذکر اللہ سے ہوتی ہے، اس کو بیہتی نے شعب الایمان: ۲۰۱۴، میں بروایت ابن عمر نقل فرمایا ہے۔

اور عبد اللہ بن مسعود نے فرمایا: کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے سوال کیا کہ آپ اس شخص کے بارے میں کیا فرماتے ہیں جو کسی مومن سے محبت کرتا ہے مگر عمل کے اعتبار سے ان کے درجہ تک نہیں پہنچتا؟ آپ نے فرمایا ”السمراء مع من احب“ یعنی ہر شخص اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہے (ترمذی: ۲۳۸۵) اس سے معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کی محبت و صحبت انسان کے لیے حصول ولایت کا ذریعہ ہے۔ اور بیہتی نے شعب الایمان میں رزین کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول ﷺ نے رزین سے فرمایا کہ میں تمہیں دین کا ایسا اصول بتلاتا ہوں جس سے تم دنیا و آخرت کی فلاح و کامیابی حاصل کر سکتے ہو، وہ یہ ہے کہ اہل ذکر کی مجلس و صحبت کو لازم پکڑو اور جب تنہائی میں جاؤ تو جتنا زیادہ ہو سکے اللہ کے ذکر سے اپنی زبان کو حرکت دو، جس سے محبت کرو اللہ کے لیے کرو، جس سے نفرت کرو اللہ کے لیے کرو (شعب الایمان: ۸۷۳۴)۔

مگر یہ صحبت و مجالست انہیں لوگوں کی مفید ہے جو خود ولی اللہ متبع سنت ہوں، اور جو رسول کریم ﷺ کی سنت کے تابع نہیں وہ خود درجہ ولایت سے محروم ہیں، چاہے کرامات ان سے کتنے ہی صادر ہوں، اور جو شخص مذکورہ صفات کے اعتبار سے ولی ہو، اگرچہ اس سے کبھی کوئی کرامت ظاہر نہ ہوئی ہو، وہ اللہ کا ولی ہے (مظہری)۔

اولیاء اللہ کی علامت اور پہچان تفسیر مظہری میں ایک حدیث قدسی کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا کہ میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں جو میری یاد کے ساتھ یاد آویں اور جن کی یاد کے ساتھ میں یاد آؤں (بغوی)۔

اور ابن ماجہ: ۴۱۰۹، میں بروایت اسماء بنت یزید مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولیاء اللہ کی یہ پہچان بتلائی ”الذین اذا رءوا ذکر اللہ“ یعنی جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے صحبت میں بیٹھ کر انسان کو اللہ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو، یہ علامت اس کے ولی اللہ ہونے کی ہے، تفسیر مظہری میں فرمایا کہ عوام نے جو اولیاء اللہ کی علامت کشف و کرامت یا غیب کی چیزیں معلوم ہونے کو سمجھ رکھا ہے یہ غلط اور دھوکہ ہے، ہزاروں اولیاء اللہ ہیں جن سے اس طرح کی کوئی چیز ثابت نہیں، اور اس کے خلاف ایسے لوگوں سے کشف اور غیب کی خبریں منقول ہیں جن کا ایمان بھی درست نہیں۔

آخر آیت میں جو یہ فرمایا گیا کہ اولیاء کے لئے دنیا میں بھی خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی، آخرت کی خوش خبری تو یہ ہے کہ موت کے وقت جب اس کی روح کو اللہ تعالیٰ کے پاس لے جایا جائے گا، اس وقت اس کو خوش خبری جنت کی ملے گی، پھر قیامت کے روز قبر سے اٹھنے کے وقت جنت کی خوش خبری دی جائے گی، جیسا کہ بیہقی نے بروایت ابن عمر نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”اہل لا الہ الا اللہ“ کو نہ موت کے وقت کوئی وحشت ہوگی، نہ قبر میں، اور نہ قبر سے اٹھنے کے وقت، گویا میری آنکھیں اس وقت کا حال دیکھ رہی ہیں جب یہ لوگ اپنی قبروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے ”الحمد لله الذی اذهب عنا الحزن“ یعنی شکر ہے اللہ کا جس نے ہمارا غم دور کر دیا (شعب الایمان: رقم: ۱۰۰) اور دنیا کی بشارت کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا کہ وہ سچی خوابیں جو انسان خود دیکھے یا اس کے لیے کوئی دوسرا دیکھے جن میں ان کے لیے خوش خبری ہو۔ (مسلم: رقم: ۲۰۸)

اور دنیا کی دوسری بشارت یہ ہے کہ عام مسلمان بغیر کسی غرض کے اس سے محبت کریں اور اچھا سمجھیں اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”تلك عاجل بشرى المؤمن“ یعنی عام مسلمانوں کا اچھا سمجھنا اور

تعریف کرنا مومن کے لیے نقد خوش خبری ہے۔ (مسلم: ۶۸۹۱، وبعوی)۔

عن عطاء بن یسار عن رجل من اهل مصر، قال سألت ابا الدرداء عن قول الله تعالى: ﴿لَهُمُ الْبَشَرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ فقال ما سألتني عنها احد غيرك، الا رجل واحد منذ سألت رسول الله ﷺ، سألت رسول الله ﷺ، فقال ما سألتني عنها احد غيرك، منذ انزلت، هي الرؤيا الصالحة يراها المسلم او ترى له، (ترمذی: ۲۲۷۳، و مسند احمد: ۶/۴۴۵ تا ۴۴۷، ۴۵۲، و مسند الحمیدی: ۲/۱۹۳)۔ روایت ہے عطاء بن یسار سے، وہ روایت کرتے ہیں ایک مرد سے اہل مصر کے، کہا اس مرد نے پوچھا میں نے ابو الدرداء سے، معنی اس قول کے ”لَهُمُ الْبَشَرَى“ الایۃ، سو فرمایا: ابو الدرداء نے، نہیں پوچھا مجھ سے کسی نے سواتیرے، مگر ایک شخص نے جب سے کہ پوچھ رکھا ہے میں نے رسول اللہ پاک ﷺ سے، پوچھا میں نے رسول پاک ﷺ سے، سو فرمایا آپ نے ”نہیں پوچھا مجھ سے کسی نے جب سے اتری یہ آیت سواتیرے“ مراد بشری سے اس آیت میں خواب نیک ہے کہ دیکھتا ہے اس کو مسلمان کو دکھایا جاتا ہے اس کو یعنی من جانب اللہ۔

عن انس بن مالک قال: قال رسول الله ﷺ: ان الرسالة و النبوة قد انقطعت، فلا رسول بعدى ولا نبى، قال فشق ذلك على الناس، فقال لكن المبشرات، قالوا يا رسول الله، وما المبشرات؟ قال رؤيا المسلم، وهي جزء من اجزاء النبوة. رواه الترمذی: ۲۲۷۲، و مسند احمد: ۳/۲۶۷۔ روایت ہے انس بن مالک سے، کہ فرمایا رسول پاک ﷺ نے، کہ رسالت اور نبوت تمام ہوگئی، پس اب کوئی رسول نہیں میرے بعد، اور نہ کوئی نبی، کہا راوی نے، پس گراں ہوئی لوگوں پر یہ بات، تب فرمایا آپ نے، لیکن مبشرات باقی ہیں، عرض کی لوگوں نے، یا رسول اللہ مبشرات کیا چیز ہے؟ فرمایا آپ نے، خواب مسلمان کا، اور یہ ایک ٹکڑا ہے نبوت کے ٹکڑوں سے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رؤيا المسلم جزء من ستة واربعين جزءاً من النبوة، و الرؤيا ثلاث، فالرؤيا الصالحة بشرى من الله، و الرؤيا من تحزين الشيطان، و الرؤيا مما يحدث

بہا الرجل نفسه، الحدیث. رواہ الترمذی: ۲۲۷۰، بخاری: ۷۰۱۷، مسلم: ۷۷۳۱۔

کہ خواب کی تین قسمیں ہیں: ایک قسم: جو صحیح اور حق ہے وہ نبوت کے اجزاء میں سے چھیا لیسواں جز ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہے۔ دوسری قسم شیطانی ہے جس میں شیطان کی طرف سے، کچھ صورتیں ذہن میں آتی ہیں، تیسری قسم، حدیث نفس ہے یعنی مرد کی خیالات جو متصور ہوتے ہیں حالت بیداری میں، پھر اس کو خواب میں دیکھتے ہیں۔

یہ قسم جو حق اور صحیح ہے، اور صحیح احادیث نبویہ میں نبوت کا ایک جز قرار دی گئی ہے، اس میں روایات حدیث مختلف ہیں، بعض میں چالیسواں جز اور بعض میں چھیا لیسواں جز بتلایا، اور بعض روایات میں انچاس اور پچاس اور ستر واں جز ہونا بھی منقول ہے، یہ سب روایتیں تفسیر قرطبی میں جمع کر کے ابن عبدالبر کی تحقیق یہ نقل کی ہے کہ ان میں کوئی تضاد و تخالف نہیں، بلکہ ہر ایک روایت اپنی جگہ صحیح و درست ہے، اور تعداد اجزاء کا یہ اختلاف خواب دیکھنے والوں کے مختلف حالات کی بنا پر ہے، جو شخص سچائی، امانت، دیانت اور کمال ایمان کے ساتھ متصف ہے اس کا خواب نبوت کا چالیسواں جز ہوگا، اور جوان اوصاف میں کچھ کم ہے اس کا چھیا لیسواں یا پچاسواں جز ہوگا، اور جو اور کم ہے اس کا خواب نبوت کا ستر واں جز ہوگا۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ سچے خواب کے جزاء نبوت ہونے سے کیا مراد ہے؟ تفسیر مظہری میں اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ رسول کریم ﷺ پر وحی نبوت کا سلسلہ تینیس سال جاری رہا، ان میں سے پہلے شمشاہی میں یہ وحی الہی خوابوں کی صورت میں آتی رہی، باقی پینتالیس شمشاہیوں میں جبرئیل امین کی پیغام رسانی کی صورت میں آئی، اس حساب سے سچی خوابیں وحی نبوت کا چھیا لیسواں جزاء ہوا، اور جن روایات میں کم و بیش عدد مذکور ہیں، ان میں یا تقریبی کلام کیا گیا ہے، یا وہ سند کے اعتبار سے ساقط ہیں۔

اور امام قرطبی نے فرمایا کہ اس کے جزاء نبوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ خواب میں بعض اوقات انسان ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو اس کی قدرت میں نہیں، مثلاً یہ دیکھے کہ وہ آسمان پر اڑ رہا ہے، یا غیب کی ایسی چیزیں دیکھیں جن کا علم حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہ تھا، تو اس کا ذریعہ جزاء امداد الہام الہی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا، جو اصل =

وَلَا يَحْزُنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۴۵﴾

اور (اے پیغمبر!) ان لوگوں کی باتوں سے آزرده نہ ہونا (کیونکہ) عزت سب اللہ ہی کی ہے وہ (سب کچھ) سنتا (اور) جانتا ہے

الْآ إِنَّ لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ

سن رکھو کہ جو مخلوق آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اللہ ہی کے (بندے اور اُس کے مملوک) ہیں

مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ

اور جو یہ اللہ کے سوا شریکوں کو پکارتے ہیں وہ (کسی اور چیز کے) پیچھے نہیں چلتے صرف گمان کے پیچھے

= میں خاصہ نبوت ہے، اس لئے اس کو ایک جز نبوت قرار دیا گیا۔

یہاں کچھ لوگوں کو ایک عجیب مغالطہ لگا ہے، کہ اس جز نبوت کے دنیا میں باقی رہنے اور جاری رہنے سے

نبوت کا باقی اور جاری رہنا سمجھ بیٹھے، جو قرآن مجید کی نصوص قطعیہ اور بے شمار احادیث صحیحہ کے خلاف اور پوری امت

کے اجماعی عقیدہ ختم نبوت کے منافی ہے، اور یہ نہ سمجھے کہ کسی چیز کا ایک جزء موجود ہونے سے اس چیز کا

موجود ہونا لازم آتا ہے، اگر کسی شخص کا ایک ناخن یا ایک بال کہیں موجود ہو تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں وہ

شخص موجود ہے، مشین کے بہت سے کل پرزوں میں سے اگر کسی کے پاس ایک پرزہ یا ایک اسکر موجود ہو اور وہ

کہنے لگے کہ میرے پاس فلاں مشین موجود ہے تو دنیا بھر کے انسان اس کو جھوٹا سمجھیں گے یا بیوقوف۔

سچے خواب حسب تصریح حدیث بلاشبہ جزء نبوت ہیں، مگر نبوت نہیں، نبوت تو خاتم الانبیاء ﷺ پر ختم

ہو چکی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لم یبق من النبوة الا المبشرات، یعنی آئندہ نبوت

کا کوئی جزء بجز مبشرات کے باقی نہ رہے گا، صحابہ کرام نے عرض کیا کہ مبشرات سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا کہ سچے

خواب، جس سے ثابت ہوا کہ نبوت کسی قسم یا کسی صورت سے باقی نہیں، صرف اس کا چھوٹا سا جزء باقی ہے جس

کو مبشرات یا سچے خواب کہا جاتا ہے۔ بخاری: ۵۷۷۵۔

وَأِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۴۴﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا

چلتے ہیں اور محض اٹکلیں دوڑا رہے ہیں۔ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ اس میں آرام کرو

فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿۴۷﴾

اور روز روشن بنایا (تاکہ اس میں کام کرو) جو لوگ سماعت رکھتے ہیں اُن کیلئے ان میں نشانیاں ہیں

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ هُوَ الْغَنِيُّ لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

(بعض لوگ) کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے۔ اُس کی ذات (اولاد سے) پاک ہے (اور) وہ بے نیاز ہے۔

وَمَا فِي الْأَرْضِ إِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا أَتَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا

جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اُسی کا ہے (اے افتراء پردازو!) تمہارے پاس اس (باطل قول) کی کوئی

تَعْلَمُونَ ﴿۴۸﴾ قُلْ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكٰذِبَ

دلیل نہیں ہے، تم اللہ کی نسبت ایسی بات کیوں کہتے ہو جو جانتے نہیں۔ کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں

لَا يُفْلِحُونَ ﴿۴۹﴾ نَاعٍ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ

فلاح نہیں پائیں گے۔ (اُن کیلئے جو) فائدے ہیں دنیا میں (ہیں) پھر اُن کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے

ثُمَّ نُذِيقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿۵۰﴾

اُس وقت ہم اُن کو عذابِ شدید چکھائیں گے کیونکہ کفر کیا کرتے تھے

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يٰقَوْمِ إِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِي

اور ان کو نوح کا قصہ پڑھ کر سنا دو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! اگر تمہیں میرا مقام میں رہنا

وَتَذِكْرِي بَآيَاتِ اللَّهِ فَاعْمُوا أَمْرُكُمْ وَشُرَكَاءُكُمْ

اور اللہ کی آیتوں سے نصیحت کرنا ناگوار ہو تو میں تو اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ تم اپنے شریکوں کیساتھ مل کر ایک کام

ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تَنْظُرُونِ ﴿۱۷۱﴾

مقرر کر لو اور وہ تمہاری تمام جماعت سے پوشیدہ نہ رہے پھر وہ کام میرے حق میں کر گزرو اور مجھے مہلت نہ دو

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ

اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو (تم جانتے ہو کہ) میں نے تم سے کچھ معاوضہ نہیں مانگا میرا معاوضہ تو اللہ کے ذمے ہے

وَأَمَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۷۲﴾ فَكَذَّبُوهُ فَانجَيْنَاهُ وَمَنْ

اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں فرمانبرداروں میں رہوں۔ لیکن اُن لوگوں نے اُن کی تکذیب کی تو ہم نے اُن کو اور جو لوگ

مَعَهُ فِي الْفُلِكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلْفَ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا

اُن کیساتھ کشتی میں سوار تھے سب کو (طوفان سے) بچا لیا اور انہیں خلیفہ بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں

بِآيَاتِنَا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذِرِينَ ﴿۱۷۳﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا

کو جھٹلایا اُن کو غرق کر دیا تو دیکھ لو کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے اُن کا انجام کیسا ہوا۔ پھر نوح کے بعد ہم نے اور پیغمبر

إِلَى قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا الْيُؤْمِنُونَ بِمَا كَذَّبُوا

اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجے تو وہ اُن کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے مگر وہ لوگ ایسے نہ تھے کہ جس چیز کی پہلے تکذیب

بِهِ مِنْ قَبْلُ كَذَلِكَ نَطْبَعُ عَلَى قُلُوبِ الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۷۴﴾

کر چکے تھے اُس پر ایمان لے آتے اسی طرح ہم زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَى وَهَارُونَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَآئِهِ

پھر اُن کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو اپنی نشانیاں دے کر فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس بھیجا

بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُجْرِمِينَ ﴿۱۷۵﴾

تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ گنہگار لوگ تھے

فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۴۷﴾

تو جب اُن کے پاس ہمارے حق سے حق آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ موسیٰ نے کہا

مُوسَىٰ أَتَقُولُونَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ أَسِحْرٌ هَذَا وَلَا يُفْلِحُ

کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمہارے پاس آیا یہ کہتے ہو کہ یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر فلاح نہیں پاسکتے

السَّحِرُونَ ﴿۴۸﴾ قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَلْفِتَنَّا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا

وہ بولے کہ کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس (راہ) پر ہم اپنے باپ دادا کو پاتے رہے ہیں

وَتَكُونَنَّ لَكُمْ أَلْبَابًا فِي الْأَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمْ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۴۹﴾

اُن سے ہمیں پھیر دو اور (اس) ملک میں تم دونوں ہی کی سرداری ہو جائے اور ہم تم پر ایمان لانے والے نہیں ہیں

وَقَالَ فِرْعَوْنُ إِنَّتُونِي بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٍ ﴿۵۰﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحْرَةَ قَالَ

اور فرعون نے حکم دیا کہ سب کا لہن جادوگروں کو ہمارے پاس لے آؤ۔ جب جادوگر آئے تو موسیٰ نے اُن سے کہا

لَهُمْ مُوسَىٰ الْقَوْمَا أَتُم مَلْفُونَ ﴿۵۱﴾ لَمَّا الْقَوْمَا قَالَ مُوسَىٰ

کہ جو تمہیں ڈالنا ہو ڈالو، جب انہوں نے (اپنی رسیوں اور لٹھیوں کو) ڈالا تو موسیٰ نے کہا

مَا جِئْتُمْ بِهِ السَّحْرُ إِنَّ اللَّهَ سَيَبْطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ

کہ جو چیزیں تم (بنا کر) لائے ہو جادو ہے اللہ اس کو ابھی نیست و نابود کر دے گا، اللہ شریوں کے کام

الْمُفْسِدِينَ ﴿۵۲﴾ وَيُحِقُّ اللَّهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ﴿۵۳﴾

سنوارا نہیں کرتا۔ اور اللہ اپنے حکم سے سچ کو سچ ہی کر دے گا اگرچہ گنہگار بُرا ہی مانیں

فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمُ

تو موسیٰ پر کوئی ایمان نہ لایا مگر اس کی قوم میں سے چند لڑکے (اور وہ بھی) فرعون اور اس کے اہل دربار سے ڈرتے ڈرتے

﴿۸۳﴾ أَنْ يَفْتِنَهُمْ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ﴿۸۳﴾

کہ کہیں وہ اُن کو آفت میں نہ پھنسا دے اور فرعون ملک میں متکبر اور (کبر و کفر میں) حد سے بڑھا ہوا تھا

وَقَالَ مُوسَىٰ يَلْقَوْمِ إِنَّ كُنْتُمْ بَالِغِيهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ

اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لائے ہو تو اگر (دل سے) فرمانبردار ہو تو اسی پر

مُسْلِمِينَ ﴿۸۴﴾ قَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا

بھروسہ رکھو۔ تو وہ بولے کہ ہم اللہ ہی پر بھروسہ رکھتے ہیں اے ہمارے رب!

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۸۵﴾ وَجَنَّا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ

ہمیں ظالم لوگوں کے ہاتھ سے آزمائش میں نہ ڈال اور اپنی رحمت سے قوم

الْكٰفِرِينَ ﴿۸۶﴾ وَوَحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ وَأَخِيهِ أَنْ تَبَوَّءَ الْقَوْمُ مِمَّا بِمِصْرَ

کفار سے نجات بخش۔ اور ہم نے موسیٰ اور اُس کے بھائی کی طرف وحی بھیجی کہ اپنے لوگوں کیلئے مصر میں

بُيُوتًا وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۷﴾

گھر بناؤ اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی مسجد میں) ٹھہراؤ اور نماز پڑھو اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا

اور موسیٰ نے کہا کہ اے ہمارے اللہ! تو نے فرعون اور اُس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں (بہت سا) ساز و برگ اور مال

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَنْ سَبِيلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ

وزور دے رکھا ہے اے اللہ! ان کا مال یہ ہے کہ تیرے رستے سے گمراہ کر دیں، اے اللہ! ان کے مال کو برباد کر دے

وَأَشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوُا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۸۸﴾ قَالُوا قَدْ

اور اُن کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ (اللہ نے) فرمایا کہ تمہاری

﴿۸۹﴾ اَجِيبْتُ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَانَّ سَبِيلَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸۹﴾

دعا قبول کر لی گئی تو تم ثابت قدم رہنا اور بے عقلوں کے رستے نہ چلنا

وَجَاوَزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا تو فرعون اور اُس کے لشکر نے سرکشی اور زیادتی سے اُن کا تعاقب کیا

حَتَّىٰ إِذَا آدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ

یہاں تک کہ جب اُس کو غرق نے آ پکڑا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ جس (اللہ) پر

بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۰﴾ وَالسُّنَّ وَاقْدَعَصِيَّتَ قَبْلُ

بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں فرمانبرداروں میں ہوں [7] اب (ایمان لاتا ہے)؟

[7] ”قال آمنت“ جب فرعون ڈوب رہا تھا تو اس نے اپنے ایمان کا اعلان کیا کہ میں اس اللہ پر ایمان لے آیا جس

کے سوا کوئی عبادت اور پکار کے لائق نہیں، جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں، فرعون کا ایمان عذاب میں مبتلا ہونے کے

بعد تھا، اس لئے قبول نہ ہوا ”السُّنَّ وَاقْدَعَصِيَّتَ“ جب ایمان لانے اور اللہ کی عبادت و طاعت کا وقت تھا اس وقت تو نے

انکار کیا اور اللہ کی نافرمانیاں کیں، اور شرک پھیلا کر دنیا کو شر و فساد سے بھر دیا، اس لئے اب ایمان لانے سے کیا فائدہ؟

”فالیوم ننجیک“ یہ ننجوہ (اوپنی جگہ) سے ماخوذ ہے یعنی آج ہم تیری لاش کو اوپنی جگہ ڈالیں گے تاکہ

تو باقی ماندہ لوگوں کے لئے عبرت و نصیحت کا نشان بن جائے، نلئیک بنجوة من الارض، مدارک -

یعنی ہم موجودوں میں تیرے بدن کو بہادیں گے اس صورت میں ”نجو“ سے مشتق ہے یعنی اوپنی جگہ کو نجوہ کہتے

ہیں۔ تحقیقات کے مطابق فرعون کا بدن قاہرہ کے عجائب گھر میں محفوظ ہے لیکن الفاظ قرآن کی صحت اس پر موقوف

نہیں ہے۔

مفتی محمد شفیع معارف القرآن میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ: اس سے ثابت ہوا کہ عین موت کے وقت

کا ایمان لانا شرعاً معتبر نہیں، اس کی مزید تشریح اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ =

وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۴۱﴾ ۴۱۔ اَلْيَوْمَ نُنَجِّكَ بِدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ

حالانکہ تو پہلے نافرمانی کرتا رہا اور مفسد بنا رہا۔ تو آج ہم تیرے بدن کو (دریا سے) نکال لیں گے تاکہ تو

خَلْفَكَ آيَةً وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آيَاتِنَا لَغَفُلُونَ ﴿۴۲﴾ ۴۲۔ لَقَدْ بَوَّأْنَا

پچھلوں کیلئے عبرت ہو۔ اور بہت سے لوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔ [۴۲] اور ہم نے بنی اسرائیل کو رہنے کو عمدہ جگہ

بَنِي إِسْرَائِيلَ مَبُوءًا صِدْقٍ وَرَزَقْنَهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ فَمَا اخْتَلَفُوا

دی اور کھانے کو پاکیزہ چیزیں عطا کیں لیکن وہ باوجود علم حاصل ہونے کے اختلاف کرتے رہے

حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ

بیٹھک جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں تمہارا رب قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا

يَخْتَلِفُونَ ﴿۴۳﴾ ۴۳۔ إِنَّا إِن كُنْتَ فِي شَكٍّ مِّمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ

اگر تم کو اس (کتاب) کے بارے میں جو ہم نے تم پر نازل کیا ہے کچھ شک ہو تو جو لوگ تم سے پہلے کی (اتری ہوئی) کتابیں

فَاسْئَلِ الَّذِينَ يَفْرءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ

پڑھتے ہیں ان سے پوچھ لو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آچکا ہے

= بندہ کی توبہ قبول فرماتے رہتے ہیں، جب تک غرغره موت کا وقت نہ آجائے (ترمذی: ۳۵۳۸، وابن ماجہ: ۴۲۵۳) ”غرغره موت“ سے مراد

وہ وقت ہے جب نزع روح کے وقت فرشتے سامنے آجاتے ہیں، اس وقت دارالعمل دنیا کی زندگی ختم ہو کر آخرت کے احکام شروع

ہو جاتے ہیں، اس لئے اس وقت کا کوئی عمل قابل قبول نہیں، ایسے وقت جو ایمان لاتا ہے اس کو مؤمن نہیں کہا جائے گا، اور اس کے ساتھ

کفر فن میں مسلمانوں کا سا معاملہ نہ کیا جائے گا، جیسا کہ فرعون کے اس واقعہ سے ثابت ہے کہ بالاجماع فرعون کی موت کفر پر قرار دی

گئی ہے نصوص قرآن سے بھی یہی واضح ہے اور جس کسی نے فرعون کے اس ایمان کو معتبر کہا ہے (جیسا کہ ابن عربی نے

فتوحات: ۴۱۰/۲، ۵۳۳/۳، وفضول الحکم: ۳۹۰، میں تصریح کیا ہے) کیا تو اس کی کوئی تاویل کی جائے، ورنہ اسے غلط کہا جائے گا۔

مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿۴۴﴾ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا

تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ [8] اور نہ ان لوگوں میں ہونا جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں،

بَايَاتِ اللَّهِ فَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۴۵﴾ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَاتُ

نہیں تو نقصان اٹھاؤ گے۔ جن لوگوں کے بارے میں اللہ کا حکم (عذاب) قرار پا چکا ہے

رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۴۶﴾ لَوْ جَاءَتْهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ

وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ جب تک عذاب الیم نہ دیکھ لیں خواہ ان کے پاس ہر (طرح کی) نشانی آجائے

﴿۴۷﴾ لَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمٌ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا

تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اُس کا ایمان اُسے نفع دیتا ہاں یہ یونس کی قوم کہ جب ایمان لائی

كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۴۸﴾

تو ہم نے دنیا کی زندگی میں اُن سے ذلت کا عذاب دُور کر دیا اور ایک مدت تک اُن کو بہرہ مند رکھا [9]

[8] اس آیت میں بظاہر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے، مگر یہ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کو وحی میں شک ہونے کا احتمال

نہیں، اس لئے اس خطاب کے ذریعہ مقصود امت کو سنانا ہے، خود آپ ﷺ مقصود نہیں، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب عام

انسان کو ہو، کہ اے انسان اگر تجھ کو اس وحی الہی میں کوئی شک ہے جو بواسطہ محمد ﷺ تیری طرف بھیجی گئی، تو تو ان لوگوں سے

دریافت کر جو تجھ سے پہلے اللہ کی کتاب تورات و انجیل پڑھتے تھے، وہ تجھے بتلائیں گے کہ پچھلے تمام انبیاء علیہم السلام اور ان

کی کتابیں محمد ﷺ کی خوشخبری دیتی آئی ہیں، جس سے تیرے وسوسوں دور ہو جائیں گے۔

تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو دین کے معاملہ میں کوئی شبہ پیش آجائے تو اس

پر لازم ہے کہ علماء حق سے سوال کر کے اپنے شبہات دور کرے، ان کی پرورش نہ کرتا رہے۔

[9] اس آیت میں ارشاد ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ منکر قومیں ایسے وقت ایمان لے آئیں کہ ان کا ایمان ان کو نفع

دیتا، یعنی موت کے وقت یا وقوع عذاب اور مبتلا عذاب ہو چکنے کے بعد یا قیام قیامت کے وقت جب کہ توبہ کا دروازہ

بند ہو جائے گا۔ کسی کی توبہ اور ایمان مقبول نہ ہوگا۔ اس سے پہلے پہلے اپنی سرکشی سے باز آجائیں، اور ایمان لے آئیں، بجز قوم یونس علیہ السلام کے کہ انہوں نے ایسا وقت آنے سے پہلے ہی جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا دیکھا تو فوراً توبہ کر لی اور ایمان لے آئے جس کی وجہ سے ہم نے ان سے رسوا کرنے والا عذاب ہٹالیا۔

اس تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ دنیا کا عذاب سامنے آجانے پر بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا بلکہ توبہ قبول ہو سکتی ہے، البتہ آخرت کا عذاب سامنے آجانے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اور عذاب آخرت کا سامنے آنا یا قیامت کے دن ہوگا یا موت کے وقت، خواہ وہ طبعی موت ہو یا کسی دنیوی عذاب میں مبتلا ہو کر ہو جیسے فرعون کو پیش آیا۔

اس لئے قوم یونس علیہ السلام کی توبہ قبول ہو جانا عام ضابطہ الہیہ کے خلاف نہیں بلکہ اس کے ماتحت ہے کیونکہ انہوں نے اگرچہ عذاب آتا ہوا دیکھ کر توبہ کی مگر عذاب میں مبتلا ہونے اور موت سے پہلے کر لی، بخلاف فرعون اور دوسرے لوگوں کے جنہوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد اور غرغره موت کے وقت توبہ کی اور ایمان کا اقرار کیا اس لئے ان کا ایمان معتبر نہ ہوا اور توبہ قبول نہ ہوئی۔

قوم یونس علیہ السلام کے واقعہ کی ایک نظیر خود قرآن کریم میں بنی اسرائیل کا وہ واقعہ ہے جس میں کوہ طور کو ان کے سروں پر معلق کر کے ان کو ڈرایا گیا اور توبہ کرنے کا حکم دیا گیا انہوں نے توبہ کر لی تو وہ توبہ قبول ہوئی۔ جس کا ذکر سورہ بقرہ ۶۳ میں ہے۔ ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما اتینکم بقوة؛ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے عذاب کے واقع ہونے اور موت میں مبتلا ہونے سے پہلے محض عذاب کا اندیشہ دیکھ کر توبہ کر لی تھی، اسی طرح قوم یونس علیہ السلام نے عذاب کو آتا ہوا دیکھ کر اخلاص اور الحاح و زاری کے ساتھ توبہ کر لی جس کے تفصیل آگے آتی ہے تو اس توبہ کا قبول ہو جانا ضابطہ مذکورہ کی خلاف نہیں (قرطبی)۔

اس جگہ بعض مفسرین سے بہت سخت غلطی ہوئی ہے کہ یونس علیہ السلام کی طرف فریضہ رسالت ادا کرنے میں کوتاہیوں کی نسبت کردی، اور قوم سے عذاب ہٹ جانے کا سبب پیغمبر کی کوتاہی کو قرار دیا، اور اسی کوتاہی کو سبب عتاب بنایا جس کا ذکر سورہ انبیاء اور سورہ طہ میں آیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:

قرآن کے اشارات اور صحیفہ یونس علیہ السلام کی تفصیلات پر غور کرنے سے اتنی بات صاف معلوم ہو جاتی ہے کہ یونس علیہ السلام سے فریضہ رسالت ادا کرنے میں کچھ کوتاہیاں ہو گئی تھیں اور غالباً انہوں نے بے صبر ہو کر قبل از وقت اپنا مستقر چھوڑ دیا تھا، اس لئے جب اٹار عذاب دیکھ کر آشوریوں نے توبہ و استغفار کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف

کر دیا۔ قرآن مجید میں الہی دستور کے جو اصول و کلیات بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک مستقل دفعہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو اس وقت تک عذاب نہیں دیتا جب تک اس پر اپنی حجت پوری نہیں کر دیتا پس جب نبی ادائے رسالت میں کوتاہی کر گیا اور اللہ کے مقرر کردہ وقت سے پہلے خود ہی اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو اللہ تعالیٰ کے انصاف نے اس قوم کو عذاب دینا گوارا نہ کیا (تفہیم القرآن)۔

یہاں سب سے پہلے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا گناہوں سے معصوم ہونا تو ایک مسلمہ عقیدہ ہے، جس پر تمام امت کا اجماع ہے اس کی تفصیلات میں کچھ جزوی اختلافات بھی ہیں کہ یہ عصمت ہر قسم کے صغیرہ کبیرہ گناہوں سے ہے یا صرف کبیرہ سے اور یہ کہ یہ عصمت قبل از نبوت کے زمانے کو بھی شامل ہے یا نہیں۔ لیکن اس میں کسی فرقہ کسی شخص کا اختلاف نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام سب کے سب ادائے رسالت کے فریضہ میں کبھی کوتاہی نہیں کر سکتے۔ کیونکہ انبیاء علیہ السلام کے لئے اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں ہو سکتا کہ جس منصب کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا انتخاب فرمایا ہے خود اسی میں کوتاہی کر بیٹھیں یہ تو فرض منصبی میں کھلی ہوئی خیانت ہے جو عام شریف انسانوں سے بھی بعید ہے اس کوتاہی سے بھی اگر پیغمبر معصوم نہ ہو تو پھر دوسرے گناہوں سے عصمت بے فائدہ ہے۔ قرآن و سنت کے مسلمہ اصول اور اجماعی عقیدہ عصمت انبیاء کے بظاہر خلاف اگر کسی جگہ قرآن و حدیث میں بھی کوئی بات نظر آتی تو اصول مسلمہ کی رو سے ضروری تھا کہ اس کی تفسیر و معنی کی ایسی توجیہ تلاش کی جاتی جس سے وہ قرآن و حدیث کے قطعی الثبوت اصول سے متصادم و مختلف نہ رہتے۔

مگر یہاں تو عجیب بات یہ ہے کہ مصنف موصوف نے جس بات کو قرآنی اشارات اور صحیفہ یونس علیہ السلام کی تفصیلات کے حوالہ سے پیش کیا ہے وہ صحیفہ یونس میں ہو تو ہو، جس کا اہل اسلام میں کوئی اعتنا نہیں، قرآنی اشارہ تو ایک بھی نہیں بلکہ ہوا یہ کہ کئی مقدمے جوڑ کر یہ نتیجہ زبردستی نکالا گیا ہے، پہلے تو یہ فرض کر لیا گیا کہ قوم یونس علیہ السلام سے عذاب کاٹل جانا الہی دستور کے خلاف واقع ہوا، جو خود اسی آیت کے سیاق و سباق کے بھی بالکل خلاف ہے، اور اہل تحقیق ائمہ تفسیر کی تصریحات کے بھی خلاف ہے اس کے ساتھ یہ فرض کر لیا گیا کہ الہی قانون کو اس موقع پر اس لئے توڑا گیا تھا کہ خود پیغمبر سے فریضہ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہیاں ہو گئی تھیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی فرض کر لیا کہ پیغمبر کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی خاص وقت نکلنے کا مقرر کر دیا گیا تھا۔ وہ اس وقت مقرر سے فریضہ دعوت کو چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے، اگر ذرا بھی غور و انصاف سے کام لیا جائے تو ثابت ہو جائے کہ قرآن و حدیث کا کوئی اشارہ ان فرضی مقدمات کی طرف نہیں پایا جاتا۔ خود آیت قرآن کے سباق پر نورو کیجئے تو الفاظ آیت کے یہ ہیں: فلو لا كانت قرية امنت فنفعها ايمانها

الاقوم یونس .

جس کا مفہوم صاف یہ ہے کہ دنیا کے عام بستی والوں کے متعلق بطور اظہار افسوس یہ ارشاد ہے (یعنی تم افسوس کرو) کہ وہ ایسے کیوں نہ ہو گئے کہ ایمان اس وقت لے آتے جس وقت تک ایمان مقبول اور نافع ہوتا ہے، یعنی عذاب میں یا موت میں مبتلا ہونے سے پہلے پہلے ایمان لے آتے تو ان کا ایمان قبول ہو جاتا، مگر قوم یونس اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ انکار عذاب دیکھ کر عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ہی ایمان لے آئی تو ان کا ایمان و توبہ قبول ہو گئی۔ آیت کا یہ واضح مفہوم خود بتلا رہا ہے کہ یہاں کوئی الہی قانون نہیں توڑا گیا بلکہ عین الہی دستور کے مطابق ان کا ایمان اور توبہ قبول کر لی گئی ہے۔ اکثر مفسرین بحر محیط، قرطبی، محشری، مظہری، روح المعانی وغیرہ نے آیت کا یہی مفہوم لکھا ہے جس میں قوم یونس کی توبہ قبول ہونا عام قانون الہی کے تحت ہے۔ قرطبی کے الفاظ یہ ہیں: وقال ابن جبیر غشیہم العذاب کما یغشی الثوب القبر، فلما صحت توبتہم رفع اللہ عنہم العذاب. وقال الطبری خص قوم یونس من بین سائر الامم بان تیب علیہم بعدمعاينة العذاب و ذکر ذلک عن جماعة من المفسرین. وقال الزجاج انہم لم یقع بہم العذاب وانما رأوا العلامة التي تدل علی العذاب ولورأوا عین العذاب لمانفعہم ایمانہم. قلت قول الزجاج حسن فان المعاينة لاتنفع التوبة معهاهی التلبس بالعذاب کقصه فرعون و لهذا جاء بقصة قوم یونس علی اثر قصة فرعون و بعضہذا قوله علیہ السلام ان اللہ یقبل توبة العبد ما لم یغرغر، و الغرغرة الحشرجة، و ذلک هو حال التلبس بالموت. و قدروی معنی ماقلناه عن ابن مسعود (الی) ہذا یدل علی ان توبتہم قبل رؤیة العذاب (الی) و علی ہذا فلا اشکال ولا تعارض ولا خصوص.

یعنی ابن جبیر کہتے ہیں کہ عذاب نے ان کو اس طرح ڈھانپ لیا تھا، جیسے قبر پر چادر، پھر چونکہ ان کی توبہ صحیح ہو گئی (کہ وقوع عذاب سے پہلے تھی) تو ان کا عذاب اٹھا دیا گیا۔

طبری فرماتے ہیں کہ قوم یونس کو تمام اقوام عالم سے یہ خصوصیت دی گئی ہے کہ معائنہ عذاب کے بعد ان کی توبہ قبول کر لی گئی۔

زجاج نے فرمایا کہ ان لوگوں پر ابھی عذاب پڑا نہیں تھا، بلکہ علامات عذاب دیکھی تھیں، اور اگر عذاب پڑ جاتا تو ان کی توبہ بھی قبول نہ ہوتی۔ =

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعًا ۖ أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ

اور اگر تمہارا رب چاہتا تو جتنے لوگ زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے

حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٤٤﴾ ۖ مَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوْمِنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

ہو کہ وہ مؤمن ہو جائیں؟ - حالانکہ کسی شخص کو قدرت نہیں ہے کہ اللہ کے حکم کے بغیر ایمان لائے

وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿٤٥﴾ ۖ قُلِ انظُرُوا مَاذَا

اور جو لوگ بے عقل ہیں ان پر وہ (کفر و ذلت کی) نجاست ڈالتا ہے، (ان کفار سے) کہو کہ دیکھو تو

فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ

آسمانوں اور زمین میں کیا کیا کچھ ہے؟ مگر جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کیلئے نشانیاں اور ڈراوے

عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٤٦﴾ ۖ أَهْلٌ يَنْتَظِرُونَ ۖ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ

کچھ کام نہیں آتے۔ سو جیسے (بڑے) دن ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں اسی طرح کے (دنوں کے) یہ منتظر ہیں کہ دو

= قرطبی فرماتے ہیں کہ زجاج کا قول اچھا اور بہتر ہے کیونکہ جس معائنہ عذاب کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی وہ

ہے کہ عذاب میں مبتلا ہو جائے جیسا واقعہ فرعون میں پیش آیا، اور اسی لئے اس سورت میں قوم یونس کا واقعہ فرعون کے

واقعہ کے بعد متصلاً ذکر فرمایا ہے، تاکہ فرق واضح ہو جائے کہ فرعون کے ایمان ابتلا عذاب کے بعد تھا، بخلاف قوم یونس

کے کہ وہ وقوع عذاب سے پہلے ہی ایمان لے آئی۔ اس بات کی تائید نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے

کہ: اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتا ہے جب تک وہ غرغره کی حالت میں نہ پہنچ جائے، اور غرغره موت

کے وقت طاری ہونے والے سکرات کو کہتے ہیں، اور یہی بات ابن مسعودؓ کی روایت سے معلوم ہوتی ہے جس میں

بتلایا ہے کہ قوم یونس نے وقوع عذاب سے پہلے توبہ کر لی تھی۔ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس تقریر تفسیر پر نہ کوئی اشکال ہے نہ

تعارض نہ قوم یونس کی تخصیص۔

قَبْلِهِمْ قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۱۰۲﴾ اَللّٰهُمَّ نَجِّنِي رُسُلَنَا

کہ تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اور ہم اپنے پیغمبروں کو

وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ حَقًّا عَلَيْنَا نُنَجِّ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾ اَللّٰهُمَّ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

اور مومنوں کو نجات دیتے رہے ہیں اسی طرح ہمارا ذمہ ہے کہ مسلمانوں کو نجات دیں۔ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ لوگو

إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ

اگر تم کو میرے دین میں کسی طرح کا شک ہو تو (سن رکھو کہ) جن لوگوں کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو

وَلَكِن أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي تَتَوَفَّكُم وَآمَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۴﴾

میں اُن کی عبادت نہیں کرتا بلکہ میں اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے اور مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ ایمان لانے والوں میں ہوں

وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۵﴾

اور یہ کہ (اے محمد ﷺ! سب سے) یکسو ہو کر دین (اسلام) کی پیروی کئے جاؤ اور مشرکوں میں ہرگز نہ ہونا

وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ

اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارنا جو نہ تمہارا کچھ بھلا کر سکے اور نہ کچھ بگاڑ سکے اگر ایسا کرو گے

فَإِنَّكَ إِذَا مَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۰۶﴾ اَللّٰهُمَّ إِن يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ

تو ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ اور اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کے سوا اس کا کوئی دُور کرنے والا نہیں

لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ

اور اگر تم سے بھلائی کرنی چاہے تو اُس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فائدہ پہنچاتا

مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۷﴾ اَللّٰهُمَّ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

ہے وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہہ دو کہ لوگو!

قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ

تمہارے رب کے ہاں سے تمہارے پاس حق آچکا ہے تو جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے

فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ﴿۱۰۸﴾ ۱۰۸ اتَّبِعْ مَا

تو ہدایت سے اپنے ہی حق میں بھلائی کرتا ہے اور جو گمراہی اختیار کرتا ہے تو گمراہی سے اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور میں تمہارا وکیل نہیں ہوں

يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَكِمِينَ ﴿۱۰۹﴾ ۱۰۹

اور تمہیں جو حکم بھیجا جاتا ہے اُس کی پیروی کئے جاؤ اور صبر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے

www.ircpk.com

www.ahlulhadeeth.net

سورة هود (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الرَّاۤءِ كِتٰبٍ اُحْكِمَتْ آيٰتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيْمٍ خَيْرٍ
 آکر۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیتیں مستحکم ہیں اور اللہ حکیم وخبیر کی طرف سے بہ تفصیل بیان کر دی گئی ہیں (وہ یہ)

﴿اِلَّاۤ اَتَعْبُدُوْاۤ اِلَّا اللّٰهَ اِنِّىۡ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ﴾
 کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میں اس کی طرف سے تمہیں ڈر سنانے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں

وَاَنْ اَسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوْاۤ اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا
 اور یہ کہ اپنے رب سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو وہ تمہیں ایک وقت مقرر تک
 حَسَنًا اِلَىۤ اَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُوْتِ كُلَّ ذِيۡ فَضْلٍ فَضْلَهُ
 متاع نیک سے بہرہ مند کرے گا اور ہر صاحب بزرگی کو اُس کی بزرگی (کی داد) دے گا

وَاِنْ تَوَلَّوْاۤ فَاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ﴿۳۳﴾ اِلَى اللّٰهِ
 اور اگر گروگردانی کرو گے تو مجھے تمہارے بارے میں (قیامت کے) بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ تم (سب) کو اللہ

مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۴﴾ اِلَّا اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ
 کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ دیکھو یہ اپنے سینوں کو دوہرا کرتے ہیں

لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ اِلَّا حِيْنَ يَسْتَعْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ
 تاکہ اللہ سے پردہ کریں، سن رکھو جس وقت یہ کپڑوں میں لپٹ کر پڑتے ہیں (تب بھی) وہ اُن کی چھپی اور کھلی باتوں کو جانتا ہے

إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۴۳﴾ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ

وہ تو دلوں تک کی باتوں سے آگاہ ہے اور زمین پر کوئی چلنے پھرنے والا نہیں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے

إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ

وہ جہاں رہتا ہے اسے بھی جانتا ہے اور جہاں سونپا جاتا ہے اسے بھی یہ سب کچھ کتابِ روشن میں لکھا ہے

﴿۴۴﴾ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ

اور وہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں بنایا ہے (اس وقت) اس کا عرش

عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَئِن قُلْتَ

پانی پر تھا (تمہارے پیدا کرنے سے) حکمت یہ ہے کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں عمل کے لحاظ سے کون بہتر ہے [۱] اور اگر تم کہو

إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ

کہ تم لوگ مرنے کے بعد (زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے تو کافر کہہ دیں گے کہ یہ تو

[۱] یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ”احسن عملاً“ فرمایا ہے، یعنی کون اچھا عمل کرنے

والا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اعمالِ صالحہ نماز، روزہ، تلاوت و ذکر کی عملی

کثرت اور بہت بڑی مقدار سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ حسنِ عمل پر ہے، اسی حسنِ عمل کو ایک حدیث میں احسان سے تعبیر

کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ عملِ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے ہو اور کوئی دنیوی غرض اس میں نہ ہو اور اس عمل

کی صورت بھی وہ اختیار کی جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے عمل سے

بتلایا اور امت کے لئے اتباعِ سنت کو لازم قرار دیا، خلاصہ یہ ہے کہ تھوڑا عمل جو پورے اخلاص کے ساتھ سنت کے مطابق

ہو، وہ اس زیادہ عمل سے بہتر ہے جس میں یہ چیزیں نہ ہوں یا کم ہوں۔

مُبِينٌ ﴿۷۷﴾ وَلَئِن أَخْرْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ

کھلا جادو ہے۔ اور اگر ایک مدت معین تک ہم ان سے عذاب روک دیں تو کہیں گے

مَا يَحْبِسُهُ إِلَّا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا

کہ کوئی چیز عذاب کو روکے ہوئے ہے دیکھو جس روز وہ ان پر واقع ہوگا (پھر) ٹلنے کا نہیں اور جس چیز کے ساتھ یہ استہزاء

بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۷۸﴾ وَلَئِن أَدْقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَا مِنْهُ

کیا کرتے ہیں وہ ان کو گھیر لے گی۔ اور اگر ہم انسان کو اپنے پاس سے نعمت بخشیں پھر اس سے اس کو چھین لیں

إِنَّهُ لِيَأْسُ كَفُورٌ ﴿۷۹﴾ وَلَئِن أَدْقْنَاهُ نِعْمَاءَ بَعْدَ ضِرَّاءٍ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ

تو ناامید (اور) ناشکرا (ہو جاتا) ہے۔ اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد آسائش کا مزہ چکھائیں (تو خوش ہو کر) کہتا ہے

ذَهَبَ السَّيِّئَاتِ عَنِّي إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ﴿۸۰﴾ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا

کہ (آبا) سب سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں بیشک وہ خوشیاں منانے والا (اور) فخر کرنے والا ہے۔ ہاں جنہوں نے صبر کیا

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۸۱﴾

اور عمل نیک کئے یہی ہیں جن کے لئے بخشش اور اجر عظیم ہے۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَضَائِقٌ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا

ایا تو کچھ چیز وحی میں سے جو تمہارے پاس آتی ہے چھوڑ دو اور اس (خیال) سے تمہارا دل تنگ ہو کہ (کافر) یہ کہنے لگیں

لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ كُنُزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ

کہ اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ اے محمد ﷺ! تم تو صرف نصیحت کرنے

كُلِّ شَيْءٍ وَكَيْلٌ ﴿۸۲﴾ ثُمَّ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَاتُوا بِعَشْرِ

والے ہو اور اللہ ہر چیز کا نگہبان ہے۔ یہ کیا کہتے ہیں کہ اس نے قرآن از خود بنا لیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم بھی ایسی دس

سُورٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيَةٍ وَاذْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ

سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس جس کو بلا سکتے ہو بلا بھی لو اگر تم سچے ہو۔

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاَعْلَمُوْا اِنَّمَا اَنْزَلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ

اگر وہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو کہ وہ اللہ کے علم سے اترا

وَاَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ اِنْ كَانَ يَرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تمہیں بھی اسلام لے آنا چاہیے۔ جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے

وَزِيْنَتَهَا نُوْفٍ اِلَيْهِمْ اَعْمَالُهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُنْحَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اِنَّ لَكَ

طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دیدیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ یہ وہ لوگ ہیں

الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِيْهَا

جن کے لئے آخرت میں آتش (جہنم) کے سوا اور کچھ نہیں اور جو عمل انہوں نے کئے سب برباد

وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهِ

اور جو کچھ وہ کرتے رہے سب ضائع ہو گئے۔ بھلا جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتے ہوں

وَيَتْلُوْهُ شٰهَدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتٰبُ مُوسٰى اِمَامًا وَّرَحْمَةً

اور ان کے ساتھ ایک (آسمانی) گواہ بھی اس کی جانب سے ہے اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب ہو جو پیشوا اور رحمت ہے

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ

(تو کیا وہ قرآن پر ایمان نہیں لائیں گے) یہی لوگ تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کوئی اور فرقوں میں سے اس سے منکر ہو

فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهٗ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّا كَثَر

تو اس کا ٹھکانہ آگ ہے تو تم اس (قرآن) سے شک میں نہ ہونا یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے لیکن اکثر لوگ

النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا

ایمان نہیں لاتے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ باندھے

أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا

ایسے لوگ اللہ کے سامنے پیش کئے جائیں گے اور گواہ کہیں گے کہ یہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار پر جھوٹ بولا تھا

عَلَىٰ رَبِّهِمْ إِلَّا لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۸﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ

سن رکھو کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔ جو اللہ کے رستے سے روکتے ہیں

اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَفِرُونَ ﴿۱۹﴾ أُولَٰئِكَ

اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور وہ آخرت سے بھی انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ

لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ

زمین میں (کہیں بھاگ کر اللہ کو) ہرا نہیں سکتے اور نہ اللہ کے سوا ان کا حمایتی ہے (اے پیغمبر!)

يُضَاعَفْ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ

ان کو دگنا عذاب دیا جائے گا کیونکہ یہ (شدت کفر سے تمہاری بات) نہیں سن سکتے تھے

وَمَا كَانُوا يَبْصُرُونَ ﴿۲۰﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ

اور نہ یہ دیکھتے ہی تھے یہی ہیں جنہوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا

مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۱﴾ جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخِسِرُونَ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۲﴾

اور جو کچھ یہ افتراء کیا کرتے تھے ان سے جاتا رہا۔ بلاشبہ یہ لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان پانے والے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ

جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور اپنے پروردگار کے آگے عاجزی کی

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾ الْفَرِيقَيْنِ

وہی جنت میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہی رہنے والے ہیں، ان دونوں فرقوں کی مثال

كَالْأَعْمَى وَالْأَصْمِ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا

جیسے ایک اندھا بہرہ ہو اور ایک دیکھتا سنتا بھلا دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے،

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ

پھر تم سوچتے کیوں نہیں؟ اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تمہیں کھول کھول کر ڈرسانے آیا ہوں۔

﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمِ الْإِيمِ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۶﴾

کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے کہ ہم تمہیں اپنے ہی جیسا ایک آدمی دیکھتے ہیں

وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا بِآدَائِ الرَّأْيِ

اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہی لوگ ہوئے ہیں جو ہم میں ادنیٰ درجے کے ہیں اور وہ بھی رائے ظاہر سے

وَمَا نَرَاكَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۷﴾

(نہ غور و تعق سے) اور ہم تم میں اپنے اوپر کسی طرح کی فضیلت نہیں دیکھتے بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔

قَالَ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي

انہوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل (روشن) رکھتا ہوں

وَأَتْنِي رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهِ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ أَنزَلْنَاكُمْوهَا وَأَنْتُمْ لَهَا

اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے رحمت بخشی ہو جس کی حقیقت تم سے پوشیدہ رکھی گئی ہے تو کیا ہم اس کے لئے تمہیں مجبور کر

كُرْهُونَ ﴿۳۸﴾ يَقَوْمٌ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا

سکتے ہیں؟ اور تم ہو کہ اس سے ناخوش ہو رہے ہو۔ اور اے قوم! میں اس (نصیحت) کے بدلے تم سے مال و زر کا خواہاں نہیں

إِنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّهُمْ مُلَاقُوا

ہوں میرا صلہ تو اللہ کے ذمے ہے اور جو لوگ ایمان لائے ہیں میں ان کو نکالنے والا بھی نہیں ہوں وہ تو اپنے پروردگار سے

رَبِّهِمْ وَلَكِنِّي أَرَاكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿۳۹﴾ يَقَوْمٌ مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ

ملنے والے ہیں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ نادانی کر رہے ہو۔ اور اے قوم! اگر میں ان کو نکال دوں تو

إِنْ طَرَدْتُهُمْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۴۰﴾ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي

(عذاب) الہی سے (بچانے کے لئے) کون میری مدد کر سکتا ہے بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟ میں نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ

خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ

میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور نہ ان لوگوں کی نسبت

تَزِدْرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ

جن کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ان کو بھلائی نہیں دے گا جو ان کے دلوں

إِنِّي إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۴۱﴾ قَالَ أَيْنُنَا قَدْ جَادَلْتَنَا

میں ہے اسے اللہ خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں تو بے انصافی میں ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نوح! تم نے ہم سے جھگڑا

فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۴۲﴾ قَالَ

تو کیا اور جھگڑا بھی بہت کیا لیکن اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو وہ ہم پر لا نازل کرو۔ نوح نے کہا

إِنَّمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ اللَّهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۴۳﴾ قَالَ

کہ اس کو تو اللہ ہی چاہے گا تو نازل کرے گا اور تم (اس کو کسی طرح) ہرا نہیں سکتے۔

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أُنصَحَ لَكُمْ

اور اگر میں چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں اور اللہ یہ چاہے کہ تمہیں گمراہ کرے تو میری خیر خواہی تمہیں کچھ فائدہ نہیں

إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٣٣٣﴾ يَقُولُونَ

دے سکتی وہی تمہارا پروردگار ہے اور تمہیں اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

أَفْتَرَاهُ قُلُوبُ إِنْ أَفْتَرِيْتُهُ فَعَلَىٰ إِجْرَامِي

کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن اپنے جانب سے بنالیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر میں نے اپنے جانب سے بنالیا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر

وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرَمُونَ ﴿٣٣٤﴾ وَرَحِيَ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ

اور جو گناہ تم کرتے ہو اس سے میں بری الذمہ ہوں۔ اور نوح کی طرف وحی کی گئی کہ تمہاری قوم میں جو لوگ ایمان لا چکے

مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿٣٣٥﴾

(لا چکے) ان کے سوا اور کوئی ایمان نہیں لائے گا تو جو کام یہ کر رہے ہیں ان کی وجہ سے غم نہ کھاؤ۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِينَا وَلَا تَخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ

اور ایک کشتی ہمارے حکم سے ہمارے روبرو بناؤ اور جو لوگ ظالم ہیں ان کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا

مُغْرَقُونَ ﴿٣٣٦﴾ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ وَكَلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ

کیونکہ وہ ضرور غرق کر دیئے جائیں گے۔ تو نوح نے کشتی بنانی شروع کر دی اور جب ان کی قوم کے سرداران کے پاس سے

سَخِرُوا مِنْهُ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٣٧﴾

گزرتے تو ان سے تمسخر کرتے وہ کہتے کہ اگر تم ہم سے تمسخر کرتے ہو تو جس طرح تم ہم سے تمسخر کرتے ہو اسی طرح ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٣٨﴾

اور تمہیں جلد معلوم ہو جائے گا کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے (نوح کو) حکم دیا کہ ہر قسم کے جانداروں

مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ

میں سے جوڑا جوڑا (یعنی) دو (دو جانور ایک ایک نر اور ایک ایک مادہ) لے لو اور جس شخص کی نسبت حکم ہو چکا ہے

وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۱۰۱﴾

اس کو چھوڑ کر اپنے گھر والوں کو اور جو ایمان لایا ہو اس کو کشتی میں سوار کر لو اور ان کے ساتھ بہت ہی کم لوگ ایمان لائے تھے۔

وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرَاهَا وَمُرْسَاهَا إِنَّ

(نوح نے) کہا کہ اللہ کا نام لے کر (کہ اسی کے ہاتھ میں) اس کا چلنا اور ٹھہرنا (ہے) اس میں سوار ہو جاؤ بیشک میرا

رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۰۲﴾ هِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ

پروردگار بخشنے والا مہربان ہے۔ اور وہ ان کو لے کر (طوفان کی) لہروں میں چلے گی (لہریں کیا تھیں) گویا پہاڑ (تھے)

وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا

اس وقت نوح نے اپنے بیٹے کو کہ (کشتی سے) الگ تھا پکارا کہ بیٹا ہمارے ساتھ سوار ہو جا

وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۰۳﴾ قَالَ سَاوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ

اور کافروں میں شامل نہ ہو۔ اس نے کہا کہ میں (ابھی) پہاڑ سے جا لگوں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا

قَالَ لَا عَصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ ۗ

انہوں نے کہا کہ آج اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر اللہ رحم کرے

وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ﴿۱۰۴﴾ وَيَا أَرْضُ

اتنے میں دونوں کے درمیان لہر حائل ہوئی اور وہ ڈوب کر رہ گیا۔ اور حکم دیا گیا کہ اے زمین!

اِبْلَعِي مَاءَ كَيْبِ وَيَسْمَاءَ أَفْلَعِي وَغِيصَ الْمَاءِ وَقُضِيَ الْأَمْرُ
 اپنا پانی نگل جا اور اے آسمان تھم جا تو پانی خشک ہو گیا اور کام تمام کر دیا گیا
 وَأَسْتَوْتُ عَلَى الْجُودَى وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۴۴﴾
 اور کشتی کوہِ جودی پر جاٹھری اور کہہ دیا گیا کہ بے انصاف لوگوں پر لعنت۔
 وَنَادَى نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي
 اور نوح نے اپنے پروردگار کو پکارا اور کہا کہ پروردگار! میرا بیٹا بھی میرے گھر والوں میں ہے
 وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكَمِينَ ﴿۲۴۵﴾
 تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بہتر حاکم ہے۔ [2]

[2] نوح علیہ السلام نے فرمایا آج طوفان سے اللہ کے سوی کوئی نہیں بچا سکے گا، اس لئے پہاڑ وغیرہ کی پناہ بے
 سود ہے، (من رحم) میں موصول سے ذات باری تعالیٰ مراد ہے گویا کہ یوں کہا گیا ”لا عاصم الیوم من
 امر اللہ الا ہو سبحانہ و تعالیٰ“ اور ضمیر کی جگہ جملہ اظہار شانِ رحمت کے لئے لایا گیا۔ یا ”عاصم“ صیغہ نسبت ہے
 ”لابن“ دودھ والا، اور ”تامر“ بھجور والی طرح۔ اور موصول سے مرحوم مراد ہے (ای لا ذاعصمة)، ای لا معصوم
 الامن رحمہ اللہ تعالیٰ، (روح، مظہری)۔

یا مستثنیٰ منقطع ہے یعنی آج کوئی بچنے والا نہیں البتہ جس پر اللہ کی رحمت ہوگی، وہی بچے گا، الامن رحم استثناء
 منقطع و المعنی لکن من رحم اللہ معصوم (کبیر)۔

”و حال بینہما الموج“ اتنے میں طوفان کی ایک لہر نے کنعان کو اپنی لپیٹ میں لے کر اس کا کام
 تمام کر دیا۔

قَالَ يٰ نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِي

اللہ نے فرمایا کہ اے نوح! وہ تیرے گھر والوں میں نہیں ہے وہ تو ناشائستہ افعال والا ہے تو جس چیز کی تمہیں حقیقت معلوم نہیں

مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۗ إِنَّنِيَ آعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۱۴۱﴾

اس کے بارے میں مجھ سے سوال ہی نہ کرو اور میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ نادان نہ بنو۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي آعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۗ

نوح نے کہا پروردگار میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں کہ ایسی چیز کا تجھ سے سوال کروں جس کی مجھے حقیقت معلوم نہیں

وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنُ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۱۴۲﴾ قِيلَ يٰ نُوحُ

اور اگر تو مجھے نہیں بخشنے گا اور مجھ پر رحم نہیں کرے گا تو میں تباہ ہو جاؤں گا۔ حکم ہوا کہ نوح

أَهْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ

ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ (جو) تم پر اور تمہارے ساتھ کی جماعتوں پر (نازل کی گئی ہیں) اتر آؤ

وَأُمَّمٍ سَنُنَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۴۳﴾

اور کچھ اور جماعتیں ہوں گی جن کو ہم فائدہ تو ضرور پہنچائیں گے پھر ان کو ہماری طرف سے عذاب الیم پہنچے گا۔

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا

یہ (حالات) مجملہ غیب کی خبروں کے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں اور اس سے پہلے نہ تم ہی ان کو جانتے تھے

قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۗ فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۴۴﴾ ۗ إِلَىٰ عَادٍ

اور نہ تمہاری قوم (ہی ان سے واقف تھی) تو صبر کرو کہ انجام پر ہیزگاروں ہی کا (بھلا) ہے۔ اور ہم نے عاد کی طرف

أَخَاهُمْ هُوْدًا ۗ قَالَ يٰ قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلٰهِ غَيْرُهُ

ان کے بھائی ہود کو (بھیجا) انہوں نے کہا کہ اے میری قوم! اللہ کے بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ﴿۱۰۱﴾ قَوْمٍ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۗ

تم اللہ پر محض بہتان باندھتے ہو، میری قوم! میں اس (وعظ و نصیحت) کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا

إِنْ أَجْرِي إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَيَقَوْمٍ

میرا صلہ تو اس کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا بھلا تم سمجھتے کیوں نہیں؟ - اور اے قوم!

اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا

اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا

وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ﴿۱۰۳﴾ قَالُوا يَهُودُ

اور تمہاری طاقت پر طاقت بڑھائے گا اور (دیکھو) گنہگار بن کر روگردانی نہ کرو وہ بولے کہ اے ہود!

مَا جِئْنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ

تم ہمارے پاس کوئی دلیل ظاہر نہیں لائے اور ہم (صرف) تمہارے کہنے سے نہ اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں

وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۴﴾ نَقُولُ إِلَّا اغْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا

اور نہ تم پر ایمان لانے والے ہیں - ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا (کردیوانہ کر) دیا ہے

بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَأَشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۱۰۵﴾

انہوں نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ جنہیں تم (اللہ کا) شریک بناتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔

مِنْ دُونِهِ فَكَيْدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونَ ﴿۱۰۶﴾

(یعنی جن کی) اللہ کے سوا (عبادت کرتے ہو تو) تم سب مل کر میرے بارے میں (جو) تدبیر (کرنی چاہو) کرلو اور مجھے مہلت نہ دو۔

إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ۗ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا

میں اللہ پر جو میرا اور تمہارا (سب کا) پروردگار ہے بھروسہ رکھتا ہوں (زمین پر) جو چلنے پھرنے والا ہے وہ اس کو چوٹی سے

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٤٠﴾ إِنَّ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ

پکڑے ہوئے ہے بیشک میرا پروردگار سیدھے رستے پر ہے۔ اگر تم روگردانی کرو گے تو جو پیغام میرے ہاتھ تمہاری

مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوَنَّهُ شَيْئًا ط

طرف بھیجا گیا ہے وہ میں نے تمہیں پہنچا دیا ہے اور میرا پروردگار تمہاری جگہ اور لوگوں کو لا بسائے گا اور تم اللہ کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے

إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٤١﴾ لَوْلَمَا جَاءَ أَمْرُنَا نَجِينَا هُودًا

میرا پروردگار تو ہر چیز پر نگہبان ہے اور جب ہمارا حکم (عذاب) آپہنچا تو ہم نے ہود کو

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿٤٢﴾

اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور انہیں عذاب شدید سے نجات دی

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ

یہ (وہی) عاد ہیں جنہوں نے اللہ کی نشانیوں سے انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر متکبر

عَنِيدٍ ﴿٤٣﴾ تَتَّبِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا

وسرکش کا کہا مانا۔ تو اس دنیا میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہی اور قیامت کے دن بھی (لگی رہے گی)۔ دیکھو عاد

كَفَرُوا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِّعَادِ قَوْمِ هُودٍ ﴿٤٤﴾ إِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ

نے اپنے پروردگار سے کفر کیا (اور) سن رکھو ہود کی قوم عاد پر پھنکار ہے۔ اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح (کو بھیجا)

يَلْقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۗ هُوَ أَنشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ

تو انہوں نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا

وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تَوَبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ﴿٤٥﴾

اور اس میں آباد کیا تو اس سے مغفرت مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو بیشک میرا پروردگار نزدیک (بھی ہے اور دعا کا) قبول کرنے والا بھی ہے

قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا

انہوں نے کہا کہ اے صالح اس سے پہلے ہم تم سے (کئی طرح کی) امیدیں رکھتے تھے (اب وہ منقطع ہو گئیں)

اتَّهَانَانَا أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَا

کیا تم ہمیں ان چیزوں کے پوجنے سے منع کرتے ہو جن کو ہمارے بزرگ پوجتے آئے ہیں اور جس بات کی طرف تم ہیں

إِلَيْهِ مُرِيبٌ ﴿٤٢﴾ قَالِ يَقَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي

بلاتے ہو اس میں ہمیں قوی شبہ ہے۔ صالح نے کہا کہ اے قوم! بھلا دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے کھلی دلیل

وَأَتَانِي مِنْهُ رَحْمَةٌ فَمَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ

پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے ہاں سے (نبوت کی) نعمت بخشی ہو تو اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو اس کے سامنے میری کون مدد کرے گا؟

فَمَا تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ﴿٤٣﴾ قَوْمِ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ

تم تو (کفر کی باتوں سے) میرا نقصان کرتے ہو۔ اور (یہ بھی کہا کہ) اے قوم! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے ایک نشانی (یعنی

فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ

مُجْزَاهُ) ہے تو اس کو چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں (جہاں چاہے) چرے اور اس کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں جلد

قَرِيبٌ ﴿٤٤﴾ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ

عذاب آ پکڑے گا۔ مگر انہوں نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالیں تو (صالح نے) کہا کہ اپنے گھروں میں تین دن

ذَلِكَ وَعَدُّ غَيْرُ مَكْدُوبٍ ﴿٤٥﴾ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا

(اور) فائدہ اٹھالو یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہو گا۔ جب ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے صالح کو

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ إِنَّ

اور جو لوگ ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی مہربانی سے بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے (محفوظ رکھا) بیشک

رَبِّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿٤٤﴾ وَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا

تمہارا پروردگار طاقتور اور زبردست ہے۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا ان کو چٹکھاڑ (کی صورت میں عذاب) نے آپکڑا

فِي دِيَارِهِمْ جَثْمِينَ ﴿٤٥﴾ إِنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا آلَا إِنَّ ثَمُودًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ

تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے سن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار سے کفر کیا

أَلَا بُعْدًا لِّلثَمُودِ ﴿٤٨﴾ وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلْنَا إِبْرَاهِيمَ بِالبُّشْرَى قَالُوا

اور سن رکھو ثمود پر پھٹکار ہے۔ اور ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے تو سلام کہا انہوں نے بھی

سَلَامًا قَالِ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيدٍ ﴿٤٩﴾ لَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ

(جواب میں) سلام کہا ابھی کچھ وقفہ نہیں ہوا تھا کہ (ابراہیم) ایک بھنا ہوا بیچڑا لے آئے۔ جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ

لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ

کھانے کی طرف نہیں جاتے (یعنی وہ کھانا نہیں کھاتے) تو ان کو اجنبی سمجھ کر دل میں خوف کیا (فرشتوں نے) کہا کہ خوف

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ﴿٥٠﴾ وَأَمْرَاتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحَكْتُ

نہ کیجئے ہم قوم لوط کی طرف (ان کے ہلاک کرنے کو) بھیجے گئے ہیں۔ اور ابراہیم کی بیوی (جو پاس) کھڑی تھی ہنس پڑی

فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ﴿٥١﴾ قَالَتْ

تو ہم نے اس کو اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی خوشخبری دی۔ اس نے کہا

يُؤَيِّلَتِي أَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ

کہ اے ہے میرے بچہ ہوگا؟ میں تو بڑھیا ہوں اور یہ میرے میاں بھی بوڑھے ہیں یہ تو بڑی عجیب بات ہے

﴿٥٢﴾ قَالُوا اتَّعَجِبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحِمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ

انہوں نے کہا کیا تم اللہ کی قدرت سے تعجب کرتی ہو؟ اے اہل بیت! تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہیں

الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾ لَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَ تَهُ

وہ سزاوار تعریف اور بزرگواری ہے۔ جب ابراہیم سے خوف جاتا رہا اور ان کو خوشخبری بھی مل گئی

الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾

تو قوم لوط کے بارے میں ہم سے بحث کرنے لگے۔ بیشک ابراہیم بڑے محل والے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے

يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرٌ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ

اے ابراہیم! اس بات کو جانے دو تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا ہے اور ان لوگوں پر عذاب آنے والا ہے

غَيْرٌ مَّرْدُودٍ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۶﴾ لَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

جو کبھی نہیں ٹلنے کا۔ اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کے آنے) سے غمناک اور تنگ دل ہوئے

ذُرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۷﴾ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ

اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے۔ اور لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس بے تحاشا دوڑتے ہوئے آئے

وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ قَالَ يَقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ

اور یہ لوگ پہلے ہی سے فعلِ شنیع کیا کرتے تھے لوط نے کہا کہ اے قوم! یہ (جو) میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں یہ تمہارے لئے

لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَخْزُونِ فِي ضَيْفِي أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۸﴾

(جائز اور) پاک ہیں تو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں (کے بارے) میں میری سوائی نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں؟

قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَمَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾

وہ بولے کہ تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری (قوم کی) بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں اور جو ہماری غرض ہے اسے تم (خوب) جانتے ہو

قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أَوْ آوَىٰ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۰﴾

لوط نے کہا کہ اے کاش! مجھ میں تمہارے مقابلے کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط کاسرا پکڑ پاتا۔

قَالُوا يَلُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ فَأَسْرَبَ أَهْلَكَ

فرشتوں نے کہا کہ لوط! ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے تو کچھ رہے سے اپنے گھر

بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرَاتِكَ إِنَّهُ مُصِيبُهَا

والوں کو لے کر چل دو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ جو آفت ان پر پڑنے والی ہے

مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ﴿٨١﴾ لَمَّا جَاءَ

وہی اس پر پڑے گی ان کے (عذاب کے) وعدے کا وقت صبح ہے اور کیا صبح کچھ دُور ہے؟۔ تو جب ہمارا حکم آیا

أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَلَيْهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ

ہم نے اس (بستی) کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر پتھر کی تہ جہم (یعنی پے در پے) کنکریاں برسائیں

مَنْضُودٍ ﴿٨٢﴾ مَسُومَةٍ عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بَعِيدٍ ﴿٨٣﴾

جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کئے ہوئے تھے اور وہ (بستی ان) ظالموں سے کچھ دور نہیں

وَالِى مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو (بھیجا) تو انہوں نے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ

اور ماپ اور تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور (اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو) مجھے تمہارے بارے میں

عَذَابٍ يَوْمٍ مُحِيطٍ ﴿٨٤﴾ وَيَقَوْمِ أَوفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ

ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تمہیں گھیر کر رہے گا۔ اور اے قوم! ماپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری پوری کیا کرو

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٨٥﴾

اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں خرابی کرتے نہ پھرو۔

﴿۸۴﴾ بَقِيَّةُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ﴿۸۴﴾

اگر تمہیں (میرے کہنے کا) یقین ہو تو اللہ کا دیا ہوا نفع ہی تمہارے لئے بہتر ہے اور میں تمہارا نگہبان نہیں ہوں

قَالُوا يَشْعِبُ أَصْلُوتَكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا

انہوں نے کہا کہ اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے آئے ہیں

﴿۸۷﴾ أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِي أَمْوَالِنَا مَا نَشَاءُ إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَلِيمُ الرَّشِيدُ ﴿۸۷﴾

ہم ان کو ترک کر دیں یا اپنے مال میں تصرف کرنا چاہیں تو نہ کریں تم تو بڑے نرم دل اور راست باز ہو

قَالَ يَقَوْمُ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَى بَيْنَةٍ مِّنْ رَبِّي وَرَزَقْنِي مِنْهُ

انہوں نے کہا کہ اے قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے دلیل روشن پر ہوں اور اس نے اپنے ہاں سے مجھے

رِزْقًا حَسَنًا، وَمَا أُرِيدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنهَاكُمْ عَنْهُ

نیک روزی دی ہو (تو کیا میں ان کے خلاف کروں گا)؟ اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں

إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

خود اس کو کرنے لگوں میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکے (تمہارے معاملات کی) اصلاح چاہتا ہوں اور (اس بارے میں)

﴿۸۸﴾ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿۸۸﴾ يَقَوْمُ

مجھے توفیق کا ملنا اللہ ہی (کے فضل) سے ہے میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اے قوم!

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصِيبَكُمْ مِثْلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ

میری مخالفت تم سے کوئی ایسا کام نہ کرا دے کہ جیسی مصیبت نوح کی قوم یا ہود کی قوم

﴿۸۹﴾ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ، وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيدٍ ﴿۸۹﴾

یا صالح کی قوم پر واقع ہوئی تھی ویسی ہی مصیبت تم پر واقع ہو اور لوط کی قوم (کا زمانہ تو) تم سے کچھ دور نہیں۔

وَأَسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ ﴿٤٠﴾

اور اپنے پروردگار سے بخشش مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو بیشک میرا پروردگار رحم والا (اور) محبت والا ہے۔

قَالُوا يَا شُعَيْبُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِينَا ضَعِيفًا

انہوں نے کہا کہ شعیب تمہاری بہت سی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ تم ہم میں کمزور بھی ہو

وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنَاكَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بَعِزٌّ ﴿٤١﴾

اور اگر تمہارے بھائی بند نہ ہوتے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیتے اور تم ہم پر (کسی طرح بھی) غالب نہیں ہو۔

قَالَ يَقَوْمِ أَرْهَطِي أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَاتَّخَذْتُمُوهُ وَرَاءَ كُمُ ظَهْرِيًّا

انہوں نے کہا کہ اے قوم! کیا میرے بھائی بندوں کا دباؤ تم پر اللہ سے زیادہ ہے اور اس کو تم نے پیٹھے پیچھے ڈال رکھا ہے

إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٢﴾ وَيَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ إِنِّي

میرا پروردگار تو تمہارے سب اعمال پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اور اے میری قوم! تم اپنی جگہ کام کئے جاؤ میں

عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ

(اپنی جگہ) کام کئے جاتا ہوں تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے

وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ﴿٤٣﴾ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ

اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ اور جب ہمارا حکم آ پہنچا تو ہم نے شعیب کو اور جو لوگ

آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي

ان کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو تو اپنی رحمت سے بچالیا اور جو ظالم تھے ان کو چنگھاڑنے آدبوچا تو وہ اپنے گھروں میں

دِيَارِهِمْ جَثِمِينَ ﴿٤٤﴾ كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا أَلَا بُعْدًا لِّلْمَدِينِ كَمَا بَعَدَتْ

اوندھے پڑے رہ گئے۔ گویا ان میں کبھی بسے ہی نہ تھے سن رکھو کہ مدین پر (دوبسی ہی) پھکار ہے جیسی شموڈ پر پھکار تھی۔

﴿۴۴﴾ وَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۴۴﴾

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور دلیل روشن دے کر بھیجا۔ (یعنی)

﴿۴۷﴾ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوْا أَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۴۷﴾

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف تو وہ فرعون ہی کے حکم پر چلے اور فرعون کا حکم درست نہیں تھا

﴿۴۸﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ يَوْبَسُ الْوَرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۴۸﴾

وہ قیامت کے دن اپنی قوم کے آگے آگے چلے گا اور ان کو دوزخ میں جا اتارے گا اور جس مقام پر وہ اتارے جائیں گے وہ بُرا ہے

﴿۴۹﴾ وَاتَّبَعُوا فِي هٰذِهِ لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ بُسُ الرِّفْدِ الْمَرْفُوْدُ ﴿۴۹﴾

اور اس جہان میں بھی لعنت ان کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی (پیچھے لگی رہے گی) جو انعام ان کو ملا ہے بُرا ہے۔

﴿۱۰۰﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَائِمٌ وَحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾

یہ بستیوں کے تھوڑے سے حالات ہیں جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں ان میں سے بعض تو باقی ہیں اور بعض تہس نہیں ہو گئے۔

﴿۱۰۱﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَمَا اَغْنٰ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِي

اور ہم نے ان لوگوں پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا اور جب تمہارے پروردگار کا حکم آ پہنچا تو جن معبودوں

﴿۱۰۲﴾ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَاءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ

کو وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے وہ ان کے کچھ بھی کام نہ آئے۔ اور تباہ کرنے کے سوا ان کے حق میں اور کچھ نہ کر سکے۔

﴿۱۰۱﴾ تَتَّبِعِ ﴿۱۰۱﴾ كَذٰلِكَ اَخَذَ رَبُّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظٰلِمَةٌ

اور تمہارا پروردگار جب نافرمان بستیوں کو پکڑا کرتا ہے تو اس کی پکڑ اسی طرح کی ہوتی ہے

﴿۱۰۲﴾ اِنَّ اَخَذَهُ الْيَمُّ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةٌ لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ

پیشک اس کی پکڑ دکھ دینے والی (اور) سخت ہے۔ ان (قصوں) میں اس شخص کے لئے جو عذابِ آخرت سے

الْآخِرَةَ ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ﴿۱۰۳﴾

ڈرے عبرت ہے یہ وہ دن ہوگا جس میں سب اکٹھے کئے جائیں گے اور یہی وہ دن ہوگا جس میں سب حاضر کئے جائیں گے

وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدُّودٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلِّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ

اور ہم اس کے لانے میں ایک وقت معین تک تاخیر کر رہے ہیں۔ جس روز وہ آجائے گا تو کوئی نفس اللہ کے حکم کے

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ﴿۱۰۵﴾ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَمِنَ النَّارِ

بغیر بول بھی نہیں سکے گا پھر ان میں سے کچھ بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔ تو جو بد بخت ہوں گے وہ دوزخ میں

لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ﴿۱۰۶﴾ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ

(ڈال دیئے جائیں گے) اس میں ان کو چلانا اور دھاڑنا ہو گا۔ (اور) جب تک آسمان

وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ ﴿۱۰۷﴾

وزمین ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے بیشک تمہارا پروردگار جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

وَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا فَمِنَ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ

اور جو نیک بخت ہوں گے وہ بہشت میں (داخل کئے جائیں گے اور) جب تک آسمان

وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ عَطَاءٌ غَيْرَ مَجْذُودٍ ﴿۱۰۸﴾

اور زمین ہیں ہمیشہ اسی میں رہیں گے مگر جتنا تمہارا پروردگار چاہے یہ (اللہ کی) بخشش ہے جو کبھی منقطع نہیں ہوگی

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هَؤُلَاءِ مَا يَعْبُدُونَ إِلَّا كَمَا

تو یہ لوگ جو (غیر اللہ کی) پرستش کرتے ہیں اس سے تم خلیجان میں نہ پڑنا یہ اسی طرح پرستش کرتے ہیں جس طرح

يَعْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ وَإِنَّا لَمُوفُونَ ﴿۱۰۹﴾ نَصِيبُهُمْ غَيْرَ مَنْقُوصٍ ﴿۱۰۹﴾

پہلے سے ان کے باپ دادا پرستش کرتے آئے ہیں اور ہم ان کو ان کا حصہ پورا پورا بلا کم و کاست دینے والے ہیں

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی

لَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مُرِيبٍ ﴿۱۰﴾ إِنَّ كَلِمًا لَّيُوفِّيَنَّهُمْ

ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور وہ تو اس سے قوی شے میں (پڑے ہوئے) ہیں۔ اور تمہارا پروردگار ان سب کو (قیامت

رَبُّكَ أَعْمَالُهُمْ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۱﴾ أَسْتَقِمُّ كَمَا

کے دن) ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا بیشک جو عمل یہ کرتے ہیں وہ اس سے واقف ہے۔ [3] سو (اے پیغمبر!) جیسا تمہیں

أُمِرْتُ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۲﴾

حکم ہوتا ہے (اس پر) تم اور جو لوگ تمہارے ساتھ تائب ہوئے ہیں قائم رہو اور حد سے تجاوز نہ کرنا وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے

وَلَا تَرْكُنُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فْتَمَسْكُمْ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ

اور جو لوگ ظالم ہیں ان کی طرف مائل نہ ہونا نہیں تو تمہیں (دوزخ کی) آگ آ لپٹے گی اور اللہ کے سوا تمہارے

مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿۱۳﴾ وَالْوَقِيمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ

اور دوست نہیں ہیں اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہو گئے تو پھر تم کو (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی۔ اور دن کے دونوں سروں

[3] اس آیت میں تحریف اخروی ہے اس کی دو ترکیبیں ہیں۔ ”کلا“ اسم ”ان“ اور ”لما“ کی شرط محذوف ہے ای

یعنی ہم۔ اور ”لیوفینہم“ بجزاء ہے، اور شرط و جزاء مجموعہ ”ان“ کی خبر ہے، اور مطلب یہ ہے کہ بیشک جب ہر ایک کو اللہ

اٹھائے گا تو ان کو پوری پوری جزا دیگا۔

۲۔ لیوفینہم شرط اور ”انہ بما تعملون خبیر“ اس کی جزا ہے اور مجموعہ شرط و جزا ”ان“ کی خبر ہے، یعنی

بیشک ہر ایک کو جب اللہ جزا دے گا تو وہ ان کے اعمال سے خبردار ہوگا۔

وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ

(یعنی صبح اور شام کے اوقات میں) اور رات کی چند (پہلی) ساعیات میں نماز پڑھا کرو کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دُور

ذِكْرًا لِلذِّكْرَيْنِ ﴿۱۱۳﴾ وَأَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۴﴾

کر دیتی ہیں یہ ان کے لئے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں اور صبر کئے رہو کہ اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِن قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةً يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي

تو جو امتیں تم سے پہلے گزر چکی ہیں ان میں ایسے ہوشمند کیوں نہ ہوئے جو ملک میں خرابی کرنے سے روکتے

الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ

ہاں (ایسے) تھوڑے سے (تھے) جن کو ہم نے ان میں سے مخلصی بخشی اور جو ظالم تھے وہ انہی باتوں کے پیچھے لگے رہے

ظَلَمُوا مَا آتَوْا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿۱۱۵﴾

جن میں عیش و آرام تھا اور وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ [4]

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ ﴿۱۱۷﴾

اور تمہارا پروردگار ایسا نہیں ہے کہ بستیوں کو جب کہ وہاں کے باشندے نیکوکار ہوں ازارہ ظلم تباہ کر دے

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ﴿۱۱۸﴾

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے

[4] "لولا" بمعنی "ہلا" برائے تخصیض ہے، یعنی تم سے پہلے قرون میں جو لوگ عقل ورائے والے اور دین کے راہنما تھے

انہوں نے دوسرے لوگوں کو شرک و کفر سے کیوں نہ روکا؟ جو زمین میں اصل شر و فساد کی جڑ ہے۔ "بقیة" کے معنی اصحاب

طاعت و دین و عقل و بصیرت (قرطبی) اور "الاقلیلا" استثناء منقطع ہے یعنی البتہ بہت تھوڑے لوگ ایسے ضرور تھے جن کو ہم

نے عذاب سے بچالیا۔ جبکہ باقی سرکش قوم کو ہلاک کر دیا۔

إِلَّا مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ. وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَأَمْلَأَنَّ

مگر جن پر تمہارا پروردگار رحم کرے اور اسی لئے اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور تمہارے پروردگار کا قول پورا ہو گیا کہ میں دوزخ

جہنم من الجنّة والنّاس اجمعيّن ﴿۱۱۹﴾ كَلَّا نَقْصُ عَلَيْكَ

کو جنوں اور انسانوں سے بھر دوں گا۔ (اے محمد ﷺ!) اور پیغمبروں کے وہ سب حالات جو ہم تم سے بیان کرتے ہیں

مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِ فُؤَادَكَ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ

ان سے ہم تمہارے دل کو قائم رکھتے ہیں اور ان (قصص) میں تمہارے پاس حق پہنچ گیا اور (یہ)

وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۰﴾ وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ

مومنوں کے لئے نصیحت اور عبرت ہے۔ [5] اور جو لوگ ایمان نہیں لائے ان سے کہہ دو کہ تم اپنی جگہ عمل

مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَمِلُونَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوا إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ﴿۱۲۲﴾

کئے جاؤ ہم (اپنی جگہ) عمل کئے جاتے ہیں۔ اور (نتیجہ اعمال کا) تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرتے ہیں

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ

اور آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کا علم اللہ ہی کو ہے اور تمام امور کا رجوع اسی کی طرف ہے

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۳﴾

تو اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ رکھو اور جو کچھ تم کر رہے ہو تمہارا پروردگار اس سے بے خبر نہیں ہے۔

[5] یہ آیت تمام سابقہ قصوں سے متعلق ہے ”کلا“ مبدل منه ”مانثبت به“ بدل، اور ”من انباء الرسل“

”مانثبت“ کا بیان ہے، یہ قصے ہم نے اس لئے بیان کئے تاکہ آپ کے دل میں ثبات و استقلال زیادہ پیدا ہو، اور آپ تبلیغ

توحید کی راہ میں ہر کھٹن سے کھٹن وقت کا صبر و ثبات سے مقابلہ کر سکیں، اور مشرکین کے مسلسل رد و انکار کی وجہ سے مایوس نہ

ہو جائیں۔

سورة یوسف (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الرَّٰتِلَکَ آیٰتِ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ﴿۱﴾ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ

آلے۔ یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم

تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ اَحْسَنُ نَقْصٍ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصِصِ

سمجھ سکو۔ (اے پیغمبر!) ہم اس قرآن کے ذریعے سے جو ہم نے تمہاری طرف بھیجا ہے تمہیں

بِمَا اَوْحٰیْنَا اِلَیْکَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ، وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ﴿۳﴾

ایک نہایت اچھا قصہ سناتے ہیں اور تم اس سے پہلے بے خبر تھے

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یَا اَبَتِ اِنِّیْ رَاٰیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا

جب یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ ابا میں نے (خواب میں) گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے،

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرَ رَاٰیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ﴿۴﴾ قَالَ یٰ بُنَیَّ

دیکھتا (کیا) ہوں کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ [1] انہوں نے کہا کہ بیٹا!

[1] علماء یہود نے مشرکین سے کہا کہ محمد ﷺ سے پوچھو، آل یعقوب شام سے مصر کیسے منتقل ہوئی اور یوسف علیہ السلام

کا کیا قصہ ہے؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی (بیضاوی) سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ صحابہ نے رسول پاک ﷺ کی

خدمت میں عرض کی کہ آپ ہمیں کوئی عبرت آمیز قصہ سنائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے سورت یوسف نازل فرمائی (خازن)۔

”احسن القصص“ اس قصے کو احسن القصص اس لئے کہا گیا کہ اس سے دو نہایت اہم مسئلے واضح ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ

کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں، اور نہ اس کے سوا کوئی متصرف و مختار ہے اور ساری مخلوق اس کی قضا و قدر کے سامنے عاجز و بے ولس ہے: وقد افادت انه لا دافع لقضاء الله تعالى ولا مانع من قدره وانه سبحانه اذ قضى لانسان بخير ومكرمة فلوان اهل العالم اجتماعا اعلى دفع ذلك لم يقدر و(روح) يا حسن القصص اس لئے فرمایا کہ یہ واقعہ جس فصاحت و بلاغت اور حسن اداء سے بیان کیا گیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے، یا یہ عبرتوں، نصیحتوں اور حکمتوں سے لبریز ہونے کی وجہ سے احسن القصص ہے، کونہ احسن القصص لمافیه من العبر والنکت والحکم والعجائب التی لیست فی غیرها. (کبیر).

یہ قصہ بیان کرنے سے پہلے آپ کو اس کی تفصیلات کا علم نہ تھا۔ ”ان کنت“ میں ”ان“ مخففہ من المثلثہ ہے اور ضمیر شان محذوف ہے، ان مخففہ من الثقيلة والسلام فارقة بينها وبين النافية یعنی، وان الشان. (مدارک).

”اذ قال يوسف“ یہاں سے قصہ کی ابتداء ہوتی ہے اور یہ مختلف پندرہ احوال پر مشتمل ہے جن میں سے ہر ایک حالت ان دونوں مسئلوں کو واضح اور ثابت کرتی ہے، یعنی عالم الغیب اور متصرف صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ [۱] قال المن الغافلین [۳] تمہید ہے اس کے بعد قصہ شروع ہوتا ہے۔

پہلا حال ”اذ قال يوسف لایہ“ [۴] تا ”ایت للسانین“ [۷] یوسف علیہ السلام نے اپنا خواب یعقوب علیہ السلام سے بیان کیا تو انہوں نے ہدایت فرمائی کہ یہ خواب بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا۔

دوسرا حال: ”اذ قالوا لیسف“ [۴] تا ”والله المستعان علی ماتصفون“ [۱۸] یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں اپنے باپ کے نظروں سے اوجھل کرنے کا منصوبہ بنایا، پھر والد گرامی سے سیر کے بہانے یوسف علیہ السلام کو جنگل میں لے جانے کی درخواست کی جسے انہوں نے ادنیٰ تامل کے بعد قبول کر لیا۔ بھائیوں نے انہیں ساتھ لے جا کر جنگل میں ایک ویران کنویں میں ڈال دیا، اور شکار کے خون سے ان کی قمیص لت پت کی، اور رات کو روتے ہوئے گھر پہنچے اور یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا کہ یوسف کو بھیڑیے نے پھاڑ کھایا، یہ اس کا خون الودہ کرتہ ہے۔ یہ سب کچھ ہوا مگر ان باتوں کی اصل حقیقت کا علم یعقوب علیہ السلام کو نہ ہوسکا۔

تیسرا حال۔ ”وجاءت سیرا فارسلوا اور دھم“ [۱۹] تا ”وکانوا فیہ من الزاہدین“

[۲۰] ادھر سے ایک قافلہ گذرا جس نے یوسف علیہ السلام کو کنویں سے نکال کر ساتھ لے لیا اور مصر میں جا کر فروخت کر دیا۔ مگر فرزند کی اس نقل و حرکت کا یعقوب علیہ السلام کو کوئی علم نہ تھا۔

چوتھا حال۔ ”وقال الذی اشتراه من مصر“ [۲۱] تا ”ولکن اکثر الناس لا یعلمون“ [۲۱] عزیز مصر انہیں خرید کر گھر لے آیا اور بیوی کو ان سے حسن سلوک اور اعزاز و اکرام سے پیش آنے کی ہدایت کی۔

پانچواں حال۔ ”ولمابلغ اشدہ اتیناہ حکما وعلما“ [۲۲] تا ”انک کنت من الخاطئين“ [۲۹] عزیز مصر کی بیوی یوسف علیہ السلام پر فریفتہ ہو گئی اور انہیں ورغلانے کی کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنی توفیق سے ان کو بچا لیا۔ اسی اثناء میں عزیز مصر بھی گھر آ پہنچا اور حقیقت حال جاننے کے بعد اس نے اپنی بیوی کو ملزم اور یوسف علیہ السلام کو بری قرار دیا۔

چھٹا حال۔ ”وقال نسوة فی المدینة“ [۳۰] تا ”لیسجنہ حتی حین“ [۳۵] اس واقعہ کا شہر میں چرچا ہونے لگا، کہ عزیز مصر کی بیوی نے اپنے غلام کو بدعتی سے ورغلانے کی کوشش کی ہے۔ عزیز مصر کی بیوی نے جب اپنا یہ چرچا سنا، تو یوسف علیہ السلام کو پھانسنے کے لئے شہر کی عورتوں کو اپنے یہاں مدعو کر کے ایک نیا جال بچھایا، جب اس میں بھی ناکام ہو گئی تو بدنامی سے بچنے کے لئے یوسف علیہ السلام کو بغیر کسی جرم کے جیل بھجوا دیا۔

ساتواں حال۔ ”ودخل معہ السجن فتیان“ [۳۶] تا ”فلبت فی السجن بضع سنین“ [۴۲] یوسف علیہ السلام کے ہمراہ دو اور ملزم بھی قید خانہ میں داخل ہوئے، یہ دونوں بادشاہ کے درباری تھے، انہوں نے خواب دیکھے اور یوسف علیہ السلام سے تعبیر کے لئے بیان کئے۔ انہوں نے تعبیر دینے سے پہلے ان کو مسئلہ توحید سمجھایا، اور انہیں بتایا کہ اللہ کے سوا کوئی متصرف و مختار اور پکار کے لائق نہیں، اس حصے میں سورہ ہود کے پہلے دوے کا تفصیل سے اعادہ کیا گیا ہے آخر میں یوسف علیہ السلام نے قید خانے کے دونوں ساتھیوں کو انکے خوابوں کی تعبیر بتائی۔

آٹھواں حال۔ ”وقال الملک انی اری سبع بقرات“ [۴۳] تا ”وفیہ بعضرون“ [۴۹] شاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جسے اس نے ارکان دربار کے سامنے بیان کر کے اسکی تعبیر پوچھی۔ ارکان دولت میں سے کوئی بھی خواب کی تعبیر تک رسائی حاصل نہ کر سکا اس لئے سب نے بادشاہ کے خواب کو خیال پریشان کہہ کر خاموشی اختیار کی، جو درباری الزام سے بری ہو کر دوبارہ دربار میں باریاب ہوا تھا، اسے یوسف علیہ السلام یاد آئے، اور اس نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی

کہ مجھے اجازت دیجئے اس خواب کی تعبیر میں لے کر آتا ہوں وہ شخص فوراً باجارت خاص قید خانے میں یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور بادشاہ کا خواب بیان کیا انہوں نے اسکی تعبیر بتائی جو اس نے بادشاہ مصر کے سامنے حاضر ہو کر بیان کی۔

نواں حال: ”وقال الملك ائتونی به“ [۵۰] تا ”وكانوا يتقون“ [۵۴] شاہ مصر تعبیر سکر یوسف علیہ السلام کے علم و فضل اور فہم و فراست کا قائل ہو گیا، اور انہیں فوراً جیل سے نکالنے کا حکم دیدیا۔ جب انہیں رہائی کا پیغام ملا تو انہوں نے ایلچی کے ہاتھ بادشاہ سے کہلا بھیجا، کہ پہلے ان عورتوں کے حال کی تحقیق کرو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے، یوسف علیہ السلام کا مقصد یہ تھا کہ جیل سے باہر آنے سے پہلے ان کی پاکدامنی اور برائت سب پر واضح ہو جائے۔ چنانچہ ان عورتوں نے اقرار کیا کہ یوسف علیہ السلام بے گناہ اور پاکدامن ہیں، خود عزیز مصر کی بیوی نے اعتراف کیا کہ یوسف علیہ السلام سچے ہیں اور خود اسی نے ان کو ورغلانے کی کوشش کی تھی۔ یوسف علیہ السلام کی عصمت اور پاکدامنی ثابت ہو گئی اور وہ جیل سے باہر آئے۔ شاہ مصر نے انہیں اپنا مشیر خاص بنا لیا، اور خود ان کی مرضی سے زراعت کا محکمہ ان کے سپرد کر دیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کو جیل سے نکال کر حکومت کے اس منصب بلند پر پہنچا دیا۔ مگر اس کے باوجود یعقوب علیہ السلام اپنے لخت جگر کی جدائی کے غم میں گھڑیاں گن کر وقت گزار رہے ہیں، پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ ان کا فرزند جیل میں ہے اور اب یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا فرزند سعادت مند حکومت کے ایک نہایت بلند منصب پر فائز ہے۔

دسواں حال: ”وجاء اخوة يوسف فدخلوا عليه“ [۵۸] تا ”وعليه فليتوكل المؤمنون“ [۶۷] جب ملک میں قحط پڑا تو یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے غلہ حاصل کرنے کے لئے مصر کا رخ کیا جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا، مگر وہ ان کو نہ پہچان سکے۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو تائید کی کہ آئندہ وہ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی ضرور ساتھ لائیں، اور اپنے ملازموں کو حکم دیا کہ وہ ان کا سرمایہ ان کی بوریوں ہی میں ڈال دیں، جب وہ غلہ لے کر واپس گھر پہنچے تو یعقوب علیہ السلام سے کہا چھوٹے بھائی کا حصہ ہم سے روک لیا گیا ہے، اس لئے اب کے بار بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیجیں، ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے، پہلے تو یعقوب علیہ السلام نے پس و پیش کیا، اور بیٹوں کو یوسف علیہ السلام کا واقعہ یاد دلایا، کہ جیسی تم نے یوسف کی حفاظت کی تھی ویسی ہی بنیامین کی کرو گے؟ بعد میں انہوں نے بیٹوں سے اللہ کا عہد لیا کہ تم سوائے آسمانی حادثہ کے بنیامین کو ضرور واپس لاؤ گے۔

گیارہواں حال: ”ولمادخلوا من حيث امرهم ابوہم“ [۶۸] تا ”انا اذا الظالمون“ [۷۹] اب

کی بار بنیامین بھی ساتھ تھا اور گیا رہوں بھائی مصر پہنچے اور والد گرامی کی ہدایت کی مطابق شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہو کر یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے، یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس رکھنے کا پروگرام بنایا، اور اس کے مطابق آنکھ بچا کر اپنا بیانا بنیامین کے سامان میں رکھ دیا، اور سب بھائی اپنے وطن روانہ ہو گئے۔ ادھر تلاش کرنے والے ملازموں نے کنعانی قافلے کو شبہ کی بنا پر روک لیا، تلاشی لینے پر یوسف علیہ السلام کا بیانا بنیامین کے سامان سے مل گیا اس لئے اسے روک لیا گیا۔ بھائیوں نے عزیز مصر یوسف علیہ السلام سے بہت منت سماجت کی کہ وہ کسی بھی قیمت پر بنیامین چھوڑ دیں مگر انہوں نے ایسا نہ کیا۔

بارہواں حال: ”فلما استئسوا منه خلصوا نجيا“ [۸۰] تا ”الا القوم الكافرون“ [۸۷] آخر سب بھائیوں نے مایوس ہو کر مٹینگ کی اور بڑے بھائی نے طے کیا کہ چونکہ وہ اپنے باپ کو اللہ کا عہد دیکر آئے ہیں اس لئے وہ تو مصر ہی میں رہے گا جب تک باپ اجازت نہ دے یا اللہ کی طرف سے کوئی صورت پیدا نہ ہو جائے۔ نو بھائی وطن واپس پہنچے اور سارا ماجرا یعقوب علیہ السلام سے کہہ سنایا، انہوں نے اسے بھی بھائیوں کی سازش قرار دیا، حالانکہ وہ سب بنیامین کے معاملے میں بے قصور تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یعقوب علیہ السلام غیب داں نہ تھے آخر انہوں نے بیٹوں کو سہ بار بھیجا اور فرمایا یوسف اور اس کے بھائی کی تلاش کرو، اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔

تیرہواں حال: ”فلما دخلوا عليه قالوا“ [۸۸] تا ”واتوني باهلكم اجمعين“ [۹۳] اب تیسری بار بھائی یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور نہایت الحاح سے عرض کیا ہمارے معمولی سرمائے کے بدلے میں مہربانی فرما کر ہمیں پورا غلہ عنایت فرما دیجئے، اب کی بار تو یوسف علیہ السلام بھی بھائیوں کی پر درد باتیں سن کر پتہ چل گئے، اور اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکے اور اپنے کو ظاہر کر دیا۔ تمام بھائیوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور یوسف علیہ السلام سے معذرت کرنے لگے۔ یوسف علیہ السلام نے پیغمبرانہ شفقت و رحمت سے عام معافی کا اعلان فرما دیا۔ اور بھائیوں کو وطن واپس بھیجا، تاکہ تمام اہل و عیال کو مصر لے آئیں۔

چودھواں حال: ”ولما فصلت العير“ [۶۹] تا ”انه هو الغفور الرحيم“ [۹۸] جب فرزند ان یعقوب علیہ السلام کا قافلہ پیراہن یوسف علیہ السلام لیکر مصر سے روانہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ان کو اس کی اطلاع دیدی، اور انہوں نے اپنے پوتوں سے کہہ دیا کہ اگر تم مجھے کم عقلی کا طعن نہ دو تو میں صاف کہہ دوں کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ =

لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۗ
اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی فریب کی چال چلیں گے۔

إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۰۱﴾ كَذَلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ
کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے اور اسی طرح اللہ تمہیں برگزیدہ (وممتاز) کرے گا

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيَتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ
اور (خواب کی) باتوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور جس طرح اُس نے اپنی نعمت پہلے

وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ ۗ
تمہارے دادا پر دادا ابراہیم اور اسحاق پر پوری کی تھی اُسی طرح تم پر اور اولاد یعقوب پر پوری کرے گا

إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰۲﴾ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ
بیشک تمہارا رب (سب کچھ) جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ ہاں یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں پوچھنے

آيَاتٍ لِّلسَّائِلِينَ ﴿۱۰۳﴾ إِذْ قَالُوا لِيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ إِلَيْنَا مِمَّا
والوں کیلئے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ جب انہوں نے (آپس میں) تذکرہ کیا کہ یوسف اور اُس کا بھائی ابا کوہم سے زیادہ پیارے ہیں

= جب تافلہ کنعان پہنچا تو بڑے بھائی نے پیرا، بن یوسف والد بزرگوار کے چہرے پر ڈالا، جس سے ان کی بینائی جو کثرت
بکاء سے کمزور ہو چکی تھی بحال ہو گئی۔

پندرہواں حال: ”فلما دخلوا على يوسف“ [۹۹] تا ”والحقنى بالصالحين“ [۱۰۱] یعقوب علیہ السلام
تمام اہل و عیال سمیت مصر پہنچ گئے، یوسف علیہ السلام نے انہیں پورے اعزاز و اکرام کیساتھ اپنے گھر اتارا۔ والدین
اور سب بھائی یوسف علیہ السلام کی تعظیم بجالائے۔ اس طرح یوسف علیہ السلام کا خواب سچا ہوا۔

وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۸﴾ قَتُلُوا يُوسُفَ

حالانکہ ہم جماعت (کی جماعت) ہیں کچھ شک نہیں کہ ابا صریح غلطی پر ہیں۔ تو یوسف کو (یا تو جان سے) مار ڈالو

أَوْ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ

یا کسی ویرانے میں پھینک دو پھر ابا کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے گی اور اُس کے بعد تم

قَوْمًا صَالِحِينَ ﴿۹﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَالْقَوْمُ

اچھی حالت میں ہو جاؤ گے۔ اُن میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ یوسف کو جان سے نہ مارو، کسی

فِي غِيَابَةِ الْجُبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنْتُمْ فَاعِلِينَ ﴿۱۰﴾

گہرے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی راہ گیر نکال (کر دوسرے ملک میں) لے جائے گا اگر تم کو کرنا ہے (تو یوں کرو)۔

قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ

(یہ مشورہ کر کے وہ یعقوب سے) کہنے لگے کہ ابا جان کیا سبب ہے کہ آپ یوسف کے بارے میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے؟

وَإِنَّا لَهُ لَنَصِحُونَ ﴿۱۱﴾ أَرْسَلَهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعُ وَيَلْعَبُ وَإِنَّا لَهُ

حالانکہ ہم اُس کے خیر خواہ ہیں۔ کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ خوب میوے کھائے اور کھیلے کودے ہم اُس کے

لَحْفَظُونَ ﴿۱۲﴾ قَالَ إِنِّي لِيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ

نگہبان ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ امر مجھے غمناک کرتا ہے کہ تم اُسے لے جاؤ (یعنی وہ مجھ سے جدا ہو جائے) اور مجھے یہ بھی

وَإِخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذُّبُّ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُونَ ﴿۱۳﴾ قَالُوا لَنْ

خوف ہے کہ تم (کھیل میں) اُس سے غافل ہو جاؤ اور اُسے بھیڑیا کھا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ اگر ہماری موجودگی میں

أَكْلَهُ الذُّبُّ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَّخٰسِرُونَ ﴿۱۴﴾ لَمَّا ذَهَبُوا بِهِ

کہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں اسے بھیڑیا کھا گیا تو ہم بڑے نقصان میں پڑ گئے۔ غرض جب وہ اس کو لے گئے

وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غِيَابَةِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ

اور اس بات پر اتفاق کر لیا کہ اس کو گہرے کنوئیں میں ڈال دیں تو ہم نے یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ (ایک وقت ایسا آئے

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۵﴾

گا کہ تم ان کو اس سلوک سے آگاہ کر دو گے اور ان کو (اس وحی کی) کچھ خبر نہ ہو گی۔

وَجَاءُوا آبَاهُمْ عِشَاءَ يَبْكُونَ ﴿۱۶﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ

(یہ حرکت کر کے) وہ رات کے وقت باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ اور کہنے لگے کہ ابا جان ہم تو دوڑنے اور ایک

وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا

دوسرے سے آگے نکلنے میں مصروف ہو گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑ گئے تو اُسے بھیڑیا کھا گیا اور آپ

صَادِقِينَ ﴿۱۷﴾ جَاءُوا عَلِيَّ قَمِيصَهُ بِدَمٍ كَذِبٍ ۗ

ہماری بات کا، گو ہم سچ ہی کہتے ہوں یقین نہیں کریں گے۔ اور اُن کے قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا لائے

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۗ

یعقوب نے کہا کہ (حقیقتہً الحال یوں نہیں ہے) بلکہ تم اپنے دل سے (یہ) بات بنا لائے ہو اچھا صبر (کہ وہی) خوب ہے

وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾ جَاءَتْ سَيَّارَةٌ

اور جو تم بیان کرتے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔ (اب اللہ کی شان دیکھو کہ اس کنوئیں کے قریب)

فَارْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَذَا غُلَامٌ ۗ

ایک تاملہ آوارہ ہوا اور انہوں نے (پانی کیلئے) اپنا ستا بھیجا، اس نے کنوئیں میں ڈول لٹکایا (تو یوسف اس سے لٹک گئے) وہ بولا زہے قسمت یہ تو (نہایت حسین) لڑکا ہے

وَأَسْرُوهُ بِضَاعَةً ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ

اور اس کو قیمتی سرمایہ سمجھ کر چھپا لیا اور جو کچھ وہ کرتے تھے اللہ کو سب معلوم تھا۔ اور اس کو تھوڑی سی قیمت

دَرَاهِمَ مَعْدُودَةً وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ﴿٢٠١﴾ قَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ

(یعنی) معدودے چند درہموں پر بیچ ڈالا اور انہیں ان (کے بارے) میں کچھ لالچ بھی نہ تھا اور مصر میں جس شخص نے اُسے خریدا

مِنْ مِّصْرَ لَا مِرَاتِهِ أَكْرَمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۗ

اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو عزت و اکرام سے رکھو عجب نہیں کہ یہ ہمیں فائدہ دے یا ہم اسے بیٹا

وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۗ

بنالیں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو سرزمین (مصر) میں جگہ دی اور حکمت یہ تھی کہ ہم اُن کو باتوں کی تعبیر سکھائیں

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢٠٢﴾

اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۗ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٠٣﴾

اور جب اپنی جوانی کو پہنچے تو ہم نے اسے حکم اور علم دیا اور نیکو کاروں کو ہم اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں

وَرَأَوْتَهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ

تو جس عورت کے گھر میں وہ رہتے تھے اُس نے ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا اور دروازے بند کر کے کہنے لگی جلدی

لَكَ ۗ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ

آؤ انہوں نے کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے وہ (یعنی تمہارے میاں) تو میرے آقا ہیں انہوں نے مجھے اچھی طرح سے رکھا ہے

إِنَّهُ لَا يَفْلِحُ الظُّلْمُونَ ﴿٢٠٤﴾ وَقَدْ هَمَّتْ بِهِ وَهَمَّ بِهَا

بیٹک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔ [2] اور اس عورت نے ان کا قصد کیا اور انہوں نے اس کا قصد کیا

[2] زینچا چونکہ برے کام کا پختہ ارادہ کر چکی تھی، اس لئے اس کے ارادے کو "لام" اور "قد" تاکید کے دو حرفوں کے

ساتھ بیان کیا گیا، لیکن یوسف علیہ السلام نے فعل بد کا ارادہ ہی نہیں کیا، کیونکہ انہوں نے عظمت الہی کا نشان دیکھ لیا تھا، اسی لئے ان کے ارادے کو برہان پر معلق فرمایا۔ یعنی زلیخا تو ارادہ کر چکی تھی اور یوسف علیہ السلام بھی اگر برہان رب نہ دیکھتے تو ارادہ کر لیتے۔

امام ابو عبیدہ فرماتے ہیں: اس میں تقدیم و تاخیر ہے ”لولا ان رأبرہان ربہ“ شرط موخر ہے، اور ”ہم بہا“ جزا مقدم ہے قال ابو عبیدہ هذا علی التقدیم و التاخیر کا نہ ارادہ و لقد ہمّت بہ و لولا ان رأبرہان ربہ لہم بہا۔ (قرطبی)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ یوسف علیہ السلام کے (ہم) سے غلط خیال مراد لیتے ہیں وہ صحیح نہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں کچھ اسرائیلی واقعات بھی ذکر کی ہے جس میں یوسف علیہ السلام کے طرف غلط نسبتیں کی گئی ہیں، لیکن یہ سارے واقعات قرآن کریم کی نمط سے مخالف ہیں۔ امام رازیؒ اس کے متعلق اپنی کتاب: عصمة الانبیاء ۹۸، میں قاضی ابوطاہر سے نقل کرتے ہیں: کہ جس کسی کا بھی اس واقعہ سے کوئی تعلق تھا، ان سب نے یوسف علیہ السلام کی برأت کا اعلان کر لیا، چنانچہ اس عورت کا شوہر اپنی بیوی کو مورد الزام ٹھراتا ہے: انہ من کیدکن ان کیدکن عظیم یوسف اعرض عن هذا واستغفری لذنبک انک کنت من الخاطئین [۲۹]

اور حاکم بھی برأت یوسف کا اعلان یوں کرتا ہے: وشہدشاہد من اہلہان کان قمیصہ قدمن دبر الخ [۲۶] مصر کی عورتیں تو اس سے بڑھ کر ہر برائی سے برأت یوسف کا اعلان کرتے ہیں ”حاشا للہ ما علمنا علیہ من سوء“ [۵۱] اور بادشاہ کہتا ہے انک الیوم لدینا مکین امین [۵۲] اور خود یوسف علیہ السلام کا دعویٰ یہ ہے کہ میں پاک ہوں جیسا کہ مندرج ذیل آیت سے معلوم ہوتا ہے ہی راودتسی عن نفسی [۲۶] رب السجن احب الی ممایدعوننی الیہ [۳۳] ذلک لیعلم انی لم اخنہ بالغیب [۵۲] اور خصم عورتوں کے سامنے یوں اعتراف جرم کرتا ہے ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم الخ [۳۲]۔

اور اس سے بھی بڑھ کر اقرار جرم ان واضح الفاظ میں کرتا ہے: الآن حصحص الحق انار اودتہ عن نفسہ [۵۱] اور اللہ رب العالمین جو سارے کہنے والوں میں سے زیادہ سچا ہے یہ گواہی دے رہے ہیں کذلک لنصرف عنہ السوء و الفحشاء [۲۴]۔

لَوْلَا أَنْ رَأَى بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ

اگر وہ اپنے رب کی نشانی نہ دیکھتے (تو جو ہوتا، ہوتا) یوں اس لئے (کیا گیا) کہ ہم اُن سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں

إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۱﴾ اَسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ

بیشک وہ ہمارے خالص بندوں میں سے تھے۔ اور دونوں دروازے کی طرف بھاگے (آگے یوسف پیچھے زلیخا) اور عورت

قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ ۚ قَالَتْ

نے اُن کا کرتہ پیچھے سے (پکڑ کر جو کھینچا تو) پھاڑ ڈالا اور دونوں کو دروازے کے پاس عورت کا خاندن مل گیا تو عورت بولی کہ

﴿۲۳﴾ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۲﴾

جو شخص تمہاری بیوی کیساتھ برا ارادہ کرے اُس کی اس کے سوا کیا سزا ہے کہ یا تو قید کیا جائے یا دکھ کا عذاب دیا جائے۔

قَالَ هِيَ رَاوَدْتَنِي عَنْ نَفْسِي ۖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا

یوسف نے کہا کہ اسی نے مجھے مائل کرنا چاہا تھا، اور اس کے قبیلے میں سے ایک فیصلہ کرنے والے نے یہ فیصلہ دیا

﴿۲۴﴾ إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدًّا مِنْ قَبْلِ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۲۳﴾

کہ اگر اس کا کرتہ آگے سے پھٹا ہوا ہو تو یہ سچی اور یوسف جھوٹا ہے۔

وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدًّا مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۴﴾

اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہو تو یہ جھوٹی اور وہ سچا ہے۔ جب اس کا کرتہ دیکھا (تو)

﴿۲۶﴾ رَا قَمِيصَهُ قُدًّا مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿۲۵﴾

پیچھے سے پھٹا تھا (تب اُس نے زلیخا سے کہا) کہ یہ تمہارا ہی فریب ہے اور کچھ شک نہیں کہ تم عورتوں کے فریب بڑے ہوتے ہیں

يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۖ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنْتِ مِنَ

یوسف اس بات کا خیال نہ کر اور (زلیخا) تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ بیشک

الْخَطِيئِينَ ﴿٢٤٤﴾ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا

خطا تیری ہی ہے۔ اور شہر میں عورتیں گفتگو کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو اپنی طرف مائل کرنا چاہتی ہے

عَنْ نَفْسِهِ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٤٥﴾

اور اُس کی محبت اُس کے دل میں گھر کر گئی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ صریح گمراہی میں ہے۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ

جب زلیخانے اُن عورتوں کی (گفتگو جو حقیقت میں دیدار یوسف کیلئے ایک) چال (تھی) سنی تو اُن کے پاس (دعوت کا)

وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكًا وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ

پیغام بھیجا اور اُن کیلئے ایک محفل مرتب کی اور (پھل کاٹنے کیلئے) ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور (یوسف سے) کہا

أَخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ

کہ ان کے سامنے باہر آؤ جب عورتوں نے ان کو دیکھا تو ان کا رعب (حسن) ان پر (ایسا) چھا گیا کہ

وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ﴿٢٤٦﴾

اپنے ہاتھ کاٹ لیں اور بے ساختہ بول اٹھیں کہ سبحان اللہ! (یہ حسن) یہ آدمی نہیں کوئی بزرگ فرشتہ ہے

قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ

تب زلیخانے کہا کہ یہ وہی ہے جس کے بارے میں تم مجھے طعنے دیتی تھیں اور بیچک میں نے اس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا

فَاسْتَعْصَمَ وَلَئِن لَّمْ يَفْعَلْ مَا أَمَرَهُ لَيَسْجُنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّغِيرِينَ ﴿٢٤٧﴾

مگر یہ بچا رہا اور اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جو میں اُسے کہتی ہوں تو قید کر دیا جائے گا اور ذلیل ہو گا

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي

یوسف نے دعا کی کہ اے رب! جس کام کی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اُس کی نسبت مجھے قید پسند ہے اور اگر تو مجھ سے اُن کے فریب کو

كَيْدَهُنَّ أَصَبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ

نہ ہٹائے گا تو میں اُن کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادانوں میں داخل ہو جاؤں گا۔ تو اللہ نے ان کی دعا قبول کر لی

فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾

اور اُن سے عورتوں کا مکر دفع کر دیا بیشک وہ سننے (اور) جاننے والا ہے۔

ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيْسَجُنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾

پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے اُن کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصے کیلئے ان کو قید ہی کر دیں۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السَّجْنَ فَتَيْنِ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي

اور اُن کیساتھ دو اور جوان بھی داخل زندان ہوئے، ایک نے اُن میں سے کہا کہ (میں نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا)

أَعَصِرُ خَمْراً ۚ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي

ہوں کہ شراب (کیلئے انگور) نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا کہ (میں نے بھی خواب دیکھا ہے) میں یہ دیکھتا ہوں کہ اپنے سر پر

خُبْزًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِئْنَا بِتَأْوِيلِهِ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۶﴾

روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے میں سے کھا رہے ہیں۔ (تو) ہمیں ان کی تعبیر بتا دیجئے ہم تمہیں نیکو کار دیکھتے ہیں

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَاتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ

یوسف نے کہا کہ جو کھانا تمہیں ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اُس سے پہلے تمہیں اس کی تعبیر بتا دوں گا

ذَلِكَ مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۚ إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

یہ ان (باتوں) میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں، جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے

وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۷﴾ لَمَّا بَعَثْنَا مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ

اور روزِ آخرت سے انکار کرتے ہیں میں اُن کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں۔ اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق

وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نُشْرِكَ بِاللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَلِكَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ

اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں، ہمیں شایاں نہیں ہے کہ کسی چیز کو اللہ کیساتھ شریک بنائیں یہ اللہ کا فضل ہے

عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٣٨﴾

ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

يُصَاحِبِي السَّجْنِ أَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٣٩﴾

میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) اللہ کیلئے و غالب۔

مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمِيَتْهُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ

جن چیزوں کی تم اللہ کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں،

مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهِمَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ

اللہ نے اُن کی کوئی سند نازل نہیں کی (سن رکھو کہ) اللہ کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اُس نے ارشاد فرمایا ہے

إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٠﴾

کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

يُصَاحِبِي السَّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمْ فَيَسْقَى رَبَّهُ خَمْرًا

میرے جیل خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک (جو پہلا خواب بیان کرنے والا ہے وہ) تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا

وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصَلِّبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ

اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا اور پرندے اس کا سر کھا جائیں گے۔ جو امر تم مجھ سے پوچھتے تھے

تَسْتَفْتَيْنِ ﴿٤١﴾ قَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ

وہ فیصل ہو چکا ہے۔ اور دونوں شخصوں میں سے جس کی نسبت خیال کیا کہ وہ رہائی پا جائے گا اُس سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا

فَأَنسَهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿١٢٤﴾ وَقَالَ

لیکن شیطان نے اُن کا اپنے آقا سے ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف کئی برس جیل خانے ہی میں رہے۔ اور بادشاہ نے کہا

الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ

کہ میں (نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا (کیا) ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دہلی گائیں کھا رہی ہیں

وَسَبْعَ سُنبَلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَبْسُتٍ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَافْتُونِي فِي رُؤْيَايَ

اور سات خوشے سبز ہیں اور (سات) خشک۔ اے سردارو! اگر تم خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہو تو مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ

إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ﴿١٢٥﴾ قَالُوا لَوْ أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ

انہوں نے کہا کہ یہ تو پریشان سے خواب ہیں اور ہمیں

الْأَحْلَامِ بِعَلَمِينَ ﴿١٢٦﴾ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ

ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں آتی۔ اب وہ شخص جو دونوں قیدیوں میں سے رہائی پا گیا تھا اور جسے مدت کے بعد وہ بات یاد آ گئی

أَنَا أَنْبَأُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ﴿١٢٧﴾

بول اٹھا کہ میں آپ کو اس کی تعبیر (لا) بتاتا ہوں مجھے (جیل خانے) جانے کی اجازت دیجئے

يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ

(وہ یوسف کے پاس آیا اور کہنے لگا) یوسف اے بڑے سچے (یوسف) ہمیں (اس خواب کی تعبیر) بتائیے کہ سات

بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعُ عِجَافٍ وَسَبْعَ سُنبَلَاتٍ خُضْرٍ

موٹی گایوں کو سات دہلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات خوشے سبز ہیں

وَأُخَرَ يَبْسُتٍ لَّعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٢٨﴾

اور سات سوکھے تاکہ میں لوگوں کے پاس واپس جا کر تعبیر بتاؤں عجب نہیں کہ وہ (تمہاری قدر) جانیں

قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَابًّا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ

انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال متواتر کھیتی کرتے رہو گے تو جو (غلہ) کاٹو تو تھوڑے سے غلے کے سوا

فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ﴿۲۷﴾ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعُ

جو کھانے میں آئے اُسے خوشوں میں ہی رہنے دینا۔ پھر اس کے بعد (خشک سالی کے) سات سخت (سال) آئیں گے

شِدَادًا يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَحْصِنُونَ ﴿۲۸﴾

کہ جو تم نے جمع کر رکھا ہوگا وہ اس سب کو کھا جائیں گے صرف وہی تھوڑا سا رہ جائے گا جو تم اختیار سے رکھ چھوڑو گے

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ﴿۲۹﴾

پھر اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا کہ خوب مینہ برسے گا اور لوگ اُس میں رس نچوڑیں گے

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ

(یہ تعبیر سن کر) بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف کو میرے پاس لے آؤ جب تا صدا ان کے پاس گیا تو انہوں نے کہا کہ اپنے آقا

فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ﴿۳۰﴾

کے پاس واپس جاؤ اور اُن سے پوچھو کہ اُن عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ بیشک میرا رب اُن کے کمروں سے خوب واقف ہے

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ قُلْنَ

بادشاہ نے (عورتوں سے) پوچھا بھلا اس وقت کیا ہوا تھا جب تم نے یوسف کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا؟ سب بول اٹھیں

حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ ۗ قَالَتِ امْرَأَةُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ

کہ حاشا للہ ہم نے اُس میں کوئی بُرائی معلوم نہیں کی، عزیز کی عورت نے کہا اب سچی بات

الْحَقُّ أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۱﴾

ظاہر ہو ہی گئی ہے میں نے اُس کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا تھا اور وہ بیشک سچا ہے۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّي لَمْ اَخْنُهُ بِالْغَيْبِ

(یوسف نے کہا کہ میں نے) یہ بات اس لئے (پوچھی ہے) کہ عزیز کو یقین ہو جائے کہ میں نے اُس کی پیٹھ پیچھے اُس کی

وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخَائِنِينَ ﴿٤٣﴾ مَا اَبْرَأُ نَفْسِي

(امانت میں) خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کرنے والوں کی تدبیر چلنے نہیں دیتا۔ اور میں اپنے آپ کو پاک صاف نہیں کہتا

اِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي اِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٤٤﴾

کیونکہ نفس امارہ (انسان کو) بُرائی ہی سکھاتا رہتا ہے مگر یہ کہ میرا رب رحم کرے بیشک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے

وَقَالَ الْمَلِكُ اَتُّونِي بِهِ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ

بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ میں اسے اپنا مصاحب خاص بناؤں گا پھر جب ان سے گفتگو کی تو کہا

اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِينٌ اٰمِيْنٌ ﴿٤٥﴾ قَالَ اجْعَلْنِي عَلٰى خَزَائِنِ الْاَرْضِ

کہ آج سے تم ہمارے ہاں صاحب منزلت اور صاحب اعتبار ہو۔ (یوسف نے) کہا کہ مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر

اِنِّي حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ ﴿٤٦﴾ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ

دیتے کیونکہ میں حفاظت بھی کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف ہوں۔ اس طرح ہم نے یوسف کو ملک (مصر) میں جگہ دی

يَتَّبِعُوا مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ نَصِيبٌ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاءُ وَلَا نُضِيعُ اَجْرَ

اور وہ اس ملک میں جہاں چاہتے تھے رہتے تھے۔ ہم اپنی رحمت جس پر چاہتے ہیں کرتے ہیں اور نیکو کاروں کے اجر کو ضائع

الْمُحْسِنِينَ ﴿٤٧﴾ لَا اَجْرَ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٤٨﴾

نہیں کرتے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے رہے اُن کیلئے آخرت کا اجر بہت بہتر ہے۔

وَجَاءَ اِخْوَةَ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُوْنَ ﴿٤٩﴾

اور یوسف کے بھائی آئے تو یوسف کے پاس گئے تو یوسف نے انہیں پہچان لیا اور وہ ان کو پہچان نہ سکے

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ قَالَ أَتُونِي بِأَخٍ لَّكُمْ مِّنْ أَبِيكُمْ

جب یوسف نے اُن کیلئے ان کا سامان تیار کر دیا تو کہا کہ (پھر آنا تو) جو باپ کی طرف سے تمہارا ایک اور بھائی ہے

۱۴۱ ﴿الَّا تَرُونَ أَنِّي أَتُونِي بِأَخٍ لَّكُمْ مِّنْ أَبِيكُمْ﴾

اُسے بھی میرے پاس لیتے آنا کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ناپ بھی پوری پوری دیتا ہوں اور مہمان نوازی بھی خوب کرتا ہوں

۱۴۲ ﴿فَإِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ﴾

اور اگر تم اُسے میرے پاس نہ لاؤ گے تو نہ تمہیں میرے ہاں سے غلہ ملے گا اور نہ تم میرے پاس ہی آ سکو گے

۱۴۳ ﴿قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ﴾

اُنہوں نے کہا کہ ہم اس کے بارے میں اس کے والد سے تذکرہ کریں گے اور ہم (یہ کام) کر کے رہیں گے۔

۱۴۴ ﴿وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ

اور (یوسف نے) اپنے خدام سے کہا کہ ان کا سرمایہ (یعنی غلہ کی قیمت) اُن کے سامان میں رکھ دو عجب نہیں کہ جب یہ

يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ۱۴۵ ﴿فَلَمَّا رَجِعُوا إِلَىٰ

اپنے اہل و عیال میں جائیں تو اُسے پہچان لیں (اور) عجب نہیں کہ یہ پھر یہاں آئیں۔ جب وہ اپنے باپ کے پاس

أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَنَعَنَا الْكَيْلُ

واپس گئے تو کہنے لگے کہ ابا (جب تک ہم بنیامین کو ساتھ نہ لے جائیں) ہمارے لئے غلہ کی بندش کر دی گئی ہے

فَارْسِلْ مَعَنَا آخَانًا نَّكْتُلُ وَإِنَّا لَمَحْفُظُونَ﴾ ۱۴۶ ﴿قَالَ

تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم پھر غلہ لائیں اور ہم اُس کے نگہبان ہیں۔ (یعقوب نے) کہا

هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمَنْتُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا

کہ میں اُس کے بارے میں تمہارا اعتبار نہیں کرتا مگر ویسا ہی جیسا پہلے اُس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا سو اللہ ہی بہتر نگہبان

وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۳﴾ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ

ہے اور وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا تو دیکھا کہ اُن کا سرمایہ

رُدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي هَذِهِ بِضَاعَتَنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا

اُن کو واپس کر دیا گیا ہے کہنے لگے کہ ابا ہمیں (اور) کیا چاہیے (دیکھئے) یہ ہماری پونجی بھی ہمیں واپس کر دی گئی ہے اب ہم

وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَنَا وَنَزِدَادُ كَيْلٍ بَعِيرٍ ذَلِكِ كَيْلٌ يَسِيرٌ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۴﴾

اپنے اہل و عیال کیلئے پھر غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی تمہائی کی تمہائی کریں گے اور ایک اونٹ بھر غلہ زیادہ لائیں گے (کہ) یہ غلہ (جو ہم لائے ہیں) تھوڑا ہے

قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّى تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتِنِي بِهِ

(یعقوب نے) کہا کہ جب تک تم اللہ کا عہد نہ دو کہ اس کو میرے پاس (صحیح و سالم) لے آؤ گے میں اُسے ہرگز تمہارے

إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ

ساتھ نہیں بھیجنے کا مگر یہ کہ تم گھیر لئے جاؤ جب انہوں نے ان سے عہد کر لیا تو (یعقوب

اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ يَبْنَىٰ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ

نے) کہا کہ جو قول و اقرار ہم کر رہے ہیں اس کا اللہ ضامن ہے۔ اور ہدایت کی کہ اے بچو! ایک ہی دروازے میں سے داخل نہ ہونا

وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۖ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ

بلکہ جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا اور میں اللہ کی تقدیر تو تم سے روک نہیں سکتا

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۵﴾

(بیشک) حکم اُسی کا ہے میں اُسی پر بھروسا رکھتا ہوں اور اہل توکل کو اُسی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ [3]

[3] آیت مذکورہ میں برادران کا یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر دوسری مرتبہ سفر مصر کا

ذکر ہے، اس وقت یعقوب علیہ السلام نے ان کو شہر مصر میں داخل ہونے کے لئے ایک خاص وصیت یہ فرمائی کہ اب تم گیا رہ بھائی وہاں جا رہے ہو، تو شہر کے ایک ہی دروازہ سے سب داخل نہ ہونا، بلکہ شہر کے پاس پہنچ کر متفرق ہو جانا اور شہر کے مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔ سب اس وصیت کا یہ اندیشہ تھا کہ یہ سب نوجوان اور ماشاء اللہ صحت مند، قد آور، صاحب جمال اور صاحب وجاہت ہیں، ایسا نہ ہو کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ سب ایک ہی باپ کی اولاد اور بھائی بھائی ہیں، تو کسی بد نظر کی نظر لگ جائے، جس سے ان کو کوئی تکلیف پہنچے، یا اجتماعی طور سے داخل ہونے کی وجہ سے کچھ لوگ حسد کرنے لگیں، اور تکلیف پہنچائیں، یعقوب علیہ السلام نے ان کو یہ وصیت پہلی مرتبہ نہیں کی، اس دوسرے سفر کے موقع پر فرمائی، اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ پہلی مرتبہ تو یہ لوگ مصر میں مسافر نہ اور شکستہ حالت میں داخل ہوئے تھے، نہ کوئی ان کو پہچانتا تھا نہ کسی سے ان کے حال پر زیادہ توجہ دینے کا خطرہ تھا، مگر پہلے ہی سفر میں شاہ مصر نے ان کا غیر معمولی اکرام کیا، جن سے عام ارکان دولت اور شہر کے لوگوں میں تعارف ہو گیا، تو اب یہ خطرہ قوی ہو گیا کہ کسی کی نظر لگ جائے یا سب کو ایک باشوکت جماعت سمجھ کر کچھ لوگ حسد کرنے لگیں۔ نیز اس مرتبہ بنیامین چھوٹے بیٹے کا ساتھ ہونا بھی والد کے لئے اور زیادہ توجہ دینے کا سبب ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی نظر لگ جانا اور اس سے کسی دوسرے انسان یا جانور وغیرہ کو تکلیف ہو جانا یا نقصان پہنچ جانا حق ہے، محض جاہلانہ وہم و خیال نہیں اسی لئے یعقوب علیہ السلام کو اس کی فکر ہوئی رسول کریم ﷺ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی ہے جو کہ حدیث ابن عباسؓ میں ہے: عن النبی ﷺ قال العین حق، ولو کان شیء سابق القدر سبقته العین، فاذا استغسلتم فاغسلوا (رواہ مسلم ۲۱۸۸/۵۲، و الترمذی: ۲۰۶۲)۔ ایک روایت اسماء بنت عمیس سے ہے: قالت یا رسول اللہ ان ولد جعفر تسرع الیہم العین افاسترقی لہم؟ قال نعم فانہ لو کان شیء سابق القدر لسبقته العین۔

وعن جابر قال قال رسول اللہ ﷺ ان العین لتدخل الرجل القبر وتدخل العجل القدر (مسند الشہاب: ۱۰۵۷) یعنی حاصل یہ ہے کہ نظر بد انسان کو قبر میں اور اونٹ کو ہانڈیوں میں داخل کر دیتی ہے، اسی لئے رسول کریم ﷺ نے جن چیزوں سے پناہ مانگی، اور امت کو پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی ہے، ان میں ”من کل عین لامة“

بھی مذکور ہے، یعنی میں پناہ مانگتا ہوں نظر بد سے۔ قرطبی۔

سہل بن حنیف سے روایت ہے کہ: ان رسول اللہ ﷺ خرج و سار و امعه نحو مكة حتى اذا كانوا بشعب الخرار من الجحفة، اغتسل سهل بن حنيف، وكان رجلا ابيض حسن الجسم و الجلد، فنظر اليه عامر بن ربيعة اخو بنى عدى بن كعب، وهو يغتسل فقال ما رأيت كاليوم ولا جلد مخبأة، فلبط بسهل، فأتى رسول الله ﷺ، فقيل له يا رسول الله هل لك في سهل، والله ما يرفع رأسه وما يفيق، قال هل تتهمون فيه من احد؟ قالوا نظر اليه عامر بن ربيعة، فدعا رسول الله ﷺ عامر فتغيظ عليه، وقال علام يقتل احدكم اخاه؟ هلا اذا رأيت ما يعجبك بركت؟ ثم قال له اغتسل له، فغسل وجهه و يديه و مرفقيه و ركبتيه و اطراف رجليه و داخله ازاره في قدح، ثم صب ذلك الماء عليه، يصبه رجل على رأسه و ظهره من خلفه، ثم يكفي القدح ورائه، ففعل به ذلك فراح سهل مع الناس ليس به بأس.

مسند احمد: ۲۵ / ۲۵۵، وابن ماجه رقم: ۳۵۰۹،

صحابہ کرام میں سہل بن حنیف کا واقعہ معروف ہے کہ انہوں نے ایک موقع پر غسل کرنے کے لئے کپڑے اتارے تو ان کے سفید رنگ تندرست بدن پر عامر بن ربیعہ کی نظر پڑ گئی، اور ان کے زبان سے نکلا کہ میں نے آج تک اتنا حسین بدن کسی کا نہیں دیکھا، یہ کہنا تھا کہ فوراً سہل بن حنیف کو سخت بخار چڑھ گیا، رسول اللہ ﷺ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے یہ علاج تجویز کیا، کہ عامر بن ربیعہ کو حکم دیا کہ وہ وضوء کریں، اور وضوء کا پانی کسی برتن میں جمع کریں، یہ پانی سہل بن حنیف کے بدن پر ڈالا جائے، ایسا ہی کیا گیا تو فوراً بخار اتر گیا، اور وہ بالکل تندرست ہو کر جس مہم پر رسول پاک ﷺ کے ساتھ جا رہے تھے اس پر روانہ ہو گئے، اس واقعہ میں آپ ﷺ نے عامر بن ربیعہ کو یہ تنبیہ بھی فرمائی ”کہ“ کوئی شخص اپنے بھائی کو کیوں قتل کرتا ہے تم نے ایسا کیوں نہ کیا؟ کہ جب ان کا بدن تمہیں خوب نظر آیا تو برکت کی دعا کر لیتے، نظر کا اثر ہو جانا حق ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کسی شخص کو کسی دوسرے کی جان و مال میں کوئی اچھی بات تعجب انگیز نظر آئے تو اس کو چاہئے کہ اس کے واسطے یہ دعا کریں: کہ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرماویں۔



وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ

اور جب وہ ان مقامات سے داخل ہوئے جہاں سے (داخل ہونے کیلئے) باپ نے اُن سے کہا تھا

مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةٌ فِي نَفْسٍ يَعْقُوبَ

تو وہ تدبیر اللہ کے حکم کو ذرا بھی ٹال نہیں سکتی تھی ہاں وہ یعقوب کے دل کی خواہش تھی

قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَدُوُّ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٨﴾

جو انہوں نے پوری کی تھی اور بیشک وہ صاحبِ علم تھے کیونکہ ہم نے ان کو علم سکھایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ

اور جب وہ لوگ یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے حقیقی بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا کہ میں تمہارا بھائی ہوں

فَلَا تَبْتَسِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٤٩﴾ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَّازِهِمْ

جو سلوک یہ (ہمارے ساتھ) کرتے رہے ہیں اُس پر افسوس نہ کرنا۔ جب ان کا اسباب تیار کر دیا

جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَتَيْتَهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَرِقُونَ ﴿٥٠﴾

تو اپنے بھائی کے سامان میں برتن رکھ دیا پھر ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ اے قافلے والو! تم تو چور ہو

قَالُوا وَقَبِلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقَدُونَ ﴿٥١﴾ بِالْوَا نَفَقْدُ صَوَاعِ الْمَلِكِ

وہ اُن کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تمہاری کیا چیز کھو گئی ہے؟ وہ بولے کہ بادشاہ (کے پانی پینے) کا برتن کھو گیا ہے

وَلَمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٥٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ

اور جو شخص اُس کو لے آئے اس کیلئے ایک اونٹ بھر غلہ (انعام) اور میں اس کا ضامن ہوں۔ وہ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم تمہیں

عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنَفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿٥٣﴾

معلوم ہے کہ ہم (اس) ملک میں اس لئے نہیں آئے کہ خرابی کریں اور نہ ہم چوری کیا کرتے ہیں۔

قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَذِبِينَ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۳﴾ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وَجَدَ فِي

بولے کہ اگر تم جھوٹے نکلے تو اُس کی سزا کیا ہے؟ - انہوں نے کہا کہ اُس کی سزا یہ کہ جس کے

رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۴﴾

سامان میں وہ دستیاب ہو وہی اُس کا بدل قرار دیا جائے، ہم ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔

فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ أَخِيهِ

پھر یوسف نے اپنے بھائی کے سامان سے پہلے اُن کے سامان کو دیکھنا شروع کیا پھر اپنے بھائی کے سامان میں سے اُس کو نکال لیا

كَذَلِكَ كَدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ

اس طرح ہم نے یوسف کیلئے تدبیر کی (ورنہ) وہ بادشاہ کے قانون کے مطابق مشیت الہی کے سوا

يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّنْ نَّشَاءٍ ۖ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۵﴾

اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے۔ ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے سے دوسرا علم والا بڑھ کر ہے [4]

[4] آیات مذکورہ میں اس کا بیان ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو اپنے پاس روکنے کا یہ حیلہ

اور تدبیر اختیار کی، کہ جب سب بھائیوں کو قاعدہ کے موافق غلہ دیا گیا، تو ہر بھائی کا غلہ ایک مستقل اونٹ پر علیحدہ علیحدہ نام

بنام بار کیا گیا، بنیامین کے لئے جو غلہ اونٹ پر لادا گیا اس میں ایک برتن چھپا دیا گیا اس برتن کو قرآن کریم نے ایک جگہ بلفظ

”سقاية“ اور دوسرے جگہ ”صواع الملك“ کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

”سقاية“ کے معنی پانی پینے کا برتن اور صواع بھی اسی طرح کے برتن کو کہتے ہیں، اس کو ملک کی طرف منسوب

کرنے سے اتنی بات اور معلوم ہوئی کہ یہ برتن کوئی خاص قیمت اور حیثیت رکھتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ زبرجد

کا بنا ہوا تھا، بعض نے سونے کا، اور بعض نے چاندی کا بتلایا ہے، بہر حال یہ برتن جو بنیامین کے سامان میں چھپا دیا

گیا تھا خاصا قیمتی برتن ہونے کے علاوہ شاہ مصر سے کوئی اختصاص بھی رکھتا تھا، خواہ یہ کہ وہ خود اس کو استعمال کرتے تھے یا یہ

کہ بادشاہ نے ہاں خود اس برتن کو غلہ ناپنے کا پیمانہ بنا دیا تھا۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَّازِهِمْ جَعَلَ السَّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنِّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴿۷۰﴾ یعنی کچھ دیر بعد ایک منادی نے پکارا، اے قافلہ والو تم چور ہو۔

یہاں لفظ ”ثم“ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منادی فوراً ہی نہیں کی گئی، بلکہ کچھ مہلت دی گئی، یہاں تک کہ قافلہ روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد یہ منادی کی گئی تاکہ کسی کو جلسا سازی کا شبہ نہ ہو جائے، بہر حال اس منادی کرنے والے نے برادران یوسف کے قافلہ کو چور قرار دیا۔ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُونَ ﴿۷۱﴾ یعنی برادران یوسف علیہ السلام منادی کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے کہ تم ہمیں چور بنا رہے ہو یہ تو کہو کہ تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے؟۔

قَالُوا نَفَقْدُ صَوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿۷۲﴾ منادی نے کہا کہ بادشاہ کا صواع یعنی برتن گم ہو گیا ہے اور جو شخص اس کو کہیں سے برآمد کرے گا اس کو ایک اونٹ بھرغلہ انعام ملے گا۔ اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

یہاں ایک سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس روکنے کا یہ حیلہ کیوں کیا؟ جبکہ ان کو معلوم تھا کہ والد ماجد پر خود ان کی مفارقت کا صدمہ ناقابل برداشت تھا، اب دوسرے بھائی کو روک کر ان کو دوسرا صدمہ دینا کیسے گوارا کیا؟ دوسرا سوال اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ بے گناہ بھائیوں پر گناہ کا الزام لگانا اور اس کے لئے یہ جلسا سازی کہ ان کے سامان میں خفیہ طور سے کوئی چیز رکھ دی، اور پھر اعلانیہ ان کی رسوائی ظاہر ہو۔ یہ سب کام ناجائز ہیں، اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام نے ان کو کیسے گوارا کیا۔

بعض مفسرین قرطبی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب بنیامین نے یوسف علیہ السلام کو پہچان لیا اور وہ مطمئن ہو گئے، تو بھائی سے یہ درخواست کی کہ اب آپ مجھے ان بھائیوں کے ساتھ واپس نہ بھیجئے، مجھے اپنے پاس رکھیے، یوسف علیہ السلام نے اول یہی عذر کیا، کہ اگر تم یہاں رک گئے تو والد کو صدمہ شدید ہوگا، دوسرے تمہیں اپنے پاس روکنے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ میں تم پر چوری کا الزام لگاؤں، اور اس الزام میں گرفتار کر کے اپنے پاس رکھ لوں، بنیامین ان بھائیوں کی معاشرت سے کچھ ایسے دل تنگ تھے کہ ان سب باتوں کے لئے تیار ہو گئے۔

لیکن اگر یہ واقعہ صحیح بھی ہو تو والد کی دل آزاری اور سب بھائیوں کی رسوائی اور ان کو چور کہنا صرف بنیامین کے راضی ہو جانے سے تو جائز نہیں ہو سکتا، اور بعض علماء کی یہ توجیہ کہ منادی کا ان کو چور کہنا یوسف علیہ السلام کے علم و اجازت سے نہ ہوگا، ایک بے دلیل دعویٰ اور صورت واقعہ کے لحاظ سے بے جوڑ بات ہے، اسی طرح یہ تاویل کہ ان بھائیوں نے

یوسف علیہ السلام کو والد سے چرایا اور فروخت کیا تھا اس لئے ان کو چور کہا گیا، یہ بھی ایک تاویل ہے، اس لئے ان سب سوالوں کا صحیح جواب وہی ہے جو قرطبی اور مظہری وغیرہ نے دیا ہے، کہ اس واقعہ میں جو کچھ کیا گیا ہے وہ نہ بنیامین کی خواہش کا نتیجہ تھا، نہ یوسف علیہ السلام کی اپنی تجویز کا، بلکہ یہ سب کام بامر الہی اسی کی حکمت بالغہ کے مظاہر تھے۔ جن میں یعقوب علیہ السلام کے ابتلاء و امتحان کی تکمیل ہو رہی تھی، اس جواب کی طرف خود قرآن کی اس آیت میں اشارہ موجود ہے۔ ”كَذٰلِكَ كَدٰنَا لِيُوسُفَ“، یعنی ہم نے اسی طرح تدبیر کی یوسف علیہ السلام کے لئے اپنے بھائی کو روکنے کی۔

اس آیت میں واضح طور پر اس حیلہ و تدبیر کو حق تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ یہ سب کام جب کہ بامر الہی ہوئے، تو ان کو ناجائز کہنے کے کوئی معنی نہیں رہتے ان کی مثال ایسی ہی ہوگی جیسے موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ میں کشتی توڑنا، لڑکے کو قتل کرنا وغیرہ، جو بظاہر گناہ تھے اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان پر نکیر کیا، مگر خضر علیہ السلام یہ سب کام باذن الہی خاص مصالح کے تحت کر رہے تھے، اس لئے ان کا کوئی گناہ نہ تھا۔

﴿كَذٰلِكَ كَدٰنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِیٰۤاُخٰذَۤاۤ اٰخٰهٖ فِیۤ دِیۤنِ الْمَلٰٓئِكِۃِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ اسی طرح ہم نے تدبیر کی یوسف کے لئے، وہ اپنے بھائی کو شاہ مصر کے قانون کے ماتحت گرفتار نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ مصر کا قانون چور کے متعلق یہ تھا کہ چور کو مار پیٹ کی سزا دی جائے اور مال مسروقہ سے دوگنی قیمت وصول کر کے چھوڑ دیا جائے، مگر انہوں نے یہاں بردار ان یوسف ہی سے چور کا حکم شریعت یعقوبی کے مطابق دریافت کر لیا تھا، اس کی رو سے بنیامین کو اپنے پاس روک لینا صحیح ہو گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت سے یوسف علیہ السلام کی یہ مراد بھی پوری ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی شرعی مسئلہ حد کی بناء پر معاملہ کی صورت میں کوئی ایسی تبدیلی اختیار کرنا جس سے احکام بدل ہو جائیں جس کو فقہاء کی اصطلاح میں حیلہ شرعیہ کہا جاتا ہے، یہ شرعاً جائز ہے، شرط یہ ہے کہ اس سے شرعی احکام کا ابطال لازم نہ آتا ہو۔ ورنہ ایسے حیلے بافتاق فقہاء حرام ہیں جیسے زکوٰۃ سے بچنے کے لئے کوئی حیلہ کرنا یا رمضان سے پہلے کوئی غیر ضروری سفر صرف اس لئے اختیار کرنا کہ روزہ نہ رکھنے کی گنجائش نکل آئے، یہ بافتاق حرام ہے، ایسے ہی حیلے کرنے پر بعض اقوام پر عذاب الہی آیا ہے، اور رسول کریم ﷺ نے ایسے حیلوں سے منع فرمایا ہے، اور بافتاق امت حرام ہیں، ان پر عمل کرنے الہی سے کوئی کام جائز نہیں ہو جاتا بلکہ دہرا گناہ لازم آتا ہے، ایک تو اصل ناجائز کام کا، دوسرے یہ ناجائز حیلہ جو ایک حیثیت سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ چالبازی کا مرادف ہے اسی طرح کے حیلوں کے ناجائز ہونے کو امام بخاری نے کتاب الحیل میں ثابت کیا ہے۔ اور ابن تیمیہ نے فتاویٰ کبریٰ میں تفصیلی بحث لکھی ہے مزید وضاحت کے لئے اس کو مراجعہ کریں۔

قَالُوا إِن يُسْرِقَ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسْرَهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ

(برادرانِ یوسف نے) کہا کہ اگر اُس نے چوری کی ہو تو (کچھ عجب نہیں کہ) اُس کے ایک بھائی نے بھی پہلے چوری کی تھی

وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا

یوسف نے اس بات کو اپنے دل میں مخفی رکھا اور اُن پر ظاہر نہ ہونے دیا (اور) کہا کہ تم بڑے بدقماش ہو اور جو تم

تَصِفُونَ ﴿۷۸﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا

بیان کرتے ہو اللہ سے خوب جانتا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے عزیز! اس کے والد بہت بوڑھے ہیں (اور اس سے بہت محبت

فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۷۹﴾

رکھتے ہیں) تو (اس کو چھوڑ دیجئے اور) اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والے ہیں

قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن نَّأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا

(یوسف نے) کہا کہ اللہ پناہ میں رکھے کہ جس شخص کے پاس ہم نے اپنی چیز پائی ہے اُس کے سوا کسی اور کو پکڑ لیں

لَنظَلِمُونَ ﴿۸۰﴾ قَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا قَالَ كَبِيرُهُمْ

ایسا کریں تو ہم بڑے بے انصاف ہیں۔ جب وہ اس سے ناامید ہو گئے تو الگ ہو کر صلاح کرنے لگے، سب سے بڑے نے کہا

أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ

کہ کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کا عہد لیا ہے اور اس سے پہلے بھی تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے

فِي يُوسُفَ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكَمَ اللَّهُ لِي

ہو تو جب تک والد صاحب مجھے حکم نہ دیں میں تو اس جگہ سے نہ نکلوں گا یا اللہ تعالیٰ میرے لئے کوئی اور تدبیر کرے

وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿۸۱﴾ رَجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا بَنَانَا إِنَّا

اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ تم سب والد صاحب کے پاس جاؤ اور کہو کہ آپ کے صاحبزادے نے (وہاں جا

ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا

(کر) چوری کی اور ہم نے تو اپنی دانست کے مطابق آپ سے (اس کو لے آنے کا) عہد کیا تھا مگر ہم غیب (کی باتوں) کے

وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَفِظِينَ ﴿٨١﴾ سَأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا

(جاننے اور) یاد رکھنے والے تو نہیں تھے۔ اور جس بستی میں ہم (ٹھہرے) تھے وہاں سے (یعنی اہل مصر سے)

وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٨٢﴾

اور جس قافلے میں آئے ہیں اس سے دریافت کر لیجئے اور ہم (اس بیان میں) بالکل سچے ہیں۔ (جب انہوں نے یہ بات

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۗ

یعقوب سے آ کر کہی تو) انہوں نے کہا کہ بلکہ یہ بات تم نے اپنے دل سے بنا لی ہے تو صبر ہی بہتر ہے

عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٨٣﴾

امید ہے کہ اللہ ان سب کو میرے پاس لے آئے بیشک وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔

وَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفِي عَلَى يُوسُفَ

پھر اُن کے پاس سے چلے گئے اور کہنے لگے کہ ہائے افسوس یوسف (ہائے افسوس) اور رنج و الم میں (اس قدر روئے کہ)

وَأَبْيَضْتُ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ﴿٨٤﴾ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتُوا

ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں اور ان کا دل غم سے بھر رہا تھا۔ بیٹے کہنے لگے کہ واللہ! اگر آپ یوسف کو اسی طرح

تَذُكْرُ يُوسُفَ حَتَّى تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ﴿٨٥﴾

یاد کرتے رہے تو یا تو بیمار ہو جائیں گے یا جان ہی دیدیں گے۔

قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨٤﴾

انہوں نے کہا کہ میں تو اپنے رنج و غم کا اظہار اللہ ہی سے کرتا ہوں اور اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

يُبْنَىٰ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَآخِيهِ وَلَا تَيَاسُّوا مِنْ رُوحِ اللّٰهِ

بیٹا (یوں کرو کہ ایک دفعہ پھر) جاؤ اور یوسف اور اُس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو

اِنَّهُ لَا يَأْتِسُّ مِنْ رُوحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُونَ ﴿٨٧﴾ لَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ

کہ اللہ کی رحمت سے بے ایمان لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں۔ جب وہ یوسف کے پاس گئے

قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ

تو کہنے لگے کہ اے عزیز! ہمیں اور ہمارے اہل و عیال کو بڑی تکلیف ہو رہی ہے اور ہم تھوڑا سا سرمایہ لائے ہیں

فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٨٨﴾ قَال

آپ ہمیں (اس کے عوض) پورا غلہ دیجئے اور خیرات کیجئے کہ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو ثواب دیتا ہے (یوسف نے)

هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَآخِيهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهَلُوْنَ ﴿٨٩﴾

کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ جب تم نادانی میں پھنسے ہوئے تھے تو تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کیساتھ کیا کیا تھا؟

قَالُوا اِنَّكَ لَآَنْتَ يُوْسُفُ قَال اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَا اَخِي

وہ بولے کیا تم یوسف ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا

قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٠﴾

بھائی ہے اللہ نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے جو شخص اللہ سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِينَ ﴿٩١﴾ قَال

وہ بولے کہ اللہ کی قسم! اللہ نے تمہیں ہم پر فضیلت بخشی ہے اور بیشک ہم خطا کار تھے۔ (یوسف نے) کہا

لَا تَرْيَبَ عَلَيْكُمْ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرَّحِمِينَ ﴿٩٢﴾

کہ آج کے دن (سے) تم پر کچھ عتاب (وملامت) نہیں ہے اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ بہت رحم کرنے والا ہے۔

اَذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَالْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا

یہ میرا کرتہ لے جاؤ اور اُسے والد صاحب کے منہ پر ڈال دو، وہ بینا ہو جائیں گے

وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٣﴾ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ

اور اپنے تمام اہل و عیال کو میرے پاس لے آؤ۔ اور جب قافلہ (مصر سے) روانہ ہوا تو اُن کے والد کہنے لگے

إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تَفْنَدُونِ ﴿٤٤﴾ قَالَ تَاللَّهِ

کہ اگر مجھ کو یہ نہ کہو کہ (بوڑھا) بہک گیا ہے تو مجھے تو یوسف کی بو آ رہی ہے۔ وہ بولے کہ واللہ!

إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿٤٥﴾ لَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ

آپ اسی قدیم محبت میں (بتلا) ہیں۔ جب خوشخبری دینے والا آ پہنچا تو کرتہ یعقوب کے منہ پر ڈال دیا

وَجْهَهُ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ﴿٤٦﴾ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا

اور وہ بینا ہو گئے (اور بیٹوں سے) کہنے لگے کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم

تَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾ قَالَ يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿٤٨﴾

نہیں جانتے۔ [5] بیٹوں نے کہا کہ ابا ہمارے لئے ہمارے گناہوں کی مغفرت مانگیے بیشک ہم خطا کار تھے۔

[5] ان آیات کا خلاصہ بزبان سعدی:-

کہ اے روشن گھر پیر خردمند

یکے پر سید ازاں گم کردہ فرزند

چرا در چاہ کنعانش ندیدی

زمصرش بوئے پیرا ہن شنیدی

دے پیدا و دیگر دم نہان ست

بگفت احوال ما برق جہان ست

گہے بر پشت پائے خود نہ بینم =

گہے بر طارم علی نشینم

قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٤٨﴾

انہوں نے کہا کہ میں اپنے رب سے تمہارے لئے بخشش مانگوں گا بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَبُوهُ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ

جب (یہ سب لوگ) یوسف کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے والدین کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ مصر میں داخل ہو جائیے

إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ﴿٤٩﴾ رَفَعَ أَبُوهُ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا

اللہ نے چاہا تو خاطر جمع سے رہیے گا۔ اور اپنے والدین کو تخت پر بٹھایا اور سب یوسف کے آگے سجدے میں گر پڑے

وَقَالَ يَا بَتِ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا

(اُس وقت) یوسف نے کہا کہ ابا جان یہ میرے اُس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا میرے رب

رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ

نے اُسے سچ کر دیا اور اُس نے مجھ پر (بہت سے) احسانات کئے ہیں کہ مجھے جیل خانے سے نکالا

وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي

اور اس کے بعد کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں فساد ڈال دیا تھا، آپ کو گاؤں سے یہاں لایا۔

= ایک شخص نے یعقوب علیہ السلام سے دریافت کیا، کہ اے روشن ذات عقل مند، پیر، یہ کیا بات تھی کہ مصر سے

یوسف علیہ السلام کے قمیص کی بو آپ نے سونگھ لی، لیکن کنعان کے کنوئیں میں جو آپ سے زیادہ دور نہیں تھا آپ یوسف علیہ

السلام کو نہ دیکھ سکے۔ یعقوب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: کہ ہمارے احوال کو نہ دیکھنے والی بجلی کی طرح ہیں، ایک سانس میں

ظاہر اور دوسرے سانس میں پوشیدہ ہو جاتے ہیں، کبھی ہم اونچی اٹاری میں بیٹھتے ہیں، یعنی مقامات عالیہ حاصل کر لیتے ہیں،

اور عرش تک کی خبر لے آتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت بھی نہیں دیکھ سکتے، عروج ہوتا ہے تو ایسا، اور نزول ہوتا ہے

تو ایسا۔ (گلستان: ۱۱۹)۔

إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰۰﴾

بیشک میرا رب جو چاہتا ہے تدبیر سے کرتا ہے۔ وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔

رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ

اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا

فَاطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيَّ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے

تَوَفَّقَنِي مُسْلِمًا وَأَلْحَقَنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿۱۰۱﴾

تو مجھے (دنیا سے) اپنی اطاعت (کی حالت) میں اٹھانا اور (آخرت میں) اپنے نیک بندوں میں داخل کرنا

ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا

یہ اخبارِ غیب میں سے ہیں جو ہم تمہاری طرف بھیجتے ہیں [6] اور جب برادرانِ یوسف نے اپنی بات پر اتفاق

[6] ”یہ سب کچھ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کو وحی کے ذریعہ بتلاتے ہیں“ یہی مضمون تقریباً انہیں الفاظ

کے ساتھ سورہ ال عمران آیت ۴۳، میں مریم کے قصہ میں آیا ہے: ذَلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ اور سورہ ہود

کی آیت ۲۸، میں نوح علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق آیا ہے: تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ، ان آیتوں سے

ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حق تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو بہت سی غیب کی خبروں پر ذریعہ وحی مطلع کر دیتے ہیں،

خصوصاً ہمارے رسول سید المرسلین ﷺ کو ان غیب کی خبروں کا خاص حصہ عطا فرمایا ہے جو تمام انبیاء سابقین سے زیادہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے امت کو قیامت تک ہونے والے بہت سے واقعات کا تفصیل یا اجمال سے پتہ

دیا ہے۔ کتب حدیث میں کتاب الفتن کی تمام حدیثیں اس سے بھری ہوئی ہیں، عوام الناس چونکہ علم غیب صرف اسی

کو جانتے ہیں کہ کوئی شخص غیب کی خبروں سے کسی طرح واقف ہو جائے، اور یہ وصف رسول کریم ﷺ میں بدرجہ =

أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ

کیا تھا اور وہ فریب کر رہے تھے تو تم ان کے پاس تو نہ تھے۔ اور بہت سے آدمی گوتم (کتی ہی) خواہش کرو

بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۰۳﴾ تَسْتَلْهُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۴﴾

ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اور تم ان سے اس کا کچھ صلہ بھی تو نہیں مانگتے۔ یہ قرآن اور کچھ نہیں تمام عالم کیلئے نصیحت ہے

وَكَائِنٌ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ﴿۱۰۵﴾

اور آسمان و زمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور ان سے اعراض کرتے ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ ﴿۱۰۶﴾ الْكَاِمِنُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ

اور یہ اکثر اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر (اس کیساتھ) شرک کرتے ہیں۔ کیا یہ اس (بات) سے بے خوف ہیں

غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۰۷﴾

کہ ان پر اللہ کا عذاب نازل ہو کر ان کو ڈھانپ لے یا ان پر ناگہاں قیامت آجائے اور انہیں خبر بھی نہ ہو

= اتم موجود ہے، اس لئے خیال کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عالم الغیب تھے، مگر قرآن کریم نے صاف لفظوں میں اعلان فرمادیا ہے۔

لا يعلم من فى السموات والارض الغيب الا الله (نمل: ۶۵) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم الغیب سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ علم غیب اللہ جل شانہ کی صفت خاصہ ہے اس میں کسی رسول یا فرشتہ کو شریک سمجھنا ان کو اللہ کے برابر بنانا عیسائیوں کا عمل ہے۔ جو رسول کو اللہ کا بیٹا اور اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں۔ قرآن کریم کی مذکورہ آیتوں سے معاملہ کی پوری حقیقت واضح ہو گئی، کہ علم غیب تو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے۔ اور عالم الغیب صرف اللہ جل شانہ ہی ہیں، البتہ غیب کی بہت سی خبریں اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو بذریعہ وحی بتلا دیتے ہیں۔ یہ قرآن کریم کی اصطلاح میں علم غیب نہیں کہلاتا اور عوام چونکہ اس باریک فرق کو نہیں سمجھتے تو غیب کی خبروں ہی کو علم غیب کہہ دیتے ہیں۔

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا

کہہ دو میرا راستہ تو یہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں (از روئے یقین و برہان) سمجھ بوجھ کر میں بھی (لوگوں کو اللہ کی طرف

وَمَنْ اتَّبَعَنِي وَسُبَّحَنَ اللَّهُ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۰۸﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ

بلاتا ہوں) اور میرے پیرو بھی اور اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ اور ہم نے تم سے

قَبْلَكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِيَ إِلَيْهِمْ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

پہلے بستیوں کے رہنے والوں میں سے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر

فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ

(وسیاحت) نہیں کی کہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا اور متقیوں کیلئے آخرت کا گھر بہت اچھا ہے

لِّلَّذِينَ اتَّقَوْا أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۰۹﴾ حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا

کیا تم نہیں سمجھتے؟۔ یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے (قوم سے) اور انہوں نے خیال کیا کہ

أَنَّهُمْ قَدْ كَذَّبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّى مَنْ نَشَاءُ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا

وہ سچ نہ نکلے تو ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی پھر جسے ہم نے چاہا بچا دیا اور ہمارا عذاب (اتر

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۱۰﴾ لَقَدْ كَانَ فِي قَصصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولَى الْأَلْبَابِ

کر) گنہگار لوگوں سے پھرا نہیں کرتا۔ [7] ان کے قصے میں عقلمندوں کیلئے عبرت ہے۔

[7] یہاں قرآن کریم کے اہم مشکلات میں سے ہے اشکال کے تین مواضع ہیں۔ (۱) ”حتی“ کا متعلق (۲) ”یسس“

کا معنی (۳) ”ظنوا“ کے ضمیر کا مرجع [۱] حتی کا متعلق ”فتراخنا نصرهم“ مقدر ہے۔ [۲] ”یسس“ کے دو ترجمے

ہیں۔ ۱۔ ”یسس“ ناامیدی کفار کے ایمان سے نہ کہ باری تعالیٰ کی رحمت سے ناامیدی، جو کہ کفر ہے۔ ۲۔ ”اگر یأس“ اللہ کی

رحمت سے ہو تو اس سے مراد یأس طبعی غیر ارادی ہے۔ (۳) لفظ ”کذبوا“ میں چار احتمالات ہیں: ۱۔ مشدد =

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ

یہ (قرآن) ایسی بات نہیں ہے جو (اپنے دل سے) بنائی گئی ہو بلکہ جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں اُن کی

وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۱۱﴾

تصدیق (کرنے والا) ہے اور ہر چیز کی تفصیل (کرنے والا) اور مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔

= معروف ”کذبوا“ ۲۔ مشدد مجہول ”کذبوا“ ۳۔ مخفف معروف ۴۔ مخفف مجہول۔ اگر مشدد مجہول ”کذبوا“ ہو تو اس

بارے میں عروہ بن زبیر نے عائشہ سے پوچھا کہ یہ صیغہ ”کذبوا“ مجہول مشدد ہے یا ”کذبوا“ مجہول مخفف ہے

۔ اگر کذبوا مشدد ہے تو کفار کا پیغمبروں کو جھٹلانا یقینی ہے ظنی نہیں ہے۔ اور اگر کذبوا مخفف ہے تو پیغمبروں نے یہ گمان

کیسے کیا؟۔ عائشہ نے جواب دیا بل کذبہم قومہم فقلت واللہ لقد استیقنوا ان قومہم کذبوہم

، وما هو بالظن، فقالت يا عروہ (یہ عروہ کی تصغیر ہے) لقد استیقنوا ابدا لک فقلت فلعلها او کذبوا قالت

معاذ اللہ لم تکن الرسل تظن ذلك بربها، واما هذه الاية قالت هم اتباع الرسل الذين امنوا بربهم

و صدقوا و طال عليهم البلاء و استاخرو عنهم النصر حتى اذا استيئست ممن كذبهم من قومهم و ظنوا ان

اتباعهم كذبوا هم، بخاری: ۶۴۰ / ۱۔ اگر صیغہ معلوم مشدد کذبوا ہو تو مطلب یہ ہوگا یقین الرسل ان قومہم

کذبوہم۔ مدارک۔ اور اگر صیغہ مجہول مخفف (کذبوا) ہو، تو پھر یہ ماننا کوئی ضروری نہیں ہے کہ ”ظنوا“ کی

ضمیر پیغمبروں کی طرف راجع ہے، مدارک۔ ۲۔ یا کفار کی طرف راجع ہے۔ ۳۔ یا لوگوں کی طرف راجع

ہے، ۴۔ اگر ”ظنوا“ کی ضمیر پیغمبروں کی طرف راجع ہو تو پھر ”کذب“ اللہ کی طرف منسوب نہیں ہے بلکہ ان کی نفسوں کی

طرف منسوب ہے، نصرت کی مدت کی تعیین میں (تھانوی وعمدة القاری: ۲۸۱/۱۳)۔ ۵۔ اور اگر ”کذب من اللہ“

ہو تو پھر یہ ظن اختیاری نہیں ہے بلکہ یہ وسوسہ غیر اختیاری ہے (عثمانی) ۶۔ اگر مراد ظن اختیاری ہو تو پھر یہ از قبیل الزام

المخاطب بمالم يلتزم ہے، کہ مخاطب سے کم تصور ہوا ہو، اور آپ زیادہ کا الزام لگا کر ڈانٹ دیں (انور شاہ کشمیری)

۷۔ اگر الزام نہ ہو تو ”ظنوا“ قرب کے معنی میں ہے یعنی گمان کے قریب ہوئے، ای قریبوا من ذلك الظن

(قرطبی)۔ یہی ساتوں احتمالات صیغہ معلوم مخفف کذبوا میں بھی لگا دیں تو کل سولہ ہو گئے۔ اور پھر ہر احتمال

کے ساتھ یس کے دو معنی صحیح بنتے ہیں۔ تو کل احتمالات بیس ہوئے۔

سورة الرعد (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الْمَرَاتُكَ آيَةُ الْكِتَابِ وَالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ

الْمَر. (اے محمد ﷺ!) یہ کتاب (الہی) کی آیتیں ہیں اور جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے حق ہے

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ

لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ اللہ وہی تو ہے جس نے ستونوں کے بغیر آسمان

عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

جیسا کہ تم دیکھتے ہو (اتنے) اونچے بنائے پھر عرش پر مستوی ہوا اور سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا،

كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ يُدَبَّرُ الْأَمْرُ يُفْصَلُ الْآيَاتِ

ہر ایک، ایک میعاد معین تک گردش کر رہا ہے، وہی (دنیا کے) کاموں کا انتظام کرتا ہے وہ اپنی آیتیں کھول کھول کر

لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ﴿۲﴾ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا

بیان کرتا ہے کہ تم اپنے رب کے رُوبرو جانے کا یقین کرو۔ اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں پہاڑ

رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجِينَ اثْنَيْنِ يُغْشَىٰ

اور دریا پیدا کئے اور ہر طرح کے میووں کی دو دو قسمیں بنائیں، وہی رات کو دن کا لباس پہناتا ہے۔

اللَّيْلَ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۳﴾

غور کرنے والوں کیلئے اس میں بہت سی نشانیاں ہیں

وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مُتَجَوِّرَاتٌ وَجَنَّتْ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرْعٌ وَنَخِيلٌ

اور زمین میں کئی طرح کے قطعات ہیں ایک دوسرے سے ملے ہوئے اور انگور کے باغ اور کھیتی اور کھجور کے درخت بعض کی

صِنُونٌ وَغَيْرُ صِنُونٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنَفْضُلٌ بَعْضُهَا عَلَى بَعْضٍ

بہت سی شانیں ہوتی ہیں اور بعض کی اتنی نہیں ہوتیں (باوجودیکہ) پانی سب کو ایک ہی ملتا ہے،

فِي الْأُكُلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۴۱﴾ وَإِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ

اور ہم بعض میووں کو بعض میں فضیلت دیتے ہیں اس میں سمجھنے والوں کیلئے بہت سی نشانیاں ہیں۔ اگر تم عجب بات سنا چاہو

قَوْلُهُمْ أَئِذَا كُنَّا تُرَابًا إِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ

تو کافروں کا یہ کہنا عجیب ہے کہ جب ہم (مگر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا ہوں گے؟ یہی لوگ ہیں جو اپنے رب

كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ

سے منکر ہوئے ہیں اور یہی ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے

وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۴۲﴾

اور یہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلَتُ

اور یہ لوگ بھلائی سے پہلے تم سے بُرائی کے جلد خواستگار ہیں حالانکہ ان سے پہلے عذاب (واقع) ہو چکے ہیں

وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ

اور تمہارا رب لوگوں کو باوجود ان کی بے انصافیوں کے معاف کرنے والا ہے اور بیشک تمہارا رب سخت عذاب دینے والا ہے

﴿۴۳﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا الْوَلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ إِنَّمَا أَنْتَ

اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی سو تم تو صرف

مُنْذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۸﴾ ۱ ﴿۹﴾ اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ

ہدایت کرنے والے ہو اور ہر ایک قوم کیلئے رہنما ہوا کرتا ہے۔ [1] اللہ ہی اس بچے سے واقف ہے جو عورت کے پیٹ میں

وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامَ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ﴿۱۰﴾

ہوتا ہے اور پیٹ کے سکڑنے اور بڑھنے سے بھی (واقف ہے) اور ہر چیز کا اُس کے ہاں ایک اندازہ مقرر ہے

عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۲﴾ سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسْرَٰ

وہ دانائے پنہاں و آشکارا ہے سب سے بزرگ (اور) عالی رتبہ ہے۔ کوئی تم میں سے چپکے سے بات کہے

الْقَوْلِ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ﴿۱۳﴾

یا پکار کر یا رات کو کہیں چھپ جائے یا دن (کی روشنی) میں کھلم کھلا چلے پھرے (اُس کے نزدیک) برابر ہے۔

[1] ”ولکل قوم ہاد“ یعنی ہر قوم کے لئے چھپلی امتوں میں ہادی ہوتے چلے آئے ہیں، آپ کوئی انوکھے نبی

نہیں، سب ہی انبیاء کا وظیفہ یہ تھا کہ وہ قوم کو ہدایت کریں، اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، معجزات کا ظاہر کرنا کسی کے اختیار میں نہیں دیا گیا، اللہ تعالیٰ جب اور جس طرح کا معجزہ ظاہر کرنا پسند فرماتے ہیں ظاہر کر دیتے ہیں۔

اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ ”ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے“ اس سے ثابت ہوا کہ کوئی قوم اور کوئی خطہ ملک

اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور ہدایت کرنے والوں سے خالی نہیں ہو سکتا، خواہ وہ کوئی نبی ہو یا اس کے قائم مقام، نبی کی

دعوت کو پھیلانے والا ہو، جیسا سورہ لیس میں نبی کی طرف سے کسی قوم کے طرف پہلے دو شخصوں کو دعوت و ہدایت کے لئے

بھیجے کا ذکر ہے، جو خود نبی نہیں تھے اور پھر تیسرے آدمی کو ان کی تائید و نصرت کے لئے، بھیجنا مذکور ہے۔ (بنا بر ایک

تفسیر) اس لئے اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہندوستان میں بھی کوئی نبی و رسول پیدا ہوا ہو، البتہ دعوت رسول کے

پہنچانے اور پھیلانے والے علماء کا کثرت سے یہاں آنا بھی ثابت ہے اور پھر یہاں بیٹھارہ ایسے ہادیوں کا پیدا ہونا بھی

ہر شخص کو معلوم ہے۔

لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ

اُس کے آگے اور پیچھے اللہ کے چوکیدار ہیں جو اللہ کے حکم سے اُس کی حفاظت کرتے ہیں،

إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ

اللہ اُس (نعمت) کو جو کسی قوم کو (حاصل) ہے نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت کو نہ بدلے اور جب اللہ کسی قوم کیساتھ بُرائی

سُوَّءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِنْ وَالٍ ۗ ۝۱۱۱ ۗ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ

کا ارادہ کرتا ہے تو پھر وہ پھر نہیں سکتی اور اللہ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔ اور وہی تو ہے جو تمہیں ڈرانے

الْبَرْقِ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۗ ۝۱۱۲ ۗ

اور امید دلانے کیلئے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بھاری بادل پیدا کرتا ہے۔

وَيَسْبَحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

اور رعد اور فرشتے سب اُس کے خوف سے اُس کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور وہی بجلیاں بھیجتا ہے،

فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ

پھر جس پر چاہتا ہے گرا بھی دیتا ہے۔ اور وہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں اور وہ بڑی قوت والا ہے

۝۱۱۳ ۗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ

سُودٍ مِّن دُونِهَا تِلْكَ الْأَسْمَاءُ الَّتِي يَدْعُونَ بِهَا عَلَى اللَّهِ وَمِمَّا يُدْعُونَ لَهَا لِئَلَّا يُرْسِلَ اللَّهُ

إِلَّا كِبَاسِطٍ كَفَيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ

مگر اس شخص کی طرح جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلا دے تاکہ (دور ہی سے) اُس کے منہ تک آ پہنچے

وَمَا دُعَاءُ الْكٰفِرِينَ اِلَّا فِي ضَلٰلٍ ۗ ۝۱۱۴ ۗ لِّلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ

حالانکہ وہ (اس تک) کبھی بھی نہیں آ سکتا اور (اسی طرح) کافروں کی پکار بیکار ہے۔ اور جتنی مخلوقات آسمانوں

وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُم بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿۱۵۱﴾

اور زمین میں ہے خوشی سے یا زبردستی سے اللہ کے آگے سجدہ کرتی ہے اور ان کی سائے بھی صبح و شام (سجدہ) کرتے ہیں

قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ قُلِ اللَّهُ قُلْ

ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ۔ پھر (ان سے) کہو

أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ أَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا

کہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر ایسے لوگوں کو کیوں کارساز بنایا ہے جو خود اپنے نفع و نقصان کا بھی کچھ اختیار نہیں رکھتے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ

(یہ بھی) پوچھو کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہیں؟ یا اندھیرا اور اجالا برابر ہو سکتا ہے؟

أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ

بھلا (ان لوگوں نے) جن کو اللہ کا شریک مقرر کیا ہے کیا انہوں نے اللہ کی سی مخلوقات پیدا کی ہے جس کے سبب ان کو

قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۱۵۲﴾ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ

مخلوقات مشتبہ ہو گئی ہے؟ کہہ دو کہ اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ یکتا (اور) زبردست ہے۔ اسی نے آسمان سے

مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا وَمِمَّا

میں برسایا پھر اس سے اپنے اپنے اندازے کے مطابق نالے بہہ نکلے پھر نالے پر پھولا ہوا جھاگ آ گیا اور جس چیز

يُوقَدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلَهُ كَذَلِكَ يَضْرِبُ

کو زیور یا کوئی اور سامان بنانے کیلئے آگ میں تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی جھاگ ہوتا ہے۔ اس طرح اللہ حق

اللَّهُ الْحَقُّ وَالْبَاطِلُ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ

اور باطل کی مثال بیان فرماتا ہے سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے

فِيْمَكْتُ فِي الْأَرْضِ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ﴿١٧﴾ الَّذِينَ

وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے۔ اس طرح اللہ (صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے (تا کہ تم سمجھو)۔ جن لوگوں نے

اسْتَجَابُوا لِلرَّبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ

اللہ کے حکم کو قبول کیا اُن کی حالت بہت بہتر ہوگی اور جنہوں نے اُس کو قبول نہ کیا اگر روئے

مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدُوا بِهِ

زمین کے سب خزانے اُن کے اختیار میں ہوں تو وہ سب کے سب اور اُن کیساتھ ہی اتنے اور (نجات کے) بدلے میں

أُولَئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٨﴾

صرف کر ڈالیں (مگر نجات کہاں) ایسے لوگوں کا حساب بھی بُرا ہوگا اور ان کا ٹھکانہ بھی دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے

أَفَمَنْ يَعْلَمُ أَنَّ مَا نُزِّلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ

بھلا جو شخص یہ جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے حق ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو اندھا ہے؟

إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ

اور سمجھتے تو وہی ہیں جو عقل مند ہیں۔ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور اقرار کو نہیں توڑتے۔

الْمِيثَاقِ ﴿٢٠﴾ الَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

اور جن کے جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُن کو جوڑے رکھتے اور اپنے رب سے ڈرتے رہتے

وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ﴿٢١﴾ الَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ

اور بُرے حساب سے خوف رکھتے ہیں۔ اور جو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے (مصائب پر) صبر کرتے ہیں

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرَأُونَ بِالْحَسَنَةِ

اور نماز پڑھتے ہیں اور جو (مال) ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں اور نیکی سے بُرائی کو دور

السَّيِّئَةُ أُولَئِكَ لَهُمْ عُقَبِي الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنَّتٌ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا

کرتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن کیلئے عاقبت کا گھر ہے۔ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ

اور اُن کے باپ دادا اور بیویوں اور اولاد میں سے جو نیکو کار ہوں گے وہ بھی (جنت میں جائیں گے) اور فرشتے (جنت)

عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ لَمْ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

(کے) ہر ایک دروازے سے اُن کے پاس آئیں گے۔ [2] اور (کہیں گے) تم پر رحمت ہو یہ تمہاری ثابت قدمی کا بدلہ ہے

عُقَبِي الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا

اور عاقبت کا گھر خوب (گھر) ہے۔ اور جو لوگ اللہ سے عہد واثق کر کے اُس کو توڑ ڈالتے اور جن (رشتہ ہائے قرابت) کے

أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولَئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ

جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُن کو قطع کر دیتے اور ملک میں فساد کرتے ہیں ایسوں پر لعنت ہے

[2] عن رفاعة الجهني قال صدرنا مع رسول الله ﷺ فقال والذي نفس محمد بيده، مامن

عبيدؤ من ثم يسدد الاسلك به في الجنة، وارجوا ان لا يدخلوها حتى تبوءوا وانتم، ومن صلح من

ذرائكم مساكن في الجنة، ولقد وعدني ربي عز وجل ان يدخل الجنة من امتي سبعين

الفباغير حساب.

یعنی رفاعہ جہنیؓ سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ساتھ لوٹے، تو آپ نے فرمایا: قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ

کی جان ہے، کوئی بندہ ایسا نہیں ہے جو ایمان لاوے، پھر اس پر مضبوط رہے مگر اس کو جنت میں لے جاویں گے، اور میں

امید کرتا ہوں کہ وہ لوگ جنت میں داخل نہ ہونگے، یہاں تک کہ تم اور تمہاری اولاد میں سے جو نیک ہیں وہ جنت میں اپنے

اپنے ٹھکانے نہ بنا لے، اور بے شک میرے مالک نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ میری امت میں سے ستر ہزار آدمیوں

کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کریگا۔ (ابن ماجہ: ۴۲۸۵)۔

وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿۲۲۱﴾ ۞ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ

اور اُن کیلئے گھر بھی بُرا ہے اللہ تعالیٰ جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کا چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے

وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۲۲﴾ ۞

اور کافر لوگ دنیا کی زندگی پر خوش ہو رہے ہیں اور دنیا کی زندگی آخرت (کے مقابلے) میں (بہت) تھوڑا فائدہ ہے

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ

اور کافر کہتے ہیں کہ اس (پیغمبر) پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی؟ کہہ دو کہ اللہ

يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَىٰ مَنَابِ ﴿۲۲۳﴾ ۞

جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو (اُس کی طرف) رجوع کرتا ہے اُس کو اپنی طرف کا رستہ دکھاتا ہے

الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ

جو لوگ ایمان لاتے اور جن کے دل یادِ الہی سے آرام پاتے ہیں (اُن کو)۔ اور سن رکھو کہ اللہ کی یاد سے دل آرام

﴿۲۲۴﴾ ۞ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَىٰ لَهُمْ وَحَسُنَ مَا بِيَدِ اللَّهِ ﴿۲۲۵﴾ ۞

پاتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے اُن کیلئے خوشحالی اور عمدہ ٹھکانہ ہے

كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ

(جس طرح ہم اور پیغمبر بھیجتے رہے ہیں) اُسی طرح (اے محمد ﷺ!) ہم نے تمہیں اس اُمت میں

لَتَسْأَلُوا عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ

جس سے پہلے بہت سی اُمتیں گزر چکی ہیں بھیجا ہے تاکہ تم اُن کو وہ (کتاب) جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے پڑھ کر سنادو

يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

اور یہ لوگ رحمن کو نہیں مانتے کہہ دو وہی تو میرا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں اُسی پر بھروسہ کرتا ہوں

وَالِيهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۰﴾ وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ

اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ اور اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس (کی تاثیر) سے پہاڑ چیل پڑتے یا زمین پھٹ جاتی

أَوْ كُتِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ ط بَلْ لِّلّٰهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا ط

یا مردوں سے کلام کیا جاسکتا (تو یہی قرآن ان اوصاف سے متصف ہوتا مگر) بات یہ ہے کہ سب باتیں اللہ کے اختیار میں ہیں

أَفَلَمْ يَأْتِئْسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا ط

تو کیا مومنوں کو اس سے اطمینان نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ہدایت کے رستے پر چلا دیتا۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةً أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا

اور کافروں پر ہمیشہ اُن کے اعمال کے بدلے بلا آتی رہے گی یا اُن کے مکانات کے قریب نازل ہوتی رہے گی

مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۱﴾

یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آ پہنچے بیشک اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمَلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ

اور تم سے پہلے بھی رسولوں کیساتھ مذاق ہوتے رہے ہیں تو ہم نے کافروں کو مہلت دی پھر پکڑ لیا سو (دیکھ لو کہ) ہمارا عذاب

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۲﴾ فَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ

کیسا تھا۔ تو کیا جو (اللہ) ہر تنفس کے اعمال کا نگران (و نگہبان) ہے (وہ بتوں کی طرح بے علم و بے خبر ہو سکتا ہے؟)

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ ط فُلْ سَمُّوهُمْ ط أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا

اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں ان سے کہو کہ (ذرا) ان کے نام تو لو کیا تم اُسے ایسی چیزیں بتاتے ہو

لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ

جس کو وہ زمین میں (کہیں بھی) معلوم نہیں کرتا یا (محض) ظاہری (باطل اور جھوٹی) بات کی (تقلید کرتے ہو) اصل یہ ہے

زَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ

کہ کافروں کو ان کے فریب سجادئیے گئے ہیں اور وہ (ہدایت کے) رستے سے روک لئے گئے ہیں۔

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَافِلٌ عَنِ الْعَالَمِينَ

اور جسے اللہ گمراہ کرے اُسے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔ [3] اُن کو دنیا کی زندگی میں بھی عذاب ہے

[3] آخر آیت میں ”کمن لیس كذلك“ خبر محذوف ہے، اور استفہام انکار کے لئے ہے، (مدارک) یعنی اللہ تعالیٰ جو ہر ایک کے تمام اعمال سے باخبر ہے اور ہر جگہ حاضر و ناظر ہے وہ ان معبودان باطلہ کی مانند نہیں ہو سکتا، چونکہ عالم الغیب میں نہ حاضر و ناظر۔

”وجعلو اللہ شرکاء“ زجر ہے، مگر اس کے باوجود شرکین صفات کار سازی سے عاری اور عاجز مخلوق کو اللہ کے شریک بناتے ہیں۔ ”قل سموہم“ یعنی ان خود ساختہ معبودوں کے وہ کمالات تو بیان کرو جن کی وجہ سے تم انہیں الوہیت کا درجہ دیتے ہو۔ ”قل اذکرو اصفاتهم وانظرو اهل فیہا ما یستحقون بہ العبادۃ ویستأهلون الشریکۃ“ (روح)۔

”ام تبنونہ“ کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایک چیز کی اطلاع دیتے ہو، جس کے وجود کا خود اسے علم نہیں ہے؟ یعنی تم اللہ کو بتاتے ہو کہ زمین میں اس کے شریک موجود ہیں حالانکہ اس کا کوئی شریک نہیں، جب اللہ کا کوئی شریک نہیں تو اس کا علم کیسے ہو کیونکہ شریک باری تعالیٰ معدوم محض ہے اگر ہوتا تو اللہ کے علم میں ہوتا۔ یعنی عدم علم اللہ تعالیٰ کا عدم وجود شیء کیلئے مستلزم ہے۔

”ام بظاہر من القول“ یا ویسے ہی کہو اس کرتے ہیں اور ظاہری طور پر اپنے ٹھا کروں کو معبود کہتے ہیں اگرچہ وہ صفات معبودیت سے عاری ہیں۔

”بل زین للذین“ الایۃ بلکہ ان کے دلوں پر مہر جباریت لگ چکی ہے اس لئے ان کو اپنی تمام مشرکانہ اور معاندانہ چالیں اچھی معلوم ہوتی ہیں اور اس طرح توفیق ہدایت سے محروم ہو چکے ہیں اب ان کے راہ راست پر آنے کا کوئی امکان نہیں۔

وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ وَمَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۳۳﴾

اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور ان کو اللہ (کے عذاب سے) کوئی بھی بچانے والا نہیں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أُكُلُهَا دَائِمٌ

جس باغ کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کے اوصاف یہ ہیں کہ اُس کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں اُس کے پھل ہمیشہ

وَوَظَلُّهَا ۚ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ﴿۳۴﴾

(تازم رہنے والے) ہیں اور اُس کے سائے بھی۔ یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو متقی ہیں۔ اور کافروں کا انجام دوزخ ہے

وَالَّذِينَ آتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمِنَ الْأَحْزَابِ

اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس (کتاب) سے جو تم پر نازل ہوئی ہے خوش ہوتے ہیں۔ اور بعض فرقتے

مَنْ يُنْكِرْ بَعْضَهُ قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ

اس کی بعض باتیں نہیں بھی مانتے۔ کہہ دو کہ مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ ہی کی عبادت کروں اور اُس کیساتھ (کسی کو) شریک نہ

إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ مَآبٍ ﴿۳۵﴾ كَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۚ

بناؤں میں اُسی کی طرف بلاتا ہوں اور اُسی کی طرف مجھے لوٹنا ہے۔ اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان

وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ

کا فرمان نازل کیا ہے اور اگر تم علم (ودانش) آنے کے بعد ان لوگوں کی خواہشات کے پیچھے چلو گے تو اللہ کے سامنے کوئی نہ

مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا وَّاقٍ ﴿۳۶﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ

تمہارا مددگار ہو گا اور نہ کوئی بچانے والا۔ اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبر بھیجے تھے

أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً ۚ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ

اور ان کو بیویاں اور اولاد بھی دی تھی اور کسی پیغمبر کے اختیار کی بات نہ تھی کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی نشانی لائے۔

لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۸﴾ ﴿۱﴾ مَحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتُ

ہر (کلم) قضا (کتاب میں) مرقوم ہے۔ [4] اللہ جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے

[4] ”آیت“ سے مراد اس آیت میں معجزہ ہے، اور یہاں یہ تصریح کی گئی، کہ معجزات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں، نبی کے اختیار میں نہیں، مفسر آلوسی لکھتا ہے: انما الايات عند الله، لا عندى فكيف اجيبكم اليها، واتيكم بها، او المعنى هو القادر عليها، لا اناحتى اتيكم بها: روح: ۷/۳۵۳، اور: ۲۲/۸۹، میں لکھتا ہے: فالمعجزات على تشعب فنونها عطايا من الله تعالى، قسمها بينهم حسبما اقتضته مشيته المبنية على الحكم البالغة كسائر القسم، ليس لهم اختيار فى ايثار بعضها، والاستبداد باتيان المقترح بها.

اور اس مضمون والی آیات مختلف سورتوں میں ذکر ہیں، مثلاً سورہ النعام: ۱۰۹، اعراف: ۲۰۳، یونس: ۲۰، رعد: ۷، طہ: ۱۳۳، غافر: ۸، عنکبوت: ۵۰۔

”معجزات“ ”معجزہ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں، وہ خارق عادت، جس کو اللہ تعالیٰ کسی نبی و رسول کے ہاتھ سے ظاہر کر دے، اور دوسرے اس سے عاجز ہوں۔ لفظ معجزہ معجز سے مشتق ہے جس کے معنی ناتواں ہونا، عاجز ہونا کے ہیں اور جو ”حزم“ (قادر ہونا) کی ضد ہیں اسی لفظ سے معجز بنا ہے، جس کے معنی ہیں عاجز کرنے والا، اعجاز دکھانے والا، اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور رسولوں کی سچائی ثابت کرنے کے لئے اور ان کی نبوت و رسالت کی دلیل کے طور پر جو خارق عادت نشانیاں ظاہر فرماتا ہے، ان کو معجزہ اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ جس نبی و رسول کے ہاتھ سے معجزہ ظاہر ہوتا ہے اس کی امت اور قوم کے لوگ نہ صرف یہ کہ مقابلہ میں اس معجزہ کی طرح کا کوئی کرشمہ دکھانے اور پیش کرنے سے عاجز ہوتے ہیں، بلکہ اگر کوئی چاہے کہ اس معجزہ کا توڑ کر دے تو یہ بھی ممکن نہیں ہوتا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ ”معجزہ“ کا لفظ اعجاز سے لیا گیا ہے، جس کے معنی عاجز کرنے کے ہیں، اور معجزہ اس چیز کو کہتے ہیں جو خارق عادت ہو، اور جس سے نبوت و رسالت کا دعویٰ ظاہر و ثابت ہوتا ہو۔ اور جو خارق عادت ظہور نبوت سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں، ان کو معجزہ نہیں کہتے بلکہ ارہاصات کہتے ہیں، جو ارہاص کی

جمع ہے، ارباص، کے لغوی معنی مکان کو اینٹ مٹی اور پتھر کے ساتھ مضبوط و مستحکم بنانے کے ہیں، لہذا ظہور نبوت سے پہلے ظاہر ہونے والے خوارق عادت گویا نبوت و رسالت کی عمارت مستحکم و مضبوط بنانے کا ابتدائی ذریعہ ہوتا ہیں۔

خوارق عادت کی قسمیں

خارق عادت، یعنی ایسی چیز کا وقوع پذیر ہونا جو جاری نظام قدرت سے الگ اور عادت و عام طریقہ کے خلاف ہو، اور جس کو کرشمہ سمجھا جاتا ہو، کی مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں، اور اسی اعتبار سے ان کی الگ الگ قسمیں ہیں، اور پھر ان قسموں کو الگ الگ ناموں سے تعبیر کیا گیا ہے، تاکہ ان سب کی اپنی اپنی حیثیت بھی متعین ہو جائے، اور ایک دوسرے سے ممتاز بھی رہیں، چنانچہ خوارق عادت کی پہلی قسم تو وہ ہے جو نبی اور رسول سے ظاہر ہو جس کو معجزہ کہا جاتا ہے، دوسری قسم وہ ہے جو عام مسلمانوں سے ظاہر ہو، اس کو ”معونت“ کہا جاتا ہے، تیسری قسم وہ ہے جو اولیاء اللہ سے ظاہر ہو، اور جس کو کرامت کہا جاتا ہے، اور چوتھی قسم وہ ہے جو کافروں فاسقوں سے ظاہر ہو، اس کو استدرج کہا جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ان چاروں قسموں میں سے اول الذکر قسم کو چھوڑ کر باقی تینوں قسمیں اپنے مفہوم و مصداق کے اعتبار سے دعوی نبوت کی قید سے باہر ہیں، گویا ان تینوں قسموں میں سے کسی قسم کو بھی ”معجزہ“ نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ معجزہ تو وہی خرق عادت ہے، جنوبت کے دعوی کے ساتھ ہو۔

سحر خرق عادت نہیں ہے

شعبہ اور سحر یعنی جادو کو خرق عادت نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ شعبہ اور سحر کا صدور و ظہور اسباب ظاہری کے تابع ہوتا ہے اور کوئی بھی شخص ان اسباب، میں درک مہارت حاصل کر کے شعبہ اور سحر ظاہر کرتا ہے، لہذا جو چیز ظاہری اسباب کے ذریعہ وجود میں آئے اس پر خرق عادت کا اطلاق نہیں ہو سکتا، اسی وجہ سے دواؤں اور طبی تدابیر کے ذریعہ حاصل ہونے والی شفاء کو بھی خارق عادت نہیں کہا جاتا، اگر اس کو کوئی خارق عادت کہہ دے تو ظاہری صورت کے اعتبار سے ہوگا۔

کرامت کی تعریف

”کرامت“ کی جمع کرامات ہے، جو اکرام اور تکریم کا اسم ہے۔ اس لفظ کے لغوی معنی نفیس ہونا، عزت دار ہونا، اور سخی ہونا کے ہیں، قرآن کریم میں ہے: **وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبُرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا** ﴿۷۰﴾ (بنی اسرائیل)۔ اور اصطلاحی طور پر کرامت اس خارق

عادت فعل (کرشمہ) کو کہتے ہیں جو مومن نیکو کار کے ہاتھ پر ظاہر ہو، لیکن وہ نہ تو نبوت کے دعوے کے ساتھ ہو، اور نہ اس کا مقصود کفار کا معارضہ و مقابلہ ہو، کیونکہ جو خارق عادت فعل نبوت کے دعوے کے ساتھ ہو اور کفار کے معارضہ و مقابلہ پر ہو، اس کو معجزہ کہتے ہیں اہل سنت کرامت کے مقرر اور قائل ہیں، جبکہ معتزلہ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے بعض علماء نے اپنے کتابوں میں باب الکرامات لکھا ہے جیسا کہ صاحب مشکوٰۃ وغیرہ نے۔

اہل حق (یعنی تمام اہل سنت و الجماعت) کا اس امر پر اتفاق ہے، کہ ولی سے کرامت کا ظاہر ہونا واقعی اور حقیقی چیز ہے۔ ولی اللہ اس نیک بندے کو کہتے ہیں جو حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا بقدر طاقت بشری عرفان رکھتا ہو، طاعات، نیکی کرنے اور منہیات، برائی کے ترک پر قائم و دائم ہو، سورہ یونس میں ہے: **اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۲﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۴۳﴾**۔

اولیاء اللہ سے کرامتوں کے ظہور و وقوع کا اثبات عقلا تو یوں محال نہیں ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی مشکل اور بعید از امکان نہیں ہے، اس کی ذات جس طرح اپنے پیارے پیغمبروں کے ذریعہ معجزوں کا ظہور کرا سکتی ہے اسی طرح اپنے پیغمبر کے سچے تابعداروں اور نیکو کار مومنوں کے ہاتھ پر کرامتوں کا ظہور بھی کرا سکتی ہے، جیسا کہ رسالہ قشیریہ ص: ۱۵۸، میں لکھا ہے کہ: ظہور الکرامات علی الاولیاء جائز، والدلیل علی جوازہ انہ امر موهوم حدودہ فی العقل، لایؤدی حصولہ الی رفع اصل من الاصول، فواجب وصفہ سبحانہ بالقدرة علی ایجادہ، و اذا وجب کونہ مقدور اللہ سبحانہ فلاشی یمنع جوارى حصولہ۔

جہاں تک نقلاً اثبات کا تعلق ہے تو قرآن پاک و احادیث رسول دونوں میں کرامت کا ثبوت صراحتاً مذکور ہے۔ پھر صحابہ کرام اور صحابہ کے بعد کے زمانہ کے اولیاء اللہ سے صادر ہونے والی کرامتوں کی روایتیں جس تسلسل کے ساتھ منقول ہیں وہ حد تو اترا کو پہنچی ہوئی ہیں، اور قدر مشترک میں تو تو اترا معنی اس درجہ کا ہے کہ اگر صاف ذہن اور کھلے دل و دماغ سے دیکھا جائے تو اس بارہ میں کسی کو شک و شبہ اور انکار کی مجال نہیں ہو سکتی۔

علماء نے یہ لکھا ہے کہ ولی سے کوئی بھی کرامت اس کے قصد و اختیار کے تحت صادر نہیں ہوتی بلکہ بلا قصد و اختیار صادر ہوتی ہے ان علماء کا قول یہ ہے کہ کرامت، معجزہ کی جنس سے ہے، یعنی جو چیزیں معجزہ کے طور پر ظاہر ہو چکی ہے جیسے تھوڑے سے کھانے کا بہت ہو جانا وغیرہ، معارف القرآن: ۶: ۵۸۵، میں لکھا ہے کہ، حقیقت یہ ہے کہ جس طرح معجزہ میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا، بلکہ وہ براہ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے: **فَلَمْ**

تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءٌ حَسَنًا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۷﴾ (انفال: ۱۷)۔

اسی طرح کرامت میں بھی اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا، براہ راست حق تعالیٰ کی طرف سے کوئی کام ہو جاتا ہے، اور معجزہ اور کرامت دونوں خود صاحب معجزہ و کرامت کے اختیار میں بھی نہیں ہوتے، ان دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ ایسا کوئی خارق عادت کام اگر کسی صاحب وحی نبی کے ہاتھ پر ہو تو معجزہ کہلاتا ہے، غیر نبی کے ذریعہ اس کا ظہور ہو تو کرامت کہلاتی ہے۔

کرامت کا صدور غیر اختیاری ہونے کے لئے بہت سے دلائل ہیں، بطور نمونہ ایک روایت ہم پیش کرتے ہیں جو کہ عمرؓ کی مشہور روایت ہے: مشکوٰۃ کتاب الفصائل کے آخر میں ہے کہ: عن ابن عمرؓ، ان عمرؓ بعث جیشا و امر علیہم رجلا يدعى ساری، فینما عمر یخطب فجعل یصیح، یاساری الجبل، فقدم رسول من الجیش، فقال یا امیر المؤمنین لقینا عدو نافهز مونا فاذا بصائح یصیح یاساری الجبل، فاسندنا ظهورنا الی الجبل فهزهم الله تعالیٰ۔

یعنی عمرؓ نے (ایران کے صوبہ ہمدان کے جنوب میں واقع مقام نہادندکو) جو لشکر بھیجا تھا اس کے ایک حصہ فوج کا سپہ سالار ساری نامی شخص کو بنایا تھا (ایک دن) جبکہ فاروق اعظمؓ مسجد نبویؐ میں خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور حاضرین میں اکابر صحابہ عثمان اور علیؓ کے علاوہ دوسرے صحابہ و تابعین بھی تھے، تو انہوں نے دوران خطبہ اچانک چلا کر کہنا شروع کیا کہ ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ (یعنی میدان جنگ کا موجودہ مورچہ چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں چلے جاؤ اور پہاڑ کو پشت بان کر کے نیا مورچہ بنا لو، لوگوں کو یہ سن کر بڑا تعجب ہوا، اور پھر جب چند دنوں کے بعد لشکر سے ایک ایلچی آیا اور اس نے میدان جنگ کے حالات سنا کر کہا کہ امیر المؤمنین! دشمن نے تو ہمیں آلیا تھا، اور شکست سے دوچار ہوا ہی چاہتے تھے کہ اچانک ہمارے کانوں میں ایک شخص کی آواز آئی جو چلا چلا کر کہہ رہا تھا، ساریہ پہاڑ کی طرف جاؤ، چنانچہ یہ آواز سن کر ہم نے اپنا وہ مورچہ چھوڑ دیا اور پہاڑ کی سمت جا کر پہاڑ کو اپنا پشت بان بنا لیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو شکست دی۔

بعض روایتوں میں یہ بھی آیا ہے کہ جب لوگوں نے خطبہ کے دوران فاروقؓ کو اس طرح باوازلند ساریہ کو مخاطب کرتے سنا تو حیرت زدہ ہو کر کہا کہ یہاں ساریہ کو پکار رہے ہیں وہ تو (سیکنڈوں میل دور) نہادند کے مقام پر دشمن کا مقابلہ کرنے میں مصروف ہے؟ فقال واللهما القیت له بالاولانما هوشی القی علی لسانی، فاروق اعظم نے

فرمایا: دراصل میں نے ایسا ہی منزل دیکھا کہ مسلمان مصروف جنگ ہیں، اور ان کے لئے پہاڑ کو پشت بان بنا لینا نہایت ضروری ہے، اس لئے بے اختیار میری زبان سے یہ الفاظ نکل گئے، جب ساریہ کا خط اور الچی آیا، تو ٹھیک جمعہ کے روز عین نماز جمعہ کے وقت اس تاریخ کا واقعہ اس خط میں لکھا ہوا تھا اور الچی نے زبانی بھی بیان کیا۔ اس روایت کو امام بیہقی نے دلائل النبوة: ۳۷۰/۶، ابن عساکر: ۲۰ ص ۲۵، المنتظم: ۳۲۶/۳، البدایہ والنہایہ: ۱۰/۶۱۰، میں نقل کیا ہے، اور ابن کثیر نے آخر میں کہا ہے: فہذہ طرق یشد بعضہا بعضاً. وسلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: رقم ۱۱۱۰۔

اس مسئلہ کی وضاحت کے لئے بعض صوفیاء کی عبارات نقل کرتے ہیں، الفرق بین المعجزات و الکرامات ان الانبیاء علیہم السلام مأمورون باظهارہا، و الولیٰ یشد علیہ سترہا و اخفاءہا، و النبیٰ یدعی ذلک ویقطع القول بہ والولیٰ لا یدعیہا، ولا یقطع بکرامتہ، لجواز ان یکون ذلک مکراً، (رسالۃ قشیریہ: ۱۵۹)۔ اس کے حاشیہ پر شیخ الاسلام زکریا الانصاری لکھتے ہیں: بل قد یکون افضل ممن ظہر لہ کرامات لان الافضلیۃ انما ہی بزیادۃ الیقین، لا بظہور الکرامۃ۔ (۱۵۹)۔

ابویزید بسطامی فرماتے ہیں: کہ: لله خلق کثیر یمشون علی الماء و لیس لہم عند الله قیمۃ. تاریخ اسلام: للذہبی: ۲۰/۱۱۱، و حلیۃ الاولیاء: ۳۹/۱۰،

اور حلیۃ الاولیاء: ۳۵/۱۰۔ میں ان سے نقل کرتا ہے کہ ”قیل لہ انک تمر فی الهواء، قال وائی اعجوبۃ ہذا؟ طیر یا کل المیتۃ یمرفی الهواء، و المؤمن اشرف منہ۔

جبکہ حلیۃ الاولیاء: ۴۰/۱۰، میں فرماتا ہے: لو نظرتم الی رجل اعطی من الکرامات حتی یرتفع فی الهواء، فلان تغتروا بہ حتی تنظروا کیف تجدونہ عند الامر و النهی و حفظ الحدود و اداء الشریعۃ۔ تاریخ اسلام: للذہبی: ۲۰/۱۱۱، و شعب الایمان للبیہقی: ۳/۳۰۴، و الرسالۃ للقشیری: ۹۴/۔

امام ذہبی مذکورہ عبارات کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: قلت بل قد اغتر اهل زماننا و خالفوا ابایزید، و اکبر من ابی یزید، و تهافتوا علی کل مجنون بوال علی عقبیہ، لہ شیطان ینطق علی لسانہ بالمغیبات، نسأل الله السلامة۔

علی القاریؒ مرقات: ۸۴/۱، ۳۹۴، میں لکھتے ہیں: قالت الصوفیۃ، الاستقامۃ خیر من الف کرامۃ،

اور شرح فقہ اکبر: ۹۶، میں لکھتا ہے: کہ قال ابو علی الجوزجانی، کن طالب الاستقامة لا طالب الكرامة فان نفسك متحركة في طلب الكرامة وريك يطلب منك الاستقامة۔

روح المعانی: ۱۷۹/۱۱، میں لکھتا ہے: وبالجملة متى رأينا الشخص مومنا متقيا حكما نعالیه بالولاية نظرا لظاهر الحال، ووجب علينا معاملته بما هو اهله من التوقير والاحترام غير غالين فيه بتفضيله على رسول اونبى اونحو ذلك، مما عليه العوام اليوم في معاملة من يعتقدونه وليا، التي هي اشبه شئ بمعاملة المشركين من يعتقدونه الها، نسأل اللہ تعالیٰ العفو والعافية، ولا يشترط فيه صدور كرامة على يده كما يشترط في الرسول صدور معجزة، ويكفيه الاستقامة كرامة، كما يدل عليه ما اشتهر عن ابي يزيد قدس سره، بل الولي الكامل لا التفات له اليها، ولا يود صدورها على يده، الا اذا تضمنت مصلحة للمسلمين خاصة او عامة، وفي الجواهر و الدرر للشعراني سمعت شيخنا يقول:

اذا زل الولي ولم يرجع لوقته عوقب بالحجاب، وهو ان يجب اليه اظهار خرق العوائد المسماة في لسان العامة كرامات، فيظهر بها ويقول لو كنت مواخذا بهذه الذلة لقبض عنى التصريف وغاب عنه ان ذلك استدراج، بل ولو سلم من الزلة فالواجب خوفه من المكرو الاستدراج، وقال بعضهم: الكرامة حيض الرجال، ومن اغتر بالكرامات، بالكري مات، واضر الكرامات للولي ما اوجب الشهرة فان الشهرة آفة.

وقد نقل عن الخواص انها تنقص مرتبة الكمال، وايد ذلك بالاثر المشهور، خص بالبلاء من عرفه الناس، نعم ذكر في اسرار القرآن، ان الولاية لا تتم الا باربعة مقامات: الاول مقام المحبة، و الثاني مقام الشوق، و الثالث مقام العشق، و الرابع مقام المعرفة، ولا تكون المحبة الا بكشف الجمال، ولا يكون الشوق الا بالاستنشاق نسيم الوصال، ولا يكون العشق الا بدنو الانوار، ولا تكون المعرفة الا بالصحة، و تتحقق الصحة بكشف الالوهية مع ظهور انوار الصفات، ولحصول ذلك اثار وعلامات مذكورة فيه، فليراجعه من ارادها، و الكلام في هذا المقام كثير و كتب القوم ملأى منه، و ذكرناه كفاية لغرضنا، واحسن ما يعتمد عليه في معرفة الولي اتباع الشريعة الغراء، وسلوك المحجة البيضاء، فمن خرج عنها قيد شبر بعد عن الولاية بمراحل، فلا ينبغي ان يطلق عليه اسم =

وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ مَا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ

اور اسی کے پاس اصل کتاب ہے۔ [5] اور اگر ہم کوئی عذاب جس کا ان لوگوں سے وعدہ کرتے ہیں تمہیں دکھائیں

= الولی ولواتی بالف خارق، فالولی الشرعی الیوم اعز من الکبریت الاحمر، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ.

☆ واری نساء الحی غیر نسانھا

و کذافی مدارج السالکین: ۱۰۵/۲۔

مذکورہ عبارات سے یہ واضح ہوا کہ کرامت سے استقامت بہتر ہے، اگرچہ لوگوں کے نزدیک کرامت ایک بہت بڑی اور عظیم الشان چیز ہے، اور بعض جہال اس کرامت کو ولی کی الوہیت پر دلیل گردانتے ہیں، اور یہ بھی واضح ہوا کہ کرامت ولی کے اختیار میں نہیں جیسا کہ معجزہ نبی کے اختیار میں نہیں، اور معجزہ کا ظاہر کرنا نبی پر لازم ہے جبکہ ولی کو چاہئے کہ کرامت کو چھپائے۔

[5] ام الكتاب کے لفظی معنی اصل کتاب کے ہیں، مراد اس سے وہ لوح محفوظ ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا، معنی آیت کے یہ ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے ثابت اور باقی رکھتا ہے، اور اس محو و اثبات کے بعد جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے۔ جس پر نہ کسی کی دست رس ہے نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ ائمہ تفسیر میں سے سعید بن جبیر اور قتادہ وغیرہ نے اس آیت کو بھی احکام و شرائع کے محو و اثبات یعنی مسئلہ نسخ کے متعلق قرار دیا ہے، اور اس آیت کا مطلب یہ بیان فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ جو ہر زمانے اور ہر قوم کے لئے مختلف رسولوں کے ذریعہ اپنی کتابیں بھیجتے ہیں، جن میں احکام شریعت اور فرائض کا بیان ہوتا ہے یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ سب احکام دائمی ہوں اور ہمیشہ باقی رہیں۔ بلکہ قوموں کے حالات اور زمانے کے تغیرات کے مناسب اپنی حکمت کے ذریعہ جس حکم کو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں ثابت اور باقی رکھتے ہیں، اور اصل کتاب بہر حال ان کے پاس محفوظ ہے، جس میں پہلے ہی سے لکھا ہوا ہے کہ فلاں حکم جو فلاں قوم کے لئے نازل کیا گیا ہے یہ ایک خاص میعاد کے لئے یا خاص حالات کی بنا پر ہے، جب وہ میعاد گزر جائے گی یا وہ حالات بدل جائیں

گے تو یہ حکم بھی بدل جائے گا۔ اس ام الکتاب میں اس کی میعاد اور وقت مقرر بھی پوری تعین کے ساتھ درج ہے، اور یہ بھی کہ اس حکم کو بدل کر کونسا حکم لایا جائے گا۔ اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ احکام الہی کبھی منسوخ نہ ہونے چاہئیں، کیونکہ کوئی حکم جاری کرنے کے بعد منسوخ کرنا علامت اس کی ہے کہ حکم جاری کرنے والے کو حالات کا اندازہ نہ تھا اس لئے حالات دیکھنے کے بعد اس کو منسوخ کرنا پڑا، اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی شان اس سے بلند و بالا ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر ہو۔ کیونکہ تقدیر مذکور سے معلوم ہو گیا کہ جس حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہوتا ہے کہ یہ حکم صرف اتنی مدت کے لئے جاری کیا گیا ہے اس کے بعد بدلا جائے گا۔

اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کسی مریض کا حال دیکھ کر کوئی حکیم یا ڈاکٹر ایک دو اس وقت کے مناسب حال تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس دوا کا یہ اثر ہوگا، اس کے بعد اس دوا کو بدل کر فلان دوسری دوا دی جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس تفسیر کے مطابق آیت میں محو اثبات سے مراد احکام کا منسوخ ہونا اور باقی رہنا ہے اور ائمہ تفسیر کی ایک جماعت سفیان ثوریؒ، کعبؒ وغیرہ نے ابن عباسؓ سے اس آیت کی دوسری تفسیر نقل کی، جس میں مضمون آیت کو نوشتہ تقدیر کے متعلق قرار دیا ہے، اور معنی آیت کے یہ بیان کیئے گئے ہیں، کہ قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق مخلوقات کی تقدیریں اور ہر شخص کی عمر اور زندگی بھر میں ملنے والے رزق اور پیش آنے والی راحت یا مصیبت اور ان سب چیزوں کے مقدر ایں اللہ تعالیٰ نے ازل میں مخلوقات کی پیدائش سے بھی پہلے لکھی ہوئی ہیں۔ پھر بچہ کی پیدائش کی وقت فرشتوں کو بھی لکھوا دیا جاتا ہے اور ہر سال شب قدر میں اس سال کے اندر پیش آنے والے معاملات کا رقعہ فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہر فرد مخلوق کی عمر، رزق، حرکات و سکنات سب متعین ہیں۔ اور لکھے ہوئے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اس نوشتہ تقدیر میں سے جس کو چاہتے ہیں مٹا دیتے ہیں، اور جس کو چاہتے ہیں باقی رکھتے ہیں ”و عندہ ام الكتاب“ یعنی اصل کتاب جس کے مطابق محو اثبات کے بعد انجام کار عمل ہونا ہے۔ وہ اللہ کے پاس ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ تشریح اس کی یہ ہے کہ بہت سی احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال سے انسان کی عمر اور رزق بڑھ جاتے ہیں بعض سے گھٹ جاتے ہیں صحیح بخاری میں ہے کہ صلہ رحمی زیادتی عمر کا سبب بنتی ہے۔ اور مسند احمد کی روایت میں ہے کہ بعض اوقات آدمی کوئی ایسا گناہ کرتا ہے کہ اس کے سبب رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے اور ماں باپ کے خدمت اور اطاعت سے عمر بڑھ جاتی ہے اور تقدیر الہی کو کوئی چیز بجز دعا کے نال نہیں سکتی۔ ان تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عمر یا رزق وغیرہ کسی کی تقدیر میں لکھ دیئے ہیں، وہ بعض اعمال کی وجہ سے کم یا زیادہ ہو سکتے ہیں، اور دعاء کی وجہ سے بھی

تقدیر بدل جاسکتی ہے۔ اس آیت میں اسی مضمون کا بیان اس طرح کیا گیا کہ کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی عمر یا رزق یا مصیبت یا راحت وغیرہ میں جو تغیر و تبدل کسی عمل یا دعا کی وجہ سے ہوتا ہے، اس سے مراد وہ کتاب تقدیر ہے جو فرشتوں کے ہاتھ یا ان کے علم میں ہے۔ اس میں بعض اوقات کوئی حکم کسی خاص شرط پر معلق ہوتا ہے جب وہ شرط نہ پائی جائے تو یہ حکم بھی نہیں رہتا اور پھر یہ شرط بعض اوقات تو تحریر میں لکھی ہوئی فرشتوں کے علم میں ہوتی ہے، بعض اوقات لکھی نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ کی علم میں ہوتی ہے جب وہ حکم بدلا جاتا ہے تو سب حیرت میں رہ جاتے ہیں اس طرح کی تقدیر معلق کہلاتی ہے جس میں اس آیت کی تصریح کے مطابق محو و اثبات ہوتا رہتا ہے، لیکن آیت کی آخری جملہ ”وعنده ام الكتاب“ نے یہ بتلادیا کہ اس تقدیر معلق کے اوپر ایک تقدیر مبرم ہے جو ام الكتاب میں لکھی ہوئی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، وہ صرف علم الہی کے لئے مخصوص ہے اس میں وہ احکام لکھے جاتے ہیں جو شرائط اعمال یا دعا کے بعد آخری نتیجہ کے طور پر ہوتے ہیں اسے لئے وہ محو و اثبات اور کمی بیشی سے بالکل بری ہے۔ (ابن کثیر)۔

لیکن اس سے مراد ہرگز یہ نہیں ہے جو کہ عوام میں مشہور ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں ایک معلق دوسرا مبرم۔ اور پھر ہر ایک کا تفسیر اپنی طرف سے کرتے ہیں۔ ابن کثیر نے حسن بصری سے نقل کیا ہے کہ ”یمحوا اللہ ما یشاء“ قال من جاء اجله فذهب ويثبت الذی هو حی یجرى الى اجله و کذا قال ابن جریر، یعنی جس کی اجل آجائے چل بستا ہے، نہ آئی ہو رہ جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے دن پورے کر لے، ابن جریر بھی اس قول کو پسند فرماتے ہیں۔ اور قتادہ سے نقل کرتے ہیں کہ: هذا کقولہ ”مانسخ من اية اونسها“ (بقرہ: ۱۰۶) یعنی یہ آیت مثل آیت سورہ بقرہ کے ہے، یعنی جو چاہے منسوخ کر دے جو چاہے باقی اور جاری رکھے۔

اور ابن جریر نے ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ قال اللہ تعالیٰ ”ما یلفظ من قول“ الاية (ق: ۱۸) قال یکتب کل من تکلم به من خیر او شر حتی انه یکتب قوله اکتل و شربت و ذہبت و جئت و رأیت وغیرہ حتی اذا کان یوم الخمیس و عرض قوله و عمله سائرہ فذلک قوله تعالیٰ یمحوا اللہ ما یشاء الخ۔ یعنی سب باتیں لکھی جاتی ہیں، جمعرات کے دن ان میں سے جو باتیں سزا و جزاء سے خالی ہوں نکال دی جاتی ہیں جیسے تیرا یہ قول کہ میں نے کھایا، میں نے پیا، میں آیا، میں گیا وغیرہ جو سچی باتیں ہیں اور ثواب و عذاب کی چیزیں نہیں، اور باقی جو ثواب عذاب کی چیزیں ہیں وہ رکھ لی جاتی ہیں۔ =

أَوْ تَوَفَّيْنَاكَ فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۲۰﴾

یا تجھے اٹھا لیں سو تیرے ذمہ تو پہنچا دینا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے۔

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو اُس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں

وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾

اور اللہ (جیسا چاہتا ہے) حکم کرتا ہے کوئی اُس کے حکم کا رد کرنے والا نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے

= ابن ابی العزاس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: وقيل الزيادة والنقصان في الصحف التي في ايدي الملائكة وحمل قوله تعالى: (هذه الاية) على ان المحو والاثبات من الصحف التي في ايدي الملائكة وان قوله وعنده ام الكتاب اللوح المحفوظ ويدل على هذا سياق الاية وهو قوله تعالى: لكل اجل كتاب ثم قرأ (هذه الاية) اي من ذلك الكتاب. وعنده ام الكتاب اي اصله، وهو اللوح المحفوظ وقيل يمحوا الله ما يشاء من الشرائع وينسخه ويثبت ما يشاء فلا ينسخه، و السياق ادل على هذا الوجه من الوجه الاول، وهو قوله تعالى: وما كان لرسول ان يأتي باية، الاية فاخبر تعالى ان الرسول لا يأتي بالايات من قبل نفسه، بل من عند الله، ثم قال لكل اجل كتاب، الاية اي ان الشرائع لها اجل وغاية تنتهي اليها، ثم تنسخ بالشرعية الاخرى، فينسخ الله ما يشاء من الشرائع عند انقضاء الاجل ويثبت ما يشاء.

یعنی اس سے مراد وہ زیادتی اور کمی ہے جو صحیفوں میں ہے، وہ صحیفیں جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے اسی طرح یہ آیت بھی اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ محو و اثبات صحیفوں سے ہے جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے اور ام الكتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ بعض کہتے ہیں اللہ پاک جن شرائع کو منسوخ کرنا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، اور جن شرائع کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے۔ اور سیاق آیت اسی پر واضح دلالت کرتا ہے۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا ط
 جو لوگ اُن سے پہلے تھے وہ بھی (بہت) چالیں چلتے رہیں سو چال تو سب اللہ ہی کی ہے۔
 يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ط وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾
 ہر نفس جو کچھ کر رہا ہے وہ اُسے جانتا ہے اور کافر جلد معلوم کر لیں گے کہ عاقبت کا گھر (یعنی انجامِ محمود) کس کیلئے ہے
 وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفَى بِاللَّهِ
 اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ تم (اللہ کے) رسول نہیں ہو۔ کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ
 شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴿۲۳﴾
 اور وہ شخص جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا علم ہے گواہ کافی ہے۔

سورة ابراهيم (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الرَّكِتَبُ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ
 آکر۔ (یہ) ایک کتاب (ہے) اس کو ہم نے تم پر اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر روشنی کی
 بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿۱﴾ اللّٰهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي
 طرف لے جاؤ (یعنی) ان کے رب کے حکم سے غالب اور قابلِ تعریف (اللہ کے) رستے کی طرف۔ وہ اللہ کہ جو کچھ آسمانوں
 السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَوَيْلٌ لِّلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿۲﴾
 اور زمین میں ہے سب اُسی کا ہے اور کافروں کیلئے سخت عذاب (کی وجہ) سے خرابی ہے

الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
 جو آخرت کی نسبت دنیا کو پسند کرتے ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکتے
 وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۗ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ﴿۳۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا
 اور اس میں کبھی چاہتے ہیں یہ لوگ پرلے سرے کی گمراہی میں ہیں۔ اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا
 مِنْ رَسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلَّ اللَّهُ
 مگر اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ انہیں (احکامِ الہی) کھول کھول کر بتا دے پھر اللہ جسے چاہتا ہے
 مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۳۴﴾
 گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے [1]

[1] ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک دن اپنی مجلس میں فرمایا کہ: ان اللہ تعالیٰ فضل محمد ﷺ
 علی الانبیاء وعلی اهل السماء فقالوا یا ابا عباس ، بم فضله اللہ علی اهل السماء؟ قال ان اللہ تعالیٰ قال
 لا اهل السماء ﴿۳۳﴾ ومن یقل منهم انی الہ من دونہ فذلک نجزیہ جہنم کذلک نجزی الظالمین ﴿۳۴﴾
 (انبیاء: ۲۹) وقال اللہ تعالیٰ لمحمد ﷺ اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿۳۳﴾ لِيُغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ
 ذَنْبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَیْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا ﴿۳۴﴾ (فتح)۔ قالوا و ما فضله علی
 الانبیاء؟ قال ، قال اللہ تعالیٰ ، ﴿۳۳﴾ وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ ﴿۳۴﴾ (هذه الاية) وقال تعالیٰ
 لمحمد ﷺ ﴿۳۳﴾ وما ارسلناک الا کافة للناس ﴿۳۴﴾ (سبا: ۲۸) فارسله الی الجن و الانس. سنن
 دارمی: ۴۶۔ یعنی ، اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو تمام انبیاء علیہم السلام اور اہل اسمان فرشتوں پر فضیلت عطا فرمائی ہے،
 حاضرین مجلس نے یہ سن کر سوال کیا کہ اے ابو عباس! اہل اسمان پر نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح پر فضیلت دی
 ہے؟ ابن عباسؓ نے کہا اللہ تعالیٰ نے اہل اسمان سے تو یوں خطاب فرمایا: (ومن یقل منهم ، الاية) گویا اس خطاب میں
 نہ صرف یہ کہ نہایت سخت انداز اور رعب و دہد بہ کا اظہار کیا بلکہ سخت عذاب کی دھمکی بھی دی گئی، جبکہ نبی کریم ﷺ کو خطاب

فرمایا گیا تو بڑی ملامت، مہربانی اور کرم و عنایت کا انداز اختیار فرمایا گیا، چنانچہ محمد ﷺ سے اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا: (ترجمہ) اے محمد ﷺ ہم نے تمہارے لئے عظمتوں اور برکتوں کے دروازے پوری طرح کھول دیئے ہیں، (جیسا کہ مکہ کا فتح ہونا) اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے تمہارے اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے ہیں، لوگوں نے عرض کیا کہ اچھا یہ بتائے کہ تمام انبیاء پر نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے کس طور سے فضیلت دی ہے؟ ابن عباسؓ نے کہا اللہ تعالیٰ نے دوسرے انبیاء کی نسبت یوں فرمایا: (ترجمہ) یعنی ہم نے ہر نبی کو اس کی قوم کی زبان کے ساتھ بھیجا، تا کہ وہ قوم کے سامنے اللہ کے احکام و قوانین بیان کرے، اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کر دیتا ہے الخ۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کے بارے میں یہ فرمایا: (ترجمہ) یعنی اے محمد ﷺ ہم نے آپ ﷺ کو تمام لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ جس طرح پچھلی امتوں کے رسول ان کے ہم زبان بھیجے گئے ان کو ترجمہ کرنے کی محنت کی ضرورت نہ رہی، رسول کریم ﷺ صرف عرب میں عربی زبان کے ساتھ کیوں مبعوث ہوئے؟ اور آپ کی کتاب قرآن بھی عربی زبان ہی میں کیوں نازل ہوئی؟ لیکن غور و فکر سے کام لیا جائے تو جواب صاف ہے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ کی بعثت اور دعوت تمام اقوام دنیا کے لئے عام ہوئی (جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا) جن میں سینکڑوں زبانیں رائج ہیں، تو ان سب کی ہدایت کے لئے دو ہی صورتیں ممکن تھیں، ایک یہ کہ قرآن ہر قوم کی زبان میں جدا جدا نازل ہوتا، اور رسول کریم ﷺ کی تعلیمات و ہدایات بھی ہر قوم کی زبان میں جدا جدا ہوتیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے اس کا انتظام کوئی دشوار نہ تھا، لیکن تمام اقوام عالم کے لئے ایک رسول ایک کتاب ایک شریعت بھیجنے کا جو ایک عظیم مقصد ان تمام اقوام عالم میں ہزاروں طرح کے اختلافات کے باوجود دینی، اخلاقی، معاشرتی وحدت اور یکجہتی پیدا کرنا ہے، وہ اس صورت سے حاصل نہ ہوتا۔

اس کے علاوہ جب ہر قوم، ہر ملک کا قرآن وحدیث الگ زبان میں ہوتے تو اس میں تحریف قرآن کے بے شمار راستے کھل جاتے، اور قرآن کریم کے کلام کا محفوظ ہونا جو اس کی ایسی خصوصیت ہے کہ اغیار اور منکرین قرآن بھی اس کے تسلیم کرنے سے انکار نہیں کر سکتے، یہ معجزانہ خصوصیت قائم نہ رہتی، اور ایک ہی دین ایک ہی کتاب کے ہوتے ہوئے اس کے ماننے والوں کی اتنی مختلف راہیں ہو جاتیں کہ کوئی نقطہ وحدت ہی باقی نہ رہتا، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کے ایک عربی زبان میں نازل ہونے کے باوجود اس کی تعبیر و تفسیر میں کس قدر اختلافات جائز حدود میں پیش آئے، اور ناجائز و باطل طریقوں سے اختلاف کی تو کوئی حد نہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود مسلمانوں کی قومی وحدت اور ممتاز

تشخص ان سب لوگوں میں موجود ہے جو قرآن پر کسی درجہ میں بھی عامل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کی رسالت و بعثت کا پوری اقوام دنیا کے لئے عام ہونے کی صورت میں ان سب کی تعلیم و ہدایت کی یہ صورت کہ قرآن ہر قوم کی زبان میں الگ الگ ہوتا اس کو تو کوئی ادنیٰ سمجھ کا آدمی بھی درست نہیں سمجھ سکتا، اس لئے ضروری ہوا کہ قرآن کسی ایک ہی زبان میں آئے۔ اور رسول کی زبان بھی وہی قرآن کی زبان ہو، پھر دوسری ملکی اور علاقائی زبانوں میں اس کے ترجمے پہنچائے اور پھیلانے جائیں، رسول کریم ﷺ کے نائب علماء ہر قوم ہر ملک میں آپ کی دی ہوئی ہدایات کو اپنی اپنی قوم و ملک کی زبان میں سمجھائیں، اور شائع کریں، اس کے لئے حق تعالیٰ شانہ نے تمام دنیا کی زبانوں میں سے عربی زبان کا انتخاب فرمایا جس کی بہت سی وجوہ ہیں۔

اول یہ کہ عربی زبان آسمان کی دفتری زبان ہے۔ فرشتوں کی زبان عربی ہے، لوح محفوظ کی زبان عربی ہے، جیسا کہ آیت قرآن: ”بل هو قرآن مجید، فی لوح محفوظ“ (بروج: ۲۱، ۲۲) سے معلوم ہوتا ہے، اور جنت جو انسان کا وطن اصلی ہے، اور جہاں اس کو لوٹ کر جانا ہے، اس کی زبان بھی عربی ہے، طبرانی فی الکبیر (۱۸۵/۱۱)، مستدرک حاکم (۸۷/۴)، شعب الایمان (۳۵/۳)، میں بروایت عبداللہ بن عباس منقول ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: ”احبو العرب لثلاث، لانہی عربی، و القرآن عربی، و کلام اهل الجنة عربی“۔

اس روایت کو حاکم نے مستدرک میں صحیح کہا ہے، جامع صغیر میں بھی صحیح کی علامت بتائی ہے، حافظ حدیث ابن تیمیہ نے کہا ہے کہ مضمون اس حدیث کا ثابت ہے درجہ حسن سے کم نہیں۔ (فیض القدر شرح جامع صغیر: ۱۷۹/۱)۔
معنی حدیث کے یہ ہیں کہ تم لوگ تین وجہ سے عرب سے محبت کرو، ایک یہ کہ میں عربی ہوں، دوسرے یہ کہ قرآن عربی ہے، تیسرے یہ کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے۔

تفسیر قرطبی وغیرہ میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ آدم علیہ السلام کی زبان جنت میں عربی تھی، زمین پر نازل ہونے اور توبہ قبول ہونے کے بعد عربی ہی زبان میں کچھ تغیرات ہو کر سریانی زبان پیدا ہو گئی، عربی زبان کے انتخاب کی ایک وجہ خود اس زبان کی ذاتی صلاحیتیں بھی ہیں کہ ایک مفہوم کی ادائیگی کے لئے اس میں بے شمار صورتیں اور طریقے ہیں۔

اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر عربی زبان سے ایک مناسبت عطا فرمائی ہے، جس کی وجہ سے ہر شخص باسانی عربی زبان بقدر ضرورت سیکھ لیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام جس ملک میں پہنچے، تھوڑے

ہی عرصہ میں بغیر کسی جبر واکراہ کے پورے ملک کی زبان عربی ہو گئی، مصر، شام، عراق سب میں کسی کی زبان بھی عربی نہ تھی، جو آج عربی ممالک کہلاتے ہیں۔

ایک یہ وجہ بھی ہے کہ عرب لوگ اگرچہ اسلام سے پہلے سخت بد اعمالیوں کے شکار تھے۔ مگر اس قوم کی صلاحیتیں اور ملکات اور جذبات ان حالتوں میں بھی بے نظیر تھے، یہی وجہ تھی کہ حق تعالیٰ نے اپنے سب سے بڑے اور آخری رسول کو ان میں پیدا فرمایا، اور ان کی زبان کو قرآن کے لئے اختیار فرمایا، اور رسول کریم ﷺ کو سب سے پہلے انہی کی ہدایت و تعلیم کا حکم دیا: ”وانذر عشیرتک الاقربین“ (شعراء: ۲۱۴) اور سب سے پہلے اسی قوم کے ایسے افراد اپنے رسول کے گرد جمع فرمادیئے، جنہوں نے رسول کریم ﷺ پر اپنی جان، مال، اولاد سب کچھ قربان کیا، اور آپ کی تعلیمات کو جانوں سے زیادہ عزیز سمجھا، اور اس طرح ان پر رسول کریم ﷺ کی صحبت و تعلیم کا وہ گہرا رنگ چڑھا کہ پوری دنیا میں ایک ایسا مثالی معاشرہ پیدا ہو گیا جس کی نظیر اس سے پہلے آسمان و زمین نے نہیں دیکھی تھی، رسول کریم ﷺ نے اس بے مثال جماعت کو قرآنی تعلیمات کے پھیلائے اور شائع کرنے کیلئے کھڑا کر دیا اور فرمایا: ”بلغوا عنی ولو اایة“ (بخاری: ۳۴۶۱، عن عبد اللہ بن عمرو) یعنی مجھ سے سنی ہوئی ہر بات کو امت تک پہنچا دو جاں نثار صحابہ نے اس ہدایت کو پہلے باندھا، اور دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ کر قرآن اور اس کی تعلیمات کو جہان میں پھیلا دیا، رسول کریم ﷺ کی وفات پر پچیس سال گزرنے نہ پائے تھے کہ قرآن کی آواز مشرق و مغرب میں گونجنے لگی۔

دوسری طرف حق تعالیٰ نے تقدیری اور تکوینی طور پر رسول کریم ﷺ کی امت دعوت جس میں دنیا کے مشرکین اور اہل کتاب یہود و نصاریٰ سب داخل ہیں، ان میں ایک خاص ملکہ اور جذبہ تعلیم و تعلم اور تصنیف و تالیف، تبلیغ و اشاعت کا ایسا پیدا فرمایا کہ اس کی نظیر دنیا کی چھلی تاریخ میں نہیں ملتی، اس کے نتیجے میں عجمی اقوام میں نہ صرف قرآن و سنت کے علوم حاصل کرنے کا قوی جذبہ پیدا ہوا بلکہ عربی زبان کو حاصل کرنے اور اس کی ترویج و اشاعت میں عجمیوں کا قدم عرب سے پیچھے نہیں رہا۔

یہ ایک حیرت انگیز حقیقت ہے کہ اس وقت عربی لغت اور محاورات اور اس کے قواعد نحو و صرف (گرامر) پر جتنی کتابیں دنیا میں موجود ہے، وہ بیشتر عجمیوں کی لکھی ہوئی ہیں، قرآن و سنت کی جمع و تدوین، پھر تفسیر و تشریح میں بھی ان کا حصہ عربوں سے کم نہیں رہا۔

اس طرح رسول کریم ﷺ کی زبان اور آپ کی کتاب عربی ہونے کے باوجود پورے عالم پر محیط =

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے آؤ

وَذَكِّرْهُمْ بِآيَمِ اللَّهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٤١﴾

اور اُن کو اللہ کے دن یاد دلاؤ اس میں اُن لوگوں کیلئے جو صابر (وشاکر) ہیں (قدرت الہی کی) نشانیاں ہیں

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَاكُمْ مِنْ آلِ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ نے جو تم پر مہربانیاں کی ہیں اُن کو یاد کرو جب کہ تمہیں فرعون کی قوم (کے ہاتھ)

فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيَدَّبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ

سے مخلصی دی وہ لوگ تمہیں بُرے عذاب دیتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور عورت ذات یعنی تمہاری لڑکیوں کو

نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكَ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿١٤٢﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ

زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی (سخت) آزمائش تھی۔ اور جب تمہارے رب نے (تم

لِئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلِئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ﴿١٤٣﴾

کو) آگاہ کیا کہ اگر شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو (یاد رکھو کہ) میرا عذاب (بھی) سخت ہے

= ہوگئی۔ اور دعوت و تبلیغ کی حد تک عرب و عجم کا فرق مٹ گیا، ہر ملک و قوم اور ہر جمعی زبان کے لوگوں میں ایسے علماء

پیدا ہو گئے جنہوں نے قرآن و سنت کی تعلیمات کو اپنی قومی زبانوں میں نہایت سہولت کے ساتھ پہنچا دیا، اور رسول

کریم ﷺ کو قوم کی زبان میں بھیجنے کی جو حکمت تھی وہ حاصل ہوگئی۔ آخر آیت میں فرمایا کہ ہم نے لوگوں کی سہولت کے لئے

اپنے رسولوں کو ان کی زبان میں اس لئے بھیجا کہ وہ ہمارے احکام ان کو اچھی طرح سمجھادیں، لیکن ہدایت اور گمراہی پھر بھی

کسی انسان کے بس میں نہیں، اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے، وہ جس کو چاہتے ہیں گمراہی میں رکھتے ہیں، جس کو چاہتے

ہیں ہدایت دیتے ہیں، وہی بڑی قوت اور حکمت والے ہیں۔

وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرُوا أَنتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ

اور موسیٰ نے (صاف صاف) کہہ دیا کہ اگر تم اور جتنے اور لوگ زمین میں ہیں سب کے سب ناشکری کرو تو اللہ بھی بے نیاز

حَمِيدٌ ﴿٨﴾ لَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ

(اور) قابلِ تعریف ہے۔ بھلا تمہیں ان لوگوں (کے حالات) کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے (یعنی) نوح اور عاد اور ثمود

وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

کی قوم اور جو ان کے بعد تھے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں (جب) ان کے پاس پیغمبر نشانیاں لے کر آئے

فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ

تو انہوں نے اپنے ہاتھوں پر رکھ دیئے (کہ خاموش رہو) اور کہنے لگے کہ ہم تو تمہاری رسالت کو تسلیم نہیں

وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ﴿٩﴾ قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِى اللَّهِ

کرتے اور جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے قوی شک میں ہیں ان کے پیغمبروں نے کہا کہ کیا (تمہیں) اللہ کے

شَكِّ فَاطِرِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِنْ ذُنُوبِكُمْ

(بارے) میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟ وہ تمہیں اس لئے بلاتا ہے کہ تمہارے گناہ بخشے

وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ط قَالُوا إِنَّا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا

اور فائدہ پہنچانے کیلئے ایک مدت مقرر تک تمہیں مہلت دے۔ وہ بولے تم تو ہمارے ہی جیسے آدمی ہو تمہارا یہ منشاء ہے کہ جن

تُرِيدُونَ أَنْ تَصُدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَاتُونَا بِسُلْطَنِ مَبِينٍ ﴿١٠﴾

چیزوں کو ہمارے بڑے پوجتے رہے ہیں ان (کے پوجنے) سے ہمیں بند کر دو تو (اچھا) کوئی کھلی دلیل لاؤ (یعنی معجزہ دکھاؤ)

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنَّا نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ

پیغمبروں نے ان سے کہا کہ ہاں ہم تمہارے ہی جیسے آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (نبوت کا)

يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ
احسان کرتا ہے اور ہمارے اختیار کی بات نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر تمہیں (تمہاری فرمائش کے مطابق) معجزہ دکھائیں

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾ وَمَا لَنَا أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ

اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے۔ اور ہم کیونکر اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں حالانکہ اُس نے ہمیں ہمارے (دین کے

هَدَانَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ

سیدھے) رستے بتائے ہیں اور جو تکلیفیں تم ہمیں دیتے ہو اُس پر صبر کریں گے اور اہل توکل کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے

﴿١٢﴾ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُوذُنَّ

اور جو کافر تھے انہوں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ (یا تو) ہم تمہیں اپنے ملک سے باہر نکال دیں گے یا ہمارے مذہب

فِي مِلَّتِنَا فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ﴿١٣﴾ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ

میں داخل ہو جائے تو اللہ نے اُن کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر دیں گے۔ اور اُن کے بعد تمہیں اس زمین میں

الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ ذَلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ﴿١٤﴾

آباد کریں گے۔ یہ اُس شخص کیلئے ہے جو (قیامت کے روز) میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرے اور میرے عذاب

وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ﴿١٥﴾ لَمَّا بَلَغَ لَأْنُهُ

سے خوف کرے۔ اور پیغمبروں نے (اللہ سے اپنی) فتح چاہی تو ہر سرکش ضدی نامراد رہ گیا۔ اُس کے پیچھے دوزخ ہے

جَهَنَّمَ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَّاءٍ صَدِيدٍ ﴿١٦﴾ بَجَرَعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ

اور اُسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا۔ اس کو گھونٹ گھونٹ پئے گا اور گلے سے نہیں اتار سکے گا اور ہر طرف سے اُسے موت

الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ﴿١٧﴾

آ رہی ہو گی مگر وہ مرنے میں نہیں آئے گا اور اُس کے پیچھے سخت عذاب ہو گا۔

مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ

جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال راکھ کی سی ہے کہ آندھی کے دن اُس پر زور کی ہوا چلے (اور)

عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ البُعِيدُ

اُسے اڑا لے جائے (اسی طرح) جو کام وہ کرتے رہے ان پر ان کو کچھ دسترس نہ ہوگی یہی تو پر لے سرے کی گمراہی ہے

۱۸۰ لَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر سے پیدا کیا ہے اگر وہ چاہے تو تمہیں نابود کر دے

وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ۗ ۱۸۱ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ۗ ۱۸۰

اور (تمہاری جگہ) نئی مخلوق پیدا کر دے۔ اور یہ اللہ کو کچھ بھی مشکل نہیں

وَبَرَزُوا لِلَّهِ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا

سب لوگ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو ضعیف (عقل تبع اپنے روسائے) متکبرین سے کہیں گے

إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ قَالُوا لَوْ

کہ ہم تو تمہارے پیرو تھے کیا تم اللہ کا کچھ عذاب ہم پر سے دفع کر سکتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اگر

هَدَانَا اللَّهُ لَهْدَيْنَاكُمْ سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرُ عَنَّا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ

اللہ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں ہدایت کرتے اب ہم چلائیں یا صبر کریں ہمارے حق میں برابر ہے کوئی جگہ (گریز اور)

مَّحِيصٍ ۗ ۱۸۱ قَالِ الشَّيْطَانُ لِمَا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ

رہائی کی ہمارے لئے نہیں ہے۔ جب (حساب کتاب کا) کام فیصل ہو چکے گا تو شیطان کہے گا (جو) وعدہ اللہ نے تم سے کیا

وَعَدَ الْحَقُّ وَوَعَدْتُمْ فَأَخْلَفْتُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ

تھا (وہ تو) سچا (تھا) اور (جو) وعدہ میں نے تم سے کیا تھا وہ جھوٹا تھا اور میرا تم پر کسی طرح کا زور نہیں تھا

إِلَّا أَنْ دَعَوْتُمْكُمْ فَأَسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَآتُلُومُونِي

ہاں میں نے تمہیں (گراہی کی طرف) بلایا تو تم نے (جلدی سے) میرا کہا مان لیا تو (آج) مجھے ملامت نہ کرو

وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ إِنِّي كَفَرْتُ

بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو، نہ میں تمہاری فریادری کر سکتا ہوں اور نہ تم میری فریادری کر سکتے ہو، میں اس بات سے انکار

بِمَا أَشْرَكْتُمُونَ مِنْ قَبْلُ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۲﴾

کرتا ہوں کہ تم مجھے شریک بناتے تھے۔ بیشک جو ظالم ہیں ان کیلئے دردناک عذاب ہے

وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہ باغات میں داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿۲۳﴾

نہریں بہ رہی ہیں، اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ ان میں رہیں گے، وہاں ان کی دعائے ملاقات سلام ہے

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت

أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴿۲۴﴾ تَوْتَىٰ أَكْلَهَا كُلِّ حِينٍ

جس کی جڑ مضبوط (یعنی زمین کو پکڑے ہوئے) ہو اور شاخیں آسمان میں۔ اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا

بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۵﴾

(اور میوے) دیتا ہو اور اللہ لوگوں کیلئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا

اور ناپاک بات کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے (نہ جڑ مستحکم نہ شاخیں بلند) زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے،

﴿۲۴﴾ یَسْتَبِثُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اُس کو ذرا بھی قرار (وثبات) نہیں۔ اللہ مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے [2] دنیا کی زندگی میں

﴿۲۷﴾ وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿۲۷﴾

[۲۷] بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا) اور اللہ بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

﴿۲۸﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَةَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبُورِ ﴿۲۸﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا

﴿۲۹﴾ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ جَعَلُوا لِلَّهِ أُنْدَادًا

(وہ گھر) دوزخ ہے (سب ناشکرے) اس میں داخل ہوں گے اور وہ برا ٹھکانہ ہے۔ اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کئے

[2] تمام مفسرین، محدثین اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ آیت عذاب قبر کے بارے میں نازل ہوئی۔ خود نبی

کریم ﷺ سے بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی منقول ہے۔ چنانچہ براء بن عازبؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا

: إِذَا قَعَدَ الْمُؤْمِنُ فِي قَبْرِهِ أُنِي، ثُمَّ شَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ، فَذَلِكَ قَوْلُهُ

﴿يَسْتَبِثُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ الْآيَةَ مُؤْمِنٌ جَبَّ أُنِي قَبْرٍ فِي بَيْتِهَا جَائِزًا هُوَ تَوَاسُّلُكَ فِي الْبُورِ فَتَسْتَبِثُ

آتے ہیں، پھر وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ پس یہی

مطلب ہے اللہ کے اس قول ﴿يَسْتَبِثُ اللَّهُ﴾ الْآيَةَ كَمَا۔ (بخاری: رقم: ۴۶۹۹)۔ محمد بن بشر کی روایت کے الفاظ یہ ہیں

: ﴿يَسْتَبِثُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا...﴾ نَزَلَتْ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ، يَعْنِي يَسْتَبِثُ آيَةَ عَذَابِ الْقَبْرِ كَمَا نَزَلَتْ هُوَ فِي

(بخاری کتاب الجنائز رقم: ۱۳۶۹) اسی طرح ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمَنْ أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي

فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا، الْآيَةَ طه: ۱۲۲ تا ۱۲۶۔ سورہ مومن کی آیت: ۴۵، ۴۶ میں بھی عذاب قبر کا مسئلہ ہے سورہ

الذکاء کا بھی عذاب قبر کے متعلق ہے۔

لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهِ قُلْ تَمَتَّعُوا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ﴿۳۰﴾

کہ (لوگوں کو) اس کے رستے سے گمراہ کر دیں، کہہ دو کہ (چند روز) فائدے اٹھا لو آخر کار تمہیں دوزخ کی طرف لوٹ کر جانا ہے

قُلْ لِّلْعٰبٰدِي الْاٰذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ

(اے پیغمبر!) میرے مومن بندوں سے کہہ دو کہ نماز قائم کریں

وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَعَلٰنِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَ يَوْمٌ لَا يَبِيْعُ فِيْهِ

اور اس دن کے آنے سے پیشتر جس میں نہ (اعمال کا) سودا ہوگا اور نہ دوستی (کام آئے گی) ہمارے دینے ہوئے مال میں

وَلَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ

سے در پردہ اور ظاہر خرچ کرتے رہیں۔ اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور آسمان سے مینہ

مِنَ السَّمٰوٰتِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ

برسایا پھر اُس سے تمہارے کھانے کیلئے پھل پیدا کئے

وَسَخَّرَ لَكُمْ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمْ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾

اور کشتیوں (اور جہازوں) کو تمہارے زیرِ فرماں کیا تاکہ دریا (اور سمندر) میں اس کے حکم سے چلیں اور نہروں کو بھی تمہارے زیرِ فرماں کیا

وَسَخَّرَ لَكُمْ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دٰآئِبِيْنَ وَسَخَّرَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿۳۳﴾

اور سورج اور چاند کو تمہارے لئے کام میں لگا دیا کہ دونوں (دن رات) ایک دستور پر چل رہے ہیں اور رات اور دن کو بھی تمہاری خاطر کام میں لگا دیا

وَآتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعَدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

اور جو کچھ تم نے مانگا سب میں سے تمہیں عنایت کیا اور اگر اللہ کے احسان گننے لگو تو شمار نہ کر سکو

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفٰرٌ ﴿۳۴﴾ وَاذْكَرَ اِبْرٰهِيْمَ

(مگر لوگ نعمتوں کا شکر نہیں کرتے) کچھ شک نہیں کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکر ہے۔ اور جب ابراہیم نے دعا کی

رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴿۱۱۱﴾

کہ میرے پروردگار! اس شہر کو (لوگوں کیلئے) امن کی جگہ بنا دے اور مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ بتوں کی پرستش کرنے لگیں بچائے رکھ

رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعْنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي

اے اللہ! انہوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے سو جس شخص نے میرا کہا مانا وہ میرے سے اور جس نے میری نافرمانی کی

فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۲﴾ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بُوَادٍ غَيْرِ

تو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اے اللہ! میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں جہاں

ذِي زُرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنْ

کھیتی نہیں تیرے عزت و حرمت والے گھر کے پاس لا بسائی ہے، اے اللہ! تاکہ یہ نماز پڑھیں، تو لوگوں کے دلوں کو ایسا

النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ﴿۱۱۳﴾

کر دے کہ ان کی طرف جگھے رہیں اور ان کو پلوں سے روزی دے تاکہ (تیرا) شکر کریں

رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ

اے اللہ! جو بات ہم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں تو سب جانتا ہے۔ اور اللہ سے کوئی چیز مخفی نہیں

فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ﴿۱۱۴﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَىٰ

(نہ) زمین میں نہ آسمان میں۔ اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے بڑی عمر میں

الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۱۱۵﴾

اسماعیل اور اسحاق بخشنے بیٹک میرا رب دعا سننے والا ہے۔

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ﴿۱۱۶﴾

اے اللہ! مجھے (ایسی توفیق عنایت) کر کہ نماز پڑھتا رہوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش) اے اللہ! میری دعا قبول فرما

رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ﴿٢١١﴾

اے اللہ! حساب (کتاب) کے دن مجھے اور میرے ماں باپ کو اور مومنوں کی مغفرت فرما

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ

اور (مومنوں) مت خیال کرنا کہ یہ ظالم جو عمل کر رہے ہیں اللہ ان سے بجزر ہے۔ وہ ان کو اس دن تک مہلت دے رہا ہے

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿٢١٢﴾ طَعِينٌ مُّقْنِعِي رُءُوسِهِمْ

جب کہ (دہشت کے سبب) آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی۔ (اور لوگ) سر اٹھائے ہوئے (میدانِ قیامت کی طرف)

لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ﴿٢١٣﴾

دوڑ رہے ہوں گے۔ ان کی نگاہیں ان کی طرف لوٹ نہ سکیں گی اور ان کے دل (مارے خوف کے) ہوا ہورہے ہوں گے

وَأَنذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا

اور لوگوں کو اس دن سے آگاہ کر دو جب ان پر عذاب آ جائے گا تب ظالم لوگ کہیں گے کہ اے ہمارے رب!

أَخْرَجْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ نُّجِبُ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ

ہمیں تھوڑی سی مہلت عطا کرتا کہ ہم تیری دعوت (توحید) قبول کریں اور (تیرے) پیغمبروں کے پیچھے چلیں

أَوْلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَّا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ﴿٢١٤﴾

(تو جواب ملے گا کہ) کیا تم پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تم کو (اس حال سے جس میں تم ہو) زوال (اور قیامت کو حساب اعمال) نہیں ہوگا

وَسَاكِنْتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ

جو لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے تم ان کے مکانات میں رہتے تھے اور تم پر ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان لوگوں کیساتھ

كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ ﴿٢١٥﴾

کس طرح (کا معاملہ) کیا تھا اور تمہارے (سمجھانے) کیلئے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں

وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ

اور انہوں نے (بڑی بڑی) تدبیریں کیں اور ان کی (سب) تدبیریں اللہ کے ہاں (لکھی ہوئی) ہیں گو وہ تدبیریں ایسی

لَتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿٢٤﴾ لَا تَحْسَبَنَّ اللَّهُ مُخْلِفًا وَعْدِهِ رُسُلَهُ

تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جاتے۔ تو ایسا خیال نہ کرنا کہ اللہ نے جو اپنے پیغمبروں سے وعدہ کیا ہے اُس کے خلاف کرے گا

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٢٥﴾ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ

بیشک اللہ زبردست (اور) بدلہ لینے والا ہے۔ جس دن یہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی

وَالسَّمَوَاتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٢٦﴾

اور آسمان بھی (بدل دیئے جائیں گے) اور سب لوگ اللہ یگانہ و زبردست کے سامنے نکل کھڑے ہوں گے

وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿٢٧﴾

اور اس دن تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

سَرَابِيلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهُهُمُ النَّارُ ﴿٢٨﴾

اُن کے کرتے گندھک کے ہوں گے اور اُن کے مونہوں کو آگ لپٹ رہی ہوگی

لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٩﴾

یہ اس لئے کہ اللہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دے بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌُ وَاحِدٌ

یہ (قرآن) لوگوں کے نام (اللہ کا پیغام) ہے تاکہ ان کو اُس سے ڈرایا جائے اور تاکہ وہ جان لیں کہ وہی اکیلا معبود ہے

وَلِيَذَكَّرَ أُولَٰئِكَ الْأَلْبَابِ ﴿٣٠﴾

اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں۔

سورة الحجر (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الرَّتِلْکَ آیْتِ الْکِتَابِ وَقُرْآنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱﴾ رَبَّمَا یُوَدُّ الدِّیْنَ

آر۔ یہ (اللہ کی) کتاب اور روشن قرآن کی آیتیں ہیں۔ کسی وقت کافر لوگ آرزو کریں گے

کَفَرُوا لَوْ کَانُوا مُسْلِْمِیْنَ ﴿۲﴾ ذَرُّهُمْ یَأْکُلُوا وَیَتَمَتَّعُوا وَیُلْهِمُهُمْ

کراے کا ش وہ مسلمان ہوتے۔ (اے محمد ﷺ!) ان کو ان کے حال پر رہنے دو کہ کھالیں اور فائدے اٹھالیں اور (طول)

الْأَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُونَ ﴿۳﴾ وَمَا أَهْلَکْنَا مِنْ قَرْیَةٍ

اہل ان کو (دنیا میں) مشغول کئے رہے عنقریب ان کو (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی

إِلَّا وَلَهَا کِتَابٌ مَّعْلُومٌ ﴿۴﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاخِرُونَ ﴿۵﴾

مگر اس کا وقت معین تھا۔ کوئی جماعت اپنی مدت (وفات) سے نہ آگے نکل سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔

وَقَالُوا یَا اٰیُّهَا الَّذِیْ نَزَّلَ عَلَیْهِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُونٌ ﴿۶﴾

اور (کفار) کہتے ہیں کہ اے شخص جس پر نصیحت (کی کتاب) نازل ہوئی ہے تو تو دیوانہ ہے۔

لَوْ مَا تَاتٰیْنَا بِالْمَلٰٓئِکَةِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ﴿۷﴾ مَا نُنزِّلُ الْمَلٰٓئِکَةَ

اگر تو سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا؟ (کہہ دو) کہ ہم فرشتوں کو نازل نہیں کیا کرتے

إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذًا مُنْظَرِينَ ﴿۸﴾ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ

مگر حق کے ساتھ اور اس وقت ان کو مہلت نہیں ملتی۔ بیشک یہ (کتاب) ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے [1]

[1] امام قزلباشی اور امام بیہقی نے دلائل النبوة: ۱۵۹ء، میں اس جگہ سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المؤمنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون کی عادت تھی کہ کبھی کبھی اس کے دربار میں علمی مسائل پر بحث و مباحثے اور مذاکرے ہوا کرتے تھے، جس میں ہر اہل علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مذاکرہ میں ایک یہودی بھی آ گیا، جو صورت، شکل اور لباس وغیرہ کے اعتبار سے بھی ایک ممتاز آدمی معلوم ہوتا تھا، پھر گفتگو کی تو وہ بھی فصیح و بلیغ اور عاقلانہ گفتگو تھی، جب مجلس ختم ہو گئی تو مامون نے اس کو بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا، مامون نے بطور امتحان کہا اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔ اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اور اپنے آباء و اجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا، بات ختم ہو گئی، یہ شخص چلا گیا، پھر ایک سال کے بعد یہی شخص مسلمان ہو کر آیا، اور مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو گذشتہ سال آئے تھے؟ جواب دیا ہاں وہی ہوں، مامون نے پوچھا کہ اُس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ پھر اب مسلمان ہونے کا سبب کیا ہوا؟ اس نے کہا میں یہاں سے لوٹا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوش نویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں، تو اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں، میں نے امتحان کرنے کے لئے تورات کے تین نسخے کتابت کئے، جن میں بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ میں پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ لکھ کر نصاریٰ کے عبادت خانہ میں لے گیا وہاں بھی نصاریٰ نے بڑی قدر و منزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لئے، پھر میں نے یہی کام قرآن مجید کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کئے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کی تھی، ان کو لے کر جب میں فروخت کرنے کے لئے نکلا تو جس کے پاس لے گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا، اس واقعہ سے میں نے یہ سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، اس لئے مسلمان ہو گیا، اس واقعہ کے راوی (قاضی یحییٰ بن اسلم) کہتے ہیں کہ اتفاقاً اسی سال مجھے =

لَحْفُظُونَ ﴿۴﴾ ۱۰ ﴿۱﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِعَابِ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۰﴾

نگہبان ہیں اور ہم نے تم سے پہلے لوگوں میں بھی پیغمبر بھیجے تھے۔
وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۱۱﴾ ۱۱ ﴿۱﴾ كَذَلِكَ نَسْلُكُهُ
اور ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آتا تھا مگر وہ اس کے ساتھ استہزاء کرتے تھے۔ اسی طرح ہم اس (تکذیب و ضلال) کو

= حج کی توفیق ہوئی، وہاں سفیان بن عیینہ سے ملاقات ہوئی، تو یہ قصہ ان کو سنایا انھوں نے فرمایا کہ بیشک ایسا ہی ہونا چاہیے، کیونکہ اس کی تصدیق قرآن مجید میں موجود ہے، تکی بن ائیم نے پوچھا قرآن کی کونسی آیت میں ہے؟ تو فرمایا کہ قرآن کریم نے جہاں تورات و انجیل کا ذکر کیا ہے، اس میں تو فرمایا ”بما استحفظوا من کتاب اللہ“ یعنی یہود و نصاریٰ کو کتاب اللہ تورات و انجیل کی حفاظت کی ذمہ داری سونپی گئی ہے یہی وجہ ہوئی کہ جب یہود و نصاریٰ نے فریضہ حفاظت ادا نہ کیا تو یہ کتابیں مسخ و محرف ہو کر ضائع ہو گئیں، بخلاف قرآن کریم کے کہ اس کے متعلق حق تعالیٰ نے فرمایا ”انما لہ لحفظون“ یعنی ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ معانی قرآن وہی ہیں جن کے تعلیم دینے کے لئے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا گیا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے ”لتبین للناس ما نزل الیہم“ یعنی آپ ﷺ کو اس لئے بھیجا گیا ہے کہ آپ بتلا دیں لوگوں کو، اس کلام کا مفہوم، جو ان کے لئے نازل کیا گیا ہے، اور یہی معنی اس آیت کے ہیں، ”یعلمہم الكتاب والحکمة“ اور اسی لئے آپ نے فرمایا ”انما بعثت معلما“ (التمہید: ۵/۱۱۸)، یعنی میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور جب رسول اللہ ﷺ کو معانی قرآن کے بیان اور تعلیم کے لئے بھیجا گیا تو آپ نے امت کو جن اقوال و افعال کے ذریعہ تعلیم دی، انہی اقوال و افعال کا نام حدیث ہے۔

جو لوگ آجکل دنیا کو اس مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ احادیث کا ذخیرہ جو مستند کتب میں موجود ہے وہ اس لئے قابل اعتبار نہیں کہ وہ زمانہ رسول اللہ ﷺ سے بہت بعد میں مدون کیا گیا ہے۔ اول تو ان کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ حدیث کی حفاظت و کتابت خود عہد رسالت میں شروع ہو چکی تھی بعد میں اس کی تکمیل ہوئی اس کے علاوہ حدیث رسول درحقیقت تفسیر قرآن اور معانی ہیں، ان کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ قرآن کے صرف الفاظ محفوظ رہ جائیں معانی (یعنی احادیث رسول) ضائع ہو جائیں؟۔

فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۳﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾

گنہگاروں کے دلوں میں داخل کر دیتے ہیں۔ سو وہ اس پر ایمان نہیں لاتے اور پہلوں کی روش بھی یہی رہی ہے۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوا إِنَّمَا

اور اگر ہم آسمان کا کوئی دروازہ ان پر کھول دیں اور وہ اس میں چڑھنے بھی لگیں۔ تو بھی یہی کہیں کہ ہماری آنکھیں منحور ہو گئی

سُكَّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿۱۵﴾ لَقَدْ جَعَلْنَا فِي

ہیں بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اور ہم نے ہی آسمان میں بُرج بنائے

السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّهَا لِلنَّاظِرِينَ ﴿۱۴﴾ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ

اور دیکھنے والوں کے لئے اس کو سجا دیا۔ اور ہر شیطان راندہ درگاہ سے اسے محفوظ کر دیا۔

رَجِيمٍ ﴿۱۷﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ ﴿۱۸﴾ وَالْأَرْضَ

ہاں اگر کوئی چوری سے سنا چاہے تو چمکتا ہوا انگارا اس کے پیچھے لپکتا ہے۔ اور زمین

مَدَدْنَاهَا وَالْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿۱۹﴾

کو بھی ہم نے پھیلا دیا اور اس پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے اور اس میں ہر ایک سنجیدہ چیز اگائی۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿۲۰﴾

اور ہم نے تمہارے لئے اور ان لوگوں کے لئے جن کو تم روزی نہیں دیتے اس میں معاش کے سامان پیدا کئے۔

وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ ﴿۲۱﴾

اور ہمارے ہاں ہر چیز کے خزانے ہیں اور ہم ان کو بمقدار مناسب اتارتے رہتے ہیں۔

وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاحِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاسْقَيْنُكُمْ مَوْءَهُ وَمَا أَنْتُمْ

اور ہم ہی ہوائیں چلاتے ہیں (جو بادلوں کے پانی سے) بھری ہوئی (ہوتی ہیں) اور ہم ہی آسمان سے مینہ برساتے ہیں

لَهُ بِخَزِينٍ ﴿۲۲۱﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ

اور ہم ہی تم کو اسکا پانی پلاتے ہیں اور تم تو اس کا خزانہ نہیں رکھتے۔ اور ہم ہی حیات بخشتے اور ہم ہی موت دیتے ہیں اور ہم ہی

الْوَارِثُونَ ﴿۲۲۲﴾ وَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا

سب کے وارث ہیں۔ اور جو لوگ تم میں پہلے گزر چکے ہیں ہمیں معلوم ہیں اور جو پیچھے آنے والے ہیں وہ بھی ہمیں

الْمُسْتَأْخِرِينَ ﴿۲۲۳﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۴﴾

معلوم ہیں۔ اور تمہارا پروردگار (قیامت کے دن) ان سب کو جمع کرے گا وہ بڑا دانا (اور) خبردار ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿۲۲۵﴾

اور ہم نے انسان کو کھٹکھٹاتے سڑے ہوئے گارے سے پیدا کیا ہے۔

وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُومِ ﴿۲۲۶﴾ ذُكِرَ قَالَ رَبُّكَ

اور جنوں کو اس سے بھی پہلے بے دھوئیں کی آگ سے پیدا کیا تھا۔ اور جب تمہارے پروردگار نے

لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿۲۲۷﴾

فرشتوں سے فرمایا کہ میں کھٹکھٹاتے سڑے ہوئے گارے سے ایک بشر بنانے والا ہوں۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ

جب اس کو (صورتِ انسانی میں) درست کر لوں اور اس میں اپنی (بے بہا چیز یعنی) روح پھونک دوں تو اس کے آگے

سَاجِدِينَ ﴿۲۲۸﴾ سَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿۲۲۹﴾

سجدے میں گر پڑنا تو فرشتے تو سب کے سب سجدے میں گر پڑے۔

إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿۲۳۰﴾ قَالَ يَا بَلِيسُ مَا لَكَ

مگر شیطان کہ اس نے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے انکار کیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ ابلیس! تجھے کیا ہوا

أَلَّا تَكُونُ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿۳۳۱﴾ ﴿۳۳۱﴾ لَمْ أَكُنْ لَأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ

کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا؟ (اس نے) کہا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ انسان کو جس کو تو نے کھنکھانے سے سڑے

صَلُّوا مِنْ حَمًا مَسْنُونٍ ﴿۳۳۲﴾ ﴿۳۳۲﴾ فَأَخْرُجُ مِنْهَا فَايُنَاكَ رَجِيمٌ ﴿۳۳۳﴾ ﴿۳۳۳﴾

ہوئے گارے سے بنایا ہے سجدہ کروں۔ (اللہ نے) فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے۔

وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ﴿۳۳۴﴾ ﴿۳۳۴﴾ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ

اور تجھ پر قیامت کے دن تک لعنت (برے گی)۔ (اس نے) کہا کہ پروردگار! مجھے اس دن تک مہلت دے جب لوگ

يُبْعَثُونَ ﴿۳۳۵﴾ ﴿۳۳۵﴾ فَأَيُّ الْيَوْمِ الْوَقْتِ

(مرنے کے بعد) زندہ کئے جائیں گے۔ فرمایا کہ تجھے مہلت دی جاتی ہے۔ وقت مقرر (یعنی

الْمَعْلُومِ ﴿۳۳۶﴾ ﴿۳۳۶﴾ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ

قیامت) کے دن تک۔ (اس نے) کہا کہ پروردگار جیسا تو نے مجھے رستے سے الگ کیا ہے میں بھی زمین میں لوگوں

وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۳۷﴾ ﴿۳۳۷﴾ عِبَادِكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ ﴿۳۳۸﴾ ﴿۳۳۸﴾

کے لئے (گناہوں کو) آراستہ کر دکھاؤں گا اور سب کو بہکاؤں گا۔ ہاں ان میں جو تیرے مخلص بندے ہیں (ان پر قابو چنانہ مشکل ہے)

قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿۳۳۹﴾ ﴿۳۳۹﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ

(اللہ نے) فرمایا کہ مجھ تک (پہنچنے کا) یہی سیدھا راستہ ہے۔ جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تجھے

سُلْطَنٌ إِلَّا مَنْ آتَبَعَكَ مِنَ الْغَايِبِينَ ﴿۳۴۰﴾ ﴿۳۴۰﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ

کچھ قدرت نہیں (کہ ان کو گناہ میں ڈال سکے) ہاں بدراہوں میں سے جو تیرے پیچھے چل پڑے۔ اور ان سب کے وعدے

لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۴۱﴾ ﴿۳۴۱﴾ سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ

کی جگہ جہنم ہے۔ اس کے سات دروازے ہیں ہر ایک دروازے کے لئے ان میں جماعتیں

مَّقْسُومٌ ﴿۲۴۱﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۲۴۲﴾ خَلُّوْهَا بِسَلَامٍ

تقسیم کر دی گئی ہیں۔ جو متقی ہیں وہ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) ان میں سلامتی

آمین ﴿۲۴۳﴾ نَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا

سے داخل ہو جاؤ۔ اور ان کے دلوں میں جو کدورت ہوگی اس کو ہم نکال (کر صاف کر) دیں گے (گویا) بھائی بھائی

عَلَى سُرُرٍ مُّتَقَبِلِينَ ﴿۲۴۴﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا

تحتوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ نہ ان کو وہاں کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ وہاں سے

بِمُخْرَجِينَ ﴿۲۴۵﴾ يٰٓأَيُّ عِبَادِىَ اِنِّىۤ اَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيْمُ ﴿۲۴۶﴾

نکالے جائیں گے۔ (اے پیغمبر!) میرے بندوں کو بتا دو کہ میں بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہوں۔

وَ اَنَّ عَذَابِىۤ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۲۴۷﴾ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ صِیْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۲۴۸﴾

اور یہ کہ میرا عذاب بھی درد دینے والا عذاب ہے۔ اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا احوال سنا دو۔

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا قَالِ اِنَّا مِنْكُمْ وَ جَلُوْنَ ﴿۲۴۹﴾ لَوْ اَلَا تَوْجَلُ

جب وہ ابراہیم کے پاس آئے تو سلام کہا (انہوں نے) کہا ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (مہمانوں نے) کہا کہ ڈریئے نہیں

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿۲۵۰﴾ اَبَشَّرْتُمْوْنِىۤ عَلٰى اَنْ مَّسْنِى الْكِبْرُ

ہم آپ کو ایک دانشمند لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ (وہ) بولے کہ جب مجھے بڑھاپے نے آ لیا

فَبِمَ تَبَشِّرُوْنَ ﴿۲۵۱﴾ اَلَوْ اَبَشَّرْنَاكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنُّ مِنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

تو تم خوشخبری دینے لگے اب کا ہے کی خوشخبری دیتے ہو؟ (انہوں نے) کہا کہ ہم آپ کو سچی خوشخبری دیتے ہیں آپ مایوس نہ ہوں

قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ اِلَّا الضَّالُّوْنَ ﴿۲۵۳﴾ اِنَّا

(ابراہیم نے) کہا کہ اللہ کی رحمت سے (میں مایوس کیوں ہونے لگا اس سے) مایوس ہونا گمراہوں کا کام ہے۔ پھر کہنے لگے

فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۴۷﴾ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ

کہ فرشتو! تمہیں (اور) کیا کام ہے؟ (انہوں نے) کہا کہ ہم ایک گنہگار قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں (کہ اس کو عذاب

مُجْرِمِينَ ﴿۴۸﴾ آل لُوطٍ إِنَّا لَمَنْجُوهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۴۹﴾

کریں)۔ مگر لوط کے گھر والے کہ ان سب کو ہم بچا لیں گے۔

إِلَّا أُمَّرَأَتَهُ قَدْ رَزَّانَا إِنَّهَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۵۰﴾

البتہ ان کی بیوی (کہ) اس کے لئے ہم نے ٹھہرا دیا ہے کہ وہ پیچھے رہ جائے گی۔

فَلَمَّا جَاءَ آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ﴿۵۱﴾ قَالُوا إِنَّا لَنَكْرَهُنَّ ﴿۵۲﴾

پھر جب فرشتے لوط کے گھر گئے۔ تو لوط نے کہا تم تو نا آشنا سے لوگ ہو۔

قَالُوا بَلْ جُنُكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿۵۳﴾

وہ بولے کہ (نہیں) بلکہ ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس میں لوگ شک کرتے تھے۔ اور ہم آپ کے پاس

بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۵۴﴾ نَاسِرٍ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ

یقینی بات لے کر آئے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ تو آپ کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے نکلیں

وَاتَّبِعْ أَذْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿۵۵﴾

اور خود ان کے پیچھے چلیں اور آپ میں سے کوئی شخص پیچھے مڑ کر نہ دیکھے اور جہاں آپ کو حکم ہو وہاں چلے جائیں

وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ﴿۵۶﴾

اور ہم نے لوط کی طرف وحی بھیجی کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوتے کاٹ دی جائے گی۔

وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۵۷﴾ قَالُوا إِنَّا هَٰؤُلَاءِ ضَيْفَىٰ

اور اہل شہر (لوط کے پاس) خوش خوش (دوڑے) آئے۔ (لوط نے) کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں (کہیں ان کے بارے

﴿۴۸﴾ تَقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ ﴿۴۹﴾

(میں) مجھے رسوا نہ کرنا۔ اور اللہ سے ڈرو اور میری بے آبروئی نہ کرنا۔

﴿۵۰﴾ قَالُوا أَوْلَمْ نُنْهَكْ عَنِ الْعُلَمِيْنَ

وہ بولے کیا ہم نے تمہیں سارے جہان (کی حمایت و طرفداری) سے منع نہیں کیا۔

﴿۵۱﴾ قَالَهُمْ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي إِنْ كُنْتُمْ فَعَلِينَ ﴿۵۲﴾

(انہوں نے) کہا کہ اگر تمہیں کرنا ہی ہے تو یہ میری (قوم کی) لڑکیاں ہیں (ان سے شادی کر لو۔ اے محمد ﷺ!) تمہاری جان کی قسم!

﴿۵۳﴾ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۵۴﴾

وہ اپنی مستی میں مدہوش (ہو رہے) تھے۔ [2] سو ان کو سورج نکلتے نکلتے چنگھاڑنے آ پکڑا۔

[2] قولہ ”لعمرك“ روح المعانی میں جمہور مفسرین کا قول یہ نقل کیا ہے کہ لعمرك کے مخاطب رسول

کریم ﷺ ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی حیات کی قسم کھائی ہے بیہقی نے شعب الایمان: ۱۷۸/۲، ۱۸۲، و الشریعۃ

لا جری: ۱/۳۹، والحلال فی السنۃ: ۲۲۱/۱، میں اور ابو نعیم و ابن مردویہ وغیرہ نے عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات و کائنات میں کسی کو محمد مصطفیٰ ﷺ سے زیادہ مرتبہ و عزت عطا نہیں فرمایا یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے کسی پیغمبر یا کسی فرشتے کی حیات پر کبھی قسم نہیں کھائی، اور اس آیت میں رسول کریم ﷺ کی عمر و حیات کی قسم کھائی ہے

جو نبی کریم ﷺ کا انتہائی اعزاز و اکرام ہے۔

کسی انسان کے لئے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے علاوہ کسی اور چیز کی قسم کھائے، کیونکہ قسم اس کی

کھائی جاتی ہے جس کو سب سے زیادہ بڑا سمجھا جائے اور ظاہر ہے سب سے زیادہ بڑا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہو سکتا ہے۔ حدیث

میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ اپنی ماؤں اور باپوں کی اور بتوں کی قسم نہ کھاؤ، اور اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ

کھاؤ، اور اللہ کی قسم بھی صرف اس وقت کھاؤ جب تم اپنے قول میں سچے ہو (رواہ ابو داؤد، و النسائی عن ابی ہریرۃ

السلسلۃ الصحیحۃ رقم: ۱۱۱۹)۔ =

﴿۷۳﴾ فَجَعَلْنَا عَلَيْهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿۷۳﴾

اور ہم نے اس (شہر) کو (الٹ کر) نیچے اوپر کر دیا اور ان پر کنکر کی پتھریاں برسائی گئیں

﴿۷۴﴾ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

بیشک اس (قصے) میں اہل فراست کے لئے نشانی ہے۔ اور وہ (شہر) اب تک سیدھے رستے پر (موجود) ہے۔

﴿۷۷﴾ إِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

بیشک اس میں ایمان لانے والوں کے لئے نشانی ہے۔ اور بن کے رہنے والے (یعنی قوم شعیب کے لوگ)

﴿۸۸﴾ لَظَلِمُوْا ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

بھی گنہگار تھے۔ تو ہم نے ان سے بھی بدلا لیا اور یہ دونوں شہر کھلے رستے پر (موجود) ہیں

﴿۸۹﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

اور (وادی) حجر کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کی تکذیب کی۔

= اور صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نے عمر بن خطابؓ کو دیکھا کہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے ہیں تو رسول پاک ﷺ نے پکار کر فرمایا کہ خیر درار ہو اللہ تعالیٰ باپوں کی قسم کھانے سے منع فرماتا ہے جس کو حلف کرنا ہو اللہ کے نام کا حلف کرے ورنہ خاموش رہے۔ (بخاری: ۶۶۳۶، مسلم: ۱۶۳۶، عن ابن عمر)۔

لیکن یہ حکم عام مخلوقات کے لئے ہے اللہ تعالیٰ خود اپنی مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھاتے ہیں، یہ ان کے لئے مخصوص ہے جس کا مقصد کسی خاص اعتبار سے اس چیز کا اشرف اور عظیم المنفع ہونا بیان کرنا ہے، اور عام مخلوق کو غیر اللہ کی قسم کھانے سے روکنے کا جو سبب ہے وہ یہاں موجود نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے کلام میں اس کا کوئی امکان نہیں کہ وہ اپنی کسی مخلوق کو سب سے زیادہ بڑا اور افضل سمجھیں، کیونکہ علی الاطلاق بڑائی تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات سے مخصوص ہے۔

وَأَتَيْنَهُمُ الْبُيُوتَ فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿٨١﴾ ۞ كَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ

اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں اور وہ ان سے منہ پھیرتے رہے۔ اور وہ پہاڑوں کو تراش تراش کر گھر بناتے تھے

بُيُوتًا آمِنِينَ ﴿٨٢﴾ ۞ أَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ﴿٨٣﴾ ۞ لَمَّا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا

(کہ) امن (واطمینان) سے رہیں گے۔ تو چیخ نے ان کو صبح ہوتے ہوتے آ پکڑا۔ اور جو کام وہ کرتے تھے وہ ان کے کچھ

كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿٨٤﴾ ۞ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

بھی کام نہ آئے۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان میں ہے

إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ فَاصْفَحَ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ ﴿٨٥﴾ ۞

اس کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے اور قیامت تو ضرور آ کر رہے گی تو تم (ان لوگوں سے) اچھی طرح سے درگزر کرو۔

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ﴿٨٦﴾ ۞ لَقَدْ آتَيْنَكَ سَبْعًا

کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار ہی (سب کچھ) پیدا کرنے والا (اور) جاننے والا ہے۔ اور ہم نے تمہیں سات (آیتیں)

مِّنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ ﴿٨٧﴾ ۞ تَمَدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ

جو (نماز میں) دہرا کر پڑھی جاتی ہیں (یعنی سورۃ الحمد) اور عظمت والا قرآن عطا فرمایا ہے۔ اور ہم نے کفار کی کئی جماعتوں

أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفَضْنَا جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ ۞

کو جو تمتع کیا ہے تم ان کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھنا اور نہ ان کے حال پر تباہی سفا کرنا اور مومنوں سے خاطر اور تواضع سے پیش آنا

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾ ۞ كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿٩٠﴾ ۞

اور کہہ دو کہ میں تو اعلانِ ڈر سنانے والا ہوں۔ (اور ہم ان کفار پر اسی طرح عذاب نازل کریں گے) جس طرح (قسم کھانے والوں یا قرآن کو)

الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿٩١﴾ ۞

بانٹ لینے والوں پر یعنی قرآن کو (کچھ ماننے اور کچھ نہ ماننے سے) ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

فَوَرَبِّكَ لَنَسْتَلَنَّهٗمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ۞ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ ۞

تمہارے پروردگار کی قسم! ہم ان سے ضرور پرسش کریں گے۔ ان کاموں کی جو وہ کرتے رہے۔

فَاَصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۴۴﴾ ۞

پس جو حکم تمہیں (اللہ کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنا دو اور مشرکوں کا (ذرا) خیال نہ کرو۔

اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِيْنَ ﴿۴۵﴾ ۞ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا

ہم تمہیں ان لوگوں سے بچانے کے لئے جو تم سے استہزاء کرتے ہیں کافی ہیں۔ [۳] جو اللہ کے ساتھ اور معبود قرار

اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ ۞ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَصِيْقُ صَدْرُكَ

دیتے ہیں سو عنقریب ان کو (ان باتوں کا انجام) معلوم ہو جائے گا۔ اور ہم جانتے ہیں کہ ان کی باتوں سے تمہارا دل تنگ

بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ۞ سَبَّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ

ہوتا ہے۔ تو تم اپنے پروردگار کی تسبیح کہتے اور (اس کی) خوبیاں بیان کرتے رہو

مِّنَ السَّجِدِيْنَ ﴿۴۸﴾ ۞ اَعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيْكَ الْيَقِيْنُ ﴿۴۹﴾ ۞

اور سجدہ کرنے والوں میں داخل رہو۔ اور اپنے پروردگار کی عبادت کئے جاؤ یہاں تک کہ تمہاری موت (کا وقت) آجائے

[3] اس میں جن لوگوں کا ذکر ہے ان کے لیڈر پانچ آدمی تھے، عاص بن وائل، اسود بن المطلب، اسود بن

عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، حارث بن طلاطلہ، یہ پانچوں معجزانہ طور پر ایک ہی وقت میں جبرئیل علیہ السلام کے اشارے سے

ہلاک کر دیئے گئے۔

سورة نحل (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَتَىٰ اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱﴾

اللہ کا حکم (یعنی عذاب گویا) آ ہی پہنچا تو (کافرو!) اس کے لئے جلدی مت کرو یہ لوگ جو (اللہ کا) شریک بناتے ہیں وہ اس سے پاک اور بالاتر ہے

يُنزِلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهِ عَلٰی مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اَنْ

وہی فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ (لوگوں کو) بتادو

اَنْذِرُوْا اِنَّهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوْنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۗ

کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھ ہی سے ڈرو۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو مبنی بر حکمت پیدا کیا

تَعَالٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ

اس کی ذات ان (کافروں) کے شرک سے اونچی ہے۔ اسی نے انسان کو نطفے سے بنایا مگر وہ اس (خالق) کے بارے میں

خٰصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَمَنْٰفِعُ

اعلانیہ جھگڑنے لگا۔ اور چار پائیوں کو بھی اسی نے پیدا کیا ان میں تمہارے لئے گرمی کے لباس اور بہت سے فائدے ہیں

وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ

اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی ہو اور جب شام کو انہیں (جنگل سے) لاتے ہو اور جب صبح کو (جنگل) چرانے لے

تَسْرٰحُوْنَ ﴿۶﴾ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بِالْبٰغِيْهِ اِلَّا بِشَقِّ

جاتے ہو تو ان سے تمہاری عزت و شان ہے۔ اور (دور دراز) شہروں میں جہاں تم زحمتِ شاقہ کے بغیر پہنچ نہیں سکتے

الْأَنْفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿۸﴾ وَالْخَيْلِ

وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں کچھ شک نہیں کہ تمہارا پروردگار نہایت شفقت والا مہربان ہے۔ اور اسی نے گھوڑے

وَالْبُغَالِ وَالْحَمِيرَ لَتَرَكِبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۹﴾

اور خچر اور گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سوار ہو اور رونق و زینت (بھی ہیں) اور وہ (اور چیزیں بھی) پیدا کرتا ہے جن کی تمہیں خبر نہیں

وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۱۰﴾

اور اللہ پر سیدھی راہ کا بتا دینا ہے اور بعض رستے ٹیڑھے ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تم سب کو سیدھے رستے پر چلا دیتا

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ﴿۱۱﴾

وہی تو ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا جسے تم پیتے ہو اور اس سے درخت بھی (شاداب ہوتے ہیں)

يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ

جن میں تم اپنے چار پالیوں کو چراتے ہو اسی پانی سے وہ تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور (اور بے شمار درخت)

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۲﴾

اگاتا ہے اور ہر طرح کے پھل (پیدا کرتا ہے) غور کرنے والوں کے لئے اس میں (قدرت الہی کی بڑی) نشانی ہے

وَسَخَّرَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ

اور اسی نے تمہارے لئے رات اور دن اور سورج اور چاند کو کام میں لگایا اور اسی کے حکم سے ستارے بھی کام میں لگے ہوئے

بِأَمْرِهِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۳﴾ وَمَا ذَرَأَاكُمْ فِي الْأَرْضِ

ہیں سمجھنے والوں کے لئے اس میں (قدرت الہی کی بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور جو طرح طرح کے رنگوں کی چیزیں

مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۴﴾

اس نے زمین میں پیدا کیں نصیحت پکڑنے والوں کے لئے اس میں نشانی ہے

وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً

اور وہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے اختیار میں کیا تاکہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ اور اس سے زیور نکالو

تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاجِرَ فِيهِ

جسے تم پہنتے ہو اور تم دیکھتے ہو کہ کشتیاں دریا میں پانی کو پھاڑتی چلی جاتی ہیں اور اس لئے بھی (دریا کو تمہارے اختیار میں کیا)

وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿١٢﴾ وَالْقَلَىٰ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ

کہ تم اللہ کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ اس کا شکر کرو۔ اور اسی نے زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے

أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٣﴾

کہ تمہیں لے کر کہیں جھک نہ جائے اور نہریں اور رستے بنا دیئے تاکہ ایک مقام سے دوسرے مقام تک (آسانی سے) جاسکو

وَعَلَّمَتْ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُونَ ﴿١٤﴾ أَفَمَنْ يَخْلُقُ

اور نشانات بنا دیئے اور لوگ ستاروں سے بھی رستے معلوم کرتے ہیں۔ [1] تو جو (اپنی مخلوقات) پیدا کرے کیا

كَمَنْ لَا يَخْلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٥﴾ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا

وہ ویسا ہے جو کچھ بھی پیدا نہ کر سکے تو پھر تم غور کیوں نہیں کرتے؟ اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو گن نہ سکو

[1] قنادہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں تین فائدے رکھے ہیں۔ آسمان کی زینت، بھولے بھٹکوں کی

رہبری، اور شیطان کی مار۔ کسی اور بات کا ان کے ساتھ عقیدہ رکھنا اپنی رائے سے بات بنانا اور تکلیف اٹھانا اور اپنے حصہ

کو کھونا ہے۔ جاہلوں نے ستاروں کے ساتھ علم نجوم کو متعلق رکھ کر فضول باتیں بنائی ہیں کہ اس کے وقت جو نکاح کرے یوں

ہوگا، فلاں ستارے کے وقت پر سفر کرنے سے یہ ہوتا ہے، فلاں ستارے کے وقت جو تولد ہوا ہو وہ ایسا، وغیرہ وغیرہ یہ سب

ڈھکوسلے ہیں۔ (ابن ابی حاتم) ابن کثیر نے فرمایا ہے کہ سبحان اللہ قنادہ کا یہ قول کتنا صحیح کس قدر مفید اور معلومات سے

پر ہے۔

إِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۸﴾ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾

بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو کچھ تم چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہو سب سے اللہ واقف ہے

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿۲۰﴾

اور جن لوگوں کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کوئی چیز بھی تو نہیں بنا سکتے بلکہ خود ان کو اور بناتے ہیں

أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿۲۱﴾ إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۚ

(وہ) لاشیں ہیں بے جان ان کو یہ بھی تو معلوم نہیں کہ اٹھائے کب جائیں گے۔ [2] تمہارا معبود تو اکیلا اللہ ہے

[2] ان دلیلوں سے معلوم ہوا کہ سب کچھ کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اور مشرکین جن بندگان کو بزعم

خود متصرف و مختار سمجھ کر پکارتے ہیں، پیدائش کائنات میں ان کا کوئی دخل نہیں، بلکہ وہ خود ایک عاجز مخلوق ہیں "اموات

غیر احیاء" یعنی سب کچھ جاننے والا تو اللہ تعالیٰ ہے، اور مشرکین کے مزعومہ معبود تو فوت ہو چکے ہیں، وہ ان کی دعاء

اور پکار سے بے خبر ہیں، اور انہیں یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ قبروں سے کب اٹھائے جائیں گے، "و الذین یدعون من

دون اللہ" سے عموم مجاز کے طور پر مشرکین کے تمام معبود مراد ہیں، خواہ وہ جماد ہوں، خواہ ذوی العقول ہوں،

ویجوز ان یكون المراد من المخبر عنه بما ذكر ما يتناول جميع معبوداتهم، من ذوی العقول

و غیرہم۔ فیرتکب فی "اموات" عموم المجاز لیشمل ماکان له حیات ثم مات

کعزیر، اوسیموت کعیسی علیہما السلام و الملائکة و مالیس من شانہ الحیاة اصلا کا

لاصنام (روح)۔

شاہ عبدالقادر دہلوی مؤرخ قرآن میں اس آیت کے تحت لکھتے ہیں: شاید یہ ان کو فرمایا جو مرے بزرگوں کو پوجتے

ہیں، شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں یعنی جن چیزوں کو اللہ کے سوا پوجتے ہیں سب مردے ہیں، خواہ دواماً مثلاً بت، یا فی الحال

مثلاً جو بزرگ مر چکے، اور ان کی پوجا کی جاتی ہے، یا انجام و مال کے اعتبار سے مردہ ہیں مثلاً عیسیٰ علیہ السلام، روح القدس

اور ملائکہ اللہ، جن کی بعض فرقتے پرستش کرتے ہیں (تفسیر عثمانی)۔

فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكَرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿۲۱﴾

تو جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل انکار کر رہے ہیں اور وہ سرکش ہو رہے ہیں

لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

یہ جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اللہ ضرور اس کو جانتا ہے وہ سرکشوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا

الْمُسْتَكْبِرِينَ ﴿۲۲﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَّاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا آسَاطِيرُ

اور جب ان (کافروں) سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا اتارا ہے تو کہتے ہیں کہ (وہ تو) پہلے لوگوں کی

الْأُولَئِينَ ﴿۲۳﴾ حَمَلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ

حکایتیں ہیں۔ (اے پیغمبر! ان کو بکنے دو) یہ قیامت کے دن اپنے (اعمال کے) پورے بوجھ بھی اٹھائیں گے

وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يَضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِلَّا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿۲۴﴾

اور جن کو یہ بے تحقیق گمراہ کرتے ہیں ان کے بوجھ بھی (اٹھائیں گے) سن رکھو کہ جو بوجھ یہ اٹھا رہے ہیں بُرے ہیں

قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَآتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ

ان سے پہلے لوگوں نے بھی (ایسی ہی) مکاریاں کی تھیں تو اللہ (کاحکم) ان کی عمارت کے ستونوں پر آ پہنچا اور چھت ان پر

السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۵﴾

ان کے اوپر سے گر پڑی۔ اور (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آ واقع ہوا جہاں سے ان کو خیال بھی نہ تھا

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَشَاقِقُونَ فِيهِمْ

پھر وہ ان کو قیامت کے دن بھی ذلیل کرے گا اور کہے گا کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم جھگڑا کرتے

قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۲۶﴾

تھے؟ جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہیں گے کہ آج کافروں کی رسوائی اور بُرائی ہے

الَّذِينَ تَتَوَفَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ فَأَلْقُوا السَّلَامَ

(ان کا حال یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی رو میں قبض کرنے لگتے ہیں (اور یہ) اپنے ہی حق میں ظلم کرنے والے (ہوتے

﴿۲۸﴾ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ۚ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۸﴾

ہیں) تو مطیع ہو جاتے ہیں کہ ہم کوئی برا کام نہیں کرتے تھے ہاں جو کچھ تم کیا کرتے تھے اللہ اسے خوب جانتا ہے

﴿۲۹﴾ فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۚ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۲۹﴾

سو دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اس میں رہو گے اب تکبر کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرًا لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا

اور (جب) پرہیزگاروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ بہترین (کلام) جو

﴿۳۰﴾ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعَمَ دَارَ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۰﴾

لوگ نیکو کار ہیں ان کے لئے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو بہت ہی اچھا ہے اور پرہیزگاروں کا گھر بہت خوب ہے

جَنَّاتٍ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُجْرَىٰ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ

(وہ) بہشت جاودانی (ہیں) جن میں وہ داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں وہاں جو چاہیں گے ان کے لئے

كَذَٰلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿۳۱﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ

میسر ہوگا اللہ پرہیزگاروں کو ایسا ہی بدلا دیتا ہے۔ (ان کی کیفیت یہ ہے کہ) جب فرشتے ان کی جانیں نکالنے لگتے ہیں

﴿۳۲﴾ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۲﴾

اور یہ پاک ہوتے ہیں تو السلام علیکم کہتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) جو عمل تم کیا کرتے تھے ان کے بدلے میں بہشت میں داخل ہو جاؤ

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرٌ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ

کیا یہ (کافر) اس بات کے منتظر ہیں کہ فرشتے ان کے پاس (جان نکالنے) آئیں یا تمہارے پروردگار کا حکم (عذاب) آ

﴿۳۳﴾ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۳۳﴾

پہلے اسی طرح ان لوگوں نے کیا تھا جو ان سے پہلے تھے اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے

﴿۳۴﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۳۴﴾

تو ان کو ان کے اعمال کے بُرے بدلے ملے اور جس چیز کے ساتھ وہ ٹھٹھے کیا کرتے تھے اس نے ان کو (ہر طرف سے) گھیر لیا

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا

اور مشرک کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم ہی اس کے سوا کسی چیز کو پوجتے اور نہ ہمارے بڑے ہی (پوجتے) اور نہ اس کے

آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ كَذَلِكَ

(فرمان کے) بغیر ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے (اے پیغمبر!) اسی طرح

﴿۳۵﴾ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۳۵﴾

ان سے اگلے لوگوں نے کیا تھا تو پیغمبروں کے ذمے (اللہ کے احکام کو) کھول کر پہنچا دینے کے سوا اور کچھ نہیں

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ

اور ہم نے ہر جماعت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور بتوں (کی پرستش) سے اجتناب کرو

فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ

تو ان میں بعض ایسے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور بعض ایسے ہیں جن پر گمراہی ثابت ہوئی

﴿۳۶﴾ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكذِبِينَ ﴿۳۶﴾

سو زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا

إِنْ تَحْرِصْ عَلَى هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِنْ

اگر تم ان (کفار) کی ہدایت کے لئے خواہش مند ہیں تو جس کو اللہ گمراہ کر دیتا ہے اس کو وہ ہدایت نہیں دیا کرتا اور ایسے لوگوں کا کوئی

نَصْرِينَ ﴿۳۸﴾ قُلْ أَفَسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مِنْ يَمُوتٍ

مددگار بھی نہیں ہوتا۔ اور یہ اللہ کی کچی قسمیں کھاتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے (قیامت کے دن قبر سے) نہیں

بَلَى وَعَدًّا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۹﴾

اٹھائے گا ہرگز نہیں یہ (اللہ کا) وعدہ سچا ہے اور اس کا پورا کرنا اسے ضرور ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلَفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا

تاکہ جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دے اور اس لئے کہ کافر جان لیں کہ وہ

كٰذِبِينَ ﴿۴۰﴾ إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۴۱﴾

جھوٹے تھے۔ جب ہم کسی چیز کا ارادہ کرتے ہیں تو ہماری بات یہی ہے کہ اس کو کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً

اور جن لوگوں نے ظلم سہنے کے بعد اللہ کے لئے وطن چھوڑا ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دیں گے

وَلَا جُرْأَاحِرَةَ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۴۲﴾ لَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ

اور آخرت کا اجر تو بہت بڑا ہے اگر وہ (اسے) جانتے۔ [3] یعنی وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں اور اپنے پروردگار پر

يَتَوَكَّلُونَ ﴿۴۳﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوحِيَ إِلَيْهِمْ

بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور ہم نے تم سے پہلے مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے اگر تم

[3] امام قرطبی نے اس جگہ ہجرت اور ترک وطن کی قسمیں اور ان کے کچھ احکام پر ایک مفید مضمون تحریر فرمایا

ہے اتمام فائدہ کی لئے اس کو نقل کرتا ہوں، قرطبی نے بحوالہ ابن عربی لکھا ہے وطن سے نکلنا اور زمین میں سفر کرنا کبھی

تو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کی لئے ہوتا ہے، اور کبھی کسی چیز کی طلب و جستجو کے لئے۔ پہلی قسم کا سفر جو کسی چیز سے

بھاگنے اور بچنے کے لئے ہو اس کو ہجرت کہتے ہیں، اور اس کے چھ قسمیں ہیں۔

اول، یعنی دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف جانا، یہ قسم سفر عہد رسالت میں بھی فرض تھی اور قیامت تک بشرط استطاعت و قدرت فرض ہے جبکہ دارالکفر میں اپنے جان و مال اور ابرو کا امن نہ ہو یا دینی فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو، اس کے باوجود دارالحرب میں مقیم رہا تو گناہ گار ہوگا۔

دوسرا دارالبدعت سے نکل جانا، ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اس مقام میں قیام کرنا حلال نہیں، جس میں سلف صالحین پر سب و شتم کیا جاتا ہو، ابن عربی یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہے، کیونکہ اگر تم کسی منکر کا ازالہ نہیں کر سکتے تو تم پر لازم ہے کہ خود وہاں سے زائل یعنی علیحدہ ہو جاؤ، جیسا کہ ارشادِ باری ہے ”وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ“ (انعام: ۶۸)

تیسرا سفر وہ ہے کہ جس جگہ پر حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا، کیونکہ طلب حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔ چوتھا جسمانی اذیتوں سے بچنے کے لئے سفر، یہ سفر جائز اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے کہ انسان جس جگہ دشمنوں سے جسمانی اذیت کا خطرہ محسوس کرے وہاں سے نکل جائے، تاکہ اس خطرہ سے نجات ہو، یہ چوتھی قسم کا سفر سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے کیا، جبکہ قوم کی ایذاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لئے عراق سے ملک شام کی طرف روانہ ہوئے اور فرمایا ”انسی مهاجر الی ربی“ (عنکبوت: ۲۶) ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی ایک سفر مصر سے مدین کی طرف کیا ”فخرج منها خائفًا یترقب“ (قصص: ۱۸)۔

پانچواں سفر آب و ہوا کی خرابی اور امراض کی خطرہ سے بچنے کے لئے ہے، شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ (اصحاب العرینین) کو مدینہ سے باہر جنگل میں قیام کرنے کا ارشاد فرمایا: کیونکہ شہری آب و ہوا کو موافق نہ تھی، اسی طرح فاروق اعظم نے ابو عبیدہؓ کو حکم بھیجا تھا، کہ دارالخلافہ اردن سے منتقل کر کے کسی سطح مرتفع پر لے جائیں، جہاں آب و ہوا خراب نہ ہو۔

لیکن یہ اس وقت میں ہے جب کسی مقام پر طاعون یا وبائی امراض پھیلے ہوئے نہ ہوں، اور جس جگہ کوئی وبا پھیل جائے اس کے لئے حکم یہ ہے کہ جو لوگ اس جگہ پہلے سے موجود ہیں، وہ تو وہاں سے بھاگیں نہیں اور جو باہر ہیں وہ اس کے اندر نہ جائیں، جیسا کہ فاروق اعظمؓ کو سفر شام کے وقت پیش آیا، کہ سرحد شام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو آپ کو اس ملک میں داخل ہونے میں تردد پیش آیا، صحابہ کرام سے مسلسل مشوروں کے بعد آخر میں جب عبدالرحمن بن عوفؓ نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: اذا وقع بارض وانتم بها فلا تخرجو امنها واذا وقع فلا تهبطوا عليها (رواہ الترمذی: ۱۰۶۵، وقال حدیث حسن صحیح) یعنی جب کسی خطہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اب وہاں سے نہ نکلو اور جہاں تم پہلے سے موجود نہیں وہاں طاعون پھیلنے کی خبر سنو تو اس میں داخل نہ ہو۔

اس وقت فاروق اعظم نے حکم حدیث کی تعمیل کرتے ہوئے پوری قافلہ کو لے کر واپسی کا اعلان کر دیا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث شریف کے اس حکم میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس جگہ مقیم ہیں جہاں کوئی وباء پھیل چکی ہے یہاں کے لوگوں میں وبائی جراثیم کا موجود ہونا ظن غالب ہے، وہ اگر یہاں سے بھاگیں گے تو جس میں یہ مادہ وبائی سرایت کر چکا ہے وہ تو بچے گا نہیں، اور جہاں یہ جائے گا وہاں کے لوگ اس سے متاثر ہوں گے، اس لئے یہ حکیمانہ فیصلہ فرمایا۔

چھٹا سفر اپنے مال کی حفاظت کے لئے ہے، جب کوئی شخص کسی مقام میں چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ محسوس کرے، تو وہاں سے منتقل ہو جائے، شریعت اسلام نے اس کی بھی اجازت دی ہے، کیونکہ مسلمان کے مال کا بھی ایسا ہی احترام ہے جیسا اس کی جان کا ہے۔

یہ چھ قسمیں تو اس ترک وطن کی ہیں جو کسی چیز سے بھاگنے اور بچنے کے لئے کیا گیا ہو، اور جو سفر کسی چیز کی طلب و جستجو کی لئے کیا جائے اس کی نو قسمیں ہیں:-

۱۔ سفر عبرت:- یعنی دنیا کی سیاحت و سفر، اس کام کے لئے کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور قدرت کاملہ کا، اور اقوام سابقہ کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل کر لے۔ قرآن کریم نے ایسے سفر کی ترغیب دی ہے۔ اولم یسیروا فی

الارض فينظروا كيف كان عاقبة الذين من قبلهم“ (يوسف: ۱۰۹) ذوالقرنین کے سفر کو بھی بعض علماء نے اسی قسم کا سفر قرار دیا ہے، اور بعض نے فرمایا کہ ان کا سفر زمین پر اللہ کا قانون نافذ کرنے اور دعوت کے لئے تھا۔

۲۔ سفر حج اس کا چند شرائط کے ساتھ فرض اسلامی ہونا سب کو معلوم ہے۔

۳۔ سفر جہاد، اس کا فرض یا واجب یا مستحب ہونا بھی سب مسلمانوں کو معلوم ہے۔

۴۔ سفر معاش، جب کسی شخص کو اپنے وطن میں ضرورت کے مطابق معاشی سامان حاصل نہ ہو سکے تو اس پر لازم ہے کہ یہاں سے سفر کر کے دوسری جگہ تلاش روزگار کر لے۔

۵۔ سفر تجارت، یعنی قدرے ضرورت سے زائد مال حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا، یہ بھی شرعاً جائز ہے، حق

تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم“ (بقرہ: ۱۹۸) ابتغاء فضل سے مراد

اس آیت میں تجارت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سفر حج میں بھی تجارت کی اجازت دیدی ہے تو تجارت کی لئے ہی

سفر کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوا۔

۶۔ طلب علم کے لئے سفر، اس کا بقدر ضرورت دین فرض عین ہونا، اور زائد از ضرورت کا فرض کفایہ ہونا معلوم

و معروف ہے۔

۷۔ کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر کرنا، یہ بجز تین مسجدوں کی درست نہیں مسجد حرام مکہ

مکرمہ مسجد نبوی مدینہ طیبہ مسجد اقصیٰ بیت المقدس۔

۸۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے سفر، جس کو رباط کہا جاتا ہے، احادیث کثیرہ میں اس کی بڑی فضیلت

مذکور ہے۔

۹۔ عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے سفر، حدیث میں اس کو بھی باعث اجر و ثواب قرار دیا گیا ہے

جیسا کہ صحیح مسلم: رقم: ۶۱۴۶، کی حدیث میں اقرباء و احباب کی ملاقات کے لئے سفر کرنے والے کے لئے فرشتوں

کی دعا کر دکر فرمایا گیا ہے (یہ جب ہی کہ ان کی ملاقات سے اللہ تعالیٰ کی رضا مقصود ہو کوئی مادی غرض نہ ہو) واللہ

اعلم۔ قرطبی فی تفسیر سورۃ النساء۔

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَاللَّبِيبِ وَالزُّبَيْرِ

نہیں جانتے تو علماء سے پوچھ لو۔ دلیلوں اور کتابوں کے ساتھ

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ

اور ہم نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں پر نازل ہوئے ہیں وہ ان پر ظاہر کر دو اور تاکہ

يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۰۲﴾ فَأَمِنَ الَّذِينَ مَكْرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمْ

وہ غور کریں۔ [4] کیا جو لوگ بُری بُری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے

[4] آیت مذکورہ کا یہ جملہ ”فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون“ اگرچہ ایک خاص مضمون کے بارے میں

آیا ہے، مگر الفاظ عام ہیں جو تمام معاملات کو شامل ہیں، اس لئے قرآنی اسلوب کے اعتبار سے درحقیقت یہ اہم ضابطہ ہے،

جو عقلی بھی ہے، نقلی بھی، کہ جو لوگ احکام کو نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں، اور نہ جاننے والوں پر فرض ہے

کہ جاننے والوں کے بتلانے پر عمل کریں، اسی کا نام تقلید نہیں ہے، (جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے) یہ قرآن کا واضح حکم بھی

ہے، اور عقلاً بھی اس کے سوا عمل کو عام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی، امت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک بلا اختلاف

اسی ضابطہ پر عمل ہوتا آیا ہے، عام علماء کا یہ قول ہے کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتویٰ لے کر عمل کریں، اور یہ ظاہر ہے کہ

ناواقف عوام کو علماء اگر قرآن و حدیث کے دلائل بتلا بھی دیں تو وہ ان دلائل کو بھی انہیں علماء کے اعتماد پر قبول کریں گے۔

بعض لوگ اس جملہ سے تقلید مروجہ کے لئے استدلال کرتے ہیں لیکن ان کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ یہ آیت یہود کی بارے میں نازل ہوئی ہے جیسا کہ تفسیر ابن جریر اور دیگر تفاسیر میں ہے، اور آیت کے سیاق

سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر بالفرض مان لے کہ یہ آیت عام ہے پھر بھی اس سے مروجہ تقلید ثابت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ

تعالیٰ نے ”ان کنتم لاتعلمون“ کی قید لگائی ہے، تو کیا مقلد عالم ہوتا ہے یا جاہل؟ اگر عالم ہوتا ہے تو پھر تقلید کی ضرورت

کیوں محسوس کرتا ہے؟ اور اگر جاہل ہوتا ہے تو اس آیت سے تقلید کے اثبات پر اس نے استدلال کیسے کیا؟

تیسری وجہ یہ ہے کہ اس میں اہل الذکر کا لفظ آیا ہے کہ عوام الناس علماء سے مطلوبہ مسائل کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور نبی ﷺ کا حکم معلوم کریں گے، اور علماء کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کا حکم بتائیں گے، جس کے نتیجے میں عوام الناس کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہو جائیں گے، اور علماء ان تک حق کی رسائی کا ذریعہ اور واسطہ بن جائیں گے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ”فاسئلوا اهل الرائی“ نہیں فرمایا، کہ علماء کی آراء اور اجتہاد کی تابعداری کرو، بلکہ ”اهل الذکر“ فرمایا ہے، اور اہل الذکر اور اہل الرائی میں بڑا فرق ہے، قرآن پاک میں معنوی تحریف کر کے ان کے غلط استعمال سے عوام الناس کو گمراہ کرنے سے مقلدین کو اجتناب کرنا چاہئے۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ امی کو نسے علماء سے درپیش مسائل کا حل طلب کرے گا، ان سے جو وفات پانچکے ہیں یا ان سے جو بقید حیات ہیں؟ ظاہر ہے تصفیہ طلب مسائل کے حل کے لئے آنجھانی عالم کا انتخاب ناممکن ہے، تو لاجمالہ زندہ علماء کرام سے ہی رابطہ کرنا پڑے گا جو کہ قرآن و حدیث کے موافق جواب دیں گے، تو ایسی صورت میں امی نہ تو حنفی رہ سکے گا اور نہ شافعی و حنبلی وغیرہ بلکہ وہ تبع کتاب و سنت کہلائے گا۔

اسی اتباع سے بعض علماء نے تقلید سے تعبیر کیا ہے، خطیب بغدادی نے کتاب الفقیہ و المتفقہ: ۶۸/۲، میں اور ابن تیمیہ نے فتاویٰ (مواضع مختلفہ) میں اس کو تقلید کہا ہے، خطیب نے فرمایا ہے:- واما فی الفروع فیسوغ فیہ التقلید بدلیل قوله تعالیٰ: فاسئلوا اهل الذکر، الاية، لانا لومعنا التقلید فی هذه المسائل التي هي من فروع الدين لا حجاج كل احدان يتعلم ذلك، وفي ايجاب ذلك قطع عن المعائن و هلاك الحرث و الماشية، فوجب ان يسقط۔ یہ تقلید بمعنی اتباع ہے، پہلے ہم یہ بیان کر چکے ہیں، کہ علماء نے اس کو علی سبیل المجاز تقلید کہا ہے، احکام الفصول: ۶۴۲، نفائس الاصول: ۳۹۱۹/۹، میں ہے کہ:- انما نسیمہ التقلید علی سبیل المجاز و الاتساع۔ اور اکثر لکھتے ہیں کہ رجوع العامی الی المفتی و القاضی الی العدول فی شہادتهم لیس بتقلید لوجود الحجة، (کتاب التحریر مع تیسیر التحریر: ۲/۲۴۱، و کتاب التقریر: ۳۴۰، التحریر: ۸/۱۳۰، و مسلم الثبوت: ۱۸۹، و فواتح الرحموت: ۲/۴۴۴، و عضد الدین علی مختصر ابن الحاجب: ۲/۳۰۵، و الغیث الهامع: ۳/۸۹۴ وغیرہ۔

اس آیت میں ”ذکر“ سے مراد با تفاق قرآن کریم ہے، اور رسول اللہ ﷺ کو اس آیت میں مامور فرمایا ہے، کہ آپ قرآن کی نازل شدہ آیات کا بیان اور وضاحت لوگوں کے سامنے کر دیں، اس میں اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن کریم کے حقائق و معارف و احکام کا صحیح سمجھنا رسول کریم ﷺ کے بیان پر موقوف ہے، اگر ہر انسان صرف عربی زبان

اور عربی آدب سے واقف ہو کر قرآن کے احکام کو حسب منشا الہی سمجھنے پر قادر ہوتا تو رسول اکرم ﷺ کو بیان و توضیح کی خدمت سپرد کرنے کے کوئی معنی نہیں رہتی۔

علامہ شاطبیؒ نے ”الموافقات“ میں پوری تفصیل سے ثابت کیا ہے کہ سنت رسول ﷺ پوری کی پوری کتاب اللہ کا بیان ہے، کیونکہ قرآن کریم نے رسول ﷺ کے متعلق فرمایا ہے ”انک لعلى خلق عظیم“ (القلم: ۴) اور عائشہ صدیقہ ام المومنینؓ نے اس ”خلق عظیم“ کی تفسیر یہ فرمائی:۔ کان خلقه القرآن، (مسند احمد: ۲۳۶۰۱) اس کا حاصل یہ ہوا کہ رسول ﷺ سے جو بھی کوئی قول و فعل ثابت ہے وہ سب قرآن ہی کے ارشادات ہیں؛ بعض تو ظاہری طور پر کسی آیت کی تفسیر و توضیح ہوتے ہیں جن کو عام اہل علم جانتے ہیں اور بعض جگہ بظاہر قرآن میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہوتا، مگر رسول ﷺ کے قلب مبارک میں بطور وحی اس کا القاء کیا جاتا ہے، وہ بھی ایک حیثیت سے قرآن ہی کے حکم میں ہوتا ہے۔ کیونکہ حسب تصریح قرآنی آپؐ کی کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں ہوتی بلکہ حق تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوتی ہے۔ ”وما یسطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی“ (النجم: ۳) اس سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ کی تمام عبادات، معاملات، اخلاق، عادات سب کی سب وحی الہی اور حکم قرآن ہیں۔ اور جہاں کہیں آپؐ نے اپنے اجتہاد سے کوئی کام کیا ہے تو بالآخر وحی الہی سے، یا اس پر کوئی تکمیل نہ کرنے سے اس کی تصحیح اور پھرتا سید کر دی جاتی ہے اس لئے وہ بھی حکم وحی ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت نے رسول ﷺ کا مقصد بعثت قرآن کریم کی تفسیر و بیان کو قرار دیا ہے، جیسا کہ سورہ (جمہ: ۲) وغیرہ کی متعدد آیات میں تعلیم کتاب کے الفاظ سے اس مقصد بعثت کو ذکر کیا گیا ہے، اب وہ ذخیرہ حدیث جس کو صحابہ و تابعین سے لیکر متاخرین محدثین تک امت کے باکمال افراد نے اپنی جانوں سے زیادہ حفاظت کر کے امت تک پہنچایا ہے، اور اس کی چھان بین میں عمریں صرف کر کے روایات حدیث کے درجے قائم کر دیئے ہیں، اور جس روایت کو بحیثیت سند اس درجہ کا نہیں پایا، کہ اس پر احکام شرعیہ کی بنیاد رکھی جائے اس کو ذخیرہ حدیث سے الگ کر کے صرف ان روایات پر مستقل کتابیں لکھ دی ہیں جو عمر بھر کی تنقیدوں اور تحقیقات کے بعد صحیح اور قابل اعتماد ثابت ہوئی ہیں۔ اگر آج کوئی شخص اس ذخیرہ حدیث کو کسی حیلے بہانے سے ناقابل اعتماد کہتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حکم قرآنی کی خلاف ورزی کی، کہ مضامین قرآن کو بیان نہیں کیا، یا یہ کہ آپ ﷺ نے تو بیان کیا تھا مگر وہ قائم و محفوظ نہیں رہا، بہر دو صورت قرآن بحیثیت معنی کے محفوظ نہ رہا جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ رکھی ہے۔ ”وانالہ لحافظون“ اس کا یہ دعویٰ اس نص قرآن کے خلاف ہے، اس سے ثابت ہوا کہ جو شخص سنت رسول کو اسلام کی حجت ماننے سے انکار کرتا ہے وہ درحقیقت قرآن ہی کا منکر ہے (نعوذ باللہ من ذلک)۔

﴿۱۴۱﴾ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۴۱﴾

یا (ایسی طرف سے) ان پر عذاب آئے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہو

﴿۱۴۲﴾ وَيَأْخُذُهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۱۴۲﴾ وَيَأْخُذُهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ

یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ یا جب ان کو عذاب کا ڈر پیدا ہو گیا ہو تو ان کو پکڑ لے

﴿۱۴۳﴾ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴۳﴾ لَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ

بیشک تمہارا پروردگار بہت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے۔ کیا ان لوگوں نے اللہ کی مخلوقات میں سے ایسی

﴿۱۴۴﴾ يَتَفَيَّؤُ ظِلَلُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ ﴿۱۴۴﴾

چیزیں نہیں دیکھیں جن کے سائے دائیں سے (بائیں کو) اور بائیں سے (دائیں کو) لوٹتے رہتے ہیں (یعنی) اللہ کے

وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

آگے عاجز ہو کر سجدے میں پڑے رہتے ہیں اور تمام جاندار جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے آگے

﴿۱۴۵﴾ مِنْ دَابَّةٍ وَالْمَلَائِكَةِ وَهُمْ لَا يُسْتَكْبِرُونَ ﴿۱۴۵﴾ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ

سجدہ کرتے ہیں اور فرشتے بھی اور وہ ذرا غور نہیں کرتے۔ اور اپنے پروردگار سے جو ان کے اوپر ہے ڈرتے ہیں

﴿۱۴۶﴾ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۱۴۶﴾ وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَهَيْنِ اثْنَيْنِ

اور جو ان کو ارشاد ہوتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو دو معبود نہ بناؤ معبود

﴿۱۴۷﴾ إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَإِيَّايَ فَارْهَبُونَ ﴿۱۴۷﴾ وَلَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

وہی ایک ہے تو مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے

﴿۱۴۸﴾ وَلَهُ الدِّينُ وَاصْبَاءُ غَيْرِ اللَّهِ تَتَّقُونَ ﴿۱۴۸﴾

سب اسی کا ہے اور اسی کی عبادت لازم ہے تو تم اللہ کے سوا اوروں سے کیوں ڈرتے ہو؟۔

﴿۳۳﴾ وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْرُونَ ﴿۳۳﴾

اور جو نعمتیں تمہیں میسر ہیں سب اللہ کی طرف سے ہیں پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے آگے چلاتے ہو

﴿۳۴﴾ ثُمَّ إِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ﴿۳۴﴾

پھر جب وہ تم سے تکلیف کو دُور کر دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں سے اللہ کے ساتھ شرک کرنے لگتے ہیں

﴿۳۵﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ فَتَمْتَعُوا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳۵﴾

تاکہ جو ہم نے ان کو عطا فرمائی ہیں ان کی ناشکری کریں تو (مشرکوں!) دنیا میں فائدے اٹھاؤ و غمقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا

﴿۳۶﴾ وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ تَاللَّهِ

اور ہمارے دیئے ہوئے مال میں سے ایسی چیزوں کا حصہ مقرر کرتے ہیں جن کو جانتے ہی نہیں (کافرو!) اللہ کی قسم!

﴿۳۷﴾ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُونَ ﴿۳۷﴾ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ

کہ جو تم افتراء کرتے ہو اس کی تم سے ضرور پرشش ہوگی۔ اور یہ لوگ اللہ کے لئے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں (اور) وہ

﴿۳۸﴾ سُبْحٰنَهُ وَلَهُمْ مَا يَشْتَهُونَ ﴿۳۸﴾ وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ

ان سے پاک ہے اور اپنے لئے (بیٹی) جو مرغوب (ودلپسند) ہیں۔ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو بیٹی (کے پیدا ہونے)

﴿۳۹﴾ ظَلَّ وَجْهَهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۳۹﴾ وَإِذَا بُشِّرَ

کی خبر ملتی ہے تو اس کا منہ (غم کے سبب) کالا پڑ جاتا ہے۔ اور وہ اندوہناک ہو جاتا ہے اور اس خیر بد

﴿۴۰﴾ بِهِ أَيُّمَسِّكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ

سے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے) کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں گاڑ دے؟

﴿۴۱﴾ إِلَّا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۴۱﴾ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السُّوءِ وَلِلَّهِ

دیکھو یہ جو تجویز کرتے ہیں بہت بُری ہے۔ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انہی کے لئے بُری باتیں (شایاں)

الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٤٠﴾ ﴿٤٠﴾ لَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ

ہیں اور اللہ کو صفتِ اعلیٰ (زیب دیتی ہے) اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے ظلم کے سبب

بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى

پکڑنے لگے تو ایک جاندار کو زمین پر نہ چھوڑے لیکن ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت

فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ﴿٤١﴾ ﴿٤١﴾

دیئے جاتا ہے جب وہ وقت آ جاتا ہے تو ایک گھڑی نہ پیچھے رہ سکتے ہیں نہ آگے بڑھ سکتے ہیں

وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكُذِبَ

اور یہ اللہ کے لئے ایسی چیزیں تجویز کرتے ہیں جن کو خود ناپسند کرتے ہیں اور زبان سے جھوٹ بکے جاتے ہیں

أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ﴿٤٢﴾ ﴿٤٢﴾

کہ ان کو (قیامت کے دن) بھلائی (یعنی نجات) ہوگی کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے (دوزخ کی) آگ (تیار) ہے اور یہ

تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ

(دوزخ میں) سب سے آگے بھیجے جائیں گے۔ اللہ کی قسم! ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے تو شیطان نے

أَعْمَاهُمْ فَهُوَ وَوَلِيُّهُمْ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٣﴾ ﴿٤٣﴾

ان کے کردار (ناشائستہ) ان کو آراستہ کر دکھائے تو آج بھی وہی ان کا دوست ہے اور ان کے لئے عذاب الیم ہے

وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ

اور ہم نے جو تم پر کتاب نازل کی ہے تو اس کے لئے کہ جس امر میں ان لوگوں کو اختلاف ہے تم اس کا فیصلہ کر دو

وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْقَوْمِ الْيُؤْمِنُونَ ﴿٤٤﴾ ﴿٤٤﴾ اللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا

اور (یہ) مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا

بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿۴۵﴾

پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کیا بیشک اس میں سننے والوں کے لئے نشانی ہے

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ

اور تمہارے لئے چار پائیوں میں بھی (مقام) عبرت (وغور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اسکے درمیان سے

لَبْنَا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّرِبِينَ ﴿۴۶﴾ وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ

ہم تمہیں خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لئے خوشگوار ہے۔ اور کھجور اور انگور کے میووں سے بھی (تم پینے

تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۗ إِنَّ فِي ذَلِكَ

کی چیزیں تیار کرتے ہو) کہ ان سے شراب بناتے ہو اور عمدہ رزق (کھاتے ہو) جو لوگ سمجھ رکھتے ہیں ان کیلئے ان

لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۴۷﴾ وَوَحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنْ اتَّخِذِي

(چیزوں) میں (قدرت الہی کی) نشانی ہے۔ اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھوں کو ارشاد فرمایا

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿۴۸﴾ لَكُمْ كُلِّي مِنْ كُلِّ

کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور (اونچی اونچی) چھتریوں میں جو لوگ بناتے ہیں گھر بنا اور ہر قسم کے میوے کھا

الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۗ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ

اور اپنے پروردگار کے صاف رستوں پر چلی جا اس کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہوتے ہیں

أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۴۹﴾

اس میں لوگوں (کے کئی امراض) کی شفا ہے بیشک سوچنے والوں کے لئے اس میں بھی نشانی ہے

وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُمَرِ

اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے اور تم میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ نہایت خراب عمر کو پہنچ جاتے ہیں

لَكِي لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ﴿۷۰﴾

اور (بہت کچھ) جاننے کے بعد ہر چیز سے بے علم ہو جاتے ہیں بیشک اللہ (سب کچھ) جاننے والا (اور) قدرت والا ہے

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا

اور اللہ نے رزق (ودولت) میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے تو جن لوگوں کو فضیلت دی ہے وہ اپنا رزق اپنے مملوکوں کو

بِرَأْدَى رِزْقِهِمْ عَلَى مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ أَفَبِعِزَّةِ اللَّهِ

تو دے ڈالنے والے ہیں نہیں کہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو کیا یہ لوگ نعمتِ الہی کے منکر ہیں؟

يَجْحَدُونَ ﴿۷۱﴾ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ

اور اللہ ہی نے تم میں سے تمہارے لئے عورتیں پیدا کیں اور عورتوں سے

أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ

تمہارے بیٹے اور پوتے پیدا کئے، اور کھانے کو تمہیں پاکیزہ چیزیں دیں تو کیا بے اصل چیزوں پر اعتقاد رکھتے ہیں

وَبِعِزَّةِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ ﴿۷۲﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ

اور اللہ کی نعمتوں سے انکار کرتے ہیں؟ اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جو ان کو آسمانوں اور زمین میں روزی دینے کا ذرا

لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۷۳﴾

بھی اختیار نہیں رکھتے اور نہ (کسی اور طرح کا) مقدر رکھتے ہیں

فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۷۴﴾

تو (لوگو!) اللہ کے بارے میں (غلط) مثالیں نہ بناؤ (صحیح مثالوں کا طریقہ) اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ

اللہ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک غلام ہے جو (بالکل) دوسرے کے اختیار میں ہے اور کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا

وَمَنْ رَزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا

اور ایک ایسا شخص ہے جس کو ہم نے اپنے ہاں سے (بہت سا) مال طیب عطا فرمایا ہے اور وہ اس میں سے (رات دن)

﴿۷۳﴾ هَلْ يَسْتَوْنَ ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۷۴﴾

پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتا رہتا ہے تو کیا یہ دونوں شخص برابر ہیں؟ (ہرگز نہیں) الحمد للہ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں سمجھ رکھتے

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ

اور اللہ ایک اور مثال بیان فرماتا ہے کہ دو آدمی ہیں ایک ان میں سے گونگا (اور دوسرے کی ملک) ہے (بے اختیار و ناتواں)

لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ أَيْنَمَا يُوَجِّهُهُ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ

کہ کسی چیز پر قدرت نہیں رکھتا اور اپنے مالک کو دو بھر ہو رہا ہے وہ جہاں اسے بھیجتا ہے (خیر سے کبھی) بھلائی نہیں لاتا کیا ایسا

﴿۷۴﴾ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۷۵﴾

(گونگا بہرا) اور وہ شخص جو (سننا بولتا اور) لوگوں کو انصاف کرنے کا حکم دیتا ہے اور خود سیدھے رستے پر چل رہا ہے دونوں برابر ہیں؟

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمَحِ الْبَصْرِ

اور آسمانوں اور زمین کا علم اللہ ہی کو ہے اور (اللہ کے نزدیک) قیامت کا آنا یوں ہے جیسے آنکھ کا جھپکنا بلکہ (اس سے بھی)

أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۷۶﴾ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ

جلد تر کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور اللہ ہی نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم سے پیدا کیا

مِّنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تمہیں کان اور آنکھیں

وَالْأَفْئِدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۷۷﴾ يَوْمَ يَرَوْنَ إِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوْ

اور دل (اور ان کے علاوہ اور) اعضاء بخشے تاکہ تم شکر کرو۔ کیا ان لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کی فضا میں

السَّمَاءِ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۷۹﴾

گھرے ہوئے (اڑتے رہتے) ہیں ان کو اللہ ہی تھا ہے رکھتا ہے ایمان والوں کے لئے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوتِكُمْ سَكَنًا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا

اور اللہ ہی نے تمہارے لئے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا اور اسی نے چوپایوں کی کھالوں سے تمہارے لئے ڈیرے بنائے

تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ وَمِنْ أَصْوَابِهَا

جن کو تم سبک دیکھ کر سفر اور حضر میں کام میں لاتے ہو اور ان کی اون اور ریشم

وَأُوبَارِهَا وَاشْعَارِهَا اثْنَاوَمْتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۸۰﴾

اور بالوں سے تم اسباب اور برتنے کی چیزیں (بناتے ہو جو) مدت تک (کام دیتی ہیں)۔

وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِمَّا خَلَقَ ظِلًّا وَجَعَلَ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَانًا

اور اللہ ہی نے تمہارے (آرام کے) لئے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے بنائے اور پہاڑوں میں غاریں بنائیں

وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُمُ بَأْسَكُمْ

اور کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے بچائیں اور (ایسے) کرتے (بھی) جو تم کو (اسلمہ) جنگ (کے ضرر) سے محفوظ رکھیں

كَذَلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ ﴿۸۱﴾

اسی طرح اللہ اپنا احسان تم پر پورا کرتا ہے تاکہ تم فرمانبردار بنو۔ اور اگر یہ لوگ اعراض کریں تو (اے پیغمبر!) تمہارا کام فقط

عَلَيْكَ الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۸۲﴾

کھول کر سنا دینا ہے۔ یہ اللہ کی نعمتوں سے واقف ہیں مگر (واقف ہو کر) ان سے انکار کرتے ہیں

الْكَافِرُونَ ﴿۸۳﴾

اور یہ اکثر ناشکرے ہیں۔ اور جس دن ہم ہر امت میں سے گواہ (یعنی پیغمبر) کھڑا کریں گے تو نہ تو کفار کو (بولنے کی)

لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۸۳﴾ وَإِذَارَأَ الَّذِينَ ظَلَمُوا

اجازت ملے گی اور نہ ان کے عذر قبول کئے جائیں گے۔ اور جب ظالم لوگ عذاب دیکھ لیں

الْعَذَابِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۸۴﴾

تو پھر نہ تو ان کے عذاب ہی میں تخفیف کی جائے گی اور نہ ان کو مہلت ہی دی جائے گی

وَإِذَارَأَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا شَرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَائُنَا

اور جب مشرک اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو دیکھیں گے تو کہیں گے کہ پروردگار! یہ وہی ہمارے شریک ہیں

الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ فَأَلْقُوا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۸۵﴾

جن کو ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے تو وہ (ان کے کلام کو مسترد کر دیں گے اور) ان سے کہیں گے کہ تم تو جھوٹے ہو

وَأَلْقُوا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَامَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۸۶﴾

اور اس دن اللہ کے سامنے سرگموں ہو جائیں گے اور جو طوفان وہ باندھا کرتے تھے سب ان سے جاتا رہے گا

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا

جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روکا ہم ان کو عذاب پر عذاب دیں گے اس لئے کہ

كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۷﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ

شرارت کیا کرتے تھے۔ اور (اس دن کو یاد کرو) جس دن ہم ہر امت میں سے خود ان پر گواہ کھڑے کریں گے

مِّنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ

اور (اے پیغمبر!) تمہیں ان لوگوں پر گواہ لائیں گے اور ہم نے تم پر (ایسی) کتاب نازل کی ہے کہ (اس میں) ہر چیز کا بیان

تَبَيَّنَّا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهَدَىٰ وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۸۸﴾

(مفصل) ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْأِحْسَانِ وَإِيتَايَ ذِي الْقُرْبَىٰ

اللہ تمہیں انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے

وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبُغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٤٠﴾

اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا

اور جب اللہ سے مضبوط عہد کرو تو اس کو پورا کرو اور جب کئی قسمیں کھاؤ تو ان کو مت توڑو کہ تم اللہ کو اپنا ضامن مقرر کر چکے ہو

وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾ وَلَا تَكُونُوا

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور اس عورت کی طرح نہ ہونا جس نے

كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ

مخنت سے تو سوت کا تاپھر اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ بنانے لگو

أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ وَلِيُبَيِّنَ لَكُمْ

کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے زیادہ غالب رہے بات یہ ہے کہ اللہ تمہیں اس سے آزماتا ہے

يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٤٢﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً

اور جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کو اس کی حقیقت تم پر ظاہر کر دے گا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم (سب) کو ایک ہی

وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَلِتَسْأَلَنَّ عَمَّا كُنْتُمْ

جماعت بنا دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جو عمل تم کرتے ہو (اس دن)

تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا

ان کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا۔ اور اپنی قسموں کو آپس میں اس بات کا ذریعہ بناؤ کہ (لوگوں کے) قدم جم

﴿۴۴﴾ وَتَذُوقُوا السُّوَاءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۴۴﴾

چکنے کے بعد لڑکھڑا جائیں اور اس وجہ سے کہ تم نے لوگوں کو اللہ کے رستے سے روکا تم کو عقوبت کا مزہ چکھنا پڑے اور بڑا سخت عذاب ملے

وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا إِنَّمَا

اور اللہ سے جو تم نے عہد کیا ہے (اس کو مت بیچو اور) اس کے بدلے تھوڑی سی قیمت نہ لو (کیونکہ ایفائے عہد کا) جو (صلہ)

﴿۴۵﴾ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۵﴾

اللہ کے ہاں مقرر ہے وہ اگر سمجھو تو تمہارے لئے بہتر ہے

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے (کہ کبھی ختم نہیں ہوگا) اور جن لوگوں نے صبر کیا

بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۶﴾ مِنْ عَمَلٍ صَالِحًا مَنْ ذَكَرَ أَوْ انْثَىٰ

ہم ان کو ان کے اعمال کا نہایت اچھا بدلا دیں گے۔ جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت

وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا

اور وہ مومن بھی ہوگا تو ہم اس کو (دنیا میں) پاک (اور آرام کی) زندگی سے زندہ رکھیں گے اور (آخرت میں) ان کے

يَعْمَلُونَ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۷﴾ إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

اعمال کا نہایت اچھا صلہ دیں گے۔ اور جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے پناہ مانگ لیا کرو

﴿۴۸﴾ ﴿۴۸﴾ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۴۹﴾ ﴿۴۹﴾

کہ جو مومن ہیں اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں ان پر اس کا کچھ زور نہیں چلتا

﴿۵۰﴾ ﴿۵۰﴾ إِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَ ۚ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۰﴾

اس کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس کو رفیق بناتے ہیں اور اس کے (وسوسے کے) سبب (اللہ کے ساتھ) شریک مقرر کرتے ہیں

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوا إِنَّمَا

اور جب ہم کوئی آیت کسی آیت کی جگہ بدل دیتے ہیں اور اللہ جو کچھ نازل فرماتا ہے اسے خوب جانتا ہے تو (کافر) کہتے

أَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ

ہیں کہ تم تو (یونہی) اپنی طرف سے بنا لاتے ہو حقیقت یہ ہے کہ ان میں اکثر نادان ہیں۔ کہہ دو کہ اس کو روح القدس

مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا

تمہارے پروردگار کی طرف سے سچائی کے ساتھ لے کر نازل ہوئے ہیں تاکہ یہ (قرآن) مومنوں کو ثابت قدم رکھے

وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۱۰۲﴾ لَقَدْ نَعَلِمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ

اور حکم ماننے والوں کے لئے تو (یہ) ہدایت اور بشارت ہے۔ اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ یہ کہتے ہیں، اس کو تو سکھاتا ہے

بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ﴿۱۰۳﴾

ایک آدمی، مگر جس کی طرف (تعلیم کی) نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے۔ [5]

إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾

جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے ان کو اللہ ہدایت نہیں دیتا اور ان کے لئے عذاب الیم ہے

إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكُذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْكٰذِبُونَ ﴿۱۰۵﴾

جھوٹ کی افتراء تو وہی لوگ کیا کرتے ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اور وہی جھوٹے ہیں

5 مفسر قرطبی نے کہا ہے، کہ عربی زبان کے سوا عجمی ترکیب تو قرآن میں ہے ہی نہیں، البتہ عجمی نام ضرور ہیں جیسے

ابراہیم، نوح، لوط علیہم السلام وغیرہ، اور اس سوال کے جواب میں کہ کیا قرآن مجید میں اس کے سوا بھی عجمی زبان کے الفاظ

ہیں، تو باقلانی اور طبری نے صاف انکار کر دیا ہے، اور فرمایا کہ اگر کوئی عجمی لفظ ہے بھی تو وہ حقیقت میں عربی ہی ہے یعنی

موافقت ہے۔ اس مسئلے کی مزید تفصیل امام شافعیؒ کی کتاب ”الرسالة“ میں موجود ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ
جو شخص ایمان لانے کے بعد اللہ کے ساتھ کفر کرے وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ

وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ
مطمئن ہو بلکہ وہ جو (دل سے اور) دل کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا

عَظِيمٌ ﴿۱۰۴﴾ لَكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ
یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں عزیز رکھا

وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۰۵﴾ لَكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى
اور اس لئے کہ اللہ کافر لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہی لوگ ہیں جن کے

قُلُوبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ وَأُولَئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ ﴿۱۰۸﴾
دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے اور یہی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں

لَا جَرَمَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۰۹﴾ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ
کچھ شک نہیں کہ یہ آخرت میں خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔ پھر جن لوگوں نے ایذا نہیں اٹھانے کے بعد

هَاجَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوا ثُمَّ جَاهَدُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا
ترک وطن کیا پھر جہاد کئے اور ثابت قدم رہے تمہارا پروردگار ان کو بیشک ان کے بعد

لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تَجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوْفَىٰ كُلُّ
بجتنے والا (اور ان پر) رحمت کرنے والا ہے جس دن ہر نفس اپنی طرف سے جھگڑا کرنے آئے گا اور ہر شخص کو

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۱۱﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً
اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کا نقصان نہیں کیا جائے گا۔ اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے

كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعَمِ

کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی ہر طرف سے رزق با فراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی

اللَّهُ فَاذْأَقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۱۱۳﴾ لَقَدْ

تو اللہ نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔

جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۱۴﴾

اور ان کے پاس انہی میں سے ایک پیغمبر آیا تو انہوں نے اس کو جھٹلایا سو ان کو عذاب نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے

فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلالًا طَيِّبًا وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ إِيَّاهُ

پس اللہ نے جو تم کو حلال طیب رزق دیا ہے اسے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر کرو اگر اسی کی عبادت کرتے ہو۔

تَعْبُدُونَ ﴿۱۱۵﴾ لِمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخَنزِيرِ وَمَا أُهْلَ

اس نے تم پر مردار اور لہو اور سور کا گوشت حرام کر دیا اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے

لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۶﴾

(اس کو بھی) ہاں اگر کوئی ناچار ہو جائے تو بشرطیکہ گناہ کرنے والا نہ ہو اور نہ حد سے نکلنے والا تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلالٌ وَهَذَا حَرَامٌ

اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے مت کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے

لَتَفْتُرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتُرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا

کہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگو جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں ان کا

يُفْلِحُونَ ﴿۱۱۷﴾ لِمَاعٍ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱۸﴾ وَعَلَى الَّذِينَ

بھلا نہیں ہوگا۔ (جھوٹ کا) فائدہ تو تھوڑا سا ہے مگر (اس کے بدلے) ان کو عذاب الیم (بہت) ہوگا اور جو چیزیں ہم تمہیں

هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا

پہلے بیان کر چکے ہیں وہ ہم نے یہودیوں پر حرام کر دی تھیں اور ہم نے ان پر کچھ ظلم نہیں کیا بلکہ وہی اپنے آپ پر

أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۸﴾ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

ظلم کرتے تھے۔ پھر جن لوگوں نے نادانی سے بُرا کام کیا پھر اس کے بعد توبہ کی اور

تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۹﴾

نیوکار ہو گئے تو تمہارا پروردگار (ان کو) توبہ کرنے اور نیوکار ہو جانے کے بعد بخشنے والا اور (ان پر) رحمت کرنے والا ہے

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾

بیشک ابراہیم (لوگوں کے) امام (اور) اللہ کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے

شَاكِرًا لِّلنِّعَمِ ۖ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۲۱﴾

اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا

وَأَتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّا فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۲۲﴾

اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ

پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور

مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۳﴾ لِيُجْعَلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اختلفُوا فِيهِ ۖ

مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ہفتے کا دن تو انہی لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا

وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۲۴﴾

اور تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ
 (اے پیغمبر!) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ
 وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ
 اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے بحث کرو جو اس کے رستے سے بھٹک گیا تمہارا پروردگار اسے بھی خوب جانتا ہے
 وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۲۲۵﴾ عَاقِبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۗ
 اور جو رستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔ [6] اور اگر تم ان کو تکلیف دینی چاہو تو اتنی ہی دو جتنی تکلیف تم کو

[6] اس آیت میں دعوت تبلیغ کا مکمل نصاب، اس کے اصول اور آداب کی پوری تفصیل چند کلمات میں سموتی ہوئی ہے، تفسیر قرطبی میں ہے کہ، ہرم بن حیان کی موت کا وقت آیا تو عزیزوں نے درخواست کی کہ ہمیں کچھ وصیت فرمائے، تو فرمایا کہ وصیت تو لوگ اموال کی کیا کرتے ہے، وہ میرے پاس ہے نہیں، لیکن میں تم کو اللہ کی آیات خصوصاً سورہ نحل کی آخری آیتوں کی وصیت کرتا ہوں، کہ ان پر مضبوطی سے قائم رہو وہ آیات یہی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

”دعوة“ کے لفظی معنی بلانے کے ہیں، انبیاء علیہم السلام کا پہلا فرض منصبی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے، پھر تمام تعلیمات نبوت و رسالت اسی دعوت کی تشریحات ہیں، قرآن میں (کئی جگہوں) رسول اللہ ﷺ کی خاص صفت داعی الی اللہ ہونا ذکر ہے (احقاف: ۳۱، آل عمران: ۱۴۰، حم سجدہ: ۲۴، احزاب: ۴۶)۔

تعبیر میں کبھی اس لفظ کو دعوت الی اللہ کا عنوان دیا جاتا ہے، اور کبھی دعوت الی الخیر کا اور کبھی دعوت الی سبیل اللہ کا، حاصل سب کا ایک ہے، کیونکہ اللہ کی طرف بلانے سے اس کے دین اور صراط مستقیم ہی کی طرف بلانا مقصود ہے۔

”السی سبیل ربک“ اس میں اللہ جل شانہ کی خاص صفت رب، اور پھر اس کی نبی ﷺ کی طرف اضافت میں اشارہ ہے کہ دعوت کا کام صفت ربوبیت اور تربیت سے تعلق رکھتا ہے، جس طرح حق تعالیٰ جل شانہ نے آپ کی تربیت فرمائی، آپ کو بھی تربیت کے انداز سے دعوت دینا چاہئے، جس میں مخاطب کے حالات کی رعایت کر کے وہ طرز اختیار کیا جائے کہ مخاطب پر بار نہ ہو۔ اور اس کی تاثیر زیادہ سے زیادہ ہو۔ خود لفظ دعوت بھی اس مفہوم کو ادا کرتا ہے، کہ پیغمبر کا کام صرف اللہ کے احکام پہنچانا اور سنا دینا نہیں بلکہ لوگوں کو ان کی تعمیل کی طرف دعوت دینا ہے، اور ظاہر ہے کہ

کسی کو دعوت دینے والا اس کے ساتھ ایسا خطاب نہیں کیا کرتا جس سے مخاطب کو وحشت و نفرت ہو، یا جس میں اس کے ساتھ استہزاء و تمسخر کیا گیا ہو۔ جبکہ اس میں نصاب تبلیغ کو بھی اشارہ ہے۔

”بالحکمة“ لفظ حکمت قرآن کریم میں بہت سے معانی کے لئے استعمال ہوا ہے، اس جگہ بعض ائمہ تفسیر نے حکمت سے مراد قرآن کریم، بعض نے قرآن و سنت، بعض نے حجت قطعیہ کو قرار دیا ہے، اور روح المعانی نے بحوالہ بحر محیط حکمت کی تفسیر یہ کی ہے: انہا الکلام الصواب الواقع من النفس اجمل موقع۔ یعنی حکمت اس درست کلام کا نام ہے جو انسان کے دل میں اتر جائے، اس تفسیر میں تمام اقوال جمع ہو جاتے ہیں، اور صاحب روح البیان نے بھی تقریباً یہی مطلب ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے، کہ حکمت سے مراد وہ بصیرت ہے جس کے ذریعہ انسان مقتضیات احوال کو معلوم کر کے اس کے مناسب کلام کرے، وقت اور موقع ایسا تلاش کرے کہ مخاطب پر بار نہ ہو، نرمی کی جگہ نرمی اور سختی کی جگہ سختی اختیار کرے، اور جہاں یہ سمجھے..... کہ صراحتاً کہنے میں مخاطب کو شرمندگی ہوگی، وہاں اشارات سے کلام کرے، یا کوئی ایسا عنوان اختیار کرے کہ مخاطب کو نہ شرمندگی ہو اور نہ اس کے دل میں اپنے خیال پر جھنے کا تعصب پیدا ہو۔

”الموعظة“ موعظہ اور وعظ کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی خیر خواہی کی بات کو اس طرح کہا جائے کہ اس سے مخاطب کا دل قبولیت کے لئے نرم ہو جائے، مثلاً اس کے ساتھ قبول کرنے کے ثواب و فوائد اور نہ کرنے کے عذاب و مفساد ذکر کئے جائیں (قاموس و مفردات راغب)۔

”الحسنة“ کے معنی یہ ہیں کہ بیان اور عنوان بھی ایسا ہو جس سے مخاطب کا قلب مطمئن ہو، اس کے شکوک و شبہات دور ہوں، اور مخاطب یہ محسوس کرے کہ آپ کی اس میں کوئی غرض نہیں۔ صرف اس کی خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں۔ ”موعظتہ“ کے لفظ سے خیر خواہی کی بات مؤثر انداز میں کہنا تو واضح ہو گیا تھا، مگر خیر خواہی کی بات بعض اوقات دل خراش عنوان سے یا اس طرح بھی کہی جاتی ہے جس سے مخاطب اپنی اہانت محسوس کرے (روح المعانی)۔ اس طریقہ کو چھوڑنے کے لئے لفظ ”حسنة“ کا اضافہ کر دیا گیا،

”وجادلہم بالتي هي احسن“ لفظ ”جادل“ مجادلہ سے مشتق ہے، اس جگہ مجادلہ سے مراد بحث و مناظرہ ہے، اور ”بالتی هي احسن“ سے مراد یہ ہے کہ اگر کوئی دعوت میں کہیں بحث و مناظرہ کی ضرورت پیش آجائے تو وہ مباحثہ بھی اچھے طریقہ سے ہونا چاہیے۔

روح المعانی میں ہے کہ اچھے طریقہ سے یہ مراد ہے کہ گفتگو میں لطف اور نرمی اختیار کی جائے، دلائل ایسے پیش

کئے جائیں جو مخاطب آسانی سے سمجھ سکے، دلیل میں وہ مقدمات پیش کئے جائیں جو مشہور و معروف ہوں، تاکہ مخاطب کے شکوک دور ہوں، اور وہ ہٹ دھرمی کے راستے پر نہ پڑ جائے، اور قرآن کریم کی دوسری آیات اس پر شاہد ہیں، کہ یہ احسان فی الجادلہ صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص نہیں، اہل کتاب کے بارے میں تو خصوصیت کے ساتھ قرآن کا ارشاد ہے: وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ الْبَالِغَةَ هِيَ أَحْسَنُ، (عنکبوت: ۴۶)۔ اور دوسری آیت میں موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو ”قولالہ قولالینا“ (طہ: ۴۴) کی ہدایت دے کر یہ بھی بتلادیا کہ فرعون جیسے سرکش کافر کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنا ہے۔

آیت مذکورہ میں دعوت کے لئے تین چیزوں کا ذکر ہے، اول حکمت، دوسرے موعظہ حسنہ، تیسرے مجادلہ بالمتیٰ ہی احسن، بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تین چیزیں مخاطبین کی تین قسموں کی بناء پر ہیں، دعوت بالحکمۃ اہل وفہم کے لئے، دعوت بالموعظہ، عوام کے لئے، مجادلہ ان لوگوں کیلئے جن کے دلوں میں شکوک و شبہات ہو، یا جو عناد اور ہٹ دھرمی کے سبب بات ماننے سے منکر ہوں۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ اداب دعوت ہر ایک کے لئے استعمال کرنے ہیں، کہ دعوت میں سب سے پہلے حکمت سے مخاطب کے حالات کا جائزہ لے کر اس کے مناسب کلام تجویز کرنا ہے۔ پھر اس کلام میں خیر خواہی و ہمدردی کے جذبہ کے ساتھ ایسے شواہد اور دلائل سامنے لانا ہے، جن سے مخاطب مطمئن ہو سکے، اور طرز بیان و کلام ایسا مشفقانہ اور نرم رکھنا ہے کہ مخاطب کو اس کا یقین ہو جائے کہ یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں میری ہی مصلحت اور خیر خواہی کے لئے کہہ رہے ہیں، مجھے شرمندہ کرنا یا میری حیثیت کو مجروح کرنا ان کا مقصد نہیں۔

البتہ صاحب روح المعانی نے اس جگہ ایک نہایت لطیف نکتہ یہ بیان فرمایا کہ آیت کے نسق سے معلوم ہوتا ہے کہ اصول دعوت اصل میں دو ہی چیزیں ہیں، حکمت اور موعظت، تیسری چیز مجادلہ، اصول دعوت میں داخل نہیں، ہاں طریقہ دعوت میں کبھی اس کی بھی ضرورت پیش آجاتی ہے۔

صاحب روح المعانی کا استدلال اس پر یہ ہے کہ اگر یہ تینوں چیزیں اصول دعوت ہوتیں تو مقتضائے مقام یہ تھا کہ تینوں چیزوں کو عطف کے ساتھ اس طرح بیان کیا جاتا، بالحکمة و الموعظة الحسنیة و الجدل الاحسن، مگر قرآن کریم نے حکمت و موعظت کو تو عطف کے ساتھ ایک ہی نسق میں بیان فرمایا، اور مجادلہ کے لئے الگ جملہ ”جادلہم بالمتیٰ ہی احسن“ اختیار کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجادلہ فی العلم دراصل دعوت الی اللہ کا رکن یا شرط

نہیں، بلکہ طریق دعوت میں پیش آنے والے معاملات کے متعلق ایک ہدایت ہے، جیسا کہ اس کے بعد کی آیت میں صبر کی تلقین فرمائی ہے کیونکہ طریقہ دعوت میں لوگوں کو ایذاؤں پر صبر کرنا ناگزیر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصول دعوت دو چیزیں ہیں، حکمت اور موعظت، جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونا چاہئے خواہ علماء و خواص کو ہو یا عوام الناس کو، البتہ دعوت میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑ جاتا ہے جو شکوک و اوہام میں مبتلا اور داعی کے ساتھ بحث مباحثہ پر آمادہ ہیں۔ تو ایسی حالات میں مجادلہ کی تعلیم دی گئی، مگر اس کے ساتھ ”بالنسی ہی احسن“ کی قید لگا کر بتلادیا کہ جو مجادلہ اس شرط سے خالی ہو اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔

دعوت الی اللہ دراصل انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے، امت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں، تو لازم یہ ہے کہ اس کے آداب اور طریقے تقیہ بھی انہی سے سیکھیں، جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہے وہ دعوت کے بجائے عداوت اور جنگ و جدال کا موجب ہو جاتی ہے۔ دعوت پیغمبرانہ کے اصول میں جو ہدایت قرآن کریم میں موسیٰ و ہارون کے لئے نقل کی گئی ہے کہ: فقولا لہ قولا لینا لعلہ یتذکر او یحشی، یعنی فرعون سے نرم بات کرو شاید وہ سمجھ لے یا ڈر جائے۔ یہ ہر داعی حق کو ہر وقت سامنے رکھنا ضروری ہے کہ فرعون جیسا سرکش کافر جس کی موت بھی علم الہی میں کفر ہی پر ہونے والی تھی، اس کی طرف بھی جب اللہ تعالیٰ اپنے داعی کو بھیجتے ہیں تو نرم گفتار کی ہدایت کے ساتھ بھیجتے ہیں، آج ہم جن لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ فرعون سے زیادہ گمراہ نہیں، اور ہم میں سے کوئی ہارون اور موسیٰ علیہما السلام کے برابر ہادی و داعی نہیں۔ تو جو حق تعالیٰ نے اپنے دونوں پیغمبروں کو نہیں دیا کہ مخاطب سے سخت کلامی کریں، اس پر فقرے کسین، اس کی تو بین کریں، وہ حق ہمیں کہاں سے حاصل ہو گیا۔

قرآن کریم انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ اور کفار کے مجادلات سے بھرا ہوا ہے، اس میں کہی نظر نہیں آتا کہ کسی اللہ کے رسول نے حق کے خلاف ان پر طعن زنی کرنے والوں کے جواب میں کوئی ثقیل کلمہ بھی بولا ہو۔ اس کی چند مثالیں دیکھئے:

سورہ اعراف کی آیت: ۵۹ سے ۶۷ تک دو پیغمبر نوح اور ہود علیہما السلام کے ساتھ ان کی قوم کے مجادلے اور سخت الزامات کے جواب میں ان بزرگوں کے کلمات قابل ملاحظہ ہیں:

شعیب علیہ السلام نے قوم کو حسب دستور انبیاء اللہ کی طرف دعوت دی اور ان میں جو بڑا عیب، ناپ تول میں کمی کرنے کا تھا، اس سے باز آنے کی ہدایت فرمائی، تو ان کی قوم نے تمسخر کیا، اور تو بین آمیز خطاب کیا۔ (ہو: ۵: ۸۷)۔

موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجنے کے وقت جو زم گفتار کی ہدایت من جانب اللہ دی گئی تھی، اس کی پوری تعمیل کرنے کے باوجود فرعون کا خطاب موسیٰ علیہ السلام سے یہ تھا: قَالَ أَلَمْ نُنزِّبْكَ فِينَا وَلَيْدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ (الشعراء: ۱۸)۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام پر اپنا یہ احسان بھی جتلا یا کہ بچپن میں ہم نے تجھے پالا ہے، پھر یہ احسان بھی جتلا یا کہ بڑے ہونے کے بعد بھی کافی مدت تک تم ہمارے پاس رہے، پھر یہ عتاب کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے جو ایک قبیلے بغیر ارادہ قتل کے مارا گیا تھا اس پر غصہ و ناراضگی کا اظہار کر کے یہ بھی کہا کہ تم کافروں میں سے ہو گئے۔

اب اس موقع پر موسیٰ علیہ السلام کا جواب سنئے: جو پیغمبرانہ آداب دعوت اور پیغمبرانہ اخلاق کا شاہکار ہے، کہ اس میں سب سے پہلے تو اس کو تباہی اور کمزوری کا اعتراف کر لیا، جو ان سے سرزد ہو گئی تھی، یعنی اسرائیلی آدمی سے لڑنے والے قبیلے کو ہٹانے کے لئے ایک مکہ اس کو مارا تھا، جس سے وہ مر گیا، تو گو یہ قتل عمد الارادہ نہیں تھا، مگر کوئی دینی تقاضا بھی نہیں تھا، بلکہ شریعت موسیٰ کے لحاظ سے بھی وہ شخص قتل کا مستحق نہیں تھا، اس لئے پہلے یہ اعتراف فرمایا: "فعلتها اذا وانامن الضالین" مراد یہ ہے کہ یہ فعل عطاء نبوت سے پہلے سرزد ہو گیا تھا، جبکہ مجھے اس بارہ میں اللہ کا کوئی حکم معلوم نہیں تھا، اس کے

بعد فرمایا: فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُمْكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸﴾ (الشعراء)

پھر اس کے احسان جتلانے کا جواب یہ دیا کہ تمہارا یہ احسان جتنا صحیح نہیں، کیونکہ میری پرورش کا معاملہ تمہارے ہی ظلم و عدوان کا نتیجہ تھا، کہ تم نے اسرائیلی بچوں کے قتل کا حکم دے رکھا تھا، اس لئے والدہ نے مجبور ہو کر مجھے دریا میں ڈالا اور تمہارے گھر تک پہنچنے کی نوبت آئی فرمایا: "وتلك نعمة تمنها علي ان عبدت بنی اسرائیل" شعراء ۲۲۔

یہ ایک طویل مکالمہ ہے جو فرعون کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہو رہا ہے، جو سورہ شعراء میں بیان ہوا ہے، اللہ کے مقبول رسول موسیٰ علیہ السلام کے اس مکالمہ کو اول سے آخر تک دیکھئے، نہ کہیں جذبات کا اظہار ہے، نہ اس کی بدگوئی کا جواب ہے، نہ اس کی سخت کلامی کے جواب میں کوئی سخت کلمہ ہے، بلکہ مسلسل اللہ جل شانہ کی صفت کمال کا بیان ہے، اور تبلیغ کا سلسلہ جاری ہے۔

یہ مختصر سا نمونہ ہے انبیاء علیہم السلام کے مجادلات کا جو اپنے معاند اور ضدی قوم کے مقابلہ میں کئے گئے ہیں اور، مجادلہ بالنتی ہی احسن جو قرآن کریم کی تعلیم ہے، اس کے عملی تشریح ہے، مجادلات کے علاوہ دعوت و تبلیغ =

وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ﴿۲۴﴾ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ

ان سے پہنچی اور اگر صبر کرو تو وہ صبر کرنے والوں کے لئے بہت اچھا ہے۔ اور صبر ہی کرو اور تمہارا صبر بھی اللہ ہی کی مدد سے

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۲۷﴾

ہے اور ان کے بارے میں غم نہ کرو اور جو یہ بداندیشی کرتے ہیں اس سے تنگدل نہ ہو،

إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ﴿۲۸﴾

یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں اور نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔

= میں ہر مخاطب اور ہر موقع کے مناسب کلام کرنے میں حکیمانہ اصول اور عنوان و تعبیر میں حکمت و مصلحت کے رعایتیں بھی جو انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمائی ہے، اور دعوت الی اللہ کو مقبول و موثر اور پائیدار بنانے کے لئے جو طرز عمل اختیار فرمایا ہے وہی دراصل دعوت کی روح ہے اس کی تفصیلات تو تمام تعلیمات نبوی علیہ السلام نے پھیلی ہوئی ہیں، جو اصحاب السیر نے تفصیل سے بیان کئے ہیں۔

آخری آیت میں ایک عام قاعدہ اللہ تعالیٰ کی نصرت و امداد حاصل ہونے کا یہ بتلادیا إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ان لوگوں کے ساتھ ہوتی ہے جو دو صفتوں کے حامل ہوں، ایک تقویٰ، دوسرے احسان، تقویٰ کا حاصل نیک عمل کرنا، اور احسان کا مفہوم اس جگہ خلق اللہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا ہے یعنی جو لوگ شریعت کے تابع، اعمال صالحہ کا پابند ہوں اور دوسروں کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے ہوں، حق تعالیٰ ان کے ساتھ ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ کی معیت (نصرت) حاصل ہو اس کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے؟



سورة بنی اسرائیل (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلٰی الْمَسْجِدِ

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک

الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَكْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیْہٖ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۱﴾

جس کے گرد گردوہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں، بیشک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے [1]

[1] اس آیت میں معجزہ اسراء کا ذکر ہے معجزہ اسراء یعنی معجزہ معراج کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ روحانی تھا کہ

جسمانی۔ بعض صحابہ اور بعض تابعین سے منقول ہے کہ معراج روحانی تھا، یعنی رسول اللہ ﷺ کو یہ خواب میں کرائی گئی

اور تمام ملکوت کا آپ نے حالت خواب میں مشاہدہ فرمایا، لیکن جمہور صحابہ اور جمہور ائمتہ کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ

کا معراج بجز غصری تھا اور حالت بیداری میں تھا، مسجد حرام سے لیکر مسجد اقصیٰ تک، اور پھر وہاں سے لیکر ساتوں آسمانوں

کے اوپر، جہاں تک اللہ تعالیٰ نے چاہا، آپ کو عجائب ملکوت کا بجز غصری بحالت بیداری بچشم سر مشاہدہ کرایا۔ و ذہب

معظم السلف و المسلمین الی انہ کان اسراء بالجسد و فی الیقضة الخ قرطبی۔ والاصح بل

الصحيح ان الاسراء فی الیقضة بعد البعثۃ مرة واحدة الخ (جامع البیان)۔

معراج کے دو حصے ہیں، ایک مسجد حرام سے لیکر مسجد اقصیٰ تک، دوم مسجد اقصیٰ سے لے کر ”الی ما شاء اللہ“

معراج کا پہلا حصہ یہاں مذکور ہے اور دوسرا حصہ سورة النجم میں اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے۔ بعض لوگوں کا خیال

ہے کہ معراج کے دونوں حصے ایک وقت میں واقع نہیں ہوئے، بلکہ پہلی بار مسجد حرام سے، مسجد اقصیٰ تک ہوا، پھر دوسری

بار دوسرے وقت میں مکہ سے آسمانوں تک ہوا، مگر جمہور کا قول یہی ہے کہ مسجد حرام سے لیکر آسمانوں تک کا سارا واقعہ مسلسل

ایک ہی وقت میں پیش آیا۔ وانہ ركب البراق بمكة و وصل الی بیت المقدس و صلی فیہ ثم اسری

بحسدہ النخ۔ (قرطبی)۔

واقعہ معراج کو اس لئے ذکر کیا گیا کہ مشرکین مکہ بطور تمسخر نبی کریم ﷺ سے عذاب کا مطالبہ کرتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر قحط سالی کا عذاب مسلط کر دیا جو کئی سال تک جاری رہا، جیسا کہ سورہ نحل میں مذکور ہو چکا ہے۔ مگر اس عذاب کو دیکھ کر بھی وہ ایمان نہ لائے، بلکہ معجزہ کا مطالبہ کرنے لگے، تو اللہ تعالیٰ نے واقعہ معراج ظاہر کر کے ان کو ایک بہت بڑا معجزہ دکھایا، کہ اگر اس کے بعد بھی نہ مانو گے تو ہلاک کر دئے جاؤ گے، چنانچہ جنگ بدر کبریٰ میں ان منکرین کو قتل کر دیا گیا۔

سبحان الذی سبحانا تسبیحا، کے معنوں میں ہے اور وہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے ای سبحوا سبحانا الذی النخ، یعنی ہر عیب سے پاک سمجھو جس طرح کہ پاک سمجھنے کا حق ہے، اس ذات پاک کو جس نے توحید بیان کرنے والے اپنے بندہ خاص کو سیر کرائی، تسبیح، کے معنی ہر عیب اور برائی سے پاک اور منزہ کے ہیں، ومعناہ التنزیہ و البراءة لله عزوجل من کل نقص. قرطبی.

شُرک ایک بہت بڑا عیب ہے جو ذات باری تعالیٰ کے لائق نہیں اور اس کی ذات اس سے پاک ہے جیسا کہ فرمایا: سبحان اللہ عما یشرکون اور سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون اس طرح اس میں دعویٰ سورت کا ذکر ہے کہ کسی کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اور اسے ہر شریک سے پاک سمجھو، نیز یہ دلیل وحی ہے یعنی میں تمہیں اللہ کے وحی سنار ہا ہوں کہ اللہ کو شریک سے پاک سمجھو یہ پہلی ایت معجزہ بھی ہے جس میں معجزہ معراج کا ذکر کیا گیا ہے آیات معجزہ سے مقصود توحیف ہے یعنی اگر یہ معجزہ دیکھ کر بھی مسئلہ توحید نہیں مانو گے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب آئے گا۔

”عبد“ سے مراد نبی کریم ﷺ ہے واقعہ معراج رسول اللہ ﷺ کے لئے بہت بڑا شرف ہے جو کسی اور پیغمبر کو نصیب نہیں ہوا، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ایسے نام یعنی عبد سے یاد فرمایا جو اسے سب سے زیادہ پسند تھا، قال العلماء لو کان للنبی ﷺ اسم اشرف منه لسمّاه به فی تلک الحاله العلیة. (قرطبی). نیز آپ کی امت کو تو اضع کا سبق دینا تھا اور یہ بتانا تھا کہ محمد ﷺ بائن شرف و اعزاز اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور صفت بندگی کسی حال میں ان سے جدا نہیں ہو سکتی۔ ”لیلا“ کی تکثیر تقلیل کے لئے ہے یعنی ہم نے رات کے تھوڑے سے حصے میں اپنے بندے کو سیر کرائی۔ لام، عاقبت کے لئے ہے اور ”من ایاتنا“ سے وہ عجائب قدرت مراد ہے جو آپ کو اس سیر کے دوران میں دکھائے گئے، من عجائب قدرتنا، و قدرأی هناک الانبیاء و الایات الکبریٰ. معالم۔

جناب شیخ حسین علی فرماتے ہیں کہ ”من ایاتنا“ سے مشرکین کی ہلاکت مراد ہے یعنی ہم نے یہ عظیم معجزہ معراج اپنے بندہ خاص کو اس لئے دکھایا تھا کہ اس کے بعد اگر مشرکین مکہ مسئلہ توحید کا انکار کرے تو ہم ان معاندین کی ہلاکت میں آپ کو اپنے قدرت کا ایک عظیم اور حیرت انگیز نشان دکھائیں۔ چنانچہ جب مشرکین نے معجزہ اسراء کے بعد بھی مسئلہ توحید کو نہ مانا تو اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں بے ساز و سامان مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھوں مشرکین کے مسلح اور کئی گنا بڑے لشکر کو ذلت و خواری کے ساتھ معجزانہ طور پر شکست دی۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: لنسریک من ایاتنا الكبرى، طہ: ۲۳۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پیغام توحید دیا ”انسی اناللا لا الہ الا اننا“ طہ: ۱۴، اس کے بعد اس مسئلہ توحید کی خاطر عصا اور ید بیضاء عطا فرمایا کہ قوم فرعون کے سامنے مسئلہ توحید پیش کرو، اپنی سچائی اور مسئلہ کی حقانیت ظاہر کرنے کے لئے یہ معجزہ دکھاؤ اگر انہوں نے ان معجزات کے بعد بھی مسئلہ نہ مانا تو ہم فرعون اور اس کی قوم کو آپ کے سامنے اس طرح ہلاک کریں گے کہ ان کی ہلاکت بھی ہماری قدرت کا ایک عجیب کرشمہ اور اعجاز ہوگی۔

چنانچہ قوم فرعون کو سمندر کے خشک راستوں میں جو بنی اسرائیل کی سلامتی کے لئے معجزانہ طور پر بنائے گئے تھے داخل کر کے ہلاک کیا گیا۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے صبح اٹھ کر واقعہ معراج کا پہلا حصہ مشرکین کے سامنے بیان کیا کہ میں آج رات بیت المقدس سے ہو کر آ گیا ہوں، تو سب نے تعجب کیا اور نہ مانا، مشرکین میں سے ایک شخص دوڑتا ہوا ابو بکرؓ کے پاس پہنچا اور کہنے لگا اے ابو بکرؓ کیا اب بھی محمد ﷺ کو مانو گے؟ فرمایا بات کیا ہے؟ اس نے کہا محمد ﷺ کہتے ہیں کہ میں آج رات بیت المقدس کی سیر کر آیا ہوں تو صدیق اکبر نے فرمایا اس میں کونسی تعجب کی بات ہے؟ آپ نے سچ فرمایا ہے ہم تو آپ کی آسمانوں والی باتیں مان لیتے ہیں تو زمین والی کیوں نہ مانیں گے؟ مشرکین نے آزمائش کے لئے آپ سے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھیں اس سے آپ کو بہت غم ہوا کیونکہ آپ بیت المقدس کی نشانیاں یاد کرنے کے لئے تو وہاں نہیں گئے تھے۔ جو لوگ سالہا سال کسی جگہ رہے اس جگہ کی ساری علامتیں تو انہیں بھی معلوم نہیں ہوتیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کا نقشہ آپ کے سامنے حاضر کر کے آپ کا غم دور فرما دیا، چنانچہ مشرکین نے جو بات پوچھی آپ نے صحیح بتادی راستے میں آپ کو جو قافلے ملے ان کے بارے میں آپ نے جو کچھ بتایا وہ بھی بالکل درست ثابت ہوا۔

خازن، معالم۔

مگر ان تمام باتوں کے باوجود مشرکین مکہ نے اس اعجاز قدرت کو جادو کہہ کر رد کر دیا اور نہ مانا، آخر جنگ بدر میں

عذاب قتل سے ہلاک کئے گئے۔ اس باب میں احادیث تو اترو کو پہنچ گئے ہیں، ہم ان صحابہ کرام کے اسمائے گرامی بمعہ حوالہ جات ذکر کرتے ہیں جنہوں نے واقعہ معراج کو نقل کیا ہے، اختصار کے طور پر ہم دیگر کتابوں کے علاوہ صرف سبل الہدیٰ: ۶۱۳۔ اور خصائص کبریٰ: ۳۷۸/۱، ذکر کرتے ہیں ان دونوں کتابوں میں ان صحابہ کرام سے یہ روایت نقل کئے گئے ہیں:

(۱). اسامة بن زيد[ؓ] (۲) انس بن مالک[ؓ] (۳) ابی بن کعب[ؓ] (۴) بریدة ابن الحصیب[ؓ] (۵) بلال بن سعد[ؓ]، (۶) بلال بن حمامة (۷) جابر بن عبد اللہ (۸) حذيفة بن الیمان (۹) سمرة بن جندب (۱۰) سہل بن سعد (۱۱) شداد بن اوس (۱۲) صہیب بن سنان (۱۳) عبد اللہ بن عباس (۱۴) عبد اللہ بن عمر بن الخطاب (۱۵) عبد اللہ بن عمرو (۱۶) عبد اللہ بن ابی اوفی (۱۷) عبد اللہ بن زبیر (۱۸) عبد اللہ بن اسعد بن زرارة (۱۹) عبد اللہ بن مسعود (۲۰) عباس بن عبد المطلب (۲۱) عثمان بن عفان (۲۲) علی ابن ابی طالب (۲۳) عمر بن الخطاب (۲۴) انس بن عیاض (۲۵) مالک بن صعصعة (۲۶) ابوبکر الصديق (۲۷) ام ہانی (۲۸) ابویوب الانصاری (۲۹) ابو الحمراء (۳۰) ابو الدرداء (۳۱) ابوذر الغفاری (۳۲) ابو سعید خدری (۳۳) ابوسفیان بن حرب (۳۴) ابوسلمة بن دحیة (۳۵) ابوسلمی راعی رسول اللہ ﷺ (۳۶) ابولیلی الانصاری (۳۷) ابوہریرة (۳۸) اسماء بنت ابی بکر (۳۹) ام المومنین عائشة (۴۰) ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ (۴۱) ام المومنین ام سلمة (۴۲) عبدالرحمن بن قرط (۴۳) ابو حبة الانصاری۔ مزید تفصیل کے لئے سبل الہدیٰ: ۱۱۳، سے لے کر ص: ۱۸۰، تک مطالعہ کیجئے۔ واقعہ کی وضاحت کے لئے صرف ایک حدیث۔ (جو کہ دلائل النبوة ۲/۳۹۰، للبیہقی) (و کتاب الشریعة: ۲/۳۰۸، و تاریخ دمشق: ۳/۵۰۹، و تاریخ اسلام للذہبی: ۲/۶۱۷، میں نقل کیا ہے) لہذا حدیث ہے) ذکر کرتے ہیں، جو کہ ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ: ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب نے آپ ﷺ سے معراج کے واقعہ کے ذکر کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے پہلے تو یہی آیت یعنی: ”سبحان الذی“ کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ میں عشاء کے بعد مسجد میں سویا ہوا تھا جو ایک آنے والے نے آ کر مجھے جگایا۔ میں اٹھ بیٹھا لیکن کوئی نظر نہ آیا، ہاں کچھ جانور سا نظر آیا میں نے غور سے اسے دیکھا، اور برابر دیکھتا ہوا مسجد کے باہر چلا گیا، تو مجھے ایک عجیب جانور نظر پڑا ہمارے جانوروں میں سے تو اس کے کچھ

مشابہ نچر ہے۔

ہلتے ہوئے اور اوپر کواٹھے ہوئے کانوں والا تھا اس کا نام براق ہے، مجھ سے پہلے کے انبیاء بھی اسی پر سوار ہوتے رہے۔ میں اس پر سوار ہو کر چلا ہی تھا جو میری دائیں جانب سے کسی نے آواز دی کہ محمد میری طرف دیکھ میں تجھ سے کچھ پوچھوں گا۔ لیکن نہ میں نے جواب دیا نہ ٹھہرا۔ پھر جو ذرا اور آگے بڑھا تو بائیں طرف سے بھی آواز آئی لیکن میں وہاں بھی نہ ٹھہرا، نہ دیکھا، نہ جواب دیا۔

پھر کچھ آگے گیا کہ ایک عورت دنیا بھر کی زینت کئے ہوئے باہیں کھولے لکھڑی ہوئی ہے اس نے مجھے اسی طرح آواز دی کہ میں کچھ دریافت کرنا چاہتی ہوں لیکن میں نے نہ اسکی طرف التفات کیا نہ ٹھہرا۔ پھر آپ کا بیت المقدس پہنچنا دودھ کا برتن لینا اور جبریل علیہ السلام کے فرمان سے خوش ہو کر دودھ تکبیر کہنا ہے پھر جبریل علیہ السلام نے پوچھا آپ کے چہرے پر فکر کیسے ہے؟ میں نے وہ دونوں واقعے راستے کے بیان کئے، تو آپ نے فرمایا کہ پہلا شخص تو یہودی تھا اگر آپ اس جواب دیتے یا وہاں ٹھہرتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی۔

دوسرا نصرانیوں کا دعوت دینے والا تھا وہاں اگر آپ ٹھہرتے اور اس سے باتیں کرتے تو آپ کی امت نصرانی ہو جاتی اور وہ عورت جو تھی وہ دنیا تھی اگر آپ اسے جواب دیتے یا وہاں ٹھہرتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دے کر گمراہ ہو جاتی۔

پھر میں اور جبریل علیہ السلام بیت المقدس میں گئے ہم دونوں نے دودھ اور کتین نفل نماز ادا کیں، پھر ہمارے سامنے معراج لائی گئی جس سے بنی آدم کی روحیں چڑھتی ہیں۔ دنیا نے ایسی اچھی چیز کبھی نہیں دیکھی (تم نہیں دیکھتے کہ مرنے والے کی آنکھیں آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہیں۔ یہ اسی سیڑھی کو دیکھتے ہوئے تعجب کے ساتھ) ہم دونوں اوپر چڑھ گئے میں نے اسمعیل نامی فرشتے سے ملاقات کی جو آسمان دنیا کا سردار ہے جس کے ماتحت ستر ہزار فرشتے ہیں جن میں سے ہر ایک فرشتے کے ساتھ اس کے لشکری فرشتوں کی تعداد ایک لاکھ ہے۔

فرمان الہی ہے: **”وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ“** المذثر: ۳۱، تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے جبریل علیہ السلام نے اس آسمان کا دروازہ کھلوانا چاہا۔ پوچھا گیا کون ہے؟ کہا جبریل، پوچھا گیا آپ کے ساتھ اور کون ہیں؟ بتلایا کہ محمد ﷺ ہیں، کہا گیا، کہ کیا ان کی طرف بھیجا گیا تھا؟ جواب دیا کہ ہاں۔ وہاں میں نے آدم علیہ السلام کو دیکھا اسی ہیئت میں جس میں وہ اس دن تھے جس دن اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ ان کی اصلی صورت پر۔ ان کے

سامنے ان کی اولاد کی روحیں پیش کی جاتی ہیں۔ نیک لوگوں کی روحوں کو دیکھ کر فرماتے ہیں پاک روح ہے اور پاک جسم بھی ہے اسی علیین میں لے جاؤ۔ اور بدکاروں کی روحوں کو دیکھ کر فرماتے ہیں خمیث روح ہے جسم بھی خمیث ہے اسے سحین میں لے جاؤ۔ کچھ ہی چلا ہوں گا، کہ میں نے دیکھا کہ خوان لگے ہوئے ہیں جن پر نہایت نفیس گوشت بھنا ہوا ہے۔ اور دوسری جانب اور خوان لگے ہوئے ہیں جن پر بدبودار سڑا گوشت رکھا ہوا ہے۔ کچھ لوگ ہیں جو عمدہ گوشت کے تو پاس بھی نہیں آتے اور اس سڑے ہوئے گوشت کو کھا رہے ہیں۔

میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا آپ کی امت کی وہ لوگ ہیں جو حلال کو چھوڑ کر حرام کی رغبت کرتے تھے۔ پھر میں کچھ اور چلا، تو کچھ اور لوگوں کو دیکھا ان کے ہونٹ اونٹ کی طرح کی طرح کے ہیں، ان کے منہ پھاڑ پھاڑ کر فرشتے انہیں اس گوشت کے لقمے دے رہے ہیں، جو ان کے دوسرے راستے سے واپس نکل جاتا ہے وہ چیخ کر چلا رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کر رہے ہیں میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا یہ آپ کے امت کے وہ لوگ ہیں جو تیبیوں کا مال ناحق کھا جایا کرتے تھے، جو لوگ تیبیوں کا مال ناحق کھائیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور وہ ضرور بھڑکتی ہوئی جہنم کی آگ میں جائیں گے۔

میں کچھ دور اور چلا دیکھا کہ کچھ عورتیں اپنے سینوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں اور ہائے وائے کر رہے ہیں، میرے پوچھنے پر جواب ملا، کہ یہ آپ کی امت کی زنا کار عورتیں ہیں۔ میں کچھ دور اور گیا، تو دیکھا کہ کچھ لوگوں کے پیٹ بڑے بڑے گھڑوں جیسے ہیں جب وہ اٹھنا چاہتے ہیں تو گر گر پڑتے ہیں اور بار بار کہہ رہے کہ اے اللہ قیامت قائم نہ ہو، فرعونی جانوروں سے وہ روندے جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سامنے آہ وزاری کر رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو جبرئیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے، سود خواران لوگوں کی طرح ہی کھڑے ہوں گے جنہیں شیطان نے باؤ لا بنا رکھا ہے۔

میں کچھ اور چلا تو دیکھا کہ کچھ لوگ ہیں جن کے پہلو سے گوشت کاٹ کاٹ کر فرشتے انہیں کھلا رہے ہیں اور کہتے جاتے ہیں کہ جس طرح اپنے بھائی کا گوشت اپنی زندگی میں کھا تا رہا، اب بھی کھا، میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا آپ کی امت کے عیب جو، اور اوارہ کش لوگ ہیں۔

پھر ہم دوسرے آسمان پر چڑھے، تو میں نے وہاں ایک نہایت ہی حسین شخص کو دیکھا جو اور حسین لوگوں پر وہی اہمیت رکھتا ہے جو فضیلت چاند کو اور ستاروں پر ہے میں نے پوچھا جبرئیل یہ کون لوگ ہیں؟ انہوں نے فرمایا یہ آپ کے

بھائی یوسف علیہ السلام ہیں، اور ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ لوگ ہیں، میں نے انہیں سلام کیا، جس کا جواب انہوں نے دیا۔

پھر ہم تیسرے آسمان کی طرف چڑھے اسے کھلوا لیا، وہاں تکئی و عیسیٰ علیہما السلام کو دیکھا ان کے ساتھ ان کی قوم کے کچھ آدمی تھے، میں نے انہیں سلام کیا، اور انہوں نے مجھے جواب دیا۔

پھر میں چوتھے آسمان کی طرف چڑھا وہاں ادریس علیہ السلام کو پایا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے بلند مقام پر اٹھایا ہے میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیا۔

پھر پانچویں آسمان کی طرف چڑھا، وہاں ہارون علیہ السلام تھے آدھی دائرہ سفید تھی اور آدھی سیاہ اور بہت لمبی دائرہ تھی قریب قریب ناپ تک، میں نے جبرئیل علیہ السلام سے سوال کیا، انہوں نے بتلایا کہ یہ اپنی قوم کی ہر دلعزیز ہارون بن عمران علیہ السلام ہیں ان کے ساتھ ان کی قوم کی جماعت ہے انہوں نے بھی میرے سلام کا جواب دیا۔

پھر میں چھٹے آسمان کی طرف چڑھا، وہاں موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، آپ کا گندم گوں رنگ تھا بال بہت تھے اگر دو کرتے بھی پہن لے تو بال ان سے گزر جائیں۔ آپ فرمانے لگے لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس ان سے بڑے مرتبے کا ہوں حالانکہ یہ مجھ سے بڑے مرتبے کے ہیں۔ جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ آپ موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں، آپ کے پاس بھی آپ کی قوم کے لوگ تھے آپ نے بھی میرے سلام کا جواب دیا۔

پھر میں ساتویں آسمان کی طرف چڑھا وہاں میں نے اپنے والد ابراہیم خلیل الرحمن علیہ السلام کو اپنی بیٹھ بیت المعمور سے دکھائے ہوئے بیٹھے دیکھا۔ آپ بہت ہی بہتر آدمی ہیں۔ دریافت پر مجھے آپ کا نام بھی معلوم ہوا۔ میں نے سلام کیا، آپ نے جواب دیا، میں نے اپنی امت کو نصف نصف دیکھا، نصف کے تو سفید بگا جیسے کپڑے تھے اور نصف کے سخت سیاہ کپڑے تھے۔ میں بیت المعمور میں گیا میرے ساتھ ہی سفید کپڑے والے سب گئے، اور دوسرے، جن کے خاک کی کپڑے تھے وہ سب روک دیئے گئے۔ ہیں وہ بھی خیر پر۔

پھر ہم سب نے وہاں نماز ادا کی، اور وہاں سے سب باہر آئے اس بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں لیکن جو ایک دن پڑھ گئے ان کی باری قیامت تک نہیں آتی،

پھر میں سدرۃ المنتہی کی جانب بلند کیا گیا جس کا ہر پتہ اتنا بڑا تھا کہ میرے ساری امت کو ڈھانک لے۔ اس

میں سے ایک نہر جاری تھی جس کا نام سلسبیل ہے۔ پھر اس میں سے دو چشمے پھوٹے ہیں ایک نہر کوثر دوسرا نہر رحمت، میں نے اس میں غسل کیا میرے اگلے پچھلے سب گناہ معاف ہو گئے۔

پھر میں جنت کی طرف چڑھایا گیا۔ وہاں میں نے ایک حور دیکھی اس سے پوچھا تو کس کی ہے؟ اس نے کہا زید بن حارثہ کی، وہاں میں نے نہ بگڑنے والا پانی اور مزہ متغیر نہ ہونے والا دودھ کی اور بے نشہ لذیذ شراب اور صاف ستھرے شہد کی نہریں دیکھیں۔ اس کے انار بڑے بڑے ڈولوں کے برابر تھے۔ اسکے پرندے تمہارے ان بختی (اونٹ) جیسے تھے۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ نعمتیں تیار کی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی، نہ کسی کان نے سنی، نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خیال تک گذرا۔

پھر میرے سامنے جنم پیش کی گئی جہاں غضب الہی ناراضگی الہی تھی اس میں اگر پتھر اور لوہا ڈالا جائے تو وہ اسے بھی کھا جائے۔ پھر میرے سامنے سے وہ بند کر دی گئی،

میں پھر سردرة المنتہیٰ تک پہنچا دیا گیا اور مجھے ڈھانپ لیا گیا پس میرے اور اس کے درمیان صرف بقدر دو کمانوں کے فاصلہ رہ گیا، بلکہ اور قریب، اور سردرة المنتہیٰ کے ہر ایک پتے پر فرشتہ آ گیا، اور مجھ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ اور فرمایا کہ تیرے لئے ہر نیکی کے عوض دس ہیں، تو جب کسی نیکی کا ارادہ کرے گا، گو بجانہ لائے، تاہم نیکی لکھی جائے گی، اور جب بجا بھی لائے تو دس نیکیاں لکھی جائیں گی، اور برائی کی محض ارادے پر بغیر کیئے ہوئے کچھ بھی نہ لکھا جائے گا۔ اور اگر کر لی تو صرف ایک ہی برائی شمار ہوگی۔

پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنے اور آپ کے مشورے سے جانے اور کمی ہونے کا ذکر ہے، آخر جب پانچ روزہ گئیں، تو نداء کی گئی کہ میرا فریضہ پورا ہو گیا، میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی اور انہیں ہر نیکی کے بدلے اسی جیسی دس نیکیاں دیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے واپسی پر اب کی مرتبہ بھی مجھے پھر واپس جانے کا مشورہ دیا لیکن میں نے کہا اب تو جاتے ہوئے مجھے کچھ شرم ہی محسوس ہوتی ہے۔

پھر آپ نے صبح کو مکہ میں ان عجائبات کا ذکر کیا، کہ میں اس شب بیت المقدس پہنچا، آسمانوں پر چڑھایا گیا، اور یہ یہ دیکھا، اس پر ابو جہل بن ہشام کہنے لگا تعجب کی بات، سنو، اونٹوں کو مارتے پیٹتے ہم تو بیت المقدس مہینہ بھر میں پہنچیں اور مہینہ بھر ہی واپس لگ جائے، یہ کہتے ہیں دو ماہ کی مسافت ایک ہی رات طے کر آئے، آپ نے فرمایا سنو، جاتے وقت میں نے تمہارے قافلے کو فلاں جگہ دیکھا تھا اور آتے وقت وہ مجھے عقبہ میں ملا۔ سنو، اس میں فلاں فلاں شخص ہے فلاں =

وَآتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا تَتَّخِذُوا مِنْ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی تھی اور اس کو بنی اسرائیل کیلئے رہنما مقرر کیا تھا کہ میرے سوا کسی کو

دُونِي وَكَيْلًا ﴿٥٠﴾ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ﴿٥١﴾

کارساز نہ ٹھہرانا۔ اے ان لوگوں کی اولاد جن کو ہم نے نوح کیساتھ (کشتی میں) سوار کیا تھا بیشک نوح (ہمارے) شکرگزار بندے تھے

وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ

اور ہم نے کتاب میں بنی اسرائیل سے کہہ دیا تھا کہ تم زمین میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے

وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ﴿٥٢﴾ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا

اور بڑی سرکشی کرو گے۔ پس جب پہلے (وعدے) کا وقت آیا تو ہم نے اپنے سخت لڑائی لڑنے والے بندے تم پر مسلط

أُولَىٰ بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا ﴿٥٣﴾

کر دیئے اور وہ شہروں کے اندر پھیل گئے اور وہ وعدہ پورا ہو کر رہا

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكُرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَيْنَيْنَاكُمْ

پھر ہم نے دوسری بار تم کو ان پر غلبہ دیا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد کی اور تم کو

= اس رنگ کے اونٹ پر ہے اور اس کے پاس یہ اسباب ہے۔ ابو جہل نے کہا، خبریں تو دے رہا ہے دیکھیں کیسی نکلیں؟ اس

پران سے ایک شخص نے کہا میں بیت المقدس کا حال تم سب سے زیادہ میں جانتا ہوں، اس کی عمارت کا حال، اسکی شکل

و صورت پہاڑ سے اس کی نزدیکی وغیرہ، پس رسول اللہ ﷺ سے حجابات دور کر دیئے گئے اور جیسے ہم گھر میں بیٹھے گھر کی

چیزوں کو دیکھتے ہیں اسی طرح آپ کے سامنے بیت المقدس کر دیا گیا۔ آپ فرمانے لگے اسکی بناوٹ اس طرح کی ہے، اس

کی ہیئت اس طرح کی ہے، وہ پہاڑ سے اس قدر نزدیک ہے وغیرہ، اس نے کہا بے شک آپ سچ فرماتے ہیں۔ پھر اس نے

کفار کے مجمع کی طرف دیکھ کر کہا ﷺ اپنی بات میں سچے ہیں۔ یا کچھ ایسے ہی الفاظ کہے۔

أَكْثَرَ نَفِيرًا ﴿٤﴾ إِنَّ أَحْسَنَكُمْ أَحْسَنَتْكُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا

جماعت کثیر بنا دیا۔ اگر تم نیکی کرو گے تو اپنی جانوں کیلئے کرو گے اور اگر اعمال بد کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمہاری ہی

فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءَ وُجُوهَكُمْ

جانوں پر ہوگا پھر جب دوسرے (وعدے) کا وقت آیا (تو ہم نے پھر اپنے بندے بھیجے) تاکہ تمہارے چہروں کو (بڑوں) بگاڑ دیں

وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبَّرُوا مَا عَلُوا

اور جس طرح پہلی دفعہ مسجد (بیت المقدس) میں داخل ہو گئے تھے اسی طرح پھر اس میں داخل ہو جائیں اور جس چیز پر غلبہ

تَبِيرًا ﴿٥﴾ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ وَإِنْ عُدتُّمْ عُدْنَا

پائیں اُسے تباہ کر دیں۔ [2] یقین ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم پھر وہی (حزبتیں) کرو گے تو ہم بھی وہی

[2] ان آیات میں بنی اسرائیل کے دو واقعے عبرت و نصیحت کے لئے ذکر کئے گئے، کہ انہوں نے ایک مرتبہ معاصی اور حکم

ربانی کی مخالفت میں انہماک کیا، تو اللہ تعالیٰ نے انکے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا جنہوں نے ان کو تباہ کیا پھر ان کو کچھ تنبیہ

ہو گئی اور شرارت کم کر دی تو سنبھل گئے، مگر کچھ عرصہ کے بعد پھر وہی شرارتیں اور بد اعمالیاں ان میں پھیل گئیں

تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے دشمن کے ہاتھ سزا دلوائی، قرآن کریم میں دو واقعوں کا ذکر ہے مگر تاریخ میں اس طرح کے

چھ (۶) واقعات مذکور ہیں۔

﴿٥﴾ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ : سلیمان علیہ السلام بانی مسجد اقصیٰ کی وفات کے کچھ عرصہ کے بعد پیش آیا کہ بیت

المقدس کے حاکم نے بے دینی اور بد عملی اختیار کر لی تو مصر کا ایک بادشاہ اس پر چڑھ آیا اور بیت المقدس کا سامان سونے

چاندی کو لوٹ کر لے گیا مگر مسجد اور شہر کو منہدم نہیں کیا۔

﴿٦﴾ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمْ سے تقریباً چار سو سال بعد کا ہے کہ بیت المقدس میں بسنے والے بعض یہودیوں نے بت پرستی

شروع کر دی اور باقیوں میں نا اتفاقی اور باہمی جھگڑے ہونے لگے، اس کی نحوست پر مصر کے کسی بادشاہ نے ان پر چڑھائی

کر دی اور کسی قدر شہر اور مسجد کی عمارت کو بھی نقصان پہنچایا پھر انکی حالت کچھ سنبھل گئی۔

تیسری اور اسی کے چند سال بعد جب بخت نصر شاہ بابل نے بیت المقدس پر چڑھائی کر دی اور شہر کو فتح کر کے بہت سامان لوٹ لیا اور بہت سے لوگوں کو قیدی بنا کر لے گیا اور پہلے بادشاہ کے خاندان کے ایک فرد کو اپنے قائم مقام کے حیثیت سے اس شہر کا حاکم بنا دیا۔

چوتھی اور اسی کے بعد بادشاہ نے جو بت پرست اور بد عمل تھا، بخت نصر سے بغاوت کی تو بخت نصر دوبارہ چڑھ آیا اور کشت و خون اور قتل و غارت کی کوئی حد نہ رہی، شہر میں آگ لگا کر میدان کر دیا، یہ حادثہ تعمیر مسجد سے تقریباً چار سو پندرہ (۴۱۵) سال کے بعد پیش آیا، اور اس کے بعد یہودیوں سے جلا وطن ہو کر بابل چلے گئے جہاں نہایت ذلت و خواری سے رہتے ہوئے ستر سال گزر گئے، اس کے بعد شاہ ایران نے شاہ بابل پر چڑھائی کر کے بابل فتح کر لیا پھر شاہ ایران کو ان جلاوطن یہودیوں پر رحم آیا اور ان کو واپس ملک شام میں پہنچا دیا، اور ان کا لوٹا ہوا سامان بھی واپس کر دیا اب یہودی اپنے اعمال بد اور معاصی سے تائب ہو چکے تھے یہاں نئے سرے سے آباد ہوئے تو شاہ ایران کے تعاون سے پھر مسجد اقصیٰ کو سابق نمونہ کے مطابق بنا دیا۔

پانچواں واقعہ : یہ پیش آیا کہ جب یہودیوں کو یہاں اطمینان اور آسودگی دوبارہ حاصل ہو گئی تو اپنے ماضی کو بھول گئے اور پھر بد کاری اور بد اعمالی میں منہمک ہو گئے تو مسیح علیہ السلام کے پیدائش سے ایک سو ستر سال پہلے یہ واقعہ پیش آیا، کہ جس بادشاہ نے انطاکیہ آباد کیا تھا اس نے چڑھائی کر دی اور چالیس ہزار یہودیوں کو قتل کیا چالیس ہزار کو قیدی اور غلام بنا کر اپنے ساتھ لے گیا اور مسجد کی بھی بہت بے حرمتی کی، مگر عمارت مسجد بچ گئی، مگر پھر اس بادشاہ کے جانشینوں نے شہر اور مسجد کو بالکل میدان کر دیا اس کے کچھ عرصہ کے بعد بیت المقدس پر سلاطین روم کی حکومت ہو گئی انہوں نے مسجد کو پھر درست کیا اور اس کے آٹھ سال بعد عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔

چھٹا واقعہ : عیسیٰ علیہ السلام کے صعود اور نفع جسمانی کے چالیس برس بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ یہودیوں نے اپنے حکمران سلاطین روم سے بغاوت اختیار کر لی رومیوں نے پھر شہر اور مسجد کو تباہ کر کے وہی حالت بنا دی جو پہلے تھی، اس وقت کے بادشاہ کا نام طیطس تھا جو نہ یہودی تھا اور نہ نصرانی، اس کے بعد قسطنطین اول عیسائی ہوا ہے اور اس کے بعد سے عمر بن خطابؓ کے زمانہ تک یہ مسجد ویران پڑی رہی، یہاں تک کہ آپ نے اس کی تعمیر کرائی۔ یہ چھ واقعات تفسیر بیان القرآن میں بحوالہ تفسیر حقانی لکھے گئے ہیں۔

اب یہ بات کہ قرآن کریم نے جن دو واقعوں کا ذکر کیا ہے وہ ان میں سے کون سے ہیں؟ اس کی قطعی تعیین تو مشکل ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان میں سے جو واقعات زیادہ سنگین اور بڑے ہیں جن میں یہود کی شرارتیں بھی زیادہ ہوئیں اور سزا بھی سخت ملی ان پر محمول کیا جائے اور وہ چوتھا اور چھٹا واقعہ ہے۔ قرطبی نے اپنی کتاب تذکرہ: ۲/۲۰۴ء میں یہاں ایک طویل مرفوع بروایت حدیفہؓ نقل کی ہے اس سے بھی اس کی تعیین ہوتی ہے کہ ان دو واقعوں سے مراد چوتھا اور چھٹا واقعہ ہے اس طویل حدیث کا ترجمہ یہ ہے۔

حدیفہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہؐ سے عرض کیا کہ بیت المقدس اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی عظیم القدر مسجد ہے آپؐ نے فرمایا کہ وہ دنیا کے سب گھروں میں ایک ممتاز عظمت والا گھر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے لئے سونے چاندی اور جواہرات، یا قوت و زمرد سے بنایا تھا، اور یہ اس طرح کہ جب سلیمان علیہ السلام نے اس کی تعمیر شروع کی تو حق تعالیٰ نے جنات کو ان کے تابع کر دیا، جنات نے یہ تمام جواہرات اور سونے چاندی جمع کر کے ان سے مسجد بنائی، حدیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ پھر بیت المقدس سے یہ سونا چاندی اور جواہرات کہاں اور کس طرح گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب نبی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور گناہوں اور بد اعمالیوں میں مبتلا ہو گئے، انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط کر دیا جو مجوسی تھا، اس نے سات سو برس بیت المقدس پر حکومت کی، اور قرآن کریم میں آیت: فاذا جاء وعد اولئہما بعثنا علیکم عبادنا اولی باس شدید۔ سے یہی واقعہ مراد ہے، بخت نصر کا لشکر مسجد قدس میں داخل ہوا مردوں کو قتل اور عورتوں، بچوں کو قید کیا، اور بیت المقدس کے تمام اموال اور سونے چاندی جواہرات کو ایک لاکھ ستر ہزار گاڑیوں میں بھر کر لے گیا اور اپنے ملک بابل میں رکھ دیا اور سو برس تک ان بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا کر طرح طرح کی با مشقت خدمت، ذلت کے ساتھ ان سے لیتا رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فارس کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ کو اس کے مقابلے کے لئے کھڑا کر دیا جس نے بابل کو فتح کیا اور باقی ماندہ بنی اسرائیل کو بخت نصر کی قید سے آزاد کرایا اور جتنے اموال وہ بیت المقدس سے لایا تھا وہ سب واپس بیت المقدس میں پہنچا دیئے اور پھر بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اگر تم پھر نافرمانی اور گناہوں کی طرف لوٹ جاؤ گے، تو ہم بھی پھر قتل و قید کا عذاب تم پر لوٹا دیں گے۔ ایت قرآن: عسی ربکم ان یرحمکم وان عدتم عدنا۔ سے یہی مراد ہے پھر جب بنی اسرائیل بیت المقدس سے میں لوٹ آئے اور سب اموال اور سامان بھی قبضے میں آ گیا تو پھر معاصی اور بد اعمالیوں کی طرف لوٹ گئے، اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر شاہ روم قیصر کو مسلط کر دیا ایت: فاذا جاء وعد الاخرة =

وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ﴿٨﴾ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ

پہلا سلوک کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کیلئے قید خانہ بنا رکھا ہے۔ یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے

أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا

جو سب سے سیدھا ہے اور مومنوں کو، جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کیلئے اجر عظیم ہے

﴿٩﴾ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَغْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٠﴾

اور یہ بھی (بتاتا ہے) کہ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

وَيَدْعُ الْإِنْسَانَ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ﴿١١﴾

اور انسان جس طرح (جلدی سے) بھلائی مانگتا ہے اسی طرح برائی مانگتا ہے اور انسان جلد باز (پیدا ہوا) ہے

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ

اور ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے۔ رات کی نشانی کو تاریک بنایا اور دن کی نشانی

= لَيْسُوا وَوَأُوجوهكم سے یہی مراد ہے، شاہ روم نے ان لوگوں سے بری اور بحری دونوں راستوں پر جنگ کی،

اور بہت سے لوگوں کو قتل اور قید کیا اور پھر تمام ان اموال بیت المقدس کو ایک لاکھ ستر ہزار گڑیوں پر لاد کر لے گیا اور اپنے

کنیسۃ الذہب میں رکھ دیا یہ سب اموال ابھی تک وہیں ہیں۔ اور وہیں رہیں گے۔ یہاں تک کہ مہدیؑ پھر ان کو بیت

المقدس میں ایک لاکھ ستر ہزار کشتیوں میں واپس لائیں گے، اور اسی جگہ اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو جمع کر دیں گے۔

بیان القرآن میں ہے کہ دو واقعے جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے اس سے مراد دو شریعتوں کی مخالفت ہے، پہلے

شریعت موسوی کی مخالفت، اور پھر عیسیٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد شریعت عیسویہ کی مخالفت ہے، اس طرح پہلی مخالفت میں

وہ سب واقعات درج ہو سکتے ہیں جو اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ واقعات کے تفصیل کے بعد ایت مذکورہ کی تفسیر دیکھئے۔

مُبْصِرَةً تَتَّبِعُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۗ

کوروشن تاکہ تم اپنے رب کا فضل (یعنی) روزی تلاش کرو اور برسوں کا شمار اور حساب جانو

وَ كُلُّ شَيْءٍ فَصَلْنَاهُ تَفْصِيلًا ﴿۱۳﴾ ۗ كُلُّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ

اور ہم نے ہر چیز کی (بخوبی) تفصیل کر دی ہے۔ اور ہم نے ہر انسان کے اعمال کو (بہ صورت کتاب) اس کے گلے میں لٹکا

وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ﴿۱۴﴾ ۗ أَفَرَأَى كِتَابًا

دیا ہے اور قیامت کے روز (وہ) کتاب اُسے نکال دکھائیں گے جسے وہ کھلا ہوا دیکھے گا۔ (کہا جائے گا کہ) اپنی کتاب پڑھ

كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ﴿۱۵﴾ ۗ مَن اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي

لے تو آج اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔ جو شخص ہدایت اختیار کرتا ہے تو اپنے لئے اختیار کرتا ہے

لِنَفْسِهِ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ

اور جو گمراہ ہوتا ہے تو گمراہی کا ضرر بھی اُسی کو ہوگا اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

أُخْرَىٰ ۗ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ﴿۱۶﴾ ۗ

اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے

وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا

اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (نوازش پر) مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے

فَحَقَّقْنَا عَلَيْهَا الْقَوْلَ فَدَمَّرْنَا هَا تَدْمِيرًا ﴿۱۷﴾ ۗ كَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ

رہے پھر اُس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اُسے ہلاک کر ڈالا۔ اور ہم نے نوح کے بعد بہت سی امتوں کو ہلاک

مِن بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿۱۸﴾ ۗ

کر ڈالا اور تمہارا رب اپنے بندوں کے گناہوں کو جاننے اور دیکھنے والا کافی ہے

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ

جو شخص دنیا (کی آسودگی) کا خواہش مند ہو تو ہم اس میں سے چاہتے ہیں اور جتنا چاہتے ہیں جلد دے دیتے ہیں

جَهَنَّمَ يَصْلُهَا مَذْمُومًا مَذْحُورًا ﴿١٨﴾

پھر اُس کیلئے جہنم کو (ٹھکانا) مقرر کر رکھا ہے جس میں وہ بُرے حال میں، (بارگاہ الہی) سے راندہ ہو کر داخل ہوگا۔

وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ

اور جو شخص آخرت کا طلبگار ہو اور اس میں اتنی کوشش کرے جتنی اُسے لائق ہے اور وہ مومن بھی ہو، ایسے لوگوں کی

مَشْكُورًا ﴿١٩﴾ كَلَّا نُمِدُّهُمُوهَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ

کوشش مقبول ہوتی ہے۔ ہم ان کو اور ان سب کو تمہارے رب کی بخشش سے مدد دیتے ہیں

وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ﴿٢٠﴾ نُنْظُرُ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ

اور تمہارے رب کی بخشش کسی سے رُکھی ہوئی نہیں۔ دیکھو ہم نے کس طرح بعض کو

عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَالْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا ﴿٢١﴾ لَا تَجْعَلْ مَعَ

بعض پر فضیلت بخشش ہے اور آخرت درجوں میں (دنیا سے) بہت برتر اور برتری میں کہیں بڑھ کر ہے۔ اور اللہ کیساتھ کوئی

اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُومًا ۚ لَا ۚ ﴿٢٢﴾ وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا

اور معبود نہ بنانا کہ ملائمتیں سن کر اور بے کس ہو کر بیٹھے رہ جاؤ گے۔ اور تمہارے رب نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی

إِلَّا إِلَٰهَهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِنَّمَا يُبَلِّغُنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ

عبادت نہ کرو اور ماں باپ کیساتھ بھلائی کرتے رہو، اگر ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں

كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ﴿٢٣﴾

تو اُن کو اُف تک نہ کہنا اور نہ اُنہیں جھڑکنا، اور ان سے بات ادب کیساتھ کرنا

وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ

اور عجز و نیاز سے اُن کے آگے جھکے رہو اور اُن کے حق میں دعا کرو کہ اے اللہ! جیسا

ارْحَمَهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا ﴿٢٢١﴾ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ

انہوں نے مجھے بچپن میں (شفقت سے) پرورش کیا ہے تو بھی اُن (کے حال) پر رحمت فرما۔ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے

إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ﴿٢٢٢﴾

تمہارا رب اس سے بخوبی واقف ہے اگر تم نیک ہو گے تو وہ رجوع کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے

وَأْتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تَبْذُرْ تَبْدِيرًا ﴿٢٢٣﴾

اور رشتہ داروں اور محتاجوں اور مسافروں کو اُن کا حق ادا کرو اور فضول خرچی سے مال نہ اڑاؤ

إِنَّ الْمُبَدِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيْطَانِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ

کہ فضول خرچی کرنے والے تو شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب (کی نعمتوں) کا کفران کرنے والا (یعنی

كُفُورًا ﴿٢٢٤﴾ وَإِنَّمَا تُعْرَضُونَ عَنْهُمْ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ

ناشکرا) ہے۔ اور اگر تم اپنے رب کی رحمت (یعنی فراخ دستی) کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہو ان (مستحقین) کی طرف

لَهُمْ قَوْلًا مِّسُورًا ﴿٢٢٥﴾ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ

توجہ نہ کر سکو تو ان سے نرمی سے بات کہہ دیا کرو۔ اور اپنے ہاتھ کو نہ تو گردن کے گرد بندھا ہوا (یعنی بہت تنگ) کر لو

وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ﴿٢٢٦﴾

(کہ کسی کو کچھ دو ہی نہیں) اور نہ بالکل کھول ہی دو (کہ سبھی کچھ دے ڈالو اور انجام یہ ہو) کے ملامت زدہ اور در ماندہ ہو کر بیٹھ جاؤ

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ

بے شک تمہارا رب جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے (اور جس کی روزی چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے وہ اپنے بندوں

كَانَ بَعَادِهِ خَيْرًا بَصِيرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ

سے خرد دار ہے اور (ان کو) دیکھ رہا ہے۔ اور اپنی اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرنا (کیونکہ)

نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً ﴿۳۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا

اُن کو اور تم کو ہم ہی رزق دیتے ہیں کچھ شک نہیں کہ اُن کا مار ڈالنا بڑا سخت گناہ ہے۔ اور زنا کے پاس بھی نہ جانا

الزَّانِيَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ

کہ وہ بے حیائی اور بری راہ ہے۔ اور جس (نفس) کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے اُسے قتل نہ کرنا

اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۚ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطٰنًا

مگر جائز طور پر (یعنی بقوی شریعت) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے، ہم نے اُس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل

فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۚ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا ﴿۳۳﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ

سے بدلہ لے) تو اس کو چاہیے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے کہ وہ منصور و نجات ہے۔ اور یتیم کے مال کے پاس بھی نہ پھٹکنا

إِلَّا بِالتِّي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ

مگر ایسے طریق سے کہ بہت بہتر ہو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے اور عہد کو پورا کرو کہ عہد کے بارے میں ضرور

مَسْئُولًا ﴿۳۴﴾ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ ۚ إِذَا كَلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۚ

پرسش ہوگی۔ اور جب کوئی چیز ناپ کر دینے لگو تو پیمانہ پورا بھرا کرو اور (جب تول کر دو تو) ترازو سیدھی رکھ کر تول لا کرو

ذٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۳۵﴾ تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ

یہ بہت اچھی بات اور انجام کے لحاظ سے بھی بہتر ہے۔ اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اُس کے پیچھے نہ پڑ

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ﴿۳۶﴾

کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارج) سے ضرور باز پرس ہو گی

وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ

اور زمین پر اکر کر (اور تن کر) مت چل کہ تو زمین کو پھاڑ تو نہیں ڈالے گا اور نہ لمبا ہو کر پہاڑوں (کی چوٹی) تک پہنچ جائے گا

طُولًا ﴿٣٧﴾ قُلْ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ﴿٣٨﴾

ان سب (عادوں) کی برائی تیرے رب کے نزدیک بہت نا پسند ہے

ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا

(اے پیغمبر) یہ ان (ہدایتوں) میں سے ہیں جو اللہ نے دانائی کی باتیں تمہاری طرف وحی کی ہیں، اللہ کیساتھ کوئی اور معبود نہ

آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا ﴿٣٩﴾

بنانا کہ (ایسا کرنے سے) ملامت زدہ اور (بارگاہ الہی سے) راندہ بنا کر جہنم میں ڈال دیئے جاؤ گے

أَفَأَصْفَكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ

(مشکو) کیا تمہارے رب نے تم کو تو لڑکے دیئے اور خود فرشتوں کو بیٹیاں بنایا، کچھ شک نہیں کہ (یہ) تم

قَوْلًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا

بڑی (نامعقول) بات کہتے ہو۔ اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کی باتیں بیان کی ہیں تاکہ لوگ نصیحت پکڑیں

وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿٤١﴾ قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ

مگر وہ اس سے اور بدک جاتے ہیں۔ کہہ دو کہ اگر اللہ کیساتھ اور معبود ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں

إِذَا لَابَتَّغُوا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ﴿٤٢﴾ بَحْنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ

تو وہ ضرور (اللہ) مالک عرش کی طرف (لڑنے بھڑنے کیلئے) راستہ نکالتے۔ وہ پاک ہے اور جو کچھ یہ بکواس کرتے ہیں

عُلُوهَا كَبِيرًا ﴿٤٣﴾ سُبْحٰنَ لَهَا السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ

اُس سے (اس کا رتبہ) بہت عالی ہے۔ ساتوں آسمان اور زمین اور جو لوگ ان میں ہیں سب اُسی کی تسبیح کرتے ہیں

وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ

اور (مخلوقات میں سے) کوئی چیز نہیں مگر اُس کی تعریف کیساتھ تسبیح کرتی ہے لیکن تم اُن کی تسبیح کو

تَسْبِيحَهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾ إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا

نہیں سمجھتے بیشک وہ بُرد بار (اور) غفار ہے۔ اور جب قرآن پڑھا کرتے ہو تو ہم

بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَسْتُورًا ﴿۲۴﴾ ﴿۲۵﴾

تم میں اور ان لوگوں میں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے حجاب پر حجاب حائل کر دیتے ہیں

وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا

اور اُن کے دلوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں کہ اُسے سمجھ نہ سکیں اور اُن کے کانوں میں بوجھ پیدا کر دیتے ہیں اور جب

ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَوَّاعًا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ نُفُورًا ﴿۲۶﴾ ﴿۲۷﴾

تم قرآن میں اپنے اکیلے رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ بدک جاتے ہیں اور پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَىٰ

یہ لوگ جب تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو جس نیت سے یہ سنتے ہیں ہم اُسے خوب جانتے ہیں اور جب یہ سرگوشیاں

إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ﴿۲۸﴾ ﴿۲۹﴾ نَظَرُ كَيْفَ

کرتے ہیں جب ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایک ایسے شخص کی پیروی کرتے ہو جس پر جادو کیا گیا ہے۔ [3] دیکھو انہوں نے

[3] کسی نبی یا پیغمبر پر جادو کا اثر ہو جانا ایسا ممکن ہے جیسا بیماری کا اثر ہو جانا، اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام بشری

خواص سے الگ نہیں ہوتے جیسے ان کو زخم لگ سکتا ہے، بخار اور درد ہو سکتا ہے، ایسے ہی جادو کا اثر بھی ہو سکتا ہے، کیونکہ

وہ بھی خاص اسباب طبعیہ جنات وغیرہ کے اثر ہوتا ہے اور حدیث میں ثابت بھی ہے کہ ایک مرتبہ رسول

ﷺ پر سحر کا اثر ہو گیا تھا، آخری آیت میں جو کفار نے آپؐ کو مسحور کہا اور قرآن نے اس کی تردید کی کہ ان کی مراد درحقیقت مسحور کہنے سے مجنون کہنا تھا اسی کی تردید قرآن نے فرمائی ہے اسی لئے حدیث سحر اس کے خلاف اور متعارض نہیں۔

ایات مذکورہ میں سے پہلی دوسری آیت میں جو مضمون آیا ہے اس کا ایک خاص شان نزول ہے، جو قرطبی نے سعید بن جبیرؓ سے نقل کیا ہے کہ جب قرآن میں (سورۃ تبت یدابی لہب) نازل ہوئی جس میں ابولہب کی بیوی کی بھی مذمت مذکور ہے تو اس کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں گئی اس وقت صدیق اکبرؓ مجلس میں موجود تھے اس کو دور سے دیکھ کر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، کہ آپؐ یہاں سے ہٹ جائیں تو بہتر ہے کیونکہ یہ عورت بڑی بد زبان ہے یہ ایسی باتیں کہے گی جس سے آپؐ کو تکلیف پہنچے گی آپؐ نے فرمایا نہیں اس کے اور میرے درمیان اللہ تعالیٰ پردہ حائل کر دیں گے چنانچہ وہ مجلس میں پہنچی، مگر رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکی، تو صدیق اکبرؓ سے مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ آپ کے ساتھی نے ہماری ہجو کی ہے۔ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ واللہ وہ تو کوئی شعر ہی نہیں کہتے جس میں عادۃً ہجو کی جاتی ہے، تو وہ یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ تم بھی ان کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو، اس کے چلے جانے کے بعد صدیق اکبرؓ نے عرض کیا، کہ کیا اس نے آپ کو نہیں دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ جعک وہ یہاں رہی ایک فرشتہ میرے اور اس کے درمیان پردہ کرتا رہا۔

دشمنوں کی نظر سے مستور رہنے کا ایک عمل

کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب مشرکین کی آنکھوں سے مستور ہونا چاہتے تو قرآن کی تین آیتیں پڑھ لیتے تھے۔ اس کے اثر سے کفار آپ کو نہ دیکھ سکتے تھے وہ تین آیتیں یہ ہیں:

ایک آیت: وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا [کہف: ۵۷]

دوسری آیت سورہ نحل: ۱۰۸، میں ہے: اُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمِعَهُمْ وَابْصَارَهُمْ،

اور تیسری آیت سورہ جاثیہ: اَفْرَأَيْتَ مَنْ اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوَاهُ وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ

وَجَعَلَ عَلٰى بَصَرِهِ عِثَابًا فَمَنْ يَهْدِيْهِ مِنْ بَعْدِ اللّٰهِ اَفَلَا تَدْكُرُوْنَ ﴿۳۳﴾

کعبؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ معاملہ میں نے ملک شام کے ایک شخص سے بیان کیا، اس کو کسی

ضرورت سے رومیوں کے ملک میں جانا تھا وہاں گیا اور ایک زمانہ تک وہاں مقیم رہا، پھر رومی کفار نے اس کو ستایا تو وہ وہاں سے بھاگ نکلا ان لوگوں نے اس کا تعاقب کیا، اس شخص کو وہ روایت یاد آگئی اور مذکورہ تین آیتیں پڑھیں قدرت نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈالا کہ جس راستہ پر یہ چل رہے تھے اسی راستہ پر دشمن گذر رہے تھے مگر وہ ان کو نہ دیکھ سکتے تھے۔

امام قرطبی کہتے ہیں، کہ کعبؓ سے جو روایت نقل کی گئی ہے میں نے ”رئی“ کے رہنے والے ایک شخص کو بتلائی، اتفاق سے دیلم کے کفار نے اس کو گرفتار کر لیا کچھ عرصہ ان کی قید میں رہا، پھر ایک روز موقع پا کر بھاگ کھڑا ہوا، یہ لوگ اس کے تعاقب میں نکلے مگر اس شخص نے بھی یہ تین آیتیں پڑھ لیں، اس کا یہ اثر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر ایسا پردہ ڈال دیا کہ وہ اس کو نہ دیکھ سکے حالانکہ ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور ان کے کپڑے ان کے کپڑوں سے چھو جاتے تھے۔

امام قرطبی کہتے ہیں کہ ان تینوں کے ساتھ وہ آیت سورہ یس کی بھی ملائی جائیں جن کو نبی ﷺ نے ہجرت کے وقت پڑھا تھا جبکہ مشرکین مکہ نے آپ کے مکان کا محاصرہ کر رکھا تھا آپ نے یہ آیت پڑھیں اور ان کے درمیان سے نکلتے ہوئے چلے گئے، بلکہ ان کے سروں پر مٹی ڈالتے ہوئے گئے ان میں سے کسی کو خبر نہیں ہوئی وہ آیات سورت یس کی آیات یہ ہیں: **يَسْ، وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ، إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ، عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ، لِنُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرُوا وَهُمْ فَهُمْ غَفُلُونَ لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ، إِنَّا جَعَلْنَا فِيهِ أَعْنَاقِهِمْ أَغْلَالًا فَهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُقْمَحُونَ، وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ.**

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ مجھے خود اپنے ملک اندلس میں قرطبہ کے قریب قلعہ منشور میں یہ واقعہ پیش آیا، کہ میں دشمن کے سامنے بھاگا اور ایک گوشہ میں بیٹھ گیا دشمن نے دو گھوڑے سوار میرے تعاقب میں بھیجے اور میں بالکل کھلے میدان میں تھا کوئی چیز پردہ کرنے والی نہ تھی مگر میں سورہ یس کی یہ آیتیں پڑھ رہا تھا یہ دونوں سوار میرے برابر سے گزرے پھر جہاں سے آئے تھے یہ کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ یہ شخص کوئی شیطان ہے کیونکہ وہ مجھے دیکھ نہ سکے اللہ تعالیٰ نے ان کو مجھ سے اندھا کر دیا تھا (قرطبی)۔

صَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ﴿۲۸﴾ وَقَالُوا آءِذَا

کس کس طرح کی تمہارے بارے باتیں بنائی ہیں سو یہ گمراہ ہو رہے ہیں اور راستہ نہیں پاسکتے۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہم

كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا إِنْ أَلْمَبْعُوثُونَ خَلَقًا جَدِيدًا ﴿۲۹﴾ قُلْ كُونُوا حِجَارَةً

(مرکر بوسیدہ) ہڈیاں اور چور چور ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا ہو کر اٹھیں گے۔ کہہ دو کہ (خواہ تم) پتھر ہو جاؤ

أَوْ حَدِيدًا ﴿۳۰﴾ خَلَقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ فَسَيَقُولُونَ

یا لوہا۔ یا کوئی اور چیز جو تمہارے نزدیک (پتھر اور لوہے سے بھی) بڑی (سخت) ہو (جھٹ کہیں گے) کہ (بھلا) ہمیں

مَنْ يُعِيدُنَا قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُونَ إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ

دوبارہ کون جلانے گا؟ کہہ دو کہ وہی جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تو (تعجب سے) تمہارے آگے سر ہلانے لگے

وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ قُلْ عَسَى أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا ﴿۳۱﴾ الْيَوْمَ يَدْعُوكُمْ

اور پوچھیں گے کہ ایسا کب ہو گا؟ کہہ دو یقین ہے کہ جلد ہو گا۔ جس دن وہ تمہیں پکارے گا

فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ وَتَظُنُّونَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۳۲﴾ وَقُلْ لِعِبَادِي

تو تم اس کی تعریف کیساتھ جواب دو گے اور خیال کرو گے کہ تم (دنیا میں) بہت کم (مدت) رہے۔ اور میرے بندوں سے

يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ

کہہ دو کہ (لوگوں سے) ایسی باتیں کہا کریں جو بہت پسندیدہ ہوں کیونکہ شیطان (بری باتوں سے) ان میں فساد ڈالوادیتا ہے

إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿۳۳﴾ وَلَكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ إِنْ يَشَاءُ

کچھ شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ تمہارا رب تم سے خوب واقف ہے، اگر چاہے

يَرْحَمَكُمُ أَوْ إِنْ يَشَاءُ يُعَذِّبْكُمْ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿۳۴﴾

تو تم پر رحم کرے یا اگر چاہے تو عذاب دے۔ اور ہم نے تم کو ان پر (داروغہ) بنا کر نہیں بھیجا

وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ

اور جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں تمہارا رب اُن سے خوب واقف ہے۔ اور ہم نے بعض پیغمبروں کو

عَلَىٰ بَعْضٍ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زُبُورًا ﴿۱۱۶﴾ اَدْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُونِهِ

بعض پر فضیلت بخشی اور داؤد کو زبور عنایت کی۔ کہو (کہ اے مشرکوں) جن لوگوں کی نسبت تمہیں (معبود ہونے کا) گمان ہے

فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضَّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ﴿۱۱۷﴾ وَلِلَّهِ الَّذِينَ

اُن کو بلا دیکھو وہ تم سے تکلیف کے دور کرنے یا اُس کو بدل دینے کا کچھ اختیار بھی نہیں رکھتے۔ یہ لوگ جن کو (اللہ کے سوا)

يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ

پکارتے ہیں وہ خود اپنے رب کے ہاں ذریعہ (تقرب) تلاش کرتے رہتے ہیں کہ کون اُن میں (اللہ کا) زیادہ مقرب

وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ﴿۱۱۸﴾

(ہوتا) ہے اور اُس کی رحمت کے اُمیدوار رہتے ہیں اور اُس کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں بیشک تمہارے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے

وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا

اور (کفر کرنے والوں کی) کوئی بستی نہیں مگر قیامت کے دن سب سے پہلے ہم اُسے ہلاک کر دیں گے یا سخت عذاب سے

شَدِيدًا ۚ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿۱۱۹﴾ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ

معذب کریں گے یہ کتاب (یعنی تقدیر) میں لکھا جا چکا ہے۔ اور ہم نے نشانیاں بھیجی اس لئے موقوف کر دیں

بِالآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۚ وَآتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوا

کہ اگلے لوگوں نے اس کی تکذیب کی تھی اور ہم نے ثمود کو اونٹنی (نبوت صالح کی کھلی) نشانی دی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا

بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ﴿۱۲۰﴾ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ

اور ہم جو نشانیاں بھیجا کرتے ہیں تو ڈرانے کو۔ جب ہم نے تم سے کہا کہ تمہارا رب لوگوں کو احاطہ کیے ہوئے ہے،

بِالنَّاسِ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِي آرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ

اور جو نمائش (معراج) ہم نے تمہیں دکھائی اُس کو لوگوں کیلئے آزمائش کیا، اور اسی طرح (تھوہر کے) درخت کو جس پر

الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ وَنَخَوْفُهُمْ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ﴿٤٠﴾

قرآن میں لعنت کی گئی ہے، اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو اُن کو اس سے بڑی (سخت) سرکشی پیدا ہوئی ہے

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ قَالَ أَأَسْجُدُ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا بولا بھلا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں

لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ﴿٤١﴾ قَالَ أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ

جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے

لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٤٢﴾

اگر تو مجھ کو قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کاٹتا ہوں گا

قَالَ أَذْهَبُ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ جَزَاءً مَوْفُورًا ﴿٤٣﴾

اللہ نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا، جو شخص ان میں سے تیری پیروی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ) پوری سزا ہے

وَاسْتَفْزِرُ مَنْ اسْتَطَعَتْ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبُ عَلَيْهِمُ بِخَيْلِكَ

اور ان میں سے جس کو بہکا سکے اپنی آواز سے بہکا تا رہ [۴] اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ

وَرَجَلِكَ وَشَارِكُهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعَدْلُهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿٤٤﴾

اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا رہ اور شیطان جو وعدے اُن سے کرتا ہے سب دھوکا ہے

[۴] ”استفزاز“ کے اصلی معنی قطع کرنے کے ہیں مراد اس جگہ حق سے قطع کر دینا ہے ”بصوتک“ سے

آواز معروف مراد ہیں، عبداللہ بن عباسؓ نے یہاں صوت کے متعلق فرمایا، کہ اس سے مراد گانے مزامیر اور لہو لعب کے آوازیں ہیں یہی شیطان کی آواز ہے جس سے وہ لوگوں کو حق سے قطع کرتا ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مزامیر، موسیقی اور گانا بجانا حرام ہے (قرطبی)۔

ابن جوزیؒ نے تلپس ابلیس ص: ۲۳۱، میں ان چیزوں کی حرمت ثابت کرنے کے متعلق لکھا ہے کہ: وقد استدلل اصحابنا بالقران و السنة على كراهية الغناء، فاما الاستدلال من القرآن فبثلاث آيات، یعنی قرآن کریم سے استدلال میں تین آیتیں پیش کرتے ہیں: پہلی آیت یہی ہے: اس کی تفسیر میں سفیان ثوریؒ وغیرہ سے روایت کیا ہے کہ اس آیت سے مراد غنا و مزامیر ہیں۔ دوسری آیت: سورہ لقمان: ۶۔ تیسری آیت سورہ نجم: ۶۱۔

اور احادیث اس باب میں بہت زیادہ ذکر کئے ہیں فرماتا ہے: اما السنة فروايتنا عن ابن عمرؓ انه سمع صوت زمار - راع فوضع اصبعيه في اذنيه و عدل راحلته عن الطريق وهو يقول، يا نافع اتسمع؟ فاقول نعم فيمضى حتى قلت لا، فوضع يديه و اعاد راحلته الى الطريق وقال رأيت رسول الله ﷺ سمع زمار - راع فصنع مثل هذا، و كذا رواه البيهقي في الشعب: ۷/ ۱۲۰،

وعن ابى امامة قال نهى رسول الله ﷺ عن شراء المغنيات و بيعهن و تعليمهن و قال ثمنهن حرام و قرأ: و من الناس من يشتري لهو الحديث ليضل عن سبيل الله بغير علم و يتخذها هزواً أولئك لهم عذاب مهيئ [۶ لقمان] [تلپس ابلیس ۲۳۲۔

ابو امامہؒ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے گانے والی لونڈیوں کے خریدنے اور بیچنے اور تعلیم کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ان کی قیمت حرام ہے اور یہ آیت پڑھی: یعنی بعض لوگ ایسے ہیں کہ لہو کی باتیں خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں اور اس کو ایک تمسخر سمجھیں ایسے ہی لوگوں کے لئے ذلت بخش عذاب ہے۔ مزید تفصیل کے لئے مذکورہ کتاب مطالعہ کیجئے۔

﴿۴۵﴾ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَنٌ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ﴿۴۵﴾

- جو میرے (مخلص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں اور (اے پیغمبر!) تمہارا رب کارساز کافی ہے

رَبُّكُمْ الَّذِي يُزْجِي لَكُمْ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ كَانَ

تمہارا رب وہ ہے جو تمہارے لئے سمندر میں کشتیاں چلاتا ہے تاکہ تم اُس کے فضل سے (روزی) تلاش کرو بیشک وہ تم پر

بِكُمْ رَحِيمًا ﴿۴۶﴾ وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُونَ

مہربان ہے۔ اور جب تمہیں سمندر میں تکلیف پہنچتی ہے (یعنی ڈوبنے کا خوف ہوتا ہے) تو جن کو تم پکارتے ہو سب اس

﴿۴۷﴾ إِلَّا إِلَٰهًا فَلَمَّا نَجَّكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ﴿۴۷﴾

(رب) کے سوا تم ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ تمہیں (ڈوبنے سے) بچا کر خشکی کی طرف لے جاتا ہے تو تم منہ پھیر لیتے ہو! اور انسان ہے ہی ناشکرا،

أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يَخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا

کیا تم (اس سے) بے خوف ہو کہ اللہ تمہیں خشکی کی طرف (لے جا کر زمین میں) دھنسا دے یا تم پر سنگریزوں کی بھری ہوئی

ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ﴿۴۸﴾ أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ

آندھی چلا دے پھر تم اپنا کوئی نگہبان نہ پاؤ۔ یا (اس سے) بے خوف ہو کہ تمہیں دوسری دفعہ دریا میں لے جائے پھر تم

فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ

پر تیز ہوا چلائے اور تمہارے کفر کے سبب تمہیں ڈبو دے پھر تم اس غرق کے سبب اپنے لئے کوئی

ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿۴۹﴾ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ

پیچھا کرنے والا نہ پاؤ۔ اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو خشکی اور دریا میں سواری دی

فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا ﴿۵۰﴾

اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ

جس دن ہم سب لوگوں کو ان کے پیشواؤں کیساتھ بلائیں گے تو جن (کے اعمال) کی کتاب ان کے داہنے ہاتھ میں دی

فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُ وَنَ كِتَابُهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيْلًا ﴿٥١﴾ وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهِ

جائے گی وہ اپنی کتاب کو (خوش ہو کر) پڑھیں گے اور ان پر دھاکے برابر بھی ظلم نہ ہوگا [5] اور جو شخص اس دنیا میں اندھا

[5] اس آیت میں لفظ امام بمعنی کتاب ہے جیسا کہ سورہ اٰلس میں ہے: وکل شیء احصیناہ فی امام مبین، اس میں امام مبین سے مراد واضح کتاب ہے، اور کتاب کو امام اس لئے کہا جاتا ہے کہ بھول چوک اور اختلاف کے وقت کتاب ہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے جیسے کسی امام مقتدا کی طرف رجوع کیا جاتا ہے (قرطبی)۔

اور ترمذی کی حدیث بروایت ابو ہریرہؓ اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام سے مراد اس آیت میں کتاب ہے حدیث کے الفاظ یہ ہے: ”یوم ندعو اکل اناس بامامهم قال يدعى احدهم فيعطى كتابه بيمينه“ یعنی آیت ”یوم ندعو اکل اناس بامامهم“ کی تفسیر میں خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ ایک شخص کو بلا یا جائے گا اور اس کا نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا۔

اس حدیث سے یہ بھی متعین ہو گیا کہ امام بمعنی کتاب ہے اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ کتاب سے مراد نامہ اعمال ہے۔ اور علی مرتضیٰ اور مجاہد وغیرہ مفسرین سے یہاں لفظ امام کے معنی مقتدی اور پیشوا کے بھی منقول ہیں کہ ہر شخص کو اس کے مقتدی و پیشوا کا نام لے کر پکارا جائے خواہ وہ مقتدی و پیشوا، انبیاء علیہم السلام، اور ان کے نائب مشائخ و علماء ہوں، یا گمراہی اور معصیت کی طرف دعوت دینے والے پیشوا (قرطبی)۔

اس معنی کے لحاظ سے مطلب ایت کا یہ ہوگا، کہ میدان حشر میں ہر شخص کو اس کے مقتدی اور پیشوا کے نام سے پکارا جائے گا۔ اور سب کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے گا۔ مثلاً تبعین ابراہیم علیہ السلام اور تبعین موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام و تبعین محمد ﷺ، پھر ان کے ذیل میں ممکن ہے کہ ان تبعین کے بلا واسطہ مقتداؤں کا نام بھی لیا جائے۔

قرآن مجید کی متعدد آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ بائیں ہاتھ میں اعمال نامہ صرف کفار کو دیا جائے گا جیسا کہ ایک ایت میں ہے: ”انه كان لا يؤمن بالله العظيم“ اور ایک دوسری ایت میں ہے: ”انه ظن ان لن يحور“ پہلی =

أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٢١﴾

ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہو گا اور (نجات کے) رستے سے بہت دُور

وَأِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أُوحِيَٰنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ

اور اے پیغمبر! جو وحی ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے قریب تھا کہ یہ (کافر) لوگ تم کو اُس سے بھکا دیں تاکہ تم اُس کے سوا اور

= ایت میں صراحتاً ایمان کی نفی کی گئی ہے اور دوسری میں انکار آخرت مذکور ہے وہ بھی کفر ہی ہے۔ اس تقابیل سے معلوم ہوا کہ داہنے ہاتھ میں اعمال نامہ اہل ایمان کو دیا جائے گا۔ خواہ متقی ہوں یا گناہ گار، مومن اپنے اعمال نامہ کو خوشی کے ساتھ پڑھے گا بلکہ دوسروں کو بھی پڑھوائے گا، یہ خوشی ایمان کی اور عذاب ابدی سے نجات کی ہوگی، گو بعض اعمال پر سزا بھی ہوگی۔ اور قرآن کریم میں اعمال نامہ داہنے یا بائیں ہاتھ میں دیے جانے کی کیفیت مذکور نہیں لیکن بعض احادیث میں ”تطابیر الکتب“ کا لفظ آیا ہے، (احمد عن عائشہؓ فرموا) اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ سب اعمال نامہ عرش کے نیچے جمع ہوں گے۔ پھر ایک ہوا چلے گی جو سب کو اڑا کر لوگوں کے ہاتھ میں پہنچا دے گی، کسی کے داہنے ہاتھ میں، کسی کے بائیں ہاتھ میں (اخر جہ العقیلى عن انس مرفوعاً) روح المعانی۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ لفظ امام بمعنی مقتدی اور پیشوا کے ہے نہ کہ بمعنی امّ، جیسا کہ علامہ زمخشری نے اعجوبات تفسیر میں نقل کیا ہے، ایک شخص نے کلام پاک کی آیت: یوم ندعوا کل اناس بامامہم، کی تفسیر علم صرف کی ناواقفیت کی وجہ سے یہ کی، کہ جس دن پکاریں گے ہر شخص کو اُن کی ماؤں کے ساتھ۔ امام کا لفظ جو مفرد تھا اس کو، امّ، کی جمع سمجھ گیا۔ اگر وہ علم صرف سے واقف ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ امّ کی جمع امام نہیں آتی۔ اور یہ جو مشہور ہے کہ ماؤں کے ناموں کے ساتھ پکارا جائے گا، اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا خیال رکھا جائے گا۔ تو جواب یہ ہے کہ پھر آدم علیہ السلام کا کیا ہوگا؟ جبکہ یہ قول بہت احادیث سے بھی مخالف ہے۔ سب سے واضح حدیث وہ ہے جو کہ ابوداؤد، رقم: ۴۹۳۸، وابن حبان، رقم: ۵۷۸۸، وابن قیّم فی تحفۃ المودود: ۸۱، نے ابوالدرداءؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انکم تدعون یوم القیامۃ باسماءکم، واسماء اباہکم، فاحسنوا اسماءکم۔

یعنی تم قیامت میں بلائے جاؤ گے اپنے ناموں، اور اپنے باپ، دادوں کے ناموں سے، تو اچھے نام رکھا کرو۔

عَلَيْنَا غَيْرُهُ وَإِذَا لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا ﴿۳۳﴾ وَلَا أَنْ تَبْتَكَ لَقَدْ كَدَّتْ

باتیں ہماری نسبت بنا لو اور اس وقت وہ تمہیں دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم تمہیں ثابت قدم نہ رہنے دیتے تو تم کسی قدر ان کی

تَرْكُنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ﴿۳۴﴾ إِذَا لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ الْحَيَاةِ

طرف مائل ہونے ہی لگے تھے۔ اس وقت ہم تمہیں زندگی میں بھی (عذاب کا) دوگنا اور مرنے پر بھی دوگنا

وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا ﴿۳۵﴾

عذاب چکھاتے پھر تم ہمارے مقابلے میں کسی کو اپنا مددگار نہ پاتے

وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا

اور قریب تھا کہ یہ لوگ تمہیں زمین (مکہ) سے پھسلا دیں تاکہ تمہیں وہاں سے جلا وطن کر دیں اور اس وقت

لَا يَلْبُثُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۳۶﴾ هُنَّ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا

تمہارے پیچھے یہ بھی نہ رہتے مگر کم۔ جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے تھے ان کا (اور ان کے بارے میں ہمارا یہی)

وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ﴿۳۷﴾ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ

طریق رہا ہے اور تم ہمارے طریق میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے [6] [اے نبی ﷺ] سورج کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے

[6] یہاں شیخ امیر علی طلیح آبادی نے تفسیر مواہب الرحمن میں عبد القادر جیلانی کا واقعہ نقل کیا ہے، کہ ابوالنصر موسیٰ نے

اپنے والد سید عبد القادر جیلانی سے روایت کی کہ آپ فرماتے تھے کہ میں نے پچیس سال تک صحرائے عراق میں سفر کیا اور کسی

مقام پر مسکن نہیں بنایا ہر روز اس دنیائے فانی کے مقامات میں جہاں وقت آیا سو یا اور جہاں جگہ پائی رہا، اور حق تعالیٰ کے

روزی پر شکر کیا اتفاق سے ایک دفعہ ایک مقام پر سفر واقع ہوا کہ دو روز تک کچھ میسر نہ آیا اور تیسرے روز رات میں مجھے بے

تابی ہوئی، آخر میں ایک کھیت پر پہنچا مگر وہاں کوئی آدمی نہ تھا، جس سے اجازت لے کر حلال رزق حاصل کیا جاوے ناگاہ

ایک آواز نہایت خوشگوار، کہ میں نے کبھی نہیں سنی تھی، میری کان میں آئی کہ، اے عبد القادر! قدر ضرورت اس رزق میں سے

لے لے کہ ہم نے تیرے واسطے حلال کر دیا، میں اس آواز کے شوق میں اس جانب متوجہ ہوا اور دیکھا تو ناگاہ وہ صحرا ایک نور سے منور ہو گیا کہ اس کے مثل میں نے نہیں دیکھا، اور اس میں سے ایک تمثال عجیب جس سے غش آ جاوے ظاہر ہو کر خطاب کیا کہ میں ہوں تیرا رب اور تیری سعی اس راہ میں مقبول ہے تو اپنی جان کو زیادہ ہلاکت میں مت ڈال، کہ ہم نے اس میں سے تجھے مباح کیا، شیخ کہتے ہیں کہ میں نے تامل کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ، ولا تجد لسنناتہ حویلاً، یعنی تو ہمارے طریقہ مقررہ کے واسطے تغیر نہیں پاوے گا اور ظاہر ہے کہ شریعت الہی تا قیامت یکساں ہے اس میں تغیر نہیں ہوگا تو میرے واسطے اس حلت و اباحت کے کیا معنی ہیں پس میں نے ضرور گمان کیا کہ یہ فتنہ شیطان ہے، پس میں نے اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگی اعوذ باللہ العلی العظیم من الشیطان الرجیم ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العزیز الحکیم: اتنے میں وہ نور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور آواز غم ناک آئی کہ افسوس اے عبدالقادر! تو اپنے علم سے بچ گیا ورنہ میں نے بہت سے اس مقام تک طے کرنے والوں کو یہاں سے واپس کر دیا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اور جواب دیا کہ اے شیطان! مجھ کو اللہ تعالیٰ تجھ سے بچاوے پھر تو اپنی تلپیس سے باز نہیں آیا، تو نے مجھے مغرور کیا کہ میں اپنے علم سے بچا ہوں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جو علم مجھے دیا تھا اُس کی مجھے ہدایت دی اور اپنے لطف عام سے مجھے بچا دیا (بحوالہ شذرات الذہب: ۲۰۰/۴)۔

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد شیخ امیر علی صاحب لکھتے ہیں کہ یہاں سے ظاہر ہوا کہ شریعت الہیہ میں کسی شخص خاص کے واسطے کوئی تحویل نہیں ہوتی ہے، بعض فقیری لباس والے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ جو شخص درجہ فقر میں کامل ہوا اُس سے نماز، روزہ وغیرہ ظاہری عبادات ساقط ہو جاتے ہیں اُس پر فرض نہیں رہتے، باطل ہے، اور جو اعتقاد کرے گمراہ ہے۔ اسی طرح شراب وغیرہ کا اُس کے حق میں مباح جاننا اس خیال سے کہ وہ شراب نہیں پیتا، نہیں معلوم کیا چیز ہے اور ہم نے ایک مرتبہ دودھ دیکھا تھا، یہ سب گمراہی و فتنہ شیطان ہے کیونکہ اس کے معتقد لوگ دنیاوی منفعتوں کی لالچ سے اُس کے پاس جاتے اور نفع اٹھا کر دین میں اُس کے معتقد اور گمراہ ہوتے ہیں اور خوف نہیں کرتے کہ شراب کو ایک نظر بندی کرنے والا اُن کی نظر میں دودھ دکھلا سکتا ہے پھر دودھ کو چھوڑ کر وہ شراب کیوں منگواتا ہے اور حکم شریعت کا جس طرح متعلق ہے اُس میں تحویل نہیں ہو سکتی ہے۔

شیخ مخدوم جہانیاں نے لکھا کہ میں بحکم ”سیروا فی الارض“ سیر عیرت حاصل کرنے کو جاتے جاتے ساحل ملیبار پراترا اور شہر میں جا کر میں نے مرد صالح دریافت کیا، لوگوں نے مجھے ایک مکان کا پتہ دیا وہاں جا کر میں نے دیکھا تو

وہ شہر کے قاضی عبدالعزیز نامی ہیں انہوں نے شرعی اخلاق سے مجھے مہمان کیا، رات کو میں نے اُن سے دریافت کیا کہ یہاں کوئی شخص اہل اللہ میں سے ہے؟ انہوں نے مجھ سے انکار کیا میں نے کہا کہ کوئی درویش ہیں آخر انہوں نے کراہت کے ساتھ کہا کہ مرد خدا یہاں باہر شہر کے ایک شخص شریعت سے بے باک مدعی ہے اس کے اس شہر والے معتقد ہیں میں نے دل میں گمان کیا کہ قاضی شرع ہونے سے شاید اس کی بے شرع پابندی سے ناخوش ہیں صبح کو میں نے بعد نماز کے پھر قاضی صاحب سے اس کا پتہ پوچھا انہوں نے بہت کراہت سے بیان کیا اس جانب شہر کے ہے اور راستہ میں بہت لوگ آتے جاتے ہونگے اگر جانا منظور ہے تو کوئی دقت نہیں ہے باوجود کراہت قاضی صاحب کے روانہ ہوا راستہ میں تانتا لگا تھا بلا تکلف میں شہر سے باہر لوگوں کے میل میں چلا گیا یہاں تک کہ اس ٹیلہ پر پہنچا جس پر وہ درویش رہتے تھے دیکھا کہ تمام ٹیلہ آدمیوں کی کثرت سے بھرا ہوا ہے اور سر ہی سر معلوم ہوتے ہیں میں متحیر ہوا کہ وہ کون ہیں؟ کہ فوراً ایک درویش نے آواز دی، کہ آؤ فلا نے مبارک ہو، ادھر آؤ میں قریب گیا اور تعجب کیا کہ انہوں نے میرا نام کیونکر جانا اور گمان کیا کہ کامل بزرگ ہیں قاضی صاحب کا خیال ان کی نسبت بدگمانی ہے جب پاس گیا تو انہوں نے خاطر سے بٹھلایا اور لوگ اپنی اپنی مرادوں کے واسطے بجوم کرتے اور پان چوستے جاتے تھے، اتنے میں انہوں نے بوتل اٹھا کر ایک کوزہ بھر کر پیا اور دوسرا کوزہ مجھے تواضع کیا میں نے اس کو دیکھا تو وہ شراب تھی میں نے انکار کیا، تھوڑی دیر بعد میں چلا آیا، پھر دوسرے روز گیا اور اسی طرح بیٹھا دوسرے روز انہوں نے شراب کے بارہ میں اصرار کیا اور کہا کہ تو کچھ وہم مت کر، اگر راہ چاہتا ہے تو یہ ہے، میں کچھ حیران ہوا اور متردد ہو کر آخر میں نے یہ مضبوط سمجھا کہ شریعت میں حرام ہے تو ظہور خیر اور انوار اس راہ سے نہیں ہو سکتا ہے میں نے انکار کیا وہ بزرگ کسی قدر ناخوش ہوئے پھر میں رخصت ہو کر چلا آیا، رات میں سویا تو میں نے خواب میں ایک باغ نہایت نفیس دیکھا کہ اُس کے مثل نظر سے نہیں گزرا اور نہ میرے گمان میں آتا تھا میں نے اسے دیکھا اور اس کی تازہ گی و خوشبو سے بے اختیار اس کی طرف چلا کہ اُس میں داخل ہوں جب دروازہ پر پہنچا تو عین دروازہ پر وہی فقیر دیکھا کہ ہاتھ میں سونٹا لیے ہوئے روکتا ہے اور وہی بیالہ بھر شراب سے اس کے ہاتھ میں ہے مجھ سے کہا کہ اگر اس کو پو، تو اندر جانے پاؤ گے ورنہ اجازت نہیں ہے میں نے انکار کیا تو اُس نے مجھے اجازت نہ دی، یہ خواب دیکھ کر میں چونکا اور دیر تک متحیر رہا اور طرح طرح کے ترددات کے بعد پھر سو گیا اور وہی خواب دیکھا پھر چونکا تو مجھے زیادہ تحیر اور اضطراب ہوا اور تردد زیادہ ہو گیا پھر اُسی حال میں سویا تیسری مرتبہ بھی اسی طرح عجائب دیکھے پھر جو خواب سے اٹھا تو مجھے تذبذب ہوا کہ اس =

اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۚ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا ﴿۱۸﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ

تک (ظہر، عصر، مغرب، عشاء کی) نمازیں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت قرآن پڑھنا موجب حضور (ملائکہ) ہے

فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ ۚ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ﴿۱۹﴾

اور بعض حصہ شب میں بیدار ہوا کرو یہ تمہارے لئے زیادت ہے قریب ہے کہ اللہ تمہیں مقام محمود میں داخل کرے

= میں کوئی بھید ہے اور خیال آیا کہ یہ کوئی کامل درویش ہے اور شاید کہ اس کی ناخوشی سے مجھے ضرر پہنچے اور دل میں خیال کیا کہ صبح کو اس کا کہنا مان لینا چاہئے اور معاً شراب کے خیال سے مجھے تشویش پیدا ہوئی اور میں نے اٹھ کر تہجد کی نماز آخر وقت پڑھی، اور بعد نماز کے بہت عاجزی و الحاح کے ساتھ جناب باری تعالیٰ میں گریہ وزاری کی کہ میں اس حال میں متردد و متحیر ہوں اور میرے خیال میں یہی آیا ہے، الہی تیری ہدایت کا امیدوار ہوں اگر تو مجھے ہدیت نہ دے تو میری گمراہی ہے، الہی جو بہتر ہو مجھے اسی کی ہدایت ہو، اس گریہ وزاری میں آنکھ لگ گئی دیکھتا ہوں کہ ایک محفل میں لوگ آتے جاتے ہیں میں بھی حاضر ہوا تو معلوم ہوا کہ مجلس سرور عالم ﷺ ہے اور کثرت نور سے آنکھیں نہیں ٹھرتی ہیں اور اصحاب بھی موجود ہیں، میں بھی پایاں مجلس میں حاضر ہوا آپ ﷺ نے سر مبارک اٹھایا تو میں نے ادب سے سلام کیا اور عرض کیا کہ میری ماں باپ آپ پر قربان ہوں شراب حرام ہے آپ نے فرمایا کہ تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شراب سب پر حرام فرمائی ہے میں نے عرض کیا کہ ایک فقیر مجھ سے اصرار کرتا ہے آپ نے فرمایا کہ وہ یہی ہے میں نے دیکھا تو دو دو ایک طرف وہی فقیر کھڑا ہے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ یہی ہے آپ نے عصائے مبارک پھینک کر مارا وہ گر اور لوٹ کر سو رہا کہ ایک طرف کو بھاگا۔ پھر مجھ سے فرمایا کہ جا اب تو اس کو نہ پاویگا اور جان لے کہ شراب حرام ہے۔ اتنے میں میری آنکھ کھلی تو فجر کا وقت شروع تھا میں نے جلدی نماز پڑھی اور میری ساری ہمت اُس طرف تھی کہ میں جا کر اس فقیر کو دریافت کروں نماز کے بعد فوراً روانہ ہوا ہنوز تڑکا شروع تھا مگر بعض لوگ اس طرف سے پھرے آتے تھے اور کہتے تھے کہ افسوس ہماری شامت اعمال سے آج شاہ صاحب نہیں معلوم کہاں چلے گئے۔ میں زیادہ تیز روانہ ہوا جا کر ٹیلہ پر چڑھا تو حقیقت میں وہاں کوئی نہ تھا پھر میں نے اللہ تعالیٰ کے حمد و ثناء کی اور قاضی عبدالعزیزؒ سے وہ قصہ بیان کیا انہوں نے کہا کہ میں آپ کو پہلے ہی منع کرتا تھا، والحمد للہ علیٰ ذلک۔

وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ

اور کہو کہ اے اللہ! مجھے اچھی طرح داخل کرنا اور اچھی طرح نکالنا

وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ

اور اپنے ہاں سے زور و قوت کو میرا مددگار بنانا [7] اور کہہ دو کہ حق آگیا

[7] سابقہ آیات میں اعداء اسلام کی مخالفت اور نبی کریم ﷺ کو مختلف قسم کی تکلیفوں میں مبتلا کرنے کی تدبیریں اور اس کا جواب مذکور تھا اس کے بعد آیات صدر میں رسول اللہ ﷺ کو اقامت صلاۃ کا حکم دینے میں اس طرف اشارہ ہے کہ دشمنوں کے مکروکید اور ایذاؤں سے بچنے کا بہترین علاج نماز کی قیامت ہے جیسا کہ سورہ حجر کی آیت میں اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے:

وَلَقَدْ نَعَلْمُ اَنَّكَ يَصِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ

السَّٰجِدِيْنَ ﴿۸۳﴾

یعنی ہم جانتے ہیں کہ کفار کے دل ازار اقوال سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے تو آپ اللہ تعالیٰ کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔ (قرطبی)۔

اس آیت میں دشمنوں کی ایذاؤں کا علاج اللہ کے ذکر و تسبیح اور نماز میں مشغول ہو جانے کو قرار دیا ہے ذکر اللہ اور نماز بالخاصہ ان سے بچنے کا علاج ہے اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ دشمنوں کی ایذاؤں سے بچنا اللہ تعالیٰ کی مدد پر موقوف ہے اور اللہ کی مدد حاصل کرنے کا سب سے افضل ذریعہ نماز ہے جیسا کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ”وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰةِ“ (البقرة: ۴۵) یعنی مدد حاصل کرو صبر اور نماز کے ذریعہ۔

جمہور ائمہ تفسیر نے اس آیت کو پانچوں نمازوں کے لئے جامع حکم قرار دیا ہے کیونکہ ”دلوک“ کا لفظ اگرچہ اصل میں میلان کے معنی میں آتا ہے اور میلان افتاب زوال کے وقت سے شروع ہوتا ہے اور غروب کو بھی کہہ سکتے ہیں لیکن جمہور صحابہ و تابعین نے اس جگہ لفظ دلوک کے معنی زوال افتاب ہی کے لئے ہیں (قرطبی، مظہری، ابن کثیر)۔

الی غسق اللیل: لفظ ”غسق“ کے معنی رات کی تاریکی مکمل ہو جانے کے ہیں امام مالک نے ابن عباسؓ سے

”غسق“ کی یہی تفسیر نقل فرمائی ہے۔

اس طرح ”دلوک الشمس الی غسق اللیل“ میں چار نمازیں آگئیں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور ان میں سے دو نمازوں کا ابتدائی وقت بھی بتلایا دیا گیا، کہ ظہر کا وقت زوال افتاب سے شروع ہوتا ہے اور عشاء کا وقت غسق لیل سے یعنی جس وقت رات کی تاریکی مکمل ہو جائے، اسی لئے امام ابوحنیفہؒ نے وقت عشاء کی ابتداء اس وقت سے قرار دی ہے جبکہ شفق احمر کے بعد شفق ابیض بھی غروب ہو جائے یہ سب جانتے ہیں کہ غروب افتاب کے متصل افق مغرب پر ایک سرخی نمودار ہوتی ہے۔ اور اس سرخی کے بعد ایک قسم کی سفیدی افق پر پھیلی ہوئی نظر آتی ہے پھر وہ سفیدی بھی غروب ہو جاتی ہے یہ ظاہر ہے کہ رات کی تاریکی مکمل اسی وقت ہوگی جبکہ افق کی سفیدی بھی ختم ہو جائے اس لئے اس لفظ میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ دوسرے ائمہ نے شفق احمر کے غروب ہونے پر وقت عشاء کی ابتداء قرار دی ہے اور اسی کو غسق لیل کی تفسیر قرار دیا ہے۔

”و قرآن الفجر“ اس جگہ لفظ قرآن بول کر نماز مراد لی گئی ہے کیونکہ قرآن نماز کا جزء اہم ہے اکثر ائمہ تفسیر میں کثیر، قرطبی وغیرہ نے یہی معنی لکھے ہیں اس لئے مطلب ایت کا یہ ہو گیا کہ ”دلوک الشمس الی غسق اللیل“ کے الفاظ میں چار نمازوں کا بیان تھا یہ پانچویں نماز فجر کا بیان ہے اس کو الگ کر کے بیان کرنے میں اس نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

”کان مشہوداً“ یہ لفظ شہادت سے مشتق ہے جس کے معنی ہے حاضر ہونا، اس وقت میں حسب تصریح احادیث صحیحہ دن اور رات کے دونوں فرشتوں کی جماعتیں حاضر نماز ہوتی ہے اس لئے اس کو مشہود کہا گیا ہے۔ اس ایت میں پانچ نمازوں کا حکم اجمال کے ساتھ آیا ہے جس کی مکمل تفسیر و تشریح نبی کریم ﷺ نے اپنے قول و فعل سے بتلائی ہیں اور جب تک اس تشریح پر عمل نہ کیا جائے کوئی شخص نماز ادا نہیں کر سکتا۔ معلوم نہیں کہ جو لوگ قرآن کو بغیر حدیث اور بیان رسول کے سمجھنے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ نماز کیسے پڑھتے ہیں اسی طرح اس آیت میں نماز کے اندر قرأت قرآن کا ذکر بھی اجمالاً آیا ہے اس کی تفصیل رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل سے یہ ثابت ہوئی کہ نماز فجر میں قرأت طویل کی جائے بقدر استطاعت اور ظہر و جمعہ میں اس سے کم اور عصر و عشاء میں متوسط اور مغرب میں مختصر، مغرب میں طول قرأت اور فجر میں اختصار جو بعض روایات میں آیا ہے وہ عملاً متروک ہے، امام قرطبی نے صحیح مسلم کی روایت جس میں مغرب کی نماز میں، سورہ اعراف اور مرسلات وغیرہ طویل سورتوں کا پڑھنا یا صبح کی نماز میں صرف معوذتین پر اکتفاء کرنا منقول ہے اس کو نقل کر کے

فرمایا ہے، فمتروک بالعمل ولانکاره علیٰ معاذ، التطویل وبأمره الائمه بالتخفیف، یعنی یہ اتفاقی واقعات مغرب میں طول قرأت اور فجر میں اختصار کے نبی ﷺ کے دائمی عمل سے نیز زبانی ارشادات کی وجہ سے متروک ہیں (قرطبی)۔ لیکن اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ یہ بعض اوقات پر محمول ہے۔

”ومن اللیل فتنهجد به“ لفظ تہجد: جہود سے مشتق ہے اور یہ لفظ دو متضاد معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے اس کے معنی سونے کے بھی آتے ہیں اور جاگنے کے بھی، اس جگہ ”ومن اللیل فتنهجد به“ کے معنی یہ ہیں کہ رات کے کچھ حصہ میں قرآن کے ساتھ بیدار رہا کرو کیونکہ بے کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے (مظہری) قرآن کے ساتھ بیدار رہنے کا مطلب نماز ادا کرنا ہے اسی رات کی نماز کو اصطلاح شرع میں نماز تہجد کہا جاتا ہے اور عموماً اس کا یہ مفہوم لیا گیا ہے کہ کچھ دیر سو کر اٹھنے کے بعد جو نماز پڑھی جائے وہ نماز تہجد ہے، لیکن تفسیر مظہری میں ہے کہ اس آیت کا مفہوم اتنا ہے کہ رات کے کچھ حصے میں نماز کے لئے سونے کو ترک کر دو اور یہ مفہوم جس طرح کچھ دیر سونے کے بعد جاگ کر نماز پڑھنے پر صادق آتا ہے اسی طرح شروع ہی میں نماز کے لئے نیند کو مؤخر کر کے نماز پڑھنے پر بھی صادق ہے اس لئے نماز تہجد کے لئے پہلے سونے کی شرط قرآن کا مدلول نہیں پھر بعض روایات حدیث سے بھی تہجد کے اسی عام معنی پر استدلال کیا ہے،

امام ابن کثیر نے حسن بصریؒ سے نماز تہجد کی جو تعریف کی ہے وہ بھی اسی عموم پر شاہد ہے اس کے الفاظ یہ ہیں

”قال الحسن البصریؒ هو ما کان بعد العشاء ویحمل علیٰ ما کان بعد النوم“ حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ نماز تہجد ہر اس نماز پر صادق ہے جو عشاء کے بعد پڑھی جائے البتہ تعال کی وجہ سے اس کو کچھ نیند کے بعد پر محمول کیا جائے گا، اس کا حاصل یہ ہے کہ نماز تہجد کے اصل مفہوم میں بعد النوم ہونا شرط نہیں، اور الفاظ قرآن میں بھی یہ شرط موجود نہیں لیکن عموماً تعال رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا یہی رہا ہے کہ نماز آخر رات میں بیدار ہو کر پڑھتے تھے اس لئے افضل صورت یہی ہوگی۔

”نافلةً لک“ لفظ نفل اور نافلة کے لغوی معنی زائد کے ہیں اسی لئے اس نماز اور صدقہ، خیرات وغیرہ کو نفل کہتے ہیں جو شرعاً واجب اور ضروری نہ ہو جس کے کرنے میں ثواب ہے اور نہ کرنے میں نہ کوئی گناہ ہے اور نہ کسی قسم کی برائی، اس آیت میں نماز تہجد کے ساتھ ”نافلةً لک“ کے الفاظ سے ظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ نماز تہجد خصوصیت کے ساتھ نبی ﷺ کے لئے نفل ہے حالانکہ اس کے نفل ہونے میں نبی ﷺ اور پوری امت سب ہی شریک ہیں اسی لئے بعض مفسرین نے اس جگہ نافلة کو فریضہ کی صفت قرار دے کر معنی یہ قرار دئے ہیں کہ عام امت پر تو صرف پانچ وقت کی نماز فرض ہے مگر رسول

اللہ ﷺ پر تہجد بھی ایک زائد فرض ہے تو یہاں لفظ ”نافلۃ“ بمعنی فرض زائد کے ہے نفل کے عام معنی میں نہیں۔ اور تحقیق صحیح اس معاملہ کی یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں جب سورہ مزمل نازل ہوئی تو اس وقت پانچ نمازیں تو فرض ہوئی نہ تھیں صرف تہجد کی نماز سب پر فرض تھی اسی فرض کا ذکر سورہ مزمل میں ہے پھر شب معراج میں پانچ نمازیں فرض کر دی گئیں تو تہجد کی فرضیت عام امت سے تو باقیات منسوخ ہو گئی اور اس میں اختلاف رہا کہ نبی ﷺ سے بھی اس کی فرضیت منسوخ ہوئی یا یہ خصوصی طور پر آپ کے ذمہ فرض رہا اور اس آیت میں ”نافلۃ لک“ کے یہی معنی ہیں کہ تہجد آپ کے ذمہ ایک زائد فرض ہے مگر تفسیر قرطبی میں ہے کہ یہ کئی وجوہ سے صحیح نہیں، اول یہ کہ فرض کو نفل سے تعبیر کرنے کی کوئی وجہ نہیں اگر کہا جائے کہ مجاز ہے تو یہ ایک ایسا مجاز ہوگا جس کی کوئی حقیقت نہیں، دوسرے احادیث صحیحہ میں صرف پانچ نمازوں کی تعیین کے ساتھ فرض ہونے کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں اس کے آخر میں یہ بھی مذکور ہے کہ شب معراج میں جو اول پچاس نمازیں فرض کی گئی تھیں پھر تخفیف کر کے پانچ کر دی گئیں تو اگرچہ عدد گھٹا دیا گیا مگر ثواب پچاس ہی کا ملے گا اور پھر فرمایا ”لا یبدل القول لدی“ یعنی میرا قول بدلانا نہیں کرتا جب پچاس کا حکم دیا تھا تو ثواب پچاس ہی کا دیا جائے گا اگرچہ عمل میں کمی کر دی گئی۔

ان روایات کا حاصل یہی ہے کہ عام امت اور خود رسول اللہ ﷺ پر پانچ نمازوں کے سوا کوئی اور نماز فرض نہیں ہے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ”نافلۃ“ کا لفظ اگر اس جگہ فریضہ زائد کے معنی میں ہوتا تو اس کے بعد لفظ ”لک“ کے بجائے ”علیک“ ہونا چاہیے تھا جو جوہر پر دلالت کرتا ہے لفظ ”لک“ تو صرف جواز اور اجازت کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح تفسیر مظہری میں صحیح اسی کو قرار دیا ہے کہ جب تہجد کی فرضیت امت سے منسوخ ہوئی تو رسول اللہ ﷺ سے بھی منسوخ ہو گئی اور سب کے لئے نفل رہ گیا مگر اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس میں نبی ﷺ کی خصوصیت کیا ہے نفل ہونا تو سب ہی کے لئے ثابت ہے پھر ”نافلۃ لک“ فرمانے کا کیا حاصل ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ حسب تصریح احادیث تمام امت کی نوافل اور تمام نفلی عبادات ان کے گناہوں کا کفارہ اور فرض نمازوں میں جو کوتاہی، کمی رہ جائے اس کی تکمیل کا کام دیتی ہیں، مگر رسول اللہ ﷺ گناہوں سے بھی معصوم ہیں اور نماز کے آداب میں کوتاہی سے بھی، اس لئے آپ کے حق میں نفلی عبادات بالکل زائد ہی ہے جو کسی کوتاہی کا تدارک نہیں بلکہ محض زیادت تقریب کا ذریعہ ہے (قرطبی مظہری)۔

سنت مؤکدہ کے لئے فقہاء کا جو عام ضابطہ ہے کہ جس کام پر رسول اللہ ﷺ نے عملامد امت فرمائی ہو اور بلا مجبوری کے نہ چھوڑا ہو وہ سنت مؤکدہ ہے بجز اس کے کہ کسی دلیل شرعی سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کام نبی ﷺ کے لئے

مخصوص تھا عام امت کے لئے نہیں تھا اس ضابطہ کا تقاضا بظاہر یہی ہے کہ نماز تہجد بھی سب کے لئے سنت مؤکدہ قرار پائے نہ کہ نفل کیونکہ اس نماز پر صرف رسول اللہ ﷺ کی مداومت سنت متواترہ سے ثابت ہے اور خصوصیت کی کوئی دلیل نہیں اس لئے عام امت کے لئے بھی سنت مؤکدہ ہونا چاہیے، تفسیر مظہری میں اسی کو مختار اور راجح قرار دیا ہے اور اس کے مؤکدہ ہونے پر ابن مسعودؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جس میں نبی ﷺ نے اس شخص کے بارے میں جو پہلے تہجد پڑھا کرتا تھا پھر چھوڑ دیا یہ ارشاد فرمایا ”اس کے کان میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے“ اس طرح کی وعید اور تنبیہ صرف نفل میں نہیں ہو سکتی، اس سے معلوم ہوا کہ یہ سنت مؤکدہ ہے۔

اور جن لوگوں نے تہجد کو صرف نفل قرار دیا ہے وہ اس مواظبت اور مداومت کو نبی ﷺ کی خصوصیت قرار دیتے ہیں اور تہجد پڑھنے والے کے ترک تہجد پر جو زجر کے الفاظ ارشاد فرمائے وہ دراصل مطلقاً ترک پر نہیں بلکہ اول عادت ڈالنے کے بعد ترک کرنے پر ہیں، کیونکہ آدمی جس نفل کی عادت ڈال لے باقی امت اس کو چاہئے کہ اس پر مداومت کرے اگر عادت ڈالنے کے بعد چھوڑے گا تو قابل ملامت ہوگا کیونکہ عادت کے بعد بلا عذر ترک ایک قسم کے اعراض کی علامت ہے اور جو شروع سے عادی نہ ہو تو اس پر کوئی ملامت نہیں، واللہ اعلم۔

صحیح بخاری و مسلم میں عائشہ صدیقہؓ کی روایت یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ رمضان یا غیر رمضان میں کبھی گیارہ رکعات سے زیادہ نہ پڑھتے تھے، ان گیارہ رکعات میں حنفیہ کے نزدیک تین رکعتیں وتر کی ہوتی تھیں باقی آٹھ تہجد کی۔ اور صحیح مسلم کی ایک روایت میں عائشہؓ کے یہ الفاظ منقول ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر بھی شامل ہیں اور دو رکعتیں سنت فجر کی بھی (مظہری) سنت فجر کو رات کی نماز میں بوجہ رمضان کے شمار کر لیا ہے۔ ان روایات سے معلوم ہوا کہ عادت رسول اللہ ﷺ کی یہ تھی کہ تہجد کی نماز میں آٹھ رکعات ادا فرماتے تھے۔ لیکن عائشہؓ ہی کی ایک روایت سے یہ بھی ثابت ہے کہ کبھی کبھی اس تعداد سے کم چار یا چھ رکعات پر بھی اکتفاء فرمایا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں آپ سے یہ منقول ہے کہ مسروقؓ نے عائشہؓ سے تہجد کی نماز کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ سات، نو، اور گیارہ رکعات ہوتی تھیں علاوہ سنت فجر کے۔

جو عام روایات حدیث ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ابتداء میں دو رکعت ہلکی مختصر قرأت کے ساتھ پھر باقی رکعات میں قرأت بھی طویل اور رکوع سجدہ بھی طویل ہوتا اور یہ طول بسا اوقات بہت زیادہ ہو جاتا تھا کبھی کچھ کم (راقم الحروف نے کتاب التراویح میں اس کے متعلق مختصر تحقیق کیا ہے)۔ قرآن کریم نے اس نماز کا ذکر مختلف آیات =

وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿۸۱﴾ ۱۸۱ ﴿۸۱﴾ وَنُنزِلُ مِنَ الْقُرْآنِ

اور باطل نابود ہو گیا بیشک باطل نابود ہونے والا ہے۔ اور ہم قرآن (کے ذریعے) سے وہ چیز نازل کرتے ہیں

مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾ ۱۸۲ ﴿۸۲﴾

جو مومنوں کیلئے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کے حق میں تو اس سے نقصان ہی بڑھتا ہے

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بِنَجَابِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ

اور جب ہم انسان کو نعمت بخشتے ہیں تو رُوگردانی کرتا ہے اور پہلو پھیر لیتا ہے اور جب اُسے سختی پہنچتی ہے

يَتُوسَّ ﴿۸۳﴾ ۱۸۳ ﴿۸۳﴾ كُلُّ يَّعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ فَرُبُّكُمْ أَعْلَمُ

تو ناامید ہو جاتا ہے۔ کہہ دو کہ ہر شخص اپنے طریق کے مطابق عمل کرتا ہے سو تمہارا رب اُس شخص سے خوب واقف ہے

= میں کیا ہے، مثلاً العمران: ۱۷، ۱۱۳، طہ: ۱۳۰، فرقان: ۶۳، الم سجدہ ۱۶، زمر: ۹، بق: ۴۰، ذاریات: ۱۷، ۱۸، الطور: ۴۹،

مزل: اول سے آخر تک، ۲۰، الدهر: ۲۶۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز تہجد فرض نماز کے بعد عند اللہ محبوب ترین نماز ہے جیسا کہ

حدیث ابی ہریرہؓ میں ہے کہ: سمعت رسول اللہ ﷺ يقول "افضل الصلاة بعد المفروضة صلاة في جوف

الليل [مسند احمد: ۲/۳۴۲] ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرماتے تھے، فرضوں کے

بعد افضل نماز درمیان رات کی نماز ہے۔

رسول اللہ ﷺ سے اس آیت میں مقام محمود کا وعدہ کیا گیا ہے اور یہ مقام تمام انبیاء علیہم السلام میں سے صرف نبی ﷺ کے

لئے مخصوص ہے اس کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں مگر صحیح وہ ہے جو احادیث صحیحہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے یہ مقام

شفاعت کبریٰ کا ہے کہ میدان حشر میں جس وقت تمام بنی آدم جمع ہوں گے اور ہر نبی سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو

تمام انبیاء علیہم السلام عذر کر دیں گے صرف رسول اللہ ﷺ کو یہ شرف عطا ہوگا کہ تمام بنی آدم کی شفاعت کر دیں گے، مزید

تفصیل کے لئے ابن کثیر اور تفسیر مظہری ملاحظہ کیجئے۔

بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا ﴿٨٢﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ

جو سب سے زیادہ سیدھے رستے پر ہے۔ اور تم سے رُوح کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دو

الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٥﴾

کہ وہ میرے رب کی ایک مخلوق ہے اور تم لوگوں کو (بہت ہی) کم علم دیا گیا ہے [8]

[8] اسی آیت میں کفار کے طرف سے رُوح کے متعلق ایک سوال اور حق تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب مذکور ہے

لفظ رُوح، لغات و محاورات میں نیز قرآن کریم میں متعدد معانی کے لئے استعمال ہوتا ہے معروف و مشہور معنی تو وہی ہے جو عام طور پر اس لفظ سے سمجھے جاتے ہیں یعنی ”جان“ جس سے حیات اور زندگی قائم ہے قرآن کریم میں یہ لفظ جبرئیل امین

کے لئے بھی استعمال ہوا ہے ”نزل به الروح الامين على قلبك“ (الشعراء: ۹۳) اور عیسیٰ علیہ السلام کے لئے

بھی کئی آیات میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ سورہ نساء: ۱۱، میں ہے اور خود قرآن کریم اور وحی کو بھی رُوح کے لفظ سے

تعبیر کیا گیا ہے اوحینا الیک روحاً من امرنا (الشوری: ۵۲)۔ اس لئے یہاں پہلی بات غور طلب یہ ہے کہ سوال

کرنے والوں نے رُوح کا سوال کس معنی کے لحاظ سے کیا تھا، بعض مفسرین نے سیاق و سباق کی رعایت سے یہ سوال وحی

اور قرآن یا وحی لانے والے فرشتے جبرئیل کے متعلق قرار دیا ہے کیونکہ اس سے پہلے بھی ”ننزل من القرآن“ میں قرآن

کا ذکر تھا اور بعد کی آیات میں پھر قرآن ہی کا ذکر ہے اس کے مناسب اس کو سمجھا کہ اس سوال میں بھی رُوح سے مراد وحی

و قرآن یا جبرئیل ہی ہیں اور مطلب سوال کا یہ ہو گا کہ آپؐ پر وحی کس طرح آتی ہے کون لاتا ہے قرآن کریم نے اس کے

جواب میں اس پر اکتفا کیا کہ اللہ کے حکم سے وحی آتی ہے تفصیلات اور کیفیات جن کا سوال تھا وہ نہیں بتلائیں۔

لیکن احادیث صحیحہ مرفوعہ میں جو اس آیت کا شان نزول بتلایا گیا ہے وہ تقریباً اس میں صریح ہے کہ سوال کرنے

والوں نے رُوح حیوانی کا سوال کیا تھا اور مقصد سوال کا رُوح کی حقیقت معلوم کرنا تھا کہ وہ کیا چیز ہے بدن انسانی میں کس

طرح آتی جاتی ہے اور کس طرح اس سے حیوان اور انسان زندہ ہو جاتا ہے صحیح بخاری و مسلم میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے

روایت ہے کہ میں ایک روز رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کے غیر آباد حصے میں چل رہا تھا رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک

میں ایک چھتری (کھجور کی شاخ) کی تھی آپؐ کا گذر چند یہودیوں پر ہوا یہ لوگ آپس میں کہنے لگے، کہ محمد ﷺ آ رہے ہیں ان

سے روح کے متعلق سوال کرو، دوسروں نے منع کیا مگر سوال کرنے والوں نے سوال کر ہی ڈالا، یہ سوال سنکر رسول پاک ﷺ لکڑی پر ٹیک لگا کر خاموش کھڑے ہو گئے جس سے مجھے اندازہ ہوا کہ آپ پر وحی نازل ہونے والی ہے کچھ وقفہ کے بعد وحی نازل ہوئی تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی ”وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ“ یہاں ظاہر ہے کہ قرآن یا وحی کو روح یہ قرآن کی ایک خاص اصطلاح تھی ان لوگوں کا سوال کو اس پر محمول کرنا بہت بعید ہے البتہ روح حیوانی و انسانی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کے سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے جمہور مفسرین ابن کثیر ابن جریر، قرطبی، بحر محیط، روح المعانی سبھی نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے کہ سوال روح حیوانی کی حقیقت سے تھا، رہا یہ معاملہ کہ سیاق و سباق میں ذکر قرآن کا چلا آیا ہے درمیان میں روح کا سوال جواب بے جوڑ ہے، تو اس کا جواب واضح ہے کہ اس سے پہلی آیات میں کفار و مشرکین کی مخالفت اور معاندانہ سوالات کا ذکر آیا ہے جن سے منظور رسول اللہ ﷺ کے بارے میں امتحان کرنا تھا۔ یہ سوال بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اس لئے بے جوڑ نہیں، خصوصاً شان نزول کے متعلق ایک دوسری حدیث صحیح منقول ہے اس میں یہ بات زیادہ وضاحت سے آگئی ہے کہ سوال کرنے والوں کا مطلب رسول پاک ﷺ کی رسالت کا امتحان لینا تھا۔ چنانچہ مسند احمد میں عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ قریش مکہ جو جاوے جا سوالات رسول اللہ ﷺ سے کرتے رہتے تھے ان کو خیال پیدا ہوا کہ یہود علم والے ہیں ان کو کچھ کتابوں کا بھی علم ہے ان سے کچھ سوالات حاصل کئے جاویں جن کے ذریعہ رسول پاک ﷺ کا امتحان لیا جائے اس لئے قریش نے یہود سے دریافت کرنے کے لئے اپنے آدمی بھیجے انہوں نے کہا کہ تم نے ان سے روح کے متعلق سوال کرو۔ (ابن کثیر)۔

اور عبداللہ بن عباسؓ ہی سے بھی اس آیت کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے سوال میں یہ بھی کہا تھا کہ آپ ہمیں یہ بتلائیں کہ روح پر عذاب کس طرح ہوتا ہے؟ اس وقت تک رسول پاک ﷺ پر اس بارے میں کوئی بات نازل نہ ہوئی تھی اسلئے اس وقت آپ نے فوری جواب نہیں دیا پھر جبریل امین یہ آیت لیکر نازل ہوئے ”قل الروح من امر ربی“ (ابن کثیر ملخصاً)۔

اس سے پہلے یہاں ایک بات اور قابل نظر ہے کہ شان نزول کے متعلق جو دو حدیثیں ابن مسعودؓ، وابن عباسؓ کی اوپر نقل کی گئی ہیں ان میں سے ابن مسعودؓ کی روایت کے مطابق یہ واقعہ سوال مدینہ میں پیش آیا اور اسی لئے بعض مفسرین نے اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے اگرچہ اکثر حصہ سورہ بنی اسرائیل کا مکی ہے اور ابن عباسؓ کی روایت کا تعلق مکہ مکرمہ کے واقعہ سے ہے اس کے مطابق یہ آیت بھی پوری سورت کی طرح مکی باقی رہتی ہے اسی لئے ابن کثیر نے اسی احتمال کو راجح

قراردیا ہے اور ابن مسعودؓ کی روایت کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول مدینہ میں دوسری مرتبہ ہوا، ہو جیسا کہ بہت سی آیات قرآن کا نزول مکرر سب علماء کے نزدیک مسلم ہے اور تفسیر مظہری نے ابن مسعود کی روایت کو راجح قرار دیکر واقعہ مدینہ کا اور آیت کو مدنی قرار دیا ہے جس کی دو وجہ بتلائیں، ایک یہ کہ یہ روایت صحیحین میں ہے اور سند اس کی روایت ابن عباسؓ سے زیادہ قوی ہے، دوسرے یہ کہ اس میں خود صاحب واقعہ ابن مسعودؓ اپنا واقعہ بیان کر رہے، بخلاف روایت ابن عباسؓ کے کہ اس میں ظاہر یہی ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ بات کسی سے سنی ہوگی۔

قرآن کریم نے یہ جواب دیا ہے: قُلِ السُّرُوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي اس جواب کی تشریح میں مفسرین کے کلمات اور تعبیرات مختلف ہیں، ان میں سب سے زیادہ اقرب اور واضح وہ ہے جو تفسیر مظہری میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس جواب میں جنسی بات کا بتلانا ضروری تھا اور جو عام لوگوں کی سمجھ میں آنے کے قابل ہے صرف وہ بتلا دی گئی اور روح کی مکمل حقیقت جس کا سوال تھا اس کو اس لئے نہیں بتلایا کہ وہ عوام کی سمجھ سے باہر بھی تھی اور ان کی کوئی ضرورت اس کے سمجھنے پر موقوف بھی نہ تھی، یہاں رسول پاک ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان کے جواب میں یہ فرما دیجئے، کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے، یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں جو مادہ کے فطورات اور تولد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہیں، بلکہ وہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کے حکم ”کن“ سے پیدا ہونے والی چیز ہے، اس جواب نے یہ تو واضح کر دیا کہ روح کو مادیات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا جس سے وہ تمام شہادتیں رفع ہو گئے جو روح کو عام مادیات پر قیاس کرنے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں اور انسان کے لئے اتنا ہی علم روح کے متعلق کافی ہے اس سے زائد علم کے ساتھ اس کا کوئی دینی یا دنیوی کام اٹکا ہوا نہیں اس لئے وہ حصہ سوال فضول اور لایعنی قرار دیکر اس کا جواب نہیں دیا گیا خصوصاً جبکہ اس کی حقیقت کا سمجھنا عوام کے لئے تو کیا بڑے بڑے حکماء و عقلاء کے لئے بھی آسان نہیں۔

جصاص نے اس جواب سے یہ مسئلہ نکالا، کہ مفتی اور عالم کے ذمہ یہ ضروری نہیں کہ سائل کے ہر سوال اور اس کی ہر شق کا جواب ضرور دے، بلکہ دینی مصالح پر نظر رکھ کر جواب دینا چاہئے جو جواب مخاطب کے فہم سے بالاتر ہو یا اس کے غلط فہمی میں پڑ جانے کا خطرہ ہو، تو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے اسی طرح بے ضرورت یا لایعنی سوالات کا جواب بھی نہیں دینا چاہئے البتہ جس شخص کو کوئی ایسا واقعہ پیش آیا جس کے متعلق اس کو کچھ عمل کرنا لازم ہے اور خود وہ عالم نہیں تو مفتی اور عالم کو اپنے علم کے مطابق اس کا جواب دینا ضروری ہے (جصاص) امام بخاری نے کتاب العلم میں اس مسئلے کیلئے ایک مستقل ترجمۃ الباب رکھ کر بتلایا ہے کہ جس سوال کے جواب سے مغالطہ میں پڑنے کا خطرہ ہو اس کا جواب نہیں دینا چاہئے۔

قرآن کریم نے اس سوال کا جواب مخاطب کی ضرورت اور فہم کے مطابق دیدیا حقیقت روح کو بیان نہیں فرمایا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کی حقیقت کو کوئی انسان سمجھ ہی نہیں سکتا، اور یہ کہ خود رسول کریم ﷺ کو بھی اس کی حقیقت معلوم نہیں تھی، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت نہ اس کی نفی کرتی ہے اور نہ اثبات اگر کسی نبی و رسول کو وحی کے ذریعہ یا کسی ولی کو کشف و الہام کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو اس آیت کے خلاف نہیں بلکہ عقل و فلسفہ کی رو سے بھی اس پر کوئی بحث و تحقیق کی جائے تو اس کو فضول و لایعنی تو کہا جائے گا مگر ناجائز نہیں کہا جاسکتا، اسی لئے بہت سے علما متقدمین و متاخرین نے روح کے متعلق مستقل کتابیں لکھی ہیں، علامہ شہیر احمد عثمانی نے ایک مختصر سے رسالے میں اس مسئلے کو بہترین انداز سے لکھا ہے اور اس میں جس قدر حقیقت سمجھنا عام انسان کے لئے ممکن ہے وہ سمجھا دی ہے جس پر ایک تعلیم یافتہ انسان قناعت کر سکتا ہے اور شبہات و اشکالات سے بچ سکتا ہے۔

امام بغوی نے اس جگہ عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک مفصل روایت اس طرح نقل فرمائی ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جبکہ مکہ کے قریشی سرداروں نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ محمد ﷺ ہمارے اندر پیدا ہوئے اور جوان ہوئے ان کی امانت و دیانت اور سچائی میں کبھی کسی کو شبہ نہیں ہوا، اور کبھی ان کے متعلق جھوٹ بولنے کی تہمت بھی کسی نے نہیں لگائی اور اس کے باوجود اب جو دعویٰ نبوت کا وہ کر رہے ہیں ہماری سمجھ میں نہیں آتا اس لئے ایسا کرو کہ اپنا ایک وفد مدینہ طیبہ کے علماء یہود کے پاس بھیج کر ان سے ان کے بارے میں تحقیقات کرو، چنانچہ قریش کا ایک وفد علماء یہود کے پاس مدینہ پہنچا علماء یہود نے ان کو مشورہ دیا کہ ہم تمہیں تین چیز بتلاتے ہیں تم ان سے ان تینوں کا سوال کرو اگر انہوں تینوں کا جواب دیدیا تو وہ نبی نہیں، اسی طرح تینوں میں سے کسی کا جواب نہ دیا تو بھی نبی نہیں اور اگر دو کا جواب دیا تیسری چیز کا جواب نہیں دیا تو سمجھو کہ وہ نبی ہیں، وہ تین سوال یہ بتلائے کہ ایک تو ان سے ان لوگوں کا حال پوچھو جو قدیم زمانے میں شرک سے بچنے کے لئے کسی غار میں چھپ گئے تھے کیونکہ ان کا واقعہ عجیب ہے دوسرے اس شخص کا حال پوچھو جس نے زمین کے مشرق و مغرب کا سفر طے کیا کہ اس کا کیا واقعہ ہے، تیسرے روح کے متعلق دریافت کرو۔

یہ وفد واپس آیا اور تینوں سوال رسول پاک ﷺ کے سامنے پیش کر دیئے، آپ نے فرمایا میں اس کا جواب تمہیں کل دوں گا مگر اس پر انشاء اللہ نہیں کہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز تک وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، بارہ پندرہ سے لیکر چالیس دن تک کی مختلف روایات ہیں جن میں سلسلہ وحی بند رہا۔ قریش مکہ کو طعن و تشنیع کا موقع ملا، کہ کل جواب دینے کو کہا تھا آج اتنے دن ہو گئے جواب نہیں ملا۔ رسول کریم ﷺ کو بھی یہ پریشانی ہوئی پھر جبریل امین یہ آیت لیکر نازل ہوئے: ”=

وَلَسْنَا شِئْنَا لِنُدْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا

اور اگر ہم چاہیں تو جو (کتاب) تمہاری طرف بھیجتے ہیں اُسے (دلوں سے) محو کر دیں پھر تم اس کیلئے ہمارے مقابلے میں کسی

وَكَيْلًا ﴿١٨٤﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ﴿١٨٥﴾

کو مددگار نہ پاؤ [9]۔ مگر (اس کا قائم رہنا) تمہارے رب کی رحمت ہے، کچھ شک نہیں کہ تم پر اُس کا بڑا فضل ہے

= ولا تقولن لشيء اني فاعل ذلك غدا الا ان يشاء الله، جس میں آپؐ کو یہ تلقین کی گئی کہ آئندہ کسی کام کرنے کا وعدہ کیا جائے تو انشاء اللہ کہہ کر کیا جائے اور اس کے بعد روح کے متعلق یہ آیت سنائی جو اوپر مذکور ہوئی اور غار میں چھپنے والوں کے متعلق اصحاب کہف کا واقعہ اور مشرق سے مغرب تک سفر کرنے والے ذوالقرنین کا واقعہ جو سورہ کہف میں آنے والا ہے اس کی آیات نازل ہوئیں جن میں اصحاب کہف و ذوالقرنین کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ جواب میں بیان فرمایا گیا ہے اور روح کے متعلق جس حقیقت کا سوال تھا اس کا جواب نہیں دیا گیا جس سے یہود کی بتلائی ہوئی علامت صدق نبوت کی ظاہر ہو گئی اس واقعہ کو ترمذی نے مختصر بیان کیا ہے۔ (مظہری)۔

[9] یہاں قرطبی اور ابن کثیر نے چند احادیث قرآن کے اٹھ جانے کے متعلق نقل کیے ہیں۔

پہلی روایت حذیفہؓ سے نقل ہے جو کہ ابن ماجہ نے رقم: ۴۰۴۹، کتاب الفتن باب ذهاب القرآن میں نقل کیا ہے کہ: قال قال رسول الله ﷺ يدرس الاسلام كما يدرس وشي الثوب. حتى لا يدري ما صيام ولا صلاة ولا نسك ولا صدقة، وليسرى على كتاب الله عز وجل في ليلة فلا يلقى في الارض منه آية وتبقى طوائف من الناس، الشيخ الكبير والعجوز يقولون ادركنا ابائنا على هذه الكلمة لا اله الا الله فنحن نقولها، فقال له، صلاة، ماتغنى عنهم. لا اله الا الله وهم لا يدرون ما صلاة ولا صيام ولا نسك ولا صدقة؟ فاعرض عنه حذيفة ثم ردها عليه ثلاثا. كل ذلك يعرض عنه حذيفة ثم اقبل عليه في الثالثة فقال يا صلة تنجيهم من النار ثلاثا۔

حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا اسلام پر انا ہو جاوے گا جیسے کپڑے کی بیل پرانی ہو جاتی ہے یہاں تک کہ کوئی (نام کے مسلمانوں میں سے) یہ نہ جانے گا کہ روزہ کیا ہے نماز کیا ہے قربانی کیا ہے صدقہ کیا ہے

قُلْ لِّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ
 کہہ دو کہ اگر انسان اور جن اس بات پر مجتمع ہوں کہ اس قرآن جیسا بنا لائیں تو اس جیسا نہ لاسکیں
 لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ صَرَّفْنَا
 اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔ اور ہم نے قرآن میں سب باتیں طرح طرح سے انسان کے لئے بیان کر دی ہیں

= ہے، اور اللہ کی کتاب ایک ہی رات میں اٹھائی جائے گی (یعنی اس کے حروف غائب ہو جاویں گے) تو زمین میں ایک آیت
 بھی قرآن کی باقی نہ رہے گی۔ اور چند گروہ مسلمانوں کے رہ جاویں گے ان میں بوڑھے اور بوڑھیاں یہ کہیں گی کہ ہم نے اپنے
 باپ دادا کو یہ کلمہ کہتے ہوئے پایا: لا الہ الا اللہ تو ہم بھی کہتے ہیں (باقی اور کوئی بات دین کی ان کو معلوم نہ ہوگی)۔ صلہ بن زفر نے کہا
 (جو تابعی ہے اور حدیث سے راوی ہے) فقط لا الہ الا اللہ کہنے سے ان کو کیا فائدہ ہوگا، اور وہ نہیں جانتے ہوں گے، روزے
 اور نماز اور قربانی اور زکوٰۃ کو، تو حدیث نے تین بار ان کی طرف سے منہ پھرا، لیکن صلہ نے پھر پوچھا؟ پھر پوچھا تین
 بار؟، ہر بار حدیث جواب نہیں دیتے تھے، تیسری بار میں انہوں نے رُخ کیا صلہ کی طرف اور کہا اے صلہ یہ کلمہ ان کو دوزخ سے
 نجات دلا دے گا، تین بار اس کو کہا۔ دوسری روایت عبد اللہ بن مسعود سے امام بیہقی نے شعب
 الایمان: ۳۹۸/۳، اور دارمی: ۸۳۴ باب فضائل القرآن، میں نقل کیا ہے کہ: قال اقرأ القرآن قبل ان يرفع فانه لا تقوم
 الساعة حتى يرفع قالوا هذه المصاحف ترفع فكيف بمافي صدور الناس؟ قال يعدي عليه ليلا فيرفع من
 صدوركم فيصبحون فيقولون لكانا كنا نعلم شيئا ثم يقعون في الشعر۔ اس کے بعد دوسری سند سے امام بیہقی
 ۳۹۹/۳، اور حاکم مستدرک: ۵۰۴/۴، میں نقل کرتا ہے کہ ان اول ماتفقدون من دينكم الامانة واخر ما يقى الصلوة
 ، وان هذا القرآن الذي بين اظهركم اوشك ان يرفع قالوا كيف وقد اثبتته الله في قلوبنا واثبتناه في
 المصاحف قال يسرى عليه ليلا فيذهب مافي قلوبكم ويرفع مافي المصاحف ثم قرأ عبد الله هذه الآية ، یعنی
 یہ قرآن عنقریب اٹھالیا جائے گا، پوچھا گیا کہ کیسے؟ اور اس کو تو اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں محفوظ کر دیا ہے اور ہم نے
 مصاحف میں لکھ لیا ہے، فرمایا کہ ایک رات میں ہوا آوے گی پس نہ چھوڑے گی وہ کوئی آیت دل میں اور نہ مصحف میں
 مگراٹھالے جاوے گی پھر تم صبح کرو گے اس حال میں کہ تم تمہارے پاس قرآن سے کچھ نہ ہوگا، پھر ابن مسعود نے یہ آیت پڑھی۔

لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿٨٩﴾

مگر اکثر لوگوں نے انکار کرنے کے سوا قبول نہ کیا

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ﴿٩٠﴾

اور کہنے لگے کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ (عجیب و غریب باتیں نہ دکھاؤ یعنی باتوں) ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کر دو

أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا

یا تمہارا کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ میں نہریں بہا نکالو

﴿٩١﴾ وَتُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِيَ بِاللَّهِ

یا جیسا تم کہا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ یا اللہ

وَالْمَلَائِكَةَ قَبِيلًا ﴿٩٢﴾ وَيَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرِفٍ أَوْ تَرْقَى

اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے لے آؤ۔ یا تمہارا سونے کا گھر ہو یا تم آسمان پر چڑھ

فِي السَّمَاءِ وَلَنْ نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُوهُ

جاؤ اور ہم تمہارے چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک کہ کوئی کتاب نہ لاؤ جسے ہم پڑھ بھی لیں

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ﴿٩٣﴾ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ

کہہ دو کہ میرا رب پاک ہے میں تو صرف ایک پیغام پہنچانے والا انسان ہوں۔ اور جب لوگوں کے پاس ہدایت آگئی تو ان

أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ﴿٩٤﴾

کو ایمان لانے سے اس کے سوا کوئی چیز مانع نہ ہوئی کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟

قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ

کہہ دو کہ اگر زمین میں فرشتے ہوتے (کہ اس میں) چلتے پھرتے (اور) آرام کرتے (یعنی بستے)

لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ﴿٤٥﴾

تو ہم ان کے پاس فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجتے

قُلْ كَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٤٤﴾

کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے وہی اپنے بندوں سے خبردار (اور ان کو) دیکھنے والا ہے

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ

اور جس شخص کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جن کو گمراہ کرے تو تم اللہ کے سوا ان کے رفیق نہیں پاؤ گے،

وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمِيَآ وَبُكْمًا ۚ وَصُمًّا مَأْوَاهُمْ

اور ہم ان کو قیامت کے دن اونڈھے منہ، اندھے، گونگے، اور بہرے (بنا کر) اٹھائیں گے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

جَهَنَّمَ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ﴿٤٦﴾ ۚ لِكُلِّ جَزَاءٍ وَّهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا

جب (اس کی آگ) بجھنے کو ہوگی تو ہم ان کو کیلئے اور بھڑکادیں گے یہ ان کی سزا ہے اس لئے کہ وہ ہماری آیتوں سے کفر کرتے تھے

بِآيَاتِنَا وَقَالُوا آءِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرَفَاتًا إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ﴿٤٨﴾

اور کہتے تھے کہ جب ہم (مر کر بوسیدہ) ہڈیاں اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا کئے جائیں گے؟

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ! جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس بات پر قادر ہے کہ ان جیسے (لوگ)

مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَا رَيْبَ فِيهِ فَأَبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا كُفُورًا ﴿٤٩﴾

پیدا کر دے اور اس نے ان کیلئے ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کچھ بھی شک نہیں تو ظالموں نے انکار کرنے کے سوا (اسے) قبول نہ کیا

قُلْ لَوْ أَنَّكُمْ تَمْلِكُونَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذًا لَأَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۗ

کہہ دو کہ اگر میرے رب کی رحمت کے خزانے تمہارے ہاتھ میں ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے خوف سے (ان کو) بند کر رکھتے

وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ﴿۱۰﴾ ۱۰ لَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَاسْتَلَّ

اور انسان دل کا بہت تنگ ہے۔ اور ہم نے موسیٰ کو نو کھلی نشانیاں دیں
بَنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ جَاءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَمُوسَى

تو بنی اسرائیل سے دریافت کر لو کہ جب وہ اُن کے پاس آئے تو فرعون نے ان سے کہا کہ موسیٰ! میں خیال کرتا ہوں کہ تم پر

مَسْحُورًا ﴿۱۰﴾ ۱۰ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَوَاتِ

جادو کیا گیا ہے۔ [10] انہوں نے کہا کہ تم یہ جانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کے رب کے سوا

[10] اس میں موسیٰ علیہ السلام کو نو آیات پینات عطا فرمانے کا ذکر ہے ”ایت“ کا لفظ معجزے کے معنی میں بھی آتا ہے، اور آیات قرآن یعنی احکام الہیہ کے معنی میں بھی، اس جگہ دونوں معنی کا احتمال ہے اسی لئے ایک جماعت مفسرین نے اس جگہ آیات سے مراد معجزات لئے ہیں اور نو کے عدد سے یہ ضرور نہیں ہے کہ نو سے زائد نہوں مگر اس جگہ نو کا ذکر کسی خاص اہمیت کی بناء پر کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن عباس نے یہ نو معجزات اس طرح شمار فرمائیں ہیں: (۱)۔ عصیٰ موسیٰ، جو اڑ دھا بن جاتی تھی (۲)۔ ید بیضا، جس کو گریباں میں ڈال کر چمکنے لگتا تھا (۳)۔ زبان میں لکنت تھی وہ دور کردی گئی (۴)۔ بنی اسرائیل کے دریا پار کرنے کے لئے دریا کو پھاڑ کر گئے، دو حصے الگ کر دیئے اور راستہ دیدیا (۵)۔ نڈی دل کا عذاب غیر معمولی صورت میں بھیج دیا گیا (۶)۔ طوفان بھیج دیا گیا (۷)۔ بدن کے کپڑوں میں بیدر جوئیں پیدا کر دی گئیں جن سے بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا (۸)۔ مینڈکوں کا ایک عذاب مسلط کر دیا گیا، کہ ہر کھانے پینے کی چیز میں مینڈک آجاتے تھے (۹)۔ خون کا عذاب بھیج دیا گیا کہ ہر برتن اور کھانے پینے میں خون مل جاتا تھا۔

اور ایک صحیح حدیث کے مضمون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آیات سے مراد احکام الہیہ ہیں یہ حدیث ابوداؤد نسائی، ترمذی ابن ماجہ میں بسند صحیح صفوان بن عسال سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا کہ مجھے اس نبی کے پاس لے چلو، ساتھی نے کہا کہ نبی نہ کہو اگر ان کو خبر ہوئی کہ ہم بھی ان کو نبی کہتے ہیں تو ان کی

چار آنکھیں ہو جاویں گی یعنی ان کو فخر و مسرت کا موقع مل جاوے گا پھر یہ دونوں رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دریافت کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو جو نو آیات بینات دی گئی تھیں وہ کیا ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (۲) چوری نہ کرو (۳) زنا نہ کرو (۴) جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو (۵) کسی بے گناہ پر چھوٹا الزام لگا کر قتل و سزا کے لئے پیش نہ کرو (۶) جادو نہ کرو (۷) سود نہ کھاؤ (۸) پاکدامن عورت پر بدکاری کا بہتان نہ باندھو (۹) میدان جہاد سے جان بچا کر نہ بھاگو۔ اور اے یہود خاص کر تمہارے لئے یہ بھی حکم ہے کہ یوم سبت (سنپنجر) کے جو خاص احکام تمہیں دیئے گئے انکی خلاف ورزی نہ کرو۔

رسول کریم ﷺ سے یہ بات سن کر دونوں نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں اور پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کی نبی ہیں آپ نے فرمایا کہ پھر تمہیں میرا اتباع کرنے سے کیا چیز روکتی ہے کہنے لگے کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا کی تھی کہ ان کی ذریت میں ہمیشہ نبی ہوتے رہیں اور ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہم آپ کا اتباع کرنے لگے تو یہود ہمیں قتل کر دیں گے چونکہ یہ تفسیر صحیح حدیث سے ثابت ہے اس لئے بہت سے مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ یہی معنی امام طحاوی کتاب مشکل الآثار: ۵۵/۱ میں اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد ذکر کرتے ہیں حدیث صفوانؓ سے نقل کیا ہے:

عن صفوان قال قال يهودى لصاحبه اذهب بنا الى هذا النبي فقال له صاحبه لا تقل نبى انه لو سمعك كان له اربع اعين، فاتي رسول الله ﷺ فسألاه عن تسع آيات بينات، فقال لهما: لا تشركوا بالله شيئا ولا تسرقوا ولا تنزوا ولا تقتلوا النفس التي حرم الله الا بالحق ولا تمشوا ببرئ الى ذى سلطان يقتله ولا تسحروا ولا تاكلوا الربا ولا تقذفوا محصنة ولا تولوا الفرار يوم الزحف وعلیکم خاصة اليهود، ان لا تعدوا فى السبت، قال فقبا ليدیه ورجلیه وقالان شهدانک نبی، قال فمایمنعکم ان تتبعونی قالان داؤد عاربه ان لا یزال من ذریته نبی وانانخاف ان اتبعناک ان تقتلنا یہود۔ ترمذی: ۳۱۲۴، نسائی فی الکبریٰ رقم: ۸۶۵۶، ابن ماجہ: ۳۷۰۵۔

یعنی صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے کہا، ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے کہا، میرے ساتھ اس نبی کی طرف چل، اس کے دوست نے اسے کہا، اسے نبی نہ کہہ اگر اس نے سن لیا تو اس کی چار آنکھیں ہوں گی، وہ دونوں رسول ﷺ کے پاس آئے، اور آپ سے نو احکام ظاہر پوچھے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ

اور چوری نہ کرو، اور زنا نہ کرو، اور اس جان کو نہ مارو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، کسی بے گناہ کو بادشاہ کے پاس نہ لے جاؤ، کہ وہ اسے قتل کر دے، اور جادو نہ کرو، اور لڑائی کے دن بھاگنے کے لئے پیٹھ نہ پھیرو، اور تم پر اے یہود، خاص طور پر واجب ہے کہ ہفتہ کے دن زیادتی نہ کرو، راوی نے کہا ان دونوں نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں چوم لیے اور کہا ہم دونوں گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے نبی ہیں، فرمایا تم کو میری پیروی کرنے سے کون سی چیز منع کرتی ہے؟ ان دونوں نے کہا اؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ نبوت ہمیشہ اس کی اولاد میں رہے، اور تحقیق ہم ڈرتے ہیں اگر ہم نے آپ کی پیروی کی تو یہود ہم کو مار ڈالیں گے۔

آگے فرماتے ہیں: فكان فی هذا الحدیث ان التسع آیات التي اتاه الله موسى هي التسع الايات المذكورات فی هذا الحدیث وانها عبادات، لانذارات، ولا تخویفات ولا وعیدات، پھر فرماتا ہے۔ فاما ما ذكرنا من قدروى عن ابن عباس في تاويلها وفي التسع الايات المذكورات فيها هي اليد، والعصا، والطوفان، والجراد، والقمل، والضفادع، والدم، والسنين، ونقص من الثمرات - اس حدیث میں پھر تفصیلی بیان کرنے کے بعد لکھتا ہے:

وكانت الايات المذكورات فی حدیث ابن عباس وفي حدیث من ذكرنا معه من التابعين انذارات وتخویفات ووعیدات وكانت الايات هي العلامات، كما فی سورة المومنون : ۵۰ ، واسراء: ۱۲ . فكانت تلك الايات حججاً على الخلق، لانهم يعلمون انها لا تكون الا من عند الله تعالى وان المخلوقين عاجزون عنها، پھر آگے فرماتا ہے: و الايات ايضا فقد تكون عبادات، ومن ذلك ما ذكره الله تعالى فی سورة مريم: ۱۰، وآل عمران: ۴۱ . پھر بعد میں لکھتا ہے فكان تصحيح مافی حدیث ابن عباس ومافی حدیث صفوان فی ذلك ان مافی حدیث صفوان هو على الايات التي تعبدوا بها وكان مافی حدیث ابن عباس هو الايات التي أوعدوا بها وخوفوا بها وأندروا بها ان لم يعلموا ماتعبدوا به ما قد بينه لهم على لسان رسوله عليه السلام، فصح ذلك مافی الحدیثين جميعاً وعقلنا عن رسول الله ان مراده بمافی احدهما غير مراده بمافی الاخر منهما والله نسأله التوفيق . پھر آخر میں فرماتا ہے: و حدیث عكرمه فی تحقيق الايات التسع المرادات بقوله :

ولقد اتينا موسى تسع ايات بينات، الاسراء: ۱۰۱، وذلك مما قد دفعه حدیث صفوان عن =

وَالْأَرْضِ بَصَائِرَ وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَفِرْعَوْنَ مَثُورًا ﴿۱۰۲﴾

ان کو کسی نے نازل نہیں کیا (اور وہ بھی تم لوگوں کے) سمجھانے کو اور اے فرعون! میں خیال کرتا ہوں کہ تم ہلاک ہو جاؤ گے

فَأَرَادَ أَنْ يَسْتَفِزَّهُمْ مِنَ الْأَرْضِ فَأَغْرَقْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ جَمِيعًا ﴿۱۰۳﴾

تو اس نے چاہا کہ ان کو سرزمین (مصر) سے نکال دے تو ہم نے اُس کو اور جو اُس کیساتھ تھے سب کو ڈبو دیا

وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ اسْكُنُوا الْأَرْضَ فَإِذَا جَاءَ وَعَدُ الْآخِرَةِ

اور اس کے بعد بنی اسرائیل سے کہا کہ تم اس ملک میں رہو سہو پھر جب آخرت کا وعدہ آجائے گا تو ہم تم سب کو جمع کر کے

جِئْنَا بِكُمْ لَفِيفًا ﴿۱۰۴﴾ بِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلْنَا

لے آئیں گے۔ اور ہم نے اس قرآن کو سچائی کیساتھ نازل کیا ہے اور وہ سچائی کیساتھ نازل ہوا

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۱۰۵﴾

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہیں صرف خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے

وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْتٍ وَنَزَلْنَاهُ تَنْزِيلًا ﴿۱۰۶﴾

اور ہم نے قرآن کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے

=رسول اللہ ﷺ، لان حدیث صفوان ہذا مخرجه تفسیر قوله تعالیٰ: ولقد اتینا موسیٰ تسع آیات بینات

، کما مخرج حدیث عکرمہ عن ابن عباس ان تلک الایات ہی الایات التی ذکرہا فی حدیثہ عنہ

فضاد ذلک حدیث صفوان، ولیس لاحدم مع رسول اللہ ﷺ حجة، ولان معقولا ان الذی فی حدیث

عکرمہ ہذا محال، لان فیہ المجئی بالندرات و الوعیدات و التخویفات قبل المجئی بالشریعة التی

تکون ہذہ الاشیاء عند ابائتھا. واللہ نسألہ التوفیق۔

قُلْ آمَنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

کہہ دو کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ (یہ فی نفسہ حق ہے) جن لوگوں کو اس سے پہلے علم (کتاب) دیا گیا ہے جب وہ ان کو

يَخْرُونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا

پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے بیشک ہمارے رب

لَمَفْعُوًّا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخْرُونَ لِلْأَذْقَانِ يِكُونُ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ﴿۱۰۹﴾

کا وعدہ پورا ہو کر رہا۔ اور وہ ٹھوڑیوں کے بل گر پڑتے ہیں (اور) روتے جاتے ہیں اور اُس سے اُن کو اور زیادہ عاجزی پیدا ہوتی ہے

قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ

کہہ دو کہ تم (اللہ کو) اللہ (کے نام سے) پکارو یا رحمن (کے نام سے) جس نام سے پکارو اُس کے سب نام اچھے ہیں

وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ﴿۱۱۰﴾

اور نماز نہ بلند آواز سے پڑھو اور نہ آہستہ بلکہ اس کے بیچ کا طریقہ اختیار کرو

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ

اور کہو کہ سب تعریف اللہ ہی کو ہے جس نے نہ تو کسی کو بیٹا بنایا ہے۔ اور نہ اُس کی بادشاہی میں کوئی شریک ہے۔ اور نہ اس وجہ

فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِّنَ الدُّنْيَا وَكَبَّرَهُ تَكْبِيرًا ﴿۱۱۱﴾

سے کہ وہ عاجز و ناتواں ہے نہ اُس کا کوئی مددگار ہے۔ اور اُس کو بڑا جان کر اُس کی بڑائی کرتے رہو۔



سورة الكهف (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ﴿۱﴾

سب تعریف اللہ ہی کو ہے جس نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر (یہ) کتاب نازل کی اور اس میں کسی طرح کی کجی (اور پیچیدگی) نہ رکھی

قِیْمًا لِّیُنذِرَۤ اَبۡسَاطِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنْهُ وَّیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ

بلکہ سیدھی (اور سلیس اتاری) تاکہ (لوگوں کو) سخت عذاب سے جو اس کی طرف سے آنے والا ہے ڈرائے اور مومنوں کو جو

یَعْمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجْرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ مَا كَثِیۡنَ فِیۡهِۤ اَبۡدًا ﴿۴﴾

نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائے کہ اُن کیلئے (اُن کے کاموں کا) نیک بدلہ (یعنی جنت ہے)۔ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

وَّیُنذِرَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اتَّخَذَ اللّٰهُ وِلَدًا ﴿۵﴾ ﴿۶﴾ مَا لَهُمۡ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمۡ

اور اُن لوگوں کو بھی ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے (کسی کو) بیٹا بنا لیا ہے۔ اُن کو اس بات کا کچھ بھی علم نہیں اور نہ اُن کے باپ دادا ہی کو تھا

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْۢ اَفْوَاهِهِمۡۤ اِنْ یَقُولُوۡنَ اِلَّا كَذِبًا ﴿۷﴾ ﴿۸﴾

(یہ) بڑی سخت بات ہے جو اُن کے منہ سے نکلتی ہے (اور کچھ شک نہیں کہ) جو کچھ یہ کہتے ہیں محض جھوٹ ہے

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰیۤ اِثَارِهِمۡۤ اِنْ لَّمۡ یُؤْمِنُوۡۤا بِهٰذَا الْحَدِیثِۤ اَسْفَا

(اے پیغمبر!) اگر یہ اس کلام پر ایمان نہ لائیں تو شاید تم ان کے پیچھے رنج کر کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر دو گے

﴿۴﴾ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴿۷﴾

جو چیز زمین پر ہے ہم نے اس کو زمین کیلئے آرائش بنایا ہے تاکہ لوگوں کی آزمائش کریں کہ ان میں کون اچھے عمل کرنے والا ہے [۱]

وَ اِنَّا لَجَعَلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرْزًا ﴿۸﴾ اَمْ حَسِبْتَ اَنْ اَصْحَبَ

اور جو چیز زمین پر ہے ہم اس کو (نابود کر کے) بخر میدان کر دیں گے۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ غار

الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيَاتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اٰوٰى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ

اور لوح والے ہماری نشانیوں میں سے عجیب تھے [۲] جب وہ جوان غار میں جا رہے

[۱] ابن قیم نے فضیل بن عیاض سے احسن عملا، کے متعلق ایک قول نقل کیا ہے مدارج السالکین: ۸۹۲، میں: فرمایا

:هو اخلصه واصوبه، قالوا ابا علی، ما اخلصه واصوبه؟ فقال ان العمل اذا كان خالصا ولم يكن صوابا لم يقبل

واذا كان صوابا ولم يكن خالصا لم يقبل حتى يكون خالصا صوابا. الخالص ان يكون لله والصواب ان يكون

على السنة. ثم قرأ قوله تعالى ﴿فمن كان يرحل لقاء ربه فليعمل عملا صالحا ولا يشرك بعبادة ربه

احدا﴾ [الكهف: ۱۱۰]

یعنی، فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اخلص اور اصوب ہو، انہوں نے پوچھا کہ اخلص اور اصوب کیا ہے؟ تو فضیل نے فرمایا کہ

عمل جب خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو لیکن سنت کے خلاف ہوں تو وہ ہرگز قبول نہیں ہوتا اور قرآن اور سنت سے ثابت ہوں

لیکن خالص نہ ہوں تو پھر بھی قبول نہیں ہوتا یہاں تک کہ خالص بھی ہوں، اور قرآن و سنت سے ثابت بھی ہوں یعنی خالص وہ

ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے ہوں اور اصوب وہ ہے جو قرآن اور سنت سے ثابت ہو پھر یہ آیت کریمہ تلاوت کیا، یہی معنی سورۃ

کھف ۱۱۰، بھی ہے۔

[۲] اس واقعہ میں چند مباحث ہیں، اول یہ کہ اصحاب کہف و اصحاب رقیم ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں، یا الگ

الگ دو جماعتیں ہیں، اگرچہ کسی صحیح حدیث میں اس کی کوئی تصریح نہیں، مگر امام بخاری نے اپنی کتاب میں اصحاب کہف اور

اصحاب رقیم دو عنوان الگ الگ دیئے، پھر اصحاب رقیم کے تحت میں وہ مشہور قصہ تین شخصوں کے غار میں بند ہو جانے پھر

دعاؤں کے ذریعہ راستہ کھل جانے کا ذکر کیا ہے، جو اکثر کتب حدیث میں مفصل موجود ہے، امام بخاری کی اس صنیع سے یہ

سمجھا جاتا ہے کہ ان کے نزدیک اصحاب کہف ایک الگ جماعت ہے اور اصحاب رقیم ان تین شخصوں کو کہا گیا ہے جو کسی زمانے میں غار میں چھپے تھے، پھر پہاڑ سے ایک بڑا پتھر اس غار کے دہانے پر آگرا جس سے غار بالکل بند ہو گیا، ان کے نکلنے کا راستہ نہ رہا، ان تینوں نے اپنے اپنے خاص نیک اعمال کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ یہ کام اگر ہم نے خالص آپ کی رضا کے لئے کیا تھا تو اپنے فضل سے ہمارا راستہ کھول دے، پہلے شخص کی دعاء سے پتھر کچھ سرک گیا، روشنی آنے لگی، دوسرے کی دعاء سے اور زیادہ سرکا، پھر تیسرے کی دعاء سے راستہ بالکل کھل گیا، لیکن حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں یہ واضح کیا ہے کہ از روئے روایت حدیث کی کوئی صریح دلیل نہیں ہے کہ اصحاب رقیم مذکورہ تین شخصوں کا نام ہے، بات صرف اتنی ہے کہ واقعہ غار کے ایک راوی نعمان بن بشیرؓ کی روایت میں بعض راویوں نے یہ اضافہ نقل کیا ہے کہ نعمان بن بشیرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو رقیم کا ذکر کرتے ہوئے سنا، آپ غار میں بند رہ جانے والے تین آدمیوں کا واقعہ سنارہے تھے، یہ اضافہ فتح الباری میں بزاز اور طبرانی کی روایت سے نقل کیا ہے، مگر اول تو اس حدیث کے عام راویوں کی روایات جو صحاح ستہ اور حدیث کی دوسری کتابوں میں مفصل موجود ہیں، ان میں کسی نے نعمان بن بشیرؓ کا یہ جملہ نقل نہیں کیا، خود بخاری کی روایت بھی اس جملے سے خالی ہے، پھر اس جملے میں بھی اس کی تصریح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غار میں بند ہونے والے ان تین شخصوں کو اصحاب الرقیم فرمایا تھا، بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ آپ ﷺ رقیم کا ذکر فرما رہے تھے، اس ضمن میں ان تین شخصوں کا ذکر فرمایا، لفظ رقیم کی مراد کے متعلق صحابہ و تابعین اور عام مفسرین میں جو اختلاف اقوال اوپر نقل کیا گیا ہے وہ خود اس کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے رقیم کی کوئی مراد متعین کرنے کے بارے میں کوئی روایت حدیث نہیں تھی، ورنہ کیسے ممکن تھا کہ نبی ﷺ ایک لفظ کی مراد خود متعین فرمادیں پھر صحابہ و تابعین اور دوسرے مفسرین اس کے خلاف کوئی قول اختیار کریں، اسی لئے ابن حجر نے اصحاب کہف و رقیم کے دو الگ الگ جماعتیں ہونے سے انکار فرمایا، اور صحیح یہ قرار دیا کہ یہ دونوں ایک ہی جماعت کا نام ہیں، غار میں بند ہو جانے والے تین شخصوں کا ذکر رقیم کے ذکر کے ساتھ آگیا ہو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہی تین شخص اصحاب الرقیم تھے۔ حافظ ابن حجر نے اس جگہ یہ بھی واضح کر دیا کہ قرآن نے جو قصہ اصحاب کہف کا بیان کیا ہے اس کا سیاق خود یہ بتلا رہا ہے کہ اصحاب کہف و رقیم ایک ہی جماعت ہے، یہی وجہ ہے کہ جمہور مفسرین اور محدثین ان دونوں کے ایک ہی ہونے پر متفق ہیں۔

دوسرا مسئلہ اس جگہ خود اس قصے کی تفصیلات کا ہے جس کے دو حصے ہیں، ایک وہ جو اس قصہ کی اصل مقصود ہے، جس سے یہود کے سوال کا جواب بھی ہو جاتا ہے اور مسلمانوں کے لئے ہدایات و نصائح بھی، دوسرا حصہ وہ ہے جس کا تعلق

اس قصہ کی صرف تاریخی اور جغرافیائی حیثیت سے ہے، بیان مقصود میں اس کا کوئی خاص دخل نہیں، مثلاً یہ قصہ کس زمانے میں اور کس شہر اور بستی میں پیش آیا، جس کا فربادشاہ سے بھاگ کر ان لوگوں نے غار میں پناہ لی تھی وہ کون تھا، اس کے کیا عقائد و خیالات تھے، اور اس نے ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جس سے یہ بھاگنے اور غار میں چھپنے پر مجبور ہو گئے۔ پھر یہ کہ ان لوگوں کی تعداد کیا تھی، اور زمانہ دراز تک سوتے رہنے کا کل زمانہ کتنا تھا اور پھر یہ لوگ اب تک زندہ ہیں یا مر گئے، قرآن حکیم نے اپنے حکیمانہ اصول اور اسلوب خاص کے تحت سارے قرآن میں ایک قصہ یوسف علیہ السلام کے سوا کسی قصے کو پوری تفصیل اور ترتیب سے بیان نہیں کیا، جو عام تاریخی کتابوں کا طریقہ ہے، بلکہ ہر قصے کے صرف وہی اجزاء موقع بموقع بیان فرمائے ہیں جن سے انسانی ہدایات اور تعلیمات کا تعلق تھا۔

قصہ اصحاب کہف میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ قرآن میں اس کے صرف وہ اجزاء بیان کئے گئے جو مقصود اصلی سے متعلق تھے باقی اجزاء جو خاص تاریخی یا جغرافیائی تھے ان کا کوئی ذکر نہیں فرمایا، اصحاب کہف کی تعداد اور سونے کے زمانے کی مدت کے سوالات کا ذکر تو فرمایا اور جواب کی طرف اشارہ بھی فرمایا مگر ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کر دی کہ ایسے مسائل میں زیادہ غور و فکر اور بحث و تکرار مناسب نہیں ان کو اللہ کے حوالے کرنا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جن کا فرض منصبی معانی قرآن کو بیان کرنا ہے آپ نے بھی کسی حدیث میں ان اجزاء قصہ کو بیان نہیں فرمایا، اور اکابر صحابہ کرام و تابعین نے اسی قرآنی اسلوب کی بنا پر ایسے معاملات میں ضابطہ کار یہ قرار دیا کہ: ابھموا اما ابھمہم اللہ [اتقان للسیوطی] یعنی غیر ضروری چیز کو اللہ تعالیٰ نے مبہم رکھا تم بھی اسے مبہم رہنے دو (کہ اس میں بحث و تحقیق کچھ مفید نہیں)۔

اکابر صحابہ و تابعین کے اس طرز عمل کا مقتضی یہ تھا کہ اس تفسیر میں بھی ان اجزاء قصہ کو نظر انداز کر دیا جائے جن کو قرآن اور حدیث نے نظر انداز کیا ہے، لیکن یہ زمانہ وہ ہے جس میں تاریخی اور جغرافیائی انکشافات ہی کو سب سے بڑا کمال سمجھ لیا گیا ہے اور متاخرین علمائے تفسیر نے اسی لئے کم و بیش ان اجزاء کو بھی بیان فرمادیا ہے، اس لئے تفسیر زیر نظر میں قصے کے وہ اجزاء جو خود قرآن میں مذکور ہیں ان کا بیان تو آیات قرآن کی تفسیر کے تحت میں آجائے گا، باقی تاریخی اور جغرافیائی اجزائے قصہ کو یہاں بقدر ضرورت بیان کیا جاتا ہے، اور بیان کرنے کے بعد بھی آخری نتیجہ وہی رہے گا کہ ان معاملات میں کوئی قطعی فیصلہ ناممکن ہے، کیونکہ اسلامی اور پھر مسیحی تاریخوں میں اس کے متعلق کچھ لکھا گیا ہے وہ خود اس قدر مختلف و متضاد ہے کہ ایک مصنف اپنی تحقیق و رائے کے پیش نظر مقدمات و قرآن کی مدد سے کسی ایک چیز کو متعین کرتا ہے تو دوسرا اسی طرح دوسری صورت کو ترجیح دیتا ہے۔

امام قرطبیؒ اندلسی نے اپنی تفسیر میں اس جگہ چند واقعات، کچھ سماعی، کچھ چشم دید، نقل کئے ہیں، جو مختلف شہروں سے متعلق ہیں، قرطبی نے سب سے پہلے تو ضحاکؒ کی روایت سے یہ نقل کیا ہے کہ ”رقیم“ روم کے ایک شہر کا نام ہے، جس کے ایک غار میں اکیس آدمی لیٹے ہوئے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سو رہے ہیں، پھر امام نے تفسیر ابن عطیہؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے بہت سے لوگوں سے سنا ہے کہ شام میں ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں، وہاں کے مجاورین یہ کہتے ہیں کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں، اور اس غار کے پاس ایک مسجد اور مکان کی تعمیر ہے جس کو رقیم کہا جاتا ہے اور ان مردہ لاشوں کے ساتھ ایک مردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے۔

اور دوسرا واقعہ اندلس غرناطہ کا نقل کیا ہے، ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ غرناطہ میں ایک لوشہ نامی گاؤں کے قریب ایک غار ہے جس میں کچھ مردہ لاشیں ہیں اور ان کے ساتھ ایک مردہ کتے کا ڈھانچہ بھی موجود ہے، ان میں سے اکثر لاشوں پر گوشت باقی نہیں رہا، صرف ہڈیوں کے ڈھانچے ہیں، اور بعض پر اب تک گوشت پوست بھی موجود ہے، اس پر صدیاں گزر گئیں، مگر صحیح سند سے انکا کچھ حال معلوم نہیں۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہی اصحاب کہف ہیں، ابن عطیہؒ کہتے ہیں کہ یہ خبر سن کر میں خود ۵۰۴ھ میں وہاں پہنچا تو واقعی یہ (۹) لاشیں اسی حالت پر پائیں اور ان کے قریب ہی ایک مسجد بھی ہے۔ اور ایک رومی زمانے کی تعمیر بھی ہے جس کو رقیم کہا جاتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں کوئی عالیشان محل ہوگا اس وقت تک بھی اس کی بعض دیواریں موجود ہیں اور یہ ایک غیر آباد جنگل میں ہے اور فرمایا کہ غرناطہ کے بالائی حصہ میں ایک قدیم شہر کے آثار و نشانات پائے جاتے ہیں، جو رومیوں کے طرز کے ہیں اس شہر کا نام رقیوس بتلایا جاتا ہے، ہم نے اس کے کھنڈروں میں بہت سے عجائبات اور قبریں دیکھی ہیں، قرطبی جو اندلس ہی کے رہنے والے ہیں ان تمام واقعات کو نقل کرنے کے بعد بھی کسی کو متعین طور پر اصحاب کہف کہنے سے گریز کرتے ہیں اور خود ابن عطیہؒ نے بھی اپنے مشاہدے کے باوجود یہ جزم نہیں کیا کہ یہی لوگ اصحاب کہف ہیں، محض عام شہرت نقل کی ہے، مگر دوسرے اندلسی مفسر ابو حیانؒ جو ساتویں صدی ۱۵۴ھ میں خاص غرناطہ میں پیدا ہوئے وہیں رہے بسے ہیں وہ بھی اپنی تفسیر بحر محیط میں غرناطہ کے اس غار کا اسی طرح ذکر کرتے ہیں جس طرح قرطبی نے کیا ہے اور ابن عطیہ کے اپنے مشاہدہ کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے، کہ ہم جب اندلس میں تھے (یعنی قاہرہ منتقل ہونے سے پہلے) تو بہت لوگ اس غار کی زیارت کے لئے جایا کرتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اگر چہ وہ لاشیں اب تک وہاں موجود ہیں اور زیارت کرنے والے ان کو شمار بھی کرتے ہیں مگر ہمیشہ ان کی تعداد بتانے میں غلطی کرتے ہیں، پھر فرمایا کہ ابن عطیہؒ نے جس شہر ”رقیوس“ کا ذکر کیا ہے جو غرناطہ کی جانب قبلہ میں واقع ہے تو =

فَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيَّبْنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشْدًا ﴿۱۰﴾

تو کہنے لگے کہ اے اللہ! ہم پر اپنے ہاں سے رحمت نازل فرما اور ہمارے کام میں درستی مہیا کر [2]

= اس شہر سے میں خود بے شمار مرتبہ گذرا ہوں اور اس میں بڑے بڑے غیر معمولی پتھر دیکھے ہیں، اس کے بعد کہتے ہیں
:ويترجح كون اهل الكهف بالاندلس لكثرة دين النصارى بها حتى هي بلاد مملكتهم العظمى
(بحر محیط) یعنی اصحاب کہف کے اندلس میں ہونے کی ترجیح کے لئے یہ بھی قریب ہے کہ وہاں نصرانیت کا غلبہ ہے
، یہاں تک کہ یہی خطہ ان کی سب سے بڑی مذہبی مملکت ہے، اس میں یہ بات واضح ہے کہ ابو حیان کے نزدیک اصحاب کہف
کا اندلس میں ہونا رائج ہے (قرطبی) امام ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی، ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ رقیم ایک
وادی کا نام ہے جو فلسطین سے نیچے ایلکہ (عقبہ) کے قریب ہے اور ابن جریر و ابن ابی حاتم اور چند دوسرے محدثین نے ابن
عباسؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ رقیم کیا ہے، لیکن میں نے کعب احبارؓ سے پوچھا تو انہوں نے
بتلایا کہ رقیم اس بستی کا نام ہے جس میں اصحاب کہف غار میں جانے سے پہلے مقیم تھے (روح المعانی)۔ ابن ابی شیبہؓ، ابن
المنذرؓ، ابن ابی حاتمؓ نے ابن عباسؓ سے روایت نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے معاویہؓ کے ساتھ رومیوں کے مقابلے
میں ایک جہاد کیا جس کو غزوة المضیق کہتے ہیں، اس موقع پر ہمارا گذر اس غار پر ہوا جس میں اصحاب کہف ہیں جن کا ذکر اللہ
تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے، معاویہؓ نے ارادہ کیا کہ غار کے اندر جائیں اور اصحاب کہف کی لاشوں کا مشاہدہ کریں، مگر ابن
عباسؓ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا مشاہدہ کرنے سے اس ہستی کو منع کر دیا ہے جو آپ سے بہتر تھی
، یعنی نبی کریم ﷺ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: لو اطلعت علیہم لولیت منہم فرار اولملت منہم
رعباً: یعنی اگر آپ ان کو دیکھیں تو آپ ان سے بھاگیں گے اور رعب و ہیبت سے مغلوب ہو جائیں گے۔ مگر معاویہؓ نے ابن
عباسؓ کی اس بات کو شاید اس لئے قبول نہیں کیا کہ قرآن کریم نے ان کی جو حالات بیان کی ہے یہ وہ ہے جو ان کی زندگی کے
وقت تھی، یہ کیا ضروری ہے کہ اب بھی وہی حالت ہو اس لئے کچھ آدمیوں کو دیکھنے کے لئے بھیجا، وہ غار پر پہنچے، مگر جب
غار میں داخل ہونا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سخت ہوا بھیج دی جس نے ان سب کو غار سے نکال دیا (روح المعانی)۔

[2] قصہ کا یہ ٹکڑا بھی وہی ہے جس پر نہ کسی آیت قرآن کا سمجھنا موقوف ہے نہ مقصد قصہ پر اس کا کوئی خاص اثر ہے

اور نہ قرآن و سنت میں اس کا بیان ہے صرف تاریخی حکایات ہیں اسی لئے ابو حیان نے فرمایا:-

والرؤاة مختلفون فی قصصهم و کیف کان اجتماعهم و خروجهم، ولم یأت فی الحدیث الصحیح کیفیت ذالک و لافی القرآن (بحر محیط).

اصحاب کہف کے قصہ میں روایوں کا سخت اختلاف ہے اور اس میں کہ یہ اپنے اس پروگرام پر کس طرح متفق ہوئے اور کس طرح نکلے، نہ کسی صحیح حدیث میں اس کی کیفیت مذکور ہے نہ قرآن میں۔

تاہم موجودہ طبائع کی دلچسپی کے لئے جیسے اوپر اصحاب کہف کے مقام سے متعلق کچھ معلومات لکھی گئی ہیں، اس واقعہ کے زمانہ وقوع اور اسباب وقوع کے متعلق بھی مختصر معلومات تفسیری اور تاریخی روایات سے نقل کی جاتی ہیں، اس قصہ کو پوری تفصیل اور استیعاب کے ساتھ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں مختلف روایات سے نقل فرمایا ہے، مگر یہاں صرف وہ مختصر واقعہ لکھا جاتا ہے جس کو ابین کثیرؒ نے سلف و خلف کے بہت سے مفسرین کے حوالہ سے پیش کیا ہے، وہ فرماتے ہیں ”اصحاب کہف بادشاہوں کی اولاد اور اپنی قوم کے سردار تھے، قوم بت پرست تھی، ایک روز ان کی قوم اپنے کسی مذہبی میلے کے لئے شہر سے باہر نکلے، جہاں ان کا سالانہ اجتماع ہوتا تھا وہاں جا کر یہ لوگ اپنے بتوں کی پوجا پاٹ کرتے، اور ان کے لئے جانوروں کی قربانی دیتے تھے، ان کا بادشاہ ایک جاہل ظالم دنیانوس نامی تھا جو قوم کو اس بت پرستی پر مجبور کرتا تھا اس سال جبکہ پوری قوم اس میلے میں جمع ہوئی۔

تو یہ اصحاب کہف نوجوان بھی بچنے اور وہاں اپنی قوم کی یہ حرکتیں دیکھیں کہ اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے پتھروں کو خدا سمجھتے اور ان کی عبادت کرتے اور ان کے لئے قربانی کرتے ہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ عقل سلیم عطا فرمادی کہ قوم کی اس احمقانہ حرکت سے ان کو نفرت ہوئی، اور عقل سے کام لیا تو ان کی سمجھ میں آ گیا کہ یہ عبادت تو صرف اس ذات کی ہونی چاہئے جس نے زمین و آسمان اور ساری مخلوقات پیدا فرمائی ہیں یہ خیال بیک وقت ان چند نوجوانوں کے دل میں آیا اور ان میں سے ہر ایک نے قوم کی اس احمقانہ عبادت سے بچنے کے لئے اس جگہ سے ہٹنا شروع کیا۔ اور ان میں سب سے پہلے ایک نوجوان مجمع سے دور ایک درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گیا اس کے بعد ایک دوسرا شخص آیا اور وہ بھی اسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا اسی طرح پھر تیسرا اور چوتھا آدمی آتا گیا اور درخت کے نیچے بیٹھتا رہا مگر ان میں کوئی دوسرے کو نہ پہچانتا تھا اور نہ یہ کہ یہاں کیوں آیا ہے؟ مگر ان کو درحقیقت اس قدرت نے =

فَضْرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿۱۱﴾ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ

تو ہم نے غار میں کئی سال تک ان کے کانوں پر (نیند کا) پردہ ڈالے (یعنی ان کو سلائے) رکھا۔ پھر ان کو جگا اٹھایا تاکہ ظاہر

أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَّادًا ﴿۱۳﴾ ﴿۱۴﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُمْ

کریں کہ جتنی مدت وہ (غار میں) رہے دونوں جماعتوں میں سے اُس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے۔ ہم ان کے حالات تم

= یہاں جمع کیا تھا جس نے ان کے دلوں میں ایمان پیدا فرمایا۔

کیا اصحاب کھف اب بھی زندہ ہے؟

اس معاملے میں صحیح اور ظاہر یہی ہے کہ ان کی وفات ہو چکی ہے تفسیر مظہری میں ابن اسحاق کی مفصل روایت میں ہے کہ اصحاب کھف کی بیداری اور شہر میں ان کے واقعہ عجیبہ کی شہرت ہو جانے اور اس وقت کے بادشاہ ”بیدوسیس“ کے پاس پہنچ کر ملاقات کرنے کے بعد اصحاب کھف نے ملک بیدوسیس سے رخصت چاہی، اور رخصتی سلام کے ساتھ اس کے لئے دعاء کی اور ابھی بادشاہ اسی جگہ موجود تھا کہ یہ لوگ اپنے لیٹنے کی جگہوں پر جا کر لیٹ گئے اور اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دیدی۔

اور عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت ابن جریر، ابن کثیر وغیرہ سبھی مفسرین نے نقل کی ہے کہ:

قال قتادة غزا ابن عباس مع حبيب بن مسلمة فمروا بكهف في بلاد الروم فرأوا فيه عظاما فقال قائل هذه عظام اهل الكهف فقال ابن عباس لقد بليت عظامهم من اكثر من ثلاثمائة سنة (ابن کثیر)

قتادہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے حبيب بن مسلمہ کے ساتھ ایک جہاد کیا تو بلاد روم میں ایک غار پر ان کا گزر ہوا جس میں مردہ لاشوں کی ہڈیاں تھیں کسی نے کہا کہ یہ اصحاب کھف کی ہڈیاں ہیں تو ابن عباس نے فرمایا کہ ان کی ہڈیاں تو اب سے تین سو برس پہلے خاک ہو چکی ہیں۔

یہ سب اس تاریخی قصے کے وہ اجزاء تھے جن کو نہ قرآن نے بیان کیا نہ حدیث رسول اللہ ﷺ نے اور نہ اس واقعہ کا کوئی خاص مقصد یا قرآن کی کسی آیت کا سمجھنا اس پر موقوف ہے اور نہ تاریخی روایات سے ان چیزوں کا کوئی قطعی فیصلہ کیا جاسکتا ہے، باقی رہے قصے کے وہ اجزاء جن کا خود قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے ان کی تفصیل انہی آیات کے تحت میں آتی ہے۔

بِالْحَقِّ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

سے صحیح صحیح بیان کرتے ہیں وہ کئی جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کو زیادہ ہدایت دی تھی

وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

اور ان کے دلوں کو مربوط (یعنی مضبوط) کر دیا۔ جب وہ (اٹھ) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے کہ ہمارا رب آسمانوں اور زمین کا

لَنْ نَدْعُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

مالک ہے ہم اس کے سوا کسی کو معبود (سمجھ کر) نہ پکاریں گے (اگر ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی

هَؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِم بِسُلْطَنٍ بَيِّنٍ

ان ہماری قوم نے اُس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں بھلا یہ ان (کے معبود ہونے) پر کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ﴿۱۵﴾ وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ

تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو اللہ پر جھوٹ، افتراء کرے۔ اور جب تم نے ان (مشرکوں) سے اور جن کی یہ

وَمَا يَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوْآءَ إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ

اللہ کے سوا عبادت کرتے ہیں ان سے کنارہ کر لیا ہے تو غار میں چل رہو تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت وسیع کر دے گا

وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مَرْفَقًا ﴿۱۶﴾ تَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ

اور تمہارے کاموں میں آسانی (کے سامان) مہیا کرے گا۔ اور جب سورج نکلے تو تم دیکھو کہ (دھوپ)

تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقَرَّبُ مِنْهُمْ ذَاتَ الشَّمَالِ

ان کے غار سے داہنی طرف سمٹ جائے اور جب غروب ہو تو ان سے بائیں طرف کترا جائے

وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ذَلِكُمْ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لِيَهْدِيَ اللَّهُ الْفُجُورَ الْمُهْتَدِ

اور وہ اس کے میدان میں تھے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جس کو اللہ ہدایت دے وہ ہدایت یافتہ ہے

وَمَنْ يُضِلُّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا ﴿۱۷﴾ وَتَحْسَبُهُمْ آيِقَاطًا وَهُمْ رُقُودٌ

اور جس کو گمراہ کرے تو تم اس کیلئے کوئی دوست راہ بتانے والا نہ پاؤ گے۔ [3] اور تم ان کو خیال کرو کہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سوئے ہیں

وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشَّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعِيهِ بِالْوَصِيدِ

اور ہم ان کو دائیں اور بائیں کروٹ بدلاتے تھے اور ان کا کتا چوکھٹ پر دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے تھا

لَوْ اِطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَكَلِمَتْ مِنْهُمْ رُعبًا ﴿۱۸﴾

اگر تم ان کو جھانک کر دیکھتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور ان سے دہشت میں آجاتے

وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ

اور اسی طرح ہم نے ان کو اٹھایا تاکہ آپس میں ایک دوسرے سے دریافت کریں، ایک کہنے والے نے کہا کہ تم (یہاں)

[3] دھوپ کے ان کے اوپر نہ پڑنے کی یہ صورت غار کی کسی خاص وضع کی بنا پر بھی ہو سکتی ہے کہ اس کا دروازہ جنوب

یا شمال میں ایسی وضع پر ہو کہ دھوپ طبعی اور عادی طور پر اس کے اندر نہ پہنچے، ابن قتیبہ نے اس کی وضع خاص متعین کرنے

کے لئے یہ تکلف کیا کہ ریاضی کی اصول و قواعد کی رو سے اس جگہ کا طول بلد، عرض بلد اور غار کا رخ متعین کیا (مظہری)۔

اور اس کے بالمقابل زجاج نے کہا کہ دھوپ کا ان سے الگ رہنا کسی وضع اور ہیئت کی بنا پر نہیں بلکہ ان کی کرامت سے

بطور خرق عادت تھا۔

اور اس آیت کے آخر میں جو یہ ارشاد ہے ذلک من آیات اللہ، یہ بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ دھوپ

سے حفاظت کا یہ سامان غار کی کسی خاص وضع و ہیئت کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی ایک نشانی تھی

(قرطبی) اور صاف بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسا سامان مہیا فرمایا تھا کہ دھوپ ان کے جسموں پر نہ پڑے،

خواہ یہ سامان غار کی خاص ہیئت اور وضع کے ذریعے ہو یا کوئی بادل وغیرہ دھوپ کے وقت حائل کر دیا جاتا ہو، یا براہ راست

افتاب کے شعاعوں کو ان سے بطور خرق عادت کے ہٹا دیا جاتا ہو، آیت میں یہ سب احتمالات ہیں کسی ایک کو متعین کرنے

پر زور دینے کی ضرورت نہیں۔

قَالُوا لَبِئْسَ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِئْتُمْ

کتنی مدت رہے انہوں نے کہا کہ ایک دن یا اس سے بھی کم انہوں نے کہا کہ جتنی مدت تم رہے ہوتی ہے اراب ہی اس کو خوب

فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا

جاتا ہے تو اپنے میں سے کسی کو یہ روپیہ دے کر شہر بھیجو وہ دیکھے کہ نفیس کھانا کونسا ہے

فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلِيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ﴿١٤﴾

تو اُس میں سے کھانا لے آئے اور آہستہ آئے جائے اور تمہارا حال کسی کو نہ بتائے

إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ

اگر وہ تم پر دسترس پالیں گے تو تمہیں سنگسار کر دیں گے یا پھر اپنے مذہب میں داخل کر لیں گے اور اس وقت تم کبھی

وَلَنْ تَفْلِحُوا إِذَا أَبَدًا ﴿١٥﴾ ﴿١٥﴾ كَذَلِكَ أَعْرَضْنَا عَنْهُمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ

فلاح نہیں پاؤ گے۔ اور اسی طرح ہم نے (لوگوں کو) ان (کے حال) سے خبردار کر دیا تاکہ وہ جانیں

وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَزَّعُونَ

کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت (جس کا وعدہ کیا جاتا ہے) اس میں کچھ بھی شک نہیں۔ اس وقت لوگ ان کے بارے

بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِم بُيُوتًا رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ

میں باہم جھگڑنے لگے اور کہنے لگے کہ ان (کے غار) پر عمارت بنا دو ان کا رب ان (کے حال) سے خوب واقف ہے

قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ﴿١٦﴾ ﴿١٦﴾ سَيَقُولُونَ

جو لوگ ان کے معاملے میں غلبہ رکھتے تھے وہ کہنے لگے کہ ان (کے غار) پر مسجد بنائیں گے [4] (بعض لوگ) انکل پچو کہیں

[4] اصحاب کھف کا حال اہل شہر پر کھل جانا

اصحاب کہف کے نکلنے کے وقت جو ظالم اور مشرک بادشاہ ”دقیانوس“ اس شہر پر مسلط تھا وہ مر گیا اور اس پر صدیاں گزر گئیں یہاں تک اس مملکت پر قبضہ اہل حق کا ہو گیا جو توحید پر یقین رکھتے تھے ان کا بادشاہ ایک نیک صالح آدمی تھا (جس کا نام تفسیر مظہری میں تاریخی روایات سے بید و سپس لکھا ہے) اس کے زمانے میں اتفاقاً قیامت اور اس میں سب مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے کے مسئلے میں کچھ اختلافات پھیل گئے، ایک فرقہ اس کا منکر ہو گیا کہ یہ گلے سڑنے پھر ریزہ ریزہ ہو کر ساری دنیا میں پھیل جانے کے بعد پھر زندہ ہو جائیں گے، بادشاہ وقت بید و سپس کو اس کی فکر ہوئی کہ کس طرح ان کے شکوک و شبہات دور کئے جائیں، جب کوئی تدبیر نہ بنی تو اس نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے اور راکھ کے ڈھیر پر بیٹھ کر اللہ سے دعاء کی اور الحاح و زاری شروع کی، کہ یا اللہ آپ ہی کوئی ایسی صورت پیدا فرمادیں کہ ان لوگوں کا عقیدہ صحیح ہو جائے اور یہ راہ پر آجائیں، اس طرف یہ بادشاہ گریہ و زاری اور دعاء میں مصروف تھا دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اس کی دعاء کی قبولیت کا یہ سامان کر دیا کہ اصحاب کہف بیدار ہوئے اور انہوں نے اپنے ایک آدمی کو (جس کا نام تملیحا بتلایا جاتا ہے) ان کے بازار میں بھیج دیا وہ کھانا خریدنے کے لئے دکان پر پہنچا اور تین سو برس پہلے بادشاہ دقیانوس کے زمانے کا سکہ کھانے کی قیمت میں پیش کیا تو دکان دار حیران رہ گیا، کہ یہ سکہ کہاں سے آیا، کس زمانے کا ہے، بازار کے دوسرے دکان داروں کو دکھلایا، سب نے یہ کہا کہ یہ اس شخص کو کہیں پرانا خزانہ ہاتھ آ گیا ہے اس میں سے یہ سکہ نکال کر لایا ہے، اس نے انکار کیا کہ نہ مجھے کوئی خزانہ ملانے کہیں سے لایا یہ میرا اپنا روپیہ ہے، بازار والوں نے اس کو گرفتار کر کے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا، یہ بادشاہ جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے، ایک نیک صالح، اللہ والا تھا، اور اس نے سلطنت کے پرانے خزانے کے آثار قدیمہ میں کہیں وہ تختی بھی دیکھی تھی جس میں اصحاب کہف کے نام اور ان کے فرار ہو جانے کا واقعہ بھی لکھا ہوا تھا، بعض کے نزدیک خود ظالم بادشاہ ”دقیانوس“ نے یہ تختی لکھوائی تھی، کہ یہ اشتہاری مجرم ہیں، ان کے نام اور پتے محفوظ رہیں، جب کہیں ملیں گرفتار کر لئے جائیں، اور بعض روایات میں ہے کہ شاہی دفتر میں بعض ایسے مؤمن بھی تھے جو دل سے بت پرستی کو برا سمجھتے اور اصحاب کہف کو حق پر سمجھتے تھے، مگر ظاہر کرنے کی ہمت نہیں تھی، انہوں نے یہ تختی بطور یادگار کے لکھ لی تھی، اسی تختی کا نام رقیم ہے جس کی وجہ سے اصحاب کہف کو اصحاب ”رقیم“ بھی کہا گیا۔ الغرض اس بادشاہ کو اس واقعہ کا کچھ علم تھا اور اس وقت وہ اس دعاء میں مشغول تھا کہ کسی طرح لوگوں کو اس بات کا یقین آجائے کہ مردہ اجسام کو دوبارہ زندہ کر دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے کچھ بعید نہیں، اس لئے تملیحا سے اس کے حالات کی تحقیق کی تو اس کو اطمینان ہو گیا کہ یہ انہی لوگوں میں سے ہے اور اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کیا کرتا تھا کہ مجھے ان لوگوں سے ملا دے، جو دقیانوس کے

زمانے میں اپنا ایمان بچا کر بھاگے تھے، بادشاہ اس پر مسرور ہوا اور کہا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے میری دعاء قبول فرمائی، اس میں لوگوں کے لئے شاید کوئی ایسی حجت ہو جس سے ان کو حشر اجساد کا یقین آجائے، یہ کہہ کر اس شخص سے کہا کہ مجھے اس غار پر لے چلو جہاں سے تم آئے ہو، بادشاہ بہت سے اہل شہر کے مجمع کے ساتھ غار پہنچا، جب غار قریب آیا تو تمہلیخانے کہا کہ آپ ذرا ٹھہریں، میں جا کر اپنے ساتھیوں کو حقیقت معاملہ سے باخبر کر دوں کہ اب بادشاہ مسلمان موحّد ہے اور قوم بھی مسلمان ہے، وہ ملنے کے لئے آئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ اطلاع سے پہلے آپ پہنچیں، تو وہ سمجھیں کہ ہمارا دشمن چڑھ آیا ہے اس کے مطابق تمہلیخانے پہلے جا کر ساتھیوں کو تمام حالات سنائے تو وہ لوگ اس سے بہت خوش ہوئے، بادشاہ کا استقبال تعظیم کے ساتھ کیا، پھر وہ اپنے غار کی طرف لوٹ گئے، اور اکثر روایات میں یہ ہے کہ جس وقت تمہلیخانے ساتھیوں کو یہ سارا قصہ سنایا اسی وقت سب کی وفات ہوگئی، بادشاہ سے ملاقات نہیں ہو سکی، ابو حیان نے یہاں یہ روایت نقل کی ہے کہ ملاقات کے بعد اہل غار نے بادشاہ اور اہل شہر سے کہا کہ اب ہم آپ سے رخصت چاہتے ہیں اور غار کے اندر چلے گئے، اسی وقت اللہ تعالیٰ نے ان سب کو وفات دیدی، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،

بہر حال اب اہل شہر کے سامنے یہ واقعہ عجیبہ قدرت الہیہ کا وا شگاف ہو کر آ گیا تو سب کو یقین ہو گیا کہ جس ذات کی قدرت میں یہ داخل ہے کہ تین سو برس تک زندہ انسانوں کو بغیر کسی غذا اور سامان زندگی کے زندہ رکھے اور اس طویل عرصہ تک ان کو نیند میں رکھنے کے بعد پھر صحیح سالم، قوی، تندرست اٹھا دے اس کے لئے یہ کیا مشکل ہے کہ مرنے کے بعد بھی ان اجسام کو زندہ کر دے، اس واقعہ سے ان کی انکار کا سبب دور ہو گیا، کہ حشر اجساد کو مستبعد اور خارج از قدرت سمجھتے تھے، اب معلوم ہوا کہ مالک المملکوت کی قدرت کو انسانی قدرت پر قیاس کرنا خود جہالت ہے، اسی طرف اس آیت میں ارشاد فرمایا: ليعلموا ان وعد الله حق وأن الساعة لا ريب فيها: یعنی ہم نے اصحاب کہف کو زمانہ دراز تک سلانے کے بعد جگا کر بٹھا دیا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ یعنی قیامت میں سب مردوں کے اجسام کو زندہ کرنے کا وعدہ سچا ہے اور قیامت کے آنے میں کوئی شبہ نہیں۔

اصحاب کہف کی وفات کے بعد لوگوں میں اختلاف رائے،

اصحاب کہف کی بزرگی اور تقدس کے تو سب ہی قائل ہو چکے تھے، ان کی وفات کے بعد سب کا خیال ہوا کہ غار کے پاس کوئی عمارت بطور یادگار کے بنائی جائے، عمارت کے بارے میں اختلاف رائے ہوا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل شہر میں اب بھی کچھ بت پرست لوگ موجود تھے وہ بھی اصحاب کہف کی زیارت کو آتے تھے، ان لوگوں نے

عمارت بنانے میں یہ رائے دی کہ کوئی رفاہ عام کی عمارت بنا دی جائے، مگر ارباب حکومت اور بادشاہ مسلمان تھے اور انہی کا غلبہ تھا، ان کی رائے یہ ہوئی کہ یہاں مسجد بنا دی جائے جو یادگار بھی رہے اور آئندہ بت پرستی سے بچانے کا سبب بھی بنے، یہاں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے درمیان میں قرآن کا یہ جملہ ہے: **بہم اعلم بہم**، یعنی ان کا رب ان کے حالات کو پوری طرح جانتا ہے، ابو حیان نے اس جملے کے معنی میں دو احتمال ذکر کئے ہیں، ایک یہ کہ یہ قول انہی حاضرین اہل شہر کا ہو، کیونکہ ان کی وفات کے بعد جب ان کی یادگار بنانے کی رائے ہوئی تو جیسا عموماً یادگاری تعمیرات میں ان لوگوں کے نام اور خاص حالات کا کتبہ لگایا جاتا ہے جن کی یادگار میں تعمیر کی گئی ہے تو ان کے نسب اور حالات کے بارے میں مختلف گفتگوئیں ہونے لگیں، جب کسی حقیقت پر نہ پہنچے تو خود انہوں نے ہی آخر میں عاجز ہو کر کہہ دیا: **بہم اعلم بہم**: اور یہ کہہ کر اصل کام یعنی یادگار بنانے کی طرف متوجہ ہو گئے، جو لوگ غالب تھے ان کی رائے مسجد بنانے کی ہو گئی۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ یہ کلام حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، جس میں اس زمانے کے باہم جھگڑا اور اختلاف کرنے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جب تمہیں حقیقت حال کا علم نہیں، اور اس کے علم کے ذرائع بھی تمہارے پاس نہیں تو کیوں اس بحث میں وقت ضائع کرتے ہو، اور ممکن ہے کہ زمانہ رسول اللہ ﷺ میں یہود وغیرہ جو اس واقعہ میں اسی طرح کی بے اصل باتیں اور بحثیں کیا کرتے تھے ان کو تنبیہ مقصود ہو [واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم]۔

بعض لوگ اس آیت کریمہ سے قبروں پر مسجد بنانے کے جواز پر استدلال کرتے ہیں، وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ کہنے والے عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار نصاریٰ تھے جیسا کہ بعض کتب تفسیر، مثلاً: حاشیۃ الشہاب: ۶/۸۷، میں ہے، وکونہ مسجداء، یدل علی جواز البناء علی قبور الصلحاء ونحوہم کما اشار الیہ فی الکشاف: ۲/۱۱۱، ۱۲، وجواز الصلاة فی ذلک البناء۔ لیکن علامہ الوسی نے تفسیر روح المعانی: ۱۵/۲۳۷، میں اس کو منہ توڑ جواب دیا ہے۔ فرمایا ہے کہ: **واستدل بالایة علی جواز البناء، علی قبور الصلحاء واتخاذ مسجد علیہا وجواز الصلاة فی ذلک وممن ذکر ذلک، الشہاب الخفاجی فی حواشیہ علی البیضاوی، وهو قول باطل عاقل فاسد کاسد، فقدر وی احمد الخ۔** شہاب لکھتا ہے کہ احادیث کے ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے: **وذاکر ابن حجر الہیتمی، فی الزواجر: ۱/۲۳۷، انہ وقع فی کلام بعض الشافعیة عدّ اتخاذ القبور مساجدا و الصلوة الیہ واستلامہا و الطواف بہا ونحو ذلک، من الکبائر و كأنہ اخذ ذلک مما ذکر من الاحادیث الخ۔** معلوم ہوا کہ قبر پر مسجد بنانا ان کی شریعت میں جائز تھا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ

قول بلا رد و انکار بیان فرمایا ہے اور اصول یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ اگلی امتوں کی شریعتوں کا کوئی حکم بلا رد و کد کے بیان فرمائیں تو وہ ہمارے لئے بھی شریعت یعنی جائز اور مشروع ہے۔

اس شبہ کے تین جوابات ہیں:-

پہلا جواب یہ ہے، کہ علم اصول میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شریعت ما قبل اسلام، اگلی امتوں کی شریعت ہمارے لئے شریعت نہیں ہے، اس کے دلائل کثرت کے ساتھ موجود ہیں، ملاحظہ ہو مطولات کتب، احکام الاحکام لابن حزم وغیرہ۔ ان میں سے ایک دلیل رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث ہے ’اعطیت خمساً لم يعطهن احد من الانبياء قبلي، و كان النسبي يبعث الى قومه خاصة وبعثت الى الناس كافة‘ (بخاری، مسلم) مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں ملی تھیں، ہر نبی خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا جاتا تھا اور میں پوری دنیا کے لئے بھیجا گیا ہوں،، سورہ کہف کی مذکورہ آیت اگر بناء مسجد علی القبر پر دلالت بھی کرتی ہو تو یہ اگلی امت کی شریعت ہے، جو منسوخ ہو چکی ہے، اس آیت کے مدلول و مفاد پر عمل کرنے کا ہم سے کوئی مطالبہ نہیں کیا گیا ہے، لہذا ہمارے لئے قبر پر مسجد بنانا جائز اور مشروع نہیں۔

دوسرا جواب: اگر بالفرض تسلیم کر لیا جائے کہ انہیں لوگوں کا قول صحیح ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اگلی امتوں کی شریعت ہمارے لئے بھی شریعت ہے، لیکن یہ اصول ان لوگوں کے نزدیک بھی اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ ’ہماری شریعت میں اس کے خلاف کچھ وارد نہ ہو‘ اور مسئلہ زیر بحث میں یہ شرط منقود ہے، کیونکہ قبر پر مسجد بنانے کی ممانعت متواتر احادیث سے ثابت ہے، یہ اس بات کی محکم دلیل ہے کہ مذکورہ آیت کا مدلول و مفاد ہمارے لئے شریعت نہیں۔ ذیل میں ہم بعض وہ احادیث ذکر کرتے ہیں جن میں قبروں کو مسجد بنانے سے منع کیا گیا ہے۔

(۱) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ في مرضه الذي لم يقم منه ’لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبورا نبيآتهم مساجد‘ قالت فلولا ذاك أبرز قبره، غير انه خشى ان يتخذ مسجدا [بخاری: ۱۷۷۱، ۱۸۶، مسلم: ۲۰/۱، مسند احمد: ۶/۸۰، ۱۲۱]۔

عائشہ صدیقہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض الموت میں ارشاد فرمایا: یہودیوں اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ قبر نبوی کو سجدہ گاہ بنا لیا جائے گا تو نبی ﷺ کی قبر کھلی فضا میں بنائی جاتی، یعنی اس پر کوئی پردہ نہ کیا جاتا اور آپ بھی گھر کے باہر عام قبرستان میں

دُفن کئے جاتے۔ (گھر میں دُفن کیا جانا رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت ہے، صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کو گھر میں کیوں دُفن کیا عائشہ کے بیان سے صاف واضح ہے کہ اس کا سبب قبر نبوی کو سجدہ گاہ بنا لیا جانے یا اس پر کسی کے مسجد تعمیر کر دینے کے خطرہ کا سدباب کرنا تھا، اس لیے نبی ﷺ کے سوا کسی کو قبرستان کی بجائے گھر میں دُفن کرنا اور اس کے جواز میں نبی ﷺ کے حجرہ میں دُفن کئے جانے کو بطور دلیل و حجت پیش کرنا کسی طرح جائز نہیں، اس بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ میت کو گھر میں دُفن کرنا حکم شرعی کے خلاف ہے اور سنت یہ ہے کہ مردوں کو قبرستان ہی میں دُفن کیا جائے۔ نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کو عام قبرستان بقیع میں دُفن فرماتے تھے، نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے 'اپنے گھروں میں قبریں مت بناؤ' اور آپ ﷺ کے قول و عمل کے مقابلہ میں کسی دوسرے کا فعل ہرگز قابل اتباع نہیں ہے۔ ابن عروہ جنلی نے الکواکب الدراری میں ذکر کیا ہے کہ مسلمانوں کے قبرستانوں ہی میں مردوں کو دُفن کرنا اور گھر میں دُفن نہ کرنا امام حمد بن حنبل کو زیادہ پسند تھا، کیونکہ اس سے میت کے زندہ و رثاء کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا اور یہ اخروی زندگی کے زیادہ مناسب اور اس کو بہت زیادہ یاد دلانے والا بھی ہے، نیز یہ میت کے لئے رحمت و مغفرت کی دعا کرنے کی طرف راغب اور متوجہ کرتا ہے، صحابہ کرام، تابعین عظام اور تبع تابعین سب کا یہی معمول تھا کہ مردوں کو آبادی سے باہر صحرا قبرستان میں دُفن کیا کرتے تھے۔ سوال ہو سکتا ہے کہ جب گھر میں دُفن کرنا حکم شرعی کے خلاف ہے تو نبی کریم ﷺ کو حجرہ عائشہ میں کیوں دُفن کیا گیا؟ عائشہ نے اسی اشکال کا جواب دیا ہے کہ نبی ﷺ کو اس لئے حجرہ میں دُفن کیا گیا کہ آپ ﷺ کی قبر کو سجدہ گاہ نہ بنایا جاسکے، قبر نبوی کو کھلی جگہ بنانے میں خطرہ تھا کہ اسے مسجد بنا لیا جائے گا یعنی میدان میں اس کے دارو گیر مشکل تھی۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ خود نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ انبیاء جہاں وفات پاتے ہیں وہیں دُفن کئے جاتے ہیں، علاوہ ازیں آپ کو غیر سے ممتاز کرنا اور زیادہ امد و رفت کی جگہ سے آپ ﷺ کی قبر کو محفوظ رکھنا وغیرہ وہ اسباب و مصالح ہیں جن کے پیش نظر صحابہ کرام نے آپ کو خصوصیت کے ساتھ مذکورہ حکم شرعی (گھروں میں قبریں مت بناؤ) سے مستثنیٰ قرار دیا اور عام قبرستان میں دُفن کرنے کے بجائے گھر میں دُفن کیا۔

عائشہ کی خیال کی تائید ابو بکر الصدیق کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔ زنجویہ نے بہ طریق عمر مولیٰ غفرہ روایت کیا ہے کہ جب صحابہ کرام نے رسول اللہ کی جائے تدفین کے متعلق باہم مشورہ کیا تو بعض صحابہ کرام نے یہ رائے دی کہ ہم آپ کو اس جگہ دُفن کریں، جہاں آپ نماز پڑھتے تھے یعنی مسجد میں مگر ابو بکر نے اس رائے کو سختی سے منع کر دیا اور فرمایا 'اعوذ باللہ' ہم آپ کے قبر کو بت اور استانہ بنا دیں۔ جس پر رسوم بندگی ادا کی جائیں یعنی ایسا کرنے سے

آپ ﷺ کی قبر کو قبلہ حاجات اور مقصود و مسجود بنا لئے جانے کا خطرہ ہے، تو کچھ دوسرے صحابہ نے یہ مشورہ دیا کہ نبی کریم ﷺ کو عام قبرستان 'القیح' میں دفن کیا جائے جہاں آپ ﷺ کے بھائی مہاجرین مدفون ہیں ابو بکرؓ نے اسے بھی رد کر دیا اور فرمایا ہمیں یہ ہرگز گوارا نہیں اور انہیں آپ ﷺ کی قبر کھلی جگہ قبرستان میں بنادی جائے کہ لوگ اس سے لپٹنا اور وہاں دعا و التجا شروع کر دیں۔ یہ خاص اللہ کا حق ہے کہ اس سے دعاء و التجا کی جائے اور اللہ کا حق رسول کے حق سے برتر و بالا ہے۔ اگر آپؐ کی قبر کو کھلی فضا میں بنادیں گے تو اس طرح اللہ کے حق کو ضائع کرنے والے ہوں گے اور پھر اس برائی کے ازالہ کے لئے اگر ہم قبر سے جسم اطہر کو نکال کر کسی بند جگہ لے جانا چاہیں گے تو قبر شریف کھودنے کی جسارت کون کریگا؟ صحابہ کرام نے عرض کیا تو آپؐ کی کیا رائے ہے تب ابو بکر الصديقؓ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ما قبض الله نبياً قط الا دفن حيث قبض روحه: [رواه ابن ماجه: باب وفات النبي ﷺ: ۲/۲۹۹، رقم: ۱۶۲۸، وأحمد: ۱/۲۲۸]۔ ہر نبی وہی دفن کیا گیا جہاں اس کی روح قبض کی گئی صحابہ نے نبی کریم ﷺ کی چار پائی کے چاروں طرف نشان لگایا اور علیؓ، عباسؓ، وفضل بن عباسؓ اور دیگر اہل بیت نے وہاں سے چار پائی اٹھائی اور ٹھیک چار پائی کی جگہ قبر کھودی گئی۔ علامہ ابن کثیر اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں اس کی سند منقطع ہے۔ عمر مولیٰ غفرۃ نے صدیق اکبرؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے نیز وہ ضعیف بھی ہے۔

(۲) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ "قاتل اللہ الیہود اتخذوا قبور انبیائہم مساجد" [بخاری: ۶۲/۱، مسلم: ۲۰/۱، سنن ابی داؤد: ۴۳/۲، مسند احمد: ۲۸/۲، ۳۶۶، ۳۹۶]۔

ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی مار ہو یہود و نصاریٰ پر جنہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبریں سجدہ گاہ بنا لیا۔

(۳، ۴) عن عائشۃ و ابن عباس لما حضرہ الوفاۃ جعل یلقى علی وجہہ طرف خمیصۃ لہ فاذا اغتم کشفہا عن وجہہ و هو یقول "لعن اللہ الیہود والنصارى اتخذوا قبور انبیائہم مساجد" تقول عائشۃ یحذر ما صنعوا [بخاری: ۶۲/۱، ۶۳/۲، ۸۶۵، مسلم: ۲۰/۱، نسائی: ۱/۱۵، مسند احمد: ۲۱۸/۱، ۲۳۹، ۲۷۵]۔

عائشہؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت قریب آ پہنچا، تو آپؐ شدت تکلیف سے چادر کھینچ کر روئے مبارک پر ڈالتے اور کہتی اور کہتی اتا ردیتے اور بار بار فرماتے تھے کہ یہودیوں اور نصاریٰ پر اللہ

کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو جبرہ گاہ بنا لیا۔ عائشہؓ کہتی ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کو یہود و نصاریٰ کے اس کردار سے ڈرا رہے تھے۔

حافظ ابن حجر حدیث مذکور کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: گویا نبی ﷺ کو یہ علم و یقین ہو گیا تھا کہ یہ زندگی کے آخری لمحات ہیں آپ ﷺ کو اندیشہ لاحق ہوا کہ مبادا، آپ کی قبر کے ساتھ بھی تعظیم کا وہی معاملہ ہو جو گذشتہ انبیاء و صلحاء کے قبروں کے ساتھ ہو چکا ہے اس لئے آپ ﷺ نے یہود و نصاریٰ پر لعنت فرما کر یہ بات واضح کر دی کہ میرے امت کے بھی جو لوگ قبروں کے ساتھ یہود و نصاریٰ کا سا معاملہ کریں گے وہ بھی مذمت و لعنت کے مستحق ہوں گے۔ چھٹی حدیث میں اس کی صراحت آ رہی ہے۔

(۵) عن عائشةؓ قالت: لما كان مرض النبي ﷺ اذ اكر بعض نسائه كنيسة بارض الحبشة يقال لها مارية، وقد كانت ام سلمة وام حبيبة قدا تارض الحبشة فذكرن من حسنهما وتصاويرها قالت فرفع النبي ﷺ رأسه فقال: "اولئك اذا كان فيهم الرجل الصالح بنوا على قبره مسجدا ثم صوروا تلك الصور" اولئك شرار الخلق عند الله يوم القيامة. [بخاری: ۲۲/۱، ۱۷۹، مسلم: ۲۰/۱، ابوداؤد ۲۵/۲۳، مسند احمد: ۵۱/۶].

عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ نبی ﷺ کے مرض الموت کے موقع پر بعض بیویوں نے سرزمین حبشہ کے ایک ماریہ نامی گرجا کا تذکرہ کیا۔ ازواج مطہرات میں ام سلمہؓ اور ام حبیبہؓ ملک حبشہ میں ہجرت کے سلسلہ میں رہ چکی تھیں۔ انہوں نے مذکورہ گرجا کی خوبصورتی اور اس کی تصویروں کا ذکر کیا، عائشہؓ کہتی ہیں کہ یہ سننا تھا کہ نبی ﷺ نے سر اٹھایا اور فرمایا "جب ان میں کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا تھا تو وہ لوگ اس کی قبر پر عبادت گاہ اور اس میں نیک لوگوں کی تصویریں بنا دیتے تھے۔ یہی لوگ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک بدترین مخلوق ہوں گے۔

(۶) عن جندب بن عبد الله البجليؓ أنه سمع النبي ﷺ قبل ان يموت بخمس وهو يقول "قد كان لي فيكم اخوة واصدقاء واني ابرأ الي الله ان يكون لي فيكم خليل ولو كنت متخذامن امتي خليلا لاتخذت ابا بكر خليلا الا وان من كان قبلكم كانوا يتخذون قبور انبيائهم وصالحيهم مسجدا فاني انهماكم من ذلك" [مسلم: ۲۰/۱، طبرانی معجم كبير: ۲۸۴/۱].

جندب بن عبد اللہ بجليؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے آپ ﷺ کے وصال سے پانچ دن پہلے یہ سنا کہ

آپ ﷺ فرما رہے تھے، تم میں میرے بھائی اور دوست ہیں اور اللہ کی طرف میں اس بات سے برأت کا اظہار کرتا ہوں کہ تم میں میرا کوئی خلیل ہو، کیونکہ اللہ عزوجل نے مجھے اپنا خلیل بنا لیا ہے۔ اگر میں اپنی امت میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ یاد رکھو تم سے پہلے کے لوگ اپنے انبیاء و صالحین کی قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے۔ خبردار تم قبروں کو مسجد نہ بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔

(۷) عن الحارث النجرائی قال سمعت النبی ﷺ قبل ان يموت بخمس الاوان من كان قبلکم كانوا يتخذون قبور انبيائهم وصالحيهم مساجد، فانی انہا کم من ذالک [مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۷۶/۲].

حارث نجرانی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے وصال سے پانچ روز پہلے میں نے آپ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے یاد رکھو تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء و صالحین کی قبروں کو مسجد بنا لیتے تھے۔ خبردار تم قبروں کو مسجد نہ بنانا، میں تم کو اس سے منع کرتا ہوں۔

(۸) عن اسامة بن زيدان رسول الله ﷺ قال: في مرضه الذي مات فيه ادخلوا اعلى اصحابي وهو متقنع ببردة معافرى فكشف القناع فقال "لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد" [مسند احمد: ۲۰۴/۵، طبرانی فی المعجم: ۱/۲۳۳].

اسامہ بن زید بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مرض موت کے ایام میں صحابہ کو ایک روز اپنے پاس بلایا صحابہ حاضر ہوئے آپ ﷺ یعنی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ چادر الٹی اور فرمایا: یہودیوں اور عیسائیوں پر اللہ لعنت فرمائے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد گاہ بنا لیا۔

(۹) عن ابی عبيدة بن الجراح قال اخر ما تكلم به النبي ﷺ اخرجوا اليهود اهل الحجاز واهل نجران من جزيرة العرب واعلموا ان شرار الناس الذين اتخذوا وفي رواية يتخذون قبور انبيائهم مساجد [مسند احمد: رقم: ۱۶۹۱، مسند ابی يعلى: ۱/۵۷].

ابوعبیدہ بن جراح بیان فرماتے ہیں کہ زندگی کی آخری بات جو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائی وہ یہ تھی کہ اہل حجاز اور اہل نجران کے یہودیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ یاد رکھو وہ لوگ بدترین خلاق ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔ ایک روایت میں ہے جو انبیاء کی قبروں کو مسجد بنائیں گے۔

(۱۰) عن زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لعن وفي رواية قاتل اليهود اتخذوا قبور انبيائهم مساجد [مسند احمد: ۵/۱۸۳، ۱۸۶].

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہود پر اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے دوسری روایت میں ہے یہود کو اللہ تعالیٰ تباہ برباد کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔

(۱۱) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللهم لاتجعل قبری وثنا، لعن الله قوما اتخذوا قبور انبيائهم مساجد [مسند احمد: رقم: ۳۵۲، مسند حمیدی: رقم: ۱۰۲۵].

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: الہی میرے قبر کو بت نہ بننے دینا ان قوموں پر اللہ کی لعنت جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔

(۱۲) عن عبد اللہ بن مسعود قال سمعت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يقول: ان من شرار الناس من تدرکه الساعة وهم احياء، ومن يتخذ القبور مساجد [مسند احمد: رقم: ۳۸۴، مصنف ابن ابی شیبہ: ۴/۱۴۰].

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بے شک وہ لوگ بدترین خلائق ہیں جن پر قیامت قائم ہوگی اور وہ لوگ جو قبروں کو مسجد بنائیں گے۔

(۱۳) عن علی بن ابی طالب قال لقینی العباس فقال انطلق بنا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فان کان لنا من الامر شیء والاولی بنا الناس فدخلنا علیہ وهو مغمی علیہ فرفع رأسه فقال: لعن الله اليهود اتخذوا قبور انبيائهم مساجد، وزاد فی رواية ثم قالها ثلاثا فلما رأنا ما به خرجنا ولم نسته عن شیء. [طبقات ابن سعد: ۴/۲۴].

علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ عباس رضی اللہ عنہ میرے پاس آئے اور کہا ہمارے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلو، ہو سکتا ہے ہمیں کچھ عنایت ہو، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ذریعہ لوگوں کو کچھ وصیت فرمائیں۔ چنانچہ ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری تھی، افاقہ ہوا تو سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: یہود پر اللہ لعنت فرمائے۔ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا۔ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض کی شدت دیکھی تو واپس چلے آئے اور کچھ عرض معروض نہیں کیا۔

(۱۴) عن امهات المؤمنین ان اصحاب رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قالوا کیف نبی قبر رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم؟ ان جعله

مسجداً؟ فقال ابو بكر الصديق سمعت رسول الله ﷺ يقول: "لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبوراً أنبيائهم مساجد" [جامع الكبير للطبرانی: نقل عن فضائل الصديق لابن زنجويه].

امہات المؤمنین سے روایت ہے کہ اصحاب نے رسول اللہ ﷺ کی تدفین کے سلسلہ میں مشورہ کیا کہ ہم نبی ﷺ کی قبر کو کہاں بنائیں، کیا اسے مسجد میں بنائیں؟ ابو بکرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے: یہودیوں اور نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ، انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔

(قبروں کو مسجد بنانے کے تین معانی ہیں:)

پہلا معنی: علامہ ابن حجر ہیتمیؒ "کتاب الزواجر فی النهی عن اقتراف الکبائر" [۱۲۱/۱] میں لکھتے ہیں "قبروں کو مسجد بنانے کا معنی قبر پر نماز پڑھنا یا قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ہے۔

دیکھیے علامہ موصوف نے صراحت فرمادی کہ قبروں کو مسجد بنانے کے دو معنی ہیں سے ایک، قبر پر نماز پڑھنا ہے۔ علامہ صنعانی (امیر یمنی) سبل السلام: ۲۱۴/۱، میں لکھتے ہیں قبروں کو مسجد بنانے کا معنی قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے اور قبر پر نماز پڑھنے دونوں صورتوں کو شامل ہے یعنی تینوں معنی مراد ہونے کی بھی گنجائش ہے۔ چنانچہ امام شافعیؒ تینوں معانی مراد لیتے ہیں:

دوسرا معنی: علامہ مناویؒ فیض القدر میں عائشہؓ کی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں یہود، نصاریٰ نے اپنے باطل اعتقاد کے تحت قبروں کو قبلہ بنا لیا۔ اور ان کی طرف رخ کر کے نمازیں پڑھنے لگے۔ قبروں کو سجدہ گاہ بنانا گویا قبروں پر مسجد بنانا ہے۔ اسی طرح اس کا عکس یعنی قبروں پر مسجد تعمیر کرنا قبروں کو سجدہ گاہ بنا لینا ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہود پر لعنت فرمائی ہے۔ کیونکہ اس میں انبیاء کی تعظیم میں بے جا غلو پایا جاتا ہے۔ قاضی بیضاوی فرماتے ہیں یہود انبیاء کی تعظیم میں ان کی قبروں کا سجدہ کرتے تھے اور نماز میں قبروں ہی کی طرف رخ کرتے تھے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس بد عمل سے منع فرمایا۔

ملا علی قاریؒ مرقات: ۳۷۲/۲، میں اس نہی کی علت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے میں صاحب قبر کی علو آمیز تعظیم پائی جاتی ہے گویا کہ اسے معبود کا درجہ دیا گیا ہے۔ قبر کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا مقصد اگر واقعی قبر یا صاحب قبر کی تعظیم ہو تو یہ کفر ہے۔ اس لئے اگر کوئی نماز اللہ ہی کے لئے پڑھے لیکن قبر کی طرف رخ کر کے پڑھے تو ایک طرف کافرانہ عمل کے ساتھ تشابہ کی وجہ سے قبر کو قبلہ بنانے اور اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے

کی قطعی ممانعت صریح حدیث میں بھی وارد ہے۔

عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجلسوا علی القبور ولا تصلوا الیہا

[مسلم: ۳۱۲/۱، سنن ابی داؤد: ۴۳/۲، ترمذی: ۱۳۶/۱]

ابومرثد غنویؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ قبروں پر بیٹھو اور نہ ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھو۔ اس حدیث کے مثل ایک اثر ثابت بنائی نے انسؓ سے روایت کیا ہے،

عن انس قال كنت اصلى قريبا من قبر، فرأني عمر بن الخطاب فقال القبر القبر، فرفعت

بصرى الى السماء وانا احسبه يقول القمر فقال انما قول القبر لا تصل اليه [المطالب العالیہ: ۳۴۲/۳]

انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک قبر کے قریب نماز پڑھ رہا تھا، عمرؓ نے دیکھا تو کہنے لگے 'قبر قبر' میں نے نگاہ آسمان کی طرف اٹھائی کیونکہ میں سمجھا کہ 'قمر قمر' کہہ رہے ہیں تو عمرؓ نے فرمایا قبر، کہہ رہا ہوں، اس کی طرف رخ کر کے نماز مت پڑھو۔ اسی وجہ سے انسؓ مقبرہ میں مسجد بنانے سے منع فرماتے، امام بیہقی نے شعب الایمان: ۶/۳۷۲ میں قنادہ سے نقل کرتے ہیں کہ: ان انس بن مالک مر علی مقبرة رماذ، وهم يبنون مسجدا، فقال انس، كان يكره ان يبنى مسجد في وسط القبور۔

تیسرا معنی:۔ قبر پر مسجد تعمیر کرنا، یہ معنی امام بخاریؒ نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے عائشہؓ سے مروی پہلی حدیث کا ترجمہ الباب ان الفاظ میں منعقد کیا ہے 'باب ما يكره من اتخاذ المساجد على القبور' (قبروں پر مسجد بنانے کی کراہیت) اس سے امام بخاریؒ نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ قبر کو سجده گاہ بنانے کی ممانعت قبر پر مسجد بنانے کی ممانعت کو مستلزم ہے۔ یہ بات بالکل واضح ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ کرمائیؒ کی یہ توجیہ نقل کی ہے 'حدیث کا مفاد یہ ہے کہ قبر کو سجده گاہ بنانا ممنوع ہے اور باب کا مدلول و مفہوم یہ ہے کہ قبر پر مسجد تعمیر کرنا منع ہے، حدیث اور باب کا مفہوم ایک دوسرے کے بظاہر متغائر ہے مگر اس تغائر کے باوجود دونوں میں درحقیقت تلازم ہے، یعنی قبر کو سجده گاہ بنانا قبر پر مسجد بنانے کو مستلزم ہے اور قبر پر مسجد بنانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ قبر کو سجده گاہ بنا لیا جائے گا۔

تیسرا جواب:۔ ہم یہ نہیں مانتے کہ سورہ کہف کی مذکورہ آیت سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اگلی شریعت "یعنی عیسیٰ علیہ

السلام کی شریعت، میں قبر پر مسجد اور عبادت خانہ تعمیر کرنا جائز تھا، مذکورہ آیت سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں نے اس خیال کا اظہار کیا تھا کہ ہم اصحاب کہف پر مسجد تعمیر کریں گے، اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ وہ لوگ مؤمن تھے اور اگر ان کا مؤمن ہونا بالفرض تسلیم کر لیا جائے تو یہ ثابت نہیں کہ وہ لوگ صالح اور نبی مرسل (عیسیٰ علیہ السلام) کی شریعت کے پابند تھے، بلکہ بعض دلائل اس کے خلاف ہیں۔

چنانچہ حافظ ابن رجب حنبلیؒ حدیث ((لعن الله اليهود والنصارى اتخذوا قبور انبيائهم مساجد)) کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں، ابویاء کی قبروں کو مسجد بنانے کی قباحت و ممانعت اس حدیث کے علاوہ قرآن سے بھی ثابت ہے۔ چنانچہ اصحاب کہف کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: قال الذين غلبوا على امرهم لنتخذن عليهم مسجدا، اس آیت میں قبروں پر عبادت خانہ تعمیر کرنے کو اہل غلبہ کا فعل قرار دیا گیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس اقدام کی سند شریعت کا کوئی حکم نہ تھا، بلکہ محض غلبہ و اقتدار میں اپنی خواہش کے مطابق ایسا کرنا چاہتے تھے، یہ فعل کچھ ان اہل علم و فضل کا نہیں تھا جو اپنے رسول پر نازل شدہ ہدایت کے حامی و مددگار ہوتے ہیں (فتح الباری لابن رجب: ۴۳۳/۲)۔

شیخ علی بن عروہ، مختصر الکواکب الدراری ((۲۰۷/۱۰)) میں حافظ ابن کثیر کی متابعت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”اس آیت کی تفسیر میں ابن جریر نے دو قول نقل کئے ہیں، پہلا قول یہ ہے کہ یہ کہنے والے کہ ”ہم ان کی قبر پر مسجد تعمیر کریں گے، مؤمن و مسلم تھے اور دوسرا قول یہ ہے کہ وہ مشرک تھے۔ ”واللہ اعلم“ بہر حال یہ تو ظاہر ہے کہ وہ اصحاب اثر و رسوخ تھے، لیکن وہ لوگ یہ کہنے میں حق بجانب تھے یہ محل نظر ہے، کیونکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے ”اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے ابویاء کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا“ اس ارشاد سے آپ ﷺ کی غرض امت کو اس فعل فبیح سے ڈرانا تھا (اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کی شریعتوں میں بھی قبروں کو مسجد بنانا جائز نہیں تھا ورنہ رسول اللہ ﷺ اس وجہ سے انہیں ملعون قرار نہ دیتے)۔

روایت ہے کہ عمرؓ کو اپنے زمانہ خلافت میں عراق کے کسی علاقہ میں دانیال علیہ السلام کی قبر کی خبر ملی تو اسے لوگوں سے بالکل پوشیدہ رکھنے اور اس کتاب کو بھی دفن کر دینے کا حکم دیا جو ان کی لاش کے ساتھ ملی تھی جس میں کچھ حوادث کی پیش گوئی رقم تھی۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے بناء مسجد علی القبر کے جواز پر استدلال کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔

علامہ الوسی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں اس آیت میں علماء کے قبروں پر مشاہد و مزارات تعمیر کرنے، ان پر مسجد بنانے اور ان میں نماز پڑھنے کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔ جن لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے، ان میں شہاب خفاجی بھی ہیں انہوں نے یہ استدلال اپنے حواشی علی البیضاوی میں ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ استدلال بالکل غلط ہے، باطل اور فاسد ہے، پھر علامہ الوسی نے احادیث متقدمہ میں سے بعض کو ذکر کرنے کے بعد ابن حجر بیہمی کا وہ کلام جو گذر چکا ہے نقل کر آئے ہیں اور اس سے اتفاق کیا ہے نیز آلوسی نے اپنی کتاب: شرح المنہاج، میں حافظ بیہمی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ علماء کے ایک جماعت نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ قراقرم میں قبروں پر جو عمارتیں ہیں وہ سب منہدم کر دی جائیں۔

حتیٰ کہ امام شافعیؒ کی مزار کو بھی گرا دیا جائے جو کسی عقیدت مند بادشاہ نے تعمیر کیا ہے ہر مسلمان کو چاہئے کہ فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی تمام عمارتوں کو مسما کر دے اور اگر شر و فساد کا خطرہ ہو تو پھر یہ امام و وقت کی اور سلطان کی ذمہ داری ہے۔

علامہ الوسیؒ آگے فرماتے ہیں، کہا جاسکتا ہے کہ سورہ کہف کی آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قبروں پر مسجد بنانا پہلی شریعتوں میں جائز تھا اور شرائع سابقہ سے استدلال اور ان کے کسی حکم کو حجت کے طور پر پیش کرنا خود نبی ﷺ سے ثابت ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنا بھول جائے تو اسے جب یاد آئے پڑھ لے۔ پھر آپ ﷺ نے بطور استدلال یہ آیت کریمہ ”اقم الصلوٰۃ لذکری“ تلاوت فرمائی حالانکہ یہ حکم موسیٰ علیہ السلام کو دیا گیا تھا قرآن میں حکلیہ ذکر کیا گیا ہے۔

اسی طرح امام ابو یوسفؒ نے مرد اور عورت کے درمیان قصاص جاری ہونے پر اور امام کرخی نے غلام اور آزاد، ذمی اور مسلمان کے درمیان قصاص جاری ہونے پر آیت کریمہ ”کتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس“ سے استدلال کیا ہے حالانکہ اس میں بنی اسرائیل کے شریعت کو حکایتاً بیان کیا گیا ہے۔ ان آیتوں سے جب نبی ﷺ نے استدلال فرمایا ہے تو سورہ کہف کی آیت زیر بحث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے۔

اس اشکال اور اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ ہمارا مذہب بھی یہی ہے کہ اگلی امتوں کی شریعت ہمارے لئے بھی شریعت ہے لیکن یہ علی الاطلاق نہیں ہے بلکہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شریعت اور اس کے کسی حکم کو بلا انکار بیان فرمایا ہو۔

یاد رہے اس سلسلہ میں رسول پاک ﷺ کا انکار اللہ عزوجل کے انکار کے مثل ہے، حدیث میں ہے رسول

اللہ ﷺ کا حرام کرنا اللہ کا حرام کرنا ہے۔ اور ہم نے یہ واضح کر دیا ہے کہ نبی ﷺ نے قبروں پر مسجد بنانے والوں کو ملعون قرار دیا ہے علاوہ ازیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، کہ شرائع ماقبل اسلام میں قبروں پر مسجد بنانا جائز تھا، ایسا رہا ہوتا تو رحمة للعالمین یہود و نصاریٰ کو اسی قبروں پر مسجدیں تعمیر کرنے کی بناء پر ملعون قرار نہ دیتے پھر یہ آیت: "لنتخذن علیہم مسجدا" ان آیات مذکورہ کی طرح نہیں ہے جن سے ائمہ نے بعض مسائل میں استدلال کیا ہے۔ اس آیت میں بس ایک فریق کے اصحاب کہف کی قبروں پر مسجد تعمیر کرنے کے قول اور عزم کو حکایہ بیان کیا گیا ہے۔ اس میں اس فریق کی مدح و تحسین کا پہلو ہے نہ انکی اقتداء کرنے کی ترغیب، اس لئے جب تک یہ نہ ثابت ہو کہ ان میں کوئی معصوم بھی تھا، اس وقت تک ان کے کسی کام کے عزم و ارادہ تو کجا اسے عملی جامہ پہنا دینا بھی اس کام کی مشروعیت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔ نیز ان کے فعل کے قابل توجہ نہ ہونے کا ایک قوی سبب یہ بھی ہے کہ وہ جیسا کہ قتادہ وغیرہ سے مروی ہے امراء و حکام تھے جو مذہب کی پابندی سے کم اور نبوی نام و نمود کے کاموں سے زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔

بہر حال اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اصحاب کہف کے بارے میں پہلی جماعت مومنین کی جماعت تھی جو قبروں پر عبادت گاہ بنانے کی حرمت سے واقف تھی اس لئے اس نے غار کے دروازے پر دیوار چن دینے اور دروازے کو بند کر دینے اور اصحاب کہف سے کوئی تعرض نہ کرنے کا مشورہ دیا مگر دوسری جماعت نے جو امراء اور حکام پر مشتمل تھی اس مشورہ کو قبول نہیں کیا بلکہ اور جوش میں آگئی اور قسم کہا کر کہنے لگی کہ ہم اصحاب کہف کی قبروں پر ضرور مسجد تعمیر کریں گے۔

اگر دوسری جماعت کے ساتھ کسی کو حسن ظن ہی ہو تو وہ اس کے قول "ہم اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے کی یہ توجیہ کر سکتا ہے کہ وہ اصحاب کہف کی قبروں پر مسجد تعمیر کرنے کی وہ صورت اختیار کرنا نہیں چاہتی تھی جو ممنوع ہے اور جس کے فاعل کو ملعون کہا گیا ہے بلکہ وہ قبروں کے قریب ایک مسجد بنانا چاہتی تھی چنانچہ سدی اور وہب کی روایت میں یہی دوسری صورت صراحتاً مذکور ہے اور یہ ممنوع نہیں ہے اس میں زیادہ سے زیادہ یہ بات ہوتی کہ اصحاب کہف کے نسبت سے وہ مسجد کہلاتی، جس طرح مسجد نبوی قبر نبوی کی نسبت مسجد نبوی کہلاتی ہے۔

گویا اس دوسری جماعت نے پہلی جماعت کے قول: ابنو علیہم کے مقابلہ اور جواب میں بطور مشاکلہ یہ کہہ دیا کہ لنتخذن علیہم مسجدا۔ ورنہ اس کی اصل منشا یہ تھی کہ: لنتخذن قریباً منہم مسجدا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ اس پہاڑی پر جس میں یہ غار تھا مسجد بنانا چاہتے تھے اس سلسلہ میں مجاہد کی ایک روایت یہی ہے کہ بادشاہ وقت نے اصحاب کہف کو غار میں چھوڑ دیا اور پہاڑی کے اوپر ان کی یادگار میں ایک مسجد بنا دی =

ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ

گے کہ وہ تین تھے (اور) چوتھا ان کا کتا تھا اور (بعض) کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اور چھٹا ان کا کتا تھا یونہی گمان کرتے ہیں

وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ

اور (بعض) کہیں گے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو کہ میرا رب ہی اُن کے شمار سے خوب واقف ہے،

= یہ تاویل آیت کے ظاہر لفظ سے قریب تر اور زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

پھر مذکورہ سوال و جواب کی ضرورت اس وقت ہے جب یہ قول اختیار کیا جائے کہ اصحاب کہف لوگوں کے ان پر مطلع ہونے کے کچھ مدت بعد وفات پا گئے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ وہ غار میں آکر پہلے کی طرح سو گئے یعنی وہ زندہ ہیں مردہ نہیں تو آیت کا مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں رہ جائے گا۔ الغرض جس کے اندر بھی کچھ رشد اور حق پسندی کا جذبہ ہو گا وہ اس آیت کے سہارے خواخواہ احادیث صحیحہ اور آثار صریحہ کے خلاف موقف اختیار کرنے کی جسارت نہیں کر سکتا اس آیت سے قبروں پر مساجد تعمیر کرنے کی استدلال کرنا انتہائی درجہ کی جہالت اور ضلالت ہے اس کے باوجود بندہ شکم اور نام نہاد مشائخ جہلاء کی ان حرکتوں کو مباح قرار دی ہوئی ہے جو وہ صلحاء کی قبروں کے ساتھ روا رکھتے ہیں یعنی قبروں کو اونچی کرنا ان کو سنگ و خشت سے پختہ بنانا ان پر جھاڑ اور فانوس لٹکانا قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا ان کو چومنا ان پر عرس لگانا وغیرہ اور دلیل میں یہی آیت سورت کہف اور واقعات اصحاب کہف کی سلسلہ میں وارد بعض ان روایت کو پیش کرتے ہیں جس میں بیان کیا گیا ہے کہ بادشاہ نے اصحاب کہف کو ساگوان کی لکڑی کی تابوت میں محفوظ کر دیا تھا اور ان کی قبروں پر سالانہ عرس کا اہتمام کرتا تھا مگر یہ سب خرافاتی باتیں ہیں اللہ اور اس کے رسول کی مقابلہ میں ڈھٹائی ہے اور ایک ایسا دین ایجاد کر لینا ہے جس کی اللہ نے کوئی اجازت نہیں دی ہے۔

معرفت حق کے لئے بس یہی کافی ہے کہ تم دیکھو روزے زمین پر سب سے افضل قبر یعنی قبر نبی ﷺ کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا رویہ کیا تھا قبر کی زیارت اور اس پر درود و سلام کی خصوص میں ان کا کیا طریقہ تھا اور پھر دیکھو کہ صحابہ کرام کی طرز عمل اور ان قبروں کی طریقے میں کتنا فرق ہے صحابہ کا عمل کیا تھا اور یہ قبوری کیا کر رہے ہیں؟ بہ بین تفاوت راہ از کجا است تا بہ کجا یعنی کلام الالوسی۔ (مزید وضاحت تخریر الساجد میں ملاحظہ کیجئے)۔

مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۖ فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا

ان کو جانتے بھی ہیں تو تھوڑے ہی لوگ (جانتے ہیں)۔ تو تم ان (کے معاملے) میں گفتگو نہ کرنا مگر سرسری سی گفتگو

وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۖ وَلَا تَقُولَنَّ لِسَيِّءِ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا

اور نہ ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے کچھ دریافت ہی کرنا۔ اور کسی کام کی نسبت نہ کہنا کہ میں اسے کل کروں گا

ۖ إِن يَشَاءَ اللَّهُ وَادُّرُوبُكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ

مگر (انشاء اللہ کہہ کر یعنی اگر) اللہ چاہے تو (کروں گا) اور جب اللہ کا نام لینا بھول جاؤ تو یاد آنے پر لے لو اور کہہ دو

عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنِي رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَذَا رَشَدًا ۖ

کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے اس سے بھی زیادہ ہدایت کی باتیں بتائے [5]

[5] یہاں پر مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے لکھا ہے کہ جب قریش کو اصحاب کہف کا واقعہ سن کر تعجب ہوا تو اللہ تعالیٰ

نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ ان مشرکوں سے یہ کہو کہ میری نبوت کا ثبوت کچھ اس قصہ پر منحصر نہیں مجھے اللہ سے امید ہے کہ وہ

اس سے بڑھ کر مجھ کو نبوت کا ثبوت عطا کرے گا تم نے یہ قصہ میرے امتحان کے لئے پوچھا تھا کہ اگر یہ سچے نبی ہیں تو اس

واقعہ کو بیان کر دیں گے ورنہ نہیں اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ اگر یہ لوگ اس کے علاوہ کسی اور شے کا آپ سے سوال کریں گے

جو آپ کو معلوم نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس سے بڑھ کر آپ کو بتلا دے گا۔ آیت کی یہ تفسیر زجاجؒ سے منقول ہے۔

یایہ معنی ہیں کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو نصیحت فرمائی کہ اگلی بات کی بابت بغیر ان شاء اللہ کہے وعدہ نہ کیا کریں اور اگر کسی

وقت بھول جائیں تو جب یاد آئے ان شاء اللہ کہہ لیا کریں اور فرمایا کہ آپ امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا درجہ اس سے بھی زیادہ

کرے یعنی آپ کبھی نہ بھولیں اور آئندہ کبھی بھولنے کا موقع نہ آئے (موضح القرآن) یایہ معنی ہیں کہ جب کسی چیز کو بھول جایا کرو

تو اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیا کرو اور کہہ لیا کرو: عسیٰ ان یتدیننی ربی لاقرب من ہذا رشدا: یعنی امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بھولی ہوئی

چیز کے بدلہ میں اس سے زیادہ بہتر اور نافع چیز عطا فرمائیں اور عجب نہیں کہ یہ نسیان ہی میرے حق میں بہتر ہو: کما قال تعالیٰ

وان نسهانأت بخیر منها: علامہ زحشرمیؒ فرماتے ہیں کہ یہ معنی ظاہری سیاق کے زیادہ مطابق معلوم ہوتے ہیں۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ﴿۱۷۱﴾

[6] اور اصحاب کہف اپنے غار میں نو اوپر تین سو سال رہے

[6] اسی آیت میں جو غار میں سونے کی مدت تین سو نو سال بتلائے ہیں، ظاہر نسق قرآن سے یہی ہے کہ یہ بیان مدت حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، ابن کثیر نے اسی کو جمہور مفسرین سلف و خلف کا قول قرار دیا ہے، ابو حیان اور قرطبی وغیرہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، مگر قتادہ وغیرہ سے اس میں ایک دوسرا قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ تین سو نو سال کا قول بھی انہی اختلاف کرنے والوں میں سے بعض کا قول ہے اور اللہ تعالیٰ کا قول صرف وہ ہے جو بعد میں فرمایا یعنی ”اللہ اعلم بما لبثوا“ کیونکہ پہلا قول تین سو نو کے متعین کرنے کا اگر اللہ کا کلام ہوتا تو اس کے بعد: اللہ اعلم بما لبثوا، کہنے کا موقع نہ تھا، مگر جمہور مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں جملے اللہ تعالیٰ کا کلام ہیں، پہلے میں حقیقت واقعہ کا بیان ہے اور دوسرے میں اس سے اختلاف کرنے والوں کو تنبیہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدت کا بیان آ گیا تو اب اس کو تسلیم کرنا لازم ہے، وہی جاننے والا ہے، محض تخمینوں اور رایوں سے اس کی مخالفت بے عقلی ہے۔ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے بیان مدت میں پہلے تین سو سال بیان کئے اس کے بعد فرمایا کہ ان تین سو پر نو اور زیادہ ہو گئے، پہلے ہی تین سو نو نہیں فرمایا اس کا سبب مفسرین نے یہ لکھا ہے کہ یہود و نصاریٰ میں چونکہ شمسی سال کا رواج تھا اس کے حساب سے تین سو سال ہی ہوتے ہیں، اور اسلام میں رواج قمری سال کا ہے اور اس قمری حساب سے نو سال مزید ہو گئے، ان دونوں سالوں کا امتیاز بتانے کے لئے عنوان تعبیر یہ اختیار کیا گیا۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اصحاب کہف کے معاملے میں خود ان کے زمانے میں، پھر عہد نبوی ﷺ کے اندر یہود و نصاریٰ میں دو باتیں زیر اختلاف تھیں ایک اصحاب کہف کی تعداد میں دوسری غار میں ان کے سوتے رہنے کی مدت، قرآن نے ان دونوں کو بیان تو کر دی، مگر اس فرق کے ساتھ کہ تعداد کا بیان صریح الفاظ میں نہیں آیا، اشارے کے طور پر آیا، کہ جو قول صحیح تھا اس کی تردید نہیں کی، اور مدت کی تعین کو صاف الفاظ صریح الفاظ میں بتلایا: ولبثوا فی کہفہم ثلاث مائۃ سنین وازدادوا تسعاً وجوب ہے کہ قرآن نے اپنے اس اسلوب سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ تعداد کی بحث تو بالکل ہی فضول ہے، اس سے کسی دنیوی یا دینی مسئلہ کا تعلق نہیں، البتہ مدت دراز تک خلاف عادت انسانی سوتے رہنا اور بغیر غذا کے صحیح تندرست رہنا پھر اتنے عرصہ کے بعد صحت مند اور قوی اٹھ کر بیٹھ جانا ایک نظیر حشر و نشر کی ہے، اس سے مسئلہ قیامت و آخرت پر استدلال ہو سکتا ہے، اس لئے اس کو بصراحت بیان کر دیا۔

قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا لَهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرُ بِهِ وَأَسْمَعُ

کہہ دو کہ جتنی مدت وہ رہے اُسے اللہ ہی خوب جانتا ہے اسی کو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتیں (معلوم) ہیں وہ کیا خوب دیکھنے والا اور کیا خوب سننے والا ہے

مَا لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدٌ ﴿۲۴﴾

اس کے سوا ان کا کوئی کارساز نہیں اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے

وَاتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ

اور اپنے رب کی کتاب کو جو تمہارے پاس بھیجی جاتی ہے پڑھتے رہا کرو، اس کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾ أَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ

اور اس کے سوا تم کہیں پناہ بھی نہیں پاؤ گے۔ اور جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے

رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ

اور اُس کی خوشنودی کے طالب ہیں اُن کیساتھ صبر کرتے رہو اور تمہاری نگاہیں ان میں سے (گزر کر اور طرف) نہ دوڑیں

تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ

کہ تم آرائش زندگی دنیا کے طلبگار ہو جاؤ، اور جس شخص کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور وہ اپنی خواہش کی

هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ﴿۲۸﴾ ﴿۲۹﴾ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ

بیروی کرتا ہے اور اس کا کام حد سے بڑھ گیا ہے اس کا کہنا نہ ماننا۔ اور کہہ دو کہ (لوگو!) یہ قرآن تمہارے رب کی طرف سے

فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا

برحق ہے تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کافر رہے۔ ہم نے ظالموں کیلئے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے

أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ

جس کی قاتیں اُن کو گھیر رہی ہوگی اور اگر فریاد کریں گے تو ایسے کھولتے ہوئے پانی سے ان کی داد رسی کی جائے گی

كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهُ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾

(جو) پگھلے ہوئے تانبے کی طرح (گرم ہوگا اور جو) مونہوں کو بھون ڈالے گا (ان کے پینے کا) پانی بھی بُرا اور آرامگاہ بھی بُری

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿۳۰﴾

(اور) جو ایمان لائے اور کام بھی نیک کرتے رہے تو ہم نیک کام کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے

أُولَئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا

ایسے لوگوں کیلئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں ان کے (محلوں کے) نیچے نہریں بہ رہی ہیں، ان کو وہاں سونے کے

مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ

کنگن پہنائے جائیں گے اور وہ باریک دیباچ اور اطلس کے سبز کپڑے پہنا کریں گے

مُتَّكِنِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۱﴾

(اور تختوں) پر تکیے لگا کر بیٹھا کریں گے (کیا) خوب بدلہ اور (کیا) خوب آرامگاہ ہے

وَأَضْرِبُ لَهُمْ مَثَلًا رَجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ

اور ان سے دو شخصوں کا حال بیان کرو جن میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ (عنایت) کئے تھے

وَحَفَفْنَا هُمَا بِنَخْلٍِ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ﴿۳۲﴾ كَلَّا الْجَنَّتَيْنِ اتَتْهُمَا

اور ان کے گردا گرد کھجوروں کے درخت لگا دیئے تھے اور ان کے درمیان کھیتی پیدا کر دی تھی۔ دونوں باغ (کثرت سے)

وَلَمْ تَظْلِمُ مِنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا خِلَلَ هُمَا نَهْرًا ﴿۳۳﴾

پھل لاتے اور اُس (کی پیداوار) میں کسی طرح کی کمی نہ ہوتی اور دونوں میں ہم نے ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی

وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ

اور (اس طرح) اس (شخص) کو (ان کی) پیداوار (ملتی رہتی) تھی تو (ایک دن) جب کہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا

أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۳﴾

کہنے لگا کہ میں تم سے مال و دولت میں بھی زیادہ ہوں اور جتنے (اور جماعت) کے لحاظ سے بھی زیادہ عزت والا ہوں

وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَنْ تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ﴿۳۴﴾

اور اپنے حق میں ظلم کرتا ہوا اپنے باغ میں داخل ہوا کہنے لگا کہ میں نہیں خیال کرتا کہ یہ باغ کبھی تباہ ہو

وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِنْ رُدِدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا

اور نہ یہ خیال کرتا ہوں کہ قیامت برپا ہو اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹا یا بھی جاؤں تو ضرور اس سے اچھی جگہ پاؤں گا

﴿۳۵﴾ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ

تو اس کا دوست جو اس سے گفتگو کر رہا تھا کہنے لگا کہ کیا تم اُس (اللہ) سے کفر کرتے ہو جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا

ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّآكَ رَجُلًا ﴿۳۶﴾ لَئِن كُنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ

پھر نطفے سے پھر تمہیں پورا مرد بنایا۔ مگر میں تو یہ کہتا ہوں کہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں اپنے رب کیساتھ کسی کو شریک

بِرَبِّي أَحَدًا ﴿۳۷﴾ وَلَا يُولَاؤُا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا

نہیں کرتا۔ اور (بھلا) جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے (ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ) کیوں نہ کہا؟

بِاللَّهِ إِنَّ تَرْنِ أَنَا أَقَلُّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ﴿۳۸﴾ فَعَسَىٰ رَبِّي أَنْ يُؤْتِيَنِي خَيْرًا

اگر تم مجھے مال و اولاد میں اپنے سے کمتر دیکھتے ہو۔ تو عجب نہیں کہ میرا رب مجھے تمہارے باغ سے

مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَيُصْبِحُ صَعِيدًا زَلَقًا ﴿۳۹﴾

بہتر عطا فرمائے اور اس (تمہارے باغ) پر آسمان سے آفت بھیج دے تو وہ صاف میدان ہو جائے

أَوْ يُصْبِحَ مَأْوَهَا غُورًا فَلَنْ تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ﴿۴۰﴾ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ

یا اس کا پانی گہرا ہو جائے تو پھر تم اُسے نہ لاسکو۔ اور اُس کے میووں کو عذاب نے آگھیرا

فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلَىٰ مَا آنَفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا

اور وہ اپنی چھتریوں پر گر کر رہ گیا تو جو مال اُس نے اُس پر خرچ کیا تھا اُس پر (حسرت سے) ہاتھ ملنے لگا

وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي لَمْ أُشْرِكْ بِرَبِّي أَحَدًا ۗ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ

اور کہنے لگا کہ کاش میں اپنے رب کیساتھ کسی کو شریک نہ بناتا۔ (اس وقت) اللہ کے سوا کوئی جماعت اس کی مددگار نہ ہوئی

مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۗ إِنَّا لَكِ الْوَلَايَةُ لِلَّهِ الْحَقُّ ۗ

اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔ یہاں (سے ثابت ہوا کہ) حکومت سب اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اسی کا صلہ بہتر

هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۗ اضْرِبْ لَهُمْ مَثَلِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اور (اسی کا) بدلہ اچھا ہے۔ اور ان سے دنیا کی زندگی کی مثال بھی بیان کرو (وہ ایسی ہے) جیسے

كَمَا أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا

پانی جسے ہم نے آسمان سے برسایا تو اُس کیساتھ زمین کی روئیدگی مل گئی پھر وہ چورا چورا ہو گئی

تَذُرُّهُ الرِّيحُ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۗ

کہ ہوائیں اسے اڑاتی پھرتی ہیں اور اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

الْمَالِ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْبَقِيَّةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ

مال اور بیٹے تو دنیا کی زندگی کی (رونق و) زینت ہیں اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں

رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا ۗ وَنَسِيَ الْجِبَالَ

وہ ثواب کے لحاظ سے تمہارے رب کے ہاں بہت اچھی اور امید کے لحاظ سے بہت بہتر ہیں۔ اور جس دن ہم پہاڑوں کو

وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۗ

چلائیں گے اور تم زمین کو صاف میدان دیکھو گے اور ان (لوگوں کو) ہم جمع کر لیں گے تو ان میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے

وَعَرِّضُوا عَلٰی رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ اَوَّلَ

اور سب تمہارے رب کے سامنے صف باندھ کر لائے جائیں گے جس طرح ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا

مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَنَّ نَجْعَلْ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿۲۸﴾ وَوَضَعَ الْكِتَابُ فَتْرَى

تم ہمارے سامنے آئے لیکن تم نے یہ خیال کر رکھا تھا کہ ہم نے تمہارے لئے کوئی وقت مقرر ہی نہیں کیا۔ اور کتاب رکھی جائے گی

الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَا لِهٰذَا الْكِتَابِ

تو تم گنہگاروں کو دیکھو گے کہ جو کچھ اس میں ہوگا اس سے ڈر رہے ہوں گے اور کہیں گے کہ ہائے بربادی! یہ کیسی کتاب ہے

لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً اِلَّا اَحْصَاهَا ۗ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۗ

کہ نہ چھوٹی بات کو چھوڑتی ہے اور نہ بڑی کو (کوئی بات بھی نہیں) مگر اسے لکھ رکھا ہے اور جو عمل کئے ہوں گے سب کو حاضر

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۲۹﴾ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرے گا۔ اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا

فَسَجَدُوْا اِلَّا اِبْلِيسَ ۗ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهِ ۗ اَفَتَتَّخِذُوْنَهُ

مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا، کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو

وَذُرِّيَّتَهُ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۗ بِئْسَ لِلظَّالِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۳۰﴾

حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں (اور شیطان کی دوستی) ظالموں کیلئے (اللہ کی دوستی کا) بُرا بدل ہے۔ [7]

[7] اس آیت کریمہ سے صاف ثابت ہوا کہ ابلیس (بڑا شیطان) جنات میں سے تھا۔ پیر محمد کرم شاہ بھیروی لکھتے

ہیں: ان الفاظ سے یہ بتا دیا کہ ابلیس فرشتہ نہیں تھا بلکہ جن تھا۔ (ضیاء القرآن ۳/۳۴۳ حاشیہ: ۷۵)

سیدہ عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خلقت الملائكة من نور وخلق ابليس من

مارج من نار السموم وخلق ادم عليه السلام مما قد وصف لكم۔ یعنی فرشتوں کو نور سے پیدا کیا ہے اور ابلیس کو

جھلسانے والی آگ کے سیاہی مائل تیز شعلے سے پیدا کیا گیا ہے اور آدم علیہ السلام کو اس (مٹی) سے پیدا کیا گیا ہے جس کی حالت تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہے کتاب التوحید لابن مندہ: ۲۰۸/۱، ج: ۳، ۷۳، وہو صحیح لحدیث مسلم: ۲۹۹۶، ۴۹۵، مشہور تابعی حسن بصریؒ نے فرمایا: ماکان ابلیس من الملائكة طرفة عين قط وانه لاصل الجن کما ان آدم علیہ السلام اصل الانس۔ ابلیس کبھی بھی فرشتوں میں سے نہیں تھا جس طرح آدم علیہ السلام انسانوں کی اصل (ابتدا) ہیں۔ اسی طرح ابلیس جنوں کی اصل (ابتدا) ہے تفسیر طبری: ۱۷۹/۱، ۱۷۰/۱، و صحیحہ ابن کثیر فی تفسیرہ: ۲۲۲/۲، الکہف: ۵۰، کتاب العظمة لابی الشیخ: ۱۲۸۱/۵، ج: ۱۱۲۹، وسندہ صحیح۔

اس تحقیق کے مقابلے میں مندرج ذیل علماء کے نزدیک ابلیس ملائکہ (فرشتوں) میں سے تھا۔ سیدنا عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا: کان ابلیس اسمہ عزازیل وکان من اشرف الملائكة من ذوی الاربعة الاجنحة ثم ابلس بعد: ابلیس کا نام عزازیل تھا وہ چار پروں والے بلند رتبہ ملائکہ (فرشتوں) میں سے تھا پھر اس کے بعد وہ ابلیس (شیطان) بن گیا، تفسیر ابن ابی حاتم: ۸۴۱/۱، ج: ۳۶۱، وسندہ صحیح۔

۲۔ قتادہ تابعیؒ نے فرمایا: ابلیس ملائکہ (فرشتوں) کے اس قبیلے میں سے تھا جسے جن کہتے ہیں۔ تفسیر عبدالرزاق: ۱۶۸۷، وسندہ صحیح تفسیر طبری: ۱۷۸۱/۱، ۱۷۹، ۱۷۰/۱، وسندہ صحیح۔

۳۔ ابن مسعودؓ و دیگر صحابہ کرام سے روایت ہے کہ جعل ابلیس علی ملک سماء الدنیا وکان من قبيلة من الملائكة يقال لهم الجن وانما سمو الجن لانهم خزان الجنة وکان ابلیس مع ملکہ خازنا۔ ابلیس کو اسمان دنیا کی بادشاہی پر مقرر کیا گیا اور وہ فرشتوں کے ایک قبیلے میں سے تھا۔ جنہیں جن کہتے ہیں اور انہیں اس لئے جن کہا گیا ہے کہ وہ جنت کے خزانچی ہیں اور ابلیس اپنی بادشاہت کے ساتھ خزانچی بھی تھا۔ تفسیر ابن جریر الطبری: ۱۷۸/۱، وسندہ حسن، اثبات بن نصر حسن الحدیث۔

اگر سلف صالحین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو کتاب و سنت اور راجح کو ترجیح ہوگی۔ اس مسئلے میں راجح یہی ہے کہ ابلیس فرشتوں میں سے نہیں بلکہ جنوں میں سے ہے۔ ترجیح کی چند دلائل درج ذیل ہیں:

(۱) قرآن مجید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ ابلیس جنوں میں سے تھا۔

(۲) حدیث صحیح میں ابلیس کی پیدائش آگ سے بیان کی گئی ہے۔

- (۳) فرشتوں کی اولاد (نسل) نہیں ہوتی جبکہ ابلیس کی اولاد ہے۔ سورہ الکہف: ۵۰۔
- (۴) فرشتے ملائکہ ہونے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے جبکہ ابلیس نے اللہ کی نافرمانی کی۔
- (۵) جو علماء یہ کہتے ہیں کہ ابلیس فرشتوں میں سے تھا ان کے پاس کوئی صریح دلیل نہیں ہے بلکہ ان کا قول اہل کتاب (اسرائیلیات) سے ماخوذ ہے۔ ابو الحسن الرمائی نے اپنی تفسیر ”الجامع لعلم القرآن“: ۲۶، میں لکھا ہے کہ: ان ابلیس لم یکن من الملائکہ باشیاء، منها: قوله تعالیٰ ”لایعصون اللہ ما امرهم ویفعلون ما یؤمرون (التحریم: ۶)۔ فنفی عنهم المعصیۃ نفیاً عاماً، و الثانی: انه قال ”الا ابلیس کان من الجن“ ومتی اطلق لفظ الجن لم یجز ان یعنی بہ الا الجنس المعروف المبانئ لجنس الانس و الملائکہ، و الثالث: ان ابلیس له نسل و ذریۃ، و الرابع: قوله تعالیٰ: جَاعِلِ الْمَلَائِكَةَ رُسُلًا اُولٰٓئِیْ اُجْنِحَہِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبَاعَ یَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَاءُ اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۱﴾ (ناظر)۔ فعمہا بالوصف بالرسلۃ، و لایجوز علی رسل اللہ ان یکفروا او یفسقوا کالرسل من البشر.

اس تحقیق کے بعد بین الاقوامی شہرت یافتہ مکتبہ دارالسلام کی مطبوعہ کتاب ”اسلام پر ۴۰ اعتراضات“ کے عقلی و نقلی جواب پڑھنے کا موقع ملا جس میں ڈاکٹر ذاکر عبدالکریم نائیک نے منکرین اسلام کے سوالات اور اعتراضات کے جواب دئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی یہ انتہائی بہترین اور مدلل کتاب ہے۔ اس کتاب سے ابلیس کے بارے میں سوال و جواب بشکر یہ مکتبہ دارالسلام پیش خدمت ہے۔ ڈاکٹر عبدالکریم نائیک سے پوچھا گیا۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر کہا گیا ہے کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا لیکن سورہ کہف میں فرمایا گیا ہے کہ ابلیس ایک جن تھا کیا یہ بات قرآن مجید میں تضاد کو ظاہر نہیں کرتے؟ تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا!

قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آدم و ابلیس کا قصہ بیان کیا گیا ہے سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَ اذ قلنا للملائکہ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس، ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو سوان سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ البقرہ: ۳۴۔** اس بات کا تذکرہ حسب ذیل آیات میں بھی کیا گیا ہے۔

(۱) اعراف: ۱۱۔ (۲) حجر: ۲۷، ۳۱۔ (۳) الاسراء: ۶۱۔ (۴) طہ: ۱۱۶۔ (۵) ص: ۷۱، ۷۲۔

وَ اذ قلنا للملائکہ اسجدوا لادم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ ﴿۱۰۱﴾ ﴿۱۰۲﴾ میں گے اور جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو =

مَا أَشْهَدْتُهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ

میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت

وَمَا كُنْتَ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَضُدًا ﴿۱۱۰﴾ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ

اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا۔ اور جس دن اللہ فرمائے گا کہ (اب) میرے شریکوں کو

= اپنے رب کے حکم سے باہر ہو گیا۔ پس اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔

سورۃ البقرہ کے مذکورہ بالا آیت کے پہلے حصے سے ہمیں یہ تاثر ملتا ہے کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا قرآن کریم عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ عربی گرامر میں ایک کلیہ تغلیب کے نام سے معروف ہے جس کے مطابق اگر اکثریت سے خطاب کیا جا رہا ہو تو اقلیت بھی خود بخود اس میں شامل ہوتی ہے مثلاً میں ۱۰۰ طالب علموں پر ایک مشتمل ایک ہی کلاس سے خطاب کر رہا ہوں جس میں لڑکوں کے تعدد ۹۹ ہے اور لڑکی صرف ایک ہے اور میں عربی زبان میں یہ کہتا ہوں کہ سب لڑکے کھڑے ہو جائیں تو اس کا اطلاق لڑکی پر بھی ہوگا۔ مجھے الگ طور پر اس سے مخاطب ہونے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی طرح قرآن کریم کے مطابق جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے خطاب کیا تو ابلیس بھی وہاں موجود تھا تاہم اس امر کی ضرورت نہیں تھی کہ اس کا ذکر الگ سے کیا جاتا، لہذا سورۃ بقرہ اور دیگر سورتوں کی عبارت کے مطابق ابلیس فرشتہ ہو یا نہ ہو لیکن ۱۸، ویں سورۃ الکہف کی پچاسویں آیت کے مطابق ابلیس ایک جن تھا قرآن کریم میں کہیں یہ نہیں کہا گیا کہ ابلیس ایک فرشتہ تھا۔ سو قرآن کریم میں اس حوالے سے کوئی تضاد نہیں۔

اس سلسلے میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ جنوں کو ارادہ و اختیار دیا گیا ہے اور وہ چاہیں تو اطاعت سے انکار بھی کر سکتے ہیں لیکن فرشتوں کو ارادہ و اختیار نہیں دیا گیا اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت بجالاتے ہیں، لہذا اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بھی کر سکتا ہے، اس حقیقت سے اس بات کی مزید تائید ہوتی ہے کہ ابلیس ایک جن تھا، فرشتہ نہیں تھا۔

الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا ﴿۱۲۲﴾

جن کی نسبت تم گمان رکھتے تھے بلاؤ تو وہ ان کو بلائیں گے مگر وہ ان کو کچھ جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے بیچ میں ایک ہلاکت کی جگہ بنا دیں گے

وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُم مُّوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا

اور گنہگار لوگ دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کر لیں گے کہ وہ اس میں پڑنے والے ہیں اور اس سے بچنے کا کوئی رستہ نہ پائیں گے

﴿۱۲۳﴾ وَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کے سمجھانے) کیلئے طرح طرح کی مثالیں بیان فرمائی ہیں

وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَا مَعَ النَّاسِ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ

لیکن انسان سب چیزوں سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔ اور لوگوں کے پاس جب ہدایت آگئی تو ان کو کس چیز نے منع کیا

هُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ

کہ ایمان لائیں اور اپنے رب سے بخشش مانگیں بجز اس کے کہ (اس بات کے منتظر ہوں کہ)

﴿۱۲۵﴾ سُنَّةَ الْأُولَىٰ نَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۱۲۵﴾

انہیں بھی پہلوں کا سا معاملہ پیش آئے یا ان پر عذاب سامنے موجود ہو

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ

اور ہم جو پیغمبروں کو بھیجا کرتے ہیں تو صرف اس لئے کہ (لوگوں کو اللہ کی نعمتوں کی) خوشخبریاں سنائیں اور (عذاب سے) ڈرائیں

وَيَجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ

اور جو کافر ہیں وہ باطل (کی سند) سے جھگڑا کرتے ہیں تاکہ اس سے حق کو پھسلا دیں اور انہوں نے ہماری آیتوں کو

وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا ﴿۱۲۶﴾ لَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ

اور جس چیز سے ان کو ڈرایا جاتا ہے ہنسی بنا لیا، اور اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کے کلام سے سمجھایا گیا

بَايَتْ رَبَّهُ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ

تو اُس نے اس سے منہ پھیر لیا اور جو اعمال وہ آگے کر چکا اُس کو بھول گیا، ہم نے ان کے دلوں پر

اَكِنَّةً اَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدَى فَلَنْ يَهْتَدُوْا

پر دے ڈال دیئے کہ اُسے سمجھ نہ سکیں اور کانوں میں بوجھ (پیدا کر دیا ہے کہ سن نہ سکیں) اور اگر تم ان کو راستے کی طرف بلاؤ

اِذَا اَبَدًا ﴿٨﴾ لَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا

تو کبھی رستے پر نہ آئیں گے۔ اور تمہارا رب بخشنے والا رحمت والا ہے اگر وہ ان کے کرتوتوں پر ان کو پکڑنے لگے

لَعَجَلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهِ مَوْئِلًا ﴿٨﴾

تو ان پر جھٹ عذاب بھیج دے مگر ان کیلئے ایک وقت (مقرر کر رکھا) ہے کہ اُس کے عذاب سے کوئی پناہ کی جگہ نہ پائیں گے

وَتَلْكَ الْقُرَى اَهْلَكْنَهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿٩﴾

اور یہ بستیاں جب انہوں نے ظلم کیا تو ہم نے ان کو تباہ کر دیا اور ان کی تباہی کیلئے ایک وقت مقرر کر دیا تھا

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِفَتَاهُ لَا اَبْرَحُ حَتَّى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٩﴾

اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دریاؤں کے سنگم نہ پہنچ جاؤں ہٹے گا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں [8]

[8] اس واقعہ میں موسیٰ سے مراد مشہور پیغمبر موسیٰ بن عمران علیہ السلام ہیں، نوف بکالی نے جو دوسرے کسی موسیٰ کی طرف اس

واقعہ کو منسوب کیا ہے صحیح بخاری میں ابن عباس کی طرف سے اس پر سخت رد منقول ہے۔ اور فتی کے لفظی معنی نوجوان کے ہیں جب یہ

لفظ کسی خاص شخص کی طرف منسوب کر کے استعمال کیا جاتا ہے تو اس کا خادم مراد ہوتا ہے، کیونکہ خدمت گارا اکثر قوی جوان دیکھ

کر رکھا جاتا ہے جو ہر کام انجام دے سکے۔

اور نو کرو خادم کو جوان کے نام سے پکارنا اسلام کا حسن ادب ہے کہ نو کروں کو بھی غلام یا نو کر کہہ کر خطاب نہ کرو بلکہ اچھے

لقب سے پکارو۔ اس جگہ فتی کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے اس لئے مراد ہے موسیٰ علیہ السلام کے خادم۔ اور، روایات

حدیث میں ہے کہ یہ خادم یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے

بھانجے تھے۔ مگر اس میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا صحیح روایت سے اس کا نام یوشع بن نون ہونا تو ثابت ہے باقی اوصاف و حالات کا ثبوت نہیں (قرطبی)۔

مجمع البحرین کے لفظی معنی ہر وہ جگہ ہے جہاں دو دریا ملتے ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے مواقع دنیا میں بے شمار ہیں اس جگہ مجمع البحرین سے کونسی جگہ مراد ہے؟ چونکہ قرآن وحدیث میں اس کو معین طور پر نہیں بتلایا اس لئے آثار و قرائن کے اعتبار سے مفسرین کے اقوال اس میں مختلف ہیں۔ قتادہ نے فرمایا کہ بحیرہ فارس و روم کی ملنے کی جگہ مراد ہے۔ ابن عطیہ نے ازربائجان کے قریب ایک جگہ کو کہا ہے بعض نے بحر اردن اور بحر قلزم کے ملنے کی جگہ بتلائی ہے بعض نے کہا یہ مقام طبرہ میں واقع ہے۔

ابی بن کعب سے منقول ہے کہ یہ افریقہ میں ہے۔ سدی نے ارمینیا میں بتلایا ہے بعض نے بحر اندلس جہاں بحر محیط سے ملتا ہے وہ موقع بتلایا ہے واللہ اعلم۔

بہر حال اتنی بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ مقام معین کر کے بتلادیا تھا۔ جس کی طرف ان کا سفر واقع ہوا ہے۔ (قرطبی)۔

اس واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری، و مسلم تفسیر سورہ کہف: ۶۱/۱۱۲، میں بروایت ابی بن کعب اس طرح آئی ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے تو لوگوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کے علم میں اپنے سے زیادہ علم والا کوئی نہیں تھا اس لئے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ ”علم والا“ ہوں، اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بارگاہ انبیاء کو خاص تربیت دیتے ہیں اس لئے یہ بات پسند نہ آئی، بلکہ ادب کا متقاضی یہ تھا کہ اس کو اللہ کے علم کے حوالے کرتے یعنی یہ کہہ دیتے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں، کہ ساری مخلوق میں اللہ کون ہے؟ موسیٰ علیہ السلام کی اس جواب پر اللہ تعالیٰ کا عتاب ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین پر ہے وہ آپ سے زیادہ علم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو جب یہ معلوم ہوا تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ جب وہ مجھ سے زیادہ علم ہے تو مجھے ان سے استفادہ کے لئے سفر کرنا چاہئے اس لئے عرض کیا یا اللہ مجھے ان کا یہ نشان بتلادیا جائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایک مچھلی اپنی زنبیل میں رکھ لو اور مجمع البحرین کی طرف سفر کر لو، جس جگہ پہنچ کر یہ مچھلی گم ہو جائے بس وہی جگہ ہماری اس بندے کے ملنے کی ہے موسیٰ علیہ السلام نے حکم کے مطابق ایک مچھلی زنبیل میں رکھ لی اور چل دئے۔ ان کے ساتھ ان کے خادم یوشع بن نون بھی تھے۔ دوران سفر ایک پتھر کے پاس پہنچ کر اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے یہاں اچانک یہ مچھلی حرکت میں آگئی اور زنبیل سے نکل کر دریا میں چلی گئی اور مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلے جانے کے ساتھ ایک دوسرا جزیرہ یہ ہوا کہ جس راستہ سے مچھلی دریا میں گئی اللہ تعالیٰ نے وہاں پانی کا جریان روک دیا۔ اور اس جگہ پانی کے اندر ایک سرنگ جیسی ہوگئی، یوشع بن نون اس عجیب واقعہ کو دیکھ رہے تھے موسیٰ علیہ السلام

سو گئے تھے جب بیدار ہوئے تو یوشع بن نون مچھلی کا یہ عجیب معاملہ موسیٰ علیہ السلام سے بتلانا بھول گئے اور اس جگہ سے پھر روانہ ہو گئے، پورے ایک دن ایک رات کا مزید سفر کیا جب دوسرے روز کی صبح ہوئی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی رفیق سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ کیونکہ اس سفر سے کافی تکان ہو چکا ہے۔

رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ بقضائے الہی موسیٰ علیہ السلام کو اس سے پہلے تکان بھی محسوس نہیں ہوا یہاں تک کہ جس جگہ پہنچنا تھا اس سے آگے نکل آئے جب موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ طلب کیا تو یوشع بن نون کو مچھلی کا واقعہ یاد آیا اور اپنی بھول جانے کا عذر کیا، کہ شیطان نے مجھے بھلا دیا تھا کہ اس وقت آپ کو اس واقعہ کی اطلاع نہ کی اور پھر بتلایا کہ وہ مردہ مچھلی تو زندہ ہو کر دریا میں ایک عجیب طریقہ سے چلی گئی اس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہی تو ہمارا مقصد تھا (یعنی منزل مقصود وہی تھی جہاں مچھلی زندہ ہو کر گم ہو جائے)۔

چنانچہ اسی وقت واپس روانہ ہو گئے اور ٹھیک اسی راستہ سے لوٹے جس پر پہلے چلے تھے۔ تاکہ وہ جگہ مل جائے اب جو یہاں اس پتھر کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اس پتھر کے پاس ایک شخص سر سے پاؤں تک چادر تانے ہوئے لیٹا ہے موسیٰ علیہ السلام نے اسی حال میں سلام کیا تو خضر علیہ السلام نے کہاں کہ اس غیر آباد جنگل میں سلام کہا سے آگیا اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں تو خضر علیہ السلام نے سوال کیا کہ موسیٰ بنی اسرائیل؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں میں موسیٰ بنی اسرائیل ہوں۔ اس لئے آیا ہوں کہ آپ مجھے وہ خاص علم سکھلا دیں جو اللہ نے آپ کو دیا ہے۔ خضر علیہ السلام نے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے اے موسیٰ، میرے پاس ایک علم ہے جو اللہ نے مجھے دیا ہے۔ وہ آپ کے پاس نہیں اور ایک علم آپ کو دیا ہے جو میں نہیں جانتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے اور میں کسی کام میں آپ کی مخالفت نہیں کروں گا۔ خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر آپ میرے ساتھ چلنے ہی کو تیار ہیں تو کسی معاملہ کے متعلق مجھ سے کچھ پوچھنا نہیں جب تک کہ میں خود آپ کو اس کی حقیقت نہ بتلاؤں۔ یہ کہہ کر دونوں دریا کے کنارے کنارے چلنے لگے اتفاقاً ایک کشتی آگئی تو کشتی والوں سے کشتی پر سوار ہونے کی بات چیت کی ان لوگوں نے خضر علیہ السلام کو پہچان لیا اور ان سب لوگوں کو بغیر کسی کرایہ اور اجرت کے کشتی میں سوار کر لیا۔ کشتی میں سوار ہوتے ہی خضر علیہ السلام نے ایک کلباڑی کے ذریعہ کشتی کا ایک تختہ نکال ڈالا۔ موسیٰ علیہ السلام سے نہ رہا گیا کہنے لگے کہ ان لوگوں نے بغیر کسی معاوضہ کے ہمیں کشتی میں سوار کر لیا آپ نے اس کا یہ بدلہ دیا کہ ان کی کشتی تو ڈھالی کہ یہ سب غرق ہو جائیں یہ تو آپ نے بہت برا کام کیا۔

خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے، اس پر موسیٰ علیہ السلام نے عذر کیا کہ میں اپنا وعدہ بھول گیا تھا، اس بھول پر آپ سخت گیری نہ کریں، رسول اللہ ﷺ نے یہ واقعہ نقل کر کے فرمایا کہ موسیٰ =

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا

جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے تو اُس نے دریا میں سرنگ کی طرح اپنا رستہ بنا لیا

﴿۴۱﴾ لَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ إِنِّي جَدَاءٌ إِنَّا لَقَدُ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا

جب آگے چلے تو (موسیٰ نے) اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لئے کھانا لاؤ اس سفر سے ہمیں بہت تھکان ہو گئی ہے

= علیہ السلام کا پہلا اعتراض خضر علیہ السلام پر بھول سے ہوا تھا اور دوسرا بطور شرط کے اور تیسرا قصداً (اسی اثنا میں) ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر بیٹھ کر اس نے دریا میں سے ایک چوچ بھری پانی لیا خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا کہ میرا علم اور آپ کا علم دونوں مل کر بھی اللہ کے علم کے مقابلہ میں اتنی حیثیت بھی نہیں رکھتی جتنی اس چڑیا کی چوچ کے پانی کو اس سمندر کے ساتھ ہے۔

پھر کشتی سے اتر کر دریا کے ساحل پر چلنے لگے، اچانک خضر علیہ السلام نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ دوسرے لڑکوں میں کھیل رہا ہے، خضر علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے اس لڑکے کا سر اس کے بدن سے الگ کر دیا، لڑکا مر گیا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ آپ نے ایک معصوم جان کو بغیر کسی جرم کے قتل کر دیا، یہ تو آپ نے بڑا ہی گناہ کیا، خضر علیہ السلام نے کہا کہ میں نے پہلے ہی نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے، موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ معاملہ پہلے سے زیادہ سخت ہے، اس لئے کہا کہ اگر اس کے بعد میں نے آپ سے کوئی بات پوچھی تو آپ مجھے اپنے ساتھ سے الگ کر دیجئے آپ میری طرف سے عذر کی حد پر پہنچ چکے ہیں۔

اس کے بعد پھر چلنا شروع کیا، یہاں تک کہ ایک گاؤں پر گزر ہوا، انہوں نے گاؤں والوں سے درخواست کی کہ ہمیں اپنے یہاں مہمان رکھ لیجئے، انہوں نے انکار کر دیا، اس بستی میں ان لوگوں نے ایک دیوار کو دیکھا کہ گر چا ہتی ہے، خضر علیہ السلام نے اس کو اپنے ہاتھ سے سیدھا کھڑا کر دیا، موسیٰ علیہ السلام نے تعجب سے کہا کہ ہم نے ان لوگوں سے مہمانی چاہی تو انہوں نے انکار کر دیا، آپ نے اتنا بڑا کام کر دیا، اگر آپ چاہتے تو اس کام کی اجرت ان سے لے سکتے تھے، خضر علیہ السلام نے کہا کہ: هذا فراق بینی وبينک (یعنی اب شرط پوری ہو چکی، اس لئے ہماری اور آپ کی مفارقت کا وقت آ گیا ہے)۔

اس کے بعد خضر علیہ السلام نے تینوں واقعات کی حقیقت موسیٰ علیہ السلام کو بتلا کر کہا: ذالک تأویل ما لم تسطع علیہ صبراً: یعنی یہ ہے حقیقت ان واقعات کی جن پر آپ سے صبر نہیں ہو سکا، رسول اللہ ﷺ نے یہ پورا واقعہ ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ جی چاہتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور کچھ صبر کر لیتے تو ان دونوں کی اور کچھ خبریں معلوم ہو جاتیں (آئنی)۔

﴿۴۴﴾ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ

(اس نے) کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی وہیں بھول گیا

﴿۴۳﴾ وَمَا أَنَسَانِيهِ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿۴۳﴾

اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اُس نے عجب طرح سے دریا میں اپنا رستہ لیا

﴿۴۴﴾ قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْغُ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۴۴﴾

(موسیٰ نے) کہا یہ تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے

﴿۴۵﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا

(وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت)

﴿۴۵﴾ وَعَلَّمْنَاهُ مِمَّنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۴۵﴾ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ

دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشا تھا۔ موسیٰ نے اُن سے کہا کہ جو علم (اللہ کی طرف [9]

[9] قرآن کریم میں اگرچہ صاحب واقعہ کا نام مذکور نہیں بلکہ عبد امن عبادنا کہا گیا مگر صحیح بخاری کی حدیث میں ان

کا نام خضر علیہ السلام بتلایا گیا ہے، خضر کے لفظی معنی ہرے بھرے کے ہیں، ان کا نام خضر ہونے کی وجہ عام مفسرین نے یہ

بتلانی ہے کہ یہ جس جگہ بیٹھ جاتے تو کیسی ہی زمین ہو وہاں گھاس اُگ جاتی، اور زمین سرسبز ہو جاتی تھی، قرآن کریم نے یہ

بھی واضح نہیں کیا کہ خضر علیہ السلام کوئی پیغمبر تھے یا اولیاء اللہ میں سے کوئی فرد تھے۔ لیکن جمہور علماء کے نزدیک ان کا نبی

ہونا خود قرآن کریم میں ذکر کئے ہوئے واقعات سے ثابت ہے کیونکہ خضر علیہ السلام سے اس سفر میں جتنے واقعات ثابت

ہیں ان میں سے بعض تو قطعی طور پر خلاف شرع ہیں اور حکم شریعت سے کوئی استثنا، مجروحی الہی کے ہونے سے ہو سکتا جو نبی

اور پیغمبر ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

ولی کو بھی کشف یا الہام سے کچھ چیزیں معلوم ہو سکتی ہیں مگر وہ کوئی حجت نہیں ہوتی ان کی بناء پر ظاہر شریعت کے

کسی حکم کو بدل نہیں جاسکتا۔ اس لئے یہ متعین ہو جاتا ہے کہ خضر علیہ السلام، اللہ کے نبی اور پیغمبر تھے۔ ان کو بذریعہ وحی =

عَلَىٰ أَنْ تَعْلَمَنَ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿٤٤﴾ قَالَ إِنَّكَ لَنْ

(سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کیساتھ رہوں

تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿٤٥﴾ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ﴿٤٨﴾

کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے۔ اور جس بات کی تمہیں خبر ہی نہیں اس پر صبر بھی کیونکر کر سکتے ہو

قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ﴿٤٩﴾ قَالَ فَإِنِ

(موسیٰ نے) کہا اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا۔ کہا

اتَّبِعْنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿٥٠﴾

کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں

= الہی بعض خاص احکام وہ دیئے گئے تھے جو ظاہر شریعت کے خلاف تھے، انہوں نے جو کچھ کیا۔ اس استثنائی حکم کے ماتحت کیا خود ان کی طرف سے اس کا اظہار بھی قرآن کے اس جملے میں ہو گیا و ما فعلتہ عن امری یعنی میں نے جو کچھ کیا اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ امر الہی سے کیا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور امت کے نزدیک حضرت علیہ السلام بھی ایک نبی اور پیغمبر ہے مگر ان کی کچھ تکوینی خدمتیں من جانب اللہ سپرد کی گئی تھیں۔ انہی کا علم دیا گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو اس کی اطلاع نہ تھی اس لئے اس پر اعتراض کیا۔ تفسیر قرطبی، بحر محیط، ابو حیان اور اکثر تفاسیر میں یہ مضمون بعنوانات مختلفہ مذکور ہے۔ یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ بہت سے جاہل غلط کار تصوف کو بدنام کرنے والے صوفی جو کہنے لگے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور ہے بہت سی چیزیں شریعت میں حرام ہوتی ہے مگر طریقت میں جائز ہیں اس لئے کسی ولی کو صریح گناہ کبیرہ میں مبتلا دیکھ کر بھی اس پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا یہ کھلا ہوا زندقہ اور باطل ہے۔

حضرت علیہ السلام پر کسی دنیا کے ولی کو قیاس نہیں کیا جاسکتا اور نہ ظاہر شریعت کے خلاف اس کے کسی فعل کو جائز کہا جاسکتا ہے۔

فَانُطَلِقَا حَتَّىٰ إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا قَالَ

تو دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (خضر نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ کیا

أَخْرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ﴿۱۰﴾ قَالَ أَلَمْ يَأْمُرْ

آپ نے اس کو اس لئے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دیں؟ یہ تو آپ نے بڑی (عجیب) بات کی۔ (خضر نے) کہا

أَقُلُّ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۱۱﴾ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ

کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے؟ (موسیٰ نے) کہا کہ جو بھول مجھ سے ہوئی اس پر مواخذہ نہ کیجئے

وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ﴿۱۲﴾ فَانُطَلِقَا حَتَّىٰ إِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ

اور میرے معاملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (خضر نے) اسے مار ڈالا

﴿۱۰﴾ قَالَ أَقْتَلْتَنِي نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ﴿۱۱﴾

(موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا (یہ تو) آپ نے بڑی بات کی [10]

[10] ابن ابی شیبہ نے ۷۸۱/۵۷۸ [محقق] میں ابن عباس کا یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ نجدہ حروری (خارجی) نے ابن عباسؓ

کو خط لکھا کہ خضر علیہ السلام نے لڑکے نابالغ کو کیسے قتل کر دیا؟ جبکہ نبی کریم ﷺ نے نابالغ کو قتل کرنے سے منع فرمایا ابن

عباسؓ نے جواب میں لکھا کہ اگر کسی بچے کے متعلق تمہیں وہ علم حاصل ہو جائے جو موسیٰ علیہ السلام کے عالم یعنی خضر علیہ

السلام کو حاصل ہوا تھا تو تمہارے لئے بھی نابالغ کا قتل جائز ہو جائے گا۔

مطلب یہ تھا کہ خضر علیہ السلام کو تو بذریعہ وحی نبوت اس کا علم ہوا تھا وہ اب کسی کو نہیں ہو سکتا کیونکہ نبوت ختم ہو چکی

ہے آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ جس کو بذریعہ وحی اس قسم کے واقعات کے متعلق کسی حکم الہی سے کسی خاص شخص

کو مستثنیٰ کرنے کا علم ہو سکے۔

اس واقعہ سے بھی یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ کسی شخص کو کسی حکم شرعی سے مستثنیٰ قرار دینے کا نبی، صاحب وحی، کے

سوا کسی کو حق نہیں۔

﴿۴۳﴾ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۴۳﴾

(خضر نے) کہا کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے؟

﴿۴۴﴾ قَالَ إِنْ سَأَلْتِكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي

انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھے گا

عُدْرًا ﴿۴۴﴾ فَإِن طَلَقَا حَتَّىٰ إِذَا آتَىٰ أَهْلَ قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا أَهْلَهَا

کہ آپ میری طرف سے عذر کو پہنچ گئے۔ پھر دونوں چلے یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا

فَأَبَوْا أَنْ يُضَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقُصَ

انہوں نے ان کی ضیافت کرنے سے انکار کر دیا پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (جھک کر) گرا چاہتی تھی

﴿۴۵﴾ فَأَقَامَهُ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ﴿۴۵﴾

خضر نے اس کو سیدھا کر دیا موسیٰ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تا کہ کھانے کا کام چلنا)

﴿۴۶﴾ قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا

خضر نے کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی آ رہی ہے (مگر) جن باتوں پر تم صبر نہ کر سکتے تھے میں تمہیں ان کا حال بتائے دیتا ہوں

﴿۴۷﴾ أَلَمْ يَكُنْ السَّفِينَةَ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ

(کہ وہ جو) کشتی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں محنت (کر کے یعنی کشتیاں چلا کر گزارہ) کرتے تھے

﴿۴۸﴾ فَأَرَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ﴿۴۸﴾

اور ان کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک (صحیح سالم) کشتی کو زبردستی چھین لیتا تھا

وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ

تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں (تا کہ وہ اسے غصب نہ کر سکے) اور وہ جوڑا کا تھا اس کے ماں باپ دونوں مومن تھے

فَخَشِينَا أَنْ يُرْهَقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴿٨٠﴾

ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر جو بدکردار ہوگا کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پھنسا دے۔

فَارْتَدْنَا أَنْ يُبَدِّلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رَحْمًا ﴿٨١﴾

تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار اس کی جگہ ان کو اور (بچہ) عطا فرمائے جو پاک اور محبت میں زیادہ قریب ہو

وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا

اور وہ جو دیوار تھی سو وہ یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں (رہتے تھے) اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدون) تھا

وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا

اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور (پھر) اپنا خزانہ نکالیں

كُنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ

یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کئے یہ ان باتوں

تَسْطَعُ عَلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ يُسْأَلُونَكَ عَنِ الْقَرْنَيْنِ قُلْ

کا راز ہے جن پر تم صبر نہ کر سکتے اور تم سے ذوالقرنین کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو [11]

[11] قرآن کریم میں جو واقعہ خضر علیہ السلام کا مذکور ہے اس کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے کہ خضر علیہ السلام اس

واقعہ کے بعد وفات پاگئے یا زندہ رہے، اسی لئے قرآن و سنت میں اس کے متعلق کوئی صریح بات مذکور نہیں بعض روایات

و آثار سے ان کا اب تک زندہ ہونا معلوم ہوتا ہے، بعض روایات سے اس کے خلاف مستفاد ہوتا ہے، اسی لئے اس معاملے

میں ہمیشہ سے علماء کی رائیں مختلف رہی ہیں جو لوگ ان کی حیات کے قائل ہیں ان کا استدلال ایک تو اس روایت سے ہے

جس کو حاکم نے مستدرک نے ۶۰۵: ۳ میں انسؓ سے نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ایک شخص سیاہ

سفید داڑھی والے داخل ہوئے اور لوگوں کے مجمع کو چیرتے پھاڑتے اندر پہنچے اور رونے لگے پھر صحابہ کرام کی طرف متوجہ

ہو کر یہ کلمات کہے:

ان فی اللہ عزاءً من کل مصیبة و عوضاً من کل نائب و خلفاً من کل هالک فالی اللہ فانیبوا والیہ فارغبوا فان المحروم من حرم الثواب: یعنی اللہ کی بارگاہ میں صبر ہی ہر مصیبت سے، اور بدلہ ہی ہر فوت ہونے والے چیز کا، اور وہی قائم مقام ہے ہر ہلاک ہونے والے کا۔ اس لئے اسی کی طرف رجوع کرو، اسی کی طرف رغبت کرو، کیونکہ محروم وہ شخص ہے جو مصیبت کے ثواب سے محروم ہو جائے یہ کلمات مذکورہ کہہ کر رخصت ہو گیا تو ابو بکرؓ اور علیؓ نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے اس روایت کو جزری نے حصن حصین میں بھی نقل کیا ہے جن کی شرط یہ ہے کہ صرف صحیح السند روایات اس میں درج کرتے ہیں۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حاکم لکھتا ہے کہ اس میں عباد بن عبد الصمد ہے اور وہ ہماری کتاب کی شرط میں سے نہیں اور پیشی نے مجمع الزوائد ۳/۳۳۷ میں اس کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے: کہ اس میں عباد ہے جو کہ امام بخاری وغیرہ نے ضعیف اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے۔ تو جزری کی نقل کرنا اس کے مقابلہ میں کوئی وزن نہیں رکھتا۔

اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ دجال مدینہ طیبہ کی قریب ایک جگہ تک پہنچے گا تو مدینہ سے ایک شخص اس کے مقابلے کے لئے نکلے گا۔ جو اس زمانے کے سب انسانوں میں بہتر ہو گا یا بہتر لوگوں میں سے ہو گا ابواسحاق نے فرمایا کہ یہ شخص خضر علیہ السلام ہونگے (قرطبی)۔ اور ابن ابی الدنیانے کتاب البواتف [۲۹۶/۲] میں منقطع سند کے ساتھ نقل کیا ہے کہ علیؓ نے خضر علیہ السلام سے ملاقات کی تو خضر علیہ السلام نے ان کو ایک دعا بتلائی کہ جو اس کو ہر نماز کے بعد پڑھا کرے اس کے لئے ثواب عظیم اور مغفرت ہے۔ وہ دعا یہ ہے:

یا من لا یشغلہ سمع عن سمع و یا من لا تغلظہ المسائل و یا من لا یرم من الحاح الملحین اذقی بر دعفوک و حلاوة مغفرتک .

یعنی اے وہ ذات جس کو ایک کلام کا سنا دوسرے کلام کے سننے سے مانع نہیں ہوتا اور اے وہ ذات جس کو بیک وقت ہونے والے سوالات میں کوئی مغالطہ نہیں لگتا۔ اور وہ ذات جو دعا میں الحاح و اصرار کرنے اور بار بار کہنے سے ملول نہیں ہوتا۔ مجھے اپنے غم و کرم کا ذائقہ چکھاد دیجئے اور اپنی مغفرت کی حلاوت نصیب فرمادئے۔ جبکہ اس کی سند میں محمد بن الحسن الہمدانی ہے میزان: ۲۸۸/۲، میں امام ذہبی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور پھر اسی کتاب میں بعینہ یہی واقعہ اور یہی دعا اور خضر علیہ السلام سے ملاقات کا واقعہ فاروق اعظم سے بھی نقل کیا ہے۔ اسی طرح اولیائے امت میں خضر علیہ

السلام کے بے شمار واقعات منقول ہیں۔

اور جو لوگ خضر علیہ السلام کی حیات کو تسلیم نہیں کرتے ان کا بڑا استدلال اس حدیث سے ہے جو صحیح مسلم میں عبداللہ بن عمر سے منقول ہے: رقم ۲۵۳۹، وترمذی ۲۲۵۰، وہ فرماتے ہیں: کہ ایک رات رسول پاک ﷺ نے ہمیں عشاء کی نماز اپنی آخری حیات میں پڑھائی سلام پھیرنے کے بعد آپ کھڑے ہو گئے اور یہ کلمات ارشاد فرمائی:

”ارایتکم لیلتکم هذه فان علی رأس مائة سنة منها لا یبقی ممن هو علی ظهر الارض احد“ کیا تم اپنی آج کی رات کو دیکھ رہے ہو اس رات سے سو سال گزرنے پر کوئی شخص ان میں سے زندہ نہ رہے گا، جو آج زمین کے اوپر ہے۔ عبداللہ بن عمر نے یہ روایت نقل کر کے فرمایا کہ اس روایت کے بارے میں لوگ مختلف باتیں کرتے ہیں: مگر رسول اللہ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ سو سال پر یہ قرن ختم ہو جائے گا۔ یہ روایت مسلم میں جابر بن عبداللہ سے بھی تقریباً انہی الفاظ کے ساتھ منقول ہے۔

امام قرطبی وغیرہ کا یہ قول کہ اس سے مراد ارض عرب ہے پوری زمین نہیں جیسا کہ یا جوج و ما جوج یا عیسیٰ علیہ السلام اس سے مستثنیٰ ہے تو یہ قول صحیح نہیں کیونکہ مذکورہ اشخاص کا استثناء صحیح روایات میں مذکور ہے جبکہ خضر علیہ السلام کے متعلق صحیح حدیث نہیں۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر خضر علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں موجود ہوتے تو ان پر لازم تھا کہ رسول پاک ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کے تابع ہو کر اسلامی خدمات میں مشغول ہوتے کیونکہ حدیث میں ارشاد ہے:

عن جابر رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ حین اتاه عمر رضی اللہ عنہ فقال: انانسمع احادیث من یہود و تنعجبنا افتری ان نکتب بعضها فقال امتھو کون انتم تھوکت الیھود و النصراری؟ القد جنتکم بہا بیضاء نقیة ولو کان موسیٰ حیاء ما وسعہ الا اتباعی رواہ احمد: ۳/۳۸۷، و الدارمی: ۴۴۱، و البیہقی: ۳۸۱/۳۸۷، فی الشعب۔ یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میرا ہی اتباع کرنا پڑتا کیونکہ میرے آنے سے دین موسویٰ منسوخ ہو چکا ہے۔

ان کی تیسری دلیل یہ آیت کریمہ ہے: وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّن قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنَّ مَثَّ فَهْمُ الْخُلْدُونَ. انبیاء: ۳۴۔

اس آیت سے استدلال اس طریقے سے ہے کہ اگر خضر علیہ السلام انسان ہو تو ضرور اس آیت کی عموم میں داخل ہے اور آیت سے اس کی تخصیص صحیح نہیں مگر دلیل صحیح سے جبکہ اصل عدم ہے اور صحیح دلیل تخصیص کے لئے معصوم سے ثابت نہیں۔

چوتھی دلیل سورۃ العنبران: ۸۱ ہے، جو کہ بمعہ تفسیر پہلے گزر چکی ہے۔

پانچویں دلیل بخاری کی وہ لمبی روایت ہے جو کہ عبداللہ بن عباس سے رقم ۳۴۰۱ میں نقل کیا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں قال النبی ﷺ یرحم اللہ موسیٰ لو کان صبر یقص علینا من امر ہما، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے اگر صبر کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کے اور اسرار بھی ہم پر بیان فرماتا۔ اس سے طریقہ استدلال یہ ہے کہ اگر خضر علیہ السلام حیاۃ اور موجود ہوتے تو اس تمنا کی ضرورت نہ ہوتی اور آپ ﷺ اس کو حاضر کرتے اور عجائب مشافہتہ دیکھتے۔

چھٹی دلیل یہ حدیث ہے جو کہ عمرؓ سے منقول ہے قال نظر نبی اللہ ﷺ الی المشرکین وهم الف واصحابہ ثلاثمائة وبضعة عشر رجلا فاستقبل نبی اللہ ﷺ القبلة، ثم مد یدیه وجعل یتفت بربہ اللہم انجز لی ما وعدتہ اللہم اتنی ما وعدتہ اللہم ان تہلک ہذہ العصابة من اهل الاسلام لاتعبد فی الارض فما زال یتفت بربہ ما دایدیه مستقبل القبلة حتی سقط رداہ من منکبہ [مسلم: ۱۳۸۳/۳، ترمذی: رقم: ۳۰۸۱]۔

عمر بن الخطابؓ سے روایت ہے، کہا، رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کی طرف نظر کی اور وہ ہزار تھے اور آپ کے اصحاب تین سو اور چند آدمی تو نبی ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کیا اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے اور اللہ تعالیٰ کو پکارنے لگے کہ اے اللہ! پورا کر دے وہ وعدہ جو تو نے مجھ سے کیا ہے یعنی ظفر کا وعدہ، یا اللہ اگر ہلاک کر دے گا تو اس جماعت کو مسلمانوں سے تو زمین میں تیری عبادت نہ کی جاوے گی۔ پھر اسی طرح پکارتے رہے اپنے رب کو دونوں ہاتھ پھیلائے قبلہ کی طرف منہ کیے ہوئے یہاں تک کہ گرگی چادر مبارک آپ کے کندھوں سے۔ ابن کثیر نے اس حدیث سے استدلال کچھ یوں کیا ہے: ومعلوم ان الخضر لم ینقل بسند صحیح حسن تسکن النفس

الیہ انہ اجتمع برسول اللہ ﷺ فی یوم واحد، ولم يشهد معه قتالا فی مشهد من المشاهد وهذا یوم بدر، یقول الصادق المصدوق، فیما دعا به لربه عزوجل، واستنصره واستفتحہ علی من کفر، اللهم ان تهلك هذه العصابة لاتعبد بعدها فی الارض، وتلك العصابة كان تحتها سادة المسلمين یومئذ وسادة الملائكة حتی جبریل علیہ السلام كما قال حسان بن ثابت فی قصیده له فی بیت یقال انه افخر بیت قالته العرب،

و بشر بدر اذ یرد وجوههم جبریل تحت لوائنا ومحمد۔

فلو كان الخضر حیا لكان وقوفه تحت هذه الراية اشرف مقاماته

حاصل کلام یہ ہے کہ خضر علیہ السلام کمالا قات رسول اللہ ﷺ سے صحیح روایات کی بنا پر ثابت نہیں۔ جبکہ بدر میں بھی نہ تھے۔

ساتویں دلیل: یہ حدیث ہے جو کہ امام بخاری نے جابر سے نقل کیا ہے کہ: قال لنا رسول اللہ ﷺ یوم الحديبيه انتم خير اهل الارض وكنالفا واربعمأة، ولو كنت ابصر اليوم لاريتكم مكان الشجرة. (رقم الحديث: ۴۱۵۴).

یعنی رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے موقع پر ہم سے فرمایا تھا: کہ تم تمام روئے زمین پر رہنے والوں سے بہتر ہو۔ اور اس وقت ہماری تعداد چودہ سو (۱۴۰۰) تھی۔ اور اگر میں بینا ہوتا تو اس درخت کی جگہ میں تمہیں دکھا دیتا۔ اس حدیث کی تشریح میں ابن حجر، فتح الباری: ۵۰۸/۷، میں لکھتا ہے:

واستدل به ايضا على ان الحضرة ليس بحی لانه لو كان حيا مع ثبوت كونه نبيا للزم تفضيل غير النبي على النبي وهو باطل فدل على انه ليس بحی حينئذ۔

خضر علیہ السلام کی موت کے ثبوت میں بعض علماء اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس طریقے سے کہ اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے (باوجود اس کے کہ وہ نبی ہے) تو اس سے یہ لازم آتا کہ غیر نبی، نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ اس وقت زندہ نہیں تھے۔

اور جو حدیث ابن عدی نے کامل: ۱۹۶/۷، اور امام بیہقی نے دلائل البیوۃ: ۴۲۳/۵، میں نقل کیا ہے کہ:

حدثنا محمد بن يوسف بن عاصم البخاری، ثنا احمد بن اسماعیل القرشی ثنا عبد الله بن نافع عن كثير بن عبد الله عن ابيه عن جده أن رسول الله ﷺ كان في المسجد فسمع كلاما من ورائه فاذا هو بقائل يقول اللهم اعني على ما ينجيني مما خوفتني فقال رسول الله ﷺ حين سمع ذلك ، الا تضم اليها اختها فقال الرجل اللهم ارزقني شوقا الصادقين الى ماشوقتهم اليه فقال رسول الله ﷺ لانس ابن مالک و كان معه ، اذهب يا انس اليه ، فقل له يقول لك رسول الله ﷺ استغفر لي ، فجاءه انس فبلغه فقال الرجل يا انس أنت رسول رسول الله ﷺ اليّ فقال كما انت فرجع فاستثبته فقال رسول الله ﷺ قل له نعم فقال له اذهب فقل له ان الله فضلك على الانبياء بمثل ما فضل به رمضان على الشهور ، وفضل امتك على الامم بمثل ما فضل به يوم الجمعة على سائر الايام فذهبوا ينظرون فاذا هو الخضر عليه السلام ، تو یہ صحیح نہیں اس کی سند میں کثیر بن عبد اللہ ہے خود ابن عدی اس کے متعلق لکھتا ہے: منکر الحدیث لیس بششی اور یہ روایت ابن جوزی نے موضوعات: ۱۹۳/۱، میں ذکر کیا ہے۔ تفسیر جواہر القرآن میں ہے کہ امام ابن تیمیہ نے فرمایا، کہ اگر خضر علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان پر فرض تھا کہ وہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ سے علم قرآن حاصل کرتے اور آپ کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتے۔ اسی طرح امام ابراہیم بن اسحاق حربی، امام شرف الدین محمد بن ابی الفضل مرسی، امام علی بن موسیٰ رضا اور ابو الحسن بن المنادی رحمہم اللہ سے یہی منقول ہے کہ خضر علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں (روح المعانی) رہی یہ بات کہ بہت سے اولیاء اللہ کو خضر علیہ السلام کی حالت بیداری میں زیارت نصیب ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے ان کی حیات پر استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ جیسا کہ بعض کالمین اور محققین صوفیاء نے فرمایا ہے خضر علیہ السلام کی زیارت عالم دنیا کی چیز نہیں بلکہ اس کا تعلق عالم امثال سے ہے یعنی خضر علیہ السلام کی مثالی صورت بعض کالمین کو بیداری کی حالت میں نظر آتی ہے چنانچہ شیخ صدر الدین اسحاق تونوی اپنی کتاب تبصرۃ المبتدی =

سَاتَلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۱۳﴾ إِنَّا مَكْنَالُهُ فِي الْأَرْضِ

کہ میں اس کا کسی قدر حال تمہیں پڑھ کر سناتا ہوں۔ [12] ہم نے اس کو زمین میں بڑی دسترس دی تھی

= و تذکرۃ المنتہی، میں فرماتے ہیں، ان وجود الخضر علیہ السلام فی عالم المثال (روح المعانی) ابو حیان نے مختلف واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: و الجمهور علی انه مات. معارف القرآن میں ہے کہ یہ بات میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ خضر علیہ السلام کی موت و حیات سے ہمارا کوئی اعتقادی یا عملی مسئلہ متعلق نہیں اسی لئے قرآن و سنت میں اس کے متعلق کوئی صراحت و وضاحت نہیں کی گئی اس لئے اس میں زیادہ بحث و تہیص کی بھی ضرورت نہیں، نہ کسی ایک جانب کا یقین رکھنا ہمارے لئے ضروری ہے، لیکن چونکہ مسئلہ عوام میں چلا ہوا ہے اس لئے مذکورۃ الصدر تفصیلات نقل کر دی گئی ہیں۔ مزید تفصیل ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ: ۲۶۵/۲، اور ابن جوزی نے المنتظم: ۳۶۱/۱، میں ذکر کیا ہے۔ (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)۔

[12] یعنی وہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں یہ لوگ سوال کرنے والے کون ہیں روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قریش مکہ تھے جن کو یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور حقانیت کا امتحان کرنے کے لئے تین سوال بتلائے تھے، روح کے متعلق اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے بارے میں ان میں دو کا جواب آچکا ہے اصحاب کہف کا قصہ ابھی گذرا ہے۔ اور روح کا سوال پچھلی سورۃ کے آخر میں گذر چکا ہے یہ تیسرا سوال ہے کہ ذوالقرنین کون تھا اور اس کو کیا حالات پیش آئے (بحر محیط)۔

ذوالقرنین کا نام ذوالقرنین کیوں ہوا اس کی وجہ میں بے شمار اقوال اور سخت اختلافات ہیں۔ بعض نے کہا کہ ان کی دو زلفیں تھیں اس لئے ذوالقرنین کہلائے بعض نے کہا کہ مشرق و مغرب کے ممالک پر حکمران ہوئے اس لئے ذوالقرنین نام رکھا گیا کسی نے یہ بھی کہا کہ ان کے سر پر کچھ ایسے نشانات تھے جیسے سینگ کے ہوتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ ان کے سر پر دونوں جانب چوٹ کے نشانات تھے اس لئے ذوالقرنین کہا گیا واللہ اعلم، مگر اتنی بات متعین ہے کہ قرآن نے خود ان کا نام ذوالقرنین نہیں رکھا بلکہ یہ نام یہود نے بتلایا ان کے یہاں اس نام سے ان کی شہرت ہوگئی واقعہ ذوالقرنین کا جتنا حصہ قرآن کریم نے بتلایا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ:-

وہ ایک صالح عادل بادشاہ تھے جو مشرق و مغرب میں پہنچے اور ان کے ممالک کو فتح کیا اور ان میں عدل و انصاف کی حکمرانی کی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ہر طرح کے سامان اپنے مقاصد پورا کرنے کے لئے عطا کر دیئے گئے تھے۔ انہوں نے فتوحات کرتے ہوئے تین اطراف میں سفر کئے، مغرب اقصیٰ تک اور مشرق اقصیٰ تک پھر جانب شمال میں کوہستانی سلسلے تک، اسی جگہ انہوں نے دو پہاڑوں کے درمیانی درے کو ایک عظیم الشان آہنی دیوار کے ذریعہ بند کر دیا جس سے یا جوج و ما جوج کی تاخت و تاراج سے اس علاقے کے لوگ محفوظ ہو گئے۔

یہود نے جو سوال رسول اللہ ﷺ کی حقانیت اور نبوت کا امتحان کرنے کے لئے پیش کیا تھا وہ اس جواب سے مطمئن ہو گئے انہوں نے مزید یہ سوالات نہیں کئے، کہ ان کا نام ذوالقرنین کیوں تھا، یہ کس ملک میں اور کس زمانے میں تھے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سوالات کو خود یہود نے بھی غیر ضروری اور فضول سمجھا، اور یہ ظاہر ہے کہ قرآن کریم تاریخ و قصص کا صرف اتنا حصہ ذکر کرتا ہے جس سے کوئی فائدہ دین یا دنیا کا متعلق ہو، یا جس پر کسی ضروری چیز کا سمجھنا موقوف ہو، اس لئے نہ قرآن کریم نے ان چیزوں کو بتلایا اور نہ کسی صحیح حدیث میں اس کی یہ تفصیلات بیان کی گئیں، اور نہ قرآن مجید کی کسی آیت کا سمجھنا ان چیزوں کے علم پر موقوف ہے، اسی لئے سلف صالحین، صحابہ کرام و تابعین نے بھی اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی،

اب معاملہ صرف تاریخی روایات کا یا موجودہ تورات و انجیل کو بھی مسلسل تحریفات نے ایک اسمانی کتاب کی حیثیت میں نہیں چھوڑا، ان کا مقام بھی اب زیادہ سے زیادہ ایک تاریخ ہی کا ہو سکتا ہے اور زمانہ قدیم کی تاریخی روایات زیادہ تر اسرائیلی قصوں کہانیوں سے ہی پر ہیں۔ جن کی نہ کوئی سند ہے اور نہ وہ کسی زمانے کے عقلا و حکماء کے نزدیک قابل اعتماد پائی گئی ہیں۔ مفسرین نے بھی اس معاملہ میں جو کچھ لکھا ہے، وہ سب انہی تاریخی روایات کا مجموعہ ہے اس لئے ان میں اختلاف بے شمار ہیں۔ اہل یورپ نے اس زمانے میں تاریخ کو بڑی اہمیت دی اس پر تحقیق و تفتیش میں بلاشبہ بڑی محنت و کاوش سے کام لیا آثار قدیمہ کی کھدائی اور وہاں کے کتبات وغیرہ کو جمع کر کے ان کے ذریعہ قدیم واقعات کی حقیقت تک پہنچنے میں وہ کام انجام دئے جو اس سے پہلے زمانہ میں نظر نہیں آتے۔ لیکن آثار قدیمہ اور ان کے کتبات سے کسی واقعہ کے سمجھنے میں مدد تو مل سکتی ہے مگر خود ان سے کوئی واقعہ پورا نہیں پڑھا جاسکتا۔ اس کے لئے تاریخی روایات ہی بنیاد بن گئی ہیں۔ اور ان معاملات میں زمانہ قدیم کی تاریخی روایات کا حال ابھی معلوم ہو چکا ہے کہ ایک کہانی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ قدیم و جدید علماء تفسیر نے بھی اپنے کتابوں میں یہ روایات ایک تاریخی حیثیت ہی سے نقل کی ہے جن کی صحت پر کوئی

قرآنی مقصد موقوف نہیں یہاں بھی اسی حیثیت سے بقدر ضرورت لکھا جاتا ہے۔

اس واقعہ کی پوری تفتیش و تحقیق مولانا حفظ الرحمن نے اپنی کتاب: قصص القرآن میں لکھی ہے تاریخی ذوق رکھنے والے اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ پورے دنیا پر سلطنت و حکومت کرنے والے چار بادشاہ ہوئے ہیں دو مومن اور دو کافر۔

مومن بادشاہ سلیمان علیہ السلام اور ذو القرنین ہیں اور کافر نمرود اور بخت نصر ہیں۔ ذو القرنین کے معاملہ میں یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس نام سے دنیا میں متعدد آدمی مشہور ہوئے ہیں اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہر زمانے کے ذی القرنین کے ساتھ لقب سکندر بھی شامل ہے۔

مسیح علیہ السلام سے تقریباً تین سو سال پہلے ایک بادشاہ سکندر کے نام سے معروف و مشہور ہے جس کو سکندر یونانی، مقدونی رومی وغیرہ کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے جس کا وزیر اسطو تھا جس کی جنگ، دارا، سے ہوئی اور اسے قتل کر کے اس کا ملک فتح کیا۔ سکندر کے نام سے دنیا میں معروف ہونے والا آخری شخص یہی تھا اسی کے قصے دنیا میں زیادہ مشہور ہیں بعض لوگوں نے اس کو بھی قرآن میں مذکور ذو القرنین کہہ دیا، یہ سراسر غلط ہے۔ کیونکہ یہ شخص آتش پرست مشرک تھا قرآن کریم نے جس ذو القرنین کا ذکر کیا ہے ان کے نبی ہونے میں تو علماء کا اختلاف ہے مگر مومن صالح ہونے پر سب کا اتفاق ہے۔ اور خود قرآن کی نصوص اس پر شاہد ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں بحوالہ ابن عساکر اس کا پورا نسب نامہ لکھا ہے جو اوپر جا کر ابراہیم علیہ السلام سے ملتا ہے۔ اور فرمایا کہ یہی وہ سکندر ہے جو یونانی مصری مقدونی کے ناموں سے معروف ہے جس نے اپنے نام پر شہر اسکندریہ آباد کیا اور روم کی تاریخ اسی کے زمانے سے چلتی ہے اور یہ سکندر ذو القرنین اول سے ایک طویل زمانے کے بعد ہوا ہے۔

جو دو ہزار سال سے زائد بتلایا جاتا ہے اسی نے دارا کو قتل کیا اور شاہان فارس کو مغلوب کر کے انکا ملک فتح کیا۔ مگر یہ شخص مشرک تھا اس کو قرآن میں مذکور ذو القرنین قرار دینا سراسر غلطی ہے۔ ابن کثیر کے اپنے الفاظ یہ ہیں:

فاما ذو القرنین الثانی فهو اسکندر بن فیلبس بن مصریح بن برس بن مبطن بن رومی بن نعطی بن یونان بن یافث بن بونہ بن شرخون بن رومہ بن شرخط بن توفیل بن رومی بن الاصفربن یقزبن العیص بن اسحاق بن ابراہیم الخلیل علیہ السلام کذا نسبه الحافظ بن عساکر فی تاریخہ :

۱۷۳۳۰، المقدونی یونانی المصری بنی الاسکندریۃ الذی یؤرخ بایامہ الرومۃ وکان متاخرا عن الاول بدھرطویل وکان هذا قبل المسیح بنحو من ثلاثمائة سنة وکان ارسطاطا لیس الفیلسوف وزیرہ الذی قتل دارا واذل ملوک الفرس واطوا أرضهم وانما نبهنا علیہ لان کثیرا من الناس یعتقدانہما واحدوان المذكور فی القرآن هو الذی کان ارسطاطا لیس وزیرہ فیقع بسبب ذلك خطأ کبیر وفساد عریض طویل فان الاول کان عبدا مو مناصالحا، وملك اعدالا وکان وزیرہ الخضر وقد کان نبیا علی ما قررناہ قبل هذا.

واما الثاني فكان مشرکا، کان وزیرہ فیلسوفا وقد کان بین زمانیہما ازید من الفی سنة فاین هذا من هذا لا یستویان ولا یشتبهان الاعلی غیبی لا یعرف حقائق الامور (البداية والنهاية: ۲/ ۵۴۱).

حدیث و تاریخ کے امام، ابن کثیر کی اس تحقیق سے ایک تو یہ مغالطہ رفع ہوا کہ یہ اسکندر جو مسیح علیہ السلام سے تین سو سال پہلے گذرا ہے، اور جس کی جنگ دارا اور ملوک فارس سے ہوئی، اور بانی اسکندریہ ہے، یہ وہ ذوالقرنین نہیں جس کا قرآن کریم میں ذکر آیا ہے، یہ مغالطہ بعض اکابر مفسرین کو بھی لگا ہے، ابو حیان نے بحر محیط میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اسی کو ذوالقرنین مذکور فی القرآن کہہ دیا ہے۔

دوسری بات: ”وانہ قد کان نبیا“ کے جملے سے معلوم ہوتی ہے کہ ابن کثیر کے نزدیک ان کا نبی ہونا راجح ہے، اگرچہ جمہور کے نزدیک راجح وہ قول ہے جو خود ابن کثیر نے بروایت ابی الطفیل علی کرم اللہ وجہہ سے نقل کیا ہے کہ نہ وہ نبی تھے نہ فرشتہ بلکہ ایک نیک صالح مسلمان تھے اسی لئے بعض علماء نے یہ توجیہ کی کہ ”انہ کان“ کی ضمیر ذوالقرنین کی طرف نہیں خضر علیہ السلام کی طرف راجح ہے۔ وهو الاقرب۔

اب مسئلہ یہ رہتا ہے کہ پھر وہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے کون ہے اور کس زمانے میں ہوئے ہیں، اس کے متعلق بھی علماء کے اقوال بہت مختلف ہیں ابن کثیر کے نزدیک ان کا زمانہ اسکندر مقدونی یونانی سے دو ہزار سال پہلے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا زمانہ ہے اور ان کے وزیر خضر علیہ السلام تھے۔ ابن کثیر نے البدایہ والنهاية میں سلف صالحین سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ذوالقرنین پیادہ پاہ حج کے لئے پہنچے۔ جب ابراہیم علیہ السلام کو ان کے آنے کا علم ہوا تو مکہ سے باہر نکل کر استقبال کیا۔ اور خلیل علیہ السلام نے ان کے لئے دعا بھی کی اور کچھ وصیتیں اور نصیحتیں بھی ان کو فرمائیں (البدایہ والنهاية: ۲/ ۵۳۹)۔

اور تفسیر ابن کثیر میں بحوالہ ازرقی نقل کیا ہے کہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ طواف کیا پھر قربانی دی۔ اور ابو ریحان بیرونی نے اپنی کتاب الاثار الباقیة عن القرون الخالیة میں کہا ہے کہ یہ ذوالقرنین جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ ابو بکر بن سہمی بن عمیر بن افریقہس حمیری ہے جس نے زمین کے مشارق و مغارب کو فتح کیا اور تبع حمیری یعنی نے اپنے اشعار میں اس پر فخر کیا ہے کہ میرے دادا ذوالقرنین مسلمان تھے ان کے اشعار یہ ہیں:

قد کان ذو القرنین جدی مسلما ملکاعلافی الارض غیر مبعد
بلغ المشارق و المغرب بیتغی اسباب ملک من کریم سید

یہ روایت ابو حیان نے بحر محیط میں نقل کی ہے ابن کثیر نے بھی البدایہ والنہایہ میں اس کا ذکر کرنے کے بعد کہا: کہ یہ ذوالقرنین تابعہ یمن میں سب سے پہلے تبع ہے اور یہی وہ شخص ہے جس نے یرسبع کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فیصلہ دیا تھا (البدایہ والنہایہ: ۲/۵۴۰)۔

ان تمام روایات میں ان کی شخصیت اور نام و نسب کے بارے میں اختلاف ہونے کے باوجود ان کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام کا زمانہ بتلایا گیا ہے اور مولانا حافظ الرحمان صاحب نے اپنی کتاب قصص القرآن میں جو ذوالقرنین کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ذوالقرنین مذکور فی القرآن فارس کا وہ بادشاہ ہے جس کو یہودی، خورس یونانی، سائرس، فارسی، گورس اور عرب کچھسہ کہتے ہیں جس کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام سے بہت بعد انبیاء بنی اسرائیل میں سے دانیال علیہ السلام کا زمانہ بتلایا جاتا ہے جو سکندر مقدونی قاتل دارا کے زمانے کے قریب قریب ہو جاتا ہے۔

مگر مولانا موصوف نے بھی ابن کثیر وغیرہ کی طرح اس کا شدت سے انکار کیا ہے کہ ذوالقرنین وہ سکندر مقدونی جس کا وزیر ارسطو تھا، وہ نہیں ہو سکتا۔ وہ مشرک آتش پرست تھا یہ مومن صالح تھے۔ مولانا موصوف کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی سورہ بنی اسرائیل میں جو دو مرتبہ بنی اسرائیل کے شر و فساد میں مبتلا ہونے اور دونوں مرتبہ کی سزا کا ذکر تفصیل سے آیا ہے اس میں بنی اسرائیل کے پہلے فساد کے موقع پر جو قرآن کریم نے فرمایا ہے: بعشنا علیکم عبادنا اولی بائس شدید فجا سو اخلال الدیار [سورۃ الاسراء: ۵، ۶] یعنی تمہارے فساد کی سزا میں ہم تم پر مسلط کر دیں گے اپنے کچھ ایسے بندے جو بڑی قوت و شوکت والے ہوں گے۔ وہ تمہارے گھروں میں گھس پڑیں گے۔ اس میں یہ قوت و شوکت والے لوگ بخت نصر اور اس کے اعوان ہیں جنہوں نے بیت المقدس میں چالیس ہزار اور بعض روایات میں ستر ہزار بنی اسرائیل کو قتل کیا، اور ایک لاکھ سے زیادہ بنی اسرائیل کو قید کر کے بھڑ بھڑا کر یوں =

وَأَتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٢﴾ فَاتَّبَعَ سَبَبًا ﴿٨٣﴾

اور ہر طرح کا سامان عطا کیا تھا۔ تو اس نے (سفر کا) ایک سامان کیا [13]

= کی طرح ہنکا کر بابل لے گیا۔ اور اس کے بعد جو قرآن کریم نے فرمایا ”ثم رددنا لكم الكرة عليهم“ یعنی ہم نے پھر لوٹا دیا تمہارے غلبہ کو ان پر۔ یہ واقعہ اسی کچھسور خورس بادشاہ کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوا یہ مومن صالح تھا اس نے بخت نصر کا مقابلہ کر کے اس کے قیدی بنی اسرائیل کو اس کے قبضہ سے نکالا اور دوبارہ فلسطین میں آباد کیا۔ بیت المقدس کو جو ویراں کر دیا تھا اس کو بھی دوبارہ آباد کیا اور بیت المقدس کے خزان اور اہم سامان جو بخت نصر یہاں سے لے گیا تھا وہ سب واپس بنی اسرائیل کے قبضہ میں دئے۔ اس لئے یہ شخص بنی اسرائیل (یہود) کا نجات دہندہ ثابت ہوا۔ یہ بات قرین قیاس ہے کہ یہود مدینہ نے جو امتحان نبوت کے لئے قریش مکہ کے واسطے سوالات متعین کئے ان میں ذوالقرنین کے سوال کو یہ خصوصیت بھی حاصل تھی کہ یہود اس کو اپنا نجات دہندہ مان کر اس کی تعظیم و تکریم کرتے تھے۔

مولانا حفص الرحمن نے اپنی اس تحقیق پر موجودہ تو رات کے حوالہ سے انبیاء بنی اسرائیل کی پیشگوئیوں سے، پھر تاریخی روایات سے اس پر کافی شواہد پیش کئے ہیں، جو صاحب مزید تحقیق کے درپے ہوں وہ اس کا مطالعہ کر سکتے ہیں، میرا مقصد ان تمام روایات کے نقل کرنے سے صرف اتنا تھا کہ ذوالقرنین کی شخصیت اور ان کے زمانے کے بارے میں علماء امت اور ائمہ، تاریخ و تفسیر کے اقوال سامنے آجائیں، ان میں سے راجح کس کا قول ہے یہ میرے مقصد کا جزء نہیں، کیونکہ جن امور کا نہ قرآن نے دعویٰ کیا، نہ حدیث نے ان کو بیان کیا، ان کے تعین و تشریح کرنے کی ذمہ داری بھی ہم پر نہیں۔ اور ان میں جو قول راجح اور صحیح قرار پائے، مقصد قرآنی ہر حال میں حاصل ہے، واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم۔

[13] مراد یہ ہے کہ سامان تو ہر قسم کے اور دنیا کے ہر خطہ میں پہنچنے کے ان کو دیدیئے گئے تھے، انہوں نے سب سے پہلے جانب مغرب کی سفر کے سامان سے کام لیا، حتیٰ اذا بلغ مغرب الشمس، سے مراد یہ ہے کہ جانب مغرب میں اس حد تک پہنچ گئے جس سے آگے کوئی آبادی نہیں تھی۔ فی عین حمئة، لفظ حمئة کے لغوی معنی سیاہ دلدل یا کچڑ کے ہیں مراد اس سے وہ پانی ہے جس کے نیچے سیاہ کچڑ ہو جس سے پانی کارنگ بھی سیاہ دکھائی دیتا ہو۔ اور آفتاب

کو ایسے چشمے میں ڈوبتے ہوئے دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ آفتاب اس چشمے میں ڈوب رہا ہے۔ کیونکہ آگے آبادی یا کوئی خشکی سامنے نہیں تھی۔

جیسے آپ کسی ایسے میدان میں غروب کے وقت ہو جہاں دور تک جانب مغرب میں کوئی پہاڑ، درخت، عمارت نہ ہو۔ تو دیکھنے والے کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آفتاب زمین کے اندر گھس رہا ہے ”ووجد عندہا قوما“ یعنی اس سیاہ چشمے کے پاس ذوالقرنین نے ایک قوم کو پایا، ایت کے اگلے حصے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم کافر تھی اس لئے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذوالقرنین کو یہ اختیار دے دیا کہ آپ چاہیں تو ان سب کو پہلے ان کے کفر کے سزا دے دیں اور چاہیں تو ان سے احسان کا معاملہ کریں۔

کہ پہلے دعوت و تبلیغ اور وعظ و پند سے ان کو اسلام و ایمان قبول کرنے پر آمادہ کریں۔ پھر ماننے والوں کو اس کی جزا اور نہ ماننے والوں کو سزا دے جس کے جواب میں ذوالقرنین نے دوسری ہی صورت کو تجویز کیا کہ اول ان کو وعظ و نصیحت سے صراط مستقیم پر لانے کی کوشش کریں گے۔ پھر جو کفر پر قائم رہے ان کو سزا دیں گے اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اس کو اچھا بدلہ دیں گے۔

قلنا یا اذالقرنین ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین کو حق تعالیٰ نے خود خطاب کر کے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اگر ذوالقرنین کو نبی قرار دیا جائے تب تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں کہ بذریعہ وحی ان سے کہہ دیا گیا، اور اگر ان کی نبوت تسلیم نہ کی جائے تو پھر اس قلنا اور یا اذالقرنین کے خطاب کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کسی پیغمبر کے واسطے سے یہ خطاب ذوالقرنین کو کیا گیا ہے جیسا کہ روایات میں خضر علیہ السلام کا ان کے ساتھ ہونا مذکور ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ وحی نبوت و رسالت نہ ہو، ایسی لغوی وحی ہو، جیسے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے لئے قرآن میں واوحینا کے الفاظ آئے ہیں حالانکہ ان کو نبی یا رسول ہونے کا کوئی احتمال نہیں۔

ابو حیان نے بحر محیط میں فرمایا کہ ذوالقرنین کو جو یہاں حکم دیا گیا ہے وہ اس قوم کے قتل و سزا کا حکم ہے اس طرح کا کوئی حکم بغیر وحی نبوت کے نہیں دیا جاسکتا۔ یہ کام نہ کشف والہام سے ہو سکتا ہے نہ بغیر وحی نبوت کے کسی اور ذریعہ سے اس لئے اس کے سوا کوئی احتمال صحیح نہیں کہ یا تو ذوالقرنین کو خود نبی مانا جائے یا پھر کوئی نبی ان کے زمانے میں موجود ہوں۔ ان کے ذریعہ ان کو خطاب ہوتا ہو۔ واللہ اعلم وعنده حسن الثواب والیہ المرجع و المأب۔

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ

یہاں تک کہ جب سورج کے غروب ہونے کی جگہ پہنچا تو اسے ایسا پایا کہ ایک کچھڑ کی ندی میں ڈوب رہا ہے

وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يَا الْقَرْنِينَ إِمَّا أَنْ تُعَذَّبَ

اور اس (ندی) کے پاس ایک قوم دیکھی ہم نے کہا کہ ذوالقرنین! تم ان کو خواہ تکلیف دو

وَإِمَّا أَنْ تَتَّخِذَ فِيهِمْ حُسْنًا ﴿٨٤﴾ قَالَ أَمَّا مَنْ

خواہ ان (کے بارے) میں بھلائی اختیار کرو (دونوں باتوں کی تمہیں اختیار ہے)۔ ذوالقرنین نے کہا کہ جو

ظَلَمَ فَسَوْفَ نَعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُّكَرًا ﴿٨٥﴾

ظلم کرے گا ہم اسے عذاب دیں گے پھر (جب) وہ اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ بھی اسے برے عذاب دے گا

وَإِمَّا مَنْ أَمَنَّ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءٌ الْحَسَنَىٰ

اور جو ایمان لائے گا اور عمل نیک کرے گا اس کے لئے بہت اچھا بدلہ ہے اور ہم اپنے معاملے میں (اس پر کسی طرح کی سختی

وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ﴿٨٩﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ

نہیں کریں گے بلکہ) اس سے نرم بات کہیں گے۔ پھر اس نے ایک اور سامان (سفر کا) کیا۔ یہاں تک کہ سورج کے طلوع

الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا سِتْرًا ﴿٩٠﴾

ہونے کے مقام پر پہنچا تو دیکھا کہ ایسے لوگوں پر طلوع ہوتا ہے جن کے لئے ہم نے سورج کے اس طرف کوئی پردہ نہیں بنائی تھی [14]

[14] ذوالقرنین نے مشرق کی جانب میں جو قوم آباد پائی اس کا یہ حال تو قرآن کریم نے ذکر فرمایا کہ وہ دھوپ سے

بچنے کے لئے کوئی سامان، مکان، خیمہ، لباس وغیرہ کے اسباب نہ رکھتے تھے۔ لیکن ان کے مذہب و اعمال کا کوئی

ذکر نہیں فرمایا اور نہ یہ کہ ذوالقرنین نے ان لوگوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ اور ظاہر یہ ہے کہ یہ لوگ بھی کافر ہی تھے۔ اور ذوال

قرنین ان کے ساتھ وہی معاملہ کیا جو مغربی قوم کے ساتھ اور پر مذکور ہو چکا ہے۔ مگر اس کے بیان کرنے کی یہاں اس لئے

ضرورت نہیں سمجھی کہ پچھلے واقعہ پر قیاس کر کے اس کا بھی علم ہو سکتا ہے۔ (بحر محیط)۔

كَذَلِكَ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿٤١﴾ ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ﴿٤٢﴾ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ

(حقیقت حال) یوں (تھی) اور جو کچھ اس کے پاس تھا ہم کو سب کی خبر تھی۔ پھر اس نے ایک اور سامان کیا

بَيْنَ السَّيِّئِينَ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ﴿٤٣﴾

یہاں تک کہ دو دیواروں کے درمیان پہنچا تو دیکھا کہ ان کے اس طرف کچھ لوگ ہیں کہ بات کو سمجھ نہیں سکتے

قَالُوا يَا لَيْدَا الْقَرْنَيْنِ إِنَّ يَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ

ان لوگوں نے کہا کہ ذوالقرنین! یا جوج اور ماجوج زمین میں فساد کرتے رہتے ہیں [15]

[15] قرآن و سنت کی تصریحات سے اتنی بات تو بلاشبہ ثابت ہے کہ یا جوج و ماجوج انسانوں ہی کی قومیں ہیں عام

انسانوں کی طرح نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں کیونکہ قرآن کریم کی نص صریح ہے: وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ الْبَاقِينَ،

یعنی طوفان نوح علیہ السلام کے بعد جتنے انسان زمین پر باقی ہیں اور رہیں گے وہ سب نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہوں گے

، تاریخی روایات اس پر متفق ہیں کہ وہ یا فث کی اولاد میں سے ہیں ایک ضعیف حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ان

کے باقی حالات کے متعلق سب سے زیادہ تفصیلی اور صحیح حدیث نواس بن سمعانؓ کی ہے جس کو صحیح مسلم: ۲۲۵، وابن

ماجہ: ۲۳۵۶، واحمد: ۴۱۸۲، اور تمام مستند کتب حدیث میں نقل کیا گیا ہے اور محدثین نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ اس

میں خروج دجال اور نزول عیسیٰ علیہ السلام پھر خروج یا جوج و ماجوج وغیرہ کی پوری تفصیل مذکور ہے اس پوری حدیث کا ترجمہ

حسب ذیل ہے، نواس بن سمعانؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن صبح کے وقت دجال کا تذکرہ فرمایا اور تذکرہ

فرماتے ہوئے بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے اس کا حقیر و ذلیل ہونا معلوم ہوتا تھا (مثلاً یہ کہ وہ

کانا ہے) اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کا فتنہ سخت اور عظیم ہے مثلاً دوزخ

کا اس کے ساتھ ہونا اور دوسرے خوارق عادات)۔ آپ کے بیان سے ہم پر ایسا خوف طاری ہوا کہ گویا دجال کھجوروں کے

جھنڈ میں ہے (یعنی قریب ہی موجود ہے) جب ہم شام کو نبی ﷺ کے خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ہمارے قلبی

تاثرات کو بھانپ لیا اور پوچھا کہ تم نے کیا سمجھا؟ ہم نے عرض کیا کہ آپ نے دجال کا تذکرہ فرمایا اور بعض باتیں اس کے

متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے اس کا معاملہ حقیر و اسان معلوم ہوتا تھا اور بعض باتیں اس کے متعلق ایسی فرمائیں کہ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی بڑی قوت ہوگی اس کا فتنہ بڑا عظیم ہے، ہمیں تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہمارے قریب ہی وہ کھجوروں کے جھنڈ میں موجود ہے، نبی کریم ﷺ فرمانے لگے تمہارے بارے میں جن فتنوں کا مجھے خوف ہے ان میں دجال کی بنسبت دوسرے فتنے زیادہ قابل خوف ہیں۔

یعنی دجال کا فتنہ اتنا عظیم نہیں جتنا تم نے سمجھ لیا ہے اگر میری موجودگی میں وہ نکلا تو میں اس کا مقابلہ خود کروں گا، تمہیں اس کے فکر کی ضرورت نہیں) اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر شخص اپنی ہمت کے موافق اس کو مغلوب کرنے کی کوشش کرے گا، حق تعالیٰ میری غیر موجودگی میں ہر مسلمان کا ناصر اور مددگار رہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ وہ نوجوان سخت چچدار بالوں والا ہے اس کی ایک آنکھ اوپر کوا بھری ہوئی ہے اور دوسری آنکھ سے کانا ہے جیسا کہ دوسری روایات میں ہے، اور اگر میں (اس کی فتنج صورت میں) اس کو کسی کے ساتھ تشبیہ دے سکتا ہوں تو وہ عبدالعزیٰ بن قطن ہے یہ زمانہ جاہلیت میں بنو خزاعہ قبیلہ کا ایک بد شکل شخص تھا، اگر تم میں سے کسی مسلمان کا دجال کے ساتھ سامنا ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ وہ سورت کہف کی ابتدائی آیات پڑھ لے۔ (اس سے دجال کے فتنے سے محفوظ ہو جائے گا) دجال شام اور عراق کے درمیان سے نکلے گا اور ہر طرف فساد مچائے گا، اے اللہ کے بندوں اس کے مقابلہ میں ثابت قدم رہنا۔

ہم نے عرض کیا، کہ یا رسول اللہ وہ زمین میں کتنی مدت رہے گا؟ آپ نے فرمایا وہ چالیس دن رہے گا لیکن پہلا دن ایک سال کے برابر ہوگا اور دوسرا دن ایک ماہ کے برابر ہوگا اور تیسرا دن ایک ہفتہ کے برابر ہوگا اور باقی ایام عام دنوں کے برابر ہوں گے ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جو دن ایک سال کے برابر ہوگا کیا ہم اس میں صرف ایک دن کی (پانچ نمازیں) پڑھیں گے آپ نے فرمایا نہیں بلکہ وقت کا اندازہ کر کے پورے سال کی نمازیں ادا کرنا ہوگی۔ پھر ہم نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ وہ زمین میں کس قدر سرعت کے ساتھ سفر کرے گا فرمایا اس ابر کے مانند تیز چلے گا جس کے پیچھے موافق ہوا لگی ہوئی ہو۔ پس دجال جس کسی قوم کے پاس سے گزرے گا ان کو اپنے باطل عقائد کی دعوت دے گا وہ اس پر ایمان لائیں گے تو وہ بادلوں کو حکم دے گا تو وہ برسنے لگیں گے۔ اور زمین کو حکم دے گا تو وہ سرسبز و شاداب ہو جائیگی۔ اور ان کے مولیٰ اس میں چریں گے اور شام کو جب واپس آئیں گے تو ان کے کواں پہلے کی بنسبت بہت اونچے ہوں گے اور تھن دودھ سے بھرے ہوئے ہوں گے اور ان کی کونھیں پر ہوں گی۔

پھر دجال کسی دوسری قوم کے پاس سے گزرے گا اور ان کو بھی اپنے کفر و اضلال کی دعوت دے گا لیکن وہ اس کی

باتوں کو رد کر دیں گے وہ ان سے مایوس ہو کر چلا جائے گا تو یہ مسلمان لوگ قحط سالی میں مبتلا ہو جائیں گے اور ان کے پاس کچھ مال نہ رہے گا اور ویراں زمین کے پاس سے اسکا گذر ہوگا تو وہ اس کو خطاب کرے گا کہ اپنے خزانوں کو باہر لے آ، چنانچہ زمین کے خزانے اس کے پیچھے پیچھے ہو لیں گے جیسا کہ شہد کی مکھیاں اپنے سردار کے پیچھے ہو لیتی ہیں پھر دجال ایک آدمی کو بلائے گا جس کا شاب پورے زوروں پر ہوگا، اس کو تلواریں مار کر دو ٹکڑے کر دے گا اور دونوں ٹکڑے اس قدر فاصلہ پر کر دیے جائیں گے جس قدر تیر مار نیوالے اور نشانہ کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے پھر وہ اس کو بلائے گا وہ زندہ ہو کر دجال کی طرف اس کے اس فعل پر ہنستا ہوا روشن چہرے کے ساتھ آجائے گا۔ درین اثناء حق تعالیٰ علیہ السلام کو نازل فرمائیں گے، چنانچہ وہ درنگ دار چادریں پہنے ہوئے دمشق کی مشرقی جانب کے سفید مینارہ پر اس طرح نزول فرمائیں گے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوئے ہوں گے، جب اپنے سر مبارک کو نیچے کریں گے تو اس سے پانی کے قطرات جھڑیں گے (جیسے کوئی ابھی غسل کر کے آیا ہو) اور جب سر کو اوپر کریں گے تو اس وقت بھی پانی کے متفرق قطرات جو موتیوں کی طرح صاف ہوں گے گریں گے، جس کا فر کو آپ کے سانس کی ہوا پہنچے گی وہ وہیں مرجائے گا، اور آپ کا سانس اس قدر دور پہنچے گا جس قدر دور آپ کی نگاہ جائے گی، عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش کریں گے، یہاں تک کہ آپ سے باب اللہ پر جا پکڑیں گے (یہ بستی اب بھی بیت المقدس کے قریب اسی نام سے موجود ہے) وہاں اس کو قتل کر دیں گے، پھر عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے پاس تشریف لائیں گے، اور بطور شفقت کے ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے، اور جنت میں اعلیٰ درجات کی ان کو خوش خبری سنائیں گے۔

عیسیٰ علیہ السلام ابھی اسی حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ میں اپنے بندوں میں سے ایسے لوگوں کو نکالوں گا جن کے مقابلہ کی کسی کو طاقت نہیں، آپ مسلمانوں کو جمع کر کے کوہ طور پر چلے جائیں (عیسیٰ علیہ السلام ایسا ہی کریں گے) اور اللہ یاً جوج ما جوج کو کھول دیں گے تو وہ سرعت سیر کے سبب ہر بلندی سے پھسلنے ہوئے دکھائی دیں گے، ان میں سے پہلے لوگ بحیرہ طبریہ سے گذریں گے، اور اس کا سب پانی پی کر ایسا کر دیں گے کہ جب ان میں سے دوسرے لوگ اس بحیرہ سے گذریں گے تو دریا کی جگہ کو خشک دیکھ کر کہیں گے کہ کبھی یہاں پانی موجود تھا، عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے رفقاء کوہ طور پر پناہ لیں گے اور دوسرے مسلمان اپنے قلعوں اور محفوظ جگہوں میں پناہ لیں گے، کھانے پینے کا سامان ساتھ ہوگا، مگر وہ کم پڑ جائیگا تو ایک بیل کے سر کو سو (۱۰۰) دینار سے بہتر سمجھا جائے گا، عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے مسلمان اپنی تکلیف دہی ہونے کے لئے حق تعالیٰ سے دعاء کریں گے، اللہ تعالیٰ دعاء قبول فرمائیں گے اور ان پر وبائی صورت میں ایک بیماری

بھجیں گے، اور یا جوج مآ جوج تھوڑی دیر میں سب کے سب مرجائیں گے، پھر عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی کوہ طور سے نیچے آئیں گے تو دیکھیں گے کہ زمین میں ایک بالشت جگہ بھی ان کی لاشوں سے خالی نہیں (اور لاشوں کی سڑنے کی وجہ سے) سخت تعفن پھیلا ہوگا اسی حالت کو دیکھ کر دوبارہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں گے کہ یہ مصیبت بھی دفع ہو، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں گے، اور بہت بھاری بھرم پرندوں کو بھجیں گے، جن کی گردنیں اونٹ کی گردن کے مانند ہوں گی، وہ ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ کی مرضی ہوگی وہاں پھینک دیں گے، بعض روایات میں ہے کہ دریا میں ڈالیں گے، پھر حق تعالیٰ بارش برسائیں گے، کوئی شہر اور جنگل ایسا نہ ہوگا جہاں بارش نہ ہوئی ہوگی، ساری زمین دھل جائے گی، اور شیشہ کے مانند صاف ہو جائیگی، پھر اللہ تعالیٰ زمیں کو حکم فرمائیں گے کہ اپنے پیٹ سے پھلوں اور پھولوں کو اُگادے، اور از سر نو اپنی برکات کو ظاہر کر دے، چنانچہ ایسا ہی ہوگا اور اس قدر برکات ظاہر ہوگی کہ ایک انار ایک جماعت کے کھانے کے لئے کفایت کریگا اور لوگ اس کے چھلکے کی چھتری بنا کر سایہ حاصل کریں گے، اور دودھ میں اس قدر برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ ایک بہت بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا، اور ایک گائے کا دودھ ایک قبیلہ کے سب لوگوں کو کافی ہو جائے گا اور ایک بکری کا دودھ پوری برادری کو کافی ہو جائے گا، یہ غیر معمولی برکات اور امن و امان کا زمانہ چالیس سال رہنے کے بعد جب قیامت کا وقت آجائے گا تو اس وقت اللہ تعالیٰ ایک خوشگوار ہوا چلائیں گے، جس کی وجہ سے سب مسلمانوں کی بنگلوں کے نیچے ایک خاص بیماری ظاہر ہو جائے گی اور سب کے سب وفات پا جائیں گے اور باقی صرف شریہ و کافرہ جائیں گے جو زمین پر کھلم کھلا حرام کاری جانوروں کی طرح کریں گے، ایسے ہی لوگوں پر قیامت آئے گی۔

اور عبد الرحمن بن یزید کی روایت میں یا جوج و مآ جوج کے قصہ کی زیادہ تفصیل آئی ہے وہ یہ کہ بحیرہ طبریہ سے گزرنے کے بعد یا جوج و مآ جوج بیت المقدس کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ جبل النمر پر چڑھ جائیں گے اور کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو، سب کو قتل کر دیا ہے، لواب ہم آسمان والوں کا خاتمہ کرتے ہیں، چنانچہ وہ اپنے تیر آسمان کی طرف پھینکیں گے اور وہ تیر اللہ تعالیٰ کے حکم سے خون آلودہ ہو کر ان کی طرف واپس آئیں گے (تا کہ وہ احمق یہ سمجھ کر خوش ہوں کہ آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیا) [مسلم: رقم: ۱۱۰، ۲۹۳]۔

اور دجال کے قصہ میں ابو سعید خدریؓ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ دجال مدینہ طیبہ سے دور رہے گا اور مدینہ کے راستوں پر بھی اسکا آنا ممکن نہ ہوگا تو وہ مدینہ کے قریب ایک شوز زمین کی طرف آئے گا، اس وقت ایک آدمی دجال کے پاس آئے گا اور وہ آدمی اس وقت کے بہترین لوگوں میں سے ہوگا اور اس کو خطاب کر کے کہے گا کہ میں یقین سے کہتا ہوں

کہ تو وہی دجال ہے جس کی ہمیں رسول اللہ ﷺ نے خبر دی تھی یہ سن کر دجال کہے گا، لوگوں! مجھے یہ بتلاؤ کہ اگر میں اس آدمی کو قتل کر دوں اور پھر زندہ کر دوں تو میرے خدا ہونے میں شک کرو گے، وہ جواب دیں گے، نہیں، چنانچہ اس آدمی کو قتل کرے گا اور پھر اس کو زندہ کرے گا، تو وہ دجال کو کہے گا کہ اب مجھے تیرے دجال ہونے کا پہلے سے زیادہ یقین ہو گیا ہے، دجال اس کو دوبارہ قتل کرنے کا ارادہ کریگا، لیکن وہ اس پر قادر نہ ہو سکے گا۔

صحیح بخاری: تفسیر سورہ حج: ۱۲۲/۶، مسلم: کتاب الایمان: ۱۴۰/۱، میں ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام سے فرمائیں گے کہ آپ اپنی ذریت میں سے بعث النار یعنی جہنمی لوگ اٹھائے وہ عرض کریں گے اے رب وہ کون ہیں؟ تو حکم ہوگا کہ ہر ایک ہزار میں سے نو سو نواوے جہنمی ہیں صرف ایک جنتی ہے، صحابہ کرام سہم گئے اور دریافت کیا کہ ہم میں سے وہ ایک جنتی کونسا ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا غم نہ کرو کیونکہ یہ نو سو نواوے جہنمی تم میں سے ایک اور یا جوج ماجوج میں سے ایک ہزار کی نسبت سے ہوں گے اور مستدرک حاکم میں عبد اللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے دس حصے کئے ان میں سے نو حصے یا جوج ماجوج کے ہیں اور باقی ایک حصہ میں باقی ساری مخلوق دنیا کے انسان ہیں (روح المعانی)۔

بخاری کتاب المغنن ۶۰۶/۹، و مسلم باب اقتراب المغنن ۱۶۵/۸، میں زینب بنت جحش ام المؤمنین سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز نیند سے ایسی حالت میں بیدار ہوئے کہ چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا اور آپ کی زبان مبارک پر یہ جملہ تھے۔

لا الہ الا اللہ، ویل للعرب من شر قد اقترب، فتح الیوم من ردم یا جوج و ماجوج مثل ہذہ و حلق تسعین.

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، خرابی ہے عرب کی اس شر سے، جو قریب آچکا ہے آج کے دن یا جوج و ماجوج کی ردم، یعنی سد میں اتنا سرخ کھل گیا ہے اور آپ نے عقد تسعین یعنی اٹھوٹھے اور انگشت شہادت کو ملا کر حلقہ بنا کر دکھلایا۔

قرطبی نے اپنی تفسیر میں بحوالہ سدی نقل کیا ہے کہ یا جوج و ماجوج کے بائیس قبیلوں میں سے اکیس قبیلوں کو سد ذوالقرنین سے بند کر دیا گیا۔ ان کا ایک قبیلہ سد ذوالقرنین کے اندر اس طرف رہ گیا وہ ترک ہیں اس کے بعد قرطبی نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ترک کے متعلق جو باتیں بتلائی ہیں وہ یا جوج و ماجوج سے ملتی ہوئی ہیں اور آخر زمانے میں مسلمانوں کی ان سے جنگ ہونا صحیح مسلم کی حدیث میں ہے پھر فرمایا کہ اس زمانے میں ترک قوم کی بڑی بھاری

تعداد مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے نکلی ہوئی ہے جن کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے وہی مسلمانوں کو ان کے شر سے بچا سکتا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی یا جوج و ما جوج ہیں یا کم از کم ان کا مقدمہ ہیں (قرطبی: ۱۱۵۸)۔

قرطبی کا زمانہ چھٹی صدی ہجری ہے جس میں فتنہ تارتار ظاہر ہوا اور اسلامی خلافت کو تباہ و برباد کیا ان کا عظیم فتنہ اسلام میں معروف اور تارتاریوں کا مغل ترک میں سے ہونا مشہور ہے مگر قرطبی نے ان کو یا جوج و ما جوج کے مشابہ اور ان کا مقدمہ قرار دیا ہے ان کے فتنہ کو وہ خروج یا جوج و ما جوج نہیں بتایا جو علامات قیامت میں سے ہے کیونکہ صحیح مسلم کی حدیث مذکور میں اس کی تصریح ہے کہ وہ خروج عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ان کے زمانے میں ہوگا۔

اسی لئے علامہ الوسی نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ان لوگوں پر سخت رد کیا ہے جنہوں نے تارتاری کو یا جوج و ما جوج قرار دیا، اور فرمایا کہ ایسا خیال کرنا کھلی ہوئی گمراہی ہے اور نصوص حدیث کی مخالفت ہے البتہ انہوں نے بھی فرمایا کہ بلاشبہ یہ فتنہ یا جوج و ما جوج کے فتنہ کے مشابہ ضرور ہے۔ (روح المعانی) اس سے ثابت ہوا کہ اس زمانے میں جو بعض مورخین موجودہ روس چین یا دونوں کو یا جوج و ما جوج قرار دیتے ہیں اگر اس سے ان کی مراد وہی ہے جو قرطبی اور آلوسی نے فرمایا کہ ان کا فتنہ یا جوج و ما جوج کے مشابہ ہے تو یہ کہنا کچھ غلط نہ ہوگا مگر اسی کو وہ خروج یا جوج و ما جوج قرار دینا جس کی خبر قرآن و حدیث میں بطور علامات قیامت دی گئی اور اس کا وقت نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد بتلایا گیا یہ قطعاً غلط اور گمراہی اور نصوص حدیث کا انکار ہے۔

مشہور مورخ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں اقلیم سادس کی بحث میں یا جوج و ما جوج اور سدزو القرنین اور ان کے محل و مقام کے متعلق جغرافیائی تحقیق اس طرح فرمائی ہے، ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں مغرب کی جانب ترکوں کے وہ قبائل آباد ہیں جو قفقاز اور چرس کہلاتے ہیں اور مشرق کی جانب یا جوج و ما جوج کی آبادیاں ہیں اور ان دونوں کے درمیان کوہ قاف حد فاصل ہے جس کا ذکر گذشتہ سطور میں ہو چکا ہے کہ وہ بحر محیط سے شروع ہوتا ہے جو چوتھی اقلیم کے مشرق میں واقع ہے۔

اور اس کے ساتھ شمال کی جانب اقلیم کے آخر تک چلا گیا ہے اور پھر بحر محیط سے جدا ہو کر شمال مغرب میں ہوتا ہو یعنی مغرب کی جانب جھکتا ہو یا پنجویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے یہاں سے وہ پھر اپنی پہلی سمت کو مڑ جاتا ہے حتیٰ کہ ساتویں اقلیم کے نویں حصہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

اور یہاں پہنچ کر جنوب سے شمال مغرب کو ہوتا ہوا گیا ہے اور اسی سلسلہ کوہ کے درمیان سد سکندری واقع =

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ﴿٤٢﴾

بھلا ہم آپ کے لئے خرچ (کا انتظام) کر دیں کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں

قَالَ مَا مَكْنِي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ

ذوالقرنین نے کہا کہ خرچ کا جو مقدور اللہ نے مجھے بخشا ہے وہ بہت اچھا ہے تم مجھے قوت (بازو) سے مدد دو میں تمہارے

وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ﴿٤٣﴾ تُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ

اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا تو تم لوہے کے (بڑے بڑے) تختے لاؤ (چنانچہ کام جاری کر دیا گیا) یہاں

إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا حَتَّىٰ إِذَا

تک کہ جب اس نے دونوں پہاڑوں کے درمیان (کا حصہ) برابر کر دیا اور کہا کہ (اب اسے) پھونکو یہاں تک کہ

جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغَ عَلَيْهِ قَطْرًا ﴿٤٤﴾

جب اس کو (پھونک پھونک کر) آگ کر دیا تو کہا کہ (اب) میرے پاس تانبالاؤ کہ اس پر پگھلا کر ڈال دوں

= ہے اور ساتویں اقلیم کے نویں حصہ کے وسط ہی میں وہ سد سکندری ہے جس کا ہم ابھی ذکر کر آئے ہیں اور جس کی اطلاع

قرآن نے بھی دی ہے اور عبد اللہ بن خرداذبہ نے اپنی جغرافیہ کی کتاب المسالك والممالك: ۱۴۱، و تاریخ اسلام

: ۲۲۴/۳، و طبری: ۴۲۵/۲، میں وثائق باللہ خلیفہ عباسی کا وہ خواب نقل کیا ہے جس میں اس نے یہ دیکھا تھا کہ سد کھل گئی ہے

چنانچہ وہ گھبرا کر اٹھا اور دریافت حال کے لئے سلام ترجمان کو روانہ کیا اور اس نے واپس آ کر اسی سد کے حالات و اوصاف

بیان کئے۔ (تاریخ ابن خلدون: ۷۹۱)۔

اس تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ سد ذوالقرنین ابھی تک قائم ہے، اس کے بعد اگر کوئی، شاہ انور کے قول پر جو کہ اس

سے تفسیر العنبر: ۱۴۱، میں یوسف بنوری نے نقل کیا ہے کہ یہ دیوار منہدم ہوا ہے اور اس باب میں جو احادیث وارد ہیں وہ

معلل اور صحیح نہیں۔ یقین کرے اور اس دیوار کی وجود سے انکار کرے، یا موجودہ سیڈیوں [CD, S] وغیرہ میں جو ہے کہ یہ

دیوار منہدم ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے۔

فَمَا اسْتَطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ﴿۴۷﴾ قَالَ هَذَا

پھر ان میں یہ قدرت نہ رہی کہ اس پر چڑھ سکیں اور نہ یہ طاقت رہی کہ اس میں سوراخ لگا سکیں۔ بولا کہ یہ میرے پروردگار کی

رَحْمَةٌ مِّنْ رَبِّي فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا

مہربانی ہے جب میرے پروردگار کا وعدہ آ پہنچے گا تو اس کو (ڈھا کر) ہموار کر دے گا اور میرے پروردگار کا وعدہ سچا ہے

﴿۴۸﴾ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ

(اس روز ہم ان کو چھوڑ دیں گے کہ (روئے زمین پر پھیل کر) ایک دوسرے میں گھس جائیں گے اور صور پھونکا جائے گا

فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ﴿۴۹﴾ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكَافِرِينَ عَرْضًا ﴿۵۰﴾

تو ہم سب کو جمع کر لیں گے۔ اور اس روز جہنم کو کافروں کے سامنے لائیں گے

الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَن ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا

جن کی آنکھیں میری یاد سے پردے میں تھیں اور وہ سننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے

﴿۵۱﴾ فَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۚ

کیا کافر یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے بندوں کو ہمارے سوا (اپنا) کارساز بنائیں گے (تو ہم خفا نہیں ہوں گے)

إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِّلْكَافِرِينَ نَزُلًا ﴿۵۲﴾ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ

ہم نے (ایسے) کافروں کے لئے جہنم کی (مہمانی) تیار کر رکھی ہے۔ کہہ دو کہ ہم تمہیں بتائیں جو عملوں کے لحاظ سے بڑے

أَعْمَالًا ﴿۵۳﴾ الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَّهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ

نقصان میں ہیں۔ وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہو گئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں

يُحْسِنُونَ صُنْعًا ﴿۵۴﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

کہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں

وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۳﴾

اور اس کے سامنے جانے سے انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے اور ہم قیامت کے دن ان کے لئے کچھ بھی وزن قائم نہیں کریں گے

ذَلِكَ جَزَاءُهُمْ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا وَتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا ﴿۱۰۴﴾

یہ ان کی سزا ہے (یعنی) جہنم اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں اور ہمارے پیغمبروں کی ہنسی اڑائی

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا

جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے ان کے لئے بہشت کے باغ مہمانی ہوں گے

﴿۱۰۷﴾ الَّذِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا

ہمیشہ ان میں رہیں گے اور وہاں سے مکان بدلنا نہ چاہیں گے۔ کہہ دو کہ اگر سمندر میرے پروردگار کے علوم کے (لکھنے

لَكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ

کے) لئے سیاہی ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کے علوم تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے اگرچہ ہم ویسا ہی اور (سمندر)

مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾ لَوْلَا أَنَّمَا إِثْمُكَ يُوْحَىٰ إِلَيَّ إِنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ

اس کی مدد کو لائیں۔ کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں (البتہ) میری طرف وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود (وہی) ایک

فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ

رَبِّهِ أَحَدًا ﴿۱۱۰﴾

معبود ہے تو جو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے چاہیے کہ عمل نیک کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو

شریک نہ بنائے



سورة مریم (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

کھیلے۔ (یہ) تمہارے پروردگار کی مہربانی کا بیان (ہے جو اس نے) اپنے بندے زکریا پر (کی تھی)۔ جب انہوں نے

نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا ۝۳۳ ۝ قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّي

اپنے پروردگار کو دبی آواز سے پکارا۔ (اور) کہا کہ اے میرے پروردگار! میری ہڈیاں بڑھاپے کے سبب کمزور ہو گئی ہیں

وَاشْتَغَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝۳۴ ۝ وَإِنِّي خِفْتُ

اور سر بڑھاپے (کی وجہ سے) شعلہ مارنے لگا ہے اور اے میرے پروردگار! میں تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہیں رہا اور میں اپنے

الْمَوَالِي مِنْ وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۝۳۵ ۝

بعد اپنے بھائی بندوں سے ڈرتا ہوں اور میری بیوی بھانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے ایک وارث عطا فرما

يَرِثْنِي وَيَرِثْ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝۳۶ ۝ يُزَكِّرِيَا

جو میری اور اولاد یعقوب کی میراث کا مالک ہو [۱] اور (اے) میرے پروردگار! اس کو خوش اطوار بناؤ۔ اے زکریا!

[۱] باتفاق جمہور علماء اس جگہ وراثت سے وراثت مالی مراد نہیں، کیونکہ اول تو زکریا علیہ السلام کے پاس کوئی بڑی

دولت ہونا ثابت نہیں، جس کی فکر ہو کہ اس کا وارث کون ہوگا، اور ایک پیغمبر کی شان سے بھی ایسی فکر کرنا بعید ہے، اس کے

علاوہ صحیح حدیث جس پر صحابہ کرام کا اجماع ثابت ہے، اس میں ہے: ان العلماء ورثة الانبياء، وان الانبياء لم

يورثوا دينارا ولا درهما، انما ورثوا العلم، فمن اخذه اخذ بحظ وافر. (احمد: ۱۹۶/۵،

ابوداؤد: ۳۴۱/۲، رقم: ۳۶۲۱ ابن ماجہ: ۲۲۳، ترمذی: ۲۶۸۲)۔

إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلْمٍ إِسْمُهُ يَحْيَى لَمْ نَجْعَلْ لَهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ﴿٤٧﴾

ہم تمہیں ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے اس سے پہلے ہم نے اس نام کا کوئی شخص پیدا نہیں کی

قَالَ رَبِّ اِنِّى يَكُوْنُ لِىْ غُلْمٌ وَّكَانَتْ اِمْرَاْتِىْ عَاقِرًا

انہوں نے کہا کہ اے پروردگار! میرے ہاں کس طرح لڑکا ہو گا جبکہ میری بیوی بھانجھ ہے

= بیشک علماء وراثت ہیں انبیاء کے، کیونکہ انبیاء علیہم السلام دینار و درہم کی وراثت نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی وراثت علم ہوتا ہے، جس نے علم حاصل کر لیا اس نے بڑی دولت حاصل کر لی۔

یہ حدیث کتب شیعہ، کافی، کلینی وغیرہ میں بھی موجود ہے، اور صحیح بخاری میں عائشہ سے روایت ہے کہ رسول

ﷺ نے فرمایا: لانورث و ماترکنا صدقة۔ (بخاری: ۲۷۲۶، مسلم: ۱۷۵۹) ہم انبیاء کی مالی وراثت کسی کو نہیں

ملتی، ہم جو مال چھوڑیں وہ سب صدقہ ہے۔ اور خود اس آیت میں ”یرثنی“ کے بعد ”ویرث من ال یعقوب“

کا اضافہ اس کی دلیل ہے، کہ وراثت مالی مراد نہیں کیونکہ جس لڑکے کی پیدائش کی دعاء کی جا رہی ہے اس کا آل یعقوب

کے لئے مالی وراثت بنا بظاہر ممکن نہیں، کیونکہ آل یعقوب کے وراثت ان کے عصبات قریبہ ہوں گے، اور وہ وہی

”موالی“ ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا، وہ بلاشبہ قرابت و عصوبت میں تکلی علیہ السلام سے اقرب ہیں، اقرب

کے ہوتے ہوئے عصبہ بعید کو وراثت ملنا اصول وراثت کے خلاف ہے، روح المعانی میں کتب شیعہ سے یہ بھی نقل

کیا ہے: زوی الکلینی فی اصول الکافی: ۱/۳۲۶، عن ابی البختیری عن ابی عبد اللہ قال ان

سلیمان ورت داود، وان محمدًا علیہ السلام ورت سلیمان.

سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وراثت ہوئے اور محمد ﷺ سلیمان علیہ السلام کے وراثت ہوئے۔ یہ

ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سلیمان علیہ السلام کی مالی وراثت ملنے کا کوئی احتمال و امکان ہی نہیں، مراد اس سے علوم

نبوت کی وراثت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ”ورت سلیمان داؤد“ (نمل: ۱۶) میں بھی وراثت مالی

مراد نہیں۔ اور اس تحقیق سے شیعوں کا وہ اعتراض بھی ختم ہوا جو کہ فدرک وغیرہ کا تھا۔

وَقَدْ بَلَغْتَ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ﴿۸﴾ قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ

اور میں بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ گیا ہوں۔ حکم ہوا کہ اسی طرح (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے

وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿۹﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِي

اور میں پہلے تم کو بھی تو پیدا کر چکا ہوں اور تم کچھ چیز نہ تھے۔ کہا کہ اے پروردگار! میرے لئے کوئی

آيَةً قَالَ آيَتُكَ إِلَّا تَكَلَّمُ النَّاسُ ثَلَاثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ﴿۱۰﴾

نشانی مقرر فرما فرمایا نشانی یہ ہے کہ تم صحیح و سالم ہو کر تین (رات دن) بول نہ سکے گا

فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَنْ سَبِّحُوا بُكْرَةً

پھر وہ (عبادت کے) حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو ان سے اشارے سے کہا کہ صبح

وَعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ يُحْيِي خُذِ الْكِتَابَ بِقُوَّةٍ وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿۱۲﴾

و شام (اللہ کو) یاد کرتے رہو۔ اے یحییٰ! کتاب کو زور سے پڑھو اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں دانائی عطا

وَحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۚ وَكَانَ تَقِيًّا ﴿۱۳﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ

فرمائی تھی۔ اور اپنے پاس سے شفقت اور پاکیزگی دی تھی اور وہ پرہیزگار تھے۔ اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے

وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ﴿۱۴﴾ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ

والے تھے اور سرکش اور نافرمان نہیں تھے۔ اور جس دن وہ پیدا ہوئے اور جس دن وفات پائیں گے

وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿۱۵﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ

اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے ان پر سلام اور رحمت ہے۔ اور کتاب (قرآن) میں مریم کا بھی ذکر کرو جب

انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا ۗ

وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر مشرق کی طرف چلی گئیں۔ تو انہوں نے ان کی طرف سے پردہ کر لیا

فَارْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾

(اس وقت) ہم نے ان کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی (کی طرح) بن گیا

قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَنِ مِنْكَ إِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾

مریم بولیں کہ اگر تم پرہیزگار ہو تو میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا ﴿۱۹﴾

انہوں نے کہا کہ میں تو تمہارے پروردگار کا بھیجا ہوا (یعنی فرشتہ) ہوں (اور اس لئے آیا ہوں) کہ تمہیں پاکیزہ لڑکا بخشوں

قَالَتْ أَنى يَكُونُ لى غَلامٌ لى عَلمٌ وَّلم يَمَسَّنى بَشَرٌ وَّلم أَكُ بَعِيًّا ﴿۲۰﴾

مریم نے کہا کہ میرے ہاں لڑکا کیونکر ہو گا مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور میں بدکار بھی نہیں ہوں

قَالَ كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَى هَيْنٍ وَلَنَجْعَلَهُ

(فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہوگا) تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے اور (میں اسے اسی طریق پر پیدا کروں

آيَةً لِلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِنَّا وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

گا) تاکہ اس کو لوگوں کے لئے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہ) رحمت اور (مہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَى جِذْعِ

تو وہ اس (بچے) کے ساتھ حاملہ ہو گئیں اور اسے لیکر ایک دور کی جگہ چلی گئیں۔ پھر دروزہ ان کو کھجور کے تنے

النَّخْلَةِ قَالَتْ يَلَيْتَنى مِثُّ قَبْلِ هَذَا وَكُنْتُ نَسِيًّا مِّنْ سَيِّئًا ﴿۲۳﴾

کی طرف لے آیا کہنے لگیں کہ کاش میں اس سے پہلے مر چکی ہوتی اور بھولی بسری ہو گئی ہوتی

فَنَادَاهَا مِنْ تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنى قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

اس وقت ان کے نیچے کی جانب سے فرشتے نے ان کو آواز دی کہ غمناک نہ ہو تمہارے پروردگار نے تمہارے نیچے ایک

﴿۲۳﴾ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكَ بِجُدْعِ النَّخْلَةِ تَسْقِطُ عَلَيْكَ رُطْبًا جَنِيًّا

چشمہ جاری کر دیا ہے۔ اور کھجور کے تنے کو پکڑ کر اپنی طرف ہلاؤ تم پر تازہ تازہ کھجوریں جھڑ پڑیں گی

فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيْنَ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُولِيْ

تو کھاؤ اور پیو اور آنکھیں ٹھنڈی کرو اگر تم کسی آدمی کو دیکھو تو کہنا کہ میں نے اللہ کے لئے

﴿۲۴﴾ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اَكْلَمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا

روزے کی منت مانی ہے تو آج میں کسی آدمی سے ہرگز کلام نہ کروں گی۔ [۲۴]

[۲۳] قبل از اسلام یہ بھی عبادت میں داخل تھا کہ بولنے کا روزہ رکھے، صبح سے رات تک کسی سے کلام نہ کرے، اسلام

نے اس کو منسوخ کر کے یہ لازم کر دیا کہ صرف بُرے کلام، گالی گلوچ، جھوٹ غیبت وغیرہ سے پرہیز کیا جائے، عام گفتگو ترک کرنا اسلام میں کوئی عبادت نہیں رہی، اس لئے اس کی نذر ماننا بھی جائز نہیں۔ لمارواہ ابو داؤد مرفوعاً۔

رقم: ۲۸۷۳، ۱۹۲/۳، والاصابة: ۶/۴، لایتم بعد احتلام ولاصمات یوم الی اللیل (وحسنہ

السیوطی)۔ یعنی بچہ بالغ ہونے کے بعد باپ کے مرنے سے یتیم نہیں کہلاتا، اس پر احکام یتیم کے جاری نہیں ہوتے،

اور صبح سے شام تک خاموش رہنا تو اسلام میں کوئی عبادت نہیں۔ اور درد زہ میں پانی اور کھجور کا استعمال از روئے طب بھی

منفید ہے اور اکل و شرب کا حکم بظاہر اباحت کے لئے معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور حمل و تولد بلا تو سب مرد کے خارق عادت معجزہ

ہے، اور خوارق میں کتنا ہی استبعاد ہو مضائقہ نہیں، بلکہ وصف اعجاز کا اور زیادہ ظہور ہے لیکن اس میں اس وجہ سے زیادہ

استبعاد بھی نہیں کہ حسب تصریح کتب طب عورت کی منی میں قوت منعقدہ کے ساتھ قوت عاقدہ بھی ہے، اس لئے مرض رجائیں

اعضاء کی کچھ نہا تمام صورت بھی بن جاتی ہے، ماکصرح بہ فی القانون، پس اگر یہی قوت عاقدہ اور بڑھ جائے تو زیادہ مستبعد نہیں

ہے کہ بچہ بغیر باپ کے پیدا ہوں۔ بیان القرآن۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مریم علیہا السلام کو کھجور کا درخت ہلانے

کا حکم دیا، حالانکہ اس کی قدرت میں یہ بھی تھا کہ بغیر ان کے ہلانے کے خود ہی کھجوریں ان کی

گود میں گر جاتیں، مگر حکمت یہ ہے کہ اس میں تحصیل رزق کے لئے کوشش کرنے کا سبق ملتا ہے، اور یہ بھی بتلانا ہے کہ

رزق کے حاصل کرنے میں کوشش اور محنت کرنا تو کل کے خلاف نہیں۔ روح المعانی۔

﴿۲۷﴾ فَآتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ قَالُوا يَمْرِيْمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا

تو وہ پھر اس بچے کو اٹھا کر اپنی قوم کے لوگوں کے پاس لے آئیں وہ کہنے لگے کہ مریم یہ تو تو نے بُرا کام کیا

﴿۲۸﴾ يَا أُخْتِ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكَ أَمْرًا سُوِّءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكَ بَغِيًّا

اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ ہی بد اطوار آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی بدکار تھی

﴿۲۹﴾ فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا

تو مریم نے اس لڑکے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے کہ ہم اس سے کہ گود کا بچہ ہے کیوں کر بات کریں؟

﴿۳۰﴾ قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَنِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا

بچے نے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اس نے مجھے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے

وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنْتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ

اور میں جہاں رہوں (اور جس حال میں ہوں) مجھے صاحبِ برکت کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کا ارشاد

﴿۳۱﴾ حَيًّا ﴿۳۲﴾ بُرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا

فرمایا ہے۔ اور (مجھے) اپنی ماں کے ساتھ نیک سلوک کرنے والا (بنایا ہے) اور سرکش و بد بخت نہیں بنایا۔

﴿۳۳﴾ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا

اور جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا مجھ پر سلام (ورحمت) ہے

﴿۳۴﴾ ذَلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ

یہ مریم کے بیٹے عیسیٰ ہیں (اور یہ) سچی بات ہے جس میں لوگ شک کرتے ہیں

مَا كَانَ لِلَّهِ أَنْ يَتَّخِذَ مِنْ وَلَدٍ سُبْحٰنَهُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ

اللہ کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے وہ پاک ہے جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو یہی کہتا ہے

لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۳۳۳﴾ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ

کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ اور بیشک اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو یہی

مُسْتَقِيمٌ ﴿۳۳۴﴾ خْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا

سیدھا راستہ ہے۔ پھر (اہل کتاب کے) فرقوں نے باہم اختلاف کیا سو جو لوگ کافر ہوئے ہیں ان کو بڑے دن (یعنی

مِنْ مَّشْهَدٍ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۳۳۵﴾ مَعَ بِهِمْ وَأَبْصَرُ

قیامت کے روز) حاضر ہونے سے خرابی ہے۔ وہ جس دن ہمارے سامنے آئیں گے کیسے سننے والے اور کیسے دیکھنے والے

يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَكِنِ الظَّالِمُونَ الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۳۳۶﴾ وَأَنْذِرْهُمْ

ہوں گے مگر ظالم آج صریح گمراہی میں ہیں۔ اور ان کو حسرت (دانسوس) کے دن سے ڈراؤ

يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۳۷﴾

جب بات فیصل کر دی جائے گی اور وہ غفلت میں (پڑے ہوئے ہیں) اور ایمان نہیں لاتے [3]

[3] عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ یجاء بالموت يوم القيامة كانه كبش املح

(زا دا ابو کریب) فیوقف بین الجنة و النار (و اتفقافی باقی الحدیث) فیقال یا اهل الجنة اهل

تعرفون هذا؟ فیشرئبون وینظرون و یقولون نعم هذا الموت، قال فیومر به فیذبح قال ثم یقال

یا اهل الجنة خلود فلاموت ویا اهل النار خلود فلاموت قال ثم قرأ رسول اللہ ﷺ: ﴿وَأَنْذِرْهُمْ

يَوْمَ الْحَسْرَةِ إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ و اشار بیده الی الدنيا.

مسلم: ۲۸۴۹.

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن موت کو سرمئی مینڈھے کی شکل میں

لایا جائے گا (ابو کریب نے اضافہ کیا) اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا کیا جائے گا، (اس کے بعد راویوں کا اتفاق

ہے) پھر کہا جائے گا اے اہل جنت! کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ گردن اٹھا کر اسے دیکھیں گے اور کہیں گے، ہاں یہ موت ہے اور کہا جائے گا اے اہل دوزخ! کیا تم اس کو پہچانتے ہو؟ وہ گردن اٹھا کر اسے دیکھیں گے اور کہیں گے، ہاں یہ موت ہے، پھر اس کو ذبح کرنے کا حکم ہوگا اور اس کو ذبح کر دیا جائے گا، پھر کہا جائے گا اے اہل جنت! اب دوام ہے اور موت نہیں ہے، اور اے اہل دوزخ! اب ہیبتگی ہے اور موت نہیں ہے، پھر رسول ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی، اور آپ نے اپنے ہاتھ سے دنیا کی طرف اشارہ کیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے تو پھر موت کو لایا جائے گا اور اس کو جنت اور دوزخ کے درمیان رکھ کر ذبح کر دیا جائے گا، علامہ ابی مالکی لکھتے ہیں: علامہ مازری نے کہا ہے کہ موت عرض ہے کیونکہ وہ حیات کی ضد ہے، بعض معتزلہ نے کہا کہ وہ معنی نہیں ہے بلکہ وہ حیات کا عدم ہے، لیکن یہ غلط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ﴾ (ملک: ۲) اللہ تعالیٰ نے موت اور زندگی کو پیدا کیا، بہر حال اس حدیث پر اعتراض یہ ہے کہ موت جسم نہیں ہے لہذا اس کو ذبح کرنا کس طرح متصور ہوگا اس لئے اس حدیث کی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمثیل کے لئے ایک جسم کو پیدا کر کے اس کو ذبح فرمائے گا، تاکہ اہل آخرت پر یہ واضح ہو جائے کہ ان کو موت نہیں آسکتی۔

علامہ خطابی نے یہ کہا کہ اس حدیث کا ظاہر محال ہے کیونکہ موت یا عرض ہے یا امر عدمی ہے اور ہر دو تقدیر پر اس کا مینڈھا بنانا ناممکن ہے کیونکہ انقلاب حقائق محال ہے، سو اس حدیث کی دو تاویلیں ہیں ایک تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک مینڈھا پیدا کرے گا، اور اس میں موت کو پیدا کر دے گا، اور لوگ اس کو دیکھ کر جان لیں گے، پھر اللہ تعالیٰ اس میں ذبح کے مشابہ ایک فعل پیدا کرے گا جس فعل سے وہ مینڈھا معدوم ہو جائے گا حتیٰ کہ اہل جنت بے خوف ہو جائیں گے، اور ان کی خوشی زیادہ ہو جائے گی، اور جہنمی مایوس ہو جائیں گے، اور ان کا غم زیادہ ہو جائے گا، دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ موت کو معدوم کرنے کی ایک مثال ہے کیونکہ جب اہل آخرت کے لئے موت معدوم ہو جائے گی تو وہ ایک ذبح شدہ مینڈھے کی طرح ہوگی۔ (اکمال اکمال المعلم: ۷: ۲۲۰)۔



﴿۲۰﴾ إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿۲۰﴾

ہم ہی زمین کے اور جو لوگ اس پر (ہستے) ہیں ان کے وارث ہیں اور ہماری ہی طرف ان کو لوٹنا ہوگا

﴿۲۱﴾ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ﴿۲۱﴾ ذُكِرَ قَالَ لِأَبِيهِ

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بیشک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا

﴿۲۲﴾ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنْكَ شَيْئًا ﴿۲۲﴾

کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں

﴿۲۳﴾ يَا أَبَتِ إِنَّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا

ابا مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا تو میرے ساتھ ہو جائے میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا

﴿۲۴﴾ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَنِ عَصِيًّا ﴿۲۴﴾

ابا شیطان کی پرستش نہ کیجئے بیشک شیطان اللہ کا نافرمان ہے

﴿۲۵﴾ يَا أَبَتِ إِنَّي أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا ﴿۲۵﴾

ابا مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو اللہ کا عذاب آ پکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں

﴿۲۶﴾ قَالَ أَرَأَيْبُ أَنْتَ عَنِ الْهَيْتِي يَا إِبْرَاهِيمَ لئن لم تنته لأرجمنك

اس نے کہا کہ ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے برگشتہ ہے اگر تو باز نہ آئے گا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا

﴿۲۷﴾ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ﴿۲۷﴾ قَالَ سَلَّمَ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي

اور تو ہمیشہ کے لئے مجھ سے دُور ہو جا۔ ابراہیم نے سلام علیک کہا (اور کہا کہ) میں آپ کے لئے اپنے پروردگار سے بخشش

﴿۲۸﴾ إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا ﴿۲۸﴾ وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ

ماگو بیشک وہ مجھ پر نہایت مہربان ہے۔ اور میں آپ لوگوں سے اور جن کو آپ اللہ کے سوا پکارتے ہیں ان سے کنارہ کرتا ہوں

وَأَدْعُوا رَبِّي عَسَىٰ أَلَّا أَكُونَ بِدُعَاءِ رَبِّي شَقِيًّا ﴿۲۸﴾ ﴿۲۸﴾ لَمَّا

اور اپنے پروردگار ہی کو پکاروں گا امید ہے کہ میں اپنے پروردگار کو پکار کر محروم نہیں رہوں گا۔ اور جب ابراہیم

اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ

ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتے تھے ان سے الگ ہو گئے تو ہم نے ان کو اسحاق اور (اسحاق) کو یعقوب بخشے

وَكَوَلَّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿۲۹﴾ ﴿۲۹﴾ وَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ رَحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿۳۰﴾ ﴿۳۰﴾

اور سب کو پیغمبر بنایا۔ اور ان کو اپنی رحمت سے (بہت سی چیزیں) عنایت کیں اور ان کا ذکر جمیل بلند کیا

وَإِذْ كُرِّفِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴿۳۱﴾ ﴿۳۱﴾

اور کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کرو بیشک وہ (ہمارے) برگزیدہ اور پیغمبر و رسول تھے

وَنَادَيْنَاهُ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا ﴿۳۲﴾ ﴿۳۲﴾

اور ہم نے ان کو طور کی دہنی جانب سے پکارا اور باتیں کرنے کے لئے نزدیک بلایا

وَوَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾

اور اپنی مہربانی سے انکو ان کا بھائی ہارون پیغمبر عطا کیا اور کتاب

فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَبِيًّا ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾

میں اسماعیل کا بھی ذکر کرو وہ وعدے کے سچے اور (ہمارے) بھیجے ہوئے نبی تھے [4]

[4] رسول اور نبی کے مفہوم میں نسبت عموم و خصوص من وجہ کی ہے ”رسول“ وہ ہے جو مخاطبین کو شریعت جدیدہ پہنچائے

خواہ وہ شریعت خود اس رسول کے اعتبار سے بھی جدید ہو، جیسے تورات وغیرہ، یا صرف ان کی امت کے اعتبار سے جدید ہو،

جیسے اسماعیل علیہ السلام کی شریعت، وہ دراصل ابراہیم علیہ السلام کی قدیم شریعت ہی تھی، لیکن قوم ”جرہم“ جن کی طرف ان

کو مبعوث فرمایا تھا، ان کو اس شریعت کا علم پہلے سے نہ تھا، اسماعیل علیہ السلام ہی کے ذریعہ ہوا، اس معنی کے اعتبار سے رسول کے لئے نبی ہونا ضروری نہیں جیسے فرشتے کہ وہ رسول تو ہیں مگر نبی نہیں ہیں۔

یا جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے پرستادہ قاصد، جن کو آیت قرآن ”اذجاءها المرسلون“ (یس: ۱۳) (بنا بر ایک تفسیر) میں رسول کہا گیا ہے، حالانکہ وہ انبیاء نہیں تھے۔ اور نبی وہ ہے جو صاحب وحی ہو خواہ شریعت جدیدہ کی تبلیغ کرے، یا شریعت قدیمہ کی، جیسے اکثر انبیاء بنی اسرائیل شریعت موسویہ کی تبلیغ کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک اعتبار سے لفظ رسول نبی سے عام ہے، اور دوسرے اعتبار سے لفظ نبی بنسبت رسول کے عام ہے، جس جگہ یہ دونوں لفظ ایک ساتھ استعمال کئے گئے، جیسا کہ آیت مذکورہ میں ”رسولانیا“ آیا ہے، وہاں تو کوئی اشکال نہیں کہ خاص اور عام دونوں جمع ہو سکتے ہیں، کوئی تضاد نہیں، لیکن جس جگہ یہ دو لفظ باہم متقابل آئے ہیں، جیسے ”وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی“ (الایقرا حج: ۵۲) میں، تو اس جگہ تقریباً یہ مقام لفظ نبی کو خاص اس شخص کے معنی میں لیا جائے گا جو شریعت سابقہ کی تبلیغ کرتا ہے۔

اس فرق کی وضاحت، براء بن عازب کی حدیث میں ہے، کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: جب تو اپنے سونے کی جگہ پر آئے، تو نماز کا سا وضو کر، پھر اپنے داہنی کروٹ پر لیٹ جا، اور یوں دعا کر: اللھم اسلمت نفسی الیک، ووجھت وجہی الیک، و فوضت امری الیک، والجات ظہری الیک، رغبة ورہبۃ الیک، لاملجأ ولا منجأ منک الا الیک، امنت بکتابک الذی انزلت، ونبیک الذی ارسلت۔ وقال رسول اللہ ﷺ: من قالھن ثم مات تحت لیلته مات علی الفطرۃ۔ (بخاری: ۶۳۱۵، مسلم: ۲۷۱۰۔ یعنی اے اللہ! تیرے ثواب کے شوق میں، اور تیرے عذاب کے ڈر سے میں نے اپنے آپ کو تیرے سپرد کر دیا، اور اپنا کام تجھ کو سونپ دیا، اور اپنی پیٹھ تجھ پر ٹیک دی، تجھ سے بھاگ کر کہیں پناہ اور کہیں ٹھکانہ نہیں، مگر تیرے ہی پاس، یا اللہ! میں نے تیری کتاب (قرآن) پر ایمان لایا، جس کو تو نے اتارا، اور تیرے نبی پر ایمان لایا، جس کو تو نے بھیجا، اس کے بعد نبی ﷺ نے اس دعا کی یہ فضیلت بتائی، کہ اگر تو اسی رات کو مر جائے، تو اسلام پر رہے گا، اور ایسا کر کہ یہ دعا تیرا آخری کلام ہو۔

براء کہتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ دعا سیکر یا د کرنے کے لئے دہرائی: فلما بلغت: اللھم امنت بکتابک الذی انزلت، قلت ورسولک، قال: لا ونبیک الذی ارسلت۔ یعنی جب میں اس جگہ پہنچا: اللھم امنت بکتابک الذی انزلت، اس کے بعد میں نے یوں کہہ دیا ”و رسولک“ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، یوں کہہ: ونبیک الذی ارسلت، یعنی نبی کی جگہ رسول کا لفظ تو نے کیوں کہا؟ وہی لفظ کہہ! جو میں نے کہا ہے

، (ترمذی: ۳۵۷۴)۔ حالانکہ لفظ نبی اور رسول دونوں کا حاصل و مراد ایک ہے، لیکن پیغمبر ﷺ نے اپنے صحابی کو سبق سکھا کر قیامت تک کے لئے مثال قائم کر دی، کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ میں اپنی طرف سے تغیر و تبدل کرنا، ترمیم و اضافہ کرنا، اور گھٹانا، بڑھانا جائز نہیں۔ آج کل اکثر عوام اور خواص اس امر کی پروا نہیں کرتے، الفاظ ماثورہ و منقولہ کو گھٹا بڑھا کر پیش کرتے ہیں، حالانکہ نبی علیہ السلام کے منہ بولے الفاظ میں جو برکت، مجید و اسرار ہوتے ہیں، وہ لوگوں کے مصنوعی الفاظ میں ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اس وجہ سے فقہاء نے یہ قاعدہ لکھا ہے کہ الاصل فی الاذکار التوقف .

اور اس فرق کو اس حدیث میں بھی اشارہ کیا گیا ہے جو کہ ابو ذرؓ سے نقل کی گئی ہے کہ، قال قلت یارسول اللہ ای الانبیاء کان اول؟ قال: آدم، قلت یارسول اللہ انبی کان؟ قال ”نعم نسی مکلم“ قلت یارسول اللہ کم المرسلون؟ قال ثلاث مئة و بضعۃ عشر، جما غفیرا۔ وفی روایة عن ابی امامة قال ابو ذر قلت یارسول اللہ اکم و فاء عدة الانبیاء؟ قال مئة الف، و اربعة و عشرون الفاء، الرسل من ذلک ثلاث مائة و خمسة عشر، جما غفیرا۔ (مسند احمد: ۷/۸۷، ابن حبان: رقم: ۲۰۷۹، ۲۰۸۵، و سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ: ۲۶۶۸)۔ ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے نبی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا آدم علیہ السلام، میں نے پھر پوچھا کیا آدم علیہ السلام نبی تھے؟ فرمایا ہاں وہ نبی تھے، انہیں اللہ رب العالمین سے شرف تکلم و مخاطب حاصل ہوا ہے، اس کے بعد میں نے پوچھا: یا رسول اللہ ﷺ انبیاء میں رسول کتنے ہوئے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کافی بڑی تعداد میں تین سو دس سے کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔ اور ایک روایت میں ابو امامہؓ سے منقول ہے، یہ الفاظ ہیں کہ ابو ذرؓ نے فرمایا میں عرض کیا یا رسول اللہ تمام انبیاء کی کل تعداد (خواہ وہ رسول ہو یا غیر رسول) کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار، ان میں رسول تین سو پندرہ ہوئے ہیں، جو کافی بڑی تعداد ہے۔

کل انبیاء کی تعداد کے بارے میں اس حدیث میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کا ذکر ہے، اور بعض روایتوں میں یہ تعداد دو لاکھ چوبیس ہزار بیان کی گئی ہے، ظاہر ہے دونوں عدد میں زبردست تضاد ہے، اس لئے علماء نے لکھا ہے کہ اس بارے میں زیادہ تحقیق و جستجو نہ کرنی چاہئے، اور نہ کوئی خاص عدد متعین کرنا چاہئے، بلکہ یہ عقیدہ رکھنا چاہئے کہ انبیاء کی ٹھیک تعداد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور اجمالی طور پر اس طرح ایمان لانا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول اور نبی بھیجے، ہم ان سب کو برحق رسول اور نبی مانتے ہیں، اس عقیدہ اور اجمالی ایمان سے نہ کوئی نبی انبیاء کے زمرہ سے باہر رہے گا، اور نہ کوئی غیر نبی ان کے زمرہ میں شامل ہوگا۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴿۱۱۱﴾

اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم کرتے تھے اور اپنے پروردگار کے ہاں پسندیدہ (وبرگزیدہ) تھے

وَإِذْ كُرِيَ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ﴿۱۱۲﴾ فَعَنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا

اور کتاب میں ادریس کا بھی ذکر کرو وہ بھی نہایت سچے نبی تھے اور ہم نے ان کو اونچی جگہ اٹھا لیا تھا۔ [5]

﴿۱۱۲﴾ وَإِلَيْكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ مِنْ ذُرِّيَةِ آدَمَ

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے پیغمبروں میں سے فضل کیا (یعنی) اولاد آدم میں سے اور ان لوگوں میں سے

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِنْ ذُرِّيَةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا

جن کو ہم نے نوح کے ساتھ (کشتی میں) سوار کیا اور ابراہیم اور یعقوب کی اولاد میں سے اور ان لوگوں میں سے جن کو ہم نے

[5] واذکر فی الكتاب ادريس، الخ، ادريس عليه السلام نوح عليه السلام سے ایک ہزار سال پہلے نوح عليه

السلام کے اجداد میں سے ہیں (روح المعانی بحوالہ مستدرک وحاکم) اور یہ آدم عليه السلام کے بعد پہلے نبی وہ رسول ہیں، جن

پر اللہ تعالیٰ نے تیس صحیفے نازل فرمائے (کمانی حدیث ابی ذر، زمخشری) اور ادريس عليه السلام سب سے پہلے انسان ہیں جن

کو علم نجوم اور حساب بطور مجرہ عطا کیا گیا (بحر محیط)۔ اور سب سے پہلے انسان ہیں جنہوں نے قلم سے لکھنا اور کپڑا سینا

ایجاد کیا ان سے پہلے لوگ عموماً جانوروں کی کھال بجائے لباس استعمال کرتے تھے، اور سب سے پہلے ناپ تول کے

طریقے بھی آپ نے ہی ایجاد فرمائے، اور اسلحہ کی ایجاد بھی آپ سے شروع ہوئی آپ نے اسلحہ تیار کر کے بنو قاتیل سے

جہاد کیا۔ (بحر محیط، قرطبی، مظہری، روح المعانی)۔

”ورفعناه مکانا علیا“ یعنی ہم نے ادريس عليه السلام کو مقام بلند پر اٹھا لیا۔ معنی یہ ہیں کہ ان کو نبوت و رسالت

اور قرب الہی کا خاص مقام عطا فرمایا گیا۔ اور بعض روایت میں جو ان کا آسمان پر اٹھانا منقول ہے ان کے متعلق ابن

کثیر نے فرمایا: ہذا من اخبار کعب الاحبار الاسرائیلیات وفي بعضه نکارة یعنی یہ کعب اخبار کی اسرائیلی

روایات میں سے ہے اور ان میں سے بعض میں نکارت واجنبیت ہے۔

وَأَجْتَبَيْنَا إِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُ الرَّحْمَنِ خَرُّوا سُجَّدًا وَبُكِيًّا ﴿۱۸﴾

ہدایت دی اور برگزیدہ کیا جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی تو سجدے میں گر پڑتے اور روتے رہتے تھے

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ

پھر ان کے بعد چند خلف ان کے جانشین ہوئے جنہوں نے نماز کو (چھوڑ دیا گویا اسے) کھو دیا اور خواہشاتِ نفسانی کے

فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غِيًّا ﴿۱۹﴾ ﴿۱۹﴾ مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

پیچھے لگ گئے۔ سو عنقریب ان کو گمراہی (کی سزا) ملے گی۔ [۶] ہاں جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کیا

[۶] امام زہریؒ فرماتے ہیں کہ میں انس بن مالکؓ کے گھر دمشق گیا (تو دیکھا) وہ رورہے تھے، میں نے پوچھا آپ

کو کس چیز نے رلا دیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: لا اعرف شیئاً مما ادركت الا هذه الصلاة، وهذه الصلاة

قد ضيعت۔ (بخاری: ۵۳۰)۔ میں نے جو چیزیں (نبی ﷺ کے عہد میں) دیکھی تھیں، ان میں سے سوائے نماز کے اب

کچھ بھی نہیں دیکھ رہا ہوں، اور وہ نمازیں بھی ضائع کر دی گئی ہیں۔

بنو امیہ کے دور میں خلفاء نمازوں کو دیر سے پڑھا کرتے تھے، حالانکہ حدیث میں اول وقت نماز پڑھنے کی

تاکید ہے، ولید بن عبد الملک بن مروان نے جاج بن یوسف کو عراق کا حاکم مقرر کیا تھا، جاج بن یوسف بھی نماز تاخیر سے

پڑھتا تھا، طبقات ابن سعد میں ہے کہ جب جاج بن یوسف کو نماز میں تاخیر کرتے ہوئے انسؓ صحابی رسول نے دیکھا،

تو چاہا کہ جاج کو کچھ کہیں، لیکن انسؓ کے بھائیوں نے ان کو منع کیا، کیونکہ جاج بہت بڑا ظالم اور خونخوار تھا۔ چنانچہ انسؓ نے

سواری پر سوار ہو کر چلتے وقت کہہ ہی دیا، کہ سوائے کلمہ توحید کے رسول کریم ﷺ کے زمانے کی کوئی چیز میں نے تم میں نہیں

پائی۔ کسی نے کہا کیا نماز بھی نہیں؟ انسؓ نے فرمایا ظہر کی نماز عصر کے وقت، اور عصر کی نماز مغرب کے وقت پڑھتے ہو کیا یہ

رسول ﷺ کی نماز تھی؟

مسند احمد میں ہے کہ ابورافع نے کہا اے ابو حمزہ کیا نماز بھی ویسی نہیں رہی؟ تو فرمایا تمہیں خود معلوم ہے کہ جاج

نے جو کچھ نماز کا حال کر رکھا ہے، یعنی بے وقت پڑھتے ہیں، جو پڑھی نہ پڑھی برابر ہے، اس بے وقت نماز کے متعلق =

فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ شَيْئًا ﴿٤٠﴾

تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے اور ان کا ذرا نقصان نہ کیا جائے گا

جَنَّتِ عَدْنُ النَّبِيِّ وَعَدَّةُ الرَّحْمَنِ عِبَادَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّهُ كَانَ وَعْدُهُ مَأْتِيًا ﴿٤١﴾

(یعنی) بہشت جاودانی (میں) جس کا اللہ نے اپنے بندوں سے وعدہ کیا ہے (اور) جو ان کی آنکھوں سے (پوشیدہ) ہے) بیشک اس کا وعدہ آنے والا ہے

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا إِلَّا سَلَامًا ۚ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَعَشِيًا ﴿٤٢﴾

وہ اس میں سلام کے سوا کوئی بیہودہ کلام نہ سنیں گے اور ان کے لئے صبح و شام کھانا تیار ہو گا

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿٤٣﴾

یہی وہ جنت ہے جس کا ہم اپنے بندوں میں سے ایسے شخص کو وارث بنائیں گے جو پرہیزگار ہو گا

وَمَا نَنْزِلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا

اور (فرشتوں نے پیغمبر کو جواب دیا کہ) ہم تمہارے پروردگار کے حکم کے سوا اتر نہیں سکتے جو کچھ ہمارے آگے ہے

خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا ﴿٤٤﴾ رَبُّ السَّمَوَاتِ

اور جو پیچھے ہے اور جو ان کے درمیان ہے سب اسی کا ہے اور تمہارا پروردگار بھولنے والا نہیں۔ (یعنی) آسمان اور زمین کا

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهِ هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا ﴿٤٥﴾

اور جو ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے تو اسی کی عبادت کرو اور اسی کی عبادت پر ثابت قدم رہو بھلا تم کوئی اس کا ہم نام جانتے ہو

=انسؓ نے فرمایا: قد ضیعت، یعنی ضائع کر دی ہے، نماز کا ضائع کرنا یہ ہے کہ اسے بے وقت پڑھا جائے اور نماز کے

ارکان خلاف سنت ادا کرے، چنانچہ اسی آیت کا معنی بھی یہ ہے۔ بیضاوی نے اس کی شرح یہ بیان کی ہے کہ انہوں نے

نماز کو چھوڑ دیا، یا اس کے وقت سے تاخیر کر کے پڑھی۔

وَيَقُولُ الْإِنْسَانُ أَيْ ذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا ﴿٤٤﴾ وَلَا يَذْكُرُ

اور (کافر) انسان کہتا ہے کہ جب میں مر جاؤں گا تو کیا زندہ کر کے نکالا جاؤں گا؟۔ کیا انسان یاد نہیں کرتا

الْإِنْسَانُ أَنَا خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ﴿٤٥﴾ رَبُّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ

کہ ہم نے اس کو پہلے بھی تو پیدا کیا تھا اور وہ کچھ بھی چیز نہ تھا۔ تمہارے پروردگار کی قسم! ہم ان کو جمع کریں گے

وَالشَّيْطَانِ ثُمَّ لَنَحْضُرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثًّا ﴿٤٨﴾

اور شیطانوں کو بھی پھر ان سب کو جہنم کے گرد حاضر کریں گے (اور وہ) گھٹنوں پر گرے ہوئے (ہوں گے)۔ پھر ہر

لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيعَةٍ أَيُّهُمْ أَشَدُّ عَلَى الرَّحْمَنِ عِتِيًّا ﴿٤٩﴾

جماعت میں سے ہم ایسے لوگوں کو کھینچ نکالیں گے جو اللہ سے سخت سرکشی کرتے تھے

ثُمَّ لَنَحْنُ أَعْلَمُ بِالَّذِينَ هُمْ أَوْلَىٰ بِهَا صِلِيًّا ﴿٥٠﴾

اور ہم ان لوگوں سے خوب واقف ہیں جو ان میں داخل ہونے کے زیادہ لائق ہیں

وَإِنْ مِّنْكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴿٥١﴾

اور تم میں سے کوئی (شخص) نہیں مگر اسے اس پر گزرنا ہو گا یہ تمہارے پروردگار پر لازم اور مقرر ہے

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوْا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثًّا ﴿٥٢﴾ وَإِذَا

پھر ہم پرہیزگاروں کو نجات دیں گے اور ظالموں کو اس میں گھٹنوں کے بل پڑا ہوا چھوڑ دیں گے۔ اور جب

تَتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا أَيُّ الْفَرِيقَيْنِ

ان لوگوں کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو جو کافر ہیں وہ مومنوں سے کہتے ہیں کہ دونوں فریق میں سے

خَيْرٌ مَّقَامًا وَأَحْسَنُ نَدِيًّا ﴿٥٣﴾ لَوْ كُنتُمْ أَهْلِكُمْ أَهْلِكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ

مکان کس کے اچھے اور مجلسیں کس کی بہتر ہیں؟ اور ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتیں ہلاک کر دیں وہ لوگ (ان سے)

أَحْسَنُ اثْنَا وَرِءُ يَا ۙ ﴿۲۱﴾ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلَالَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمَنُ

ٹھاٹھ اور نمود میں کہیں اچھے تھے۔ کہہ دو کہ جو شخص گمراہی میں پڑا ہوا ہے اللہ اس کو آہستہ آہستہ مہلت دینے جاتا ہے

مَدًّا ۙ حَتَّىٰ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ إِمَّا الْعَذَابَ وَإِمَّا السَّاعَةَ

یہاں تک کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے خواہ عذاب اور خواہ قیامت

فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۲۲﴾

تو (اس وقت) جان لیں گے کہ مکان کس کا بُرا اور لشکر کس کا کمزور [۷]

[۷] ان کافروں کو جو تمہیں ناحق پر اور اپنے تئیں حق پر سمجھ رہے ہیں، اور اپنی خوشحالی اور فارغ البالی پر اطمینان کئے بیٹھے

ہوئے ہیں، ان سے کہہ دیجئے کہ گمراہوں کی رسی دراز ہوتی ہے، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل دی جاتی ہے، جب تک کہ

قیامت نہ آجائے یا ان کی موت نہ آجائے۔ اس وقت انہیں پورا پتہ چل جائے گا، کہ فی الواقع برا شخص کون تھا، اور کس کے ساتھی

کمزور تھے، دنیا تو ڈھلتی چڑھتی چھاؤں ہے، نہ خود اس کا اعتبار، نہ اس کے سامان اسباب کا، یہ تو اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی رہیں

گے، ای فلیدعه اللہ فی طغیان جہله و کفره، فلفظه لفظ الامر ومعناه الخبر، ای من كان في الضلالة مده

الرحمن مدا، حتی يطول اغتراره فيكون ذلك اشد لعقابه، نظيره فی ال

عمران: ۱۷۸، وانعام: ۱۱۰، ومثله كثير، وقيل هذا دعاء امر به النبي ﷺ، تقول: من سرق مالي فليقطع الله

يده، فهو دعاء على السارق، وهو جواب الشرط، وعلى هذا فليس قوله "فليمدد خيرا" (قرطبي)۔ وقال ابن

كثير، وهذه مباہلة للمشرکین الذین یزعمون انهم علی ہدی فیما هم فیہ۔ یا یہ معنی ہے کہ ہم میں سے جو گمراہ

ہو، اللہ تعالیٰ اس کی گمراہی بڑھا دے۔ گویا اس آیت میں مشرکوں سے مباہلہ ہے۔ جیسے یہودیوں سے سورہ جمعہ میں مباہلہ کی

آیت (۶) ہے، کہ آؤ ہمارے مقابلے میں موت کی تمنا کرو، اسی طرح سورہ ال عمران میں مباہلے کا ذکر ہے، کہ جب تم اپنے

خلاف دلیلیں سن کر بھی عیسیٰ علیہ السلام کے، ابن اللہ، ہونے کے مدعی ہو، تو آؤ بال بچوں سمیت میدان میں جا کر جھوٹے پر لعت

اللہ تعالیٰ پڑنے کی دعاء کریں، پس نہ تو مشرکین مقابلے پر آئے، نہ یہودی کی ہمت پڑی، نہ نصرانی مرد میدان بنے۔

وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى وَالْبَقِيَّةُ الصَّلِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ

اور جو لوگ ہدایت یاب ہیں اللہ ان کو زیادہ ہدایت دیتا ہے اور نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں وہ تمہارے پروردگار کے صلے

ثَوَابًا وَخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٤٤﴾ ۴۴ اَفْرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ

کے لحاظ سے خوب اور انجام کے اعتبار سے بہتر ہیں۔ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور کہنے

لَا أُوتِيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا ﴿٤٥﴾ ۴۵ لَعَلَّ الْغَيْبَ أَمْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ عَهْدًا

لگا کہ (اگر میں از سر نو زندہ ہوا بھی تو بھی) مال اور اولاد مجھے (وہاں) ملے گا کیا اس نے غیب کی خبر پالی ہے یا اللہ کے یہاں (سے) عہد لے لیا ہے؟

﴿٤٨﴾ ۴۸ قَالَا سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ﴿٤٩﴾ ۴۹

ہرگز نہیں جو کچھ کہتا ہے ہم اس کو لکھتے جاتے اور اس کے لئے آہستہ آہستہ عذاب بڑھاتے جاتے ہیں

وَنَرِثُهُ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ﴿٥٠﴾ ۵۰ وَاتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ

اور جو چیزیں یہ بتاتا ہے ان کے ہم وارث ہوں گے اور یہ اکیلا ہمارے سامنے آئے گا۔ اور ان لوگوں نے اللہ کے سوا

آلِهَةً لِيَكُونُوا لَهُمْ عِزًّا ﴿٥١﴾ ۵۱ سَيَكْفُرُونَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُونُونَ عَلَيْهِمْ

اور معبود بنا لئے ہیں تاکہ وہ ان کے لئے مدد ہوں۔ ہرگز نہیں وہ (معبودانِ باطل) ان کی پرستش سے

ضِدًّا ﴿٥٢﴾ ۵۲ تَرَانَا أَرْسَلْنَا الشَّيْطَانَ عَلَى الْكٰفِرِينَ

انکار کریں گے اور ان کے دشمن (و مخالف) ہوں گے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے

تَوْرُثُهُمْ إِذَا تَعَجَّلُوا عَلَيْهِمْ ﴿٥٣﴾ ۵۳ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَذَابًا ﴿٥٤﴾ ۵۴

کہ وہ ان کو برا ہیختہ کرتے رہتے ہیں۔ تو تم ان پر (عذاب کے لئے) جلدی نہ کرو اور ہم تو ان کے لئے (دن) شمار کر رہے ہیں

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا ﴿٥٥﴾ ۵۵ سَوْفَ الْمُجْرِمِينَ

جس روز ہم پرہیزگاروں کو اللہ کے سامنے (بطور) مہمان جمع کریں گے۔ اور گنہگاروں کو دوزخ

إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَرِدًّا ﴿۸۴﴾ يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ
 کی طرف سے پیسا لے جائیں گے۔ (تو لوگ) کسی کی سفارش کا اختیار نہ رکھیں گے مگر جس نے اللہ سے
 عَهْدًا ﴿۸۷﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا ﴿۸۸﴾ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِذَا ﴿۸۹﴾
 اقرار لیا ہو۔ [۸] اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے۔ (ایسا کہنے والو! یہ تو) تم بڑی بات (زبان پر) لائے ہو

[۸] عن عبادة بن الصامت رض انه قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خمس صلوات افترضهن الله تعالى
 من احسن وضوء هن وصلاهن لوقتهن، واتم ركوعهن وخشوعهن، كان له على الله تعالى عهد
 ان يغفر له، ومن لم يفعل، ليس له على الله عهد، ان شاء غفر له، وان شاء عذبه. رواه
 احمد: ۳۱۷/۵، وابوداود: ۴۲۵، والنسائي: ۱/۲۳۰، وابن ماجه: ۱۴۰۱. عبادة بن الصامت رض
 نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے ان پانچ نمازوں کے لئے جنہیں اللہ نے فرض کیا ہے، اچھی
 طرح وضوء کیا، اور ان کو وقت پر پڑھا، نیز ان میں رکوع و خشوع کیا، تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ پر ذمہ یہ ہے کہ وہ اس کے
 گناہ بخش دے گا، اور جس شخص نے ایسا نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔ چاہے تو بخش دے، چاہے اسے
 عذاب میں مبتلا کرے۔

عبداللہ بن مسعود نے یہ آیت تلاوت کی، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں وعدہ حاصل کر لو، بیشک اللہ تعالیٰ
 قیامت کے دن فرمائے گا کہ جس سے میرا عہد ہے وہ کھڑا ہو جائے، لوگوں نے کہا ہمیں بھی بتا دیجئے کہ یہ
 عہد کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یوں کہو:۔ اللهم فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة فاني
 اعهد اليك في هذه الحيوۃ الدنيا انك ان تكلني الى عمل تقربني من الشر وتبعدني
 من الخير، واني لا اثق الا برحمتك، فاجعل لي عندك عهدا تؤديه الي يوم القيامة "انك
 لا تخلف الميعاد". مستدرک حاکم: ۲/۳۷۷. فی التفسیر.

تَكَادُ السَّمَوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًا ﴿٤٠﴾

قریب ہے کہ اس (افتراء) سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ پارہ پارہ ہو کر گر پڑیں

أَنْ دَعُوا لِلرَّحْمَنِ وَلَدًا ﴿٤١﴾ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمَنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ﴿٤٢﴾

کہ انہوں نے اللہ کے لئے بیٹا تجویز کیا۔ اور اللہ کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے

إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتَى الرَّحْمَنِ عَبْدًا ﴿٤٣﴾

تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اللہ کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے

لَقَدْ أَحْصَاهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ﴿٤٤﴾ وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَرْدًا ﴿٤٥﴾

اس نے ان (سب) کو شمار کر رکھا ہے۔ اور سب قیامت کے دن اس کے سامنے اکیلے حاضر ہوں گے

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا ﴿٤٦﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اللہ ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کر دے گا [پ]

فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُدًّا ﴿٤٧﴾

(اے پیغمبر!) ہم نے یہ تمہاری زبان میں آسان کیا ہے تاکہ تم اس سے پرہیزگاروں کو خوشخبری پہنچا دو اور جھگڑالوؤں کو ڈر سنا دو

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْرًا ﴿٤٨﴾

اور ہم نے ان سے پہلے بہت سے گروہوں کو ہلاک کر دیا ہے جہاں تم ان میں سے کسی کو دیکھتے ہو یا (کہیں) ان کی بھنک سنتے ہو؟ [۹]

[۹] عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ: ان اللہ اذا احب عبدا دعاجبریل فقال انی احب فلانا

فاحبه قال فیحبه جبریل ثم ینادی فی السماء فیقول: ان اللہ یحب فلانا فاحبوه فیحبه اهل السماء ثم

یوضع له القبول فی الارض، واذا ابغض عبدا دعاجبریل فیقول: انی ابغض فلانا فابغضوه، قال فیبغضه

جبریل، ثم ینادی فی اهل السماء ان اللہ یبغض فلانا فابغضوه، قال فیبغضونه، ثم یوضع له البغضاء

فی الارض . بخاری : ۳۲۰۹ ، مسلم رقم : ۲۶۳۷ .

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے، (یعنی جب وہ اپنے بندوں میں کسی بندے کے تئیں اپنی خوشنودی و محبت کو ظاہر کرنے کا ارادہ کرتا ہے) تو جبرئیل کو بلا کر فرماتا ہے، کہ میں فلاں بندے سے محبت رکھتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، نبی ﷺ نے فرمایا: جبرئیل علیہ السلام (یہ سنکر) اس بندے سے محبت رکھتے ہیں، اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آسمان میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے، لہذا تم سب بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

اور پھر اس بندے کے لئے زمین میں بھی قبولیت رکھی جاتی ہے، (یعنی زمین والوں کے دلوں میں بھی اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے اور تمام جن و انس اس سے محبت کرنے لگتے ہیں) اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے نفرت کرتا ہے، تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتا ہے، کہ میں فلاں شخص سے نفرت کرتا ہوں، تم بھی اس سے نفرت کرو، نبی ﷺ نے فرمایا: جبرئیل (یہ سنکر) اس شخص سے نفرت کرتے ہیں، اور پھر وہ آسمان میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے نفرت کرتا ہے، لہذا تم سب بھی اس سے نفرت کرو، چنانچہ آسمان والے بھی اس شخص سے نفرت کرنے لگتے ہیں، یہاں تک اس شخص کے لئے زمین میں بھی عداوت و نفرت رکھی جاتی ہے، جس کی وجہ سے تمام جن و انس اس شخص سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے کو دوست و محبوب رکھنے کا مطلب دراصل اس بندے پر حق تعالیٰ کی طرف سے خیر و بھلائی اور ہدایت و فلاح کی بارش ہونا اور اس پر رحمت الہی کا نازل ہونا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا کسی شخص سے نفرت کرنا گویا اس شخص کو عذاب میں مبتلا کرنے کے ارادہ الہی کو ظاہر کرنا۔

کسی بندے کے حق میں ان کی محبت کو دو صورتوں پر محمول کیا جاسکتا ہے، ایک تو یہ کہ وہ اس بندے کے حق میں استغفار کرتے ہیں اس کی مدح و تعریف کرتے ہیں، اور اس کے لئے بارگاہ الہی میں دعا کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ ”محبت“ کے وہی ظاہری معنی مراد ہیں جو عام طور پر مفہوم ہوتے ہیں یعنی ان کے دل اس بندے کی طرف مائل ہوتے ہیں اور اس سے ملاقات کا اشتیاق رکھتے ہیں۔

ملا علی قاری کہتے ہیں کہ دوسری صورت یعنی محبت کو اس کے اپنے ظاہری معنی پر محمول کرنا زیادہ صحیح ہے کیونکہ جب کسی لفظ کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرنا صحیح ہو تو مجازی معنی مراد لینا غیر موزون ہے، علاوہ ازیں محبت کو اس کے حقیقی معنی پر محمول کرنے کی صورت میں پہلے معنی (یعنی اس بندے کے حق میں جبرئیل اور فرشتوں کا دعا و استغفار اور مدح و تعریف

کرنا ضمنی طور پر خود بخود متحقق ہو جاتے ہیں۔

کیفیت حصول محبت الہی

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ان اللہ تعالیٰ قال: من عاد لی ولیا فقد آذنته بالحرب، وما تقرب الی عبدی بشئ احب الی مما افترضت علیہ، وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ، فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ، وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ الی یتطش بہا، ورجلہ الی یمشی بہا، وان سئلنی لا عظیمہ ولان استعاذنی لا عیذتہ، وما ترددت عن شیء انا فاعلہ ترددی عن نفس المؤمن یکرہ الموت وانا اکرہ مسانئہ ولا بد لہ منہ. بخاری: ۶۵۰۲.

اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: کہ جو شخص میرے ولی کو ایذا پہنچاتا ہے تو میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں، اور میرا کوئی بندہ مومن میرا تقرب (اعمال میں سے) ایسی کسی چیز کے ذریعہ حاصل نہیں کرتا جو میرے نزدیک ہو جیسے ادائیگی فریضہ کے ذریعہ میرا تقرب حاصل ہے، ہمیشہ نوافل کے ذریعہ یعنی طاعات و عبادات کے ذریعہ جو فرائض کے علاوہ اور فرائض سے زائد ہیں میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں، کیونکہ وہ فرائض و نوافل دونوں کو اختیار کرتا ہے، اور جب میں اسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ سنتا ہے، میں اس کی بینائی بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ دیکھتا ہے، میں اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ پکڑتا ہے، میں اس کا پاؤں بن جاتا ہوں کہ وہ اسی کے ذریعہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور وہ برائیوں اور کمروہات سے میری پناہ چاہتا ہے، تو میں اسے پناہ دیتا ہوں، اور جس کام کو میں کرنے والا ہوں اس میں اس طرح تردد نہیں کرتا جس طرح کہ میں بندہ مومن کی جان قبض کرنے میں تردد کرتا ہوں کیونکہ وہ موت کو پسند نہیں کرتا حالانکہ اس کی ناپسندیدگی کو میں ناپسند کرتا ہوں اور موت سے کسی حال میں مفر نہیں ہے۔

”فقد آذنتہ بالحرب“ کا ایک مطلب تو وہی ہے جو ترجمہ سے ظاہر ہے یعنی جو شخص میرے ولی کو ایذا پہنچاتا ہے اس کی اس انتہائی قابل نفرت حرکت کی وجہ سے میں اس کے ساتھ اپنی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں، یا مطلب یہ کہ میں اپنے ساتھ اس کی لڑائی کا اعلان کرتا ہوں پس وہ شخص میرے ولی کو ایذا پہنچا کر گویا مجھ سے لڑنے والا ہے، ائمہ کہتے ہیں کہ ایسا کوئی گناہ نہیں ہے جس کے مرتکب کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ اس سے اعلان جنگ کرتا ہے علاوہ اس

گناہ یعنی اللہ کے کسی محبوب بندہ اور ولی کو ایذا پہنچانے کے، اور سود کھانے کے، سود کھانے والوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ”فأذنوا بحرب من الله ورسوله“ (۲۷۹، بقرہ) پس اگر تم اس سے باز نہیں آتے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ لہذا معلوم ہوا کہ یہ دونوں گناہ نہایت ہی قابل نفرت اور بدترین ہیں، اور ان دونوں میں دنیا اور آخرت دونوں کی مکمل تباہی کا خطرہ ہے اور جو اس کی یہ ہے کہ بندہ سے اللہ کی لڑائی اس کے خاتمہ بد پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جس سے اللہ تعالیٰ لڑا وہ کبھی فلاح و نجات نہیں پاسکتا۔

”جو میں نے اس پر فرض کی ہیں“ کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ بھی چیزیں میں نے اس پر واجب کی ہیں یعنی اوامر یعنی جن چیزوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی فرمانبرداری اور منانہی یعنی جن چیزوں کے بچنے کا حکم دیا گیا ہے ان سے اجتناب ان چیزوں کو اختیار کر کے جو بندہ اللہ کا قریب حاصل کرتا ہے وہ سب سے زیادہ محبوب ہے، ان چیزوں کے برابر اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے کہ جس کو اختیار کر کے بندہ اس درجہ کا تقرب حاصل کر سکے۔

”میں اس کی سماعت بن جاتا ہوں“ الخ، اس بارہ میں علامہ خطابی کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس بندہ پر ان افعال و اعمال کو آسان کر دیتا ہوں جن کا تعلق ان اعضاء سے ہے اور اس کو ان اعمال و افعال کے کرنے کی توفیق دیتا ہوں، یہاں تک گویا وہ اعضاء ہی بن جاتا ہوں۔

بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بندہ کے حواس اور اس کے اعضاء کو اپنی رضا و خوشنودی کا وسیلہ بنا دیتا ہے، چنانچہ وہ بندہ اپنے کان سے صرف وہی بات سنتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہے یا اس پر وہ اپنی آنکھ سے صرف انہیں چیزوں کو دیکھتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔

بعض علماء اس کا مطلب یہ لکھتے ہیں کہ اللہ رب العالمین اس بندہ پر اپنی محبت غالب کر دیتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسی چیز کو دیکھتا ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور وہ اس چیز کو سنتا ہے جس کو اللہ پسند کرتا ہے اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ اس کا مددگار، کارساز ہوتا ہے، اور اس کے کان، اس کی آنکھ، اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں کو ان چیزوں سے بچاتا ہے جنہیں وہ پسند نہیں کرتا۔

”میں ترد کرتا ہوں“ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنی اس عنایت کے سبب جو اس بندہ کے شامل حال ہوتی ہے اس کی زندگی ختم کرنے میں ترد کرتا ہوں کیونکہ موت اس کے لئے کوئی پسندیدہ شے نہیں ہوتی لیکن موت سے چونکہ مفر نہیں، اور یہ طے شدہ امر ہے کہ اس دنیا میں جو بھی جاندار آیا ہے اس کو موت کی آغوش میں ضرور ہی جانا ہے، اس لئے

سورة طه (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

طه ﴿١﴾ مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَى ﴿٢﴾

طہ (اے محمد ﷺ!) ہم نے تم پر قرآن اس لئے نازل نہیں کیا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ (۱)

إِلَّا تَذَكَّرَ ﴿٣﴾ لِمَنْ يَخْشَى ﴿٤﴾ نُنزِلُ مَا مَنَّ خَلَقَ

بلکہ اس شخص کو نصیحت دینے کے لئے (نازل کیا ہے) جو خوف رکھتا ہے۔ یہ اس (ذات برتر) کا اتارا ہوا ہے

= اس کو موت دینا ہوں پھر یہ کہ اس کی موت بھی اسی کے لئے بھلائی کا ہی سبب ہوتی ہے کیونکہ وہ موت کے بعد ہی اس عظیم الشان سعادتوں اور درجات عالیہ کو پہنچتا ہے مثلاً حضور باری تعالیٰ اور جنت وغیرہ کی لازوال نعمتیں موت کے بعد ہی حاصل ہوتی ہیں، اس موقع پر یہ بات جان لیجئے کہ تردد کے معنی ہیں ایسی دو چیزوں کے درمیان تھیر اور پس و پیش کرنا جن کے بارہ میں یہ یقینی علم نہ ہو کہ ان دونوں میں سے کونسی چیز زیادہ بہتر ہے، ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی ذات پر تردد کے اس معنی کا اطلاق قطعاً ناممکن اور محال ہے لہذا حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اپنے کسی فیصلہ کو پورا کرنے میں اس طرح تاخیر و توقف نہیں کرتا جس طرح کہ کوئی متردد شخص اپنے کسی کام اور معاملہ میں کرتا ہے اس بندہ مومن کی روح قبض کرنے کا معاملہ ایسا ہے کہ میں اس میں کچھ توقف کرتا ہوں تاکہ اس بندہ مومن پر موت آسان ہو اس کا دل اس کی طرف مائل ہو جائے اور وہ خود موت کے آنے کا مشتاق ہو جائے پھر اس کے بعد وہ زمرہ مقررین میں داخل ہو کر اعلیٰ علیین میں اپنی جگہ حاصل کر لے۔ بحر الفوائد: ۲۴۰، ومظاہر حق۔

(۱) یہاں پر قاضی عیاض نے کتاب الشفاء: ۲۶۱، میں سند متصل سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: كان النبي

ﷺ اذا صلى قام على رجل و رفع الاخرى، فانزل الله (طه) يعني طأ الارض يا محمد "ما انزلنا عليك

القرآن لتشقى“ الاية، ولاخفاء بما فى هذا كله من الاكرام وحسن المعاملة الخ - یعنی رسول اللہ ﷺ نماز میں ایک پاؤں زمین پر ٹکاتے اور دوسرا اٹھا لیتے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، یعنی (طہ) زمین پر دونوں پاؤں ٹکادیا کر۔ ہم نے یہ قرآن تجھ پر اس لئے نہیں اتارا کہ تجھے تکلیف و مشقت میں ڈال دیں۔ یہ روایت اگرچہ مرسل ہے لیکن شہاب الدین خفاجی نے شرح شفاء: ۲۳۲/۱، میں اس کے لئے دو شواہد نقل کئے ہیں۔ ابن عباسؓ اور علیؓ سے بحوالہ ابن مردویہ۔ اور مسند بزار نے بھی: ۱۳۶/۳، میں ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور بخوی واہن کثیر وغیرہ نے مقاتل سے یہی معنی نقل کیا ہے۔ اور علی القاریؒ نے شرح الشفاء: ۲۳۲/۱، میں اس کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے: کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ: كانت تدعوه مشقة الصلاة، الى ان يتروح برفع احدى قدميه و حط الاخرى، فقليل له طأ الارض بمعنى لا تلزم نفسك من القيام ماتعب معه، فتضطرب الى الترويح باحدى قدميك. قال المنجاني وهذا التاويل احسن من التاويل الذى تاوله القاضى والافالقيام على رجل واحدة لم يثبت فى الشرع، انه من جملة التطوعات فيفعله النبى ﷺ اختيارا دون ان يوجب ذلك موجب من تعب او تورم قدم، بل لم يبيح ذلك الفقهاء الا للضرورة، قلت لامانع من انه كان فى الشرع من التطوع ثم نسخ۔

یعنی آپ کو مجبور کرتی تھی نماز کی مشقت، کہ ایک قدم کو آرام دے اور دوسرے کو، زمین پر رکھیں، پس آپؐ کو کہا گیا کہ زمین کو روندوں اپنی قیام میں، اپنے آپ پر ایسے مشقت لازم نہ کرو جس سے آرام کی طرف مجبور ہو جاؤ، ایک قدم کے اٹھانے سے، منجانی نے کہا ہے کہ یہ تاویل اچھی اور احسن ہے بنسبت تاویل قاضی کے، ورنہ ایک پاؤں پر کھڑا ہونا نماز میں شرعا ثابت نہیں ہے، اور نہ یہ تطوعات میں سے ہے، نبی ﷺ اس کو اختیارى طور پر کرتے، بلکہ فقہاء نے اس کو جائز نہیں کہا مگر ضرورت کی وجہ سے۔ میں کہتا ہوں، کہ اس کا مانع نہیں کہ پہلے شروع تھا نوافل میں پھر منسوخ ہوا۔

اس تفصیل سے اس واقعہ کی بطلان واضح ہوئی جو کہ ابن الہیز از کردری (صاحب فتاویٰ بزازیہ) نے مناقب امام اعظم: ۵۵، میں نقل کیا ہے کہ: ولقد ذكر الهمداني فى اخر الخزانة ان الامام لما حج حجة الوداع شاطر ماله مع السدانة، واستدخله الكعبة، فقام على رجله وقرأ نصف السبع المثاني، ثم قام على رجله الاخرى وختم النصف الثانى، وقال يارب ماعرفتك حق المعرفة و ماعبدتک حق العبادۃ، فهب لى نقصان الخدمة بكمال المعرفة، فنودى من زاوية البيت، عرفت فاحسنت المعرفة، =

الْأَرْضِ وَالسَّمَوَاتِ الْعُلَى ﴿۱۴﴾ الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى ﴿۱۵﴾ ﴿۱۶﴾

جس نے زمین اور اونچے اونچے آسمان بنائے۔ (یعنی اللہ) الرحمن جس نے عرش پر استوی کیا

مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرَى ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے بیچ میں ہے اور جو کچھ (زمین کی) مٹی کے نیچے ہے سب اسی کا ہے

وَإِنْ تَجْهَرُ بِالْقَوْلِ فَإِنَّهُ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾ اللَّهُ لَا إِلَهَ

اور اگر تم پکار کر بات کہو تو وہ تو جیسے بھید اور نہایت پوشیدہ بات تک کو جانتا ہے۔ (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی

إِلَّا هُوَ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ وَهَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾

معبود نہیں ہے اس کے (سب) نام اچھے ہیں۔ اور کیا تمہیں موسیٰ (کے حال) کی خبر ملی ہے؟

إِذْ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ

جب انہوں نے آگ دیکھی تو اپنے گھر کے لوگوں سے کہا کہ تم (یہاں) ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے (میں وہاں جاتا

= وخدمت فاخلفت الخدمة، غفرنا لك ولمن كان على مذبحك الى قيام الساعة.

اور ہمدانی نے (کتاب) خزانہ کے اخیر میں ذکر کیا، امام صاحب نے جب حجۃ الوداع کیا، آدھا مال تو وہاں کے

خدام کے ساتھ رکھا، اور اس کو کعبے کے اندر داخل کیا، پس ایک پاؤں پر کھڑے ہوئے آدھا ”السبع المثانی“ پڑھا (یعنی

اول سات لمبی سورتیں)، پھر دوسرے پاؤں پر کھڑے ہو گئے دوسرا آدھا حصہ ختم کیا۔ پھر کہا، اے رب میں نے نہیں

پہچانا تجھ کو جیسے پہچاننے کا حق تھا، اور نہ ہی عبادت کی میں نے تیری، جیسے عبادت کا حق تھا، پس بخش دے مجھ کو، خدمت

کا نقصان کمال معرفت سے، پس آواز آئی بیت اللہ کے ایک کونے سے، کہ آپ نے معرفت حاصل کی اور اچھی معرفت

حاصل کی، خدمت کی اور خالص خدمت، ہم نے آپ کو اور جو آپ کی مذہب پر ہیں ان کی مغفرت کر دی ہے قیامت تک۔

نَارًا أَلْعَلِّيٰ اَتِيكُمْ مِنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجْدُ عَلٰى النَّارِ هُدًى ﴿۱۰﴾

ہوں) شاید اس میں سے میں تمہارے پاس انگاری لاؤں گا یا آگ کے پاس راستے کی اطلاع پاؤں

فَلَمَّا اَتَاهَا نُودِيَ يٰمُوسٰى ﴿۱۱﴾ اِنِّىْ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۗ اِنَّكَ

جب وہاں پہنچے تو آواز آئی کہ اے موسیٰ! میں تو تمہارا پروردگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دو تم (یہاں)

بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۱۲﴾ اِنَّا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحٰى ﴿۱۳﴾

پاک میدان (یعنی) طوی میں ہو۔ اور میں نے تم کو انتخاب کر لیا ہے تو جو حکم دیا جائے اسے سنو

اِنِّىْ اَنَا اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِىْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ﴿۱۴﴾ اِنَّ

بیشک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لئے نماز پڑھا کرو قیامت یقیناً

السَّاعَةَ اَتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى ﴿۱۵﴾

آنے والی ہے میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے

فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاَتَّبَعْ هُوَا هٗ فَتَرْدٰى ﴿۱۶﴾

تو جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے (کہیں) تم کو اس (کے یقین) سے روک نہ دے تو

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى ﴿۱۷﴾ اَلْاِلٰهٰتِ هِىَ عَصٰى ۗ

تم ہلاک ہو جاؤ۔ اور موسیٰ یہ تمہارے داہنے ہاتھ میں کیا ہے؟۔ انہوں نے کہا کہ یہ میری لاشی ہے

اَتَوَكَّلُ عَلَيْهَا وَاَهْشُ بِهَا عَلٰى غَنَمِىْ وَلِىٰ فِيهَا مَارِبُ اٰخِرٰى ﴿۱۸﴾

اس پر میں ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے لئے اور بھی کئی فائدے ہیں

قَالَ اَلْقَهَا يٰمُوسٰى ﴿۱۹﴾ اَلْقَهَا فَاِذَا هِىَ حَيَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾

فرمایا کہ موسیٰ! اسے ڈال دو تو انہوں نے اس کو ڈال دیا اور وہ ناگہاں سانپ بن کر دوڑنے لگا

قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى ﴿٢١﴾ وَاضْمُمْ يَدَكَ

اللہ نے فرمایا کہ اسے پکڑ لو اور ڈرنا مت ہم اس کو ابھی اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے۔ اور اپنا ہاتھ

إِلَى جَنَاحِكَ تَخْرُجَ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَى ﴿٢٢﴾

اپنی بغل سے لگا لو وہ کسی عیب کے بغیر سفید (چمکتا دمکتا) نکلے گا (یہ) دوسری نشانی (ہے)

لِنُرِيكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى ﴿٢٣﴾ هَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ﴿٢٤﴾

تاکہ ہم تمہیں اپنے نشاناتِ عظیم دکھائیں۔ تم فرعون کے پاس جاؤ (کہ) وہ سرکش ہو رہا ہے۔ کہا

رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾

کہ میرے پروردگار! (اس کام کے لئے) میرا سینہ کھول دے۔ اور میرا کام آسان کر دے

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِنْ لِسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾

اور میری زبان کی گرہ کھول دے۔ تاکہ وہ بات سمجھ لیں

وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي ﴿٢٩﴾ هَارُونَ أَخِي ﴿٣٠﴾

اور میرے گھر والوں میں سے (ایک کو) میرا وزیر مقرر فرما۔ (یعنی) میرے بھائی ہارون کو

اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي ﴿٣١﴾ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي ﴿٣٢﴾ نَسَبَحَكَ كَثِيرًا

اس سے میری قوت کو مضبوط فرما اور اسے میرے کام میں شریک کر۔ تاکہ ہم تیری بہت سی تسبیح کریں

﴿٣٣﴾ وَهَذَا ذِكْرُكَ كَثِيرًا ﴿٣٤﴾ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا ﴿٣٥﴾

اور تجھے کثرت سے یاد کریں۔ تو ہم کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔ فرمایا

قَدْ أُوتِيَ سُؤْلُكَ يَا مُوسَى ﴿٣٦﴾ وَقَدْ مَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى ﴿٣٧﴾

کہ اے موسیٰ! تمہاری دعا قبول کی گئی۔ اور ہم نے تم پر ایک بار اور بھی احسان کیا تھا

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ﴿۳۸﴾ أَفَذِيفِيهِ فِي التَّابُوتِ

جب ہم نے تمہاری والدہ کو الہام کیا تھا جو تمہیں بتایا جاتا ہے۔ (وہ یہ تھا) کہ اسے (یعنی موسیٰ کو) صندوق میں رکھو

فَافْذِيفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ ۗ

پھر اس (صندوق) کو دریا میں ڈال دو تو دریا اسے کنارے پر ڈال دے گا (اور) میرا اور اس کا دشمن اسے اٹھالے گا

وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي ﴿۳۹﴾

اور میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی (اس لئے کہ تم پر مہربانی کی جائے) اور اس لئے کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ

إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُ

جب تمہاری بہن (فرعون کے ہاں) گئی اور کہنے لگی کہ میں تمہیں ایسا شخص بتاؤں جو اس کو پالے

فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ

تو (اس طریق سے) ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ رنج نہ کریں

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۗ

اور تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تو ہم نے تم کو غم سے نجات دی اور ہم نے تمہاری (کئی بار) آزمائش کی

فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يُّمُوسَىٰ ﴿۴۰﴾

پھر تم کئی سال اہل مدین میں ٹھہرے رہے پھر اے موسیٰ! تم ایک اندازے پر آ پہنچے [۲]

[۲] سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عباسؓ سے اس کی بابت سوال کیا، تو آپ نے فرمایا اب تو دن

ڈوبنے کو ہے واقعات زیادہ ہے پھر سہی، چنانچہ میں نے دوسری صبح پھر سوال کیا تو آپ نے فرمایا سنو! فرعون کے دربار میں

ایک دن اس بات کا ذکر چھڑا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ابراہیم خلیل اللہ سے یہ تھا کہ ان کی اولاد میں سے انبیاء، اولیاء اور بادشاہ

ہونگے۔ چنانچہ بنی اسرائیل اس کے آج تک منتظر ہیں، اور انہیں یقین ہے کہ مصر کی سلطنت پھر ان میں جائے گی۔ پہلے

تو ان کا خیال تھا کہ یہ وعدہ یوسف علیہ السلام کی بابت تھا۔ لیکن ان کی وفات تک جب وہ وعدہ پورا نہیں ہوا۔ تو وہ اب عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان میں اپنے ایک پیغمبر کو بھیجے گا جن کے ہاتھوں انہیں سلطنت بھی ملے گی اور ان کی قومی اور مذہبی ترقی ہوگی۔ یہ باتیں کر کے فرعونوں نے مجلس مشاورت قائم کی کہ اب کیا کیا جائے جس سے اندہ کے اس خطرے سے محفوظ رہ سکیں، آخر اس جلسے میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ پولیس کا ایک محکمہ قائم کیا جائے جو شہر کا گشت لگاتا رہے۔

اور نبی اسرائیل میں جو زریہ اولاد ہوا سے اسی وقت سرکار میں پیش کیا جائے اور ذبح کر دیا جائے لیکن جب ایک مدت گزر گئی تو انہیں خیال پیدا ہوا کہ اس طرح تو بنی اسرائیل بالکل پناہ ہو جائیں گے، اور جو ذلیل خدمتیں ان سے لی جاتی ہیں اور جو بیگاریں ان سے وصول ہو رہی ہیں سب موقوف ہو جائیں گے۔ اس لئے اب تجویز ہوا کہ ایک سال ان کے بچوں کو چھوڑ دیا جائے اور ایک سال ان کے بچوں کو قتل کر دیے جائیں اس طرح موجودہ بنی اسرائیل کی تعداد بھی نہ بڑھے گی اور نہ اتنی کم ہو جائی گی کہ ہمیں اپنی خدمت گزاری کے لئے بھی نہ مل سکے۔

جتنے بوڑھے دو سال میں مریں گے اتنے بچے ایک سال میں پیدا ہو جائیں گے جس سال قتل موقوف تھا اس سال تو ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے اور جس سال قتل عام بچوں کا جاری تھا اس سال موسیٰ علیہ السلام تولد ہوئے، آپ کی والدہ کی اس وقت کی گھبراہٹ اور پریشانی کا کیا پوچھنا؟ بے اندازہ تھی ایک فتنہ تو یہ تھا۔

چنانچہ یہ خطرہ اس وقت دفع ہو گیا جب اللہ تعالیٰ کی وحی ان کے پاس آئی کہ خوف نہ کر ہم اسے تیری طرف پھر لوٹائیں گے اور اسے اپنا رسول بنائیں گے۔ چنانچہ بحکم اللہ تعالیٰ آپ نے اپنے بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا دیا۔ جب صندوق نظروں سے اچھل گیا تو شیطان نے دل میں وسوسے ڈالنے شروع کئے کہ افسوس اس سے تو یہی بہتر تھا کہ میرے سامنے ہی اسے ذبح کر دیا جاتا، تو میں اسے خود ہی کفنانی و دفنانی تو سہی لیکن اب تو میں نے آپ اسے مچھلیوں کا شکار بنایا، یہ صندوق یونہی بہتا ہوا خاص فرعون کی گھاٹ سے جا لگا۔

وہاں اس وقت محل کی لونڈیاں موجود تھی، انہوں نے صندوق کو اٹھالیا اور ارادہ کیا کہ کھول کر دیکھیں لیکن پھر ڈر گئیں کہ ایسا نہ ہو کوئی چوری پڑے، یونہی مقفل صندوق ملکہ فرعون کے پاس پہنچا دیا، وہ بادشاہ بیگم کے سامنے کھولا گیا تو اس میں سے چاند جیسی صورت کا ایک چوٹھا سا معصوم بچہ نکلا جسے دیکھتے ہی فرعون کی بیوی صاحبہ کا دل محبت کے جوش سے اچھلنے لگا۔ ادھر ام موسیٰ کی حالت غیر ہو گئی سوائے اپنے اس پیارے بچے کے خیال کے دل میں اور کوئی تصور ہی نہ تھا۔ ادھر ان قصائیوں کو جو حکومت کی طرف سے بچوں کے قتل کے محکمہ کے ملازم تھے۔ معلوم ہوا تو وہ اپنی چھریاں تیز کئے

ہوئے بڑھے اور ملکہ سے تقاضا کیا کہ بچہ انہیں سونپ دیں تاکہ وہ اسے ذبح کر ڈالیں، اے ابن جبیر یہ دوسرا فتنہ تھا۔

آخر ملکہ نے جواب دیا کہ ٹھہروں میں خود بادشاہ سے ملتی ہو اور اس بچے کو طلب کرتی ہو۔ اگر وہ مجھے دیدیں تو خیر ورنہ تمہیں اختیار ہے، چنانچہ آپ آئیں اور بادشاہ سے کہا کہ یہ بچہ تو میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ثابت ہوگا۔ اس خبیث نے کہا بس تم ہی اس سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ میری ٹھنڈک وہ کیوں ہونے لگا۔ مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ مختلف بیان فرماتے ہیں کہ اگر وہ بھی کہہ دیتا کہ ہاں بے شک وہ میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی ضرور راہ راست دکھا دیتا، جیسا کہ اس کی بیوی صاحبہ مشرف بہ ہدایت ہوئیں۔ لیکن اس نے خود اس سے محروم رہنا چاہا اللہ تعالیٰ نے بھی اسے محروم کر دیا۔ الغرض فرعون کو جوں توں کر کے راضی رضامند کر کے اس بچے کے پالنے کی اجازت لے کر آپ آئیں۔ اب محل کی جتنی دایہ تھیں، سب کو جمع کیا ایک ایک کو گود میں بچہ دیا گیا لیکن اللہ تعالیٰ نے سب کا دودھ آپ پر حرام کر دیا۔ آپ نے کسی کا دودھ منہ میں لیا ہی نہیں۔ اس سے ملکہ گھبرائیں کہ یہ تو بہت ہی برا ہوا۔ یہ پیارا بچہ یونہی ہلاک ہو جائے گا۔ آخر سوچ کر حکم دیا کہ انہیں باہر لے جاؤ ادھر ادھر تلاش کرو اور اگر کسی کا دودھ یہ معصوم قبول کر لے تو اسے بہ منت سونپ دو، باہر بازاروں میں میلہ سالگ گیا ہر شخص اس سعادت سے مالا مال ہونا چاہتا تھا لیکن موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔ آپ کی والدہ نے اپنی بڑی صاحبزادی آپ کی بہن کو باہر بھیج رکھا تھا کہ وہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ وہ اس مجمع میں موجود تھیں، اور تمام واقعات دیکھ رہی تھیں، جب یہ لوگ عاجز آ گئے تو آپ نے فرمایا اگر تم کہو تو میں ایک گھرانہ ایسا بتلاؤں جو اس کی نگہبانی کرے، اور ہو بھی اس کا خیر خواہ۔ یہ کہنا تھا کہ لوگوں کو شک ہوا کہ ضروریہ لڑکی اس بچے کو جانتی ہے، اور اس کے گھر کو بھی پہچانتی ہے، اے ابن جبیر یہ تھا تیسرا فتنہ۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے لڑکی کو سمجھ دیدی اور اس نے جھٹ سے کہا کہ بھلا تم اتنا ہی نہیں سمجھتے، کون بد نصیب ایسا ہوگا جو اس بچے کی پرورش اور خیر خواہی میں کمی کرے، جو بچہ ہماری ملکہ کا پیارا ہو کون نہ چاہے گا کہ یہ ہمارے ہاں پلے تاکہ انعام و اکرام سے اس کا گھر بھر جائے۔ یہ سن کر سب کی سمجھ میں آ گیا اسے چھوڑ دیا اور کہا بتا تو کونسی دایہ اس کے لئے تجویز کرتی ہے؟ اس نے کہا میں ابھی لائی، دوڑی ہوئی گئیں، اور والدہ کو یہ خوش خبری سنائی، والدہ صاحبہ ہمہ شوق و امید آئیں، اپنے پیارے بچے کو گھود میں لیا، اپنا دودھ منہ میں دیا، بچے نے پیٹ بھر کر پیا۔ اسی وقت شاہی محلات میں یہ خوشخبری پہنچائی گئی، ملکہ کا حکم ہوا کہ فوراً اس دایہ کو اور بچے کو میرے پاس لاؤ، جب ماں بیٹا پہنچے تو اپنے سامنے دودھ پلویا، اور یہ دیکھ کر کہ بچہ اچھی طرح دودھ پیتا ہے، بہت ہی خوش ہوئیں اور فرمانے لگیں کہ دائی اماں مجھے اس بچے سے وہ محبت ہے

جو دنیا کی کسی اور چیز سے نہیں، تم یہیں محل میں رہو، اور اس بچہ کی پرورش کرو۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام کی والدہ صاحبہ کے سامنے اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا، انہیں یقین کامل تھا، اس لئے آپ ذرا رکیں، اور فرمایا کہ یہ تو ناممکن ہے کہ میں اپنے گھر کو اور اپنے بچوں کو چھوڑ کر یہاں رہوں، اگر آپ چاہتی ہیں تو یہ بچہ میرے سپرد کر دیں، میں اسے اپنے گھر لے جاتی ہوں، ان کی پرورش میں کوئی کوتاہی نہ کروں گی۔

ملکہ صاحبہ نے مجبوراً اس بات کو بھی مان لیا اور آپ اسی دن خوشی خوشی اپنے بچے کو لئے ہوئے گھر آ گئیں، اس بچے کی وجہ سے اس محلے کے بنی اسرائیل بھی فرعون کی مظالم سے رہائی پا گئے، جب زمانہ گزر گیا تو بادشاہ بیگم نے حکم بھیجا کہ کسی دن میرے بچے کو میرے پاس لاؤ، ایک دن مقرر ہو گیا تمام ارکان سلطنت اور درباریوں کو حکم ہوا کہ آج میرا بچہ میرے پاس آئے گا۔ تم سب قدم قدم پر اس کا استقبال کرو، اور دھوم دھام سے نذریں دیتے ہوئے اسے میرے محل سرائے تک لاؤ، چنانچہ جب سواری روانہ ہوئی وہاں سے محل سرائے سلطانی تک برابر تحفے تحائف نذریں اور ہدیے پیشکش ہوتے رہے، اور بڑے ہی عزت و اکرام کے ساتھ آپ یہاں پہنچے، تو خود بیگم نے بھی خوشی خوشی بہت بڑی رقم پیش کی، اور بڑی خوشی منائی گئی، پھر کہنے لگی کہ میں تو اسے بادشاہ کے پاس لے جاؤں گی، وہ بھی اسے انعام و اکرام دیں گے۔ لے گئیں اور بادشاہ کے گھوڑوں میں لٹا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ڈاڑھی پکڑ کر زور سے گھسیٹی، فرعون کھٹک گیا، اور اس کے درباریوں نے کہنا شروع کیا کہ کیا عجب یہی وہ لڑکا ہو، آپ اسے فوراً قتل کر دیجئے۔ ابن جبریر یہ تھا جو تھا وقتہ۔

ملکہ بے تاب ہو کر بول اٹھیں، اے بادشاہ کیا ارادہ کر رہے ہو؟ آپ اسے مجھے دے چکے ہیں، میں اسے اپنا بیٹا بنا چکی ہوں، بادشاہ نے کہا یہ سب ٹھیک ہے لیکن دیکھو تو اس نے آتے ہی ڈاڑھی پکڑ کر مجھے نیچا کر دیا، گویا یہی میرا گرانے والا اور مجھے تاخت و تاراج کرنے والا ہے۔ بیگم صاحبہ نے فرمایا بادشاہ! بچوں کو ان چیزوں کی کیا تمیز؟ سنو! میں ایک فیصلہ کن بات بتلاؤں اس کے سامنے دو انگارے آگ کے سرخ رکھ دو، اور دو موتی آبدار چمکتے ہوئے رکھ دو، پھر دیکھو یہ کیا اٹھاتا ہے؟ اگر موتی اٹھالے تو یہ سمجھنا کہ اس میں عقل ہے، اور اگر آگ کے انگارے تھام لے تو سمجھ لینا کہ عقل نہیں، جب عقل تمیز نہیں اور اس کے ڈاڑھی پکڑ لینے پر اتنے لمبے خیالات کر کے اس کی جان کے دشمن بن جانا کونسی دانائی کی بات ہے؟ چنانچہ یہی کیا گیا دونوں چیزیں آپ کے پاس رکھی گئیں۔ آپ نے دیکھتے ہوئے انگارے اٹھالے اسی وقت وہ چھین لئے کہ ایسا نہ ہو ہاتھ جل جائیں، اب فرعون کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور بدلا ہوا رخ ٹھیک ہو گیا۔ حق تو یہ ہے کہ اللہ کو جو کام کرنا منظور ہوتا ہے اس کے قدرتی اسباب مہیا ہو ہی جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی دربار فرعون میں فرعون کی

خاص محل میں فرعون کی بیوی کی گود میں ہی پرورش ہوتی رہی، یہاں تک کہ آپ اچھی عمر کو پہنچ گئے، اور بالغ ہو گئے۔

اب تو فرعونوں کے جو مظالم اسرائیلیوں پر ہو رہے تھے ان میں بھی کمی ہو گئی تھی، سب امن و امان سے تھے، ایک دن موسیٰ علیہ السلام کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک فرعونی اور ایک اسرائیلی کی لڑائی ہو رہی تھی، اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی، آپ کو سخت غصہ آیا اس لئے کہ اس وقت وہ فرعونی اس اسرائیلی کو دبوچے ہوئے تھا۔

آپ نے اسے ایک مکارا اللہ تعالیٰ کی شان مکا لگتے ہی وہ مر گیا۔ یہ تو لوگوں کو عموماً معلوم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اسرائیلیوں کی طرف داری کرتے ہیں، لیکن لوگ اس کی وجہ اب تک یہی سمجھتے تھے کہ چونکہ آپ نے انہیں میں دودھ پیا ہے اس لئے ان کے طرف دار ہیں۔ اصلی راز کا علم تو صرف آپ کی والدہ کو تھا۔ اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلیم کو بھی معلوم کر دیا ہو، مردہ دیکھتے ہی موسیٰ علیہ السلام کانپ اٹھے کہ یہ شیطانی حرکت ہے وہ بہکانے والا دشمن ہے۔ چونکہ قتل کا معاملہ تھا آپ خوفزدہ ہی رہے تاکہ جھانک میں رہے کہ کہیں معاملہ کھل تو نہیں گیا، ادھر فرعون کے پاس شکایت ہوئی کہ ایک قبیلے کو کسی بنی اسرائیلی نے مار ڈالا ہے، فرعون نے حکم جاری کر دیا کہ واقعہ کی پوری تحقیق کرو، پولیس نے ہر چند تفتیش کی لیکن قاتل کا سراغ نہ ملا۔

اتفاق کی بات کہ دوسرے ہی دن موسیٰ علیہ السلام پھر کہیں جا رہے تھے کہ دیکھا وہی بنی اسرائیلی شخص ایک دوسرے فرعونی سے جھگڑ رہا ہے، موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی وہ دہائی دینے لگا۔ لیکن اس نے یہ محسوس کیا کہ شاید موسیٰ علیہ السلام اپنے گل کے فعل سے نام ہیں، موسیٰ علیہ السلام کو بھی اس کا بار بار کا جھگڑنا اور فریاد کرنا برا معلوم ہوا اور کہا تم تو بڑے لڑاکا ہو۔ یہ فرما کر اس فرعونی کو پکڑنا چاہا لیکن اس اسرائیلی بزدل نے سمجھا کہ شاید آپ چونکہ مجھ پر ناراض ہیں مجھے ہی پکڑنا چاہتے ہیں۔

حالانکہ اس کا یہ صرف بزدلانہ خیال تھا۔ آپ تو اسی فرعونی کو پکڑنا چاہتے تھے، اور اسے سچانا چاہتے تھے۔ لیکن خوف و ہراس کی حالت میں بے ساختہ اس کے منہ سے نکل گیا کہ موسیٰ! جیسے کہ کل تو نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا کیا آج مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے؟ یہ سن کر وہ فرعونی اسے چھوڑ کر بھاگا دوڑا گیا اور سرکاری سپاہ کو اس واقعہ کی اطلاع کر دی۔ فرعون کو بھی قصہ معلوم ہوا اسی وقت جلا دوں کو حکم دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو پکڑ کر قتل کر دو۔ یہ لوگ شارع عام سے آپ کی جستجو میں چلے۔ ادھر ایک بنی اسرائیلی نے راستہ کاٹ کر نزدیک کے راستے سے آ کر موسیٰ علیہ السلام کو خبر دی۔ اے ابن حیر! یہ ہے پانچواں فتنہ۔ موسیٰ علیہ السلام نے یہ سنتے ہی مٹھیاں بند کر کے مصر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ نہ کبھی پیدل چلے تھے نہ کبھی =

وَأَصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ﴿۲۱﴾ ذُهِبُ أَنْتَ وَأَخُوكَ بِأَيْتِي

اور میں نے تمہیں اپنے (کام کے) لئے بنایا ہے۔ تو تم اور تمہارا بھائی دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ

وَلَا تَنِيَا فِي ذِكْرِي ﴿۲۲﴾ ذُهِبَا إِلَى فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَى ﴿۲۳﴾ فَهَوَّلَا لَهُ قَوْلًا

اور میری یاد میں سستی نہ کرنا۔ دونوں فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ سرکش ہو رہا ہے۔ اور اس سے نرمی سے بات کرنا

لَنَا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبَّنَا إِنَّا نَخَافُ أَنْ يُفْرِطَ عَلَيْنَا

شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔ دونوں کہنے لگے کہ ہمارے پروردگار! ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر تعدی کرنے لگے

أَوْ أَنْ يَطْغَى ﴿۲۵﴾ قَالَ لَا تَخَافَا إِنِّي مَعَكُمْ أَسْمَعُ وَأَرَى ﴿۲۶﴾

یا زیادہ سرکش ہو جائے۔ اللہ نے فرمایا کہ ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں (اور) سنتا اور دیکھتا ہوں

فَأْتِيَهُ فَقَوْلًا إِنَّا رَسُولُ رَبِّكَ فَأَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ

(اچھا) تو اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی

وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ مِّنْ رَبِّكَ وَالسَّلَامُ عَلَيَّ مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى

اجازت دیجئے اور انہیں عذاب نہ کیجئے ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور جو ہدایت کی بات مانے اس کو سلامتی ہو

﴿۲۷﴾ قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّى ﴿۲۸﴾

ہماری طرف یہ وحی آئی ہے کہ جو جھٹلائے اور منہ پھیرے اس کے لئے عذاب (تیار) ہے

= کسی مصیبت میں چھنسنے تھے۔ شہزادوں کی طرح لاڈ چاؤ میں پلے تھے۔ نہ راستے کی خبر تھی نہ کبھی کسی سفر کا اتفاق پڑا ہوا تھا

۔ رب پر بھروسہ کر کے یہ دعا کر کے کہ اے اللہ مجھے سیدھی راہ لے چلانا، چل کھڑے ہوئے۔ اس روایت کو امام بیہقی نے

سنن کبریٰ: ۶/۳۹۷، اور امام طحاوی نے مشکل الآثار: ۶/۶۰۱، اور ہیثمی نے مجمع الزوائد: ۷/۵۷ میں اور ابن کثیر، ابن جریر

اور درمنثور نے اس آیت کے ذیل میں ذکر کیا ہے۔

قَالَ فَمَنْ رَبُّكُمْ يَا مُوسَى ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي

اس نے کہا کہ موسیٰ! تمہارا پروردگار کون ہے؟ - کہا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے

أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى ﴿۲۵﴾ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَى ﴿۲۶﴾

جس نے ہر چیز کو اس کی شکل و صورت بخشی پھر راہ دکھائی۔ [۳] کہا تو پہلی جماعتوں کا کیا حال؟

[۳] تفصیل اس آیت کی یہ ہے کہ ایک ہدایت جو انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ اور فرض منصبی ہے وہ تو خاص ہدایت ہے جس کے مخاطب اہل عقول انسان اور جنات ہی ہوتے ہیں۔ ایک دوسری قسم کی تکوینی ہدایت بھی ہے جو مخلوقات میں ہر چیز کے لئے عام اور شامل ہے، آگ، پانی، مٹی اور ہوا اور ان سے مرکب ہونے والی ہر شئی کو حق تعالیٰ نے ایک خاص قسم کا ادراک و شعور دیا ہے، جو اگرچہ انسان و جن کی برابر نہیں۔ اسی لئے احکام حلال و حرام ان چیزوں پر عائد نہیں ہوتے مگر ادراک و شعور سے خالی نہیں، اسی ادراک و شعور کے راستہ حق تعالیٰ نے ہر شئی کو اس کی ہدایت کردی کہ تو کس کام کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تجھے کیا کرنا ہے۔ اسی تکوینی حکم اور ہدایت کے تابع زمین و آسمان اور ان کی تمام مخلوقات اپنے اپنے کام اور اپنی اپنی ڈیوٹی پر لگے ہوئے ہیں۔ چاند سورج اپنا کام کر رہے ہیں اور دوسرے سیارے و ثوابت اپنے اپنے کام میں اس طرح لگے ہوئے ہیں کہ ایک منٹ و سیکنڈ کا بھی کبھی فرق نہیں ہوتا۔

ہوا، پانی، آگ اور مٹی اپنی اپنی منشأ پیدائش میں لگے ہوئے ان سے بغیر حکم ربانی سرِ موفرق نہیں کرتے۔ ہاں جب ان کا حکم ہوتا ہے تو کبھی آگ گلزار بھی بنجاتی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کے لئے اور کبھی پانی آگ کا بھی کام کرنے لگتا ہے جیسے قوم نوح کے لئے: ”اغرقوا فادخلوا ناراً“ بچہ کو ابتداء پیدائش کے وقت جبکہ اس کو کوئی بات سکھانا کسی کے بس میں نہیں یہ کس نے سکھایا؟ ماں کی چھاتی سے اپنی غذا حاصل کرے اس کے لئے چھاتی کو دبا کر چوسنے کا ہنر کس نے بتلایا، بھوک، پیاس سردی گرمی کی تکلیف ہو تو رو پڑنا اس کی ساری ضروریات پوری کرنے کے لئے کافی ہو جاتا ہے مگر یہ رونا کس نے سکھایا یہ وہی ہدایت ربانی ہے جو ہر مخلوق کو اس کی حیثیت اور ضرورت کے مطابق غیب سے بغیر کسی کی تعلیم کے عطاء ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے طرف سے ایک عام ہدایت تکوینی ہر مخلوق کے لئے جسکی ہر مخلوق =

﴿۱۲۴﴾ قَالَ عَلَّمَهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسِي ﴿۱۲۴﴾

کہا کہ ان کا علم میرے پروردگار کو ہے (جو) کتاب میں (لکھا ہوا ہے) میرا پروردگار نہ چھوکتا ہے نہ بھولتا ہے

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ مَهْدًا وَوَسَّلَ لَكُمُ فِيهَا سُبُلًا

وہ (وہی تو ہے) جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے لئے رستے جاری کئے

﴿۱۲۵﴾ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتَّى ﴿۱۲۵﴾

اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے انواع و اقسام کی مختلف روئیدگیاں پیدا کیں

﴿۱۲۶﴾ كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَأُولَى النَّهْيِ ﴿۱۲۶﴾

(کہ خود بھی) کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو بھی چراؤ بیشک ان (باتوں) میں عقل والوں کے لئے (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

= تکوینی طور پر پابند ہے اور اس کے خلاف کرنا اس کی قدرت سے خارج ہے دوسری ہدایت خاص اہل عقول انسان و جن

کیلئے ہے یہ ہدایت تکوینی اور جبری نہیں بلکہ اختیاری ہوتی ہے اسی اختیار کے نتیجے میں اس پر ثواب یا عذاب مرتب ہوتا ہے۔

”اعطی کل شیء خلقه ثم ہدی“ میں پہلی ہی قسم کی ہدایت مذکور ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو سب

سے پہلے رب العلمین کا وہ کام بتلایا جو ساری مخلوق پر حاوی ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کام ہم نے یا کسی دوسرے انسان

نے کیا ہے۔ فرعون اس کا تو کوئی جواب نہ دے سکا، اب ادھر ادھر کی باتوں میں ٹلایا اور ایک سوال موسیٰ علیہ السلام سے

کیا کہ جس کا حقیقی جواب عوام سنیں تو موسیٰ علیہ السلام سے بدگمان ہو جائیں وہ یہ کہ پچھلے دور کی تمام امتیں اور اقوام عالم

جو بتوں کی پرستش کرتے رہے آپ کے نزدیک ان کا کیا حکم ہے وہ کیسے ہیں ان کا انجام کیا ہوا؟ مقصد یہ تھا کہ اس کے جواب

میں موسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ یہ سب گمراہ اور جہنمی ہیں تو مجھے یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ لو یہ ساری دنیا ہی کو یہ توقف گمراہ

اور جہنمی سمجھتے ہیں اور لوگ یہ سکران سے بدگمان ہونگے تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا مگر موسیٰ علیہ السلام نے اس کا ایسا

حکیمانہ جواب دیا جس سے اس کا یہ منصوبہ غلط ہو گیا۔

﴿۱۴۱﴾ مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى ﴿۱۴۲﴾

اسی (زمین) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں تمہیں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری دفعہ نکالیں گے

﴿۱۴۳﴾ وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَأَبَى ﴿۱۴۴﴾ قَالَ أَجِئْتَنَا

اور ہم نے فرعون کو اپنی سب نشانیاں دکھائیں مگر وہ تکذیب اور انکار ہی کرتا رہا۔ کہنے لگا کہ موسیٰ تم ہمارے پاس اس لئے

لِتُخْرِجَنَا مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَى ﴿۱۴۵﴾ لِنَأْتِيَنَّكَ بِسِحْرِ مِثْلِهِ

آئے ہو کہ اپنے جادو (کے زور) سے ہمیں ہمارے ملک سے نکال دو؟ تو ہم بھی تمہارے مقابل ایسا ہی جادو لائیں گے

﴿۱۴۶﴾ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنْتَ مَكَانًا سُوًى ﴿۱۴۷﴾

تو ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو کہ نہ تو ہم اس کے خلاف کریں گے اور نہ تم (اور یہ مقابلہ) ایک ہموار میدان (میں ہوگا)

﴿۱۴۸﴾ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ النَّاسُ ضَحَىٰ ﴿۱۴۹﴾

موسیٰ نے کہا کہ آپ کے لئے (مقابلے کا) دن نوروز (مقرر کیا جاتا ہے) اور یہ کہ لوگ اس دن چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں

﴿۱۵۰﴾ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ ﴿۱۵۱﴾ قَالَ لَهُمْ مُوسَىٰ وَيْلَكُمْ

تو فرعون لوٹ گیا اور اپنے سامان جمع کر کے پھر آیا موسیٰ نے ان (جادوگروں) سے کہا کہ ہائے تمہاری کبھتی

﴿۱۵۲﴾ لَا تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنْ افْتَرَىٰ ﴿۱۵۳﴾

اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے فنا کر دے گا اور جس نے افتراء کیا وہ نامراد رہا

﴿۱۵۴﴾ فَتَنَّا عُمَرَ أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَىٰ ﴿۱۵۵﴾ لَوْلَا إِنْ هَذَا لَسِحْرَانِ

تو وہ باہم اپنے معاملے میں جھگڑنے اور چپکے چپکے سرگوشی کرنے لگے۔ کہنے لگے کہ یہ دونوں جادوگر ہیں چاہتے ہیں

﴿۱۵۶﴾ يُرِيدَانِ أَنْ يُخْرِجَاكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيقَتِكُمْ

کہ اپنے جادو (کے زور) سے تمہیں تمہارے ملک سے نکال دیں اور تمہارے شائستہ مذہب کو نابود کر دیں

﴿۴۳﴾ الْمَثَلِيُّ جَمَعُوا كَيْدَكُمْ ثُمَّ اتُّوْا صَفًّا وَقَدْ أَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلَىٰ

تو تم (جادو کا) سامان اکٹھا کر لو پھر قطار باندھ کر آؤ اور آج جو غالب رہا وہی کامیاب ہوا

﴿۴۴﴾ يَا مُوسَىٰ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ وَإِنَّ الْإِنسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنَّاظِرٌ ﴿۴۴﴾

بولے موسیٰ! یا تو تم (اپنی چیز) ڈالو یا ہم (اپنی چیزیں) پہلے ڈالتے ہیں

﴿۴۵﴾ قَالَ بَلْ لَأَقْوَمُ فَإِذَا جَبَّالَهُمْ وَعَعِصِيَهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ ﴿۴۵﴾

موسیٰ نے کہا کہ نہیں تم ہی ڈالو تو ناگہاں ان کی رسیاں اور لٹھیاں موسیٰ کے خیال میں ایسی آنے لگیں کہ وہ میں ادھر ادھر دوڑ رہی ہیں [۴۵]

﴿۴۶﴾ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَىٰ ﴿۴۶﴾ لَوْلَا لَا تَخَفُ إِنَّكَ أَنْتَ

(اس وقت) موسیٰ نے اپنے دل میں خوف معلوم کیا ہم نے کہا کہ خوف نہ کرو بلاشبہ تم ہی غالب ہو

﴿۴۷﴾ الْأَعْلَىٰ ﴿۴۷﴾ لَقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفُ مَا صَنَعُوا

اور جو چیز (یعنی لٹھی) تمہارے داہنے ہاتھ میں ہے اسے ڈال دو کہ جو کچھ انہوں نے بنایا ہے اس کو نگل جائے گی (یہ تو)

[۴۶] اسی طرح اثر رسول اللہ ﷺ پر بھی ہوا تھا، جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام پر ہوا، لیکن یہ اثر بعض طبعی امور میں تھا، شرعی

امور میں اس کا کوئی اثر نہیں تھا، حدیث بخاری: ۵۳۴۰، کتاب الطب، میں ہے: عائشہؓ سے روایت ہے کہ: سحر رسول

اللہ ﷺ رجلٌ من بنی زریق یقال له لبید ابن الاعصم حتی کان رسول اللہ یخیل الیہ انه یفعل الشیء

وما فعله . الحدیث .

بعض کو ابو بکر حصاص وغیرہ کے عبارت سے وہم ہوا، کہ انبیاء علیہم السلام پر سحر کا اثر نہیں ہو سکتا، احکام

القرآن: ۴۹/۱، میں لکھتا ہے:۔ قال ابوبکر الحصاص ”ومن صدق هذا“ ای صدق انقلاب الاعیان

بالسحر فلیس یعرف النبوة، ولایأمن ان تكون معجزة النبی ﷺ من هذا النوع، وانهم کانو سحرة

، وقال اللہ تعالیٰ ﴿ولایفلیح الساحر حیث اتی﴾ وقد اجازوا من فعل الساحر ما هو اعظم من هذا واطفع،

وذلك انهم زعموا ان النبی ﷺ سحر، وان السحر عمل فیہ، حتی قال فیہ انه یتخیل لی انی اقول

الشیء وافعله ، ولم اقله ولم افعله ، وقد قال اللہ تعالیٰ مکذبا للكفار فيما ادعوه من ذلك للنبي ﷺ فقال: ﴿وقال الظالمون ان تتبعون الارجال مسحورا﴾ ومثل هذه الاخبار من وضع الملحدين تلعب بالحشو الطغام، وجائزان تكون المرأة اليهودية بجهلها فعلت ذلك ظنا منها بان ذلك يعمل في الاجساد، وقصدت به النبي ﷺ ، فاطلع الله نبيه على موضع سرها، واطهر جهلها فيما ارتكبت وظنت ، ليكون ذلك من دلائل نبوته، لان ذلك ضره وخلط عليه امره، ولم يقل كل الرواة انه اختلط عليه امره، وانما هذا اللفظ زيد في الحديث ولا اصل له.

ابوبکر بھاص وغیرہ نے کہا کہ جادو کا اثر کسی نبی پر نہیں ہو سکتا، انہوں نے حدیث باب کی صحت کا انکار کیا، ان کا کہنا ہے کہ کفار، رسول اللہ ﷺ کو مسحور کہا کرتے تھے، کہتے تھے کہ نبی ﷺ پر جادو کیا گیا ہے، اس لئے وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، قرآن کریم نے کفار کی تکذیب و تردید کی، اس آیت کریمہ میں ہے: ﴿وقال الظالمون ان تتبعون الارجال مسحورا﴾ (الفرقان: ۸) اور اسی طرح قرآن کریم میں ہے: ﴿ولا يفلح الساحر حيث اتى﴾ (طہ: ۶۹) ساحر اور جادوگر نبی کے مقابلے میں فلاح و کامیابی نہیں پاسکتا۔

لہذا جن روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر جادو کا اثر ہو گیا تھا، وہ درست نہیں، ہاں یہ ممکن ہے، مدینہ منورہ کی کوئی یہودی عورت جادو کرتی ہو، اور اس کا خیال ہو کہ یہ جسم میں اثر کرتا ہے، اس نے رسول اللہ ﷺ پر بھی جادو کرنے کا ارادہ کیا ہو، اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کے اس عمل کی اطلاع دی، اور اس کا جھل ظاہر کیا، یہ تو ہو سکتا ہے، لیکن یہ کہنا کہ جادو کا اثر آپ ﷺ پر اس طرح ہو گیا تھا کہ آپ ﷺ کو اختلاط و خلجان ہونے لگا، کسی کام کے کرنے اور نہ کرنے سے متعلق، تو یہ درست نہیں۔

لیکن اس کا یہ قول خلاف واقع و خلاف شرع ہے، جبکہ یہ معتزلی المذہب بھی تھا، اور جمہور علماء کے نزدیک نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے، خود قرآن کریم (اس مقام) میں سحر سے موسیٰ علیہ السلام کے متاثر ہونے کا ذکر ہے، اور حدیث مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ پر اس کے بعض اثار کے ظاہر ہونے کا تذکرہ ہے۔ اور مذکورہ آیات کا مصداق الگ ہے۔ جس کا اس مسئلے سے دور کا تعلق بھی نہیں۔ یعنی مشرکین رسول اللہ ﷺ کے بیان اور دعوت کو باطل گردانتے تھے، اور یہ کہتے کہ یہ سحر کا اثر ہے، اور دوسری آیت کا تعلق تو ظاہر ہے کہ یہ ان ساحروں کے متعلق ہے جو کہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں صف آراء ہوئے تھے۔

﴿۴۹﴾ اِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدًا سَاحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّحِرُ حَيْثُ اتَّىٰ

جادوگروں کے ہتھکنڈے ہیں اور جادوگر جہاں جائے فلاح نہیں پائے گا

﴿۵۰﴾ فَالْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ

پس جادوگر سجدے میں گر پڑے (اور) کہنے لگے کہ ہم ہارون اور موسیٰ کے رب پر ایمان لائے

﴿۵۱﴾ قَالَ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ

(فرعون) بولا کہ پیشتر اس کے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟ بیشک وہ تمہارا بڑا (یعنی استاد) ہے

الَّذِي عَلَّمَكُمُ السَّحَرَ فَلَا قُطْعَنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

جس نے تم کو جادو سکھایا ہے سو میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں (جانپ) خلاف سے کٹوا دوں گا

﴿۵۲﴾ وَلَا صَلْبَنَكُمْ فِي جُدُوعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمَنَّ إِنَّا أَشَدُّ عَذَابًا وَأَبْقَىٰ

اور کھجور کے تنوں پر سولی چڑھوادوں گا (اس وقت) تم کو معلوم ہوگا کہ ہم میں سے کس کا عذاب زیادہ سخت اور دیر تک رہنے والا ہے

﴿۵۳﴾ قَالُوا لَنْ نُؤْتِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ الْبَيْتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا

انہوں نے کہا کہ جو دلائل ہمارے پاس آگئے ہیں ان پر اور جس نے ہمیں پیدا کیا ہے

﴿۵۴﴾ فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ إِنَّمَا تَقْضِي هَذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا

اس پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تو آپ کو جو حکم دینا ہو دیدیجئے اور آپ (جو) حکم دے سکتے ہیں وہ صرف اسی دنیا کی زندگی میں ہے

﴿۵۵﴾ إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السَّحْرِ

ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور (اسے بھی) جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا

﴿۵۶﴾ وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿۵۷﴾ مِنْ يَأْتِ رَبَّهُ مُجْرِمًا فَإِنَّ لَهُ جَهَنَّمَ

اور اللہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گنہگار ہو کر آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے

لَا يَمُوتُ فِيهَا وَلَا يَحْيَى ﴿۲۴﴾ وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ

جس میں نہ مرے گا نہ جئے گا۔ اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کئے ہوں گے

فَأُولَٰئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَىٰ ﴿۲۵﴾ جَنَّاتٍ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

تو ایسے لوگوں کے اونچے اونچے درجے ہیں۔ (یعنی) ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں

الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَٰلِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكَّى ﴿۲۶﴾ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَىٰ

ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہوا۔ اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی

مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي فَاصْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا

کہ ہمارے بندوں کو راتوں رات نکال لے جاؤ پھر ان کے لئے دریا میں (لاٹھی مار کر) خشک رستہ بنا دو

لَا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ ﴿۲۷﴾ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ

پھر تم کو نہ تو (فرعون کے) آپکڑنے کا خوف ہوگا اور نہ (غرق ہونے کا) ڈر۔ پھر فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ

فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ﴿۲۸﴾ وَأَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهُ وَمَا هَدَىٰ ﴿۲۹﴾

ان کا تعاقب کیا تو دریا نے ان پر چڑھ کر انہیں ڈھانک لیا اور فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کر دیا اور سیدھے رستے پر نہ ڈالا

يَبْنَئِي إِسْرَائِيلَ قَدْ أَنْجَيْنَاكُمْ مِنْ عَدُوِّكُمْ وَوَعَدْنَاكُمْ

اے آلِ یعقوب! ہم نے تمہیں تمہارے دشمن سے نجات دی اور تورات دینے کے لئے تم سے

جَانِبَ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوَىٰ ﴿۳۰﴾

کوہِ طور کی دہنی طرف مقرر کی اور تم پر من اور سلویٰ نازل کیا

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي

(اور حکم دیا کہ) جو پاکیزہ چیزیں ہم نے تمہیں دی ہیں ان کو کھاؤ اور اس میں حد سے نہ نکلنا اور نہ تم پر میرا غضب نازل ہوگا

وَمَنْ يَحِلُّ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ ﴿١١١﴾ اِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَامَنَّ

اور جس پر میرا غضب نازل ہوا وہ ہلاک ہو گیا اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے

وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ ﴿١١٢﴾ وَمَا اَعْجَلَك

اور عمل نیک کرے پھر سیدھے چلے اس کو میں بخش دینے والا ہوں۔ اور اے موسیٰ! تم نے اپنی قوم سے (آگے چلے

عَنْ قَوْمِكَ يَمُوسَىٰ ﴿١١٣﴾ قَالَهُمْ اَوْلَاۤءِ عَلَيَّ اَثْرِي

جانے) میں کیوں جلدی کی؟ کہا وہ میرے پیچھے ہیں اور اے پروردگار! میں نے تیری طرف (آنے کی)

وَعَجَلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضَىٰ ﴿١١٤﴾ قَالَ فَاِنَا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ

جلدی اس لئے کی کہ تو خوش ہو۔ فرمایا کہ ہم نے تمہاری قوم کو تمہارے بعد آزمائش میں ڈال دیا ہے

مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿١١٥﴾ رَجَعَ مُوسَىٰ اِلَىٰ قَوْمِهِ

اور سامری نے ان کو بہکا دیا ہے اور موسیٰ غصے اور غم کی حالت میں اپنی قوم کے پاس واپس آئے

غَضَبَانَ اَسْفًا قَالَ يَقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعَدًّا حَسَنًا اَفَطَالَ عَلَيْكُمْ

(اور) کہنے لگے کہ اے قوم! کیا تمہارے پروردگار نے تم سے ایک اچھا وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا (میری جدائی کی مدت تمہیں

الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُمْ اَنْ يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ

دراز (معلوم) ہوئی یا تم نے چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو اور (اس لئے)

مَوْعِدِي ﴿١١٦﴾ قَالُوا مَا اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلِكِنَا وَلٰكِنَّا

تم نے مجھ سے جو وعدہ کیا تھا (اس کے) خلاف کیا۔ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے اختیار سے تم سے وعدہ خلافی نہیں کیا

﴿۱۷﴾ حَمَلْنَا أَوْزَارًا مِّنْ زِينَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنَاهَا فَكَذَلِكَ أَلْقَى السَّامِرِيُّ ﴿۱۷﴾

بلکہ ہم لوگوں کے زیوروں کا بوجھ اٹھائے ہوئے تھے پھر ہم نے اس کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے ڈال دیا [۵]

[۵] لفظ ”اوزار“، وزر کی جمع ہے جسکے معنی ثقل اور بوجھ کے ہیں، انسان کے گناہ بھی چونکہ قیامت کے روز اس پر بوجھ بنکر لادے جائینگے اس لئے گناہ کو ”وزر“ اور گناہوں کو ”اوزار“ کہا جاتا ہے۔

”زینۃ القوم“ لفظ زینت سے مراد زیور ہے اور ”قوم“ سے مراد قوم فرعون (قبط) ہے جن سے بنی اسرائیل نے عید کا بہانہ کر کے کچھ زیورات مستعار لے لئے تھے، اور وہ پھر ان کے ساتھ رہے، ان کو اوزار بمعنی گناہوں کا بوجھ اس لئے کہا کہ عاریت کا نام کر کے ان لوگوں سے لئے تھے، جس کا حق یہ تھا کہ ان کو واپس کئے جاویں، چونکہ واپس نہیں کئے گئے تو اس کو گناہ قرار دیا۔

اور حدیث فتنوں کے نام سے جو مفصل حدیث اوپر نقل کی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہارون علیہ السلام نے ان لوگوں کو اس کے گناہ ہونے پر متنبہ کیا اور ایک گڑھے میں یہ سب زیورات ڈال دینے کا حکم دے دیا، بعض روایات میں ہے کہ سامری نے اپنا مطلب نکالنے کے لئے ان کو کہا کہ یہ زیورات دوسروں کا مال ہے تمہارے لئے اس کا رکھنا وبال ہے اس کے کہنے سے گڑھے میں ڈالے گئے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کفار جو اہل ذمہ یعنی مسلمانوں کی حکومت میں ان کے قانون کی پابندی کر کے بستے ہیں اسی طرح وہ کفار جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ جان و مال وغیرہ کے امن کا ہو جائے ان کافروں کا مال تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے حلال نہیں لیکن جو کافر ذمہ مسلمانوں کا اہل ذمہ ہے، نہ اس سے ان کا کوئی عہد و معاہدہ ہے جن کو فقہاء کی اصطلاح میں کافر حربی کہا جاتا ہے، ان کے اموال تو مسلمانوں کے لئے مباح الاصل اشیاء کی طرح حلال ہیں، پھر ہارون علیہ السلام نے ان کو وزر و گناہ کیسے قرار دیا اور ان کے قبضے سے نکال کر گڑھے میں ڈالنے کا حکم کیوں دیا۔

اس کا ایک جواب تو مشہور ہے جو عام مفسرین نے لکھا ہے کہ کفار حربی کا مال لینا اگرچہ مسلمان کے لئے جائز ہے مگر وہ مال نجس ہے، اور مال غنیمت ہے، اور مال غنیمت کا قانون شریعت اسلام سے پہلے یہ تھا کہ کافروں کے قبضے سے نکال لینا تو اس کا جائز تھا مگر مسلمانوں کے لئے اس کا استعمال اور اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں تھا۔

بلکہ مال غنیمت جمع کر کے کسی ٹیلہ وغیرہ پر رکھ دیا جاتا تھا، اور اسمانی آگ بجلی وغیرہ آکر اس کو کھجاتی تھی، یہی

علامت ان کے جہاد قبول ہونے کی تھی، اور جس مال غنیمت کو اسمانی آگ نہ کھائے وہ علامت اس کی تھی کہ جہاد مقبول نہیں، اس لئے وہ مال بھی منحوس سمجھا جاتا، اور کوئی اس کے پاس نہ جاتا، رسول ﷺ کی شریعت میں جو مخصوص رعایتیں اور سہولتیں دی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مال غنیمت کو مسلمانوں کے لئے حلال کر دیا گیا جیسا کہ صحیح مسلم کی حدیث میں اس کی تصریح ہے۔ بخاری: ۳۳۵، مسلم: ۵۲۱۳،

اس قاعدہ کے اعتبار سے بنی اسرائیل کے قبضہ میں آیا ہوا مال جو قوم فرعون سے لیا تھا، مال غنیمت ہی کے حکم میں قرار دیا جائے تب بھی اس کا استعمال ان کے لئے جائز نہیں تھا، اسی وجہ سے اس مال کو ”اوزار“ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا، اور ہارون کے حکم سے اس کو ایک گڑھے میں ڈال دیا گیا۔

لیکن فقہی نظر سے اس معاملہ کی جو تحقیق امام محمدؒ کی کتاب السیر اور اس کی شرح سرحسی میں بیان کی گئی ہے، وہ بہت اہم اور اقرب الی الصواب ہے، وہ یہ ہے کہ کافر حربی کا مال بھی ہر حال میں مال غنیمت نہیں ہوتا بلکہ اس کی شرط یہ ہے کہ باقاعدہ جہاد و قتال کے ذریعہ بزور شمشیر ان سے حاصل کیا جائے، اسی لئے شرح السیر میں مغالبہ بالمحاربہ بشرط قرار دیا ہے اور کافر حربی کا جو مال مغالبہ اور محاربہ کی صورت سے حاصل نہ ہو وہ مال غنیمت نہیں بلکہ اس کو مال فنی کہتے ہیں مگر اس کے حلال ہونے میں ان کفار کی رضا و اجازت شرط ہے جیسے کوئی اسلامی حکومت ان پر ٹیکس عائد کر دے اور وہ اس پر راضی ہو کہ یہ ٹیکس دیدے، تو اگرچہ یہ کوئی جہاد و قتال نہیں مگر رضامندی سے دیا ہوا مال فنی کے حکم میں ہے اور وہ بھی حلال ہے۔ یہاں قوم فرعون سے لئے ہوئے زیورات ان دونوں قسموں میں داخل نہیں کیونکہ یہ ان سے عاریت کہہ کر لئے گئے تھے، وہ ان کو مالکانہ طور پر دینے کے لئے رضامند نہ تھے، کہ اس کو مال فنی کہا جائے اور کوئی جہاد و قتال تو وہاں ہوا ہی نہیں کہ مال غنیمت شمار کیا جائے اس لئے شریعت اسلامی کی رو سے بھی یہ مال ان کے لئے حلال نہ تھا۔

واقعہ ہجرت میں رسول کریم ﷺ نے جب مدینہ طیبہ جانے کا قصد فرمایا اور آپ کے پاس عرب کے کفار کی بہت سی امانتیں رکھی تھیں کیونکہ سارا عرب آپ کو امانت دار یقین کرتا اور امین کے لفظ سے خطاب کرتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کی امانتوں کو واپس کرنے کا اتنا اہتمام فرمایا کہ علیؑ کے سپرد کر کے اپنے پیچھے ان کو چھوڑا اور حکم دیا کہ جس جس کی امانت ہے اس کو واپس کر دی جائے، آپ اس سے فارغ ہو کر ہجرت کریں، اس مال کو رسول ﷺ نے مال غنیمت کے تحت حلال قرار نہیں دیا، ورنہ وہ مسلمانوں کا حق ہوتا کافروں کو واپس کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ واللہ اعلم۔

فَأَخْرَجَ لَهُمْ عَجَلًا جَسَدًا لَهُ خُورًا فَقَالُوا هَذَا إِلَهُكُمْ

تو اس نے ان کے لئے ایک مچھڑا بنا دیا۔ قالب جس کی آواز گائے کی سی تھی تو لوگ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے

وَالَهُ مُوسَىٰ فَانْسَىٰ ﴿۸۸﴾ لَا يَرُونَ إِلَّا إِلَهُهُمْ قَوْلًا وَلَا

اور موسیٰ کا بھی معبود ہے مگر وہ بھول گئے ہیں [6] کیا یہ لوگ نہیں دیکھتے کہ وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ ان کے

يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هَارُونُ مِنْ قَبْلُ يَقَوْمُ

نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتا ہے۔ اور ہارون نے ان سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ لوگو!

إِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ فَاتَّبِعُونِي وَأَطِيعُوا أَمْرِي ﴿۹۰﴾

اس سے صرف تمہاری آزمائش کی گئی ہے اور تمہارا پروردگار تو اللہ ہے تو میری پیروی کرو اور میرا کہا مانو

قَالُوا لَنْ نَبْرَحَ عَلَيْهِ عَاكِفِينَ حَتَّىٰ يَرْجِعَ إِلَيْنَا مُوسَىٰ ﴿۹۱﴾ قَالَ يَهُرُونَ

وہ کہنے لگے کہ جب تک موسیٰ ہمارے پاس واپس نہ آئیں ہم تو اس (کی پوجا) پر قائم رہیں گے۔ [7] (پھر موسیٰ نے ہارون

[6] لفظ ”جسد“ سے بعض مفسرین نے یہ استدلال کیا ہے کہ یہ محض ایک جسد اور جسم تھا زندگی (حیات) اس

میں نہیں تھی، اور آواز بھی ایک خاص صفت کے سبب اس سے نکلتی تھی، ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ: لا والله ما كان له

صوت قط انما كانت الريح تدخل من دبره وتخرج من فيه وكان ذلك الصوت من ذلك.

(مسند ابی یعلیٰ: ۲۵/۵)۔ اور جملہ سے یہ معنی ظاہر ہے۔

[7] مفسر قرطبی یہاں پر ”عکوف“ کا معنی کرتے ہیں کہ، کانوا یرقصون ویصیحون حول العجل

، فلما رآه موسىٰ قال هذه الفتنه، اس کے بعد امام طرطوشی سے ایک استفتاء نقل کرتے ہیں کہ: سئل عن الامام

الطرطوشی انه اجتمع جماعة من الرجال فيذكرون الله ويذكرون محمداً ﷺ ثم انهم يقوم

بعضهم، یرقصون ويتواجدحتی یقع مغشیا علیہ، هل الحضور معهم جائز ام لا؟ فتونا ما جورین؟

فقال یرحمک الله، مذهب الصوفیة بطالة وجهالة وضلالة، وما الاسلام الا کتاب الله =

﴿۴۳﴾ مَا مَنَعَكَ إِذْ رَأَيْتَهُمْ ضَلُّوا ۖ أَتَبِعَنَ أَفْعَصَيْتَ أَمْرِي ۗ ﴿۴۳﴾

کہا کہ ہارون! جب تم نے ان کو دیکھا کہ وہ گمراہ ہو رہے ہیں تو تمہیں کس چیز نے روکا اس بات سے کہ تم میرے پیچھے چلے آؤ بھلا تم نے میرے حکم کے خلاف کیا؟

قَالَ يَا ابْنَ أُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَقُولَ فَرَّقْتَ

کہنے لگے کہ بھائی میری داڑھی اور سر (کے بالوں) کو نہ پکڑیے میں تو اس سے ڈرا کہ آپ یہ نہ کہیں کہ تم نے بنی اسرائیل

بَيْنَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِي ۗ ﴿۴۴﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يَا سَامِرِيُّ ﴿۴۴﴾

میں تفرقہ ڈال دیا اور میری بات کو ملحوظ نہ رکھا۔ (پھر سامری سے) کہنے لگے کہ سامری تیرا کیا حال ہے؟ [8]

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ أَثَرِ الرَّسُولِ فَنَبَذْتُهَا

اس نے کہا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی جو اوروں نے نہیں دیکھی تو میں نے رسول کے نقش پا سے ایک مٹھی بھر لی پھر اس کو ڈال دیا

وَكَذَلِكَ سَوَّلْتُ لِي نَفْسِي ۗ ﴿۴۵﴾ قَالَ فَادْهَبْ فَإِنَّ لَكَ فِي الْحَيَاةِ

اور مجھے میرے جی نے (اس کام کو) اچھا بتایا۔ [9] (موسیٰ نے کہا) جا تجھ کو دنیا کی

= وسنة رسوله، واما الرقص والتواجد، فاول من احدث اصحاب السامري لما اتخذهم عجلا جسداله خوار، يرقصون حوالبه ويتواجدون، فهو دين الكفار وعباد العجل، وانما كان يجلس النبي ﷺ مع اصحابه كانا على رؤوسهم الطير من الوقار، فينبغي للسلطان ونوابه ان يمنهم من الحضور في المساجد وغيرها، ولا يحل لاحدي من بالله ورسوله ان يحضر معهم، وهذا مذهب مالک وابی حنيفة واحمد والشافعي، وغيرهم من ائمة المسلمين۔

[8] اس واقعہ میں موسیٰ علیہ السلام کی رائے از روئے اجتہاد یہ تھی کہ اس حالت میں ہارون علیہ السلام اور ان کے

ساتھیوں کو اس مشرک قوم کے ساتھ نہیں رہنا چاہئے تھا، ان کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آجاتے جس سے ان کے

عمل سے مکمل بیزاری کا اظہار ہو جاتا۔

ہارون علیہ السلام کی رائے از روئے اجتہاد یہ تھی کہ اگر ایسا کیا گیا تو ہمیشہ کے لئے بنی اسرائیل کے ٹکڑے

ہو جائیں گے، اور تفرقہ قائم ہو جائے گا، اور چونکہ ان کی اصلاح کا یہ احتمال موجود تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کی بعد ان کے اثر سے پھر یہ سب ایمان اور توحید کی طرف لوٹ آویں، اس لئے کچھ دنوں کے لئے ان کے ساتھ مسابلت اور مساکنت کو انکی اصلاح کی توقع تک گوارا کیا جائے، دونوں کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، ایمان و توحید پر لوگوں کو قائم کرنا تھا، مگر ایک نے مفارقت اور مقاطعہ کو اسکی تدبیر سمجھا، دوسرے نے اصلاح حال کی امید تک ان کے ساتھ مسابلت اور نرمی کے معاملہ کو اس مقصد کے لئے نافع سمجھا، دونوں جاہلین اہل عقل و فہم اور فکر و نظر کے لئے محل غور و فکر ہیں۔

کسی کو خطا کہنا آسان نہیں، مجتہدین اُمت کے اجتہادی اختلافات عموماً اسی طرح کے ہوتے ہیں، انہیں کسی کو گنہگار یا نافرمان نہیں کہا جاسکتا، رہا موسیٰ علیہ السلام کا ہارون علیہ السلام کے بال پکڑنے کا معاملہ تو یہ دین کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے شدت و غضب کا اثر تھا کہ تحقیق حال سے پہلے انہوں نے ہارون علیہ السلام کو ایک واضح غلطی پر سمجھا، اور جب ان کا عذر معلوم ہو گیا تو پھر اپنے لئے اور ان کے لئے دُعا مغفرت فرمائی۔

ہارون علیہ السلام کا جواب سن کر وہ سامری کی طرف متوجہ ہوئے، اور اس سے فرمایا اے سامری! تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ کہ گوسالہ بنا کر قوم کو بت پرستی پر لگا دیا۔ سامری بنی اسرائیل کے قبیلہ سامرہ کا ایک فرد تھا، اور سمندر پار کرنے کے بعد درپردہ دین موسیٰ علیہ السلام سے مرتد ہو گیا۔ اور منافقانہ طور پر بنی اسرائیل میں شامل رہا۔ بنی اسرائیل نے سمندر سے پار اترنے کے بعد ایک قوم کو گائے کی پوجا کرتے دیکھا۔ تو موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے: اجعل لنا الہاً کما الہم الہة۔ جس پر انہوں نے ان کو سرزنش کی، سامری نے بنی اسرائیل کا مزاج سمجھ لیا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پچھڑے کا بت بنا کر پوجا کے لئے قوم کے سامنے رکھ دیا۔

ابن عباس فرماتے ہیں کہ سامری کی قوم گاؤ پرست تھی۔ اس لئے گاؤ پرستی کی محبت اس کے دل میں موجود تھی۔ اور ظاہری طور پر اس نے اسلام کا اظہار کر رکھا تھا۔ عن ابن عباس قال کان السامری رجلاً من اهل باجر ما، وکان من قوم یعبدون البقر وکان حب عبادة البقر فی نفسہ وکان قداظہر الاسلام مع بنی اسرائیل. (ابن کثیر).

قال قتادہ کان السامری عظیمافی بنی اسرائیل من قبيلة یقال لها سامرة ولكن عدو الله نافق بعدما قطع البحر مع موسی الخ. (قرطبی)۔

[۹] یہ سامری کا جواب ہے، سامری نے کہا کہ مجھ کو ایک ایسی چیز نظر پڑی جو اوروں نے نہیں دیکھی تھی۔ یعنی

اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے (جبرئیل علیہ السلام) کو گھوڑے پر سوار دیکھا۔ شاید یہ اسی وقت ہوا ہو جب بنی اسرائیل دریا میں گھسے اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر گھسا، اس حالت میں جبرئیل علیہ اسلام دونوں جماعتوں کے درمیان کھڑے ہو گئے تاکہ ایک کو دوسرے سے نہ ملنے دیں۔ بہر حال سامری نے کسی محسوس دلیل سے یا وجدان سے یا کسی قسم کے تعارف سابق کی بنا پر سمجھ لیا کہ یہ جبرئیل ہیں، ان کے پاؤں یا ان کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی وہ ہی اب سونے کے پتھر کے منہ میں ڈال دی۔ کیونکہ اس کے جی میں یہ بات آئی کہ روح القدس کی خاک پامیں یقیناً کوئی خاص تاثیر ہوگی شاہ صاحب لکھتے ہیں: کہ سونا تھا کافروں کا مال لیا ہوا فریب سے۔ اسی میں مٹی پڑی برکت کی۔ حق اور باطل مل کر ایک کرشمہ بن گیا کہ جاندار کی طرح کی روح اور آواز اس میں ہوگی ایسی چیزوں سے بہت بچنا چاہئے اس سے بت پرستی بڑھتی ہے۔

تنبیہ: ایت کی جو تفسیر اوپر بیان ہوئی صحابہ و تابعین و مفسرین سے یہ ہی منقول ہے۔ (عثمانی) بعض آثار میں ہے کہ جہاں گھوڑا زمین پر پاؤں رکھتا وہاں فوراً سبزہ نمودار ہو جاتا اس سے سامری نے سمجھا کہ اس میں ضرور کوئی کرشمہ ہوگا، اس لئے اس کے پاؤں رکھنے کی جگہ سے مٹھی بھر مٹی اٹھالی۔ وفی بعض الاثرانہ راہ کلمارفع الفرس یدیدہ اور جلیہ علی التراب الیسیس یخرج النبات فعرف ان له شأنافاخذمن موطنه حفنة. (روح المعانی)۔ یہ تفسیر اگرچہ اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے لیکن اس میں کئی اشکالات ہیں۔ پہلی یہ کہ قرآن نے ”جسد“ کہا ہے اور ان کے تفسیر کے مطابق یہ زندہ پتھر تھا، اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ صرف سامری نے جبرئیل، یا اس کے گھوڑے کو کیسے دیکھا؟، اور جو واقعات اس کے لئے گڑھے ہوئے ہیں وہ سب کے سب اسرائیلیات ہیں۔ یا یہ تفسیر عبد اللہ بن عباسؓ سے بروایت کلبی منقول ہیں،

اور امام رازیؒ نے تفسیر کبیر، نیشاپوری، اور صاحب اللباب نے اس آیت کے تحت ایک دوسرا قول ابو مسلم سے نقل کیا، جو کہ انہوں نے اپنی تفسیر صفحہ ۱۹۱، میں نقل کیا ہے، جس کا حاصل معنی یہ ہے ”بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهِ“ یعنی عرفتم ان الذی انتم علیہ لیس بحق، و کنت قبضت قبضة من اثرک ایہا الرسول، ای شیئامن دینک، فبذتہ ای طرحتہ۔ میں نے بہت سوچ و پکار کے بعد یہ معلوم کیا کہ تمہارا دین صحیح نہیں اور پہلے تمہارا تھوڑی سی اتباع کی تھی، بعد میں اس کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا۔ اور یہ میرے نفس نے مجھے اسی طرح مزین اور بھلا دکھلایا۔ صاحب اللباب بعد میں لکھتا ہے: قال ابن الخطیب وهذا الذی ذکرہ ابو مسلم لیس فیہ الاانہ مخالف للمفسرین

لكنه اقرب الى التحقيق لوجوه: پھر اس توجیہ کی تائید کے لئے پانچ وجوہ بیان کئے ہیں:-

پہلی وجہ: أن جبرئیل لیس معہودا باسم الرسول، ولم یجر له فیما تقدم ذکر حتی تجعل لام التعریف اشارة الیه، فاطلاق لفظ الرسول لارادة جبرئیل کانه تکلیف بعلم الغیب۔ یعنی اس مقام پر رسول سے جبرئیل علیہ السلام مراد لینا، تکلف اور قوانین نحو سے مخالف ہے۔

دوسری وجہ: انه لا بد من الاضمار وهو، قبضة من اثر حافر دابة الرسول، والاضمار خلاف الاصل، یعنی یہاں ایک عبارت محذوف ماننا ہے جو کہ یہ ہے، کہ رسول کے گھوڑے کی چاپ والی جگہ سے مٹی حاصل کیا، اور عبارت محذوف ماننا خلاف الاصل ہے۔

تیسری وجہ: انه لا بد من التعسف فی بیان ان السامری کیف اختص من بین جمیع الناس برؤية جبرئیل ومعرفة، ثم کیف عرف ان تراب حافر دابته یوثر هذا الاثر، و الذی ذکره من ان جبرئیل علیہ السلام هو الذی رباہ فبعید، لان السامری ان عرف انه جبرئیل، حال کمال عقله عرف قطعان موسیٰ علیہ السلام نبی صادق فکیف یحاول الاضلال۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ، سامری نے دوسرے لوگوں کی نسبت جبرئیل علیہ السلام کو کیسے دیکھا اور پہچانا؟ اور یہ کیسے معلوم کیا کہ اس مٹی میں یہ کمال ہے؟ اور یہ بات بھی صحیح ثابت نہیں کہ سامری کو جبرئیل علیہ السلام نے بچپن میں پالا۔ اور اس کے بعد وہ کیسا گمراہ ہوا۔

چوتھی وجہ: انه لو جاز اطلاع بعض الکفرة على تراب هذا شانہ، لکان لقائل ان یقول فلعل موسیٰ اطع ایضا علی شیء اخر یسبہ ذلک، فلاجله اتی بالمعجزات، فرجع حاصله الی سؤال من یطعن فی المعجزات الخ۔ یعنی اگر ہم یہ بات جائز مانے کہ سامری کو یہ معلوم ہوا کہ اس مٹی میں یہ کمال ہے، کہ اس سے جسد (بے روح) زندہ ہوتا ہے۔ تو پھر بعض ملحدین کو یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ موسیٰ علیہ السلام سے جو عجائبات صادر ہوئے تھے وہ معجزات الہی نہیں۔ بلکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ایسے ہی معلومات کا نتیجہ تھا۔

پانچویں وجہ: یہ تفسیر قرآنی نمط سے خلاف ہے اسی سورۃ ایت نمبر: ۸۸، میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”فاخرج لهم عجلًا جسدا له خوار“ ابن عباسؓ سے اس کے متعلق ابو یعلیٰ نے اپنی مسند: ۲۵/۵، میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں کہ: لا والله ما كان له صوت قط، انما كانت الريح تدخل من دبره وتخرج من فيه وكان ذلك الصوت من ذلك. تو اس سے ظاہر ہوا کہ یہ بچھڑے کا جسہ تھا اور زندہ بچھڑا نہیں تھا۔

أَنْ تَقُولَ لَا مِسَاسَ وَإِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَنْ تُخْلَفَهُ

زندگی میں یہ (سزا) ہے کہ کہتا ہے کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا اور تیرے لئے ایک اور وعدہ ہے (یعنی عذاب کا) جو تجھ سے ٹل نہ سکے

وَأَنْظُرْ إِلَى إِلْهِكَ الَّذِي ظَلْتَ عَلَيْهِ عَاكِفًا لَنْهَرِقَنَّهُ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهُ

گا اور جس معبود (کی پوجا) پر تو (قائم و) معتکف تھا اس کو دیکھ ہم اسے جلادیں گے پھر اس (کی راکھ) کو اڑا کر دریا میں

فِي الْيَمِّ نَسْفًا ﴿٤٧﴾ ۴۷ ﴿مَا إِلْهُكُمْ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ

بکھیر دیں گے۔ [۱۰] تمہارا معبود اللہ ہی ہے جسکے سوا کوئی معبود نہیں اس کا علم ہر چیز پر

عِلْمًا ﴿٤٨﴾ ۴۸ ﴿كَذَلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ آتَيْنَاكَ

محیط ہے۔ اس طرح ہم تم سے وہ حالات بیان کرتے ہیں جو گزر چکے ہیں اور ہم نے تمہیں اپنے پاس سے نصیحت

مِنْ لَدُنَّا ذِكْرًا ﴿٤٩﴾ ۴۹ ﴿مَنْ أَعْرَضَ عَنْهُ فَإِنَّهُ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وِزْرًا ﴿١٠﴾ ﴿٤٩﴾

(کی کتاب) عطا فرمائی ہے۔ جو شخص اس سے منہ پھیرے گا وہ قیامت کے دن (گناہ کا) بوجھ اٹھائے گا

[۱۰] سامری کو تو دنیا میں اپنے کئے کی سزا یہ ملی کہ جب بھی کوئی شخص اس کے قریب جاتا تو دونوں کوتپ چڑھ جاتا اس

لئے وہ لوگوں سے کہتا کہ مجھ سے دور رہو۔ وہ چاہتا تھا کہ فریب سے قوم کا سردار بن جائے لیکن سزا ایسی ملی کہ کوئی شخص اس

کے قریب بھی نہ پھٹکتا تھا۔ بالکل اچھوتوں کی طرح زندگی گزار دی ”وان لک موعدا لن تخلفه“ وہ تو دنیا میں عذاب

تھا اور دنیا میں شرک پھیلانے اور فساد پھیلانے کی سزا آخرت میں بھی ملے گی۔ آخرت میں سزا کی وعید ضرور پوری

ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف نہیں کرے گا۔ ای لن یخلفک اللہ موعده الذی وعدک علی الشرک و

الفساد فی الارض ینجزہ لک فی الاخرة بعد ما عاقبک بذلک فی الدنیا. (مدارک)۔

پھر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ تو تیری سزا ہوئی اب دیکھ میں تیرے معبود کا کیا حشر کرتا ہوں؟ جس پر تو ہر وقت

مجاور بنا بیٹھا رہتا ہے۔ میں ابھی اس کو جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہاتا ہوں تاکہ تجھے اور اس کی پوجا کرنے والے دوسرے

لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اس قدر عاجز ہے کہ خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تو دوسروں کا کیا سنوار سکتا ہے۔

خَلِدِينَ فِيهِ وَسَاءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حِمْلًا ﴿۱۰۱﴾ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ

ہمیشہ اس (عذاب) میں رہیں گے اور یہ بوجھ قیامت کے روز ان کے لئے بُرا ہے۔ جس روز صُور پھونکا جائے گا

وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ﴿۱۰۲﴾ يَخَافَتُونَ بَيْنَهُمْ إِنْ لَبِثْتُمْ

اور ہم گنہگاروں کو اکٹھا کریں گے اور ان کی آنکھیں نیلی نیلی ہوں گی۔ (تو) وہ آپس میں آہستہ آہستہ کہیں گے کہ تم

إِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾ لَنْ نَعْلَمَ بِمَا يَقُولُونَ إِذْ يَقُولُ أَمْثَلُهُمْ طَرِيقَةً إِنْ لَبِثْتُمْ

صرف دس دن ہی رہے ہو۔ جو باتیں یہ کریں گے ہم خوب جانتے ہیں اس وقت ان میں سب سے اچھی راہ والا کہے گا

إِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾

صرف ایک روز ہی ٹھہرے ہو۔ اور تم سے پہاڑوں کے بارے میں دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ ان کو اڑا کر بکھیر دے گا

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ تَرَى فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ﴿۱۰۷﴾

اور زمین کو ہموار کر چھوڑے گا۔ جس میں نہ تم کچی (اور پستی) دیکھو گے نہ ٹیلا (اور بلندی)

يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُونَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهُ وَخَشَعَتِ

اس روز لوگ ایک پکارنے والے کے پیچھے چلیں گے اور اس کی بیروی سے انحراف نہ کر سکیں گے اور اللہ کے سامنے آوازیں پست

الْأَصْوَاتُ لِلرَّحْمَنِ فَلَا تَسْمَعُ إِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾ يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ

ہو جائیں گی تو تم آواز خفی کے سوا کوئی آواز نہ سنو گے۔ اس روز (کسی کی) سفارش کچھ فائدہ نہ دے گی

إِلَّا مَنْ أذنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ

مگر اس شخص کی جسے اللہ اجازت دے اور اس کی بات کو پسند فرمائے۔ جو کچھ ان کے آگے ہے

وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿۱۱۰﴾

اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے وہ اس کو جانتا ہے اور وہ (اپنے) علم سے اللہ (کے علم) پر احاطہ نہیں کر سکتے

وَعَنْتِ الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ

اور اس زندہ وقائم کے روبرو منہ نیچے ہو جائیں گے اور جس نے ظلم کا بوجھ اٹھایا وہ نامراد رہا اور جو

يَعْمَلُ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخْفُ ظُلْمًا وَلَا هَضْمًا ﴿۱۱۲﴾

نیک کام کرے گا اور مؤمن بھی ہو گا تو اس کو نہ ظلم کا خوف ہو گا اور نہ نقصان کا

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا وَوَصَّرَفْنَا فِيهِ مِنَ الْوَعِيدِ لَعَلَّهُمْ

اور ہم نے اس کو اسی طرح کا قرآن عربی نازل کیا ہے اور اس میں طرح طرح کے ڈراوے بیان کر دیئے ہیں تاکہ

يَتَّقُونَ أَوْ يُحَدِّثْ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿۱۱۳﴾ ۚ فَالْحَقُّ عَلَى اللَّهِ الْمَلِكِ الْحَقُّ ۚ

لوگ پرہیزگار بنیں یا اللہ ان کے لئے نصیحت پیدا کر دے۔ تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے عالی قدر ہے

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يُقْضَىٰ إِلَيْكَ وَحْيُهُ

اور قرآن کی وحی جو تمہاری طرف بھیجی جاتی ہے اس کے پورا ہونے سے پہلے قرآن کے (پڑھنے کے) لئے جلدی نہ کیا کرو

وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ ۚ وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلِ فَنَسَىٰ

اور دعا کرو کہ میرا پروردگار مجھے اور زیادہ علم دے۔ اور ہم نے پہلے آدم سے عہد لیا تھا مگر وہ (اسے) بھول گئے

وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ۚ وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا

اور ہم نے ان میں اس کا قصد نہ دیکھا اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کیلئے سجدہ کرو تو سب سجدے میں گر پڑے مگر

إِبْلِيسَ ۚ أَبَىٰ ﴿۱۱۶﴾ ۚ فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هَذَا عَدُوٌّ لَكَ وَلِزَوْجِكَ

ابلیس نے انکار کیا۔ ہم نے فرمایا کہ آدم! یہ تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے

فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَىٰ ﴿۱۱۷﴾ ۚ لَكَ الْآلُ تَجُوعَ فِيهَا وَلَا

تو یہ کہیں تم دونوں کو جنت سے نکلواندے پھر تم تکلیف میں پڑ جاؤ۔ یہاں تم کو یہ (آسائش) ہوگی کہ نہ بھوکے رہو نہ

تَعْرَىٰ ﴿۱۱۸﴾ وَإِنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَىٰ ﴿۱۱۹﴾

ننگے - اور یہ کہ نہ پیاسے رہو اور نہ دھوپ کھاؤ

فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةٍ

تو شیطان نے اُن کے دل میں وسوسہ ڈالا (اور) کہا کہ آدم! بھلا میں تمہیں (ایسا) درخت بتاؤں (جو)

الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلَىٰ ﴿۱۲۰﴾ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا

ہمیشہ کی زندگی کا (ثمرہ دے) اور (ایسی) بادشاہت کہ کبھی زائل نہ ہو تو دونوں نے اس درخت کا پھل کھا لیا تو ان پر ان کی

وَطَفَقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ

شرمگاہیں ظاہر ہو گئیں اور وہ اپنے (بدنوں) پر بہشت کے پتے چپکانے لگے اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف

فَغَوَىٰ ﴿۱۲۱﴾ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ ﴿۱۲۲﴾

کیا تو (وہ اپنے مطلوب سے) بے راہ ہو گئے۔ [۱۱] پھر ان کے پروردگار نے ان کو نواز تو ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۖ فِيمَا يَأْتِيَنَّكُمْ

فرمایا کہ تم دونوں یہاں سے نیچے اتر جاؤ تم میں بعض بعض کے دشمن (ہوں گے) پھر اگر میری طرف سے

[۱۱] اس آیت میں جو آدم علیہ السلام کی نسبت صاف لفظوں میں ”عصی“ اور پھر ”غوی“ فرمایا گیا ہے اس کی وجہ بھی

سورہ بقرہ میں بیان ہو چکی ہے، کہ اگرچہ آدم علیہ السلام کا یہ عمل شرعی قانون کی رو سے گناہ میں داخل نہیں تھا لیکن آدم علیہ

السلام اللہ کے رسول اور مقررین خاص میں سے ہیں، اس لئے ان کی ادنیٰ لغزش کو بھی بھاری لفظوں سے عصیان کہہ

کر تعبیر کیا گیا، اور اس پر عتاب کیا گیا اور لفظ ”غوی“ دو معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک معنی زندگی تلخ ہو جانے

اور عیش خراب ہو جانے کے ہیں، دوسرے معنی گمراہ ہو جانے یا غافل ہو جانے کے، ائمہ تفسیر قشیری اور قرطبی وغیرہ نے اس

جگہ لفظ ”غوی“ کے پہلے معنی ہی کو اختیار کیا ہے، اور مراد یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جو عیش جنت میں حاصل تھا، وہ =

مَنْ هُدِيَ فَمَنْ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى ﴿١٠٣﴾

تمہارے پاس ہدایت آئے تو جو شخص میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ تکلیف میں پڑے گا۔ اور

أَعْرَضَ عَن ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

جو میری نصیحت سے منہ پھیرے گا اس کی زندگی تنگ ہو جائے گی اور قیامت کو ہم اسے

= نہ رہا، زندگی تلخ ہوگئی۔

قاضی ابوبکر ابن عربی نے احکام القرآن میں ایت مذکورہ میں جو الفاظ ”عصی“ وغیرہ آدم علیہ السلام کے بارے میں ہیں اس سلسلہ میں انہوں نے ایک اہم بات ارشاد فرمائی ہے، وہ انہیں کے الفاظ میں یہ ہے: لا يجوز لاحدنا اليوم ان يخبر بذلك عن آدم عليه السلام الا اذا ذكرناه في اثناء قوله تعالى عنه، او قول نبیه ﷺ، فاما ان يبتدى ذلك من قبل نفسه فليس بجائز لنا في ابائنا الا الذين ابائنا المماثلين لنا فكيف في ابائنا الاقدم الاعظم الاكرم النبي المقدم الذي عذره الله سبحانه وتعالى وتاب عليه وغفر له. (از تفسیر قرطبی و ذکرہ ایضا فی البحر).

ہم میں سے کسی کیلئے آج یہ جائز نہیں کہ آدم علیہ السلام کی طرف یہ لفظ عصیان منسوب کرے بجز اس کے کہ قرآن کی اس آیت کے یا کسی حدیث نبوی کے ضمن میں آیا ہو وہ بیان کرے، لیکن یہ کہ اپنی طرف سے یہ لفظ منسوب کرنا ہمارے اپنے قریبی ابا و اجداد کے لئے بھی جائز نہیں، پھر ہمارے سب سے پہلے باپ جو ہر حیثیت میں ہمارے آباء سے مقدم اور اعظم و اکرم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبر معزز ہیں جن کا عذر اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور معافی کا اعلان کر دیا ان کے لئے تو کسی حال میں جائز نہیں۔

اسی لئے ابو نصر قشیری نے فرمایا: کہ اس لفظ کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو عصی اور عاوی کہنا جائز نہیں، اور قرآن کریم میں جہاں کہیں کسی نبی یا رسول کے بارے میں ایسے الفاظ آئے ہیں یا تو وہ خلاف اولی امور ہیں، یا نبوت سے پہلے کے ہیں، اس لئے بضمن آیات قرآن و روایات حدیث تو ان کا تذکرہ درست ہے، لیکن اپنی طرف سے ان کی شان میں ایسے الفاظ استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ (قرطبی)۔

﴿۱۲۳﴾ اَقْبَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

اندھا کر کے اٹھائیں گے۔ وہ کہے گا کہ میرے پروردگار! تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا؟ میں تو دیکھتا بھالتا تھا

﴿۱۲۳﴾ اَقْبَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

اللہ فرمائے گا کہ ایسا ہی تیرے پاس ہماری آیتیں آئیں تو، تو نے ان کو بھلا دیا اسی طرح آج ہم تجھے بھلا دیں گے [۱۲]

وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِ

اور جو شخص حد سے نکل جائے اور اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان نہ لائے ہم اس کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی ﴿۱۲۷﴾ اَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ

اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر تک رہنے والا ہے۔ کیا یہ بات ان لوگوں کے لئے موجب ہدایت نہ ہوئی

[۱۲] اس آیت میں ”معیشتہ ضنکا“ کی تفسیر محمد رسول اللہ ﷺ نے یوں بیان فرمائی۔ سیدنا ابو ہریرہؓ سے مروی ہے

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وان الکافر اذا اتى من قبل رأسه لم یوجد شیئی، ثم اتى عن یمینہ

فلا یوجد شیئی، ثم اتى عن شمالہ فلا یوجد شیئی، ثم اتى من قبل رجلیہ فلا یوجد شیئی، یقال له اجلس

فیجلس خائفًا مروعًا، فیقال له ارأیتک هذا الرجل الذی کان فیکم ما ذائقول فیہ؟ وما ذاتشہد بہ

علیہ؟ فیقول ای رجل؟ فیقال الذی کان فیکم، فلا یہتدی لاسمہ حتی یقال له محمد، فیقول ما ادری،

سمعت الناس قالوا قولا فقلت کما قال الناس، فیقال له علی ذلک حییت، علی ذلک مت، وعلی

ذلک تبعث ان شاء اللہ، ثم یفتح له باب من ابواب النار فیقال له هذا مقعدک من النار وما اعد اللہ لک

فیہا، فیزداد حسرة وثبورا، ثم یفتح له باب من ابواب الجنة فیقال له ذلک مقعدک من الجنة

وما اعد اللہ لک فیہ، لو اطعته، فیزداد حسرة وثبورا، ثم یضیق علیہ قبرہ حتی تختلف فیہ اضلاعہ

فتلک المعیشتہ الضنکة التی قال اللہ فان له معیشتہ ضنکا. (صحیح ابن حبان کتاب الجنائز

رقم: ۳۱۱۳، حسن کما قالہ الالبانی).

اور بے شک کافر کو عذاب دینے کے لئے فرشتے اس کے سر کی طرف سے آتے ہیں۔ وہ ایمان اور عمل صالح کی کوئی رکاوٹ نہیں پاتے۔ پھر وہ اس کے دائیں جانب سے آتے ہیں، پس وہ کوئی رکاوٹ نہیں پاتے، پھر وہ بائیں جانب سے آتے ہیں، ادھر بھی کوئی رکاوٹ نہیں پاتے، پھر وہ اس کے پاؤں کی جانب سے آتے ہیں، تو ادھر بھی کوئی رکاوٹ نہیں ملتی، پھر اس (کافر کو) کہا جاتا ہے، بیٹھ جا، وہ خوف زدہ اور سہا ہوا بیٹھ جاتا ہے۔ فرشتے پوچھتے ہیں، جو شخص تم میں (رسول بنا کر) بھیجا گیا تھا، اس کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ اور اس کے متعلق تو کیا گواہی دیتا ہے؟ جواب میں کافر کہتا ہے کونسا آدمی؟ فرشتے کہتے ہیں جو تم میں بھیجا گیا تھا۔ اسے آپ کے نام کے متعلق کچھ پتہ نہیں چلتا، یہاں تک کہ اسے بتایا جاتا ہے کہ محمد ﷺ کے متعلق پوچھا جا رہا ہے (وہ کافر کہتا ہے میں تو نہیں جانتا، البتہ میں نے لوگوں کو (آپ کے متعلق کچھ) کہتے ہوئے سنا تھا، پھر میں نے بھی لوگوں کی طرح ہی کہہ دیا، فرشتے کہتے ہیں، اس شک پر تو زندہ رہا اور اسی پر مر، اور انشاء اللہ اسی پر تو اٹھایا جائے گا۔

پھر جہنم کے دروازوں میں ایک دروازہ اس کے لئے کھول دیا جاتا ہے، اور ساتھ ہی اسے یہ بھی بتا دیا جاتا ہے کہ تیرا ٹھکانہ یہ آگ ہے (اور دوسرے عذاب) جو اللہ نے تیرے لئے تیار کر رکھے ہیں، پس اس (نظارے کے بعد) اس کی ندامت اور ہلاکت میں اضافہ ہوتا ہے، پھر اس کے لئے جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ کھول دیا جاتا ہے، اور اسے بتایا جاتا ہے کہ اگر تو (اللہ اور اس کے رسول کی) اطاعت کرتا تو یہ جنت تیرا ٹھکانہ ہوتی، اور (دوسری نعمتیں) جو اللہ نے تیرے لئے اس میں تیار کر رکھی تھیں، اس نظارے کے بعد اس کی ندامت اور ہلاکت میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ پھر اس پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی ایک طرف کی پسلیاں دوسری طرف کی پسلیوں میں دھنس جاتی ہیں، پس یہ ہے ”معیشتا ضنکا“ (کی تفسیر) جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”فان له معیشتہ ضنکا“۔

اسی طرح سیدنا ابو ہریرہؓ سے ایک دوسری حدیث مروی ہے، کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے پوچھا اَتَدْرُونَ فَمَا انزلت هذه الاية؟ اَتَدْرُونَ ما المعیشتہ الضنکة؟ کیا جانتے ہو کہ یہ آیت ”فان له معیشتہ ضنکا“ کس چیز کے متعلق نازل ہوئی؟ کیا تم جانتے ہوں کہ معیشتہ ضنکا کیا ہے؟ صحابہ کرام نے کہا، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: عذاب الکافر فی قبره و الذی نفسی بیده انه یسلط علیہ تسعة وتسعون تسینا، اَتَدْرُونَ ما التینین؟ سبعون حیة، لکل حیة سبع رؤوس یلسعونہ و یخدشونہ الی یوم القیامة۔ صحیح ابن حبان کتاب الجنائز: رقم: ۳۱۲۲، ۳۱۱۹۔ معیشتہ ضنکا سے مراد یہ ہے کہ کافر کو اس

کی قبر میں عذاب دیا جاتا ہے، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کافر پر ننانوے ”تسنین“ مسلط کر دیے جاتے ہیں، جانتے ہو کہ تین سے کیا مراد ہے؟ اس سے ستر سانپ مراد ہیں، اور ہر سانپ کے سات منہ ہیں، جن کے ساتھ وہ قیامت تک کافر کو کاٹتے رہیں گے۔ اسی آیت کی تفسیر میں امام قرطبی فرماتے ہیں: قول رابع وهو الصحيح انه عذاب القبر قاله ابو سعید الخدریؓ، و عبد اللہ بن مسعودؓ، و روی ابو ہریرہؓ مرفوعاً عن النبی ﷺ، وقد ذکرنا فی کتاب التذکرۃ قال ابو ہریرہؓ، یضیق علی الکافر قبرہ حتی تختلف فیہ اضلاعه، وهو المعیشۃ الضنکۃ .

چوتھا قول اور یہی صحیح ہے کہ بے شک ”معیشۃ ضنکا“ سے مراد عذاب قبر ہے۔ یہ قول ابو سعید خدریؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کا بھی ہے، اور ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے مرفوع بیان کیا ہے، جسے ہم نے اپنی کتاب التذکرۃ میں ذکر کیا ہے، ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ کافر پر اس کی قبر تنگ کر دی جاتی ہے یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ادھر ادھر ہو جاتی ہیں، یہی معیشۃ ضنکا ہے۔

علامہ شوکانی نے بھی اپنی تفسیر میں اس سلسلے میں مروی متعدد روایات درج کرنے کے بعد یہی قرار دیا ہے کہ (معیشۃ ضنکا) سے مراد عذاب قبر ہی ہے۔ (تفسیر فتح القدر)۔

سید احمد حسن دہلوی نے بھی اس بارے میں سلف کے بعض اقوال ذکر کرنے کے بعد مسند بزار میں ابو ہریرہؓ کی سند سے مروی ایک معتبر حدیث کی بنا پر یہی قرار دیا ہے کہ خود صاحب وحی ﷺ نے ”معیشۃ ضنکا“ کی تعریف عذاب قبر فرمائی ہے۔ احسن التفسیر۔

تفسیر معارف القرآن والے لکھتے ہیں: کہ ”اس کی معیشت تنگ ہوگی“ اور ”قیامت میں اس کو اندھا کر کے اٹھایا جائیگا“ پہلا عذاب دنیا ہی میں اس کو مل جائے گا، اور دوسرا یعنی اندھا ہونے کا عذاب قیامت میں ہوگا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ دنیا میں معیشت کی تنگی تو کفار و فجار کے لئے مخصوص نہیں، مومنین صالحین کو بھی پیش آتی ہے، بلکہ انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ شدید و مصائب اس دنیا کی زندگی میں اٹھانے پڑتے ہیں، اور بعض کتب حدیث میں بروایت سعدؓ وغیرہ یہ حدیث منقول ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ دنیا کی بلائیں اور مصیبتیں سب سے زیادہ انبیاء پر سخت ہوتی ہیں، ان کے بعد جو جس درجہ کا صالح اور ولی ہے: (متدرک حاکم: رقم: ۵۵۱۳، ترمذی: ۲۴۰۰، وابن ماجہ: ۲۳۳۰)۔

اسی کی مناسبت سے اس کو یہ تکلیفیں پہنچتی ہیں، اس کے بالمقابل عموماً کفار و فجار کو خوشحال اور عیش و عشرت میں دیکھا جاتا ہے، تو پھر یہ ارشاد قرآنی کہ ”ان کی معیشت تنگ ہوگی“ آخرت کے لئے تو ہو سکتا ہے دنیا میں خلاف مشاہدہ معلوم ہوتا ہے۔

اس کا صاف، بے غبار جواب تو یہ ہے کہ یہاں دنیا کے عذاب سے قبر کا عذاب مراد ہے، کہ قبر میں ان کی معیشت تنگ کر دی جاوے گی، خود قبر جو ان کا مسکن ہوگا وہ ان کو ایسا دباؤ لگائے گی جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح ہے اور مسند بزار میں بسند جید ابو ہریرہؓ سے یہ حدیث منقول ہے کہ رسول ﷺ نے خود اس آیت کے لفظ ”معیشتہ ضنکا“ کی تفسیر یہ فرمائی ہے کہ اس سے مراد قبر کا عالم ہے۔ (مظہری)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عن انسؓ قال قال رسول اللہ ﷺ: ان العباد اذا وضع فی قبره وتولی عنه اصحابه، وانه لیسع قرع نعالمهم، اتاه ملکان فیقعدانه، فیقولان ما کنت تقول فی هذا الرجل؟ لمحمد، فاما المؤمن فیقول اشهدانه عبد الله ورسوله، فیقال له انظر الی مقعدک من النار، قد ابدلک الله به مقعدا من الجنة، فیراهما جمیعا، واما المنافق و الکافر فیقال له ما کنت تقول فی هذا الرجل؟ فیقول لا ادری، کنت اقول ما یقول الناس، فیقال له لا دریت ولا نلت، ویضرب بمطرقة من حدید ضربة بین اذنیه فیصیح صیحة یسمعهان یلیه غیر الثقلین“۔ (بخاری: ۱۳۳۸، مسلم: ۲۸۷۰)

انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بندہ قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے اعزاء و احباب واپس آتے ہیں، تو وہ (مردہ) ان کے جوتوں کی آواز سنتا ہے، اور اس کے پاس (قبر میں) دو فرشتے آتے ہیں، اور ان کو بٹھا کر پوچھتے ہیں، کہ تم اس شخص (محمد ﷺ) کے بارہ میں کیا کہتے تھے؟ اس کے جواب میں بندہ مؤمن کہتا ہے، میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں، کہ وہ (محمد ﷺ) بلاشبہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

پھر اس بندہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنا ٹھکانا دوزخ میں دیکھو، جس کو اللہ نے بدل دیا ہے، اور اس کے بدلے میں تمہیں جنت میں جگہ دی گئی ہے۔ چنانچہ وہ مردہ دونوں مقامات (جنت و دوزخ) کو دیکھتا ہے، اور جو مردہ منافق یا کافر ہوتا ہے، اس سے بھی یہی سوال کیا جاتا ہے، کہ اس شخص (یعنی محمد ﷺ) کے بارہ میں تو کیا کہتا تھا؟ وہ اس کے جواب میں کہتا کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو لوگ (مومن) کہتے تھے وہی میں بھی کہہ دیتا تھا، اس سے کہا جاتا ہے نہ تو نے عقل سے

پہچانا اور نہ تو نے قرآن شریف پڑھا؟ یہ کہہ کر اس کو لوہے کے گرزوں سے مارا جاتا ہے، کہ اس کے چیخنے اور چلانے کی آواز سوائے جنوں اور انسانوں کے قریب کی تمام چیزیں سنتی ہیں۔

اس حدیث میں فرمایا گیا ہے، کہ جب قبر میں معذب مردہ پر عذاب نازل کیا جاتا ہے، یعنی فرشتے لوہے کے گرزوں سے اس کو مارتے ہیں، تو اس کے چیخنے چلانے کی آواز انسان نہیں سن پاتے، اس کی حکمت یہ ہے، کہ جن وانس غیب کی چیزوں پر ایمان لانے کے مکلف ہیں، اگر ان کو آواز سنائی دے، یا وہاں کے حالات کا علم اس دنیا میں ہو جائے تو پھر ایمان بالغیب جاتا رہے گا۔ نیز اگر قبر کے حالات کا احساس انسانوں کو ہونے لگے، تو خوف و ہیبت ناک کی وجہ سے دنیا کے کاروبار میں بالکل مچی رہے گی اور سلسلہ معیشت منقطع ہو جائے گا۔

”عن البراء بن عازبؓ عن رسول اللہ ﷺ قال یأتیہ ملک ان، فی جلسانہ فیقولان له ،من ربک؟ فیقول ربی اللہ ،فیقولان له مادینک؟ فیقول دینی الاسلام ،فیقولان ، ما هذا الرجل الذی بعثت فیکم؟ فیقول هو رسول اللہ ،فیقولان له وما یدریک، فیقول قرأت کتاب اللہ فامنت به وصدقته ، فذلک قولہ ” ینت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت“ الایة قال فینادی مناد من السماء، ان صدق عبدی ، فافرشوہ من الجنة، والبسوہ من الجنة، وافتحو الہ بابا الی الجنة ، قال فیأتیہ من روحها وطیبها، ویفسح لہ فیہا مدبصرہ ، واما الکافر فذکر موتہ، قال ویعاد روحہ فی جسدہ ، ویأتیہ ملک ان فی جلسانہ ،فیقولان له من ربک فیقول ہا ہا ہا لا ادری فیقولان له مادینک؟ فیقول ہا ہا ہا لا ادری، فیقولان له ما هذا الرجل الذی بعثت فیکم؟ فیقول ہا ہا ہا لا ادری، فینادی مناد من السماء ان کذب فسافر شوہ من النار ، والبسوہ من النار ، وافتحو الہ بابا الی النار ، قال فیأتیہ من حرها وسمومها، قال ویضیق علیہ قبرہ حتی تختلف فیہ اضلاعہ ، ثم یقیض لہ اعمی اصم معہ مرزبۃ من حدید لو ضرب بہا جبل لصار ترابا ، فیضربہ بہا ضربة یسمعہا بین المشرق و المغرب الا الشقلین ، فیصیر ترابا ، ثم یعاد فیہ الروح (احمد: ۳۰ / ۵۰ ، و ابو داؤد: ۵۳ / ۴ ، و النسائی: ۸ / ۷ ، و ابن ماجہ: ۱۵۴۹) .

براء بن عازبؓ راوی ہیں، نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: قبر میں مردے کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، اور اسے بٹھا کر اس سے پوچھتے ہیں، کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے ”میرا رب اللہ ہے“

پھر فرشتے کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ جواب میں کہتا ہے میرا دین اسلام ہے، پھر فرشتے اس سے سوال کرتے ہیں، جو شخص (اللہ کی طرف سے) تمہارے پاس بھیجا گیا تھا وہ کون ہے؟ وہ کہتا ہے، وہ اللہ کے رسول ہیں، پھر فرشتے اس سے پوچھتے ہیں، یہ تجھ سے کس نے بتایا، وہ کہتا ہے، میں نے اللہ کی کتاب پڑھی، اور اس پر ایمان لایا، اور اس کو سچ جانا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا ”یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت“ الایة، یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ثابت قدم رکھتا ہے، جو ثابت بات پر ایمان لائے (آخر آیت تک) نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ آسمان سے پکارنے والا یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کے حکم سے فرشتہ پکار کر کہتا ہے، میرے بندے نے سچ کہا، لہذا اس کے لئے جنت کا فرش بچھاؤ، اور اس کو جنت کی پوشاک پہناؤ، اور اس کے واسطے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو، چنانچہ جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا اس جنت کے دروازہ سے اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں، اور حد نظر تک اس قبر کو کشادہ کر دیا جاتا ہے۔

اب رہا کافر، تو نبی کریم ﷺ نے اس کی موت کا ذکر کیا، اور اس کے بعد فرمایا کہ، پھر اس کی روح اس کے جسم میں ڈالی جاتی ہے۔ اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، جو اس کو بٹھا کر پوچھتے ہیں، تیرا رب کون ہے؟ وہ کہتا ہے ہا ہا ہا میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے ہا ہا میں نہیں جانتا، پھر وہ پوچھتے ہیں یہ شخص کون ہے؟ جو اللہ کی جانب سے تم میں بھیجا گیا تھا، وہ کہتا ہے ہا ہا میں نہیں جانتا، پھر آسمان سے ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا، یہ جھوٹا ہے، اس کے لئے آگ کا فرش بچھاؤ، آگ کا لباس اسے پہناؤ، اور اس کے واسطے ایک دروازہ دوزخ کی طرف کھول دو، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ، دوزخ سے اس کے پاس گرم ہوائیں اور لوئیں آتی ہیں، اور فرمایا اس کی قبر اس کے لئے تنگ کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی پسلیاں ادھر نکل آتی ہیں، پھر اس پر ایک اندھا اور بہرہ فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے، جس کے پاس لوہے کا ایسا گرز ہوتا ہے، کہ اس کو اگر پہاڑ پر مارا جائے تو وہ پہاڑ مٹی ہو جائے، اور وہ فرشتہ اس کو اس گرز سے اس طرح مارتا ہے کہ اس کے چیخنے چلانے کی آواز مشرق سے مغرب تک تمام مخلوقات سنتی ہے، مگر جن و انسان نہیں سنتے، اور اس مارنے سے وہ مردہ مٹی ہو جاتا ہے، اس کے بعد پھر اس کے اندر روح ڈالی جاتی ہے۔

”عن زید بن ثابتؓ قال بینا رسول اللہ ﷺ فی حائط لبنی النجار علی بغلة له، ونحن معه،

اذ حادت به، وکادت تعلقه، واذ اقبل سنة او خمسة، فقال من يعرف اصحاب هذه الاقبر، قال رجل انا، قال فمتی ماتوا، قال فی الشرك، فقال ان هذه الامة تبلی فی قبورها، فلولا ان لاتدافنوا، لدعوت

اللہ ان یسمعکم من عذاب القبر، الذی اسمع منه، ثم اقبل علینا بوجهه فقال تعوذوا باللہ من عذاب النار قالوا تعوذوا باللہ من عذاب النار، قال تعوذوا باللہ من عذاب القبر، قالوا تعوذوا باللہ من عذاب القبر، قال تعوذوا باللہ من الفتن ما ظہر منها وما بطن، قالوا تعوذوا باللہ من الفتن ما ظہر منها وما بطن، قال تعوذوا باللہ من فتنۃ الدجال، قالوا تعوذوا باللہ من فتنۃ الدجال“ (مسلم: ۲۸۶۷)۔

زید بن ثابتؓ سے روایت ہے، کہ ایک روز جبکہ نبی کریم ﷺ بنی نجار کے باغ میں اپنے خچر پر سوار تھے، اور ہم بھی آپ کے ہمراہ تھے، کہ اچانک خچر بدک گیا، اور قریب تھا کہ آپ ﷺ کو گرا دے، ناگہاں پانچ چھ قبریں نظر آئیں، آپ ﷺ نے فرمایا ان قبر والوں کو کوئی جانتا ہے؟ ایک شخص نے کہا میں جانتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا یہ کب مرے ہیں؟ یعنی حالت کفر میں مرے ہیں، یا ایمان کے ساتھ، اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں؟ اس شخص نے عرض کیا، یہ تو شرک کی حالت میں مرے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ امت اپنی قبروں میں ازمانی جاتی ہے (یعنی ان لوگوں پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے) اگر مجھ کو یہ خوف نہ ہوتا کہ تم (مردوں کو) دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں ضرور اللہ سے یہ دعا کرتا کہ وہ تم کو بھی عذاب قبر (کی اس آواز) کو سنا دے جس کو میں سن رہا ہوں، اس کے بعد آپ ﷺ ہماری طرف متوجہ ہوئے، اور فرمایا آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا، ہم آگ کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: قبر کے عذاب سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا، عذاب قبر سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں! آپ ﷺ نے فرمایا ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا، ہم ظاہری اور باطنی فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا دجال کے فتنے سے اللہ کی پناہ مانگو، صحابہ نے عرض کیا، ہم دجال کے فتنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ یعنی عذاب قبر کی شدت کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے، کہ آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: کہ اگر تمہاری آنکھیں اس کا مشاہدہ کر لے اور تمہارے کان اس کو سن لیں، تو تم اپنی عقل و دماغ سے ہاتھ دھو بیٹھو، اور تم اس کی شدت و سختی کا محض احساس ہی کر کے بیہوش ہو جاؤ گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم اس خوف و ہراس کی وجہ سے مردوں کو دفن کرنا بھی چھوڑ دو گے۔ اگر مجھے اس کا خدشہ نہ ہوتا تو میں یقیناً تمہیں اس عذاب کا مشاہدہ بھی کرا دیتا، اور تمہیں سنوا بھی دیتا۔ (مظاہر حق)۔

اس حدیث سے اس بات کی حقیقت بھی معلوم ہوئی کہ بعض لوگ جو مزاروں وغیرہ پر اپنے جانوروں کو اس غرض سے لے جاتے ہیں، کہ اس کا پاخانہ نہیں ہوتا، اور وہاں لے جانے کے بعد رو بصحت ہو جاتے ہیں، تو ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ ہمارے معبودوں نے ہماری حاجت روائی کی، اسی تکتہ کو ابن تیمیہؒ اپنی کتاب میں ذکر کرتے ہیں کہ: انما یذہبون =

كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْكِنِهِمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ

کہ ہم ان سے پہلے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر چکے ہیں جن کے رہنے کے مقامات میں یہ چلتے پھرتے ہیں

لَايَةٍ لِّأُولَى النَّهْيِ ﴿۲۲۸﴾ وَلَا كَلِمَةٍ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ

عقل والوں کے لئے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اگر ایک بات تمہارے پروردگار کی طرف سے پہلے صادر

لَكَانَ لِزَامًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿۲۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ

اور (جزائے اعمال کے لئے) ایک میعاد مقرر نہ ہو چکی ہو تو نزول عذاب لازم ہو جاتا۔ پس جو کچھ یہ کہو اس کرتے ہیں

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا

اس پر صبر کرو اور سورج کے نکلنے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کیا کرو

=بہا الی قبور الکفار و المنافقین، وینت لهم سبب ذلك، قلت لان هؤلاء يعذبون فی قبورهم، و البہائم

تسمع اصواتهم، کما ثبت ذلك فی الحدیث الصحیح، فاذا سمعت ذلك فزعت، فبسبب الرعب الذی

حصل لہا تنحل بطونہا فتروث؛ فان الفزع یقتضی الاسہال. فیعجبون من ذلك؛ وهذا المعنی

کثیر اما کنت اذکرہ للناس، و لا اعلم ان احد اقالہ، ثم وجدته قد ذکرہ بعض العلماء. (الاستغاثۃ فی الرد علی

البکری لابن تیمیہ: ۲/۵۰۲، ۵۰۳). بعض پیروں اور مرشدوں کا یہ دعویٰ ہے کہ ہمیں کشف القبور ہوتا ہے، اور قبر والے

کے احوال ہم پر ظاہر ہوتے ہیں، ہم ان کے احوال پر عالم ہوتے ہیں کہ یہ عالم برزخ میں خوشحال ہیں یا تکلیف میں۔ تو ان

احادیث سے ان کا یہ پھانڈہ کھل گیا کہ عالم برزخ کا علم انسانوں میں صرف انبیاء کو ہوتا ہے، اس کے علاوہ جتنے انس و جن ہیں

ان کو قبر کے احوال سے بے خبر رکھا گیا ہے، اور حدیث میں اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ ان دونوں کا طاقت اتنا نہیں کہ اس

کا تحمل کر سکیں، اور ان کے علاوہ جو جانور وغیرہ ہیں ان کو پتہ چلتا ہے، تو اب ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ جب صحابہ کرام اس کا تحمل

نہیں کر سکتے تو تم کون ہو کہ اس کا تحمل کر سکو گے۔ یا تو نبوت کا دعویٰ کرو اور یہ کہہ دیں کہ ہم نہ انسان ہیں نہ جن، بلکہ کوئی اور شی

ہیں۔ مذکورہ احادیث میں اس مسئلے کا تفصیل کے ساتھ رد ہوا، اس کے بعد اگر کسی کو شبہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو سمجھائیں۔

وَمِنْ آنَاءِ اللَّيْلِ فَسَبِّحْ وَأَطْرَافِ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضَى ﴿۱۳۰﴾

اور رات کی سماعت (اولین) میں بھی اس کی تسبیح کیا کرو اور دن کی اطراف (یعنی دوپہر کے قریب ظہر کے وقت بھی) تاکہ تم خوش ہو جاؤ

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا

اور کئی طرح کے لوگوں کو جو ہم نے دنیا کی زندگی میں آرائش کی چیزوں سے بہرہ مند کیا ہے

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَى ﴿۱۳۱﴾

تاکہ ان کی آزمائش کریں ان پر نگاہ نہ کرنا اور تمہارے پروردگار کی (عطا فرمائی ہوئی) روزی بہت بہتر اور باقی رہنے والا ہے

وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ

اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اس پر قائم رہو ہم تم سے روزی کے خواستگار نہیں بلکہ تمہیں ہم روزی دیتے ہیں

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَى ﴿۱۳۲﴾ وَالْوَالِدَا لِلْوَالِدَاتِ لِأَنَّ بَابَهُنَّ مِنْ رَبِّهِ ۚ أَوْلَم تَأْتِيهِمْ بَيِّنَةٌ

اور (نیک) انجام (اہل) تقویٰ کا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اپنے پروردگار کی طرف سے ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں

مَا فِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿۱۳۳﴾ إِنَّا أَهْلَكْنَاهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهِ

نہیں لاتے؟ کیا ان کے پاس پہلی کتابوں کی نشانی نہیں آئی؟۔ اور اگر ہم ان کو پیغمبر (کے بھیجے) سے پیشتر

لَقَالُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَذَلَّ

کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا؟ کہ ہم ذلیل

وَنَخْزَىٰ ﴿۱۳۴﴾ كُلُّ مُتَرَبِّصٍ فَتَرَبَّصُوا فَسَتَعْلَمُونَ

اور رسوا ہونے سے پہلے تیرے کلام (وا حکام) کی پیروی کرتے۔ کہہ دو کہ سب (نتائج اعمال کی) منتظر ہیں تو تم بھی منتظر

مَنْ أَصْحَابُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدَىٰ ﴿۱۳۵﴾

رہو عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ (دین کی) سیدھے رستے پر چلنے والے کون ہیں اور (جنت کی طرف) راہ پانے والے کون ہیں (ہم یا تم)

سورة الأنبياء (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ ﴿۱﴾

لوگوں کا حساب نزدیک آ پہنچا ہے اور وہ غفلت میں (پڑے اس سے) منہ پھیر رہے ہیں

مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّن رَّبِّهِمْ مُّحَدَّثٍ إِلَّا اسْتَمَعُوهُ وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿۲﴾

ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ان کے رب کی طرف سے نہیں آتی مگر وہ اُسے کھیلتے ہوئے سنتے ہیں

لَا هِيَةَ فُلُوبُهُمْ وَأَسْرُوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَذَا إِلَّا

اُن کے دل غفلت میں پڑے ہوئے ہیں اور ظالم لوگ چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں کہ یہ (شخص کچھ بھی) نہیں

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السَّحَرَ وَالنَّجْمَ تَبْصِرُونَ ﴿۳﴾

مگر تمہارے جیسا آدمی ہے تو تم آنکھوں دیکھتے جادو (کی لپیٹ) میں کیوں آتے ہو؟ (تینمبر نے) کہا

رَبِّي يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۴﴾

کہ جو بات آسمان اور زمین میں (کہی جاتی) ہے میرا رب اُسے جانتا ہے اور وہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے۔ بلکہ

قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ

(ظالم) کہنے لگے کہ (یہ قرآن) پریشان (باتیں ہیں جو) خواب (میں دیکھی) ہیں بلکہ اس نے اس کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے

بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَأْتِنَا بآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأُولُونَ ﴿۵﴾

بلکہ یہ (شاعر ہے جو اس) شاعر (کا نتیجہ طبع) ہے تو جیسے پہلے بھیجے گئے تھے (اُسی طرح) یہ بھی ہمارے پاس کوئی نشانی لائے

مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ ﴿٤﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا

ان سے پہلے جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا وہ ایمان نہیں لائی تھیں تو کیا یہ ایمان لے آئیں گے اور ہم نے تم سے پہلے

قَبْلَكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِيَ إِلَيْهِمْ فَاسْتَلَوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ

مرد ہی (پیغمبر بنا کر) بھیجے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے، اگر تم نہیں جانتے تو جو یاد رکھتے ہیں اُن سے پوچھ لو

﴿٥﴾ وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوا خَالِدِينَ ﴿٨﴾

اور ہم نے اُن کے ایسے جسم نہیں بنائے تھے کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے

ثُمَّ صَدَقْنَاهُمُ الْوَعْدَ فَأَنْجَيْنَاهُمْ وَمَنْ نَشَاءُ وَأَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِينَ ﴿٩﴾

پھر ہم نے ان کے بارے میں (اپنا) وعدہ سچا کر دیا تو اُن کو اور جس کو چاہناجات دی اور حد سے نکل جانے والوں کو ہلاک کر دیا

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٠﴾

ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَأَنْشَأْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا آخَرِينَ ﴿١١﴾

اور ہم نے بہت سی بستیاں کو جو ستمگر تھیں ہلاک کر مارا اور ان کے بعد اور لوگ پیدا کر دیئے

فَلَمَّا أَحْسَبُوا بِأَسْنَائِهِمْ مِنْهَا يَرْكُضُونَ ﴿١٢﴾ لَا تَرَ كُضُوعًا وَارِجِعُوا

جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو لگے اس سے بھاگنے۔ مت بھاگو اور جن میں تم عیش و آسائش کرتے تھے

إِلَىٰ مَا أَتْرَفْتُمْ فِيهِ وَمَسْكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَسْتَلُونَ ﴿١٣﴾ قَالُوا يَا وَيْلَنَا إِنَّا

ان کی اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ تا کہ تم سے (اس بارے میں) دریافت کیا جائے۔ کہنے لگے ہائے شامت!

كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿١٤﴾ وَمَا زَالَتْ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّىٰ جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا

بیشک ہم ظالم تھے۔ تو وہ ہمیشہ اسی طرح پکارتے رہے یہاں تک کہ ہم نے ان کو (کھیتی کی طرح) کاٹ کر (اور آگ کی

﴿۱۴﴾ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ ﴿۱۴﴾

طرح) بجھا کر ڈھیر کر دیا۔ اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو ان دونوں کے درمیان ہے اس کو لہو و لعب کیلئے پیدا نہیں کیا

﴿۱۵﴾ لَوْ أَرَدْنَا أَنْ نَتَّخِذَ لَهُمْ لَهَوًا لَّاتَّخَذْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا إِنَّ كُنَّا فَعِلِينَ ﴿۱۵﴾

اگر ہم چاہتے کہ کھیل (کی چیزیں یعنی زن و فرزند) بنائیں تو اگر ہم کو کرنا ہی ہوتا تو ہم اپنے پاس سے بنا لیتے

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ

بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور جھوٹ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے اور جو باتیں تم

زَاهِقٌ وَلكُمْ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۸﴾ لَهُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

بناتے ہو ان سے تمہاری ہی خرابی ہے۔ اور جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں سب اسی کے (مملوک اور اسی کا مال) ہیں

﴿۱۹﴾ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُونَ ﴿۱۹﴾

اور جو (فرشتے) اُس کے پاس ہیں وہ اُس کی عبادت سے نہ تکبر کرتے ہیں اور نہ اکتاتے ہیں

﴿۲۰﴾ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿۲۰﴾

رات دن (اُس کی) تسبیح کرتے رہتے ہیں، نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں

﴿۲۱﴾ أَمْ اتَّخَذُوا آلِهَةً مِّنَ الْأَرْضِ هُمْ يُنشِرُونَ ﴿۲۱﴾

بھلا لوگوں نے جو زمین کی چیزوں سے (بعض کو) معبود بنا لیا ہے (تو کیا) وہ اُن کو (مرنے کے بعد) اٹھا کھڑا کریں گے؟

﴿۲۲﴾ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ

اگر آسمان اور زمین میں اللہ کے سوا اور معبود ہوتے تو زمین و آسمان درہم برہم ہو جاتے جو باتیں یہ لوگ بتاتے ہیں اللہ

﴿۲۳﴾ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۲۳﴾ يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ ﴿۲۳﴾

مالکِ عرش ان سے پاک ہے وہ جو کام کرتا ہے اُس کی پرسش نہیں ہوگی اور (جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اس کی) ان سے پرسش ہوگی

أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهَةً قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ هَذَا ذِكْرٌ مِنْ مَعِيَ وَذِكْرٌ

کیا لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر اور معبود بنائے ہیں؟ کہہ دو کہ (اس بات پر) اپنی دلیل پیش کرو، یہ (میری اور) میرے ساتھ

مَنْ قَبْلِي بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ الْحَقَّ فَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۲۲﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا

والوں کی کتاب بھی ہے اور جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں ان کی کتابیں بھی ہیں بلکہ ان میں اکثر بات کو نہیں جانتے اور اس لئے اُس سے منہ پھیر لیتے ہیں

مَنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۲۳﴾

اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمَنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ ۚ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ﴿۲۴﴾

اور کہتے ہیں کہ اللہ بیٹا رکھتا ہے، وہ پاک ہے بلکہ جن کو یہ لوگ اُس کے بیٹے اور بیٹیاں سمجھتے ہیں وہ اُس کے عزت والے بندے ہیں

لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ﴿۲۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا

اس کے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے اور اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے آگے ہو چکا ہے اور جو پیچھے ہو گا وہ سب

خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ ارْتَضَىٰ وَهُمْ مِّنْ خَشِيَّتِهِ مُشْفِقُونَ ﴿۲۸﴾

سے واقف ہے اور وہ سفارش نہیں کر سکتے مگر اُس شخص کی جس سے اللہ خوش ہو اور وہ اُس کی ہیبت سے ڈرتے رہتے ہیں

وَمَنْ يُقَلِّ مِنْهُمْ إِنِّي إِلَهٌ مِّنْ دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيهِ جَهَنَّمَ ۚ كَذٰلِكَ نَجْزِي

اور جو شخص ان میں سے یہ کہے کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں تو اُسے ہم دوزخ کی سزا دیں گے اور ظالموں کو ہم ایسی ہی

الظَّالِمِينَ ﴿۲۹﴾ لَمْ يَرِ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا

سزا دیا کرتے ہیں۔ کیا کافروں نے نہیں دیکھا کہ آسمان اور زمین دونوں ملے ہوئے تھے

رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۚ اَفَلَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۰﴾

تو ہم نے اُن کو جدا جدا کر دیا اور تمام جاندار چیزیں ہم نے پانی سے بنائیں پھر یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے؟

وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ

اور ہم نے زمین میں پہاڑ بنائے تاکہ لوگوں سے ہلنے نہ لگے اور اس میں کشادہ رستے بنائے تاکہ لوگ ان پر چلیں

﴿۳۳﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُعْرِضُونَ ﴿۳۴﴾

اور آسمان کو محفوظ چھت بنایا اس پر بھی وہ ہماری نشانیوں سے منہ پھیر رہے ہیں

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ

اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن اور سورج اور چاند کو بنایا (یہ) سب آسمان میں

يَسْبَحُونَ ﴿۳۵﴾ وَجَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ

(اس طرح چلتے ہیں گویا) تیر رہے ہیں۔ اور (اے پیغمبر!) ہم نے تم سے پہلے کسی آدمی کو بقائے دوام نہیں بخشا

أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمْ الْخَالِدُونَ ﴿۳۶﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ

بھلا اگر تم مر جاؤ تو کیا یہ لوگ ہمیشہ رہیں گے؟۔ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے

وَنَبَلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۳۷﴾

اور ہم تم کو خیر اور آسودگی میں آزمائش کے طور پر بتلا کرتے ہیں اور تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ كَفَرُوا آيَاتِنَا أَن يَتَّخِذُونَكَ إِلَّا هُزُوعًا أَهْلًا الَّذِي يَذْكُرُ

اور جب کافر تم کو دیکھتے ہیں تو تم سے ہنسی کرتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر (برائی سے) کیا کرتا ہے؟

آلِهَتِكُمْ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمَنِ هُمْ كَافِرُونَ ﴿۳۸﴾ خَلَقَ الْإِنْسَانَ

حالانکہ وہ خود رحمن کے نام سے منکر ہیں انسان (کچھ ایسا جلد باز ہے کہ گویا)

مِنْ عَجَلٍ سَأَرِيكُمْ آيَاتِي فَلَا تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۳۹﴾ قُولُوا لَنْ نَمُوتَ مِنْ هَذَا

جلد بازی ہی سے بنایا گیا ہے۔ میں تم لوگوں کو عنقریب اپنی نشانیاں دکھاؤں گا تو تم جلدی نہ کرو۔ اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو

الْوَعْدُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۸﴾ يُوعَلِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا حِينًا

تو (جس عذاب کی) یہ وعید (ہے وہ) کب (آئے گا)؟۔ اگر کافر اُس وقت کو جانیں جب وہ

لَا يَكْفُونَ عَنْ وُجُوهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾

اپنے مونہوں پر سے (دوزخ کی) آگ کو روک نہ سکیں گے اور نہ اپنی پیٹھوں پر سے اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوگا

بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۰﴾

بلکہ قیامت ان پر ناگہاں آ واقع ہوگی اور ان کے ہوش کھودے گی پھر نہ تو وہ اس کو ہٹا سکیں گے اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا

اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کیساتھ مذاق ہوتا رہا ہے، تو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے ان کو اسی (عذاب) نے جس

بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۱﴾ قُلْ مَنْ يَكْلُؤُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمَنِ

کی ہنسی اڑاتے تھے آ گھیرا۔ کہو کہ رات اور دن میں اللہ سے تمہاری کون حفاظت کر سکتا ہے؟

بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۲﴾ لَهُمُ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ

بات یہ ہے کہ یہ اپنے رب کی یاد سے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔ کیا ہمارے سوا ان کے اور معبود ہیں؟ کہ ان کو (مصائب

مِّنْ دُونِنَا لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَ أَنفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۳﴾

سے) بچا سکیں وہ آپ اپنی مدد تو کر ہی نہیں سکتے اور نہ ہم سے پناہ ہی دیئے جائیں گے

بَلْ مَتَّعْنَا هَؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ أَفَلَا

بلکہ ہم ان لوگوں کو اور ان کے باپ دادا کو تمتع کرتے رہے یہاں تک کہ (اسی حالت میں) ان کی عمریں بسر ہو گئیں کیا یہ

يَرَوْنَ أَنَا نَاتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۴﴾

نہیں دیکھتے کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آتے ہیں تو کیا یہ لوگ غلبہ پانے والے ہیں

﴿۱۱۱﴾ قُلْ إِنَّمَا أُنذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَاءَ إِذَا مَا يُنذَرُونَ ﴿۱۱۱﴾

کہہ دو کہ میں تمہیں حکم الہی کے مطابق نصیحت کرتا ہوں اور بہروں کو جب نصیحت کی جائے تو وہ پکار کو سنتے ہی نہیں

وَلَئِن مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ يُوَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ

اور اگر ان کو تمہارے رب کا تھوڑا سا عذاب بھی پہنچے تو کہنے لگیں کہ ہائے کبختی! ہم بیشک سنگتر تھے

﴿۱۱۲﴾ وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا

اور ہم قیامت کے دن انصاف کا ترازو کھڑا کریں گے تو کسی شخص کی ذرا بھی حق تلفی نہ کی جائے گی

﴿۱۱۳﴾ وَإِنْ كَانَتْ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَسِيبِينَ ﴿۱۱۳﴾

اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا تو ہم اسکو لا حاضر کریں گے اور ہم حساب کرنے کو کافی ہیں

﴿۱۱۴﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذَكَرًا لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۴﴾

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو (ہدایت اور گمراہی میں) فرق کر دینے والی اور روشنی اور نصیحت عطا کی پر ہیزگاروں کیلئے

﴿۱۱۵﴾ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُونَ ﴿۱۱۵﴾

جو جن دیکھے اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور قیامت کا بھی خوف رکھتے ہیں

﴿۱۱۶﴾ وَهَذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ أَنْزَلْنَاهُ أَفَأَنْتُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۱۱۶﴾

اور یہ مبارک نصیحت ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے تو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو؟

﴿۱۱۷﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِن قَبْلُ وَكُنَّا بِهِ عَلِيمِينَ ﴿۱۱۷﴾

اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم اُن (کے حال) سے واقف تھے۔ جب انہوں نے اپنے باپ

﴿۱۱۸﴾ وَقَوْمِهِ مَا هَذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِي أَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُونَ ﴿۱۱۸﴾

اور اپنی قوم کے لوگوں سے یہ کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن (کی پرستش) پر تم معکف (واقف) ہو؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے

آبَاءَ نَالَهَا عَبْدَيْنِ ﴿۳۳﴾ لَقَدْ كُنْتُمْ أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ

باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا۔ کہا کہ تم بھی (گمراہ ہو) اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے

﴿۳۴﴾ قَالُوا أَجِئْنَا بِالْحَقِّ أَمْ أَنْتَ مِنَ اللَّعِينِينَ ﴿۳۴﴾

وہ بولے کیا تم ہمارے پاس (واقعی) حق لائے ہو یا (ہم سے) کھیل (کی باتیں) کرتے ہو؟

قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ

(ابراہیم نے) کہا (نہیں) بلکہ تمہارا رب آسمانوں اور زمین کا (بھی) رب ہے جس نے ان کو پیدا کیا ہے

وَأَنَا عَلَىٰ ذَلِكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ﴿۳۵﴾ لَوْلَا اللَّهُ لَا كِيدَنَّ أَصْنَامَكُمْ

اور میں اس (بات) کا گواہ (اور اسی کا قائل) ہوں۔ اور اللہ کی قسم جب تم پیڑ پھیر کر چلے جاؤ گے تو میں تمہارے بتوں سے

بَعْدَ أَنْ تُولُوا مُدْبِرِينَ ﴿۳۶﴾ لَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ

ایک چال چلوں گا۔ پھر ان کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا مگر ایک بڑے (بت) کو (نہ توڑا) تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں

يَرْجِعُونَ ﴿۳۷﴾ قَالُوا مَنْ فَعَلَٰ هَذَا بِالْهَيْتَانِ إِنَّهُ لَمِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۷﴾

کہنے لگے کہ ہمارے معبودوں کیساتھ یہ معاملہ کس نے کیا؟ وہ تو کوئی ظالم ہے

قَالُوا سَمِعْنَا فَتًى يَذُكُرُهُمْ يُقَالُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ ﴿۳۸﴾

لوگوں نے کہا کہ ہم نے ایک جوان کو ان کا ذکر کرتے ہوئے سنا ہے اس کو ابراہیم کہتے ہیں

قَالُوا فَاتُّوبُ بِهِ عَلَىٰ أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُونَ ﴿۳۹﴾ قَالُوا

وہ بولے کہ اسے لوگوں کے سامنے لاؤ تاکہ وہ گواہ رہیں۔ (جب ابراہیم آئے تو) بت پرستوں نے کہا

أَنْتَ فَعَلْتَٰ هَذَا بِالْهَيْتَانِ يَا إِبْرَاهِيمُ ﴿۴۰﴾ قَالَ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ

کہ ابراہیم بھلا یہ کام ہمارے معبودوں کیساتھ تم نے کیا ہے؟ (ابراہیم نے) کہا (نہیں) بلکہ یہ ان کے اس بڑے (بت)

هَذَا فَاسْأَلُوهُمْ إِنْ كَانُوا يَنْطِقُونَ ﴿۴۳﴾ فَجَعُوا إِلَىٰ أَنفُسِهِمْ

نے کیا (ہوگا) اگر یہ بولتے ہوں تو ان سے پوچھ لو۔ انہوں نے اپنے دل میں غور کیا تو آپس میں کہنے لگے

فَقَالُوا إِنَّكُمْ أَنْتُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ نَكِسُوا عَلَىٰ رءُوسِهِمْ

کہ بیشک تم ہی بے انصاف ہو۔ پھر (شرمندہ ہو کر) سر نیچا کر لیا (اس پر بھی ابراہیم سے کہنے لگے کہ)

لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا هَؤُلَاءِ يَنْطِقُونَ ﴿۴۵﴾ قَالُوا أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

تم جانتے ہو یہ بولتے نہیں۔ (ابراہیم نے) کہا کہ پھر تم اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو

مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَلَا يَضُرُّكُمْ ﴿۴۶﴾ لَكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

جو تمہیں نہ کچھ فائدہ دے سکیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں۔ ٹہف ہے تم پر اور جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے

اللَّهُ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۴۷﴾ أَلَمْ نَحْرُقْهُ

ہو اُن پر بھی کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ (تب وہ) کہنے لگے کہ اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اس کو جلا دو

وَأَنْصُرُوا إِلَٰهِيكُمْ إِنْ كُنْتُمْ فَعِلِينَ ﴿۴۸﴾ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا

اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ ہم نے حکم دیا کہ اے آگ! سرد ہو جا اور ابراہیم پر (موجب)

عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ ﴿۴۹﴾ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْآخْسَرِينَ ﴿۵۰﴾

سلامتی (بن جا) ان لوگوں نے برا تو ان کا چاہا تھا مگر ہم نے انہی کو نقصان میں ڈال دیا [۱]

[۱] ابراہیم علیہ السلام کو راہ ہدایت ہم ہی نے دکھائی ”و کتابہ عالمین“ اور ہم ہی اس کو جانتے تھے یعنی

دیکھو ابراہیم علیہ السلام کو جو جلال انبیاء ہیں وہ بھی اپنے باپ اور اپنی قوم کو غیر اللہ کی پکار اور عبادت سے روکتے رہے ”من

قبل“ یہ منبى على الضمه ہے اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے ای من قبل النبوة (بحر).

”اذ قالوا“ مؤخر سے متعلق ہے اور ”اذکر“ مقرر ماننے کی ضرورت نہیں ”التمائیل“ تمثال کی جمع ہے تمثال

اس مصنوعی چیز کو کہا جاتا ہے جو اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کے مشابہ بنائی جائے، مشرکین نے انبیاء علیہم السلام، اولیاء کرام اور ستاروں کی شکلوں پر بت بنا کر عبادت خانہ میں نصب کر رکھے تھے، انہی کی طرف اشارہ کر کے ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے سوال کیا کہ یہ مورتیاں کیسی ہیں؟ جن کی عبادت پر تم جھے بیٹھے ہوں۔ التمثال موضوع لشیء المصنوع مشبہاً بخلق من خلق الله (قرطبی). ان القوم كانوا عباد اصنام علی صور مخصوصة كصورة الانسان او غيره الخ (کبیر). وكانت علی ما قیل صور الرجال يعتقدون فیهم وقد انقضوا وقیل كانت صور الكواكب صنعوها جسمًا تخيلوا (روح)۔ ابراہیم علیہ السلام کا اس سوال سے مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ مشرکین کس شبہ کی وجہ سے ان مورتیوں کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں۔

اور جب وہ اعتراف کر لیں گے کہ تقلید آباء کے سوا ان کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ تو انہیں یہ کہنے کا موقع مل جائے گا کہ تمہارا یہ فعل سراسر گمراہی ہے مشرکین نے صاف صاف اقرار کر لیا کہ ان کے پاس کوئی دلیل تو ہے نہیں بس انہوں نے اپنے باپ دادا کو ان تماثیل کی عبادت کرتے دیکھا اس لئے وہ بھی ان کی اندھی تقلید کرتے ہوئے ایسا کر رہے ہیں (جواہر القرآن)۔

ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم اور تمہارے ابا و اجداد صریح گمراہی میں تھے کیونکہ تمہارے پاس کوئی معقول دلیل نہیں تم محض خواہش نفسانی کے تابع ہو۔ ابراہیم علیہ السلام کا جواب سن کر قوم کے مشرک بولے، تم سچ کہہ رہے ہو یا پونہسی مذاق کر رہے ہو؟ ”قال بل ربکم“..... الأیة، ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا پونہسی نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ غیر اللہ کی عبادت اور پکار کی وجہ سے تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی گمراہ تھے۔ جن کو تم پکارتے ہو۔ وہ عاجز و بے بس ہیں، اور متصرف و مختار نہیں ہیں، مالک و مختار اور متصرف و کارساز تو صرف اللہ تعالیٰ ہے جو ساری کائنات کا خالق و مالک ہے، لہذا عبادت اور پکار کا مستحق بھی وہی ہے اور کوئی نہیں، اور اس دعویٰ پر میرے پاس دلیل و حجت موجود ہے، اور میں جو کچھ کہہ رہا ہوں دلیل و حجت سے کہہ رہا ہوں، المعنی ای ابین بالدلیل ما أقول“ (قرطبی)۔

”وتالله لا کیدن“..... الأیة، خلیل اللہ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ قوم نے ان ٹھوس عقلی دلائل سے کوئی اثر نہیں لیا، تو اب ایک نہایت مؤثر اور محسوس طریقہ سے ان کے معبودان باطلہ کی بے چارگی کو واضح کرنے کے لئے ایک نئی سکیم سوچی چنانچہ دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ تم اپنے میلے پر تو جاؤ پھر دیکھنا میں تمہارے معبودوں کی کیا گت بناتا ہوں ”فجعلہم جذاذاً“۔ جب مشرکین اپنے تہوار میں شریک ہونے کے لئے شہر سے باہر چلے گئے، تو ابراہیم علیہ

السلام نے تمام مورتیوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا البتہ سب سے بڑے بت کو چھوڑ دیا۔ اور کلہاڑا اس کے کندھے پر رکھ دیا، تاکہ جب مشرکین واپس آ کر سارا ماجرا دیکھیں تو بڑے بت کی طرف رجوع کریں، اور اس سے پوچھیں کہ جناب کیا ماجرا ہے؟ کہ یہ ہمارے معبود سب کے سب ٹوٹے پڑے ہیں مگر آپ صحیح سلامت براہمان ہیں، اور کلہاڑا آپ کے کندھے پر ہے، ان المعنی: ”یرجعون الیہ کما یرجع الی العالم فی حل المشکلات فیقولون مالہؤلاء مکسورة و مالک صحیحاً و الفاس علی عاتقک“ (کبیر) اس سے مقصود الزام جت تھا۔

”قالوا من فعل“..... الآية، مشرکین جب عید منا کروا پس آئے تو حسب دستور اپنے معبودوں کو نذرانہ بخود پیش کرنے کے لئے عبادت خانہ میں داخل ہوئے، تو معبودوں کو ناگفتہ بہ حال میں دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے ہمارے معبودوں سے یہ حرکت جس نے بھی کی ہے اس نے بڑا ظلم کیا ہے۔

”قالوا سمعنا“..... الآية، ان میں سے بعض نے کہا کہ ابراہیم نامی ایک نوجوان ہے وہ ان کا ذکر کر رہا تھا یہ اسی کی حرکت معلوم ہوتی ہے، شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ ”یذکرہم“ کا مطلب یہ ہے کہ ایک نوجوان جس کا نام ابراہیم ہے ہر وقت ہمارے ان معبودوں کے پیچھے پڑا رہتا اور ان کی توہین کرتا رہتا ہے اور ہمیشہ کہتا رہتا ہے کہ یہ عبادت اور پکار کے لائق نہیں اور نہ نفع و نقصان کے مالک ہیں، اس لئے اندازہ یہی ہے کہ سب کچھ اسی نے کیا ہوگا، بہت سے مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے ”سمعنا فتی یذکرہم“ ای یعیہم فلعلہ الذی فعل ذالک بہم، (روح المعانی)۔

”قالوا فاتوا“..... الآية، اب مشرکین نے کہا تو پھر اس (ابراہیم علیہ السلام) کو لوگوں کے رو برو لاؤ تاکہ سب لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ ہم اسے کس قدر عبرت ناک سزا دیتے ہیں، ”ای یحضر و عقوبتنا“ (مدارک) یا مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو سر عام حاضر کرو تاکہ کچھ اور لوگ بھی اس کے خلاف شہادت دیں۔ انہم کرہوا ان یأخذوہ بغير بینة، فارادوا ان یجیبواہ علی اعین الناس لعلہم یشہدون علیہ بما قالہ فیکون حجة علیہ بما فعلہ و هذا قول الحسن و قتادة و السدی و عطاء و ابن عباسؓ (کبیر)۔

ابراہیم علیہ السلام کا اس واقعہ سے یہی مقصد تھا کہ جب یہ معاملہ ان تماشیل کے تمام پجاریوں کے علم میں آئے، اور ان سب کے سامنے پیش ہو، اس وقت وہ ان کی جہالت اور بے وقوفی ظاہر کریں اور ان کے سامنے بر ملا ان کے معبودوں کی بے چارگی اور بے بسی کو واضح کر سکیں، اور اس حقیقت کا اعلان کر سکیں کہ جن معبودوں کو تم حاجت روا اور مشکل کشا اور نافع و ضار سمجھتے ہو ان کے عجز کا یہ حال ہے کہ وہ خود اپنی ذاتوں سے بھی دفع ضرر کی قدرت نہیں رکھتے، اس لئے وہ تمہارا

بھی کچھ سنواریا گیا نہیں سکتے اور نہ کچھ تمہیں دے سکتے ہیں: ”فأتوا به علی اعین الناس“ ای علی رؤس الاشهاد فی المملأ الاکبر بحضرة الناس کلهم وکان هذا هو المقصود الاکبر لابرہیم علیہ السلام ان یبین فی هذا المحفل العظیم کثرة جهلهم وقلة عقلهم فی عبادة هذه الاصنام التي لاتدفع عن نفسها ضرا ولا تملک لها نصر اکیف یطلب منها شیء من ذالک (ابن کثیر).

”قالوا انت..... الآية، اس سے پہلے اندماج ہے، ای فأتوا به، یعنی وہ ابرہیم علیہ السلام کو سرعام لے آئے اور ان سے سوال کیا، اے ابرہیم! کیا تو نے ہمارے معبودوں کے ساتھ یہ کچھ کیا ہے؟ اس سوال سے ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے اس فعل کا اقرار کر لینگے تو وہ انہیں حسب منشا سزا دے سکیں گے، مگر ان کا مقصد پورا نہ ہوا، اور معاملہ برعکس ہو گیا، اور اگلے خود ذلیل و رسوا ہوئے، (من الکبیر)۔

”قال بل فعله..... الآية، لفظ ’بل‘ اضراب کے لئے ہے جو ماقبل کے خلاف ایک نئی بات بیان کرنے کے لئے لایا جاتا ہے، تو اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابرہیم علیہ السلام نے مشرکین کے سوال کے جواب میں بتوں کو توڑنے کے فعل سے انکار کر دیا، اور اس فعل کو ان کے بڑے بت کی طرف منسوب کر دیا ظاہر ہے کہ یہ جھوٹ کی صورت ہے جس کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف محال ہے، اس کے بہت سے جواب دیئے گئے جو تفسیر کبیر اور روح المعانی میں بہ تفصیل مذکور ہیں، حسین علی نے فرمایا کہ ”بل فعله“ میں تظم سے غیبت کی طرف التفات ہے اور اس کا فاعل مقدر ہے اصل میں تھا، بل فعله من فعله، یعنی جس نے یہ کام کیا ہے اس نے تو کر ڈالا یہ تمہارا بڑا بت بھی یہاں موجود ہے، تم اپنے ان معبودوں ہی سے پوچھ لو کہ ان کے ساتھ یہ ماجرا کس نے کیا ہے، تو ابرہیم علیہ السلام نے اس فعل سے انکار نہیں کیا بلکہ ایک لطیف اور کنائی انداز میں اسے تسلیم کر لیا۔ امام رازی نے اس توجیہ کو اس طرح بیان کیا ہے۔ و رابعها انه کنایة عن غیر مذکور: ای فعله من فعله، و کبیرهم هذا، ابتداء الکلام ویروی عن الکسانی انه کان یقف عند قوله بل فعله، ثم یتدی کبیرهم هذا (کبیر).

”فرجعوا الی انفسهم“..... الآية، ابرہیم علیہ السلام کا جواب سن کر مشرکین کے ہوش ٹھکانے آئے اور ان کو تنبیہ ہوئی کہ وہ ان غیر ناطق جہادات کی عبادت کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر رہے ہیں، بھلا جو اس قدر عاجز و بے بس ہوں کہ اپنی حفاظت بھی نہ کر سکیں وہ دوسروں کے کیا کام آسکتے ہیں۔

”انکم انتم الظلمون“ ای عبادة من لا ینطق بلفظة ولا یملک لنفسه لحظة و کیف ینفع

عابديه ويدفع عنهم البأس من لا يرفع عن رأسه الفاس (قرطبي).

”ثم نكسوا“..... الآية، مگر تسویل و تسلیل شیطان سے بدبختی اور شقاوت نے پھر انہیں آلیا اور مہر جباریت کی وجہ سے وہ اپنی کفر و شرک کی پہلی حالت کی طرف فوراً منقلب ہو گئے۔ قال اهل النفسير اجري الله تعالى الحق على لسانهم فى القول الاول ثم ادر كتبهم الشقاوة، اى ردوا الى الكفر بعد ان اقرؤا على انفسهم بالظلم (مدارک) اور ابراہیم علیہ السلام سے کہنے لگے کہ یہ تو تمہیں بھی معلوم ہے، اور ہم بھی جانتے ہیں کہ یہ معبود بولنے کی طاقت نہیں رکھتے مگر اس کے باوجود ان کو اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ لا يخفى علينا و عليك ايها المبكت انها لا تنطق كذا لك وانا انما اتخذناها آلهة مع العلم بالوصف، (روح).

”قال أتعبدون“..... الآية، جب مشرکین نے اپنے معبودوں کی بیچارگی اور بے بسی کا اقرار کر لیا تو ابراہیم علیہ السلام نے ان کی فکر و عقل کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا: تمہیں معلوم ہے کہ یہ عاجز معبود تمہیں نہ نفع پہنچانے کی طاقت رکھتے اور نہ نقصان پہنچانے کی، تو پھر تم اس اللہ کے سوا ان کی کیوں عبادت کرتے ہو۔ توف تم پر اور تمہارے فعل شرک پر تم ایسے صریح احمقانہ فعل کی قباحت بھی نہیں سمجھتے۔

”قالوا حرقوه“..... الآية، جب مشرکین ابراہیم علیہ السلام کی مدلل گفتگو کے سامنے مہبوت و لا جواب ہو گئے، تو اب اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے، جیسا کہ باطل پرستوں کا دستور ہے اور آپس میں طے کیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے چونکہ ان کے معبودوں کی توہین کی ہے اور انہیں ذلیل و سوا کیا ہے اس لئے اس فعل کی اس کو سزا دینی چاہئے، اور اسے جلا کر خاک کر دینا چاہئے۔ لماعجزوا عن الحاجة وضاعت بهم الحيل وهذا يدن المبطل المحجوج اذ بهت بالحجة وكانت له قدرة يفزع إلى المناسبة، (روح). ”وانصروا الهتكم“ بتحريق ابراهيم لانه يسبها ويعيبها (قرطبي).

”قلنا يانار“..... الآية، نمرود نے اسی گزلبی اور چالیس گز چوڑی چار دیواری بنوائی اور اس میں چالیس دن ایندھن جمع کرایا اور اس کو آگ لگادی، جب آگ خوب مشتعل ہو گئی، اور ہر طرف سے اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے، تو ابراہیم علیہ السلام کو اس میں پھینکا گیا، جب وہ ان کو آگ میں پھینکنے کی تیاریاں کر رہے تھے اس وقت اللہ کا غلیل ماسوائے اللہ سے اعراض کر کے اپنے اقا و مولیٰ سے مناجات میں مصروف تھا، اور آسمان کی طرف رخ کر کے عرض کر رہا تھا۔ اللهم انت الواحد فى السماء وانا الواحد فى الارض ليس احد يعبدك غيرى حسبي الله ونعم الوكيل، ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: لا اله الا انت سبحنك رب العلمين، لك الحمد، =

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ﴿۲۱﴾

اور ابراہیم اور لوط کو اس سرزمین کی طرف بچا نکالا جس میں ہم نے اہل عالم کیلئے برکت رکھی ہے

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ۚ وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ ﴿۲۲﴾

اور ہم نے ابراہیم کو اسحق عطا کیا اور مستراد براہا یعقوب اور سب کو نیک بخت کیا

وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ

اور ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کو نیک کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا

وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا عَبِيدِينَ ﴿۲۳﴾

اور وہ ہماری عبادت کیا کرتے تھے۔ اور لوط (کا قصہ یاد کرو) جب ان کو ہم نے حکم (یعنی حکمت و نبوت) اور علم بخشا

حُكْمًا وَعِلْمًا وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ تَعْمَلُ الْخَبِيثَاتِ

اور اس بستی سے جہاں کے لوگ گندے کام کیا کرتے تھے بچا نکالا، بیشک وہ بُرے

= وِلْكِ الْمَلِكِ، لاشریک لک۔ ادھر اللہ تعالیٰ کے خلیل کو آگ میں پھینکا گیا اور ادھر سے اللہ کا حکم پہنچ

گیا۔ ”یانار کونی برد او سلاما علی ابراہیم“ اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور ابراہیم کے لئے آرام اور راحت بن

جا (قرطبی، بحر)۔ چنانچہ آگ کے شعلے بھڑکتے رہے اور فضا کو اپنی روشنی سے منور کئے رہے مگر ان سے حرارت اور جلانے کی

خاصیت سلب کر لی گئی، ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے جو خاصیت و تاثیر رکھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر اپنا اثر ظاہر نہیں کر سکتی

آگ میں جلانے کی خاصیت ہے اور وہ جلاتی ہے مگر نار ابراہیم سے اللہ تعالیٰ نے جلانے کی خاصیت سلب کر لی، اور اس کی

روشنی بدستور باقی رہی۔ قال الزمخشري فان قلت كيف بردت النار وهي النار قلت نزع الله عنها طبعها

الذی طبعها علیہ من الحرو الاحراق وابقاها علی الإضاءة و الإشراق، و الاشتعال كما كانت والله علی

کل شیء قدیر (بحر)۔ یہ واقعہ زبردست دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی کارساز اور متصرف و مختار نہیں۔

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَسَقِينَ ﴿۳۴﴾ وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُ مِنَ

اور بدکردار لوگ تھے۔ اور انہیں اپنی رحمت (کے محل) میں داخل کیا کچھ شک نہیں کہ وہ

الصَّالِحِينَ ﴿۳۵﴾ وَوَحَّا إِذْ نَادَى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ

نیک بختوں میں تھے۔ اور نوح (کا قصہ بھی یاد کرو) جب بیشتر انہوں نے ہم کو پکارا تو ہم نے اُن کی دعا قبول فرمائی،

فَنَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿۳۶﴾ وَنَصَرْنَاهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِينَ

پس اُن کو اور اُن کے ساتھیوں کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی۔ اور جو لوگ ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے ان پر نصرت

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمَ سَوْءٍ فَأَغْرَقْنَاهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۷﴾ وَدَاوُدَ

بخشی۔ وہ بیشک بُرے لوگ تھے، سو ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔ اور داؤد

وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمْنَ فِي الْحَرَّةِ إِذْ نَفَسَتْ فِيهِ غَمَمُ الْقَوْمِ

اور سلیمان (کا حال بھی سن لو کہ) جب وہ ایک کھیتی کا مقدمہ فیصلہ کرنے لگے جس میں کچھ لوگوں کی بکریاں رات کو چر گئیں

وَكَانَ الْحُكْمُ لَهُمْ شَاهِدِينَ ﴿۳۸﴾ فَهَمَّ مِنْهَا سُلَيْمَانٌ وَكَانَ آتِنَا حُكْمًا

تھیں اور ہم ان کے فیصلے کے وقت موجود تھے۔ تو ہم نے فیصلہ کرنا سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو حکم

وَعِلْمًا وَسَخَرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ وَكَانَ فَعِلِينَ ﴿۳۹﴾

اور علم بخشا تھا اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کا دستخیز کر دیا تھا کہ ان کیساتھ تسبیح کرتے تھے اور جانوروں کو بھی (اور ہم ہی ایسا) کرنے والے تھے

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْ بَأْسِكُمْ فَهَلْ أَنْتُمْ شَاكِرُونَ ﴿۴۰﴾

اور ہم نے تمہارے لئے ان کو ایک لباس بنانا بھی سکھا دیا تاکہ تم کو لڑائی سے بچائے پس تمہیں شکر گزار ہونا چاہیے

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا

اور ہم نے تیز ہوا سلیمان کے تابع کر دی تھی جو ان کے حکم سے اس ملک میں چلتی تھی جس میں ہم نے برکت دی

وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمِينَ ﴿۸۱﴾ وَمِنَ الشَّيْطَانِ مَنْ تَحَىٰ اور ہم ہر چیز سے خبردار ہیں۔ [۲] اور دیوبوں (کی جماعت کو بھی ان کے تابع کر دیا تھا کہ ان) میں سے بعض

[۲] یہ تفصیلی نقلی دلیل ہے ہم نے داؤد و سلیمان علیہما السلام کو حکم و علم دیا۔ جب وہ ایک جھگڑے کا فیصلہ کر رہے تھے، ہم اس سے باخبر تھے ”اذن فشت“ لایۃ، یہ اس قضیے کی طرف اشارہ ہے ان کے زمانہ میں ایک شخص کی بکریاں رات کو دوسرے کے کھیت میں گھس گئیں، اور اسے تباہ کر گئیں، کھیت کا مالک مقدمہ لیکر داؤد علیہ السلام کے پاس آیا اور سارا ماجرا سنایا، انہوں نے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا اور بکریاں اسے دلادیں، جب مدعی اور مدعی علیہ واپس ہوئے تو راستے میں سلیمان علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ والد صاحب نے کیا فیصلہ فرمایا؟ انہوں نے ذکر کیا، تو کہا میرے خیال میں فیصلہ کی ایک اور صورت ہے جو دونوں کی حق میں بہتر ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس کا علم ہوا تو انہیں بلایا اور ان سے پوچھا کہ تمہارے دل میں جو فیصلہ آیا ہے اسے بیان کرو، سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا میرا خیال ہے کہ بکریاں کھیت والے کے حوالے کی جائیں تاکہ وہ ان کے دودھ اور بالوں سے انتفاع کرے اور اجڑا ہو کھیت بکریوں والے کے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اس کی دیکھ بال کرے، جب کھیت اپنی پہلی حالت پر آجائے تو دونوں اپنی اپنی چیزیں واپس لے لیں۔ داؤد علیہ السلام کو یہ فیصلہ بہت پسند آیا اور اسی کو نافذ فرمادیا ”ففہمناہا سلیمان“ یعنی ہم نے زیادہ بہتر فیصلہ سلیمان کے فہم میں ڈال دیا۔

یہی معنی ایک حدیث میں بھی مذکور ہے عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نصر اللہ عبد اسمع مقالتي فحفظها و عاها و اداها فرب حامل فقه غير فقيه و رب حامل فقه الی من هو افقه منه و فی رواية نصر اللہ امرأ سمع مناشیئاً فبلغه كما سمعه فرب مبلغ اوعى له من سامع. رواه الترمذی. ۲۶۵۸، ۲۶۵۷، ابو داؤد و ۳۶۶۰، ابن ماجہ ۲۳۲، ۲۲۹. یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ترو تا زہ رکھیں اللہ تعالیٰ اس بندے کو جس نے سنا کہنا میرا، اس کو یاد رکھا، اور ہمیشہ رکھا، اور اس کو پہنچایا، چنانچہ اکثر وہ لوگ جنہیں پہنچایا جاتا ہے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والے فقیہ ہوتے ہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو ترو تا زہ رکھے۔ جس نے مجھ سے کوئی حدیث سنی، اس کو پہنچادیا، جیسا کہ سنا تھا پس اکثر پہنچائے گئے اس کو بہت

یاد رکھنے والے ہوتے ہیں سننے والے کے نسبت۔

مطلب یہ کہ حدیث کو محفوظ اور یاد رکھنے والے بعض تو ایسے ہوتے ہیں جو خود زیادہ سمجھ دار نہیں ہوتے اور بعض سمجھ رکھتے ہیں لیکن ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ جس کے سامنے حدیث بیان کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ سمجھ رکھتا ہے، لہذا چاہئے کہ حدیث جس طرح سنی جائے اسی طرح دوسروں تک اسے پہنچایا جائے تاکہ جس کو حدیث پہنچائی جا رہی ہے اور جس کے سامنے بیان کی جا رہی ہے وہ حدیث کا مطلب بخوبی سمجھ لے۔ اس حدیث نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ راویان حدیث کو چاہئے کہ وہ حدیث کو جن الفاظ میں سنیں بعینہ انہیں الفاظ میں نقل کریں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام جب ایک فیصلہ دے چکے تھے تو سلیمان علیہ السلام کو اس کے توڑنے کا کیا حق تھا، اور اگر خود داؤد ہی نے ان کا فیصلہ سن کر اپنے سابق فیصلے کو توڑا اور دوسرا جاری کیا، تو کیا قاضی کو اس کا اختیار ہے کہ ایک فیصلہ دے دینے کے بعد اس کو توڑ دے اور فیصلہ بدل دے؟

قرطبی نے اس جگہ اس طرح کے مسائل پر بڑی تفصیل سے بحث فرمائی ہے خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اگر کسی قاضی نے نصوص شرعیہ اور جمہور امت کے خلاف کوئی غلط فیصلہ محض انکل سے دیدیا ہے تو وہ فیصلہ با تفاق امت باطل و مردود ہے، دوسرے قاضی کو اس کے خلاف فیصلہ دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب اور اس قاضی کا معزول کرنا واجب ہے، لیکن اگر ایک قاضی کا فیصلہ شرعی اجتہاد پر مبنی اور اصول اجتہاد کے ماتحت تھا تو کسی دوسرے قاضی کو اس فیصلہ کا توڑنا جائز نہیں کیونکہ اگر ایسا کیا جائیگا تو فساد عظیم ہوگا، اور اسلامی قانون ایک کھیل بن جائے گا، اور روز حلال و حرام بدلا کرینگے، البتہ اگر خود اسی فیصلہ دینے والے قاضی کو بعد اس کے کہ اصول اجتہاد کے تحت وہ ایک فیصلہ نافذ کر چکا ہے اب از روئے اجتہاد یہ نظر آئے کہ پہلے فیصلے اور پہلے اجتہاد میں غلطی ہوگئی ہے تو اسے کا بدلنا جائز بلکہ بہتر ہے۔

فاروق اعظم نے جو ایک مفصل خط ابو موسیٰ اشعری کے نام قضا اور فصل مقدمات کے اصول پر مشتمل لکھا تھا اس میں اس کی تصریح ہے کہ فیصلہ دینے کے بعد اجتہاد بدل جائے تو پہلے فیصلہ کو بدل دینا چاہئے یہ خط دارقطنی: ۴۵۲۴، نے سند کے ساتھ نقل کیا ہے، (قرطبی ملخصاً)۔

اور امام تفسیر مجاہد کا قول یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام دونوں کے فیصلے اپنی اپنی جگہ ہیں اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے جو فیصلہ فرمایا تھا وہ ضابطہ کا فیصلہ تھا اور سلیمان علیہ السلام نے جو فرمایا وہ درحقیقت مقدمہ کا فیصلہ نہیں، بلکہ فریقین میں صلح کرانے کا ایک طریقہ تھا، اور قرآن کریم میں ”والصلح خیر“ کا ارشاد وارد ہے اس لئے

یہ دوسری صورت اللہ کے نزدیک پسندیدہ ٹھہری۔ (مظہری)۔

فاروق اعظم نے اپنے قاضیوں کو یہ ہدایت دے رکھی تھی کہ جب آپ کے پاس دو فریق کا مقدمہ آئے تو پہلے ان دونوں میں رضامندی کے ساتھ کسی بات پر صلح کرانے کی کوشش کریں، اگر یہ ناممکن ہو جائے تو اپنا شرعی فیصلہ جاری کریں، اور حکمت اس کی یہ ارشاد فرمائی کہ حاکمانہ عدالتی فیصلے سے وہ شخص جس کے خلاف ہوا ہودب تو جاتا ہے مگر ان دونوں میں بغض و عداوت کا بیج قائم ہو جاتا ہے، جو دو مسلمانوں میں نہیں ہونا چاہئے بخلاف مصالحت کی صورت کے کہ اس سے دلوں کی منافرت بھی دور ہو جاتی ہے۔ از معین الحکام۔ مجاہد کے اس قول پر یہ معاملہ قاضی کے فیصلہ کو توڑنے اور بدلنے کا نہیں رہا، بلکہ فریقین کو جو حکم سنایا تھا وہ ابھی گئے بھی نہ تھے کہ انہیں ایک صورت مصالحت کی نکل آئی اور وہ دونوں اس پر راضی ہو گئے۔

اس موقع پر قرطبی نے بڑی تفصیل سے اور دوسرے مفسرین نے مفصل یا مختصر یہ بحث بھی کی ہے کہ ہر مجتہد ہمیشہ مصیب ہی ہوتا ہے، اور دو متضاد اجتہاد ہوں، تو دونوں کو حق سمجھا جائے گا، یا ان میں سے ایک فیصلہ کو خطا اور غلط قرار دیا جائے گا، اس میں قدیم زمانے سے علماء کے اقوال مختلف ہیں، آیت مذکورہ سے دونوں جماعتوں نے استدلال کیا ہے جو علماء یہ کہتے ہیں کہ دونوں اجتہاد حق ہیں اگرچہ متضاد ہوں، ان کا استدلال آیت کے آخری جملے سے ہے جس میں فرمایا ”و کلا اتیناہ حکما و علما“ اس میں داؤد اور سلیمان علیہما السلام دونوں کو حکمت اور علم عطا کرنے کا ارشاد ہے، داؤد علیہ السلام پر کوئی عتاب نہیں ہے، نہ ان کو یہ کہا گیا کہ ان سے غلطی ہو گئی، اس سے معلوم ہوا کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ بھی حق تھا، اور سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بھی، البتہ سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو فریقین کے لئے صلح ہونے کی بناء پر ترجیح دے دی گئی، اور جو علماء یہ فرماتے ہیں کہ اختلاف اجتہادی کے مواقع میں حق ایک طرف ہوتا ہے، دوسرا غلط ہوتا ہے، ان کا استدلال اسی آیت کے پہلے جملے سے ہے یعنی ”ففہمناہا سلیمان“ کہ اس میں تخصیص کر کے سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو حق فیصلہ سمجھا دیا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ حق نہ تھا۔ گو وہ بوجہ اپنے اجتہاد کے اس میں معذور ہوں، اور ان سے اس پر کوئی مواخذہ نہ ہو۔

یہ بحث اصول فقہ کی کتابوں میں بڑی تفصیل سے آئی ہے، وہاں دیکھی جاسکتی ہے، یہاں صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے: کہ جس شخص نے اجتہاد کیا اور کوئی حکم دینی اصول اجتہاد کے ماتحت بیان کیا اگر اس کا اجتہاد صحیح ہو تو اس کو دو اجر ملیں گے، ایک اجتہاد کرنے کی محنت کا، دوسرا صحیح و ثواب حکم تک =

﴿۸۲﴾ یَغُوصُونَ لَهُ وَيَعْمَلُونَ عَمَلًا دُونَ ذَلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حَفِظِينَ ﴿۸۲﴾

ان کیلئے غوطے مارتے تھے اور اس کے سوا اور کام بھی کرتے تھے اور ہم ان کے نگہبان تھے

﴿۸۳﴾ وَيَأْتِيكَ إِذْ نَادَى رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ ﴿۸۳﴾

اور ایوب (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے رب سے دعا کی کہ مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ فَكَشَفْنَا مَا بِهِ مِنْ ضُرٍّ وَآتَيْنَاهُ أَهْلَهُ وَمِثْلَهُم مَّعَهُمْ رَحْمَةً

تو ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی اور جو اُن کو تکلیف تھی وہ دُور کر دی اور اُن کو بال بچے بھی عطا فرمائے اور اپنی مہربانی سے

مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرَىٰ لِلْعَبِيدِينَ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۴﴾ اِسْمَاعِيلَ وَادْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ

اُن کیساتھ اتنے ہی اور (بخشنے) اور عبادت کرنے والوں کیلئے نصیحت ہے۔ [۳] اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل

= پہنچنے کا، (بخاری: ۶۸۰۵) اور اگر یہ اجتہاد صحیح نہ ہو اس سے خطا ہوگی تو پھر اس کو ایک اجراء اجتہاد کی محنت کا ملے گا دوسرا اجر

جو اصل حکم صحیح تک پہنچنے کا تھا وہ نہ ملے گا، اس حدیث سے اس اختلاف علماء کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ درحقیقت یہ

اختلاف ایک نزاع لفظی جیسا ہے کیونکہ حق دونوں طرف ہونے کا ظاہر ہوا۔

حاصل یہ ہے کہ اجتہاد میں خطا کرنے والے مجتہد اور اس کے تابعین کے لئے بھی اجتہاد حق و صحیح ہے اس عمل

کرنے سے ان کی نجات ہو جائے گی، خواہ یہ اجتہاد اپنی ذات میں خطا ہی ہو مگر اس پر عمل کرنے والوں کو کوئی گناہ نہیں

بشرطیکہ ان کو غلطی کا علم نہ ہو، اور جن علماء نے یہ فرمایا ہے کہ حق ان دونوں میں ایک ہی ہے دوسرا غلط اور خطا ہے اس

کا حاصل بھی اس سے زیادہ نہیں کہ اصل مراد حق تعالیٰ تک نہ پہنچنے کے وجہ سے اس مجتہد کے ثواب میں کمی آجائے گی اور یہ

کمی اس وجہ سے ہے کہ اس کا اجتہاد حق بات تک نہ پہنچا لیکن یہ مطلب انکا بھی نہیں ہے کہ مجتہد خالی پر کوئی ملامت ہوگی

یا اس کے تابعین کو گناہ گار کہا جائے گا۔ (قرطبی)۔

[۳] ایوب علیہ السلام کے قصہ میں اسرائیلی روایات بڑی طویل ہیں، ان میں سے جن کو محدثین نے تاریخی درجہ میں قابل

اعتماد سمجھا ہے وہ نقل کی جاتی ہیں قرآن کریم سے تو صرف اتنی بات ثابت ہے کہ ان کو کوئی شدید مرض پیش آیا جس پر وہ صبر کرتے

رہے بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعاء کی تو اس سے نجات ملی، اور یہ کہ اس بیماری کے زمانے میں ان کی اولاد اور احباب سب غائب ہو گئے خواہ موت کی وجہ سے یا کسی دوسری وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو صحت و عافیت دی اور جتنی اولاد تھی وہ سب ان کو دیدی، بلکہ اتنی ہی اور بھی زیادہ دیدی، باقی قصے کے اجزاء بعض مستند احادیث میں موجود ہیں، زیادہ تر تاریخی روایات ہیں۔

حافظ ابن کثیر نے اس قصے کی تفصیل یہ لکھی ہے: کہ ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے ابتداء میں مال و دولت اور جائیداد اور شاندار مکانات اور سواریاں اور اولاد اور حشم و خدم بہت کچھ عطا فرمایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو پیغمبرانہ آزمائش میں مبتلا کیا یہ سب چیزیں ان کے ہاتھ سے نکل گئی، اور بدن میں بھی ایسی سخت بیماری لگ گئی جیسے جذام ہوتا ہے کہ بدن کا کوئی حصہ بجز زبان اور قلب کے اس بیماری سے نہ بچا وہ اس حالت میں زبان و قلب کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھتے اور شکر ادا کرتے رہتے تھے۔ اس شدید بیماری کی وجہ سے سب عزیزوں، دوستوں اور پڑوسیوں نے ان کو الگ کر کے ابادی سے باہر ایک کوڑا پکڑھ ڈالنے کی جگہ پر ڈال دیا، کوئی ان کے پاس نہ جاتا تھا صرف ان کی بیوی ان کی خبر گیری کرتی تھی جو یوسف علیہ السلام کی بیٹی یا پوتی تھی جس کا نام لیا بنت میثا ابن یوسف علیہ السلام بتلایا جاتا ہے (ابن کثیر)۔

مال و جائیداد تو سب ختم ہو چکا تھا ان کی زوجہ محترمہ محنت مزدوری کر کے اپنے اور ان کے لئے رزق اور ضروریات فراہم کرتی، اور ان کی خدمت کرتی تھیں۔ ایوب علیہ السلام کا یہ ابتلاء و امتحان کوئی حیرت و تعجب کی چیز نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ: اشد الناس بلاء الانبياء ثم الصالحون ثم الامثل فالامثل. (۲۵۸۳۲، مسند احمد)۔

یعنی سب سے زیادہ سخت بلائیں اور آزمائشیں انبیاء علیہم السلام کو پیش آتی ہیں، ان کے بعد دوسرے صالحین کو درجہ بدرجہ اور ایک روایت میں ہے کہ ہر انسان کا ابتلاء اور آزمائش اس کی دینی صلابت اور مضبوطی کے اندازے پر ہوتا ہے جو دین میں جتنا زیادہ مضبوط ہوتا ہے اتنی اس کی آزمائش و ابتلاء زیادہ ہوتی ہے تاکہ اسی مقدار سے اس کے درجات اللہ کے نزدیک بلند ہوں۔ (مشکل الاثار: ۱۸۳۳)۔ ایوب علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے زمرہ انبیاء علیہم السلام میں دینی صلابت اور صبر کا ایک امتیازی مقام عطا فرمایا تھا، جیسے داؤد علیہ السلام کو شکر کا ایسا ہی امتیاز دیا گیا تھا مصائب و شدائد پر صبر میں ایوب علیہ السلام ضرب المثل ہیں۔ یزید بن میسرۃ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے ایوب علیہ السلام کو مال و اولاد وغیرہ۔

سب دنیا کی نعمتوں سے خالی کر کے آزمائش فرمائی تو انہوں نے فارغ ہو کر اللہ کی یاد اور عبادت میں اور زیادہ محنت شروع کر دی۔ اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے مجھے مال، جائیداد، اور دولت دنیا، اور اولاد عطا فرمائی جس کی محبت میرے دل کے ایک ایک جز پر چھا گئی۔ پھر اس پر بھی شکر ادا کرتا ہوں کہ =

كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۴۳﴾ ﴿۱۴۳﴾ دُخَلْنَا هُمْ فِي رَحْمَتِنَا إِنَّهُمْ مِّنَ الصَّالِحِينَ

(کو بھی یاد کرو) یہ سب صبر کرنے والے تھے۔ اور ہم نے ان کو اپنی رحمت میں داخل کیا بلاشبہ وہ نیکو کار تھے

﴿۱۴۴﴾ وَذَا النُّونِ إِذْ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَنْ لَنْ نَقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَى فِي

اور یونس جب وہ غصے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم ان پر کسی قسم کی تنگی نہیں کریں

الظُّلْمِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۴۵﴾ ﴿۱۴۵﴾

گے آخر اندھیرے میں (اللہ کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے بیشک میں قصور وار ہوں [۱۴۵]

= تو نے مجھے ان سب چیزوں سے فارغ اور خالی کر دیا اور اب میرے اور آپ کے درمیان حائل ہونے والی کوئی چیز باقی نہ رہی۔ ابن کثیر یہ مذکورہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: کہ وہب بن منبہ سے اس قصہ میں بڑی طویل روایات منقول ہیں جن میں غرابت پائی جاتی ہے اس لئے ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔

[۱۴۵] یہ نقلی دلیل ہے، یونس علیہ السلام عرصہ تک اپنی قوم کو دعوت و تبلیغ کے بعد ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے اور ان

کے انکار و اصرار پر ناراض ہو کر ہجرت کر دی حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس قسم کا کوئی حکم ان پر نازل نہیں ہوا تھا لہذا اپنے اجتہاد سے یہ فیصلہ کیا کہ ان لوگوں پر اب حجت الہی تام ہو چکی ہے اور ان کے ایمان لانے کی کوئی امید نہیں اب تو عنقریب ہی ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونے والا ہے اس لئے یہاں سے ہجرت کر جانا چاہئے۔ مغاضبا ای

غضبان علی قومہ لشدة شکمتہم و تمادی اصرارہم مع طول دعوتہ ایہم و کان ذہابہ ہذا ہجرۃ عندہم لکنہ لم یؤمر بہ (روح)۔ چنانچہ جب وہ اپنے شہر سے نکل کر روانہ ہوئے اور بحیرہ روم کے کنارے پہنچے تو کشتی

تیار تھی اس میں سوار ہو گئے کشتی گرداب میں پھنس گئی اور غرق ہونے لگی تو ملاحوں نے کہا کہ سوار یوں میں کوئی بھاگا ہوا غلام ہے اور ہمارا دستور یہ ہے کہ ایسے موقع پر قمر عہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام کا قمر نکلے اسے سمندر میں پھینک دیتے ہیں، چنانچہ تین مرتبہ قمر عہ ڈالا گیا تینوں مرتبہ یونس علیہ السلام کا نام نکلا، اب وہ سمجھے کہ انہوں نے بلا امر ربانی ہجرت کر کے غلطی کی ہے اور ملاحوں سے کہا بے شک میں ہی اپنے آقا کے حکم کے بغیر بھاگا ہوا غلام ہوں، اور سمندر میں چھلانگ لگا دی ایک بڑی

مچھلی نے ان کو نگل لیا۔ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونس کو کوئی تکلیف نہ دینا میں نے اسے تیری غذا نہیں بنایا بلکہ تیرے پیٹ کو اس کیلئے قید خانہ بنایا ہے۔

”ووطن ان لن نقدر“ الایة ”نقدر“ یہاں قدرت سے نہیں بلکہ قدر سے ہے جس کے معنی قضایا متنگی کرنے کے ہیں یعنی یونس علیہ السلام قبل نزول امر ہجرت کر کے چلے گئے، اور ان کا خیال تھا کہ اس فعل پر ان کو سزا دینے کا ہم کوئی فیصلہ نہیں کریں گے یا ہم ان پر کسی قسم کی تنگی نہیں کریں گے۔ ای لن نقضی علیہ العقوبۃ، قالہ ابن عباسؓ فی روایۃ عنہ، وقیل معناه فظن ان لن نقضیق علیہ الحبس (خازن)، فظن ان لن نقدر علیہ، ای لن نقضیق علیہ وهو کقولہ تعالیٰ: اللہ یسط الرزق لمن یشاء من عباده ویقدر. (رعد: ۲۶) ای یضیق ومن قدر علیہ رزقہ ای ضیق الخ (کبیر)۔

”فنادی فی الظلمات“ الایة، مچھلی کے پیٹ میں پہنچ کر یونس علیہ السلام نے اپنے تصور کا اعتراف کیا اور اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف ہو گئے آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی اہ و زاری قبول فرمائی اور مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا۔ یونس علیہ السلام نے اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لئے مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ خود متصرف و کار ساز نہ تھے کہ اپنے آپ کو اس مصیبت سے بچا لیتے۔

”فاستجبنا لہ“ انکی دعا ہم ہی نے قبول کی ”ونجینہ“ اور مصیبت سے ہم ہی نے ان کو بچایا۔ مسند احمد: ۱/۷۷، میں ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں میں مسجد میں گیا، عثمانؓ وہاں موجود تھے، میں نے سلام کیا آپ نے مجھے بغور دیکھا، اور میرے سلام کا جواب نہ دیا، میں نے امیر المؤمنین عمر بن الخطابؓ سے آکر شکایت کی، آپ نے عثمان کو بلوایا ان سے واقعہ کہا کہ آپ نے ایک مسلمان بھائی کے سلام کا جواب کیوں نہ دیا؟ آپ نے فرمایا نہ یہ آئے نہ انہوں نے سلام کیا نہ یہ کہ میں نے انہیں جواب نہ دیا۔

اس پر میں نے قسم کھائی تو آپ نے بھی میرے مقابلے میں قسم کھائی، پھر کچھ خیال کر کے عثمانؓ نے توبہ استغفار کیا اور فرمایا ٹھیک ہے کہ آپ نکلے تھے لیکن میں اس وقت اپنے دل سے وہ بات کہہ رہا تھا جو میں نے رسول اللہ سے سنی تھی، واللہ جب مجھے وہ یاد آتی ہے میری آنکھوں پر ہی نہیں بلکہ میرے دل پر بھی پردہ پڑ جاتا ہے۔ سعدؓ نے فرمایا: میں آپ کو اس کی خبر دیتا ہوں رسول اللہ ﷺ نے ہمارے سامنے اول دعا کا ذکر کیا ہی تھا کہ جو ایک اعرابی آ گیا اور آپ ﷺ کو اپنی باتوں میں مشغول کر لیا بہت وقت گزر گیا اب نبی ﷺ وہاں سے اٹھے اور مکان کی طرف تشریف لے چلے میں =

﴿۸۸﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذَلِكَ نُنْجِي الْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾

تو ہم نے اُن کی دعا قبول کر لی اور اُن کو غم سے نجات بخشی اور ایمان والوں کو ہم اسی طرح نجات دیا کرتے ہیں

﴿۸۹﴾ وَزَكَرِيَّا إِذْ نَادَى رَبَّهُ رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ﴿۸۹﴾

اور زکریا (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ اللہ! مجھے اکیلا نہ چھوڑ اور تو سب سے بہتر وارث ہے

فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَوَهَبْنَا لَهُ يَحْيَىٰ وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ إِنَّهُمْ كَانُوا يُسْرِعُونَ

تو ہم نے اُن کی پکار سن لی اور اُن کو بچی بخشے اور اُن کی بیوی کو اُن کے قابل بنا دیا یہ لوگ لپک لپک

فِي الْخَيْرَاتِ وَيَدْعُونَنَا رَغَبًا وَرَهَبًا ۗ وَكَانُوا لَنَا خَشِيعِينَ ﴿۹۰﴾

کر نیکیاں کرتے اور ہمیں اُمید اور خوف سے پکارتے اور ہمارے آگے عاجزی کیا کرتے تھے

وَالَّتِي أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا وَجَعَلْنَاهَا

اور ان (مریم) کو (بھی یاد کرو) جنہوں نے اپنی عفت و عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے اُن میں اپنی روح پھونک دی اور اُن کو

= بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہو لیا جب آپ ﷺ گھر کے قریب پہنچ گئے مجھے ڈر ہوا کہ کہیں آپ ﷺ اندر نہ چلے

جائیں اور میں رہ جاؤں تو میں نے زور زور سے زمین پر پاؤں مار مار کر چلنا شروع کیا، میری جوتیوں کی آہٹ سن

کر آپ ﷺ نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کون ابواسحق؟ میں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ میں ہی ہوں آپ ﷺ نے

فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے کہا جناب آپ نے اول دعا کا ذکر کیا پھر وہ اعرابی آگیا اور آپ کو مشغول کر لیا۔ آپ ﷺ نے

فرمایا ہاں وہ دعا ذی النون کی تھی جو انہوں نے مچھلی کے پیٹ میں کی تھی۔ یعنی (لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ

مِنَ الظَّالِمِينَ) سنو! جو بھی مسلمان جس کسی معاملے میں جب کبھی اپنے رب سے یہ دعا کرے، اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول

فرماتا ہے۔ اور ترمذی نے مختصر رقم: ۳۵۰۵، میں نقل کیا ہے۔

وَابْنَهَا آيَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿٤١﴾ إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ

اور اُن کے بیٹے کو اہل عالم کیلئے نشانی بنا دیا۔ یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا رب ہوں

فَاعْبُدُونِ ﴿٤٢﴾ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ كُلِّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ﴿٤٣﴾

تو میری ہی عبادت کیا کرو۔ اور یہ لوگ اپنے معاملے میں باہم متفرق ہو گئے سب ہماری طرف رجوع کرنے والے ہیں

فَمَنْ يَعْمَلْ مِّنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ

جو نیک کام کرے گا اور مومن بھی ہو گا تو اُس کی کوشش رایگاں نہ جائے گی

وَإِنَّا لَهُ كَاتِبُونَ ﴿٤٤﴾ حَرَامٌ عَلَى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٤٥﴾

اور ہم اس کیلئے لکھ رہے ہیں۔ اور جس بستی (والوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا محال ہے کہ وہ رجوع نہیں کریں گے

حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ ﴿٤٦﴾

یہاں تک کہ یا جوج اور ما جوج کھول دیئے جائیں اور وہ ہر بلندی سے دوڑ رہے ہوں

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا يَوِيلْنَا

اور (قیامت کا) سچا وعدہ قریب آ جائے تو ناگہاں کافروں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں (اور کہنے لگیں کہ) ہائے شامت

قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٤٧﴾ كُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ

ہم اس (حال) سے غفلت میں رہے بلکہ ہم (اپنے حق میں) ظالم تھے۔ (کافرو! اس روز) تم اور جن کی تم

مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴿٤٨﴾ كَانَهُؤُلَاءِ

اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو گے (اور) تم (سب) اس میں داخل ہو کر رہو گے۔ اگر یہ لوگ

آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَُا وَكُلُّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤٩﴾

(درحقیقت) معبود ہوتے تو اس میں داخل نہ ہوتے اور سب اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے

لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَهُمْ فِيهَا لَا يَسْمَعُونَ ﴿۱۰۰﴾

وہاں ان کو چلانا ہو گا اور اس میں (کچھ) نہ سن سکیں گے

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿۱۰۱﴾

جن لوگوں کیلئے ہماری طرف سے پہلے بھلائی مقرر ہو چکی ہے وہ اُس سے دُور رکھے جائیں گے

لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۰۲﴾

کہ اُس کی آواز بھی تو نہیں سنیں گے اور جو کچھ اُن کا جی چاہے گا اس میں ہمیشہ رہیں گے

لَا يَحْزَنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَذَا يَوْمُكُمْ الَّذِي

ان کو (اس دن کا) بڑا بھاری خوف غمگین نہیں کرے گا اور فرشتے ان کو لینے آئیں گے (اور کہیں گے کہ) یہی وہ دن ہے جس

كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۱۰۳﴾ أَيُّوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السَّجِلِّ لِلْكُتُبِ

کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ جس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جیسے خطوں کا ٹھومار لپیٹ لیتے ہیں

كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعَدًّا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا

جس طرح ہم نے (کائنات کو) پہلے پیدا کیا اُسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے ہے ہم (ایسا) ضرور کرنے والے ہیں

فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿۱۰۵﴾

اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی تورات) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکو کار بندے ملک کے وارث ہوں گے

إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً

عبادت کرنے والے لوگوں کیلئے اس میں (اللہ کے احکام کی) تبلیغ ہے۔ اور ہم نے تمہیں تمام جہان کیلئے

لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۷۰﴾ اَقْبَلْ اِنَّمَا يُوْحٰى اِلٰى اِنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ

رحمت (بنا کر) بھیجا ہے۔ [۵] کہہ دو کہ مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تم سب کا معبود اللہ واحد ہے تو تمہیں چاہیے کہ فرمانبردار ہو جاؤ

[۵] عن ابی ہریرۃؓ قال: قیل یارسول اللہ! ادع علی المشرکین، قال انی لم ابعث لَعَانًا، وانما بعثت رحمۃ۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ، جب آپؐ سے عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ (اپنے دشمن) کافروں کے حق میں بددعاء فرمائیے، تاکہ وہ ہلاک ہوں، اور ان کی جڑ، اکھڑ جائے، تو فرمایا: مجھ کو لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہے، بلکہ مجھ کو تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے، (مسلم، رقم: ۲۵۹۹)۔

اس جملہ ”مجھ کو تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے“ کے ذریعے آپؐ نے اس طرف اشارہ فرمایا کہ میں سارے جہاں کے لئے رحمت کا باعث ہوں، کیا مومن اور کیا کافر جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے: یعنی، اس صورت میں جبکہ سب ہی کے حق میں رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں، کافروں کے حق میں بددعاء کیسے کر سکتا ہوں؟ خواہ وہ میرے کیسے ہی دشمن کیوں نہ ہوں؟

اہل ایمان کے حق میں نبی کریم ﷺ کا باعث رحمت ہونا تو ظاہر ہی ہے، رہی کافروں کی بات، تو ان کے حق میں آپ ﷺ کا باعث رحمت ہونا اس اعتبار سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے دین اور اس کے رسول کی سخت نافرمانی، سرکشی، اور دشمنی کے باوجود محض نبی کریم ﷺ کے بابرکت وجود کے باعث ان پر سے دنیا کا عذاب اٹھایا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ (الانفال: ۳۳) اس حالت میں کہ آپؐ ان کے درمیان موجود ہیں اللہ تعالیٰ ان پر (دنیا میں) عذاب نازل نہیں کرے گا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی اس برکت کو حیات مبارکہ تک ہی محدود نہیں رکھا، ہمیشہ کے لئے اس برکت کو باقی رکھا، اور طے فرمادیا کہ کلی استیصال کا عذاب قیامت تک نازل نہیں ہوگا، جبکہ کتنی ہی گزشتہ امتیں اپنے پیغمبروں کی بددعاء کی وجہ سے کلیتاً نیست و نابود کر دی گئیں، اور ان کا =

مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۸﴾ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ۖ وَإِنْ أَدْرِيْ أَقْرِبُ

اگر یہ لوگ منہ پھیریں تو کہہ دو کہ میں نے تم سب کو یکساں (احکام الہی سے) آگاہ کر دیا ہے اور مجھے معلوم نہیں

أَمْ بَعِيْدُ مَا تُوعَدُونَ ﴿۱۰۹﴾ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ

کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب (آنے والی) ہے یا (اس کا وقت) دُور ہے۔ جو بات پکار کر کی جائے

وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿۱۱۰﴾ وَإِنْ أَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۱۱۱﴾

وہ اُسے بھی جانتا ہے اور جو تم پوشیدہ کرتے ہو اُس سے بھی واقف ہے۔ اور میں نہیں جانتا شاید وہ تمہارے لئے آزمائش ہو اور ایک مدت تک فائدہ اٹھاتے رہو

قُلْ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمَنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿۱۱۲﴾

پیغمبر نے کہا کہ اے میرے رب! حق کیساتھ فیصلہ کر دے اور ہمارا رب بڑا مہربان ہے اسی سے ان باتوں میں جو تم بیان کرتے ہو مدد مانگی جاتی ہے

= معمولی سا وجود بھی باقی نہیں رہا۔

طیبی لکھتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد گرامی کا مطلب یہ ہے کہ میں اس لئے نہیں آیا ہوں کہ کسی کو اللہ کی رحمت سے دور کروں، بلکہ اس دنیا میں میری بعثت کا مقصد یہی ہے کہ میں اللہ کی نازل کردہ ہدایت، اپنی تعلیمات اور اپنے اخلاق کی طاقت سے لوگوں کو اللہ اور اس کی رحمت کے قریب کروں۔ ایسی صورت میں جبکہ کسی کے حق میں بددعا کرنا کسی پر لعنت بھیجنی میری شان سے بعید اور میرے حال کے غیر مناسب ہے، تو میں ان کافروں کے حق میں بھی کیسے بددعا کروں اور کس طرح ان پر لعنت بھیجوں۔ اور ابو ہریرہؓ کی ایک دوسری روایت مضمون کے اعتبار سے اس آیت کے ان الفاظ کا عکس ہے کہ: عن النبی ﷺ، انه قال: انما النار حمة مهداة. (الدارمی، رقم: ۱۵، والبیہقی فی الشعب، رقم: ۱۴۴۶، حاکم، رقم: ۳۵۱، وسلسلة الصحیحة، رقم: ۴۹۰)۔ یعنی آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں اللہ تعالیٰ کی سبھی ہوئی رحمت ہوں۔



سورة الحج [مدنیة]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ ﴿١﴾
اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو کہ قیامت کا زلزلہ ایک عظیم حادثہ ہو گا [۱]

[۱] عن ابی سعید الخدری عن النبی ﷺ قال: یقول اللہ تعالیٰ یا آدم، فیقول لیک وسعیدیک والخیر فی یدیک، قال: أَخْرِجْ بَعْتُ النَّارَ، قال ومابَعْتُ النَّارَ؟ قال من کل الف تسع مائة وتسع وتسعون، فعنده یشیب الصغیر ﴿وتضع کل ذات حمل حملها وترى الناس سكارى وما هم بسكارى ولكن عذاب الله شديد﴾ قالوا یا رسول واینا ذلك الواحد؟ قال ابشروا فان رجلا منکم ،ومن یاجوج ماجوج الف، ثم قال والذی نفسى بیده انى لارجو ان تكونوا ربع اهل الجنة، فکبرنا، فقال: ارجوان تكونوا ثلث اهل الجنة، فکبرنا، فقال ارجو ان تكونوا نصف اهل الجنة، فکبرنا، قال ما انتم فى الناس الا کالشعررة السوداء فى جلد ثور ابيض او کشعررة بيضاء فى جلد ثور اسود. (خ: ۴۷۴۱، مسلم: ۲۲۲).

”ہر ہزار میں سے نو سو نواوے“ ان الفاظ کے اعتبار سے یہ روایت ابو ہریرہؓ کی نقل کردہ اس حدیث کے مخالف ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ہر سو میں سے نواوے لوگ دوزخی ہوں گے؟ پس کرمانی نے اس کی تاویل یہ کی ہے، کہ ان دونوں روایتوں میں کسی خاص عدد کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ اصل مقصد اہل ایمان کی تعداد کے کم ہونے اور اہل کفر کی تعداد کے زیادہ ہونے کو بیان کرنا ہے، اور یہ احتمال بھی بیان کیا جاتا ہے ”آگ والوں کے لشکر“ سے مراد کافر ہوں اور ”دوزخ میں جانے والوں“ سے مراد گناہگار ہوں۔ پس یہاں ہر ہزار میں سے نو سو نواوے کا جو تناسب بیان کیا گیا ہے وہ کافروں کے اعتبار سے ہے۔ اور ابو ہریرہؓ کی روایت میں ”ہر سو میں سے

نناوے، جو تناسب ذکر کیا گیا ہے وہ گناہگاروں کے اعتبار سے ہے۔

اور ابن حجر نے یہ لکھا ہے کہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ ابو سعید خدریؓ کی روایت کردہ حدیث کے مفہوم کو تو آدم علیہ السلام کی تمام ذریت پر محمول کیا جائے، یعنی یہاں حدیث میں اہل دوزخ کے لئے ہر ہزار میں سے نو سو نناوے، کا جو تناسب ذکر کیا گیا ہے وہ از اول تا آخر تمام انسانوں کے اعتبار سے ہے، اور ابو ہریرہؓ کی روایت میں اہل دوزخ کے لئے ہر سو میں سے نناوے کا جو تناسب ذکر کیا گیا ہے اس کو یا جوج و ما جوج کے علاوہ دوسرے لوگوں پر محمول کیا جائے، اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ یا جوج و ما جوج کا ذکر ابو سعید خدریؓ ہی کی روایت میں ہے، نہ کہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں، یا یہ کہ ابو سعید خدریؓ کی روایت کا تعلق تمام مخلوق سے ہے، اور ابو ہریرہؓ کی روایت کا تعلق صرف امت محمدی ﷺ کے ساتھ مخصوص ہے۔

اور یا یہ کہ ابو سعید خدریؓ کی روایت میں اہل دوزخ کے لشکر سے مراد تمام کفار اور تمام گناہگار ہیں جبکہ ابو ہریرہؓ کی روایت میں ”اہل دوزخ کے لشکر“ سے مراد صرف مسلمان گناہگار ہیں۔ بہر حال ان تاویلات اور توجیہات سے ان دونوں روایتوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں رہتا۔

”اور ہر حاملہ اپنا حمل ضائع کر دیگی“ کے بارے میں زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ بات فرض کرنے کے طور پر بیان کی گئی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر بالفرض اس وقت کوئی چھوٹی عمر کا ہو تو وہ اس صورت حال کی ہیبت اور اس فیصلہ الہی کے صدمہ و خوف سے بوڑھا ہو جائے، اسی طرح اس وقت اگر کوئی عورت حمل سے ہو تو مارے ہیبت کے اس کا پیٹ گر پڑے۔ اور بعض علماء نے یہ احتمال بیان کیا ہے کہ جو عورتیں حمل کی حالت میں مری ہوں گی وہ اپنے حمل کے ساتھ اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گی، اور اس وقت وہ حکم الہی سنکر مارے ہیبت کے ان کا حمل گر پڑے گا اسی طرح چھوٹی عمر والے اٹھ کر میدان حشر میں آئیں گے، وہ مارے ہیبت کے بوڑھے ہو جائیں گے یہ اور بات ہے کہ وہ جنت میں جاتے وقت جوان ہو جائیں گے۔

”اطمینان رکھو غم نہ کھاؤ“ کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے خوف و خدشہ کو دور فرمایا، کہ دراصل یا جوج و ما جوج کی قوم کے لوگ اتنی کثرت میں ہوں گے کہ اگر تمہاری اور ان کی تعداد کا تناسب نکالا جائے تو وہ اس طرح ہوگا کہ ان میں سے تو ایک ہزار شخص اور تم میں سے صرف ایک شخص، اور اس صورت حال میں بھی اہل جنت کی تعداد کچھ کم نہیں ہوگی بلکہ بہت ہوگی لہذا تمہیں اس خدشہ میں نہ پڑنا چاہئے کہ جنت میں جانے والوں کا تناسب دوزخ میں جانے والوں =

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ

(اے مخاطب!) جس دن تو اُس کو دیکھے گا تمام دودھ پلانے والی عورتیں

حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكَرَىٰ

اپنے بچوں کو بھول جائیں گی اور تمام حمل والیوں کے حمل گر پڑیں گے اور لوگ تجھ کو متوالے نظر آئیں گے مگر وہ متوالے نہیں

وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ ﴿٢١٥﴾ ﴿٢١٤﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنُ

ہوں گے بلکہ (عذاب دیکھ کر) مدہوش ہو رہے ہوں گے بیشک اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں

يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطَانٍ مَّرِيدٍ ﴿٢١٤﴾ ﴿٢١٥﴾ كَتَبَ عَلَيْهِ

جو اللہ (کی شان) میں علم کے بغیر جھگڑتے اور ہر شیطان سرکش کی پیروی کرتے ہیں۔ جس کے بارے میں لکھ دیا

أَنَّهُ مَن تَوَلَّاهُ فَإِنَّهُ يَصِلُهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿٢١٤﴾ ﴿٢١٥﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

گیا ہے کہ جو اُسے دوست رکھے گا تو وہ اُسے گمراہ کر دے گا اور دوزخ کے عذاب کا رستہ دکھائے گا۔ لوگو!

إِن كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنَ الْبُعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِّن

اگر تمہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے میں شک ہو تو ہم نے تمہیں (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا تھا (یعنی ابتداء میں) مٹی سے پھر اُس

= کے تناسب سے اس قدر کم ہوگا تو ہم میں سے بہت ہی کم لوگ جنت میں جائیں گے۔

تاہم اس بات سے یہ ضرور واضح ہو گیا کہ مجموعی طور پر دوزخ میں جانے والوں کی تعداد زیادہ ہوگی، اور جنت

میں جانے والوں کی تعداد کم! لیکن اگر اہل جنت میں ملائکہ اور حوروں کو بھی شامل کر لیا جائے تو شاید اہل جنت کی تعداد، اہل

دوزخ کی تعداد سے زیادہ بڑھ جائے گی، اور اس صورت میں حدیث قدسی: ان رحمتی سبقت غضبی، میری رحمت

میرے غضب پر غالب ہوئی، کے معنی بھی صحیح ہوں گے۔ (بخاری: ۵۵۳۳، مسلم: ۲۷۱۵)۔

نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ

سے نطفہ بنا کر پھر اس سے خون کا لوتھڑا بنا کر پھر اس سے بوٹی بنا کر جس کی بناوٹ کامل بھی ہوتی ہے اور ناقص بھی

لُنْبِينٍ لَكُمْ وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ

تاکہ تم پر ظاہر کر دیں اور ہم جس کو چاہتے ہیں ایک میعاد مقرر تک پیٹ میں ٹھہرائے رکھتے ہیں پھر تم کو بچہ بنا

طِفْلًا ثُمَّ لَتَبَلُّغُوا أَشْدَّكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ

کر نکالتے ہیں پھر تم جوانی کو پہنچتے ہو اور بعض (قبل از پیری) مر جاتے ہیں اور بعض (بوڑھے ہو جاتے اور بڑھاپے کی)

الْعُمُرِ لَكُمْ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَتَرَىٰ الْأَرْضَ هَامِدَةً

نہایت خراب عمر کی طرف لوٹائے جاتے ہیں کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بالکل بے علم ہو جاتے ہیں۔ اور تو دیکھتا ہے

فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتُ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿۱۴﴾

زمین خشک پھر جب ہم اس پر مینہ برساتے ہیں تو وہ شاداب ہو جاتی اور ابھرنے لگتی ہے اور طرح طرح کی بارونق چیزیں اگاتی ہے

ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

ان قدرتوں سے ظاہر ہے کہ اللہ ہی برحق ہے اور یہ کہ وہ مردوں کو زندہ کر دیتا ہے اور یہ کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

﴿۱۴﴾ وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا وَأَنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ﴿۱۵﴾

اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ سب لوگوں کو جو قبروں میں ہیں جلا اٹھائے گا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُّنِيرٍ

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ (کی شان) میں بغیر علم کے اور بغیر ہدایت کے اور بغیر روشن کتاب کے

﴿۱۵﴾ إِنِّي عَطِيفٌ لِّضَلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ۗ لَهُ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ

بجھڑتا ہے۔ گردن موڑ لیتا (ہے) تاکہ (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے گمراہ کر دے، اس کیلئے دنیا میں ذلت

وَنُذِيقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿٤﴾

ہے اور قیامت کے دن ہم اسے عذاب سوزاں کا مزا چکھائیں گے

ذَلِكَ بِمَا قَدَّمْت يَدَاكَ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿١٠﴾

یہ اس (کفر) کی سزا ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجا تھا اور اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللَّهَ عَلَىٰ حَرْفٍ ۖ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ

اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کنارے پر (کھڑا ہو کر) اللہ کی عبادت کرتا ہے اگر اس کو کوئی (دنیاوی) فائدہ پہنچے

اَطْمَأَنَّ بِهِ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ ۖ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ خَسِرَ الدُّنْيَا

تو اُس کے سبب مطمئن ہو جائے اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائے (یعنی پھر کافر ہو جائے) اُس نے دنیا

وَالْآخِرَةَ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴿١١﴾ ۖ يَدْعُو مِن دُونِ اللَّهِ

میں بھی۔ نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی یہی تو نقصان صریح ہے یہ اللہ کے سوا ایسی چیز کو پکارتا ہے

مَا لَا يَضُرُّهُ وَمَا لَا نَفْعَ لَهُ ۗ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ﴿١٢﴾ ۖ يَدْعُو لِمَنْ

جو نہ اُسے نقصان پہنچائے اور نہ اُسے فائدہ دے سکے یہی تو پرلے درجے کی گمراہی ہے۔ [۲] (بلکہ) ایسے شخص کو پکارتا ہے

ضَرُّهُ أَقْرَبُ مِنْ نَفْعِهِ ۗ لَبِئْسَ الْمَوْلَىٰ وَلَبِئْسَ الْعَشِيرُ ﴿١٣﴾

جس کا نقصان فائدہ سے زیادہ قریب ہے ایسا دوست بھی بُرا اور ایسا ہم صحبت بھی برا

[۲] ”يدعو من دون الله“ الایة یہ ماقبل ہی سے متعلق ہے اور اس میں دنیا اور آخرت کے خسارے کی تفصیل

مذکور ہے، یعنی وہ ظالم، اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت چھوڑ کر ایسے عاجز و بے بس معبودوں کی پرستش اور پکار میں لگ جاتا ہے

جو نہ اسے نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان پہنچانے کی، اور یہ بہت بڑی گمراہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

توحید کو چھوڑ کر شرک کیا جائے: استیناف مبین لعظم الخسران (روح المعانی).

”یدعو المن ضرہ“ الایة، لام ابتدائیہ ہے جملہ استینافیہ ہے اس میں غیر اللہ کی پکار اور دعا کا بد انجام اور اس کا بہت بڑی گمراہی ہونا واضح کیا گیا ہے: استیناف بیین مآل دعائہ وعبادتہ غیر اللہ تعالیٰ، ویقرر کون ذلک ضلالا بعیدا (روح) اس آیت اور اس سے پہلی آیت میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے کیونکہ پہلے آیت میں معبودان باطلہ کے نافع اور ضار ہونے کی نفی کی گئی ہیں مگر اس آیت میں ان کے ضار یعنی نقصان رسا ہونے کا اثبات ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جن معبودان باطلہ کو شرکین مختار نفع و نقصان اور متصرف سمجھ کر پکارتے ہیں بے شک وہ عاجز و درماندہ ہیں۔ اور نفع یا نقصان پہنچانا ان کی قدرت و طاقت سے باہر ہے لیکن ان کی عبادت کرنا اور انہیں حاجات و مشکلات میں پکارنا ان کے پوجاریوں کے حق میں سخت نقصان دہ اور باعث خسارہ ہے، کیونکہ اس شرک کی وجہ سے وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں جلتے رہیں گے۔ حاصل یہ کہ معبودان باطلہ بذات خود نقصان رسا نہیں ہیں لیکن ان کی عبادت اور پکار رسا نقصان اور خسارے کا باعث ہے۔ اجابو عن التناقض بامور: احدھا انھا لاتضر ولا تنفع بانفسھا ولكن عبادتھا سبب الضرر (کبیر)

شرکین معبودان باطلہ کی اس خیال سے عبادت کرتے تھے کہ وہ اللہ کے یہاں ان کے سفارشی ہونگے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی عبادت میں کچھ نفع نہیں بلکہ سراسر خسارہ ہے اور وہ ان کے کسی کام نہیں آسکیں گے، وقیل یعبدونہم توہم انہم یشفعون لہم غذا کما قال اللہ تعالیٰ ویعبدون من دون اللہ مالا یضرہم ولا ینفعہم ویقولون ہؤلاء شفعاؤنا عند اللہ وقال اللہ تعالیٰ مانعبدہم الا لیقرینا الی اللہ زلفی (قرطبی) .

”اقرب من نفعہ“ الایة، شیخ حسین علی نے فرمایا۔ دلائل عقلیہ تو واضح اور ثابت کر رہے کہ خالص اللہ ہی کی عبادت کرو اور خالص اسی کو پکارو، لیکن پھر بھی بعض لوگ بلا وجہ او بلا دلیل جھگڑا کرتے اور اللہ کی خالص عبادت اور پکار میں شرک کرتے ہیں اور ایسے عاجز معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت اور جنہیں پکارنے کا ضرر نفع کی نسبت اقرب الی الفہم ہے یعنی یہ بات نہایت آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ ان کی عبادت اور پکار میں نفع تو کیا ہوگا البتہ ضرر اور نقصان ضرور ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اللہ ان کو باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ﴿۱۴﴾

نہریں چل رہی ہیں کچھ شک نہیں کہ اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے

مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ اس کو دنیا اور آخرت میں مدد نہیں دے گا تو اُس کو چاہیے کہ اوپر کی طرف (یعنی اپنے گھر کی

بَسَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لِيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ ﴿۱۵﴾

چھت میں) ایک رسی باندھے پھر (اس سے اپنا) گلا گھونٹ لے پھر دیکھے کہ آیا یہ تدبیر اُس کے غصے کو دور کر دیتی ہے؟ [۱۳]

وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ آيَةً بَيِّنَةً وَأَنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يُرِيدُ ﴿۱۴﴾

اور اسی طرح ہم نے اس قرآن کو اتارا ہے (جس کی تمام) باتیں کھلی ہوئی (ہیں) اور یہ کہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

[۱۳] ”من كان يظن“ الایۃ، جمہور مفسرین نے ”ینصرہ“ کی ضمیر منصوب کا مرجع نبی ﷺ کی ذات گرامی کو

قرار دیا ہے کیونکہ قرآن پڑھتے وقت آپ کا تصور ذہن میں رہتا ہے اس لئے کہ آپ قرآن کے مخاطب اول ہیں اور

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنے پیغمبر ﷺ کی مدد کریگا۔ دنیا میں آپ کے دین اور آپ کے تابعین کو

سر بلند کر کے اور آخرت میں آپ کا درجہ سب سے بلند کر کے آپ کے تابعین کو جنت میں داخل فرما کر اور آپ کے د

شمنوں کو جہنم رسید کرے گا۔

لیکن جس شخص کا اذراہ بغض و حسد یہ گمان ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں آپ کی مدد نہیں کرے گا تو وہ بغض

و حسد کی آگ میں جل مرے تو کیا حسد و عداوت کے جذبہ میں کوئی سخت اقدام کرنے مثلاً خودکشی کر لینے سے اس کے سینے

کی آگ ٹھنڈی ہو جائے گی۔ قال ابن عباس ان الكناية في (ينصره الله) ترجع الى محمد ﷺ، قرطبي.

اور ”السماء“ سے گھر کی چھت مراد ہے، اور ”لیقطع“ بمعنی لیختنق یعنی چھت سے رسی لٹکا کر خود کشی کرے۔ والمعنی لیشدد حبلانی سقف بیتہ فلیختنق بہ حتی یموت۔ خازن۔ جیسا کہ حاسد سے کہا جاتا ہے کہ اگر تجھے یہ بات پسند نہیں تو حسد سے جل کر مر جا۔ کما یقال للحاسد ان لم ترض هذا فاختنق و مت غیظا (معالم)۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے، کہ جس شخص کو یہ بات ناگوار ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنی پیغمبر کی مدد کرے تو اگر اس کو روکنے کی طاقت ہو تو آسمان پر چڑھ جائے اور مدد کا سرچشمہ بند کر کے اس کو منقطع کر دے پھر دیکھے کہ اس حیلے سے وہ مدد کو روک کر اپنا غصہ ٹھنڈا کر سکتا ہے فلیطلب حيلة یصل بها الی السماء ثم لیقطع ای ثم لیقطع النصران تھیالہ (قرطبی)۔ جناب شاہ عبدالقادر فرماتے ہیں ”دنیا کی تکلیف میں جو کوئی اللہ سے ناامید ہو کر اس کی بندگی چھوڑ دے، اور جھوٹی چیزیں پوچھے، جن کے ہاتھ نہ برانہ بھلا۔ وہ اپنے دل کے ٹھہرانے کو یہ صورت قیاس کرے جیسے ایک شخص اونچی رسی سے لٹک رہا ہو، اگر چڑھ نہیں سکتا تو قہر ہے کہ رسی اوپر کھینچنے تو چڑھ جائے، جب رسی توڑ دی پھر کیا تو قہر رہی۔ اس مطلب کی صورت میں ”ینصرہ“ کی ضمیر منصوب ”من“ کی طرف راجع ہوگی۔

جناب حسین علی نے فرمایا: کہ پہلی دونوں صورتوں میں اس آیت کا ماقبل سے ربط واضح نہیں ہوگا۔ کیونکہ اس سے پہلے غیر اللہ کی پکار کے غیر نافع ہونے کا ذکر ہے اس لئے ربط میں تکلف ہوگا یعنی مسئلہ توحید کو بیان کرنے والے چونکہ اللہ کے پیغمبر محمد ﷺ ہیں اس لئے مشرکین کا خیال تھا، کہ اللہ اس کی مدد نہیں کرے گا، اس لئے کہ اس تکلف سے بچنے کے لئے شاہ عبدالقادر کا مطلب موزون ہے۔ یا مطلب یہ ہو کہ غیر اللہ کو پکارنے والوں کو اگر یہ گمان ہو کہ اللہ ان کی مدد نہیں کرے گا۔ اس لئے انہوں نے اولیاء کرام کو شفعاء بنایا ہوا ہے تو وہ دل کے اطمینان کی خاطر پہلے ان لوگوں کا خیال کریں جو حاجات و مشکلات میں غیر اللہ کو پکارتے ہیں پھر ان لوگوں کا خیال کریں جو خالص اللہ کو پکارتے ہیں۔

”و کذلک انزلناہ“ الایة ”ک“ بیان کمال کے لئے ہے یعنی مسئلہ توحید کو قرآن میں اس طرح دلائل سے واضح کرنا ہمارا ہی کمال ہے اور یہ ترغیب الی القرآن ہے ”من یرید“ ”یرید“ کا فاعل ”من“ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو سیدھی راہ دکھاتا ہے جو سیدھی راہ دیکھنا چاہیں اور اللہ کی طرف انابت کریں۔ یا ”یرید“ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور عائد محذوف ہے ای یرید ہدایتہ یعنی اللہ تعالیٰ جسے راہ راست پر لانا چاہتا ہے اسے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّبِئِينَ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ

جو لوگ مؤمن ہیں اور جو یہودی ہیں اور ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی

وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا إِنَّ اللَّهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ

اور مشرک، اللہ ان (سب) میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا بیشک اللہ ہر چیز سے

شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١٧﴾ لَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي

باخبر ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں ہے اور جو

الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ

زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے

وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ ط وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ط وَمَنْ يُهِنِ اللَّهُ

اور بہت سے انسان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ اور جس شخص کو اللہ ذلیل

فَمَا لَهُ مِنْ مَّكْرِمٍ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿١٨﴾ لَئِن خَصِمْتُمْ

کرے اُس کو کوئی عزت دینے والا نہیں بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ دو (فریق) ایک دوسرے کے دشمن اپنے رب

فِي رَبِّهِمْ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ ط يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ

(کے بارے) میں جھگڑتے ہیں تو جو کافر ہیں اُن کیلئے آگ کے کپڑے بنائے جائیں گے (اور) اُن کے سروں پر جلتا ہوا

رُؤْسِهِمُ الْحَمِيمُ ﴿١٩﴾ صُحْرُبُهُمْ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ ﴿٢٠﴾

پانی ڈالا جائے گا۔ اس سے ان کے پیٹ میں اندر کی چیزیں اور کھالیں گل جائیں گی

وَلَهُمْ مَّقَامِعٌ مِنْ حَدِيدٍ ﴿٢١﴾ كَلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ

اور اُن (کو مارنے) کیلئے لوہے کے ہتھوڑے ہوں گے۔ جب وہ چاہیں گے کہ اس رنج (و تکلیف کی وجہ) سے

أَعْبُدُوا فِيهَا وَاذُقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۲۲۲﴾

دوزخ سے نکل جائیں تو پھر اُسی میں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کہا جائے گا کہ) جلنے کے عذاب کا مزہ چکھتے رہو

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اللہ اُن کو جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے سے

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ

نہریں بہ رہی ہیں وہاں اُن کو سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور موتی بھی اور وہاں اُن کا لباس ریشمی ہوگا

﴿۲۲۳﴾ وَهُدًوآ إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدًوآ إِلَى صِرَاطٍ الْحَمِيدِ ﴿۲۲۳﴾

اور ان کو پاکیزہ کلام کی ہدایت کی گئی اور (اللہ) حمید کی راہ بتائی گئی

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

جو لوگ کافر ہیں اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے اور مسجد حرام سے جسے ہم نے لوگوں کیلئے یکساں (عبادت گاہ) بنایا ہے

الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً ۖ نَالُوا فِيهِ وَالْبَادِ

روکتے ہیں خواہ وہ وہاں کے رہنے والے ہوں یا باہر سے آنے والے

﴿۲۲۴﴾ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِالْحَادِ بِظُلْمٍ نُدِقُهُ مِنْ عَذَابِ الْإِيمِ ﴿۲۲۴﴾

اور جو اس میں شرارت سے کجروی (وکفر) کرنا چاہے اُسے ہم دردناک عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا

اور (ایک وقت تھا) جب ہم نے ابراہیم کیلئے خانہ کعبہ کو مقام مقرر کیا کہ میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرنا

﴿۲۲۵﴾ وَطَهَّرْ بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۲۲۵﴾

اور طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کیلئے میرے گھر کو صاف رکھا کرو

وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِنْ كُلِّ

اور لوگوں میں حج کیلئے منادی کر دو کہ تمہاری طرف پیدل اور ڈبلے ڈبلے اونٹوں پر جو دُور (دراز) رستوں سے چلے آتے

فَجِّ عَمِيقٍ ﴿۲۷﴾ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ

ہوں (سوار ہو کر) چلے آئیں۔ تاکہ اپنے فائدے کے کاموں کیلئے حاضر ہوں اور (قربانی کے) معلوم ایام میں چوپائے

مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطِعُوا

مویشی (کے ذبح کے وقت) جو اللہ نے اُن کو دیئے ہیں ان پر اللہ کا نام لیں۔ اس میں سے تم بھی کھاؤ اور فقیر در ماندہ کو بھی کھلاؤ

الْبَائِسَ الْفَقِيرَ ﴿۲۸﴾ لِيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلِيُوفُوا نُدُورَهُمْ وَلِيَطَّوَّفُوا

پھر چاہئے کہ لوگ اپنا میل کچیل دُور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانہ کعبہ (یعنی بیت اللہ)

بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۲۹﴾ لِيَكُونَ لَكَ وَمَنْ يُعْظَمَ حُرْمَتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ

کا طواف کریں۔ یہ (ہمارا حکم ہے) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو اللہ نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ اللہ کے

رَبِّهِ وَأُحِلَّتْ لَكُمْ الْأَنْعَامُ إِلَّا مَا يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ

نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔ اور تمہارے لئے مویشی حلال کر دیئے گئے ہیں سوائے اُن کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿۳۰﴾

ہیں تو بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو

حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَانَ

صرف ایک اللہ کے ہو کر اور اُس کیساتھ شریک نہ ٹھہرا کر اور جو شخص (کسی کو) اللہ کیساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہے

خَرًّا مِنَ السَّمَاءِ فَنَخْطَفُ الطَّيْرَ أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿۳۱﴾

جیسے آسمان سے گر پڑے پھر اُس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دُور جگہ اُڑا کر پھینک دے

ذٰلِكَ ۙ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوٰى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾

یہ (ہمارا علم ہے) اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو اللہ نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ (فعل) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے

لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحَلُّهَا اِلٰى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿۳۳﴾

ان میں ایک وقت مقرر تک تمہارے لئے فائدے ہیں پھر ان کو خانہ کعبہ (یعنی بیت اللہ) تک پہنچنا (اور ذبح ہونا) ہے

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنَسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ

اور ہم نے ہر ایک امت کیلئے قربانی کا طریقہ مقرر کر دیا ہے تاکہ جو مویشی چارپائے اللہ نے اُن کو دیئے ہیں (اُن کے ذبح

مِّنْ بِهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۗ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا

کرنے کے وقت) اُن پر اللہ کا نام لیں سو تمہارا معبود ایک ہی ہے اسی کے فرمانبردار ہو جاؤ اور عاجزی کرنے والوں کو

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ الْاٰزِدِيْنَ اِذَا ذَكَرَ اللّٰهُ وَجِلَّتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ

خوشخبری سنا دو۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا نام لیا جاتا ہے تو اُن کے دل ڈرجاتے ہیں اور (جب) ان پر مصیبت پڑتی ہے

عَلٰى مَا اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنَهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾

تو صبر کرتے ہیں اور نماز آداب سے پڑھتے ہیں اور جو ہم نے ان کو عطا کیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ

اور قربانی کے اونٹوں کو بھی ہم نے تمہارے لئے شعائر اللہ مقرر کیا ہے اس میں تمہارے لئے فائدے ہیں

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفٍ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا

تو (قربانی کرنے کے وقت) قطار باندھ کر اُن پر اللہ کا نام لو جب پہلو کے بل گر پڑیں تو اُن میں سے کھاؤ

وَاطْعَمُوْا الْقَنَاعَ وَالْمُعْتَرَ ۗ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور قناعت سے بیٹھ رہنے والوں اور سوال کرنے والوں کو بھی کھلاؤ اس طرح ہم نے اُن کو تمہارے زیر فرمان کر دیا ہے تاکہ تم شکر کرو

لَنْ يَنَالَ اللَّهُ لُحُومَهَا وَلَا دِمَآؤَهَا وَلَكِنَّ يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنْكُمْ ۗ

اللہ تک نہ اُن کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون بلکہ اُس تک تمہاری پرہیزگاری پہنچتی ہے

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتَكْبُرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۷﴾

اسی طرح اللہ نے اُن کو تمہارا مسخر کر دیا ہے تاکہ اس بات کے بدلے کہ اُس نے تمہیں ہدایت بخشی ہے، اُسے بزرگی سے یاد کرو اور نیکوکاروں کو خوشخبری سنا دو

اِنَّ اللّٰهَ يَدْفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كٰفُوْرٍ ﴿۷۸﴾

اللہ تو مومنوں سے اُن کے دشمنوں کو ہٹاتا رہتا ہے بیشک اللہ کسی خیانت کرنے والے اور کفرانِ نعمت کرنے والے کو دوست نہیں رکھتا

اٰذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظَلَمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ ﴿۷۹﴾

جن مسلمانوں سے (خواہ مخواہ) لڑائی کی جاتی ہے اُن کو اجازت ہے کیونکہ اُن پر ظلم ہو رہا ہے اور اللہ یقیناً اُن کی مدد پر قادر ہے

الَّذِيْنَ اٰخْرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَقُوْلُوْا

یہ وہ لوگ ہیں کہ اپنے گھروں سے ناحق نکال دیئے گئے (انہوں نے کچھ قصور نہیں کیا) ہاں یہ کہتے ہیں

رَبُّنَا اللّٰهُ ۗ وَلَوْ لَا دَفَعُ اللّٰهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهَدَمْتُ

کہ ہمارا رب، اللہ ہے اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں کے) خلوت خانے اور (عیسائیوں

صَوَامِعُ وَبِيْعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذَكِّرُ فِيْهَا اسْمَ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ

کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں اللہ کا بہت سا ذکر کیا جاتا ہے ویران

وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَنْصُرُهُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ﴿۸۰﴾

ہو چکی ہوتیں اور جو شخص اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ اُس کی ضرور مدد کرتا ہے بیشک اللہ توانا اور غالب ہے

الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَتَوْا الزَّكٰوةَ

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں

وَأْمُرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهُوا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۲۱﴾

اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور بُرے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے

وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودٌ ﴿۲۲﴾

اور اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور ثمود بھی (اپنے پیغمبروں کو) جھٹلا چکے ہیں

وَقَوْمِ إِبْرَاهِيمَ وَقَوْمِ لُوطٍ ﴿۲۳﴾ وَأَصْحَابُ مَدْيَنَ وَكَذَّبَ مُوسَىٰ

اور قومِ ابراہیم اور قومِ لوط۔ اور مدین کے رہنے والے بھی اور موسیٰ ابھی تو جھٹلائے جا چکے ہیں

فَأَمَلَيْتُ لِلْكَافِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتَهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۲۴﴾

لیکن میں کافروں کو مہلت دیتا رہا پھر اُن کو پکڑ لیا تو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا (سخت) تھا

فَكَأَيُّنَ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا

اور بہت سی بستیاں ہیں کہ ہم نے اُن کو تباہ کر ڈالا کہ وہ نافرمان تھیں سو وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں

وَبُئْرٍ مُّعْطَلَةٍ وَقَصْرِ مَشِيدٍ ﴿۲۵﴾ لَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ

اور (بہت سے) کنوئیں بیکار اور (بہت سے) محل ویران (پڑے ہیں)۔ کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں

فَتَكُونُ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ آذَانٌ يَّسْمَعُونَ بِهَا فَإِنَّهَا

کی تا کہ ان کے دل (ایسے) ہوتے کہ اُن سے سمجھ سکتے اور کان (ایسے) ہوتے کہ اُن سے سن سکتے، بات یہ ہے

لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَكِنْ تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿۲۶﴾

کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ دل جو سینوں میں ہیں (وہ) اندھے ہوتے ہیں

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ

اور تم سے عذاب کیلئے جلدی کر رہے ہیں اور اللہ اپنے وعدے کا ہرگز خلاف نہیں کرے گا اور بیشک تمہارے رب کے

رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿۱۷۷﴾ ﴿۱۷۸﴾ وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ أَمَلَتْ لَهَا

نزدیک ایک روز تمہارے حساب کے روبرو ہزار برس کے برابر ہے۔ اور بہت سی بستیاں ہیں کہ میں اُن کو مہلت دیتا

وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا وَإِلَى الْمَصِيرِ ﴿۱۷۸﴾ ﴿۱۷۹﴾ يَا أَيُّهَا النَّاسُ

رہا اور وہ نافرمان تھیں پھر میں نے اُن کو پکڑ لیا اور میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ (اے پیغمبر!) کہہ دو کہ لوگو!

إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ ﴿۱۷۹﴾ ﴿۱۸۰﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

میں تم کو کھلم کھلا نصیحت کرنے والا ہوں۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے

لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۱۸۰﴾ ﴿۱۸۱﴾ الَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ

اُن کیلئے بخشش اور آبرو کی روزی ہے۔ اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں میں (اپنے زُعمِ باطل میں) ہمیں عاجز کرنے کیلئے

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۸۱﴾ ﴿۱۸۲﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا

سچی کی وہ اہل دوزخ ہیں۔ اور ہم نے تم سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا مگر (اُس کا یہ حال تھا کہ)

نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانَ فِي أُمْنِيَّتِهِ فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي

جب وہ کوئی تلاوت کرتا تھا تو شیطان اُس کی تلاوت میں (وسوسہ) ڈال دیتا تھا تو جو (وسوسہ)

الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحَكِّمُ اللَّهُ آيَاتِهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۸۲﴾ ﴿۱۸۳﴾

شیطان ڈالتا ہے اللہ اُس کو دُور کر دیتا ہے پھر اللہ اپنی آیتوں کو مضبوط کر دیتا ہے اور اللہ علم والا اور حکمت والا ہے [۴]

لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ

یہ اس لئے کہ جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے اُس کو اُن لوگوں کیلئے جن کے دلوں میں بیماری ہے

[۴] "وما ارسلنا" الایة، یہ شریکین کے نہ ماننے کی وجہ ہے جب اللہ کا پیغمبر کلام اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے اس وقت

شیطان سننے والوں کے دلوں میں کئی شکوک و شبہات پیدا کرتا ہے مثلاً یہ کہ یہ پیغمبر جادو گر ہے، شاعر و مجنون ہے، اور ہمارے معبودوں کو گالیاں دیتا ہے، وغیرہ، مشرکین ان شبہات کی وجہ سے راہ ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں، لیکن ایمان والوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ ان ناپاک شبہات سے پاک فرما دیتا ہے۔ قریب قریب یہی مضمون قرآن مجید کی آیت ذیل میں بھی مذکور ہے و كذلك جعلنا لكل نبي عدوا شياطين الانس و الجن يوحى بعضهم الى بعض زخرف القول غرورا (انعام: ۱۱۲) ”تمنی“ بمعنی قرأ ہے یعنی جب تلاوت کرتا تھا، جیسا کہ حسانؓ نے عثمانؓ کے مرثیہ میں کہا تھا۔

تمنی کتاب اللہ اول لیلة و اخرها لاقی حمام المقادر (بحر)

اور ”امنیہ“ ای قرائتہ و تلاوتہ (مدارک) اس آیت کی تفسیر میں ایک واہی اور باطل قصہ نقل کیا جاتا ہے ایک بار نبی کریم ﷺ بیت اللہ میں سورت النجم (۲۰) تلاوت فرما رہے تھے سامعین میں مسلمانوں کے علاوہ مشرکین بھی تھے جب اس آیت پر پہنچے ”ومنات الثالثة الاخری“ تو شیطان نے آپؐ کی زبان مبارک سے یہ کلمات جاری کر دیئے۔

تلك الغرائق العلیٰ وان شفاعتہن لترتجی

یعنی ہمارے یہ معبود بہت بلند رتبہ ہیں اور آڑے وقت میں ان کی شفاعت کی امید ہے، ان کلمات میں مشرکین کے معبودان باطلہ کی تعریف تھی اس لئے مشرکین بہت خوش ہوئے کہ آج محمد ﷺ نے ہمارے معبودوں کی تعریف کی ہے، چنانچہ جبریل علیہ السلام نے آ کر نبی علیہ السلام کو اس غلطی پر متنبہ کیا یہ شیطانی القاء تھا۔

یہ قصہ شان نبوت کے سراسر منافی ہے اس لئے تمام مفسرین نے اسے رد کیا ہے یہ قصہ بھی صحیح سند سے مروی نہیں۔ امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ قصہ موضوع اور من گھڑت ہے زندیقوں اور طحڑوں کا ساختہ ہے اور نقل کے اعتبار سے ثابت نہیں۔ امام محمد بن اسحاق ابن خزیمہ نے اس قصہ کے رد میں ایک کتاب بھی تصنیف کی: وہی قصة سئل عنها عن الامام محمد بن اسحاق جامع السیرة النبویة: فقال هذا من وضع الزنادقة و صنف فی ذلك کتابا و قال الامام الحافظ ابوبکر احمد بن الحسن البیهقی هذه القصة غیر ثابتة من جهة النقل (بحر).

امام قرطبیؒ فرماتے ہیں اس سلسلے کی ایک روایت بھی صحیح نہیں و لیس منها شیء یصح (قرطبی). علامہ

خازن لکھتے ہیں انہ لم یروها احد من اهل الصحة ولا اسندھا ثاقبة بسند صحیح اوسلیم متصل (خازن)۔ امام ابن خزیمہ اور بیہقی کا مذکورہ بالا قول امام رازی نے بھی نقل کیا ہے، روى عن محمد بن اسحاق ابن خزیمة انہ سئل عن هذه القصة فقال هذا وضع من الزنادقة ووصف فيه كتابا (کبیر)۔ امام ابوالسعود رقم طراز ہیں وهو المردود عند المحققين (ابوالسعود)۔

امام رازی نے مفسرین اہل تحقیق کا یہ فیصلہ نقل کیا ہے کہ یہ قصہ باطل اور من گھڑت ہے۔ اما اهل التحقيق فقالوا هذه الرواية باطله موضوعه (کبیر)۔ اور امام ابن کثیر لکھتے ہیں: یہاں پر اکثر مفسرین نے ”غرائق“ کا قصہ نقل کیا ہے اور یہ بھی کہ اس واقعہ کی وجہ سے اکثر مہاجرین جوش یہ سمجھ کر، کہ اب مشرکین مکہ مسلمان ہو گئے واپس مکہ آ گئے۔ لیکن یہ روایت ہر سند سے مرسل ہے کسی صحیح سند سے مروی نہیں جیسا کہ بعد میں آ رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بشرط صحت قصہ مفسرین نے لکھا ہے کہ جب نبی علیہ السلام ”ومنات الثالثة الاخرى“ پر پہنچے تو شیطان نے فوراً اپنی زبان سے نبی علیہ السلام کے لہجہ میں مذکورہ بالا الفاظ ادا کر دیئے جس سے سامعین کو دھوکا ہوا کہ یہ کلمات خود نبی علیہ السلام نے پڑھے ہیں، وانما الامران الشيطان نطق بلفظ اسمعه الكفار عند قول النبي ﷺ ”افرايتم السلات و العزى ومنات الثالثة الاخرى“ وقرب صوته من صوت النبي ﷺ حتى التبس الامر على المشركين وقالوا محمد قرأها الخ. (قرطبی)۔

لیکن شیخ حسین علی فرماتے ہیں: کہ آیت کا مطلب یہ ہے ”اذاتمنی“ ای تلا (القى الشيطان) الوسواس والشبهات فى قلوب السامعين (فى امنيته) ای فى اثناء تلاوته: یعنی ہم نے جو بھی رسول یا نبی دنیا میں بھیجا ہے وہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی امتیں لوگوں کو پڑھ کر سنا تا شیطان اس دوران میں لوگوں کے دلوں میں طرح طرح کے شبہات ڈالتا، تا کہ وہ پیغمبر کی تلاوت سے متاثر نہ ہوں، اور کلام اللہ سے بدظن ہو جائیں اور اسے ماننے سے انکار کر دیں ”اذاتمنی“ پر دو باتیں متفرع ہیں۔ اول ”القى الشيطان“ دوم ”فینسخ اللہ الاية“ ایک شیطان کا فعل ہے اور ایک اللہ کا، اور ہر ایک پر ایک امر متفرع ہے القى پر لی جعل اور فینسخ پر لی علم۔ جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے ”فینسخ الاية“ شیطان کے ڈالے ہوئے شبہات کو اللہ تعالیٰ دور فرما کر اپنی امتوں کو ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک کر کے محکم کر دیتا ہے۔

بدرالدین عینی نے شرح بخاری، عمدۃ القاری: ۳۳۹/۵، میں اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ: ثم الذى قاله

ابن بطل، انما كان لما القى الشيطان على لسانه الى آخره، موجود في كثير من التفاسير، ذكروا انه لما قرأ سورة النجم، ووقع في السورة ذكر الهتهم في قوله تعالى: (سورة النجم: ۱۹، ۲۰) وسمعوا ذكر الهتهم في القرآن فرماظنوه، او بعضهم، ان ذلك مدح لها، وقيل انهم سمعوا بعد ذكر الهتهم تلك الغرائق العلىٰ وان شفاعتها لترتجى

ف قيل، ان بعضهم هو القائل لها، اى بعض المشركين، لما ذكر الهتهم خشوا ان يضمها فبدر بعضهم، فقال ذلك، وظنوا ان ذلك من قرأه النبي ﷺ الخ.

پھر لکھتا ہے، وهذا الحديث الذى ذكر فيه ذكر ذلك، اكثر طرقه منقطعة معلولة ولم يوجد لها اسناد صحيح ولا متصل، الا من ثلاثة طرق، احدها مرواه الطبرانى في المعجم الكبير: ۱۲/۵۳، و المقدسى في المختارة: ۱۰/۲۳۳، والبزار في مسنده: ۱۱/۲۹۷، قال حدثنا يوسف بن حماد حدثنا امية بن خالد حدثنا شعبة عن ابى بشر عن سعيد بن جبير عن ابن عباسؓ، فيما احسب (الشك في الحديث) ان النبي ﷺ كان بمكة، فقرأ سورة النجم حتى انتهى الى آية: ۱۹، ۲۰، فجرى على لسانه، تلك الغرائق العلىٰ، الشفاعة منهم ترتجى. قال فسمع ذلك مشركوا اهل مكة فسروا بذلك، فاشتد على رسول الله ﷺ فانزل الله هذه الاية. ثم قال البزار، ولا نعلمه يروى عن النبي ﷺ باسناد متصل عنه، يجوز ذكره الا بهذا الاسناد، ولا نعلم احدا اسند هذا الحديث عن شعبة عن ابى بشر عن سعيد عن ابن عباسؓ الامية بن خالد ولم نسمعه الا من يوسف بن حماد وكان ثقة، وغير امية يحدث به، عن ابى بشر عن سعيد بن جبير مرسلًا. وانما هذا الحديث يعرف عن الكلبي عن ابى صالح عن ابن عباسؓ. وفي تفسير ابى بكر بن مردويه عن سعيد بن جبير، لا اعلمه الا عن ابن عباسؓ ان النبي ﷺ قرأ النجم فلما بلغ اية: (۱۹، ۲۰)، القى الشيطان على لسانه، تلك الغرائق العلىٰ، وشفاعتها ترتجى، فلما بلغ اخرها سجد وسجد معه المسلمون والمشركون فانزل الله هذه الاية: الى آية ۵۵.

و الطريق الثانى رواية محمد بن السائب الكلبي عن ابى صالح عن ابن عباسؓ.

و الطريق الثالث: مارواه ابن مردويه في تفسيره قال حدثنا احمد بن كامل، حدثنا محمد بن سعيد حدثني ابي حدثنا عمي حدثنا ابي عن ابيه عن ابن عباس رضي الله عنه قوله: افرأيتم اللات الاية. قال بينما رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يصلي، انزلت عليه الهة العرب، فسمع المشركون يتلوها، وقالوا انه يذكر الهتنا بخير فدنوا، فبينما هو يتلوهالقى الشيطان، تلك الغرائق العلى منها الشفاعة تترجى، فعلق يتلوها فنزل جبرئيل عليه السلام فنسخها ثم قال: وما رسلنا من قبلك الاية: وظاهر هذه الرواية الثالثة ان الاية انزلت عليه في الصلاة وانه تلا ما نزل عليه، وان الشيطان القى عليه هذه الزيادة وان النبي صلی اللہ علیہ وسلم علق يتلوها يظن انها انزلت، وانه اشتبه عليه ما القاه الشيطان بوحى الملك اليه. وهذا ايضا ممتنع في حقه ان يدخل عليه فيما حقه البلا، وكيف يشبهه عليه مزج الدم بالمدح. اور اس طرح لکھتے ہیں: وقيل ان ابليس اجرى ذلك على لسانه، وهذا باطل قطعاً وما كان الله ليسلطه على نبيه وقد عصمه منه ومن غيره.

وكذلك كون ابليس قالها وشبه صوته بصوت النبي صلی اللہ علیہ وسلم باطل ايضا، واذ كان لا يستطيع ان يتشبه به في النوم كما اخبر النبي صلی اللہ علیہ وسلم بذلك في الحديث الصحيح، فاذا كان لا يقدر على التشبه به في المنام من الرأي له، و النائم ليس في محل التكليف و الضبط فكيف يتشبه به في حالة استيقاظ من يسمع قرآته؟ وهذا من المحال الذي لا يقبله قلب مؤمن. پھر آگے لکھتے ہیں:

وجميع هذه المسانيد الثلاثة لا يحتج بشئ منها اما الاسناد الاول وان كان رجاله ثقات فان الراوى شك فيه، كما اخبر عن نفسه، فاما شك في رفعه، فيكون موقوفاً، وفي وصله، فيكون مراسلاً، وكلاهما ليس بحجة، خصوصاً فيما فيه قدح في حق الانبياء عليهم السلام، بل لوجزم الثقة برفعه ووصله حملناه على الغلط و الوهم.

واما الاسناد الثانى، فان محمد بن السائب الكلبى ضعيف بالاتفاق منسوب الى الكذب، وقد فسر الكلبى في روايته الغرائقة العلى بالملائكة لا بالهة المشركين، جيسا کہ تفسیر شاہ نور نے بھی پسند کیا ہے كما يقولون ان الملائكة بنات الله وكذبوا على الله فرد الله ذلك عليهم بقوله: الكم الذکر وله الاثنى، النجم: ۲۱، فعلى هذا، فلعلة كان قرآنهم نسخ لتوهم المشركين بذلك مدح الهتهم.

واما الاسناد الثالث، فان محمد بن سعد هو العوفی وهو ابن السعد بن محمد بن الحسن بن عطية العوفی تكلم فيه الخطيب فقال كان لينا في الحديث، وابوه سعد بن محمد بن الحسن بن عطية قال، فيه احمد لم يكن ممن يستأهل ان يكتب عنه، ولا كان موضعاً لذلك، وعم ابيه هو الحسين بن الحسن بن عطية ضعفه ابن معين و النسائي وابن حبان وغيرهم و الحسن بن عطية ضعفه البخاري وابو حاتم وهذه سلسلة ضعفاء، ولعل عطية العوفی سمعه من الكلبي فانه كان يروى عنه ويكنيه بابي سعيد بضعفه، ويوهم انه ابو سعيد الخدري .

وقال عياض في الشفاء: ۲/ ۱۲۵، هذا حديث لم يخرج له احد من اهل الصحة ولا رواه ثقة بسند سليم متصل وانما اولع به وبمثله المفسرون و المورخون المولعون بكل قريب المتلقنون من الصحف كل صحيح وسقيم، قلت الامر كذلك فان غالب هؤلاء مثل الطريقة و القصاص و ليس عندهم تمييز، يخطبون خبط عشواء، ويمشون في ظلمة ظلماء، وكيف يقال مثل هذا، والاجماع منعقد على عصمة النبي ﷺ ونزاهته عن مثل هذه الرذيلة، ولو وقعت هذه القصة لوجدت قريش على المسلمين بها الصولة، ولا قامت عليهم اليهود بها الحجة، كما علم من عادة المنافقين و عناد المشركين كما وقع في قصة الاسراء حتى كانت في ذلك لبعض الضعفاء ردة.

میں کہتا ہوں کہ اس روایت کی چوتھی سند بھی ہے جو کہ طبرانی نے ۲۱۹/۹، میں لمبی واقعہ (ہجرت حبشہ) نقل کی ہے اور بیہمی نے اس کو مجمع الزوائد: ۶/ ۳۷۷، ۷/ ۱۷۳، میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: رواه الطبرانی مرسلًا، وفيه ابن لهيعة، ولا يحتمل هذا من ابن لهيعة - مزيد تفصيل کے لئے قاضی عياض کی کتاب الشفاء: ۲/ ۱۰۷، ملاحظہ کیجئے۔ علامہ البانی کا اس کے متعلق ایک رسالہ ہے (نصب المجانيق لنسف قصة الغرائيق) جس میں ان احادیث کا تفصیلی رد موجود ہے۔ اس تفصیل کے بعد اگر کوئی بیہمی کے اس قول پر، جو کہ اس نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ: نور جالهمار جال الصحيح الا ان الطبرانی قال لا علمه الا عن ابن عباس: ۷/ ۲۴۹، مجمع الزوائد - اور شاہ انور کے قول جو کہ اس نے العرف الشذی: ۲۵۱، میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ پر خطا ہو جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کو ہدایت دے۔

وَالْقَاسِيَةَ قُلُوبُهُمْ ۖ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۳۳﴾

اور جن کے دل سخت ہیں ذریعہ آزمائش ٹھہرائے بیشک ظالم پرلے درجے کی مخالفت میں ہیں [5]

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ

اور یہ اس لئے کہ جن لوگوں کو علم عطا ہوا ہے وہ جان لیں کہ وہ (یعنی وحی) تمہارے رب کی طرف سے حق ہے

فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا

تو وہ اُس پر ایمان لائیں اور ان کے دل اللہ کے آگے عاجزی کریں اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اللہ ان کو سیدھے رستے کی

إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۳۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ

طرف ہدایت کرتا ہے۔ اور کافر لوگ ہمیشہ اس سے شک میں رہیں گے یہاں تک کہ

[5] ”ليجعل، الاية“ یہ ”القي“ سے متعلق ہے یعنی شیطانی وسوسے منافقین اور مشرکین کے لئے مزید گمراہی

کا باعث بن جاتے، اور وہ وساوس و شبہات کے تابع ہو کر کفر و عناد پر ڈٹ جاتے ہیں ”الذين فى قلوبهم مرض

“ سے منافقین، ”القاسية قلوبهم“ سے مشرکین مراد ہیں ”وليعلم الذين اوتوا العلم، الاية، فينسخ الله، سے

متعلق ہے، یعنی اہل ایمان کے دلوں سے اللہ تعالیٰ نے شیطانی وسوسوں کا اثر زائل کر کے ان کے دلوں کو یقین سے بہرہ مند

فرمایا، تا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ یہ قرآن شریف اور مسئلہ توحید حق ہے، اور ان کے دلوں میں مزید اطمینان اور انابت

پیدا ہو جائے ”وان الله لهاد“ الاية، جن لوگوں کے دلوں میں انابت اور تلاش حق کا جذبہ موجزن ہے اور وہ شیطانی

وساوس سے متاثر نہیں ہوتے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ صراط مستقیم (راہ توحید) پر ثابت قدم رکھتا ہے اور گمراہی سے ان کی

حفاظت فرماتا ہے آج بھی یہی حال ہے جب کوئی عالم ربانی قرآن سے مسئلہ توحید بیان کرتا اور قرآن کی آیتیں تلاوت

کرتا ہے، تو شیطان سامعین کے دلوں میں طرح طرح کے وساوس اور شبہے ڈالتا ہے اور اللہ تعالیٰ نور آیات سے مومنوں کے

دلوں سے شبہات کی تاریکی دور فرمادیتا ہے۔

مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابٌ يَوْمَ عَقِيمٍ ﴿۱۱۱﴾ ﴿۱۱۰﴾

قیامت ان پر ناگہاں آجائے یا ایک نامبارک دن کا عذاب ان پر آ واقع ہو

الْمَلِكُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ طِيْحُكُمْ بَيْنَهُمْ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

اُس روز بادشاہی اللہ ہی کی ہوگی (اور) وہ ان میں فیصلہ کر دے گا تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

فِي جَنَّةِ النَّعِيمِ ﴿۱۱۲﴾ ﴿۱۱۱﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

وہ نعمت کے باغوں میں ہوں گے۔ اور جو کافر ہوئے اور ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہے اُن کیلئے

عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۱۳﴾ ﴿۱۱۲﴾ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا

ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر مارے گئے یا مر گئے

لَيَرْزُقْنَهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿۱۱۴﴾ ﴿۱۱۳﴾

اُن کو اللہ اچھی روزی دے گا اور بیشک اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے

لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَرْضَوْنَهُ وَإِنَّ اللَّهَ لَعَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ ﴿۱۱۴﴾

وہ اُن کو ایسے مقام میں داخل کرے گا جسے وہ پسند کریں گے اور اللہ تو جاننے والا (اور) بردبار ہے

ذَٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللَّهُ

یہ (بات اللہ کے ہاں ٹھہر چکی ہے) اور جو شخص (کسی کو) اتنی ہی ایذا دے جتنی ایذا اس کو دی گئی پھر اس شخص پر زیادتی کی جائے

إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ ﴿۱۱۶﴾ ﴿۱۱۵﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهْرِ

تو اللہ اس کی مدد کرے گا بیشک اللہ معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ رات کو دن میں داخل کرتا ہے

وَيُولِجُ النَّهْرَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۱۱۷﴾ ﴿۱۱۶﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ

اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اللہ تو سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ ہی برحق ہے

الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ

اور جس چیز کو (کافر) اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ باطل ہے اور اس لئے کہ اللہ رفیع الشان اور سب سے بڑا ہے

﴿۴۳﴾ لَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَتُصْبِحُ الْأَرْضُ مُخْضَرَّةً

کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ آسمان سے مینہ برساتا ہے تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے

إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۴۳﴾ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَإِنَّ اللَّهَ

بیشک اللہ باریک بین اور خبردار ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اسی کا ہے

لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۴۴﴾ لَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا

اور بیشک اللہ بے نیاز اور قابل ستائش ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ جتنی چیزیں زمین میں ہیں (سب) اللہ نے تمہارے زیر فرمان کر رکھی ہیں

فِي الْأَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ

اور کشتیاں (بھی) جو اسی کے حکم سے دریا میں چلتی ہیں

وَيُمسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ

اور وہ آسمان کو تھامے رہتا ہے کہ زمین پر (نہ) گر پڑے

إِلَّا بِإِذْنِهِ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۴۵﴾ وَهُوَ الَّذِي

مگر اُس کے حکم سے، بیشک اللہ لوگوں پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے اور وہی تو ہے

أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ ﴿۴۴﴾

جس نے تمہیں حیات بخشی پھر تمہیں مارتا ہے پھر تمہیں زندہ بھی کرے گا اور انسان تو بڑا ناشکرا ہے

لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَكَ فِي الْأَمْرِ

ہم نے ہر ایک امت کیلئے ایک شریعت مقرر کر دی ہے جس پر وہ چلتے ہیں تو یہ لوگ تم سے اس امر میں جھگڑانہ کریں

وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ ﴿۴۷﴾ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلْ

اور تم (لوگوں کو) اپنے رب کی طرف بلاؤ بیشک تم سیدھے رستے پر ہو۔ اور اگر یہ تم سے جھڑا کریں تو کہہ دو

اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۴۸﴾ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ

کہ جو عمل تم کرتے ہو اللہ اُن سے خوب واقف ہے۔ جن باتوں میں تم اختلاف کرتے ہو اللہ تم میں قیامت کے روز

فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۴۹﴾ لَمْ تَعْلَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

اُن کا فیصلہ کر دے گا۔ کیا تم نہیں جانتے کہ جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے اللہ اُس کو جانتا ہے

إِنَّ ذَلِكَ فِي كِتَابٍ ﴿۵۰﴾ إِنْ ذَلِكَ عَلَىٰ اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۵۱﴾

یہ (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے بیشک یہ سب اللہ کو آسان ہے

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا

اور (یہ لوگ) اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی اُس نے کوئی سند نازل نہیں فرمائی

وَمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهِ عِلْمٌ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَّصِيرٍ ﴿۵۲﴾ وَإِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِمْ

اور نہ اُن کے پاس اس کی کوئی دلیل ہے اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں ہوگا۔ اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھائی جائیں

آيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ تَعْرِفُ فِي وُجُوهِ الَّذِينَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُونَ يَسْطُونَ

جو کہ واضح ہے تو تو تم مکروں کے چہروں میں ناراضگی دیکھو گے قریب ہوتے ہیں

بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا قُلْ أَفَأَنْبِئُكُمْ بِشَرِّ مِّنْ ذَلِكَُمْ ۗ

کہ جو لوگ اُن کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اُن پر حملہ کر دیں۔ کہہ دو کہ میں تم کو اس سے بھی بُری چیز بتاؤں؟

النَّارُ ۗ وَعَدَهَا اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۵۳﴾

وہ دوزخ کی آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاستَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَنْ يَخْلُقُوا ذُبَابًا وَلَوْ اجْتَمَعُوا لَهُ وَإِنْ يَسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَا يَسْتَنْقِذُوهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ ﴿٦﴾ قَدَرُوا اللَّهَ

تو اُسے اُس سے چھڑا نہیں سکتے طالب اور مطلوب کمزور ہیں۔ [6] ان لوگوں نے اللہ کی قدر

[6] یا ایہا الناس، الخ یہ سورت کے دونوں مضمونوں کے ساتھ متعلق ہے پہلے سے بالذات اور دوسرے سے بالتبع یعنی اللہ کے سوا تم جن خود ساختہ معبودوں کو مصائب میں پکارتے ہو وہ بالکل عاجز ہیں تمہاری مدد کرنا تو درکنار وہ اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اور اپنے نفع نقصان کے مالک بھی نہیں لہذا وہ نذر و نیاز کا استحقاق بھی نہیں رکھتے اس طرح اس سے شرک اعتقادی اور شرک فعلی دونوں کی نفی ہوگئی، ابتدائے سورت سے یہاں تک مسئلہ توحید کے اثبات اور اعتقادی اور عملی شرک کے رد پر دلائل عقلیہ و نقلیہ پیش کئے گئے۔ یہاں معبودان باطلہ کے عاجز و بے بس ہونے اور غیر اللہ کی پکار کے بے سود ہونے کو ایک تمثیل سے واضح کیا گیا ہے یعنی اے مشرکین اللہ کے سوا تم جن خود ساختہ معبودوں کو مصائب و حاجات میں پکارتے ہو وہ تمہاری حاجت بر آری اور داد رسی نہیں کر سکتے۔ وہ بالکل عاجز ہیں حاجت روا اور مشکل کشا تو صرف وہی ہو سکتا ہے جو سب کا خالق و مالک ہے اور تمہارے معبود تو سارے ملکر ایک مکھی پیدا کرنیکی قدرت بھی نہیں رکھتے مکھی کو پیدا کرنا تو درکنار اگر ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں سے مکھی کچھ تھوڑا سا اپنے منہ میں ڈال کر لے اڑے تو وہ اس کے منہ سے چھڑانے کی طاقت بھی نہیں رکھتے تو جو معبود اس قدر عاجز اور بے بس ہوں انکی عبادت کرنا۔ ان کو کارساز سمجھ کر مصائب میں پکارنا اور ان کی رضا جوئی کے لیے نذریں دینا نہایت ہی بے عقلی کی بات ہے۔ ضَعُفَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ. طالب یعنی غیر اللہ کو پکارنے والا اور (مطلوب) یعنی معبود باطل دونوں کمزور ثابت ہوئے طالب اس طرح کہ اس نے غیر محل سے حاجت مانگی اور مطلوب اس طرح کہ اپنے پیجاری کو کچھ نہ دے سکا۔ الطالب عابد غیر =

حَقَّ قَدْرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۱﴾ اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ

جیسی کرنی چاہیے تھی نہیں کی کچھ شک نہیں کہ اللہ زبردست اور غالب ہے۔ اللہ فرشتوں میں سے پیغام پہنچانے والے

رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۲﴾

منتخب کر لیتا ہے اور انسانوں میں سے بھی، بیشک اللہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے

= اللہ تعالیٰ والمطلوب الالهة (روح ج: ۱۷ ص: ۲۰۲)

اس آیت سے اولیاء اللہ کو حاجات و مشکلات میں پکارنے کی ممانعت ثابت ہوتی ہے بعض جہلا کا خیال ہے کہ اولیاء اللہ حاجت روائی کرتے ہیں اسلئے وہ ان کی نذریں دیتے ہیں وہ انکو قبروں میں متصرف و مختار سمجھتے ہیں اور بعض کا خیال ہے کہ وہ مختلف شکلوں میں، متشکل ہو کر قبروں سے باہر نکل آتے ہیں اور انکی مدد کرتے ہیں: (ان الذین تدعون من دون الله لن يخلقوا ذبابا) اشارة الى ذم الغالين في اولياء الله تعالى حيث يستغيثون بهم في الشدة غافلين عن الله تعالى وينذرون لهم النذور والعقلاء منهم، قبورهم.... والعلماء منهم يحضرون التصرف في القبور في اربعة او خمسة و اذا طولبو ابالدليل قالوا ثبت ذلك بالكشف قاتلهم الله تعالى ما اجهلهم واكثر افتراءهم ومنهم من يزعم انهم يخرجون من القبور ويتشکلون باشكال مختلفة. و كل ذلك باطل لا اصل له في الكتاب والسنة و كلام سلف الامة وقد افسد هؤلاء على الناس دينهم الخ (روح ج: ۱۷ ص: ۱۱۲، ۱۱۳)

ما قدر و اللہ، الایة ان ظالموں نے اللہ کی قدر نہ پہچانی اس جی و قیوم اور قادر و متصرف کے علاوہ ایسے عاجز معبودوں کو پکارنے لگے جو ان کے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے نہ ان میں حاجات پورے کرنے اور مصیبتیں دور کرنے کی طاقت ہے وہ تو ایک مکھی سے بھی عاجز ہیں: ما قدر و اللہ حق قدرہ حیث اشركوا به شیئا لا یقاوم اضعف مخلوقاته (جامع البیان: ۲۹۹۷)۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿٤٤﴾

جو ان کے آگے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے وہ اُس سے واقف ہے اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ

مومنو! رکوع کرتے اور سجدے کرتے اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہو

لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۗ هُوَ اجْتَبَكُمْ

اور نیک کام کرو تاکہ فلاح پاؤ۔ [7] اور اللہ (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے، اُس نے تمہیں برگزیدہ کیا ہے

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۗ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۗ

اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا)

هُوَ سَمَّكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا

اُس نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد کرو)

لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ

تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلے میں شاہد ہو

فَأَقِمْوَا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ

اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ (کے دین کی رسی) کو پکڑے رہو

هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٨﴾

وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے .

[7] اس دوسرے سجدے کے بارے میں دو قول ہیں بعض کا قول یہ ہے کہ اس سورۃ میں ایک ہی سجدہ ہے لیکن امام احمد اور

امام ترمذی، امام ابوداؤد وغیرہ کی روایتوں میں خود صاحب وحی سے اس سورۃ میں دو سجدے ہونے کی صراحت نقل ہے۔ اس میں مشہور روایت عقبہ بن عامرؓ کی ہے جو کہ امام ترمذی نے رقم: ۵۷۸، اور ابوداؤد رقم: ۱۴۰۲، مسند احمد: ۵۹۳/۲۸، میں ذکر کیا ہے کہ ”قال ابو مصعب المعافری سمعت عقبہ بن عامر یقول قلت یا رسول اللہ، افضلت سورۃ الحج علی سائر القرآن بسجدتین؟ قال نعم فمن لم یسجدہما فلا یقرأہما۔ امام ترمذی اس حدیث کے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: یہ حدیث قوی نہیں اس لئے کہ اس میں ابن لہیعہ ہے۔ ابن کثیر وغیرہ اس سے جواب دیتے ہیں، کہ امام کا یہ قول قابل غور ہے، اس لئے کہ ابن لہیعہ نے اپنی سماعت کی اس میں تصریح کر دی ہے، اور ان پر بڑی جرح تذلیم ہے جو کہ اس سے اٹھ جاتی ہے، جبکہ امام حاکم مستدرک: ۱۴۹/۳، میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس اعتراض سے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ هذا حدیث لم نکتبہ مسند الامن هذا الوجه، و عبد اللہ ابن لہیعہ ابن عقبہ الحضرمی احد الائمة، انما نقم علیہ اختلاطہ فی اخر عمرہ، وقد صحت الروایة فیہ من قول عمر بن الخطابؓ، و عبد اللہ بن عباس، و عبد اللہ بن مسعود، و ابی موسیٰ، و ابی الدرداء، و عمار، و رضوان اللہ عنہم اجمعین۔

امام حاکم کی قول سے یہ معلوم ہوا کہ اس روایت کو مذکورہ روایات تقویت دیتے ہیں، اور ابن عبد البر التہجد: ۱۳۱/۱۹، میں لکھتے ہیں کہ عقبہ بن عامر والی روایت عمر وغیرہ کی قول کی تاکید کرتی ہے (قال و ہذا توکید لقول عمر، و ابن عمر، و ابن عباسؓ، لانہم قالوا افضلت سورۃ الحج بسجدتین۔ اب ہم ان شواہد کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں:

۱: پہلی روایت عمرو بن العاصؓ کی ہے جو کہ ابن ماجہ نے نقل کیا ہے کہ: ان رسول اللہ ﷺ اقرأہ خمس عشرۃ سجدة فی القرآن منها ثلاث فی المفصل و فی الحج سجدة تین۔ ۵۲۲/۱، ابوداؤد کتاب الصلاة [۳۲۸] باب تفریع ابواب السجود باب کم سجدة فی القرآن رقم: ۱۴۰۱، یعنی عمرو بن العاصؓ کو رسول اللہ ﷺ نے پورے قرآن میں پندرہ سجدے پڑھائیں، تین مفصلات میں، دوسورت حج میں۔

۲: روایت عمر بن الخطابؓ جو کہ مالکؓ نے موطأ: ۲۰۵/۱، باب ماجاء فی سجود القرآن اور امام شافعیؒ نے ”الام“: ۱۳۷/۱، اور بیہقی نے سنن الکبریٰ: ۳۱۷/۲، میں اور ابن ابی شیبہ نے: ۱۱/۲، میں مختلف اسانید سے نقل کیا ہے کہ ان عمر بن الخطابؓ قرأ سورۃ الحج فسجد فیہا سجدة تین ثم قال: ان هذه السورۃ افضلت بسجدتین۔

۳: ابو داؤد نے مر اسیل: ص: ۷۸، میں خالد بن معدان سے نقل کیا ہے کہ: ان رسول اللہ ﷺ قال فضلت سورة الحج بسجدين -

۴: روایت عبد اللہ بن عمرؓ کہ: عن عبد اللہ بن دینار انه قال رأیت عبد اللہ بن عمرؓ يسجد في سورة الحج سجدين: الموطأ: ۲۰۶/۱، الأم: ۲۶۷/۷، سنن البيهقي: ۳۱۷/۲، مستدرک للحاکم: ۱۵۰/۳۔

۵: روایت علی بن ابی طالبؓ: عن علی بن ابی طالبؓ انه سجد في الحج سجدين: ابن ابی شیبہ: ۱۱/۲، المحلی لابن حزم: ۵/۵۔

۶: روایت ابن عباسؓ: عن ابن عباسؓ قال في سورة الحج سجدتان: .: مستدرک: ۱۵۰/۳، ابن ابی شیبہ: ۱۱/۲۔

۷: روایت ابی الدرداء: عن عبد الرحمن بن جبیر قال رأیت ابا الدرداء سجد في الحج سجدين: مستدرک: ۱۵۱/۵، ابن ابی شیبہ: ۱۱/۲، المحلی: ۵/۵۔

۸: روایت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ: انه سجد في الحج سجدين: ابن ابی شیبہ: ۱۱/۲، المحلی: ۵/۵۔

۹، ۱۰: روایت ابن مسعود و عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما انہما کانا یسجدان فی الحج سجدين: مستدرک: ۱۵۰/۳۔

۱۱: روایت ابی موسیٰؓ، عن صفوان بن محرز ان ابا موسیٰؓ سجد في سورة الحج سجدين، وانه قرأ السجدة التي في آخر سورة الحج فسجد وسجدنا معه: مستدرک: ۱۵۰/۳، المحلی: ۵/۵۔

اب تفسیر مواہب الرحمان والے کو جو وہم ہوا ہے وہ دفع ہوا، لکھتا ہے، امام شافعی و احمد و اسحاق نے کہا کہ یہاں سجدہ تلاوت بھی مسنون ہے، خطیب نے کہا کہ یہی قول عمرؓ، علیؓ، ابن عمرؓ، ابن مسعودؓ، ابن عباسؓ کا ہے۔ ابن کثیر نے کہا: کہ اماموں نے سورت حج کے اس دوسرے سجدے میں اختلاف کیا ہے کہ مشروع ہے یا نہیں؟ اور ہم نے سابق میں حدیث عقبہ بن عامر کی، نبی ﷺ سے ذکر کر دی کہ میں نے کہا یا رسول اللہ سورت حج کو دو سجدوں سے فضیلت دی گئی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں، اور جو کوئی ان میں سجدہ نہ کرے تو وہ ان دونوں کو نہ پڑھے، خطیب نے کہا کہ بیضاوی نے جو اس حدیث یعنی عقبہ بن عامر سے جو اوپر مذکور ہوئی استدلال کیا تو یہ استدلال ضعیف ہے کیونکہ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا اور اس کو ضعیف کیا ہے۔ مترجم کہتا ہے کہ ابن کثیر نے ترمذی کے ضعیف کرنے کو نہ مانا، اور اس کو منظور فیہ قرار دیا، اور مترجم نے

وہیں لکھ دیا ہے کہ امام مخرج کا تضعیف کرنا ضرور مقبول ہونا چاہئے الا آنکہ دوسری اسناد صحیح موجود ہو، ورنہ امام مخرج حدیث بنسبت دوسروں کے اس حدیث کے علل سے زیادہ واقف ہے۔ واللہ اعلم۔

فائدہ: سجدہ تلاوت کو جاتے اور سر اٹھاتے وقت اللہ اکبر کہنا ثابت ہے۔ جیسا کہ ابو عبد الرحمن السلمی سے منقول ہے (جو کہ ہماری قرآن کریم کی سند کا مرکزی راوی ہیں) ابن ابی شیبہ اس سے نقل کرتا ہے کہ: انہ کان یقرأ السجدة وهو یمشی فیکبر ویؤمنی حیث کان وجہہ، ویکبر اذا رفع۔

جبکہ حسن بصریؒ سے بھی نقل کیا ہے کہ: اذا قرأ الرجل السجدة فلیکبر اذا رفع رأسه واذ اسجد: ابن ابی شیبہ: ۳/۳۸۳۔ یہ دونوں اگرچہ عظیم الشان علماء ہیں لیکن ان کا قول بغیر مستند کے قابل قبول نہیں ہوتا، اب ہم ان کے بعض مستندات ذکر کرتے ہیں تاکہ کسی کا شک باقی نہ رہے۔

پہلی مستندان کا یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام جب اکٹھے آیت سجدہ سنتے تو جماعت کے ساتھ قاری امام ہو کر سجدے کرتے، اور یہ لازم ہے کہ امام سجدہ کو جاتے اور اٹھتے وقت اللہ اکبر کہے، ابن ابی شیبہ نے قوادۃ سے نقل کیا ہے:

فی المرأة تقرأ السجدة ومعها رجال اور رجل قال یسجدون قبلها ولا یأتمون بها: ۳/۴۱۷۔

عن مغیرة قال سألت ابراهیم عن المرأة تقرأ السجدة؟ قال هی امامک؟ مصنف ابن ابی

شیبہ: ۳/۴۱۸۔

اس طرح زید بن اسلم سے روایت ہے کہ: ان غلاما قرأ عند النبی ﷺ السجدة، فانتظر الغلام النبی ﷺ ان یسجد، فلما لم یسجد قال یا رسول اللہ الیس فی هذه السورة سجدة؟ قال بلی ولكنک کنت امامنا فیہا فلو سجدت لسجدنا، مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/۴۱۸، فتح الباری: ۲/۵۵۶،

اور عبد اللہ بن مسعودؓ سے بھی منقول ہے کہ عن سلیم بن حنظلہ قال قرأت علی عبد اللہ بن مسعودؓ سورة بنی اسرائیل، فلما بلغت السجدة، قال عبد اللہ اقرأها فانک امامنا فیہا۔ مصنف ابن ابی شیبہ: ۳/۴۱۸، مصنف عبد الرزاق: ۳/۳۲۶، بیہقی: ۲/۳۲۲۔

اور حدیث ابو سعید خدریؓ جو کہ امام ابو داؤد نے: ۱/۵۲۴، میں نقل کی ہے کہ: قرأ رسول اللہ ﷺ وهو علی المنبر ص فلما بلغ السجدة نزل فسجد، وسجد الناس معه، فلما کان یوم آخر قرأها، فلما بلغ السجدة تشزن الناس للسجود، فقال رسول اللہ ﷺ انما ہی توبة نبی ولكنی رأیتکم تشزنتم للسجود؟ فنزل

فسجد وسجدوا۔ یعنی رسول اللہ نے منبر پر سورت ص پڑھی، جب سجدے کی آیت پر پہنچے تو منبر پر سے اترے اور آپ نے سجدہ کیا اور لوگوں نے آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا جب دوسرا دن ہوا پھر آپ نے اس سورت کو پڑھا جب سجدے کی آیت پر پہنچے لوگ سجدے کے لئے تیار ہوئے آپ نے فرمایا: یہ سجدہ ایک پیغمبر کی توبہ تھی مگر اب تم مستعد ہو گئے سجدے کے لئے تو خیر آپ اترے اور سجدہ کیا، اور لوگوں نے بھی آپ ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا۔

اور عبد اللہ بن عمر کی روایت بھی ابوداؤد نے: ۵۲۵/۱، بخاری: رقم: ۵۷۵۱/۱، مسلم: ۴۰۵/۱ باب سجود التلاوة میں نقل کیا ہے کہ: قال كان رسول الله ﷺ يقرأ علينا القرآن فاذا امر بالسجدة كبر وسجد وسجدنا معه۔ یعنی رسول اللہ ﷺ ہم کو قرآن سنایا کرتے تھے جب سجدے کی آیت پڑھتے تو تکبیر کہہ کر سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے۔

ابن عمر کی ایک روایت ابوداؤد نے: ۳۰۶/۱، میں بھی نقل کیا ہے کہ ان النبی ﷺ سجد فی صلاة الظهر ثم قام فرکع فرأینا انه قرأ تنزیل السجدة۔ یعنی ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ظہر کی نماز میں سجدہ کیا پھر کھڑے ہوئے اور رکوع کیا ہم نے جانا کہ آپ نے آلم تنزیل السجدة پڑھی ہے۔ اس پر جو اعتراض ہے کہ یہ روایت منقطع ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایک تو مانع نہیں اس سے کہ ظہر یا عصر میں آیات السجدات پڑھی جائے، کیونکہ حکم قرأت عام ہے اور اس میں تخصیص نہیں۔

دوسری یہ کہ اس حدیث کی مرفوع اور متوف شواہد ہیں، مسند ابی یعلیٰ: ۲۳۳/۳، میں براء بن عازب سے روایت ہے کہ سجدنا مع رسول الله ﷺ فی الظهر، فظننا انه قرأ تنزیل السجدة۔ جبکہ مصنف عبدالرزاق: ۱۰۵/۲، میں اور مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۵۶/۱، میں ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ کان اصحاب رسول الله ﷺ مقوه فی الظهر فحزروا قرأته فی الركعة الاولى من الظهر بتنزیل السجدة۔

ایک روایت ابن زبیر سے بھی ابن ابی شیبہ: ۴۲۵/۳، میں نقل ہے کہ عن بكر قال اخبرني من رأى ابن زبیر فی حائط من حیطان مكة، قال فصلی العصر او الظهر، قال فسجد، فقال رجل انك صليت خمس ركعات، فقال انی قرأت سورة فیها سجدة۔

اسی طرح ابن مسعود سے بھی روایت نقل کی ہے کہ: عن انس بن سيرين ان ابن مسعود قرأ فی الظهر

الم تنزیل السجدة، وفي الاخری بسورة من المثانی، ابن ابی شیبہ: ۴۲۵/۳۔

سورة مومنون (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَشِعُونَ ﴿۲﴾

بیشک ایمان والے رستگار ہو گئے۔ جو نماز میں عجز و خشوع کرتے ہیں۔ (۱)

= امام نسائی نے ابو ہریرہؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: ثلاث كان رسول الله ﷺ يعمل بهن تركهن الناس، كان يرفع يديه في الصلاة مداً، ويسكت هنيئاً، ويكبر اذا سجدوا واذ رفع - ابو هريرهؓ نے فرمایا کہ: تین امور رسول اللہ ﷺ کرتے تھے، وہ لوگوں نے چھوڑ دیا ہے۔ آپ ﷺ نماز میں اپنے دونوں ہاتھ بڑھا کر اٹھاتے، پھر تھوڑی دیر چھپ رہتے، اور جب آپ ﷺ سجدہ کرتے تو تکبیر فرماتے اور سجدے سے سر اٹھاتے وقت بھی تکبیر فرماتے۔ کتاب الافتتاح، باب رفع الیدین مداً، رقم: ۸۸۳۔ جبکہ ایک مشہور اور عام روایت میں ہے کہ: ان باہریرہؓ کان یصلی بہم فیکبر کلماً خفص و رفع فاذا انصرف قال انی لاشہکم صلاۃ برسول اللہ ﷺ۔ یعنی ابو ہریرہؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے، تو ہر جھکتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہتے، اور جب نماز پڑھ چکے تو کہتے میری نماز بہت مشابہ ہے رسول اللہ ﷺ کی نماز سے۔ بہ نسبت تمہاری نماز۔ یہ روایت متفق علیہ ہے بخاری نے کتاب الاذان، باب اتمام التکبیر فی الرکوع اور مسلم نے کتاب الصلاة، باب اثبات التکبیر فی کل خفص و رفع میں نقل کیا ہے۔ وقال ابن قدامة فی المغنی: ۳۵۹/۲، وجملۃ ذلک انہ اذا سجد للتلاوة فعلیہ التکبیر للسجود والرفع منه، سواء کان فی صلاۃ او فی غیرہا، وبہ قال ابن سیرین والحسن وابوقلابہ والنخعی ومسلم بن یسار وابوعبدالرحمن السلمی والشافعی وابواسحاق واصحاب الرأی۔

(۱) نسائی نے سنن کبری: ۱۱۳۵۰، میں یزید بن باعوس سے نقل کیا ہے کہ: قلنا لعائشةؓ یام المؤمنین کیف کان

خلق رسول اللہ ﷺ؟ قالت کان خلق رسول اللہ ﷺ القرآن، وقرأت هذه الايات (الی آية: ۹) قالت

ہکذا کان خلق رسول اللہ ﷺ۔ یعنی انہوں نے عائشہؓ سے سوال کیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خلق کیسا اور کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا آپ کا خلق وہ تھی جو قرآن میں ہے، اس کے بعد یہ نو (۹)، آیتیں تلاوت کر کے فرمایا: کہ بس یہی خلق و عادت تھی رسول اللہ ﷺ کی۔

نسائی سنن کبریٰ: ۱۴۳۹، ترمذی: ۳۰۹۷، مسند احمد، ۳۴/۱، میں مروی ہے کہ رسول اللہ پر جب وحی اترتی، تو ایک ایسی بیٹھی بیٹھی بھینی بھینی ہلکی ہلکی سی آواز آپ کے پاس سنی جاتی، جیسے شہد کی مکھیوں کے اڑنے کی جھنجھناہٹ کی ہوتی ہے۔ ایک مرتبہ یہی حالت طاری ہوئی تو ڈری دیر کے بعد جب وحی اتر چکی تو آپ نے قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر یہ دعا پڑھی: کہ: اللہم زدنا ولا تنقصنا واکرمنا ولا تهنا واعطنا ولا تحرمنا واثربنا ولا توترنا علینا وارض عنا وارضنا۔ یعنی یا اللہ تو ہمیں زیادہ کر، کم نہ کر، ہمارا اکرام کر، اہانت نہ کر، ہمیں انعام عطا فرما، محروم نہ رکھ، ہمیں دوسروں پر اختیار کر لے، ہم پر دوسروں کو پسند نہ فرما، ہم سے تو خوش ہو جا، اور ہمیں خوش کر دے۔ پھر فرمایا مجھ پر دس آیتیں اتری ہیں جو ان پر جم گیا، وہ جنتی ہو گیا، پھر آپ نے مندرجہ ذیل دس آیتیں تلاوت فرمائیں۔

ابن کثیر لکھتا ہے ان آیتوں کی تفسیر میں کہ مومن مراد کو پہنچ گئے وہ سعادت پا گئے انہوں نے نجات پالی، ان مومنوں کی شان یہ ہے کہ وہ اپنی نمازوں میں خوف الہی رکھتے ہیں خشوع اور سکون کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں دل حاضر رکھتے ہیں، نگاہیں نیچی ہوتی ہیں، پھر ابن سیرین سے نقل کرتا ہے کہ صحابہ کرام اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے تھے لیکن اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان کی نگاہیں نیچی ہو گئیں۔ سجدے کی جگہ سے اپنے نگاہیں نہیں ہٹاتے تھے۔

عبداللہ بن عباسؓ کی جو اصل تفسیر ہے جو کہ صحیفۃ علی بن ابی طلحہ فی تفسیر القرآن الکریم سے مشہور ہے، اس میں لکھتا ہے کہ ”خاشعون“ کا معنی ہے ”خائفون ساکنون“ اور یہی تفسیر ابن عباسؓ سے، ابن جریر، ابن کثیر، ابن ابی حاتم اور درمنثور وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ بعض لوگ یہاں پر ابن عباسؓ کا وہ قول نقل کرتے ہیں جو کہ تنویر المقباس من تفسیر ابن عباسؓ میں ہے کہ ”خاشعون“ کا معنی یہ ہے محبتوں متواضعون لایلتفتون یمینا ولا شمالا، ولا یرفعون ایدیہم فی الصلاة۔ اور اس سے عدم رفع الیدین کے لئے استدلال کرتے ہیں، تو ہم ان کو جواب میں کہتے ہیں کہ سورت کی تفسیر کو شروع کرنے سے پہلے اس کتاب میں ہے کہ: وباسنادہ عن ابن عباسؓ الخ۔ جبکہ ہم یہ سند اس کتاب کے اول میں دیکھتے ہیں تو وہ کچھ اس طرح ہے: اخبرنا عبداللہ الشقیق ابن المأمور

الہروی قال اخبرنا ابی قال اخبرنا ابو عبد اللہ قال اخبرنا ابو عبيد اللہ محمود بن محمد الرازی، قال اخبرنا عمار بن عبد المجید الہروی قال اخبرنا علی بن اسحاق السمرقندی عن محمد بن مروان عن الكلبي عن ابی صالح عن ابن عباسؓ۔ یاد رہے کہ یہ کتاب جو کہ تفسیر ابن عباسؓ سے مشہور ہے، اس کا اصل نام ترویہ المقباس ہے، یہ فیروز آبادی کا تصنیف ہے (صاحب القاموس) اور یہ ۸۱ھ میں فوت ہو چکا ہے، صاحب کتاب اور عبد اللہ بن عباسؓ کے درمیان کافی زمانہ گزر گیا ہے، اور مصنف نے کتاب میں ابن عباس تک سند ذکر کر کے اپنا ذمہ فارغ کر دیا ہے، ہم اوروں کے علاوہ ان تینوں کے متعلق ذکر کرتے ہیں جو کہ سند کے آخر میں ہیں اور مشہور و معروف ضعیف اور کذاب ہیں، عبد اللہ بن عباسؓ سے جو نقل کرنے والا ہے (یعنی ابوصالح) یہ ابوصالح بازام سے مشہور ہے، امام ذہبی سیر اعلام النبلاء: ۳/۵۷۲، میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ: ليس بثقة .

اور اس کا جو شاگرد ہے، کلبی اس کا نام محمد بن السائب ہے، امام ذہبی: ۲/۲۳۸، میں اس کے متعلق فرماتا ہے

شيعي متروك الحديث ،

اور اس کا شاگرد محمد بن مروان الکوفی ہے یہ السدی الصغیر صاحب الكلبي سے مشہور ہے، اور ابن عدی الکامل: ۵۱۲/۷، میں اس کے متعلق متروک الحدیث لکھتا ہے۔ جبکہ ابن حبان کتاب الجرح و عین: ۲/۲۵۴، میں اس تفسیر کے

متعلق لکھتا ہے کہ: سمعت محمد بن يحيى السجستاني يقول: سمعت محمد بن الفضل يقول: سمعت احمد بن هارون، يقول، سألت احمد بن حنبل عن تفسير الكلبي؟ فقال كذب، قلت يحل النظر فيه؟ قال، لا۔ پھر صفحہ: ۲۵۵، میں لکھتا ہے الكلبي، يروي عن ابی صالح عن ابن عباسؓ التفسير، و ابو صالح لم ير ابن عباسؓ ولا سمع منه شيئا، ولا سمع الكلبي من ابی صالح الا الحرف بعد الحرف، فجعل لما احتيج اليه تخرج له الارض افلاذ كبدها، لا يحل ذكره في الكتب، فكيف الاحتجاج به، الخ۔ جبکہ کلبی بن سعید قحطان سے: ۲/۲۵۵، میں نقل کرتا ہے: عن سفيان قال قال لي الكلبي، قال لي ابو صالح كلما حدثتک فهو كذب ، اور ۲/۲۵۴، میں بروایت ابوعاصم نقل کرتا ہے کہ قال ، قال لي الكلبي ما سمعته مني عن ابی صالح عن ابن عباسؓ فهو كذب۔

اور بروایت کلبی بن یعلیٰ کلبی کا ایک واقعہ نقل کرتا ہے کہ: قال قال لي زائدة، اما الكلبي فقد كنت

اختلف اليه فسمعته يوما يقول مرضت مرضة فسيت ما كنت احفظ، فاتيت آل محمد=

وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿۳۴﴾

اور جو بیہودہ باتوں سے منہ موڑے رہتے ہیں۔ اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں

وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۳۵﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ

اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیویوں یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے)

أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۳۶﴾ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ

مباشرت کرنے سے انہیں ملامت نہیں۔ اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿۳۷﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿۳۸﴾

وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے) نکل جانے والے ہیں۔ اور جو امانتوں اور اقراروں کو ملحوظ رکھتے ہیں

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۳۹﴾ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿۴۰﴾

اور جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں۔ یہی لوگ میراث حاصل کرنے والے ہیں

= فَتَفَلَّوْا فِي فِي، فحفظت ماكنت نسبت، فقلت، لا والله لا اروي عنك

بعد هذا ابد اشياء فتركته ۲۵۳/۲، میں اس کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ عبداللہ بن سبا کے اتباع میں سے تھا، اور ان کا عقیدہ

یہ تھا کہ: اولئك الذين يقولون ان عليا لم يموت، وانه راجع الى الدنيا قبل قيام الساعة، فيملؤ

ها عدلا كما ملئت جوراً، وان رأوا سحابة قالوا امير المؤمنين فيها.

اور ابو عوانہ سے مذکورہ صفحہ میں نقل کرتا ہے کہ، سمعت الكلبي يقول كان جبرئيل يملئ الوحي على

النبي ﷺ فلما دخل النبي ﷺ الخلاء جعل يملئ على علي، تو حاصل کلام یہ ہے کہ یہ کتاب ناقابل اعتبار ہے

اور اس کا مطالعہ اور اس سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱﴾ ۱۱ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ

(یعنی) جو بہشت کی میراث حاصل کریں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ہم نے انسان کو مٹی

مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ طِينٍ ﴿۱۲﴾ ۱۲ ﴿مَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ﴿۱۳﴾ ۱۳ ﴿

کے خلاصے سے پیدا کیا۔ پھر اس کو ایک مضبوط (اور محفوظ) جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا

پھر نطفے کا لوتھڑا بنایا پھر لوتھڑے کی بوٹی بنائی پھر بوٹی کی ہڈیاں بنائیں

فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنْشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ

پھر ہڈیوں پر گوشت (پوست) چڑھایا پھر اس کو نئی صورت میں بنا دیا تو اللہ جو سب سے بہتر بنانے والا ہے

الْخَالِقِينَ ﴿۱۴﴾ ۱۴ ﴿مَّ إِنَّكُمْ بَعْدَ ذَلِكَ لَمَيِّتُونَ ﴿۱۵﴾ ۱۵ ﴿مَّ إِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُبْعَثُونَ

باہرکت ہے۔ پھر اس کے بعد تم مر جاتے ہو۔ پھر قیامت کے دن اٹھا کھڑے کئے جاؤ گے

﴿۱۶﴾ ۱۶ ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ ۚ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِينَ ﴿۱۷﴾ ۱۷ ﴿

اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان پیدا کئے اور ہم خلقت سے غافل نہیں ہیں

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۚ بِقَدْرٍ ۚ فَاسْكُنْهُ فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ

اور ہم ہی نے آسمان سے ایک اندازے کے ساتھ پانی نازل کیا پھر اس کو زمین میں ٹھہرا دیا اور ہم اس کے نابود کر دینے پر

لَقَادِرُونَ ﴿۱۸﴾ ۱۸ ﴿إِنَّا أَنشَأْنَا لَكُمْ بِهِ جَنَّتٍ مِّنْ نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ ۚ

بھی قادر ہیں۔ پھر ہم نے اس سے تمہارے لئے کھجوروں کے باغ بنائے ان میں تمہارے لئے بہت سے میوے پیدا

لَكُمْ فِيهَا فَاوَاكِهِ كَثِيرَةٌ ۚ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۱۹﴾ ۱۹ ﴿وَشَجَرَةً

ہوتے ہیں اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔ اور وہ درخت بھی (ہم ہی نے پیدا کیا)

تَخْرُجُ مِنْ طُورِ سَيْنَاءَ تَنْبُتٌ بِالذُّهْنِ وَصَبْغٌ لِلْأَكْلِينَ ﴿٢٠﴾

جو طور سینا میں پیدا ہوتا ہے (یعنی زیتون کا درخت کہ) کھانے والوں کے لئے روغن اور سالن لئے ہوتے آگتے ہے

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسُقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهَا

اور تمہارے چار پائیوں میں عبرت (اور نشانی) ہے کہ جو ان کے پیٹوں میں ہے اس سے ہم تمہیں (دودھ) پلاتے ہیں

وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ

اور تمہارے لئے ان میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور بعض کو تم کھاتے بھی ہو۔ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو

﴿٢٢﴾ وَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان سے کہا کہ اے قوم! اللہ ہی کی عبادت کرو

مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَائِكَةُ الَّذِينَ كَفَرُوا

اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں کیا تم ڈرتے نہیں؟۔ تو ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے

مِنْ قَوْمِهِ مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَنْ يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ

یہ تو تم ہی جیسا آدمی ہے تم پر بڑائی حاصل کرنا چاہتا ہے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے اتار دیتا

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً مَّا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأُولِينَ ﴿٢٤﴾

ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو یہ بات کبھی نہیں سنی تھی

إِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ بِهِ جَنَّةٌ فْتَرَبَّصُوا بِهِ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٢٥﴾ فَقَالَ

اس آدمی کو تو دیوانگی (کا عارضہ) ہے تو اس کے بارے میں کچھ مدت انتظار کرو۔ نوح نے کہا کہ پروردگار!

رَبِّ انصُرْنِي بِمَا كَذَّبُونَ ﴿٢٦﴾ فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنْ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا

انہوں نے مجھے جھٹلایا ہے تو میری مدد کر۔ پھر ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے

وَوَحِينَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ

اور ہمارے حکم سے کشتی بناؤ پھر جب ہمارا حکم آ پہنچے اور تنور جوش مارنے لگے

فَأَسْلُكُ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا

تو سب (قسم کے حیوانات) میں سے جوڑا جوڑا دو دو کشتی میں بٹھا دو اور اپنے گھر والوں کو بھی

مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ

سوا ان کے جن کی نسبت ان میں سے حکم پہلے صادر ہو چکا ہے اور ظالموں کے بارے میں ہم سے کچھ نہ کہنا وہ ضرور ڈوب دیئے جائیں گے

﴿۲۷﴾ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلِكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ

اور جب تم اور تمہارے ساتھی کشتی میں بیٹھ جاؤ تو (اللہ کا شکر کرنا اور) کہنا کہ سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار) ہے

الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَبِّ انزِلْنِي مُنزَلًا مُبَارَكًا

جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے نجات بخشی۔ اور کہہ اے میرے رب مجھے برکت کے ساتھ اتار

وَأَنْتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿۲۹﴾ ﴿۳۰﴾ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ وَإِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِينَ ﴿۳۱﴾

اور تو بہتر اتارنے والا ہے۔ بیشک اس (قصے) میں نشانیاں ہیں اور ہمیں تو آزمائش کرنی تھی

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿۳۲﴾ فَأَرْسَلْنَا فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ

پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور جماعت پیدا کی۔ اور انہی میں سے ان میں ایک پیغمبر بھیجا (جس نے ان سے کہا)

أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۳۳﴾ قَالَ الْمَلَأُ

کہ اللہ ہی کی عبادت کرو (کہ) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تو کیا تم ڈرتے نہیں؟۔ تو ان کی قوم کے سردار

مِنْ قَوْمِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِلِقَاءِ الْآخِرَةِ وَأَتَرَفْتُهُمْ فِي الْحَيَاةِ

جو کافر تھے اور آخرت کے آنے کو جھوٹ سمجھتے تھے اور دنیا کی زندگی میں ہم نے ان کو آسودگی دے رکھی تھی

الدُّنْيَا مَا هَذَا إِلَّا بَشْرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا

کہنے لگے کہ یہ تو تمہارے جیسا آدمی ہے جس قسم کا کھانا تم کھاتے ہو اسی طرح کا یہ بھی کھاتا ہے اور پانی جو تم پیتے ہو

تَشْرَبُونَ ﴿۳۳۳﴾ وَالَّذِينَ أَطْعَمْتُمْ بَشْرًا مِّثْلُكُمْ إِنَّكُمْ إِذَا لَخَسِرُونَ ﴿۳۳۴﴾ ﴿۳۳۳﴾

اسی قسم کا یہ بھی پیتا ہے۔ اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے آدمی کا کہا مان لیا تو گھائے میں پڑ گئے

أَيَعِدُّكُمْ أَنْكُمْ إِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَعِظَامًا أَنْكُمْ مُخْرَجُونَ ﴿۳۳۵﴾ ﴿۳۳۵﴾

کیا یہ تم سے یہ کہتا ہے کہ تم مر جاؤ گے اور مٹی ہو جاؤ گے اور استخوان (کے سوا کچھ نہ رہے گا) تو تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے

هِيَ هَاتِ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُونَ ﴿۳۳۶﴾ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے (بہت) بعید اور (بہت) بعید ہے۔ زندگی تو یہی ہماری دنیا کی زندگی ہے

نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ﴿۳۳۷﴾ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ نَفْتَرَىٰ

کہ اسی میں ہم مرتے اور جیتے ہیں اور ہم پھر نہیں اٹھائے جائیں گے۔ یہ تو ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ افتراء

عَلَى اللَّهِ كَذِبًا وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۳۳۸﴾ رَبِّ انصُرْنِي

کیا ہے اور ہم اس کو ماننے والے نہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اے پروردگار! انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے

بِمَا كَذَّبُونَ ﴿۳۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لِيُصْبِحُنَّ نَادِمِينَ ﴿۳۴۰﴾

تو میری مدد کر۔ فرمایا کہ تھوڑے ہی عرصے میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے۔

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنَاهُمْ غُثَاءً فَبَعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۳۴۱﴾

تو ان کو (وعدہ برحق کے مطابق) زور کی آواز نے آن پکڑا تو ہم نے ان کو کوڑا کر ڈالا پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿۳۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجْلَهَا وَمَا

پھر ان کے بعد ہم نے اور جماعتیں پیدا کیں۔ کوئی جماعت اپنے وقت سے نہ آگے جا سکتی ہے اور نہ

يَسْتَاخِرُونَ ﴿۳۳﴾ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرًا كُلَّ مَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ

پیچھے رہ سکتی ہے۔ پھر ہم پے درپے اپنے پیغمبر بھیجتے رہے جب کسی امت کے پاس اس کا پیغمبر آتا تھا تو وہ اسے جھٹلا دیتے

فَاتَّبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ أَحَادِيثَ فَبَعْدًا لِّقَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۴﴾

تھے تو ہم بھی بعض کو بعض کے پیچھے لاتے رہے اور ان کو افسانے بناتے رہے پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر لعنت

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَاخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۳۵﴾

پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیاں اور دلیل ظاہر دے کر بھیجا

اِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَآئِهِ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا عَالِينَ ﴿۳۶﴾

(یعنی) فرعون اور اس کی جماعت کی طرف تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ سرکش لوگ تھے

فَقَالُوا اَنۡؤُمِنُ لِبَشَرٍ مِّثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عِبَدُونَ ﴿۳۷﴾

کہنے لگے کہ کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں پر ایمان لے آئیں اور ان کی قوم کے لوگ ہمارے خدمت گار ہیں

فَكَذَّبُوهُمَا فَكَانُوا مِنَ الْمُهْلَكِينَ ﴿۳۸﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ

تو ان لوگوں نے ان کی تکذیب کی سو (آخر) ہلاک کر دیئے گئے۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی

لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهُ آيَةً وَاَوَيْنَهُمَا اِلَى رَبْوَةٍ

تاکہ وہ لوگ ہدایت پائیں۔ اور مریم کے بیٹے (عیسیٰ) اور ان کی ماں کو (اپنی) نشانی بنایا تھا اور ان کو ایک اونچی جگہ پر

ذٰتِ قَرَارٍ وَّمَعِينٍ ﴿۴۰﴾ بِآيٰهَا الرُّسُلُ كُلُّوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاَعْمَلُوْا

جو رہنے کے لائق تھی اور جہاں (نقرا ہوا) پانی جاری تھا پناہ دی تھی اے پیغمبرو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک عمل

صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿۱۱﴾ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا

کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان سے واقف ہوں۔ [۲] اور یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے

رَبُّكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ قَطَعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبْرًا ط كُلُّ حِزْبٍ

اور میں تم سب کا رب ہوں۔ پس مجھ سے ڈرو۔ پھر انہوں نے اپنے دین کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہر ایک جماعت

بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۱۲﴾ رَزَّهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۱۳﴾

وہ اسی سے خوش ہو رہا ہے۔ تو ان کو ایک مدت تک ان کی غفلت ہی میں رہنے دو

أَيُّحْسِبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَّالٍ وَبَيْنِ ﴿۱۴﴾ سَارِعَ لَهُمْ

کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو دنیا میں ان کو مال اور بیٹوں سے مدد دیتے ہیں۔ (تو اس سے) ان کی بھلائی میں جلدی

فِي الْخَيْرَاتِ بَلْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۵﴾ الَّذِينَ هُمْ مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُشْفِقُونَ

کر رہے ہیں (نہیں) بلکہ سمجھتے ہی نہیں۔ جو لوگ اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے ہیں

[۲] عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ ایہا الناس ان اللہ طیب لا یقبل الاطیبا، وان اللہ امر

المومنین بما امر بہ المرسلین، فقال: (قرأ هذه الآية) وقال: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا

رَزَقْنَاكُمْ (البقرة: ۱۷۲) ثم ذكر الرجل يطيل السفر اشعث اغبر يمد يديه الى السماء، يارب يارب

ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذى بالحرام فاني يستجاب لذلك. مسلم: ۱۰۱۵.

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ پاک چیز کے سوا اور کسی چیز کو قبول

نہیں کرتا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا تھا، اور فرمایا اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام

کرو، میں تمہارے کاموں سے باخبر ہوں، اور فرمایا اے مسلمانو! ہماری دی ہوئی چیزوں سے پاک چیزیں کھاؤ پھر آپ نے

ایسے شخص کا ذکر کیا جو لمبا سفر کرتا ہے اس کے بال غبار آلود ہیں وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہتا ہے یارب یارب! اور اس

کا کھانا پینا حرام ہو اس کا لباس حرام ہو، اس کی غذا حرام ہو، تو اس کی دعا کہاں قبول ہوگی۔

﴿۴۳﴾ الَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۴۴﴾ الَّذِينَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ

اور جو لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کے ساتھ شریک نہیں کرتے

﴿۴۴﴾ الَّذِينَ يُؤْتُونَ مَا آتَوْا وَقُلُوبُهُمْ وَجِلَةٌ أَنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ رَاجِعُونَ ﴿۴۵﴾

اور جو دے سکتے ہیں وہ دیتے ہیں اور ان کے دل اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانا ہے

أُولَٰئِكَ يُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُونَ ﴿۴۶﴾ وَلَا نُكَلِّفُ

یہی لوگ نیکیوں میں جلدی کرتے ہیں اور یہی ان کے لئے آگے نکل جاتے ہیں۔ اور ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ

نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَلَدِينَا كِتَابٌ يَنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۷﴾

تکلیف نہیں دیتے اور ہمارے پاس کتاب ہے جو سچ کہہ دیتی ہے اور لوگوں پر ظلم نہیں کیا جاتا

بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ مِّنْ هَذَا وَلَهُمْ أَعْمَالٌ مِّنْ دُونِ ذَٰلِكَ هُمْ لَهَا

مگر ان کے دل ان (باتوں) کی طرف سے غفلت میں (پڑے ہوئے) ہیں اور ان کے سوا اور اعمال بھی ہیں جو یہ

عَمِلُونَ ﴿۴۸﴾ إِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ إِذَا تَلَّوْا كِتَابَنَا

کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم نے ان میں سے آسودہ حال لوگوں کو پکڑ لیا تو وہ اس وقت

يَجْزُونَ ﴿۴۹﴾ تَجَازَوْا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿۵۰﴾

چلانے لگے۔ آج تم چلاؤ تم کو ہم سے کچھ مدد نہیں ملے گی

﴿۵۰﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تَتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلَىٰ آعْقَابِكُمْ تَنكُصُونَ ﴿۵۱﴾

میری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی جاتی تھیں اور تم اٹلے پاؤں پھر پھر جاتے تھے

مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ﴿۵۲﴾ اَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ

ان سے سرکشی کرتے کہانیوں میں مشغول ہوتے اور بیہودہ بکواس کرتے تھے۔ کیا انہوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا

۴۸ ﴿۴۸﴾ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ

یا ان کے پاس کچھ ایسی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادا کے پاس نہیں تھی۔ یا یہ اپنے پیغمبر کو جانتے پہچانتے نہیں

فَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ ﴿۴۹﴾ ۴۹ ﴿۴۹﴾ يَمْ يَقُولُونَ بِهِ جِنَّةٌ بَلْ جَاءَهُم بِالْحَقِّ

اس وجہ سے ان کو نہیں مانتے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اسے سودا ہے (نہیں) بلکہ وہ ان کے پاس حق کو لے کر آئے ہیں

وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كِرْهُونَ ﴿۵۰﴾ ۵۰ ﴿۵۰﴾ لَوْلَا اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ

اور ان میں سے اکثر حق کو ناپسند کرتے ہیں۔ اور اگر (اللہ) برحق ان کی خواہشوں پر چلتے

لَفَسَدَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ بَلْ أَتَيْنَهُمْ بِذِكْرِهِمْ

تو آسمان اور زمین اور جو ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں بلکہ ہم نے ان کے پاس ان کی نصیحت (کی کتاب) پہنچادی

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُعْرِضُونَ ﴿۵۱﴾ ۵۱ ﴿۵۱﴾ أَمْ تَسْأَلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ

ہے اور اپنی (کتاب) نصیحت سے منہ پھیر رہے ہیں۔ کیا تم ان سے کچھ مال مانگتے ہو؟ تو تمہارے پروردگار کا مال بہت اچھا ہے

وَهُوَ خَيْرٌ الرَّزْقَيْنِ ﴿۵۲﴾ ۵۲ ﴿۵۲﴾ وَإِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۵۳﴾ ۵۳ ﴿۵۳﴾

اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ اور تم تو ان کو سیدھے راستے کی طرف بلا تے ہو

وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنُكَيْبُونَ ﴿۵۴﴾ ۵۴ ﴿۵۴﴾ وَلَوْ

اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ رستے سے الگ ہو رہے ہیں۔ اور اگر

رَحِمْنَاهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِنْ ضُرٍّ لَلْجُوفِ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۵۵﴾ ۵۵ ﴿۵۵﴾

ہم ان پر رحم کریں اور جو تکلیفیں ان کو پہنچ رہی ہیں وہ دور کر دیں تو اپنی سرکشی پر اڑے رہیں (اور) بھٹکتے (پھریں)

وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُم بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿۵۶﴾ ۵۶ ﴿۵۶﴾

اور ہم نے ان کو عذاب میں بھی پکڑا تو بھی انہوں نے اللہ کے آگے عاجزی نہ کی اور وہ عاجزی کرتے ہی نہیں

﴿۷۷﴾ حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۷۷﴾

یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر عذاب شدید کا دروازہ کھول دیا تو اس وقت وہاں ناامید ہو گئے

﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُم السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۷۸﴾

اور وہی تو ہے جس نے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (لیکن) تم کم شکر گزاری کرتے ہو

﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۷۹﴾

اور وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور اسی کی طرف تم سب جمع ہو کر جاؤ گے

﴿۸۰﴾ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۸۰﴾

اور وہی ہے جو زندگی بخشتا اور موت دیتا ہے اور رات اور دن کا بدلتے رہنا اسی کا تصرف ہے کیا تم سمجھتے نہیں؟

﴿۸۱﴾ بَلْ قَالُوا مِثْلَ مَا قَالَ الْأَوَّلُونَ ﴿۸۱﴾ قَالُوا آءِذَا مِتْنَا

بات یہ ہے کہ جو اگلے (کافر) کہتے تھے اسی طرح کی (بات یہ) کہتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب ہم مرجائیں گے

﴿۸۲﴾ وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا آءِذَا نَالْمَبْعُوثُونَ ﴿۸۲﴾ قَدْ وَعَدَنَا

اور مٹی ہو جائیں گے اور استخوان (بوسیدہ کے سوا کچھ) نہ رہے گا تو کیا ہم پھراٹھائے جائیں گے؟ یہ وعدہ ہم سے اور ہم سے

﴿۸۳﴾ نَحْنُ وَآبَاؤُنَا هَذَا مِنْ قَبْلُ إِن هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۸۳﴾

پہلے باپ دادا سے بھی ہوتا چلا آیا ہے یہ تو صرف اگلے لوگوں کی کہانیاں ہیں

﴿۸۴﴾ قُل لِّمَنِ الْأَرْضُ وَمَن فِيهَا إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾ يَقُولُونَ لِلَّهِ

کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ زمین میں ہے سب کس کا مال ہے؟ جھٹ بول اٹھیں گے کہ اللہ کا

﴿۸۵﴾ قُلْ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ

کہو پھر تم سوچتے کیوں نہیں؟ (ان سے) پوچھو کہ سات آسمانوں کا مالک کون ہے اور عرش عظیم کا (کون) مالک (ہے)؟

﴿۸۴﴾ قُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿۸۵﴾ قُلْ مَنْ بِيَدِهِ

بے ساختہ کہہ دیں گے کہ یہ (چیزیں) اللہ ہی کی ہیں کہو کہ پھر تم ڈرتے کیوں نہیں؟ کہو کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کہ وہ کون ہے

﴿۸۸﴾ مَلَكَوَتْ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۹﴾

جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہی ہے اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابل کوئی پناہ نہیں دے سکتا

﴿۸۹﴾ سَيَقُولُونَ لِلَّهِ قُلْ فَأَنَّى تُسْحَرُونَ ﴿۹۰﴾

فوراً کہہ دیں گے کہ ایسی بادشاہی تو اللہ ہی کی ہے تو کہو پھر تم پر جادو کہاں سے پڑ جاتا ہے؟

﴿۹۰﴾ بَلْ آتَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۹۱﴾

بات یہ ہے کہ ہم نے ان کے پاس حق پہنچا دیا ہے اور یہ جو (بت پرستی کئے جاتے ہیں) بیشک جھوٹے ہیں

مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِنْ وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَهٍ إِذَا لَذَهَبَ كُلُّ إِلَهٍ بِمَا خَلَقَ

اللہ نے نہ تو (اپنا) کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کے ساتھ کوئی اور معبود ہے ایسا ہوتا تو ہر معبود اپنی اپنی مخلوقات کو لے کر چل دیتا

وَلَعَلَّا بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ سُبْحٰنَ اللَّهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۹۱﴾

اور ایک دوسرے پر غالب آجاتا یہ لوگ جو کچھ (اللہ کے بارے میں) بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے

عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۗ فَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَبِّ

وہ پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے اور جو اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں اس کی شان اس سے اونچی ہے کہو کہ اے پروردگار!

﴿۹۳﴾ إِمَّا تُرِيتُنِي مَا يُوعَدُونَ ﴿۹۴﴾ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۹۵﴾

جس عذاب کا ان سے وعدہ ہو رہا ہے اگر تو میری زندگی میں ان پر نازل کر کے مجھے بھی دکھا دے تو اے پروردگار! مجھے اور ان ظالموں میں شمار نہ کیجئے

وَإِنَّا عَلَىٰ أَنْ نُرِيكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَدِيرُونَ ﴿۹۵﴾ فَوَعْبَا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

اور جو وعدہ ہم ان سے کر رہے ہیں ہم تم کو دکھا کر ان پر نازل کرنے پر قادر ہیں۔ اور رُری بات کے جواب میں ایسی بات کہو جو نہایت اچھی

السَّيِّئَةَ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَصِفُونَ ﴿۴۴﴾ وَقُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ

ہو اور جو کچھ یہ بیان کرتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے۔ اور کہو کہ اے پروردگار! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری

مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ ﴿۴۷﴾ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونِ ﴿۴۸﴾

پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے پروردگار! اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آ موجود ہوں

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ ﴿۴۹﴾

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے گی تو کہے گا کہ اے پروردگار! مجھے پھر (دنیا میں) واپس بھیج دے

لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ كَلَّا إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَائِلُهَا

تاکہ میں اس میں جسے چھوڑ آیا ہوں نیک کام کیا کروں۔ ہرگز نہیں یہ ایک ایسی بات ہے کہ وہ اسے زبان سے کہہ رہا ہوگا

وَمَنْ وَّرَانِهِمْ بِرُزْخِ الْإِلٰی يَوْمَ يُعْثُونَ ﴿۱۰۰﴾

(اور اس کے ساتھ عمل نہیں ہوگا) اور اس کے پیچھے برزخ ہے (جہاں وہ) اس دن تک کہ (دوبارہ) اٹھائے جائیں گے

فَإِذَا نَفَخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱۰۱﴾

پھر جب صور پھونکا جائے گا تو نہ تو ان میں قرابتیں ہوں گی اور نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ

تو جن کے (اعمال کے) بوجھ بھاری ہوں گے وہ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جن کے بوجھ ہلکے ہوں گے

فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۱۰۳﴾

وہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے تئیں خسارے میں ڈالا ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے

تَلْفَحُ وُجُوهُهُمْ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ﴿۱۰۴﴾ أَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ

آگ ان کے مونہوں کو چھلس دے گی اور وہ اس میں تیوری چڑھائے ہوں گے۔ کیا تم کو میری آیتیں پڑھ کر نہیں سنائی جاتی

عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ بِهَا تُكذِّبُونَ ﴿۱۰۴﴾ اِقَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا
 تھیں (نہیں) تم ان کو سنتے تھے اور جھٹلاتے تھے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری کمبختی غالب ہو گئی
 وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ ﴿۱۰۴﴾ اِنَّا اُخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنَّا ظَالِمُونَ ﴿۱۰۷﴾
 اور رستے سے بھٹک گئے۔ اے پروردگار! ہم کو اس میں سے نکال دے اگر ہم پھر (ایسے کام) کریں تو ظالم ہوں گے
 قَالَ اخْسِئُوا فِيهَا وَلَا تَكَلِّمُونَ ﴿۱۰۸﴾ اَللّٰهُ كَانَ فَرِيْقًا مِّنْ عِبَادِيْ
 (اللہ) فرمائے گا کہ اسی میں ذلت کے ساتھ پڑے رہو اور مجھ سے بات نہ کرو۔ [۳] میرے بندوں میں ایک گروہ تھا

[۳] عن ابى الدرءاء قال: قال رسول الله ﷺ يلقي على اهل النار الجوع فيعدل ما هم فيه من
 العذاب فيستغيثون بالطعام، فيغاثون بطعام ﴿من ضريع لايسمن ولا يغنى من جوع﴾ (غاشية: ۷)
 فيستغيثون بالطعام فيغاثون بطعام ﴿ذا غصة﴾ (مزمل: ۱۳) فيذكرون انهم كانوا يجيزون الغصص
 فى الدنيا بالشراب، فيستغيثون بالشراب، فيرفع اليهم الحميم بكلايب الحديد، فاذاذنت من
 وجوههم شوت وجوههم فاذادخلت بطونهم قطعت مافى بطونهم فيقولون ادعوا خزنة جهنم
 فيقولون ﴿اولم تك تأتيكم رسلكم بالنبيا قالوا بلى قالوا فادعوا وما دعاء الكافرين الا فى ضلال﴾
 (غافر: ۵۰) قال فيقولون ادع مالكا فيقولون ﴿يا مالكا ليقتض علينا ربك﴾ (زخرف: ۷۷) قال
 فيجيهم ﴿انكم ماكنون﴾ (زخرف: ۷۷) قال الا عمش نبات ان بين دعائهم واجابة مالكا ايهم
 الف عام، قال فيقولون ادعوا ربكم فلا احد خير من ربكم ﴿فيقولون ربنا غلبت
 علينا شقوتنا وكننا قوما ضالين، ربنا اخرجنا منها فان عدنا فانا ظالمون﴾ قال فيجيهم
 ﴿اخسئوا فيها ولا تكلمون﴾ (مومنون: ۱۰۶، ۱۰۸)، قال فعند ذلك يسوا من كل
 خيرو عند ذلك يأخذون فى الزفير والحسرة والويليل. (رواه الترمذى: ۲۵۸۶).

ابو الدرءاءؒ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دوزخیوں پر بھوک اس طرح مسلط کر دی جائے گی، کہ اس بھوک

کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی جس میں وہ دوزخی پہلے سے گرفتار ہونگے، چنانچہ وہ بھوک کی اذیت سے بے تاب ہو کر فریاد کریں گے اور ان کی فریاد سی ”ضرلیج“ کے کھانے کے ذریعے کی جائے گی جو نہ فر بہ کرے گا، نہ بھوک کو دفع کرے گا، (پھر وہ پہلے کھانے کو لا حاصل دیکھ کر) دوسری مرتبہ فریاد کریں گے، اور اس مرتبہ ان کی فریاد سی گلے میں پھنسی جانے والے کھانے کے ذریعے کی جائے گی، اس وقت ان کو یہ یاد آئے گا کہ جب (دنیا میں) کھاتے وقت ان کے گلے میں کوئی چیز پھنس جاتی تھی تو اس کو وہ کسی پینے والی چیز سے نیچے اتارتے تھے، چنانچہ وہ (اپنے گلے میں پھنسنے ہوئے کھانے کو اتارنے کے لئے) کسی پینے والی چیز کی التجاء کریں گے۔ تب ان کو تیز گرم پانی دیا جائے گا جس کو زنبورو کے ذریعے پکڑ کر اٹھایا جائے گا (یعنی جن برتنوں میں وہ تیز گرم پانی ہو گا وہ زنبورو کے ذریعے پکڑ کر اٹھائے جائیں گے۔

اور جب گرم پانی کے وہ برتن ان کے مونہوں تک پہنچیں گے تو ان کے چہروں (کے گوشت) کو بھون ڈالیں گے، اور جب ان برتنوں کے اندر کی چیز (جو ان کو پینے کے لئے دی جائیں گی، جیسے پیپ پیلہ پانی وغیرہ) ان کے پیٹ میں داخل ہوگی تو پیٹ کے اندر کی چیزوں (یعنی انتوں وغیرہ) کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی، پس اس صورت حال سے بیتاب ہو کر وہ دوزخی (جہنم پر) متعین فرشتوں سے کہیں گے اے دوزخ کے سنتریو! اللہ تعالیٰ سے دعاء کرو کہ کم سے کم ایک ہی دن کے لئے ہمارے اوپر مسلط اس عذاب کو ہلکا کر دے، دوزخ کے سنتری جو اب دیں گے کہ (اب ہم سے دعا کے لئے کہتے ہو) کیا اللہ کے رسول، الہی معجزے اور واضح دلیلیں لیکر تمہارے پاس نہیں آئے تھے (اور تم سے یہ نہ کہتے تھے کہ کفر و سرکشی کی راہ چھوڑ کر اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کر لو، تاکہ کل آخرت میں دوزخ کے سخت عذاب سے محفوظ رہ سکو؟ وہ کہیں گے کہ بیشک اللہ کے رسول ہمارے پاس آئے تھے اور ان کی تعلیمات ہم تک پہنچی تھی، لیکن واگے افسوس ہم گمراہی میں پڑے رہے، اور ایمان اور سلامتی کی راہ اختیار نہ کر سکے۔ دوزخ کے سنتری کہیں گے کہ پھر تو تم خود ہی دعاء کرو، اور کافروں کی دعاء زیاں کاری اور بے فائدہ گی کے علاوہ کچھ نہیں۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دوزخی (جب جہنم کے سنتریوں سے دعاء اور شفاعت کرنے میں ناکام ہو جائیں گے اور انہیں سخت مایوسی کا منہ دیکھنا پڑے گا، تو وہ یقین کر لیں گے کہ ہمیں عذاب الہی سے نجات ملنے والی نہیں ہے، پھر کیوں نہ موت ہی مانگی جائے، چنانچہ وہ آپس میں کہیں گے کہ مالک یعنی داروغہ جہنم سے مدد کی درخواست کرو! اور پھر وہ التجاء کریں گے کہ اے مالک! اپنے پروردگار سے دعاء کرو کہ وہ ہمیں موت دیدے (تاکہ ہمیں آرام مل جائے)۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا دوزخیوں کی التجا سن کر مالک خود اپنی طرف سے یا پروردگار کی طرف سے جواب دے

گا کہ اس دوزخ سے نجات یا موت کا خیال چھوڑ دو، تمہیں ہمیشہ ہمیشہ یہیں اور اسی عذاب میں گرفتار رہنا ہے، اعمشؒ جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں، کہتے ہیں کہ بعض صحابہ نے مجھ سے بیان کیا، کہ مالک سے ان دوزخیوں کی التجاء اور مالک کی طرف سے ان کو جواب دینے کے درمیان ایک ہزار برس کا وقفہ ہوگا، یعنی وہ دوزخی مالک سے التجا کرنے کے بعد ایک ہزار سال تک جواب کا انتظار کرتے رہیں گے، اور اس دوران بھی اس عذاب میں مبتلا رہیں گے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: پھر وہ دوزخی آپس میں کہیں گے کہ اب ہمیں براہ راست اپنے پروردگار ہی سے اپنی نجات کی التجاء کرنی چاہئے کیونکہ وہی قادر مطلق، رحیم و کریم اور غفار ہے۔ ہمارے حق میں بھلائی و بہتری کرنے والا اس پروردگار سے بہتر اور کوئی نہیں، چنانچہ وہ التجاء کریں گے کہ ہمارے پروردگار! ہماری بدبختی نے ہمیں گھیر لیا، اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم (توحید کے راستے سے) بھٹک گئے تھے، اے پروردگار! ہمیں دوزخ اور یہاں کے عذاب سے رہائی عطا فرمادے، اگر ہم اس کے بعد بھی کفر و شرک کی طرف جائیں تو اپنے اوپر ظلم کرنے والے ہونگے، اللہ تعالیٰ ان کو جواب دے گا، دور ہو کم بختو! کتوں کی طرح ذلیل اور خوار رہو، اور اسی دوزخ میں پڑے رہو، اور رہائی و نجات کے بارے میں مجھ سے کوئی بات نہ کرو (تمہاری گلو خلاصی ہرگز نہیں ہو سکتی)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آخر کار وہ دوزخی ہر بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے اور تباہ و حسرت اور نالہ و فریاد کرنے لگیں گے۔

”اس بھوک کی اذیت اس عذاب کے برابر ہوگی“ کا یہ مطلب ہے کہ ان پر جو بھوک مسلط کی جائے گی، اس کی دردناکی دوزخ کے اور تمام عذاب کی دردناکیوں کے برابر ہوگی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بھوک کی آگ دوزخ کی آگ کی مانند ہے اور ان کی فریاد سنی ”ضریع“ کے کھانے کے ذریعہ کی جائے گی، جب وہ دوزخی بھوک سے بیتاب ہو کر کچھ کھانے کو مانگیں گے تو ان کو کھانے کے لئے ضریع دیا جائے گا۔

واضح رہے کہ ”ضریع“ ایک خاردار جھاڑو کہتے ہیں جو حجاز میں ہوتا ہے، یہ ایک ایسی زہریلی اور کڑوی گھاس ہوتی ہے جس کے پاس کوئی جانور بھی نہیں پھٹکتا، اور اگر کوئی جانور اس کو کھا لیتا ہے تو مر جاتا ہے۔ بہر حال یہاں حدیث میں ”ضریع“ سے مراد آگ کے کانٹے ہیں جو ایلوے سے زیادہ کڑوے مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے۔ یہ دراصل سورہٴ ناشیہ کی ساتویں نمبر آیت کو اشارہ ہے۔

اور یہ الفاظ ”اور کافروں کی دعائے زیاں کاری و بے قاعدگی کے علاوہ کچھ نہیں“۔ میں ان کی دعائے کوزیاں کاری سے تعبیر اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت ان کے حق میں کوئی بھی دعاء و شفقت کارگر نہیں ہوگی، خواہ وہ خود دعاء کریں

اور گڑ گڑائیں، یا کسی اور سے دعاء و شفاعت کرائیں، لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا، کہ کافر و مشرک کی دعاء اس دنیا میں بھی قبول نہیں ہوتی، جیسا کہ قرآن و حدیث کے ان الفاظ سے بعض لوگوں نے نتیجہ اخذ کیا ہے، حقیقت حال تو یہ ہے کہ اس دنیا میں شیطان تک کی درخواست جو اس نے اپنی عمر کی درازی کے لئے کی تھی، اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ہے، پھر کافر کی دعاء قبول کیوں نہیں ہو سکتی؟

”غلبت علینا شقوتنا“، میں ”شقوۃ“ شین کے زیر اور قاف کے جزم کے ساتھ ہے اور یہ لفظ شقاوۃ شین کے زبر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یعنی بدبختی، جو سعادت نیک بختی کی ضد ہے، مذکورہ جملہ کا مطلب یہ ہے کہ ہماری تقدیر کہ جس میں ہمارا خاتمہ بدل لکھ دیا گیا، پوری ہو کر رہی اور ہم خود اپنی بدبختی کا شکار ہو گئے۔ اور یہ جملہ ”اگر ہم اس کے بعد بھی کافر و مشرک کی طرف جائیں“ الخ، کافر دوزخیوں کا یہ کہنا بھی مکر و فریب پر مبنی ہوگا، جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

”ولوردوا العادوا لمانہوا عنہ وانہم لکاذبون“ (انعام: ۲۸) اور اگر یہ لوگ پھر (دنیا میں) واپس بھی بھیج دئے جائیں تب بھی یہ وہی کام کریں گے، جس سے ان کو منع کیا گیا تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بالکل جھوٹے ہیں۔

”یاخذون فی الزفیرو الحسرة والویل“ میں لفظ زفر کے اصل معنی ہیں گدھے کا سانس اندر لے جانا جیسا کہ ”شہیق“ کے معنی گدھے کا سانس باہر نکالنا، یا یہ کہ جب گدھا رینگنا شروع کرتا ہے تو پہلے اس کی آواز باریک اور چھوٹی نکلتی ہے، جس کو زفر کہا جاتا ہے، اور آخر میں اس کی آواز تیز اور بڑی ہو جاتی ہے اس کو شہیق سے تعبیر کیا جاتا ہے، حدیث کے ان الفاظ میں قرآن کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے:

”لہم فیہا زفیرو وشہیق“ (ہود: ۱۰۶) دوزخ میں گدھے کی چھوٹی اور بڑی آواز کی طرح ان دوزخیوں کی چیخ و پکار پڑی رہے گی۔ بہر حال حدیث کے اس آخری جزء کا مطلب یہ ہے کہ دوزخی جب بارگاہ الہی کا جواب سن لیں گے تو وہ بالکل مایوس و ناامید ہو جائیں گے کہ دوزخ کے سنتریوں کو پکارنا کچھ سود مند نہ ہو، دار و نہ دوزخ سے درخواست کی کہ اللہ تعالیٰ سے موت ہی دلوادے، اس کا بھی فائدہ نہ ہوا آخر میں بارگاہ الہی میں روئے گڑ گڑائے وہاں بھی کوئی بات قبول نہیں ہوئی، اب کہاں جائیں، کس کے سامنے فریاد کریں، ایسے میں وہ بے معنی آوازوں اور بے ہنگم صدائوں میں نالہ و فریاد اور چیخ و پکار کرنے لگیں گے جیسا کہ مایوسی کے عالم میں ہوتا ہے۔

﴿۱۰۹﴾ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ

جو دعا کیا کرتا تھا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے تو تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے

﴿۱۱۰﴾ فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سَخِرِيًّا حَتَّىٰ أَنْسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنْتُمْ مِنْهُمْ تَضْحَكُونَ

تو تم ان سے تمسخر کرتے رہے یہاں تک کہ ان کے پیچھے میری یاد بھی بھول گئے اور تم (ہمیشہ) ان سے ہنسی کرتے رہتے تھے

﴿۱۱۱﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۱۱۱﴾ لَلَّ كَمْ لَبِثْتُمْ

آج میں نے ان کو ان کے صبر کا بدلہ دیا کہ وہ کامیاب ہو گئے۔ (اللہ) پوچھے گا کہ تم زمین میں کتنے برس رہے؟

﴿۱۱۲﴾ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿۱۱۲﴾ أَلْوَالِبُنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسَلِّ الْعَادِينَ

وہ کہیں گے کہ ہم ایک روز یا ایک روز سے بھی کم رہے تھے شمار کرنے والوں سے پوچھ لیجئے

﴿۱۱۳﴾ الْقَبَالِ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنْكُم كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۱۳﴾

(اللہ) فرمائے گا کہ (وہاں) تم (بہت ہی) کم رہے اگر تم جانتے ہوتے

﴿۱۱۴﴾ أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنْكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿۱۱۴﴾

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ پیدا کیا ہے اور یہ کہ تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے؟

﴿۱۱۵﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿۱۱۵﴾

تو اللہ جو سچا بادشاہ ہے (اس کی شان) اس سے اونچی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی عرش بزرگ کا مالک ہے

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِنْدَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا

اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور معبود کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس کچھ سند نہیں تو اس کا حساب اللہ ہی کے ہاں ہوگا کچھ شک نہیں

﴿۱۱۶﴾ يُفْلِحُ الْكٰفِرُونَ ﴿۱۱۶﴾ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّحِيمِينَ ﴿۱۱۶﴾

کہ کافر ستگاری نہیں پائیں گے۔ اور اللہ سے دعا کرو کہ میرے پروردگار! مجھے بخش دے اور رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

سورة النور (مدنیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سُوْرَةُۙ اَنْزَلْنٰهَا وَّفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَا آٰیٰتٍۭ لِّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾

یہ سورۃ ہے جس کو ہم نے نازل کیا اور اس کو فرض کر دیا اور اس میں واضح المطالب آیتیں نازل کیں تاکہ تم یاد رکھو

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو ڈرے مارو

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ اِنَّ كُنْتُمْ تُوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

اور اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو نفاذِ حکمِ الہی میں تمہیں ان پر ہرگز ترس نہ آئے

الْآخِرِؕ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ لِّلزَّانِي لَا يَنْكِحُ اِلَّا

اور چاہیے کہ ان کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت بھی موجود ہو۔ [ع] بدکار مرد تو

زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ

بدکار یا مشرک عورت کے سوا نکاح نہیں کرتا اور بدکار عورت کو بھی بدکار یا مشرک مرد کے سوا اور کوئی نکاح میں نہیں لاتا

وَحَرِّمَ ذٰلِكَ عَلٰی الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵﴾ ﴿۶﴾

اور یہ مؤمنوں پر حرام ہے۔ [1]

[1] "الزانية و الزانى" الایۃ، یہ ستر و عفاف اور تطہیر معاشرہ سے متعلق احکامِ اربعہ میں سے پہلا حکم ہے، یعنی

زانی اور زانیہ کو سوسو کوڑے مارو، ان پر یہ شرعی حد قائم کرو تا کہ لوگ بدکاری سے باز آجائیں۔ لیکن ان پر حد جاری کرتے وقت دو باتوں کا خاص خیال رکھو: اول ”ولاتأخذکم بهما سرافة“ اگر واقعی تم اللہ پر اور آخرت پر یقین رکھتے ہو تو زانی اور زانیہ پر حد قائم کرتے وقت کسی قسم کی نرمی نہ کرو نہ ان پر ترس کھا کر حد کو روکو، نہ کوڑوں کی تعداد میں کمی کرو اور نہ اس قدر ہلکے کوڑے مارو کہ ان کو پتہ بھی نہ چلے۔ ان کے لئے معافی یا رعایت کی سفارش کرنا بھی اس نہی کے تحت داخل ہے۔

دوم ﴿لشہد عذابہما طائفة﴾ حد جاری کرتے وقت مسلمانوں کے ایک جماعت وہاں موجود ہونی چاہئے تا کہ ان مجرموں کی مزید رسوائی ہو اور آئندہ کے لئے وہ گناہ کی جرأت نہ کریں۔ یہ کنوارے زانی اور زانیہ کی سزا ہے اگر کوئی شادی شدہ مرد و عورت زنا کریں تو ان کی سزا رجم ہے، رجم کا حکم نبی کریم ﷺ سے تو اتر کے ساتھ منقول ہے اور دیگر حکمت کی طرح قطعی اور محکم ہے۔ رجم کا حکم بالکل اسی طرح متواتر ہے جس طرح عدد رکعات اور مقدار زکوٰۃ متواتر ہیں: ثبوت الرجم منه علیہ السلام متواتر المعنی کشف جاعة علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ وجود حاتم (روح)۔

اس کے علاوہ رجم خود قرآن کے اشارے سے بھی ثابت ہے رسول پاک ﷺ کے زمانے میں ایک شادی شدہ یہودی اور یہودیہ نے زنا کیا تو رات میں چونکہ رجم کا حکم تھا اس لئے رجم سے بچنے کے لئے وہ نبی کریم ﷺ کے پاس مقدمہ لے آئے ان کا خیال تھا کہ اسلام میں رجم کی سزا نہیں ہے، نبی کریم ﷺ نے ان سے پوچھا تو رات میں شادی شدہ زانی کی سزا کیا ہے؟ انہوں نے کہا کوڑے لگانا اور منہ کالا کرنا۔

آپ نے فرمایا میں تم پر تو رات کا حکم نافذ کروں گا۔ اور تو رات میں اس جرم کی سزا رجم ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے یہودیوں کے ایک عالم ابن صوریہ کو حلف دیکر پوچھا پتہ بتاؤ تو رات میں اس گناہ کی سزا کیا ہے؟ اس نے اقرار کر لیا کہ رجم ہے۔ چنانچہ آپ نے رجم کا حکم نافذ کر دیا اس پر یہ ایت نازل ہوئی: ﴿وکیف یحکمونک و عندہم التوراة فیہا حکم اللہ﴾ مادہ: ۴۳۔ گذشتہ شریعہ کے احکام کو قرآن میں بلا تکثیر ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ہماری شریعت میں بھی وہ نافذ ہیں۔

[غ] ”الزانی لاینکح“ الایة، یہ دوسرا حکم ہے زنا کی سزا کے بعد زانی اور زانیہ کی عادت بد کا ذکر کیا گیا ہے یعنی جو مرد و عورت زنا کی عادت بد میں مبتلا ہو جائیں اور زنا کو عیب نہ سمجھیں وہ اس لائق نہیں رہتے کہ کسی پاک دامن مومن مرد یا عورت سے ان کا تعلق ازدواج قائم کیا جاسکے۔ انکی ناپاک اور ذلیل طبیعت کا تقاضا تو یہ ہے کہ کسی ایسے ہی بدکار مرد و عورت یا ان سے بھی بدتر کسی مشرک مرد و عورت سے ان کا تعلق قائم کیا جائے ان کی عادت بد کا اقتضاء تو یہی ہے لیکن

اللہ تعالیٰ نے بعض مصالح کی بناء پر ایسے بدکار اور نام نہاد مسلمان مرد و عورت کا مشرک و مشرکہ کے ساتھ نکاح ناجائز قرار دیا ہے اسی طرح اگر کسی بدکار مسلمان مرد و عورت کا کسی پار ساعورت و مرد سے عقد ہو جائیں تو اسے باطل نہیں قرار دیا۔ اس آیت سے زنا کی عادت شنیعہ کی برائی اور قباحت کو واضح کرنا مقصود ہے اس صورت میں لایینکح کے معنی یہ ہونگے کہ اس کیلئے لائق نہیں کہ وہ نکاح کرے یعنی عدم لیاقت فعل کو عدم فعل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ محاورہ ہے السلطان لایکذب، یعنی جھوٹ بولنا بادشاہ کے شایان شان نہیں یہ مطلب نہیں کہ بادشاہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔ تفسیح الامر الزانی اشد تفسیحاً ببیان انه بعد ان رضی بالزنی لایلیق به ان ینکح العفیفة المؤمنة. وانما یلیق به ان ینکح زانیة هی فی طبقته. (فلاینکح) خبر مراد منه لایلیق به ان ینکح کما تقول السلطان لایکذب ای لایلیق به ان یکذب نزل فیہ عدم لیاقت الفعل منزلة عدمه (روح المعانی).

یا نکاح سے یہاں وطی مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ جس مرد و عورت کو یہ عادت بد چمٹ جائیں۔ وہ ایسے ہی بدکار مرد و عورت سے یا ان سے بھی بدتر مشرک و مشرکہ کے ساتھ ہی زنا کرتے ہیں کیونکہ پار ساعورت تو اس فعل بد سے کلی اجتناب کرتے ہیں۔ فالمعنی الزانی لایطأ فی وقت الزنا الا زانیة من المسلمین او من ہی اخس منها من المشرکات. وقدر وی عن ابن عباس واصحابه ان النکاح فی هذه الایة الوطی (قرطبی). یا نکاح سے عقد شرعی مراد ہے اور آیت منسوخ ہے بایت وانکحوا الایامی منکم (قرطبی) لیکن پہلا مطلب ارجح اور دوسرا راجح ہے۔

”وحرّم ذلك“ الایة، ”ذکر“ سے زنا کی طرف اشارہ ہے جو ماقبل سے مفہوم ہے اس صورت میں حرمت سے حرمت شرعی مراد ہوگی اور یہ جملہ ماقبل کی علت ہوگا والاشارة یحتمل ان تكون للزنا المفهوم مما تقدم، والتحریم علیہ علی ظاہرہ ولعل هذا الجملة وما قبلها متضمنة لتعلیل ما تقدم، الخ (روح). یا اشارہ مذکورہ بالا نکاح کی طرف ہے اور تحریم بمعنی منع ہے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وحر مناعلیہ المرأع، (قصص: ۱۲) الایة، اور مؤمنین سے افراد کاملہ مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے نگوینی طور پر مؤمنین کا ملین کے دلوں کو ایسے بدکار مردوں اور عورتوں کے نکاح سے متنفر کر دیا ہے۔ اور ان کے دل ایسے گندے لوگوں کی طرف مائل ہی نہیں ہوتے۔ ویحتمل ان تكون لنکاح الزانیة وعلیہ فالمراد من التحريم المنع وبالمؤمنین =

وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ

اور جو لوگ پرہیزگار عورتوں کو بدکاری کا الزام لگائیں، اور اس پر چار گواہ نہ لائیں

شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ

تو ان کو اسی کوڑے مارو اور کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو

شَهَادَةَ أَبَدًا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۲۰﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا

اور یہی بدکردار ہیں۔ [2] ہاں جو ان کے بعد توبہ کر لیں اور

مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۱﴾

(اپنی حالت) سنوار لیں تو اللہ (بھی) بخشنے والا مہربان ہے

= المؤمنون الكاملون ومعنى منعهم عن نكاح الزواني جعل نفوسهم آية عن الميل اليه فلا يليق
ذالك بهم . الخ (روح المعاني).

[2] ”وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ“ الایة، یہ تیسرا حکم ہے جب یہ بات واضح ہوگئی کہ مومنوں کی شان سے

بعید ہے کہ وہ زنا جیسے برے فعل کا ارتکاب کرے تو اب اگر کوئی شخص کسی پاکدامن عورت یا پارسامرد پر زنا کی تہمت لگا دے

تو اس سے چار گواہوں کا مطالبہ کیا جائے۔ اگر وہ چار قابل اعتماد گواہ پیش نہ کر سکیں تو انہیں حد قذف یعنی تہمت لگانے کی

سزا کے طور پر اسی (۸۰) درے مارے جائیں۔

”وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ“ الایة، اور آئندہ کے لئے کسی معاملہ میں کبھی بھی ان کی گواہی قبول نہ کی جائے اولشک

هم الفاسقون یہ تہمت لگانے والوں کے حال کا بیان ہے اور یہ جملہ متنافہ ہے۔ کلام مستانف غیر داخل فی

حیز جزاء الشرط کانہ حکایة حال الرامین عند اللہ بعد انقضاء الجملة الشرطية.

(مدارک، بحر محیط).



وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ شُهَدَاءُ إِلَّا أَنفُسُهُمْ

اور جو لوگ اپنی عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور خود ان کے سوا ان کے گواہ نہ ہوں

فَشَهَادَةُ أَحَدِهِمْ أَرْبَعُ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٤﴾

تو ہر ایک کی شہادت یہ ہے کہ پہلے تو چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بیشک وہ سچا ہے

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كَانَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٥﴾ وَيَدْرَأُ عَنْهَا

اور پانچویں بار یہ (کہے) کہ اگر وہ جھوٹا ہے تو اس پر اللہ کی لعنت۔ اور عورت سے سزا کو

الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٨﴾

یہ بات ٹال سکتی ہے کہ وہ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھائے کہ بیشک یہ جھوٹا ہے

وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٩﴾

اور پانچویں دفعہ یوں (کہے) کہ اگر یہ سچا ہو تو مجھ پر اللہ کا غضب (نازل ہو) [۳]

[۳] ”وَالَّذِينَ يَرْمُونَ أَزْوَاجَهُمْ“ الایۃ، یہ جو تھا حکم ہے پہلے اجنبی پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے کا حکم بیان

کیا گیا اب اس کی مناسبت سے اپنی بیویوں پر تہمت زنا لگانے کا حکم بیان کیا جاتا ہے۔ لِمَا ذَكَرَ حَكْمَ قَذْفِ

الاجنبیات، بین حکم قذف الزوجات (مدارک)۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی پر تہمت زنا لگا دے اور گواہ پیش نہ

کر سکے تو اس پر حد قذف نہیں بلکہ ان دونوں میاں بیوی کے درمیان لعان ہوگا یعنی دونوں میاں بیوی چار چار بار قسم

کھا کر اپنی سچائی کی گواہی دیں، اور پانچویں بار اپنے اوپر بدعا کرے کہ وہ اگر جھوٹے ہوں تو اللہ ان پر لعنت کرے

۔ فِشَهَادَةِ أَحَدِهِمْ، یہ تہمت لگانے والے کے لئے چار شہادتوں کا طریقہ ہے وہ چار بار قسم کھا کر شہادت دے کہ وہ تہمت

میں سچا ہے، وَالْخَامِسَةَ، الایۃ، اور پانچویں بار یوں کہے کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت، اگر خاوند اس طرح لعان

کرے تو اس پر حد قذف نہیں ہوگی۔

”وَيَدْرَأُ عَنْهَا“ الایۃ ”ان تشهد“ میں ”ان“ مصدر یہ ہے، اور جملہ بتاویل مصدر ”یدرؤ“ کا فاعل ہے =

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو بہت سی غرایاں پیدا ہو جاتیں مگر وہ صاحب کرم ہیں اور یہ کہ اللہ توبہ قبول کرنے والا اور حکیم ہے

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم بَلْ هُوَ

جن لوگوں نے بہتان باندھا ہے تم ہی میں سے ایک جماعت ہے اس کو اپنے حق میں بڑا نہ سمجھنا بلکہ وہ تمہارے لئے

خَيْرٌ لَّكُمْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ

اچھا ہے ان میں سے جس شخص نے گناہ کا جتنا حصہ لیا اس کے لئے اتنا وبال ہے

وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱﴾

اور جس نے ان میں سے اس بہتان کا بڑا بوجھ اٹھایا ہے اس کو بڑا عذاب ہوگا۔ [۱۱] جب تم نے وہ بات سنی تھی

= اور ”العذاب“ سے حد زنا مراد ہے، یعنی اگر عورت بھی بطریق ذیل لعان کرے تو اس سے حد زنا ساقط ہو جائے

گی۔ پہلے چار بار اللہ کی قسم کھا کر کہے کہ اس کا خاوند جھوٹا ہے، اور پانچویں بار یوں کہے کہ اگر اس کا خاوند اپنے دعویٰ میں

سچا ہو تو اس (بیوی) پر اللہ کا غضب نازل ہو۔ جب خاوند بیوی دونوں بطریق بالا لعان کر لیں، تو ان دونوں کے درمیان

زوجیت کے حقوق ختم ہو جائیں گے۔ اور اس سے ان کے درمیان فرقت تا بیدئ (ہمیشہ) واقع ہو جائے گی۔ (روح

، مدارک)۔

[۱۱] ”واقعہ افک“ کے متعلق امام بخاری نے عائشہؓ سے جو لمبی روایت نقل کی ہے ہم اس کو نقل کرتے ہیں: عائشہؓ

نے کہا: نبی کریم ﷺ کا دستور تھا آپ جب سفر میں جاتے تو اپنی بی بیوں پر قرحہ ڈالتے جس کا نام نکلتا اس کو سفر میں

ساتھ لے جاتے، ایک بار ایسا ہوا ایک لڑائی (غزوہ مریسج) میں آپ نے ہم پر قرحہ ڈالا، میرا نام نکلا، میں رسول

اللہ ﷺ کے ساتھ گئی، اس وقت پردے کا حکم اتر چکا تھا، میں ایک ہودے میں بٹھا کر اونٹ پر چڑھائی جاتی اور اسی میں

رہ کر اتاری جاتی، خیر ہم اسی طرح سفر کرتے رہے، جب آپ اس جہاد سے لوٹے اور ہم مدینہ کے نزدیک پہنچے تو ایک

رات آپ نے کوچ پکارا، جب کوچ پکارا گیا، تو میں اٹھی اور حاجت کے لئے اکیلی چلی، لشکر کے پرے نکل گئی، جب

حاجت سے فارغ ہوئی تو اپنی جگہ پر آئی، میں نے اپنا سیدہ جو چھوا، تو معلوم ہوا میرا ہار جو اظفار کے کینوں کا تھا، وہ ٹوٹ کر گر گیا ہے، میں پھر لوٹی اور ہار ڈھونڈنے لگی، اس کو ڈھونڈنے میں مجھ پر دیر ہو گئی، ادھر وہ لوگ آن پہنچے جو میرا ہودہ اٹھایا کرتے تھے، وہ سمجھے کہ میں ہودے میں بیٹھی ہوں، انہوں نے ہودہ اٹھا کر اونٹ پر رکھ دیا، جس پر میں سوار ہوا کرتی تھی، اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی تھیں، ایسی موٹی پر گوشت نہ تھیں، ذرا سا تو کھانا کھاتیں، اس لئے ہودہ اٹھانے والوں نے جب ہودہ اٹھایا، انہوں نے اس کے ہلکے پن پر خیال نہیں کیا اور یہ بھی تھا کہ میں اس وقت کمسن لڑکی تھی (میرا بوجھ ہی کیا تھا؟) غرض انہوں نے اونٹ اٹھایا اور چلتے ہوئے جب سارا لشکر چمپت ہو گیا اس وقت میرا ہار ملا میں جوان کے ٹھکانوں میں آئی دیکھتی کیا ہوں آدمی کا نام نہیں نہ کوئی بات کرنے والا نہ کوئی جواب دینے والا (خارج ہو کر) میں اس مقام پر چلی گئی جہاں میں ٹھہری تھی، میں نے یہ خیال کیا کہ جب قافلے والے مجھ کو (ہودہ) میں نہ پائیں گے تو یہیں ڈھونڈھنے آئیں گے، خیر میں اسی جگہ بیٹھی تھی، اتنے میں میری آنکھ لگ گئی، یہیں سو گئی ایک شخص تھا صفوان بن معطل سلمیٰ ذکوانی وہ لشکر کے پیچھے رہا کرتا۔ اگر (گرا پڑا اٹھالیتا) وہ جو میرے ٹھکانے میں آیا اس نے دیکھا کوئی شخص سو رہا ہے، اس نے دیکھتے ہی مجھ کو پہچان لیا، کیونکہ پردے کا حکم اترنے سے پہلے اس نے مجھ کو دیکھا تھا، اس نے مجھے پہچان کر ”اناللہ وانا الیہ راجعون“ پڑھا، تو میری آنکھ کھل گئی، میں نے اوڑھنی سے منہ ڈھانپ لیا، اللہ کی قسم نہ ہم دونوں نے کوئی بات کی نہ میں نے اس کی کوئی بات سنی، سوائے ”اناللہ وانا الیہ راجعون“ کہنا تو سنا، خیر وہ اونٹ پر سے اترا، اس نے اونٹ بٹھایا اور اونٹ کے ہاتھ پر پاؤں رکھا، میں کھڑی ہوئی اونٹ پر چڑھ گئی، اور وہ بیچارہ پیدل چلتا رہا، یہاں تک کہ ہم دونوں سخت گرمی کے وقت ٹھیک دوپہر کو لشکر میں پہنچے، اس وقت لشکر کے لوگ آرام کے لئے اتر پڑے تھے۔ عائشہؓ کہتی ہے پھر جو لوگ تباہ ہونے والے تھے وہ اس مقدمہ میں طوفان لگا کر تباہ ہوئے،

اور اس طوفان والوں کا سرغنہ (بانی مہانی) عبداللہ بن ابی بن سلول منافق مشہور تھا، عروہؓ نے کہا مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اس طوفان کا اس کے پاس چرچہ ہوتا لوگ بیان کرتے تو وہ اس کو تسلیم کرتا، کان لگا کر سنتا، کھود کر خواجواہ اس کو پوچتا، (اسی سند سے) عروہؓ سے منقول ہے کہ ان طوفان جوڑنے والوں میں انہی لوگوں کا نام لیا گیا، حسان بن ثابتؓ، مسطح بن اثاثہؓ، حمزہ بنت جحشؓ، باقی لوگوں کے نام معلوم نہیں ہوئے، مگر ان کی جماعت تھی، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اب سب میں مدھ (یعنی بڑا) عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، (اسی

سند سے) عروۃؓ نے کہا عائشہؓ باوجود اس کے کہ حسانؓ نے ان کو تہمت لگائی تھی، مگر وہ حسانؓ کو برا کہنا پسند نہیں کرتی تھیں، اور کہتی تھیں حسانؓ نے ہی یہ شعر کہی ہے:

میرا باپ داد میری آبرو ☆ ☆ محمد ﷺ کی عزت کا ہوں گے بچاؤ۔

عائشہؓ نے کہا (یہ بات تو سچ میں آگئی) خیر میں سفر سے مدینہ آئی، اور ایک مہینہ تک بیمار رہی۔ اور سب سے بڑی وجہ طبیعت خراب ہونے کی یہ ہو گئی کہ میں رسول اللہ ﷺ کا وہ لطف و کرم اپنے ساتھ نہ دیکھتی تھی جو ہمیشہ سے معمول تھا بلکہ اس عرصہ میں آپ کا معاملہ یہ رہا کہ گھر میں تشریف لاتے اور سلام کرتے پھر پوچھ لیتے کیا حال ہے؟ اور واپس تشریف لے جاتے تھے۔ مجھے چونکہ اس کی کچھ خبر نہ تھی، کہ میرے بارے میں کیا خبر مشہور کی جا رہی ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کا راز مجھ پر نہ کھلتا تھا، میں اسی غم میں گھلنے لگی، ایک روز اپنی کمزوری کی وجہ سے مسطح صحابی کی والدہ ام مسطح کو ساتھ لیکر میں نے قضاء حاجت کے لئے باہر جانے کا ارادہ کیا کیونکہ اس وقت گھروں میں بیت الخلاء بنانے کا رواج نہ تھا۔ جب میں قضاء حاجت سے فارغ ہو کر گھر کی طرف آنے لگی تو ام مسطح کا پاؤں اُن کی بڑی چادر میں الجھا اور یہ گر پڑیں، اس وقت اُنکی زبان سے یہ کلمہ نکلا نَعَسَ مَسْطَحٌ، یہ ایسا کلمہ ہے جو عرب میں بددعاء کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں ماں کی زبان سے اپنے بیٹے مسطح کے لئے بددعاء کا کلمہ سن کر عائشہ صدیقہؓ کو تعجب ہوا، ان سے فرمایا کہ یہ بہت بری بات ہے تم ایک نیک آدمی کو برا کہتی ہو جو غزوہ بدر میں شریک تھا یعنی ان کا بیٹا مسطح، اس پر ام مسطح نے تعجب سے کہا کہ بیٹی کیا تم کو خبر نہیں کہ مسطح میرا بیٹا کیا کہتا پھرتا ہے؟ میں نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے؟ تب اُن کی والدہ نے مجھے یہ سارا واقعہ اہل راقب کی چلائی ہوئی تہمت کا اور مسطح کا اسمیں شریک ہونا بیان کیا۔

صدقہٴ فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میرا مرض دوگنا ہو گیا۔ جب میں گھر میں واپس آئی اور حسب معمول رسول اللہ ﷺ تشریف لائے سلام کیا اور مزاج پرسی فرمائی تو صدیقہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اجازت طلب کی کہ اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں۔ آپ نے اجازت دیدی۔ منشاء یہ تھا کہ والدین سے اس معاملہ کی تحقیق کریں۔ میں نے جا کر والدہ سے پوچھا، انھوں نے تسلی دی کہ تم جیسی عورتوں کے دشمن ہوا کرتے ہیں اور ایسی چیزیں مشہور کیا کرتے ہیں تم اس کے غم میں نہ پڑو، خود بخود معاملہ صاف ہو جاوے گا۔

میں نے کہا سبحان اللہ! لوگوں میں اس کا چرچا ہو چکا میں اس پر کیسے صبر کروں۔ میں ساری رات روتی رہی، نہ میرا آنسو تھا، نہ آنکھ لگی، دوسری طرف رسول اللہ ﷺ نے جو اس خبر کے پھیلنے سے سخت غمگین تھے، اور اس عرصہ میں اس

معاملے کے متعلق کوئی وحی بھی آپ پر نہ آئی تھی اس لئے علی کرم اللہ وجہہ اور اسامۃ بن زیدؓ جو دونوں گھر کے ہی آدمی تھے ان سے مشورہ لیا کہ ایسی حالت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ اسامۃ بن زیدؓ نے تو کھل کر عرض کیا کہ جہاں تک ہمارا علم ہے ہمیں عائشہؓ کے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں، ان کی کوئی بات ایسی نہیں جس سے بدگمانی کی راہ پیدا ہو، آپ ان انوہوں کی کچھ پرواہ نہ کریں۔

علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کو غم و اضراب سے بچانے کے لئے یہ مشورہ دیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کچھ تنگی نہیں فرمائی اگر انوہوں کی بناء پر عائشہؓ کی طرف سے کچھ تکذّر طبعی ہو گیا ہے تو عورتیں اور بہت ہیں۔ آپ کا یہ تکذّر اس طرح بھی رفع ہو سکتا ہے کہ بریرہؓ جو صدیقہ عائشہؓ کی کنیز ہیں ان سے ان کے حالات کی تحقیق فرمائیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے بریرہؓ سے پوچھ گچھ فرمائی، بریرہؓ نے عرض کیا کہ اور تو کوئی بات عیب کی مجھے ان میں نظر نہیں آئی بجز اسکے کہ نوعمر لڑکی ہیں بعض اوقات آٹا گوندھ کر رکھ دیتی ہیں خود سو جاتی ہیں بکری آکر آٹا کھا جاتی ہیں، اس کے بعد حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا خطبہ دینا اور برسر منبر تہمت گھڑنے والوں اور انوہ پھیلانے والوں کی شکایت کا ذکر فرمانا اور طویل قصہ مذکور ہے۔

آگے کا مختصر قصہ یہ ہے کہ: صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے یہ سارا دن پھر دوسری رات بھی مسلسل روتے ہوئے گزری میرے والدین بھی میرے پاس آگئے تھے وہ ڈر رہے تھے کہ رونے سے میرا کلیجہ پھٹ جائیگا، میرے والدین میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور میرے پاس بیٹھ گئے، اور جب سے یہ قصہ چلا تھا اس سے پہلے آپ میرے پاس آکر نہ بیٹھے تھے، پھر آپ نے ایک مختصر خطبہ شہادت پڑھا اور فرمایا: اے عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں یہ باتیں پہنچی ہیں، اگر تم بری ہو تو اللہ تعالیٰ ضرور تمہیں بری کر دیں گے (یعنی برأت کا اظہار بذریعہ وحی فرمادینگے) اور اگر تم سے کوئی لغزش ہوگئی ہے تو اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرو کیونکہ بندہ جب اپنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمالتے ہیں۔

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنا کلام پورا فرمایا تو میرے آنسو بالکل خشک ہو گئے، میری آنکھوں میں ایک قطرہ نہ رہا، میں نے اپنے والد ابو بکر الصدیقؓ سے کہا کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی بات کا جواب دیجئے، ابو بکرؓ نے عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں، پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا کہ آپ جواب دیجئے، انہوں نے بھی عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتی ہوں، اب مجبور ہو کر مجھے ہی بولنا پڑا، میں ایک کم عمر لڑکی تھی اب تک قرآن بھی زیادہ نہیں پڑھ سکی تھی، اس وقت اس رنج

وغم اور انتہائی صدمہ کی حالت میں جبکہ اچھے اچھے عقلاء کو بھی کوئی معقول کلام کرنا آسان نہیں ہوتا، عائشہ صدیقہؓ نے جو کچھ فرمایا وہ ایک عجیب و غریب عاقلانہ فاضلانہ کلام ہے اسکے الفاظ بعینہ لکھے جاتے ہیں: واللہ لقد عرفت لقد سمعت هذا الحديث حتى استقر في انفسكم وصدقتم به ولئن قلت لكم اني بريئة والله يعلم اني بريئة لاتصدقوا نى ولان اعترفت لكم بامر، والله يعلم اني منه بريئة، لتصدقوني والله لا اجادلن ولکم مثلاً لا كما قال ابو يوسف فصبر جميل والله المستعان على تصفون.

اللہ کی قسم مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ نے اس بات کو سنا اور سنتے رہے یہاں تک کہ آپ کے دل میں بیٹھ گئی اور آپ نے اس کی عملاً تصدیق کر دی، اب اگر میں یہ کہتی ہوں کہ میں اس سے بری ہوں، جیسا کہ اللہ جانتا ہے، کہ واقعی میں بری ہوں، تو آپ میری تصدیق نہ کریں گے اور اگر میں ایسے کام کا اعتراف کر لوں جس سے میرا بری ہونا اللہ تعالیٰ جانتا ہے، تو آپ میری بات مان لیں گے، واللہ اب میں اپنے اور آپ کے معاملہ کی کوئی مثال بجز اسکے نہیں پاتی جو یوسف علیہ السلام کے والد یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کی غلط بات سن کر فرمائی تھی، کہ میں صبر جمیل اختیار کرتا ہوں، اور اللہ سے اس معاملہ میں مدد طلب کرتا ہوں جو تم بیان کر رہے ہو۔

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: کہ اتنی بات کر کے میں الگ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی اور فرمایا کہ مجھے یقین تھا کہ جیسا کہ میں فی الواقع بری ہوں اللہ تعالیٰ میری برأت کا اظہار بذریعہ وحی ضرور فرماویں گے۔ لیکن یہ وہم و خیال بھی نہ تھا کہ میرے معاملے میں قرآن کی آیت نازل ہوگی، جو ہمیشہ تلاوت کی جاوے گی کیونکہ میں اپنا مقام اس سے بہت کم محسوس کرتی تھی، ہاں یہ خیال تھا کہ غالباً آپ کو خواب میں میری برأت ظاہر کر دی جاوے گی۔ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ اپنی اس مجلس سے ابھی نہیں اٹھے تھے اور گھر والوں میں بھی کوئی نہیں اٹھا تھا کہ آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو نزول وحی کے وقت ہوا کرتی تھی، جس سے سخت سردی کے زمانے میں آپ کی پیشانی مبارک سے پسینہ پھوٹنے لگتا تھا، جب یہ کیفیت رفع ہوئی تو رسول ﷺ ہنستے ہوئے اٹھے اور سب سے پہلا کلمہ جو فرمایا وہ یہ تھا: ابشـــــری یا عائشہ اما الله فقد ابرأك، یعنی اے عائشہ صدیقہؓ خوشخبری سنو اللہ تعالیٰ نے تو تمہیں بری کر دیا، میری والدہ نے کہا کہ کھڑی ہو جاؤ اور نبی ﷺ کے پاس حاضر ہو، میں نے کہا کہ نہ میں اس معاملہ میں اللہ کے سوا کسی کا احسان مانتی ہوں نہ کھڑی ہوں گی میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ اسی نے مجھے بری فرمایا۔ [بخاری: رقم: ۴۱۴۱، مسلم، رقم: ۲۷۷۰]۔

ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَانْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿۱۲۲﴾

تو مومن مردوں اور عورتوں نے کیوں اپنے دلوں میں نیک گمان نہ کیا اور کیوں نہ کہا کہ یہ صریح بہتان ہے [۵]

لَوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَئِكَ عِنْدَ

یہ (افتراء پرداز) اپنی بات (کی تصدیق) کے (لئے) چار گواہ کیوں نہ لائے؟ تو جب یہ گواہ نہیں لاسکے تو اللہ کے نزدیک

اللَّهُ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۲۳﴾ لَوْلَا فَضَّلَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا

یہی جھوٹے ہیں۔ اور اگر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی

وَالْآخِرَةَ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۲۴﴾

تو جس بات کا تم چرچا کرتے تھے اس کی وجہ سے تم پر بڑا (سخت) عذاب نازل ہو جاتا

[۵] عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ: رأيت رسول الله ﷺ يطوف بالكعبة، ويقول ما طيبك واطيب

ريحك، ما اعظمك و اعظم حرمتك، و الذی نفس محمد بيده لحرمة المؤمن اعظم عند الله حرمة

منك، ماله و دمه، و ان نظن به الاخير. سنن ابن ماجه، ابواب الفتن رقم: ۳۹۳۲.

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، کہ آپ ﷺ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں، اور کعبے سے خطاب کرتے ہوئے

فرما رہے ہیں، کہ تو کتنا پاک ہے؟ اور تیری خوشبو کتنی اچھی ہے؟ تو کتنا عظیم ہے؟ اور تیری حرمت کتنی بڑی ہے؟ قسم اس

ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، یقیناً ایک مومن کی حرمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک تیری حرمت سے بھی زیادہ

عظیم ہے، اس کے مال کی بھی، اس کے خون کی بھی، اور اس بات کی بھی کہ ہم اس کے بارے میں اچھے گمان کے سوا کوئی

اور گمان کریں۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی کو بعض علماء نے ضعیف کہا ہے، جبکہ ابن حبان نے اس کی توثیق کی

ہے، مصباح الزجاجة: ۱۶۴/۴، لیکن یہی مضمون والی حدیث عبد اللہ بن عباسؓ اور جابرؓ اور عبد اللہ بن عمروؓ سے بھی مختلف

سندوں سے مروی ہے، شعب الایمان للبیہقی: ۳۰۶/۷، معجم کبیر للطبرانی ۱۰۹۶۶، معجم اوسط: ۱۹/۵، مجمع الزوائد: ۲۵۵/۱،

جس کی وجہ سے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث قابل قبول ہے۔ فیض القدر: ۳۶۶/۵۔

إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِالسِّنِّتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُمْ مَا لَيْسَ لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ

جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور اپنے منہ سے ایسی بات کہتے تھے جس کا تمہیں کچھ علم نہ

وَ تَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿۱۵﴾

تھا اور تم اسے ایک ہلکی بات سمجھتے تھے اور اللہ کے نزدیک وہ بڑی بھاری بات تھی

وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُمْ مَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَتَكَلَّمَ بِهَذَا سُبْحَانَكَ

اور جب تم نے اسے سنا تو کیوں نہ کہا کہ ہمیں شایاں نہیں کہ ایسی بات زبان پر لائیں (پروردگارا) تو پاک ہے

هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ بِعِظَتِكُمْ اللَّهُ أَنْ تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِنْ كُنْتُمْ

یہ تو (بہت) بڑا بہتان ہے۔ اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر مومن ہو تو پھر کبھی ایسا (کام) نہ کرنا

مُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۸﴾

اور اللہ تمہارے (سمجھانے کے لئے) اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا

اور جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت بدکاری کی خبر) پھیلے

لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾

ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہو گا اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَوْفٌ رَحِيمٌ ﴿۲۰﴾

اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو کیا کچھ نہ ہوتا مگر وہ کریم ہے) اور یہ کہ اللہ نہایت مہربان اور رحیم ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوتِ الشَّيْطَانِ وَمَنْ يَتَّبِعْ خُطُوتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ

اے مومنو! شیطان کے قدموں پر نہ چلنا اور جو شخص شیطان کے قدموں پر چلے گا تو شیطان

يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا

تو بے حیائی (کی باتیں) اور بُرے کام ہی بتائے گا اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور مہربانی نہ ہوتی تو ایک شخص بھی

مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَبَدًا وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۱﴾

تم میں پاک نہ ہو سکتا مگر جس کو اللہ چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے (اور) اللہ سننے والا (اور) جاننے والا ہے

وَلَا يَأْتَلِ أُولُو الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولَى الْقُرْبَىٰ

اور جو لوگ تم میں صاحبِ فضل (اور صاحب) وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں

وَالْمَسْكِينِ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِيَعْفُوا وَلِيَصْفَحُوا

اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ پات نہیں دیں گے ان کو چاہیے کہ معاف کر دیں اور درگزر کریں

أَلَّا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۲﴾

کیا تم پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ جو لوگ

يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعُنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

پر ہیزگار اور بُرے کاموں سے بے خبر اور ایمان دار عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت (دونوں) میں

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾

لعنت ہے اور ان کو سخت عذاب ہوگا۔ (یعنی قیامت کے روز) جس دن ان کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں سب

وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۴﴾

ان کے کاموں کی گواہی دیں گے۔ اس دن اللہ ان کو (ان کے اعمال کا) پورا پورا (اور) ٹھیک ٹھیک بدلا دے گا

دِينَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ ﴿۲۵﴾

اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ برحق (اور حق کو) ظاہر کرنے والا ہے

الْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ

ناپاک عورتیں ناپاک مردوں کے لئے اور ناپاک مرد ناپاک عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے

وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ أُولَئِكَ مُبَرَّءُونَ مِمَّا يَقُولُونَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ

اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے یہ (پاک لوگ) ان کی باتوں سے بڑی ہیں ان کے لئے بخشش اور نیک روزی ہے

﴿۲۴۴﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّى تَسْتَأْنِسُوا

مومنو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے (لوگوں کے) گھروں میں گھر والوں سے اجازت لئے

﴿۲۴۵﴾ وَتَسَلَّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ

اور ان کو سلام کئے بغیر داخل نہ ہو اور یہ تمہارے حق میں بہتر ہے (اور ہم یہ نصیحت اس لئے کرتے ہیں کہ) شاید تم یاد رکھو

فَإِنْ لَّمْ تَجِدُوا فِيهَا أَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوهَا حَتَّىٰ يُؤْذَنَ لَكُمْ وَإِنْ قِيلَ لَكُمْ

اگر تم گھر میں کسی کو موجود نہ پاؤ تو جب تک تمہیں اجازت نہ دی جائے اس میں مت داخل ہو اور اگر یہ کہا جائے گا (اس

﴿۲۴۸﴾ ارجِعُوا فَأَرْجِعُوا هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ

وقت) لوٹ جاؤ تو لوٹ جایا کرو یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ سب جانتا ہے

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ

اگر تم کسی ایسے گھر میں جاؤ جس میں کوئی بستا نہ ہو اور اس میں تمہارا اسباب ہو تم پر کچھ گناہ نہیں

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿۲۴۹﴾ قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ

اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو پوشیدہ کرتے ہو اللہ کو سب معلوم ہے۔ مومن مردوں سے کہہ دو

يَغْضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ

کہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لئے بڑی پاکیزگی کی بات ہے

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۳۰﴾ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ

اور جو کام یہ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے خبر دار ہے۔ اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں

مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش (کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں مگر جو اس میں سے کھلا رہتا ہو

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ

اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں اوڑھے رہا کریں اور اپنے خاوند

أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ

اور باپ اور خسر اور بیٹوں اور خاوند کے بیٹوں اور بھائیوں

أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ

اور بھتیجیوں اور بھانجوں اور اپنی (ہی قسم کی) عورتوں اور لونڈی غلاموں کے سوا

أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْأَرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوْ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا

نیز ایسے نوکر جو عورتوں کی خواہش نہ رکھیں یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کے پردے کی چیزوں سے

عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ

واقف نہ ہوں کسی پر اپنی زینت (اور سنگھار کے مقامات) ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں

لِيُعْلَمَ مَا يَخْفَيْنَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ

نہ ماریں کہ (جھنکار کی آواز کانوں میں پہنچے اور) ان کا پوشیدہ زیور معلوم ہو جائے اور مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو

لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾ وَانكحوا الأيامى منكم والصالحين

تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں کے نکاح کر دیا کرو اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں کے بھی جو نیک ہوں

﴿۱۲۲﴾ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۲﴾

اگر وہ مفلس ہوں گے تو اللہ ان کو اپنے فضل سے خوشحال کر دے گا اور اللہ (بہت) وسعت والا اور جاننے والا ہے

وَلَيْسَتَعَفِيفِ الدِّينِ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ

اور جن کو بیاہ کا مقدور نہ ہو وہ پاکدامنی کو اختیار کئے رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے

وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ

اور جو غلام تم سے مکاتبت چاہیں اگر تم ان میں (صلاحیت اور) نیکی پاؤ تو ان سے مکاتبت کر لو

خَيْرًا وَأَتَوْهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ وَلَا تُكْرَهُوا فَتَيْتَكُمْ عَلَىٰ

اور اللہ نے جو مال تمہیں بخشا ہے [۶] اس میں سے ان کو بھی دو اور اپنی لونڈیوں کو اگر وہ پاک دامن رہنا چاہیں تو (بے شرمی سے)

الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَا تَحْصِنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَنْ يُكْرِهَنَّ

دنیاوی زندگی کے فوائد حاصل کرنے کے لئے بدکاری پر مجبور نہ کرنا اور جو ان کو مجبور کرے گا تو ان (بیچاروں) کے مجبور کئے

فَإِنَّ اللَّهَ مِنْ بَعْدِ إِكْرَاهِهِمْ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۲۳﴾ ﴿۱۲۳﴾ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ آيَاتٍ

جانے کے بعد اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں نازل کی ہیں

[۶] آج کل دنیا میں مادہ پرستی کا دور دورہ ہے، ساری دنیا معاد و آخرت کو بھلا کر صرف معاش کے جال میں پھنس گئی

ہے، ان کی علمی تحقیقات اور غور و فکر کا دائرہ صرف معاشیات ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے، اور اس میں بحث و تحقیق کے

زور نے ایک ایک معمولی مسئلے کو ایک مستقل فن بنا دیا ہے، ان فنون میں سب سے بڑا فن معاشیات کا ہے۔ اس معاملے میں

آج کل عقلا دنیا کے دو نظریے زیادہ معروف و مشہور ہیں، وہ دونوں ہی باہم متصادم ہیں، ان کے تصادم نے اقوام دنیا میں

تصادم اور جنگ و جدال کے ایسے دروازے کھول دیئے ہیں کہ ساری دنیا امن و اطمینان سے محروم ہو گئی۔

ایک نظام سرمایہ دارانہ نظام ہے، جس کو اصطلاح میں کپٹل ازم کہا جاتا ہے، دوسرا نظام اشتراکیت کا ہے جس

کو کمیونیزم یا سوشل ازم کہا جاتا ہے، اتنی بات تو مشاہدہ کی ہے جس کا دونوں نظاموں میں سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا، کہ اس دنیا میں انسان اپنی محنت اور کوشش سے جو کچھ کماتا اور پیدا کرتا ہے اس سب کی اصل بنیاد قدرتی وسائل، پیداوار زمین، پانی اور معادن میں پیدا ہونے والی قدرتی اشیاء پر ہے، انسان اپنے غور و فکر اور محنت و مشقت کے ذریعہ انہیں وسائل پیداوار میں جوڑ توڑ اور تحلیل و ترکیب کے ذریعہ اپنی ضرورت کی لاکھوں اشیاء پیدا کرتا اور بناتا ہے، عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ دونوں نظام پہلے یہ سوچتے کہ یہ قدرتی وسائل خود تو پیدا نہیں ہو گئے، ان کا کوئی پیدا کرنے والا ہے، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ان کا اصل مالک بھی وہی ہوگا۔ جو ان کا پیدا کرنے والا ہے، ہم ان وسائل پر قبضہ کرنے اور ان کے مالک بننے یا استعمال کرنے میں آزد نہیں بلکہ اصل مالک و خالق نے اگر کچھ ہدایات دی ہیں تو ان کے تابع چلنا ہمارا فرض ہے، مگر مادہ پرستی کے جنون نے ان سبھی کو اصل خالق و مالک کے تصور ہی سے غافل کر دیا۔ ان کے نزدیک اب بحث صرف یہ رہ گئی کہ وسائل پیداوار پر قبضہ کر کے ان سے ضروریات زندگی پیدا کرنے والا ان سب چیزوں کا خود بخود آزاد مالک و مختار ہو جاتا ہے، یا یہ سب چیزیں وقف عام اور مشترک ہیں، ہر ایک کو ان سے نفع اٹھانے کا یکساں حق حاصل ہے۔

پہلا نظریہ سرمایہ دارانہ نظام کا ہے جو انسان کو ان چیزوں پر آزاد ملکیت کا حق دیتا ہے۔ کہ جس طرح چاہے اس کو حاصل کرے اور جہاں چاہے اس کو خرچ کرے، اس میں اس پر کوئی روک ٹوک برداشت نہیں، یہی نظریہ قدیم زمانے کے مشرکین و کفار کا تھا، جنہوں نے شعیب علیہ السلام پر یہ اعتراض کیا تھا کہ یہ مال ہمارے ہیں، ہم ان کے مالک ہیں، آپ کو کیا حق ہے کہ ہم پر پابندی لگائیں کہ فلاں کام میں خرچ کرنا جائز اور فلاں میں حرام ہیں۔ آیت قرآن: ”او ان نفعل فی اموالنا منشاء“ (ہود: ۸۷) کا یہی مطلب ہے۔

اور دوسرا نظریہ اشتراکیت کا ہے، جو کسی کو کسی چیز پر ملکیت کا حق نہیں دیتا بلکہ ہر چیز کو تمام انسانوں میں مشترک اور سب کو اس سے فائدہ اٹھانے کا یکساں حق قرار دیتا ہے، اور اصل نظریہ اشتراکیت کی بنیاد یہی ہے، مگر پھر جب دیکھا کہ یہ ناقابل عمل تصور ہے، اس پر کوئی نظام نہیں چلایا جاسکتا۔ تو پھر کچھ اشیاء کو ملکیت کے لئے مستثنیٰ بھی کر دیا ہے، قرآن کریم نے ان دونوں بیہودہ نظریوں پر رد کر کے اصول یہ بنایا کہ کائنات کی ہر چیز دراصل اللہ تعالیٰ کی ملک ہے جو ان کا خالق ہے، پھر اس نے اپنے فضل و کرم سے انسان کو ایک خاص قانون کے تحت ملکیت عطا فرمائی ہے۔

جن چیزوں کا اس قانون کی رو سے وہ مالک بنا دیا گیا ہے، اس میں دوسروں کے تصرف کو بغیر اس کی اجازت کے حرام قرار دیا۔ مگر مالک بننے کے بعد بھی اس کو آزاد ملکیت نہیں دی، کہ جس طرح چاہے کمائے اور جس طرح چاہے =

﴿مِثْلُ مِثْلٍ وَمِثْلًا مِّنَ الَّذِينَ خَلَوْا مِن قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ﴾

اور جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کی خبریں اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت
 اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ مِثْلُ نُورِهِ كَمِشْكُورَةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ
 اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے اس کے نور کے مثال ایسی ہے کہ گویا ایک طاق ہے جس میں چراغ ہے
 الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ
 اور چراغ ایک قندیل میں ہے اور قندیل (ایسی صاف شفاف ہے کہ) گویا موتی کا سا چمکتا ہوا تارا ہے
 يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ
 اس میں ایک مبارک درخت کا تیل جلایا جاتا ہے (یعنی) زیتون کہ نہ مشرق کی طرف ہے نہ مغرب کی طرف (ایسا معلوم ہوتا
 يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ
 ہے کہ) اس کا تیل خواہ آگ اسے نہ بھی چھوئے جلنے کو تیار ہے اور روشنی پر روشنی (بڑھ رہی ہے) اللہ اپنے نور سے جس

= خرچ کرے۔ بلکہ دونوں طرف ایک عادلانہ اور حکیمانہ قانون رکھا ہے کہ فلاں طریقہ کمانے کا حلال ہے فلاں حرام
 اور فلاں جگہ خرچ کرنا حلال ہے اور فلاں حرام۔ اور یہ کہ جو چیز اس کی ملکیت میں دی ہے اس میں کچھ اور لوگوں کے حقوق
 بھی لگا دیے ہیں۔ جن کو ادا کرنا اس کی ذمہ داری ہے، آیت مذکورہ اگرچہ ایک اور مضمون کے لئے آئی ہے مگر اس کے ضمن
 میں اسی اہم معاشی مسئلہ کے چند اصول بھی آگئے ہیں۔ الفاظ آیت پر نظر کیجئے: ”واتوهم من مال الله الذي اتيكم“
 یعنی دو! ان حاجتمند لوگوں کو اللہ کے اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے دیا ہے، اس میں تین باتیں ثابت
 ہوئیں، اول یہ کہ اصل مال اور ہر چیز کا اللہ تعالیٰ ہے، دوسرے یہ کہ اسی نے اپنے فضل سے اس کے ایک حصہ
 کا تمہیں مالک بنا دیا ہے، تیسرے یہ کہ جس چیز کا تم کو مالک بنایا ہے اس پر کچھ پابندیاں بھی اس نے لگائی ہیں۔ بعض
 چیزوں میں خرچ کرنے کو ممنوع قرار دیا اور بعض چیزوں میں خرچ کرنے کو لازم و واجب اور بعض میں مستحب اور افضل
 قرار دیا ہے، واللہ اعلم۔

مَنْ يَشَاءُ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾

کو چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور اللہ جو مثالیں بیان فرماتا ہے (تو) لوگوں کے لئے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے [7]

فِي بُيُوتٍ أُذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا

(وہ قدیل) ان گھروں میں جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کئے جائیں اور وہاں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے [۷]

بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ﴿۱۰۵﴾ لَا تُلْهِهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

(اور) ان میں صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہیں۔ (یعنی ایسے) لوگ جن کو اللہ کے ذکر

وَأِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ

اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے اور نہ خرید و فروخت وہ اس دن سے جب دل (خو گھبراہٹ

[7] آیت مذکورہ کو اہل علم آیت نور لکھتے ہیں کیونکہ اس میں نور ایمان اور ظلمت کفر کو بڑی تفصیلی مثال سے

سمجھایا گیا ہے۔ امام غزالی نور کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں: الظاهر بنفسه والمظهر لغيره، یعنی خود اپنی ذات

سے ظاہر اور روشن ہو اور دوسری چیزوں کو ظاہر و روشن کرنے والا ہو۔ اور تفسیر مظہری میں ہے: کہ نور دراصل اس کیفیت کا نام

ہے جس کو انسان کی قوت باصرہ پہلے ادراک کرتی ہے، اور پھر اس کے ذریعہ ان تمام چیزوں کا ادراک کرتی ہے جو آنکھ سے

دیکھی جاتی ہیں جیسے آفتاب اور چاند کی شعاعیں ان کے مقابل اجسام کثیفہ پر پڑ کر اول اس چیز کو روشن کر دیتی ہیں پھر اس

سے شعاعیں منعکس ہو کر دوسری چیزوں کو روشن کرتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ ”نور“ کا اپنے لغوی اور عرفی معنی کے اعتبار سے حق تعالیٰ جل شانہ، کی ذات پر اطلاق

نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جسم اور جسمانیات سب سے بری اور وراء الوراہ ہے۔ اس لئے آیت مذکورہ میں جو حق تعالیٰ کے لئے

لفظ نور کا اطلاق ہوا ہے اس کے معنی باتفاق ائمہ تفسیر متوابعین روشن کرنے والے کے ہیں، یا پھر صیغہ مبالغہ کی طرح صاحب

نور کو نور سے تعبیر کر دیا گیا۔ جیسے صاحب کرم کو کرم اور صاحب عدل کو عدل کہہ دیا جاتا ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نور بخشنے والے ہیں، آسمان وزمین کو اور اس میں بسنے والی مخلوق کو، اور مراد اس نور سے نور ہدایت ہے۔ ابن کثیر نے

ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے: اللہ ہادی اهل السموات والارض۔

”مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ“ اللایۃ، اللہ تعالیٰ کا نور ہدایت جو مومن کے قلب میں آتا ہے یہ اس کی ایک عجیب

مثال ہے جیسا کہ ابن جریر نے ابی بن کعبؓ سے اس کی تفسیر میں نقل کیا ہے: هو المؤمن الذى جعل الله الايمان و القرآن فى صدره فضرب الله مثله فقال: ،اللہ نور السموات والارض ،فبدأ بنور نفسه ثم ذكر نور المؤمن فقال مثل نور من آمن به فكان ابى بن کعبؓ يقرأها مثل نور من آمن به (ابن کثیر)۔

یعنی یہ مثال اس مومن کی ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ نے ایمان اور قرآن کا نور ہدایت ڈال دیا ہے، اس آیت

میں پہلے تو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نور کا ذکر فرمایا ”اللہ نور السموات والارض“۔ پھر قلب مومن کے نور کا ذکر فرمایا ”مثل نورہ“ اور اس آیت کی قرأت بھی ابی بن کعبؓ کی مثل نورہ کے بجائے ”مثل نور من آمن به“ کی ہے، اور سعید بن جبیرؓ نے یہی قرأت، اور آیت کا یہی مفہوم ابن عباسؓ سے بھی روایت کیا ہے، ابن کثیر نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ”مثل نورہ“ کی ضمیر کے متعلق ائمہ تفسیر کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ یہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے اور معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ کا نور ہدایت جو مومن کے قلب میں فطرۃ رکھا گیا ہے اس کی مثال یہ ہے۔ ”کمشکواة“ اللایۃ، یہ قول ابن عباسؓ کا ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ضمیر ہی مومن کی طرف راجع ہو جس پر سیاق کلام دلالت کر رہا ہے، اس لئے حاصل اس مثال کا یہ ہے کہ مومن کا سینہ ایک طاق کی مثال ہے اس میں اس کا دل ایک قندیل کی مثال ہے اس میں نہایت شفاف روغن زیتون فطری نور ہدایت کی مثال ہے، جو مومن کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا ہے، جس کا خاصہ خود بخود بھی قبول حق کا ہے۔

پھر جس طرح روغن زیتون آگ کے شغلہ سے روشن ہو کر دوسروں کو روشن کرنے لگتا ہے، اسی طرح فطری نور ہدایت جو قلب مومن میں رکھا گیا ہے، جب وحی الہی اور علم الہی کے ساتھ اس کا اتصال ہو جاتا ہے تو روشن ہو کر عالم کو روشن کرنے لگتا ہے، اور صحابہ و تابعین نے جو اس کی مثال کو قلب مومن کے ساتھ مخصوص فرمایا وہ بھی غالباً اس لئے ہے کہ فائدہ اس نور کا صرف مومن ہی اٹھاتا ہے، ورنہ وہ فطری نور ہدایت جو ابتداءً تخلیق کے وقت انسان کے قلب میں رکھا جاتا ہے وہ مومن کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر انسان کے فطرت و جبلت میں وہ نور ہدایت رکھا جاتا ہے، اسی کا یہ اثر دنیا کی ہر قوم، ہر خطہ، ہر مذہب و مشرب کے لوگوں میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے وجود کو اور اس کی عظیم قدرت کو فطرۃً مانتا ہے اس کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کے تصور اور تعبیر میں خواہ کیسی ہی غلطیاں کرتا ہو مگر اللہ تعالیٰ کے نفس وجود کا ہر انسان فطرۃً

تاکل ہوتا ہے، بجز چند مادہ پرست افراد کے جن کی فطرت مسخ ہو گئی ہے کہ وہ اللہ ہی کے وجود کے منکر ہیں۔

ایک صحیح حدیث سے اس عموم کی تائید ہوتی ہے، جس میں یہ ارشاد ہے: ”کل مولود یولد علی الفطرة“ (بخاری: ۱۲۹۶، مسلم: ۲۸۰۳) یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اس کو فطرت کے تقاضوں سے ہٹا کر غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔

اس فطرت سے مراد ہدایت ایمان ہے، یہ ہدایت ایمان اور اس کا نور ہر انسان کی پیدائش کے وقت اس میں رکھا جاتا ہے، اور اسی نور ہدایت کی وجہ سے اس میں قبول حق کی صلاحیت ہوتی ہے، جب انبیاء اور ان کے نائبوں کے ذریعہ وحی الہی کا علم ان کو پہنچتا ہے تو وہ اس کو سہولت قبول کر لیتے ہیں، بجز ان منسوخ الفطرت لوگوں کے جنہوں نے اس فطری نور کو اپنی حرکتوں سے مٹا ہی ڈالا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس آیت کے شروع میں تو عطاء نور کو عام بیان فرمایا ہے۔ جو تمام آسمان والوں اور زمین والوں کو شامل ہے، مومن کافر کی بھی کوئی تخصیص نہیں۔

اور آخر میں یہ فرمایا: ”یہدی اللہ لنورہ من یشاء“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نور کی طرف جس کو چاہتا ہے ہدایت کر دیتا ہے، یہاں مشیت الہی کی قید اس نور فطرت کے لئے نہیں جو ہر انسان میں رکھا ہے بلکہ نور قرآن کے لئے ہے جو ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتا، بجز اس خوش نصیب کے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے توفیق نصیب ہو۔ ورنہ انسان کی کوشش بھی بلا توفیق الہی بیکار بلکہ بعض اوقات مضرب بھی پڑ جاتی ہے۔

اذالم یکن عون من اللہ للفتی فاوالم یجنى علیہ اجتہادہ

یعنی اللہ کے طرف سے بندہ کی مدد نہ ہو تو اس کی کوشش ہی اس کو الٹا نقصان پہنچا دیتی ہے۔

امام بغوی نے ایک روایت نقل کی ہے کہ ابن عباسؓ نے کعب احبار سے پوچھا کہ آس آیت کی تفسیر میں آپ کیا کہتے ہیں مَثَلُ نُورٍ كَمِشْكَاةٍ، الایۃ؟ کعب احبار جو تورات اور انجیل کے بڑے عالم مسلمان تھے، انہوں نے فرمایا کہ یہ مثال رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک کی بیان کی گئی ہے۔ مِشْكَاةٍ آپ کا سینہ اور ”رُجَاجِہ“ (قندیل) آپ کا قلب مبارک اور ”مصباح“ چراغ نبوت ہے، اور اس نور نبوت کا خاصہ یہ ہے کہ نبوت کے اظہار و اعلان سے پہلے ہی اس میں لوگوں کے لئے روشنی کا سامان ہے، پھر وحی الہی، اور اس کے اعلان کا اس کے ساتھ اتصال ہو جاتا ہے، تو یہ ایسا نور ہوتا ہے کہ سارے عالم کو روشن کرنے لگتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کے اظہار نبوت و بعثت بلکہ آپ کی پیدائش سے بھی پہلے جو بہت سے عجیب و غریب واقعات عالم

میں ایسے پیش آئے جو آپؐ نبوت کی بشارت دینے والے تھے۔ جن کو اصطلاح محدثین میں ارباصات کہا جاتا ہے کیونکہ معجزات کا لفظ تو اس قسم کے ان واقعات کے لئے مخصوص ہے جو دعویٰ نبوت کی تصدیق کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پیغمبر کے ہاتھ پر جاری کئے جاتے ہیں۔ اور دعویٰ نبوت سے پہلے جو اس قسم کے واقعات دنیا میں ظاہر ہوں ان کو ارباصات کا نام دیا جاتا ہے، اس طرح کے بہت سے واقعات عجیب صحیح روایات سے ثابت ہیں جن کو سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اور ابو نعیم نے دلائل النبوة میں اور دوسرے علماء نے بھی اپنی مستقل کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔

”شَجَرَةٌ مَّبَارَكَةٌ زَيْتُونَةٌ“ اس سے زیتون اور اس کے درخت کا مبارک اور نافع و مفید ہونا ثابت ہوتا ہے، علماء نے یہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں بے شمار منافع و فوائد رکھے ہیں۔ اس کو چرانوں میں روشنی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اس کے پھل کو بطور تنقک کے کھایا جاتا ہے اور یہ ایسا تیل ہے جس کے نکالنے کے لئے کسی مشین یا چرخی وغیرہ کی ضرورت نہیں خود بخود اس کے پھل سے نکل جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: كلوا الزيت وادهنوا به فانها من شجرة مباركة، روغن زیتون کو کھاؤ بھی اور بدن پر ماش بھی کرو کیونکہ یہ شجرہ مبارکہ ہے۔ (رواہ و الترمذی مرفوعاً عن عمر: ۱۷۷۴)۔

فِي بُيُوتِ أَذُنِ اللَّهِ أَنْ تَرْفَعَ وَيُذَكَّرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ، الآية، سابقہ آیت میں حق تعالیٰ نے قلب مومن میں اپنا نور ہدایت ڈال دینے کی ایک خاص مثال بیان فرمائی تھی اور آخر میں یہ فرمایا تھا کہ اس نور سے فائدہ وہ ہی لوگ اٹھاتے ہیں جنکو اللہ چاہتا ہے اور توفیق دیتا ہے۔ اس آیت میں ایسے مومنین کا مستقر محل بیان فرمایا گیا کہ ایسے مومنین کا اصل مقام و مستقر جہاں وہ اکثر اوقات خصوصاً پانچ نمازوں کے اوقات میں دیکھے جاتے ہیں، وہ بیوت یعنی مکانات ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے کہ ان کو بلند و بالا رکھا جائے، اور ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے اور ان بیوت و مکانات کی شان یہ ہے کہ ان میں اللہ کے نام کی تسبیح و تقدیس صبح شام یعنی تمام اوقات میں ایسے لوگ کرتے رہتے ہیں جن کی خاص صفات کا بیان آگے آتا ہے۔

اس تقریر کی بنا اسپر ہے کہ نحوی ترکیب میں ”فی بیوت“ کا تعلق آیت کے جملہ ”یہدی اللہ لنورہ“ کے ساتھ ہو (کمایستفاد من ابن کثیر وغیرہ من المفسرین) بعض علماء نے اس کا تعلق لفظ ”یسبح“ محذوف کے ساتھ کیا ہے جس پر آگے آنے والا لفظ ”یسبح“ دلالت کرتا ہے مگر پہلا احتمال نسق کلام کے اعتبار سے بہتر معلوم ہوتا ہے، اور مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مثال سابق میں اللہ تعالیٰ کے جس نور ہدایت کا ذکر ہوا ہے اس کے ملنے کی جگہ وہ بیوت

ومكانات ہیں جہاں صبح شام اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے۔ جمہور مفسرین کے نزدیک ان بیوت سے مراد مساجد ہیں۔

مساجد اللہ کے گھر ہیں ان کی تعظیم واجب ہے، قرطبی نے اسی کو ترجیح دی اور استدلال میں انسؓ کی یہ حدیث پیش کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من احب الله عز وجل فليحبني ومن احبني فليحب اصحابي ومن احب اصحابي فليحب القرآن ومن احب القرآن فليحب المساجد فانها افنية الله، اذن الله في رفعها وبارك فيها ميمونة ميمون اهلها، محفوظة محفوظة اهلها، هم في صلاتهم والله عز وجل في حوائجهم هم في المساجد والله من ورائهم. (الكامل لابن عدی: ۸/۶۲).

جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھنا چاہتا ہے، اس کو چاہئے کہ مجھ سے محبت کرے، اور جو مجھ سے محبت رکھنا چاہے اس کو چاہئے کہ میرے صحابہؓ سے محبت کرے، اور جو صحابہ سے محبت رکھنا چاہے، اس کو چاہئے کہ قرآن سے محبت کرے، اور جو قرآن سے محبت رکھنا چاہے، اس کو چاہئے کہ مسجدوں سے محبت کرے۔ کیونکہ وہ اللہ کے گھر ہیں، اللہ نے ان کی تعظیم کا حکم دیا ہے۔ اور ان میں برکت رکھی ہے، وہ بھی بابرکت ہیں، اور ان کے رہنے والے بھی بابرکت۔ وہ بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں اور ان کے رہنے والے بھی حفاظت میں۔ وہ لوگ اپنی نمازوں میں مشغول ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے کام بناتے اور حاجتیں پوری کرتے ہیں، وہ مسجدوں میں ہوتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کے پیچھے ان کی چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں (قرطبی)۔

”أَذِنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ“ “أَذِنَ“ اذن سے مشتق ہے جس کے معنی اجازت دینے کے ہیں، اور ”تُرْفَعُ“ رفع سے مشتق ہے جس کے معنی بلند کرنے اور تعظیم کرنے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے مسجدوں کو بلند کرنے کی۔ اجازت دینے سے مراد اس کا حکم کرنا ہے اور بلند کرنے سے مراد ان کی تعظیم کرنا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ بلند کرنے کے حکم میں اللہ تعالیٰ نے مسجدوں میں لغو کام کرنے اور لغو کلام کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ابن کثیر)۔

عکرمہ و مجاہد امام تفسیر نے فرمایا کہ رفع سے مراد مسجد کا بنانا ہے، جیسے بناء کعبہ کے متعلق قرآن میں آیا ہے: ﴿وَأِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ﴾ (بقرہ: ۱۲۷)۔ کہ اس میں رفع قواعد سے مراد بناء قواعد ہے اور حسن بصریؒ نے فرمایا کہ رفع مساجد سے مراد مساجد کی تعظیم و احترام اور ان کو نجاستوں اور گندی چیزوں سے پاک رکھنا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ: ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے مسجد میں سے ناپاکی اور گندگی اور ایذا کی چیز کو نکال دیا اللہ تعالیٰ اُس کے لئے جنت میں گھر بنا دیں گے۔ رواہ ابن ماجہ: ۴۹/۷۔

وَالْأَبْصَارُ ﴿۷۷﴾ لِيُجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا

کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں۔ تاکہ اللہ ان کو ان کے اعمال کا بہت اچھا بدلہ دے

وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۷۸﴾

اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے اور جس کو چاہتا ہے اللہ بے شمار رزق دیتا ہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً ۗ

جن لوگوں نے کفر کیا ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے جیسے میدان میں ریت کہ پیاسا اسے پانی سمجھے

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا وَوَجَدَ اللَّهُ عِنْدَهُ فَوْقَهُ حِسَابَهُ ۗ

یہاں تک کہ جب اس کے پاس آئے تو اسے کچھ بھی نہ پائے اور اللہ ہی کو اپنے پاس دیکھے تو وہ اس کا حساب پورا پورا چکا

وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۷۹﴾ كَظَلُمْتُ فِي بَحْرِ لُجِّي يَغْشَاهُ مَوْجٌ

دے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔ یا (ان کے اعمال کی مثال ایسی ہے) جیسے دریائے عمیق میں اندھیرے جس پر لہر چلی آتی ہو

مِّنْ فَوْقِهِ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ۗ ظَلُمْتُ بَعْضَهَا فَوْقَ بَعْضٍ إِذَا أَخْرَجَ

اور اس کے اوپر اور لہر (آ رہی ہو) اور اس کے اوپر بادل ہو غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں ایک پر ایک

يَدُهُ لَمْ يَكْدِ يَرَاهَا ۗ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِنْ نُّورٍ ﴿۸۰﴾

جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے اور جس کو اللہ روشنی نہ دے اس کو (کہیں بھی) روشنی نہیں (مل سکتی)

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرِ صَفَّتٍ ۗ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور پر پھیلانے ہوئے جانور بھی

كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۲۱﴾

اور سب اپنی نماز اور تسبیح کے طریقے سے واقف ہیں اور جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کو معلوم ہے [۸]

[۸] شروع آیت میں یہ فرمایا ہے کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر مخلوق اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس کرنے میں مشغول ہے۔ اس تسبیح کا مفہوم سفیانؒ نے یہ بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہر چیز آسمان، زمین آفتاب، مہتاب، اور کل سیارے اور ستارے اور زمین کے عناصر آگ، پانی، مٹی، ہوا، سب کو خاص خاص کاموں کے لیے پیدا فرمایا ہے اور جس کام کے لیے پیدا فرمایا ہے وہ برابر اسپر لگے ہوئے ہیں اس سے سر موخلاف نہیں کرتا، اسی اطاعت و انقیاد کو ان چیزوں کی تسبیح فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ان کی تسبیح حالی ہے مقالی نہیں۔ ان کی زبان حال بول رہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کو پاک و برتر سمجھ کر اس کی اطاعت میں لگے ہوئے ہیں۔

مجمعی اور دوسرے مفسرین نے فرمایا: کہ اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے اندر اتنا فہم و شعور رکھا ہو جس سے وہ اپنے خالق و مالک کو پہچانے، اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ ان کو کسی خاص قسم کے گویائی عطا فرمائی ہو، اور خاص قسم کی تسبیح و عبادت ان کو سکھادی ہو، جس میں وہ مشغول رہتے ہوں۔ آخری جملے ”کل قد علم صلواتہ“ میں اسی مضمون کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور نماز میں ساری مخلوق لگی ہوئی ہے، مگر ہر ایک کی نماز اور تسبیح کا طریقہ اور صورت مختلف ہے، فرشتوں کا اور طریقہ، انسان کا دوسرا، اور نباتات کسی اور طرح سے عبادت، نماز و تسبیح ادا کرتے ہیں، جمادات کسی اور طریق سے۔

قرآن کریم کی ایک دوسری آیت سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے جس میں ارشاد ہے اعطی کل شیء خلقہ ثم ہدی، (ط: ۵۰) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کو ہدایت دی۔ وہ ہدایت یہی ہے کہ وہ ہر وقت حق تعالیٰ کی اطاعت میں لگی ہوئی، اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو پورا کر رہی ہے اس کے علاوہ اس کی اپنی ضروریات زندگی کے متعلق بھی اس کو ایسی ہدایت دے دی ہے کہ بڑے بڑے عقلاء کی عقل حیران ہو جاتی ہے پرندے اور جانور اپنے رہنے بسنے کیلئے کیسے کیسے گھونسلے اور بل وغیرہ بناتے ہیں۔ اور اپنی غذا وغیرہ حاصل کرنے کے لئے کیسی کیسی تدبیریں کرتے ہیں۔

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَإِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۲۲﴾

اور آسمان اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی بادلوں کو چلاتا ہے پھر ان کو آپس میں ملا دیتا ہے اور ان کو تہہ جہمہ کر دیتا ہے

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ

پھر تم دیکھتے ہو کہ بادل سے مینہ نکل (کر برس) رہا ہے اور آسمان میں جو (اولوں کے) پہاڑ ہیں ان سے اولے نازل کرتا

فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيَصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنِ مَنْ يَشَاءُ طَيَّكَادُ سَنَا

ہے تو جس پر چاہتا ہے اس کو برسا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ہٹا دیتا ہے اور بادل میں

بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ ﴿۲۲۳﴾ يُبْقِ اللّٰهُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

جو بجلی ہوتی ہے اس کی چمک آنکھوں کو (خیرہ کر کے بینائی کو) اچکے لئے جاتی ہے اور اللہ ہی رات اور دن کو بدلتا رہتا ہے

إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّأُولِي الْأَبْصَارِ ﴿۲۲۴﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِنْ مَّآءٍ

اہل بصارت کے لئے اس میں بڑی عبرت ہے۔ اور اللہ ہی نے ہر چلنے پھرنے والے جاندار کو پانی سے پیدا کیا

فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ رِجْلَيْنِ ۚ

تو ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو دو پاؤں سے چلتے ہیں

وَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ أَرْبَعٍ ۗ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاءُ ۗ إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۲۵﴾

اور بعض ایسے ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

لَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ مُّبَيِّنَاتٍ ۗ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ

ہم ہی نے روشن آیتیں نازل کی ہیں اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے رستے کی طرف ہدایت کرتا ہے

﴿۲۴﴾ وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور رسول پر ایمان لائے اور (ان کا) حکم مان لیا پھر اس کے بعد ان میں سے ایک فرقہ

مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَمَا أَوْلَيْكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۷﴾ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ

پھر جاتا ہے اور یہ لوگ صاحبِ ایمان ہی نہیں ہیں۔ اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے

﴿۲۸﴾ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۲۸﴾

تاکہ (رسول اللہ) ان کا قضیہ چکا دیں تو ان میں سے ایک فرقہ منہ پھیر لیتا ہے

وَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْعِنِينَ ﴿۲۹﴾ أَفِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَمْ ارْتَابُوا

اور اگر معاملہ حق ان کو (پہنچتا) ہو تو ان کی طرف مطیع ہو کر چلے آتے ہیں۔ کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا (یہ) شک میں ہیں

أَمْ يَخَافُونَ أَنْ يَحِيفَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُولُهُ بَلْ أُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۳۰﴾

یا ان کو یہ خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے حق میں ظلم کریں گے؟ (نہیں) بلکہ یہ خود ظالم ہیں

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ

بے شک مومنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلائے جائیں تاکہ وہ ان میں فیصلہ کر دیں

أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۱﴾ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ

تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ اور جو شخص اللہ

﴿۳۲﴾ وَرَسُولَهُ وَيَخْشَ اللَّهَ وَيَتَّقْهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۳۲﴾

اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا اور اس سے ڈرے گا تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں [۹]

[۹] امام قرطبی نے تفسیر قرطبی میں اس جگہ ایک واقعہ فاروق اعظم کا نقل کیا جس سے ان چاروں چیزوں کے =

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن أَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجْنَ قُلْ لَا تَقْسِمُوا

اور (یہ) اللہ کی پکی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر تم ان کو حکم دو تو (سب گھروں سے) نکل کھڑے ہوں کہہ دو کہ قسمیں مت کھاؤ

طَاعَةٌ مَّعْرُوفَةٌ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۱﴾ اَطِيعُوا اللَّهَ

تمہاری اطاعت کی حقیقت معلوم ہے بیشک اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے۔ کہہ دو کہ اللہ کی فرمانبرداری کرو

وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَا حُمِّلْتُمْ

اور رسول اللہ کے حکم پر چلو اگر منہ موڑو گے تو رسول پر (اس چیز کا ادا کرنا) جو ان کے ذمے ہے اور تم پر ہے جو تمہارے ذمے

= مفہوم کا فرق اور وضاحت ہو جاتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ فاروق اعظمؓ ایک روز مسجد نبوی میں کھڑے تھے۔ اچانک ایک رومی

دہقان آدمی بالکل آپ کے برابر آکر کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا ”اننا الشہدان لا الہ الا اللہ واشہدان محمد رسول

اللہ“ فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا بات ہے؟ تو کہا میں اللہ کے لئے مسلمان ہو گیا ہوں، فاروق اعظمؓ نے پوچھا کیا اس کا کوئی

سبب ہے؟ اس نے کہا ہاں، بات یہ ہے کہ میں نے تورات، انجیل، زبور، اور انبیاء سابقین کی بہت سی کتابیں پڑھی

ہیں۔ مگر حال میں ایک مسلمان قیدی قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا وہ سنی تو معلوم ہوا کہ اس چھوٹی سی آیت نے تمام کتب

قدیمہ کو اپنے اندر سمولیا ہے۔ تو مجھے یقین ہو گیا کہ یہ اللہ ہی کی طرف سے ہے، فاروق اعظمؓ نے پوچھا کہ وہ کونسی آیت

ہے؟ تو اس رومی دہقان نے یہی آیت مذکورہ تلاوت کی، اور اس کے ساتھ اس کی تفسیر بھی عجیب و غریب اس طرح بیان کی

کہ ”من يطع الله، فراض الہیہ کے متعلق ہے ”ورسولہ“ سنت نبوی کے متعلق ہے ”ویخش الله“ گزشتہ عمر کے متعلق

ہے ”ویتقہ“ آئندہ باقی عمر کے متعلق ہے، جب انسان ان چار چیزوں کا عامل ہو جائے تو اس کو ”اولئک ہم

الفسائزون“ کی بشارت ہے اور ”فائز“ وہ شخص ہے جو جہنم سے نجات پائے۔ اور جنت میں اس کو ٹھکانہ ملے۔ فاروق

اعظمؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ نبی کریم ﷺ (کے کلام میں اس کی تصدیق موجود ہے) آپ نے فرمایا: ”اویت جوامع

الکلم“ (مسند احمد: ۳۰۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسے جامع کلمات عطا فرمائیں ہیں جن کے الفاظ مختصر اور معانی

نہایت وسیع ہیں۔

وَإِنْ تَطِيعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۲۴﴾

ہے اور اگر تم ان کے فرمان پر چلو گے تو سیدھا راستہ پاؤ گے اور رسول کے ذمے تو صاف صاف (احکامِ الہی کا) پہنچا دینا ہے

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا

فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي

جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے

ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۗ يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ

پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن بخشنے گا وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی اور کو

بِشَيْءٍ ۗ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۲۵﴾

شریک نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۶﴾

اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور پیغمبرِ الہی کے فرمان پر چلتے رہو تاکہ تم پر رحم کی جائے

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ ۗ وَمَا لَهُمْ مِنَ النَّارِ

اور ایسا خیال نہ کرنا کہ تم پر کافر لوگ غالب آجائیں گے ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے

وَلَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۲۷﴾ ۗ يٰۤأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِيَسْتَأْذِنَكُمْ الَّذِينَ مَلَكَتْ

اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔ مومنو! تمہارے غلام لونڈیاں

أَيْمَانُكُمْ وَالَّذِينَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ ۖ مِنْ قَبْلِ صَلَاةِ

اور جو بچے تم میں سے بلوغ کو نہیں پہنچے تین دفعہ (یعنی تین اوقات میں) تم سے اجازت لیا کریں (ایک تو نمازِ صبح

الْفَجْرِ وَحِينَ تَضَعُونَ ثِيَابَكُمْ مِنَ الظَّهِيرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ

سے پہلے اور جب تم کپڑے اتار دیتے ہو دوپہر کو اور تیسرے عشاء کی نماز کے بعد

ثَلَاثَ عَوْرَاتٍ لَّكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ بَعْدَهُنَّ ط

(یہ) تین (وقت) تمہارے پردے (کے) ہیں ان کے (آگے) پیچھے (یعنی دوسرے اوقات میں) نہ تم پر کچھ گناہ ہے

طَوَافُونَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ

نہ ان پر کہ کام کاج کے لئے ایک دوسرے کے پاس آتے رہتے ہو اس طرح اللہ اپنی آیتیں تم پر کھول کھول کر بیان فرماتا

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۸﴾ إِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا

ہے اور اللہ بڑا علم والا اور حکمت والا ہے۔ اور جب تمہارے لڑکے بالغ ہو جائیں تو ان کو بھی اسی طرح اجازت لینی چاہیے

كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

جس طرح ان سے اگلے (یعنی بڑے آدمی) اجازت حاصل کرتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۹﴾ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الَّتِي لَا يَرْجُونَ نِكَاحًا

اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اور بڑی عمر کی عورتیں جن کو نکاح کی توقع نہیں رہی

فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ أَنْ يَضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجَاتٍ بِزِينَةٍ ط

اور وہ کپڑے اتار کر سرنگا کر لیا کریں تو ان پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ اپنی زینت کی چیزیں نہ ظاہر کریں

وَأَنْ يَسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَهُنَّ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۰﴾

اور اگر اس سے بھی بچیں تو یہ ان کے حق میں بہتر ہے اور اللہ سنتا اور جانتا ہے

لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ

نہ تو اندھے پر کچھ گناہ ہے اور نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر

حَرَجٌ وَلَا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَنْ تَأْكُلُوا مِنْ بُيُوتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ آبَائِكُمْ

اور نہ خود تم پر کہ اپنے گھروں سے کھانا کھاؤ یا اپنے باپوں کے گھروں سے

أَوْ بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَانِكُمْ أَوْ بُيُوتِ أَخَوَاتِكُمْ

یا اپنی ماؤں کے گھروں سے یا بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے

أَوْ بُيُوتِ أَعْمَامِكُمْ أَوْ بُيُوتِ عَمَّاتِكُمْ أَوْ بُيُوتِ إِخْوَالِكُمْ أَوْ بُيُوتِ

چچاؤں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے ماموں کے گھروں سے یا اپنی

خَلَاتِكُمْ أَوْ مَا مَلَكَتُمْ مَفَاتِحَهُ أَوْ صَدِيقِكُمْ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

خالاؤں کے گھروں سے یا اس گھر سے جس کی کنجیاں تمہارے ہاتھ میں ہوں یا اپنے دوستوں کے گھروں سے (اور اس کا

أَنْ تَأْكُلُوا جَمِيعًا أَوْ أَشْتَاتًا فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ

بھی) تم پر کچھ گناہ نہیں کہ سب مل کر کھانا کھاؤ یا جدا جدا اور جب گھروں میں جایا کرو تو اپنے (گھر والوں کو) سلام کیا کرو

تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً كَذَلِكَ بَيَّنَّ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٤١﴾

(یہ) اللہ کی طرف سے مبارک اور پاکیزہ تحفہ ہے اس طرح اللہ اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم سمجھو

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَإِذَا كَانُوا مَعَهُ عَلَىٰ أَمْرٍ

مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور جب کبھی ایسے کام کے لئے جو

جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوا حَتَّىٰ يَسْتَأْذِنُوهُ وَإِنَّ الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ

جمع ہو کر کرنے کا ہو بغیر الہی کے پاس جمع ہوں تو ان سے اجازت لئے بغیر چلے نہیں جاتے اے پیغمبر! جو لوگ تم سے اجازت حاصل کرتے ہیں

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِذَا اسْتَأْذَنُوكَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ

وہی اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان رکھتے ہیں سو جب یہ لوگ تم سے کسی کام کے لئے اجازت مانگا کریں

فَأَذِّنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٤٤﴾

تو ان میں سے جسے چاہو اجازت دیدیا کرو اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگا کرو کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۗ قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ

مومنو! پیغمبر کے بلانے کو ایسا خیال نہ کرنا جیسا تم آپس میں ایک دوسرے کو بلاتے ہو [۱۰] بیشک اللہ کو یہ لوگ معلوم ہیں

[۱۰] یہ بھی ادب رسول ہے یعنی جب اللہ کا پیغمبر تمہیں بلائے تو فوراً حاضر ہو جایا کرو اور آپ کے ارشاد کی تعمیل میں

تاخیر یا سستی نہ کیا کرو۔ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہو۔ جب آپ کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ

تو جہاں آپ حکم دیں وہاں بیٹھو اور جب اجازت دیں تب اٹھو۔ اس صورت میں دعا مصدر کی طرف مضاف ہوگا۔ ای

اذا احتج رسول الله ﷺ الى اجتماعكم عنده لامر فداكم فلا تقربوا منه الا باذنه ولا تقيسوا دعاءه

ایا کم علی دعاء بعضکم بعضا۔ مدارک۔ یا دعا اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے، یعنی پیغمبر علیہ السلام کو آواز دیتے

وقت آپ کے آداب و تعظیم کا خیال رکھو، نہ آپ کا نام لے کر آواز دو، نہ دور سے اور بلند آواز سے پکارو، بعض لوگ آپ

کو یا محمد کہہ کر آواز دیتے تھے، اور بعض دیہاتی چلا کر آپ کو پکارتے، ان باتوں سے منع کیا گیا، کیونکہ ادب پیغمبر کے خلاف

ہیں: یرید یصیح من بعد یا ابا القاسم بل عظموه کما فی الحجرات ﴿ان الذین یغضون اصواتهم

عند رسول الله﴾ (الایة الحجرات: ۳) وقال سعید بن جبیر ومجاهد المعنی قولوا یا رسول الله فی رفق

ولین ولا تقولوا یا محمد بتجهم۔ (قرطبی)۔

ابن جریر نے ایک تیسری توجیہ بھی ذکر کی ہے کہ اس سے مراد بددعا ہے، یعنی رسول اللہ ﷺ کی بددعائی سے

اپنے آپ کو بچاؤ، فرماتا ہے: نهی الله بهذه الاية المؤمنین ان یتعرضوا للدعاء الرسول علیهم، وقال لهم

اتقوا دعائه علیکم، بان تفعلوا ما یسخطه فیدعولذالک علیکم فتهلکوا، فلا تجعلوا دعائه کدعاء

غیره من الناس فان دعائه موجبة، اور اس کی نسبت عبد اللہ بن عباسؓ کو کیا ہے، جبکہ ابن ابی حاتم، ماوردی وغیرہ نے

بھی یہی معنی اختیار کیا ہے۔

یہاں بعض مفسرین نے ایک بری عادت جو کہ عوام میں رائج ہے کے منع کے لئے استدلال کیا ہے، جو کہ رسول

ﷺ کو یا محمد سے پکارنا ہے۔ تفسیر معارف القرآن والے لکھتے ہیں: کہ رئیس المفسرین عبد اللہ بن عباسؓ سے ابن کثیر اور قرطبی وغیرہ نے یہ نقل کی ہے کہ جب تم رسول اللہ ﷺ کو کسی کام کے لئے بلاتے ہو یا گفتگو میں مخاطب کرتے ہو تو جس طرح عام لوگ ایک دوسرے کو نام لیکر پکارتے ہیں تو تم اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو نام لیکر یا محمد کہہ کر نہ پکارو، کیونکہ یہ بے ادبی ہے، بلکہ جب وہ حاضر ہیں اور تمہاری آواز سن سکتے ہیں تو ادب کے القاب سے خطاب کرو۔ مثلاً یا رسول اللہ!

چنانچہ درمنثور میں بروایت ابن اسحاق عن ابن عباس نقل ہے کہ بنو تمیم کے کچھ لوگ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپؐ گھر میں تشریف فرما تھے، تو آپؐ کا انتظار کئے بغیر باہر ہی سے کھڑے ہو کر آپؐ کا نام لے کر پکارنے لگے کہ ”یا محمد اخرج الینا“ تو سورت الحجرات کی ابتدائی آیتیں اس کے متعلق نازل ہوئیں، ان کو زبردیا گیا، اور نبی کے ساتھ گفتگو اور بلانے کے آداب بیان کئے گئے۔ یہ تو بنی تمیم نے اس وقت آواز دی تھی جبکہ نبی ﷺ گھر کے اندر موجود تھے۔ روئے زمین کے اوپر تشریف فرما تھے۔ آپؐ کے اور یا محمد کہنے والے بنو تمیم کے درمیان صرف حجرہ مبارکہ کی دیواریں حائل تھیں۔ پھر بھی ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ”ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرهم لایعقلون“۔ (حجرات: ۴) فرمادیا۔

اور آج بھی نبی ﷺ حجرہ مقدسہ کے اندر مدفون ہیں۔ اور یہاں سے حجرہ مبارکہ تک کتنے پہاڑ، بلاؤں، خشکیاں اور سمندر درمیان میں حائل ہیں۔ لیکن یہاں سے یا محمد کہنے والا آپؐ کو من وراء الحجرات نہیں سمجھتا ہے بلکہ یا تو نبی ﷺ کو اپنے ہاں حاضر سمجھتے ہیں اور یا نبیؐ کو عالم الغیب سمجھتے ہیں اور دونوں عقیدے غلط ہیں۔ جیسا حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ کی کلام کا اقتباس ابھی آنے والا اور سورۃ النور سورت الحجرات کی دونوں آیتوں کا یہ مطلب اور یہ مراد لینا کہ نبی علیہ السلام کو نام لیکر یا محمد مت کہا کرو۔ یہ اکثر مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ جن میں سے مشہور تفاسیر کے حوالے یہ ہیں: ابن کثیر۔ تفسیر کبیر۔ قرطبی۔ خازن۔ روح المعانی۔ طبری۔ بحر محیط۔ بیضاوی۔ جلالین۔ کشاف۔ زاد المسیر۔ جامع البیان۔ معارف القرآن۔ صفوة التفسیر۔ الجصاص لاحکام القرآن۔ مدارک۔ التیسبیل۔

اور اس قول کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے: ان ثوبان مولى رسول الله ﷺ قال كنت قائما عند رسول الله ﷺ فجاء جبر من احوار اليهود فقال السلام عليك يا محمد فدفعته دفعة كاد يسرع منها، قال لم تدفعني؟ فقلت ألا تقول يا رسول الله، فقال اليهودى انما ندعوه باسمه الذى سماه به اهلها (الحديث) یعنی ایک یہودی عالم نے آکر نبی علیہ السلام کو یا محمد کہہ دیا تو ثوبانؓ نے اس یہودی

کودھ کا دیکر اس کیساتھ جھگڑہ کرنے لگے کہ تو نے نبی علیہ السلام کا نام لیکر کیوں پکارا؟ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام ”لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم“ پر عمل کرتے ہوئے خود بھی آپ کو یا محمد ﷺ سے نہیں پکارتے، اور دوسروں کو بھی سختی سے منع کرتے تھے۔ یہ روایت طبرانی نے معجم اوسط: ۱/۲۹۱، اور امام مسلم نے کتاب الحیض باب بیان صفة منی الرجل و المرأة (رقم: ۴۷۳) میں نقل کیا ہے۔

اور علی القاری نے روایت انس جو کہ بخاری نے رقم: ۲۱۲۰ و مسلم: ۲۱۳۱، میں اور مشکوٰۃ باب الاسامی: ۸/۳۶۷ میں نقل ہے کہ: کان رسول اللہ ﷺ فی السوق فقال الرجل یا ابا القاسم فالتفت الیہ النبی ﷺ فقال انما دعوت هذا، فقال ﷺ سمو باسمی ولا تکنوا بکنیتی۔ یعنی نبی کریم ﷺ ایک دفعہ کسی حاجت کے لئے بازار گئے تھے تو پیچھے سے ایک آدمی نے یا ابا القاسم کہہ کر آواز دی، تو نبی علیہ السلام نے پیچھے اس وجہ سے التفات فرمائی کہ شاید مجھے کوئی بلا رہا ہے لیکن اس آدمی نے کہا میں آپ کو نہیں بلکہ اس شخص کو بلا رہا ہوں، بعد میں رسول اللہ ﷺ نے حکم صادر فرمایا: میرے نام پر کسی کے لئے نام رکھ سکتے ہوں لیکن میری کنیت پر کنیت مت رکھو۔ تو اس حدیث کے تحت ملا علی القاری تحریر فرماتے ہیں: فانہ لایوجب الاتباس لانکم منہیون عن دعائی باسمی لقولہ تعالیٰ لاتجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا، اولللتعلیم العقلی من اللہ تعالیٰ لعبادہ حیث ما خاطبہ ﷺ فی کلامہ الا یا ایہا النبی ونحوہ، بخلاف سائر الانبیاء حیث ناداہم باسمائہم وقال یا آدم ویا ابراہیم، الخ۔ مرتقات ۱۰/۲۹۹۔ شارح کی اس وجہ کو بیان کرنے سے صاف معلوم ہوا کہ یا محمد کہنا مذکورہ آیت سے منع کیا گیا ہے۔

قاضی عیاض نے اپنی کتاب الشفاء میں کہا ہے وما ذکر من خصائصہ وبر اللہ تعالیٰ بہ ان اللہ تعالیٰ مخاطب جمیع الانبیاء باسمائہم فقال یا آدم یا نوح یا ابراہیم یا موسیٰ یا داؤد یا عیسیٰ یا ذکر یا یاحییٰ ولم یخاطب هو الا یا ایہا الرسول یا ایہا النبی یا ایہا المزمّل یا ایہا المدثر۔ الشفاء: ۱/۳۱۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی خصوصیات میں سے اور اللہ تعالیٰ کے آپ کے ساتھ احسان اور بھلائی میں سے ایک یہ ہے کہ باقی سب انبیاء علیہم السلام کیساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کے ناموں کے ساتھ خطاب فرمایا ہے، مثلاً یا آدم، یا نوح، یا ابراہیم، وغیرہ اور آپ ﷺ کیساتھ قرآن میں کہیں یا محمد کہہ کر خطاب نہیں کیا ہے۔ مگر یا ایہا الرسول، یا ایہا النبی، یا ایہا المزمّل، یا ایہا المدثر، جیسے القاب کیساتھ خطاب کیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جب باری تعالیٰ اپنے رسول کے ساتھ تعظیم اور ملاحظت

کے القاب سے خطاب کرتا ہے اور نام سے خطاب نہیں کیا تو ہم کیوں یا محمد کہہ کر بے ادبی کرتے ہیں۔

اگر کوئی سوال کرتا ہے کہ ہم اب یا محمد کو بعد الوفات حاضر و ناظر کے عقیدے پر نہیں کہتے ہیں اور نہ ان کو دور سے

سنانا مقصود ہے۔

جواب یہ ہے کہ اس عقیدے سے یا محمد کہنا تو نداء غیر اللہ کی وجہ سے ممنوع ہے۔ اس کا حکم الگ ہے۔ اور بغیر اس

عقیدے کے اس کا کہنا بے ادبی اور ترک تعظیم کی وجہ سے ممنوع ہے اگرچہ عقیدہ حاضر و ناظر کا نہ ہو۔ کیونکہ تمام مفسرین نے

سورہ نور اور سورہ حجرات کی آیتوں میں یا محمد کہنے کی ممانعت کی وجہ سے اسے ممنوع قرار دیا ہے اور علت صرف یہی بیان کی

ہے کہ نام سے پکارنے میں بے ادبی ہے اور تعظیم و توقیر کے خلاف ہے۔

معارف القرآن میں مفتی محمد شفیع لکھتے ہیں: جب تم رسول پاک ﷺ کو کسی ضرورت سے بلاؤ یا مخاطب کرو تو عام

لوگوں کی طرح آپ کا نام لیکر یا محمد نہ کہنا، کیونکہ یہ بے ادبی ہے۔ اور امام رازیؒ مسائل رازی: ۳۲۱، میں رقمطراز ہیں:

نہاہم اللہ عن ذلك بقوله لاتجعلوا دعاء الرسول، الاية، اعظاما للنبي عليه السلام۔ اور صفة التفسير میں

ہے: لاتنادوا الرسول باسمه تفخيما للمقامه وتعظيمالشانه۔ قاضی عیاض بھی الشفاء: ۳۵، میں لکھتے

ہیں: ولاتنادوه باسمه نداء بعضكم لبعض ولكن عظموه ووقروه ونادوه باشراف ما يحب ان ينادى به،

وغیر ذلك من التفسير۔ پس ان تمام اقوال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یا محمد کہنے کی ممانعت نبی علیہ السلام کی ادب

اور تعظیم و توقیر کی وجہ سے ہے، اگرچہ حاضر و ناظر کا عقیدہ ہی نہ ہو۔ اب یہ ممانعت یا محمد کہنے کی ادب اور تعظیم کی وجہ سے جس

طرح حالت حیات میں تھی، تو اب بعد الوفات بھی ادب اور تعظیم ضروری ہے اور یہ بعد الوفات بھی ناجائز اور ممنوع

ہے۔ علامہ الوسی روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں: وفي احكام القرآن للسيوطي، لان في هذا النهي تحريم

نداء ﷺ باسمه یعنی سیوطی نے کہا ہے کہ آیت لاتجعلوا دعاء الرسول الاية میں یہ نہی تحریم کے لئے ہے کہ ان کو نام

سے پکارنا حرام ہے۔ اور صاحب روح المعانی لکھتے ہیں و الظاهر استمرار ذلك بعد وفاته الآن. اور ظاہر یہ ہے کہ

یہ حرمت ابھی تک بعد الوفاة بھی باقی ہے۔ معارف القرآن میں ہے قاضی ابوبکر ابن عربی نے فرمایا ہے کہ رسول

ﷺ کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد ایسا ہی واجب ہے جیسا کہ حیات میں تھی، اور جلالین کے حاشیہ پر صاوی

سے نقل کرتے ہیں: واستفيد من الاية لايجوز نداء النبي بغير ما يفيد التعظيم لافي حياته ولا بعد وفاته

، وبهذا يعلم ان من استخف بجنابه ﷺ فهو كافر ملعون في الدنيا والاخرة (جلالين: جلالين کے =

الَّذِينَ يَتَسَلَّلُونَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ
 جو تم میں سے آنکھ بچا کر چل دیتے ہیں تو جو لوگ ان کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں ان کو ڈرنا چاہیے کہ (ایسا نہ ہو کہ) ان پر
 أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۳﴾ ۚ إِنَّ لِلَّهِ
 کوئی آفت پڑ جائے یا تکلیف دینے والا عذاب نازل ہو۔ دیکھو جو کچھ
 مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ قَدْ يَعْلَمُ مَا اَنْتُمْ عَلَيْهِ ۗ وَيَوْمَ
 آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے جس (طریق) پر تم ہو وہ اسے جانتا ہے اور جس روز لوگ
 يُرْجَعُونَ اِلَيْهِ فَيَنْبِئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ ۚ
 اس کی طرف لوٹائے جائیں گے تو جو لوگ عمل کرتے رہے وہ ان کو بتادے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

= حاشیہ پر لکھتے ہیں کہ اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ نبی علیہ السلام کو ایسے الفاظ کیساتھ نداء اور آواز جائز نہیں ہے
 ، جو کہ تعظیم اور آداب کے خلاف ہوں۔ حالت حیات میں اور نہ وفات کے بعد۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کی
 توہین اور استخفاف کرنے والا کافر اور دنیا اور آخرت دونوں میں ملعون ہے۔

قاضی عیاض نے الشفاء میں ایک ہی فصل میں تین جگہ لکھا ہے: (واعلم ان حرمة النبی ﷺ بعدموتہ
 وتوقیرہ وتعظیمہ لازم کما کان حال حیاتیہ. وقال حرمتہ حیاً ومیتاً سواء، الشفاء: ۴۰-۴۱-۴۳۔ جب نبی
 علیہ السلام کی تعظیم حیات اور بعد الوفات دونوں حالتوں میں یکساں لازم ہے تو بعد الوفات بھی یا محمد ان کو کہہ کر پکارنا بے
 ادبی ہے اور خصوصاً جو لوگ نبی علیہ السلام کی حیات ناسوتی اور دینیوی پر قبر میں قائل ہیں تو کیوں وہ لوگ یہ بے ادبی کرتے
 ہیں ان کے قول اور فعل میں تضاد ہے۔

سورة الفرقان (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

تَبْرٰكَ الَّذِیْ نَزَلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهِ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ﴿۱﴾

وہ (اللہ عزوجل) بہت ہی بابرکت ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ اہل حال کو ہدایت کرے

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا

وہی ذات کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور جس نے (کسی کو) بیٹا نہیں بنایا

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِیْكَ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَرَهُ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾

جس کا بادشاہی میں کوئی شریک نہیں اور جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر اس کا ایک اندازہ ٹھہرایا

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِہٖ الْاِلٰهَةَ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ

اور (لوگوں نے) اس کے سوا اور معبود بنا لئے ہیں جو کوئی چیز بھی پیدا نہیں کر سکتے اور خود پیدا کئے گئے ہیں

لَاۤ اَنْفُسِهِمْ ضَرًا وَلَا نَفْعًا وَلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَلَا حَیْوَةً وَلَا نَشُوْرًا ﴿۳﴾

اور نہ اپنے نقصان اور نفع کا کچھ اختیار رکھتے ہیں اور نہ مرنا ان کے اختیار میں ہے اور نہ (مر کر) اٹھ کھڑے ہونا

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْکٌ مِّنْ اٰفْتِرَآءِ وَاَعَاۤنَةُ عَلَیْہِ قَوْمٌ

اور کافر کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) من گھڑت باتیں ہیں جو اس (مدعی رسالت) نے بنالی ہیں اور اور لوگوں نے اس میں اس

اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءٌ وَّاظْلَمًا وَّزُوْرًا ﴿۴﴾ وَقَالُوْا

کی مدد کی ہے یہ لوگ (ایسا کہنے سے) ظلم اور جھوٹ پر (اتر) آئے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں

﴿۱۱﴾ اَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اَكْتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ﴿۱۲﴾

جس کو اس نے لکھ رکھا ہے اور وہ صبح و شام اس کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں

﴿۱۳﴾ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا

کہہ دو کہ اس نے اس کو اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے

﴿۱۴﴾ وَقَالُوا مَا لِهٰذَا الرَّسُوْلِ يٰۤاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِى

اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا پیغمبر ہے کہ کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے

الْاَسْوَاقِ لَوْلَا اَنْزَلَ اِلَيْهٖ مَلَكٌ فَيَكُوْنُ مَعَهٗ نٰذِرًا ﴿۱۵﴾ وَّوَيُلْقٰى اِلَيْهٖ

کیوں نازل نہیں کیا گیا اس کے پاس کوئی فرشتہ کہ اس کے ساتھ ہدایت کرنے کو رہتا یا اس کی طرف (آسمان سے)

كَنْزًا وَّوَيَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا وَقَالَ الظَّالِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا

خزانہ اتارا جاتا یا اس کا کوئی باغ ہوتا کہ اس میں سے کھایا کرتا اور ظالم کہتے ہیں کہ تم تو ایک جادو زدہ شخص کی

﴿۱۶﴾ نُنظُرُ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيعُوْنَ سَبِيْلًا

پیروی کرتے ہو۔ دیکھو تو یہ تمہارے بارے میں کس کس طرح کی باتیں کرتے ہیں سو گمراہ ہو گئے اور راستہ نہیں پاسکتے

﴿۱۷﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْ اِنْ شَاءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنَّتٍ تَجْرِيٰ

وہ (اللہ) بہت بابرکت ہے جو اگر چاہے تو تمہارے لئے اس سے بہتر (چیزیں) بنا دیں (یعنی) باغات جن کے نیچے

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَيَجْعَلُ لَكَ قُصُوْرًا ﴿۱۸﴾ اَبْلُ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ

نہریں بہ رہی ہوں نیز تمہارے لئے محل بنا دے۔ بلکہ یہ تو قیامت ہی کو جھٹلاتے ہیں اور ہم نے قیامت کے جھٹلانے والوں

وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۹﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ

کے لئے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ جس وقت وہ ان کو دُور سے دیکھے گی (تو غضبناک ہو رہی ہوگی اور یہ)

سَمِعُوا لَهَا تَغِيْظًا وَزَفِيْرًا ﴿۱۳﴾ وَإِذَا الْقُوَا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقْرَنِيْنَ

اس کے جوش اور چیخنے چلانے کو سنیں گے۔ اور جب یہ دوزخ کی کسی تنگ جگہ میں (زنجیروں میں) جکڑ

دَعُوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۴﴾ تَدْعُوْا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا

ڈالے جائیں گے تو وہاں موت کو پکاریں گے۔ آج ایک ہی موت نہ پکارو بہت سی موتوں کو پکارو

﴿۱۴﴾ قُلْ اٰذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةِ الْخُلْدِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ

پوچھو یہ بہتر ہے یا بہشت جاودانی جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے

كَانَتْ لَهُمْ جَزَاءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾ اَلَمْ فِيْهَا مَا يَشَاءُوْنَ وَنَخْلِدِيْنَ

یہ ان (کے اعمال) کا بدلا اور رہنے کا ٹھکانہ ہوگا۔ وہاں جو چاہیں گے ان کے لئے میسر ہوگا ہمیشہ اس میں رہیں گے

كَانَ عَلٰی رَبِّكَ وَعَدًّا مَّسْئُوْلًا ﴿۱۶﴾ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا

یہ وعدہ اللہ کو (پورا کرنا) لازم ہی اور اس لائق ہے کہ مانگ لیا جائے۔ اور جس دن (اللہ) ان کو اور انہیں جنہیں یہ اللہ کے سوا

يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ اَنْتُمْ اَضَلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰؤُلَاءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ

پوجتے ہیں جمع کرے گا تو فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود گمراہ ہو گئے تھے؟

﴿۱۷﴾ اَلْوَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِيْ لَنَا اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ

وہ کہیں گے کہ تو پاک ہے ہمیں یہ بات شایاں نہ تھی کہ تیرے سوا اوروں کو

مِنْ اَوْلِيَآءٍ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاَبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوْا الذِّكْرَ

دوست بناتے لیکن تو نے ہی ان کو اور ان کے باپ دادا کو برتے کو نعمتیں دیں یہاں تک کہ وہ تیری یاد کو بھول گئے

وَكَانُوْا قَوْمًا بُُوْرًا ﴿۱۸﴾ اَلْقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ

اور یہ ہلاک ہونے والے لوگ تھے۔ تو (کافرو!) انہوں نے تو تمہیں تمہاری بات میں جھٹلا دیا پس (اب) تم (عذاب کو)

فَمَا تَسْتَطِيعُونَ صَرْفًا وَلَا نَصْرًا وَمَنْ يَظْلِم مِّنْكُمْ نُدِقْهُ عَذَابًا كَبِيرًا

نہ پھیر سکتے ہونہ (کسی سے) مدد لے سکتے ہو اور جو شخص تم میں سے ظلم کرے گا ہم اس کو بڑے عذاب کا مزہ چکھائیں گے

۱۴ ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا إِنَّهُمْ لَيَأْكُلُونَ الطَّعَامَ

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے ہیں سب کھانا کھاتے تھے

وَيَمْشُونَ فِي الْأَسْوَاقِ ۗ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً أَتَصْبِرُونَ

اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ہم نے تمہیں ایک دوسرے کے لئے آزمائش بنایا ہے کیا تم صبر کرو گے؟

وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا ﴿۱۵﴾ وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا

اور تمہارا پروردگار تو دیکھنے والا ہے۔ اور جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے کہتے ہیں

لَوْلَا أَنْزَلْنَا عَلَيْنا الْمَلَائِكَةَ أَوْ نَرَى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي أَنْفُسِهِمْ

کہ ہم پر فرشتے کیوں نہ نازل کئے گئے یا ہم اپنی آنکھ سے اپنے رب کو دیکھ لیں، یہ اپنے خیال میں بڑائی رکھتے ہیں

وَعَتَوْا عُتُوًا كَبِيرًا ﴿۱۶﴾ يَوْمَ يَرُونَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَى يَوْمَئِذٍ

اور (اسی بنا پر) بڑے سرکش ہو رہے ہیں۔ جس دن یہ فرشتوں کو دیکھیں گے اس دن گنہگاروں کیلئے کوئی خوشی کی بات نہیں ہوگی

لِلْمُجْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حَجْرًا مَّحْجُورًا ﴿۱۷﴾ وَقَدِمْنَا إِلَى مَا عَمِلُوا

اور کہیں گے یہ محروم ہی محروم کئے گئے اور جو انہوں نے عمل کئے ہوں گے

مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ نَبْءًا مَّنْثُورًا ﴿۱۸﴾ حَتَّىٰ يَلْمِزُوا رَبَّهُمْ فَخَفَىٰ عَنَّا

ہم ان کی طرف متوجہ ہوں گے تو ان کو اڑتی خاک کر دیں گے۔ اس دن اہل جنت کا ٹھکانہ بھی بہتر ہوگا

مُسْتَقَرًّا وَأَحْسَنُ مَقِيلًا ﴿۱۹﴾ يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ

اور مقامِ استراحت بھی عمدہ ہوگی۔ اور جس دن آسمان ابر کیساتھ پھٹ جائے گا

وَنُزِّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ﴿۲۳﴾ ﴿۲۳﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحَقُّ لِلرَّحْمَنِ

اور فرشتے نازل کئے جائیں گے۔ اس دن سچی بادشاہی اللہ ہی کی ہو گی

وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكَافِرِينَ عَسِيرًا ﴿۲۴﴾ ﴿۲۴﴾ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ

اور وہ دن کافروں پر (سخت) مشکل ہوگا۔ اور جس دن (ناعاقبت اندیش) ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا

يَقُولُ يَلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ﴿۲۵﴾ ﴿۲۵﴾ يَوْمَ يُرِيكُنَا لَيْتِنِي لَمْ

(اور کہے گا) کہ اے کاش میں نے پیغمبر کیساتھ رشتہ اختیار کیا ہوتا۔ ہائے شامت کاش میں نے

اتَّخَذْتُ فَلَانًا خَلِيلًا ﴿۲۸﴾ ﴿۲۸﴾ أَضَلَّنِي عَنِ الذُّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي

فلاں شخص کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے مجھ کو نصیحت کے میرے پاس آنے کے بعد بہکا دیا

وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ﴿۲۹﴾ ﴿۲۹﴾ وَقَالَ الرَّسُولُ

اور شیطان انسان کو دغا دینے والا ہے۔ اور پیغمبر کہیں گے

يَرْبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا ﴿۳۰﴾ ﴿۳۰﴾ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا

کہ اے اللہ! میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔ [1] اور اسی طرح ہم نے گنہگاروں میں سے ہر پیغمبر کا دشمن بنا دیا

[1] عن جابر عن النبي ﷺ القرآن شافع مشفع وماحل مصدق من جعله امامه قاده الى الجنة

ومن جعله خلف ظهره ساقطه الى النار (ابن حبان: ۳۳۳/۱، رقم: ۱۲۴، وبنار: ۱۲۲) ومجمع

الزوائد: ۱/۱۷۱)۔ جابر نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا، کہ قرآن پاک ایسا شفیع ہے جس کی شفاعت قبول کی

گئی، اور ایسا جگھڑالو ہے کہ جس کا جگھڑا تسلیم کر لیا گیا، جو شخص اس کو اپنے آگے رکھے، اس کو جنت کی طرف

کھینچتا ہے، اور جو اس کو پس پشت ڈال دے، اس کو جہنم میں گرا دیتا ہے۔

لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوٌّ مِّنَ الْمُجْرِمِينَ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ هَادِيًا وَنَصِيرًا ﴿٣١﴾

اور تمہارا رب ہدایت دینے اور مدد کرنے کو کافی ہے ۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذَلِكَ

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا؟ اس طرح (آہستہ آہستہ) اس لئے اتارا گیا

لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ﴿٣٢﴾ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا

کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں ۔ اور یہ لوگ تمہارے پاس جو

جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿٣٣﴾ الَّذِينَ يُحْشَرُونَ

بات لاتے ہیں ہم تمہارے پاس ان کا معقول اور خوب شرح جواب بھیج دیتے ہیں ۔ جو لوگ اپنے منہوں کے بل

عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ إِلَىٰ جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَأَضَلُّ سَبِيلًا ﴿٣٤﴾

دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے ان کا ٹھکانہ بھی بُرا ہے اور وہ رستے سے بھی ہٹے ہوئے ہیں ۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ﴿٣٥﴾

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بھائی ہارون کو مددگار بنا کر ان کیساتھ کیا ۔

فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿٣٦﴾

اور کہا کہ دونوں ان کے پاس جاؤ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی تو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا ۔

وَقَوْمِ نُوحٍ ۖ لَمَّا كَذَبُوا الرُّسُلَ ۖ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِنَاسٍ آيَةً

اور نوح کی قوم نے بھی جب پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں غرق کر ڈالا اور لوگوں کیلئے نشانی بنا دیا

وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٣٧﴾ وَتَمُودًا ۖ إِذْ هَمُّوا خَرَابًا ۖ فَذَرْنَاهُمْ

اور ظالموں کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے ۔ اور عاد اور ثمود اور کنوئیں والوں

وَقُرُونًا بَيْنَ ذَلِكَ كَثِيرًا ﴿۸۱﴾ وَلَا تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ مُؤْمِنُونَ وَاللَّهُ يَخْتَبِرُ الصُّلِحِينَ كَمَا يَخْتَبِرُ الْفٰكِرِينَ ﴿۸۲﴾ وَلَا تَحْسَبُوا أَنَّكُمْ مُؤْمِنُونَ وَاللَّهُ يَخْتَبِرُ الصُّلِحِينَ كَمَا يَخْتَبِرُ الْفٰكِرِينَ ﴿۸۳﴾

اور اُن کے درمیان اور بہت سی جماعتوں کو بھی (ہلاک کر ڈالا)۔ اور سب کے (سمجھانے کیلئے) ہم نے مثالیں بیان کی

وَكُلًّا تَبَرْنَا تَبِيرًا ﴿۸۴﴾ وَلَقَدْ اتَّوَا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِي اُمِّطِرَتْ مَطَرًا

اور (نہ ماننے پر) سب کو تمس نہس کر دیا۔ اور یہ کافر اس بستی پر بھی گزر چکے ہیں جس پر بڑی طرح سے مینہ برسایا گیا تھا

السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُونُوا يَرُونَهَا بَلْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ نُشُورًا ﴿۸۵﴾ وَإِذَا رَأَوْكَ

کیا وہ اس کو دیکھتے نہ ہوں گے بلکہ ان کو (مرنے کے بعد) جی اٹھنے کی امید ہی نہیں تھی۔ اور یہ لوگ جب تمہیں دیکھتے ہیں

اِنْ يَتَّخِذُونَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اٰهٰذَا الَّذِي بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ﴿۸۶﴾

تو تمہاری ہنسی اڑاتے ہیں کہ کیا یہی شخص ہے جس کو اللہ نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے؟۔

اِنْ كَادَ لَيَضِلُّنَا عَنْ الْهَيْتٰنَا لَوْلَا اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا وَسَوْفَ يَعْلَمُونَ حِيْنَ

اگر ہم اپنے معبودوں کے بارے میں ثابت قدم نہ رہتے تو یہ ضرور ہم کو بہکا دیتا اور یہ عنقریب معلوم

يَرَوْنَ الْعٰزَابَ مَمَّنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۸۷﴾

کر لیں گے جب عذاب دیکھیں گے کہ سیدھے رستے سے کون بھٹکا ہوا ہے

اَرَاَيْتَ مَنْ اَتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوَاهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَاكِيلًا ﴿۸۸﴾

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش نفسانی کو بنا رکھا ہے پھر کیا تو اس کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔

اَمْ تَحْسَبُ اَنْ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ

یا تم یہ خیال کرتے ہو کہ ان میں اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں؟ (نہیں) یہ تو چوپایوں کی طرح ہیں

بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۸۹﴾ لَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ

بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ بلکہ تم نے اپنے رب (کی قدرت) کو نہیں دیکھا کہ وہ سائے کو کس طرح دراز کر

﴿۲۱﴾ وَلَوْ شَاءَ لَجَعَلَهُ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيلًا ﴿۲۲﴾

(کے پھیلا) دیتا ہے اور اگر وہ چاہتا تو اُس کو (بے حرکت) ٹھہرا رکھتا پھر سورج کو اُس کا رہنما بنا دیتا ہے۔

﴿۲۳﴾ ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا ﴿۲۴﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ لِبَاسًا

پھر ہم اس کو آہستہ آہستہ اپنی طرف سمیٹ لیتے ہیں۔ اور وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ

﴿۲۵﴾ وَالنَّوْمَ سُبَاتًا وَجَعَلَ النَّهَارَ نُشُورًا ﴿۲۶﴾ وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيَّاحَ

اور نیند کو آرام بنایا اور دن کو اٹھ کھڑے ہونے کا وقت ٹھہرایا۔ اور وہی تو ہے جو اپنی رحمت کے مینے کے آگے ہواؤں کو خوشخبری

﴿۲۷﴾ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا ﴿۲۸﴾

بنا کر بھیجتا ہے اور ہم آسمان سے پاک (اور شفاف) پانی برساتے ہیں۔

﴿۲۹﴾ لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيِّتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنْعَامَ كَثِيرًا ﴿۳۰﴾

تاکہ اس سے زمین مردہ کو زندہ کر دیں اور پھر ہم اسے بہت سے چوپایوں اور آدمیوں کو جو ہم نے پیدا کئے ہیں پلاتے ہیں

﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَاهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوا فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ﴿۳۲﴾

اور ہم نے اس قرآن کو طرح طرح کے لوگوں میں بیان کیا تاکہ نصیحت پکڑیں مگر بہت سے لوگوں نے انکار کے سوا قبول نہ کیا

﴿۳۳﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا ﴿۳۴﴾ لَا تُطِيعُ الْكُفْرَيْنَ

اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیج دیتے۔ تو تم کافروں کا کہا نہ مانو

﴿۳۵﴾ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا ﴿۳۶﴾ وَهُوَ الَّذِي مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ

اور ان سے اس قرآن کے حکم کے مطابق بڑے شد و مد سے لڑو۔ اور وہی تو ہے جس نے دو دریاؤں کو ملا دیا ایک کا پانی شیریں

﴿۳۷﴾ فَرَاتٌ وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَحِجْرًا مَّحْجُورًا ﴿۳۸﴾

ہے پیاس بچھانے والا اور دوسرے کا کھارا چھاتی جلانے والا اور دونوں کے درمیان ایک آڑ اور مضبوط اوٹ بنا دی

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهُ نَسَبًا وَصِهْرًا ۗ

اور وہی تو ہے جس نے پانی سے آدمی پیدا کیا پھر اس کو صاحبِ نسب اور صاحبِ قرابت دلامادی بنایا

وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيرًا ﴿۳۹﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ

اور تمہارا رب قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں کہ جو نہ ان کو فائدہ پہنچا

وَلَا يَضُرُّهُمْ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلَىٰ رَبِّهِ ظَهِيرًا ﴿۴۰﴾

سکے اور نہ ضرر اور کافر اپنے رب کی مخالفت میں بڑا زور مارتا ہے

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿۴۱﴾ لَقَدْ مَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ

اور ہم نے (اے محمد ﷺ!) تمہیں صرف خوشی اور عذاب کی خبر سنانے کو بھیجا ہے۔ کہہ دو کہ میں تم سے اس (کام) کی اجرت

إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۴۲﴾ لَوْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۴۳﴾

نہیں مانگتا ہاں جو شخص چاہے اپنے رب کی طرف (جانے کا) رستہ اختیار کرے۔ اور اس (اللہ) زندہ پر بھروسہ رکھو

لَا يَمُوتُ وَسَبَّحَ بِحَمْدِهِ ۗ وَكَفَىٰ بِهِ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ﴿۴۴﴾

جو (کبھی) نہیں مرے گا اور اُس کی تعریف کیسا تمہیں سبج کرتے رہو اور وہ اپنے بندوں کے گناہوں سے خبر رکھنے کو کافی ہے

الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر جا ٹھہرا وہ (جس کا نام)

عَلَى الْعَرْشِ ۚ الرَّحْمٰنُ فَاسْتَلْ بِهٖ خَبِيْرًا ﴿۴۵﴾ اِذْ قِيْلَ لَهُمْ اسْجُدُوْا

رحمن (یعنی بڑا مہربان) ہے تو اس کا حال کسی باخبر سے دریافت کر لو۔ اور جب ان (کفار) سے کہا جاتا ہے کہ رحمن کو سجدہ

لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۚ اَنْسَجْدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

کرو تو کہتے ہیں کہ رحمن کیا؟ کیا جس کیلئے تم ہم سے کہتے ہو ہم اس کے آگے سجدہ کریں، اور اس سے بدکتے ہیں

تَبْرَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا

اور (اللہ) بڑی برکت والا ہے جس نے آسمانوں میں بُرج بنائے اور ان میں (آفتاب کا نہایت روشن) چراغ اور چمکتا ہوا

مُنِيرًا ﴿٤١﴾ هُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ

چاند بھی بنایا۔ اور وہی تو ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے والا بنایا (یہ باتیں) اس شخص کیلئے

أَرَادَ أَنْ يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا ﴿٤٢﴾ وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ

جو غور کرنا چاہے یا شکر گزاری کا ارادہ کرے۔ اور اللہ کے بندے تو وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے

عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا ﴿٤٣﴾

چلتے ہیں اور جب جاہل لوگ ان سے (جاہلانہ) گفتگو کرتے ہیں تو سلام کہتے ہیں

وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴿٤٤﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ

اور جو اپنے رب کے آگے سجدہ کر کے اور (عجز و ادب سے) کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔ اور وہ جو دعا مانگتے ہیں

رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ إِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ﴿٤٥﴾

کہ اے اللہ! دوزخ کے عذاب کو ہم سے دُور رکھنا کہ اُس کا عذاب بڑی تکلیف کی چیز ہے

إِنَّهَا سَاءَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٤٦﴾ وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا

اور دوزخ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت بُری جگہ ہے۔ اور جب وہ خرچ کرتے ہیں تو نہ بے جا اڑاتے ہیں

وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا ﴿٤٧﴾ وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللَّهِ

اور نہ تنگی کو کام میں لاتے ہیں بلکہ اعتدال کیساتھ نہ ضرورت سے زیادہ نہ کم۔ اور وہ جو اللہ کیساتھ کسی اور کو معبود نہیں پکارتے

إِلَهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ

اور جن جاندار کا مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اُس کو قتل نہیں کرتے مگر جائز طریق پر (یعنی حکم شریعت کے مطابق)

﴿۴۸﴾ وَلَا يَزْنُونَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَلْقَ أَثَامًا

اور بدکاری نہیں کرتے اور جو یہ کام کرے گا سخت گناہ میں مبتلا ہو گا

﴿۴۹﴾ يُضَاعَفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدُ فِيهِ مُهَانًا

قیامت کے دن اس کو دگنا عذاب ہو گا اور ذلت اور خواری سے اس میں ہمیشہ رہے گا

إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ

مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے تو ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ نیکوں سے

﴿۵۰﴾ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا

بدل دے گا اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے ۔

﴿۵۱﴾ وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا

اور جو توبہ کرتا ہے اور نیک عمل کرتا ہے تو بیشک وہ اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے

﴿۵۲﴾ وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا

اور وہ جو جھوٹی گواہی نہیں دیتے اور جب ان کو بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرنے کا اتفاق ہو تو بزرگانہ انداز سے گزرتے ہیں

﴿۵۳﴾ وَالَّذِينَ إِذَا ذُكِّرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوا عَلَيْهَا صُمًّا وَعُمْيَانًا

اور وہ کہ جب ان کو رب کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے

﴿۵۴﴾ وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ

اور وہ جو (اللہ سے) دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے

﴿۵۵﴾ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا ۗ ۝ ﴿۵۶﴾ ۚ وَلِلَّهِ يَجْزُونَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا

اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا۔ ان لوگوں کو ان کے صبر کے بدلے

وَيُلَقَّوْنَ فِيهَا تَحِيَّةً وَسَلَامًا ﴿٢٤﴾ خَلِدِينَ فِيهَا

اونچے اونچے محل دیئے جائیں گے اور وہاں فرشتے ان سے دعا و سلام کیساتھ ملاقات کریں گے۔ اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے

حَسَنَتْ مُسْتَقَرًّا وَمُقَامًا ﴿٢٥﴾ قُلْ مَا يَعْبُؤَابِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ

اور وہ ٹھہرنے اور رہنے کی بہت ہی عمدہ جگہ ہے۔ کہہ دو کہ اگر تم (اللہ کو) نہیں پکارتے تو میرا رب بھی تمہاری کچھ پرواہ

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَمَامًا ﴿٢٦﴾

نہیں کرتا تم نے تکذیب کی ہے سو اس کی سزا (تمہارے لئے) لازم ہو گی [2]

[2] آیات مذکورہ میں اللہ کے مخصوص اور مقبول بندوں کی تیرہ (۱۳) صفات و علامات کا ذکر آیا ہے، جن میں عقائد کی درستی اور اپنے ذاتی اعمال میں خواہ وہ بدن سے متعلق ہوں یا مال سے، سب میں اللہ و رسول کے احکام اور مرضی کی پابندی، دوسرے انسان کے ساتھ معاشرت اور تعلقات کی نوعیت، رات دن کی عبادت گزاری کے ساتھ خوف الہی، تمام گناہوں سے بچنے کا اہتمام اور اپنے ساتھ اپنی اولاد و ازواج کی اصلاح کی فکر وغیرہ شامل ہیں۔

ان کا سب سے پہلا وصف ”عباد“ ہونا ہے عباد عبد کی جمع ہے عبد کا ترجمہ بندہ، جو اپنے آقا کا مملوک ہو۔ اس کا وجود اور اس کے تمام اختیارات و اعمال آقا کے حکم و مرضی پر دائر ہوتے ہیں۔ اللہ کا بندہ کہلانے کا مستحق وہی شخص ہو سکتا ہے جو اپنے عقائد و خیالات کو اور اپنے ہر ارادے اور خواہش کو اور اپنی ہر حرکت اور سکون کو اپنے رب کے حکم اور مرضی کے تابع رکھے ہر وقت گوش برآواز رہے کہ جس کا حکم ہو وہ بجالاؤں۔

دوسری صفت: ”یمشون علی الارض ہونا“، یعنی چلتے ہیں وہ زمین پر تواضع کے ساتھ۔ لفظ ”ہون“ کا مفہوم اس جگہ سکینت و وقار اور تواضع ہے کہ اکڑ کر نہ چلے، قدم متکبرانہ انداز سے نہ رکھے بہت آہستہ چلنا مراد نہیں، کیونکہ وہ بلا ضرورت ہو تو خلاف سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے چلنے کی جو صفت شامل نبویہ میں منقول ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا چلنا بہت آہستہ نہیں بلکہ کسی قدر تیزی کے ساتھ تھا۔ حدیث میں ہے: ”کانما الارض تطوی لہ“ (جامع الترمذی: ۳۶۲۸) یعنی آپ ایسا چلتے تھے کہ گویا زمین آپ کے لئے سٹی ہے (ابن کثیر) اسی لئے سلف صالحین نے بحکمت

مريضوں کی طرح آہستہ چلنے کو علامت تکبر و تصنع ہونے کے سبب مکروہ قرار دیا ہے۔ فاروق اعظم نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ بہت آہستہ چل رہا ہے پوچھا کیا تم بیمار ہو؟ اس نے کہا نہیں، تو آپ نے اس پر درہ اٹھایا اور حکم دیا کہ قوت کے ساتھ چلا کرو۔ (ابن کثیر)۔

حسن بصریؒ نے اس آیت ”یمشون علی الارض ہونا“ کی تفسیر میں فرمایا کہ مومنین مخلصین کے تمام اعضاء و جوارح، آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سب اللہ کے سامنے ذلیل و عاجز ہوتے ہیں، ناواقف ان کو دیکھ کر معذور و عاجز سمجھتا ہے حالانکہ نہ وہ بیمار ہیں، نہ معذور بلکہ تندرست قوی ہیں، مگر ان پر حق تعالیٰ کا خوف ایسا طاری ہے جو دوسروں پر نہیں ہے۔ ان کو دنیا کے دھندوں سے آخرت کی فکر کرنے روکا ہوا ہے۔ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ نہیں کرتا اور اس کی ساری فکر دنیا ہی کے کاموں میں لگی رہتی ہے تو وہ ہمیشہ حسرت ہی حسرت میں رہتا ہے (کہ دنیا تو ساری ملتی نہیں اور آخرت میں اس نے حصہ نہیں لیا) اور جس شخص نے اللہ کی نعمت صرف کھانے پینے کی ہی چیزوں کو سمجھا ہے اور اعلیٰ اخلاق کی طرف دھیان نہیں دیا، اس کا علم بہت تھوڑا ہے اور عذاب اس کے لئے تیار ہے۔ (از ابن کثیر ملخصاً)۔

تیسری صفت: ”و اذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما“ یعنی جب جہالت والے ان سے خطاب کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں، سلام، یہاں جاہلوں کا ترجمہ جہالت والوں سے کر کے یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ مراد اس سے بے علم آدمی نہیں بلکہ وہ جو جہالت کے کام اور جاہلانہ باتیں کرے خواہ واقع میں وہ ذی علم بھی ہو۔ اور لفظ ”سلام“ سے یہاں مراد عرفی سلام نہیں بلکہ سلامتی کی بات ہے۔ قرطبی نے نحاس سے نقل کیا ہے کہ اس جگہ سلام تسلیم سے مشتق نہیں بلکہ تسلّم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں سلامت رہنا۔ مراد یہ ہے کہ جاہلوں کے جواب میں وہ سلامتی کی بات کہتے ہیں جس سے دوسروں کو ایذا نہ پہنچے اور یہ گناہگار نہ ہو۔ یہی تفسیر مجاہد، مقاتل وغیرہ سے منقول ہے (مظہری)۔ حاصل یہ ہے کہ بے وقوف جاہلانہ باتیں کرنے والوں سے یہ لوگ انتقامی معاملہ نہیں کرتے بلکہ ان سے درگزر کرتے ہیں۔

چوتھی صفت: ”و الذین یبیتون لربہم سجدا و قیاما“ یعنی وہ رات گزارتے ہیں اپنے رب کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور قیام کرتے ہوئے۔ عبادت میں شب بیداری کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا گیا کہ یہ وقت سونے آرام کرنے کا ہے اس میں نماز و عبادت کے لئے کھڑا ہونا خاص مشقت بھی ہے اور اس میں ریا و نمود کے خطرات بھی نہیں ہیں، منشا یہ ہے کہ ان کا لیل و نہار اللہ کی اطاعت میں مشغول ہوتا ہے دن کو تعلیم و تبلیغ اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے کام

ہیں، رات کو اللہ کے سامنے عبادت گزار کرنا ہے۔ تہجد کی نماز کی حدیث میں بڑی فضیلت آئی ہے۔ ترمذی نے ابو امامہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیام اللیل (تہجد) کی پابندی کرو، کیونکہ وہ تم سے پہلے بھی سب نیک بندوں کی عادت رہی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے تم کو قریب کرنے والی اور سینات کا کفارہ ہے اور گناہوں سے روکنے والی چیز ہے (ترمذی: ۳۵۴۹)۔

پانچویں صفت: ”و الذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جہنم“ اللیۃ، یعنی یہ مقبولین بارگاہ شب و روز عبادت و طاعت میں مصروف رہنے کے باوجود بے خوف ہو کر نہیں بیٹھ رہتے بلکہ ہر وقت اللہ کا خوف اور آخرت کی فکر رکھتے ہیں، جس کے لئے عملی کوشش بھی جاری رہتی ہے، اور اللہ سے دعائیں بھی۔

چھٹی صفت: ”و الذین اذا انفقوا“ اللیۃ، یعنی اللہ کے مقبول بندے مال خرچ کرنے کے وقت نہ اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں نہ بخل و کوتاہی، بلکہ دونوں کے درمیان اعتدال پر قائم رہتے ہیں۔ ایت میں اسراف اور اس کے بالقابل اقرار کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ اسراف کے لغوی معنی حد سے تجاوز کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں ابن عباس، مجاہد، قتادہ، ابن جریج کے نزدیک اللہ کی معصیت میں خرچ کرنا اسراف ہے اگرچہ ایک پیسہ ہی ہو۔ اور بعض نے فرمایا کہ جائز اور مباح کاموں میں ضرورت سے زائد خرچ کرنا تہذیر یعنی فضول خرچی کی حد میں داخل ہو جائے وہ بھی اسراف کے حکم میں ہے کیونکہ تہذیر یعنی فضول خرچی بے قرآن حرام و معصیت ہے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ”ان المبدرین کانسوا اخوان الشیاطین“ (اسراء: ۲۷) اس لحاظ سے اس تفسیر کا حاصل بھی ابن عباسؓ وغیرہ کی مذکورہ تفسیر ہو گیا۔ یعنی معصیت و گناہ میں جو کچھ خرچ کیا جائے وہ اسراف ہے (مظہری)۔

اور ”اقتسار“ کے معنی خرچ میں تنگی اور بخل کرنے کے ہیں۔ اصطلاح شرع میں اس کے معنی یہ ہیں کہ جن کاموں میں اللہ اور رسول نے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے ان میں خرچ کرنے میں تنگی برتنا اور بالکل خرچ نہ کرنا بدرجہ اولیٰ اس میں داخل ہے یہ تفسیر بھی ابن عباسؓ، قتادہ وغیرہ سے منقول ہے۔ (مظہری)۔ اس ایت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ کے مقبول بندوں کی صفت مال خرچ کرنے میں یہ ہوتی ہے کہ اسراف اور اقرار کے درمیان اعتدال اور میانہ روی پر عمل کرتے ہیں۔ رسول پاک ﷺ کا ارشاد ہے: من فقه الرجل قصده فی معیشتہ یعنی انسان کی دانشمندی کی علامت یہ ہے کہ خرچ کرنے میں میانہ روی اختیار کرے۔ نہ اسراف میں مبتلا ہونہ بخل میں۔ رواہ احمد عن ابی الدرداءؓ۔ (۲۱۶۹۵)۔

ایک دوسری حدیث میں عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: ما عا ل من اقتصد یعنی جو شخص خرچ میں میانہ روی اور اعتدال پر قائم رہتا ہے وہ کبھی فقیر محتاج نہیں ہوتا (رواہ امام احمد: ۴۲۶۹)۔

ساتھوں صفت: ”الذین لا یدعون مع اللہ الہا اخر“ پہلی چھ صفات میں طاعت و فرمانبرداری کے اصول آگئے ہیں اب معصیت اور نافرمانی کی اصول ہمہ کا بیان ہے، جن میں پہلی چیز عقیدہ سے متعلق ہے کہ یہ لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک نہیں کرتے جس سے شرک کا سب سے بڑا گناہ ہونا معلوم ہوا۔

اٹھویں، اور نویں صفت: ”لا یقتلون النفس“ الایہ یہ عملی گناہوں میں سب سے بڑے اور سخت گناہوں کا بیان ہے، کہ اللہ کے مقبول بندے ان کے پاس نہیں جاتے، کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور زنا کے پاس نہیں جاتے، یہ تین عقیدہ اور عمل کے بڑے گناہ بیان فرمانے کے بعد آیت میں ارشاد ہے: ”ومن یفعل ذلک یلق اثاما“، یعنی جو شخص ان مذکورہ گناہوں کا مرتکب ہوگا وہ اس کی سزا پائے گا۔ ابو عبیدہ نے اس جگہ لفظ اثام کی تفسیر سزائے گناہ سے کی ہے، اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ اثام جہنم کی ایک وادی کا نام ہے جو سخت اور شدید عذابوں سے پڑے ہے، بعض روایات حدیث بھی اس کی شہادت میں لکھی ہیں۔ (تفسیر مظہری)۔

دسویں صفت: ”و الذین لا یشہدون الزور“، یعنی یہ لوگ جھوٹ اور باطل کی مجلسوں میں شریک نہیں ہوتے سب سے بڑا جھوٹ اور باطل تو شرک و کفر ہے اس کے بعد عام جھوٹ اور گناہ کے کام ہیں۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ایسی مجلسوں میں شرکت سے بھی گریز کرتے ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اس سے مراد مشرکین کی عیدیں اور میلے ٹھیلے ہیں، مجاہد، محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ اس سے مراد گھانے بچھانے کی محفلیں ہیں۔ عمرو بن قیس نے فرمایا کہ بے حیائی اور ناچ رنگ کی محفلیں مراد ہیں، زہری، امام مالکؓ نے فرمایا کہ شراب پینے پلانے کی مجلسیں مراد ہیں (ابن کثیر)۔

اور حقیقت یہ ہے کہ ان اقوال میں کوئی اختلاف نہیں یہ ساری ہی مجلسیں مجلس زور کی مصداق ہیں۔ اللہ کے نیک بندوں کو ایسی محفلیں ہی سے پرہیز کرنا چاہے کیونکہ لغو و باطل کا بالقصد دیکھنا بھی اس کی شرکت کی حکم میں ہے (مظہری) اور بعض مفسرین نے ”لا یشہدون الزور“ میں یشہدون کو شہادت بمعنی گواہی سے لیا ہے اور معنی آیت کے یہ قرار دیئے کہ یہ لوگ جھوٹی گواہی نہیں دیتے، جھوٹی گواہی کا گناہ کبیرہ اور وبال عظیم ہونا قرآن اور سنت میں معروف و مشہور ہے، بخاری و مسلم میں انسؓ کی روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے جھوٹی گواہی کو اکبر کبائر فرمایا ہے۔ (ابن کثیر)۔ فاروق

اعظم نے فرمایا کہ جس شخص کی متعلق ثابت ہو جائے کہ اس نے جھوٹی شہادت دی ہے تو اس کو چالیس کوڑوں کی سزا دی جائے۔ اور اس کا منہ کالا کر کے بازار میں پھرایا جائے اور رسوا کیا جائے پھر طویل زمانہ تک قید میں رکھا جائے۔ رواہ ابن ابی شیبہ و عبد الرزاق، مظہری۔

گیارہویں صفت: ”و اذ امر و ابال لغومرو اکراما“ یعنی اگر لغوہ اور بیہودہ مجلسوں پر کبھی ان کا گزرا اتفاقاً ہو جائے تو وہ سنجیدگی اور شرافت کے ساتھ گزر جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایسی مجلسوں میں یہ لوگ جس طرح بقصد و ارادہ شریک نہیں ہوتے اسی طرح اگر کہیں اتفاقاً طور پر ان کا کسی ایسی مجلس پر گزر ہو جاوے تو اس فسق و فجور اور گناہ کی مجلس پر سے شرافت کے ساتھ گزرے چلے جاتے ہیں، یعنی ان کے اس فعل کو برا اور قابل نفرت جانتے ہوئے، نہ گناہوں میں مبتلا لوگوں کی تحقیر کرتے ہیں اور نہ خود اپنے آپ کو ان سے افضل و بہتر سمجھ کر تکبر میں مبتلا ہوتے ہیں۔ عبد اللہ بن مسعود کا اتفاق سے ایک روز کسی بیہودہ لغوہ مجلس پر گزر ہو گیا تو وہاں ٹھیرے نہیں گزرے چلے گئے۔ رسول پاک ﷺ کو یہ معلوم ہوا تو فرمایا کہ ابن مسعود، کریم ہو گئے، اور یہ آیت تلاوت فرمائی جس میں بیہودہ مجلس سے کریموں شریفوں کی طرح گزر جانے کا حکم ہے۔ ابن کثیر۔

بارہویں صفت: ”و الذی اذا ذکر و ابایات ربہم لم یخروا علیہا صما و عمیانا“ یعنی ان مقبول بندوں کی یہ شان ہے کہ جب ان کو اللہ کی آیات اور آخرت کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ ان آیات کی طرف اندھے بہروں کی طرح متوجہ نہیں ہوتے بلکہ سمیع و بصیر انسان کی طرح ان میں غور کرتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں، غافل اور مغفل لوگوں کی طرح ایسا معاملہ نہیں کرتے کہ انہوں نے سنا ہی نہیں یا دیکھا ہے نہیں، اس آیت میں دو چیزیں مذکور ہیں، ایک آیات الہیہ پر گر پڑنا، یعنی اہتمام کے ساتھ متوجہ ہونا یہ تو امر محمود و مقصود اور بہت بڑی نیکی ہے، دوسرے اندھے بہروں کی طرح گرنا کہ قرآن کی آیات پر توجہ تو دیں مگر یا تو اس پر عمل کرنے میں معاملہ ایسا کریں کہ گویا انہوں نے سنا اور دیکھا ہی نہیں، اور یا آیات قرآن پر عمل بھی کرے مگر ان کو اصول صحیحہ اور تفسیر صحابہ و تابعین کے خلاف اپنے رائے یا سنی سنائے باتوں کے تابع کر کے غلط عمل کریں، یہ بھی ایک طرح سے اندھے بہرے ہو کر ہی کرنے کے حکم میں ہے۔

تیرہویں صفت: ”و الذین یقولون ربنا ہب لنا من ازواجنا و ذریاتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما“ اس میں اپنی اولاد اور ازواج کے لئے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے ان کو میرے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنا دے، آنکھوں کی ٹھنڈک بنانے سے مراد حسن بصری کی تفسیر کیہ مطابق یہ ہے کہ ان کو اللہ کی طاعت میں مشغول دیکھے، یہی ایک انسان کے

لئے آنکھوں کی اصلی ٹھنڈک ہے اور اگر اولاد و ازواج کی ظاہری صحت و عافیت اور خوشحالی بھی اس میں شامل کی جائے تو وہ بھی درست ہے۔

یہاں اس دعاء سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی مقبول بندے صرف اپنے نفس کی اصلاح اور اعمال صالحہ پر قناعت نہیں کر لیتے بلکہ اپنی اولاد اور بیبیوں کی بھی اصلاح اعمال و اخلاق کی فکر کرتے ہیں اور اس کے لئے کوشش کرتے رہتے ہیں اسی کوشش میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کی صلاحیت کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا رہے اس آیت کے اگلے جملے میں دعا کا یہ جز بھی ہے: ”واجعلنا للمتقين اماما“، یعنی ہمیں متقی لوگوں کا امام اور پیشوا بنادے، اس میں بظاہر اپنے لئے جاہ و منصب اور بڑائی حاصل کرنے کی دعا ہے جو دوسری نصوص قرآن کی رو سے ممنوع ہے جیسے قرآن کا ارشاد ہے: ”تلك الدار الاخرة نـجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض ولا فسادا“ (نقص: ۸۳) یعنی ہم نے دار آخرت کو مخصوص کر رکھا ہے، ان لوگوں کے لئے جو زمین میں اپنا علو اور بڑائی نہیں چاہتے اور نہ زمین فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔

اس لئے بعض علماء نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر شخص اپنے اہل و عیال کا قدرتی طور پر امام و پیشوا ہوتا ہی ہے اس لئے اس دعا کا حاصل یہ ہو گیا کہ ہمارے اولاد و ازواج کو متقی بنا دیجئے اور جب وہ متقی ہو جائیں گے تو طبعی طور پر یہ شخص متقین کا امام و پیشوا کہلائیگا، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہاں اپنی بڑائی کی دعا نہیں بلکہ اولاد و ازواج کے متقی بنانے کی دعا ہے۔ اور ابراہیم نخعی نے فرمایا: کہ اس دعائیں اپنے لئے کوئی ریاست و امامت و پیشوائی طلب کرنا مقصود نہیں بلکہ مقصود اس دعا کا یہ ہے کہ ہمیں ایسا بنا دیجئے کہ لوگ دین و عمل میں ہماری اقتدا کیا کریں اور ہمارے علم و عمل سے ان کو نفع پہنچے تاکہ اس کا ثواب ہمیں حاصل ہو۔ امام مکحول شامی نے فرمایا کہ دعا کا مقصود اپنے لئے تقویٰ کا ایسا اعلیٰ مقام حاصل کرنا ہے کہ دنیا کے متقی لوگوں کو بھی ہمارے علم و عمل سے فائدہ پہنچے۔ قرطبی نے یہ دونوں قول نقل کرنے کے بعد فرمایا کہ ان دونوں کا حاصل ایک ہی ہے کہ ریاست و امامت کی طلب جو دین کے لئے اور آخرت کے فائدہ کے لئے ہو وہ مذموم نہیں بلکہ جائز ہے۔

”لا یریدون علوا“ میں اس ریاست و اقتدار کی خواہش کی مذمت ہے جو دنیوی عزت و جاہ کے لئے ہو۔ واللہ اعلم۔ یہاں تک عباد الرحمن یعنی مومنین کا ملین کی اہم صفات کا بیان پورا ہو گیا۔ آگے ان کی جزاء اور آخرت کے درجات کا ذکر ہے۔

”اولئک یجزون العرۃ“ غرۃ کے لغوی معنی بالاخانہ کے ہیں، جنت میں مقررین خاص کے لئے ایسے عرفات ہونگے جو عام اہل جنت کو ایسے نظر آئیں گے جیسے زمین والے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ (رواہ البخاری: ۳۰۱۶ و مسلم: ۵۰۵۹)۔

مسند احمد: ۱۲۶۸، ترمذی: ۱۹۰۷، میں ابو مالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایسے بالاخانے ہونگے جنکا اندرونی حصہ باہر سے اور بیرونی حصہ اندر سے نظر آتا ہوگا۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ عرفین کن لوگوں کے لئے ہیں؟ آپ نے فرمایا جو شخص اپنے کلام کو نرم اور پاک رکھے اور ہر مسلمان کو سلام کرے اور لوگوں کو کھانا کھلائے اور رات کو اس وقت تہجد کی نماز پڑھے جب لوگ سو رہے ہوں۔

”ویلقون فیہا تحیۃ و سلاما“ یعنی جنت کی دوسری نعمتوں کے ساتھ ان کو یہ اعزاز بھی حاصل ہوگا کہ فرشتے ان کو مبارک باد دیں گے، اور سلام کریں گے، یہاں تک مومنین مخلصین کی خصوصی عادات و اعمال اور ان کی جزا و ثواب کا ذکر تھا، آخری آیت میں پھر مشرکین کو عذاب سے ڈرا کر سورت کو ختم کیا گیا ہے۔

”قل ما یعبؤا بکم ربی لولا دعاؤکم“ اس آیت کی تفسیر میں مختلف اقوال ہیں زیادہ واضح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمہاری کوئی وقعت و حیثیت نہ ہوتی اگر تمہاری طرف سے اللہ کو پکارنا اور اس کی عبادت کرنا نہ ہوتا کیونکہ انسان کی تخلیق کا منشا ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت کرے جیسے دوسری آیت میں ہے ”وما خلقت الجن و الانس الا لیعبدون“ (ذاریات: ۵۶) یعنی میں نے انسان اور جن کو اور کسی کام کے لئے پیدا نہیں کیا، بجز اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔

یا ”بکم“ میں باء تعدیہ کے لئے ہے ”ربی“ ”یعبؤا“ کا فاعل ہے ”دعائکم“ مصدر مفعول کی طرف مضاف ہے اور فاعل (اللہ ہے) اور ”لولا“ کا جواب محذوف ہے ای لعدبکم۔ اصل عبارت اس طرح ہوگی لولا دعاء اللہ ایاکم لعدبکم، یعنی میرے رب کو تمہاری پرواہ نہیں اگر تمہیں اللہ کی طرف سے توحید کی دعوت نہ ہوتی، تو تمہیں عذاب سے جلد ہلاک کر دیا جاتا، لیکن اللہ کی سنت جاریہ یہ ہے کہ تبلیغ و دعوت سے پہلے وہ کسی کو نہیں پکڑتا، جیسا کہ ارشاد ہے: وما کننا معذبین حتیٰ نبعث رسولا (اسراء: ۱۵) اور نسفی و ابوالسعود وغیرہ نے یہ تاویل کی ہے کہ ”ما یعبؤا بکم ربی“ ”لولا“ کا جواب ہے یعنی ما یصنعبکم ربی لولا دعائکم ایاکم الی الاسلام۔

سورة الشعراء (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

طَسَمَ ﴿۱﴾ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿۲﴾ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ

طَسَمَ - یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔ (اے پیغمبر!) شاید تم اس (رنج) سے

الَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ﴿۳﴾ اِنْ نَّشَأْنُنَزَّلُ عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ آيَةً

کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے آپ کو ہلاک کر دو گے۔ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمان سے نشانی اتار دیں

فَظَلَّتْ أَعْنَاقُهُمْ لَهَا خَاضِعِينَ ﴿۴﴾ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

پھر ان کی گردنیں اس کے آگے جھک جائیں۔ اور ان کے پاس (اللہ) الرحمن کی طرف سے کوئی نصیحت نہیں آتی

مُحَدَّثٍ اِلَّا كَانُوا عَنْهُ مُعْرِضِينَ ﴿۵﴾ فَقَدْ كَذَّبُوا فَسَيَاتِيهِمْ اَنْبِيَاُ

مگر یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں، سو یہ تو جھٹلا چکے اب ان کو اس چیز کی حقیقت معلوم ہوگی

مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۶﴾ وَلَمْ يَرَوْا اِلَى الْاَرْضِ كَمَا اَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ

جس کی ہنسی اڑاتے تھے۔ کیا انہوں نے زمین کی طرف نہیں دیکھا کہ ہم نے اس میں ہر قسم کی کتنی چیزیں اگائی ہیں

كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿۷﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَايَةً وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾

کچھ شک نہیں کہ اس میں (قدرت الہی کی) نشانی ہے مگر یہ اکثر ایمان والے نہیں ہیں

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِيزُ الرَّحِیْمُ ﴿۹﴾ وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوسٰی اَنْ اَنْتَ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾

اور تمہارا رب غالب (اور) مہربان ہے۔ اور جب تمہارے رب نے موسیٰ کو پکارا کہ ظالم لوگوں کے پاس جاؤ۔

﴿۱۲﴾ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ۖ لَا يَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿۱۲﴾

(یعنی) قوم فرعون کے پاس کیا یہ ڈرتے نہیں؟ انہوں نے کہا کہ الہی! میں ڈرتا ہوں کہ یہ مجھے جھوٹا سمجھیں

﴿۱۳﴾ وَيَضِيقُ صَدْرِي وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِي فَأَرْسِلْ إِلَىٰ هَرُونَ ﴿۱۳﴾

اور میرا دل تنگ ہوتا ہے اور میری زبان رکتی ہے تو ہارون کو حکم بھیج کہ میرے ساتھ چلیں

﴿۱۴﴾ وَلَهُمْ عَلَىٰ ذُنُوبٍ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ ﴿۱۴﴾

اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ بھی ہے سو مجھے خوف ہے کہ مجھے مار ہی ڈالیں

﴿۱۵﴾ قَالَ كَلَّا ۖ فَاذْهَبَا بِآيَاتِنَا إِنَّا مَعَكُمْ مُسْتَمِعُونَ ﴿۱۵﴾ فَآتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا

فرمایا ہرگز نہیں تم دونوں ہماری نشانیاں لے کر جاؤ ہم تمہارے ساتھ سننے والے ہیں۔ تو دونوں فرعون کے پاس جاؤ اور کہو

﴿۱۶﴾ إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۷﴾

کہ ہم تمام جہان کے مالک کے بھیجے ہوئے ہیں۔ کہ آپ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیں

﴿۱۸﴾ قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿۱۸﴾

(فرعون نے موسیٰ سے) کہا کیا ہم نے تم کو کہ ابھی بچے تھے پرورش نہیں کیا اور تم نے برسوں ہمارے ہاں عمر بسر نہیں کی؟

﴿۱۹﴾ وَفَعَلْتَ فَعَلْتَكِ الْتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۹﴾

اور تم نے وہ کام کیا تھا جو کیا اور تم ناشکرے معلوم ہوتے ہو۔

﴿۲۰﴾ قَالَ فَعَلْتَهَا إِذَا وَأَنَا مِنَ الضَّٰلِّينَ ﴿۲۰﴾

(موسیٰ نے) کہا کہ (ہاں) وہ حرکت مجھ سے ناگہاں سرزد ہوئی تھی اور میں بھولے ہوئے لوگوں میں سے تھا

﴿۲۱﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ

تو جب مجھے تم سے ڈر لگا تو تم میں سے بھاگ گیا پھر اللہ نے مجھے نبوت و علم بخشا اور مجھے پیغمبروں میں سے بنا دیا

﴿۲۱﴾ ۱۱۱ ﴿تِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدتَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾

اور (کیا) یہی احسان ہے جو آپ مجھ پر رکھتے ہیں کہ آپ نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے

﴿۲۲﴾ ۱۱۲ ﴿قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ ﴿۲۳﴾ ۱۱۳ ﴿قَالَ رَبُّ السَّمَوَاتِ

فرعون نے کہا کہ تمام جہان کا مالک کیا؟۔ کہا کہ آسمانوں

وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّكُمْ مُّوقِنِينَ﴾ ﴿۲۴﴾ ۱۱۴ ﴿قَالَ لِمَنْ حَوْلَهُ

اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو۔ فرعون نے اپنے اہالی موالی سے کہا

﴿۲۵﴾ ۱۱۵ ﴿الآتَسْتَمِعُونَ﴾ ﴿۲۶﴾ ۱۱۶ ﴿قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأُولِينَ﴾ ﴿۲۷﴾ ۱۱۷

کہ کیا تم سنتے نہیں؟ (موسیٰ نے) کہا کہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا مالک

﴿۲۸﴾ ۱۱۸ ﴿قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمْ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ﴾ ﴿۲۹﴾ ۱۱۹

(فرعون نے) کہا کہ (یہ) پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے دیوانہ ہے

﴿۳۰﴾ ۱۲۰ ﴿قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ ﴿۳۱﴾ ۱۲۱

موسیٰ نے کہا کہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو

﴿۳۲﴾ ۱۲۲ ﴿قَالَ لَئِن آتَّخَذتَّ إِلَهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ﴾ ﴿۳۳﴾ ۱۲۳

(فرعون نے) کہا کہ اگر تم نے میرے سوا کسی کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کر دوں گا

﴿۳۴﴾ ۱۲۴ ﴿قَالَ أَوْلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُّبِينٍ﴾ ﴿۳۵﴾ ۱۲۵ ﴿قَالَ فَآتِ بِهِ إِنْ كُنْتَ مِنَ

(موسیٰ نے) کہا کہ خواہ میں آپ کے پاس روشن چیز لاؤں؟ (یعنی معجزہ)۔ فرعون نے کہا کہ اگر سچے ہو تو اسے لاؤ

الصّٰدِقِينَ﴾ ﴿۳۶﴾ ۱۲۶ ﴿فَلَقِيَ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ﴾ ﴿۳۷﴾ ۱۲۷ ﴿وَنَرَعَ يَدَهُ فَإِذَا

(دکھاؤ)۔ پس انہوں نے اپنی لٹھی ڈالی تو وہ اسی وقت صرغ اژدہا بن گئی۔ اور اپنا ہاتھ نکالا تو اسی دم

﴿۳۳﴾ هِيَ بِيضَاءٌ لِلنَّاظِرِينَ ﴿۳۴﴾ لِلْمَلَأِ حَوْلَهُ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ﴿۳۵﴾

دیکھنے والوں کو سفید نظر آنے لگا۔ فرعون نے اپنے سرداروں سے کہا کہ یہ کامل فن جادوگر ہے

﴿۳۶﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِنْ أَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِ فَمَاذَا تَأْمُرُونَ ﴿۳۷﴾

چاہتا ہے کہ تم کو اپنے جادو سے تمہارے ملک سے نکال دے تو تمہاری کیا رائے ہے؟

﴿۳۸﴾ قَالُوا أَرْجَاهُ وَأَخَاهُ وَابْعَثْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۳۹﴾

انہوں نے کہا کہ اسے اور اس کے بھائی (کے بارے) میں کچھ توقف کیجئے اور شہروں میں ہرکارے بھیج دیجئے

﴿۴۰﴾ يَأْتُوكَ بِكُلِّ سِحْرٍ عَلِيمٍ ﴿۴۱﴾ لِيَجْمَعَ السَّحَرَةَ لِمِيقَاتِ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ

کہ سب ماہر جادوگروں کو آپ کے پاس لے آئیں۔ تو جادوگر ایک مقرر دن کی میعاد پر جمع ہو گئے

﴿۴۲﴾ لِيَقِيلَ لِلنَّاسِ هَلْ أَنْتُمْ مُجْتَمِعُونَ ﴿۴۳﴾ لِنَعْلَمَ نَتِيعَ السَّحَرَةَ

اور لوگوں سے کہہ دیا گیا کہ تم (سب) کو اکٹھے ہو کر جانا چاہیے۔ تاکہ اگر جادوگر غالب رہیں

﴿۴۴﴾ إِنْ كَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿۴۵﴾ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالُوا لِفِرْعَوْنَ أَئِنَّا لَنَا

تو ہم ان کے پیرو ہو جائیں۔ جب جادوگر آگئے تو فرعون سے کہنے لگے کہ اگر ہم غالب رہے

لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿۴۶﴾ قَالَ نَعَمْ وَإِنَّكُمْ إِذَا لَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ

تو ہمیں صلہ بھی عطا ہو گا؟ فرعون نے کہا ہاں اور تم مقربوں میں بھی داخل کر لئے جاؤ گے۔

﴿۴۷﴾ قَالُوا لَهُمْ مَوْسَى الْقُومَ مَا أَنْتُمْ مُلْقُونَ ﴿۴۸﴾

موسیٰ نے ان سے کہا کہ جو چیز ڈالنی چاہتے ہو ڈالو

﴿۴۹﴾ فَالْقَوْمُ جَبَالَهُمْ وَعَصِيهِمْ وَقَالُوا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ إِنَّا لَنَحْنُ الْغَالِبُونَ ﴿۵۰﴾

تو انہوں نے اپنی رسیاں اور لاشیاں ڈالیں اور کہنے لگے کہ فرعون کے اقبال کی قسم! ہم ضرور غالب رہیں گے

﴿۲۴۱﴾ فَأَلْقَى مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ ﴿۲۴۲﴾

پھر موسیٰ نے اپنی لٹھی ڈالی تو وہ ان چیزوں کو جو جادوگروں نے بنائی تھیں یکا یک نکلنے لگی

﴿۲۴۳﴾ فَأَلْقَى السَّحْرَةَ سَجْدِينَ ﴿۲۴۴﴾ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۴۵﴾

تب جادوگر سجدے میں گر پڑے۔ (اور) کہنے لگے کہ ہم تمام جہان کے مالک پر ایمان لائے

رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ ﴿۲۴۸﴾ قَالِ آمَنْتُمْ لَهُ قَبْلَ أَنْ آذَنَ لَكُمْ ﴿۲۴۹﴾

جو موسیٰ اور ہارون کا مالک ہے۔ فرعون نے کہا کیا اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے؟

إِنَّهُ لَكَبِيرُكُمْ الَّذِي عَلَّمَكُمُ السَّحْرَ فَلَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۲۵۰﴾

بیشک یہ تمہارا بڑا ہے جس نے تمہیں جادو سکھایا ہے سو عنقریب تم (اس کا انجام) معلوم کر لو گے

﴿۲۵۱﴾ لَا قُطْعَنَ أَيِّدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ مِّنْ خَلْفٍ وَلَا صَلْبَانِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۲۵۲﴾

کہ میں تمہارے ہاتھ اور پاؤں اطراف مخالف سے کٹوا دوں گا اور تم سب کو سولی چڑھوا دوں گا

﴿۲۵۳﴾ قَالُوا لَا ضَيْرَ إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿۲۵۴﴾

انہوں نے کہا کچھ نقصان (کی بات) نہیں ہم اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

﴿۲۵۵﴾ إِنَّا نَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لَنَا رَبُّنَا خَطِيئَاتِنَا إِنَّ كُنَّا أَوَّلَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۵۶﴾

ہمارا رب ہمارے گناہوں کو معاف کر دے گا اس لئے کہ ہم سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں۔

﴿۲۵۷﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِيٰ إِنَّكُمْ مُّتَّبِعُونَ ﴿۲۵۸﴾

اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے بندوں کو کورات کو لے نکلو کہ (فرعون کی طرف سے) تمہارا تعاقب کیا جائے گا

﴿۲۵۹﴾ فَأَرْسَلْنَا فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿۲۶۰﴾ هَؤُلَاءِ لَشُرُذِمَةٌ قَلِيلُونَ ﴿۲۶۱﴾

تو فرعون نے شہروں میں نقیب روانہ کئے (اور کہا)۔ کہ یہ لوگ تھوڑی سی جماعت ہیں

﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

اور یہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں اور ہم سب باساؤ سامان ہیں
 فَأَخْرَجْنَهُمْ مِنْ جَنَّتِ وَعُيُونٍ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾
 كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾
 فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَمْعُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَىٰ إِنَّا لَمُدْرِكُونَ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾
 قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾
 أَنِ اضْرِب بَعْصَاكَ الْبَحْرَ ۗ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطُّودِ الْعَظِيمِ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾
 کہ اپنی لاشی دریا پر مارو تو دریا پھٹ گیا اور ہر ایک ٹکڑا (یوں) ہو گیا (کہ) گویا بڑا پہاڑ (ہے)

[1] اس آیت میں بظاہر یہ تصریح ہے کہ قوم فرعون کی چھوڑی ہوئی املاک اور جائداد، باغات و خزان کا مالک غرق فرعون کے بعد بنی اسرائیل کو بنا دیا گیا، لیکن اس میں ایک تاریخی اشکال یہ ہے کہ خود قرآن کی متعدد آیات اس پر شاہد ہیں کہ قوم فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل مصر کی طرف نہیں لوٹے بلکہ اپنے اصلی وطن ارض مقدس شام کی طرف روانہ ہوئے، وہیں ان کو ایک کافر قوم سے جہاد کرنے کا حکم ملا، جس کی تعمیل سے بنی اسرائیل نے انکار کر دیا اس پر بطور عذاب کے اس کھلے میدان میں جس میں بنی اسرائیل موجود تھے ایک قدرتی جیل خانہ بنا دیا گیا، کہ وہ اس میدان سے نکل نہیں سکتے تھے، اسی حال میں چالیس سال گزرے اور اسی وادی میں

ان کے دونوں پیغمبروں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی وفات ہو گئی، اس کے بعد بھی کتب تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کسی وقت بنی اسرائیل اجتماعی اور قوی صورت سے مصر میں داخل ہوئے ہوں کہ قوم فرعون کی جائداد و خزانہ پر ان کا قبضہ ہوا ہو۔

تفسیر روح المعانی میں سورہ شعراء کی اسی آیت کے تحت اس کے دو جواب ائمہ تفسیر حسن و قتادہ کے حوالہ سے نقل کئے ہیں، حسن کا ارشاد ہے کہ آیہ مذکورہ میں بنی اسرائیل کو فرعون نے متروکہ جائداد کا وارث بنانے کا ذکر ہے، مگر یہ کہیں مذکور نہیں کہ یہ واقعہ ہلاک فرعون کے فوراً بعد ہو جائیگا، وادی تیبہ کے واقعہ اور چالیس پچاس سال کے بعد بھی اگر وہ مصر میں داخل ہوئے ہوں تو آیت کے مفہوم میں کوئی فرق نہیں آتا، رہا یہ امر کہ تاریخ سے ان کا اجتماعی داخلہ مصر ثابت نہیں، تو یہ اعتراض اس لئے قابل التفات نہیں ہے کہ اس زمانہ کی تاریخ یہود و نصاریٰ کی لکھی ہوئی اکاذیب سے بھر پور ہے جو کسی طرح قابل اعتماد نہیں، اس کی وجہ سے آیت قرآن میں کوئی تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔

قتادہ نے فرمایا کہ اس واقعہ کے متعلق جتنی آیات قرآن کریم کی متعدد سورتوں میں آئی ہیں مثلاً سورہ اعراف آیت: ۱۲۸، ۱۳۷، اور سورہ قصص: ۵، ودخان: ۲۵ تا ۲۸، اور سورہ شعراء کی آیت مذکورہ: ان سب کے ظاہر سے اگرچہ ذہن اس طرف جاتا ہے کہ بنی اسرائیل کو خاص انہیں باغات اور جائدادوں کا مالک بنایا گیا تھا، جو قوم فرعون نے ارض مصر میں چھوڑی تھیں، جس کے لئے بنی اسرائیل کا مصر کی طرف لوٹنا ضروری ہے، لیکن ان سب آیتوں کے الفاظ میں اس کی بھی واضح گنجائش موجود ہے کہ مراد ان سے یہ ہو کہ بنی اسرائیل کو اسی طرح کے خزانہ اور باغات وغیرہ کا مالک بنادیا گیا جس طرح کے باغات قوم فرعون کے پاس تھے، جس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ ارض مصر ہی میں پہنچ کر حاصل ہوں بلکہ ارض شام میں بھی حاصل ہو سکتے ہیں،

اور سورہ اعراف کی آیت: ۱۳۷، میں ”التی بار کنا فیہا“ کے الفاظ سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے، کہ ارض شام مراد ہے، کیونکہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں ”بار کنا“ وغیرہ کے الفاظ اکثر ارض شام ہی کے بارے میں آئے ہیں، اس لئے قتادہ کا قول یہ ہے کہ بلا ضرورت آیات قرآن کو ایسے محمل پر محمول کرنا جو تاریخ عالم سے متصادم ہو درست نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر واقعات سے یہ ثابت ہو جائے کہ ہلاک فرعون کے بعد کسی وقت بھی بنی اسرائیل اجتماعی صورت سے مصر پر قابض نہیں ہوئے، تو قتادہ کی تفسیر کے مطابق ان تمام آیات میں ارض شام اور اس کے باغات و خزانہ کا وارث ہونا مراد لیا جاسکتا ہے (واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم)۔

﴿۴۳﴾ اَوَلَمْ نَلْمَنَّا لَكُمْ بِالطَّاغُوتِ ﴿۴۳﴾ وَانْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ اَجْمَعِينَ

اور دوسروں کو وہاں ہم نے قریب کر دیا۔ اور موسیٰ اور ان کیساتھ والوں کو تو بچا لیا

﴿۴۴﴾ اَغْرَقْنَا الْاٰخِرِيْنَ ﴿۴۴﴾ فِيْ ذٰلِكَ لَايَةٌ وَّمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ

پھر دوسروں کو ڈبو دیا۔ بیشک اس (قصہ) میں نشانی ہے لیکن یہ اکثر

﴿۴۷﴾ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ اِنَّ رَبَّكَ لَهٗوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۸﴾

ایمان والے نہیں اور تمہارا رب تو غالب (اور) مہربان ہے

﴿۴۹﴾ وَاْتَلْ عَلَيْهِمْ نَبَا اِبْرٰهِيْمَ ﴿۴۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور ان کو ابراہیم کا حال پڑھ کر سنا دو۔ جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو؟

﴿۵۱﴾ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَنْظِلُّ لَهَا عَٰكِفِيْنَ ﴿۵۱﴾ اَلْاٰلَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ

وہ کہنے لگے کہ ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری

﴿۵۲﴾ تَدْعُوْنَ ﴿۵۲﴾ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ﴿۵۳﴾

آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدے دے سکتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں؟

﴿۵۴﴾ قَالُوْا بَلْ وَّجَدْنَا اٰبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ﴿۵۴﴾ اَلْاٰلَ اَفَرَاٰيْتُمْ مَا كُنْتُمْ

انہوں نے کہا (نہیں) بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ جن کو تم

﴿۵۵﴾ تَعْبُدُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاٰبَاؤُكُمْ الْاَقْدَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ اَفَاِنَّهُمْ عَدُوْلٰى

پوجتے رہے ہو؟ تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی۔ وہ میرے دشمن ہیں

﴿۵۸﴾ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اَلَّذِيْ خَلَقْنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْ ﴿۵۹﴾

لیکن اللہ رب العالمین (میرا دوست ہے)۔ جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے

وَالَّذِي هُوَ يُطْعَمُنِي وَيَسْقِينِي ﴿٨٩﴾ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِي ﴿٩٠﴾

اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے

وَالَّذِي يُمِيتُنِي ثُمَّ يُحْيِينِي ﴿٩١﴾ وَالَّذِي أَطْمَعُ أَنْ يَغْفِرَ لِي خَطِيئَتِي

اور وہ جو مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا۔ اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا

يَوْمَ الدِّينِ ﴿٩٢﴾ رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿٩٣﴾

اے اللہ! مجھے علم و دانش عطا فرما اور نیکوکاروں میں شامل کر۔

وَأَجْعَلْ لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ ﴿٩٤﴾ وَأَجْعَلْنِي مِنْ وَرَثَةِ جَنَّةِ

اور آئندہ آنے والوں نسلوں میں میرا ذکر خیر باقی رکھ۔ [2] اور مجھے جنتِ نعیم کے وارثوں میں کر

[2] اس آیت مبارکہ میں ”لسان“ سے مراد ذکر ہے، اور ”لی“ کا ”لام“ نفع کے لئے ہے، آیت کے معنی یہ ہوئے کہ

اے اللہ مجھے ایسے پسندیدہ طریقے اور عمدہ نشانیاں عطا فرما، جس کی دوسرے لوگ قیامت تک پیروی کریں، اور مجھے ذکر خیر اور عمدہ صفت سے یاد کیا کریں، (ابن کثیر، روح المعانی)۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی، یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ تک ملت ابراہیمی سے محبت والفت رکھتے ہیں، اور اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کا طریقہ ملت ابراہیمی کے خلاف کفر و شرک ہے، مگر وہ دعویٰ یہی کرتے ہیں کہ ہم ملت ابراہیمی پر ہیں، اور امت محمدیہ تو بجا طور پر بھی ملت ابراہیمی پر ہونے کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتی ہے۔

”حب جاہ“ یعنی لوگوں سے اپنی عزت کرنے اور مدح کرنے کی خواہش شرعاً مذموم ہے، قرآن کریم نے دار آخرت کی نعمتوں کو حب جاہ کے ترک پر موقوف قرار دیا ہے، قال اللہ تعالیٰ: ”تلك الدار الاخرة

نجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض ولا فسادا“ (قصص: ۸۳) اس جگہ آیت: **وَاجْعَلْ لِيْ لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِيْنَ** میں ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا، کہ آنے والی نسلوں میں میری تعریف و ثنا ہوا کرے، بظاہر جب جاہ میں داخل معلوم ہوتی ہے، لیکن آیت کے الفاظ میں غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس دعا کا اصل مقصد جب جاہ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے اس کی دعاء ہے کہ ایسے نیک اعمال کی توفیق بخشیں جو میری آخرت کا سامان بنیں، اور اس کو دیکھ کر دوسرے لوگوں کو بھی اعمال صالحہ کی رغبت ہو، اور میرے بعد بھی لوگ اعمال صالحہ میں میری پیروی کرتے رہیں۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے کوئی وجاہت کا فائدہ حاصل کرنا مقصود ہی نہیں، جس کو جب جاہ کہا سکے۔ قرآن و حدیث میں جہاں طلب جاہ کو ممنوع اور مذموم قرار دیا ہے اس کی مراد وہی دنیوی وجاہت اور اس سے دنیوی منافع حاصل کرنا ہے۔ امام ترمذی: ۲۳۷، نے کعب بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: **مَا ذُنُوبَانِ جَانَعَانِ ارْسَافِيْ غَنَمٍ بِافْسَادِ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلٰى الْمَالِ وَالشَّرَفِ**، لدینہ۔

یعنی، دو بھوکے بھڑیئے جو بکریوں کے گلے میں چھوڑ دیئے جاویں وہ بکریوں کے ریوڑ کو اتنا نقصان نہیں پہنچاتے جتنا دو خصالتیں انسان کے دین کو نقصان پہنچاتی ہیں، ایک مال کی محبت دوسرے اپنے عزت و جاہ کی طلب۔ اس روایت سے مراد وہ جب جاہ اور طلب ثناء ہے جو دنیوی مقاصد کے لئے مطلوب ہو، یا جس کی خاطر دین میں مددہنت یا کسی گناہ کا ارتکاب کرنا پڑے۔ اور جب یہ صورت نہ ہو تو طلب جاہ مذموم نہیں۔ اسی لئے امام مالک نے فرمایا کہ جو شخص واقع میں صالح اور نیک ہو، لوگوں کی نظر میں نیک بننے کے لئے ریا کاری نہ کریں اس کے لئے لوگوں کی طرف سے مدد و ثنا کی محبت مذموم نہیں۔

ابن عربی نے فرمایا کہ آیت مذکورہ سے ثابت ہوا کہ جس نیک عمل سے لوگوں میں تعریف ہوتی ہو، اس نیک عمل کی طلب اور خواہش جائز ہے۔ اور امام غزالی نے فرمایا کہ دنیا میں عزت و جاہ کی محبت تین شرطوں کے ساتھ جائز ہے: اول یہ کہ اس سے مقصود اپنے آپ کو بڑا اور اس کے بالمقابل دوسرے کو چھوٹا یا حقیر قرار دینا نہ ہو، بلکہ آخرت کے فائدہ کے لئے ہو، کہ لوگ میرے معتقد ہو کر نیک اعمال میں میرا اتباع کریں۔ دوسرے یہ کہ جھوٹی ثناء خوانی مقصود نہ ہو کہ جو صفت اپنے اندر نہیں ہے لوگوں سے اس کی خواہش رکھے کہ وہ اس صفت میں اس کی تعریف کریں۔ تیسرے یہ کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے کسی گناہ یا دین کے معاملے میں مددہنت اختیار نہ کرنی پڑے۔

النَّعِيمِ ﴿۱۱۵﴾ غُفِرَ لَأَبِيٍّ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الصَّالِّينَ ﴿۱۱۴﴾ وَلَا تُحْزِنُنِي يَوْمَ يُعْتَبُونَ

اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے۔ [3] اور جس دن لوگ اٹھا کر کھڑے کئے جائیں گے مجھے رسوا نہ کرنا

﴿۱۱۷﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ﴿۱۱۸﴾ مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ

جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے۔ ہاں جو شخص اللہ کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ سچ جائے گا)

﴿۱۱۹﴾ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۰﴾ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَوِينَ ﴿۱۲۱﴾

اور جنت پر بہیز گاروں کے قریب کر دی جائے گی۔ اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی

[3] قرآن مجید کے اس فرمان کے بعد کہ: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ

كَانُوا أَوْلِيَاءَ قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۳﴾ (التوبہ)۔

اب کسی ایسے شخص کے لئے جس کا کفر پر مرنے والی ہو استغفار اور دعائے مغفرت طلب کرنا ناجائز اور حرام ہے،

کیونکہ آیت مبارکہ کا ترجمہ یہ ہے، کہ کسی نبی اور ایمان داروں کے لئے یہ قطعاً جائز نہیں کہ وہ مشرکوں کے لئے مغفرت طلب

کریں، خواہ وہ اس کے رشتہ دار اور قریبی ہی کیوں نہ ہوں جبکہ ان کا جہنمی ہونا بالکل واضح ہو چکا ہو۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہو جاتا ہے کہ اس نبی اور ممانعت کے بعد پھر ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مشرک

باپ کے لئے کیوں دعائے مغفرت مانگی؟ اس کا جواب خود حق تعالیٰ نے قرآن مجید میں دیدیا کہ: وَمَا كَانَ

اسْتَغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَّهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ

إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱۳﴾ (التوبہ)۔ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کیلئے ان کی

زندگی میں استغفار اس نیت اور خیال سے کی تھی کہ حق تعالیٰ ان کو ایمان لانے کی توفیق دے، جس کے بعد مغفرت یقینی

ہے یا ابراہیم علیہ السلام کا یہ خیال تھا کہ میرا باپ خفیہ طور پر ایمان لے آیا ہے اگرچہ اس کا اظہار اور اعلان نہیں

کیا لیکن جب ابراہیم علیہ السلام کو معلوم ہو گیا کہ میرا باپ تو کفر پر مہر ہے، تو انہوں نے اپنی پوری بیزارگی اور برائے

کا اظہار فرمایا۔

وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ﴿۴۲﴾ ۞ بَيْنَ دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنْصُرُونَكُم

اور ان سے کہا جائے گا کہ جن کو تم پوجتے تھے وہ کہاں ہیں؟ یعنی جن کو اللہ کے سوا (پوجتے تھے) کیا وہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں

أَوْ يَنْتَصِرُونَ ﴿۴۳﴾ ۞ كُفِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ﴿۴۴﴾ ۞

یا خود بدلہ لے سکتے ہیں؟ تو وہ اور گمراہ (یعنی بت اور بت پرست) اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے

وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ﴿۴۵﴾ ۞ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ﴿۴۶﴾ ۞

اور شیطان کے لشکر سب کے سب - وہاں وہ آپس میں جھڑپیں گے

تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۷﴾ ۞ نُنسِوِيكُمْ بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۸﴾ ۞

اور کہیں گے کہ اللہ کی قسم ہم تو صریح گمراہی میں تھے - جب کہ تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہراتے تھے

وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ﴿۴۹﴾ ۞ مَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ ﴿۵۰﴾ ۞

اور ہم کو ان گنہگاروں نے ہی گمراہ کیا تھا - تو (آج) نہ کوئی ہمارا سفارش کرنے والا ہے

وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ﴿۵۱﴾ ۞ قَالُوا أَن لَنَا كَرَّةٌ فَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۵۲﴾ ۞

اور نہ گرم دوش دوست - کاش ہمیں (دنیا میں) پھر جانا ہو تو ہم مومنوں میں ہو جائیں

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۵۳﴾ ۞ وَإِنَّ رَبَّكَ

بیشک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں - اور تمہارا رب

لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾ ۞ كَذَبَتْ قَوْمٌ نُّوحَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۵۵﴾ ۞

تو غالب اور مہربان ہے - قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۵۶﴾ ۞ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۵۷﴾ ۞

جب اُن سے اُن کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ - میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۱۰۸ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ

تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور اس کام کا تم سے کچھ صلہ تو نہیں مانگتا میرا صلہ تو

إِلَّا عَلَىٰ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۰۹ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۱۱۰

اللہ رب العالمین ہی پر ہے۔ تو اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو

قَالُوا أَنْتُمْ لَكُمْ وَاتَّبِعَكَ الْأَرْدَلُونَ ۝۱۱۱ وَالَّذِينَ آمَنُوا

وہ بولے کہ کیا ہم تمہیں مان لیں اور تمہارے پیروکار تو رذیل لوگ ہوتے ہیں۔ نوح نے کہا کہ مجھے کیا معلوم

يَعْمَلُونَ ۝۱۱۲ حَسَابُهُمْ إِلَّا عَلَىٰ رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ ۝۱۱۳ وَمَا أَنَا

کہ وہ کیا کرتے ہیں۔ ان کا حساب (اعمال) میرے رب کے ذمے ہے اگر تم سمجھو۔ اور میں

بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۱۴ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝۱۱۵ قَالُوا لَنْ نَمُنَّ بِكَ

مومنوں کو نکال دینے والا نہیں ہوں۔ میں تو صرف کھول کھول کر نصیحت کرنے والا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ نوح

يُنُوحَ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمَرْجُومِينَ ۝۱۱۶ قَالِ رَبِّ إِنْ قَوْمِي كَذَّبُونَ ۝۱۱۷

اگر تم باز نہ آؤ گے تو سنگسار کر دیئے جاؤ گے۔ نوح نے کہا کہ الہی! میری قوم نے تو مجھے جھٹلا دیا

فَأَفْتَحْ بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَنَجِّنِي وَمَنْ مَعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝۱۱۸

سو تو میرے اور ان کے درمیان ایک کھلا فیصلہ کر دے اور مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں ان کو بچا لے

فَأَنجِنَهُ وَمَنْ مَعَهُ فِي الْفُلِكِ الْمَشْحُونِ ۝۱۱۹ لَمَّا أَغْرَقْنَا بَعْدُ

پس ہم نے ان کو اور جو ان کیساتھ کشتی میں سوار تھے ان کو بچا لیا۔ پھر اس کے بعد باقی

الْبَاقِينَ ۝۱۲۰ فِي ذَلِكَ لَآيَةٌ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ۝۱۲۱

لوگوں کو ڈبو دیا۔ بیشک اس میں نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۳۳﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۳﴾

اور تمہارا رب تو غالب (اور) مہربان ہے۔ عاد نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا

إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿۱۳۴﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۳۴﴾

جب ان سے ان کے بھائی ہود نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں؟ میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿۱۳۴﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ

تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔ اور میں اس کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ

إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳۵﴾ إِنُّونَ بِكُلِّ رِيحٍ آيَةٌ تَعْبُثُونَ ﴿۱۳۵﴾

(اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے۔ بھلا تم جو ہر اونچی جگہ پر نشان تعمیر کرتے ہو

وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ﴿۱۳۶﴾ وَإِذَا بَطِشْتُمْ بَطِشْتُمْ جَبَّارِينَ

اور محل بناتے ہو شاید تم ہمیشہ رہو گے۔ اور جب (کسی کو) پکڑتے ہو تو ظالمانہ پکڑتے ہو

﴿۱۳۷﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿۱۳۷﴾ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُونَ

تو اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو

﴿۱۳۸﴾ بِأَمْدِكُمْ بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ﴿۱۳۸﴾ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۳۸﴾

اس نے تمہیں چوپایوں اور بیٹوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے

إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۳۹﴾ وَإِنَّا سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَوَعَضْتَ

مجھے تمہارے بارے میں بڑے (سخت) دن کے عذاب کا خوف ہے۔ وہ کہنے لگے ہمیں خواہ نصیحت کرو

أَمْ لَمْ تَكُنْ مِنَ الْوَاعِظِينَ ﴿۱۴۰﴾ هَذَا إِلَّا خُلُقُ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۴۰﴾

یا نہ کرو ہمارے لئے یکساں ہے۔ یہ تو اگلوں ہی کے طریق ہیں

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ ﴿۱۳۸﴾ كَذَّبُوهُ فَأَهْلَكْنَاهُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً

اور ہم پر کوئی عذاب نہیں آئے گا۔ تو انہوں نے ہود کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو ہلاک کر ڈالا بیشک اس میں نشانی ہے

وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۴۰﴾

اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور تمہارا رب تو غالب اور مہربان ہے

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۴۱﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلا تَتَّقُونَ

اور قوم ثمود نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان کو ان کے بھائی صالح نے کہا تم ڈرتے کیوں نہیں؟

﴿۱۴۲﴾ أَلَيْسَ لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۴۳﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا

میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔ تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو

وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۴﴾

اور میں اس کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے

أَتُورَكُونَ فِي مَا هُنَّآ أَمِينِينَ ﴿۱۴۵﴾ أَلَيْسَ جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ﴿۱۴۶﴾

کیا جو چیزیں (تمہیں یہاں میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دینے جاؤ گے۔ (یعنی) باغ اور چشمے

وَزُرُوعٍ وَنَخْلٍ طَلَعَهَا هَضِيمٌ ﴿۱۴۷﴾ وَتَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا

اور کھیتیاں اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف و نازک ہوتے ہیں۔ اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش تراش کر گھر بناتے ہو

فَرِهِينَ ﴿۱۴۸﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ﴿۱۴۹﴾ وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ

سو اللہ سے ڈرو اور میرے کہنے پر چلو۔ اور حد سے تجاوز کرنے والوں کی بات نہ مانو

﴿۱۵۰﴾ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۱۵۱﴾ أَلَمْ آتَيْنَاكَ

جو ملک میں فساد کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔ وہ کہنے لگے کہ تم تو

۱۴۳ ﴿۱۴۳﴾ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۗ فَاتِّبَاعُ بَايَةِ اِنْ كُنْتَ مِنْ

جادو زدہ ہو۔ تم اور کچھ نہیں ہماری ہی طرح کے آدمی ہو

۱۴۴ ﴿۱۴۴﴾ هَذِهِ نَاقَةٌ لَهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۱۴۴﴾

اگر سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو۔ صالح نے کہا یہ اونٹنی ہے اس کی پانی پینے کی باری ہے اور ایک معین روز تمہاری باری

۱۴۵ ﴿۱۴۵﴾ وَلَا تَمْسُوْهَا بِسُوْءٍ فَيَاْخُذْكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

اور اس کو کوئی تکلیف نہ دینا ورنہ تمہیں سخت عذاب پکڑے گا

۱۴۶ ﴿۱۴۶﴾ فَعَقَرُوْهَا فَاصْبَحُوْا نَدِيْمِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلَّذِيْنَ اَخَذَهُمُ الْعَذَابُ اِنْ فِيْ ذٰلِكَ لَايَةٌ

انہوں نے اس کی کوچیں کاٹ ڈالیں پھر نام نہ ہوئے۔ پھر انہیں عذاب نے آپکڑا، البتہ اس میں بڑی نشانی ہے

۱۴۷ ﴿۱۴۷﴾ وَمَا كَانَ اَكْثَرَهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ اَلَّذِيْنَ رَبِّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۴۷﴾

اور ان میں سے اکثر ایمان والے نہیں تھیں۔ اور تمہارا رب تو غالب (اور) مہربان ہے

۱۴۸ ﴿۱۴۸﴾ كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوطٍ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَتْ لَهُمْ اٰخُوهُمْ لُوْطُ اَلَّا تَتَّقُوْنَ

اور قوم لوط نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟

۱۴۹ ﴿۱۴۹﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِيْنٌ ﴿۱۴۹﴾ اتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوْنَ ﴿۱۴۹﴾

میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔ تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو

۱۵۰ ﴿۱۵۰﴾ وَمَا اَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِيْ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

اور میں تم سے اس (کام) کا بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ (اللہ) رب العالمین کے ذمے ہے

۱۵۱ ﴿۱۵۱﴾ اَتَاتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾ اَلَّذِيْنَ ذَرُّوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ

کیا تم اہل عالم میں سے لڑکوں پر مائل ہوتے ہو؟ اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے تمہاری بیویاں پیدا کی ہیں

﴿۱۴۴﴾ لَوْلَا السِّنُّ لَمْ تَنْتَه يَلُوطُ
 مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ عَادُونَ

ان کو چھوڑ دیتے ہو حقیقت یہ ہے کہ تم حد سے نکل جانے والے ہو۔ وہ کہنے لگے کہ لوط! اگر تم باز نہ آؤ گے

﴿۱۴۸﴾ لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِينَ ﴿۱۴۷﴾ لَإِنِّي لِعَمَلِكُمْ مِنَ الْقَالِينَ ﴿۱۴۸﴾

تو شہر بدر کر دیئے جاؤ گے۔ لوط نے کہا کہ میں تمہارے اس عمل کا سخت دشمن ہوں

﴿۱۵۰﴾ رَبِّ نَجِّنِي وَاهْلِي مِمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ نَجِّنِيهِ وَاهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۵۰﴾

اے میرے رب! مجھے اور میرے گھر والوں کو ان کے کاموں سے نجات دے۔ سو ہم نے ان کو اور ان کے سب گھر والوں کو نجات دی

﴿۱۵۲﴾ إِلَّا عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۱۵۱﴾ أَلَمْ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ ﴿۱۵۲﴾

مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ گئی۔ پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا

﴿۱۵۴﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطْرًا فَسَاءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۵۳﴾ إِن فِي ذَلِكَ لآيَةً

اور ان پر مینہ برسایا، سو جو مینہ ان (لوگوں) پر (برسا) جو ڈرائے گئے، بُرا تھا۔ بیشک اس میں نشانی ہے

﴿۱۵۶﴾ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۵۵﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۱۵۶﴾

اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے۔ اور تمہارا رب تو غالب (اور) مہربان ہے

﴿۱۵۸﴾ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۵۷﴾ إِذْ قَالَ لَهُمُ شُعَيْبٌ الْآتِفُونَ

اور بن کے رہنے والوں نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا۔ جب ان سے شعیب نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟

﴿۱۶۰﴾ إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ ﴿۱۵۹﴾ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا

میں تو تمہارا امانتدار پیغمبر ہوں۔ تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو

﴿۱۶۰﴾ وَمَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۰﴾

اور میں اس کام کا تم سے کچھ بدلہ نہیں مانگتا میرا بدلہ تو اللہ رب العالمین کے ذمے ہے

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۱﴾ وَرِنُوا بِالْقِسْطِ

(دیکھو) پیانہ پورا بھرا کرو اور نقصان نہ کیا کرو۔ اور ترازو سیدھی رکھ کر تولنا کرو

الْمُسْتَقِيمِ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۲﴾ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ

اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دیا کرو اور ملک میں فساد نہ کرتے پھرو

مُفْسِدِينَ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۳﴾ اتَّقُوا الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْأُولَىٰ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۴﴾

اور اس سے ڈرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلی خلقت کو پیدا کیا۔ وہ کہنے لگے کہ تم تو جادو زدہ ہو

قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مِنَ الْمُسْحَرِينَ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۵﴾ إِنَّا أَنْتَ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا

اور تم اور کچھ نہیں ہمارے جیسے آدمی ہو اور ہمارا خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو

وَإِنْ نَظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۶﴾ فَسَقَطْ عَلَيْنَا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ إِنْ

اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا لا کر گراؤ

كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِينَ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۷﴾ لَقَدْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۸﴾ كَذَّبُوْهُ

شعیب نے کہا کہ کام جو تم کرتے ہو میرا رب اس سے خوب واقف ہے۔ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا

فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۸۹﴾ ﴿۸۹﴾

پس سائبان کے عذاب نے ان کو آ پکڑا بیشک وہ بڑے (سخت) دن کا عذاب تھا

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً وَّمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۰﴾

اس میں یقیناً نشانی ہے اور ان میں اکثر ایمان لانے والے نہیں تھے

وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۱﴾ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۲﴾

اور تمہارا رب تو غالب (اور) مہربان ہے۔ اور یہ (قرآن اللہ) رب العالمین کا اتارا ہوا ہے

﴿۱۴۳﴾ قَلْبِكَ لَتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿۱۴۴﴾

اس کو امانت دار فرشتے لکراتے ہیں۔ (یعنی اس نے) تمہارے دل پر (القا) کیا ہے تاکہ (لوگوں کو) نصیحت کرتے رہو

﴿۱۴۵﴾ وَ لَفِي زُبُرِ الْأُولَىٰ ﴿۱۴۶﴾

(اور القا بھی) فصیح عربی زبان میں (کیا ہے) [4]۔ اس کی خبر پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں (لکھی ہوئی) ہے

[4] ایت مذکورہ میں بلسان عربی مبین سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن وہی ہے جو عربی زبان میں ہو، کسی مضمون

قرآن کا ترجمہ خواہ کسی زبان میں ہو وہ قرآن نہیں کہلائے گا اور ”انہ لفی زبر الاولین“ کے الفاظ سے بظاہر اس کے خلاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ معانی قرآن جو کسی دوسری زبان میں بھی ہوں وہ بھی قرآن ہیں کیونکہ ”انہ“ کے ضمیر ظاہر یہ ہے کہ قرآن کی طرف راجع ہے اور ”زبر“ زبور کی جمع ہے جس کے معنی ہیں کتاب، معنی ایت کے یہ ہوئے کہ قرآن کریم سابقہ کتابوں میں بھی ہے اور یہ ظاہر ہے پچھلی کتابیں تورات اور انجیل زبور وغیرہ عربی زبان میں نہیں تھیں، تو صرف معانی قرآن کے ان میں مذکور ہونے کو اس ایت میں کہا گیا ہے کہ قرآن پچھلی کتابوں میں بھی ہے۔ اور حقیقت جس پر جمہور امت کا عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ صرف مضامین قرآن کو بھی بعض اوقات تو سعا قرآن کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ اصل مقصود کسی کتاب کا اس کے مظاہرین میں ہی ہوتے ہیں، کتب اولین میں قرآن کا مذکور ہونا بھی اسی حیثیت سے ہے کہ بعض مضامین قرآنیہ ان میں بھی مذکور ہیں، اس کی تائید بہت سی روایات حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

متدرک حاکم میں معقل بن یسار کی حدیث ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ مجھے سورہ بقرہ ذکر اول سے دی گئی ہے، اور سورہ طہ اور طواسین یعنی جنتی سورتیں طس سے شروع ہوتی ہیں اور حوامیم یعنی جو سورتیں حم سے شروع ہیں یہ سب سورتیں الواح موسیٰ میں سے دی گئی ہیں اور سورہ فاتحہ مجھے تخت عرش سے دی گئی ہے۔ (متدرک: ۱۷۱)

اور سورۃ الاعلیٰ میں تو خود قرآن کی تصریح یہ ہے ”ان هذا الفی الصحف الاولى صحف ابراہیم وموسى“ یعنی یہ مضامین سورت، ابراہیم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی ہیں، لیکن تمام آیات و روایات کا حاصل یہی ہے کہ بہت سے مضامین قرآن کتب سابقہ میں بھی موجود تھے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان مضامین کی وجہ سے کتب سابقہ کے ان حصوں کو جن میں یہ مضامین قرآن آئے ہیں قرآن کا نام دیدیا جائے نہ امت میں کوئی اس کا =

﴿۱۴۷﴾ اَوَلَمْ يَكُنْ لَهُمْ آيَةٌ اَنْ يَعْلَمَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۴۷﴾

کیا ان کیلئے یہ سند نہیں ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس (بات) کو جانتے ہیں

﴿۱۴۸﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَاهُ عَلَىٰ بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿۱۴۸﴾ ﴿۱۴۸﴾ وَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ

- اور اگر ہم اس کو کسی غیر اہل زبان پر اتارتے - اور وہ اسے ان (لوگوں کو) پڑھ کر سناتا

﴿۱۴۹﴾ مَا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۹﴾ ﴿۱۴۹﴾ كَذَلِكَ سَلَكْنَاهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۵۰﴾

تو یہ اُسے (کبھی) نہ مانتے - اسی طرح ہم نے انکار کو گنہگاروں کے دلوں میں داخل کر دیا -

﴿۱۵۱﴾ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۱۵۱﴾ ﴿۱۵۱﴾ فَيَأْتِيهِمْ بَغْتَةً

اور جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں گے اس کو نہیں مانتے گے - وہ ان پر ناگہاں آ واقع ہو گا

﴿۱۵۲﴾ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۵۲﴾ ﴿۱۵۲﴾ يَقُولُوا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُونَ ﴿۱۵۳﴾

اور انہیں خبر بھی نہ ہو گی - اس وقت کہیں گے کیا ہمیں مہلت ملے گی؟

﴿۱۵۴﴾ أَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۵۴﴾ ﴿۱۵۴﴾ الْبَرَاءِ اِنْ مَتَّعْنَاهُمْ سِنِينَ ﴿۱۵۵﴾ ﴿۱۵۵﴾ جَاءَ

تو کیا یہ ہمارے عذاب کو جلدی طلب کر رہے ہیں؟ بھلا دیکھو تو اگر ہم ان کو برسوں فائدے دیتے رہے - پھر ان پر وہ (عذاب) آ

= قائل ہے کہ ان صحیفوں اور کتابوں کو جن میں مضامین قرآن مذکور ہیں قرآن کہا جائے۔ بلکہ عقیدہ جمہور امت کا یہی ہے کہ

قرآن نہ صرف الفاظ قرآن کا نام ہے نہ صرف معانی کا اگر کوئی شخص قرآن ہی کے الفاظ مختلف جگہوں سے چن کر ایک عبارت

بنادے مثلاً کوئی یہ عبارت بنا لے: الحمد لله العزيز الرحيم الذي له ملك السموات وهو رب العالمين

خالق كل شيء وهو المستعان .

یہ سارے الفاظ قرآن ہی کے ہیں مگر اس عبارت کو کوئی قرآن نہیں کہہ سکتا۔ اسی طرح صرف معانی قرآن جو کسی

دوسری زبان میں بیان کئے جائیں وہ بھی قرآن نہیں۔

﴿۲۰۷﴾ هُمْ مَّا كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۲۰۸﴾ اَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يُمْتَعُونَ ﴿۲۰۹﴾

واقع ہو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔ تو جو فائدے یہ اٹھا رہے ہیں ان کے کس کام آئیں گے؟

﴿۲۱۰﴾ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنْذِرُونَ ﴿۲۱۱﴾ اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ

اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کیلئے نصیحت کرنے والے (پہلے بھیج دیتے) تھے

﴿۲۱۲﴾ وَمَا تَنْزَلَتْ بِهِ الشَّيْطَانُ ﴿۲۱۳﴾ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيعُونَ

(تا کہ) نصیحت کر دیں اور ہم ظالم نہیں ہیں۔ اور اس (قرآن) کو شیطان لے کر نازل نہیں ہوئے

﴿۲۱۴﴾ اَللَّهُمَّ عَنِ السَّمْعِ لَمَعَزُولُونَ ﴿۲۱۵﴾ تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ

یہ کام نہ تو ان کو سزاوار ہے اور نہ وہ اس کی طاقت رکھتے ہیں۔ وہ (آسمانی باتوں کے) سننے (کے مقامات) سے الگ کر

﴿۲۱۶﴾ فَتَكُونَ مِنَ الْمُعَذِّبِينَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّا نَذِرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ ﴿۲۱۸﴾

دیئے گئے ہیں۔ تو اللہ کے سوا کسی اور معبود کو مت پکارنا ورنہ تمہیں عذاب دیا جائے گا۔ اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈر سنا دو

﴿۲۱۹﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۰﴾ اِنَّا عَصَوَكَ

اور جو مومن تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان سے متواضع پیش آؤ۔ پھر اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں

﴿۲۲۱﴾ فَقُلْ اِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۲۲﴾ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۲۲۳﴾

تو کہہ دو کہ میں تمہارے اعمال سے بے تعلق ہوں۔ اور (اللہ) غالب اور رحمن پر بھروسہ رکھو

﴿۲۲۴﴾ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۲۲۵﴾ وَبِقَلْبِكَ فِي السَّاجِدِينَ ﴿۲۲۶﴾

جو تمہیں جب تم (تہجد کے وقت) اٹھتے ہو دیکھتا ہے۔ اور نمازیوں میں تمہارے پھرنے کو بھی

﴿۲۲۷﴾ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۲۲۸﴾ اِنَّا اَنْبِئُكُمْ عَلَىٰ مَنْ تَنْزَلُ الشَّيَاطِينُ

وہ بیشک سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (اچھا) میں تمہیں بتاؤں کہ شیطان کس پر اترتے ہیں

﴿۲۲۱﴾ نَزَّلَ عَلَىٰ كُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۲۲۲﴾ يَلْمِزُونَ السَّمْعَ وَأَكْثُرُهُمْ كَذِبُونَ

ہر جھوٹے گنہگار پر اترتے ہیں۔ جو سنی ہوئی بات (اس کے کان میں) لا ڈالتے ہیں اور وہ اکثر جھوٹے ہیں

﴿۲۲۳﴾ رَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ ﴿۲۲۴﴾

اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں [5]

[5] یہ مشرکین کے شبیہ کا جواب ہے، مشرکین نے کہا تھا کہ محمد ﷺ شاعر ہے اور شعراء کی طرح شعر بناتا ہے تو یہاں

اس کا جواب دیا گیا مسوق لتزبيحه عليه السلام ايضاعن ان يكون وحاشاه من الشعراء وابطال زعم

الكفرة ان القرآن من قبيل الشعر (روح)۔ یعنی شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں مطلب یہ کہ شعراء چونکہ

خود گمراہ ہوتے اس لئے وہ اپنے اشعار میں کفر و شرک اور ضلالت و غوایت کے جو مضامین بیان کرتے ہیں، گمراہ لوگ ان کی

پیروی کرتے ہیں۔ ”الم تر انهم“ الایة، یہ شاعروں کے گمراہ ہونے کی پہلی دلیل ہے۔ یہ بات مشاہدے میں اچکی

ہے کہ شعراء ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ وہ حق و باطل ایک ہی چیز کی مدح و ہجو اور افراط و تفریط، غرضیکہ ہر میدان میں

طبع آزمائی کرتے ہیں۔ و انهم يقولون النخ۔ یہ ان کے غاوی گمراہ ہونے کی دوسری دلیل ہے، کہ ان کے قول اور عمل میں

موافقت نہیں ہوتی وہ زبان سے کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ لیکن نبی کریم ﷺ کی ذات گرامی ان دونوں گمراہیوں

سے بالکل پاک ہے آپ ﷺ کی زبان سے صرف حق ہی نکلتا ہے اور آپ ﷺ جو کچھ زبان سے فرماتے ہیں اس کے موافق

عمل بھی کرتے ہیں۔ فقد ظهر بهذا ان حال محمد ﷺ ما كان يشبه حال الشعراء (کبیر)۔

”الا الذين“ الایة، مومن اور نیک شعراء کو ماقبل سے مستثنیٰ کر دیا گیا۔ وہ شعراء جو مومن اور صالح ہیں، اور اپنے

اشعار میں اللہ کی توحید، اس کی حمد و ثنا، مدح پیغمبر علیہ السلام اور ترغیب و ترہیب کا ذکر کرتے ہیں۔ وہ کسی کی ہجو میں

ابتدا نہیں کرتے ہاں اگر کوئی اسلام پر یا پیغمبر اللہ ﷺ کی ذات پر حملہ کرے تو اس کا جواب دیتے ہیں۔ ای کان ذکر اللہ

وتلاوة القرآن اغلب عليهم من الشعر، و اذا قالوا شعرا، قالوه في توحيد الله تعالى و الشناء عليه و

الحكمة و الموعدة و الزهد و الادب و مدح رسول الله ﷺ و الصحابة و صلحاء الامة و نحو ذلك

مماليس فيه ذنب (مدارک)۔

﴿۲۳۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِنَّهُمْ فِي كُلِّ وادٍ يَّهيمُونَ ﴿۲۳۴﴾ وَرَبُّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سر مارے مارے پھرتے ہیں۔ اور کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں

﴿۲۳۴﴾ اَلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَانْتَصَرُوا

مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہے اور اپنے اوپر ظلم ہونے کے بعد انتقام لیا

﴿۲۳۵﴾ مِّنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اَيُّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ ﴿۲۳۶﴾

اور ظالم عنقریب جان لیں گے کہ کون سی جگہ لوٹ کر جاتے ہیں

سورة النمل (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

طس ﴿۲۳۷﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ الْقُرْآنِ وَكِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۲۳۸﴾ هُدًى وَبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ

طس۔ یہ قرآن اور کتاب روشن کی آیتیں ہیں۔ مومنوں کیلئے ہدایت اور بشارت

﴿۲۳۹﴾ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ

وہ جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے اور وہ آخرت کا یقین رکھتے ہیں

﴿۲۴۰﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَیْنًا لَّهُمْ اَعْمَالُهُمْ فَهُمْ یَعْمَهُوْنَ ﴿۲۴۱﴾

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ہم نے ان کے اعمال ان کیلئے آراستہ کر دیئے ہیں تو وہ سرگرداں ہو رہے ہیں

﴿۲۴۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاٰخَسِرُوْنَ

یہی لوگ ہیں جن کیلئے بڑا عذاب ہے اور آخرت میں بھی وہ بہت نقصان اٹھانے والے ہیں

﴿۱۰﴾ وَإِنَّكَ لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ﴿۱۱﴾

اور تمہیں قرآن (اللہ) حکیم و علیم کی طرف سے عطا کیا جاتا ہے

إِذْ قَالَ مُوسَى لِأَهْلِهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۖ سَأَتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ

جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے آگ دیکھی ہے میں وہاں سے (رستے کا) پتہ لاتا ہوں

أَوْ آتِيكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۱۲﴾ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ

یا سلگتا ہوا انگارا لاتا ہوں تاکہ تم تاپو۔ جب موسیٰ ان کے پاس آئے تو ندا آئی

أَنْ بُورِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۳﴾

کہ وہ جو آگ میں (بجلی دکھاتا) ہے بابرکت ہے اور وہ جو آگ کے ارد گرد ہیں اور اللہ جو تمام عالم کا رب ہے پاک ہے

يُمُوسَىٰ إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۴﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ ۖ

اے موسیٰ میں ہی اللہ، غالب و دانا ہوں۔ اور اپنی لاٹھی ڈال دو جب اسے دیکھا

فَلَمَّا رَأَاهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ ۖ يُمُوسَىٰ لَا تَخَفْ

تو (اس طرح) بل رہی تھی گویا سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا (حکم ہوا کہ) موسیٰ ڈرو مت!

إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۵﴾ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ

ہمارے پاس پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔ ہاں جس نے ظلم کیا پھر بُرائی کے بعد

سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۶﴾ وَأَدْخِلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضًا

اُسے نیکی سے بدل دیا تو میں بخشنے والا مہربان ہوں۔ اور اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو سفید نکلے گا

مِنْ غَيْرِ سُوءٍ فِي تِسْعِ آيَاتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهِ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا

(ان دو معجزوں کیساتھ جو) نو معجزوں میں (داخل ہیں) فرعون اور اس کی قوم کے پاس جاؤ کہ وہ

﴿۱۳﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَاتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۳﴾

بے حکم لوگ ہیں۔ جب ان کے پاس ہماری روشن نشانیاں پہنچیں کہنے لگے کہ یہ صریح جادو ہے
وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
اور بے انصافی اور غرور سے ان کا انکار کیا کہ ان کے دل ان کو مان چکے تھے سو دیکھ لو کہ فساد کرنے والوں کا انجام کیسا ہو

﴿۱۴﴾ لَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ عِلْمًا وَقَالَا

اور ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم بخشا اور انہوں نے کہا کہ اللہ کا شکر ہے

﴿۱۵﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي فَضَّلْنَا عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵﴾

جس نے ہمیں بہت سے مومن بندوں پر فضیلت دی

وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ وَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ

اور سلیمان داؤد کے قائم مقام ہوئے اور کہنے لگے کہ لوگو! ہمیں (اللہ کی طرف سے) جانوروں کی بولی سکھائی گئی ہے

﴿۱۶﴾ وَأَوْتَيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۖ إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِينُ ﴿۱۶﴾

اور ہر عطا چیز فرمائی گئی ہے بیشک یہ (اس کا) صریح فضل ہے

﴿۱۷﴾ وَحُشِرَ لِسُلَيْمَانَ جُنُودُهُ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۱۷﴾

اور سلیمان کیلئے جنوں اور انسانوں اور پرندوں کے لشکر جمع کئے گئے اور قسم وار کئے جاتے تھے

حَتَّىٰ إِذَا تَوَّأَوْا عَلَىٰ وَادِي النَّمْلِ قَالَتْ نَمْلَةٌ يَا أَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوا

یہاں تک کہ جب چیونٹیوں کے میدان میں پہنچے تو ایک چیونٹی نے کہا کہ اے چیونٹیو! اپنے اپنے بلوں میں

﴿۱۸﴾ مَسْكِنَكُمْ لَا يَحْطَمَنَّكُمْ سُلَيْمَانُ وَجُنُودُهُ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۸﴾

داخل ہو جاؤ ایسا نہ ہو کہ سلیمان اور اس کے لشکر تمہیں کچل ڈالیں اور ان کو خبر بھی نہ ہو

فَتَبَسَّمْ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ

تو وہ اس کی بات سن کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے الہی! مجھے توفیق عطا فرما کہ جو احسان تو نے

نِعْمَتِكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا

مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں اُن کا شکر کروں اور ایسے نیک کام کروں

تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۴﴾

کہ تو اُن سے خوش جائے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل فرما

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَا أَرَى الْهُدْهُدَ أَمْ كَانَ مِنَ الْغَائِبِينَ ﴿۲۰﴾

انہوں نے جانوروں کا جائزہ لیا تو کہنے لگے کہ کیا سبب ہے کہ ہدہد نظر نہیں آتا؟ کیا کہیں غائب ہو گیا ہے؟

لَا عَذْبَنَهُ عَذَابًا شَدِيدًا أَوْ لَأَذْبَحَنَّهُ أَوْ لِيَأْتِنِي بِسُلْطَنِ مُّبِينٍ ﴿۲۱﴾

میں اُسے سخت سزا دوں گا یا اُسے ذبح کر ڈالوں گا یا میرے سامنے (اپنی بے قصوری کی) دلیل صریح پیش کرے

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيدٍ فَقَالَ أَحَطَّتْ بِمَا لَمْ تَحِطْ بِهِ

ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ہدہد آ موجود ہوا اور کہنے لگا کہ مجھے ایک ایسی چیز معلوم ہوئی ہے جس کی آپ کو خبر نہیں

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَإٍ بِنَبِيٍّ يَقِينٍ ﴿۲۲﴾ لِيُؤْتِيَنِي وَجَدْتُ امْرَأَةً تَمْلِكُهُمْ

اور میں آپ کے پاس سبأ سے ایک سچی خبر لے کر آیا ہوں [1] میں نے ایک عورت دیکھی کہ ان لوگوں پر حکومت کرتی ہے

وَأُوتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ ﴿۲۳﴾ وَجَدْتُهَا وَقَوْمَهَا

اور ہر چیز اسے میسر ہے۔ اور اس کا ایک بڑا تخت ہے میں نے دیکھا کہ وہ اور اس کی قوم

[1] یعنی ہدہد نے اپنا عذر بتلاتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ چیز معلوم ہے جو آپ کو معلوم نہیں یعنی میں ایک ایسی

خبر لایا ہوں جس کا آپ کو پہلے علم نہیں تھا۔ امام قرطبی نے فرمایا: کہ اس سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب نہیں ہوتے جس سے ان کو ہر چیز کا علم ہو سکے۔

”من سبأ“۔ سبائین کا ایک مشہور شہر جس کا ایک نام مارب بھی ہے اس کے اور یمن کے دار الحکومت صنعاء کے درمیان تین دن کی مسافت تھی۔ ہد ہد کی مذکورہ گفتگو سے بعض لوگوں نے اس پر استدلال کیا ہے کہ کوئی شاگرد اپنے استاد سے یا غیر عالم عالم سے کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلہ کا علم مجھے آپ سے زیادہ ہے بشرطیکہ اس کو اس مسئلہ کا واقعی طور پر مکمل علم دوسروں سے زائد ہو۔ مگر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ طرز گفتگو اپنے مشائخ اور بڑوں کے سامنے خلاف آدب ہے، اس سے احتراز کرنا چاہئے، اور ہد ہد کے قول سے اس پر استدلال اس لئے نہیں ہو سکتا کہ اس نے یہ بات اپنے آپ کو سزا سے بچانے اور عذر کے قوی ہونے کے لئے کہی ہے، تا کہ اس کی غیر حاضری کا عذر پوری طرح سلیمان علیہ السلام کے سامنے آجائے۔ ایسی ضرورت میں ادب کی رعایت رکھتے ہوئے کوئی بات کیجائے تو مضائقہ نہیں۔

”انسی و جدت امرأة“ یعنی میں نے ایک عورت کو پایا جو قوم ساہرہ حکومت کرتی ہے۔ اس عورت کا نام تاربخ میں بلقیس بنت شراحیل بتلایا گیا ہے۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اسکی والدہ جنات میں سے تھی۔ جس کا نام معلمہ بنت شیمان بتلایا جاتا ہے۔ (قرطبی)۔ اور ان کا دادا ہد ہد پورے ملک یمن کا ایک عظیم الشان بادشاہ تھا جس کی اولاد میں چالیس لڑکے ہوئے سب کے سب ملوک اور بادشاہ بنے۔ ان کے والد شراح نے ایک جنیہ عورت سے نکاح کر لیا تھا اسی کے نطن سے بلقیس پیدا ہوئی۔ جنیہ سے نکاح کرنے کی مختلف وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ ایک یہ ہے کہ یہ اپنی حکومت و سلطنت کی غرور میں لوگوں سے کہتا تھا کہ تم میں میرا کوئی کفو نہیں اس لئے میں نکاح ہی نہیں کروں گا کیونکہ غیر کفو میں نکاح مجھے پسند نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے اس کا نکاح ایک جنیہ عورت سے کر دیا۔ شاید یہ اسی فخر و غرور کا نتیجہ تھا کہ اس نے انسانوں کو جو درحقیقت کفو تھے حقیر و ذلیل سمجھا اور اپنا کفو تسلیم نہ کیا تو قدرت نے اس کا نکاح ایک ایسی عورت سے مقدر کر دیا جو نہ اس کی کفو تھی نہ اس کی جنس و قوم سے تھی۔ اس معاملہ میں بعض لوگوں نے تو اس لئے شبہ کیا ہے کہ جنات کو انسان کی طرح تو اللہ و تناسل کا اہل نہیں سمجھا ابن عربی نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ یہ خیال باطل ہے۔ احادیث صحیحہ سے جنات میں تو اللہ و تناسل اور مرد و عورت کی تمام وہ خصوصیات جو انسانوں میں ہیں، جنات میں بھی موجود ہونا ثابت ہیں۔

دوسرا سوال شرعی حیثیت سے ہے کہ کیا عورت جنیہ کسی انسان مرد کے لئے نکاح کر کے حلال ہو سکتی ہے؟ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے بہت علماء نے جائز قرار دیا ہے بعض نے غیر جنس مثل جانوروں کے ہونے کی بناء پر حرام فرمایا ہے

اس مسئلہ کی تفصیل ”اکام المرجان فی احکام الحان“ میں مذکور ہے۔ اس میں بعض ایسے واقعات بھی ذکر کئے ہیں کہ مسلمان مرد سے مسلمان جزیہ کا نکاح ہوا اور اس سے اولاد بھی ہوئی، یہاں یہ مسئلہ اس لئے زیادہ قابل بحث نہیں کہ نکاح کرنے والا بلقیس کا والد مسلمان ہی نہ تھا اس کے عمل سے کوئی استدلال جواز یا عدم جواز پر نہیں ہو سکتا، اور چونکہ شرع اسلام میں اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے اور بلقیس کے والد انسان تھے اس لئے بلقیس انسان ہی قرار پائے گی، اس لئے بعض روایات میں جو سلیمان علیہ السلام کا بلقیس سے نکاح کرنا مذکور ہے، اگر وہ روایت صحیح ہو تو بھی اس سے نکاح جزیہ کا کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بلقیس خود جزیہ نہ تھیں اگرچہ ان کی والدہ جزیہ ہو۔

کیا کسی عورت کا بادشاہ ہونا یا کسی قوم کا امیر و امام ہونا جائز ہے؟

مذکورہ واقعہ کو عورت کی سربراہی کے لئے بڑی دلیل اور نص کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، ہم آیت کی روشنی اور شارحین و مؤرخین کے نقطہ نظر سے جائزہ لیں گے کہ اس سے کیا عورت کی سربراہی کی دلیل نکل سکتی ہے یا نہیں؟ قرآن مجید نے اس کے غیر مسلم ہونے کی مدت میں بادشاہ ہونے کا اشارہ دیا ہے جو تملکھم سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ [۱] وہ اُن کی مالکہ تھی یعنی نتیجہ نہ تھی۔ [۲] سبامیر بادشاہ چلے آتے تھے ان کی وراثت جان کر اس نے اس علاقہ پر قبضہ جمالیہا اور لوگ جنی کی بیٹی ہونے سے اس سے ڈرتے تھے اس لئے مشکل کے وقت مشورہ لیتی مگر مرضی اپنی کرتی تھی۔ [۳] حکومت و عوام غیر مسلم تھے۔ [۴] اس کے اسلام لانے کے بعد کہیں بھی آیات قرآنی سے ثابت نہیں کہ وہ ملکہ رہی ہو بلکہ اس نے تو سلیمان علیہ السلام کی معیت میں اللہ اور اس کے رسول کو تسلیم کیا ہے۔ علامہ قرطبی نے لکھا ہے کہ ابو بکرہ کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس بلقیس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا ”وہ قوم ہرگز کامیاب نہ ہوگی جس نے عورت کو اپنا حاکم بنایا (بخاری: ۳۰۷۳)۔“

تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و تبلیغ ایک ہی تھی۔ قرآن مجید میں ہے ”ما کنت بدعاً من الرسل“ (احقاف: ۹) میں انبیاء سے کوئی نئی بات لے کر نہیں آیا، گویا آپ نے ایک اصول وضع فرمایا کہ پہلے انبیاء بھی اس قانون سے متفق تھے اس لئے سلیمان علیہ السلام دوبارہ بلقیس کا ملکہ رہنا کیسے برداشت کر سکتے تھے کہ آپ نبی اور بادشاہ بھی تھے۔ بقول قرطبی بلقیس کے ذکر ہونے پر آپ کا ارشاد اس کے سربراہ نہ رہنے کی طرف اشارہ دیتا ہے کہ چار بادشاہ ہوئے ہیں جنہوں نے پوری روئے زمین پر بادشاہت کی، دو ان میں سے مسلمان تھے جن میں ایک سلیمان علیہ السلام اور دوسرے ذوالقرنین تھا، اور دو کافر ہوئے ہیں۔ ضحاک فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے اس سے نکاح کر کے ملک

شام بھیج دیا اور وہاں رہائش دے دی تھی۔ سعید بن عبد العزیز فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام نے اس سے شادی کی اور اسے ملک یمن میں واپس بھیج دیا اور ہر ماہ آپ سے ملنے آتی تھی ان روایات سے ثابت نہیں کہ بلقیس کو سلیمان علیہ السلام نے خود مختار ملکہ یا سربراہ مملکت بنا کر بھیجا تھا بلکہ ہوا کو حکم دیا تھا کہ اسے ہر ماہ اٹھا کر لایا کرے۔ ابن منذر، عبد بن حمید کہتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام کی بلقیس سے شادی ہوئی تھی، ابن ابی شیبہ، ابن عباسؓ سے بیان کرتے ہیں کہ شادی ہوئی اور اچھا ہوا، قرطبی نے لکھا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا بلقیس سے ایک بیٹا ہوا تو سلیمان علیہ السلام نے اس کا نام اپنے باپ کے نام داؤد پر رکھا۔

شاہ عبدالقادر تفسیر موضح القرآن میں اور ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ شادی کی روایات منکر اور سخت غریب ہیں۔ عطاء بن السائب کا ابن عباسؓ پر وہم ہے یا اہل کتاب سے ماخوذ ہیں کعب احبار یا وہب اللہ ان سے تجاوز کرے سچی جھوٹی مبدل منسوخ بیان کرتے ہیں۔ قطع نظر نکاح کے ہوا یا نہ ہو قرآن مجید نے جیسے بلقیس کا حوالہ ”تملکھم“ سے دیا بعد میں خاموشی اختیار کی جو علامت ہے کہ اس کی ہر چیز کا خاتمہ ہو گیا تھا اور اس کا عرش سلیمان علیہ السلام نے منگوا لیا تھا۔ بادشاہت میں عرش کو بڑی اہمیت حاصل ہے عرش گیا بادشاہت گئی۔ جب وہ مسلمان ہو گئی اور شادی ہو گئی تو وہ اپنے جسم کی مالکہ بھی نہ رہی بادشاہت کی کیسے رہی۔

مذکورہ آیت سے اگرچہ ثابت ہو چکا ہے کہ حکومت کی سربراہی یا ریاست کی سربراہی عورتوں کے حوالے کرنا شریعت میں ممنوع ہے اور ثبوت شرعی کے لئے قرآنی آیات کافی و شافی ہیں، لیکن چونکہ احکام شرعیہ کا دوسرا ماخذ سنت رسول ہے اور احادیث نبویہ سے مزید ثبوت پیش کرنا اطمینان مزید کا باعث ہے، اس لئے چند احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) ابو بکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی کہ فارس (ایران) والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو حکمران بنا دیا ہے، تو اس پر آپ نے فرمایا ”لن یفلح قوم ولوا امرہم امرأة“ [بخاری: کتاب المغازی باب کتاب النبی ﷺ الیٰ کسریٰ و قیصر] وہ قوم کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے عورت کو حکمران بنا دیا ہو۔ اس حدیث کو امام بخاری نے دومرتبہ، رقم: ۴۰۷۳، ۶۵۷۰، میں نقل کیا ہے، لیکن بعض جاہل اس سند پر کلام کرتے ہیں کہ اس کے بعض راوی متکلم فیہ ہیں، تو ان کا یہ اعتراض اگرچہ ساقط الاعتبار ہے لیکن بعض کم فہم لوگوں کے لئے سبب وہم بنتا ہے، اس لئے ہم دیگر کتابوں کے حوالہ جات ذکر کرتے ہیں، کیونکہ ان کتابوں میں دیگر سندوں سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے خصوصاً مسند احمد، رقم: ۱۹۵۰۷، ۱۹۵۷۳، ۱۹۶۱۲، میں۔ ترمذی: ۲۱۸۸، نسائی مجتبیٰ: ۵۲۹۳، و کبریٰ: ۳۶۵۳،

وسنن کبریٰ للبیہقی: ۹۰/۴، ۱۱۸/۱۰، وابن ابی شیبہ: ۷۱۱/۸، مستدرک: ۴۵۸۵، ۷۸۹۹، ابن حبان: ۴۵۹۹، ومسند طیب السی: ۹۰۹، ومعجم اوسط: ۵۰۱۲.

کسریٰ کی یہ بیٹی بوران بنت شیرویہ بن کسریٰ بن پرویز تھی۔ اس کے بعد اس کی بہن ارزمیدخت بھی کچھ مدت تک حکمران رہی تھی، یہ ارشاد رسول اللہ ﷺ اگرچہ اہل ایران کے بارے میں ہے لیکن مذمت کی وجہ ان کا اہل ایران ہونا نہیں ہے بلکہ عورت کو حکمران اور والی بنانا اصل وجہ مذمت ہے، عورتوں کو حکمران بنانا اور ملک کی باگ دوڑ ان کے سپرد کرنا ایرانی بادشاہ کسریٰ کے خاندان کی سنت ہے اور موروثی بادشاہتوں کی رسم ہے۔ سنت رسول اللہ ﷺ اور سنت اصحاب رسول نہیں ہے، نہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی فاطمہؓ یا بیوی عائشہؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا، اور نہ صحابہ کرامؓ نے ان میں سے کسی کو سربراہی کے لئے منتخب کیا تھا، حالانکہ فاطمہؓ اور عائشہؓ علم و دانش، دیانت و امانت اور عفت و پاک دامنی میں بھٹو صاحب کی بیٹی سے ہزار گنا سے بھی زیادہ فوقیت رکھتی تھیں، وہ صحیح معنوں میں بے نظیر تھیں، افسوس بھی ہے اور حیرت و تعجب بھی ہے کہ پیپلز پارٹی والوں نے سنت رسول اور سنت اصحاب رسول کو پست پشت ڈال کر کسریٰ کی سنت کو اور موروثی بادشاہوں کی رسم کو مسلمانوں کے معاشرے میں زندہ کر دیا ہے، اور پاکستان کی حکومت کو بھٹو خاندان کی میراث بنا لیا ہے۔

(۲) عن ابی ہریرۃؓ قال رسول اللہ ﷺ اذا كانت امراء کم خیار کم ، و اغنیاء کم سمحاء کم ، و امور کم شوریٰ بینکم ، فظہر الارض خیر لکم من بطنہا ، و اذا كانت امراء کم شرار کم و اغنیاء کم بخلاء کم و امور کم الی نساء کم فبطن الارض خیر لکم من ظہرہا [سنن ترمذی : ابواب الفتن : رقم ۲۳۶۸] تہذیب الاثار : ۱/۲۶۶، ۳/۳۶۵، و تاریخ بغداد : ۲/۱۹۰، حلیۃ الاولیاء : ۶/۱۷۶.

جب تمہارے حکمران تم میں سے بہترین لوگ ہوں، اور تمہارے دو تہند لوگ سخی ہوں، اور تمہارے معاملات باہمی مشورہ سے طے کیئے جاتے ہوں، تو اس وقت تمہارے لئے زمین کی پیٹھ اس کے پیٹ سے بہتر ہوگی۔ اور جب تمہارے حکمران تم میں سے بدترین لوگ ہوں، اور تمہارے دولت مند لوگ بخیل اور کنجوس ہوں، اور تمہارے معاملات عورتوں کے سپرد کر دیئے جائیں، تو پھر تمہارے لئے زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے بہتر ہوگا۔

(۳) عن ابی بکرؓ قال رسول اللہ ﷺ هلکت الرجال حین اطاعت النساء [حاکم فی المستدرک : ۲۹۱/۲]. مرد جب عورتوں کی اطاعت کریں گے تو تباہ و برباد ہو جائیں گے، اس حدیث کا مقصد بھی عورتوں کی حکمرانی کی ممانعت ہے۔ ان کے اچھے مشوروں پر عمل کرنے کی ممانعت نہیں ہے۔ عورتوں کے مشوروں پر تو بعض اوقات خود رسول

ﷺ نے بھی عمل کیا ہے۔

(۴) عن جابر بن سمرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لن یفلح قوم یملک امرہم امرأۃ [مجمع الزوائد: ۲۰۹/۵: باب ملک النساء] معجم اوسط: ۱۲۳/۵. جابر بن سمرۃ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ وہ قوم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی جن پر ایک عورت حکمرانی کر رہی ہو۔

(۵) عن ابی بکرۃ قال سمعت النبی ﷺ و ذکر بلقیس صاحبة سبأ فقال لا یقدس اللہ امۃ قادتہم امرأۃ [مجمع الزوائد: ۲۱۰/۵: باب ملک النساء] ابوبکرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلقیس جو قوم سبأ کی حکمران تھی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس قوم کو مقدس امت نہیں بناتا جس کی قیادت عورت کے ہاتھ میں ہو۔

(۶) وہ تمام احادیث نبویہ بھی عورت کی حکمرانی کے ممنوع ہونے کے دلائل ہیں جن میں عورتوں کو بغیر ضرورت کے گھروں سے باہر گھومنے پھرنے سے منع کیا گیا ہے اور ضرورت کے وقت گھروں سے باہر نکلنے کے لئے پردے کی شرائط لگائی گئی ہیں اور جن میں محرم کے بغیر سفر کرنے کی ممانعت کی گئی ہے، یہاں تک کہ محرم کے بغیر حج اور عمرے کا سفر بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے اور جن میں عورتوں اور مردوں کی مخلوط مجالس اور آزادانہ میل ملاپ سے منع کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ملک کا نظام چلانے کے ساتھ ان شرعی حدود کی پابندی نہیں کی جاسکتی اور حدود اللہ کو توڑے بغیر کوئی بھی عورت سربراہ ریاست کی ذمہ داریاں پوری نہیں کر سکتی۔ یہ احادیث، حدیث کی تمام کتابوں میں نقل ہوئی ہیں اور مشہور و معروف ہیں اس لئے نقل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے مذکورہ حوالوں سے یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ عورت نہ وزیر اعظم بن سکتی ہے اور نہ صدر مملکت بن سکتی ہے۔ ایک مسلمان کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام سے زیادہ مضبوط دلیل اور کوئی چیز نہیں بن سکتی۔ شریعت اور جمہوریت کے درمیان جب تضاد آ جائے تو مسلمان جمہوریت پر شریعت ہی کو ترجیح دے گا اور جمہوریت کو اسی حد تک ملحوظ رکھے گا جس کی شریعت کے اندر گنجائش ہو۔ امت مسلمہ قانونی اور دستوری قوت عوام سے نہیں بلکہ قرآن و سنت سے حاصل کرتی ہے۔ فقہاء و دیگر علماء کی عبارات و اقوال اس باب میں زیادہ ہیں اس لئے ہم نے اس بحث میں صرف قرآن و سنت کے دلائل نقل کرنے پر اکتفاء کیا۔ اور اس باب میں بہت کتابیں بھی لکھی گئی ہیں، جس کو شک ہو وہ ان کا مطالعہ کریں خصوصاً شیخ القرآن مولانا گوہر رحمن کی کتاب، اور شیخ الحدیث محمد ولی اللہ کی کتابیں اس باب میں قابل الذکر ہیں۔

يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ

اللہ کو چھوڑ کر آفتاب کو سجدہ کرتے ہیں اور شیطان نے اُن کے اعمال اُن کو آراستہ کر دکھائے ہیں

فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ ﴿۲۲۳﴾ لَا يَسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي

اور اُن کو رستے سے روک رکھا ہے پس وہ رستے پر نہیں آئے۔ (اور نہیں سمجھتے) کہ اللہ کو

يُخْرِجُ الْحَبَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴿۲۲۴﴾

جو آسمانوں اور زمین میں چھپی چیزوں کو ظاہر کر دیتا اور تمہارے پوشیدہ اور ظاہر اعمال کو جانتا ہے کیوں سجدہ نہ کریں

اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۲۲۵﴾ قَالَ سَنَنْظُرُ اَصْدَقْتَ

اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ سلیمان نے کہا (اچھا) ہم دیکھیں گے تو نے سچ کہا ہے

اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۲۶﴾ هَبْ بَكْتَبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ

یا تو جھوٹا ہے۔ یہ میرا خط لے جا اور اُسے اُن کی طرف ڈال دے

ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَاَنْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُونَ ﴿۲۲۷﴾ قَالَتْ يَا اَيُّهَا الْمَلَأُ اِنِّىْ

پھر اُن کے پاس سے پھر آ اور دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں؟ ملکہ نے کہا کہ دربار والو! میری طرف

اَلْقَى اِلَى كِتٰبٍ كَرِيْمٍ ﴿۲۲۸﴾ اِنَّهُ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهُ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ

ایک نامہ گرامی ڈالا گیا ہے [2] یہ خط سلیمان علیہ السلام کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ کے نام جو بے حد مہربان

[2] ”کریم“ کے لفظی معنی معزز، مکرم کے ہیں اور محاورہ میں کسی خط کو معزز مکرم جب کہا جاتا ہے جب

کہ اس پر مہر لگائی گئی ہو، اس لئے اس آیت میں ”کتاب کو یم“ کی تفسیر ابن عباسؓ، قتادہ، زہیر وغیرہ نے کتاب مختوم سے کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ سلیمان علیہ السلام نے خط پر اپنی مہر ثبت فرمائی تھی۔ ہمارے رسول اللہ ﷺ کو جب ملوک عجم کی یہ عادت معلوم ہوئی کہ جس خط پر مہر نہ ہو اس کو نہیں پڑھتے تو نبی ﷺ نے بھی بادشاہوں کے خطوط کے لئے مہر بنوائی۔ اور قیصر و کسریٰ وغیرہ کو جو خطوط تحریر فرمائے ان پر مہر ثبت فرمائی۔

اس سے معلوم ہوا کہ خط پر مہر لگانا مکتوب الیہ کا بھی اکرام ہے اور اپنے خط کا بھی۔ سلیمان علیہ السلام کو عربی نہ تھے لیکن عربی زبان جاننا اور سمجھنا آپ سے کوئی بعید بھی نہیں۔ جبکہ آپ پرندوں تک کی زبان جانتے تھے اور عربی زبان تو تمام زبانوں سے افضل و اشرف ہے۔ لہذا ہو سکتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے خط عربی زبان میں لکھا ہو کیونکہ مکتوب الیہ (بلیقیس) عربی النسل تھی اس نے خط کو پڑھا بھی اور سمجھا بھی اور یہ بھی ممکن ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے خط اپنی ہی زبان میں تحریر فرمایا ہو اور بلیقیس کے پاس سلیمان علیہ السلام کی زبان کا ترجمان ہو جس نے پڑھ کر خط سنایا اور سمجھایا ہو (روح المعانی)۔

یہ خط سلیمان علیہ السلام نے بلیقیس کو اس وقت بھیجا ہے جبکہ وہ مسلمان نہیں تھیں۔ حالانکہ اس خط میں بسم اللہ الرحمن الرحیم، لکھا ہوا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ ایسا کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو خطوط ملوک عجم کو لکھے ہیں اور وہ مشرک تھے ان میں بھی بعض آیات قرآن لکھی ہیں۔

وجہ دراصل یہ ہے کہ قرآن کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آگئی ہے وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا اس لئے اس کا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا وہ کسی کافر کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں اور بے وضوء کے ہاتھ میں بھی۔ (بخاری)۔

سلیمان علیہ السلام کے اس والا نامہ کو دیکھئے تو چند سطروں میں تمام اہم اور ضروری مضامین بھی جمع کر دئے، اور بلاغت کا اعلیٰ معیار بھی قائم ہے۔ کافر کے مقابلے میں اپنی شاہانہ شوکت کا اظہار بھی ہے اس کے ساتھ حق تعالیٰ کی صفات کمال کا بیان اور اسلام کی طرف دعوت بھی۔ اور ترغیب و تکریم کی مذمت بھی، درحقیقت یہ خط بھی اعجاز قرآنی کا ایک نمونہ ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ خط نویسی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی سنت بھی وہی ہے کہ تحریر میں طول نہ ہو مگر ضروری کوئی مضمون چھوٹے بھی نہیں۔ (روح المعانی)

الرَّحِيمِ ﴿۳۰﴾ تَعْلُوا عَلَيَّ وَاتُّونِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۱﴾ هَالَتْ

اور نہایت رحم والا ہے۔ کہ مجھ سے سرکشی نہ کرو اور مطیع و منقاد ہو کر میرے پاس چلے آؤ۔ (خط سنا کر) کہنے لگی کہ

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُؤْتُونِي فِي أَمْرِي مَا كُنْتُ قَاطِعَةً أَمْرًا حَتَّى تَشْهَدُون ﴿۳۲﴾

اے اہل دربار! میرے اس معاملے میں مجھے مشورہ دو جب تک تم حاضر نہ ہو میں کسی کام کا فیصلہ کرنے والی نہیں [3]

[3] ”افتونی“ فتویٰ سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں کسی خاص مسئلہ کا جواب دینا، یہاں مشورہ دینا اور اپنی رائے

کا اظہار کرنا مراد ہے۔ بلقیس کو جب سلیمان علیہ السلام کا خط پہنچا تو اس نے اپنے ارکان حکومت کو جمع کر کے اس واقعہ

کا اظہار کیا، اور ان سے مشورہ طلب کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ اس نے ان کی رائے دریافت کرنے سے پہلے ان کی دل

جوئی اور ہمت افزائی کے لئے یہ بھی کہا کہ میں کسی معاملہ کا فیصلہ تمہارے بغیر نہیں کرتی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ فوج اور وزراء نے

اس کے جواب میں اپنی مستعدی کے ساتھ تعمیل حکم کے لئے ہر قسم کی قربانی پیش کر دی (نحن اولوقوہ واولوبأس

شدیدو الامر الیک) قتادہ نے فرمایا کہ ہم سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ بلقیس کی مجلس شوری کے ارکان (۳۱۳) تھے،

اور ان میں سے ہر ایک آدمی دس ہزار آدمیوں کا امیر اور نمائندہ تھا۔ (قرطبی) اس سے معلوم ہوا کہ اہم امور میں مشورہ لینے

کا دستور پرانا ہے۔ اسلام نے مشورہ کو خاص اہمیت دی اور عمال حکومت کو مشورہ کا پابند کیا۔ یہاں تک کہ خود رسول

ﷺ جو وحی الہی کے مورد تھے اور آسمانی ہدایات آپ کو ملتی تھیں، اس کی وجہ سے آپ کو کسی رائے مشورہ کی درحقیقت

ضرورت نہ تھی مگر امت کے لئے سنت قائم کرنے کے واسطے آپ کو بھی حکم دیا گیا۔ (وشاورہم فی الامر: ال

عمران: ۱۵۹) یعنی آپ اہم امور میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا کریں۔ اس میں صحابہ کرام کی دل جوئی اور حوصلہ افزائی

بھی ہے اور آئندہ آنے والے عمال حکومت کو اس کی تاکید بھی، کہ مشورہ سے کام لیا کریں۔ ارباب حکومت کو مشورہ میں

شامل کر کے ان کا تعاون حاصل کر لینے کے بعد ملکہ بلقیس نے خود ہی ایک رائے قائم کی، جس کا حاصل یہ تھا کہ وہ سلیمان

علیہ السلام کا امتحان لے، اور تحقیق کرے کہ وہ واقعی اللہ کے رسول اور نبی ہیں، اور جو کچھ حکم دے رہے ہیں وہ اللہ کے احکام

کی تعمیل ہے یا وہ ایک ملک گیری کے خواہش مند بادشاہ ہیں۔ اس امتحان سے اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر واقعی وہ نبی و رسول

ہیں، تو ان کے حکم کا اتباع کیا جائے اور مخالفت کی کوئی صورت اختیار نہ کی جائے، اور اگر بادشاہ ہیں اور ملک گیری کی =

قَالُوا نَحْنُ أَوْلُوا قُوَّةً وَأَوْلُوا بِأَسْ شَدِيدٍ وَالْأَمْرُ إِلَيْكِ فَانظُرِي

وہ بولے کہ ہم بڑے زور آور اور سخت جنگ جو ہیں اور حکم آپ کے اختیار میں ہے تو جو حکم دیجئے گا (اس کے مال پر) نظر

مَاذَا تَأْمُرِينَ ﴿۱۳۳﴾ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا

کر لیجئے گا۔ اس نے کہا کہ بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں

وَجَعَلُوا أَعِزَّةً أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَلِكَ يَفْعَلُونَ ﴿۱۳۴﴾

اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے

وَإِنِّي مُرْسِلَةٌ إِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنظُرْهُ بِمَرْجِعِ الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۳۵﴾

اور میں ان کی طرف کچھ تحفہ بھیجتی ہوں اور دیکھتی ہوں کہ قاصد کیا جواب لاتے ہیں [4]

= ہوس میں ہمیں اپنا غلام بنانا چاہتے ہیں تو پھر غور کیا جائے گا کہ ان کا مقابلہ کس طرح کیا جائے؟ اس امتحان کا طریقہ اس نے یہ تجویز کیا کہ سلیمان علیہ السلام کے پاس کچھ ہدیئے تحفے بھیجے، اگر وہ ہدیئے تحفے لیکر راضی ہو گئے تو علامت اس کی ہوگی کہ وہ ایک بادشاہ ہی ہیں، اور اگر وہ حقیقت میں نبی و رسول ہیں تو وہ اسلام و ایمان کے بغیر کسی چیز پر راضی نہ ہوں گے۔ یہ مضمون ابن جریر نے متعدد اسانید کے ساتھ ابن عباسؓ، مجاہد، ابن جریج، ابن وہب سے نقل کیا ہے۔

[4] یعنی میں سلیمان علیہ السلام اور ان کے ارکان دولت کے پاس ایک ہدیہ بھیجتی ہوں، پھر دیکھوں گی کہ جو قاصد یہ ہدیہ لیکر جائیں گے وہ واپس آکر کیا صورت حال بیان کرتے ہیں؟ تاریخی اسرائیلی روایات میں بلقیس کی طرف سے آنیوالے قاصدوں اور تحفوں کی بڑی تفصیلات مذکور ہیں، اتنی بات پر سب روایات متفق ہیں کہ تحفہ میں کچھ سونے کی اینٹیں تھیں، کچھ جواہرات اور ایک سونگلام اور ایک سونکیریں تھیں، مگر کنیزوں کو مردانہ لباس میں اور غلاموں کو زنانہ لباس میں بھیجا تھا، اور ساتھ ہی بلقیس کا ایک خط بھی تھا، جس میں سلیمان علیہ السلام کے امتحان کیلئے کچھ سوالات بھی تھے، تحفوں کے انتخاب میں بھی ان کا امتحان مطلوب تھا۔ سلیمان علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس کے تحفوں کی تفصیلات ان کے پہنچنے سے پہلے بتلا دی تھیں، سلیمان علیہ السلام نے جنات کو حکم دیا کہ دربار سے نوفرخ تقریباً تیس میل کی مسافت میں سونے چاندی =

فَلَمَّا جَاءَ سُلَيْمَانَ قَالَ أَتُمِدُّونَنِ بِمَالٍ فَمَا آتَانِيَ اللَّهُ

جب قاصد سلیمان کے پاس پہنچا تو سلیمان نے کہا کیا تم مجھے مال سے مدد دینا چاہتے ہو؟ جو کچھ اللہ نے مجھے عطا فرمایا ہے

خَيْرٌ مِّمَّا آتَاكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بِهَدْيِكُمْ تَفْرَحُونَ ﴿۳۴﴾ جَمْعُ إِلَيْهِمْ

وہ اس سے بہتر ہے جو تمہیں دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ تم ہی اپنے تحفے سے خوش ہوتے ہو گے [5] اس کے پاس واپس جاؤ

فَلَنَأْتِيَنَّهُمْ بِجُنُودٍ لَّا قَبْلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَا أَذِلَّةً

ہم ان پر ایسے لشکر سے حملہ کریں گے جس کے مقابلے کی ان کو طاقت نہ ہوگی اور ان کو وہاں سے بے عزت کر کے نکال دیں گے

وَهُمْ صٰغِرُونَ ﴿۳۵﴾ يَا أَيُّهَا الْمَلَأَ أَيْكُمْ يَأْتِيَنِي بِعَرْشِهَا قَبْلَ

اور وہ ذلیل ہوں گے۔ سلیمان نے کہا کہ اے دربار والو! کوئی تم میں ایسا ہے کہ قبل اس کے

أَنْ يَّاتُونِي مُسْلِمِينَ ﴿۳۶﴾ يَا أَيُّهَا الْعِزَّةُ مِنَ الْجِنَّ

کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر ہمارے پاس آئیں ملکہ کا تخت میرے پاس لے آئے؟ جنات میں سے ایک قوی ہیکل جن نے کہا

= کی اینٹوں کا فرش بن دیا جائے اور راستہ میں دو طرفہ عجیب الخلق جانوروں کو کھڑا کر دیا جائے جن کا بول و براز بھی سونے چاندی کے فرش پر ہو، اسی طرح اپنے دربار کو خاص اہتمام سے مزین فرمایا، دائیں بائیں چار ہزار سونے کی کرسیاں ایک طرف علماء کے لئے، دوسری طرف وزراء اور عمال سلطنت کے لئے بچھائی گئیں، جواہرات سے پورا ہال مزین کیا گیا، بلقیس کے قاصدوں نے جب سونے کی اینٹوں پر جانوروں کو کھڑا دیکھا تو اپنے تحفہ سے شرمائے۔

بعض روایات میں ہے کہ اپنی سونے کی اینٹیں وہیں ڈال دیں، پھر جوں جوں آگے بڑھتے گئے دو طرفہ وحوش و طیور کی صفیں دیکھیں، پھر جنات کی صفیں دیکھیں تو بے حد مرعوب ہو گئے، مگر جب دربار تک پہنچے اور سلیمان علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوئے تو آپ خندہ پیشانی سے پیش آئے، اُن کی مہمانی کا اکرام کیا مگر اُن کے تحفے واپس کر دیئے اور بلقیس کے سب سوالات کے جوابات دیئے (قرطبی)۔

[5] جب بلقیس کے قاصد اس کے ہدایا اور تحفے لے کر سلیمان علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے قاصدوں سے =

أَنَا أَيْتِكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُومَ مِنْ مَّقَامِكَ وَإِنِّي عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ أَمِينٌ ﴿۱۳۴﴾

کہ قبل اس کے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں میں اس کو آپ کے پاس لاکھڑا کرتا ہوں اور میں اس کی طاقت رکھتا ہوں امانتدار ہوں

= فرمایا کہ کیا تم مال سے میری مدد کرنا چاہتے ہو، مجھے اللہ تعالیٰ نے جو مال و دولت دیا ہے وہ تمہارے مال و سامان سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اس لئے میں یہ مال کا ہدیہ قبول نہیں کرتا اس کو واپس لے جاؤ اور اپنے ہدیہ پر تم ہی خوش رہو۔ سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کا ہدیہ قبول نہیں فرمایا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں یا بہتر نہیں۔ اور تحقیق اس مسئلے میں یہ ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنے میں اگر اپنی یا مسلمانوں کی کسی مصلحت میں خلل آتا ہو یا ان کے حق میں رائے کی کمزوری پیدا ہوتی ہو تو ان کا ہدیہ قبول کرنا درست نہیں (روح المعانی)۔ ہاں اگر کوئی دینی مصلحت اس ہدیہ کے قبول کرنے کی داعی ہو مثلاً اس کے ذریعہ کافر کے مانوس ہو کر اسلام سے قریب آنے پھر مسلمان ہونے کی امید ہو، یا اس کے کسی شر و فساد کو اس کے ذریعہ دفع کیا جاسکتا ہو تو قبول کرنے کی گنجائش ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت اس معاملے میں یہی رہی ہے کہ بعض کفار کا ہدیہ قبول فرمایا، بعض کا رد کر دیا۔ عمدۃ القاری شرح بخاری کتاب الہبہ میں اور شرح سیر کبیر میں کعب بن مالک سے روایت کیا ہے کہ براء کا بھائی عامر بن مالک مدینہ طیبہ میں کسی ضرورت سے پہنچا جبکہ وہ مشرک کافر تھا اور نبی ﷺ کی خدمت میں دو گھوڑے اور دو جوڑے کپڑے کا ہدیہ پیش کیا۔ آپ نے اس کا ہدیہ یہ فرما کر واپس کر دیا کہ ہم مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کرتے۔ اور عیاض بن حمار مجاشعی نے آپ کی خدمت میں ایک ہدیہ پیش کیا تو آپ نے اس سے سوال کیا کہ تم مسلمان ہو؟ اُس نے کہا کہ نہیں، آپ نے ان کا ہدیہ بھی یہ کہہ کر رد فرما دیا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے عطایا لینے سے منع فرمایا ہے اس کے بالقابل یہ روایات بھی موجود ہیں کہ رسول ﷺ نے بعض مشرکین کے ہدایا قبول فرمائے، ایک روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے بحالت مشرک آپ کو ایک چمڑا ہدیہ میں بھیجا آپ نے قبول فرمایا اور ایک نصرانی نے ایک ریشمی حریر کا بہت چمکتا ہوا کپڑا ہدیہ میں پیش کیا آپ نے قبول فرمایا۔ شمس الائمہ اس کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سبب یہ تھا کہ نبی ﷺ کو بعض کا ہدیہ رد کر دینے میں اس کے اسلام کی طرف مائل ہونے کی امید نہ تھی وہاں رد کر دیا، اور بعض کا ہدیہ قبول کرنے میں اس کے مسلمان ہو جانے کی امید تھی تو قبول کر لیا (عمدۃ القاری، کتاب الہبہ)۔ اور بلقیس نے جو ہدیہ کو نبی ہونے کی علامت قرار دیا اس کا سبب یہ نہ تھا کہ نبی کے لئے ہدیہ قبول کرنا مشرک کا جائز نہیں بلکہ سبب یہ تھا کہ اُس نے اپنا ہدیہ درحقیقت ایک رشوت کی حیثیت سے بھیجا تھا کہ اس کے ذریعہ وہ سلیمان علیہ السلام کے حملے سے محفوظ رہے۔

قَالَ الَّذِي عِنْدَهُ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ يَرْتَدَّ إِلَيْكَ

ایک شخص جس کو کتاب الہی کا علم تھا کہنے لگا کہ میں آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے پہلے اسے آپ کے پاس حاضر کئے دیتا ہوں

طَرَفَكَ فَلَمَّا رَأَهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهُ قَالَ هَذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّي

جب سلیمان نے تخت کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرے رب کا فضل ہے

لِيُبْلُوَنِي أَشْكُرَ أَمْ أَكْفُرُ وَمَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ

تا کہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا کفرانِ نعمت کرتا ہوں اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے شکر کرتا ہے

وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ ﴿۱۰﴾

اور جو ناشکری کرتا ہے تو میرا رب غنی (اور) کرم کرنے والا ہے [6]

قَالَ نَكُرُوا لَهَا عَرُشَهَا نَنْظُرُ أَتَهْتَدِي أَمْ تَكُونُ مِنَ الَّذِينَ لَا يَهْتَدُونَ

سلیمان نے کہا کہ ملکہ کے لئے اس کے تخت کی صورت بدل دو دیکھیں کہ وہ سو جھڑکتی ہے یا ان لوگوں میں سے ہے جو سو جھڑکتے

﴿۱۱﴾ فَلَمَّا جَاءَتْ قِيلَ أَهَكَذَا عَرْشُكَ قَالَتْ كَأَنَّهُ هُوَ

جب وہ آ پہنچی تو پوچھا گیا کہ آپ کا تخت بھی اسی طرح کا ہے؟ اس نے کہا یہ تو گویا ہو بہو وہی ہے

[6] اس سے پہلے اندماج ہے، جب بلقیس کے پرستاروں نے واپس پہنچ کر تمام سرگرمی سنائی تو وہ سمجھ گئی کہ واقعی

سلیمان علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں، اس لئے اس نے ایمان لانے اور سلیمان علیہ السلام کی اطاعت قبول کرنے کا فیصلہ

کر لیا، اس نے آدمی بھیج کر پہلے اپنے ارادے سے سلیمان علیہ السلام کو آگاہ کیا، اور پھر امراء سلطنت اور رؤساء ملک کو ساتھ

لے کر سلیمان علیہ السلام کی طرف روانہ ہو گئی جب ان کو اس کی آمد کی اطلاع ملی، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ اس کے یہاں

پہنچنے سے پہلے اس کا تخت یہاں آجائے، اس سے مقصد یہ تھا تا کہ اسکے حیرت و استعجاب میں اضافہ ہو، اور وہ اللہ تعالیٰ کی

قدرت کا مشاہدہ کر لے، سلیمان علیہ السلام نے اپنے دربار کے حاضرین سے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو ان کے یہاں

پہنچنے سے پہلے بلیقوس کا تخت اٹھا کر یہاں لے آئے۔ ایک بہت بڑے طاقتور جن نے کہا آپ کے مجلس برخواست کرنے سے پہلے میں تخت آپ کے پاس لاسکتا ہوں، کیونکہ میں طاقتور بھی ہوں اور امین بھی ہوں، اور اس کے زرو جو اہر میں کسی قسم کی خیانت بھی نہیں کروں گا، سلیمان علیہ السلام کو چونکہ اس سے بھی پہلے تخت درکار تھا اس لئے آپ نے اس کی بات کو کوئی وقعت نہ دی۔

”قال الذی عنده“ الایۃ، ایک شخص بولوا جس کے پاس کتاب کا علم تھا، میں آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے لاسکتا ہوں ”الذی عنده علم من الكتاب“ سے یا تو اصف بن برخیا مراد ہے، جو سلیمان علیہ السلام کا وزیر تھا، اور اسم اعظم کا عامل تھا، لیکن اس پر اعتراض لازم آتا ہے کہ اس طرح ایک امتی سلیمان علیہ السلام کے سامنے فضل و کمال میں ان سے بڑھ گیا، اسی طرح آیات میں اس شخص کو علم الکتاب سے متصف کیا گیا ہے، اور اس صفت میں لامحالہ سلیمان علیہ السلام فائق تھے ”ان سلیمان علیہ السلام کان اعرف بالكتاب منه لانه هو النبی فکان صرف هذا اللفظ الی سلیمان علیہ السلام اولی، الثانی ان احضار العرش فی ذلك الساعة اللطيفة درجة عالية فلو حصلت لاصف دون سلیمان علیہ السلام لاقتضى ذلك تفضیل اصف علی سلیمان علیہ السلام وانه غیر جائز. کبیر۔“

لیکن اگر بالفرض اس سے اصف بن برخیا ہی مراد ہو تو یہ ان کی کرامت ہوگی، اور کرامت ولی کے اختیار میں وتصرف میں نہیں ہوتی، بلکہ اللہ کی قدرت اور اس کے تصرف سے ولی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتی ہے، اہل بدعت کہتے ہیں ”اننا تیک بہ“ میں اصف نے لانے کی نسبت اپنی طرف کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اس کے تصرف و اختیار میں تھا، لیکن یہ ایک صریح فریب ہے، کیونکہ یہاں اسناد حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے، یہ کرامت چونکہ اصف بن برخیا کے ہاتھ پر ظاہر ہوئی اور بظاہر لانے والا وہی تھا، اس لئے لانے کی نسبت مجازاً اس کی طرف کردی گئی، بعض کا خیال ہے کہ اس سے خود سلیمان علیہ السلام مراد ہیں، اس صورت میں یہ ان کا تجزہ ہوگا۔ امام نخعی فرماتے ہیں اس سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں، روح، کبیر، مدارک۔

جناب شیخ حسین علیؒ کے نزدیک یہی قول راجح ہے، بعض جہلاء ”علم من الكتاب“ سے کالعلم نکالتے ہیں، حالانکہ کالعلم سراسر کفر ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ سے استعانت ہوتی ہے، اس لئے یہ بالکل بے اصل اور صریح غلط بلکہ کفر ہے۔

وَأَوْتَيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِينَ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۱﴾ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَعْبُدُ مِنْ

اور ہم کو اس سے پہلے ہی (سلیمان کی عظمتِ شان کا) علم ہو گیا تھا اور ہم فرمانبردار ہیں۔ اور وہ جو اللہ کے سوا پرستش کرتی تھی

ذُونَ اللَّهِ إِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كَافِرِينَ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۲﴾ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ

سلیمان نے اُس کو اس سے منع کیا (اس سے پہلے تو) وہ کافروں میں سے تھی۔ (پھر) اس سے کہا گیا کہ محل میں چلے

فَلَمَّا رَأَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقِهَا قَالَ إِنَّهُ

جب اس نے اس (کے فرش) کو دیکھا تو اسے پانی کا حوض سمجھا اور (کپڑا اٹھا کر) اپنی پنڈلیاں کھول دیں سلیمان نے کہا

صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيرَ قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي

یہ ایسا محل ہے جس میں (نیچے بھی) شیشے جڑے ہوئے ہیں وہ بول اٹھی کہ الہی! میں اپنے آپ پر ظلم کرتی رہی تھی

وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَى ثَمُودَ

اور (اب) میں سلیمان کے ہاتھ پر اللہ رب العالمین پر ایمان لاتی ہوں۔ اور ہم نے ثمود کی طرف

أَخَاهُمْ صَالِحًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُمْ فَرِيقَانِ يَخْتَصِمُونَ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۴﴾

اُس کے بھائی صالح کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو تو دو فریق ہو کر آپس میں جھگڑنے لگے۔

قَالَ يَاقَوْمِ لِمَ تَسْتَعْجِلُونَ بِالْسَيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ لَوْلَا تَسْتَغْفِرُونَ اللَّهَ

صالح نے کہا کہ بھائیو تم بھلائی سے پہلے بُرائی کیلئے کیوں جلدی کرتے ہو؟ (اور) اللہ سے بخشش کیوں نہیں مانگتے

لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۵﴾ أَطِيعُوا أَمْرًا رَبِّي وَمَنْ مَّعَكَ قَالَ طَائِرُكُمْ

تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ وہ کہنے لگے کہ تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لئے بدشگون ہے۔ صالح نے کہا کہ تمہاری بدشگونی

عِنْدَ اللَّهِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تُفْتَنُونَ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۶﴾ وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ

اللہ کی طرف سے ہے بلکہ تم ایسے لوگ ہو جن کی آزمائش کی جاتی ہے۔ اور شہر میں نو شخص تھے

يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ ﴿۲۸﴾ قَالُوا تَقَاسَمُوا بِاللَّهِ لَنُبَيِّتَنَّهٗ

جو ملک میں فساد کیا کرتے تھے اور اصلاح سے کام نہیں لیتے تھے۔ کہنے لگے کہ اللہ کی قسم کھاؤ کہ ہم رات کو اس پر

وَأَهْلَهُ ثُمَّ لَنَقُولَنَّ لِوَلِيِّهِ مَا شَهِدْنَا مَهْلِكَ أَهْلِهِ وَإِنَّا لَصٰدِقُونَ ﴿۲۹﴾

اور اس کے گھر والوں پر شیخون ماریں گے پھر اس کے وارث سے کہہ دیں گے کہ ہم صالح کے گھر والوں کے موقع ہلاکت پر گئے

وَمَكْرُؤًا مَّكْرًا وَمَكْرْنَا مَكْرًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۰﴾ إِنَّا نُنظُرُ

ہی نہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔ اور وہ ایک چال چلے، اور ہم نے ایک تدبیر کیا اور ان کو کچھ خبر نہ ہوئی۔

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ أَنَا دَمَّرْنَاهُمْ وَقَوْمَهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿۳۱﴾

تو دیکھ لو کہ ان کی چال کا انجام کیا ہوا ہم نے ان کو اور ان کی قوم سب کو ہلاک کر ڈالا

فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً بِمَا ظَلَمُوا إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

اب یہ ان کے گھر ان کے ظلم کے سبب خالی پڑے ہیں۔ جو لوگ دانش رکھتے ہیں اُن کیلئے اس میں نشانی ہے

وَأَنْجَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۳۳﴾ لَوْ لُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ

اور جو لوگ ایمان لائے اور ڈرتے تھے ان کو ہم نے نجات دی اور لوط کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا

إِنِّي آنِسُ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ ﴿۳۴﴾ إِنِّي آنِسُ لِمَا تَكْفُرُونَ لَتَأْتِيََنَّ الْمَلٰٓئِكُ الْمَنٰٓئِمَ

کہ تم بے حیائی کیوں کرتے ہو اور تم دیکھتے ہو۔ کیا تم عورتوں کو چھوڑ کر لذت کیلئے مردوں کی طرف مائل ہوتے ہو

مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا

حقیقت یہ ہے کہ تم احمق لوگ ہو۔ تو ان کی قوم کے لوگ (بولے تو) یہ بولے اور اس کے سوا ان کا کچھ جواب نہ تھا

أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوا آلَ لُوطٍ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿۳۶﴾

کہ لوط کے گھر والوں کو اپنے شہر سے نکال دو یہ لوگ پاک رہنا چاہتے ہیں۔

فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ قَدَّرْنَا مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۷۷﴾

تو ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو نجات دی مگر ان کی بیوی کی نسبت ہم نے مقرر کر رکھا ہے وہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی

وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطْرًا فَسَاءً مَطْرُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۷۸﴾ الْحَمْدُ لِلَّهِ

اور ہم نے ان پر مینہ برسایا سو (جو) مینہ ان لوگوں پر برساجن کو متنبہ کر دیا گیا تھا برا ہے۔ کہہ دو کہ سب تعریف اللہ ہی کو

وَسَلَّمَ عَلَىٰ عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَىٰ ؕ اللَّهُ خَيْرٌ مَّا يُشْرِكُونَ ﴿۷۹﴾

سزاوار ہے اور اسکے بندوں پر سلام ہے جن کو اس نے منتخب فرمایا بھلا اللہ بہتر ہے یا وہ جن کو یہ اس کا شریک ٹھراتے ہیں [7]

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

بھلا کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لئے آسمان سے پانی برسایا

فَأَنْبَتْنَا بِهِ حَدَائِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَّا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْبِتُوا شَجَرَهَا ؕ ؕ إِلَهٌ

(ہم نے) پھر ہم ہی نے اُس سے سرسبز باغ اُگائے تو تمہارا کام تو نہ تھا کہ تم ان کے درختوں کو اُگاتے تو کیا اللہ کیساتھ کوئی

مَعَ اللَّهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَعْدِلُونَ ﴿۸۰﴾ مَن جَعَلَ الْأَرْضَ قَرَارًا

اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ یہ لوگ رستے سے الگ ہو رہے ہیں۔ بھلا کس نے زمین کو قرار گاہ بنایا

[7] ”امایشرکون“ میں ”ام“ متصل ہے اور اس کے بعد آنے والی آیاتوں میں ”ام“ منقطع ہے بمعنی ”بل“

مطلب یہ ہے کہ اچھا اس کے علاوہ یہ بتاؤ، تمہارے معبود اپنے پیجاویوں کے حق میں اچھے ہیں یا اللہ تعالیٰ اپنے عابدین کے

حق میں اچھا ہے؟ تم جن پیغمبروں اور ولیوں کو کارساز سمجھ کر پکارتے ہو وہ نہ تمہیں فائدہ پہنچا سکتے ہیں نہ تم سے

ضرر دور کر سکتے ہیں، اس لئے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر ہے۔ والمعنی، ؕ اللہ خیر لمن عبده ام الاصنام

لمن عبدها، فان اللہ خیر لمن عبده و آمن به لا غناہ من الہلاک ، والاصنام لم تغن عن

عابدیہا شیئاً عند نزول العذاب، ولهذا السبب ذکر انواع اعدل علی وحدانیته وقدرتہ، خازن۔

وَجَعَلَ خِلَالَهَا أَنْهَارًا وَجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا

اور اس کے بیچ نہریں بنائیں اور اُس کیلئے پہاڑ بنائے اور (کس نے) دو دریاؤں کے بیچ اوٹ بنائی (یہ سب کچھ اللہ نے بنایا)

۴۱ ﴿۴۱﴾ مَنْ يُحِبِّبِ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ

تو کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) بلکہ ان میں اکثر عقل و دانش نہیں رکھتے۔ بھلا کون بیقرار کی التجا قبول کرتا ہے؟

وَيَكْشِفُ السُّوءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ

جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور (کون اسکی) تکلیف کو دور کرتا ہے اور (کون) تمہیں زمین میں جانشین بناتا ہے؟

۴۲ ﴿۴۲﴾ مَنْ يَهْدِيكُمْ فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ

تو کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں مگر) تم بہت کم غور کرتے ہو۔ بھلا کون تمہیں جنگل اور دریا کے اندھیروں

وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُرْسِلِ الرِّيَّاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ

میں رستہ بتاتا ہے اور (کون) ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے (یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے)

۴۳ ﴿۴۳﴾ تَعَالَى اللَّهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ

تو کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) یہ لوگ جو شرک کرتے ہیں اللہ (کی شان) اس سے بلند ہے

۴۴ ﴿۴۴﴾ أَمَّنْ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَمَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَاءِ

بھلا کون مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اُس کو بار بار پیدا کرتا رہتا ہے اور تمہیں آسمان اور زمین سے رزق دیتا ہے

۴۵ ﴿۴۵﴾ وَالْأَرْضِ إِلَهَ مَعَ اللَّهِ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

(یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے) تو کیا اللہ کیساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟ (ہرگز نہیں) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ

کہہ دو کہ جو لوگ آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کے سوا غیب کی باتیں نہیں جانتے اور نہ یہ جانتے ہیں کہ کب (زندہ کر کے)

اَيَّانَ يَبْعَثُونَ ﴿۱۱۱﴾ اِذَا رَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ

اٹھائے جائیں گے؟ [8] بلکہ آخرت (کے بارے) میں اُن کا علم ختم ہو چکا ہے بلکہ وہ اس سے شک میں ہیں

[8] غیب سے مراد وہ اشیاء ہیں کہ وہ کسی سبب سے بھی ظاہر نہیں کئے گئے ہو۔ یعنی نہ عقل سے اور نہ حواس اور نہیں وحی کے ساتھ تو اس کو غیب حقیقی کہتے ہیں، اس سے متعلق امام قرطبی نے واقعہ ذکر کیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز انسان کے علم میں آجائے تو اس کو غیب نہیں کہا جاتا۔

”من فی السموات“ سے مراد ملائکہ، عیسیٰ علیہ السلام اور تمام ان مومنوں کے ارواح جو کہ علیین میں ہے اور یہ آیت اللہ کے سوا علم غیب کی نفی میں صریح دلیل ہے خواہ علم غیب ذاتی ہو یا عطائی جسمانی ہو یا روحانی۔

سوال نمبر: ۱۔ ”الّا اللّٰه“ استثناء منقطع ہے یا متصل دونوں حالات میں لفظ ”اللّٰه“ پر نصب (زبر) چاہئے تھا اور یہاں مرفوع ذکر ہوا ہے۔

جواب نمبر: ۱۔ یہ استثناء منقطع ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ”من فی السموات“ کے جنس میں سے نہیں اور مستثنیٰ مرفوع ہونا بنی تمیم کی لغت میں جائز ہے بنا بر بدلیت یعنی ”الّا اللّٰه“ دراصل من سے بدل ہے تو من رفع کے محل میں ہیں تو اس کا بدل بھی مرفوع ہے۔ یہ قول ابن کثیر نے زجاج اور فراء سے نقل کیا ہے۔

جواب نمبر: ۲۔ یہ استثناء متصل ہے اور مستثنیٰ کا رفع اہل جاز کے ہاں کلام سلبی میں جائز ہے۔

سوال نمبر: ۲۔ جب اللہ تعالیٰ جنس من فی السموات سے نہیں، اس لئے کہ وہ مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ خالق ہے تو استثناء متصل کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ”من فی السموات“ کا اطلاق اللہ پر جائز ہے سورۃ انعام کے آیت ۳ سے قرینہ ہے (اس معانی سے جو کہ سورۃ انعام میں مراد ہیں) استثناء متصل صحیح ہے (کذافی التفسیر نیشاپوری)۔

سوال نمبر: ۳۔ جب کوئی چیز انسان سے مخفی ہو تو وہ غیب کہلاتی ہے، اور پھر انسان عقل و حواس یا دلیل وحی سے معلوم کرے تو علم غیب حاصل ہوا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ اطلاق لغت کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن شریعت کی رو سے ناجائز ہے، اس لئے کہ

لفظ علم قرآن اور سنت میں غیب کے ساتھ ثبوتاً اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے استعمال نہیں کیا گیا ہے، اور اطلاق لغوی سے اطلاق شرعی ثابت نہیں ہوتا (کذا فی روح المعانی)۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جو ولی، نبی یا نجومی کے لئے علم غیب ثابت کرتا ہے تو وہ کافر ہے، اس لئے صریح اس آیت سے منکر ہے اور اسی طرح شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے: ۱۵۸۔

اور عائشہؓ سے صحیح حدیث نقل ہے جو کہ امام بخاری نے رقم: ۲۸۵۵۔ میں اور امام ترمذی نے رقم: ۳۰۶۸۔ میں نقل کی ہے کہ: قالت ثلاث من تكلم بواحدة منهن فقد اعظم الفرية على الله، من زعم ان محمداً رأى ربه فقد اعظم الفرية على الله، والله يقول: لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ﴿٢٥٥﴾ [الأنعام] اور، وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيُّ حَكِيمٌ ﴿٢٥٦﴾ [الشورى] ف كنت متكافاً جلست فقلت يا ام انظري نى ولا تعجلينى اليس ،الله يقول: وَلَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرَى ﴿٢٥٧﴾ [النجم] وَلَقَدْ رَأَاهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ ﴿٢٥٨﴾ [التكوير]؟ قالت انا اول من سأل عن هذا رسول الله ﷺ قال انما ذاك جبرئيل مارأيتة فى الصورة التى خلق فيها غير هاتين المرتين. رأيتة منهبطا من السماء سادا عظم خلقه ما بين السماء والارض ، ومن زعم ان محمداً ﷺ كلم شيئا ما انزل الله عليه فقد اعظم الفرية على الله. والله يقول يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٢٥٩﴾ [المائدة] ومن زعم انه يقول ما فى غد فقد اعظم الفرية على الله، والله يقول: قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ ﴿٢٦٠﴾ [النمل].

یعنی فرمایا تین باتیں ہیں کہ جس نے کہا ان میں سے ایک بھی اس نے جھوٹ باندھا اللہ پر، جس نے کہا کہ محمد نے دیکھا اپنے رب کو یعنی شب معراج میں تو اس نے بڑا جھوٹ باندھا اللہ پر، حالانکہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے ”لا تدركه الابصار“ یعنی نہیں پاسکتے اس کو آنکھیں اور وہ لے لیتا ہے آنکھوں کو اور وہ لطیف وخبیر ہے، اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے، طاقت نہیں کسی بشری کہ کلام کرے اس سے اللہ مگر وحی سے، یعنی بواسطہ جبرئیل کے، یا کلام کرنا پردہ کے پیچھے سے، اور میں تکیہ لگائے ہوئے تھا، سواٹھ بیٹھا، اور کہا میں نے کہ اے مومنوں کی ماں! مجھے مہلت دیجئے اور جلدی مت کر =

مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُونَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا آءِذَا كُنَّا تُرَابًا

بلکہ اس سے اندھے ہو رہے ہیں۔ اور جو لوگ کافر ہیں کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے باپ دادا مٹی ہو جائیں گے

وَابَاؤُنَا آءِذَا نَا لَمْ نُخْرَجُونَ ﴿۴۷﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا هَذَا نَحْنُ وَآبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ

تو کیا ہم پھر (قبروں سے) نکالے جائیں گے؟۔ یہ وعدہ ہم سے اور ہمارے باپ دادا سے پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے

إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۴۸﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا

(کہاں کا اٹھنا اور کیسی قیامت) یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو پھر دیکھو

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۴۹﴾ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِي ضَيْقٍ

کہ گنہگاروں کا انجام کیا ہوا ہے۔ اور ان (کے حال) پر غم نہ کرنا اور نہ ان چالوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں تنگ دل ہونا

مِمَّا يَمْكُرُونَ ﴿۵۰﴾ يُقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۵۱﴾

اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعدہ کب پورا ہو گا؟۔

= لیجئے کیا اللہ تعالیٰ نہیں فرماتا ہے ”ولقد رآه نزلة اخرى“ یعنی بے شک دیکھا اس کو محمدؐ نے دوسری بار؟ اور فرماتے ہیں

یعنی بے شک دیکھا اس کو محمدؐ نے روشن کنارہ پر آسمان کے؟ تب فرمایا عائشہؓ نے، قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ میں نے سب سے

پہلے پوچھیں یہ آیتیں رسول اللہ ﷺ سے، تو فرمایا آپؐ نے کہ مراد ان آیتوں سے دیکھنا ہے جبریل کا، اور نہیں دیکھا میں نے

جبریل کو اس صورت میں کہ وہ پیدا کئے گئے ہیں مگر انہیں دوسرے میں دیکھا، میں ان کو آسمان سے اترتے کہ بھریا تھا ان کے

جسم کی بڑائی نے آسمان وزمین کے بیچ کو، اور فرمایا عائشہؓ نے، جس نے کہا کہ محمد ﷺ نے کوئی چیز چھپالی اس میں سے

جو اللہ تعالیٰ نے ان پر اتاری، پس اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ اے رسول

پہو نچادے جو اترا تیرے اوپر تیرے رب کی طرف سے، اور جس نے کہا کہ محمد ﷺ کو معلوم ہے جو کل ہونے والا ہے، تو اس

نے جھوٹ باندھا اللہ تعالیٰ پر، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہیں جانتا کوئی آسمان وزمین والوں میں سے غیب سوا اللہ تعالیٰ کے۔

﴿۲۲﴾ قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِي تَسْتَعْجِلُونَ ﴿۲۲﴾

کہہ دو کہ جس (عذاب) کیلئے تم جلدی کر رہے ہو یقیناً اس میں سے کچھ تمہارے نزدیک آ پہنچا ہو

﴿۲۳﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۲۳﴾

اور تمہارا رب تو لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن ان میں اکثر شکر نہیں کرتے

﴿۲۴﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۲۴﴾

اور جو باتیں ان کے سینوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں اور جو کام وہ ظاہر کرتے ہیں تمہارا رب ان (سب) کو جانتا ہے

﴿۲۵﴾ وَمَا مِنْ غَائِبَةٍ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۲۵﴾ هَذَا

ور آسمانوں اور زمین میں کوئی پوشیدہ چیز نہیں ہے مگر (وہ) کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے

﴿۲۶﴾ الْقُرْآنَ يَقْصُّ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَكْثَرَ الَّذِي هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۲۶﴾

بیشک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے اکثر باتیں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں بیان کر دیتا ہے

﴿۲۷﴾ وَإِنَّهُ لَهْدَىٰ وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۷﴾ رَبِّكَ يَقْضِي بَيْنَهُم بِحُكْمِهِ

اور بیشک یہ مومنوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے۔ تمہارا رب (قیامت کے روز) ان میں اپنے حکم سے فیصلہ کر دے گا

﴿۲۸﴾ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْعَلِيمُ ﴿۲۸﴾ وَكَوَكَّلْنَا عَلَى اللَّهِ إِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ

اور وہ غالب (اور) علم والا ہے۔ تو اللہ پر بھروسا رکھو تم تو صریح حق پر ہو

﴿۲۹﴾ لَّا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا

کچھ شک نہیں کہ تم مردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے (9) اور نہ بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں آواز سنا سکتے ہو

(9) مشرکین کے عناد و مکارہ کا ذکر کرنے کے بعد نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ ایسے واضح دلائل کے باوجود مشرکین

انکار و تکذیب سے باز نہیں آ رہے۔ آپ کے انداز و تبلیغ میں کوئی قصور نہیں ان کے دلوں پر ضد و عناد کی وجہ سے مہر جباریت لگ چکی ہے اب وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے، اس لئے آپ ان کے نہ ماننے کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔ یہاں مشرکین کے لئے تین تمثیلیں ذکر کی گئی ہیں:

اول: لا تسمع الموتی یہ تو مردے ہیں اور مردوں کو آپ کسی طرح بھی اپنی بات نہیں سنوا سکتے۔

دوم ”لا تسمع الصم“ انہی تو بہرے ہیں اور بہرے بھی وہ جو آپ کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے بلکہ پیٹھ پھیر کر دور جا رہے ہیں بھلا ان کی کانوں میں آپ کی دعوت حق کس طرح پہنچے گی۔

سوم ”وما انت بھادی العمی“ انہی تو اندھے ہیں اور آپ اندھوں کو ہرگز راستہ نہیں دکھلا سکتے۔

حاصل یہ ہے کہ آپ کا کام تبلیغ و انداز ہے یہ معاندین جو مہر جباریت کی وجہ سے اپنے دل کی حیات اور سمع و بصر کھو چکے ہیں ان کو راہ راست پر لانا آپ کے بس کی بات نہیں، یہ آپ کی دعوت و تبلیغ کا اثر ہرگز قبول نہیں کریں گے ”ان تسمع الامن، الایة“ البتہ آپ کی بات صرف وہی لوگ سنیں گے اور اس سے اثر قبول کریں گے جو ہماری آیتوں کو سنکر ان پر یقین کرنے اور ان کے سامنے تسلیم و انقیاد کا جذبہ رکھتے ہوں، اور ان کے دلوں میں حق کو تلاش کرنے اور حق کو پالینے کے بعد اسے تسلیم کرنے کی سچی تڑپ ہو۔ اکثر مفسرین نے اس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے کہ ان آیات کے اندر (موتی) اور ”من فی القبور“ کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہے یعنی اس سے مراد زندہ کفار ہیں، اس معنی میں کہ جس طرح مردے اور قبر والے سنا نہیں کرتے اسی طرح کفار بھی سنا نہیں کرتے، یہی معنی آیت کا عبارت الھص ہے۔ اور اسی طرح اس آیت کا ہم معنی دیگر آیات جو ہے یعنی سورت انعام: ۳۶، روم: ۵۲، فاطر: ۲۲۔ وہاں بھی یہی معنی مراد ہے۔

لیکن اکثر محققین علماء نے اس آیت سے بطور اشارۃ الھص عدم سماع کے لئے استدلال کیا ہے، اور ان آیتوں سے مردوں کی عدم سماعت کے لئے استدلال کرنا کوئی بعید نہیں، اس لئے کہ لوگوں میں یہ بات معروف تھی کہ مردے حقیقت میں سنتے نہیں، اس لئے ان کے ساتھ زندہ کفار کو تشبیہ دی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ جن کے ساتھ کفار کو تشبیہ دی گئی ہے ان کے اندر عدم سماع کی قوت بدرجہ اولیٰ پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ کہا جائے کہ زید شیر کی طرح بہادر ہے تو اس کا معنی یہ ہوا کہ شیر بھی بہادر ہے بلکہ شیر کے اندر زید سے زیادہ شجاعت پائی جاتی ہے، اسی طرح ان دونوں آیتوں کے اندر اگرچہ گفتگو کفار کے بارے میں ہے اور انہیں مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مردے سنتے ہیں بلکہ عربی زبان سے واقف ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ اس تشبیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مردوں کے اندر نہ سننے کا مادہ کفار سے

زیادہ پایا جاتا ہے، لہذا معلوم ہوا کہ مردے سنتے نہیں ہیں۔

مولانا رشید گنگوہیؒ لٹا کف: ۶۷۶، میں لکھتا ہے کہ اس آیت میں استعارہ ہے، کہ کفار کو اموات اور اصم سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں وجہ شبہ کی تھپتھا ہوتی ہے، چنانچہ ظاہر ہے کہ میت اور اصم میں صلاح سماعت نہیں، لہذا معنی عدم اجابت کے جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہوگا؟ البتہ مشبہ میں یہی مراد ہے لہذا حسب قاعدہ مرجع جانب عدم سماع ہے۔ اسی وجہ سے عمرؓ نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے: رسول اللہ ﷺ کو فرمایا: جو کہ مشہور حدیث ہے مسند احمد: ۲۸۷۳، ۲۸۷۴، (م: رقم ۱۳۰۶۲)، نسائی: ۱۰۸/۳، و مسند طرابلسی: ۴۰، و مسلم: ۳۷۳، و بزار: ۲۲۲ و ابویعلیٰ: (۱۴۰) عن انسؓ ان رسول اللہ ﷺ ترک قتلی بدر ثلاثة ایام حتی جیفوا، ثم اتاهم فقال یا امیة بن خلف، یا اباجهل بن هشام، یا عتبہ بن ربیعہ، یا شیبہ بن ربیعہ، هل وجدتم ما وعد ربکم حقا؟ فانی قد وجدت ما وعدنی ربی حقا، فسمع عمرؓ صوتہ علیہ السلام فقال: یا رسول اللہ اتنادیہم بعد ثلاث، وهل یسمعون؟ یقول اللہ عزوجل انک لاتسمع الموتی، فقال و الذی نفسی بیدہ ما انتم باسمع منهم ولکنہم لا یستطیعون ان یرجیوا۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے قلب بدر کے مقتولین کو تین دنوں تک چھوڑے رکھا، حتی کہ مردار بدبودار ہو گئے، پھر ان کے پاس آ کر فرمایا: او امیہ بن خلف و ابو جہل بن ہشام و عتبہ بن ربیعہ و شیبہ بن ربیعہ! کیا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا وہ وعدہ تم نے برحق پایا؟ میں نے تو وہ وعدہ جو میرے رب نے میرے ساتھ کیا تھا وہ وعدہ برحق پایا۔ نبی کریم ﷺ کی ان قلب بدر والوں کے ساتھ اس گفتگو کرنے کی آواز عمرؓ نے سن لی تو عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ان قلب بدر میں پڑے ہوئے مقتولین کو تین راتیں گزرنے کے بعد نداء فرما رہے ہو۔ بھلا یہ آپ کی بات سن رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے انک لاتسمع الموتی۔ عمرؓ کا یہ سوال سن کر آپ نے قسم کھا کر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ ان قلب بدر والوں سے بڑھ کر تم بھی نہیں سنتے، ہاں البتہ یہ لوگ جو اب نہیں دے سکتے۔

یہاں عمرؓ نے صراحت کے ساتھ یہ ذکر کیا کہ ان کے اس سوال کی بنیاد مذکورہ آیت ہے اور اس آیت سے تمام صحابہ نے ایک عام مفہوم مراد لیا ہے جس میں قلب بدر کے مردے بھی داخل ہیں اس لئے انہوں نے نبی کریم ﷺ سے دو ٹوک باتیں کیں تاکہ کوئی اشکال باقی نہ رہ جائے۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ صحابہ نے آیت کا جو مفہوم لیا تھا نبی کریم ﷺ نے اس صحیح قرار دیا اس لئے کہ آپ نے

نہ اس کا انکار کیا اور نہ ہی ان سے یہ کہا کہ تم نے آیت کا مفہوم غلط لیا ہے یہ آیت تمام مردوں کو شامل نہیں ہاں اتنی وضاحت ضرور کر دی کہ ان مردوں کا معاملہ جداگانہ ہے یہ آیت سے مستثنیٰ ہے۔

ایک بات کا ذکر، کر دینا بہتر ہے کہ عائشہؓ نے اس آیت سے جو استدلال کیا تھا بعینہ وہی استدلال عمرؓ کا بھی تھا لہذا عائشہؓ کو آج خطا وارٹھرا نا صحیح نہیں ہے۔ جو کہ یہی روایت ہے: عن ابن عمرؓ انه قال وقف رسول اللہ ﷺ علی القلیب یوم بدر فقال: یا فلان یا فلان هل وجدتم ما وعدکم ربکم حقا؟ اما والله انہم الان لیسمعون کلامی. قال یحییٰ فقلت عائشۃ: غفر اللہ لابی عبد الرحمن انه وهل، انما قال رسول اللہ ﷺ واللہ انہم لیعلمون الان، ان الذی کنت اقول لہم حق، وان اللہ تعالیٰ یقول: انک لاتسمع الموتی، النمل: ۸۰، وما انت بمسمع من فی القبور: فاطر ۲۲۔ خاص طور سے اس وقت جبکہ اللہ کے رسول نے عمرؓ کی تائید کی یہ اور بات ہے کہ ابن عمر نے جب اس قصہ کو بیان کیا تو عائشہؓ نے ان کی تردید کی عائشہ اور دوسرے صحابہ کرام کی روایتوں کو جمع کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ عائشہؓ ہی سے وہم ہوا ہے (اس کا مزید تفصیل بعد میں آئے گا) لیکن ان تمام روایتوں میں تطبیق اس طرح دی جاسکتی ہے کہ آیت سے استدلال کرنے میں عائشہؓ سے کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے بلکہ اس قصہ کی حقیقت حال ان سے پوشیدہ تھی اگر ایسی بات نہ ہوتی تو ان کا موقف بھی وہی ہوتا جو تمام صحابہ کا موقف تھا، لہذا صحیح موقف یہی ہے کہ یہ قصہ آیت سے مستثنیٰ ہے۔ ایک بات قابل توجہ یہ ہے کہ مسائل کو صحیح طور سے سمجھنے کے لئے ان امور کی رعایت بھی ضروری ہے جو آپؐ سے بطور اقرار ثابت ہوں، ورنہ احادیث کے سمجھنے میں بسا اوقات غلطی ہو سکتی ہے زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، یہی مسئلہ ایک بڑا شاہد ہے، کیونکہ اکثر مصنفین نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ مردے سنتے ہیں، اور وہ بھول گئے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے اس خیال کی تردید نہیں کی کہ مردے سنتے نہیں لہذا یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ دراصل مردے سنا نہیں کرتے جب تک کہ کوئی دوسری دلیل اس کے خلاف نہ آجائے۔ تحقیقی نظر رکھنے والا اس قسم کی بہت سی مثالیں پائے گا، میں صرف دو مثالیں بیان کرتا ہوں: مثال اول:

(۱) جابرؓ کی حدیث: ام بشارؓ روایت کرتی ہیں کہ انہوں نے حفصہؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ انشاء اللہ جو لوگ بیعت رضوان میں شریک تھے ان میں سے کوئی جہنم میں داخل نہیں ہوگا۔ حفصہؓ نے کہا کیوں نہیں اللہ کے رسول، تو آپؐ نے ان کو ڈانٹا، پھر حفصہؓ نے کہا: اللہ نے فرمایا ہے: وان منکم الا واردھا: مریم: ۷۰، یعنی تم میں سے ایسا کوئی نہیں جو جہنم پر وارد نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ یہ بھی فرماتا ہے: ثم ننحی الذین اتقوا و نذر الظالمین فیہا حیثا: مریم: اے یعنی ہم ان لوگوں کو بچالیں گے جو دنیا میں متقی تھے، اور ظالموں کو اسی میں گرا ہوا چھوڑ دیں دیں گے۔ حصہ ۲ نے آیت سے یہ استدلال کیا تھا کہ جہنم میں ہر شخص داخل ہوگا خواہ وہ نیک ہو یا بد، اسی لئے جب نبی کریم ﷺ نے یہ کہا بیعت رضوان میں شریک ہونے والوں میں سے کوئی دوزخ میں داخل نہیں ہوگا تو ان کو اشکال ہو اور یہ آیت پیش کی، لہذا نبی کریم ﷺ نے ان کا یہ اشکال اس طرح دور کیا کہ ان کو پوری آیت پڑھ کر سنائی۔ لہذا اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ حصہ ۲ نے آیت کا جو مفہوم سمجھا تھا نبی کریم ﷺ نے اس کا انکار نہیں کیا بلکہ آیت کے اندر اس سے کون لوگ مراد ہیں اور حدیث کے اندر کون لوگ مراد ہیں، اس کی وضاحت کر دی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بیعت رضوان میں شریک ہونے والے لوگوں کو عذاب نہیں ہوگا، ہاں جہنم سے گزرتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔ اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام لوگ جہنم سے گزریں گے، کچھ لوگ تو اس کے عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے اور کچھ لوگ اس سے محفوظ رہ کر جنت میں چلے جائیں گے۔

(۲) دوسری مثال بخاری و مسلم کی ایک روایت ہے عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اس وقت انصار کی دو لڑکیاں منیٰ کے دنوں میں دف بجا کر انصار کے ان کارناموں کو بیان کر رہی تھیں جو انہوں نے جنگ بعاث میں انجام دیئے تھے، یہ لڑکیاں گانے والی نہیں تھیں، آپ اپنا رخ انور دوسری طرف کر کے لیٹ گئے اسی دوران ابو بکرؓ داخل ہو گئے، آپ اپنے اوپر کپڑا ڈھانکے ہوئے تھے ابو بکرؓ نے مجھے ڈانٹا اور کہا کہ شیطانوں کی بانسری محمد ﷺ کے گھر میں؟ نبی کریم ﷺ نے اپنا چہرہ مبارک کھولا اور ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا ابو بکرؓ رہنے دو ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے آج ہماری عید کا دن ہے۔ عائشہؓ فرماتی ہیں جب نبی کریم ﷺ ذرا ان لڑکیوں کی طرف سے غافل ہوئے تو میں نے ان کو اشارہ کیا اور وہ واپس چلی گئیں۔

اس حدیث کے اندر آپ دیکھیں گے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکرؓ کی اس بات کا انکار نہیں کیا کہ گانا بجانا شیطان کا فعل ہے اور نہ ہی جب انہوں نے ڈانٹا تو اس کو برا سمجھا، بلکہ آپ نے ان کی دونوں باتوں کو برقرار رکھا، لہذا معلوم ہوا کہ یہ چیز درست ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ ابو بکرؓ نے یہ بات کیسے کہی کہ یہ شیطان کا فعل ہے، ظاہر بات ہے کہ انہوں نے اس چیز کو محمد ﷺ ہی سے حاصل کیا تھا، جیسا کہ گانے بجانے کے متعلق بے شمار حدیثیں موجود ہیں، اگر ابو بکرؓ کو پہلے سے اس کا علم نہ ہوتا اور اس موقف میں وہ حق پر نہ ہوتے تو کبھی محمد ﷺ کے سامنے اس قسم کی جرأت نہ کرتے، ہاں ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ عید اور خوشی کے موقع پر اس نوعیت کا گانا بجانا درست ہے جس کی طرف نبی کریم ﷺ نے اشارہ کیا۔ لہذا ابو بکرؓ کا انکار اپنی جگہ مسلم تھا کیونکہ آپ نے اسے برقرار رکھا لیکن اس سے یہ مستثنیٰ کر دیا کہ

عید کے موقع پر اس نوعیت کا گانا بجانا جائز ہے۔

چنانچہ معلوم ہوا کہ جس طرح وہاں عمرؓ کے انکار کو برقرار رکھا اور ایک خاص حکم بیان کیا کہ تمہاری بات صحیح ہے مردے سنائیں کرتے لیکن یہ مردے اس وقت سن رہے ہیں، بالکل اسی طرح ابو بکرؓ کی انکار کو برقرار رکھتے ہوئے یہ بیان کیا کہ جس نوعیت کا گانا بجانا یہ لڑکیاں کر رہی تھیں عید کے موقع پر اتنا جائز ہے۔

ایک روایت عبد اللہ بن عباسؓ سے سیوطیؒ نے درمنثور: ۷، ۱۸، میں تفسیر سورت فاطر ۲۲، میں نقل کیا ہے لکھتا ہے: اخرج ابو سهل السری بن سهل الجندی النیسابوری الخامس من حدیثہ من طریق عبد القدوس عن ابی صالح عن ابن عباسؓ فی قوله ﴿فانک لاتسمع الموتی﴾ ﴿وما انت بمسمع من فی القبور﴾ فاطر ۲۲ ﴿قال کان النبی ﷺ یقف علی القتلی یوم بدر ویقول: هل وجدتم ما وعد ربکم حقا؟ یا فلان ابن فلان الم تکفرب ربک؟ الم تکذب نیک؟ الم تقطع رحمکم؟ فقالوا یا رسول ایسمعون ماتقول؟ قال ما انتم باسمع منهم لما قول فانزل اللہ ﴿فانک لاتسمع الموتی﴾ ﴿وما انت بمسمع من فی القبور﴾ ومثل ضربه اللہ للکفار انہم لا یسمعون لقوله.

یعنی اس آیت: انک لاتسمع الموتی، اور ما انت بمسمع من فی القبور، کا شان نزول رئیس المفسرین عبد اللہ بن عباسؓ سے اس طرح نقل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ بدر کے غزوہ میں مشرک مقتولوں کے کنویں پر آکھڑے ہوئے تھے جس میں ان کی لاشوں کو بھینک دیا گیا تھا اور فرمانے لگے کیا تمہارے رب نے تمہارے ساتھ جو وعدہ فرمایا تھا اب تو تم نے اس وعدہ کو سچ مچ پالیا ہوگا؟ اے فلاں کے بیٹے فلاں، اے فلاں کے بیٹے فلاں، کیا تو نے اپنے رب کے ساتھ کفر نہ کیا، کیا تو نے اپنے نبی کی تکذیب نہیں کی، کیا تو نے قطع رحمی نہیں کی، یہ سن کر حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں، یہ بے روح کے دھڑسن رہے ہیں؟ آپ نے اس کا جواب مرحمت فرمایا کہ جو بات میں ان سے کہہ رہا ہوں تم لوگ ان سے زیادہ نہیں سنتے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، انک لاتسمع الموتی، نیز یہ نازل فرمایا، وما انت بمسمع من فی القبور.

اس کے علاوہ بعض فقہاء و مجتہدین نے بھی ان آیتوں کو نفی سماع پر بطور دلیل پیش کیا ہے، بطور مثال علامہ ابن الہمام مولف فتح القدر کی تصریح ملاحظہ ہو۔ علامہ موصوف ان آیتوں کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ان آیتوں سے سماع موتی کی نفی کی تحقیق مستفاد ہوتی ہے کیونکہ ان میں کفار کو موتی سے تشبیہ دی گئی ہے اس بناء پر کہ کفار کو حق سنانا معذر ہے

اور یہ سماع موتی کی نفی پر مقرر ہے ورنہ تشبیہ صحیح نہیں ہوگی۔ اصل عبارت یہ ہے فانہما یفیدان تحقیق عدم سماعہم فانہ تعالیٰ شبہ الکفار بالموتی لافادۃ تعذر سماعہم وهو فرع عدم سماع الموتی۔ فتح القدر۔ اور اس سے تھوڑا سا پہلے مشائخ حنفیہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں وعندی مبنی ارتکاب هذا المجاز هنا عند اکثر مشایخنا هو ان الميت لا یسمع عندهم لانہا (الیمین) تنعقد علی ما بحیث یفہم و الميت لیس كذلك لعدم السماع. اور کتاب الایمان میں لکھتے ہیں فلو کلمہ بعد موتہ لایحیث لان المقصود منہ الافہام و الموت ینافیہ لانہ لا یسمع فلا یفہم۔ فتح القدر: ۱۰۶/۲م۔

رشید احمد گنگوہی شرح الترمذی الکوکب الدرہ: ۳۱۹/۱، میں لکھتا ہے: واستدل المنکرون ومنہم عائشۃ وابن عباس ومنہم الامام (ابو حنیفہ) بقولہ تعالیٰ: انک لاتسمع الموتی، فانہ لما شبہ الکفار بالاموات فی عدم السماع. علم ان الاموات لا یسمعون والالم یصح التشبیہ. وما قیل انہ من قبیل "وما رمیت اذ رمیت ولكن الله رمی" غیر تام. لانہ لایصح علی هذا قولہ بعدہ "ان تسمع الامن یومن بایاتنا" الایۃ، فان الاقتدار منہ سبحانہ کما هو فی الاول فکذا فی الثانی فکیف یصح اثباتہ لہ صلی اللہ علیہ وسلم فی نوع ونفیہ فی نوع، و ما قال المبتون ان خطاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاهل بدر علی رأس القلب ینادی علی ثبوت السماع اعلی نداء، فاجاب عنہ المنکرون بعضهم من انہ من خصوصیاتہ صلی اللہ علیہ وسلم بکفار بدر، رد اللہ سبحانہ ارواحہم فی اجسامہم لیسمعوا خطابہ تنکیتالہم وتبکیتاتوزییدافی عذابہم، وقال بعضهم انما خاطبہم النبی لیغیظ بذلک المشرکون من قریش، ومعنی قولہ لعمرمانت باسمع منہم ای باعلم منہم فسرتہ بذلک عائشہ، فلا یكون دلیل علی السماع، فالظاہر انکار السماع وهو الاصح عندنا۔ یعنی عائشہ نے سماع کی علم سے تفسیر کی ہے، اس لئے یہ حدیث سماع موتی کی دلیل نہیں، اس لئے ظاہر عدم سماع ہی ہے، اور ہمارے نزدیک بھی یہی زیادہ صحیح ہے۔

آخر میں مفتی عزیز الرحمان دیوبندی کا قول نقل کرتے ہیں: فتاویٰ دارالعلوم دیوبند عزیز الفتاویٰ دیوبند: ۹۶/۳، میں ہے کہ: یہ واضح رہے کہ حد سے زیادہ جوامر تجاوز کرتا ہے وہ ممنوع ہو جاتا ہے جیسا کہ تعظیم قبور کا رواج ہو گیا ہے یہاں تک کہ ان پر غلاف اور چادریں ڈالی جاتی ہیں اور یہ امور اکثر مفضی الی الشرک ودواعی شرک ہو جاتے ہیں، کما ہو مشاہد اور سماع میت ثابت نہیں ہے بلکہ عدم سماع پر نص قطعی وارد ہے: قال اللہ تعالیٰ ﴿وما انت بمسمع من فی القبور﴾

وقال الله تعالى ﴿انك لاتسمع الموتى﴾ وقد اجاب في الفتح وغيره عن الحديث الوارد فيه اى حديث اهل قلب بدر واؤلوا حديث سماع قرع النعال بانه مخصوص باول الوضع فى القبر، فقط والله تعالى اعلم۔ ۴۳۸/۵، ۴۳۴، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸۔

دوسری وجہ: اکثر مفسرین نے ان آیات کی تفسیر میں یہی مسئلہ ذکر کی ہے مثلاً: ۱۔ خفاجی نے بیضاوی کی تفسیر: ۱۲۸/۷، کے حاشیہ میں لکھا ہے اکثر مشائخنا علی ان المیت لا یسمع یعنی ہمارے اکثر مشائخ اسی عقیدہ پر چکے ہیں کہ مردہ کچھ نہیں سنتا۔ ۲۔ امام رازی شافعی المذہب نے اپنی تفسیر کبیر: ۱۰۴/۶، میں لکھا ہے و المیت لا یدرک شیئا مردہ کسی چیز کا کچھ ادراک نہیں کر سکتا۔ اور ۳۹/۷، میں لکھا: اما الاحیاء و الاموات فالنفاوت بینہما اکثر، اذمان میت یساوی فی الادراک حیامن الاحیاء، فذکر ان الاحیاء لا یساؤن الاموات یعنی مردوں اور زندوں میں بہت بڑا فرق ہے کیونکہ کوئی مردہ ایسا نہیں جو ادراک میں کسی ایک زندہ کے مساوی ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ زندے مردے مساوی نہیں ہیں: ۵۳/۲ و پارہ ۲۰ صفحہ: ۴۴۰۔ ۳۔ زمخشری نے کشاف: ۱۲/۲، میں کہا: الموتی لا یسمعون یعنی مردے نہیں سنتے۔ ۴۔ علامہ نیشاپوری نے اپنی تفسیر: ۱۳/۷، میں یہی لکھا ہے۔ ۵۔ جامع البیان: ص ۱۱۲، میں یہی لکھا ہے۔ ۶۔ علامہ بیضاوی نے پارہ (۷) صفحہ ۱۸۶، میں۔ ۷۔ مفسر ابوسعود نے ۵۸/۴۔ ۸۔ مفسر خازن نے: ۱۴/۲، ان المیت لا یسمع ولا یتکلم۔ میت نہ سنتا ہے نہ بولتا ہے۔ ۹۔ بغوی نے معالم التنزیل پارہ ۲۰/۵۳، المیت الذی لا سبیل الی سماعہ، میت وہی جس کے سننے کی کوئی صورت نہیں۔ ۱۰۔ مفسر نسفی حنفی نے مدارک التنزیل صفحہ: ۴۰۳ میں لکھا ہے و اما قبل ذلک فلا یعنی قیامت سے پہلے پہلے تو میت سن نہیں سکتا۔ ۱۱۔ مفسر ابن کثیر نے تفسیر ۹ صفحہ ۶۱۵، میں لکھا: لاتتحرك ولا تسمع ولا تبصر مرنے کے بعد مردے نہ حرکت کر سکتے ہیں اور نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں۔ ۱۲۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری: ۲۵۳/۷، میں لکھا کہ مردے سنتے تو نہیں البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہے زندوں کا کلام مردوں کو سنادے۔ یہ اس کی مرضی ہے۔ ۱۳۔ علامہ الوسی نے تفسیر روح المعانی: ۲۶/۷۔ میں لکھا ہے المیت لیس من شانہ السماع و لا یتحقق منه السماع الامعجزۃ کسماع اهل القلب۔ سننا میت کا کام نہیں اور نہ میت کا سننا متحقق ہے، البتہ بطور معجزہ کے میت سن لے تو وہ اور بات ہے جیسے بدر میں گندے کنوئیں میں پڑے ہوئے مشرک متقولوں نے نبی ﷺ کا خطاب سن لیا تھا۔

اور: ۴۵۵/۶، میں لکھا: ففيه تشبيه قوى على ان الاصل فى الموتى انهم لا يسمعون پس اس عبارت

میں قوی تنبیہ ہے اس امر پر کہ موتی کے بارے اصل تو یہی ہے کہ وہ نہیں سنتے۔ ۱۴۔ مفسر ابن جریر: ۱۱۸/۷، میں الموتی الذین لا یسمعون صوتا ولا یعقلون دعاء ولا یفقیہون قولاً۔ مردے جو نہ آواز سنتے ہیں اور نہ کسی پکار کا ادراک کر سکتے ہیں اور نہ کسی کی بات سمجھ سکتے ہیں۔ ۱۵۔ صاحب قاموس نے تنویر المقباس: ۶۸، پارہ (۹) میں لکھا ہے: لا یسمعون ولا یجیبوا لانہم اموات غیر احياء یعنی وہ جن کو تم پکارتے ہو نہ سنتے ہیں نہ جواب دیتے ہیں کیونکہ وہ اموات (مردہ) ہیں زندہ نہیں۔ ۱۶۔ ابن جزئی کلبی محمد بن احمد نے کتاب التسهیل للعلوم المتزیل: ۱۹۶/۳، میں لکھتے ہیں: النائم کالمیت فی کونہ لا یبصر ولا یسمع یعنی نہ سنتے اور نہ دیکھتے ہیں سونے والا بھی میت کی طرح ہی ہوتا ہے۔ ۱۷۔ عبدالحق بن غالب ابن عطیہ محاربی غرناطی فقیہ مفسر (متوفی ۵۴۲ھ) نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ واقعہ بدر میں اہل قلب کا سننا محمد ﷺ کا معجزہ ہے اگر آپ یہ نہ فرماتے کہ یہ مردے سن رہے ہیں تو ہم آپ کی نداء کا یہ مطلب لیتے کہ یہ باقی ماندہ کافروں کی توبیخ ہے یا مومنین کے دل کو تسلی ہے عبارت یہ ہے: فی شبہ ان قصة بدر حرق عاادة لمحمد ﷺ فی ان رد الله اليهم اذرا كما سمعوا به مقاتله ولو لا اخبار رسول الله ﷺ بسماعهم لحملنا نداءه اياهم على معنى التوبيخ لمن بقى من الكفرة وعلى معنى شفاء صدور المومنين۔ ۱۸۔ صاحب فتح البیان نے کہا ہے کہ سماع موتی کی نفی کے ظاہر سے تو عموم معلوم ہوتا ہے۔ ۱۹۔ مولوی عبدالستار محدث دہلوی نے اپنی تفسیر کے: ۲۹، میں اسی طرح لکھا ہے۔ ۲۰۔ مترجم معجزہ نما کلان قرآن مجید ۵۳۵، میں ہے عائشہؓ کی رائے کے مطابق امام ابوحنیفہؒ سماع موتی کے منکر ہیں اور اسی قرآن پاک کے مقدمہ ۴۱، میں ہے: عائشہؓ و دیگر بعض صحابہ اور نیز امام ابوحنیفہؒ اہل قبور کے سنتے کے قائل نہیں۔ ۲۱۔ سبحان الہند مولانا احمد سعید (کشف الرحمن ۶۵۴) میں فرماتے ہیں عائشہؓ صدیقہ نے اس آیت (ما انت بمسمع من فی القبور) سے مردے کے نہ سنتے پر استدلال کیا ہے اور یہی اکثر مشائخ حنفیہ کا مسلک ہے۔ نیز: ۵۸۰/۲، میں لکھتے ہیں مردے میں سنتے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اور اسی صفحہ پر یہ بھی لکھا کہ سو یا، مرا ابرہ ہے (یعنی عدم ادراک میں)۔ ۲۲۔ جامع القرآن کے مصنف نے کہا الکفار کالموتی لا یسمعون، کفار بھی ان مردوں کی طرح ہیں جو سنتے نہیں، اس تفسیر کا حوالہ تفہیم المسائل: ۹۲، میں محمد بشیر الدین قنوجی نے دیا ہے۔ ۲۳۔ ابن حبان اندلسی نے البحر المحیط: ۱۱۸، ۱۱۷/۳، میں لکھا ہے: انما یستجیب الذین یسمعون یعنی الذین تحرص علی ان یتصدقوا بمنزلة الموتی الذین لا یسمعون وانما یستجیب من یسمع کقولہ تعالیٰ یعنی جن لوگوں کے بارے میں آپ کو حرص ہے کہ وہ آپ کے مسئلہ توحید کی تصدیق کریں وہ تو بمنزلہ موتی (مردوں) کے ہیں جو نہیں سنتے، اور مانتے وہی

ہیں جو سنیں۔ آگے فرمایا موتی (یہاں مراد) کفار ہے کفار کو موتی اسی طرح کہا گیا ہے جس طرح کفار کو بہرے اور گوٹکے کہا گیا ہے اور کفار کو موتی سے تشبیہ اس لئے دی ہے کہ میت روح سے خالی ہوتا ہے۔ ۲۴۔ نواب قطب الدین (تلمیذ شاہ محمد اسحاق صاحب محدث دہلوی) و مولف مظاہر حق شرح مشکوٰۃ نے جامع التفاسیر سورۃ فاطر: ۱۱۰، میں لکھا ہے۔ مذہب امام اعظم اور اکثر مشائخ ہمارے کا عدم ہماع ہے بدلیل آیت انک لاتسمع الموتی۔ ۲۵۔ جمل نے جلالین کی شرح: ۶۰۳ (پارہ ۲۴) میں لکھا، موت کی حالت میں تو فی النفس کی صورت یہ ہے کہ موت پیدا کرتا ہے اور ہر قسم کی حس کلی طور پر زائل کر دیتا ہے (اس میں حس سننے اور دیکھنے اور بولنے وغیرہ کی سب ہی آگئیں۔

۲۶۔ آخر میں تفسیر مواہب الرحمن کا قول نقل کرتے ہیں: اس نے تفسیر سورۃ نمل میں مختصراً، اور تفسیر سورۃ روم میں تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ لکھا ہے: جبکہ ہم بھی ان کے الفاظ حرف بحرف نقل کرتے ہیں اس لئے کہ اس میں بہت سے علمی فوائد مذکور ہیں: مترجم کہتا ہے کہ یہاں ایک مسئلہ ہے کہ مردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے ہیں؟ پس امام شافعیؒ اور ایک جماعت سے منقول ہے کہ مردہ سنتا ہے، اور ان کی حجت وہ حدیث ہے کہ جب بدر کی لڑائی میں ابو جہل وغیرہ کفار شریکین مارے گئے اور وہ ایک کھڈے میں ڈال دئے گئے اور تیسرے دن نبی کریم ﷺ سوار ہو کر اس مقام پر تشریف لائے اور خطاب فرمایا کہ ہم نے تو اپنے پروردگار عزوجل کا وعدہ حق پایا اور تم نے بھی آخر وعید عذاب کو سچا پایا، پس عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ اس قوم سے خطاب فرماتے ہیں جو گندے مردار ہو چکے، پس آپ نے فرمایا کہ تم اس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جو میں کہتا ہوں اسکے سننے میں تم لوگ ان سے بڑھکر نہیں ہو، لیکن یہ جواب نہیں دے سکتے ہیں کمافی الصحیح اور حدیث ابن عباسؓ میں ہے کہ جو کوئی بندہ اپنے بھائی مسلمان کی قبر پر گذر جائے جس کو دنیا میں پہچانتا تھا پس اس پر سلام کیا تو یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی روح اس میں پھیر دیتا ہے، حتیٰ کہ وہ سلام کا جواب دیتا ہے۔ (رواہ ابن عبدالبر و قال صحیح) لیکن عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”فانک لاتسمع الموتی“ پس مردہ نہیں سنتا ہے، اور واقعہ بدر کی حدیث میں عائشہؓ نے یہ تاویل فرمائی کہ نبی کریم ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو بات میں ان لوگوں سے کہتا تھا اس کا حق ہونا، ان لوگوں نے اب خوب جان لیا، قنادہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو آخرت کی زندگی اتنی دے دی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا کلام شریف جو ان کے حق میں چھڑا اور ملامت کا تھاس لیا۔

اسی واسطے امام ابوحنیفہؒ و صاحبین و تمام فقہاء حنفیہ و جماعت علماء کا یہی قول ہے کہ مردے نہیں سنتے ہیں، اور کسی شخص کو یہ طاقت نہیں ہے کہ مردے کو اپنا کلام سناوے، اگر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے چاہے کہ کوئی بات مردہ سنے تو اس کو اپنی قدرت

کا اختیار ہے۔ اس واسطے جب نبی کریم ﷺ نے قلب بدروالوں سے کلام کیا تو بوجی الہی عزوجل تھا، وہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سنایا، اور اسی طرح مردے کو سلام کرنا اور اس کا جواب دینا بقدرت الہی عزوجل ہے، حتیٰ کہ سوائے سلام کے کسی دوسری بات کے واسطے ہم کو آگاہ نہیں کیا گیا کہ وہ بھی مردہ سنتا ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ آج کل جو لوگ حنفی مقلدین حتیٰ کہ تقلید کے واسطے دوسروں کی تکفیر تک نوبت پہنچاتے ہیں ان سے نہایت عجب ہے کہ وہ بزرگوں کے مزاروں پر جا کر اپنی باتوں کی داستا میں سناتے ہیں حالانکہ امام ابوحنیفہ و تمام ائمہ حنفیہ سے قاطبہً مخالف ہے اور اس مقام پر وہ قطعی غیر مقلد بن جاتا ہے، پس ان نفس کے بندوں کا ظاہر حال یہ ہے کہ وہ تقویٰ و تدین کے واسطے حنفی نہیں تھا بلکہ اسلام میں فساد ڈالنے کے لئے کبھی مقلد بنتا ہے اور کبھی غیر مقلد ہو جاتا ہے، تا کہ اسلام میں باہم نزاع و پھوٹ ڈالے، اور باہمی اختلاف جو مسلمانوں میں فرض ہے اس کی مخالفت کرے، اللہ تعالیٰ ہم کو اور سب مسلمانوں کو ایسی معصیت سے بچادے اور ایمان و اسلام پر ثابت قدم رکھے۔ آمین و صلی اللہ علی سیدنا محمد والہ و اصحابہ اجمعین۔

اب اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے استدلال نفی سماع موتی کے لئے صحیح ہے یا نہیں؟ سماع موتی کے تاملین کا ایک وہم ہے جس کو ذکر کرنے کے بعد تفصیل کے ساتھ دفع کرتے ہیں، مختصر اس کو والد صاحب نے تفسیر (احسن الکلام) میں بمعہ جواب ذکر کیا ہے:

تاملین سماع موتی کی طرف سے ان آیتوں کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان میں اسماع (سنانے) کی نفی ہے سماع (سننے) کی نفی نہیں۔ اور اختلاف سماع میں ہے نہ کہ اسماع میں، کیونکہ اسماع کی نفی پر تو سب متفق ہیں۔ دوسرا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ان آیتوں میں کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ عدم استفادہ میں دی گئی ہے نہ کہ عدم سماع میں، اور مطلب یہ ہے کہ مردے زائر کا کلام سن لینے کے باوجود اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اسی طرح کفار بھی سن تو لیتے ہیں لیکن اس سے استفادہ نہیں کرتے۔ ان دونوں سوالوں کا جواب یہ ہے کہ عائشہ اور تمام فقہائے حنفیہ نے ان سے عدم سماع موتی پر استدلال کیا ہے، اور یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ آیتیں اسماع کے ساتھ ساتھ سماع کی بھی نفی کر رہی ہیں، اور تشبیہ عدم استفادہ میں نہیں بلکہ عدم سماع میں ہے، نیز سماع اسماع کا مطاوع ہے اس لئے اسماع کی نفی یا اثبات، سماع کی نفی اور اثبات کو مستلزم ہے ان آیتوں میں جب اسماع کی نفی کی گئی تو سماع کی بھی نفی ہوگئی۔

مطلب یہ ہے کہ سماع فرع ہے اسماع کی جب انسان کی طرف سے بالکل اسماع نہیں ہے تو سماع جو اسماع کی فرع ہے وہ

بھی نہ ہوگا، کیونکہ جب اصل ہی ثابت نہ ہوگی تو فرع کہاں سے ثابت ہوگی، پس اتنا تو مسلم ہوا کہ انسان بذات خود اپنے کلام و سلام کو بغیر کسی کے واسطے کے میت کو نہیں سنا سکتا، یہ خاص نوع کا اسماع، یعنی اسماع انسانی بالکل نابود ہے اور جس قسم کا اسماع ندرتاً ہوگا اس خاص قسم کا اسماع بھی معدوم ہونا لازم ہوگا۔

بعض کو یہ وہم ہے کہ انسان جو مردوں سے یا قبر والوں سے کلام کرتا ہے وہ انہیں خود تو نہیں سنا سکتا، مگر اس اسماع اور اسماع کے درمیان اللہ تعالیٰ کا واسطہ ہو کر مردوں کو سنا دیتا ہے، یہ البتہ ممکن ہے تو جب یہ صورت ممکن ہوئی تو آیت شریفہ سے مردوں کے سننے کی نفی ثابت نہ ہوگی۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ مشیت الہی معلوم نہیں جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ: اللہ کی باتیں اللہ ہی جانے، پس ہمارا مردوں سے یا قبر والوں سے کلام کرنا، خطاب کرنا، سلام کرنا، پھر یہ خیال کرنا کہ وہ سنتے ہیں، محض ایک تمنا ہی تمنا ہے، کیونکہ سماع اموات موقوف ہے مشیت الہی پر اور مشیت الہی کا ہمیں علم نہیں ہے، نہ ہی اس کے علم حاصل کرنے کا ہمیں کوئی طریقہ حاصل ہے، پس جس کا موقوف علیہ غیر معلوم ہے اس کے موقوف کا بھی مہوم ہونا لازم ہے، پس اس نظیر والی آیت سے بھی عدم سماع اموات ہی ثابت ہونا سماع۔

(اس بات کی مزید تفصیل) اب زیر بحث آیت کریمہ کو دیکھیں ”ان اللہ یسمع من یشاء“ اس میں سب مانتے ہیں کہ انسانی اسماع کی لازمی طور پر نفی ہے ہاں الہی اسماع اس آیت میں متوقع ہو سکتا ہے۔ لیکن الہی اسماع مطلق نہیں ہے۔ بلکہ معلق اور مقید ہے بقید مشیت اور معلق بالمشیۃ کا مسئلہ علم عقائد میں مصرح موجود ہے ان شاء فعلہ وان شاء لم یفعلہ، اسی طرح کتب فقہ میں ہے انت طالق ان شاء اللہ، کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ شرط (مشیت الہی) کا علم نہیں۔ لہذا اصل چونکہ عدم طلاق تھی ابھی تک وہی عدم طلاق اپنے اصل پر قائم ہے ہدایہ اولین: ۳۷۰/۲، میں ہے، وانہ (ای التعلیق) اعدام قبل الشرط، والشرط لایعلم ہننا فیکون اعداما من الاصل، یعنی شرط سے پہلے تو وہ طلاق نہ تھی اور اب شرط کا علم ہمیں نہیں ہے اس لئے طلاق بھی سرے سے معدوم ہی رہی اس کا حاشیہ پر لکھا ہے کہ حاصلہ ان الجزاء معدوم قطعاً ان الجزاء معدوم عند عدم الشرط وہنالم یعلم تحققہ فبقی علی عدمہ الاصلی۔

اسی طرح کنز: ص: ۱۲۶، میں ہے ولو وصل باقرارہ ان شاء اللہ بطل اقرارہ، یعنی اگر کسی نے کسی کے حق کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ میرے ذمہ اس کا ہزار روپیہ ہے ان شاء اللہ تو بس اس کا اقرار بے کار و باطل ہو گیا، اسی طرح

کنز: جس: ۶: ۷، میں ہے، ولو وصل بحلفه ان شاء الله برّ اور اگر قسم کھانے کے ساتھ متصل ان شاء الله کہہ دیا تو اپنی قسم میں حانث نہیں ہوگا، اسی طرح کنز: ۱۲۸، میں ہے: ویبطل الصک بان شاء الله چک لکھ کر ساتھ ہی ان شاء الله لکھ دیا وہ چک بے کار ہو گیا اور مختصر طحاوی: ۳۶۸، کے حاشیہ میں اس کا اصول اور قاعدہ تحریر فرمایا: والاصل فی هذا انه متی علق بمشیئة من لا تظهر مشیئته فانه یلغو کله. یہاں اصول یہ ہے کہ جب ایسے ذات کی مشیت کے ساتھ کوئی کام معلق کیا جائے جس کی مشیت معلوم اور ظاہر نہ ہو سکے تو سب لغو اور بے کار ہو جاتا ہے۔

الحاصل: اب اس قاعدہ اصول کے تحت ان الله یسمع من یشاء کے معنی ہوئے من شاء الله اسماعہ اسمعه ومن لم یشاء اسماعه لم یسمعه یعنی جس کو اللہ تعالیٰ سنانا چاہے گا سناوے گا اور جس کو سنانا نہ چاہے گا نہ سناوے گا۔ تقلیل سماعت اموات کی خود آیت کریمہ کے لفظ مشیت نے پیدا کر دی بلکہ نفی سماع کی دلیل بن گئی۔ جیسے ان شاء الله کہنے سے طلاق نہیں پڑتی۔ اقرار بے کار ہو جاتا ہے چیک کا اعتبار نہیں رہتا اسی طرح اس آیت میں سماع اموات بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اقامۃ البر بان والاخر میں لکھتے ہیں: اکابر امت کے ان ارشادات اور اجلہ علماء دیوبند کی ان تصریحات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ان آیتوں میں صرف اسماع (سنانے) ہی کی نفی نہیں بلکہ سماع (سننے) کی بھی نفی ہے اور انہوں نے سماع موتی کی نفی پر ان آیتوں سے باقاعدہ استدلال کیا ہے اور مفتی عزیز الرحمن نے تو یہاں تک فرما دیا ہے کہ یہ آیتیں عدم سماع پر نص قطعی ہیں۔ اس لئے معترض نے اس کے خلاف دور حاضر کے بعض علماء کی جو طویل و عریض عبارتیں نقل کی ہیں وہ ان اکابر کی تصریحات کے ہوتے ہوئے قابل التفات نہیں ہیں۔ ص: ۷۰۔

اس اعتراض کو شیخ نیلوی تفصیل کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد اس کا منہ توڑ جواب دیتے ہیں، فرماتے ہیں: قائلین سماع ایک اور طریق پر بھی اس آیت کو حل کرنے کی کوشش فرماتے ہیں کہ اول تو آیت میں سماع کی نفی نہیں ہے اسماع کی نفی ہے، دوسرے اگر بالفرض والتھدیر اس بات کو تسلیم ہی کر لیا جائے کی نفی سماع کی ہے تو پھر کہتے ہیں کہ سماع مطلق نفی نہیں ہے بلکہ سماع قبول یا سماع نافع کی نفی ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ کفار و عظ و نصیحت سنتے یعنی قبول نہیں کرتے اس سے نفع نہیں اٹھاتے چنانچہ کتاب سماع موتی: ۲۶۹، میں ہے مردوں سے مطلقاً سماع کی نفی نہیں کی گئی بلکہ اس سماع کی نفی کی گئی ہے جو سماع مفید اور نافع ہو سکتا ہے کیونکہ زندہ کفار سے جو مشہہ ہیں جس سماع کی نفی کی گئی ہے، وہ سماع قبول اور نافع ہے سو اسی طرح مردوں سے بھی جو مشہہ بہ کے درجہ میں ہیں نفی مطلقاً سماع کی نہیں بلکہ اس سماع کی نفی ہے جو مفید اور نافع ہے، الخ۔

الجواب: محترم مولانا صاحب نے اس مقام پر کمال ہی کر دیا کہ مشبہ کو مشبہ بہ بنادیا اور مشبہ بہ کو مشبہ بنادیا، کافروں کو جو مشبہ ہیں مشبہ بہ بنادیا اور مردوں کو جو مشبہ بہ ہیں مشبہ بنادیا، جیسے کوئی کہن زید کا لاسد زید شیر کی مانند ہے زید کو شیر کے ساتھ تشبیہ دی گئی شجاعت میں زید انسان ہے مشبہ ہے اور شیر جنگلی جانور مشبہ بہ ہے۔ اب مولانا صاحب کے تقریری انداز میں اگر یوں کوئی تقریر کرے کہ شیر کے لئے مطلقاً شجاعت کو ثابت نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس شجاعت کو ثابت کیا گیا ہے جس کے ساتھ نماز، روزہ اور جہاد فی سبیل اللہ بھی ہو کیونکہ زید کے لئے جو مشبہ ہے جو شجاعت ثابت ہے وہ نماز روزہ جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ مقرون ہے، سو اسی طرح شیر جنگلی کے لئے بھی جو مشبہ بہ کے درجہ میں ہے، وہی شجاعت ثابت ہے، جو نماز، روزہ، جہاد فی سبیل اللہ کے ساتھ مقرون ہے اور مشاہدہ سے ثابت ہے کہ زید شجاع، نمازی، روزہ دار اور مجاہد ہے۔ کیا یہ تقریر صحیح ہے؟ اگر یہ تقریر غلط ہے تو آپ کا ”الکفار کالموتی“ میں یہ بیان غلط ہوگا، اور اگر الکفار کالموتی میں آپ کی تقریر صحیح ہے تو زید کا لاسد میں بھی ہماری تقریر بالادراست ہوگی لیکن اس میں تو کچھ شک نہیں کہ زید کا لاسد کی تقریر بالاصاف غلط ہے پس ثابت ہوا کہ الکفار کالموتی کی تقریر جو محترم مولانا صاحب نے بیان کی ہے بلاشبہ غلط ہے۔ نداء حق: ۹۷/۲۔

اس سوال کا مزید تفصیلی جواب ہم تفسیر احسن الکلام سے نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو فائدہ کامل ہو، اس میں بطور ارجاء العنان والد محترم لکھتا ہے کہ جب اس آیت میں یہ مسئلہ ذکر ہے (بزعم خویش) کہ مردے سنتے ہیں لیکن فائدہ نہیں لے سکتے، تو ان کے ساتھ باتیں کرنا عبث اور لغو کام ہے، اور عبث کام کرنا مسلمان کیلئے جائز نہیں، آپ تصحیح تشبیہ کیلئے لکھتے ہیں کہ یہ وہم ہے کہ یہ تشبیہ صحیح نہیں، تو میں کہتا ہوں کہ یہ صحیح ہے اس لئے کہ وجہ شبہ جنس (نہ سننا ہے) اور یہ دو قسم کے ہیں، ایک مطلقاً نہ سننا اور دوسرا وہ سننا ہے جو کہ بغیر فائدہ ہو (تو یہ بھی نہ سننے کی برابر ہوئی) تو مشبہ بہ (یعنی میت) میں نہ سننا مطلقاً اور جانب مشبہ (یعنی کافر) میں نہ سننا بطریق عدم نفع ہے، جیسا کہ ہم مثال میں کہتے ہیں زید کا لاسد، یہ تشبیہ شجاعت میں ہے اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ دونوں کی شجاعت الگ الگ ہے اور تشبیہ صحیح ہے۔

۲۔ نیز جس طرح کفار کو مردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اسی طرح کفار کو اندھوں کے ساتھ بھی تشبیہ دی گئی ہے اور نصوص قطعہ سے ثابت ہے کہ کفار اس دنیا میں جب کہ وہ بقید حیات ہیں وہ ویسے تو دیکھتے ہیں اور انکی آنکھیں موجود ہیں، مگر تفسیر شیخ الہند اندھے ہیں جو اپنے نفع و نقصان کو نہیں دیکھتے۔ تو یہاں بینا کفار کو جو مشبہ ہیں جس پیمانے کی نفی کی گئی ہے وہ، وہ دیکھتا ہے جس سے نفع و نقصان نظر آئے اسی طرح اندھوں سے بھی جو مشبہ بہ کے درجہ میں ہیں نفی مطلقاً دیکھنے کی نہیں۔ اندھوں کو نظر تو آتا ہے اندھیں اپنے ان آنکھوں سے دیکھتے تو ہیں مگر اندھے اس طرح کانہیں دیکھتے جس سے

انہیں نفع و نقصان نظر آئے، کیا یہ تقریر صحیح ہے؟ اگر موتی کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی وہ تقریر صحیح ہے تو اندھوں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی یہ تقریر بھی لازماً صحیح ہوگی اور اگر وہاں تقریر صحیح اور یہاں تقریر غلط ہے تو وجہ فرق کی بتائی جائے۔

۳۔ اسی طرح کفار کو جس طرح مردوں اور اندھوں سے تشبیہ دی گئی ہے کفار کو گونگوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے تو محترم مولانا صاحب کی تقریر کے مطابق نصوص قطعہ سے ثابت ہے کہ کفار اس دنیا میں جب کہ وہ بہ قید حیات ہیں ویسے تو وہ بولتے ہیں اور ان کی زبان بھی موجود ہے گونگے تو نہیں مگر ہنفسیر شیخ الہند گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے، تو یہاں فصیح بلغ منطوق کفار سے جو مشبہ ہیں جس گویائی کی نفی کی گئی ہے وہ، وہ گویائی ہے جو سچ کے ساتھ متصف ہو اسی طرح گونگوں سے جو مشبہ بہ کے درجے میں ہیں مطلقاً بولنے کی نفی نہیں، گونگے بولتے تو ہیں مگر سچ نہیں بولتے۔ کیا یہ تقریر صحیح ہے؟ اگر موتی کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی وہ تقریر صحیح ہے جو محترم مولانا صاحب نے بیان فرمائی ہے تو گونگوں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی یہ تقریر بھی لازماً صحیح ہوگی اور یہاں غلط ہے تو وجہ فرق کی کیا ہے؟

۴۔ اسی طرح کفار کو جیسے مردوں سے تشبیہ دی گئی ہے کفار کو بہروں کے ساتھ بھی تشبیہ دی گئی ہے تو محترم مولانا صاحب کی تقریر کے مطابق نصوص قطعہ سے ثابت ہے کہ کفار اس دنیا میں جب بقید حیات ہیں ویسے تو وہ سنتے ہیں اور ان کے کان بھی موجود ہیں مگر ہنفسیر شیخ الہند بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے تو یہاں بظاہر ان کفار کے کان بالکل درست ہیں تو کافر سنتے تو ہیں مگر سچی بات نہیں سنتے اسی طرح بہرے جو مشبہ بہ کے درجے میں ہیں ان سے مطلقاً سننے کی نفی نہیں، بہرے سنتے تو ہیں مگر سچی بات نہیں سنتے۔ کیا یہ تقریر صحیح ہے؟ اگر مردوں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی وہ تقریر صحیح ہے جو محترم مولانا صاحب نے بیان فرمائی ہے تو بہروں کے ساتھ کفار کو تشبیہ دینے کی یہ تقریر بھی لازماً صحیح ہوگی اور اگر وہاں صحیح ہو اور یہاں غلط ہو تو ان دونوں تشبیہوں میں فرق کی وجہ مطلوب ہے۔

مزید فرماتے ہیں: کہ اگر اب قواعد پر نظر کی جائے تو گنگوہی کی تقریر قواعد عربیت کے مطابق ہے (جو پہلے بیان ہوئی) اور مصنف سماع موتی کی تقریر قواعد عربیت کے سراسر خلاف ہے لہذا مولانا صاحب گنگوہی، کی تقریر ہی، مسموع مقبول، معتبر اور معتمد علیہ اور راجح سمجھی جائے گی، اس پر کسی دوسرے اعلیٰ سے اعلیٰ عالم کی بات کو ترجیح نہیں دی جاسکتی جب کہ قواعد بھی اس سے آبی ہوں یعنی جب آیت ”انک لاتسمع الموتی“ میں استعارہ مصرحہ ہے اور استعارہ مصرحہ میں وجہ شبہ کا مشبہ بہ میں اتومی ہونا صحت استعارہ کے لئے شرط ہے، جب مشبہ اور مشبہ بہ ہر دو میں یکساں طور پر نفی سماع نافع مراد لئے جائیں تو استعارہ باطل ہو جائے گا اور قرآنی فصاحت و بلاغت اور انجائز میں فرق آجائے گا، اور اصطلاح اہل

عربیت اور اہل علم کے بیان کے خلاف بھی ہوگا۔

اور اگر لگتو ہی کی تقریر دیکھیں تو بات نہایت ہی سہل ہے یعنی لفظ اموات میں عدم سماع مطلق مراد لیا جائے اور کفار میں عدم قبول مراد لیا جائے، تب استعارہ بھی درست ہو جائے گا اور بلاغت قرآنی بھی اپنی جگہ قائم رہے گی اور قواعد عربیت کے خلاف بھی لازم نہ آئے گا۔

اور جو ہم نے کہا ہے کہ یہ استعارہ مصرحہ ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ ان آیات میں کفار کا ذکر موجود نہیں ہے بلکہ صرف موتیٰ کا ذکر ہے مشبہ کا ذکر نہ کرنا اور مشبہ بہ کا ذکر کرنا اور مشبہ بہ سے مشبہ مراد لینے کو اصطلاح علم بیان میں استعارہ کہا جاتا ہے علامہ سید سند شریف جرجانی نے مطول کے حاشیہ میں لکھا ہے و عرف الاستعارہ بان تذکر احد طرفی التشبیہ و ترید بہ ای بالطرف المذكور الآخرای الطرف المتروک مدعیاً، دخول المشبہ فی جنس المشبہ بہ کما تقول فی الحمام اسدوانت ترید بہ الرجل الشجاع ، وقسمہالی المصرحہ والمکنی عنہا وعنی بالمصرح بہا ان یکون الطرف المذكور من طرفی التشبیہ هو المشبہ بہ یعنی استعارہ مصرحہ اس کا نام ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ میں سے مشبہ بہ کا ذکر کیا جائے اور مشبہ کا ذکر چھوڑ دیا جائے گویا مشبہ مشبہ بہ کے افراد میں سے ایک فرد ہے، جیسے کوئی کہے حمام میں شیر ہے، اور شیر سے مراد لیا ہو بہادر آدمی، تو اسی طرح ان آیات میں مشبہ بہا موتیٰ کو ذکر کیا ہے اور اس سے کفار مراد لئے جو مشبہ ہیں تو یہ استعارہ مصرحہ ہوا۔ اور استعارہ مصرحہ میں بقاعدہ علم بیان صحت استعارہ کے لئے شرط ہے کہ مشبہ بہ میں وجہ شبہ کی اقوی ہو ورنہ استعارہ باطل ہوگا۔

چنانچہ علامہ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی نے مطول کی حاشیہ میں لکھا ہے: و کون وجه الشبہ اقوی، شرط فی الاستعارۃ المصرحہ، اور علامہ دسوقی نے مختصر المعانی کے حاشیہ میں لکھا ہے و توضیح ذلک ان الاستعارۃ تعتمد التشبیہ، والتشبیہ الذی بنی علیہ الاستعارۃ یقتضی قوۃ المشبہ بہ عن المشبہ فی وجه الشبہ یعنی وجہ شبہ میں مشبہ بہ مشبہ سے قوی ہوتا ہے اور مختصر المعانی میں علامہ سعد الدین تفتازانی نے جو لکھا ہے: و الجامع یجب ان یکون فی المستعار منه اقوی اس کی شرح میں ابراہیم دسوقی نے لکھا و قوله اقوی ای من نفسه حال کونہ فی المستعار منه وانما وجب ذلک لتکون الاستعارۃ مفیدۃ پس لفظ موتیٰ ایت کریمہ میں مشبہ بہ ہے، اور کفار مشبہ ہے اور وجہ شبہ کی عدم سماع ہے پس موتیٰ میں یہ وجہ شبہ کی اقوی اور اکمل ہونا شرط ہے ورنہ استعارہ باطل ہوگا اور بلاغت قرآنی میں نقص لازم آئے گا۔

یہ تو ہوا طریق استدلال ان چہار آیتوں سے، اور باقی دو آیات قرآنی ایسے ہیں جن سے بطریق اقتضاء النص استدلال کیا جاتا ہے۔ پہلی آیت سورہ بقرہ: ۲۵۹، والی ہے جس میں عزیر علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے۔ تو اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ سو سال کے عرصہ میں عزیر علیہ السلام کو وہ چیزیں محسوس نہیں ہوئیں جو دنیا میں ہوتی رہیں سو سال کے عرصہ میں تقریباً (۳۶۰۰۰) چھتیس ہزار بار سورج طلوع و غروب ہوا اور چاند بھی طلوع اور غروب ہوا ہر موسم سرما و گرما سو (۱۰۰) بار گزرے سینکڑوں بار بارشیں برسی ہوگی سینکڑوں بار بادل گرے، بادلوں سے کڑا کے دار آوازیں آئیں، بھونچال آئے، آندھیاں آئیں، مگر آپ کو ان میں سے کسی ایک چیز کا احساس نہ ہوا، نہ آپ کی قوت شنوائی تھی جو اتنی آوازوں کا احساس فرماتے۔ اس آیت کریمہ سے حسین علیؑ اور شیخ غلام اللہ خانؒ دونوں نے سماع موتی کی نفی کے لئے استدلال کیا ہے دوسری واقعہ اصحاب کھف والوں کا ہے اس میں ہے کہ: **وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا** صحاب کھف اپنے غار میں نواوہر تین سو سال رہے۔

ان دونوں واقعات میں موت مجازی ہے، اور جب مجازی موت میں احساس نہیں کر سکتے تو حقیقی میں بطریق اولیٰ نہیں کریں گے۔ اس سے پہلے کہ ہم مخالفین کے دلائل کا جائزہ لے۔ یہ ثابت کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اور رائے اس میں کیا ہے؟ صاحب تسکین الصدور وغیرہ نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب سماع موتی کے قائل ہیں، تو یہ بات غلط ہے، چنانچہ سید نعمان بن محمود آلوسیؒ نے آیات بینات: ۱۰۶، ۱۰۴، میں لکھا ہے

کہ اب مجھے تعجب ہے ان لوگوں پر جو نعم و فراست سے عاری ہیں اور اپنے آپ کو حنفی کہتے ہیں، عوام میں یہ افواہیں پھیلاتے ہیں کہ مردے کے سننے پر اجماع ہے اور یہی امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متقدمین و متاخرین تمام اصحاب کا مذہب ہے ان کا خیال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ: اذا صح الحديث فهو مذهبي یعنی جب صحیح حدیث ثابت ہو تو وہی میرا مذہب ہے، اور سماع کے سلسلے میں صحیح حدیث موجود ہے، انہیں یہ نہیں معلوم کہ عائشہؓ وغیرہ کی طرح احناف نے بھی دونوں ایاتوں سے استدلال کیا، اور حدیثوں کو اچھی طرح پرکھنے کے بعد یہ تاویل کی ہے، اور شاید ان وہم پرستوں کا یہ بھی خیال ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح باطل یا ناقص ہے، کیونکہ یہ حدیث صحیح ہے ان کو یہ بھی کہنا چاہیے کہ بغیر سورہ فاتحہ کے نماز ناقص ہے، کیونکہ یہ حدیث بھی صحیح ہے، ”لا صلوة الا بفاتحة الكتاب“ وہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ بغیر نیت کے وضو صحیح نہیں، کیونکہ صحیح حدیث میں ہے: انما الاعمال بالنيات، اسی طرح کی بہت سے مسائل ہیں جن میں صحیح حدیثیں موجود ہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ان کے خلاف ہے۔

ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ امام صاحب اور ان کے تبعین کو بہت ساری صحیح حدیثیں معلوم تھیں لیکن انہوں نے یا تو ان کے تاویلیں کیں، یا ان کے خلاف جو آیتیں اور حدیثیں تھیں ان سے استدلال کیا، یا ان کے نزدیک یہ منسوخ یا خاص تھیں، اس لئے ان پر ان اسباب کی وجہ سے عمل نہیں کیا، اس کی تفصیل اصول فقہ، اصول حدیث اور دیگر کتابوں میں موجود ہے، جیسے: امام طحاوی کی کتاب مختلف الاثار، امام محمد کی کتاب الاثار، فتح القدر، اور عقود الجواہر المہنیۃ وغیرہ۔

کسی کے اندر تھوڑا سا بھی علم ہوگا اور تھوڑی بھی سمجھ ہوگی تو علمائے احناف کے ان اقوال کے جان لینے کے بعد کبھی یہ نہیں کہے گا کہ امام ابوحنیفہؒ میت کے سننے کے قائل تھے۔ کیا صرف اسی وجہ سے کہ امام صاحب کا قول ہے:۔
اذا صح الحدیث فهو مذہبی سارے مسائل کو اسی پر چسپان کرے گا، یہ محض ہٹ دھرمی، مشاہدہ کو جھٹلانا اور سورج کی روشنی کا انکار کرنا ہے، یہ گھناؤنے مفاد کی خاطر علوم دینیہ کے اندر خیانت کرنا ہے، تاکہ اس سے مسلمانوں کے ساتھ کھیل کیا جائے۔

بعض کو یہ وہم ہوا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ سے اس کے متعلق کوئی روایت منقول نہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ان سے روایت عدم سماع موتی شاذ ہے، اس کا تفصیلی جواب یہ ہے کہ: امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے عقد الجید: ۴۷، میں محققین فقہاء حنفیہ کا بیان کردہ قاعدہ ذکر فرمایا ہے، کہ مسائل فقہی چار قسم کے ہیں: اول قسم وہ ہیں، جو ظاہر مذہب میں ثابت ہو چکے ہوں (اور ظاہر الروایت و ظاہر مذہب کی کتابیں یہ ہیں، امام محمد کی مبسوط، سیر صغیر، سیر کبیر، جامع صغیر، جامع کبیر، اور زیادات) ان کا حکم یہ ہے کہ فقہاء ان کو ہر حال میں قبول کرتے ہیں خواہ وہ اصول فقہ کی موافق ہوں یا مخالف، اور اسی وجہ سے تم مولف ہدایہ اور دوسرے علماء کو دیکھتے ہو کہ تجنیس کے مسائل میں فرق بیان کرنے کے لئے تکلف کرتے ہیں۔

قسم دوم وہ مسائل ہیں جن میں روایت شاذہ ابوحنیفہ و صاحبین سے ہے۔ ان کا حکم یہ ہے کہ ان کو قبول نہیں کرتے مگر صرف اس صورت میں کہ اصول فقہ کے موافق ہوں۔ اور ہدایہ اور اس جیسی بہت کتابوں میں تصحیح بعض روایات شاذہ کی بہت ہیں دلیل کی وجہ سے۔

اس کے بعد تیسری اور چوتھی قسم بیان فرمائی۔ اب یہ مسئلہ ہم بھی تسلیم کر لیتے ہیں کہ صراحتاً متعین نہیں ہے ظاہر الروایت کی کتب میں، ہاں ان کتب میں بہت سے مؤیدات و شواہد ملتے ہیں جن سے یہ مسئلہ بلاشبہ اور باسانی نکلتا ہے۔ اور گنگوہیؒ کے فرمان کے مطابق امام ابوحنیفہؒ سے اس باب میں کچھ منصوص نہیں اور روایات جو کچھ امام صاحب سے آئی ہیں شاذ ہیں (فتاویٰ رشیدیہ: ۱۰۲، ۱۱)۔

جب ثابت ہو گیا کہ امام ابوحنیفہؒ سے شاذ روایتیں عدم سماع موتیٰ کے بارے میں موجود ہیں تو اب محققین فقہاء نے شاذ روایت کا جو حکم صادر فرمایا ہے وہ منظور ہونا چاہئے، سو شاذ روایت کا حکم گذر چکا ہے کہ شاذ روایت صرف اس وقت مقبول ہوگی جب اصول و قواعد کے موافق ہو، اگر قواعد کے خلاف ہو تو مردود ہوگی، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ عدم سماع موتیٰ کی شاذ روایات جو امام ابوحنیفہؒ سے آئی ہیں اصول و قواعد کے موافق ہیں یا نہیں؟ دور کیوں جائے خود گنگوہیؒ سے پوچھ لیتے ہیں ہم بھی نہیں پوچھتے ان کے خصوصی شاگرد مفتی اعظم دیوبند مولانا عزیز الرحمن نے استفسار فرمایا جس کے جواب میں آپؒ نے فرمایا مسلک عائشہؓ کا مثل طریقہ امام ابوحنیفہؒ کے یہ ہے کہ آیت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنی حقیقی پر عمل کر کے کہ اصل موضوع لہ ہے حدیث میں کہ شرح قرآن ہے تاویل مناسب ہے جب تک قطع معنی حدیث پر حاصل نہ ہو جائے چنانچہ اصول میں مبرہن ہے پس آیت انک لاتسمع الموتی قطعاً اور احادیث سماع ظنی اخبار احاد سے کس طرح تخصیص درست ہو سکتی ہے..... الحاصل ارجح مذہب عدم سماع کا ہے حسب قواعد، پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے، بقول گنگوہیؒ جب یہ ہمیں معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہؒ سے اس مسئلہ میں صراحتاً تخصیص نہیں ہے بلکہ ظاہر الروایت میں کچھ مؤیدات، شواہد اور تخریجات موجود ہیں، مثلاً (۱) فقہاء احناف نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر ایک آدمی نے کسی سے بات نہ کرنے کی قسم کھالی، تو یہ اس کی حیات کے ساتھ مقید ہوگا، کیونکہ مرنے کے بعد مرنے والے کے حواس ختم ہو جاتے ہیں، اسی طرح کسی کو مارنے، قتل کرنے یا کسی کے پاس نہ آنے کی قسم کھانا ہے کیونکہ مارنے کے ساتھ مردہ کو دکھ نہیں ہوتا، ہم صرف حاشیہ ابن عابدینؒ کی عبارت کو نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، ۱۸۰۳ء میں فرماتا ہے: وأما الکلام، فلأن المقصود منه الإفهام، والموت ینافیہ، ولا یرد ما فی الصحیح، من قوله ﷺ لأهل قلب بدر: هل وجدتم ما وعدکم ربکم حقاً؟ فقال عمرؓ أتكلم الميت یا رسول الله؟ فقال علیه الصلاة والسلام: والذی نفسی بیده ما أنتم بأسمع منهم أو من هؤلاء، فقد أجاب عنه المشایخ بأنه غیر ثابت یعنی من جهة المعنی، وذلك لأن عائشةؓ رذته بقوله تعالى ﴿وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُورِ﴾ [فاطر: ۲۲] ﴿إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى﴾ [النمل: ۸۰]، وأنه انما قاله على وجه الموعظة للأحياء، وبأنه مخصوص بأولئك تضعيفاً للحسرة عليهم، وبأنه خصوصية له عليه الصلاة والسلام معجزة، لكن يشكل عليهم ما في 'مسلم': 'إن الميت ليسمع قرع نعالهم إذا انصرفوا' إلا أن يخصصوا ذلك بأول الوضع في القبر مقدمة للسؤال، جمعاً بينه وبين الآيتين، فإنه شبه فيهما الكفار بالموتى لإفادة بعد سماعهم وهو فرع عدم سماع

الموتى. هذا حاصل ما ذكره فى 'الفتح' هنا، وفى 'الجنائز' ومعنى الجواب الأول أنه وإن صح سندہ لکنہ معلول من جهة المعنى بعلّة تقتضى عدم ثبوته عنه عليه الصلاة والسلام، وهى مخالفتہ للقرآن، فافهم، انتهى ابن عابدین.

یعنی کلام سے مقصود بالذات افہام و تفہیم ہوتا ہے اور موت اس کے منافی ہے اور قلب بدروالی حدیث سے اس قاعدہ پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ حدیث معنی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ عائشہؓ نے جب یہ بات سنی تو اس کی اس آیت کے تحت تردید کی، وما انت بمسمع من فى القبور اور انک لاتسمع الموتى۔ انہوں نے یہ بات بطور عبرت پیش کی اور یہ بات ان مردوں کے ساتھ خاص ہے، تاکہ ان کو اپنے اوپر مزید حسرت و ندامت ہو۔ یہ بھی جواب دیا گیا کہ یہ بطور معجزہ آپؐ کی خصوصیت ہے۔ لیکن ان کے سامنے مشکل یہ آتی ہے کہ صحیح مسلم میں ہے: ان الميت لیسع الحدیث، ان کا جواب دیا گیا کہ یہ حدیث قبر کے اندر ابتدائی صورت حال کے ساتھ خاص ہے۔

اس طرح حدیث اور دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق ممکن ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں آیتوں میں کفار کو مردوں سے تشبیہ دے کر یہ بیان کیا ہے کہ وہ سن نہیں سکتے۔ اس سے لازماً یہ ثابت ہوا کہ مردے بھی نہیں سنتے۔ یہ ابن الہمام کے کلام کا خلاصہ ہے جسے انہوں نے اپنی کتاب فتح القدر باب الجنائز میں ذکر کیا ہے۔ پہلے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث کی سند اگر صحیح ہے لیکن معنی اس کے اندر ایک ایسی علت ہے جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں اور وہ علت یہ ہے کہ یہ حدیث قرآن کے خلاف ہے۔ شامی: ۱۸۰۳۔

(فائدہ) کتاب "الایات البینات" کی حاشیہ میں فارسی خط سے یہ نفع لکھی گئی ہے: تعجب خیز بات یہ ہے کہ ائمہ احناف وغیرہ کی ان تحریروں کے باوجود بعض علماء کا خیال یہ ہے اور وہ جاہل عوام میں یہ افواہیں پھیلاتے ہیں کہ ملا علی قاری نے مشاکاة کی شرح میں یہ نقل فرمایا ہے کہ اس قسم کی تمام قسموں کی بنیاد عرف عام ہے اس لئے ہمارے ائمہ نے مردوں کے نہ سننے اور قسم کے نہ ٹوٹنے کا فتویٰ دیا ہے۔ آپ کو بخوبی علم ہے کہ کسی غیر مجتہد مقلد عالم کا قول ائمہ کے واضح اقوال کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا کیونکہ ملا علی قاری ایک مقلد عالم تھے، ہم ائمہ وغیرہ کے صریح اقوال کو ایک مقلد عالم کے قول کی وجہ سے کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟۔

دوسری مسئلہ تلقین کا ہے، فتح القدر باب الجنائز ۱۰۴۲، میں مسئلہ تلقین کے متعلق لکھتا ہے: ولقن الشهادة

لقوله عليه السلام: لقنوا موتاكم شهادة ان لا اله الا الله و المراد الذي قُرِب من الموت اس کی شرح میں لکھتا ہے: مثل لفظ القتل في قوله عليه السلام من قتل قتيلا فله سلبه (متفق عليه) واما التلقين من بعد الموت وهو في القبر، فقبل يفعل، لحقيقة ماروينا، ونُسب الى اهل السنة و الجماعة وخلافه الى المعتزلة، وقيل لا يؤمر به ولا ينهاى عنه. ويقول يافلان ابن فلان اذكر دينك الذي كنت عليه في دار الدنيا، شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله، ولا شك ان اللفظ لا يجوز اخراجه عن حقيقته الابديليل، فيجب تعينه، وما في الكافي "من انه ان كان مات مسلما لم يحتج اليه بعد الموت والالم يفد، يمكن جعله الصارف، يعنى ان المقصود منه التذكير في وقت تعرض الشيطان، وهذا لا يفيد بعد الموت وقد يختار الشق الاول، والاحتياج اليه في حق التذكير لتثبيت الجنان للسؤال، فنفى الفائدة مطلقا ممنوع، نعم الفائدة الاصلية منتفية.

وعندى ان مبنى ارتكاب هذا المجاز هنا عند اكثر مشائخنا رحمهم الله تعالى هو ان الميت لا يسمع عندهم، على ما صرحوا به في كتاب الايمان في باب اليمين بالضرب، لو حلف لا يكلمه فكلمه ميتا، لا يحنث لانها تنعقد على ما بحيث يفهم، والميت ليس كذلك لعدم السماع، واورد قوله عليه السلام في اهل القليب: ما انتم باسمع لما اقول منهم (بخارى). واجابوا تارة بانه مردود من عائشة رضي الله عنها قالت كيف يقول ذلك، والله يقول: وما انت بمسمع من في القبور. وانك لا تسمع الموتى. وتارة بان تلك خصوصية له صلوات الله عليه معجزة وزيادة حسرة على الكافرين. وتارة بانه من ضرب المثل كما قال علي رضي الله عنه.

صاحب ہدایہ نے باب الجنائز میں فرمایا ہے: ولقن الشهادة یعنی مردے کو کلمہ شہادت کی تلقین کی جائیگی، میت سے مراد وہ شخص ہے جو موت کے قریب تر ہو۔

ابن الہمام فتح القدير (حاشیہ ہدایہ) میں اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: یہاں موت کی مثال ایسی ہے جیسے حدیث رسول اللہ صلوات اللہ علیہ من قتل قتيلا فله سلبه (بخاری و مسلم) میں قتل ہے، اب رہا موت کے بعد قبر کے اندر کسی کو کلمہ شہادت کی تلقین کی جاسکتی ہے یا نہیں تو اس حدیث کی رو سے یہ بھی جائز ہے۔ اہل السنۃ و الجماعت کا یہی مسلک ہے معتزلہ اس کے خلاف ہیں بعض لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اس تلقین کا نہ کسی کو حکم دیا گیا ہے نہ کسی کو اس سے

روکا گیا ہے، (کیفیت تلقین) اس مردہ کا نام لے کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اے فلان بن فلان دنیا کے اندر کلمہ شہادت پر جس طرح کاربند تھے اسے ذہن میں رکھو۔ اور جب تک کوئی ایسی دلیل موجود نہ ہو جو کسی لفظ کے حقیقی معنی مراد لینے سے مانع ہو، اس وقت تک حقیقی معنی مراد لینے سے گریز نہیں کیا جاسکتا، اور جب ایسی دلیل موجود نہ ہو تو لفظ کا حقیقی معنی متعین ہوگا۔

کتاب الکافی کے اندر مذکور ہے کہ کوئی شخص اسلام کے حالات میں فوت ہوا ہو تو موت کے بعد تلقین کی ضرورت نہیں، ورنہ موت کے بعد اس تلقین کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اس کلام سے یہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ لفظ سے اس کا حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ شیطان کے وسوسہ کے وقت مردے کو کلمہ شہادت کی تلقین کی جائے اور موت کے بعد شیطان کے وسوسہ کا خوف نہیں، اس لئے موت کے بعد اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ لہذا یقین دہانی کے طور پر اس تلقین کی ضرورت محسوس کی جاسکتی ہے تاکہ سوال کے وقت مردہ ثابت قدم رہے، اور فائدہ کا مطلقاً انکار کرنا صحیح نہیں، یہ اور بات ہے کہ اصلی فائدہ مفقود ہے۔ میرے نزدیک اس مجازی معنی کو مراد لینے کی بنیاد یہ ہے کہ ہمارے اکثر علماء کے نزدیک مردہ سنتا نہیں، جیسا کہ کتاب الایمان باب الیمین والضرب میں اس کی وضاحت موجود ہے مثلاً کوئی یہ قسم کھالے کہ فلاں سے ہم کلام نہیں ہوگا، اس کے مرجانے کے بعد اس سے ہم کلام ہوا تو وہ حائث نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ قسم اس کے سمجھنے پر موقوف ہے اور مرنے کے بعد وہ سن نہیں سکتا اس لئے وہ سمجھ بھی نہیں سکتا۔

اعتراض: قلب بدر کے مردوں کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے، اس کے

کئی جواب ہیں:

(۱) عائشہؓ نے اس کی تردید کی ہے، وہ کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وما انت بمسمع من فی القبور۔ تم ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو قبروں میں مدفون ہیں، انک لا تسمع الموتی۔ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔

جواب (۲) یہ رسول کریم ﷺ کی خصوصیت اور معجزہ ہے، آپ نے یہ کفار پر حسرت و افسوس کے لئے کہا تھا،

جواب (۳) یہ ضرب المثل ہے جیسا کہ علیؓ سے مروی ہے، الخ۔

سید امیر علیؓ ملیح آبادی نے اپنی کتاب عین الہدیہ ترجمہ ہدایہ کتاب الجنائز: ۸۸۱/۱، میں لکھا ہے: با اتفاق ائمہ و مشائخ حنفیہ کے نزدیک مردے بہ دلیل نص قرآنی نہیں سنتے ہیں۔ اور عموم نص کی تخصیص کے واسطے قطعی دلیل چاہئے اور جو حدیث ذکر کی ہے اگر وہ صحیح ہوتی، تو اس (نص قرآنی) کے برابر نہ ہوتی۔ حالانکہ اس کی صحت اسناد میں ہنوز کلام باقی

ہے۔ پس قبر کی تلقین خلاف مذہب ہے۔ (اس مسئلہ کی تحقیق حدیث تلقین میں آئے گی)۔ ۸۸۲۔

تیسری مسئلہ: سلام کے وقت میت کا نیت کرنا: حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح باب صلاة الجنائز: ۳۴۱، میں لکھا ہے: (وینوی بالتسلیمتین المیت مع القوم) وجزم فی الظہیریة بانہ لاینوی المیت ومثله لقاضی خان وفی الجوہرۃ قال فی البحر وهو الظاہر لان المیت لایخاطب بالسلام لانہ لیس اهلًا للخطاب قال بعض الفضلاء وفیہ نظر لانہ ورد انہ علیہ السلام کان یسلم علی اهل القبور، انتہی، علی ان المقصود منہ الدعاء لا الخطاب، وكذلك فی حاشیة ابن عابدین علی الدر المختار: ۸۱۷/۱، وقال فی البحر: ۱۹۷/۲، مانصہ وفی الظہیریة ولاینوی الامام المیت فی تسلیمتی الجنازة بل ینوی من علی یمینہ فی التسلیمة الاولى ومن علی یسارہ فی التسلیمة الثانية، انتہی وهو الظاہر لان المیت لایخاطب بالسلام علیہ حتی ینوی بہ اذ لیس اهلًا لانتہی مافی البحر، بحر وفہ.

یعنی امام جب نماز جنازہ پڑھائے تو دونوں سلاموں سے میت اور ارد گرد کے لوگوں کو مراد لے، اور ظہیریہ کے اندر ہے کہ سلام کے وقت میت کی نیت نہ کرے، اور اسی کی مثل فتاویٰ قاضی خان میں ہے ”جوہرہ میں مذکور ہے“ کہ البحر الرائق کے اندر اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ میت کو سلام نہ کیا جائے گا، کیونکہ مردہ ہونے کی حیثیت سے وہ اس کا اہل نہیں، بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ بات درست نہیں کیونکہ صحیح طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ اہل قبور کو سلام کیا کرتے تھے، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد دعاء ہے مردہ کو مخاطب کرنا نہیں۔ یہی بات الدر المختار کے حاشیہ ابن عابدین میں بھی ہے، اور البحر الرائق کے اندر مذکور ہے کہ ظہیریہ میں اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ امام نماز جنازہ کے سلام میں میت کو مراد نہ لے، بلکہ ایک سلام سے دائیں جانب کے لوگوں کو اور دوسرے سلام سے بائیں جانب کے لوگوں کو مراد لے، اس لئے کہ میت کو سلام کے ساتھ خطاب نہیں کیا جاسکتا، تو سلام کے وقت اس کو کیسے مراد لیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر اس کی اہلیت ہی نہیں ہے۔ لہذا ان اقوال سے یہ بات معلوم ہوئی کہ معروف و مشہور فقہاء کے نزدیک بھی میت کو سلام سے مراد لیا جاسکتا ہے، اور نہ اس کو مخاطب ہی کیا جاسکتا ہے بلکہ سلام سے مقصود دعاء ہے یہ اقوال بھی ہمارے مدعی کے مطابق ہیں۔ (از آیات بینات)۔

چوتھی بات: یہ ہے کہ احادیث میں جو مستثنیات خاصہ ذکر ہیں، اکثر فقہاء کرام ان کو ظاہر پر محمول نہیں کرتے بلکہ

تاویل کرتے ہیں جن کا ذکر مخالفین کے مستدلات میں آئے گا۔

اب ہم ان لوگوں کے مستدلات پر نظر ڈالتے ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ میت سنتا ہے، دراصل اس مسئلہ میں تین اقوال مشہور ہیں:

۱: منکرین سماع موتی (مذکور الصدر) دوسرے وہ لوگ جن کا عقیدہ یہ ہے کہ سنتے تو نہیں لیکن جہاں نصوص وارد ہیں اُدھر سنتے ہیں جیسا کہ فتح الملہم: ۲۷۹/۲، میں لکھتا ہے: ان الضابطة انما هو عدم السماع لكن المستثنيات في هذا الباب كثيرة یعنی بیشک ضابطہ تو یہی ہے کہ مردے سنتے نہیں لیکن مستثنیات اس باب میں بہت ہیں۔ اور علامہ الوئی تفسیر روح المعانی: ۵۷۲/۲، میں لکھتا ہے: والحق ان الموتى يسمعون في الجملة، فيقتصر على القول بسماع ما ورد السمع بسماعه۔ یعنی صحیح بات یہ ہے کہ مردے سنتے نہیں اور جس کے بارے میں سماع ثابت ہے صرف اسی پر اکتفا کیا جائے گا۔

تیسرا قول: کہ تمام مردے خصوصاً انبیاء، اولیاء اور صلحاء دنیا والوں کے تمام باتوں کو دوروزدیک سے سنتے ہیں اور اسی طرح ہمارے کاموں سے باخبر ہیں۔ یہ مسلک تو ظاہر باطل ہے اور عقیدہ شرک ہے، جیسا کہ عام اور مشہور کتاب تعلیم الاسلام: ۲۱/۳، میں فقیہ الامت مفتی کفایت اللہ فرماتے ہیں: **شَرَكٌ فِي السَّمْعِ وَ الْبَصَرِ لِلَّهِ تَعَالَى كِي صَفَتِ سَمْعٍ يَابْصَرٍ فِي كِسِي دُوسرے کو شریک کرنا، مثلاً یہ اعتقاد رکھنا کہ فلاں پیغمبر یا ولی ہماری تمام باتوں کو دوروزدیک سے سن لیتے ہیں۔ یا ہمیں اور ہمارے کاموں کو ہر جگہ سے دیکھ لیتے ہیں۔ سب شرک ہے۔**

جبکہ سورہ احقاف: ۵-۶، میں اس مسئلے کی وضاحت کی گئی ہے: **مفسر روح المعانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں ”غافلون“ لا يسمعون ولا يدرون امان كان المدعو جماد اظہار، و امان كان من ذوى العقول فان كان من المقبولين المقربين عند الله تعالى فلا اشتغاله عن ذلك بما هو فيه من الخير، او كونه في محل ليس من شأن الذى فيه ان يسمع دعاء الداعى للبعد كعيسى عليه الصلاة والسلام اليوم، اولاً ان الله تعالى يصون سمعه عن سماع ذلك لانه لكونه مما لا يرضى الله تعالى يؤلمه لو سمعه، وان كان من اعداء الله تعالى كشياطين الجن والانس الذين عبدوا من دون الله تعالى فان كان ميتاً فلا اشتغاله بما هو فيه من الشر، وقيل لأن الميت ليس من شأنه السماع ولا يتحقق منه سماع الامعجزة كسماع أهل القليب (روح المعانی: ۷۲/۷)، وفي هذا كلام تقدم بعضه. (روح المعانی: ۱۸۳/۲۲).**

اور اسی طرح سورہ فاطر، ۱۳، ۱۴، ۱۵ میں بھی ہے: حاصل یہ کہ یہ مذہب بالکل باطل ہے اس کے باوجود بعض متعصب امام سیوطیؒ کو یہ قول منسوب کرتا ہے:

سماع موتی کلام الخلق قاطبة قدصح فيهنالنا الاثار بالكتب

یعنی مردوں کا ساری مخلوق کے کلام کو سننا بلاشبہ صحیح ہے اس سلسلہ میں کئی کتابوں کی حدیثیں اور آثار ہمارے ہاں صحیح ثابت ہو چکے ہیں۔

اب ہم دوسرے قول والوں کے مستدلات بمعہ جوابات نقل کرتے ہیں:

عبد اللہ: الحدیث قلب بدر جو کہ پہلے تفصیل کے ساتھ بیان ہو چکا، لیکن یہ دلیل اکثر علماء معجزہ رسول پر حمل کرتے ہیں، ابن عطیہ نے تفسیر ”محرر الوجیز“ میں اور تفسیر قرطبی: ۲۳۲/۱۳، میں لکھا ہے: فیشبه ان قصة بدر خرق عادة لمحمد ﷺ فی ان رد الله اليهم ادراكا سمعوا به مقالته، ولو لا اخبار رسول الله ﷺ بسماعهم لحملنا ندائه اياهم على معنى التوبيخ لمن بقى من الكفرة، وعلى معنى شفاء صدور المؤمنين. قلت (ای الالبانی) فی مقدمة الكتاب الايات البينات: (۴۸) ولذلك اورده الخطيب التبريزي في باب المعجزات من المشكاة: رقم: ۵۹۸۳۔ ابن عطیہ اور تفسیر قرطبی نے اس کی تفسیر میں فرمایا: بدر کا یہ قصہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ تھا، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں قوت سماعت دوبارہ دے دی تھی تاکہ وہ آپ کا کلام سنیں، رسول اللہ ﷺ اگر اس حدیث میں ان کے سننے کی خبر نہ دیتے تو ہم اسے اس بات پر محمول کرتے کہ رسول اللہ ﷺ نے کافروں کی سرزنش اور مومنوں کی تسلی کے لئے ان سے کلام کیا تھا۔ شیخ البانی کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ خطیب تبریزی نے اس حدیث کو باب المعجزات میں ذکر کیا ہے، اور اس کے متعلق صاحب فتح القدر کا جواب پہلے گذر گیا، اختصاراً دوبارہ نقل کرتے ہیں: فتح القدر شرح ہدایہ باب الجنائز میں ہے: وعندی ان مبنی ارتکاب هذا المجاز هنا عنداكثر مشائخنا هو ان الميت لا يسمع عندهم، على ما صرحوا به في كتاب الايمان في باب اليمين بالضرب..... وورد عليه قوله عليه السلام في اهل القليب ما انتم بما سمع لما اقول منهم، واجابوا بان تلك خصوصية له ﷺ معجزة. یعنی جمہور فقہاء حنفیہ کے نزدیک مردے نہیں سنتے، پھر اس مذہب پر اعتراض ہوا کہ نبی ﷺ نے بدر کے مردوں سے کلام کیا، تو جواب یہ ہے کہ یہ کلام کرنا نبی کریم ﷺ کا معجزہ اور رسول پاک ﷺ کی خصوصیت تھی۔ یہی قول صاحب کفایہ، عنایہ، چلبی، ابن عابدین شامی وغیرہ نے لکھا ہے۔

ایک روایت اور اس کا اثر

یہ روایت جب عائشہؓ کو پہنچی تو انہوں نے بھی تاویل فرمائی ”عن عائشة قالت امر رسول الله بالقتلى ان يطرحوا فى القليب، فطرحوا فيه، الا ما كان من امية بن خلف، فانه انتفخ فى درعه فملاها، فذهبوا اليه كوه، فتزاييل، فاقروه، والقوا عليه ماغيه من التراب والحجارة، فلما القاهم فى القليب وقف عليهم رسول الله ﷺ فقال: يا اهل القليب هل وجدتم ما وعدكم ربكم حقا؟ فانى قد وجدت ما وعدنى ربي حقا، قال فقال له اصحابه: يا رسول الله اتكلم قوم موتى؟ فقال لهم لقد علموا ان ما وعدتهم حقا، قالت عائشة و الناس يقولون لقد سمعوا ما قلت لهم، وانما قال رسول الله ﷺ لقد علموا۔ (مسند احمد: ۲۶۳۶۱)۔

حاصل جواب عائشہؓ یہ ہے کہ راوی کو الفاظ نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے، اور آپؐ نے قرآنی اصول کی رو میں تصحیح فرمائی اور عقل اور قیاس کے بناء پر اس حدیث کی تردید نہیں فرمائی۔

سید سلیمان ندویؒ نے سیرة عائشہؓ: ۲۲۹، میں لکھا ہے: عائشہؓ اس سماع کی منکر ہیں، ان کا انکار صرف قیاس اور عقل پر مبنی نہیں بلکہ وہ اپنے اس دعویٰ پر آیات ذیل سے ثبوت پیش کرتی ہیں: ۱: انك لاتسمع الموتى [نمل] یعنی اے پیغمبر تو مردوں کو اپنی بات نہیں سنا سکتا۔ ۲: وما انت بمسمع من فى القبور (فاطر) اور نہ تو ان کو سنا سکتا ہے جو قبروں میں ہیں۔

(آمد برسر مطلب) یعنی بعض کو یہ وہم ہوا ہے کہ عائشہؓ نے اپنی قول سے رجوع کیا ہے، اور یہ وہم ابن حجر وغیرہ کے قول کی وجہ سے واقع ہوئی، اس نے فرمایا: کہ جو روایت عمرؓ اور ابن عمرؓ سے مروی ہے بعینہا وہی روایت عائشہؓ سے بھی مروی ہے یعنی ما انتم باسمع لما قول منہم .

تکمیل فائدہ کے لئے الفاظ ابن حجر لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں: (ومن الغريب ان فى المغازى لابن اسحاق رواية يونس بن بكير باسناد جيد عن عائشة مثل حديث ابى طلحة وفيه : ما انتم باسمع لما اقول منہم، واخرجه احمد باسناد حسن، فان كان محفوظا فكأنهار جعت عن الانكار لما ثبت عندها من رواية هؤلاء الصحابة لكونها لم تشهد القصة: ۷/ ۳۵۴، فتح الباری) .

یعنی محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی سے یونس بن بکیر کی روایت باسناد جدید کہہ کر ذکر کی ہے، کہ جو روایت قلیب

بدرِ ابی عمرؓ اور ابی عمرؓ سے مروی ہے وہی روایت بعینہا عائشہؓ سے بھی مروی ہے، ای ما انتم باسمع لما قول منہم۔ اور امام احمد نے بھی یہی روایت باسناد حسن بیان فرمائی ہے، اگر یہ روایت محفوظ ہے۔

بعینہ اس الفاظ کو قطلاًئی نے المواہب اللدنیہ میں نقل کیا ہے: ۳۰۸/۲، مع الشرح۔ علامہ زرقائی شرح مواہب میں اس لفظ کی تشریح میں لکھتا ہے: (لکونہا لم تشهد القصة) کہ ابن عمرؓ اور ابن سیدان بھی واقعہ بدر میں حاضر نہ تھے۔ ۳۰۸/۲۔

مگر ابن حجرؒ اور زرقائیؒ وغیرہ کا یہ قول کئی وجوہ سے باطل ہے: پہلی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ابن حجرؒ وغیرہ نے اس اسناد کو جدید کہا ہے مگر امر واقع یہ ہے کہ حسب اقرار ابن حجرؒ یہ روایت یونس بن کبیر سے ہے جس کے متعلق آجری، ابوداؤد سے نقل کرتے ہیں کہ یونس بن کبیر حجت نہیں، کہ اس کی عادت تھی، کہ کئی حدیثیں ابن اسحاق سے اخذ کر کے جوڑ لیتا تھا، نسائی نے اس کے متعلق کہا کہ قوی نہیں اور ایک دفعہ کہا کہ یہ ضعیف ہے، ابن حجر نے تہذیب العہدیب: ۱۱/۴۳۵، ۴۳۶، میں اس کے متعلق بحث کیا ہے۔

جبکہ مولانا صفدر نے اس کے استاد کو خود کذاب کہا ہے، احسن الکلام میں: سولہ صفحوں میں اس پر جرح لکھی پھر ایسے راوی جس روایت میں ہوں تو کس بناء پر اس کے بارے باسناد جدید کہا جا سکتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ خود ابن حجر کو اس حدیث کے محفوظ ہونے میں تردد ہے، کیونکہ کلمہ شک (ان) سے بیان فرماتے ہیں، کہ اگر یہ حدیث محفوظ ہے، تب تو اس بات کی دلیل بن سکتی ہے کہ ام المومنین اپنے موقف عدم سماع موتی سے رجوع فرما چکی ہیں، اور اگر یہ حدیث محفوظ نہ ہو تو پھر یہ حدیث اس باب کی دلیل نہیں بن سکتی، پھر ابن حجر نے (کان) کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور یہ لفظ بھی مقام شک میں استعمال کیا جاتا ہے حاشیہ غلام یحییٰ بر رسالہ قطبیہ: ۸/۱، میں ہے کہ کثیر علماء نے تصریح فرمائی ہے جیسا کہ حاشیہ خیالی پر فاضل لاہوری عبدالحکیم نے اور شرح مطالع کے حاشیہ میں میر سید سند نے صاف فرمایا کہ (کان) کا لفظ بغیر قصد تشبیہ کے، ظن اور شک کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فاضل تفتازانی نے مطول: ۳/۳۰۳، میں بحث اداۃ تشبیہ میں فرمایا ہے کہ زجاج نحوی نے کہا کہ (کان) کی خبر جامد ہو تو (کان) تشبیہ کے لئے ہوگا جیسے کان زیداً اسدً گویا کہ زید شیر ہے اور اگر کان کی خبر مشتق ہو تو (کان) شک کے لئے یعنی عدم یقین کے معنی میں ہوتا ہے جیسے کانگ قائم یعنی شاید تم قائم ہے کیونکہ خبر مشتق ہے معنی میں اور کسی چیز کو اپنی ذات کے ساتھ تشبیہ نہیں دی جاتی اس لئے تشبیہ والا معنی اس مقام پر مناسب نہیں ہے بلکہ شک اور عدم یقین والا معنی ہی مناسب اور موزوں ہے، اگے چل کر لکھتے ہیں کہ حق بات یہ ہے کہ (کان) کی خبر خواہ

جامد ہو خواہ مشتق ہو بغیر قصد تشبیہ کے اس مقصد کے لئے استعمال ہوتا رہتا ہے کہ اس کی خبر کا ثبوت ظنی ہے یقینی نہیں ہے اور مؤلداً کے کلام میں (کان) کا استعمال معنی ظن یعنی عدم یقین میں بہت ہے۔

تیسری بات: یہ ہے کہ حافظ صاحب نے شروع ہی میں فرمادیا 'ومن الغریب' جس کے معنی محترم مولانا صاحب نے یوں کئے ہیں "یہ بڑی نرالی بات ہے"۔

چوتھی بات: یہ روایت مذکور الفاظ سیرت اور احادیث کے کتب میں کہیں نہیں ملتا، روایت عائشہؓ جو کہ پہلے گذر گئی مسند احمد (م) ۲۳۰/۲۲ (ق) ۱۷۰/۶، میں الفاظ، ما انتم بافہم لقولی منہم، ہیں۔ ابن حبان رقم: ۷۰۸۸۔ اور مستدرک میں بروایت ابن کبیر یہ الفاظ ہیں: (لقد علموا) اور یہی لفظ سیرت ابن ہشام: ۲۵۰/۲، میں موجود ہے۔ اور اسد الغابہ میں اس حدیث کو مختصر نقل کر کے کوئی لفظ بھی اس کے متعلق نقل نہیں کی، جبکہ مستدرک میں بسند یونس بن کبیر یہ الفاظ ہیں (لقد علموا انما وعدکم ربکم حق) (م) ۲۴۰/۲۔

اور سہیلیؒ نے بھی اسی طرح کے الفاظ نقل کی ہیں، ابن مندہ نے: ۲۹۶/۲، میں بھی یہی الفاظ نقل کی ہیں۔ مذکورہ تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ ابن حجر وغیرہ نے رجوع عائشہؓ کے متعلق جو کچھ نقل کیا ہے اس کا سرے سے کوئی بنیاد ہی نہیں، بعض رجوع عائشہؓ کے لئے اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو کہ ابن ابی ملیکہ نے نقل کیا ہے: قال لما توفي عبد الرحمن بن ابي بكر بالحشبي وهو موضع (قريب من مكة) فحمل الي مكة فدفن فيها، فلما قدمت عائشة، اتت قبر عبد الرحمن بن ابي بكر، فقالت:

وكنّا كدما نى جذيمة حقبّة
من الدهر حتى قيل لن يتصدعا

فلما تفرقنا كآنى ومالكا
لطول اجتماع لم نبت ليلة معا

ثم قالت: الله لو حضرتهك مادفنت الاحيى متّ ولو شهدتهك مازرتك. (ترمذى رقم: ۱۰۵۵)

یعنی جس وقت عبد الرحمان بن ابی بکرفوت ہوئے حبشی مقام میں، ان کو مکہ لایا گیا، اور وہاں دفن کیا گیا، جس وقت عائشہؓ مکہ میں آئیں حج کے لئے تو عبد الرحمن بن ابی بکر کی قبر پر آئیں اور کہا: ہم جذیمہ کے دو ہمنشینوں کی طرح تھے زمانہ کی مدت دراز تک یہاں تک کہ کہا گیا ہرگز جد نہ اہونگے پس جب ہم جدا ہو گئے، گویا میں اور مالک باوجود مدت دراز تک اکٹھا رہنے کے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک رات اکٹھے نہیں گذاری، پھر کہنے لگیں، اگر میں وہاں موجود ہوتی تو تو وہی دفن ہوتا جہاں فوت ہوا تھا، اور اگر میں حاضر ہوتی تیری وفات کی وقت تو تیری زیارت کے لئے نہ

آتی۔ طریقہ استدلال، کہ عائشہؓ اپنے بھائی سے گفتگو فرما رہی ہیں، میت کا سننا اس سے ثابت ہوا، اور معلوم ہوا کہ عائشہؓ سماع موتی کا قائل ہو گئی تھیں۔

لیکن یہ استدلال کئی وجوہ سے صحیح نہیں، اس لئے کہ یہ روایت مرسل ہے، اور جرجرج مدلس ہے سند کو عن سے نقل کیا ہے۔ ترمذی میں یہ حدیث اس سند کے ساتھ ذکر ہے: حدثنا حسین بن حریث قال حدثنا یونس عن ابن جریج عن عبد اللہ بن ابی ملیکہ قال لمانوفی، الحدیث۔ اور ایسی روایت ضعیف ہوتی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس میں سماع کے متعلق صراحتاً کوئی بات نہیں، صرف خطاب سے رجوع سمجھ لینا اور اس کو سماع کی دلیل بنانا غلط ہے، اور خطاب سے استدلال کرنا بعد میں تفصیل سے آئے گا۔

صاحب کتاب ”سماع موتی“ (صفر) رجوع عائشہؓ کے لئے اس روایت سے استدلال کرتا ہے، جو کہ فردوس الاخبار: ۳۱۴/۳، میں عائشہؓ سے منقول ہے بدون سند، کہ: ما من رجل يزور قبر حميمه فيسلم عليه، ويقعد عنده، الا رد عليه السلام وانس به حتى يقوم من عنده۔ اس روایت کو ابن رجب کتاب الاحوال: ۸۳، میں اس طریقے سے نقل کرتے ہیں کہ: ورواه عبد الله عن ابن سمعان (وهو متروك) عن زيد بن اسلم عن عائشة عن النبي ﷺ..... خرجهما ابن ابی الدنيافى كتاب القبور: (۲۰۱)، لیکن یہ ملحق میں ذکر ہے اصل کتاب میں نہیں بحوالہ کتاب الروح: ۱۶، ۱۰، اس سند کے ساتھ کہ: قال: ابن ابی الدنيافى كتاب القبور: باب معرفة الموتى بزيارة الاحياء، حدثنا محمد بن عون، حدثنا يحيى بن يمان عن عبد الله بن سمعان عن زيد بن اسلم، الحدیث)۔ بعض نے اس روایت کو مرفوع بیان کیا حالانکہ یہ متوقف ہے، اور اس روایت کی سند میں زید بن اسلم ہے جو کہ ضعیف ہے، تفصیل کے لئے الصارم المنکی: ۱۹۹، اور میزان الاعتدال: ۵۶۲/۳، ملاحظہ کیجئے۔

بعض قائلین مسند احمد وغیرہ کی اس روایت سے رجوع کے لئے استدلال کرتے ہیں جو کہ عائشہؓ سے منقول ہے: قالت كنت ادخل بيتي الذي فيه رسول الله ﷺ واني واضع ثوبي، واقول انما هو زوجي وابي، فلما دفن عمر معهم، فوالله ما دخلته الا وانامشدة على ثيابي حياء من عمر، مسند احمد: (م) ۴۲/۴۲۰ (ق) ۲/۲۰۲ ومستدرک: ۶۱/۳، ۷۱/۴، وابن سعد: ۳۶۲/۳۔ یعنی میں اس گھر میں داخل ہوتی تھی، جس میں رسول اللہ ﷺ مدفون تھے، اس حال میں کہ اپنا کپڑا اتار کر رکھتی تھی، اور کہتی سوائے اس کے، نہیں میرا خاوند اور باپ ہے، جب ان کے ساتھ عمر دفن کئے گئے، اللہ کی قسم میں نہیں داخل ہوتی مگر جس وقت کہ اپنے کپڑے باندھے ہوتے عمر سے

حیا کرتے ہوئے۔

لیکن اس روایت سے استدلال رجوع اور سماع الموتی کے لئے عائشہؓ کے مذہب اور مرضی کے خلاف ہے، اور یہ توجیہ القائل بمالایرضی بہ قائلہ ہے، اور اگر اس حدیث کو ظاہر پر محمول کیا جائے، تو اس سے یہ لازم ہوتا ہے کہ میت زائر کی عورت کو بھی دیکھ سکتا ہے، کیونکہ جب اتنی مٹی سے اس کا نظر نفوذ کر کے ایک چادر سے کس طرح رُک سکتی ہے؟ اور یہ عقلاً و نقلاً باطل ہے، عقلاً تو ظاہر ہے کیونکہ جو شخص منوں مٹی میں سے دیکھ سکتا ہے، وہ چادر میت کی نظر کو دیکھ لینے سے کس طرح روک سکتا ہے؟ اس لئے اس روایت کا مطلب لازماً یہی ہوگا، کہ آپؐ کا پردہ کرنا کمال حیا کی وجہ سے تھی، جو کہ ایک نفسیاتی امر ہے، جیسے زندگی میں پردہ کرتی تھیں ایسے ہی مرنے کے بعد بھی اس سے پردہ کیا، اور کئی شرعی احکام ایسے ہیں جو آداب زیارت کے ساتھ متعلق ہیں۔ زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی، جیسے زندگی میں اس ہستی کا احترام کیا جاتا تھا اس ہستی کی وفات کے بعد بھی ویسے ہی احترام کرنا واجب ہے۔ (مرقات: ۴/۱۱، واشحة الممعات: ۱۷۷/۷) اور حدیث میں ہے کہ: اس کے قبر پر مت بیٹھو اور اس کے قبر کے پاس بول برا مت کرو۔

اور نقلاً بھی ظاہر ہے اس لئے کہ اگر میت اپنے زائر کو دیکھ لیتا تو پھر زیارت قبر کا اجازت نہ دیا جاتا، اور جس حدیث میں آیا ہے کہ: ما من احدیمر بقبر اخیه المسلم کان يعرفه فی الدنیا فیسلم علیہ، الاراد اللہ علیہ روحہ حتی یرد علیہ السلام۔ یعنی ابن عباسؓ سے مرفوعاً ایک روایت منقول ہے کہ جو شخص اپنے کسی بھائی کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جسے یہ دنیا میں پہچانتا تھا اور سلام کرتا، مگر اللہ تعالیٰ اس کی روح لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ جواب دے۔ یہ حدیث ابن کثیر نے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے بحوالہ ابن عبد البرؒ۔ یہ روایت ابن عبد البرؒ نے الاستذکار: ۱۶۵/۲، میں نقل کیا ہے بروایت ابو عبداللہ عیسیٰ بن محمد قال امّلت علینا فاطمة بنت الیربان المستملی الخ۔ و کتاب العاقبة للامام عبد الحق اشیلی: ۲۱۱۔

اس سند میں یہ دونوں راوی مجہول ہیں، علل تناہیہ کے حاشیہ: ۲/۴۳۰، میں یہ روایت نقل کیا ہے پھر فرمایا ہے کہ: وسکت عنه ابن عبد البر، و عبد الحق، و من قال انهما صححا اسنادہ، فلیس بصحیح، نعم صحح اسنادہ العراقی و المتقی و غیرہما، ولكن فیہ نظر، فان شیخ ابن عبد البر لم اجد من وثقه، ذکرہ الحمیدی فی جذوة المقتبس: ۲۷۷، فقال کان رجلاً صالحاً یضرب بہ المثل فی الزهد الخ، و حال احادیث الزہاد معروف، لا سیما فی مثل هذه المسائل، و اما شیختہ فاطمة فلا تعرف ولا ذکر لها فی

کتب الرجال، واما عید بن عمیر فالظاهر انه مولی ابن عباسؓ، وهو مجهول كما فى التقريب: ۳۴۷، و الميزان: ۳/۲۱، فالحدیث لا یصلح للاحتجاج به والله اعلم۔

اس روایت کو ابن رجب نے کتاب "احوال القبور: ۸۲، میں نقل کیا ہے، پھر فرمایا ہے: وقال عبد الحق الاشيبلى: اسنادہ صحیح، یشیر الی ان رواته کلهم ثقات، وهو كذلك الا انه غریب بل منکر۔ میں کہتا ہوں کہ عبد الحق نے ۲۱۲، میں نقل کیا ہے لیکن اس کو صحیح نہیں کہا۔

جبکہ عید بن عمیر جو کہ یہ روایت ابن عباسؓ سے نقل کرتا ہے معلوم نہیں کہ یہ لیشی ہے یا دوسرا، اگر لیشی نہیں تو پھر بھی مجہول ہے۔ نعمان بن محمود الاوتیٰ نے کتاب الايات البينات: ۹۸، میں اس کو ضعیف قرار دیا ہے، اور علامہ البانی نے سلسلہ ضعیفہ: ۴۳۹۳، میں اس پر تفصیل سے رد کیا ہے۔

اور جو روایت ابو سعید خدریؓ سے منقول ہے کہ: عن ابى سعيد الخدرى ان النبى ﷺ قال: ان الميت ليعرف من يحمله ومن يغسله ومن يدليه فى قبره، فقال ابن عمر وهو فى المجلس ممن سمعت هذا؟ قال من ابى سعيد، فانطلق ابن عمر الى ابى سعيد فقال يا ابا سعيد ممن سمعت هذا؟ قال من النبى ﷺ. رواه احمد والطبرانى فى الاوسط وفيه رجل لم اجد من ترجمه (قاله الهيثمى: ۳/۱۱۵)۔

یہ روایت مسند احمد نے: ۲۹/۱۷ (م) اور ج: ۱۸ رقم: ۱۱۶۰۰، میں اس سند سے نقل کی ہے: حدثنا ابو عامر، حدثنا عبد الملك بن حسين الحارثى، حدثنا سعيد بن عمرو بن سليم قال: سمعت رجلا من اهل انا قال عبد الملك: نسيت اسمه، ولكن اسمه معاوية او ابن معاوية يحدث۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو راوی ابو سعید خدریؓ سے نقل کرتا ہے، وہ مجہول ہے، اور خطیب نے تاریخ بغداد: ۲۱۲/۱۲، میں اسی سند کے ساتھ نقل کی ہے، جبکہ ابو نعیم نے اخبار اصحابان: ۲۰۸/۱، وطبرانی فی الاوسط: ۸/۲۱۱، میں عطیہ عوفی عن ابی سعید سے نقل کی ہے لیکن عطیہ ضعیف ہے۔

ایک روایت ابو ہریرہؓ سے اس طرح منقول ہے کہ: ان النبى ﷺ وقف على ابن عمير حين رجع من احد فوقف عليه وعلى اصحابه، فقال اشهدكم انكم احياء عند الله، فزوروهم وسلموا عليهم، فوالذى نفسى بيده لا يسلم عليهم احد الا ردوا عليه الى يوم القيامة، خرجه البيهقى والحاكم وصححه

ورواه عمرو بن صهبان عن معاذ بن عبد الله عن قطن بن وهب عن عبيد بن عبيد مرسل، ورواه يحيى بن العلاء عن عبد الاعلى بن ابى فروة عن قطن بن وهب عن ابن عمر عن النبي ﷺ. خرجه الطبرانى وذكر ابن عمرو فيه وهم، روى عن عبيد بن عمير عن ابى ذر، ولعل المرسل اشبهه، وبالجملة فهذا اسناد مضطرب ومنتنه مختص بالشهداء وهذا اشبه من حديث بشر بن بكر.

اس روایت کو حاکم نے ۲۳۸/۲، میں نقل کر کے صحیح ٹھہرایا، لیکن نیچے امام ذہبی فرماتا ہے: کذا قال وانا احسبه موضوعا، وقطن لم يرو له البخارى، وعبد الاعلى لم يختر جاله۔ اور ابو نعیم نے اس کو حلیۃ الاولیاء: ۱۰۸/۱ میں نقل کی ہے، اور ھیشمی مجمع الزوائد: ۶۰/۳، میں نقل کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ اس کو طبرانی نے کبیر میں نقل کی ہے لیکن اس میں ایک راوی ابو بلال اشعریؒ ہے، دارقطنی نے اس کو ضعیف ٹھہرایا ہے، اور ابن جوزیؒ نے کتاب العلل المتناہیہ: ۴۳۰/۲، میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: هذا حديث لا يصح، وقد اجمعا على تضعيف عبد الرحمن بن زيد، قال ابن حبان كان يقلب الاخبار وهو لا يعلم حتى كثر ذلك في روايته من رفع المراسيل واسناد الموقوف فاستحق الترك۔

وروى عبد الرحمن بن زيد بن اسلم عن ابيه عن عطاء بن يسار عن ابى هريرة عن النبي ﷺ قال: ما من عبد يمر على قبر رجل مسلم يعرفه في الدنيا فيسلم عليه الا عرفه ورد عليه السلام. عبد الرحمن بن زيد فيه ضعيف وقد خولف في اسناده. كتاب الاحوال: ۸۳، و الخطيب: ۱۳۷/۶ وابن عساكر في التاريخ: ۲۸۹/۳، ۲۴۹/۱۰، وفي رواية هشام بن سعد عن زيد بن اسلم عن ابى هريرة موقوفا، وزاد فيه، واذا مر بقبر لا يعرفه فسلم عليه رد عليه السلام. كتاب الاحوال: ۸۳.

ورواه عن زيد بن اسلم قال: مر ابو هريرة وصاحب له على قبر، فقال ابو هريرة سلم، فقال الرجل: سلم على القبر؟ فقال ابو هريرة ان كان رآك في الدنيا يوافق انه لي عرفك الآن. مصنف عبد الرزاق: ۶۷۲۳۔ اس کی سند میں یحییٰ بن علاء ہے جو کہ وضاع ہے۔ اور زید بن اسلم نے ابو ہریرہؓ سے کچھ نہیں سنا تو یہ روایت منقطع ہوئی، اور میزان الاعتدال: ۹۸/۲، میں اس پر رد بھی کیا ہے، صارم المنکی نے: ۱۹۹، میں بھی۔

حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ سے یہ فرمان نبی ﷺ مروی ہے کہ میت کی قبر پر جو ایسا آدمی گزرے جس کو دنیا میں میت جانتا پہچانتا تھا، اور پھر وہ قبر پر آنے والا آدمی اس قبر والے میت کو سلام کہے تو وہ میت اسے پہچان جاتا ہے

اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اور یہ مختلف سندوں سے منقول ہے لیکن ایک بھی صحیح نہیں۔

اکثر محدثین نے حیا من عمر کا معنی کیا ہے بحذف مضاف، یعنی حیا من اهل عمر کیونکہ عمرؓ کے دن کے بعد ان کی اہل و عیال کے آنے کا خدشہ تھا، تو اس لئے آپؐ نے پردے میں آنا شروع کیا، اور یہ روایات اُس مشہور روایت سے بھی مخالف ہیں جو کہ ام مبشرؓ سے منقول ہے، مسند احمد: ۵۵/۲۵، میں عبد الرحمن بن کعب بن مالک سے نقل ہے کہ: قالت أم مبشر لكعب بن مالك وهو شك إقرأ على ابني السلام 'تعني مبشرا' فقال يغفر الله لك يا أم مبشر اولم تسمعي ما قال رسول الله ﷺ، إن من أسماء المسلم طير تعلق في شجر الجنة حتى يرجعها الله إلى جسده يوم القيامة، قالت صدقت فأستغفر الله: رواه عبد الرزاق في تفسيره: ۵/۱۳۹، ۱۴۰، وعبد بن حميد في المنتخب: ص: ۶/۳، والطبراني في الكبير: ۱۹/۱۱۹، ۱۲۳۔

جب کعبؓ کا وفات کی وقت قریب آ گیا، تو ام مبشر نے ان کو کہا کہ میرے بیٹے ”یعنی مبشر“ کو میرے طرف سے سلام کہہ دینا (اگر برزخ میں ان سے آپ کی ملاقات ہو جائے) تو کعبؓ نے فرمایا: اے ام مبشر! اللہ تجھ کو بخشے آیا تم نے رسول اللہ ﷺ سے یہ کہتے ہوئے نہیں سنا؟ کہ مومنین کے روحیں سبز پرندوں میں رہ کر جنت کے درختوں کے پھل کھاتے ہونگے (یعنی عیش و عشرت اور باہم ملاقتیں) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے جسوں کو روحیں واپس لوٹا دے۔ تو اس نے فرمایا: تم نے سچ کہا، اور میں اللہ تعالیٰ سے استغفار مانگتی ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر میت قبر میں زندوں کا سلام سنتا تو ام مبشرؓ براءؓ کو یہ نہ کہتی اور براءؓ بھی اس کو کہہ دیتا کہ قبر کے پاس جا کر سلام کہہ دے۔

دوسری جواب: فی بعض الروایات منه من تقيده ﷺ سماع موتی القلب بقوله ”الآن“ فان مفهومه انهم لا يسمعون في غير هذا الوقت وهو المطلوب وهذه فائدة هامة نبه عليها العلامة الالوسيّ والد المؤلف (ای الايات البينات) رحمهما الله تعالى في كتابه ”روح المعاني“: ۶/۴۵۵، ففيه تشبيه قوى على ان الاصل في الموتى انهم لا يسمعون۔

یعنی بعض روایات میں لفظ ”الآن“ موجود ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اس وقت سن رہے ہیں اس کے بعد نہیں سن سکیں گے، یہ ایک نکتے کی بات ہے، جسے مفسر الوسی نے اپنی تفسیر: ۶/۴۵۵، میں ذکر کیا ہے، فرماتے ہیں: لہذا اس

حدیث میں اس بات کی طرف قوی اشارہ ہے کہ دراصل مردے سنتے نہیں ہیں، بخاری والی روایت کی آخر میں قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ: احياهم الله حتى اسمعهم قوله، تو بیخا و تصغیر او نعمة و حسرة و ندماً۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا تھا تا کہ انہیں آپ کی بات سنادے، اس سے ان کی سرزنش، توہین، اور حسرت و ندامت مقصود تھی۔

دلیل: ۲: حدیث انسؓ ہے جو کہ متفق علیہ ہے عن انس ان النبي ﷺ قال: ان العباد اذا وضع في قبره وتولى عنه اصحابه وانهم ليسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا، (الحديث) [خ ۱۳۳۸، ۱۳۴۷، ۲۸۷۰]۔ یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس وقت انسان (میت) قبر میں رکھ دیا جاتا ہے، اور اس کے ساتھی واپس لوٹتے ہیں تو یہ ان کے قدموں کی چاپ سنتا ہے۔

اس کا جواب ابن ہمام کی عبارت میں گزر گئی، کہ اس نے لکھا ہے، ولکن يشكل عليهم مافی "مسلم" ان الميت ليسمع قرع نعالهم اذا انصرفوا. الا ان يخصوص اذلك باول الوضع في القبر مقدمة للسؤال۔ یعنی یہ اول وضع کے ساتھ خاص ہے، اور مناوی نے بھی فیض القدر میں یہی جواب کیا ہے کہ: واجيب بان السماع في حديثنا مخصوص باول الوضع في القبر مقدمة للسؤال، اور شرح مشکاة المصابيح یہ جواب کرتے ہیں کہ: لو كان حيا، فان جسده قبل ان يأتيه الملك ويقعده ميت لا يحس بشيء۔ (الطبي ومراقات) اور بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ جب اس حدیث میں ہے کہ ملائک آتے ہیں، تو اس سے یہ بات لازمی طور پر معلوم ہوتی ہے کہ یہ سوال و جواب کا وقت ہے اس وقت مردے کی روح کو لوٹا دیا جاتا ہے تو یہ زندہ ہوتا ہے، اور اس کے بعد اس کو کہا جاتا ہے کہ: نم كنومة العروس، الحدیث (مشكاة)۔ تو اب نسیم الریاض والے کے قول کے مطابق (النائم لا يسمع ولا يتكلم) جواب ظاہر ہے۔

البيدال: ۳۹: عن ابن عباسؓ انه قال مرّ النبي ﷺ بقبور المدينة فاقبل عليهم بوجه فقال: السلام عليكم يا اهل القبور يغفر الله لنا ولكم انتم سلفنا ونحن بالاثر. ترمذی: ۱۰۵۳۔ یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے، کہا کہ نبی کریم ﷺ مدینہ کی قبروں پر گزرے، ان پر اپنے چہرہ کے ساتھ متوجہ ہوئے۔ فرمایا سلام ہو تم پر اے اہل قبور اللہ تعالیٰ ہم اور تم کو بخشے، تم ہمارے پیش خیمہ ہو، اور ہم تمہارے پیچھے ہیں۔

اس روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں، اس لئے کہ محض خطاب سماع کو لازم نہیں، ورنہ بہت ایسے مقامات ہیں جہاں خود یہ لوگ بھی خطاب کو سماع کو لازم نہیں سمجھتے مثلاً: مؤذن کے آذان کی جواب دینے وقت، (الصلوة خیر من

النوم) کلمہ کی جواب میں ”صدقت و بررت“ کہنا، جیسا کہ علی القاری نے ۲۶۰/۲، میں لکھا ہے۔ اور اسی طرح عمرؓ کا حجر اسود کو مخاطب ہونا جو کہ اس روایت میں ہے کہ: عن عباس بن ربیعہ عن عمرؓ انہ جاء الى الحجر الاسود فقبله، فقال: انى اعلم انك حجر لا تضرو ولا تنفع، ولولا انى رأيت رسول الله ﷺ يقبلك ما قبلتك. خ: ۱۵۹۷ م: ۱۲۷۰.

اور جو اس روایت میں زاید الفاظ علیؓ سے منقول ہیں، وہ صحیح ثابت نہیں، مستدرک نے: ۱۰۹/۲، میں اس روایت کو ابوسعید خدریؓ سے نقل کیا ہے کہ: اخبرناہ ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن موسیٰ العدل من اصل کتابہ، ثنا محمد بن صالح الکلبینی، ثنا محمد بن یحییٰ بن ابی عمرو العدنی، ثنا عبد العزيز بن عبد الصمد العمی، عن ابی ہارون العبدی، عن ابی سعید الخدریؓ قال: حججنا مع عمر بن الخطابؓ فلما دخل الطواف استقبل الحجر فقال: انى اعلم انك حجر لا تضرو ولا تنفع، ولولا انى رأيت رسول الله ﷺ يقبلك ما قبلتك ثم قبله، قال له على بن ابی طالبؓ: بلى يا امير المؤمنين انه يضر وينفع، قال، ثم قال: بكتاب الله تبارك وتعالى؟ قال: واين ذلك من كتاب الله؟ قال: قال الله عز وجل: وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ ۗ سُبْحٰنَ الَّذِي أَسْرَفَ. خلق الله آدم ومسح على ظهره فقرره بانه الرب، وانهم العبيد، واخذ عهودهم ومواثيقهم وكتب ذلك فى رقب: وكان لهذا الحجر عينان ولسان، فقال له افتح فاك، قال، ففتح فاه فالقمه ذلك الرقب وقال: اشهد لمن وافاك بالموافاة يوم القيامة، وانى اشهد لسمعت رسول الله ﷺ يقول: يوتى يوم القيامة بالحجر الاسود وله لسان ذلق يشهد لمن يستلمه بالتوحيد، فهو يا امير المؤمنين يضر وينفع، فقال عمر: اعوذ بالله ان اعيش فى قوم لست فيهم يا ابا حسن.

یعنی علیؓ نے فرمایا: کہ اے امیر المؤمنین یہ حجر اسود نقصان بھی دے گا اور نفع بھی دے گا، آگے فرمایا اے امیر المؤمنین اگر آپ کو کتاب اللہ میں سے اس کا علم ہو جائے تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ واقعی بات وہی ہے جو میں کہہ رہا ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ترجمہ، اور جب تمہارے رب نے بنی آدم سے یعنی اُن کی پیٹھوں سے اُن کی اولاد نکالی تو اُن سے خود اُن کے مقابلے میں اقرار کرا لیا (یعنی اُن سے پوچھ لیا کہ) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ کہنے لگے کہ کیوں

نہیں ہم گواہ ہیں (کہ تو ہمارا رب ہے یہ اقرار اس لئے کرایا تھا) کہ قیامت کے دن (کہیں یوں نہ) کہنے لگو کہ ہمیں تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔

پھر جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اور اپنے عبد ہونے کا اقرار کر لیا تو ان کا یہ بیثاق ایک پتی جھلی میں لکھ کر حجرِ اسود کا لقمہ بنا دیا، پھر قیامت کے روز اللہ تعالیٰ حجرِ اسود کو بھی زندہ مبعوث کرے گا اس حجرِ اسود کی دو آنکھیں ہونگی ایک زبان اور ہر اس شخص کے حق میں شہادت دے گا، جس نے عہد نامہ میں لکھے ہوئے عہد کو پورا کیا، کیونکہ حجرِ اسود اس عہد نامہ میں اللہ تعالیٰ کا امین ہے۔ پھر علیؑ نے فرمایا: اس سے ثابت ہوا کہ یہ ضرر اور نفع دے گا، تو عمرؓ نے فرمایا: میں اس قوم میں زندگی گزارنے سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جس قوم میں تو موجود نہ ہو۔

امام ذہبیؒ نے لکھتا ہے اس میں ابو ہارون عبدی ہے جو کہ ساقط الاعتبار ہے، اور ابن ہمام فتح القدير: ۲/۴۵۸، میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ: یہ حدیث صحیح نہیں، اور عمرؓ کی صحیح حدیث سے مخالف ہے۔ فتح القدير کی تعلق میں شیخ عبدالرزاق المہدی لکھتا ہے: یہ روایت باطل ہے۔ حاکم نے خود کہا ہے: لیس من شرط الشيخین فانہما لم یحتجا بابی ہارون وقال الذہبی ابو ہارون ساقط، وقال ابن حجر فی التقریب، متروک، ومنہم من کذبہ، وقال العقیلی قال حماد کان ابو ہارون کذباً یحدث بالغداة بشئ وبالعشی شیئا۔ اور میزان الاعتدال میں امام ذہبی نے اس کا خوب اپریشن کیا ہے۔ اور علی القاریؒ نے بھی مرقات: ۳۲۵/۵، میں ابن ہمام سے یہ عبارت نقل کی ہے، اور شرح نقایہ: ۱۹۴، میں یہ لکھا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں۔

یعنی عابس بن ربیعہؒ سے روایت ہے کہ میں نے عمرؓ کو دیکھا کہ حجرِ اسود کو بوسہ دیتے ہیں اور فرماتا ہے میں جانتا ہوں کہ تو بہتر ہے نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان، اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھا ہوتا کہ تجھ کو بوسہ دیتے ہیں کبھی تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ متفق علیہ۔

اسی طرح طلحہ بن عبید اللہ والی روایت کہ: ان النبی ﷺ کان اذا رآی الهلال قال: اللہم اہلہ اعیننا بالامن والایمان والسلامة والاسلام ربی وربک اللہ۔ ترمذی: ۱/۳۴۵۔

اور عبد اللہ بن عمرو والی روایت کہ: کان رسول اللہ ﷺ اذا سافر فاقبل اللیل قال: یا ارض ربی وربک اللہ، اعدو ذب اللہ من شرک ومن شر ما فیک وشر ما خلق فیک وشر ما یدب علیک (الحديث) ابو داود: ۲۶۰۳ نسائی سنن کبری: ۱۰۳۹۸۔

اس کے امثال زیادہ ہیں لیکن ہم ابراہیم علیہ السلام کے قول پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں: فَرَاغَ إِلَىٰ آلِهِمْ فَقَالَ أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿۱۱﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُونَ ﴿۱۲﴾ ان جملوں میں ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو مخاطب کر کے فرمایا: اے بتوں تم یہ شیرینی کھاتے کیوں نہیں؟ جو تمہارے پجاری تمہارے آگے رکھ کر چلے گئے ہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے، بولتے کیوں نہیں؟۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس موقع پر سوائے ابراہیم علیہ السلام کے کوئی شخص موجود نہ تھا تو کیا ابراہیم علیہ السلام کا کلام کرنا معقول اور عجب تھا؟۔

امام نعمان الوسی "الایات البینات" ۱۳۳، میں لکھتا ہے: وبعد ان حررت هذه الكلمات ، رأيت في شرح الزرقاني على المؤطاء للام مالک في فصل جامع للوضوء : ۶۳ / ۱، في الكلام على حديث ابي هريرة ان رسول الله ﷺ خرج الى المقبرة فقال: السلام عليكم دار قوم مؤمنين، وانا ان شاء الله بكم لاحقون. مالفظه: قال الباجي وعياض: يحتمل انهم احيوا له حتى سمعوا كلامه كاهل القلب، ويحتمل ان يسلم عليهم مع كونهم امواتا لامثال امته ذلك بعده، قال الباجي في المنتقى: ۶۹ / ۱، وهو الاظهر. ورأيت ايضا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح: في الصلاة على الجنائز ما عارته:

قوله: وينوي بالتسليمتين الميت مع القوم وجزم في الظهيرية بانه لا ينوي الميت ومثله لقاضي خان وفي الجوهرية قال في البحر وهو الظاهر لان الميت لا يخاطب بالسلام لانه ليس اهلا للخطاب. قال بعض الفضلاء: وفيه نظر لانه ورد انه ﷺ كان يسلم على اهل القبور، انتهى. على ان المقصود منه الدعاء لا الخطاب، انتهى للفظه. وكذلك في حاشية ابن عابدين على الدر المختار: ۸۱۷ / ۱، وقال في البحر: ۹۷ / ۲ امانه وفي الظهيرية: ولا ينوي الامام الميت في تسليمتي الجنائز، بل ينوي من على يمينه في التسليمة الاولى ومن على يساره في التسليمة الثانية، انتهى، وهو الظاهر لان الميت لا يخاطب بالسلام عليه حتى ينوي به اذ ليس اهلا له. انتهى ما في البحر بحروفه۔

امام جب نماز جنازہ پڑھائے تو دونوں سلاموں سے میت اور اردگرد کے لوگوں کو مراد لے، اور ظہیر یہ کے اندر ہے کہ سلام کے وقت میت کی نیت نہ کرے، اور اسی کی مثل قاضی خان (فتاویٰ) میں ہے "جوہرہ" میں مذکور ہے کہ البحر

الرائق کے اندر اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ میت کو سلام نہیں کیا جائے گا کیونکہ مردہ ہونے کی حیثیت سے وہ اس کا اہل نہیں، بعض علماء نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ بات درست نہیں کیونکہ صحیح طور پر نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ اہل قبور کو سلام کیا کرتے تھے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس سے مراد دعاء ہے مردہ کو مخاطب کرنا نہیں۔

یہی بات الدر المختار کے حاشیہ ابن عابدین میں بھی ہے اور البحر الرائق کے اندر مذکور ہے کہ ظہیر یہ میں اس بات کو ترجیح دی گئی ہے کہ امام نماز جنازہ کے سلام میں میت کو مراد نہ لے، بلکہ ایک سلام سے دائیں جانب کے لوگوں کو اور دوسرے سلام سے بائیں جانب کے لوگوں کو مراد لے، اس لئے کہ میت کو سلام کے ساتھ خطاب نہیں کیا جاسکتا تو سلام کے وقت اس کو کیسے مراد لیا جاسکتا ہے؟ کیونکہ اس کے اندر اس کی اہلیت ہی نہیں ہے۔

لہذا ان اقوال سے یہ بات معلوم ہوئی کہ معروف و مشہور فقہاء کے نزدیک بھی میت کو سلام سے مراد نہیں لیا جاسکتا ہے، اور نہ اس کو مخاطب ہی کیا جاسکتا ہے، بلکہ سلام سے مقصود دعاء ہے۔ یہ اقوال بھی ہمارے مدعا کے مطابق ہیں۔

پھر: ۱۳۱، میں ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کرتا ہے: فان قيل: اذا كان مذهب الحنفية و كثير من العلماء المحققين على عدم السماع، فمافائدة السلام على الاموات و كيف صحة مخاطبتهم عند السلام؟۔

قلنا: السلام اجد في ما بين يدي الآن من كتبهم جوابهم عن ذلك، ولا بد ان تكون لهم اجوبة عديدة فيما هنالك، و الذي يخطر في الذهن و يتبادر الى الخاطر و الفهم، انهم لعلمهم اجابوا بان ذلك امر تعبدى، و باننا نسلم سرافي آخر صلاتنا اذا كنا مقتدين و ننوي بسلامنا الحفظ و الامام و سائر المقتدين، مع ان هؤلاء القوم لا يسمعون له عدم الجهر به، فكذا امانحن فيه على ان السلام هو الرحمة للموتى، و ننزلهم منزلة المخاطبين السامعين، و ذلك شائع فى العربية كما لا يخفى على العارفين فهذه العرب تسلم على الديار، و تخاطبها على بعد المزار.

یعنی جب احناف اور دوسرے علماء محققین کا یہ مذہب ہے کہ مردے سنتے نہیں تو پھر ان کو سلام کرنے سے کیا فائدہ ان کو مخاطب کرنا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب: میرے سامنے جو کتابیں ہیں ان میں اس کا کوئی جواب مذکور نہیں۔ ان علماء نے ضرور کوئی جواب دیا ہوگا، ذہن اور دل میں یہ بات آتی ہے کہ انہوں نے یہ جواب دیا ہوگا کہ یہ تعبدی معاملہ ہے۔

دوسرا جواب: یہ ہے جس طرح ہم امام کے پیچھے نماز میں تشہد پڑھتے ہوئے آہستہ سلام پڑھتے ہیں اور اس سلام

سے فرشتوں، امام اور دوسرے مقتدیوں کو مراد لیتے ہیں، حالانکہ آہستہ پڑھنے کی وجہ سے یہ لوگ سنتے نہیں، اسی طرح یہاں بھی یہی مراد ہوتا ہے، علاوہ ازیں سلام مردوں کے لئے رحمت ہے اور ہم انہیں سننے والوں کا مقام دیتے ہیں، یہ طریقہ عربوں میں مشہور ہے جیسا کہ اہل علم پر یہ مخفی نہیں، عربوں کو دیکھئے جب وہ کسی دیار سے گزرتے ہیں تو اسے سلام کرتے ہیں اور دور رہتے ہوئے اس سے مخاطب ہوتے ہیں۔ اور یہی جواب اس سلام خاصہ سے بھی ہے جو کہ التحیات میں بروایت عبداللہ بن مسعود نقل ہے کہ: علمنی رسول اللہ ﷺ التشهد "وکفی بین کفیہ" "کما علمنی السورة من القرآن. التحیات لله و الصلوات و الطیبات السلام علیک ایہا النبی ورحمة الله وبرکاته السلام علینا وعلی عبادالله الصالحین. فانہ اذا قال ذلك اصاب کل عبد صالح فی السماء والارض، اشهدان لا إله الا الله و اشهدان محمد اعبده ورسوله. متفق علیہ. اس حدیث میں جو لفظ السلام علیک ہے اس سے بعض رسول اللہ ﷺ کا نمازیوں کا سلام سننے کے لئے استدلال کرتا ہے لیکن یہ استدلال کئی وجہ سے باطل ہے:

ایک تو پہلی وجہ، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کی آخر میں یہ جملہ ابن حجر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ:

فلما قبض قلنا السلام علی النبی۔ ابن حجر اس جملے کی تفصیل کرتے ہوئے فرماتا ہے: هذه الزيادة، ظاهرها انهم كانوا يقولون: السلام علیک ایہا النبی، بكاف الخطاب فی حیات النبی ﷺ، فلما مات النبی ﷺ تركوا الخطاب وذكروه بلفظ الغيبة، فصاروا يقولون السلام علی النبی. فتح الباری: ۱/۵۹. وقال فی موضع اخر: ۲/۲۶۶، قال السبکی فی شرح المنهاج: بعدان ذکر هذه الرواية من عند ابی عوانة: ۲/۲۴۹، وحده: ان صح هذا عن الصحابة، دل علی ان الخطاب فی السلام بعد النبی ﷺ غیر واجب، فیقال السلام علی النبی، قلت (البانی): قد صح بلاریب یعنی لثبوة ذلك فی صحیح البخاری: ۱/۵۹، وقد وجدت له متابعا قويا، قال عبد الرزاق (المصنف: ۲/۲۰۴) اخبرنا ابن جریج اخبرنی عطاء: ان الصحابة كانوا يقولون و النبی ﷺ حی: السلام علیک ایہا النبی، فلما مات قالوا: السلام علی النبی. وهذا اسناد صحیح. واما مروی سعید بن منصور من طریق ابی عبیدة بن عبد الله بن مسعود عن ابیه ان النبی ﷺ علمهم التشهد..... فذكره قال: فقال ابن عباس اننا كنا نقول: السلام علیک ایہا النبی اذا كان حیا، فقال ابن مسعود هكذا علمنا وهكذا علم، فظاهر، ان ابن عباس قاله بحثاً، وان ابن مسعود لم يرجع الیه، لكن

روایۃ ابی معمرؓ اصح (یعنی روایۃ البخاری) لان اباعبیدہ لم یسمع من ابيه، والاسناد الیه مع ذلك ضعيف.

وقد نقل كلام الحافظ هذا جماعة من العلماء المحققين، امثال القسطلانی فی شرحه علی البخاری والزرقانی فی المواهب اللدنیہ وفي شرحه علی المؤطاء وعبد الحی اللکنوی فی التعليق الممجد وارتضوه حيث انهم اقروه ولم يتعقبوه بشئ. ويؤيده ان عائشةؓ كانت تعلمهم التشهد في الصلاة (السلام على النبي ﷺ) رواه السراج في احاديثه: ۱/۸۷، والملخص في الفوائد، وعبدالرزاق: في مصنفه عن عطاء: ۲/۲۰۴. (از صفة صلاة النبي).

دوسری جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ معراج کی واقعہ کی ہے، اور یہ بات امام طبرانی نے تفسیر کبیر سورہ بقرہ: ۵۱/۷۱ کی آخر میں نقل کی ہے، لکھتا ہے کہ: وعن الحسن والضحاك ومجاهد وجماعة من المفسرين أن قوله تعالى ﴿آمن الرسول.....﴾ إلى آخر السورة كان في قصة المعراج، قالوا: لما انتهى النبي ﷺ إلى سدره المنتهى قال له جبريل: إنني لم أجاوز هذا المكان، ولم يؤمر أحد بالمجازة غيرك فامض أنت، قال النبي ﷺ فمضيت حتى انتهيت إلى ما أرا ادا الله تعالى، فأشار جبريل عليه السلام أن سلم على ربك، فقلت: التحيات لله والصلوات والطيبات، فقال الله عز وجل: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، قال النبي ﷺ فأحببت أن يكون لأمتي حظ في السلام، فقلت السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين..... الحديث، وتفسير سمرقندی: ۱/۲۴۰، اور ابن نجيم نے البحر الرائق: ۵۲۶/۱ میں لکھا ہے کہ: وأما قوله: السلام عليك أيها النبي ورحمة الله وبركاته، حكاية سلام الله تعالى على نبيه عليه الصلاة والسلام، اور محمد بن محمود کتاب العنايہ شرح الھدایۃ: ۳۲۲/۱ میں لکھتا ہے کہ: وقوله: السلام عليك، حكاية السلام الذي رده الله تعالى على نبيه عليه السلام ليلة المعراج، اور یہی قول شامی نے ۳۳۲/۱ میں لکھا ہے۔ فافهم.

یہاں پر بطور تکمیل فائدہ امام البانی کا قول نقل کرتے ہیں جو کہ انہوں نے الایات البینات کی حاشیہ: ۱۳۲، میں ابن قیمؒ پر رد کرتے ہوئے لکھتا ہے:

وفي ذلك كله رد قوی علی قول ابن القیم فی الروح: ۸، وقد ذکر السلام علی

الاموات: فان السلام على من لا يشعر ولا يعلم بالمسلم محال، قال: وهذا النداء لموجود يسمع ويخاطب ويردُّ. وكأنه رحمه الله لم يستحضر خطاب الصحابة للنبي ﷺ في التشهد: السلام عليك يا ايها النبي ورحمة الله وبركاته، خلفه في المدينة وبعيداعنه في سائر البلاد، بحيث لو خاطبوه بذلك جهرا لم يسمعهم ﷺ، فضلا عن جمهور المسلمين اليوم وقبل اليوم الذين يخاطبونه بذلك، افيقال انه يسمعهم؟ او انه من المحال السلام عليه وهو لا يشعر بهم ولا يعلم، وكذلك لم يستحضر رحمه الله قول شيخ الاسلام ابن تيميه في توجيه هذا السلام ونحوه، فقال في الاقتضاء: ٢١٦، وقد ذكر حديث الاعمى المشار اليه انفا: وقوله يا محمد هذا وامثاله نداء يطلب به استحضر المنادى في القلب، فيخاطب لشهوده بالقلب، كما يقول المصلى: السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته، والانسان يفعل هذا كثيرا، يخاطب من يتصوره في نفسه، وان لم يكن في الخارج من سمع الخطاب.

يعني اس سے ابن القيم کے اس قول کی بھی تردید ہو جاتی ہے جو ان کی کتاب الروح: ٨، میں مذکور ہے کہ جو شعور و ادراک نہیں رکھتے ان کو سلام کرنا محال ہے۔ سلام خطاب اور آواز اس کو دی جاتی ہے جو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں، شاید انہیں تشہید یاد نہیں رہا، جس میں صحابہ کرام نبی کریم ﷺ سے مخاطب ہوا کرتے تھے، مدینہ میں رہ کر یا مدینہ سے دور رہ کر، اگر یہ لوگ دور سے بھی مخاطب ہوتے تو نبی کریم ﷺ ان کا سلام نہ سنتے۔ چہ جائیکہ آج اور آج سے قبل تمام مسلمانوں کے سلام کو آپ سنیں، کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ان کی بات سنتے ہیں کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ پر سلام بھیجنا محال ہے۔ اس لئے کہ آپ نہ ان کا شعور رکھتے ہیں اور نہ ان کو جانتے ہیں۔

اسی طرح ابن القيم کو ابن تيميه کی یہ بات بھی یاد نہ رہی۔ ابن تيميه اپنی کتاب "اقتضاء الصراط المستقيم" ٢١٦، پر حدیث الاعمى کے سلسلے میں فرماتے ہیں: یا محمد اور اس قسم کے لفظ کے ساتھ خطاب اور نداء اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ مخاطب دل میں موجود ہے جس طرح ایک نمازی تشہد میں السلام عليك ايها النبي ورحمة الله وبركاته، کہتا ہے۔ انسان اس قسم کے خطاب کے وقت دل میں مخاطب کو تصور کرتا ہے اگرچہ خارج میں کوئی موجود نہ ہو جو اس کی بات سنے۔

حدیث التلقين: جس کو طبرانی نے معجم کبیر: ٢٩٨/٨، میں نقل کی ہے، کہ: حدثنا أبو عقيل أنس بن

سلم الخولانی ثنا محمد بن ابراہیم بن علاء الحمصی ثنا اسمعیل بن عیاش ثنا عبد اللہ بن محمد القرشی عن یحیی بن ابی کثیر عن سعید بن عبد اللہ الاودی قال: شهدت ابامامہؓ وهو فی النزاع فقال اذا نامت فاصنعوا بی كما امرنا رسول الله ﷺ ان نضع بموتانا، امرنا رسول الله ﷺ فقال: اذا مات احد من اخوانکم فسویتم التراب علی قبره فلیقم احدکم علی رأس قبره ثم لیقل یا فلان بن فلانة فانه یسمعه ولا یجیب، ثم یقول یا فلان بن فلانة فانه یتسوی قاعداء، ثم یقول: یا فلان بن فلانة فانه یقول: ارشدنا رحمک الله، ولكن لاتشعرون، فلیقل: اذکر ما خرجت علیه من الدنیا شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله، وانک رضیت بالله ربنا وبالا سلام دینا وبمحمد نبیا وبالقرآن اماما، فان منکر او نکیرا، یاخذ، و احد منهما ید صاحبہ ویقول: انطلق بنا مانقعد عند من قد لقم حجتہ فیکون الله حجیجہ دونهما فقال رجل یارسول الله فان لم یعرف امه قال: فینسبہ الی حواء، یا فلان ابن حواء۔ اس روایت کو پیشی نے مجمع الزوائد: ۳/۲۵۸، میں نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: کہ وہی اسنادہ جماعہ لم اعرفہم، اور ابن قیم نے زاد المعاد: ۱/۱۲۵، میں فرمایا ہے کہ: و هذا حدیث رفعہ لا یصح، وضعفہ النووی وغیرہ۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ابراہیم بن العلاء الحمصی ہے جو کہ امام ذہبی نے میزان الاعتدال: ۳/۲۲۷، میں ضعیف قرار دیا ہے، دوسرا اس کا استاذ اسمعیل بن عیاش ہے جس کو تقریب التہذیب: ۱۷، میں مدلس اور ضعیف کہا گیا ہے۔ تیسرا یحیی بن ابی کثیر الطائی یہ بھی مدلس ہے تقریب التہذیب: ۲۳۶، میں مذکور ہے و تہذیب التہذیب: اور یہ حدیث مقاصد الحسنة: ۱۶۲، ۱۶۳، میں نقل ہے کہ یہ ضعیف ہے، البانی نے سلسلہ ضعیفہ: ۲/۵۹۷، میں تحقیق کے ساتھ ذکر کی ہے۔

مسئلہ تلقین کے متعلق فقہاء احناف کی رائے پہلے ہم نے اشارتاً ذکر کی ہے: یعنی نے شرح ہدایہ: ۲/۱۰۷، میں لکھا ہے و المراد به الذی قرُب من الموت ”ش“ بطریق المجاز باعتبار ما یؤول الیہ وذلك لان التلقین حقیقتا مایطو عہ المتلقن و حصول ذلك من المیت محال فالامر به حقیقة یتكون امر للعاجز عنه و العقل یا باہ فوجب حملہ علی هذا المعنی۔ یعنی موتی سے مراد اس مقام پر حقیقی معنی نہیں ہیں بلکہ مجازی معنی مراد ہیں (مجازاً بامشارفہ) یعنی مایؤول الیہ کے، تو مطلب یہ ہوگا وہ شخص جو ابھی مر نہیں ہے مگر مرنے کے قریب ہے اور اس مقام پر ہم نے مجازی معنی مراد لئے ہیں اور حقیقی معنی مراد نہیں لئے۔ حالانکہ اصل یہ ہے کہ لفظ سے حقیقی معنی مراد لئے جائیں

ہاں اگر مانع کی وجہ سے حقیقی معنی مراد نہ لے سکیں تب مجازی معنی مراد لیتے ہیں۔ وجہ مجازی معنی مراد لینے کی یہ ہے کہ حقیقتاً تلقین تب تلقین بنتی ہے جب وہ شخص جس کو تلقین کی جا رہی ہے اس کو بالمشافہ وہ باتیں سمجھائی جا رہی ہوں تو وہ اس سمجھانے والے کی باتیں سمجھ لے اور وہ مان لے۔

مولانا اشرف علی تہمتہ فتاویٰ امدادیہ میں: ۴۶۱، ۴۷، میں فرمایا ہے: سوال: تلقین القبور کے جواز و عدم جواز میں کوئی صورت مفتی ہے؟ جواب: فی الدر المختار، ولا یلقن بعد تلحیدہ، فی رد المحتار: ذکر فی المعراج انہ ظاہر الروایة: ۸۹۰/۱ (طبع قدیم) اور تزییح ظاہر روایت کو ہوتی ہے اور اس کے بعد میں جو تلقین کی مشروعیت کو نقل کیا ہے تو اس کے دلائل ضعیف ہیں بعض ثبوتاً، بعض دلالتاً، پھر اس پر سب متفق ہیں کہ ضروری نہیں اور غیر ضروری میں جب کوئی منسوخ ہو، متروک ہو جاتا ہے اور اس میں تشبہ بالروافض ہے اس لئے قابل ترک ہو، واللہ اعلم۔

امام سیوطیؒ تسابیل ہونے کے باوجود الحاوی للفتاویٰ: ۳۸۸، میں فرماتے ہیں کہ: التلقین لم ینبت فیہ حدیث صحیح ولا حسن بل حدیثہ ضعیف باتفاق المحدثین، ولہذا ذهب جمهور الامم الی ان التلقین بدعة۔ یعنی سب محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث تلقین نہ صحیح ہے نہ حسن بلکہ ضعیف ہے اور جمہور امت کا یہی مذہب ہے کہ تلقین بدعت ہے۔

حاصل یہ ہوا کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ تلقین نہ کی جائے، زاد المعاد: ۱۴۵/۱، میں مجمع البحرین، تنویر الابصار، کافی، جامع الرموز، زاد اللیب: ۷۰، طحاوی شرح الدر المختار، عالمگیری، نہر الفائق، زیلعی شرح کنز، محمد بشیر قنوجی، کشف المہم، تہمیم المسائل: ۱۲۱، عرف شذی: ۳۴۲، سراجی: ۲۴، فتاویٰ ظہیریہ، بنایہ، برجندی، کتاب الفقہ علی المذہب الاربعہ، ان سب کتابوں میں کتاب الجناز میں یہ مسئلہ ذکر کی ہے کہ حنفی علماء کا مذہب ہے کہ تلقین نہ کی جائے۔

﴿الذیل﴾: وہ مشہور حدیث ہے جو کہ امام بہیقی نے شعب الایمان: ۱۴۱/۳، میں نقل کیا ہے کہ: اخبرنا ابو الحسین بن بشران، اخبرنا ابو جعفر محمد بن عمرو بن البختری، حدثنا عیسیٰ بن عبد اللہ الطیالسی، حدثنا العلاء بن عمرو بن الحنفی، حدثنا ابو عبد الرحمن عن الاعمش، ح، و اخبرنا ابو الحسین بن فضل القطان، اخبرنا ابو الحسین احمد بن عثمان الآدمی، حدثنا محمد بن یونس بن موسیٰ حدثنا الاصمعی حدثنا محمد بن مروان السدی، عن الاعمش، عن ابی صالح عن ابی ہریرہ۔ قال قال رسول اللہ ﷺ من صلی علی عند قبری وکل بہا ملک یبغنی، وکفی بہا امر دنیاہ

واخرته، وكنت له شهيدا وشفيعا.

هذا لفظ حديث الاسمعي وفي رواية الحنفى قال عن النبي ﷺ قال: من صل عليّ عند قبري سمعته ومن صلى عليّ نائيا بلغته. شعب الايمان: ۳/۱۴۰، والعقيلي في الضعفاء: ۴/۱۳۶، والخطيب في التاريخ: ۳/۲۹۱، وابن الجوزي في الموضوعات: ۲/۳۰۲، وسلسله الاحاديث الضعيفه: ۲۰۳۔

یعنی جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود بھیجتا ہے میں اس کا درود سنتا ہوں اور جو شخص دور سے مجھ پر درود بھیجتا ہے اس کا درود مجھے پہنچایا جاتا ہے، امام بیہقی کی متن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت جو قاضی عیاض نے نقل کیا ہے کہ اس میں سمعہ کی بجائے لفظ بُلِّغْتَهُ ہے، وہ صحیح ہے، اور سند کے اعتبار سے یہ روایت ساقط الاعتبار ہے اس کی سند میں محمد بن مروان سدی ہے جو کہ مشہور ضعیف ہے اور علاء بن عمرو الحنفی ہے، امام ذہبی نے اس کو متروک کہا ہے: میزان الاعتدال: ۳/۱۰۳، وابن حبان کتاب الحجر وحصین: ۲/۳۷۲، جبکہ ابو عبد الرحمن شاید یہ محمد بن مروان السدی ہے اور محمد بن یونس کدیری بھی ضعیف ہے۔ خطیب بغدادی نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ عبد اللہ بن ابراہیم نے فرمایا کہ میں نے ابن نمیر سے اس حدیث کے متعلق پوچھا؟ تو اس نے جواب میں فرمایا: دع ذا، محمد بن مروان لیس بشی اور پھر اس پر مزید جرح نقل کی ہے۔ امام ابن تیمیہ نے کتاب الرد علی الاختیائی، اور صاحب الصارم المنکبی نے اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

۶: ﴿الْحَالِ﴾: کبیری: ۵۹۹، میں یہ روایت ہے: وعن الحسن عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ لا يزال الميت يسمع الاذان ما لم يطين قبره - یعنی حسن عبد اللہ بن مسعود سے نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تک قبر کی لپائی نہ کی جائے اس وقت تک مردہ قبر کے اندر سے اذان کی آواز سنتا رہتا ہے، محمد بن طاہر القفٹی تذکرۃ الموضوعات: ۲۱۹، میں لکھتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے، تنزیہ الشریعہ: ۲/۳۶۳، میں ہے کہ یہ حدیث جو حسن نے ابن مسعود سے نقل کیا ہے اس میں انقطاع ہے، حسن نے ابن مسعود سے کچھ نہیں سنا، اور سند میں ایک راوی کثیر بن شظیر ہے جو کہ معتبر نہیں۔ تیسرے ابو مقاتل ایسا راوی ہے جس سے روایت کرنا حرام ہے، چوتھے محمد بن قاسم الطایکانی جھوٹوں اور منگھڑت حدیثیں بیان کرنے والوں میں مشہور ترین کذاب و ضارح ہے، ابن جوزی نے کتاب الموضوعات: ۲/۲۳۸، میں یہی بیان کیا ہے۔

مردوں کے نہ سننے کے مسئلے میں مذاہب ثلاثہ اور دیگر مسالک کے علماء کی اراء:-

امام احمد بن حنبل: ابن قدامہ اپنی مشہور تصنیف المغنی: ۱۳/۶۱۵، میں تحریر فرماتے ہیں: فصل: فان ناداه
بعیث یسمع فلم یسمع لتشاغله او غفلته حنث، نص علیہ احمد فانه سئل عن رجل حلف ان لا یکلم
فلانا فاناداه و المحلوف علیہ لا یسمع قال یحنث لانه قد اذت کلیمه و هذا کون ذلک یسمی
تکلیما یقال کلمته فلم یسمع و ان کان میتا او غائبا او مغمی علیہ او اصم لا یعلم بتکلیمه ایاہ لم یحنث
و بهذا قال الشافعی و حکى عن ابی بکر انه یحنث بندا المیت لان النبی ﷺ کلمهم و ناداهم و قال
ما انتم باسمع لما قول منهم و لنا قوله تعالی: و ما انت بمسمع من فی القبور، و لانه قد بطلت حواسه
و ذهبت نفسه فکان ابعدهن السماع من الغائب البعید، لبقاء الحواس فی حقه و انما کان ذلک من
النبی ﷺ کرامة له و امر الاختصاص به فلا یقاس علیہ غیره۔

یعنی قسم کھانے والے جب اس فلاں کو ایسے جگہ سے او از دی جہاں سے سنا دی جاسکتی ہے لیکن وہ فلاں کسی کام
میں مصروف ہونے کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے اس کی او از نہیں سن سکا تو اس کی قسم ٹوٹ گئی۔

یہ مسئلہ امام احمد بن حنبل نے صراحت سے بیان فرمایا ہے کیونکہ ان سے ایسے آدمی کے بارے دریافت
کیا گیا جس نے قسم کھائی ہو، کہ میں فلاں آدمی سے بات نہ کروں گا پھر اس نے اس کو او از دی مگر اس فلاں نے اس کی
او از نہیں سنی۔ تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اس کی قسم ٹوٹ گئی کیونکہ اس نے اس فلاں سے گفتگو کرنا چاہا اسی
کو تکلیم کہتے ہے چنانچہ محاورہ ہے کہ میں نے تو اس سے کلام کیا مگر اس نے میرا کلام نہیں سنا اور اگر وہ فلاں میت مردہ
ہو یا غائب ہو یا بے ہوش یا بہرہ ہو یا اس کو یہ علم ہی نہ ہو۔ سکا ہو کہ وہ آدمی میرے ساتھ گفتگو کر رہا ہے، تو ایسی صورتوں میں اس
کی قسم نہ ٹوٹے گی۔ اور یہی مذہب امام شافعی کا، اور ابو بکر قاضی صاحب احمد بن حنبل سے حکایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ
میت کو او از دینے سے قسم ٹوٹ جاتی ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے مردوں سے گفتگو فرمائی اور ان کو او از دی۔

اور یہ بھی فرمایا کہ میری یہ گفتگو تم سے زیادہ یہ مردے سن رہے ہیں لیکن ہمارے دعویٰ کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان
ہے و ما انت بمسمع من فی القبور نیز دوسری یہ بات بھی ہے کہ مرنے کیساتھ مرنے والے کے حواس بے کار ہو گئے
اور اس کی جان جاتی رہی تو اندرین حالات میت کا سننا غائب بعید آدمی کے سننے سے بھی زیادہ مستبعد ہے کیونکہ اس غائب
بعید آدمی کے حواس تو قائم ہیں۔

اب رہا رسول اللہ ﷺ کا مردوں کو اوزدے کر ان سے گفتگو کرنا سو یہ آپ کا معجزہ تھا اور آپ ہی کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے اس پر دوسروں کو قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

امام شافعیؒ ”تکملہ المجموع شرح المہذب: ۱۸/۹۱، ۹۲، میں کتاب الإیمان میں لکھا ہے: فان ناداه بحيث يسمع فلم يسمع لتشاغله او غفلته حنث، نص عليه احمد فانه سئل عن رجل حلف ان لا يكلم فلانا فاناداه و المحلوف عليه لا يسمع قال يحنث لانه قادر ادتكليمه وهذا كون ذلك يسمي تكليما يقال كلمته فلم يسمع وان كان ميتا او غائبا او مغمى عليه او اصم لا يعلم بتكليمه اياه لم يحنث وبهذا قال الشافعي وحكى عن ابى بكر انه يحنث بندان الميت لان النبى ﷺ كلمهم وناداهم وقال ما انتم باسمع لما قول منهم ولنا قوله تعالى: وما انت بمسمع من فى القبور، ولانه قد بطلت حواسه وذهبت نفسه فكان ابعده من السماع من الغائب البعيد، لبقاء الحواس فى حقه وانما كان ذلك من النبى ﷺ كرامة له وامر الاختصاص به فلا يقاس عليه غير هـ۔

یعنی تم کھانے والے جب اس فلاں کو ایسے جگہ سے اوزدی جہاں سے سنائی دی جاسکتی ہے لیکن وہ فلاں کسی کام میں مصروف ہونے کی وجہ سے یا غفلت کی وجہ سے اس کی اواز نہیں سن سکا تو اس کی قسم ٹوٹ گئی۔ الخ۔

امام نوویؒ نے شرح مسلم: ۲۰۶۱۷، میں امام مازریؒ کا قول نقل کیا ہے، اور ابن رجبؒ نے: کتاب الاحوال: ۷۷، میں لکھا ہے کہ وقد وافق عائشة على نفي سماع موتى كلام الاحياء طائفة من العلماء ورجحه القاضى ابو يعلى من اكابر اصحابنا فى كتابه الجامع الكبير، واحتجوا بما احتجت به واجابوا عن حديث قليب بدر بما اجابت به عائشة الخ۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت علماء ہیں جو کہ مفسرین کے اقوال میں ہم نے ان کے نام اختصار کے ساتھ ذکر کئے ہیں۔ چونکہ اس مسئلے کا اختلاف ہمارے ہاں اکثر احناف اور دیوبندیوں کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے بحث میں اکثر علماء احناف کا ذکر کیا، مزید دیوبندیوں کو خاموش کرنے کے لئے ان کے امام کا قول ذکر کرتے ہیں (یعنی رشید احمد گنگوہیؒ) ان کی کتاب: لطائف رشیدیہ مع الفتاوی: ۶۷۶، میں ایک سوال و جواب ہے جو کہ بلفظہ نقل کرتے ہیں:

سوال: سماع موتی کہ از احادیث ثابت است وایہ کریمہ انک لاتسمع الموتى اگر بظاہر خود ہم داشتہ آید اگر چہ محل تا ماہست یا زہم تخصیص آل واحادیث چرانے کنند و اگر بتعمیم ایت نظر کردہ آید سماع موتی سلام احباء وغیرہ را چہ جواب

است آیا حدیث متروک است یا چگونہ وچہ خرابی است درین کہ سماع را از احادیث ثابت گویند و در آیت نفی سماع قبول و اجابت چنانچہ از سابق و سابق ابیت مفہوم میشود، مراد باشد غرض تحقیق درین مسئلہ چیست؟

جواب: مسئلہ سماع موتیٰ کا قرن اول میں مختلف ہوا ہے اب اس کا فیصلہ تو ممکن ہی نہیں مگر بتقلید اپنے مجتہد مقلد کی کوئی ترجیح کی جانب اگر میلان کرے تو مضائقہ نہیں۔ سو مسلک عائشہؓ مثل طریقہ امام ابوحنیفہؒ کے یہ ہے کہ آیت قطعی کو اپنی حالت میں رکھ کر اور معنی حقیقی پر عمل کر کے کہ اصل موضوع یہ ہے، حدیث میں کہ شرح قرآن ہے تاویل مناسب ہے جب تک قطع معنی حدیث پر حاصل نہ ہو جاوے، چنانچہ اصول مبرہن ہے۔ پس آیت انک لاتسمع الموتیٰ قطعی خاص اور احادیث و سماع ظنی اخبار احاد سے تخصیص کس طرح درست ہو سکتی ہے۔ پھر اس آیت میں استعارہ ہے کہ کفار کو اموات و اصم سے تشبیہ دیا ہے اور مستعار منہ میں معنی وجہ شبہ کی ہفتتا ہوتے ہیں۔

چنانچہ ظاہر ہے کہ میت اور اصم میں صلاح سماعت نہیں لہذا معنی عدم اجابت کے جو مجاز ہے مشبہ بہ میں لینا کیسے درست ہوگا؟۔ البتہ مشبہ میں یہی مراد ہے لہذا حسب قاعدہ مرجح جانب عدم سماع ہے اور عمرؓ نے چونکہ فخر عالم کی زبان سے ما انت باسمع منہم سنا تھا، تو ان کے نزدیک یہ حدیث بھی قطعی تھی سو جو کچھ معنی انہوں نے سمجھے اس فہم کی وجہ سے اگر تخصیص کریں، ہو سکتا ہے، ورنہ عائشہؓ نے تو خود حدیث میں تاویل کی اور آیت کو بحال خود رکھا اور جمع کر دیا۔

الحاصل: ارجح مذہب عدم سماع کا ہے حسب قواعد۔ پس احادیث سماع میں تاویل مناسب ہے ورنہ دوسری جانب بھی مذہب قوی ہے اور زیادہ بسط کی گنجائش نہیں۔ اگر بغور مطالعہ فرماؤ گے تو توقع ہے کہ اصل مراد کو آپ تصدیق فرمادیں۔ فقط واللہ اعلم۔

آخر میں بطور نصیحت ابن عبدالبر کا قول جو کہ انہوں نے التعمیر: ۲۰/۲۴۰، میں فرمایا ہے، ذکر کرتے ہیں: وہذہ امور لایستطاع علی تکیفہا، وانما فیہا الاتباع و التسلیم۔ اور اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ: ۱۵۴، میں برزخی حیات کے متعلق فرمایا ہے: ولکن لاتشعرون ﴿۱۵۴﴾۔

لقد اسمعت لونا دیت حیا ولکن لاحیات لمن تنادی

واللہ المستعان وهو حسبنانعم الوکیل۔

﴿۸۰﴾ وَمَا آتَتْ بِهَدَى الْعُمَىٰ عَنْ ضَلَّاتِهِمْ إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا

اور نہ اندھوں کو گراہی سے (نکال کر) رستہ دکھا سکتے ہو تم تو انہی کو سنا سکتے ہو جو

مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۸۱﴾ إِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ

ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ فرمانبردار ہو جاتے ہیں۔ اور جب ان کے بارے میں (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا

﴿۸۲﴾ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ أَنَّ النَّاسَ كَانُوا بِآيَاتِنَا لَا يُوقِنُونَ ﴿۸۳﴾

تو ہم ان کیلئے زمین میں سے ایک جانور نکالیں گے جو ان سے بیان کر دے گا اس لئے کہ لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہیں لاتے تھے [10]

[10] ”دابة الارض“ سے مراد ایک عجیب الخلق اور نادر شکل کا جانور ہے، وہ حدیث جس میں قیامت

سے پہلے ظاہر ہونے والی نشانیوں کا ذکر ہے اس میں بھی اس کا ذکر ہے، حدیث سے امام مسلم نے نقل کیا ہے:

انه قال: اطلع رسول الله ﷺ علينا ونحن نتذاكر، فقال ماتذكرون؟ قالوا نذكر

الساعة، قال انها لن تقوم حتى تروا قبلها عشر ايات، فذكر الدخان، والدجال،

والدابة، وطلوع الشمس من مغربها، ونزول عيسى بن مريم، وياجوج

وماجوج، وثلاثة خسوف، خسف بالمشرق، وخسف بالمغرب، وخسف بجزيرة

العرب، واخر ذلك نار تخرج من اليمين تطرد الناس الى محشرهم. مسلم: ۱/۲۹۰،

ترمذی: ۲۱۸۳، ابن ماجہ: ۴۰۴۱.

حدیث کہتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ آپس میں (قیامت) کا ذکر کر رہے تھے کہ نبی کریم ﷺ ہماری طرف

آنکے، اور پوچھا کہ تم لوگ کس چیز کا ذکر کر رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کیا کہ ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں، تب

آپ نے فرمایا: یقیناً قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک تم اس سے پہلے دس نشانیوں کو نہ دیکھ

لوگے، پھر آپ نے (ان دس نشانیوں کو اس ترتیب سے) ذکر فرمایا (۱) دھواں (۲) دجال (۳) دابة الارض

(۴) سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا (۵) عیسیٰ ابن مریمؑ کا نازل ہونا (۶) یاجوج و ماجوج کا ظاہر ہونا، اور (۷) اور (۸) اور (۹) نشانی کے طور پر آپؐ نے تین خسوف کا ذکر فرمایا ایک تو مشرق کے علاقہ میں، دوسرا مغرب کے علاقہ میں، اور تیسرا جزیرہ عرب کے علاقہ اور دسویں نشانی جو سب کے بعد ظاہر ہوگی، وہ آگ ہے جو یمن کی طرف سے نمودار ہوگی، اور لوگوں کو گھیر ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائے گی۔ اور ایک حدیث میں یوں ہے کہ وہ ایک ایسی آگ ہوگی جو (یمن کے مشہور شہر) عدن کے آخری کنارے سے نمودار ہوگی، اور لوگوں کو ہانک کر زمین حشر کی طرف لے جائے گی، نیز ایک اور روایت میں دسویں نشانی کے طور پر یمن کی طرف سے یا عدن کے آخری کنارے سے آگ کے نمودار ہونے کے بجائے ایک ایسی ہوا کا ذکر کیا گیا ہے جو لوگوں کو سمندر میں پھینک دے گی۔

تو قرآن اور حدیث میں جس دلہتہ کا ذکر ہے علماء کرام نے اس کے متعلق لکھا ہے: کہ وہ جانور چوپایہ کی صورت میں ہوگا، جس کی لمبائی ساٹھ گز ہوگی، اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اس عجیب الخلق جانور کی شکل یہ ہوگی کہ چہرہ انسانوں کی طرح پاؤں اونٹ کی طرح، گردن گھوڑے کی طرح، دم چیل کی طرح، سرین ہرن کی طرح سینگ بارہ سگے کی طرح اور ہاتھ بندر کی طرح ہونگے۔

نیز اس کے نمودار ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ وہ صفا جو کعبہ کی مشرقی جانب واقع ہے، یکا یک زلزلہ سے پھٹ جائے گا اور اس میں سے یہ جانور نکلے گا، اس کے ایک ہاتھ میں موسیٰ علیہ السلام کا عصا ہوگا، دوسرے ہاتھ میں سلیمان علیہ السلام کی انگشتی ہوگی، تمام شہروں میں اس تیزی کے ساتھ دورہ کرے گا کہ کوئی فرد بشر اس کا پیچھا نہ کر سکے گا، اور دوڑ میں اس کا مقابلہ کر کے اس سے چھٹکارا نہ پاسکے گا، جہاں جہاں جائے گا ہر شخص پر نشان لگاتا جائیگا، جو صاحب ایمان ہوگا اس کو موسیٰ علیہ السلام کے عصا سے چھوئے گا اور اس کی پیشانی پر ”مومن“ لکھ دے گا، اور جو کافر ہوگا اس پر سلیمان علیہ السلام کی انگشتی سے سیاہ مہر لگا دے گا، اور اس کے منہ پر کافر لکھ دے گا

بعض علماء نے کہا ہے کہ ”دابة الارض“ تین مرتبہ نکلے گا، ایک دفعہ تو امام مہدیؑ کے زمانہ میں پھر عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور پھر آخری دفعہ آفتاب کے مغرب کی جانب سے طلوع ہونے کے بعد۔

﴿۸۳﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ فَوْجًا مِمَّنْ يُكَذِّبُ بَايَاتِنَا فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۸۳﴾

اور جس روز ہم ہر امت میں سے اس گروہ کو جمع کریں گے جو ہماری آیتوں کی تکذیب کرتے تھے تو ان کی جماعت بندی کی جائے گی

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ وَقَالَ أَكْذَبْتُمْ بَايَاتِي

یہاں تک کہ جب (سب) آجائیں گے تو (اللہ) فرمائے گا کہ کیا تم نے میری آیتوں کو جھٹلایا تھا

﴿۸۴﴾ وَلَمْ تُحِطُوا بِهَا عِلْمًا أَمْ آذًا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸۴﴾

اور تم نے (اپنے) علم سے ان پر احاطہ تو کیا ہی نہ تھا بھلا تم کیا کرتے تھے؟ -

﴿۸۵﴾ وَوَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ بِمَا ظَلَمُوا فَهُمْ لَا يَنْطِقُونَ ﴿۸۵﴾

اور ان کے ظلم سے ان پر الزام قائم ہو جائے پھر وہ بول بھی نہیں سکیں گے -

أَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا اللَّيْلَ لَيْسَكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے رات کو (اس لئے) بنایا ہے کہ اس میں آرام کریں اور دن کو روشن

﴿۸۴﴾ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۴﴾ وَيَوْمَ يَنْفَخُ فِي الصُّورِ

(بنایا ہے کہ اس میں کام کریں) بیشک اس میں مومن لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں - اور جس روز صور پھونکا جائے گا

فَفَزَعَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ وَكُلُّ أَتَوْهُ

تو جو لوگ آسمانوں میں اور جو زمین میں ہیں سب گھبرا اٹھیں گے مگر وہ جسے اللہ چاہے اور سب اس کے پاس

﴿۸۷﴾ دَاخِرِينَ ﴿۸۷﴾ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ

عاجز ہو کر چلے آئیں گے - اور تم پہاڑوں کو دیکھتے ہو تو خیال کرتے ہو کہ کھڑے ہیں مگر وہ اس طرح اڑتے پھریں گے جیسے بادل

﴿۸۸﴾ صُنِعَ اللَّهُ الَّذِي لَمْ يَكُنْ شَيْءٌ إِنَّهُ خَيْرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ﴿۸۸﴾

(یہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو مضبوط بنایا بیشک وہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَوْمَئِذٍ آمِنُونَ ﴿٨٩﴾

جو شخص نیکی لے کر آئے گا تو اُس کیلئے اُس سے بہتر (بدلہ تیار) ہے اور ایسے لوگ (اس روز) گھبراہٹ سے محفوظ ہونگے

وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ

اور جو بُرائی لے کر آئے گا تو ایسے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے تم کو تو ان ہی اعمال کا بدلہ ملے گا

إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا أَمْرُهُ أَنْ عَبَّدَ رَبَّ هَذِهِ الْبَلَدَةِ الَّذِي

جو تم کرتے رہے ہو۔ (کہہ دو کہ) مجھے یہی ارشاد ہوا ہے کہ اس شہر (مکہ) کے مالک کی عبادت کروں جس نے

حَرَمَهَا وَلَهُ كُلُّ شَيْءٍ وَأَمْرُهُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿٩١﴾

اس کو محترم (اور مقامِ ادب) بنایا ہے اور سب چیز اُسی کی ہے اور یہ بھی حکم ہوا ہے کہ اس کا حکم بردار رہوں

وَأَنْ تَلَوْ الْقُرْآنَ فَمَنْ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ وَمَنْ ضَلَّ

اور یہ بھی کہ قرآن پڑھا کروں تو جو شخص راہِ راست اختیار کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے اختیار کرتا ہے اور جو گمراہ رہتا ہے

فَقُلْ إِنَّمَا أَنَا مِنَ الْمُنذِرِينَ ﴿٩٢﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ

تو کہہ دو کہ میں تو صرف نصیحت کرنے والا ہوں۔ اور کہو کہ اللہ کا شکر ہے وہ تمہیں عنقریب اپنی نشانیاں دکھائے گا

فَتَعْرِفُونَهَا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٩٣﴾

تو تم اُن کو پہچان لو گے اور جو کام تم کرتے ہو تمہارا رب ان سے بے خبر نہیں ہے۔

سورة القصص (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

طَسْمَ ﴿۱﴾ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ﴿۲﴾ تَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ

طسم۔ یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ (اے محمد ﷺ!) ہم تمہیں موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات مومن لوگوں کو سنانے کیلئے

مُوسٰی وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ

صحیح صحیح سناتے ہیں۔ کہ فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا

وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِیْعًا یَسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِنْهُمْ یُدْبِحُ اَبْنَاءَهُمْ

اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر

وِیَسْتَحٰی نِسَاءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۴﴾ وَنُرِیْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلٰی

ڈالتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دینا بیشک وہ مفسدوں میں سے تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیئے

الَّذِیْنَ اسْتَضَعِفُوْا فِی الْاَرْضِ وَنَجْعَلُهُمْ اَیْمَةً وَنَجْعَلُهُمُ الْوٰرِثِیْنَ ﴿۵﴾

گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور انہیں (ملک کا) وارث بنائیں

وَنُمَكِّنْ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَنُرِیْ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ

اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو

مَا كَانُوْا یَحْذَرُوْنَ ﴿۶﴾ وَاَوْحٰیْنَآ اِلٰی اُمِّ مُوسٰی اَنْ اَرْضِعِیْهِ

وہ چیز دکھا دیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔ اور ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ اس کو دودھ پلاؤ

فَإِذَا خِفتَ عَلَيْهِ فَالْقِيهِ فِي الِيمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي

جب تم کو اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہوا تو اُسے دریا میں ڈال دینا اور نہ تو خوف کرنا اور نہ رنج کرنا

إِنَّا رَأَدُّوهُ إِلَيْكَ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧٧﴾

ہم اُس کو تمہارے پاس واپس پہنچا دیں گے اور (پھر) اُسے پیغمبر بنا دیں گے

فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ

تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اٹھا لیا اس لئے کہ (نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ) وہ ان کا دشمن اور (ان کیلئے موجب) غم ہو بیشک فرعون

وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَطِيئِينَ ﴿٧٨﴾ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ

اور ہامان اور اُن کے لشکر خطا کار تھے۔ اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ (یہ)

قُرْتُ عَيْنِي لِي وَلَكَ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا

میری اور تمہاری (دونوں کی) آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کو قتل نہ کرنا شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں

وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٧٩﴾ وَأَصْبَحَ فُؤَادُ مُوسَىٰ فَارِعًا ۚ إِنَّ كَادَتْ

اور وہ (انجام سے) بے خبر تھے۔ اور موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہو گیا اگر ہم اُن کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا

لِتُبَدِيَ بِهِ لَوْلَا أَنَّ رَبَّنَا عَلَي قَلْبِهَا لَتَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٠﴾

کہ وہ اس (قصے) کو ظاہر کر دیں غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں

وَقَالَتُ لِأَخْتِهِ قُصِيهِ فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٨١﴾

اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا تو وہ اُسے دُور سے دیکھتی رہی اور اُن (لوگوں) کو کچھ خبر نہ تھی

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ أَهْلِ بَيْتِ

اور ہم نے پہلے ہی اس پر (دائیوں کے) دُودھ حرام کر دیئے تھے تو موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں

يَكْفُلُونَهُ لَكُمْ وَهُمْ لَهُ نَصْحُونَ ﴿۱۲۱﴾ ﴿۱۲۱﴾ رَدَّدْنَاهُ إِلَىٰ أُمَّهِ

کہ تمہارے لئے اس (بچے) کو پالیں اور اس کی خیر خواہی (سے) پرورش کریں؟ تو ہم نے ان کو ان کی ماں کے پاس

کئی تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا

واپس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور معلوم کریں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے لیکن یہ اکثر نہیں جانتے

يَعْلَمُونَ ﴿۱۲۲﴾ ﴿۱۲۲﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۗ

اور جب موسیٰ جوانی کو پہنچے اور بھر پور (جوان) ہو گئے تو ہم نے ان کو حکمت اور علم عنایت کیا

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲۳﴾ ﴿۱۲۳﴾ وَدَخَلَ الْمَدِينَةَ عَلَىٰ حِينٍ غَفْلَةٍ مِّنْ

اور ہم نیکو کاروں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہو رہے

أَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلَانِ هَٰذَا مِنْ شِيعَتِهِ وَهَٰذَا مِنْ عَدُوِّهِ

تھے تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے ہیں ایک تو موسیٰ کی قوم کا ہے اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے تو جو شخص ان کی قوم میں

فَاسْتَعَاثَهُ الَّذِي مِنْ شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ فَوَكَزَهُ مُوسَىٰ

سے تھا اُس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دشمنوں میں سے تھا موسیٰ سے مدد طلب کی تو انہوں نے اس کو کمارا

فَقَضَىٰ عَلَيْهِ قَالَ هَٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۲۴﴾ ﴿۱۲۴﴾

اور اس کا کام تمام کر دیا کہنے لگے کہ یہ کام تو (انگوڑے) شیطان سے ہوا بیشک وہ دشمن اور صریح گمراہ کرنے والا ہے [1]

[1] ایک دن موسیٰ علیہ السلام شہر میں ایسے وقت میں داخل ہوئے جبکہ سب لوگ دوپہر کے وقت باہر کے حالات

سے بے خبر اپنے گھروں میں قیلولہ کر رہے تھے، آپ نے کیا دیکھا کہ دو آدمی آپس میں لڑ رہے ہیں۔ ان میں سے ایک تو ان

کے اپنے قبیلے یعنی بنی اسرائیل کا ہے۔ اور دوسرا ان کی دشمن قوم قبیلہ کاہن، اسرائیلی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتے ہی قبیلے

کے مقابلے میں انہیں مدد کے لئے پکارا، موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو قبیلے کو زبانی سمجھایا کہ وہ اسرائیلی کو چھوڑ دے لیکن وہ

الٹا گستاخی سے پیش آیا، اس پر آپ نے آگے بڑھ کر اس کو ایک گھونسہ رسید کیا، اس سے ان کا ارادہ ظالم کے ظلم سے مظلوم کو بچانے کا تھا۔ قتل کا ارادہ ہرگز نہ تھا اور نہ عادتاً گھونسہ قتل کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن قبلی اس کی تاب نہ لاسکا اور مر گیا۔

اس تقریر سے معلوم ہو گیا یہ واقعہ عصمت انبیاء علیہم السلام از کبار قبل نبوت کے منافی نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں، انہوں نے ایک مظلوم کی امداد کی تھی، جس سے بلا ارادہ ایک آدمی مر گیا: لایسکل ایضاً علی القول بعصمتہم عن الكبائر والصغائر مطلقاً لاجازان یكون علیہ السلام قدرای ان فی الوکز دفع ظالم عن مظلوم، ففعله غیر قاصد بہ القتل، وانما وقع مترتباً علیہ لا عن قصد (روح المعانی)۔

”بما انعمت علی“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ قتل کا ہرگز نہ تھا، جب ان کے گھونسہ مارنے سے غیر متوقع طور پر قبلی کی موت واقع ہو گئی۔ تو بہت نادم ہوئے اور بول اٹھے یہ تو ایک شیطانی فعل ہے، شیطان انسان کا علانیہ دشمن ہے جو اسے ورغلا کر غلط راستے پر ڈالتا ہے۔

”قَالَ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ“ اس غیر ارادی لغزش پر اللہ سے معافی کی درخواست کی، تو اللہ تعالیٰ نے معافی دے دی کیونکہ معاف کرنے والا اور مہربان حقیقت میں وہی ہے۔

شیخ حسین علیٰ فرماتے ہیں ”بما انعمت علی“ کے بعد فلا تہنی محذوف ہے، یعنی مجھے رسوا نہ کرنا، یا بما میں باء قسمیہ ہے اور جواب قسم محذوف ہے، اور فلن اکون جواب پر معطوف ہے۔ ای اقسام بانعامک علی لا منعن عن مثل هذا الفعل الخ (روح المعانی)۔

اور انعام سے یا تو فرعون کے شر سے محفوظ رہنا مقصود ہے یا مذکورہ لغزش پر مغفرت، کیونکہ الہام یا ربو یائے صادقہ سے موسیٰ علیہ السلام کو معلوم ہو گیا تھا اللہ نے ان کی لغزش معاف فرمادی ہے (روح)۔

”فاصبح فی المدینۃ خائفاً“ موسیٰ علیہ السلام نے رات اسی امید و بیم اور کشمکش میں گذاردی کہ دیکھیں فرد جرم کس پر عائد ہوتی ہے۔ اگلے روز جب وہ گھر سے باہر نکلے تو دیکھا کہ وہی اسرائیلی آج ایک دوسرے قبلی سے گھتم گھتا ہے، اس نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر آج پھر مدد کے لئے پکارا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو بڑا بے ہودہ آدمی ہے، ان کا مطلب یہ تھا کہ تیرا روزانہ کام ہی یہی ہے ”فلما ان اراد“ اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام جب قبلی کو پکڑ کر پیچھے ہٹانے کے ارادے سے آگے بڑے، تو اسرائیلی سمجھا کہ وہ مجھے پکڑنے لگے ہیں، کیونکہ انہوں نے اسے ملامت کی تھی اس لئے فوراً بول اٹھا اے موسیٰ جس طرح کل تو نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، اسی طرح آج مجھے قتل کرنا چاہتا ہے، تو لوگوں کے جھگڑے =

قَالَ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَغَفَرَ لَهُ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ

بولے کہ الہی! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا تو مجھے بخش دے تو اللہ نے ان کو بخش دیا بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے

﴿۱۴﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَنْعَمْتَ عَلَيَّ فَلَنْ أَكُونَ ظَهِيرًا لِّلْمُجْرِمِينَ ﴿۱۵﴾

کہنے لگے کہ اے اللہ! تو نے جو مجھ پر مہربانی فرمائی ہے میں (آئندہ) کبھی گنہگاروں کا مددگار نہ بنوں گا

فَأَصْبَحَ فِي الْمَدِينَةِ خَائِفًا يَتَرَقَّبُ فَإِذَا الَّذِي اُسْتَنْصَرَهُ بِالْأَمْسِ

پس صبح کے وقت شہر میں ڈرتے ڈرتے داخل ہوئے کہ دیکھیں تو ناگہاں وہی شخص جس نے کل ان سے مدد مانگی تھی

يَسْتَصْرِخُهُ قَالَ لَهُ مُوسَى إِنَّكَ لَغَوِي مُبِينٌ ﴿۱۸﴾

پھر ان کو پکار رہا ہے موسیٰ نے اس سے کہا کہ تو تو صریح گمراہ ہے

فَلَمَّا أَنْ أَرَادَ أَنْ يَبْطِشَ بِالَّذِي هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا قَالَ يَمُوسَى

جب موسیٰ نے ارادہ کیا کہ اس شخص کو جو ان دونوں کا دشمن تھا پکڑ لیں تو وہ (یعنی موسیٰ کی قوم کا آدمی) بول اٹھا کہ اے موسیٰ!

أَتُرِيدُ أَنْ تَقْتُلَنِي كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًا بِالْأَمْسِ إِنَّ تُرِيدُ إِلَّا أَنْ تَكُونَ جَبَّارًا

جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مار ڈالا تھا (اُسی طرح) چاہتے ہو کہ مجھے بھی مار ڈالو؟ تم تو یہی چاہتے ہو کہ ملک میں ظلم و ستم

= صلح صفائی سے ختم کرنے کے بجائے جبر و تشدد سے بڑا بننا چاہتا ہے۔

”وجاء رجل من اقصى المدينة“ اسرائیلی کی گفتگو سے قبلی کے قتل کا معمہ حل ہو گیا اور یہ خبر فوراً ہی فرعون

تک پہنچ گئی، فرعون اور اس کے مشیروں نے موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا۔ فرعون کے رشتہ داروں میں سے ایک

نیک دل انسان جو بعد میں موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آیا اور قرآن میں جسے مومن آل فرعون کہا گیا ہے شمعون یا حزقیل

کو اس کی اطلاع ہو گئی وہ دوڑتا ہوا موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور دربار فرعون کے فیصلے سے انہیں آگاہ کیا اور مشورہ

دیا کہ وہ فوراً اس شہر سے ہجرت کر جائیں۔

فِي الْأَرْضِ وَمَا تُرِيدُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْمُصْلِحِينَ ﴿١٩﴾

کرتے پھرو اور یہ نہیں چاہتے کہ نیکوکاروں میں ہو

وَجَاءَ رَجُلٌ مِّنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَسْعَى قَالَ يَا مُوسَى إِنَّ الْمَلَأَ

اور ایک شخص شہر کی پرلی طرف سے دوڑتا ہوا آیا (اور) بولا کہ موسیٰ (شہر کے) رئیس تمہارے بارے میں

يَأْتِمِرُونَ بِكَ لَيَقْتُلُوكَ فَاخْرُجْ إِنِّي لَكَ مِنَ النَّاصِحِينَ ﴿٢٠﴾

مشورہ کر رہے ہیں کہ تم کو مار ڈالیں سو تم یہاں سے نکل جاؤ میں تمہارا خیر خواہ ہوں

فَاخْرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٢١﴾

موسیٰ وہاں سے ڈرتے ڈرتے نکل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں دعا کرنے لگے کہ اے اللہ! مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تَلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَى رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ

اور جب مدین کی طرف رخ کیا تو کہنے لگے کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے سیدھا رستہ بتائے

﴿٢٢﴾ لَمَّا وَرَدَ مَاءَ مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ

اور جب مدین کے پانی (کے مقام) پر پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ جمع ہو رہے ہیں (اور اپنے چوپایوں کو) پانی پلا رہے ہیں

وَوَجَدَ مِنْ دُونِهِمْ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِي

اور ان کے ایک طرف دو عورتیں (اپنی بکریوں کو) روکے کھڑی ہیں موسیٰ نے (ان سے) کہا تمہارا کیا کام ہے؟ وہ بولیں

حَتَّىٰ يُصَدِّرَ الرَّعَاءَ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ ﴿٢٣﴾

کہ جب تک چرواہے (اپنے چوپایوں کو) لے نہ جائیں ہم پانی نہیں پلا سکتے اور ہمارے والد بڑی عمر کے بوڑھے ہیں

فَسَقَى لَهُمَا ثُمَّ تَوَلَّى إِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ إِنِّي لِمَا أَنْزَلْتَ إِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرٌ ﴿٢٤﴾

تو موسیٰ نے ان کیلئے پانی پلا دیا پھر سائے کی طرف چلے گئے اور کہنے لگے کہ اے الہی! میں اس کا محتاج ہوں کہ تو مجھ پر اپنی نعمت نازل فرمائے

فَجَاءَتْهُ إِحْدَاهُمَا تَمْشِي عَلَى اسْتِحْيَاءٍ قَالَتْ

(تھوڑی دیر کے بعد) ان میں سے ایک عورت جو شرماتی اور لجاتی چلی آتی تھی موسیٰ کے پاس آئی (اور) کہنے لگی

إِنَّ أَبِي يَدْعُوكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَ مَا سَقَيْتَ لَنَا فَلَمَّا جَاءَهُ

کہ تم کو میرے والد بلاتے ہیں کہ تم نے جو ہمارے لئے پانی پلایا تھا اُس کی تمہیں اجرت دیں۔ جب وہ اُن کے پاس گئے

وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتُ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۲۳۵﴾

اور اُن سے (اپنا) ماجرا بیان کیا تو انہوں نے کہا کہ کچھ خوف نہ کرو تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو

قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ

ایک لڑکی بولی کہ ابا ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ بہتر نوکر جو آپ رکھیں وہ ہے (جو) توانا اور امانتدار (ہو)

﴿۲۳۶﴾ قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ اُنْكَحَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَى أَنْ

انہوں نے (موسیٰ سے) کہا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کو تم سے بیاہ دوں اس (عہد) پر کہ تم

تَأْجِرْنِي ثَمَنِي حَجَجٍ فَإِنْ أَتَمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِنْدِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ

آٹھ برس میری خدمت کرو اور اگر دس سال پورے کر دو تو وہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے۔ اور میں تم پر تکلیف ڈالنا

أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۲۳۷﴾

نہیں چاہتا تم مجھے ان شاء اللہ نیک لوگوں میں پاؤ گے

قَالَ ذَلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلِينَ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ

موسیٰ نے کہا کہ مجھ میں اور آپ میں یہ (عہد پختہ ہوا) میں جوئی مدت (چاہوں) پوری کر دوں پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو

وَاللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ﴿۲۳۸﴾ ﴿۲۳۸﴾ لَمَّا قَضَىٰ مُوسَىٰ الْأَجَلَ وَسَارَ بِأَهْلِهِ

اور ہم جو معاہدہ کرتے ہیں اللہ اس پر گواہ ہے۔ جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور اپنے گھر والوں کو لے کر چلے

اَنْسَ مِنْ جَانِبِ الطُّورِ نَارًا قَالَ لِأَهْلِهِ امْكُثُوا إِنِّي آنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّي

تو طور کی طرف سے آگ دکھائی دی تو اپنے گھر والوں سے کہنے لگے کہ (تم یہاں) ٹھہرو مجھے آگ نظر آئی ہے شاید میں

اَتِيكُمْ مِنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ جَذْوَةٍ مِنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿۲۴﴾

وہاں سے (رستے کا) کچھ خبر لاؤں یا آگ کا انگارہ لے آؤں تاکہ تم تاپو

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبْرَكَةِ

جب اس کے پاس پہنچے تو میدان کے دائیں کنارے سے ایک مبارک جگہ میں ایک درخت میں سے آواز آئی

مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَمُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۵﴾

کہ موسیٰ میں تو اللہ رب العالمین ہوں [2]

وَأَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ كَأَنَّهَا جَانٌّ وَلَّى مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ

اور یہ کہ اپنی لاٹھی ڈال دو جب دیکھا کہ وہ حرکت کر رہی ہے گویا کہ وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر چل دینے اور پیچھے پھر کر بھی نہ

يَمُوسَى أَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ إِنَّكَ مِنَ الْأَمِينِينَ ﴿۲۶﴾ اَسْلُكَ يَدَكَ

دیکھا (ہم نے کہا کہ) موسیٰ آگے آؤ اور ڈرو مت تم امن پانے والوں میں ہو۔ اپنا ہاتھ

[2] ”من شاطی“ مبدل منہ اور ”من الشجرة“ اس سے بدل ہے، جب وہ آگ کے قریب پہنچے تو اس

بابرکت اور سرسبز و شاداب خطے کا وادی کے دائیں کنارے کی جانب سے ایک درخت میں سے آواز آئی، اے موسیٰ! میں

اللہ ہوں، یعنی ساری کائنات میں متصرف اور سارے جہاں کا مالک ہوں ”ان یا موسیٰ“ میں ”ان تفسیر یہ ہے جو نداء کی

تفسیر کر رہا ہے۔

یہاں ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ وغیرہ نے ابن عباسؓ اور حسن بصریؓ اور سعید بن جبیرؓ سے ”من فی

النار“ کی تفسیر میں یہ روایت نقل کی ہے کہ ”من فی النار“ سے خود ذات حق سبحانہ و تعالیٰ مراد ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ آگ

ایک مخلوق ہے اور کسی مخلوق میں خالق کا حلول نہیں ہو سکتا، اس لئے اس روایت کا یہ مفہوم تو ہونی نہیں سکتا کہ ذات حق سبحانہ و تعالیٰ نے آگ کے اندر حلول فرمایا تھا، جیسا کہ بہت سے بُت پرست مشرکین بتوں کے وجود میں ذات حق کے حلول کے قائل ہیں، اور یہ توحید کے قطعاً خلاف ہے، بلکہ مراد ایسا ظہور ہے جیسا ایبندہ میں جس چیز کو دیکھا جاتا ہے وہ آئینہ میں حلول کئے ہوئے نہیں ہوتی، اس سے الگ اور خارج ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ ظہور جس کو تجلی بھی کہا جاتا ہے خود ذات حق سبحانہ و تعالیٰ کی تجلی نہیں تھی، ورنہ اگر ذات حق تعالیٰ کا مشاہدہ موسیٰ علیہ السلام نے کر لیا ہوتا تو بعد میں ان کے اس سوال کی کوئی وجہ نہیں رہتی ”رب ارنی انظر الیک“ (یعنی اے میرے پروردگار مجھے اپنی ذات پاک دکھا کہ میں دیکھ سکوں)۔

اور اس کے جواب میں حق تعالیٰ کی طرف سے ”لن ترانی“ کا ارشاد بھی پھر کوئی معنی نہ رکھتا، اس سے معلوم ہوا کہ ابن عباسؓ کے اس قول میں حق تعالیٰ کا ظہور مراد ہے یعنی تجلی جو آگ کی صورت میں ہوئی، یہ جس طرح حلول نہیں تھا اسی طرح تجلی ذات بھی نہیں تھی، بلکہ ”لن ترانی“ الایۃ، سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس عالم دنیا میں تجلی ذاتی کا کوئی شخص مشاہدہ نہیں کر سکتا، پھر اس ظہور و تجلی کا کیا مفہوم ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تجلی مثالی تھی۔ (معارف القرآن)۔

اور یہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا، عام لوگوں کے لئے اس پر قیاس کرنا، قیاس مع الفارق ہوگا، لہذا جو مولانا اشرف علی اشعارالغیور بمانی اشعار ابن منصور: ۱۴۷، میں لکھتے ہیں کہ: اسی ظہور کے ایک درجہ کو تجلی بھی کہتے ہیں، جیسے شجرہ طور میں بھی تجلی تھی، اگر کسی انسان کامل میں کلام کی تجلی ہو جائے تو بعد کیا ہے؟ اور، ص: ۱۴۳، میں لکھتے ہیں دوسرے معنی محتمل یہ ہے کہ میں نے یہ راز ظاہر نہیں کیا، خود محبوب ہی نے ظاہر کیا، یعنی ”انا الحق“ کے ساتھ وہی متکلم ہیں جیسا شجرہ طور سے کلام حق ”انی انا اللہ“ کا ظہور ہوا۔

بوادر النوار: ۳۹۸، میں رقم طراز ہیں کہ: جیسے شجرہ طور بلا اختیار کلمہ ”انی انا اللہ“ کا مظہر تصرف حق سے ہو گیا اسی طرح ابن منصور بھی بلا اختیار کلمہ ”انا الحق“ کا مظہر تصرف حق سے ہو گیا، باطل ہے۔

اور جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب سیرت منصور حلاج: ۵۰، میں لکھتے ہیں: اور ایک تاویل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس وقت ابن منصور کی زبان کلام حق کی ترجمان تھی، ان کی زبان سے اسی طرح ”انا الحق“ نکلا تھا، جیسا کہ شجرہ موسیٰ سے ”انی انا اللہ رب العالمین“ کی آواز آئی تھی۔ ظاہر ہے کہ درخت نے اپنے کو ”اللہ رب العالمین“ نہیں کہا تھا، بلکہ اس وقت وہ کلام الہی کا ترجمان تھا، اسی طرح ابن منصور کے متعلق بھی خیال کیا جا سکتا ہے اور غلبہ حالات و ارادات میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ عارف کی زبان سے اللہ تعالیٰ تکلم فرماتے ہیں، جس کو سالکین اصحاب

حال سمجھ سکتے ہیں، پس یہ تو مسلم ہو سکتا ہے کہ ابن منصور کی زبان سے ”انا الحق“ نکلا ہو مگر یہ مسلم نہیں کہ ابن منصور نے خود ”انا الحق“ کہا تھا۔

لیکن یہ تاویل انتہائی گمراہ کن اور باطل ہے اہل سنت میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے، اور یہ ایک خالص معنوی تحریف ہے۔ جبکہ ائمہ اہل السنّت میں سے کوئی بھی ابن منصور کو اچھا نہیں سمجھتا تھا، حافظ ابن حجر لسان المیزان: ۳۱۵/۲، میں لکھتے ہیں: ولا اری ینعصب للحلاج الامن قال بقوله الذی ذکر انہ عین الجمع، فهذا هو قول اهل الوحدة المطلقة، ولهذا ترى ابن عربی صاحب ”الفصوص“ یعظمه ويقع فی الجنید، میں حلاج کے حق میں اسی شخص کو تعصب رکھتے دیکھتا ہوں، جو اسی کے قول کا قائل ہے، جو اس سے ذکر کیا گیا ہے، کہ اس نے (خالق و مخلوق کے درمیان) جمع کو لازم کیا تھا، یہی وحدت مطلقہ (وحدة الوجود) والوں کا عقیدہ ہے۔ اسی لئے آپ ”الفصوص“ نامی کتاب کے مصنف ابن عربی کو دیکھیں گے کہ وہ اس کی تعظیم کرتا ہے اور جنید کی گستاخی کرتا ہے۔

حافظ ابن الجوزی تلمیذ البلیس: ۱۵۴/۱، میں لکھتے ہیں: اتفق علماء العصر علی اباحة دم الحلاج۔ اس کے زمانہ کے تمام علمائے کرام حلاج کے خون کے مباح ہونے پر متفق ہو گئے تھے۔

حافظ ابن کثیر نے البدایة والنہایة: ۱۴۹/۱۱، میں لکھا ہے: قد اتفق علماء بغداد علی کفر الحلاج وزندقتہ، و اجمعوا علی قتله وصلبه، وکان علماء بغداد اذ ذاک ہم علماء الدنیا۔ بغداد کے علماء کرام حلاج کے کافر و زندیق ہونے پر متفق ہو گئے تھے اور انہوں نے اسے قتل کرنے اور سولی پر لٹکانے پر اجماع کر لیا تھا اور اس زمانے میں علمائے بغداد ہی دنیا کے (کبار) علماء شمار ہوتے تھے۔

علامہ ذہبی سیر اعلام النبلاء: ۳۴۵/۱۴، میں لکھتے ہیں: فتدبر یا عبد اللہ ان حلة الحلاج الذی هو من رؤوس القرامطة، ودعاة الزندقة، وانصف وتورع، و اتق ذلک وحاسب نفسک، فان تبرهن لک ان شمائل هذا المرء شمائل عدو للاسلام، محب للرئاسة، حریص علی الظهور بباطل و بحق، ف تبرامن نحلته، وان تبرهن لک. (و العیاذ باللہ) انہ کان (والحالة هذه) محقا هادیا مهديا، فجدد اسلامک، واستغث بربک ان یوفقک للحق، وان یثبت قلبک علی دینہ، فانما الہدی نور یقذفہ اللہ فی قلب عبده المسلم، ولا قوة الا باللہ۔

اے اللہ کے بندے آپ اس علاج کے مذہب پر غور کریں، جو کہ قرامطہ غالی اور خطرناک قسم کے رافضی لوگوں کا ایک سردار اور الحاد و بے دینی کا زبردست داعی تھا۔ آپ انصاف وغیر جانب داری سے کام لیں، اس سے بچ جائیں، اور اپنے نفس کا محاسبہ کریں، اگر آپ کے لئے واضح ہو جائے کہ اس شخص کے خصائل اسلام دشمن، حکومت پسند اور باطل و حق کے اختلاط کے ساتھ غلبہ حاصل کرنے کے خواہش مند شخص کے خصائل ہیں تو فوراً اس کے مذہب سے دستبردار ہو جائیے! اور اللہ نہ کرے، اگر اس صورت حال کے باوجود آپ کو وہ حق بجانب، ہدایت یافتہ اور ہدایت کنندہ نظر آئے تو اپنے اسلام کی تجدید کیجئے اور اپنے رب سے مدد مانگیے کہ وہ آپ کو حق کی توفیق دے اور آپ کے دل کو اپنے دین پر ثابت رکھے، کیونکہ ہدایت تو ایک نور ہے، جسے اللہ تعالیٰ اپنے مسلمان بندے کے دل میں جاگزیں کر دیتا ہے۔ مگر اسی سے بچنے اور حق کو پانے کی قوت و طاقت صرف اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

بعض یہاں یہ تاویل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے کلام کو درخت میں پیدا کیا، پھر اس کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی، لیکن یہ تاویل باطل اور فاسد ہے، امام آجری کتاب الشریعہ: ۳۱۳، میں لکھتے ہیں: فان قال قائل منهم، خلق الله عز وجل كلاما في شجرة و كلم به موسى، قيل هذا هو الكفر لانه يزعم ان الكلام مخلوق، تعالى الله عن ذلك، الخ۔ یعنی اگر ان میں سے کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے درخت میں کلام کو پیدا کیا تھا اور اس کے ذریعے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی تھی، تو اسے کہا جائے گا، یہی کفر ہے، کیونکہ ان کا دعویٰ ہے کہ کلام الہی مخلوق ہے، الخ۔

اور اسی طرح امام بیہقی نے کتاب الاعتقاد: ۹۷، ۹۸، اور اشعری نے کتاب الابانہ: ۱۰۹، میں لکھا ہے، اور ابن ابی العز شرح عقیدۃ الطحاویة: ۱۷۵، ۱۷۶، میں لکھتے ہیں: کہ وما افسد استدلالهم بقوله تعالى: نودی من شاطی الوادی الایمن فی البقعة المبارکة من الشجرة“ علی ان الکلام خلقه اللہ تعالیٰ فی الشجرة فسمعہ موسیٰ منها و عموا عماء قبل هذه الكلمة و ما بعدها فان اللہ تعالیٰ قال: ” فلما آتاهانودی من شاطی الوادی الایمن“ الخ۔ یعنی ان جہمی لوگوں کا اس فرمان باری تعالیٰ (اس آیت) سے اس بات پر استدلال کتنا فاسد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام کو درخت میں پیدا کیا، پھر موسیٰ علیہ السلام نے اس سے سنا وہ اس فرمان باری تعالیٰ کے ما قبل اور ما بعد سے اندھے بن گئے ہیں۔

فِي جَيْبِكَ تَخْرُجُ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ وَاصْمَمُ إِلَيْكَ جَنَاحَكَ

گر بیان میں ڈالو تو بغیر کسی عیب کے سفید نکل آئے گا اور خوف دُور ہونے (کی وجہ) سے اپنے بازو کو اپنی طرف سیڑھ لو

مِنَ الرَّهْبِ فَذَنِكَ بُرْهَانِنِ مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ

یہ دو دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے ہیں (ان کیساتھ) فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس (جاؤ)

إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِيقِينَ ﴿٣٣٣﴾ رَبِّ إِنِّي قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَأَخَافُ

کہ وہ نافرمان لوگ ہیں۔ موسیٰ نے کہا کہ الہی! اُن کا ایک شخص میرے ہاتھ سے قتل ہو چکا ہے سو مجھے خوف ہے

أَنْ يُقْتَلُونَ ﴿٣٣٤﴾ وَالْحَيُّ هَارُونُ هُوَ أَفْصَحُ مِنِّي لِسَانًا

کہ وہ (کہیں) مجھے مار نہ ڈالیں۔ اور ہارون (جو) میرا بھائی (ہے) اس کی زبان مجھ سے زیادہ فصیح ہے

فَأَرْسَلَهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ ﴿٣٣٥﴾

تو اُس کو میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیج کہ میری تصدیق کرے مجھے خوف ہے کہ وہ میری تکذیب کریں گے

قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ وَنَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطَانًا

(اللہ نے) فرمایا ہم تمہارے بھائی سے تمہارے بازو کو مضبوط کریں گے اور تم دونوں کو غلبہ دیں گے

فَلَا يَصِلُونَ إِلَيْكُمَا بِأَيِّتِنَا ۗ إِنَّكُمْ مَنِاتِبِعِكُمَا الْغَالِبُونَ ﴿٣٣٦﴾

تو ہماری نشانیوں کے سبب وہ تم تک نہ پہنچ سکیں گے (اور) تم اور جنہوں نے تمہاری پیروی کی غالب رہو گے

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرَىٰ

اور جب موسیٰ ان کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے جو اس نے بنا کھڑا کیا ہے

وَمَا سَمِعْنَا بِهَذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ﴿٣٣٧﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ

اور یہ (باتیں) ہم نے اپنے اگلے باپ دادا میں تو (کبھی) سنی نہیں۔ اور موسیٰ نے کہا کہ میرا رب اس شخص کو خوب جانتا ہے

بِمَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِنْدِهِ وَمَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ

جو اس کی طرف سے حق لے کر آیا ہے اور جس کیلئے عاقبت کا گھر (یعنی جنت) ہے بیشک ظالم نجات نہیں پائیں گے

﴿۱۰۷﴾ قَالِ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرِي

اور فرعون نے کہا کہ اے اہل دربار میں تمہارا اپنے سوا کسی کو معبود نہیں جانتا تو

فَأَوْقَدْ لِي يَهَامُنُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَلْ لِي صَرْحًا لَعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَهِ

ہامان میرے لئے گارے کو آگ لگوا (کرا بیٹھیں پکوا) دوپھر ایک (اونچا) محل بنا دو تاکہ میں موسیٰ کے معبود کی طرف چڑھ

مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكٰذِبِينَ ﴿۱۰۸﴾ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ

جاؤں اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اور وہ اور اس کے لشکر ملک میں ناحق مغرور ہو رہے تھے

فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ﴿۱۰۹﴾ أَخَذْنَاهُ

اور خیال کرتے تھے کہ وہ ہماری طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے۔ تو ہم نے ان کو اور ان کے لشکروں کو پکڑ لیا

وَجُنُودَهُ فَنَبَذْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿۱۱۰﴾

اور دریا میں ڈال دیا سو دیکھ لو کہ ظالموں کا کیسا انجام ہوا

وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُنصَرُونَ ﴿۱۱۱﴾

اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا تھا وہ (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے تھے اور قیامت کے دن ان کی مدد نہیں کی جائے گی

وَاتَّبَعْنَاهُمْ فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً ۗ وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ هُمْ مِنَ الْمَقْبُوحِينَ ﴿۱۱۲﴾

اور اس دنیا میں ہم نے ان کے پیچھے لعنت لگا دی اور وہ قیامت کے روز بھی بد حالوں میں ہوں گے

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ الْأُولَىٰ بَصَائِرَ

اور ہم نے پہلی امتوں کو ہلاک کرنے کے بعد موسیٰ کو کتاب دی جو لوگوں کیلئے بصیرت

لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۳﴾

اور ہدایت اور رحمت ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغُرُبَىٰ إِذْ قَضَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى الْأَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ

اور جب ہم نے موسیٰ کی طرف حکم بھیجا تو تم (طور کے) مغرب کی طرف نہیں تھے اور نہ اس واقعے کے

الشَّهِدِينَ ﴿۲۴﴾ لَكِنَّا أَنْشَأْنَا قُرُونًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ وَمَا كُنْتَ

دیکھنے والوں میں تھے۔ لیکن ہم نے (موسیٰ کے بعد) کئی امتوں کو پیدا کیا پھر ان پر مدت طویل گزر گئی اور نہ تم

ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمُ آيَاتِنَا وَلَكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ﴿۲۵﴾

مدین میں رہنے والے تھے کہ ان کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے تھے ہاں ہم ہی تو پیغمبر بھیجنے والے تھے

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ نَادَيْنَا وَلَكِنْ رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ

اور نہ تم اُس وقت جب کہ ہم نے آواز دی طور کے کنارے تھے بلکہ (تمہارا بھیجا جانا) تمہارے رب کی رحمت ہے

لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُمْ مِنْ نَّذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۶﴾

تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا ہدایت کرو تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

وَلَوْلَا أَن تَصِيبَهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا

اور (اے پیغمبر! ہم نے تمہیں اس لئے بھیجا ہے کہ) ایسا نہ ہو کہ اگر ان (اعمال) کے سبب جو ان کے ہاتھ آگے بھیج چکے ہیں

رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ

ان پر کوئی مصیبت واقع ہوتو یہ کہنے لگیں کہ اے اللہ! تو نے ہماری طرف کوئی پیغمبر کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی

وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۷﴾ لَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا

کرنے اور ایمان لانے والوں میں ہوتے۔ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے

لَوْلَا أُوتِيَ مِثْلَ مَا أُوتِيَ مُوسَىٰ أَوْلَمْ يَكْفُرُوا بِمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ

کہ جیسی (نشانیوں) موسیٰ کو ملی تھیں ویسی اس کو کیوں نہیں ملیں؟ کیا جو (نشانیوں) پہلے موسیٰ کو دی گئی تھیں

مِنْ قَبْلُ قَالُوا سِحْرَانِ تَظَاهَرَا وَقَالُوا إِنَّا بِكُلِّ كَفْرٍ لَّوْنٌ ﴿۲۸﴾

انہوں نے ان سے کفر نہیں کیا؟ کہنے لگے کہ دونوں جادوگر ہیں ایک دوسرے کے موافق اور بولے کہ ہم سب سے منکر ہیں

قُلْ فَاتَّبِعُوا بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ هُدًى مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا

کہہ دو کہ اگر سچے ہو تو تم اللہ کے پاس سے کوئی کتاب لے آؤ جو ان دونوں (کتابوں) سے بڑھ کر ہدایت کرنے والی ہو

اتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۹﴾ إِن لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ

تاکہ میں بھی اسی کی پیروی کروں۔ پھر اگر یہ تمہاری بات قبول نہ کریں تو جان لو

أَنَّ مَا يَتَّبِعُونَ هُوَ آهَاءٌ هُمْ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ

کہ یہ صرف اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے۔ اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوگا

بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۰﴾

جو اللہ کی ہدایت چھوڑ کر اپنی خواہش پر چلتا ہو بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۳۱﴾ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ

اور ہم نے درپے درپے ان لوگوں کے پاس (ہدایت کی) باتیں بھیجتے رہے ہیں تاکہ نصیحت پکڑیں۔ جن لوگوں کو ہم نے

الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهِ هُمْ بِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۳۲﴾ وَإِذْ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ قَالُوا

اس سے پہلے کتاب دی تھی وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ اور جب (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو کہتے ہیں

آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ﴿۳۳﴾

کہ ہم اس پر ایمان لائے بیشک وہ ہمارے رب کی طرف سے برحق ہے (اور) ہم تو اس سے پہلے کے حکم بردار ہیں

أُولَٰئِكَ يُوتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُ وَنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ

ان لوگوں کو دگنا بدلا دیا جائے گا کیونکہ صبر کرتے رہے ہیں اور بھلائی کیساتھ بُرائی کو دُور کرتے ہیں

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۱۰۶﴾ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا

اور جو (مال) ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اُس سے منہ پھیر لیتے

لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَّمَ عَلَيْكُمْ لَا نَبْغِي الْجَاهِلِينَ ﴿۱۰۷﴾

ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم کو ہمارے اعمال اور تم کو تمہارے اعمال تم کو سلام ہم جاہلوں کو منہ نہیں لگاتے

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ

(اے محمد ﷺ!) تم جس کو دوست رکھتے ہو اُسے ہدایت نہیں کر سکتے بلکہ اللہ ہی جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور وہ ہدایت

بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۰۸﴾ قَالُوا إِنْ تَتَّبِعِ الْهُدَىٰ مَعَكَ نُخَاطِفُ مِنْ أََرْضِنَا

پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو اپنے ملک سے اچک لئے جائیں

أَوْ لَمْ نُمْكِنْ لَهُمْ حَرَمًا آمِنًا يُجْبَىٰ إِلَيْهِ ثَمَرَاتُ كُلِّ شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا

کیا ہم نے اُن کو حرم میں جو امن کا مقام ہے جگہ نہیں دی؟ جہاں ہر قسم کے میوے پہنچائے جاتے ہیں رزق ہماری طرف

وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۹﴾ لَوْلَا كُنَّا مِنْ قَرْيَةٍ بَطَرَتْ مَعِيشَتَهَا

سے ہے لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنی (فرائی) معیشت میں اترا

فَتِلْكَ مَسْكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ إِلَّا قَلِيلًا ۗ وَكُنَّا نَحْنُ الْوَارِثِينَ

رہے تھے سو یہ اُن کے مکانات ہیں جو اُن کے بعد آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم، اور اُن کے پیچھے ہم ہی ان کے وارث ہوئے

﴿۱۱۰﴾ لَوْ كَانِ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمَمَةٍ رَسُولًا لِّتَتْلُوا

اور تمہارا رب بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتا جب تک اُن کے بڑے شہر میں پیغمبر نہ بھیج لے جو اُن کو ہماری آیتیں پڑھ پڑھ کر

عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرَىٰ إِلَّا وَأَهْلُهَا ظَالِمُونَ ﴿٤٤﴾

سنائے اور ہم بستیوں کو ہلاک نہیں کیا کرتے مگر اس حالت میں کہ وہاں کے باشندے ظالم ہوں

وَمَا أُوْتِيتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِينَتُهَا

اور جو چیز تمہیں دی گئی ہے وہ دنیا کی زندگی کا فائدہ اور اس کی زینت ہے

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَأَبْقٰى أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٤٥﴾

اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والی ہے کیا تم سمجھتے نہیں؟

أَفَمَنْ وَعَدْنَاهُ وَعَدًّا حَسَنًا فَهُوَ لَا يَأْتِيهِ كَمَنْ مَّتَّعْنَاهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

بھلا جس شخص سے ہم نے نیک وعدہ کیا اور اس نے اسے حاصل کر لیا تو کیا وہ شخص اس کا سا ہے جس کو ہم نے دنیا کی زندگی

ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ ﴿٤٦﴾

کے فائدے سے بہرہ مند کیا پھر وہ قیامت کے روز ان لوگوں میں ہو جو (ہمارے رُوبرو) حاضر کئے جائیں گے

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَآءِىَ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٤٧﴾

اور جس روز اللہ اُن کو پکارے گا اور کہے گا میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کا تمہیں دعویٰ تھا؟

قَالَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَغْوَيْنَا أَغْوَيْنَاهُمُ

(تو) جن لوگوں پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو چکا ہو گا وہ کہیں گے کہ ہمارے رب یہ وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے گمراہ کیا تھا

كَمَا غَوَيْنَا تَبَرَّأْنَا إِلَيْكَ مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ ﴿٤٨﴾

اور جس طرح ہم خود گمراہ ہوئے تھے اسی طرح ان کو گمراہ کیا تھا ہم تیری طرف ان سے بیزار ہوتے ہیں یہ ہمیں نہیں پوجتے تھے

وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَآءَكُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَرَأَوُا الْعَذَابَ

اور کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو بلاؤ تو وہ ان کو پکاریں گے اور وہ ان کو جواب نہ دے سکیں گے اور (جب) عذاب کو دیکھ

لَوْ أَنَّهُمْ كَانُوا يَهْتَدُونَ ﴿۴۳﴾ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ

لیں گے (تو تمنا کریں گے کہ) کاش وہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ ۶۳۔ اور جس روز اللہ ان کو پکارے گا اور کہے گا

مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِينَ ﴿۴۴﴾ فَعَمِيَتْ عَلَيْهِمُ الْأَنْبَاءُ يَوْمَئِذٍ فَهُمْ لَا

کہ تم نے پیغمبروں کو کیا جواب دیا؟ تو وہ اس روز خبروں سے اندھے ہو جائیں گے اور آپس میں کچھ بھی نہ پوچھ سکیں گے

يَتَسَاءَلُونَ ﴿۴۵﴾ مِمَّا مَن تَابَ وَآمَنُ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسَىٰ أَنْ يَكُونَ

لیکن جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور عمل نیک کئے تو یقین ہے کہ وہ نجات پانے والوں میں ہو

مِنَ الْمُفْلِحِينَ ﴿۴۶﴾ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ

اور تمہارا رب جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) برگزیدہ کر لیتا ہے

وَيُخْتَارُ ۚ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۚ سُبْحَانَ اللَّهِ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۴۸﴾

ان کو اس کا اختیار نہیں ہے یہ جو شرک کرتے ہیں اللہ اُس سے پاک اور بالاتر ہے

وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُورُهُمْ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۴۹﴾ ۚ هُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا

اور ان کے سینے جو کچھ چھپاتے کرتے اور جو ظاہر کرتے ہیں تمہارا رب اس کو جانتا ہے۔ اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

هُوَ ۚ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْأُولَىٰ وَالْآخِرَةِ وَلَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۵۰﴾

دنیا اور آخرت میں اُسی کی تعریف ہے اور اُسی کا حکم اور اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ اللَّيْلَ سَرْمَدًا إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهٌ

کہو بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات (کی تاریکی) کئے رہے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو تمہیں

غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بَضِيَاءٍ ۚ أَفَلَا تَسْمَعُونَ ﴿۵۱﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ جَعَلَ اللَّهُ

روشنی لا دے تو کیا تم سنتے نہیں؟۔ کہو بھلا دیکھو تو اگر اللہ تم پر

عَلَيْكُمْ النَّهَارَ سَرْمَدًا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بَلِيلٌ

ہمیشہ قیامت تک دن کئے رہے تو اللہ کے سوا کون معبود ہے کہ تم کو رات لا دے

تَسْكُنُونَ فِيهِ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۳۳﴾ وَمِنْ رَحْمَتِهِ جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

جس میں تم آرام کرو تو کیا تم دیکھتے نہیں؟ اور اس نے اپنی رحمت سے تمہارے لئے رات کو اور دن کو بنایا

لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۳۴﴾

تاکہ تم اس میں آرام کرو اور اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو

وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۳۵﴾

اور جس دن وہ ان کو پکارے گا اور کہے گا کہ میرے وہ شریک جن کا تمہیں دعویٰ تھا کہاں گئے؟

وَنَزَعْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا فَقُلْنَا هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ فَعَلِمُوا

اور ہم ہر ایک اُمت میں سے گواہ نکالیں گے پھر کہیں گے کہ اپنی دلیل پیش کرو تو وہ جان لیں گے

أَنَّ الْحَقَّ لِلَّهِ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۳۶﴾

کہ سچ بات اللہ کی ہے اور جو وہ افتراء کیا کرتے تھے ان سے جاتا رہے گا

إِنَّ قَارُونَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوسَى فَبَغَى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوزِ

قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور ان پر ظلم کرتا تھا اور ہم نے اُس کو اتنے خزانے دیئے تھے

مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُودًا بِالْعُصْبَةِ أُولَى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ

کہ اُن کے خزانے ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں، جب اُس سے اُس کی قوم نے کہا کہ اترائیے مت

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ ﴿۳۷﴾ وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ

کہ اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو (مال) تمہیں اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت (کی بھلائی)

وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنَ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ

طلب کیجئے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلائیے اور جیسی اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے

﴿۷۷﴾ وَلَا تَبْغِ الْفُسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۷۷﴾

(ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو اور ملک میں طالبِ فساد نہ ہو کیونکہ اللہ فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا

قَالَ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِنْدِي أَوَلَمْ يَعْلَم أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ

بولاکہ یہ (مال) مجھے میری دانش (کی وجہ) سے ملا ہے کیا اُس کو معلوم نہیں کہ اللہ نے اس سے پہلے بہت سی امتیں

مِنَ الْقُرُونِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعًا وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِهِمْ

جو اس سے قوت میں بڑھ کر اور جمعیت میں بیشتر تھیں ہلاک کر ڈالی ہیں اور گنہگاروں سے اُن کے گناہوں کے بارے میں

الْمُجْرِمُونَ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۸﴾ أَخْرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ

پوچھنا نہیں جائے گا۔ تو (ایک روز) قارون (بڑی) آرائش (اور ٹھاٹھ) سے اپنی قوم کے سامنے نکلا جو لوگ دنیا کی زندگی

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَلِيتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ

کے طالب تھے کہنے لگے کہ جیسا (مال و متاع) قارون کو ملا ہے کاش (ایسا ہی) ہمیں بھی ملے وہ تو بڑا ہی نصیب والا ہے

﴿۷۹﴾ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَيَلَكُمْ ثَوَابُ اللَّهِ خَيْرٌ لِّمَنْ

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ کہنے لگے کہ تم پر افسوس مومنوں اور نیکوکاروں کیلئے (جو) ثواب اللہ (کے ہاں تیار ہے وہ)

أَمِنَ وَعَمِلَ صَالِحًا وَلَا يُلْقَاهَا إِلَّا الصَّابِرُونَ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۰﴾

کہیں بہتر ہے اور وہ صرف صبر کرنے والوں کو ہی ملے گا

فَخَسَفْنَا بِهِ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُونَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ

پس ہم نے قارون کو اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا تو اللہ کے سوا کوئی جماعت اُس کی مددگار نہ ہو سکی

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُنتَصِرِينَ ﴿۸۱﴾ وَأَصْبَحَ الَّذِينَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ

اور نہ وہ بدلا لے سکا۔ [3] اور وہ لوگ جو کل اس کے رتبے کی تمنا کرتے تھے صبح کو کہنے لگے ہائے شامت

[3] یہ تحریف دنیوی ہے اور ”وما اوتیتہم من شیء، الایۃ“ سے متعلق ہے۔ دنیا کی ناپائنداری کا حال دیکھ لو۔ قارون کے پاس کس قدر دولت تھی مگر اس نے دولت میں اللہ کا حق ادا نہ کیا اور کفر و شرک کرتا رہا، اس لئے دولت کے ساتھ تباہ و برباد کر دیا گیا۔ قارون موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا موسیٰ علیہ السلام کے والد عمران اور قارون کا والد یصہر دونوں حقیقی بھائی تھے جو قاہرہ بن لادی بن یعقوب کے بیٹے تھے۔ (روح المعانی)۔ قارون منافق تھا، اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دریا سے پار ہو گیا۔ ولم یکن فی بنی اسرائیل اقرأمنہ للتوراة ولکنہ نافیق کما نافیق السامری (خازن) وہ کثرت مال کی وجہ سے دوسرے اسرائیلیوں پر ظلم و زیادتی کرتا تھا۔

”مفاتحہ“ سے مراد خزانے ہیں نہ کہ کنجیاں، جیسا کہ ابن عباسؓ اور دوسرے مفسرین نے کہا ہے: قال السدی ای خزائنہ وفی معناه قول الضحاک ای ظروفہ واوعیتہ، وروی نحو ذلک عن ابن عباسؓ والحسنؓ (روح)۔ ”عصبۃ“ تین سے دس آدمیوں تک کی جماعت کو کہتے ہیں۔ یعنی ہم نے اسے اس قدر دولت دی تھی کہ اس کے خزانوں کو طاقتور آدمیوں کی جماعت بڑی شکل سے اٹھا سکتی تھی۔

”اذ“ ”قال“ کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے ای اظہر التفاخر و الفرح (روح)۔

”وابتغ فیما اتاک اللہ“ قوم کے لوگوں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی، اور اس سے کہا اللہ تعالیٰ نے جو تمہیں دولت دی ہے اس میں اللہ کا حق ادا کر کے اور اسے اللہ کے حکم کے مطابق خرچ کر کے سامانِ آخرت تیار کر اور دنیا کی زندگی سے فائدہ اٹھا۔ جس طرح اللہ نے تجھ پر احسان فرمایا ہے اور تجھے دولت عطا فرمائی ہے اسی طرح تو اللہ کے بندوں پر احسان کر اور دولت کے بل پر زمین میں شرف و فساد بپامت کر، کیونکہ اللہ تعالیٰ شکر پسند لوگوں کو پسند نہیں فرماتا۔

”قال انما اوتیتہ علی علم عندی“ قارون نے اپنے ناصحین کو نہایت ہی سرکشانہ جواب دیا اور کہنے لگا کہ اللہ کا کونسا احسان ہے یہ دولت تو میں نے اپنے علم و ہنر سے حاصل کی ہے۔ ”علم“ سے تجارت اور ذرائع معاش کا علم مراد ہے۔ بعض نے علم کی بیا مراد لیا ہے، ارادہ علمہ بوجوہ المکاسب و التجارات (کبیر)۔ قال ابن

المیسب علم الکیما (روح).

”اولم یعلم ان اللہ“ یہ قارون کیلئے تنبیہ و تہدید ہے، کیا تو رات کے تلاوت سے اسے یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ اس سے پہلے بڑی بڑی سرکش قوموں کو اللہ نے ہلاک کر دیا جو دولت اور خدم و چشم میں اس سے کہیں زیادہ تھے۔ اور پھر ایسے سرکش اور متکبر مجرموں کے گناہوں کا کوئی حساب کتاب نہیں کیا جاتا اور انہیں بلا حساب ہی جہنم میں ڈال دیا جاتا ہے۔ کیونکہ جرم و گناہ اور معاصی کے سوا ان کے پلے کچھ ہوتا ہی نہیں۔ لعلمہ تعالیٰ بہم بل یدخلون النار بغیر حساب (مدارک)۔

”فخرج علی قومہ فی زینتہ“ قارون ایک دفعہ اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ اپنے خدم و چشم کے جلو میں نہایت ہی عیش قیمت لباس اور ساز و سامان کے ساتھ نکلا۔ جب دنیا دار لوگوں نے اس کی شان اور آن بان دیکھی تو بول اٹھے ہائے کاش ہمارے پاس بھی اس قدر دولت ہوتی۔ قارون تو بڑا ہی خوش قسمت ہے۔

”وقال الذین اتوا العلم“ دنیا داروں کی باتیں سن کر دیندار اور اہل علم نے اس ارزو پر انہیں سرزنش کی اور کہا تم پر افسوس تم دنیا کی تمنا کرتے ہو حالانکہ ایمان اور عمل صالح کا ثواب و اجر اس سے بدرجہا بہتر ہے، لیکن یہ خیال صرف انہیں لوگوں کے دلوں میں آتا ہے جو ایمان اور عمل صالح پر قائم ہوں اور شہوات و معاصی سے اپنے نفس امارہ کو قابو میں رکھ سکتے ہوں۔

”فخسفنا بہ وبدارہ الارض“ قارون کی سرکشی اور اس کے عناد و استکبار اور انکار و تجرد کی وجہ سے ہم نے اس کو اور اس کے عالیشان محلات کو خزاں دولت سمیت زمین میں دھنسا دیا۔

”فماکان لہ من فئۃ“ دنیا میں ہزاروں افراد اس کی خدمت اور امداد و اعانت کرنے والے موجود تھے مگر عذاب الہی سے اسے کوئی بھی نہ بچا سکا۔ قارون کے بارے کئی بے سرو پا قصے مشہور ہیں جن میں سے کوئی بھی صحیح نہیں مثلاً اس کے خزانے اس قدر زیادہ تھے کہ ان کی چابیاں چالیس یا ساٹھ خچریں اٹھا سکتی تھیں جبکہ ایک چابی صرف انگلی کی مقدار لمبی تھی اور اتنی ہلکی کہ چڑے سے بنائی گئی تھی۔

اسی طرح جب وہ شان و شوکت سے نکلا تو اس کے آگے پیچھے اودائیں بائیں ستر ہزار پیادوں چار ہزار گھوڑا سواروں اور تین سولونڈیوں کا جلوس تھا۔ علیٰ ہذا قارون اس وقت سے لے کر اس وقت تک زمین میں دھنس رہا ہے اور قیامت تک دھنستا رہے گا۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب بے سند اور جھوٹے قصے ہیں۔ علامہ الوسی وغیرہ لکھتے ہیں کہ فلکیات =

يَقُولُونَ وَيَكُنَّ اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ

اللہ ہی تو اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کیلئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے

لَوْلَا أَنْ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيَكَاذِبُونَ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۸۴﴾

اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا ہائے خرابی کافر نجات نہیں پا سکتے

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا

وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اُسے اُن لوگوں کیلئے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے

فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۸۵﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ خَيْرٌ مِنْهَا

اور انجام تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔ جو شخص نیکی لے کر آئے گا اُس کیلئے اُس سے بہتر ہے اور جو بُرائی لائے گا

وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ إِلَّا مَا كَانُوا

تو جن لوگوں نے بُرے کام کئے اُن کو بدلا بھی اُسی طرح کا ملے گا جس طرح کے وہ کام کرتے تھے

= کے ماہرین کے مطابق زمین کے قطر کی مقدار معین ہے اس لئے یہ دھنسنے کا واقعہ اشکال سے خالی نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

بصحة ذلك بل هو مشكل ان صح ماقاله الفلاسفة في مقدار قطر الارض (روح)۔

”واصبح الذين تمنوا“ کل جن لوگوں نے قارون کی شان و شوکت دیکھ کر اس جیسی دولت اور شان کی تمنا کی

تھی اب وہ اپنی باتوں پر ندامت کا اظہار کرنے لگے اور کہا دولت کی فراخی اور تنگی اللہ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے

دولت مند بنائے اور جسے چاہے تنگ دست کرے، اور اس کی حکمتیں بھی وہی جانتا ہے۔ اللہ کا شکر اور احسان ہے کہ اس نے

ہمیں اس قدر دولت نہیں دی ورنہ ہم بھی قارون کی طرح سرکش اور اللہ کے نافرمان اور باغی ہو جاتے اور ہمارا بھی وہی

حشر ہوتا جو قارون کا ہوا۔

يَعْمَلُونَ ﴿٨٢﴾ إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَأْدُكَ إِلَى مَعَادٍ

(اے پیغمبر!) جس (رب) نے تم پر قرآن (کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ تمہیں بازگشت کی جگہ لوٹا دے گا

قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ مَنْ جَاءَ بِالْهُدَىٰ وَمَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٨٣﴾

کہہ دو کہ میرا رب اُس شخص کو بھی خوب جانتا ہے جو ہدایت لے کر آیا اور (اُس کو بھی) جو صریح گمراہی میں ہے

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ إِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ فَلَا

اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر تمہارے رب کی مہربانی سے تو تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہونا

تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ ﴿٨٤﴾ وَلَا يَصُدُّكَ عَنْ آيَاتِ اللَّهِ بَعْدَ إِذِ

اور وہ تمہیں اللہ کی آیتوں (کی تبلیغ) سے بعد اس کے کہ وہ تم پر نازل ہو چکی ہیں

أَنْزَلَتْ إِلَيْكَ وَادُّعِ إِلَى رَبِّكَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٨٥﴾

روک نہ دیں اور اپنے رب کو پکارتے رہو اور مشرکوں میں سے ہرگز نہ ہو جانا

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۗ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۚ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ۗ

اور اللہ کیساتھ کسی اور کو معبود (سمجھ کر) نہ پکارنا اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اُس کی (پاک) ذات کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی

لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٨٨﴾

ہے۔ علم اُسی کا ہے۔ اور اُسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے

سورة العنكبوت (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۱﴾ أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا

آلہم۔ کیا لوگ یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے

﴿۲﴾ وَلَا يُفْتَنُونَ ﴿۱﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟۔ اور جو لوگ ان سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان کو بھی آزمایا تھا (اور ان کو بھی

﴿۳﴾ فَلْيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلْيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ ﴿۳﴾

آزمائیں گے) سو اللہ ان کو ضرور ظاہر کرے گا جو (اپنے ایمان میں) سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں

﴿۴﴾ أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ أَنْ يَسْبِقُونَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۴﴾

کیا وہ لوگ جو بُرے کام کرتے ہیں یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے؟ جو یہ خیال کرتے ہیں بُرا ہے

﴿۵﴾ مَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۵﴾

جو شخص اللہ کی ملاقات کی امید رکھتا ہو تو اللہ کا (مقرر کیا ہوا) وقت ضرور آنے والا ہے اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے

﴿۶﴾ وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۶﴾

اور جو شخص محنت کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے محنت کرتا ہے اور اللہ تو سارے جہان سے بے نیاز ہے

﴿۷﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ہم ان کے گناہوں کو ان سے دُور کر دیں گے

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَحْسَنَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۷﴾

اور اُن کو اُن کے اعمال کا بہت اچھا بدلا دیں گے

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کیساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اگر تیرے ماں باپ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک بنائے

لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَاَنْتُمْ كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸﴾

جس سے تم واقف نہ ہو تو اُن کا کہنا نہ ماننا تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے تھے میں تمہیں بتاؤں گا

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصَّالِحِينَ ﴿۹﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو ہم نیک لوگوں میں داخل کریں گے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ فَإِذَا أُوذِيَ فِي اللَّهِ جَعَلَ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے جب ان کو اللہ (کے رستے) میں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو لوگوں

فِتْنَةً النَّاسِ كَعَذَابِ اللَّهِ وَلَئِنْ جَاءَ نَصْرٌ مِّنْ رَبِّكَ لَيَقُولُنَّ إِنَّا كُنَّا

کی ایذا کو (یوں) سمجھتے ہیں جیسے اللہ کا عذاب اور اگر تمہارے رب کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم

مَعَكُمْ أَوْلَىٰ لَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِمَا فِي صُدُورِ الْعَالَمِينَ ﴿۱۰﴾

تو تمہارے ساتھ تھے کیا جو اہل عالم کے سینوں میں ہے اللہ اس سے واقف نہیں؟

وَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنَافِقِينَ ﴿۱۱﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

اللہ اُن کو ضرور ظاہر کرے گا جو مومن ہیں اور منافقوں کو بھی ظاہر کر کے رہے گا۔ اور جو کافر ہیں وہ مومنوں سے کہتے ہیں

لِلَّذِينَ آمَنُوا اتَّبِعُوا سَبِيلَنَا وَلْنَحْمِلْ خَطِيئَتَكُمْ وَمَا هُمْ بِحَامِلِينَ مِنْ

کہ ہمارے طریق کی پیروی کرو ہم تمہارے گناہ اٹھالیں گے حالانکہ وہ اُن کے گناہوں کا کچھ بھی بوجھ اٹھانے والے نہیں

خَطِيئُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِنَّهُمْ لَكَذِبُونَ ﴿۱۳﴾ ۱۳ وَلِيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَعَ

کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔ اور یہ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے بوجھوں کیساتھ اور (لوگوں کے) بوجھ بھی

أَثْقَالِهِمْ وَلَيَسْئَلُنَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَمَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۴﴾ ۱۴

اور جو بہتان یہ باندھتے رہے قیامت کے دن ان کی ان سے ضرور پرش ہوگی

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس برس کم ہزار برس رہے

فَأَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۵﴾ ۱۵ فَانجَيْنَاهُ وَأَصْحَبَ السَّفِينَةَ

پھر ان کو طوفان (کے عذاب) نے آ پکڑا اور وہ ظالم تھے۔ پھر ہم نے نوح کو اور کشتی والوں کو نجات دی

وَجَعَلْنَاهَا آيَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ ۱۶ وَإِبْرَاهِيمَ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ اعْبُدُوا اللَّهَ

اور کشتی کو اہل عالم کیلئے نشانی بنا دیا۔ اور ابراہیم کو (یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ کی عبادت کرو

وَاتَّقُوهُ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾ ۱۷ إِنَّمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ

اور اس سے ڈرو اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ تم تو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے

اللَّهِ أَوْثَانًا وَتَخْلُقُونَ أَفْكَاطًا ۖ إِنَّ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ

اور بہتان باندھتے ہو تو جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو وہ تمہیں رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے

لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوا عِنْدَ اللَّهِ الرِّزْقَ وَاعْبُدُوهُ وَاشْكُرُوا لَهُ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ

پس اللہ ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر ادا کرو اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے

﴿۱۸﴾ ۱۸ وَإِنْ تُكَذِّبُوا فَقَدْ كَذَّبَ أُمَمٌ مِّن قَبْلِكُمْ وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا

اور اگر تم (میری) تکذیب کرو تو تم سے پہلے بھی امتیں (اپنے پیغمبروں کی) تکذیب کر چکی ہیں اور پیغمبر کے ذمے کھول کر

الْبَلِغِ الْمُبِينِ ﴿۱۸﴾ لَمْ يَرَوْا كَيْفَ يُبْدِئُ اللَّهُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ

سنادینے کے سوا اور کچھ نہیں۔ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ کس طرح خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اس کو بار بار پیدا

إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۱۹﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ

کرتا رہتا ہے؟ یہ اللہ کو آسان ہے۔ کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اُس نے کس طرح

بَدَأَ الْخَلْقَ ثُمَّ اللَّهُ يُنْشِئُ النَّشْأَةَ الْآخِرَةَ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

مخلوق کو پہلی بار پیدا کیا ہے پھر اللہ ہی پھیل پیدائش پیدا کرے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

﴿۲۰﴾ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَرْحَمُ مَنْ يَشَاءُ وَإِلَيْهِ تُقْلَبُونَ ﴿۲۱﴾

وہ جسے چاہے عذاب دے اور جس پر چاہے رحم کرے اور اُسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے

وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ

اور تم (اس کو) نہ زمین میں عاجز کر سکتے ہو اور نہ آسمان میں اور نہ اللہ کے سوا تمہارا

مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۲۲﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَايَتِ اللَّهِ وَلِقَائِهِ

کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔ اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں سے اور اس کے ملنے سے انکار کیا

أُولَٰئِكَ يَسْأَلُونَ مِنْ رَحْمَتِي وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۳﴾

وہ میری رحمت سے ناامید ہو گئے ہیں اور ان کو دردناک عذاب ہو گا

فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا اقْتُلُوهُ أَوْ حَرِّقُوهُ فَأَنْجَاهُ اللَّهُ مِنَ النَّارِ

تو ان کی قوم کے لوگ جواب میں کچھ نہ بولے مگر یہ کہ اسے مار ڈالو یا جلا دو مگر اللہ نے ان کو آگ سے بچالیا

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۴﴾ وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ

جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کیلئے اس میں نشانیاں ہیں۔ اور ابراہیم نے کہا کہ تم جو اللہ کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو

اللَّهُ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُم

تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کیلئے (مگر) پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے (کی دوستی) سے انکار کرو گے

بَعْضٌ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُم بَعْضًا وَمَا لَكُمْ النَّارَ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّصِيرِينَ ﴿۱۵۸﴾

اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہو گا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہو گا

فَأَمَّنَ لَهُ لُوطٌ وَقَالَ إِنِّي مُهَاجِرٌ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۵۹﴾

پس ان پر لوط ایمان لائے اور کہنے لگے کہ میں اپنے رب کی طرف ہجرت کرنے والا ہوں بیشک وہ غالب حکمت والا ہے

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ وَاتَيْنَاهُ

اور ہم نے ان کو اسحاق اور یعقوب بخشے اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (مقرر) کر دی اور ان کو دنیا میں بھی ان کا صلہ

أَجْرَهُ فِي الدُّنْيَا وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۶۰﴾ لُوطًا إِذْ قَالَ

عنايت کیا اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔ اور لوط (کو یاد کرو) جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا

لِقَوْمِهِ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِّنَ الْعَالَمِينَ

کہ تم (عجب) بے حیائی کے مرتکب ہوتے ہو تم سے پہلے اہل عالم میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا

﴿۱۶۱﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ وَتَقْطَعُونَ السَّبِيلَ وَتَأْتُونَ فِي نَادِيكُمُ

تم کیوں لڑکوں کی طرف مائل ہوتے اور (مسافروں کی) رہزنی کرتے ہو اور اپنی مجلسوں میں

الْمُنْكَرَ فَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا ائْتِنَا بِعَذَابِ اللَّهِ إِنْ كُنْتَ

ناپسندیدہ کام کرتے ہو؟ تو ان کی قوم کے لوگ جواب میں کچھ نہیں بجز اس کے کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر

مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۶۲﴾ قَالَ رَبِّ انصُرْنِي عَلَى الْقَوْمِ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۶۳﴾

اللہ کا عذاب لے آؤ۔ لوط نے کہا کہ اے میرے رب! ان مفسد لوگوں کے مقابلے میں مجھے نصرت عنایت فرما

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلَنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا إِنَّا مُهْلِكُوا أَهْلَ هَذِهِ الْقَرْيَةِ

اور جب ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس خوشی کی خبر لے کر آئے تو کہنے لگے کہ ہم اس بستی کے لوگوں کو ہلاک کر دینے والے

إِنَّ أَهْلَهَا كَانُوا ظَالِمِينَ ﴿۱۱۱﴾ قَالُوا إِن فِيهَا لُوطًا قَالُوا نَحْنُ أَعْلَمُ

ہیں کہ یہاں کے رہنے والے نافرمان ہیں۔ ابراہیم نے کہا کہ اس میں تو لوط بھی ہیں، وہ کہنے لگے کہ جو لوگ یہاں

بِمَنْ فِيهَا لَنَنْجِيَنَّهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۱۱۲﴾

(رہتے) ہیں ہمیں سب معلوم ہیں ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو بچالیں گے بجز ان کی بیوی کے کہ وہ پیچھے رہنے والوں

وَلَمَّا أَنْ جَاءَتْ رُسُلَنَا لُوطًا سِئَاءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالُوا لَا

میں ہوگی۔ اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ ان (کی وجہ) سے ناخوش اور تنگ دل ہوئے فرشتوں نے کہا

تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ إِنَّا مُنْجُوكَ وَأَهْلَكَ إِلَّا امْرَأَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ

کہ کچھ خوف نہ کیجئے اور نہ رنج کیجئے ہم آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو بچالیں گے مگر آپ کی بیوی کہ پیچھے رہنے والوں میں ہوگی

﴿۱۱۳﴾ مُنْزِلُونَ عَلَى أَهْلِ هَذِهِ الْقَرْيَةِ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ

ہم اس بستی کے رہنے والوں پر اس سبب سے کہ یہ بدکرداری کرتے رہے ہیں آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں

﴿۱۱۴﴾ وَقَدْ تَرَكْنَا مِنْهَا آيَةً بَيْنَهُمْ لِيَعْقِلُونَ ﴿۱۱۵﴾ إِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ

اور ہم نے سمجھنے والوں کیلئے اس بستی سے ایک کھلی نشانی چھوڑ دی۔ اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو

شُعَيْبًا فَقَالَ يٰ قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَارْجُوا الْيَوْمَ الْآخِرَ وَلَا تَعْتُوا فِي

(بھجبا) تو انہوں نے کہا کہ بھائیو! اللہ کی عبادت کرو اور پچھلے دن (کے آنے) کی امید رکھو اور ملک میں

الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۱۱۶﴾ فَخَذُّوهُ فَاحْتَدَتْهُمْ الرِّجْفَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جِثْمِينَ ﴿۱۱۷﴾

فساد نہ مچاؤ۔ مگر انہوں نے ان کو جھوٹا سمجھا سو ان کو زلزلے نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے

وَعَادًا وَثَمُودًا وَقَدْ تَبَيَّنَ لَكُمْ مِنْ مَسْكِنِهِمْ وَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ

اور عاد اور ثمود کو بھی (ہم نے ہلاک کر دیا) چنانچہ ان کے (ویران گھر) تمہاری آنکھوں کے سامنے ہیں اور شیطان نے

أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَكَانُوا مُسْتَبْصِرِينَ ﴿۳۸﴾

ان کے اعمال ان کو آراستہ کر کے دکھائے اور ان کو (سیدھے) رستے سے روک دیا حالانکہ وہ دیکھنے والے (لوگ) تھے

وَقَارُونَ وَفِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مُوسَى بِالْبَيِّنَاتِ فَاسْتَكْبَرُوا

اور قارون اور فرعون اور ہامان کو بھی (ہلاک کر دیا) اور ان کے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر آئے تو وہ ملک میں مغرور ہو

فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانُوا سَابِقِينَ ﴿۳۹﴾ كَلَّا أَخَذْنَا بِذَنبِهِ فَمِنْهُمْ

گئے اور وہ (ہمارے) قابو سے نکل جانے والے نہ تھے۔ تو ہم نے سب کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا ان میں کچھ تو

مَنْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَنِ أَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا

ایسے تھے جن پر ہم نے پتھروں کا مینہ برسایا اور کچھ ایسے تھے جن کو چنگھاڑنے آ پکڑا اور کچھ ایسے تھے جن کو ہم نے زمین میں

بِهِ الْأَرْضِ وَمِنْهُمْ مَنْ أَعْرَفْنَا وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا

دھنسا دیا اور کچھ ایسے تھے جن کو غرق کر دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا لیکن وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے

أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۴۰﴾ مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ

جن لوگوں نے اللہ کے سوا (اوروں کو) کارساز بنا رکھا ہے

كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوتِ إِتَّخَذَتْ بَيْتًا وَإِنَّ أَوْهَنَ الْبُيُوتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوتِ

ان کی مثال مکڑی کی سی ہے کہ وہ بھی ایک (طرح کا) گھر بناتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ تمام گھروں سے کمزور مکڑی کا گھر ہے

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۸﴾ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ط

اگر یہ (اس بات کو) جانتے۔ [۱] یہ جس چیز کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں (خواہ) وہ کچھ ہی ہو اللہ اُسے جانتا ہے

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰۹﴾ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ

اور وہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے بیان کرتے ہیں

وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ ﴿۱۱۰﴾ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ط

اور اسے تو اہل دانش ہی سمجھتے ہیں۔ [۲] اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کیساتھ پیدا کیا ہے

[1] یہ سورت کا مرکزی دعویٰ ہے یعنی جب سب کچھ کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے تو مصائب

و مشکلات میں حمایتی اور کارساز بھی وہی ہے۔ اس دعوے کو ایک نہایت ہی واضح مثال کے ساتھ سمجھایا گیا ہے، جو لوگ

مصائب و مشکلات میں اللہ کے سوا اوروں کو حمایتی اور کارساز سمجھتے ہیں ان کی مثال مکڑی کی سی ہے، جو نہایت ہی باریک

اور کمزور تاروں سے جالابن کر اپنے لئے گھر بناتی ہے۔ مکڑی کا یہ گھر نہایت ہی کمزور ہوتا ہے جو نہ سردی سے بچا سکتا ہے نہ

گرمی سے، نہ بارش سے نہ آندھی سے، بعینہ یہی حال غیر اللہ کی پناہ اور معبودان باطلہ کے سہاروں کا ہے وہ بھی اس

قدر کمزور ہیں کہ کسی مصیبت اور مشکل میں کام نہیں آسکتے اس مثال میں مشرک کو مکڑی کے ساتھ اور غیر اللہ کی پناہ اور حمایت

کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اتخذت بيتا لنفسها تاولى اليه وان بيتها فى غاية الضعف و الوهن

لا يدفع عنها حرا ولا بردا فكذلك الاوثان لا تملك لعابديها نفعوا ولا ضرا (معالم، حازن).

”ان الله يعلم ما يدعون“ یعنی سب کچھ جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے، اور جن کو مشرکین پکارتے ہیں وہ

تو ان پکارنے والوں کے احوال سے بھی باخبر نہیں ہیں پھر انہیں کیوں پکارتے ہیں۔ پھر وہ غالب اور حکیم بھی ہے اس لئے

علیم و ذمیر اور عزیز و قدیر کو چھوڑ کر عاجز مخلوق کو کارساز سمجھ کر حاجات میں غائبانہ پکارنا کوئی عقل مندی ہے۔

[۲] ”وتلك الامثال“ ہم مثالیں دے کر لوگوں کو مسئلہ تو حید سمجھاتے ہیں لیکن ان میں غور و فکر صرف وہی لوگ

کرتے ہیں جو اسخ فی العلم ہوں اور عقل و بصیرت رکھتے ہوں۔ =

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٢٦﴾ نُلِّمَ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ

بیٹھ اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔ یہ کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کو پڑھا کرو

وَأَقِمِ الصَّلَاةَ إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ

اور نماز کے پابند رہو کچھ شک نہیں کہ نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بڑا ہے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُونَ ﴿٢٢٧﴾ وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے جانتا ہے اور اہل کتاب سے جھگڑانا نہ کرو مگر ایسے طریق سے کہ نہایت اچھا ہو

أَحْسَنُ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِي أُنزِلَ إِلَيْنَا وَأَنْزَلَ إِلَيْكُم

ہاں جو ان میں سے بے انصافی کرے اور کہہ دو کہ جو (کتاب) ہم پر اتری اور جو تم پر اتری ہم سب پر ایمان لاتے

= امام بغوی نے اپنی سند کے ساتھ جابرؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا: کہ عالم وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے کلام میں غور و فکر کرے، اور اس کی اطاعت کرے، اور اس کو ناراض کرنے والے کاموں سے بچے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث کے محض الفاظ سمجھ لینے سے اللہ کے نزدیک کوئی شخص عالم نہیں ہوتا، جب تک قرآن میں تدبر اور غور و فکر کی عادت نہ ڈالے، اور جب تک کہ اپنے عمل کو قرآن کے مطابق نہ بنائے۔

مسند احمد: ۳۰۲/۴، میں عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک ہزار مثال سیکھی ہیں، ابن کثیر اس کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ عمرو بن عاصؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مذکورہ میں عالم انہی کو فرمایا ہے جو اللہ و رسولؐ کی بیان کردہ امثال کو سمجھیں۔ اور عمرو بن مرہؓ نے فرمایا: کہ جب میں قرآن کی کسی آیت پر پہنچتا ہوں، جو میری سمجھ میں نہ آئے تو مجھے بڑا غم ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وما يعقلها الا العالمون“ (ابن کثیر بحوالہ ابن ابی حاتم)۔

وَالِهٰنَا وَالِهٰكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۲۴﴾

ہیں اور ہمارا اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ فَالَّذِيْنَ آتَيْنَهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهِ

اور اسی طرح ہم نے تمہاری طرف کتاب اتاری ہے تو جن لوگوں کو ہم نے کتابیں دی تھیں وہ اس پر ایمان لے آئے ہیں

وَمِنْ هَٰؤُلَاءِ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمَا يَجْحَدُ بِآيٰتِنَا اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اور بعض ان لوگوں میں سے بھی اس پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو کافر ہیں

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخْطُهٗ بِمِيْنِكَ اِذَا لَرْتَابَ

اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اُسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے، ایسا ہوتا تو اہل باطل ضرور شک

الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۸﴾ ۞ هُوَ اٰیٰتٍ بَيِّنٰتٍ فِیْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ

کرتے۔ بلکہ یہ روشن آیتیں ہیں جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے ان کے سینوں میں (محفوظ)

وَمَا يَجْحَدُ بِآيٰتِنَا اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۹﴾ ۞ وَقَالُوا لَوْلَا اَنْزَلَ عَلَیْهِ اٰیٰتٍ

اور ہماری آیتوں سے وہی لوگ انکار کرتے ہیں جو بے انصاف ہیں۔ اور (کافر) کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف

مِّنْ رَّبِّهِ قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۳۰﴾ ۞

سے نشانیاں کیوں نازل نہیں ہوئیں؟ کہہ دو کہ نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور میں تو کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں

اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰی عَلَیْهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

کیا ان لوگوں کیلئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب نازل کی جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے کچھ شک نہیں

لِرَحْمَةٍ وَّذِكْرٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۱﴾ ۞ اَلَمْ يَكْفِ بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَبَیْنِكُمْ شَهِیْدًا

کہ مومن لوگوں کیلئے اس میں رحمت اور نصیحت ہے۔ ۵۱۔ کہہ دو کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ ہی گواہ کافی ہے

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِالْبَاطِلِ وَكَفَرُوا بِاللَّهِ

جو چیز آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کو جانتا ہے اور جن لوگوں نے باطل کو مانا اور اللہ سے انکار کیا

أُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۲۱﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَا أَجَلٌ

وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اور یہ لوگ تم سے عذاب کیلئے جلدی کر رہے ہیں اگر ایک وقت مقرر نہ (ہو چکا) ہوتا

مُسَمًّى لَجَاءَهُمُ الْعَذَابُ وَلِيَأْتِيَنَّهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۱۲۲﴾

تو اُن پر عذاب آ بھی گیا ہوتا اور وہ (کسی وقت میں) اُن پر ضرور ناگہاں آ کر رہے گا اور اُن کو معلوم بھی نہ ہو گا

يَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۱۲۳﴾

یہ تم سے عذاب کیلئے جلدی کر رہے ہیں اور دوزخ تو کافروں کو گھیر لینے والی ہے

يَوْمَ يَغْشَاهُمْ الْعَذَابُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ وَيَقُولُ ذُوقُوا مَا

جس دن عذاب اُن کو اُن کے اوپر سے اور نیچے سے ڈھانک لے گا اور فرمائے گا کہ جو کام تم کیا کرتے تھے اُن کا مزہ چکھو

كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۲۴﴾ لِيَأْبَى الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ أَرْضِي وَأَسِعَةَ فَيَأْبَى فَاغْبُدُونَ ﴿۱۲۵﴾

اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو میری زمین فراخ ہے تو میری ہی عبادت کرو

كُلُّ نَفْسٍ ذٰئِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُونَ ﴿۱۲۶﴾ لِّلَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے پھر تم ہماری ہی طرف لوٹ کر آؤ گے۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

الصَّٰلِحَاتِ لَنُبَوِّئَنَّهُمْ مِنَ الْجَنَّةِ غُرَفًا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

ان کو ہم جنت کے اونچے اونچے محلوں میں جگہ دیں گے جن کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے (نیک)

فِيهَا نِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِينَ ﴿۱۲۷﴾ لِّلَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۱۲۸﴾

عمل کرنے والوں کا (یہ) خوب بدلا ہے۔ جو صبر کرتے اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں

وَكَائِنٌ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا ۗ اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ

اور بہت سے جانور ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ ہی اُن کو رزق دیتا ہے اور تمہیں بھی اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے

۴۰ ﴿لَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

اور اگر ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے (تمہارے) زیر فرماں کیا؟

وَالْقَمَرَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ ۗ فَأَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿۴۱﴾ ۴۱ ﴿اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ

تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے۔ تو پھر یہ کہاں اٹکے جا رہے ہیں۔ اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کیلئے چاہتا ہے روزی فراخ کر

مَنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۴۲﴾

دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمان سے پانی کس نے نازل فرمایا پھر اُس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد (کس نے) زندہ

مَنْ بَعْدَ مَوْتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۴۳﴾

کیا تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے۔ کہہ دو کہ اللہ کا شکر ہے لیکن اُن میں اکثر نہیں سمجھتے

وَمَا هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهُوٌّ وَلَعِبٌ ۚ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ

اور یہ دنیا کی زندگی تو صرف کھیل اور تماشہ ہے اور (ہمیشہ کی) زندگی (کا مقام) تو آخرت کا گھر ہے

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾ ۴۴ ﴿إِذَا رَكَبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَاؤُا اللَّهِ مُخْلِصِينَ لَهُ

اگر یہ (لوگ) سمجھتے۔ پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ کو پکارتے (اور) خالص اُسی کی عبادت کرتے ہیں

﴿٤٤﴾ الَّذِينَ فَلَمَّا نَجَّوهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ

لیکن جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگ جاتے ہیں [۳]

﴿٤٥﴾ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ وَلِيَتَمَتَّعُوا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ

تاکہ جو ہم نے ان کو بخشا ہے اُس کی ناشکری کریں اور فائدہ اٹھائیں (سو خیر) عنقریب اُن کو معلوم ہو جائے گا

﴿٤٦﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا آمِنًا وَيَتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو مقام امن بنایا ہے اور لوگ اُس کے گرد و نواح سے اچک لئے جاتے ہیں

﴿٤٧﴾ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَةِ اللَّهِ يَكْفُرُونَ

کیا یہ لوگ باطل پر اعتقاد رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں؟

﴿٤٨﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ

اور اس سے بڑا ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا جب حق بات اُس کے پاس آئے تو اُس کی تکذیب

﴿٤٩﴾ لَمَّا جَاءَهُ الْيُسُفَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ

کرے کیا کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟

﴿٥٠﴾ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ

اور جن لوگوں نے ہمارے لئے کوشش کی ہم ان کو ضرور اپنے رستے دکھائیں گے اور اللہ تو نیکوکاروں کیساتھ ہے

[۳] یہاں اکثر مفسرین نے عکرمہ کا واقعہ نقل فرمایا ہے جو کہ امام نسائی نے: ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷ میں ذکر کیا ہے کہ:

واما عكرمة فركب البحر فاصابتهم عاصف، فقال اصحاب السفينة اخلصوا فان الهتك

لا تغنى عنكم شئنا ههنا، فقال عكرمة والله لمن لم ينجيني من البحر الا الاخلاص،

لا ینجینس فی البر غیرہ، اللہم ان لک علیٰ عہد ان انت عافیتنی مما انافیہ ان آتی
 محمداً صلی اللہ علیہ وسلم حتی اضع یدی فی یدہ فلا جدنہ عفو اکریما، فجاء فاسلم۔ یعنی جب رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ بن ابی جہل یہاں سے بھاگ نکلا، اور حبشہ جانے کے ارادے سے کشتی میں بیٹھ
 گیا، اتفاقاً سخت طوفان آیا اور کشتی ادھر ادھر ہونے لگی، جتنے مشرکین کشتی میں تھے سب کہنے لگے یہ موقعہ صرف
 اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا ہے، اٹھو اور خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو، اس وقت نجات اسی کے ہاتھ
 میں ہے، یہ سنتے ہی عکرمہ نے کہا سنو! اللہ تعالیٰ کی قسم اگر سمندر کی اس بلا سے بجز رب کے کوئی اور نجات نہیں دے
 سکتا، تو خشکی کی مصیبتوں کو نالنے والا بھی وہی ہے۔

اے اللہ تعالیٰ! میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ اگر یہاں سے بچ گیا تو سیدھا جا کر محمد رسول اللہ کے ہاتھ میں ہاتھ
 رکھ دوں گا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھ لوں گا، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری خطاؤں سے درگزر فرمائیں
 گے، اور مجھ پر رحم و کرم فرمائیں گے۔

فائدہ

: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر بھی جس وقت اپنے آپ کو بے سہارا جان کر صرف اللہ تعالیٰ
 کو پکارتا ہے، اور اس وقت یہ یقین کرتا ہے کہ اللہ کے سوا مجھے اس مصیبت سے کوئی نہیں چھڑا سکتا، تو اللہ تعالیٰ
 کافر کی بھی دعاء قبول فرما لیتے ہیں، کیونکہ وہ مضطر ہے اور اللہ تعالیٰ نے مضطر کی دعاء قبول کرنے کا وعدہ
 فرمایا ہے۔ سورہ نمل: ۶۲۔

اور ایک آیت میں جو ارشاد ہے: ”وَمَادَعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ“ (رعد: ۱۴) یعنی کافروں
 کی دعانا قابل قبول ہے، یہ حال آخرت کا ہے، کہ وہاں کافر عذاب سے رہائی کی دعا کریں گے تو قبول نہ ہوگی۔



سورة الروم (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الْم ۝۱ ۝ غَلِبَتِ الرُّومُ ۝۲ ۝ فِیْ اَدْنٰی الْاَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ

الْم۔ (اہل) روم مغلوب ہو گئے۔ نزدیک کی زمین پر اور وہ مغلوب ہونے کے بعد عنقریب

سَيَغْلِبُوْنَ ۝۳ ۝ بِیْ بَضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَفْرَحُ

غالب ہو جائیں گے۔ چند ہی سال میں۔ پہلے بھی اور پچھے بھی اللہ ہی کا حکم ہے اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے

الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۴ ۝ بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَاءُ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝۵

(یعنی) اللہ کی مدد سے وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب (اور) مہربان ہے [۱]

[۱] سورہ عنکبوت اس آیت پر ختم ہوتی ہے جس میں حق تعالیٰ نے اپنے راستہ میں جہاد و مجاہدہ کرنے والوں کے لئے

اپنے راستے کھول دینے اور ان کیلئے مقاصد میں کامیابی کی بشارت دی تھی، سورہ روم کی ابتداء جس قصہ سے ہوئی ہے، وہ

اسی نصرت الہیہ کا ایک مظہر ہے، اس سورت میں جو واقعہ روم اور فارس کی جنگ کا مذکور ہے، یہ دونوں کفار ہی تھے، اس میں

سے کسی کی فتح کسی کی شکست بظاہر اسلام اور مسلمانوں کے لئے کوئی دلچسپی کی چیز نہیں، مگر ان دونوں کفار میں اہل فارس

مشرکین تاش پرست تھے، اور روم و نصاریٰ اہل کتاب، اور ظاہر ہے کہ دونوں قسم کے کفار میں اہل کتاب مسلمانوں سے

نسبتاً قریب ہیں، کیونکہ بہت سے اصول دین آخرت پر ایمان، رسالت اور وحی پر ایمان، ان کے ساتھ قدر مشترک ہے، اسی

قدر مشترک سے رسول ﷺ نے اپنے اس مکتوب میں کام لیا جو روم کے بادشاہ کو دعوت اسلام دینے کیلئے بھیجا تھا، کہ ”تعالوا

الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم، الایۃ، اہل کتاب کے ساتھ مسلمانوں کا ایک گونہ قرب ہی اس کا سبب بنا کہ نبی

کریم ﷺ کے قیام مکہ مکرمہ کے زمانہ میں فارس نے روم پر حملہ کیا۔

حافظ ابن حجر وغیرہ کے قول کے مطابق ان کی یہ جنگ ملک شام کے مقام اذرعات اور بصری کے درمیان واقع ہوئی، اس جنگ کے دوران میں مشرکین مکہ یہ چاہتے تھے کہ فارس غالب آجائے، کیونکہ وہ بھی شرک و بت پرستی میں ان کے شریک تھے، اور مسلمان یہ چاہتے تھے کہ روم غالب آئیں، کیونکہ وہ دین و مذہب کے اعتبار سے اسلام کے قریب تھے، مگر ہوا یہ کہ اس وقت فارس روم پر غالب آگئے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ بھی فتح کر لیا، اور ہاں اپنی عبادت کے لئے ایک آتشکدہ تعمیر کیا، اور یہ فتح کسری پرویز کی آخری فتح تھی، اس کے بعد اس کا زوال شروع ہوا اور پھر مسلمانوں کے ہاتھوں اس کا خاتمہ ہوا۔ اس واقعہ پر مشرکین مکہ نے خوشیاں منائیں اور مسلمانوں کو عار دلانی کہ تم جسکو چاہتے تھے وہ ہار گیا، اور جیسا کہ روم اہل کتاب کو بمقابلہ فارس شکست ہوئی ہمارے مقابلہ میں تم کو شکست ہوگی، اس سے مسلمانوں کو رنج ہوا۔ ابن ابی حاتم و ابن ابی جریر۔

قرآن میں سورہ روم کی ابتدائی آیتیں اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں، جن میں یہ پیشین گوئی اور بشارت دی گئی ہے کہ چند سال بعد پھر روم فارس پر غالب آجائیں گے۔

صدیق اکبر نے جب یہ آیات سنیں تو مکہ کے اطراف اور مشرکین کے مجامع اور بازار میں جا کر اس کا اعلان کیا کہ تمہارے خوش ہونے کا کوئی موقع نہیں، چند سال میں پھر روم فارس پر غالب آجائیں گے، مشرکین مکہ میں سے ابی بن خلف نے مقابلہ کیا، اور کہنے لگا کہ تم جھوٹ بولتے ہو، ایسا نہیں ہو سکتا، صدیق اکبر نے فرمایا کہ اللہ کے دشمن تو ہی جھوٹا ہے، اور میں تو اس واقعہ پر شرط لگانے کو تیار ہوں، کہ اگر تین سال کے اندر روم غالب نہ آگئی تو دس اونٹنیاں میں تمہیں دوں گا، اور اگر وہ غالب آگئے تو دس اونٹنیاں تمہیں دینا پڑے گی، (یہ معاملہ قمار کا تھا مگر اس وقت قمار حرام نہیں تھا) یہ کہہ کر صدیق اکبرؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا ذکر کیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو تین سال کی مدت متعین نہیں کی تھی، کیونکہ قرآن میں اس کے لئے لفظ ”ضع سنین“ مذکور ہے، جس کا اطلاق تین سے نو سال تک ہو سکتا ہے، تم جاؤ اور جس سے یہ معاہدہ ہوا ہے اس سے کہدو کہ میں دس اونٹیوں کے بجائے سو کی شرط لگاتا ہوں، مگر مدت تین سال کے بجائے نو سال اور بعض روایات کے رو سے سات سال مقرر کرتا ہوں، صدیق اکبر نے حکم کی تعمیل کی، اور ابی بن خلف اس نئے معاہدہ پر راضی ہو گیا، (ابن جریر و الترمذی عن ابی سعید الخدری)۔

روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پانچ سال پہلے پیش آیا ہے اور پورے سات =

وَعَدَ اللَّهُ لَا يُخْلِفُ اللَّهُ وَعْدَهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٤٧﴾

(یہ) اللہ کا وعدہ (ہے) اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

يَعْلَمُونَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْآخِرَةِ هُمْ غٰفِلُونَ ﴿٤٨﴾

یہ تو دنیا کی ظاہر زندگی ہی کو جانتے ہیں اور آخرت (کی طرف) سے غافل ہیں

أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ

کیا انہوں نے اپنے دل میں غور نہیں کیا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو

وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ بِلِقَآئِ رَبِّهِمْ

اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے ان کو حکمت سے اور ایک وقت مقرر تک کیلئے پیدا کیا ہے اور بہت سے لوگ اپنے رب

لَكَفِرُونَ ﴿٤٩﴾ ۗ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

سے ملنے کے قائل ہی نہیں۔ کیا ان لوگوں نے ملک میں سیر نہیں کی؟ (سیر کرتے) تو دیکھ لیتے

= سال ہونے پر غزوہ بدر کے وقت روم دوبارہ فارس پر غالب آگئے، اس وقت اُبی بن خلف مرچکا تھا، صدیق اکبرؓ نے اس کے وارثوں سے اپنی شرط کے مطابق سو اونٹنیوں کا مطالبہ کیا، انہوں نے اونٹنیاں دیدیں۔

بعض روایات میں ہے کہ ہجرت سے پہلے اُبی بن خلف کو جب اندیشہ ہوا کہ ابوبکرؓ بھی شاید ہجرت کر کے چلے جائیں، تو اس نے کہا کہ میں آپ کو اس وقت تک نہ چوڑوں گا جب تک آپ کوئی کفیل پیش نہ کریں، کہ میعاد معین تک روم غالب نہ آئے تو سو اونٹنیاں وہ مجھے دیدے گا، صدیق اکبرؓ نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمان کو اس کا کفیل بنا دیا تھا، جب شرط کے مطابق صدیق اکبرؓ حجت گئے اور سو اونٹنیاں ان کو ہاتھ آئیں تو وہ سب لے کر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے فرمایا کہ ان اونٹنیوں کو صدقہ کر دو، اور ابو یعلیٰ، ابن عساکر میں براء بن عازبؓ کی روایت سے اس میں یہ الفاظ منقول ہیں: ”هَذَا السَّحْتُ تَصَدَّقْ بِهِ“ یہ تو حرام ہے اس کو صدقہ کر دو (روح المعانی، درمنثور، ابن ابی حاتم)۔

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَأَثَارُوا الْأَرْضَ

کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا وہ ان سے زور و قوت میں کہیں زیادہ تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا

وَعَمَرُوهَا أَكْثَرَ مِمَّا عَمَرُوهَا وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ

اور اس کو اس سے زیادہ آباد کیا تھا جو انہوں نے آباد کیا اور ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آتے رہے

فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٤﴾

تو اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے

ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوْءَىٰ ۚ إِنَّ كَذِبُوهَا بَيِّنَاتٍ لِّهَآءِ

جن لوگوں نے بُرائی کی ان کا انجام بھی بُرا ہوا اس لئے کہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے اور ان کی

يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٥﴾ ۚ اللَّهُ يَبْدُوا الْخَلْقَ ثُمَّ يَعِيدُهُ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٦﴾

ہنسی اڑاتے رہتے تھے۔ اللہ ہی مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے وہی اس کو پھر پیدا کرے گا پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبْلِسُ الْمُجْرِمُونَ ﴿٧﴾ ۚ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ

اور جس دن قیامت برپا ہوگی گنہگارنا امید ہو جائیں گے۔ اور ان کے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی

مِّنْ شُرَكَائِهِمْ شُفَعَاءٌ ۚ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِمْ كَافِرِينَ ﴿٨﴾

ان کا سفارشی نہ ہو گا اور وہ اپنے شریکوں سے منکر ہو جائیں گے

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُومِئِدِ يَتَفَرَّقُونَ ﴿٩﴾ ۚ فَمَا الَّذِينَ آمَنُوا

اور جس دن قیامت برپا ہوگی اس روز وہ الگ الگ فرتے ہو جائیں گے۔ تو جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَهُمْ فِي رَوْضَةٍ يُحْبَرُونَ ﴿١٠﴾ ۚ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا

اور نیک عمل کرتے رہے وہ (جنت کے) باغ میں خوش حال ہوں گے۔ اور جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ الْآخِرَةِ فَأُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿١٤﴾

اور ہماری آیتوں اور آخرت کے آنے کو جھٹلایا وہ عذاب میں ڈالے جائیں گے

فَسُبْحَانَ اللَّهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ ﴿١٥﴾

تو جس وقت تم کو شام ہو اور جس وقت صبح کرتے ہو اللہ کی تسبیح کرو (یعنی نماز پڑھو)

وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ ﴿١٨﴾

اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی تعریف ہے اور تیسرے پہر بھی اور جب دوپہر کرتے ہو [2]

[2] لفظ ”سبحان اللہ“ مصدر ہے اس کا فعل محذوف ہے یعنی ”سبحوا اللہ سبحاناً“ ”حین تمسون“ یعنی

جب تم شام کے وقت میں داخل ہو، اور ”و حین تصبحون“ یعنی جب تم پر صبح کا وقت آئے ”ولہ الحمد فی

السموات والارض“ یہ جملہ درمیان میں بطور دلیل کے لایا گیا ہے، کہ صبح و شام اللہ کی تسبیح اس لئے ضروری ہے کہ

آسمان و زمین میں صرف وہی مستحق حمد ہے، اور تمام آسمان و زمین والے اس کی حمد کرنے میں مشغول ہیں۔ اور جس طرح

شروع آیت میں صبح و شام کی تسبیح کا حکم ہے، آخر آیت میں، عشیاً، اور، و حین تظہرون، سے اور دو وقتوں میں تسبیح

کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ایک وقت ”عشی“ جو دن کے آخری حصہ کو کہتا ہے، جو عصر کا وقت ہے، دوسرا وقت ظہر یعنی

زوال آفتاب کے۔

اور ترتیب بیان میں جس طرح شام کو صبح سے مقدم کر کے بیان کیا گیا ہے، اسی طرح دن کے آخری حصہ

کو ظہر پر مقدم کر کے بیان کیا گیا ہے، یعنی رات کو مقدم کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اسلامی تاریخ میں رات مقدم ہوتی ہے،

اور تاریخ غروب آفتاب سے بدلتی ہے، اور عشی یعنی وقت عصر کو ظہر سے مقدم کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عصر کا وقت

عموماً کاروبار کی مشغولیت کا ہوتا ہے، اس میں کوئی دعا تسبیح یا نماز عادتاً مشکل ہے، اسی لئے قرآن کریم میں صلاۃ وسطی جس

کی تفسیر جمہور کے نزدیک نماز عصر ہے، اس کی خصوصی تاکید آئی ہے:

آیت مذکورہ کے الفاظ میں نماز یا صلاۃ کی تصریح نہیں، اس لئے ہر قسم کے ذکر اللہ، توبی اور عملی کوشاں

ہے، اور ذکر اللہ کے تمام اقسام میں چونکہ نماز سب سے اعلیٰ اور افضل ہے، اس لئے وہ اس میں بدرجہ اولیٰ داخل ہے =

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ

وہی زندے کو مُردے سے نکالتا ہے اور (وہی) مُردے کو زندے سے نکالتا ہے اور (وہی)

وَيُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَكَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿١٤﴾

زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور اسی طرح تم (دوبارہ زمین سے) نکالے جاؤ گے

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُونَ ﴿٢٠﴾

اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ تمہیں مٹی سے بنایا پھر تم انسان بن کر پھیل رہے ہو۔

= اسی لئے علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں پانچوں نمازوں کا مع ان کے اوقات کے ذکر آ گیا ہے، جیسا کہ ابن عباسؓ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا قرآن میں پانچ نمازوں کا ذکر صریح ہے؟ تو فرمایا ہاں اور استدلال میں یہی آیت پیش کر کے فرمایا کہ ”حین تمسون“ میں نماز مغرب اور، حین تصبحون، میں نماز فجر اور، عشیاء، نماز عصر اور، حین تطہرون، میں نماز ظہر کا ذکر صریح موجود ہے، اب صرف ایک نماز عشاء ہی اس کے ثبوت میں دوسری آیت کا جملہ ارشاد فرمایا: ”من بعد صلوٰۃ العشاء“۔ (النور: ۵۸) مصنف عبدالرزاق: ۴۵۴۱، حسن بصریؒ نے فرمایا کہ ”حین تمسون“ میں نماز مغرب و عشاء دونوں داخل ہیں۔

یہ آیت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعاء ہے، جس کی وجہ سے قرآن کریم نے ان کو وفاء عہد کا خطاب دیا ہے، ارشاد فرمایا ”و ابراہیم الذی وفى“ ابراہیم علیہ السلام یہ کلمات صبح و شام پڑھا کرتے تھے، جیسا کہ اسانید صحیحہ کے ساتھ معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی تعریف و فاء عہد سے کرنے کا سبب ان کی یہ دعاء تھی۔ (ابن کثیر) اور ابو داؤد، طبرانی، ابن سنی، ص: ۲۳، وغیرہ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دو آیتوں کے متعلق فرمایا کہ جس شخص نے صبح کو یہ کلمات پڑھ لئے تو دن بھر میں اس کے عمل میں جو کوتاہی ہوگی وہ ان کلمات کی برکت سے پوری کر دی جائے گی، اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات پڑھ لئے تو اس کے رات کے اعمال کی کوتاہی اس کے ذریعے پوری کر دی جائے گی۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا

اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ اُس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں

لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ

تاکہ ان کی طرف (مائل ہو کر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت اور مہربانی پیدا کر دی جو لوگ غور کرتے ہیں

يَتَفَكَّرُونَ ﴿١١﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

اُن کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا

وَإِخْتِلَافُ أَلْسِنَتِكُمْ وَاللُّغَمَاتِكُمْ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٢﴾

پیدا کرنا اور تمہاری زبانوں اور رنگوں کا جدا جدا ہونا اہل دانش کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں

وَمِنْ آيَاتِهِ مَنَامُكُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَاؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهِ

اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے تمہارا رات میں اور دن میں سونا اور اُس کے فضل کا تلاش کرنا

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿١٣﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ

جو لوگ سنتے ہیں اُن کیلئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے

يُرِيكُمْ الْبُرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنزِلُ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَيُحْيِي بِهِ الْأَرْضَ

کہ تم کو خوف اور امید دلانے کیلئے بجلی دکھاتا ہے اور آسمان سے مینہ برساتا ہے پھر زمین کو اُس کے مر جانے کے بعد زندہ

بَعْدَ مَوْتِهَا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿١٤﴾

(وشاداب) کر دیتا ہے عقل والوں کیلئے ان (باتوں) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَقُومَ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ بِأَمْرِهِ

اور اسی کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے کہ آسمان اور زمین اسی کے حکم سے قائم ہیں

ثُمَّ إِذَا دَعَاكُمْ دَعْوَةً مِّنَ الْأَرْضِ إِذَا أَنْتُمْ تَخْرُجُونَ ﴿۲۴۳﴾

پھر جب وہ تم کو زمین میں سے (نکلنے کیلئے) آواز دے گا تو تم جھٹ نکل پڑو گے

وَلَهُ مَن فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلٌّ لَّهُ قَنُوتُونَ ﴿۲۴۴﴾

اور آسمانوں اور زمین میں (جتنے فرشتے اور انسان وغیرہ ہیں) اسی کے (مملوک) ہیں (اور) سب اُس کے فرمانبردار ہیں

وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ

اور وہی تو ہے جو خلقت کو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر اُسے دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ اُسے بہت آسان ہے

وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۴۵﴾

اور آسمانوں اور زمین میں اُس کی شان بہت بلند ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے

ضَرَبَ لَكُمْ مَثَلًا مِّنْ أَنْفُسِكُمْ هَلْ لَكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ

وہ تمہارے لئے تمہارے ہی حال کی ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ بھلا جن غلاموں کے تم مالک ہو

شُرَكَاءَ فِي مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ فَأَنْتُمْ فِيهِ سَوَاءٌ تَخَافُونَهُمْ

وہ اس (مال) میں جو ہم نے تمہیں عطا فرمایا ہے تمہارے شریک ہیں؟ اور (کیا) تم اس میں (ان کو اپنے) برابر سمجھتے ہو

كَخِيفَتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۲۴۶﴾

تم ان سے اس طرح ڈرتے ہو جس طرح انہوں سے ڈرتے ہو؟ اسی طرح ہم عقل والوں کیلئے اپنی آیتیں کھول کھول کر بیان کرتے ہیں

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فَمَنْ يَهْدِي مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ

مگر جو ظالم ہیں بغیر سمجھ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں تو جس کو اللہ گمراہ کر دے اُسے کون ہدایت دے سکتا ہے؟

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ ﴿۲۴۷﴾ ۲۴۷ قَامَ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ

اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔ تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (الہی کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت

الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقِيمُ

کو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کئے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا یہی سیدھا دین ہے

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ فَهَيِّبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (مومنو!) اسی کی طرف رجوع کئے رہو اور اُس سے ڈرتے رہو اور نماز پڑھتے رہو [3]

[3] فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا يَه جملہ فَأَقِمِ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا، کی توضیح اور دین حنیف جس کے

اتباع کا حکم پہلے جملے میں دیا گیا ہے، اس کی ایک مخصوص صفت کا بیان ہے، کہ وہ دین فطرت ہے، اور فطرۃ اللہ کی ترکیب نحوی میں منصوب ہونے کی وجہ مفسرین نے مختلف لکھی ہیں، کہ لفظ اتبع یہاں سے محذوف ہے، یا لفظ اُغنی، بہر حال یہ متعین ہے کہ دین حنیف جس کا اتباع کا پہلے جملے میں حکم دیا گیا ہے، اس کو اس جملے میں فطرۃ اللہ قرار دیا ہے، اور معنی اس کے خود اگلے جملے میں یہ بتلائے کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت سے مراد یہ ہے کہ جس فطرت پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔

اس معاملہ میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں، انہیں دو زیادہ مشہور ہیں، اول یہ کہ فطرت سے مراد اسلام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے، اگر اس کو گروہ پیش اور ماحول میں کوئی خراب کرنے والا خراب نہ کر دے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہی ہوگا، مگر عادت ہوتا ہے کہ ماں باپ اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف چیزیں سکھادیتے ہیں، جس کے سبب وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا، جیسا صحیحین کی ایک حدیث میں مذکور ہے، ”کل مولود یولد علی الفطرۃ..... الحدیث“ [متفق علیہ، خ، رقم: ۱۲۹۳، م، رقم: ۶۹۲۶] قرطبی نے اسی قول کو جمہور سلف کا قول قرار دیا ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فطرت سے مراد استعداد ہے، یعنی تخلیق انسانی میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے، کہ ہر انسان میں اپنے خالق کو پہچاننے اور اس کو ماننے کی صلاحیت و استعداد موجود ہے، جس کا اثر اسلام کا قبول کرنا ہوتا ہے، بشرطیکہ اس استعداد سے کام لے، مگر اس قول پر متعدد اشکالات ہیں، اول یہ کہ خود اسی آیت میں یہ بھی آگے مذکور ہے ”لا تبدیل لخلق اللہ“ اور یہاں خلق اللہ سے مراد وہی فطرۃ اللہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا ہے، اس لئے معنی اس جملے کے یہ ہیں، کہ اللہ کی اس فطرت کو، کوئی تبدیل نہیں کر سکتا، حالانکہ حدیث صحیحین میں خود یہ آیا ہے کہ پھر ماں باپ بعض اوقات بچے

کو یہودی و نصرانی بنا دیتی ہیں 'فأبواہ یهو ادا انہ اوینصرانہ الحدیث' "اگر فطرت کے معنی خود اسلام کے، لئے جائیں، جس میں تبدیلی نہ ہونا خود اسی آیت میں مذکور ہے، تو حدیث مذکور میں یہودی، نصرانی بنانے کی تبدیلی کیسے صحیح ہوگی، اور یہ تبدیلی تو عام مشاہدہ ہے کہ ہر جگہ مسلمانوں سے زیادہ کافر ملتے ہیں، اگر اسلام ایسی فطرت ہے جس میں تبدیلی نہ ہو سکے تو یہ پھر یہ تبدیلی کیسے اور کیوں؟۔

دوسرے خضر علیہ السلام نے جس لڑکے کو قتل کیا تھا، اس کے متعلق صحیح حدیث میں ہے کہ اس لڑکے کی فطرت میں کفر تھا، اس لئے خضر علیہ السلام نے اس کو قتل کیا، یہ حدیث بھی اس کے منافی ہے کہ ہر انسان اسلام پر پیدا ہوتا ہو۔ تیسرا شبہ یہ ہے کہ اگر اسلام کوئی ایسی چیز ہے، جو انسان کی فطرت میں اس طرح رکھ دیا گیا ہے جس کی تبدیلی پر بھی اس کو قدرت نہیں تو وہ کوئی اختیاری فعل نہ ہوا، پھر اس پر آخرت کا ثواب کیسا؟ کیونکر ثواب تو اختیاری عمل پر ملتا ہے۔ چوتھا شبہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کے مطابق فقہاء امت کے نزدیک بچہ بالغ ہونے سے پہلے ماں باپ کے تابع سمجھا جاتا ہے، اگر ماں باپ کافر ہوں تو بچے کو بھی کافر قرار دیا جائے گا، اس کی تجہیز و تکفین اسلامی طرز پر نہیں کی جائے گی۔

یہ سب شبہات امام تورپشتی نے کتاب المیسر شرح مصابیح: ۵۴۱، میں بیان کئے ہیں، اور اسی بناء پر انہوں نے دوسرے قول کو ترجیح دی ہے، کیونکہ اس خلقی استعداد کے متعلق یہ بھی صحیح ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، جو شخص ماں باپ یا کسی دوسرے کے گمراہ کرنے سے کافر ہو گیا، اس میں استعداد اور قابلیت حق یعنی اسلام کی حقانیت کے پچھاننے کی ختم نہیں ہوتی، غلام خضر کے واقعہ میں اس کے کفر پر پیدا ہونے سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ اس میں حق کو سمجھنے کی استعداد ہی نہ رہی تھی، اور چونکہ اس الہی استعداد و قابلیت کا صحیح استعمال انسان اپنے اختیار سے کرتا ہے، اس لئے اس پر ثواب عظیم کا مرتب ہونا بھی واضح ہو گیا، اور حدیث صحیحین میں جو یہ مذکور ہے کہ بچے کے ماں باپ اس کو یہودی، یا نصرانی بنا دیتے ہیں، اس کا مفہوم بھی اس دوسرے معنی کے اعتبار سے واضح اور صاف ہو گیا، کہ اگرچہ اس میں استعداد اور قابلیت فطری ہے جو اللہ نے اس کی تخلیق میں رکھی تھی۔ وہ اسلام ہی کی طرف لیجانے والی تھی، مگر عوارض اور موانع حاصل ہو گئے اور اس طرف نہ جانے دیا، اور سلف سے جو پہلا قول منقول ہے، بظاہر اس کی مراد بھی اصل اسلام نہیں، بلکہ یہی استعداد اسلام اور اس کی قابلیت اور صلاحیت ہے، محدث دہلوی نے لمعات شرح مشکوٰۃ میں جمہور کے قول کا یہی مطلب بیان فرمایا ہے، اور اسی کی تائید اس مضمون سے ہوتی ہے، جو شاولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بے شمار قسم کی مخلوقات مختلف طبائع اور مزاج کی بنائی ہیں۔ =

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳۱﴾ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا

اور مشرکوں میں نہ ہونا۔ (اور نہ) ان لوگوں میں (ہونا) جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور (خود) فرتے

کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿۱۳۲﴾ إِذِ مَسَّ النَّاسَ ضُرٌّ دَعَوْا رَبَّهُمْ

فرتے ہو گئے سب فرتے اُسی سے خوش ہیں جو اُن کے پاس ہے۔ اور جب لوگوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے رب کو پکارتے

مُنِيبِينَ إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا آذَقَهُمْ مِنْهُ رَحْمَةً إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ

اور اُسی کی طرف رجوع ہوتے ہیں پھر جب وہ اُن کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتا ہے تو ایک فریق اُن میں سے اپنے رب کیساتھ شرک کرنے لگتا ہے

﴿۱۳۳﴾ كُفِّرُوا بِمَا آتَيْنَهُمْ فَمَتَّعُوا فَمَتَّعُوا فَمَتَّعُوا فَمَتَّعُوا فَمَتَّعُوا فَمَتَّعُوا فَمَتَّعُوا

تا کہ جو ہم نے اُن کو بخشا ہے اُس کی ناشکری کریں سو (خیر) فائدے اٹھا لو عنقریب تمہیں (اس کا انجام) معلوم ہو جائے گا

= ہر مخلوق کی فطرت اور جبلت میں ایک خاص مادہ رکھ دیا ہے، جس سے وہ مخلوق اپنی تخلیق کے منشاء کو پورا کر سکے۔ قرآن

کریم میں ”اعطی کل شیء خلقه ثم ہدی“ سے بھی یہی مفہوم ہوتا ہے کہ جس مخلوق کو خالق کائنات نے کسی خاص حکمت کے

لئے پیدا کیا ہے، اس کو اس حکمت کے لئے ہدایت بھی دے دی ہے، وہ ہدایت یہی مادہ اور استعداد ہے، شہد کی مکھی میں یہ مادہ

رکھ دیا کہ وہ درختوں اور پھولوں کو پہچانے اور انتخاب کرے، پھر اس کے رس کو اپنے پیٹ میں محفوظ کر کے اپنے چھتے میں لا کر جمع

کرے، اسی طرح انسان کی فطرت و جبلت میں ایسا مادہ اور استعداد رکھ دی ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کو پہچانے اس کی

شکر گزاری اور اطاعت شعاری کرے، اسی کا نام اسلام ہے۔ ”لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ“ مذکور الصدق تقریر سے اس جملے کا مطلب

بھی واضح ہو گیا، کہ اللہ کی دی ہوئی فطرت یعنی حق کو پہچاننے کی صلاحیت و استعداد میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا، اس کو غلط ماحول

کا فروتن بنا سکتا ہے مگر اس کی استعداد قبول حق کو بالکل فنا نہیں کر سکتا، اور اسی سے اُس آیت کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جس میں

ارشاد ہے ﴿وما خلقت الجن الانس الا ليعبدون﴾ [الذاریات: ۵۶]، یعنی ہم نے جن اور انس کو اور کسی کام کے لئے

نہیں پیدا کیا، بجز اس کے کہ وہ ہماری عبادت کیا کریں، مطلب یہ ہے کہ ان کی فطرت میں ہم نے عبادت کی رغبت اور استعداد رکھ

دی ہے، اگر وہ اس استعداد سے کام لیں، تو بجز عبادت کے کوئی دوسرا کام اس کے خلاف ہرگز سرزد نہ ہو۔

﴿۳۳﴾ اَمْ اَنْزَلْنَا عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا فَهُوَ يَتَكَلَّمُ بِمَا كَانُوا بِهِ يُشْرِكُونَ ﴿۳۳﴾

کیا ہم نے ان پر کوئی ایسی دلیل نازل کی ہے کہ ان کو اللہ کیساتھ شرک کرنا بتاتی ہے؟

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً فَرِحُوا بِهَا وَإِنْ تُصِيبُهُمْ سَيِّئَةٌ

اور جب ہم لوگوں کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس سے خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان کے اعمال کے سبب جو ان کے

بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ إِذَا هُمْ يَقْنَطُونَ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ وَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ

ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں کوئی گزند پہنچے تو ناامید ہو کر رہ جاتے ہیں کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی جس کیلئے چاہتا

الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾

ہے رزق فراخ کرتا ہے اور (جس کیلئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے بیشک اس میں ایمان لانے والوں کیلئے نشانیاں ہیں

فَاتِذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ ذَلِكَ خَيْرٌ لِلَّذِينَ

تواہل قرابت اور محتاجوں اور مسافروں کو ان کا حق دیتے رہو جو لوگ رضائے الہی کے طالب ہیں یہ ان کے حق میں بہتر ہے

يُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ وَأَوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۸﴾

اور یہی لوگ نجات حاصل کرنے والے ہیں ۔

وَمَا آتَيْتُم مِّن رَّبًّا لِّيَرْبُوَا فِيْ أَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا يَرْبُوَا عِنْدَ اللَّهِ

اور جو تم سود دیتے ہو کہ لوگوں کے مال میں افزائش ہو تو اللہ کے نزدیک اس میں افزائش نہیں ہوتی

وَمَا آتَيْتُم مِّن زَكٰوٰةٍ تُرِيدُونَ وَجْهَ اللَّهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُضْعِفُونَ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾

اور جو تم زکوٰۃ دیتے ہو اور اس سے اللہ کی رضامندی طلب کرتے ہو تو ایسے ہی لوگ دوچند کرنے والے ہیں

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تمہیں مارے گا پھر زندہ کرے گا بھلا تمہارے شریکوں میں بھی کوئی ایسا

مَنْ يَفْعَلْ مِنْ ذَلِكَ مِنْ شَيْءٍ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۲۰﴾

ہے جو ان کاموں میں سے کچھ کر سکے وہ پاک ہے اور (اس کی شان) ان کے شرک سے بلند ہے

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ اللہ ان کو ان کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے

الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۱﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا

عجب نہیں وہ باز آجائیں - کہہ دو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جو لوگ (تم سے)

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلُ كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُشْرِكِينَ ﴿۲۲﴾

پہلے گزرے ہیں ان کا انجام کیسا ہوا ان میں زیادہ تر مشرک ہی تھے

فَاقُمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْقَيِّمِ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا مَرَدَّ لَهُ مِنَ اللَّهِ

تو اس روز سے پہلے جو اللہ کی طرف سے آکر رہے گا اور رُک نہیں سکے گا دین (کے رستے) پر سیدھا منہ کئے چلے چلو اس روز

يَوْمَئِذٍ يَصَّدَّعُونَ ﴿۲۳﴾ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا

(سب) لوگ منتشر ہو جائیں گے۔ جس شخص نے کفر کیا تو اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے اور جس نے نیک عمل کئے

فَلِأَنْفُسِهِمْ يَمْهَدُونَ ﴿۲۴﴾ يَجْزِي الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

تو ایسے لوگ اپنے ہی لئے آرامگاہ درست کرتے ہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِينَ ﴿۲۵﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ يُرْسِلَ الرِّيحَ

ان کو اللہ اپنے فضل سے بدلا دے گا بیشک وہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے کہ ہواؤں کو بھیجتا

مُبَشِّرَاتٍ وَلِيُذِيقَكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَلِتَجْرِيَ الْفُلُكُ بِأَمْرِهِ

ہے کہ خوشخبری دیتی ہیں تاکہ تم کو اپنی رحمت کے مزے چکھائے اور تاکہ اس کے حکم سے کشتیاں چلیں

وَلْتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۲۴﴾ ۱۶۰۵ لَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

اور تا کہ تم اُس کے فضل سے طلب کرو عجب نہیں کہ تم شکر کرو۔ اور ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبران کی قوم کی طرف بھیجے

رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ فَجَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَاَنْتَقَمْنَا مِنَ الَّذِينَ أَجْرَمُوا

تو وہ اُن کے پاس نشانیاں لے کر آئے سو جو لوگ نافرمانی کرتے تھے ہم نے اُن سے بدلہ لے کر چھوڑا

وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۵﴾ ۱۶۰۶ اللَّهُ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ فَتُبْرِئُ

اور مومنوں کی مدد ہم پر لازم تھی۔ اللہ ہی تو ہے جو ہواؤں کو چلاتا ہے تو وہ بادل کو ابھارتی ہیں

سَحَابًا فَيُبْسِطُهُ فِي السَّمَاءِ كَيْفَ يَشَاءُ وَيَجْعَلُهُ كِسْفًا

پھر اللہ اس کو جس طرح چاہتا ہے آسمان میں پھیلا دیتا اور تہہ بہ تہہ کر دیتا ہے پھر تم دیکھتے ہو

فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ فَإِذَا أَصَابَ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

کہ اُس کے بیچ میں سے مینہ نکلنے لگتا ہے پھر جب وہ اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے اُسے برساتا ہے

إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۲۸﴾ ۱۶۰۸ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ قَبْلِهِ

تو وہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اور پیشتر تو وہ مینہ کے اترنے سے پہلے

لَمُبْلِسِينَ ﴿۲۹﴾ ۱۶۰۹ أَنْظِرْ إِلَىٰ آثَارِ رَحْمَتِ اللَّهِ كَيْفَ يُحْيِي الْأَرْضَ بَعْدَ

ناامید ہو رہے تھے۔ تو (اے دیکھنے والے) اللہ کی رحمت کی نشانیوں کی طرف دیکھ کہ وہ کس طرح زمین کو

مَوْتِهَا إِنَّ ذَلِكَ لَمُحْيٍ الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۰﴾ ۱۶۱۰

اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے بیشک وہ مردوں کو زندہ کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

وَلَئِنْ أَرْسَلْنَا رِيحًا فَرَأَوْهُ مُصْفَرًّا لَظَلُّوا مِنْ بَعْدِهِ يَكْفُرُونَ ﴿۳۱﴾ ۱۶۱۱

اور اگر ہم ایسی ہوا بھیجیں کہ وہ تند ہوا دیکھ لیں انہی کھیتوں کو ہر چھائی ہوئی زرد پڑی ہوئی دیکھ لیں تو اُس کے بعد وہ ناشکری کرنے لگ جائیں

فَإِنَّكَ لَا تَسْمَعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تَسْمَعُ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ

تو تم مُردوں کو (بات) نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو جب کہ وہ پیٹھ پھیر کر پھر جائیں آواز سنا سکتے ہو

﴿۱۴﴾ وَأَنْتَ بِهَادِي الْعُمَىٰ عَنْ ضَلَّاتِهِمْ إِنْ تَسْمَعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ

اور نہ اندھوں کو ان کی گمراہی سے راہِ راست پر لاسکتے ہو تم تو انہی لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں

بَايْتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۵﴾ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ ضَعْفٍ ثُمَّ

سو وہی فرمانبردار ہیں اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں (ابتداء میں) کمزور حالت میں پیدا کیا پھر کمزوری کے بعد

جَعَلَ مِنْ بَعْدِ ضَعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ ضَعْفًا وَشَيْبَةً يَخْلُقُ

طاقت عنایت کی پھر طاقت کے بعد کمزوری اور بڑھاپا دیا وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے

مَا يَشَاءُ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْقَدِيرُ ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ

اور وہ علم والا، قدرت والا ہے۔ اور جس روز قیامت برپا ہو گی

يُقَسِّمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ كَذَلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ

گنہگار تمہیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے تھے اسی طرح وہ (رستے سے) الٹے جاتے تھے

﴿۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ وَالْإِيمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِي كِتَابِ اللَّهِ

اور جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا تھا وہ کہیں گے کہ اللہ کی کتاب کے مطابق تم قیامت تک رہے

إِلَىٰ يَوْمِ الْبَعْثِ فَهَذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَلَكِنَّكُمْ كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۸﴾

ہو اور یہ قیامت ہی کا دن ہے لیکن تمہیں اس کا یقین ہی نہیں تھا

﴿۱۹﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يَنْفَعُ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَعذِرَتُهُمْ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۲۰﴾

تو اس روز ظالم لوگوں کو ان کا عذر کچھ فائدہ نہ دے گا اور نہ اُن سے توبہ قبول کی جائے گی

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۗ وَلَئِنْ

اور ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے اور اگر تم

﴿۱۸﴾ جِئْتَهُمْ بِآيَةٍ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُبْطِلُونَ ﴿۱۸﴾

ان کے سامنے کوئی نشانی پیش کرو تو کافر کہہ دیں گے کہ تم تو جھوٹے ہو

﴿۱۹﴾ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۹﴾

اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے مہر لگا دیتا ہے

﴿۲۰﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَلَا يَسْتَخِفَّنكَ الَّذِينَ لَا يُوقِنُونَ ﴿۲۰﴾

پس تم صبر کرو بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور (دیکھو) جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ تمہیں بے صبر نہ بنا دیں

سورة لقمان (مکیہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۱﴾ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ﴿۱﴾ هُدًى وَرَحْمَةً

۔ الہم - یہ حکمت کی (بھری ہوئی) کتاب کی آیتیں ہیں۔ نیکو کاروں کیلئے

﴿۲﴾ لِلْمُحْسِنِينَ ﴿۲﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ

ہدایت اور رحمت۔ جو نماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور آخرت کا

﴿۳﴾ هُمْ يُوقِنُونَ ﴿۳﴾ أُولَئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَئِكَ

یقین رکھتے ہیں۔ یہی اپنے رب (کی طرف) سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں

هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۰﴾ ﴿۱۰۱﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ

اور لوگوں میں بعض ایسا ہے جو بیہودہ حکایتیں خریدتا ہے تاکہ بے سمجھے لوگ اللہ کے رستے سے گمراہ کرے [۱]

سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۳﴾

اور اس سے نہی کرے یہی لوگ ہیں جن کو ذلت والا عذاب ہو گا

وَإِذَا تُلِيَ عَلَيْهِ آيَاتُنَا وَلَّى مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا كَأَن فِي أُذُنِهِ

اور جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو اکر کر منہ پھیر لیتا ہے گویا اُن کو سنا ہی نہیں جیسے اس کے کانوں میں

وَقَرَأَ فَبَشَّرَهُ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

بوجھ ہے تو اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے

لَهُمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ﴿۱۰۶﴾ ﴿۱۰۷﴾ خَالِدِينَ فِيهَا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا

اُن کیلئے نعمت کے باغ ہیں۔ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ کا وعدہ سچا ہے

وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۰۸﴾ ﴿۱۰۹﴾ خَلَقَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا

اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ اُسی نے آسمانوں کو ستونوں کے بغیر پیدا کیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو

[۱] اس آیت کا شان نزول ایک خاص واقعہ ہے، کہ نصر بن حارث مشرکین مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا، اور تجارت کے لئے

مختلف ملکوں کا سفر کرتا تھا، وہ ملک فارس سے شاہان عجم، کسریٰ وغیرہ کے تاریخی قصے خرید کر لایا، او مکہ کے مشرکین سے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ تم

کو قوم عادی و ثمود وغیرہ کے واقعات سناتے ہیں، میں تمہیں ان سے..... بہتر رستم اور اسفندیار اور دوسرے شاہان فارس کے

قصے سناتا ہوں، یہ لوگ اس کے قصہ کو شوق و رغبت سے سننے لگے، کیونکہ ان میں کوئی تعلیم تو تھی نہیں جس پر عمل کرنے کی محنت اٹھانی

پڑے، صرف لذیذ قسم کی کہانیاں تھیں، ان کی وجہ سے بہت سے مشرکین جو اس سے پہلے کلام الہی کے اعجاز اور یکتائی کی وجہ سے اس

کو سننے کی رغبت رکھتے اور چوری چوری سنا بھی کرتے تھے، ان لوگوں کو قرآن سے اعراض کا بہانہ ہاتھ آ گیا (روح المعانی)۔

وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ ۗ

اور زمین پر پہاڑ (بنا کر) رکھ دیئے تاکہ تم کو ہلا نہ دے اور اس میں ہر طرح کے جانور پھیلا دیئے

وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ ﴿۱۰﴾

اور ہم ہی نے آسمان سے پانی نازل کیا پھر (اُس سے) اس میں ہر قسم کی نئیس چیزیں اگائیں

هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ بَلِ الظَّالِمُونَ

یہ تو اللہ کی پیدائش ہے تو مجھے دکھاؤ کہ اللہ کے سوا جو لوگ ہیں انہوں نے کیا پیدا کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ ظالم

فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنْ اشْكُرْ لِلَّهِ

صریح گمراہی میں ہیں۔ اور ہم نے لقمان کو دانائی بخشی کہ اللہ کا شکر کرو

وَمَنْ يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۱۲﴾

اور جو شکر کرتا ہے تو اپنے ہی فائدے کیلئے شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے تو اللہ بھی بے نیاز اور سزاوار حمد (و ثنا) ہے

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشُّرْكَ

اور (اس وقت کو یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا! اللہ کیساتھ شرک نہ کرنا شرک تو

لَظُلْمٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳﴾ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَيَّ وَهْنٍ

بڑا ظلم ہے۔ اور ہم نے انسان کو جسے اُس کی ماں تکلیف پر تکلیف سہہ کر پیٹ میں اٹھائے رکھتی ہے

2- اس میں سلف کا اختلاف ہے کہ لقمان نبی تھے یا نہ تھے؟ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ آپ نبی نہ تھے، پر ہیبرگارولی اور

اللہ تعالیٰ کے پیارے بزرگ بندے تھے، ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپ حبشی غلام تھے، اور بڑھتی تھے۔ جابرؓ سے جب

سوال ہوا تو آپ نے فرمایا، لقمان پستہ قد اوچی ناک والے موٹے ہونٹ والے لوبی تھے۔

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ آپ مصر کے رہنے والے حبشی تھے۔ حکمت آپ کو عطاء ہوئی تھی، لیکن نبوت نہیں =

وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنْ اشْكُرْلِي وَلَوْلَا دَيْكَ إِلَى الْمَصِيرِ ﴿١٢١﴾

اور دو برس میں اس کا دودھ چھڑانا ہوتا ہے اس کے ماں باپ کے بارے میں تاکید کی ہے کہ میرا بھی شکر کرتا رہ اور اپنے ماں باپ کا بھی میری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

وَإِنْ جَاهِدَاكَ عَلَىٰ أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

اور اگر وہ تیرے درپے ہوں کہ تو میرے ساتھ کسی ایسی چیز کو شریک کرے جس کا تجھے کچھ علم نہیں تو اُن کا کہا نہ ماننا

وَصَاحِبُهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَىٰ

ہاں دنیا (کے کاموں) میں اُن کا اچھی طرح ساتھ دینا اور جو شخص میری طرف رجوع کرے اُس کے رستے پر چلنا

ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ فَأُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٢٢﴾ اِنِّي اِنَّا

پھر تم کو میری طرف لوٹ کر آنا ہے تو جو کام تم کرتے رہے ہو میں سب سے تم کو آگاہ کروں گا۔ بیٹا!

= ملی تھی، سعید بن مسیب نے ایک مرتبہ ایک سیاہ رنگ غلام حبشی سے فرمایا اپنی رنگت کی وجہ سے اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھ، تین شخص جو اکثر لوگوں سے اچھے تھے، تینوں سیاہ رنگ تھے، بلال جو نبی ﷺ کے غلام تھے، مہج جو فاروق اعظم کے غلام تھے، اور لقمان حکیم جو حبشہ کے نوبہ تھے، خالد ربیع کا قول ہے کہ لقمان جو حبشی غلام بڑھی تھے ان سے ایک روز ان کے مالک نے کہا کہ بکری ذبح کرو اور اس کے دو بہترین اور نفیس ٹکڑے گوشت کے میرے پاس لاؤ۔ وہ دل اور زبان لے گئے، کچھ دنوں بعد پھر ان کے آقا نے یہی حکم دیا، اور کہا کہ آج اس کے سارے گوشت میں سے جو بدترین اور خبیث ٹکڑے ہوں وہ لاؤ۔ آپ پھر بھی یہی دو چیزیں لے گئے، مالک نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ کہ بہترین ٹکڑے تجھ سے مانگے تو تو یہی دو لایا، اور بدترین ٹکڑے مانگے تو تو نے یہی لادیئے یہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا جب یہ اچھے رہیں تو ان سے بہتر جسم کا کوئی عضو نہیں اور جب یہ برے بن جائیں تو پھر سب سے بدترین بھی یہی ہیں۔ مجاہد کا قول ہے کہ لقمان نبی نہ تھے، نیک بندے تھے، سیاہ فام غلام تھے، موٹے ہونٹوں والے اور بھرے قدموں والے۔ کہا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں آپ گزرے ہیں۔ (ابن کثیر)۔

إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمَوَاتِ

اگر کوئی عمل (بالفرض) رائی کے دانے کے برابر بھی (چھوٹا) ہو اور ہو بھی کسی پتھر کے اندر یا آسمانوں میں (مخفی ہو)

أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ﴿۱۴﴾

یا زمین میں، اللہ اس کو قیامت کے دن لا موجود کرے گا کچھ شک نہیں کہ اللہ باریک بین (اور) خبردار ہے

يَا بَنِيَّ أَقِمِ الصَّلَاةَ وَآمُرْ بِالْمَعْرُوفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ

بیٹا! نماز کی پابندی کرنا اور (لوگوں کو) اچھے کاموں کے کرنے کا حکم اور بُری باتوں سے منع کرتے رہنا

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا أَصَابَكَ إِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿۱۵﴾

اور جو مصیبت تجھ پر واقع ہو اُس پر صبر کرنا بیشک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرْحًا إِنَّ اللَّهَ

اور (ازراہ غرور) لوگوں سے گال نہ پھلانا اور زمین میں اکڑ کر نہ چلنا کہ اللہ کسی

لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿۱۶﴾ وَالْفِصْدُ فِي مَشِيكَ

اِترانے والے خود پسند کو پسند نہیں کرتا۔ اور اپنی چال میں اعتدال کئے رہنا

وَإِغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ إِنَّ أَنْكَرَ الْأَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيرِ ﴿۱۷﴾

اور آواز نیچی رکھنا کیونکہ (اونچی آواز گدھوں کی ہے اور کچھ شک نہیں کہ) سب آوازوں سے بُری آواز گدھوں کی ہے

أَلَمْ تَرَوْا أَنَّ اللَّهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اللہ نے تمہارے قابو میں کر دیا ہے

وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعْمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ۚ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ

اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری پوری کر دی ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں

بَغِيرِ عِلْمٍ وَلَا هُدًى وَلَا كِتَابٍ مُنِيرٍ ﴿۲۰﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ

نہ علم رکھتے ہیں اور نہ ہدایت اور نہ کتاب روشن۔ اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو (کتاب) اللہ نے نازل فرمائی ہے

اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا

اُس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو اُسی کی پیروی کریں گے جس پر اپنے باپ دادا کو پایا

أَوَلَوْ كَانِ الشَّيْطَانُ يَدْعُوهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۲۱﴾

بھلا اگرچہ شیطان اُن کو دوزخ کے عذاب کی طرف بلاتا ہو (تب بھی)

وَمَنْ يُسَلِّمْ وَجْهَهُ إِلَى اللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ

اور جو شخص اپنے آپ کو اللہ کا فرمانبردار کر دے اور نیکو کار بھی ہو تو اُس نے مضبوط کڑا ہاتھ میں لے لیا

الْوُثْقَىٰ وَإِلَى اللَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿۲۲﴾ وَمَنْ كَفَرَ فَلَا يَحْزُنكَ كُفْرُهُ

اور (سب) کاموں کا انجام اللہ ہی کی طرف ہے۔ اور جو کفر کرے اُس کا کفر تمہیں غمناک نہ کر دے

إِنَّا مَرْجِعُهُمْ فَنُنَبِّئُهُم بِمَا عَمِلُوا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۲۳﴾

اُن کو ہماری طرف لوٹ کر آنا ہے پھر جو کام وہ کیا کرتے تھے ہم اُن کو بتائیں گے بیشک اللہ دلوں کی باتوں سے واقف ہے

نَمَتَّعُهُمْ قَلِيلًا ثُمَّ نَضْطَرُّهُمْ إِلَىٰ عَذَابِ غَلِيظٍ ﴿۲۴﴾

ہم ان کو تھوڑا سا فائدہ پہنچائیں گے پھر شدید عذاب کی طرف مجبور کر کے لے جائیں گے

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولَنَّ اللَّهُ

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو بول اٹھیں گے کہ اللہ نے

قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۵﴾

کہہ دو کہ اللہ کا شکر ہے لیکن ان میں اکثر سمجھ نہیں رکھتے۔

لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۲۴﴾

جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے (سب) اللہ ہی کا ہے بیشک اللہ بے نیاز اور سزاوارِ حمد (و ثنا) ہے

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ

اور اگر یوں ہو کہ زمین میں جتنے درخت ہیں (سب کے سب) قلم ہوں اور سمندر (کا تمام پانی) سیاہی ہو

مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِذَتْ كَلِمَتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۵﴾

(اور) اس کے بعد سات سمندر اور تو اللہ کی باتیں (یعنی اس کی صفتیں) ختم نہ ہوں بیشک اللہ غالبِ حکمت والا ہے

مَا خَلَقَكُمْ وَلَا بَعَثَكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ بَصِيْرٌ ﴿۲۸﴾

تمہارا پیدا کرنا اور جلا اٹھانا ایک شخص (کے پیدا کرنے اور جلا اٹھانے) کی طرح ہے بیشک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور (وہی) دن کو رات میں داخل کرتا ہے

وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ اِلَىٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى وَاَنَّ اللّٰهَ

اور اسی نے سورج اور چاند کو (تمہارے) زیرِ فرمان کر رکھا ہے ہر ایک، ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے اور یہ کہ اللہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۹﴾ اَلَيْكَ بِاللّٰهِ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ

تمہارے سب اعمال سے خبر دار ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ کی ذات برحق ہے اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں

دُوْنِهِ الْبٰطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۳۰﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ

وہ لغو ہیں اور یہ کہ اللہ ہی عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ ہی کی مہربانی سے کشتیاں

فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيْكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ

دریا میں چلتی ہیں تاکہ وہ تم کو اپنی کچھ نشانیاں دکھائے بیشک اس میں ہر صبر کرنے والے (اور)

صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿۱۳۱﴾ وَإِذَا غَشِيَهُمْ مَوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعُوا اللَّهَ

شکر کرنے والے کیلئے نشانیاں ہیں۔ اور جب ان پر (دریا کی) لہریں سائبانوں کی طرح چھا جاتی ہیں تو اللہ کو پکارنے

مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدًا

(اور) خالص اُس کی عبادت کرنے لگتے ہیں پھر جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو بعض ہی انصاف پر قائم

وَمَا يَجْحَدُ بِآيَاتِنَا إِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُورٍ ﴿۱۳۲﴾ يُبْهَى النَّاسُ أَتَقُوا رَبَّكُمْ

رہتے ہیں اور ہماری نشانوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو عہد شکن اور ناشکرے ہیں۔ لوگو! اپنے رب! سے ڈرو

وَاحْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَازٍ عَنِ وَالِدِهِ

اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے

شَيْئًا إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے

وَلَا يَغُرَّنَّكُم بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿۱۳۳﴾ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ

اور نہ فریب دینے والا (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے۔ اللہ ہی کو قیامت کا علم ہے

وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا

اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی (حاملہ) کے پیٹ کی چیزوں کو جانتا ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کام کرے گا

وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳۴﴾

اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں اُسے موت آئے گی بیشک اللہ ہی جاننے والا (اور) خبردار ہے

سورة السجدة (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ [۱]

[۱] عن خالد بن معدان قال اقرؤا المنجية وهى (الم تنزيل) فانه بلغنى ان رجلا كان يقرأها ما يقر أشيئا غيرها، وكان كثير الخطايا، فنشرت جناحها عليه، قالت رب! اغفر له، فانه كان يكثر قرائتى، فشفعها الرب تعالى فيه، وقال اكتبوا له بكل خطيئة حسنة، وارفعوا له درجة، وقال ايضا انها تجادل عن صاحبها فى القبر، تقول اللهم ان كنت من كتابك فشفعنى فيه، وان لم اكن من كتابك فامحنى عنه، وانها كالطير تجعل جناحها عليه فتشفع له، فتمنعه من عذاب القبر، وقال فى تبارك مثله. (رواه الدامى: ۳۶۷۳).

خالد بن معدان سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا (رات کے ابتدائی حصہ میں) اس سورت کو پڑھا کرو جو (قبر و حشر کے) عذاب سے نجات دینے والی ہے، اور وہ سورہ الم تنزیل ہے، کیونکہ (صحابہ سے) مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ ایک شخص تھا جو یہی سورہ پڑھا کرتا تھا، وہ اس سورت کے علاوہ کچھ اور نہیں پڑھتا تھا، (یعنی اس نے اس سورت کے علاوہ اور کسی چیز کو رو دقرا نہیں دیا تھا) اور وہ شخص بہت زیادہ گنہگار تھا، چنانچہ (جب اس شخص کا انتقال ہوا تو) اس سورت نے اس پر اپنے بازو پھیلا دیئے اور فریاد کی اے میرے پروردگار! اس شخص کی بخشش فرما کیونکہ یہ مجھے بہت زیادہ پڑھا کرتا تھا۔ حق تعالیٰ نے اس شخص کے حق میں اس سورہ کی شفاعت قبول فرمائی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کے نامہ اعمال میں اس کے ہر گناہ کے بدلہ نیکی لکھ دو اور اس کے درجات بلند کرو، نبی ﷺ یہ بھی فرماتے تھے کہ بیشک یہ سورت اپنے پڑھنے والے کی طرف سے قبر میں جھگڑتی ہے۔ کہ اے الہی! اگر میں تیری کتاب (قرآن کریم) میں سے ہوں تو اس کے حق میں میری شفاعت قبول فرما اور اگر (بفرض محال) میں تیری کتاب میں سے نہیں ہوں تو مجھے اس میں سے مٹا دے، نیز خالد نے فرمایا یہ سورہ (قبر میں) ایک پرندہ کی مانند آئے گی اور اس پر اپنے بازو پھیلا کر اس کے لئے (اللہ تعالیٰ) سے شفاعت کرے گی۔ خالد نے سورہ ملک کے بارے میں بھی یہی کہا ہے کہ اس سورہ کی بھی =

﴿۱﴾ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲﴾

آلَم۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کا نازل کیا جانا تمام جہان کے رب کی طرف سے ہے

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو از خود بنا لیا ہے؟ (نہیں) بلکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے برحق ہے

لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ﴿۳﴾

تا کہ تم ان لوگوں کو ہدایت کرو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا تا کہ یہ رستے پر چلیں

اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ

اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو اور جو چیزیں ان دونوں میں ہیں سب کو چھ دن میں پیدا کیا

أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ

پھر عرش پر مستوی ہوا اس کے سوا تمہارا نہ کوئی دوست ہے اور نہ سفارش کرنے والا

أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۴﴾ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ

کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ وہی آسمان سے زمین تک (کے) ہر کام کا انتظام کرتا ہے

ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿۵﴾

پھر وہ ایک روز جس کا مقدار تمہارے شمار کے مطابق ہزار برس ہوگا اس کی طرف صعود (اور رجوع) کرے گا [2]

= یہی تاثیر اور برکت ہے۔ ”قبر میں جھگڑتی ہے“ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس سورت کو پڑھتا ہے مداومت کے ساتھ تو یہ سورۃ

اس کے لئے عذاب کی تخفیف یا قبر میں فریخی و وسعت یا اسی قسم کی دوسری آسانی و سہولت کی شفاعت و سفارش کرتی ہے۔

[2] یدبر الامر: نظام عالم کی تدبیر اور کائنات کا نظم و نسق اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اپنے نکلویں احکام بندوں پر

نازل کرتا ہے اور بندوں کے اعمال صالحہ اس کی طرف چڑھتے ہیں۔ یہ سب کچھ روزانہ ہوتا ہے حالانکہ نزول و عروج کی مسافت ہمارے حساب سے ایک ہزار برس کا راستہ ہوگی۔ معناه (واللہ اعلم) ان امرہ ینزل من السماء علی عبادہ و تعرج الیہ اعمالہم الصالحة الصادرة علی موافقة ذالک الامر۔ ان نزول الامر و عروج العمل فی المسافة الف سنة مما تعدون، وهو فی يوم فان بین السماء والارض مسيرة خمسة مائة سنة، فینزل فی مسيرة خمسة مائة سنة و يعرج فی مسيرة خمسة مائة فهو مقدار الف سنة [کبیر]۔

مولانا مفتی شفیع صاحب نے یہ تفسیر کی ہے: یعنی اس دن کی مقدار تمہاری گنتی کے اعتبار سے ایک ہزار سال کی ہوگی، اور سورہ معارج کی آیت میں ہے: **فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ** یعنی اس دن کی مقدار پچاس ہزار سال کی ہوگی اس کا ایک سیدھا سا جواب تو وہ ہے جو بیان القرآن میں اختیار کیا گیا ہے کہ اس دن کے ہولناک ہونے کے سبب یہ ان لوگوں کو بہت دراز محسوس ہوگا، اور یہ درازی بمقدار اپنے ایمان و اعمال کے ہوگی، جو بڑے مجرم ہیں، ان کو زیادہ، جو کم ہیں ان کو کم محسوس ہوگی، یہاں تک کہ جو دن بعض کو ایک ہزار سال کا معلوم ہوگا وہ دوسروں کے نزدیک پچاس ہزار سال کا ہوگا۔

تفسیر روح المعانی میں اور بھی متعدد توجیہات علماء اور صوفیائے کرام سے نقل کی گئی ہیں، مگر وہ سب کے سب قیاسات ہی ہیں، ایسی چیز جس کو قرآن کا دلول کہا جاسکے یا جس پر یقین کیا جاسکے کوئی نہیں، اس لئے اسلم وہی طریقہ ہے جو سلف صالحین صحابہ و تابعین نے اختیار کیا، کہ اس ایک پچاس کے فرق کو علم الہی کے حوالہ کیا اور خود اتنا کہنے پر اکتفاء کیا کہ ہمیں معلوم نہیں۔

ابن عباسؓ نے اس کے متعلق فرمایا: ہما یومان، ذکرہما اللہ تعالیٰ فی کتابہ، اللہ تعالیٰ اعلم بہما، واکرہ ان اقول فی کتاب اللہ مالا اعلم (اخرجہ عبد الرزاق والحاکم وصححه) یعنی یہ دو دن ہیں جن کا ذکر اللہ نے اپنی کتاب میں کیا ہے اور اللہ ہی ان کی حقیقت کو جانتا ہے، اور میں اس کو برا سمجھتا ہوں کہ میں قرآن میں وہ بات کہوں جس کا مجھے علم نہیں۔

ذٰلِكَ عَلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٤﴾

یہی تو پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے (اور) غالب (اور) رحم والا ہے۔ جس نے ہر چیز کو بہت اچھی طرح بنایا (یعنی)

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنْسَانِ مِنْ طِينٍ ﴿٥﴾

اس کو پیدا کیا اور انسان کی پیدائش کو مٹی سے شروع کیا

ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلَالَةٍ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿٦﴾ ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ

پھر اس کی نسل خلاصے سے (یعنی) حقیر پانی سے پیدا کی پھر اس کو درست کر لیا پھر اس میں اپنی (طرف سے) روح پھونکی

مِنْ رُّوحِهِ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ

اور تمہارے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (مگر) تم بہت کم شکر کرتے ہو

﴿٧﴾ وَقَالُوا آءِ إِذَا ضَلَلْنَا فِي الْأَرْضِ أَإِنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ

اور کہنے لگے کہ جب ہم زمین میں ملیا میٹ ہو جائیں گے تو کیا از سر نو پیدا ہوں گے؟

بَلْ هُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ كَفِرُونَ ﴿٨﴾ قُلْ يَتَوَفَّكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي

حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے رب کے سامنے جانے ہی کے قائل نہیں۔ کہہ دو کہ موت کا فرشتہ جو تم پر مقرر کیا گیا ہے تمہاری

وَكُلِّبَ بِكُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿٩﴾ وَلَوْ تَرَىٰ

روحیں قبض کر لیتا ہے پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور جب دیکھو

إِذِ الْمُجْرِمُونَ نَاكِسُوا رُءُوسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ رَبَّنَا أَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا

کہ گنہگار اپنے رب کے سامنے سر جھکائے ہوں گے (اور کہیں گے کہ) اے ہمارے رب! ہم نے دیکھ لیا اور سنا لیا

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا إِنَّا مُوقِنُونَ ﴿١٠﴾ لَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدًىٰ هَا

تو ہم کو (دنیا میں) واپس بھیج دے کہ نیک عمل کریں (بیٹھک) ہم یقین کرنے والے ہیں

وَلَكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳۳﴾

اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت دے دیتے لیکن میری طرف سے یہ بات قرار پا چکی ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سب سے بھردوں گا

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ

سو (اب آگ کے) مزے چکھو اس لئے کہ تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا (آج) ہم بھی تمہیں بھلا دیں گے

وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۴﴾ إِنَّمَا يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا الَّذِينَ

اور جو کام تم کرتے تھے ان کی سزا میں ہمیشہ کے عذاب کے مزے چکھتے رہو۔ ہماری آیتوں پر تو وہی لوگ ایمان لاتے

إِذَا ذُكِّرُوا بِهَا خَرُّوا سُجَّدًا وَسَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ

ہیں کہ جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو سجدے میں گر پڑتے اور اپنے رب کی تعریف کیسا تھ تسبیح کرتے ہیں اور غرور نہیں کرتے

﴿۱۳۵﴾ جَبَافِي جُنُوبِهِمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا

ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے رب کو خوف اور امید سے پکارتے ہیں

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿۱۳۶﴾ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ

اور جو (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی نفس نہیں جانتا کہ ان کیلئے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک

جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۷﴾ فَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَّا

چمپا کر رکھی گئی ہے یہ ان اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔ [3] بھلا جو مومن ہو وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نافرمان ہو؟

[3] ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: قال الله تعالى اعددت لعبادي الصالحين ما لا عين

رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر و اقرؤوا ان شئتم ﴿فلا تعلم نفس ما اخفى لهم من قرة

اعين﴾ الاية (خ: ۳۲۲۳، م: ۲۸۲۴، ع: ۲۸۲۴).

”نہ کسی آنکھ نے“ الخ۔ کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ اس چیز (یعنی جنت) کے مظاہر شکل و صورت

آوازیں اور خاطر داریاں مراد ہوں۔ مطلب یہ کہ وہاں جو اعلیٰ مناظر ہوں گے اور وہاں جو نظر افروز شکلیں اور صورتیں دکھائی دیں گی، ان جیسے مناظر اور جیسی شکلیں اور صورتیں اس دنیا میں نہ دیکھی گئی ہیں، اور نہ کبھی دیکھی جاسکتی ہیں، اسی طرح وہاں کی آوازوں میں جو مٹھاس، نغمہ گی اور دلکشی ہوگی، ایسی مٹھی، نغمہ ریز اور دلکش آوازیں اس دنیا میں آج تک نہ کسی کان نے سنی ہیں، اور نہ کبھی سنی جاسکتی ہیں، اور ایسے ہی وہاں جو خاطر و مدارت ہوگی، جو نعمتیں اور لذتیں حاصل ہوگی۔ ان کا تصور بھی اس دنیا میں آج تک کسی انسان کے دل میں نہیں آیا ہوگا، اور نہ کبھی اس کا کوئی تصور کیا جاسکتا ہے۔

آیت میں جس چیز کو آنکھ کی ٹھنڈک سے تعبیر کیا گیا ہے اس سے فرحت و شادمانی، چین و راحت اور مقصود مراد پانا ہے، واضح رہے کہ (آنکھ کی ٹھنڈک) میں لفظ ”قرۃ“ دراصل ”قر“ سے نکلا ہے جس کے معنی ثبات و قرار کے ہیں، چنانچہ آنکھ جب اپنی محبوب چیز کو دیکھتی ہے تو قرار پاجاتی ہے، اور اس طرح مطمئن ہوجاتی ہے کہ کسی اور طرف مائل نہیں ہوتی۔ اس کے برخلاف جب آنکھ کسی غیر پسندیدہ اور ناگوار چیز کو دیکھتی ہے اور اس کی محبوب شئی سامنے نہیں ہوتی، تو وہ پریشان پریشان اور کھوئی کھوئی سی رہتی ہے، اور کسی ایک سمت قرار پانے کے بجائے ادھر ادھر بھٹکننا شروع کر دیتی ہے، ایسے ہی فرحت و سرور اور راحت و اطمینان کی حالت میں آنکھوں کو عجیب طرح کا کیف و سکون اور آرام ملتا ہے جبکہ خوف و غم کی حالت میں وہ متحرک و مضطرب ہوجاتی ہیں۔

یابہ کہ ”قرۃ“ کے لفظ ”قر“ سے مشتق ہے جس کے معنی ”ٹھنڈک اور خشکی“ کے ہیں، اس صورت میں کہا جائے گا، کہ آنکھ کی ٹھنڈک سے مراد وہ مخصوص لذت و کیف ہے، جو محبوب اور پسندیدہ چیز کو دیکھ کر اور اپنا مقصود و مطلوب پا کر آنکھ محسوس کرتی ہے، اس کے برخلاف آنکھ جب کسی غیر پسندیدہ اور ناگوار چیز اور دشمن کو دیکھتی ہے اور مطلوب و مقصود کے انتظار میں ہوتی ہے تو گویا اس وقت وہ ایک خاص جلن اور سوزش محسوس کرتی ہے، اسی مناسبت سے پیاری اولاد کو ”قرۃ العین“ یعنی آنکھوں کی ٹھنڈک کہا جاتا ہے۔

نیز ایک حدیث میں جو یوں آیا ہے: ”جعلت قرۃ عینی فی الصلوة“ (مسند احمد: ۱۹۹/۳، و النسائی: ۶۱/۷) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے، تو اس میں بھی لفظ ”قرۃ“ کے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

اور اسی طرح ایک روایت اسماء بنت یزید سے نقل ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یحشر الناس فی صعید و احد یوم القیامة، فینادی مناد فیقول: این الذین کانت ”تنجافی جنوبہم عن المضاجع“ فیقومون و ہم

قليل فيدخلون الجنة بغير حساب ثم يؤمر لسائر الناس الى الحساب. (شعب الایمان: ۴/۵۳۹، مشکوٰۃ: ۱/۵۶۷)، ”تتجافی جنوبهم عن المضاجع“ (جن کے پہلو بستر و اور خوابگا ہوں سے جدار ہتے تھے) سے مراد یا تو وہ بندگان اللہ ہیں جو رات میں اپنی پرسکون نیند کی راحت سے صرف نظر کر کے اور اپنے آرام دہ بستر و اور خوابگا ہوں کو چھوڑ کر اپنے خالق کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں، اور نماز تہجد پڑھتے ہیں! اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ شاید وہ لوگ مراد ہوں جو صلاۃ الاوابین پڑھتے ہیں، نیز یہ بھی احتمال ہے کہ ان سے وہ لوگ مراد ہوں جو عشاء اور فجر کی نماز پڑھتے ہیں، بہر حال حدیث کے ان الفاظ سے قرآن کریم کی ان آیتوں کی طرف اشارہ مقصود ہے، جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے عبادت گذار اور پاکباز بندوں کو یوں متعارف کرایا ہے۔ پس ان آیات میں ان صفات اور خوبیوں کا ذکر ہے جو اہل ایمان کا خاصہ ہیں، اور جن میں سے بعض صفات تو ایسی ہیں جن پر خود ایمان ہی موقوف ہے، اور بعض صفات ایسی ہیں جن پر ایمان کا کامل ہونا موقوف ہے نیز مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان و عمل کا کمال رکھنے والے بندگان خاص قیامت کے دن حساب کتاب کے مرحلہ سے محفوظ رہیں گے۔ ان پر کوئی سختی نہیں ہوگی، ان سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، اور وہ اپنے رب کی بے پایاں عنایتوں اور رحمتوں کے سایے میں رہتے ہوئے حساب کتاب کے بغیر سیدھے جنت میں پہنچا دیے جائیں گے۔

”بہت تھوڑے لوگ“ میں اس طرف اشارہ ہے کہ چونکہ اس دنیا میں اہل ایمان کی تعداد اہل کفر کی تعداد سے کم ہے اور برے لوگوں کے مقابلہ میں نیک لوگ کم ہوتے ہیں، لہذا آخرت میں بھی اس دن ایسے لوگوں کی تعداد جو حساب کے بغیر جنت میں داخل کئے جانے کی سعادت کے سزاوار ہونگے۔ نسبتاً کم نکلے گی، پس یہ بات قرآن کریم سے بھی ثابت ہے کہ اہل حق اور نیکو کار لوگ ہمیشہ اقلیت میں ہوتے ہیں، اور اہل باطل و بدکار لوگوں کی اکثریت ہوتی ہے، جیسا کہ ایک جگہ فرمایا گیا ہے: ”الا الذین امنوا و عملوا الصالحات و قلیل ماہم“ (ص: ۲۴) مگر ہاں جو لوگ ایمان رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں، اور ایک موقع پر یوں ارشاد ہوا ہے: ”و قلیل من عبادی الشکور“ (سبا: ۱۳) اور میرے بندوں میں (طاعت و عبادت کے ذریعہ میرا) شکر ادا کرنے والے کم ہی ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اہل ایمان اور اہل حق کا اقلیت میں ہونا اور اس اقلیت میں ہونے کی وجہ سے ان کا مختلف قسم کے سماجی، معاشرتی، اور سیاسی مصائب و آلام میں مبتلا ہونا اور طرح طرح کے ظلم و جور سہنا ان کے لئے کوئی ایسی بات نہیں ہے جس سے وہ تنگ دل اور مایوسی کا شکار ہوں۔ بلکہ حقیقت میں ان کے اللہ کی طرف سے ان کے لئے ایک اعزاز اور ایک سعادت ہے، اور آخر کار جس کا صلہ انہیں ابدی راحتوں اور نعمتوں کی صورت میں ملنے والا ہے۔

يَسْتَوْنَ ﴿١٨﴾ أَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ جَنَّاتُ

دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اُن کے (رہنے کے) لئے باغ ہیں

الْمَأْوَىٰ نُزُلًا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾ أَمَّا الَّذِينَ فَسَقُوا فَمَأْوَىٰ هُمُ النَّارُ

یہ مہمانی اُن کاموں کی جزا ہے جو وہ کرتے تھے۔ اور جنہوں نے نافرمانی کی اُن کے رہنے کیلئے دوزخ ہے

كُلَّمَا أَرَادُوا أَنْ يَخْرُجُوا مِنْهَا أُعِيدُوا فِيهَا

جب چاہیں گے کہ اُس میں سے نکل جائیں تو اُس میں لوٹا دیئے جائیں گے اور اُن سے کہا جائے گا

وَقِيلَ لَهُمْ ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تَكْذِبُونَ ﴿٢٠﴾ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ

کہ جس دوزخ کے عذاب کو تم جھوٹ سمجھتے تھے اُس کے مزے چکھو۔ اور ہم ان کو (قیامت کے) بڑے عذاب کے سوا

مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٢١﴾

دنیا کا عذاب بھی چکھائیں گے اس لئے کہ (ہماری طرف) لوٹ آئیں

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ ثُمَّ أَعْرَضَ عَنْهَا

اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس کو اس کے رب کی آیتوں سے نصیحت کی جائے تو وہ اُن سے منہ پھیر لے

إِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِينَ مُنتَقِمُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ

ہم گنہگاروں سے ضرور بدلہ لینے والے ہیں۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی [4]

فَلَا تَكُنْ فِي مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَائِهِ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿٢٣﴾

تو تم اُس کے ملنے سے شک میں نہ ہونا اور ہم نے اُس (کتاب) کو (یا موسیٰ کو) بنی اسرائیل کیلئے (ذریعہ) ہدایت بنایا

[4] یہ توحید پر دلیل نقلی ہے یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اور اس میں بھی یہی دعویٰ مذکور تھا کہ اللہ =

﴿۲۴﴾ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أُمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ ﴿۲۴﴾

اور ان میں سے ہم نے پیشوا بنائے تھے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے جب وہ صبر کرتے تھے اور وہ ہماری آیتوں پر یقین رکھتے تھے

﴿۲۵﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۲۵﴾

بلاشبہ تمہارا رب ان میں جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے تھے قیامت کے روز فیصلہ کر دے گا

= کے سوا کوئی کارساز اور عالم الغیب نہیں اس لئے صرف اسی ہی کو پکارو۔ اور اس کے سامنے شفیق غالب بھی کوئی نہیں جو اس سے کام کر سکے تو جس طرح مشرکین قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں شک کرتے ہیں اسی طرح منکرین نے تورات کے بارے میں بھی شک کیا۔ حالانکہ دونوں منجانب اللہ ہیں لہذا تورات کے منزل من اللہ ہونے میں بھی کسی کو شک و شبہ نہیں ہونا چاہئے۔

”لقائہ“ لقاء مصدر اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے یا فاعل کی طرف، پہلی صورت میں فاعل مقدر ہوگا اور دوسری صورت میں مفعول، یعنی موسیٰ علیہ السلام کے کتاب کو پالینے یا کتاب کے موسیٰ علیہ السلام کو پہنچنے میں کوئی شک نہ کرے۔ ولقاء مصدر مضاف الی مفعولہ و فاعلہ موسیٰ ای من لقاء موسیٰ الکتاب او مضاف الی فاعلہ و مفعولہ موسیٰ ای من لقاء الکتاب موسیٰ و وصولہ الیہ۔ روح المعانی۔ یا یہ کہ ”لقائہ“ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع قرار دیکر مطلب یہ لیا گیا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے کتاب دی، آپ بھی اپنی کتاب کے آنے میں کوئی شک نہ کریں، جیسا کہ ایک دوسری آیت میں ایسے الفاظ آئے ہیں، ”وانک لتسلقى القرآن“ (نمل: ۶) یا یہ کہ ”لقائہ“ کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے اور معنی یہ ہے کہ اس آیت میں نبی ﷺ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہونے کی خبر دی گئی ہے، اور فرمایا کہ آپ اس میں شک نہ کریں کہ آپ ﷺ کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوگی، چنانچہ ایک ملاقات شب معراج میں ہونا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، پھر قیامت میں ملاقات ہونا بھی ثابت ہے۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْقُرُونِ يَمْشُونَ فِي مَسْكِنِهِمْ

کیا ان کو اس (امر) سے ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو جن کے مقامات سکونت میں یہ چلتے

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ اَفَلَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۲۷﴾ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا

پھرتے ہیں ہلاک کر دیا بیشک اس میں نشانیاں ہیں تو یہ سنتے کیوں نہیں؟ کیا انہوں نے نہیں دیکھا

نَسُوْقَ الْمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ الْجُرُزِ فَنَخْرِجُ بِهٖ زُرْعًا تَاْكُلُ مِنْهٗ اَنْعَامُهُمْ

کہ ہم نجر زمین کی طرف پانی رواں کرتے ہیں پھر اُس سے کھیتی پیدا کرتے ہیں جس میں سے ان کے چوپائے بھی کھاتے

وَ اَنْفُسُهُمْ اَفَلَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْفَتْحُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

ہیں اور وہ خود بھی (کھاتے ہیں) تو یہ دیکھتے کیوں نہیں؟۔ اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ فیصلہ کب ہو گا؟

﴿۲۲۸﴾ قُلْ يَوْمَ الْفَتْحِ لَا يَنْفَعُ الدّٰيِنَ كَفْرُوْا اِيْمَانُهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

کہہ دو کہ فیصلے کے دن کافروں کو اُن کا ایمان لانا کچھ بھی فائدہ نہ دے گا اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی

فَاَعْرَضْ عَنْهُمْ وَاَنْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُّنتَظَرُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

تو اُن سے منہ پھیر لو اور انتظار کرو یہ بھی انتظار کر رہے ہیں

سورة الاحزاب (مدنية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

اے پیغمبر! اللہ سے ڈرتے رہنا اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ ماننا بیشک اللہ جاننے والا

حَكِيمًا ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ

اور حکمت والا ہے۔ [۱] اور جو (کتاب) تم کو تمہارے رب کی طرف سے وحی کی جاتی ہے اسی کی پیروی کئے جانا بیشک اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرًا ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿۵﴾ ﴿۶﴾

تمہارے سب اعمال سے خیر دار ہے۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھنا اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔

مَا جَعَلَ اللَّهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهِ وَمَا جَعَلَ أَرْوَاجَكُمْ اللَّائِي

اللہ نے کسی آدمی کے پہلو میں دو دل نہیں بنائے اور نہ تمہاری عورتوں کو جن کو تم

تُظْهِرُونَ مِنْهُنَّ أُمَّهَاتِكُمْ وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ كُمْ

ماں کہہ بیٹھتے ہو تمہاری مائیں بنائیں ہیں اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارے بیٹے بنائیں ہیں

[۱] یا ایہا النبی، الایة، صلح حدیبیہ کے بعد مشرکین و منافقین کا ایک وفد جو ابوسفیان، عکرمہ بن ابوجہل، عبد اللہ بن

ابی اور معتب بن قشیر وغیرہ پر مشتمل تھا۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: اے محمد! ہم تم سے یہ چاہتے ہیں کہ تم

ہمارے معبودوں کو برائی سے یاد کرنا چھوڑ دو اور صرف اتنی بات مان لو! کہ وہ عند اللہ شفیع ہیں، اور نفع پہنچا سکتے ہیں تو تمہیں

ازادی ہے کہ بے شک تم اپنے اللہ واحد کی عبادت کرو۔ اور دوسرے احکام کی تبلیغ کرو، ہم تم سے کوئی تعارض نہ کریں گے۔ یہ

بات آپ کو بہت ناگوار گذری اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں: قالوا الرسول الله ﷺ ارفض ذکرا الہتنا وقل انہا تشفع

وتنفع وندعک وربک، فشق ذلک علی النبی ﷺ و المؤمنین وھموا بقتلھم فنزلت (روح

المعانی)۔ مشرکین چاہتے تھے کہ نبی ﷺ اگر نرم ہو جائیں تو وہ بھی اپنا رویہ نرم کر لیں گے لیکن اللہ نے آپ کو اس معاملہ

میں نرمی اختیار کرنے سے منع فرما دیا۔ اور حکم دیا کہ تبلیغ توحید میں ذرا برابر کوتاہی یا نرمی نہ ہونے پائے جیسا کہ دوسری جگہ

فرمایا: وودوا لودھن فیدھنون۔ (القلم: ۹) اور مادہ: ۶۷، میں فرمایا: بلغ ما نزل الیک من ربک فان لم تفعل

فما بلغت رسالتہ۔ اور سورہ بنی اسرائیل: ۷۵، میں ارشاد ہے: لقد کدت ترکن الیہم شیئا قلیلا اذ الذاذک

ضعف الحیاة وضعف الممات۔ =

ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ﴿۱۶۲﴾

یہ سب تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ تو سچی بات فرماتا ہے اور وہی سیدھا رستہ دکھاتا ہے [۲]

أَدْعُوهُمْ لِأَبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَّمْ

مومنو! لے پالکوں کو ان کے (اصلی) باپوں کے نام سے پکارا کرو کہ اللہ کے نزدیک یہی بات درست ہے اگر تمہیں

= یہ آہستہ تین اوامر اور ایک نہی پر مشتمل ہیں۔ اتق اللہ، یہ پہلا امر ہے یعنی تقویٰ اور خوف الہی پر قائم رہیں اور اللہ کے احکام کے خلاف ہرگز کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ و المقصود الدوام و الثبات علیہا (روح المعانی)۔

ولا تطع الكافرين۔ یہ نہی ہے، کفار اور منافقین نے آپ سے جو نرمی کرنے کا مطالبہ کیا ہے آپ ان کی بات ہرگز نہ مانے اور مسئلہ توحید بیان کرنے میں ہرگز ان کی رعایت نہ فرمائیں، اللہ تعالیٰ علیم حکیم ہے، اگر آپ کی نرمی سے ان کے ایمان لانے کا امکان ہوتا تو آپ کو نرمی کرنے سے روکا نہ جاتا۔ و دل بقوله ان الله كان عليما حكيما على انه كان يميل اليهم استدعاء لهم الى الاسلام، اي لو علم الله عز وجل ان ميلك اليهم فيه منفعة لمانهاك عنه لانه حكيم۔

”اتبع“ الایۃ یہ دوسرا امر ہے، اللہ کی طرف سے آپ پر جو امور و احکام دین وحی ہو رہے ہیں، آپ انکی پیروی کریں، کفار اور منافقین کی باتوں کی پیروی نہ کریں، اللہ تعالیٰ تم سب کے اعمال سے باخبر ہے، اہل ایمان کو صلاح و تقویٰ کی راہ ہی سمجھاتا ہے، اور کفار و منافقین کے مکرو فریب سے باخبر کر دیتا ہے، ان اللہ خبیر بما یعملہ کلا الفریقین فی رشدک الی ما فیہ صلاح حالک وانتظام امرک و یطلعک علی ما یعملونہ من المکاندو المفاسد (ابو السعود)۔

وتوکل، الایۃ، یہ تیسرا امر ہے، آپ بلا خوف و خطر توحید کی تبلیغ کرتے جائیں اور اگر کوئی ڈر خطرہ ہو تو اللہ تعالیٰ

پر بھروسہ کریں، اور اپنے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کریں، اس سے بہتر کوئی کارساز اور حافظ و ناصر نہیں۔

[۲] ”ما جعل اللہ لرجل، یہ ما قبل کی دلیل ہے بطور تمثیل فرمایا: جس طرح ایک جوف میں دو دل جمع نہیں ہو سکتے

اسی طرح ایک دل میں دو اعتقاد جمع نہیں ہو سکتے، اس لئے یہ ناممکن ہے کہ آپ اللہ کو بھی نافع و ضار سمجھیں اور مشرکین کے

باطل معبودوں کو بھی، لایحتمع الکفر والایمان باللہ تعالیٰ فی قلب کمالایحتمع قلبان فی جوف واحد، فالمعنی لایحتمع اعتقادان متغائران فی قلب، الخ، قرطبی۔

یادودل ہونے سے دو رُخ ہونا مراد ہے کہ اللہ کو بھی نافع سمجھیں اور غیر اللہ کو بھی، اللہ تعالیٰ سے بھی ڈرے اور غیر اللہ سے بھی،

دودل بودن بجز بے حاصلی نیست یکے بین ویکے دان ویکے گو

یکے خواہ ویکے خوان ویکے جو

”وما جعل ازواجکم“، یہ ما قبل کے لئے پہلی نظیر ہے زمانہ جاہلیت میں رواج تھا جب کوئی شخص اپنی بیوی سے ظہار کر لیتا، یعنی اپنی بیوی سے کہہ دیتا کہ تو میرے لئے، میری ماں کی مانند ہے تو وہ اسے طلاق کا درجہ دیتا اور کسی صورت میں بیوی کے طور پر اپنے پاس نہ رکھتا، اور اسے ہمیشہ اپنی ماں کے مانند سمجھتا، اسلام نے اس رسم جاہلیت کو اٹھایا اور کفارہ ظہار آدا کرنے کے بعد تعلقات زوجیت بحال رکھنے کا حکم دیا، اس آیت میں ارشاد فرمایا: تم اپنے بیویوں کو ظہار کے بعد اپنی مائیں سمجھ بیٹھتے ہو، تمہارے اس زعم سے تمہاری مائیں نہیں بن جاتیں، تمہاری مائیں وہی ہیں جنہوں نے تمہیں جنم دیا ہے، بعینہ اسطر ح کسی کے کہنے اور سمجھنے سے معبودان باطل اللہ کے یہاں شفیق غالب اور نافع و ضار نہیں بن جاتے، نافع و ضار وہی ذات پاک ہے جس کے قبضہ و اختیار میں سارا نظام کائنات ہے۔

”وما جعل ادعیاء کم“ اور ایک قدیم رواج یہ بھی تھا کہ کسی کو اپنا بیٹا بنا لیا یہاں تک کہ آدمی اور اس کے متبنی کے درمیان وراثت بھی جاری ہوتی اور متبنی کی بیوی کو حقیقی بہو سمجھا جاتا، یہاں تک کہ متبنی کی بیوہ یا مطلقہ سے نکاح کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ اس رواج کے مطابق نبی کریم ﷺ نے بعثت سے پہلے زید بن حارثہ کو اپنا متبنی بنا لیا تھا، اسلام نے اس رسم کو بھی اٹھا دیا، ابطال لماکان فی جاہلیۃ و صدر من الاسلام من انه اذا تبنی الرجل ولد غیرہ اجریت احکام البنوۃ علیہ، وقد تبنی رسول اللہ ﷺ قبل البعثۃ زید بن حارثۃ (روح)۔ جس طرح کسی کے بیٹے کو بیٹا بنا لینے سے وہ بیٹا نہیں بن جاتا، اسی طرح زبانی دعویٰ سے معبودان باطل شفیق اور نافع و ضار نہیں بن جاتے۔

”ذٰلِکُمْ قَوْلُکُمْ“ الایۃ، یہ تمہاری منہ کی باتیں ہیں حقیقت اور نفس الامر سے ان کا کوئی تعلق نہیں، اللہ تعالیٰ ایسی بے سرو پاپا توں کی اجازت نہیں دیتا، وہ تو حق بیان کرتا اور سیدھی راہ دکھاتا ہے، اس لئے ظہار اور متبنی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حق بات ظاہر فرمادی، اور اس بارے میں جو سیدھی راہ اور منصفانہ روش تھی، واضح کر دی۔

تَعْلَمُوا اَبَاءَهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ

ان کے باپوں کے نام معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی اور دوست ہیں اور جو بات تم سے غلطی سے ہوگئی ہو اس میں تم

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا اَخْطَاكُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللهُ

پر کچھ گناہ نہیں لیکن جو قصد دل سے کرو (اس پر مواخذہ ہے) اور اللہ

غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۳۳﴾ النَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ

بخشنے والا مہربان ہے۔ [۳۳] پیغمبر مومنوں پر اُن کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں

اُمَّهَاتُهُمْ وَاَوْلُو الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ

اُن کی مائیں ہیں اور رشتہ دار آپس میں کتاب اللہ کی رُو سے مسلمانوں اور مہاجرین سے ایک دوسرے (کے ترکے) کے

فِي كِتَابِ اللهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهَاجِرِيْنَ اِلَّا اَنْ تَفْعَلُوْا اِلٰى اَوْلِيَّيْكُمْ مَّعْرُوْفًا

زیادہ حقدار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں سے احسان کرنا چاہو (تو اور بات ہے)۔

[۳۳] ”ادعوہم“ الایۃ، جسے متنبی بنالیا جاتا تھا اس کے منہ بولے باپ کی طرف منسوب کر کے پکارتے تھے

مثلاً زید بن محمد، سالم بن ابی حذیفہ، عامر بن خطاب وغیرہ حالانکہ ان تینوں کے نسبی باپ اور تھے، اور فرمایا ان کو ان کے

اصل باپوں کی طرف منسوب کر کے بلایا کرو کیونکہ اللہ کے نزدیک یہی طریقہ عدل وصدق کے مناسب ہے، اور اگر تمہیں

ان کے باپ نہ معلوم ہوں، تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، انہیں اپنے بھائی کہہ کر بلایا کرو، غلطی سے جو پہلے ہوتا رہا معاف

ہے، اب آئندہ حکم واضح ہو جانے کے بعد اگر ان کو ان کے اصل باپوں کے سوا منہ بولے باپوں کی طرف منسوب کرو گے تو یہ

بہت بڑا جرم اور گناہ ہوگا۔

كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ﴿٤﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ

یہ علم کتاب (یعنی قرآن) میں لکھ دیا گیا ہے۔ اور جب ہم نے پیغمبروں سے عہد لیا

وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ

اور تم سے اور نوح سے اور ابراہیم سے اور موسیٰ سے اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٥﴾ لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ سَأَلْتَهُ

اور عہد بھی ان سے پکا لیا۔ تاکہ سچ کہنے والوں سے اُن کی سچائی کے بارے میں دریافت کرے

وَأَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٦﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ

اور اُس نے کافروں کیلئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ مومنو! اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو

عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا

جو (اُس نے) تم پر جب فوجیں تم پر آئیں تو ہم نے اُن پر ہوا بھیجی اور ایسے لشکر نازل کئے جن کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے

وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٧﴾ إِذْ جَاءَكُمْ مِنْ فَوْقِكُمْ وَمِنْ

اور جو کام تم کرتے ہو اللہ اُن کو دیکھ رہا ہے۔ جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے

أَسْفَلَ مِنْكُمْ وَإِذْ زَاغَتِ الْأَبْصَارُ وَبَلَغَتِ الْقُلُوبُ الْحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ

اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے دہشت کے) گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے

بِاللَّهِ الظُّنُونَا ﴿٨﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا ﴿٩﴾

لگے۔ وہاں مومن آزمائے گئے اور سخت طور پر ہلائے گئے [4]

[4] ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا“ الآية، یہ مومنوں کے لئے حکم ہے۔ اے ایمان والو! نبی علیہ السلام نے

جاہلیت کی رسم کو توڑا ہے۔ کفار و منافقین آپ کی مخالفت کر رہے ہیں، تم ہمارے پیغمبر علیہ السلام کا ساتھ دینا اور کفار و منافقین کی مخالفت سے مت ڈرنا، میں تمہارا ناصر و حامی ہوں جس طرح اسباب کی ناموافقت کے باوجود غزوہ احزاب میں، میں نے تمہاری مدد کی۔ غزوہ احزاب کو غزوہ خندق بھی کہتے ہیں۔

چار یا پانچ سنہ ہجری کو مشرکین عرب اور یہود نے متحد ہو کر فیصلہ کیا کہ عرب کے تمام معروف قبائل سے ایک عظیم فوج تیار کر کے مدینہ پر حملہ کیا جائے اور مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے۔ چنانچہ مختلف قبائل کے جوان اپنے اپنے سرداروں کے زیر کمان مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ قریش کا قائد ابوسفیان بن حرب، بنو اسد کا طلحہ، غطفان کا عیینہ بنو عامر کا عامر بن طفیل، بنو سلیم کا ابوالدور سلمی، بنو نضیر کا جیحی بن اخطب اور بنو قریظہ کا کعب بن اسد تھا۔ ان کی مجموعی تعداد دس اور پندرہ ہزار کے درمیان تھی۔

جب رسول اللہ ﷺ کو ان کی روانگی کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے مسلمان فارسی کے مشورے سے مدینہ منورہ کے گرد خندق کھودنے کا کام شروع کر دیا جو مشرکین کی فوج پہنچنے سے قبل مکمل ہو گیا۔ مسلمانوں کی تعداد صرف تین ہزار تھی دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ درمیان میں خندق حائل تھی، اسی حال میں تقریباً ایک ماہ گذر گیا، اس دوران میں سنگباری اور تیر اندازی کے بغیر کوئی باقاعدہ جنگ نہ ہوئی سوا چند انفرادی جھڑپوں کے۔ مشرکین نے مدینہ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا اور ہر طرف خوف و ہراس پھیل گیا اور منافقین نے بھی اپنے قول و فعل سے مسلمانوں میں بددلی اور بے اعتمادی کی فضا پیدا کرنے کی پوری پوری کوشش کی۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ نے مدد کے لئے فرشتوں کی فوج اتار دی اور ساتھ ہی تیز و تند طوفان باد بھی بھیج دیا، جس سے ان کے خیموں کی میخیں اکھڑ گئیں، گھوڑے بدک کر بھاگنے لگے ان کی آنکھیں مٹی سے بھر گئیں، اور ان کے دلوں پر ایسا رعب طاری ہوا کہ مشرکین کی فوجیں تتر بتر ہو گئیں اور شکست کھا کر بھاگ نکلیں۔

”اذکروا نعمۃ اللہ“ یہاں اللہ تعالیٰ کے ”انعام“ سے غزوہ خندق میں فتح و نصرت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہود و مشرکین کی عظیم فوجوں پر مسلمانوں کو عطا فرمائی۔

اذجاء وکم الخ یہ اذجاء تکم سے بدل ہے۔ فوق سے جانب مشرق اور اسفل سے جانب مغرب و جنوب مراد ہے۔ یا چاروں طرف سے کتنا یہ ہے یعنی کافروں کی فوجیں چاروں طرف سے آپہنچیں، اور انہوں نے مدینہ منورہ کا ہر طرف سے محاصرہ کر لیا۔

”واذذاعت الابصار“ فوجوں کی کثرت سے تمہاری آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں، اور شدت خوف سے =

وَإِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ

اور جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو ہم سے محض

إِلَّا غُرُورًا ۗ وَإِذْ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ يَا أَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ

دھوکے کا وعدہ کیا تھا۔ اور جب ان میں سے ایک جماعت کہتی تھی کہ اے اہل مدینہ! تمہارے لئے (ٹھہرنے کا) مقام نہیں

= تمہارے دل منہ آنے لگے۔

”وتظنون بالله الظنون“ خطاب مخلص مومنوں سے ہے، باللہ ای فی حق اللہ مسلمانوں کی تعداد دشمن کے

مقابلے میں بہت کم تھی اور دشمن کی فوجیں چاروں طرف سے مسلمانوں کو گھیرے ہوئے تھیں۔

اور بظاہر فتح کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی اس لئے بقاضائے بشریت مسلمانوں کے دلوں میں مختلف

خیالات رونما ہونے لگے بعض کا خیال تھا کہ شاید آج ہمیں فتح نصیب نہ ہو۔ اور بعض کا خیال تھا کہ فتح ہماری ہی

ہوگی، اور بعض مسلمانوں کے دلوں میں یہ خیال بھی آیا کہ آج کافر مدینہ پر قبضہ کر لیں گے، لیکن بالآخر اللہ تعالیٰ

مسلمانوں کو ان پر غلبہ عطا فرمائے گا۔ یا یہ خطاب ان تمام لوگوں سے ہے جو علی الاطلاق ایمان کا اظہار کرتے تھے

خواہ اخلاص کے ساتھ خواہ نفاق کے ساتھ، اس طرح یہ خطاب مخلصین اور منافقین سب کو شامل ہوگا۔ اور ظنون سے

مختلف انواع ظنون مراد ہوں گے۔ مخلصین یہ خیال کر رہے تھے کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یقیناً فتح ہماری ہوگی جیسا کہ

مخلصین کے بارے میں اللہ کا ارشاد ہے: وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ

وَرَسُولُهُ، الْآيَةُ.

اور منافقین کا گمان تھا کہ وعدہ نصرت جھوٹا ہے اور آج مسلمانوں کا دنیا سے نام و نشان مٹ جائے گا۔ جیسا کہ

منافقین کے بارے میں فرمایا: وَإِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ، الْآيَةُ،

قال الحسن ظن المنافقون ان المسلمين يستأصلون، وظن المومنون انهم ينصرون

(قرطبی، روح).

فَارْجِعُوا وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ؕ
تو لوٹ چلو اور ایک گروہ ان میں سے پیغمبر سے اجازت مانگنے اور کہنے لگا کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں

إِن يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ۚ ﴿۱۳﴾ ۗ وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِم مِّنْ أَقْطَارِهَا
حالانکہ وہ کھلے نہیں تھے وہ تو صرف بھاگنا چاہتے تھے۔ اور اگر (نوجہیں) اطراف مدینہ سے ان پر داخل ہوں

ثُمَّ سَأَلُوا الْفِتْنَةَ لَأَتَوْهَا وَمَا تَلْبَثُوا فِيهَا إِلَّا يَسِيرًا ۚ ﴿۱۴﴾ ۗ لَقَدْ كَانُوا عَاهِدُوا
پھر اُن سے کفر کیلئے کہا جائے تو (نوراً) کرنے لگیں اور اس کیلئے بہت ہی کم توقف کریں۔ حالانکہ

اللَّهِ مِنْ قَبْلُ لَا يُؤْلُونَ الْأَذْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللَّهِ مَسْئُولًا ۚ ﴿۱۵﴾ ۗ لَنْ يَنْفَعَكُمْ
پہلے اللہ سے اقرار کر چکے تھے کہ پیغمبر نہیں پھیریں گے اور اللہ سے (جو) اقرار (کیا جاتا ہے اس) کی ضرورت پرش ہوگی

الْفِرَارِ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذَا لَا تَمْتَعُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۚ ﴿۱۶﴾ ۗ
کہہ دو کہ اگر تم مرنے یا مارے جانے سے بھاگتے ہو تو بھاگنا تم کو فائدہ نہیں دے گا اور اس وقت تم بہت ہی کم فائدہ اٹھاؤ گے [5]

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِي يَعْصِمُكُمْ مِنَ اللَّهِ إِنْ أَرَادَ بِكُمْ سُوءًا
کہہ دو کہ اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو کون تم کو اُس سے بچا سکتا ہے یا اگر تم پر مہربانی کرنا چاہے

أَوْ أَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً ۗ وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ۚ ﴿۱۷﴾ ۗ
(تو کون اُس کو ہٹا سکتا ہے)؟ اور یہ لوگ اللہ کے سوا کسی کو اپنا نہ دوست پائیں گے اور نہ مددگار

قَدْ يَعْلَمُ اللَّهُ الْمُعَوِّقِينَ مِنْكُمْ وَالْقَائِلِينَ لِإِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ إِلَيْنَا
اللہ تم میں سے ان لوگوں کو بھی جانتا ہے جو (لوگوں کو) منع کرتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں کہ ہمارے پاس چلے آؤ

[5] واذيقول، الاية: یہ ”اذراغت“ پر معطوف ہے (روح المعانی) و الذين في قلوبهم مرض سے

منافقین ہی مراد ہیں اور عطف تغایر وصف کی وجہ سے ہے جو ان یكون المراد بهم المنافقون انفسهم و العطف لتغایر الوصف (روح) غزوہ خندق میں رسول علیہ السلام نے ایک پتھر کو توڑنے کے لئے اس کو ضرب لگائی تو اس میں سے بجلی کی سی روشنی اور چمک نمودار ہوئی۔ اس وقت تمام صحابہ کو آپ نے فارس، یمن، روم اور حبشہ کی فتح کی خوشخبری دی۔ یہ بات منافقین نے بھی سنی تو بطور استہزاء و تمسخر کہنے لگے۔ محمد ﷺ ہمیں قیصر و کسری کے خزانوں پر قابض ہونے کی خبر دیتا ہے۔ اور آج ہمارا حال یہ ہے کہ ہم فضائے حاجت کے لئے بھی باہر نہیں جاسکتے۔ اس لئے یہ ویسی ہی ہوئی اور جھوٹے وعدے ہیں، اس آیت میں منافقین کی اس شرنگیز گفتگو کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایسی باتوں سے منافقین کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں میں بددلی پیدا ہو۔ اور ان کی حوصلہ شکنی ہو۔ وذلک ان طعنة بن ابیرق و معتب بن قشیر و جماعة نحو من سبعین رجلا قالوا یوم الخندق کیف یعدنا کنوز کسری و قیصر و لا یستطیع احدنا ان یتبرز (قرطبی)

”غروراً“ ای باطل من القول (قرطبی)۔ یہ وعدہ العیاذ باللہ سراسر جھوٹا ہے۔ قال الشیخ رحمہ

اللہ، غروراً، ای وعدا صاحب غرور ای کذب۔

واذقالت، الایة، اس میں ایک اور شرارت کا ذکر ہے، اہل یثرب سے مدینہ والے تمام مسلمان مراد ہیں۔ منافقین اپنی خفیہ ریشہ دوانیوں سے مسلمانوں میں بددلی کی فضا پیدا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ مسلمان سے کہنے لگے اب مشرکین کی ان فوجوں کے سامنے تمہارا ٹھہرا اور اپنی جان بچانا مشکل اور ناممکن ہے۔ اس لئے اب ایمان کو چھوڑ کر اپنے پہلے دین شرک میں واپس آ جاؤ۔ یا ان کا مطلب یہ تھا کہ مشرکین کے مقابلے میں ٹھہرنا ناممکن ہے۔ اس لئے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے جاؤ۔ اس سے منافقین کا مقصد یہ تھا کہ مسلمان میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں۔ لا مقام لکم فی حومة القتال و الممانعة فارجعوا الی بیوتکم و منازلکم، امر وہم بالہرب عن رسول اللہ ﷺ، و قیل فارجعوا الی دینکم الاول و اسلموہ الی اعدائہ (بحر)۔

”ویستأذن“ منافقین کی ایک جماعت جھوٹے اور لٹکڑے بہانوں کے ذریعہ نبی علیہ السلام سے گھروں کو واپسی کی اجازت لے رہی تھی، منافقین نبی علیہ السلام سے کہہ رہے تھے کہ ہمارے گھر خطرے میں ہیں اور ان کی حفاظت کا کوئی سامان نہیں بچوں اور بوڑھوں کے سوا ان میں کوئی نہیں، ایسا نہ ہو کہ دشمن موقع پا کر نقصان پہنچائیں، حالانکہ ان کے گھروں کو کوئی خطرہ نہ تھا کیونکہ نبی ﷺ نے تمام حفاظتی تدابیر اختیار فرمائی تھیں، وہ صرف جہاد اور مسلمانوں کی مدد سے

بھاگنا چاہتے تھے۔

”ولو دخلت“ یہ منافقین کے نفاق اور فساد باطن کی ایک نہایت عمدہ تمثیل ہے ”دخلت“ کا نائب فاعل ”بیوت“ کی ضمیر ہے ”اقتارھا“ کی ضمیر مدینہ سے کنایہ ہے ”الفتنہ“ سے مراد قتال ہے، فرض کرو اگر یہ منافقین اپنے گھروں میں موجود ہوں، اور مدینہ کی چارستوں سے فسادی لوگ ان کے گھروں میں آگھسیں، پھر نبی علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور شخص ان کو فتنہ و فساد کی طرف لڑائی کیلئے دعوت دے تو اپنے گھروں کو اس طرح خطرے میں چھوڑ کر فوراً فتنے کی آگ میں کود پڑیں گے، اور ذرا توقف و تاہل نہ کریں گے اس لئے یہ گھروں کے خطرے میں ہونے کا عذر محض جہاد اور نصرت اسلام سے جان بچانے کے لئے کر رہے ہیں، یا فتنہ سے مراد شرک ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر مشرکین ان کے گھروں میں جاگھسیں اور انہیں شرک کرنے پر آمادہ کریں تو یہ لوگ بلا توقف فوراً شرک کرنے لگیں گے اور کفر کو قبول کر لیں گے۔ یہ ہے ان کے ایمان کی کمزوری کا حال (روح)۔

”ولقد کانوا“ حالانکہ یہ منافقین جو اس وقت راہ فرار تلاش کر رہے ہیں، اللہ سے عہد کر چکے ہیں کہ آئندہ وہ میدان جہاد سے کبھی پیٹھ نہیں پھریں گے، اور عہد و بیان کو توڑنا ناقابل مواخذہ جرم ہے یہ وہ منافقین تھے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے لیکن جب بدر میں انہوں نے مسلمانوں کی شاندار فتح اور کامیابی دیکھی تو پیچھتائے اور نبی علیہ السلام سے عہد کیا کہ اب اگر اللہ نے ہمیں کبھی جہاد کا موقع دیا تو ہم کبھی پیچھے نہ رہیں گے، اور نہ میدان جہاد سے بھاگیں گے، لیکن اب غزوہ خندق میں بھاگنے کے بہانے تراش رہے ہیں: قال قتادہ وذلک انہم غابوا عن بدر وروا ما عطی اللہ اہل بدر من الکرامة و النصر فقالوا لئن اشهدنا اللہ قتالنا لقاتلن (قرطبی)۔

”قل من“ اس آیت میں حذف ہے از قبیل علفتها تبنا و ماء باردا، اصل میں تھا۔ او من ذی الذی یمنع رحمۃ اللہ منکم ان اراد بکم رحمۃ (روح)۔

اس آیت میں پہلی آیت ہی کے مضمون کو ایک نئے انداز میں اور ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے آگے کسی کا بس نہیں چل سکتا۔ اللہ کی طرف سے تمہارے لئے جو تکلیف اور دکھ مقدر ہے اس سے تمہیں کوئی بچا سکتا اور نہ اللہ کی رحمت ہی سے تمہیں کوئی محروم کر سکتا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی کسی کا کارساز اور یار و مددگار نہیں جو تکلیف اور مصیبت سے کسی کو بچا سکے۔

”قد یعلم اللہ“ یہ ان منافقین پر زجر ہے جو لوگوں کو جہاد سے روکتے اور ان کی ہمت شکنی کرتے تھے، =

وَلَا يَأْتُونَ الْبُاسَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۸﴾ اَشْحَةَ عَلَيْكُمْ فَاِذَا جَاءَ الْخَوْفُ

اور لڑائی میں نہیں آتے مگر کم۔ (یہ اس لئے کہ) تمہارے بارے میں بھل کرتے ہیں پھر جب ڈر آئے

= اے منافقین! اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو تم میں سے جہاد میں جانے والوں کو جہاد سے روکتے ہیں اور اپنی بھائی بند منافقوں سے کہتے ہیں (ہمارے پاس آ جاؤ) اور اپنے گھروں میں باغوں میں درختوں کے سایوں میں آرام سے بیٹھو، اس شدت کی گرمی میں جنگ کر کے اپنا آرام کیوں غارت کرتے ہو، اور وہ خود بھی بہت شاذ و نادر انتہائی مجبوری کی صورت میں شریک جہاد ہوتے ہیں۔

”اشحہ علیکم“ اور جب بامجبوری جہاد میں شریک ہوتے ہیں تو اپنے جسم و جاں اور مال کا انتہائی بخل کرتے ہیں۔ کیا مجال کے دشمن سے مقابل ہو کر لڑیں۔ اور اپنے جسم پر آج آنے دیں۔ اور ایک کوڑی ہی جہاد میں خرچ کر ڈالیں۔ اشحہ علیکم ای بانفسہم وابدانہم (کبیر)۔ ای بخلاء علیکم بالنفقة و النصرۃ (روح)۔

”فاذا جاء“ پھر جب دشمن کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق ہو تو ایسے دہشت زدہ ہو کر آپ کی طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی پر سکرات الموت طاری ہو، اور جب خوف زائل ہو جائے تو مال غنیمت کے لالچ میں تندری و تیزی کے ساتھ آپ لوگوں سے زبان درازی کرتے ہیں، تم ہم سے زیادہ حق دار نہیں ہو، فتح تو ہماری ہی مدد سے نصیب ہوئی ہے وغیرہ وغیرہ، اس آیت میں منافقین کی انتہائی بزدلی اور دنیا کی حرص و ارزوکا ذکر کیا گیا ہے۔ الخیر سے یہاں مال غنیمت مراد ہے اشحہ سلقوا کے فاعل سے حال ہے۔ اولئک لم يؤمنوا“ یہ لوگ سرے سے ایمان لائے ہی نہیں محض زبانی اقرار کا کوئی فائدہ نہیں، اس لئے ان کے تمام اعمال رایگاں ہیں۔ اور ان کا کوئی اجر و ثواب نہیں۔

”یحسبون“ یہ منافقین کی انتہائی بزدلی ہے مشرکین و کفار کی فوجیں ناکام ہو کر واپس جا چکی ہیں، لیکن منافقین مارے خوف کے ابھی یہی سمجھ رہے ہیں کہ فوجیں ابھی اپنے مورچوں سے نہیں ہٹیں، ای ہم من الجزع و الدهشة لمزید جنہم و خوفہم بحیث ہزم اللہ تعالیٰ الاحزاب فرحلوا و ہم یظنون انہم لم یرحلوا (روح)۔

شیخ حسین علی فرماتے ہیں کہ یحسبون کی ضمیر معوقین اور قائلین دونوں فریقوں سے کنایہ ہے۔

رَأَيْتَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ تَدُورُ أَعْيُنُهُمْ كَالَّذِي يُغْشَىٰ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ

تو تم اُن کو دیکھو کہ تمہاری طرف دیکھ رہے ہیں (اور) اُن کی آنکھیں پھر رہی ہیں جیسے کسی کو موت سے غشی آ رہی ہو

فَإِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوكُمْ بِاللِّسَانِ حِدَادٍ أَشْحَةً عَلَى الْخَيْرِ أُولَٰئِكَ

پھر جب خوف جاتا رہے تو تیز زبانوں کیساتھ تمہارے بارے میں زبان درازی کریں اور مال میں بخل کریں یہ لوگ

لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٤﴾

(حقیقت میں) ایمان لائے ہی نہ تھے تو اللہ نے اُن کے اعمال برباد کر دیئے اور یہ اللہ کو آسان تھا

يَحْسَبُونَ الْأَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوا وَإِنْ يَأْتِ الْأَحْزَابُ يَوَدُّوا لَوْ أَنَّهُمْ

(خوف کے سبب) خیال کرتے ہیں کہ فوجیں نہیں گئیں اور اگر لشکر آجائیں تو تمنا کریں کہ (کاش)

بَادُونَ فِي الْأَعْرَابِ يَسْأَلُونَ عَنْ أَنْبَائِكُمْ وَلَوْ كَانُوا فِيكُمْ مَا قَتَلُوا

گنواروں میں جا رہیں (اور) تمہاری خبریں پوچھا کریں اور اگر تمہارے درمیان ہوں تو لڑائی نہ کریں

إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥﴾ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

مگر کم - تم کو پیغمبر الہی کی پیروی (کرنی) بہتر ہے

لَمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ﴿١٦﴾

اُس شخص کو جسے اللہ (سے ملنے) اور روزِ قیامت (کے آنے) کی امید ہو، اور یاد کیا اللہ کو بہت زیادہ [6]

[6] ”لقد كان“ اس میں اتباع رسول ﷺ کی ترغیب ہے پیغمبر اللہ ﷺ نے خندق کھودنے اور کفار کا مقابلہ کرنے

میں صبر و استقلال اور سکون و ثبات کا جو بہترین عملی نمونہ پیش فرمایا ہے مسلمانوں کو اس کی پیروی کرنا چاہئے تھی، یہاں مخلصین

سے فرمایا جو بتقاضا بشریت کافروں کی فوجوں سے خوف زدہ ہو گئے تھے، اسوۃ حسنة، خصلۃ حسنة، حقہا، ان

یؤتسی بہا کالتابت فی الحرب ومقاساة الشدائد (ابو السعود)۔ =

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ

اور وہ اللہ کا کثرت سے ذکر کرتا ہو۔ اور جب مومنوں نے (کافروں کے) لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا اللہ اور

وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا ﴿۲۲﴾

اُس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور اللہ اور اُس کے پیغمبر نے سچ کہا تھا اور اس سے اُن کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گئی [۷]

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ

مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا اُس کو سچ کر دکھایا

فَمِنْهُمْ مَنُ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنُ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ﴿۲۳﴾

تو اُن میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے ذرا بھی نہیں بدلا

لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِنْ شَاءَ أَوْ يَتُوبَ

تا کہ اللہ سچوں کو اُن کی سچائی کا بدلا دے اور منافقوں کو چاہے تو عذاب دے یا (چاہے) تو اُن پر

= ”لمن كان يرجوا“ یہ لکم سے بدل ہے یعنی جو لوگ اللہ سے اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں

اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہیں ان کے لئے پیغمبر علیہ السلام کی زندگی اتباع و اطاعت کا بہترین نمونہ ہے یہ آیت اگرچہ

معاملہ جہاد میں نبی علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کا مفہوم عام ہے اور زندگی کے تمام

شعبوں اور پہلوؤں پر حاوی ہے اس اعتبار سے یہ آیت شریعت کا بہت بڑا اصول بیان کر رہی ہے: والایة وان سيقنت

للاقتداء به ﷺ في امر الحرب من الثبات ونحوه فهي عامة في كل افعاله ﷺ اذالم يعلم انها من

خصوصياته (روح). هذه الآية اصل كبير في التأسى برسول الله ﷺ في اقواله وافعاله واحواله

ولهذا امر تبارك وتعالى الناس بالتأسى بالنبي ﷺ يوم الاحزاب في صبره ومصابرته ومرابطته

ومجاهدته الخ (ابن كثير).

”ولمأراً المؤمنون“ منافقین کے نفاق ان کے بزدلی اور ان کے شرارتوں کا ذکر کرنے کے

[7]

بعد اب مخلصین کے اخلاص و ایثار اور ان کے ثبات و استقلال کا ذکر کیا جاتا ہے مخلص مومنوں نے جب دیکھا کہ کفار و مشرکین کی فوجیں مدینہ پر چڑھ آئی ہیں تو وہ فوراً بول اٹھیں کہ یہ وہی آزمائش ہے جس کی اللہ اور اس کی رسول نے خبر دی تھی، اور وہ خبر سچی تھی جس کی صداقت ہم نے آنکھوں سے دیکھی لی، اور ان کی فوجوں کو دیکھ کر ان کا ایمان و یقین اور مضبوط ہو گیا۔ کیونکہ انہیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی فوجوں کی مقابلے میں ان کی مدد کرے گا۔ اور تسلیم و اطاعت کا جذبہ اور بڑھ گیا، وعدہ سے مراد سورہ بقرہ کی یہ آیت ہے: **ان تدخلوا الجنة ولما ياتكم مثل الذين خلوا من قبلكم: ۲۱۴**، (قرطبی)۔ اس آیت سے مسلمان سمجھ گئے تھے کہ ان پر اللہ کی طرف سے کوئی کڑی آزمائش آنے والی ہے۔

”من المؤمنین“ ایمان والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا پورا کر دکھایا اس سے مراد وہ مخلصین مراد ہیں جو سوء اتفاق سے جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے بعد میں نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے عہد کیا کہ اگر آئندہ کوئی جہاد کا موقع ہاتھ آیا تو وہ پورے استقلال کے ساتھ خون کے آخری قطرے تک لڑیں گے۔ چنانچہ جنگ احد اور غزوہ خندق میں ان مخلصین نے پوری جان نثاری سے کام لیا۔

”فمنهم من قضی“ ان مخلصین کی خواہش یہ تھی کہ انہیں اللہ کی راہ میں شہادت نصیب ہو چنانچہ ان میں سے کچھ تو ایسے تھے جن کی خواہش پوری ہو گئی اور وہ غزوہ خندق میں شہید ہو گئے اور کچھ ایسے ہیں جو ابھی انتظار میں ہے لیکن ان کے اخلاص اور جذبہ ایثار میں ذرا بھر فرق نہیں آیا۔

”لیجزی“ شیخ حسین علی نے فرمایا لام عاقبت کا ہے یعنی عاقبت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ مخلصین کو ایفاء عہد اور ثابت قدمی کی جزاء دے۔ اور اگر انہیں عذاب نہ دینا چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق دے۔ اور ان کی توبہ قبول فرمائے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ایسا مہربان ہے کہ جو سچی توبہ کریں اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ای ان شاء ان یعذبهم ای لم یوفقهم للتوبة وان لم یثأ ان یعذبهم تاب علیهم قبل الموت (قرطبی)۔

”ورد الله“ اس میں غزوہ احزاب میں اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی فتح و ظفر اور انعامات الہی کی تفصیل مذکور ہے جن کا: **فارسلنا علیہم ریحاً** میں ایما لا ذکر کیا گیا ہے: **تفصیل لتتمة النعمة المشار الیہا** جملاً بقولہ تعالیٰ: **فارسلنا علیہم ریحاً و جنود الم تر وہا (روح)** یہاں پانچ انعامات کا ذکر کیا گیا ہے، اول: **ورد الله**، اللہ تعالیٰ نے کفار کی فوجوں کو بے نیل مرام شکست خوردہ اور غیظ و غضب کی آگ میں سوزان و بریان واپس کر دیا۔ جس سے مسلمانوں کو انتہائی خوشی ہوئی لیکن کفار اور مشرکین حسد اور بغض میں جل بھن گئے

اور حسرت و پشیمانی سے سرنگوں ہو گئے۔

”دوم و کفی اللہ“ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو قتال اور جنگ سے بچالیا اور جنگ کے بغیر ہی کافروں کی فوجوں کو شکست دیدی اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے اللہ تعالیٰ اپنے تمام ارادوں کو پورا کرنے پر قادر اور ہر چیز پر غالب ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔

سوم جن یہودیوں نے غزوہ احزاب میں مشرکین کی مدد کی تھی اللہ نے ان پھر بھی مسلمانوں کو غلبہ عطا کیا اور جب مسلمانوں نے ان کے مضبوط قلعوں کا محاصرہ کر لیا تو وہ مجبور ہو کر اپنے قلعوں سے نیچے اتر آئے۔ ”من اهل الكتاب“ ”الذین“ کا بیان ہے اور ”من صیاصیہم“ ”انزل“ سے متعلق ہے صیاصیہ صیصیہ کی جمع ہے یعنی قلعہ۔

چہارم ”وقذف“ یہودیوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے ایسا رعب ڈال دیا کہ وہ اترنے پر مجبور ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو ان پر ایسا تسلط عطا کیا کہ انہوں نے (یہودیوں) کے مردوں کو قتل کر دیا اور ان کے عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا۔

پنجم اللہ نے ان کے زمینوں ان کے مکانوں اور ان کے اموال کا مسلمانوں کو مالک بنا دیا۔ اور ایک ایسا علاقہ بھی ان کو دیدیا جس پر ابھی تک انہوں نے پاؤں نہیں رکھے، اس سے بعض نے ارض خیبر بعض نے ارض حنین، بعض نے ارض مکہ مراد لی ہے، واللہ اعلم۔ غزوہ احزاب کے بعد نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا اور یہود کو قرظہ کے قلعوں کا محاصرہ کر لیا، جنہوں نے مشرکین کی مدد کی تھی بیس پچیس دن محاصرہ جاری رہا۔ اسی اثناء میں یہودی مجبور ہو گئے اور ان کے دلوں میں اللہ نے مسلمانوں کی ہیبت ڈال دی۔ اور انہوں نے خود ہی قلعوں سے باہر آنے کی پیش کش کر دی اور سعد بن معاذؓ کا فیصلہ قبول کر لیا۔ سعدؓ قبیلہ اوس میں سے تھے۔ جو بنی قریظہ کا حلیف تھا۔ سعد بن معاذؓ نے فیصلہ دیا کہ ان کے مردوں کو قتل کر دیا جائیں اور ان کے عورتوں اور بچوں کو غلام بنا دیا جائیں۔ اور ان کے اموال و املاک کو مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائیں چنانچہ نبی کریم ﷺ نے سعد بن معاذؓ کے فیصلے پر عمل فرمایا۔ (روح وغیرہ)۔

یہاں تک غزوہ و خندق کی تفصیلات مذکور ہوئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غزوہ میں بظاہر اسباب فتح مفقود تھے اور یہ ایک نہایت ہی کٹھن معرکہ تھا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے تم کو فتح عطا فرمائی، اس لئے اے ایمان والو! ان رسوم جاہلیت کو ختم کرنے کے سلسلہ میں اگر منافقین اور مشرکین پیغمبر علیہ السلام کی مخالفت کریں تو تم پیغمبر علیہ السلام کا ساتھ دینا اور دشمن کی طاقت کو خاطر میں نہ لانا، اللہ تماری مدد کرے گا۔

عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۲۲﴾ ۲۲ ﴿۲۲﴾ وَرَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِغَيْظِهِمْ

مہربانی کرے بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جو کافر تھے اُن کو اللہ نے پھیر دیا وہ اپنے غصے میں (بھرے ہوئے

لَمْ يَنَالُوا خَيْرًا ۗ وَكَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ وَكَانَ اللَّهُ قَوِيًّا عَزِيزًا ﴿۲۳﴾ ۲۳ ﴿۲۳﴾

تھے) کچھ بھلائی حاصل نہ کر سکے اور اللہ مومنوں کو لڑائی کے بارے میں کافی ہوا اور اللہ طاقت ور (اور) زبردست ہے

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ

اور اہل کتاب میں سے جنہوں نے اُن کی مدد کی تھی اُن کو اُن کے قلعوں سے اتار دیا

وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۚ فَرِيقًا تَقْتُلُونَ وَتَأْسِرُونَ فَرِيقًا ﴿۲۴﴾ ۲۴ ﴿۲۴﴾

اور اُن کے دلوں میں دہشت ڈال دی تو کتنوں کو تم قتل کر دیتے تھے اور کتنوں کو قید کر لیتے تھے

وَأَوْرَثَكُمْ أَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ وَأَرْضًا لَمْ تَطَّوْهَا

اور اُن کی زمین اور اُن کے گھروں اور اُن کے مال اور اُس زمین کا جس میں تم نے پاؤں بھی نہیں رکھا تھا تم کو وارث بنا دیا

وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿۲۵﴾ ۲۵ ﴿۲۵﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأُزَوِّجَك

اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اے پیغمبر! اپنی بیویوں سے کہہ دو

إِنْ كُنْتُمْ تُرَدُّنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعَنَّ وَأُسْرِحَنَّ

کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اُس کی زینت و آرائش کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے

سَرَّاحًا جَمِيلًا ﴿۲۸﴾ ۲۸ ﴿۲۸﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ تُرَدُّنَ اللَّهُ وَرَسُولَهُ وَالِدَارَ الْآخِرَةَ

رخصت کر دوں۔ [8] اور اگر تم اللہ اور اُس کے پیغمبر اور عاقبت کے گھر (یعنی جنت) کی طلبگار ہو

فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۹﴾ ۲۹ ﴿۲۹﴾ نِسَاءَ النَّبِيِّ

تو تم میں جو نیکوکاری کرنے والی ہیں اُن کیلئے اللہ نے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اے پیغمبر کی بیویو!

مَنْ يَأْتِ مِنْكُمْ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ

تم میں سے جو کوئی صریح و نا شائستہ (الفاظ کہہ کر رسول اللہ کو ایذا دینے کی) حرکت کرے گی اُس کو دو گنی سزا دی جائے گی

وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿۱۳۰﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ يَنْقُصْ اللَّهُ مِنْهُ مِزْرًا ﴿۱۳۱﴾

اور یہ (بات) اللہ کو آسان ہے۔ اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار رہے گی

وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا ﴿۱۳۲﴾

اور نیک عمل کرے گی اس کو ہم دو گنا ثواب دیں گے اور اس کے لئے ہم نے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے

[8] يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ، الْآيَةُ، يه نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے اس میں نبی علیہ السلام کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ

اپنی بیبیوں سے کہہ دیں کہ اگر دنیا کی عیش و عشرت چاہتی ہو تو یہ چیز تمہیں میرے گھر میں نہیں مل سکتی، آؤ میں تمہیں طلاق دیکر اور جوڑا دیکر رخصت کر دیتا ہوں۔ اور اگر تم اللہ اور اس کی رسول کو اور آخرت کی عیش کو پسند کرتی ہو تو اللہ تمہیں اس کا بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ شیخ حسین علی ارشاد فرماتے ہیں پہلے مومنوں سے فرمایا: کہ رسوم جاہلیت کو توڑنے میں پیغمبر کے ساتھ دیں، اور کفار و منافقین کی مخالفت کا مقابلہ کریں اور ہرگز نہ ڈریں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔

اب ازواج مطہرات کو تلقین فرمائی کہ تم بھی کفار و منافقین کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اس بارے میں پیغمبر علیہ السلام کے خلاف لب کشائی نہ کرنا۔ اور پیغمبر نے جو کچھ کیا ہے یعنی اپنے پیغمبری کے مطلقہ سے نکاح کر لیا ہے اس میں آپ کی تائید کرنا اور اس کو دل و جاں سے تسلیم کرنا، کیونکہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں، آپ نے جو کچھ کیا اللہ کے حکم سے کیا ہے، جب یہ آیت نازل ہوئی، نبی علیہ السلام نے عائشہؓ کو سنائی اور فرمایا اس بارے میں جلدی نہ کرو اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا ”یا رسول اللہ کیا آپ کے بارے میں میں والدین سے مشورہ کروں؟ میں اللہ اور اللہ کے رسول کو دنیا کی عیش و زینت پر ترجیح دیتی ہوں“ باقی ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا۔

يُنْسَاءَ النَّبِيَّ لَسْتَنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ

اے پیغمبر کی بیویو! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر تم پر ہیبت گزار رہنا چاہتی ہو تو (کسی اجنبی شخص سے) نرم نرم باتیں نہ کرو

فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ﴿٣٣﴾

تاکہ وہ شخص جس کے دل میں کسی طرح کا مرض ہے کوئی امید (نہ) پیدا کرے اور دستور کے مطابق بات کیا کرو [۹]

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ

اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور جس طرح (پہلے) جاہلیت میں اظہارِ تجل کرتی تھیں اس طرح زینت نہ دکھاؤ

وَأَتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ

اور نماز پڑھتی رہو اور زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہو اہل بیت! اللہ چاہتا ہے

لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٤﴾

کہ تم سے ناپاکی (کا میل کچیل) دور کر دے اور تمہیں بالکل پاک صاف کر دے [۱۰]

[9] ”یانساء النبی“ یہ ازواجِ مطہرات سے پہلا خطاب ہے ”فاحشة مبینة“ سے نشوز، خاوند کی نافرمانی

اور آپ کو تنگ کرنا مراد ہے۔ ینبغی ان تحمل الفاحشة علی حقوق الزوج وفساد عشرتہ (بحر) اے

زواجِ نبی اگر تم میں سے کوئی پیغمبر علیہ السلام کی نافرمانی کریگی۔ یا اپنی زبان سے آپ کو ایذا دے گی مثلاً تم میں سے کوئی

رسول اللہ ﷺ کے اپنے تنہائی کی مطلقہ سے نکاح کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ کہہ دے کہ پیغمبر زور والا اور اپنی مرضی والا

ہے اسے کون روک سکتا ہے تو ایسا کلام فاحشہ مبینہ ہوگا اور اللہ تمہیں اس کی دگنی سزا دیگا۔

[۱۰] ”یانساء النبی“ یہ ازواجِ مطہرات سے دوسرا خطاب ہے۔ اس میں ان کو ایسی ہدایات دی گئی ہیں جن پر عمل

کرنے سے ان کا بلند مقام قائم رہے اور ان کی عزت و آبرو ہر شک و شبہ سے بالا رہے۔ اے ازواجِ نبی اگر تم تقویٰ اختیار

کرو تو دنیا کی کوئی عورت تمہارے برابر نہیں ہو سکتی۔

یہ شرط اس فضیلت کی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو نساءِ نبی ہونے کی وجہ سے بخشی ہے مقصود اس سے اس بات

پر تنبیہ کرنا ہے کہ فقط اس نسبت و تعلق پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں کہ ہم ازواج رسولؐ ہیں، بلکہ تقویٰ اور اطاعت احکام الہیہ پر فضیلت کی شرط ہے۔ (قرطبی)۔

”فلا تخضعن بالقول“ اس لئے تم پیغمبر علیہ السلام کے مذکورہ بالا معاملے میں ہرگز نرم رویہ اختیار نہ کرنا اور فاحشہ مبینہ سے احتراز کرنا۔ اس بارے میں ہرگز نہ کہنا کہ پیغمبر اپنی مرضی والا ہے اسے اپنے مہینگی کی مطلقہ کے ساتھ نکاح کرنے سے کون روک سکتا ہے اگر تمہاری ایسی نرم پالیسی کا منافقین کو پتہ چل گیا تو وہ خوش ہوں گے کہ چلو ہمارا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کے گھر میں کچھ تو مخالفت رونما ہو گئی ہے۔

”وقلن“ اس نرم گفتگو کے بجائے بالکل صاف اور سیدھے لفظوں میں کہو۔ پیغمبر علیہ السلام نے جو کچھ کیا ہے اللہ کے حکم سے کیا ہے اور بالکل درست اور صحیح کیا ہے اور اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔

”وقرن“ اپنے گھروں میں رہو، اور جاہلیت کی بناوٹ اور تصنع سے پرہیز کرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور ہر معاملے میں اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کیا کرو۔

”وانما یرید اللہ“ الرجس، عام ہے، اور اس سے ہر قسم کی اخلاقی نجاست اور گناہوں کی گندگی مراد ہے۔ الرجس یقع علی الاثم و علی العذاب و علی النجاسة و علی النقاۃ و المراد به ہلہنا ما یم کل ذالک (روح المعانی)۔

اے ازواج نبی! اللہ نے یہ احکام تمہیں اس لئے دیئے ہیں تاکہ ان کے ذریعے تم ہر قسم کی اخلاقی کمزوریوں سے محفوظ رہو، اور اللہ و رسولؐ کی نافرمانی کے جرم اور گناہ سے پاک و صاف رہو۔

”واذکرن“ قرآن کی آیتوں اور رسول اللہ ﷺ کی ارشادات کو اپنے گھروں میں بار بار پڑھا کرو، اور ان کو دہرایا کرو تاکہ اللہ و رسول کے احکام ہر وقت تمہارے ذہنوں میں تازہ رہیں، اور ان کے اتباع میں آسانی ہو یہاں لفظ اہل البیت سے روافض پنج تن مراد لیتے ہیں جو قرآن کے سیاق و سباق کے سراسر خلاف اور لغت و عبرت کی رو سے قطعاً غلط ہے جس آیت میں یہ لفظ وارد ہے اس سے پہلے پانچ آیتوں میں ازواج مطہرات سے خطاب چلا آ رہا ہے، اور اس سے بعد والی آیت میں بھی ازواج ہی سے خطاب ہے، ان تمام آیتوں میں جمع مونث مخاطب کے صیغہ استعمال کئے گئے ہیں، اور خود اس آیت میں اس لفظ سے پہلے چھ صیغہ جمع حاضر کے موجود ہیں، جن سے ازواج مطہرات مخاطب ہیں اس لئے لاحتمال یہاں اہل بیت سے نبی ﷺ کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں، اگر اس سے پنج تن مراد لئے جائیں تو نظم قرآن متخل

ہو جائے گا۔ علاوہ آزیں ابن عباسؓ عکرمہ اور عروہ سے مروی ہے کہ یہاں اہل البیت سے ازواج نبی علیہ السلام ہی مراد ہیں۔ عن ابن عباسؓ نزلت، انما یرید، الایة، فی نساء النبیؐ الکریم ﷺ خاصة، قال عکرمہ من شاء باہلته انہا نزلت فی شان نساء النبیؐ ﷺ. عن عروہ یعنی ازواج النبیؐ ﷺ (روح، ابن کثیر)۔

بعض لوگوں کو عنکم اور بظہر کم کی ضمیر مذکر سے دھوکا ہوا ہے، حالانکہ یہ محاورات لغت سے ناواقفی کی دلیل ہے لفظ اہل چونکہ مذکر ہے اس لئے باعتبار لفظ اس کے لئے ضمیر جمع مذکر ہی استعمال کی جاتی ہے اگرچہ اس سے مراد صرف ایک بیوی ہو۔

یحتمل ان یکون خرج علی لفظ الاہل کما یقول الرجل لصاحبه کیف اہلک؟ ای امرئ تک ونسائک فیقول ہم بخیر (قرطبی)۔ قرآن کریم میں ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو اہل بیت کہہ کر جمع مذکر حاضر کے صیغوں سے مخاطب کیا ہے۔ اتعجبین من امر اللہ رحمت اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت، (ہود: ۷۳)۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی کو خطاب فرمایا: قال لاهلہ امکتوا انی انست ناراء الایہ (قصص: ۲۹)۔ اس لئے اس آیت میں بھی اہل بیت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات ہی مراد ہیں، اور یہ آیتیں ان ہی کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔

اس قول سے اگر یہ مطلب ہے کہ شان نزول یہی ہے اور نہیں، تو ٹھیک ہے اور اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اہل بیت میں اور کوئی ان کے سوا داخل نہیں تو پھر یہ قول صحیح نہیں، اس لئے کہ احادیث سے اہل بیت میں ازواج مطہرات کے سوا اوروں کا داخل ہونا بھی پایا جاتا ہے، جیسا کہ مسند ابویعلیٰ رقم: ۷۰۲۱، اور ترمذی (۳۸۷۱) میں مشہور روایت ہے: ام سلمہؓ سے اور انسؓ سے مسند احمد: ۲۵۹۳، میں نقل ہے کہ: ان النبیؐ کان یمربیت فاطمة ستة اشهر، کما خرج الی الصلاة فیقول الصلوۃ اہل البیت، ثم یقرأ هذه الایة، یعنی رسول اللہ ﷺ چھ مہینے تک صبح کی نماز کے لئے جب گھر سے نکلنے تو فاطمہؓ کے دروازے پر پہنچ کر فرماتے: ای اہل بیت نماز کا وقت آ گیا، پھر اسی آیت کی تلاوت فرماتے۔

عن یزید بن حیان قال انطلقت انا وحصین بن سبرة وعمر بن مسلم الی زید بن ارقم، فلما جلسنا الیہ، قال له حصین لقد لقيت یازید خیرا کثیرا، رأیت رسول اللہ ﷺ وسمعت حدیثہ وغزوت معہ، وصلیت خلفہ، لقد لقيت یازید خیرا کثیرا، حدثنا یازید ما سمعت من رسول اللہ ﷺ، قال یا ابن اخی! واللہ لقد کبرت سنی وقدام عہدی ونسیت بعض الذی کنت اعیی من رسول

وَأذْكَرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ إِنَّ اللَّهَ

اور تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور حکمت (کی باتیں سنائی جاتی ہیں) ان کو یاد رکھو بیشک اللہ

كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿٣٣﴾ اِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ

باریک بین اور باخبر ہے۔ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں

وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَنِينَ وَالْقَنَاتِ وَالصَّادِقِينَ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور راستباز مرد اور راستباز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد

وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَشِيعِينَ

اور صبر کرنے والی عورتیں اور فروتنی کرنے والے مرد اور فروتنی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد

وَالْخَشِيعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ

اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں

وَالْحَفِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَفِظَاتِ وَالذَّكِرِينَ اللَّهُ كَثِيرًا

اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد

وَالذَّكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿٣٤﴾ اِنَّ كَانَ لِمُؤْمِنٍ

اور یاد کرنے والی عورتیں کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے اللہ نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ اور کسی مومن مرد

وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَىٰ اللَّهُ وَرَسُولُهُ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمْ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ

اور مومن عورت کو حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُّبِينًا ﴿۱۱﴾ تَقُولُ لِلَّذِي

اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہ صریح گمراہ ہو گیا۔ اور جب تم اس شخص سے [11] جس پر

[11] واذتقول النخ یہ نبی کریم ﷺ سے خطاب ہے اس میں نبی کریم ﷺ کو تنبیہ فرمائی، آپ نے اپنی حقیقی پھوپھی کی بیٹی زینب بنت جحش کا نکاح اپنے متبنی زید بن حارثہ کے ساتھ کر دیا، لیکن خاوند بیوی کے درمیان موافقت نہ ہو سکی اس لئے زید نے طلاق دینے کا فیصلہ کر دیا اور نبی کریم علیہ السلام کچھ مدت میں حاضر ہو کر اس کا اظہار کیا، آپ نے زید کو عتاب فرمایا، اور سختی سے حکم دیا کہ اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو طلاق مت دے۔

اصل میں نبی کریم ﷺ نے زید کو طلاق دینے سے اس لئے منع فرمایا کہ اگر زید طلاق دیدے تو زینب کے دل ازردہ کا مدد صرف اسی میں ہے کہ آپ خود ان سے نکاح کر لے لیکن یہ بھی نہیں چاہتے تھے کیونکہ اس میں منافقین کے اعتراض اور پروپیگنڈے کا ڈر تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اس رسم جاہلیت کو خود آپ کے اپنے عمل سے ختم کرے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تنبیہ فرمائی کہ آپ لوگوں کے اعتراض سے ڈرتے ہیں حالانکہ آپ کو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرنا چاہئے۔

”الذی انعم اللہ“ سے زید بن حارثہ مراد ہیں اللہ تعالیٰ کا اس پر انعام تھا ایمان کی توفیق، معیت رسول ﷺ غلامی سے ازادی، نبی ﷺ کا اس پر انعام یہ تھا کہ آپ نے اسے ازاد کیا، بچوں کی طرح اس کی پرورش کی اور اپنی ایک قریبی عورت سے اس کا نکاح کیا۔

”وتخفى فى نفسك“ اس کے تحت بعض متساہل اور غیر محقق مفسرین نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہیں کہ نبی ﷺ کے دل میں زینب کی محبت تھی، لیکن بظاہر آپ زید سے کہتے کہ اسے مت طلاق دو لیکن یہ سراسر غلط اور باطل ہے اور نبی ﷺ کی شان کے منافی ہے۔ اس لئے یہاں آپ جو کچھ دل میں چھپا رہے تھے اس سے مراد وہی ہے جسے اللہ نے ساتھ ہی ”وتخشى الناس“ سے ظاہر فرما دیا۔ یعنی آپ دل میں منافقین کے اعتراض اور پروپیگنڈے سے ڈر رہے ہیں۔ الظاهر ان اللہ تعالیٰ لماراد نسخ تحريم زوجة المتبنى اوحى اليه عليه السلام ان يتزوج زينب اذا طلقها زيد فلم يبادر له ﷺ مخافة طعن الاعداء فعوتب عليه وهو توجيه وجيه قاله الخفاجى (روح) =.

أَنعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ

اللہ نے احسان کیا اور تم نے بھی احسان کیا (یہ) کہتے تھے کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دے اور اللہ سے ڈر

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ

اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپا رہے جس کو اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ

أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا

اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو پھر جب زید نے اس سے (کوئی) حاجت (متعلق) نہ رکھی (یعنی اس کو طلاق دیدی)

لِغَى لَا يَكُونُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ

تو ہم نے تم سے اس کا نکاح کر دیا تاکہ مومنوں کے لئے ان کے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں (کے ساتھ نکاح کرنے کے

إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۳۷﴾

بارے میں جب وہ ان سے (اپنی) حاجت نہ رکھیں کچھ تنگی نہ رہے اور اللہ کا حکم واقع ہو کر رہنے والا تھا

= ”فلما قضى زيد“ وطر سے مراد طلاق ہے، ای طلقھا کما روی عن قتادة وهو كناية عن

ذالك (روح) زینب کا دل خولہ ہونا ثابت نہیں۔ قالت (زینب) ما كنت امتنع منه غير ان الله منعني منه

وقيل انه مذتزو جهالم يتمكن من الاستمتاع بها (بحر). جب زید نے زینب کو طلاق دیدی تو ہم نے آپ

کے ساتھ اس کا نکاح کر دیا، اور اس رسم جاہلیت کو توڑ دیا۔ تاکہ متبنیوں کی مطلقہ عورتوں کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی

حرج اور تنگی باقی نہ رہے۔

”وكان امر الله مفعولا“ اللہ کا حکم اور فیصلہ ہر حال میں نافذ ہو کر رہتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اللہ کا ارادہ

تھا کہ اس رسم جاہلیت کو خود نبی کریم ﷺ کے عمل سے ختم کریں۔ اگرچہ آپ کا ارادہ اس سے بچنے کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ

کا ارادہ ہو کر رہا۔

مَا كَانَ عَلَى النَّبِيِّ مِنْ حَرَجٍ فِيمَا فَرَضَ اللَّهُ لَهُ سُنَّةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ

پیغمبر پر اس کام میں کچھ تنگی نہیں جو اللہ نے ان کے لئے مقرر کر دیا اور جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی اللہ کا یہی دستور

خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ قَدَرًا مَقْدُورًا ﴿۱۸﴾ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ

رہا ہے اور اللہ کا حکم ٹھہر چکا ہے۔ اور جو اللہ کے پیغام (جوں کے توں) پہنچاتے

رَسُولِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ ۚ وَكَفَى بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿۱۹﴾

اور اس سے ڈرتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور اللہ ہی حساب کرنے کو کافی ہے

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبًا أَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۲۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ

کردینے والے) ہیں۔ اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ [12] اے اہل ایمان! اللہ کا بہت ذکر کیا کرو

[12] یہ آیت کریمہ دو وجہ سے ختم نبوت کے لئے قطعی دلیل ہے۔

پہلی وجہ: سیاق آیت کریمہ۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ گزشتہ آیات کریمہ میں ان لوگوں کی تردید فرمائی گئی جو کہتے تھے کہ زید

بن حارثہ نبی ﷺ کے بیٹے ہیں، اور زینب رضی اللہ عنہا آپ کی بہو ہے، لہذا اس کے ساتھ نبی ﷺ کی نکاح جائز نہیں ہے تو

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ ان کے جواب میں نازل فرمائی۔ پہلا جملہ یہ ہے کہ محمد ﷺ کسی مرد (بالغ) کے باپ

نہیں۔ [اور زید تو مرد بالغ ہے] پھر سوال یہ اٹھتا ہے کہ نہ زینب کیساتھ نکاح کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: دوسرا جملہ (ولکن رسول اللہ) چونکہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور آپ پر جاہلیت کی تمام رسوم

اور ناجائز امور کو مٹانا لازم تھا، اس لئے رسول اللہ ﷺ نے زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کر کے عملی طور پر دورِ جاہلیت کے

اس غلط رسم اور جاہلانہ تصور کو مٹا ڈالا، جس کی وجہ سے وہ متنبی کی بیوی کو نکاح میں لانا ناجائز تصور کرتے تھے۔

پھر سوال وارد ہوتا ہے کہ یہ پیغام آپ کے بعد کوئی دوسرا نبی پہنچا دیتا۔ جواب: (وخاتم النبیین) یعنی آپ

ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ پھر سوال وارد ہوا کہ کس کو علم ہے کہ آپ کے بعد دوسرا نبی آنے والا نہیں؟ جواب (وكان الله بكل شيء عليما) یعنی ہر چیز کو جاننے والا اللہ کا یہ پیغام ہے کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ اس سیاق سے یہ صاف واضح ہوا کہ خاتم النبیین کا مقصد یہ ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ پر نبوت ختم ہوگئی ہے۔ دوسری وجہ: یہ کہ لفظ خاتم آخر آنے والے کے معنی میں قطعی ہے۔

تنبیہ: لفظ خاتم کی لغوی تحقیق:

یہ مادہ (خ، ت، م) قرآن کریم میں آٹھ مرتبہ مختلف صیغوں سے ذکر ہے: ختم، یختم، خاتم، خاتمة، محتوم۔ یہ مادہ اصل لغت عربیہ میں کسی چیز کے آخر کو پہنچنے کے لئے استعمال ہوتا ہے: جیسا کہ ختم الكتاب کتاب آخر تک پڑھی، ختم القرآن، قرآن کریم کو آخر تک پڑھا۔

قال ابن منظور: وختم فلان القرآن اذا قرأه الى آخره (ابن سیدہ) الشئ یختمه ختما بلغه آخره. وختم الله له بخير. وخاتم كل شئ وخاتمته وعاقبته آخره وخاتمة السورة آخره. وفي التنزيل: خاتمة مسك، ای آخره لأن آخر ما یجدونه رائحة المسك.

”ابن منظور لغوی نے کہا ہے کہ فلاں نے قرآن ختم کیا جب کہ آخر تک پڑھا ہو۔ ختم کا معنی آخر تک پہنچنا ہے جیسا کہ خاتمہ خیر کا لفظ۔ اور خاتم ہر چیز کا آخر اور عاقبت کا نام ہے خاتمة السورة سے مراد اس کا آخر ہے اور قرآن میں ہے: ﴿خاتمة مسك﴾ آخراں کا مشک کی خوشبو ہوگی۔ [لسان العرب، حرف: خ].

قانون یہ ہے کہ جب کوئی چیز آخر کو پہنچتی ہے تو اس پر مہر لگایا جاتا ہے یہ ختم کا لازمی مجازی معنی ہے، تو ختم کا معنی مہر لگانا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: یسقون من رحيق محتوم (تطيف: ۲۵) یعنی خالص شراب ایسے برتن میں ہوگی جس پر مہر لگایا گیا ہو۔ لہذا ابن منظور نے کہا ہے: قال ابن اسحق معنی ختم وطع فی اللغة واحد وهو الغطية على الشئ وخاتم ما يوضع على الطينة والختم الطين الذى یختم به على الكتاب۔ [لسان العرب: ۴/۲۱۴] ”ابن اسحاق نے کہا ہے کہ ختم اور طبع ایک ہے اور وہ کسی چیز کو پردے سے ڈھانپنا ہے۔ کچھ پر مہر لگانا جس کا نام خاتم (مہر) ہے۔“ پھر جب کسی چیز پر مہر لگایا جائے تو اس کے ساتھ منع کا معنی لازمی ہوتا ہے۔ تو دلوں پر مہر لگانے کا مقصد یہ ہے کہ اس کے اندر حق بات داخل ہونا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ جیسے کسی مکتوب پر مہر لگایا جائے تو اس کا مقصد یہ ہے کہ مہر کے بعد اس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی یعنی بات آخر تک پہنچ گئی۔ حاصل یہ ہے کہ ختم کا معنی کسی چیز کو آخر تک

پہنچانا۔ پھر پہلا لازم اس کے ساتھ مہر لگانا ہے اور دوسرا لازم منع کرنا ہے۔ ابن منظور نے لکھا ہے۔ وفی التنزیل العزیز: ولكن رسول الله وخاتم النبيين: ای آخرهم، ومن اسمائه العاقب معناه آخر الأنبياء. [لسان العرب: ۲۵/۴] ”قرآن میں ہے خاتم النبيين یعنی ان کا آخر اور نبی ﷺ کے ناموں میں سے العاقب نام بھی ہے جس کے معنی ہیں آخر الانبياء۔ اور مبرد کا قول ہے کہ خاتم النبيين صيغة فعل ماضی ہے تو معنی یہ ہے کہ آپ نے سلسلہ انبیاء کو ختم کر دیا۔ تو مرزا غلام احمد کا یہ قول کہ خاتم کا معنی مہر ہے، او پھر مہر سے تصدیق مراد لیتا ہے، یہ تاویل نہیں بلکہ تحریف ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے لئے مصدق کی صفت قرآن کریم نے ذکر فرمائی ہے لیکن ہر ایک مقام پر (لمابین یدیہ) ذکر فرمایا ہے یعنی آپ ﷺ پہلوں کی تصدیق کرنے والے ہیں ایسا کسی بھی آیت میں نہیں فرمایا کہ پیچھے آنے والوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور یہ بات خوب سمجھنا چاہئے کہ اگر خاتم بمعنی مہر لیا جائے تو مہر ہمیشہ خط کے اختتام اور آخر میں لگایا جاتا ہے نہ کہ درمیان میں، تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے سلسلہ انبیاء کی آمد پر مہر لگایا اور اس کے بعد بھی کوئی رسول یا نبی مبعوث فرمائے۔ لفظ خاتم ہر حیثیت سے آخر میں آنے والا اور دوسروں کو منع کرنے والا کے لئے حقیقی معنی میں مستعمل ہے اور یہ لفظ ختم نبوت کے سلسلے میں قطعی لفظ ہے۔ اور قانون یہ ہے کہ قطعیات میں تاویل کرنا تحریف کے مترادف ہے اور مرزا اسی تحریف کا مرتکب ہو چکا ہے۔ اور امکان نبوت کے بارے میں اگر ابن حجر سے فتاویٰ حدیثیہ میں جو کچھ نقل ہے تو اس پر مفسر آلوسی نے تفصیلی رد کیا ہے اور کتاب الاقتصاد للغزالی میں جو کچھ نقل ہے وہ مفسر قرطبی نے تفصیلاً رد کیا ہے۔

اثبات ختم نبوت احادیث نبویہ کی روشنی میں

۱: عن جابر بن عبد الله. رضی اللہ عنہ. قال: قال رسول الله ﷺ: مثلي ومثل الأنبياء كمثل رجل بنى دارا فأكملها وأحسنها الا موضع لبنة، فكان من دخلها فنظر إليها قال: ما أحسنها الا موضع اللبنة، فأنا موضع اللبنة، ختم بي الأنبياء عليهم الصلاة والسلام. وفي رواية: وختم بي الرسل. وفي رواية فأنا اللبنة وأنا خاتم النبيين. بخاری رقم: ۷۲۸۱، مسلم: ۶۰، ۶۵، ترمذی مع التحفة: ۱۵۸/۸، ابوداؤد رقم: ۷۸۵، او مسند احمد: ۱۶۷/۲۳.

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے کہا: فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے: میری اور گذشتہ انبیاء کی مثال اس آدمی جیسی ہے جس نے ایک گھر بنایا اس کو پورا کیا اور خوبصورتی دی سوائے ایک اینٹ کی جگہ کے، پس جو شخص اس کے اندر جاتا ہے اس کو دیکھتا ہے کہتا ہے بہت خوبصورت ہے مگر ایک اینٹ کی جگہ (نقصان ہے) تو میں (اس آخری) اینٹ کی جگہ ہوں، اللہ

تعالیٰ نے مجھے انبیاء علیہم السلام کے آخر میں بھیجا۔ اور ایک روایت میں (رسل) کا لفظ ہے اور ایک اور روایت میں ہے کہ میں وہ اینٹ ہوں اور میں خاتم النبیین ہوں۔“ (جیسا کہ وہ اینٹ آخر ہی ہے)۔

۲: عن ابی ہریرة. رضی اللہ عنہ. قال رسول اللہ ﷺ: فضلت علی الأنبياء بست: أعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب (وفى رواية، مسيرة شهر) وأحلت لى الغنائم، وجعلت لى الأرض مسجداً وظهوراً، وأرسلت الى الخلق كافة، وختم بى النبىون. مسلم كتاب المساجد: ۶۴/۲.

ترجمہ: ”ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: مجھے تمام انبیاء علیہم السلام پر چھوڑے گئے ہیں۔ فضیلت دی گئی ہے۔

(۱) مجھے جوامع الکلم دیا گیا ہے۔ (۲) مجھے ایک مہینہ کی مسافت پر رعب سے مدد دی گئی ہے۔

(۳) میرے لئے غنیمتیں حلال کی گئی ہیں۔ (۴) میرے لئے ساری زمین مسجد اور طہارت والی بنائی گئی ہے۔

(۵) اور میں ساری مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ (۶) میری بعثت پر اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔“

۳: وعن العرباض بن سارية. رضی اللہ عنہ. قال لى النبى ﷺ: انى عند الله خاتم النبیین وان آدم لمن جدل فى طينة. مسند احمد: ۳۹۵/۲۸. حاکم فى المستدرک: ۶۰۰/۲، و مسند احمد: ۳۹۷/۲۸. ۳۱۷/۲. عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے کہ مجھے نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین لکھا ہوا تھا اس حال میں کہ آدم علیہ السلام اپنی مٹی میں پڑے ہوئے تھے۔

۴: وعن جبير بن مطعم. رضی اللہ عنہ. قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ان لى اسماء أنا محمد وأنا احمد وأنا الماحى الذى يمحو الله بى الكفر وأنا الحاشر الذى يحشر الناس على قدمى وأنا العاقب الذى ليس بعده نبى. بخارى: كتاب المناقب: ۲۲۵/۳، و مسلم: ۷/۷۹، و ترمذى رقم ۲۸۴۰، شامک رقم ۳۶۰۔ جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: کہ میرے لئے کچھ صفتی نام ہیں: میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی ہوں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے اور میں حاشر ہوں کہ لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا اور میں عاقب ہوں یعنی وہ جس کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ [بخاری، مسلم اور امام احمد نے روایت کی ہے۔]

۵: وعن عبد الله بن عمرو. رضى الله عنه. يقول: خرج علينا رسول الله ﷺ يوماً كالمودع فقال: أنا محمد النبي الأمي (ثلاثاً) ولاني بعدى. مسند احمد ۱۷/۱۱۹۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ باہر تشریف لائے ہمارے ہاں رسول اللہ ﷺ ایک دن، اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے رخصت کرنے والے ہوں پس فرمایا: میں محمد نبی امی ہوں (تین دفع فرمایا) اور میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔

۶: وفي حديث السائب بن يزيد: فنظرت الى الخاتم بين كنفه فاذا هو مثل زر الحجلة. رواه البخارى والترمذى وكذا عن عبد الله بن سرجس (ففيه) فنظرت الى خاتم النبوة بين كنفه عند ناغض كتفه اليسرى. (رواه مسلم: ۶۲۳۴) وكذا فى حديث ام خالد وفيه فذهبت العب بخاتم النبوة. (رواه البخارى). اور سائب بن یزید کی حدیث میں ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے کندھوں کے درمیان خاتم نبوت دیکھا، وہ دلہن کے لئے بنائی گئی ڈولی کے بٹن کی طرح تھا۔

روایت کیا بخاری اور ترمذی نے۔ اسی طرح عبد اللہ بن سرجس سے بھی روایت ہے اس میں ہے کہ میں نے آپ کے دونوں کندھوں کے درمیان بائیں کندھے کے باریک ہڈی کے نزدیک خاتم نبوت دیکھا۔ (مسلم نے روایت کیا ہے) اسی طرح حدیث ام خالد سے نقل ہے کہ خاتم النبوة کے ساتھ کھیلتا تھا۔

۷: وعن جابر. رضى الله عنه. أن النبي ﷺ قال: أنا قائد المرسلين ولا فخر، وأنا خاتم النبيين ولا فخر، وأنا أول شافع ومشفع ولا فخر. جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں رسولوں کا قائد ہوں اور اسمیں فخر نہیں ہے، اور خاتم النبیین ہوں اور اس میں فخر نہیں ہے اور پہلا شفاعت کرنے والا اور مقبول الشفاعت ہوں اور اس میں فخر نہیں ہے۔ [دارمی: رقم: ۵۱، اور کنز العمال نے روایت کی ہے۔] [۴۰۲/۱۱]۔

۸: وعن ثوبان. رضى الله عنه. قال: قال رسول الله ﷺ: سيكون فى أمتي كذابون ثلاثون، كلهم يزعم انه لنبي الله وأنا خاتم النبيين ولاني بعد. ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں تیس جھوٹے پیدا ہونے والے ہیں ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہے حالانکہ میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے۔ [ابوداؤد رقم: ۴۲۵۳، و مسلم: رقم: ۱۹۲۰، اور ترمذی نے رقم: ۲۱۷۶، میں روایت کی ہے اور ابن ابی شیبہ: ۱۱/۴۵۸، مسند احمد: ۹/۳۸]۔

۹: وعن أبى أمامة الباهلى رضى الله عنه أن النبي ﷺ قال: أنا آخر الأنبياء وأنتم

آخر الأمم. ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں انبیاء میں سے آخری ہوں اور تم آخری امت ہو۔“ ابن ماجہ رقم: ۴۰۷۰۔

۱۰: وعن انس رضي الله عنه. قال: قال رسول الله ﷺ: بعثت أنا والساعة كهاتين. انس رضي الله عنه سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے ایسی حالت میں مبعوث کیا گیا کہ میں اور قیامت اس طرح (نزدیک) ہیں جیسے یہ دو انگلیاں۔“ [بخاری نے روایت کی ہے۔ ۶۵۰۴]

۱۱: وعن أنس بن مالك رضي الله عنه. قال: قال رسول الله ﷺ: ان الرسالة والنبوة قد انقطعت، فلارسل بعدى ولا نبي بعدى، قال: فشق ذلك على الناس قال: ولكن المبشرات، قالوا: يارسول الله! وما المبشرات؟ قال: رؤيا الرجل المسلم وهي جزء من أجزاء النبوة. وفي رواية من ستة وأربعين جزءاً. انس رضي الله عنه سے روایت ہے کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بے شک رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی ہے تو میرے بعد نہ کوئی رسول آئے گا اور نہ نبی۔ جناب انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: کہ یہ بات لوگوں پر بہت بھاری ہوگئی تو آپ نے فرمایا: کہ مبشرات ہوگی انہوں نے کہا: مبشرات کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی مسلمان شخص کا خواب دیکھنا یہ ایک جز ہے نبوت کے اجزاء میں سے۔ یا چھیا لیسواں حصہ ہے۔“ [مسند احمد رقم: ۱۳۸۲۴، اور ترمذی: رقم ۲۳۷۴، میں روایت کی ہے۔]

۱۲: وعن الحسن مرسلاً أن رسول الله ﷺ قال: أنا رسول من أدرت حياً ومن يولد بعدى. حسن سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں رسول ہوں زندہ لوگوں کا اور ان کا جو میرے بعد پیدا ہونے والے ہیں۔“ [کنز العمال: ۱۱/۴۰۴]۔

۱۳: عن عائشة أم المؤمنين قال رسول الله ﷺ: أنا خاتم الأنبياء ومسجدى خاتم مساجد الأنبياء، وان أحق المساجد أن يزار وتشداليه الرواحل مسجد الحرام ومسجدى. رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں خاتم النبیین ہوں اور میری مسجد انبیاء کی مساجد میں سے آخری مسجد ہے اور مساجد میں سے زیارت کرنے اور سفر کرنے کے لائق مسجد حرام اور میری مسجد ہے۔“ [فردوس الاخبار: ۸/۷۸]۔

۱۴: عن ابى امامة الباهلى رضي الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول فى خطبته عام حجة الوداع: انه لاني بعدى ولا أمة بعدكم. ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہا کہ میں نے رسول اللہ

ﷺ سے سنا ہے فرمایا خطبہ میں اے لوگو! میرے بعد نبی آنے والا نہیں اور نہ تمہارے بعد کوئی امت آنے والا ہے۔ [مجمع الزوائد: ۴۷۱/۸، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱۶۱/۸]

۱۵: وعن ام سلمة. رضى الله عنها. ان النبي ﷺ قال لعلی: أما ترضى أن تكون منى بمنزلة هارون من موسى، غير أنه لا نبى بعدى. ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: تو اس بات پر راضی نہیں کہ آپ میرے نسبت ایسے ہوں جیسے ہارون علیہ السلام نسبت موسیٰ علیہ السلام کے تھے۔ لیکن میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ [صحیح ابن حبان: ۱۵/۱۵]۔

۱۶: عن عبد الله بن مسعود. رضى الله عنه. (في حديث طويل) قال: قالوا: اللهم اجعل صلاتك ورحمتك وبركتك على سيد المرسلين وامام المتقين وخاتم النبيين محمد عبدك ورسولك امام الخير، وقائد الخير ورسول الرحمة. عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے (لمبی حدیث میں) کہا: پڑھو: اللہم اجعل صلاتک وبرکتک ورحمتک علی سید المرسلین متقین کا امام ہے خاتم النبیین ہے محمد ﷺ تیرا بندہ اور تیرا رسول ہے خیر کا پیشوا، اور اس کا قائد اور رحمت کا رسول ہے۔ [مسند ابی یعلیٰ موصلی: ۱۷۵/۹، ابن ماجہ رقم: ۹۰۶]۔

۱۷: وعن سهل بن سعد الساعدي رضى الله عنه قال: استاذن العباس النبي ﷺ في الهجرة فقال له: يا عم! اقم مكانك الذي أنت به، فان الله تعالى يختم بك الهجرة كما ختم بي النبوة. سهل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے ہجرت کے متعلق اجازت مانگی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے چچا! اپنی جگہ اقامت کرو جہاں تم ہو، اللہ تعالیٰ تم پر ہجرت (مکہ) کا اختتام فرمائے گا جیسا کہ میرے اوپر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا ہے۔ [مسند ابی یعلیٰ: ۵۶/۵]

۱۸: عن ابي ابن كعب عن النبي ﷺ قال: مثلى في النبيين كمثلي رجل بنى داراً فأحسنها وأكملها وترك فيها موضعاً لم يضعها. فجعل الناس يطوفون بالبنيان ويعجبون منه. يقولون لو تم موضع هذه اللبنة فإنا في النبيين موضع تلك اللبنة. مسند احمد ۱۶۸/۳۰، و ابو الشيخ في الامثال: ۲۵۵. یعنی میری مثال نبیوں میں ایسی ہے جیسے کسی شخص نے ایک بہت اچھا اور پورا مکان بنایا لیکن اس میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی ہو جہاں کچھ نہ رکھا۔ لوگ اسے چاروں طرف دیکھتے بھالتے اور اس کی بناوٹ سے خوش ہوتے لیکن

کہتے کیا اچھا ہوتا۔ کہ اس اینٹ کی جگہ بھی پر کر لی جاتی پس میں نبیوں میں اس اینٹ کی جگہ ہوں۔

[۱۹] عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان مثلی ومثل النبیین من قبلی کمثل رجل بنی دارا فاتمها الالبنة واحدة فجت انافتمت تلک اللبنة. مسلم رقم: ۲۲۸۶، واحمد: ۱۲۲/۱۷.

[۲۰] عن ابی الطفیل قال قال رسول اللہ ﷺ لانبوة بعدی الا المبشرات قال قیل وما المبشرات یارسول اللہ؟ قال الرؤیا الحسنیة. او قال الرؤیا الصالحة. مسند احمد: ۲۱۳/۳۹، وبخاری فی التاریخ الکبیر: ۲۴۱/۶. یعنی میرے بعد نبوت نہیں مگر خوشخبری والے، پوچھا گیا یا رسول اللہ وہ کیا ہیں؟ فرمایا نیک خواب۔

[۲۱] عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ان مثلی ومثل النبیین من قبلی کمثل رجل ابنتی بنیانا فاحسنہ واکملہ الاموضع لبنة من زاویة من زواياها، فجعل الناس یطیفون بہ وبعجبون منه للبنیان ویقولون ما رأینا بنیاناً احسن من هذا الاموضع هذه اللبنة. فکنت انت تلک اللبنة. مسند احمد: ۱۲/۱۷۷ و مسلم رقم: ۲۲۸۶، ابن حبان ۶۲۰۷.

[۲۲] عن عائشة ام المومنینؓ ان النبی ﷺ قال: لا یبقی بعدی من النبوة شیء الا المبشرات قالوا: یارسول اللہ وما المبشرات؟ قال الرؤیا الصالحة یراها الرجل او تری له. مسند احمد ۴۱/۴۴۴.

[۲۳] حدیثہ بن اسید قال قال رسول اللہ ﷺ: ذهبت النبوة فلانبوة بعدی الا المبشرات قیل وما المبشرات؟ قال الرؤیا الصالحة یراها الرجل او تری له. معجم کبیر، طبرانی: ۳/۱۷۹.

[۲۴] عن سعد بن ابی وقاصؓ ان رسول اللہ ﷺ خرج الی تبوک واستخلف علیاؓ فقال: اتخلفنی فی الصبیان والنساء؟ قال الاترضی ان تكون منی بمنزلة ہارون من موسی؟ الا انه لیس نبی بعدی. بخاری: ۴۴۱۶، مسلم رقم: ۲۴۰۴، مسند احمد: ۱۳۶/۳.

یعنی جب رسول اللہ ﷺ تبوک کو روانہ ہونے والے تھے تو علیؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تو علیؓ نے کہا: کہ آپ ﷺ مجھ کو عورتوں اور بچوں کے پاس چھوڑنا چاہتے ہیں تو پھر رسول پاک ﷺ نے فرمایا: کہ آپ کو اس پر خوشی نہ ہوگی کہ آپ ایسا بنے جیسے کہ موسیٰ کے لئے ہارونؓ نائب بنے تھے۔ مگر فرق صرف اتنا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

تنبیہ: ان احادیث میں اگرچہ سند بعض ضعیف ہیں لیکن متن کے لحاظ اور دوسری صحیح احادیث کی وجہ سے حجت بن سکتی ہے۔

ذِكْرًا كَثِيرًا ﴿١١١﴾ سَبَّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿١١٢﴾ وَالَّذِي يُصَلِّيٰ

اور صبح اور شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔ وہی تو ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے

عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ

اور اس کے فرشتے بھی تاکہ تم کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جائے اور اللہ مومنوں پر مہربان ہے

رَحِيمًا ﴿١١٣﴾ حَتَّىٰ يَوْمَ يَلْقَوْنَهُ سَلَامًا ۗ وَآعَدَ لَهُمُ أَجْرًا كَرِيمًا ﴿١١٤﴾

جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کا تحفہ (اللہ کی طرف سے) سلام ہوگا اور اس نے ان کے لئے بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے

يَأَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿١١٥﴾

اے پیغمبر! ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے

وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا ﴿١١٦﴾ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّ لَهُم مِّن

اور اللہ کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن۔ اور مومنوں کو خوشخبری سنا دو کہ ان کے لئے اللہ

اللَّهِ فَضْلًا كَبِيرًا ﴿١١٧﴾ وَلَا تَطِعِ الْكٰفِرِينَ وَالْمُنٰفِقِينَ وَدَعِ اٰذٰهُم

کی طرف سے بڑا فضل ہوگا۔ اور کافروں اور منافقوں کا کہا نہ ماننا اور نہ ان کے تکلیف دینے پر نظر کرنا

وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿١١٨﴾ يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا

اور اللہ پر بھروسہ رکھنا اور اللہ ہی کارساز کافی ہے۔ مومنو! جب

نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ فَمَا لَكُمْ

جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری

عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُونَهَا فَمَتَّعُوهُنَّ وَسَرَحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ﴿۱۳﴾

کراؤ ان کو کچھ فائدہ (یعنی خرچ) دے کر اچھی طرح سے رخصت کر دو (13)

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ الَّتِي آتَيْتَ أَجُورَهُنَّ

اے پیغمبر! ہم نے تمہارے لئے تمہاری بیویاں جن کو تم نے ان کے مہر دیدئے ہیں حلال کر دی ہیں

وَمَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ

اور تمہاری لوٹیاں جو اللہ نے تم کو (کفار سے بطور مال غنیمت) دلائی ہیں اور تمہارے چچا کی بیٹیاں

وَبَنَاتِ عَمَّتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَلَّتِكَ الَّتِي هَاجَرْنَ

اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیاں اور تمہارے ماموں کی بیٹیاں اور تمہاری خالوں کی بیٹیاں جو تمہارے ساتھ وطن چھوڑ آئی

مَعَكَ وَأُمَّرَاءً مُؤْمِنَةً إِنْ وَهَبْتَ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ

ہیں (سب حلال ہیں) اور کوئی مومن عورت اگر اپنے تئیں پیغمبر کو بخش دے (یعنی مہر لینے کے بغیر نکاح میں آنا چاہے)

إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَسْتَنْكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ

بشرطیکہ پیغمبر بھی ان سے نکاح کرنا چاہیں (وہ بھی حلال ہیں لیکن) یہ اجازت خاص تم ہی کو ہے سب مسلمانوں کو نہیں

قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِي أَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ

ہم نے ان کی بیویوں اور لوٹنیوں کے بارے میں جو (مہر واجب الادا) مقرر کر دیا ہے ہم کو معلوم ہے (یہ) اس لئے (کیا

لِكَيْلَا يَكُونَ عَلَيْكَ حَرَجٌ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۴﴾

گیا ہے) کہ تم پر کسی طرح کی تنگی نہ رہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

(13) یہ آیت بہت سے احکام فقہیہ پر مشتمل ہے: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف عقد پر بھی نکاح

کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت میں اس سے زیادہ صراحت والی آیت اور نہیں، اس میں اختلاف ہے کہ لفظ نکاح حقیقت میں صرف ایجاب و قبول کے لے ہیں؟ یا صرف جماع کیلئے ہیں؟ یا ان دونوں کے مجموعے کیلئے؟ قرآن کریم میں اطلاق عقد و وطی دونوں پر ہی ہوا ہے۔ لیکن اس آیت میں صرف عقد پر ہی اطلاق ہے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دخول سے پہلے بھی خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے۔ مؤمنات کا ذکر یہاں پر بوجہ غلبہ کے ہے، ورنہ حکم کتابیہ عورت کا بھی یہی ہے۔

سلف کی ایک بڑی جماعت نے اس آیت سے استدلال کر کے کہا ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے جب اس سے پہلے نکاح ہو گیا ہو۔ اس آیت میں نکاح کے بعد طلاق کو فرمایا ہے، پس معلوم ہوا کہ نکاح سے پہلے نہ طلاق صحیح ہے نہ وہ واقع ہوتی ہے۔ امام شافعی اور امام احمد، اور بہت بڑی جماعت سلف و خلف کا یہی مذہب ہے، امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا خیال ہے کہ نکاح سے پہلے بھی طلاق درست ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نے کہا کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اس پر طلاق ہے تو اب جب بھی اس سے نکاح کرے گا طلاق پڑ جائے گی۔ پھر امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے جو کہے کہ جس عورت سے میں نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو امام ابوحنیفہ تو کہتے ہیں جب وہ نکاح کرے گا اس پر طلاق پڑ جائے گی اور امام مالک کا قول ہے کہ نہیں پڑے گی، کیونکہ کسی خاص عورت کو مقرر کر کے اس نے یہ نہیں کہا۔ جمہور جو اس کے خلاف ہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے۔

امام بخاری نے کتاب الطلاق میں عنوان لکھا ہے کہ: باب لا طلاق قبل النکاح، وقول اللہ تعالیٰ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَقْتُمُوهُنَّ، الْآيَةَ۔

وقال ابن عباس: جعل الله الطلاق بعد النکاح. ویروی فی ذلك عن علیؓ وسعيد بن المسيب وعروة بن الزبير وأبي بكر بن عبد الرحمن وعبيد الله بن عبد الله بن عتبة وأبان بن عثمان وعلی بن حسن وشريح وسعيد بن جبیر والقاسم وسالم وطاؤس والحسن وعكرمة وعطاء وعامر بن سعد وجابر بن زيد ونافع بن جبیر ومحمد بن كعب وسليمان بن يسار ومجاهد والقاسم بن عبد الرحمن وعمرو بن هرم والشعبي أنها لا تطلق۔

یعنی: نکاح سے پہلے طلاق نہیں ہو سکتا، ابن عباسؓ نے کہا اللہ تعالیٰ نے طلاق کو نکاح کے بعد رکھا ہے، اور ایسی ہی روایتیں آئی ہیں علیؓ سے اور سعید بن مسیب سے، اور عروہ بن زبیر سے اور ابو بکر بن عبد الرحمن اور عبید اللہ بن عبد اللہ بن

عتبہؓ سے اور ابان بن عثمان سے اور امام زین العابدین سے اور قاضی شریح سے اور سعید بن جبیرؓ سے اور قاسم بن محمد سے اور سالم بن عبد اللہ بن عمرؓ سے اور طاؤسؓ سے اور حسن بصریؓ سے، اور عمر مہ سے، اور عطاء بن ابی رباحؓ سے، اور عامر بن سعدؓ سے، اور جابر بن زید سے، اور نافع بن جبیرؓ اور محمد بن کعب قرظیؓ سے، اور سلیمان بن یسار سے، اور مجاہدؓ سے اور قاسم بن عبد الرحمنؓ سے، اور عمرو بن ہرمؓ سے، اور شعبیؓ سے ان سب نے یہی کہا، طلاق نہیں پڑے گا۔

اب ہم ان روایات کا مختصر تخریج کرتے ہیں: عبد اللہ بن عباسؓ والی روایت امام حاکمؒ نے (متدرک: ۱۹۴/۳) میں طاؤس سے نقل کیا ہے کہ: عن ابن عباسؓ أنه تلا (هذه الآية) قال فلا يكون طلاق حتى يكون نكاح. یعنی ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ اگر کسی شخص نے نکاح سے پہلے یہ کہا ہو کہ میں جس عورت سے نکاح کروں اس پر طلاق ہے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے یہ آیت تلاوت کی، اور فرمایا اس صورت میں طلاق نہیں ہوگی۔ کیونکہ اللہ عزوجل نے طلاق کو نکاح کے بعد فرمایا ہے پس نکاح سے پہلے کی طلاق کوئی چیز نہیں۔ اس روایت کو امام بیہقی نے: سنن کبری: ۳۲۰/۷، وابن ابی شیبہ، و الطحاوی فی مشکل الآثار: ۲۸۳، ارواء الغلیل: ۲۰۶۸۔ میں نقل کیا ہے۔

اسی معنی کی ایک روایت سعید بن منصورؒ نے (سنن: ۱/۲۵۴) میں نقل کیا ہے: عن حبيب بن ثابت: جاء رجل الى علي بن الحسين فقال اني قلت يوم اتزوج فلانة فهي طالق، فقرأ هذه الآية: قال علي لا ارى طلاق الا بعد نكاح. ابن ابی شیبہ.

علیؓ سے نزال بن سمرہؓ نقل کرتا ہے کہ: سمعت علي يقول: لا وصال ولا رضاع بعد فطام، ولا يتم بعد حلم ولا صمت يوم الى الليل، ولا طلاق الا بعد نكاح. (سنن سعید بن منصور: ۱/۲۵۴)۔ اور حاکم متدرک: ۳/۱۹۴، میں عنوان دیا ہے:

شموع الحديث الاطلاق الا بعد نكاح

اولاً مذکورہ بالا حدیث ابن عباسؓ نقل کرتا ہے بعد میں عبد اللہ بن عمرؓ سے نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا طلاق الا بعد نكاح اس کے بعد عائشہؓ سے نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: لا طلاق الا بعد نكاح ولا عتق الا بعد ملك (اس روایت کو امام طحاوی نے مشکل الآثار: ۲۸۱/۱، سنن دارقطنی: ۱۵۴/۳، سنن بیہقی: ۳۲۱/۷۔

پھر عبد اللہ بن عباسؓ سے مرفوع روایت نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: لا طلاق لمن لا يملك

(سنن کبریٰ: ۳۲۰/۷)۔

بعد میں معاذ کا روایت نقل کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، لا طلاق الا بعد نکاح ولا عتق الا بعد ملک (سنن دارقطنی: ۱۴۲۴، سنن کبریٰ: ۳۲۰/۷) اور جابرؓ سے مرفوعاً نقل کرتا ہے: یقول: لا طلاق لمن لا یملک ولا عتق لمن لا یملک (سنن کبریٰ: ۳۱۹/۷، مسند طرابلسی رقم: ۱۶۸۲، اور جلد ۲ ص ۵۶۹، میں عمرو بن شعیبؓ عن ابیہ عن جدہ مرفوعاً نقل کرتا ہے کہ لا طلاق قبل النکاح (ترمذی رقم: ۱۱۸۱، ابو داؤد رقم: ۲۱۰۹، ابن ماجہ: ۲۰۴۷۔ یعنی رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ابن آدم جس کا مالک نہ ہو اس میں طلاق نہیں اور جو طلاق نکاح سے پہلے کی ہو، وہ کسی شمار میں نہیں۔

پھر امام حاکم اسی باب میں بروایت عکرمہ عن ابن عباسؓ نقل کرتا ہے کہ قال: ما قالها ابن مسعودؓ وان یکن قالها فرلة من عالم، فی الرجل یقول ان تزوجت فلانة فهی طالق، قال عز وجل: یا ایها الذین امنوا اذ انکحتم المؤمنات ثم طلقتموهن، ولم یقل اذا طلقتم المؤمنات ثم نکحتموهن، اور بعض مؤتوف روایات علماء سعید بن منصور نے اپنے سنن: ۲۵۱/۱، میں نقل کیا ہے:

(۱) روایت عبد اللہ بن ابی فروةؓ: قال قدم علينا عمرو بن شعیبؓ فسألته فقال كان ابی عرض علی امرأة یزوجنیها فابیت ان تزوجها وقلت هی طالق البتة یوم تزوجها، ثم ندمت، فقدمت المدينة فسلت سعید ابن المسیب وعروة ابن الزبیر فقالا: قال رسول اللہ ﷺ لا طلاق الا بعد النکاح۔

۲۔ روایت شریح: قال لا طلاق الا بعد النکاح۔

۳۔ روایت علی بن ابی طالبؓ: انه سئل عن رجل قال ان تزوجت فلانة فهی طالق، فقال: لیس بشیء لا طلاق الا بعد ملک۔

۴۔ روایت حسن: انه كان یقول: لا طلاق الا بعد ملک۔

۵۔ روایت سلیمان بن یسارؓ انه حلف فی امرأة ان تزوجها فهی طالق، فتزوجها، فاخبر بذلك عمر بن عبد العزیز وهو امیر علی المدينة فارسل الیه بلغنی انک حلفت فی کذا؟ قال نعم قال: افلاتنخل سبیلها؟ قال لا فترکه عمر ولم یفرق بینهما۔

۶۔ روایت عبد اللہ بن مسعودؓ قال: اذا قال الرجل کل امرأة تزوجها فهی طالق قال فلیس بشیء الا ان یوقت۔

تُرْجَىٰ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤَىٰ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ ۖ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ

(اور تم کو یہ بھی اختیار ہے کہ) جس بیوی کو چاہو علیحدہ رکھو اور جسے چاہو اپنے پاس رکھو اور جس کو تم نے علیحدہ کر دیا ہو

عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ تَقْرَأَ آعَيْنُهُنَّ وَلَا يَحْزَنَ

اگر اس کو پھر اپنے پاس طلب کر لو تو تم پر کچھ گناہ نہیں یہ (اجازت) اس لئے ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ غمناک

وَيَرْضَيْنَ بِمَا آتَيْتَهُنَّ كُلَّهُنَّ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَكَانَ اللَّهُ

نہ ہوں اور جو کچھ تم ان کو دو اسے لے کر سب خوش رہیں اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اللہ اسے جانتا ہے اور اللہ جانتے

عَلِيمًا حَلِيمًا ﴿۱۴﴾ يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ

والا اور بردبار ہے۔ (اے پیغمبر!) ان کے سوا اور عورتیں تم کو جائز نہیں [14] اور نہ یہ کہ ان بیویوں کو چھوڑ کر اور بیویاں کرو

[14] مذکورہ بالا کی چار قسم عورتوں کے علاوہ آپ کے لئے کسی اور عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں اور نہ موجودہ بیویوں

میں سے کسی کو طلاق دیکر اس کی جگہ کسی دوسرے عورت سے نکاح جائز ہے۔ ای من بعد الاصناف التي سميت، قال

ابی بن کعب و عكرمة و ابورزین و هو اختیار محمد بن جریر (قرطبی)۔ شاہ عبدالقادر دہلوی فرماتے ہیں جتنی

قسمیں کہہ دیں اس سے زیادہ حلال نہیں اور جو ہے ان کا بدلنا حلال نہیں اس طرح یہ ایت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ شاہ ولی

اللہ اور کئی دوسرے علماء نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو نو (۹) عورتیں

اس وقت آپ کے نکاح میں ہیں۔ اور جنہوں نے دنیا پر آپ کو ترجیح دی ہے ان کے بعد اب آپ کے لئے کسی دوسری

عورت سے نکاح کرنا جائز نہیں لایحل لک النساء من بعد هؤلاء التسع اللاتی اخترتک ای لقد حرم

علیک تزوج غیرهن (روح)۔

”الامام لکت“ یہ ما قبل سے استثناء ہے یعنی باندیوں کا تبدل آپ کے لئے جائز ہے۔ وکان اللہ علی کل

شیء شہیداً، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر اور مطلع اور خبردار ہے اس لئے اس کے حدود و احکام سے تجاوز مت کرو۔

أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيًّا

خواہ ان کا حسن تم کو (کیسا ہی) اچھا لگے مگر وہ جو تمہارے ہاتھ کا مال ہے (یعنی لوٹڈیوں کے بارے میں تم کو اختیار ہے) اور

كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيبًا ﴿١٢١﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا

اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔ مومنو! پیغمبر کے گھروں میں نہ جایا کرو مگر

أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ غَيْرٍ نَظِيرٍ لَهُ وَلَكِنْ إِذَا

اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے اور اس کے پکنے کا انتظار بھی نہ کرنا پڑے لیکن

دُعَيْتُمْ فَأَدْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ

جب تمہاری دعوت کی جائے تو جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو چل دو اور باتوں میں جی لگا کر نہ بیٹھ رہو

إِنَّ ذَلِكَ كَانَ يُوْذَى النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي

یہ بات پیغمبر کو ایذا دیتی ہے اور وہ تم سے شرم کرتے ہیں (اور کہتے نہیں) لیکن اللہ سچی بات کہنے سے حیا نہیں کرتا

مِنَ الْحَقِّ ۗ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِنْ وَرَائِهِ حِجَابٍ ۗ ذَٰلِكُمْ

اور جب پیغمبر کی بیویوں سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے مانگو یہ

أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ ۗ وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَنْ

تمہارے اور ان کے دونوں کے دلوں کے لئے بہت پاکیزگی کی بات ہے اور تم کو یہ شایاں نہیں کہ پیغمبر الہی کو تکلیف دو اور نہ

تَنْكِحُوا ۗ وَأَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبَدًا ۗ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا ﴿١٢٢﴾

یہ کہ ان کی بیویوں سے کبھی ان کے بعد نکاح کرو بیشک یہ اللہ کے نزدیک بڑا (گناہ کا کام) ہے

إِنْ تَبَدُّوا شَيْئًا أَوْ تَخَفُوهُ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿١٢٣﴾

اگر تم کسی چیز کو ظاہر کر دو یا اس کو مخفی رکھو تو (یاد رکھو کہ) اللہ ہر چیز سے باخبر ہے

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِي آبَائِهِنَّ وَلَا أَبْنَائِهِنَّ وَلَا إِخْوَانِهِنَّ

عورتوں پر اپنے باپوں سے (پردہ نہ کرنے میں) کچھ گناہ نہیں اور نہ اپنے بیٹوں سے اور نہ اپنے بھائیوں سے

وَلَا أَبْنَاءَ إِخْوَانِهِنَّ وَلَا أَبْنَاءَ أَخَوَاتِهِنَّ وَلَا نِسَائِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ

اور نہ اپنے بھتیجیوں سے اور نہ اپنے بھانجیوں سے اور نہ اپنی (قسم کی) عورتوں سے اور نہ لونڈیوں سے

أَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِينَ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿١٥﴾

اور (اے عورتو!) اللہ سے ڈرتی رہو بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے [15]

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ

اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر پر درود بھیجتے ہیں مومنو! تم بھی ان پر درود

وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿١٦﴾ ﴿١٧﴾ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ

اور سلام بھیجا کرو۔ جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر کو رنج پہنچاتے ہیں ان پر اللہ دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے

[15] عورتوں کے پردہ کا بیان قرآن کریم کی سات آیتوں میں آیا ہے تین سورہ نور میں گزر چکی ہیں، چار آیتیں سورہ

احزاب میں ہیں جن میں سے ایک پہلے آچکی ہیں ایک زیر نظر باقی آگے آئیں گی جن میں پردہ کے درجات کی تعیین اور احکام

کی تفصیل اور جو اس سے مستثنیٰ ہیں ان کا مفصل بیان ہے۔ اسی طرح ستر سے زیادہ احادیث میں قولاً و عملاً پردہ کے احکام

بتلائے گئے ہیں ان سب کو یک جا معلوم کرنے کے لئے احقر نے ایک مستقل رسالہ بنام تفصیل الخطاب فی تفسیر آیات

الحجاب لکھ دیا ہے جو بزبان عربی احکام القرآن سورہ احزاب کا جز ہو کر شائع ہو چکا ہے اس تفسیر قرآن میں ہر ایت کی

تفسیر تو اپنی اپنی جگہ آتی ہے باقی مضامین رسالہ کے چند ضروری اقتباسات یہاں لکھے جاتے ہیں۔

نزول حجاب کی تاریخ

عورتوں اور مردوں میں بے محابا اختلاط تو دنیا کی پوری تاریخ میں آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم الانبیاء ﷺ تک

کسی زمانے میں درست نہیں سمجھا گیا۔ اور صرف اہل شراعی ہی نہیں دنیا کے عام شریف خاندانوں میں ایسے اختلاط کو روکا نہیں رکھا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے سفر مدین کے وقت جن عورتوں کا اپنی کمربوں کو پانی پلانے کے لئے الگ روکے ہوئے کھڑے ہونے کا ذکر ہے اسکی وجہ یہی بتلائی گئی ہے کہ ان عورتوں نے مردوں کے ہجوم میں گھسنا پسند نہ کیا، سب کے بعد نیچے ہوئے پانی پر قناعت کی۔

زیب بنت جحش جن کے نکاح کے وقت پہلی ایت حجاب نازل ہوئی ہے اس کے نازل ہونے سے پہلے بھی جامع ترمذی کی روایت میں ان کی گھر میں نشست کی یہ صورت بیان کی ہے: وہی مولیۃ وجہہا الی الحائط (ترمذی: ۳۲۱۸) یعنی وہ اپنا رخ دیوار کی طرف پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ نزول حجاب سے پہلے بھی عورتوں مردوں میں بے محابا اختلاط اور بے تکلف ملاقات و گفتگو کا رواج شریف اور نیک لوگوں میں کہیں نہ تھا، قرآن کریم میں جس جاہلیت اولیٰ اور اس میں عورتوں کے تبرج و ظہور کا ذکر ہے وہ بھی عرب کے شریف خاندانوں میں نہیں، بلکہ لوٹدیوں اور آوارہ عورتوں میں تھا، عرب کے شریف خاندان اس کو معیوب سمجھتے تھے، عرب کی پوری تاریخ اس کی شاہد ہے ہندوستان میں ہندو، بدھ مت، اور دوسرے مشرکانہ مذاہب والوں میں عورتوں مردوں کے درمیان بے محابا اختلاط گوارا نہ تھا، یہ مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کے دعوے اور بازاروں اور سڑکوں پر پریڈ کرنے اور تعلیم سے لے کر ہر شعبہ زندگی میں مردوزن کے بے تکلف اختلاط ضیافتوں اور کلبوں میں بے تکلف ملاقاتوں کا سلسلہ صرف یورپین اقوام کی بے حیائی اور فحاشی کی پیداوار ہے، جس میں یہ اقوام بھی اپنے ماضی سے ہٹ جانے کے بعد بتلا ہوئی ہیں زمانے قدیم میں ان کی بھی یہ صورت نہ تھی حق تعالیٰ نے جس طرح عورت کی جسمانی تخلیق کو مردوں سے ممتاز رکھا ہے اسی طرح ان کی طبیعتوں میں ایک فطری حیا کا جوہر بھی رکھا ہے۔ جو ان کو فطری طور پر عام مردوں سے الگ تھلگ رہنے اور تسنن پر آمادہ کرتی ہے اور یہ فطری اور طبعی حیا کا پردہ عورتوں مردوں کے درمیان ابتدائے افریقنیشن سے حائل رہا ہے۔

ابتدائے اسلام میں بھی باہمی پردہ کی یہی نوعیت تھی پردہ نسواں کی یہ خاص نوعیت کہ عورتوں کا اصل مقام گھروں کی چہاردیواری ہو اور جب کسی شرعی ضرورت سے باہر نکلنا ہو تو پورے بدن کو چھپا کر نکلیں یہ ہجرت مدینہ کے بعد ہی جاری ہوا ہے۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ با تفاق علمائے امت اس پردہ کے متعلق پہلی آیت وہ ہے جو اوپر مذکور ہوئی =

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۱۰۱﴾ ﴿۱۰۰﴾ الَّذِينَ يُؤْذُونَ

اور ان کے لئے اس نے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جو لوگ

الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بغيرِ مَا اكْتَسَبُوا فَقَدْ احْتَمَلُوا بُهْتَانًا

مومن مردوں اور مومن عورتوں کو ایسے کام (کی تہمت) سے جو انہوں نے نہ کیا ہو ایذا دیں تو انہوں نے بہتان

= ہے: لاتدخلوا بیوت النبی اور یہ ایت زینب بنت جحش کے نکاح اور اور حرم نبوی میں داخلہ کے وقت نازل ہوئی ہے۔ اس نکاح کے تاریخ میں حافظ ابن حجر نے الاصابہ اور عبدالمبر نے الاستیعاب میں دو قول نقل کئے ہیں کہ ۳ ہجری میں ہوا۔ ۳۵ ہجری میں ہوا، ابن کثیر نے پانچ ہجری کو ترجیح دی، ابن سعد نے انسؓ سے بھی پانچ ہجری نقل کیا ہے۔ عائشہؓ کی بعض روایات سے بھی اسی کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ایت مذکورہ میں عورتوں کو پس پردہ رہنے کا حکم دیا اور مردوں کو حکم یہ ملا کہ اگر ان سے کوئی چیز مانگنا ہے تو پردہ کے پیچھے سے مانگیں اس میں پردہ کی خاص تاکید پائی گئی۔ کہ بلا ضرورت تو مردوں عورتوں کو الگ ہی رہنا ہے ضرورت کے وقت ان سے بات کرنا ہو تو پس پردہ کر سکتے ہیں۔ قرآن میں پردہ نسواں اور اس کی تفصیلات کے متعلق سات آیتیں نازل ہوئی ہیں چار سورۃ احزاب میں اور تین سورۃ نور میں گذر چکی ہے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پردہ کے متعلق سب سے پہلے نازل ہونے والی یہی ایت ہے۔

”لاتدخلوا بیوت النبی الا ان یؤذن لکم“ سورۃ نور کی تین آیتیں اور سورۃ احزاب کے شروع کی ایت

جس میں ازواج مطہرات کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنے گھروں میں بیٹھیں و قرون فی بیوتکن یہ سب اگرچہ ترتیب قرآن میں پہلے ہے مگر نزول کے اعتبار سے موخر ہیں۔

سورۃ احزاب کی پہلی آیت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ یہ حکم اس وقت دیا گیا ہے۔ جبکہ ازواج مطہرات کو من

جانب اللہ اختیار دیا گیا تھا۔ کہ اگر دنیا کی وسعت چاہتی ہیں تو رسول اللہ ﷺ سے طلاق لے لیں۔ اور اگر آخرت کو ترجیح دیکر دنیا کی معیشت میں موجودہ حالت پر قناعت کریں تو نکاح میں رہیں۔ معارف القرآن۔

وَأْتِمَامُ مِينًا ﴿۱۸﴾ أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَلزَّوْجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ

اور صریح گناہ کا بوجھ اپنے سر پر رکھا۔ اے پیغمبر! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو

الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ

کہ (باہر نکلا کریں تو) اپنے (آپ) پر چادر لٹکا لیا کریں یہ امر ان کے لئے موجب شناخت

فَلَا يُؤْذِينَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۹﴾ لَمَّا لَمْ يَنْتَهِ الْمُتَفِقُونَ

(وا امتیاز) ہوگا تو کوئی ان کو ایذا نہ دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اگر منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے

وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِبَنَّكَ

اور جو (مدینے کے شہر میں) بُری بُری خبریں اڑایا کرتے ہیں (اپنے کردار) سے باز نہ آئیں گے تو ہم تم کو ان کے پیچھے لگا

بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲۰﴾ لَمَّا لَمَعُونِينَ أَيُّنَمَا تُقْفُوا أَخَذُوا

دیں گے پھر وہاں تمہارے پڑوس میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن۔ (وہ بھی) پھنکار کئے ہوئے جہاں پائے گئے پکڑے

وَقَتَّلُوا تَقْتِيلًا ﴿۲۱﴾ هِنَةَ اللَّهِ فِي الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ

گئے اور جان سے مار ڈالے گئے۔ جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کے بارے میں بھی اللہ کی یہی سنت رہی ہے اور تم اللہ کی

لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿۲۲﴾ سَأَلَكِ النَّاسُ عَنِ السَّاعَةِ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا

سنت میں تغیر و تبدل نہ پاؤ گے۔ لوگ تم سے قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہیں (کہ کب آئے گی) کہہ دو کہ اس کا علم

عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيبًا ﴿۲۳﴾

اللہ ہی کو ہے اور تمہیں کیا معلوم ہے شاید قیامت قریب ہی آگئی ہو

إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكٰفِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ﴿۲۴﴾

بیشک اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے (جہنم کی) آگ تیار کر رکھی ہے

﴿۴۴﴾ خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَا يَجِدُونَ وِلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۴۴﴾

اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ کسی کو دوست پائیں گے اور نہ مددگار
یَوْمَ تَقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَا لَيْتَنَا أَطَعْنَا اللَّهَ وَأَطَعْنَا الرَّسُولَ
اس دن ان کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے کہیں گے کہ اے کاش ہم اللہ کی فرمانبرداری کرتے اور رسول اللہ کا حکم مانتے۔

﴿۴۵﴾ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلًا ﴿۴۵﴾

اور کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انہوں نے ہم کو راستے سے گمراہ کر دیا

﴿۴۸﴾ رَبَّنَا اتِّهِمُ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنُوهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ﴿۴۸﴾

اے ہمارے پروردگار! ان کو دگنا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت کر۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَى فَبَرَّاهُ اللَّهُ مِمَّا قَالُوا

مومنو! تم ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے موسیٰ کو (عیب لگا کر) رنج پہنچایا تو اللہ نے ان کو بے عیب ثابت کیا [16]

وَكَانَ عِنْدَ اللَّهِ وَجِيهًا ﴿۴۶﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ

اور وہ اللہ کے نزدیک آبرو والے تھے۔ مومنو! اللہ سے ڈرا کرو

وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴿۴۷﴾ يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمہارے اعمال درست کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا

[16] ”یا ایہا الذین امنوا“ یہ مومنوں سے خطاب ہے، مومنوں کو تلقین فرمائی کہ خیر دار ہو۔ منافقین اور فجار کی غلط

انواہوں اور جھوٹی رپوٹوں سے متاثر ہو کر کہیں وہ کچھ نہ کر بیٹھنا جو موسیٰ علیہ السلام کے وقت کے لوگوں نے کیا تھا، اور انہیں

سخت ایذا پہنچائی تھی۔ ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام پر جھوٹی تہمت لگا کر انہیں بدنام کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے

ان کی براءت اور پاکدامنی کا اظہار فرما دیا، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام، اللہ کے یہاں بلند قدر و منزلت کے مالک تھے۔ =

وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۱۷۱﴾

اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بیشک بڑی مراد پائے گا
 إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ
 يَحْمِلْنَهَا وَأَنزَلْنَاهَا فِي بَنِي إِسْرَائِيلَ فَأَتَوْا عَلَىٰ مُوسَىٰ فَقَالُوا لَنَا آيَاتُهُ ۖ فَاسْتَخَارْتَهُمْ فَأَخْرَجْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿۱۷۱﴾

= جناب شیخ حسین علی فرماتے ہیں کہ قارون اور ان کے ہم نواؤں نے موسیٰ علیہ السلام پر زنا کی جھوٹی تہمت لگا کر انہیں
 ایزادی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو وعظ فرمایا کہ زنا سے بچو جو شخص زنا کرے گا اسے قتل کیا جائے گا۔

قارون نے کہا اگرچہ تو ہو؟ فرمایا یہ حکم سب کے لئے یکساں ہے۔ قارون نے ایک فاحشہ عورت کو کثیر دولت کا
 لالچ دے کر تیار کیا، تاکہ وہ برسر عام اقرار کرے کہ (العیاذ باللہ) موسیٰ علیہ السلام نے اس کے ساتھ بدکاری کی
 ہے۔ چنانچہ قارون نے مجمع عام میں کہا فلاں عورت کہتی ہے کہ تم نے اس کے ساتھ بدکاری کی ہے موسیٰ علیہ السلام نے
 اس عورت کو اللہ کی قسم دلا کر پوچھا سچ بتاؤ، تو اس عورت نے اقرار کیا کہ قارون نے مجھے دولت کا لالچ دیکر اکسایا ہے کہ
 میں آپ پر جھوٹا بہتان باندھوں۔ اس طرح تمام لوگوں کے سامنے موسیٰ علیہ السلام کی براءت ظاہر ہو گئی۔ اور قارون
 کا منصوبہ خاک میں مل گیا۔

وقال بعضهم قارون قرر مع امرأة فاحشة حتى تقول عند بنى اسرائيل ان موسى زنى
 بى فلما جمع قارون القوم والمرأة حاضره القى الله فى قلبها انها صدقت ولم تقل
 ما لقت (كبير). قال ابو العالیه هوان قارون استأجر مومسة اى زانية لتقذف موسى
 بنفسها على رأس الملائفة فصهما الله تعالى وبرأ موسى من ذالك وكان ذالك سبب الخسف
 بقارون ومن معه (السراج المنير). وهم قارون وقومه اذ رموه بالزنا بامرأة مومسة
 استأجر وهالتقذفه بنفسها فبرأه الله مما قالوا باقرارها انهم استأجر وهالهدا القذف فخسف الله
 بهم الارض (مہاشمی)۔

يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ إِنَّهُ كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا ﴿٢٣﴾

اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس میں خیانت بیشک وہ ظالم اور جاہل تھا [17]

لِيُعَذِّبَ اللَّهُ الْمُنَافِقِينَ وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ

تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے

وَيَتُوبَ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿٢٣٣﴾

اور اللہ مؤمن مردوں اور مؤمن عورتوں پر مہربانی کرے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے

[17] ”انا عرضنا“ یہ مشرکین و منافقین پر زجر اور ان کے لئے تخریف اُخروی ہے، ہم نے زمین و آسمان پر ان کے

مناسب حال جو احکام مقرر کئے انہوں نے ان کو بخوشی قبول کر لیا اور ان کی تعمیل کی چنانچہ [حتم سجده:] میں ارشاد ہے:

فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ إِنِّي نَبِيًّا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا نِطَائِعِينَ۔ لیکن کافر و مشرک اور منافق انسان نے امانت میں

خیانت کی اور احکام الہی کو پس پشت ڈال دیا امانت سے مراد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں: سب سے بہتر اور جامع قول

یہ ہے کہ اس سے تمام احکام الہی اور تکالیف شرعیہ مراد ہیں۔ قال ابن عباس یعنی بالامانة الطاعة، ابن کثیر: قال

مجاهد، الامانة الفرائض و حدود الدين، وقال ابو العالية، ما مروا به ونهوا عنه [معالم

التنزیل:] و الامانة تعم جميع وظائف الدين على الصحيح من الاقوال وهو قول الجمهور [قرطبی]

لیکن غیر ذوی العقول کے لئے امانت سے نگوئی فرائض مراد ہونے چاہئے:

”فابین“ ابین کی ضمیر جمع مونث سموات، ارض اور جبال کی طرف راجع ہے۔ شیخ حسین علی فرماتے ہیں ”ان

یحملن“ حمل سے ماخوذ ہے جس کے معنی یہاں خیانت کے ہیں قولہ تعالیٰ: فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا

وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ۔ ای یخنها، و خانها لانسان، ونص الازهری، عرفنا تعالیٰ انها لم تحملها ای ادتها

وکل من خان الامانة فقد حملها (تاج العروس) و حمل الامانة و محتمل لها یریدانه لایؤدیها الی

صاحبها الخ (بحر محیط) یرد بالامانة الطاعة لله و بحمل الامانة الخيانة یقال فلان حامل للامانة

و محتمل لها ای لایؤدیها الی صاحبها حتی تزول عن ذمته الخ (مدارک للنسفی)۔ اور ”الانسان“ =

سورة سبا (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ

سب تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے (جو سب چیزوں کا مالک ہے یعنی وہ) کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے سب اسی کا ہے

وَلَهٗ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ وَهٗوَ لِحٰكِمِ الْخَبِیْرِ ﴿۱﴾

اور آخرت میں بھی اسی کی تعریف ہے اور وہ حکمت والا اور خبردار ہے

= سے کافر اور منافق انسان مراد ہے حاصل یہ ہے کہ ہم نے ساری مخلوق پر بار امانت پیش کیا زمین اور آسمان اور پہاڑوں نے اس امانت کو اٹھاتے ہوئے عہد کیا کہ وہ اس امانت کا حق ادا کریں گے۔ اور اس میں ہرگز خیانت نہیں کریں گے اور مفوضہ فرائض احسن طریقے سے انجام دیں گے۔

”واشفقن منها“ یعنی امانت میں خیانت کرنے سے ڈر گئے۔ اسی طرح مومنوں نے بھی امانت کو اٹھالیا اور اسے پورا کرنے کا عہد کیا لیکن کافر اور منافق انسان نے اس امانت میں خیانت کی اور اللہ کی اطاعت کا حق ادا نہ کیا اور اسی خیانت کی وجہ سے اس نے اپنے اوپر بہت بڑا ظلم کیا۔ اور جہالت و نادانی سے اس میں خیانت کی۔

[و حملها الانسان] ای خان فیہا و ابی ان یؤدیہا

”انه كان ظلوما“ لكونه تاركا لاداء الامانة ”جهولا“ لاخطائه مايسعده مع تمكنه منه وهو ادائها، قال الزجاج الكافر والمنافق حملا الامانة ای خان اولم يطيعاها ومن اطاع من الانبياء و المؤمنین فلا يقال كان ظلوما جهولا۔ شیخ حسین علی کے نزدیک حمل بمعنی خیانت راجح ہے اگرچہ اکثر مفسرین نے حمل کو اٹھانے کے معنی پر محمول کیا ہے۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ

جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو اس میں سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے

وَمَا يَخْرُجُ فِيهَا وَهُوَ الرَّحِيمُ الْغَفُورُ ﴿۳۱﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور جو اس پر چڑھتا ہے سب اس کو معلوم ہے اور وہ مہربان (اور) بخشنے والا ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ

لَا تَأْتِنَا السَّاعَةُ قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتَأْتِيَنَّكُمْ

(قیامت کی) گھڑی ہم پر نہیں آئے گی کہہ دو کیوں نہیں (آئے گی) میرے پروردگار کی قسم! وہ تم پر ضرور آ کر رہے گی

عَلِمَ الْغَيْبِ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ

(وہ پروردگار) غیب کا جاننے والا (ہے) ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہیں (نہ) آسمانوں میں اور نہ زمین میں

وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُّبِينٍ ﴿۳۲﴾ يُجْزِي الَّذِينَ

اور کوئی چیز ذرے سے چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں مگر کتاب روشن میں (لکھی ہوئی) ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۳۳﴾

ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کو بدلہ دے یہی ہیں جن کے لئے بخشش اور عزت کی روزی ہے

وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزِ الْيَوْمِ ﴿۳۴﴾

اور جنہوں نے ہماری آیتوں میں کوشش کی کہ ہمیں ہر ادیس گے ان کے لئے سخت درد دینے والے عذاب کی سزا ہے

وَيَسِّرَىٰ الَّذِينَ أوتُوا الْعِلْمَ الَّذِي أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ هُوَ الْحَقُّ

اور جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جو (قرآن) تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے وہ حق ہے

وَيَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿۳۵﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ

اور (اللہ) غالب اور سزاوار تعریف کا رستہ بتاتا ہے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ بھلا

نَدُّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ يُنْبئُكُمْ إِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّكُمْ لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۷﴾

ہم تمہیں ایسا آدمی بتائیں جو ہمیں خبر دیتا ہے کہ جب تم (مرکز) بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے تو نئے سرے سے پیدا ہوں گے۔

أَفْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَمْ بِهِ جِنَّةٌ بَلِ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

یا تو اس نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے یا اسے جنون ہے بات یہ ہے کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے

فِي الْعَذَابِ وَالضَّلَالِ الْبَعِيدِ ﴿۸﴾ أَفَلَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا

وہ آفت اور پرلے درجے کی گمراہی میں (بتلا) ہیں۔ کیا انہوں نے اس کو نہیں دیکھا جو ان کے آگے اور

خَلْفَهُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّ نَاشِئِخْسَفٌ بِهِمُ الْأَرْضُ أَوْ نُسْقِطُ

پچھے ہے یعنی آسمان اور زمین اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمان کے ٹکڑے گرا دیں

عَلَيْهِمْ كَسْفًا مِنَ السَّمَاءِ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ﴿۹﴾

اس میں ہر بندے کے لئے جو رجوع کرنے والا ہے ایک نشانی ہے

وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُدَ مِنَّا فَضْلًا ۖ يٰجِبَالُ أَوْبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ

اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے برتری بخشی تھی اے پہاڑو! ان کے ساتھ تسبیح کرو اور پرندوں کو (ان کا مسخر کر دیا)

وَالنَّالَةَ الْحَدِيدَ ﴿۱۰﴾ ۖ إِنَّ أَعْمَلَ سَبِغْتِ وَقَدَّرُ فِي السَّرْدِ

اور ان کے لئے ہم نے لوہے کو نرم کر دیا۔ کہ کشادہ زرہیں بناؤ اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو

وَاعْمَلُوا صَالِحًا ۖ إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱﴾ ۖ وَلَسَلِيمَانَ الرِّيحَ غَدُوَهَا

اور نیک عمل کرو جو عمل تم کرتے ہو میں ان کو دیکھنے والا ہوں۔ اور ہوا کو (ہم نے) سلیمان کا تابع کر دیا تھا اس کی صبح کی

شَهْرٌ وَرَوَّاحَهَا شَهْرٌ ۚ وَاسْأَلْنَا لَهُ عَيْنَ الْقِطْرِ ۚ وَمِنَ الْجِنَّ مَنْ يَعْمَلُ بَيْنَ

منزل ایک مہینے کی راہ ہوتی اور شام کی منزل بھی مہینے بھر کی ہوتی اور ہم نے اس کیلئے تانبے کا چشمہ بہا دیا تھا اور جنوں میں سے ایسے [1]

[1] جنات کی تسخیر جو اس جگہ مذکور ہے وہ تو اللہ کے حکم سے ہے اس میں تو کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا، اور بعض صحابہ کرام کے متعلق جو روایات میں آیا ہے کہ جنات ان کے مسخر اور تابع تھے، تو یہ تسخیر بھی اسی قسم کی تسخیر باذن اللہ تھی جو بطور کرامت ان کو عطاء کی گئی تھی، اس میں کسی عمل و وظیفہ کا کوئی دخل نہیں تھا، جیسا کہ علامہ شربینی نے تفسیر سراج المنیر میں اس آیت کے تحت میں ابو ہریرہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، عمر بن الخطاب، ابو ایوب الانصاری زید بن ثابت وغیرہ رضی اللہ عنہم کے متعدد واقعات ایسے لکھے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات ان کی اطاعت و خدمت کرتے تھے، مگر یہ سب محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم تھا کہ سلیمان علیہ السلام کی طرح کچھ جنات کو ان علماء کا مسخر بنا دیا، لیکن جو تسخیر عملیات کے ذریعہ عالموں میں مشہور ہے وہ قابل غور ہے، کہ شرعاً اس کا حکم کیا ہے،

قاضی بدر الدین شبلی حنفی جو آٹھویں صدی کے علماء میں سے ہیں، انہوں نے جنات کے احکام پر ایک مستقل کتاب ”اکام المرجان فی احکام الجنان“ لکھی ہے اس میں بیان کیا ہے کہ جنات سے خدمت لینے کا کام پہلے سلیمان علیہ السلام نے باذن اللہ بطور معجزہ کے کیا ہے، اور اہل فارس جمشید بن اونجان کی طرف منسوب کرتے ہیں، کہ انہوں نے جنات سے خدمات لی ہے، اسی طرح آصف بن برخیا وغیرہ جن کا تعلق سلیمان علیہ السلام سے رہا ہے، ان کے متعلق بھی استحدام جن کے واقعات مشہور ہیں، اور مسلمانوں میں سب سے زیادہ شہرت ابونصر احمد بن بلال الکبیل اور بلال بن وصیف کی ہے، جن سے استحدام جنات کے عجیب عجیب واقعات مذکور ہیں، بلال بن وصیف نے ایک مستقل کتاب میں جنات کے کلمات جو انہوں نے سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش کئے اور جو عہد و میثاق سلیمان علیہ السلام نے ان سے لئے ان کو جمع کر دیا ہے۔

قاضی بدر الدین نے اسی کتاب میں لکھا ہے کہ عام طور سے تسخیر جنات کا عمل کرنے والے عالمین کلمات

کفریہ شیطانیہ سے، اور سحر سے کام لیتے ہیں، جن کو کافر جنات و شیاطین پسند کرتے ہیں، اور ان کے مسخر و تابع ہونے کا راز صرف یہ ہے کہ وہ ان کے اعمال کفریہ شرکیہ سے خوش ہو کر بطور رشوت کے ان کے کچھ کام بھی کر دیتے ہیں اور اسی لئے بکثرت ان عملیات میں قرآن کریم کو نجاست یا خون وغیرہ سے لکھتے ہیں جس سے کفار جن اور شیاطین راضی ہو کر ان کے کام کر دیتے ہیں، البتہ ایک شخص نے ابن الامام کے متعلق لکھا ہے کہ خلیفہ معتضد باللہ کے زمانہ میں تھا، جنات کو اس نے اسمائے الہیہ کے ذریعے سے مسخر کیا تھا اس میں کوئی بات خلاف شرع نہیں تھی (اکام المرجان)۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب: سلیمان علیہ السلام نے دعاء مانگی تھی ”رب اغفر لی وھب لی ملکاً لا ینبغی لاحد من بعدی“ (ص: ۳۵)۔ اے میرے رب! مجھے بخش دے، اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی اور کو سزاوار نہ ہو، قرآن کریم نے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو جنات اور ہوا پر قدرت عطا فرمائی تھی، سلیمان علیہ السلام کی اس دعا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علاوہ کسی اور شخص کا جنات اور ہواؤں پر قادر ہونا ان کی دعا کی استجابت کے خلاف ہے اس بنا پر یہ سوال متوجہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کا اس عفریت کو دکھلینا یا گرا دینا ان کی دعا کی قبولیت کے خلاف ہے، الحدیث (مسلم کتاب المساجد باب جواز لعن الشیطان فی الصلاة) لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔

امام رازی اس آیت کے تفسیر میں فرماتے ہیں: فقوله ”لا ینبغی لاحد من بعدی“ لا یقدر احد علی معارضة، ان کی اس دعا کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اور شخص اس معجزہ میں ان کا مقابلہ نہ ہو سکے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا کا تعلق ان کے زمانہ نبوت کے ساتھ تھا، یعنی ان کے زمانہ نبوت میں کوئی شخص جنات اور ہواؤں پر قدرت ظاہر کر کے ان کے مزاحم نہیں ہو سکتا تھا، محققین کی رائے یہ ہے کہ نبی علیہ السلام تمام انبیاء کرام کے معجزات اور کمالات کے حامل ہیں، اس لئے نبی ﷺ کو بھی جنات پر قدرت اور سلطنت حاصل ہے، رہا نبی علیہ السلام کا سلیمان علیہ السلام کی دعا کو یاد کر کے اس عفریت من الجن کو ستون سے باندھنے کے ارادہ کو ترک فرما دینا، تو وہ بعض علماء کی تصریح کے مطابق تواضع اور سلیمان علیہ السلام کی رعایت کرنے پر مجبور ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ جب آپ نے اس کو مسجد کے ستون سے باندھنے کا ارادہ فرمایا تھا تو آپ ایسا کر بھی سکتے تھے۔

يَدِيهِ بِأُذُنِ رَبِّهِ ط وَمَنْ يَزُغْ مِنْهُمْ عَنْ أَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِيرِ ﴿۱۲﴾

تھے جو ان کے پروردگار کے حکم سے ان کے آگے کام کرتے تھے اور جو کوئی ان میں سے ہمارے حکم سے پھرے گا اس کو ہم آگ کا مزہ چکھائیں گے

يَعْمَلُونَ لَهُ مَا يَشَاءُ مِنْ مَحَارِبٍ وَتَمَائِيلٍ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُورٍ

وہ جو چاہتے ہیں یہ ان کے لئے بناتے عبادت خانے اور مجسمے اور بڑے بڑے لگن جیسے تالاب اور دنگیں

رُسِيَّتٍ ط اَعْمَلُوا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳﴾

جو ایک ہی جگہ رکھی ہیں اے داؤد کی اولاد! (میرا) شکر کرو اور میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں [2]

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَى مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ

پھر جب ہم نے ان کے لئے موت کا حکم صادر کیا تو کسی چیز سے ان کا مرنا معلوم نہ ہوا مگر گھن کے کیڑے سے

مساجد میں محراب کے لئے مستقل مکان بنانے کا حکم

[2] رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد تک امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو ایک علیحدہ مکان کی حیثیت

سے بنانے کا رواج نہیں تھا، قرون اولیٰ کے بعد سلاطین نے اس کا رواج اپنے تحفظ کے لئے دیا، اور عام مسلمانوں میں اس

کا رواج اس مصلحت سے بھی ہوا کہ امام جس جگہ کھڑا ہوتا ہے وہ پوری صف خالی رہتی ہے، نمازیوں کی کثرت اور مساجد کی

تنگی کے پیش نظر صرف امام کے کھڑے ہونے کی جگہ دیوار میں گہری کر کے بنادی جاتی ہے، تاکہ اس کے پیچھے پوری صفوف

کھڑی ہو سکیں، چونکہ یہ طریقہ قرون اولیٰ میں نہ تھا، اس لئے بعض علماء نے اس کو بدعت کہہ دیا ہے، مثلاً صاحب روح

المعانی نے تفسیر سورہ مریم میں اور شیخ جلال الدین سیوطی نے اس مسئلہ پر مستقل رسالہ بنام ”اعلام الاریب فی بدعة

المحاریب“ لکھا ہے اور تحقیق اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر اس طرح کی محرابیں نمازیوں کی سہوت اور مسجد کے مصالح کے پیش

نظر بنائی جائیں اور ان کو سنت مقصودہ نہ سمجھا جائے تو ان کو بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں، ہاں اس کو سنت مقصودہ بنا لیا جائے

، اس کے خلاف کرنے والے پر تکلیف ہونے لگے تو اس غلو سے یہ عمل بدعت میں داخل ہو سکتا ہے۔

تَأْكُلُ مِنْسَاتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَنْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ

جو ان کے عصا کو کھاتا رہا جب عصا گر پڑا تب جنوں کو معلوم ہوا (اور کہنے لگے) کہ اگر وہ غیب جانتے ہوتے

مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ﴿۱۲﴾

تو ذلت کی تکلیف میں نہ رہتے۔ [3]

[3] ”فلما قضينا“ ای اوقعتنا علی سلیمان الموت حاکمین بہ علیہ (روح المعانی)۔ یعنی جب ہم نے اپنے فیصلے کے مطابق سلیمان علیہ السلام پر موت واقع کر دی، ما دلہم، ضمیر مفعول جنوں کی طرف عائد ہے، جیسا کہ مشہور ہے، فالضمیر فی دلہم عائد علی الجن الذین یعملون لہ (بحر)۔ یا اس سے جن اور آل داود اور دوسرے لوگ بھی مراد ہیں، ما دلہم، ای الجن وآل داود، مدارک، اور دابة الارض سے دیکھ مراد ہے جو ایک قسم کا کیڑا ہے اور لکڑی کو کھاتا ہے داود علیہ السلام نے مسجد بیت المقدس کی تعمیر کا کام شروع کیا، لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی ان کی وفات ہو گئی، اور وفات سے پہلے سلیمان علیہ السلام کو اس کی تکمیل کی وصیت فرما گئے، انہوں نے والد محترم کی وصیت کے مطابق بیت المقدس کی تکمیل کے کام پر جنوں کو مامور فرمایا، اور خود کام کی نگرانی فرماتے تھے، ابھی تعمیر کا کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچا کہ ان کی اجل قریب آ پہنچی، چنانچہ ایک روز سلیمان علیہ السلام حسب دستور جنوں کو کام میں مصروف پا کر خود عبادت خانے میں لاٹھی پر ٹیک لگا کر عبادت میں مصروف ہو گئے، اور اسی حال میں روح مبارک قفص غضری سے پرواز کر گئی، طویل مدت تک آپ اسی ہیئت میں رہے، جن اور دوسرے لوگ یہی سمجھتے رہے کہ آپ زندہ ہیں اور عبادت میں مصروف ہیں، اور جن بھی باقاعدہ اپنے کام میں مصروف رہے، ادھر جنوں نے تعمیر کا کام مکمل کر لیا، اور اللہ کے حکم سے سلیمان علیہ السلام کی لاٹھی کو دیکھنے میں یہاں تک کھالیا، کہ وہ ٹوٹ گئی اور سلیمان علیہ السلام گر پڑے۔

اب جنوں کو اور دوسرے لوگوں کو معلوم ہوا، کہ ان کی موت تو عرصہ سے واقع ہو چکی ہے، اور اتنا عرصہ ان کا جسم لاٹھی کے سہارے اپنی وضع پر قائم رہا ہے، اب جنوں پر یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ وہ غیب نہیں جانتے، ان کا غیب دانی کا دعویٰ غلط ہے، اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اتنا طویل عرصہ اس ذلت امیز محنت و مشقت میں کیوں بنتلا رہتے، سلیمان علیہ السلام کی وفات کو اللہ تعالیٰ نے دو حکمتوں کیلئے پوشیدہ رکھا، اول اس لئے کہ بیت المقدس کی تعمیر کا کام مکمل =

لَقَدْ كَانَ لِسَبَإٍ فِي مَسْكَنِهِمْ آيَةٌ

(اہلِ) سبا کے لئے ان کے مقام بودوباش میں ایک نشانی تھی [4]

= ہو جائے، اگر جنوں کو ان کی وفات کا علم ہو جاتا تو وہ کام کو وہیں چھوڑ دیتے۔

دوم جنوں کا دعویٰ تھا کہ وہ غیب جانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی موت کو ان سے پوشیدہ رکھ کر ان کے اس جھوٹے دعوے کا پول ظاہر فرمادیا: قال قتادة وغيره كانت الجن تدعى علم الغيب فلما مات سليمان عليه السلام وخفي موته عليهم "تبينت الجن" الاية، قرطبي۔

حالانکہ یہ واقعہ ان کے دعوے کو رد کرتا ہے جن کو یہ بھی پتہ نہ چل سکا کہ سلیمان علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، اور وہ ان کو زندہ سمجھ کر ان کے ڈر سے سال بھر ذلت آمیز محنت و مشقت میں مبتلا رہے، وہ کسی طرح بھی غیب دان اور شفیع غالب نہیں ہو سکتے، شیخ حسین علی فرماتے ہیں، تبینت، فعل لازم ہے اور "ان لو كانوا" جملہ الجن سے بدل الاشتمال ہے، مطلب یہ ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام گر پڑے تو جن ظاہر ہو گئی یعنی ان کے بارے میں یہ بات ظاہر ہو گئی کہ اگر وہ غیب دان ہوتے تو اتنا عرصہ عذاب مہین میں گرفتار نہ رہتے۔

[4] ابن کثیر نے فرمایا کہ سبا میں کے بادشاہوں اور اس ملک کے باشندوں کا لقب ہے "تباجع" جو اس ملک کے مقتداء و پیشوا تھے وہ بھی اسی قوم سبا میں سے تھے، اور ملکہ بلقیس جن کا واقعہ سلیمان علیہ السلام کے ساتھ سورہ نمل میں گذر چکا ہے، وہ بھی اسی قوم میں سے تھیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے رزق کے دروازے کھول دیئے تھے، اور ان کی شہر میں آرام و عیش کے تمام اسباب مہیا کر دیئے تھے، اور اپنے انبیاء کے ذریعے ان کو اللہ کی توحید اور اسکے احکام کی اطاعت کے ذریعے نعمتوں کے شکر کا حکم دیا گیا تھا، ایک مدت تک یہ لوگ اس حال پر قائم اور ہر طرح کی راحت و عیش سے مالا مال رہے، پھر ان میں عیش و عشرت میں انہماک سے اللہ تعالیٰ سے غفلت بلکہ انکار تک نوبت پہنچ گئی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تنبیہ کے لئے اپنے تیرہ انبیاء بھیجے جنوں نے ان کی فہمائش اور راہ راست پر لانے کی پوری کوشش کی، مگر یہ لوگ اپنی غفلت و بے ہوشی سے باز نہ آئے تو ان پر ایک سیلاب کا عذاب بھیجا گیا، جس نے ان کے شہر اور باغات سب کو ویراں ویر باد کر دیا۔

امام احمد ابن عباسؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ سبا جس کا قرآن

میں ذکر ہے، یہ کسی مرد یا عورت کا نام ہے، یا زمین کے کسی حصہ کا، رسول ﷺ نے فرمایا کہ یہ ایک مرد کا نام ہے، جس کی اولاد میں دس لڑکے ہوئے، جن میں سے چھ یمن میں آباد رہے، اور چار شام میں چلے گئے، یمن میں رہنے والوں کے نام یہ ہیں: مذحج، کندہ، ازد، اشعری، انمار، حمیر، ان چھ لڑکوں سے چھ قبیلے پیدا ہوئے جو انہیں مذکورہ ناموں سے معروف ہیں۔

اور شام میں بسنے والوں کے نام یہ ہیں: لخم، جذام، عاملہ، غسان، ان کی نسل کے قبائل انہیں ناموں سے مشہور ہوئے، یہ روایت حافظ امام ابن عبدالبر نے بھی اپنی کتاب القصد والامم بمعرفۃ انساب العرب والعمم میں نقل کی ہے، ابن کثیر کی تحقیق بحوالہ علمائے نسب یہ ہے کہ یہ دس لڑکے سبا کے صلبی اور بلا واسطہ بیٹے نہیں تھے، بلکہ سبا کی دوسری بیٹی، یا چوتھی، نسل میں یہ لوگ ہوئے ہیں پھر ان کے قبیلے شام و یمن میں پھیلے، اور انہی کے ناموں سے موسوم ہوئے اور سبا کا اصل نام عبد شمس تھا سبا عبد شمس بن مکشب بن یعر ب بن قحطان سے ان کا نسب نامہ واضح ہو جاتا ہے، اور اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ سبا عبد شمس نے اپنے زمانے میں نبی آخر الزمان محمد ﷺ کی بشارت سنائی تھی، ممکن ہے کہ ان کو اس کا علم کتب قدیمہ تورات و انجیل سے ہوا ہو، نبی ﷺ کی شان میں اس نے چند عربی اشعار بھی کہے ہیں جن میں آپ کی بعثت کا ذکر کر کے یہ تمنا کی ہے کہ کاش میں ان کے زمانے میں ہوتا تو میں ان کی مدد کرتا، اور اپنی قوم کو ان پر ایمان لانے اور مدد کرنے کی تلقین کی ہے۔

اور حدیث مذکور میں جو یہ ہے کہ سبا کے دس لڑکوں میں سے چھ یمن میں آباد ہوئے چار شام کی طرف چلے گئے یہ واقعہ ان پر سیلاب کا عذاب آنے کے بعد کا ہے، کہ سیلاب آنے کے وقت یہ لوگ مختلف سمتوں اور شہروں میں منتشر ہو گئے۔ ابن کثیر۔ قرطبی نے بحوالہ قشیری قوم سبا کا زمانہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد رسول ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ فترت نقل کیا ہے۔

”فارسلنا علیہم سبیل العرم“ لفظ عرم، کے عربی لغت کے اعتبار سے کئی معنی معروف ہیں، اور علماء تفسیر نے ہر معنی کے اعتبار سے اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے، مگر ان میں سیاق قرآن کے مناسب وہ معنی ہیں جو قاموس اور صحاح جوہری وغیرہ کتب لغت میں ہیں، کہ عرم کے معنی سد یعنی بند کے ہیں جو پانی روکنے کے لئے بنایا جاتا ہے، جو آج کل ڈیم کے نام سے معروف ہے، ابن عباسؓ نے بھی عرم کے معنی سد یعنی بند کے بیان فرمائے ہیں۔ قرطبی۔

واقعہ اس بند (ڈیم) کا حسب بیان ابن کثیر یہ ہے کہ ملک یمن میں اس کے دار الحکومت صنعاء سے تین منزل کے فاصلہ پر ایک شہر آرب تھا، جس میں قوم سبا آباد تھی، دو پہاڑوں کے درمیان وادی میں شہر آباد تھا، دونوں پہاڑوں =

جَنَّاتٍ عَنْ يَمِينٍ وَشِمَالٍ ۖ كُلُوا مِنْ رِزْقِ رَبِّكُمْ وَاشْكُرُوا لَهُ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ

(یعنی) دو باغ (ایک) دائی طرف اور (ایک) بائیں طرف اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو (یہاں تمہارے

وَرَبٌّ غَفُورٌ ﴿۱۴﴾ اَعْرَضُوا فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ وَبَدَّلْنَاهُمْ

رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور اللہ بخشنے والا۔ تو انہوں نے منہ پھیر لیا پس ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں ان کے

بِجَنَّتِيهِمْ جَنَّاتٍ ذَوَاتِىْ اُكْلِ خَمَطٍ وَّاَثَلٍ وَّشَىْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۵﴾

باغوں کے بدلے ایسے دو باغ دیئے جن کے میوے بدمزہ تھے اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں

ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا وَّهَلْ نُّجْزِيْ اِلَّا الْكٰفِرُوْا ﴿۱۶﴾

یہ ہم نے ان کی ناشکری کی ان کو سزا دی اور ہم سزا ناشکرے ہی کو دیا کرتے ہیں

وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ الْقُرَى الَّتِي بَرَكْنَا فِيْهَا قُرَى ظَاهِرَةً

اور ہم نے ان کے اور (شام کی) ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی (ایک دوسرے کے متصل) دیہات

= کے درمیان سے اور پہاڑوں کے اوپر سے بارش کا سیلاب آتا تھا، یہ شہر ہمیشہ ان سیلابوں کی زد میں رہتا تھا، ایک شہر کے

بادشاہوں نے جن میں ملکہ بلقیس کا نام خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ایک بند نہایت مستحکم

مضبوط تعمیر کیا، جس میں پانی اتر نہ کر سکے، اس بند نے پہاڑوں کے درمیان سے آنے والے سیلابوں کو روک کر پانی کا ایک

عظیم الشان ذخیرہ بنا دیا، پہاڑوں کی بارش کا پانی بھی اس میں جمع ہونے لگا، اس بند کے اندر اوپر نیچے پانی نکالنے کے لئے

تین دروازے رکھے گئے، تاکہ پانی کا یہ ذخیرہ انتظام کے ساتھ شہر کے لوگوں کے اور ان کی زمین و باغ کی آپ پاشی کے

کام آوے پہلے اوپر کا دروازہ کھول کر اس سے پانی لیا جاتا تھا، جب اوپر کا پانی ختم ہو جاتا، تو اس سے نیچے کا اور اس کے بعد

سے نیچے کا تیسرا دروازہ کھولا جاتا تھا، یہاں تک کہ دوسرے سال کی بارشوں کا زمانہ آ کر پھر پانی اوپر تک بھر جاتا، بند کے

نیچے ایک بہت بڑا تالاب تعمیر کیا گیا تھا، جس میں پانی کے بارہ راستے بنا کر بارہ نہریں شہر کے مختلف اطراف میں بہو نچائی

گئی تھیں، اور سب نہروں میں پانی یکساں انداز میں چلتا اور شہر کی ضرورتوں میں کام آتا تھا۔

وَقَدَرْنَا فِيهَا السَّيْرَ سَيَّرُوا فِيهَا لِيَالِي وَأَيَّامًا آمِنِينَ ﴿١٨﴾

بنائے تھے جو سامنے نظر آتے تھے اور ان میں آمد و رفت کا اندازہ مقرر کر دیا تھا کہ رات دن بے خوف و خطر چلتے رہوں۔

فَقَالُوا رَبَّنَا بَاعِدْ بَيْنَ أَسْفَارِنَا وَظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَجَعَلْنَهُمُ أَحَادِيثَ

تو انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار! ہماری مسافتوں میں بعد (اور طول پیدا) کر دے اور انہوں نے اپنے حق میں ظلم کیا تو

وَمَزَقْنَاهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ﴿١٩﴾

ہم نے (انہیں نابود کر کے) ان کے افسانے بنا دیئے اور انہیں بالکل منتشر کر دیا اس میں ہر صابر و شاکر کے لئے نشانیاں ہیں

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿٢٠﴾

اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا کہ مومنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ اس کے پیچھے چل پڑے۔

وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ

اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر (ہمارا) حکمت یہ تھا کہ جو لوگ آخرت میں شک کرتے ہیں

مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ﴿٢١﴾ ۞ اَدْعُوا الَّذِينَ

ان سے ان لوگوں کو جو اس پر ایمان رکھتے تھے متمیز کر دیں اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔ کہہ دو کہ جن کو تم

رَعَمْتُمْ مِّن دُونِ اللَّهِ لَا يَمْلِكُونَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَوَاتِ

اللہ کے سوا (معبود) خیال کرتے ہو ان کو بلاؤ وہ آسمانوں اور زمین میں ذرہ چیز کے بھی مالک نہیں ہیں

وَلَا فِي الْأَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيهِمَا مِنْ شِرْكٍَ وَمَا لَهُ مِنْهُمْ مِّن ظَهِيرٍ ﴿٢٢﴾

اور نہ ان میں ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اللہ کا مددگار ہے

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ أَذِنَ لَهُ حَتَّىٰ إِذَا فُزِعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ

اور اللہ کے ہاں سفارش فائدہ نہ دے گی مگر اس کے لئے جس کے بارے میں وہ اجازت بخشے یہاں تک کہ جب ان کے

قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقُّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ ﴿۲۳۳﴾

دلوں سے اضطراب ڈور کر دیا جائے گا تو کہیں گے کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے؟ کہیں گے کہ حق اور وہ عالی مرتبہ اور گرامی قدر ہے

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ قُلِ اللَّهُ وَإِنَّا أَوْ إِيَّاكُمْ لَعَلَىٰ

پوچھو کہ تم کو آسمانوں اور زمین سے کون رزق دیتا ہے؟ کہو کہ اللہ اور ہم یا تم (یا تو) سیدھے رستے پر ہیں

هُدًى أَوْ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۳۴﴾ قُلْ لَا تَسْأَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نَسْأَلُ

یا صریح گمراہی میں ہیں۔ کہہ دو کہ نہ ہمارے گناہوں کی تم سے پرسش ہوگی اور نہ تمہارے اعمال کی

عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۳۵﴾ قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ

ہم سے پرسش ہوگی۔ کہہ دو کہ ہمارا پروردگار ہم کو جمع کرے گا پھر

الْفَتْحِ الْوَعْدِ الْعَلِيمِ ﴿۲۳۶﴾ قُلْ أَرُونِي الَّذِينَ

ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے گا اور وہ خوب فیصلہ کرنے والا اور صاحب علم ہے۔ کہو کہ مجھے وہ لوگ تو دکھاؤ

الْحَقِّتُمْ بِهِ شُرَكَاءَ كَلَّا ۚ بَلْ هُوَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۳۷﴾

جن کو تم نے شریک (الہی) بنا کر اس کے ساتھ ملا رکھا ہے کوئی نہیں بلکہ وہی (کیلا) اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۚ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا

اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں

يَعْلَمُونَ ﴿۲۳۸﴾ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدِ ۖ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳۹﴾

جانتے۔ [5] اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ (قیامت کا) وعدہ کب وقوع میں آئے گا؟

[5] اس آیت کریمہ سے علماء کرام نے آپ ﷺ کی بعثت عامہ کے لئے استدلال کیا ہے چونکہ آپ ﷺ کا تمام

لوگوں کی جانب مبعوث ہونا بالضرورت دین اسلام کا تقاضا ہے لیکن بعض یہود اور نصاریٰ کا یہ قول کہ آپ خاص طور پر عرب کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے، بالکل باطل ہے، اس لئے کہ جب وہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول مانتے ہیں تو آپ ﷺ جو باتیں کہتے ہیں ان کو وہ سب باتیں تسلیم کرنی چاہئیں۔

آپ ﷺ نے جب فرمایا: کہ: ”بعثت الی الناس كافة“ میں تمام لوگوں کی جانب رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں (مسند احمد: ۲۷۴۲) پھر ظاہر ہے کہ رسول جھوٹ نہیں بولتا تو آپ کی تصدیق ضروری ہے چنانچہ آپ نے روئے زمین کے تمام اطراف میں قاصد ارسال کئے اور کسریٰ قیصر، نجاشی، مقوقس، دیگر بادشاہوں کی جانب خطوط ارسال کئے اور انہیں اسلام کی جانب دعوت دی۔

حدیث متفق علیہ میں ہے کہ: اعطیت خمساً لم یعطهن احد من الانبیاء قبلی، نصرت بالرعب مسيرة شهر، وجعلت لی الارض مسجداً وطهوراً، فایما رجل من امتی ادرکنه الصلاة فلیصل، واحلت لی الغنائم ولم تحل لاحد قبلی، واعطیت الشفاعة، وكان النبی یبعث الی قومہ خاصة، وبعثت الی الناس عامة (بخاری رقم: ۳۳۵ و مسلم: ۵۲۱)۔ وغیرہ۔ یعنی مجھے پانچ چیزیں عطا کی گئی ہیں، مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو یہ چیزیں نہیں دی گئیں، ایک ماہ کی مسافت تک مجھے رعب عطا کیا گیا ہے، اور تمام زمین میرے لئے مسجد اور پاک کر دی گئی ہے، پس میری امت کے کسی فرد پر جب نماز کا وقت آجائے تو وہ نماز ادا کرے۔ اور میرے لئے غنیمتیں حلال کر دی گئی ہیں، مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھیں، اور مجھے شفاعت کا عطیہ دیا گیا ہے، ہر نبی اپنی قوم کی جانب مبعوث ہوا، اور مجھے سب لوگوں کی جانب مبعوث کیا گیا ہے۔

اور حدیث ابی ہریرہ میں بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لا یسمع بی رجل من هذه الامة، یهودی و لانسرانى ثم لا یومن بی الا دخل النار. (رواه مسلم: رقم ۱۵۳)۔ یعنی اس امت کا کوئی یہودی، عیسائی میرے بارے میں معلوم کرنے کے بعد اگر ایمان نہیں لائے گا تو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

لفظ (کافة) کی تحقیق، چونکہ لفظ کافہ کلام عرب میں بطور حال استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کو زیر (جر) دیکر پڑھنا درست نہیں۔ لفظ کافة کے اعراب میں تین قول ہیں پہلا قول وہ ”کاف“ سے حال ہے، اور اسم فاعل کا صیغہ ہے تا مبالغہ کی ہے یعنی آپ لوگوں کو باطل سے پھیرنے والے ہیں۔

یاریہ ”کف“ کا مصدر ہے معنی یوں ہوگا کہ آپ لوگوں کو باطل سے روکیں، اور مصدر حال آتا =

قُلْ لَكُمْ مِيعَادُ يَوْمٍ لَا تَسْتَأْخِرُونَ عَنْهُ سَاعَةً وَلَا تَسْتَقْدِمُونَ ﴿۳۰﴾

کہہ دو کہ تم سے ایک دن کا وعدہ ہے جس سے نہ ایک گھڑی پیچھے رہو گے نہ آگے بڑھو گے

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَوْ تَرَى

اور جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہم نہ تو اس قرآن کو مانیں گے اور نہ ان (کتابوں) کو جو اس سے پہلے کی ہیں اور اگر (ان)

إِذِ الظَّالِمُونَ مَوْقُوفُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضِ الْقَوْلِ

ظالموں کو تم اس وقت دیکھو جب یہ اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہوں گے اور ایک دوسرے سے رد و کد کر رہے ہوں

يَقُولُ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لَوْلَا أَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِينَ ﴿۳۱﴾

گے جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور مومن ہو جاتے

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا لِلَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا أَنَحْنُ صَدَدْنَاكُمْ

بڑے لوگ کمزوروں سے کہیں گے کہ بھلا ہم نے تم کو ہدایت سے

= رہتا ہے، دوسرا قول، الناس، سے حال ہے لیکن اعتراض واقع ہوتا ہے کہ مجرور کا حال مجرور سے پہلے نہیں

آسکتا جمہور کا یہی مسلک ہے لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں، اس لئے کہ کلام عرب میں یہ ترکیب کثرت کے ساتھ موجود ہے

لہذا اس کو تسلیم کیا جائے چنانچہ ابن مالک نحوی نے اسی کو ترجیح دی ہے، اصل یوں ہوگا ”و ما ارسلناک الا للناس

کافۃ“۔

تیسرا قول مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ایسی رسالت جو لوگوں کو باطل سے روکنے والی ہے۔

اسی مضمون والی آیات سورۃ اعراف: ۱۵۸، انعام: ۱۹، نساء: ۷۹، یونس: ۲، فرقان: ۱، ال عمران: ۲۰، ہیں۔



عَنِ الْهُدَىٰ بَعْدَ إِذْ جَاءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُجْرِمِينَ ﴿۳۳﴾

جب وہ تمہارے پاس آ چکی تھی روکا تھا؟ (نہیں) بلکہ تم ہی گنہگار تھے

وَقَالَ الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا بَلْ مَكْرُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

- اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے (نہیں) بلکہ (تمہاری) رات دن کی چالوں نے (ہمیں روک رکھا تھا)

إِذْ تَأْمُرُونَنَا أَنْ نَكْفُرَ بِاللَّهِ وَنَجْعَلَ لَهُ أَنْدَادًا وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا

جب تم ہم سے کہتے تھے کہ اللہ کا کفر کریں اور اس کا شریک بنائیں اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے

الْعَذَابَ وَجَعَلْنَا الْأَغْلَالَ فِي أَعْنَاقِ الَّذِينَ كَفَرُوا هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا

تو دل میں پشیمان ہوں گے اور ہم کافروں کی گردنوں میں طوق ڈال دیں گے بس جو عمل وہ کرتے تھے

كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۳﴾ أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا

ان ہی کا ان کو بدلہ ملے گا۔ اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا

إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوا نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَأَوْلَادًا

کہ جو چیز تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں۔ اور (یہ بھی) کہنے لگے کہ ہم بہت سامان اور اولاد رکھتے ہیں

وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۵﴾ إِنَّ رَبِّي بِبَسْطِ الرِّزْقِ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ

اور ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔ کہہ دو کہ میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے)

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۶﴾ أَمْوَالِكُمْ وَلَا أَوْلَادِكُمْ بِالَّتِي

تنگ کر دیتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اور تمہارا مال اور اولاد ایسی چیز نہیں

تُقَرَّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ

کہ تم کو ہمارا مقرب بنا دیں ہاں (ہمارا مقرب وہ ہے) جو ایمان لایا اور نیک عمل کرتا رہا ایسے ہی لوگوں کو

لَهُمْ جَزَاءُ الضُّعْفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفِ الْمُنُونِ ﴿۳۷﴾

ان کے اعمال کے سبب دگنا بدلہ ملے گا اور وہ خاطر جمع سے بالاخانوں میں بیٹھے ہوں گے

وَالَّذِينَ يَسْعَوْنَ فِي آيَاتِنَا مُعْجِزِينَ أُولَٰئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُونَ ﴿۳۸﴾

جو لوگ ہماری آیتوں میں کوشش کرتے ہیں کہ ہمیں ہرا دیں وہ عذاب میں حاضر کئے جائیں گے

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ

کہہ دو کہ میرا پروردگار اپنے بندوں میں سے جس کے لئے چاہتا ہے روزی فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّزُقِينَ ﴿۳۹﴾

اور تم جو چیز خرچ کرو گے وہ اس کا (تمہیں) عوض دے گا اور وہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلَائِكَةِ أَهَؤُلَاءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ

اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر فرشتوں سے فرمائے گا کیا یہ لوگ تم کو پوجا کرتے تھے؟

﴿۴۰﴾ قَالُوا سُبْحٰنَكَ أَنْتَ وَلِيِّنَا مِنْ دُونِهِمْ بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ

وہ کہیں گے تو پاک ہے تو ہی ہمارا دوست ہے نہ یہ بلکہ یہ جنات کو پوجا کرتے تھے

أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ ﴿۴۱﴾ قَالِيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَفْعًا

اور اکثر انہی کو مانتے تھے۔ تو آج تم میں سے کوئی کسی کو نفع اور نقصان پہنچانے کا اختیار نہیں رکھتا

وَلَا ضَرًّا وَنَقُولُ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ النَّارِ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا

اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ دوزخ کے عذاب کا جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے

تُكَذِّبُونَ ﴿۴۲﴾ وَإِذَا تَتَلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَذَا إِلَّا رَجُلٌ

مزا چکھو۔ اور جب ان کو ہماری روشن آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ایک (ایسا) شخص ہے

يُرِيدُ أَنْ يَصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُكُمْ وَقَالُوا مَا هَذَا

جو چاہتا ہے کہ جن چیزوں کی تمہارے باپ دادا پرستش کیا کرتے تھے ان سے تم کو روک دے اور (یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ

إِلَّا إِفْكٌ مُّفْتَرَىٰ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ إِنَّ هَذَا إِلَّا

مخض جھوٹ ہے جو (اپنی طرف سے) بنا لیا گیا ہے اور کافروں کے پاس جب حق آیا تو اس کے بارے میں کہنے لگے کہ یہ

سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۳۰﴾ وَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ كُتُبٍ يَدْرُسُونَهَا وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ

تو صریح جادو ہے۔ اور ہم نے نہ تو ان کو کتابیں دیں جن کو یہ پڑھتے ہیں اور نہ تم سے پہلے ان کی طرف کوئی ڈرانے والا بھیجا

قَبْلَكَ مِنْ نَذِيرٍ ﴿۱۳۱﴾ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

مگر انہوں نے تکذیب کی۔ اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے تکذیب کی تھی اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا تھا

﴿۱۳۲﴾ وَمَا بَلَغُوا مِعْشَارَ مَا آتَيْنَهُمْ فَكَذَّبُوا رُسُلِي فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿۱۳۳﴾

یہ اس کے دسویں حصے کو بھی نہیں پہنچے تو انہوں نے میرے پیغمبروں کو جھٹلایا سو میرا عذاب کیسا ہوا

قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ إِنَّ تَقْوَمُوا لِلَّهِ مَثْنَىٰ وَفُرَادَىٰ ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا

کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم اللہ کے لئے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ پھر غور کرو

﴿۱۳۴﴾ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِنْ جَنَّةٍ ۚ إِنَّ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ﴿۱۳۵﴾

تمہارے رفیق کو سودا نہیں وہ تمہیں سخت عذاب (کے آنے) سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں

قُلْ مَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ۖ إِنَّ أَجْرِي إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ

کہہ دو کہ میں نے تم سے کچھ صلہ مانگا ہو تو وہ تم ہی کو (مبارک رہے) میرا صلہ تو اللہ ہی کے ذمے ہے اور وہ ہر چیز سے

شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۳۶﴾ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَٰمِ الْغُيُوبِ ﴿۱۳۷﴾

خبردار ہے۔ کہہ دو کہ میرا پروردگار اوپر سے حق اتارتا ہے (اور وہ) غیب کی باتوں کا جاننے والا ہے

قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَمَا يُبَدِي الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيدُ ﴿۲۴﴾ قُلْ إِنْ ضَلَلْتُمْ فَإِنَّمَا

کہہ دو کہ حق آچکا اور (معبود) باطل نہ تو پہلی بار پیدا کر سکتا ہے اور نہ دوبارہ پیدا کرے گا۔ کہہ دو کہ اگر میں گمراہ ہوں تو میری

أَضِلُّ عَلَىٰ نَفْسِي وَإِنِ اهْتَدَيْتُمْ فِيمَا يُوحِي إِلَيَّ رَبِّي إِنَّهُ سَمِيعٌ قَرِيبٌ ﴿۲۵﴾

گمراہی کا ضرر مجھ ہی کو ہے اور اگر ہدایت پر ہوں تو یہ اس کا طفیل ہے جو میرا پروردگار میری طرف وحی بھیجتا ہے بیشک وہ سننے والا نزدیک ہے

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ فَرَغُوا فَلَا قُوَّةَ وَاتَّخَذُوا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۲۶﴾

اور اگر تم دیکھو جب یہ گھبرا جائیں گے تو (عذاب سے) بچ نہیں سکیں گے اور نزدیک ہی سے پکڑ لئے جائیں گے

وَقَالُوا آمَنَّا بِهِ وَإِنَّا لَلتَّائِبُونَ ﴿۲۷﴾ قُلْ إِنَّمَا يُبَدِي الْقَوَامِ بِسِيَرَتِهِمْ وَلَوْ أَنَّ لَكُمْ مِنَ السَّمِيعِ أَلْوَاعٌ فَمَا تَبْتَغُونَ ﴿۲۸﴾

اور کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لے آئے اور (اب) اتنی دُور سے ان کا ہاتھ ایمان کے لینے کو کیونکر پہنچ سکتا ہے

وَقَدْ كَفَرُوا بِهِ مِنْ قَبْلُ وَيَقْدِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿۲۹﴾

اور پہلے تو اس سے انکار کرتے رہے اور بن دیکھے دُور ہی سے (ظن کے) تیر چلاتے رہے

وَحِيلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ كَمَا فُعِلَ بِأَشْيَاعِهِمْ

ان میں اور ان کی خواہش کی چیزوں میں پردہ حائل کر دیا گیا جیسا کہ پہلے ان کے ہم جنسوں سے

مِّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا فِي شَكٍّ مُّرِيبٍ ﴿۳۰﴾

کیا گیا وہ بھی الجھن میں ڈالنے والے شک میں پڑے ہوئے تھے

سورة فاطر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا

سب تعریف اللہ ہی کو (سزاوار ہے) جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (اور) فرشتوں کو قاصد بنانے والا ہے

اُوْلٰی اُجْنِحٰتٍ مَّثْنٰی وَّثَلٰثٍ وَّرُبَاعٍ ۗ يَزِيْدُ فِی الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی

جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پر ہیں وہ (اپنی) مخلوقات میں جو چاہتا ہے بڑھاتا ہے بیشک اللہ ہر چیز

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۗ ۙ مَا يَفْتَحُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا

پر قادر ہے۔ ا۔ اللہ جو اپنی رحمت (کا دروازہ) کھول دے تو کوئی اس کو بند کرنے والا نہیں اور جو بند کر دے

وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۗ ۙ

تو اس کے بعد کوئی اس کو کھولنے والا نہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرِ اللّٰهِ

لوگو! اللہ کے جو تم پر احسانات ہیں ان کو یاد کرو کیا اللہ کے سوا کوئی اور خالق (اور رازق) ہے

يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنۢى تُوْفِكُوْنَ ۗ ۙ

جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق دے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں بیکے پھرتے ہو؟

وَ اِنْ يُّكٰذِبُوْكَ فَقَدْ كٰذَبَتْ رُسُلٌ مِّنۢ M

اور اگر یہ لوگ تمہیں جھٹلا دیں تو تم سے پہلے بھی پیغمبر جھٹلائے گئے ہیں اور کام اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمُ

لوگو! اللہ کا وعدہ سچا ہے تو تم کو دنیا کی زندگی دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ (شیطان) فریب دینے والا تمہیں

بِاللَّهِ الْغُرُورُ ﴿۱۶۹﴾ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُوا

فریب دے شیطان تمہارا دشمن ہے تم بھی اسے دشمن ہی سمجھو وہ اپنے (پیروں کے) گروہ کو بلاتا ہے

حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴿۱۷۰﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ عَذَابٌ

تاکہ وہ دوزخ والوں میں ہوں۔ جنہوں نے کفر کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے

شَدِيدٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿۱۷۱﴾

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے

أَفَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ فَرَآهُ حَسَنًا فَإِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ

بھلا جس شخص کو اس کے اعمال بد آراستہ کر کے دکھائے جائیں اور وہ ان کو عمدہ سمجھنے لگے تو (یا وہ نیوکا آدمی جیسا ہو سکتا ہے؟)

وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ فَلَا تَذْهَبُ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسْرَاتٍ ﴿۱۷۲﴾

بیشک اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو ان لوگوں پر افسوس کر کے تمہارا دم نہ نکل جائے

إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿۱۷۳﴾ وَاللَّهُ الَّذِي أَرْسَلَ الرِّيحَ فَتُثِيرُ سَحَابًا

یہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ اس سے واقف ہے۔ اور اللہ ہی تو ہے جو ہوائیں چلاتا ہے اور وہ بادل کو بھارتی ہیں پھر ہم ان کو ایک

فَسُقْنَاهُ إِلَى بَلَدٍ مَيِّتٍ فَأَحْيَيْنَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا كَذَلِكَ النُّشُورُ ﴿۱۷۴﴾

بے جان شہر کی طرف چلاتے ہیں پھر اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتے ہیں اسی طرح مردوں کو جی اٹھانا ہوگا

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ فَلِلَّهِ الْعِزَّةُ جَمِيعًا ۗ إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ

جو شخص عزت کا طلب گار ہے تو عزت تو سب اللہ ہی کے لئے ہے اسی کی طرف پاکیزہ کلمات چڑھتے ہیں [1]

[1] اسکی تفسیر میں ایک حدیث بھی وارد ہے جو کہ ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ: قال رسول الله ﷺ يتعاقبون فيكم ملائكة بالليل وملائكة بالنهار، ويجتمعون في صلاة الفجر، وصلاة العصر، ثم يعرج الذين باتوا فيكم، فيسألهم ربهم وهو اعلم بهم، كيف تركتم عبادي؟ فيقولون: تركناهم وهم يصلون، واتيئناهم وهم يصلون۔ (متفق عليه، خ: ۵۵۵، م: ۶۳۲)۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے پاس آسمان سے فرشتے رات دن آتے رہتے ہیں، جو تمہاری اعمال لکھتے ہیں اور انہیں بارگاہ الہی میں پہنچاتے ہیں اور فجر و عصر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں، اور جو فرشتے تمہارے پاس رہتے ہیں وہ (جس وقت) آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بندوں کے احوال جاننے کے باوجود ان سے (بندوں کے احوال و اعمال) پوچھتا ہے کہ تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں چھوڑا ہے؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ پروردگار! ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا ہے، اور جب ہم ان کے پاس پہنچے تھے تو اس وقت بھی وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے۔

یہ مسئلہ چونکہ پہلے واضح ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے، اور بعض آیات کریمہ اور احادیث میں ”فی السماء“ کی جملہ مذکور ہے جیسا کہ سورہ الملک: ۱۷، اور حدیث میں بھی ہے جو کہ مسند احمد نے ۲۹۱۸۲، میں اور ابو داؤد نے ۵۸۸۸۳، کتاب الایمان و النذور میں اور امام ذہبی نے کتاب العلو: ۱۷، میں اور ابن خریمہ نے کتاب التوحید: ۱۲۳، میں ذکر کیا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایسن اللہ؟ قالت فی السماء، قال اعتقها فانها مؤمنة یعنی آپ ﷺ کا لوٹڈی سے یہ فرمانا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ لوٹڈی نے جواب دیا آسمان پر، تو آپ ﷺ نے فرمایا اسے ازاد کرو، یہ ایمان دار ہے۔ جبکہ امام مسلم نے ۷۴۲۲، کتاب الزکوٰۃ میں اور امام بخاری نے ۳۲۶۸۵، کتاب المغازی میں ابوسعید خدریؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الاتامنونى وانا امين من فى السماء، رواه مسلم عن ابى سعيد الخدرى۔ کیا تم مجھے امانت دار نہیں سمجھتے؟ حالانکہ میں اس ذات کا امین ہوں جو =

وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ وَالَّذِينَ يَمْكُرُونَ السَّيِّئَاتِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ

اور نیک عمل اس کو بلند کرتے ہیں اور جو لوگ بُرے بُرے مکر کرتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے

وَمَكْرٌ أُولَئِكَ هُوَ يُبْوَرُ ﴿۱۰﴾ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ

اور ان کا مکر نابود ہو جائے گا۔ اور اللہ ہی نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر

= آسمان پر ہے۔ ایسی روایات زیادہ ہیں لیکن ایک دیگر روایت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے جو کہ امام دارمی نے کتاب الرد علی

المریسی: ۷۵، حلیۃ الاولیاء: ۱۹۱، تاریخ بغداد: ۳۳۶/۱۰، اور ابو یعلیٰ وغیرہ نے نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لما

لقى ابراهیم فی النار قال: اللهم انک واحد فی السماء وانا واحد فی الارض عبدک. اسنادہ حسن.

جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو انہوں نے کہا اے اللہ تو آسمان پر اکیلا ہے اور میں روئے زمین

پر تیرا اکیلا عبادت گزار ہوں۔ امام ذہبی نے کتاب الاربعین: ۵۵، اور کتاب العلو: ۲۱، میں اس کی سند کو حسن

کہا ہے۔ اور مناوی نے التیسیر: ۳۰۲/۲، میں بھی۔

اس سے بعض لوگوں کو شبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے یا اسمانوں میں؟ تو اس کا جواب امام ذہبی کتاب

الاربعین میں دیتا ہے کہ: ”فی“ بہت دفعہ ”علی“ کے معنی میں استعمال ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: فسیحوا فی الارض. التوبة: ۲، یعنی علی الارض نیز دوسری جگہ ہے: فلا صلیبکم فی جذوع

النخل، طہ: ۷۱، یعنی علی جذوع النخل پھر آگے فرماتا ہے: وکل ماعلا فهو سماء، و

المراد بالسماء فی ذلک بانہ العرش اذ هو علی السماوات، یعنی ہر وہ چیز جو بلند ہو وہ سماء کہلاتی ہے،

تو یہاں سماء سے مراد عرش ہے، کیونکہ عرش اسمانوں پر ہی ہے۔ اسی طرح امام بیہقی بھی اس اعتراض کی جواب میں

لکھتا ہے: فی السماء ای فوق السماء علی العرش کما نطق الكتاب، وکما صحت الاخبار عن

النبی ﷺ، الاسماء و الصفات للبیہقی: ۵۳۲، ۵۳۷. اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے

الفتاویٰ: ۱۰۶/۵، میں بھی امام بیہقی کے قول جیسے قول کیا ہے۔

جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَمَا يُعَمِّرُ مِنْ

تم کو جوڑا جوڑا بنا دیا اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کے علم سے اور نہ کسی بڑی عمر والے کو

مُعَمَّرٍ وَلَا يُنْقِصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ

عمر دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے بیشک یہ اللہ کو

يَسِيرٌ ۗ وَاللَّهُ يَسْتَوِي الْبَحْرَانِ هَذَا عَذَبٌ فَرَاتٌ سَاءَ شَرَابُهُ

آسان ہے۔ [2] اور دونوں دریا (مل کر) یکساں نہیں ہو جاتے یہ تو میٹھا ہے پیاس بھانے والا جس کا پانی خوشگوار ہے

[2] وما ينقص من عمره میں [ہ] کی ضمیر کا مرجع جنس ہے۔ عین عمر ہی نہیں، اس لئے کہ طول عمر کتاب میں ہے

اور اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کی عمر سے کمی نہیں ہوتی، یعنی اللہ تعالیٰ جس شخص کو عمر طویل عطا فرماتے ہیں وہ پہلے ہی لوح محفوظ

میں لکھا ہوا ہے اسی طرح جس کی عمر کم رکھی جاتی ہے وہ بھی سب لوح محفوظ میں پہلے ہی درج ہے، حاصل یہ ہے کہ یہاں

عمر کا طول اور نقص فرد واحد کے متعلق مراد نہیں بلکہ کلام نوع انسانی کے متعلق ہے کہ اس کے کسی فرد کو عمر طویل دی جاتی ہے،

یعنی ضمیر جنس کی طرف بھی لوٹتی ہے۔ جیسے عرب میں کہا جاتا ہے عندی ثوب و نصفہ یعنی میرے پاس ایک کپڑا ہے

اور دوسرے کپڑے کا آدھا ہے۔ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جس شخص کے لئے میں نے طول عمر مقدر کی ہے وہ اسے پوری

کر کے ہی رہے گا۔ لیکن وہ لمبی عمر میری کتاب میں لکھی ہوئی ہے وہیں تک پہنچے گی، اور جس کے لئے میں نے کم عمر مقدر کی

ہے اس کی حیات اسی عمر تک پہنچے گی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی پہلی کتاب میں لکھی ہوئی موجود ہے اور رب پر یہ سب کچھ آسان

ہے۔ عمر کے ناقص ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو نطفہ تمام ہونے سے پہلے ہی گر جاتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے

علم میں ہوتا ہے۔ بعض انسان سو سو سال کی عمر پاتے ہیں اور بعض پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں ساٹھ سال سے کم عمر میں

مرنے والا بھی ناقص عمر والا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ماں کے پیٹ میں عمر کی لمبائی یا کمی لکھی جاتی ہے۔ ساری مخلوق کی

یکساں عمر نہیں ہوتی کوئی لمبی عمر والا کوئی کم عمر والا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے ہاں لکھا ہوا ہے اور اسی کے مطابق ظہور میں

آ رہا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہے کہ جو اجل لکھی گئی ہے اور اس میں جو گزر رہی ہے سب اللہ تعالیٰ کے علم میں

ہے اور اس کی کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: جو چاہے کہ اس کی روزی اور عمر بڑھے وہ صلہ رحمی کیا کرے۔ (ابن کثیر)۔

تو ایت کریمہ سے عمر کی زیادتی کے لئے استدلال کرنا صحیح نہیں جیسا کہ مذکورہ تفسیر سے یہ مسئلہ واضح ہوئی، جبکہ عقیدہ طحاویہ میں امام طحاوی لکھتے ہیں: (و ضرب لهم آجالا)۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی اجل مقرر فرمادی ہے۔ اس کی شرح میں ابن ابی العز: ۱۲۷/۱، فرماتا ہے کہ اللہ پاک نے مخلوق کی اجل مقرر فرمادی ہے کہ جب ان کی اجل آجائے گی تو نہ ایک ساعت تاخیر ہوگی اور نہ ایک ساعت تقدیم ہوگی، جیسا کہ سورت یونس: ۴۹، آل عمران: ۴۵، میں مذکور ہے، جبکہ صحیح مسلم میں عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے قال قالت ام حبیبة زوج النبی ﷺ اللهم امتنعنی بزوجی رسول اللہ وبابی ابی سفیان وبأخی معاویة قال فقال النبی ﷺ قد سألت الله لآجال مضروبة وإيام معدودة ورازق مقسومة، لن يعجل شيئاً قبل حله، ولو كنت سألت الله ان يعيدك من عذاب في النار وعذاب في القبر كان خيراً أو أفضل. (مسلم: رقم ۲۶۶۳) [۳۲، ۳۳] فی القدر باب بیان ان الآجال و الرزاق وغيرها لاتزيدو لاتنقص عما سبق به القدر، وفي المسند: ۱/۳۹۰، ۴۱۳، ۴۳۳، ۴۴۵، ۴۴۶. السنة لابن ابی عاصم: ۲۶۲، ۲۶۳. مصنف ابن ابی شیبة: ۱۰/۱۹۰، ۱۹۱۔

یعنی عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے اس نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ ام حبیبة نے دعا کی: اے اللہ! مجھے میرے خاوند رسول اللہ ﷺ اور والد ابوسفیان اور میرے بھائی معاویہ کا مجھے فائدہ عطاء فرما، یعنی عمر میں اضافہ کر۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: تو نے اللہ سے سوال کیا ہے کہ متعین اجل میں تاخیر ہو جائے اور جس قدر زندگی کے دن لکھے جا چکے ہیں ان میں اضافہ ہو اور جو رزق قسمت میں لکھا جا چکا ہے اس میں اضافہ ہو۔ (یاد رکھ) وقت مقرر میں تقدیم تاخیر نہیں ہو سکتی، بجائے اس کے تو اللہ سے سوال کرتی کہ وہ تجھے جہنم کے عذاب یا عذاب قبر سے بچائے تو تیرے حق میں بہتر ہوتا۔

ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم ابوالدرداء سے روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس (مضمون کا ذکر) رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمر تو اللہ کی نزدیک ایک ہی مقرر اور مقدر ہے جب مقررہ

مدت پوری ہو جاتی ہے تو کسی شخص کو ذرا بھی مہلت نہیں دی جاتی، بلکہ زیادت عمر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اولاد صالح عطا کر دیتا ہے وہ اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں، یہ شخص نہیں ہوتا ہے اور ان لوگوں کی دعائیں اس کو قبر میں ملتی رہتی ہیں یعنی مرنے کے بعد بھی ان کو وہ فائدہ پہنچتا رہتا ہے، جو خود زندہ رہنے سے حاصل ہوتا ہے، اسی طرح گویا اس کی عمر بڑھ گئی۔ اور جن احادیث میں بعض اعمال کے متعلق یہ آیا ہے کہ ان سے عمر بڑھ جاتی ہے اس سے مراد عمر کی برکت کا بڑھ جانا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ جو شخص قتل ہوتا ہے اپنی اجل کے مطابق قتل ہوتا ہے یہ اللہ کا علم اور اس کی تقدیر ہے کہ یہ انسان فلاں بیماری کے ساتھ فوت ہوگا اور فلاں قتل ہوگا اور فلاں پر عمارت گرے گی اور فلاں آگ میں جل کر مرے گا اور فلاں پانی میں ڈوب کر مرے گا۔ پس اللہ پاک نے موت، زندگی کو پیدا کیا۔ اور ان کے اسباب کو پیدا کیا۔

معتزلہ کہتے ہیں جو شخص قتل ہوا وہ اپنی اجل سے نہیں مرے گا اگر قتل نہ ہوتا تو اپنی اجل تک زندہ رہتا، گویا کہ معتزلہ کے ہاں اس کی دو اجل ہے۔ اور جو حدیث میں آتا ہے کہ صلہ رحمی اور دعا وغیرہ سے عمر بڑھتی ہے یعنی امام بخاری نے صحیح رقم: ۵۹۸۵، میں نقل کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: من احب ان يبسط في رزقه وينسى في اثره فليصل رحمه۔ اس کا معنی یہ ہے کہ یہ تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے لکھی ہے، یعنی یہ آدمی یہ کام کرے گا اور اس کا عمر اتنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے امام احمد سے منقول ہے کہ وہ مکروہ جانتے تھے کہ کوئی شخص ان کے لئے درازی عمر کی دعا کرے، وہ فرمایا کرتے تھے یہ ایسا کام ہے جس سے فارغ ہوا چا چکا ہے۔

پھر آگے فرماتا ہے کہ آیت مذکورہ میں من عمرہ کی ضمیر ان کے اس قول عندی درهم ونصفہ کے موافق ہے، اور درہم اور دوسرا نصف درہم مراد ہے اسی طرح آیت میں، عمرہ، کی ضمیر کی مرجع دوسرا عمر ہے۔ بعض کہتے ہیں اس سے مراد وہ زیادتی اور کمی ہے جو صحیفوں میں ہے، جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہے۔ جیسا کہ سورت رعد: ۳۸، ۳۹، میں ہے وہ آیت اس بات پر دلالت کر رہی ہے، کہ محو اور اثبات صحیفوں سے ہیں، جو فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں، اور ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ بعض کہتے ہیں اللہ پاک جن شرائع کو منسوخ کرنا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جن شرائع کو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے آیت کی اول اس معنی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس میں دیگر اقوال بھی ہیں واللہ اعلم بالصواب۔ مختصر از شرح عقیدۃ الطحاویۃ۔

وَهَذَا مِلْحٌ أُجَاجٌ ۖ وَمِنْ كُلِّ تَاكُلُونَ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُونَ حَلِيَّةً

اور یہ کھاری ہے کڑوا اور سب سے تم تازہ گوشت کھاتے ہو اور زیور نکالتے ہو جسے پہنتے ہو

تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ فِيهِ مَوَآخِرَ لَتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلِعَلَّكُمْ

اور تم دریا میں کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ (پانی کو) پھاڑتی چلی آتی ہیں تاکہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو

تَشْكُرُونَ ۝۱۳۱ ۝ يُؤَلِّجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَسَخَّرَ

اور تاکہ شکر کرو۔ وہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ

اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے ہر ایک ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے [3]

لَهُ الْمُلْكُ ۖ وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِنْ قِطْمِيرٍ ۝۱۳۲ ۝

اسی کی بادشاہی ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی کٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو مالک نہیں

إِنْ تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا دُعَاءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوا مَا اسْتَجَابُوا لَكُمْ

اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں

[3] "ذَلِكُمْ" میں "ذَلِكْ" اشارہ حسیہ کے لئے وضع کیا گیا ہے، اور اس میں حقیقت یہ ہے کہ اس کا مشار الیہ خارج

میں محسوس اور موجود ہو، اور "ذَلِكْ" کے ساتھ اشارہ ذہنیہ کرنا مجاز ہے، عارف جامی لکھتے ہیں: اسماء الاشارة

ماوضع لمشار الیہ اشارة حسية بالجوارح والاعضاء لان الاشارة عند اطلاقها حقيقة فى الاشارة

الحسية فلا یرد ضمیر الغائب وامثاله فانها للاشارة الى معانيها اشارة ذهنية لاحسية ومثل "ذَلِكُمْ

اللہ ربکم" ممالیست الاشارة الیہ حسية محمول علی التجوز۔

اسماء اشارة کو مشار الیہ کی طرف ظاہری اعضاء سے اشارہ حسیہ کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے کیونکہ جب

مطلقاً اشارہ کیا جائے تو وہ اشارہ حسیہ میں حقیقت ہے، اور ضمیر غائب سے اعتراض نہ کیا جائے کیونکہ ان کے ساتھ ان کے معانی کی طرف اشارہ ذہنیہ کیا جاتا ہے نہ کہ حسیہ اور ”ذکرکم اللہ ربکم“ میں جو اشارہ حسیہ نہیں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مجاز پر محمول ہے (مجاز کا قرینہ یہ ہے کہ چونکہ ہر چیز اللہ کے وجود اور اس کی ذات پر دلالت کرتی ہے تو شدت و وضوح کی وجہ سے اس کو بمنزلہ محسوس نازل کر دیا گیا۔ شرح جامی: ۲۳۲۔

اس تحقیق سے قبر کے سوال میں رسول ﷺ کی طرف اشارہ کرنا بھی واضح ہوا، جو کہ حدیث میں ہے کہ فرشتے سوال میں یہ کہیں گے، ما کنت تقول فی هذا الرجل؟ بخاری، رقم: ۱۲۵۲۔

علامہ سیوطی لکھتے ہیں: حافظ ابن حجر سے سوال کیا گیا کہ کیا میت کے لئے کشف کر دیا جائے گا کہ وہ نبی ﷺ کو دیکھ لے؟ تو حافظ ابن حجر نے یہ جواب دیا کہ: کسی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ میت کے لئے کشف کیا جائے گا، البتہ بعض غیر مستند علماء نے بغیر کسی شرعی دلیل کے یہ دعویٰ کیا ہے، اور حدیث میں وارد ہے: ”اس شخص“ اس سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ اشارہ کا یہ تقاضا ہے کہ میت کے لئے آپ کو منکشف کر کے آپ کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا جائے کہ تم ان کے متعلق کیا کہتے تھے؟ لیکن یہ دلیل نہیں ہے کیونکہ میت کے ذہن میں جو نبی ﷺ کا تصور موجود ہے یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔ شرح الصدور: ۶۰۔

ملا علی قاری اس بحث میں لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل اور امام طبرانی کی روایت میں ہے: ”تم اس شخص کے متعلق کیا کہتے تھے؟“ علامہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ اشارہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ رسول ﷺ اور میت کے درمیان جو حجابات ہیں ان کو اٹھا دیا جائے حتیٰ کہ وہ آپ کو دیکھ لے، اور اس سے آپ کے متعلق سوال کیا جائے، کیونکہ اس قسم کی چیز احتمال سے ثابت نہیں ہوتی، علاوہ ازیں یہ امتحان کا موقع ہے اور آپ کی شخصیت کریمہ کو نہ دیکھنا امتحان کے زیادہ قریب اور مناسب ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ اگر یہ بات صحیح ہو تو یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی زیارت بعض مومنین کے لئے مفید ہو، اور بعض کفار کے لئے مفید نہ ہو، اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ قبر میں صرف ان کو آپ کی زیارت کرائی جائے گی جنہوں نے دنیا میں آپ کی زیارت کی تھی اور جو آپ کے شخصیت مبارکہ کے دیدار سے مشرف ہوئے تھے۔ مرقات: ۱۹۹/۱۔

شیخ عبدالحق لکھتے ہیں: لفظ ”ہذا“ کے ساتھ جو رسول کریم ﷺ کی طرف اشارہ ہے یہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ آپ کی رسالت مشہور ہے اور آپ کا تصور ہمارے ذہنوں میں حاضر ہے، یا قبر میں آپ کی ذات حاضر کی جائے گی =

وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيرٍ ﴿١٢١﴾

اور قیامت کے دن تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور (اللہ) باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دے گا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿١٢٢﴾

لوگو! تم (سب) اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے پرواہ سزا وار حمد (و ثنا) ہے

يَسْأَلُكُمْ وَيَأْتِ بِخَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿١٢٣﴾ مَا ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ بِعَزِيزٍ ﴿١٢٤﴾

اگر چاہے تو تم کو نابود کر دے اور نئی مخلوقات لا آباد کرے اور یہ اللہ کو کچھ مشکل نہیں

وَلَا تَأْتِيهِ زُرٌّ وَازِرَةٌ وَزُرٌّ آخِرَىٰ وَإِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ إِلَىٰ حِمْلِهَا

اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور کوئی بوجھ میں دبا ہوا اپنا بوجھ بٹانے کو کسی کو بلائے

لَا يُحْمَلُ مِنْهُ شَيْءٌ وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۗ إِنَّمَا تُنذِرُ الَّذِينَ

تو کوئی اس میں سے کچھ نہ اٹھائے گا اگرچہ قربت دار ہی ہو (اے پیغمبر!) تم انہی لوگوں کو نصیحت کر سکتے ہو جو جن دیکھے

=، بایں طور کہ رسول ﷺ کی ایک مثال لائی جائے گی، تاکہ آپ کے جان افزا جمال کے مشاہدہ سے اس سوال کی مشکل حل ہو جائے اور جو مسلمان آپ کے فراق کی ظلمت میں گرفتار تھے، آپ کی ملاقات کے نور سے ان کا دل روشن اور شاد ہو جائے۔

اس حدیث میں آپ کے عشاق پریشاں کو یہ نوید اور بشارت ہے کہ اگر رسول ﷺ کی زیارت کے شوق میں کوئی عاشق زار راہ الہی میں جان دیدے تو یہ عین مقصود ہے، اگر آپ کے رخ انور کے دیدار کی نعمت مل جائے تو ایک موت تو کیا ہزار موتیں بھی آجائیں تو کیا غم ہے۔ ایضاً الممعات: ۱۱۵۱۔

عبدالعزیز پر ہاروی لکھتے ہیں: یہ اشارہ یا تو اس وجہ سے ہے کہ نبی ﷺ ذہنوں میں حاضر ہیں اور یا اس وجہ سے ہے کہ آپ کی صورت میت پر منکشف کر دی جائے گی، پہلا احتمال شیخ الاسلام ابن حجر کا مختار ہے۔ شیخ محی الدین صاحب فتوحات نے کہا ہے کہ وصف رسالت کے بغیر صرف یہ کہنا کہ تم اس شخص کو کیا کہتے تھے، شدید امتحان ہے۔ النمبر اس: ۳۱۹۔

يَخْشَوْنَ رَبَّهُم بِالْغَيْبِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَمَنْ تَزَكَّى فَإِنَّمَا يَتَزَكَّى لِنَفْسِهِ

اپنے پروردگار سے ڈرتے اور نماز بالالتزام پڑھتے ہیں اور جو شخص پاک ہوتا ہے اپنے ہی لئے پاک ہوتا ہے

وَالِى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿١٨﴾ مَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ﴿١٩﴾

اور (سب کو) اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں

وَلَا الظُّلْمُتُّ وَلَا النُّورُ ﴿٢٠﴾ وَلَا الظُّلُّ وَلَا الْحَرُورُ ﴿٢١﴾

اور نہ اندھیرا اور روشنی، اور نہ سایہ اور دھوپ

وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ، إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ

اور نہ زندے اور مردے برابر ہو سکتے ہیں اللہ جس کو چاہتا ہے سنا دیتا ہے

وَمَا أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ ﴿٢٢﴾ إِنَّ أَنْتَ إِلَّا نَذِيرٌ ﴿٢٣﴾

اور تم ان کو جو قبروں میں مدفون ہیں نہیں سنا سکتے۔ تم تو صرف ہدایت کرنے والے ہو

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَإِنْ مِنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ

ہم نے تم کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بھیجا ہے اور کوئی امت نہیں مگر اس میں ہدایت کرنے والا گزر چکا ہے

﴿٢٤﴾ وَإِنْ يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور اگر یہ تمہاری تکذیب کریں تو جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی تکذیب کر چکے ہیں ان کے پاس ان کے پیغمبر

بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَبِالْكِتَابِ الْمُنِيرِ ﴿٢٥﴾ أَخَذْتُ الَّذِينَ كَفَرُوا

نشانیوں اور صحیفے اور روشن کتابیں لے کر آتے رہے۔ پھر میں نے کافروں کو پکڑ لیا سو

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ ﴿٢٦﴾ تَرَأَىٰ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

(دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیا ہوا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے مینہ برسایا

فَاخْرَجْنَا بِهِ ثَمَرَاتٍ مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهَا وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌ بِيضٌ

تو ہم نے اس سے طرح طرح کے رنگوں کے میوے پیدا کئے اور پہاڑوں میں سفید

وَحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَانُهَا وَغَرَابِيبُ سُودٌ ﴿۱۷۰﴾ وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَّآبِّ

اور سرخ رنگوں کے قطعات ہیں اور (بعض) کالے سیاہ ہیں۔ انسانوں اور جانوروں اور چارپایوں کے

وَالْأَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ كَذَلِكَ ۗ إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ ۗ

بھی کئی طرح کے رنگ ہیں اللہ سے تو اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غَفُورٌ ﴿۱۷۱﴾ ۗ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ

بیشک اللہ غالب (اور) بخشنے والا ہے۔ جو لوگ اللہ کی کتاب پڑھتے اور نماز کی پابندی کرتے ہیں

وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورَ ﴿۱۷۲﴾

اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے ہیں وہ اس تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی تباہ نہیں ہوگی

لِيُوفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۱۷۳﴾

کیونکہ اللہ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی دے گا وہ تو بخشنے والا (اور) قدر دان ہے

وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ

اور یہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف بھیجی ہے برحق ہے اور ان (کتابوں) کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے کی ہیں

إِنَّ اللَّهَ بِعِبَادِهِ لَخَبِيرٌ بَصِيرٌ ﴿۱۷۴﴾ ۗ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا

بیشک اللہ اپنے بندوں سے خبردار (اور ان کو) دیکھنے والا ہے۔ پھر ہم نے ان لوگوں کو کتاب کا وارث ٹھہرایا جن کو اپنے

مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ

بندوں میں سے برگزیدہ کیا تو کچھ تو ان میں سے اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں اور کچھ میانہ رو ہیں اور کچھ اللہ کے حکم سے

بِإِذْنِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿۳۳﴾ جَنَّتْ عَدْنٌ يَدْخُلُونَهَا

تیکوں میں آگے نکل جانے والے ہیں یہی بڑا فضل ہے۔ بہشت جاودانی (ہیں) جن میں وہ داخل ہوں گے

يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿۳۴﴾

وہاں ان کو سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے اور ان کی پوشاک ریشمی ہوگی

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزْنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ ﴿۳۵﴾

وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا بیشک ہمارا پروردگار بخشنے والا (اور) قدر دان ہے

الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا

جس نے ہم کو اپنے فضل سے ہمیشہ کے رہنے کے گھر میں اتارا یہاں نہ تو ہم کو رنج پہنچے گا اور نہ ہمیں

فِيهَا لُغُوبٌ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضَىٰ عَلَيْهِمْ

تکان ہی ہوگی۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے دوزخ کی آگ ہے

فَيَمُوتُوا وَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِنْ عَذَابِهَا كَذَلِكَ نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ ﴿۳۷﴾

نہ انہیں موت آئے گی کہ مر جائیں اور نہ ان کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا ہم ہر ایک ناشکرے کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں

وَهُمْ يَصْطَرِحُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ

وہ اس میں چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو نکال لے (اب) ہم نیک عمل کیا کریں گے نہ وہ جو کرتے تھے

أَوَلَمْ نَعْمَرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَكُمْ النَّذِيرُ ۖ

کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی کہ اس میں جو سوچنا چاہتا سوچ لیتا اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی آیا

فَذُوقُوا فَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ نَصِيرٍ ﴿۳۸﴾ اللَّهُ عَالِمُ غَيْبِ السَّمَاوَاتِ

تو اب مزے چکھو ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ بیشک اللہ ہی آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے

وَالْأَرْضِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۰۸﴾ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي

وہ تو دل کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔ وہی تو ہے جس نے تم کو زمین میں (پہلوں کا) جانشین بنایا

الْأَرْضِ فَمَنْ كَفَرَ فَعَلَيْهِ كُفْرُهُ وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ

تو جس نے کفر کیا اس کے کفر کا ضرر اسی کو ہے اور کافروں کے حق میں ان کے کفر سے پروردگار کے ہاں ناخوشی ہی بڑھتی ہے

إِلَّا مَقْتًا وَلَا يَزِيدُ الْكَافِرِينَ كُفْرُهُمْ إِلَّا خَسَارًا ﴿۱۰۹﴾ أَرَأَيْتُمْ شُرَكَاءَ

اور کافروں کو ان کا کفر نقصان ہی زیادہ کرتا ہے۔ بھلا تم نے اپنے شریکوں کو دیکھا

كُمُ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ

جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے دکھاؤ کہ انہوں نے زمین سے کوئی چیز پیدا کی ہے

أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَوَاتِ أَمْ آتَيْنَهُمْ كِتَابًا فَهُمْ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْهُ

یا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے یا ہم نے ان کو کتاب دی ہے تو وہ اس کی سندر رکھتے ہے (ان میں سے کوئی بات بھی نہیں)

بَلْ إِنْ يَعِدُّ الظَّالِمُونَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا إِلَّا غُرُورًا ﴿۱۱۰﴾ إِنَّ اللَّهَ يُمْسِكُ

بلکہ ظالم جو ایک دوسرے کو وعدہ دیتے ہیں محض فریب ہے۔ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کو تھامے رکھتا ہے

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْ تَزُولَا وَلَئِن زَالَتَا إِنْ أُمْسَكَهُمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ

کہ ٹل نہ جائیں اگر وہ بل جائیں تو اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو ان کو تھام سکے

بَعْدِهِ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۱۱۱﴾ أَرَأَيْتُمْ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ

بیشک وہ بُردبار (اور) بخشنے والا ہے۔ اور یہ اللہ کی سخت قسمیں کھاتے ہیں

لَئِنْ جَاءَهُمْ نَذِيرٌ لَّيَكُونُنَّ أَهْدَىٰ مِنْ إِحْدَى الْأُمَمِ فَلَمَّا

کہ اگر ان کے پاس کوئی ہدایت کرنے والا آئے تو یہ ہر ایک امت سے بڑھ کر ہدایت پر ہوں مگر جب ان کے پاس

جَاءَهُمْ نَذِيرٌ مَّا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿٢٢٢﴾ ﴿٢٢١﴾ سَتَكْبَارًا فِي الْأَرْضِ

ہدایت کرنے والا آیا تو اس سے ان کو نفرت ہی بڑھی۔ یعنی (انہوں نے) ملک میں غرور کرنا

وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۖ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا

اور بُری چال چلنا (اختیار کیا) اور بُری چال کا وبال اس کے چلنے والے ہی پر پڑتا ہے یہ اگلے لوگوں کی روش کے سوا

سُنَّتِ الْأَوَّلِينَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ

اور کسی چیز کے منتظر نہیں سو تم اللہ کی عادت میں ہرگز تبدل نہ پاؤ گے اور اللہ کے طریقے میں کبھی

تَحْوِيلًا ﴿٢٢٣﴾ ﴿٢٢٢﴾ لَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تغیر نہ دیکھو گے۔ کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا ہوا

الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعْجِزَهُ مِنْ شَيْءٍ

حالانکہ وہ ان سے قوت میں بہت زیادہ تھے اور اللہ ایسا نہیں کہ آسمانوں اور زمین میں کوئی چیز

فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ عَلِيمًا قَدِيرًا ﴿٢٢٤﴾ ﴿٢٢٣﴾ لَوْ يُوَاحِدُ

اس کو عاجز کر سکے وہ علم والا (اور) قدرت والا ہے۔ اور اگر اللہ لوگوں کو ان کے اعمال کے سبب

اللَّهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوا مَا تَرَكَ عَلَى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ

پکڑنے لگتا تو روئے زمین پر ایک چلنے پھرنے والے کو نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک وقت مقرر تک مہلت دینے جاتا ہے

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِعِبَادِهِ بَصِيرًا ﴿٢٢٥﴾ ﴿٢٢٤﴾

سو جب ان کا وقت آجائے گا تو (ان کے اعمال کا بدلہ دے گا) اللہ تو اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے

سورۃ یس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

یس ﴿۱﴾ وَالْقُرْآنِ الْحَكِيمِ ﴿۲﴾ إِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳﴾
یس۔ قسم ہے قرآن کی جو حکمت سے بھرا ہوا ہے۔ (اے محمد ﷺ!) بیشک تم پیغمبروں میں سے ہو
عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴﴾ تَنْزِيلَ الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ ﴿۵﴾
سیدھے رستے پر۔ (یہ اللہ) غالب (اور) مہربان نے نازل کیا ہے
لَتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أُنذِرَ آبَاؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُونَ ﴿۶﴾
تاکہ ان لوگوں کو جن کے باپ دادا کو متنبہ نہیں کیا گیا تھا متنبہ کر دے وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں [1]

[1] انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”ان لكل شىء قلبا وقلب القرآن يس“
یعنی ہر چیز کا دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل یس ہے اور اس حدیث کے بعض الفاظ میں ہے کہ جو شخص سورہ یس کو خالص اللہ
اور آخرت کے لئے پڑھتا ہے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اس کو اپنے مردوں پر پڑھا کرو (ترمذی: ۲۸۸)۔ یعنی قرآن
کے علوم و معارف خلاصہ اور اس کا حاصل سورہ یس ہے باین طور کہ اس سورہ میں قیامت کے احوال اور قرآن کے
مقاصد اعلیٰ مذکور ہیں،

امام غزالی نے فرمایا کہ سورہ یس کو قلب القرآن فرمانے کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اس سورہ میں قیامت اور حشر و نشر
کے مضامین خاص تفصیل اور بلاغت کے ساتھ آئے ہیں اور اصول ایمان میں سے عقیدہ آخرت وہ چیز ہے جس پر انسان
کے اعمال کی صحت موقوف ہے، خوف آخرت ہی انسان کو عمل صالح کے لئے مستعد کرتا ہے اور وہی اس کو ناجائز خواہشات
اور حرام سے روکتا ہے، تو جس طرح بدن کی صحت قلب کی صحت پر موقوف ہے اسی طرح ایمان کی صحت فکر آخرت پر موقوف

ہے (روح) اور اس سورۃ کا نام جیسا سورۃ یس معروف ہے اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ اس سورۃ کا نام عظیمہ بھی آیا ہے (ابونصر الحجزی عن عائشہؓ) اور ایک حدیث میں ہے کہ اس سورۃ کا نام تورات میں مُعَمَّہ آیا ہے، یعنی اپنے پڑھنے والے کے لئے دنیا و آخرت کی خیرات و برکات عام کرنے والی اور اس کے پڑھنے والے کا نام شریف آیا ہے اور فرمایا کہ قیامت کے روز اس کی شفاعت قبیلہ ربیعہ کے لوگوں سے زیادہ کے لئے قبول ہوگی (سعید بن منصور و البیهقی عن حسان بن عطیہ) اور بعض روایات میں اس کا نام مدافعہ بھی آیا ہے یعنی اپنے پڑھنے والے سے بلاؤں کو دفع کرنے والی اور بعض میں اس کا نام قاضیہ بھی مذکور ہے، یعنی حاجات کو پورا کرنے والی (روح)۔

اور ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ جس مرنے والے کے پاس سورۃ یس پڑھی جائے تو اس کی موت کے وقت آسانی ہو جاتی ہے (مظہری) اور عبد اللہ بن زبیرؓ نے فرمایا کہ جو شخص سورۃ یس کو اپنی حاجت کے آگے کر دے تو اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے (مظہری)۔ اور یحییٰ بن کثیرؓ نے فرمایا کہ جو شخص صبح کو سورۃ یس پڑھے وہ شام تک خوشی میں رہے گا، اور فرمایا کہ مجھے یہ بات ایسے شخص نے بتلائی ہے جس نے اس کا تجربہ کیا ہے۔ ابن الصریس۔

یس، اس لفظ کے متعلق مشہور قول یہ ہے کہ حروف مقطعات میں سے ہے، جن کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے عام بندوں کو نہیں دیا اور ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ امام مالکؒ نے فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں سے ایک نام ہے اور ابن عباسؓ سے بھی ایک روایت یہی ہے کہ اسماء الہیہ میں سے ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں: اے انسان! اور مرد انسان سے نبی کریم ﷺ ہیں، اور ابن جبیرؒ کے کلام سے یہ مستفاد ہے کہ لفظ یس نبی کریم ﷺ کا نام ہے، روح المعانی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا نام ان دو عظیم الشان حروفوں سے رکھنا، یعنی یا اور سین اس میں بڑے راز ہیں۔

امام مالکؒ نے اس کو اس لئے پسند نہیں کیا کہ ان کے نزدیک یہ اسماء الہیہ میں سے ہے اور اس کے صحیح معنی معلوم نہیں اس لئے ممکن ہے کہ کوئی ایسے معنی ہوں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں جیسے خالق، رازق وغیرہ، البتہ اس لفظ کو یاسین کے رسم الخط سے لکھا جائے تو یہ کسی انسان کا نام رکھنا جائز ہے، کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے: ﴿سلام علی ال یاسین﴾ (صافات: ۱۳۰) (ابن عربی) آیت مذکورہ کی معروف قرأت الیاسین ہے مگر بعض قرأتوں میں ال یاسین بھی آیا ہے۔

لَقَدْ حَقَّ الْقَوْلُ عَلَىٰ أَكْثَرِهِمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۷﴾

ان میں سے اکثر پر (اللہ کی) بات پوری ہو چکی ہے سو وہ ایمان نہیں لائیں گے

إِنَّا جَعَلْنَا فِي أَعْنَاقِهِمْ أَغْلًا فَبِهِيَ إِلَى الْأَذْقَانِ فَهُمْ مُّقْمَحُونَ ﴿۸﴾

ہم نے ان کی گردنوں میں طوق ڈال رکھے ہیں اور وہ ٹھوڑیوں تک تو ان کے اوپر کوالٹ گئے ہیں

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا

اور ہم نے ان کے آگے بھی دیوار بنا دی ہے اور ان کے پیچھے بھی پھر ان پر پردہ ڈال دیا تو یہ

يُبْصِرُونَ ﴿۹﴾ وَسَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾

دیکھ نہیں سکتے۔ اور تم ان کو نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذُّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ الْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ

تم تو صرف اس شخص کو نصیحت کر سکتے ہو جو نصیحت کی پیروی کرے اور اللہ سے غائبانہ ڈرے سو اس کو مغفرت اور بڑے ثواب

وَأَجْرٍ كَرِيمٍ ﴿۱۱﴾ إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا

کی بشارت سنا دو۔ بیشک ہم مردوں کو زندہ کریں گے اور جو کچھ وہ آگے بھیج چکے

وَأَثَارَهُمْ وَكُلِّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ فِي إِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿۱۲﴾ وَأَضْرِبْ لَهُمْ

اور ان کے نشان پیچھے رہ گئے ہم ان کو قلمبند کر لیتے ہیں اور ہر چیز کو ہم نے کتابِ روشن میں لکھ رکھا ہے۔ اور ان کا وزن

مَثَلًا أَصْحَابَ الْقَرْيَةِ إِذْ جَاءَهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۱۳﴾ أَرْسَلْنَا إِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ

والوں کا قصہ بیان کرو جب ان کے پاس پیغمبر آئے۔ [2] (یعنی) جب ہم نے ان کی طرف دو (پیغمبر) بھیجے

[2] "واضرب لهم" یہ تخویف دنیوی ہے اصحاب القریہ (بستی والوں) کا قصہ بیان کر کے اہل مکہ کو متنبہ

کرنا مقصود ہے کہ انہوں نے ہمارے رسول کو جھٹلایا، تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا، لیکن ان کے مزعومہ سفارشیوں میں سے کسی نے بھی ان کو اللہ کے گرفت سے نہ چھڑایا۔

”اذ جاءها المرسلون“ القریہ سے اکثر مفسرین کے نزدیک شہر انا کیہ مراد ہے اور المرسلون سے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے پرستادہ مبلغ مراد ہیں (یعنی یحییٰ، یونس اور شمعون۔ کمانی التفاسیر)۔ لیکن بعض ائمہ تفسیر کو اس پر اشکال ہے کہ قریہ سے انا کیہ اور مرسلین سے رسل عیسیٰ علیہ السلام مراد ہوں چنانچہ مفسر ابن کثیر نے اس پر نہایت محققانہ گفتگو کی ہے: وقد استشكل بعض الائمة كونها انطاكية بما سند ذكره بعد تمام القصة ان شاء الله تعالى۔ ابن کثیر نے آگے چل کر اس پر چار اشکال وارد کئے ہیں:

اول نظم قرآن کے الفاظ کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے کہ یہ تینوں رسول، اللہ ﷺ کے رسول تھے عیسیٰ علیہ السلام کے پرستادہ نہ تھے اگر وہ مسیح علیہ السلام کے حواری ہوتے تو نظم قرآن میں ان کے رسل عیسیٰ ہونے کی طرف کچھ اشارہ ہوتا۔ ان ظاہر القصة يدل على ان هؤلاء كانوا رسل الله عز وجل لا من جهة المسيح عليه السلام كما قال تعالى: اذا ارسلنا اليهم اثنين فكذبوهما فعززنا بثالث فقالوا انا اليكم مرسلون ﴿۱۴﴾ الى ان قالوا ربنا يعلم انا اليكم لمرسلون ﴿۱۵﴾ ما علينا الا البلاغ المبين ﴿۱۶﴾ لو كانوا هؤلاء من الحواريين لقالوا عبارة تناسب انهم من عند المسيح عليه السلام.

دوم اگر وہ مسیح علیہ السلام کی طرف سے ہوتے تو مشرکین ان پر یہ اعتراض نہ کرتے کہ تم ہماری طرح بشر ہو کیونکہ بشریت کو وہ رسالت اور نبوت کی منافی سمجھتے تھے۔ ثم لو كانوا رسل المسيح لما قالوا لهم ”ما انتم الا بشرٌ مثلنا“ ایضا.

سوم اہل انا کیہ جن کے پاس مسیح علیہ السلام نے اپنے حواری بھیجے تھے وہ سب کے سب ایمان لے آئے تھے اور اللہ کے عذاب سے محفوظ رہے لیکن جن اہل قریہ کا یہاں ذکر ہے انہوں نے رسولوں کی تکذیب کی اور عذاب الہی سے ہلاک ہوئے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ یہ قصہ اہل انا کیہ اور رسل مسیح علیہ السلام سے متعلق نہیں۔ فاذا تقرران انطاكية اول مدينة آمنت فاهل هذه القرية ذكر الله تعالى انهم كذبوا رسله وانهم اهلكهم بصيحة واحدة احمدهم، والله اعلم۔

چہارم اہل انا کیہ اور رسل عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ لاجل حال نزول تورات کے بعد پیش آیا تھا اور نزول تورات

کے بعد اللہ تعالیٰ نے کسی پوری کی پوری قوم کو ہلاک نہیں فرمایا بلکہ مومنین کو مشرکین سے جہاد کرنے کا حکم دیا۔ اس سے بھی واضح ہو گیا کہ یہ قصہ اہل انطاکیہ اور حواریین سے متعلق نہیں۔ ان قصہ انطاکیہ من الحواریین اصحاب المسیح بعد نزول التورات وقد ذکر ابو سعید الخدریؓ وغیر واحد من السلف ان اللہ تبارک وتعالیٰ بعد انزالہ التورات لم یهلك امة من الامم الی آخرهم بعذاب بیثہ علیہم (ابن جریر بسندہ) بل امر المؤمنین بعد ذالک بقتال المشرکین، ذکر وہ عند قوله تعالیٰ ﴿ولقد اتینا موسیٰ الكتاب من بعد ما اهلکنا القرون الاولى﴾ قصص: ۴۳۔

پھر آگے لکھتے ہیں: واما الحدیث الذی رواه الحافظ ابو القاسم الطبرانی، حدثنا الحسين بن اسحاق التستری، حدثنا الحسين بن ابی السری العسقلانی، حدثنا حسین الاشقر حدثنا ابن عیینہ عن ابی نجیح عن مجاهد عن ابن عباس عن النبی ﷺ قال: السبق ثلاثة فالسابق الی موسیٰ یوشع بن نون والسابق الی عیسیٰ صاحب یس، والسابق الی محمد ﷺ علی بن ابی طالب، فانه حدیث منکر لا یعرف الا من طریق حسین الاشقر وهو شیعی متروک۔ الطبرانی فی الکبیر: ۱۰۹۸۸۔

یعنی یہ بھی یاد رہے کہ طبرانی کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ دنیا میں تین ہی شخص سبقت کرنے میں سب سے آگے نکل گئے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والے یوشع تھے، عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کرنے والے صاحب یس تھے، اور محمد ﷺ کی خدمت میں آگے بڑھنے والے علیؑ تھے، یہ حدیث بالکل منکر ہے صرف حسین اشقر اسے روایت کرتا ہے، اور وہ شیعہ اور متروک ہے۔

ان وجوہات سے واضح ہوا کہ جس قریہ (بستی) کا ان اتنوں میں ذکر ہے وہ انطاکیہ کی علاوہ کوئی اور بستی ہے اور المرسلین سے رسل اللہ مراد ہیں نہ کہ رسل مسیح علیہ السلام فعلیٰ هذا یتعین ان هذه القرية المذكورة فی القرآن قرية اخرى غیر انطاکیہ کما حقق ذلک غیر واحد من السلف، ابن کثیر۔

جناب شیخ حسین علی کی تحقیق بھی بعینہ یہی ہے اور ان رسولوں کی اسماء گرامی یہ ہیں: صادق، صدوق، اور شلوم علیہم السلام جیسا کہ ابن عباسؓ، کعب الاحبار اور وہب بن منبہ سے منقول ہے، امام طبری نے بھی یہی نام لکھے ہیں (قرطبی ابن کثیر وغیرہ) قیل رسل من اللہ علی الابتداء (قرطبی) اگر مفسرین سلف کی عبارتوں میں کہی اس قریہ کا نام انطاکیہ وارد ہوا ہے تو بشرط صحت روایت ہو سکتا ہے کہ اس قریہ کا نام بھی انطاکیہ ہی ہو۔ لیکن لاجلالت یہ وہ انطاکیہ نہیں جس =

فَكَذَّبُوهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ فَقَالُوا إِنَّا إِلَيْكُمْ مُرْسَلُونَ ﴿۱۳﴾ قَالُوا مَا آتَاكُمْ

تو انہوں نے ان کو جھٹلایا پھر ہم نے تیسرے سے تقویت دی تو انہوں نے کہا کہ ہم تمہاری طرف پیغمبر ہو کر آئے ہیں۔ وہ بولے کہ تم

إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَمَا أَنْزَلَ الرَّحْمَنُ مِنْ شَيْءٍ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَكْذِبُونَ ﴿۱۴﴾

(اور کچھ) نہیں مگر ہماری طرح کے آدمی (ہو) اور اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی تم محض جھوٹ بولتے ہو

قَالُوا رَبُّنَا يَعْلَمُ إِنَّا إِلَيْكُمْ لَمُرْسَلُونَ ﴿۱۴﴾ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ ﴿۱۵﴾

انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار جانتا ہے کہ ہم تمہاری طرف بھیجے گئے ہیں۔ اور ہمارے ذمے تو صاف صاف پہنچا دینا ہے

قَالُوا إِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجُمَنَّكُمْ وَلَيَمَسَّنَّكُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ

وہ بولے کہ ہم تم کو نامبارک سمجھتے ہیں اگر تم باز نہ آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے اور تم کو ہم سے دکھ دینے والا عذاب پہنچے گا

﴿۱۸﴾ قَالُوا طَائِرُكُمْ مَعَكُمْ أَئِنْ ذُكِّرْتُمْ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿۱۹﴾

انہوں نے کہا کہ تمہاری نحوست تمہارے ساتھ ہے کیا اس لئے کہ تم کو نصیحت کی گئی؟ بلکہ تم ایسے لوگ ہو جو حد سے تجاوز کر گئے ہو

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَى الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَّسْعَى قَالَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِينَ

اور شہر کے پرلے کنارے سے ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا کہنے لگا کہ اے میری قوم! پیغمبروں کے پیچھے چلو [3]

= میں مسیح علیہ السلام نے اپنے حواری بھیجے تھے، کیونکہ اس انطاکیہ پر اللہ کا عذاب کبھی نہیں آیا۔ مسیح علیہ السلام کے زمانے

میں اور نہ اس سے پہلے۔ اور تھوڑے دنوں میں انطاکیہ ان کا لفظ محفوظی یہی ہے کہ القصة مدينة اخرى غير هذه

المشهوره المعروفة فان هذه لم يعرف انها اهلكت لافى الملة النصرانية ولا قبل ذلك، والله

سبحانه وتعالى اعلم (ابن کثیر)۔

[3] پہلی آیت میں اس مقام کو جس میں یہ قصہ پیش آیا لفظ ”قریہ“ سے تعبیر کیا گیا، جو عربی زبان کے اعتبار سے

صرف چھوٹے گاؤں کو نہیں بلکہ مطلقاً بستی کو کہتے ہیں، چھوٹی بستی ہو یا بڑا شہر، اور اس آیت میں اس مقام کو لفظ مدینہ سے تعبیر

کیا، جو صرف بڑے شہر ہی کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جس بستی میں یہ واقعہ ہوا ہے وہ کوئی بڑا شہر تھا، اس سے بھی اُس قول کی تائید ہوتی ہے جس میں اس کو لفظ کیہ قرار دیا ہے،

”اقصى المدينة“ سے مراد شہر کے کسی گوشہ سے آنا ہے، راجل یسعی، لفظ یسعی، سعی سے ماخوذ ہے جس کے لغوی معنی دوڑ کر چلنے کے ہیں، اس لئے معنی یہ ہوئے کہ شہر کے کسی دور گوشہ سے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اور کبھی لفظ سعی اہتمام کے ساتھ چلنے کے معنی میں بھی آتا ہے چاہے دوڑ کر نہ چلے، جیسے سورہ جمعہ میں ”فاسعوا الیٰ ذکر اللہ“ میں یہی معنی مراد ہیں۔

قرآن کریم نے اس شخص کو بھی مبہم رکھا ہے اس کا نام اور حال ذکر نہیں فرمایا، تاریخی روایات میں ابن اہلق نے ابن عباسؓ، کعب احبارؓ اور وہب بن منبہ کے حوالے سے نقل یہ کیا ہے کہ اس شخص کا نام حبیب تھا، اس کے پیشہ کے متعلق مختلف اقوال ہیں، ان میں مشہور یہ ہے کہ نجار تھا لکڑی کا کام کرتا تھا (ابن کثیر)۔ اور تاریخی روایات جو مفسرین نے اس جگہ نقل کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص بھی شروع میں بت پرست تھا، دوسرے رسول جو پہلے اس شہر میں آئے اس کی ملاقات اُن سے ہوگئی ان کی تعلیم سے اور بعض روایات کے اعتبار سے ان کا معجزہ یا کرامت دیکھ اس کے دل میں ایمان پیدا ہوا، بت پرستی سے تائب ہو کر مسلمان ہو گیا اور کسی غار وغیرہ میں جا کر عبادت میں مشغول ہو گیا، جب اس کو یہ خبر ملی کہ شہر کے لوگ ان رسولوں کی تعلیم و ہدایت کو جھٹلا کر اُن کے درپے آزار ہو گئے، اور قتل کی دھمکیاں دے رہے ہیں، تو یہ اپنی قوم کی خیر خواہی اور ان رسولوں کی ہمدردی کے ملے جلے جذبے سے جلدی کر کے اپنی قوم میں آیا اور ان کو رسولوں کا اتباع کرنے کی نصیحت کی، اور پھر اپنے مومن ہونے کا اعلان کر دیا: انی امنتم بربکم فاسمعون: یعنی میں تمہارے رب پر ایمان لے آیا ہوں تم سن لو، اس کا مخاطب اس کی قوم بھی ہو سکتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو ان کا رب کہنا اظہار حقیقت کے لئے تھا، اگرچہ وہ اس کو تسلیم نہ کرتے تھے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب رسولوں کو ہو، اور فاسمعون کہنے کا مقصد یہ ہو کہ آپ سن لیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے میرے ایمان کی شہادت دیں۔

”قیل ادخل الجنة“ الایہ، یعنی اس شخص کو جو گوشہ شہر سے رسولوں پر ایمان لانے کی تلقین کے لئے آیا تھا اس کو کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب کسی ملگ کے ذریعے ہوا ہے، کہ جنت میں چلے جاؤ، اور مراد جنت میں داخل ہونے سے یہ خوشخبری دینا ہے کہ جنت تمہارا مقام متعین ہو چکا ہے، جو اپنے وقت پر حشر و نشر کے بعد حاصل ہوگا (قرطبی)۔

اور یہ بھی بعید نہیں کہ ان کو ان کا مقام جنت اس وقت دکھلایا گیا ہو، اس کے علاوہ برزخ میں بھی اہل جنت کو جنت کے پھل پھول اور راحت کی چیزیں ملتی ہیں، اس لئے ان کا عالم برزخ میں پہنچنا ایک حیثیت سے جنت ہی میں داخل ہونا ہے۔

قرآن کریم کے اس لفظ سے کہ اس کو کہا گیا کہ جنت میں داخل ہو جا، اس کی طرف اشارہ ہے کہ اس شخص کو شہید کر دیا گیا تھا، کیونکہ دخول جنت یا آثار جنت کا مشاہدہ بعد موت ہی ہو سکتا ہے۔

وہب بن منبہ کی روایت میں ہے کہ یہ شخص جذامی تھا اور ان کا مکان شہر کے سب سے آخری دروازہ پر تھا، اپنے مفروضہ معبودوں سے دعاء کرتا تھا کہ مجھے تندرست کر دیں جس پر ستر سال گذر چکے تھے، یہ رسول شہر اظہا کیہ میں اتفاقاً اسی دروازے سے داخل ہوئے تو اس شخص سے پہلے پہل ملاقات ہوئی تو انھوں نے اس کو بت پرستی سے باز آنے اور ایک اللہ کی عبادت کی طرف دعوت دی، اس نے کہا کہ آپ کے پاس آپ کے دعویٰ کی کوئی دلیل و علامت صحت بھی ہے؟ انھوں نے کہا ہاں ہے، اس نے اپنی جذام کی بیماری بتلا کر پوچھا کہ آپ یہ بیماری دور کر سکتے ہیں؟ انھوں نے کہا ہاں ہم اپنے رب سے دعاء کریں گے، وہ تمہیں تندرست کر دے گا، اس نے کہا کہ کیا عجیب بات کہتے ہو، میں ستر سال سے اپنے معبودوں سے دعاء مانگتا ہوں کچھ فائدہ نہیں ہوا، تمہارا رب کیسے ایک دن میں میری حالت بدل دے گا، انھوں نے کہا کہ ہاں ہمارا رب ہر چیز پر قادر ہے، اور جن کو تم نے الہ بنا رکھا ہے ان کی کوئی حقیقت نہیں، یہ کسی کونف و نقصان نہیں پہنچا سکتے، یہ سن کر یہ شخص ایمان لے آیا، اور ان انبیاء نے اس کے لئے دعاء کی، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا تندرست کر دیا کہ بیماری کا کوئی اثر باقی نہ رہا،

اب تو اس کا ایمان پختہ ہو گیا اور اس نے عہد کیا کہ دن بھر میں جو کچھ کمائے گا اس کا ادھا اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، جب ان رسولوں پر شہر کے لوگوں کی یلغار کی خبر پائی تو یہ دوڑ کر آیا اور اپنی قوم کو سمجھایا اور اپنے ایمان کا اعلان کر دیا، پوری قوم اس کی دشمن ہو گئی اور سب مل کر اس پر ٹوٹ پڑے،

ابن مسعود کی روایت میں ہے کہ لالتوں اور ٹوکروں سے سب نے مل کر اس کو شہید کر دیا، بعض روایات میں ہے کہ اس پر پتھر برسائے، اور اس وقت بھی ان سب کی بے تحاشا مار پڑنے کے وقت وہ کہتا جاتا تھا: رب اھدقومی: اے میرے پروردگار میری قوم کو ہدایت کر دے، بعض روایات میں ہے کہ ان لوگوں نے تینوں رسولوں کو بھی شہید کر دیا مگر کسی صحیح روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ ان کا کیا حال رہا، بظاہر وہ مقتول نہیں ہوئے (قرطبی)۔

﴿۲۰﴾ تَبِعُوا مَنْ لَا يَسْأَلُكُمْ أَجْرًا وَهُمْ مُهْتَدُونَ ﴿۲۱﴾

ایسوں کی جو تم سے صلہ نہیں مانگتے اور وہ سیدھے رستے پر ہیں

﴿۲۲﴾ وَمَالِي لَا أَعْبُدُ الَّذِي فَطَرَنِي وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۳﴾

اور مجھے کیا ہے کہ میں اس کی پرستش نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے

أَتَّخِذُ مِنْ دُونِهِ آلِهَةً إِنْ يُرِدْنِ الرَّحْمَنُ بِضُرٍّ لَا تُغْنِي عَنِّي شَفَاعَتُهُمْ

کیا میں ان کو چھوڑ کر اوروں کو معبود بناؤں اگر اللہ میرے حق میں نقصان کرنا چاہے تو ان کی سفارش

شَيْئًا وَلَا يُنْقِذُونَ ﴿۲۴﴾ إِنْ أَدْبَأْتَنِي ضَلُّ مَبِينٍ ﴿۲۵﴾

مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے۔ اور نہ وہ مجھ کو چھڑا ہی سکیں تب تو میں صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا

إِنِّي آمَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَاسْمَعُونِ ﴿۲۶﴾ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي

میں تمہارے پروردگار پر ایمان لایا ہوں سو میری بات سن رکھو۔ حکم ہوا کہ بہشت میں داخل ہو جا بولا کاش میری قوم

يَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۸﴾ وَمَا أَنْزَلْنَا

کو خبر ہو۔ کہ اللہ نے مجھے بخش دیا اور عزت والوں میں کیا۔

عَلَى قَوْمِهِ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِينَ ﴿۲۹﴾

اور ہم نے اس کے بعد اس کی قوم پر کوئی لشکر نہیں اتارا اور نہ ہم اتارنے والے تھے ہی

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ خَمِدُونَ ﴿۳۰﴾ حَسْرَةً

وہ تو صرف ایک چٹکھاڑ تھی سو وہ (اس سے) ناگہاں بجھ کر رہ گئے۔ بندوں پر افسوس ہے

عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِّنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۱﴾

کہ ان کے پاس کوئی پیغمبر نہیں آتا مگر اس سے تمسخر کرتے ہیں

﴿۳۱﴾ أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنَ الْقُرُونِ أَنَّهُمْ إِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿۳۱﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سے لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا اب وہ ان کی طرف لوٹ کر نہیں آئیں گے

﴿۳۲﴾ وَإِنْ كُلٌّ لَّمَّا جَمِيعٌ لَّدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۳۲﴾

اور سب کے سب ہمارے روبرو حاضر کئے جائیں گے

﴿۳۳﴾ وَآيَةٌ لَهُمُ الْأَرْضُ الْمَيِّتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ﴿۳۳﴾

اور ایک نشانی ان کے لئے زمین مُردہ ہے کہ ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس میں سے اناج اگایا پھر یہ اس میں سے کھاتے ہیں

﴿۳۴﴾ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِنْ نَخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ﴿۳۴﴾

اور اس میں کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے اور اس میں چشمے جاری کر دیئے

﴿۳۵﴾ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ لِيَأْكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۶﴾

تاکہ یہ ان کے پھل کھائیں اور ان کے ہاتھوں نے تو ان کو نہیں بنایا پھر یہ شکر کیوں نہیں کرتے؟ وہ اللہ پاک ہے

﴿۳۷﴾ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾

جس نے زمین کی نباتات کے اور خود ان کے اور جن چیزوں کی ان کو خبر نہیں سب کے جوڑے بنائے

﴿۳۸﴾ وَآيَةٌ لَهُمُ اللَّيْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ ﴿۳۸﴾

اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے کہ اس میں سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں تو اس وقت ان پر اندھیرا چھا جاتا ہے

﴿۳۹﴾ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَهَا ذَلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۳۹﴾

اور سورج اپنے مقرر رستے پر چلتا رہتا ہے یہ (اللہ) غالب اور دانا کا (مقرر کیا ہوا) اندازہ ہے

﴿۴۰﴾ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ﴿۴۰﴾

اور چاند کی بھی ہم نے منزلیں مقرر کر دیں یہاں تک کہ (گھٹتے گھٹتے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح ہو جاتا ہے

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ
 نہ تو سورج ہی سے ہو سکتا ہے کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات ہی دن سے پہلے آ سکتی ہے
 وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ ﴿۲۰﴾ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۹﴾ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

سب اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔ اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے کہ ہم نے ان کی اولاد کو
 فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۹﴾ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

بھری ہوئی کشتی میں سوار کیا۔ اور ان کے لئے ویسی ہی اور چیزیں پیدا کیں جن پر وہ سوار ہوتے ہیں
 وَإِنْ نَشَاءُ نَغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنْقَذُونَ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

اور اگر ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں پھر نہ تو ان کا کوئی فریاد رس ہو اور نہ ان کو رہائی ملے
 إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

مگر یہ ہماری رحمت اور ایک مدت تک کے فائدے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو
 مَا بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَمَا خَلْفَكُمْ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

تمہارے آگے اور جو تمہارے پیچھے ہے اس سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے
 وَمَا تَأْتِيهِمْ مِّنْ آيَةٍ مِّنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

اور ان کے پاس ان کے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر لیتے ہیں
 وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقَكُمْ اللَّهُ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا
 اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو رزق اللہ نے تم کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرو تو کافر مومنوں سے کہتے ہیں
 أَنْطَعِمُ مَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ اطْعَمَهُ إِنَّ انْتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

کہ بھلا ہم ان لوگوں کو کھانا کھلائیں جن کو اگر اللہ چاہتا تو خود کھلا دیتا تم تو صریح غلطی میں ہو

وَيَقُولُونَ مَتَى هَذَا الْوَعْدِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۸﴾

اور کہتے ہیں کہ اگر تم سچ کہتے ہو تو یہ وعدہ کب (پورا) ہوگا؟

مَا يَنْظُرُونَ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً تَأْخُذُهُمْ وَهُمْ يَخِصِّمُونَ ﴿۲۹﴾

یہ تو ایک چنگھاڑ کے منتظر ہیں جو ان کو اس حال میں کہ باہم جھگڑ رہے ہوں گے آ پکڑے گی

فَلَا يَسْتَطِيعُونَ تَوْصِيَةً وَلَا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿۳۰﴾

پھر نہ تو وصیت کر سکیں گے اور نہ اپنے گھروں میں واپس جا سکیں گے

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُمْ مِنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنْسِلُونَ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۱﴾ لَوْ

اور (جس وقت) صور پھونکا جائے گا یہ قبروں سے (نکل کر) اپنے پروردگار کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ کہیں گے کہ ہاے

يُؤْيِلْنَا مَنْ بَعَثْنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هَذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمَنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۲﴾

ہاے ہمیں ہماری خوابگا ہوں سے کس نے (جگا) اٹھایا؟ یہ وہی تو ہے جس کا اللہ نے وعدہ کیا تھا اور پیغمبروں نے سچ کہا تھا۔

إِنْ كَانَتْ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً فَإِذَا هُمْ جَمِيعٌ لَدَيْنَا مُحْضَرُونَ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾

صرف ایک زور کی آواز کا ہونا ہو گا کہ سب کے سب ہمارے روبرو آ حاضر ہوں گے

فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾

اس روز کسی شخص پر کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا اور تم کو بدلا ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے

إِنَّ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِي شُغْلٍ فَكِهُونَ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾

اہل جنت اس روز عیش و نشاط کے مشغلے میں ہوں گے

هُمْ وَأَزْوَاجُهُمْ فِي ظِلِّ عَلَى الْأَرَآئِكِ مُتَكِئُونَ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۶﴾

وہ بھی اور ان کی بیویاں بھی سایوں میں تختوں پر تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے

لَهُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَلَهُمْ مَّا يَدْعُونَ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۸﴾ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ ﴿۳۸﴾

وہاں ان کے لئے میوے اور جو چاہیں گے (موجود ہوگا)۔ پروردگار مہربان کی طرف سے سلام (کہا جائے گا)۔

وَأَمَّا زَوْجَا الْيَوْمِ أَيُّهَا الْمُجْرِمُونَ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾ أَعْتَدَ إِلَيْكُمْ يَبْنَىٰ أَدَمَ

اور گنہگارو! آج الگ ہو جاؤ۔ اے آدم کی اولاد!

أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۰﴾

ہم نے تم سے کہہ نہیں دیا تھا کہ شیطان کو نہ پوجنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے

وَأَنْ اعْبُدُونِي هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ أَضَلَّ مِنْكُمْ جِبَلًا كَثِيرًا

اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا رستہ ہے۔ اور اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا

أَفَلَمْ تَكُونُوا تَعْقِلُونَ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۲﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۳﴾

تو کیا تم سمجھتے نہیں تھے؟ یہی وہ جہنم ہے جس کی تمہیں خبر دی جاتی تھی۔

إِصْلَوْهَا الْيَوْمَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۴﴾ يَوْمَ نَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ

(سو) جو تم کفر کرتے رہے ہو اس کے بدلے آج اس میں داخل ہو جاؤ۔ آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے

وَتَكَلَّمْنَا بِأَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ أَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۵﴾

اور جو کچھ یہ کرتے رہے تھے ان کے ہاتھ ہم سے بیان کر دیں گے اور ان کے پاؤں (اس کی) گواہی دیں گے

وَلَوْ نَشَاءُ لَطَمَسْنَا عَلَىٰ أَعْيُنِهِمْ فَاسْتَبَقُوا الصِّرَاطَ فَأَنَّىٰ يُبْصِرُونَ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۶﴾

اور اگر ہم چاہیں تو ان کی آنکھوں کو مٹا (کر اندھا کر) دیں پھر یہ رستے کو دوڑیں تو کہاں دیکھ سکیں گے

وَلَوْ نَشَاءُ لَمَسَخْنَاهُمْ عَلَىٰ مَكَانَتِهِمْ فَمَا اسْتَطَاعُوا مُضِيًّا وَلَا

اور اگر ہم چاہیں تو ان کی جگہ پر ان کی صورتیں بدل دیں پھر وہاں سے نہ آگے جا سکیں اور نہ (پچھے) لوٹ سکیں

﴿۴۷﴾ وَمَنْ نَعْمَرُهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ أَفَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۴۸﴾

اور جس کو ہم بڑی عمر دیتے ہیں اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں تو کیا یہ سمجھتے نہیں

﴿۴۹﴾ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ﴿۵۰﴾

اور ہم نے ان کو شعر گوئی نہیں سکھائی اور نہ وہ ان کو شایاں ہے یہ تو محض نصیحت اور صاف صاف قرآن (پرا حکمت) ہے

﴿۵۱﴾ لِيُنذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۵۲﴾

تاکہ اس شخص کو جو زندہ ہو ہدایت کا رستہ دکھائے اور کافروں پر بات پوری ہو جائے

﴿۵۳﴾ أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا خَلَقْنَا لَهُمْ مِمَّا عَمِلَتْ أَيْدِينَا أَنْعَامًا فَهُمْ لَهَا مَالِكُونَ ﴿۵۴﴾

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ جو چیزیں ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں ان میں سے ہم نے ان کے لئے چار پائے پیدا کر دیئے اور یہ ان کے مالک ہیں

﴿۵۵﴾ وَذَلَّلْنَاهَا لَهُمْ فَمِنْهَا رَكُوبُهُمْ وَمِنْهَا يَأْكُلُونَ ﴿۵۶﴾ وَلَهُمْ فِيهَا مَنَافِعُ

اور ان کو ان کے قابو میں کر دیا تو کوئی ان میں سے ان کی سواری ہے اور کسی کو یہ کھاتے ہیں۔ اور ان میں ان کے لئے فائدے

﴿۵۷﴾ وَمَشَارِبٌ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ﴿۵۸﴾ وَتَاخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ آلِهَةً لَّعَلَّهُمْ

اور پینے کی چیزیں ہیں تو یہ شکر کیوں نہیں کرتے؟ اور انہوں نے اللہ کے سوا (اور) معبود بنا لئے ہیں کہ

﴿۵۹﴾ يُنصِرُونَ ﴿۶۰﴾ يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَهُمْ وَهُمْ لَهُمْ جُنْدٌ مُّحَضَّرُونَ ﴿۶۱﴾

ان کو مدد پہنچے (مگر) وہ ان کی مدد کی (ہرگز) طاقت نہیں رکھتے اور وہ ان کی فوج ہو کر حاضر کئے جائیں گے

﴿۶۲﴾ فَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ إِنَّا نَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۶۳﴾

تو ان کی باتیں تمہیں غمناک نہ کریں یہ جو کچھ چھپاتے اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں ہمیں سب معلوم ہے

﴿۷۷﴾ اَوَّلَمْ يَرَ الْإِنْسَانَ إِذَا خَلَقْنَاهُ مِنْ نُطْفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُّبِينٌ ﴿۷۷﴾

کیا انسان نے نہیں دیکھا کہ ہم نے اس کو نطفے سے پیدا کیا پھر وہ یکا یک جھڑنے لگا

﴿۷۸﴾ وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَنَسِيَ خَلْقَهُ قَالَ مَنْ يُحْيِي الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيمٌ ﴿۷۸﴾

اور ہمارے ہاں میں مثالیں بیان کرنے لگا اور اپنی پیدائش کو بھول گیا کہنے لگا کہ ہڈیاں بوسیدہ ہو جائیں گی تو ان کو کون زندہ کرے گا؟

﴿۷۹﴾ قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ﴿۷۹﴾

کہہ دو کہ ان کو وہ زندہ کرے گا جس نے ان کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور وہ سب قسم کا پیدا کرنا جانتا ہے

﴿۸۰﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُم مِّنَ الشَّجَرِ الْأَخْضَرِ نَارًا فَإِذَا أَنْتُمْ مِّنْهُ تُوقَدُونَ ﴿۸۰﴾

(وہی ہے) جس نے تمہارے لئے سبز درخت سے آگ پیدا کی پھر تم اس (کی ٹہنیوں کو گرگڑ کر ان) سے آگ نکالتے ہو۔

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ

بھلا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا کیا وہ اس بات پر قادر نہیں کہ (ان کو پھر) ویسے ہی پیدا کر دے؟

﴿۸۱﴾ بَلَىٰ وَهُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ﴿۸۱﴾ لَمَّا أَمَرَتْ إِذَا آرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ

کیوں نہیں اور وہ تو بڑا پیدا کرنے والا اور علم والا ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرمادیتا ہے

﴿۸۲﴾ فَيَكُونُ ﴿۸۲﴾ فَسُبْحٰنَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾

کہ ہو جاتا وہ ہو جاتی ہے۔ وہ (ذات) پاک ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے

سورة صافات (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالصّٰفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾ فَالتّٰلِیٰتِ ذِکْرًا ﴿۳﴾

قسم ہے صف باندھنے والوں کی پرابجا کر۔ [1] پھر ڈانٹنے والوں کی جھڑک کر۔ پھر ذکر (یعنی قرآن) پڑھنے والوں کی

إِنَّ إِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا رَبُّ

کہ تمہارا معبود ایک ہے۔ جو آسمانوں اور زمین اور جو چیزیں ان میں ہیں سب کا مالک ہے اور سورج کے طلوع ہونے کے مقامات کا

المّٰشٰرِقِ ﴿۵﴾ نٰزِیْنٰ السَّمٰءِ الدُّنْیَا بَیْرٰتٍ الْکَوٰکِبِ ﴿۶﴾

بھی مالک ہے۔ بیشک ہم ہی نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے مزین کیا

وَحِفْظًا مِّنْ کُلِّ شَیْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿۷﴾ لَا یَسْمَعُوْنَ اِلٰی الْمٰلِ الْاَعْلٰی

اور ہر شیطان سرکش سے اس کی حفاظت کی۔ کہ اوپر کی مجلس کی طرف کان نہ لگا سکیں

[1] ”و الصافات“ قسم ہے ان فرشتوں کی جو صفیں باندھ کر اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں۔

”فالزاجرات زجرا“ پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو شیاطین کو ملا اعلیٰ کے قریب آنے سے روکنے والے ہیں۔

”فالتالیات ذکرا“ پھر قسم ہے ان فرشتوں کی جو اللہ کے ذکر اور اس کی حمد و ثنا اور تقدیس و تسبیح میں مصروف ہیں۔

”ان الہکم لواحد“ یہ جواب قسم ہے، تینوں انواع کے فرشتے جن کی قسم کھائی گئی ہے ان کے یہ

احوال اس پر شاہد اور اس کی واضح دلیل ہیں کہ سب کا معبود اور کارساز ایک ہے جو اسمانوں اور زمین کا اور ساری

مخلوق کا اور مشرق اور مغرب کا مالک ہے۔ فرشتوں کی مذکورہ احوال سے معلوم ہوا کہ ان کی حیثیت بارگاہ الہی

میں خدام کی ہے اور وہ اللہ کے حکم سے مختلف فرائض کی انجام دہی میں مصروف ہیں۔ اس لئے وہ کارساز اور شفیع

غالب نہیں ہیں۔

’انازینا السماء الدنيا‘ یہ جنات کا حال ہے کہ جب وہ ملا علی کی طرف چوری چھپے کے کوئی بات سننے جاتے ہیں تو ہر طرف سے آگ کے شعلے ان کا پیچھا کرتے اور انہیں واپس دھکیل دیتے ہیں اور شیاطین جن کے لئے دنیا کے اس عذاب کے علاوہ آخرت میں بھی عذاب لازم ہوگا۔ تو ایسے راندہ بارگاہ الہی کسی طرح شفیق غالب نہیں ہو سکتے۔

اہل بیت کی تحقیق یہ ہے کہ سبع سیارات کے علاوہ باقی تمام ستارے (ثوابت) ساتوں اسمان سے اوپر آٹھویں اسمان (کرسی) میں نصب ہیں اگرچہ اس دعوے پر کوئی قطعی دلیل موجود نہیں لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو ستاروں کا پہلے اسمان کے لئے زینت و آرائش ہونا اپنی جگہ درست ہے۔ ستارے خواہ کہیں ہوں لیکن دیکھنے میں تو پہلا اسمان ہی ارستہ نظر آتا ہے کیونکہ تمام اسمان شیشے کی مانند شفاف ہیں۔ وعلی فرض صحتہ لایقدح فی الایة، لانه یکفی لصحتہ کون السماء الدنيا مزینة بالکواکب کونها کذالک فی رأی العین (روح)۔

”و حفظاً“ یہ فعل مقدر کا مفعول مطلق ہے ای و حفظناہا حفظاً (مظہری) ستاروں کو اسمان دنیا کے لئے زینت بھی بنایا اور ان ستاروں کے ذریعے سے ہر سرکش شیطان سے اس کی حفاظت بھی کی۔

”لایسمعون الی الملاء الاعلی“ تاکہ شیاطین ملا علی تک پہنچ کر فرشتوں کی باہمی گفتگو نہ سن سکے۔

”وبقدفون“ جب شیاطین اوپر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو انہیں بھگانے کے لئے ہر طرف سے ان پر شہاب ثاقب پھینکے جاتے ہیں دحوراً، یقدفون کا مفعول لہ ہے۔ الامن استرق السمع، لایسمعون سے استثناء ہے، اس التزام کی وجہ سے شیاطین فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے۔ البتہ اگر کوئی شیطان چالاکی سے کوئی ادھوری سی بات اچک لے تو فوراً ایک شہاب ثاقب اس کا پیچھا کر کے اسے جلا دیتا ہے۔ تمام ستارے جو بظاہر اسمان دنیا کی زینت ہیں بقول فلاسفہ اٹھویں اسمان میں مرکوز ہیں، تو پھر ان سے شیاطین کو بھگانے کا کام کس طرح لیا جاسکتا ہے؟ اول تو یہی مسلم نہیں کہ ستارے اٹھویں اسمان میں ہیں اور بصورت تسلیم ممکن ہے کہ ان ستاروں کی شعاعیں جب ہوا میں موجود خاص کیفیت کے حامل ذرات پر پڑیں تو اس سے شعلے پیدا ہوا اور شیاطین کے ناری اجسام کی مخصوص خاصیت کے بنا پر ان کا پیچھا کریں اور ان تک پہنچ کر ان کو جلا دیں۔

وَيُقَذَّفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿۸﴾ ﴿۸﴾ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ﴿۹﴾ ﴿۹﴾

اور ہر طرف سے (ان پر انگارے) پھینکے جاتے ہیں۔ (یعنی وہاں سے) نکال دینے کو اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے۔

إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿۱۰﴾ ﴿۱۰﴾ فَاسْتَفْتِهِمْ

ہاں جو کوئی (فرشتوں کی کسی بات کو) چوری سے جھپٹ لینا چاہے تو جلتا ہوا انگار ان کے پیچھے لگتا ہے۔ تو ان سے پوچھو

أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَنْ خَلَقْنَا إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۱﴾

کہ ان کا بنانا مشکل ہے یا جتنی خلقت ہم نے بنائی ہے؟ انہیں ہم نے چپکتے گارے سے بنایا ہے

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۲﴾ وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۳﴾

ہاں تو تم تعجب کرتے ہو اور یہ تمسخر کرتے ہیں۔ اور جب ان کو نصیحت کی جاتی ہے تو نصیحت قبول نہیں کرتے

وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۴﴾ وَقَالُوا إِن هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۵﴾

اور جب کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو صریح جادو ہے

أَوِ ذَا مِثْنَا وَكُنَّا تَرَابًا وَعِظَامًا إِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۶﴾

بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا پھر اٹھائے جائیں گے؟

أَوِ آبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۷﴾ لَقَدْ نَعِمْنَا نِعْمًا وَنَأْتُمُ دَاخِرُونَ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۸﴾ إِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ

اور کیا ہمارے باپ دادا بھی پہلے (ہو گزرے ہیں)؟ کہہ دو ہاں اور تم ذلیل ہو گے۔ وہ تو ایک زور کی آواز ہوگی

وَاحِدَةٌ فَإِذَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۱۹﴾ ﴿۱۹﴾ وَقَالُوا يَوْمَئِذٍ هَذَا يَوْمُ الدِّينِ ﴿۲۰﴾ ﴿۲۰﴾

اور یہ اس وقت دیکھنے لگیں گے۔ اور کہیں گے ہائے شامت یہی جزا کا دن ہے

هَذَا يَوْمُ الْفُضْلِ الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَكْذِبُونَ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۱﴾ حُشِرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا

(کہا جائے گا کہ ہاں) فیصلے کا دن جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے یہی ہے۔ جو لوگ ظلم کرتے تھے ان کو

وَأَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوا يَعْبُدُونَ ﴿۲۲﴾ دُونَ اللَّهِ فَاهْدُوهُمْ إِلَى صِرَاطِ الْجَحِيمِ

اور ان کے ہم جنسوں کو اور جن کو وہ پوجا کرتے تھے جمع کر لو۔ اللہ کے سوا (پوجا کرتے تھے) پھر ان کو جہنم کے رستے پر چلا دو

﴿۲۳﴾ وَفَوْهُمْ إِنَّهُمْ مَسْئُولُونَ ﴿۲۳﴾ مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُونَ ﴿۲۴﴾

اور ان کو ٹھہرائے رکھو کہ ان سے (کچھ) پوچھنا ہے۔ تم کو کیا ہوا کہ ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے؟

بَلْ هُمْ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُونَ ﴿۲۴﴾ قَبْلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۵﴾

بلکہ آج تو وہ فرمانبردار ہیں۔ اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال (و جواب) کریں گے

قَالُوا إِنَّا كُنْتُمْ تَاتُونَنا عَنِ الْيَمِينِ ﴿۲۸﴾ قَالُوا بَلْ لَمْ تَكُونُوا مُؤْمِنِينَ

کہیں گے کیا تمہی ہمارے پاس دائیں (اور بائیں) سے آتے تھے؟ وہ کہیں گے بلکہ تم ہی ایمان لانے والے نہ تھے

﴿۲۹﴾ وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طَغِينَ ﴿۳۰﴾

اور ہمارا تم پر کچھ زور نہ تھا بلکہ تم سرکش لوگ تھے

فَاحْقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَا إِنَّا لَذَآئِقُونَ ﴿۳۱﴾ غَوَيْنَا كُمْ إِنَّا كُنَّا غَوِينَ ﴿۳۲﴾

سو ہمارے بارے میں پروردگار کی بات پوری ہو گئی اب ہم مزے چکھیں گے۔ ہم نے تم کو بھی گمراہ کیا ہم خود بھی گمراہ تھے۔

فَإِنَّهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۳﴾ كَذَلِكَ نَفْعَلُ

پس وہ اس روز عذاب میں ایک دوسرے کے شریک ہوں گے۔ ہم گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں

بِالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۴﴾ كَانُوا إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ

ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے

﴿۳۵﴾ يَقُولُونَ إِنَّا لَتَارِكُوا الْهَتَّاءِ لَشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ ﴿۳۶﴾

اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں؟

﴿۳۸﴾ بَلْ جَاءَ بِالْحَقِّ وَصَدَقَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۳۹﴾ لَذَائِقُوا الْعَذَابِ الْأَلِيمِ ﴿۴۰﴾

بلکہ وہ حق لے کر آئے ہیں اور (پہلے) پیغمبروں کو سچا کہتے ہیں۔ بیشک تم تکلیف دینے والے عذاب کا مزہ اچکھنے والے ہو

﴿۴۱﴾ وَمَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۴۲﴾ عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۴۳﴾

اور تم کو بدلا ویسا ہی ملے گا جیسے تم کام کرتے تھے۔ مگر جو اللہ کے بندگان خاص ہیں

﴿۴۴﴾ أُولَئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُومٌ ﴿۴۵﴾ فَوَاكِهُ وَهُمْ مُكْرَمُونَ ﴿۴۶﴾

یہی لوگ ہیں جن کے لئے روزی مقرر ہے۔ (یعنی) میوے اور ان کا اعزاز کیا جائے گا

﴿۴۷﴾ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿۴۸﴾ جَلِيٌّ ﴿۴۹﴾ سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿۵۰﴾ طَافٌ

نعمت کے باغوں میں۔۔ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر (بیٹھے ہوں گے)۔ شرابِ لطیف کے جام کا ان میں دَوْر

﴿۵۱﴾ عَلَيْهِمْ بَكَّاسٍ مِّنْ مَّعِينٍ ﴿۵۲﴾ بِيضَاءَ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ ﴿۵۳﴾ فِيهَا غَوْلٌ

چل رہا ہوگا۔ جو رنگ کی سفید اور پینے والوں کے لئے (سراسر) لذت ہوگی۔ نہ اس سے سردرد ہو

﴿۵۴﴾ وَلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُونَ ﴿۵۵﴾ وَعِنْدَهُمْ قَصْرَاتُ الطَّرْفِ عِينٌ ﴿۵۶﴾

اور نہ وہ اس سے متوالے ہوں۔ اور ان کے پاس عورتیں ہوں گی جو نگاہیں نیچی رکھتی ہوں گی اور آنکھیں بڑی بڑی۔

﴿۵۷﴾ كَانَهُنَّ بِيضٌ مَّكْنُونٌ ﴿۵۸﴾ فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۵۹﴾

گویا وہ محفوظ اٹھے ہیں۔ پھر وہ ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے سوال (و جواب) کریں گے

﴿۶۰﴾ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿۶۱﴾ يَقُولُ أَتِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿۶۲﴾

ایک کہنے والا ان میں سے کہے گا کہ میرا ایک ہم نشین تھا۔ (جو) کہتا تھا کہ بھلا تم بھی ایسی باتوں کے باور کرنے والوں میں ہو؟

﴿۶۳﴾ أءِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أءِ نَّا لَمَدِينُونَ ﴿۶۴﴾ هَلْ أَنتُمْ مُطَّلِعُونَ ﴿۶۵﴾

بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی اور ہڈیاں ہو گئے تو کیا ہم کو بدلا ملے گا؟ (پھر) کہے گا کہ بھلا تم (اسے) جھانک کر دیکھنا چاہتے ہو

﴿۴۴﴾ فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۴۵﴾ تَاللَّهِ إِن كُنتَ لَتَرُدِينِ ﴿۴۶﴾

(اتنے میں) وہ (خود) جھانکے گا اور اس کو بیچ دوزخ میں دیکھے گا۔ کہے گا کہ اللہ کی قسم! تو تو مجھے ہلاک کر ہی چکا تھا

﴿۴۷﴾ وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنْتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ وَمَا نَحْنُ بِمَمِيَّتِينَ ﴿۵۰﴾

اور اگر میرے پروردگار کی مہربانی نہ ہوتی تو میں بھی ان میں ہوتا جو حاضر کئے گئے ہیں۔ کیا مرنے کے نہیں

﴿۵۱﴾ إِلَّا مَوْتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ هَذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۵۴﴾

ہاں (جو) پہلی بار مرنا (تھا سو مر چکے) اور ہمیں عذاب بھی نہیں ہو گا۔ بیشک یہ بڑی کامیابی ہے

﴿۵۵﴾ لِمِثْلِ هَذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُونَ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ هَلْ كَخَيْرِ نَزْلٍ أَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّومِ ﴿۵۸﴾

ایسی ہی (نعمتوں) کے لئے عمل کرنے والوں کو عمل کرنے چاہئیں۔ بھلا یہ مہمانی اچھی ہے یا تھوہر کا درخت

﴿۵۹﴾ إِنَّا جَعَلْنَاهَا فِتْنَةً لِلظَّالِمِينَ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ هِيَ شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِي أَصْلِ الْجَحِيمِ ﴿۶۲﴾

ہم نے اس کو ظالموں کے لئے عذاب بنا رکھا ہے۔ وہ ایک درخت ہے کہ جہنم کے اصل میں اگے گا

﴿۶۳﴾ طَلْعُهَا كَأَنَّهُ رِئٌ وَسُ الشَّيْطَانِ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ إِنَّهُمْ لَا يَكْلُونُ مِنْهَا فَمَا لَتُؤُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿۶۶﴾

اس کے خوشے ایسے ہوں گے جیسے شیطانوں کے سر۔ سو وہ اسی میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے۔

﴿۶۷﴾ ثُمَّ إِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيمٍ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ إِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَإِلَى الْجَحِيمِ ﴿۷۰﴾

پھر اس (کھانے) کے ساتھ ان کو گرم پانی ملا کر دیا جائے گا۔ پھر ان کو دوزخ کی طرف لوٹایا جائے گا

﴿۷۱﴾ إِنَّهُمْ أَفْوَاءٌ أَبَاءَهُمْ ضَالِّينَ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ هُمْ عَلَىٰ آثَارِهِمْ يُهْرَعُونَ ﴿۷۴﴾

انہوں نے اپنے باپ دادا کو گمراہ ہی پایا۔ سو وہ انہی کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں

﴿۷۵﴾ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا فِيهِمْ مُنذِرِينَ ﴿۷۸﴾

اور ان سے پیشتر بہت سے لوگ بھی گمراہ ہو گئے تھے۔ اور ہم نے ان میں ڈرانے والے بھیجے

﴿۷۳﴾ ۷۳ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنذِرِينَ ﴿۷۴﴾ ۷۴ عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۷۵﴾ ۷۵

سو دیکھ لو کہ جن کو دھمکایا گیا تھا ان کا انجام کیسا ہوا۔ ہاں اللہ کے بندگان خاص (کا انجام بہت اچھا ہوا)

﴿۷۶﴾ ۷۶ وَلَقَدْ نَادَانَا نُوحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيبُونَ ﴿۷۷﴾ ۷۷ وَاجْتَنِبْهُ وَأَهْلَهُ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ﴿۷۸﴾ ۷۸

اور ہم کو نوح نے پکارا سو ہم اچھے قبول کرنے والے ہیں۔ اور ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں کو بڑی مصیبت سے نجات دی

﴿۷۹﴾ ۷۹ وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُ هُمُ الْبَاقِينَ ﴿۸۰﴾ ۸۰ وَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۸۱﴾ ۸۱

اور ان کی اولاد کو ایسا کیا کہ وہ باقی رہ گئے۔ اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر (جمیل باقی) چھوڑ دیا

﴿۸۲﴾ ۸۲ سَلَّمَ عَلٰى نُوْحٍ فِى الْعَلَمِيْنَ ﴿۸۳﴾ ۸۳ كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ ۸۴

(یعنی) تمام جہان میں نوح پر سلام۔ نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں

﴿۸۵﴾ ۸۵ اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۶﴾ ۸۶ اَغْرَقْنَا الْاٰخِرِيْنَ ﴿۸۷﴾ ۸۷

بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا

﴿۸۸﴾ ۸۸ وَاِنْ مِنْ شَيْعَتِهِ لِابْرٰهِيْمَ ﴿۸۹﴾ ۸۹ اِذْ جَاءَ رَبُّهُ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۹۰﴾ ۹۰

اور انہی کے پیروؤں میں ابراہیم تھے۔ جب وہ اپنے پروردگار کے پاس (عیب سے) پاک دل لے کر آئے

﴿۹۱﴾ ۹۱ اِذْ قَالَ لِاٰبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۹۲﴾ ۹۲ فَاَلِهَةٌ دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۹۳﴾ ۹۳

جب انہوں نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کن چیزوں کو پوجتے ہو؟ کیوں اللہ کے سوا جھوٹے معبودوں کے طالب ہو؟

﴿۹۴﴾ ۹۴ فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعَلَمِيْنَ ﴿۹۵﴾ ۹۵ فَظَرَ نَظْرَةً فِى النُّجُوْمِ ﴿۹۶﴾ ۹۶

بھلا پروردگار عالم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ تب انہوں نے ستاروں کی طرف ایک نظر کی

فَقَالَ اِنِّي سَقِيمٌ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ فَهَوَّلُوا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ﴿۸۶﴾ فَرَاغَ اِلَى الْهَيْهَاتِ فَقَالَ

اور کہائیں تو بیمار ہوں۔ [2] تب وہ ان سے پیڑھے پھیر کر لوٹ گئے۔ پھر ابراہیم ان کے معبودوں کی طرف متوجہ ہوئے کہنے لگے

[2] ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: لم یکذب ابراہیم الا ثلاث کذبات، ثنتین منهن فی ذات اللہ تعالیٰ، قوله ﴿انی سقیم﴾ وقوله ﴿قال بل فعله﴾ و کبیرہم ﴿الانبیاء: ۶۳﴾، وقال بینما هو ذات یوم وسمارة، اذ اتی علی جبار من الجبابرة، فقیل له ان هانرا جلامعه امرأة من احسن الناس، فارسل الیه، فسأله عنہا: من هذه؟ قال اختی، فاتی سارة، فقال لها، ان هذا الجبار ان یعلم انک امرأتی یغلبنی علیک، فان سألتک فاجبریه انک اختی، فانک اختی فی الاسلام، لیس علی وجه الارض مومن غیری وغیرک، فارسل الیہا فاتی بہا، وقام ابراہیم یصلی، فلما دخلت علیہ ذهب یتناولہا بیدہ، فأخذہ، ویروی فغط حتى رکض برجلیه، فقال ادعی اللہ لی ولا اضربک، فدعت اللہ فاطلق، ثم تناولہا الثانیة فاحذم مثلہا و اشد، فقال ادعی اللہ لی ولا اضربک، فدعت اللہ فاطلق فدعا بعض حجبتہ، فقال انک لم تأتینی بانسان، انما اتیتنی بشیطان فاخدمہا ہاجر فاتتہ و هو قائم یصلی، فاو ما بیدہ مہیم؟ قالت رد اللہ کید الکافر فی نحرہ، و اخدم ہاجر. قال ابو ہریرہؓ تلک امکم یابنی ماء السماء. بخاری: ۳۳۵۸ / مسلم: ۲۳۷۱ / ۱۵۴.

یہ جملہ ”ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہیں بولا علاوہ تین جھوٹ کے“ کے بارے میں یہ ذہن نشین رہے کہ تمام انبیاء معصوم ہیں، ان سے کوئی بھی گناہ سرزد نہیں ہو سکتا، خواہ وہ جھوٹ ہو، یا اور کوئی معصیت، پس حدیث کے مذکورہ جملہ کی یہ مراد ہرگز نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی میں جھوٹ جیسے گناہ کا تین بار ارتکاب کیا، بلکہ ان کی طرف جھوٹ بولنے کی نسبت خود ان کی ذات کے اعتبار سے نہیں، سننے والوں کے اعتبار سے ہے، مطلب یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی وہ تینوں باتیں بظاہر تو جھوٹ کی صورت میں تھیں، مگر حقیقت میں جھوٹ نہیں تھیں، نہ تو اس اعتبار سے کہ وہ باتیں ”جھوٹی باتوں“ کے زمرہ میں آتی ہیں اور نہ اس اعتبار سے کہ ابراہیم علیہ السلام میں ان باتوں کے ذریعہ غلط بیانی اور دروغ گوئی کا قصد و ارادہ کیا تھا۔

اس بات کو اگر اور زیادہ خوبصورت انداز میں کہنا ہو، تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ اس مقام پر کذب سے مراد یہ ہے کہ ایسا کلام جو صحیح اور پاک مقصد کے لئے بولا گیا ہو، لیکن مخاطب اس کا وہ مطلب نہ سمجھے جو متکلم کی مراد ہے، بلکہ ان الفاظ کو اپنی

یعنی مراد کے مطابق سمجھے، یہ انداز کلام معاریض یا تعریض (اشارے کنایے کہ پیرایہ کے بیان)۔ کے زمرہ میں شمار کیا جاتا ہے، اور فصحاء اور بلغاء کے ہاں اکثر رائج ہے، جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ: ان فی المعاریض مندوحة عن الکذب (شعب الایمان رقم: ۹۴۷)۔

اسی ضمن میں یہ ذکر کر دینا بھی ضروری ہے کہ یہاں حدیث میں ابراہیم علیہ السلام سے متعلق اس طرح کی صرف تین باتوں کا ذکر ہے، چوتھی بات کا ذکر نہیں ہے، جو انہوں نے کو کب کو دیکھ کر کہی تھی کہ: ”ہذا ربی“ (سورۃ الانعام: ۷۸) یہ میرا رب ہے، اور اس کے ذکر نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات ایام طفولیت میں کہی تھی، اس وقت چونکہ وہ کسی بھی امر کے مکلف نہیں تھے۔ اس لئے چوتھی بات کا کوئی اعتبار نہیں پایا بطور استفہام تھا، وغیرہ۔

ان میں سے ایک تو ان کا یہ کہنا تھا کہ (میں آج کچھ علیل سا ہوں) اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر اور اپنی قوم کے لوگوں کو ہر طرح سے بت پرستی کی خرابیوں کو ظاہر کر کے اس سے باز رکھنے کی سعی کر لی، اور ہر قسم کے پند و نصائح کے ذریعہ ان کو یہ باور کرانے میں پوری طاقت صرف کر لی کہ یہ بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان۔ اور آزر اور قوم کے دلوں پر کسی بھی پند و نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوا، تو انہوں نے یہ تدبیر سوچھی کہ اب مجھ کو ارشاد و ہدایت کا ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے جس سے ان لوگوں کو یہ مشاہدہ ہو جائے کہ ہم لکڑیوں اور پتھروں کی جن مورتیوں اور بتوں کو پوجتے ہیں وہ ہمارے لئے کسی بھی طرح کا رگراور فائدہ مند نہیں ہیں۔ اور نہ ان کی ذات سے ہمیں کوئی رنج و نقصان پہنچ سکتا ہے۔

چنانچہ ایک مرتبہ قوم کا ایک اہم مذہبی میلہ لگنے والا تھا، اور سب لوگ اس میں شرکت کے لئے چلنے لگے تو کچھ لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام سے اصرار کیا کہ وہ بھی سیر کے لئے میلہ چلیں، ابراہیم علیہ السلام تو اس طرح کے موقع کے انتظار میں تھے، کہ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں تو ان کے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہناؤں، چنانچہ انہوں نے پہلے تو ان لوگوں کے ساتھ جانے سے صاف انکار کیا مگر جب ان کا اصرار بہت بڑا تو اس وقت انہوں نے کہا ”انسی سقیم“ (آج میں کچھ علیل سا ہوں)۔

ان کی یہ بات بظاہر خلاف الواقع اور جھوٹ معلوم ہوتی ہے کیونکہ وہ اس وقت واقعتاً علیل نہیں تھے بلکہ ان کے ساتھ نہ جانے کے لئے علالت کا بہانہ کیا تھا اس کی تاویل علماء یہ کرتے ہیں کہ ”انسی سقیم“ کہنے سے ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ ہر انسان کی طرح میرے ساتھ بھی بیماری آزاری لگی رہتی ہے، اور وقتاً فوقتاً بیمار ہو جایا کرتا ہوں، پس انہوں نے ایسی مبہم بات کہی، کہ اس کے ظاہری اسلوب سے تو یہ منہوم ہوا کہ میں اس وقت بیمار ہوں تمہارے ساتھ کیسے جاسکتا ہوں، لیکن حقیقت

میں ان کی مراد اس کے برعکس تھی۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ایک خاص انداز سے مذکورہ بات کہہ کر ان کا دھیان ستاروں کی طرف متوجہ کر دیا تھا، چنانچہ قوم کے لوگ اپنے عقیدہ کے لحاظ سے یہ سمجھے کہ ابراہیم علیہ السلام کسی شخص ستارے کے اثر بد میں مبتلا ہیں اور انہوں نے علم نجوم کے ذریعہ معلوم کر لیا ہے کہ وہ عنقریب بیمار ہونے والے ہیں۔

اس تاویل کا قرینہ قرآن کریم کی اس آیت کا سیاق ہے، جس میں اس واقعہ کا ذکر ہے، ایک قول یہ بھی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس جملہ ”انی سقیم“ سے اپنی جسمانی علالت مراد نہیں لی تھی بلکہ (قلب کی ناسازی) مراد لی تھی کہ تمہارے کفر و طغیان نے مجھے دکھی کر دیا ہے، اور میرے دل کی حالت سقیم ہے، ایسے میں تمہارے ساتھ، میرے جانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟

دوسرا کہنا یہ تھا کہ ”بلکہ یہ کام بڑے بت نے کیا ہے“ ابراہیم علیہ السلام کی اس بات کا تعلق بھی مذکورہ بالا پہلے واقعہ ہی سے ہے، ہوایہ کہ جب ان کی قوم کے تمام لوگ اس میلے میں چلے گئے اور بستی خالی ہو گئی تو وہ اٹھے اور سب سے بڑے بت کے بیٹھک میں پہنچے، دیکھا تو وہاں بتوں کے سامنے طرح طرح کے حلوؤں، پھلوں، میوؤں، اور مٹھالیوں کے چڑھاوے رکھے ہوئے تھے، ابراہیم علیہ السلام طنز یہ لہجے میں چپکے چپکے ان مورتیوں کو خطاب کر کے کہا کہ سب کچھ موجود ہے ان کو کھاتے کیوں نہیں؟ اور پھر کہنے لگے کہ میں تم سے مخاطب ہوں، کیا بات ہے کہ تم جواب نہیں دیتے؟ اور اس کے بعد انہوں نے سب مورتیوں کو توڑ ڈالا۔

اور سب سے بڑے بت کے کاندھے پر کلباڑا رکھ کر واپس چلے گئے، قوم کے لوگ میلے سے واپس آئے تو انہوں نے مندر میں اپنے دیوتاؤں، بتوں کو اس خراب حالت میں پایا اور سخت برہمی کے ساتھ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ یہ کس کی حرکت ہے؟ کچھ لوگوں نے کہا کہ ہونہ ہو یہ ابراہیم علیہ السلام کا کام ہے، وہی شخص ہے جو ہمارے دیوتاؤں کی برائی کہتا ہے اور اس بستی میں اس کے علاوہ کوئی موجود بھی نہیں تھا، چنانچہ بڑے بڑے پجاریوں، سرداروں کے سامنے ان کی طلبی ہوئی، اور مجمع عام میں ان سے پوچھا گیا کہ ابراہیم، تم نے ہمارے ان دیوتاؤں کے ساتھ یہ کیا حرکت کی ہے؟ اس وقت ابراہیم علیہ السلام نے یہ بات کہی کہ ”بل فعلہ کبیرہم“ بلکہ یہ کام ان سب کے بڑے بت نے کیا ہے۔

پس ابراہیم علیہ السلام کا یہ جواب بھی گویا خلاف واقع تھا، لیکن حقیقت میں ان کے اس جواب کو جھوٹ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان کی اصل غرض اپنی گمراہ قوم کو متنبہ کرنا اور اس طرح لاجواب کر دینا تھا، کہ ان کے غلط عقائد کی قلعی کھل

جائے، چنانچہ اپنی حریف کو اس کی غلطی پر متنبہ کرنے اور اس کو راہ راست پر لانے کے لئے ایک بہترین طریقہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر اس کے ساتھ مناظرہ اور تبادلہ خیالات کا موقع آجائے تو اس کے مسلمات میں سے کسی مسلمہ عقیدہ کو صحیح فرض کر کے اس طرح اس کا استعمال کرے کہ اس کا ثمرہ اور نتیجہ حریف کے خلاف اور اپنے موافق ظاہر ہو۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے مذکورہ واقعہ میں اسی طریقہ کو اختیار کیا۔

ان کی قوم (اللہ) واحد کے علاوہ بیشمار دیوتاؤں اور بتوں کو پوجتی تھی، ان لوگوں کا عقیدہ تھا کہ یہ دیوتا اور بت سب کچھ سنتے اور دیکھتے ہیں، اور ہماری مرادوں کو پورا کرتے ہیں، اور اپنے اپنے ماننے والوں اور اپنے بچاریوں سے خوش ہوتے ہیں، اور اپنے دشمنوں اور مخالفوں سے سخت انتقام لیتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کے لوگوں کی اس خام خیالی اور بد عقیدگی کو عملاً ان پر ظاہر کرنے کے لئے ان کے بتوں اور صورتوں کو توڑ ڈالا، اور بڑے بت کو چھوڑ دیا، پھر جب پوچھ گچھ کی نوبت آئی تو انہوں نے مناظرہ کا وہی بہترین طریقہ اختیار کیا، جس کا ذکر اوپر کیا گیا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی قوم پر یہ بات پوری طرح عیان ہو گئی کہ جو بت اپنے کو شکست و ریخت سے نہ بچا سکے، اور اپنے کسی دشمن کی توڑ پھوڑ کا مقابلہ نہ کر سکے، وہ کسی دوسرے کو کیا نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں، اور عبادت و پرستش کے قابل کیسے ہو سکتے ہیں؟ بعض لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ جواب کی ایک اور تاویل کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے جو یہ کہا ”بل فعلہ کبیرہم“ تو ”کبیرہم“ سے ان کی مراد اللہ تعالیٰ کی ذات تھی، گویا اس جملہ کا مطلب یہ تھا کہ ان بتوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے، وہ اس ذات یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے، جو سب سے بڑا ہے اور جس کے سامنے کسی کی نہیں چلتی۔

اب تیسرے جھوٹ کو لیجئے، ابراہیم علیہ السلام نے سارہ کے بارے میں کہا کہ ”یہ میری بہن ہے“ یہ بات بظاہر خلاف حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اپنی بہن بتایا لیکن اگر اس بات کو ابراہیم علیہ السلام کی اصل مراد کے سیاق میں دیکھا جائے تو ان کا یہ کہنا کہ ”یہ میری بہن ہے“ خلاف حقیقت نہیں ہوگا، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام اور سارہ ہم مذہب دین اسلام کے پیرو ہونے کی حیثیت سے دینی بھائی بہن تھے۔ جیسا کہ خود قرآن نے فرمایا ہے ”انما المؤمنون اخوة“ (الحجرات: ۱۰) تمام اہل ایمان ایک دوسرے کے ساتھ اخوت کا تعلق رکھتے ہیں، اور ظاہر ہے کہ بیوی کا رشتہ قائم ہو جانے سے دینی اخوت کا رشتہ منقطع نہیں ہو جاتا۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے خود فرمایا۔

علاوہ ازیں سارہ ابراہیم علیہ السلام کے چچا ”حاران“ کی بیٹی تھیں، اور اس اعتبار سے ان کو بہن کہنا ایسی بات ہرگز نہیں ہے جس پر حقیقی جھوٹ کا اطلاق ہو سکے۔ ابراہیم علیہ السلام کا سارہ سے یہ کہنا کہ ”اس سرزمین میں سوائے میرے اور

تمہارے کوئی دوسرا مؤمن نہیں ہے۔“ سورت حال کا صحیح بیان تھا کیونکہ اس وقت وہاں کوئی اور ابراہیم علیہ السلام پر ایمان نہیں لایا تھا، اور اس شہر میں ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسرا شخص مؤمن و مسلمان نہیں تھا، لہذا اس موقع پر یہ اشکال پیدا نہیں ہو سکتا کہ ابراہیم علیہ السلام نے سرزمین پر صرف دو مومنوں کے موجود ہونے کی بات کیسے کہی؟ ایک تیسرے مومن لوٹ بھی تو تھے، جیسا کہ قرآن کریم کی شہادت ہے۔

”فامن له لوط“ (عنکبوت: ۲۶) پس ایمان لائے لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام (کے دین) پر، ہاں، یہ اشکال اس صورت میں تو پیدا ہو سکتا تھا، جب ابراہیم علیہ السلام کے اس جملہ کی مراد یہ ہوئی کہ پوری دنیا میں ہم دونوں کے علاوہ کوئی اور مومن نہیں ہے، یا یہ کہ اس وقت ان دونوں کے ساتھ لوط علیہ السلام بھی اس شہر میں ہوتے، شیخ عبدالحق نے (شرح مشکوٰۃ) مذکورہ جملہ کی تشریح میں یہ لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس موقع پر اسلام کے رشتہ اخوت کو صرف اپنی اور سارہ کی ذات تک جو محدود رکھا تو شاید اس کی بنیاد دین اسلام کی وہ نسبت تھیں جو ان کو اصالتا حاصل تھی، اور ان کے تعلق کا وہ خاص شرف تھا، جو سارہ کو حاصل تھا، شیخ نے اس جملے کے تحت ایک اور اشکال اور اس کا جواب نقل کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس جابر حاکم کے سامنے واضح طور پر یہی کیوں نہ کہا کہ ”یہ عورت میری بیوی ہے“۔ ابراہیم علیہ السلام جو مقصد سارہ کو بہن سے تعبیر کر کے حاصل کرنا چاہتے تھے، وہی مقصد وہ بیوی بتا کر بھی حاصل کر سکتے تھے، کیونکہ پہلے زمانوں کے بدقماش لوگوں کا بھی ایک اصول تھا، وہ کسی شخص سے اسی کی بیوی کو کم ہی چھینتے تھے؟ دوسرے یہ کہ وہ جابر حاکم اگر اتنا ہی ظالم اور بواہو اس تھا، تو اس کو اس بات سے کیا سروکار ہو سکتا تھا کہ کوئی عورت کسی کی بہن ہے یا بیوی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جابر حاکم کی ایک خاص عادت تھی کہ وہ کسی شخص سے اس کی بہن کو نہیں چھینتا تھا لیکن شوہر سے اس کی بیوی کو ضرور لے لیتا تھا۔

علاوہ ازیں وہ حاکم مذہب کے اعتبار سے آتش پرست تھا، اور آتش پرستوں میں بہن اور بھائی کے رشتہ کی ایک خصوصی اہمیت تھی، یہاں تک کہ بڑے سے بڑا بواہو اس آتش پرست بھی کسی کی بہن پر بری نظر نہیں ڈال سکتا تھا، اور اپنے اس مذہبی اصول کا احترام کرتا تھا، کہ جو عورت اپنے بھائی کی تولیت اور کفالت میں ہے، یا جس عورت کو کسی شخص نے اپنی بہن بتا دیا ہے، وہ ہر طرح سے محفوظ و مامون ہے، اور اس کا بھائی ہی اس کے بارے میں تمام ترحق و اختیار رکھتا تھا، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے چاہا کہ اسی کے دین کا سہارا لے، اور سارہ کو اس ظالم کے چنگل سے بچانے کے لئے ایسی بات کہیں جو بالکل ہی خلاف واقع بھی نہ ہو اور وہ ظالم بھی اپنے بڑے ارادے سے باز آجائے۔ =

﴿۱۳۳﴾ ﴿۱۳۲﴾ ﴿۱۳۱﴾ ﴿۱۳۰﴾ ﴿۱۲۹﴾ ﴿۱۲۸﴾ ﴿۱۲۷﴾ ﴿۱۲۶﴾ ﴿۱۲۵﴾ ﴿۱۲۴﴾ ﴿۱۲۳﴾ ﴿۱۲۲﴾ ﴿۱۲۱﴾ ﴿۱۲۰﴾ ﴿۱۱۹﴾ ﴿۱۱۸﴾ ﴿۱۱۷﴾ ﴿۱۱۶﴾ ﴿۱۱۵﴾ ﴿۱۱۴﴾ ﴿۱۱۳﴾ ﴿۱۱۲﴾ ﴿۱۱۱﴾ ﴿۱۱۰﴾ ﴿۱۰۹﴾ ﴿۱۰۸﴾ ﴿۱۰۷﴾ ﴿۱۰۶﴾ ﴿۱۰۵﴾ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۳﴾ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۱﴾ ﴿۱۰۰﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۰﴾ ﴿۲۹﴾ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۰﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۰﴾ ﴿۹﴾ ﴿۸﴾ ﴿۷﴾ ﴿۶﴾ ﴿۵﴾ ﴿۴﴾ ﴿۳﴾ ﴿۲﴾ ﴿۱﴾ ﴿۰﴾

کہ تم کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوا ہے تم بولتے نہیں؟ پھر ان کو دابنہ ہاتھ سے مارنا (اور توڑنا) شروع کیا۔

﴿۱۲۵﴾ ﴿۱۲۴﴾ ﴿۱۲۳﴾ ﴿۱۲۲﴾ ﴿۱۲۱﴾ ﴿۱۲۰﴾ ﴿۱۱۹﴾ ﴿۱۱۸﴾ ﴿۱۱۷﴾ ﴿۱۱۶﴾ ﴿۱۱۵﴾ ﴿۱۱۴﴾ ﴿۱۱۳﴾ ﴿۱۱۲﴾ ﴿۱۱۱﴾ ﴿۱۱۰﴾ ﴿۱۰۹﴾ ﴿۱۰۸﴾ ﴿۱۰۷﴾ ﴿۱۰۶﴾ ﴿۱۰۵﴾ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۳﴾ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۱﴾ ﴿۱۰۰﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۰﴾ ﴿۲۹﴾ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۰﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۰﴾ ﴿۹﴾ ﴿۸﴾ ﴿۷﴾ ﴿۶﴾ ﴿۵﴾ ﴿۴﴾ ﴿۳﴾ ﴿۲﴾ ﴿۱﴾ ﴿۰﴾

تو وہ لوگ ان کے پاس دوڑے ہوئے آئے۔ انہوں نے کہا کہ تم ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہو جن کو خود تراشتے ہو؟

﴿۱۲۵﴾ ﴿۱۲۴﴾ ﴿۱۲۳﴾ ﴿۱۲۲﴾ ﴿۱۲۱﴾ ﴿۱۲۰﴾ ﴿۱۱۹﴾ ﴿۱۱۸﴾ ﴿۱۱۷﴾ ﴿۱۱۶﴾ ﴿۱۱۵﴾ ﴿۱۱۴﴾ ﴿۱۱۳﴾ ﴿۱۱۲﴾ ﴿۱۱۱﴾ ﴿۱۱۰﴾ ﴿۱۰۹﴾ ﴿۱۰۸﴾ ﴿۱۰۷﴾ ﴿۱۰۶﴾ ﴿۱۰۵﴾ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۳﴾ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۱﴾ ﴿۱۰۰﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۰﴾ ﴿۲۹﴾ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۰﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۰﴾ ﴿۹﴾ ﴿۸﴾ ﴿۷﴾ ﴿۶﴾ ﴿۵﴾ ﴿۴﴾ ﴿۳﴾ ﴿۲﴾ ﴿۱﴾ ﴿۰﴾

حالانکہ تم کو اور جو تم بناتے ہو اس کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ وہ کہنے لگے کہ اس کے لئے ایک عمارت بناؤ پھر اس کو آگ کے ڈھیر میں ڈال دو

﴿۱۲۵﴾ ﴿۱۲۴﴾ ﴿۱۲۳﴾ ﴿۱۲۲﴾ ﴿۱۲۱﴾ ﴿۱۲۰﴾ ﴿۱۱۹﴾ ﴿۱۱۸﴾ ﴿۱۱۷﴾ ﴿۱۱۶﴾ ﴿۱۱۵﴾ ﴿۱۱۴﴾ ﴿۱۱۳﴾ ﴿۱۱۲﴾ ﴿۱۱۱﴾ ﴿۱۱۰﴾ ﴿۱۰۹﴾ ﴿۱۰۸﴾ ﴿۱۰۷﴾ ﴿۱۰۶﴾ ﴿۱۰۵﴾ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۳﴾ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۱﴾ ﴿۱۰۰﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۰﴾ ﴿۲۹﴾ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۰﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۰﴾ ﴿۹﴾ ﴿۸﴾ ﴿۷﴾ ﴿۶﴾ ﴿۵﴾ ﴿۴﴾ ﴿۳﴾ ﴿۲﴾ ﴿۱﴾ ﴿۰﴾

تو انہوں نے ان کے ساتھ ایک چال چلنی چاہی اور ہم نے انہی کو زیر کر دیا۔ اور ابراہیم بولے کہ میں اپنے پروردگار کی

﴿۱۲۵﴾ ﴿۱۲۴﴾ ﴿۱۲۳﴾ ﴿۱۲۲﴾ ﴿۱۲۱﴾ ﴿۱۲۰﴾ ﴿۱۱۹﴾ ﴿۱۱۸﴾ ﴿۱۱۷﴾ ﴿۱۱۶﴾ ﴿۱۱۵﴾ ﴿۱۱۴﴾ ﴿۱۱۳﴾ ﴿۱۱۲﴾ ﴿۱۱۱﴾ ﴿۱۱۰﴾ ﴿۱۰۹﴾ ﴿۱۰۸﴾ ﴿۱۰۷﴾ ﴿۱۰۶﴾ ﴿۱۰۵﴾ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۳﴾ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۱﴾ ﴿۱۰۰﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۰﴾ ﴿۲۹﴾ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۰﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۰﴾ ﴿۹﴾ ﴿۸﴾ ﴿۷﴾ ﴿۶﴾ ﴿۵﴾ ﴿۴﴾ ﴿۳﴾ ﴿۲﴾ ﴿۱﴾ ﴿۰﴾

طرف جانے والا ہوں وہ مجھے رستہ دکھائے گا۔ اے پروردگار! مجھے (اولاد) عطا فرما (جو) سعادت مندوں میں سے

= یہ اور بات ہے کہ اس ظالم پر شیطان کی گرفت اتنی سخت تھی کہ اس نے نہ تو اپنے دین کے اصول کا احترام

کیا اور نہ اپنی قماش کے لوگوں کی روایت و عادت کا لحاظ رکھا۔ بلکہ سارہ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے درپے ہوا

۔ ابراہیم علیہ السلام نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے یعنی وہ سارہ کو اس حاکم کی طرف روانہ کر کے خود نماز پڑھنے اور دربار رب

العزت میں عرض و مناجات کے لئے کھڑے ہو گئے تاکہ اپنے پروردگار سے التجا کریں، کہ اس کی قدرت کاملہ سارہ کی

عزت کو محفوظ رکھے، اور انہیں اس سخت ترین پریشانی سے نجات دے، چنانچہ اللہ کے مقرب بندوں کی یہی عادت

ہے، کہ جب انہیں کوئی سخت پریشانی لاحق ہوتی ہے اور وہ رنج و مصیبت میں گھر جاتے ہیں، تو نماز پڑھنے لگتے ہیں

، اور ان کا یہ عمل قرآن کریم کی اس آیت کے بموجب ہوتا ہے ”یا ایہا الذین امنوا استعینوا بالصبر

والصلوٰۃ“ (سورة البقرة: ۴۵)۔

فَبَشِّرْهُ بِعُلْمٍ حَلِيمٍ ﴿۱۰۱﴾ لَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَا بُنَيَّ إِنِّي أَرَىٰ

تو ہم نے ان کو ایک نرم دل کے لڑکے کی خوشخبری دی۔ جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے کو پہنچا تو ابراہیم نے کہا کہ بیٹا

فِي الْمَنَامِ إِنِّي أَدْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَىٰ قَالَ يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ

میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ (گویا) تم کو ذبح کر رہا ہوں تو تم سوچو کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابا جو آپ کو حکم

سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۰۲﴾ لَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ ﴿۱۰۳﴾

ہوا ہے وہی کیجئے اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صابروں میں پائے گا۔ جب دونوں نے حکم مان لیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا

وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا بُرْهِيمُ ﴿۱۰۴﴾ هَذَا صَدَقَتِ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكْ نَجْزِي

تو ہم نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم!۔ تم نے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا

الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۰۵﴾ إِنَّ هَذَا لَهَوُ الْبَلَاءِ الْمُبِينِ ﴿۱۰۶﴾ وَفَدَيْنَاهُ بِذَبْحٍ عَظِيمٍ ﴿۱۰۷﴾

دیا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ صریح آزمائش تھی۔ اور ہم نے ایک بڑی قربانی کو ان کا ندیہ دیا

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ ﴿۱۰۸﴾ اللَّهُمَّ عَلَيَّ إِبرَاهِيمَ ﴿۱۰۹﴾

اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا (ذکرِ خیر باقی) چھوڑ دیا۔ کہ ابراہیم پر سلام ہو۔

كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۱۰﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۱﴾

نیکوکاروں کو ہم ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ [3] وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے

[3] ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کے ایک فرزند صالح کیلئے دعا کا ذکر ہے، اور پھر اس دعا کے بعد جو لڑکا پیدا ہوا،

اللہ تعالیٰ کیلئے اس کو قربانی کے لئے پیش کرنے کا ذکر ہے، اہل اسلام کے نزدیک وہ لڑکا جو اللہ کے نام پر ذبح ہوا، وہ اسماعیل

علیہ السلام ہیں، اہل کتاب یہود و نصاریٰ یہ کہتے ہیں کہ وہ اسحاق علیہ السلام تھے، اہل کتاب نے اہل اسلام پر حسد کی بناء

پر اسحاق علیہ السلام کو ذبح اللہ قرار دیا، کہ یہ فضیلت اسماعیل علیہ السلام کے لئے ثابت نہ ہو لیکن آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ

سے یہی ثابت ہے کہ ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام ہیں نہ کہ اسحاق علیہ السلام، اور یہی جمہور اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے اور یہی صحیح قول ہے، کہ ذبیح کا تمام واقعہ اسماعیل علیہ السلام سے متعلق ہے کیونکہ یہ واقعہ ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کے بعد کا ہے جو مکہ میں پیش آیا نہ کہ ملک شام میں۔

اور بعض علماء اہل السنّت سے جو یہ منقول ہے کہ ذبیح اللہ اسحاق علیہ السلام تھے سو ان کا یہ قول صحیح نہیں ان کا یہ قول علماء اہل کتاب سے ماخوذ ہے یا توریت سے ماخوذ ہے، اور موجودہ توریت اول تو وہ توریت نہیں کہ جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی، صفحہ ہستی پر اس توریت کا کہی نام نشان نہیں، دوم یہ کہ جو توریت موسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہے وہ درحقیقت ان مضامین کا مجموعہ ہے جو بعد میں تصنیف ہوئے اور وہ بھی تحریف سے خالی نہیں بلکہ تغیر و تبدل سے مملو ہے،

ابراہیم علیہ السلام جب ہجرت کر کے ارض مقدسہ میں آئے، تو زمانہ تنہائی میں انس اور محبت کے لئے ایک فرزند صالح کی دعا مانگی اور عرض کیا ”رب ہب لی من الصالحین“ اے اللہ مجھ کو ایک نیک فرزند عطا فرما، جو تیرے نیک بندوں میں سے ہو، اور تیری طاعت میں اور دین کی خدمت میں میری مدد کریں اور سفر و حضر میں میری لئے باعث انس ہو، اور میرے بعد میرا جانشین ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی، اور غلام حلیم کی ان کو بشارت دی ”فبشرناہ بغلام حلیم“ چنانچہ اس دعا اور بشارت کے بعد ہاجرہ کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے، پیدائش کے کچھ دنوں بعد ابراہیم علیہ السلام بحکم الہی اسماعیل اور ان کی والدہ ہاجرہ کو وادی غیر ذی زرع فاران کے جنگل اور بیابان میں یعنی مکہ کی سرزمین میں چھوڑ آئے، اور اس بارہ میں اہل اسلام اور اہل کتاب کا کوئی اختلاف نہیں، کہ اسماعیل ابراہیم علیہ السلام کے پہلے فرزند اور اکلوتے بیٹے ہیں، اور اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھبیس سال کی تھی، اور اسحاق علیہ السلام ابھی پیدا بھی نہ ہوئے تھے، ابراہیم علیہ السلام کا اصل قیام ملک شام میں اپنی بی بی سارہ کے ساتھ تھا، اور اس وقت سارہ کے کوئی اولاد نہ تھی، مگر ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کی خبر گیری کے لئے ابراہیم علیہ السلام شام سے بکثرت مکہ معظمہ آتے رہتے تھے، ان کو دیکھ کر واپس ہو جاتے، صبح کو آتے اور شام کو واپس ہو جاتے، دیکھو البدایہ والنہایہ ۱۵۹/۱۔

کچھ عرصہ بعد اسماعیل علیہ السلام بڑے ہو گئے چلنے پھرنے لگے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے بذریعہ خواب ابراہیم علیہ السلام کو یہ اشارہ فرمایا کہ اپنے اس فرزند وحید اور اکلوتے بیٹے کو ہمارے نام پر ذبیح کرو جس سے مقصود ابراہیم علیہ السلام کی محبت کا امتحان تھا، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام دل و جان سے اس حکم کی تعمیل کے لئے آمادہ ہو گئے اور یہ تمام واقعہ اسحاق علیہ السلام کی ولادت سے بہت پہلے کا ہے، معلوم ہوا کہ فبشرناہ بغلام حلیم سے اسماعیل کی ولادت کی بشارت

مراد ہے، اور ذبیح اللہ بھی غلامِ حلیم ہے، اور ”فدیناہ بذبح“ سے اسی غلامِ حلیم کے ذبح کا فدیہ مراد ہے۔

۲ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں غلامِ حلیم کی بشارت اور ان کے ذبح اور ان کے فدیہ کے بعد اسحاق کی بشارت کا ذکر فرمایا اور ”و بشارناہ باسحق“ فرمایا اور یہ دوسری بشارت ہے جو پہلی بشارت کے عرصہ بعد دی گئی، اور اس بشارت کو بحرف عطف ذکر سے جس کا پہلی بشارت ”فبشارناہ بغلامِ حلیم“ پر عطف ہے معلوم ہوا کہ یہ بشارت اور یہ قصہ پہلی بشارت اور قصہ سے مختلف ہے، اور مغایر ہے، اس لئے کہ عطف مغایرت پر دلالت کرتا ہے، پہلی خوشخبری اسماعیل علیہ السلام کے متعلق تھی، اور دوسری خوشخبری اسحاق علیہ السلام کے متعلق ہے، جو واقعہ ذبح کی بعد دی گئی، ابراہیم علیہ السلام جب پہلے لڑکے کے ذبح پر حسب حکم الہی مستعد ہو گئے اور امتحان میں پورے اترے تو اللہ تعالیٰ نے فدیہ بھیج کر ان کو بچا لیا، اور کمال عنایت والطف سے بعد چندے ایک اور فرزند کی بشارت دی، یعنی اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی، اور فرمایا و بشارناہ باسحق، ان آیات میں دو بشارتوں کا ذکر ہے ایک فرزند کی بشارت تو ابراہیم علیہ السلام سوال اور التجاء کے بعد ہوئی اور دوسرے فرزند کی بشارت بدون سوال اور التجاء کے ہوئی، اور مختلف وقتوں میں ہوئی، اول اللہ تعالیٰ نے بڑے بیٹے اور اکلوتے بیٹے کی بشارت کا ذکر کیا، اور پھر ان کے چھوٹے بھائی اسحاق علیہ السلام کی بشارت کا ذکر کیا، اور اس دوسری بشارت کا پہلی بشارت پر عطف کیا، معلوم ہوا کہ یہ دوسری بشارت پہلی بشارت سے مغایر اور مختلف ہے، اور اسماعیل علیہ السلام، اسحاق علیہ السلام سے تقریباً چودہ سال بڑے تھے۔

۳ پھر دونوں فرزندوں کی بشارت کے بعد حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں ”و بارکنا علیہ و علی اسحاق“ اور برکت نازل کی ہم نے اس پر اور اسحاق پر، عموماً مفسرین نے علیہ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع کی ہے، اور علیٰ ہذا اس کے بعد والی آیت ”ومن ذریتہما محسن و ظالم لنفسہ مبین“ ضمیر ثننیہ بھی ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق کی طرف راجع کی ہے مگر سیاق و سباق کے زیادہ مناسب یہ ہے کہ بارکنا علیہ کی ضمیر اسماعیل علیہ السلام کی طرف راجع کی جائے، جن کے ذبح کا مفصل قصہ قریب میں ذکر ہو چکا ہے، اور اب علیہ پر اور و علی اسحق کا عطف نہایت مناسب ہے اس لئے کہ علیہ کی ضمیر پہلے اور بڑے بیٹے کی طرف راجع ہے اور بارکنا علیہ میں اول پہلے بیٹے پر برکت کے نزول کا ذکر ہے، اور و علی اسحق کا علیہ پر عطف ہے، جس میں دوسرے بیٹے پر برکت کے نزول کا ذکر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے بیٹے کی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے پر بھی برکت نازل کی اور علیٰ ہذا ”ومن ذریتہما محسن و ظالم“ کی ضمیر ثننیہ عام طور پر مفسرین نے ابراہیم علیہ السلام اور اسحاق کی طرف راجع کی ہے، مگر شاہ

عبدالقادر نے اسماعیل اور اسحاق کی طرف راجع کی ہے، عرض یہ کہ ”وہ بار کناعلیہ وعلی اسحاق میں علیہ کی ضمیر کا اسماعیل کی طرف راجع ہونا اور پھر وعلی اسحاق کا اس پر عطف ہونا یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ ذبح اسحق نہیں بلکہ اسماعیل ہیں، عطف مغایرت کو چاہتا ہے، ایک بھائی کو دوسرے بھائی کے اور ایک بیٹے کو دوسرے بیٹے کے مغایر کہا جاسکتا ہے مگر بیٹے کو باپ کے مغایر نہیں کہا جاسکتا۔

۴۔ نیز حق تعالیٰ نے جب اسحق کی ولادت کی بشارت دی تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا ”ونبیؑ“ وہ نبی بھی ہوئے، معلوم ہوا کہ اسحق ذبح نہیں تھے اس لئے کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو یہ بھی بتلادیا گیا کہ اسحق نبی بھی ہوں گے تو ایسی صورت میں امتحان میں ان کے ذبح کا حکم دینا بے معنی ہے، پھر اسی بشارت کے ساتھ یہ بھی مذکور ہے ”ومن وراء اسحاق يعقوب“ کہ اسحاق کا بیٹا بھی ہوگا جس کا نام یعقوب ہوگا معلوم ہوا کہ اسحاق اتنی عمر کو پہنچیں گے کہ ان کے بیٹا بھی ہوگا تو ایسی حالت میں اگر ذبح کا حکم ہوتا تو نہ نبوت ملتی اور نہ نکاح ہوتا، اور نہ بیٹا ہوتا، نیز اسحاق علیہ السلام کی بشارت کو ”وبشرناہ باسحق“ سے مستقلاً ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قصہ مستقل ہے جس کا پہلے قصہ سے تعلق نہیں۔ متدرک: ۴۰۹۳، عن محمد بن کعب القرظی۔

۵۔ نیز جس ولد کے ذبح کا حکم دیا گیا وہ اس کے بلوغ سے پہلے دیا گیا، اس لئے کہ نص قرآنی میں یہ قید مذکور ہے: ”فلما بلغ معه السعی“ کہ جب وہ لڑکا چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تب اس کے ذبح کا حکم آیا اور یہ حالت بلوغ سے بہت پہلے ہوتی ہے اور اسحق کی بشارت میں ”ونبیامن الصالحین“ کے علاوہ ”ومن وراء اسحق يعقوب“ بھی فرمایا جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اسحق بلوغ کو پہنچیں گے اور صاحب اولاد ہوں گے اگر ان کے ذبح کا حکم ہوتا تو ان کی موت یقینی ہوتی اور عقلا یہ بات غیر معقول ہے کہ اولاد عطا کئے جانے سے پیشتر ہی ذبح کر دیئے جائیں، نیز نبوت عموماً چالیس سال کی عمر میں ملتی ہے۔ ابن کثیر۔

۶۔ نیز اہل اسلام اور اہل کتاب کے اتفاق سے اور تورات سنہ پیدائش باب ۲۲-۲۱ سے صراحتاً یہ بات ثابت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا تو ریت کے قدیم نسخوں میں وحید اور بکر کا لفظ موجود ہے اور با اتفاق یہود و نصاریٰ اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام تھے نہ کہ اسحق علیہ السلام۔ اس لئے کہ اسحق علیہ السلام واقعہ ذبح کے بعد پیدا ہوئے ہیں وہ اکلوتے بیٹے نہ تھے، امتحان کے لئے اکلوتے بیٹے کے ذبح کا حکم ہوا تھا، اسماعیل کی موجودگی میں اسحق کیسے اکلوتے بیٹے ہو سکتے ہیں، جو اسماعیل کے بعد پیدا ہوئے اور تورات کے بعض نسخوں میں جو وحید اور اکلوتے بیٹے کے

بعد لفظ اِٰتِحٰقْ کا بڑھا دیا ہے وہ یہود کی دیدہ و دانستہ تحریف ہے، اکلوتا بیٹا وہ ہے کہ جس کی موجودگی میں کوئی دوسرا بیٹا نہ ہو، اور یہ بات صرف اسماعیل پر صادق آتی ہے کہ ان کی موجودگی میں ان کے سوا اور کوئی بیٹا نہ تھا۔

اس کے علاوہ یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا، اور اس کے اثار اور یادگاروں کا مکہ اور منیٰ میں ہونا اور مدتوں تک فدیہ کے مینڈے کے سینگوں کا خانہ کعبہ میں معلق رہنا یہ تمام باتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ تمام واقعہ مکہ میں پیش آیا، نہ کہ ملک شام میں، شععی کہتے ہیں کہ میں نے فدیہ کے دنبہ کے دونوں سینگوں کو خانہ کعبہ کے اندر دیکھا ہے، اور اسماعیل علیہ السلام بچپن سے مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور اِٰتِحٰقْ علیہ السلام ملک شام کے شہر کنعان میں رہتے تھے، اور کنعان نہ مقام حج ہے اور نہ قربان گاہ ہے، بخلاف منیٰ کے کہ وہ قربان گاہ ہے اور مکہ مقام حج ہے، اور بطور یادگار ابراہیمؑ و اسماعیلؑ حج اور قربانی، اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور رمی جمرات کی سنت آج تک بنی اسماعیل میں جاری ہے، اور حج اور قربانی ملت اسلام کا ایک عظیم شعار ہے، جو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے اب تک مکہ اور منیٰ میں چلی آرہی ہے، ابن کثیر۔

۸۔ اصمعیٰ کہتے ہیں کہ میں نے ابو عمر بن العلاء سے پوچھا کہ دو بیٹوں میں سے ذبیح کون تھا؟ تو مجھ سے کہا اے اصمعیٰ! تیری عقل کہاں جاتی رہی، کہ تجھ کو پونے کی ضرورت پیش آئی کیونکہ مکہ میں اِٰتِحٰقْ کہاں تھے بلکہ وہاں تو اسماعیل تھے اور ذبیح اور قربانی کا مقام بھی مکہ کی سرزمین میں ہے، اور اسماعیل ہی نے اپنے باپ کو خانہ کعبہ کی تعمیر میں مدد دی تھی۔ (قرطبی)۔

۹ اور معاویہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا ”یا ابن الذبیحین“ اے دو ذبیح کے فرزند! کو اللہ نے جو عطا کیا ہے اس میں سے مجھ کو بھی کچھ عطا کیجئے نبی ﷺ یہ سنکر مسکرائے اور ہنسنے، معاویہؓ نے جب یہ روایت اپنی مجلس میں بیان کی تو حاضرین میں سے کسی نے کہا اے امیر المؤمنین وہ دو ذبیح کون ہیں؟ تو فرمایا ایک ذبیح تو اسماعیل علیہ السلام نبی ﷺ کے جد امجد ہیں، اور دوسرا ذبیح اچکے والد ماجد عبد اللہ ہیں جس کا قصہ یہ ہے کہ عبدالمطلب نے جب چاہہ زمر کے کھودنے کا حکم دیا تو اللہ سے یہ نذر کی کہ اگر اللہ نے یہ کام اسان کر دیا تو ایک بیٹے کو اللہ کے نام پر ذبیح کروں گا، عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے قرعہ اندازی میں ذبیح کا قرعہ عبد اللہ کے نام پر نکلا، خاندان اور دیگر احباب نے بیٹے کے ذبیح سے ان کو روکا اور یہ مشورہ دیا کہ فدیہ میں سواونٹ قربان کر ڈالو، عبدالمطلب نے اس کو منظور کیا اور عبد اللہ کی طرف سے فدیہ میں سواونٹ دیئے، اس طرح سے عبد اللہ صاحب حکما ذبیح اللہ ہو گئے، اس لئے حاضر ہونے والے شخص نے نبی ﷺ کو یا ابن الذبیحین سے خطاب کیا، اے دو ذبیح کے بیٹے پہلے ذبیح اللہ اسماعیل علیہ السلام ہے، جو نبی ﷺ کے جد امجد ہے اور دوسرے ذبیح اللہ اچکے والد ماجد =

وَبَشِّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۳۴﴾ ﴿۱۳۳﴾ وَبَرَكَنَا عَلَيْهِ وَعَلَىٰ

اور ہم نے ان کو اسحاق کی بشارت بھی دی (کہ وہ) نبی (اور) نیکوکاروں میں سے (ہوں گے)۔ اور ہم نے ان پر اور

إِسْحَاقَ وَمِن ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ مُبِينٌ ﴿۱۳۳﴾ ﴿۱۳۴﴾

اسحاق پر برکتیں نازل کی تھیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکوکار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے بھی ہیں

وَلَقَدْ مَنَّا عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۱۳۵﴾ وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكُرْبِ

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کئے۔ اور ان کو اور ان کی قوم کو مصیبتِ عظیمہ

= عبد اللہ تھے۔ رواہ الحاكم في المستدرک: ۴۰۹۰۔ تفسیر طبری۔

۱۰ خلیفۃ المسلمین عمر بن عبدالعزیزؓ کے سامنے جب محمد بن کعب قرظیؓ نے یہ فرمایا اور ساتھ ہی اس کی دلیل بھی دی کہ ذبح کا ذکر کرنے کے بعد قرآن میں خلیل اللہ کو اسحاق کے پیدا ہونے کی بشارت کا ذکر ہے اور ساتھ ہی بیان ہے کہ ان کے ہاں بھی لڑکا پیدا ہوگا، یعقوب نامی جب ان کی اور ان کے ہاں لڑکا ہونے کی بشارت دی گئی تھی، پھر باوجود ان کے ہاں لڑکا نہ ہونے کے اس سے پیشتر ہی ان کے ذبح کرنے کا حکم کیسے دیا جاتا؟ تو عمرؓ نے فرمایا یہ بہت صاف دلیل ہے میرا ذہن یہاں نہیں پہنچا تھا گویہ میں بھی جانتا تھا کہ ذبح اللہ اسماعیل ہی ہیں، پھر شاہ اسلام نے شام کے ایک یہودی عالم سے پوچھا جو مسلمان ہو گئے تھے کہ تم اس بارے میں کیا علم رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ امیر المؤمنین! سچ تو یہ ہے کہ جن کے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا وہ اسماعیل علیہ السلام تھے، لیکن چونکہ عرب ان کی اولاد میں سے ہیں تو یہ بزرگی ان کی طرف لوٹتی ہے اس حسد کے مارے یہودیوں نے اسے بدل دیا، اور اسحاق کا نام لے دیا، حقیقی علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، ہمارا ایمان ہے کہ اسماعیل اور اسحاقؑ دونوں ہی طاہر اور طیب اور اللہ کے سچے فرمانبردار تھے۔ ابن کثیر۔ اور جن روایات میں یہ بیان ہے کہ ذبح اللہ اسحاق ہے تو یہ روایات مستدرک رقم ۴۱۰۰، اور بزار: ۱۳۴/۴۔ وغیرہ نے کعب احبار سے نقل کئے ہیں، ابن کثیر ان روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ کعب الاحبار خلافت فاروقی میں مسلمان ہوئے تھے، اور کبھی کبھی عمرؓ کو قدیمی کتابوں کی باتیں سناتے تھے، لوگوں نے اسے رخصت سمجھ کر پھر ان سے ہر ایک بات بیان کرنی شروع کر دی، اور صحیح و غلط کی تمیز اٹھ گئی۔

الْعَظِيمِ ﴿۱۱۵﴾ وَصَرْنَهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ ﴿۱۱۶﴾ وَتَيْنَهُمَا

سے نجات بخشی۔ اور ان کی مدد کی تو وہ غالب ہو گئے۔ اور ان دونوں کو

الْكِتَابِ الْمُسْتَبِينَ ﴿۱۱۷﴾ وَهَدَيْنَهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿۱۱۸﴾

کتاب واضح عنایت کی۔ اور ان کو سیدھا رستہ دکھایا۔

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْأَخْرَبِ ﴿۱۱۹﴾ سَلَّمَ عَلَىٰ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿۱۲۰﴾

اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر چھوڑ دیا۔ کہ موسیٰ اور ہارون پر سلام

إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲۱﴾ إِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۲﴾

بیشک ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ وہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے

وَإِنَّ الْيَأْسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۲۳﴾ الْأَقْصَالَ لِقَوْمِهِ الْأَتَقُونَ ﴿۱۲۴﴾

اور الیاس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟

أَتَدْعُونَ بَعْلًا وَتَذَرُونَ أَحْسَنَ الْخَلْقِينَ ﴿۱۲۵﴾

کیا تم بعل کو پکارتے (اور اسے پوجتے) ہو اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو؟

اللَّهُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأُولِينَ ﴿۱۲۶﴾ فَكَذَّبُوهُ فَإِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۲۷﴾

اللہ کو جو تمہارا اور تمہارے اگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلایا سو وہ (دوزخ میں) حاضر کئے جائیں گے

إِلَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۲۸﴾ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْأَخْرَبِ ﴿۱۲۹﴾

ہاں اللہ کے بندگان خاص (بتلائے عذاب نہیں) ہوں گے۔ اور ان کا ذکر (خیر) پچھلوں میں (باقی) چھوڑ دیا۔

سَلَّمَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ إِذْ يَبْنِي أَيْمُونًا ﴿۱۳۰﴾ كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۳۱﴾

کہ الیاسین پر سلام۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

﴿۱۳۳﴾ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۴﴾ لَوْ طَأَّ لِمَنْ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۳۵﴾

بیشک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔ اور لوط بھی پیغمبروں میں سے تھے۔

﴿۱۳۶﴾ إِذْ نَجَّيْنَاهُ وَأَهْلَهُ أَجْمَعِينَ ﴿۱۳۷﴾ عَجُوزًا فِي الْغَابِرِينَ ﴿۱۳۸﴾

جب ہم نے ان کو اور ان کے گھر والوں سب کو (عذاب سے) نجات دی۔ مگر ایک بڑھیا کہ پیچھے رہ جانے والوں میں تھی۔

﴿۱۳۹﴾ ثُمَّ دَمَرْنَا الْأَخْرِينَ ﴿۱۴۰﴾ لَكُمْ لَتَمُرُّوا عَلَيْهِمْ مُصْبِحِينَ ﴿۱۴۱﴾

پھر ہم نے آوروں کو ہلاک کر دیا۔ اور تم دن کو بھی ان (کی بستیوں) کے پاس سے گزرتے رہتے ہو

وَبِاللَّيْلِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۱۴۲﴾ يُونُسَ لِمَنْ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۴۳﴾ أَبَقَ

اور رات کو بھی، تو کیا تم عقل نہیں رکھتے؟ اور یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔ جب بھاگ کر

إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ﴿۱۴۴﴾ سَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ ﴿۱۴۵﴾

بھری ہوئی کشتی میں پہنچے۔ اس وقت قرعہ ڈالا تو انہوں نے زک اٹھائی۔

﴿۱۴۶﴾ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۱۴۷﴾ قَوْلًا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ ﴿۱۴۸﴾

پھر جھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگ گئے۔ پھر اگر وہ (اللہ کی) پاکی بیان نہ کرتے۔

﴿۱۴۹﴾ لَلْبَثِّ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿۱۵۰﴾ فَبَدَّنَهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ ﴿۱۵۱﴾

تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اسی کے پیٹ میں رہتے۔ پھر ہم نے ان کو جب کہ وہ بیمار تھے فراخ میدان میں ڈال دی

وَأَبْتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّنْ يَقْطِينٍ ﴿۱۵۲﴾ وَرَسُولُهُ إِلَى مِائَةِ أَلْفٍ أَوْ يَزِيدُونَ ﴿۱۵۳﴾

اور ان پر کدو کا درخت اگایا۔ اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف بھیجا۔

﴿۱۵۴﴾ فَآمَنُوا فَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۱۵۵﴾ فَاسْتَفْتَاهُمُ الرَّبُّكَ الْبَنَاتُ وَلَهُمُ الْبُنُونَ

تو وہ ایمان لے آئے سو ہم بھی ان کو ایک وقت تک فائدے دیتے رہے۔ ان سے پوچھو تو کہ بھلا تمہارے پروردگار کے لئے تو بیٹیاں اور ان کے لئے بیٹے

﴿۱۳۹﴾ خَلَقْنَا الْمَلَائِكَةَ إِنَاثًا وَهُمْ شَاهِدُونَ ﴿۱۴۰﴾ إِنَّهُمْ مِّنْ إِفْكِهِمْ لَيَقُولُونَ

یا ہم نے فرشتوں کو عورتیں بنایا اور وہ (اس وقت) موجود تھے؟ دیکھو یہ اپنی جھوٹ بنائی ہوئی (بات) کہتے ہیں۔

﴿۱۴۱﴾ وَاللَّهُ لَعَلِّمٌ لِّهِنَّ الْحِسَابَ ﴿۱۴۲﴾ وَإِنَّهُنَّ لَخَالِفَاتٌ ذَاتُ الْحُجُومِ ﴿۱۴۳﴾ وَاللَّهُ لَعَلِّمٌ لِّهِنَّ الْحِسَابَ ﴿۱۴۴﴾

کہ اللہ کی اولاد ہے کچھ شک نہیں کہ یہ جھوٹے ہیں۔ کیا اس نے بیٹیوں کی نسبت بیٹیوں کو پسند کیا ہے؟

﴿۱۴۵﴾ مَالِكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۱۴۶﴾ لَا تَذَكَّرُونَ ﴿۱۴۷﴾

تم کیسے لوگ ہو کس طرح کا فیصلہ کرتے ہو؟ بھلا تم غور کیوں نہیں کرتے؟

﴿۱۴۸﴾ أَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِينٌ ﴿۱۴۹﴾ أَمْ لَكُمْ كِتٰبٌ بَيِّنٰتٌ ﴿۱۵۰﴾

یا تمہارے پاس کوئی صریح دلیل ہے؟ اگر تم سچے ہو تو اپنی کتاب پیش کرو۔

﴿۱۵۱﴾ وَجَعَلُوا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَنَّةِ نَسْبًا ۗ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ ﴿۱۵۲﴾

اور انہوں نے اللہ میں اور جنوں میں رشتہ مقرر کیا حالانکہ جنات جانتے ہیں کہ وہ (اللہ کے سامنے) حاضر کئے جائیں گے۔

﴿۱۵۳﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُصِفُونَ ﴿۱۵۴﴾ عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلِصِينَ ﴿۱۵۵﴾

یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے۔ مگر اللہ کے بندگان خاص (بتلائے عذاب نہیں ہوں گے)۔

﴿۱۵۶﴾ فَإِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ ﴿۱۵۷﴾ أَأَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفِتْنَيْنِ ﴿۱۵۸﴾

سو تم اور جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے خلاف بہکا نہیں سکتے

﴿۱۵۹﴾ إِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيمِ ﴿۱۶۰﴾ وَإِنَّمَا مِنَّا إِلَآ لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ ﴿۱۶۱﴾

مگر اس کو جو جہنم میں جانے والا ہے۔ اور (فرشتے کہتے ہیں کہ) ہم میں سے ہر ایک کا مقام مقرر ہے۔

﴿۱۶۲﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّٰفُّونَ ﴿۱۶۳﴾ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ﴿۱۶۴﴾

اور ہم صف باندھے رہتے ہیں۔ اور (اللہ اعلیٰ و برتر) کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

وَأِنْ كَانُوا لَيَقُولُونَ ﴿۱۷۷﴾ لَوْلَا أَنْ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۷۸﴾

اور یہ لوگ کہا کرتے تھے۔ کہ اگر ہمارے پاس انگوں کی کوئی نصیحت (کی کتاب) ہوتی۔

لَكُنَّا عِبَادَ اللَّهِ الْمُخْلَصِينَ ﴿۱۷۹﴾ كَفَرُوا بِهِ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۱۸۰﴾

تو ہم اللہ کے خاص بندے ہوتے۔ لیکن (اب) اس سے کفر کرتے ہیں سو عنقریب ان کو (اس کا نتیجہ) معلوم ہو جائے گا۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۸۱﴾ إِنَّ إِلَهُكُمْ لَهُمُ الْمَنْصُورُونَ ﴿۱۸۲﴾

اور اپنے پیغام پہنچانے والے بندوں سے ہمارا وعدہ ہو چکا ہے۔ کہ وہی (مظفر و) منصور ہیں۔

وَأَنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۱۸۳﴾ نَزَّلَ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۱۸۴﴾

اور ہمارا لشکر غالب رہے گا۔ تو ایک وقت تک ان سے اعراض کئے رہو

وَأَبْصُرُهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿۱۸۵﴾ عَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۸۶﴾

اور انہیں دیکھتے رہو یہ بھی عنقریب (کفر کا انجام) دیکھ لیں گے۔ کیا یہ ہمارے عذاب کے لئے جلدی کر رہے ہیں؟

فَإِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ ﴿۱۸۷﴾

مگر جب وہ ان کے میدان میں اترے گا تو جن کو ڈر سنا دیا گیا تھا ان کے لئے بُرا دن ہو گا۔

وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۱۸۸﴾ وَأَبْصُرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُونَ ﴿۱۸۹﴾

اور ایک وقت تک ان سے منہ پھیرے رہو۔ اور دیکھتے رہو یہ بھی عنقریب (نتیجہ) دیکھ لیں گے۔

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۱۹۰﴾

یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحبِ عزت ہے اس سے پاک ہے۔

وَسَلِّمْ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۹۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۹۲﴾

اور پیغمبروں پر سلام۔ اور سب طرح کی تعریف اللہ رب العالمین کو (سزاوار) ہے۔

سورۃ ص (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ ﴿١﴾ اَبَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍ ﴿٢﴾

ص قسم ہے اس قرآن کی جو نصیحت دینے والا ہے۔ (کہ تم حق پر ہو) مگر جو لوگ کافر ہیں وہ غرور اور مخالفت میں ہیں۔

كَمْ أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَآلَاتٍ حِينَ مَنَاصٍ ﴿٣﴾

ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا تو وہ (عذاب کے وقت) لگے فریاد کرنے اور وہ رہائی کا وقت نہیں تھا

وَعَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُونَ هٰذَا سِحْرٌ كَذٰبٌ

اور انہوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے ہدایت کرنے والا آیا اور کافر کہنے لگے کہ یہ تو جادو گر ہے جھوٹا

﴿٤﴾ جَعَلَ الْاِلٰهَةَ الْهٰٓءِ وَاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجَابٌ ﴿٥﴾

کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا لیا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے

وَاَنْطَلَقَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْهُمْ اَنْ اَمْشُوا وَاَصْبِرُوا عَلٰٓى الْهٰٓءِ لَشَيْءٍ يُرٰٓءُ

تو ان میں جو معزز تھے وہ چل کھڑے ہوئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر قائم رہو بیشک یہ ایسی بات ہے جس سے مقصود ہے

﴿٦﴾ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ اِنَّ هٰذَا اِلَّا اِخْتِلَافٌ ﴿٧﴾

یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے

﴿٨﴾ اَنْزَلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنَاۤءِ بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيۡ بَلْ لَمَّا يَدُوۡقُوا عَذَابِ

کیا ہم سب میں سے اسی پر نصیحت اتری ہے؟ بلکہ وہ میری نصیحت کی کتاب سے شک میں ہیں بلکہ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزہ نہیں چکھا

أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيزِ الْوَهَّابِ ﴿٩﴾ أَمْ لَهُمْ

کیا ان کے پاس تمہارے پروردگار کی رحمت کے خزانے ہیں؟ جو غالب اور بہت عطا کرنے والا ہے۔ یا آ

مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَلْيَرْتَقُوا فِي الْأَسْبَابِ ﴿١٠﴾

سمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان پر انہی کی حکومت ہے؟ تو چاہیے کہ رسیاں تان کر (آسمانوں پر) چڑھ جائیں۔

جُنْدٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾

یہاں شکست کھائے ہوئے گروہوں میں سے یہ بھی ایک لشکر ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم اور عاد اور میثون والا فرعون (اور اس کی قوم کے لوگ) بھی جھٹلا چکے ہیں

وَتَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ أُولَئِكَ الْأَحْزَابِ ﴿١٣﴾

اور ثمود اور لوط کی قوم اور بن کے رہنے والے بھی یہی وہ گروہ ہیں

إِن كُنتُمْ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾

(ان) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آواقع ہوا۔

وَمَا يَنْظُرُهُمْ إِلَّا إِلَّا صِيحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ ﴿١٥﴾

اور یہ لوگ تو صرف ایک زور کی آواز کا جس میں (شروع ہوئے پیچھے) کچھ وقفہ نہیں ہوگا انتظار کرتے ہیں

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطْنَآ قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾

اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہمارا حصہ حساب کے دن سے پہلے ہی دیدے۔

﴿۱۷﴾ اَصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُدَ ذَا الْاَيْدِ ۚ اِنَّهُ اَوَّابٌ ﴿۱۷﴾

یہ جو کچھ کہتے ہیں اس پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو صاحبِ قوت تھے بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے [1]

[1] یہ داؤد علیہ السلام کی صفت ہے ”ایسڈ“ بمعنی قوت و طاقت، داؤد علیہ السلام اللہ کی عبادت میں نہایت مضبوط اور چاک و چوبندر رہتے تھے۔ ہر رات نصف شب اللہ کی عبادت میں گزارتے اور ہر دوسرے دن روزہ رکھتے تھے۔ یہ ان کی ساری زندگی کا معمول تھا۔

”اواب“ اللہ کی طرف بہت زیادہ رجوع رکھنے والا، اور اس کی عبادت و طاعت میں لگا رہنے والا (روح المعانی)۔

”اناسخرونا“ پہاڑوں کو ہم نے اپنے حکم سے اس کے مطیع بنا دیا کہ جب وہ صبح و شام اللہ کی تسبیح و تقدیس میں مصروف ہوتے تو پہاڑ بھی زبانِ قال سے ان کے ساتھ اللہ کی تسبیح و تقدیس میں شامل ہو جاتے۔ پہاڑوں کی تسبیح زبانِ قال سے مراد ہے نہ کہ زبانِ حال سے، کیونکہ تسبیحِ حالی ان دو وقتوں سے مخصوص نہیں و تسبیحِ بہن (روح المعانی) و ان ذلک تسبیحِ مقال علی الصحیح من الاقوال (قرطبی)۔

”و الطیر“ یہ الجبال پر معطوف ہے یہ ایت قرینہ ہے کہ سورہ سبائیں الطیر سے پہلے سخرونا مقدر ہے۔ محشورہ، الطیر، سے حال ہے، جب داؤد علیہ السلام تسبیح و تقدیس میں مصروف ہوتے تو پہاڑوں کی شمولیت کے علاوہ پرندے بھی ان کے گرد جمع ہو جاتے، اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تسبیح کرتے۔ ای مجتمعة الیہ من کل جانب تسبح معہ (مظہری)۔

”کل له اواب“ داؤد علیہ السلام کی تسبیح کی وجہ سے سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے: اللام تعلیلیۃ و الضمیر لداود ای کل واحد من الجبال و الطیر لاجل تسبیحہ رجاع الی التسبیح (روح المعانی)۔

”و شددنا“ ہم نے اس کے ملک کو ذاتی ہیبت و وجاہت، غیبی مدد و نصرت، کثرت عساکر اور گونا گوں نعمتوں کی پروا دانی سے مضبوط و مستحکم کر دیا۔ اور اس کو نبوت اور کمالِ علم و عمل سے سرفراز فرمایا اور اسے فیصلہ کن انداز گفتگو کا ملکہ عطا فرمایا (خازن۔ روح)۔

﴿۱۸﴾ إِنَّ سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعُشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ

ہم نے پہاڑوں کو ان کے زیر فرمان کر دیا تھا کہ صبح و شام ان کے ساتھ اللہ کا ذکر (پاک) کرتے تھے۔

وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَهُ أَوَّابٌ ﴿۱۹﴾ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ

اور پرندوں کو بھی جمع رکھتے تھے سب ان کے فرمانبردار تھے۔ اور ہم نے ان کی بادشاہی کو مستحکم کیا اور ان کو حکمت عطا کی

وَفَصَّلَ الْخِطَابِ ﴿۲۰﴾ هَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ

اور بات کا فیصلہ کرنا۔ جہاں تمہارے پاس ان جھگڑنے والوں کی بھی خبر آئی ہے؟ جب وہ دیوار چھاند کر عبادت خانے میں داخل ہوئے

﴿۲۱﴾ إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمِ

جب وہ داؤد کے پاس آئے تو وہ ان سے گھبرا گئے انہوں نے کہا کہ خوف نہ کیجئے ہم دونوں کا ایک مقدمہ ہے

بَغْيِ بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشِطْطُ

کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہم میں انصاف کا فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے گا

وَاهْدِنَا إِلَى سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿۲۲﴾ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً

اور ہم کو سیدھا رستہ دکھا دیجئے۔ (کیفیت یہ ہے کہ) یہ میرا بھائی ہے اس کے (ہاں) ننانوے دُنیاں ہیں

وَلِي نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ قَالَا كُفْلَيْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ ﴿۲۳﴾

اور میرے پاس ایک دُنیا ہے یہ کہتا ہے کہ یہ بھی میرے حوالے کر دے اور گفتگو میں مجھ پر زبردستی کرتا ہے۔

قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجِكَ إِلَىٰ نَعَاجِهِ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْخُلَطَاءِ

انہوں نے کہا کہ یہ جو تیری دُنیا مانگتا ہے کہ اپنی دُنیوں میں ملا لے بیشک تجھ پر ظلم کرتا ہے اور اکثر شریک ایک دوسرے

لِيَبْغِيَ بَعْضُهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

پر زیادتی ہی کیا کرتے ہیں ہاں جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

وَقَلِيلٌ مَّا هُمْ ۖ وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتَنَّهٗ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ

اور ایسے لوگ بہت کم ہیں اور داؤد نے خیال کیا کہ ہم نے ان کو آزما لیا ہے تو انہوں نے اپنے پروردگار سے مغفرت مانگی اور جھک کر گر پڑے اور رجوع کیا

﴿۲۳﴾ فَغَفَرْنَا لَهُ ذَٰلِكَ ۖ وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَآبٍ ﴿۲۴﴾

تو ہم نے ان کو بخش دیا اور بیشک ان کے لئے ہمارے ہاں قرب اور عمدہ مقام ہے۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ

اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں بادشاہ بنایا ہے تو لوگوں میں انصاف کے فیصلے کیا کرو

وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ

اور خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے رستے سے بھٹکا دے گی جو لوگ اللہ کے رستے سے بھٹکتے ہیں

اللَّهُ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ ﴿۲۴﴾

ان کے لئے سخت عذاب (تیار) ہے کہ انہوں نے حساب کے دن کو بھلا دیا۔ [2]

[2] ”وہل اتاک“ ”سوروا“ دیوار پھانڈ کر داخل ہوئے۔ ولا تشطط حق سے تجاوز نہ کرنا ”نعجة“ .

ولد الضان، دنبے کا بچہ، اکفلیہا، وہ مجھے دیدے عزنی، مجھ پر غالب آگیا، یہاں سے لیکر وقلیل ماہم تک ایک واقعے کا ذکر ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام ایک دن عبادت خانے میں مجاہدات تھے اور عبادت خانے کے دروازے اندر سے بند تھے۔ کہ اچانک دو آدمی دیوار پھانڈ کر اندر داخل ہوئے داؤد علیہ السلام ان کے بلا اجازت اور پھر اس انداز سے داخل ہونے سے گھبرا گئے۔ کہ شاید قتل کے ارادے سے آئے ہیں۔ آنے والوں نے کہا: گھبراؤ نہیں، ہم ایک جھگڑے کا فیصلہ لینے آئے ہیں، آپ صحیح فیصلہ صادر فرما کر ہماری راہنمائی فرمائیں۔

بات یہ ہے کہ یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنیاویں ہیں اور میرے پاس صرف ایک ہے، اور یہ میرا بھائی وہ ایک دینی بھی مجھ سے زبردستی لینا چاہتا ہے، اور گفتگو میں مجھ پر غالب آچکا ہے۔ داؤد علیہ السلام نے ایک فریق کی بات سن کر فرمایا: بے شک اس شخص نے تم پر ظلم کیا ہے، اور لوگوں کا دستور ہی یہ ہے کہ اکثر لوگ اپنے ساتھیوں پر ظلم

وزیادتی کرتے ہی رہتے ہیں، البتہ مومنین صالحین ایسا نہیں کرتے۔ لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے۔
 ”وطن داود“ داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ یہ تو میرا امتحان تھا، لیکن مجھ سے لغزش ہوگئی اس لئے فوراً سجدے میں گر پڑے، اور اللہ سے معافی مانگی۔ اس واقعہ میں چونکہ دیوار پھانڈنے والوں اور داؤد علیہ السلام کی لغزش کا بالتعین ذکر نہیں اس لئے ان دونوں کی تعین میں مفسرین کے درمیان خاصا اختلاف پایا جاتا ہے، اس سلسلے میں دشمنان اسلام یہودیوں نے بھی اپنی خود ساختہ خرافات کو مسلمانوں میں رائج کرنے کی کوشش کی ہے، بعض مفسرین نے یہودیوں کی ان خرافات کو اپنی تفسیروں میں بلا تکرار ذکر کر دیا ہے۔

لیکن اکثر محقق مفسرین نے اس اسرائیلی قصے کو بالکل رد کر دیا ہے۔ اس اسرائیلی جھوٹے قصے کی رو سے داؤد علیہ السلام کی ننانوے بیویاں تھیں۔ اور ایک دن اپنے ایک امتی کی بیوی پر اتفاقاً نظر پڑ گئی۔ اور اس کے حسن و جمال کی بناء پر وہ اسے چاہنے لگے چنانچہ اس کے خاوند کو جہاد میں بھیج کر مروادیا اور اس کی بیوی سے شادی کر لی۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرشتے بھیج کر انہیں اس پر متنبہ فرمایا، یہ قصہ سراسر جھوٹا اور داؤد علیہ السلام پر افتراء اور ان کی شان بلند کے قطعاً منافی ہے یہ حرکت تو ایک کامل مومن سے بھی سرزد نہیں ہو سکتی۔ چہ جائیکہ ایک جلیل القدر پیغمبر اس کا ارتکاب کرے چونکہ یہ واقعہ عصمت انبیاء علیہم السلام کے خلاف ہے اس لئے تمام محققین نے اسے باطل و مردود قرار دیا ہے۔

علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ جو شخص داؤد علیہ السلام کے بارے میں یہ واقعہ بیان کرے گا میں اس کو ایک سو ساٹھ درے ماروں گا، جو انبیاء علیہم السلام پر بہتان باندھنے کی سزا ہے۔ قال علی من حدثکم بحديث داود عليه السلام على ما يرويه القصص جلدته مائة وستين جلدة وهو حد الفرية على الانبياء (مدارك، خازن، بیضاوی، روح، قرطبی، جامع البیان)، علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: قد ذکر المفسرون ههنا قصة اكثرهما خوزة من الاسرائليات ولم يثبت فيها عن المعصوم حديث يجب اتباعه (ابن کثیر).

قاضی عیاض فرماتے ہیں، لا يجوز ان يلتفت الى ماسطره الاخباريون من اهل الكتاب الذين بدلوا وغيروا، ونقله بعض المفسرين، ولم ينص الله تعالى على شيء من ذلك، ولا ورد في حديث صحيح و الذي نص عليه الله في قصة داود، ووطن داود، انما افتناه، وليس في قصة داود اوريا خبر ثابت (خازن).

علامہ معین الدین بن صفی رقمطراز ہیں: وما يذكره القصص ليس له اصل يعتمد عليه (جامع البیان) امام بیضاوی تحریر فرماتے ہیں وما قيل انه ارسل اوريا الى الجهاد مراداً و امر ان يقدم حتى قتل

فتن ووجها، هناء وافتراء (بیضوی)۔

ابو حیان فرماتے ہیں: ويعلم قطعان انبياء عليهم السلام معصومون من الخطايا لا يمكن وقوعهم في شيء منها ضرورة اذ لو جوزنا عليهم شيئا من ذلك بطلت الشرائع، ولم ننق بشيء مما يذكرون انه اوحى الله به اليهم. فما حكى الله تعالى في كتابه يمر على ما اراده الله تعالى وما حكى القصاص مما فيه غض من منصب النبوة طر حناه (بحر)۔

اب سوال یہ ہے کہ اصل لغزش کیا تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل لغزش جو بھی ہو وہ ترک اولیٰ کے قبیل سے ہو سکتی ہے۔ از قبیل گناہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ باجماع اہل السنۃ انبیاء علیہم السلام ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں البتہ اپنے منصب جلیل کے پیش نظر وہ ترک اولیٰ کو بھی اپنے حق میں گناہ سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اس طرح الحاح و تضرع سے اس کی معافی مانگتے ہیں جس طرح ہمیں کبیرہ گناہوں پر معافی مانگنی چاہئے ولا بد من القول بانہ لم یکن منہ علیہ السلام الا ترک ما هو الا ولی بعلی شانہ والاستغفار منہ وهو لا یخل بالعصمة (روح)۔ اصل لغزش کی تعیین میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں، بعض کے نزدیک لغزش یہ تھی کہ ان کے پڑوس میں ایک عورت عریاں نہا رہی تھی، وہ کھڑکی کی طرف بڑھے تو اچانک بلا قصد و ارادہ ان کی نگاہ اس پر پڑ گئی، لیکن انہوں نے فوراً نگاہ پھیر لی۔ (قرطبی)۔ یہ فعل اگرچہ گناہ نہیں لیکن یہاں یہ مراد نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں دنیوں کے ذکر کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ بعض نے کہا ہے کہ داؤد علیہ السلام نے ایک مسلمان سے کہا تھا کہ تم اپنی بیوی کو میری خاطر طلاق دیدو، اور ایسا کرنا انکے یہاں جائز اور مروج تھا، لیکن داؤد علیہ السلام کی شان رفیع کے خلاف تھا اس لئے تنبیہ کی گئی اور بعض نے کہا کہ داؤد علیہ السلام نے ایک مسلمان کی خطبہ پر خطبہ کیا تھا وغیرہ (روح)۔

لیکن سب سے زیادہ موزوں اور مناسب تو جیہہ وہ ہے جو بعض مفسرین نے لکھی ہے۔ اور شیخ حسین علی نے جسے ترجیح دی ہے اس تو جیہہ میں نہ اسرائیلیات کا سہارہ لینے کی ضرورت ہے نہ ظواہر نظم کو ظاہر سے پھیرنے کی حاجت، اور لغزش بھی خود سیاق نظم ہی سے متعین ہو رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دیوار پھاند کر اندھ داخل ہونے والے انسان نہیں تھے بلکہ فرشتے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے امتحان کے لئے بھیجا تھا۔ روی ان اللہ بعث الیہ ملکین فی صورة انسانین فطلبان یدخلا علیہ فوجداه فی یوم عبادتہ فمعهما الحرس فتسورا المحراب (مدارک)۔ اور پھر انہوں نے جو صورت قضیہ داؤد علیہ السلام کے سامنے پیش کی وہ نفس الامر میں واقع نہیں تھی بلکہ ایک

مفروضہ صورت تھی گویا وہ یوں کہہ رہے ہیں کہ اگر ہمارے درمیان یہ صورت پیش آجائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ جس طرح اہل خوفِ اعلیٰ و مفعول کی تمثیل میں کہتے ہیں۔ ضرب زید عمر احوالاً تک فی الواقع وہاں ضرب نہیں ہوتی۔ قال الحسن ابن الفضل هذا من الملكین تعریض و تنبیہ کقولہم ضرب زید عمر، و ما کان ضرب و لانا عا ج علی التحقیق، کانه قال نحن خصمن هذه حالنا. قال ابو جعفر النحاس و احسن ما قيل فی هذا ان المعنى يقول خصمن بغی بعضنا علی بعض علی جهة المسئلة كما تقول رجل يقول لامرأته كذا ما يجب علیه (قرطبی)۔ اس کے بعد داؤد علیہ السلام نے مدعی علیہ کو صفائی کا موقع دئے بغیر ہی اپنا فیصلہ صادر فرمایا یہی لغزش تھی: قال النحاس فيقال ان هذه كانت خطيئة داود عليه السلام لانه قال لقد ظلمك، من غير تثبت بينة ولا اقرار من الخصم (قرطبی). وقيل ان ذنب داود اذى استغفر منه ليس هو بسبب اوريا و المرأة و انما هو بسبب الخصمين و كونه قضى لاحدهما قبل سماع كلام الاخر (خازن)۔

داؤد علیہ السلام نے پہلے تو یہی سمجھے تھے کہ فریقین انسان ہیں۔ اور قضیہ واقعہ کے بارے میں فیصلہ لینے آئے ہیں لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ فیصلہ سننے کے بعد دونوں سائل ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور پھر انکے سامنے ہی آسمان کی طرف چڑھ گئے تو سمجھے کہ یہ تو اللہ کی طرف سے ابتلا تھا جس میں مجھ سے لغزش سرزد ہوگئی اس لئے فوراً سر بسجود ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ وقيل لما قضى بينهما نظر احدهما الى صاحبه فضحك ثم صعد الى السماء حيا و وجهه فعلم بذلك ان الله تعالى ابتلاه (روح المعاني)۔

”فغفرنا“ ہم نے ان کی لغزش معاف کر دی، وہ ہمارے نہایت ہی مقرب اور برگزیدہ بندے ہیں اور آخرت میں ہمارے یہاں ان کا انجام بہت عمدہ اور ان کا مقام بہت بلند ہے۔

یاد داؤد “ داؤد علیہ السلام کو دنیا میں جوشان و منزلت عطا کی گئی اس کا ذکر ہے اور ساتھ ہی ہدایت بھی ہیں، ہم نے آپ کو زمین میں حکومت عطا کی اور آپ کو لوگوں کے معاملات کا متولی بنایا ہے۔ اس لئے لوگوں کے باہمی تنازعات کا تصفیہ پوری چھان بین اور تحقیق سے کیا کریں اور عدل و انصاف کو اپنا شعار بنائیں۔ محاکمات میں اور دیگر تمام امور میں خواہش نفس دخل انداز نہ ہونے پائے ورنہ وہ راہ حق اور جاہ عدل سے منحرف کر دے گی جو لوگ خواہش نفس کے تابع ہو کر راہ حق سے بھٹک جائیں گے ان کے لئے سخت ترین عذاب ہے کیونکہ انہوں نے قیامت کے دن کو بھلا دیا ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ذَلِكُمْ ظَنُّ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کائنات میں ہیں اس کو خالی از مصلحت نہیں پیدا کیا یہ ان کا گمان ہے جو کافر ہیں

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۷﴾ نَجْعَلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

سو کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

الصَّالِحَاتِ كَالْمُفْسِدِينَ فِي الْأَرْضِ أَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِينَ كَالْفُجَّارِ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۸﴾

کیا ان کو ہم ان کی طرح کر دیں گے جو ملک میں فساد کرتے ہیں یا پرہیزگاروں کو بدکاروں کی طرح کر دیں گے؟

كِتَابٍ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبْرَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ ﴿۲۹﴾

(یہ) کتاب جو ہم نے تم پر نازل کی ہے بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ اہل عقل نصیحت پکڑیں

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ دَاوُدَ سُلَيْمَانَ نِعَمَ الْعَبْدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۰﴾

اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطا کیا بہت خوب بندے (تھے اور) وہ (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والے تھے

إِذْ عَرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّفِينُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۱﴾

جب ان کے سامنے شام کو خاصے کے گھوڑے پیش کئے گئے

فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ

تو کہنے لگے کہ میں نے اپنے پروردگار کی یاد سے (غافل ہو کر) مال کی محبت اختیار کی یہاں تک کہ پردے میں چھپ گیا

﴿۳۲﴾ ﴿۳۲﴾ فَوَهَّابًا عَلَيَّ فُطِفَقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾ وَاللَّهُ فَتَنَّا

(بولے کہ) ان کو میرے پاس واپس لے آؤ پھر ان کی ناکوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگے۔ اور ہم نے سلیمان

سُلَيْمَانَ وَالْقَيْنَا عَلَيَّ كُرْسِيَهُ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ قَالَ رَبِّ

کی آزمائش کی اور ان کے تحت پر ایک دھڑ ڈال دیا پھر انہوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔ (اور) دعا کی کہ اے

اَغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَا يَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ ۗ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۱۲۵﴾

پروردگار! مجھے مغفرت کر اور مجھ کو ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی کو شایاں نہ ہو بیشک تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِيْ بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿۱۲۶﴾ وَالشَّيْطَانَ

پھر ہم نے تابع کر دیا اس کے ہوا کو، چلتی تھی اس کے حکم سے نرم نرم جہاں پہنچنا چاہتا، اور دیوں کو بھی

كُلَّ بِنَاءٍ وَعَوَاصٍ ﴿۱۲۷﴾ وَأَحْرَيْنَ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ﴿۱۲۸﴾

وہ سب عمارتیں بنانے والے اور غوطہ مارنے والے تھے۔ اور اوروں کو بھی جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔

هَذَا عَطَاؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۲۹﴾

یہ ہماری بخشش ہے (چاہو) تو احسان کرو (چاہو تو) رکھ چھوڑو (تم سے) کچھ حساب نہیں ہے

وَإِنَّ لَهُ عِنْدَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَّآبٍ ﴿۱۳۰﴾ أَذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُّوبَ

اور بیشک ان کے لئے ہمارے ہاں قُرب اور عمدہ مقام ہے۔ [3] اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو

[3] یہ بھی نقلی دلیل ہے سلیمان علیہ السلام بڑے پائے کے پیغمبر اور بادشاہ تھے ان پر بھی اللہ کی طرف سے ابتلاء

آگیا آخر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا اور توبہ کی، وہ تو خود اللہ کے سامنے ایسے عاجز تھے، اس لئے وہ شفیع غالب نہیں ہو سکتے۔

”اذعرض“ ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام کو جہاد کی ضرورت پیش آئی تو پچھلے پھر کے وقت اصطلب سے گھوڑے پیش کرنے کا حکم دیا جن کی تعداد کم و بیش ایک ہزار تھی چنانچہ گھوڑے ان کے سامنے پیش کئے گئے چونکہ وہ گھوڑوں کے اوصاف سے بخوبی واقف تھے جب انہوں نے دیکھا کہ تمام گھوڑے عمدہ نسل کے اصیل اور سب رفتار ہیں تو بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے۔ یہ مال (گھوڑوں کی محبت) بھی یاد الہی کی وجہ سے ہے یہ دنیوی محبت نہیں، اسی دوران میں گھوڑے آنکھوں سے اوجھل ہو چکے تھے، اس لئے دوبارہ حکم دیا کہ ان کو دوبارہ واپس لاؤ جب وہ واپس لائے گئے تو ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر پیار سے تھکی دینے لگے۔ (ابن جریر، کبیر، خازن)۔

”الصافات“ صافن کی جمع ہے صافن اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو ایک پاؤں کو اوپر اٹھا کر اس کے کھر پر کھڑا ہو، یہ گھوڑوں کی عمدہ صفات میں شمار ہوتی ہے۔ الجیاد جو اد کی جمع ہے جو اد تیز اور سبک رفتار کو کہتے ہیں۔

اور السخیر سے مال مراد ہے، عن ذکر ربی، عن بمعنی من ہے عن ذکر ربی میں عن بمعنی من ہے (صحیح البخاری)۔ توارت کی ضمیر الصافات الجیاد کی طرف راجع ہے، ایت کا مذکورہ بالا مفہوم امام ابن جریر طبری، امام رازی، خطیب شربینی اور خازن نے ذکر کیا ہے اور یہ مفہوم جبر الامت عبد اللہ بن عباسؓ سے بسند متصل امام طبری نے روایت کیا ہے، رازی اور طبری نے اسی مفہوم کو ترجیح دی ہے۔ امام رازی نے اس کو امام زہری اور ابن کيسان کی طرف بھی منسوب کیا ہے، والذی ذہبنا الیہ قول الزہری وابن کيسان (السراج المنیر) لیکن علیؓ اور دیگر مفسرین کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ گھوڑوں کی دیکھ پڑتال میں سلیمان علیہ السلام کی نماز عصر جاتی رہی جو ان پر فرض تھی۔ نماز عصر قضا ہونے سے کاسبب گھوڑے تھے اس لئے گھوڑوں کو واپس منگا کر ذبح کر دیا (بحر، روح المعانی۔ معالم، مدارک ابن جریر، ابن کثیر) اس صورت میں توارت کی ضمیر ”الشمس“ (سورج) کی طرف راجع ہوگی جو ”العشی“ سے مفہوم ہے اور ”عن“ اپنے اصل معنی پر ہی ہوگا۔

اور تفصیل یہ لکھتے ہیں: کہ نماز عصر کے قضا ہو جانے کے بعد سلیمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ سورج کو دوبارہ لوٹا دیا جائے، چنانچہ سورج لوٹا دیا گیا، اور آپ نے اپنا معمول پورا کر لیا، اس کے بعد دوبارہ سورج غروب ہوا، یہ علماء ”ردوھا“ کی ضمیر سورج کی طرف راجع مانتے ہیں۔

لیکن محقق مفسرین مثلاً آلوسی وغیرہ نے اس قصے کی تردید کی ہے، اور کہا ہے کہ ”ردوھا“ کی ضمیر گھوڑوں کی طرف راجع ہے نہ کہ سورج کی طرف، اس لئے نہیں کہ (معاذ اللہ) سورج کو دوبارہ لوٹا دینا اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں، بلکہ اس لئے کہ یہ قصہ قرآن وحدیث کی کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ (روح المعانی)۔

اس طرح کے کئی ایک قصے اور بھی مشہور ہیں مثلاً کہ علیؓ کی نماز عصر فوت ہوگئی تو نبی ﷺ نے سورج کو واپس لوٹایا، اس روایت کی تفصیل یہ ہے کہ فضیل بن مرزوق نے ابراہیم حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب عن امہ فاطمة بنت الحسین عن اسماء بنت عمیسؓ کی سند سے نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی آ رہی تھی اور آپ کا سر مبارک سیدنا علیؓ کی گود میں تھا، پس انہوں نے عصر کی نماز نہیں پڑھی حتیٰ کہ سورج غروب ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے علیؓ! کیا تم نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہم انہ کان فی طاعتک وطاعة

رسولک فار دد علیہ الشمس۔ اے اللہ! وہ تیری اطاعت اور تیرے رسول کی اطاعت میں تھا، لہذا اس کے لئے سورج کو واپس بھیج دے۔ اسماءؓ نے کہا پس میں نے اسے (سورج کو) دیکھا غروب ہوا، پھر دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد دوبارہ طلوع ہوا۔ (مشکل الآثار: ۹۲/۳، معجم طبرانی: ۲۴/۲۴، الموضوعات لابن الجوزی: ۳۵۵/۱، الاباطیل والمناکیر: ۱۵۸/۱)۔

اس روایت کی سند ضعیف ہے، ابراہیم حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب کی صریح توثیق زمانہ تدوین حدیث میں سوائے حافظ ابن حبان کے کسی نے بھی نہیں کی، اور مجهول و مستور کی توثیق میں ابن حبان تساہل تھے۔ لہذا ابراہیم حسن بن حسن مذکور مجهول الحال ہیں، اور حافظ ذہبی نے انہیں ضعیف راویوں میں ذکر کیا ہے (الضعفاء والمترکین: ۴۶۱)۔

حافظ ابن تیمیہ نے فرمایا فضیل بن مرزوق کا ابراہیم بن حسن سے سماع معلوم نہیں، ابراہیم کا اپنی ماں فاطمہ سے اور فاطمہ کا اسماء بنت عمیسؓ سے سماع معلوم نہیں ہے۔ منہاج السنۃ: ۱۹۰/۴۔

محمد بن موسیٰ القطری المدنی نے عون بن محمد عن امہ ام جعفر عن اسماء بنت عمیسؓ کی سند سے نقل کیا کہ نبی ﷺ نے صہباء (ایک مقام) میں ظہر کی نماز پڑھی، پھر علیؓ کو کسی ضرورت کے لئے بھیجا پھر وہ آئے تو نبی ﷺ عصر کی نماز پڑھ چکے تھے۔ پھر نبی ﷺ نے اپنا سہرا مبارک علیؓ کی گود میں رکھا تو انہوں نے سورج کے غروب ہونے تک کوئی حرکت نہیں کی، پھر نبی ﷺ نے فرمایا: اللہم ان عبدک علیا احتسب بنفسہ علی نبیک فردۃ علیہ شرفھا۔ اے اللہ تیرے بندے علیؓ نے اپنے آپ کو تیرے نبی کے لئے رو کے رکھا، لہذا اس کے لئے سورج کو لوٹا دے۔

اسماءؓ نے کہا پھر سورج طلوع ہو گیا حتیٰ کہ پہاڑوں اور زمین پر دھوپ چھا گئی، پھر علیؓ کھڑے ہوئے تو وضوء کیا اور عصر کی نماز پڑھی پھر سورج غروب ہو گیا۔ یہ واقعہ غزوہ خیبر کے موقع پر صہباء مقام میں ہوا۔ (مشکل الآثار: ۹۲/۳، معجم طبرانی: ۲۴/۲۴، ج: ۳۸۲)۔

اس روایت کی سند ضعیف ہے، عون بن محمد اور ام جعفر (ام عون بنت محمد) دونوں کی توثیق نامعلوم ہے یعنی دونوں مجهول الحال تھے۔ حافظ ابن تیمیہ نے کہا عون اور اسکی ماں (ام جعفر) کی عدالت اور حفظ معلوم نہیں ہے۔ (منہاج السنۃ: ۱۸۹/۴)۔ ام جعفر کا اسماء بنت عمیسؓ سے سماع بھی نامعلوم ہے ایضاً: ۱۸۹۔

تنبیہ: بعض روایات میں سیدہ اسماءؓ سے فاطمہ بنت حسین کے سماع کی تصریح موجود ہے، لیکن ان میں مروان بن معاویہؓ الفزری اور شریک بن عبد اللہ القاضی (مدلسین) کے عنعنوں کی وجہ سے نظر ہے۔

خلاصہ التحقیق: سیدنا امیر المومنین علیؓ کے لئے سورج کی واپسی والی روایت اپنی دونوں سندوں کے ساتھ

ضعیف یعنی مردود ہے۔ ابن عقدہ رافضی اور ابن مردویہ والی روایت بھی ضعیف و مردود ہیں۔ ابن مردویہ والی روایت میں یزید بن عبد الملک النوفلی (ضعیف) ہے۔ منہاج السنۃ: ۱۹۳/۴، من طریق یحییٰ بن یزید بن عبد الملک النوفلی عن ابيه عن داود بن فراهيج عن عماره عن ابی هريرة۔

”النوفلی“ کے ضعف کے لئے دیکھئے تقریب التہذیب (۷۷۵) اور میزان الاعتدال: ۴/۴۱۴، ترجمہ یحییٰ بن یزید بن عبد الملک۔ اس موضوع کی مردود روایات کی مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے منہاج السنۃ: ۴/۱۸۵، ۱۹۵۔

مظاہر حق: ۳/۸۲۳، میں یوشع علیہ السلام کی روایت کے بعد لکھتا ہے کہ: مواہب لدنیہ کی روایت کے مطابق نبی ﷺ کے لئے سورج ٹہرنے کا واقعہ دوسرے مرتبہ پیش آیا ہے، ایک بار تو شب معراج کے دوسرے دن اور دوسری بار غزوہ خندق کے دن جبکہ کفار نے آپ ﷺ کو جنگ میں الجھائے رکھ کر عصر کی نماز پڑھنے سے روک دیا تھا، یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لئے سورج کو واپس کیا، (یعنی عصر کا وقت لوٹایا) تب آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھی، اسی طرح ایک مرتبہ آپ ﷺ کے حکم سے علیؑ کے لئے بھی سورج واپس ہوا ہے، وہ یوں کہ ایک دن نبی ﷺ ان کے زانوں پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے کہ اسی حالت میں آپ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا، اس صورت میں آپ ﷺ کا سر مبارک اپنے زانوں پر سے نہ اٹھا سکے یہاں تک کہ عصر کا وقت ختم ہو گیا، اور وہ نماز نہیں پڑھ سکے، چنانچہ نبی ﷺ نے ان کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے سورج کو واپس کیا، تب انہوں نے عصر کی نماز وقت پر ادا کی، مواہب لدنیہ نے اس واقعہ کو بھی تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، لیکن علماء نے اس واقعہ میں کلام بھی کیا ہے، ایسی ایک من گھڑت واقعہ شمس التبریز ملتانی کو بھی منسوب ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یوشع علیہ السلام کے علاوہ اور کسی کے لئے سورج کو کبھی نہیں ٹہرایا گیا، اور یہ روایت متفق علیہ: خ: ۳۱۲۴، م: ۱۷۷۷، میں ہے۔

آمدم بر سر مطلب لیکن امام رازی نے اس توجیہ پر کئی اعتراضات وارد کئے ہیں۔ اول یہ کہ ”الصافات“ کا ذکر آیت میں صریح ہے اور الشمس کا کوئی ذکر نہیں اس لئے الصافات کی طرف ضمیر لوٹانا بہتر ہے، دوم مسح بالسوق کو ذبح پر محمول کرنا صحیح نہیں ورنہ فامسحوا برؤسکم کے معنی بھی قطع کرنے کے ہوتے، البتہ مسح بالسيف قطع کے معنی میں آتا ہے لو کان مسح السوق والا عنان قطعها لکان معنی قوله وامسحوا برؤسکم وارجلکم قطعها، وهذا مما لا يقوله عاقل بل لو قيل مسح رأسه بالسيف فرما فهم منه ضرب العنق.

سوم۔ سینکڑوں گھوڑوں کو بے مقصد ذبح کر دینا جبکہ وہ ہوں بھی بے تصور ایک پیغمبر کی شان سے بعید ہے۔

”ولقد فتنا“ سلیمان علیہ السلام کو ہم نے آزمائش میں ڈالا اور ان کے تخت پر ایک جسد ڈال دیا، اس آیت میں جسد اور آزمائش کی تعین نہیں کی گئی، اس لئے اس کی تعین میں بھی اختلاف ہے، بعض مفسرین نے لکھا ہے حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ سلیمان علیہ السلام نے قسم کھائی کہ آج رات میں اپنی تمام بیویوں سے مقاربت کروں گا، تو ہر ایک کے بچہ پیدا ہوگا۔ اور ہر بچہ مجاہد ہوگا، انشاء اللہ نہ کہا، چنانچہ ایک بیوی کے سوا کسی کے بچہ پیدا نہ ہوا اور وہ بھی ناقص الخلقہ تھے، اس کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر سلیمان علیہ السلام انشاء اللہ کہہ لیتے تو تمام بیویوں کے بچے پیدا ہوتے اور سب مجاہد و شہسوار ہوتے، حدیث کے الفاظ صرف یہاں تک ہیں، اس حدیث کو نقل کر کے بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ دایہ نے اس کو لا کر جناب سلیمان علیہ السلام کے سامنے تخت پر ڈال دیا اس پر سلیمان علیہ السلام متنبہ ہوئے کہ یہ انشاء اللہ نہ کہنے کا نتیجہ ہے چنانچہ فوراً توبہ و استغفار کیا۔ یہ حدیث صحیح ہے جو صحیح بخاری: ۳۴۲۲، کے علاوہ دوسری کتابوں میں بھی موجود ہے لیکن اس حدیث کے کسی بھی طریق میں ادنیٰ سا اشارہ بھی ایسا نہیں ملتا جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے، حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ اپنی جگہ ہے لیکن وہ واقعہ اس آیت کی تفسیر نہیں۔

البتہ مفسرین نے اس کو آیت کی تفسیر میں ذکر کر دیا ہے بعض مفسرین نے جسد سے خود سلیمان علیہ السلام کا جسد مراد لیا ہے، وہ بیماری سے اس قدر بے ہوش اور لاغر ہو گئے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جسد بلا روح ہیں: وقال قوم مرض سليمان مرضا كالاغماء حتى صار على كرسية جسدا كانه بلا روح (بحر).

ولقد فتنا سليمان بسبب مرض شديد لقاها الله عليه و القينا على كرسية منه جسدا و ذلك لشدة المرض و العرب تقول في الضعيف انه لحم على و ضم و جسم بلا روح. ثم اناب اى رجع الى حال الصحة (كبير)

جناب شیخ حسین علی فرماتے ہیں کہ سلیمان علیہ السلام جہاد کے گھوڑوں کی دیکھ بھال میں اس قدر مجھو گئے کہ نماز عصر اپنے اصل وقت سے موخر ہو گئی، اگرچہ سورج غروب نہیں ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس ادنیٰ تغافل پر بطور تنبیہ سلیمان علیہ السلام سے حکومت لے کر ان کی جگہ ایک بے کار شخص کو تخت نشین کر دیا۔ جب انہوں نے استغفار کیا تو انہیں ان کا ملک واپس کر دیا اور گھوڑوں کے عوض ہوا کو ان کے تابع کر دیا۔

اس کے علاوہ بعض مفسرین نے سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کو ایک جن (شیطان) کے قبضے میں لے لینے اور ان

کی حکومت پر مسلط ہونے کا قصد ذکر کیا ہے، وہ سراسر جھوٹا اور یہود و زنادقہ کا افتراء ہے، اس کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں: قال ابوحیان وغيره ان هذه المقالة من اوضاع اليهود وزنادقة السوفسطائية ولا ينبغي لعاقل ان يعتقد صحة ما فيها (روح).

قال القاضى عياض وغيره من المحققين لا يصح ما نقله الاخباريون من تشبيه الشيطان به وتسلطه على ملكه وتصرفه فى امته بالجور فى حكمه وان الشياطين لا يسلطون على مثله وقد عصم اللہ تعالیٰ الانبياء مثل هذا (خازن)۔ واما ما يرويه من حديث الخاتم و الشيطان و عبادة و ثن فى بيت سليمان عليه السلام فمن اباطيل اليهود (مدارك).

”قال رب“۔ سليمان عليه السلام نے اللہ تعالیٰ سے بخشش کی دعا کی۔ انبیاء علیہم السلام کا شیوہ ہے کہ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہتے ہیں جس سے درجات کی بلندی اور گناہوں سے حفاظت کی طلب مقصود ہوتی ہے اس لئے استغفار کے لئے تقدم ذنب ضروری نہیں۔ ”وہب لى ملكا“ سليمان عليه السلام نے یہ بھی دعا کی کہ مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے سوا کسی اور کو نہ ملے: والصحيح انه سائل من اللہ تعالیٰ ملكا لا يكون لاحد من بعده من البشر مثله وهذا هو ظاهر السياق من الآية (ابن كثير)۔

”فسخرنا“ چنانچہ ہم نے سليمان عليه السلام کی دعا قبول کر لی اور ہوا کو اور جنات کو ان کے تابع کر دیا، اصحاب ای اراد (روح)۔ سليمان عليه السلام جہاں چاہتے، ہوا سبک رفتاری سے ان کا تخت اٹھا کر لے جاتی۔ اور جنات کو بھی ان کا مطیع بنا دیا ان میں کچھ تو تعمیر کے کام پر لگا دیئے اور کچھ غوطہ زن تھے جو سمندر کی تہ سے جواہر اور دیگر قیمتی اشیاء نکال کر دیتے اور جو شیا طین زیادہ سرکش اور طاعنی تھے ان کو زنجیروں میں جکڑ کر قید میں ڈال رکھا تھا۔

”هذا“ یہ اللہ کی طرف سے سليمان عليه السلام سے خطاب ہے یہ ملک عظیم اور انعامات بے پایاں ہم نے تجھے دیئے ہیں اب تجھے اختیار ہے کہ اس میں سے اوروں کو بھی دے یا نہ دے۔ قال ابن عباس اعط من شئت و امنع من شئت بغير حساب ای ليس عليك حرج فيما اعطيت و فيما امسكت (كبير).

”وان له عندنا“ اس دنیوی سلطنت، تشریح، وشیا طین کے علاوہ سليمان عليه السلام کا ہمارے یہاں مرتبہ بہت بلند ہے اور ان کی عاقبت بھی محمودہ ہے اور وہ ہمارے مقبول اور برگزیدہ بندے ہیں۔

﴿۲۱﴾ اِذْ نَادَى رَبَّهُ اَنْى مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿۲۱﴾

جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ (اے اللہ) شیطان نے مجھے ایذا اور تکلیف دے رکھی ہے۔

﴿۲۲﴾ اَرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿۲۲﴾

(ہم نے کہا کہ زمین پر) لات مارو (دیکھو) یہ (چشمہ نکل آیا) نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو (شیریں)۔

﴿۲۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهُ اَهْلَهُ وَمِثْلَهُمْ مَعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرًا لِاُولٰى الْاَلْبَابِ ﴿۲۳﴾

اور ہم نے ان کو اہل اور ان کے ساتھ ان کے برابر اور بخشے ہماری طرف سے رحمت اور عقل والوں کے لئے نصیحت تھی۔

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْتًا فَاَضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنُتْ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِّعْمَ الْعَبْدُ

اور اپنے ہاتھ میں جھاڑو لو اور اس سے مارو اور قسم نہ توڑو بیشک ہم نے ان کو ثابت قدم پایا بہت خوب بندے تھے

اِنَّهٗ اَوْابٌ ﴿۲۴﴾ اِذْ كُرِعَ اٰدَمُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ

بیشک وہ رجوع کرنے والے تھے۔ [4] اور ہمارے بندوں ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کو

[4] ایوب علیہ السلام کی قوم مسئلہ توحید کی وجہ سے ان کی مخالف ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک شدید بیماری کی

شکل میں ان پر ابتلاء آیا، جس کی وجہ سے شہر والوں نے ان کو شہر سے نکال دیا، آخر انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ

نے ان کو اس بیماری سے شفا عطا فرمائی جس کا اپنا یہ حال ہو وہ کسی طرح شفیع غالب نہیں بن سکتا۔

”انسی مسنی الشیطان“ نصب، شدت تکلیف ایوب علیہ السلام کی بیماری طول پکڑ گئی اور وہ تقریباً اٹھارہ

سال اس میں مبتلا رہے، اس بیماری کی وجہ سے انہوں سخت تکلیف اٹھائی، ایک دن ان کی بیوی کسی کام سے جا رہی تھیں،

راستے میں ایک طبیب دیکھا جو درحقیقت شیطان تھا اور انسانی شکل میں متمثل ہو کر سامنے آیا، اس سے اپنے خاوند کی بیماری

کا ذکر کیا تو شیطان (بصورت طبیب) نے کہا کہ میں اس شرط پر علاج کروں گا کہ جب تمہارا خاوند میرے علاج سے

تندرست ہو جائے تو تم غیر اللہ کے نام کی قربانی دو گے۔

بیوی صاحبہ چونکہ ایوب علیہ السلام کی بیماری کی وجہ سے نہایت غمزدہ اور دلگیر تھیں، اس لئے ان کے دل میں

شیطان کے قول کی طرف کچھ میلان ہو گیا، انہوں نے یہ واقعہ ایوب علیہ السلام سے ذکر کیا، تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ وہ شیطان ہے، اور اس سے انہیں نہایت ہی شدید روحانی تکلیف پہنچی، اور نہایت عاجزی اور زاری سے اللہ کی بارگاہ میں دعا کی، اے میرے پروردگار شیطان نے اپنے اس بول سے مجھے سخت اذیت دی ہے، اب مجھ پر مہربانی فرما اور اس مصیبت سے نجات عطا کر۔ ان الشیطان تعرض لامرأته بصورة طیب، فقالت له ان ههنا مبتلی فهل لك ان تداويه؟ ان الشیطان طلب منها ان تذبح لغير الله تعالى اذا عالجها وبرأ، فمالت لذلك، فعظم عليه السلام الامر، فنادى، (روح). اشار بقوله مسنى الشيطان الى تعريضه لامرئته وطلبه ان تشرک بالله تعالى وکانه يشتكى هذا الامر کان عليه اشد من مرضه (بحر).

”ارکض“ اللہ کی رحمت جوش میں آئی فرمایا زمین پر اپنا پاؤں مارو، فوراً ٹھنڈے پانی کا چشمہ نمودار ہوگا۔ اس سے غسل کرو اور اس سے پیو، چنانچہ انہوں نے زمین پر پاؤں مارا اس ٹھنڈے پانی کا چشمہ ابل پڑا، اس میں غسل کیا اور اس میں سے پیا تو فوراً تندرست ہو گئے گویا بیمار تھے ہی نہیں۔

”ووهبنا له اهله“ ابتلاء میں ان کی جو اولاد فوت ہو گئے تھے اس کو دوبارہ زندہ کر دیا اور اس کے علاوہ بھی اولاد عطا فرمائی یہ سب اللہ کی مہربانی تھی، نیز اس میں عقل مند لوگوں کے لئے عبرت ہے کہ مصائب و شدائد میں صبر کرنے کا یہ ثمرہ ہے۔

”وخذ“ ایوب علیہ السلام کی بیوی نے جب طیب (شیطان) والا قصہ ان سے بیان کیا اور اپنی طبیعت کا رجحان ظاہر کیا تو ایوب علیہ السلام نے ناراض ہو کر قسم کھالی کہ اللہ نے اگر مجھے صحت عطا فرمائی تو میں تجھے ایک سو چھڑی ماروں گا، لیکن ان کی بیوی کا جذبہ ایثار و خدمت اس کی وفاداری اور مصیبت میں پیغمبر علیہ السلام کی مخلصانہ خدمت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے محض اپنی مہربانی سے قسم کو پورا کرنے کا یہ حیلہ بتایا کہ پتلی سوشاخوں کا ایک گٹھا اٹھا کر اس کے مارو، تمہاری قسم پوری ہو جائے گی اور تم حائف نہیں ہو گے تم مثل الشیطان لہافی صورۃ ناصح او مداو، و عرض لها شفاء ایوب علی یدیہ علی شرط لا یمكن وقوعه من مومن، فذکرت ذلك له فعلم ان الذی عرض لها هو الشیطان، و غضب لعرضها ذلك علیه، فحلف، فحلل الله یمنه باهون شیء علیه وعلیها الحسن خدمتها ایاہ ورضاه عنها. (بحر)۔ یہ حیلہ ایوب علیہ السلام کے ساتھ مختص تھا اس پر قیاس کر کے حیلہ اسقاط وغیرہ کو جائز کہنا درست نہیں۔

ہر وہ حیلہ جس سے حکمت تشریح باطل ہو جائے ناجائز اور حرام ہے مروجہ حیلہ اسقاط سے بھی حکمت تشریح باطل ہو جاتی ہے: اس لئے وہ بھی جائز نہیں، اور اس حدیث مبارکہ سے بھی حیلہ اسقاط کی رد ہوتی ہے: عن انس قال قال رسول الله ﷺ من نسي صلاة او نام عنها فكفار تها ان يصلها اذا ذكرها، وفي رواية، لا كفارة لها الا ذلك (خ: رقم: ۵۹۷، م: رقم ۶۸۴/۳۱۵، د: رقم: ۴۴۲).

انسؓ سے روایت ہے، کہا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز بھول گیا، یا اس سے سو گیا، اس کا کفارہ یہ ہے کہ جب یاد آئے اسے پڑھ لے، ایک روایت میں ہے کہ اس کا کوئی کفارہ نہیں ہے مگر یہی، (تو اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ندر یہ اس کے بدلے یا صلوة تضاے عمری پڑھنا صحیح نہیں) اس لئے یہ بھی جائز نہیں، ان کل حيلة اوجبت ابطال حكمة شرعية لا تقبل (روح):

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ کسی نامناسب یا مکروہ بات سے بچنے کے لئے کوئی شرعی حیلہ اختیار کیا جائے تو وہ جائز ہے، ظاہر ہے کہ ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں قسم کا اصلی تقاضا یہ ہے کہ آپ اپنی زوجہ مطہرہ کو پوری سوچیاں ماریں، لیکن چونکہ ان کی زوجہ مطہرہ بے گناہ تھیں، اور انہوں نے ایوب علیہ السلام کی بے مثال خدمت کی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے خود ایوب علیہ السلام کو ایک حیلہ کی تلقین فرمائی، اور یہ تصریح کر دی کہ اس طرح ان کی قسم نہیں ٹوٹے گی، اس لئے یہ واقعہ حیلہ کی جواز پر دلالت کرتا ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس قسم کے حیلے اس وقت جائز ہوتے ہیں جبکہ انہیں شرعی مقاصد کے ابطال کا ذریعہ نہ بنایا جائے اور اگر حیلہ کا مقصد یہ ہو کہ کسی حق دار کا حق باطل کیا جائے یا کسی صریح فعل حرام کو اس کی روح برقرار رکھتے ہوئے اپنے لئے حلال کر لیا جائے تو ایسا حیلہ بالکل ناجائز ہے، مثلاً زکوٰۃ سے بچنے کے لئے بعض لوگ یہ حیلہ کرتے ہیں کہ سال کے ختم ہونے سے ذرا پہلے اپنا مال بیوی کی ملکیت میں دیدیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد بیوی نے شوہر کی ملکیت میں دیدیا، اور جب اگلا سال ختم ہونے کے قریب ہوا تو پھر شوہر نے بیوی کو ہبہ کر دیا اس طرح کسی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، ایسا کرنا چونکہ مقاصد شرعیہ کو باطل کرنے کی ایک کوشش ہے اس لئے حرام ہے، اور شاید اس کا وبال ترک زکوٰۃ کے وبال سے زیادہ بڑا ہو۔ روح المعانی و سرحسی۔ بحوالہ معارف القرآن۔

اور اس حدیث سے استدلال کرنا بھی صحیح نہیں جو کہ سعدؓ سے منقول ہے: اتى النبي ﷺ بمرجل كان في الحى مخدج سقيم فوجد على امة من امائهم يخبث بها فقال: خذوا له عثكالا فيه مائة شمراخ، فاضربوه به ضربة. ابو داود ۵: ۲۴۷۲، ابن ماجه: ۴-۲۵۷۷ =

﴿۲۴﴾ اُولَى الْأَيْدِي وَالْأَبْصَارِ ﴿۲۵﴾ إِنَّمَا أَخْلَصْنَهُمْ بِخَالِصَةِ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۲۶﴾

یاد کرو جو ہاتھوں والے اور آنکھوں والے تھے۔ ہم نے ان کو ایک (صفت) خاص (آخرت کے) گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا

﴿۲۷﴾ وَإِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمَنْ الْمُصْطَفَيْنَ الْأَخْيَارِ ﴿۲۸﴾

اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے۔

﴿۲۹﴾ وَادْخُرُوا سَمْعِئِيلَ وَالْيُسْعَ وَذَا الْكِفْلِ وَكُلٌّ مِّنَ الْأَخْيَارِ ﴿۳۰﴾

اور اسماعیل اور الیسع اور ذوالکفل کو یاد کر وہ سب نیک لوگوں میں سے تھے

= ایک دن ایک ایسے شخص کو نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، جو اپنے محلہ کا ایک ناقص الخلق کمزور اور بیمار شخص تھا، اور ایسا بیمار تھا کہ اس کے اچھا ہونے کی کوئی امید نہ تھی، اس شخص کو اہل محلہ کے لونڈیوں میں سے ایک لونڈی کے ساتھ لے کر لے کر گئے پکڑا گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے اس کے بارہ میں یہ حکم صادر فرمایا کہ کھجور کی ایک ایسی بڑی ٹہنی لوجس میں سوچھوٹی ٹہنیاں ہوں اور پھر اس ٹہنی سے اس شخص کو ایک دفعہ مارو۔

”ایک دفعہ مارو“ کہ مطلب یہ ہے کہ اس بڑی ٹہنی کو اس طرح ایک دفعہ مارو کہ اس کی ساری سوٹھنیوں کی چوٹ اس کے جسم کو پہنچ جائے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام، حاکم کو اس بات کی نگہبانی کرنی چاہئے کہ جس شخص کو کوڑے مارنے کی سزا دی جا رہی ہو، وہ مرنے جائے، اور یہ مسئلہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے، ضمن حدیث علیؓ: ص: ۵۸۵، کہ اگر کوئی مریض کسی حد کا مستوجب ہو تو اس پر اس وقت تک حد جاری نہ کی جائے، جب تک کہ وہ اچھا نہ ہو جائے، اور جس مریض کے اچھا ہونے کی توقع ہی نہ ہو اس پر اس طرح حد جاری کی جائے جس طرح اس حدیث میں مذکور ہے۔
مظاہر حق: ۵۹۰/۳۔

”انا وجدناہ صابرا“ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایوب علیہ السلام کی تعریف و تحسین ہے بیشک ہم نے ایوب علیہ السلام کو صابر پایا۔ اتنی طویل مصیبت میں وہ ایک بار بھی حرف شکایت زبان پر نہ لائے وہ ہمارے بہت ہی اچھے بندے اور ہماری طرف رجوع و انابت کرنے والے تھے، اپنی تکلیف و مصیبت میں انہوں نے ہمارے سوا کسی کو نہیں پکارا۔

هَذَا ذِكْرٌ وَإِنِّ لِلْمُتَّقِينَ لِحُسْنِ مَآبٍ ﴿۳۹﴾ جَنَّتٍ عَدْنٍ مُّفْتَحَةً لَهُمْ

یہ نصیحت ہے اور پرہیزگاروں کے لئے تو عمدہ مقام ہے۔ ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے دروازے ان کے لئے کھلے ہوں گے

الْأَبْوَابُ ﴿۴۰﴾ لِيُكْنَبْنَ فِيهَا يَدْعُونَ فِيهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ وَشَرَابٍ ﴿۴۱﴾

ان میں تکتے لگائے بیٹھے ہوں گے اور (کھانے پینے کے لئے) بہت سے میوے اور شراب منگاتے رہیں گے۔

وَعِنْدَهُمْ قَصْرِاتُ الطَّرْفِ أترابٌ ﴿۴۲﴾

اور ان کے پاس نیچی نگاہ رکھنے والی (اور) ہم عمر (عورتیں) ہوں گی

هَذَا مَا تُوْعَدُونَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۴۳﴾ هَذَا لِرِزْقِنَا مَا لَهُ مِنْ نَفَادٍ ﴿۴۴﴾

یہ وہ چیزیں ہیں جن کا حساب کے دن کے لئے تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔ یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

هَذَا وَإِنِّ لِلطَّغِينِ لَشَرٌّ مَّآبٍ ﴿۴۵﴾ لِيُصَلُّوْنَهَا فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۴۶﴾

یہ سرکشوں کے لئے بُرا ٹھکانہ ہے۔ دوزخ جس میں وہ داخل ہوں گے اور وہ بُری آرامگاہ ہے

هَذَا فَلْيَذُوقُوْهُ حَمِيمٌ وَغَسَّاقٌ ﴿۴۷﴾ لِيُخْرِمُنَّ شَكْلَهُ أَزْوَاجٌ ﴿۴۸﴾

یہ کھولتا ہوا گرم پانی اور پیپ (ہے) اب اس کے مزے چکھیں۔ اور اسی طرح کے اور بہت سے (عذاب ہوں گے)

هَذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ لَا مَرْحَبًا بِهِمْ إِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۴۹﴾

یہ ایک فوج ہے جو تمہارے ساتھ داخل ہوگی ان کو خوشی نہ ہو یہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔

قَالُوا بَلْ أَنْتُمْ لَنَا مَرْحَبًا بِكُمْ أَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوهُ لَنَا فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۵۰﴾

کہیں گے بلکہ تم ہی کو خوشی نہ ہو تم ہی تو یہ (بلا) ہمارے سامنے لائے سو (یہ) بُرا ٹھکانہ ہے۔

قَالُوا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هَذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۵۱﴾

وہ کہیں گے کہ اے پروردگار! جو اس کو ہمارے سامنے لایا ہے اس کو دوزخ میں دونا عذاب دے۔

وَقَالُوا مَا لَنَا لَا نَرَىٰ رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْأَشْرَارِ ﴿٤٣﴾

اور کہیں گے کیا سبب ہے کہ (یہاں) ہم ان شخصوں کو نہیں دیکھتے جن کو بروں میں شمار کرتے تھے۔

اتَّخَذْنَا لَهُمْ سِخْرِيًّا أَمْ زَاغَتْ عَنْهُمْ الْأَبْصَارُ ﴿٤٣﴾

کیا ہم نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے یا ہماری (آنکھیں) ان (کی طرف) سے پھر گئی ہیں؟

إِنَّ ذَٰلِكَ لَحَقُّ تَخَاصُمِ أَهْلِ النَّارِ ﴿٤٣﴾ ۞ إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ وَمَا مِنِّي إِلَّا

بیشک یہ اہل دوزخ کا جھگڑنا برحق ہے۔ کہہ دو کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں اور اللہ یکتا اور غالب کے سوا کوئی

اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿٤٣﴾ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ﴿٤٤﴾

معبود نہیں۔ جو آسمانوں اور زمین اور جو مخلوق ان میں ہے سب کا مالک ہے غالب (اور) بخشنے والا

قُلْ هُوَ نَبَأٌ عَظِيمٌ ﴿٤٤﴾ ۞ إِنَّمَا عَنَّهُ مُعْرِضُونَ ﴿٤٥﴾

کہہ دو کہ یہ ایک بڑی (ہولناک چیز کی) خبر ہے۔ جس کو تم دھیان میں نہیں لاتے۔

مَا كَانَ لِي مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَائِكَةِ إِذْ يَخْتَصِمُونَ ﴿٤٥﴾

مجھ کو اوپر کی مجلس (والوں) کا جب وہ جھگڑتے تھے کچھ بھی علم نہ تھا۔

إِنِّي يُوحَىٰ إِلَيَّ إِلَّا أَنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٥﴾ ۞ ذُكِرَ لِرَبِّكَ لِلْمَلَائِكَةِ

میری طرف تو یہی وحی کی جاتی ہے کہ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں۔ جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا

إِنِّي خَالِقُ بَشَرًا مِنْ طِينٍ ﴿٤٥﴾ ۞ إِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي

کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب اس کو درست کر لوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں

فَقَعُوا لَهُ سَجْدِينَ ﴿٤٥﴾ ۞ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٤٦﴾

تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا

إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ يَا بَلِيْسُ مَا مَنَعَكَ

مگر شیطان اکثر بیٹھا اور کافروں میں ہو گیا۔ (اللہ نے) فرمایا کہ اے ابلیس! جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے

أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيْدِي اسْتَكْبَرْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْعٰلِيْنَ ﴿۲۵﴾

بنایا اس کے آگے سجدہ کرنے سے تجھے کس چیز نے منع کیا، کیا تو غرور میں آ گیا؟ یا اونچے درجے والوں میں تھا؟

قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِيْنٍ ﴿۲۶﴾

بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں (کہ) تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۲۷﴾ لَوْ اَنَّ عَلِيْكَ لَعْنَتِيْ اِلَى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۲۸﴾

فرمایا یہاں سے نکل جا تو مردود ہے۔ اور تجھ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْ اِلَى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۹﴾ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۰﴾

کہنے لگا کہ میرے پروردگار! مجھے اس روز تک کہ لوگ اٹھائے جائیں مہلت دے۔ فرمایا کہ تجھ کو مہلت دی جاتی ہے۔

اِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۱﴾ قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَا اُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۲﴾

اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے۔ کہنے لگا کہ مجھے تیری عزت کی قسم! میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا۔

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِيْنَ ﴿۳۳﴾ قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقُّ اَقُوْلُ ﴿۳۴﴾

سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں۔ فرمایا سچ (ہے) اور میں بھی سچ کہتا ہوں۔

لَا مَلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبَعَكَ مِنْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۵﴾

کہ میں تجھ سے اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔

﴿۸۴﴾ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ

اے پیغمبر! کہہ دو کہ میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں۔ [5]

﴿۸۸﴾ إِنَّ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۸۷﴾ وَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ

یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔ اور تم کو اس کا حال ایک وقت کے بعد معلوم ہو جائے گا۔

[5] عن عبد الله بن مسعود قال يا ايها الناس من علم شيئا فليقل به ومن لم يعلم فليقل

الله اعلم فان من العلم ان تقول: لما لا تعلم الله اعلم، قال الله تعالى لنبهه (قرأ هذه

الاية)۔ (بخاری: ۳۸۰۹، مسلم: ۲۷۹۸)۔ ابن مسعود نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! جو شخص کسی

بات کو جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ اسے بیان کر دے، اور جو نہ جانتا ہو تو چاہئے کہ وہ کہے کہ اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے، اس

لئے کہ جس چیز کا اسے علم نہیں ہے ”اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے“ یہ جملہ کہنا بھی علم کی ایک قسم ہے،

یعنی معلوم کا غیر معلوم سے تمیز کرنا بھی علم کی ایک قسم ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے واسطے فرمایا ہے:

(ترجمہ) اے محمد! کہہ دیجئے کہ میں اس قرآن پر تم سے کوئی بدلہ نہیں مانگتا اور میں تکلف کرنے والے لوگوں میں سے

نہیں ہوں۔ www.ircpk.com

یعنی اس آیت کے ذریعے رسول ﷺ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ لوگوں سے کہہ دیں کہ اللہ نے جو کچھ علم مجھے

دیا اور جتنا مجھے سکھا دیا اور پھر اس کو پھیلانے اور لوگوں کو سکھانے کا حکم دیا، اسی کو لوگوں تک پہنچاتا اور انہیں

سکھاتا ہوں، اس کے علاوہ میں کسی دوسری چیز کا دعویٰ اپنی طرف سے نہیں کرتا، اور نہ ان چیزوں سے بحث کرتا ہوں،

جو مشکل اور سخت ہونے کی وجہ سے عوام کے فہم سے بلند و بالا ہیں، کیونکہ ایسا کرنا خواہہ کا تکلف کرنا ہے۔

سورة الزمر (مکیة) [۱]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

تَنْزِیْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ ﴿۱﴾ اِنَّا اَنْزَلْنٰ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ
اس کتاب کا اتارا جانا اللہ غالب (اور) حکمت والے کی طرف سے ہے۔ (اے پیغمبر!) ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف

بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لِّهُ الدِّیْنَ ﴿۲﴾
سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو اللہ کی عبادت کرو (یعنی) اس کی عبادت کو (شُرک سے) خالص کر کے

اَلَّا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَآءَ
دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لئے (زیبا ہے) اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور دوست بنائے ہیں (وہ کہتے ہیں)

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰی اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَيْنَهُمْ
ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو اللہ کا مقرب بنا دیں تو جن باتوں میں یہ اختلاف کرتے ہیں اللہ ان میں ان کا فیصلہ کر دے گا

فِیْمَا هُمْ فِیْهِ یُخْتَلِفُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ هُوَ كٰذِبٌ كَفّٰرٌ ﴿۳﴾
بیشک اللہ اس شخص کو جو جھوٹا ناشکرا ہے ہدایت نہیں دیتا

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰی مِمَّا یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ سُبْحٰنَهُ
اگر اللہ کسی کو اپنا بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا انتخاب کر لیتا وہ پاک ہے

[۱] عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ بقراً فی کل لیلۃ بنی اسرائیل والزمزم۔ مسند احمد: ۳/۵، وابن کثیر،

یعنی آپ ﷺ ہر رات سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ زمر کی تلاوت کر لیا کرتے۔

هُوَ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۴۱﴾ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ

وہی تو اللہ کیٹا (اور) غالب ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو تدبیر کے ساتھ پیدا کیا ہے

يُكَوِّرُ اللَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى اللَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ

(اور) وہی رات کو دن پر لپیٹتا ہے اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو بس میں کر رکھا ہے

وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْغَفَّارُ ﴿۴۲﴾

سب ایک وقت مقرر تک چلتے رہیں گے دیکھو وہی غالب (اور) بخشنے والا ہے۔

خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَانزَلَ لَكُمْ مِنَ الْأَنْعَامِ

اسی نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا اور اسی نے تمہارے لئے چارپایوں میں سے

ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقْكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّنْ بَعْدِ خَلْقٍ

آٹھ جوڑے بنائے وہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں (پہلے) ایک طرح پھر دوسری طرح

فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۚ ذَٰلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

تین اندھیروں میں بناتا ہے یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں

فَإِنِّي تَصْرَفُونَ ﴿۴۳﴾ ۚ إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنْكُمْ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ

پھر تم کہاں پھرے جاتے ہو؟ اگر ناشکری کرو گے تو اللہ تم سے بے پرواہ ہے اور وہ اپنے بندوں کے لئے ناشکری پسند نہیں

الْكُفْرَ وَإِنْ تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ

کرتا اور اگر شکر کرو گے تو وہ اس کو تمہارے لئے پسند کرے گا اور کوئی اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا

إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۴۴﴾

پھر تم کو اپنے پروردگار کی طرف لوٹنا ہے پھر جو کچھ تم کرتے رہے وہ تم کو بتائے گا وہ تو دلوں کی پوشیدہ باتوں تک سے آگاہ ہے

وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا

اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو اپنے پروردگار کو پکارتا (اور) اس کی طرف دل سے رجوع کرتا ہے پھر جب

خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِنْ قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ أَنْدَادًا

وہ اس کو اپنی طرف سے کوئی نعمت دیتا ہے تو جس کام کے لئے پہلے اس کو پکارتا تھا اسے بھول جاتا اور اللہ کا شریک بنانے لگتا ہے

لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ﴿۸﴾

تا کہ (لوگوں کو) اس کے رستے سے گمراہ کرے کہہ دو کہ (اے کافر نعمت!) اپنی ناشکری سے تھوڑا سا فائدہ اٹھالے۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِثٌ آتَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا

پھر تو دو زنجیوں میں ہوگا (بھلا مشرک اچھا ہے) یا وہ جو رات کے وقتوں میں زمین پر پیشانی رکھ کر اور کھڑے ہو کر عبادت کرتا

يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ

اور اپنے پروردگار کی رحمت کی امید رکھتا ہے کہو بھلا جو لوگ علم رکھتے ہیں اور جو نہیں رکھتے دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟

وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولَٰئِكَ الْأَلْبَابِ ﴿۹﴾

اور نصیحت تو وہی پکڑتے ہیں جو عقلمند ہیں

قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا

کہہ دو کہ اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو اپنے پروردگار سے ڈرو جنہوں نے اس دنیا میں نیکی کی ان کے لئے بھلائی ہے

حَسَنَةً وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ إِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۱۰﴾

اور اللہ کی زمین کشادہ ہے جو صبر کرنے والے ہیں ان کو بی شمار ثواب ملے گا

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَهُ الدِّينَ ﴿۱۱﴾

کہہ دو کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کو خالص کر کے اس کی بندگی کروں۔

وَأْمُرْتُ لِأَنَّ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۲﴾ اِنِّي أَخَافُ إِنَّ عَصَيْتُ

اور یہ بھی ارشاد ہوا ہے کہ میں سب سے اول مسلمان بنوں۔ کہہ دو کہ اگر میں اپنے پروردگار کا حکم نہ مانوں

رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۱۳﴾ اَللّٰهُ اَعْبُدْ مُخْلِصًا لَهُ دِيْنِي ﴿۱۴﴾

تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔ کہہ دو کہ میں اپنے دین کو (شرک سے) خالص کر کے اللہ کی عبادت کرتا ہوں

فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِّنْ دُونِهِ قُلْ إِنَّ الْخٰسِرِيْنَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ

تو تم اس کے سوا جس کی چاہو پرستش کرو کہہ دو کہ نقصان اٹھانے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو

وَاَهْلِيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا ذٰلِكَ هُوَ الْخٰسِرَانِ الْمُبِيْنُ ﴿۱۵﴾

اور اپنے گھر والوں کو نقصان میں ڈالا دیکھو یہی صریح نقصان ہے۔

لَهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِنْ تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهَ بِهٖ

ان کے اوپر تو آگ کے سائبان ہوں گے اور نیچے (اس کی) فرش ہوں گے یہ وہ (عذاب) ہے جس سے اللہ اپنے بندوں کو

عِبَادُهُ يٰعِبَادِ فَاتَّقُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتِ

ڈراتا ہے تو اے میرے بندو! مجھ سے ڈرتے رہو۔ اور جنہوں نے اس سے اجتناب کیا کہ بتوں کو پوجیں

اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنْ اَبُوْا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾

اور اللہ کی طرف رجوع کیا تو ان کے لئے بشارت ہے تو میرے بندوں کو بشارت سنا دو۔

الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰهُمُ اللّٰهُ

جو بات کو سنتے اور اچھی باتوں کی پیروی کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ اُولُو الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ فَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ

اور یہی عقل والے ہیں۔ بھلا جس شخص پر عذاب کا حکم صادر ہو چکا

أَفَأَنْتَ تُنْقِذُ مَنْ فِي النَّارِ ﴿۱۹﴾ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ

تو کیا تم (ایسے) دوزخی کو نجات دے سکو گے؟ لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لئے اونچے اونچے محل ہیں

مَنْ فَوْقَهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَعَدَّ اللَّهُ

جن کے اوپر بالاخانے بنے ہوئے ہیں (اور) ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں (یہ) اللہ کا وعدہ ہے

لَا يُخْلِفُ اللَّهُ الْمِيعَادَ ﴿۲۰﴾ لَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً

اللہ وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ آسمان سے پانی نازل کرتا

فَسَلَكَهُ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِ زَرْعًا مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ثُمَّ يَهِيَجُ

پھر اس کو زمین میں چشمے بنا کر جاری کرتا پھر اس سے کھیتی اگاتا ہے جس کے طرح طرح کے رنگ ہوتے ہیں پھر وہ خشک ہو

فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُ حُطَامًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرًا لِأُولِي الْأَلْبَابِ

جاتی ہے تو تم اس کو دیکھتے ہو زرد (ہو گئی ہے) پھر اسے چوراچورا کر دیتا ہے بیشک اس میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے

﴿۲۱﴾ فَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِّنْ رَبِّهِ

بھلا جس شخص کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہو اور وہ اپنے پروردگار کی طرف سے روشنی پر ہو

﴿۲۲﴾ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۲﴾

پس ان پر افسوس ہے جن کے دل اللہ کی یاد سے سخت ہو رہے ہیں یہی لوگ صریح گمراہی میں ہیں

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ

اللہ نے نہایت اچھی باتیں نازل فرمائی ہیں (یعنی) کتاب (جس کی آیتیں باہم) ملتی جلتی (ہیں) اور دہرائی جاتی ہیں

تَقْشَعْرُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ

جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے بدن کے (اس سے) روٹ گئے کھڑے ہو جاتے ہیں پھر ان کے بدن اور دل

إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ يَشَاءُ

نرم (ہو کر) اللہ کی یاد کی طرف (متوجہ) ہو جاتے ہیں یہی اللہ کی ہدایت ہے وہ اس سے جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے

وَمَنْ يُضِلُّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۲۳﴾ مَن يَتَّقِ بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ

اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ [2] بھلا جو شخص قیامت کے دن اپنے منہ سے بُرے عذاب

يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَقِيلَ لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿۲۴﴾

کو روکتا ہو (کیا وہ ویسا ہو سکتا ہے جو چین میں ہو) اور ظالموں سے کہا جائے گا کہ جو کچھ تم کرتے رہے تھے اس کے مزے چکھو

كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاتَاهُمْ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۵﴾

جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی تکذیب کی تھی تو ان پر عذاب ایسی جگہ سے آ گیا کہ ان کو خبر ہی نہ تھی

فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ

پھر ان کو اللہ نے دنیا کی زندگی میں رسوائی کا مزہ چکھا دیا اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے

[2] شرح کے لفظی معنی کھولنے، پھیلانے اور وسیع کرنے کے ہیں، شرح صدر کے معنی وسعت قلب کے ہیں، جس کا

مطلب یہ ہے کہ قلب میں اس کی استعداد موجود ہو کہ وہ تکوینی آیات الہیہ اسماں وزمین اور خود اپنی پیدائش وغیرہ میں

غور کر کے عبرت اور فوائد حاصل کرے، اسی طرح جو آیات الہیہ بصورت کتاب و احکام نازل کی جاتی ہیں، ان میں غور کر کے

استفادہ کر سکے، اس کا بالقابل دل تنگی اور قساوت قلب ہے۔ قرآن کریم کی ایک آیت ”یجعل صدره ضيقا حرجا“

(انعام: ۱۲۵) اور اس کی جگہ اگلی آیت میں ”للفاسية قلوبهم“ اسی شرح صدر کے بالقابل آیا ہے۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو ہم نے آپ سے شرح

صدر کا مطلب پوچھا آپ نے فرمایا کہ جب نور ایمان انسان کے قلب میں داخل ہوتا ہے تو اس کا قلب وسیع ہو جاتا ہے

(جس سے احکام الہیہ کا سمجھنا اور عمل کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اس (شرح صدر) کی

علامت کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: الانابة الى دار الخلود والتجافي عن دار الغرور والتاهب للموت قبل

نزولہ، شعب الایمان: ۱۰۵۵۲ حلیۃ الاولیا: ۷/۲۸۰.

آیت مذکورہ کو حرف استفہام ”افمن“ سے شروع کیا گیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا ایسا شخص جس کا دل اسلام کے لئے کھول دیا گیا ہو، اور وہ اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے نور پر ہے یعنی اسکی روشنی میں سب کام کرتا ہے اور وہ آدمی جو دل تنگ اور سخت دل ہو، کہیں برابر ہو سکتے ہیں؟ اس کے بالمقابل سخت دل کا ذکر اگلی آیت میں عذاب ویل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

”ویل للقایسیۃ قلوبہم“ قاسیۃ قساوت سے مشتق ہے، جس کے معنی سخت دل ہونا جس کو کسی پر رحم نہ آئے، اور جو اللہ کے ذکر اور اس کے احکام سے کوئی اثر قبول نہ کرے۔

”اللہ نزل احسن الحدیث کتابا متشابہا مثنائی“ اس سے پہلی آیت میں اللہ کے مقبول بندوں کا یہ حال ذکر کیا گیا تھا، کہ یستمعون القول فیتبعون احسنہ، اس آیت میں بتلادیا کہ پورا قرآن ہی احسن الحدیث ہے۔ حدیث کے لفظی معنی اس کلام یا قصے کے ہیں جو بیان کیا جاتا ہے قرآن کو احسن الحدیث فرمانے کا حاصل یہ ہے کہ انسان جو کچھ کہتا بولتا ہے اس سب میں احسن الکلام قرآن ہے۔ آگے قرآن کی چند صفات ذکر فرمائی ہیں۔

”کتابا متشابہا“ متشابہ سے مراد اس جگہ متماثل ہے یعنی مضامین قرآنیہ ایک دوسرے سے مربوط اور مماثل ہیں کہ ایک آیت کی تشریح و تصدیق دوسری آیت سے ہو جاتی ہے، اس کلام میں تضاد و تعارض کا نام نہیں ہے، دوسری صفت مثنائی ہے جو مثنائی کی جمع ہے جس کے معنی مکرر کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم میں، ایک مضمون کو ذہن نشین کرنے لئے بار بار دہرایا جاتا ہے، تیسری صفت یہ بیان فرمائی کہ: ”تقشعور منه جلود الذین یخشون ربہم“ یعنی اللہ کی عظمت سے متاثر ہو کر ڈرنے والوں کا قرآن پڑھ کر خشیت و ہیبت کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کے بدن پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں،

چوتھی صفت یہ ہے ”ثم تلین جلودہم و قلوبہم الی ذکر اللہ“ یعنی تلاوت قرآن کا اثر کبھی عذاب کی وعید سن کر یہ ہوتا ہے کہ بدن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں اور کبھی رحمت و مغفرت کی آیات سن کر یہ حال ہوتا ہے کہ بدن اور قلب سب اللہ کی یاد میں نرم ہو جاتے ہیں۔

اسماء بنت ابی بکر فرماتی ہیں، کہ صحابہ کرام کا عام حال یہی تھا کہ جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا تو ان کی آنکھوں میں آنسو آجاتے اور بدن پر بال کھڑے ہو جاتے۔ (قرطبی)۔

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۷۴﴾ وَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ

اگر یہ سمجھ رکھتے۔ اور ہم نے لوگوں کے (سمجھانے کے) لئے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں بیان فرمائی ہیں

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۱۷۵﴾ قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۱۷۸﴾

تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔ (یہ) قرآن عربی (ہے) جس میں کوئی عیب (اور اختلاف) نہیں تاکہ وہ ڈر مانیں۔

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَجُلًا فِيهِ شُرَكَاءُ مُتَشَاكِسُونَ وَرَجُلًا سَلَمًا

اللہ ایک مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک شخص ہے جس میں کئی (آدمی) شریک ہیں (مختلف المزاج اور) بدخوا اور ایک آدمی

لِّرَجُلٍ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ الْحَمْدُ لِلَّهِ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۷۹﴾

خالص ایک شخص کا (غلام) ہے بھلا دونوں کی حالت برابر ہے؟ (نہیں) الحمد للہ بلکہ اکثر لوگ نہیں جانتے

إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ ﴿۱۸۰﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ إِنْكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ

(اے پیغمبر!) تم بھی مر جاؤ گے اور یہ بھی مر جائیں گے۔ پھر تم قیامت کے دن اپنے پروردگار کے سامنے جھڑو گے

تَخْتَصِمُونَ ﴿۱۸۱﴾ مِمَّنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللَّهِ وَكَذَبَ بِالصِّدْقِ

(اور جھڑا فیصل کر دیا جائے گا)۔ تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ بولے اور سچی بات

إِذْ جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكَافِرِينَ ﴿۱۸۲﴾ الَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ

جب اس کے پاس پہنچ جائے تو اسے جھٹلائے کیا جہنم میں کافروں کا ٹھکانہ نہیں؟ اور جو شخص سچی بات لے کر آیا

وَصَدَّقَ بِهِ أُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ ثُمَّ إِنَّكُمْ مَّا يَشَاءُ وَنَّ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور جس نے اس کی تصدیق کی وہی لوگ متقی ہیں۔ وہ جو چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس (موجود) ہے

ذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۸۴﴾ الْكُفْرَ اللَّهُ عَنْهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي عَمِلُوا

نیوکاروں کا یہی بدلہ ہے۔ تاکہ اللہ ان سے بُرائیوں کو جو انہوں نے کیں دُور کر دے اور نیک کاموں کا جو وہ کرتے رہے

وَيَجْزِيهِمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰۱﴾ ﴿۱۰۰﴾ أَلَيْسَ اللَّهُ بِكَافٍ

ان کو بدلا دے۔ کیا اللہ اپنے بندوں کو کافی نہیں؟

عَبْدَهُ وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۱﴾

اور یہ تم کو ان لوگوں سے جو اس کے سوا ہیں (یعنی غیر اللہ سے) ڈراتے ہیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں

وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ مُضِلٍّ أَلَيْسَ اللَّهُ بِعَزِيزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿۱۰۳﴾ ﴿۱۰۲﴾

اور جس کو اللہ ہدایت دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں کیا اللہ غالب (اور) بدلہ لینے والا نہیں ہے؟

وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلْ أَفَرَأَيْتُمْ

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو کہہ دیں کہ اللہ نے کہو کہ بھلا دیکھو

مَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ

تو جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو اگر اللہ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچانا چاہے تو کیا وہ اس تکلیف کو دُور کر سکتے ہیں

أَوْ أَرَادَنِيَ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ

یا اگر مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو وہ اس کی مہربانی کو روک سکتے ہیں؟ کہہ دو کہ مجھے اللہ ہی کافی ہے بھروسہ رکھنے والے اسی پر

يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۳﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ

بھروسہ رکھتے ہیں۔ کہہ دو کہ اے قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کئے جاؤ میں (اپنی جگہ) عمل کئے جاتا ہوں

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۱۰۵﴾ ﴿۱۰۴﴾ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۱۰۶﴾ ﴿۱۰۵﴾

عنقریب تم کو معلوم ہو جائے گا۔ کہ کس پر عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کرے گا اور کس پر ہمیشہ کا عذاب نازل ہوتا ہے

إِنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ

ہم نے تم پر کتاب لوگوں (کی ہدایت) کے لئے سچائی کے ساتھ نازل کی ہے تو جو شخص ہدایت پاتا ہے تو اپنے (بھلے کے)

وَمَنْ ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿۲۱۱﴾

لئے اور جو گمراہ ہوتا ہے اپنا ہی نقصان کرتا ہے (اور اے پیغمبر!) تم ان کے ذمہ دار نہیں ہو۔

اللَّهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا وَالَّتِي لَمْ تَمُتْ فِي مَنَامِهَا

اللہ لوگوں کے مرنے کے وقت ان کی روحيں قبض کر لیتا ہے اور جو مرے نہیں ان کی روحيں سوتے میں (قبض کر لیتا ہے)

فَيُمْسِكُ الَّتِي قَضَىٰ عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْأُخْرَىٰ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى

پھر جن پر موت کا حکم کر چکتا ہے ان کو روک رکھتا ہے اور باقی روحوں کو ایک وقت مقرر تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱۲﴾ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ

جو لوگ فکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔ [3] کیا انہوں نے اللہ کے سوا اور سفارشی بنا لئے ہیں؟

شُفَعَاءَ قُلُوبًا أَوْ لَوْ كَانُوا لَا يَمْلِكُونَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۱۳﴾

کہو کہ خواہ وہ کسی چیز کا بھی اختیار نہ رکھتے ہوں اور نہ (کچھ) سمجھتے ہی ہوں۔

[3] ”اللہ بتوفی“ یہ عقلی دلیل ہے، یہ ادلہ سابقہ سے بطور ترقی ہے، پہلے انسان کے ابتدائی حالات کا ذکر تھا یعنی اس

کی پیدائش کا اس کے بعد کے حالات یعنی اس کی پرورش اور روزی رسانی کا ذکر کیا گیا اور یہاں اس کی زندگی کے آخری

لمحات کا تذکرہ ہے، حاصل یہ کہ انسان ہر حال میں اللہ کا محتاج ہے، اور اس کے تمام احوال و کوائف اللہ تعالیٰ ہی کے تصرف

و اختیار میں ہیں ”توفی“ یہاں عموم مجاز پر محمول ہے، یعنی مطلق قبض خواہ صرف ظاہر ہو جیسا کہ نیند کی حالت میں

ہوتا ہے، یا ظاہر و باطن ہو جیسا کہ موت کی حالت میں ہوتا ہے، مظہری۔

یعنی اللہ تعالیٰ موت کے وقت روحوں کو قبض کرتا ہے اس طرح کہ ارواح کا ابدان سے بالکل تعلق منقطع

ہو جاتا ہے ظاہر و باطن، اور جن کی موت کا ابھی وقت نہیں آیا نیند کی حالت میں بظاہر ان کی روحيں بھی قبض کر لیتا ہے، یہاں

تک کہ اس حالت میں سونے والے سے ارادہ حس و حرکت سلب ہو جاتی ہے۔

قُلْ لِلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۴﴾

کہہ دو کہ سفارش تو سب اللہ ہی کے اختیار میں ہے اسی کے لئے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے پھر تم اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے

وَإِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ

اور جب تنہا اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے

وَإِذَا ذُكِرَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿۲۵﴾

ان کے دل تنگ ہو جاتے ہیں اور جب ان کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔

قُلِ اللَّهُمَّ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

کہو کہ اے اللہ! (اے) آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے (اور) پوشیدہ اور ظاہر کے جاننے والے!

أَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِي مَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ أَنَّ

تو ہی اپنے بندوں میں ان باتوں کا جن میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں فیصلہ کرے گا۔ اور اگر

لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدُوا بِهِ مِنْ سُوءِ

ظالموں کے پاس وہ سب (مال و متاع) ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اسی قدر اور ہو تو قیامت کے روز

الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَبَدَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مَا لَمْ يَكُونُوا يَحْتَسِبُونَ ﴿۲۷﴾

بڑے عذاب (سے مخلصی پانے) کے بدلے میں دیدیں اور ان پر اللہ کی طرف سے وہ امر ظاہر ہو جائے گا جس کا ان کو خیال بھی نہ تھا

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۲۸﴾

اور ان کے اعمال کی بُرائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ ان کو آگیرے گا

فَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ثُمَّ إِذَا خَوَّلْنَاهُ نِعْمَةً مِّنَّا قَالَ

جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہمیں پکارنے لگتا ہے پھر جب ہم اس کو اپنی طرف سے نعمت بخشتے ہیں تو کہتا ہے

﴿۲۴﴾ إِنَّمَا أُوتِيْتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۴﴾

کہ یہ تو مجھے (میرے) علم (ودانش) کے سبب سے ملی ہے (نہیں) بلکہ وہ آزمائش ہے مگر ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔

﴿۲۵﴾ قَدْ قَالَهَا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۲۵﴾

جو لوگ ان سے پہلے تھے وہ بھی یہی کہا کرتے تھے تو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ان کے کچھ بھی کام نہ آیا۔

﴿۲۶﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئٌ مَّا كَسَبُوا وَالَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ هَؤُلَاءِ سَيُصِيبُهُمْ

ان پر ان کے اعمال کے وبال پڑ گئے اور جو لوگ ان میں سے ظلم کرتے رہے ہیں ان پر ان کے اعمال کے وبال عتقرب

﴿۲۷﴾ سَيِّئٌ مَّا كَسَبُوا وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۲۷﴾ لَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ

پڑیں گے اور وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔ ۵۱۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی جس کے لئے چاہتا ہے رزق کو فراخ کر دیتا

﴿۲۸﴾ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۸﴾

ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے جو لوگ ایمان لاتے ہیں ان کے لئے اس میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔

﴿۲۹﴾ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ

(اے پیغمبر! میری طرف سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے

﴿۳۰﴾ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۳۰﴾ وَيَسْأَلُ إِلَىٰ

نامید نہ ہونا اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے (اور) وہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اس سے پہلے

﴿۳۱﴾ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصِرُونَ ﴿۳۱﴾

کہ تم پر عذاب آ واقع ہوا ہے پروردگار کی طرف رجوع کرو اور اس کے فرمانبردار ہو جاؤ پھر تم کو مدد نہیں ملے گی

﴿۳۲﴾ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ

اور اس سے پہلے کہ تم پر ناگہاں عذاب آ جائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو اس نہایت اچھی (کتاب) کی جو تمہارے پروردگار کی

بَغْتَةً وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۱۰۱﴾ تَقُولَ نَفْسٌ يَحْسَرْتَنِي

طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے پیروی کرو۔ کہ (مبادا اس وقت) کوئی نفس کہنے لگے کہ (ہائے ہائے) اس تقصیر پر

﴿۱۰۴﴾ عَلٰی مَا فَرَطْتُ فِي جَنْبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

انفوس ہے جو میں نے اللہ کے حق میں کی اور میں تو ہنسی کرتا رہا

﴿۱۰۷﴾ اَوْ تَقُولَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

یا یہ کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھ کو ہدایت دیتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں ہوتا۔

﴿۱۰۸﴾ اَوْ تَقُولَ حِيْنَ تَرٰى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِىْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یا جب عذاب دیکھ لے تو کہنے لگے کہ اگر مجھے پھر ایک دفعہ دنیا میں جانا ہو تو میں نیکوکاروں میں ہو جاؤں۔

بَلٰى قَدْ جَاءَكَ اٰیٰتِىْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ

(اللہ فرمائے گا) کیوں نہیں میری آیتیں تیرے پاس پہنچ گئی تھیں مگر تو نے ان کو جھٹلایا اور تکبر کیا

وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرٰى الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا عَلٰى اللّٰهِ

اور تو کافر بن گیا۔ اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ بولا

وَجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ فِىْ جَهَنَّمَ مَثْوٰى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

تم قیامت کے دن دیکھو گے کہ ان کے منہ کالے ہو رہے ہوں گے کیا غرور کرنے والوں کا ٹھکانہ دوزخ میں نہیں ہے؟

﴿۱۱۱﴾ وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمْ السُّوْءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اور جو پرہیزگار ہیں ان کی کامیابی کے سبب اللہ ان کو نجات دے گا نہ تو ان کو کوئی سختی پہنچے گی اور نہ وہ غمناک ہوں گے

﴿۱۱۲﴾ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيْلٌ ﴿۱۱۲﴾

اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا نگران ہے

لَهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ أُولَئِكَ هُمُ الْخَسِرُونَ
اسی کے پاس آسمانوں اور زمین کی کنجیاں ہیں اور جنہوں نے اللہ کی آیتوں سے انکار کیا وہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

﴿۳۳﴾ أَفَغَيْرَ اللَّهِ تَأْمُرُونِي أَعْبُدُ أَيُّهَا الْجَاهِلُونَ ﴿۳۴﴾

کہہ دو کہ اے نادانو! تم مجھ سے یہ کہتے ہو کہ میں غیر اللہ کی پرستش کرنے لگوں؟

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ

اور (اے محمد ﷺ!) تمہاری طرف اور ان (پیغمبروں) کی طرف جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں یہی وحی بھیجی گئی ہے کہ اگر تم نے

لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۳۵﴾

شرک کیا تو تمہارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم زیاں کاروں میں ہو جاؤ گے

بَلِ اللَّهِ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۳۶﴾ وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ

بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور شکرگزاروں میں رہو۔ اور انہوں نے اللہ کی قدر شناسی جیسی کرنی چاہیے تھی نہیں کی

وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمَوَاتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ

اور قیامت کے دن تمام زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوں گے

سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۳۷﴾ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ

اور وہ ان لوگوں کے شرک سے پاک اور عالی شان ہے۔ اور جب صور پھونکا جائے گا

فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ

تو جو لوگ آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں سب بیہوش ہو کر گر پڑیں گے مگر جس کو اللہ چاہے

ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرَىٰ فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَنْظُرُونَ ﴿۳۸﴾

پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا تو فوراً سب کھڑے ہو کر دیکھنے لگیں گے۔

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتَابُ وَجِيءَ بِالنَّبِيِّينَ

اور زمین اپنے پروردگار کے نور سے جگمگا اٹھے گی اور (اعمال کی) کتاب (کھول کر) رکھ دی جائے گی اور پیغمبر

وَالشُّهَدَاءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۴﴾

اور گواہ حاضر کئے جائیں گے اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور بے انصافی نہیں کی جائے گی

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿۴۵﴾

اور جس شخص نے جو عمل کیا ہوگا اس کو اس کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور جو کچھ یہ کرتے ہیں اس کو سب کی خبر ہے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا

اور کافروں کو گروہ گروہ بنا کر جہنم کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچ جائیں گے

فَتَحَّتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ

تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے پیغمبر نہیں

مِّنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمُ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا

آئے تھے جو تم کو تمہارے پروردگار کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے اور اس دن کے پیش آنے سے ڈراتے

قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۴۶﴾

کہیں گے کیوں نہیں لیکن کافروں کے حق میں عذاب کا حکم ثابت ہو چکا تھا

قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا فَبئسَ مَثْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۴۷﴾

کہا جائے گا کہ دوزخ کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ ہمیشہ اس میں رہو گے تکبر کرنے والوں کا بُرا ٹھکانہ ہے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا

اور جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کو گروہ گروہ بنا کر بہشت کی طرف لے جائیں گے یہاں تک کہ جب

وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ

اس کے پاس پہنچ جائیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اس کے داروغہ ان سے کہیں گے کہ تم پر سلام تم

فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿۳۳﴾ قَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا

بہت اچھے رہے اب اس میں ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاؤ۔ وہ کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے وعدے کو ہم سے سچا کر دیا

الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ ﴿۳۴﴾

اور ہم کو اس زمین کا وارث بنا دیا ہم بہشت میں جس مکان میں چاہیں رہیں تو عمل کرنے والوں کا بدلہ بھی کیسا خوب ہے۔

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ

اور تم فرشتوں کو دیکھو گے کہ عرش کے گرد گھیرا باندھے ہوئے ہیں (اور) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کر رہے ہیں

وَقُضِيَ بَيْنَهُم بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۵﴾

اور ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہان کا مالک ہے

سورة المومن مكية [۱]

[۱] یہاں سے سورہ احقاف تک سات سورتیں حم سے شروع ہوتی ہیں، ان کو الم حم یا حوامیم کہا جاتا ہے،

ابن مسعود نے فرمایا آل حم دیباج القرآن، دیباج ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں، مراد اس سے زینت ہے۔ اور مسعر بن

کدام فرماتے ہیں کہ ان کو حراؤس کہا جاتا ہے یعنی دلہنیں، اور ابن عباس نے فرمایا کہ ہر چیز کا ایک مغز اور خلاصہ

ہوتا ہے، قرآن کا خلاصہ آل حم ہیں، یا فرمایا کہ حوامیم ہیں، یہ سب روایتیں ابو عبید بن سلام نے اپنی کتاب فضائل

القرآن میں لکھی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حَمْ ﴿۱﴾ تَنْزِیْلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ﴿۲﴾ خَفَا فِر الذَّنْبِ

ح۔ اس کتاب کا اتارا جانا اللہ غالب و دانا کی طرف سے ہے۔ جو گناہ بخشے والا

وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِیْدِ الْعِقَابِ ذِی الطَّوْلِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَیْهِ الْمَصِیْرُ ﴿۳﴾

اور توبہ قبول کرنے والا ہے اور سخت عذاب دینے والا اور صاحبِ کرم ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کی طرف پھر کر جانا ہے

مَا يُجَادِلُ فِی آیَاتِ اللّٰهِ إِلَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوا فَلَا یَعْرِزُكَ تَقْلُبُهُمْ فِی الْبِلَادِ ﴿۴﴾

اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ جھگڑتے ہیں جو کافر ہیں تو ان لوگوں کا شہروں میں چلنا پھرنا تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَالْأَحْزَابُ مِنْ بَعْدِهِمْ وَهَمَّتْ كُلُّ أُمَّةٍ

ان سے پہلے نوح کی قوم اور ان کے بعد اور امتوں نے بھی (پیغمبروں کی) تکذیب کی اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے

بِرَسُوْلِهِمْ لِيَأْخُذُوهُ وَجَادَلُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ

بارے میں یہی قصد کیا کہ اس کو پکڑ لیں اور بیہودہ (شبهات سے) جھگڑتے رہے کہ اس سے حق کو زائل کر دیں

فَأَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾ ﴿۶﴾ كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَاتُ رَبِّكَ

تو میں نے ان کو پکڑ لیا (سود کیے لو) کہ میرا عذاب کیسا ہوا۔ اور اسی طرح کافروں کے بارے میں بھی تمہارے رب کی بات

عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿۷﴾ ﴿۸﴾ الَّذِیْنَ یَحْمِلُونَ الْعَرْشَ

پوری ہو چکی ہے کہ وہ اہل دوزخ ہے۔ جو عرش کو اٹھائے ہوئے اور جو اس کے گردا گرد (حلقہ باندھے ہوئے) ہیں

وَمَنْ حَوْلَهُ یُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَیُؤْمِنُونَ بِهِ وَیَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِیْنَ

(یعنی فرشتے) وہ اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہتے ہیں اور مومنوں کے لئے بخشش مانگتے رہتے ہیں

آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا

کہ اے ہمارے پروردگار! تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے توبہ کی

وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿۷۰﴾ رَبَّنَا

اور تیرے رستے پر چلے ان کو بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ اے ہمارے پروردگار!

وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ

ان کو ہمیشہ رہنے کے بہشتوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے اور جو ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں

وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۷۱﴾ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ

اور ان کی اولاد میں سے نیک ہوں ان کو بھی بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔ اور ان کو عذابوں سے بچائے رکھ

وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۷۲﴾

اور جس کو تو اس روز عذابوں سے بچالے گا تو نے بیشک اس پر مہربانی فرمائی اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادُونَ لِمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِنْ مَقْتِكُمْ أَنْفُسَكُمْ

جن لوگوں نے کفر کیا ان سے پکار کر کہہ دیا جائے گا کہ جب تم (دنیا میں) ایمان کی طرف بلائے جاتے تھے اور مانتے نہیں

إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ ﴿۷۳﴾ قَالُوا رَبَّنَا

تھے تو اللہ اس سے کہیں زیادہ بیزار ہوتا تھا جس قدر تم اپنے آپ سے بیزار ہو رہے ہو۔ وہ کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار!

أَمَّنَّا أَتَيْنَا وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَأَعْتَرَفْنَا بِذُنُوبِنَا فَهَلْ إِلَى خُرُوجٍ مِنْ سَبِيلٍ ﴿۷۴﴾

تو نے ہم کو دو دفعہ مار دیا اور دو دفعہ جان بخشی ہم کو اپنے گناہوں کا اقرار ہے تو کیا نکلنے کی کوئی سبیل ہے؟ [2]

[2] "قالوا ربنا امتنا اثنتين" جہنم میں داخل ہونے کے بعد مشرکین جہنم سے نکلنے کی راہیں تلاش کریں گے، =

ذَلِكُمْ بِأَنَّهُ إِذَا دُعِيَ اللَّهُ وَحْدَهُ كَفَرْتُمْ وَإِنْ يُشْرَكْ بِهِ تُؤْمِنُوا

یہ اس لئے کہ جب تنہا اللہ کو پکارا جاتا تھا تو تم انکار کر دیتے تھے اور اگر اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جاتا تھا تو تسلیم کر لیتے تھے

فَالْحُكْمُ لِلَّهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيرِ ﴿١٢﴾ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ آيَاتِهِ

تو حکم تو اللہ ہی کا ہے جو (سب سے) اوپر اور (سب سے) بڑا ہے۔ وہی تو ہے جو تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے

وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ رِزْقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَنْ يُنِيبُ ﴿١٣﴾

اور تم پر آسمان سے رزق اتارتا ہے اور نصیحت تو وہی پکڑتا ہے جو (اس کی طرف) رجوع کرتا ہے۔

فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿١٤﴾

تو اللہ کی عبادت کو خالص کر کے اسی کو پکارو اگرچہ کافر بُرا ہی مانیں۔

= اور کہیں گے اے ہمارے پروردگار تو نے دوبار ہمیں موت سے دوچار کیا اور دوبار ہمیں زندگی بخشی، ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، اور جس حشر و نشر کا انکار کیا کرتے تھے آج اس پر ایمان لاتے ہیں، کیا اب کوئی صورت ہے کہ ہمیں دوزخ سے نکال کر ایک بار پھر دنیا کی زندگی مل جائے؟ تو ہم تیری پوری پوری فرمانبرداری کریں گے۔

والمراد طلب الخروج نظير، فار جمعنا نعمل صالحا، السجدة: ١٢، (روح) پہلی موت

سے مراد عدم ہے جب وہ اصلا بآباء میں تھے، اور دوسری موت وہ ہے جو دنیا کی زندگی کا خاتمہ کر دیتی

ہے، اور پہلی بار احیاء سے دنیا میں پیدا کرنا مراد ہے اور دوسری بار احیاء سے بعث بعد الموت مراد ہے۔ قال ابن

مسعود وابن عباس وقتادة وضحاك، كانوا امواتا فى اصلا بآبائهم ثم احياهم ثم اماتهم

الموتة التى لا بد منها فى الدنيا، ثم احياهم للبعث والقيامة، فهاتان حياتان وموتتان

وهو قوله تعالى كيف تكفرون بالله وكنتم امواتا فاحياكم ثم يميتكم ثم يحييكم

، بقرہ: ۲۸، (قرطبی)

رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ يُلْقِي الرُّوحَ مِنْ أَمْرِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ

(وہ) مالک درجات عالی اور صاحب عرش ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے وحی بھیجتا ہے

عِبَادِهِ لِيُنذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿١٤٤﴾ يَوْمَ هُمْ بَارِزُونَ لَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْهُمْ

تاکہ ملاقات کے دن سے ڈرائے۔ جس روز وہ نکل پڑیں گے ان کی کوئی چیز اللہ سے مخفی نہ رہے گی

شَيْءٌ لِّمَنْ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿١٤٥﴾

آج کس کی بادشاہت ہے؟ اللہ کی جو اکیلا اور غالب ہے۔

الْيَوْمَ تُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ

آج کے دن ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلا دیا جائے گا آج بے انصافی نہیں ہوگی بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

﴿١٤٦﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْآزِفَةِ إِذِ الْقُلُوبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ

اور ان کو قریب آنے والے دن سے ڈراؤ جب کہ دل غم سے بھر کر گلوں تک آرہے ہوں گے

كَظْمِينَ مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ ﴿١٤٧﴾

(اور) ظالموں کا کوئی دوست نہیں ہو گا اور نہ کوئی سفارشی جس کی بات قبول کی جائے۔

يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ ﴿١٤٨﴾ وَاللَّهُ يَقْضِي بِالْحَقِّ

وہ آنکھوں کی خیانت کو جانتا ہے اور جو (باتیں) سینوں میں پوشیدہ ہیں (ان کو بھی)۔ اور اللہ سچائی کے ساتھ حکم فرماتا

وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَقْضُونَ بِشَيْءٍ إِنَّ اللَّهَ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿١٤٩﴾

ہے اور جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ کچھ بھی حکم نہیں دے سکتے بیشک اللہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

أُولَئِكَ يَسِيرُونَ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُونَ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ

کیا انہوں نے زمین میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا

كَانُوا مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا هُمْ أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ

وہ ان سے زور اور زمین میں نشانات (بنانے) کے لحاظ سے کہیں بڑھ کر تھے تو اللہ نے

فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ ﴿٢١﴾

ان کو ان کے گناہوں کے سبب پکڑ لیا اور ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی بھی بچانے والا نہ تھا۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَكَفَرُوا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ

یہ اس لئے کہ ان کے پاس پیغمبر کھلی دلیلیں لاتے تھے سو اللہ نے ان کو پکڑ لیا

إِنَّهُ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٢﴾ لَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَنٍ مُّبِينٍ

بیٹک وہ صاحب قوت (اور) سخت عذاب دینے والا ہے۔ اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور دلیل روشن دے کر بھیجا۔

﴿٢٣﴾ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَقَارُونَ فَقَالُوا سِحْرٌ كَذَابٌ ﴿٢٤﴾

(یعنی) فرعون اور ہامان اور قارون کی طرف تو انہوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہے جھوٹا۔

فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوا أَبْنَاءَ الَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

تو جب وہ ان کے پاس ہماری طرف سے حق لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ جو اس کے ساتھ (اللہ پر) ایمان لائے ہیں

وَاسْتَحْيُوا نِسَاءَهُمْ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٢٥﴾

ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دو اور کافروں کی تدبیریں بے ٹھکانے ہوتی ہیں۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُونِي أَقْتُلْ مُوسَىٰ وَلْيَدْعُ رَبَّهُ إِنِّي أَخَافُ

اور فرعون بولا کہ مجھے چھوڑو کہ موسیٰ کو قتل کر دوں اور وہ اپنے پروردگار کو بلا لے مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں تمہارے دین کو (نہ)

أَنْ يُبَدِّلَ دِينَكُمْ أَوْ أَنْ يُظْهِرَ فِي الْأَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنِّي

بدل دے یا ملک میں فساد (نہ) پیدا کر دے۔ موسیٰ نے کہا کہ میں

عُدْتُ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۲۷﴾

ہر متکبر سے جو حساب کے دن (یعنی قیامت) پر ایمان نہیں لاتا اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ لے چکا ہوں۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُؤْمِنٌ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ إِيمَانَهُ أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَنْ يَقُولَ

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص جو اپنے ایمان کو پوشیدہ رکھتا تھا کہنے لگا کہ ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا

رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ مِنْ رَبِّكُمْ وَإِنْ يَكُ كَذِبًا

ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے اور وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار (کی طرف) سے نشانیاں بھی لے کر آیا ہے اور اگر وہ جھوٹا

فَعَلَيْهِ كَذِبُهُ وَإِنْ يَكُ صَادِقًا يُصِيبْكُمْ بَعْضُ الَّذِي يَعِدُكُمْ

ہوگا تو اس کے جھوٹ کا ضرر اسی کو ہوگا اور اگر سچا ہوگا تو کوئی سزا عذاب جس کا وہ تم سے وعدہ کرتا ہے تم پر واقع ہو کر رہے گا

إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿۲۸﴾ يَقَوْمَ لَكُمْ الْمُلْكُ

بیشک اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو بے لحاظ جھوٹا ہو۔ [3] اے قوم! آج تمہاری ہی بادشاہت ہے اور تم ہی ملک میں

الْيَوْمَ ظَاهِرِينَ فِي الْأَرْضِ فَمَنْ يَنْصُرُنَا مِنْ بَأْسِ اللَّهِ إِنْ جَاءَنَا

غالب ہو (لیکن) اگر ہم پر اللہ کا عذاب آگیا تو (اس کے دُور کرنے کے لئے) ہماری مدد کون کرے گا

قَالَ فِرْعَوْنُ مَا أُرِيكُمْ إِلَّا مَا أَرَىٰ وَمَا أَهْدِيكُمْ إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿۲۹﴾

فرعون نے کہا کہ میں تمہیں وہی بات سمجھاتا ہوں جو مجھے سوجھی ہے اور وہی راہ بتاتا ہوں جس میں بھلائی ہے۔

وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَوْمَ يَقَوْمِ إِيَّيْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ مَثَلُ الْوَهَابِ ﴿۳۰﴾

تو جو مومن تھا وہ کہنے لگا کہ اے قوم! مجھے تمہاری نسبت خوف ہے کہ تم پر اور امتوں کی طرح کے دن کا عذاب آجائے

[3] "قال رجل مومن" جب فرعون کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا پروگرام بن رہا تھا اس وقت قوم

فرعون ہی کا ایک آدمی اس گھناؤنے جرم کے خلاف اواز اٹھاتا ہے، یہ آدمی فرعون کا چچا زاد بھائی تھا، اور درپردہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لایا تھا ”مومن، من ال فرعون، یکتہم ایمانہ“ تینوں رجل کی صفات ہیں، دوسری صفت کو تیسری صفت پر اس لئے مقدم کیا گیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ وہ رجل مومن آل فرعون سے تھا، اگر اس کا عکس ہوتا تو من ال فرعون، یکتہم، سے متعلق ہو جاتا، اور اس طرح وہ فائدہ حاصل نہ ہوتا، مومن ال فرعون اگر چاہے اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، لیکن موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا پروگرام سن کر اس سے نہ رہا گیا اور بول اٹھا ”انقتلون رجلاً“ تم ایک شخص کو ناحق قتل کرنا چاہتے ہو کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، میں اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہیں کروں گا؟ تو یہ بات تو قتل کی وجہ نہیں بن سکتی، کیونکہ اس کا یہ دعویٰ غلط نہیں، بلکہ سچا ہے، اور وہ اپنی سچائی اور اپنے دعوے کی حقانیت پر تمہارے پروردگار کی طرف سے کھلے دلائل اور واضح معجزات لیکر آیا ہے، جن کا تم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہو، اس لئے اسے قتل کرنے کے لئے تمہارے پاس کوئی وجہ جواز نہیں تم اس سے باز آ جاؤ۔

عن علیؑ انه قال: ايها الناس اخبروني باشجع الناس قالوا انت قال لا قالوا فمن؟ قال ابوبكر، لقد رأت رسول الله ﷺ واخذته قريش هذا يحته..... فقال علي انشدكم بالله امومن آل فرعون خير ام ابوبكر؟ فسكت القوم، فقال الاتحيبوني فوالله لساعة ابى بكر خير من مل الارض من مومن آل فرعون، ذاك رجل كتم ايمانه وهذا رجل اعلن ايمانه. (مسند البزار رقم: ۷۶۱، ۱۵۳، ودر منثور).

علیؑ سے روایت ہے کہ ایک دن آپؑ نے لوگوں سے فرمایا کہ سب سے زیادہ بہادر کون ہے؟ تو لوگوں نے کہا کہ آپؑ تو علیؑ نے فرمایا کہ نہیں بلکہ بہادر ابوبکرؓ ہے، کیونکہ میں نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کو حرم میں دیکھا، کہ قریش آپؑ کی بے عزتی کر رہے تھے، اور کوئی گالیاں دے رہے تھے، اور بعض ملکوں سے مار رہے تھے، ہم میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ سے دفاع کرتے، اچانک ابوبکرؓ تشریف فرما ہوئے اور ان لوگوں کو گالی گلوچ دے کر کسی کو کھینچا اور کسی کو مارا، اور یہ آیت تلاوت فرمایا، اس کے بعد علیؑ نے کہا کہ اے لوگو! میں تمکو اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ ابوبکرؓ بہتر تھے یا مومن آل فرعون؟ ابوبکرؓ نے ایمان کا اظہار کر کے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی، اور مومن ال فرعون نے ایمان چھپا کر موسیٰ علیہ السلام کی دفاع کی۔

مَثَلِ دَابِّ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۚ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ
(یعنی) نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوئے ہیں ان کے حال کی طرح (تمہارا حال نہ ہو جائے) اور

﴿۳۳﴾ زَلْمًا لِلْعِبَادِ ﴿۳۴﴾ وَيَقَوْمٍ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿۳۵﴾

اللہ تو بندوں پر ظلم کرنا نہیں چاہتا۔ اور اے قوم! مجھے تمہاری نسبت پکار کے دن (یعنی قیامت) کا خوف ہے۔

يَوْمَ تَوَلَّوْنَ مُدْبِرِينَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۗ
جس دن تم پیٹھ پھیر کر (قیامت کے دن سے) بھاگو گے (اس دن) تم کو کوئی (عذاب) اللہ سے بچانے والا نہ ہو گا

وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿۳۶﴾ وَرَأَيْتُكَ جَاءَ كُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ

اور جس شخص کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔ اور پہلے یوسف بھی تمہارے پاس نشانیاں لے کر آئے

بِالْبَيِّنَاتِ فَمَا زِلْتُمْ فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَ كُمْ بِهِ حَتَّىٰ إِذَا هَلَكَ قَلْبُكُمْ

تھے تو جو وہ لائے تھے اس سے تم ہمیشہ شک ہی میں رہے یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگے

لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ مِنْ بَعْدِهِ رَسُولًا ۚ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ

کہ اللہ اس کے بعد کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا اسی طرح اللہ اس شخص کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے نکل جانے والا اور شک کرنے والا ہو

مُرْتَابٍ ﴿۳۷﴾ الْهٰذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اٰتٰهُمْ

جو لوگ بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی دلیل آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں

كَبْرًا مَّقْتًا عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ

اللہ کے نزدیک اور مومنوں کے نزدیک یہ جھگڑا سخت ناپسند ہے اسی طرح اللہ

عَلٰى كُلِّ قَلْبٍ مُّتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿۳۸﴾ لَفِرْعَوْنُ يَهَامٰنُ ابْنُ لِيْ صِرْحًا

ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ اور فرعون نے کہا کہ ہامان میرے لئے ایک محل بنوا

لَعَلِّي أَبْلُغُ الْأَسْبَابَ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ السَّمَوَاتِ فَاطَّلَعَ إِلَىٰ إِلَهِ مُوسَىٰ

تاکہ میں (اس پر چڑھ کر) رستوں پر پہنچ جاؤں۔ یعنی آسمانوں کے رستوں پر پھر موسیٰ کے معبود (اللہ) کو دیکھ لوں

وَإِنِّي لِأَظُنُّهُ كَاذِبًا ۚ وَكَذَلِكَ زَيْنَ لِفِرْعَوْنَ سُوءَ عَمَلِهِ

اور میں تو اسے جھوٹا سمجھتا ہوں اور اسی طرح فرعون کو اس کے اعمالِ بد اچھے معلوم ہوتے تھے

﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيلِ وَمَا كَيْدُ فِرْعَوْنَ إِلَّا فِي تَبَابٍ ﴿۳۵﴾

اور وہ رستے سے روک دیا گیا تھا اور فرعون کی تدبیر تو بے کار تھی۔

﴿۳۶﴾ ﴿۳۶﴾ وَقَالَ الَّذِي آمَنَ يَا قَوْمِ اتَّبِعُونِ أَهْدِيكُمْ سَبِيلَ الرَّشَادِ ﴿۳۶﴾

اور وہ شخص جو مومن تھا اس نے کہا کہ میرے بھائیو! میرے پیچھے چلو میں تمہیں بھلائی کا رستہ دکھاؤں۔

﴿۳۷﴾ ﴿۳۷﴾ يَقَوْمِ إِنَّمَا هِيَ هَذِهِ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَإِنَّ الْآخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ﴿۳۷﴾

بھائیو! یہ دنیا کی زندگی (چند روز) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ

جو بُرے کام کرے گا اس کو بدلا بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت

﴿۳۸﴾ ﴿۳۸﴾ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾

اور وہ صاحبِ ایمان بھی ہو گا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾ وَيَقَوْمٍ مَّا لِيُأَدْعُواكُمْ إِلَىٰ النَّجْوَىٰ وَتَدْعُونَنِي إِلَىٰ النَّارِ ﴿۳۹﴾

اور اے قوم! میرا کیا (حال) ہے کہ میں تو تم کو نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے (دوزخ کی) آگ کی طرف بلاتے ہو۔

تَدْعُونَنِي لِأَكْفُرَ بِاللَّهِ وَأُشْرِكَ بِهِ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ

۴۱۔ تم مجھے اس لئے بلاتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کفر کروں اور اس چیز کو اس کا شریک مقرر کروں جس کا مجھے کچھ بھی علم نہیں

وَأَنَا أَدْعُوكُمْ إِلَى الْعَزِيزِ الْعَفَّارِ ﴿۳۳﴾ جَرَمَ أَنَّمَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ

اور میں تم کو (اللہ) غالب (اور) بخشنے والے کی طرف بلاتا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ جس چیز کی طرف تم مجھے بلاتے ہو

لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنْ مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ

اس کو دنیا اور آخرت میں بلانے (یعنی دعا قبول کرنے کا) مقدور نہیں اور ہم کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے

وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿۳۴﴾ فَسْتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ

اور حد سے نکل جانے والے دوزخی ہیں۔ جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اسے آگے چل کر یاد کرو گے

وَأَفْوُضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۵﴾

اور میں اپنا کام اللہ کے سپرد کرتا ہوں بیشک اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے

فَوَقَاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتٍ مَا مَكْرُوا وَحَاقَ بِالِالْفِرْعَوْنَ سُوءُ الْعَذَابِ ﴿۳۶﴾

تو اللہ نے اس کو ان لوگوں کی تدبیروں کی بُرائیوں سے محفوظ رکھا اور فرعون والوں کو بُرے عذاب نے آگھیرا

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ

(یعنی) کہ صبح و شام اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں اور جس روز قیامت برپا ہوگی (حکم ہوگا کہ) فرعون

الْفِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿۳۷﴾ وَإِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ

والوں کو نہایت سخت عذاب میں داخل کرو۔ [4] اور جب وہ دوزخ میں جھگڑیں گے تو ادنیٰ درجے کے لوگ بڑے آدمیوں سے کہیں گے

[4] عذاب قبر کے اثبات میں یہ آیت بڑی واضح دلیل ہے، قیامت سے پہلے انہیں جس عذاب پر پیش کیا جا رہا ہے،

وہی عذاب قبر ہے، یاد رہے کہ آگ پر پیشی آل فرعون کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ اس میں تمام مجرمین شامل ہیں چنانچہ حدیث

میں ہے: ان احدكم اذامات عرض عليه مقعده بالغداة و العشى، ان كان من اهل الجنة فمن اهل

الجنة، وان كان من اهل النار فمن اهل النار، فيقال هذا مقعدك حتى يبعثك الله يوم القيامة، بخارى

کتاب الجنائز: رقم: ۱۳۷۹. مسلم: ۲۸۶۶.

بیشک جب تم میں سے کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کا ٹھکانہ اسے صبح وشام دکھایا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہے، تو جنت میں سے اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے، اور اگر وہ دوزخی ہے تو دوزخ والوں میں، پھر کہا جاتا ہے یہ تیرا ٹھکانہ ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تجھ کو اٹھائے گا۔

معلوم ہوا کہ صبح وشام آگ پر پیشی صرف آل فرعون کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ اس میں وہ سب لوگ شامل ہیں جن کی اعمال فرعون اور آل فرعون جیسے ہوں۔

دوسری وجہ استدلال اس آیت میں یہ ہے کہ قیامت کے دن فرشتوں سے کہا جائے گا۔ کہ قوم فرعون کو زیادہ سخت عذاب میں داخل کرو، اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس سے پہلے جو ان کو کم عذاب دیا گیا۔ وہ عذاب برزخ تھا، کیونکہ روز محشر تو انہیں اشد العذاب ہوگا۔ اس کے مقابلے میں پہلے والاعذاب اتنا سخت نہیں تھا، اس لئے سوء العذاب، النار يعرضون عليها غدو و اعشیا، فرمایا، اور پھر بعد میں [ادخلوا ال فرعون اشد العذاب] فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کر دیا کہ قیامت سے قبل جو عذاب دیا گیا تھا، وہ تھا تو عذاب مگر قیامت کے سخت عذاب کے مقابلے میں کچھ نہیں تھا۔ امام فخر الدین رازی اس آیت کے متعلق لکھتے ہیں؟ احتج اصحابنا بهذه الاية على اثبات عذاب القبر، قالوا الاية تقتضى عرض النار عليهم غدو و اعشیا، وليس المراد منه يوم القيامة لانه قال: [ويوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب] وليس المراد منه الدنيا لان عرض النار عليهم غدو و اعشیا ما كان حاصلًا في الدنيا، فثبت ان هذا العرض انما حصل بعد الموت، وقبل يوم القيامة، وذلك يدل على اثبات عذاب القبر في حق هؤلاء، واذ اثبت في حقهم ثبت في حق غيرهم، لانه لا قائل بالفرق (بحواله تحفة الاحوذى: ۲۶۶/۹).

ہمارے اصحاب نے اس آیت سے عذاب قبر کی استدلال کیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ آیت ان ال فرعون پر صبح وشام آگ پیش کرنے کا تقاضا کرتی ہے، اور اس پیشی سے مراد نہ تو قیامت کا دن ہے کیونکہ اس کے لئے [ويوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب] اور جس دن قیامت قائم ہوگی تو حکم ہوگا کہ ال فرعون کو سخت عذاب میں داخل کرو فرمایا ہے، اور نہ ہی اس سے مراد دنیا کا دن ہے، کیونکہ صبح وشام ان پر آگ کی پیشی صرف دنیا میں حاصل نہیں ہوئی، پس ثابت ہو گیا کہ یہ پیشی فرعونوں کے بارے میں عذاب قبر کے برحق ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ جب =

لِلَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

کہ ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا تم دوزخ (کے عذاب) کا کچھ حصہ ہم سے دور کر سکتے ہو؟

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿۲۸﴾

بڑے آدمی کہیں گے کہ تم (بھی اور) ہم (بھی) سب دوزخ میں (رہیں گے) اللہ بندوں میں فیصلہ کر چکا ہے

= ان فرعونوں کے بارے میں عذاب قبر ثابت ہو گیا تو دوسروں کے بارے میں بھی ثابت ہو گیا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان سب کے لئے یکساں ہے۔

یہی بات حسن بن محمد ندیسابوری بھی فرماتے ہیں: وفى هذه الآية دلالة ظاهرة على اثبات عذاب القبر، لان تعذيب يوم القيامة يجئ فى قوله [ويوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب].

اس آیت میں اثبات عذاب قبر کی واضح دلیل ہے کیونکہ قیامت کے دن عذاب دینے کا ذکر تو اس فرمان میں ہے: [ويوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب]

امام ابن کثیر فرماتے ہیں: هر صبح و شام ان کی روہیں جہنم کے سامنے لائی جاتی ہیں، قیامت تک انہیں یہ عذاب ہوتا رہے گا۔ اور قیامت کے دن ان کی روہیں جسم سمیت جہنم میں ڈال دی جائیں گی، اور اس دن ان سے کہا جائے گا ال فرعون سخت دردناک اور بہت زیادہ تکلیف دہ عذاب میں چلے جاؤ، یہ آیت اہل السنۃ کے اس مذہب کی کہ عالم برزخ (یعنی قبروں) میں عذاب ہوتا ہے، بہت بڑی دلیل ہے۔ (تفسیر ابن کثیر اردو مترجم: ۴۵۳/۴)

علامہ جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں: ذهب الجمهور ان هذا العرض هو فى البرزخ [ويوم تقوم الساعة ادخلوا ال فرعون اشد العذاب] واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ بیشک یہ (آگ پر) پیش کیا جانا برزخ ہی میں ہوتا ہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ

اور جو لوگ آگ میں ہوں گے وہ دوزخ کے داروغوں سے کہیں گے کہ اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ ایک روز تو ہم سے عذاب ہلکا کر دے

﴿۲۹﴾ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُم رُّسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَىٰ

وہ کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر نشانیاں لے کر نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں

﴿۳۰﴾ قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ

تو وہ کہیں گے کہ تم ہی دعا کرو اور کافروں کی دعا (اس روز) بیکار ہو گی۔

﴿۳۱﴾ إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ

ہم اپنے پیغمبروں کی اور جو لوگ ایمان لائے ہیں ان کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں اور جس دن گواہ کھڑے ہوں گے

﴿۳۲﴾ يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظَّالِمِينَ مَعَذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ

(یعنی قیامت کو بھی)۔ جس دن ظالموں کو ان کی معذرت کچھ فائدہ نہ دے گی اور ان کے لئے لعنت اور برا گھر ہے۔

﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ

اور ہم نے موسیٰ کو ہدایت (کی کتاب) دی اور بنی اسرائیل کو اس کتاب کا وارث بنایا۔

﴿۳۴﴾ هُدًى وَذِكْرًا لِأُولَى الْأَلْبَابِ ﴿۳۴﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ

عقل والوں کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے۔ تو صبر کرو بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے

﴿۳۵﴾ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۳۵﴾

اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور صبح و شام اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔

﴿۳۶﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ أَتَاهُمْ إِن فِي صُدُورِهِمْ

جو لوگ بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں ان کے دلوں میں اور کچھ نہیں (ارادۃ)

﴿۱۷۹۴﴾ إِلَّا كِبْرًا مَا هُمْ بِبَالِغِيهِ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱۷۹۵﴾

عظمت ہے اور وہ اس کو پہنچنے والے نہیں تو اللہ کی پناہ مانگو بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

لَخَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا لوگوں کے پیدا کرنے سے بڑا (کام) ہے لیکن اکثر لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۷۹۵﴾ ﴿۱۷۹۶﴾ لَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

نہیں جانتے۔ اور اندھا اور آنکھ والا برابر نہیں اور نہ ایمان لانے والے

﴿۱۷۹۶﴾ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِيْءُ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۹۷﴾

اور نہ بدکار (برابر ہیں حقیقت یہ ہے کہ) تم بہت کم غور کرتے ہو۔

﴿۱۷۹۷﴾ اِنَّ السّٰعَةَ لَآتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيْهَا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷۹۸﴾

قیامت آنے والی ہے اس میں کچھ شک نہیں لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے

وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ اِنَّ الَّذِيْنَ

اور تمہارے پروردگار نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا جو لوگ

يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِيْنَ ﴿۱۷۹۸﴾

میری عبادت سے خودسری کرتے ہیں عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے [5]

[5] نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ الدعاء هو العبادة ثم قرأ هذه الآية: یعنی دعاء ہی

عبادت ہے پھر رسول پاک ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی۔ اس روایت کو ابوداؤد نے رقم: ۱۳۷۹، میں نقل کی ہے۔ اور ترمذی

نے ابو ہریرہ سے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من لم يسأل الله يغضب عليه جو اللہ سے سوال نہ کرے اللہ تعالیٰ اس

سے ناراض ہو جاتا ہے۔ رقم: ۳۳۳۳۔ ابن کثیر نے ایک شعر بھی نقل کیا ہے کہ: =

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا إِنَّ اللَّهَ

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ اس میں آرام کرو اور دن کو روشن بنایا (کہ اس میں کام کرو) بیشک اللہ

لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۴۱﴾

لوگوں پر فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاَنى تُوْفِكُونَ

یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے جو ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر تم کہاں بھٹک رہے ہو؟

﴿۴۲﴾ ذٰلِكَ يُؤْفِكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۴۳﴾

اسی طرح وہ لوگ بھٹک رہے تھے جو اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ

اللہ ہی تو ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور تمہاری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی

صَوَّرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَتَبَارَكَ اللَّهُ

خوب بنائیں اور تمہیں پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے پس اللہ پروردگار عالم

رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۴﴾ هُوَ الْحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادْعُوهُ

بہت ہی با برکت ہے۔ وہ زندہ ہے (جسے موت نہیں) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں تو اس کی عبادت کو خالص کر

وبنى ادم حين يسأل يغضب

☆

= اللہ يغضب ان ترکت سواله

یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب تو ان سے نہ مانگے تو وہ ناخوش ہوتا ہے اور انسان کی حالت یہ ہے کہ اس

سے مانگو تو وہ روٹھ جاتا ہے۔

﴿۴۳﴾ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۳﴾

اسی کو پکارو ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کو (سزاوار) ہے جو تمام جہان کا پروردگار ہے۔

قُلْ إِنِّي نَهَيْتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ (اے محمد ﷺ! ان سے) کہہ دو کہ مجھے اس بات کی ممانعت کی گئی ہے کہ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو ان کی پرستش کروں

﴿۴۴﴾ لَمَّا جَاءَنِيَ الْبَيِّنَاتُ مِنْ رَبِّي وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۴﴾

جب کہ میرے پاس میرے پروردگار سے کھلی دلیلیں آچکی ہیں اور مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ پروردگارِ عالم ہی کا تابع فرمان رہوں

هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ تَرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ وَهِيَ تُوْهُبُ جَسَدُكُمْ (پہلے) مٹی سے پیدا کیا پھر نطفہ سے پھر لوتھرا بنا کر پھر تم کو نکالتا ہے

طِفْلًا ثُمَّ لَتَبَلُّغُوا أَشْدَّكُمْ ثُمَّ لَتَكُونُوا شُيُوخًا وَمِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّى (کہ تم) بچے (ہوتے ہو) پھر تم اپنی جوانی کو پہنچتے ہو پھر بوڑھے ہو جاتے ہو اور کوئی تو تم میں سے پہلے ہی مر جاتا ہے

﴿۴۵﴾ مِنْ قَبْلُ وَلِتَبَلُّغُوا أَجَلًا مُسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۴۵﴾

اور تم وقت مقرر تک پہنچ جاتے ہو اور تاکہ تم سمجھو۔

﴿۴۶﴾ هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۴۶﴾

وہی تو ہے جو جلاتا اور مارتا ہے پھر جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس سے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے

﴿۴۷﴾ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنِّي يُصْرَفُونَ ﴿۴۷﴾

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں یہ کہاں بھٹک رہے ہیں؟

﴿۴۸﴾ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿۴۸﴾

جن لوگوں نے کتاب (اللہ) کو اور جو کچھ ہم نے پیغمبروں کو دے کر بھیجا اس کو جھٹلایا وہ عنقریب معلوم کر لیں گے

إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلْسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿۱۱﴾ فِي الْحَمِيمِ

جب کہ ان کی گردنوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی (اور) گھیٹے جائیں گے۔ (یعنی) کھولتے ہوئے پانی میں

ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿۱۲﴾ قِيلَ لَهُمْ آيِنَ مَا كُنْتُمْ تَشْرِكُونَ ﴿۱۳﴾

پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ پھر ان سے کہا جائے گا کہ وہ کہاں ہیں جن کو تم (اللہ کے) شریک بناتے تھے؟

مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَلْ لَمْ نَكُنْ نَدْعُوا مِنْ قَبْلُ شَيْئًا

(یعنی) اللہ کے سوا کہیں گے وہ تو ہم سے جاتے رہے بلکہ ہم تو پہلے کسی چیز کو پکارتے ہی نہیں تھے

كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴﴾ لَكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَفْرَحُونَ

اسی طرح اللہ کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔ یہ اس کا بدلا ہے کہ تم زمین میں حق کے بغیر (یعنی اس کے خلاف) خوش ہوا

فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿۱۵﴾ خَلُّوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ

کرتے تھے اور اس کی (سزا ہے) کہ تم اترا یا کرتے تھے۔ (اب) جہنم کے دروازوں میں داخل ہو جاؤ

خَالِدِينَ فِيهَا فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿۱۶﴾ فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ

ہمیشہ اسی میں رہو گے متکبروں کا کیا بُرا ٹھکانہ ہے تو (اے پیغمبر!) صبر کرو اللہ کا وعدہ سچا ہے

فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يَرْجِعُونَ ﴿۱۷﴾

اگر ہم تم کو کچھ اس میں سے دکھادیں جس کا ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں یا تمہاری مدت حیات پوری کر دیں تو ان کو ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ مِنْهُمْ مَنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ

اور ہم نے تم سے پہلے (بہت سے) پیغمبر بھیجے ان میں کچھ تو ایسے ہیں جن کے حالات تم سے بیان کر دیئے ہیں

وَمِنْهُمْ مَنْ لَمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ

اور کچھ ایسے ہیں جن کے حالات بیان نہیں کئے اور کسی پیغمبر کا مقدر نہ تھا کہ اللہ کے حکم کے سوا کوئی نشانی لائے

﴿۷۸﴾ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۷۸﴾

پھر جب اللہ کا حکم آ پہنچا تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور اہل باطل نقصان میں پڑ گئے۔

﴿۷۹﴾ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَنْعَامَ لِتَرْكَبُوا مِنْهَا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۷۹﴾

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے لئے چارپائے پیدا کئے تاکہ ان میں سے بعض پر سوار ہو اور بعض کو تم کھاتے ہو۔

﴿۸۰﴾ وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوا عَلَيْهَا حَاجَةً فِي صُدُورِكُمْ

اور تمہارے لئے ان میں (اور بھی) فائدے ہیں اور اس لئے بھی کہ (کہیں جانے کی) تمہارے دلوں میں جو حاجت ہو

﴿۸۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿۸۱﴾ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ

ان پر (چڑھ کر وہاں) پہنچ جاؤ اور ان پر اور کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو۔ اور وہ تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے

﴿۸۲﴾ فَآيَاتِ اللَّهِ تُكْرَهُونَ ﴿۸۲﴾ لَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ

تو تم اللہ کی کن کن نشانوں کو نہ مانو گے۔ کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھتے

﴿۸۳﴾ كَان عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْهُمْ وَأَشَدَّ قُوَّةً

کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا (حالانکہ) وہ ان سے کہیں زیادہ اور طاقتور

﴿۸۴﴾ وَآثَارًا فِي الْأَرْضِ فَمَا أَغْنَى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۸۴﴾

اور زمین میں نشانات (بنانے) کے اعتبار سے بہت بڑھ کر تھے تو جو کچھ وہ کرتے تھے وہ ان کے کچھ کام نہ آیا

﴿۸۵﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرِحُوا بِمَا عِنْدَهُمْ مِنَ الْعِلْمِ

اور جب ان کے پیغمبر ان کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو جو علم (اپنے خیال میں) ان کے پاس تھا

﴿۸۶﴾ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۸۶﴾ مَارَأَوْا بِأَسْنَا

اس پر اترانے لگے اور جس چیز سے تمسخر کیا کرتے تھے اس نے ان کو آ گھیرا۔ پھر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا

﴿۸۴﴾ قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ﴿۸۴﴾

تو کہنے لگے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور جس چیز کو اس کے ساتھ شریک بناتے تھے اس سے نامعتقد ہوئے۔

فَلَمْ يَكْ يَنْفَعُهُمْ إِيمَانُهُمْ لَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا

لیکن جب وہ ہمارا عذاب دیکھ چکے (اس وقت) ان کے ایمان نے ان کو کچھ فائدہ نہ دیا (یہ) اللہ کی سنت (ہے)

﴿۸۵﴾ سُنَّتِ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُونَ ﴿۸۵﴾

جو اس کے بندوں (کے بارے) میں چلی آتی ہے اور وہاں کافر گھائے میں پڑ گئے۔

سورة حم سجده (مکیہ) [1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۱﴾ تَنْزِيلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴿۱﴾ كِتَابٌ فُصِّلَتْ آيٰتُهُ

﴿۱﴾۔ (یہ کتاب اللہ) رحمن و رحیم (کی طرف) سے اتری ہے۔ (ایسی) کتاب جس کی آیتیں واضح (المعانی) ہیں

قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۲﴾ نَسِيْرًا وَنَذِيْرًا

(یعنی) قرآن عربی ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ جو بشارت بھی سناتا ہے اور خوف بھی دلاتا ہے لیکن ان میں سے

[1] جابر بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ ایک دن قریش نے جمع ہو کر آپس میں مشاورت کی کہ چادو، کہانت،

اور شعر شاعری میں جو سب سے زیادہ ہو اسے لے کر اس شخص کے پاس چلیں (یعنی نبی کریم ﷺ کے پاس) جس نے

ہماری جماعت میں تفریق ڈال دی ہے، اور ہمارے کام میں پھوٹ ڈال دی ہے، اور ہمارے دین میں عیب گیری شروع

کردی ہے، وہ اس سے مناظرہ کرے اور اسے ہرادے، اور لا جواب کر دے۔ سب نے کہا کہ ایسا شخص تو ہم میں بجز عتبہ

بن ربیعہ کے اور کوئی نہیں۔

چنانچہ یہ سب ملکر عتبہ کے پاس آئے اور اپنی متفقہ خواہش ظاہر کی، اس نے قوم کی بات رکھ لی اور تیار ہو کر نبی کریم ﷺ کے پاس آیا۔ آکر کہنے لگا کہ اے محمد ﷺ یہ تو بتا تو اچھا ہے یا عبد اللہ؟ (یعنی آپ ﷺ کے والد صاحب) آپ نے کوئی جواب نہ دیا، اس نے دوسرا سوال کیا کہ اچھا جواب دے تو اچھا ہے یا تیرا دادا عبد المطلب؟ نبی کریم ﷺ اس پر بھی خاموش رہے وہ کہنے لگا سن! اگر تو اپنے باپ دادا کو اچھا سمجھتا ہے تب تو تجھے معلوم ہے کہ وہ انہیں معبودوں کو پوجتے رہے جنہیں ہم سب پوجتے ہیں، اور جن کی تو عیب گیری کرتا رہتا ہے، اور اگر تو اپنے تئیں ان سے بہتر سمجھتا ہے تو کلام کر ہم بھی تیرے بات سنے، اللہ تعالیٰ کی قسم دنیا میں کوئی انسان اپنی قوم کے لئے تجھ سے زیادہ ضرر رسان پیدا نہیں ہوا، تو نے ہماری شیرازہ بندی توڑ دی، تو نے ہمارے اتفاق کو نفاق سے بدل دیا۔ تو نے ہمارے دین کو عیب دار بتایا، اور اس میں برائی نکالی، تو نے ساری عرب میں ہمیں بدنام اور رسوا کر دیا، آج ہر جگہ یہی تذکرہ ہے کہ قریشیوں میں ایک جادوگر ہے قریشیوں میں ایک کاہن ہے اب تو یہی ایک بات باقی رہ گئی ہے، کہ ہم آپس میں سر پھٹول ہو، ایک دوسرے کے سامنے ہتھیار لگا کر آجائے اور یوں ہی لڑا بھڑا کر تو ہم سب کو پناہ کر دینا چاہتا ہے، سن! اگر تجھے مال کی خواہش ہے تو لے ہم سب مل کر تجھے اس قدر مال دار بنا دیتے ہیں کہ عرب میں تیرے برابر کوئی اور تو نگر نہیں نکلے، اور اگر تجھے عورتوں کی خواہش ہے تو ہم میں سے جس کی بیٹی تجھے پسند ہو تو بتا ہم ایک چھوڑ دس دس شادیاں تیری کر دیتے ہیں، یہ سب کچھ کہہ کر اب اس نے ذرا سانس لیا، تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بس کہہ چکے ہو؟ اس نے کہا: ہاں، آپ نے فرمایا اب میری سنو! چنانچہ آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اسی صورت کی تلاوت شروع کی اور تقریباً تیرہ آیات (مثل صاعۃ عاد و ثمود) تک پڑھا، اتنا سکر عتبہ بول اٹھا، بس کیجئے، بس کیجئے، تیرے پاس اس کے سوا کچھ نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں، اب یہ یہاں سے اٹھ کر چل گیا قریش کا مجمع اس کا منتظر تھا، اس نے دیکھتے ہی پوچھا کہو کیا بات رہی؟ عتبہ نے کہا سنو! تم سب ملکر جو کچھ اسے کہہ سکتے تھے میں نے اکیلے ہی وہ سب کچھ کہہ ڈالا۔ انہوں نے کہا پھر اس نے کچھ جواب بھی دیا؟ کہا ہاں، جواب تو دیا لیکن باللہ میں تو ایک حرف بھی اس کا سمجھ نہ سکا اللہ نے اتنا سمجھا ہوں کہ انہوں نے ہم سب کو عذاب آسمانی سے ڈرایا ہے جو عذاب عادیوں اور ثمودیوں پر آیا تھا انہوں نے کہا تجھے اللہ کی مار ایک شخص عربی زبان میں جو تیری اپنی زبان ہے، تجھ سے کلام کر رہا ہے اور تو کہتا ہے کہ میں سمجھا ہی نہیں اس نے کیا کہا؟ عتبہ نے جواب دیا کہ میں سچ کہتا ہوں۔ بجز ذکر عذاب کے میں کچھ نہیں سمجھا۔ (بخاری و ابن کثیر)۔

فَاعْرَضَ أَكْثَرُهُمْ فَهَمُّ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۳۱﴾ وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِّمَّا

اکثروں نے منہ پھیر لیا اور وہ سنتے ہی نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا تے ہو اس سے ہمارے دل پردوں

تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَأَعْمَلْ

میں ہیں اور ہمارے کانوں میں بوجھ (یعنی بہرا پن) ہے اور ہمارے اور تمہارے درمیان پردہ ہے تو تم (اپنا) کام کرو

إِنَّا عَامِلُونَ ﴿۳۲﴾ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ إِلَهُ

ہم (اپنا) کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ میں بھی آدمی ہوں جیسے تم (ہاں) مجھ پر یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود اللہ واحد ہے

وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ ﴿۳۴﴾

تو سیدھے اسی کی طرف (متوجہ) رہو اور اسی سے مغفرت مانگو اور مشرکوں کیلئے ہلاکت ہے۔

الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَفَرُونَ ﴿۳۷﴾

جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کے بھی قائل نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۳۸﴾

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے (ایسا) ثواب ہے جو ختم ہی نہ ہو۔

قُلْ إِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا

کہو کیا تم اس سے انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا اور (بتوں کو) اس کا مد مقابل بناتے ہو؟

ذَلِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۱﴾ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا

وہی تو سارے جہان کا مالک ہے۔ اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنائے اور زمین میں برکت رکھی

وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا فِي أَرْبَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِّلسَّائِلِينَ ﴿۴۲﴾

اور آسمیں سب سامان معیشت مقرر کیا (سب) چار دن میں یہ پورا جواب ہے سائلین کے لئے

ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْأَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا

پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ دھواں تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں آؤ (خواہ) خوشی سے

أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ ﴿١١﴾ فَفَضَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمَيْنِ

خواہ ناخوشی سے۔ انہوں نے کہا کہ ہم خوشی سے آتے ہیں۔ پھر دو دن میں سات آسمان بنائے

وَأَوْحَىٰ فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ

اور ہر آسمان میں اس (کے) کام کا حکم بھیجا اور ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں (یعنی ستاروں) سے مزین کیا

وَحِفْظًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿١٢﴾ إِنَّا أَنْعَمْنَا

اور (شیطانوں سے) محفوظ رکھا یہ زبردست (اور) خبردار کے (مقرر کئے ہوئے) اندازے ہیں [2] پھر اگر یہ منہ پھیر لیں

فَقُلْ أَنْذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ ﴿١٣﴾

تو کہہ دو کہ میں تم کو ایسے چنگھاڑ (کے عذاب) سے آگاہ کرتا ہوں جیسے عاد اور ثمود پر چنگھاڑ (کا عذاب آیا تھا)

إِذْ جَاءَهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا

جب ان کے پاس پیغمبر ان کے آگے اور پیچھے سے آئے کہ اللہ کی سوا (کسی کی) عبادت نہ کرو کہنے لگے

[2] امام ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں ابن عباسؓ وغیرہ سے یہ تفسیر نقل کیا ہے کہ زمین کو اللہ تعالیٰ نے دو دن میں

پیدا کیا ہے یعنی اتوار اور پیر کے دن۔ اور زمین میں زمین کے اوپر ہی پہاڑ بنا دیے، اور زمین کو اس نے بابرکت بنایا، تم اس

میں بیج بوتے ہو درخت اور پھل وغیرہ اس میں پیدا ہوتے ہیں۔ اور اہل زمین کو جن چیزوں کی احتیاج ہے وہ اسی میں

پیدا ہوتی رہتی ہیں، کھیتوں اور باغات کی جگہیں اس میں اس نے بنا دی ہیں۔ زمین کی یہ درستی منگل و بدھ کے دن ہوئی۔

چار دن میں زمین کی پیدائش ختم ہوئی جو لوگ اس کی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ انہیں پورا جواب مل گیا۔ زمین کے ہر

حصے میں اس نے وہ چیز مہیا کر دی جو وہاں والوں کے لائق تھی مثلاً عصب یمن میں، ساہوری ساہور میں طیلسہ رے میں، یہی

مطلب آیت کے آخری جملے کا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس کی جو حاجت تھی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مہیا کر دی۔ اس معنی کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ہوتی ہے: **وَاتَّكُم مِّنْ كُلِّ مَاسٍ لِّتَمُوهُ (ابراہیم: ۳۴)** تم نے جو مانگا اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا **وَاللَّهُ أَعْلَمُ** پھر اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی، وہ دھوس کی شکل میں تھا، زمین کے پیدا کیے جانے کے وقت پانی کے جو بخارات اٹھے تھے، اب دونوں سے فرمایا کہ یا تو میرے حکم کو مانوں اور جو میں کہتا ہوں ہو جاؤ خوشی سے یا ناخوشی سے۔

ابن عباس فرماتے ہیں مثلاً آسمانوں کو حکم ہوا کہ سورج، چاند، ستارے طلوع کرے زمین سے فرمایا اپنی نہریں جاری کراپنے پھل اگاؤ وغیرہ۔ دونوں فرمانبرداری کے لئے راضی خوشی تیار ہو گئے اور عرض کیا کہ ہم مع اس تمام مخلوق کے جسے تو رچانے والا ہے تابع فرمان ہیں۔

حسن بصری فرماتے ہیں کہ اگر آسمان وزمین اطاعت گزاری کا اقرار نہ کرتے تو انہیں سزا ہوتی جس کا احساس بھی انہیں ہوتا۔ پس دودن میں ساتوں آسمان بنا دیے، یعنی جمعرات، جمعہ کے دن، اور ہر آسمان میں میں نے جو جو چیزیں اور جیسے جیسے فرشتے مقرر کرنے چاہے مقرر فرمادیے، اور آسمان دنیا کو اس نے ستاروں سے مزین کر دیا، جو زمین پر چمکتے رہتے ہیں، اور جو ان شیاطین کی نگہبانی کرتے ہیں جو، ملامت اعلیٰ کی باتیں سننے کے لئے اوپر چڑھنا چاہتے ہیں۔ یہ تدبیر و انداز اس اللہ کا ہے جو سب پر غالب ہے جو کائنات کے ایک ایک چپے کی ہر چھپی کھلی حرکت کو جانتا ہے۔ اور جو روایت امام مسلم نے نقل کیا ہے کہ: **عن ابی ہریرۃؓ قال اخذ رسول اللہ ﷺ بیدی فقال خلق اللہ التربة یوم السبت، وخلق فیہا العبال یوم الأحد، وخلق الشجر یوم الاثنین، وخلق المکروہ یوم الثلاثاء، وخلق النور یوم الاربعاء، وبت فیہا الدواب یوم الخمیس، وخلق آدم بعد العصر یوم الجمعة، آخر الخلق فی آخر ساعة من ساعات الجمعة، فیما بین العصر الی اللیل [مسلم کتاب صفة القيامة والجنة والنار: ۱۲۷/۸، مسند احمد: ۳۲۷/۲، مسند ابی یعلیٰ: رقم ۶۱۳۲، السنن الكبرى للبیہقی: ۳/۹]۔**

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ تعالیٰ نے مٹی کو ہفتے کے روز پیدا کیا، اس میں پہاڑوں کو اتوار کے دن رکھا، درخت پیروالے دن پیدا کیے۔ مکروہات کو منگل کے دن، نور کو بدھ کے دن پیدا کیا، اور جانوروں کو زمین میں جمعرات کے دن پھیلا دیا، اور جمعہ کے دن عصر کے بعد جمعہ کی آخری ساعت میں آدم =

لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنْزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۱۳﴾

کہ اگر ہمارا پروردگار چاہتا تو فرشتے اتار دیتا سو جو تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔

فَأَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوا فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوا مَنْ أَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً

جو عاد تھے وہ ناحق ملک میں غرور کرنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم سے بڑھ کر قوت میں کون ہے؟

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَهُمْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَكَانُوا بِآيَاتِنَا

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ جس نے ان کو پیدا کیا وہ ان سے قوت میں بہت بڑھ کر ہے اور وہ ہماری آیتوں سے انکار

يَجْحَدُونَ ﴿۱۴﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي أَيَّامٍ نَحْسَاتٍ

کرتے رہے۔ تو ہم نے بھی ان پر نحوست کے دنوں میں زور کی آندھی چلائی تاکہ ان کو دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزہ

لَنُذِيقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَحْزَى

چکھا دیں اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے اور (اس روز) ان کو مدد بھی نہ ملے گی

وَهُمْ لَا يَنْصُرُونَ ﴿۱۵﴾ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمَى

اور جو ثمود تھے ان کو ہم نے سیدھا رستہ دکھا دیا تھا مگر انہوں نے ہدایت کے مقابلے میں اندھا دھند رہنا پسند کیا

= علیہ السلام کو پیدا کیا، اور خلقت پوری ہوئی۔ مسلم اور نسائی میں یہ حدیث ہے لیکن یہ بھی غرائب صحیح میں سے ہیں۔ اور امام

بخاری نے تاریخ: ۴۱۳/۱، میں اسے معلل بتلایا ہے اور فرمایا ہے کہ اسے بعض روایوں نے ابو ہریرہ سے اور ابو ہریرہ نے

اسے کعب الاحبار سے روایت کیا ہے، اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ جبکہ ابن کثیر نے یہاں اور سورہ اعراف: ۵۴: میں بھی یہ قول

ذکر کیا ہے۔ اور ابن تیمیہ نے فتاوی: ۲۳۶/۱، میں لکھا ہے: واما الحدیث الذی رواہ مسلم "خلق الله التربة

یوم السبت" فهو حدیث معلول الخ اس طرح امام بیہقی نے اسماء الصفات: ۳۸۴، اور مناوی نے فیض القدر:

۴۲۸/۳، میں بھی قول ذکر کیا ہے مزید تفصیل حاشیہ مسند احمد: ۸۲/۱۴، میں دیکھئے۔

عَلَى الْهُدَىٰ فَآخَذَتْهُمْ سَاعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُونِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۷﴾

تو ان کے اعمال کی سزا میں کڑک نے ان کو آ پکڑا اور وہ ذلت کا عذاب تھا۔

وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴿۱۸﴾ يَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ

اور جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے رہے ان کو ہم نے بچا لیا۔ اور جس دن اللہ کے دشمن

إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿۱۹﴾ حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُ وَهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ

دوزخ کی طرف چلائے جائیں گے تو ترتیب وار کر لئے جائیں گے۔ یہاں تک کہ جب اس کے پاس پہنچ جائیں گے

وَأَبْصَارُهُمْ وَجُلُودُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۰﴾

تو ان کے کان اور آنکھیں اور چہرے (یعنی دوسرے اعضاء) ان کے خلاف ان کے اعمال کی شہادت دیں گے۔

وَقَالُوا الْجُلُودُ دِهِمْ لَمْ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي

اور وہ اپنے چہروں سے کہیں گے کہ تو نے ہمارے خلاف کیوں شہادت دی؟ وہ کہیں گے کہ جس اللہ نے

أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۱﴾

سب چیزوں کو نطق بخشا اسی نے ہم کو بھی گویائی دی اور اسی نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اور اسی کی طرف تم کو لوٹ کر جانا ہے۔

وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ

اور تم اس (بات کے خوف) سے تو پردہ نہیں کرتے تھے کہ تمہارے کان اور تمہارے آنکھیں

وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَكِنْ ظَنْنْتُمْ أَنَّ اللَّهَ لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۲۲﴾

اور چہرے تمہارے خلاف شہادت دیں گے بلکہ تم یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ کو تمہارے اعمال کی خبر ہی نہیں۔

وَذَلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنْنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۲۳﴾

اور اسی خیال نے جو تم اپنے پروردگار کے بارے میں رکھتے تھے تم کو ہلاک کر دیا اور تم خسارہ پانے والوں میں ہو گئے۔

﴿۲۲﴾ فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ وَإِنْ يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُمْ مِنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿۲۲﴾

اب اگر یہ صبر کریں گے تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور اگر توبہ کریں گے تو ان کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

اور ہم نے (شیطانوں کو) ان کا ہم نشین مقرر کر دیا تھا تو انہوں نے ان کے اگلے اور پچھلے اعمال ان کو عمدہ کر دکھائے تھے

وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمِّ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ

اور جنات اور انسانوں کی جماعتیں جو ان سے پہلے گزر چکیں ان پر بھی اللہ (کے عذاب) کا وعدہ پورا ہو گیا

إِنَّهُمْ كَانُوا خَسِرِينَ ﴿۲۳﴾ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَذَا الْقُرْآنِ

بیشک یہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اور کافر کہنے لگے کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو

وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۴﴾ لَنْ نَذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا

اور (جب پڑھنے لگیں تو) شور مچا دیا کرو تا کہ تم غالب رہو۔ سو ہم بھی کافروں کو سخت عذاب کے مزے چکھائیں گے

وَلَنْ جَزِينَهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۵﴾ لِكِ جَزَاءٍ أَعْدَاءِ اللَّهِ

اور ان کے بُرے اعمال کی جو وہ کرتے تھے سزا دیں گے۔ یہ اللہ کے دشمنوں کا بدلہ ہے (یعنی) دوزخ

النَّارُ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ جَزَاءً بِمَا كَانُوا بَايِتَنَا بِجَحْدُونَ ﴿۲۶﴾

ان کے لئے اسی میں ہمیشہ کا گھر ہے یہ اس کی سزا ہے کہ ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا رَبَّنَا أَرْنَا الَّذِينَ أَضَلَّانَا مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ

اور کافر کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! جنوں اور انسانوں میں سے جن لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا

نَجْعَلُهُمَا تَحْتَ أَقْدَامِنَا لِيَكُونَا مِنَ الْأَسْفَلِينَ ﴿۲۷﴾ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبَّنَا

ان کو ہمیں دکھا کہ ہم ان کو اپنے پاؤں تلے (روند) ڈالیں تا کہ وہ نہایت ذلیل ہوں۔ جن لوگوں نے کہا

اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَنْزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا

کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو

وَأَبَشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۱﴾ حُنُّ أَوْلِيَاكُمْ فِي الْحَيَاةِ

اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا بشارت سن لو۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے

الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهَىٰ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا

اور آخرت میں بھی (تمہارے رفیق ہیں) اور وہاں جس (نعمت) کو تمہارا جی چاہے گا تم کو (ملے گی) اور جو چیز طلب کرو

تَدْعُونَ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۳﴾ نَزْلًا مِّنْ غَفُورٍ رَّحِيمٍ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾ مَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ

گئے تمہارے لئے (موجود ہوگی)۔ (یہ) بخشے والے مہربان کی طرف سے مہمانی ہے۔ اور اس شخص سے بات کا اچھا

دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾

کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں۔

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ

اور بھلائی اور بُرائی برابر نہیں ہو سکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریق سے جواب دو جو بہت اچھا ہو (ایسا کرنے سے تم دیکھو گے)

فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾

کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمہارا گرم جوش دوست ہے۔

وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾

اور یہ بات انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو برداشت کرنے والے ہیں اور انہی کو نصیب ہوتی ہے جو بڑے صاحب نصیب ہیں

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾

اور اگر تمہیں شیطان کی جانب سے کوئی وسوسہ پیدا ہو تو اللہ کی پناہ مانگ لیا کرو بیشک وہ سنتا جانتا ہے

وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ

اور رات اور دن اور سورج اور چاند اس کی نشانیوں میں سے ہیں تم لوگ نہ تو سورج کو سجدہ کرو

وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۲۰﴾

اور نہ چاند کو بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان چیزوں کو پیدا کیا ہے اگر تم کو اس کی عبادت منظور ہے۔

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

اگر یہ لوگ سرکشی کریں تو (اللہ کو بھی ان کی پروا نہیں) جو (فرشتے) تمہارے پروردگار کے پاس ہیں وہ رات دن اس کی تسبیح

وَهُمْ لَا يَسْتَمُونَ ﴿۲۱﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً

کرتے رہتے ہیں اور (کبھی) تھکتے ہی نہیں۔ اور (اے بندے) یہ اسی کے قدرت کے نمونے ہیں کہ تو زمین کو دبی ہوئی

فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا

(یعنی خشک) دیکھتا ہے جب ہم اس پر پانی برسا دیتے ہیں تو شاداب ہو جاتی اور پھولے لگتی ہے تو جس نے زمین کو زندہ کیا

لَمْحِي الْمَوْتَى إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۲﴾ إِنَّ الَّذِي يُلْحِدُونَ فِي

وہی مردوں کو زندہ کرنے والا ہے بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جو لوگ ہماری آیتوں میں کجراہی کرتے ہیں

آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَنْ يُلْقَىٰ فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَنْ يَأْتِي آمِنًا

وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں بھلا جو شخص دوزخ میں ڈالا جائے وہ بہتر ہے یا وہ جو قیامت کے دن امن و امان سے آئے

يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳﴾

(تو خیر) جو چاہو سو کر لو جو کچھ تم کرتے ہو وہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿۲۴﴾

جن لوگوں نے نصیحت کو نہ مانا جب وہ ان کے پاس آئی اور یہ تو ایک عالی رتبہ کتاب ہے۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿۲۲﴾

اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (اللہ) کی اتاری ہوئی ہے

مَا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِكَ إِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ

تم سے وہی باتیں کہی جاتی ہیں جو تم سے پہلے اور پیغمبروں سے کہی گئی تھیں بیشک تمہارا پروردگار بخش دینے والا بھی ہے

وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۳﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَقَالُوا

اور عذاب الیم دینے والا بھی ہے۔ اور اگر ہم اس قرآن کو غیر زبان عرب میں (نازل) کرتے تو یہ لوگ کہتے

لَوْ لَا فَصَّلْتُ آيَاتُهُ أَعْجَمِيًّا وَعَرَبِيًّا

کہ اس کی آیتیں (ہماری زبان میں) کیوں کھول کر بیان نہیں کی گئیں؟ کیا (خوب کہ قرآن تو) عجمی اور (مخاطب) عربی؟ [3]

قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءً ۗ وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقُرْ

کہہ دو کہ جو ایمان لاتے ہیں ان کے لئے (یہ) ہدایت اور شفا ہے اور جو ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں

وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى أُولَٰئِكَ يُنَادُونَ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿۲۴﴾

بہراپن ہے اور یہ ان کے حق میں (موجب) ناپیدائی ہے بہراپن کے سبب ان کو (گویا) دُور جگہ سے آواز دی جاتی ہے۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں اختلاف کیا گیا اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات پہلے نہ ٹھہر چکی ہوتی

قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ

[3]

مفسرین کے ہاں یہ بات بھی مختلف فیہ ہے کہ کیا قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ استعمال ہوئے ہیں یا نہیں؟ ابو عبیدہ

کہتے ہیں جس نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ ہیں تو اس نے غلط بات کہی، اور اللہ کے ذمے بڑی بات =

لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿۱۴۱﴾ ۱۴۱. لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ﴿۱۴۱﴾

تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور یہ اس (قرآن) سے شک میں الجھ رہے ہیں۔ جو نیک کام کرے گا

فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلِيَهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿۱۴۲﴾ ۱۴۲. فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلِيَهَا وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿۱۴۲﴾

تو اپنے لئے اور جو بُرے کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا اور تمہارا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں

إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا ﴿۱۴۳﴾ ۱۴۳. إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا ﴿۱۴۳﴾

قیامت کے علم کا حوالہ اسی کی طرف دیا جاتا ہے (یعنی قیامت کا علم اسی کو ہے) اور نہ تو پھل گا بھوں سے نکلتے ہیں

وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي ﴿۱۴۴﴾ ۱۴۴. وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ أَيْنَ شُرَكَائِي ﴿۱۴۴﴾

اور نہ کوئی مادہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اس کی علم سے اور جس دن وہ ان کو پکارے گا (اور کہے گا) کہ میرے شریک کہاں ہیں

قَالُوا آذْنَاكَ مَا مَنَا مِنْ شَهِيدٍ ﴿۱۴۵﴾ ۱۴۵. قَالُوا آذْنَاكَ مَا مَنَا مِنْ شَهِيدٍ ﴿۱۴۵﴾

تو وہ کہیں گے کہ ہم تجھ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم میں سے کسی کو (ان کی) خبر ہی نہیں۔ اور جن کو وہ پہلے (اللہ) کے سوا پکارا

= لگادی ہے۔ استدلال انہوں نے اسی آیت سے کیا ہے کہ ”انسانزلناہ قرآنا عربیاً“ (یوسف: ۲) ہم نے یہ قرآن عربی میں

نازل کیا ہے۔ تاہم ابن عباسؓ، مجاہد، اور عکرمہ کا موقف ہے، کہ قرآن مجید میں غیر عربی الفاظ موجود ہیں مثلاً: سحیل

، مشکوٰۃ، الیم اور استبرق وغیرہ، تفسیر خازن کے مولف نے اسی قول کو ترجیح دی ہے، اور ساتھ دونوں قسم کے اقوال کے

درمیان ایک جمع کی صورت بھی نکالی ہے کہ قرآن مجید میں ایسے الفاظ موجود ہیں جو اصلاً عجمی زبانوں کے ہیں، مگر اب جب وہ

عربوں کی زبان پر چڑھ کر فصیح عربی کا روپ دھار چکے ہیں تو وہ گویا عربی ہی ہو گئے ہیں۔ اور یہ وجہ بھی ہے کہ ان زبانوں

اور لغتوں کی وجود سے قبل قرآن مجید موجود تھا۔

قَبْلُ وَظَنُوا مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ ﴿۲۸﴾ يَسْمُ الْإِنْسَانُ مِنْ دُعَاءِ الْخَيْرِ

کرتے تھے (سب) ان سے غائب ہو جائیں گے اور وہ یقین کر لیں گے کہ ان کے لئے نجات نہیں۔ انسان بھلائی کی

وَإِنْ مَسَّهُ الشَّرُّ فَيَوْسُقْنُوهُ ﴿۲۹﴾ لَئِنْ أَذَقْنَاهُ رَحْمَةً مِّنَّا

دعا میں کرتا کرتا تو تھکتا نہیں اور اگر تکلیف پہنچ جاتی ہے تو ناامید ہو جاتا اور اس توڑ بیٹھتا ہے۔ اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد

مِنْ بَعْدِ ضَرَاءٍ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ هَذَا لِي وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً

ہم اس کو اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میرا حق تھا اور میں نہیں خیال کرتا کہ قیامت برپا ہو

وَلَئِنْ رُجِعْتُ إِلَىٰ رَبِّي إِنَّ لِي عِنْدَهُ لَلْحُسْنَىٰ

اور اگر (قیامت سچ بھی ہو اور) میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا یا بھی جاؤں تو میرے لئے اس کے ہاں بھی خوشحالی ہے

فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِمَا عَمِلُوا وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ﴿۳۰﴾

پس کافر جو عمل کیا کرتے ہیں وہ ہم ان کو ضرور جتائیں گے اور ان کو سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَىٰ الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُو

اور جب ہم انسان پر کرم کرتے ہیں تو منہ موڑ لیتا ہے اور پہلو پھیر کر چل دیتا ہے اور جب اس کو تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی لمبی

دُعَاءٍ عَرِيضٍ ﴿۳۱﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهِ

دعا میں کرنے لگتا ہے۔ کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو پھر تم اس سے انکار کرو

مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۳۲﴾ نُنزِلُهُمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ

تو اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہے جو (حق کی) پر لے درجے کی مخالفت میں ہو۔ ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور

وَفِي أَنفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ

خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ (قرآن) حق ہے کیا تم کو یہ کافی نہیں

اِنَّهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّهُمْ فِيْ مَرِيَّةٍ مِّنْ لِّقَاءِ رَبِّهِمْ

کہ تمہارا پروردگار ہر چیز سے خبردار ہے۔ دیکھو یہ اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونے سے شک میں ہیں

اَلَا اِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۱۰۱﴾

سن رکھو کہ وہ ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔

سورة الشورى (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حَمْدٌ مَّا عَسَقَ ﴿۱﴾ كَذٰلِكَ يُوْحٰى اِلَيْكَ وَاِلٰى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ

حُمد۔ اللہ غالب و دانا اسی طرح تمہاری طرف مضامین (اور براہین) بھیجتا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں کی

اللّٰهُ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۲﴾ اِنَّهُ مَآ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَآ فِی الْاَرْضِ

طرف وحی بھیجتا رہا ہے۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے

وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۳﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْ فَوْقِهِنَّ

اور وہ عالی رتبہ اور گرامی قدر ہے۔ قریب ہے کہ آسمان اوپر سے پھٹ پڑیں

وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِی الْاَرْضِ

اور فرشتے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح کرتے رہتے اور جو لوگ زمین میں ہیں ان کے لئے معافی مانگتے

أَلَا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۲﴾ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ

رہتے ہیں سن رکھو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کے سوا کارساز بنا رکھے ہیں

اللَّهُ حَفِيظٌ عَلَيْهِمْ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۴﴾ وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا

وہ اللہ کو یاد ہیں اور تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔ اور اسی طرح تمہارے پاس قرآن عربی بھیجا ہے

إِلَيْكَ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنذِرَ يَوْمَ الْجُمُعِ لَا

تا کہ تم بڑے گاؤں (یعنی مکہ) کے رہنے والوں کو اور جو لوگ اس کے ارد گرد رہتے ہیں ان کو رستہ دکھاؤ اور انہیں قیامت کے

رَيْبٍ فِيهِ فَرِيقٌ فِي الْجَنَّةِ وَفَرِيقٌ فِي السَّعِيرِ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۶﴾

دن کا بھی جس میں کچھ شک نہیں دلاؤ اس روز ایک فریق بہشت میں ہوگا اور ایک فریق دوزخ میں۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ

اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو ایک ہی جماعت کر دیتا لیکن وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے

وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾ أَمْ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ

اور ظالموں کا نہ کوئی یار ہے اور نہ مددگار۔ کیا انہوں نے اس کے سوا کارساز بنائے ہیں؟

فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾

کارساز تو اللہ ہی ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبِّي

اور تم جس بات میں اختلاف کرتے ہو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف (سے ہوگا) یہی اللہ میرا پروردگار ہے

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ

میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا (وہی ہے) اسی نے

مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا يَذُرُّكُمْ فِيهِ

تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کے جوڑے بنائے اور چار پاپوں کے بھی جوڑے (بنائے اور) اسی طریق پر تم کو پھیلاتا رہتا ہے

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿۱۱﴾ لَّهُ مَقَالِيدُ السَّمَوَاتِ

اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔ [1] آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں

[1] لیس کمثلہ شیء وہ اپنی ذات و صفات میں تخلیق کائنات میں اور تدبیر عالم میں یگانہ، بے مثل و مینظیر ہے کوئی بھی اس سے مشابہ اور اس کے مانند نہیں، کیونکہ وہ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو دیکھنے والا ہے (و الذی یعتقد فی هذا الباب ان اللہ جل اسمہ فی عظمتہ و کبریائہ و ملکوتہ و حسنی اسمائہ و علی صفاتہ لایشبہ شیئاً من مخلوقاته و لایشبہ بہ، قرطبی) نعیم بن حماد الخزاعی جو امام بخاری کے مشائخ میں سے ہیں فرماتے ہیں، جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دی، اس نے کفر کیا، اسی طرح جس نے ان صفات کا انکار کیا جو اس نے اپنی ذات کے لئے ثابت کیا ہے اس نے بھی کفر کیا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی جو صفات بیان کر دیں، یا، رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان کر دیں ان میں تشبیہ نہیں ہے (العلو للذہبی).

شیخ البانی نے اس اثر کو صحیح کہا ہے۔ علی القاری نے شرح فقہ اکبر [ص ۳۵] میں یہی قول نقل کیا ہے کہ: قال نعیم بن حماد الخزاعی شیخ البخاری۔ من شبه اللہ بخلقه ای ذاتا و صفاتاً فقد کفر، و من جحد ما وصف اللہ به نفسه ای صفاتہ الذاتیة و الفعلیة فقد کفر، و قال الطحاوی و من لم یتوق النفی و التشبیہ زل و لم یصب التنزیہ۔

کمثلہ کا محل اعراب

(وجہ اول) کاف تا کید کے لئے زائد ہے، جیسے اوس بن حجر کہتا ہے: لیس کمثل الفتی زہیر

خلق یوازہ فی الفضائل. نوجوان زہیر نامی کا ہمسرفضائل میں کوئی نہیں ہے۔ ایک اور شاعر کہتا ہے:

ما ان کمثلهم فی الناس من البشر، ان جیسا لوگوں میں کوئی انسان نہیں ہے۔ ایک دوسرا شاعر کہتا ہے: =

وَالْأَرْضِ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۳﴾

وہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے اور (جس کے لئے چاہتا ہے) تنگ کر دیتا ہے بیشک وہ ہر چیز سے واقف ہے

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي

اس نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا) نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ)!

أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ

ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا

وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ ط كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ

اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا جس چیز کی طرف تم مشرکوں کو بلاتے ہو وہ ان کو دشوار گزرتی ہے اللہ جس کو چاہتا ہے

=ومثلى كمثل جذوع النخيل ميرى مثال كجور كے تنے كى مانند ہے۔

اس صورت میں لفظ مثله، ليس كى خبر ہے، لفظ شىء اس كا اسم ہے، یہ تو جیہ قوی اور اچھی ہے، عربى زبان میں

یہ تو جیہ متعارف ہے، اس میں كچھ خفا نہیں ہے، كلام عرب میں عام طور پر ”كاف“ تا كید کے لئے زائد استعمال ہوتا ہے،

شاعر كہتا ہے: وصالیات ككما يؤثفین جلے ہوئے پنجم چوٹھے کے پنجم ہیں جن پر ہانڈى ركھی جاتی ہے۔

دوسرا شاعر كہتا ہے: فاصبحت مثل كعصف ما كول، پس تو كھائے ہوئے بھوسہ كى مانند ہو گیا۔

وجه ثانى: مثل كا لفظ زائد ہے، یعنی ليس كھو شىء لیكن یہ تو جیہ بعید از استعمال ہے، اس لئے كه مثل اسم

ہے، اس كوزائد كہنے كى بجائے حرف كوزائد كہنا اولی ہے۔

وجه ثالث: كوئى لفظ زائد نہیں ہے، یہ جملہ مثلك لا یفعل كذا، كے قبیل سے ہے، مثلك

لا یفعل، كا معنی ہے، كه تو اس كام كو نہیں كر رہا ہے، لفظ مثل مبالغہ كے لئے ہے، اور، ليس كمشله میں بھی مبالغہ ہے، یعنی

اگر اس كاشل فرض بھی كیا جائے تب بھی اس كاشل نہیں، تو اس كاشل كیسے ہو سكتا ہے؟ جبكه اس كاشل نہیں ہے اس كے

علاوہ بھی كچھ اور تو جیہات كا احتمال ہے، لیكن پہلى تو جیہ واضح اور ظاہر ہے۔

اللَّهُ يَجْتَبِي إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ ﴿۱۳﴾

اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کر لیتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اسے اپنی طرف سے رستہ دکھا دیتا ہے۔ [2]

وَمَا تَفَرَّقُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَعِيًّا بَيْنَهُمْ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ

اور یہ لوگ جو الگ الگ ہوئے ہیں تو علم (حق) آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے (ہوئے ہیں) اور اگر تمہارے پروردگار کی

[2] ”شروع لکم من الدین“ الایہ، تمہارے لئے ہم نے وہی دین مقرر کیا ہے جس کو قائم کرنے

کا نوح کو حکم دیا تھا۔ اور جس کا آپ کو وحی کے ذریعے سے حکم دیا ہے اور جسے قائم کرنے کا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ

علیہم السلام کو حکم دیا تھا۔ ہم نے ان تمام اولوالعزم پیغمبروں کو حکم دیا تھا۔ کہ اس دین (دین توحید) کو قائم

کرو اور اس میں اختلاف نہ کرو۔ دین کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی توحید اور تمام ضروریات دین

پر ایمان لائیں اور اس کی احکام کی اطاعت کریں۔ ای دین اسلام الذی ہو توحید اللہ تعالیٰ وطاعتہ

والایمان بکتابہ ورسلہ و بیوم الجزاء وسائر ما یکون العبد بہ مومنا۔ روح، فیہ، ای فی

التوحید یعنی توحید جو تمام انبیاء علیہم السلام کا دین تھا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے: ”ولا تکونوا من

المشرکین“ (روم: ۳۱)

”ما تدعوہم الیہ“ یعنی توحید کو مانو اور شرک کو چھوڑ دو ای من التوحید ورفض الاوثان

خازن۔ مشرکین پر یہ بات نہایت گراں گذرتی ہے، جب انہیں توحید کی دعوت دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی غیب دان

اور کارساز نہیں۔ اس لئے حاجات میں صرف اسی کو پکارو اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے دین اور توحید کے لئے چن لیتا ہے

اور اسے قبول حق کی توفیق دیتا ہے اور چنتا کس کو ہے اور قبول ہدایت کی توفیق کس کو دیتا ہے جو اخلاص اور صدق نیت سے

اس کی طرف رجوع کرے اور انصاف سے راہ حق کی تلاش کرے ضد اور عناد سے دور رہے حاصل یہ ہے کہ ایک اللہ کی

عبادت کرو اس کے ساتھ شرک نہ کرو یہ تمام نبیوں کا دین ہے۔ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ

لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۱﴾ انبیاء۔

مِنْ رَبِّكَ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى لِّقُضَىٰ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الَّذِينَ

طرف سے ایک وقت مقرر تک کے لئے بات نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور جو لوگ ان کے بعد (اللہ کی)

أُورِثُوا الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَقَدْ لَعْنَهُمْ لَفِي شَكٍّ مِنْهُ مَرْيِبٌ ﴿۱۴﴾ ۱۴ لَعْنَةُ الْكٰفِرِيْنَ فَادْعُ

کتاب کے وارث ہوئے وہ اس (کی طرف) سے شبہ کی الجھن میں (پھنسے ہوئے) ہیں۔ [3] تو اسی (دین کی)

وَأَسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَقُلْ

طرف (لوگوں کو) بلا تے رہنا اور جیسا تم کو حکم ہوا ہے (اسی پر) قائم رہنا اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اور کہہ دو

[3] ”وما تفرقوا“ یہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ جب تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ایک ہی تھا اور مسئلہ تو حید سب

کا اجتماعی ہی دین تھا تو جو کتابیں اور صحیفے ان پر نازل ہوئے ان میں مسئلہ تو حید کے خلاف مضامین کیوں پائے جاتے

ہیں؟ اس کا جواب دیا گیا کہ بیشک تمام انبیاء علیہم السلام مسئلہ تو حید پر متفق تھے اور یہی مسئلہ ان کی طرف وحی کیا گیا لیکن

بعد میں دنیا پرست، باغی اور گمراہ کن علماء اور پیشواؤں نے حق کو سمجھنے کے بعد جان بوجھ کر کتب سابقہ میں تحریف کر ڈالی

اور ان میں تو حید کے خلاف عبارتیں اپنی طرف سے درج کر دیں، اور یہ سب کچھ انہوں نے محض ضد و عناد کی وجہ سے کیا ہے

اس سے تین باتیں معلوم ہوں، اول یہ کہ تو حید میں اختلاف کس نے ڈالا؟ مشرک پیشواؤں اور گمراہ کن اور زرپرست علماء

نے۔ دوم اختلاف کب ڈالا؟ جب ان کے پاس علم آ گیا اور ان کو حق معلوم ہو گیا تو کیا یہ اختلاف انہوں نے جان بوجھ

کر ڈالا ہے، کسی غلط فہمی کی بنا پر نہیں ڈالا۔ سوم اختلاف کیوں ڈالا؟ محض ضد و عناد اور سرکشی کی وجہ سے۔

”ولولا کلمة سبقت“ یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ پھر ان معاندین پر فوراً عذاب کیوں نہ آیا؟ فرمایا عذاب کے

لئے ایک وقت مقرر تھا (قیامت کا دن یا اواخر حیات) اگر وقت معین نہ ہوتا تو اسی وقت ہی ان کا قصہ تمام کر دیا جاتا۔ (اجل

مسمیٰ۔ ہو یوم القیامة او اخر اعمارهم المقدرۃ) (بیضاوی)

”وان الذین اورثوا الكتاب“ ان محرف اور گمراہ کن پیشواؤں سے وہ کتابیں جب بعد میں آنے والے

لوگوں کو ملیں تو وہ بھی ان محرف اور تبدیل شدہ کتابوں کو پڑھ کر مسئلہ تو حید کے بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے۔

آمَنْتُ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنْ كِتَابٍ وَأَمَرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اللَّهُ رَبَّنَا وَرَبُّكُمْ

کہ جو کتاب اللہ نے نازل فرمائی ہے اس پر ایمان رکھتا ہوں اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں انصاف کروں اللہ ہی ہمارا اور تمہارا

لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اللَّهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا وَإِلَيْهِ

پروردگار ہے ہم کو ہمارے اعمال اور تمہیں تمہارے اعمال کا ہم میں اور تم میں کچھ بحث و تکرار نہیں اللہ ہم کو اکٹھا کرے گا

الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ وَالَّذِينَ يُحَاجُّونَ فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا اسْتَجِيبَ لَهُ

اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ اور جو لوگ اللہ (کے بارے) میں بعد اس کے کہ اسے (مومنوں نے) مان لیا ہو

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿١٤﴾

جھگڑتے ہیں ان کے پروردگار کے نزدیک ان کا جھگڑنا لغو ہے اور ان پر (اللہ کا) غضب اور ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَالْمِيزَانَ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّ السَّاعَةَ

اللہ ہی تو ہے جس نے سچائی کے ساتھ کتاب نازل فرمائی اور (عدل و انصاف کی) ترازو اور تم کو کیا معلوم شاید قیامت قریب

قَرِيبٌ ﴿١٥﴾ اَلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِهَا وَالَّذِينَ آمَنُوا مُشْفِقُونَ

ہی آ پینچی ہو۔ جو لوگ اس پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس کے لئے جلدی کر رہے ہیں اور جو مومن ہیں وہ اس سے ڈرتے ہیں اور

مِنْهَا وَيَعْلَمُونَ أَنَّهَا الْحَقُّ أَلَا إِنَّ الَّذِينَ يُمَارُونَ فِي السَّاعَةِ لَفِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ

جانتے ہیں کہ وہ برحق ہے دیکھو جو لوگ قیامت میں جھگڑتے ہیں وہ پرلے درجے کی گمراہی میں ہیں۔

﴿١٦﴾ إِنَّهُ لَطِيفٌ بِعِبَادِهِ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ﴿١٦﴾

اللہ اپنے بندوں پر مہربان ہے وہ جس کو چاہتا ہے رزق دیتا ہے وہ زور والا (اور) زبردست ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِي حَرْثِهِ وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ

جو شخص آخرت کی کھیتی کا خواستگار ہو اس کو ہم اس میں سے دیدیں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ہو

الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ ﴿٢٠﴾

اس کو ہم اس میں سے دیدیں گے اور اس کا آخرت میں کچھ حصہ نہ ہو گا۔

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ

کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا اور اگر فیصلے (کے دن) کا

الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢١﴾

وعدہ نہ ہوتا تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور جو ظالم ہیں ان کے لئے درد دینے والا عذاب ہے۔

تَرَى الظَّالِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاقِعٌ بِهِمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا

تم دیکھو گے کہ ظالم اپنے اعمال (کے وبال) سے ڈر رہے ہوں گے اور وہ ان پر پڑ کر رہے گا اور جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فِي رَوْضَاتِ الْجَنَّاتِ لَهُمْ مَا يَشَاءُونَ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور نیک عمل کرتے رہے وہ بہشت کے باغوں میں ہوں گے وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس

ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ ﴿٢٢﴾ ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللّٰهَ عِبَادَهُ الَّذِيْنَ

(موجود) ہو گا یہی بڑا فضل ہے۔ یہی وہ (انعام ہے) جس کی اللہ اپنے بندوں کو جو ایمان لاتے ہیں

آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي

اور نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہہ دو کہ میں اس کا تم سے صلہ نہیں مانگتا مگر (تم کو) قربت کی محبت (تو چاہیے)

الْقُرْبَىٰ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَّزِدْ لَهُ فِيهَا حُسْنًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴿٢٣﴾

اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کے لئے اس میں ثواب بڑھائیں گے بیشک اللہ بخشنے والا قادر دان ہے۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا فَإِنْ يَشَاءُ اللَّهُ يَخْتِمْ عَلَى قَلْبِكَ

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اللہ پر جھوٹ باندھ لیا ہے؟ اگر اللہ چاہے تو (اے محمد ﷺ!) تمہارے دل پر مہر لگا دے

وَيَمْحُ اللَّهُ الْبَاطِلَ وَيُحِقُّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٢٢﴾

اور اللہ جھوٹ کو نابود کرتا اور اپنی باتوں سے حق کو ثابت کرتا ہے بیشک وہ سینے تک کی باتوں سے واقف ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُو عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا

اور وہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور (ان کے) قصور معاف کرتا ہے اور جو تم کرتے ہو (سب) جانتا ہے۔

تَفْعَلُونَ ﴿٢٣﴾ وَيُسْتَجِيبُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَيَزِيدُهُم

اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کی (دعا) قبول فرماتا اور ان کو اپنے فضل سے بڑھاتا ہے

مِّنْ فَضْلِهِ وَالْكَافِرُونَ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ﴿٢٤﴾ وَلَوْ بَسَطَ اللَّهُ الرِّزْقَ

اور جو کافر ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے۔ اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لئے رزق میں فراخی کر دیتا

لِعِبَادِهِ لَبَغَّوْا فِي الْأَرْضِ وَلَكِنْ يُنَزِّلُ بِقَدَرٍ مَّا يَشَاءُ إِنَّهُ بِعِبَادِهِ خَبِيرٌ بَصِيرٌ

تو زمین میں فساد کرنے لگتے لیکن وہ جو چیز چاہتا ہے اندازے کے ساتھ نازل کرتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کو جانتا اور دیکھتا ہے

﴿٢٥﴾ وَهُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ

اور وہی تو ہے جو لوگوں کے نامید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا اور اپنی رحمت (یعنی بارش) کی برکت کو پھیلا دیتا ہے

الضَّالُّونَ ﴿٢٦﴾ وَالْحَمِيدُ ﴿٢٧﴾ وَمِنْ آيَاتِهِ خَلْقُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

اور وہ کارساز اور سزاوار تعریف ہے۔ اور اسی کی نشانیوں میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا

وَمَا بَتْ فِيهِمَا مِنْ دَابَّةٍ وَهُوَ عَلَىٰ جَمْعِهِمْ إِذَا يَشَاءُ قَدِيرٌ ﴿٢٨﴾

اور ان جانوروں کا جو اس نے ان میں پھیلا رکھے ہیں اور وہ جب چاہے ان کے جمع کر لینے پر قادر ہے۔

﴿ وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ﴾ [4]

اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے سو تمہارے اپنے افعال سے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف ہی کر دیتا ہے۔ [4]

﴿ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴾
اور تم زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ مددگار۔

﴿ وَمِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ ﴾ ﴿ يَشَاءُ يُسَكِّنِ ﴾

اور اسی کی نشانیوں میں سے سمندر کے جہاز ہیں (جو) گویا پہاڑ (ہیں)۔ اگر اللہ چاہے تو ہوا کو ٹھہرا دے

[4] عن ابی موسیٰ ان رسول اللہ ﷺ قال : لا یصیب عبدانکبة فمافوقها او دونها الا بذنب

و ما یعفو الله عنه اكثر، وقراً: وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ
(الترمذی: ۳۲۵۲). ابو موسیٰ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بندہ کو جو معمولی ایذا پہنچتی ہے یا کوئی تکلیف پہنچتی ہے خواہ وہ اس سے کم ہو یا زیادہ، یہ اس کے گناہوں کا ثمرہ ہوتا ہے اور وہ گناہ جنہیں اللہ تعالیٰ (بغیر سزا دینے) دنیا و آخرت میں بخش دیتا ہے، ان گناہوں سے بہت زیادہ ہوتے ہیں جن پر وہ سزا دیتا ہے، پھر نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

مطلب یہ ہے کہ تمہیں جو بھی مصیبت و تکلیف اور بیماری وغیرہ پہنچتی ہے، وہ سب تمہاری بد اعمالیوں کا نتیجہ ہوتی ہے، گویا یہاں گنہگاروں کو مخاطب کیا جا رہا ہے، کہ اپنی بد اعمالیوں اور غلط کاریوں سے باز آ جاؤ، اور نیک راستہ پر چلنے ہی کو اپنی دینی و دنیوی راحت و سکون کا ذریعہ جانو، ہاں جب وہ لوگ کسی مصیبت و تکلیف میں مبتلا ہوتے ہیں، جو گنہگار نہیں ہوتے، تو اس سے ان کی آزمائش و امتحان مقصود ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کے درجات میں بلندی ہوتی ہے، اگرچہ اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے کسی معمولی سی تکلیف و پریشانی میں بھی مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اپنے عجز و بے چارگی کے احساس کی وجہ سے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ ہماری شامت اعمالی کی وجہ سے ہے۔

الرِّيحَ فَيَظْلَنَنَّ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ
اور جہاز اس کی سطح پر کھڑے رہ جائیں تمام صبر اور شکر کرنے والوں کے لئے ان (باتوں) میں قدرت الہی کے نمونے ہیں۔

﴿سورة الفيل﴾ وَيُؤْتِيهِمْ مِّنْ ذُرِّيَّتِهِمُ الْمَسْكِينِ ﴿٢٠﴾ وَيُؤْتِيهِمْ مِّنْ ذُرِّيَّتِهِمُ الْمَسْكِينِ ﴿٢١﴾
یا ان کے اعمال کے سبب ان کو تباہ کر دے اور بہت سے قصور معاف کر دیتا ہے۔

﴿سورة الفيل﴾ وَيَعْلَمَ الَّذِينَ يَجَادِلُونَ فِي آيَاتِنَا مَا لَهُمْ مِنْ مَّحِيصٍ ﴿٢٢﴾
اور (انتقام اس لئے لیا جائے کہ) جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کے لئے خلاصی نہیں۔

فَمَا أُوتِيتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى
(لوگو!) جو تم کو دیا گیا ہے وہ دنیا کی زندگی کا (ناپائیدار) فائدہ ہے اور جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور قائم

لِلَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٢٣﴾ ﴿سورة الفيل﴾
رہنے والا ہے (یعنی) ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور اپنے پروردگار پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور جو بڑے بڑے گناہوں

وَالْفَوَاحِشَ وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٢٤﴾ ﴿سورة الفيل﴾
اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں۔ اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول

وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ﴿٢٥﴾ ﴿سورة الفيل﴾
کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں

وَالَّذِينَ إِذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ ﴿٢٦﴾ ﴿سورة الفيل﴾ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ
اور جو ایسے ہیں کہ جب ان پر ظلم و تعدی ہو تو (مناسب طریقے سے) بدلہ لیتے ہیں۔ اور بُرائی کا بدلہ اتنی ہی بُرائی کی بُرائی

مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿٢٧﴾ ﴿سورة الفيل﴾
ہے مگر جو درگزر کرے اور درست کر دے تو اس کا بدلہ اللہ کے ذمے ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

﴿۲۱﴾ وَلَمَنْ أَنْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ

اور جس پر ظلم ہوا ہو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کچھ الزام نہیں۔

﴿۲۲﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور ملک میں ناحق فساد پھیلاتے ہیں

﴿۲۳﴾ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۴﴾ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ

یہی لوگ ہیں جن کو تکلیف دینے والا عذاب ہوگا۔ اور جو صبر کرے اور قصور معاف کر دے تو یہ ہمت کے کام ہیں۔

﴿۲۵﴾ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ وَليٍّ مَنْ بَعْدَهُ وَتَرَى الظَّالِمِينَ

اور جس شخص کو اللہ گمراہ کرے تو اس کے بعد اس کا کوئی دوست نہیں اور تم ظالموں کو دیکھو گے

﴿۲۶﴾ لَمَّا رَأَوْا الْعَذَابَ يَقُولُونَ هَلْ إِلَىٰ مَرَدٍّ مِنْ سَبِيلٍ ﴿۲۷﴾

کہ جب وہ (دوزخ کا) عذاب دیکھیں گے تو کہیں گے کیا (دنیا میں) واپس جانے کی بھی کوئی راستہ ہے؟

﴿۲۸﴾ وَتَرَاهُمْ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا خَاشِعِينَ مِنَ الذُّلِّ يَنْظُرُونَ مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ

اور تم ان کو دیکھو گے کہ دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے ذلت سے عاجزی کرتے ہوئے چھپی نگاہ سے دیکھ رہے ہوں

﴿۲۹﴾ وَقَالَ الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ

گے اور مومن لوگ کہیں گے کہ خسارہ اٹھانے والے تو وہ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو

﴿۳۰﴾ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا إِنَّ الظَّالِمِينَ فِي عَذَابٍ مُّقِيمٍ ﴿۳۱﴾ مَا كَانَ لَهُمْ مِنْ

خسارے میں ڈالا دیکھو کہ بے انصاف لوگ ہمیشہ کے دکھ میں (پڑے) رہیں گے۔ اور اللہ کے سوا ان کے کوئی دوست نہ

﴿۳۲﴾ أَوْلِيَاءَ يَنْصُرُونَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَمَنْ يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ سَبِيلٍ ﴿۳۳﴾

ہوں گے کہ اللہ کے سوا ان کو مدد دے سکیں اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کے لئے (ہدایت کا) کوئی رستہ نہیں۔

اَسْتَجِیْبُوْا لِرَبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاتِیَ یَوْمٌ

(ان سے کہہ دو کہ) قبل اس کے کہ وہ دن جو ٹلے گا نہیں اللہ کی طرف سے آ موجود ہو اپنے پروردگار کا حکم قبول کرو

لَا مَرَدَّ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ مَا لَكُمْ مِّنْ مَّلْجَا یَوْمَئِذٍ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّکِیْرٍ ﴿۲۷﴾

اس دن تمہارے لئے نہ کوئی جائے پناہ ہو گی اور نہ تم سے گناہوں کا انکار ہی بن پڑے گا۔

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَا اَرْسَلْنَاكَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا اِلاَّ الْبَلَاغُ

پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو ہم نے تم کو ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔ تمہارا کام تو صرف (احکام کا) پہنچا دینا ہے

وَ اِنَّا اِذَا اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِّنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا وَاِنْ تُصِیْبُهُمْ سِیْئَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ

اور جب ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھاتے ہیں تو اس سے خوش ہو جاتا ہے اور اگر ان کو انہی کے اعمال کے سبب کوئی سختی

اَیْدِیْهِمْ فَاِنَّ الْاِنْسَانَ كَفُوْرٌ ﴿۲۸﴾ ۞ اِنَّ اللّٰهَ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

پہنچتی ہے تو (سب احسانوں کو بھول جاتے ہیں) بیشک انسان بڑا ناشکرا ہے۔ بادشاہت اللہ ہی کی ہے آسمانوں کی بھی اور زمین کی بھی

یَخْلُقُ مَا یَشَاءُ یَهْبُ لِمَنْ یَّشَاءُ اِنَاثًا وَّ یَهْبُ لِمَنْ یَّشَاءُ الذَّکُوْرَ ﴿۲۹﴾ ۞

وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے بخشتا ہے۔

اَوْ یُزَوِّجُهُمْ ذُکْرٰنًا وَّ اِنَاثًا وَّ یَجْعَلُ مَنْ یَّشَاءُ عَقِیْمًا اِنَّهٗ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۳۰﴾ ۞

یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں دونوں عنایت فرماتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بے اولاد رکھتا ہے وہ تو جاننے والا (اور) قدرت والا ہے

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یَّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلاَّ وَحِیًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ

اور کسی آدمی کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے مگر وحی (کے ذریعے) سے یا پردے کے پیچھے سے

أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلَىٰ حَكِيمٍ مُّبِينٍ ﴿۱۱﴾

یا کوئی فرشتہ بھیج دے تو وہ اللہ کے حکم سے جو اللہ چاہے القا کرے بیشک وہ عالی رتبہ اور حکمت والا ہے۔ [5]

وَكَذَلِكَ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ رُوحًا مِّنْ أَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے (قرآن) بھیجا ہے تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے

وَلَا الْإِيمَانُ وَلَكِنْ جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَنْ نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا

اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں

[5] انبیاء سابقین اور خود مہر رسول اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تین طریقوں سے کلام فرمایا ہے، اور انہی تین طریقوں

سے ان کی طرف احکام کی وحی فرمائی ہے، اول یہ کہ اللہ تعالیٰ بیداری میں یا خواب میں کوئی بات دل میں ڈال دے، دوسرے

لفظوں میں اسے الہام سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: ان روح القدس نفث فی روعی، شعب

الایمان: ۶-۱۰۳۷-۱۔ الا وحیا ای الہاما، کما روی، نفث فی روعی، اور رؤیا فی المنام، کقولہ علیہ السلام

رؤیا الانبیاء وحی، وهو کما مر ابراہیم بذبح الولد۔ مدارک، ابراہیم علیہ السلام کی ذبح اسماعیل علیہ السلام کے

بارے میں وحی اسی نوع کی تھی،

دوم یہ کہ درمیان میں کوئی واسطہ نہ ہو اور اللہ کا کلام پردے کے ورے سے سنائی دے، جیسا کہ کوہ طور پر موسیٰ علیہ

السلام کو وحی ہوئی، یا مہر رسول اللہ ﷺ کو شب معراج میں۔

سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیج کر اپنا پیغام دے، جیسا کہ جبریل امین کی وساطت سے انبیاء علیہم السلام پر وحی

نازل ہوتی رہی، اور اس کی بھی دو صورتیں ہوتی ہیں، کبھی تو جبریل اپنی اصلی ہیئت میں ہوتا ہے، کبھی بشکل انسانی سامنے

آتا ہے۔

وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿٦﴾ صِرَاطِ اللَّهِ الَّذِي لَهُ مَا فِي

اور بیشک (اے محمد ﷺ!) تم سیدھا رستہ دکھاتے ہو۔ [۶] (یعنی) اللہ کا رستہ جو

السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ إِلَّا إِلَى اللَّهِ تَصِيرُ الْأُمُورُ ﴿٦﴾

آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں کا مالک ہے دیکھو سب کام اللہ کی طرف رجوع ہوں گے (اور وہی ان میں فیصلہ کرے گا)

[۶] اس آیت کریمہ میں قرآن کریم کی عظمت بیان کی گئی، اس طریقہ سے کہ وہ ذات جو ہادی اعظم ہے اس کو بھی

ہدایت اس سے نصیب ہوئی، جیسا کہ روایت بخاری میں ہے کہ: عن انس بن مالک انه سمع عمر الغدحين بايع

المسلمون ابا بكر، واستوى على منبر رسول الله ﷺ، تشهد قبل ابي بكر فقال:

اما بعد فاختار الله لرسوله ﷺ الذي عنده على الذي عندكم، وهذا الكتاب الذي هدى الله به رسولكم

فخذوا به تهتدوا، ولما هدى به رسوله. بخاری: رقم ۷۲۶۹، ۷۲۱۹۔

یعنی انس بن مالک نے ہمیں خبر دی، انہوں نے عمرؓ کا وہ خطبہ سنا جو نبی کریم ﷺ کی وفات کے دوسرے روز

انہوں نے پڑھا، جب مسلمانوں نے ابو بکر الصديقؓ سے بیعت کی تھی، عمرؓ نبی کریم ﷺ کی منبر پر چڑھے اور ابو بکرؓ کے خطبہ

سنانے سے پہلے انہوں نے تشہد پڑھا۔ پھر کہنے لگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے لئے دنیا کی نعمتوں سے جو تمہارے پاس

ہیں وہ نعمتیں زیادہ پسند کیں جو اس کے پاس ہیں (یعنی آخرت کی نعمتیں) اور یہ قرآن وہ کتاب ہے جس کے سبب سے اللہ

تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو دین کا سیدہ راستہ دکھلایا، تو اس کو (مضبوط) تھا مے رہو تم سیدھا راستہ پاؤ گے یعنی وہ راستہ جو اللہ تعالیٰ

نے اپنے پیغمبر کو بتلایا۔

سورة الزخرف (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حَمْدٌ ۙ اِنَّ الْكِتَابَ الْمُبِينَ ﴿۱﴾ اِنَّا جَعَلْنَاهُ قُرْآٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾

حَمْدٌ۔ کتاب روشن کی قسم کہ ہم نے اس کو قرآن عربی بنایا ہے تاکہ تم سمجھو۔

وَ اِنَّهُ فِیْ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدٰیْنَا عَلٰی حَكِیْمٍ ﴿۳﴾

اور یہ بڑی کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ہمارے پاس (لکھی ہوئی اور) بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے۔

اَفَنْضِرُبُ عَنْكُمْ الذُّكْرَ صَفْحًا اَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِیْنَ ﴿۴﴾

بھلا اس لئے کہ تم حد سے نکلے ہوئے لوگ ہو تم کو نصیحت کرنے سے باز رہیں گے؟

وَ كَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ فِی الْاَوَّلِیْنَ ﴿۵﴾ وَمَا یَاتِیْهِمْ مِنْ نَّبِیٍّ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ

اور ہم نے پہلے لوگوں میں بھی بہت سے پیغمبر بھیجے تھے۔ اور کوئی پیغمبر ان کے پاس نہیں آتا تھا مگر وہ اس سے تمسخر کیا

یَسْتَهْزِئُوْنَ ﴿۶﴾ اَفَاَهْلَكْنَا اَشَدَّ مِنْهُمْ بَطْشًا وَّمَضٰی مَثَلُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۷﴾

کرتے تھے۔ تو جو ان میں سخت زور والے تھے ان کو ہم نے ہلاک کر دیا اور اگلے لوگوں کی حالت گزر گئی۔

وَ لَیْسَ سَاَلَتْهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیْقُوْلُنَّ خَلَقَهُنَّ الْعَزِیْزُ الْعَلِیْمُ

اور اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے کہ ان کو غالب اور علم والے نے پیدا کیا ہے۔

﴿۸﴾ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّجَعَلَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ

جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا اور اس میں تمہارے لئے رستے بنائے تاکہ تم راہ

تَهْتَدُونَ ﴿۱۰﴾ وَالَّذِي نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً بِقَدَرٍ فَأَنْشَرْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا

معلوم کرو۔ اور جس نے ایک اندازے کے ساتھ آسمان سے پانی نازل کیا پھر ہم نے اس سے زمین مُردہ کو زندہ کر دیا

كَذَلِكَ تُخْرَجُونَ ﴿۱۱﴾ وَالَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُم

اسی طرح تم (زمین سے) نکالے جاؤ گے۔ اور جس نے تمام قسم کے حیوانات پیدا کئے اور تمہارے لئے

مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُونَ ﴿۱۲﴾ اسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ

کشتیاں اور چارپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ تاکہ تم ان کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو اور جب اس پر بیٹھ جاؤ

ثُمَّ تَذْكُرُوا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُولُوا سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ

پھر اپنے پروردگار کے احسان کو یاد کرو اور کہو کہ وہ (ذات) پاک ہے جس نے اس کو ہمارے زیرِ فرماں کر دیا

لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ ﴿۱۳﴾ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ ﴿۱۴﴾

اور ہم میں طاقت نہ تھی کہ اس کو بس میں کر لیتے۔ اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

وَجَعَلُوا لَهُ مِنْ عِبَادِهِ جُزْءًا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَكَفُورٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾

اور انہوں نے اس کے بندوں میں سے اس کے لئے اولاد مقرر کی بیشک انسان صریح ناشکر ہے۔

أَمْ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنَاتٍ وَأَصْفَاكُم بِالْبَنِينَ ﴿۱۶﴾ إِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ

کیا اس نے اپنی مخلوقات میں سے خود تو بیٹیاں لیں اور تم کو چن کر بیٹے دیئے؟ حالانکہ جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی

بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمَنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ﴿۱۷﴾

خوشخبری دی جاتی ہے جو انہوں نے اللہ کے لئے بیان کی ہے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے۔

أَوْ مَنْ يُنشِئُوا فِي الْحَلِيِّةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِينٍ ﴿۱۸﴾

کیا وہ جو زیور میں پرورش پائے اور جھگڑے کے وقت بات نہ کر سکے (اللہ کی) بیٹی ہو سکتی ہے؟

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَّا نَأْتِيهِمْ خَلْقَهُمْ

اور انہوں نے فرشتوں کو کہ وہ بھی اللہ کے بندے ہیں (اللہ کی) بیٹیاں مقرر کیا کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے؟

سَتُكْتَبُ شَهَادَتُهُمْ وَيَسْأَلُونَ ﴿۱۴﴾ ۱۴ ﴿قَالُوا لَوْ شَاءَ الرَّحْمَنُ مَا عَبَدْنَاهُمْ

عنقریب ان کی شہادت لکھی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔ اور کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم ان کو نہ پوجتے

مَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿۱۵﴾ ۱۵ ﴿م آتَيْنَاهُمْ كِتَابًا

ان کو اس کا کچھ علم نہیں یہ تو صرف اٹکلین دوڑا رہے ہیں۔ [1] یا ہم نے ان کو اس سے پہلے کوئی کتاب دی تھی

مِّن قَبْلِهِ فَهُمْ بِهِ مُسْتَمْسِكُونَ ﴿۱۶﴾ ۱۶ ﴿قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ

تو یہ اس سے دلیل پکڑتے ہیں؟ بلکہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک رستے پر پایا ہے

[1] اس آیت میں اللہ پاک نے شرک کرنے والوں کی مذمت ذکر کی ہے، جب انہوں نے کہا کہ ہمارا شرک

کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ ہے، اسی طرح ابلیس کی مذمت بیان کرتے ہوئے کہا، جب اس نے اپنے گمراہ ہونے

کی نسبت اللہ کی جانب کی، جبکہ اس نے کہا ”رب بما اغویتینی، الایة (الحجر: ۲۹)۔ اسی طرح آیات سورہ انعام: ۱۳۹،

نمل: ۳۵، میں بھی ہے۔

اگرچہ اس اعتراض کے مختلف جوابات دئے گئے ہیں، لیکن سب سے احسن جواب یہ ہے کہ انہوں نے

اللہ کی مشیت کے ساتھ ساتھ ثابت کیا کہ وہ ہمارے اس فعل پر راضی ہے، اور ہمیں محبوب سمجھتا ہے، ان کا یہ دعویٰ غلط

ہے، اللہ کی مشیت کا ہرگز یہ تقاضا نہیں ہے کہ اللہ نے ان کو ایسے کاموں کا حکم بھی دیا ہے اور پھر انہوں نے مشیت الہی

کو بطور توحید کے ذکر نہیں کیا ہے بلکہ بطور معارضہ کے ذکر کیا ہے، وہ مشیت الہی کا بہانہ بنا کر اوامر و نواہی سے اعراض

کرنا چاہتے ہیں، شریعت اسلامیہ کو پس پشت ڈالنا چاہتے ہیں، جیسا کہ عام طور پر زندگی جاہل لوگوں کو جب کسی کام

کا حکم دیا جاتا ہے یا انہیں کسی کام سے روکا جاتا ہے تو وہ تقدیر کا سہارا لیتے ہیں، چنانچہ ایک چور نے عمرؓ کے دور خلافت

میں جب تقدیر کا سہارا لیا تو عمرؓ نے فرمایا میں تیرا ہاتھ اللہ کی قضاء اور تقدیر کے ساتھ ہی تو قطع کر رہا ہوں۔ اس

کا شاہد اللہ کا قول ہے۔ کذلک کذب الذین من قبلہم (انعام: ۱۳۸)۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے تکذیب کی۔

اور حدیث آدم و موسیٰ سے اس مسئلہ کے لئے استدلال کرنا کہ آدم علیہ السلام نے بھی مشیت الہی کا سہارا لیا ہے، صحیح نہیں: احتج آدم و موسیٰ عند ربہما، فحج آدم موسیٰ، قال موسیٰ انت ادم الذی خلقک اللہ بیدہ، و نفع فیک من روحہ، و اسجد لک ملائکتہ، و اسکنک فی جنتہ، ثم اہبطت الناس بخطیتک الی الارض؟ فقال آدم انت موسیٰ الذی اصطفاک اللہ برسالتہ و بکلامہ، و اعطاک الالواح فیہا تبیان کل شیء، و قریبک نجیا فیکم و جدت اللہ کتب التوراة قبل ان اخلق؟ قال موسیٰ باربعین عاما، قال آدم: فهل و جدت فیہا: ﴿و عصی آدم ربہ فغوی﴾ قال نعم، قال افتلونی علی ان عملت عملا کتبہ اللہ علی ان اعملہ قبل ان یخلقنی باربعین سنة؟ قال رسول اللہ ﷺ فحج ادم موسیٰ صلوات اللہ علیہما. مسلم: ۲۶۵۲. بخاری: ۶۶۱۴.

عالم ارواح میں آدم و موسیٰ علیہ السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے مناظرہ کیا اور آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے، موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ وہی آدم ہیں جن کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا، آپ میں اپنی روح پھونکی تھی، فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا تھا، اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا تھا، اور پھر آپ نے اپنی خطا سے لوگوں کو زمین پر اترا دیا تھا، یعنی اگر آپ خطانہ کرتے تو یہاں زمین پر نہ اتارے جاتے، اور آپ کی اولاد اس دنیا میں نہ پھلتی، بلکہ جنت میں رہتی، آدم علیہ السلام نے کہا تم وہی موسیٰ تو ہو جن کو اللہ نے اپنے منصب رسالت سے نوازا کر برگزیدہ کیا، اور ہم کلامی کے شرف سے مشرف فرمایا تھا، اور تم کو وہ تختیاں دی تھیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا، اور پھر تم کو سرگوشی کے لئے تقرب کی عزت بخشی تھی، اور کیا تم جانتے ہو اللہ نے میری پیدائش سے کتنے عرصہ پہلے تورات کو لکھ دیا تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا چالیس سال پہلے آدم علیہ السلام نے پوچھا کیا تم نے تورات میں یہ لکھے ہوئے الفاظ نہیں پائے ﴿و عصی ادم ربہ فغوی﴾

یعنی ادم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور مقصد کو نہ پہنچا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں، آدم علیہ السلام نے کہا پھر تم مجھ کو میرے اس عمل پر کیوں ملامت کرتے ہو جس کو اللہ نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میرے لئے لکھ دیا تھا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، اس دلیل سے آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔

اس لئے کہ مذکورہ حدیث میں صحیح صورت حال یہ ہے کہ آدم علیہ السلام اپنے گناہ پر تقدیر کا سہارا لے کر غالب نہیں آئے، وہ اپنے گناہ کو سمجھتے تھے، اور اللہ کے بارے میں بھی انہیں علم تھا، اسی طرح ایمان داروں کے بارے میں بھی ہماری رائے یہ ہے کہ وہ اپنے گناہوں پر تقدیر کا سہارا نہیں لیتے ہیں ان پر اس قسم کا الزام درست نہیں، اسی طرح موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے باپ آدم علیہ السلام اس کے گناہ کے بارے میں خوب علم رکھتے تھے، وہ آدم کو ایسے گناہ پر کیسے ملامت کر سکتے تھے، جس سے آدم علیہ السلام تائب ہو چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی تھی، ان کو منتخب فرمایا اور نور ہدایت سے نوازا۔

اصل ملامت تو اس مصیبت پر کی جا رہی ہے جس نے آدم کی اولاد کو جنت سے نکال دیا، پس آدم علیہ السلام مصیبت پر تقدیر سے استدلال کرتے ہیں گناہ پر تقدیر سے استدلال نہیں کرتے ہیں، اس لئے کہ مصیبت پر تقدیر کا سہارا لینا درست ہے گناہ پر سہارا لینا درست نہیں، حدیث کی جو تشریح ہم نے کی ہے، وہ نہایت مناسب ہے، پس جو مصیبت تقدیر میں لکھی جا چکی ہے اسے تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں، اللہ پر راضی ہونے کی یہ بہترین صورت ہے البتہ گناہ کے بارے میں اصل یہ ہے کہ گناہ نہ کیا جائے، اگر گناہ ہو جائے تو استغفار کی جائے اور توبہ کی جائے، یعنی گناہوں سے توبہ کی جائے اور مصیبتوں پر صبر کیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فاصبر ان وعد الله حق واستغفر لذنبك (غافر: ۵۵)۔ تو صبر کر بیشک اللہ کا وعدہ سچا ہے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔

یہی معنی ابن ابی العزیز نے شرح عقیدہ الطحاویۃ: ۱۳۶۱، میں فرمایا ہے۔ لکھتا ہے: بل الصحيح ان آدم علیہ السلام لم یحج بالقضاء والقدر علی الذنب، وھو کان اعلم بربہ و ذنبہ، بل احادیثہ من المؤمنین لایحتج بالقدر، فانہ باطل، و موسیٰ علیہ السلام کان اعلم بابیہ و بذنبہ من ان یلوم ادم علیہ السلام علی ذنب قد تاب منہ، و تاب اللہ علیہ، و اجتباہ و ہداه، و انما وقع اللوم علی المصیبة التی اخرجت اولادہ من الجنة، فاحتج آدم علیہ السلام بالقدر علی المصیبة، لا علی الخطیئة، فان القدر یحتج بہ عند المصائب، لا عند المعایب۔

وھذا المعنی احسن ما قیل فی الحدیث فما قدر من المصائب یجب الاستسلام لہ، فانہ من تمام الرضی باللہ رباً، و اما الذنوب فلیس للعبدان یذنب و اذا اذنب فعلیہ ان یتوب و یتوب، فیتوب من المعایب و یصبر علی المصائب۔

وَإِنَّا عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُهْتَدُونَ ﴿۲۲﴾ وَكَذَٰلِكَ مَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

اور ہم انہی کے قدم بقدم چل رہے ہیں۔ اور اسی طرح ہم نے تم سے پہلے کسی بستی میں کوئی ہدایت کرنے والا نہیں بھیجا

فِي قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيرٍ إِلَّا قَالَ مُتْرَفُوهَا إِنَّا وَجَدْنَا آبَاءَنَا عَلَىٰ أُمَّةٍ وَإِنَّا

مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک راہ پر پایا ہے اور ہم

عَلَىٰ آثَارِهِمْ مُّقْتَدُونَ ﴿۲۳﴾ قَالُوا لَوْ جِئْتُمْ بِأَهْدَىٰ مِمَّا وَجَدْتُمْ عَلَيْهِ

قدم بقدم انہی کے پیچھے چلتے ہیں۔ پیغمبر نے کہا کہ اگرچہ میں تمہارے پاس ایسا (دین) لاؤں کہ جس رستے پر تم نے اپنے

آبَاءَكُمْ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ كَافِرُونَ ﴿۲۴﴾ هَٰذَا نَتَقَمُنَا مِنْهُمْ

باپ دادا کو پایا وہ اس سے کہیں سیدھا رستہ دکھاتا ہے کہنے لگے کہ جو (دین) تم دے کر بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے۔

فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ﴿۲۵﴾ وَذُوقْ أَلِيمَ لَبِيبِهِ

تو ہم نے ان سے انتقام لیا سو دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ اور جب ابراہیم نے اپنے باپ

وَقَوْمِهِ إِنِّي بِرَاءٍ مِّمَّا تَعْبُدُونَ ﴿۲۶﴾ إِلَّا الَّذِي فَطَرَنِي فَإِنَّهُ سَيَهْدِينِ

اور اپنی قوم سے کہا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو میں ان سے بیزار ہوں۔ ہاں جس نے مجھ کو پیدا کیا وہی مجھے سیدھا رستہ دکھائے گا

﴿۲۷﴾ وَجَعَلَهَا كَلِمَةً بَاقِيَةً فِي عَقِبِهِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۲۸﴾

اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تاکہ وہ (اللہ کی طرف) رجوع کریں۔

﴿۲۹﴾ بَلْ مَتَّعْتُ هَٰؤُلَاءِ وَآبَاءَهُمْ حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْحَقُّ وَرَسُولٌ مُّبِينٌ ﴿۳۰﴾

بات یہ ہے کہ میں ان کفار کو اور ان کے باپ دادا کو متمتع کرتا رہا یہاں تک کہ ان کے پاس حق اور صاف صاف بیان کرنے والا پیغمبر آ پہنچا

﴿۳۱﴾ وَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوا هَذَا سِحْرٌ وَإِنَّا بِهِ كَافِرُونَ ﴿۳۲﴾

اور جب ان کے پاس حق (یعنی قرآن) آیا تو کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور ہم اس کو نہیں مانتے۔

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ هَذَا الْقُرْآنُ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنَ الْقَرِيبَيْنِ عَظِيمٍ ﴿۳۱﴾

اور کہنے لگے کہ یہ قرآن ان دونوں بستیوں (یعنی مکے اور طائف) میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہ کیا گیا؟ [2]

[2] ان آیات میں باری تعالیٰ نے مشرکین عرب کے ایک اعتراض کا جواب دیا ہے جو وہ نبی کریم ﷺ کی رسالت پر کیا کرتے تھے۔ دراصل شروع میں تو وہ یہ باور کرنے پر ہی تیار نہ تھے کہ اللہ کا کوئی رسول انسان ہو سکتا ہے، چنانچہ ان کا یہ اعتراض قرآن کریم نے جا بجا ذکر فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ہم رسول کیسے مان لیں جبکہ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے ہیں لیکن جب متعدد آیات قرآنی کے ذریعہ یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ صرف نبی کریم ﷺ ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ دنیا میں جس قدر انبیاء آئے ہیں وہ سب انسان ہی تھے، تو اب انہوں نے بینتر ابدل کر یہ اعتراض کیا کہ اگر کسی انسان ہی کو نبوت سونپی تھی تو نبیؐ مالی اعتبار سے کوئی بڑا صاحب حیثیت کیوں نہیں ہیں، یہ منصب نبیؐ کے بجائے مکہ اور طائف کے کسی بڑے دولت مند اور صاحب جاہ و منصب انسان کو کیوں نہیں دیا گیا؟ روایات میں ہے کہ اس سلسلہ میں انہوں نے مکہ سے ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کے اور طائف سے عروہ بن مسعود ثقفی حبیب بن عمرو ثقفی یا کنانہ بن عبدالمیل کے نام پیش کئے تھے۔ (روح المعانی)۔

مشرکین کے اس اعتراض کے باری تعالیٰ نے دو جواب دیئے ہیں پہلا جواب مذکورہ آیتوں میں سے دوسری آیت میں اور دوسرا جواب اگلی آیات میں دیا گیا ہے، اس کی تشریح بھی وہیں آئے گی۔ اس پہلے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ تمہیں اس معاملے میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں ہے کہ حق تعالیٰ نبوت کا منصب کس کو دے رہا ہے اور کس کو نہیں دے رہا؟ نبوت کی تقسیم تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے کہ کسی کو نبی بنانے سے پہلے تم سے رائے لی جائے، یہ کام کلیتاً اللہ کے ہاتھ میں ہے اور وہی اپنے عظیم مصلحتوں کے مطابق اسے انجام دیتا ہے، تمہارا وجود اور عقل و شعور اس عظیم کام کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا، کہ تقسیم نبوت کا کام تمہارے سپرد کر دیا جاتا اور نبوت کے تقسیم تو بہت اونچے درجے کی چیز ہے تمہاری حیثیت و وجود و شعور تو اس کی بھی متحمل نہیں کہ خود تمہاری معیشت اور سامان معیشت کی تقسیم کا کام تمہارے سپرد کر دیا جاسکے، کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ایسا کیا گیا تو تم ایک دن بھی نظام عالم کو نہ چلا سکو گے اور سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دیوبی زندگی میں تمہاری روزی کی تقسیم بھی تمہارے ذمہ نہیں رکھی بلکہ تقسیم معیشت کا کام خود اپنے ہاتھ میں

رکھا ہے، جب یہ ادنیٰ درجہ کا کام تمہاری حوالہ نہیں کیا جاسکتا تو نبوت کی تقسیم جیسا عظیم کام تمہارے حوالہ کیسے کر دیا جائے، آیات کا مقصود کلام تو اتنا ہی ہے، لیکن مشرکین کو جواب دینے کے ضمن میں باری تعالیٰ نے دنیا کے نظام معیشت سے متعلق جو اشارے دیئے ہیں ان سے متعدد معاشی اصول مستنبط ہوتے ہیں یہاں ان کی مختصر توضیح ضروری ہے۔

تقسیم معیشت کا قدرتی نظام: نحن قسمنا بينهم معيشتهم (ہم نے تقسیم کیا ہے ان کے درمیان انکی معیشت کو۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے اپنی حکمت بالغہ سے دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ یہاں ہر شخص اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دوسرے کی امداد کا محتاج ہے۔ اور تمام لوگ اسی باہمی احتیاج کے رشتے میں بندھے ہوئے پورے معاشرے کی ضروریات کی تکمیل کر رہے ہیں۔

اس آیت نے کھول کر یہ بات بتلا دی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تقسیم معیشت کا کام (اشتراکیت کی طرح) کسی باختیار انسانی ادارے کے سپرد نہیں کیا جو منصوبہ بندی کے ذریعہ یہ طے کرے کہ معاشرے کی ضرورت کیا ہیں؟ انہیں کس طرح پورا کیا جائے وسائل پیداوار کو کس تناسب کے ساتھ، کن کاموں میں لگایا جائے، اور ان کے درمیان آمدنی کی تقسیم کس بنیاد پر کی جائے، اس کے بجائے یہ تمام کام اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھے ہیں اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہی ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کا محتاج بنا کر دنیا کا نظام ہی ایسا بنا دیا ہے جس میں اگر (اجارہ داریوں وغیرہ کے ذریعہ) غیر فطری رکاوٹیں پیدا نہ کی جائیں تو وہ نظام خود بخود یہ تمام مسائل حل کر دیتا ہے، باہمی احتیاج کے اس نظام کو موجودہ معاشی اصطلاح میں ”طلب و رسد“ کا نظام کہا جاتا ہے طلب و رسد کا قدرتی قانون یہ ہے کہ جس چیز کی رسد کم ہو اور طلب زیادہ اس کی قیمت بڑھتی ہے لہذا وسائل پیداوار اس چیز کی تیاری میں زیادہ نفع دے کر اسی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب رسد طلب کے مقابلے میں بڑھ جاتی ہے تو قیمت گھٹ جاتی ہے، چنانچہ اس چیز کی مزید تیاری نفع بخش نہیں رہتی اور وسائل پیداوار اس کے بجائے کسی اور ایسے کام میں مصروف ہو جاتے ہیں جس کی ضرورت زیادہ ہو۔

اسلام نے طلب و رسد کی انہی قدرتی قوتوں کے ذریعہ دولت کی پیدائش اور تقسیم کا کام لیا ہے اور عام حالات میں تقسیم معیشت کا کام کسی انسانی ادارے کے حوالہ نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ منصوبہ بندی کے خواہ کتنے ترقی یافتہ طریقے دریافت کر لئے جائیں لیکن ان کے ذریعہ معیشت کی ایک ایک جزوی ضرورت کا احاطہ ممکن نہیں اور اس قسم کے معاشرتی مسائل عموماً ایسے ہی قدرتی نظام کے تابع چلتے ہیں۔ زندگی کے بیشتر معاشرتی مسائل اسی طرح قدرتی طور پر خود بخود طے پاتے ہیں، اور انہیں حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کرنا زندگی میں ایک مصنوعی جکڑ بند پیدا کرنے کے سوا کچھ نہیں، مثال

کے طور پر یہ بات کہ دن کا وقت کام کے لئے ہے اور رات کا سونے کے لئے کسی معاہدہ عمرانی یا انسانی منصوبہ بندی کے تحت نہیں طے پائی، بلکہ قدرت کے خود کار نظام نے خود بخود یہ فیصلہ کر دیا ہے اسی طرح یہ مسئلہ کہ کون شخص کس سے شادی کرے طبعی مناسبتوں کے فطری نظام کے تحت خود بخود انجام پاتا ہے اور اسے منصوبہ بندی کے ذریعہ حل کرنے کا کسی کو خیال نہیں آیا، یا مثالیہ بات کہ کون شخص علم و فن کے کس شعبہ کو اپنا میدان بنائے، اسے طبعی ذوق و مناسبت کے بجائے حکومت کی منصوبہ بندی کے حوالہ کر دینا ایک خواہ مخواہ کی زبردستی ہے اور اس سے نظام فطرت درہم برہم ہو سکتا ہے اسی طرح نظام معیشت کو بھی قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے اور ہر شخص کے دل میں وہی کام ڈال دیا ہے جو اس کے لئے زیادہ مناسب ہے اور جسے وہ بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص خواہ وہ ایک خاکروب ہی کیوں نہ ہو؟ اپنے کام پر خوش ہے اور اسی کو اپنی لئے سرمایہ فخر سمجھتا ہے۔ ”کل حزب بما لدیہم فرحون“

البتہ سرمایہ دارانہ نظام کی طرح اسلام نے افراد کو اتنی آزادی نہیں دی کہ وہ ہر جائز و ناجائز طریقے سے دولت سمیٹ کر دوسروں کے لئے رزق کے دروازے بند کر دیں، بلکہ ذرائع آمدنی میں حلال و حرام کی تفریق کر کے سود، سٹہ، قمار اور ذخیرہ اندوزی کو ممنوع قرار دیدیا ہے، پھر جائز آمدنی پر بھی زکوٰۃ و عشر وغیرہ کے واجبات عائد کر کے ان خرابیوں کا انسداد کر دیا ہے۔ جو موجودہ سرمایہ دارانہ نظام میں پائی جاتی ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کبھی اجارہ داریاں قائم ہو جائیں تو ان کو توڑنے کے لئے حکومت کی مداخلت کو جائز رکھا ہے۔

معاشی مساوات کی حقیقت

”ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات“ اس سے معلوم ہوا کہ معاشی مساوات (اس معنی میں کہ دنیا کی تمام افراد کی آمدنی بالکل برابر ہو) نہ مطلوب ہے اور نہ ممکن العمل، اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے ہر رکن پر کچھ فرائض عائد کئے ہیں اور کچھ حقوق دیئے ہیں اور دونوں میں اپنی حکمت سے یہ تناسب رکھا ہے کہ جس کے ذمہ جتنے فرائض ہیں اس کے اتنے ہی حقوق ہیں، انسان کے علاوہ جتنی مخلوقات ہیں ان کے ذمہ چونکہ فرائض سب سے کم ہیں کہ وہ شرعاً حرام اور حرام جائز و ناجائز کے مکلف نہیں ہیں۔ اس لئے ان کی حقوق بھی سب سے کم ہیں چنانچہ انسان کو ان کے معاملہ میں وسیع آزادی عطا کی گئی ہے کہ وہ ان سے چند معمولی سی پابندیوں کے ساتھ جس طرح چاہے نفع اٹھا سکتا ہے، چنانچہ بعض حیوانات کو وہ کاٹ کر کھاتے ہیں بعض پر سواری کرتے ہیں بعض مخلوقات کو پامال کرتے ہیں مگر اسے ان مخلوقات

کی حق تلفی نہیں سمجھا جاتا۔

اس لئے کہ ان مخلوقات پر چونکہ فرائض کم ہیں اس لئے ان کے حقوق بھی بہت کم ہیں۔ پھر کائنات میں سب سے زیادہ فرائض انسان اور جنات پر عائد کئے گئے ہیں کہ وہ اپنے ہر قول و فعل اور نقل و حرکت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ اور اگر اپنی ذمہ داریاں پوری نہ کرے تو آخرت کے عذاب کے مستحق ہیں اس لئے حق تعالیٰ نے انسان اور جنات کو حقوق دوسری مخلوقات کے مقابلہ میں کہیں زیادہ عطا کئے ہیں، پھر انسانوں میں بھی یہ لحاظ ہے کہ جس کی ذمہ داری اور فرائض دوسروں سے زیادہ ہیں اس کے حقوق بھی زائد ہیں، انسانوں میں سب سے زیادہ ذمہ داری انبیاء علیہم السلام پر ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کو بہت سے حقوق بھی دوسروں سے زائد عطا کئے گئے ہیں۔

نظام معیشت میں بھی حق تعالیٰ نے یہی رعایت رکھی ہے کہ ہر شخص کو اتنے معاشی حقوق دیئے جائیں جتنے فرائض کی ذمہ داری وہ اپنے سر لے۔ اور ظاہر ہے کہ فرائض میں یکسانیت کا پیدا ہونا بالکل ناممکن اور ان میں تفاوت ناگزیر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا کہ ہر شخص کے معاشی وظائف و فرائض دوسروں سے بالکل مساوی ہوں۔ اس لئے کہ معاشی وظائف اور فرائض انسانوں کی فطری صلاحیتوں پر موقوف ہیں جن میں جسمانی طاقت، صحت، دماغی قوی اور عمر ذہنی معیار چستی اور پھرتی جیسی چیزیں داخل ہیں اور یہ بات ہر شخص کھلی آنکھوں دیکھ سکتا ہے۔ کہ ان اوصاف کے اعتبار سے انسانوں میں یکسانیت اور مساوات پیدا کرنا بڑے سے بڑے ترقی یافتہ اشتراکی حکومت کے بس میں بھی نہیں جب انسان کی صلاحیتوں میں تفاوت ناگزیر ہے۔ تو ان کے فرائض میں بھی لازماً تفاوت ہوگا اور معاشی حقوق چونکہ انہیں فرائض پر موقوف ہیں اس لئے معاشی حقوق یعنی آمدنی میں بھی تفاوت ناگزیر ہے، کیونکہ اگر سب کی آمدنی بالکل مساوی کر دی جائے اور فرائض میں تفاوت رہے تو اس سے کبھی عدل و انصاف قائم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ اس صورت میں بعض لوگوں کی آمدنی ان کے فرائض سے زیادہ اور بعض کی ان کے فرائض سے کم ہو جائے گی جو صریحاً نا انصافی ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ آمدنی میں مکمل مساوات کسی بھی دور میں قرین انصاف نہیں ہو سکتی لہذا اشتراکیت اپنی ترقی کے انتہائی دور (مکمل کمیونیزم) میں بھی جس مساوات کا دعویٰ کرتی ہے وہ کسی بھی حال میں نہ قابل عمل ہے اور نہ قرین عدل و انصاف، البتہ یہ طے کرنا کہ کس کے فرائض زیادہ اور کس کے کم ہیں اور ان کی مناسبت سے اسے کتنے حقوق ملنے چاہئیں ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے، اور انسان کے پاس کوئی ایسا پیمانہ نہیں ہے جس سے وہ اس بات کا ٹھیک ٹھیک تعین کر سکے، بعض اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ ایک ماہر اور تجربہ کار انجینیر نے ایک گھنٹہ میں اتنی آمدنی حاصل کر لی

ہے جو ایک غیر ہنرمند مزدور دن بھر منوں مٹی ڈھوکر بھی حاصل نہیں کی لیکن اگر انصاف سے دیکھا جائے تو قطع نظر اس سے کہ مزدور کی دن بھر کی ازاد محنت ذمہ داری کے اس بوجھ کے برابر نہیں ہو سکتی جو انجمنیر نے اٹھا رکھا ہے، انجمنیر کی یہ آمدنی صرف اس ایک گھنٹے کی محنت کا صلہ نہیں بلکہ اس میں ساہا سال کی اس دماغ سوزی، عرق ریزی، اور جانفشانی کے صلہ کا ایک حصہ بھی شامل ہے جو اس نے انجمنیر نگ کی تعلیم و تربیت اور پھر اس میں تجربہ و مہارت حاصل کرنے میں برداشت کی ہے۔

اشتراکیت نے اپنے ابتدائی دور میں آمدنی کے اس تفاوت کو تسلیم تو کر لیا ہے چنانچہ تمام اشتراکی ممالک میں آبادی کے مختلف طبقات کے درمیان تنخواہوں کا زبردست تفاوت پایا جاتا ہے لیکن ٹھوکریہاں کھائی ہے کہ تمام وسائل پیداوار کو حکومت کی تحویل میں دے کر وسائل کے لئے فرائض کا تعین اور پھر ان کی مناسبت سے ان پر آمدنی کی تقسیم بھی تمام تر حکومت ہی کے حوالہ کردی ہے، حالانکہ جیسا اوپر عرض کیا گیا فرائض اور حقوق کے درمیان تناسب باقی رکھنے کے لئے انسان کے پاس کوئی پیمانہ نہیں ہے، چنانچہ اشتراکیت کے طریقہ کار کے تحت ملک بھر کی انسانوں کی روزی کا تعین حکومت کے چند کارندوں کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور انہیں یہ اختیار مل گیا ہے کہ جس شخص کو جتنا چاہیں دیں۔ جتنا چاہیں روک لیں، اول تو اس میں بددیانتیوں اور فراربانوازیوں کو ایک بڑا میدان مل جاتا ہے، جس کے سہارے افسر شاہی پھلتی پھولتی ہے دوسرے اگر حکومت کے تمام کارندوں کو فرشتہ بھی تصور کر لیا جائے اور وہ فی الواقع یہی چاہیں کہ ملک میں آمدنی کی تقسیم حق و انصاف کی بنیاد پر ہو تو ان کے پاس آخر وہ کونسا پیمانہ ہے جس سے وہ یہ فیصلہ کر سکیں کہ ایک انجمنیر اور ایک مزدور کے فرائض میں کتنا تفاوت ہے اور اس کی نسبت سے ان کی آمدنیوں میں کتنا تفاوت قرین انصاف ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اس بات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ انسانی عقل کے ادراک سے قطعی ماوراء ہے، اس لئے اسے قدرت نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ ایت زیر بحث ”ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات“ میں اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس تفاوت کا تعین ہم نے انسانوں کے حوالہ کرنے کے بجائے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، اور اپنے ہاتھ میں رکھنے کا مطلب یہاں بھی یہی ہے کہ دنیا میں ہر شخص کی ضروریات دوسرے کے ساتھ وابستہ کر کے نظام ایسا بنا دیا ہے کہ ہر شخص اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے دوسرے کو اتنا دینے پر مجبور ہے جتنے کا وہ مستحق ہے، یہاں بھی باہمی احتیاج پر مبنی طلب و رسد کا نظام ہر شخص کی آمدنی کا تعین کرتا ہے یعنی ہر شخص اس بات کا فیصلہ خود کرتا ہے کہ جتنے فرائض میں نے اپنے ذمہ لئے ہیں ان کا کتنا معاوضہ میرے لئے کافی ہے اس سے کم ملے تو یہ کام کرنے پر راضی نہ ہو اور یہ زیادہ مانگنے لگے تو کام لینے

والا اس سے کام نہ لے: ”لیتخذ بعضهم بعضا سخريا“ کا یہی مطلب ہے کہ ہم نے امدنی میں تفاوت اس لئے رکھا ہے تاکہ ایک شخص دوسرے سے کام لے سکے، ورنہ سب کی امدنی برابر ہوتی تو کوئی کسی کے کام نہ آتا۔

ہاں البتہ بعض غیر معمولی حالات میں بڑے بڑے سرمایہ دار طلب اور رسد کے اس قدر قوی نظام سے ناجائز فائدہ اٹھا کر غریبوں کو اس بات پر مجبور کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے حقیقی استحقاق سے کم اجرت پر کام کریں، اسلام نے اول تو حرام و حلال اور جائز و ناجائز کے وسیع احکام کے ذریعہ نیز اخلاقی ہدایات اور تصور آخرت کے ذریعہ ایسی صورت حال کو پیدا ہونے سے روکا ہے، اور اگر کبھی کسی مقام پر یہ صورت پیدا ہو جائیں تو اسلامی حکومت کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ ان غیر معمولی حالات کی حد تک وہ اجرتوں کا تعین کر سکتی ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ صرف غیر معمولی حالات کے لئے ہے، اس لئے اس مقصد کے لئے تمام وسائل پیدا اور حکومت کے حوالہ کر دینے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اس کے نقصانات فوائد سے کہیں زیادہ ہیں۔

ایک حدیث میں عدم مساوات کی ایک علت بیان کی گئی ہے جو کہ ابی بن کعبؓ سے صاحب مشکوٰۃ نے کتاب الایمان میں بحوالہ مسند احمد: ۱۳۵/۵ نقل کی ہے: عن ابی بن کعب فی قول اللہ عزوجل ”واذا اخذ ربکم من بنی آدم من ظهورہم ذریعتہم“ قال جمعہم فجعلہم ازواجاً، ثم صورہم، فاستنقطہم فتکلموا، ثم اخذ علیہم العہد و الميثاق، و اشہدہم علی انفسہم ”الست بربکم قالوا بلی“ قال فانی اشہد علیکم السموات السبع و الارضین السبع و اشہد علیکم اباکم آدم ان تقولوا یوم القیامۃ لم نعلم بہذا، اعلموا انہ لا الہ غیری و لا رب غیری، و لا تشرکوا بی شیئاً، انی سارسل الیکم رسلی یدکر و نکم عہدی و میثاقی، و انزل علیکم کتبی، قالوا: شہدنا بانک ربنا و الہنا لارب لنا غیرک و لا الہ لنا غیرک فاقروا بذلک و رفع علیہم آدم علیہ السلام ینظر الیہم فرأی الغنی و الفقیر و حسن الصورة و دون ذلک فقال رب لولا سویت بین عبادک؟ قال انی احببت ان اشکر، و رأی الانبیاء فیہم مثل السرج، علیہم النور، خصوصاً میثاق آخر فی الرسالۃ و النبوة، و هو قوله تبارک و تعالیٰ ”واذا اخذنا من النبیین میثاقہم“ الی قوله، عیسیٰ ابن مریم، احزاب: ۷، کان فی تلک الارواح فارسہ الی مریم علیہما السلام.

ابی بن کعبؓ سے روایت ہے کہا کہ، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں، کہ جب تیرے رب نے آدم کے بیٹوں سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد نکالی، راوی نے کہا، ان سب کو جمع کیا، ان کو قسم قسم بنا دیا، پھر ان کو صورت بخشی، پھر ان

کو گویا کیا، سب بولے، پھر ان سے عہد اور میثاق لیا، اور ان کو ان کی جانوں پر گواہ بنایا، کیا میں تمہارا پروردگار نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں، فرمایا میں تم پر ساتوں اسمانوں، ساتوں زمینوں، اور تمہارے باپ آدم کو گواہ بناتا ہوں کہ قیامت کے دن تم یہ نہ کہہ دو کہ ہم نہیں جانتے، جان لو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، اور میرے سوا کوئی پروردگار نہیں، میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، میں تمہاری طرف اپنے رسول بھیجوں گا، وہ میرا عہد اور میثاق تمہیں یاد کرائیں گے، میں اپنی کتابیں تم پر نازل کروں گا۔ انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ تو ہمارا پروردگار اور ہمارا معبود ہے، تیرے سوا ہمارا کوئی پروردگار نہیں، اور نہ کوئی معبود ہے، انہوں نے اس بات کا اقرار کیا، آدم ان پر بلند کئے گئے، وہ ان کو دیکھتے تھے، انہوں نے غنی فقیر خوبصورت بدصورت سب کو دیکھا، کہا اے میرے رب! تو نے اپنے بندوں کو ایک جیسا کیوں پیدا نہیں کیا؟ فرمایا میں پسند کرتا ہوں کہ میرے بندے میرا شکر ادا کرتے رہیں، انبیاء کو ان میں دیکھا، وہ ان میں چراغ کی مانند روشن تھے، ان پر ایک خاص قسم کا نور تھا، رسالت و نبوت کے متعلق ان سے ایک الگ عہد لیا گیا، جو حق تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے۔

فتح الباری ۱۸/۱۳۱ و ابن بطل کتاب الفتن، کی حدیث میں دوسری طرف کو اشارہ ہے: لا یزال الناس بخیر ما تفاضلوا، فاذا اتساوا و اهلکوا، یعنی یہ لوگ اس وقت تک بھلائی پر رہیں گے، جب تک ان میں عدم مساوات ہو، اور جب سب کے سب یکساں ہو جائیں، تو ہلاک ہو جائیں گے۔

مذکورہ بالا اشارات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ آمدنی میں مکمل مساوات نہ عدل و انصاف کا تقاضا ہے نہ عملاً کہیں قائم ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے، اور نہ یہ اسلام کو مطلوب ہے، البتہ اسلام نے جس مساوات کو قائم کیا ہے وہ قانون معاشرت اور اداء حقوق کی مساوات ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا قدرتی طریقہ کار کے تحت جس شخص کے جتنے حقوق متعین ہو جائیں انہیں حاصل کرنے کے قانونی، تمدنی اور معاشرتی حق میں سب برابر ہیں، اس بات کے کوئی معنی نہیں ہیں کہ ایک امیر یا صاحب جاہ و منصب انسان اپنا حق عزت کے ساتھ باسانی حاصل کر لے، اور غریب کو اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں، اور ذلیل حقیر ہونا پڑے قانون امیر کے حقوق کی حفاظت کرے اور غریب کو بے یار و مددگار چھوڑ دے، اسی کو ابو بکر الصدیقؓ نے اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا۔ ”واللہ ما عندی اقوی من الضعیف حتی اخذ الحق له ولا عندی اضعف من القوی حتی اخذ الحق منه“ اللہ کی قسم میرے نزدیک ایک کمزور آدمی سے زیادہ قوی کوئی نہیں تا وقتیکہ میں اس کا حق اسے نہ دوں اور میرے نزدیک ایک قوی آدمی سے زیادہ کمزور کوئی نہیں جب تک کہ میں اس سے (کمزور کا) حق وصول نہ کر لوں۔ =

أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ

کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو بانٹتے ہیں؟ ہم نے ان میں ان کی معیشت کو دنیا کی زندگی میں تقسیم کر دیا

الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا

اور ایک کے دوسرے پر درجے بلند کئے تاکہ ایک دوسرے سے خدمت لے

وَرَحِمْتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿۱۰۰﴾ ﴿۱۰۱﴾ وَلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ

اور جو کچھ یہ جمع کرتے ہیں تمہارے پروردگار کی رحمت اس سے کہیں بہتر ہے۔ اور اگر یہ خیال نہ ہوتا

أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمَنِ لِيُؤْتِيَهُمْ سُقْفًا مِّنْ فَضْوَةٍ

کہ سب لوگ ایک ہی جماعت ہو جائیں گے تو جو لوگ اللہ سے انکار کرتے ہیں ہم ان کے گھروں کی چھتیں چاندی کی بنا

وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۳﴾ لِيُؤْتِيَهُمْ آبْوَابًا وَسُرْرًا عَلَيْهَا يُتَكَوَّنَ

دیتے اور سیڑھیاں (بھی) جن پر وہ چڑھتے ہیں۔ اور ان کے گھروں کے دروازے بھی اور تخت بھی جن پر تکیہ لگاتے ہیں

= (سبل الہدی والرشاد: ۱۲، باب ۳۳، سیرۃ ابن حبان: ۴۱۹/۱)

اسی طرح ٹھیکہ معاشی نکتہ نظر سے اسلامی مساوات کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں ہر شخص کو کمائی کے یکساں مواقع حاصل ہیں، اور اسلام اس بات کو گوارا نہیں کرتا کہ چند بڑے بڑے دولت مند مال و دولت کے دہانوں پر قابض ہو کر اپنی اجارہ داریاں قائم کر لیں، اور چھوٹے تاجروں کے لئے بازار میں بیٹھنا دو بھر بنا دیں۔ چنانچہ سود، سٹہ بازی، قمار، ذخیرہ اندوزی اور اجارہ دارانہ تجارتی معاہدوں کو ممنوع قرار دے کر، نیز زکوٰۃ، عشر، خراج، نفقات، صدقات اور دوسرے واجبات عائد کر کے ایسا ماحول پیدا کر دیا گیا ہے جس میں ہر انسان اپنی ذاتی صلاحیت محنت اور سرمایہ کے تناسب سے کمائی کے مناسب مواقع حاصل کر سکتا ہے اور اس سے ایک خوشحال معاشرے کی تعمیر ہو سکتی ہے اس کے باوجود آمدنی کا جو تفاوت باقی رہے وہ درحقیقت ناگزیر ہے اور جس طرح انسانوں کے درمیان حسن و جمال قوت و صحت عقل و ذہانت اور آل و اولاد کے تفاوت کو مٹانا ممکن نہیں اسی طرح اس تفاوت کو بھی مٹایا نہیں جاسکتا۔

﴿وَرُحْرُقًا وَإِنْ كُلُّ ذَلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ﴾

اور (خوب) تجل و آرائش (کردیتے) اور یہ سب دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا سامان ہے اور آخرت تمہارے پروردگار

عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۳﴾ ﴿مَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ﴾

کے ہاں پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ [3] اور جو کوئی اللہ کی یاد سے آنکھیں بند کر لے (یعنی تغافل کرے)

نُقِصْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ﴿۴﴾ ﴿لَهُمْ لِيَصُدُّوهُمْ عَنِ السَّبِيلِ﴾

ہم اس پر ایک شیطان مقرر کر دیتے ہیں تو وہ اس کا ساتھی ہو جاتا ہے۔ اور یہ (شیطان) ان کو راستے سے روکتے رہتے

[3] کفار نے جو یہ کہا تھا کہ مکہ اور طائف کے کسی بڑے مالدار کو نبی کیوں نہ بنا دیا گیا، ان آیات میں اس کا دوسرا

جواب دیا گیا ہے، اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بیشک نبوت کے لئے کچھ شرائط صلاحیت کا پایا جانا ضروری ہے، لیکن مال

و دولت کی زیادتی کی بنا پر کسی کو نبوت نہیں دی جاسکتی، کیونکہ مال و دولت ہماری نگاہ میں اتنی حقیر چیز ہے کہ اگر تمام لوگوں

کے کافر بن جانے کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم سب کافروں پر سونے چاندی کی بارش کر دیتے، اور صحیح ترمذی کی ایک حدیث میں

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے ولو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح ضبعوضة ماسقى كافرا منها شربة

ماء (ترمذی: ۲۴۹۵)، یعنی اگر دنیا اللہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی درجہ رکھتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو اس

سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتا، اس سے معلوم ہوا کہ نہ مال و دولت کی زیادتی کوئی فضیلت کی چیز ہے نہ اس کی کمی انسان

کے کم رتبہ ہونے کی علامت ہے۔ البتہ نبوت کے لئے کچھ اعلیٰ درجہ کے اوصاف ضروری ہیں، وہ سرکارِ دو عالم ﷺ میں

بدرجہ اتم پائے جاتے ہیں، اسلئے یہ اعتراض بالکل لغوہ اور باطل ہے۔

اور مذکورہ آیات میں یہ جو کہا گیا ہے کہ اگر کافروں پر مال و دولت کی اتنی فراوانی کر دی جاتی تو سب لوگ

کافر ہو جاتے، اس میں مراد لوگوں کی بھاری اکثریت ہے ورنہ اللہ کے کچھ نیک بندے آج بھی ایسے موجود ہیں جو یہ یقین

رکھتے ہیں کہ کفر اختیار کر کے وہ مال و دولت سے نہال ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ مال و دولت کی خاطر کفر کو اختیار نہیں کرتے ایسے

کچھ لوگ شاید اس وقت بھی ایمان پر قائم رہ جاتے لیکن ان کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی۔

وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُّهْتَدُونَ ﴿۳۷﴾ وَإِذْ جَاءَنَا قَالَ

ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ سیدھے رستے پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا

يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبُئْسَ الْقَرِينُ ﴿۳۸﴾

کہ اے کاش! مجھ میں اور تجھ میں مشرق و مغرب کا فاصلہ ہوتا تو برا ساتھی ہے۔

وَلَنْ يَنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَلَمْتُمْ أَنَّكُمْ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُونَ ﴿۳۹﴾

اور جب تم ظلم کرتے رہے تو آج تمہیں یہ بات فائدہ نہیں دے سکتی کہ تم (سب) عذاب میں شریک ہو۔

أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ أَوْ تَهْدِي الْعُمْى وَمَنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۴۰﴾

کیا تم بہرے کو سنا سکتے ہو یا اندھے کو رستہ دکھا سکتے ہو اور جو صرغ گمراہی میں ہو اسے (راہ پر لا سکتے ہو)؟

فَأِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَإِنَّا مِنْهُمْ مُنْتَقِمُونَ ﴿۴۱﴾ وَنُرِيَنَّكَ الَّذِي

اگر ہم تم کو (وفات دے کر) اٹھالیں تو ان لوگوں سے تو ہم انتقام لے کر رہیں گے۔ یا (تمہاری زندگی ہی میں) تمہیں وہ

وَعَدْنَاهُمْ فَإِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُونَ ﴿۴۲﴾

(عذاب) دکھا دیں جن کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے ہم ان پر قابو رکھتے ہیں۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۴۳﴾

پس تمہاری طرف جو وحی کی گئی ہے اس کو مضبوط پکڑے رہو بیشک تم سیدھے رستے پر ہو۔

وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْئَلُونَ ﴿۴۴﴾ أَسْئَلُ مَنْ أَرْسَلْنَا

اور یہ تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے نصیحت ہے اور تم سے عنقریب پرسش ہوگی۔ اور جو اپنے پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ہیں

﴿مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رُسُلِنَا أَجَعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ آلِهَةً يُعْبَدُونَ﴾ [4]

ان سے دریافت کر لو کیا ہم نے الرحمن کے سوا اور معبود بنائے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے؟ [4]

[4] بعض علماء نے اس آیت کے تحت لکھا ہے، کہ اس آیت سے حیات انبیاء پر دلیل پکڑی جاسکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام فخر الدین رازی نے اس آیت کریمہ کے تحت لکھا ہے: وفيه اقوال یعنی اس آیت کریمہ کی تشریح کرنے میں تین مسلک ہیں: جب اس آیت میں تین مفہوم کا احتمال ہے تو حسب قاعدہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال اس آیت کو حیات انبیاء کی دلیل بنانا ہی سرے سے باطل ٹھہرا۔ نیز شاہ صاحب نے استدلال بہ علی حیاة الانبياء، فرمایا جس میں ضعف کی طرف اشارہ ہے، یہی وجہ ہے کہ امام الہند شاہ احمد ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے فارسی ترجمہ میں یہ تحریر فرمایا: وپرس احوال آنکہ پرستادہ بودیم پیش از تو از پیغمبران خود، یعنی آپ سے پہلے ہم نے جو پیغمبر بھیجے ہیں، بھلا ان کی احوال تو پوچھ دیکھ، اسی طرف شاہ انور شاہ صاحب مائل ہو کر فرماتے ہیں والایمکن ان یکون السؤال عن حالهم یعنی اگر اس آیت کریمہ سے حیات انبیاء پر استدلال جو ضعیف ہے نہ بھی کیا جائے تو بھی یہ سوال جو اس مقام پر وارد ہوتا ہے کہ رسول کا سوال کرنا اور دریافت کرنا گذشتہ انبیاء سے ممنوع ہے، وہ وارد نہیں ہو سکتا کیونکہ ان گذشتہ انبیاء کے حالات دریافت کرنا تو ممکن ہے۔

محمد بن ابی بکر بن عبدالقادر رازی نے ”مسائل الرازی: ۲۱۳۱، میں یہ سوال کیا: فان قيل كيف قال الله تعالى ”واسأل من ارسلنا من قبلك من رسلنا“ والنبي ﷺ ما لقيهم حتى يسألهم. یعنی اس آیت کا کیا مطلب ہے؟ جبکہ نبی کریم ﷺ ان کے وفات یافتہ ہونے کی وجہ سے ملاقات نہیں کر سکتے تھے، تو ان سے دریافت کرنے کی کیا صورت ہوگی؟ تو صاحب کتاب نے اس کے چار جواب دئے، پہلا جواب تو یہ دیا کہ فیہ اضممار تقديره واسأل اتباع من ارسلنا یعنی یہاں مضاف محذوف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے رسولوں کی امتوں اور ان کی تبعین سے دریافت کر لو۔

دوسرا جواب یہی دیا کہ پہلے انبیاء کے دین میں غور کرو، اور ایک جواب یہ دیا کہ نام تو رسول کا ہے مگر مراد امت محمدیہ ہے اور یہ جواب ضعیف ہے۔ اور صاحب کتاب نے بھی اسے بصیغہ ترمیض قیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اور ایک جواب یہ بھی دیا ہے کہ فاضل عالم نے جواب دیا کہ نبی کی خاطر معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم =

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَقَالَ إِنِّي رَسُولُ رَبِّ

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دیکر فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے کہا کہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں

الْعَالَمِينَ ﴿۱۷۴﴾ لَمَّا جَاءَهُمْ بِآيَاتِنَا إِذَا هُمْ مِنْهَا يَضْحَكُونَ ﴿۱۷۵﴾

جب وہ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو وہ نشانوں سے ہنسی کرنے لگے۔

وَمَا نُرِيهِمْ مِنْ آيَةٍ إِلَّا هِيَ أَكْبَرُ مِنْ أُخْتِهَا وَأَخَذْنَا لَهُمُ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ

اور جو نشانی ہم ان کو دکھاتے تھے وہ دوسری سے بڑی ہوتی تھی اور ہم نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا تاکہ باز آئیں

يَرْجِعُونَ ﴿۱۷۶﴾ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا السَّاحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

اور کہنے لگے کہ اے جادوگر! اس عہد کے مطابق جو تیرے پروردگار نے تجھ سے کیا ہے اس سے دعا کر

= السلام کو مشکل فرما کر بیت المقدس میں جمع فرمادیا، تب نبیؐ نے تمام انبیاء کرام سے ملاقات فرمائی اور بیت المقدس کی

مسجد میں آپ نے ان کی امامت فرمائی، پھر جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تب یہ آیت اتری اور تمام انبیاء کرام وہاں

حاضر موجود تھے تو آپ نے فرمایا کہ مجھے سوال کرنے کی ضرورت نہیں کافی ہو چکا۔ مگر یہ قول زہریؒ سعید بن جبیرؒ اور ابن

زید کا ہے اور عطاء نے ابن عباس کا قول بتایا ہے مگر وہ قول ابن عباسؒ اگر بغور دیکھا جائے تو اس سے حیات مستمرہ دائمہ بعد

الوفات کی نفی نکلتی ہے کیونکہ اس کے الفاظ یہ ہیں: لَمَّا اسرى بالنبي ﷺ بعث الله آدم وولده من المرسلين یعنی

جب نبی کریم ﷺ کو سیر کرائی تب آدم اور ان کے مرسل اولاد کو زندہ کر کے اٹھایا گیا اور وہ بھی صرف رسولؐ کی

خاطر، مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو پہلے تو دنیوی زندگی حاصل تھی تمام انبیاء علیہم السلام دنیا کی اعتبار سے میت ہی

تھے مگر محض رسولؐ کی خاطر صرف اسراء کی رات میں ان انبیاء کرام کو تھوڑی دیر کے لئے دنیاوی زندگی عطا فرمائی گئی، جو اپنی

قبروں سے نکل کر بیت المقدس میں تشریف لے گئے سب سے رسولؐ نے ملاقات فرمائی، جبرئیل نے اذان و اقامت کہہ کر

رسولؐ کو کہا: اگے بڑھو انبیاء علیہم السلام کو نماز پڑھاؤ۔ پھر آپ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ اس روایت کو نقل کیا ہے

، مستدرابی یعنی: ۳/۳۵۱، اور ابو نعیم نے دلائل النبوة: رقم: ۱۸۲۔

﴿۲۴﴾ لَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۲۵﴾

بیشک ہم ہدایت یاب ہو جائیں گے۔ سو جب ہم نے ان سے عذاب کو دور کر دیا تو وہ عہد شکنی کرنے لگے۔

وَنَادَى فِرْعَوْنُ فِي قَوْمِهِ قَالَ يَا قَوْمِ أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ

اور فرعون نے اپنی قوم کو پکار کر کہا کہ اے قوم! کیا مصر کی حکومت میرے ہاتھ میں نہیں؟

وَهَذِهِ الْأَنْهَارُ تَجْرِي مِنْ تَحْتِي أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۶﴾

اور یہ نہریں جو میرے (مخلوں کے) نیچے بہ رہی ہیں (میری نہیں ہیں)؟ کیا تم دیکھتے نہیں؟

﴿۲۷﴾ أَمْ أَنَا خَيْرٌ مِمَّنْ هَذَا الَّذِي هُوَ مَهِينٌ وَلَا يَكَادُ يَبِينُ ﴿۲۸﴾

بیشک میں اس شخص سے جو کچھ عزت نہیں رکھتا اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا کہیں بہتر ہوں۔

﴿۲۹﴾ فَلَوْلَا أُلْقِيَ عَلَيْهِ أَسْوِرَةٌ مِّنْ ذَهَبٍ أَوْ جَاءَ مَعَهُ الْمَلَائِكَةُ مُقْتَرِنِينَ ﴿۳۰﴾

تو اس پر سونے کے کنگن کیوں نہ اتارے گئے یا (یہ ہوتا کہ) فرشتے جمع ہو کر اس کے ساتھ آتے۔

﴿۳۱﴾ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِقِينَ ﴿۳۲﴾

غرض اس نے اپنی قوم کی عقل مار دی اور انہوں نے اس کی بات مان لی بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔

﴿۳۳﴾ فَلَمَّا آسَفُونَا انتقمنا منهم فأغرقناهم أجمعين ﴿۳۴﴾

جب انہوں نے ہم کو خفا کیا تو ہم نے ان سے انتقام لے کر اور ان سب کو ڈبو کر چھوڑا۔

﴿۳۵﴾ فَجَعَلْنَا هُمْ سَلْفًا وَمَثَلًا لِّلْآخِرِينَ ﴿۳۶﴾

اور ان کو گئے گزرے کر دیا اور پچھلوں کے لئے عبرت بنا دیا۔

﴿۱۷﴾ وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُونُ ﴿۱۷﴾

اور جب مریم کے بیٹے (عیسیٰ) کا حال بیان کیا گیا تو تمہاری قوم کے لوگ اس سے چلا اٹھے۔ [5]

وَقَالُوا آلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ

اور کہنے لگے کہ ہمارے معبود اچھے ہیں یا عیسیٰ؟ انہوں نے عیسیٰ کی جو مثال بیان کی ہے تو صرف جھگڑنے کو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو

[5] ان آیات کے شان نزول میں مفسرین نے تین روایتیں بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے قبیلہ

قریش کے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یا معشر قریش لا خیر فی احدی بعد من دون اللہ یعنی اے قریش کے لوگو! اللہ کے سوا جس کسی کی عبادت کی جاتی ہے اس میں کوئی خیر نہیں، اس پر مشرکین نے کہا کہ نصاریٰ عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں لیکن آپ خود مانتے ہیں کہ وہ اللہ کے نیک بندے اور اس کے نبی تھے۔ ان کے اس اعتراض کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئیں (قرطبی)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ جب قرآن کریم کی آیت ”انکم وماتعبدون من دون اللہ حسب جہنم“ نازل ہوئی تو اس پر عبد اللہ بن الزبیری نے جو اس وقت کافر تھے یہ کہا کہ اس آیت کا تو میرے پاس بہترین جواب موجود ہے اور وہ یہ کہ نصاریٰ مسیح علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں اور یہود عزیر علیہ السلام کی، تو کیا یہ دونوں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گے؟ یہ بات سکر قریش کے مشرکین بہت خوش ہوئے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ایک تو یہ آیت نازل فرمائی کہ: ”ان الذین سبقت لہم منا الحسنی اولئک عنہا بعدون“ اور دوسرے سورت زخرف کی مذکورہ بالا آیات (ابن کثیر وغیرہ)۔

تیسری روایت یہ ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے یہ بیہودہ خیال ظاہر کیا کہ محمد ﷺ الوہیت کا دعویٰ کرنا چاہتے ہیں، ان کی مرضی یہ ہے کہ جس طرح نصاریٰ مسیح علیہ السلام کو پوجتے ہیں اس طرح ہم بھی ان کی عبادت کیا کریں، اس پر مذکورہ بالا آیات نازل ہوئیں، اور درحقیقت تینوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، کفار نے تینوں ہی باتیں کہی ہوگی، جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایسی جامع آیات نازل فرمادیں جن سے ان کے تینوں اعتراضات کا جواب ہو گیا، اس آخری اعتراض کا جواب تو مذکورہ بالا آیات میں بالکل واضح ہے کہ جن لوگوں نے مسیح علیہ السلام کی عبادت شروع کر دی ہے انہوں نے نہ کسی الہی حکم سے ایسا کیا، نہ خود مسیح علیہ السلام کی یہ خواہش تھی اور نہ قرآن ان کی تائید کرتا ہے انہیں تو مسیح علیہ السلام کے باپ کے بغیر پیدا ہونے سے مغالطہ لگا تھا، اور قرآن اس مغالطہ کی تردید کرتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ (معاذ اللہ) عیسائیوں کی دیکھا دیکھی اپنی الوہیت کا دعویٰ کر بیٹھیں۔

﴿۸۸﴾ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۸۹﴾

وہ تو ہمارے ایسے بندے تھے جن پر ہم نے فضل کیا اور بنی اسرائیل کے لئے ان کو (اپنی قدرت کا) نمونہ بنا دیا۔

﴿۹۰﴾ وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَ ﴿۹۱﴾

اور اگر ہم چاہتے تو تمہارے عوض فرشتے کر دیتے جو تمہاری جگہ زمین میں رہتے۔

﴿۹۲﴾ وَإِنَّهُ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿۹۳﴾

اور وہ قیامت کی نشانی ہیں۔ تو (کہہ دو کہ لوگو!) اس میں شک نہ کرو اور میرے پیچھے چلو یہی سیدھا رستہ ہے۔ [6]

﴿۹۴﴾ وَلَا يَصُدَّنَّكُمْ الشَّيْطَانُ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۹۵﴾

اور (کہیں) شیطان تم کو (اس سے) روک نہ لے وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

﴿۹۶﴾ وَلَمَّا جَاءَ عِيسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ قَالَ قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ

اور جب عیسیٰ نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ میں تمہارے پاس دانائی (کی کتاب) لے کر آیا ہوں

[6] جمہور مفسرین کے نزدیک ”وانہ“ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے یعنی عیسیٰ بن مریمؑ بیشک ایک

علامت ہیں، قیامت کے لئے، اور اس سے مراد ان کا اسمان سے نزول فرمانا اور زمین پر آنا ہے، تو ان کا یہ آنا من جملہ

علامات قیامت ایک عظیم نشانی بنایا گیا۔ ابن عباسؓ، ابو ہریرہؓ، ابولعالیہ، ابوما لک، عکرمہ، حسن بصری، قتادہ، ضحاک، مجاہد

اور جملہ ائمہ تفسیر کا اسی پر اتفاق ہے کہ ”انہ“ کی ضمیر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہے، درمنثور میں مجاہد سے مروی

ہے، قال اية للساعة خروج عيسى ابن مريم قبل يوم القيامة. فرمایا قیامت کی نشانی عیسیٰ بن مریم کا قیامت سے

پہلے تشریف لانا۔

ابن کثیر فرماتے ہیں، کہ یہی تفسیر صحیح ہے، ظاہر ہے کہ کسی صحابی سے اس کے خلاف کوئی تفسیر جب منقول

نہیں، تو ایسی صورت میں ابن عباسؓ کی تفسیر کے مقابلہ میں کوئی تفسیر قابل قبول ہو سکتی ہے؟ تفصیل کے لئے تفسیر ابن

جریر۔ ابن کثیر، درمنثور، عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام: ص ۳۳، ۵۵، ملاحظہ ہو۔

وَلَا بَيْنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي تَخْتَلِفُونَ فِيهِ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا ۝۴۳

نیز اس لئے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو تم کو سمجھا دوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔

إِنَّ اللَّهَ هُوَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَأَعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝۴۴

کچھ شک نہیں کہ اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے پس اسی کی عبادت کرو یہی سیدھا رستہ ہے۔

فَاخْتَلَفَ الْأَحْزَابُ مِنْ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْيَمِّ ۝۴۵

پھر کتنے فرقے ان میں سے پھوٹ پڑے سو جو لوگ ظالم ہیں ان کی درد دینے والے دن کے عذاب سے خرابی ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۴۶

یہ صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ قیامت ان پر ناگہاں آ موجود ہو اور ان کو خبر تک نہ ہو۔

أَلَا خِلَاءٌ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝۴۷

(جو آپس میں) دوست (ہیں) اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے مگر پرہیزگار (کہ باہم دوست ہی رہیں گے)۔

يَا عِبَادِ لَا خَوْفَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝۴۸

میرے بندو! آج تمہیں نہ کچھ خوف ہے اور نہ تم غمناک ہوں گے۔

الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝۴۹ خُلُوا الْجَنَّةَ

جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لائے اور فرمانبردار ہو گئے۔ (ان سے کہا جائے گا کہ) تم

آنتم وَاَزْوَاجِكُمْ تُحْبَرُونَ ۝۵۰ طَافَ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ

اور تمہاری بیویاں خوشیاں کرتے ہوئے جنت میں داخل ہو جاؤ۔ ان کے سامنے سونے کے پیالے پیش کیے جائیں گے

وَأَكْوَابٍ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنْفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ وَأَنْتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝۵۱

اور انہیں اور وہاں جو جی چاہے اور جو آنکھوں کو اچھا لگے (موجود ہوگا) اور (اے اہل جنت!) تم اس میں ہمیشہ رہو گے

﴿۷۲﴾ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۷۲﴾

اور یہ جنت جس کے تم مالک بنا دیئے گئے ہو تمہارے اعمال کا صلہ ہے۔

لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۳﴾ مِنَ الْمُجْرِمِينَ

وہاں تمہارے لئے بہت سے میوے ہیں جن کو تم کھاؤ گے۔ (اور کفار) گنہگار

﴿۷۴﴾ فِي عَذَابٍ جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ﴿۷۴﴾ يُفْتَرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿۷۵﴾

ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے۔ جو ان سے ہلکا نہ کیا جائے گا اور وہ اس میں ناامید ہو کر پڑے رہیں گے۔

﴿۷۶﴾ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا هُمُ الظَّالِمِينَ ﴿۷۶﴾

اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہی (اپنے آپ پر) ظلم کرتے تھے۔

﴿۷۷﴾ وَنَادُوا يَمْلِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ مَا كَاتِبُونَ ﴿۷۷﴾

اور پکاریں گے کہ اے مالک! تمہارا پروردگار ہمیں موت دے دے وہ کہے گا کہ تم ہمیشہ (اسی حالت میں) رہو گے۔

﴿۷۸﴾ لَقَدْ جِئْنَاكُمْ بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَكُمْ لِلْحَقِّ كَرِهُونَ ﴿۷۸﴾

ہم تمہارے پاس حق لے کر آئے ہیں لیکن تم اکثر حق سے ناخوش ہوتے رہے۔

﴿۷۹﴾ أَمْ أَمْرُؤَا أَمْرًا فَإِنَّا مُبْرَمُونَ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ

کیا انہوں نے کوئی بات ٹھہرا رکھی ہے تو ہم بھی کچھ ٹھہرانے والے ہیں۔ کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کی پوشیدہ باتوں

﴿۸۰﴾ وَنَجْوَاهُمْ بَلَىٰ وَرُسُلْنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ ﴿۸۰﴾

اور سرگوشیوں کو سنتے نہیں؟ ہاں (سب سنتے ہیں) اور ہمارے فرشتے ان کے پاس (ان کی سب باتیں) لکھ لیتے ہیں۔

﴿۸۱﴾ قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَبْدِينَ ﴿۸۱﴾

کہہ دو کہ اگر اللہ کے اولاد ہو تو میں (سب سے) پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوں۔ [7]

﴿۸۲﴾ سُبْحَانَ رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ ﴿۸۲﴾

یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کا مالک (اور) عرش کا مالک اس سے پاک ہے۔

﴿۸۳﴾ فَذَرَهُمْ يَخْوَضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۸۳﴾

تو ان کو بگ بگ کرنے اور کھیلنے دو یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کو دیکھ لیں۔

﴿۸۴﴾ وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ ﴿۸۴﴾

اور وہی (ایک) آسمانوں میں معبود ہے اور (وہی) زمین میں معبود ہے۔ اور وہ دانا (اور) علم والا ہے۔

[7] ”قل ان كان“ یہ ابتدائے سورت میں ”وجعلوا له من عباده جزاء“ سے متعلق ہے، قرآن مجید کا یہ قاعدہ

ہے کہ کبھی ابتدائے سورت کے مضمون کو آخر سورت میں بھی بانداز دیگر ذکر کرتا ہے، تا کہ سورت کی ابتداء اور انتہا میں

اتحاد و مناسبت ہو جائے، دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ولد اور نائب نہیں،

لیکن اگر بالفرض مشرکین مکہ کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے لئے ولد اور نائب ثابت ہو جائے تو میں سب سے پہلے اسے

مانوں گا، اور اس کی تعظیم بجالاؤں گا۔ اور اس کے مطابق اللہ کی عبادت کروں گا، یہ تمثیل نفی ولد میں بطور مبالغہ ذکر کی گئی ہے

معنی الایة ان كان للرحمن ولد، وضح وثبت ذلك ببرهان صحيح تور دونه، وحجة واضحة تدلون

بها، فان اول من يعظم ذلك الولد، واسبقكم الى طاعته و الانقياد له كما يعظم الرجل ولد الملك

لتعظيم ابيه، وهذا كلام وارد على سبيل الفرض و التمثيل لغرض وهو المبالغة في نفی

الولد، والاطناب فيه (كشاف). اور بعض علماء نے ”عباد“ کے معنی جاہد کے، لئے ہیں، یعنی میں سب سے پہلے اس

فاسد عقیدہ کا منکر ہوں، اور بعض کے نزدیک، ان، نافیہ ہے، یعنی رحمن کے کوئی اولاد نہیں ہے۔ مگر یہ کچھ زیادہ مضبوط توجیہ

نہیں ہے۔ اور بھی کچھ احتمالات ہیں جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

وَتَبَارَكَ الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَعِنْدَهُ

اور وہ بہت بابرکت ہے جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کی بادشاہت ہے اور اسی کو

عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۸۳﴾ لَا يَمْلِكُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهِ

قیامت کا علم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔ اور جن کو یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ سفارش کا کچھ اختیار نہیں

الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۸۴﴾ وَلٰٓئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ

رکھتے ہاں جو علم و یقین کے ساتھ حق کی گواہی دیں گے (وہ سفارش کر سکتے ہیں)۔ اور اگر تم ان سے پوچھو کہ ان کو کس نے

خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنْتَ يُؤْفِكُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَقِيْلَهٗ يَرْبُّ اِنَّ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ

پیدا کیا ہے تو کہہ دیں گے کہ اللہ نے تو پھر یہ کہاں بٹکے پھرتے ہیں؟ اور پیغمبر کا یہ کہنا ہے کہ اے پروردگار! یہ ایسے لوگ ہیں

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ فَاصْفَحْ عَنْهُمْ وَقُلْ سَلِّمْ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

کہ ایمان نہیں لاتے۔ [8] تو ان سے منہ پھیر لو اور سلام کہہ دو ان کو عنقریب (انجام) معلو ہو جائے گا۔

[8] ”وقيله“ واو بمعنی، رُب، ہے، بہت بار پیغمبر کا یہ کلمہ کہنا ”ان هؤلاء قوم لا یؤمنون“ مشرکین کے ایمان

سے مایوس ہو کر آپ اللہ سے مشرکین کی شکایت کرتے تھے کہ میرے پروردگار یہ قوم ایسی سرکش ہو چکی ہے، کہ اب وہ ایمان

نہیں لائے گی، قال ابن عباسؓ شکی الی اللہ تخلف قوم عن الايمان، وقال قتادة هذا نبيكم يشكو قومہ

السی رہ، (خازن) یا ”واو“ قسمیہ ہے، اور ”ان هؤلاء قوم، جواب قسم ہے، یعنی مجھے پیغمبر کے ”یارب“ کہنے اور مجھ سے

دعا مانگنے کی قسم، یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور نبی علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے میں انہیں سزا دوں گا، کسانہ قیل، واقسم

بقيله يارب ان هؤلاء قوم لا یؤمنون، مدارک۔

سورة الدخان (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حَمْدًا ۞ وَالْكِتَابِ الْمُبِينِ ۞ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ۞

حَم۔ اس کتاب روشن کی قسم۔ کہ ہم نے اس کو مبارک رات میں نازل فرمایا ہم تو ڈرانے والے ہیں۔ [1]

فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۞ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۞

اسی رات میں تمام حکمت کے کام فیصل کئے جاتے ہیں۔ (یعنی) ہمارے ہاں سے حکم ہو کر بیشک ہم ہی (پیغمبر کو) بھیجتے ہیں

رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيْمُ ۞

(یہ) تمہارے پروردگار کی رحمت ہے وہ تو سننے والا جاننے والا ہے۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۞

آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم لوگ یقین کرنے والے ہو۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اَبَائِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞

اس کے سوا کوئی معبود نہیں (وہی) جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے (وہی) تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا پروردگار ہے۔

بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ يَّلْعَبُوْنَ ۞ فَاَرْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۞

لیکن یہ لوگ شک میں کھیل رہے ہیں۔ تو اس دن کا انتظار کرو کہ آسمان سے صریح دھواں نکلے گا۔

[1] "لیلة مبارکہ" سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک شب قدر ہے جو رمضان مبارک کے آخری عشرہ میں ہوتی

ہے، اس رات کو مبارک فرمانا اس لئے ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر بے شمار خیرات و برکات نازل ہوتی ہیں اور قرآن کریم کا شب قدر میں نازل ہونا قرآن کی سورہ قدر میں تصریح کے ساتھ آیا ہے: ”انا انزلناہ فی لیلة القدر“ اس سے ظاہر ہوا کہ یہاں بھی لیلہ مبارکہ سے مراد شب قدر ہی ہے۔

اور ایک حدیث میں رسول کریم ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی کتابیں ابتداءً دنیا سے آخر تک اپنے انبیاء علیہم السلام پر نازل فرمائی ہیں وہ سب کے سب ماہ رمضان المبارک ہی کی مختلف تاریخوں میں نازل ہوئی ہیں قتادہ نے بروایت واثلہؓ نقل کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ صحف ابراہیم علیہ السلام رمضان کی پہلی تاریخ میں اور تو رات رمضان کی چھٹی تاریخ میں اور زبور بارہویں میں اور انجیل اٹھارویں میں اور قرآن مجید چوبیس تاریخ گزرنے کے بعد یعنی پچیسویں شب میں نازل ہوا۔ (قرطبی)۔

اور بعض مفسرین عکرمہ وغیرہ سے منقول ہے کہ انہوں نے اس آیت میں لیلہ مبارکہ سے مراد شب برات یعنی نصف شعبان کی رات قرار دی ہے مگر اس رات میں نزول قرآن دوسری تمام نصوص قرآن اور روایات حدیث کے خلاف ہے ”شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن“ البقرہ، اور ”انا انزلناہ فی لیلة القدر“ (القدر) جیسی کھلی نصوص کے ہوتے ہوئے، بغیر کسی قوی دلیل کے نہیں کہا جاسکتا کہ نزول قرآن شب برات میں ہوا، البتہ شعبان کی پندرہویں رات کو بعض روایات حدیث میں شب برات یا لیلة الصک کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس رات کا مبارک ہونا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا ذکر ہے، اس کے ساتھ بعض روایات میں یہ مضمون بھی آیا ہے جو اس جگہ لیلہ مبارکہ کی صفت میں بیان فرمایا ہے یعنی ”فیہا یفرق کل امر حکیم ط امر امن عندنا“۔

یعنی اس رات میں ہر حکمت والے معاملہ کا فیصلہ ہماری طرف سے کیا جاتا ہے جس کے معنی ابن عباسؓ نے یہ بیان فرمائے ہیں کہ یہ رات جس میں نزول قرآن ہوا، یعنی شب قدر، اسی میں مخلوقات کے متعلق تمام اہم مورجن کے فیصلے اس سال میں اگلی شب قدر تک واقع ہونے والے ہیں طے کئے جاتے ہیں، کہ کون کون اس سال میں پیدا ہونگے کون کون آدمی اس میں مرے گا، کس کو کس قدر رزق اس سال میں دیا جائے گا، یہی تفسیر دوسرے ائمہ تفسیر قتادہؓ، مجاہد، حسن وغیرہم سے بھی منقول ہے، اور مہدوی نے فرمایا کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ یہ تمام فیصلے جو تقدیر الہی میں پہلے ہی سے طے شدہ تھے اس رات میں متعلقہ فرشتوں کے سپرد کردئے جاتے ہیں، کیونکہ قرآن و سنت کی دوسری نصوص اس پر شاہد ہیں کہ

اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلے انسان کی پیدائش سے بھی پہلے ازل ہی میں لکھ دیئے تھے۔ تو اس رات میں ان کے طے کرنے کا حاصل یہی ہو سکتا ہے کہ فضا و قدر کی تعفیذ جن فرشتوں کے ذریعہ ہوتی ہے اس رات میں یہ سالانہ احکام ان کے سپرد کئے جاتے ہیں (قرطبی)۔

چونکہ بعض روایات حدیث میں شب برات یعنی شعبان کی پندرہویں رات کے متعلق بھی آیا ہے کہ اس میں آجال و ارزاق کے فیصلے لکھے جاتے ہیں اس لئے بعض علماء نے آیت مذکورہ میں لیلہ مبارکہ کی تفسیر لیلہ البرات سے کر دی ہے، مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ یہاں اس رات میں نزول قرآن کا ذکر سب سے پہلے ہے اور اس کا رمضان میں ہونا قرآن کی نصوص سے متعین ہے۔ اور شب برات کے متعلق جو یہ مضمون بعض روایات میں آیا ہے کہ اس میں ارزاق وغیرہ کے فیصلے ہوتے ہیں اول تو ابن کثیر نے اس کے متعلق فرمایا کہ یہ روایت مرسل اور ایسی روایات نصوص صریحہ کے مقابلہ میں قابل اعتماد نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح قاضی ابوبکر بن عربی نے فرمایا کہ نصف شعبان کی رات کے بارے میں کوئی قابل اعتماد روایت ایسی نہیں جس سے ثابت ہو کہ رزق اور موت و حیات کے فیصلے اس رات میں ہوتے ہیں بلکہ انہوں نے فرمایا کہ اس رات کے فضیلت میں بھی کوئی قابل اعتماد حدیث نہیں آئی لیکن روح المعانی میں ایک بلاسند روایت ابن عباسؓ سے اس مضمون کی نقل کی ہے کہ رزق اور موت و حیات وغیرہ کے فیصلے نصف شعبان کی رات میں لکھے جاتے ہیں اور شب قدر میں فرشتوں کے حوالے کئے جاتے، اگر یہ روایت ثابت ہو تو اس طرح دونوں قول میں تطبیق ہو سکتی ہے ورنہ اصل بات جو ظاہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ یہی ہے کہ سورہ دخان کی آیت میں ”لیلۃ مبارکہ“ اور ”فیہا یفرق“ وغیرہ کے سب الفاظ شب قدر ہی کے متعلق ہیں، رہا شب برات کی فضیلت کا معاملہ سو وہ ایک مستقل معاملہ ہے جو بعض روایات حدیث میں منقول ہے مگر وہ اکثر ضعیف ہیں، اسی لئے قاضی ابوبکر بن عربی نے اس رات کی کسی فضیلت سے انکار کیا ہے لیکن شب برات کی فضیلت کی روایات اگرچہ باعتبار سند کے ضعف سے کوئی خالی نہیں لیکن تعدد طرق اور تعدد روایات سے ان کو ایک طرح کی قوت حاصل ہو جاتی ہے اس لئے بہت سے مشائخ نے ان کو قبول کیا ہے کیونکہ فضائل اعمال میں ضعیف روایات پر عمل کر لینے کی بھی گنجائش ہے۔ واللہ اعلم۔

يَغْشَى النَّاسَ هَذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱﴾ رَبَّنَا اكشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ

جو لوگوں پر چھا جائے گا یہ درد دینے والا عذاب ہے۔ اے پروردگار! ہم سے اس عذاب کو دور کر ہم ایمان لاتے ہیں۔

﴿۱۲﴾ اِنِّى لَهُمُ الدَّكْرِىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۳﴾ اَلَيْسَ لَهُمْ تَوَلّٰوْا عَنْهُ

(اس وقت) ان کو نصیحت کہاں مفید ہوگی جب کہ ان کے پاس پیغمبر آچکے جو کھول کھول کر بیان کر دیتے ہیں۔

وَقَالُوْا مُعَلِّمٌ مَّجْنُوْنٌ ﴿۱۴﴾ اِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنْ كُمْ عَائِدُوْنَ ﴿۱۵﴾

پھر انہوں نے ان سے منہ پھیر لیا اور کہنے لگے پڑھایا ہوا دیوانہ ہے۔ ہم تو تھوڑے دنوں عذاب ٹال دیتے ہیں تم پھر کفر کرنے لگتے ہو

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ

جس دن ہم بڑی سخت پکڑ پکڑیں گے تو بیشک انتقام لے کر چھوڑیں گے۔ اور ان سے پہلے ہم نے

قَوْمٍ فَرَعُوْنَ وَجَاءَهُمْ رَسُوْلٌ كَرِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اِنَّا اَدْوٰٓا اِلَىٰ عِبَادِ اللّٰهِ

قوم فرعون کی آزمائش کی اور ان کے پاس ایک عالی قدر پیغمبر آئے۔ جنہوں نے) یہ (کہا) کہ اللہ کے بندوں (یعنی بنی

اِنِّى لَكُمْ رَسُوْلٌ اٰمِيْنٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّا لَا تَعْلُوْا عَلٰى اللّٰهِ اِنِّىۤ اَتَيْكُمْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ

اسرائیل) کو میرے حوالے کر دو میں تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں۔ اور اللہ کے سامنے سرکشی نہ کرو میں تمہارے پاس کھلی دلیل لے کر آیا ہوں

﴿۱۹﴾ اِنِّىۤ اَعُوْذُ بِرَبِّىۤ وَرَبِّكُمْ اَنْ تَرْجُمُوْٓنِ اِنَّ لَكُمْ تُوْمُوْا اِلٰى

اور اس (بات) سے کہ تم مجھے سنگسار کرو اپنے اور تمہارے پروردگار کی پناہ مانگا ہے۔ اور اگر تم مجھ پر ایمان نہیں لاتے تو

فَاعْتَزِلُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِنَّا نَدْعٰ رَبَّهُ اَنْ هٰؤُلَاءِ قَوْمٌ مُّجْرِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ تب موسیٰ نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔

فَاَسْرِ بِعِبَادِىۤ لِيْلًا اِنْ كُمْ مُّتَّبِعُوْنَ ﴿۲۳﴾ اِنَّا نُرْكَبُ الْبَحْرَ رَهْوًا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ

میرے بندوں کو راتوں رات لے کر چلے جاؤ اور تمہارا تعاقب کریں گے۔ دریا کو بکھر اہوا چوڑاں کا تمام لشکر ڈبو دیا جائے گا

﴿۲۲﴾ تَرَکُوا مِنْ جَنَّتٍ وَعُیُونٍ ﴿۲۳﴾ رَرُوعٍ وَمَقَامٍ کَرِيمٍ ﴿۲۴﴾

وہ لوگ بہت سے باغ اور چشمے چھوڑ گئے۔ اور کھیتیاں اور نفیس مکان۔

﴿۲۵﴾ وَنَعْمَةً کَانُوا فِیْهَا فَکَهِينَ ﴿۲۶﴾ کَذٰلِکَ وَاوْرَثْنَاہَا قَوْمًا اٰخِرِینَ ﴿۲۸﴾

اور آرام کی چیزیں جن میں عیش کیا کرتے تھے۔ اسی طرح (ہوا) اور ہم نے دوسرے لوگوں کو ان چیزوں کا مالک بنا دیا۔

﴿۲۹﴾ فَمَا بَکْتُ عَلَیْہِمُ السَّمَاءُ وَالْاَرْضُ وَمَا کَانُوا مُنْظَرِینَ ﴿۳۰﴾

پھر ان پر نہ تو آسمان کو اور زمین کو رونا آیا اور نہ ان کو مہلت دی گئی۔

﴿۳۱﴾ وَلَقَدْ نَجَّیْنَا بَنِیَ اِسْرَآئِیْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِینِ ﴿۳۲﴾

اور ہم نے بنی اسرائیل کو اس ذلت کی عذاب سے نجات دی

﴿۳۳﴾ مِنْ فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ کَانَ عَلِیًّا مِنَ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَدْ اخْتَرْنَاہُمْ عَلٰی عِلْمٍ

(یعنی) فرعون سے بیشک وہ سرکش (اور) حد سے نکلا ہوا تھا۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو اہل عالم سے

﴿۳۵﴾ عَلٰی الْعَالَمِیْنَ ﴿۳۶﴾ تَیْنَاہُمْ مِّنَ الْاٰیٰتِ مَا فِیْہِ بَلٰوْمُبِیْنٍ ﴿۳۷﴾

دانستہ منتخب کیا تھا اور ان کو ایسی نشانیاں دی تھیں جن میں صریح آزمائش تھی

﴿۳۸﴾ اِنَّ هٰؤُلَآءِ لَیَقُولُوْنَ ﴿۳۹﴾ هٰی اِلَّا مَوْتُنَا الْاُولٰٓئِ وَمَا نَحْنُ بِمُنْشَرِیْنَ

یہ لوگ کہتے ہیں۔ کہ ہمیں صرف پہلی دفعہ (یعنی ایک بار) مرنا ہے اور (پھر) اٹھنا نہیں۔

﴿۴۰﴾ کُنُوْا بِاٰبَانَا اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ کُمْ خَیْرًا مِّنْ قَوْمِ تُبَعِّ

پس اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر) لاؤ۔ بھلا یہ اچھے ہیں یا تم کی قوم

﴿۴۳﴾ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہُمْ اٰهَلْکُنَاہُمْ اِنَّہُمْ کَانُوْا مُجْرِمِیْنَ ﴿۴۴﴾

اور وہ لوگ جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں ہم نے ان (سب) کو ہلاک کر دیا بیشک وہ گنہگار تھے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لِعَيْنٍ ﴿۳۳۸﴾ خَلَقْنَاهُمَا

اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان میں ہے ان کو کھیلتے ہوئے نہیں بنایا۔ ان کو ہم نے تدبیر سے پیدا کیا ہے

إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۳۹﴾ إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ مِيقَاتَهُمْ

لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ کچھ شک نہیں کہ فیصلے کا دن ان سب (کے اٹھنے) کا وقت ہے۔

أَجْمَعِينَ ﴿۳۴۰﴾ يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلَىٰ عَنْ مَوْلَىٰ شَيْئًا وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۳۴۱﴾

جس دن کوئی دوست کسی دوست کے کچھ کام نہ آئے گا اور نہ ان کو مدد ملے گی۔

إِلَّا مَنْ رَحِمَ اللَّهُ إِنَّهُ هُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿۳۴۲﴾ إِنَّ شَجَرَةَ الزَّقُّومِ ﴿۳۴۳﴾

مگر جس پر اللہ مہربانی کرے وہ تو غالب اور مہربان ہے بلاشبہ تھوہر کا درخت۔

طَعَامُ الْآثِيمِ ﴿۳۴۴﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِي فِي الْبُطُونِ ﴿۳۴۵﴾ كَالْغَلِيِّ الْحَمِيمِ ﴿۳۴۶﴾

گنہگار کا کھانا ہے۔ جیسے پگھلا ہوا تانبا پیٹوں میں (اس طرح) کھولے گا۔ جس طرح گرم پانی کھولتا ہے

خُذُوهُ فَاعْتَلُوهُ إِلَىٰ سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۳۴۷﴾ ثُمَّ صُبُّوا فَوْقَ رَأْسِهِ

(حکم دیا جائے گا کہ) اس کو پکڑ لو اور کھینچتے ہوئے دوزخ کے پیچوں سے لے جاؤ۔ پھر اس کے سر پر کھولتا ہوا پانی ڈال دو

مِنْ عَذَابِ الْحَمِيمِ ﴿۳۴۸﴾ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ ﴿۳۴۹﴾

(کہ عذاب پر) عذاب (ہو)۔ (اب) مزا کچھ تو بڑی عزت والا (اور) سردار تھے۔

إِنَّ هَذَا مَا كُنْتُمْ بِهِ تَمْتَرُونَ ﴿۳۵۰﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ ﴿۳۵۱﴾

یہ وہی (دوزخ) ہے جس میں تم لوگ شک کیا کرتے تھے۔ بیشک پرہیزگار لوگ امن کے مقام میں ہوں گے۔

فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿۳۵۲﴾ يَسْبُحُونَ مِنْ سُندُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿۳۵۳﴾

(یعنی) باغوں اور چشموں میں۔ حریر کا باریک اور دبیز لباس پہن کر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوں گے

كَذٰلِكَ وَزَوٰجِنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۳﴾ عُوْنٌ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِيْنٌ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۳﴾

اور ہم بڑی بڑی آنکھوں والی سفید رنگ کی عورتوں سے ان کے جوڑے لگائیں گے۔ وہاں خاطر جمع سے ہر قسم کے میوے منگوائیں گے

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَ الْاَوَّلٰى وَّوَقَّهْمُ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۴﴾

(اور کھائیں گے اور) پہلی دفعہ مرنے کے سوا (کہ مر چکے تھے) موت کا مزہ انہیں چکھیں گے اور اللہ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے گا

فَضَلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۷﴾ اِنَّمَا يَسْرُنَا هٗ

یہ تمہارے پروردگار کا فضل ہے یہی تو بڑی کامیابی ہے۔ ہم نے اس (قرآن) کو تمہاری زبان میں آسان کر دیا ہے

بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۸﴾ رَتَقِبْ اِنَّهُمْ مُّرْتَقِبُوْنَ ﴿۲۹﴾ ﴿۲۹﴾

تاکہ یہ لوگ نصیحت پکڑیں۔ پس تم بھی انتظار کرو یہ بھی انتظار کر رہے ہیں۔

سورة الجاثية (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

حَمْدٌ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۰﴾ اِنزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۱﴾

حَم۔ اس کتاب کا اتارا جانا اللہ غالب (اور) دانا (کی طرف) سے ہے۔

اِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۲﴾ وَفِي خَلْقِكُمْ

بیٹھ آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے (اللہ کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ اور تمہاری پیدائش میں بھی

وَمَا يَبُتُّ مِنْ دَابَّةٍ اٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُوقِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾ اِخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ

اور جانوروں میں بھی جن کو وہ پھیلاتا ہے یقین کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ اور رات اور دن کے آگے پیچھے

وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رِزْقٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا

آنے جانے میں اور وہ جو اللہ نے آسمان سے (ذریعہ) رزق نازل فرمایا پھر اس سے زمین کو اس کے مرجانہ کے بعد زندہ

وَتَصْرِيفِ الرِّيحِ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۱﴾ لِيُكَلِّمَ اللَّهُ

کیا اس میں اور ہواؤں کے بدلنے میں عقل والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم تم کو سچائی کے ساتھ

نَتْلُوها عَلَيْكَ بِالْحَقِّ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَ اللَّهِ وَآيَاتِهِ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۲﴾

پڑھ کر سناتے ہیں تو یہ اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔

وَيُلْ لِّكُلِّ أَفَّاكٍ أَثِيمٍ ﴿۱۳﴾ لِيَسْمَعَ آيَاتِ اللَّهِ تُتْلَى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ

ہر جھوٹے گنہگار کے لئے ہلاکت ہے۔ (کہ) اللہ کی آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کو سن لیتا ہے (مگر) پھر غرور سے ضد

مُسْتَكْبِرًا كَأَن لَّمْ يَسْمَعْهَا فَبَشِّرْهُ بِعَذَابِ الْيَمِّ ﴿۱۴﴾ وَإِذَا عَلِمَ مِنْ آيَاتِنَا

کرتا ہے کہ گویا ان کو سننا ہی نہیں سوا ایسے شخص کو دکھ دینے والے عذاب کی خوشخبری سنا دو۔ اور جب ہماری کچھ آیتیں اسے

شَيْئًا اتَّخَذَهَا هُزُوءًا أُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۵﴾ مِنْ وَرَائِهِمْ جَهَنَّمُ

معلوم ہوتی ہیں تو ان کی ہنسی اڑاتا ہے ایسے لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ ان کے سامنے دوزخ ہے

وَلَا يُغْنِي عَنْهُمْ مَا كَسَبُوا شَيْئًا وَلَا مَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ أَوْلِيَاءَ

اور جو کام وہ کرتے ہیں کچھ بھی ان کے کام نہ آئیں گے اور نہ وہی (کام آئیں گے) جن کو انہوں نے اللہ کے سوا معبود بنا

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۶﴾ هَذَا هُدًى وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ

رکھا تھا اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ یہ ہدایت (کی کتاب) ہے اور جو لوگ اپنے پروردگار کی آیتوں سے انکار کرتے

لَهُمْ عَذَابٌ مِّن رَّجْزِ الْيَمِّ ﴿۱۷﴾ اللَّهُ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمْ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ

ہیں ان کو سخت قسم کا درد دینے والا عذاب ہوگا۔ اللہ ہی تو ہے جس نے دریا کو تمہارے قابو میں کر دیا تاکہ اس کے حکم سے اس

﴿۱۲﴾ الْفُلْكَ فِيهِ بِأَمْرِهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲﴾

میں کشتیاں چلیں اور تاکہ تم اس کے فضل سے (معاش) تلاش کرو اور تاکہ شکر کرو۔

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّنْهُ

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب کو اپنے (حکم) سے تمہارے کام میں لگا دیا جو لوگ غور کرتے ہیں

إِنَّ فِي ذَلِكَ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۳﴾ لِلَّذِينَ آمَنُوا يُغْفِرُوا لِلَّذِينَ

ان کے لئے اس میں (قدرتِ الہی کی) نشانیاں ہیں۔ مومنوں سے کہہ دو کہ جو لوگ اللہ کے دنوں کی (جو اعمال کے بدلے

﴿۱۴﴾ لَا يَرْجُونَ أَيَّامَ اللَّهِ لِيَجْزِيَ قَوْمًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۴﴾

کے لئے مقرر ہیں) توقع نہیں رکھتے ان سے درگزر کریں تاکہ وہ ان لوگوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دے۔

﴿۱۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ ﴿۱۵﴾

جو کوئی نیک عمل کرے گا تو اپنے لئے اور جو بُرے کام کرے گا تو ان کا ضرر اسی کو ہوگا پھر تم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جاؤ گے

وَلَقَدْ آتَيْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنْ

اور ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب (ہدایت) اور حکومت اور نبوت بخشی اور پاکیزہ چیزیں عطا فرمائیں

الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۶﴾ وَآتَيْنَاهُمْ بَيْنَتٍ مِّنَ الْأَمْرِ

اور اہل عالم پر فضیلت دی۔ اور ان کو دین کے بارے میں دلیلیں عطا کیں

فَمَا اخْتَلَفُوا إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي

تو انہوں نے جو اختلاف کیا تو علم آچکنے کے بعد آپس کی ضد سے کیا بیشک تمہارا پروردگار قیامت کے دن ان میں ان باتوں

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۷﴾ اللَّهُمَّ جَعَلْنَاكَ

کا جن میں وہ اختلاف کرتے تھے فیصلہ کرے گا۔ پھر ہم نے تم کو دین کے کھلے رستے پر (قائم) کر دیا

عَلَى شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۸﴾

تو اسی (رستے) پر چلو اور نادانوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا۔

إِنَّهُمْ لَنُيْغِنُوا عَنْكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

یہ اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے اور ظالم لوگ ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں

وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۹﴾ هَذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۲۰﴾

اور اللہ پرہیزگاروں کا دوست ہے۔ یہ قرآن لوگوں کے لئے دانائی کی باتیں ہیں اور جو یقین رکھتے ہیں ان کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ نَجْعَلَهُمْ كَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

جو لوگ بُرے کام کرتے ہیں کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم ان کو ان لوگوں جیسا کر دیں گے جو ایمان لائے اور نیک عمل

الصَّالِحَاتِ سَوَاءٌ مَّحِيَاهُمْ وَمَمَاتِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿۲۱﴾

کرتے رہے اور ان کی زندگی اور موت یکساں ہو گے؟ یہ جو دعوے کرتے ہیں بُرے ہیں۔

وَخَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزَىٰ كُلُّ نَفْسٍ

اور اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص اپنے اعمال کا بدلا پائے

بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۲۲﴾ هَآؤُلَآءِ لِيُذَكَّرَ الَّذِينَ يَخْلَوْنَ

اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے

وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَىٰ سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ

اور باوجود جاننے کے (گمراہ ہو رہا ہے تو) اللہ نے (بھی) اس کو گمراہ کر دیا اور اس کے کانوں اور دل پر مہر لگا دی

وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ مِنْ بَعْدِ اللَّهِ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۳﴾

اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اب اللہ کے سوا اس کو کون راہ پر لاسکتا ہے بھلا تم کیوں نصیحت نہیں پکڑتے۔

وَقَالُوا مَا هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ

اور کہتے ہیں کہ ہمارا یہی دنیا کا جینا ہے پس مرتے ہیں اور جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہمیں ہلاک کرتا ہے

وَمَا لَهُمْ بِذَلِكَ مِنْ عِلْمٍ إِنْ هُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۲۲﴾ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ

اور ان کو اس کا کچھ علم نہیں صرف ظن سے کام لیتے ہیں۔ اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں

آيُنَا بَيِّنَاتٍ مَّا كَانَ حُجَّتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا اتُّوَابَا بَابِنَا إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾

تو ان کی یہی حجت ہوتی ہے کہ اگر تم سچے ہو تو ہمارے باپ دادا کو (زندہ کر) لاؤ۔

قُلِ اللّٰهُ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ يَمِيْتُكُمْ ثُمَّ يَجْمَعُكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ

کہہ دو کہ اللہ ہی تم کو جان بخشتا ہے پھر (وہی) تم کو موت دیتا ہے پھر تم کو قیامت کے دن جس (کے آنے) میں کچھ شک نہیں

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۲۴﴾ وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالأَرْضِ

تم کو جمع کرے گا لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُخْسِرُ الْمُبْطِلُونَ ﴿۲۵﴾ وَرَأَىٰ كُلُّ أُمَّةٍ

اور جس روز قیامت برپا ہوگی اس روز جاہل خسارے میں پڑ جائیں گے۔ اور تم ہر ایک فرقے کو دیکھو گے

جَاثِيَةً كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰ إِلَىٰ كِتَابِهَا ۗ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۶﴾

کہ گھٹنوں کے بل بیٹھا ہوگا اور ہر ایک جماعت اپنی عملنا کے طرف بلائی جائے گی جو کچھ کرتے رہے ہو آج تم کو اس کا بدلہ دیا جائے گا

هٰذَا كِتَابُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۗ إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۷﴾

یہ ہماری کتاب تمہارے بارے میں سچ سچ بیان کر دے گی جو کچھ تم کیا کرتے تھے ہم لکھواتے جاتے ہیں۔

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِي رَحْمَتِهِ

تو جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کا پروردگار انہیں اپنی رحمت (کے باغ) میں داخل کرے گا

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ ﴿۱۰۰﴾ ﴿۱۰۱﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا أَفَلَمْ تَكُنْ آيَاتِي تُتْلَىٰ

یہی صریح کامیابی ہے۔ اور جنہوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائیگا کہ) بھلا ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سنائی نہیں جاتی تھیں؟

عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۳﴾ إِذْ قِيلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ

پھر تم نے تکبر کیا اور تم نافرمان لوگ تھے۔ اور جب کہا جاتا تھا اللہ کا وعدہ سچا ہے

حَقٌّ وَالسَّاعَةُ لَا رَيْبَ فِيهَا قُلْتُمْ مَا نَنْدِرُ مَا السَّاعَةُ إِنَّ نَسْفًا إِلَّا ظَنًّا

اور قیامت میں کچھ شک نہیں تو تم کہتے تھے کہ ہم نہیں جانتے کہ قیامت کیا ہے ہم اس کو محض ظنی خیال کرتے ہیں

وَمَا نَحْنُ بِمُتَّقِينَ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۵﴾ لَهَا لَهُمْ سِئَاتٌ مَا عَمِلُوا

اور ہمیں یقین نہیں آتا۔ اور ان کی اعمال کی بُرائیاں ان پر ظاہر ہو جائیں گی

وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿۱۰۶﴾ ﴿۱۰۷﴾ قِيلَ الْيَوْمَ نَنسَاكُمْ

اور جس (عذاب) کی وہ ہنسی اڑاتے تھے وہ ان کو آگھرے گا۔ اور کہا جائے گا کہ جس طرح تم نے اس دن کے آنے کو بھلا رکھا تھا

كَمَا نَسِيتُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا وَمَأْوَاكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ

اسی طرح آج ہم تمہیں بھلا دیں گے اور تمہارا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کوئی تمہارا مددگار نہیں۔

﴿۱۰۸﴾ ﴿۱۰۹﴾ بِأَنَّكُمْ اتَّخَذْتُمْ آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَعَرَّتْكُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا

یہ اس لئے کہ تم نے اللہ کی آیتوں کو مذاق بنا رکھا تھا اور دنیا کی زندگی نے تم کو دھوکے میں ڈال رکھا تھا

فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُونَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿۱۱۰﴾ ﴿۱۱۱﴾ لِلَّهِ الْحَمْدُ

سو آج یہ لوگ نددوزخ سے نکالے جائیں گے اور نہ ان کی توبہ قبول کی جائے گی۔ پس اللہ ہی کے لئے ہر طرح کی تعریف ہے

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَرَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿۱۱۲﴾ ﴿۱۱۳﴾ الْكَبْرِیَاءِ

جو آسمانوں کا مالک اور زمین کا مالک اور تمام جہان کا پروردگار ہے۔

فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٧﴾ ﴿٢٨﴾
 اور آسمانوں اور زمین میں اسی کے لئے بڑائی ہے اور وہ غالب اور دانا ہے۔

سورة الأحقاف (مکیہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿٢٩﴾ ﴿٣٠﴾ ﴿٣١﴾ ﴿٣٢﴾ ﴿٣٣﴾ ﴿٣٤﴾ ﴿٣٥﴾ ﴿٣٦﴾ ﴿٣٧﴾ ﴿٣٨﴾ ﴿٣٩﴾ ﴿٤٠﴾ ﴿٤١﴾ ﴿٤٢﴾ ﴿٤٣﴾ ﴿٤٤﴾ ﴿٤٥﴾ ﴿٤٦﴾ ﴿٤٧﴾ ﴿٤٨﴾ ﴿٤٩﴾ ﴿٥٠﴾ ﴿٥١﴾ ﴿٥٢﴾ ﴿٥٣﴾ ﴿٥٤﴾ ﴿٥٥﴾ ﴿٥٦﴾ ﴿٥٧﴾ ﴿٥٨﴾ ﴿٥٩﴾ ﴿٦٠﴾ ﴿٦١﴾ ﴿٦٢﴾ ﴿٦٣﴾ ﴿٦٤﴾ ﴿٦٥﴾ ﴿٦٦﴾ ﴿٦٧﴾ ﴿٦٨﴾ ﴿٦٩﴾ ﴿٧٠﴾ ﴿٧١﴾ ﴿٧٢﴾ ﴿٧٣﴾ ﴿٧٤﴾ ﴿٧٥﴾ ﴿٧٦﴾ ﴿٧٧﴾ ﴿٧٨﴾ ﴿٧٩﴾ ﴿٨٠﴾ ﴿٨١﴾ ﴿٨٢﴾ ﴿٨٣﴾ ﴿٨٤﴾ ﴿٨٥﴾ ﴿٨٦﴾ ﴿٨٧﴾ ﴿٨٨﴾ ﴿٨٩﴾ ﴿٩٠﴾ ﴿٩١﴾ ﴿٩٢﴾ ﴿٩٣﴾ ﴿٩٤﴾ ﴿٩٥﴾ ﴿٩٦﴾ ﴿٩٧﴾ ﴿٩٨﴾ ﴿٩٩﴾ ﴿١٠٠﴾
 حم۔ (یہ) کتاب اللہ غالب (اور) حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

مَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ
 ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں میں ہے مبنی بر حکمت اور ایک وقت مقرر تک کے لئے پیدا کیا ہے
 وَالَّذِينَ كَفَرُوا عَمَّا أُنذِرُوا مُعْرِضُونَ ﴿١٠١﴾ ﴿١٠٢﴾ ﴿١٠٣﴾ ﴿١٠٤﴾ ﴿١٠٥﴾ ﴿١٠٦﴾ ﴿١٠٧﴾ ﴿١٠٨﴾ ﴿١٠٩﴾ ﴿١١٠﴾ ﴿١١١﴾ ﴿١١٢﴾ ﴿١١٣﴾ ﴿١١٤﴾ ﴿١١٥﴾ ﴿١١٦﴾ ﴿١١٧﴾ ﴿١١٨﴾ ﴿١١٩﴾ ﴿١٢٠﴾ ﴿١٢١﴾ ﴿١٢٢﴾ ﴿١٢٣﴾ ﴿١٢٤﴾ ﴿١٢٥﴾ ﴿١٢٦﴾ ﴿١٢٧﴾ ﴿١٢٨﴾ ﴿١٢٩﴾ ﴿١٣٠﴾ ﴿١٣١﴾ ﴿١٣٢﴾ ﴿١٣٣﴾ ﴿١٣٤﴾ ﴿١٣٥﴾ ﴿١٣٦﴾ ﴿١٣٧﴾ ﴿١٣٨﴾ ﴿١٣٩﴾ ﴿١٤٠﴾ ﴿١٤١﴾ ﴿١٤٢﴾ ﴿١٤٣﴾ ﴿١٤٤﴾ ﴿١٤٥﴾ ﴿١٤٦﴾ ﴿١٤٧﴾ ﴿١٤٨﴾ ﴿١٤٩﴾ ﴿١٥٠﴾

اور کافروں کو جس چیز کی نصیحت کی جاتی ہے اس سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ کہو کہ بھلا تم نے ان چیزوں کو دیکھا ہے جن کو تم

مِنْ دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي
 اللہ کے سوا پکارتے ہو (ذرا) مجھے بھی تو دکھاؤ کہ انہوں نے زمین میں کونسی چیز پیدا کی ہے یا آسمانوں میں ان کی شرکت ہے

السَّمَوَاتِ اِتُّونِي بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هَذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ
 اگر سچے ہو تو اس سے پہلے کی کوئی کتاب میرے پاس لاؤ یا علم (انبیاء میں) سے کچھ (منقول) چلا آتا ہو (تو اسے پیش کرو)

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٥١﴾ ﴿١٥٢﴾ ﴿١٥٣﴾ ﴿١٥٤﴾ ﴿١٥٥﴾ ﴿١٥٦﴾ ﴿١٥٧﴾ ﴿١٥٨﴾ ﴿١٥٩﴾ ﴿١٦٠﴾ ﴿١٦١﴾ ﴿١٦٢﴾ ﴿١٦٣﴾ ﴿١٦٤﴾ ﴿١٦٥﴾ ﴿١٦٦﴾ ﴿١٦٧﴾ ﴿١٦٨﴾ ﴿١٦٩﴾ ﴿١٧٠﴾ ﴿١٧١﴾ ﴿١٧٢﴾ ﴿١٧٣﴾ ﴿١٧٤﴾ ﴿١٧٥﴾ ﴿١٧٦﴾ ﴿١٧٧﴾ ﴿١٧٨﴾ ﴿١٧٩﴾ ﴿١٨٠﴾ ﴿١٨١﴾ ﴿١٨٢﴾ ﴿١٨٣﴾ ﴿١٨٤﴾ ﴿١٨٥﴾ ﴿١٨٦﴾ ﴿١٨٧﴾ ﴿١٨٨﴾ ﴿١٨٩﴾ ﴿١٩٠﴾ ﴿١٩١﴾ ﴿١٩٢﴾ ﴿١٩٣﴾ ﴿١٩٤﴾ ﴿١٩٥﴾ ﴿١٩٦﴾ ﴿١٩٧﴾ ﴿١٩٨﴾ ﴿١٩٩﴾ ﴿٢٠٠﴾
 اور اس شخص سے بڑھ کر کون گمراہ ہو سکتا ہے جو ایسے کو پکارے جو

يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ ﴿۱۱﴾

قیامت تک اسے جواب نہ دے سکے اور ان کو ان کے پکارنے ہی کی خبر نہ ہو۔

وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُمْ أَعْدَاءً وَكَانُوا بِعِبَادَتِهِمْ كَافِرِينَ ﴿۱۲﴾

اور جب لوگ جمع کئے جائیں گے تو وہ ان کے دشمن ہوں گے اور ان کی پرستش سے انکار کریں گے۔

وَإِذَا تَلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيَّنَّتْ قَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا لَلْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ

اور جب ان کے سامنے ہماری کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کافر حق کے بارے میں جب ان کے پاس آچکا کہتے ہیں

هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۳﴾ وَم يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ

کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ اس نے اس کو از خود بنا لیا ہے؟ کہہ دو کہ اگر میں نے اس کو اپنی طرف سے بنایا ہوں

فَلَا تَمْلِكُونَ لِي مِنَ اللَّهِ شَيْئًا هُوَ أَعْلَمُ بِمَا تُفِيضُونَ فِيهِ

تو تم اللہ کے سامنے میرے لئے کچھ اختیار نہیں رکھتے وہ اس گفتگو کو خوب جانتا ہے جو تم اس کے بارے میں کرتے ہو

كَفَىٰ بِهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۱۴﴾

وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدَعَاءِ مَنْ الرُّسُلِ وَمَا أَدْرِي مَا يُفْعَلُ بِي وَلَا بِكُمْ

کہہ دو کہ میں کوئی نیا پیغمبر نہیں آیا اور میں نہیں جانتا کہ میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا

إِنِ اتَّبَعُ إِلَّا مَا يُوْحَىٰ إِلَيَّ وَمَا أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾ قُلْ

میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے اور میرا کام تو اعلانیہ ہدایت کرنا ہے۔ کہو

أَرَأَيْتُمْ إِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَكَفَرْتُمْ بِهِ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ

کہ بھلا دیکھو تو اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم نے اس سے انکار کیا اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ

عَلَىٰ مَثَلِهِ فَاَمَّنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰﴾

اسی طرح کی ایک گواہی دے چکا اور ایمان لے آیا اور تم نے سرکشی کی بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَا اِلَيْهِ

اور کافر مومنوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ (دین) کچھ بہتر ہوتا تو یہ لوگ اس کی طرف ہم سے پہلے نہ دوڑ پڑتے

وَ اِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهِ فَيَسْئَلُوْنَ هٰذَا اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴿۱۱﴾ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابُ

اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔ اور اس سے پہلے موسیٰ کی

مُوسٰى اِمَامًا وَّرَحْمَةً وَّ هٰذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسٰنَا عَرَبِيًّا لِّيُنذِرَ الَّذِيْنَ

کتاب تھی (لوگوں کے لئے) رہنما اور رحمت اور یہ کتاب عربی زبان میں ہے اسی کی تصدیق کرنے والی تاکہ ظالموں کو

ظَلَمُوْا وَّبُشْرٰى لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲﴾ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا

ڈرائے اور نیکوکاروں کو خوشخبری سنائے۔ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ اَلَيْسَ لَكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ

تو ان کو نہ کچھ خوف ہوگا اور نہ وہ غمناک ہوں گی۔ یہی اہل جنت ہیں کہ ہمیشہ اس میں رہیں گے

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَ وَّصِيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ

(یہ) اس کا بدلا (ہے) جو وہ کیا کرتے تھے۔ اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا

اِحْسَانًا حَمَلَتْهُ اُمُّهُ كُرْهًا وَ وَّضَعَتْهُ كُرْهًا وَ حَمَلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا

اس کی ماں نے اس کو تکلیف سے پیٹ میں رکھا اور تکلیف ہی سے جنا اور اس کا پیٹ میں رہنا اور دودھ چھڑانا ڈھائی برس

حَتّٰى اِذَا بَلَغَ اَشَدَّهُ وَ بَلَغَ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَبِّ

میں ہوتا ہے یہاں تک کہ جب خوب جوان ہوتا ہے اور چالیس برس کو پہنچ جاتا ہے تو کہتا ہے کہ اے میرے پروردگار!

أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ

مجھے توفیق دے کہ تو نے جو احسان مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کئے ہیں ان کا شکر گزار رہوں اور یہ کہ نیک عمل کروں

صَلِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ

جن کو تو پسند کرے اور میرے لئے میری اولاد میں صلاح (وتقویٰ) دے میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں فرمانبردار ہوں

الْمُسْلِمِينَ ﴿١٤٤﴾ ۱۴۴ لِّلَّذِينَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَنَتَجَاوَزُ

بھی لوگ ہیں جن کے اعمال نیک ہم قبول کریں گے اور ان کے گناہوں سے درگزر فرمائیں گے

عَنْ سَيِّئَاتِهِمْ فِي أَصْحَابِ الْجَنَّةِ وَعَدَّ الصَّدَقِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿١٤٥﴾ ۱۴۵

اور (بہی) اہل جنت میں (ہوں گے یہ) سچا وعدہ (ہے) جو ان سے کیا جاتا ہے۔

وَالَّذِي قَالَ لَوْلَا إِلَهُهُ لَقَدْ كُنَّا تَعَدَّانِي أَنْ أُخْرَجَ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُونُ

اور جس شخص نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ اف اف! تم مجھے یہ بتاتے ہو کہ میں (زمین سے) نکالا جاؤں گا حالانکہ بہت

مِنْ قَبْلِي وَهُمَا يَسْتَعْجِلَانِ اللَّهُ وَيَلِكُ آمِنْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ فَيَقُولُ

سے لوگ مجھ سے پہلے گزر چکے ہیں اور وہ دونوں اللہ کی جناب میں فریاد کرتے (ہوئے کہتے) تھے

مَا هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿١٤٦﴾ ۱۴۶ لِّلَّذِينَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ

کہ کیمخت! ایمان لا۔ اللہ کا وعدہ تو سچا ہے تو کہنے لگا یہ تو پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں

فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿١٤٧﴾ ۱۴۷

جنوں اور انسانوں کی (دوسری) امتوں میں سے جو ان سے پہلے گزر چکیں عذاب کا وعدہ متحقق ہو گیا بیشک وہ نقصان اٹھانے والے ہیں

وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّمَّا عَمِلُوا وَلِيُوفيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٤٨﴾ ۱۴۸

اور لوگوں نے جیسے کام کئے ہوں گے ان کے مطابق سب کے درجے ہوں گے اور یہ ہے کہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے اور ان کا نقصان نہ کیا جائے

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَدْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمْ

اور جس دن کافر دوزخ کے سامنے کئے جائیں گے (تو کہا جائے گا کہ) تم اپنی دنیا کی زندگی میں لذتیں حاصل کر چکے اور

الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ

ان سے متمتع ہو چکے سو آج تم کو ذلت کا عذاب ہے (یہ) اس کی سزا (ہے) کہ تم زمین میں

تَسْتَكْبِرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُونَ ﴿۲۰﴾

ناحق غرور کیا کرتے تھے اور اس کی کہ بدکرداری کرتے تھے۔

وَإِذْ كَرَّ أَحَا عَادٍ إِذْ أَنْذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ وَقَدْ خَلَّتْ النُّذُرُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ

اور (قوم) عاد کے بھائی (ہود) کو یاد کرو کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو سرزمینِ احقاف میں ہدایت کی اور ان سے پہلے اور

وَمِنْ خَلْفِهِ إِلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۲۱﴾

پیچھے بھی ہدایت کرنے والے گزر چکے تھے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہارے بارے میں بڑے دن کے عذاب کا ڈر لگتا ہے

قَالُوا أَجِئْنَا لِنَتَأَفَّكُنَا عَنْ آلِهَتِنَا فَأَتَيْنَا بِمَا تَعَدَّنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿۲۲﴾

کہنے لگے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہم کو ہمارے معبودوں سے پھیر دو؟ اگر سچے ہو تو جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اسے ہم پر لے آؤ

قَالَ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَأُبَلِّغُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ وَلَكِنِّي أَرَأَيْكُمْ

کہا کہ (اس کا) علم تو اللہ ہی کو ہے اور میں تو جو (احکام) دے کر بھیجا گیا ہوں وہ تمہیں پہنچا رہا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم

قَوْمًا تَجْهَلُونَ ﴿۲۳﴾ لَمَّا رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَّتِهِمْ قَالُوا

لوگ نادانی میں پھنس رہے ہو۔ پھر جب انہوں نے اس (عذاب کو) دیکھا کہ بادل ان کے میدانوں کی طرف آ رہا ہے تو کہنے لگے

هَذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا بَلْ هُوَ مَا اسْتَعْجَلْتُمْ بِهِ رِيحٌ فِيهَا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۴﴾

یہ تو بادل ہے جو ہم پر برس کر رہے گا بلکہ وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے یعنی آندھی جس میں درد دینے والا عذاب بھرا ہوا ہے

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍ بِأَمْرِ رَبِّهَا فَأَصْبَحُوا لَا يُرَىٰ إِلَّا مَسَاكِنُهُمْ كَذَلِكَ

ہر چیز کو اپنے رب کے حکم سے تباہ کئے دیتی ہے تو وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کچھ نظر ہی نہ آتا تھا گنہگار لوگوں کو

نَجَزَى الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۳۱﴾ وَقَدْ مَكَنَّاهُمْ فِيمَا إِن مَّكَّنَّاكُمْ فِيهِ

ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ اور ہم نے ان کو ایسے مقدر دیئے تھے جو تم لوگوں کو نہیں دیئے

وَجَعَلْنَا لَهُمْ سَمْعًا وَأَبْصَارًا وَأَفْئِدَةً فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ سَمْعُهُمْ

اور انہیں کان اور آنکھیں اور دل دیئے تھے تو جب کہ وہ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے تھے تو نہ تو ان کے کان ہی ان کے کچھ

وَلَا أَبْصَارُهُمْ وَلَا أَفْئِدَتُهُمْ مِنْ شَيْءٍ إِذْ كَانُوا يَجْحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ

کام آتے تھے اور نہ آنکھیں اور نہ دل اور جس چیز سے استہزاء کیا کرتے تھے اس نے ان کو آگھرا

وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ﴿۳۲﴾ وَقَدْ أَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ

اور تمہارے اردگرد کی بستیوں کو ہم نے ہلاک کر دیا

مِّنَ الْقُرَىٰ وَصَرَفْنَا الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۳۳﴾

اور بار بار (اپنی) نشانیاں ظاہر کر دیں تاکہ وہ رجوع کریں۔ تو جن کو ان

فَلَوْلَا نَصْرُهُمُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ قُرْبَانًا آلِهَةً بَلْ ضَلُّوا عَنْهُمْ

لوگوں نے تقرب کیلئے اللہ کے سوا معبود بنایا تھا انہوں نے ان کی کیوں مدد نہ کی؟ بلکہ وہ ان سے گم ہو گئے

وَذَلِكَ إِفْكُهُمْ وَمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۳۴﴾ إِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفْرًا مِّنَ

اور یہ ان کا جھوٹ تھا اور یہی وہ افتراء کیا کرتے تھے۔ اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص

الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنصِتُوا

تمہاری طرف متوجہ کئے کہ قرآن سنیں تو جب وہ اس کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو

فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۴﴾ قَالُوا يٰقَوْمَنَا إِنَّا

جب (پڑھنا) تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ (ان کو) نصیحت کریں۔ کہنے لگے کہ اے قوم! ہم نے

سَمِعْنَا كِتَابًا أَنْزَلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي

ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے جو (کتابیں) اس سے پہلے (نازل ہوئی) ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے

إِلَىٰ الْحَقِّ وَالِىٰ طَرِيقٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۵﴾ قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا

(اور) سچا (دین) اور سیدھا راستہ بتاتی ہے۔ اے قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ

بِهِ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۶﴾

اللہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دکھ دینے والے عذاب سے پناہ میں رکھے گا۔

وَمَنْ لَا يُجِبْ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ دُونِهِ

اور جو شخص اللہ کی طرف بلانے والے کی بات قبول نہ کرے گا تو وہ زمین میں (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکے گا اور نہ اس کے سوا

أَوْلِيَاءَ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۷﴾ قَوْمٌ يَّرَوْنَ أَنَّ اللَّهَ الَّذِي

اس کے حمایتی ہوں گے یہ لوگ صریح گمراہی میں ہیں۔ [1] کیا انہوں نے نہیں سمجھا کہ جس اللہ نے

[1] کفار مکہ کو سنانے کے لئے اس سے پہلی آیات میں کفر و استکبار کی مذمت اور ان کا مہلک ہونا بیان ہوا ہے، مذکور

الصدر آیات میں اہل مکہ کو عار دلانے کے لئے جنات کے ایمان لانے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ جنات تو تکبر اور غرور میں تم

سے بھی زیادہ ہیں، مگر قرآن سن کر ان کے دل بھی موم ہو گئے، وہ مسلمان ہو گئے تمہیں تو اللہ تعالیٰ نے جنات سے زیادہ عقل

و شعور بخشا ہے مگر اس کے باوجود تم ایمان نہیں لاتے۔

اور واقعہ جنات کے قرآن سننے اور ایمان لانے کا احادیث صحیحہ میں اس طرح آیا ہے رسول پاک ﷺ کی بعثت

کے وقت جب جنات کو آسمانی خبریں سننے سے روک دیا گیا، تو آپ کی نبوت اور بعثت کے بعد جو جن آسمانی خبریں سننے کے

لئے اوپر جاتا تو اس پر شہاب ثاقب پھینک کر دفع کر دیا جانے لگا۔ جنات میں اس کا تذکرہ ہوا کہ اس کا سبب معلوم کرنا چاہئے کہ کونسا نیا واقعہ دنیا میں ہوا ہے جس کی وجہ سے جنات آسمانی خبروں سے روک دیئے گئے، جنات کی مختلف گروہ دنیا کی مختلف خطوں میں اس کی تحقیقات کے لئے پھیل گئے۔

ان کا ایک گروہ حجاز کی طرف بھی پہنچا اس روز نبی کریم ﷺ اپنے چند صحابہ کرام کے ساتھ مقام طن نخلہ میں تشریف فرما تھے اور سوق عکاظ کی طرف جانے کا قصد تھا (عرب کے لوگ تجارتی اور معاشرتی امور کے لئے مختلف مقامات پر خاص خاص ایام میں بازار لگاتے تھے، جس میں ہر خطے کے لوگ جمع ہوتے دکائیں لگتیں اور اجتماعات اور جلسے ہوتے تھے، جیسے ہمارے زمانے میں اسی طرح کی نمائشیں جا بجا لگتی ہیں، انہیں میں سے ایک بازار مقام عکاظ میں لگتا تھا، رسول پاک ﷺ غالباً دعوت و تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے جا رہے تھے) اس مقام طن نخلہ میں آپ صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ وہ جنات یہاں پہنچے قرآن سکر کہنے لگے کہ بس وہ نئی بات یہی ہے جو ہماری اور آسمانی خبروں کی درمیان حائل ہوئے ہے (رواہ و البخاری: کتاب الاذان باب الجہر بقراءة صلاة الفجر، و مسلم: کتاب الصلاة باب

الجہر بالقراءة فی الصبح، الترمذی، ۳۳۷۹، احمد: ۲۵۲۱، و جماعة عن ابن عباس)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جنات جب یہاں آئے تو باہم کہنے لگے کہ خاموش ہو کر قرآن سنو جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو اسلام کی حقانیت پر یقین اور ایمان لاکر اپنی قوم کے پاس واپس گئے اور ان کو اس واقعہ کے اصلی سبب کی اور اس کی خبر دی کہ ہم تو مسلمان ہو گئے تم کو بھی چاہئے کہ ایمان لے آؤ۔

مگر رسول پاک ﷺ کو ان جنات کے آنے جانے اور قرآن سکر ایمان لے آنے کی خبر نہیں ہوئی یہاں تک کہ سورہ جن کا نزول ہوا جس میں آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی (رواہ ابن المنذر)۔

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ جنات مقام نصیبین کے رہنے والے تھے اور کل نویا بعض روایات کے مطابق سات تھے، جب انہوں نے اپنی قوم کو یہ خبر سنائی اور ایمان لانے کی ترغیب بھی دی تو ان میں سے تین سوا شخص اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئیں (رواہ ابو نعیم و الروح)۔

دوسری حدیثوں میں جنات کے آنے کی روایات دوسری طرح کی بھی آئی ہیں، مگر چونکہ یہ متعدد واقعات مختلف اوقات میں پیش آئے ہیں اس لئے کوئی تعارض نہیں، اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو طبرانی نے اوسط میں اور ابن مردویہ نے ابن عباسؓ سے نقل کی ہے کہ جنات رسول پاک ﷺ کی خدمت میں بار بار حاضر ہوئے خفا جی =

خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَمْ يَعْزِ بِخَلْقِهِنَّ بِقَادِرٍ عَلَىٰ

آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے پیدا کرنے سے تھکا نہیں وہ اس (بات) پر بھی قادر ہے

أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ بَلَىٰ إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۳﴾

کہ مُردوں کو زندہ کر دے ہاں وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَيَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَلَيْسَ هَذَا بِالْحَقِّ قَالُوا بَلَىٰ وَرَبَّنَا

اور جس روز آگ کے سامنے پیش کئے جائیں گے (اور کہا جائے گا) کیا حق نہیں ہے؟ تو کہیں گے کیوں نہیں ہمارے پروردگار کی قسم!

قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۴﴾ صَبِرْ كَمَا صَبَرَ

حکم ہوگا کہ تم جو (دنیا میں) انکار کیا کرتے تھے عذاب کے مزے چکھو۔ پس جس طرح اور عالی ہمت پیغمبر صبر کرتے رہے ہیں

= نے فرمایا کہ احادیث کی روایات جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنات کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ کرنے کے واقعات چھ مرتبہ پیش آئے ہیں (کذافی الروح و بیان القرآن)۔

”کتابا انزل من بعد موسیٰ“ اس میں بعد موسیٰ کی قید سے بعض اشخاص نے سمجھا ہے کہ یہ جنات یہودی تھے، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد تو عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل ہوئی اس کا ذکر نہیں کیا، لیکن اس کی کوئی صریح روایت تو ہے نہیں، اور انجیل کا ذکر نہ کرنے سے ان کے یہودی ہونے پر استدلال نا کافی ہے، کیونکہ انجیل کے ذکر نہ کرنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ انجیل اکثر احکام میں تورات کے تابع ہے، اور قرآن مثل تورات کے مستقل کتاب ہے اسکے احکام و شرائع تورات سے بہت مختلف ہیں، تو یہ ہو سکتا ہے کہ مقصود یہ بتلانا ہو کہ تورات جیسی کتاب مستقل قرآن ہی ہے۔

”یغفر لکم من ذنوبکم“ حرف من اصل میں بمعنی یعنی جزئیت کے معنی کے لئے آتا ہے اگر یہی معنی یہاں لئے جاوے تو حرف من کے بڑھانے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اسلام قبول کر لینے سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے اس لئے یہ فرمانا مناسب ہوا کہ بعض گناہ یعنی حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں (یہودی مذہب میں)۔ اور بعض اشخاص نے اس حرف من کو زائد قرار دیا ہے تو اس وجہ کی ضرورت نہیں رہتی۔

أُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَهُمْ كَانَهُمْ يَوْمَ يَرُونَ مَا يُوْعَدُونَ

اسی طرح تم بھی صبر کرو اور ان کے لئے (عذاب) جلدی نہ مانگو جس دن یہ اس چیز کو دیکھیں کہ جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے

لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ ۚ بَلَاغٌ ۚ فَهَلْ يُهْلَكُ إِلَّا الْقَوْمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۵﴾

تو (خیال کریں گے کہ) گویا رہے ہی نہ تھے مگر گھڑی بھر دن۔ یہ پیغام ہے سو وہی ہلاک ہوں گے جو نافرمان تھے [2]

[2] اس میں ”من الرسل“ کا لفظ من محققین کے نزدیک بیان یہ ہے بعض کے لئے نہیں۔ معنی یہ ہیں کہ تمام رسول جو صاحب ہمت و عزم ہی ہوتے ہیں، معلوم ہوا کہ صاحب عزم و ہمت ہونا سبھی انبیاء کی صفت ہے، البتہ رسولوں کے درمیان صفات کے درجات میں تفاضل اور کمی بیشی خود قرآن کے ارشاد سے ثابت ہے ”تلك الرسل فضلنا بعضهم على بعض“ (بقرہ: ۲۵۳)

اس لئے جو انبیاء علیہم السلام صفت عزم و ہمت میں دوسروں سے زیادہ امتیاز رکھتے ہیں خاص ان رسولوں کے لئے یہ لقب کے طور پر مشہور ہو گیا، اور ان کی تعین میں بھی اختلاف ہے، اور اکثر کا قول یہ ہے کہ لقب اولو العزم جن کو دیا گیا ہے وہ انبیاء ہیں، جن کا ذکر سورہ احزاب کی اس آیت میں ہے: وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ ابْنِ مَرْيَمَ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿۱۷﴾

عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کی عیش و عشرت اور نعم محمد اور آل محمد ﷺ کے شایان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اولو العزم سے بجز صبر کے اور کسی چیز پر راضی نہیں اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ فاصبر کما صبر اولو العزم من الرسل۔ ابن ابی حاتم۔

سورۃ محمد (مدنیۃ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۱﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا
جن لوگوں نے کفر کیا اور (آوروں کو) اللہ کے رستے سے روکا اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے۔ اور جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ
اور نیک عمل کرتے رہے اور جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوئی اسے مانتے رہے اور وہ ان کے پروردگار کی طرف سے برحق ہے

كَفَرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ ﴿۲﴾ وَاَصْلَحَ بِاللّٰهِمْ ﴿۳﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
ان سے ان کے گناہ دور کر دیئے اور ان کی حالت سنواری۔ یہ (حیط اعمال اور اصلاح حال) اس لئے ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا

اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ كَذٰلِكَ
انہوں نے جھوٹی بات کی پیروی کی اور جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کی طرف سے (دین) حق کے پیچھے چلے اسی طرح

يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴿۴﴾ اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا
اللہ لوگوں سے ان کے حالات بیان فرماتا ہے۔ جب تم کافروں سے بھڑ جاؤ تو ان کی گردنیں

فَضْرَبَ الرِّقَابِ حَتّٰی اِذَا اَتْخَذْتُمُوْهُمْ فُشِدُّوا الْوُثَاقَ فَاِذَا مَنَّا بَعْدُ
اڑا دیں تاکہ جب ان کو خوب قتل کر چکو تو (جو زندہ پکڑے جائیں ان کو) مضبوطی سے قید کر لو پھر اس کے بعد یا تو

وَاِذَا مَنَّا حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ﴿۵﴾ كَذٰلِكَ
احسان رکھ کر چھوڑ دینا چاہئے یا کچھ مال لے کر یہاں تک کہ (فریق مقابل) لڑائی ہتھیار رکھ دے یہ (حکم یاد رکھو)

وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِينَ قُتِلُوا
اور اگر اللہ چاہتا تو (اور طرح) ان سے انتقام لے لیتا لیکن اس نے چاہا کہ تمہاری آزمائش ایک (کو) دوسرے سے کرے

فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ ﴿۱۰﴾ سَيَهْدِيهِمْ وَيُصْلِحُ بَالَهُمْ ﴿۱۱﴾
اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ ان کو سیدھے رستے پر چلائے گا اور ان کی حالت درست کر دے گا

وَيُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَفَهَا لَهُمْ ﴿۱۲﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنْصُرُوا اللَّهَ
اور ان کو بہشت میں جس سے انہیں شناسا کر رکھا ہے داخل کرے گا۔ اے اہل ایمان! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے

يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ﴿۱۳﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا فَتَعَسَا لَهُمْ وَأَضَلَّ
تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔ اور جو کافر ہیں ان کے لئے ہلاکت ہے اور وہ ان کے اعمال کو برباد

أَعْمَالَهُمْ ﴿۱۴﴾ لَكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿۱۵﴾
کر دے گا۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے جو چیز نازل فرمائی انہوں نے اس کو ناپسند کیا تو اللہ نے بھی ان کے اعمال اکارت کر دیئے

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
کیا انہوں نے ملک میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا

دَمَّرَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلِلْكَافِرِينَ أَمْثَالُهَا ﴿۱۶﴾ ذَلِكُمْ بِأَنَّ اللَّهَ مَوْلَى الَّذِينَ
اللہ نے ان پر تباہی ڈال دی اور اسی طرح کا (عذاب) ان کافروں کو ہوگا۔ یہ اس لئے کہ جو مومن ہیں ان کا اللہ کارساز

آمَنُوا وَأَنَّ الْكَافِرِينَ لَا مَوْلَى لَهُمْ ﴿۱۷﴾ إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا
ہے اور کافروں کا کوئی کارساز نہیں۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَالَّذِينَ كَفَرُوا
ان کو اللہ بیشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں داخل فرمائے گا اور جو کافر ہیں

يَتَمَتَّعُونَ وَيَأْكُلُونَ كَمَا تَأْكُلُ الْأَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿١٢١﴾

وہ فائدے اٹھاتے ہیں اور (اس طرح) کھاتے ہیں جیسے حیوان کھاتے ہیں اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ قَرْيَةٍ هِيَ أَشَدُّ قُوَّةً مِنْ قَرْيَتِكَ الَّتِي أَخْرَجْتِكَ أَهْلَكَنَاهُمْ

اور بہت سی بستیاں تمہاری بستی سے جس (کے باشندوں نے تمہیں وہاں) سے نکال دیا زور قوت میں کہیں بڑھ کر تھیں

فَلَا نَصِرَ لَهُمْ ﴿١٢٢﴾ مَنْ كَانَ عَلَى بَيْنَةٍ مِنْ رَبِّهِ

ہم نے ان کا ستیاناس کر دیا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوا۔ بھلا جو شخص اپنے پروردگار (کی مہربان) سے کھلے رستے پر ہو

كَمَنْ زُيِّنَ لَهُ سُوءُ عَمَلِهِ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿١٢٣﴾

وہ ان کی طرح (ہو سکتا) ہے جن کے اعمال بد انہیں اچھے کر کے دکھائے جائیں اور جو اپنی خواہشوں کی پیروی کریں

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ فِيهَا أَنْهَارٌ مِنْ مَاءٍ غَيْرِ آسِنٍ

جنت جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس کی صفت یہ ہے کہ اس میں پانی کی نہریں ہیں جو بونہیں کرے گا

وَأَنْهَارٌ مِنْ لَبَنٍ لَمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهُ وَأَنْهَارٌ مِنْ خَمْرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ

اور دوہ کی نہریں ہیں جس کا مزہ نہیں بدلے گا اور شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لئے (سراسر) لذت ہے

وَأَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُصَفًّى، وَلَهُمْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَبِّهِمْ

اور شہد مصفا کی نہریں ہیں اور ان کے لئے ہر قسم کے میوے ہیں اور ان کے پروردگار کی طرف سے مغفرت ہے

كَمَنْ هُوَ خَلِدٌ فِي النَّارِ وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ ﴿١٢٤﴾

ان کی طرح (ہو سکتے) ہیں جو ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور جن کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا تو ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ حَتَّى إِذَا خَرَجُوا مِنْ عِنْدِكَ

اور ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو تمہاری طرف کان لگائے رہتے ہیں یہاں تک کہ جب تمہارے پاس سے نکل کر چلے جاتے

قَالُوا لِلَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ آنفًا أُولَئِكَ الَّذِينَ

ہیں تو جن لوگوں کو علم (دین) دیا گیا ہے ان سے کہتے ہیں کہ (بھلا) انہوں نے ابھی کیا کہا تھا؟ یہی لوگ ہیں

طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَاتَّبَعُوا أَهْوَاءَهُمْ ﴿۱۴﴾ وَالَّذِينَ اهْتَدَوْا

جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا رکھی ہے اور وہ اپنی خواہشوں کے پیچھے چل رہے ہیں۔ اور جو لوگ ہدایت یافتہ ہیں

زَادَهُمْ هُدًى وَآتَاهُمْ تَقْوَاهُمْ ﴿۱۵﴾ فَلْيَنْظُرُونَ إِلَّا السَّاعَةَ

ان کو وہ ہدایت مزید بخشنا اور پرہیزگاری عنایت کرتا ہے۔ اب تو یہ لوگ قیامت ہی کو دیکھ رہے ہیں

أَنْ تَأْتِيَهُمْ بَغْتَةً فَقَدْ جَاءَ أَشْرَاطُهَا فَأَنَّى لَهُمْ إِذَا جَاءَ تَهُمْ ذِكْرُهُمْ ﴿۱۸﴾

کہ ناگہان ان پر واقع ہو سوساں کی نشانیاں (وقوع میں) آچکی ہیں پھر جب وہ ان پر آ نازل ہوگی اس وقت انہیں نصیحت کہاں

فَاعْلَمْ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ

(مفید ہو سکے گی)۔ پس جان رکھو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں

وَاللَّهُ يَعْلَمُ مُتَقَلِّبِكُمْ وَمَثْوَاكُمْ ﴿۱۹﴾ يَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا الْوَلَا نُزِّلَتْ

کے لئے بھی اور اللہ تم لوگوں کے چلنے پھرنے اور ٹھہرنے سے واقف ہے۔ [1] اور مومن لوگ کہتے ہیں کہ کوئی سورت

سُورَةٌ فَإِذَا أَنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذَكَرَ فِيهَا الْقِتَالَ

کیوں نازل نہیں ہوتی؟ لیکن جب کوئی صاف معنوں کی سورت نازل ہو اور اس میں جہاد کا بیان ہو

رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشَىٰ عَلَيْهِ

تو جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے تم ان کو دیکھو کہ تمہاری طرف اس طرح دیکھنے لگیں جس طرح کسی پر موت کی

[1] اس آیت کریمہ میں کلمہ طیبہ کی ایک رکن کا ذکر ہے جو کہ اس کلمے کا علم اور فہم ہے یہی معنی حدیث مسلم: ۲۶، اور صاحب

مٹکواۃ نے عثمانؓ سے نقل کیا ہے: عن عثمان بن عفان قال قال رسول اللہ ﷺ من مات وهو يعلم انه لا اله الا الله ، دخل الجنة۔ یعنی عثمانؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی مرے اور وہ جانتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، جنت میں داخل ہوگا۔

جبکہ کلمہ کا دوسرا رکن اور فرض حدیث ابو ہریرہؓ میں ہے (اس پر یقین کرنا) جو کہ مسلم نے: رقم ۳۱، میں نقل کیا ہے۔ حدیث لمبی ہے درمیان میں ہے فقال ﷺ یا اباہریرة واعطانی نعلیه فقال اذهب بنعلیٰ ہاتین فمن لقیک من وراء هذا الحائط يشهدان لا اله الا الله مستیقنا بھا قلبہ بشرہ بالجنة فكان اول من لقیتم عمر فقال ما ہاتان النعلان یا اباہریرة؟ فقلت ہاتان نعلار رسول اللہ ﷺ یعنی بہما من لقیتم يشهدان لا اله الا الله مستیقنا بھا قلبہ بشرتہ بالجنة، فضرب عمر بین ثدی فخررت لاستی، فقال ارجع یا اباہریرة فرجعت الی رسول اللہ ﷺ فاجھشت بالبکاء، وركبني عمر، واذھو علی اثری، فقال رسول اللہ ﷺ مالک یا اباہریرة؟ فقلت لقیتم عمر فاخبرته بالذی بعثنی بہ، فضرب بین ثدی ضربة خدرت لاستی، فقال ارجع، فقال رسول اللہ ﷺ یا عمر، ما حملک علی ما فعلت؟ قال یا رسول اللہ ابی انت وامی ابعت اباہریرة بنعلیک من لقی يشهدان لا اله الا الله مستیقنا بھا قلبہ بشرہ بالجنة؟ قال نعم، قال فلا تفعل، فانی اخشی ان یتکل الناس علیھا، فخلھم یعملون، فقال رسول اللہ ﷺ فخلھم۔

تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہؓ، اور آپ ﷺ نے مجھے اپنے دونوں جوتیاں دیں، اور فرمایا یہ میری دونوں جوتیاں لے جاؤ، اس باغ کے باہر تجھے جو شخص ملے، جو گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس حال میں کہ اس کا دل یقین رکھتا ہو، اس کو جنت کی بشارت دو۔ سب سے پہلے جس سے میں ملا وہ عمر تھے، کہا اے ابو ہریرہؓ! یہ دونوں جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے کہا یہ دونوں جوتیاں رسول اللہ ﷺ کی ہیں آپ نے مجھے دیکر اس لئے بھیجا ہے کہ جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہو اے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اسے جنت کی بشارت دوں، عمر نے مجھے سینہ کے درمیان مارا میں پشت کے بل گر پڑا پس کہا اے ابو ہریرہؓ واپس لوٹ جائیں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور رونے کے ساتھ اپنی اواز بلند کی عمر بھی میرے پیچھے چلے آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے ابو ہریرہؓ تجھے کیا ہوا؟ کیا ہے، میں نے کہا میں عمر کو ملتا تھا میں نے اسے اس بات کی خبر دی جس کے ساتھ آپ نے مجھے بھیجا ہے اس نے مجھے سینہ کے درمیان

مارا میں پیچھاڑی کے بل گر پڑا۔ اور کہا لوٹ جا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے عمر تجھے کس بات نے اکسایا؟ جو کچھ کہ تو نے کیا ہے، کہا اے اللہ کے رسول میری ماں باپ آپ پر قربان ہو آپ نے اپنی دونوں جوتیاں دیکر ابو ہریرہ کو بھیجا تھا کہ جس شخص کو ملے جو گواہی دیتا ہو، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا دل اس کے ساتھ یقین رکھتا ہو اسے جنت کی بشارت دے آپ نے فرمایا ہاں عمر نے کہا! آپ ایسا نہ کریں میں ڈرتا ہوں کہ لوگ بھروسہ کریں گے پس انہیں چھوڑ دیجئے عمل کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: پس چھوڑ دے۔

تیسرا رکن ”موت تک اس پر قائم رہنا“ یہ حدیث ابی ذر میں ذکر ہے: عن ابی ذر قال اتیت النبی ﷺ وعلیہ ثوب ایض وھونائم ثم اتیتہ وقد استیقظ، فقال مامن عبد قال لا الہ الا اللہ ثم مات علی ذلک الا دخل الجنة، قلت وان زنی وان سرق؟، قال وان زنی وان سرق، قلت، وان زنی وان سرق؟ قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق؟ قال وان زنی وان سرق، علی رغم انف ابی ذر، وکان ابو ذر اذا حدث بهذا الحدیث قال وان رغم انف ابی ذر۔

یعنی ابو ذر نے کہا: میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا آپ ﷺ ایک سفید کپڑا اوڑھے سو رہے تھے، میں پھر آپ کے پاس آیا، آپ اس وقت بیدار ہو چکے تھے، آپ نے فرمایا: جس شخص نے صدق دل سے لا الہ الا اللہ یعنی اللہ کی وحدانیت کا سچے دل سے اعتراف و اقرار کیا، اور اسی عقیدہ پر اس کا انتقال ہو گیا تو وہ ضرور جنت میں داخل کیا جائے گا، میں نے کہا اگر چہ زنا کرے اور چوری کرے؟ فرمایا اگر چہ زنا کرے اور چوری کرے، میں نے کہا اگر چہ زنا کرے اور چوری کرے؟ فرمایا اگر چہ زنا کرے اور چوری کرے، میں نے کہا اگر چہ زنا کرے اور چوری کرے؟ فرمایا اگر چہ زنا کرے اور چوری کرے، ابو ذر کی ناک کے خاک الودہ ہونے کے باوجود، ابو ذر جس وقت یہ حدیث بیان کرتے، فرماتے، اگر چہ ابو ذر کا ناک خاک الودہ ہو (بخاری رقم: ۵۸۲۷ و مسلم: رقم: ۱۵۴، ۹۴)۔

چوتھا رکن: اسکا تصدیق کرنا۔ انسؓ سے روایت ہے کہ: ان النبی ﷺ ومعاذ ردفہ علی الرحل قال یامعاذ! قال لیبک یارسول اللہ وسعدیک، قال یا معاذ قال لیبک یارسول اللہ وسعدیک، قال یامعاذ قال لیبک یارسول اللہ وسعدیک، ثلثا، قال مامن احد یشہد ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ صدقا من قلبہ الاحرمہ اللہ علی النار، قال یارسول اللہ افلا اخبرہ الناس فیستبشروا، قال اذا یتکلوا، فاخبر بها معاذ عند موتہ تأثما۔ =

مِنَ الْمَوْتِ فَأُولَىٰ لَهُمْ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَقَوْلٌ مَّعْرُوفٌ

بیہوشی (طاری) ہو رہی ہو سو ان کے لئے خرابی ہے۔ (خوب کام تو) فرمانبرداری اور پسندیدہ بات کہنا (ہے)

فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ فَلَوْ صَدَقُوا اللَّهَ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ﴿۲۱﴾

پھر جب (جہاد کی) بات پختہ ہو گئی تو اگر یہ لوگ اللہ سے سچے رہنا چاہتے تو ان کے لئے بہت اچھا ہوتا۔

= نبی ﷺ فرمایا جبکہ معاذؓ آپ کی سواری میں آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔ اے معاذ! اس نے کہا میں حاضر ہوں اے اللہ کے رسول اور حاضر ہوں خدمت میں۔ فرمایا اے معاذ! پھر کہا حاضر ہوں میں اے اللہ کے رسول اور حاضر ہوں خدمت میں۔ پھر فرمایا اے معاذ! اس نے کہا حاضر ہوں میں اللہ کے رسول اور حاضر ہوں میں خدمت میں، تین بار اسی طرح فرمایا۔ انسؓ نے کہا پھر آپ فرمایا، کوئی آدمی ایسا نہیں جو سچے دل سے اس بات کی گواہی دے، کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور تحقیق محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، مگر اس پر اللہ دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے، معاذؓ نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا میں اس خوشخبری سے لوگوں کو آگاہ کر دوں؟ تاکہ وہ اس بشارت کو سنکر خوش ہو جائیں، آپ نے فرمایا، نہیں لوگ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے، معاذؓ نے گناہ سے بچنے کی خاطر مرتے وقت اس بات کی خبر دی۔

پانچواں دکن : اس کو زبان سے پڑھنا۔ عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله ﷺ امرت ان اقاتل الناس حتى يشهدوا ان لا اله الا الله وان محمدا رسول الله، ويقوموا الصلاة، ويؤتوا الزكوة، فاذا فعلوا ذلك عصموا مني دمائهم واموالهم، الا بحق الاسلام، وحسابهم على الله.

ابن عمرؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اللہ کی جانب سے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے ساتھ لڑوں یہاں تک کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور وہ نماز پڑھیں، زکوٰۃ ادا کریں، اور پھر جب وہ ایسا کرنے لگیں، تو انہوں نے مجھ سے اپنی جان و مال کو بچالیا، مگر اسلام کے حق سے اور انکا حساب اللہ پر ہے (بخاری رقم: ۲۵، مسلم: ۲۲۳۶)۔

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ﴿٢٢﴾

(اے منافقو!) تم سے عجب نہیں کہ اگر تم حاکم ہو جاؤ تو ملک میں خرابی کرنے لگو اور اپنے رشتے ناتے توڑ ڈالو۔

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُ اللَّهُ فَاصْمَهُمْ وَأَعْمَى أَبْصَارَهُمْ ﴿٢٣﴾

یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور ان (کے کانوں) کو بہرا اور (ان کی) آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا ﴿٢٤﴾ الَّذِينَ

بھلا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔ جو لوگ

ارْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ الشَّيْطَانُ سَوَّلَ لَهُمْ

راہ ہدایت ظاہر ہونے کے بعد پیٹھ دے کر پھر گئے شیطان نے (یہ کام) ان کو مزین کر دکھایا

وَأَمَلَىٰ لَهُمْ ﴿٢٥﴾ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لِلَّذِينَ كَرِهُوا مَا نَزَّلَ اللَّهُ

اور انہیں طول (عمر کا وعدہ) دیا۔ یہ اس لئے کہ جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی (کتاب) سے بیزار ہیں

سَنُطِيعُكُمْ فِي بَعْضِ الْأُمْرِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِسْرَارَهُمْ ﴿٢٦﴾

یہ ان سے کہتے ہیں کہ بعض کاموں میں ہم تمہاری بات بھی مانیں گے اور اللہ ان کے پوشیدہ مشوروں سے واقف ہے۔

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ﴿٢٧﴾

تو اس وقت (ان کا) کیسا ہوگا جب فرشتے ان کی جان نکالیں گے اور ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اتَّبَعُوا مَا أَسْخَطَ اللَّهُ وَكَرِهُوا رِضْوَانَهُ فَاحْبَطَ أَعْمَالَهُمْ ﴿٢٨﴾

یہ اس لئے کہ جس چیز سے اللہ ناخوش ہے یہ اس کے پیچھے چلے اور اس کی خوشنودی کو اچھا نہ سمجھے تو اس نے بھی ان کے اعمال کو برباد کر دیا

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ أَنْ لَّنْ يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿٢٩﴾

کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ اللہ ان کے کینوں کو ظاہر نہیں کرے گا

وَلَوْ نَشَاءُ لَأَرَيْنَاكُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيمَاهُمْ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ

اور اگر ہم چاہتے تو وہ لوگ تم کو دکھا بھی دیتے اور تم ان کو ان کے چہروں ہی سے پہچان لیتے اور تم انہیں اندازہ کھتو ہی سے

فِي لَحْنِ الْقَوْلِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ أَعْمَالَكُمْ ﴿۱۰۰﴾ ﴿۱۰۱﴾ وَنَبَلُونَكُمْ

پہچان لو گے اور اللہ تمہارے اعمال سے واقف ہے۔ اور ہم تم لوگوں کو آزمائیں گے

حَتَّى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبَلُوا أَخْبَارَكُمْ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۳﴾

تا کہ جو تم میں لڑائی کرنے والے اور ثابت قدم رہنے والے ہیں ان کو معلوم کریں اور تمہارے حالات جانچ لیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا

جن لوگوں کو سیدھا راستہ معلوم ہو گیا (اور) پھر بھی انہوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکا اور پیغمبر کی مخالفت کی

تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحِبُّ أَعْمَالَهُمْ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۵﴾

وہ اللہ کا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکیں گے اور اللہ ان کا سب کیا کرایا اکارت کر دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ﴿۱۰۶﴾ ﴿۱۰۷﴾

مومنو! اللہ کا ارشاد مانو اور پیغمبر کی فرمانبرداری کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ ہونے دو۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ

جو لوگ کافر ہوئے اور اللہ کے رستے سے روکتے رہے پھر کافر ہی مر گئے

فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴿۱۰۸﴾ ﴿۱۰۹﴾ تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ

اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ تو تم ہمت نہ ہارو اور (دشمنوں کو) صلح کی طرف نہ بلاؤ اور تم تو غالب ہو

وَاللَّهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَتْرُكَكُمْ أَعْمَالَكُمْ ﴿۱۱۰﴾ ﴿۱۱۱﴾ لِمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهُوَ

اور اللہ تمہارے ساتھ ہے وہ ہرگز تمہارے اعمال کو کم نہیں کرے گا۔ دنیا کی زندگی تو محض کھیل اور تماشہ ہے

﴿۳۴﴾ وَإِنْ تُوْمِنُوا وَتَتَّقُوا يُؤْتِكُمْ أَجُورَكُمْ وَلَا يَسْأَلْكُمْ أَمْوَالَكُمْ

اور اگر تم ایمان لاؤ گے اور پرہیزگاری کرو گے تو وہ تم کو تمہارا اجر دے گا اور تم سے تمہارا مال طلب نہیں کرے گا۔

﴿۳۵﴾ إِنْ يَسْأَلْكُمْ مَوْهَا فَيَحْفِكُمْ تَبَخَّلُوا وَيُخْرِجْ أَضْغَانَكُمْ

اگر وہ تم سے مال طلب کرے اور تمہیں تنگ کرے تو تم بخل کرنے لگو اور وہ (بخل) تمہاری بدنیتی ظاہر کرے رہے۔

هَآنَتُمْ هَؤُلَاءِ تَدْعُونَ لِنَفْسِكُمْ فَيُؤْتِكُمْ مِنْ سَبِيلِ اللَّهِ فَمِنْكُمْ مَنْ يَبْخُلُ

دیکھو تم وہ لوگ ہو کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہو تو تم میں ایسے شخص بھی ہیں جو بخل کرنے لگتے ہیں

وَمَنْ يَبْخُلُ فَإِنَّمَا يَبْخُلُ عَنْ نَفْسِهِ وَاللَّهُ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ

اور جو بخل کرتا ہے اپنے آپ سے بخل کرتا ہے اور اللہ بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو

﴿۳۸﴾ وَإِنْ تَوَلَّوْا يَسْتَبَدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوا أَمْثَالَكُمْ

اور اگر تم منہ پھيرو گے تو وہ تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور وہ تمہاری طرح کے نہیں ہوں گے۔

سورة الفتح (مدنية)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ﴿۱﴾ لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ

(اے محمد ﷺ!) ہم نے تم کو فتح دی فتح بھی صریح اور صاف۔ تاکہ اللہ تمہارے اگلے

وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيكَ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿١٠﴾

اور پچھلے گناہ بخش دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے اور تمہیں سیدھے رستے چلائے۔ [1]

[۱] جمہور صحابہ و تابعین اور ائمہ تفسیر کے نزدیک سورہ فتح: ۶ ہجری میں اس وقت نازل ہوئی جبکہ آپ بقصد عمرہ مکہ مکرمہ مع جماعت صحابہ کے تشریف لے گئے، اور حرم مکہ کے قریب مقام حدیبیہ تک پہنچ کر قیام فرمایا، مگر قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے منع کیا، پھر اس پر صلح کرنے کے لئے تیار ہوئے کہ اس سال تو آپ واپس چلے جائیں اگلے سال عمرہ کر لیں، بہت سے صحابہ کرام خصوصاً عمر فاروق اس طرح کی صلح سے ناراض تھے مگر نبی کریم ﷺ نے باشارات ربانی اس صلح کو انجام کار مسلمانوں کے لئے ذریعہ کامیابی سمجھ کر قبول فرمایا، جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے اپنا احرام عمرہ کھول دیا اور حدیبیہ سے واپس روانہ ہوئے تو راستہ میں یہ سورت پوری نازل ہوئی، جس میں بتلادیا کہ رسول اللہ ﷺ کا خواب سچا ہے ضرور واقع ہوگا مگر اس کا یہ وقت نہیں بعد میں فتح مکہ کے وقت ہوگا، اور اس صلح حدیبیہ کو فتح مبین سے تعبیر فرمایا کیونکہ یہ صلح ہی درحقیقت فتح مکہ کا سبب بنی۔

عبداللہ بن مسعود اور بعض دوسرے صحابہ کرام نے فرمایا ہے کہ تم لوگ تو فتح مکہ کو فتح کہتے ہو اور ہم صلح حدیبیہ کو فتح سمجھتے ہیں۔ اور براء بن عازبؓ نے فرمایا کہ تم لوگ تو فتح مکہ ہی کو فتح سمجھتے ہو، اور کوئی شک نہیں کہ وہ فتح ہے، لیکن ہم تو واقعہ حدیبیہ کے وقت بیعت رضوان کو اصلی فتح سمجھتے ہیں، جس میں رسول اللہ ﷺ نے حاضرین صحابہ کرام سے جن کی تعداد چودھ سو تھی ایک درخت کے نیچے جہاد کرنے پر بیعت لی تھی، جیسا کہ اسی سورت میں اس بیعت کا ذکر بھی آگے آ رہا ہے (مخلص از ابن کثیر)۔

اور جبکہ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سورت واقعہ حدیبیہ میں نازل ہوئی ہے اور اس واقعہ کے بہت سے اجزاء کا خود اس صورت میں تذکرہ بھی ہے اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس واقعہ کو پہلے ذکر کر دیا جائے۔ تفسیر ابن کثیر میں اس کی بڑی تفصیل ہے اور اس سے زیادہ تفصیل مظہری میں اس جگہ چودہ صفحات میں یہ قصہ اول سے آخر تک مفصل اور مرتب مستند کتب حدیث کے حوالے سے بیان کیا ہے جو بہت سے معجزات اور نصائح اور علمی دینی سیاسی فوائد و حکم پر مشتمل ہے، اس میں سے یہاں اس قصہ کے صرف وہ اجزاء لکھے جاتے ہیں جن کا ذکر خود اس سورت میں کیا گیا ہے یا جن سے اس کا گہرا تعلق ہے

تاکہ آگے ان آیاتوں کی تفسیر سمجھنا اسان ہو جائے جو اس قصہ سے متعلق ہیں۔

واقعه حدیبیہ

حدیبیہ ایک مقام مکہ مکرمہ سے باہر حد و حرم کے بالکل قریب ہے جس کو آج کل شمیمہ کہا جاتا ہے۔ یہ واقعہ اس مقام پر پیش آیا ہے۔ اس واقعہ کا ایک جزیرہ روایت عبد بن حمید وابن جریر، بیہقی وغیرہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ طیبہ میں یہ خواب دیکھا کہ آپ مکہ مکرمہ میں مع صحابہ کرام کے امن اور اطمینان کے ساتھ داخل ہوئے اور احرام سے فارغ ہو کر کچھ لوگوں نے حسب قاعدہ سر کا حلق کرایا۔ بعض نے بال کٹوائے اور یہ کہ آپ بیت اللہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کی چابی آپ کے ہاتھ آئی، یہ اس واقعہ کا ایک جزو ہے جس کا ذکر اسی سورت میں آنے والا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا خواب وحی ہوتا ہے اس لئے اس سورت کا واقع ہونا یقینی ہو گیا مگر خواب میں اس واقعہ کے لئے کوئی سال یا مہینہ متعین نہیں کیا گیا، اور درحقیقت یہ خواب فتح مکہ کے وقت پورا ہونے والا تھا، مگر جب رسول اللہ نے صحابہ کرام کو خواب سنایا تو وہ سب کے سب مکہ مکرمہ جانے اور بیت اللہ کا طواف کرنے وغیرہ کے ایسے مشتاق تھے کہ انہوں نے فوراً ہی تیاری شروع کر دی، اور جب صحابہ کرام کا ایک مجمع تیار ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے بھی ارادہ فرمایا کیونکہ خواب میں کوئی خاص سال یا مہینہ متعین نہیں تھا، تو احتمال یہ بھی یہ مقصد حاصل ہو جائے۔

ابن سعد وغیرہ کی روایت ہے کہ جب نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تو آپ کو یہ خطرہ سامنے تھا کہ قریش مکہ ممکن ہے کہ ہمیں عمرہ کرنے سے روکیں اور ممکن ہے کہ مدافعت کے لئے جنگ کی صورت پیش آجائے اس لئے آپ نے مدینہ طیبہ کی قریبی دیہات میں اعلان کر کے ان لوگوں کو ساتھ چلنے کی دعوت دی ان میں سے بہت سے اعراب (دیہات) نے ساتھ چلنے سے عذر کر دیا اور کہنے لگے کہ محمد ﷺ اور ان کے اصحاب ہمیں قریش مکہ سے لڑوانا چاہتے ہیں، جو ساز و سامان والے اور طاقتور ہیں، ان کا انجام تو یہ ہونا ہے کہ یہ اس سفر سے زندہ واپس نہ لوٹیں گے۔ (منظہری)۔

امام احمد و بخاری، ابودود و نسائی وغیرہ کی روایت کہ مطابق روایت سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے غسل فرمایا اور نیا لباس زیب تن فرمایا اور اپنی ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے، ام المؤمنین سلمہؓ کو ساتھ لیا اور آپ کے ساتھ مہاجرین و انصار اور دیہات کے آنے والوں کا بڑا مجمع تھا جن کی تعداد اکثر روایات میں چودہ سو بیان کی گئی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے خواب کی وجہ سے ان میں کسی کو شک نہیں تھا کہ مکہ اسبوقت فتح ہو جائے گا، حالانکہ مجرتلو اوروں کے ان کے ساتھ اور کچھ اسلحہ نہ تھے۔ آپ مع اصحاب کرام کے شروع ماہ ذیقعد میں پیر کے دن روانہ ہوئے اور ذوالحلیفہ میں پہنچ کر احرام

باندھا (کتاب الحج)۔

دوسری طرف جب اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کے ایک بڑی جماعت صحابہ کے ساتھ مکہ کے لئے روانہ ہونے کی خبر ملی تو جمع ہو کر باہم مشورہ کیا کہ محمد ﷺ اپنے اصحاب کے ساتھ عمرہ کے لئے آرہے ہیں، اگر ہم نے ان کو مکہ میں آنے دیا تو تمام عرب میں یہ شہرت ہو جائے گی کہ وہ ہم پر غلبہ پا کر مکہ پہنچ گئے، حالانکہ ہمارے اور ان کے درمیان کئی جنگیں ہو چکی ہیں، سب نے عہد کیا کہ ہم ایسا ہرگز نہیں ہونے دیں گے، اور آپ کو روکنے کے لئے خالد بن ولید (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی سرکردگی میں ایک جماعت کو مکہ سے باہر مقام کراع الثمم پر بھیج دیا اور اس پاس کے دیہات والوں کو بھی ساتھ ملا لیا، اور طائف کا قبیلہ بنو ثقیف بھی ان کے ساتھ لگ گیا۔ انہوں نے مقام بلدح پر اپنا پڑاؤ ڈال لیا۔ ان سب نے آپس میں رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں داخل ہونے سے روکنے اور آپ کے مقابلے میں جنگ کرنے کا عہد کر لیا۔ ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے حالات سے باخبر رہنے کے لئے یہ انتظام کیا کہ مقام بلدح سے لیکر اس مقام تک جہاں نبی کریم ﷺ پہنچ چکے تھے پہاڑوں کی چوٹیوں پر کچھ آدمی بٹھادیے تاکہ آپ کے پورے حالات دیکھ کر آپ کے متصل پہاڑ والا باواز بلند دوسرے پہاڑ والے تک وہ تیسرے تک وہ چوتھے تک پہنچا دے اس طرح چند منٹوں میں آپ کی نقل و حرکت کا بلدح والوں کو علم ہو جاتا تھا۔

نبی کریم ﷺ نے بشر بن سفیان کو آگے مکہ مکرمہ بھیج دیا تھا کہ وہ خفیہ اہل مکہ کے حالات جا کر دیکھیں اور آپ کو اطلاع کریں وہ مکہ سے واپس آئے تو اہل مکہ کی ان جنگی تیاریوں اور مکمل مزاحمت کے واقعات کی خبر دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افسوس ہے قریش پر کہ متعدد جنگوں نے ان کو کھالیا ہے پھر بھی وہ جنگ سے باز نہیں آتے، ان کے لئے تو اچھا موقع تھا کہ وہ مجھے اور دوسرے اہل عرب کو ازاد چھوڑ دیتے اگر یہ عرب لوگ مجھ پر غالب آجاتے تو ان کی مراد گھر بیٹھے حاصل تھی، اور میں ان پر غالب آجاتا تو پھر وہ بھی اسلام میں داخل ہو جاتے اور اگر یہ نہ کرتے اور جنگ ہی کرنے کا ارادہ ہوتا تو وہ تازہ اور قوی ہوتے اور پھر وہ میرے مقابلے پر آجاتے معلوم نہیں کہ یہ قریش کیا سمجھ رہے ہیں قسم ہے اللہ کی کہ میں اس حکم پر جو اللہ نے مجھے دیکر بھیجا ہے ہمیشہ ان کے خلاف جہاد کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ تنہا میری گردن رہ جائے۔

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کو جمع کر کے خطبہ دیا اور مشورہ لیا کہ اب ہمیں یہی سے ان عربوں کے خلاف جہاد شروع کر دینا چاہئے یا ہم بیت اللہ کی طرف بڑھیں۔ پھر جو ہمیں روکے اس سے قتال کریں، ابو بکر صدیق

اور دوسرے صحابہ نے مشورہ دیا کہ آپ بیت اللہ کی قصد سے نکلے ہیں کسی سے جنگ کے لئے نہیں نکلے اس لئے آپ اپنے قصد پر رہیں ہاں اگر کوئی ہمیں مکہ سے روکے گا تو ہم اس سے قتال کریں گے، اس کے بعد مقداد بن اسود اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں کہ آپ سے یہ کہہ دیں ”اذهب انت و ربک فقاتلا“ (مائدہ: ۲۴) یعنی جائے آپ اور آپ کا رب لڑ بھڑ لیجئے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ قتال کریں گے رسول اللہ ﷺ نے یہ نکل فرمایا بس اب اللہ کے نام پر مکہ مکرمہ کی طرف چلو، (بخاری فی المغازی) جب آپ مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے اور خالد بن ولید اور ان کے ساتھیوں نے آپ کو مکہ کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو اپنے لشکر کی صفوں کی طرف مستحکم کر کے کھڑا کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے عباد بن بشر کو ایک دستہ فوج کا امیر بنا کر آگے کیا۔ انہوں نے خالد بن ولید کے لشکر کے بالمقابل صفوف بنائیں۔ اسی حالت میں نماز ظہر کا وقت آ گیا بلالؓ نے آذان کہی اور رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ کرام کو نماز پڑھائی۔ خالد بن ولید اور ان کے سپاہی دیکھتے رہے۔ بعد میں خالد بن ولید نے کہا کہ ہم نے بڑا اچھا موقع ضائع کر دیا، جب یہ لوگ سب نماز میں تھے اس وقت ہم ان پر ٹوٹ پڑتے، مگر کچھ بات نہیں اب ان کی دوسری نماز کا وقت آنے والا ہے اس کا انتظار کرو، مگر جبرئیل علیہ السلام صلوة خوف کے احکام لیکر نازل ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ کو ان کے ارادوں سے باخبر کر کے نماز کے وقت لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا طریقہ بتلادیا اور ان کے شر سے محفوظ رہے۔

مگر جب رسول اللہ ﷺ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو آپ کی اونٹنی کا ہاتھ پھسل گیا، وہ بیٹھ گئی، صحابہ کرام نے اٹھانا چاہا تو نہ اٹھی، لوگوں نے کہا کہ قصویٰ بگڑ گئی، آپ نے فرمایا کہ قصویٰ کا قصور نہیں نہ اس کی ایسی عادت ہے بلکہ اس کو تو اس ذات نے روک دیا ہے جس نے اصحاب فیل کو روک دیا تھا۔ (حالاً اس وقت رسول اللہ ﷺ کو یہ اندازہ ہو گیا کہ جو واقعہ خواب میں دکھلایا گیا ہے اس کا یہ وقت نہیں ہے) آپ نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں محمد کی جان ہے آج کے دن قریش مجھ سے جو بات بھی ایسی کہیں گے جس میں شعائر الہیہ کی تعظیم ہو تو میں اس کو ضرور مان لوں گا۔ پھر آپ نے اونٹنی پر ایک آواز لگائی تو اٹھ گئی، رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کی جانب سے ہٹ کر حدیبیہ کی دوسری جانب قیام فرمایا جہاں پانی بہت ہی کم تھا۔ پانی کے مواقع پر خالد بن ولید اور بلدح والے قابض ہو چکے تھے۔ یہاں رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ ایک کنواں جس میں پانی کچھ کچھ رستا تھا، اس میں آپ نے کلی کر دی اور اپنا ایک تیر دیا کہ اس کے اندر گاڑ دو، یہ عمل ہوتے ہی اس کا پانی جوش مار کر کنویں کی من کے قریب پہنچ گیا کنویں کے اوپر والوں نے اپنے برتنوں

سے پانی نکالا اور سیراب ہو گئے۔ اس طرح سب صحابہ مطمئن ہو کر یہاں مقیم ہوئے اور اہل مکہ سے بواسطہ وفود بات چیت شروع ہوئی۔

امام بیہقیؒ نے عروہ سے روایت کی ہے کہ جب رسول کریم ﷺ نے حدیبیہ میں پہنچ کر قیام فرمایا تو قریش گھبرا گئے تو نبی کریم ﷺ نے ارادہ کیا کہ ان کے پاس اپنا کوئی آدمی بھیج کر بتلا دیں کہ ہم جنگ کرنے نہیں عمرہ کرنے آئے ہیں، ہمارا راستہ نہ روکو۔ اس کام کے لئے عمر کو بھلایا انہوں نے عرض کیا کہ یہ قریش میرے سخت دشمن ہیں۔ کیونکہ ان کو میری عداوت و شدت کا حال معلوم ہے اور میرے قبیلہ کا کوئی آدمی ایسا مکہ میں نہیں جو میری حمایت کرے اس لئے میں آپ کے سامنے ایسے شخص کا نام پیش کرتا ہوں جو مکہ میں اپنے قبیلہ وغیرہ کی وجہ سے خاص توت و عزت رکھتے ہیں، یعنی عثمان بن عفانؓ، آپ نے عثمانؓ کو اس کام کیلئے مامور فرما کر بھیج دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ جو ضعفاء مسلمین مرد اور عورتیں مکہ مکرمہ سے ہجرت نہیں کر سکے اور مشکلات میں پھنسے ہوئے ہیں ان کے پاس جا کر تسلی کر دیں کہ پریشان نہ ہوں انشاء اللہ مکہ مکرمہ فتح ہو کر تمہاری مشکلات کے ختم ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

عثمان غنی پہلے ان لوگوں کے پاس پہنچے جو مقام بلدح میں نبی کریم ﷺ کا راستہ روکنے اور مقابلہ کے لئے جمع ہوئے تھے ان سے جا کر رسول ﷺ کی وہی بات سنادی جو آپ نے بدیل اور عروہ ابن مسعود وغیرہ کے سامنے کہی تھی ان لوگوں نے کہا کہ ہم نے پیغام سن لیا آپ جا کر اپنے بزرگ سے کہہ دو کہ یہ بات ہرگز نہیں ہوگی، ان لوگوں کا جواب سن کر آپ مکہ مکرمہ کے اندر جانے لگے، تو ابان بن سعید (جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے) ان سے ملاقات ہوئی انہوں نے عثمان کا گرمجوشی سے استقبال کیا اور اپنی پناہ میں لیکر ان سے کہا کہ مکہ میں اپنا پیغام لیکر جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، اس میں آپ کوئی فکر نہ کریں پھر اپنے گھوڑے پر عثمان کو سوار کر کے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے کیونکہ ان کا قبیلہ بنو سعد مکہ مکرمہ میں بہت قوی اور عزت دار تھا۔ یہاں تک کہ عثمان مکہ مکرمہ میں قریش کے ایک ایک سردار کے پاس پہنچے اور نبی کریم ﷺ کا پیغام پہنچایا کہ ہم کسی سے لڑنے کے لئے نہیں آئے عمرہ کر کے واپس جائیں گے، ہاں کوئی ہمارا راستہ روکے گا تو لڑیں گے، اور قریش خود جنگوں سے نیم جان ہو چکے ہیں ان کے لئے مناسب یہ ہے کہ ہمیں اور دوسرے اہل عرب کو چھوڑ دیں قریش ہمارے مقابلہ پر نہ آئیں پھر دیکھیں اگر عرب ہم پر غالب آگئے تو ان کی مراد پوری ہو جائیگی اور ہم غالب آئے تو انہیں پھر بھی اختیار باقی ہوگا۔ اس وقت قتال کر سکتے ہیں اور اس عرصہ میں ان کو اپنی طاقت بڑھانے اور محفوظ رکھنے کا موقع بھی مل جائے گا مگر ان سب نے آپ کی بات کو رد کر دیا۔ پھر عثمانؓ ضعفاء مسلمین سے ملے ان کو رسول اللہ ﷺ کا پیغام پہنچایا وہ بہت

خوش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو سلام بھیجا۔ جب عثمان رسول اللہ کے پیغامات پہنچانے سے فارغ ہوئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا کہ اگر آپ چاہے تو طواف کر سکتے ہیں، عثمان نے کہا کہ میں اس وقت تک طواف نہیں کروں گا جب تک رسول اللہ ﷺ طواف نہ کریں، عثمان غنی مکہ میں تین رات رہے اور رؤساء قریش کو رسول اللہ کی بات ماننے کی طرف دعوت دیتے رہے۔

اسی عرصہ میں قریش نے اپنے پچاس آدمی اس کام پر لگائے کہ وہ نبی کریم ﷺ کے قریب پہنچ کر موقع کا انتظار کریں اور موقع ملنے پر (نعوذ باللہ) آپ کا قصہ ختم کر دیں۔ یہ لوگ اسی تاک میں تھے کہ نبی کریم ﷺ کی حفاظت و گمرانی پر مامور محمد بن مسلمہ نے ان سب کو گرفتار کر لیا اور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں قید کر کے حاضر کر دیا، دوسری طرف عثمان جو مکہ میں تھے اور ان کے ساتھ تقریباً دس مسلمان اور مکہ میں پہنچ گئے تھے، قریش نے جب اپنے پچاس آدمیوں کی گرفتاری کا حال سنا تو عثمان سمیت ان سب مسلمانوں کو روک لیا اور قریش کی ایک جماعت مسلمانوں کے لشکر کی طرف نکلی اور مسلمانوں کی جماعت پر تیر اور پنجم پھینکے، اس میں مسلمانوں میں سے ایک صحابی ابن زینم شہید ہو گئے اور مسلمانوں نے ان قریشیوں کے دس سواروں کو گرفتار کر لیا، اور رسول اللہ ﷺ کو کسی نے یہ خبر پہنچائی کہ عثمان قتل کر دیے گئے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سن کر مسلمانوں کو ایک درخت کے نیچے جمع کیا کہ سب جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر جہاد کے لئے بیعت کریں، سب صحابہ کرام نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی جس کا ذکر آگے اس صورت میں آنے والا ہے احادیث صحیحہ میں ان لوگوں کی بڑی فضیلت آئی ہے جو اس بیعت میں شریک تھے، اور عثمان غنی چونکہ آپ کے حکم سے مکہ گئے ہوئے تھے اس لئے ان کی طرف سے رسول اللہ ﷺ نے خود اپنے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مار کر فرمایا کہ یہ عثمان کی بیعت ہے یہ خصوصی فضیلت عثمان کی تھی کہ آپ نے اپنے ہی ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیکر ان کی طرف سے بیعت کر لی۔

دوسری طرف اہل مکہ پر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب مسلط کر دیا اور خود مصالحت پر آمادہ ہو کر انہوں نے اپنے تین آدمی سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ اور مرکز بن حفص کو عذر معذرت کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، ان میں سے پہلے دو بعد میں مسلمان بھی ہو گئے۔ سہیل بن عمرو نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ تک جو خیر پہنچی ہے کہ عثمان غنی اور ان کے ساتھی قتل کر دیے یہ بالکل غلط ہے ہم ان کو آپ کے پاس بھیجتے ہیں، ہماری قیدیوں کو آزاد کر دیجئے، رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔

مسند احمد اور مسلم میں انس کی روایت ہے کہ اس سورت میں جو آگے آیت انبوالی ہے ”هو الذی کف ایديهم عنکم“ یہ اسی واقعہ سے متعلق ہے، اب سہیل اور ان کے ساتھیوں نے جا کر بیعت رضوان میں صحابہ کرام کی مسارعت

اور جاں نثاری کے عجیب و غریب منظر کا حال قریش کے سامنے بیان کیا، تو قریش کے اصحاب رائے لوگوں نے آپس میں کہا کہ اس سے بہتر کوئی بات نہیں ہے کہ ہم محمد ﷺ سے اس بات پر صلح کر لیں کہ وہ اس سال تو واپس چلے جائیں تاکہ پورے عرب میں یہ شہرت نہ ہو جائے کہ ہم نے ان کو روکنا چاہا وہ زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے، اور اگلے سال عمرہ کے لئے آجائیں اور تین روز مکہ میں قیام کریں، اس وقت اپنے جانور قربانی کے ذبح کر ڈالیں اور احرام کھولیں چنانچہ یہی سہیل بن عمرو یہ پیغام لیکر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کو دیکھتے ہی فرمایا کہ اب معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے صلح کا ارادہ کر لیا ہے کہ سہیل کو پھر بھیجا ہے، رسول اللہ ﷺ چہار روز بیٹھ گئے اور صحابہ کرام میں سے عباد بن بشر اور سلمہ ہتھیاروں سے مسلح نبی کریم ﷺ کے پاس حفاظت کے لئے کھڑے ہو گئے۔ سہیل حاضر ہوئے تو ادب کے ساتھ رسول پاک ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے، اور قریش کا پیغام آپ کو پہنچایا۔ صحابہ کرام عموماً اس پر راضی نہ تھے کہ اس وقت اپنے احرام بغیر عمرہ کئے کھولیں، انہوں نے سہیل سے سخت گفتگو کی، اوازیں کبھی بلند ہو گئیں کبھی پست ہوئیں، عباد بن بشر نے سہیل کو ڈانٹا کہ رسول پاک کے سامنے اوازیں بلند نہ کر، طویل گفتگو کے بعد آپ اس شرط کو قبول کر کے صلح کر لینے پر راضی ہو گئے، سہیل نے کہا کہ لائے ہم اپنے اور آپ کے درمیان صلح نامہ لکھ لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے علیؑ کو بلا یا اور فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمن الرحیم، سہیل نے یہیں سے بحث شروع کر دی، اور کہا کہ لفظ حمن اور رحیم ہمارے محاورات میں نہیں ہے، آپ یہاں وہی لفظ لکھیں جو پہلے لکھا کرتے تھے یعنی باسمک اللہم آپ نے اس کو بھی مان لیا اور علیؑ سے فرمایا کہ ایسا ہی لکھ دو۔ اس کے بعد آپ نے علیؑ کو فرمایا کہ یہ لکھو کہ یہ وہ عہد نامہ ہے جس کا فیصلہ محمد رسول اللہ نے کیا ہے، سہیل نے اس پر بھی ضد کی کہ اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول مانتے تو آپ کو ہرگز بیت اللہ سے نہ روکتے (صلح نامہ میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہونا چاہئے جو کسی فریق کے عقیدہ کیخلاف ہو) آپ صرف محمد بن عبد اللہ لکھوائیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کو بھی منظور فرما کر علیؑ سے فرمایا کہ جو لکھا ہے اس کو مٹا کر محمد بن عبد اللہ لکھ دو۔ علیؑ نے باوجود رپا اطاعت ہونے کے عرض کیا میں تو یہ نہیں کر سکتا کہ آپ کے نام کو مٹا دوں۔

حاضرین میں سے اسید بن خضیم اور سعد بن عبادہ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ لیا کہ اس کو نہ مٹائیں، اور بجز محمد رسول اللہ کے اور کچھ نہ لکھیں، اگر یہ لوگ نہیں مانتے تو ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی، اور کچھ اوازیں ہر طرف سے بلند ہونے لگیں تو رسول اللہ ﷺ نے صلح نامہ کا کاغذ خود اپنے دست مبارک میں لے لیا اور باوجود اس کے کہ آپ امی تھے پہلے کبھی لکھا نہیں تھا مگر اس وقت خود اپنے قلم سے آپ نے یہ لکھ دیا ہذا ما قاضی محمد بن عبد اللہ وسہیل بن

عمرو، اصلحاعلی وضع الحرب عن الناس عشرين، یامن فيه الناس وبكف بعضهم عن بعض - یعنی یہ وہ فیصلہ ہے جو محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے دس سال کے لئے باہم جنگ نہ کرنے کا کیا ہے جس میں سب لوگ مامون رہیں ایک دوسرے پر چڑھائی اور جنگ سے پرہیز کریں۔ پھر رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ ہماری ایک شرط یہ ہے کہ اس وقت ہمیں طواف کرنے سے نہ روکا جائے، سہیل نے کہا کہ باللہ یہ نہیں ہو سکتا، آپ نے اس کو بھی قبول فرمایا، اس کے بعد سہیل نے اپنی ایک شرط یہ لکھی کہ جو شخص مکہ والوں میں سے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر آپ کے پاس جائے گا اس کو آپ واپس کر دیں گے، اگر چہ وہ آپ ہی کے دین پر ہو، اس پر عام مسلمانوں کی اواز اٹھی سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائی کو مشرکین کی طرف لوٹا دیں، مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کو بھی قبول فرمایا اور یہ فرمایا کہ ہم میں سے کوئی آدمی اگر ان کے پاس گیا تو اس کو اللہ ہی نے ہم سے دور کر دیا، اس کی ہم کیوں فکر کریں، اور ان میں کوئی آدمی ہمارے پاس آیا اور ہم نے لوٹا بھی دیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے راستہ سہولت کا نکال دیں گے۔

براء نے اس صلح نامہ کا خلاصہ تین شرطیں بیان کیا ہے، ایک یہ کہ ان کا کوئی آدمی ہمارے پاس آجائے گا تو ہم اس کو واپس کر دیں گے، دوسرے یہ کہ ہمارا کوئی آدمی ان کے پاس چلا جائے گا تو وہ واپس نہ کریں گے، تیسرے یہ کہ اب آئندہ سال عمرہ کے لئے آئیں گے اور تین روز مکہ میں قیام کریں گے اور زیادہ ہتھیار لے کر نہیں آئیں گے اور آخر میں لکھا گیا کہ یہ عہد نامہ اہل مکہ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان ایک محفوظ دستاویز ہے جس کی کوئی خلاف ورزی نہ کریگا اور باقی سب عرب آزاد ہیں جس کا جی چاہے محمد ﷺ کے عہد میں داخل ہو جائے اور جس کا جی چاہے قریش کے عہد میں داخل ہو جائے، یہ سن کر قبیلہ خزاعہ اچھل پڑا اور کہا کہ ہم محمد ﷺ کے عقد میں داخل ہیں اور بنو بکر نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہم قریش کے عقد و عہد میں داخل ہیں۔

جب یہ شرائط صلح طے ہو گئیں تو عمر بن الخطابؓ سے یہ نہ رہا گیا اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا، یا رسول اللہ کیا آپ اللہ کے نبی برحق نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، پھر عمرؓ نے کہا کہ کیا ہم حق پر اور وہ لوگ باطل پر نہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، پھر عمرؓ نے عرض کیا کہ ہمارے مقتولیں جنت اور ان کے مقتولیں جہنم میں نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں، اس پر عمرؓ نے عرض کیا تو پھر ہم کیوں اس ذلت کو قبول کریں کہ بغیر عمرہ کئے واپس چلے جائیں جب تک جنگ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کوئی فیصلہ نہ کر دیں، نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں، ہرگز اسکے حکم کے خلاف نہیں کروں گا اور اللہ تعالیٰ مجھے ضائع نہ فرمایگا، وہ میرا مددگار ہے۔ عمرؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے ہم سے یہ

نہیں فرمایا کہ ہم بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے؟ آپ نے فرمایا بے شک یہ کہا تھا مگر کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ کام اسی سال ہوگا تو عمرؓ نے کہا کہ یہ تو آپ نے نہیں فرمایا، تو آپ نے فرمایا کہ بس یہ واقعہ جیسا کہ میں نے کہا تھا ہو کر رہے گا، کہ آپ بیت اللہ کے پاس جائیں گے اور طواف کریں گے۔ عمر بن الخطابؓ خاموش ہو گئے مگر غم و غصہ نہیں گیا، آپ کے پاس سے ابو بکرؓ کے پاس گئے اور اسی گفتگو کا اعادہ کیا جو نبی ﷺ کے سامنے کی تھی، ابو بکرؓ نے فرمایا اللہ کے بندے محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کریں گے اور اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے اس لئے تم مرتے دم تک آپ کی رکاب تھامے رہو، اللہ کی قسم وہ حق پر ہیں، غرض عمرؓ کو ان شرائط صلح سے سخت رنج و غم پہنچا، خود انہوں نے فرمایا کہ واللہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا مجھے کبھی شک پیش نہیں آیا بجز اس واقعہ کے (بخاری)۔

ابھی ابھی یہ شرائط صلح طے ہوئی تھیں، اور صحابہ کرامؓ کی ناگواری اس پر ہو رہی تھی کہ اچانک اسی سہیل بن عمرو کا جو صلح نامہ کا فریق منجانب قریش تھا بیٹا ابو جندل جو مسلمان ہو چکا تھا اور باپ نے اس کو قید کر رکھا تھا اور سخت ایذا میں اس کو دیتا تھا، وہ کسی طرح بھاگ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گیا اور آپ سے پناہ مانگی، کچھ مسلمان بڑھے اور اس کو اپنی پناہ میں لے لیا، مگر سہیل چلا اٹھا کہ یہ پہلی عہد نامہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اگر اس کو واپس نہ کیا گیا تو میں صلح کی کسی شرط کو نہ مانوں گا۔ رسول اللہ ﷺ عہد کر کے پابند ہو چکے تھے اس لئے ابو جندلؓ کو آواز دیکر فرمایا کہ اے ابو جندل! تم چند روز اور صبر کرو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اورضعفاء مسلمین کے لئے جو مکہ میں محبوس ہیں جلد رہائی اور فراخی کا انتظام کرنے والا ہے، مسلمانوں کے دلوں پر ابو جندلؓ کے اس واقعہ نے اور زیادہ نمک پاشی کی، وہ تو یقین کر کے آئے تھے کہ اسی وقت مکہ فتح ہوگا اور یہاں یہ حالات دیکھے تو ان کے رنج و غم کی انتہا نہ رہی قریب تھا کہ وہ ہلاکت میں پڑ جاتے، مگر معاہدہ صلح مکمل ہو چکا تھا اس صلح نامہ پر مسلمانوں کی طرف سے ابو بکرؓ، عمرؓ، عبدالرحمن بن عوفؓ، اور عبداللہ بن سہیل بن عمرؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، محمد بن مسلمہ اور علی بن ابی طالب وغیرہ رضی اللہ عنہم کے دستخط ہوئے، اسی طرح مشرکین کی طرف سے سہیل کے ساتھ چند دوسرے لوگوں کے دستخط بھی ہو گئے۔

جب صلح نامہ کی کتابت سے فراغت ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب لوگ اپنی قربانی کے جانور جو ساتھ ہیں ان کی قربانی کر دیں، اور سر کے بال منڈوا کر احرام کھول دیں، صحابہ کرامؓ کی مسلسل رنج و غم کی وجہ سے یہ حالت ہو گئی تھی کہ آپ کے فرمانے کے باوجود کوئی اس کام کے لئے نہیں اٹھا جس سے رسول اللہ ﷺ مغموم ہوئے، اور ام المؤمنین ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے اس رنج کا ذکر کیا، ام المؤمنین نے بہت مناسب اور اچھا مشورہ دیا کہ آپ صحابہ کرامؓ کو

اس پر کچھ نہ کہیں، ان کو اس وقت سخت صدمہ اور رنج شراکط صلح اور بغیر عمرہ کے واپسی کی وجہ سے پہنچا ہوا ہے، آپ سب کے سامنے جام کو بلا کر خود اپنا حلق کر کے احرام کھول دیں اور اپنی قربانی کر دیں۔ آپ نے مشورہ کی مطابقت ایسا ہی کیا، صحابہ کرام نے جب یہ دیکھا تو سب کھڑے ہو گئے ایک دوسرے کا حلق کرنے لگے اور قربانی کے جانوروں کی قربانی کرنے لگے، آپ نے سب کیلئے دعا فرمائی۔

[۲] ”لیغفر لک اللہ ماتقدم من ذنبک وماتأخر“ اس میں لیغفر کا ”لام“ اگر تعلیل یعنی بیان علت کے لئے لیا جائے تو حاصل اس کا یہ ہے کہ یہ فتح مبین آپ کو اس لئے دی گئی ہے تاکہ آپ کو یہ تین کمالات حاصل ہو جائیں جن کا اس آیت میں ذکر ہے، ان میں پہلی چیز تمام اگلی پچھلی لغزشوں اور خطاؤں کی معافی ہے، سورہ محمد میں پہلے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں ان کی طرف قرآن میں جہاں کہیں ذنب یا عصیان وغیرہ کے الفاظ منسوب کئے گئے وہ ان کے مقام عالی کی مناسبت سے ایسے کاموں کے لئے استعمال کئے گئے جو خلاف اولیٰ تھے مگر نبوت کے مقام بلند کے اعتبار سے غیر افضل پر عمل کرنا بھی ایسی لغزش ہے جس کو قرآن نے بطور تہدید کے ذنب و گناہ سے تعبیر کیا ہے اور ماتقدم سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو نبوت سے پہلے ہوئیں اور ماتأخر سے مراد وہ لغزشیں جو رسالت و نبوت کے بعد صادر ہوئیں (مظہری)۔

اور فتح مبین کا اس مغفرت کے لئے سبب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ فتح مبین سے بہت لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوں گے اور اسلام کی دعوت کا عام ہو جانا آپ کی زندگی کا مقصد عظیم اور آپ کے اجر و ثواب کو بہت بڑھانے والا ہے۔

”ویہدیک صراطا مستقیماً“ یہ دوسری نعمت ہے جو اس فتح مبین پر مرتب ہوئی، یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ صراط مستقیم پر تو آپ اول ہی سے ہیں اور نہ صرف خود صراط مستقیم پر ہیں بلکہ دنیا کو اسی صراط مستقیم کی دعوت دینا آپ کا رات دن کا مشغلہ ہے تو ہجرت کے چھٹے سال فتح مبین کے ذریعہ صراط مستقیم کی ہدایت کے کیا معنی ہیں؟ اس کا جواب سورہ فاتحہ کی تفسیر لفظ ہدایت کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ ہدایت ایک ایسا مفہوم عام ہے کہ جس کے درجات غیر متناہی ہیں وجہ یہ ہے کہ ہدایت کے معنی منزل مقصود کا راستہ دکھلانا یا اس پر پہنچانا ہے اور اصل منزل مقصود ہر انسان کی حق تعالیٰ کی رضا اور قرب حاصل کرنا ہے اور اس رضا و قرب کے متفاوت درجات بے شمار ہیں، ایک درجہ حاصل ہونے کے بعد دوسرے اور تیسرے درجہ کی ضرورت باقی رہتی ہے جس سے کوئی بڑے سے بڑا ولی بلکہ نبی و رسول بھی بے نیاز نہیں ہو سکتا،

اسی لئے اهدنا الصراط المستقیم کی دعا نماز کی ہر حرکت میں کرنے کی تعلیم جیسے امت کو ہے خود رسول اللہ ﷺ کو بھی ہے جس کا حاصل صراط مستقیم کی ہدایت یعنی اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کے درجات میں ترقی حاصل کرنا ہے اس فتح مبین پر اللہ تعالیٰ نے اسی قرب و رضا کا کوئی بہت اعلیٰ مقام آپ کو عطا فرمایا جس کو وہدیک کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے،

”وینصرک اللہ نصرًا عزیزًا“ یہ تیسری نعمت ہے جو اس فتح مبین پر مرتب ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی امداد و اعانت جو آپ کو ہمیشہ حاصل رہی ہے اس وقت اس مدد کا ایک بڑا درجہ آپ کو دیا گیا۔

علامہ سبکی نے اس آیت کی تفسیر میں یہ کہا ہے کہ ہر چند کہ نبی ﷺ نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے شرف اور مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لئے یہ فرمایا: ”ہم نے آپ کے اگلے اور پچھلے ذنب بخش دیے“ کیونکہ باشاہوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ اپنے خواص اور مقربین کو نوازنے کے لئے کہتے ہیں کہ ہم نے تمہارے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیے اور تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، حالانکہ بادشاہ کو علم ہوتا ہے کہ اس شخص نے کوئی گناہ نہیں کیا، نہ آئندہ کرے گا لیکن اس کلام سے اس شخص کی تعظیم اور تشریف کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔ سل الہدی: ۳/۱۴۰۔

بعض محققین نے یہ کہا ہے کہ: (لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ) کا معنی ہے لیعصمک اللہ فی ماتقدم من عمرک و فی ماتاخر منه یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو آپکی اگلی اور پچھلی زندگی میں گناہوں سے بچائے رکھے گا، اور آپ کو عصمت پر قائم رکھے گا، اس آیت میں مغفرت، عصمت سے کنایہ ہے اور قرآن مجید میں بعض مقامات پر مغفرت سے عصمت کا کنایہ کیا گیا ہے۔

شیخ عز الدین بن عبدالسلام نے اپنی کتاب ”نہایۃ السؤل فی ما سئح من تفضیل الرسول“ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی ہے، پھر انہوں نے فضیلت کی وہ وجوہات ذکر کی ہیں، اور ان فضیلت کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اگلے اور پچھلے تمام ذنوب (یعنی بظاہر خلاف اولیٰ کاموں کو) بخش دیا ہے، اور یہ بیان کیا ہے کہ انبیاء سابقین میں سے اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی مغفرت کی خبر نہیں دی، یہی وجہ ہے کہ قیامت کے دن جب دیگر انبیاء علیہم السلام سے شفاعت طلب کی جائے گی تو سب ”نفسی نفسی“ کہیں گے، اور ہیبت الہی سے شفاعت نہیں کریں گے، اور جب رسول ﷺ سے لوگ شفاعت طلب کریں گے تو آپ فرمائیں گے یہ میرا کام ہے، اور اس کا بیان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آپ کے لئے فتح مبین کو ثابت کیا، پھر مغفرت ذنوب کا ذکر کیا، پھر اپنی نعمت پوری کرنے اور صراط مستقیم کی ہدایت پر ثابت رکھنے اور نصر عزیز کا ذکر کیا، جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ

اس آیت سے مقصود گناہوں کا ثابت کرنا نہیں بلکہ گناہوں کی نفی کرنا ہے۔

ابن عطاءؒ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں نبی ﷺ کے لئے متعدد نعمتوں کو جمع کر دیا ہے، فتح سین عطاء فرمائی، جو اجابت کی علامت ہے، مغفرت عطاء فرمائی، جو محبت کی علامت ہے، اتمام نعمت سے سرفراز کیا، جو آپ کی انحصار کی نشانی ہے، اور ہدایت عطا فرمائی جو ولایت کی علامت ہے، پس مغفرت سے مراد تمام عیوب اور نقائص سے آپ کی تزیہہ ہے، اور اتمام نعمت سے مراد آپ کو درجہ کاملہ پر پہنچانا ہے اور ہدایت سے مراد آپ کو مشاہدہ ذات وصفات کے اس مرتبہ پر پہنچانا ہے، جس سے بڑھ کر کوئی مرتبہ نہیں ہے۔ (از مدارج النبوة: ۲۱۱، ۷۳)

حافظ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:- یہ آیات نبی کریم ﷺ کے ان خصائص میں ہے جن میں کوئی اور آپ کا شریک نہیں ہے، آپ کے علاوہ اور کسی شخص کے لئے کسی حدیث صحیح میں یہ نہیں ہے، کہ اس کو آگلی اور پچھلی (ظاہری) خطاؤں کی مغفرت کر دی گئی ہو، اور اس میں نبی ﷺ کی نہایت تعظیم اور تشریف ہے، اور اطاعت، نیکی، اور پارسائی میں اولین اور آخرین میں سے کسی نے آپ کے مقام کو نہیں پایا، اور آپ ﷺ دنیا اور آخرت میں علی الاطلاق اکمل البشر اور سید البشر ہیں۔

قاضی عیاض لکھتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح میں رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر کا جو بیان فرمایا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو نبی ﷺ کا مرتبہ اور مقام ہے اس کا جو ذکر کیا ہے، اس کی ابتداء اللہ تعالیٰ نے دشمنوں پر رسول ﷺ کے غلبہ اور آپ کی شریعت کی سر بلندی کی خبر دینے سے کی ہے، اور یہ بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ مغفور ہیں، اور ماضی اور مستقبل کی کسی چیز پر آپ سے مواخذہ نہیں ہوگا۔ بعض علماء نے کہا اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ آپ سے کوئی چیز ہوئی ہے یا نہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اس کی مغفرت کر دی ہے۔ الشفاء: ۳۱۱۔

علامہ شہاب الدین خفاجیؒ لکھتے ہیں:- علامہ تجانی نے کہا ہے کہ یہ آیت نبی ﷺ کی تعظیم و توقیر بیان کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے، جیسے کوئی شخص کسی سے اظہار محبت کیلئے کہے، اگر تمہارا کوئی پہلایا پچھلا گناہ ہو بھی تو ہم نے اس کو معاف کر دیا، اس کلام سے اس شخص کا یہ ارادہ نہیں ہوتا کہ اس نے فی الواقع کوئی گناہ کیا ہے، اور وہ اس کو معاف کر رہا ہے، اور میں کہتا ہوں کہ ذنب کا معنی ستر ہے جو نہ دکھائی دینے کا تقاضا کرتا ہے اور اس کو لازم ہے عدم ذنب یعنی جب گناہ ہے ہی نہیں، تو کیسے دکھائی دیگا، کیونکہ اگر گناہ ہوتا تو دکھائی دیتا۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مقدم اور موخر دونوں کا ذکر کیا ہے، حالانکہ موخر کا وجود ہی نہیں ہے، اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ آپ کا گناہ مقدم ہے نہ موخر، سو آپ

سے مطلقاً گناہ سرزد نہیں ہوا۔ نسیم الریاض: ۲۷۳۔

ملا علی قاری لکھتے ہیں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت میں یہ اشارہ ہے کہ چنانچہ بندہ اپنے مقصوم کے مطابق اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ جائے پھر بھی وہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی مغفرت سے مستغنی نہیں ہوتا، کیونکہ بندہ اپنے بشری عوارض کی بناء پر تقاضائے ربوبیت کے مطابق عبادت کا حق ادا کرنے سے قاصر رہ جاتا ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مباح امور میں مشغول ہونے کی وجہ سے یا امت کے اہم کاموں میں منہمک اور مستغرق ہونے کی وجہ سے جو حضرت الوہیت میں غفلت واقع ہوتی ہے، انبیاء علیہم السلام اپنے بلند مقام کے اعتبار سے اس کو بھی سیدۃ اور گناہ خیال کرتے ہیں، جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ ابرار کی نیکیاں بھی مقررین کے نزدیک گناہ ہوتی ہیں۔ شرح الشفاء علی حاشیہ نسیم الریاض: ۲۷۳/۱۔

علامہ الوسی لکھتے ہیں:۔ نبی ﷺ کی بکثرت عبادت کرنے کا جو حال مشہور تھا اس کا لحاظ رکھتے ہوئے اس آیت میں نبی ﷺ کے مقام کی بلندی پر جو دلالت ہے اس کو الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں، اور حدیث صحیح میں ہے کہ: اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی ﷺ نے نفلی روزے رکھے، اور نفلی نمازیں پڑھیں۔ حتیٰ کہ آپ کے قدم مبارک سوچ گئے، اور سناخوردہ مشک کی طرح آپ کا جسم لاغر ہو گیا، آپ سے کہا گیا کہ آپ عبادت میں اس قدر مشقت کیوں کرتے ہیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذنب (یعنی بظاہر خلاف اولیٰ کاموں) کی مغفرت کر دی ہے، رسول ﷺ نے فرمایا کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ ہو؟ روح المعانی۔

عطاء خراسانی کے قول کا بطلان علامہ قرطبی نے اس آیت کے متعدد صحیح محمل بیان کئے ہیں اور ایک قول یہ بھی ذکر کیا ہے، عطاء خراسانی نے کہا ہے کہ ”ماتقدم من ذنبک“ سے مراد آپ کے والدین آدم و حواء کے ذنوب ہیں، اور ”ماتأخر“ سے مراد آپ کی امت کے گناہ ہے (قرطبی) اسی طرح اسماعیل حقی نے بھی اس آیت کے بہت سے محمل بیان کئے ہیں، جن میں سے بعض کو ہم نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور علامہ خفاجی کے حوالوں سے ذکر کر دیا ہے، اسماعیل حقی نے بھی عطاء خراسانی کے اس قول کا ذکر کیا ہے (روح البیان)۔

اہل علم سے یہ مخفی نہیں ہے کہ بعض اوقات مفسرین کسی آیت کی تفسیر میں تمام اقوال نقل کر دیتے ہیں، پھر کبھی وہ اپنے مختار قول کا بیان کر دیتے ہیں، اور باطل قول کا رد کر دیتے ہیں، اور بعض اوقات وہ صرف اقوال کا ذکر کر دیتے ہیں، اور دلائل کی وضاحت کی بناء پر باطل قول کا رد نہیں کرتے، عطاء خراسانی کا یہ قول بکثرت احادیث صحیحہ کے

خلاف ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے، کیونکہ احادیث صحیحہ میں مغفرت کی نسبت رسول ﷺ کی طرف ہے، آپ نے اس کو اپنی خصوصیت قرار دیا ہے، اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کرام نے اس پر خوشی کا اظہار کیا اور رسول ﷺ کو مبارک باد دی۔

علامہ سیوطی نے مستند کتب احادیث سے سترہ ۱، حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں آپ کی طرف مغفرت کا اسناد کیا گیا ہے، اور اس کو آپ کے حق میں نعمت اور اس کو آپ کی خصوصیت قرار دیا گیا ہے (درمنثور) بعض اوقات مفسرین بغیر کسی کلام اور جرح کے تفسیر میں ایسی روایات ذکر کر دیتے ہیں، جو اہل سنت کے مسلمہ معتقدات کے خلاف ہوتی ہیں۔

امام ابن جریر طبری بیان کرتے ہیں:۔ عن السدی ”فما استمتعتم به منهن الی اجل فاتوهن اجورهن“ سدی سے یہ تفسیر اس طرح منقول ہے تم نے عورتوں سے ایک مدت معینہ تک جو متعہ کیا ہے ان کو اس کی اجرت دو، علامہ سیوطی نے بغیر کسی کلام اور جرح کے یہ روایت نقل کی ہے، عن ابی سعید، قال لما نزلت (وات ذی القربی حقہ) دعار رسول اللہ ﷺ فاطمة فاعطاها فدک (درمنثور)۔

ابوسعید بیان کرتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ کو بلایا اور ان کو فدک عطاء فرمایا۔ لیکن ان روایاتوں کے نقل کر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ان روایات کو صحیح مانتے ہیں، یا ان کا التزام کرتے ہیں۔ اسی طرح علامہ قرطبی، علامہ حنفی یا بعض دوسرے مفسرین نے دیگر اقوال کے ساتھ اگر عطاء خراسانی کا قول بھی نقل کر دیا ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس قول کو صحیح مانتے ہیں، یا اس کا التزام کرتے ہیں، اور اگر بالفرض وہ اس کو صحیح مانتے ہوں تو احادیث صحیحہ کے مقابلے میں ان کا قول مردود ہے۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ رسول ﷺ کی صحیح اور صریح احادیث کے برعکس ہمارے دور میں عطاء خراسانی کے قول کے مطابق اس آیت کا ترجمہ مشہور کر دیا گیا ہے، اور اس آیت کے ترجمہ میں یہ کہا جاتا ہے کہ ”تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے، تمہارے اگلے اور تمہارے پچھلوں کے“، یہ ترجمہ صحیح نہیں کیونکہ بکثرت احادیث میں رسول ﷺ کی طرف مغفرت کی نسبت کی گئی ہے، جیسا کہ ہم پہلے باحوالہ بیان کر چکے ہیں، اور اس سلسلے میں مزید احادیث بھی ہیں۔

وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا عَزِيزًا ﴿٣٣﴾ هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ

اور اللہ تمہاری زبردست مدد کرے گا۔ وہی تو ہے جس نے مومنوں کے دلوں پر تسلی نازل فرمائی

الْمُؤْمِنِينَ لِيَزِدُوا إِيمَانًا مَعَ إِيْمَانِهِمْ وَلِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

تاکہ ان کے ایمان کے ساتھ اور ایمان بڑھے اور آسمانوں اور زمین کے لشکر (سب) اللہ ہی کے ہیں

وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿٣٤﴾ يُدْخِلُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ

اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ (یہ) اس لئے کہ وہ مومن مردوں اور مومن عورتوں کو بہشتوں میں جن کے

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَيُكَفِّرُ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

نیچے نہریں بہ رہی ہیں داخل کرے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ان سے ان کے گناہوں کو دور کر دے

وَكَانَ ذَلِكَ عِنْدَ اللَّهِ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٣٥﴾ يُعَذِّبُ الْمُنَافِقِينَ

اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے۔ اور (اس لئے کہ) منافق مردوں

وَالْمُنَافِقَاتِ وَالْمُشْرِكِينَ وَالْمُشْرِكَاتِ الظَّالِمِينَ بِاللَّهِ ظَنَّ السَّوْءِ

اور منافق عورتوں اور مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جو اللہ کے حق میں بُرے بُرے خیال رکھتے ہیں

عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَلَعَنَهُمْ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَهَنَّمَ

عذاب دے انہی پر بُرے حادثے واقع ہوں اور اللہ ان پر غصے ہوا اور ان پر لعنت کی اور ان کے لئے دوزخ تیار کی

وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٣٦﴾ لِلَّهِ جُنُودُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ

اور وہ بُری جگہ ہے۔ اور آسمانوں اور زمین کے لشکر اللہ ہی کے ہیں اور اللہ

عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٣٧﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ﴿٣٨﴾

غالب حکمت والا ہے۔ اور ہم نے تم کو حق ظاہر کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا اور خوف دلانے والا بھیجا ہے

لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿٤﴾

تا کہ تم لوگ اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کو بزرگ سمجھو اور صبح شام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَتْ

جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو عہد کو توڑے

فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَمَا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٥﴾

اور عہد توڑنے کا نقصان اسی کو ہے اور جو اس بات کو جس کا اس نے اللہ سے عہد کیا ہے پورا کرے تو وہ اسے عنقریب اجر عظیم دے گا

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا

جو گنوار پیچھے رہ گئے وہ تم سے کہیں گے کہ ہم کو ہمارے مال اور اہل و عیال نے روک رکھا

فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ

آپ ہمارے لئے (اللہ سے) بخشش مانگیں یہ لوگ اپنی زبان سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں ہے کہہ دو

فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا

کہ اگر اللہ تم کو نقصان پہنچانا چاہے یا فائدہ پہنچانے کا ارادہ فرمائے تو کون ہے جو اس کے سامنے تمہارے لئے کسی بات کا کچھ اختیار رکھے

بَلْ كَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٦﴾ اَلْأَمَلُ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ

بلکہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے واقف ہے۔ بات یہ ہے کہ تم لوگ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ پیغمبر اور مومن اپنے اہل و عیال میں

وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَىٰ أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزَيْنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ

کبھی لوٹ کر آنے والے نہیں اور یہی بات تمہارے دلوں کو اچھی معلوم ہوئی اور (اسی وجہ سے) تم نے بُرے بُرے خیال

السَّوِّءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا ﴿٧﴾ وَمَنْ لَمْ يُؤْمِنْ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ فَإِنَّا أَعْتَدْنَا

کئے اور (آخر کار) تم ہلاکت میں پڑ گئے۔ اور جو شخص اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان نہ لائے تو ہم نے (ایسے) کافروں

لِّلْكَافِرِينَ سَعِيرًا ﴿۱۳﴾ وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَعْفِرُ لِمَن يَشَاءُ

کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے۔ اور آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کی ہے وہ جسے چاہے بخشے

وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۴﴾ يَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ

اور جسے چاہے سزا دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ جب تم لوگ غنیمتیں لینے چلو گے تو جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے

إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَانِمٍ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ

وہ کہیں گے ہمیں بھی اجازت دیجئے کہ آپ کے ساتھ چلیں یہ چاہتے ہیں

أَنْ يُبَدَّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُلْ لَنْ تَتَّبِعُونَا كَذَلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِنْ قَبْلُ

کہ اللہ کے قول کو بدل دیں کہہ دو کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے اسی طرح اللہ نے پہلے سے فرما دیا ہے

فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا بَلْ كَانُوا لَا يَفْقَهُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۱۵﴾

پھر کہیں گے (نہیں) تم تو ہم سے حسد کرتے ہو بات یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں مگر بہت کم۔

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِينَ مِنَ الْأَعْرَابِ سَتُدْعُونَ إِلَى قَوْمٍ أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ

جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے ان سے کہہ دو کہ تم ایک سخت جنگجو قوم کے (ساتھ لڑائی کے) لئے بلائے جاؤ گے

تُقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسَلِّمُونَ فَإِنْ تَطِيعُوا يُؤْتِكُمُ اللَّهُ أَجْرًا حَسَنًا وَإِنْ تَوَلَّوْا

ان سے تم (یا تو) جنگ کرتے رہو گے یا وہ اسلام لے آئیں گے اگر تم حکم مانو گے تو اللہ تم کو اچھا بدلہ دے گا اور اگر منہ پھیر لو

كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِنْ قَبْلُ يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۶﴾ سِيسَ عَلَى الْأَعْمَى حَرْجٌ

جیسے پہلی دفعہ پھیرا تھا تو وہ تم کو بُری تکلیف کی سزا دے گا۔ نہ تو اندھے پر گناہ ہے (کہ سفر جنگ سے پیچھے رہ جائے)

وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرْجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرْجٌ وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ

اور نہ لنگڑے پر گناہ ہے اور نہ بیمار پر گناہ ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کے فرمان پر اللہ

وَرَسُولُهُ يُدْخِلُهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يَعدُّبُهُ

اس کو بہشتوں میں داخل کرے گا جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں اور جو رُوگردانی کرے گا اسے بُرے دکھ کی سزا

عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۸﴾ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ

دے گا۔ (اے پیغمبر!) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے

الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا ﴿۱۸﴾

تو اللہ ان سے خوش ہوا اور جو ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انہیں جلد فتح عنایت کی

وَمَغَانِمَ كَثِيرَةً يَأْخُذُونَهَا وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿۱۹﴾

اور بہت سی غنیمتیں جو انہوں نے حاصل کیں اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

وَعَدَّكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ وَكَفَّ أَيْدِيَ

اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا کہ تم ان کو حاصل کرو گے سو اس نے غنیمت کی تمہارے لئے جلدی فرمائی اور لوگوں کے

النَّاسِ عَنْكُمْ وَلِتَكُونَ آيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۲۰﴾

ہاتھ تم سے روک دینے حکمت یہ تھی کہ یہ مومنوں کے لئے (اللہ کی) قدرت کا نمونہ ہو اور وہ تم کو سیدھے رستے پر چلائے۔

وَأَخْرَجُوا لَمْ تَقْدِرُوا عَلَيْهَا قَدْ أَحَاطَ اللَّهُ بِهَا وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرًا ﴿۲۱﴾

اور اور (غنیمتیں دیں) جن پر تم قدرت نہیں رکھتے تھے (اور) وہ اللہ ہی کی قدرت میں تھیں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوَلَّوْا الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۲۲﴾

اور اگر تم سے کافر لڑتے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے پھر کسی کو نہ دوست پاتے اور نہ مددگار۔

سُنَّةَ اللَّهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ﴿۲۳﴾

(یہی) اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تم اللہ کی سنت کبھی بدلتی نہ دیکھو گے۔

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ

اور وہی تو ہے جس نے تم کو ان (کافروں) پر فٹیاب کرنے کے بعد سرحد مکہ میں

مِنْ بَعْدِ أَنْ أَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿۲۲﴾

ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیئے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے۔

هُم الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيِ مَعْكُوفًا

یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روک دیا اور قربانیوں کو بھی کہ اپنی جگہ پہنچنے سے رکی رہیں

أَنْ يَبْلُغَ مَحِلَّهُ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ

اور اگر ایسے مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کو تم جانتے نہ تھے

أَنْ تَطَّوَّهُمْ فِتْصِيكُمْ مِنْهُمْ مَعْرَةٌ بَغَيْرِ عِلْمٍ لِيَدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ

کہ اگر تم ان کو پامال کر دیتے تو تم کو ان کی طرف سے پیغمبری میں نقصان پہنچ جاتا اس لئے (ہوئی) کہ اللہ اپنی رحمت میں

مَنْ يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۲۳﴾

جس کو چاہے داخل کرے اور اگر دونوں فریق الگ الگ ہو جاتے تو جو ان میں کافر تھے ان کو ہم دکھ دینے والا عذاب دیتے۔

إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ

جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی اور ضد بھی جاہلیت کی تو اللہ نے اپنے پیغمبر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل

سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَى وَكَانُوا

فرمائی اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر قائم رکھا اور وہ

أَحَقُّ بِهَا وَأَهْلُهَا وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۲۴﴾ هَذَا صَدَقَ اللَّهُ

اسی کے مستحق اور اہل تھے اور اللہ ہر چیز سے خبردار ہے۔ بیشک اللہ نے اپنے پیغمبر کو سچا (اور) صحیح خواب دکھایا

رَسُولُهُ الرَّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِينَ

کہ تم اللہ نے چاہا تو مسجد حرام میں اپنے سرمنڈوا کر اور اپنے بال کتر واکرامن و امان سے داخل ہو گے اور کسی طرح کا خوف نہ کرو گے

مُحَلَّقِينَ رُؤُسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ

جو بات تم نہیں جانتے تھے اس کو معلوم تھی سو اس نے اس سے پہلے ہی جلد فتح کرا دی

دُونَ ذَلِكَ فَتَحًا قَرِيبًا ﴿١٠﴾ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت (کی کتاب) اور دین حق دے کر

الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ﴿١١﴾ ﴿١٢﴾ حَمْدُ رَسُولِ

بھجھا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور حق ظاہر کرنے کے لئے اللہ ہی کافی ہے۔ محمد اللہ کے پیغمبر ہیں

اللَّهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشَدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا

اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل تو ان کو دیکھتا ہے کہ جھکے ہوئے سر بسجود

يَتَغَوَّنَ فَضْلًا مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا سِيمُهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ مِنْ أَثَرِ السُّجُودِ

ہیں اور اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی طلب کر رہے ہیں (کثرت) سجود کے اثر سے ان کی پیشانیوں پر نشان پڑے ہوئے

ذَلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطَاةً

ہیں ان کے یہی اوصاف تورات میں (مرقوم) ہیں اور یہی اوصاف انجیل میں ہیں (وہ) گویا ایک کھیتی ہیں

فَأَزْرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ

جس نے (پہلے زمین سے) اپنی تیغ نکالی پھر اس کو مضبوط کیا پھر موٹی ہوئی اور پھر اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہو گئی

يُعْجَبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ وَعَدَّ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

اور لگی کھیتی والوں کو خوش کرنے تاکہ کافروں کا جی جلانے جو لوگ ان میں سے ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنْهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿۲۴﴾

اور نیک عمل کرتے رہے ان سے اللہ نے گناہوں کی بخشش اور اجرِ عظیم کا وعدہ کیا ہے۔ (2)

(2) ”محمد رسول اللہ“ جس عظیم الشان رسول کی وساطت سے دین حق کو غلبہ عطا کرنا ہے اس کے اسم گرامی کی تصریح اور ان جاں نثار اور سرفروش صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب کا بیان جنہوں نے پیغمبر ﷺ کی معیت میں دین اسلام کو پھیلانے اور اس کو باقی دینوں پر غالب کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگادی، تاکہ آنے والی نسلیں ان کے نقش و قدم پر چلیں اور اپنے اندر ایسی صفات پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ محمد، مبتداء مقرر کی خبر ہے اور رسول اللہ عطف بیان ہے یا نعت یا بدل۔ اور یہ جملہ: هو الذی ارسل رسولہ، الایہ کا بیان ہے، ای ہو اوذکک الرسول المرسل بالهدی و دین الحق محمد، علی ان الاسم الشریف خبر مبتداء محذوف (ورسول اللہ) عطف بیان او نعت او بدل و الجملة استئناف مبین لقوله تعالیٰ (هو الذی ارسل رسولہ) وهذا هو الوجه الارجح الانسب بالمساق کما فی الکشف (روح).

”و الذین معہ“ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس سے وہ صحابہ کرام مراد ہیں، جو صلح حدیبیہ میں آپؐ کے ہمراہ تھے۔ قال ابن عباسؓ اهل الحدیبیۃ اشداء علی الکفار، ای غلاظ علیہم کالاسد علی فریستہ (قرطبی)۔

یعنی وہ کافروں پر اس طرح سخت گیر ہیں جس طرح شیر اپنے شکار پر، لیکن جمہور مفسرین کے نزدیک اس سے تمام صحابہ کرامؓ مراد ہیں، وقال الجمهور، جمیع اصحابہ ﷺ (روح). و کون الصفات فی جملة اصحاب النبی ﷺ هو الاشبه (قرطبی). رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی شان یہ ہے کہ کافروں پر وہ بہت سخت ہیں دین کے معاملے میں کفار کے لئے رأفت و رحمت کا جذبہ ان کے دامن گیر نہیں ہوتا، جب وہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو کفر کی حمایت میں میدان کارزار میں اپنے سامنے دیکھتے ہیں تو شیر کی طرح ان پر جھپٹ پڑتے ہیں، لیکن آپس میں ایک دوسری کے لئے نہایت مہربان اور رحم دل ہیں، اسلام نے ان کو ایک ایسی دینی برادری اور اخوت کے سلسلے میں جوڑ دیا ہے، کہ ان کی باہمی محبت والفت اور شفقت اور رحمت حقیقی بھائیوں کی محبت و شفقت سے بھی زیادہ مضبوط

اور گہری ہے اور زمانہ جاہلیت کی عداوتیں اور دشمنیاں ان کے دلوں سے حرف غلط کی طرح محو ہو چکی ہیں، اس آیت میں ان لوگوں کی آرزوں کو خاک میں ملادیا، جو بے اصل اور باطل تاریخی روایتوں کی بنا پر صحابہؓ کے درمیان باہمی بغض و عداوت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رغم انف الروافض الذین یزعمون ان اصحاب محمد ﷺ کانوا یتباغضون بینہم (مظہری)۔

”تراہم رکعاً“ یہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، کی کثرت نماز کی طرف اشارہ ہے کہ تو اکثر ان کو نماز میں مصروف پایگا۔ اور پھر نماز سے ان کا مقصود ریا کاری نہیں، بلکہ وہ اللہ کے فضل و رحمت اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نمازیں پڑھتے ہیں یہ ان کے صدق نیت اور اخلاص باطن کی شہادت ہے۔ صحابہ کرامؓ کا مقام کس قدر بلند ہے؟ کہ خود اللہ تعالیٰ گواہی دے رہا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں محض میری رضا جوئی اور خوشنودی کی خاطر کر رہے ہیں۔ وکفی بذلک شرفاً۔

”سیمامہم“ ان کے صدق و اخلاص کی علامت ان کے چہروں میں کثرت تہجد اور عبادت پر مداومت کی برکت سے نورانیت، وقار اور خشوع و تواضع کی صورت میں نمایاں ہیں۔ قال قوم هو السمیت الحسن و الخشوع و التواضع وہی رواہ الوالبی عن ابن عباسؓ (مظہری) اس سے ماتھے کا وہ نشان مراد نہیں جو اکثر نمازیوں کے پیشانیوں پر نمودار ہو جاتا ہے جسے عرف عام میں ماتھے کا مہراب کہتے ہیں کیونکہ یہ نشان کوئی حقیقی علامت نہیں ہے۔

”ذلک مثلہم“ صحابہؓ کے یہ اوصاف جو اوپر بیان کئے گئے ہیں اسی طرح تورات میں بھی مذکور ہیں۔

”ومثلہم فی الانجیل“ یہ صحابہ کرام کے لئے ایک تمثیل ہے کزروع مبتدأ محذوف کی خبر ہے، ای ہم کزروع یعنی ان کی مثال ایسی ہیں جیسے کھیت میں ایک پودا پھوٹتا ہے پھر کچھ دنوں کے بعد اس کا کزورتنا مضبوط ہو جاتا ہے پھر ہستہ ہستہ تناسل قدر موٹا ہو جاتا ہے کہ پودا اس پر کھڑا ہو جاتا ہے تو کاشتکار اور کھیت کے مالک اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں، یہی مثال صحابہ کرام کی ہے کہ ابتداء اسلام میں بہت کم تھے، پھر ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ایک نہایت اور مستحکم مضبوط جماعت معرض وجود میں آگئی، جسے دیکھ کر رسول ﷺ خوش ہوتے۔ وهو مثل ضربہ اللہ تعالیٰ للصحابۃ رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بدأ الاسلام ثم کثروا واستحکموا فترقی امرہم یوما فیومابحیث اعجب الناس (روح)۔

”یغیظ“ اس کا متعلق محذوف ہے ای فعل اللہ هذا لمحمد ﷺ واصحابہ یغیظ =

سورة الحجرات (مدنیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقَدَّمُوا بَيْنَ يَدَيْ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ
مُؤْمِنُوا! (کسی بات کے جواب میں) اللہ اور اس کے رسول سے پہلے نہ بول اٹھا کرو ڈرتے رہو بیشک اللہ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ
سنتا جانتا ہے۔ اے اہل ایمان! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو

= بہم الکفار (قرطبی) اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کے بعد قوت عطا فرمائی اور قلت کے
بعد ان کی جماعت میں اس قدر اضافہ فرمایا کہ وہ ایک ناقابلِ تسخیر قوت بن گئی تاکہ کفار و مشرکین حسد اور غیظ و غضب کی
آگ میں جل اٹھیں۔ ”وعد اللہ“ الایۃ یہ صحابہ کرام کے لئے بشارتِ اخروی ہے اور ”منہم“ میں ”من“ تبعیضیہ نہیں
بلکہ مؤکدہ ہے یا بیانیہ: ”من“ مؤکدہ للكلام والمعنی وعدہم اللہ کلہم مغفرة واجرا عظیما؛

وقوله ”منہم“ لبيان الجنس وليست للتبعيض لانه وعدم مدح الجميع (بحر) ان اتول میں اللہ
تعالیٰ نے صحابہ کرام کی بڑی فضیلت بیان فرمائی ہے، جس شخص کے دل میں کسی صحابی کے بارے میں ذرہ بھر بغض ہوگا وہ
”لیغیظ بہم الکفار“ کا مصداق ٹھہرے گا۔ قال مالک من اصبح من الناس فی قلبه غیظ من اصحاب
رسول اللہ ﷺ فقد اصابته هذه الایۃ (روح المعانی)۔ تمام صحابہ کرام عدول و ثقات ہیں ان کی دیانت و امانت
شک و شبہ سے بالا ہے وہ سارے کے سارے اولیاء اللہ اور انبیاء علیہم السلام کی بعد اللہ کی ساری مخلوق سے برگزیدہ ہیں۔ اہل
السنت کا یہی مسلک ہے فالصحابۃ کلہم عدول، و اولیاء اللہ تعالیٰ، و اصفیائہ، و خیرتہ، من ائمة هذه
الامة. (قرطبی)۔

النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ

اور جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو (اس طرح) ان کے روبرو زور سے نہ بولا کرو (ایسا نہ ہو)

أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿٣١﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصْوَاتَهُمْ

کہ تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ پیغمبر الہی کے سامنے دبی آواز سے بولتے ہیں

عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى لَهُمْ مَغْفِرَةٌ

اللہ نے ان کے دل تقویٰ کے لئے آزما لئے ہیں ان کے لئے بخشش

وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٣٢﴾ الَّذِينَ ينادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ

اور اجر عظیم ہے۔ جو لوگ تم کو حجروں کے باہر سے آواز دیتے ہیں ان میں اکثر

لَا يَعْقِلُونَ ﴿٣٣﴾ لَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّى تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ

بے عقل ہیں۔ اور اگر وہ صبر کئے رہتے یہاں تک کہ تم خود نکل کر ان کے پاس جاتے تو یہ ان کے لئے بہتر تھا

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا

اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ مومنو! اگر کوئی بدکردار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا)

أَنْ تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ ﴿٣٥﴾

کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔ (1)

(1) اس آیت کریمہ میں ایک قانون شرعی ذکر کیا جاتا ہے، کہ جب تمہیں کسی قوم کے بارے میں مخالفت کی خبر ملے

تو اس کے خلاف کسی قسم کی جنگی کارروائی کرنے سے پہلے اس خبر کی پوری تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کسی قوم کو نقصان

پہنچا دو اور بعد میں تمہیں اپنے کئے پر نادم و پشیمان ہونا پڑے۔ ان تصبیوا ای لثلا تصبیوا، او کراہیة ان تصبیوا

(روح) بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ولید بن عقبہ کو بنی المصطلق میں صدقات وصول کرنے کیلئے

بھیجا۔ جب بنی المصطلق کو ان کی آمد کا علم ہوا تو وہ استقبال کے لئے گاؤں سے باہر نکل آئے، اسلام سے پہلے ان کے اور ولید بن عقبہؓ کے درمیان مخالفت تھی۔ انہوں نے سمجھا شاید یہ لوگ مجھے مارنے پر آمادہ ہیں چنانچہ وہیں سے واپس آ کر نبی کریم ﷺ سے سارا ماجرا بیان کیا، لیکن تحقیق حال کے بعد حقیقت اس کے برعکس نکلی اور ولید بن عقبہؓ کو محض غلط فہمی ہوئی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

یہ روایت اکثر مفسرین نے اس مقام پر نقل کی ہے، مسند احمد: ۴۰۴/۳۰، میں یہ روایت نقل ہے، لیکن اس میں ایک راوی، دینار الکوفی ہے جو کہ عمرو بن الحارث کا مولیٰ تھا، اور یہ مجہول راوی ہے، دوسری راوی محمد بن السائب ہے اس پر بھی کلام ہے، اسی سند سے امام بخاری نے تاریخ: ۹۱/۱، میں مختصراً، اور ابن قانع نے المعجم: ۱/۷۷، اور طبرانی نے کبیر: رقم: ۳۳۹۵، میں نقل کیا ہے۔

اور طبرانی نے: ۵۲۹/۹، اور بیہقی نے سنن کبری: ۵۴۹، میں عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کی ہے لیکن اس کی سند میں الحسن بن الحسن بن عطیة العوفی ہے، عن ایبہ، عن جدہ، جو کہ تینوں ضعیف ہیں۔

جبکہ ام سلمہؓ سے طبری نے مذکورہ جلد اور صفحہ میں اور طبرانی نے: ۲۳/رقم: ۹۶۰، میں اسی طرح ایک روایت نقل کی ہے لیکن اس سند میں موسیٰ بن عبیدہ ضعیف اور ثابت مولیٰ ام سلمہؓ مجہول ہے۔

طبرانی نے معجم اوسط رقم: ۳۸۰/۹، میں جابر بن عبد اللہ سے نقل کی ہے لیکن وہ سند بھی ضعیف ہے۔ اور طبرانی نے کبیر: ۱۸/رقم: ۴۰، میں علقمہ بن ناجیہ سے نقل کی ہے لیکن وہ سند بھی کمزور ہے۔ طبری نے مذکورہ صفحہ اور جلد میں قتادہ سے یہ روایت مرسل نقل کی ہے، اور طبرانی نے کبیر: ۲۲/۴۰، اور بیہقی نے سنن کبری: ۵۵۹/۹، میں مجاہد سے مرسل نقل کی ہے۔

اور طبری نے ابن ابی لیلیٰ سے بھی مرسل نقل کی ہے، اور ان مختلف سندوں سے ابن ابی حاتم نے کتاب الجرح والتعدیل: ۴۲/۲، میں نقل کی ہے، جبکہ تفسیر میں بھی: ۳۳۰/۳۱۰، میں نقل کی ہے۔

ان مختلف سندوں کی وجہ سے بعض نے اس روایت کو حسن لغیرہ قرار دیا ہے لیکن یہ بات درست نہیں اس لئے کہ اگرچہ یہ باعتبار شواہد (اصول حدیث کی رو) سے حسن ہے، لیکن وہ احادیث اور آیات قرآنیہ جو کہ صحابہ کرام کی عظمت شان میں وارد ہیں یہ واقعہ ان آیات و روایات سے سراسر خلاف ہے، لہذا یہ شاذ، یا منکر کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔

بطور مثال ہم صرف ایک آیت اور ایک روایت کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، آیت سورہ حشر والی نمبر (۱۰)

ہے اور روایت: ابو سعید خدریؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذہباً ما بلغ مدّ احدہم ولا نصیفہ (خ: رقم: ۳۶۷۳، و مسلم: ۲۵۴۱، و ت: ۳۸۶۱، و ۴۶۵۸، و ن (کبریٰ: ۸۳۰۸) و، جہ: ۱۶۱۔ یعنی میرے صحابہ کو گالی مت دو، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے، تو وہ صحابہ کرام کے ایک مد (جو) کے ثواب کو نہ پہنچے گا اور نہ اس کے آدھے کے برابر۔

ایک اور روایت عمرؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اکرموا اصحابی، فانہم خیارکم (الحدیث) یعنی میرے صحابہ کی عزت کرو اس لئے کہ وہ تم سے افضل ہیں۔ اس روایت کو نسائی نے کبریٰ: ۹۲۲۲، میں اور حاکم نے: ۱۴۴۱، میں اور مسند احمد نے رقم: ۱۱۴، اور ۷۷۷، میں نقل کیا ہے۔ (اس باب میں روایات زیادہ ہیں جو کہ اکثر صاحب المشکوٰۃ نے فضائل صحابہ میں نقل کی ہے)۔

اور ابن جریر و ابن ابی حاتم نے جرح و تعدیل: ۶/۲، میں ضحاک سے نقل کی ہے کہ: ان رسول اللہ ﷺ بعث رجلاً من اصحابہ، الخ۔

بعض لوگوں نے اس سے یہ غلط نتیجہ نکالا کہ اس آیت میں ولید بن عقبہ کو فاسق کہا گیا ہے۔ لیکن یہ بات کئی وجوہ سے درست نہیں، اول اس لئے کہ جن روایتوں میں ولید بن عقبہ کا نام مذکور ہے ان میں کوئی روایت بھی صحیح اور جرح سے خالی نہیں، وہ سب روایتیں منقطع ہیں (العواصم، لابی بکر ابن العربی: ۱۰۲)۔ ابن حجر نے الاصابہ: ۴۸۲/۶، میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: وفى السند من لا يعرف، ويعارض ذلك ما اخرجہ ابو داود فى السنن (الحدیث)۔

اور ابن کثیر نے البدلیۃ والنہالیۃ: ۶۰۴/۱۱، میں ولید کے احوال کے نقل کرنے کے بعد مذکورہ حدیث کو نقل کیا ہے پھر لکھتا ہے ذکر ذلک غیر واحد من المفسرین، واللہ اعلم بصحة ذلك۔

اور ابو منصور مازریدی اس آیت کی تفسیر میں مذکورہ واقعہ کے نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے، لکن ان کان ما ذکرنا، فلم یکن فی ذلک النبأ الثبوت، لان الایة نزلت بعد نبأ الرجل، وفى الایة الامر بالثبوت فى نبأ الفاسق فیما يحدث من الامور من بعد، فدل ان الایة نزلت لبيان الحكم فى نبأ الفاسق، واللہ اعلم، ولانه یحتمل ان یکون ذلک الرجل منافقا الخ۔ (تفسیر تالیفات اہل السنۃ)۔

تفسیر اللباب میں اس حدیث کے نقل کرنے کی بعد لکھتا ہے: وهذا ضعيف، لان اللہ تعالیٰ لم یقل، انی

انزلتھا لکذا، و النبی ﷺ لم ينقل عنه انه قال وردت الایة لیان ذلک حسب، غاية مافی الباب انہا نزلت فی ذلک الوقت وهو مثل تاریخ نزول الایة، ومما ینصدق ذلک ویؤکده ان اطلاق لفظ الفاسق علی الولید بعید، لانه توهم وظن فاحطاً، و المخطی لا ینسب فاسقاً، و کیف و الفاسق فی اکثر المواضع المراد به من خرج عن رتبة الایمان، کمافی کھف: ۵۰، و الم السجدة، ۲۰، و المنافقون: ۶، الی غیر ذلک۔ اور اسی طرح امام رازی نے تفسیر کبیر میں بھی نقل کیا ہے۔

اس تفصیل کے بعد، ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب: ۴/۱۵۵۳، میں اس کے متعلق جو اجماع کا دعویٰ کیا ہے اس کا باطل ہونا ظاہر ہوا۔

دوم: ایک روایت سے ثابت ہے کہ فتح مکہ کے دن ولید بن عقبہؓ چور سالہ بچوں میں تہر یک کی خاطر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے گئے، آپ نے سب کے سروں پر ہاتھ پھیرا مگر ان کے سر پر ہاتھ نہ پھیرا، کیونکہ ان کے سر میں خلوق (ایک قسم کی خوشبو) لگی تھی اور وہ آپ کو ناپسند تھی۔ جو شخص فتح مکہ کے دن بچوں میں شامل ہے وہ چند ماہ بعد اس قابل کس طرح ہو گیا کہ اسے بنی مصطلق میں عامل بنا کر بھیجا گیا۔ عن الولید بن عقبہ قال لم افتح رسول اللہ ﷺ مکة جعل اهل مكة یأتونه بصیانیهم فیمسح علی رؤسهم ویدعولھم، فجي بی الیہ وانی مطیب بالخلوق، فلم یمسح علی رأسی، ولم یمنعه من ذلک الا ان امی خلقتنی بالخلوق فلم یمسح من اجل الخلق: مسند احمد: ۲۶/۳۰۵، سنن ابی داؤد: رقم: ۲۱۸۱ و البخاری فی التاریخ: ۱/۹۰، ۹۱، و البیہقی فی السنن الکبری: ۹/۵۵، و مشکل الاثار: ۵۲۳۹ و العقیلی فی الضعفاء: ۲/۳۱۹ و الطبرانی فی الکبیر: ۲۲/۲۰۶ و الحاکم فی المستدرک: ۳/۱۰۰ و البیہقی فی الدلائل: ۶/۳۹۷۔

ان سب نے ایک ہی سند سے یہ روایت نقل کی ہے اور اس میں ابو موسیٰ عبداللہ الہمدانی ہے جو کہ امام بخاری تاریخ: ۵/۲۲۳، میں اس کے متعلق لکھتا ہے، لایصح حدیثہ اور ابن عبدالبر نے اس کو مجہول کہا ہے، لہذا یہ روایت ناقابل اعتبار ہے۔ سوم: اس لئے کہ ”یا ایہا لدین امنوا“ میں خطاب عام مومنین سے ہے اور فاسق سے بھی عام فاسقین مراد ہیں اور فاسق کا ذکر مبالغہ فی الحکم کے لئے ہے، یہ مقصود نہیں کہ جس قصہ میں اس کا نزول ہوا ہے اس سے متعلق شخص کو فاسق کہا گیا ہے، لہذا اس سے ولیدؓ کا فاسق ہونا لازم نہیں آتا۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ فِيكُمْ رَسُولَ اللَّهِ لَوْ يُطِيعُكُمْ فِي كَثِيرٍ مِّنَ الْأَمْرِ
اور جان رکھو کہ تم میں اللہ کے پیغمبر ہیں [2] اگر بہت سی باتوں میں وہ تمہارا کہا مان لیا کریں

[2] ”واعلموا ان فيكم“: یہ پہلے قانون سے متعلق ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت نہ کرو، آپ پر تمہاری اطاعت ضروری نہیں، بلکہ تم پر آپ کی اطاعت لازم و فرض ہے، اگر پیغمبر ﷺ تم میں سے ہر ایک کے مشورے پر عمل کرنے لگیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے بعض خلاف صواب مشوروں پر عمل کرنے کی وجہ سے تم کئی مشقتوں میں پڑ جاؤ گے۔ تم میں اللہ کا رسول موجود ہے اس لئے تم آپ کے احکام کی پیروی کرو، اور اپنی ہر بات منوانے پر زور نہ دو۔ جب نبی کریم ﷺ کو نبی مصطلق کے ارتداد کی خبر ملی جو خلاف واقع تھی۔ اس وقت بہت سے صحابہ نے یہ رائے دی کہ فوراً ان پر چڑھائی کرنی چاہئے، لیکن آپ نے پہلے کشف حقیقت اور تحقیق حال کا حکم فرمایا اس آیت میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

ہروی نے اپنی کتاب ”الرد علی اہل الکلام“: ۲۱۹/۲، میں ابوسعید خدریؓ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ نے ایک دن یہ آیت تلاوت فرمایا، پھر فرمایا، ہذا نبیکم ﷺ، و خيار امتکم لو اطاعهم فی کثیر من الامر لعنتوا فکیف بکم الیوم۔ اور ابن جریر نے قنادہ سے اسی الفاظ سے نقل کی ہے۔ تو اس روایت میں باوجود اس کے کہ آراء الرجال کی شان ذکر کی، بریلویوں کا جواب بھی مذکور ہے، جو کہتے ہیں کہ ”فیکم“ سے معلوم ہوا کہ رسول ﷺ اب بھی موجود ہے اور بقید حیات ہے، اس کا تفصیلی جواب سورہ بقرہ: ۱۵۳، میں گزر چکی ہے لیکن یہاں پر اس روایت سے یہ واضح ہوا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے حیات کے وقت سے متعلق ہے، بعض بریلویوں کو یہ وہم ہے کہ ”فیکم رسولہ“۔ کا معنی یہ ہے کہ اللہ کا رسول تم میں ہے، تو وہ تو اب بھی رسول ہیں، تو جب اب بھی رسول ہیں، اور ہم بھی یہ مانتے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہیں تو ہم ان کو بطور جواب الزامی یہ کہتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ: قالوا یا رسول اللہ متنی وجبت لک النبوة؟ قال: و آدم بین الروح و الجسد، ترمذی: رقم: ۳۶۱۸، ابو ہریرہؓ کے علاوہ عبد اللہ بن عباسؓ وغیرہ سے یہ روایت نقل ہے۔

تو اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ پیدائش سے پہلے نبی تھے۔ تو بریلویوں کو چاہئے کہ یہ عقیدہ رکھیں کہ نعوذ باللہ رسول اللہ ﷺ سرے سے دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئے کیونکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے آپ ﷺ

نبی تھے، تو یہ بریلوی عید میلاد النبی ﷺ کیوں مناتے ہیں؟ (فما هو جو ابکم فہو جو ابنا)۔

نیویوی صاحب، نداء حق: ۵۵، ۵۵، میں لکھتے ہیں: کیا وفات النبی ﷺ کے عقیدہ سے انکار رسالت لازم آتا ہے؟ موطاء امام مالک: ۵۰۰، کتاب الجنائز، میں ام المؤمنین عائشہؓ کی روایت ہے کہ آپؐ فرماتی تھیں کسر عظم المسلم میتا ککسره وھو حی، قال مالک تعنی فی الاثم، یعنی مسلمان میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی (گناہ) ہے جیسے اس کی زندگی کی حالت میں ہڈی توڑنا گناہ ہے، حدیث عائشہؓ میں گو 'فی الاثم'، کالفظ نہیں ہے، مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین کی مراد ہے تشبیہ فی الاثم، نہ، تشبیہ فی الالم۔ اور ابن ماجہ: ۱۱، میں ام سلمہؓ کی روایت میں صراحة لفظ، فی الاثم، وارد ہے۔

نیویویؒ کہتا ہے کہ اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ مسلمان آدمی وفات پا جانے کے بعد بھی ایمان کی وصف کے ساتھ متصف رہتا ہے، جیسا کہ زندگی میں ایمان کی وصف سے متصف تھا، مرجانے کے بعد مسلمان سے ایمان والی صفت اس سے منترع نہیں ہو جاتی، جب ہر مسلمان کا یہ حال ہے تو انبیاء کرام علیہم السلام کے بارے میں تو بطریق اولیٰ یہ بات ثابت ہوگی کہ ان کی وفات کے ساتھ وصف رسالت و نبوت زائل نہیں ہو سکتی۔

اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ وفات انبیاء کے عقیدہ سے انتزاع وصف رسالت و نبوت کا عقیدہ لازم آتا ہے یہ بالکل بے اصل اور بے دلیل ہے، اگر ہر مسلم سے وصف ایمان زائل نہیں ہوتی تو نبی ﷺ سے وصف نبوت کیسے زائل ہو سکتی ہے؟ حالانکہ حیات مسلم محض برزخی ہے، دنیوی نہیں ہے، اگر وصف نبوت کا زائل نہ ہونا دلیل بن سکتی ہے انبیاء کی حیات دنیویہ برزخیہ کی۔ تو پھر ہر مسلم سے وصف ایمان زائل ہونا بھی دلیل بن سکتی ہے ہر مسلمان کی حیات دنیویہ برزخیہ کی، پھر انبیاء کی حیات دنیویہ پر زور دینا چہ معنی؟۔ اور حدیث حسنؓ میں اس معنی کو اشارہ ہے: وعن الحسن مرسلًا ان رسول اللہ ﷺ قال: انا رسول من ادرکت حیًا ومن یولد بعدی.

حسنؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں رسول ہوں زندہ لوگوں کا اور ان کا جو میرے بعد پیدا ہونے والے ہیں۔ [کنز العمال: ۴۰۴ / ۱۱، طبقات کبریٰ لابن سعد: ۱۹۱]۔

”ولکن اللہ“ ان کی طرف سے اس فوری اقدام کے مشورے کا عذر بیان کیا گیا ہے، کہ ایمان سے فرط محبت اور کفر و عصیان سے دلی نفرت کی وجہ سے انہوں نے یہ مشورہ دیا تھا، مگر حقیقت میں صحیح اقدام وہی تھا جس کا پیغمبرؐ نے حکم دیا تھا کہ تحقیق حال سے پہلے حملہ نہ کیا جائے، ومعنی الایة، ولکن ماصدر منکم من ترک التثبت انما =

لَعَنْتُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَبٌ إِلَيْكُمْ الْأَيْمَانَ وَزَيْنَهُ فِي قُلُوبِكُمْ وَكَرَّهَ إِلَيْكُمْ

تو تم مشکل میں پڑ جاؤ لیکن اللہ نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجادیا اور

الْكُفْرَ وَالْفُسُوقَ وَالْعِصْيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ ﴿۷۰﴾

کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا یہی لوگ راہ ہدایت پر ہیں۔

فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَنِعْمَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۷۱﴾ إِنَّ طَائِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

(یعنی) اللہ کے فضل اور احسان سے اور اللہ جاننے والا (اور) حکمت والا ہے۔ اور اگر مومنوں میں سے کوئی دو فریق

= كان لحكم الايمان وبعضكم الكفر فاللوم عليكم ولا اثم (مظہری). استدراک بیان عذرہم

وهوان فرط حبهم الايمان وكرهتهم الكفر حملهم على ذلك (بيضاوی)۔

شیخ حسین علی فرماتے ہیں کہ ”لکن“ معنی موضوع لہ کے اعتبار سے ماقبل کے ساتھ مربوط نہیں ہو سکتا اس لئے

سیاق و سباق کے اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ لیکن اللہ تعالیٰ کو تمہارے دلوں میں ایمان کو محبوب بنانا اور تمہیں کفر و فسوق و عصیان سے متنفر کرنا محبوب ہے، اس لئے اس نے تم پر نبی علیہ السلام کی اطاعت فرض کی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام

کے نہایت بلند مناقب بیان فرمائے ہیں، ایمان کو ان کے دلوں کا محبوب بنا دیا اور ایمان سے ان کے دلوں کو منور و مزین فرما دیا۔ اور ان کے دلوں کو کفر اور فسوق اور عصیان سے متنفر کر دیا۔ پھر فرمایا یہ لوگ ہی درحقیقت رشد و ہدایت کی راہ پر گامزن

ہیں۔ اور یہ ان پر اللہ کا فضل و انعام ہے کہ اس نے ان کو ایمان کے اس بلند مقام پر فائز فرمایا، یہ سب کچھ ان کے ایمان و اخلاص، اطاعت و جان نثاری اور ظاہر و باطن کی سچائی کا ثمرہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا ہے، اور اس کا کوئی

کام حکمت سے خالی نہیں۔ اور اس آیت سے اس حدیث کا معنی ظاہر ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من سرتہ حسنہ و سائتہ سیئتہ فہو مومن۔ یعنی جس شخص کو اپنی نیکی اچھی لگے اور برائی اسے ناراض کرے وہ مومن ہے۔ ترمذی

رقم: ۲۲۵۳، و مسند احمد: ۱۸/۱، ۲۶۔

اَفْتَلُوا فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ

آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دو اور اگر ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے

فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ

تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف رجوع کرے پس جب وہ رجوع کرے

فَاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۱۰﴾

تو دونوں فریق میں مساوات کے ساتھ صلح کرا دو اور انصاف سے کام لو کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ

مومن تو آپس میں بھائی بھائی ہیں تو اپنے دو بھائیوں میں صلح کرا دیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا

لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ ﴿۱۰﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرُ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ

کہ تم پر رحمت کی جائے۔ مومنو! کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے یقیناً

أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءِ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ

کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے (تمسخر کریں) یقیناً کہ وہ ان سے اچھی ہوں

وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الْأَسْمُ الْفُسُوقِ

اور اپنے (مومن بھائی) کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو ایمان لانے کے بعد برا نام

بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۱﴾

(رکھنا) گناہ ہے اور جو توبہ نہ کریں وہ ظالم ہیں

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ

اے اہل ایمان! بہت گمان کرنے سے احتراز کرو کہ بعض گمان گناہ ہیں

وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَب بَّعْضُكُم بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ

اور ایک دوسرے کے حال کا تجسس نہ کیا کرو اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے

يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ ﴿۱۲﴾

مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے اور اللہ کا ڈر رکھو بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

يَأْيُهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو

لَتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتَقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿۱۳﴾

اور اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے بیشک اللہ سب کچھ جاننے والا سب سے زیادہ خبردار ہے

قَالَتِ الْأَعْرَابُ آمَنَّا قُل لَّمْ نُؤْمِنُوا وَلَكِنْ قَوْلُوا اسْلَمْنَا

دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لائے (بلکہ یوں) کہو کہ ہم اسلام لائے ہیں

وَلَمَّا يَدْخُلِ الْأَيْمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ وَإِنْ تُطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور ایمان تو ہنوز تمہارے دلوں میں داخل ہی نہیں ہوا اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو گے

لَا يَلْتَكُمُ مِنْ أَعْمَالِكُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۴﴾

تو اللہ تمہارے اعمال میں سے کچھ کم نہیں کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا

مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ﴿۱۵﴾

مال اور جان سے لڑے یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں۔

قُلْ اَتَعْلَمُونَ اللّٰهَ بِدِيْنِكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

ان سے کہو کیا تم اللہ کو اپنی دینداری جانتے ہو؟ اور اللہ تو آسمانوں اور زمین کی سب چیزوں سے واقف ہے

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾ اَتَعْلَمُونَ عَلَيَّكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ

اور اللہ ہر شے کو جانتا ہے۔ یہ لوگ تم پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہو گئے ہیں کہہ دو

لَا تَمْنُوْا عَلٰی اِسْلَامِكُمْ بَلِ اللّٰهُ يَمْنُ عَلَيَّكُمْ اَنْ هَدَاكُمْ لِلاِيْمَانِ

کہ اپنے مسلمان ہونے کا مجھ پر احسان نہ رکھو بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا رستہ دکھایا

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸﴾ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

بشرطیکہ تم سچے (مسلمان) ہو۔ بیشک اللہ آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے دیکھتا ہے۔

سورة "ق" (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ [۱]

[۱] عن ام هشام بنت حارثة بن النعمان قالت ما اخذت ق و القرآن المجيد الا عن لسان رسول

اللہ ﷺ یقرأها کل جمعة علی المنبر اذا خطب الناس . مسلم: ۱۴۴۲ -

ام هشام فرماتی ہیں کہ میں نے سورہ ق و القرآن المجید نبی ﷺ کی زبان مبارک سے صرف اس طرح

سیکھی ہے کہ آپ ہر جمعہ منبر پر جب لوگوں کے سامنے خطبہ ارشاد فرماتے تو یہ سورت پڑھا کرتے تھے اور میں سن سن

کر یاد کر لیتی تھی۔

ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ﴿۱﴾ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ مِنْهُمْ فَقَالَ

ق۔ قرآن مجید کی قسم۔ لیکن ان لوگوں نے تعجب کیا کہ انہی میں سے ایک ہدایت کرنے والا ان کے پاس آیا تو کافر کہنے لگے

الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ ﴿۲﴾ ذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا ذَلِكَ رَجْعٌ بَعِيدٌ ﴿۳﴾

کہ یہ بات تو (بڑی) عجیب ہے۔ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے (تو پھر زندہ ہو گئے)؟ یہ زندہ ہونا (عقل سے) بعید ہے

قَدْ عَلِمْنَا مَا تَنْقُصُ الْأَرْضُ مِنْهُمْ وَعِنْدَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ ﴿۴﴾

ان کے جسموں کو زمین جتنا (کھا کھا کر) کم کرتی جاتی ہے ہمیں معلوم ہے اور ہمارے پاس تحریری یادداشت بھی ہے۔

بَلْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ فَهُمْ فِي أَمْرٍ مَرِيجٍ ﴿۵﴾ أَفَلَمْ يَنْظُرُوا

بلکہ جب ان کے پاس حق آپہنچا تو انہوں نے اس کو جھوٹ سمجھا سو یہ ایک الجھی ہوئی بات میں الجھ گئے۔ کیا انہوں نے اپنے اوپر

إِلَى السَّمَاءِ فَوْقَهُمْ كَيْفَ بَنَيْنَاهَا وَزَيَّنَّاهَا وَمَا لَهَا مِنْ فُرُوجٍ ﴿۶﴾

آسمان کی طرف نگاہ نہیں کی کہ ہم نے اس کو کیونکر بنایا اور (کیونکر) سجایا اور اس میں کہیں شگاف تک نہیں

وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ﴿۷﴾

اور زمین کو (دیکھو اسے) ہم نے پھیلا لیا اور اس میں پہاڑ رکھ دیئے اور اس میں ہر طرح کی خوشنما چیزیں اگائیں تا

تَبْصِرَةً وَذِكْرًا لِكُلِّ عَبْدٍ مُنِيبٍ ﴿۸﴾ وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُبَارَكًا

کہ رجوع کرنے والے بندے ہدایت اور نصیحت حاصل کریں۔ اور آسمان سے برکت والا پانی اتارا

فَأَنْبَتْنَا بِهِ جَنَّاتٍ وَحَبَّ الْحَصِيدِ ﴿۹﴾ وَالنَّخْلَ بَاسِقَاتٍ لَهَا طَلْعٌ نَضِيدٌ ﴿۱۰﴾

اور اس سے باغ و بستان اگائے اور کھیتی کا اناج۔ اور لمبی لمبی کھجوریں جن کا گابھا تہ بہ تہ ہوتا ہے۔

رِزْقًا لِلْعِبَادِ وَأَحْيَيْنَا بِهِ بَلْدَةً مَيِّتًا كَذَلِكَ الْخُرُوجُ ﴿۱۱﴾

(یہ سب کچھ) بندوں کو روزی دینے کے لئے اور اس سے ہم نے شہرِ مُردہ کو زندہ کیا اسی طرح (روزِ قیامت) نکل پڑنا ہے

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحَابُ الرَّسِّ وَثَمُودُ ﴿۱۲﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنوئیں والے اور ثمود جھٹلا چکے ہیں۔

وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَإِخْوَانُ لُوطٍ ﴿۱۳﴾ وَأَصْحَابُ الْأَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ كُلٌّ

اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی۔ اور بن کے رہنے والے اور تبع کی قوم ان سب نے

كَذَّبَ الرَّسُلَ فَحَقَّ وَعِيدِ ﴿۱۴﴾ فَفَعَيْنَا بِالْخَلْقِ الْأَوَّلِ بَلْ هُمْ فِي

پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہمارا وعید (عذاب) بھی پورا ہو کر رہا۔ کیا ہم پہلی بار پیدا کر کے تھک گئے ہیں؟ (نہیں) بلکہ یہ

لَبَسٍ مِّنْ خَلْقٍ جَدِيدٍ ﴿۱۵﴾ أَوَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعَلْمُ مَا تُوَسَّوْسُ بِهِ

از سر نو پیدا کرنے میں شک میں (پڑے ہوئے) ہیں۔ اور ہم ہی نے انسان کو پیدا کیا ہے اور جو خیالات اس کے دل میں

نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ﴿۱۶﴾ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِينَ عَنِ

گزرتے ہیں ہم ان کو جانتے ہیں اور ہم اس کی رگ جاں سے بھی اس کے زیادہ قریب ہیں۔ جب (وہ کوئی کام کرتا ہے تو)

الْيَمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ﴿۱۷﴾ لَهَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿۱۸﴾

دو لکھنے والے جو دائیں بائیں بیٹھے ہیں لکھ لیتے ہیں۔ کوئی بات اس کی زبان پر نہیں آتی مگر ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے

وَجَاءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذَلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيدُ ﴿۱۹﴾

اور موت کی بیہوشی حقیقت کھولنے کو طاری ہو گئی (اے انسان!) یہی (وہ حالت) ہے جس سے تو بھاگتا تھا۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ ذَلِكَ يَوْمُ الْوَعِيدِ ﴿۲۰﴾ وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا

اور صور پھونکا جائے گا یہی (عذاب کے) وعید کا دن ہے۔ اور ہر شخص (ہمارے سامنے) آئے گا

سَائِقٌ وَشَهِيدٌ ﴿۲۱﴾ لَقَدْ كُنْتُمْ فِي غَفْلَةٍ مِّنْ هَذَا

ایک (فرشتہ) اس کے ساتھ چلانے والا ہوگا اور ایک (اس کے اعمال کی) گواہی دینے والا۔ اس سے تو غافل ہو رہا تھا

فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَ كَفَبَصْرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ ﴿٢٢﴾ ﴿٢٢﴾ قَالَتْ قَرِينُهُ هَذَا

اب ہم نے تجھ پر سے پردہ اٹھا دیا تو آج تیری نگاہ تیز ہے۔ اور اس کا ہم نشین (فرشتہ) کہے گا یہ (اعمال نامہ)

مَا لَدَىٰ عَتِيدٌ ﴿٢٣﴾ ﴿٢٣﴾ لَقِيَا فِي جَهَنَّمَ كُلًّا كَفَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿٢٤﴾ ﴿٢٤﴾

میرے پاس حاضر ہے۔ (حکم ہو گا کہ) ہر سرکش ناشکرے کو دوزخ میں ڈال دو۔

مَنَاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ مُّرِيبٍ ﴿٢٥﴾ ﴿٢٥﴾ لَقِيَا جَعَلَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَأَلْقِيَاهُ

جو مال میں بخل کرنے والا احد سے بڑھنے والا شے نکالنے والا تھا۔ جس نے اللہ کے ساتھ اور معبود مقرر کر رکھے تھے تو اس کو

فِي الْعَذَابِ الشَّدِيدِ ﴿٢٦﴾ ﴿٢٦﴾ قَالَتْ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَكِنْ كَانَ فِي

سخت عذاب میں ڈال دو۔ اس کا ساتھی (شیطان) کہے گا کہ اے ہمارے پروردگار! میں نے اس کو گمراہ نہیں کیا تھا بلکہ یہ

ضَلَالٍ بَعِيْدٍ ﴿٢٧﴾ ﴿٢٧﴾ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَىٰ وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْوَعِيْدِ ﴿٢٨﴾ ﴿٢٨﴾

خود ہی رستے سے بھٹکا ہوا تھا۔ فرمائے گا کہ ہمارے حضور میں ردو کد نہ کرو ہم تمہارے پاس پہلے ہی وعید بھیج چکے تھے

مَا يُدَلُّ الْقَوْلُ لَدَىٰ وَمَا أَنَا بِظَلَامٍ لِلْعَبِيْدِ ﴿٢٩﴾ ﴿٢٩﴾ يَوْمَ نَقُولُ لِجَهَنَّمَ

ہمارے ہاں بات بدلا نہیں کرتی اور ہم بندوں پر ظلم نہیں کیا کرتے۔ اس دن ہم دوزخ سے پوچھیں گے

هَلْ أَمْتَلَاتِ وَتَقُولُ هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ ﴿٣٠﴾ ﴿٣٠﴾ وَزُلْفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِيْنَ

کہ کیا تو بھر گئی؟ وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ اور بہشت پر ہییزگاروں کے قریب کر دی جائے گی

غَيْرَ بَعِيْدٍ ﴿٣١﴾ ﴿٣١﴾ إِذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِكُلِّ أَوَّابٍ حَفِيْظٍ ﴿٣٢﴾ ﴿٣٢﴾

دور نہ ہوگی۔ یہی وہ چیز ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا (یعنی) ہر رجوع کرنے والے حفاظت کرنے والے سے

مَنْ خَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ وَجَاءَ بِقَلْبٍ مُّنِيْبٍ ﴿٣٣﴾ ﴿٣٣﴾ لِيُخْلَوْهَا بِسَلَامٍ

جو اللہ سے دین دیکھے ڈرتا ہے اور رجوع کرنے والا دل لے کر آیا۔ اس میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ

ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُلُودِ ﴿۱۰۱﴾ ﴿۱۰۰﴾ مَا يَشَاءُ وَنَ فِيهَا وَلَدَيْنَا مَزِيدٌ ﴿۱۰۲﴾ ﴿۱۰۱﴾

یہ ہمیشہ رہنے کا دن ہے۔ وہاں وہ جو چاہیں گے ان کے لئے حاضر ہے اور ہمارے ہاں اور بھی (بہت کچھ) ہے۔

وَ كَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ أَشَدُّ مِنْهُمْ بَطْشًا فَنَقَّبُوا فِي الْبِلَادِ

اور ہم نے ان سے پہلے کئی امتیں ہلاک کر ڈالیں وہ ان سے قوت میں کہیں بڑھ کرتے وہ شہروں میں گشت کرنے لگے

هَلْ مِنْ مَّحِيصٍ ﴿۱۰۳﴾ ﴿۱۰۲﴾ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٌ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى

کہ کہیں بھاگنے کی جگہ ہے؟ جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے

السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ ﴿۱۰۴﴾ ﴿۱۰۳﴾ وَاللَّذِي خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا

اس کے لئے اس میں نصیحت ہے۔ اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو (مخلوقات) ان میں ہے

فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَمَا مَسَّنَا مِنْ لُغُوبٍ ﴿۱۰۵﴾ ﴿۱۰۴﴾ خَصِرٌ عَلٰی مَا يَقُولُونَ وَسَبَّحَ

سب کو چھ دن میں بنا دیا اور ہم کو ذرا بھی تکان نہیں ہوا۔ تو جو کچھ یہ (کفار) جکتے ہیں اس پر صبر کرو اور آفتاب کے

بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ ﴿۱۰۶﴾ ﴿۱۰۵﴾ مِنَ اللَّيْلِ

طلوع ہونے سے پہلے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے رہو۔ اور رات کے

فَسَبَّحْهُ وَادْبَارَ السُّجُودِ ﴿۱۰۷﴾ ﴿۱۰۶﴾ اَسْتَمِعُ يَوْمَ يُنَادِ الْمُنَادِ مِنْ مَّكَانٍ قَرِيبٍ ﴿۱۰۸﴾ ﴿۱۰۷﴾

بعض اوقات میں بھی اور نماز کے بعد بھی اس (کے نام) کی تسبیح کیا کرو۔ اور سنو جس دن پکارنے والا نزدیک کی جگہ سے پکارے گا

يَوْمَ يَسْمَعُونَ الصَّيْحَةَ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ يَوْمُ الْخُرُوجِ ﴿۱۰۹﴾ ﴿۱۰۸﴾

جس دن لوگ چیخ یقیناً سن لیں گے وہی نکل پڑنے کا دن ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ ﴿۱۱۰﴾ ﴿۱۰۹﴾

ہم ہی تو زندہ کرتے ہیں اور ہم ہی مارتے ہیں اور ہمارے ہی پاس لوٹ کر آنا ہے۔

يَوْمَ تَشَقُّ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سِرَاعًا ذَلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ ﴿۲۲﴾

اس دن زمین ان پر سے پھٹ جائے گی اور جھٹ پٹ نکل کھڑے ہوں گے یہ جمع کرنا ہمیں آسان ہے۔

نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَقُولُونَ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكَرْ بِالْقُرْآنِ

یہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں ہمیں خوب معلوم ہے اور تم ان پر زبردستی کرنے والے نہیں ہو پس جو ہمارے وعید سے ڈرے

مَنْ يَخَافُ وَعِيدِ ﴿۲۵﴾

اس کو قرآن سے نصیحت کرتے رہو۔

سورة الذاريات (مكية)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔ [۱]

وَالذَّارِيَاتِ ذُرُوءًا ﴿۱﴾ فَالْحِمَلَاتِ وِقْرًا ﴿۲﴾ فَالْجَرِيَاتِ يُسْرًا ﴿۳﴾

بکھیرنے والوں کی قسم جو اڑا کر بکھیر دیتی ہیں۔ پھر (پانی کا) بوجھ اٹھاتی ہیں۔ پھر آہستہ آہستہ چلتی ہیں۔

فَالْمُقَسَّمَاتِ أُمْرًا ﴿۴﴾ نِمَّا تُوْعَدُونَ لَصَادِقٍ ﴿۵﴾ وَإِنَّ الدِّينَ لَوَاقِعٌ ﴿۶﴾

پھر چیزیں تقسیم کرتی ہیں۔ کہ جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ سچا ہے۔ اور انصاف (کا دن) ضرور واقع ہوگا۔

وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ ﴿۷﴾ لَكُمْ لَفِي قَوْلٍ مُّخْتَلِفٍ ﴿۸﴾

اور آسمان کی قسم جس میں رستے ہیں۔ کہ تم ایک متناقض بات میں (پڑے ہوئے) ہو۔

[۱] سورة ذاريات میں بھی اس سے پہلی سورہ ق کی طرح زیادہ تر مضامین آخرت و قیامت اور اس میں مردوں کے

زندہ ہونے، حساب کتاب اور ثواب و عذاب کے متعلق ہیں۔ پہلی چند آیات میں اللہ تعالیٰ نے چند چیزوں کی =

يُؤْفِكُ عَنْهُ مَنْ أَفَكَ ﴿١٤﴾ قَتَلَ الْخَرَاصُونَ ﴿١٥﴾ الَّذِينَ هُمْ فِي غَمْرَةٍ

اس سے وہی پھرتا ہے جو (اللہ کی طرف سے) پھیرا جائے۔ اٹکل دوڑانے والے ہلاک ہوں۔ جو بے خبری میں

سَاهُونَ ﴿١٦﴾ يَسْتَلُونَ أَيَّانَ يَوْمَ الدِّينِ ﴿١٧﴾ يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ﴿١٨﴾

بھولے ہوئے ہیں۔ پوچھتے ہیں کہ جزا کا دن کب ہوگا؟ اس دن (ہوگا) جب ان کو آگ میں عذاب دیا جائے گا۔

ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿١٩﴾

اب اپنی شرارت کا مزہ چکھو یہ وہی ہے جس کے لئے تم جلدی مچایا کرتے تھے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٠﴾ اخْذِينَ مَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ إِنَّهُمْ كَانُوا

بیشک پرہیزگار بہشتوں اور چشموں میں (عیش کر رہے ہوں) گے۔ (اور) جو جو (نعمتیں) ان کا پروردگار انہیں دیتا ہوگا

قَبْلَ ذَلِكَ مُحْسِنِينَ ﴿٢١﴾ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ ﴿٢٢﴾

ان کو لے رہے ہوں گے۔ بیشک وہ اس سے پہلے نیکیاں کرتے تھے۔ رات کے تھوڑے سے حصے میں سوتے تھے۔

= قسم کھا کر فرمایا ہے کہ قیامت کے متعلق جن چیزوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ سچا وعدہ ہے، جن چیزوں کی قسم کھائی ہے وہ چار ہیں: الذَّارِيَاتِ ذُرُوءًا، الْحَامِلَاتِ وِقْرًا، الْجَارِيَاتِ يُسْرًا، الْمُقْسِمَاتِ أَمْرًا.

ایک مرفوع حدیث میں جس کو ابن کثیر نے ضعیف کہا ہے، اور فاروق اعظمؓ اور علیؓ سے موقوفاً ان چاروں چیزوں

کے معنی اور مفہوم یہ بتلایا گیا ہے کہ ذاریات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جن کے ساتھ غبار ہوتا ہے، اور حاملات وقرآ کے

لفظی معنی بوجھ اٹھانے والے کے ہیں، اس سے مراد بادل ہے جو پانی کا بوجھ اٹھائے ہوتے ہیں، اور جاریات یسرا سے

مراد کشتیاں ہیں جو پانی میں آسانی کے ساتھ چلتی ہیں، اور مقسمات امرآ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حق تعالیٰ کی طرف

سے عام مخلوقات میں رزق اور بارش کا پانی اور تکلیف و راحت کی مختلف اقسام تقدیر الہی کے مطابق تقسیم کرتے ہیں، ابن

کثیر، قرطبی۔

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴿۱۸﴾ وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۱۹﴾

اور اوقات سحر میں بخشش مانگا کرتے تھے۔ اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے (دونوں) کا حق ہوتا تھا

وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ﴿۲۰﴾ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۱﴾

اور یقین کرنے والوں کے لئے زمین میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہارے نفوس میں تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ﴿۲۲﴾ رَبُّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

اور تمہارا رزق اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے آسمان میں ہے۔ تو آسمانوں اور زمین کے مالک کی قسم!

إِنَّهُ لَحَقُّ مَثَلٍ مَّا أَنْتُمْ تَنْطِقُونَ ﴿۲۳﴾ لَقَدْ أَتَاكَ حَدِيثٌ مِنْ إِبْرَاهِيمَ

یہ (اسی طرح) قابل یقین ہے جس طرح تم بات کرتے ہو۔ بھلا تمہارے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں

الْمُكْرَمِينَ ﴿۲۴﴾ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ قَوْمٌ مُنْكَرُونَ ﴿۲۵﴾

کی خبر پہنچی ہے؟ جب وہ ان کے پاس آئے تو سلام کہا انہوں نے بھی (جواب میں) سلام کہا ایسے لوگ کہ نہ جان نہ پہچان

فَرَاغَ إِلَىٰ أَهْلِهِ فَجَاءَ بِعِجْلٍ سَمِينٍ ﴿۲۶﴾ فَقَرَّبَهُ إِلَيْهِمْ قَالَ

تو اپنے گھر جا کر ایک (بھنا ہوا) موٹا بچھڑا لائے۔ (اور کھانے کے لئے) ان کے آگے رکھ دیا کہنے لگے

أَلَا تَأْكُلُونَ ﴿۲۷﴾ فَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً قَالُوا لَا تَخَفْ

کہ آپ تناول کیوں نہیں کرتے؟ اور دل میں ان سے خوف محسوس کیا (انہوں نے) کہا کہ خوف نہ کیجئے

وَبَشَّرُوهُ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ ﴿۲۸﴾ فَأَقْبَلَتِ امْرَأَتُهُ فِي صِرَّةٍ فَاصْكَتْ وَجْهَهَا

اور ان کو ایک دانشمند لڑکے کی بشارت بھی سنائی۔ تو ابراہیم کی بیوی چلائی آئی اور اپنا منہ پیٹ کر

وَقَالَتْ عَجُوزٌ عَقِيمٌ ﴿۲۹﴾ قَالُوا كَذَلِكَ قَالَ رَبُّكَ إِنَّهُ هُوَ الْحَكِيمُ

کہنے لگی کہ (اے ہے ایک تو) بڑھیا اور بانجھ۔ کہا تمہارے پروردگار نے یونہی فرمایا ہے وہ بیشک صاحب حکمت و

الْعَلِيمُ ﴿۳۰﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۰﴾ قَالَ أُو۟

خبردار ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ فرشتو! تمہارا مدعا کیا ہے؟ انہوں نے کہا

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ﴿۳۲﴾ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِينٍ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۲﴾

کہ ہم گنہگار لوگوں کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ ان پر کنکر برسائیں۔

مُسَوَّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُسْرِفِينَ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ أَخْرَجْنَا مَنْ كَانَ فِيهَا

جن پر حد سے بڑھ جانے والوں کے لئے تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کر دیئے گئے ہیں۔ تو وہاں جتنے مومن تھے

مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾ وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۶﴾

ان کو ہم نے نکال لیا۔ اور اس میں ایک گھر کے سوا مسلمانوں کا کوئی گھر نہ پایا۔

وَتَرَكْنَا فِيهَا آيَةً لِّلَّذِينَ يَخَافُونَ الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۷﴾

اور جو لوگ عذاب الیم سے ڈرتے ہیں ان کے لے وہاں نشانی چھوڑ دی۔

وَفِي مُوسَىٰ إِذْ أَرْسَلْنَاهُ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۸﴾

اور موسیٰ (کے حال) میں (بھی نشانی ہے) جب ہم نے ان کو فرعون کی طرف کھلا ہوا معجزہ دے کر بھیجا۔

فَتَوَلَّىٰ بَرَكْنَهُ وَقَالَ سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾ فَأَخَذْنَاهُ وَجُنُودَهُ

تو اس نے اپنی جماعت (کے گھمنڈ) پر منہ موڑ لیا اور کہنے لگا یہ تو جادوگر ہے یا دیوانہ۔ تو ہم نے اس کو اور اس کے لشکروں کو

فَبَدَدْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ وَهُوَ مُلِيمٌ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۰﴾ وَفِي عَادٍ إِذْ أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيحَ الْعَقِيمَ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۱﴾

پکڑ لیا اور ان کو دریا میں پھینک دیا اور وہ کام ہی قابل ملامت کرتا تھا۔ اور عاد میں بھی (نشانی ہے) جب ہم نے ان پر نامبارک ہوا چلائی

مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ أَتَتْ عَلَيْهِ إِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرِّمِيمِ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۲﴾ وَفِي ثَمُودَ إِذْ قِيلَ

وہ جس چیز پر چلتی اس کو ریزہ ریزہ کئے بغیر نہ چھوڑتی۔ اور (قوم) ثمود (کے حال) میں بھی (نشانی ہے) جب ان سے کہا گیا

لَهُمْ تَمَتَّعُوا حَتَّىٰ حِينٍ ﴿۱۳۳﴾ فَفَعَتُوا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ

کہ ایک وقت تک فائدہ اٹھا لو۔ تو انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی سو ان کو کڑک نے آ پکڑا

وَهُمْ يَنْظُرُونَ ﴿۱۳۴﴾ فَمَا اسْتَطَاعُوا مِنْ قِيَامٍ وَمَا كَانُوا مُتَّصِرِينَ ﴿۱۳۵﴾

اور وہ دیکھ رہے تھے۔ پھر وہ نہ تو اٹھنے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ ہی مقابلہ کر سکتے تھے۔

وَقَوْمَ نُوحٍ مِّنْ قَبْلُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِيقِينَ ﴿۱۳۶﴾ وَالسَّمَاءَ بَيْنَاهَا بِأَيْدٍ

اور اس سے پہلے (ہم) نوح کی قوم کو (ہلاک کر چکے تھے) بیشک وہ نافرمان لوگ تھے۔ اور آسمانوں کو ہم ہی نے ہاتھوں

وَأِنَّا لَمُوسِعُونَ ﴿۱۳۷﴾ وَالْأَرْضَ فَرَشْنَاهَا فَنِعْمَ الْمَاهِدُونَ ﴿۱۳۸﴾

سے بنایا اور ہم کو سب مقدور ہے۔ اور ہم ہی نے زمین کو بچھایا تو (دیکھو) ہم کیا خوب بچھانے والے ہیں

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۳۹﴾ فَفِرُّوْا إِلَى اللَّهِ

اور ہر چیز کی ہم نے دو قسمیں بنائیں تاکہ تم نصیحت پکڑو۔ تو تم لوگ اللہ کی طرف بھاگ چلو میں

إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۴۰﴾ وَلَا تَجْعَلُوا مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ إِنِّي لَكُمْ مِّنْهُ

اس کی طرف سے تم کو صریح رستہ بتانے والا ہوں۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ میں اس کی طرف سے تم کو صریح

نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۴۱﴾ كَذَلِكَ مَا آتَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ رَسُولٍ

رستہ بتانے والا ہوں۔ اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کے پاس جو پیغمبر آتا وہ اس کو

إِلَّا قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ ﴿۱۴۲﴾ وَأَصْوَابُهُمْ قَوْمٌ طَاغُونَ ﴿۱۴۳﴾

جادوگر یا دیوانہ کہتے۔ کیا یہ ایک دوسرے کو اسی بات کی وصیت کرتے آئے ہیں؟ بلکہ یہ شریر لوگ ہیں

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَا أَنْتَ بِمَلُومٍ ﴿۱۴۴﴾ كَرَفَانَ الذُّكْرَى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۴۵﴾

تو ان سے اعراض کرو تم کو (ہماری طرف سے) ملامت نہ ہوگی۔ اور نصیحت کرتے رہو کہ نصیحت مومنوں کو نفع دیتی ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿۴﴾ ﴿۴﴾ أُرِيدُ مِنْهُمْ مِّن رِّزْقٍ وَمَا

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کریں۔ [۲] میں ان سے طالب رزق نہیں اور نہ

أُرِيدُ أَنْ يُطْعَمُونَ ﴿۵﴾ ﴿۵﴾ اللَّهُ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينِ ﴿۸﴾ ﴿۸﴾

یہ چاہتا ہوں کہ مجھے (کھانا) کھلائیں۔ اللہ ہی تو رزق دینے والا زور آور مضبوط ہے

فَإِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُنُوبًا مِّثْلَ ذُنُوبِ أَصْحَابِهِمْ فَلَا يَسْتَعْجِلُونَ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۴﴾

کچھ شک نہیں کہ ان ظالموں کے لئے بھی نوبت مقرر ہے جس طرح ان کے ساتھیوں کی نوبت تھی تو ان کو مجھ سے جلدی نہیں طلب کرنا چاہیے

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ يَوْمِهِمُ الَّذِي يُوعَدُونَ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۰﴾

جس دن کا ان کافروں سے وعدہ کیا جاتا ہے اس سے ان کے لئے خرابی ہے۔

[۲] اس آیت میں دو اشکال ظاہر نظر میں پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ نے کسی خاص کام کے لئے

پیدا کیا ہے، اور اس کا ارادہ یہی ہے کہ یہ مخلوق اس کام کو کریں تو عقلی طور پر یہ ناممکن و محال ہوگا، کہ پھر وہ مخلوق اس کام سے

انحراف کر سکے، کیونکہ حق تعالیٰ کے ارادہ و مشیت کے خلاف کوئی کام محال ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس آیت میں انسان اور جن کی تخلیق کو صرف عبادت میں منحصر کر دیا گیا ہے، حالانکہ ان کی

پیدا آتش میں علاوہ عبادت کے دوسرے فوائد اور حکمتیں بھی موجود ہیں۔

پہلے اشکال کے جواب میں بعض مفسرین نے اس مضمون کو صرف مومنین کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، یعنی ”ہم

نے مومن جنات اور مومن انسانوں کو بجز عبادت کے اور کام کے لئے نہیں بنایا“ اور مومنین ظاہر ہے کہ عبادت کے کم و بیش

پابند ہوتے ہیں، یہ قول ضحاک و سفیان وغیرہ کا ہے، اور ابن عباسؓ کی ایک قرأت آیت مذکورہ میں لفظ مومنین مذکور بھی ہے

اور قرأت اس طرح ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ،

اس قرأت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ مضمون صرف مومنین کے حق میں آیا ہے، اور اس آیت میں ارادہ

الہیہ سے مراد ارادہ تکوینی نہیں ہے، جس کے خلاف کا وقوع محال ہوتا ہے، بلکہ ارادہ تشریحی ہے، یعنی یہ کہ ہم نے ان کو =

سورة الطور (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالطُّورِ ۱۱۱ ۱۱۰ ۱۰۹ ۱۰۸ ۱۰۷ ۱۰۶ ۱۰۵ ۱۰۴ ۱۰۳ ۱۰۲ ۱۰۱ ۱۰۰ ۹۹ ۹۸ ۹۷ ۹۶ ۹۵ ۹۴ ۹۳ ۹۲ ۹۱ ۹۰ ۸۹ ۸۸ ۸۷ ۸۶ ۸۵ ۸۴ ۸۳ ۸۲ ۸۱ ۸۰ ۷۹ ۷۸ ۷۷ ۷۶ ۷۵ ۷۴ ۷۳ ۷۲ ۷۱ ۷۰ ۶۹ ۶۸ ۶۷ ۶۶ ۶۵ ۶۴ ۶۳ ۶۲ ۶۱ ۶۰ ۵۹ ۵۸ ۵۷ ۵۶ ۵۵ ۵۴ ۵۳ ۵۲ ۵۱ ۵۰ ۴۹ ۴۸ ۴۷ ۴۶ ۴۵ ۴۴ ۴۳ ۴۲ ۴۱ ۴۰ ۳۹ ۳۸ ۳۷ ۳۶ ۳۵ ۳۴ ۳۳ ۳۲ ۳۱ ۳۰ ۲۹ ۲۸ ۲۷ ۲۶ ۲۵ ۲۴ ۲۳ ۲۲ ۲۱ ۲۰ ۱۹ ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳ ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

(کوہ) طُور کی قسم!۔ اور کتابِ مَسْطُورِ ۱۱۱ ۱۱۰ ۱۰۹ ۱۰۸ ۱۰۷ ۱۰۶ ۱۰۵ ۱۰۴ ۱۰۳ ۱۰۲ ۱۰۱ ۱۰۰ ۹۹ ۹۸ ۹۷ ۹۶ ۹۵ ۹۴ ۹۳ ۹۲ ۹۱ ۹۰ ۸۹ ۸۸ ۸۷ ۸۶ ۸۵ ۸۴ ۸۳ ۸۲ ۸۱ ۸۰ ۷۹ ۷۸ ۷۷ ۷۶ ۷۵ ۷۴ ۷۳ ۷۲ ۷۱ ۷۰ ۶۹ ۶۸ ۶۷ ۶۶ ۶۵ ۶۴ ۶۳ ۶۲ ۶۱ ۶۰ ۵۹ ۵۸ ۵۷ ۵۶ ۵۵ ۵۴ ۵۳ ۵۲ ۵۱ ۵۰ ۴۹ ۴۸ ۴۷ ۴۶ ۴۵ ۴۴ ۴۳ ۴۲ ۴۱ ۴۰ ۳۹ ۳۸ ۳۷ ۳۶ ۳۵ ۳۴ ۳۳ ۳۲ ۳۱ ۳۰ ۲۹ ۲۸ ۲۷ ۲۶ ۲۵ ۲۴ ۲۳ ۲۲ ۲۱ ۲۰ ۱۹ ۱۸ ۱۷ ۱۶ ۱۵ ۱۴ ۱۳ ۱۲ ۱۱ ۱۰ ۹ ۸ ۷ ۶ ۵ ۴ ۳ ۲ ۱

اور آباد گھر کی۔

= صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ ہم ان کو عبادت کیلئے مامور کریں، امر الہی چونکہ انسانی اختیار کے ساتھ مشروط رکھا گیا ہے، اس کے خلاف کا وقوع محال نہیں، یعنی اللہ نے تو حکم عبادت کا سب کو دیا ہے مگر ساتھ ہی اختیار بھی دیا ہے، اس لئے کسی نے اپنی اختیار کو صحیح خرچ کیا، عبادت میں لگ گیا، اور کسی نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، عبادت سے منحرف ہو گیا، یہ قول علیؑ سے بغوی نے نقل کیا ہے، اور زیادہ بہتر اور بے غبار وہ توجیہ ہے جو تفسیر مظہری میں کی گئی ہے، کہ مراد آیت کی یہ ہے کہ ہم نے ان کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ ان میں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو، چنانچہ ہر جن وانس کی فطرت میں یہ استعداد قدرتی موجود ہے، پھر کوئی اس استعداد کو صحیح مصرف میں خرچ کر کے کامیاب ہوتا ہے، کوئی اس استعداد کو اپنے معاصی اور شہوت میں ضائع کر دیتا ہے، اور اس مضمون کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول ﷺ نے فرمایا ہے: کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یهودانہ او یمجسانہ، رواہ الترمذی: ۲۱۳۸۔

یعنی ہر پید ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو اس فطرت سے ہٹا کر کوئی یہودی بنادیتا ہے، کوئی مجوسی، تو جس طرح اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ ہر انسان میں فطری اور خلقی طور پر اسلام و ایمان کی استعداد و صلاحیت رکھی جاتی ہے، پھر کبھی اس کے ماں باپ اس صلاحیت کو ضائع کر کے کفر کے طریقوں پر ڈالتے ہیں، اسی طرح اس آیت میں ”الا لیعبدون“ کا یہ مفہوم ہو سکتا ہے کہ جن وانس کے ہر فرد میں حق تعالیٰ نے استعداد و صلاحیت عبادت کی رکھی ہے۔

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ کسی مخلوق کو عبادت کے لئے پیدا کرنا اس سے دوسرے منافع اور فوائد کی نفی نہیں کرتا۔

﴿۱۲﴾ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ ﴿۱۳﴾ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ﴿۱۴﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ

اور اونچی چھت کی۔ اور ابلتے ہوئے دریا کی۔ [1] کہ تمہارے پروردگار کا عذاب

لَوَاقِعٌ ﴿۱۵﴾ هَالِكَةٌ مِّنْ دَافِعٍ ﴿۱۶﴾ يَوْمَ تَمُورُ السَّمَاءُ مَوْرًا ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾

واقع ہو کر رہے گا۔ (اور) اس کو کوئی روک نہیں سکے گا۔ جس دن آسمان لرزنے لگے کیپا کر۔

وَتَسِيرُ الْجِبَالُ سَيْرًا ﴿۱۹﴾ هَوِيلٌ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۰﴾ لِّلَّذِينَ

اور پہاڑ اڑنے لگیں اُون بن کر۔ اس دن جھٹلانے والوں کے لئے خرابی ہے۔ جو

هُم فِي خَوْضٍ يَلْعَبُونَ ﴿۲۱﴾ يَوْمَ يَدْعُونَ إِلَىٰ نَارِ جَهَنَّمَ دَعَا ﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾

خوض (باطل) میں پڑے کھیل رہے ہیں۔ جس دن ان کو آتشِ جہنم کی طرف دکھیل دکھیل کر لے جائیں گے۔

هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ ﴿۲۴﴾ فَسِحْرٌ هَذَا أَمْ أَنْتُمْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾

یہی وہ جہنم ہے جس کو تم جھوٹ سمجھتے تھے۔ تو کیا یہ جادو ہے یا تم کو نظر ہی نہیں آتا؟

إِصْلَوْهَا فَاصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ

اس میں داخل ہو جاؤ اور صبر کرو یا نہ کرو تمہارے لئے یکساں ہے جو کام تم کیا کرتے تھے (یہ) انہی کا تم کو

تَعْمَلُونَ ﴿۲۷﴾ الَّذِينَ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّةٍ وَنَعِيمٍ ﴿۲۸﴾ كِهَيْنَ بِمَا آتَاهُمْ

بدلا مل رہا ہے۔ پرہیزگار وہ باغوں اور نعمتوں میں ہوں گے۔ جو کچھ ان کے پروردگار نے ان کو بخشا

رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ ﴿۲۹﴾ كَلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ

اس (کی وجہ) سے خوشحال اور ان کے پروردگار نے ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالیا۔ اپنے اعمال کے صلے میں

[1] طور کے معنی عبرانی زبان میں پہاڑ کے ہیں، جس پر درخت اگتے ہوں، یہاں طور سے مراد وہ طور سنہین ہے

جو ارض مدین میں واقع ہے، جس پر موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے شرف ہمکلامی نصیب ہوا، بعض روایات حدیث میں ہے کہ دنیا میں چار پہاڑ جنت کے ہیں، ان میں سے ایک طور ہے، قرطبی۔

”طور“ کی قسم کھانے میں اس کی خاص تعظیم و تشریف کی طرف بھی اشارہ ہے، اور اس کی طرف بھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے کچھ کلام اور احکام آئے ہیں جن کی پابندی ان پر فرض ہے۔

”وَ كِتَابٍ مَّسْطُورٍ ، فِی رَقٍّ مَّنْشُورٍ“ لفظ ”رق“ دراصل پتلی باریک کھال کے لئے بولا جاتا ہے، جو لکھنے کے واسطے کاغذ کی جگہ استعمال کی جاتی تھی، مراد اس سے وہ چیز ہے جس پر لکھا گیا ہو، اس لئے اس کا ترجمہ کاغذ سے کر دیا جاتا ہے، اور ”کتاب مسطور“ سے مراد یا تو انسانوں کا نامہ اعمال ہے، بعض مفسرین نے اس سے مراد قرآن کریم قرار دیا ہے، قرطبی۔

”وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ“ بیت معمور آسمان میں فرشتوں کا کعبہ ہے، دنیا کے کعبہ کے بالمقابل ہے، صحیحین کی احادیث میں ثابت ہے کہ شب معراج میں رسول ﷺ جب ساتویں آسمان پر پہنچے تو آپ کو بیت معمور کی طرف لے جایا گیا، جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے عبادت کے لئے داخل ہوتے ہیں، پھر کبھی ان کو دوبارہ یہاں پہنچنے کی نوبت نہیں آتی، کیونکہ ہر روز دوسرے نئے فرشتوں کا نمبر آتا ہے، (حدیث معراج) ابن کثیر۔

بیت معمور ساتویں آسمان کے رہنے والے فرشتوں کا کعبہ ہے، اس لئے شب معراج میں رسول اللہ ﷺ جب بیت معمور پر پہنچے تو دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام اس کی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں، چونکہ وہ دنیا کے کعبہ کے بانی تھے، حق تعالیٰ نے اس کی جزاء میں آسمان کے کعبہ سے بھی ان کا خاص تعلق قائم کر دیا، ابن کثیر۔

”وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ“ بحر سے مراد سمندر اور ”مجبور“ بحر سے مشتق ہے جو کئی معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے، ایک معنی آگ بھڑکانے کے بھی ہیں، بعض مفسرین نے اس جگہ یہی معنی لئے کہ قسم ہے سمندر کی جو آگ بنا دیا جائے گا، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کے روز سارا سمندر آگ بن جائے گا، جیسا کہ دوسری آیت میں ہے: **وَإِذَا الْبِحَارُ سَجَرَتْ** (تکویں) یعنی چاروں طرف کے سمندر آگ بن کر میدان حشر میں جمع ہونے والے انسانوں کے محیط ہو جائیں گے، یہی معنی سعید بن المسیب نے علیؑ سے نقل کیا ہے، ابن عباسؓ اور سعید بن المسیبؓ، مجاہد، عبید اللہ بن عمیرؓ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ ابن کثیر۔

تَعْمَلُونَ ﴿۱۹﴾ تَشْكِينٍ عَلَى سُرْرِ مَصْفُوفَةٍ وَزَوْجَانَهُمْ بِحُورٍ عَيْنٍ ﴿۲۰﴾

مزے سے کھاؤ اور پونہختوں پر جو برابر بچھے ہوئے ہیں تکیہ لگائے ہوئے اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوروں سے ہم ان کا عقد کر دیں گے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ

اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد بھی ایمان میں ان کے پیچھے چلی ہم ان کی اولاد کو بھی ان تک پہنچا دیں گے

وَمَا أَلْتَنَاهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ ﴿۲۱﴾

اور ان کے اعمال میں سے کچھ کم نہ کریں گے ہر شخص اپنے اعمال میں پھنسا ہوا ہے۔

وَأَمْدَدْنَاهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ ﴿۲۲﴾ نَزَّازِعُونَ فِيهَا كَأْسًا

اور جس طرح کے میوے اور گوشت کو ان کا جی چاہے گا ہم ان کو عطا کریں گے۔ وہاں وہ ایک دوسرے سے جام شراب

لَا لَغُوفٍ فِيهَا وَلَا تَأْتِيهِمُ ﴿۲۳﴾ طُوفٌ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَهُمْ

بھیٹ لیا کریں گے جس (کے پینے) سے نہ ہذیان سرائی ہوگی نہ کوئی گناہ کی بات۔ اور نوجوان خدمتگار (جو ایسے ہوں گے)

كَانَهُمْ لَوْلُؤُهُمْ مَّكُونُونَ ﴿۲۴﴾ قَبْلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۲۵﴾

جیسے چھپائے ہوئے موتی ان کے آس پاس پھریں گے۔ اور ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے آپس میں گفتگو کریں گے

قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ ﴿۲۶﴾ لَقَدْ نَزَّلْنَا عَلَيْنَا وَوَقَّانَا عَذَابَ

کہیں گے کہ اس سے پہلے ہم اپنے گھر میں ڈرتے رہتے تھے۔ تو اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں لو کے عذاب سے بچا لیا

السَّمُومِ ﴿۲۷﴾ كُنَّا مِنْ قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ ﴿۲۸﴾

اس سے پہلے ہم اس سے دعائیں کیا کرتے تھے بیشک وہ احسان کرنے والا مہربان ہے۔

فَذَكِّرْ فَمَا أَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَلَا مَجْنُونٍ ﴿۲۹﴾

تو (اے پیغمبر!) تم نصیحت کرتے رہو تم اپنے پروردگار کے فضل سے نہ تو کاہن ہو اور نہ دیوانے۔

أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمُنُونِ ﴿۱﴾ قُلْ تَرَبَّصُوا

کیا کافر کہتے ہیں کہ یہ شاعر ہے (اور) ہم اس کے حق میں زمانے کے حوادث کا انتظار کر رہے ہیں؟ کہہ دو کہ انتظار کئے جاؤ

فَإِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُتَرَبِّصِينَ ﴿۲﴾ تَأْمُرُهُمْ أَحْلَامُهُمْ بِهَذَا أَمْ هُمْ قَوْمٌ

میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ کیا ان کی عقلیں ان کو یہی سکھاتی ہیں بلکہ یہ لوگ

طَاغُونَ ﴿۳﴾ أَمْ يَقُولُونَ تَقَوَّلَهُ بَلْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۴﴾ قَالُوا بِحَدِيثِ مَثَلِهِ

ہیں ہی شری۔ کیا کفار کہتے ہیں کہ ان پیغمبر نے قرآن از خود بنا لیا ہے؟ بات یہ ہے کہ یہ ایمان نہیں رکھتے۔ اگر یہ سچے ہیں

إِنْ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۵﴾ أَمْ خَلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ﴿۶﴾

تو ایسا کلام بنا تو لائیں۔ کیا یہ کسی کے پیدا کئے بغیر ہی پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود (اپنے تئیں) پیدا کرنے والے ہیں۔

أَمْ خَلَقُوا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوقِنُونَ ﴿۷﴾ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ

یا انہوں نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے؟ بلکہ یہ یقین ہی نہیں رکھتے۔ کیا ان کے پاس تمہارے پروردگار کے خزانے ہیں

رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصِطْرُونَ ﴿۸﴾ أَمْ هُمْ سَلَّمَ يَسْتَمِعُونَ فِيهِ فَلْيَاتِ

یا یہ (کہیں کے) داروغہ ہیں؟ یا ان کے پاس کوئی سیڑھی ہے جس پر (چڑھ کر آسمان سے باتیں) سن آتے ہیں

مُسْتَمِعُهُمْ بِسُلْطَنِ مُبِينٍ ﴿۹﴾ لَهُ الْبَنَاتُ وَلَكُمْ الْبُنُونَ ﴿۱۰﴾

تو جو سن آتا ہے وہ صریح سند دکھائے۔ کیا اللہ کی تو بیٹیاں اور تمہارے بیٹے؟

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۱۰﴾ ﴿۱۰﴾ أَمْ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ

(اے پیغمبر!) کیا تم ان سے صلہ مانگتے ہو کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے؟ یا ان کے پاس غیب (کا علم) ہے کہ وہ

يَكْتُبُونَ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۱﴾ أَمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا فَالَّذِينَ كَفَرُوا هُمُ الْمَكِيدُونَ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۲﴾

اسے لکھ لیتے ہیں؟ کیا یہ کوئی داؤ کرنا چاہتے ہیں؟ تو کافر تو خود داؤ میں آنے والے ہیں۔

أَمْ لَهُمْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۳﴾ وَإِنْ يَرَوْا كِسْفًا مِّنَ

کیا اللہ کے سوا ان کا کوئی اور معبود ہے؟ اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے۔ اور اگر یہ آسمان سے (عذاب) کا کوئی ٹکڑا

السَّمَاءِ سَاقِطًا يَقُولُوا سَحَابٌ مَّرْكُومٌ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۴﴾ فَكَلَّمَهُمْ حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ

گرتا ہوا دیکھیں تو کہیں گے کہ یہ گاڑھا بادل ہے۔ پس ان کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ روز جس میں وہ بیہوش کر دینے

الَّذِي فِيهِ يُصْعَقُونَ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۵﴾ لَّا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا وَلَا هُمْ

جائیں گے سامنے آجائے۔ جس دن ان کا کوئی داؤ کچھ بھی کام نہ آئے اور نہ ان کو (کہیں سے)

يُنصَرُونَ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۶﴾ إِنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا عَذَابًا دُونَ ذَلِكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ

مدد ہی ملے۔ اور ظالموں کے لئے اس کے سوا اور عذاب بھی ہے لیکن ان میں سے اکثر

لَّا يَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۷﴾ صَبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا وَسَبِّحْ بِحَمْدِ

نہیں جانتے۔ اور تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کئے رہو تم تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو اور جب اٹھا کرو تو اپنے پروردگار کی تعریف

رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۸﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ ﴿۱۹﴾ ﴿۱۹﴾

کے ساتھ تسبیح کیا کرو۔ اور رات کے بعض اوقات میں بھی اور ستاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی اس کی تسبیح کیا کرو

سورة النجم (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوَىٰ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ ﴿۴﴾ ﴿۵﴾ ﴿۶﴾

تارے کی قسم جب غائب ہونے لگے۔ [۱] کہ تمہارے رفیق (محمد ﷺ) نہ رستہ بھولے ہیں نہ بھٹکے ہیں۔

[۱] والنجم... نا... الکبریٰ۔ یہ تمہید ہے برائے صدق الرسول ﷺ ”ما ضل“ جو اب قسم ہے۔ ”ضلال“ یعنی راستہ نہ ملنا اور ”غویاۃ“ راستہ ملنے کے بعد بھٹک جانا ”الضلال ضد الهدایة والغی ضد الرشید“ یعنی ہومہتد راشد (مظہری) قسم ہے ستارے کی جب وہ نیچے گرتا ہے، یعنی غروب ہوتا ہے۔ محمد ﷺ غلط راہ پر نہیں ہیں، بلکہ راہ راست پر قائم ہیں۔ یعنی ستارے کا نیچے آنا شاہد ہے کہ نبی کریم ﷺ پر آسمان سے فرشتہ اترتا اور وحی لاتا ہے، اور آپ کا یہ فرمانا کہ مجھ پر وحی آتی ہے غلط نہیں اور نہ بعید از قیاس ہے۔

”وما ینطق“ . . . الایة: اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ جو قرآن پیش کرتے ہیں وہ اپنی رائے اور خواہش سے بنا کر نہیں لاتے، بلکہ اللہ کی طرف سے آپ پر اس کی باقاعدہ وحی ہوتی ہے۔ اسی ما ینصدر نطقه، فما اتاکم به من جہتہ عزوجل کالقرآن او من القرآن عن هو ی نفسه ورأیہ اصلا (روح المعانی)

”ان هو“، الایة، ہو سے مراد قرآن کریم ہے یعنی یہ قرآن وحی ہے جو اللہ کی طرف سے آپ کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ ”علمہ شدید القوی“۔ شدید القوی مضبوط قوتوں والا، مراد جبریل علیہ السلام ہیں، جن کی قوتوں کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انہوں نے قوم لوط علیہ السلام کی بستنیوں کو اٹھا کر بلندی سے الٹا کر پھینک دیا، اور ملاً اعلیٰ سے زمین تک کا سفر آنکھ جھپکنے میں طے کر لیتے تھے۔ اور ان کی ایک دلدوز چیخ سے قوم ثمود کے جگر پھٹ گئے (قرطبی)۔

”ذومرۃ“ . . . عقل وفہم میں کامل یا حسین وجمیل اور خوش منظر وطویل القامة ذو منظر حسن (مدارک) ذو ہیئۃ حسنة قیل ہو جسم طویل حسن (بحر الحیظ) ذومرۃ حصافة فی عقله ورأیہ (بیضاوی)۔ حاصل یہ

ہے کہ یہ قرآن آپ نے اپنے پاس سے نہیں بنایا ہے بلکہ جبریل علیہ السلام ایسے شدید و قوی عقیل و فہیم اور حسین و جمیل فرشتہ نے اللہ کی طرف سے آپ پر اتارا ہے۔

”فاستویٰ“ یہ غار حراء کے پاس پیش آنے والے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

”الافق الاعلیٰ“۔ آسمان کا وہ حصہ جو دور سے زمین کے ساتھ ملا ہوا نظر آتا ہے ”قاب“ وہ فاصلہ جو کمان کے وسط سے وتر تک ہوتا ہے، اس طرح ہر کمان میں صرف ایک قاب ہوا۔ اس لئے ترکیب میں قلب ماننے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ اصل میں قباہی قوس تھا۔ عن مجاہد و الحسن ان قاب القوس ما بین وترها و مقبضها و لا حاجة الی القلب (روح المعانی)

شیخ حسین علی فرماتے ہیں یہ اصل میں قاب قوس تھا پھر اس کو تثنیہ کیا گیا اور جب مرکب کا تثنیہ بنایا جائے تو علامت تثنیہ کبھی صرف ایک حرف کے ساتھ اور کبھی دونوں جڑوں کے ساتھ لگائی جاتی ہے یہاں علامت تثنیہ دوسرے جڑ کے ساتھ لگائی گئی ہے (رضی) اس طرح اس کا اصل قباہی قوسین ماننے کی ضرورت نہیں، اہل عرب کا طریقہ تھا کہ جب دو آدمی آپس میں دوستی اور بھائی چارہ بناتے تو اپنی اپنی کمانوں کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتے اس طرح کہ ایک کا قاب دوسرے کے قاب پر منطبق ہو جاتا اور پھر ان کو جدا کر کے ان سے ایک ایک تیر چلاتے جس سے ان کا مقصد یہ ہوتا کہ آج وہ دونوں بھائی ہیں، اور ایک کی رضادوسرے کی رضا ہے اور ایک کی ناراضی دوسرے کی ناراضی ہے (روح)۔

”او“ بمعنی بلبل ہے۔ مدارک، روح، یعنی جبریل علیہ السلام اپنی اصلی اور حقیقی صورت میں افق آسمانی پر سیدھے کھڑے ہوئے نمودار ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو بیہوش ہو گئے۔ جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں آگے بڑھے اور آپ کے قریب سے قریب تر ہوتے چلے گئے، یہاں تک کہ دو کمانوں کا مقدر بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہو گئے اور آپ کو سینے سے لگا کر دبا یا۔ جب آپ ہوش میں آئے تو فرمایا اے جبریل میرے تو خیال میں بھی نہیں تھا کہ اللہ کی کوئی مخلوق ایسی شکل و صورت پر بھی ہے یہ پہلی وحی کے بعد کا واقعہ ہے۔

وكانت هذه الرؤية الاولى في اوائل البعثة بعد ما جاء جبرئيل عليه السلام اول مرة فاوحى الله اليه صدر سورة اقرأ ثم فتر الوحي حتى تبدى له جبرئيل ورسول الله ﷺ بالابطح في صورته التي خلقه الله عليها (ابن كثير)

نبی کریم ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو اپنی زندگی میں دو بار اس کی اصلی صورت میں دیکھا ہے ایک بار زمین میں

جس کا زیر تفسیر آیتوں میں ذکر ہے اور ایک بار آسمان میں جس کا ذکر آگے و لقمہ در راہ نزلة اخروی میں آرہا ہے آپ کے علاوہ کسی پیغمبر نے جبرئیل علیہ السلام کو اصلی صورت میں نہیں دیکھا۔ قیل ماراہ احد من الانبیاء فی صورتہ غیر محمد علیہ السلام مرتین مرة فی السماء و مرة فی الارض (بیضاوی)۔

”فاوحی“ اوحی کا فاعل جبرئیل علیہ السلام ہے۔ عہدہ کی ضمیر مجرورات باری تعالیٰ سے کنایہ ہے (فاوحی جبرئیل علیہ السلام الی عبدہ (الی عبد اللہ) (مدارک) جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کے عظیم الشان اور جلیل القدر بندے کو وحی پہنچائی وحی کا ابہام تفخیم و تعظیم کے لئے ہے (روح المعانی، قرطبی)۔

”ما کذب الفؤاد“ الایۃ آپ نے اپنی آنکھوں سے جس چیز کا مشاہدہ کیا آپ کے دل نے اسے پہچان لیا کہ یہ جبرئیل آمین ہے آپ کے دل نے یہ نہیں کہا کہ میں نے اس کو پہچانا نہیں۔ حاصل یہ ہے کہ آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصلی صورت میں پورے یقین اور وثوق سے دیکھا ہے۔ اور اس بارے میں آپ کے دل میں کوئی شک و شبہ واقع نہیں ہوا۔ یعنی انہ رأہ بعینہ و عرفہ بقلبہ ولم یشک فی ان ماراہ حق (مدارک)

”افتمار ونہ“ الایۃ، اس میں خطاب مشرکین سے ہے جو کہتے تھے کہ یہ سب خیال و خواب ہے بیداری میں اس نے کچھ نہیں دیکھا تمار ونہ مرآء سے ہے ای تجادلونہ (روح) یعنی جس چیز کا محمد ﷺ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر چکے ہیں کیا اس چیز کے بارے میں تم اس سے جھگڑتے اور بحث کرتے ہو؟ کوئی مشکوک اور مشتبہ بات ہوتی تو بحث و جدال کی کوئی گنجائش بھی تھی لیکن یہ ایک مشاہدہ تھا جو ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا تھا۔

”ولقد راہ“ یہ جبرئیل علیہ السلام کو دوسری بار اصلی صورت میں دیکھنے کا ذکر ہے یہ واقعہ شب معراج میں پیش آیا عند اور اذ ظروفر رأی سے متعلق ہیں سدرۃ المنتہی بیرونی کے مانند ساتویں آسمان پر ایک درخت ہے جس کا پھل بڑے بڑے مشکوں کے برابر ہیں، اسی کے قریب جبرئیل علیہ السلام کا مقام ہے اور یہی اس کے پرواز کی مٹھا ہے مایغشی سے اللہ کا نور یا فرشتے مراد ہیں اس پر اس قدر فرشتے تھے کہ درخت ان میں چھپ گیا تھا۔

غشیہ انور الرب او الملائکۃ تقع علیہا کما یقع الغربان علی الشجر (قرطبی) رسول اللہ ﷺ نے جبرئیل آمین کو اس کی اصلی صورت میں صرف زمین پر ایک ہی بار نہیں دیکھا بلکہ دوسری بار آسمان میں سدرۃ المنتہی کے پاس بھی اس کو اصلی صورت میں دیکھا ہے، وہاں سدرۃ المنتہی کے پاس جنت المأویٰ بھی ہے جو متقین کا مقام ہے اس وقت سدرۃ المنتہی نور ربی اور تجلی الہی سے جگمگا رہا تھا اس پر فرشتوں کا اس قدر جھرمٹ تھا کہ درخت ان

کے نیچے چھپ گیا تھا وہاں بھی آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو صاف صاف دیکھا۔ اس کے دیکھنے میں آپ کی نگاہ نہ ادھر ادھر ہئی اور نہ اس سے آگے بڑھ کر کسی دوسری چیز کی طرف اٹھی، گویا یہاں بھی آپ نے جبرئیل علیہ السلام کو پورے یقین و وثوق سے دیکھا۔ قال ابن عباسؓ ای ماعدل یمینا ولا شمالا ولا تجاوز الحد الذی رأی۔ (ابن کثیر و قرطبی) ای اثبت مارأه اثباتا مستیقنا صحیحامن غیران یزیغ بصره او یتجاوزه (کشاف)۔

”لقد رأی“ الایۃ، اس کے علاوہ بھی آپ نے بہت سے قدرت کے بڑے بڑے اور عظیم الشان نشانات کا مشاہدہ کیا۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں کیونکہ یہ مشاہدات صرف ایک پیغمبر ہی کو نصیب ہو سکتے ہیں اور غیر پیغمبر تو ان کی تاب ہی نہیں لاسکتا اور جبرئیل آمین آپ پر اللہ کی طرف سے وحی لاتے ہیں اس لئے آپ کی رسالت پر ایمان لاؤ اور اللہ کی وحی کو مانو اور اس پر عمل کرو۔

علماء کرام نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا یا نہیں؟۔ جو علماء یہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو شب معراج میں کھلی آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوا ہے، اور جو علماء اس کا انکار کرتے ہیں، دونوں ہی فریق الفاظ روایت کے، (مندرجہ ذیل) اختلاف کے سبب اس حدیث کو اپنی دلیل قرار دیتے ہیں، کہ: عن ابی ذرؓ قال سألت رسول اللہ ﷺ هل رأیت ربک؟ قال نوراً انی اراہ، مسلم: ۱۸۷، کیونکہ اگر ”نور انی اراہ“ کی روایت کو سامنے رکھا جائے تو اس جملہ کے استقہام بطریق انکار کے اسلوب کے پیش نظر، اس عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ پروردگار کی ذات چونکہ نور محض ہے، اور کوئی انسانی آنکھ اس کی طرف نظر اٹھانے پر قادر ہی نہیں ہو سکتی، اس لئے میں کہتا ہوں کہ میں نے معراج کی رات میں اپنے پروردگار کو نہیں دیکھا ہے، لیکن اگر ”نور انی اراہ“ کی روایت کو دیکھا جائے، (یعنی بعض نسخوں میں ”می“ مشدود نسبت کے لئے ہے، اور الف و نون زائد مبالغہ کے لئے ہیں، اور اسی کے اعتبار سے یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں اس پروردگار کو نورانی گمان کرتا ہوں،) تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے، البتہ یہ کہا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ بات کہنے کے لئے حکایت ماضی (صیغہ حال کا اسلوب اختیار فرمایا)۔

نبی کریم ﷺ کو دیدار الہی سے متعلق آیت سورت انعام کی تفسیر

عن ابن عباسؓ قال: ما کذب الفؤاد ماری ولقد رأه نزلة اخرى، قال رأه بفؤاده مرتین. رواه مسلم. رقم: ۱۷۶، وفى رواية الترمذی: ۳۷۹، قال: رأی محمد ربہ، قال عکرمة قلت ایس

اللہ یقول: لاتدرکہ الابصار وهو یدرک الابصار، قال ویحک ذاک اذا تجلی بنوره الذی ہونوره
وقدر اى ربه مرتین۔

اس روایت میں ابن عباسؓ سے جن آیتوں کی تفسیر و وضاحت منقول ہے وہ اسی سورت کی ابتدائی آیتوں میں
سے ہیں، اور مفسرین کے ہاں ان آیتوں کے بارے میں خاص اختلاف ہے، کہ ان کا مدلول و محمول کیا ہے۔ صحابہ و تابعین
اور ائمہ مفسرین میں سے ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ سورہٴ نجم کی ان آیتوں میں درحقیقت اس بات کا ذکر ہے کہ نبی
کریم ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دوسرے مرتبہ دیکھا ہے، ایک مرتبہ تو نبوت کے بالکل ابتدائی زمانہ
میں مکہ میں، اور دوسری مرتبہ شب معراج میں، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

اس کے برخلاف صحابہ و تابعین اور ائمہ مفسرین کی دوسری جماعت کا، جن میں ابن عباسؓ کا نام نامی سرفہرست
ہے، یہ کہنا ہے کہ ان آیات میں واقعہ معراج کا بیان اور نبی کریم ﷺ کے اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا ذکر ہے۔

نبی کریم ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھوں سے دوسرے مرتبہ دیکھا، یعنی اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ
کے قلب میں بینائی کی بھی وہ طاقت و دیعت فرمائی جو آنکھ میں ہوتی ہے، اور آپ ﷺ کی آنکھوں کو ادراک کی بھی وہ
طاقت عطاء فرمائی جو قلب میں ہوتی ہے، پس یہ کہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے پروردگار کو چشم قلب دیکھا، یا یہ کہ چشم
سرد دیکھا، دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، یہ مطلب اس لئے اختیار کیا گیا، تاکہ جو علماء جیسے ابن عباسؓ وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ
نبی کریم ﷺ نے شب معراج میں پروردگار کو چشم سرد دیکھا ہے، اور جو علماء یہ کہتے ہیں کہ چشم قلب دیکھا ہے، ان دونوں
کے اقوال کی رعایت ہو جائے، پہلے اختلاف تو یہی ہے کہ سورہٴ نجم کی ابتدائی آیتوں میں نبی کریم ﷺ کے کس کو دیکھنے
کا ذکر ہے، حق تعالیٰ کو یا جبرئیل علیہ السلام کو؟ ابن عباسؓ حق تعالیٰ کو دیکھنا مراد لیتے ہیں، جمہور صحابہ ان کی تائید میں
ہیں، اور سلف میں جمہور مفسرین بھی اسی طرف گئے ہیں، ان کے نزدیک، دنسی فندلی، قاباقوسین او ادنی، کے
الفاظ جو ان آیات میں آئے ہیں معراج کے موقع پر بارگاہ ربو بیت میں نبی کریم ﷺ کے قرب اور پروردگار کے مشاہدہ
و زیارت کا بیان ہیں۔

پھر اس بارے میں بھی اختلاف ہے، کہ شب معراج میں نبی کریم ﷺ نے اللہ کو چشم سرد دیکھا ہے یا چشم
قلب؟ بعضوں نے تو یہ کہا ہے کہ آپ ﷺ نے پروردگار کو دل کی آنکھ سے دیکھا تھا، سردی آنکھوں سے نہیں، اور بعضوں نے
یہ کہا ہے کہ نہیں، آپ ﷺ نے سردی کی آنکھوں سے اپنے پروردگار کو دیکھا۔

امام نوویؒ کی تحقیق کے مطابق اکثر علماء کے نزدیک ترجیحی قول یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ جو علماء آیات مذکورہ میں نبی کریم ﷺ کا جبرئیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھنا مراد لیتے ہیں، ان میں عائشہؓ اور ابن مسعودؓ بھی شامل ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان آیات میں جبرئیل کے اس قرب اور مشاہدہ کا بیان و ذکر ہے، جو نبی کریم ﷺ کو جبرئیل امین کی اصل صورت کے ساتھ شب معراج میں اور اس سے پہلے ایک مرتبہ مکہ میں حاصل ہوا تھا۔

علماء کا اختلاف اقوال اس بارے میں بھی ہے، کہ شب معراج نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ کلام کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا تھا یا نہیں؟ چنانچہ اشعریین اور متکلمین میں سے ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اس رات میں اللہ تعالیٰ سے براہ راست کلام کیا، اور بعض دوسرے علماء نے اس کا انکار کیا ہے۔

یہ اس وقت کے لئے ہے جبکہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص تجلی ظاہر فرمائے، الخ۔ جملے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات حق تعالیٰ کی مشیت و قدرت پر منحصر ہے، اگر اس کی ذات خاص کی تجلی ظاہر ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کسی کی بھی نگاہ و بصر کی توانائی برداشت کر سکتی ہو، تو یقیناً نگاہ اس کی طرف اٹھ سکتی ہے، اور آنکھیں دیدار و زیارت کی تاب لاسکتی ہیں، رہی اس آیت کی بات جس کا حوالہ عکرمہؓ نے دیا تو اس کے متعلق علماء لکھتے ہیں کہ اس آیت میں ”ادراک“ کا ذکر ہے جس کے لغوی معنی کسی شے کا اس کے تمام اطراف و جوانب اور تمام سرحدوں کے ساتھ احاطہ کرنا ہیں، اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے لئے نہ کوئی حد و نہایت ہے اور نہ اس کے اطراف و جوانب ہیں، اس کی ذات ان چیزوں سے ماوراء اور لامحدود ہے، اس معنی میں کوئی بھی نگاہ و بصر اس کی ذات کا احاطہ نہیں کر سکتی۔ لہذا اس آیت میں ”احاطہ“ کی نفی مراد ہے، مطلق دیدار کی نفی مراد نہیں ہے جس سے یہ اشکال واقع ہو کہ آپ ﷺ کے شب معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی بات اس آیت کے خلاف پڑتی ہے۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے پروردگار کو دو مرتبہ دیکھا، میں دو مرتبہ، کی وضاحت بعض محدثین نے یہ کی ہے کہ ایک مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب اور ایک مرتبہ عرش پر، اور ملا علی قاری نے اس جملہ کے تحت یہ لکھا ہے کہ، دو مرتبہ دیکھا، سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ نے دونوں مرتبہ دل کی آنکھوں سے دیکھا، اور ایک مرتبہ سر کی آنکھوں سے۔ یہ اختلاف مطالب اس لئے ہے کہ کسی بھی روایت میں وضاحت کے ساتھ منقول نہیں ہے، جیسا کہ اس روایت میں بھی نہیں کہ آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دو بار دیکھا۔ شععی والی روایت میں ہے:

وعن الشعبي قال لقي ابن عباسؓ كعبا بعرفة فسأله عن شيء، فكبر، حتى جاوبته الجبال،

فقال ابن عباسؓ انابنواهاشم، فقال كعب، ان الله تعالى قسّم رؤيته وكلامه بين محمد وموسى فكلم موسى مرتين وراه محمد مرتين، قال مسروق فدخلت على عائشة فقلت هل رأى محمد ﷺ ربه؟ فقالت لقد تكلمت بشئ قفّ له شعري قلت رويدا، ثم قرأت: لقد رأى من آيات ربه الكبرى، فقالت اين تذهب بك؟ انما هو جبرئيل، من اخبرك ان محمدا رأى ربه، او كنتم شيئا مما مر به، او يعلم الخمس التي قال الله تعالى "ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث" الاية (لقمان: ۳۴) فقد اعظم الفرية، ولكنه رأى جبرئيل، لم يره في صورته الامرتين، مرة عند سدرة المنتهى، ومرة في اجياد، له ستمائة جناح، قد سد، الافق. رواه الترمذی: ۳۲۷۸، وروى الشيخان مع زيادة واختلاف وفي روايتهما قال قلت لعائشة فاين قوله ثم دنى فتدلى فكان قاب قوسين او ادنى قالت ذاك جبرئيل عليه السلام كان يأتيه في صورة الرجل وانه اتاه هذه المرة في صورته التي هي صورته فسد الافق. بخارى: ۳۲۳۵، مسلم: ۱۷۷.

یعنی، شععی کہتے ہیں کہ عرفہ کے دن میدان عرفات میں ابن عباسؓ نے کعب احبار سے ملاقات کی، اور ان سے ایک سوال دریافت کیا کہ کیا دنیا میں حق تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے؟ کعب نے اس سوال کو اتنا عجیب و غریب سمجھا کہ فرط حیرت سے انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور ان کے اس زور دار نعرے کی بازگشت سے پہاڑ گونج اٹھے، ابن عباسؓ نے کہا کہ ہم ہاشم کی اولاد ہیں! کعب نے فرمایا کہ اچھا تمہارے سوال کا مقصد اب میری سمجھ میں آیا تو سنو! اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان تقسیم کیا، (یعنی ایک کو اپنے کلام سے مشرف فرمایا، اور ایک کو اپنے دیدار کی سعادت عطا فرمائی)۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے دو بار موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، ایک مرتبہ تو وادی ایمن میں، اور دوسری مرتبہ کوہ طور پر اور محمد ﷺ نے شب معراج میں دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ مسروق (جو حدیث کے روای ہیں، اور جن سے شععی یہ روایت نقل کرتے ہیں)۔ کہتے ہیں کہ میدان عرفات میں کعب اور ابن عباسؓ کے درمیان ہونے والی اس بات چیت کو سن کر میں عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ان سے عرض کیا، کہ کیا محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا ہے؟ عائشہ نے جواب دیا کہ تم (مسروق) نے ایسی بات پوچھی ہے جس سے میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ہیں، یعنی میرا اعتقاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک و منزہ ہے کہ وہ کسی کو نظر آئے، اس لئے میرے نزدیک دنیا میں اس کے دیدار کا واقع

ہونا محال ہے۔

اب تم نے یہ سوال پوچھا، تو اس کی اس پاک ذات کی عظمت و خوف کے مارے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے میں نے عرض کیا کہ، ذرا توقف سے کام لیجئے، یعنی میرے اس سوال سے اتنا پریشان نہ ہوئے اور نہ اتنی جلد دیدار الہی کا انکار کیجئے، میں چاہتا ہوں کہ آپ ذرا میری بات پوری طرح سن لیں، پھر میں نے دیدار الہی کے ثبوت میں یہ آیت پڑھی: لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَةِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ“ گویا مسروق نے اس آیت کے ذریعہ یہ ظاہر کیا کہ میرے نزدیک آیت میں بڑی نشانی سے مراد نبی کریم ﷺ یا پچشم سربا پچشم قلب وہ دیدار الہی حاصل ہونا ہے جو پروردگار کی عظمت شان یا نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم پر دلالت کرتا ہے۔

عائشہؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ (مسروق) یہ آیتیں تمہیں کہاں لے جا رہی ہیں؟ یعنی تم درست نہیں سمجھ رہے ہو، ان آیتوں کا مطلب نبی کریم ﷺ کو دیدار الہی حاصل ہونا نہیں ہے، بلکہ بڑی نشانی سے مراد جبرئیل علیہ السلام ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے ان کی اصل صورت میں دیکھا جو شخص تم سے یہ کہے کہ محمد ﷺ نے شب معراج میں اپنے پروردگار کو دیکھا ہے یا یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ نے ان چیزوں میں سے کچھ چھپا لیا ہے، جن کے اظہار کا ان کو حکم دیا گیا تھا، اور یا یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ ان پانچ نبیوں کا علم رکھتے تھے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی آیت: ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث، الاية، میں ارشاد فرمایا ہے، تو بلاشبہ اس نے محمد ﷺ پر بہت بڑھا ہمتان باندھا، جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے جو تم نے پڑھی ہے تو اس کی مراد اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں آپ ﷺ نے ایک مرتبہ تو سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک (جیسا کہ اس آیت: لَقَدْ رَأَىٰ نَزْلَةَ أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ - میں فرمایا گیا ہے اور ایک مرتبہ) مکہ کے نواح) اجیاد میں اور نبی کریم ﷺ نے جبرئیل کو ان کی اصل صورت میں اس طرح دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو (پر) تھے، اور انہوں نے پورے افق کو گھیر رکھا تھا، اس روایت کو ترمذی نے (انہی الفاظ میں) اور بخاری و مسلم نے کچھ مزید اور مختلف الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے، نیز بخاری و مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے:

کہ مسروق نے عائشہ سے کہا کہ اگر نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھا تو پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا محمول و مصداق کیا ہے۔ ثم دنى فتدلى فكان قاب قوسين او ادنى“ عائشہ نے جواب دیا کہ ان سب کی ضمیروں کا مرجع جبرئیل علیہ السلام ہیں، جو عام طور پر نبی کریم ﷺ کے پاس کسی انسان کی شکل و صورت میں اور وہ بھی اکثر و بیشتر ایک صحابی

دھیہ کلبیؓ کی صورت میں آتے تھے، اور اس مرتبہ (مکہ کے نواح اجیاد میں) اپنی اس صورت میں آئے تو جوان کی اصل صورت ہے اور انہوں نے پورے اتق کو گھیر رکھا تھا۔

ابن مسعودؓ کی تفسیر و تحقیق

عن ابن مسعودؓ فی قوله ”فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ“، وفي قوله ”مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ“ وفي قوله ”لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ“، قال فيها كلهارأى جبرئيل له ستمائة جناح، متفق عليه. خ: ۶۸۵، م: ۷۴، وفي رواية الترمذی قال: ”مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ“ قال رأى رسول الله ﷺ جبرئيل في حلة من رفر ف قدماً ما بين السماء والارض. وله وللبخارى في قوله ”وَلَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ“ قال: رأى رفر ف اخضر سدأفق السماء.

وسئل مالك بن انس، عن قوله تعالى: ”الى ربها ناظرة“ فقيل قوم يقولون ”الى ثوابه“ فقال مالك كذبوا، فاين هم عن قوله تعالى: ”كلانهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون“ قال مالك: الناس ينظرون الى الله يوم القيامة باعينهم، وقال لولم ير المومنون ربهم يوم القيامة، لم يعير الله الكفار بالحجاب فقال كلانهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون. (تطيف: ۱۵)، رواه في شرح السنة: ۶۴۲/۳.

ابن مسعودؓ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ”فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ“ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ”مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ“ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ”لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ“، ان سب آیتوں کی تفسیر میں کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جبرئیل کو ان کی اصل صورت میں دیکھا، اور درآئحالیکہ ان کے چھ سو بازو تھے، اور ترمذی کی روایت میں یوں ہے: کہ ابن مسعودؓ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ”مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ“ کی تفسیر میں کہا: نبی کریم ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا جو ہنر کپڑوں کا جوڑا پہنے ہوئے تھے۔ اور زمین کے درمیان فضا ان سے معمور تھی۔

نیز ترمذی اور بخاری کی ایک اور روایت میں اس طرح ہے کہ ابن مسعودؓ نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ”وَلَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ“ کی تفسیر میں کہا کہ نبی کریم ﷺ نے جامہ ہنر پوش یعنی جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا، جنہوں نے پورے آسمانی اتق کو گھیر رکھا تھا۔

اور امام مالکؒ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ”الی ربہناظرو“ کے بارے میں پوچھا گیا، اور ان سے بتایا گیا کہ کچھ لوگ (یعنی معتزلہ اور ان کے ہمنوا دیگر اہل بدعت) کہتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھنے سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنا نہیں ہے، بلکہ اس کے ثواب کو دیکھنا مراد ہے؟ تو امام مالک نے فرمایا کہ وہ لوگ جھوٹے ہیں، آخر ان کی سمجھ کہاں چلی گئی ہے! وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: کـلـا انہم عن ربہم یومسئلا لمحجوبون، کو کیوں نہیں دیکھتے، پھر امام مالکؒ نے فرمایا: (اس میں کوئی شبہ نہیں) کہ مسلمان لوگ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، اور فرمایا (اگر یہی بات ہوتی) کہ اہل ایمان قیامت کے دن اپنے پروردگار کو نہیں دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کفار کو دیدار الہی سے محرومی کا عار نہ دلاتا، اور یہ نہ فرماتا کہ: کـلـا انہم عن ربہم یومسئلا لمحجوبون۔

ابن مسعودؓ نے یہ واضح کیا کہ سورہ نجم کی ان آیتوں کی ضمیریں جبریل علیہ السلام کی طرف راجع ہیں۔ اور ان کا محمول و مصداق نبی کریم ﷺ کو جبریل علیہ السلام کی رویت قرب ہے، نہ کہ اللہ تعالیٰ کی قرب و رویت مراد ہے، جیسا کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں، پس ابن مسعودؓ کی یہ تاویل و تفسیر عائشہؓ کی اس تاویل و تفسیر کے مطابق ہے، جو ان آیتوں سے متعلق پچھلی حدیث میں ذکر کی گئی۔ واضح رہے کہ ابن مسعودؓ کی جلالت شان اور ان کا کمال علم مسلمہ ہے، اور علماء نے لکھا ہے کہ خلفاء اربعہ کے بعد ابن مسعودؓ ہی تمام صحابہ میں سب سے بڑے عالم تھے۔ (مرقات)۔

بہر حال ان روایات و اقوال سے معلوم ہوا کہ شب معراج میں نبی کریم ﷺ کے اللہ تعالیٰ کو پشم سرد دیکھنے کے بارے میں صحابہؓ کے ہاں اختلاف ہے، عائشہؓ کو اس بات سے انکار ہے، اور ابن عباسؓ اس کے قائل ہیں، ان میں سے ہر ایک کو صحابہ کی تائید حاصل ہے، کہ کچھ صحابہ تو عائشہؓ کے ساتھ ہیں، اور کچھ صحابہ ابن عباسؓ کے ساتھ، پھر صحابہ کے بعد تابعین و علماء سلف بھی اسی نقش قدم پر گئے ہیں۔

کچھ تو یہ کہتے ہیں کہ شب معراج میں نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور کچھ علماء اس کا انکار کرتے ہیں، لیکن ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں، جنہوں نے سکوت و توقف اختیار کیا ہے، اور کسی بھی فریق کے ساتھ نہیں گئے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ دونوں میں سے کسی جانب کے پاس بھی واضح دلیل نہیں ہے، اس لئے ہم یہی بہتر سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ میں خاموش رہا جائے اور حقیقت حال اللہ کے سپرد کر دی جائے، کہ اصل بات اس کے علاوہ کوئی نہیں جانتا، تاہم اکثر علماء اسی کے قائل ہیں کہ شب معراج میں نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا عینی

دیدار حاصل ہوا ہے۔

محمی الدین نوویؒ فرماتے ہیں: کہ اکثر علماء کبار کے نزدیک راجح اور مختار یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے معراج کی رات میں اپنے پروردگار کو سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ نیز انہوں نے کہا کہ اس کا اثبات نبی کریم ﷺ سے سماعت کے بعد ہی ہوا ہے (کہ ابن عباسؓ نے جو یہ کہا) کہ نبی کریم ﷺ کو شب معراج میں اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوا، تو انہوں نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے سننے کے بعد ہی کہی تھی، جب کہ عائشہؓ نے اس کے انکار میں حدیث سے استدلال نہیں کیا ہے، اور اس بارے میں نبی کریم ﷺ سے کچھ سن کر روایت نہیں کیا ہے، بلکہ انہوں نے جو کچھ کہا ہے وہ قرآن مجید کی اس آیت: ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب، (شوری: ۵۱) اور اس آیت: لاتدرکہ الابصار و هو یدرک الابصار (انعام: ۱۰۳) سے ان کے اپنے استنباط، اجتہاد کا نتیجہ ہے۔

جبکہ ان آیتوں کے بارے میں بھی ائمہ مفسرین نے لکھا ہے کہ پہلی آیت ”ماکان لبشر ان یکلمہ اللہ“ الایۃ، میں جو نفی بیان کی گئی ہے، وہ حالت روایت میں کلام کی نفی ہے، جس سے روایت بے کلام کی نفی قطعاً لازم نہیں آتی، اور دوسری آیت: لاتدرکہ الابصار، الایۃ، میں ”ادراک“ کا ذکر ہے جس کے معنی احاطہ کے ہیں، اور احاطہ کی نفی سے مطلق روایت کی نفی مفہوم نہیں ہوتی!

بعض دوسرے علماء نے بھی لکھا ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں ابن عباسؓ ہی کے قول پر زیادہ اعتماد کیا جاتا ہے، اور یہ طے ہے کہ انہوں نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے سنے بغیر نہیں کہی تھی، اور یہ ممکن بھی نہیں کہ وہ اتنی بڑی بات اپنے ظن و اجتہاد سے کہیں، منقول ہے کہ ابن عمرؓ نے ابن عباسؓ سے کافی بحث و تکرار کی، اور پوچھا کہ کیا واقعاً محمد ﷺ نے اپنے پروردگار کو دیکھا تھا؟، ابن عباسؓ نے پورے وثوق کے ساتھ جواب دیا کہ ہاں دیکھا تھا، چنانچہ ابن عمرؓ نے ان کی بات کو قطعی طور پر تسلیم کیا، اور کسی تردد و انکار کا اظہار نہیں کیا۔

اب امام مالکؒ کی روایت کی طرف آئیے، جب ان سے بتایا گیا کہ کچھ لوگ جیسے معتزلہ یہ کہتے ہیں کہ آخرت میں اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھیں گے، اور قرآن کریم کی اس آیت ”الی ربہا ناظرۃ: القیامۃ: ۲۲“ کے بارے میں ان کا کہنا ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو دیکھنے کے بجائے اس کے ثواب یعنی جنت کی نعمتوں اور وہاں کے مراتب و درجات کو دیکھنا مراد ہے، تو امام مالک نے ان لوگوں کی زبردست تردید کی اور فرمایا کہ وہ لوگ عقل و سمجھ سے کوسوں دور ہیں، کہ بالکل ظاہر معنی رکھنے والی اس آیت کی غلط تاویل تو کرتے ہیں لیکن اس آیت: کلا انہم عن ربہم

یومئذ لمحجوبون، کو نہیں دیکھتے جس میں اہل کفر کو اسی بات کا عار دلایا گیا ہے کہ وہ قیامت کے دن پروردگار کے دیدار سے روک دیئے جائیں گے، اور وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی سعادت سے محروم رہیں گے! جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کو دیکھیں گے، اور اس کے دیدار کی سعادت سے مشرف ہوں گے۔

اگر یہی بات ہو تو اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے دیدار کی سعادت حاصل نہیں کریں گے، تو پھر اہل کفار کو اس سعادت سے محرومی کی اس بھرپور انداز میں خبر دینے اور انہیں عار دلانے کی کیا ضرورت تھی؟ معلوم ہوا کہ آخرت میں اہل کفار کے حق میں سب سے بڑا عذاب یہ ہوگا کہ وہ دیدار الہی سے محروم و مخذول قرار دیئے جائیں گے، اور ہمیشہ ہمیشہ اس محرومی کی حسرت میں مبتلا رہیں گے۔ جس طرح کہ اہل ایمان کے حق میں سب سے بڑا اجر و ثواب دیدار الہی ہوگا، اور وہ نعمت دیدار الہی سے محظوظ و مشرف ہوں گے۔

[۲] ”افرئیتم“ تمہید کے بعد سورت کے پہلے دعوے کا ذکر ہے، یعنی حاجات و مصائب میں ان خود ساختہ معبودوں کو عابدانہ مت پکارو۔ جب ثابت ہو گیا کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپ پر وحی آتی ہے تو اس وحی ربانی کو مانو جو یہ کہتی ہے کہ مصائب و حاجات میں معبودان باطلہ کو مت پکارو۔

”اللات“ اس میں دو قرأتیں ہیں اول تخفیف تا دوئم بتشدید تاء پہلی صورت میں یہ لوی سے مشتق ہے جس کے معنی لیٹنے اور گھومنے کے ہیں، مشرکین اس بت کے پاس عبادت کے لئے جاتے اور اس کا اعتکاف کرتے تھے اس لئے وہ اس نام سے موسوم کیا گیا۔ والاصل لویة بزنة فعلة من لوی لانہم كانوا یلون علیہ وبعثکفون للعبادة اویلتون علیہ ای یطوفون محفف بحذف الیاء وبدالء واوہ الفاء و عوض عن الیاء تاء فصارت کتاء اخت وبت (روح المعانی)۔

دوسری قرأت کے مطابق یہ لٹ یلت کا اسم فاعل ہوگا، اور اس کے معنی ہونگے گھولنے والا۔ عرب میں ایک آدمی تھاج کے موسم میں حاجیوں کو گھی میں ستوں ملا کر کھلاتا تھا اور اللات اس لئے لوگ اس کو اچھا سمجھتے تھے جب وہ فوت ہو گیا تو اس کی شکل کا بت بنا کر اس کی پوجا پاٹ شروع کر دی، اور اسے پکارنے لگے اللات بالتشدید علی انہ سمی بہ لانہ صورة رجل کان یلت السویق بالسمن ویطعم الحاج (بیضاوی)۔

”العزی“ یہ ایک شیطانہ جنیہ تھی جو وادی نخلہ میں واقع کیکر کی تین درختوں میں رہتی تھی وہاں مشرکین نے ایک عبادت گاہ بھی بنا رکھی تھی اور عزی کے نام پر کئی بت بھی تراش کر مختلف جگہوں میں رکھ لئے تھے۔ مشرکین جب وادی

نخلہ میں عزی کی عبادت گاہ میں اس کی عبادت اور پکار کے لئے آتے تو وہ شیطانہ ان سے باتیں بھی کرتی تھی۔ وکانت بوادی نخلۃ الشامیۃ فوق ذات عرق فبنوا علیہا بیتا وکانوا یسمعون منها الصوت . عن ابن عباسؓ کانت العزی شیطانۃ تأسی ثلاث سمرات بطن نخلۃ (قرطبی)۔ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ ان تینوں درختوں کو کاٹ ڈالیں چنانچہ جب وہ دو درختوں کو کاٹ کر تیسرے کو کاٹنے لگے تو اس سے ایک چڑیل نمودار ہوئی جس کے بال پراگندہ تھے اور واویلا کرنے لگی۔ خالد بن ولید نے اسے قتل کر دیا (روح، خازن، قرطبی)۔

”منات“ یہ ایک بت تھا جس کا استھان مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع تھا مشرکین اس کی قربان گاہ پر اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے قربانیاں دیتے اور اس کی برکت سے بارش طلب کرتے تھے کانوا یریقون عنده الدماء یتقربون بذلک الیہ (قرطبی) ایک قرأت میں منات ہے ومنات مکی مفعلة من النوء کانہم کانوا یستمطرون عندها الانواء تبر کا بہا۔ (مدارک)۔

”افرأیتم“ بمعنی اخیرونی “ ہے یعنی مجھے بتاؤ تو سہی یہ لالت وعزی ومنات جن کو تم پکارتے ہو کیا وہ تمہارے نفع و نقصان کا اختیار رکھتے ہیں؟ یا وہ قادر و متصرف ہیں؟ کہ تم نے ان کو عبادت اور پکار میں اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔ افرأیتم هذه الالهة هل نفعت او ضرت حتى تكون شركاء لله (قرطبی) اخیرونی عن الہتکم هل لها شیء من القدرة و العظمة التي وصف بہارب العزۃ فی الامی السابقة وقیل المعنی اظننتم ان هذه الاصنام التي تعبدونہا تنفعکم (روح) استہام انکاری ہے یعنی وہ نہ قادر و متصرف ہیں نہ نفع و نقصان کے مختار۔ اس لئے مصائب و حاجات میں ان کو مت پکارو۔

”الکم الذکر“ یہ سورۃ کے دوسرے دعوے کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی شفیع غالب نہیں۔ مشرکین اپنے لئے تو بیٹے پسند کرتے لیکن اسکے ساتھ ہی فرشتوں کو اللہ کا بیٹیاں کہتے یعنی فرشتے اللہ کو اس قدر محبوب ہیں جس طرح ایک باپ کو بیٹیاں محبوب ہوتی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ فرشتوں کی سفارش کو ہرگز رد نہیں کرتا۔ فرمایا یہ تقسیم تو سراسر بے انصافی پر مبنی اور عدل و انصاف سے ہٹی ہوئی ہے۔ کیونکہ وہ جس کو خود ناپسند کرتے ہیں اس کی نسبت اللہ کی طرف کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ اس لیے انکا یہ کہنا غلط ہے اور بے انصافی پر مبنی ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں اور اس کی بارگاہ میں شفیع قاہر ہیں۔

﴿۱۳﴾ اِنَّ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحى ﴿۱۳﴾ عَلَّمَهُ شَدِيدُ الْقُوَى ﴿۱۳﴾

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ (قرآن) تو حکم الہی ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔ ان کو نہایت قوت والے نے سکھایا

ذُو مِرَّةٍ فَاسْتَوَى ﴿۱۴﴾ وَهُوَ بِالْأُفُقِ الْأَعْلَى ﴿۱۴﴾ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّى ﴿۱۴﴾

طاقتور نے پھر وہ پورے نظر آئے۔ اور وہ (آسمان کے) اونچے کنارے میں تھے۔ پھر قریب ہوئے اور آورا آگے بڑھے۔

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى ﴿۱۵﴾ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ ﴿۱۵﴾

تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأَىٰ ﴿۱۶﴾ أَفَتُمَارُونَهُ عَلَىٰ مَا يَرَىٰ ﴿۱۶﴾

جو کچھ انہوں نے دیکھا ان کے دل نے اس کو جھوٹ نہ جانا۔ کیا جو کچھ وہ دیکھتے ہیں تم اس میں ان سے جھگڑتے ہو۔

وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ ﴿۱۷﴾ جِئِدَ سِدْرَةَ الْمُنتَهَىٰ ﴿۱۷﴾ جِئِدَ جَنَّةِ الْمَأْوَىٰ ﴿۱۷﴾

اور انہوں نے اس کو ایک اور بار بھی دیکھا ہے۔ پرلی حد کی بیری کے پاس۔ اسی کے پاس رہنے کی جنت ہے۔

﴿۱۸﴾ يَغْشَى السُّدْرَةَ مَا يَغْشَى ﴿۱۸﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغَى ﴿۱۸﴾

جب کہ اس بیری پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔ ان کی آنکھ نہ تو اور طرف مائل ہوئی اور نہ (حد سے) بڑھی۔

لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَىٰ ﴿۱۹﴾ أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ ﴿۱۹﴾

انہوں نے اپنے پروردگار (کی قدرت) کی کتنی ہی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ بھلا تم لوگوں نے لات اور عزیٰ کو دیکھا؟

وَمَنْ أَعْرَسَ أَعْرَسًا أُخْرَىٰ ﴿۲۰﴾ لَكُمْ الذِّكْرُ وَلَهُ الْأُنثَىٰ ﴿۲۰﴾

اور تیسرے منات کو (کہ یہ بت کہیں معبود ہو سکتے ہیں؟) (مشکو!) کیا تمہارے لئے تو بیٹے اور اللہ کے لئے بیٹیاں؟

تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيزَىٰ ﴿۲۱﴾ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمِيَتْهُمُوهَا أَنْتُمْ ﴿۲۱﴾

یہ تقسیم تو بہت بے انصافی کی ہے۔ وہ تو صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے گھڑ لئے ہیں

وَأَبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَِا مِنْ سُلْطٰنٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ

اللہ نے تو ان کی کوئی سند نازل نہیں کی یہ لوگ محض ظن (فاسد) اور خواہشاتِ نفس کے پیچھے چل رہے ہیں

﴿۲۳﴾ وَمَا تَهْوٰى اَلْاَنۡفُسُ وَاَلۡقَدَّ جَاۡءَ هُمۡ مِّنۡ رَّبِّهُمۡ اَلۡهُدٰى ﴿۲۳﴾

حالانکہ ان کے پروردگار کی طرف سے ان کے پاس ہدایت آچکی ہے۔

﴿۲۴﴾ اَمۡ لِلۡاِنۡسٰنِ مَا تَمَنٰى ﴿۲۴﴾ لِلّٰهِ الْاٰخِرَةُ وَاَلۡاَوَّلٰى ﴿۲۴﴾

کیا جس چیز کی انسان آرزو کرتا ہے وہ اسے ضرور ملتی ہے؟ آخرت اور دنیا تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

وَكَمۡ مِّنۡ مَّلٰكٍ فِى السَّمٰوٰتِ لَا تُغۡنِى شَفَاعَتُهُمۡ شَيْۡئًا

اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ بھی فائدہ نہیں دیتی

﴿۲۵﴾ اِلَّا مَنۡ بَعَدَ اَنْ يَّاۡذَنَ اللّٰهُ لِمَنۡ يَّشَآءُ وَيَرۡضٰى ﴿۲۵﴾

مگر اس وقت کہ اللہ جس کے لئے چاہے اجازت بخشے اور (سفارش) پسند کرے۔

﴿۲۶﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ لَیَسۡمُوۡنَ الْمَلٰٓئِکَةَ تَسۡمِیۡةَ الْاُنۡثٰى ﴿۲۶﴾

جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ فرشتوں کو (اللہ کی) لڑکیوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

﴿۲۷﴾ وَمَا لَهُمۡ بِهٖ مِنْ عِلۡمٍ اِنْ یَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا یُغۡنِی مِنَ الْحَقِّ شَیۡئًا ﴿۲۷﴾

حالانکہ ان کو اس کی کچھ خبر نہیں وہ صرف ظن پر چلتے ہیں اور ظن یقین کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔

﴿۲۸﴾ فَاَعۡرِضۡ عَنۡ مَّنۡ تَوَلّٰى عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاَلۡمَ یُرۡدِ اِلَّا الْحَیۡوةَ الدُّنْیَا ﴿۲۸﴾

تو جو ہماری یاد سے روگردانی کرے اور صرف دنیا ہی کی زندگی کا خواہاں ہو اس سے تم بھی منہ پھیر لو۔

ذٰلِکَ مَبۡلَغُهُمۡ مِّنَ الْعِلۡمِ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعۡلَمُ بِمَنۡ ضَلَّ عَنۡ سَبِیۡلِهٖ وَهُوَ

ان کے علم کی یہی انتہا ہے تمہارا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹک گیا اور

أَعْلَمُ بِمَنْ اهْتَدَىٰ ﴿۳۰﴾ ۞ وَرَبُّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لِيَجْزِيَ

اس سے بھی خوب واقف ہے جو رستے پر چلا۔ اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

الَّذِينَ أَسَاءُوا بِمَا عَمِلُوا وَيَجْزِي الَّذِينَ الَّذِينَ أَحْسَنُوا بِالْحُسْنَىٰ ﴿۳۱﴾ ۞

سب اللہ ہی کا ہے (اور اس نے خلقت کو) اس لئے (پیدا کیا ہے) کہ جن لوگوں نے نیکیاں کیں ان کو نیک بدلادے

الَّذِينَ يَجْتَنِبُونَ كَبَائِرَ الْأَثَمِ وَالْفَوَاحِشَ إِلَّا اللَّمَمَ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعٌ

جو صغیرہ گناہوں کے سوا بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے اجتناب کرتے ہیں بیشک تمہارا پروردگار بڑی

الْمَغْفِرَةِ هُوَ أَعْلَمُ بِكُمْ إِذْ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَإِذْ أَنْتُمْ أَجْنَةٌ فِي بُطُونِ

بجائش والا ہے وہ تمہیں خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے

أُمَّهَاتِكُمْ فَلَا تُزَكُّوهُ أَنْفُسِكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَىٰ ﴿۳۲﴾ ۞ أَلَمْ يَرَأِ الْذِي تَوَلَّىٰ ﴿۳۳﴾ ۞

تو اپنے آپ کو پاک صاف نہ جتاؤ جو پرہیزگار ہے وہ اس سے خوب واقف ہے۔ جھلاتم نے اس شخص کو دیکھا جس نے منہ پھیر لیا؟

وَأَعْطَىٰ قَلِيلًا وَأَكْدَىٰ ﴿۳۴﴾ ۞ إِنَّهُ عِنْدَهُ عِلْمُ الْغَيْبِ فَهَوَّ يَرَىٰ ﴿۳۵﴾ ۞

اور تھوڑا سا دیا (پھر) ہاتھ روک لیا۔ کیا اس کے پاس غیب کا علم ہے کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہے؟

أَمْ لَمْ يُنَبِّأْ بِمَا فِي صُحُفِ مُوسَىٰ ﴿۳۶﴾ ۞ وَبُرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّىٰ ﴿۳۷﴾ ۞

کیا جو باتیں موسیٰ کے صحیفوں میں ہیں ان کی اس کو خبر نہیں پہنچی؟ اور ابراہیم کی جنہوں نے (حق رسالت) پورا کیا۔

الَّتِي تَزُرُّ وَازِرَةً وَرَزَّ أُخْرَىٰ ﴿۳۸﴾ ۞ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَىٰ ﴿۳۹﴾ ۞

یہ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَىٰ ﴿۴۰﴾ ۞ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَىٰ ﴿۴۱﴾ ۞

اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

﴿۱۳۳﴾ وَإِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الْمُنتَهَىٰ ﴿۱۳۳﴾ وَإِنَّهُ هُوَ أَضْحَكَ وَأَبْكَی ﴿۱۳۳﴾

اور یہ کہ تمہارے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے۔ اور یہ کہ وہ ہنساتا اور رلاتا ہے

﴿۱۳۴﴾ وَإِنَّهُ هُوَ آمَاتٌ وَأَحْيَا ﴿۱۳۴﴾ وَإِنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿۱۳۴﴾

اور یہ کہ وہی مارتا اور جلاتا ہے۔ اور یہ کہ وہی نر اور مادہ دو قسم (کے حیوان) پیدا کرتا ہے۔

﴿۱۳۵﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ﴿۱۳۵﴾ وَإِنَّ عَلَيْهِ النَّشَاءَ الْآخِرَىٰ ﴿۱۳۵﴾ وَإِنَّهُ هُوَ أَغْنَىٰ وَأَقْنَىٰ

نطفے سے جو (رحم میں) ڈالا جاتا ہے۔ اور یہ کہ اسی پر دوبارہ اٹھانا لازم ہے۔ اور یہ کہ وہی دولت مند بناتا اور مفلس کرتا ہے

﴿۱۳۶﴾ وَإِنَّهُ هُوَ رَبُّ الشُّعْرَىٰ ﴿۱۳۶﴾ وَإِنَّهُ أَهْلَكَ عَادًا الْأُولَىٰ ﴿۱۳۶﴾

اور یہ کہ وہی شعریٰ کا مالک ہے۔ اور یہ کہ اسی نے عاد اول کو ہلاک کر ڈالا۔

﴿۱۳۷﴾ وَتَمُودًا فَمَا أَبْقَىٰ ﴿۱۳۷﴾ الْقَوْمِ نُوْحٍ مِّنْ قَبْلِ إِنْهُمْ كَانُوا هُمْ أَظْلَمَ وَأَطْعَىٰ ﴿۱۳۷﴾

اور تمود کو بھی اور کسی کو باقی نہ چھوڑا۔ اور ان سے پہلے قوم نوح کو بھی کچھ شک نہیں کہ وہ لوگ بڑے ہی ظالم اور بڑے ہی سرکش تھے

﴿۱۳۸﴾ وَالْمُوتَفِكَةَ أَهْوَىٰ ﴿۱۳۸﴾ كَشَفَهَا مَا غَشَىٰ ﴿۱۳۸﴾ الْآيَاتِ الْآلَاءِ رَبِّكَ تَتَمَارَىٰ

اور اسی نے اسی ہوئی بستیوں کو دے ٹپکا۔ پھر ان پر چھایا جو چھایا۔ تو تو اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت پر جھگڑے گا

﴿۱۳۹﴾ الْبُذَانَ نَذِيرٌ مِّنَ النَّذْرِ الْأُولَىٰ ﴿۱۳۹﴾ لَقِيتَ الْأَرْفَةَ ﴿۱۳۹﴾

یہ (محمد ﷺ) بھی اگلے ڈرستانے والوں میں سے ایک ڈرستانے والے ہیں آنے والی (یعنی قیامت) قریب آ پہنچی۔

﴿۱۴۰﴾ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ كَاشِفَةٌ ﴿۱۴۰﴾ كَاشِفَةٌ ﴿۱۴۰﴾ هَذَا الْحَدِيثِ تَعْجَبُونَ ﴿۱۴۰﴾

اس (دن کی تکلیفوں) کو اللہ کے سوا کوئی دُور نہیں کر سکے گا۔ (اے منکرین) کیا تم اس کلام سے تعجب کرتے ہو؟

﴿۱۴۱﴾ وَتَضْحَكُونَ وَلَا تَبْكُونَ ﴿۱۴۱﴾ وَأَنْتُمْ سَامِدُونَ ﴿۱۴۱﴾ سَجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا ﴿۱۴۱﴾

اور ہنستے ہو اور روتے نہیں؟ اور تم غفلت میں پڑ رہے ہو۔ تو اللہ کے آگے سجدہ کرو اور (اسی کی) عبادت کرو۔

سورة القمر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اَقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَاَنْشَقَّ الْقَمَرُ ﴿۱﴾ وَاِنْ يَّرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا وَيَقُولُوا

قیامت قریب آ پہنچی اور چاند پھٹ گیا گیا۔ اور اگر (کافر) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ﴿۲﴾ وَكَذَّبُوا وَاتَّبَعُوا اَهْوَاءَهُمْ وَكُلُّ امْرٍ مُّسْتَقِرٌّ ﴿۳﴾

یہ ایک ہمیشہ کا جادو ہے۔ اور انہوں نے جھٹلایا اور اپنی خواہشوں کی پیروی کی اور ہر کام کا وقت مقرر ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنَ الْاَنْبَاءِ مَا فِيهِ مُزْدَجَرٌ ﴿۴﴾ حِكْمَةٌ بِالِغَةِ فَمَا تَغْنِ النَّذْرُ

اور ان کو ایسے حالات پہنچ چکے ہیں جن میں عبرت ہے۔ اور کامل دانائی (کی کتاب بھی) لیکن ڈرانا ان کو کچھ فائدہ نہیں دیتا

تَوَلَّوْا عَنْهُمْ يَوْمَ يَدْعُ الدَّاعِ اِلَى شَيْءٍ نُّكْرٍ ﴿۵﴾

تو تم بھی ان کی کچھ پروا نہ کرو جس دن بلانے والا ان کو ایک ناخوش چیز کی طرف بلائے گا۔

خُشَعًا اَبْصَارُهُمْ يَخْرُجُونَ مِنَ الْاَجْدَاثِ كَانَهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ﴿۶﴾

تو آنکھیں نیچی کئے ہوئے قبروں سے نکل پڑیں گے گویا بکھری ہوئی مٹی ہیں۔

مُهْطِعِينَ اِلَى الدَّاعِ يَقُولُ الْكٰفِرُونَ هَذَا يَوْمٌ عَسِرٌ ﴿۷﴾

اس بلانے والے کی طرف دوڑ رہے ہوں گے کافر کہیں گے یہ دن بڑا سخت ہے۔

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ فَكَذَّبُوا عَبْدَنَا وَقَالُوا مَجْنُونٌ وَّاَزْدُجِرَ ﴿۸﴾

ان سے پہلے نوح کی قوم نے بھی تکذیب کی تھی تو انہوں نے ہمارے بندے کو جھٹلایا اور کہا کہ دیوانہ ہے اور انہیں ڈانٹا بھی۔

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرُ ﴿۱۰﴾ فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُنْهَمِرٍ

تو انہوں نے اپنے پروردگار سے دعا کی کہ ہمیں کمزور ہوں تو بدلا لے لے پس ہم نے زور کے مینہ سے آسمان کے دہانے کھول دیئے

﴿۱۱﴾ فَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ﴿۱۲﴾

اور زمین میں چشمے جاری کر دیئے تو پانی ایک کام کے لئے جو مقدر ہو چکا تھا جمع ہو گیا۔

وَحَمَلْنَاهُ عَلَى ذَاتِ الْأَوَّاحِ وَدُوسِرٍ ﴿۱۳﴾ فَجَرِي بِأَعْيُنِنَا

اور ہم نے نوح کو ایک کشتی پر جو تختوں اور میٹھوں سے تیار کی گئی تھی سوار کر لیا۔ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے چلتی تھی

جَزَاءً لِّمَن كَانَ كُفِرًا ﴿۱۴﴾ وَلَقَدْ تَرَكْنَاهَا آيَةً فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ﴿۱۵﴾

اس شخص کے انتقام کے لئے جس کا انکار کیا گیا تھا۔ اور ہم نے اس کو ایک عبرت بنا چھوڑا تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے۔

فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ يَسْرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا۔ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟

مُدَكِّرٍ ﴿۱۷﴾ كَذَّبَتْ عَادٌ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ﴿۱۸﴾

عاد نے بھی تکذیب کی تھی سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا صَرْصَرًا فِي يَوْمٍ نَحْسٍ مُّسْتَمِرٍّ ﴿۱۹﴾

ہم نے ان پر سخت منخوس دن میں آندھی چلائی۔

تَنْزِعُ النَّاسَ كَأَنَّهُمْ أَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ﴿۲۰﴾ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ

وہ لوگوں کو (اس طرح) اکھیرے ڈالتی تھی گویا اکھڑی ہوئی کھجوروں کے تنے ہیں۔ سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہوا؟

﴿۲۱﴾ وَلَقَدْ يَسْرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ﴿۲۲﴾ كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِالنُّذْرِ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟۔ ثمود نے بھی ہدایت کرنے والوں کو جھٹلایا۔

﴿۳۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَبْشِرُوا بِنَصْرِنَا وَاحِدًا نَتَّبِعُهُ إِنَّا إِذَا لَفِيَ ضَلَالٍ وَسُعْرٍ ﴿۳۳﴾

اور کہا کہ بھلا ایک آدمی جو ہم ہی میں سے ہے ہم اس کی پیروی کریں؟ یوں ہو تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ گئے

ءَ الْقِيَ الذُّكْرُ عَلَيْهِ مِنْ بَيْنِنَا بَلْ هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ يَعْلَمُونَ غَدًا

کیا ہم سب میں سے اسی پر وحی نازل ہوئی ہے؟ (نہیں) بلکہ یہ جھوٹا خود پسند ہے۔ ان کو کل ہی معلوم ہو جائے گا کہ

مِّنَ الْكُذَّابِ الْأَشِرِّ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ مَرْسَلُو النَّاقَةَ فِتْنَةً لَهُمْ فَارْتَقِبْهُمْ وَاصْطَبِرْ

کون جھوٹا خود پسند ہے۔ (اے صالح!) ہم ان کی آزمائش کے لئے اونٹنی بھیجنے والے ہیں تو تم ان کو دیکھتے رہو اور صبر کرو۔

﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾ وَبُئِئْهُمْ أَنَّ الْمَاءَ قِسْمَةٌ بَيْنَهُمْ كُلُّ شَرْبٍ مُّحْتَضِرٌ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۸﴾

اور ان کو آگاہ کر دو کہ ان میں پانی کی باری مقرر کر دی گئی ہے ہر (باری والے کو اپنی) باری پر آنا چاہیے

﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾ فَنَادُوا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطَى فَعَقَرَ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾ كَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذْرٍ ﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾

تو ان لوگوں نے اپنے رفیق کو بلایا تو اس نے (اونٹنی کو پکڑ کر اس کی) کونچیں کاٹ ڈالیں۔ سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب اور ڈرانا کیسا ہے؟

﴿۴۰﴾ ﴿۴۰﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَاحِدَةً فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۱﴾

ہم نے ان پر (عذاب کے لئے) ایک چیخ بھیجی تھی تو وہ ایسے ہو گئے جیسے ہار والے کی سوکھی اور ٹوٹی ہوئی ہاڑ۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّذَكِّرٍ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۲﴾ ذَّبَّتْ قَوْمٌ لُّوطٍ بِالنُّذْرِ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ لوط کی قوم نے بھی ڈر سنانے والوں کو جھٹلایا تھا

﴿۴۳﴾ ﴿۴۳﴾ إِنَّا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَاصِبًا إِلَّا آلَ لُوطٍ نَّجَّيْنَاهُمْ بِسَحْرِ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۴﴾

تو ہم نے ان پر کنکر بھری ہوا چلائی مگر لوط کے گھر والے کہ ہم نے ان کو پچھلی رات ہی سے بچا لیا۔

نِعْمَةٌ مِّنْ عِنْدِنَا كَذَلِكَ نَجْزِي مَنْ شَكَرَ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۵﴾ وَاللَّهُ أَنْذَرَهُمْ بَطْشَتَنَا

اپنے فضل سے۔ شکر کرنے والوں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ اور لوط نے ان کو ہماری پکڑ سے ڈرایا بھی تھا

فَتَمَارُوا بِالنُّذْرِ ﴿۱۷۴﴾ وَالْقَدْ رَاوَدُوهُ عَنِ ضَيْفِهِ فَطَمَسْنَا أَعْيُنَهُمْ

مگر انہوں نے ڈرانے میں شک کیا۔ اور ان سے ان کے مہمانوں کو لے لینا چاہا تو ہم نے ان کی آنکھیں مٹا دیں

فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذْرِي ﴿۱۷۵﴾ وَالْقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُسْتَقِرٌّ ﴿۱۷۸﴾

سو (اب) میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔ اور ان پر صبح سویرے ہی اٹل عذاب آنازل ہوا۔

فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذْرِي ﴿۱۷۶﴾ وَالْقَدْ يَسْرِنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ ﴿۱۸۰﴾

تو اب میرے عذاب اور ڈرانے کے مزے چکھو۔ اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟ [۱]

[1] ”وَلَقَدْ يَسْرِنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ“ یعنی قرآن کے جو مضامین نصیحت و موعظت

ترغیب و ترہیب سے متعلق ہیں، وہ بالکل صاف سہل اور موثر ہیں، پھر کوئی سوچنے سمجھنے کا ارادہ بھی کرے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے نہ اس میں دقائق و غوامض ہیں نہ اس میں اسرار و حکم، بھلا یہ کیسے فرض کر لیا جائے کہ اللہ علیم وخبیر جب اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے تو العیاذ باللہ وہ اپنے لائق و متناہی علم سے کورا ہو جاتا ہے، یقیناً اس کے کلام میں وہ گہرے حقائق اور باریکیاں ہونگی جس کا ہلکا سا اشارہ حدیث ”لا تنقصی عجائبہ“ میں ہے۔ (ترمذی)۔

اور واقعہ یہ ہے کہ کلام الملوک ملوک الکلام کی رو سے وہ خصوصیات دوسرے کے کلام میں کہاں مل سکتی ہیں، فقہاء اور حکماء امت نے اس کے دقائق و اسرار کے سراغ لگانے میں اور احکام شریعت مستنبط کرنے میں عمریں کھپا دیں، تب اس سمندر کی تہہ تک نہ پہنچ سکے، اس لئے محض اس آیت پر سرسری نظر کر کے مجتہد بننے کی ہوس کرنا قطعاً غلط ہے، نصیحت میں موثر اور سہل ہونے سے یہ کیسے لازم آگیا کہ وجوہ استنباط بھی آسان ہیں، یہ جملہ کئی قصوں میں دہرایا گیا ہے، تا کہ معلوم ہو سکے کہ ہر واقعہ بجائے خود ایک مستقل درس عبرت ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَ آلَ فِرْعَوْنَ النَّذْرُ ﴿١١﴾ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُلِّهَا فَأَخَذْنَاهُمْ

اور تو فرعون کے پاس بھی ڈرسانے والے آئے۔ انہوں نے ہماری تمام نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کو اس طرح پکڑ لیا

أَخَذَ عَزِيزٌ مُّقْتَدِرٌ ﴿١٢﴾ كَفَّارُكُمْ خَيْرٌ مِّنْ أَوْلِيكُمُ امَّ لَكُمْ بَرَاءٌ فِي الزُّبُرِ ﴿١٣﴾

جس طرح ایک قوی اور غالب شخص پکڑ لیتا ہے۔ کیا تمہارے کافر ان لوگوں سے بہتر ہیں یا تمہارے لئے کتابوں میں کوئی فارغ خطی لکھ دی گئی ہے

أَمْ يَقُولُونَ نَحْنُ جَمِيعٌ مُّتَمَصِّرٌ ﴿١٤﴾ سِيْهُمُ الْجَمْعُ وَيُولُونَ الدُّبْرَ ﴿١٥﴾

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہماری جماعت بڑی مضبوط ہے۔ عنقریب یہ جماعت شکست کھائے گی اور یہ لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے

بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَذْهَىٰ وَأَمْرٌ ﴿١٦﴾ لِلْمُجْرِمِينَ

ان کے وعدے کا وقت تو قیامت ہے اور قیامت بڑی سخت اور بڑی تلخ ہے۔ بیشک گنہگار لوگ

فِي ضَلَالٍ وَسُعُرٍ ﴿١٧﴾ يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا

گمراہی اور عذاب میں (بتلا) ہیں۔ اس روز منہ کے بل دوزخ میں گھسیٹے جائیں گے اب آگ

مَسَّ سَقَرَ ﴿١٨﴾ كُلُّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ﴿١٩﴾ مَا أَمْرُنَا إِلَّا وَاحِدَةٌ

کا مزہ چکھو۔ ہم نے ہر چیز اندازہ مقرر کے ساتھ پیدا کی ہے۔ اور ہمارا حکم تو آنکھ کے جھپکنے کی طرح

كَلِمَةٍ بِالْبَصَرِ ﴿٢٠﴾ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدْكِرٍ ﴿٢١﴾

ایک بات ہوتی ہے۔ اور ہم تمہارے ہم نسلوں کو ہلاک کر چکے ہیں تو کوئی ہے کہ سوچے سمجھے؟

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ﴿٢٢﴾ لَوْ كُنَّا صَغِيرٌ وَكَبِيرٌ مُّسْتَطِرٌّ ﴿٢٣﴾

اور جو کچھ انہوں نے کیا (ان کے) اعمال ناموں میں (مندرج) ہے۔ (یعنی) ہر چھوٹا اور بڑا کام لکھ دیا گیا ہے۔

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّةٍ وَنَهْرٍ ﴿٢٤﴾ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيكٍ مُّقْتَدِرٍ ﴿٢٥﴾

جو پرہیزگار ہیں وہ باغوں اور نہروں میں ہوں گے۔ پاک مقام میں ہر طرح کی قدرت رکھنے والے بادشاہ کی بارگاہ میں

سورة الرحمن (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴿۴﴾

(اللہ جو) نہایت مہربان۔ اسی نے قرآن کی تعلیم فرمائی۔ اسی نے انسان کو پیدا کیا۔ اسی نے اس کو بولنا سکھایا۔

الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴿۵﴾ وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ ﴿۶﴾

سورج اور چاند ایک حساب مقرر سے چل رہے ہیں۔ اور بوٹیاں اور درخت سجدہ کر رہے ہیں۔

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ ﴿۷﴾ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيزَانِ ﴿۸﴾

اور اسی نے آسمان کو بلند کیا اور ترازو قائم کی۔ کہ ترازو (سے تولنے) میں حد سے تجاوز نہ کرو۔

وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِيزَانَ ﴿۹﴾

اور انصاف کے ساتھ ٹھیک تولو اور تول کم مت کرو۔

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ﴿۱۰﴾ فِيهَا فَاكِهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ﴿۱۱﴾

اور اسی نے مخلوق کے لئے زمین بچھائی۔ اس میں میوے اور کھجور کے درخت ہیں جن کے خوشوں پر غلاف ہوتے ہیں۔

وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ﴿۱۲﴾ اَلْبَيِّ اَلْاَبْيِ الْاَبْيِ رَبُّكُمَا تُكْذِبَانِ ﴿۱۳﴾

اور اناج جس کے ساتھ بھس ہوتا ہے اور خوشبودار پھول۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ﴿۱۴﴾ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ

اسی نے انسان کو ٹھیکرے کی طرح کھکھناتی مٹی سے پیدا کیا۔ اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔

﴿فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ ﴿١٤﴾ ﴿تُبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ﴾ ﴿١٥﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ وہی دونوں مشرقوں اور دونوں مغربوں کے مالک ہے۔

﴿فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ ﴿١٨﴾ ﴿يَخْرُجُ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ﴾ ﴿١٩﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ اسی نے دو دریا رواں کئے جو آپس میں ملتے ہیں۔

﴿بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ﴾ ﴿٢٠﴾ ﴿فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ ﴿٢١﴾

دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ ﴿٢٢﴾ ﴿فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ ﴿٢٣﴾

دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنشَآتُ فِي الْبَحْرِ كَالْأَعْلَامِ﴾ ﴿٢٤﴾ ﴿فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا

اور جہاز بھی اسی کے ہیں جو دریا میں پہاڑوں کی طرح اونچے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو

﴿تُكَذِّبَانِ﴾ ﴿٢٥﴾ ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ ﴿٢٦﴾ ﴿وَبَقِيَ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ

جھٹلاؤ گے؟ جو (مخلوق) زمین پر ہے سب کوفنا ہونا ہے۔ اور تمہارے پروردگار ہی کی ذات (بابرکت) جو صاحبِ جلال

﴿وَالْأَكْرَامِ﴾ ﴿٢٧﴾ ﴿فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ ﴿٢٨﴾ ﴿سَأَلَهُ مَنْ فِي

وعظمت ہے باقی رہے گی۔ [1] تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ آسمان اور زمین میں جتنے لوگ ہیں سب اسی

﴿السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ ﴿٢٩﴾ ﴿فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا

سے مانگتے ہیں وہ ہر روز وہ ایک شان میں ہے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿تُكَذِّبَانِ﴾ ﴿٣٠﴾ ﴿نَفْرُغُ لَكُمْ أَيُّهَا الثَّقَلَيْنِ﴾ ﴿٣١﴾ ﴿فَبِأَيِّ آيَاتِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ ﴿٣٢﴾

اے دونوں جماعتو! ہم عنقریب تمہاری طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنَّ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ تَنْفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ
اے گروہ جن و انس! اگر تمہیں قدرت ہو کہ آسمان اور زمین کے کناروں سے نکل جاؤ
وَالْأَرْضِ فَاَنْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَنِ ۖ ﴿۱۰۵﴾ ﷻ الْآلِءِ رَبِّكُمْ
تو نکل جاؤ اور زور کے سوا تو تم نکل ہی نہیں سکتے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

[1] ”وَجْهَهُ رَبِّكَ“ وجہ سے مراد جمہور مفسرین کے نزدیک ذات حق سبحانہ و تعالیٰ ہے، اور ربک میں ضمیر خطاب نبی ﷺ کی طرف راجح ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کا خاص اعزاز و اکرام ہے، کہ آپ کو خاص مقام مدح میں کہیں تو ”عبدہ“ کا خطاب ہوا ہے، اور کہیں رب الارباب نے اپنی ذات کی نسبت رسول کی طرف کر کے ربک سے خطاب فرمایا ہے۔ مشہور تفسیر کے مطابق معنی آیت کے یہ ہو گئے کہ زمین و آسمان میں جو کچھ ہے، جن میں جن و انس بھی داخل ہیں سب کے سب فانی ہیں، باقی رہنے والی ایک ہی ذات حق جل و علی شانہ کی ہے۔ اور وجہ کی اطلاق قرآن کریم میں نفس پرکئی جگہوں میں موجود ہیں: مثلاً سورہ یوسف: ۹، یونس: ۱۰۵، و روم: ۳۰۔

فانی ہونے سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ سب چیزیں اس وقت بھی اپنی ذات میں فانی ہیں، ان میں دوام و بقاء کی صلاحیت نہیں، اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قیامت کے روز یہ سب چیزیں فنا ہو جائیں گی۔ اور بعض مفسرین نے ”وَجْهَهُ رَبِّكَ“ کی تفسیر جہت اور سمت سے کی ہے، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہو جائیں گے کہ کل موجودات میں بقا صرف اس چیز کو ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب میں ہے، اس میں اس کی ذات و صفات بھی داخل ہیں، اور مخلوقات کے اعمال و احوال میں جس چیز کا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہے وہ بھی شامل ہے، جس کا حاصل یہ ہوگا کہ انسان اور جن اور فرشتے جو کام اللہ کے لئے کرتے ہیں وہ کام بھی باقی ہے، وہ فنا نہیں ہوگا، (مظہری، قرطبی، روح المعانی)۔

اور اس مضمون کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے ”مَاعِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَاعِنْدَ اللَّهِ بَاقٌ“ (نحل: ۹۶) یعنی جو کچھ تمہارے پاس ہے، مال و دولت ہو یا قوت و طاقت یا راحت و کلفت یا کسی کی محبت و عداوت یہ سب چیزیں فنا ہونے والی ہیں، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ اللہ کے پاس انسان کے اعمال و احوال میں سے وہ چیز ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے کہ اس کو فنا نہیں، واللہ اعلم۔

﴿۲۳﴾ تَكْذِبَانَ ﴿۲۳﴾ سَلَّ عَلَيْكُمَا شُواظٌ مِّنْ نَّارٍ وَنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ ﴿۲۳﴾

تم پر آگ کے شعلے اور دھواں چھوڑ دیا جائے گا تو پھر تم مقابلہ نہ کر سکو گے۔

﴿۲۴﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكْذِبَانِ ﴿۲۴﴾ اِنشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ پھر جب آسمان پھٹ کر تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا وہ کیسا ہولناک دن ہوگا

﴿۲۵﴾ كَالدَّهَانِ ﴿۲۵﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكْذِبَانِ ﴿۲۵﴾ لِيَوْمٍ مِّثْلٍ لَا يُسْأَلُ عَنْ

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟۔ اس روز نہ تو کسی انسان سے اس کے گناہوں کے بارے میں پرش

﴿۲۶﴾ ذَنْبِهِ إِنْسٌ وَلَا جَانٌ ﴿۲۶﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكْذِبَانِ ﴿۲۶﴾

کی جائے گی اور نہ کسی جن سے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

﴿۲۷﴾ يُعْرِفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمِهِمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ ﴿۲۷﴾

گنہگار اپنے چہرے ہی سے پہچان لئے جائیں گے تو پیشانی کے بالوں اور پاؤں سے پکڑ لئے جائیں گے۔

﴿۲۸﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكْذِبَانِ ﴿۲۸﴾ هَذِهِ جَهَنَّمُ الَّتِي يُكْذِبُ بِهَا

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ یہی وہ جہنم ہے جسے گنہگار لوگ جھٹلاتے تھے

﴿۲۹﴾ الْمُجْرِمُونَ ﴿۲۹﴾ يُطُوفُونَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ حَمِيمٍ آتٍ ﴿۲۹﴾

وہ دوزخ اور کھولتے ہوئے گرم پانی کے درمیان گھومتے پھریں گے۔

﴿۳۰﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكْذِبَانِ ﴿۳۰﴾ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّاتٍ

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس کے لئے دو باغ ہیں

﴿۳۱﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكْذِبَانِ ﴿۳۱﴾ وَآتَا أَفْنَانَ ﴿۳۱﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان دونوں میں بہت سی شاخیں (یعنی قسم قسم کے میووں کے درخت ہیں)

تُكَذِّبَانِ ﴿٤٤﴾ فِيهِمَا عَيْنٌ تَجْرِيْنِ ﴿٤٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٦﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں دو چشمے بہ رہے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

فِيهِمَا مِنْ كُلِّ فَاكِهَةٍ زَوْجِنِ ﴿٤٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٤٨﴾

ان میں سب میوے دو دو قسم کے ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

مُتَكِيْنٍ عَلَى فُرْشٍ بَطَانُهَا مِنْ إِسْتَبْرَقٍ وَجَنَى الْجَنَّتَيْنِ دَانِ ﴿٤٩﴾

(اہل جنت) ایسے بچھونوں پر جن کے استر اٹلس کے ہیں تکیہ لگائے ہوئے ہوں گے اور دونوں باغوں کے میوے قریب ہیں

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٠﴾ لِيَلْبِسَنَّ قَاصِرَاتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِئِنَّ

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں نیچی نگاہ والی عورتیں ہیں جن کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی

إِنْسٍ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿٥١﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٢﴾

انسان نے ہاتھ لگایا اور نہ کسی جن نے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

كَانَهُنَّ الْيَاقُوتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿٥٣﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٤﴾

گویا وہ یاقوت اور مرجان ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ ﴿٥٥﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٦﴾

نیکی کا بدلہ نیکی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟

وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَيْنِ ﴿٥٧﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٥٨﴾ هَاهُمَا تَانِ ﴿٥٩﴾

اور ان دونوں باغوں کے علاوہ دو باغ اور ہیں۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ دونوں خوب گہرے سبز سیاہی مائل ہیں

فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿٦٠﴾ فِيهِمَا عَيْنٌ نَضَّاحَتِنِ ﴿٦١﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں دو چشمے اہل رہے ہیں۔

﴿۴۸﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۷﴾ فِيهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ ﴿۴۸﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں میوے اور کھجوریں اور انار ہیں۔

﴿۴۹﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۴۹﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ خِيَرَاتٌ حَسَنَةٌ ﴿۵۰﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان میں نیک سیرت (اور) خوبصورت عورتیں ہیں۔

﴿۵۱﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۱﴾ هٰؤُرٌ مَّقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ ﴿۵۲﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ (وہ) حوریں (ہیں جو) خیموں میں مستور (ہیں)۔

﴿۵۳﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۳﴾ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَانٌّ ﴿۵۴﴾

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ ان کو اہل جنت سے پہلے نہ کسی انسان نے ہاتھ لگایا نہ کسی جن نے۔

﴿۵۵﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۵﴾ كٰٓئِيْنَ عَلٰى رَفْرَفٍ خُضْرٍ

تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ سبز قالینوں اور نفیس مسندوں پر

﴿۵۶﴾ وَعَبَقْرِيٍّ حَسَانٍ ﴿۵۶﴾ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ﴿۵۷﴾

تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ تو تم اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمت کو جھٹلاؤ گے؟ [2]

﴿۵۸﴾ تَبٰرَكَ اِسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۵۸﴾

تمہارا پروردگار جو صاحبِ جلال و عظمت ہے اس کا نام بڑا بابرکت ہے۔

[2] یعنی اے جن وانس ابھی تمہارے پروردگار کی جو عظیم الشان نعمتیں اور قدرت کی نشانیاں بیان کی گئی ہیں، ان

میں سے تم آخر کس کس نعمت کے جھٹلانے کی جرأت کرو گے، کیا ان کا انکار کیا جاسکتا ہے؟ اس لئے حدیث میں ہے کہ

ہر بار اس کے بعد لا بشیء من نعمتک ربنا نکذب فلک الحمد، پڑھنا چاہئے، یعنی ہم آپ کی کسی بھی نعمت

کو جھٹلا نہیں سکتے، بلکہ آپ کے شکر گزار ہیں۔ (ترمذی: ۳۳۴۵) اگرچہ جنات کا ذکر پہلے صراحتاً نہیں ہوا مگر اول تو لفظ

’انام‘ میں وہ بھی داخل ہیں، دوسرے آیت: ’وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون‘ میں دونوں کی پیدائش کی حکمت عبادت بتلائی گئی ہے، تیسرے ’خلق الانسان، وخلق الجن، سنفرغ لكم ايها الثقلان، يامعشر الجن والانس، انس قبلهم ولاجان‘ میں صراحتاً انسان اور جن دونوں کا ذکر فرمایا گیا ہے اس لئے ان قرآن کی وجہ سے یہاں بھی دونوں مخاطب ہیں۔

یہ تفریحی آیت اس سورت میں اکتیس جگہ آئی ہے، اور ہر مرتبہ کسی ایک خاص نعمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور شیون الہیہ میں سے کسی خاص شان کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اس لئے اس کو تکرار محض نہیں کہا جائے گا بلکہ تشارك لفظی ہے، ایسے تکرار کو اتفاق میں اصطلاحی طور پر تکرار دیکھا گیا ہے، اور اس ظاہری تکرار سے بھی جب کہ تاکید مقصود ہو تو اس کو تکرار سے شریں تر کہا جائے گا۔ اسی طرح فارسی، اردو وغیرہ ہر زبان میں بکثرت اس کی مثالیں اساتذہ فن اور فصحاء کے کلام میں بکثرت پائی جاتی ہیں، اس لئے تکرار کو بے مزہ نہیں کہا جائے گا۔

مسلمانوں کے کسی امیر کے عہد میں ایک ملحد نے قرآن میں تکرار کا اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ اللہ کا کلام معلوم نہیں ہوتا، ورنہ عجز کلام اور عبث ماننا پڑے گا، یہ سن کر امیر نے حکم دیا کہ اس کے اعضاء مکررہ، ہاتھ، پیر، کان، آنکھ، کاٹ دیئے جائیں، کیونکہ جب یہ کہتا ہے کہ اللہ کے کلام میں تکرار نہیں ہونا چاہئے تو ہم کہتے ہیں، کہ اس کے کام میں تکرار نہیں ہونا چاہئے، اس کے دوسرے اعضاء زائد اور بیکار ہیں، ان کو کاٹ دیا جائے۔ سزا سنتے ہی ملحد کے کان کھڑے ہو گئے اور پاؤں تلے سے زمین سرکنے لگی، نور اہاتھ جوڑے، کان پکڑے، اور تائب ہو گیا۔

اس آیت کا مختلف قسموں کے بعد آنا جن میں سے بعض کا نعمت ہونا ظاہر بھی نہیں، اس پر دلالت کرتا ہے کہ نعمت مختلف قسم کی ہوتی ہے، بعض حسی اور بعض معنوی، جس کا مشاہدہ اہل بصیرت کو اپنے حالات و اوقات میں خوب ہو جاتا ہے، اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نعمت کی تمام قسموں سے نفع حاصل کرنا مطلوب و محمود ہے۔ زہد کے منافی یا تعلق مع اللہ کے خلاف نہیں ہے۔ کمالین۔

لطیفہ: تفسیر مدارک میں ہے کہ سورت اقتربت، سورہ رحمن، سورہ واقعہ، تینوں سورتوں میں کہیں لفظ اللہ نہیں ہے، اور تھا نومی فرماتے ہیں کہ سورہ مجادلہ کی کوئی آیت لفظ اللہ سے خالی نہیں ہے، واللہ اعلم باسرار کلامہ، اور ایسی پوری سورت کہ جس میں صرف ایک زیر ہو سورہ اخلاص ہے۔

سورة الواقعة (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿۱﴾ لَيْسَ لَوْقَعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾ خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ ﴿۳﴾

جب واقع ہو نیوالی واقع ہو جائے۔ اس کے واقع ہونے میں کچھ جھوٹ نہیں۔ کسی کو پست کرے کسی کو بلند۔

إِذَا رُجَّتِ الْأَرْضُ رَجًا ﴿۴﴾ يُّبَسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ﴿۵﴾ كَانَتْ هَبَاءً مُنْبَثًا ﴿۶﴾

جب زمین بھونچال سے لرزنے لگے۔ اور پہاڑ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ پھر غبار ہو کر اڑنے لگیں۔

وَكُنْتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً ﴿۷﴾ فَأَصْحَبُ الْمِئْمَنَةِ مَا أَصْحَبُ الْمِئْمَنَةِ ﴿۸﴾

اور تم لوگ تین قسم ہو جاؤ۔ تو داہنے ہاتھ والے۔ (سبحان اللہ) داہنے ہاتھ والے کیا (ہی چین میں) ہیں۔

وَأَصْحَبُ الْمَشْأَمَةِ مَا أَصْحَبُ الْمَشْأَمَةِ ﴿۹﴾ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ ﴿۱۰﴾

اور بائیں ہاتھ والے بائیں ہاتھ والے کیا ہیں۔ اور جو آگے بڑھنے والے ہیں (ان کا کیا کہنا) وہ آگے ہی بڑھنے والے ہیں

أُولَئِكَ الْمُقَرَّبُونَ ﴿۱۱﴾ فِي جَنَّتِ النَّعِيمِ ﴿۱۲﴾ بَلَّةٌ مِّنَ الْأُولَئِينَ ﴿۱۳﴾

وہی مقرب ہیں۔ نعمت کے بہشتوں میں۔ وہ بہت تو اگلے لوگوں میں سے ہوں گے۔

وَقَلِيلٌ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿۱۴﴾ أَلَىٰ سُرُرٍ مَّوْضُونَةٍ ﴿۱۵﴾ تَهَكِّئْنَ عَلَيْهَا

اور تھوڑے سے پچھلوں میں سے۔ (لعل و یا قوت وغیرہ سے) جڑے ہوئے تختوں پر۔ آمنے سامنے تکیہ لگائے

مُتَقَابِلِينَ ﴿۱۶﴾ يُطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴿۱۷﴾ بِأَكْوَابٍ وَأَبَارِيقَ

ہوئے۔ نوجوان خدمت گزار جو ہمیشہ (ایک ہی حالت میں) رہیں گے ان کے آس پاس پھریں گے

وَكَاسٍ مِنْ مَّعِينٍ ﴿۱۸﴾ يُصَدَّعُونَ عَنْهَا وَلَا يُنْزِفُونَ ﴿۱۹﴾ ۱۹ ﴿۱۸﴾ فَآكِهِهٖ مِمَّا

یعنی آنجورے اور آفتابے اور صاف شراب کے گلاس لے لے کر۔ اس سے نہ تو سر میں درد ہوگا اور نہ ان کی عقلیں زائل ہوں گی۔ اور میوے جس طرح

يَتَخَيَّرُونَ ﴿۲۰﴾ ۲۰ ﴿۲۰﴾ وَالْحَمِ طَيْرٍ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿۲۱﴾ ۲۱ ﴿۲۱﴾ وَحُورٌ عِينٌ ﴿۲۲﴾ ۲۲ ﴿۲۱﴾

کے ان کو پسند ہوں۔ اور پرندوں کا گوشت جس قسم کا ان کا جی چاہے۔ اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں۔

كَأَمْثَالِ اللُّؤْلُؤِ الْمَكْنُونِ ﴿۲۳﴾ ۲۳ ﴿۲۳﴾ بِمَآ كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۴﴾ ۲۴ ﴿۲۳﴾

جیسے (حفاظت سے) تہ کئے ہوئے (آب دار) موتی۔ یہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو وہ کرتے تھے۔

لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْتِيْمًا ﴿۲۵﴾ ۲۵ ﴿۲۵﴾ قِيْلًا سَلَامًا سَلَامًا ﴿۲۶﴾ ۲۶ ﴿۲۵﴾

وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ ہاں ان کا کلام سلام سلام (ہوگا)۔

وَأَصْحَابُ الْيَمِينِ مَا أَصْحَابُ الْيَمِينِ ﴿۲۷﴾ ۲۷ ﴿۲۷﴾ سِدْرٍ مَّخْضُودٍ ﴿۲۸﴾ ۲۸ ﴿۲۷﴾

اور داہنے ہاتھ والے (سبحان اللہ) داہنے ہاتھ والے کیا (ہی عیش میں) ہیں۔ (یعنی) بے خار کی بیڑوں میں۔

وَطَلْحٍ مَّنْضُودٍ ﴿۲۹﴾ ۲۹ ﴿۲۹﴾ مَّطْمُودٍ ﴿۳۰﴾ ۳۰ ﴿۳۰﴾ مَسْكُوبٍ ﴿۳۱﴾ ۳۱ ﴿۳۰﴾

اور تہ تہ کیلوں۔ اور لہبے لہبے سایوں۔ اور پانی کے جھرنوں۔

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ ﴿۳۲﴾ ۳۲ ﴿۳۲﴾ مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ ﴿۳۳﴾ ۳۳ ﴿۳۳﴾ وَفَرْشٍ مَّرْفُوعَةٍ ﴿۳۴﴾ ۳۴ ﴿۳۳﴾

اور میوہائے کثیرہ (کے باغوں) میں۔ جو نہ کبھی ختم ہوں اور نہ ان سے کوئی روکے۔ اور اونچے اونچے فرشوں میں

إِنَّا أَنشَأْنَهُنَّ إِنشَاءً ﴿۳۵﴾ ۳۵ ﴿۳۵﴾ لَعَلَّنَّاهُنَّ أَبْكَارًا ﴿۳۶﴾ ۳۶ ﴿۳۶﴾ حُرُبًا أَتْرَابًا ﴿۳۷﴾ ۳۷ ﴿۳۶﴾

ہم نے ان (حوروں) کو پیدا کیا۔ تو ان کو کنواریاں بنایا۔ (اور شوہروں کی) پیاریاں اور ہم عمر۔

لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۳۸﴾ ۳۸ ﴿۳۸﴾ مِّنَ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۹﴾ ۳۹ ﴿۳۹﴾ قُلَّةٍ مِّنَ الْآخِرِينَ ﴿۴۰﴾ ۴۰ ﴿۳۹﴾

داہنے ہاتھ والوں کے لئے۔ (یہ) بہت سے تو اگلے لوگوں میں سے ہیں۔ اور بہت سے پچھلوں میں سے۔

وَأَصْحَابُ الشَّمَالِ مَا أَصْحَابُ الشَّمَالِ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ سَمُومٍ وَحَمِيمٍ ﴿۲۳﴾

اور بائیں ہاتھ والے (افسوس) بائیں ہاتھ والے کیا (ہی عذاب میں) ہیں۔ (یعنی دوزخ کی) لپٹ اور کھولتے ہوئے پانی میں

وَزَلٌّ مِّنْ يَّحْمُومٍ ﴿۲۴﴾ بَارِدٍ وَلَا كَرِيمٍ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾ كَانُوا قَبْلَ ذَلِكَ

اور سیاہ دھوئیں کے سائے میں۔ (جو) نہ ٹھنڈا (ہے) نہ خوشنما۔ یہ لوگ اس سے پہلے عیشِ نعیم میں پڑے

مُتْرَفِينَ ﴿۲۷﴾ كَانُوا يُصْرُونَ عَلَى الْوَحْتِ الْعَظِيمِ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۹﴾ كَانُوا يَقُولُونَ

ہوئے تھے۔ اور گناہِ عظیم پر اڑے ہوئے تھے۔ اور کہا کرتے تھے

إِذْ ذَاتُنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا إِنْ نَأْمَبُعُوثُونَ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۱﴾

کہ بھلا جب ہم مر گئے اور مٹی ہو گئے اور ہڈیاں (ہی ہڈیاں رہ گئے) تو کیا ہمیں پھر اٹھنا ہو گا؟

أَوْ آبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿۳۲﴾ قُلْ إِنْ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ ﴿۳۳﴾ مَجْمُوعُونَ إِلَىٰ

اور کیا ہمارے باپ دادا کو بھی؟ کہہ دو کہ بیشک پہلے اور پچھلے۔ (سب) ایک روز مقرر

مِيقَاتٍ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ﴿۳۴﴾ إِنَّكُمْ إِلَيْهَا تَصَّالُونَ الْمَكْذِبُونَ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾

وقت پر جمع کئے جائیں گے۔ پھر تم اے جھٹلانے والے گمراہو!

لَا تَكُلُونَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زُقُومٍ ﴿۳۷﴾ مَالِئُونَ مِنْهَا الْبُطُونَ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾

تھوہر کے درخت میں سے کھاؤ گے۔ اور اسی سے پیٹ بھرو گے۔

فَشَارِبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْحَمِيمِ ﴿۴۰﴾ فَشَارِبُونَ شَرْبَ الْهِمِّ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾

اور اس پر کھولتا ہوا پانی پیو گے۔ اور پیو گے بھی تو اس طرح جیسے پیاسے اونٹ پیتے ہیں۔

هَذَا نُزُلُهُمْ يَوْمَ الدِّينِ ﴿۴۳﴾ حُنَّ خَلَقْنَاكُمْ فَلَوْلَا تُصَدِّقُونَ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾

جزا کے دن یہ ان کی ضیافت ہوگی۔ ہم نے تم کو (پہلی بار بھی تو) پیدا کیا ہے تو تم (دوبارہ اٹھنے کو) کیوں سچ نہیں سمجھتے؟

﴿۲۴﴾ اَفَرَأَيْتُمْ مَا تُمْنُونَ ﴿۲۴﴾ تَخْلُقُونَهُ أَمْ نَحْنُ الْخَالِقُونَ ﴿۲۴﴾

دیکھو تو کہ جس (نطفے) کو تم (عورتوں کے رحم میں) ڈالتے ہو۔ کیا تم اس (سے انسان) کو بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں؟

﴿۲۵﴾ نَحْنُ قَدَرْنَا بَيْنَكُمْ الْمَوْتَ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۲۵﴾

ہم نے تم میں مرنا ٹھہرا دیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں۔

﴿۲۶﴾ عَلٰی اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَنُنشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۶﴾

کہ تمہاری طرح کے اور لوگ تمہاری جگہ لے آئیں اور تم کو ایسے جہان میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا کر دیں۔

﴿۲۷﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْأَةَ الْاُولٰٓئِیَ فَلَوْلَا تَذٰكُرُوْنَ ﴿۲۷﴾ اَفَرَأَيْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ

اور تم نے پہلی بار پیدائش تو جان ہی لی ہے پھر تم سوچتے کیوں نہیں؟ بھلا دیکھو تو کہ جو کچھ تم بوتے ہو۔

﴿۲۸﴾ اَفَرَأَيْتُمْ تَزْرَعُوْنَہٗ اَمْ نَحْنُ الزَّارِعُونَ ﴿۲۸﴾ لَیْسَ بِہٖ نَشْءٌ لِّجَعَلْنٰہٗ حُطٰمًا

تو کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں

﴿۲۹﴾ فَظَلَمْتُمْ تَفَكَّهُونَ ﴿۲۹﴾ اَفَرَأٰی لِمُغْرَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۳۰﴾

اور تم باتیں بناتے رہ جاؤ۔ (کہ ہائے) ہم تو مفت تاوان میں پھنس گئے۔ بلکہ ہم ہیں ہی بدنصیب۔

﴿۳۱﴾ اَفَرَأَيْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۱﴾ اَمْ اَنْزَلْنٰہٗ مِنَ الْمُنْزَلِ اَمْ نَحْنُ

بھلا دیکھو تو کہ جو پانی تم پیتے ہو۔ کیا تم نے اس کو بادل سے نازل کیا ہے یا ہم نازل کرتے ہیں؟

﴿۳۲﴾ الْمُنْزِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ لَیْسَ بِہٖ نَشْءٌ لِّجَعَلْنٰہٗ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۰﴾

اگر ہم چاہیں تو ہم اسے کھارا کر دیں پھر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟

﴿۳۳﴾ اَفَرَأَيْتُمُ النَّارَ الَّتِیْ تُورُونَ ﴿۳۳﴾ اَمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَہَا

بھلا دیکھو تو جو آگ تم درخت سے جلاتے ہو۔ کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے

﴿۳۳﴾ ﴿۳۲﴾ نَحْنُ الْمُنشَوْنَ ﴿۳۱﴾ جَعَلْنَاهَا تَذْكَرَةً وَمَتَاعًا لِلْمُقْوِينَ ﴿۳۰﴾ ﴿۲۹﴾

یا ہم پیدا کرتے ہیں؟ ہم نے اسے یاد دلانے اور مسافروں کے برتنے کو بنایا ہے۔

﴿۳۵﴾ ﴿۳۴﴾ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۲﴾ أَقْسِمُ بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۰﴾

تو تم اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کرو۔ ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم۔ [1]

﴿۳۷﴾ ﴿۳۶﴾ وَإِنَّهُ لَقَسَمٌ لِّوَتَّعْلَمُونَ عَظِيمٌ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۴﴾ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۲﴾

اور اگر تم سمجھو تو یہ بڑی قسم ہے۔ کہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔

[1] لفظ ”لا“ قسم کے شروع میں ایک عام محاورہ ہے، جیسے ”لا واللہ“ اور جاہلیت کی قسموں میں ”لا وایک“ مشہور ہے، بعض علماء نے ”لا“ کو زائد قرار دیا ہے اور بعض نے اس کی توجیہ یہ کی کہ اس موقع میں حرف ”لا“ مخاطب کے گمان کی نفی کے لئے ہوتا ہے، یعنی لیس کما تقول، جیسا تم کہتے اور سمجھتے ہو وہ بات نہیں، بلکہ حقیقت وہ ہے جو آگے تم کھا کر بتلائی جاتی ہے۔

”مواقع النجوم“ سے ستاروں کے غروب ہونے کی جگہیں مراد ہیں، ستاروں کا غروب ان کے فنا اور زوال کی دلیل ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی بالاتر طاقت کے زیر تصرف ہیں، جس طرح آسمان کے جگمگاتے ستارے چھپ جاتے اور ان کی روشنی زائل ہو جاتی ہے اسی طرح یہ سارا جہاں ایک وقت فنا ہو جائے گا، ”لامزیلة مؤكدة“ (مدارک). بمواقع النجوم ای بمساقط کواکب السماء ومغاربها، تخصیصها بالقسم لِمافی غروبها من زوال اثرها والدلالة علی وجود موثر دائم لا یتغیر، ولذا استدلل الخلیل علیہ بالافول علی وجود الصانع جل وعلا (روح)۔

”وانہ لقسم“ یہ قسم اور جواب قسم کے درمیان جملہ معترضہ ہے، برائے بیان عظمت قسم یعنی اگر تمہیں اس کی حقیقت کا علم ہو تو یہ ایک نہانت عظیم الشان قسم اور شاہد ہے۔

”انہ لقرآن“ یہ جواب قسم ہے یہ قرآن نہایت اعلیٰ اور احسن کتاب ہے جو دینی اور دنیوی منافع کا بیش بہا خزینہ ہے۔ =

﴿۷۹﴾ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ﴿۸۰﴾ لَا يَمْسُهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ﴿۷۹﴾

(جو) کتاب محفوظ میں (لکھا ہوا ہے)۔ اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں۔

﴿۸۱﴾ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۸۰﴾ بِهَذَا الْحَدِيثِ أَنْتُمْ مُدْهِنُونَ ﴿۸۱﴾

پروردگار عالم کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ کیا تم اس کلام سے انکار کرتے ہو؟

﴿۸۲﴾ وَتَجْعَلُونَ رِزْقَكُمْ أَنْكُمْ تُكذِّبُونَ ﴿۸۲﴾ فَلَوْلَا إِذَا بَلَغَتِ الْحُلُقُومَ ﴿۸۳﴾

اور اپنا وظیفہ یہ بناتے ہو کہ اسے جھٹلاتے ہو؟۔ بھلا جب روح گلے میں آ پہنچتی ہے۔

﴿۸۴﴾ وَأَنْتُمْ حِينِيذٍ تَنْظُرُونَ ﴿۸۴﴾ وَالرُّوحُ اقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلَكِنْ لَا تُبْصِرُونَ ﴿۸۵﴾

اور تم اس وقت (کی حالت کو) دیکھا کرتے ہو۔ اور ہم اس سے تم سے بھی زیادہ نزدیک ہوتے ہیں لیکن تم کو نظر نہیں آتے

= ”فی کتاب مکنون“ وہ لوح محفوظ میں محفوظ اور ہر قسم کے تغیر و تبدل سے مامون و مصون ہے۔

”لایمسہ الا المطہرون“ یہ جملہ کتاب مکنون کی صفت ہے اور المطہرون سے مراد فرشتے ہیں، جو ہر قسم

کے گناہوں اور نجاستوں سے پاک ہیں، اور مس کنایہ ہے لوح محفوظ کے علوم پر اطلاع سے، حاصل یہ ہوا کہ لوح محفوظ

کے علوم پر فرشتوں کے سوا کوئی مطلع نہیں ہو سکتا، ونفی مسہ کنایہ عن لازمہ و ہونفی الاطلاع علیہ و علی

مافیہ۔ (روح)۔ پایہ قرآن کی صفت ہے اور المطہرون سے وہ لوگ مراد ہیں جو حدیث اصغر اور حدیث اکبر سے پاک

ہوں، اور نفی بمعنی نہیں ہے اور مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کو صرف وہی لوگ ہاتھ لگائیں جو با وضوء ہوں۔ المراد بالمطہرون

المطہرون عن الحدیث الاصغر والحدیث الاکبر والمعنی لایبغی ان یمس القرآن الامن ہو علی

طہارة من الناس فالنفی بمعنی النهی بل ابلغ من النهی الصریح (روح)۔ اسی بناء پر جمہور فقہاء کا مذہب یہ

ہے کہ بے وضوء آدمی قرآن مجید کو ہاتھ نہ لگائے، امام بخاری اس کی اجازت دیتے ہیں۔

﴿۱۷۴﴾ تَجْرِعُونَهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۷۵﴾

پس اگر تم کسی کے بس میں نہیں ہو۔ تو اگر سچے ہو تو روح کو پھیر کیوں نہیں لیتے؟

﴿۱۷۶﴾ فَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُقْرَبِينَ ﴿۱۷۷﴾ وَرِيحَانٌ وَجَنَّةُ نَعِيمٍ ﴿۱۷۸﴾

پھر اگر وہ (اللہ کے) مقربوں میں سے ہے۔ تو (اس کے لئے) آرام اور خوشبودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں۔

﴿۱۷۹﴾ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنْ أَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۱۸۰﴾ سَلَامٌ لَكَ مِنْ أَصْحَابِ

اور اگر وہ دائیں ہاتھ والوں میں سے ہے۔ تو (کہا جائے گا کہ) تجھ پر داہنے ہاتھ والوں کی طرف سے سلام

﴿۱۸۱﴾ الْيَمِينِ ﴿۱۸۲﴾ وَأَمَّا إِنْ كَانَ مِنَ الْمُكَذِّبِينَ الضَّالِّينَ ﴿۱۸۳﴾

اور اگر وہ جھٹلانے والے گمراہوں میں سے ہے۔

﴿۱۸۴﴾ فَنَزُلُ مِنْ حَمِيمٍ ﴿۱۸۵﴾ وَصَلِيَةٌ جَحِيمٍ ﴿۱۸۶﴾

تو (اس کے لئے) کھولتے پانی کی ضیافت ہے۔ اور جہنم میں داخل کیا جانا۔

﴿۱۸۷﴾ إِنَّ هَذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِينِ ﴿۱۸۸﴾ سَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۱۸۹﴾

یہ (داخل کیا جانا یقیناً صحیح یعنی) حق یقین ہے۔ تو تم اپنے پروردگار بزرگ کے نام کی تسبیح کرتے رہو۔

سورة الحديد (مدنية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سَبِّحْ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱﴾ اِلٰهٌ مُلْكُ

جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔ آسمانوں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۱﴾

اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے (وہی) زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۲﴾

وہ (سب سے) پہلا اور (سب سے) پچھلا اور (اپنی قدرتوں سے سب پر) ظاہر اور پوشیدہ ہے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے

هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَىٰ

وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہوا

الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ

جو چیز زمین میں داخل ہوتی اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو آسمان سے اترتی

وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳﴾

اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے سب اس کو معلوم ہے اور تم جہاں کہیں ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھ رہا ہے [۱]

[۱] اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اپنے عرش کے اوپر ہے، کائنات کی ہر چیز کو جانتا ہے۔ اور

ہم جہاں بھی ہوں ہمارے ساتھ ہے۔ یہی بات حدیث الاوعال میں مذکور ہے "واللہ فوق العرش وهو یعلم ما انتم

علیہ" (سنن ابوداؤد کتاب السنۃ: رقم: ۴۷۲۳، وابن ماجہ رقم: ۱۹۳، باب فیما انکرت الجہمیۃ)

یعنی اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور تمہارے ہر معاملے کو جانتا ہے۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ لغت عربیہ میں، لفظ،، مع، (ساتھ ہونا) جب استعمال کیا جائے گا تو لغت میں اس

کا ظاہری معنی مطلقاً مقارنت و مصاحبت ہی ہوگا، جس کے ساتھ معیت مذکور ہو اسے چھوٹا یا اس کے دائیں یا بائیں یا آگے

پچھے ہو کر اس سے مختلط ہونا ضروری نہیں ہے،۔ جب سیاق کلام کے پیش نظر لفظ،، مع، کے کسی معنی کو مقید کیا جائے گا، تو اسی

معنی کی مقارنت مراد ہوگی۔

کہا جاتا ہے،، مازلنا نسیر والقمر معنا او النجم معنا،، ہم چلتے رہے اور چاند ہمارے ساتھ تھا، یا

فلاں ستارہ ہمارے ساتھ ساتھ رہا۔ اسی طرح اپنا سامان اگر چہ آپ نے اپنے سر کے اوپر اٹھا رکھا ہو، مگر آپ کہتے ہیں،، هذا المتاع معی،، (یہ سامان میرے ساتھ ہے) لہذا اللہ تعالیٰ حقیقتاً اپنی خلق کے ساتھ بھی ہے، اور حقیقتاً اپنے عرش کے اوپر بھی ہے۔

اب یہ معیت اگر سیاق عموم میں مذکور ہے، تو اس سے کوئی شخص یا وصف مستثنیٰ نہیں ہوگا، بلکہ وہ پوری مخلوق کے ساتھ ہر حال میں ہوگی۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اس آیت مذکورہ میں کہ جہاں کہیں تم ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اسی معیت عامہ پر مشتمل ہے۔ جس کا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے تم جہاں بھی ہو۔ اس سے کوئی فرد، یا اس کی کوئی حالت مخصوص مستثنیٰ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی یہی معیت عامہ [سورۃ مجادلہ: ۷] میں مذکور ہے۔

اور اگر صفت معیت کا سیاق خاص میں ذکر ہے، مثلاً کسی شخص یا وصف کے ساتھ معیت کو مخصوص کیا گیا ہے، تو یہ معیت خاصہ کہلاتی ہے، جس میں علم و احاطہ کے معنی کے ساتھ ساتھ ایک اضافی معنی بھی پیدا ہو جائے گا، اور وہ ہے مدد کرنا تا نید فرمانا، ہدایت و توفیق عطا فرمانا وغیرہ۔ کسی شخص کے ساتھ مخصوص معیت کی مثال اللہ کا موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمانا۔ جیسے کہ سورۃ طہ: ۴۶، میں مذکور ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا محمد ﷺ کے متعلق فرمان ہے سورۃ توبہ: ۴۰، ان مذکور دونوں آیتوں میں معیت خاصہ کا ذکر ہے، جس میں اضافی طور پر نصرت و تائید کا معنی موجود ہے کسی وصف کے ساتھ مخصوص معیت کی مثال سورۃ انفال: ۴۶، میں موجود ہے۔ قرآن کریم میں اس قسم کی بہت سی مثالیں مل جائیں گی۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ مجموع الفتاوی: ۱۰۳۷/۱، میں فرماتے ہیں کہ حسب مقام معیت کے احکام و معانی مختلف ہیں چنانچہ یہاں اس آیت کا ظاہر دلالت کر رہا ہے کہ معیت کا حکم، مقتضی، معنی یہ ہے کہ اللہ تم پر مطلع ہے (گواہ ہے) تمہیں جانتا ہے اور تمہارا پوری احاطہ کیئے ہوئے ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں سلف صالحین کے قول ”انہ معہم بعلمہ“ کا یہی معنی و مراد ہے، اس آیت کریمہ میں صفت معیت کا یہی ظاہر و حقیقت ہے جبکہ نبی کریم ﷺ نے عار کے اندر ابو بکرؓ سے فرمایا: ”لا تحزن ان اللہ معنا“ تو یہاں بھی معیت اپنی حقیقت و ظاہر پر قائم ہے، آیت کا سیاق یہ دلالت کر رہا ہے کہ یہاں معیت اطلاع کے معنی کے ساتھ ساتھ نصرت و تائید کے معنی پر بھی مشتمل ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بھی معیت کے معنی میں نصرت و تائید کا مفہوم شامل ہے۔ یعنی سورۃ نحل: ۱۲۸، میں جبکہ سورۃ طہ: ۴۶، میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام سے فرمایا کہ ”اننی معکم اسمع واری“۔ طہ: ۴۶۔ یہاں بھی معیت کا ظاہری معنی علم و احاطہ کے ساتھ ساتھ نصرت و تائید ہے۔ =

لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۱۰۱﴾

آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے اور سب امور اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَهُوَ عَلِيمٌ بِذَاتِ

(وہی) رات کو دن میں داخل کرتا اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور وہ دلوں کے بھیدوں تک سے واقف ہے۔

= شیخ الاسلام آگے مزید فرماتے ہیں: معیت کے معنی و مقتضی میں فرق موجود ہے

ابن رجب نے الاربعین النوویۃ کی ۲۹، ویں حدیث کی شرح کے ضمن میں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معیت خاصہ، نصرت، تائید، حفاظت و اعانت کی مقتضی ہے جبکہ معیت عامہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر علم و احاطہ اور ان کے تمام اعمال کی مکمل نگرانی کی مقتضی ہے۔ بہت سے علماء نے اجماع نقل کیا ہے کہ یہاں معیت سے مراد معیت علم و احاطہ ہے اور بلاشبہ یہ مراد لینا محمول برحقیقت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کی ہر بات سنتا اور ہر چیز دیکھتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی خلق کے تمام احوال و امور پر پوری طرح مطلع ہے اور اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ (جامع العلوم والحکم)

جبکہ امام ابو حنیفہ کا قول اس باب میں مشہور ہے، جو کہ امام بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات: ۲/۱۰۷، اور امام ذہبی نے کتاب ”العلو“ (مختصر: ۱۳۵)، میں نقل کیا ہے، کہ قال نعيم بن حماد سمعت ان نوح الجاعم يقول: كنت عند ابي حنيفة اول ماضهر، اذ جائته امرأة من (ترمذ) كانت تجالس جهما فدخلت الكوفة، فأظنني اقل مارأيت عليها عشرة الاف نفس [تدعو إلى رأيتها] فقبل لها: ان هاهنا رجلا قد نظر في المعقول يقال له ابو حنيفة فاتيه، فاتته، فقالت انت الذي تعلم الناس المسائل وقد تركت دينك؟ اين الهك الذي تعبده؟ فسكت عن هاتم مكث سبعة ايام لا يجيبها، ثم خرج اليها وقد وضع كتابا: ان الله عز وجل في السماء دون الارض، فقال رجل، رأيت قول الله عز وجل (وهو معكم) قال: هو كما كتبت الى الرجل: اني معك وانت غائب عنه۔

الصُّدُورِ ﴿٤﴾ ﴿٤﴾ مِمَّا جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ فِيهِ

(تو) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جس (مال) میں اس نے تم کو خلیفہ بنایا ہے اس میں سے خرچ کرو

فَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَأَنْفَقُوا لَهُمْ أَجْرٌ كَبِيرٌ ﴿٥﴾ ﴿٥﴾ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُونَ

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور (مال) خرچ کرتے رہے ان کے لئے بڑا ثواب ہے۔ اور تم کیسے لوگ ہو کہ اللہ پر ایمان

بِاللَّهِ وَالرَّسُولِ يَدْعُوكُمْ لِتُؤْمِنُوا بِرَبِّكُمْ وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ

نہیں لاتے؟ حالانکہ (اس کے) پیغمبر تمہیں بلا رہے ہیں کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ اور اگر تم کو

مُؤْمِنِينَ ﴿٦﴾ ﴿٦﴾ هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ عَلَىٰ عَبْدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ

باور ہو تو وہ تم سے عہد بھی لے چکا ہے۔ وہی تو ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں نازل کرتا ہے تاکہ تم کو

الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَإِنَّ اللَّهَ بِكُمْ لَرَؤُفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾ ﴿٧﴾

اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائے اور بیشک اللہ تم پر نہایت شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

وَمَا لَكُمْ أَلَّا تُنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلِلَّهِ مِيرَاتُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ

اور تم کو کیا ہوا ہے کہ اللہ کے رستے میں خرچ نہیں کرتے حالانکہ آسمانوں اور زمین کی وراثت اللہ ہی کی ہے

لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتِلَ أُولَٰئِكَ أَكْبَرُ أَمْ مَنْ

جس شخص نے تم میں سے فتح سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی وہ (اور جس نے یہ کام پیچھے کئے وہ) برابر نہیں ان لوگوں کا درجہ

مِّنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدِ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ

ان لوگوں سے کہیں بڑھ کر ہے جنہوں نے بعد میں خرچ (اموال) اور (کفار سے) جہاد و قتال کیا اور اللہ نے سب سے

بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ﴿٨﴾ ﴿٨﴾ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضَاعِفَهُ

(ثواب) نیک (کا) وعدہ تو کیا ہے اور جو کام تم کرتے ہو اللہ ان سے واقف ہے۔ کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے

لَهُ وَلَهُ أَجْرٌ كَرِيمٌ ﴿۱۱۱﴾ يَوْمَ تَرَى الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ يَسْعَى نُورُهُمْ

تو وہ اس کو اس سے دگنا ادا کرے اور اس کے لئے عزت کا صلہ جنت ہے۔ جس دن تم مومن مردوں اور مومن عورتوں کو دیکھو گے

بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ بُشْرَاكُمُ الْيَوْمَ جَنَّاتٌ تَجْرِي

کہ ان (کے ایمان) کا نور ان کے آگے آگے اور دائیں طرف چل رہا ہے تم کو بشارت ہو (کہ آج تمہارے لئے) باغ ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۲﴾

جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ان میں ہمیشہ رہو گے یہی بڑی کامیابی ہے۔

يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ

اس دن منافق مرد اور منافق عورتیں مومنوں سے کہیں گے کہ ذرا اٹھ کر جاؤ کہ ہم بھی تمہارے نور سے

مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ

روشنی حاصل کریں تو ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے لوٹ جاؤ اور (وہاں) نور تلاش کرو پھر ان کے بیچ میں ایک دیوار کھڑی کر

لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ﴿۱۱۳﴾

دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جو اس کی جانب اندرونی ہے اس میں تو رحمت ہے اور جو جانب بیرونی ہے اس طرف عذاب

يُنَادُونَهُمْ أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ

تو کہیں گے کہ کیا ہم دنیا میں تمہارے ساتھ نہ تھے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں تھے لیکن تم نے خود اپنے تئیں فتنہ میں ڈالا اور منتظر

وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ

رہے اور (اسلام میں) شک کیا اور (لا طائل) آرزوؤں نے تم کو دھوکا دیا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آپہنچا اور اللہ کے بارے

﴿۱۱۴﴾ يَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَا أُوَكِّمُ النَّارَ

میں تم کو (شیطان) دعا باز دعا دیتا رہا۔ تو آج تم سے معاوضہ نہیں لیا جائے گا اور تم سب کا ٹھکانہ دوزخ ہے

هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٤﴾ اَلَيْسَ لِّلَّذِينَ آمَنُوا

(کہ) وہی تمہارے لائق ہے اور وہ بُری جگہ ہے۔ کیا ابھی تک مومنوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا

اَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ وَمَا نَزَلَ مِنَ الْحَقِّ وَلَا يَكُونُوا كَالَّذِينَ

کہ اللہ کی یاد کرنے کے وقت اور (قرآن) جو برحق نازل ہوا ہے اس کے سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں

اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلُ فَطَالَ عَلَيْهِمُ الْاَمَدُ فَقَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ

اور وہ ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو پہلے کتابیں دی گئی تھیں پر ان پر زمانہ طویل گزر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے اور

فَاسِقُونَ ﴿١٥﴾ اَعْلَمُوا اَنَّ اللّٰهَ يُحْيِي الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا قَدْ بَيَّنَّا

ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔ جان رکھو کہ اللہ ہی زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے ہم نے اپنی نشانیاں

لَكُمْ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿١٦﴾ اَلَيْسَ الْمُصَدِّقِيْنَ وَالْمُصَدِّقَاتِ

تم سے کھول کھول کر بیان کر دی ہیں تاکہ تم سمجھو۔ جو لوگ خیرات کرنے والے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی

وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ﴿١٧﴾

اور اللہ کو (نیت) نیک (اور خلوص سے) قرض دیتے ہیں ان کو دو چند ادا کیا جائے گا اور ان کے لئے عزت کا صلہ ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ وَالشّٰهَدَاءُ

اور جو لوگ اللہ اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے یہی اپنے پروردگار کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں

عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُورُهُمْ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا

ان کے لئے ان (کے اعمال) کا صلہ ہوگا اور ان (کے ایمان) کی روشنی اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا

اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَحِيْمِ ﴿١٨﴾ اَعْلَمُوا اَنَّ الْحَيٰةَ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهُوْ

وہی اہل دوزخ ہیں۔ جان رکھو کہ دنیا کی زندگی محض کھیل اور تماشا اور زینت (و آرائش)

وَزِينَةٌ وَتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ كَمَثَلِ غَيْثٍ

اور تمہارے آپس میں فخر (وستائش) اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ طلب (وخواہش) ہے

أَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهُ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرَاهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا

جیسے بارش کہ کسانوں کو کھیتی بھلی لگتی ہے پھر وہ خوب زور پر آتی ہے پھر تو اس کو دیکھتا ہے کہ زرد پڑ جاتی ہے پھر چورا چورا ہو

وَفِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ وَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٌ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

جاتی ہے اور آخرت میں (کافروں کے لئے) عذاب شدید اور اللہ کی طرف سے بخشش اور خوشنودی ہے اور دنیا کی زندگی تو

إِلَّا مَتَاعٌ الْغُرُوْرُ ﴿۱۰﴾ ﴿۱۱﴾ هٰۤاِبِقُوْا اِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

متاع فریب ہے۔ (بندو!) اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور جنت (کی طرف) جس کا عرض

كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ

آسمان اور زمین کے عرض کا سا ہے اور جو ان لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے پیغمبر پر ایمان لائے ہیں

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۳﴾

لپکو یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

مَا أَصَابَ مَن مُّصِيْبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلِ

کوئی مصیبت ملک پر اور خود تم پر نہیں پڑتی مگر پیشتر اس کے کہ ہم اس کو پیدا کریں ایک کتاب میں (لکھی ہوئی) ہے

أَنْ نَّبْرَأَهَا إِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۵﴾ كَيْلًا تَأْسُوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ

(اور) یہ کام اللہ کو آسان ہے۔ تاکہ جو (مطلب) تم سے فوت ہو گیا ہے اس کا غم نہ کھایا کرو

وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَا آتَاكُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۷﴾

اور جو تم کو اس نے دیا ہو اس پر اتر اومت اور اللہ کسی اترانے اور شیخی بگھارنے والے کو دوست نہیں رکھتا۔

الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ

جو خود بھی بخل کریں اور لوگوں کو بھی بخل سکھائیں اور جو شخص روگردانی کرے تو اللہ بھی بے نیاز (اور) سزاوار حمد

الْحَمِيدُ ﴿۲۲﴾ فَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ

(وثناء) ہے۔ ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان پر کتابیں نازل کیں

وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ

اور ترازو تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطر بھی شدید ہے اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں

لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۳﴾

اور اس لئے کہ جو لوگ بن دیکھے اللہ اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں اللہ اس کو ظاہر کر لے بیشک اللہ قوی غالب ہے

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا وَإِبْرَاهِيمَ وَجَعَلْنَا فِي ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ

اور ہم نے نوح اور ابراہیم کو (پیغمبر بنا کر) بھیجا اور ان کی اولاد میں پیغمبری اور کتاب (کے سلسلے) کو (وثنائاً وقتاً) جاری رکھا

فَمِنْهُمْ مُّهْتَدٍ ۖ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ﴿۲۴﴾ ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِرُسُلِنَا

تو بعض ان میں سے ہدایت پر ہیں اور اکثر ان میں سے خارج از اطاعت ہیں۔ پھر ان کے پیچھے انہی کے قدموں پر پیغمبر

وَقَفَّيْنَا بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِينَ

پیچھے اور ان سب کے پیچھے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو بھیجا اور ان کو انجیل عنایت کی اور جن لوگوں نے ان کی پیروی کی ان کے دلوں

اتَّبَعُوهُ رَافِقَةً وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِيَّةً ۚ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَا هَا عَلَيْهِمْ

میں شفقت اور مہربانی ڈال دی اور لذات سے کنارہ کشی تو انہوں نے خود ایک نئی بات نکال لی تھی ہم نے ان کو اس کا حکم نہیں

إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا

دیا تھا مگر (انہوں نے اپنے خیال میں) اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پھر جیسا اس کو نباہنا چاہیے تھا نباہ بھی نہ سکے

﴿ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴾ [2]

پس جو لوگ ان میں سے ایمان لائے ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں بہت سے نافرمان ہیں۔ [2]

[2] ”تم قفقینا“ ان کے بعد ہم پے در پے پیغمبر بھیجتے رہے یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سب کے بعد ہم نے عیسیٰ بن مریمؑ کو بھیجا اور اس پر کتاب انجیل نازل کی، جس میں مسئلہ توحید اور دیگر احکام شریعت کا بیان تھا، جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں محبت والفت پیدا کر دی، اور وہ آپس میں ایک دوسرے سے نہایت محبت و مودت کا سلوک کرتے تھے۔

”ورهبانية ابتدعوها“ رهبانية، عزلت، ریاضت، لوگوں سے علیحدگی اختیار کر کے اللہ کی عبادت میں مصروف ہو جانا، اس کا ناصب علی شریطة التفسیر محذوف ہے، منصوب بفعل مضمر بفسرہ الظاهر، ای وابتدعوا رهبانيةً (روح:)۔ ”الابتغاء وجه الله“ کتبناہا، میں ضمیر مفعول سے بدل ہے، یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین میں سے ایک جماعت نے رهبانیت از خود اختراع کی تھی، ہم نے سرے سے ان پر فرض کی ہی نہ تھی، ہم نے تو ان پر اللہ کی رضا جوئی فرض کی تھی، لیکن جو چیز انہوں نے اپنی طرف سے اپنے اوپر لازم کر لی تھی، آخر وہ اس کا بھی حق ادا نہ کر سکے، اور رهبانیت پر پورے نہ اتر سکے، و المعنی ما کتبنا علیہم الابتغاء رضوان الله (قرطبی)۔

یا استثناء منقطع ہے، یعنی رهبانیت کو ہم نے ان پر فرض نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے خود ہی اللہ کی رضا جوئی کے لئے اسے اپنے اوپر لازم کر لیا تھا، لیکن پھر اس کا حق ادا نہ کر سکے، استثناء منقطع، ای ما فرضناہا نحن علیہم رأساً ولكن ابتدعوها والزموا انفسہم بہا ابتغاء رضوان الله تعالیٰ. (روح). یا استثناء متصل ہے، یعنی رهبانیت کو انہوں نے اختراع کیا اور ہم نے رضا الہی حاصل کرنے کے لئے ان پر اس کو مقرر کر دیا، استثناء متصل، و المعنی انما تعبدناہم بہا الاعلیٰ وجہ ابتغاء مرضات الله تعالیٰ (کیں). ابتداء میں جن لوگوں نے رهبانیت اختیار کی تھی اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ نہ تو جہاد کی طاقت رکھتے تھے اور نہ امر بالمعروف کی، تو انہوں نے عزلت اختیار کر لی مگر بعد میں لوگ اسکی رعایت نہ کر سکے۔

اس امت کے لئے گوشہ نشینی افضل ہے یا مخالفت؟

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من خیر معاش الناس لهم: رجل ممسک عنان

فرسه فی سبیل اللہ، یطیر علی متنتہ کلماسمع هیعة اوفزعة طارعلیہ، یتغی القتل و الموت مظانہ اورجل فی غنیمۃ فی راس شعفة من هذه الشعف، اوبطن وادمن هذه الاودية، یقیم الصلاة، ویوتی الزکاة، ویعبدربہ حتی یاتیہ الیقین، لیس من الناس الا فی خیر. (مسلم: ۱۲۵/۱۸۸۹، والنسائی فی السنن الكبرى: ۸۸۳۰، ابن ماجہ: ۳۹۷۷)۔ انسانی زندگی میں بہترین زندگی اس شخص کی ہے جو اللہ کی راہ میں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ لے، اور جب کسی کی خوفزدہ آواز یا کسی کے فریاد کرنے کی آواز سنے تو عجلت کے ساتھ گھوڑے کی پشت پر سوار ہو جائے اور اس کی طرف دوڑتا ہوا چلا جائے، اور اپنی موت کو یا اس جگہ کو تلاش کرتا پھرے، جہاں موت کا گمان ہو، یا اس شخص کی زندگی ہے جو کچھ بکریوں کے ساتھ ان پہاڑوں میں سے کسی ایک پہاڑ کی چوٹی پر، یا ان وادیوں میں سے کسی ایک وادی میں اقامت گزین ہے، اور نماز پڑھتا ہے اور زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اور پروردگار کی عبادت میں مشغول رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کو موت آجائے، اور یہ شخص انسانوں کا شریک نہیں ہے بلکہ صرف بلائی کے درمیان زندگی بسر کرتا ہے۔ امام نوویؒ اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں، کہ یہ ان لوگوں کے مسلک کی دلیل ہے، جو مخالفت یعنی دنیا والوں کے درمیان رہن سہن پر گوشہ گزینی کو فضیلت دیتے ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں مشہور اختلافی اقوال یہ ہیں کہ امام شافعی اور اکثر علماء کے نزدیک اختلاط یعنی (دنیا والوں کے درمیان رہنا سہنا) افضل ہے بشرطیکہ دین میں فتنہ فساد سے محفوظ و مامون رہنے کی امید ہو، جبکہ زہدان طریقت کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ دنیا والوں سے کنارہ کشی کر کے گوشہ گزینی اختیار کرنا افضل ہے، انہوں نے اسی حدیث سے استدلال کیا ہے لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث یا تو فتنوں سے بھرپور زمانہ پر محمول ہے۔ یا اس کے علاوہ اس کا تعلق اس شخص سے ہے جو لوگوں کی ایذا پر صبر نہ کر سکتا ہو، یا لوگ خود اس کی وجہ سے سلامت نہ رہتے ہوں۔

پھر ان کی سب سے بڑی دلیل یہ کہ انبیاء علیہم السلام، اکثر صحابہ کرام، تابعین عظام، علماء اور مشائخ اور زہدان طریقت کا معمول یہی رہا ہے، کہ انہوں نے دنیا سے کنارہ کشی اور گوشہ نشینی سے احتراز کر کے اسی دنیا میں اور اسی دنیا والوں کے درمیان رہن سہن کو اختیار کیا، اور اس کے ذریعہ وہ بہت سارے دینی فوائد حاصل کرتے رہے جو گوشہ نشینی کی صورت میں ناممکن الحصول تھے۔ جیسے نماز جمعہ و جماعت، نماز جنازہ اور عیادت مریض وغیرہ وغیرہ۔ اور ان کی دلیل حدیث ابی ہریرہؓ ہے:

عن ابی ہریرۃ قال: مر رجل من اصحاب النبی ﷺ بشعب فیہ عینۃ من ماء عذبة، فاعجبته، فقال لواءتزلت الناس فاقمت فی هذا الشعب، فذکر ذلک لرسول اللہ ﷺ؟ فقال لا تفعل، فان مقام احدکم

فی سبیل اللہ افضل من صلاتہ فی بیتہ سبعین عاما، الاتحبون ان یغفر اللہ لکم ، ویدخلکم الجنة؟ اغزو اقی سبیل اللہ، من قاتل فی سبیل اللہ فواق ناقۃ و جبت له الجنة. (ترمذی: ۱۶۵۰)۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک سفر کے دوران رسول کریم ﷺ کے ایک صحابی پہاڑی کے درہ سے گزرے جس میں یں پانی کا ایک چشمہ تھا، تو وہ چشمہ ان کو بہت اچھا لگا وہ کہنے لگے کہ کاش میں لوگوں سے علیحدگی اختیار کر لوں، اور اس درے میں آ رہا؟ جب رسول کریم ﷺ کے سامنے اس بات کا ذکر ہوا تو آپ نے اس صحابی سے فرمایا: کہ تم ایسا نہ کرنا، کیونکہ تم میں سے کسی شخص کا اللہ کی راہ یعنی جہاد میں قیام کرنا اس کا گھر میں ستر برس نماز پڑھنے سے بہتر ہے، کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کامل طور پر بخش دے اور تمہیں ابتداء ہی جنت میں داخل کر دے، اللہ کی راہ میں جہاد کرو، کیونکہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں اونٹنی کے نواق کے بقدر، (یعنی تھوڑی دیر) کے لئے بھی جہاد کیا اس کے لئے جنت واجب ہوگی۔

اس حدیث کے ظاہری مفہوم سے چونکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں سے گوشہ گزینی اختیار کرنے اور جنگل و کوہستان میں عبادت الہی میں مشغول رہنے سے بخشش و مغفرت حاصل نہیں ہوتی، اس لئے علماء اس ارشاد گرامی کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ چونکہ اس زمانے میں جہاد واجب تھا۔ اور کسی نفل کے لئے واجب کو ترک کرنا گناہ ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس ارشاد کے ذریعہ اس صحابی پر گویا یہ واضح کیا کہ اگر تم نے دنیا اور دنیا والوں سے ترک تعلق کر کے، اس پہاڑی درے میں گوشہ گزینی اختیار کی، اور اگرچہ اس کا مقصد محض مکمل تنہائی و خلوت میں اللہ کی عبادت میں مشغول رہنا ہو، تو اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ تم ان بہت سی سعادتوں اور فضیلتوں سے محروم رہ جاؤ گے جو دنیا والوں کے درمیان رہ کر دینی فرائض و ذمہ داریوں کو انجام دینے کی صورت میں حاصل ہوتی ہے بلکہ تمہارا یہ نفل عمل ایک واجب عمل اور ایک اہم دینی فریضہ یعنی جہاد کے ترک کا باعث بھی ہوگا۔ جس سے تم گناہگاروں کے زمرے میں شامل ہو جاؤ گے۔

علاوہ ازیں اس ارشاد گرامی سے کامل مغفرت اور ابتداء جنت میں جانے والوں کے ساتھ جنت میں داخل ہونے پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لوگوں کے درمیان رہنا گوشہ گزینی سے افضل ہے، خصوصاً نبی کریم ﷺ کے زمانے سعادت نشان میں تو یہ افضلیت کہیں زیادہ تھی، البتہ رسول پاک ﷺ کے زمانے کے بعد کبھی کبھی گوشہ گزینی ہی کو افضلیت حاصل ہوتی ہے، جبکہ لوگوں کے درمیان رہنے سے فتنہ و شر کے غلبہ کا خوف ہو۔

پہلی بات کی تائید کے لئے حدیث انسؓ زیادہ واضح ہے، کہ: قال النبی ﷺ ان لكل امة رهبانية ورهبانية هذه الامة الجهاد في سبيل الله۔ (شعب الایمان: ۱۵۷/۸)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ

مومنو! اللہ سے ڈرو اور اس کے پیغمبر پر ایمان لاؤ وہ تمہیں اپنی رحمت سے دگنا اجر عطا فرمائے گا [3]

[3] يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا الْآيَةَ، قرآنی نمط سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی طرح کا خطاب امت

محمّد ﷺ کو ہوتا ہے، تو یہاں خطاب اس امت کو ہے، اور کثرتِ اجر کی وجہ درجہ ذیل حدیث میں بیان کی گئی ہے،

ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انما اجلكم في اجل من خلا من الامم، ما بين صلاة

العصر الى مغرب الشمس، وانما مثلكم ومثل اليهود والنصارى، كرجل استعمل عمالا، فقال من

يعمل لي الى نصف النهار على قيراط قيراط؟ فعملت اليهود الى نصف النهار على قيراط قيراط، ثم

قال من يعمل لي من نصف النهار الى صلاة العصر على قيراط قيراط؟ فعملت النصارى من نصف

النهار الى صلاة العصر على قيراط قيراط، ثم قال من يعمل لي من صلاة العصر الى مغرب

الشمس على قيراطين قيراطين،؟ الا فانتم الذين يعملون من صلاة العصر الى مغرب الشمس،

اللكم الاجر مرتين، فغضبت اليهود والنصارى، فقالوا نحن اكثر عملا واكل عطاء؟ قال الله تعالى فهل

ظلمتكم من حركم شيئا؟ قالوا لا، قال الله تعالى: فانه فضلى اعطيه من شئت (بخاری: ۳۴۵۹)۔

یعنی دوسری امتوں کے لوگوں کے مقابلہ میں تمہارا عرصہ حیات اتنا ہے جتنا کہ (سارے دن کے مقابلہ

میں) نماز عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک کا درمیانی وقت، علاوہ ازیں (اللہ رب العزت کے ساتھ) تمہارا معاملہ

اور یہود و نصاریٰ کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص اجرت پر کام کرنے کے لئے کچھ مزدوروں کو طلب کرے اور ان سے

کہے کہ کوئی ہے جو دوپہر تک میرا کام کرے اور میں (اتنے عرصہ کام کرنے کی اجرت کے طور پر ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں

گا؟۔ چنانچہ اس اجرت کو منظور کر کے یہود نے دوپہر تک ایک ایک قیراط پر کام کیا، پھر اس شخص نے کہا کوئی ہے

جو دوپہر سے عصر تک میرا کام کرے اور میں ہر شخص کو ایک ایک قیراط دوں گا؟، چنانچہ یہود کے بعد نبی کریم ﷺ کے

ماننے والے لوگوں نے یعنی نصاریٰ نے دوپہر سے عصر کے وقت تک ایک ایک قیراط پر کام کیا، اور پھر اس شخص نے کہا کہ

کوئی ہے جو نماز عصر سے غروبِ آفتاب تک میرا کام کرے، اور میں ہر شخص کو دو دو قیراط دوں گا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ

نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا: جان لو! (اس مثال میں) تم ہی وہ لوگ ہو جو عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک کام کرنے والے ہیں، یاد رکھو تمہارا اجر دو گنا ہے اور اسی وجہ سے کہ تمہارے کام کی مدت تو کم ہے لیکن مستحق دو گنے اجر کے قرار پائے ہو، یہود و نصاریٰ بھڑک اٹھے اور بولے کہ عمل کے اعتبار سے تو ہم بہت بڑھے ہوئے ہیں، لیکن اجر و ثواب میں ہمارا حصہ بہت کم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا، کیا میں نے تمہارے ساتھ کچھ ظلم کیا ہے؟ یعنی میں نے تمہاری جو اجرت مقرر کی تھی اور تمہیں جو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، کیا اس میں کچھ کمی کی ہے؟ یہود و نصاریٰ نے کہا نہیں، ہمارے حق میں تو نے کچھ کم نہیں کیا ہے لیکن تیری طرف سے یہ تفاوت اور تفریق کیسی ہے؟ پروردگار نے فرمایا حقیقت یہ ہے کہ یہ زیادہ اجر دینا میرا فضل و احسان ہے، میں جس کو چاہوں زیادہ دوں، (میں فاعل مختار ہوں جو چاہتا ہوں کرتا ہوں)۔

”اجل“ کسی چیز کی مدت متعینہ کو کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَلْتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّىٰ وَلَعَلَّكُمْ**

تَعْقِلُونَ (مومن: ۶۷) اور کبھی اس لفظ ”اجل“ کا اطلاق انسان کی موت پر کیا جاتا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے، دنا اجلہ، اس شخص کی موت قریب آگئی، یہ ملا علی قاری نے طبیبی کے حوالہ سے لکھا ہے اور اس کے بعد کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ ”اجل“ کے لفظ سے کبھی تو اس پوری مدت کو تعبیر کیا جاتا ہے جو عمر کے لئے متعین ہوتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: **ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا وَأَجَلٌ مُّسَمًّىٰ عِنْدَهُ ثُمَّ أَنْتُمْ تَمْتَرُونَ** (انعام: ۲)۔ میں یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

اور کبھی اس لفظ کا اطلاق مدت عمر کے خاتمہ اور زندگی کے آخری لمحہ پر ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد: **فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ** (اعراف: ۳۴)۔ میں اس لفظ کے یہی معنی مراد ہیں۔

پس یہاں حدیث کے الفاظ: **انما اجلکم فی اجل من خلامن الامم ، الخ**، میں لفظ ”اجل“ کے پہلے معنی مراد ہیں، یعنی پورا عرصہ حیات، پوری مدت عمر، اس روشنی میں حدیث گرامی کے ان الفاظ کی وضاحت یہ ہوگی کہ اے مسلمانو! پچھلی امتوں کے لوگوں کی لمبی عمروں کے مقابلہ میں تمہاری کم عمروں کا تناسب وہی ہے جو دن کے آغاز سے نماز عصر تک کے وقت کے مقابلہ میں عصر کے بعد سے غروب آفتاب تک کے وقت کا ہے، لیکن اس کے باوجود تمہارے اجر و ثواب کی مقدار زیادہ متعین ہے۔ جب کہ ان لمبی لمبی عمروں والوں کے لئے اجر و ثواب کی مقدار کم رکھی گئی یہ تمہارا شرف و اعزاز ہے کہ تمہارے عمل کا عرصہ کم ہے مگر اجر و ثواب کہیں زیادہ۔

”قیراط“ ایک وزن کو کہتے ہیں جو درہم کے بارہویں حصہ یا دینار کے بیسویں حصہ کے برابر ہوتا ہے۔ موجودہ

حساب کے مطابق (دو صحیح ایک بٹہ دس رتی یا دوسو پچپن (۲۵۵) ملی گرام ہے)۔

یاد رکھو، تمہارا اجر دو گنا ہے، یعنی یہود و نصاریٰ کے ساتھ تو یہ معاملہ تھا کہ وہ جتنا کرتے تھے اسی کے برابر اجر و ثواب کے مستحق ہوتے تھے، لیکن تمہارا اعزاز یہ ہے کہ ان کی بہ نسبت تمکو دو گنا اجر و ثواب ملتا ہے گویا حدیث کا یہ مضمون اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے۔ تفسیر قرطبی اس معنی کو اشارہ کرتے ہیں کہ: لَمَا نَزَلَتْ ﴿أُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ (قصص: ۵۴)۔ افتخر مومنو اهل الكتاب على اصحاب النبي ﷺ فنزلت هذه الآية.

فائدہ: اس حدیث سے حنفی علماء نے عصر کے وقت کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو مضبوط بنانے کے لئے استدلال کیا ہے، امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ عصر کا وقت جب شروع ہوتا ہے کہ ہر شے کا سایہ اس کے دوش یعنی دو گنا ہو جائے، چنانچہ ان حنفی علماء کا کہنا ہے کہ نصاریٰ کے عرصہ عمل کا اس امت کے عرصہ عمل سے زیادہ ہونا اسی صورت میں سمجھا جاسکتا ہے جبکہ حدیث میں مذکور مثال کے مطابق ان کے کام (عمل) کی مدت دو پہر کے بعد سے ہر شے کا سایہ دو مشل یعنی دو گنا ہو جانے تک رہے۔ لیکن ان کا یہ استدلال کئی وجوہ سے باطل ہے:

ایک جواب ابن حجر فتح الباری: ۲/۲۸۶، میں لکھتا ہے، کہ: فلو تمسکنا بان المراد التمثیل بطول الزمانین وقصرهما، للزم ان يكون وقت العصر اطول من وقت الظهر ولا فائت له، فدل على ان المراد كثرة العمل وقتها۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ مشہورہ ہے، مثال خارج میں وجود کا تقاضا نہیں کرتا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ جو روایات اوقات صلاة کے متعلق وارد ہیں، وہ بطور عبارت النص ہے، اور اس سے استدلال بطور اشارۃ النص ہے اور عبارت النص احق ہوتا ہے باعتبار اخذ۔

اکثر مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ خطاب یہود و نصاریٰ سے ہے جو موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لاچکے تھے، اور اس جملہ سے اس لئے مخاطب کیا کہ پہلی آیت میں: ﴿فَأَتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ﴾ میں لفظ ”امنوا“ ذکر ہے اور ان کو دو گنا اجر و ثواب دینا ظاہر ہے۔

اور اس حدیث میں بھی اس کو اشارہ ہے: ابو موسیٰ اشعریؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ثلاثة =

وَيَجْعَلُ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۸﴾

اور تمہارے لئے روشنی کر دے گا جس میں چلو گے اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

لئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ

(یہ باتیں) اس لئے (بیان کی گئی ہیں) کہ اہل کتاب جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر کچھ بھی قدرت نہیں رکھتے اور یہ کہ فضل اللہ ہی

وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنُ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۲۹﴾

کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ [4]

= لهم اجران: رجل من اهل الكتاب آمن بنبيه و آمن بمحمد ﷺ، والعبد المملوك اذا ادى حق الله وحق مواليه، ورجل كانت عنده امة يطأها، فادبها فاحسن تأديبها، وعلّمها فاحسن تعليمها ثم اعتقها فتزوجها، فله اجران۔ (بخاری: ۹۷، مسلم: ۱۵۴، ۲۴۱)۔

تین شخص ایسے ہیں، جن کو دو دواجر ملیں گے، اس اہل کتاب (یہودی اور عیسائی) کو جو (پہلے) اپنے نبی پر ایمان رکھتا تھا پھر محمد ﷺ پر ایمان لایا، اور اس غلام کو جو اللہ کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے آقاؤں کے حقوق کو بھی ادا کرتا رہے، اس شخص کو جس کی کوئی باندی تھی اور وہ اس سے صحبت کرتا تھا، پہلے اس کو اچھا ہنرمند بنایا پھر اس کو خوب اچھی طرح تعلیم دی، اور پھر اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کر لیا، تو یہ بھی دو ہرے اجر کا حقدار ہوگا۔

[4] ﴿لئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ﴾ "لا" میں دو قول ہیں، اول یہ کہ لاء زائدہ برائے تاکید ہے، اہل کتاب کا زعم

تھا کہ رسالت و نبوت اور وحی ربانی کے مستحق صرف بنی اسرائیل ہی ہیں اور کوئی نہیں (جیسا کہ حدیث میں ہے: قالوا ان

داود و عاربه ان لا يزال من ذريته نبي وانا نخاف ان اتبعناك ان تفتلنا يهود۔ ترمذی: ۳۱۴۴، نسائی فی الکبریٰ

رقم: ۸۶۵۶، ابن ماجہ: ۳۷۰۵)۔ اس لئے اب بھی اگر کوئی پیغمبر آسکتا ہے تو صرف بنی اسرائیل سے مبعوث

ہو سکتا ہے، تو ان کے زعم باطل کا رد فرمایا: کہ ہم نے محمد ﷺ پر ایمان لانے اور دواجر ثواب دینے کا اس لئے وعدہ کیا ہے

تاکہ اہل کتاب کو آپ کی نبوت کا یقین ہو جائے، اور انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کے فضل و احسان کی تقسیم ان =

سورة المجادلة (مدنیة) [۱]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي اِلَى اللّٰهِ

(اے پیغمبر!) جو عورت تم سے اپنے شوہر کے بارے میں بحث و جدال کرتی اور اللہ سے شکایت (رنج و ملال) کرتی تھی

وَاللّٰهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَ كَمَا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيْرٌ ﴿۱﴾

اللہ نے اس کی التجاسن لی اور اللہ تم دونوں کی گفتگو سن رہا تھا کچھ شک نہیں کہ اللہ سنتا دیکھتا ہے۔

= کے اختیار و قدرت میں نہیں۔ اور نبوت و رسالت جو اللہ کا سب سے بڑا فضل ہے ان کے تصرف میں نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے اختیار و تصرف میں ہے وہ جسے چاہے اسکو نوازے، اسے کوئی روکنے والا نہیں۔

دوم یہ کہ ”لا“ زائدہ نہیں اس صورت میں ”یقدرون“ کی ضمیر فاعل نبی کریم ﷺ اور مومنین سے کنایہ ہوگی، یعنی تاکہ اہل کتاب یہ نہ سمجھے کہ پیغمبر اور اہل اسلام اللہ کے فضل و احسان کے مستحق نہیں ہیں۔ و التقدير، لتلا يعلم اهل الكتاب، ان النبي ﷺ و المومنين لا يقدرن على شيء من فضل الله (کیسے). لیکن حسین علی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی ”یقدرون“ کی ضمیر اہل کتاب کی طرف راجع ہے، اور مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب یہ نہ سمجھ بیٹھیں کہ اب ہمارا کوئی امام نہیں، اسلئے اب ہم جہاد کر کے اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضامندی حاصل نہیں کر سکتے تو اب خاتم النبیین تشریف لایچکے ہیں، لہذا ان پر ایمان لاؤ اور ان کے ساتھ ملکر اللہ کے دین کی سر بلندی اور توحید کی اشاعت کے لئے جہاد کرو، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے فضل و رحمت سے نوازے گا

[۱] اس سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کا سبب ایک خاص واقعہ ہے کہ اوس بن الصامتؓ نے ایک مرتبہ اپنی بیوی خولہ کو یہ کہہ دیا کہ، انت علیٰ کظھرامی، تو میرے حق میں ایسی ہے جیسے میری ماں کی پشت یعنی حرام ہے، نبی ﷺ کی بعثت سے

پہلے زمانہ جاہلیت میں یہ لفظ اہدی اور دائمی حرمت کے لئے بولے جاتے تھے، جو طلاق مغلطہ سے بھی زیادہ سخت ہے، خولہؓ یہ واقعہ پیش آنے پر نبی ﷺ کی خدمت میں اس کا حکم شرعی معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئیں، اس وقت تک اس خاص مسئلے کے متعلق نبی ﷺ پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی تھی، اس لئے آپؐ نے قول مشہور کے موافق ان سے فرمادیا: ما اراک الا قد حرمت علیہ، یعنی میری رائے میں تو تم اپنے شوہر پر حرام ہو گئیں، وہ یہ سن کر واویلا کرنے لگیں کہ میری جوانی سب اس شوہر کی خدمت میں ختم ہو گئی، اب بڑھاپے میں انہوں نے مجھ سے یہ معاملہ کیا، میں کہاں جاؤں؟ میرا اور میرے بچوں کا گزارہ کیسے ہوگا؟ اور ایک روایت میں ہے کہ خولہ نے یہ عرض کیا کہ ”ماذکر طلاقاً“ یعنی میرے شوہر نے طلاق تو نام بھی نہیں لیا تو پھر طلاق کیسے ہو گئی، اور ایک روایت میں ہے کہ خولہ نے اللہ تعالیٰ سے فریاد کی ”اللہم انسی اشکو الیک“ اور ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے خولہ سے یہ فرمایا ما امرت فی شانک بشیء حتی الان یعنی ابھی تک تمہارے مسئلے کے متعلق مجھ پر کوئی حکم نازل نہیں ہوا، ان سب روایات میں کوئی تضاد و تعارض نہیں، سبھی اقوال صحیح ہو سکتے ہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئیں، کذافی الدر المنثور، وابن کثیر۔ اس لئے اس سورت کی ابتدائی آیات میں اس خاص مسئلے کا جس کا نام ظہار ہے حکم شرعی بیان فرمایا گیا ہے، جس میں حق تعالیٰ نے خولہؓ کی فریاد سنی، اور ان کے لئے آسانی فرمادی، ان کی وجہ سے حق تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ مستقل احکام نازل فرمادیئے، اسی لئے صحابہ کرام اس کی بڑا احترام کرتے تھے۔

ایک روز فاروق اعظمؓ ایک مجمع کے ساتھ چلے جا رہے تھے، یہ عورت خولہ سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں، کچھ کہنا چاہتی تھیں، عمرؓ نے راستہ میں ٹھہر کر ان کی بات سنی، بعض لوگوں نے کہا کہ آپؐ نے اس بڑھیا کی خاطر اتنے بڑے مجمع کو روک رکھا، تو آپؐ نے فرمایا کہ خبر ہے یہ کون ہے؟ یہ وہ عورت ہے جس کی بات اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر سنی، میں کون تھا کہ ان کی بات کو ٹال دیتا، واللہ اگر یہ خود ہی رخصت نہ ہو جاتی تو میں رات تک ان کے ساتھ بیٹھتا۔ (ابن ابی حاتم)۔ فی الشفاء لابن الجوزی: ۸۷۔ خرج عمر یوما الی السوق ومعہ الجارود فاذا امرأۃ عجوز فسلم علیہا عمر، فردت علیہ، وقالت ہیہ یاعمیر، عہدتک وانت تسمی عمیراً فی سوق عکاظ تصارع الصبیان فلم تذهب الایام حتی سمعت عمر، ثم لقلیل سمعت امیر المؤمنین فاتق اللہ فی الرعیۃ، واعلم انه من خاف الموت خشی الفوت فبکی عمر، فقال الجارود: لقد اجترأت علی امیر المؤمنین و ابکیته، فاشار عمر ان دعها، فلما فرغ قال اماتعرف ہذہ؟ قال لا قال ہذہ خولۃ ابنۃ حکیم التی سمع اللہ قولہا فعمرا حری ان یسمع کلامہا، اشار الی قولہ تعالیٰ ہذہ الایۃ، وہی خولۃ ہذہ۔

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مَنْ نَسَائِهِمْ مَا هُنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِنْ أُمَّهَاتُهُمْ

جو لوگ تم میں سے اپنی عورتوں کو ماں کہہ دیتے ہیں وہ ان کی مائیں نہیں (ہو جاتیں) ان کی مائیں تو وہی ہیں

إِلَّا اللَّائِي وَلَدْنَهُمْ وَإِنَّهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ الْقَوْلِ وَزُورًا

جن کے کلمن سے وہ پیدا ہوئے بیشک وہ نامعقول اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور اللہ بڑا معاف کرنے والا (اور) بخشنے والا

وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ غَفُورٌ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْ نَسَائِهِمْ ثُمَّ يَعُودُونَ

ہے۔ اور جو لوگ اپنی بیویوں کو ماں کہہ بیٹھیں پھر اپنے قول سے رجوع کر لیں تو (ان کو) ہمبستر ہونے سے پہلے ایک غلام

لِمَا قَالُوا فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا ذَلِكُمْ تُوَعِّظُونَ بِهِ وَاللَّهُ

آزاد کرنا (ضرور) ہے (مومنو!) اس (حکم) سے تمہیں نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ

بِمَا تَعْمَلُونَ خَيْرٌ ﴿۲۲﴾ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ

اس سے خبردار ہے۔ [2] جس کو غلام نہ ملے وہ مجامعت سے پہلے متواتر دو مہینے کے روزے رکھے

مِّنْ قَبْلِ أَنْ يَتَمَاسَا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّينَ مِسْكِينًا ذَلِكُمْ

جس کو اسکا بھی مقدور نہ ہو (اسے) ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا (چاہیے) یہ (حکم) اس لئے ہے

لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۲۳﴾

کہ تم اللہ اور اس کے رسول کے فرمانبردار ہو جاؤ اور یہ اللہ کی حدیں ہیں اور نہ ماننے والوں کے لئے درد دینے والا عذاب ہے

[2] لفظ ظہار مشتق ہے ظہر سے چونکہ اہل جاہلیت اپنی بیوی سے ظہار کرتے وقت یوں کہتے تھے: "انت علیّ

کظہر امی" یعنی تو مجھ پر ایسی ہے، جیسے میری ماں کی پیٹھ، شریعت میں حکم یہ ہے کہ اس طرح خواہ کسی عضو کا نام لے

ظہار ہو جائے گا، ظہار جاہلیت کے زمانے میں طلاق سمجھا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے اس میں کفارہ

مقرر کر دیا، اور اسے طلاق شمار نہیں کیا۔ جیسے کہ جاہلیت کا دستور تھا سلف میں سے اکثر علماء نے یہی فرمایا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُتِبُوا كَمَا كُتِبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں وہ (اسی طرح) ذلیل کئے جائیں گے

وَقَدْ أَنْزَلْنَا آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۴۱﴾

جس طرح ان سے پہلے لوگ ذلیل کئے گئے تھے اور ہم نے صاف اور صریح آیتیں نازل کر دی ہیں جو نہیں مانتے ان کو ذلت کا عذاب ہوگا

يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا أَحْصَاهُ اللَّهُ وَنَسُوهُ

جس دن اللہ ان سب کو جلا اٹھائے گا تو جو کام وہ کرتے رہے ان کو بتائے گا اللہ کو وہ سب یاد ہیں اور یہ ان کو بھول گئے ہیں

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۴۲﴾ لَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ

اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْأَرْضِ مَا يَكُونُ مِنْ نَجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ

اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ کو سب معلوم ہے (کسی جگہ) تین (شخصوں) کا کانوں میں صلاح مشورہ نہیں ہوتا مگر

رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا

وہ ان میں چوتھا ہوتا ہے اور نہ کہیں پانچ کا مگر وہ ان میں چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم یا زیادہ مگر

هُوَ مَعَهُمْ أَيُّنَ مَا كَانُوا ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے خواہ وہ کہیں ہوں پھر جو جو کام یہ کرتے رہے ہیں قیامت کے دن وہ (ایک ایک) ان کو بتائے گا

إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۴۳﴾ لَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نُهُوا عَنِ النَّجْوَىٰ

بیشک اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا

ثُمَّ يَعُودُونَ لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَيَتَنَجَّجُونَ بِالْآثِمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ الرَّسُولِ

پھر جس (کام) سے منع کیا گیا تھا وہی پھر کرنے لگے اور یہ تو گناہ اور ظلم اور رسول (اللہ) کی نافرمانی کی سرگوشیاں کرتے

وَإِذَا جَاءَ وَكَ حَيُّوكَ بِمَا لَمْ يُحَيِّكَ بِهِ اللَّهُ وَيَقُولُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ

ہیں اور جب تمہارے پاس آتے ہیں تو جس (کلمے) سے اللہ نے تم کو دعا نہیں دی اس سے تمہیں دعا دیتے ہیں اور اپنے دل

لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ يَصَلُّونَهَا فَبئسَ الْمَصِيرُ ﴿۸﴾

میں کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں اللہ ہمیں اس کی سزا کیوں نہیں دیتا؟ ان کو دوزخ کافی ہے یہاں میں داخل ہوں گے اور وہ بُری جگہ ہے

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْآثِمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَةِ

مومنوں! جب تم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگو تو گناہ اور زیادتی اور پیغمبر کی نافرمانی کی باتیں نہ کرنا

الرَّسُولِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۹﴾

بلکہ نیکوکاری اور پرہیزگاری کی باتیں کرنا اور اللہ سے جس کے سامنے جمع کئے جاؤ گے ڈرتے رہنا۔

إِنَّمَا النَّجْوَىٰ مِنَ الشَّيْطَانِ لِيَحْزُنَ الَّذِينَ آمَنُوا

(کافروں کی) سرگوشیاں تو شیطان (کی حرکات) سے ہیں (جو) اس لئے (کی جاتی ہیں) کہ مومن (ان سے) غمناک

وَلَيْسَ بِضَارِّهِمْ شَيْئًا إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۰﴾

ہوں مگر اللہ کے حکم کے سوا ان سے انہیں کچھ نقصان نہیں پہنچ سکتا تو مومنوں کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔

يَأْتِيهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قِيلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوا فِي الْمَجَالِسِ فَافْسَحُوا

مومنوں! جب تم سے کہا جائے کہ مجلس کشادگی پیدا کرو تو تم جگہ کشادہ کر دو اللہ تم کو کشادگی بخشے گا

يَفْسَحِ اللَّهُ لَكُمْ وَإِذَا قِيلَ انشُرُوا فَانشُرُوا يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا

اور جب کہا جائے کہ اٹھ کھڑے ہو تو اٹھ کھڑے ہو کرو جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے

مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۱﴾

اللہ ان کے درجے بلند کرے گا اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ

مومنو! جب تم پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہو تو بات کہنے سے پہلے (مساکین کو) کچھ خیرات دے دیا کرو

صَدَقَةٌ ذَلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ

یہ تمہارے لئے بہت بہتر اور پاکیزگی کی بات ہے اور اگر خیرات تم کو میسر نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

﴿۱۲﴾ اَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقْتُمْ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوا

کیا تم اس سے کہ پیغمبر کے کان میں کوئی بات کہنے سے پہلے خیرات دیا کروڑ گئے؟ پھر جب تم نے (ایسا) نہ کیا

وَتَابَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَاقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے پیغمبر کی فرمانبرداری کرتے رہو

وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ بھلا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ایسوں سے دوستی کرتے ہیں جن پر اللہ کا غضب ہو

عَلَيْهِمْ مَا هُمْ مِنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ وَيَحْلِفُونَ عَلَى الْكُذْبِ وَهُمْ يَعْلَمُونَ

وہ نہ تم میں ہیں نہ ان میں اور جان بوجھ کر جھوٹی باتوں پر قسمیں کھاتے ہیں۔

﴿۱۴﴾ عَدَدَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا اِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵﴾

اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے یہ جو کچھ کرتے ہیں یقیناً بُرا ہے۔

اَتَّخَذُوا اٰيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۶﴾

انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا اور (لوگوں کو) اللہ کے رستے سے روک دیا ہے سو ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے۔

لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ

اللہ کے (عذاب کے) سامنے نہ تو ان کا مال ہی کچھ کام آئے گا اور نہ اولاد ہی (کچھ فائدہ دے گی) یہ لوگ اہل دوزخ ہیں

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۴﴾ يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ

اس میں ہمیشہ (جلتے) رہیں گے۔ جس دن اللہ ان سب کو جلا اٹھائے گا تو جس طرح تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں

كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ أَلَّا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿۱۸﴾

(اسی طرح) اللہ کے سامنے قسمیں کھائیں گے اور خیال کریں گے کہ کام لے نکلے ہیں دیکھو یہ جھوٹے (اور برسرِ غلط) ہیں

اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ فَأَنسَاهُمْ ذِكْرَ اللَّهِ أُولَٰئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ

شیطان نے ان کو قابو میں کر لیا ہے اور اللہ کی یاد ان کو بھلا دی ہے یہ (جماعت) شیطان کا لشکر ہے

أَلَّا إِنَّ حِزْبَ الشَّيْطَانِ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۱۹﴾ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ

اور سن رکھو کہ شیطان کا لشکر نقصان اٹھانے والا ہے۔ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں

وَرَسُولُهُ أُولَٰئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ﴿۲۰﴾ تَبَّ اللَّهُ لَا غَلِبَنَا أَنَا وَرُسُلِي

وہ نہایت ذلیل ہوں گے۔ اللہ کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ﴿۲۱﴾ تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

بیٹھک اللہ زور آور (اور) زبردست ہے۔ جو لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں

يُؤَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ

تم ان کو اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے نہ دیکھو گے خواہ وہ ان کے باپ بیٹے

أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

یا بھائی یا خاندان ہی کے لوگ ہوں یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان (پتھر پر لکیر کی طرح) تحریر کر دیا ہے

وَأَيْدِهِمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

اور فیضِ نبی سے ان کی مدد کی ہے اور وہ ان کو بہشتوں میں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں داخل کرے گا ہمیشہ

فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ

ان میں رہیں گے اللہ ان سے خوش اور وہ اللہ سے خوش یہی گروہ اللہ کا لشکر ہے

أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٢٢﴾

(اور) سن رکھو کہ اللہ ہی کا لشکر مراد حاصل کرنے والا ہے۔

سورة الحشر (مدنية)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١﴾

جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں (سب) اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ

وہی تو ہے جس نے کفار اہل کتاب کو حشر اول کے وقت ان کے گھروں سے نکال دیا

لِأَوَّلِ الْحَشْرِ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ

تمہارے خیال میں بھی نہ تھا کہ وہ نکل جائیں گے اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے ان کو اللہ (کے عذاب) سے

مِّنَ اللَّهِ فَاتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا وَقَدَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرَّعْبَ

بچالیں گے مگر اللہ نے ان کو وہاں سے آ لیا جہاں سے ان کو گمان بھی نہ تھا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی

يُخْرَبُونَ بِبُوتِهِمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِيَ الْأَبْصَارِ ﴿١٠٠﴾

کہ اپنے گھروں کو خود اپنے ہاتھوں اور مومنوں کے ہاتھوں سے اجاڑنے لگے تو اے آنکھیں رکھنے والو! عبرت پکڑو [1]

وَلَوْلَا أَنْ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْهِمُ الْجَلَاءَ لَعَذَّبَهُمْ فِي الدُّنْيَا

اور اگر اللہ نے ان کے بارے میں جلا وطن کرنا نہ لکھ رکھا ہوتا تو ان کو دنیا میں بھی عذاب دیدیتا

وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابُ النَّارِ ﴿١٠١﴾ لِيَكِبَّ بِنَهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ

اور آخرت میں تو ان کے لئے آگ کا عذاب (تیار) ہے۔ [2] یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی

[1] چنانچہ شریعت میں احکام مشروعہ کی کوئی نہ کوئی علت ہوا کرتی ہے، جہاں جہاں وہ علت پائی جائے گی احکام بھی دائر رہیں گے جیسا کہ واقعات کے اسباب ہوتے ہیں، کہ جہاں وہ اسباب ہونگے واقعات کو بھی ان سے وابستہ مان لیا جائے گا، پس اس طرح قیاس کا حجت ہونا عقلی ہوا، یعنی ایسی دلالت النص سے ثابت ہو رہا ہے جو قیاس کے مشابہ ہے، بعینہ قیاس سے ثابت نہیں ہے، ورنہ دور لازم آئے گا، یا یوں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے عبرت و اعتبار کا حکم دیا ہے اور اعتبار کسے کہتے ہیں؟ کسی چیز کو اس کی نظیر کی طرف لوٹانے کو اور یہ عام ہے خواہ قیاس ہو یا مشلیات دونوں کو عبرت و اعتبار کہا جائے گا، اس صورت میں قیاس کا حجت ہونا عبارت النص سے ثابت ہو جائے گا، بقول اکثر علماء کے، یعنی بقول صاحب توضیح اشارۃ النص سے قیاس کا حجت ہونا ثابت ہو جائے گا، بہر حال یہ دلیل عقل و نقل کی جامع ہے، اسی لئے بعض اصولی تو اس کو عقلی دلیل کہتے ہیں اور بعض نقلی، صاحب مدارک اور قاضی نے بھی اس سے استدلال کیا ہے، البتہ قیاس کے حجت ہونے کی واضح نقلی دلیل حدیث معادہ ہے، اسی طرح معاملات وغیرہ کے بیشتر مسائل اجتہادی اور قیاسی ہیں، جیسا کہ حدیث ربوا اس کی شاہد ہے اس لئے روافض وغیرہ کا قیاس و اجتہاد سے انکار غلط ہے اور قرآن کی تفسیر کو رسول ﷺ اور اپنے ائمہ معصومین کے ساتھ مخصوص سمجھنا صحیح نہیں۔

[2] سورہ حشر پوری یہود کے قبیلہ بنو نضیر کے متعلق نازل ہوئی ہے، (قالہ ابن اسحاق) ابن عباس اس سورت کا نام

ہی سورہ بنی نضیر کہا کرتے تھے (ابن کثیر) بنو نضیر یہود کا ایک قبیلہ ہے جو ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہے، ان کے اباء واجداد تورات کے عالم تھے، جس میں خاتم الانبیا ﷺ کی خبر اور آپ کا حلیہ اور علامات مذکور تھے، اور یہ کہ انکی ہجرت یثرب

مدینہ کی طرف ہوگی یہ خاندان اس طمع میں خاتم الانبیا ﷺ کے ساتھ رہیں، شام سے مدینہ طیبہ منتقل ہوا تھا، ان کے موجودہ لوگوں میں بھی کچھ تو رات کے عالم تھے، اور نبی ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد علامات دیکھ کر پہچان بھی لیا تھا، کہ یہ وہی خاتم الانبیا ﷺ ہیں، لیکن ان کا خیال تھا کہ وہ آخری نبی ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ان کے خاندان میں ہونگے، اور خاتم انبیا ﷺ بنی اسرائیل کے بجائے بنی اسماعیل میں مبعوث ہوئے تو اس حسد نے ان لوگوں کو ایمان لانے سے روک دیا، مگردل میں ان کے اکثر لوگ آپ کے آخر الانبیا ہونے کو جانتے پہچانتے تھے، اور غزوہ بدر میں مسلمانوں کی حیرت انگیز فتح اور مشرکین کی شکست دیکھ کر ان یقین کچھ اور بڑھا بھی تھا، اس کا اقرار ان کی زبانوں سے سنا بھی دیا، مگر اس ظاہری فتح و شکست کو حق و باطل کے پہچاننے کا معیار بنا لینا ہی ایک بودی اور کمزور بنیاد تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ غزوہ احد میں جب ابتداء مسلمانوں کو شکست ہوئی کچھ صحابہ شہید ہوئے تو ان کا یقین متزلزل ہو گیا اور اس کے بعد سے انہوں نے مشرکین مکہ کے ساتھ ساز باز شروع کر دی۔

اس سے پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا کہ نبی ﷺ نے مدینہ طیبہ پہنچ کر حکیمانہ سیاست کے مقتضی پر سب سے پہلا کام یہ کیا تھا کہ مدینہ طیبہ میں اور شہر کے آس پاس کچھ یہود کے قبائل آباد تھے، ان سے معاہدہ صلح اس پر کر لیا تھا کہ یہ لوگ نہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے اور نہ کسی جنگ کرنے والے کی امداد کریں گی، اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمان ان کی امداد کریں گے، صلحنامہ میں اور بھی بہت سی دفعات تھیں جن کی تفصیل سیرت ابن ہشام وغیرہ میں مذکور ہیں اسی طرح یہود کے تمام قبائل کی جن میں بنو نضیر بھی داخل تھے، مدینہ طیبہ سے دو میل کے فاصلہ پر ان کی بستی اور مضبوط قلعے اور باغات تھے، غزوہ احد تک تو یہ لوگ بظاہر اس صلحنامہ کے پابند نظر آئے مگر احد کے بعد انہوں نے غداری کی، اور خفیہ خیانت شروع کر دی، اس غدرو خیانت کی ابتداء اس سے ہوئی کہ بنو نضیر کا ایک سردار کعب بن اشرف غزوہ احد کے بعد اپنے یہودیوں کے چالیس آدمیوں کے ایک قافلہ کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچا اور یہاں کے کفار قریش جو غزوہ بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی نیت سے غزوہ احد پر گئے تھے اور اس میں بالآخر شکست کھا کر واپس ہو چکے تھے ان سے ملاقات کی، اور ان دونوں میں نبی ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کا ایک معاہدہ ہونا قرار پایا، جس کی تکمیل اس طرح کی گئی کہ کعب بن اشرف اپنے چالیس یہودیوں کے ساتھ اور ان کے بالمقابل البوسفیان اپنے چالیس قریشیوں کے ساتھ حرم بیت اللہ میں داخل ہوئے، اور بیت اللہ کا پردہ پکڑ کر یہ معاہدہ کیا کہ ہم ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کریں گے، کعب بن اشرف اس معاہدہ کے بعد مدینہ طیبہ واپس آیا تو جبرئیل امین نے نبی ﷺ کو یہ سارا واقعہ اور معاہدہ کی =

وَمَنْ يُشَاقِّ اللَّهَ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۱۰۱﴾ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ

اور جو شخص اللہ کی مخالفت کرے تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ (مومنو!) کھجور کے جو درخت تم نے کاٹ ڈالے

أَوْ تَرَكَتُمْوهَا قَائِمَةً عَلَىٰ أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۰۲﴾

یا ان کو اپنی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو اللہ کے حکم سے تھا اور مقصود یہ تھا کہ وہ نافرمانوں کو رسوا کرے۔

وَمَا آفَاءَ اللَّهِ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ

اور جو (مال) اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوا یا ہے اس میں تمہارا کچھ حق نہیں کیونکہ اس کے لئے نہ تم نے گھوڑے

= تفصیل بتلا دی، نبی ﷺ نے کعب بن اشرف کے قتل کا حکم جاری فرما دیا، چنانچہ محمد بن مسلمہ صحابی نے اس کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد بنو نضیر کی مختلف خیانتیں اور سازشیں نبی ﷺ کو معلوم ہوتی رہیں، جن میں ایک وہ واقعہ ہے جو کہ

رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش کی اور اگر پوری طور پر نبی ﷺ بذریعہ وحی اس سازش پر مطلع نہ ہوتے تو یہ لوگ اپنی سازش

قتل میں کامیاب ہو جاتے، کیونکہ جس مکان کے نیچے نبی ﷺ کو انہوں نے بٹھایا تھا اس کی چھت پر چڑھ کر ایک بڑا بھاری

پتھر آپ ﷺ کے سر مبارک پر چھوڑ دینے کا منصوبہ تقریباً مکمل ہو چکا تھا جو شخص اس منصوبہ کو عملی صورت دینے والا تھا اس

کا نام عمر بن جحاش تھا، حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کی حفاظت فرمائی اور یہ منصوبہ ناکام ہو گیا۔

اس کے بعد آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ اس قبیلہ پر حملہ آور ہوئے اور یہ لوگ قلعہ بند ہو گئے، اور منافقین منہ

چھپا کر بیٹھ گئے، آپ نے ان کا محاصرہ کر لیا، اور ان کے درخت جلاوادیئے، کچھ کٹوا دیئے، آخر تک آکر انہوں نے جلاوطن

ہونا منظور کر لیا، آپ نے اس حال میں بھی ان کے ساتھ یہ رعایت کی کہ حکم دیدیا کہ جتنا سامان تم ساتھ لے جا سکتے

ہو لیجاؤ۔ بجز ہتھیار کے وہ ضبط کر لئے جاویں گے، یہ لوگ نکل کر کچھ شام میں چلے گئے کچھ خیبر میں اور حرص دنیا کی وجہ سے اپنے

گھروں کی کڑیاں تختے کو اڑتک اکھاڑ کر لے گئے، اور یہ قصہ غزوہ احد کے بعد ربیع الاول ۳ھ میں پیش آیا، پھر عمرؓ نے اپنے

زمانہ خلافت میں ان کو دوسرے یہود کے ساتھ ملک شام کی طرف نکال دیا، یہ دونوں جلاوطنی حشاوول اور حشر ثانی کہلاتی

ہیں، کذافی زاد المعاد۔

وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ

دوڑائے نہ اونٹ لیکن اللہ اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا ہے اور اللہ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٤﴾ مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ

قادر ہے۔ [3] جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیہات والوں سے دلویا ہے وہ اللہ کے اور پیغمبر کے

وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ

اور (پیغمبر کے) قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور حاجتمندوں کے اور مسافروں کے لئے ہے

[3] ”مَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ“ لفظ ”افاء“ فعی سے مشتق ہے جس کے معنی لوٹنے کے ہیں، اسی لئے دوپھر کے

بعد جو چیزوں کا سایہ مشرق کی طرف لوٹتا ہے، اس کو بھی فعی کہا جاتا ہے، اموال غنیمت جو کفار سے حاصل ہوتے ہیں، ان

سب کی اصل حقیقت یہ ہے کہ ان کے باغی ہو جانے کی وجہ سے ان کے اموال بحق سرکار ضبط ہو جاتے ہیں، اور ان کی

ملکیت سے نکل کر پھر مالک حقیقی حق تعالیٰ کی طرف لوٹ جاتے ہیں، اس لئے ان کے حاصل ہونے کو افاء کے لفظ سے

تعبیر کیا گیا، اس کا تقاضا یہ تھا کہ کفار سے حاصل ہونے والے تمام قسم کے اموال کو فعی ہی کہا جاتا ہے، مگر جو مال جہاد و قتال کے

ذریعہ حاصل ہو اس میں انسانی عمل اور جد جہد کو بھی ایک قسم کا دخل ہے اس لئے اس کو تو لفظ غنیمت سے

تعبیر فرمایا گیا، واعلموا انما غنتم من شئ، لیکن جس کے حصول میں جہاد و قتال کی بھی کوئی ضرورت نہ پڑھی اس کو لفظ

فعی سے تعبیر فرمایا گیا، اس آیت کا حاصل یہ ہوا کہ جو مال بغیر جہاد و قتال کے حاصل ہوا ہے، وہ مجاہدین و غنائم میں مال

غنیمت کے قانون کے مطابق تقسیم نہیں ہوگا بلکہ اس میں کلی اختیار رسول ﷺ کے ہاتھ میں ہوگا جس کو جتنا چاہے

عطا فرمادیں، یا اپنے لئے رکھیں، البتہ یہ پابندی لگادی گئی کہ چند اقسام مستحقین کی متعین کردی گئیں، کہ اس مال کی تقسیم انہی

اقسام میں دائرونی چاہئے، اس کا بیان اگلی آیت میں اس طرح فرمایا: ”ما افاء الله على رسوله من اهل القرى“

اس میں اہل قرئی سے مراد بنو نضیر اور ان جیسے دوسرے قبائل بنو قریظہ وغیرہ ہیں جن کا اموال بغیر قتال کے حاصل ہوئے،

اگے مصارف و مستحقین کی پانچ قسمیں بتائی گئیں ہیں جن کا بیان آگے آتا ہے، آیت مذکورہ میں فعی کے احکام اس کے

مستحقین اور ان میں تقسیم کا طریقہ کار بیان فرمایا ہے۔

كَيْ لَا يَكُونَ دُولَةً بَيْنَ الْأَغْنِيَاءِ مِنْكُمْ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ

تاکہ جو لوگ تم میں دولت مند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو

وَمَا نَهَاكُمُ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۸﴾

اور جس سے منع کریں (اس سے) باز رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ [4]

لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ

(اور) ان مفلسان تارک الوطن کے لئے بھی جو اپنے گھروں اور مالوں سے خارج (اور جدا) کر دیئے گئے ہیں

يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّنَ اللَّهِ وَرِضْوَانًا وَيَنْصُرُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ هُم

(اور) اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے

الصَّادِقُونَ ﴿۹﴾ وَالَّذِينَ تَبَوَّأُوا الدَّارَ وَالْإِيمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّونَ مَنْ

(ایماندار) ہیں۔ اور (ان لوگوں کے لئے بھی) جو مہاجرین سے پہلے (ہجرت کے) گھر (یعنی مدینے) میں مقیم

[4] عن عبد الله قال لعن الله الواشحات و المستوشحات ، المتمصحات و المتفلجات للحسن ،

المغيرات خلق الله ، فبلغ ذلك امرأة من بنى اسديقال لهاام يعقوب ، فجاءت فقالت انه بلغني انك

لعنت كيت و كيت ، فقال و مالى لا العن من لعن رسول الله ﷺ ، و من هوفى كتاب الله ، فقالت

لقد قرأت ما بين اللوحين فما وجدت فيه ماتقول ، قال لئن كنت قرأته لقد وجدته ، اما قرأت

﴿ و ما اتاكم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا ﴾ قالت بلى : قال فانه قد نهى عنه ، قالت فانى ارى

اهلك يفعلونه ، قال فاذهبي فانظري فذهبت فنظرت فلم تر من حاجتها شيئا ، فقال لو كانت كذا لك

ما جامعتنا . (بخارى ، كتاب التفسير) .

ابن مسعود سے روایت ہے کہ: گدنا گودنے والی اور گدانے والی، اور خوبصورتی کے لئے چہرے کے بال نکالنے

والی، دانتوں کو (سوہن سے) جدا کرنے والی، عورتوں پر لعنت کی، جو اللہ کی خلقت کو بدلتی ہیں، یہ قول بنی اسد کی ایک =

هَاجَرَ إِلَيْهِمْ وَلَا يَجِدُونَ فِي صُدُورِهِمْ حَاجَةً مِّمَّا أُوتُوا وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ

اور ایمان میں (مستقل) رہے (اور) جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو

أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُوقِ شُحَّ نَفْسِهِ

ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٤﴾ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ

اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔ [4] اور جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے

يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ

(اور) دعا کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ معاف فرما

وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٠﴾

اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (و حسد) نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے پروردگار! تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے [5]

= عورت کو پہنچی، (اس کا نام معلوم نہیں ہوا) اس کی کنیت ام یعقوب تھی، خیر وہ عبد اللہ بن مسعود کے پاس آئی، کہنے لگی، مجھ کو یہ

خبر پہنچی ہے کہ تم نے ایسی ایسی عورتوں پر لعنت کی ہے، انہوں نے کہا بے شک میں تو ضرور اس پر لعنت کروں گا، جس پر نبی

کریم ﷺ نے لعنت کی ہے، اور اللہ کی کتاب میں اس پر لعنت آئی ہے، وہ عورت کہنے لگی میں نے تو سارا قرآن جو دو تختیوں

کے بیچ میں ہے پڑھ ڈالا، اس میں تو کہیں ان عورتوں پر لعنت نہیں آئی ہے، ابن مسعود نے کہا اگر تو قرآن کو جیسا سمجھ

کر پڑھنا چاہئے پڑھتی، تو ضروریہ مسئلہ پاتی، کیا قرآن میں تو نے نہیں پڑھا کہ ”پیغمبر ﷺ جس بات کا حکم دے اس پر عمل

کر اور جس بات سے منع کرے اس سے باز رہو“ اس نے کہا ہاں، یہ آیت تو قرآن میں ہے، ابن مسعود نے کہا، بس نبی

کریم ﷺ نے ان باتوں سے منع کیا ہے، وہ عورت کہنے لگی تمہاری بی بی بھی تو یہ کام کرتی ہے، انہوں نے کہا اچھا جا دیکھ، جب

وہ گئی تو وہاں کوئی بات اپنی غرض کی نہ پائی، عبد اللہ نے کہا اگر میری عورت ایسے کام کرتی، تو بھلا میرے ساتھ رہ سکتی تھی۔

[5] عن ابی ہریرۃ قال جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ فقال: انی مجہود فارسل الی بعض نساءہ

فقال والذى بعثك بالحق! ما عندى الا ماء، ثم ارسل الى اخرى فقالت مثل ذلك حتى قلن كلهن مثل ذلك، لا، والذى بعثك بالحق! ما عندى الا ماء، فقال من يضيف هذا؟ الليلة رحمه الله، فقام رجل من الانصار فقال انا يا رسول الله فانطلق به الى رحله فقال لامرأته هل عندك شىء؟ قالت لا الا قوت صياني قال فعليهم بشىء فاذا دخل ضيفنا فاطفتى السراج واريه انا نأكل فاذا اهوى لياكل فقومى الى السراج حتى تطفئه قال فقعدوا واكل الضيف فلما اصبح، غدا على رسول الله ﷺ فقال قد عجب الله من صنعكما بضيفكما الليلة. فنزلت هذه الاية. مسلم: ۲۰۵۴.

ابو ہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ کی خدمت میں آکر کہا، میں فاقہ سے ہوں، آپ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ کی طرف پیغام بھیجا، انہوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس تو پانی کے سوا کچھ نہیں ہے، پھر آپ نے دوسری زوجہ کی طرف پیغام بھیجا، انہوں نے بھی اسی طرح کہا حتیٰ کہ سب نے یہی کہا، قسم اس ذات کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں، بالآخر آپ نے فرمایا جو شخص اس کو آج رات مہمان بنائے گا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا، انصار میں سے ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا یا رسول اللہ اس کو میں مہمان بناؤں گا، وہ شخص اس مہمان کو اپنے گھر لے گیا، اور بیوی سے پوچھا: تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ بیوی نے کہا صرف بچوں کا کھانا ہے اس نے کہا بچوں کو کسی چیز سے بہلا دو، جب ہمارا مہمان آئے تو چراغ بجھا دینا، اور اس پر یہ ظاہر کرنا کہ ہم کھانا کھا رہے ہیں، جب وہ کھانا کھانے لگے تو تم چراغ کے پاس جا کر اس کو بجھا دینا، پھر وہ سب بیٹھ گئے اور مہمان نے کھانا کھالیا، جب صبح کو وہ نبی ﷺ کے پاس پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم نے مہمان کے ساتھ جو حسن سلوک کیا اللہ تعالیٰ اس پر بہت خوش ہوا، تب یہ آیت نازل ہوئی۔

[ب] وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَبْغَى الْفُقَرَاءَ، پر معطوف ہے، مہاجرین و انصار رضی اللہ عنہم کے بعد جو اہل ایمان مستحق ہونگے ان کو بھی اس مال سے حصہ دیا جائے، لیکن ان کے لئے ضروری ہے کہ مہاجرین و انصار کے بغض سے ان کے دل پاک ہوں، بلکہ ان کی محبت سے لبریز ہوں اور وہ ہمیشہ مہاجرین و انصار کو دعاء خیر سے یاد کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے بغض سے دل کو صاف رکھنا اور ان کے حق میں دعا کرنا بعد والوں کے لئے لازم ہے، یہاں تک کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں جس شخص کے دل میں کسی بھی صحابی کا بغض ہوگا مال فیء میں اس کا کوئی حصہ نہیں۔ وفى الاية حث على الدعاء للصحابه وتصفية القلوب من بغض احد منهم (روح).

وما احسن ما استنبط الامام مالکؒ من هذه الاية الكريمة ان الرافضى الذى يسب الصحابة ليس له فى مال الفئ نصيب لعدم اتصافه بما مدح هؤلاء فى قولهم رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ
السخ. (ابن كثير).

اور ابو بھریرہؓ سے روایت ہے: قال رسول اللہ ﷺ: اذا اتخذ الفئ دولا، والامانة مغنما، و الزكوة مغرما، وتعلم لغير الدين، واطاع الرجل امرأته وعق امه، وادنى صديقه واقصى آباه، وظهرت الاصوات فى المساجد، وساد القبيلة فاسقهم، وكان زعيم القوم ارذلهم، واکرم الرجل مخافة شره، وظهرت القينات والمعازف، وشربت الخمر، ولعن اخر هذه الامة اولها، فارتقبوا عند ذلك ريحا حمرا، وزلزلة، وخسفا ومسحا، وقذفا، وایات تتابع كنظام قطع سلکھ
فتتابع. (الترمذی: ۲۲۱۱)۔

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جب مال غنیمت کو دولت قرار دیا جانے لگے، اور جب زکوٰۃ کوتاوان سمجھا جانے لگے، اور جب علم کو دین کے علاوہ کسی اور غرض سے سکھایا جانے لگے، اور جب مرد بیوی کی اطاعت کرنے لگے، اور ماں کی نافرمانی کی جانے لگے، اور جب دوستوں کو تو قریب اور باپ کو دور کیا جانے لگے، اور جب مسجد میں شور و غل مچایا جانے لگے، اور جب قوم و جماعت کی سرداری، اس قوم و جماعت کے فاسق شخص کرنے لگیں، اور جب قوم و جماعت کے زعيم و سربراہ اس قوم و جماعت کے کمینہ اور زبیل شخص ہونے لگیں، اور جب آدمی کی تعظیم اس کے شر اور فتنہ کے ڈر سے کی جانے لگے، اور جب لوگوں میں گانے والیوں اور ساز و باجوں کا دور دورہ ہو جائے اور جب شرابیں پی جانے لگیں، اور جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا کہنے لگیں، اور ان پر لعنت بھیجنے لگیں تو اس وقت تم ان چیزوں کے جلدی ظاہر ہونے کا انتظار کرو، سرخ یعنی تیز و تند اور شدید ترین طوفانی آندھی کا، زلزلہ کا، زمین میں دھنس جانے کا، صورتوں کے مسخ و تبدیل ہو جانے کا، اور پنجموں کے برسنے کا، نیز ان چیزوں کے علاوہ قیامت اور تمام نشانیوں اور علامتوں کا انتظار کرو، جو اس طرح پے در پے وقوع پذیر ہوں گی جیسے (موتیوں کی) لڑی کا دھاگہ ٹوٹ جائے اور اس کے دانے پے در پے گرنے لگیں۔

حدیث کی اس جملہ ”جب اس امت کے پچھلے لوگ اگلے لوگوں کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔“ میں اس طرف اشارہ ہے، کہ یہ برائی اسی امت کے ساتھ مخصوص ہے، گذشتہ امتوں کے لوگوں میں اس برائی کا چلن نہیں تھا۔ چنانچہ مسلمانوں میں سے رافضی لوگ اس برائی میں مبتلا ہیں کہ وہ ان گذرے ہوئے اکابر یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم تک کے بارے میں زبان لعن

وطعن دراز کرتے ہیں جن کے حق میں اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے۔ ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأُولُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ﴾ (التوبة: ۱۰۰) ”جن لوگوں نے سبقت کی (یعنی سب سے پہلے ایمان لائے) مہاجرین میں سے بھی اور انصار میں سے بھی اور جنہوں نے نیکو کاری کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سب سے خوش ہے۔“

اور ایک آیت میں یہ فرمایا کہ: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الفتح: ۱۸) ”(اے محمد ﷺ) جب مومن آپ سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہوا۔“

کس قدر بد نصیبی اور شقاوت کی بات ہے کہ جن بندگان خاص سے اللہ تعالیٰ راضی و خوش ہوا ان سے ناراضگی و ناخوشی ظاہر کی جائے اور ان کے خلاف ہنوات بکے جائیں۔؟ ان بندگان خاص کے مناقب و فضائل سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں، وہ پاک نفوس ایسی عظیم ہستیاں ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اللہ کے دین کو قبول کیا، قبول ایمان میں سبقت حاصل کی، نہایت سخت اور صبر آزما حالت میں اللہ کے نبی ﷺ کی مدد حمایت کی، اللہ کے دین کا پرچم سر بلند کرنے کے لئے اپنی جانوں کی بازیاں لگائیں، جہاد کے ذریعہ اسلام کی شوکت بڑھائی، بڑے بڑے شہر اور ملک فتح کئے، کسی واسطہ کے بغیر سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دین کا علم حاصل کیا، شریعت کے احکام و مسائل سیکھے، دین کی بنیاد یعنی قرآن کریم کو سب سے زیادہ جانا اور سمجھا، اور ان مقدس ہستیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہاں امت کے تمام لوگوں کو یہ تلقین فرمائی کہ ان کے حق میں یوں گویا ہوں۔ ﴿وَبِنَا اغْفِرْ لَنَا وَلَا خَوَانًا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ﴾ (الایۃ)۔

لیکن اس (رافضیوں) کے وہ لوگ کہ جو یا تو ایمان کی روشنی کھو چکے ہیں، یا دیوانے ہو گئے ہیں، ان مقدس، ہستیوں اور امت کے سب سے افضل لوگوں کے بارے میں صرف زبان لعن و طعن دراز کرنے ہی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ محض اپنے گندے خیالات و نظریات اور سڑے ہوئے فہم کی وجہ سے یہ کہہ کر ان پاک نفوس کی طرف کفر کی بھی نسبت کرتے ہیں۔ کہ ابو بکر، عمر، اور عثمان رضی اللہ عنہم نے بلا استحقاق خلافت پر قبضہ کیا، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت کے اصل مستحق علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اللہ ان عقل کے اندھوں کو چشم بصیرت دے، آخر وہ یہ کیوں نہیں سمجھتے کہ اس امت کے اگلے پچھلے تمام لوگوں نے اس بات کو غلط اور باطل قرار دیا ہے، اور قرآن و سنت میں ایسی کوئی دلیل نہیں ہے جس سے یہ صراحت ہوتی ہے کہ رسول کریم ﷺ کے بعد خلافت اولیٰ علی کا حق تھا۔

نیز صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے جن لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان سے اختلاف کیا، انہوں نے نعوذ باللہ کسی بری غرض کے تحت علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت نہیں کی بلکہ ان کا اختلاف انکی اجتہادی رائے کے تحت تھا، زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ خطا اجتہادی میں مبتلا ہو گئے تھے۔

لیکن اس کی وجہ سے بھی ان پر لعن کرنا، اور ان کے حق میں گستاخانہ باتیں منہ سے نکالنا نہایت ناروا، بلکہ صریح زیادتی ہے، بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ ان میں سے کسی نے بھی علی رضی اللہ عنہ کی مخالفت راہ حق سے بھٹک جانے کی وجہ سے کی، اور وہ فسق کے مرتکب ہوئے تو بھی ان کو آخر کس بنا پر برا بھلا کہا جاسکتا ہے؟ کیونکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے، انہوں نے مرنے سے پہلے اپنی غلط روی سے توبہ کر لی ہو یا اگر توبہ بھی نہ کی ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہ غالب امید رکھنی چاہئے کہ وہ اپنی رحمت کے صدقہ میں اور ان کی گذشتہ خدمات کے بدلے میں ان کو مغفرت سے نواز دے گا چنانچہ ابن عساکر رحمہ اللہ نے علی رضی اللہ عنہ سے یہ مرفوع روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے (بعض) صحابہ (رضی اللہ عنہم) (اگر) زلت یعنی لغزش کا شکار رہوں گے (تو) اللہ تعالیٰ ان کو میری صحبت اور میرے ساتھ تعلق رکھنے کی برکت سے بخش دے گا۔‘ مرقات: ۱۷۲، بحوالہ تاریخ دمشق: وابن عدی: ۲۳۲/۵، ۲۳۱۸، عن حدیثہ۔

اس بات کو اس طرح بھی کہا جاسکتا ہے کہ ہم لوگ اکثر و بیشتر صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود اپنے پروردگار کی رحمت اور رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے امیدوار رہتے ہیں تو کیا وہ لوگ جو اس امت کے سب سے افضل اور سب سے بڑے لوگوں کے زمرہ سے تعلق رکھتے ہیں، اس بات کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کے حق میں یہ نیک گمان رکھا جائے۔

کہ اگر ان سے کوئی لغزش ہوئی بھی ہوگی تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے درجہ کی عظمت اور ان کے شرف صحابیت کی برکت سے ان سے درگزر فرمائے گا؟ مرتبہ صحابیت کے تقدس و شرف کو داغدار کرنے والے نادانوں! سوچو کہ تم اپنی زبان کو کون مقدس ہستیوں کی شان میں گستاخی کر کے گنداکر رہے ہو، اور تمہارا یہ طرز عمل نبی ﷺ کو کس قدر تکلیف پہنچا رہا ہوگا؟ کیا تم اس بات سے بے خبر ہو کہ نیک بخت وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے خود کے عیوب ان کو دوسروں کی عیب جوئی سے باز رکھیں، کیا تم اس فرمان رسالت ﷺ کی صداقت کے منکر ہو کہ اپنے مرے ہوئے لوگوں کو برائی کے ساتھ یاد نہ کرو، کیا رسول کریم ﷺ کا ارشاد گرامی نہیں ہے، کہ جب تمہارے سامنے میرے صحابہ کا ذکر ہو تو اپنی زبان کو قابو میں رکھو، اگر تم ذرا بھی ایمان و عقل کا دعویٰ رکھتے ہو تو سنو کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ہے: ابو بکر عمر کی محبت ایمان کی ایک شاخ

ہے اور ان دونوں سے بغض و عداوت رکھنا کفر کی علامت ہے۔

انصار کی محبت ایمان کی ایک شاخ ہے، اور ان سے بغض و عداوت کفر ہے، اہل عرب کی محبت ایمان کی ایک شاخ ہے، اور ان سے بغض و عداوت کفر ہے، جس نے میرے صحابہ کو برے الفاظ سے یاد کیا وہ اللہ کی لعنت کا مستوجب ہوا، اور جس نے ان کے بارے میں میرے حکم کی پاسداری کی، میں قیامت کے دن اس کی پاسداری کرونگا۔

اے اللہ! بس تو ہی ان لوگوں کو عقل سلیم اور چشم بصیرت عطا کر کے راہ ہدایت دکھا سکتا ہے، جو جہالت و نادانی اور تعصب کی وجہ سے تیرے محبوب نبی ﷺ کے محبوب صحابہ اور ساتھیوں کی شان میں گستاخی کرتے ہیں، اور ان کے حق میں زبان لعن و طعن دراز کر کے خود کو دوزخ کی آگ کا ایندھن بناتے ہیں۔

باقی رہا حدیث انسؓ کہ: قال رسول اللہ ﷺ مثل امتی مثل المطر لا یدری اولہ خیر ام اخرہ (الترمذی: ۲۸۶۹، واحمد: ۱۳۰۲ وعن عمار بن یاسر عند احمد: ۳۱۹/۴ وعن سلمان: عند ابن حبان: ۲۲۶، ۷، ۲۳۰ و سلسلۃ الصحیحۃ: ۲۲۸۶)۔

رسول اللہ نے فرمایا: میری امت کا حال بارش کی حال کی طرح ہے جس کے بارے میں معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا اول بہتر ہے یا اس کا آخر بہتر ہے۔

بارش کی مثال کے ذریعہ نبی کریم ﷺ نے اپنی امت کا ذکر جس انداز میں کیا، اس سے بظاہر تو شک و تردد اور عدم یقین اس میں سمجھا جاتا ہے کہ معلوم نہیں کہ اس امت کے پہلے لوگ بہتر تھے یا بعد کے لوگ بہتر ہیں،

لیکن حقیقت میں حدیث سے یہ منہوم مراد نہیں ہے، بلکہ بارش کی مثال کے ذریعے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ پوری امت اچھی ہے جیسا کہ سوکھے اور خشک موسم میں جب باران رحمت نازل ہوتی ہے، تو وہ پوری بارش ہی اچھی اور نافع مانی جاتی ہے، اس طرح امت محمدی ﷺ میں پہلے زمانے سے تعلق رکھنے والے اور بعد کے زمانوں کے سچے اور نیک مسلمان بھی خیر یعنی اچھا ہونے اور فائدہ پہنچانے کے اعتبار سے برابر ہیں، پس لفظ ”خیر“ دین کے اعتبار سے افضلیت ظاہر کرنے والے اسم تفضیل کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے۔

رہا یہ سوال کہ امت کے اول اور آخر دونوں سے تعلق رکھنے والے اچھا اور نافع ہونے میں برابر کیسے ہیں؟ تو وہ یوں کہ دور اول کے لوگوں نے رسول کریم ﷺ کی صحبت اور رفاقت کا شرف پایا، نبی کریم ﷺ کی ہر حالت میں اتباع کی آپ کی دعوت اسلام دوسروں تک پہنچائی، آپ کی لائی ہوئی شریعت اور آپ ﷺ کے پیش کئے ہوئے دین کے فوائد

وہدایات کی بنیاد رکھی، آپ ﷺ کے دین متین کو اعانت و تقویت پہنچائی، اور آپ کی ہر طرح سے مدد و حمایت کی، تو بعد کی امتیوں نے نبی کریم ﷺ کی نبوت اور رسالت اور آپ کی شریعت کو جوں کا توں تسلیم کیا، رسالت و شریعت کے ہر جزء پر مضبوط عقیدے کے ساتھ جھے رہے، آپ کے دین کی حفاظت اور دین کو استحکام و رواج دیا، دینی قواعد اور ہدایات کی بنیاد کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، یا دین و شریعت کے ارکان کو مضبوط و مستحکم کیا، اسلام کے جھنڈے کو سر بلند کیا،

اسلام کی روشنی کو چار دانگ عالم میں پھیلایا، اور اس کے برکات و اثرات تمام عالم پر ظاہر کئے اور اگر لفظ ”خیر“ کو اسم تفضیل کے معنی پر محمول کیا جائے تو بھی اس اعتبار سے درست ہو سکتا ہے کہ ”خیر“ بہتر ہونے کے وجوہ اور اسباب متعدد ہو ہوتے ہیں جن اسباب و وجوہ کے اعتبار سے دور اول کے امتی بہتر تھے، ان کے علاوہ بعض اور اسباب و وجوہ سے بعد کے زمانے کے امتی بہتر ہیں گویا حاصل یہ نکلا کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نافع اور اچھا ہونے کے اعتبار سے پوری امت یکساں اور برابر ہیں اور اس پر بھی دلالت کرتی ہے کہ وجوہ و اسباب کے تعدد و اختلاف کے مد نظر دور اول کے امتی اپنے اعتبار سے بہتر ہیں، اور بعد کے زمانے کے امتی اپنی نوعیت سے بہتر ہیں، لیکن جمہور علماء کے نزدیک یہ طے شدہ ہے کہ جہاں تک کلی افضلیت کا تعلق ہے وہ صرف دور اول کے امتیوں یعنی صحابہ کے لئے مخصوص ہے۔ اگرچہ یہ اس کے منافی نہیں ہے کہ کسی خاص درجہ و نوعیت کے تحت بعد کے امتیوں میں سے کسی کے لئے جزوی افضلیت ثابت کی جائے اور یہ بات ذہن میں رہے کہ کلی افضلیت سے مراد اللہ کے ہاں سب سے زیادہ ثواب پانا ہے۔

اور تو رپشتی نے لکھا ہے: یہ حدیث بعد کے امتیوں پر دور اول کے امتیوں کی فضیلت و برتری میں شک و تردد پر ہرگز محمول نہیں ہے، کیونکہ قرن اول (صحابہ کا زمانہ) تمام قرونوں سے بلا شک و شبہ افضل ہے، پھر اس کے بعد کے قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرونوں سے افضل ہیں، اور پھر اس کے بعد کے قرن کے امتی اپنے بعد والے تمام قرونوں سے افضل ہیں، پس اس حدیث کی مراد بس یہ بیان کرنا ہے کہ دین و شریعت پھیلانے کے اعتبار سے پوری امت نافع ہے۔ اسی طرح کی بات قاضی نے بھی ایک طویل عبارت میں لکھی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح بارش کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا کونسا حصہ زیادہ مفید اور نفع بخش ہے اور کس وجوہ سے ”خیر“ کا وجود ہے اور کن افراد میں ”خیر“ کا وجود نہیں ہے، کیونکہ وجود خیر کی مختلف جہتیں اور مختلف نوعیتیں ہوتی ہیں اور اس اعتبار سے امت کا ہر دور اپنی اپنی حیثیت اور جہت سے وجود خیر کا حامل ہوگا۔

تاہم، الفضل للمتقدم، کے اصول کے تحت افضلیت انہی امتیوں کے لئے ہے جو دور اول میں تھے، =

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ نَافَقُوا يَقُولُونَ لِإِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ كَفَرُوا
 کیا تم نے ان منافقوں کو نہیں دیکھا جو اپنے کافر بھائیوں سے جو اہل کتاب ہیں کہا کرتے ہیں
 مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ أُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيعُ فِيكُمْ أَحَدًا
 کہ اگر تم جلا وطن کئے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکلیں گے اور تمہارے بارے میں کبھی کسی کا کہا نہ مانیں گے
 أَبَدًا وَإِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنصُرَنَّكُمْ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۱۱۱﴾
 اور اگر تم سے جنگ ہوئی تو تمہاری مدد کریں گے مگر اللہ ظاہر کئے دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔

= یعنی صحابہ اور یہ حدیث بعد کے زمانے والے امتیوں کے لئے تسلی کا مصدر ہے جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب
 العالمین کی رحمت کا دروازہ کھلا ہوا ہے، اور اس کی بارگاہ سے حصول فیض کی توقع ہر حال میں باقی ہے۔
 اس حدیث کی شرح میں طیبیؒ لکھتے ہیں، امت کو بارش کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے، وہ محض ہدایت اور علم
 کو سامنے رکھ کر دی گئی ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں بارش کو ہدایت اور علم کے مشابہت دی ہے، پس
 حدیث میں مذکورہ امت جس کو بارش کے ساتھ مشابہت دی گئی ہے، اس سے مراد علماء کالمین ہیں کہ جو خود بھی کامل ہوتے
 ہیں اور دوسروں کو بھی درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں، یہ وضاحت بھی گویا اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ ”خیر“ سے نفع کے معنی
 مراد لئے جائیں جس سے افضلیت میں پوری امت کا یکساں ہونا لازم نہیں آتا، خلاصہ کلام یہ کہ امت محمدی اپنے کسی
 دور میں خیر سے خالی نہیں رہے گی، جیسا کہ ایک حدیث میں محمد ﷺ نے پوری امت کو ”امت مرحومہ“ فرمایا ہے
 (ابوداؤد: ۴۲۷۸، والحاکم: ۴۲۴۳) اور یہ شہرہ ہے اس بات کا کہ اس امت کا نبی ”نبی رحمت“ ہے بخلاف
 دوسری امتوں کے، کہ ان کے ہاں خیر کا وجود صرف ابتدائی دور میں رہا، اور پھر بعد والوں میں شر آگیا اور اس طرح آیا کہ
 انہوں نے اپنی ان مقدس اسمانی کتابوں تک کو بدل ڈالا اور تحریفیں کر کر کے اپنے اس دین کا حلیہ ہی بگاڑ دیا۔ جس پر ان
 کے دور اول کے لوگ تھے۔

لَئِنْ أَخْرَجُوا لَا يَخْرُجُونَ مَعَهُمْ وَلَئِنْ قُوتِلُوا

اگر وہ جلاوطن کئے گئے تو یہ ان کے ساتھ نہ جائیں گے، اور اگر ان سے جنگ چھڑ گئی تو یہ ان کی مدد بھی نہ کریں گے

لَا يَنْصُرُونَهُمْ وَلَئِنْ نَصَرُوهُمْ لَيُوَلِّنَّ الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ﴿١٣﴾

اور اگر مدد کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر ان کو (کہیں سے بھی) مدد نہ ملے گی۔

لَأَنْتُمْ أَشَدُّ رَهْبَةً فِي صُدُورِهِمْ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿١٤﴾

(مسلمانو!) تمہاری ہیبت ان لوگوں کے دلوں میں اللہ سے بھی بڑھ کر ہے یہ اس لئے کہ یہ سمجھ نہیں رکھتے۔

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرَى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ

یہ سب جمع ہو کر بھی تم سے نہیں لڑ سکیں گے مگر بستیوں کے قلعوں میں (پناہ لے کر) یا دیواروں کی اوٹ میں

بِأَسْهُمٍ بَيْنَهُمْ شَدِيدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيعًا وَقُلُوبُهُمْ شَتَّىٰ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ

(مستور ہو کر) ان کا آپس میں بڑا اختلاف ہے تم شاید خیال کرتے ہو کہ یہ اکٹھے (اور ایک جان) ہیں مگر ان کے دل پھٹے

قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٥﴾ كَمَثَلِ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَرِيبًا ذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ

ہوئے ہیں یہ اس لئے کہ یہ بے عقل لوگ ہیں۔ ان کا حال ان لوگوں کا سا ہے جو ان سے کچھ ہی پیشتر اپنے کاموں کی سزا کا

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٦﴾ كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ

مزا کچھ چکے ہیں اور (ابھی) ان کے لئے دکھ دینے والا عذاب (تیار) ہے۔ (منافقوں کی) مثال شیطان کی سی ہے کہ

إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِنْكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ

انسان سے کہتا رہا کہ کافر ہو جا جب وہ کافر ہو گیا تو کہنے لگا کہ مجھے تجھ سے کوئی سروکار نہیں مجھ کو تو اللہ رب العالمین

رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٧﴾ كَانَ عَاقِبَتُهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ

سے ڈر لگتا ہے۔ تو دونوں کا انجام یہ ہوا کہ دونوں دوزخ میں (داخل ہوئے) ہمیشہ اس میں رہیں گے

جَزَاؤُ الظَّالِمِينَ ﴿۱۷﴾ بِأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ

اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہیے کہ اس نے کل

مَا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۸﴾

(قیامت) کے لئے کیا (سامان) بھیجا ہے اور (ہم پھر کہتے ہیں کہ) اللہ سے ڈرتے رہو بیشک اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنْسَاهُمْ أَنْفُسَهُمْ أُولَٰئِكَ هُمُ

اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں ایسا کر دیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے یہ بدکردار

الْفَاسِقُونَ ﴿۱۹﴾ يَسْتَوِي ۖ أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابُ

لوگ ہیں۔ اہل دوزخ اور اہل بہشت برابر نہیں اہل بہشت تو کامیابی حاصل کرنے والے ہیں

الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۲۰﴾ هُوَ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَىٰ جَبَلٍ لِّرَأْيْتَهُ خَاشِعًا

اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دبا

مُتَّصِدًا مِّنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

اور پھٹ جاتا اور یہ باتیں ہم لوگوں کے لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ

يَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

فکر کریں۔ [۲۱] وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے

هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿۲۲﴾ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ

والا وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں بادشاہ (حقیقی) پاک ذات

[6] "لوانزلنا هذا القرآن على جبلٍ لِّرَأْيْتَهُ خَاشِعًا" یہ ایک تمثیل ہے کہ اگر قرآن پہاڑوں جیسی سخت اور ثقیل =

الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللَّهِ

(ہر عیب سے) سالم، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست بڑائی والا۔ اللہ ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے

عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٢٢٠﴾ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ

وہی اللہ (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب نام اچھے ہیں

الْحُسْنَى يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٢٢١﴾

جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ [۷]

= چیز پر اتارا گیا ہوتا اور جس طرح انسان کو فہم اور شعور دیا گیا ہے ان کو بھی دیدیا جاتا تو پہاڑ بھی اس قرآن کی عظمت کے سامنے جھک جاتے بلکہ ریزہ ریزہ ہو جاتے، مگر انسان اپنی خواہش پرستی اور خود غرضی میں مبتلا ہو کر اپنی فطری شعور کو کھو بیٹھا، وہ قرآن سے متاثر نہیں ہوتا گویا یہ ایک فرضی مثال ہے، کہ پہاڑوں میں شعور ہوتا، اور بعض نے فرمایا کہ پہاڑوں اور درختوں اور دنیا کی تمام چیزوں میں شعور و ادراک ہونا عقل و نقل سے ثابت ہے اس لئے یہ کوئی فرضی مثال نہیں حقیقت ہے (مظہری) واللہ اعلم۔

[۷] ”عالم الغیب والشہادۃ“ یعنی حق تعالیٰ ہر چھپی اور کھلی چیز اور غائب و حاضر کا پوری طرح جاننے

والا ہے۔ القدوس بضم قاف وہ ذات جو ہر عیب سے پاک اور ہر ایسی چیز سے بری ہو جو اس کے شایان شان نہیں

المؤمن یہ لفظ جب انسان کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی ایمان لانے والے اور اللہ و رسول کے کلام کی تصدیق کرنے

والے کے آتے ہیں، اور جب یہ لفظ حق تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے تو اس کے معنی امن دینے والے کے ہوتے ہیں،

(کما قالہ ابن عباسؓ) یعنی وہ اللہ اور رسول پر ایمان لانے والوں کو ہر طرح کے عذاب و مصیبت سے امن اور سلامتی

دینے والا ہے۔ ”المہیمن“ اس کے معنی ہیں نگرانی کرنے والا (کذا قال ابن عباسؓ وقتادہ و مجاہد) تاموس میں

ہے کہ ہمن یہمن کے معنی دیکھ بال اور نگرانی کرنے کے آتے ہیں (مظہری)۔

العزیز: بمعنی قوی العجبار صاحب جبر و عظمت، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ جبر سے مشتق ہو جس کے معنی

ٹوٹی ہڈی وغیرہ کو جوڑنے کے آتے ہیں، اس لئے جبیرہ اس پٹی کو کہا جاتا ہے جو ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے کے بعد اس

پر باندھی جاتی ہے، تو معنی اس لفظ کے یہ ہوں گے کہ وہ ہر ٹوٹی ہوئی شکستہ اور نا کارہ چیز کی اصلاح کر کے درست کر دینے والا ہے (مظہری)۔

المتکبر: تکبر سے اور وہ کبر یا سے مشتق ہے جس کے معنی بڑائی کے ہیں اور ہر بڑائی درحقیقت اللہ جل شانہ کے لئے مخصوص ہے، جو کسی چیز میں کسی کا محتاج نہیں، اور جو محتاج ہو وہ بڑا نہیں ہو سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے لئے یہ لفظ عیب اور گناہ ہے کیونکہ حقیقت میں بڑائی حاصل نہ ہونے کے باوجود بڑائی کا دعویٰ جھوٹا ہے، اور وہ ذات جو حقیقت میں سب سے بڑی اور بے نیاز ہے اس کی خاص صفت میں شرکت کا دعویٰ ہے اس لئے متکبر کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کمال ہے اور غیر اللہ کے لئے جھوٹا دعویٰ۔

المصور: کے معنی صورت بنانے والا، مراد یہ ہے کہ تمام مخلوقات کو حق تعالیٰ نے خاص خاص شکل و صورت عطا فرمائی ہے جس کی وجہ سے وہ دوسری چیزوں سے ممتاز ہوئی اور پہچانی جاتی ہے۔ دنیا کی عام مخلوقات آسمانی اور زمینی خاص خاص صورتوں ہی سے پہچانی جاتی ہیں۔ پھر ان میں اصناف و انواع کی تقسیم اور ہر نوع و صنف کی جدا گانہ ممتاز شکل و صورت اور ایک ہی نوع انسانی میں مرد و عورت کی شکل و صورت کا امتیاز پھر سب مردوں سب عورتوں کی شکلوں میں باہم ایسے امتیازات کہ اربوں کھربوں انسان دنیا میں پیدا ہوئے ایک کی صورت بالکل دوسرے سے نہیں ملتی کہ بالکل امتیاز نہ ہو سکے، یہ کمال قدرت صرف ایک ہی ذات حق جل شانہ کا ہے جس میں اس کا کوئی شریک نہیں جس طرح غیر اللہ کے لئے تکبر جائز نہیں کہ کبر یا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اسی طرح تصویر سازی غیر اللہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت میں شرکت کا عملی دعویٰ ہے۔

”لہ الاسماء الحسنی“ یعنی اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں، قرآن کریم میں ان کی تعداد متعین نہیں فرمائی۔ ترمذی کی ایک حدیث میں یہ سب یکجا مذکور ہیں اور بہت سے علماء نے اسماء حسنی پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

”یسبح له ما فی السموات و الارض“ یہ تسبیح زبان حال سے ہونا تو ظاہر ہی ہے کہ ساری مخلوقات اور ان کے اندر رکھی ہوئی عجیب و غریب صنعتیں اور صورتیں زبان حال سے اپنے بنانے والے کی حمد و ثنا میں مشغول ہیں اور ہو سکتا ہے کہ حقیقی تسبیح مراد ہو کیونکہ تحقیق یہی ہے کہ تمام اشیاء کو عالم میں اپنی اپنی حیثیت کا عقل و شعور ہے، اور عقل و شعور کا سب سے پہلا متشخصی اپنے بنانے والے کو پہچاننا اور اس کا شکر گزار ہونا ہے، اس لئے ہر چیز حقیقتاً تسبیح کرتی ہو تو اس میں کوئی بعد نہیں اگرچہ ہم ان کی تسبیح کو کانوں سے نہ سن سکیں اسی لئے قرآن کریم میں ہے: ولکن لاتفقهون =

سورة الممتحنة (مدنیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ إِلَيْهِمْ
مومنو! اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری خوشنودی طلب کرنے کے لئے (مکہ سے) نکلے ہو

بِالْمُودَّةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ الْحَقِّ يُخْرِجُونَ الرَّسُولَ وَإِيَّاكُمْ
تو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ تم تو ان کو دوستی کے پیغام بھیجتے ہو اور وہ (دین) حق سے جو تمہارے پاس آیا

أَنْ تُوْمِنُوا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ حَرَجْتُمْ جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابْتِغَاءَ
ہے منکر ہیں اور اس باعث سے کہ تم اپنے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو پیغمبر کو اور تم کو جلاوطن کرتے ہیں

مَرْضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيْهِمْ بِالْمُودَّةِ وَأَنَا أَعْلَمُ بِمَا أَخْفَيْتُمْ وَمَا أَعْلَنْتُمْ
تم ان کی طرف پوشیدہ پوشیدہ دوستی کے پیغام بھیجتے ہو جو کچھ تم مخفی طور پر اور جو علی الاعلان کرتے ہو

= تسبیحہم یعنی تم ان کی تسبیح کو سنتے سمجھتے نہیں۔ (اسراء: ۲۴)

ترمذی میں معقل بن یسار کی روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ صبح کے وقت تین مرتبہ: اعدو ذبالہ
السمیع العلیم من الشیطان الرجیم اور اس کے بعد تین مرتبہ سورہ حشر کی آخری تین آیتیں هو اللہ الذی لا اله
الا هو، سے آخر تک پڑھ لے، تو اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرمادیتے ہیں جو شام تک اس کے لئے رحمت کی دعا کرتے
رہتے ہیں، اگر اس دن میں وہ مر گیا تو شہادت کی موت حاصل ہوگی۔ اور جس نے شام کو یہی کلمات تین مرتبہ پڑھ لئے
تو یہی درجہ اس کو حاصل ہوگا (ترمذی: ۲۸۴۶)۔

وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱﴾ إِنَّ يَثْقَفُوكُمْ

وہ مجھے معلوم ہے اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا وہ سیدھے رستے سے بھٹک گیا۔ اگر یہ کافر تم پر قدرت پالیں [1]

[1] امام بخاری نے علیؑ سے مختلف جگہوں میں یہ حدیث نقل کی ہے: [۳۰۸۱، ۳۰۰۷، ۳۹۸۳، ۴۲۷۷، ۴۸۹۰، ۶۲۵۹، ۶۹۳۹] مسلم رقم: ۲۴۹۴، ترمذی رقم: ۳۳۰۵، ومسنند حمیدی: ۴۹، و

النسائی فی سننہ الکبریٰ: ۱۱۵۸۵، اور اس کے علاوہ اوروں نے بھی کہ: بعثنی رسول اللہ ﷺ انا و الزبیر و مقداد فقال انطلقوا حتی تاتوار وضة خاخ، فان بها طعينة معها كتاب فخذوه منها، فذهبا يتعادى

بناخيلنا حتى اتينا الروضة فاذا نحن بالطعينة، فقلنا اخرجي الكتاب! فقالت مامعي من كتاب،

فقلنا لتخرجن الكتاب اولنلقين الثياب، فاخرجته من عقاصها فاتينا به النبي ﷺ فاذا فيه من حاطب بن

ابى بلتعة الى اناس من المشركين ممن بمكة، يخبرهم ببعض امر النبي ﷺ فقال النبي ﷺ

ما هذا يا حاطب قال لا تعجل علي يا رسول الله، انى كنت امر املصقا فى قريش ولم اكن من انفسهم،

وكان ممن معك من المهاجرين لهم قرابات يحمون بها اهلهم و اموالهم بمكة، فاحببت اذفاتنتى

ذلك من النسب فيهم ان اصطنع اليهم يدايحمون بها قرابتي، وما فعلت ذلك

كفرا ولا ارتدادا عن ديني، فقال النبي ﷺ انه قد صدقكم فقال عمر دعنى يا رسول الله فاضرب عنقه

فقال انه شهد بدر او ما يدريك لعل الله عز وجل اطلع على اهل بدر فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت

لكم، فقال عمر ونزلت فيه يا ايها الذين امنوا لاتتخذوا عدوى وعدوكم.

علیؑ نے کہا کہ نبی ﷺ نے مجھ کو اور زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم تینوں آدمیوں کو بھیجا فرمایا (مکہ کے راستے

پر) روضہ خانہ تک چلے جاؤ (جو ایک مقام کا نام ہے) وہاں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی (اس کا نام سارہ تھا) اس

کے پاس ایک خط ہے وہ لے آؤ، علیؑ کہتے ہیں ہم تینوں آدمی گھوڑے دوڑاتے روضہ خانہ میں پہنچے تو (سچ مچ) وہاں ایک

عورت شتر سوار ملی، ہم نے اس سے کہا خط نکال، وہ بولی میرے پاس تو کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا، لے اب خط نکالتی ہے

یا ہم تجھ کو ننگا کریں، تب اس عورت نے وہ خط اپنی بالوں کی چوٹی سے نکال کر ہمارے حوالہ کر دیا، ہم وہ خط نبی ﷺ کے =

يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَالسِّنَنَهُم بِالسُّوءِ وَوَدُّوا
 و تمہارے دشمن ہو جائیں اور ایذا کے لئے تم پر ہاتھ (بھی) چلائیں اور زبانیں (بھی) اور چاہتے ہیں
 لَوْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰﴾ ۱۰ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَفْصَلُ
 کہ تم کسی طرح کافر ہو جاؤ۔ قیامت کے دن نہ تمہارے رشتے ناتے کام آئیں گے اور نہ اولاد اس روز وہی تم میں فیصلہ
 بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۱﴾ ۱۱ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي
 کرے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔ تمہیں ابراہیم اور ان کے رفقاء کی نیک چال چلتی (ضرور) ہے جب

= پاس لے کر آئے، اس کا مضمون یہ تھا: حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے چند مکہ کے مشرکوں کے نام پر، اور نبی کریم ﷺ
 کے تیاری وغیرہ کا اس میں ذکر تھا کہ آپ ﷺ بڑی فوج لیکر آتے ہیں۔ تم اپنا بچاؤ کرو۔

نبی ﷺ نے حاطب سے پوچھا ارے حاطب یہ کیا بات ہے؟ (تو نے مسلمان ہو کر کافروں کو مخبری کی) حاطب نے
 نے عرض کیا یا رسول اللہ جلدی نہ فرمائیں (میرا سب قصہ سن لیجئے پھر جو جی چاہے سزا دیجئے) ہوایہ کہ میں اصل قریشی
 تو ہوں نہیں، اور آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجر ہیں وہ (اصل قریشی ہیں) ان کے عزیز ناطے دار قریش کے کافروں میں
 ہیں جن کی وجہ سے ان کے گھر بار، مال اسباب محفوظ رہتے ہیں، میں نے یہ چاہا کہ میرا ناطہ ان سے نہیں ہے تو کچھ احسان ہی
 کر کے اپنا حق ان پر قائم کروں، تاکہ وہ اس کی وجہ سے میرے رشتہ داروں کو نہ ستائیں، میں نے یہ کام اس وجہ سے نہیں
 کیا کہ میں کافر ہوا ہوں یا اسلام سے پھر گیا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حاطب نے سچ کہہ دیا۔ عمر نے عرض کیا کہ
 یا رسول اللہ اجازت دیجئے میں اس کی گردن اڑا دیتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس طرح مت سوچو اور اس حقیقت
 پر نظر رکھو کہ وہ بدر کی جنگ میں شریک تھا، اور تجھ کو معلوم نہیں اللہ تعالیٰ نے عرش معلیٰ پر سے بدر والوں کا جھانکا فرمایا اب تم
 کیسی بھی اعمال کرو (تم سے کیسے بھی گناہ ہو جائیں، بشرطیکہ کفر اور شرک نہ کرو) میں نے تو تم کو بخش دیا؟ عمر نے کہا اس
 باب میں یہ ایت اتری .

إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَاءُ مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ

انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان (بتوں) سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو

مِنْ دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ

بے تعلق ہیں (اور) تمہارے (معبودوں کے کبھی) قائل نہیں (ہو سکتے) اور جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لاؤ

الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّى تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحَدُّهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ

ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلی عداوت اور دشمنی رہے گی ہاں ابراہیم نے اپنے باپ سے

لَا سْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَا أَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ

یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لئے مغفرت مانگوں گا اور میں اللہ کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا

رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنبَأْنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۲۱﴾

اے ہمارے پروردگار! تجھ ہی پر ہمارا انحصار ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیرے ہی حضور میں لوٹ کر جانا ہے۔ اے ہمارے پروردگار!

لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَاعْفِرْ لَنَا رَبَّنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۲۲﴾

ہم کو کافروں کے ہاتھ سے عذاب نہ دلانا اور اے ہمارے پروردگار! ہمیں معاف فرما بیشک تو غالب حکمت والا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ

تم (مسلمانوں) کو یعنی جو کوئی اللہ اور روزِ آخرت (کے آنے) کی امید رکھتا ہو اسے ان لوگوں کی نیک چال چلنی

وَمَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ﴿۲۳﴾ هَسَى اللَّهُ أَنْ يَجْعَلَ بَيْنَكُمْ

(ضرور) ہے اور جو روگردانی کرے تو اللہ بھی بے نیاز اور سزاوارِ حمد (و ثنا) ہے۔ یقین ہے کہ اللہ تم میں اور ان لوگوں میں

وَبَيْنَ الَّذِينَ عَادَيْتُمْ مِنْهُمْ مَوَدَّةً وَاللَّهُ قَدِيرٌ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲۴﴾

جن سے تم دشمنی رکھتے ہو دوستی پیدا کر دے اور اللہ قادر ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

لَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ

جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو تمہارے گھروں سے نکالا

مِّنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۸﴾

ان کے ساتھ بھلائی اور انصاف کا سلوک کرنے سے اللہ تم کو منع نہیں کرتا اللہ تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُم

اللہ انہی لوگوں کے ساتھ تم کو دوستی کرنے سے منع کرتا ہے جنہوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی کی اور تم کو تمہارے

مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ

گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں اوروں کی مدد کی تو جو لوگ ایسوں سے دوستی کریں گے

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹﴾ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ

وہی ظالم ہیں۔ مومنو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں وطن چھوڑ کر آئیں [2]

[2] اس آیت میں مسلمان عورتوں سے بیعت لینے کا ذکر ہے جس میں ایمان اور عقائد کے ساتھ احکام شرعیہ کی

پابندی کا بھی معاہدہ ہے سابقہ آیات جن کے سیاق میں یہ آیت بیعت آئی ہے وہ اگرچہ ان مہاجرات کے ایمان کا امتحان

کرنے کے سلسلے میں ہے اور یہ بیعت ان کے امتحان ایمان کی تکمیل ہے لیکن الفاظ آیت عام ہے تو مسلم مہاجرات کے ساتھ

مخصوص نہیں، بلکہ سب مسلمان عورتوں کے لئے عام ہیں، اور واقعہ بھی اسی طرح پیش آیا کہ بیعت مذکورہ میں نبی ﷺ سے

بیعت کرنے والی صرف نو مسلم مہاجرات ہی نہیں دوسری قدیم عورتیں بھی شریک تھیں، جیسا کہ صحیح بخاری میں ام عطیہؓ سے

اور سند بغوی امیہ بنت رقیہؓ سے منقول ہے۔ امیہؓ سے روایت ہے کہ میں نے چند دوسری عورتوں کی معیت میں رسول

اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ نے جن احکام شرعیہ کی پابندی کا معاہدہ اس بیعت میں لیا اس کے ساتھ یہ کلمات بھی تلقین

فرمائے کہ: فَمَا اسْتَطَعْتَن وَاطَقْتَن یعنی ہم ان چیزوں کی پابندی کا عہد اسی حد تک کرتے ہیں جہاں تک ہماری

استطاعت و طاقت میں ہے، امیہؓ نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی رحمت =

مُهَاجِرَاتٍ فَاْمْتَحِنُوهُنَّ ۗ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۗ فَاِنْ عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ
 تو ان کی آزمائش کر لو (اور) اللہ تو ان کے ایمان کو خوب جانتا ہے سو اگر تم کو معلوم ہو کہ مومن ہیں
 فَلَا تَرْجِعُوهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لِهِنَّ وَاَتُوهُم
 تو ان کو کفار کے پاس واپس نہ بھیجو کہ نہ یہ ان کو حلال ہیں اور نہ وہ ان کو جائز اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہو وہ ان کو
 مَا اَنْفَقُوْا وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوهُنَّ اِذَا اتَيْتُمُوهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
 دیدو اور تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو مہر دے کر ان سے نکاح کر لو

= وشفقت ہم پر خود ہماری ذات سے بھی زائد تھی، کہ ہم نے تو بلا کسی قید و شرط کے عہد کرنا چاہا تھا، آپ نے اس شرط کی تلقین
 فرمادی، تاکہ کسی اضطراری حالت میں خلاف ورزی ہو جائے تو عہد شکنی میں داخل نہ ہو (بخاری: کتاب الجنازہ و تفسیر سورہ
 الہمتنہ)۔

اور صحیح بخاری میں عائشہؓ نے اس بیعت نساء کے متعلق فرمایا کہ عورتوں کی یہ بیعت صرف گفتگو اور کلام کے ذریعہ
 ہوئی، مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے عورتوں کی بیعت میں ایسا نہیں کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے
 دست مبارک نے کبھی کسی غیر محرم کے ہاتھ کو نہیں چھوا (بخاری: تفسیر سورہ الہمتنہ)۔

اور روایات حدیث سے ثابت ہے کہ یہ بیعت نساء صرف اس واقعہ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ بار بار ہوتی رہی
 یہاں تک کہ فتح مکہ کے روز بھی رسول اللہ ﷺ نے مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے کے بعد کوہ صفا پر عورتوں سے بیعت
 لی، اور پہاڑ کے دامن میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کو دہرا کر نیچے جمع
 ہونے والی عورتوں کو پہنچا رہے تھے جو اس بیعت میں شریک تھیں۔

اس وقت بیعت ہونے والی عورتوں میں ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی داخل تھیں، جو شروع میں حیا کے سبب اپنے
 آپ کو چھپانا چاہتی تھیں، پھر بیعت میں کچھ احکام کی تفصیل آئی تو بولنے اور دریافت کرنے پر مجبور ہو گئیں، کئی سوالات کئے،
 یہ واقعہ تفصیل سے تفسیر مظہری میں مذکور ہے۔

وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَأَسْأَلُوا مَا أَنْفَقْتُمْ
اور کافر عورتوں کی ناموس کو قبضے میں نہ رکھو (یعنی کفار کو واپس دیدو) اور جو کچھ تم نے ان پر خرچ کیا ہو تم ان سے طلب کر لو
وَلَيْسَ أَسْأَلُوا مَا أَنْفَقُوا ذَلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾
اور جو کچھ انہوں نے خرچ کیا ہو وہ تم سے طلب کر لیں یہ اللہ کا حکم ہے جو تم میں فیصلہ کئے دیتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے [3]

[3] ”واتوہم ما انفقوا“ یعنی مہاجرہ مومنہ کے شوہر نے اس کے نکاح میں جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ سب اس کے شوہر کو واپس دیا جائے کیونکہ شرط صلح سے مستثنیٰ صرف عورتوں کی واپسی تھی، جو بوجہ ان کے حرام ہو جانے کے نہیں ہو سکتی، مگر جو مال انہوں نے ان کو دیا ہے وہ حسب شرط واپس کر دینا چاہئے، اس مال کی واپسی کا خطاب مہاجر عورتوں کو نہیں کیا گیا کہ تم واپس کرو بلکہ عام مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ واپس کریں کیونکہ بہت ممکن بلکہ غالب یہ ہے کہ جو مال ان کے شوہر نے ان کو دیا تھا وہ ختم ہو چکا ہو، اب ان سے واپس دلانے کی صورت ہی نہیں ہو سکتی، اس لئے یہ فریضہ عام مسلمانوں پر ڈال دیا گیا، کہ معاہدہ صلح کو پورا کرنے کے لئے اس کی طرف سے کافر شوہروں کا مال واپس کر دیں، اگر بیت المال سے دیا جاسکتا ہے تو وہاں سے ورنہ عام مسلمانوں کے چندے سے۔ قرطبی۔

”وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ“ کچھلی آیت میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ ہجرت کر کے آنے والے مسلمان عورت کا نکاح اس کے کافر شوہر سے فسخ ہو چکا ہے، اور یہ اس پر حرام ہو چکی ہے، اس آیت میں اسی حکم کا تکملہ ہے کہ اب مسلمان مرد سے اس کا نکاح ہو سکتا ہے اگرچہ سابق شوہر کافر زندہ بھی ہے، اور اس نے طلاق بھی نہیں دی مگر شرعی حکم سے نکاح فسخ ہو چکا ہے اس لئے دوسری مرد سے اس کا نکاح حلال ہو گیا۔

کافر مرد کی بیوی مسلمان ہو جائے تو نکاح فسخ ہو جانا آیت مذکورہ سے معلوم ہو چکا، لیکن دوسرے کسی مسلمان مرد سے اس کا نکاح کس وقت جائز ہوگا اس کے متعلق امام ابوحنیفہ کے نزدیک اصل ضابطہ تو یہ ہے کہ جس کافر مرد کی عورت مسلمان ہو جائے تو حاکم اسلام اس کے شوہر کو بلا کر کہے کہ اگر تم بھی مسلمان ہو جاؤ تو نکاح برقرار رہے گا ورنہ نکاح فسخ ہو جائے گا، اگر وہ اس پر بھی اسلام لانے سے انکار کرے تو اب ان دونوں میں فرقت کی تکمیل ہوگئی، اس وقت وہ کسی مسلمان مرد سے نکاح کر سکتی ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ حاکم اسلام کا شوہر کو حاضر کرنا وہی ہو سکتا ہے جہاں حکومت اسلام کی

ہودار الکفر یا دار الحرب میں ایسا واقعہ پیش آوے تو شوہر سے اسلام کے لئے کہنے اور اس کے انکار کی صورت نہیں ہوگی، جس سے دونوں میں تفریق کا فیصلہ کیا جاسکے، اس لئے اس صورت میں زوجین کے درمیان تفریق کی تکمیل اس وقت ہوگی جب یہ عورت ہجرت کر کے دارالاسلام میں آجائے یا مسلمانوں کے لشکر میں آجائے، دارالاسلام میں آنے کی صورت مذکورہ واقعات میں مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد ہو سکتی ہے، اور لشکر اسلام حدیبیہ میں بھی موجود تھا، اس میں پہنچنے سے بھی اس کا تحقق ہو جاتا ہے، جس کو فقہاء کی اصطلاح میں اختلاف دارین سے تعبیر کیا گیا ہے، یعنی جب کافر مرد اور اس کی بیوی مسلمان کے درمیان دارین کا فاصلہ ہو جائے یعنی ایک دار الکفر میں ہے دوسرا دارالاسلام میں تو یہ تفریق مکمل ہو کر عورت دوسرے سے نکاح کے لئے آزاد ہو جاتی ہے۔

اور اس آیت میں جو ”اذا اتیتمو اھن اجورھن“ کو بطور شرط کے فرمایا تم ان سے نکاح کر سکتے ہو، بشرطیکہ ان کے مہر دیدو، یہ درحقیقت نکاح کی شرط نہیں، کیونکہ باتفاق امت نکاح کا انعقاد ادائے مہر پر موقوف اور مشروط نہیں ہے، البتہ نکاح پر مہر کی ادائیگی واجب و لازم ضرور ہے، یہاں اس کو بطور شرط کے شاید اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ ابھی ایک مہر تو اس کے کافر شوہر کو واپس کرایا جا چکا ہے ایسا نہ ہو کہ اب اس سے نکاح کرنے والے مسلمان یہ سمجھ بیٹھیں کہ مہر تو دیا جا چکا ہے اور جدید مہر کی ضرورت نہیں، اس لئے فرمادیا کہ اس مہر کا تعلق پچھلے نکاح سے تھا، اور یہ دوسرا نکاح ہوگا، تو اس کا جدید مہر لازم ہے،۔

”ولا تمسکوا بعصم الکوافر“ عصم عصمت کی جمع ہے، جس کے اصلی معنی حفاظت اور استحکام کے ہیں، مراد اس سے وہ عقد نکاح وغیرہ ہیں جن کی حفاظت کی جاتی ہے ”کوافر“ جمع کافرة کی ہے، اور مراد اس سے مشرکہ عورت ہے، کیونکہ کافر کتابیہ سے نکاح کی اجازت قرآن کریم میں منصوص ہے، مراد آیت کی یہ ہے کہ اب تک جو مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناکحت کی اجازت تھی وہ ختم کر دی گئی، اب کسی مسلمان کا نکاح مشرکہ عورت سے جائز نہیں، اور جو نکاح پہلے ہو چکے ہیں وہ بھی ختم ہو چکے، اب کسی مشرکہ عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا حلال نہیں۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو جن صحابہ کرام کے نکاح میں کوئی مشرکہ عورت تھی اس کو چھوڑ دیا، عمر فاروق کے نکاح میں دو مشرکہ عورتیں اس وقت تک تھیں جو بوقت ہجرت مکہ مکرمہ میں رہ گئی تھی، عمرؓ نے یہ آیت نازل ہونے کے بعد دونوں کو طلاق دیدی، (رواہ البغوی بسند الزہری)۔ اور طلاق سے مراد اس جگہ چھوڑ دینا اور قطع تعلق کر لینا ہے، اصطلاحی طلاق کی یہاں ضرورت ہی نہیں، کیونکہ اس آیت کے ذریعے نکاح ٹوٹ چکا ہے۔

واستلوا ما انفقتم وليستلوا ما انفقوا“ یعنی جب معاملہ یہ ٹہرا کہ جو عورت مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینہ طیبہ آجائے تو وہ واپس مکہ نہ بھیجی جائے گی، البتہ اس کے شوہر نے جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے وہ اس کے شوہر کو واپس دیا جائے گا، اسی طرح اگر کوئی مسلمان عورت اللہ نہ کرے مرتد ہو کر مکہ معظمہ چلی جائے یا پہلے ہی سے کافر ہو مگر مسلمان شوہر کے قبضہ سے نکل جائے۔ کفار مکہ اس کو واپس نہیں کریں گے مگر اس کے مسلمان شوہر نے جو مہر وغیرہ اس کو دیا ہے اس کی واپسی کفار مکہ کی ذمہ ہوگی، اس لئے ان معاملات کا تصفیہ باہمی حساب نہی سے کر لیا جائے طرفین سے جو کچھ مہر وغیرہ میں خرچ کیا گیا ہے، وہ دریافت کر کے اس کے مطابق لین دین کر لیا جاوے۔

اس حکم پر مسلمانوں نے تو خوشی سے عمل کیا، کہ احکام قرآن کی پابندی ان کے نزدیک فرض ہے، اس لئے جتنی عورتیں ہجرت کر کے آئیں سب کے مہر وغیرہ ان کے کافر شوہروں کو واپس بھیج دئے مگر کفار مکہ کا قرآن پر ایمان نہیں تھا، انہوں نے عمل نہ کیا اس پر اگلی آیت نازل ہوئی۔ (رواہ البغوی بسند الزہری)

”وان فاتکم شیء من ازواجکم الی الکفار فعاقبتکم“ عاقبتکم معاقبہ سے مشتق ہے جس کے ایک معنی انتقام اور بدلہ لینے کے بھی ہیں، یعنی یہاں یہ معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں، کما روى عن قتادة ومجاهد، قرطبي، اس صورت میں مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی کچھ عورتیں اگر کفار کے قبضے میں آجائیں تو شرط صلح کے ماتحت اوروں پر لازم تھا کہ ان کے مسلمان شوہروں کو ان کا دیا ہوا مہر وغیرہ واپس کریں، جیسا کہ مسلمانوں کی طرف سے مہاجرات کے کافر شوہروں کو ان کا مہر واپس کیا گیا، لیکن جب کفار نے ایسا نہ کیا اور مسلمان عورتوں کے مہر ان کو ادا نہ کئے تو ان کے اس عمل کا اگر تم انتقام اور بدلہ لیں تو اس طرح کہ کفار مکہ کو جو رقم مہاجرات کے مہر کی ادا کرنا تھی تم بھی وہ اپنے حق کے مطابق روک لو، تو اس کا حکم یہ ہے کہ فاتسو الذین ذہبت ازواجہم مثل ما انفقوا یعنی تم اس رقم میں سے جو مہاجرات کے مہر کی روک لی گئی ہے ان مسلمان شوہروں کے خرچ کئے ہوئے مہر وغیرہ ادا کر دو جن کی عورتیں کفار مکہ کے قبضے میں آگئی ہیں، دوسرے معنی عاقبتکم، عقیبتکم، اعقبتم کے جنگ میں مال غنیمت حاصل کرنے کے بھی ہے اور اس آیت میں لفظ عاقبتکم یہ تینوں قرأتیں مختلف قراء سے منقول ہیں، اور قتادہ اور مجاہد سے ان تین لفظوں کے معنی غنیمت کے بھی منقول ہیں، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہونگے کہ جن مسلمان شوہروں کی عورتیں کفار مکہ کے قبضے میں چلی گئیں اور شرط صلح کے مطابق کفار نے ان کے مہر مسلمان شوہروں کو ادا نہیں کیا پھر مسلمانوں کو مال غنیمت حاصل ہوا تو ان شوہروں کا حق مال غنیمت سے ان کو ادا کر دیا جائے۔ قرطبی۔

وَإِنْ فَاتَكُمْ شَيْءٌ مِّنْ أَرْوَاجِكُمْ إِلَى الْكُفَّارِ فَعاقِبْتُمْ فَاتُوا الَّذِينَ ذَهَبَتْ

اور اگر تمہاری عورتوں میں سے کوئی عورت تمہارے ہاتھ سے نکل کر کافروں کے پاس چلی جائے۔ پھر تم ان سے جنگ کرو تو جن کی عورتیں چلی گئی ہیں

أَرْوَاجُهُمْ مِّثْلَ مَا أَنْفَقُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۱۱۱﴾

ان کو (اس مال میں سے) اتنا دیدو جتنا انہوں نے خرچ کیا تھا اور اللہ سے جس پر تم ایمان لائے ہو ڈرو

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَىٰ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ

اے پیغمبر جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی

شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ

نہ چوری کریں گی نہ بدکاری کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی نہ اپنے ہاتھ پاؤں میں کوئی بہتان باندھ لائیں گی

يُفْتَرِينَ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيَنَّكَ فِي مَعْرُوفٍ

اور نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی

فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۲﴾

تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لئے اللہ سے بخشش مانگو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

مومنو! ان لوگوں سے جن پر اللہ غصے ہوا ہے دوستی نہ کرو (کیونکہ) جس طرح کافروں کو مردوں (کے جی اٹھنے) کی امید

قَدْ يَسُؤُوا مِنَ الْآخِرَةِ كَمَا يَبِئْسَ الْكُفَّارُ مِنْ أَصْحَابِ الْقُبُورِ ﴿۱۱۳﴾

نہیں اسی طرح ان لوگوں کو بھی آخرت (کے آنے) کی امید نہیں۔

سورة الصف (مدنیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمَاوَاتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱﴾

جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے سب اللہ کی تنزیہ بیان کرتی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۲﴾

مومنو! تم ایسی باتیں کیوں کہا کرتے ہو جو کیا نہیں کرتے؟

كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ﴿۳﴾

اللہ اس بات سے سخت بیزار ہے کہ ایسی بات کہو جو کرتے نہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِیْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِهِ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنِیَانٌ مَّرْصُوصٌ ﴿۴﴾

جو لوگ اللہ کی راہ میں (ایسے طور پر) پرے جما کر لڑتے ہیں کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں وہ بیشک محبوب رحمن ہیں

وَ اِذْ قَالَ مُوسٰی لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تَقُولُونَ لِمَ تَقُولُونَ

اور وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے قوم! تم مجھے کیوں ایذا دیتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو

اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ

کہ میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں تو جب ان لوگوں نے کجروی کی اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیئے

وَ اللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۵﴾ اِذْ قَالَ عِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ

اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ

کہاے بنی اسرائیل! میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں (اور) جو (کتاب) مجھ سے پہلے آچکی ہے (یعنی) تورات

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ

اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ایک پیغمبر جو میرے بعد آئیں گے جن کا نام احمد ہوگا ان کی بشارت سناتا ہوں (پھر)

قَالُوا هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٤١﴾ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ

جب وہ ان لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو کہنے لگے کہ یہ تو صریح جادو ہے۔ اور اس سے ظالم کون کہ بلایا تو جائے اسلام کی طرف

وَهُوَ يُدْعَى إِلَى الْإِسْلَامِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٤٢﴾

اور وہ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٤٣﴾

یہ چاہتے ہیں کہ اللہ (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے بجھادیں حالانکہ اللہ اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا خواہ کافر ناخوش ہی ہوں

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اسے اور سب دینوں پر غالب کرے

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ﴿٤٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ

خواہ مشرکوں کو برا ہی لگے۔ مومنو! میں تم کو ایسی تجارت بتاؤں

تُنَجِّكُمْ مِنْ عَذَابِ الْيَمِّ ﴿٤٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ

جو تمہیں عذاب الیم سے مخلصی دے؟ (وہ یہ کہ) اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان

فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٦﴾

سے جہاد کرو اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

يَغْفِرُ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلُكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو باغبانے جنت میں جن میں نہریں بہ رہی ہیں اور پاکیزہ مکانات میں جو بہشت ہائے

وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱۳﴾

جاودانی میں (تیار) ہیں داخل کرے گا یہ بڑی کامیابی ہے

وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ وَفَتْحٌ قَرِيبٌ ۚ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۴﴾

اور ایک اور چیز جس کو تم بہت چاہتے ہو اللہ کی طرف سے مدد (نصیب ہوگی) اور فتح قریب اور مومنوں کو خوشخبری سنادو

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا أَنْصَارَ اللَّهِ كَمَا قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ

مومنو! اللہ کے (دین) مددگار بن جاؤ جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریوں سے کہا

لِلْحَوَارِيِّينَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ

کہ (بھلا) کون ہیں جو اللہ کی طرف (بلانے میں) میرے مددگار ہوں حواریوں نے کہا کہ ہم اللہ کے (دین) مددگار ہیں

فَأَمِنَتْ طَائِفَةٌ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَكَفَرَتْ طَائِفَةٌ فَأَيَّدْنَا الَّذِينَ

تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ تو ایمان لے آیا اور ایک گروہ کافر رہا آخر کار ہم نے

آمَنُوا عَلَىٰ عَدُوِّهِمْ فَاصْبَحُوا ظَاهِرِينَ ﴿۱۱۶﴾

ایمان لانے والوں کو ان کے دشمنوں کے مقابلے میں مدد دی اور وہ غالب ہو گئے۔

سورة الجمعة (مدنية)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ الْعَزِيزِ

جو چیز آسمانوں میں ہے اور جو چیز زمین میں ہے سب اللہ کی تسبیح کرتی ہے جو بادشاہ حقیقی پاک ذات زبردست

الْحَكِيمِ ﴿١٠١﴾ هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ

حکمت والا ہے۔ وہی تو ہے جس نے ان پڑھوں میں انہی میں سے پیغمبر بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے

وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ
اور ان کو پاک کرتے اور (اللہ کی) کتاب اور دانائی سکھاتے ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے

﴿١٠٢﴾ وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٠٣﴾

اور ان میں سے اور لوگوں کی طرف بھی (ان کو بھیجا ہے) جو ابھی ان (مسلمانوں سے) نہیں ملے اور وہ غالب حکمت والا ہے [1]

ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿١٠٤﴾

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔

مَثَلُ الَّذِينَ حُمِّلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ

جن لوگوں (کے سر) پر تورات لدوائی گئی پھر انہوں نے اس (کے بار تھیل) کو نہ اٹھایا ان کی مثال گدھے کی سی ہے

يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۗ بِئْسَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

جس پر بڑی بڑی کتابیں لدی ہوئی ہوں جو لوگ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں ان کی مثال بڑی ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٠٥﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ هَادُوا إِنْ زَعَمْتُمْ أَنَّكُمْ أَوْلِيَاءُ لِلَّهِ

ہدایت نہیں دیتا۔ کہہ دو کہ اے یہود! اگر تم کو یہ دعویٰ ہو کہ تم ہی اللہ کے دوست ہو

[1] عن ابی اھریرة قال کنا جلوسا عند النبی ﷺ اذ نزلت سورة الجمعة، فلما نزلت ”وَآخِرِينَ“

مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ“ قالوا من هؤلاء يا رسول الله؟ قال وفينا سلمان الفارسي قال فوضع النبي ﷺ يده على سلمان ثم قال لو كان الايمان عند الشريالنا له رجال من هؤلاء. متفق عليه. (خ: ۳۸۱۳: م: ۲۴۸۴)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک سورہ جمعہ نازل ہوئی اور جب یہ آیت آئی تو صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں جو ابھی آکر نہیں ملے ہیں؟ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ اس وقت ہمارے درمیان سلمان فارسیؓ بھی تھے، نبی کریم ﷺ نے صحابہ کا یہ سوال سنا تو اپنا ہاتھ سلمانؓ پر رکھا اور فرمایا اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی ہوتا تو بلاشبہ ان لوگوں میں کتنے ہی اس کو پالیتے اور حاصل کرتے۔

اس آیت میں امی یعنی ناخواندہ لوگوں سے مراد اہل عرب ہیں، اور اشارہ صحابہ کرام کی طرف ہے جنہوں نے گمراہی و جہالت کا راستہ چھوڑ کر نبی آخر الزمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا، ”آخرین“ دوسرے لوگوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو نزول قرآن کے وقت موجود نہیں تھے بلکہ بعد کے زمانہ میں یعنی صحابہ کے وقت اسلام لانے والوں میں شامل ہوئے، گویا تابعین کی طرف اشارہ ہے اور تابعین بھی خاص طور پر وہ جن کا تعلق غیر عرب یعنی عجم سے ہے، چنانچہ تابعین کی اکثر تعداد عجمیوں ہی پر مشتمل ہے جیسا کہ چند کو چھوڑ کر باقی سب صحابہ عرب سے ہیں بہر حال نبی ﷺ نے اس حدیث میں گویا سلمانؓ کی تعریف کی جو غیر عرب یعنی عجمی ہیں اور ان کی نسبت سے واضح فرمایا کہ آیت میں ”آخرین“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس وقت تو دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہیں یا تو اس وجہ سے کہ وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے ہیں، اور یا اس وجہ سے کہ ان تک ابھی دعوت اسلام نہیں پہنچی ہے، لیکن بعد میں وہ تمہارے پاس آئیں گے، دائرہ اسلام میں داخل ہونگے اور ان میں سے اکثر عجمی ہونگے وہ لوگ دین اور علم کے ایسا جو یا ہوں گے کہ اگر دین و ایمان اور علم کا سرمایہ ثریا کی بلندی پر پہنچ جائے تو وہ اس کو وہاں سے بھی حاصل کریں گے۔

چنانچہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ان تابعین نے جس جستجو و محنت سے دین و ایمان حاصل کیا اور علم و اجتہاد کے میدان میں جو کارہائے نمایاں انجام دیئے وہ صحابہ کے بعد صرف انہی کا وصف ہے۔

مَنْ دُونَ النَّاسِ فَتَمَنُّوا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴﴾

اور اور لوگ نہیں تو اگر تم سچے ہو تو (ذرا) موت کی آرزو تو کرو۔

وَلَا يَتَمَنَّوْنَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيَهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۷﴾

اور یہ ان (اعمال) کے سبب جو کر چکے ہیں ہرگز اس کی آرزو نہیں کریں گے اور اللہ ظالموں سے خوب واقف ہے۔

قُلْ إِنْ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ ثُمَّ تُرَدُّونَ

کہہ دو کہ موت جس سے تم گریز کرتے ہو وہ تو تمہارے سامنے آ کر رہے گی پھر تم پوشیدہ

إِلَى عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۸﴾

اور ظاہر کے جاننے والے (اللہ) کی طرف لوٹائے جاؤ گے پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو وہ سب تمہیں بتائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَى

مومنو! جب جمعے کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کی یاد (خطبہ) کے لئے جلدی کرو

ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹﴾

اور (خرید و) فروخت ترک کر دو اگر سمجھو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانْتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِنْ فَضْلِ اللَّهِ

پھر جب نماز ہو چکے تو اپنی اپنی راہ لو اور اللہ کا فضل تلاش کرو

وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰﴾ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا

اور اللہ کو بہت یاد کرتے رہو تاکہ نجات پاؤ۔ اور جب یہ لوگ سودا بکلا یا تماشہ ہوتا دیکھتے ہیں

انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكُمْ قَائِمًا قُلْ مَا عِنْدَ اللَّهِ

تو ادھر بھاگ جاتے ہیں اور تمہیں (کھڑے کا) کھڑا چھوڑ جاتے ہیں کہہ دو کہ جو چیز اللہ کے ہاں ہے

خَيْرٌ مِنَ اللّٰهُ وَمِنَ التّٰجَارَةِ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ ﴿۱۱﴾

وہ تماشے اور سودے سے کہیں بہتر ہے اور اللہ سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔ [2]

[2] نماز جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے

ان نصوص کے عموم سے جو اس کے بارے میں وارد ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے قرآن کریم کی یہ آیت۔ اس کی تفسیر میں مفسر قرطبی فرماتے ہیں: مخاطب اللہ المؤمنین بالجمعة دون الكافرين تشریف الہم وتکریمًا فقال يا ايها الذين الالية. ثم خصه بالنداء وان كان قد دخل في عموم قوله تعالى واذنا ديتم الى الصلاة (الالية) ليدل على وجوبه وتاكيد فرضه .

وقال ابوبكر ابن المنذر! أوجب الله على الخلق اتباع كتابه وسنن نبيه ﷺ قال الله عز وجل ﴿أطيعوا الله وأطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم فإن تنازعتم في شئ﴾ الالية (النساء ۵۹) وقال الله عز وجل ﴿يا ايها الذين آمنوا اذنا دى للصلاة من يوم الجمعة فاسعوا الى ذكر الله﴾ (الجمعة ۹). فاتباع ظاهر كتاب الله عز وجل يجب، ولا يجوز أن يستثنى من ظاهر الكتاب جماعة دون عدد جماعة بغير حجة. ولو كان لله في عدد دون عدد مراد ليين ذالك في كتابه او على لسان نبيه ﷺ، فلما عم ولم يخص كانت الجمعة على كل جماعة في دار اقامة على ظاهر الكتاب، وليس لأحد مع عموم الكتاب أن يخرج قوما من جملته بغير حجة يفزع اليها، وهذا يلزم من مذهبه القول بعموم الكتاب وان لا يحال ظاهر منه الى باطن ولا عام الى خاص الابن كتاب او سنة او اتفاق، وقد اختلفت الروايات في هذا الباب عن عمر بن عبد العزيز وقد ذكرناها، ولو لم تختلفت الروايات عنه ماوجب الأستثناء من ظاهر الكتاب بقوله، وليس لاحتجاج من احتج بقصة اسعد في أن لا تجزىء جمعة بأقل من اربعين حجة، اذ ليس في شئ من الاخبار أن رسول الله ﷺ أمرهم اذا كان عددهم كذا أن يصلوا، أو أن نقصوا من ذالك العدد لم يصلوا، انما كتب أن يصلى بمن معه، ولو ورد كتاب النبي ﷺ واعددهم أقل من اربعين فترك أن يصلى بهم لكان تار كالمأمر به، ودفع بعض اهل

العلم قول من زعم أن الجمعة انما تصلى في مصر او مدينة تكون فيها قاضى ينفذ الأحكام ويقيم الحدود، بأن بعض أصحابه قد صلى بالمدينة الجمعة وليس فيها منبر ولا قاضى ولا كانت الحدود تنقام بهافى ذلك الوقت. الاوسط لابن المنذر ۴/۲۹، ۳۰.

اللہ تعالیٰ نے مومنین ہی کو شرافت اور کرامت کی وجہ سے ان کو جمعہ کے نماز کے لئے مخاطب کیا ہے کہ: اے مومنوں، الخ، اگرچہ یہ عام خطاب میں داخل تھے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول اذنا سیتم الی الصلوة، الایة، تاکہ یہ خطاب جمعہ کی فرضیت پر دلالت کرے۔ ابو بکر بن منذر نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلوق پر اپنی اور نبی کی تابعداری فرض کی ہے جیسے کہ فرمایا ہے: اطیعوا اللہ و الرسول الایة، اور اسی طرح اس قول میں کہ اے مومنو! جب تمہیں جمعہ کے نماز کا اذان ہو جائے، تو ظاہر کتاب اللہ کی تابعداری واجب ہے۔ اور اس سے بغیر کسی دلیل کے جماعت دون جماعت کا استثنیٰ جائز نہیں۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کا کسی عدد یا دون عدد مراد ہوتا تو نبی کے زبان سے اپنی کتاب میں بیان کر دیتا، تب جبکہ خطاب عام فرمایا ہے تو ظاہر کتاب اللہ کی وجہ سے جمعہ ہر ایک جماعت پر فرض ہے۔ بغیر حجت کے کسی کو جائز نہیں کہ کتاب اللہ کے عموم سے ایک قوم کو خارج کرے۔ اور اس باب میں عمر بن عبدالعزیز سے مختلف روایات ہیں جسے ہم نے پہلے بیان کیا، اور اگر یہ نہ ہوتے تو تب بھی کتاب اللہ سے استثناء کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور جو حدیث ہے تو ان کے لئے اس میں کوئی دلیل نہیں۔ اس لئے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ سے عدد معین کا کوئی ثبوت نہیں۔ کہ اتنے عدد کی موجودگی میں جمعہ ہو سکتا ہے اور کم سے نہیں، اس میں صرف یہی ہے کہ اپنے ساتھیوں سمیت نماز جمعہ ادا کیا۔ بالفرض اگر ان کا عدد چالیس سے کم ہونے کی صورت میں جمعہ نہ پڑھتے تو تارک سنت ہوتے، ان کے اس اعتراض سے کہ جمعہ ایسے شہر میں ادا ہو سکتی ہے کہ جہاں قاضی ہو اور احکام حدود وغیرہ نافذ کرتا ہو، تو اس کا علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ جب مدینہ منورہ میں جب نماز جمعہ کا اہتمام ہوا تو نہ قاضی تھا اور نہ امیر اور نہ ہی احکام حدود کا نفاذ ہوا تھا۔

احادیث اس باب میں زیادہ ہیں اور اکثر عام ہیں

جس کا ذکر ذیل میں بطور اختصار کرتے ہیں:

(۱) عن حفصة عن النبی ﷺ قال علی کل محتلم رواح، وعلی کل من راح الی الجمعة الغسل. (رواہ ابو داؤد مع المنہل ۴/۲۰۲. والنسائی فی سننہ الكبرى. ۲/۲۶۰، ابن حبان. ۴/۲۲. اور ابن حبان نے اپنے صحیح میں فرمایا ہے۔ وقال ابو حاتم فی هذا الخبر ان اتیان الجمعة

فرض علیٰ کل محتلم الخ. ابن خزیمہ. رقم ۷۲۱؛ ۱۷۲۱؛ ابن الجارود فی المنتقی ص. ۲۸۷؛ طحاوی شرح معانی الآثار ۱/۱۱۶؛ طبرانی فی الکبریٰ. ۱۹۵/۲۳؛ بیہقی فی سنن الکبریٰ. ۱۸۷، ۱۷۲/۳. حصہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ہر بالغ کے لئے سویرے مسجد جانا لازم ہے بروز جمعہ، اور ہر اُس شخص پر غسل لازم ہے جو جمعہ کے لئے جاتا ہے، ابو حاتم فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر بالغ پر جمعہ کے لئے جانا لازم ہے۔

(۲) عن ابن عمرو بن عباس رضی اللہ عنہما انہما سمعا رسول اللہ ﷺ یقول علیٰ اعداؤہ منبرہ، لیتنہن اقوام عن ودعہم الجمعات اولیٰ یتختمن اللہ علیٰ قلوبہم ثم لیکونن من الغافلین. سنن الکبریٰ. ۲/۲۶۰؛ مسند احمد. ۳/۳۷؛ ۱۲۲؛ وابن خزیمہ رقم ۱۸۵۵. البغوی رقم ۱۰۵۴. وابن ابی شیبہ. ۲/۱۵۴، ومسلم مع النووی. ۳/۴۱۷؛ ابن ماجہ. رقم ۷۹۴ وابن حبان. ۷/۲۵. وطیالسی رقم ۲۷۳۵، ومشکل الآثار رقم ۳۱۸۳.

عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ ان دونوں نے نبی کریم ﷺ سے منبر پر فرماتے ہوئے: کہ بعض لوگ جمعہ کو ترک کرنے سے باز آجائے ورنہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر ثبت کرے گا۔ اور وہ غافلین میں سے شمار ہوں گے۔

(۳) عن ابی الجعد الضمری وکانت لہ صحبۃ عن النبی ﷺ قال من ترک ثلاثۃ جمع تہاونا بہا طبع اللہ علیٰ قلبہ. السنن الکبریٰ ۲/۲۶۹. ومسند احمد. ۲۵۵/۲۴؛ ابوداؤد. ۱/۳۹۶. وابن حبان ۷/۲۶. وابن خزیمہ رقم ۱۸۵۸؛ الحاکم. ۱/۲۸۰؛ وابن ابی شیبہ ۲/۱۵۴؛ الترمذی رقم ۵۰۰؛ ابن ماجہ رقم ۱۱۲۵. ابوجعد سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تین جمعے چھوڑ دے گا، سستی سے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر ثبت کر دے گا۔

(۴) ... عن جابر بن عبداللہؓ أن رسول اللہ ﷺ قال من ترک الجمعة ثلاثا من غیر ضرورة طبع اللہ علیٰ قلبہ. مشکل الآثار للطحاوی رقم ۳۱۸۳؛ ۳۱۸۴؛ وابن ماجہ. رقم ۱۱۲۶؛ ابن خزیمہ رقم ۱۸۵۶؛ وطبرانی فی الاوسط. ۲۸۵؛ مستدرک. ۱/۲۹۲؛ بیہقی. ۳/۲۷۷؛ ابو یعلیٰ. رقم ۲۱۹۸. جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: جس نے تین جمعے بغیر عذر کے

چھوڑ دیئے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر ثبت کر دے گا۔

(۵)۔۔۔ أن ابا سعيد الخدري حدثه أنه سمع رسول الله ﷺ يقول خمس من عملهن في يوم كتبه الله من اهل الجنة، من عاد مريضا، وشهد جنازة، وصام يوما، وراح يوم الجمعة، وأعتق رقبة. ابو يعلى، رقم ۱۰۴۴. ابو سعيد خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے دن میں پانچ کام کئے، تو اللہ تعالیٰ ان کو جنت والوں میں سے لکھے گا۔ جس نے کسی مریض کی عیادت کی، اور جنازہ کو حاضر ہوا، اور ایک دن روزہ رکھا، اور نماز جمعہ کو پڑھنے گیا، اور غلام آزاد کیا۔

(۶)۔ عن سمرة بن جندب أن رسول الله ﷺ قال من فاتته الجمعة فليصدق بدینار، فإن لم يجد فبنصف دينار. ابو داؤد رقم ۱۰۵۳؛ ابن ماجہ رقم ۱۱۲۸؛ ومشكل الاثار للطحاوی رقم ۲۷۸۸؛ ۲۷۸۹. سمرة بن جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص بغیر کسی عذر کے جمعہ ترک کرے تو ایک دینار صدقہ دے۔ اگر دینار نہ ہو تو نصف دینار صدقہ دے۔

(۷)۔۔۔ عن ابن عباس قال أن اول جمعة جمعت في الاسلام بعد جمعة جمعت في مسجد رسول الله ﷺ بالمدينة لجمعة جمعت بجواثا، قرية من قرى البحرين، قال عثمان قرية من قرى عبد القيس. البخاری مع الفتح. ۳۶/۳، وابی داؤد مع المنهل ۲/۲۱۵؛ وقال في معجم البلدان جواثا بالضم وبين الألفين ثاء مثلثة يمد ويقصر وهو علم مرتجل حصن لعبد القيس بالبحرين فتحه العلاء الحضرمي في أيام ابى بكر الصديقؓ عنوة ۱۲۰هـ، ۱۷۴/۲. ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ پہلا جمعہ جو پڑھایا گیا اسلام میں اس جمعہ کے بعد جو مسجد نبویؐ میں پڑھایا گیا وہ جمعہ ہے جو جواثا میں پڑھایا گیا، جواثا بحرین کے گاؤں میں سے ایک گاؤں ہے، عثمان نے کہا وہ عبد القیس کے گاؤں میں سے ہے۔

(۸)۔۔۔ عن ابى هريرة قال أن اول جمعة جمعت بعد جمعة جمعت مع رسول الله ﷺ بمكة جمعت بجواثا بالبحرين قرية لعبد القيس. سنن كبرى للنسائي ۲/۲۵۸. ابو ہریرہؓ سے روایت ہے پہلا جمعہ جس کا مکہ کے بعد اہتمام کیا گیا وہ جواثا مقام میں تھا جو کہ بحرین میں واقع تھا۔

(۹)۔۔۔ عن جابر أن رسول الله ﷺ قال من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعمله الجمعة يوم الجمعة الا مريض او مسافر او امرأة او صبي او مملوك، فمن استغنى بلهوا وتجارة استغنى الله عنه، والله غنى

حمید .سنن دار قطنی .۱۰۷/۲ .واخرجه ابن عدی فی الکامل .۶/۴۳۲؛۴۳۳ .والبیہقی فی الکبری ۱۸۲/۳؛ شعب الایمان .۶/۲۷۹ .رقم ۳۰۱۳ .جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس پر جمعہ لازم ہے، سوائے مریض، غلام، مسافر، زنانہ اور نابالغ ان پر لازم نہیں۔ اور جو کوئی جمعہ سے لھو لعب یا تجارت میں مشغول ہو تو اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ بے حاجت اور تعریف کیا ہوا ذات ہے۔

(۱۰) عن طارق بن شهاب عن النبی ﷺ قال الجمعة واجبة فی جماعة الاعلیٰ اربعة، عبد مملوک او صبی او مریض او امرأة .سنن دار قطنی .۱۰۸/۲ .وعند البخاری فی التاریخ ۲/۳۳۵؛ الطبرانی فی المعجم الکبیر ۲/۵۱، والبیہقی فی الکبری ۳/۱۸۳، ابن ابی حاتم ۱/۲۱۲ . طارق بن شهاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جمعہ ہر مسلمان پر جماعت سے فرض ہے مگر چار پر، ایک غلام پر دوسرے عورت پر تیسرے لڑکے پر چوتھے بیمار پر۔

(۱۱) ...و عن ام عبد اللہ الدوسیہ قالت قال رسول اللہ ﷺ الجمعة واجبة علی کل قریة فیہا امام وان لم یكونوا الا اربعة .دار قطنی ۲/۱۱۸؛ وابن عدی ۲/۴۸۲؛ البیہقی ۳/۱۷۹ . ام عبد اللہ الدوسیہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جمعہ ہر اس گاؤں والوں پر لازم ہے۔ جبکہ اس میں امام ہو اگرچہ وہ چار آدمی کیوں نہ ہو۔

(۱۲) عن عبد اللہ بن کعب بن مالک وکان قائد ایہ بعد ما ذهب بصرہ عن ایہ کعب بن مالک أنه کان اذا سمع النداء یوم الجمعة ترحم لأسعد بن زرارة فقلت له اذا سمعت النداء ترحم لأسعد بن زرارة؟ قال لأنه اول من جمع بنا فی هزم النبی من حرقة بنی بیاضة فی نقیع الخضمات ، قلت کم انتم یومئذ؟ قال اربعون .دار قطنی ۲/۱۱۴؛ ابو داؤد .۱/۲۸۰؛ البیہقی فی سننہ ۳/۱۷۷؛ ابن ماجہ .۱/۳۴۳؛ ابن حبان فی صحیحہ .۱۵/۴۷۷ . عبد الرحمن بن کعب بن مالک سے روایت ہے کہ کعب بن مالک جب جمعہ کے دن آذان سنتے تو اسعد بن زرارة کے واسطے دعا مانگتے، عبد الرحمن نے کہا کیا وجہ ہے جب تم آذان سنتے ہو تو اسعد بن زرارة کے واسطے دعا مانگتے ہو؟ انہوں نے کہا اس واسطے کہ پہلے جمعہ جو انہوں نے قائم کیا ہزم النبی میں (ایک موضع ہے بنی بیاضہ کی زمینوں میں سے) ایک جگہ میں جس کا نام نقیع الخضمات ہے تھا،

میں نے پوچھا اس دن تم کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا چالیس۔

(۱۳)۔.. أن صالح بن سعد المکی کان مع عمر بن عبد العزیز وهو متبذی بالسویداء، وهو فی امارتہ علیٰ الحجاز، قال فحضرت الجمعة فھیؤ الہ مجلسامن البطحاء ثم أذن المؤذن للصلاة، فخرج الیہم فجلس علیٰ ذالک المجلس، ثم أذنا أذانا آخر، ثم خطبہم ثم أقیمت الصلاة فصلیٰ بہم رکعتین، وأعلن فیہا بالقرأة، ثم قال لہم حین فرغ من صلاتہ ان الامام یجمع حین کان . عبد الرزاق ۱۶۱/۳. صالح بن سعد، عمر بن عبد العزیز کے ساتھ سویداء مقام کو نکلے تھے، صالح کہتے ہیں جمعہ کا دن تھا تو لوگوں نے عمر بن عبد العزیز کیلئے پنجمیلی زمین پر نماز کے لئے جگہ (منبر) تیار کیا تو پھر مؤذن نے نماز کے لئے آذان دیا، تو عمر بن عبد العزیز نکل کر اس جگہ پر بیٹھ گئے پھر دوسرا آذان ہوا تو انہوں نے خطبہ پڑھ کر دو رکعت نماز ادا کیا، جو کہ اس نماز میں جہر فرمایا، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ امام جہر بھی ہو جمعہ ادا کرے گا۔

(۱۴)۔.. قال الزہری أن مسلمة بن عبد الملک کتب الیہ انی فی قریة فیہا اموال کثیر واهل وناس أفأجمع بہم، ولست بأمیر فکتب الیہ أن مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ استأذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بأن یجمع بأهل المدينة، فأذن لہم فجمع وہم یومئذ قلیل . عبد الرزاق ۱۶۱/۳. زہری نے فرمایا ہے کہ مسلم بن عبد الملک نے ان کو خط لکھا کہ میں ایک ایسے گاؤں میں ہوں جس میں اموال اور اہل اور بہت سے لوگ ہیں، آیا میں ان کے لئے جمعہ ادا کیا کروں؟ حالانکہ میں ان پر حاکم نہیں ہوں، تو زہری نے ان کو لکھا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ والوں کے لئے جمعہ ادا کرنے کی اجازت طلب کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی تو انہوں نے جمعہ ادا کیا حالانکہ اس وقت وہ کم لوگ تھے۔

(۱۵)۔.. قال ابن جریر بلغنی أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمع باصحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین فی سفر، وخطبہم متوکا علی قوس . عبد الرزاق ۱۵۹/۳. ابن جریر نے کہا ہے کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو سفر میں جمعہ پڑھایا، اور قوس کو پکڑے ہوئے خطبہ فرمایا۔

(۱۶)۔.. قال محمد بن مسلم سمعت عمرو دینار یقول اذا کان المسجد یجمع فیہ صلاة فلتصل فیہ الجمعة . عبد الرزاق ۱۷۰/۳ محمد بن مسلم فرماتا ہے کہ میں نے عمرو بن دینار سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کسی مسجد میں باجماعت نماز ادا ہوتی ہو تو اس میں جمعہ کا اہتمام بھی کیا جائے۔

(۱۷) . عن نافع قال كان ابن عمر يري أهل المياه بين مكة والمدينة يجمعون فلا يعيب عليهم . عبد الرزاق . ۱۷۰/۳؛ الاوسط ۲۶/۴؛ فتح الباری ۲/۲۸۰ . نافع سے روایت ہے کہ عبد اللہ بن عمر ان لوگوں کو جو کہ مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی (حوض) کے کنارے ٹھہرے ہوئے جمعہ ادا کرتے دیکھتے، اور وہ ان پر رذہ کرتے۔

(۱۸) . قال ابو حازم مولى لآل الزبير قال رسول الله ﷺ الجمعة واجبة على كل حال من الاربعة الصبي والعبد والمرأة والمريض . ابن ابى شيبة . ۱۰۹/۲؛ البيهقي ۱۸۴/۳ . ابو حازم نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر بالغ پر جمعہ فرض ہے مگر چار آدمیوں پر، نابالغ لڑکے، غلام، عورت، اور بیمار پر فرض نہیں۔

(۱۹) . عن محمد بن كعب القرظي أنه سمع رجلا من بني وائل قال قال رسول الله ﷺ من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فعليه الجمعة يوم الجمعة الا على امرأة اوصبي او مملوك او مريض . ابن ابى شيبة . ۱۰۹/۲ . والسنن الكبرى ۱۷۳/۳؛ معرفة السنن . ۲/۲۶۰؛ معالم التنزيل . ۵/۸۶؛ كتاب الام . ۱/۱۸۹ . محمد بن كعب القرظي سے روایت ہے کہ انہوں نے بنو وائل قبیلہ کی ایک آدمی سے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تو ان پر جمعہ لازم ہے لیکن عورت، نابالغ، غلام اور مریض پر لازم نہیں۔

(۲۰) . عن ابى هريرة أنهم كتبوا الى عمر يسألونه عن الجمعة فكتب أن جمعوا حيث كنتم . ابن ابى شيبة؛ ۱۰۱/۲؛ الاوسط . ۳۲/۴ . وصححه ابن خزيمة . ابو هريرة سے روایت ہے کہ انہوں نے عمر کو خط لکھا جو کہ جمعہ کے بارے میں تھا؟ عمر نے جواب میں لکھا کہ جمعہ ادا کیا کرو جہاں بھی ہوں۔

(۲۱) . عن جعفر بن برقان قال كتب عمر بن عبد العزيز الى عدى بن عدى ايما أهل قري ليسوا بأهل عمود ينتقلون فأمر عليهم أمير ايجمع بهم . ابن ابى شيبة ۱۰۲/۲؛ البيهقي ۱۷۹/۳ . جعفر بن برقان نے فرمایا ہے کہ عمر بن عبد العزیز نے عدی بن عدی کو خط لکھا کہ جن گاؤں والے جو کہ گھروں والے نہ ہوتو ان پر امیر مقرر کرے کہ ان کو جمعہ ادا کرے۔

(۲۲) . عن عطاء قال اذا كانت قرية لازقة بعضها ببعض جمعوا . ابن ابى شيبة . ۱۰۲/۲؛ البيهقي ۱۷۸/۳ . عطاء نے فرمایا ہے کہ جب گاؤں کی آبادی ایک دوسرے سے لگی ہوئی ہوں تو وہ جمعہ ادا کیا کریں۔

(۲۳) عن مالک قال كان اصحاب محمد ﷺ في هذه الميابه بين مكة والمدينة يجمعون. ابن ابى شيبة.. ۱۰۲/۲. امام مالک نے فرمایا ہے کہ نبی ﷺ کے صحابہ کرام مکہ اور مدینہ کے درمیان پانی (حوض) کے کنارے رہتے تو جمعہ ادا کرتے۔

(۲۴) .. کتب عمر ایماقریة اجتماع فیہا خمسون رجلا فلیؤمهم رجل منهم ولیخطب علیہم ولیصل بہم الجمعة. الاوسط. ۲۸/۴.؛ البیہقی ۱۷۸/۳؛ والمعرفة. ۲۶۶/۲؛ والمدونة. ۱۵۲/۱. عمر نے لکھا تھا کہ جس گاؤں کی آبادی پچاس نفوس پر مشتمل ہوں تو ان میں سے ایک امامت کرے اور خطبہ پڑھ کر جمعہ ادا کرے۔

(۲۵) .. عن جابر مضت السنة أن فی کل أربعین فما فوق ذالک جمعة وفطر واضحی.. کتاب المعرفة ۲۶۸/۲؛ البیہقی. ۱۷۷/۳. جابر سے روایت ہے کہ یہ سنت ماضیہ ہے کہ ہر چالیس یا اس سے زیادہ لوگوں پر مشتمل آبادی میں جمعہ اور عیدین ادا کرنا لازم ہے۔

(۲۶) وقال البغوی فی تفسیره: ۸۴/۵: اول جمعة جمعها النبی ﷺ بأصحابہ لما قدم المدينة مهاجرا، نزل بقاء علی بنی عمرو بن عوف و ذالک یوم الاثنین لثنتی عشرة لیلة خلت من شهر ربیع الاول حین امتد الضحی فأقام بقبا یوم الاثنین والثلاثاء والأربعاء ویوم الخميس واسس مسجدہم ثم خرج من بین اظہرہم یوم الجمعة عامد المدينة فأدر کتہ صلوة الجمعة فی بنی سالم بن عوف فی بطن وادلہم وقد اتخذوا فی ذالک الموضع مسجدا فجمع هناک وخطب.. دلائل النبوة ۵۱۲/۲؛ سیرة ابن ہشام ۱۰۸/۲؛ معجم البلدان ۱۹/۳؛ ابن سعد ۱۱۴/۱؛ والطبری ۷/۲؛ تاریخ الاسلام ۳۳۵/۱. امام بغوی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ پہلا جمعہ جو کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو ادا فرمایا وہ یہ کہ جب نبی ﷺ نے مدینہ کو ہجرت فرمایا، تو بنی عمرو بن عوف کے ہاں قبا میں قیام فرمایا جو کہ بارہ [۱۲] ربیع الاول بروز پیر چاشت کا وقت تھا تو نبی ﷺ پیر کے دن سے جمعرات تک قبا میں ٹھہرے اور یہاں مسجد کی بنیاد رکھی، پھر وہاں سے جمعہ کے دن مدینہ کو جانے کے ارادے سے روانہ ہوا، تو بنو سالم کی وادی میں جمعہ کی نماز کا وقت ہوا تو بنو سالم کی پہلے سے تعمیر شدہ مسجد میں خطبہ پڑھ کر جمعہ ادا کیا۔

(۲۷) .. عن عبد اللہ بن عتبة قال کل قرية فیہا اربعون رجلا فعلیہم الجمعة. بیہقی. ۱۷۸/۳. عبد اللہ

بن عتبہؓ نے فرمایا ہے کہ ہر وہ گاؤں جو کہ چالیس نفوس پر مشتمل ہو ان پر جمع لازم ہے۔

(۲۸)۔۔ حدثنی مولی لآل سعید بن العاص أنه سأل عبد الله بن عمر عن القرى التي بين

مكة والمدينة ماترى في الجمعة؟ قال نعم اذا كان عليهم امير فليجمع. .بيهقي. ۱۷۸/۳. مولی سعید بن العاص نے عبد اللہ بن عمرؓ سے ان لوگوں کے بارے میں پوچھا جو کہ مکہ اور مدینہ کے وسط میں واقع ہے کہ جمعہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں اگر ان کے لئے امیر مقرر ہو تو ان پر جمعہ لازم ہے۔

(۲۹)۔۔ عن تميم الداري عن النبي ﷺ قال الجمعة واجبة الاعلى صبي او مملوك

او مسافر. سنن كبرى للبيهقي: ۱۸۴/۳. تميم داریؓ نبی ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہر شخص پر جمعہ لازم ہے مگر نابالغ، غلام، اور مسافر پر لازم نہیں۔

(۳۰)۔۔ عن ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول الجمعة واجبة الاعلى ماملكت

ايمانكم او ذى علة. بيهقي. ۱۸۴/۳. عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جمعہ ہر شخص پر لازم ہے مگر غلام اور بیمار پر لازم نہیں۔

(۳۱)۔۔ عن ابن عباس قال من ترك اربع جمع متواليات فقد نبذ الاسلام وراء ظهره

. التمهيد. ۲۷۸/۲، ۲۷۹. ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جس نے پے در پے چار جمعے چھوڑ دیئے تو یقیناً انہوں نے اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ اور ایسے ہی الفاظ ابو قتادہؓ: جاہر اور ابو ہریرہؓ رضی اللہ عنہم سے بھی نقل ہیں۔

(۳۲) وعن مجاهد قال ان رجلا سأل ابن عباس شهورا كل يوم يسأله ماتقول في رجل يصوم

بالنهار ويقوم الليل ولا يحضر صلاة الجمعة ولا الجماعة؟ فكل ذلك يقول له ابن عباس صاحبك في النار. . التمهيد. ۲۷۹/۲. مجاہد سے روایت ہے کہ ایک آدمی عبد اللہ بن عباسؓ سے ایک مہینے تک روزانہ پوچھتے رہے، کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے کہ وہ دن کو روزے سے ہو اور رات کو تہجد پڑھتا رہے لیکن جمعہ اور باجماعت نماز کو حاضر نہیں ہوتے؟ تو عبد اللہ بن عباسؓ ان کو بار بار کہتے رہے کہ یہ آدمی جہنمی ہے۔

(۳۳) عن ابن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ يقول كلكم راع، وزاد الليث قال يونس كتب رزيق

بن حكيم الی ابن شهاب وانا معه يومئذ بواد القرى هل ترى أن اجمع ورزيق عامل علی ارض يعملها وفيها جماعة من السودان وغيرهم ورزيق يومئذ علی ايلة فنكتب ابن شهاب وانا اسمع يأمره ان

یجمع.. بخاری مع الفتح. ۳۶/۳. عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے آپ میں سے ہر ایک ذمہ وار ہے، اور لیث نے مزید فرمایا ہے کہ یونس نے کہا ہے کہ رزق بن حکم نے ابن شہاب کو لکھا تھا جبکہ میں وادی قری میں اُن کے ساتھ موجود تھا اور رزق ایلہ مقام پر حاکم تھے، جبکہ وہاں سوڈانیوں اور اُن کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی آباد تھے، کہ آیا آپ کی رائے ہے کہ ہم یہاں جمعہ ادا کرے؟ تو ابن شہاب نے لکھا اور میں سن رہا تھا کہ اُن کو حکم کرتے رہے کہ جمعہ ادا کیا کرو۔

(۳۴) . . وعن انسؓ أنه يكون في قصره فأحياناً يجمع وأحياناً لا يجمع وهو بالزاوية على فرسخين من البصرة، بخاری مع الفتح. ۴۳/۳. انسؓ سے روایت ہے کہ وہ زاویہ مقام جو کہ بصرہ سے دس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اپنے گھر میں موجود تھا، تو کبھی جمعہ پڑھتے اور کبھی چھوڑتے۔ اور اس کا سنہ تعلق التعلیق میں مذکور ہے۔ اور یہی شرط نماز عیدین میں بھی بعض لوگ لگاتے ہیں۔ اور حال یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ سے منقول ہیں کہ انہوں نے نماز عید سنہ اور گاؤں میں ادا کی ہے۔ جیسا کہ تعلق التعلیق ۶۲/۳ میں ہے کہ:

(۳۵) كان انسؓ اذا فاتته صلاة العيد مع الامام جمع اهله فصلى بهم مثل صلاة الامام في العيد. اور بیہقی نے اس کے ساتھ بڑھایا ویڈ کر عن انس ابن مالکؓ أنه كان اذا كان بمنزله بزاوية فلم يشهد العيد بالبصرة جمع موالیه وولده ثم يأمر مولاہ عبد اللہ بن ابی عتبہ فیصلی بهم كصلاة اهل المصر كعتين ويكبر بهم كتكبيرهم. سنن کبریٰ للبیہقی. ۳۰۵/۳.

انسؓ سے جب کبھی عید کی نماز فوت ہوتی تو اپنے گھر والے جمع کر کے اُن کو نماز پڑھاتے، اور انسؓ سے یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ زاویہ مقام پر اپنے گھر میں موجود ہوتے اور بصرہ میں نماز عید کے لئے حاضر نہ ہو سکے تو اپنے غلام اور اولاد کو جمع کر کے اپنے غلام عبد اللہ بن عتبہ کو حکم دیتے تو وہ اُن کو نماز عید کے دو رکعت نماز پڑھاتے۔

اور یہی روایت امام بخاریؒ نے بھی بغیر سند ”ابواب العید“ کے آخر میں ذکر کیا ہے: ۱۳۴/۱۔ اور اسی طرح ابن ابی شیبہؒ نے ذکر کی ہے۔ اُن انسؓ کان ربما جمع اهله وحشمه يوم العیدین فیصلی بهم عبد اللہ بن ابی عتبہؓ رکعتین. مصنف ابن ابی شیبہؒ ۱۸۳/۲؛ تعلق التعلیق ۳۸۶/۲.

کہ انسؓ بسا اوقات عید کے دن اپنے اہل، عمیال اور خدمت گاروں کو جمع کرتے تو عبد اللہ بن ابی عتبہؓ اُن کے لئے دو رکعت نماز پڑھاتے۔

اور اسی طرح تعلق التعلیق میں ابن حجر اپنی سند سے انسؓ کے ایک مولیٰ سے نقل کرتا ہے: قال كان مولیٰ لأنسؓ علیٰ رستاق من رساتیق البصرة فأمره انسؓ ان یجمع بهم الأضحیٰ والفطر. تعلق التعلیق ۲/۳۸۷. اور اسی طرح اس کتاب کے صفحہ ۳۸۷، پر عکرمہؓ سے بھی روایت ہے. عن عکرمہؓ أنه قال فی القوم یكونون فی السواد فی السفر فی یوم عید فطر او اضحیٰ قال یجتمعون فیصلون فیؤمهم احدہم. اور یہی روایت ابن ابی شیبہؒ کے ۱۹۱۲، میں بھی مذکور ہے۔

اور ابن ابی شیبہؒ نے عمر بن عبد العزیزؒ سے نقل کی ہے کہ. کتب عمر بن عبد العزیزؒ الیٰ اهل القریٰ یأمرهم ان یصلوا الفطرة والأضحیٰ وان یجمعوا. مصنف ابن ابی شیبہ. ۲/۱۹۲.

اور اس احادیث کے مقابلے میں صرف ایک حدیث ہے وہ علیؑ سے مروی ہے، لیکن اس سے جواب الاوسط نے ذکر کیا ہے حدیث علیؑ اس طرح ہے. عن النبی ﷺ قال لا جمعة ولا تشریق ولا فطر ولا اضحیٰ الا فی مصر جامع، تو اوسط والا جواب میں کہتے ہیں کہ اعمش لم یسمع من سعد. الاوسط ۴/۳۱. اور صاحب نصب الرایۃ کہتے ہیں کہ. غریب مرفوعا وانما وجدناہ موقوفاً علیٰ علیؑ. ۱۹۵/۳. اور اعلاء السنن والا نے ذکر کیا ہے کہ. ولكن المرفوع لا یثبتہ المحدثون: ۶/۸.

بعض علماء حدیث علیؑ سے استدلال کرتے ہیں اور اتنے عام اور خاص احادیث اس پر منسوخ کرتے ہیں اور حال یہ ہے کہ یہ انکے اپنے اصولوں کے خلاف ہیں جس طرح صاحب تحقیقات العلی نے فرمایا ہے:

والعجب ومقام التحیر من الاحناف کیف یسوغ لہم باشرط ہذہ الشروط والتقید بہذہ القیود مع أن کتب اصولہم لأئمتہم الکبار مملوءة أنه لا یجوز تخصیص نص القرآن ولا لزیادۃ علیہ بالاخبار الاحاد، کما فی التلویح، وانما یرد خبر الواحد فی معارضة الكتاب لأن الكتاب مقدم لكونه قطعياً متواتراً النظم لاشبهة فی متنہ ولا فی سندہ. وجاء فیہ ایضاً: لا یجوز تخصیص الكتاب بخبر الواحد لأن خبر الواحد دون الكتاب، لأنه ظنی والكتاب قطعی فلا یجوز تخصیصہ، لأن التخصیص تفسیر وتفسیر الشیء لا یكون الا بما یساویہ او یكون فوقہ.

احناف سے تعجب، تحیر کا مقام یہ ہے کہ ان کے لئے جمع کو ان شروط سے شروط کرنا کیسے جائز ہے؟ حالانکہ ان کی کتابیں اس قاعدہ سے مملوء ہیں کہ نص قرآنی کی تخصیص اور اس پر زیادت اخبار احاد سے جائز نہیں، جیسے کہ تلوح میں ہے

اور خبر واحد کو کتاب اللہ کے مقابلہ میں رد کیا جاتا ہے، کیونکہ کتاب اللہ ہر چیز پر مقدم ہے، اس لئے کہ کتاب اللہ قطعی، متواتر اور بے شک و شبہ ہے، کیونکہ تخصیص تفسیر ہوتا ہے اور تفسیر نہیں ہو سکتا ہے سوائے اُس پر جو کہ اس کے برابر ہو یا اس سے مرتبہ میں زیادہ ہو۔ اور اسی طرح نور الانوار میں بھی ہے۔

باقی اس باب میں علماء اور فقہاء سے بہت اقوال منقول ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے اس پر اکتفاء کیا اور سائل نے جس گاؤں کا ذکر کیا ہے اور اسکی کیفیت ذکر کی ہے تو اس کے بارے میں اکثر علماء احناف اور فقہاء جواز کے قائل ہے جس طرح در مختار جو شامی کا متن ہے وہ لکھتے ہیں، جب ایک گاؤں اس حد تک پہنچ جائے کہ جس کے لوگوں کے لئے ایک بڑی مسجد کافی ہو جائے تو اس گاؤں میں نماز جمعہ ادا کرنا جائز ہے اور مصر کی تعریف میں لکھتے ہیں: المصر وهو ما لا یسع اکبر مساجده اہلہ المکلین بہا، وعلیہ اکثر الفقہاء (مجتبی) لظہور التوانی فی الاحکام .. ۱/۵۳۶. اور جو حدیث یہ لوگ المعجم الاوسط: ۱/۱۶۲. طبرانی سے نقل کرتے ہیں کہ:

حدثنا احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدين بن سعد المصري قال حدثنا ابراهيم بن حماد بن ابي حازم المدني قال حدثنا مالک بن انس عن ابي الزناد عن الاعرج عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ خمسة لا جمعة عليهم، المرأة والمسافر والعبد والصبي واهل البادية: الحديث من الزوائد. فقد ذكره الهيثمي في مجمع الزوائد. كتاب الصلاة باب فرض الجمعة ومن لا تجب عليه .. ۲/۱۷۰. وقال رواه الطبراني في الاوسط وفيه ابراهيم بن حماد ضعفه الدار قطني، قال العبد الضعيف، رحمه الله الهيثمي فالحديث في اسناده من هو اسوأ حالا من ابراهيم بن حماد وهو احمد بن محمد بن الحجاج بن رشدين المصري شيخ الطبراني، فقد ترجم له الذهبي في الميزان ۱/۱۳۳: فقال فيه قال ابن عدی كذبوه وانكرت عليه اشياء، ثم قال الذهبي قلت فمن اباطيله رواية الطبراني وغيره منه. معجم الاوسط: ۱/۱۶۱؛ ۱۶۲، هذا ما عندي والله اعلم بالصواب.

ابو ہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا: کہ پانچ قسم کے لوگوں پر جمعہ نہیں عورت، مسافر، غلام، نابالغ، اور وہ لوگ جو شہر سے دور ہوں۔ تو امام طبرانی نے کہا کہ حدیث کے سند میں ابراہیم بن حماد ہے اور وہ ضعیف ہے اور امام بیہقی نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند میں احمد بن محمد بن حجاج بن رشدين ہے کہ یہ ابراہیم بن حماد سے زیادہ ضعیف ہے۔

سورة المنافقون (مدنیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو (ازراہ نفاق) کہتے ہیں کہ ہم اقرار کرتے ہیں

إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ ﴿١﴾

کہ آپ بیشک اللہ کے پیغمبر ہیں اور اللہ جانتا ہے کہ درحقیقت تم اس کے پیغمبر ہو لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں

اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّهُمْ
انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے اور ان کے ذریعے سے (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روک رہے ہیں کچھ شک نہیں

سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢﴾ اَلَيْسَ لَكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ

کہ جو کام یہ کرتے ہیں بُرے ہیں۔ یہ اس لئے کہ یہ (پہلے تو) ایمان لائے پھر کافر ہو گئے تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی

قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿٣﴾ وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ

سو اب یہ سمجھتے ہی نہیں۔ اور جب تم انکو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے

وَأِنْ يَقُولُوا تَسْمَعُ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّكُمْ خُشْبٌ مِّنْ مَّسْنَدَةٍ يَّحْسَبُونَ كُلَّ

ہیں اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر کو توجہ سے سنتے ہو گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے

صِيحَةٍ عَلَيْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنَّى يُؤْفَكُونَ ﴿٤﴾

لگائی گئی ہیں ہرزور کی آواز کو سمجھیں ان پر یہ دشمن ہیں ان سے بیخوف نہ رہنا اللہ ان کو ہلاک کرے یہ کہاں بٹکے پھرتے ہیں

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّارُءٌ وَسَهُمٌ وَرَأَيْتَهُمْ

۳۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے مغفرت مانگیں تو سر ہلا دیتے ہیں اور تم ان کو دیکھو

يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ﴿۴۱﴾ هَوَاءَ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ

کہ تکبر کرتے ہوئے منہ پھیر لیتے ہیں۔ تم ان کے لئے مغفرت مانگو یا نہ مانگو

تَسْتَغْفِرُ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۴۲﴾

ان کے حق میں برابر ہے اللہ ان کو ہرگز نہ بخشے گا بیشک اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَيَّ مِنْ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ حَتَّى يَنْفَضُوا

یہی ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس (رہتے) ہیں ان پر (کچھ) خرچ نہ کرو یہاں تک کہ یہ (خود بخود) بھاگ جائیں

وَلِلَّهِ خَزَائِنُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۴۳﴾

حالانکہ آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔

يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ

کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینے پہنچے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے حالانکہ عزت اللہ کی ہے

وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾

اور اس کے رسول کی اور مومنوں کی لیکن منافق نہیں جانتے۔

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

مومنو! تمہارا مال اور اولاد تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دے

وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۴۵﴾

اور جو ایسا کرے گا تو وہ لوگ خسار اٹھانے والے ہیں۔

وَأَنْفِقُوا مِنْ مَا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ

اور جو ہم نے تم کو دیا ہے اس میں سے اس سے پیشتر خرچ کر لو کہ تم میں سے کسی کی موت آجائے تو کہنے لگے کہ

رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُنُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۰﴾

اے میرے پروردگار! تو نے مجھے تھوڑی سی مہلت اور کیوں نہ دی؟ تاکہ میں خیرات کر لیتا اور نیک لوگوں میں داخل ہو جاتا

وَلَنْ يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۱﴾

اور جب کسی کی موت آجاتی ہے تو اللہ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے۔ [۱]

سورة التغابن (مدنیة)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يُسَبِّحُ لِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ

جو چیز آسمانوں میں اور جو چیز زمین میں ہے (سب) اللہ کی تسبیح کرتی ہے اس کی سچی بادشاہی ہے اور اسی کی تعریف

[۱] ابن کثیر نے بحوالہ ابن ابی حاتم ابوالدرداء سے نقل کیا ہے: ذکرنا عند رسول اللہ ﷺ الزيادة في العمر

فقال: ان الله لا يؤخر نفسا اذا جاء اجلها، وانما الزيادة في العمر ان يرزق الله العبد ذرية صالحة يدعون

له، فليحقه دعاؤهم في قبره. رواه الطبراني في الاوسط: ۳۳۴۹، والكبير: ۷۷۲ (قطعة من

المفقود)۔ یعنی ایک مرتبہ نبی ﷺ کے سامنے صحابہ کرام نے زیادتی عمر کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: جب اجل آجائے

پھر موخر نہیں ہوتی، زیادتی عمر صرف اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو نیک اولاد دے جو اس کے مرنے کے بعد اس کے

لئے دعا کرتی رہے۔

وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱﴾ ۱۰۱ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَمِنْكُمْ

(لانتناہی) ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر کوئی تم میں کافر ہے اور کوئی مومن

مُؤْمِنٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۰۲﴾ ۱۰۲ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ

اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس کو دیکھتا ہے۔ اسی نے آسمانوں اور زمین کو مبنی برحمت پیدا کیا

وَصَوَّرَكُمْ فَأَحْسَنَ صُورَكُمْ وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ ﴿۱۰۳﴾ ۱۰۳

اور اسی نے تمہاری صورتیں بنائیں اور صورتیں بھی پاکیزہ بنائیں اور اسی کی طرف (تمہیں) لوٹ کر جانا ہے۔

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تُعْلِنُونَ

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب جانتا ہے اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے ہو اور جو کھلم کھلا کرتے ہو اس سے بھی آگاہ ہے

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۰۴﴾ ۱۰۴ لَمْ يَأْتِكُمْ نَبُؤُا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ

اور اللہ دل کے بھیدوں سے واقف ہے۔ کیا تم کو ان لوگوں کے حال کی خبر نہیں پہنچی جو پہلے کافر ہوئے تھے

فَذَاقُوا وَبَالَ أَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۵﴾ ۱۰۵ لِكَ بَانَہُ كَانَتْ تَأْتِيهِمْ

تو انہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزہ چکھ لیا اور (ابھی) دکھ دینے والا عذاب (اور) ہونا ہے۔ یہ اس لئے کہ ان کے پاس

رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالُوا أَبَشْرٌ يَهْدُونَنَا فَكَفَرُوا وَتَوَلَّوْا وَاسْتَغْنَى اللَّهُ

پیغمبر کھلی نشانیاں لے کر آتے تو یہ کہتے کہ کیا آدمی ہمارے ہادی بنتے ہیں؟ تو انہوں نے (ان کو) نہ مانا اور منہ پھیر لیا

وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۱۰۶﴾ ۱۰۶ عَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا

اور اللہ نے بھی استغنا کی اور اللہ بے نیاز (اور) سزاوار حمد ہے۔ جو لوگ کافر ہیں ان کا اعتقاد ہے کہ وہ ہرگز نہیں اٹھائے جائیں گے

قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَلِكَ عَلَىٰ اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿۱۰۷﴾ ۱۰۷

کہہ دو کہ ہاں میرے پروردگار کی قسم! تم ضرور اٹھائے جاؤ گے پھر جو کام تم کرتے رہے ہو وہ تمہیں بتائے جائیں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے

فَأْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنْزَلْنَا وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۸﴾

تو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور نور (قرآن) پر جو ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ اور اللہ تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے

يَوْمَ يَجْمَعُكُمْ لِيَوْمِ الْجُمُعِ ذَلِكَ يَوْمِ التَّغَابُنِ وَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

جس دن وہ تم کو اکٹھا ہونے کے دن اکٹھا کرے گا وہ نقصان اٹھانے کا دن ہے [1] اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے

وَيَعْمَلْ صَالِحًا يُكْفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي

اور نیک عمل کرے وہ اس سے اس کی بُرائیاں دُور کر دے گا اور باغہائے بہشت میں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں

[1] یوم الجمع اور یوم التغابن دونوں قیامت کے نام ہیں، یوم الجمع ہونا اس دن کا تو ظاہر ہے کہ تمام مخلوق

اولین و آخرین کو اس روز حساب کتاب اور جزاء و سزاء کے لئے جمع کیا جائے گا۔ اور یوم التغابن اس لئے کہ تغابن غبن سے

مشتق ہے جس کے معنی خسارے اور نقصان کے ہیں مالی نقصان اور خسارہ کو بھی غبن کہا جاتا ہے اور رائے اور عقل کے نقصان

کو بھی، امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا کہ مالی خسارے کے لئے یہ لفظ بصیغہ مجهول غِبْنُ فلان

فہو مغبون استعمال کیا جاتا ہے اور عقل و رائے کے نقصان کے لئے بابِ سَمْعٍ سے غبن استعمال کیا جاتا ہے لفظ تغابن اصل

کے اعتبار سے دو طرفہ کام کے لئے بولا جاتا ہے کہ ایک آدمی دوسرے کو اور دوسرا اس کو نقصان پہنچائے، یا اس کے نقصان

و خسارہ کو ظاہر کرے، یہاں مراد ایک طرفہ اظہار غبن ہے جیسا کہ یکطرفہ استعمال بھی اس لفظ کا معروف و مشہور ہے، قیامت

کو یوم تغابن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ میں ہے کہ حق تعالیٰ نے ہر انسان کے لئے آخرت میں دو گھر پیدا کئے ہیں

ایک جہنم میں دوسرا جنت میں، اہل جنت کو جنت میں داخل کرنے سے پہلے ان کا وہ مقام بھی دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل

نہ ہونے کے صورت میں اس کے لئے مقرر تھا تا کہ اس کو دیکھنے کے بعد جنت کے مقام کی اور زیادہ قدر اس کے دل میں

پیدا ہو، اور اللہ تعالیٰ کا مزید شکر گزار ہو۔ اس طرح اہل جہنم کو جہنم میں داخل کرنے سے پہلے ان کو جنت کا وہ مقام

دکھلایا جائے گا جو ایمان اور عمل صالح کی صورت میں ان کے لئے مقرر تھا تا کہ ان کو اور زیادہ حسرت ہو۔

ان روایات میں یہ بھی ہے کہ پھر جنت میں جو مقامات اہل جہنم کے تھے وہ بھی اہل جنت کو مل جائیں گے، اور جہنم

میں جو مقامات اہل جنت کے تھے وہ بھی اہل جہنم کے حصہ میں آجائیں گے۔ یہ روایات صحیحین اور دوسری کتب حدیث میں

مختلف الفاظ سے مفصل آئی ہیں، اس وقت جبکہ کفار فجار اور اشقیاء کے جنتی مقامات بھی اہل جنت کے قبضہ میں آئیں گے تو ان کو اپنے ثمن اور خسارے کا احساس ہوگا کہ کیا چھوڑا اور کیا پایا۔

صحیح مسلم اور ترمذی میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام سے سوال کیا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون شخص ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ جس شخص کے پاس مال نہ ہو اس کو مفلس سمجھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت میں اپنے اعمال صالحہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ کا ذخیرہ لے کر آئے گا مگر اس کا حال یہ ہوگا کہ دنیا میں کسی کو گالی دی، کسی پر بہتان باندھا کسی کو مارا یا قتل کیا کسی کا مال ناحق لے لیا (تو یہ سب جمع ہونگے اور اپنے حقوق کا مطالبہ کریں گے) کوئی اس کی نماز لے جائے گا کوئی روزہ کوئی زکوٰۃ اور دوسری حسنات اور جب حسنات ختم ہو جائیں گی تو مظلوموں کے گناہ اس عالم پر ڈال کر بدلہ چکایا جائے گا۔ جس کا انجام یہ ہوگا کہ یہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ مسند احمد: رقم: ۶۸۶۷،

اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے ذمہ کسی کا کوئی حق ہو اس کو چاہئے کہ دنیا ہی میں اس کو ادایا معاف کر کر سبکدوش ہو جائے ورنہ قیامت کے دن درہم و دینار تو ہوں گے نہیں جس کا مطالبہ ہوگا اس کو اس شخص کے اعمال صالحہ دے کر بدلہ چکایا جائے گا، اعمال صالحہ ختم ہو جائیں گے تو بقدر اس کے حق کے مظلوم کا گناہ اس پر ڈال دیا جائے گا (مظہری)۔

ابن عباسؓ اور دوسرے ائمہ تفسیر نے قیامت کو یوم التغابن کہنے کی یہی وجہ بیان کی ہے اور بہت سے ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اس دن ثمن اور خسارے کا احساس صرف کفار فجار اور اشقیاء ہی کو نہیں بلکہ صالحین مومنین کو بھی اس طرح ہوگا کہ کاش ہم عمل اور زیادہ کرتے تاکہ جنت کے مزید درجات حاصل کرتے اس روز ہر شخص کو اپنی عمر کے اوقات پر حسرت ہوگی جو فضول ضائع کئے جیسا کہ حدیث میں ہے: من جلس مجلسا لم یذکر اللہ فیہ کان علیہ ثرة یوم القیامة۔ جو شخص کسی مجلس میں بیٹھا اور پوری مجلس میں اللہ کا ذکر نہ کیا تو یہ مجلس قیامت کے روز اس کے لئے حسرت بنے گی۔ (سنن ابی داؤد: ۴۴۰۰)

قرطبی میں ہے کہ ہر مومن بھی اس روز احسان عمل میں اپنی کوتاہی پر اپنے ثمن و خسارہ کا احساس کرے گا، قیامت کا نام یوم التغابن رکھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سورہ مریم: ۳۹، میں اس کا نام یوم الحسرة آیا ہے۔

مَنْ تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١﴾

داخل کرے گا ہمیشہ ان میں رہیں گے یہ بڑی کامیابی ہے

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ خَلِيدِينَ فِيهَا

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہی اہل دوزخ ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے

وَبئْسَ الْمَصِيرُ ﴿١٢﴾ ﴿١٣﴾ أَمَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ وَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ

اور وہ بُری جگہ ہے۔ کوئی مصیبت نازل نہیں ہوتی مگر اللہ کے حکم سے اور جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے

يَهْدِي قَلْبَهُ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٤﴾ ﴿١٥﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

وہ اس کے دل کو ہدایت دیتا ہے اور اللہ ہر چیز سے باخبر ہے۔ اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو

فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿١٦﴾

اگر تم منہ پھیر لو گے تو ہمارے پیغمبر کے ذمے تو صرف پیغام کا کھول کھول کر پہنچا دینا ہے۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَعَلَىٰ اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٧﴾

اللہ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ ہی پر ایمان داروں کو بھروسہ رکھنا چاہئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنِّ مِنْ أَرْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ

مومنو! تمہاری عورتوں اور اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن (بھی) ہیں سو ان سے بچتے رہو

وَإِنْ تَعَفَوْا وَتَصَفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨﴾

اور اگر معاف کر دو اور درگزر کرو اور بخش دو تو اللہ بھی بخشنے والا مہربان ہے۔

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ وَاللَّهُ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٩﴾

تمہارا مال اور تمہاری اولاد تو آزمائش ہے اور اللہ کے ہاں بڑا اجر ہے۔

فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَأَسْمِعُوا وَأَطِيعُوا وَأَنْفِقُوا

سو جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو اور (اس کے احکام کو) سنو اور (اس کے) فرمانبرداری ہو اور (اس کی راہ میں) خرچ کرو

خَيْرًا لِّأَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُوقْ شُحَّ نَفْسِهِ فَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٤﴾

(یہ) تمہارے حق میں بہتر ہے اور جو شخص طبیعت کے بخل سے بچایا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

إِنْ تُقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضَاعِفْهُ لَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ

اگر تم اللہ کو (اخلاص اور نیت) نیک (سے) قرض دو گے تو وہ تم کو اس کا دو چند (اجر) دے گا اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دے گا

وَاللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٥﴾ الْعَالَمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٨﴾

اور اللہ قدر شناس اور بردبار ہے۔ پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا غالب اور حکمت والا ہے۔

سورة الطلاق (مدنية)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَطَلِّقُوهُنَّ لِعَدَّتِهِنَّ وَأَحْصُوا الْعِدَّةَ

اے پیغمبر! [1] جب تم عورتوں کو طلاق دینے لگو تو ان کی عدت کے شروع میں طلاق دو اور عدت کا شمار

[1] مطلقہ کیلئے عدت کا اثبات۔ نداء سے نبی کریم ﷺ کو مختص کیا گیا، لیکن حکم کا خطاب ساری امت سے فرمایا کیونکہ

آپ امت کے امام ہیں یا اصل عبارت اس طرح ہے یا ایہا النبی قل لا تمک اذا طلقتم، (روح) حنفیہ اور شافعیہ

کا اس پر تو اتفاق ہے کہ طلاق طہر کی حالت میں دینی چاہئے، البتہ اس میں ان کا اختلاف ہے کہ عدت کا شمار حیض سے ہوگا یا

طہر سے۔ حنفیہ کے نزدیک عدت تین حیض ہے اور شافعیہ کے نزدیک تین طہر۔ اسی اختلاف کی بنا پر لعدتہن میں لام =

وَاتَّقُوا اللَّهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجَنَّ

رکھو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرو (نہ تو تم ہی) ان کو (ایام عدت میں) ان کے گھروں سے نکالو اور نہ وہ (خود ہی)

إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ

نکلیں ہاں اگر وہ صریح بیچینی کریں (تو نکال دینا چاہیے) اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے گا

= کے مفہوم میں اختلاف ہے۔ شافعیہ کی کے نزدیک لام تو قیت کے لئے ہے: ای فی وقت عدتہن اور حنفیہ کے نزدیک لام بمعنی قبل ہے: ای قبل عدتہن لیکن شیخ حسین علی فرماتے ہیں کہ یہ لام عاقبت کا ہے جیسا کہ لیکون لہم عدوا و احزنا (قصص: ۸) میں ہے۔ مطلب یہ ہوگا کہ جب تم ان کو طلاق دیدو تو طلاق عدت سے ملا بس ہو، یعنی ان کو گھروں سے نہ نکالو، بلکہ عدت گزارنے کے لئے ان کو بٹھاؤ۔ اور عدت کو باقاعدہ شمار کرو اور اس کی مدت پوری کرو۔ اور اللہ سے ڈرو اور اپنے طرز عمل سے معتدہ کو ضرر نہ پہنچاؤ۔

”لا تخرجنہن“۔ عدت گزارنے والی عورتوں کو گھروں سے نکالنے کی ممانعت فرمائی، البتہ اگر وہ اپنی مرضی سے خود بخود نکل جائیں تو تم پر کوئی الزام نہیں۔ فاحشہ مبینہ سے معتدات کا خود بخود گھروں سے نکل جانا مراد ہے۔ ہی نفس الخروج قبل انقضاء العدة (روح المعانی) یہ تفسیر عبد اللہ بن عمر، سدی، ابن السائب، نخعی اور امام ابو حنیفہ سے منقول ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کی ہیں، جو شخص ان کو توڑتا ہے وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔

”لا تدری لعل اللہ“۔ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ آئندہ کیسے حالات پیدا کرنے والا ہے، اس لئے طلاق، عدت اور سکنی وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے تجاوز نہ کرو اور نہ عورتوں کو ظلم و تعدی کا نشانہ بناؤ، ممکن ہے طلاق دینے کے بعد تم پشیمان ہو جاؤ اور بیوی سے رجوع کا ارادہ ہو جائے تو آسانی سے مافات کی تلافی کر سکو، اگر تم نے بیوی کو معطلہ طلاق دیدی یا طلاق کے بعد اس سے بدسلوکی کا برتاؤ کیا تو رجوع مشکل ہو جائے گا۔ شیخ حسین علی فرماتے ہیں یہ ما قبل کی علت ہے۔ معتدہ کو گھر سے نکالنے کی ممانعت اس لئے کی گئی کہ ہو سکتا ہے کہ اس کے پیٹ میں اپنے خاوند کا حمل ہو اگر اسے گھر سے نکلنے کی اجازت دیدی جائے تو حمل ظاہر ہونے پر تہمت آنے کا اندیشہ ہے۔

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ لَا تَدْرِي لَعَلَّ اللَّهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذَلِكَ أَمْرًا ﴿١﴾ ﴿٢﴾

وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا (اے طلاق دینے والے!) تجھے کیا معلوم کہ شاید اللہ اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کر دے

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ

پھر جب وہ اپنی میعاد کے قریب پہنچ جائیں [2] تو یا تو ان کو اچھی طرح سے رہنے دو یا

فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَأَشْهِدُوا ذَوَىٰ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلَّهِ

اچھی طرح سے علیحدہ کر دو اور اپنے میں سے دو منصف مردوں کو گواہ کر لو اور (گواہو!) اللہ کے لئے درست گواہی دینا

ذَلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ

ان باتوں سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا

يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا ﴿٣﴾ ﴿٤﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

وہ اس کے لئے نجات (کی صورت) پیدا کر دے گا۔ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو

[2] ”بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ“ ای قارب انقضاء العدة (قرطبی) جب ان کی عدة اختتام کے قریب ہو، تو اب بھی

موقع ہے سوچ سمجھ کر آخری فیصلہ کر لو اگر رجوع کر کے اسے اپنے پاس رکھنا چاہو تو رکھ لو، مگر مقصد حسن معاشرت ہونہ کہ اسے

ایذا دینا۔ اور اگر رجوع کرنے کا ارادہ نہ ہو تو بھی اسے اچھے برتاؤ کے ساتھ عدة گزارنے کا موقع دو، تاکہ انقضاء عدة کے

بعد وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہے نکاح کر لے۔ اس وقت جو بھی فیصلہ کر لو رجعت کا یا فرقت کا، دو قابل اعتماد آدمیوں کو اس

پر گواہ بنا لو اور ان کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دو تاکہ تمہارا فیصلہ شک و ریب سے بالاتر ہو جائے اور بعد نزاع کا اندیشہ نہ رہے

۔ واقیموا الشهادة للہ یہ گواہوں کو حکم ہے کہ جب ان کی گواہی کی ضرورت پڑے تو وہ کسی دباؤ یا لالچ کے تحت گواہی کو

نہ چھپائیں، بلکہ محض اللہ کی رضا کے لئے صحیح گواہی ادا کریں۔ یہ نصیحت اس شخص کے لئے ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان

رکھتا ہو، کیونکہ اس سے فائدہ وہی اٹھائے گا۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ

اور جو اللہ پر بھروسہ رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا اللہ اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے اللہ نے ہر چیز کا

شَيْءٍ قَدْرًا ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾ لِلَّائِي يَسْنَنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نَسَائِكُمْ إِنْ آرْتَبْتُمْ

اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ [3] اور تمہاری عورتیں جو حیض سے ناامید ہو چکی ہوں اگر تم کو شبہ ہو

فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَاللَّيْ لَمْ يَحْضَنْ وَأُولَاتِ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ

تو ان کی عدت تین مہینے ہے اور جن کو ابھی حیض نہیں آنے لگا (ان کی عدت بھی یہی ہے) اور حمل والی عورتوں کی عدت

يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ ذَلِكَ أَمْرُ

وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے کام میں سہولت پیدا کر دے گا۔ یہ اللہ کے حکم ہیں

اللَّهِ أَنْزَلَهُ إِلَيْكُمْ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعْظِمْ لَهُ أَجْرًا ﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾

جو اللہ نے تم پر نازل کئے ہیں اور جو اللہ سے ڈرے گا وہ اس سے اس کے گناہ دور کر دے گا اور اسے اجر عظیم بخشنے گا

أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِنْ وَجْدِكُمْ وَلَا تَضَارُّوهُنَّ لَتَضِيقُوا

(مطلقہ) عورتوں کو (ایام عدت میں) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو اور ان کو تنگ کرنے کے لئے

عَلَيْهِنَّ وَإِنْ كُنَّ أُولَاتٍ حَمَلٍ فَأَنْفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتَّى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ

تکلیف نہ دو اور اگر وہ حمل سے ہوں تو بچہ جننے تک ان کا خرچ دیتے رہو پھر اگر وہ بچے کو تمہارے کہنے سے دودھ پلائیں

فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأَتَمُّوْا بَيْنَكُمْ بِمَعْرُوفٍ

تو ان کو ان کی اجرت دو اور (بچے کے بارے میں) پسندیدہ طریق سے موافقت رکھو

[3] عن ابی ذر ان رسول اللہ ﷺ قال: انی لا اعلم آية لو آخذ الناس بها لکفتمهم ﴿۳۳﴾ وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ

يَجْعَلُ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقُهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴿۲۲۰﴾ مسند احمد: ۷/۵۸ او ابن ماجہ: ۲۲۰.

ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ محض اسی آیت پر عمل کریں تو ان کے حق میں وہی ایک آیت کافی ہو جائے، وہ آیت یہ ہے: وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا ﴿۲۲۰﴾ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ، یعنی جو شخص اللہ سے ڈرے تو اللہ اس کے لئے دنیا اور آخرت کے غموں سے نجات کا راستہ پیدا کر دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے تعب و مشقت اور فکر و تردد کے بغیر روزی دیتا ہے جہاں وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ پس ”ومن يتق الله“ سے ”حيث لا يحتسب“ تک میں تو اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے دنیا و آخرت کے اس کے ان تمام امور و معاملات میں کافی ہو جاتا ہے جن سے وہ ڈرتا ہے، اور جو اس کے نزدیک ناپسندیدہ ہوتے ہیں بایں طور کہ اس کو ایسی تمام چیزوں سے محفوظ و مامون رکھا جاتا ہے۔

اور ”ومن يتوكل على الله“ سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ شخص اگر اللہ تعالیٰ پر اعتماد و بھروسہ کر کے دنیا و آخرت کی نعمتوں کا طلبگار و متلاشی ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے بایں طوریکہ اس کو وہ نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

توکل کا حق یہ ہے کہ اول تو اس بات پر پورا یقین و اعتقاد ہو، کہ کسی بھی چیز کو جو دہ میں لانے والا اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے، اور ہر موجود کو خواہ وہ جاندار یا غیر جاندار مخلوق ہو، کسی چیز کا ملنا ہو یا نہ ملنا ہو، ضرر ہو یا نفع ہو، غربت و افلاس ہو یا ثروت و مالداری ہو، مرض ہو یا صحت ہو، اور موت ہو یا حیات، غرضیکہ کوئی بھی چیز ہو سب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور سب چیزیں اسی کی طرف سے ہیں، پھر اس امر کا پختہ اعتقاد ہو کہ رزق کا ضامن بلاشک و شبہ اللہ تعالیٰ ہے اور پھر اس یقین و اعتقاد کے ساتھ حصول معاش کی سعی و جہد میں اچھے طور طریقوں سے، اور مناسب و معقول صورت میں مشغول ہو، یعنی کسب و کمائی میں زیادہ تعب و مشقت برداشت نہ کرے، حرص و لالچ میں مبتلا نہ ہو، ضرورت سے زیادہ حاصل کرنے کی جدوجہد نہ کرے، اور کمانے کی دھن میں غرق نہ ہو جائے کہ حلال و حرام کی تمیز بھی نہ کر سکے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص کا گمان یہ ہو کہ ”توکل“ نام ہے کسب و عمل کے ترک کر دینے کا اور ہاتھ و پاؤں کو معطل کر دینے، اور پانچ بن کر پڑے رہنے کا کہ جس طرح کسی کپڑے کو زمین پر ڈال دیا جائے تو وہ شخص نرا جاہل ہے۔

اور امام تیسریؒ کا قول یہ ہے کہ توکل کا اصل مقام قلب ہے اور حصول معاش کے لئے حرکت و عمل ایک ظاہری فعل

ہے جو توکل کے منافی نہیں ہے، بشرطیکہ اصل اعتماد اپنے کسب عمل کے بجائے محض اللہ تعالیٰ پر ہو۔ لہذا حدیث میں ہے کہ:

عن عمر بن الخطاب قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لو انكم تتوكلون على الله حق توكله لرزقكم كما يرزق الطير تغدو خماصا وتروح بطانا. ترمذی: ۲۲۶۶۔ اس حدیث میں پرندہ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور وہ اگرچہ اپنی روزی کے تلاش میں نکلتا ہے، اور سارے جہاں میں مارا مارا پھرتا ہے، لیکن اس کا اصل اعتماد اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتا ہے، نہ کہ اپنی طلب اور جد جہد اور اپنی تدبیر و قوت پر، لہذا اس سے واضح ہوا کہ انسان کا حصول معاش کے لئے معقول اور مناسب طریقہ پر جہد و جد اور سعی کرنا اللہ تعالیٰ پھر اعتماد و بھروسہ کرنے کے منافی نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَكَأَيِّن مِّن دَابَّةٍ لَّا تَحْمِل رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا إِيَّاكُمْ﴾ (عنکبوت: ۶۰) یعنی کوئی جانور اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی اس کو بھی اور تمہیں بھی رزق عطا کرتا ہے۔

حاصل یہ کہ حدیث کا مفہوم اس امر سے آگاہ کرنا ہے کہ سعی و جد جہد اور کسب و عمل حقیقت میں رزق پہنچانے والا نہیں ہے، بلکہ رزق پہنچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے، اسی طرح حدیث کا مطلب بھی یہ نہیں ہے کہ انسان کو اپنی روزی کمانے کے لئے حرکت و عمل سے باز رکھا جائے کیونکہ اللہ تعالیٰ پر توکل و اعتماد کا تعلق دل سے ہے جو اعضاء ظاہری کی حرکت و عمل کے مطلقا منافی نہیں ہے، گو بسا اوقات اعضاء و جوارح کی حرکت اور کسی کسب و عمل کے بغیر بھی اللہ تعالیٰ رزق پہنچاتا ہے، بلکہ توکل کی برکت تو یہاں تک ہوتی ہے کہ متوکل کو اپنا رزق لینے کے لئے حرکت بھی کرنا نہیں پڑتی بلکہ دوسرے حرکت کر کے اس تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے رزق پہنچاتے ہیں جیسا کہ اس ارشادِ ربانی کے عموم مفہوم سے واضح ہوتا ہے:

وَمِمَّن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ الْأَعْلَى اللَّهُ رِزْقُهَا“ (ہود: ۶) کہ جب کوئے کے بچے انڈے سے باہر آتے ہیں تو بالکل سفید ہوتے ہیں اور کو ان بچوں کو دیکھتا ہے تو وہ اسے بہت برے لگتے ہیں، چنانچہ ان بچوں کو چھوڑ کر کو اچلا جاتا ہے اور وہ تنہا پڑے رہ جاتے ہیں، تب اللہ تعالیٰ ان کے پاس مکھی اور چونیاں بھیجتا ہے جن کو وہ بچے چن چن کر کھاتے ہیں اور پرورش پاتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب وہ بڑے ہو جاتے ہیں تو اپنا رنگ بدل دیتے ہیں اور بالکل سیاہ ہو جاتے ہیں، پھر جب کچھ عرصہ کے بعد کو ان بچوں کے پاس آتا ہے اور ان کو سیاہ رنگ کا دیکھتا ہے تو ان کو لیکر بیٹھ جاتا ہے اور ان کی پرورش کرنے لگتا ہے اس سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ بغیر حرکت و سعی کے بھی کسی طرح رزق پہنچاتا ہے۔

”ان الله بالغ امره“ سے مراد یہ ہے کہ وہ قادر مطلق اپنے احکام اور فیصلوں کو جاری اور نافذ کرنے والا ہے، یعنی اس کو ہر طرح کا حکم و فیصلہ جاری کرنے کا کلی اختیار بھی حاصل ہے، اور وہ اپنے ہر حکم و فیصلہ کو نافذ =

وَإِنْ تَعَاسَرْتُمْ فَسْتََرْضِعْ لَهُ أُخْرَى ﴿٤١﴾ ۞ يَنْفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّنْ سَعَتِهِ

اور اگر باہم ضد کرو گے تو بیچ کر اس کے کہنے سے کوئی اور عورت دودھ پلانے کی صاحبِ وسعت کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے

وَمَنْ قَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيَنْفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا

اور جس کے رزق میں تنگی ہو وہ جتنا اللہ نے اس کو دیا ہے اس کے موافق خرچ کرے اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر

مَا آتَاهَا سَيَجْعَلُ اللَّهُ بَعْدَ عُسْرٍ يُسْرًا ﴿٤٢﴾ ۞ كَأَيْنَ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ

اسی کے مطابق جو اس کو دیا ہے اور اللہ عنقریب تنگی کے بعد کشادگی بخشنے گا۔ اور بہت سی بستیوں (کے رہنے والوں) نے اپنے

عَنْ أَمْرِ رَبِّهَا وَرَسُولِهِ فَحَاسَبْنَاهَا حِسَابًا شَدِيدًا وَعَذَّبْنَاهَا عَذَابًا نُكْرًا ﴿٤٣﴾ ۞

پروردگار اور اس کے پیغمبروں کے احکام کی سرکشی کی تو ہم نے ان کو سخت حساب میں پکڑ لیا اور ان پر عذاب نازل کیا جو نہ دیکھا تھا نہ سنا

= کرنے کی پوری طاقت و قدرت بھی رکھتا ہے، کیونکہ جب یہ جان لیا گیا کہ ہر قسم رزق اور اس کے مانند ہر چیز تقدیر الہی اور توفیق الہی سے تعلق رکھتی ہے، کہ انسان جس چیز کی بھی خواہش و طلب رکھتا ہے وہ اس کے حکم و فیصلہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، تو اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا کہ انسان قضا و قدر کے آگے سر تسلیم خم کرے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر توکل و اعتماد کرے۔

اور اس آیت میں عدت کی دو میعادوں کا بیان ہے۔ ایک تین ماہ اور دوم وضع حمل، ہر میعاد دو دو قسم کی عورتوں کے لئے پہلی میعاد ان دو عورتوں کے لئے (۱) آئیسہ یعنی وہ عورت جس کو بڑھاپے کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو (۲) وہ عورت جس کو ابھی تک حیض آنا شروع ہی نہ ہوا ہو، خواہ صغیرہ ہو یا مرابطہہ یا بالغہ بالسن، اسی طرح دوسری میعاد یعنی وضع حمل ان دو عورتوں کے لئے (۱) وہ حاملہ جس کو حالت حمل میں طلاق ہوگئی (۲) وہ حاملہ جس کا خاندان فوت ہو گیا ہو۔ ان ارتبتم ای فی مقدار عدتھن واللی مبتداء ہے اور فعدتھن الخ اس کی خبر ہے یعنی اگر ان کی مقدار عدت میں تمہیں شک ہو اور المطلقات یتربصن بانفسھن ثلاثۃ قروء سے تم ان کی عدت نہیں سمجھ سکے ہو تو سن لو ان کی عدت تین ماہ ہے۔

فَدَاقَتْ وَبَالَ أَمْرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ أَمْرِهَا خُسْرًا ﴿٤١﴾ ۞ عَدَّ اللَّهُ لَهُمْ عَذَابًا

سوانہوں نے اپنے کاموں کی سزا کا مزہ چکھ لیا اور ان کا انجام نقصان ہی تو تھا۔ اللہ نے ان کے لئے سخت عذاب

شَدِيدًا فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ الَّذِينَ آمَنُوا قَدْ أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ ذِكْرًا

تیار کر رکھا ہے تو اے اربابِ دانش جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اللہ نے تمہارے پاس نصیحت (کی کتاب) بھیجی ہے۔

﴿٤١﴾ ۞ سُوْرًا يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللّٰهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِينَ آمَنُوا

پیغمبر (بھی بھیجے ہیں) جو تمہارے سامنے اللہ کی واضح المطالب آیتیں پڑھتے ہیں [5] تاکہ جو لوگ ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيَعْمَلْ

اور عمل نیک کرتے رہے ہیں ان کو اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے آئے اور جو شخص ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے

صَالِحًا يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

گا وہ ان کو باغبانے بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ابدالآباد ان میں رہیں گے

[5] اس آیت کی آسان توجیہ یہ ہے کہ یہاں لفظ ارسلا سے محذوف مانا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ نازل کیا ذکر یعنی قرآن

کو اور بھیجا رسول کو۔ بعض مفسرین نے دوسری توجیہات بھی لکھی ہیں، مثلاً یہ کہ ذکر سے مراد خود رسول ہوں، کہ ذکر اللہ کی

کثرت کے سبب ان کا وجود گویا خود ذکر اللہ بن گیا۔ یا رسول بمعنی رسالت ہو اس سورت میں بغیر تاویل کے رسولا بدل

صریح ہو جائے گا، یا اس کو منصوب علی الاعراء کہا جائے، ای اتبعوا والزموا رسولا۔

قَدْ أَحْسَنَ اللَّهُ لَهُ رِزْقًا ﴿۱۱﴾ ۱۱ ۱۱ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ

اللہ نے ان کو خوب رزق دیا ہے۔ اللہ ہی تو ہے [6] جس نے سات آسمان پیدا کئے

وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بَيْنَهُنَّ لِتَعْلَمُوا

اور ویسی ہی زمینیں ان میں (اللہ کے) حکم اترتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ جان لو

أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۱۲﴾ ۱۲ ۱۲

کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور یہ کہ اللہ اپنے علم سے ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہیں۔

[6] ”اللہ الذی خلق“ الایۃ، یہ توحید پر عقلی دلیل ہے اس سورت کے اخیر میں توحید کا بیان آ گیا تاکہ دیگر احکام کے

ساتھ ساتھ توحید کی طرف بھی توجہ باقی رہے کیونکہ اصل مقصود یہی ہے زمین و آسمان و ساری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے

اور زمین و آسمان کے درمیان وہی متصرف و مختار ہے۔ اور اسی کا حکم چلتا ہے۔

”لتعلموا“ کا متعلق مقدر ہے ای اخبار تکم او اعلمتکم بذلک لتعلموا (روح المعانی) یعنی میں

نے تمہیں یہ اس لئے بتایا ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اور اس کا علم کائنات کے ذرے ذرے

پر حاوی ہے لہذا وہی سب کا کارساز اور حاجت روا ہے۔

ومن الارض مثلهن جیسے آسمان ساتھ ہیں اسی طرح زمینیں بھی ساتھ ہیں لیکن سات آسمان تو تہ بہ تہ ہیں

کیونکہ آسمانوں کے لئے قرآن میں طباقا وارد ہے لیکن زمینیں اسی طرح نہیں ہیں بلکہ اس سے روئے زمین کے ساتھ

حصے مراد ہیں مثلاً ایشیا، یورپ، شمالی افریقہ، جنوبی افریقہ، امریکا، نیوزی لینڈ، اور اسٹریلیا سات (براعظم) منبسط زمینوں

کا مراد ہونا، ابن عباسؓ اور ابوصالحؓ سے مروی ہے۔ قال ابوصالح ہی فی کونہا سبعاً لیس سبعاً فی سبع ارضین

منبسطة لیس بعضہا فوق بعض یفرق بینہا البحار ویظل جمیعہا السماء وروی بذلک عن ابن

عباسؓ (روح المعانی)۔

ضحاک کی رائے ہے کہ یہ سب زمینیں پیاز کی چکلوں کی طرح ایک دوسرے سے متصل ہیں، اور بعض =

سورة التحريم (مدنية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ

اے پیغمبر! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہو؟

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱﴾ قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اللہ نے تم لوگوں کے لئے تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے اور اللہ ہی تمہارا کارساز ہے

وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿۲﴾ إِذْ أَسْرَ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا

اور وہ دانا (اور) حکمت والا ہے۔ [1] اور (یاد کرو) جب پیغمبر نے اپنی ایک بیوی سے ایک بھید کی بات کہی

فَلَمَّا نَبَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ

تو جب اس نے اس کو افشا کیا اور اللہ نے اس (حال) سے پیغمبر کو آگاہ کر دیا تو پیغمبر نے کچھ تو بتائی اور کچھ نہ بتائی

= کی رائے ہے کہ ساتوں زمینیں طبقات کی صورت میں ہیں، یہ بھی احتمال ہے کہ ان زمینوں سے مراد وہ کواکب ہیں جن کو آجکل مرخ وغیرہ کہا جاتا ہے، جیسا کہ سائنسدانوں کا گمان ہے کہ اس میں پہاڑ، دریا، آبادیاں ہیں، اور ابن عباسؓ وغیرہ کی روایت کہ، سبع ارضین فی کل ارض نبی کنسبکم کادمکم ارض، تو روح المعانی وغیرہ نے ان احادیث کو موضوع شمار کیا ہے، اس لئے اہل علم کے لئے بھی زیبا نہیں کہ وہ اس کو حدیث منوانے میں عوام پر زور دیں۔

[1] صحیح بخاری وغیرہ میں عائشہؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ نبی ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد کھڑے کھڑے =

فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ﴿۳۳﴾

تو جب وہ ان کو بتائی تو پوچھنے لگیں کہ آپ کو یہ کس نے بتایا؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اس نے بتایا ہے جو جاننے والا خبر دار ہے
 إِنَّ تَتُوبَآ إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ
 آگرم دونوں اللہ کے آگے توبہ کرو (تو بہتر ہے کیونکہ) تمہارے دل مائل ہو گئے ہیں اور اگر بیخبر پر باہم اعانت کرو گی تو اللہ

= سب بیبیوں کے پاس (خبر گیری کے لئے) تشریف لاتے تھے، ایک روز معمول سے زیادہ زینبؓ کے پاس ٹھہرے
 اور شہد بیا تو مجھ کو رشک آیا اور میں نے حفصہؓ سے مشورہ کیا کہ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لاویں وہ یوں کہے کہ آپ
 نے مغایر نوش فرمایا ہے، معافیر ایک خاص قسم کا گھوند ہے جس میں کچھ بد بو ہوتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا آپ نے فرمایا کہ میں
 نے تو شہد بیا ہے، ان بی بی نے کہا کہ شاید کوئی مکھی معافیر کے درخت پر بیٹھی ہو اور اس کا رس چوسا ہو، اسی وجہ سے شہد میں
 بھی بد بو آنے لگی، رسول ﷺ بد بو کی چیزوں سے بہت پرہیز فرماتے تھے، اس لئے آپ نے قسم کھالی کہ پھر میں شہد نہ پیوں
 گا اور اس خیال سے کہ زینب کا جی بُرا نہ ہو اس کے انخفاء کی تاکید فرمائی، مگر ان بی بی نے دوسری سے کہہ دیا، اور بعض روایات
 میں ہے کہ حفصہ شہد پلانے والی ہیں، اور عائشہؓ و سودہؓ و صفیہؓ صلاح مشورہ کرنے والی اور بعض روایات میں یہ قصہ دوسری
 طرح بھی آیا ہے، ممکن ہے کہ کئی واقعے ہوں اور ان سب کے بعد یہ آیتیں نازل ہوئی ہوں (بخاری: فی التفسیر و مسلم
 کتاب الطلاق، اور نسائی کتاب الطلاق)۔

خلاصہ ان آیات کا یہ ہے کہ اس واقعہ میں جو رسول ﷺ نے ایک حلال چیز یعنی شہد کو بذریعہ قسم اپنے اوپر حرام
 کر لیا تھا یہ فعل جبکہ کسی ضرورت و مصلحت سے ہو تو جائز ہے، گناہ نہیں، مگر اس واقعہ میں ضرورت ایسی نہ تھی کہ اس کی وجہ سے
 آپ خود کوئی تکلیف اٹھائیں اور ایک حلال چیز کو چھوڑ دیں، کیونکہ نبی ﷺ نے یہ کام ازواج مطہرات کو راضی کرنے کے
 لئے کیا تھا، اور ایسے معاملے میں ان کا راضی کرنا آپ کے ذمہ لازم نہ تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے از روئے شفقت و عنایت فرمایا۔
 ”يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ“

مَوْلُهُ وَجَبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ ﴿۲۱﴾

اور جبریل اور نیک کردار مسلمان ان کے حامی (اور دوستدار) ہیں اور ان کے علاوہ (اور) فرشتے بھی مددگار ہیں۔ [2]

عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبَدِّلَهُ أَزْوَاجًا خَيْرًا مِّنْكَ مِمْسَلِمَتٍ مُّؤْمِنَةٍ

اگر پیغمبر تم کو طلاق دیدیں تو عجب نہیں ان کا پروردگار تمہارے بدلے ان کو تم سے بہتر بیویاں دیدے مسلمان صاحب ایمان

قَتَلْتِ تَأْتِيَتِ عَابِدَاتٍ سَائِحَاتٍ ثَيِّبَاتٍ وَأَبْكَارًا ﴿۲۲﴾

فرمانبردار توبہ کرنے والیاں عبادت گزار روزہ رکھنے والیاں بن شوہر اور کنواریاں۔

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقْوُدَّهَا النَّاسُ

مومنو! اپنے آپ کو اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی

وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ

اور پنجم ہیں اور جس پر تندخو اور سخت مزاج فرشتے (مقرر) ہیں جو ارشاد اللہ ان کو فرماتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے

وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ﴿۲۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ

اور جو حکم ان کو ملتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔ کافرو! آج بہانے مت بناؤ جو عمل تم کیا کرتے تھے

[2] یعنی جبکہ نبی کریم ﷺ نے اپنی کسی بی بی سے ایک راز کی بات کہی، وہ راز کی بات صحیح اور اکثر روایات کے رو سے

یہی تھی کہ آپ نے زینبؓ کے پاس شہدیا اور دوسری ازواج کو بھاری معلوم ہوا، آپ نے ان کو راضی کرنے کے لئے

شہد پینے کی قسم کھالی مگر یہ فرمایا کہ اس کی کسی کو خبر نہ ہو، تا کہ زینب کو رنج نہ پہنچے، مگر اس بی بی نے یہ راز دوسری

پر ظاہر کر دیا، جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے، اس راز کی بات کے متعلق دوسری روایات میں اور بھی چند چیزیں منقول ہیں

مگر اکثر اور صحیح روایات میں یہی ہے جو لکھا گیا۔

فلما نبأت به واطهره الله عليه عرف بعضه واعرض عن بعض، یعنی جب اس بی بی نے وہ راز کی

بات دوسری بی بی سے کہہ ڈالی، اور اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو اس کی خبر کردی، کہ اس نے آپ کا راز پاش کر دیا، تو آپ نے اس بی بی سے انشاء راز کا شکوہ تو کیا، مگر پوری بات نہیں کھولی، یہ نبی ﷺ کا کرم اور حسن خلق تھا، کہ پوری بات کھولنے سے ان کو زیادہ خجالت اور شرمندگی ہوگی، جس بی بی سے راز کی بات کہی گئی تھی وہ کون تھیں اور جس پر راز ظاہر کر دیا وہ کون؟ قرآن کریم نے اس کو بیان نہیں کیا، اکثر روایات حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ راز کی بات حفصہؓ سے کہی گئی تھی انہوں نے عائشہؓ سے ذکر کر دیا، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیث میں ابن عباسؓ سے اس کا بیان آگے آئے گا۔ بعض روایات حدیث میں ہے کہ حفصہؓ سے راز پاش کرنے پر نبی ﷺ نے ان کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا، مگر اللہ نے جبریل امین کو بھیج کر انکی طلاق سے روک دیا، اور فرمایا کہ بہت نماز گزار اور بکثرت روزے رکھنے والی ہیں اور ان کا نام جنت میں اپ کی بیویوں میں لکھا ہوا ہے۔

”إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا“ ازواج مطہرات میں سے جن دو کا اجمالی ذکر اور پر آیا ہے کہ انہوں نے باہم مشورہ کر کے نبی ﷺ کے شہد پینے پر ایسا طرز اختیار کیا جس سے آپ نے شہد پینے سے قسم کھالی اور پھر آپ نے اس کے انخفاء کے لئے فرمایا تھا وہ انخفا نہیں کیا، بلکہ ایک نے دوسری پر بات کھول دی، یہ دو کون ہیں، ان کے متعلق صحیح بخاری (کتاب التفسیر) میں ابن عباسؓ سے ایک طویل روایت ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ عرصہ تک میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں ان دو عورتوں کے متعلق عمر بن الخطابؓ سے دریافت کروں، جن کے متعلق قرآن میں آیا ہے: (ان تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ) یہاں تک کہ ایک موقع آیا کہ عمر بن الخطابؓ حج کے لئے نکلے اور میں بھی شریک سفر ہو گیا، دوران سفر میں ایک روز عمر بن الخطابؓ قضائے حاجت کے لئے جنگل کی طرف تشریف لے گئے اور وہاں آئے تو میں نے وضوء کے لئے پانی کا انتظام کر رکھا تھا میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور وضوء کراتے ہوئے میں نے سوال کیا کہ یہ دو عورتیں جن کے متعلق قرآن میں ان تَتُوبَا آیا ہے کون ہیں؟ عمرؓ نے فرمایا آپ سے تعجب ہے کہ آپ کو خبر نہیں کہ یہ دونوں عورتیں حفصہ اور عائشہؓ ہیں، اس کے بعد عمرؓ نے اپنا ایک طویل قصہ اس واقعہ سے متعلق ذکر فرمایا جس میں اس واقعہ سے پیش آنے سے پہلے کے کچھ حالات بھی بیان فرمایا، جن کی پوری تفصیل مظہری میں ہے۔

آیت مذکورہ میں ان دونوں ازواج مطہرات کو مستقل خطاب کر کے ارشاد فرمایا کہ اگر تم تو بہ کرو جیسا کہ اس واقعہ کا تقاضا ہے کہ تمہارے دل حق کو مانگے کیونکہ رسول ﷺ کی محبت اور آپ کی رضا جوئی ہر مومن کا فرض ہے مگر تم دونوں نے باہم مشورہ کر کے ایسی صورت اختیار کی جس سے آپ کو تکلیف پہنچی یہ ایسا گناہ ہے کہ اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔

إِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱﴾ بِأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تَوْبُوا إِلَى اللَّهِ

انہی کا تم کو بدلادیا جائے گا۔ مومنو! اللہ کے آگے

تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُم جَنَّاتٍ

صاف دل سے توبہ کرو، [3] یقین ہے کہ وہ تمہارے گناہ تم سے دُور کر دے گا اور تم کو باغبائے بہشت میں

[3] توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں مراد گناہوں سے لوٹنا ہے اور اصطلاح قرآن و سنت میں توبہ

اس کا نام ہے کہ آدمی اپنے پچھلے گناہ پر نادم ہو اور آئندہ اس کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم کرے اور نصح کو اگر مصدر نصح

اور نصیحت سے لیا جائے تو اس کے معنی خالص کرنے کے ہیں اور مصدر نصاحت سے قرار دیں تو اس کے معنی کپڑے کو سینے

اور جوڑ لگانے کے ہیں، پہلے معنی کے اعتبار سے نصح کے معنی یہ ہونگے کہ وہ ریا اور نمود سے خالص ہو، محض اللہ تعالیٰ کی

رضا جوئی اور خوف عذاب سے گناہ پر نادم ہو کر اس کو چھوڑ دے اور دوسرے معنی کے اعتبار سے نصح اس مطلب کے لئے

ہوگا کہ اعمال صالحہ کا لباس جو گناہ کی وجہ سے پٹ گیا ہے تو یہ اس کے ہر خرق یعنی پھٹن کو جوڑنے والی ہے۔

حسن بصریؒ نے فرمایا کہ توبہ نصح یہ ہے کہ آدمی اپنے گذشتہ عمل پر نادم ہو اور پھر اس کی طرف نہ لوٹنے کا پختہ

ارادہ اور عزم رکھتا ہو۔ اور کلبی نے فرمایا کہ توبہ نصح یہ ہے کہ زبان سے استغفار کرے اور دل میں نادم اور اپنے بدن

اور اعضاء کو آئندہ اس گناہ سے روکے۔

اور علیؑ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں چھ چیزیں جمع ہوں۔ (۱) اپنے گزشتہ برے

عمل پر ندامت (۲) جو فرائض واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں ان کی قضاء (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اس کی

واپسی (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی (آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم

و ارادہ (۶) اور یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے اب وہ اطاعت کرتے ہوئے

دیکھ لے (مظہری)۔ علی کرم اللہ وجہہ نے جو شرائط توبہ بیان فرمائی ہیں وہ سبھی کے نزدیک مسلم ہیں۔ بعض نے مختصر اور بعض

نے مفصل بیان کر دیا ہے۔ (بیضاوی)۔

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يَوْمَ لَا يُخْزِي اللَّهُ النَّبِيَّ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ

جن کے تلے نہریں بہ رہی ہیں داخل کرے گا اس دن اللہ پیغمبر کو اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے ہیں

نُورُهُمْ يَسْعَى بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا ائْتِمْنَا لِنَأْتِيَ نَارَ

رسوا نہیں کرے گا (بلکہ) ان کا نور ایمان ان کے آگے اور دائیں طرف (روشنی کرتا ہوا) چل رہا ہو گا

وَأَغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۸﴾

اور وہ اللہ سے التجا کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمارا نور ہمارے لئے پورا کر دے اور ہمیں معاف فرما بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے

يَأْتِيهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَا وَأَهُمْ جَهَنَّمَ

اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے لڑو اور ان پر سختی کرو اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۹﴾ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأةَ نُوحٍ

اور وہ بہت بُری جگہ ہے۔ اللہ نے کافروں کے لئے نوح کی بیوی

وَأَمْرَأةَ لُوطٍ ۖ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحِينَ فَخَانَتَاهُمَا

اور لوط کی بیوی کی مثال بیان فرمائی ہے دونوں ہمارے دو نیک بندوں کے گھر میں تھیں اور دونوں نے ان کی خیانت کی

فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاهِلِينَ ﴿۱۰﴾

تو وہ اللہ کے مقابلے میں ان عورتوں کے کچھ بھی کام نہ آئے اور ان کو حکم دیا گیا کہ داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی دوزخ میں داخل ہو جاؤ

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ

اور مومنوں کے لئے (ایک) مثال (تو) فرعون کی بیوی کی بیان فرمائی کہ اس نے اللہ سے التجا کی کہ اے پروردگار! [4]

[4] وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِلَّذِينَ آمَنُوا امْرَأةَ فِرْعَوْنَ إِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِي عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ =

ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهِ وَنَجِّنِيْ مِنْ

میرے لئے بہشت میں اپنے پاس ایک گھر بنا اور مجھے فرعون اور اس کے اعمال سے نجات بخش

الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَمَرْيَمَ ابْنَتِ عِمْرَانَ الَّتِيْ اُحْصِنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا

اور ظالم لوگوں کے ہاتھ سے مجھ کو نجات عطا فرما۔ اور (دوسری) عمران کی بیٹی مریم جنہوں نے اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھا تو ہم نے

فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَقْتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ عَلَيْهَا مِنَ الْقَنَتِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

اس میں اپنی روح پھونک دی اور وہ اپنے پروردگار کے کلام اور اس کی کتابوں کو برحق سمجھتی تھیں اور فرمانبرداروں میں سے تھیں

= یہ مثال فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم کی ہے جس وقت موسیٰ علیہ السلام جادوگروں کے مقابلے میں کامیاب ہوئے اور جادوگر مسلمان ہو گئے تو اس بی بی نے اپنے ایمان کا اظہار کر دیا فرعون نے ان کو سخت سزا دینا تجویز کیا، بعض روایات میں ہے کہ ان کو چومیچہ کر کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا یعنی چاروں ہاتھوں پیروں میں میخیں گاڑ دیں کہ حرکت نہ کر سکیں۔ اس حالت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کی جو اس آیت میں مذکور ہے اور بعض روایات میں ہے کہ یہ تجویز کیا کہ اوپر سے بہت بھاری پتھر ان کے سر پر ڈال دیا جائے ابھی ڈالنے نہیں پائے تھے کہ انہوں نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی روح قبض کر لی، پتھر جسم بے جان پر گرا اور دعا میں یہ فرمایا میرے رب جنت میں اپنے پاس گھر بنا دے اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں ان کو جنت کا گھر دکھلا دیا (مظہری)۔

”و صدقت بکلمات ربها و کتبه“ کلمات رب سے مراد اللہ کے نازل کردہ صحیفے ہیں جو انبیاء پر اترتے ہیں اور کتب سے مراد معروف اسمانی کتابیں انجیل، زبور، تورات ہیں: و کانت من القانتین، قانت، کی جمع ہے جس کے معنی عابد کے ہیں جو اپنی عبادت و طاعت پر مداومت کرتا ہے یہ مریمؑ کی صفت ہے۔ ابو موسیٰ کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مردوں میں سے بہت لوگ کامل و مکمل ہوئے ہیں مگر عورتوں میں سے صرف آسیہ فرعون کی بیوی اور مریم بنت عمران کامل ہوئیں (بخاری کتاب بدء الخلق: ۱۹۳/۷، و مسلم کتاب الفضائل: ۱۳۲/۷)۔

سورة الملك (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

تَبَرَکَ الَّذِیْ بَیْدِہِ الْمُلْکُ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱﴾

وہ (اللہ) جس کے ہاتھ میں بادشاہی ہے بڑی برکت والا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیْوَةَ لَیْبُلُوْکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَهُوَ الْعَزِیْزُ

اسی نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرتا ہے اور وہ زبردست

الْغَفُوْرُ ﴿۲﴾ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَّا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ

(اور) بخشنے والا ہے۔ اس نے سات آسمان اوپر نیچے بنائے (اے دیکھنے والے!) کیا تو (اللہ) الرحمن کی آفرینش

مِنْ تَفُوْتٍ فَاَرْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ﴿۳﴾

میں کچھ نقص دیکھتا ہے؟ ذرا آنکھ اٹھا کر دیکھ بھلا تجھ کو (آسمان میں) کوئی شکاف نظر آتا ہے؟

ثُمَّ اَرْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبُ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِاٌ وَهُوَ حَسِیْرٌ ﴿۴﴾

پھر دوبارہ (سہ بارہ) نظر کر۔ تو نظر (ہر بار) تیرے پاس ناکام اور تھک کر لوٹ آئے گی۔

وَلَقَدْ زَیْنَا السَّمٰوٰءَ الدُّنْیَا بِمَصٰیِبٍ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّیْطٰنِیْنَ

ہم نے قریب کے آسمان کو (تاروں کے) چراغوں سے زینت دی اور ان کو شیطان کے مارنے کا آلہ بنایا

وَاعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِیْرِ ﴿۵﴾ وَلِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّہُمْ عَذَابٌ جَہَنَّمِ

اور ان کے لئے دہشت انگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اور جن لوگوں نے اپنے پروردگار سے انکار کیا ان کے لئے جہنم کا

وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿٤١﴾ إِذَا الْقُورَاءُ فِيهَا سَمِعُوا لَهَا شَهِيْقًا وَهِيَ تَفُوْرٌ ﴿٤٢﴾

عذاب ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ جب وہ اس میں ڈالے جائیں گے تو اُس (جہنم) کا چننا چلانا سنیں گے اور وہ جوش مار رہی ہوگی

تَكَادُ تَمِيْزُ مِنَ الْغَيْظِ كُلَّمَا اَلْقَى فِيْهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا

گویا مارے جوش کے پھٹ پڑے گی۔ جب اس میں ان کی کوئی جماعت ڈالی جائے گی تو دوزخ کے داروغہ ان سے پوچھیں

اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيْرٌ ﴿٤٣﴾ اَلْوَابِلِيُّ فَذَجَاءَنَا نَذِيْرٌ

گے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے کہ کیوں نہیں ضرور ہمارے پاس ہدایت کرنے والا آیا

فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا فِيْ ضَلَالٍ كَبِيْرٍ ﴿٤٤﴾

تھا لیکن ہم نے اس کو جھٹلا دیا اور کہا کہ اللہ نے تو کوئی چیز نازل ہی نہیں کی تم تو بڑی غلطی میں (پڑے ہوئے) ہو۔

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحَابِ السَّعِيْرِ ﴿٤٥﴾

اور کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا سمجھتے ہوتے تو دوزخیوں میں نہ ہوتے

فَاعْتَرَفُوا بِذَنبِهِمْ فَسُحِقًا لِاصْحَابِ السَّعِيْرِ ﴿٤٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ

پس وہ اپنے گناہ کا اقرار کریں گے سو دوزخیوں کے لئے (رحمت الہی سے) دُوری ہے۔ (اور) جو لوگ

يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿٤٧﴾

بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بخشش اور اجرِ عظیم ہے

وَاسْرُوْا قَوْلَكُمْ اَوْ اجْهَرُوْا بِهِ اِنَّهُ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿٤٨﴾

اور تم (لوگ) بات پوشیدہ کہو یا ظاہر وہ (یعنی اللہ تو) دل کے بھیدوں تک سے واقف ہے

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللّٰطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿٤٩﴾ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ

بھلا جس نے پیدا کیا وہ بے خبر ہے؟ وہ تو پوشیدہ باتوں کا جاننے والا اور (ہر چیز سے) آگاہ ہے۔ وہی تو ہے جس نے

﴿۱۳﴾ **الْأَرْضِ ذُلُولًا فَامْشُوا فِي مَنَاكِبِهَا وَكُلُوا مِنْ رِزْقِهِ وَإِلَيْهِ النُّشُورُ**

تمہارے لئے زمین کو نرم کیا تو اس کی راہوں میں چلو پھرو اور اللہ کا (دیا ہوا) رزق کھاؤ اور (تم کو) اسی کے پاس نکل کر جانا ہے

﴿۱۴﴾ **أَمْ أَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُخْسِفَ بِكُمْ الْأَرْضَ فَإِذَا هِيَ تَمُورُ**

کیا تم اس (یعنی اللہ) سے جو آسمان پر ہے بے خوف ہو؟ کہ تم کو زمین میں دھنسا دے اور وہ اس وقت حرکت کرنے لگے

﴿۱۵﴾ **أَمْ أَمِنْتُمْ مِّنْ فِي السَّمَاءِ أَنْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا فَسَتَعْلَمُونَ كَيْفَ نَذِيرِ**

کیا تم اس سے جو آسمان پر ہے نڈر ہو کہ تم پر کٹکڑ بھری ہوا چھوڑ دے سو تم غنقریب جان لو گے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے۔

﴿۱۶﴾ **لَقَدْ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيرِ**

اور جو لوگ ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی جھٹلایا تھا سو (دیکھ لو کہ) میرا عذاب کیسا ہے؟

﴿۱۷﴾ **أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ فَوْقَهُمْ صَافِتٍ وَيَقْبِضْنَ**

کیا انہوں نے اپنے سروں پر اڑتے پرندوں کو نہیں دیکھا جو پروں کو پھیلاتے رہتے ہیں اور ان کو سکیڑ بھی لیتے ہیں

﴿۱۸﴾ **مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمَنُ إِنَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ بَصِيرٌ**

اللہ کے سوا انہیں کوئی تھام نہیں سکتا بیشک وہ ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ بھلا ایسا کون ہے جو

﴿۱۹﴾ **جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ إِنَّ الْكُفْرَونَ إِلَّا فِي عُرُورٍ**

تمہاری فوج ہو کر اللہ کے سوا تمہاری مدد کر سکے؟ کافر تو دھوکے میں ہیں۔

﴿۲۰﴾ **أَمَّنْ هَذَا الَّذِي يَرْزُقُكُمْ إِنْ أَمْسَكَ رِزْقَهُ بَلْ لَجُوا فِي عُتُوٍّ وَنُفُورٍ**

بھلا اگر وہ اپنا رزق بند کر لے تو کون ہے جو تم کو رزق دے؟ لیکن یہ سرکشی اور نفرت میں پھنسے ہوئے ہیں۔

﴿۲۱﴾ **أَفَمَنْ يَمْشِي مُكَبًِّا عَلَىٰ وَجْهِهِ أَهْدَىٰ أَمَّنْ يَمْشِي سَوِيًّا عَلَىٰ صِرَاطٍ**

بھلا جو شخص چلتا ہوا منہ کے بل گر گر پڑتا ہو وہ سیدھے رستے پر ہے یا وہ جو سیدھے رستے پر برابر

﴿۲۲﴾ قُلْ هُوَ الَّذِي أَنشَأَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ

چل رہا ہو۔ کہو وہ اللہ ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور تمہارے کان اور آنکھیں

وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ﴿۲۳﴾ قُلْ هُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ

اور دل بنائے (مگر) تم کم احسان مانتے ہو۔ کہہ دو کہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پھیلایا

وَالِيهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۴﴾ يَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ

اور اسی کے روبرو تم جمع کئے جاؤ گے۔ اور کافر کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ وعید کب (پورا) ہو گا؟

﴿۲۵﴾ قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲۶﴾

کہہ دو کہ اس کا علم اللہ ہی کو ہے اور میں تو کھول کھول کر ڈر سنانے والا ہوں۔

فَلَمَّا رَأَوْهُ زُلْفَةً سَيِّئَتْ وُجُوهُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَقِيلَ هَذَا الَّذِي كُنتُمْ بِهِ تَدَّعُونَ

سو جب وہ دیکھ لیں گے کہ وہ قریب آ گیا تو کافروں کے منہ بڑے ہو جائیں گے اور کہا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کے تم خواستگار تھے

﴿۲۷﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَهْلَكْنِي اللَّهُ وَمَنْ مَعِيَ أَوْ رَحِمَنَا

کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر اللہ مجھے اور میرے ساتھیوں کو ہلاک کر دے یا ہم پر مہربانی کرے

فَمَنْ يُجِيرُ الْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابِ إِلِيمٍ ﴿۲۸﴾ قُلْ هُوَ الرَّحْمَنُ أَمَّنَّا بِهِ

تو کون ہے جو کافروں کو دکھ دینے والے عذاب سے پناہ دے؟ کہہ دو کہ وہ (جو اللہ) الرحمن (ہے) ہم اسی پر ایمان لائے

وَعَلَيْهِ تَوَكَّلْنَا فَسَتَعْلَمُونَ مَنْ هُوَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲۹﴾

اور اسی پر بھروسا رکھتے ہیں تم کو جلد معلوم ہو جائے گا کہ صریح گمراہی میں کون پڑ رہا تھا

﴿۳۰﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَصْبَحَ مَاؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَأْتِيكُمْ بِمَاءٍ مَّعِينٍ ﴿۳۱﴾

کہو کہ بھلا دیکھو تو اگر تمہارا پانی خشک ہو جائے تو (اللہ کے سوا) کون ہے جو تمہارے لئے شیریں پانی کا چشمہ بہالائے؟

سورة القلم (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

۱ ﴿۱﴾ مَا أَنْتَ بِمَجْنُونٌ ﴿۲﴾ ۲ ﴿۳﴾ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ ﴿۴﴾ ۳ ﴿۵﴾ مَا أَنْتَ بِمَجْنُونٌ ﴿۶﴾ ۴ ﴿۷﴾

۱۔ قلم کی اور جو (اہل قلم) لکھتے ہیں اس کی قسم۔ کہ (اے محمد ﷺ!) تم اپنے پروردگار کے فضل سے دیوانے نہیں ہو۔

۲ ﴿۷﴾ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا غَيْرَ مَمْنُونٍ ﴿۸﴾ ۳ ﴿۹﴾ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿۱۰﴾ ۴ ﴿۱۱﴾

اور تمہارے لئے بے انتہا اجر ہے۔ اور اخلاق تمہارے بہت (عالی) ہیں

۵ ﴿۱۱﴾ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ﴿۱۲﴾ ۵ ﴿۱۳﴾ أَيُّكُمْ الْمَفْتُونُ ﴿۱۴﴾ ۶ ﴿۱۵﴾

سو عنقریب تم بھی دیکھ لو گے اور یہ (کافر) بھی دیکھ لیں گے۔ کہ تم میں سے کون دیوانہ ہے

۷ ﴿۱۵﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۱۶﴾ ۸ ﴿۱۷﴾

تمہارا پروردگار اس کو بھی خوب جانتا ہے جو اس کے رستے سے بھٹک گیا اور ان کو بھی خوب جانتا ہے جو سیدھے رستے پر چل رہے ہیں

۹ ﴿۱۷﴾ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۸﴾ ۹ ﴿۱۹﴾ وَذُوا أَلْوَتُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ﴿۲۰﴾ ۱۰ ﴿۲۱﴾

تو تم جھٹلانے والوں کا کہا نہ ماننا۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔

۱۱ ﴿۲۱﴾ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ﴿۲۲﴾ ۱۱ ﴿۲۳﴾ هَمَّازٍ مَّشَاءٍ بِنَمِيمٍ ﴿۲۴﴾ ۱۲ ﴿۲۵﴾

اور کسی ایسے شخص کے کہے میں نہ آجانا جو بہت قسمیں کھانے والا ذلیل الاوقات ہے۔ طعن آمیز اشارتیں کرنے والا چغلیاں لئے پھرنے والا

۱۳ ﴿۲۵﴾ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۲۶﴾ ۱۳ ﴿۲۷﴾ تَهْتَلُّ بَعْدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ ﴿۲۸﴾ ۱۴ ﴿۲۹﴾

مال میں بخل کرنے والا حد سے بڑھا ہوا بدکار۔ سخت خو اور اس کے علاوہ بدذات ہے۔

﴿۱۳﴾ اِنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ﴿۱۳﴾ اِذَا تُلِيٰ عَلَيْهِ اٰيَاتُنَا قَالَ اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾

اس لئے کہ مال اور بیٹے رکھتا ہے۔ جب اس کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلے لوگوں کے افسانے ہیں

﴿۱۴﴾ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرطومِ ﴿۱۴﴾ اِنَّا بَلَوْنَاهُمْ كَمَا بَلَوْنَا اَصْحَابَ الْجَنَّةِ

ہم عنقریب اس کی ناک پر داغ لگائیں گے۔ ہم نے ان لوگوں کی اسی طرح آزمائش کی ہے جس طرح باغ والوں کی

﴿۱۷﴾ اِذْ اَقْسَمُوا لِيَصْرِمْنَهَا مُصْبِحِينَ ﴿۱۷﴾ اَوَّلًا يَسْتَنْوُونَ ﴿۱۷﴾

آزمائش کی تھی جب انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ صبح ہوتے ہوتے ہم اس کا میوہ توڑ ڈالیں گے۔ اور انشاء اللہ نہ کہا

﴿۲۰﴾ فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿۲۰﴾ اِذَا صَبَحَتْ كَالصَّرِيمِ ﴿۲۰﴾

سو وہ ابھی سو ہی رہے تھے کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے (راتوں رات) اس پر ایک آفت پھر گئی۔

﴿۲۱﴾ فَتَنَادُوا مُصْبِحِينَ ﴿۲۱﴾ اِن اَعْدُوا عَلٰى حَرْثِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَارِمِينَ ﴿۲۱﴾

تو وہ ایسا ہو گیا جیسے کئی ہوئی کھیتی۔ جب صبح ہوئی تو وہ لوگ ایک دوسرے کو پکارنے لگے۔ کہ اگر تم کو کاٹنا ہے تو اپنی کھیتی پر سویرے ہی جا پہنچو

﴿۲۲﴾ فَاَنْطَلَقُوا وَهُمْ يَتَخَفَتُونَ ﴿۲۲﴾ اِن لَّا يَدْخُلْنَهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مَّسْكِينٌ ﴿۲۲﴾

تو وہ چل پڑے اور آپس میں چپکے چپکے کہتے جاتے تھے۔ کہ آج یہاں تمہارے پاس کوئی فقیر نہ آنے پائے

﴿۲۵﴾ وَغَدَوْا عَلٰى حَرْدٍ قَادِرِينَ ﴿۲۵﴾ اِنَّمَا رَاَوْهَا قَالُوا اِنَّا لَصَالُونَ ﴿۲۵﴾

اور کوشش کے ساتھ سویرے ہی جا پہنچے (گویا کھیتی پر) قادر ہیں۔ جب باغ کو دیکھا تو (ویران) کہنے لگے کہ ہم رستہ بھول گئے ہیں

﴿۲۸﴾ بَلْ نَحْنُ مَحْرُومُونَ ﴿۲۸﴾ اِن لَّا اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُونَ ﴿۲۸﴾

نہیں بلکہ ہم بے نصیب ہیں۔ ایک جوان میں فرزانہ تھا بولا کہ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ تم تسبیح کیوں نہیں کرتے؟

﴿۳۴﴾ قَالُوا سُبْحَانَ رَبِّنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿۳۴﴾ اَقْبَلْ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَتَلَاوَمُونَ

(تب) وہ کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار! پاک ہے بیشک ہم ہی قصور وار تھے۔ پھر لگے ایک دوسرے کو ڈر ڈر و ملامت کرنے۔

﴿۳۰﴾ قَالُوا يَوْمَئِذٍ إِنْ كُنَّا طَاعِينَ ﴿۳۱﴾ لَمْ نَسْأَلْ رَبَّنَا أَنْ يُدَلِّنَا خَيْرًا مِنْهَا

کہنے لگے کہ ہائے شامت ہم ہی حد سے بڑھ گئے تھے۔ امید ہے کہ ہمارا پروردگار اس کے بدلے میں ہمیں اس سے بہتر

﴿۳۲﴾ إِنْ إِلَىٰ رَبِّنَا رَاغِبُونَ ﴿۳۳﴾ كَذَلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ

باغ عنایت کرے ہم اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ (دیکھو) عذاب یوں ہوتا ہے اور آخرت کا عذاب اس

﴿۳۴﴾ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۳۵﴾ لِلْمُتَّقِينَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتُ النَّعِيمِ ﴿۳۶﴾

سے کہیں بڑھ کر ہے اگر یہ لوگ جانتے ہوتے۔ پرہیزگاروں کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں نعمت کے باغ ہیں

﴿۳۷﴾ أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ﴿۳۸﴾ لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ ﴿۳۹﴾

کیا ہم فرماں برداروں کو نافرمانوں کی طرح (نعمتوں سے محروم) کر دیں گے؟ تمہیں کیا ہو گیا ہے کسی تجویز کرتے ہو؟

﴿۴۰﴾ أَمْ لَكُمْ كِتَابٌ فِيهِ تَدْرُسُونَ ﴿۴۱﴾ لَكُمْ فِيهِ لِمَا تَخَيَّرُونَ ﴿۴۲﴾

کیا تمہارے پاس کوئی کتاب ہے جس میں (یہ) پڑھتے ہو؟ کہ جو چیز تم پسند کرو گے وہ تم کو ضرور ملے گی۔

﴿۴۳﴾ أَمْ لَكُمْ أَيْمَانٌ عَلَيْنَا بِالْغَةِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ إِنَّ لَكُمْ لِمَا تَحْكُمُونَ ﴿۴۴﴾

یا تم نے ہم سے قسمیں لے رکھی ہیں جو قیامت کے دن تک چلی جائیں گے کہ جس چیز کا تم حکم کرو گے وہ تمہارے لئے حاضر ہوگی

﴿۴۵﴾ سَلُّهُمْ أَيُّهُمْ بِذَلِكَ زَعِيمٌ ﴿۴۶﴾ لَّهُمْ شُرَكَاءُ فَلْيَاتُوا بِشُرَكَائِهِمْ إِنْ

ان سے پوچھو کہ ان میں سے اس کا کون ذمہ لیتا ہے؟ کیا (اس قول میں) ان کی اور بھی شریک ہیں؟ اگر یہ سچے ہیں تو

﴿۴۷﴾ كَانُوا صَادِقِينَ ﴿۴۸﴾ يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ وَيُدْعَوْنَ إِلَى السُّجُودِ

اپنے شریکوں کو لاسا منے کریں۔ جس دن پنڈلی سے کپڑا اٹھا دیا جائے گا اور کفار سجدے کے لئے بلائے جائیں گے

﴿۴۹﴾ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ ﴿۵۰﴾ حَاشَا لَهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ وَقَدْ كَانُوا يُدْعَوْنَ

تو سجدہ نہ کر سکیں گے۔ ان کی آنکھیں جھکی ہوئی ہوں گی اور ان پر ذلت چھا رہی ہوگی حالانکہ پہلے سجدے کے لئے بلائے گئے

إِلَى السُّجُودِ وَهُمْ سَالِمُونَ ﴿۳۳﴾ خذرنی وَمَنْ يُكذِّبْ بِهَذَا الْحَدِيثِ

تو سجدہ نہ کرتے وہ صحیح سال تھے پس مجھے اور اس کلام کو جھٹلانے والے کو چھوڑ دے

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۳۴﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۳۵﴾

ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو خبر بھی نہ ہو۔ اور میں ان کو مہلت دینے جاتا ہوں میری تدبیر قوی ہے

أَمْ تَسْأَلُهُمْ أَجْرًا فَهُمْ مِنْ مَّغْرَمٍ مُثْقَلُونَ ﴿۳۶﴾ عِنْدَهُمُ الْغَيْبُ فَهُمْ

کیا تم ان سے کچھ صلہ مانگتے ہو کہ ان پر تاوان کا بوجھ پڑ رہا ہے؟ یا ان کے پاس غیب کی خبر ہے کہ (اسے) لکھتے جاتے ہیں

يَكْتُبُونَ ﴿۳۷﴾ بِأَصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ

تو اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کئے رہو اور مچھلی (کا لقمہ ہونے) والے (یونس) کی طرح نہ ہونا

إِذْ نَادَى وَهُوَ مَكْظُومٌ ﴿۳۸﴾ بَلْأَنْ تَدَارَكَهُ نِعْمَةٌ مِّنْ رَبِّهِ

کہ انہوں نے (اللہ کو) پکارا اور وہ غصے سے بھرے ہوئے تھے۔ اگر تمہارے پروردگار کی مہربانی ان کی یاوری نہ کرتی

لَنَبِذَ بِالْعُرَاءِ وَهُوَ مَذْمُومٌ ﴿۳۹﴾ فَاجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَجَعَلَهُ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۴۰﴾

تو چٹیل میدان میں ڈال دینے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا۔ پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کر کے نیکو کاروں میں کر لیا

وَإِنْ يَكْفُرُوا بِالَّذِينَ كَفَرُوا لَيُزْلِقُنَكَ بِأَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ

اور کافر جب (یہ) نصیحت (کی کتاب) سنتے ہیں تو یوں لگتا ہیں کہ تم کو اپنی نگاہوں سے پھسلا دیں گے

وَيَقُولُونَ إِنَّهُ لَمَجْنُونٌ ﴿۴۱﴾ وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿۴۲﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ تو دیوانہ ہے۔ اور (لوگو!) یہ (قرآن) اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔

سورة الحاقة (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

۱۱۱ مَا الْحَاقَّةُ ۱۱۲ مَا أَدْرَاكَ مَا الْحَاقَّةُ ۱۱۳

سچ مچ ہونے والی۔ وہ سچ مچ ہونے والی کیا ہے؟ اور تم کو کیا معلوم ہے کہ وہ سچ مچ ہونے والی کیا ہے؟

۱۱۴ كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ۱۱۵ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأَهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ۱۱۶

(وہی) کھڑکھڑانیوالی (جس) کو ثمود اور عاد (دونوں) نے جھٹلایا۔ سو ثمود تو کڑک سے ہلاک کر دیئے گئے۔

۱۱۷ وَأَمَّا عَادٌ فَأَهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۱۱۸ فَنَخَرَهَا عَلَيْهِمْ سَبْعَ لَيَالٍ

رہے عاد تو ان کا نہایت تیز آندھی سے ستیاناس کر دیا گیا۔ اللہ نے اس کو سات رات

۱۱۹ وَثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ حُسُومًا فَتَرَى الْقَوْمَ فِيهَا صَرْعَى كَأَنَّهُمْ أُعْجَازُ نَخْلٍ

اور آٹھ دن لگاتار ان پر چلائے رکھا تو (اے مخاطب!) تو لوگوں کو اس میں (اس طرح) ڈھسے (اور مرے) پڑے دیکھے

۱۲۰ خَاوِيَةٍ ۱۲۱ يَهْلُ تَرَى لَهُمْ مِنْ بَاقِيَةٍ ۱۲۲ فَجَاءَ فِرْعَوْنُ وَمَنْ قَبْلَهُ

جیسے کھجوروں کے کھوکھلے تنے۔ بھلا تو ان میں سے کسی کو بھی باقی دیکھتا ہے؟ اور فرعون اور جو لوگ اس سے پہلے تھے

۱۲۳ وَالْمُؤْتَفِكُتْ بِالْخَاطِئَةِ ۱۲۴ فَعَصُوا رَسُولَ رَبِّهِمْ فَاخَذَهُمْ أَخْذَةً رَابِيَةً

اور وہ جو اسی بستیوں میں رہتے تھے سب گناہ کے کام کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغمبر کی نافرمانی کی تو اللہ

۱۲۵ إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَاكُمْ فِي الْجَارِيَةِ ۱۲۶ لِنَجْعَلَهَا لَكُمْ

نے بھی ان کو بڑا سخت پکڑا۔ جب پانی طغیانی پر آیا تو ہم نے تم (لوگوں) کو کشتی میں سوار کر لیا۔ تاکہ اس کو تمہارے لئے

تَذِكْرَةً وَتَعِيَهَا أُذُنٌ وَاعِيَةٌ ﴿١٣﴾ ۱۳ اِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ نَفْحَةٌ وَاحِدَةٌ

یادگار بنائیں اور یاد رکھنے والے کان اُسے یاد رکھیں۔ تو جب صُور میں ایک (بار) پھونک مار دی جائے گی۔

﴿١٤﴾ ۱۴ اَلْاَرْضُ حَمَلَتْ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَذُكَّتَا دَكَّةً وَاحِدَةً ﴿١٤﴾

اور زمین اور پہاڑ دونوں اٹھالے جائیں گے پھر ایک بارگی توڑ پھوڑ کر برابر کر دیئے جائیں گے۔

﴿١٥﴾ ۱۵ فَيَوْمَئِذٍ وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ﴿١٥﴾ ۱۵ اِنُنشَقَّتِ السَّمَاءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَاهِيَةٌ ﴿١٤﴾

تو اس روز ہو پڑنے والی (یعنی قیامت) ہو پڑے گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا تو وہ اس دن کمزور ہو گا

وَالْمَلِكُ عَلَىٰ اَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ ﴿١٦﴾ ۱۶

اور فرشتے اس کے کناروں پر اور تمہارے پروردگار کے عرش کو اس روز آٹھ فرشتے اپنے سروں پر اٹھائے ہوں گے

﴿١٧﴾ ۱۷ يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةٌ ﴿١٧﴾

اس روز تم (سب لوگوں کے سامنے) پیش کئے جاؤ گے اور تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہ رہے گی۔

﴿١٨﴾ ۱۸ فَاَمَّا مَنْ اٰتٰى كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ فَيَقُوْلُ هٰٓؤُمْ اَقْرٰؤُا كِتَابِيْهِ ﴿١٨﴾

تو جس کا (اعمال) نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ (دوسروں سے) کہے گا کہ لیجئے میرا اعمال نامہ پڑھئے

﴿١٩﴾ ۱۹ اِنِّي ظَنَنْتُ اَنِّي مُلَاقٍ حِسَابِيْهِ ﴿١٩﴾ ۱۹ هُوَ فِي عَيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ﴿٢١﴾

مجھے یقین تھا کہ مجھ کو میرا حساب (کتاب) ضرور ملے گا۔ پس وہ (شخص) من مانے عیش میں ہو گا

﴿٢٢﴾ ۲۲ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿٢٢﴾ ۲۲ طُوفُوهَا دَانِيَةً ﴿٢٣﴾

(یعنی) اونچے (اونچے محلوں کے) باغ میں۔ جن کے میوے جھکے ہوئے ہوں گے۔

﴿٢٤﴾ ۲۴ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هٰنِيْٓا۟ بِمَا۟ اَسْلَفْتُمْ فِى۟ الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ﴿٢٤﴾

جو (عمل) تم ایام گزشتہ میں آگے بھیج چکے ہو اس کے صلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔

﴿۱۱۱﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ فَيَقُولُ يَلَيْتَنِي لَمْ أُوتَ كِتَابِيهِ ﴿۱۱۲﴾

اور جس کا نامہ (اعمال) اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ کہے گا اے کاش مجھ کو میرا (اعمال) نامہ نہ دیا جاتا۔

﴿۱۱۳﴾ وَلَمْ أَدْرِ مَا حِسَابِيهِ ﴿۱۱۴﴾ يَلَيْتَهَا كَانَتِ الْقَاضِيَةَ ﴿۱۱۵﴾

اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے؟ اے کاش موت (ابد الآباد کے لئے میرا کام) تمام کر چکی ہوتی

﴿۱۱۶﴾ مَا أَغْنَىٰ عَنِّي مَالِيهِ ﴿۱۱۷﴾ لَكِنِّي سُلْطَانِيهِ ﴿۱۱۸﴾

(آج) میرا مال میرا کچھ بھی کام نہ آیا۔ (ہائے) میری دلیل خاک میں مل گئی۔

﴿۱۱۹﴾ خُذُوهُ فَغُلُّوهُ ﴿۱۲۰﴾ الْجَحِيمِ صَلُّوهُ ﴿۱۲۱﴾ فِي سُلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا

(علم ہو گا کہ) اسے پکڑ لو اور طوق پہنا دو۔ پھر دوزخ کی آگ میں جھونک۔ پھر زنجیر سے جس کی ناپ

﴿۱۲۲﴾ سَبْعُونَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوهُ ﴿۱۲۳﴾ إِنَّ كَافِرِينَ كَانُوا لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ الْعَظِيمِ ﴿۱۲۴﴾

ستر گز ہے جکڑ دو۔ [1] یہ نہ تو اللہ جل شانہ پر ایمان لاتا تھا۔

﴿۱۲۵﴾ وَلَا يَحْضُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمُسْكِينِ ﴿۱۲۶﴾ آيِسَ لَهُ الْيَوْمَ هَهُنَا حَمِيمٌ ﴿۱۲۷﴾

اور نہ فقیر کے کھانا کھلانے پر آمادہ کرتا تھا۔ سو آج اس کا بھی یہاں کوئی دوستدار نہیں

﴿۱۲۸﴾ وَلَا طَعَامٍ إِلَّا مِنْ غُسْلَيْنِ ﴿۱۲۹﴾ يَأْكُلُهُ إِلَّا الْخَاطِئُونَ ﴿۱۳۰﴾

اور نہ پیپ کے سوا (اس کے لئے) کھانا ہے۔ جس کو گنہگاروں کے سوا کوئی نہیں کھائے گا۔

[1] عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال: قال رسول الله ﷺ: لو ان رضاضة مثل هذه "واشار

الى مثل الجمجمة" ارسلت من السماء الى الارض وهي مسيرة خمسمائة سنة لبلغت الارض قبل

الليل، ولو انها ارسلت من رأس السلسلة لسارت اربعين خريفا، الليل والنهار قبل ان تبلغ

اصلھا او قعرھا۔ (ترمذی: ۲۵۸۸ و احمد: ۱۹۷۲، و حاکم: ۲/۴۳۸)۔

عبداللہ بن عمرو کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اگر سیسے (رانگے) کا ایک گولہ جو اس جیسا ہو اور آپ نے سر کی طرف اشارہ کیا کہ کو پڑی جیسا ہو (یعنی سیسے کا وہ گولہ جو کو پڑی کی طرح گھول اور بھاری ہونے کی وجہ سے نہایت سرعت کے ساتھ لڑکھنے والا ہو) آسمان سے زمین کی طرف پھینکا جائے، جس کا درمیانی فاصلہ پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ہے، تو یقیناً وہ گولہ ایک رات گزرنے سے پہلے یعنی بہت مختصر مدت میں زمین پر پہنچ جائے، لیکن اگر وہ گولہ زنجیر کے سرے سے چھوڑا جائے تو چالیس سال تک مسلسل دن و رات لڑکھنے کے باوجود اس زنجیر کی جڑ یعنی اس کے آخری سرے تک یا یہ فرمایا کہ اس کی تہہ تک نہ پہنچے گا۔ اس زنجیر کا ذکر قرآن کریم کی اس آیت میں ہے۔

اس موقع پر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن کی رو سے اس زنجیر کی لمبائی ستر گز ہوگی تو وہ اس قدر مسافت کے برابر کیسے ہو سکتی ہے جس کا ذکر حدیث میں کیا گیا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو ستر گز سے مخصوص عدد اور زنجیر کی متعین لمبائی مراد نہیں ہے بلکہ اس عدد سے کثرت و مبالغہ مراد ہے۔

دوسرے یہ کہ اس جہاں کے گز کو اس دنیا کی گز پر قیاس نہ کرنا چاہئے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ کہ وہاں کا گز کتنا لمبا ہوگا اور اس کی کیا صورت ہوگی، اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے، آخرت کے قیراط کو احد پہاڑ کے برابر فرمایا گیا ہے۔ ایک عالم نون بکائی سے منقول ہے، کہ انہوں نے کہا ستر گز اس طرح کے ہونگے کہ ہر گز دو ہتوں کے برابر ہوگا، اور ہر دو ہت اس فاصلے کے برابر لمبا ہوگا جو اس جگہ (کوفہ) اور مکہ کے درمیان ہے۔

حسن بصری نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس گز کی مقدار کیا ہوگی۔ بہر حال حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جس زنجیر میں کافر، دوزخی کو جکڑا جائے گا اگر اس کی لمبائی کا اندازہ لگانا چاہو تو اس سے لگاؤ کہ اگر ایک سیسے کا گولہ آسمان سے چھوڑا جائے اور باوجودیکہ زمین و آسمان کے درمیان پانچ سو برس کی مسافت کے برابر فاصلہ ہے وہ گولہ بہت تھوڑی سی دیر میں زمین پر پہنچ جائے گا۔ کیونکہ گول اور بھاری چیز اوپر سے نیچے کو بہت جلد آتی ہے لیکن اگر وہی گولہ اس زنجیر کے ایک سرے سے لڑھکایا جائے اور آسمان سے زمین پر آنے والی اسی تیز رفتاری کے ساتھ چالیس سال تک لڑھکتا رہے تب بھی اس زنجیر کے دوسرے سرے تک پہنچ نہیں پائے گا۔

فَلَا أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِي لَا تُبْصِرُونَ ﴿۳۹﴾

تو ہم کو ان چیزوں کی قسم جو تم کو نظر آتی ہیں۔ اور جو تم کو نظر نہیں آتیں۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۴۰﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُوْمَنُونَ ﴿۴۱﴾

کہ یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے۔ اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں لیکن تم لوگ بہت ہی کم ایمان لاتے ہو

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ﴿۴۲﴾ تَبٰرٰكُ الَّذِي مَنَّ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۴۳﴾

اور نہ کسی کاہن کے مزخرفات ہیں لیکن تم لوگ بہت کم فکر کرتے ہو۔ (یہ تو) پروردگار عالم کا اتارا (ہوا) ہے

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْأَقَاوِيلِ ﴿۴۴﴾ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ﴿۴۵﴾

اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی بات جھوٹ بنا لاتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔

ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ﴿۴۶﴾ مِمَّا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ﴿۴۷﴾

پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے۔ پھر تم میں سے کوئی (ہمیں) اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

وَإِنَّهُ لَتَذَكَّرَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۴۸﴾ وَإِنَّا لَنَعْلَمُ أَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِينَ ﴿۴۹﴾

اور یہ (کتاب) تو پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے بعض اس کو جھٹلاتے ہیں

وَإِنَّهُ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿۵۰﴾ وَإِنَّهُ لَحَقُّ الْيَقِينِ ﴿۵۱﴾

نیز یہ کافروں کے لئے (موجب) حسرت ہے۔ اور کچھ شک نہیں کہ یہ برحق قابل یقین ہے۔

فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيمِ ﴿۵۲﴾

سو تم اپنے پروردگار کے نام کی تعزیه کرتے رہو۔

سورة المعارج (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سَأَلْ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَاقِعٍ ﴿۱﴾ الْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهُ دٰفِعٌ ﴿۲﴾

ایک طلب کرنے والے نے عذاب طلب کیا جو نازل ہو کر رہے گا۔ (یعنی) کافروں پر (اور) کوئی اس کو ٹال نہ سکے گا

مِّنَ اللّٰهِ ذِي الْمَعَارِجِ ﴿۳﴾ تُعْرٰجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ

(اور وہ) اللہ صاحبِ درجات کی طرف سے (نازل ہوگا)۔ [1] جس کی طرف روح (الائین) اور فرشتے چڑھتے ہیں

[1] حافظ ابن کثیر ابن عباسؒ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے معارج کی تفسیر میں درجات کا مفہوم ذکر کیا کہ پروردگار عالم فضائل اور بلندیوں والا ہے، مجاہد نے معارج سے آسمانوں کے مدارج مراد لئے ہیں، روح سے جنس روح، اور مرد مومنین کی روحیں ہیں، جیسا کہ ابوداؤد ونسائی، واحمد، کی ایک روایت میں ہے، براء بن عاذبؓ مومن کی قبض روح کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں: فلا يزال يصعد بهما من السماء الى السماء حتى ينتهي به الى السماء السابعة، (مسند احمد: ۱۷۸۰۳) یعنی جب مومن کی روح قبض کر لی جائے گی تو اس کو چڑھایا جائے گا ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک، یہاں تک کہ ساتویں آسمان تک پہنچا دیا جائے گا، اور بعض مفسرین کی رائے ہیں کہ روح سے روح الائین یعنی جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں۔

”فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ“ کی مراد میں حافظ ابن کثیر نے چار اقوال نقل کئے ایک یہ کہ اس سے مراد اسفل سافلین سے لیکر عرش تک کی مسافت ہے، جو ساتوں زمینوں کا مستقر ہے، چنانچہ اس قسم کا مضمون ابن ابی شیبہ نے کتاب صفۃ العرش میں بیان کیا ہے۔

دوسرا قول یہ کہ یہ مدت بقاء دنیا ہے کہ جب سے اللہ تعالیٰ نے دنیا پیدا کیا اس وقت سے قیامت تک کی یہ مدت

ہے۔ چنانچہ مجاہد اس آیت کی تفسیر میں کہا کرتے تھے، عمرها خمسون الف سنة.

تیسرا قول یہ کہ وہ وقت فاصل ہے دنیا و آخرت کے درمیان، مگر اس قول کو مفسرین نے غریب و شاذ کہا ہے۔
چوتھا قول: یہ ہے کہ یہ روز قیامت کی مدت ہے جو دنیا کے ایام کے لحاظ سے پچاس ہزار برس کے بقدر ہوگی، چنانچہ عمر مہمان بن عباسؓ سے باسناد صحیح نقل کرتے ہیں ”ہو یوم القیامۃ“ اور ایک روایت میں ہے کہ حق تعالیٰ نے اس دن کو کافروں کے واسطے ایک ہزار سال کے برابر بنایا ہے، نبی کریم ﷺ نے یہ بات ارشاد فرمائی جبکہ سننے والوں نے کہا، اللہ اکبر۔۔۔ یہ کس قدر طویل دن ہوگا، تو آپ نے ارشاد فرمایا یہ کافر کے لئے ہوگا لیکن مومن کے لئے اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا آسان فرمادے گا جتنا وقت کہ وہ فرض نماز کے لئے دنیا میں آسانی سے گزار دیتا ہے، مال کی زکوٰۃ نہ دینے والوں کی وعید میں جو حدیث ہے کہ وہ مال اس شخص پر جہنم کی آگ بنا کر داغ دیا جاتا رہے گا اس دن میں کہ جس کی مقدار پچاس پچاس ہزار برس ہے، مسلم: ۱۶۴۷، اس کی تائید کرتی ہے، (ابن کثیر)۔

بعض مفسرین کی رائے ہے کہ پچاس ہزار برس کی مدت ظاہری اور حقیقی معنی کے لحاظ سے نہیں ہے بلکہ وہ غم اور کرب ہے جس کے باعث یہ دن اس قدر طویل ہوگا اسی وجہ سے مومنین کے لئے نماز کے وقت کا بقدر ہلکا فرمایا گیا، اور اس تقدیر پر سورہ سجدہ کی آیت ”مقدارہ الف سنة مما تعدون“ جس میں ایک ہزار برس مقدار بیان کی گئی کوئی تعارض نہ رہے گا۔ (قرطبی)۔

بعض مفسرین کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ میدان حشر میں پچاس مؤقف ہوں گے اور ہر موقف اور حاضری کا مقام ایک ہزار برس کے بقدر ہوگا، تو اس لحاظ سے ایک ہزار برس نفس مجموعہ دن کی مدت ہوئی۔ اور اس کے پچاس مواطن کے اعتبار سے پچاس ہزار ہو گئے جس کو بیان فرمایا گیا (روح البیان)۔

”سائل سائل“ کی تفسیر میں بعض مفسرین نے نصر بن حارث کا نام بیان کیا ہے، مگر اس لئے کہ یہ ذلیل اس قابل نہ تھا کہ قرآن کریم میں اس کا نام لیا جائے تو مبہم رکھا، نیز تعین نہ کرنے میں یہ خوبی ہے کہ اس سائل کے بعد جو بھی اس قسم کا سوال کرے گا اس پر یہ منطبق ہوگی۔

بعض مفسرین کہتے ہیں سائل سے مراد نبی ﷺ ہیں، یہ اشارہ ہے اس دعا اور درخواست کی طرف، نبی ﷺ نے کفار مکہ کی سرکشی اور ان کے تمسخر سے رنجیدہ ہو کر بارگاہ الہی میں فرمائی تھی، کہ ان پر کوئی عذاب مسلط کیا جائے چنانچہ ان پر سات برس کا وہ جگر خراش قحط برسا کہ ہڈیاں اور مردار تک کھانے کی نوبت آگئی۔ بہر کیف ان متعدد معانی پر ائمہ تفسیر نے ان کلمات کو مجموعاً کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿۱۴﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ﴿۱۵﴾

(اور) اس روز (نازل ہوگا) جس کا اندازہ پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ (تو تم کافروں کی باتوں کو) قوت کے ساتھ برداشت

إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ﴿۱۶﴾ وَيَرَاهُ قَرِيبًا ﴿۱۷﴾ يَوْمَ تَكُونُ السَّمَاءُ كَالْمُهْلِ ﴿۱۸﴾

کرتے رہو۔ وہ ان لوگوں کی نگاہ میں دور ہے۔ اور ہماری نظر میں نزدیک۔ جس دن آسمان ایسا ہو جائے گا جیسے پگھلا ہوا تانبا

وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ ﴿۱۹﴾ وَلَا يَسْأَلُ حَمِيمٌ حَمِيمًا ﴿۲۰﴾

اور پہاڑ (ایسے) جیسے (دھکی ہوئی) رنکین اون۔ اور کوئی دوست کسی دوست کا پرسان نہ کرے گا۔

يُبْصِرُونَهُمْ يَوْمَ الْمَجْرَمِ لَوْ يَفْتَدِي مِنْ عَذَابِ يَوْمِئِذٍ بَنِيهِ ﴿۲۱﴾

ایک دوسرے کو سامنے دیکھ رہے ہوں گے گنہگار خواہش کرے گا کہ کسی طرح اس دن کے عذاب کے بدلے میں دیدے یعنی اپنے بیٹے

وَصَاحِبَتِهِ وَأَخِيهِ ﴿۲۲﴾ وَفَصِيلَتِهِ الَّتِي تُؤْوِيهِ ﴿۲۳﴾ وَالَّذِينَ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

اور اپنی بیوی اور اپنے بھائی۔ اور اپنا خاندان جس میں وہ رہتا تھا۔ اور جتنے آدمی زمین میں ہیں

ثُمَّ يُنْجِيهِ ﴿۲۴﴾ كَلَّا إِنَّهَا لَأَطْيٰى ﴿۲۵﴾

پھر سب (کچھ دیدے) اور اپنے تین عذاب سے چھڑالے۔ (لیکن) ایسا ہرگز نہ ہوگا وہ بھڑکتی ہوئی آگ ہے۔

نَزَاعَةَ لِّلشَّوٰى ﴿۲۶﴾ يُدْعُو مَنْ أَدْبَرَ وَتَوَلَّى ﴿۲۷﴾ وَجَمَعَ فَأَوْعٰى ﴿۲۸﴾

کھال ادھیڑ ڈالنے والی۔ ان لوگوں کو اپنی طرف بلائے گی جنہوں نے (دیں حق سے) اعراض کیا۔ اور (مال) جمع کیا اور بند کر رکھا

إِنَّ الْإِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ﴿۲۹﴾ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ﴿۳۰﴾

کچھ شک نہیں کہ انسان کم حوصلہ پیدا ہوا ہے۔ جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو گھبرا اٹھتا ہے۔

وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ﴿۳۱﴾ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ﴿۳۲﴾ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ

اور جب آسائش حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے۔ مگر نماز گزار۔ جو نماز کا التزام رکھتے

﴿۳۳﴾ وَالَّذِينَ فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُومٌ ﴿۳۳﴾

(اور بلاناغہ پڑھتے) ہیں۔ اور جن کے مال میں حصہ مقرر ہے

﴿۳۴﴾ لِّلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ ﴿۳۴﴾ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۳۴﴾

(یعنی) مانگنے والے کا اور نہ مانگنے والے کا۔ اور جو روزِ جزا کو سچ سمجھتے ہیں۔

﴿۳۵﴾ وَالَّذِينَ هُمْ مِّنْ عَذَابِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُونَ ﴿۳۵﴾

اور جو اپنے پروردگار کے عذاب سے خوف رکھتے ہیں

﴿۳۶﴾ إِنَّ عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۳۶﴾

بیشک ان کے پروردگار کا عذاب ہے ہی ایسا کہ اس سے بے خوف نہ ہو جائے۔ اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں

﴿۳۷﴾ إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۳۷﴾

مگر اپنی بیویوں یا لونڈیوں سے کہ (ان کے پاس جانے پر) انہیں کچھ ملامت نہیں

﴿۳۸﴾ فَمَنْ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ﴿۳۸﴾

اور جو لوگ ان کے سوا اور کے خواستگار ہوں وہ حد سے نکل جانے والے ہیں

﴿۳۹﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ ﴿۳۹﴾

اور جو اپنی امانتوں اور اقراروں کا پاس کرتے ہیں

﴿۴۰﴾ وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ ﴿۴۰﴾ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۴۰﴾

اور جو اپنی شہادتوں پر قائم رہتے ہیں۔ اور جو اپنی نماز کی خبر رکھتے ہیں

﴿۳۴﴾ أُولَئِكَ فِي جَنَاتٍ مُّكْرَمُونَ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا قَبْلَكَ مُهْطِعِينَ ﴿۳۷﴾

یہی لوگ باغبائے بہشت میں عزت و اکرام سے ہوں گے۔ تو ان کافروں کو کیا ہوا ہے کہ تمہاری طرف دوڑے چلے آتے ہیں

﴿۳۸﴾ عَنِ الِّيمِينِ وَعَنِ الشَّمَالِ عَزِيزِينَ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ لِيُطْمَعُ كُلُّ امْرِءٍ مِّنْهُمْ

(اور) دائیں بائیں سے گروہ گروہ ہو کر (جمع ہوتے جاتے ہیں)۔ کیا ان میں سے ہر شخص یہ توقع رکھتا ہے

﴿۴۱﴾ أَن يُدْخَلَ جَنَّةَ نَعِيمٍ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ إِنَّا خَلَقْنَا هُم مِّمَّا يَعْلَمُونَ ﴿۴۴﴾

کہ نعمت کے باغ میں داخل کیا جائے گا؟ ہرگز نہیں ہم نے ان کو اس چیز سے پیدا کیا ہے جسے وہ جانتے ہیں

﴿۴۵﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِرَبِّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ إِنَّا لَقَادِرُونَ ﴿۴۶﴾

ہمیں مشرقوں اور مغربوں کے مالک کی قسم! کہ ہم طاقت رکھتے ہیں۔

﴿۴۷﴾ عَلٰى أَن نُّبَدِّلَ خَيْرًا مِّنْهُمْ وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوقِينَ ﴿۴۸﴾

(یعنی) اس بات پر (قادر ہیں) کہ ان سے بہتر لوگ بدل لائیں اور ہم عاجز نہیں ہیں۔

﴿۴۹﴾ فَذَرَهُمْ يَحْضُوا وَيَلْعَبُوا حَتَّىٰ يُلَاقُوا يَوْمَهُمُ الَّذِي يُوْعَدُونَ ﴿۵۰﴾

تو ان کو باطل میں پڑے رہنے اور کھیل لینے دو یہاں تک کہ جس دن کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ان کے سامنے آ موجود ہو

﴿۵۱﴾ يَوْمَ يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ سِرَاعًا كَانَهُمْ إِلَىٰ نُصْبٍ يُؤْفِضُونَ ﴿۵۲﴾

اس دن یہ قبر سے نکل کر (اس طرح) دوڑیں گے جیسے (شکاری) شکار کے جال کی طرف دوڑتے ہیں۔

﴿۵۳﴾ خَاشِعَةً أَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ذَٰلِكَ الْيَوْمِ الَّذِي كَانُوا يُوعَدُونَ ﴿۵۴﴾

ان کی آنکھیں جھک رہی ہوں گی اور ذلت ان پر چھا رہی ہوگی یہی وہ دن ہے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے۔

سورۃ نوح (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۱﴾ اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱﴾
ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا کہ پیشتر اس کے کہ اس پر درد دینے والا عذاب واقع ہو اپنی قوم کو ہدایت دو

﴿۲﴾ قَالَ يَا قَوْمِ اِنِّي لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ اِنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاتَّقُوْهُ وَاَطِيعُوْنَ ﴿۳﴾
انہوں نے کہا کہ اے قوم! میں تم کو کھلے طور پر نصیحت کرتا ہوں۔ کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس سے ڈرو اور میرا کہا مانو

﴿۴﴾ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرْكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ ﴿۴﴾
وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور (موت کے) وقت مقرر تک تم کو مہلت عطا کرے گا جب اللہ کا مقرر کیا ہو وقت آجاتا

﴿۵﴾ اِذَا جَاءَ لَا يُؤَخَّرُ لَوْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾ ﴿۶﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّي دَعَوْتُ ﴿۶﴾
ہے تو تاخیر نہیں ہوتی اگر تم جانتے ہوتے۔ جب لوگوں نے نہ مانا تو (نوح نے) اللہ سے عرض کی کہ پروردگار! میں اپنی

﴿۷﴾ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا ﴿۷﴾ ﴿۸﴾ اَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَائِيْ اِلَّا فِرَارًا ﴿۸﴾
قوم کو رات دن بلاتا رہا۔ لیکن میرے بلانے سے وہ اور زیادہ گریز کرتے رہے۔

﴿۹﴾ وَاِنِّي كَلَّمَا دَعَوْتُهُمْ لِتَغْفِرَ لَهُمْ جَعَلُوْا اَصَابِعَهُمْ فِيْ اُذُنِهِمْ ﴿۹﴾
جب میں نے ان کو بلایا کہ (توبہ کریں اور) تو ان کو معاف فرمائے تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں

﴿۱۰﴾ وَاسْتَعْشَوْا ثِيَابَهُمْ وَاَصْرُوْا وَاَسْتَكْبَرُوْا وَاَسْتَكْبَرُوْا ﴿۱۰﴾ ﴿۱۱﴾ اِنِّي دَعَوْتُهُمْ ﴿۱۱﴾
اور کپڑے اوڑھ لئے اور اڑ گئے اور اکر بیٹھے۔ پھر میں ان کو کھلے

﴿۸﴾ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا ﴿۹﴾

طور پر بھی بلاتا رہا۔ اور ظاہر اور پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔

﴿۱۰﴾ اِنَّا نُرْسِلُ السَّمٰوٰتِ عَلَیْكُمْ مَّدْرَارًا ﴿۱۱﴾

اور کہا کہ اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔ وہ تم پر آسمان سے لگاتار مینہ برسائے گا

وَيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهَارًا

اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور (ان میں) تمہارے لئے نہریں بہا دے گا۔

﴿۱۲﴾ لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلّٰهِ وَقَارًا ﴿۱۳﴾ وَاَقْبَلْ خَلْقَكُمْ اَطْوَارًا ﴿۱۴﴾

تم کو کیا ہوا ہے کہ تم اللہ کی عظمت کا اعتقاد نہیں رکھتے۔ حالانکہ اس نے تم کو طرح طرح (کی حالتوں) کا پیدا کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ﴿۱۵﴾ اَوَجَعَلَ الْقَمَرَ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے سات آسمان کیسے اوپر تلے بنائے ہیں۔ اور چاند کو ان میں

فِيْهِنَّ نُورًا وَّجَعَلَ الشَّمْسُ سِرَاجًا ﴿۱۶﴾ لِلّٰهِ اَنْتَبَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا ﴿۱۷﴾

نور بنایا ہے اور سورج کو چراغ ٹھہرایا ہے۔ اور اللہ ہی نے تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔

ثُمَّ يَعِيْدُكُمْ فِيْهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًا ﴿۱۸﴾ لِلّٰهِ جَعَلَ لَكُمْ الْاَرْضَ بِسَاطًا ﴿۱۹﴾

پھر اسی میں تمہیں لوٹائے گا اور (اسی سے) تم کو نکال کھڑا کرے گا۔ اور اللہ ہی نے زمین کو تمہارے لئے فرش بنایا۔

لَتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا ﴿۲۰﴾ اَلَمْ نُوْحِ رَبِّ اِنَّهُمْ

تاکہ اس کے بڑے بڑے کشادہ رستوں میں چلو پھرو۔ (اس کے بعد) نوح نے عرض کی کہ میرے پروردگار! یہ لوگ

عَصُوْنِيْ وَاَتَّبَعُوْا مَنْ لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَّوَلَدُهُ اِلَّا خَسَارًا ﴿۲۱﴾

میرے کہنے پر نہیں چلے اور ایسوں کے تابع ہوئے ہیں جن کو ان کے مال اور اولاد نے نقصان کے سوا کچھ فائدہ نہیں دیا۔

وَمَكْرُؤًا مَكْرًا كُبْرًا ﴿٢٢﴾ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا

اور وہ بڑی بڑی چالیں چلے۔ اور کہنے لگے کہ اپنے معبودوں کو ہرگز نہ چھوڑنا اور وڈ

وَلَا سُوعًا وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ﴿٢٣﴾ هَذَا ضَلُّوا كَثِيرًا

اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو کبھی ترک نہ کرنا۔ [1] (پروردگارا!) انہوں نے بہت لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے

وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا ﴿٢٤﴾ هَمَّا خَطِيئَتِهِمْ أُغْرِقُوا فَأُدْخِلُوا نَارًا

تو تو ان کو اور گمراہ کر دے۔ (آخر) وہ اپنے گناہوں کے سبب ہی غرقاب کر دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے

فَلَمْ يَجِدُوا لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْصَارًا ﴿٢٥﴾ قَالَ نُوحٌ رَبِّ

تو انہوں نے اللہ کے سوا کسی کو اپنا مددگار نہ پایا۔ اور (پھر) نوح نے (یہ) دعا کی کہ میرے پروردگار

لَا تَذَرُ عَلَيَّ الْأَرْضَ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ تَذْرُهُمْ يُضِلُّوْا

کسی کافر کو زمین پر بسا نہ رہنے دے۔ اگر تو ان کو رہنے دے گا تو تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے

عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوا إِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ﴿٢٧﴾ اٰبُغْرِ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ

اور ان سے جو اولاد ہوگی وہ بھی بدکار اور ناشکر گزار ہوگی۔ اے میرے پروردگار! مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور جو

دَخَلَ بَيْتِيْ مُؤْمِنًا وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِيْنَ إِلَّا تَبَارًا ﴿٢٨﴾

ایمان لا کر میرے گھر میں آئے اس کو اور تمام ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو معاف فرما اور ظالم لوگوں کے لئے اور زیادہ تباہی بڑھا

[1] "وقالوا لا تذرنا" ان شرکین نے میری دعوت قبول کرنے کے بجائے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنے تمام معبودوں =

سورة الجن (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ﴿١﴾

کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا [1]

يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ﴿٢﴾

جو بھلائی کا راستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے

وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ﴿٣﴾

اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے وہ نہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد

= کی عبادت ہرگز نہ چھوڑیں خصوصاً ان پانچ بڑے معبودوں کو تو کسی قیمت پر نہ چھوڑیں یعنی ود، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر، یہ پانچوں نوح علیہ السلام کی قوم کے بڑے معبود تھے، جنہیں وہ اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں پکارتے تھے، عبد اللہ بن عباس فرماتے تھے: اسماء رجال صالحین من قوم نوح علیہ السلام (بخاری: نبی التفسیر)۔ یہ پانچوں نوح علیہ السلام کی قوم میں اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندے تھے، جب وہ فوت ہو گئے تو ان کے متعلقین اور معتقدین نے بہت غم کیا، البلیس انسانی شکل میں ان کے پاس پہنچا اور خیر خواہی کے رنگ میں کہنے لگا تم غم نہ کرو میں تمہاری تسلی کا سامان کر دیتا ہوں، چنانچہ وہ ان کی شکلوں پر ان بزرگوں کے بت بنا کر ان کے پاس لے آیا، اور کہنے لگا ان بتوں کو ان بزرگوں کے عبادت خانوں میں نصب کر دو، اور وقتاً فوقتاً ان کی زیارت کر کے دلوں کو تسلی دے لیا کرنا، اس کے بعد رفتہ رفتہ ان کی عبادت ہونے لگی تو اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو دعوت تو حید دے کر مبعوث فرمایا (قرطبی، البدایہ والنہایہ)۔

[1] ”نفر من الجن“ لفظ نفر تین سے دس تک عدد کے لئے بولا جاتا ہے جن جنات کا یہاں ذکر ہے روایت یہ ہے

کہ یہ نوافراد تھے نصیبین کے رہنے والے۔ جن مخلوقات الہیہ میں ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو ذی اجسام بھی ہیں ذی روح بھی اور انسان کی طرح عقل و شعور والے بھی مگر لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں۔ اسی لئے ان کا نام جن رکھا گیا کہ جن کے لفظی معنی مخفی کے ہیں ان کی تخلیق کا غالب مادہ آگ ہے جیسے انسان کا غالب مادہ مٹی ہے۔ اس نوع میں بھی انسان کی طرح نرمادہ یعنی مرد و عورت ہیں اور انسان ہی کی طرح ان میں تو والد و تناسل کا سلسلہ بھی ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ قرآن میں جن کو شیاطین کہا گیا ہے وہ بھی جنات ہی میں سے شریر لوگوں کا نام ہے۔ جنات اور فرشتوں کا وجود قرآن و سنت کی قطعی دلائل سے ثابت ہے جس کا انکار کفر ہے۔ (تفسیر مظہری)۔

قل اوحی الیّ سے معلوم ہوا کہ جنات کے جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اس میں آپ نے قرآن سننے والے جنات کو دیکھا نہیں تھا اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ کو اطلاع دی۔ صحیح بخاری، مسلم و ترمذی وغیرہ میں ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ نے جنات کو قرآن بالقصد سنایا نہیں بلکہ ان کو دیکھا بھی نہیں بلکہ واقعہ یہ پیش آیا کہ آپ اپنے کچھ صحابہ کے ساتھ بازار عکاظ کی طرف جا رہے تھے اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ شیاطین کو آسمان کی خبریں سننے سے شہاب ثاقب کے ذریعہ روک دیا گیا تھا۔ اور جنات نے باہم مشورہ کیا کہ یہ حادثہ جو ہم پر آسانی خبروں سے ممنوع ہو جانے کا پیش آیا ہے یہ کوئی اتفاقی بات معلوم نہیں ہوتی، دنیا میں کوئی نئی چیز پیش آئی ہے، جو اس کا سبب ہوئی اور یہ طے کیا کہ زمین کے مشرق و مغرب اور ہر طرف میں جنات کے فوجدائیں اور اس کی تحقیق کر کے آویں کہ یہ نئی چیز کیا پیش آئی ہے، ان کا جو فوج تہامہ حجاز کی طرف بھیجا گیا تھا وہ مقام نخلہ پر پہنچے تو وہاں رسول اللہ ﷺ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ صبح کی نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے۔ جنات کے اس وفد نے جب قرآن سنا تو قسمیں کھا کر آپس میں کہنے لگے کہ واللہ یہی کلام ہے جو ہمارے اور آسمانی خبروں کے درمیان حائل اور مانع بنا ہے۔ یہ لوگ یہاں سے لوٹے اور جا کر اپنی قوم سے یہ قصہ بیان کیا جس کا ذکر ان آیات میں ہے: اناسمناقرانا عجا..... (الایۃ)۔ (بخاری، رقم: ۷۳۷۷، ترمذی فی التفسیر)۔

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا، مساجد جمع مسجد ہے یہاں اس کے معروف مشہور معنی بھی لئے جاسکتے ہیں یعنی وہ عبادت گاہیں جو نماز کے لئے وقف کی جاتی ہیں اور مسجد کہلاتی ہیں، اس صورت میں معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ جب سب مساجد صرف اللہ کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں تو تم مسجدوں میں جا کر اللہ کے سوا کسی اور کو مدد کے لئے نہ پکارو جس طرح یہود و نصاریٰ اپنی عبادت گاہوں میں اس شرک کا ارتکاب کرتے ہیں حاصل اس کا مساجد کو عقائد فاسدہ اور اعمال باطلہ سے پاک رکھنا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مساجد مسجدا بفتح الجیم کی جمع ہو جو مصدر میمی بمعنی سجدہ آتا ہے تو معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ سب سجدے صرف اللہ کے لئے مخصوص ہیں اور جو شخص غیر اللہ کو اعانت کے لئے پکارتا ہے گویا وہ اس کو سجدہ کرتا ہے غیر اللہ کی سجدہ سے اجتناب کرو۔

وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ﴿۴۱﴾

اور یہ کہ ہم میں سے بعض بیوقوف اللہ کے بارے میں جھوٹ افتراء کرتا ہے۔

وَأَنَا ظَنْنَا أَنْ لَنْ تَقُولَ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ﴿۴۲﴾

اور ہمارا (یہ) خیال تھا کہ انسان اور جن اللہ کی نسبت جھوٹ نہیں بولتے [2]

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهَقًا

اور یہ کہ بعض بنی آدم بعض جنات کی پناہ پکڑا کرتے تھے (اس سے) ان کی سرکشی اور بڑھ گئی تھی۔

﴿۴۳﴾ وَإِنَّهُمْ لَظَنُّوا كَمَا ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَبْعَثَ اللَّهُ أَحَدًا ﴿۴۴﴾

اور یہ کہ ان کا بھی یہی اعتقاد تھا جس طرح تمہارا تھا کہ اللہ کسی کو نہیں جلانے گا۔

﴿۴۵﴾ وَإِنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلْتًا حَرَسًا شَدِيدًا وَشُهَبًا ﴿۴۶﴾

اور یہ کہ ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو اس کو مضبوط چوکیداروں اور انگاروں سے بھرا ہوا پایا۔

[2] واعظین جن اپنی طرف سے معذرت پیش کرتے ہیں کہ وہ اب تک کیوں ان نادانوں کی بات مان کر گمراہی

اور شرک میں پھنسے رہے، انہوں نے کہا ہم تو اب تک اس خوش فہمی اور حسن ظن میں مبتلا رہے ہیں کہ جن وانس اللہ تعالیٰ کی

طرف کوئی جھوٹی اور غلط بات منسوب نہیں کر سکتے، اس لئے ہم یہی سمجھتے رہے کہ ہمارے یہ رہنما جو اللہ کے لئے شریک

اور نائب تجویز کر رہے ہیں وہ درست اور حق پر ہے، مگر اب قرآن سننے سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ جھوٹے اور مفتری ہیں

اور اللہ تعالیٰ شریک سے پاک ہے۔

معنى الآية، انا انما اخذنا قول الغير، لاناظننا انه لايقال الكذب على الله فلما سمعنا القرآن

علمنا انهم قديكذبون وهذا منهم اقرار بانهم انما وقعوا في تلك الجهالات بسبب التقليد، وانهم

انما تخلصوا عن تلك الظلمات ببركة الاستدلال والاحتجاج۔ (كبير)۔

وَأَنَا كُنَّا نَفْعُدُّ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلْسَّمْعِ فَمَنْ يَسْتَمِعِ الْآنَ يَجِدْ لَهُ شِهَابًا رَصَدًا ﴿٩﴾

اور یہ کہ پہلے ہم وہاں بہت سے مقامات میں سننے کے لئے بیٹھا کرتے تھے اب کوئی سنا چاہے تو اپنے لئے انگارا تیار پائے

وَأَنَا لَا نَدْرِي أَشَرُّ أَرِيدُ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ﴿١٠﴾

ہم نہیں جانتے کہ زمین والوں کیساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا گیا ہے یا ان کے رب کا ارادہ ان کے ساتھ بھلائی کا ہے

وَأَنَا مِنَ الصَّالِحِينَ وَمِنَّا دُونَ ذَلِكَ كُنَّا طَرَائِقَ قِدْدًا ﴿١١﴾

اور یہ کہ ہم میں کوئی نیک ہیں اور کوئی اور طرح کے ہمارے کئی طرح کے مذہب ہیں۔

وَأَنَا ظَنْنَا أَنْ لَنْ نُعْجِزَ اللَّهَ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ نُعْجِزَهُ هَرَبًا ﴿١٢﴾

اور یہ کہ ہم نے یقین کر لیا ہے کہ ہم زمین میں (خواہ کہیں ہوں) اللہ کو ہرا نہیں سکتے اور نہ بھاگ کر اس کو تھکا سکتے ہیں

وَأَنَا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَى آمَنَّا بِهِ فَمَنْ يُؤْمِنُ بِرَبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهَقًا ﴿١٣﴾

اور جب ہم نے ہدایت سنی اس پر ایمان لے آئے تو جو شخص اپنے پروردگار پر ایمان لاتا ہے اس کو نہ نقصان کا خوف ہے نہ ظلم کا

وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ ﴿١٤﴾

اور یہ کہ ہم میں فرمانبردار ہیں اور بعض (نافرمان) گنہگار ہیں تو جو فرمانبردار ہوئے وہ

تَحَرَّوْا رَشَدًا ﴿١٥﴾ ﴿١٦﴾ أَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ﴿١٧﴾

سیدھے رستے پر چلے۔ اور جو گنہگار ہوئے وہ دوزخ کا ایندھن بنے

وَأَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقِينَهُمْ مَاءً غَدَقًا ﴿١٨﴾

اور (اے پیغمبر!) یہ (بھی ان سے کہہ دو) کہ اگر یہ لوگ سیدھے رستے پر رہتے تو ہم ان کے پینے کو بہت سا پانی دیتے

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَمَنْ يُعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ﴿١٩﴾

تا کہ اس سے ان کی آزمائش کریں اور جو شخص اپنے پروردگار کی یاد سے منہ پھیرے گا وہ اس کو سخت عذاب میں داخل کرے گا

وَأَنَّ الْمَسْجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا ﴿۱۸﴾ وَإِنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللَّهِ

اور یہ کہ مسجدیں اللہ کی ہیں تو اللہ کے ساتھ کسی اور کی عبادت نہ کرو۔ اور جب اللہ کے بندے اس کی عبادت کو کھڑے ہوئے

يَدْعُوهُ كَادُوا يُكُونُونَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿۱۹﴾ قُلْ إِنَّمَا أَدْعُو رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِهِ

تو کافران کے گرد ہجوم لینے کو تھے۔ کہہ دو کہ میں تو اپنے پروردگار ہی کی عبادت کرتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتا

أَحَدًا ﴿۲۰﴾ قُلْ إِنِّي لَا أَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا رَشَدًا ﴿۲۱﴾

یہ بھی کہہ دو کہ میں تمہارے حق میں نقصان اور نفع کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔

قُلْ إِنِّي لَنْ يُغَيِّرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَنْ أَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ﴿۲۲﴾

(یہ بھی) کہہ دو کہ اللہ (کے عذاب) سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور میں اس کے سوا کہیں جائے پناہ نہیں دیکھتا۔

إِلَّا بَلَاغًا مِّنَ اللَّهِ وَرِسَالَةً وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ

ہاں اللہ کی طرف سے احکام کا اور اس کے پیغاموں کا پہنچا دینا میرے ذمے ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے پیغمبر کی نافرمانی

فَإِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا أَبَدًا ﴿۲۳﴾ قُلْ إِذَا رَأَوْا مَا يُوعَدُونَ

کرے گا تو ایسوں کے لئے جہنم کی آگ ہے ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہاں تک کہ جب یہ لوگ وہ (دن) دیکھ لیں

فَسَيَعْلَمُونَ مَنْ أَضَعُفٌ نَّاصِرًا وَأَقَلُّ عَدَدًا ﴿۲۴﴾

گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے تب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ مددگار کس کے کمزور اور شمار کن کا تھوڑا ہے۔

قُلْ إِنْ أَدْرَىٰ أَقْرَبٌ مَّا تُوْعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا ﴿۲۵﴾

کہہ دو کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ قریب ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز کر دی ہے

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ مَن ارْتَضَىٰ مِن رَّسُولٍ

(وہی) غیب (کی بات) جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ [3] ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے

فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا ﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾ لِيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا

تو اس (کو غیب کی باتیں بتا دیتا ہے اور اس) کے آگے اور پیچھے نگہبان مقرر کر دیتا ہے۔ تاکہ معلوم فرمائے کہ انہوں نے

رِسَالَتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿۳۸﴾ ﴿۳۸﴾

اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے ہیں؟ اور اس نے ان کی سب چیزوں کو ہر طرف سے قابو کر رکھا ہے اور ایک ایک چیز گن رکھی ہے

[3] قرآن کریم کی متعدد آیات واضح طور پر اس امر کو بیان کر رہی ہیں کہ ”لا يعلم الغیب الا اللہ“ علم غیب اللہ تعالیٰ کی

صفت ہے اور اللہ تعالیٰ جس طرح اپنی ذات میں یکتا ہے وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے، امنت باللہ کما هو باسمائہ و

صفاتہ، کا یہی مفہوم ہے۔ بالخصوص اس آیت میں اس امر کو نہایت ہی وضاحت سے ظاہر کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر

نے جن احوال کی خبر دی، اور بظاہر ان سے یہ گمان کیا گیا کہ یہ غیب کی خبر ہے حقیقت میں وہ غیب کا علم نہیں ہے بلکہ وہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر کو مطلع کیا گیا ہے اور اس پر یہ ظاہر کیا گیا، اسی چیز کو ان کلمات میں فرمایا جا رہا ہے: ”فلا

يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى“ یعنی یہ اظہار و اخبار ہر ایک کو نہیں ہوتا، بلکہ جس کو اللہ پسند کرے اس پر ہوتا ہے

خواہ اس نوعیت سے کہ وہ فرشتہ ہے اور اس کے ذریعے یہ وحی اللہ تعالیٰ کو اپنے رسول پر اتارنی ہے یا وہ رسول ہی ہے جس کو

بتایا جائے گا، تو اس کو کسی طرح بھی غیب کا علم نہیں کہا جاسکتا، تو یہ ایسا ہی ہوا جیسے ہم نے ان باتوں کو نبی ﷺ کے ذریعے سے

معلوم کر لیا کہ آخرت میں یہ ہوگا، اس طرح جنت و جہنم ہے، اس طرح قیامت آئے گی، دجال ظاہر ہوگا، عیسیٰ بن مریم

آسمان سے نزول فرمائیں گے، تو یہ امور نبی ﷺ کے بتانے کی وجہ سے ہم جانتے ہیں اور ان چیزوں کو جان کر ہم علم غیب

رکھنے والے نہیں ہو گئے، تو اسی طرح ان باتوں کو انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے بتانے اور ظاہر کرنے سے جانتے تھے، تو

ایسی ہی جو چیزیں بھی غیب کی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے وحی الہی سے معلوم کر کے بتائیں تو وہ علم غیب نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے پیغمبر پر ان کا اظہار کیا، ان باتوں کی خبر دی ہے، تو علم غیب تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور اس میں سے جو چاہا اپنے پیغمبر

کو بتا دیا، پھر یہ بات بھی اظہار من الشمس ہے کہ اگر بالفرض ”الا من ارتضى من رسول“ کا استثنیٰ اس امر پر دلالت کرتا

ہے اور معنی یہ ہیں کہ عالم الغیب اللہ ہے، اور اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوتا، مگر جس رسول کو اللہ چاہے وہ عالم الغیب ہو جاتا ہے،

سورة المزمل (مکیہ) [۱]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ﴿۱﴾ اِقْمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۲﴾ ضَفِّهِ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ﴿۳﴾

اے (محمد ﷺ) جو کپڑے میں لپٹ رہے ہو۔ رات کو قیام کیا کرو مگر تھوڑی رات۔

أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ﴿۴﴾ إِنَّا سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا ﴿۵﴾

آدھی رات یا اس سے کچھ کم۔ یا کچھ زیادہ اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کرو۔ ہم عنقریب تم پر ایک بھاری فرمان نازل کریں گے

= تو پھر اس فرمانے کا مطلب کیا ہوگا ”قل ان ادري“ کہ کہہ دیجئے میں نہیں جانتا کہ وہ عذاب جس کا وعدہ

کیا گیا ہے، وہ قریب ہے یا ابھی اس کی مدت باقی ہے؟ تو ایسے مفروضہ رکھنے والے سے (یعنی جو یہ دعویٰ کرنے والے سے

الامن ارتضى کے استثناء وہ رسول مراد ہے جو علم رکھتا ہوگا، پوچھا جائے گا کہ جب وہ رسول مستثنیٰ بھی اس استثنیٰ کے

باعث صاحب علم غیب ہو گیا، اور اس وجہ سے اس کو ماکان و ما یکان کا علم حاصل ہو گیا تو پھر اس کا یہ اعلان کیونکر درست ہوا

کہ میں نہیں جانتا، الخ، جس پیغمبر کو اس اعلان کا مامور فرمایا جا رہا ہو کہ وہ یہ کہہ دے: میں نہیں جانتا.....

اسی کو ان الفاظ کی ناقابل تصور اور بعید از قیاس تاویلات کر کے علم الغیب ثابت کرنا مضحکہ خیز بات ہے پھر جبکہ

قران وحدیث کی سینکڑوں نصوص اور روایات بڑی صراحت سے یہ ثابت کر رہے ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر غیب کا علم رکھنے

والے نہیں ہوتے، بلکہ جس چیز کی ان کو وحی کردی گئی وہ انہوں نے بتائی ہے، اور ظاہر ہے کہ اس کو علم غیب

نہیں کہا جاتا تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس آیت میں سے نبی ﷺ کے واسطے غیب کا علم مانا جائے۔

[1] ”المزمل“ اصل میں المتزمل تھا ”فاء“ تفعل کی جگہ ”زأ“ آگئی اس لئے ،تأ، کو، زاء، سے بدل کر، زاء،

میں ادغام کر دیا گیا المزمل کپڑوں کو اپنے اوپر خوب لپیٹنے والا، نبی کریم ﷺ کپڑے لپیٹ کر رات کو سو رہے تھے کہ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی ہیئت سے خطاب فرما کر قیام الیل کا حکم دیا: کان النبی ﷺ نائما باللیل متنزلا فی ثیابہ

فامر بالقیام للصلوة . (مدارک) =

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلاً ﴿٤﴾ إِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ

کچھ شک نہیں کہ رات کا اٹھنا سخت پامال کرتا ہے اور اس وقت ذکر بھی خوب درست ہوتا ہے۔ دن کے وقت

سَبْحًا طَوِيلًا ﴿٥﴾ اِذْ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ﴿٨﴾

تو تمہیں اور بہت سے شغل ہوتے ہیں۔ تو اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ

= ابن عباسؓ اور عائشہؓ کے نزدیک پہلے قیام اللیل سب پر فرض تھا اس کے بعد اس کی فرضیت منسوخ کر دی گئی بعض کے نزدیک نبی ﷺ پر فرض تھا امت پر فرض نہیں تھا بعد میں آپ پر سے بھی اس کی فرضیت منسوخ کر دی گئی اور بعض علماء کے نزدیک شروع ہی سے حکم استحبابی تھا البتہ بعد میں اس میں مزید تخفیف کر دی گئی۔ قم اللیل: لفظ قلیل محاورہ میں نصف سے کم پر بولا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ لفلان علی الف درہم الا قلیلا میں قلیلا سے مراد پانچ سو سے کم ہوں گے۔ اب اگر نصفہ کو قلیلا سے بدل بنایا جائے تو یہ ترکیب قلیلا کے مذکور استعمال کے خلاف ہوگی؟ صاحب مدارک نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ (۱) نصف کو کل اللیل (تمام رات) کے اعتبار سے قلیل کہا گیا ہے، اس اعتبار سے تینوں صورتیں قلیلا میں داخل ہو جائیں گی، نصف، نصف سے کم اور نصف سے زائد۔ (۲) نصفہ مستثنیٰ منہ مؤخر ہے اور اللیل سے بدل ہے۔ اور قلیلا مستثنیٰ مقدم ہے اصل میں یوں تھا قم نصف اللیل الا قلیلا من نصف اللیل مگر اس صورت میں تکرار لازم آتا ہے، کیونکہ قم نصف اللیل الا قلیلا اور اوانقص منه (من النصف) قلیلا کا مفہوم ایک ہی ہے صاحب مدارک نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اصل میں تو نصف رات سے کم قیام کا حکم دیا گیا پھر اس میں کچھ وقت بڑھانے میں تخییر فرمادی۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ قلیلا سے مراد ثلث ہے جسے اللیل سے مستثنیٰ کیا گیا لہذا مقصد یہ ہے کہ رات کے دو ثلث قیام کرو اور نصفہ، کسی لفظ سے بدل نہیں، بلکہ مستقل فعل مقدر کا مفعول ہے: المراد بالقلیل فی قوله تعالیٰ قم اللیل الا قلیلا، هو الثلث فاذا قوله (قم اللیل الا قلیلا) معناه قم ثلثی اللیل ثم قال نصفہ والمعنی او قم نصفہ (کبیر)۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ 'الاقلیلا کا مطلب یہ ہے کہ کسی رات کو نہ اٹھو اور نصفہ اللیل سے بدل ہے نصفہ اوانقص، الایۃ، جملہ ماقبل کی تفسیر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ نصف رات قیام کرو، یا اس سے کچھ کم یا اس سے کچھ زیادہ۔ شاہ ولی اللہؒ کے نزدیک یہ توجیہ پسندیدہ ہے کیونکہ اس سے مذکورہ بالا اشکال بھی ختم ہو جاتا اور کسی تکلف کے ارتکاب کی ضرورت بھی پیش نہیں آتی۔

”انا سنلقی“ قول ثقیل سے مراد قرآن ہے اسے ثقیل (کھٹن، مشکل، بھاری) اس لئے فرمایا کہ اس کے مضامین توحید، حشر و غیرہ مشرکین پر نہایت مشکل ہیں یا اس کے احکام و فرائض اور شرائع اور حدود پر عمل کرنا بہت مشکل ہے (قرطبی)۔

”ان ناشئة اللیل“۔ یہ قم اللیل کی علت ہے ناشئة نشأ بمعنی قام کا مصدر ہے جیسا کہ عافیہ ہے اس سے مراد قیام اللیل ہے وطاً مواطاة موافقت (قیلاً) سے قرآءة قرآن مراد ہے (روح، قرطبی) آپ کو رات کو اٹھ کر نماز پڑھنے اور تلاوت قرآن کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ رات سکون و اطمینان کا وقت ہوتا ہے شور و شغب نہیں ہوتا اس لئے آدمی جو کچھ زبان سے پڑھتا ہے دل پورے سکون کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اس طرح دن کی نسبت رات کی وقت دل اور زبان میں زیادہ موافقت کا موقع فراہم ہو جاتا ہے، نیز یکسوئی اور سکون کی وجہ سے تلاوت بہت زیادہ درست اور صحیح ادا ہوتی ہے۔ اور ابن کثیر نے یہاں ایک روایت نقل کر کے اس سے جواب دیا ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے تعجل سے منع فرمایا یعنی بال بچے اور دنیا کو چھوڑ دینے سے، یہاں مطلب یہ ہے کہ علائق دنیوی سے کٹ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں توجہ اور انہماک کا وقت بھی ضرور نکالا کرو۔

عن عبد اللہ بن عمرو عن النبی ﷺ قال یقال (یعنی) لصاحب القرآن اقرأ وارتق ورتل کما کنتم ترتل فی الدنیا فان منزلک عند آخر آیة تقرأ بها۔ ترمذی: ۲۹۱۴۔ ابوداؤد: ۱۴۶۴۔ ابن عمر وراوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قیامت کے دن) صاحب قرآن سے کہا جائے گا کہ پڑھتا جا اور (بہشت کے درجوں) پر چڑھتا جا اور ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جیسا کہ تو دنیا میں ٹھہر ٹھہر کر پڑھتا تھا، پس تیری منزل اس آخری آیت پر ہوگی جسے تو پڑھے گا۔ ”صاحب قرآن“ سے وہ شخص مراد ہے جو قرآن کریم کی ہمیشہ تلاوت بھی کرتا رہے اور اس پر عمل پیرا بھی ہو، وہ شخص مراد نہیں ہے جو تلاوت تو کرتا ہے مگر اس پر عمل نہ کرے بلکہ پہلے بتایا بھی جا چکا کہ ایسا شخص کسی جزاء اور انعام کا مستحق تو کیا ہوگا لہذا قرآن کی لعنت میں گرفتار ہوگا کیونکہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے، مگر اس پر عمل نہیں کرتا قرآن اس پر لعنت کرتا ہے۔ ”پڑھتا جا اور چڑھتا جا“ یعنی قرآن کریم پڑھتا جا اور پڑھی ہوئی آیتوں کے بقدر جنت کے درجات پر چڑھتا جا، جتنی آیتیں تو پڑھے گا اتنے ہی درجات تک تیری رسائی ہوگی، ایک روایت میں منقول ہے کہ قرآن کریم کی جتنی آیتیں ہیں جنت کے اتنے ہی درجات ہیں، لہذا اگر کوئی شخص پورا قرآن پڑھے گا تو وہ جنت کے سب سے اونچے درجات میں سے اس درجہ پر پہنچے گا جس کا وہ اہل اور جو اس کے لائق ہوگا۔ یہ بات پہلے

ہی بتائی جا چکی ہے کہ آداب تلاوت قرآن کریم میں سے ایک سب سے اعلیٰ ادب یہ بھی ہے کہ قرآن کریم کو ترتیل کے ساتھ یعنی ٹھہر ٹھہر کر اور لب و لہجہ کے پورے سکون و وقار کے ساتھ پڑھا جائے، چنانچہ اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو حافظ قرآن کریم ترتیل کے ساتھ پڑھتے ہیں جنت میں ان کا بڑا مرتبہ ہوگا۔ قرآن کریم کی آیتوں کی تعداد کو فیوض کے اصول کے اعتبار سے جن کاف قرأت اور اصول ہمارے اطراف میں مروج ہے چھ ہزار دو سو ستائیس (۶۲۳۷) ہے، اس کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں، مزید تفصیل و وضاحت کے لئے تجوید و قرأت کی کتابوں سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔ اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے:

ان النبی ﷺ قال: یجعی صاحب القرآن یوم القیامة، فیقول: یارب حلہ، فیلبس تاج الکرامۃ ثم یقول: یارب زدہ، فیلبس حلۃ الکرامۃ، ثم یقول: یارب، ارض عنہ، فیرضی عنہ، فیقال لہ: اقرأوا قرآن، ویزاد بکل آیۃ حسنة۔ ترمذی: ۲۹۱۵۔ نبی ﷺ نے فرمایا: کہ آئے گا صاحب قرآن قیامت کے دن پھر کہے گا قرآن، کہ اے رب میرے! اس کو جوڑا پہنا، پس اسے پہنایا جاوے گا، تاج کرامت کا، پھر کہے گا قرآن عظیم الشان اے رب زیادہ دے اس کو، تو پہنایا جاوے گا اس کو جوڑا کرامت کا، پھر کہے گا اے رب راضی ہو اس سے، سو راضی ہوگا اس سے پروردگار، پھر کہا جاوے گا اسے کہ پڑھ تو، اور چڑھ، اور زیادہ کی جاوے گی ہر آیت کے بدلے ایک نیکی۔

ترتیل قرآن سے مروجہ قرأت مراد نہیں۔ ترتیل کے لفظی معنی کلمہ کو سہولت اور استقامت کے ساتھ منہ سے نکالنے کے ہیں (مفردات امام راغب) مطلب آیت کا یہ ہے کہ تلاوت قرآن میں جلدی نہ کرے بلکہ ترتیل و تسہیل کے ساتھ ادا کریں اور ساتھ ہی اس کے معانی میں تدبر و غور کریں (قرطبی) ورتل کا عطف قسم اللیل پر ہے اور اس میں اس کا بیان ہے کہ رات کے قیام میں کیا کرنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ نماز تہجد اگرچہ قرأت و تسبیح، رکوع، سجود سبھی اجزائے نماز پر مشتمل ہے مگر اس میں اصل مقصود قرأت قرآنی ہے اسی لئے احادیث صحیحہ اس پر شاہد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تہجد کی نماز بہت طویل ادا فرماتے تھے۔ یہی عادت صحابہ و تابعین میں معروف رہی ہے۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن صرف پڑھنا مطلوب نہیں بلکہ ترتیل مطلوب ہے جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو۔ نبی کریم ﷺ اسی طرح ترتیل فرماتے تھے۔ ام سلمہؓ سے بعض لوگوں نے رات کی نماز میں آپ کی تلاوت کی کیفیت دریافت کی تو انہوں نے نقل کر کے بتلایا جس میں ایک ایک حرف واضح تھا (ترمذی: ۲۹۲۳، ابوداؤد: ۱۴۶۶)۔

مسئلہ: ترتیل میں تحسین صوت یعنی بقدراختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے۔ ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کسی قرأت و تلاوت کو ایسا نہیں سنتا جیسا اس نبی کی تلاوت سنتا ہے جو خوش آوازی کیساتھ جہر تلاوت کرے (بخاری: ۵۰۲۳، مسلم: ۷۹۲، ترمذی: ۲۹۱۱، ابوداؤد: ۱۴۷۳)۔

عالم نے ایک شخص کو حسن صوت کے ساتھ تلاوت کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اللہ تعالیٰ القدر تل القرآن فداہ ابی وامی۔ یعنی اس شخص نے قرآن کی ترتیل کی ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں (قرطبی) اور اصل ترتیل وہی ہے کہ حروف و الفاظ کی دایگی بھی صحیح اور صاف ہو اور پڑھنے والا اس کے معانی پر غور کر کے اس سے متاثر بھی ہو رہا ہو جیسا کہ حسن بصری سے منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا گذر ایک شخص پر ہوا جو قرآن کی ایک آیت پڑھ رہا تھا اور رو رہا تھا۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ حکم سنا ہے ورتل القرآن ترتیلا بس یہی ترتیل ہے جو یہ شخص کر رہا ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۲۹۹/۸، ۲۲۶/۷)۔ محمد بن قاسم البقری غنیۃ الطالبین: ۳۳، میں فرماتے ہیں: فالترتیل هو التانی فی القراءۃ مع تدبرھا والتفکیر فی معانیھا۔ اور عبیدۃ الملیکی سے روایت ہے قال قال رسول اللہ ﷺ یا اھل القرآن لاتتوسدوا القرآن واتلوه حق تلاوتہ من اناء اللیل والنهار وافشوه وتغنوه وتدبروا ما فیہ لعلکم تفلحون ولاتتعجلوا ثوابہ فان له ثوابا۔ شعب الایمان: ۲۰۰۷، البخاری فی التاریخ: ۸۳۶۔

عبیدہ مملکی جو نبی ﷺ کے ایک صحابی تھے راوی ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اے اہل قرآن! قرآن سے تکیہ نہ کرو اور رات و دن میں پڑھتے رہا کرو، جیسا کہ اس کو پڑھنے کا حق ہے قرآن کو ظاہر کرو اسے خوش آوازی کے ساتھ پڑھو جو کچھ اس میں مذکور ہے اس میں غور و فکر کرو، تاکہ تمہارا مطلوب حاصل ہو، اور اس کا ثواب حاصل ہونے میں جلد بازی نہ کرو، کیونکہ آخرت میں اس کا بڑا اجر ہے۔

”قرآن سے تکیہ نہ کرو“ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنے اور اس کے حقوق کی ادائیگی سے غفلت نہ برتو، بلکہ برابر قرآن پڑھتے رہا کرو اور اس کا حق بھی ادا کرو بایں طور کہ اس کے حروف اچھی طرح ادا کرو اور اس کے معانی سمجھو اور اس پر عمل کرو، ابن حجر فرماتے ہیں کہ قرآن پر تکیہ لگانا یعنی اس پر سہارا دیکر بیٹھنا یا لیٹنا، اس کی طرف پاؤں پھیلانا، اس پر کوئی چیز رکھنا، اس کی طرف پیٹھ کرنا، اس کو روندنا، اور اس کو پھینکنا یہ سب چیزیں حرام ہیں، قرآن سے فال نکالنا مکروہ ہیں بلکہ بعض مالکیہ کی نزدیک یہ بھی حرام ہے۔ جیسا کہ اس کو پڑھنے کا حق ہے، قرآن کریم پڑھتے وقت چار باتوں کا خاص خیال رکھنا چاہئے، اول تو یہ کہ الفاظ کو درست اور صحیح ادا کیا جائے، دوسری بات یہ کہ مفہوم و معانی سمجھنا چاہئے، تیسری بات یہ کہ مفہوم و معانی کا مقصد سمجھنا چاہئے، اور چوتھی بات یہ کہ جو کچھ پڑھا جائے اس پر عمل کیا جائے۔ (مظاہر حق: ۲/۴۳)۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا ﴿۹﴾

(وہی) مشرق اور مغرب کا مالک (ہے اور) اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو اسی کو اپنا کارساز بناؤ

وَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيلًا ﴿۱۰﴾

اور جو جو (دل آزار) باتیں یہ لوگ کہتے ہیں ان کو سہتے رہو اور اچھے طریق سے ان سے کنارہ کش رہو۔

وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِيَ النَّعْمَةِ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيلًا ﴿۱۱﴾

اور مجھے ان جھٹلانے والوں سے جو دولت مند ہیں سمجھ لینے دو اور ان کو تھوڑی سی مہلت دے دو۔

إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ﴿۱۲﴾ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَعَذَابًا أَلِيمًا ﴿۱۳﴾

کچھ شک نہیں کہ ہمارے پاس بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے۔ اور گلوگیر کھانا ہے اور درد دینے والا عذاب (بھی) ہے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيبًا مَّهِيلًا ﴿۱۴﴾

جس دن زمین اور پہاڑ کانپنے لگیں اور پہاڑ ایسے بھر بھرے (گویا) ریت کے ٹیلے ہو جائیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا ﴿۱۵﴾

جس طرح ہم نے فرعون کے پاس (موسیٰ کو) پیغمبر بھیجا تھا (اسی طرح) تمہارے پاس رسول بھیجے ہیں جو تمہارے مقابلے میں گواہ ہوں گے

فَاعْصِي فِرْعَوْنَ الرَّسُولَ فَأَخَذْنَاهُ أَخْذًا وَبِيًّا ﴿۱۶﴾

سو فرعون نے (ہمارے) پیغمبر کا کہانہ مانا تو ہم نے اس کو بڑے وبال میں پکڑ لیا۔

فَكَيْفَ تَتَّقُونَ إِن كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيبَانَ ﴿۱۷﴾

اگر تم بھی (ان پیغمبر کو) نہ مانو گے تو اس دن سے کیونکر بچو گے جو بچوں کو بوڑھا کر دے گا۔

السَّمَاءُ مِنْفَطِرٌ بِهِ كَانَ وَعْدُهُ مَفْعُولًا ﴿۱۸﴾

(اور) جس سے آسمان پھٹ جائے گا یہ اس کا وعدہ (پورا) ہو کر رہے گا۔

إِنَّ هَذِهِ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿١٨﴾ إِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ

یہ (قرآن) تو نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے پروردگار تک (پہنچنے کا) رستہ اختیار کرے۔ تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے

أَنَّكَ تَقُومُ أَذْنَىٰ مِنْ ثُلثِي اللَّيْلِ وَنِصْفَهُ وَثُلُثَهُ وَطَائِفَةٌ مِّنَ الَّذِينَ مَعَكَ

کہ تم اور تمہارے ساتھ کے لوگ (کبھی) دو تہائی رات کے قریب اور (کبھی) آدھی رات اور (کبھی) تہائی رات قیام کیا

وَاللَّهُ يُقَدِّرُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ عَلِمَ أَنْ لَّنْ نُحْصِيَهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ

کرتے ہو اور اللہ تو رات اور دن کا اندازہ رکھتا ہے اس نے معلوم کیا کہ تم اس کو نباہ نہ سکو گے تو اس نے تم پر مہربانی کی

فَاقْرَأُوا مَا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ عَلِمَ أَنْ سَيَكُونُ مِنْكُمْ مَّرْضَىٰ

پس جتنا آسانی سے ہو سکے (اتنا) قرآن پڑھ لیا کرو اس نے جانا کہ تم میں بعض بیمار بھی ہوتے ہیں

وَأَخْرُونَ يَضْرِبُونَ فِي الْأَرْضِ يَبْتَغُونَ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ وَالْآخَرُونَ يُقَاتِلُونَ

اور بعض اللہ کے فضل (یعنی معاش) کی تلاش میں ملک میں سفر کرتے ہیں اور بعض اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَاقْرَأُوا مَا تيسَّرَ مِنْهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

تو جتنا آسانی سے ہو سکے اتنا پڑھ لیا کرو اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو اور اللہ کو نیک

وَأَقْرِضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ

(اور خلوص نیت سے) قرض دیتے رہو اور جو نیک عمل تم اپنے لئے آگے بھیجو گے

تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ وَأَعْظَمُ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا لِلَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾

اس کو اللہ کے ہاں بہتر اور صلے میں بزرگ تر پاؤ گے اور اللہ سے بخشش مانگتے رہو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے



سورة المدثر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ﴿١﴾ اِقُمْ فَاَنْذِرْ ﴿٢﴾ وَرَبِّكَ فَكَبِّرْ ﴿٣﴾ وَيَا بَكَ فَطَهِّرْ ﴿٤﴾

اے (محمد ﷺ) جو کپڑے لپیٹے پڑے ہو۔ اٹھو اور ہدایت کرو۔ اور اپنے پروردگار کی بڑائی کرو۔ اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ﴿٥﴾ وَلَا تَمَنَّ أَنْ تَمُنَّ تَسْتَكْبِرُ ﴿٦﴾ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ﴿٧﴾

اور ناپاکی سے دُور رہو۔ اور (اس نیت سے) احسان نہ کرو کہ اس سے زیادہ کے طالب ہو۔ اور اپنے رب کے لئے صبر کرو۔

فَاِذَا نَقَرَتْ فِي النَّاقُورِ ﴿٨﴾ ذَلِكَ يَوْمَئِذٍ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿٩﴾

جب صور پھونکا جائے گا۔ [1] وہ دن مشکل کا دن ہو گا۔

عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿١٠﴾ اَخْرَجْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا ﴿١١﴾

(یعنی) کافروں پر آسان نہ ہوگا۔ ہمیں اس شخص سے سمجھ لینے دو جس کو ہم نے اکیلا پیدا کیا

وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا ﴿١٢﴾ وَبَنِينَ شُهُودًا ﴿١٣﴾ وَوَهَّدْتُ لَهُ تَمْهِيدًا ﴿١٤﴾

اور مال کثیر دیا۔ اور (ہر وقت اس کے پاس) حاضر رہنے والے بیٹے دیئے۔ اور ہر طرح کے سامان میں وسعت دی

ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ اَزِيدَ ﴿١٥﴾ اِنَّا اِنَّمَا اَنۡهٰهُ عَنْ سَعۡوَدَا ﴿١٦﴾ اِنَّا اِنَّمَا اَنۡهٰهُ صَعُودًا ﴿١٧﴾

ابھی خواہش رکھتا ہے کہ اور زیادہ دیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا یہ ہماری آیتوں کا دشمن رہا ہے۔ ہم اسے صعود پر چڑھائیں گے۔

اِنَّهُ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿١٨﴾ فَكَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ ثُمَّ قَتَلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿٢٠﴾

اس نے فکر کیا اور تجویز کی۔ یہ مارا جائے اس نے کیسی تجویز کی۔ پھر یہ مارا جائے اس نے کیسی تجویز کی

[1] عن ابن عباسؓ قال: في قوله تعالى: فاذا انقر في الناقور، الصور، قال، و الراجفة، النفخة الاولى

، والرادفة، الثانية، اس کو امام بخاری نے: ۱۱/۳۶۷، ترجمہ الباب میں معلق اور تفسیر طبری نے متصل ذکر کیا ہے، یعنی ابن

عباسؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد، فاذا انقر في الناقور، کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: کہ

ناقور سے مراد صور ہے، اور انہوں نے اس آیت: يوم ترجف الراجفة، تتبعها الرادفة، (نازعات: ۶، ۷) کی

تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا کہ راجفہ سے مراد پہلا صور پھونکا جانا، اور رادفة سے مراد دوسرا پھونکا جانا ہے۔

ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١١﴾ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿٢١٢﴾ اذْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿٢١٣﴾

پھر تال کیا۔ پھر تیوری چڑھائی اور منہ بگاڑ لیا۔ پھر پشت پھیر کر چلا اور (قبولِ حق سے) غرور کیا

فَقَالَ إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ يُؤْتَرُ ﴿٢١٤﴾ إِنَّ هَذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿٢١٥﴾

پھر کہنے لگا یہ تو جادو ہے جو (انگلوں سے) منتقل ہوتا آیا ہے۔ (پھر بولا) یہ (اللہ کا کلام نہیں بلکہ) بشر کا کلام ہے۔

سَأُصْلِيهِ سَقَرَ ﴿٢١٦﴾ أَوَمَا أَدْرَاكَ مَا سَقَرٌ ﴿٢١٧﴾ لَا تُبْقَى وَلَا تَذَرُ ﴿٢١٨﴾

ہم عنقریب اس کو ستر میں داخل کریں گے۔ اور تم کیا سمجھے کہ ستر کیا ہے؟ (وہ آگ ہے کہ) نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی

لَوْاحَةٍ لِلْبَشَرِ ﴿٢١٩﴾ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ﴿٢٢٠﴾ مَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ

اور بدن کو جھلس کر سیاہ کر دے گی۔ اس پر انیس داروغہ ہیں۔ اور ہم نے دوزخ کے داروغہ فرشتے بنائے ہیں

إِلَّا مَلَائِكَةً ص ﴿٢٢١﴾ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَسْتَيْقِنَ

اور ان کا شمار کافروں کی آزمائش کے لئے مقرر کیا ہے (اور) اس لئے

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَيَزِدَّادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا

کہ اہل کتاب یقین کریں اور مومنوں کا ایمان اور زیادہ ہو اور اہل کتاب اور مومن شک نہ لائیں

الْكِتَابَ وَالْمُؤْمِنُونَ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا

اور اس لئے کہ جن لوگوں کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے اور (جو) کافر (ہیں) کہیں کہ اس مثال (کے بیان کرنے)

أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ص ﴿٢٢٢﴾ كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

سے اللہ کا مقصود کیا ہے؟ اسی طرح اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرَى لِلْبَشَرِ ﴿٢٢٣﴾

اور تمہارے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ تو بنی آدم کے لئے نصیحت ہے۔

﴿۳۳﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا اُدْبَرَ ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ إِذَا اُسْفَرَ ﴿۳۳﴾

ہاں (ہمیں) چاند کی قسم۔ اور رات کی جب بیٹھ پھیرنے لگے۔ اور صبح کی جب روشن ہو۔

﴿۳۴﴾ إِنَّهَا لَاحُدَى الْكُبْرِ ﴿۳۴﴾ لِلْبَشَرِ ﴿۳۴﴾ لَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ

کہ وہ (آگ) ایک بہت بڑی (آفت) ہے۔ (اور) بنی آدم کے لئے موجبِ خوف۔ جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے

﴿۳۵﴾ أَوْ يَتَأَخَّرَ ﴿۳۵﴾ لِكُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةً ﴿۳۵﴾ لِأَصْحَابِ الْيَمِينِ ﴿۳۵﴾

یا پیچھے رہنا چاہے۔ ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے۔ مگر داہنی طرف والے (نیک لوگ)

﴿۳۶﴾ فِي جَنَّاتٍ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۳۶﴾ مِنَ الْمُجْرِمِينَ ﴿۳۶﴾ مَا سَلَكَكُمْ فِي سَقَرٍ ﴿۳۶﴾

وہ باغہائے بہشت میں (ہوں گے اور) پوچھتے ہوں گے۔ (یعنی آگ میں جلنے والے) گنہگاروں سے۔ کہ تم دوزخ میں کیوں پڑے؟

﴿۳۷﴾ قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ﴿۳۷﴾ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمِ الْمَسْكِينِ ﴿۳۷﴾

وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے۔

﴿۳۸﴾ وَكُنَّا نَحُوضُ مَعَ الْخَائِضِينَ ﴿۳۸﴾ كُنَّا نَكْذِبُ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۳۸﴾

اور اہل باطل کے ساتھ مل کر (حق سے) انکار کرتے تھے۔ اور روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے۔

﴿۳۹﴾ حَتَّىٰ آتَانَا الْيَقِينَ ﴿۳۹﴾ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِينَ ﴿۳۹﴾

یہاں تک کہ ہمیں موت آگئی۔ تو (اس حال میں) سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے حق میں کچھ فائدہ نہ دے گی۔

﴿۴۰﴾ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿۴۰﴾ كَانَهُمْ حُمْرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴿۴۰﴾

ان کو کیا ہوا ہے کہ نصیحت سے روگرداں ہو رہے ہیں۔ گویا گدھے ہیں کہ بدک جاتے ہیں

﴿۴۱﴾ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ﴿۴۱﴾ لَلْبَلِّ يُرِيدُ كُلُّ امْرَأٍ مِنْهُمْ أَنْ يُوْتِيَ صُحُفًا مُّنْشَرَةً ﴿۴۱﴾

شیر سے ڈر کر بھاگ جاتے ہیں۔ اصل یہ ہے کہ ان میں سے ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے پاس کھلی ہوئی کتاب آئے

كَلَّا بَلْ لَا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٣٣﴾ إِنَّهُ تَذَكُّرَةٌ ﴿٣٤﴾

ایسا ہرگز نہیں ہوگا حقیقت یہ ہے کہ ان کو آخرت کا خوف ہی نہیں۔ کچھ شک نہیں کہ یہ نصیحت ہے۔

فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٣٥﴾ لَوْ هَايَدُكُمْ لَوْلَا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ

تو جو چاہے اسے یاد رکھے۔ اور یاد بھی تب ہی رکھیں گے جب اللہ چاہے

هُوَ أَهْلُ التَّقْوَىٰ وَأَهْلُ الْمَغْفِرَةِ ﴿٣٦﴾

وہی ڈرنے کے لائق اور بخشش کا مالک ہے [2]

سورة القيامة (مكية)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

[2] عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ قرأ هذه الآية، ﴿هو اهل التقوى واهل المغفرة﴾

فقال: قال الله عز وجل: انا اهل ان اتقى، فلا يجعل معي اله آخر، فمن اتقى ان يجعل معي اله آخر فانا اهل ان اغفر له. ابن ماجه: ۴۲۹۹.

انس بن مالکؓ سے روایت ہے نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی ”هو اهل التقوى واهل المغفرة“ پھر فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں لائق ہوں اس کے کہ بچو اس سے کہ میرے ساتھ کوئی دوسرا الہ مانا جاوے، پھر جو کوئی بچے اس سے کہ میرے ساتھ کوئی دوسرا الہ مانے، میں لائق ہوں اس کے کہ اس کو بخش دوں۔ (اس میں تمام اہل توحید کو نجات کی خوشخبری ہے)۔

لَا أُفْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴿۱﴾ وَلَا أُفْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ﴿۲﴾

ہم کو روزِ قیامت کی قسم۔ اور نفسِ لوامہ کی (کہ سب لوگ اٹھا کر) کھڑے کئے جائیں گے۔

أَيَحْسَبُ الْإِنْسَانُ أَنْ نَجْمَعَ عِظَامَهُ ﴿۳﴾ إِيَّالِي قَادِرِينَ

کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اس کی (بکھری ہوئی) ہڈیاں اکٹھی نہیں کریں گے؟ ضرور کریں گے ہم اس بات پر قادر ہیں

عَلَى أَنْ نُسَوِّيَ بَنَانَهُ ﴿۴﴾ بَلْ يُرِيدُ الْإِنْسَانُ لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ ﴿۵﴾

کہ اس کی پور پور تک درست کریں۔ مگر انسان چاہتا ہے کہ آگے کو خود مری کرتا جائے

يَسْأَلُ أَيَّانَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴿۶﴾ إِذَا بَرِقَ الْبَصْرُ ﴿۷﴾ وَخَسَفَ الْقَمَرُ ﴿۸﴾

پوچھتا ہے کہ قیامت کا دن کب ہو گا؟ جب آنکھیں چندھیا جائیں۔ اور چاند گہنا جائے۔

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۹﴾ يَقُولُ الْإِنْسَانُ يَوْمَئِذٍ أَيْنَ الْمَفْرُجُ ﴿۱۰﴾

اور سورج اور چاند جمع کر دیئے جائیں۔ اس دن انسان کہے گا کہ (اب) کہاں بھاگ جاؤں؟

كَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ يَتَّبِعُوا الْإِنْسَانَ يَوْمَئِذٍ

بیٹھ کہیں پناہ نہیں۔ اس روز تیرے پروردگار ہی کے پاس ٹھکانہ ہے۔ اس دن انسان کو

بِمَا قَدَّمَ وَآخَرَ ﴿۱۳﴾ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿۱۴﴾

جو (عمل) اس نے آگے بھیجے اور جو پیچھے چھوڑے ہوں گے سب بتا دیئے جائیں گے۔ بلکہ انسان آپ اپنا گواہ ہے

وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿۱۵﴾ لَا تَحْرُكَ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ ﴿۱۶﴾

اگرچہ عذر و معذرت کرتا رہے۔ اور (اے محمد ﷺ!) وحی کے پڑھنے کے لئے اپنی زبان نہ چلایا کرو کہ اس کو جلد یاد کر لو۔

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ﴿۱۷﴾ إِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ ﴿۱۸﴾

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمے ہے۔ جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اس کو سننا کرو اور) پھر اسی طرح پڑھا کرو۔

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ ﴿١٩﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ﴿٢٠﴾ وَتَذَرُونَ الْآخِرَةَ ﴿٢١﴾

پھر اس (کے معانی) کا بیان بھی ہمارے ذمے ہے۔ مگر (لوگو!) تم دنیا کو دوست رکھتے ہو۔ اور آخرت کو ترک کئے دیتے ہو

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ﴿٢٢﴾ لِيُفِيَّ رَبُّهَا نَاطِرَةٌ ﴿٢٣﴾ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ بَاسِرَةٌ ﴿٢٤﴾

اس روز بہت سے منہ رونق دار ہوں گے۔ (اور) اپنے پروردگار کے مجاہدین ہوں گے۔ اور بہت سے منہ اس دن اداس ہوں گے

تَظُنُّ أَنْ يُفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿٢٥﴾ إِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ﴿٢٦﴾ وَيَحْتَسِبُ

خیال کریں گے کہ ان پر مصیبت واقع ہونے کو ہے۔ دیکھو جب جان گلے تک پہنچ جائے۔ اور لوگ کہنے لگیں (اس وقت)

مَنْ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ وَلَكِنَّ أَهْلَهُ الْفِرَاقُ ﴿٢٨﴾ وَالتَّتَفُّتِ السَّاقِ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾

کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا ہے۔ اور اس نے سمجھا کہ اب سب سے جدائی ہے۔ اور پنڈلی سے پنڈلی لپٹ جائے

إِلَىٰ رَبِّكَ يَوْمَئِذٍ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾ وَلَا صَدَقَ وَلَا صَلَّىٰ ﴿٣١﴾

اس دن تجھ کو اپنے پروردگار کی طرف چلنا ہے۔ تو اس (ناعاقبت) اندیش نے نہ تو (کلام الہی کی) تصدیق کی نہ نماز پڑھی۔

وَلَكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٣٢﴾ ثُمَّ زَهَبَ إِلَىٰ أَهْلِهِ يَتَمَطَّىٰ ﴿٣٣﴾

بلکہ جھٹلایا اور منہ پھیر لیا۔ پھر اپنے گھر والوں کے پاس اکڑتا ہوا چل دیا۔

أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ ﴿٣٤﴾ أُولَىٰ لَكَ فَأُولَىٰ ﴿٣٥﴾ حَسْبُ الْإِنْسَانِ

ہلاکت ہے تیرے لئے پر پھر ہلاکت ہے۔ پھر ہلاکت ہے تیرے لئے پھر ہلاکت ہے۔ کیا انسان خیال کرتا ہے

أَنْ يُتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ يَمْ يَمْ يَكُ نَاطِقًا مِّنْ مَّنِيٍّ يُمْنِيٍّ ﴿٣٧﴾

کہ یونہی چھوڑ دیا جائے گا؟ کیا وہ منی کا جو رحم میں ڈالی جاتی ہے ایک قطرہ نہ تھا؟

ثُمَّ كَانَ عِلْقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ﴿٣٨﴾ لِيَجْعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ﴿٣٩﴾

پھر لوتھڑا ہوا پھر (اللہ نے) اس کو بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا۔ پھر اس کی دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت

﴿۲۰﴾ أَلَيْسَ ذَلِكَ بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يُحْيِيَ الْمَوْتَىٰ

[۱]

کیا اس خالق کو اس بات پر قدرت نہیں کہ مردوں کو جلا اٹھائے؟

سورة الدهر (مدنیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۱﴾ هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا

بیٹک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی چیز قابل ذکر نہ تھا۔

﴿۲﴾ إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا

ہم نے انسان کو نطفہ مخلوط سے پیدا کیا تاکہ اسے آزمائیں تو ہم نے اس کو سنتا دیکھتا بنایا۔

[۱] ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من قرأ منکم بالنین والزینون فانتهی الی آخرھا

﴿الیس اللہ باحکم الحاکمین﴾ فلیقل بلی وانا علی ذلک من الشاہدین، ومن قرأ لاقسم بیوم

القیامۃ فانتهی الی ﴿الیس ذلک بقادر علی ان یحیی الموتی﴾ فلیقل بلی، ومن قرأ والمرسلات فبلغ

﴿فبای حدیث بعدہ یومنون﴾ فلیقل امانا باللہ۔ (سنن ابی داؤد کتاب الصلوٰۃ، والترمدی، کتاب التفسیر)۔

جو شخص تم میں سے سورہ واتین کی آخری آیت الیس اللہ باحکم الحاکمین پڑھے وہ ”بلی وانا علی

ذلک من الشاہدین کہے یعنی ہاں اور میں بھی اس پر گواہ ہوں، اور جو شخص سورہ قیامتہ کی آخری آیت: ﴿الیس ذلک

بقادر علی ان یحیی الموتی﴾ پڑھے تو وہ کہے: ﴿بلی﴾ اور جو شخص سورہ المرسلات کی آخری آیت ﴿فبای حدیث

بعدہ یومنون﴾ پڑھے تو وہ ﴿امانا باللہ﴾ کہے۔

إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ

(اور) اسے رستہ بھی دکھا دیا (اب) خواہ شکرگزار ہو خواہ ناشکر۔ ہم نے کافروں کے لئے

سَلَا سِلًا وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾ إِنَّ الْأُبْرَارَ يَشْرَبُونَ مِنْ كَأْسٍ كَانَ

زنجیریں اور طوق اور ذہبی آگ تیار کر رکھی ہے۔ جو نیکوکار ہیں وہ ایسی شراب نوش جان کریں گے جس میں

مِزَاجُهَا كَافُورًا ﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾ إِنَّا يَشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ يُفَجِّرُونَهَا تَفْجِيرًا

کافور کی آمیزش ہوگی۔ یہ ایک چشمہ ہے جس میں سے اللہ کے بندے پئیں گے اور اس میں سے نہریں نکال لیں گے

﴿۳۶﴾ ﴿۳۶﴾ يُوفُونَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُونَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهُ مُسْتَطِيرًا ﴿۳۷﴾ ﴿۳۷﴾

یہ لوگ نذریں پوری کرتے ہیں اور اس دن سے جس کی سختی پھیل رہی ہوگی خوف رکھتے ہیں

﴿۳۸﴾ ﴿۳۸﴾ وَيُطْعَمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ﴿۳۹﴾ ﴿۳۹﴾

اور باوجودیکہ ان کو خود طعام کی محبت (اور حاجت) ہے فقیروں اور یتیموں اور قیدیوں کو کھلاتے ہیں۔

﴿۴۰﴾ ﴿۴۰﴾ إِنَّمَا نَطْعِمُكُمْ لَوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنْكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ﴿۴۱﴾ ﴿۴۱﴾

(اور کہتے ہیں) کہ ہم تم کو خالص اللہ کے لئے کھلاتے ہیں نہ تم سے عوض کے خواستگار ہیں نہ شکرگزاری کے (طلبگار)

﴿۴۲﴾ ﴿۴۲﴾ إِنَّا نَخَافُ مِنْ رَبِّنَا يَوْمًا عَبُوسًا قَمْطَرِيرًا ﴿۴۳﴾ ﴿۴۳﴾

ہم کو اپنے پروردگار سے اس دن کا ڈر لگتا ہے جو (چہروں کو) کریہہ المنظر اور (دلوں کو) سخت (مضطر کر دینے والا) ہے

فَوْقَاهُمْ اللَّهُ شَرٌّ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَلَقَّاهُمْ نَضْرَةً وَسُرُورًا ﴿۴۴﴾ ﴿۴۴﴾ وَجَزَاهُمْ

تو اللہ ان کو اس دن کی سختی سے بچالے گا اور تازگی اور خوشدلی عنایت فرمائے گا۔ اور ان کے صبر کے بدلے

بِمَا صَبَرُوا جَنَّةً وَحَرِيرًا ﴿۴۵﴾ ﴿۴۵﴾ يُشْكِيْنَ فِيهَا عَلَى الْأَرَآئِكِ

ان کو بہشت (کے باغات) اور ریشم (کے ملبوسات) عطا کرے گا۔ ان میں وہ تختوں پر بتکئے لگائے بیٹھے ہوں گے

لَا يَرُونَ فِيهَا شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِيرًا ﴿١٣﴾ وَإِنِّي لَأَنبَأُكُمْ عَنْ آلِهَتِهِمْ الَّذِينَ لَهُمْ أَصْنَانٌ جُدَّادٌ ﴿١٤﴾

وہاں نہ دھوپ (کی حدت) دیکھیں گے نہ سردی کی شدت۔ ان سے (شمر دارشائیں اور) ان کے سائے قریب ہوں گے

وَذَلَّلْتُ قُطُوفَهَا تَذْلِيلًا ﴿١٥﴾ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِآنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ ﴿١٦﴾

اور میوؤں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے۔ (خدا) چاندی کے باسن لئے ہوئے ان کے ارد گرد پھریں گے

كَانَتْ قَوَارِيرًا ﴿١٧﴾ أَفْئِدَةٌ مِّنْ ذَرِّئَةٍ لَّدَنٍّ ﴿١٨﴾ وَقَدْ رُؤِّدُوهَا تَقْدِيرًا ﴿١٩﴾

اور شیشے کے (نہایت شفاف) گلاس۔ اور شیشے بھی چاندی کی جو ٹھیک اندازے کے مطابق بنائے گئے ہیں۔

وَيُسْقَوْنَ فِيهَا كَأْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيلًا ﴿٢٠﴾ إِنَّا فِيهَا

اور وہاں ان کو ایسی شراب (بھی) پلائی جائے گی جس میں سونٹھ کی آمیزش ہوگی۔ یہ بہشت میں ایک چشمہ ہے

تُسَمَّى سَلْسَبِيلًا ﴿٢١﴾ يُطُوفُ عَلَيْهِمْ وِلْدَانٌ مُّخَلَّدُونَ ﴿٢٢﴾

جس کا نام سلسبیل ہے۔ اور ان کے پاس لڑکے آتے جاتے ہوں گے جو ہمیشہ (ایک ہی حالت پر) رہیں گے

إِذَا رَأَيْتَهُمْ حَسِبْتَهُمْ لُؤْلُؤًا مَّنثُورًا ﴿٢٣﴾ وَإِذَا رَأَيْتَ نَعِيمًا

جب تم ان پر نگاہ ڈالو تو خیال کرو کہ بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ اور بہشت میں (جہاں) آنکھ اٹھاؤ گے کثرت سے نعمت

وَمُلْكًا كَبِيرًا ﴿٢٤﴾ عَلَيْهِمْ ثِيَابٌ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَإِسْتَبْرَقٌ ﴿٢٥﴾

اور عظیم (الشان) سلطنت دیکھو گے۔ ان (کے بدنوں) پر دیباچ کے سبز اور اطلس کے کپڑے ہوں گے۔

وَحُلُّوْاْ اَسَاوِرَ مِنْ فِضَّةٍ وَسَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا ﴿٢٦﴾

اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا پروردگار ان کو نہایت پاکیزہ شراب پلائے گا۔

إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُمْ جَزَاءً وَكَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُورًا ﴿٢٧﴾

یہ تمہارا صلہ ہے اور تمہاری کوشش (اللہ کے ہاں) مقبول ہوئی۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنْزِيلًا ﴿۲۳﴾ ﴿۲۳﴾ صَبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ

(اے محمد ﷺ!) ہم نے تم پر قرآن آہستہ آہستہ نازل کیا ہے۔ تو اپنے پروردگار کے حکم کے مطابق صبر کئے رہو

﴿۲۴﴾ وَلَا تَطْعُ مِنْهُمْ آثِمًا أَوْ كَفُورًا ﴿۲۴﴾ ﴿۲۴﴾ ذَكَرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَأَصِيلًا ﴿۲۴﴾ ﴿۲۴﴾

اور ان لوگوں میں سے کسی بد عمل اور ناشکرے کا کہا نہ مانو۔ اور صبح و شام اپنے پروردگار کا نام لیتے رہو۔

﴿۲۵﴾ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ﴿۲۵﴾ ﴿۲۵﴾

اور رات کو بڑی رات تک سجدے کرو اور اس کی پاکی بیان کرتے رہو۔

﴿۲۶﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ يُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ وَيَذْرُونَ وِرَاءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيلًا ﴿۲۶﴾ ﴿۲۶﴾

یہ لوگ دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور (قیامت کے) بھاری دن کو پس پشت چھوڑے دیتے ہیں۔

﴿۲۷﴾ نَحْنُ خَلَقْنَاهُمْ وَشَدَدْنَا أَسْرَهُمْ وَإِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَا أَمْثَلَهُمْ تَبْدِيلًا ﴿۲۷﴾ ﴿۲۷﴾

ہم نے ان کو پیدا کیا اور ان کے مفاسل کو مضبوط بنایا اور اگر ہم چاہیں تو ان کے بدلے انہی کی طرح اور لوگ لے آئیں۔

﴿۲۸﴾ إِنَّ هَذِهِ تَذْكَرَةٌ فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿۲۸﴾ ﴿۲۸﴾

یہ تو نصیحت ہے سو جو چاہے اپنے پروردگار کی طرف پہنچنے کا رستہ اختیار کرے

﴿۲۹﴾ وَمَا تَشَاءُ وَنَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۲۹﴾ ﴿۲۹﴾

اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ کو منظور ہو بیشک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

﴿۳۰﴾ يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمِينَ أَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۳۰﴾ ﴿۳۰﴾

جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے اور ظالموں کے لئے اس نے دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے

سورة المرسلات (مکیہ) [1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا ﴿۱﴾ ۱۔ فَالْعَاصِفَاتِ عَصْفًا ﴿۲﴾ ۲۔ وَالنَّاشِرَاتِ نَشْرًا ﴿۳﴾ ۳۔
ہواؤں کی قسم جو نرم نرم چلتی ہیں۔ پھر زور پکڑ کر جھکڑ ہو جاتی ہیں۔ اور (بادلوں کو) پھاڑ کر پھیلا دیتی ہیں۔

فَالْفَارِقَاتِ فَرْقًا ﴿۴﴾ ۴۔ ۵۔ فَالْمُلْقِيَاتِ ذِكْرًا ﴿۵﴾ ۵۔ ۶۔ هٰذَا اَوْ نُذْرًا ﴿۶﴾ ۶۔
پھر ان کو پھاڑ کر جدا جدا کر دیتی ہیں۔ پھر فرشتوں کی قسم جو وحی لاتے ہیں۔ [2] کہ عذر کر دیا جائے یا ڈرنا دیا جائے۔

[1] عبد اللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم منیٰ کے ایک غار میں تھے جب یہ سورت اتری رسول ﷺ اس کی تلاوت کر رہے تھے اور میں آپ ﷺ سے سنکر یاد کر رہا تھا، کہ اچانک ایک سانپ ہم پر کودا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسے مارو۔ ہم گوجھپٹے لیکن وہ نکل گیا، تو آپ نے فرمایا تمہاری شر سے وہ بچ گیا، جیسے تم اس کی برائی سے محفوظ رہے (بخاری فی التفسیر و مسلم کتاب قتل الحیات: ۴۰/۷)۔

عبد ابن عباس کی والدہ صلحبہ ام الفضل فرماتیں ہیں: کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مغرب کی نماز میں اس سورت کی قرات کرتے ہوئے سنا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ عبد اللہ کو اس سورت کو پڑھتے ہوئے سن کر ام فضل نے فرمایا: پیارے بچے آج تو تم نے یاد دلایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے اس سورت کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے آخری مرتبہ سنا ہے (بحوالہ مسند احمد: ۶/۳۳۸، و بخاری کتاب الاذان باب القراۃ فی المغرب و مسلم باب القراۃ فی الصبح)۔

[2] اس صورت میں حق تعالیٰ نے چند چیزوں کی قسمیں کھا کر قیامت کے یقینی طور پر آنے کا ذکر فرمایا ہے ان چیزوں کی نام قرآن میں بیان نہیں کیا گیا۔ البتہ ان کی اس جگہ پانچ خصوصیتیں بیان فرمائی ہیں: مرسلات، عاصفات، ناشرات، فارقات، ملقیات الذکر۔ کسی حدیث مرفوعہ میں اس کی پوری تعین نہیں آئی کہ ان صفات کے موصوفات کیا ہیں؟ اس

لئے صحابہ و تابعین کی تفسیریں اس معاملے میں مختلف ہو گئیں۔

بعض علماء نے ان پانچوں صفتوں کا موصوف فرشتے قرار دیا ہے، اور یہ کہ ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کی مختلف جماعتیں ان مختلف صفات کی حامل ہوں۔ بعض علماء نے ان صفات کا موصوف ہواؤں کو قرار دیا ہے وہ بھی مختلف اقسام اور نوعیت کی ہوتی ہیں، اس لئے یہ صفات مختلفہ ان میں ہو سکتی ہیں۔ بعض علماء نے ان کا موصوف خود انبیاء و رسل کو قرار دیا ہے۔ ابن جریر طبری نے اسی لئے اس معاملے میں توقف اور سکوت کو اسلام قرار دیا کہ احتمال دونوں کا ہیں ہم اپنی طرف سے کسی کو متعین نہیں کرتے۔

اور اس میں شبہ نہیں کہ جو پانچ صفات اس جگہ ذکر کی گئی ہیں ان میں سے بعض تو ملائکہ اللہ پر زیادہ چسپاں اور ان کے مناسب ہیں، ان کو ریح کی صفت بنائیں تو کھینچ تان اور تاویل کرنا پڑھتی ہے۔ اور بعض صفات ایسی ہیں جو ریح یعنی ہواؤں پر زیادہ چسپاں اور واضح ہیں ان کو فرشتوں کی صفت بنائیں تو تاویل کی بغیر نہیں بنتی۔ اس لئے اس مقام میں بہتر فیصلہ ابن کثیر کا معلوم ہوتا ہے، انہوں نے فرمایا کہ شروع کی تین صفات ہواؤں کی صفتیں ہیں، ان تین میں ریح اور ہواؤں کی قسم ہو گئی باقی آخری دو صفتیں یہ فرشتوں کی صفات ہیں تو یہ فرشتوں کی قسم ہو گئی۔

ابن کثیر کے اختیار کے مطابق معنی ان آیتوں کے یہ ہو گئے کہ قسم ہے ان ہواؤں کی جو بھیجی جاتی ہیں۔ عرفا: یہاں عرفا کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو دو سخا اور نفع رسائی جو ہوائیں بارش لیکر آتی ہیں ان کی جو دو سخا اور نفع رسائی ظاہر ہے۔ اور دوسرے معنی عرفا کے متتابع یعنی پے در پے کے بھی آتے ہیں۔ یہ معنی لئے جاویں تو مراد وہ ہوائیں ہو گئی جو بادل اور بارش کو لئے ہوئے مسلسل اور متتابع چلتی ہیں۔ اور عاصفات عصف سے مشتق ہے جس کے لغوی معنی ہوا کے تیز چلنے کے ہیں اس سے مراد وہ اندھیاں اور تیز ہوائیں ہیں جو بعض اوقات دنیا میں آیا کرتی ہیں۔

اور ناشرات سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بارش ختم ہونے کے بعد بادل کو پھاڑ کر منتشر کر دیتی ہیں۔ اور فارقات یہ صفت فرشتوں کی ہے جو وحی الہی نازل کر کے حق و باطل میں فرق واضح کرتے ہیں اور مَلَقَات ذکر ابھی فرشتوں کی صفت ہے اور ذکر سے مراد قرآن یا مطلق وحی ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ قسم ہے ان فرشتوں کی جو بذریعہ وحی حق و باطل میں فرق و امتیاز واضح کر دیتے ہیں اور قسم ہے ان فرشتوں کی جو انبیاء علیہم السلام پر ذکر یعنی وحی اور قرآن کا القا کرتے ہیں اس طرح کسی صفت میں تاویل اور کھینچ تان کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

ربا یہ سوال کہ اس تفسیر کی بناء پر پہلے ہواؤں کی مختلف اقسام کی قسم کھائی گئی پھر فرشتوں کی، ان دونوں میں =

﴿۸﴾ اِنَّمَا تُوعَدُونَ لَوَاقِعٌ ﴿۷﴾ ﴿۸﴾ اِذَا النُّجُومُ طُمِسَتْ ﴿۸﴾

کہ جس بات کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ ہو کر رہے گی۔ جب تاروں کی چمک جاتی رہے

﴿۹﴾ اِذَا السَّمَاءُ فُرِجَتْ ﴿۹﴾ ﴿۱۰﴾ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ﴿۱۰﴾ ﴿۱۱﴾ اِذَا الرُّسُلُ أُقْتَتِ ﴿۱۱﴾

اور جب آسمان پھٹ جائے۔ اور جب پہاڑ اڑے پھریں۔ اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر لایا جائے گا۔

﴿۱۲﴾ لَآئِي يَوْمٍ أُجِّلَتْ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۳﴾ الْيَوْمِ الْفَصْلِ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۴﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾

بھلا (ان امور میں) تاخیر کس دن کے لئے کی گئی؟ فیصلے کے دن کے لئے۔ اور تمہیں کیا خبر کہ فیصلے کا دن کیا ہے؟

﴿۱۵﴾ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۶﴾ اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِينَ ﴿۱۶﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ کیا ہم نے پہلے لوگوں کو ہلاک نہیں کر ڈالا؟

﴿۱۷﴾ ثُمَّ نَتَّبِعُهُمُ الْاٰخِرِينَ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾

پھر ان پچھلوں کو بھی ان کے پیچھے بھیج دیتے ہیں۔ ہم گنہگاروں کے ساتھ ایسا ہی کیا کرتے ہیں

﴿۱۹﴾ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾ لَمْ نَخْلُقْكُمْ مِّنْ مَّاءٍ مَّهِينٍ ﴿۲۰﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ کیا ہم نے تم کو حقیر پانی سے پیدا نہیں کیا؟

﴿۲۱﴾ فَجَعَلْنَاهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ اِلٰى قَدْرِ مَعْلُوْمٍ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾ فَهَدَرْنَا فَنِعَمَ الْقَادِرُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس کو ایک محفوظ جگہ میں رکھا۔ ایک معین وقت تک۔ پھر اندازہ مقرر کیا اور ہم کیا ہی خوب اندازہ مقرر کرنے والے ہیں

= ربط اور جوڑ کیا ہے؟ سو کلام الہی کی حکمتوں کا احاطہ تو کوئی کر نہیں سکتا، یہ مناسبت بھی ہو سکتی ہے کہ ہواؤں کی دونوں قسمیں بارش والی نفع بخش اور سخت آندھیاں مضر ترسوں میں یہ سب محسوسات میں سے ہیں ہر شخص ان کو پہچانتا ہے پہلے غور و فکر کے لئے انسان کے سامنے ان کو لایا گیا، اس کے بعد فرشتوں اور وحی کو پیش کیا گیا جو محسوس نہیں مگر ذرا سے غور و فکر کرنے پر ان کا یقین ہو سکتا ہے۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٢٢﴾ لِمَ نَجْعَلِ الْأَرْضَ كِفَاتًا ﴿٢٢٣﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ کیا ہم نے زمین کو سمیٹنے والی نہیں بنایا؟

أَحْيَاءَ وَأَمْوَاتًا ﴿٢٢٤﴾ لَوْ جَعَلْنَا فِيهَا رِوَاسِيَ شِمَخَتْ وَأَسْقَيْنَاكُمْ مَاءً فُرَاتًا
(یعنی) زندوں اور مُردوں کو۔ اور اس پر اونچے اونچے پہاڑ رکھ دیئے اور تم لوگوں کو میٹھا پانی پلایا۔

﴿٢٢٥﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٢٦﴾ فَطَلِقُوا إِلَىٰ مَا كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿٢٢٧﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ جس چیز کو تم جھٹلایا کرتے تھے (اب) اس کی طرف چلو۔

إِنطَلِقُوا إِلَىٰ ظِلِّ ذِي ثَلَاثِ شُعَبٍ ﴿٢٢٨﴾ ظَلِيلٍ وَلَا يُغْنِي مِنَ اللَّهَبِ

(یعنی) اس سائے کی طرف چلو جس کی تین شاخیں ہیں۔ نہ ٹھنڈی چھاؤں اور نہ لپٹ سے بچاؤ۔

﴿٢٢٩﴾ إِنَّا تَرْمِي بِشَرِّ كَالْقَصْرِ ﴿٢٣٠﴾ إِنَّهُ جَمَالَتْ صُفْرًا ﴿٢٣١﴾

اس کے (آگ کی اتنی اتنی بڑی) چنگاریاں اڑتی ہیں جیسے محل۔ گویا زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٣٢﴾ إِذَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ ﴿٢٣٣﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ یہ وہ دن ہے کہ (لوگ) لب تک نہ بلا سکیں گے۔

وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ ﴿٢٣٤﴾ وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٣٥﴾

اور نہ ان کو اجازت دی جائے گی کہ عذر کر سکیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

﴿٢٣٦﴾ هَذَا يَوْمُ الْفُضْلِ جَمَعْنَاكُمْ وَالْأُولَٰئِنَ ﴿٢٣٧﴾ كَان لَكُمْ كَيْدٌ فَاكِيدُونَ ﴿٢٣٨﴾

یہی فیصلے کا دن ہے (جس میں) ہم نے تم کو اور پہلے لوگوں کو جمع کیا ہے۔ اگر تم کو کوئی داؤ آتا ہو تو مجھ سے کر لو

وَيْلٌ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿٢٣٩﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي ظِلَالٍ وَعُيُونٍ ﴿٢٤٠﴾

اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ بیشک پرہیزگار سایوں اور چشموں میں ہوں گے۔

وَفَوَاكِهِ مِمَّا يَشْتَهُونَ ﴿۲۳﴾ كَلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾

اور میووں میں جو ان کو مرغوب ہوں۔ جو عمل تم کرتے رہے تھے ان کے بدلے میں مزے سے کھاؤ اور پیو۔

إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۴﴾ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۴﴾

ہم نیکوکاروں کو ایسا ہی بدلا دیا کرتے ہیں۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

كَلُوا وَتَمَتُّعُوا قَلِيلًا إِنَّكُمْ مُجْرِمُونَ ﴿۲۴﴾ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۴﴾

(اے جھٹلانے والے!) تم کسی قدر کھا لو اور فائدے اٹھا لو تم بیشک گنہگار ہو۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ ارْكَعُوا لَا يَرْكَعُونَ ﴿۲۵﴾ وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ ﴿۲۵﴾

اور جب ان سے رکوع (نماز) کرنے کا کہا جائے تو رکوع نہیں کرتے۔ اس دن جھٹلانے والوں کی خرابی ہے۔ [3]

فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۲۵﴾

اب اس کے بعد یہ کونسی بات پر ایمان لائیں گے؟

[3] اس سورہ میں یہ آیت مبارکہ ”وَيَلَّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ“ جس جگہ ارشاد فرمائی گئی، تکرار آیات قرآنیہ کی حکمت

سورہ الرحمن میں فبائی الاء ربکما تکذبان میں بیان کر دی گئی وہ تو ہر جگہ اور جو بھی آیات قرآن میں بار بار ہیں، ان پر منطبق ہوتی ہے، یہاں یہ آیت دس بار مکرر ہے بعض عارفین کے کلام سے یہاں اس کے تکرار کی مزید ایک خاص حکمت بھی معلوم ہوتی ہے۔

اس سورہ میں اصل خطاب منکرین قیامت سے ہے اسی ضمن میں دس مرتبہ ویل یومئذ للمکذبین کا اعادہ کر کے یہ ظاہر کرنا بظاہر مقصود ہے کہ منکرین قیامت دس وجوہ سے ہلاکت و بردبادی میں ہیں، تو ہر وجہ کے پیش نظر ہلاکت و بردبادی کی یہ وعید بیان فرمادی گئی، جس کی تفصیل اس طرح سمجھ لی جائے کہ انسان میں قدرت الہی کی طرف سے تین قوتیں رکھی گئی ہیں جن کی اصلاح سے سعادت اور فلاح کا ترتیب ہوتا ہے۔ اور ان کے فساد سے شقاوت و بدبختی اور =

سورة النبا (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

عَمَّ يَتَسَاءَلُونَ ﴿۱﴾ اَلَّذِيْنَ عَلَّمَهُنَّ الْعِلْمَ ﴿۲﴾ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُونَ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

یہ لوگ کس چیز کی نسبت پوچھتے ہیں؟ (کیا) بڑی خبر کی نسبت؟ جس میں یہ اختلاف کر رہے ہیں

كَلَّا سَيَعْلَمُونَ ﴿۱﴾ اَلَّذِيْنَ عَلَّمَهُنَّ الْعِلْمَ ﴿۲﴾ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُونَ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

دیکھو یہ عنقریب جان لیں گے۔ پھر دیکھو یہ عنقریب جان لیں گے۔ کیا ہم نے زمین کو بچھونا نہیں بنایا؟

= ہلاکت و بربادی ہے، اول قوت نظریہ جس پر ادراک صحیح اور اعتقادات کا دار و مدار ہے، کافروں اور منکرین قیامت نے اس کو بگاڑ رکھا تھا متعدد وجوہ سے اول ذات الہی کا شرک کر کے۔ دوم صفات الہی میں، یہودہ اور لغوہ خیالات اور منگھوت تصورات باطلہ قائم کر کے۔ سوم فرشتوں کے بارہ میں یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، ہمارے کاروبار کے وہی مالک و مختار ہیں، چہارم یہ کہ انسان کی زندگی بس دنیا ہی تک محدود ہے نہ حشر ہے نہ بعث بعد الموت، پنجم قضا و قدر کا انکار اور مخلوقات کی اس میں شرکت، ششم انبیاء علیہم السلام اور کتب سماویہ کا انکار اور ان کے اوامر و ہدایات سے سرتابی، تو یہ چھ قسم کی خرابیاں تو منکرین قیامت میں قوت نظریہ کے فساد کی وجہ سے پائی جاتی ہیں، دوسری قوت شہوانیہ جس کی خرابی افراط و تفریط ہے، افراط کے باعث انسان بہائم کی حد تک پہنچ جاتا ہے، اور تفریط کی وجہ سے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے، تو یہ دونوں عیب منکرین قیامت میں تھے، تیسری قوت غصبیہ ہے اس میں بھی افراط انسان کو بہائم اور درندوں سے بڑھادیتا ہے، اور اس کی وجہ سے ظلم و تعدی کی کوئی حد نہیں رہتی، اور تفریط انسان میں سے حمیت وغیرت کا وصف ختم کر دیتی ہے۔ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ محارم الہیہ کی بچرمتی اور گستاخی پر غصہ تو درکنار کان پر جوں تک نہیں رہتی، تو دوسری خرابیاں یہ ہوئیں، اس طرح ظاہر ہوا کہ منکرین قیامت اور ایسے مجرمین ان دس خرابیوں میں مبتلا تھے تو ہر ایک خرابی کے بالقابل ایک بار فرما دیا گیا، ”وَيَلِّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ“ واللہ اعلم۔ (از کبیر بتصرف)۔

وَالْجِبَالِ أَوْ تَادَا ۚ ﴿۷﴾ ۚ خَلَقْنَاكُمْ أَرْوَاجًا ۚ ﴿۸﴾ ۚ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۚ ﴿۹﴾

اور پہاڑوں کو (اس کی) میخیں (نہیں ٹھہرائیں)؟ اور تم کو جوڑا جوڑا بھی پیدا کیا۔ اور نیند کو تمہارے لئے آرام بنایا

وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا ۚ ﴿۱۰﴾ ۚ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۚ ﴿۱۱﴾ ۚ وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۚ ﴿۱۲﴾

اور رات کو پردہ مقرر کیا۔ اور دن کو معاش (کا وقت) قرار دیا۔ اور تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) بنائے۔

وَجَعَلْنَا سِرَاجًا وَهَاجًا ۚ ﴿۱۳﴾ ۚ وَأَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا ۚ ﴿۱۴﴾

اور (آفتاب کا) روشن چراغ بنایا۔ اور نچرتے بادلوں سے موسلا دھار مینہ برسایا۔

لِنُخْرِجَ بِهِ حَبًّا وَنَبَاتًا ۚ ﴿۱۵﴾ ۚ أَوْ بَحْنَاتٍ أَلْفَا ۚ ﴿۱۶﴾ ۚ إِنَّ يَوْمَ الْفُصْلِ كَانَ مِيقَاتًا ۚ ﴿۱۷﴾

تاکہ اس سے اناج اور سبزہ پیدا کریں۔ اور گھنے گھنے باغ۔ بیشک فیصلے کا دن مقرر ہے۔

يَوْمَ يُفْخِجُ فِي الصُّورِ فَنَأْتُونَ أَفْوَاجًا ۚ ﴿۱۸﴾ ۚ وَفُتِحَتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ أَبْوَابًا ۚ ﴿۱۹﴾

جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم لوگ گروہ درگروہ آ موجود ہوں گے۔ اور آسمان کھول جائے گا تو (اس میں) دروازے ہو جائیں گے

وَسُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۚ ﴿۲۰﴾ ۚ إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۚ ﴿۲۱﴾

اور پہاڑ چلائے جائیں گے تو وہ ریت ہو کر رہ جائیں گے۔ بیشک دوزخ گھات میں ہے۔

لِلطَّغِينِ مَا بَأ ۚ ﴿۲۲﴾ ۚ إِنَّ فِيهَا أَحْقَابًا ۚ ﴿۲۳﴾ ۚ لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَلَا شَرَابًا

(یعنی) سرکشوں کا وہی ٹھکانہ ہے۔ اس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ وہاں نہ ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے نہ (کچھ) پینا۔

﴿۲۴﴾ ۚ حَمِيمًا وَعَسَاقًا ۚ ﴿۲۵﴾ ۚ زَرَّاءٌ وَفَاقًا ۚ ﴿۲۶﴾

مگر گرم پانی اور بہتی پیپ۔ (یہ) بدلا ہے پورے کا پورا۔

إِنَّهُمْ كَانُوا لَا يَرْجُونَ حِسَابًا ۚ ﴿۲۷﴾ ۚ لَوْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كِذَابًا ۚ ﴿۲۸﴾

یہ لوگ حساب (آخرت) کی امید ہی نہیں رکھتے تھے۔ اور ہماری آیتوں کو جھوٹ سمجھ کر جھٹلاتے رہتے تھے۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَاهُ كِتَابًا ﴿۳۴﴾ فَذُوقُوا فَلَنْ نَزِيدَكُمْ إِلَّا عَذَابًا ﴿۳۵﴾

اور ہم نے ہر چیز کو لکھ کر ضبط کر رکھا ہے۔ سو (اب) مزا چکھو ہم تم پر عذاب ہی بڑھاتے جائیں گے۔

إِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ﴿۳۶﴾ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَغْنَابًا ﴿۳۷﴾ وَخَوَاعِبَ أَتْرَابًا ﴿۳۸﴾

بیشک پرہیزگاروں کے لئے کامیابی ہے۔ (یعنی) باغ اور انگور۔ اور ہم عمر نوجوان عورتیں۔

وَكَأْسًا دِهَاقًا ﴿۳۹﴾ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا كِذَابًا ﴿۴۰﴾

اور شراب کے چھلکتے ہوئے گلاس۔ وہاں نہ بیہودہ بات سنیں گے نہ جھوٹ (خرافات)۔

جَزَاءً مِّن رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا ﴿۴۱﴾ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے صلہ ہے انعام کثیر۔ وہ جو آسمانوں اور زمین

وَمَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمَنُ لَا يَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۴۲﴾

اور جو ان دونوں میں ہے سب کا مالک بڑا مہربان کسی کو اس سے بات کرنے کا طاقت نہ ہوگا۔

يَوْمَ يَقُومُ الرُّوحُ وَالْمَلَائِكَةُ صَفًّا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ

جس دن روح (الائین) اور (آور) فرشتے صف باندھے کھڑے ہوں گے تو کوئی بول نہ سکے گا مگر جس کو

أُذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا ﴿۴۳﴾ إِلَيْكَ الْيَوْمَ الْحَقُّ

(اللہ) الرحمن اجازت بخشے اور اس نے بات بھی درست کہی ہو۔ یہ دن برحق ہے

فَمَنْ شَاءَ اتَّخَذْ إِلَىٰ رَبِّهِ مَا بَا ﴿۴۴﴾ إِنَّا أَنْذَرْنَاكُمْ عَذَابًا قَرِيبًا

پس جو شخص چاہے اپنے پروردگار کے پاس ٹھکانہ بنائے۔ ہم نے تم کو عذاب سے جو عنقریب آنے والا ہے آگاہ کر دیا ہے

يَوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا ﴿۴۵﴾

جس دن ہر شخص ان (اعمال) کو جو اس نے آگے بھیجے ہوں گے دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کہ اے کاش! میں مٹی ہوتا

سورة النازعات (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَالنَّشِطَاتِ نَشْطًا ﴿۲﴾ وَالسَّابِحَاتِ سَبْحًا ﴿۳﴾
ان کی قسم جو ڈوب کر کھینچ لیتے ہیں۔ [1] اور ان کی جو آسانی سے کھول دیتے ہیں۔ اور ان کی جو تیرتے پھرتے ہیں

[1] وَالنَّازِعَاتِ غَرْقًا: یہ شواہد ہیں اور اخروی ثواب و عقاب کا نمونہ ہے جس طرح دنیا میں فرشتے قبض روح کے وقت مومنوں کے ساتھ نرمی کا سلوک اور کافروں کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے ہیں اسی طرح آخرت میں ہوگا، غرقا، النازعات، کا مفعول مطلق ہے من غیر لفظہ اور اس کے معنی ہیں سختی اور شدت کے ساتھ کھینچنا، یقال اغرق النازع فی القوس ای استوفی مدها بقوة وشددة (مظہری)۔ اغراق سخت کشیدن کمان (صراح) اس سے کافروں کی روحمیں قبض کرنے والے فرشتے مراد ہیں جو شدت کے ساتھ ان کی روحمیں کھینچتے ہیں۔

”نشط“ کے معنی ہیں آسانی اور نرمی سے نکالنا، جس طرح ڈول آسانی کے ساتھ کنوئیں سے نکال لیا جاتا ہے اس سے مومنوں کی روحمیں قبض کرنے والے فرشتے مراد ہیں المراد الملائكة الذین یخرجون ارواح المومنین برفق من نشط الدلو اذا اخرج بلا کره (مظہری) یا اس کے معنی ہیں شادمانی اور خوشی کے۔ نشطا بشادمانی شدن (صراح) مطلب یہ ہوگا کہ وہ مومنوں کی روحمیں نہایت خوشی اور شادمانی سے قبض کرتے ہیں۔

”و السبخت“ فضاء آسمانی میں تیرنے والے سرعت سیر کو تیرنے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

”فالسبقت“ اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے والے۔

”فالمدبرات“ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لئے تدبیریں سوچنے والے: التی تصیخ فی مضیھا ای

تصرع فتسبق الی ما امر و ابہ فتدبر امر امن امور عباد م ما یصلحهم فی دینهم کما رسم لهم

(مدارک) یہ قیامت کے حق ہونے پر قسمیں اور شواہد ہیں اور جواب قسم محذوف ہے اقسام سبحانہ بہذہ =

فَالسَّبِقَاتِ سَبْقًا ﴿۱۴﴾ ۱۴ ﴿۱۴﴾ فَاَلْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا ﴿۱۵﴾ ۱۵ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ﴿۱۶﴾ ۱۶ ﴿۱۶﴾

پھر لپک کر آگے بڑھتے ہیں۔ پھر کاموں کا انتظام کرتے ہیں۔ (کہ وہ دن آ کر رہے گا) جس دن زمین کو بھونچال آئیگا

تَتَّبِعُهَا الرَّادِفَةُ ﴿۱۷﴾ ۱۷ ﴿۱۷﴾ قُلُوبٌ يَوْمَئِذٍ وَاجِفَةٌ ﴿۱۸﴾ ۱۸ ﴿۱۸﴾ بَصَارُهَا خَاشِعَةٌ ﴿۱۹﴾ ۱۹ ﴿۱۹﴾

پھر اس کے پیچھے اور (بھونچال) آئے گا۔ اس دن (لوگوں) کے دل خائف ہو رہے ہوں گے۔ اور آنکھیں جھکی ہوئی

يَقُولُونَ إِنَّا لَمَرْدُودُونَ فِي الْحَافِرَةِ ﴿۲۰﴾ ۲۰ ﴿۲۰﴾ إِذْ كُنَّا عِظَامًا نَخِرَةً ﴿۲۱﴾ ۲۱ ﴿۲۱﴾

(کافر) کہتے ہیں کیا ہم لٹے پاؤں پھر لوٹیں گے؟ بھلا جب ہم کھوکھلی ہڈیاں ہو جائیں گے (تو پھر زندہ کئے جائیں گے)؟

قَالُوا تِلْكَ إِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ﴿۲۲﴾ ۲۲ ﴿۲۲﴾ إِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَاحِدَةٌ ﴿۲۳﴾ ۲۳ ﴿۲۳﴾

کہتے ہیں کہ یہ لوٹنا تو (موجب) زیاں ہے۔ وہ تو صرف ایک آواز ہو گی۔

فَإِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ ﴿۲۴﴾ ۲۴ ﴿۲۴﴾ هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ مُوسَى ﴿۲۵﴾ ۲۵ ﴿۲۵﴾

اس وقت وہ (سب) میدان (حشر) میں آ جمع ہوں گے۔ بھلا تم کو موسیٰ کی خبر پہنچی ہے؟

إِذْ نَادَاهُ رَبُّهُ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ﴿۲۶﴾ ۲۶ ﴿۲۶﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ ﴿۲۷﴾ ۲۷ ﴿۲۷﴾

جب ان کے پروردگار نے ان کو پاک میدان (یعنی) طوی میں پکارا۔ (اور حکم دیا) کہ فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو رہا ہے

= الاشياء التي ذكرها على ان القيامة حق (قرطبي). وجواب القسم محذوف اي لتبعثن ولتحاسبن (مظہری) بالسلطن عليكم الملائكة يوم القيامة كما في الدنيا (شيخ)۔

حاصل یہ کہ یہ امور اس پر شاہد ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ تمہارا حساب کتاب

ہوگا اور تم پر فرشتے مسلط کیے جائیں گے جو بڑی شان سے مومنوں کو جنت میں داخل کریں گے۔ کچھ جنت میں ان

کا استقبال کریں گے اور ان کو سلام کا تحفہ پیش کریں گے۔ اور کچھ کفار اور مشرکین کو سختی سے گھسیٹ کر دوزخ میں داخل کریں

گے اور ان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں گے۔

﴿۱۹﴾ فَقُلْ هَلْ لَّكَ إِلَىٰ أَنْ تَزَكَّىٰ ﴿۱۸﴾ وَأَهْدِيكَ إِلَىٰ رَبِّكَ فَتَخْشَىٰ ﴿۱۹﴾

اور (اس سے) کہو کیا تو چاہتا ہے کہ پاک ہو جائے؟ اور میں تجھے تیرے پروردگار کا رستہ بتاؤں تاکہ تجھ کو خوف (پیدا) ہو؟

﴿۲۰﴾ فَأَرَاهُ الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ ﴿۲۰﴾ فَكَذَّبَ وَعَصَىٰ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ أَذْبَرَ يَسْعَىٰ ﴿۲۲﴾

پس انہوں نے اس کو بڑی نشانی دکھائی۔ اس نے جھٹلایا اور نہ مانا۔ پھر لوٹ گیا اور تدبیریں کرنے لگا۔

﴿۲۳﴾ فَحَشَرَ فَنَادَىٰ ﴿۲۳﴾ قَالَ أَنَا رَبُّكُمُ الْأَعْلَىٰ ﴿۲۴﴾ فَأَخَذَهُ اللَّهُ

اور (لوگوں کو) اکٹھا کیا اور پکارا۔ کہنے لگا کہ تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔ تو اللہ نے اس کو دنیا اور آخرت

﴿۲۵﴾ نَكَالَ الْآخِرَةِ وَالْأُولَىٰ ﴿۲۵﴾ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّمَن يَخْشَىٰ ﴿۲۶﴾

(دونوں) کے عذاب میں پکڑ لیا۔ جو شخص (اللہ سے) ڈر رکھتا ہے اس کے لئے اس (قصے) میں عبرت ہے۔

﴿۲۷﴾ إِنَّكُمْ أَشَدُّ خَلْقًا مِّنَ السَّمَاءِ بَنَاهَا ﴿۲۷﴾ رُبَّعَ سَمَكِهَا فَسَوَّاهَا ﴿۲۸﴾

بھلا تمہارا بنانا آسان ہے یا آسمان کا؟ اسی نے اس کو بنایا۔ اس کی چھت کو اونچا کیا پھر اسے برابر کر دیا۔

﴿۲۹﴾ وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ ضُحَاهَا ﴿۲۹﴾ وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَٰلِكَ دَحَاهَا ﴿۳۰﴾

اور اسی نے رات کو تاریک بنایا اور (دن کو) دُھوپ نکالی۔ اور اس کے ساتھ زمین کو پھیلا دیا۔

﴿۳۱﴾ أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءَهَا وَمَرْعَاهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ أَرْسَاهَا ﴿۳۲﴾

اسی نے اس میں سے پانی نکالا اور چارا اگایا۔ اور اس پر پہاڑوں کا بوجھ رکھ دیا۔

﴿۳۳﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ إِذَا جَاءَتِ الطَّامَةُ الْكُبْرَىٰ ﴿۳۴﴾

یہ سب کچھ تمہارے اور تمہارے چوپائیوں کے فائدے کے لئے (کیا) تو جب بڑی آفت آئے گی۔

﴿۳۵﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنسَانُ مَا سَعَىٰ ﴿۳۵﴾ وَابْرَزَتِ الْجَحِيمُ لِمَن يَرَىٰ ﴿۳۶﴾

اس دن انسان اپنے کاموں کو یاد کرے گا۔ اور دوزخ دیکھنے والے کے سامنے نکال کر رکھ دی جائے گی۔

﴿۲۹﴾ فَأَمَّا مَنْ طَغَى ﴿۲۹﴾ ﴿۳۰﴾ تَوَلَّىٰ رُءُوسَ الدُّنْيَا ﴿۳۰﴾ ﴿۳۱﴾ وَالْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۲﴾

تو جس نے سرکشی کی۔ اور دنیا کی زندگی کو مقدم سمجھا۔ اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

﴿۳۰﴾ وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۱﴾

اور جو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا اور جی کو خواہشوں سے روکتا رہا۔

﴿۳۱﴾ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۲﴾ سَأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِلُهَا ﴿۳۲﴾ ﴿۳۳﴾

اس کا ٹھکانہ بہشت ہے۔ (اے پیغمبر! لوگ) تم سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا؟

﴿۳۲﴾ فِيمَ أَنْتَ مِنْ ذِكْرَاهَا ﴿۳۲﴾ ﴿۳۳﴾ لِيَرْبِّكَ مُنْتَهَىٰ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾

تم اس کے ذکر سے کس فکر میں ہو؟ اس کا منتہا (یعنی واقع ہونے کا وقت) تمہارے پروردگار ہی کو معلوم ہے

﴿۳۳﴾ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ مَنِ يَخْشَاهَا ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾ كَانَهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾

جو شخص اس سے ڈر رکھتا ہے تم تو اسی کو ڈر سنانے والے ہو۔ جب وہ اس کو دیکھیں گے

﴿۳۴﴾ لَمْ يَلْبَثُوا إِلَّا عَشِيَّةً أَوْ ضُحَاهَا ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾

(تو ایسا خیال کریں گے) کہ گویا (دنیا میں صرف) ایک شام یا صبح رہے تھے۔

سورة عبس (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۱﴾ عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ إِنَّ جَاءَهُ الْأَعْمَىٰ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكَّىٰ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

(محمد مصطفیٰ ﷺ) ترش رو ہوئے اور منہ پھیر بیٹھے۔ کہ ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور تم کو کیا خبر یقین وہ پاکیزگی حاصل کرتا

أَوْ يَذْكُرُ فَتَنْفَعَهُ الذُّكْرَى ﴿۱۴﴾ مَا مِنْ اسْتَعْنَى ﴿۱۵﴾ كَأَنْتَ لَهُ تَصَدَّى ﴿۱۶﴾

یا سوچتا تو سمجھانا اسے فائدہ دیتا۔ جو پروا نہیں کرتا۔ اس کی طرف تو تم توجہ کرتے ہو۔

وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزَّكِي ﴿۱۷﴾ وَأَمَّا مَنْ جَاءَكَ يَسْعَى ﴿۱۸﴾ هُوَ يَخْشَى ﴿۱۹﴾

حالانکہ اگر وہ نہ سنورے تو تم پر کچھ (الزام نہیں) ہیں۔ اور جو تمہارے پاس دوڑتا ہوا آیا۔ اور (اللہ سے) ڈرتا ہے

فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى ﴿۲۰﴾ كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۲۱﴾ مَنْ شَاءَ ذَكَرْهُ ﴿۲۲﴾

اس سے تم بے رخی کرتے ہو۔ [1] دیکھو یہ (قرآن) نصیحت ہے۔ پس جو چاہے اسے یاد رکھے۔

[1] تنبیہ برائے نبی کریم ﷺ۔ ایک دفعہ رسول پاک ﷺ کے پاس صنادید قریش غتبہ، شیبہ، ابو جہل، امیہ، اور ولید وغیرہم بیٹھے تھے، آپ ان کو سمجھا رہے تھے اور اسلام کی دعوت دے رہے تھے، آپ کو امید تھی کہ اگر یہ لوگ اسلام لے آئے تو ان کی وجہ سے بہت سے لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں گے۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن ام مکتومؓ جو ایک نابینا صحابی تھے اور خدیجہؓ کے ماموں زاد بھائی تھے آپ کے پاس آئے وہ چونکہ نابینا تھے، اس لئے آپ کی اس نہایت ہی اہم مصروفیت کا اندازہ نہ کر سکے اور نبی کریم ﷺ سے قرآن پڑھانے کی بار بار درخواست کرنے لگے، نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی بلکہ ان کی اس حرکت کو ناپسند فرمایا اور چہرے سے ایک مخصوص کیفیت سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور ان کی طرف سے رخ موڑ لیا۔

مگر حق تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ ہوئی اور آپ کو تنبیہ فرمائی، ضمائر غائب نبی کریم ﷺ سے کہنا یہ ہیں، ترش روئی کی اور منہ پھیر لیا۔ اس لئے کہ آپ کے پاس ایک نابینا آ گیا، اس نابینا سے آپ کے اعراض میں بھی رضائے الہی کا جذبہ مضمر تھا، اور یہ اعراض کبر و نفرت کی وجہ سے نہ تھا آپ نے خیال فرمایا کہ یہ نابینا تو مخلص مومن ہے اور اسے ذرا ٹھہر کر بھی پڑھایا جاسکتا ہے، لیکن صنادید قریش کو شاید اس طرح سمجھانے کا موقع پھر ہاتھ نہ لگ سکے، نیز اگر وہ سمجھ گئے تو ان کی وجہ سے ہزاروں لوگ مسلمان ہو جائیں گے۔ اور ابن ام مکتومؓ سے جو آداب مجلس کے خلاف بات سرزد ہوئی ان کا عذر قرآن میں ”اعمسی“ کہہ کر بتلادیا، کہ وہ نابینا تھے اس لئے اس کو نہ دیکھ سکتے تھے، کہ آپ اس وقت کس شغل میں ہیں؟ کن لوگوں سے گفتگو چل رہی ہے؟ اس لئے وہ معذور تھے۔ =

فِي صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ ﴿۱۳﴾ الْمَرْفُوعَةِ مُطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾

قابلِ ادب ورتوں میں (لکھا ہوا)۔ جو بلند مقام پر رکھے ہوئے (اور) پاک ہیں۔ (ایسے) لکھنے والے کے ہاتھوں میں

كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ قِيلَ الْإِنْسَانُ مَا أَكْفَرَهُ ﴿۱۷﴾ لَٰمِنُ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ﴿۱۸﴾

جو معزز اور نیکوکار ہیں۔ انسان ہلاک ہو جائے کیسا ناشکرا ہے۔ اسے (اللہ نے) کس چیز سے بنایا؟

مِنْ نُطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَرَهُ ﴿۱۹﴾ السَّبِيلَ يَسْرَهُ ﴿۲۰﴾ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ﴿۲۱﴾

نطفے سے بنایا پھر اس کا اندازہ مقرر کیا۔ پھر اس کے لئے رستہ آسان کر دیا۔ پھر اس کو موت دی پھر قبر میں دفن کرایا۔ پھر

= ”و ما یدریک“ آپ کو کیا معلوم وہ نابینا شاید آپ سے قرآن سیکر ہی پاک ہو جاتا اور (بذکر) یا نصیحت سیکر اس میں غور و فکر کرتا اور اس طرح اس سے فائدہ اٹھاتا ”بیزکی“ میں قبول کا اعلیٰ درجہ کا ذکر ہے یعنی سنتے ہی اس سے متاثر ہو کر برائیوں سے پاک ہو جاتا۔ دونوں جملے بحرف تردید یعنی ”او“ کے ساتھ استعمال کئے گئے، کہ ان دونوں میں کوئی ایک حال ضرور حاصل ہوتا، اس میں اصطلاحی مانعہ اٹھو ہے، یعنی احتمال یہ بھی ہے کہ دونوں نفع جمع ہو جائیں، کہ ابتداءً تذکر ہو اور اس کے بعد تزکیہ، مانعہ الجمع نہیں کہ دونوں جمع نہ ہو سکیں۔

”امامن استغنی“ جو ایمان سے اور آپ کی دعوت و تبلیغ سے مستغنی اور بے نیاز ہیں آپ ان کے درپے ہیں اور غور سے ان کی باتیں سنتے ہیں۔ اگر وہ ایمان نہ لائیں اور کفر و شرک سے پاک نہ ہو تو اس سے آپ پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ آپ کا کام بتانا اور سمجھانا ہے منوانا آپ کا کام نہیں۔ اس سے مراد صنادید قریش ہیں جو آپ کی دعوت و تبلیغ میں کوئی حقیقی دلچسپی نہیں لیتے تھے۔

”وامامن جاءک“ لیکن جو شخص یعنی ابن ام مکتوم بڑے شوق سے دوڑتا ہوا آپ کے پاس آتا ہے اور وہ اللہ سے ڈرتا بھی ہے ہدایت کا متمنی اور راہ حق کا طلبگار بھی ہے آپ اس سے اعراض کرتے اور اس سے غفلت کا برتاؤ فرماتے ہیں۔

ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنْشَرَهُ ﴿۲۲﴾ لَمَّا يَقْضِ مَا أَمَرَهُ ﴿۲۳﴾

جب چاہے گا اسے اٹھا کھڑا کرے گا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ نے اسے جو حکم دیا اس نے اس پر عمل نہ کیا۔

فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ إِلَى طَعَامِهِ ﴿۲۴﴾ إِنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾

تو انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے کی طرف نظر کرے۔ بیشک ہم ہی نے پانی برسایا۔

ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ لِنَبْتُنَا فِيهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَرَبْنَا وَقُضْبًا ﴿۲۸﴾

پھر ہم ہی نے زمین کو حیرا بھاڑا۔ پھر ہم ہی نے اس میں اناج اگایا۔ اور انگور اور ترکاری۔

وَزَيْتُونًا وَنَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَحَدَائِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَالْأَكْحَافَ وَأَبَا ﴿۳۱﴾

اور زیتون اور کھجوریں۔ اور گھنے گھنے باغ۔ اور میوے اور چارا۔

مَتَاعًا لَكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾ إِذَا جَاءَتِ الصَّاحَّةُ ﴿۳۳﴾

(یہ سب کچھ) تمہارے اور تمہارے چارپایوں کے لئے پیدا کیا۔ تو جب (قیامت کا) غل مچے گا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿۳۴﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿۳۵﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿۳۶﴾

اس دن بھائی اپنے بھائی سے دُور بھاگے گا۔ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے

لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿۳۷﴾ وَرَجُلٌ يَوْمَئِذٍ مُسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾

ہر شخص اس روز ایک فکر میں ہوگا جو اسے (مصروفیت کے لئے) بس کرے گا۔ اور کتنے منہ اس روز چمک رہے ہوں گے۔

صَاحِكَةٌ مُسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَرَجُلٌ يَوْمَئِذٍ عَلَىٰ غَبْرَةٍ ﴿۴۰﴾

خندیاں و شادماں (یہ مومنان نیکوکار ہیں)۔ اور کتنے منہ ہوں گے جن پر گرد پڑ رہی ہوگی۔

تَرَاهُهَا قَتْرَةً ﴿۴۱﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرَةُ الْفَجْرَةُ ﴿۴۲﴾

(اور) سیاہی چڑھ رہی ہوگی۔ یہ کفار بدکردار ہیں۔

سورة التکویر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۱﴾ وَإِذَا النُّجُومُ انْكَدَرَتْ ﴿۲﴾

جب سورج لپیٹ لیا جائے گا۔ اور جب تارے بے نور ہو جائیں گے۔

﴿۳﴾ وَإِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ﴿۴﴾

اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ اور جب بیابان والی اونٹیاں بیکار ہو جائیں گی۔

﴿۵﴾ وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ﴿۶﴾

اور جب وحشی جانور اکٹھے ہو جائیں گے۔ اور جب سمندر آگ ہو جائیں گے۔

﴿۷﴾ وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ﴿۸﴾

اور جب رُو حیں (بدنوں سے) ملا دی جائیں گی۔ اور جب اس لڑکی سے جو زندہ دفنادی گئی پوچھا جائے گا۔ کہ وہ کس گناہ پر ماری گئی؟

﴿۹﴾ وَإِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ﴿۱۰﴾

اور جب اعمال کے دفتر کھولے جائیں گے۔ اور جب آسمان کی کھال کھینچ لی جائے گی۔ اور جب دوزخ (کی آگ)

﴿۱۱﴾ سُعِّرَتْ ﴿۱۲﴾

بھڑکائی جائے گی۔ اور جب بہشت قریب لائی جائے گی۔ تب ہر شخص معلوم کر لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔

﴿۱۳﴾ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ﴿۱۴﴾

ہم کو ان ستاروں کی قسم جو پیچھے ہٹ جاتے ہیں جو سیر کرتے اور غائب ہو جاتے ہیں۔ اور رات کی قسم جب ختم ہونے لگتی ہے

وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ﴿۱۸﴾ لَقَوْلِ رَسُولٍ كَرِيمٍ ﴿۱۹﴾ أَيُّ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي

اور صبح کی تم جب نمودار ہوتی ہے۔ کہ بیشک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے۔ جو صاحب قوت مالک عرش کے ہاں

الْعَرْشِ مَكِينٍ ﴿۲۰﴾ طَاعِ ثُمَّ أَمِينٍ ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ ﴿۲۲﴾

اونچے درجے والا۔ سردار (اور) امانتدار ہے۔ اور (مکے والو!) تمہارے رفیق (یعنی محمد ﷺ) دیوانے نہیں ہیں۔

وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفُقِ الْمُبِينِ ﴿۲۳﴾ مَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ﴿۲۴﴾

بیشک انہوں نے اس کو (آسمان کے کھلے یعنی) کنارے پر دیکھا ہے اور وہ پوشیدہ باتوں کے ظاہر کرنے میں بخیل نہیں

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ ﴿۲۵﴾ أَيُّنَ تَذْهَبُونَ ﴿۲۶﴾

اور یہ شیطان مردود کا کلام نہیں۔ پھر تم کدھر جا رہے ہو؟

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۲۸﴾ لِيُنذِرَ مَنِ اتَّبَعَ ﴿۲۹﴾ لِيَسْتَقِيمَ ﴿۳۰﴾

یہ تو جہان کے لوگوں کے لئے نصیحت ہے۔ (یعنی اس کیلئے) جو تم میں سے سیدھی چال چلنا چاہے۔

وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۳۱﴾

اور تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے مگر وہی جو اللہ رب العالمین چاہے۔

سورة الإنفطار (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا السَّمَاءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ وَإِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَشَرَتْ ﴿۲﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب تارے جھڑ پڑیں گے۔

وَإِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳۳﴾ وَإِذَا الْقُبُورُ بُعِثَتْ ﴿۳۴﴾ عَلِمْتَ نَفْسُ

اور جب دریا بہہ (کرایک دوسرے میں مل) جائیں گے۔ اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی۔ تب ہر شخص معلوم کر لے گا

مَا قَدَّمَتْ وَأَخَّرَتْ ﴿۳۵﴾ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا عَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ﴿۳۶﴾

کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا اور پیچھے کیا چھوڑا تھا۔ اے انسان تجھ کو اپنے پروردگار کریم کے بارے میں کس چیز نے دھوکا دیا؟

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ﴿۳۷﴾ أَيُّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَبُّكَ ﴿۳۸﴾

(وہی تو ہے) جس نے تجھے بنایا اور ٹھیک کیا اور (تیرے قامت کو) معتدل رکھا۔ اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا

كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُونَ بِالذِّينِ ﴿۳۹﴾ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ﴿۴۰﴾ كَرَامًا كَاتِبِينَ ﴿۴۱﴾

مگر تم لوگ جزا کو جھٹلاتے ہو۔ حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ عالی قدر (تمہاری باتوں کے) لکھنے والے۔

يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۴۲﴾ إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿۴۳﴾

جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔ بیشک نیکوکار نعمتوں (کی بہشت) میں ہوں گے۔

وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ ﴿۴۴﴾ يُصَلُّونَهَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۴۵﴾ وَمَا هُمْ عَنْهَا

اور بدکردار دوزخ میں۔ (یعنی) جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے۔ اور اس سے

بِعَائِينَ ﴿۴۶﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۴۷﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا يَوْمَ الدِّينِ ﴿۴۸﴾

چھپ نہیں سکیں گے۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟ پھر تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے؟

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا وَالْأَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِلَّهِ ﴿۴۹﴾

جس روز کوئی کسی کا کچھ بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز صرف اللہ ہی کا ہو گا

سورة المطففين (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِينَ ﴿۱﴾ الَّذِينَ إِذَا أَكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ ﴿۲﴾

ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے۔ جو لوگوں سے ناپ کر لیں تو پورا کریں۔

وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وَّزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ ﴿۳﴾ إِلَّا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ

اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔ کیا یہ لوگ نہیں جانتے

مَبْعُوثُونَ ﴿۴﴾ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۵﴾ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۶﴾

کہ اٹھائے بھی جائیں گے؟ ایک بڑے (سخت) دن میں۔ جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے [1]

[1] ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ: انہ اتی رسول اللہ ﷺ فقال اخبرنی من یقوی علی القیام یوم

القیامۃ، الذی قال اللہ عزوجل ﴿یوم یقوم الناس لرب العالمین﴾ فقال یخفف علی المؤمن حتی

یکون علیہ کالصلوۃ المکتوبۃ. (شعب الایمان: ۱/۳۲۳، ۳۲۲)۔ یعنی ابو سعید خدریؓ رسول اللہ ﷺ سے

سوال کرتے ہوئے قرآن کے جن الفاظ کا حوالہ دیا، وہ اس سورہ میں قیامت کے دن کے احوال اور اس دن اعمال کی

جزا اور مزادینے جانے کا ذکر ہے، اور چونکہ وہ دن اللہ کے عدل و انصاف کے اظہار کا دن ہوگا، اس مناسبت سے اس سورت

میں خاص طور سے بعض ان اعمال پر وعید مذکور ہے جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں، اور سماجی زندگی میں نہایت قابل نفیرین

سمجھتے ہیں، جیسے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کو ان الفاظ میں تہدید کی گئی ہے، کہ: إِلَّا يَظُنُّ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ

مَبْعُوثُونَ ﴿۴﴾ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿۵﴾ يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۶﴾ حدیث میں ابو سعید خدریؓ کے سوال

کا حاصل یہ تھا، کہ ایک تو قیامت کا دن خود اپنے اندر ہول و دہشت اور خوف و پریشانی کے صدر ہزار عالم لئے ہوگا، اور اس

پرانے اعمال کا کچا چٹھا لے کر اللہ ذوالجلال کی پرہیت بارگاہ میں پیش ہونا ہوگا، اس کے عدل و انصاف کی ہیبت اور اس کے لئے اس کی عدالت میں، اس کی پر جلال بارگاہ میں کھڑا ہو سکے؟ لہذا نبی کریم ﷺ نے یہ بشارت عطا فرمائی کہ مسلمانوں کو بہر حال اطمینان رکھنا چاہئے کہ وہ دن اپنی تمام ہولناکیوں کے باوجود ان کے حق میں ایک آسان دن ہوگا، وہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کے سائے میں رہیں گے۔ اس لئے قیامت کا وہ پورا دن بس اتنے عرصہ میں گزر جائے گا جتنے عرصہ میں کوئی شخص فرض نماز پڑھ لیتا ہے۔

پس اس سلسلے میں ایک بات تو یہ ذہن میں ڈینی چاہئے کہ ”مسلمان“ سے مراد کامل مسلمان ہے یعنی عقیدہ و فکر کے اعتبار سے پختہ و صالح، اعمال و کردار کے اعتبار سے پاکباز و متقی اور پروردگار کی اطاعت و عبادت میں کامل! اسی طرح فرض نماز کے بقدر سے مراد وہ عرصہ ہے جس میں فرض نماز کہ جس کی نہایت چار رکعتیں ہیں، ادا کی جاتی ہیں، یا یہ کہ فرض نماز کا پورا وقت مراد ہے۔

یعنی جتنی دیر تک ایک فرض نماز ادا کرنے کا وقت رہتا ہے، اتنی دیر میں قیامت کا پورا دن گزر جائے گا، رہی یہ بات کہ مسلمانوں کے حق میں قیامت کے دن کا فرض نماز کی ادائیگی کے وقت کے بقدر رہونے سے کیا یہ مراد ہے کہ ان کے حق میں قیامت کا دن واقعتاً اتنے مختصر سے عرصہ پر محیط ہوگا۔ یا یہ مراد ہے کہ وہ دن ہوگا تو بہت زیادہ لمبا و طویل لیکن مسلمانوں کو وہ اتنا بڑا دن بس ایسا محسوس ہوگا جیسے ایک فرض نماز کے وقت کے بقدر ہو کر گزر گیا ہو؟ تو اس سلسلہ میں یہی دوسرا پہلو مراد ہے، یعنی وہ دن اپنی اتنی طوالت اور اتنی شدت و سختیوں کے باوجود مسلمانوں کے لئے اتنا ہلکا بنا دیا جائے گا کہ ان کو وہ پورا دن ایک فرض نماز کے مختصر ترین عرصہ کے بقدر گزرتا ہوا معلوم ہوگا، جب کہ کافروں کے حق میں اس کے برعکس ہوگا، چنانچہ یہ تو اس دنیا میں بھی عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ وقت اور مقدار کے اعتبار سے شب و روز کی گردش ہر شخص کے لئے یکساں ہوتی ہے، لیکن جو لوگ عیش و راحت اور خوشحالی کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ان کے لئے چوبیس گھنٹوں کے وہی دن رات، لمحوں کے برابر گزرتے محسوس ہوتے ہیں، جو مصائب و آلام اور پریشان حالی میں مبتلا لوگوں کے لئے سالوں کے برابر گزرتے معلوم ہوتے ہیں۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ قیامت کے دن کا مسلمانوں کے حق میں آسان و ہلکا ہونا یکساں نوعیت نہیں رکھے گا، بلکہ ہر مسلمان کے عقیدہ و عمل کے مراتب کے اعتبار سے الگ الگ نوعیت رکھے گا۔ کہ جو شخص دنیا میں اپنے عقیدہ و عمل کے اعتبار سے زیادہ کامل رہا ہوگا، وہ اس دن کو اور وہاں کے احوال کو اتنا ہی زیادہ آسان و ہلکا محسوس کرے گا، اور دنیا میں

جس شخص کا عقیدہ عمل جتنا زیادہ کمزور رہا ہوگا، وہ اس دن کو اتنا ہی کم آسان و ہلکا محسوس کرے گا یہاں تک کہ کفار کو وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم کے ان الفاظ میں اسی طرف اشارہ ہے: تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ﴿۴۱﴾ فَاصْبِرْ صَبْرًا جَمِيلًا ﴿۴۲﴾ إِنَّهُمْ يَرَوْنَهُ بَعِيدًا ﴿۴۳﴾ وَنَرَاهُ قَرِيبًا ﴿۴۴﴾ (المعارج)۔

چنانچہ اس آیت میں اس دن سے مراد قیامت کا دن ہے، جو اپنی درازی اور سختی کے اعتبار سے کافروں کو اتنا ہلکا معلوم ہوگا، اور جس طرح ایمان کے مراتب میں تفاوت ہونے کی وجہ سے وہ ان اہل ایمان میں سے کچھ کو بہت آسان اور ہلکا معلوم ہوگا، اور کچھ کو کم آسان و ہلکا معلوم ہوگا، اسی اعتبار سے ایک آیت میں اس دن کو ایک ہزار سال کے برابر فرمایا گیا ہے، پس بعض کافروں کو ہزار سال کے برابر اور بعض کو پچاس ہزار سال کے برابر معلوم ہوگا۔ نیز باری تعالیٰ کے اس ارشاد سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے: فَإِذَا نُفِرَ فِي النَّاقُورِ ﴿۸۱﴾ فَذَلِكَ يَوْمٌ عَسِيرٌ ﴿۸۲﴾ عَلَى الْكَافِرِينَ غَيْرُ يَسِيرٍ ﴿۱۰۱﴾ (المدثر)۔

دوسرے لفظوں میں اس کا مفہوم یہ ہوگا، کہ اہل ایمان پر وہ دن بہت ہلکا اور آسان ہوگا، اور وہ ہلکا و آسان ہونا ان کے ایمان و عمل کے اعتبار سے تفاوت رکھے گا۔ بہر حال اس حدیث میں مسلمانوں کے لئے واضح طور پر یہ ہدایت ہے کہ اگر وہ قیامت کے دن کو اپنے حق میں زیادہ سے زیادہ آسان و ہلکا اور جلد گزر جانے والا بنانا چاہتے ہیں، تو ان کو چاہئے کہ وہ اپنے ایمان و عقیدہ کو زیادہ سے زیادہ پختہ بنائیں اور اپنی عملی زندگی کو زیادہ سے زیادہ طاعت و عبادت اور رضاء الہی کے کاموں سے مامور کریں۔

جبکہ ابوسعید خدریؓ سے ایک اور روایت بھی ہے کہ: قال سئل رسول اللہ ﷺ عن يوم كان مقداره خمسين الف سنة، ما طول هذه اليوم؟ فقال والذي نفسي بيده انه ليخفف على المؤمن حتى يكون اهن عليه من الصلوة المكتوبة يصلحها في الدنيا. (بيهقي في شعب الايمان: ۱/ ۳۳۴)۔

یہ حدیث بھی پہلی حدیث کی طرح اہل ایمان کے حق میں بشارت ہے کہ اگر وہ ایمان کامل کے حامل ہیں، اور ان کی دنیاوی زندگی اعمال صالحہ سے معمور ہے تو انہیں قیامت کے دن کی طوالت اور سختی سے مضطرب ہونے کی ضرورت نہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی بے پایان رحمتوں کے سائے میں ہوں گے، اور وہ دن تمام درازی و سختی کے باوجود ان کے حق میں اس طرح گزر جائے گا جیسے انہوں نے کوئی فرض نماز پڑھ لی ہو۔ اس آیت کے متعلق شاہ ولی اللہ کا ایک عبارت نقل کرتے ہیں جو کہ انہوں نے =

﴿۸﴾ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْفُجَارِ لَفِي سَجِينٍ ﴿۷﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا سَجِينٌ ﴿۸﴾

سن رکھو کہ بدکاروں کے اعمال سحین میں ہیں۔ اور تم کیا جانتے ہو کہ سحین کیا چیز ہے؟

﴿۹﴾ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿۹﴾ يُرِيلُ يَوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِينَ ﴿۱۰﴾ الَّذِينَ يُكْذِبُونَ بِيَوْمِ الدِّينِ ﴿۱۱﴾

ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔ اس دن جھٹلانے والوں کی تباہی ہے۔ (یعنی) جو جزا کے دن کو جھٹلاتے ہیں

﴿۱۲﴾ وَمَا يُكْذِبُ بِهِ إِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ﴿۱۲﴾ اتتلى عليه آياتنا قال أساطيرُ

اور اس کو جھٹلاتا وہی ہے جو حد سے نکل جانے والا گنہگار ہے۔ جب اس کو ہماری آیتیں سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے

﴿۱۳﴾ الْأَوَّلِينَ ﴿۱۳﴾ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۴﴾

لوگوں کے افسانے ہیں دیکھو یہ جو (اعمال بد) کرتے ہیں ان کا ان کے دلوں پر رنگ بیٹھ گیا ہے۔

﴿۱۵﴾ كَلَّا إِنَّهُمْ عَنْ رَبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَمَحْجُوبُونَ ﴿۱۵﴾ إِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيمِ ﴿۱۶﴾

بیشک یہ لوگ اس روز اپنے پروردگار (کے دیدار) سے محروم ہوں گے۔ پھر دوزخ میں جا داخل ہوں گے

﴿۱۷﴾ ثُمَّ يُقَالُ هَذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تُكَذِّبُونَ ﴿۱۷﴾ كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي

پھر ان سے کہا جائے گا کہ یہ وہی چیز ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے۔ (یہ بھی) سن رکھو کہ نیکوکاروں کے اعمال علیین

﴿۱۸﴾ عَلِيِّينَ ﴿۱۸﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا عَلِيُّونَ ﴿۱۹﴾ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ﴿۲۰﴾

میں ہیں۔ اور تم کو کیا معلوم کہ علیین کیا چیز ہے؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا۔

=حجۃ اللہ البالغہ: ۱۵۶/۱، میں نقل کی ہے، فان بلغنا حديث من الرسول المعصوم الذى فرض الله علينا طاعته

بسنده صالح يدل على خلاف مذهبه وتر كنا حديثه واتبعنا ذلك التحمين فمن اظلم منا واعرنا يوم يقوم

الناس لرب العالمين. یعنی اگر ہمیں رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث معلوم ہو جائے، اور اس کے باوجود ہم ایک شیخ یا ایک امام کے

قول کے پیچھے جائیں، اور حدیث پر کان نہ دھریں، تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ جب ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔

يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ ﴿٢١١﴾ الْاَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ ﴿٢١٢﴾

جس کے پاس مقرب (فرشتے) حاضر رہتے ہیں۔ بیشک نیک لوگ چین میں ہوں گے۔

عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٢١٣﴾ لَعَلَّكُمْ تَعْرِفُونَ ﴿٢١٤﴾ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢١٥﴾

تختوں پر بیٹھے ہوئے نظارے کریں گے۔ تم ان کے چہروں ہی سے راحت کی تازگی معلوم کر لو گے۔

يُسْقُونَ مِنْ رَحِيقٍ مَخْتُومٍ ﴿٢١٦﴾ لَعَلَّكُمْ تَعْرِفُونَ ﴿٢١٧﴾ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢١٨﴾

ان کو خالص شراب سر بھر پلائی جائے گی۔ جس کی خلط مشک کی ہوگی تو (نعمتوں کے) شائقین کو چاہیے

الْمُتَنَافِسُونَ ﴿٢١٩﴾ لَعَلَّكُمْ تَعْرِفُونَ ﴿٢٢٠﴾ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٢١﴾

کہ اسی سے رغبت کریں۔ اور اس میں تسنیم (کے پانی) کی آمیزش ہوگی۔ وہ ایک چشمہ ہے جس میں سے مقرب پئیں گے

إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ﴿٢٢٢﴾

جو گنہگار (یعنی کفار) ہیں وہ (دنیا میں) مومنوں سے ہنسی کیا کرتے تھے۔

وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامَزُونَ ﴿٢٢٣﴾ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ﴿٢٢٤﴾

اور جب ان کے پاس سے گزرتے تو حقارت سے اشارے کرتے۔ اور جب اپنے گھر کو لوٹتے تو اتراتے ہوئے لوٹتے

وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَضَالُّونَ ﴿٢٢٥﴾ وَمَا أُرْسِلُوا عَلَيْهِمْ حَافِظِينَ ﴿٢٢٦﴾

اور جب ان (مومنوں) کو دیکھتے تو کہتے کہ یہ تو گمراہ ہیں۔ حالانکہ وہ ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔

فَالْيَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ﴿٢٢٧﴾

تو آج مومن کافروں سے ہنسی کریں گے۔

عَلَى الْأَرَائِكِ يَنْظُرُونَ ﴿٢٢٨﴾ لَعَلَّكُمْ تَعْرِفُونَ ﴿٢٢٩﴾ فِي وُجُوهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيمِ ﴿٢٣٠﴾

(اور) تختوں پر (بیٹھے ہوئے ان کا حال) دیکھ رہے ہوں گے۔ تو کافروں کو ان کے اعمال کا (پورا پورا) بدل لال گیا۔

سورة الانشقاق (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۱﴾ اِذَا السَّمَاءُ اَنْشَقَّتْ ﴿۲﴾ اِذَا اَرْضٌ مُّدَّتْ ﴿۳﴾

جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور اپنے پروردگار کا فرمان بجلا لے گا اور لائق بھی یہی ہے۔ اور جب زمین ہموار کر دی جائے گی

﴿۴﴾ وَاَلْقَتْ مَا فِيهَا وَتَخَلَّتْ ﴿۵﴾ اِذَا اَرْضٌ مُّدَّتْ ﴿۶﴾

اور جو کچھ اس میں ہے اسے نکال کر باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی۔ اور اپنے پروردگار کی ارشاد کی تعمیل کرے گی اور اس کو لازم بھی یہی ہے

﴿۷﴾ يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ إِنَّكَ كَادِحٌ إِلَىٰ رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلَاقِيهِ ﴿۸﴾

اے انسان! تو اپنے پروردگار کی طرف (پہنچنے میں) خوب کوشش کرتا ہے سو اس سے جا ملے گا

﴿۹﴾ فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ ﴿۱۰﴾ سَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا ﴿۱۱﴾

تو جس کا نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اس سے حساب آسان لیا جائے گا۔ [1]

[1] عائشہ کہتی ہیں، کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو بعض نماز میں یہ دعا مانگتے سنا کہ: اللھم حاسبنی حسابا یسیرا،

یا اللہ میرے اعمال کا آسان حساب لیجیو! عائشہ کہتی ہیں، کہ میں نے یہ سنا تو عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ آسان

حساب کا کیا مطلب ہے اور اس کی کیا صورت ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا آسان حساب کی یہ صورت ہوگی کہ بندہ اپنے

اعمال نامے کو دیکھ لے گا، اور پھر اللہ تعالیٰ اس سے درگزر فرمادے گا اور اے عائشہ! حقیقت یہ کہ اس دن جس شخص کے حساب

میں مناقشہ یعنی کروکوش کی گئی تو (بس سمجھ لو کہ) وہ برباد ہو گیا، یعنی وہ مستوجب عذاب ہونے سے بچ نہیں

سکتا۔ (احمد: ۲۸۶)۔

مناقشہ کے معنی ہیں: جانچ کر حساب لینا، کوڑی کوڑی کا جھگڑا کرنا، پس حساب میں مناقشہ کرنا یہ ہے، ایک ایک

عمل اور ہر عمل کے ایک ایک جزء کی پوری پوری چھان بین ہو، ہر فعل کی اچھی طرح جانچ پڑتال ہو، اور رتی رتی کا حساب لیا جائے، ظاہر ہے کہ اصل حساب یہی ہے اور اس حساب میں کوئی بھی بندہ پورا نہیں اتر سکتا، جو بھی شخص اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محروم رہا، اور اس کو آسان حساب کے بجائے اس سخت حساب سے دوچار کیا گیا تو وہ عذاب میں مبتلا ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اور جو بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے سائے میں ہوں گے ان کے ساتھ حساب کی صورت یہ ہوگی کہ ان کے سامنے ان کے اعمال نامے کھول کر ڈال دیے جائیں گے، اور اس کو دکھا دیا جائے گا، کہ دیکھ تو نے یہ فلاں فلاں گناہ کا ارتکاب کیا، بندہ ندامت و شرمندگی کے ساتھ گناہوں کا اعتراف و اقرار کرے گا۔ اور تب اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں سے درگزر فرما دے گا، اور اس کو اپنی عنایت سے بخشش و مغفرت کا پروانہ عطا فرما دے گا۔

اور متفق علیہ کی روایت میں ہے کہ ان النبی ﷺ قال: ليس احد يحاسب يوم القيامة الا هلك ، قلت اوليس يقول الله ﴿سوف يحاسب حسابا يسيرا﴾ فقال انما ذالك العرض ، ولكن من نوقش في الحاسب يهلك (بخاری: ۶۵۳۷، مسلم: ۲۸۷۶)۔

نبی علیہ السلام نے مذکورہ بالا حدیث میں جو کچھ فرمایا ہے وہ اس کلیہ کو ظاہر کرتا ہے کہ جو بھی شخص حساب کے مرحلہ سے گزرے گا وہ یقیناً عذاب میں مبتلا ہوگا، لیکن قرآن کی مذکورہ آیت میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حساب کے مرحلہ سے گزرنے والوں میں سے بعض لوگوں کو عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا، اس طرح سے گویا قرآن کی آیت اور نبی کریم ﷺ کے مذکورہ بالا ارشاد گرامی میں بظاہر تضاد نظر آتا ہے؟ لہذا اس ظاہری تضاد کو رفع کرنے کے لئے خود نبی ﷺ نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ میں ”حساب“ سے مراد صرف عرض ہے یعنی ان لوگوں کے سامنے (کہ جن کو نجات یافتہ قرار دینا مقصود ہوگا) ان کے اعمال کی فہرست کھول کر رکھ دی جائے گی۔

چنانچہ انہوں نے جو برے اعمال کئے ہوں گے وہ ان کا اعتراف و اقرار کریں گے۔ اور حق تعالیٰ اپنا فضل و کرم ظاہر کرتے ہوئے ان کے ساتھ درگزر کا معاملہ فرمائے گا۔ اس کے برخلاف حدیث میں ”حساب“ سے مراد واقعی محاسبہ و مواخذہ اور وارد گیر ہے جس کو حساب میں مناقشہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس محاسبہ وارد گیر کی بنیاد اظہار عدل ہوگا۔

سنن کبریٰ: ۲۳۵۱۰، میں امام بیہقی نے یہ روایت نقل کی ہے: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: ثلاث من كن فيه حاسبه الله حسابا يسيرا ، وادخله الجنة برحمته ، قالوا ما هي يا رسول الله؟ قال: تعطي من حرمك ، وتعفو عن ظلمك ، وتصل من قطعك ، قال (ابو هريرة) فاذا فعلت ذلك فمالى يا رسول الله؟ =

وَيَنْقَلِبُ إِلَىٰ أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٠٤﴾ وَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ ﴿١٠٥﴾

اور وہ اپنے گھر والوں میں خوش خوش آئے گا۔ اور جس کا نامہ اعمال اس کی پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا۔

فَسَوْفَ يَدْعُو ثُبُورًا ﴿١٠٦﴾ وَيَصْلِي سَعِيرًا ﴿١٠٧﴾ إِنَّهُ كَانَ فِي أَهْلِهِ مَسْرُورًا ﴿١٠٨﴾

وہ موت کو پکارے گا۔ اور دوزخ میں داخل ہو گا۔ یہ اپنے اہل (وعیال) میں مست رہتا تھا۔

إِنَّهُ ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ ﴿١٠٩﴾ ابْلَىٰ إِنَّ رَبَّهُ كَانَ بِهِ بَصِيرًا ﴿١١٠﴾

اور خیال کرتا تھا کہ (اللہ کی طرف) پھر نہ جائے گا۔ ہاں ہاں اس کا پروردگار اس کو دیکھ رہا تھا۔

فَلَا أَقْسِمُ بِالشَّفَقِ ﴿١١٤﴾ وَاللَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ﴿١١٥﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ ﴿١١٨﴾

ہمیں شام کی سرخی کی قسم! اور رات کی اور جن چیزوں کو وہ اکٹھا کر لیتی ہے ان کی۔ اور چاند کی جب کامل ہو جائے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبِقٍ ﴿١١٩﴾ مِمَّا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٠﴾ إِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ

کہ تم درجہ بدرجہ چڑھو گے۔ تو ان لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ ایمان نہیں لاتے؟ اور جب ان کے سامنے قرآن

= قال ان تحاسب حسابا يسيرا، ويدخلك الله الجنة برحمته۔ ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے

فرمایا: جس میں تین خوبیاں ہوں گی اللہ جل شانہ اس سے بہت آسان حساب لیکر اپنی رحمت سے اس کو جنت میں بھیج دیں

گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، وہ کیا خوبیاں ہیں؟ ارشاد فرمایا: (پہلی یہ

ہے کہ) جو تم سے رو کے اس کو دو، اور (دوسری یہ ہے کہ) جو تم سے توڑے تم اس سے جوڑو (تیسری خوبی یہ ہے کہ) جو تم

پر ظلم کرے تم اسے معاف کرو، ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ جب میں ان تین خوبیوں کو اختیار کر لوں

گا تو مجھے کیا ملے گا؟ ارشاد فرمایا! تمہارا حساب آسان ہوگا، اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت سے جنت میں بھیج دیں گے، بزار

رقم: ۸۶۳۵، طبرانی فی الاوسط رقم: ۹۰۹، حاکم: ۳۹۱۲، وقال صحیح الاسناد۔

﴿۲۲﴾ الْقُرْآنُ لَا يُسْجَدُونَ ﴿۲۱﴾ يَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُكْذِبُونَ ﴿۲۲﴾

پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے۔ بلکہ کافر جھٹلاتے ہیں۔

﴿۲۲﴾ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يُوعُونَ ﴿۲۳﴾ بِمَنْ رُهِمَ بِعَذَابِ الْيَمِّ ﴿۲۲﴾

اور اللہ ان باتوں کو جو یہ اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں خوب جانتا ہے۔ تو ان کو دکھ دینے والے عذاب کی خبر سنا دو

﴿۲۴﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۲۴﴾

ہاں جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بے انتہا اجر ہے۔

سورة البروج (مکیہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۱﴾ وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْبُرُوجِ ﴿۱﴾ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ﴿۲﴾ شَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ

آسمان کی قسم جس میں بُرج ہیں۔ اور اس دن کی جس کا وعدہ ہے۔ اور حاضر ہونے والے کی اور جو اس کے پاس حاضر کیا جائے اس کی

﴿۳﴾ قِيلَ أَصْحَابُ الْأُخْدُودِ ﴿۳﴾ لِنَارِ ذَاتِ الْوُقُودِ ﴿۴﴾

کہ خندقوں (کے کھودنے) والے ہلاک کر دیئے گئے (یعنی آگ کی خندقیں) [1] جس میں ایندھن (جھونک رکھا) تھا۔

[1] مسند: ۶: ۱۷۱، احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگلے زمانہ میں ایک بادشاہ تھا اس کے ہاں جادوگر

تھا، جب جادوگر بوڑھا ہوا تو اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری موت کا وقت آ رہا ہے مجھے کسی

بچے کو سو نپ دو تو میں اسے جادو سکھا دوں۔ چنانچہ ایک ذہین لڑکے کو وہ تعلیم دینے لگا۔ لڑکا اس کے پاس جاتا تو راستہ میں

ایک راہب کا گھر پڑتا، جہاں وہ عبادت میں اور کبھی وعظ میں مشغول ہوتا۔ یہ بھی کھڑا ہو جاتا اس کے طریق عبادت کو

دیکھتا اور وعظ سنتا۔ آتے جاتے یہاں رک جایا کرتا تھا۔ جادو گر بھی مارتا اور ماں باپ بھی۔ کیونکہ وہاں بھی دیر میں پہنچتا اور یہاں بھی دیر میں آتا۔

ایک دن اس بچے نے راہب کے سامنے اپنی یہ شکایت بیان کی۔ راہب نے کہا کہ جب جادو گر تجھ سے پوچھے کہ کیوں دیر لگ گئی؟ تو کہہ دینا کہ گھر والوں نے روک لیا تھا۔ اور گھر والے بگڑیں تو کہہ دینا کہ جادو گر نے روک لیا تھا، یونہی ایک زمانہ گزر گیا کہ ایک طرف تو وہ جادو سیکھتا تھا دوسری جانب کلام اللہ اور دین اللہ سیکھتا تھا۔ ایک دن یہ دیکھتا ہے کہ راستہ میں زبردست ہیبت ناک جانور پڑا ہوا ہے، لوگوں کی آمد و رفت بند کر رکھی ہے۔ ادھر والے ادھر اور ادھر والے ادھر نہیں آسکتے اور سب لوگ ادھر ادھر حیران و پریشان کھڑے ہیں۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ آج موقع ہے کہ میں امتحان کر لوں کہ راہب کا دین اللہ کو پسند ہے یا جادو گر کا۔

اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر اس پر پھینکا کہ اے اللہ! اگر تیرے نزدیک راہب کا دین اور اس کی تعلیم جادو گر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو تو اس جانور کو اس پتھر سے ہلاک کر دے، تاکہ لوگوں کو اس بلا سے نجات ملے۔ پتھر کے لگتے ہی وہ جانور مر گیا اور لوگوں کا آنا جانا شروع ہو گیا۔ پھر جا کر راہب کو خبر دی اس نے کہا پیارے بچے! تو مجھ سے افضل ہے۔ اب اللہ کی طرف سے تیری آزمائش ہوگی اگر ایسا ہو تو کسی کو میری خبر نہ کرنا۔ اب اس بچے کے پاس حاجت مند لوگوں کا تانتا لگ گیا۔ اور اس کی دعا سے مادرزاد اندھے، کوڑھی، جذامی، اور ہر قسم کے بیمار اچھے ہونے لگے۔ بادشاہ کے ایک ناہینا وزیر کے کان میں بھی یہ آواز پڑی، وہ بڑے تجھے تحائف لے کر حاضر ہوا۔ اور کہنے لگا کہ اگر تو مجھے شفا دے دے تو یہ سب میں تجھے دیدوں گا۔ اس نے کہا کہ شفا میرے ہاتھ میں نہیں۔ میں کسی کو شفا نہیں دے سکتا۔ شفا دینے والا تو اللہ وحدہ لا شریک لہ ہے۔ اگر تو اس پر ایمان لانے کا وعدہ کرے تو میں اس سے دعا کروں۔ اس نے اقرار کیا۔ بچے نے اس کے لئے دعا کی اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی وہ بادشاہ کے دربار میں آیا اور جس طرح اندھا ہونے سے پہلے کام کرتا تھا کرنے لگا اور آنکھیں بالکل روشن تھیں۔

بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ تجھے آنکھیں کس نے دیں؟ اس نے کہا میرے رب نے۔ بادشاہ نے کہا ہاں یعنی میں نے۔ وزیر نے کہا نہیں میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ بادشاہ نے کہا اچھا تو کیا میرے سوا تیرا کوئی اور رب بھی ہے؟ وزیر نے کہا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اب اس نے اسکی مار پیٹ شروع کر دی اور طرح طرح کی تکلیفیں اور ایذائیں پہنچانے لگا اور پوچھنے لگا تجھے یہ تعلیم کس نے دی؟ آخر اس نے بتا دیا کہ اس بچے کے ہاتھ پر میں نے

اسلام قبول کیا۔ اس نے اسے بلوایا، اور کہا اب تو تم جادو میں خوب کامل ہو گئے ہو کہ اندھوں کو دکھانا اور بیماروں کو تندرست کرنے لگ گئے۔ اس نے کہا غلط ہے، نہ میں کسی کو شفا دے سکتا ہوں نہ جادو۔ شفا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کہنے لگا ہاں یعنی میرے ہاتھ میں ہے کیونکہ اللہ تو میں ہی ہوں۔ اس نے کہا ہرگز نہیں۔ کہا پھر کیا تو میرے سوا کسی اور کو رب مانتا ہے۔ تو وہ کہنے لگا ہاں میرا اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس نے اب اسے بھی طرح طرح کی سزائیں دینی شروع کیں یہاں تک کہ راہب کا پتہ لگا لیا۔

راہب کو بلا کر اس سے کہا کہ تو اسلام کو چھوڑ دے اور اس دین سے پلٹ جا۔ اس نے انکار کیا تو بادشاہ نے آرے سے اسے چیر دیا اور ٹھیک دو ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ پھر اس نوجوان سے کہا کہ تو بھی دین سے پھر جا۔ اس نے بھی انکار کیا۔ تو بادشاہ نے حکم دیا کہ ہمارے سپاہی اسے فلاں فلاں پہاڑ پر لے جائیں اور اس کی بلند چوٹی پر پہنچ کر پھر اسے اس کے دین چھوڑ دینے کو کہیں۔ اگر مان لے تو اچھا ورنہ وہیں سے اسے لڑھکا دیں۔ چنانچہ یہ لوگ اسے لے گئے جب وہاں سے دھکا دینا چاہا تو اس نے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا کی: اللھم اکفنیہم بما شئت: اے اللہ جس طرح چاہ مجھے ان سے نجات دے۔

اس دعا کے ساتھ ہی پہاڑ ہلا اور وہ سب سپاہی لڑھک گئے صرف وہ بچہ ہی بچا رہا وہاں سے وہ اترا اور ہنسی خوشی پھر اس ظالم بادشاہ کے پاس آ گیا بادشاہ نے کہا کہ یہ کیا ہوا؟ میرے سپاہی کہا ہیں؟ فرمایا میرے اللہ نے مجھے بچا لیا ان سے، اس نے کچھ اور سپاہی بلوائے اور ان سے کہا کہ اسے کشتی میں بٹھا کر لے جاؤ اور بیچوں بیچ سمندر میں ڈبو کر چلے آؤ۔ یہ اسے لے کر چلے اور بیچ میں پہنچ کر جب سمندر میں پھینکنا چاہا تو اس نے پھر وہی دعا کی کہ یا اللہ! جس طرح چاہ مجھے ان سے بچا۔ موج اٹھی اور وہ سپاہی سارے کے سارے سمندر میں ڈوب گئے صرف وہ بچہ ہی باقی رہ گیا، یہ پھر بادشاہ کے پاس آیا اور کہا میرے رب نے مجھے ان سے بھی بچا لیا، اے بادشاہ! تو چاہے تمام تدبیریں کر ڈال لیکن مجھے ہلاک نہیں کر سکتا۔ ہاں جس طرح میں کہوں اس طرح اگر کرے تو البتہ میری جان نکل جائیگی۔

اس نے کہا کیا کروں؟ فرمایا لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر پھر کھجور کے تنے پر سولی چڑھا اور میرے تیر کش میں سے ایک تیر نکال کر میری کمان پر چڑھا اور بسم اللہ رب هذا الغلام یعنی اس اللہ تعالیٰ کے نام سے جو اس بچے کا رب ہے کہہ کر وہ تیر میری طرف پھینک وہ مجھے لگے گا اور اس سے میں مروں گا چنانچہ بادشاہ نے یہی کیا، تیر بچے کے کپٹی میں لگا اس نے اپنا ہاتھ اس جگہ رکھ لیا اور شہید ہو گیا، اس کے اس طرح شہید ہوتے ہی لوگوں کو اس کے دین کی سچائی کا =

إِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُودٌ ﴿۹۹﴾ هُمْ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ بِالْمُؤْمِنِينَ شُهُودٌ ﴿۱۰۰﴾

جبکہ وہ ان (کے کناروں) پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور جو (سختیاں) اہل ایمان پر کر رہے تھے ان کو سامنے دیکھ رہے تھے۔

وَمَا نَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ﴿۱۰۱﴾

ان کو مومنوں کی یہی بات بُری لگتی تھی کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے تھے جو غالب (اور) قابل ستائش ہے۔

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿۱۰۲﴾

وہی جس کی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوبُوا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ

جن لوگوں نے مومن مردوں اور مومن عورتوں کو تکلیفیں دیں اور توبہ نہ کی ان کو دوزخ کا عذاب بھی ہو گا

وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيقِ ﴿۱۰۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ

اور جلنے کا عذاب بھی ہو گا۔ (اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کے لئے

= یقین آگیا، چو طرف سے یہ آوازیں اٹھے لگیں کہ ہم سب اس بچے کے رب پر ایمان لا چکے۔

یہ حال دیکھ کر بادشاہ کے ساتھی بڑے گھبرائے اور بادشاہ سے کہنے لگے اس لڑکے کی ترکیب ہم تو سمجھے ہی نہیں

دیکھئے اس کا یہ اثر پڑا، کہ یہ تمام لوگ اس کے مذہب پر ہو گئے، ہم نے تو اسی لئے اسے قتل کرنا تھا کہ کہیں یہ مذہب پھیل نہ

پڑے لیکن وہ ڈر تو سامنے ہی آگیا، اور سب مسلمان ہو گئے، بادشاہ نے کہا اچھا یہ کرو کہ تمام مخلوق اور راستوں میں خندقیں

کھدواؤ، ان میں لکڑیاں بھرو اور ان میں آگ لگا دو، جو اس دین سے پھر جائے اسے چھوڑ دو اور جو نہ مانے اسے اس آگ

میں ڈال دو۔ ان مسلمانوں نے صبر و سہار کے ساتھ آگ میں جلنا منظور کر لیا اور اس میں کود کود کر گرنے لگے۔ البتہ ایک

عورت جس کی گود میں دودھ پیتا چھوٹا سا بچہ تھا وہ ذرا چھبکی تو اس بچہ کو اللہ تعالیٰ نے بولنے کی طاقت دی اس نے کہا اماں!

کیا کر رہی ہو؟ تم تو حق پر ہو، صبر کرو اور اس میں کود پڑو۔ (مسلم: کتاب الزہد والرقائق: ۲۲۹/۸،

واحمد: ۱۶/۶، و الترمذی فی التفسیر)

جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيرُ ﴿۱۱﴾

باغات ہیں ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ ﴿۱۲﴾ هُوَ يُبْدِي وَيُعِيدُ ﴿۱۳﴾

بیشک تمہارے پروردگار کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ (زندہ) کرے گا۔

وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ﴿۱۴﴾ وَالْعَرْشِ الْمَجِيدُ ﴿۱۵﴾ لِمَا يُرِيدُ ﴿۱۶﴾

اور وہ بخشنے والا اور محبت کرنے والا ہے۔ عرش کا مالک بڑی شان والا۔ جو چاہتا ہے کر دیتا ہے۔

هَلْ أَتَكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ ﴿۱۸﴾ الَّذِينَ كَفَرُوا

بھلا تم کو لشکروں کا حال معلوم ہوا ہے؟ (یعنی) فرعون اور ثمود کا۔ لیکن کافر (جان بوجھ کر) تکذیب میں (گرفتار)

فِي تَكْذِيبٍ ﴿۱۹﴾ وَاللَّهُ مِنْ وُرَائِهِمْ مُحِيطٌ ﴿۲۰﴾

ہیں۔ اور اللہ ان کو گرداگرد سے گھیرے ہوئے ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ ﴿۲۱﴾ فِي لَوْحٍ مَحْفُوظٍ ﴿۲۲﴾

(یہ کتاب ہزل و بطلان نہیں) بلکہ یہ قرآن عظیم الشان ہے۔ لوح محفوظ میں (لکھا ہوا)۔

سورة الطارق (مکیة)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾

آسمان اور رات کے وقت آنے والے کی قسم! اور تم کو کیا معلوم کہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ وہ تارا ہے چمکنے والا۔

﴿۱۱﴾ إِنَّ كُلَّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۱﴾ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ﴿۱۲﴾

کوئی تنفس نہیں جس پر نگہبان مقرر نہیں۔ تو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا ہوا ہے۔

﴿۱۳﴾ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۳﴾ يُخْرَجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ ﴿۱۴﴾

وہ اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا ہوا ہے۔ جو پیٹھ اور سینے کے بیچ میں سے نکلتا ہے۔

﴿۱۵﴾ إِنَّهُ عَلَى رَجْعِهِ لَقَادِرٌ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۵﴾ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ ﴿۱۶﴾

بیشک اللہ اس کے اعادے (یعنی پھر پیدا کرنے) پر قادر ہے۔ جس دن دلوں کے بھید جانچے جائیں گے۔

﴿۱۷﴾ فَمَا لَهُ مِنْ قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۷﴾ ذَاتِ الرَّجْعِ ﴿۱۸﴾

تو انسان کی کچھ پیش نہ چل سکے گی اور نہ کوئی اس کا مددگار ہوگا۔ آسمان کی قسم جو مینہ برساتا ہے۔

﴿۱۹﴾ وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ﴿۲۰﴾ ﴿۱۹﴾ إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ ﴿۲۰﴾

اور زمین کی قسم جو پھٹ جاتی ہے۔ کہ یہ کلام (حق کو باطل سے) جدا کرنے والا ہے۔

﴿۲۱﴾ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۱﴾ إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا ﴿۲۲﴾

اور بیہودہ بات نہیں۔ یہ لوگ تو اپنی تدبیروں میں لگ رہے ہیں۔

﴿۲۳﴾ وَأَكِيدُ كَيْدًا ﴿۲۴﴾ ﴿۲۳﴾ أَهْلُ الْكَافِرِينَ أَهْلُهُمْ رُؤِيدًا ﴿۲۴﴾

اور ہم اپنی تدبیر کر رہے ہیں۔ تو تم کافروں کو مہلت دو بس چند روز ہی مہلت دو۔ [1]

[1] اس سورت میں حق تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر انسان پر ایک محافظ نگران ہے

جو اس کے تمام افعال و اعمال و حرکات و سکنات کو دیکھتا جانتا ہے اس کا تقاضا عقلی یہ ہے کہ انسان اپنے انجام پر غور کرے

کہ دنیا میں وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ اللہ کے یہاں محفوظ ہے اور یہ محفوظ رکھنا حساب کے لئے ہے جو قیامت میں ہوگا اس لئے

کسی وقت آخرت اور قیامت کی فکر سے غافل نہ ہو، اس کے بعد اس شبہ کا جواب ہے جو شیطان لوگوں کے دلوں میں

ڈالتا ہے کہ مرکز مٹی اور ذرہ ہو جانے کے بعد پھر سب اجزاء کا جمع ہونا اور اس میں زندگی پیدا ہونا ایک موہوم خیال بلکہ عوام کے نظر میں محال و ناممکن ہے۔

جواب میں انسان کی ابتدائی تخلیق پر غور کرنے کی ہدایت ہے کہ وہ کس طرح مختلف ذرات اور مختلف مواد سے ہوتی ہے جیسے ابتدائی تخلیق میں دنیا بھر کے مختلف ذرات کو جمع کر کے ایک زندہ سمیع و بصیر انسان بنا دیا، اس کو اس پر بھی قدرت کیوں نہ ہوگی کہ پھر اس کو اس طرح لوٹا دے، اس کے بعد کچھ حال قیامت کا بیان فرما کر دوسری قسم زمین اور آسمان کی کھا کر نافل انسان کو جتلا دیا کہ جو کچھ اس کو فکر آخرت کی تلقین کی گئی ہے اس کو مذاق و دل لگی نہ سمجھے یہ ایک حقیقت ہے جو سامنے آکر رہے گی آخر میں کفار کے اس شبہ کا جواب دیا گیا کہ کفر و شرک اور معاصی اگر اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں تو پھر دنیا ہی میں ان پر عذاب کیوں نہیں آجاتا اس پر سورت ختم کی گئی ہے۔

پہلی قسم میں آسمان کے ساتھ طارق کی قسم ہے، طارق کے معنی رات کو آنے والے کے ہیں ستارے چونکہ دن کو چھپے رہتے ہیں اس لئے ستارہ کو طارق فرمایا اور خود قرآن نے اس کی تفسیر کر دی۔ وما ادراک ما الطارق یعنی تمہیں کیا خبر کہ طارق کیا چیز ہے، پھر فرمایا النجم الشاقب یعنی ستارہ روشن، نجم کے معنی ستارہ کے ہیں، قرآن نے کوئی ستارہ متعین نہیں کیا اس لئے ہر ستارہ اس کا مصداق ہو سکتا ہے۔ بعض مفسرین نے نجم سے خاص ستارہ ثریا یا زحل مراد لیا ہے اور کلام عرب سے لفظ نجم کا اس پر اطلاق ثابت کیا ہے ثاقب کے معنی روشن چمکدار کے ہیں۔

”ان کل نفس لمار علیہا حافظ“ یہ جواب قسم ہے اس میں شروع کا حرف ”ان“ نافیہ ہے اور حرف ”لما“ بنشد ید میم بمعنی ”الا“ ہے جو قبیلہ ہذیل کے لغت میں استثنیٰ کے معنی دیتا ہے اور معنی ایت کے یہ ہیں کہ کوئی نفس ایسا نہیں جس پر حافظ نہ ہو، حافظ کے معنی نگراں کی بھی آتے ہیں جو کسی کے اعمال کو نظر میں رکھے تاکہ ان کا حساب لے اور حافظ بمعنی محافظ بھی آتا ہے جس کے معنی مصائب و آفات سے حفاظت کرنے والے کے ہیں پہلے معنی کے اعتبار سے حافظ سے مراد فرشتہ کا تب اعمال ہے، اور یہاں اگرچہ اس کو بلفظ مفرد بمعنی جنس بیان کیا ہے مگر ان کا متعدد ہونا دوسری ایت سے ثابت ہے ان علیکم لحافظین کراما کاتبین (انفطار: ۱۰) اور دوسرے معنی کے اعتبار سے وہ فرشتے مراد ہیں جو حق تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کے لئے مقرر کیے ہیں وہ دن رات تمام آفات و مصائب سے انسان کی حفاظت کرتے ہیں بجز اس مصیبت و آفت کے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقدر کر دی ہے جیسا کہ ایک دوسری ایت میں اس کا صراحتاً بیان آیا ہے ”لہ معقب من بین یدہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ“ (رعد: ۱۱) یعنی انسان کے لئے

نوبت بہ نوبت آنے والے محافظ فرشتے مقرر ہیں جو اس کے آگے اور پیچھے سے اس کی حفاظت با امر الہی کرتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر مومن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تین سو ساٹھ فرشتے اس کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں جو انسان کے ہر عضو کی حفاظت کرتے ہیں، ان میں سات فرشتے انسان کی آنکھ کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں یہ فرشتے انسان سے ہر بلا و مصیبت جو اس کے لئے مقرر نہیں اس طرح انسان سے دفع کرتے ہیں جیسے شہد میں رکھے ہوئے برتن پر آنے والی مکھیوں کو سچکے وغیرہ سے دفاع کی جاتا ہے، اور اگر انسان پر یہ حفاظتی پہرہ نہ ہو تو شیطان اس کو اچک لے۔ (قرطبی)۔

”خلق من ماء دافق“ یعنی انسان پیدا کیا گیا ہے ایک اچلنے والے پانی سے جو نکلتا ہے پشت اور سینے کی ہڈیوں کی درمیان سے، عام طور سے مفسرین نے اس کا یہ مفہوم قرار دیا ہے کہ نطفہ مرد کی پشت اور عورت کے سینے سے نکلتا ہے مگر اعضاء انسانی کے ماہر اطباء کی تحقیق اور تجربہ یہ ہے کہ نطفہ درحقیقت انسان کے ہر عضو سے نکلتا ہے اور بچے کا ہر عضو اس جز نطفہ سے بنتا ہے جو مرد و عورت کے اسی عضو سے نکلا ہوا البتہ دماغ کو اس معاملے میں سب سے زیادہ دخل ہے اسی لئے مشاہدہ ہوتا ہے کہ جماع کی کثرت کرنے والے اکثر ضعف دماغ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اسی کے ساتھ ان کی تحقیق یہ بھی ہے کہ نطفہ تمام اعضاء سے منفصل ہو کر نخاع کے ذریعہ خصیتین میں جمع ہوتا ہے اور پھر وہاں سے نکلتا ہے اگر یہ تحقیق صحیح ہے تو مفسرین نے جو نطفہ کا خروج مرد کی پشت اور عورت کے سینے کے متعلق قرار دیا ہے اس کی توجیہ بھی کچھ بعید نہیں کیونکہ اس پر اطباء کا اتفاق ہے کہ نطفہ کی تولید میں سب سے بڑا دخل دماغ کو ہے اور دماغ کا خلیفہ و قائم مقام نخاع ہے جو بڑھ کی ہڈی کے اندر دماغ سے پشت اور پھر خصیتین تک آیا ہوا ہے اسی کے کچھ شعبے سینے کے ہڈیوں میں آئے ہوئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ عورت کے نطفہ میں سینے کی ہڈیوں سے آنے والے نطفہ کا اور مرد کے نطفہ میں پشت سے آنے والا نطفہ کا دخل زیادہ ہو۔ (بیضاوی)۔

اور اگر قرآن کے الفاظ پر غور کیا جائے تو ان میں مرد و عورت کی کوئی تخصیص نہیں صرف اتنا ہے کہ نطفہ پشت اور سینے کے درمیان سے نکلتا ہے اس کا یہ مطلب بے تکلف ہو سکتا ہے کہ نطفہ مرد اور عورت دونوں کے سارے بدن سے نکلتا ہے اور سارے بدن کی تعبیر آگے پیچھے کے اہم اعضاء سے کردی گئی سامنے کے حصہ میں سینہ اور پیچھے کے حصہ میں پشت سب سے اہم اعضاء ہے ان دونوں کے اندر سے نکلنے کا مطلب یہ لیا جائے کہ سارے بدن سے نکلتا ہے۔

”انہ علی رجعه لقاہر“ رجع کے معنی لوٹا دینے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جس خالق کائنات نے =

سورة الاعلیٰ (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰی ﴿۱﴾ الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ﴿۲﴾

(اے پیغمبر!) اپنے پروردگار جلیل الشان کے نام کی تسبیح کرو۔ جس نے (انسان کو) بنایا پھر (اس کے اعضاء کو) درست کیا۔

= اول انسان کو نطفہ سے پیدا کیا ہے وہ اس کو دو بارہ لوٹا دینے یعنی مرنے کے بعد زندہ کر دینے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہے۔

’یوم تبلی السرائر‘ تبلی کے لفظی معنی امتحان لینے اور آزمانے کے ہیں، اور سرائر کے معنی ہیں مخفی امور، مطلب یہ ہے قیامت کے روز انسان کے تمام عقائد و خیالات اور نیت و عزم جو دل میں پوشیدہ تھے دنیا میں اس کو کوئی نہ جانتا تھا، اسی طرح وہ اعمال و افعال جو اس نے چھپ کر کئے، دنیا میں کسی کو ان کی خبر نہیں۔ محشر میں سب کا امتحان لیا جائے گا یعنی سب کو ظاہر کر دیا جائے گا۔ عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انسان کے ہر مخفی راز کو کھول دیگا، ہر اچھے برے عقیدے اور عمل کی علامت انسان کے چہرے پر، یا زینت ہو کر یا ظلمت و سیاہی کی صورت میں ظاہر کر دی جائے گی۔ (قرطبی)۔

’و السماء ذات الرجوع‘ رجح کے معنی اس بارش کے ہیں جو پے در پے ہو کہ ایک مرتبہ بارش ہو کر ختم ہو جائے اور پھر لوٹے۔

’انه لقول فصل‘ یعنی قرآن کریم ایک فیصلہ کن قول ہے جو حق و باطل میں فیصلہ کرتا ہے اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول پاک ﷺ سے سنا ہے کہ قرآن کے متعلق فرمایا: ’کتاب فیہ خبر ما قبلکم و حکم ما بعدکم و هو الفصل لیس بالهزل‘ یعنی یہ ایک ایسی کتاب ہے جس میں تم سے پہلی امتوں کے حالات و اخبار ہیں اور تمہارے بعد آنے والوں کے لئے احکام ہیں، وہ فیصلہ کن قول ہے ہنسی مزاق نہیں۔ ترمذی۔

وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَىٰ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ ﴿۳۴﴾ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ ﴿۳۵﴾

اور جس نے (اس کا) اندازہ ٹھہرایا (پھر اس کو) رستہ بتایا۔ اور جس نے چارہ اگایا پھر اس کو سیاہ رنگ کا کوڑا کر دیا۔

سَنُقَرِّبُكَ فَلَا تَنْسَىٰ ﴿۳۶﴾ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفَىٰ ﴿۳۷﴾

ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم فراموش نہ کرو گے۔ مگر جو اللہ چاہے وہ کھلی بات کو بھی جانتا ہے اور چھپی کو بھی۔

وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ﴿۳۸﴾ فَذَكَرْ إِن نَّفَعَتِ الذُّكْرَىٰ ﴿۳۹﴾

ہم تم کو آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔ سو جہاں تک نصیحت (کے) نافع (ہونے کی امید) ہو نصیحت کرتے رہو۔

سَيَذَكِّرُ مَنْ يَخْشَىٰ ﴿۴۰﴾ لِيَتَجَنَّبَهَا الْأَشْقَىٰ ﴿۴۱﴾

جو خوف رکھتا ہے وہ تو نصیحت پکڑے گا۔ اور (بے خوف) بد بخت پہلو تہی کرے گا۔

الَّذِي يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرَىٰ ﴿۴۲﴾ لَمْ يَأْتِهَا وَلَا يَحْيَىٰ ﴿۴۳﴾

جو (قیامت کو) بڑی (تیز) آگ میں داخل ہو گا۔ پھر وہاں نہ مرے گا اور نہ جئے گا۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ﴿۴۴﴾ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ﴿۴۵﴾

بیشک وہ مُراد کو پہنچ گیا جو پاک ہوا۔ اور اپنے پروردگار کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ﴿۴۶﴾ وَالْآخِرَةَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴿۴۷﴾

مگر تم لوگ تو دنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو۔ حالانکہ آخرت بہت بہتر اور پائندہ تر ہے۔

إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ﴿۴۸﴾ الصُّحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ﴿۴۹﴾

یہی بات پہلے صحیفوں میں (مرقوم) ہے۔ (یعنی) ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔

سورة الغاشية (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

هَلْ أَتَكَ حَدِيثُ الْغَاشِيَةِ ﴿١﴾ وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ﴿٢﴾
بھلا تم کو ڈھانپ لینے والی (یعنی قیامت کا) حال معلوم ہوا ہے؟ اس روز بہت سے منہ (والے) ذلیل ہوں گے۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ﴿٣﴾ تَصْلِي نَارًا حَامِيَةً ﴿٤﴾ تُسْقَى مِنْ عَيْنٍ آنِيَةٍ ﴿٥﴾
سخت محنت کرنے والے تھکے ماندے۔ دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔ ایک کھولتی ہوئے چشمے کا ان کو پانی پلایا جائے گا۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ﴿٦﴾ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ ﴿٧﴾
اور خاردار جھاڑ کے سوا ان کے لئے کوئی کھانا نہیں (ہوگا)۔ جو نہ فریبی لائے نہ بھوک میں کچھ کام آئے۔

وَجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَّاعِمَةٌ ﴿٨﴾ تَسْعِيهَا رَاضِيَةٌ ﴿٩﴾ فِي جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ﴿١٠﴾
اور بہت سے منہ (والے) اس روز شادماں ہوں گے۔ اپنے اعمال (کی جزا) سے خوشدل۔ بہشت بریں میں۔

لَا تَسْمَعُ فِيهَا لِاَغِيَةٍ ﴿١١﴾ لَهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿١٢﴾ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ﴿١٣﴾
وہاں کسی طرح کی بکواس نہیں سنیں گے۔ اس میں چشمے بہہ رہے ہوں گے۔ وہاں تخت ہوں گے اونچے بچھے ہوئے۔

وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ﴿١٤﴾ وَنَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿١٥﴾ أَوْ زُرَابِي مَبْتُوثَةٌ ﴿١٦﴾
اور آنجورے (قرینے سے) رکھے ہوئے۔ اور تکتے کی قطار لگے ہوئے۔ اور نفیس مسندیں بچھی ہوئی۔

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبْلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ﴿١٧﴾ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿١٨﴾
کیا یہ لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کئے گئے ہیں؟ اور آسمان کی طرف کہ کیسا بلند کیا گیا ہے؟

وَالِی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَالِی الْأَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

اور پہاڑوں کی طرف کہ کس طرح کھڑے کئے گئے ہیں۔ اور زمین کی طرف کہ کس طرح بچھائی گئی ہے

فَذَکُرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكَّرٌ ﴿۲۱﴾ لَئِنْ لَمْ تَنْصَحْهُمْ بِمُصِطْرٍ ﴿۲۲﴾

تو تم نصیحت کرتے رہو کہ تم نصیحت کرنے والے ہی ہو۔ تم ان پر داروغہ نہیں ہو۔

إِلَّا مَنْ تَوَلَّى وَكَفَرَ ﴿۲۳﴾ یَعَذِّبُهُ اللَّهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿۲۴﴾

ہاں جس نے منہ پھیرا اور نہ مانا۔ تو اللہ اس کو بڑا عذاب دے گا۔

إِنَّ إِلَيْنَا إِيَابَهُمْ ﴿۲۵﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿۲۶﴾

بیشک ان کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ پھر ہم ہی کو ان سے حساب لینا ہے۔

سورة الفجر (مکیہ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿۳﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ﴿۴﴾

فجر کی قسم! اور دس راتوں کی۔ اور جفت اور طاق کی (نماز)۔ اور رات کی جب جانے لگے۔ [۱]

[۱] حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں کہ: بعض لوگوں نے ”فجر“ سے عید الاضحیٰ کی صبح اور دس راتوں سے مراد، ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں لیں ہیں، (ابن کثیر)۔

ایک موقوف روایت ہے کہ عشرے سے مراد عید الاضحیٰ کے پہلے دس دن ہیں اور ”وتر“ سے مراد عرفہ کا دن

ہے، اور ”شفع“ سے مراد قربانی کا دن ہے۔ (مسند احمد: ۳/۳۲۷)۔ =

هَلْ فِي ذَلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حَجْرِ ﴿۱۱﴾ لَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ

بیشک اس میں پورا حصہ ہے عقل والوں کے لئے، کیا تم نے نہیں دیکھا

رَبُّكَ بِعَادِ ﴿۱۲﴾ إِرْمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿۱۳﴾ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ

کہ تمہارے پروردگار نے عاد کے ساتھ کیا کیا؟ (جو) ارم (کہلاتے تھے اتنے) دراز قد۔ کہ تمام ملک میں

مِثْلَهَا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ وَدَّ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿۱۵﴾

ایسے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اور ثمود کی ساتھ (کیا کیا) جو وادی (قرئی) میں پنجم تراشتے (اور گھر بناتے) تھے۔

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿۱۶﴾ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۷﴾

اور فرعون کے ساتھ کیا کیا جو میخیں رکھتا تھا۔ یہ لوگ ملکوں میں سرکش ہو رہے تھے۔

= ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ: ان دس دنوں سے مراد ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔ (تفسیر البغوی)۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں، ان دنوں میں بنیادی عبادات، جو کہ نماز، روزہ، صدقہ اور حج ہیں۔ وہ سب اکٹھی ہو جاتی ہیں، اور وہ ان کے علاوہ کسی دوسرے دنوں میں جمع نہیں ہوتیں، اس لئے یہ وجہ عشرۃ ذوالحجہ کی امتیازی شان کی معلوم ہوتی ہے۔ (فتح الباری: ۲/۴۶۰)۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کسی بھی دن میں (کیا ہوا) اچھا کام اللہ تعالیٰ کو ان دس دنوں میں (کئے جانے والے نیک) عمل سے زیادہ پیارا نہیں۔ انہوں (صحابہ) نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! (دوسرے دنوں میں کیا ہوا) جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں؟ آپؐ نے فرمایا جہاد فی سبیل اللہ بھی نہیں، ہاں مگر وہ شخص جو اپنی مال و جان کے ساتھ (راہ جہاد میں) نکلے اور کچھ واپس لے کر نہ آئے۔ (ابوداؤد: ۲۴۳۴)۔

آپؐ نے ان دنوں کے متعلق فرمایا: فاكثر وافيهن من التهليل والتكبير والتحميد۔ ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں کثرت کے ساتھ تکبیر و تہلیل اور حمد و ثناء بیان کرو۔ (مسند احمد: ۵۴۴۶)۔

﴿۱۳﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفُسَادَ ﴿۱۳﴾ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾

اور ان میں بہت سی خرابیاں کرتے تھے۔ تو تمہارے پروردگار نے ان پر عذاب کا کوڑا نازل کیا۔

﴿۱۴﴾ إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۴﴾ وَأَمَّا الْإِنْسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ

بیشک تمہارا پروردگار تاک میں ہے۔ مگر انسان (عجیب مخلوق ہے کہ) جب اس کا پروردگار اس کو آزماتا ہے

﴿۱۵﴾ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿۱۵﴾

کہ اسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو کہتا ہے کہ (آہا) میرے پروردگار نے مجھے عزت بخشی۔

﴿۱۶﴾ وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿۱۶﴾

اور جب (دوسری طرح) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تک کر دیتا ہے تو کہتا ہے کہ (ہائے) میرے پروردگار نے مجھے ذلیل کیا

﴿۱۸﴾ كَلَّا بَلْ لَا تَكْرُمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۸﴾ وَلَا تَحَاضُونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾

نہیں بلکہ تم لوگ یتیم کی خاطر نہیں کرتے۔ اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتے ہو۔

﴿۲۰﴾ وَتَأْكُلُونَ التَّرَاتِ الْأَكْلَاءَ ﴿۲۰﴾ ﴿۲۰﴾ وَتَحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

اور میراث کے مال کو سمیٹ کر کھا جاتے ہو۔ اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے ہو۔

﴿۲۲﴾ كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۲﴾ ﴿۲۲﴾ وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾

تو جب زمین کی بلندی کوٹ کوٹ کر پست کر دی جائے گی۔ اور تمہارا پروردگار اور فرشتے قطار باندھ کر آ موجود ہوں گے

﴿۲۳﴾ وَجَاءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذُّكْرَىٰ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۳﴾

اور دوزخ اس دن حاضر کی جائے گی تو انسان اس دن متنبہ ہوگا مگر متنبہ (سے) اسے (فائدہ) کہاں (مل سکے گا)؟

﴿۲۵﴾ يَقُولُ يَلَيَّتَنِي قَدَمْتُ لِحَيَاتِي ﴿۲۵﴾ ﴿۲۵﴾ فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۵﴾

کہے گا کاش میں نے اپنی زندگی (جاودانی کے لئے) کچھ آگے بھیجا ہوتا۔ تو اس دن نہ کوئی اللہ کے عذاب کی طرح کا عذاب دے گا

وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿۱۰۴﴾ بِأَيْتِهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۱۰۵﴾ رُجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ﴿۱۰۶﴾ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿۱۰۷﴾ وَادْخُلِي جَنَّاتِي ﴿۱۰۸﴾
 اور نہ کوئی ویسا جکڑنا جکڑے گا۔ اے اطمینان پانے والی روح!۔ اپنے پروردگار کی طرف لوٹ چل
 تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی۔ تو میرے (ممتاز) بندوں میں داخل ہو۔ اور میری بہشت میں داخل ہو جا۔

سورة البلد (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

لَا أُقْسِمُ بِهَذَا الْبَلَدِ ﴿۱﴾ وَأَنْتَ حِلٌّ بِهَذَا الْبَلَدِ ﴿۲﴾ وَالْوَالِدِ وَمَا وَلَدٌ ﴿۳﴾
 ہمیں اس شہر (مکہ) کی قسم [1] اور تم اسی شہر میں تو رہتے ہو۔ اور باپ (یعنی آدم) اور اس کی اولاد کی قسم!

[1] حرف 'لا' اس جگہ زائد ہے اور قسموں میں یہ حرف زائد لانا عرب کے محاورہ میں معروف ہے، اور زیادہ اس صحیح ہے کہ یہ حرف مخاطب کے باطل خیال کی تردید کے لئے شروع قسم میں لایا جاتا ہے، جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جو تم نے خیال باندھ رکھا ہے وہ نہیں، بلکہ ہم قسم کے ساتھ کہتے ہیں کہ حقیقت وہ ہے جو ہم بیان کرتے ہیں، اور "البلد" سے مکہ مکرمہ مراد ہے جیسا کہ "والتین" میں بھی شہر مکہ کی قسم کھائی ہے، اور اس کے ساتھ اس کی صفت "آمین" بھی بیان فرمائی "وہذا البلد الامین" شہر مکہ کی قسم کھانا اس شہر کی بہ نسبت دوسرے شہروں کے شرافت و افضلیت کو بتلانا ہے۔ عبد اللہ بن عدیؒ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے وقت شہر مکہ کو خطاب کر کے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کی قسم ہے کہ تو ساری زمین میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ بہتر اور محبوب ہے، اور اگر مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کر دیا جاتا تو میں تیری زمین سے نہ نکلتا (رواہ الترمذی، رقم: ۳۹۲۶، وابن ماجہ۔ وغیرہ)

"وانت حل بهذا البلد" لفظ "حل" میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ حلول سے مشتق ہو جس کی معنی کسی شی کے

اندر سامنے اور رہنے اور اترنے کے آتے ہیں، اس اعتبار سے ”حل“ کے معنی اترنے والے اور رہنے والے کے ہونگے۔ اور مراد آیت کی یہ ہوگی کہ شہر مکہ خود بھی مکرم اور محترم ہے، خصوصاً جبکہ آپ بھی اس شہر میں رہتے ہیں، تو مکین کی فضیلت سے بھی مکان کی فضیلت بڑھ جاتی ہے، اسلئے شہر کی عظمت و حرمت آپ کے اس مقیم ہونے سے دوہری ہوگئی۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ لفظ ”حل“ مصدر حلت سے مشتق ہو جس کے معنی کسی چیز کے حلال ہونے کے ہیں، اس اعتبار سے لفظ ”حل“ کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ آپ کو کفار مکہ نے حلال سمجھ رکھا ہے کہ آپ کے قتل کے درپے ہیں حالانکہ وہ خود بھی شہر مکہ میں کسی شکار کو بھی حلال نہیں سمجھتے مگر ان کا ظلم و سرکشی اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ جس مقدس مقام پر کسی جانور کا قتل بھی جائز نہیں اور خود ان لوگوں کا بھی یہی عقیدہ ہے وہاں انہوں نے اللہ کے رسول کا قتل و خون حلال سمجھ لیا ہے دوسرے معنی ”حل“ کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے حرم مکہ میں قتال کفار حلال ہونے والا ہے، جیسا کہ فتح مکہ میں ایک روز کے لئے آپ سے احکام حرم اٹھائے گئے تھے۔

”ووالد و ما ولد“ والد سے مراد آدم علیہ السلام ہیں، جو سب انسانوں کے باپ ہیں، اور ما ولد سے ان کی اولاد مراد ہے جو ابتدائے دنیا سے قیامت تک ہوگی۔ اس طرح اس لفظ میں آدم علیہ السلام اور تمام بنی آدم کی قسم ہوگی۔ آگے جواب قسم مذکور ہے۔

”لقد خلقنا الانسان في كبد“ کبد کے لفظی معنی محنت و مشقت کے ہیں۔ معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی فطرت سے ایسا پیدا کیا گیا ہے کہ اول عمر سے آخر تک محنتوں اور مشقتوں میں رہتا ہے۔

بعض علماء نے فرمایا: کہ کوئی مخلوق اتنی مشقتیں نہیں جھیلی جتنی انسان برداشت کرتا ہے باوجودیکہ وہ جسم اور جثہ میں اکثر جانوروں کی نسبت ضعیف و کمزور ہے، ظاہر یہ ہے کہ انسان کی دماغی قوت سب سے زیادہ ہے اس لئے اس کی تخصیص کی گئی، مکہ مکرمہ اور آدم و اولاد آدم علیہ السلام کی قسم کھا کر حق تعالیٰ نے اس حقیقت کو بیان فرمایا کہ انسان کو ہم نے شدت و محنت اور مشقت ہی میں اور اسی کے لئے پیدا کیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ انسان خود بخود پیدا نہیں ہو گیا، یا اس کو کسی دوسرے انسان نے جنم نہیں دیا بلکہ اس کا پیدا کرنے والا ایک قادر مختار ہے جس نے اپنی حکمت سے ہر مخلوق کو خاص مزاج اور خاص اعمال و افعال کی استعداد دیکر پیدا کیا ہے، اگر انسان کی تخلیق میں خود انسان کو کچھ دخل ہوتا تو وہ اپنے لئے یہ محنتیں مشقتیں کبھی تجویز نہ کرتا۔ (قرطبی)

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۱﴾ يَحْسَبُ أَنَّ لَنْ يَقْدِرَ عَلَيْهِ أَحَدٌ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۲﴾

کہ ہم نے انسان کو تکلیف (کی حالت) میں (رہنے والا) بنایا ہے۔ کیا وہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی قابو نہ پائے گا؟

يَقُولُ أَهْلَكْتُ مَالًا لُبَدًا ﴿۲۳﴾ ﴿۲۳﴾ يَحْسَبُ أَنَّ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۴﴾

کہتا ہے کہ میں نے بہت سا مال برباد کیا۔ کیا اسے یہ گمان ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا؟

أَلَمْ نَجْعَلْ لَهُ عَيْنَيْنِ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۵﴾ لِسَانًا وَشَفَتَيْنِ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۶﴾

بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دیں؟ اور زبان اور دو ہونٹ (نہیں دیئے)؟

وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۷﴾ أَفَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۸﴾

(یہ چیزیں بھی دیں) اور اس کو (خیر و شر کے) دونوں رستے بھی دکھا دیئے۔ مگر وہ گھاٹی پر سے ہو کر نہ گزرا۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۲۹﴾ ﴿۲۹﴾ الْكُفْرَةُ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۰﴾ إِنْ أِطْعَامٌ

اور تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے؟ کسی (کی) گردن کا چھڑانا۔ یا بھوک کے دن

فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۱﴾ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۲﴾ مِسْكِينًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۳﴾

کھانا کھلانا۔ یتیم رشتہ دار کو۔ یا فقیر خاکسار کو

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۴﴾

پھر ان لوگوں میں بھی (داخل) ہوا جو ایمان لائے اور صبر کی نصیحت کی اور (لوگوں پر) شفقت کرنے کی وصیت کرتے رہے

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا

یہی لوگ صاحبِ سعادت ہیں۔ اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو نہ مانا

هُمُ أَصْحَابُ الْمَشْأَمَةِ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۶﴾ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤَصَّدَةٌ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۷﴾

وہ بدبخت ہیں۔ یہ لوگ آگ میں بند کر دیئے جائیں گے۔

سورة الشمس (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا ﴿١﴾ وَالْقَمَرِ إِذَا تَلَّهَا ﴿٢﴾ وَالنَّهَارِ إِذَا جَلَّهَا ﴿٣﴾

سورج کی قسم اور اس کی روشنی کی [۱] اور چاند کی جب اس کے پیچھے نکلے۔ اور دن کی جب اسے چمکادے۔

وَاللَّیْلِ إِذَا يَغْشَاهَا ﴿٤﴾ وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا ﴿٥﴾ وَالْأَرْضِ وَمَا طَحَّهَا ﴿٦﴾

اور رات کی جب اسے چھپالے۔ اور آسمان کی اور اس ذات کی جس نے اسے بنایا۔ اور زمین کی اور اس کی جس نے اسے پھیلایا

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا ﴿٧﴾ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ﴿٨﴾

اور انسان کی اور اس کی جس نے اس (کے اعضاء) کو برابر کیا۔ پھر اس کو بدکاری (سے بچنے)

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا ﴿٩﴾ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا ﴿١٠﴾

اور پرہیزگاری کرنے کی سمجھ دی۔ کہ جس نے (اپنے) نفس کو پاک رکھا وہ مراد کو پہنچا۔ اور جس نے اسے خاک میں ملایا وہ خسارے میں رہا

كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوَاهَا ﴿١١﴾ إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا ﴿١٢﴾

(قوم) ثمود نے اپنی سرکشی کے سبب (پیغمبر کو) جھٹلایا۔ جب ان میں سے ایک نہایت بد بخت اٹھا۔

فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ نَاقَةَ اللَّهِ وَسُقْيَاهَا ﴿١٣﴾ فَكَذَّبُوهُ

تو اللہ کے پیغمبر (صالح) نے ان سے کہا کہ اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی پینے کی باری سے حذر کرو۔ مگر انہوں نے پیغمبر کو جھٹلایا

فَعَقَرُوهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمُ رَبُّهُم بِذَنبِهِمْ فَسَوَّاهَا ﴿١٤﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا ﴿١٥﴾

اور اونٹنی کی کوچیں کاٹ ڈالیں تو اللہ نے ان کے گناہ کے سبب ان پر عذاب نازل کیا اور سب کو ہلاک کر کے برابر کر دیا۔ اور اس کو ان کے بدلے لینے کا کچھ بھی ڈر نہیں

[۱] اس سورت کے شروع میں سات چیزوں کی قسم آئی ہے، اور ساتوں چیزوں کے ساتھ ان کی حالت کمال کے

اعتبار سے کچھ اوصاف اور قیود ذکر کئے گئے ہیں۔ پہلی قسم ”و الشمس و ضحہا“ یہاں اگرچہ ”ضحہا“ کو و اعطف کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر تقریباً بعد کی اشیاء کے ضحہ کا ذکر بطور وصف شمس کے ہے، یعنی قسم ہے آفتاب کی جبکہ وہ وقت ضحیٰ میں ہو۔ ضحیٰ اس وقت کو کہا جاتا ہے جب آفتاب طلوع ہو کر کچھ بلند ہو جائے اور اس کی روشنی زمین پھر پھیل جائے، اس وقت میں وہ انسان کو قریب نظر آتا ہے اور تمازت زیادہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو پوری طرح دیکھ بھی سکتے ہیں۔

دوسری قسم ”و القمر اذا تلهها“، یعنی چاند کی قسم جبکہ وہ آفتاب کے پیچھے آئے، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب چاند غروب آفتاب کے بعد طلوع ہو اور یہ مہینہ کے وسط میں ہوتا ہے۔ جبکہ چاند تقریباً مکمل ہوتا ہے اور پیچھے آنے کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ جس طرح کہ ضحیٰ کے وقت میں آفتاب بکمال نظر آتا ہے اسی طرح جبکہ چاند اس کے پیچھے آئے یعنی کامل ہونے میں آفتاب کے تابع ہو جائے۔

تیسری قسم ”و النهار اذا جملها، جملها کی ضمیر زمین یا دنیا کی طرف بھی راجع ہو سکتی ہے، اگرچہ اس سے پہلے زمین اور دنیا کا ذکر نہیں آیا مگر محاورات عرب میں ایسی چند چیزیں جو عموماً انسانوں کے سامنے رہتی ہیں ان کی طرف بغیر ذکر ماضی کے بھی ضمیر راجع کر دینا مشہور و معروف ہے، اور قرآن کریم میں بھی اس کی نظائر موجود ہیں، اس اعتبار سے معنی یہ ہوئے کہ قسم ہے دن کی اور دنیا کی یا زمین کی جس کو دن نے روشن کر دیا ہے، اس میں بھی اشارہ اس طرف ہے کہ دن کی قسم اس حالت کے اعتبار سے ہے جبکہ وہ پوری طرح روشن ہو جائے، اور عبارت کے اعتبار سے ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر آفتاب کی طرف راجع ہو، اس صورت میں معنی یہ ہونگے کہ قسم ہے دن کی جبکہ وہ آفتاب کو روشن کر دے۔ یہ اسناد مجازی ہوگی اور مطلب یہ ہوگا کہ جب دن نکل آنے کے سبب آفتاب روشن نظر آنے لگے۔

چوتھی قسم ”واللیل اذا یغشها“، یعنی قسم ہے رات کی جبکہ وہ آفتاب پر چھا جائے یعنی آفتاب کی روشنی کو مستور کر دے۔

پانچویں قسم ”و السماء وما بنہا“، اس میں سباق نظم کے اعتبار سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ ما بنہا میں صرف ”ما“ کو مصدر یہ قرار دیکر معنی یہ لئے جاویں کہ قسم ہے آسمان اور اس کے بنانے کی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے ”بما غفر لہی ربی“ [ینس: ۲۷]

اسی طرح چھٹی قسم ”والارض وما طحہا“، میں ما بمعنی مصدر لیکر ترجمہ یہ ہوا کہ قسم ہے زمین اور اس کے بچھانے پھیلانے کی۔ کیونکہ طحہ مصدر کے معنی بچھانے اور پھیلانے کے آتے ہیں، اس میں آسمان کیساتھ بناؤ کا اور زمین کے ساتھ بچھانے پھیلانے کا ذکر بھی اسی حالت کمال کو بتلانے کے لئے ہے کہ قسم ہے آسمان کی اس حالت میں جبکہ اس کی تخلیق

وکتوین مکمل ہوگئی اور قسم ہے زمین کی جبکہ اس کو پھیلا کر اس کی تخلیق مکمل کر دی گئی۔ قادمہ وغیرہ سے یہی تفسیر منقول ہے۔ کشاف اور بیضاوی و قرطبی نے اسی کو اختیار کیا ہے، اور بعض مفسرین نے اس جگہ صرف ما کو بمعنی ”من“ لیکر اس کی مراد حق تعالیٰ کی ذات لی ہے کہ قسم آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی۔

اسی طرح ”و الارض و ما طحھا“ کا مفہوم یہ بیان کیا گیا کہ قسم ہے زمین اور اس کے پھیلانے والے کی، مگر یہاں جتنی قسمیں اب تک مذکور ہوئیں اور جو آگے آرہی ہیں وہ سب مخلوقات کی قسمیں ہیں، درمیان میں ذات حق کی قسم آجانا نسق اور ترتیب سے بعید معلوم ہوتا ہے اور اس صورت میں جو اوپر لکھی گئی ہے یہ اشکال بھی نہیں لازم آتا کہ مخلوقات کی قسم کو ذات خالق پر مقدم کیوں بیان کیا گیا؟ واللہ اعلم۔

ساتویں قسم ”ونفس و ما سواھا“ اس میں بھی ما کو مصدر یہ لیا جائے، تو معنی یہ ہیں کہ قسم ہے انسانی جان کی اور اس کے درست و متناسب کرنے کی، اور اگر ما کو بمعنی من لیا جائے تو معنی یہ ہونگے کہ قسم ہے نفس کی اور اس کے برابر و درست کرنے والے کی، ’تسویہ‘ یعنی درست اور برابر کرنے کا مفہوم اس سے پہلے سورت میں آچکا ہے۔

”فالہمہا فجورھا و تقواھا“ الہام کے معنی دل میں ڈالنا جو ر کے معنی کھلا گناہ اور تقویٰ کا مفہوم معروف و مشہور ہے یہ جملہ بھی ساتویں قسم کے ساتھ مربوط ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کو بنایا، پھر اس کے دل میں فجور اور تقویٰ دونوں کا الہام کر دیا، مراد یہ ہے کہ نفس انسانی کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے گناہ اور طاعت دونوں کے مادے اور استعداد رکھ دی ہے، پھر انسان کو ایک خاص قسم کا اختیار اور قدرت دے دی کہ وہ اپنے اختیار سے گناہ کی راہ اختیار کر لے یا طاعت کی، جب وہ اپنے قصد و اختیار سے ان میں سے کوئی راہ اختیار کرتا ہے تو اسی قصد و اختیار پر اس کو ثواب یا عذاب ملتا ہے، اس تفسیر سے وہ شبہ رفع ہو گیا کہ گناہ اور طاعت جب خود انسان کی تخلیق میں رکھ دی گئی، تو وہ اس کے کرنے پر مجبور ہوا، ایسی صورت میں وہ نہ کسی ثواب کا مستحق ہے نہ عذاب کا، اور یہ تفسیر ایک حدیث مرفوعہ سے مستفاد ہے جو صحیح مسلم میں عمران بن حصینؓ کی روایت سے آئی ہے کہ بعض لوگوں نے نبی ﷺ سے مسئلہ تقدیر کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے جواب میں یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اس آیت سے مسئلہ تقدیر کے شبہ کا جواب اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ الہام، فجور و تقویٰ سے مراد یہ لیا جائے کہ دونوں کے مادے اور استعدادیں اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی کے اندر رکھ دیئے ہیں، اور اس کو ان میں سے کسی ایک پر مجبور کیا، مگر ایسا نہیں بلکہ اُس کو قدرت و اختیار دیا کہ ان میں سے جس کو جی چاہے اختیار کر سکتا ہے۔ ابو ہریرہؓ اور ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب یہ آیت تلاوت فرماتے تو بلند آواز سے یہ دعاء پڑھا کرتے تھے: اللّٰهُمَّ اِتِّ =

سورة الليل (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَاللَّیْلِ إِذَا یَغْشَىٰ ۚ وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّىٰ ۚ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ۚ ﴿۳﴾

رات کی قسم جب (دن کو) چھپالے۔ اور دن کی قسم جب چمک اٹھے۔ اور اس (ذات) کی قسم جس نے نر اور مادہ پیدا کئے۔

إِنَّ سَعِیْكُمْ لَشَتَّىٰ ۚ فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۚ ﴿۴﴾ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۚ ﴿۵﴾

کہ تم لوگوں کی کوشش طرح طرح کی ہے۔ تو جس نے (اللہ کے رستے میں مال) دیا اور پرہیزگاری کی۔ اور نیک بات کو سچ جانا

=نَفْسِیُ تَقْوَاهَا أَنتَ وَلِیُّهَا وَمَوْلَاهَا وَأَنْتَ خَیْرٌ مِّنْ رَّزَقِهَا: یعنی یا اللہ میرے نفس کو تقویٰ کی توفیق عطا فرما، آپ ہی میرے نفس کے ولی اور مربی ہیں۔ [مسند احمد ۶/۲۰۹] ان سات قسموں کے بعد جواب قسم میں فرمایا: قد افلح من زكها وقد خاب من دسها: یعنی با مراد ہو وہ شخص جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا، تزکیہ کے اصلی معنی باطنی پاکی کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جس نے اللہ کی اطاعت کر کے اپنے ظاہر و باطن کو پاک کر لیا۔ اور محروم ہوا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو گناہوں کی دلدل میں دھنسا دیا۔ فدمدم علیہم ربہم بذنبہم فسوھا: لفظ دمدمہ ایسے سخت عذاب کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی شخص یا قوم پر بار بار آتا رہے یہاں تک کہ ان کو بالکل فنا کر دے اور لفظ فسوھا کا مطلب یہ ہے کہ یہ عذاب پوری قوم پر محیط ہو گیا جس میں مرد، عورت، بچہ، بوڑھا سب برابر ہو گئے۔ آخر میں فرمایا: ولا ینخاف عقبہا: یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب اور کسی قوم کو تباہ کر دینے کے معاملے کو دنیا کے معاملات کی طرح نہ سمجھ کہ اس میں بڑے سے بڑا بادشاہ صاحب قوت و شوکت بھی جب کسی قوم کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے جس میں پوری قوم کی ہلاکت ہے، تو اس کو خود بھی یہ خطرہ رہتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اُن کے بقایا یا ان کے حامی لوگ ہم سے انتقام لیں اور بغاوت کرنے لگیں۔

”واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم“

فَسَنِيْسِرُهُ لِّلْیُسْرٰی ﴿۸﴾ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ﴿۸﴾

اس کو ہم آسان طریقے کی توفیق دیں گے۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پروا بنا رہا۔

وَكَاذِبًا۟ بِالْحُسْنٰی ﴿۹﴾ فَسَنِيْسِرُهُ لِّلْعُسْرٰی ﴿۱۰﴾

اور نیک بات کو جھوٹ سمجھا۔ اسے سختی میں پہنچائیں گے۔

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهُۥٓ اِذَا تَرَدَّدٰی ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰی ﴿۱۲﴾

اور جب وہ (دوزخ کے گڑھے میں) گرے گا تو اس کا مال اس کے کچھ بھی کام نہ آئے گا۔ ہمیں تو راہ دکھا دینا ہے۔

وَ اِنَّ لَنَا لَلْآخِرَةَ وَالْاٰوَلٰی ﴿۱۳﴾ اِنَّا نُنزِرُكُمۡ نَارًا تَلظٰی ﴿۱۴﴾

اور آخرت اور دنیا ہماری ہی چیزیں ہیں۔ سو میں نے تم کو بھڑکتی آگ سے متنبہ کر دیا۔

لَا يَصْلٰهُآ اِلَّا الْاَشْقٰی ﴿۱۵﴾ اَلْبَدِيْ كَاذِبٌ وَّاَتَوَلٰی ﴿۱۶﴾

اس میں وہی داخل ہو گا جو بڑا بدبخت ہے۔ جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا۔

وَسَيَجْنِبُهَآ الْاَتَقٰی ﴿۱۷﴾ اَلْبَدِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكٰى ﴿۱۸﴾ وَاَمَّا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ

اور جو بڑا پرہیزگار ہے وہ بچا لیا جائے گا۔ جو اپنا مال دیتا ہے تاکہ پاک ہو۔ اور (اس لئے) نہیں کہ اس پر کسی کا احسان جس کا

نِعْمَةٌ تُجْزٰى ﴿۱۹﴾ اِلَّا اِبْتِغَاءً وَّجْهَ رَبِّهٖ الْاَعْلٰی ﴿۲۰﴾ وَّلَسَوْفَ يَرْضٰی ﴿۲۱﴾

وہ بدلا اتارتا ہے۔ بلکہ اپنے رب (الاعلیٰ) کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے دیتا ہے۔ اور وہ عقرب خوش ہو جائے گا۔

سورة الضحٰی (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالضُّحَىٰ ﴿١﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ﴿٢﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ

آفتاب کی روشنی کی تم [1]۔ اور رات (کی تاریکی کی) جب چھا جائے۔ کہ (اے محمد ﷺ!) تمہارے پروردگار نے نہ تو تم کو چھوڑ

وَمَا قَلَىٰ ﴿٣﴾ وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَىٰ ﴿٤﴾ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ﴿٥﴾

اور نہ (تم سے) ناراض ہوا۔ اور آخرت تمہارے لئے پہلی (حالت یعنی دنیا) سے کہیں بہتر ہے۔

وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضَىٰ ﴿٦﴾ أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ﴿٧﴾

اور تمہیں پروردگار عنقریب وہ کچھ عطا فرمائے گا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ بھلا اس نے تمہیں یتیم پا کر جگہ نہیں دی؟

وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ ﴿٨﴾ وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ ﴿٩﴾

(بیشک دی) اور رستے سے ناواقف دیکھا تو سیدھا رستہ دکھایا۔ اور تنگدست پایا تو غنی کر دیا۔

فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ﴿١٠﴾ وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ ﴿١١﴾

تو تم بھی یتیم پر ستم نہ کرنا۔ اور مانگنے والے کو جھڑکی نہ دینا۔

وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴿١٢﴾

اور اپنے پروردگار کی نعمتوں کا بیان کرتے رہنا۔

[1] او الضحیٰ: جہور مفسرین نے لکھا ہے کہ کسی مصلحت سے چند دن جبریل علیہ السلام وحی لے کر نہ آئے، تو مشرکین نے

کہنا شروع کر دیا کہ محمد ﷺ کا رب اس سے ناراض ہو گیا ہے، اور اس نے اس کو چھوڑ دیا ہے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی

جس میں مشرکین کی خرافات کا جواب دیا گیا، اور نبی کریم ﷺ کو تسلی دی گئی کہ اللہ تعالیٰ نہ آپ سے ناراض ہو گیا ہے، اور نہ

اس نے آپ کو چھوڑ ہی دیا ہے۔ (ابن کثیر) 'و الضحیٰ' چاشت کا وقت دن کا اجالا۔

'سجی' ای غطی بظلامہ (جلالین) ہر چیز کو اپنی تاریکی میں چھپالے، روز روشن اور شب تاریک کی قسم کہ

اللہ تعالیٰ نے نہ آپ کو چھوڑ دیا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہو گیا ہے، جس طرح دن کا اجالا اور رات کی تاریکی یکساں نہیں

ہیں اسی طرح تمام حالات یکساں نہیں ہیں کبھی قبض اور کبھی بسط کسی وقت آسودگی اور کسی وقت تنگی ہوتی ہے، یہی حال وحی کا ہے کہ کبھی آتی ہے اور کبھی نہیں آتی۔

وللاخرة. آخرت کا حال بیان کر کے مزید تسلی فرمادی۔ دنیا میں تو مختلف احوال آتے ہی رہیں گے کبھی راحت اور کبھی مشقت، اگرچہ دنیا میں بھی سراسر بہتری ہی ہے لیکن آخرت آپ کے لئے دنیا کے مقابلے میں بہت ہی بہتر ہے کیونکہ آخرت میں سب سے اونچا اور عظیم مقام یعنی مقام محمود آپ کے لئے مخصوص ہے۔

”الم یجدک“ آپ کے ابتدائی حالات یاد دلا کر اور تین انعامات ذکر کر کے تسلی کے لئے شواہد بیان فرمادیئے، ہر لاحق انعام سابق کے بعد ہوا ہے۔ استفہام تقریری ہے آپ یتیم رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے دوسروں کے ذریعے سے آپ کی پرورش کرائی۔ جب آپ جوان ہوئے تو دین کا راستہ نہیں جانتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ پر قرآن نازل کر کے آپ کو شریعت سکھائی اور راستہ بتایا۔ پھر آپ فقیر اور تنگ دست تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا مکہ مکرمہ میں خدیجہ کے مال سے یامدینہ میں غنائم و انفال سے ای فاغناک بخدیجۃ و قیل اغناک بمافتح لک من الفتوح و افانہ علیک من اموال الکفار (قرطبی) مگر دوسری توجیہ پر علامہ قشیری نے اعتراض کیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اغناء مکہ میں حاصل ہو چکا تھا لیکن غنائم و انفال اس کے بعد مدینہ میں حاصل ہوئے لہذا جس غنا کی طرف اس سورت میں اشارہ ہے اس سے مدینہ کا غنی مراد نہیں ہو سکتا۔

”ضالاً“ اگرچہ اس کو بھی کہا جا سکتا ہے جو راہ راست پر آنے کے بعد گمراہ ہو جائے اور راہ راست سے ہٹ جائے لیکن یہ لفظ اس مفہوم کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ یہ بے خبر اور غافل کے معنوں میں بھی آتا ہے، یعنی جس کو ابھی خبر ہی نہ ہو۔ یہاں یہی مراد ہے یعنی آپ کو اس کی خبر ہی نہ تھی کہ آپ کو نبوت دی جائی گی، اور آپ پر قرآن نازل کیا جائے گا۔ ضالاً عن معالم النبوة واحکام الشریعة غافلاً عن کل مالا طریق الی درکہ الا السمیع، فہدی الی فہدک الی معالم الدین (مظہری) ای غافلاً عما یراد بک من امر النبوة فہدک الی ارشادک، و الضلال ہنا بمعنی الغفلة (قرطبی) جیسا کہ وإن کنت من قبلہ لمن الغافلین (یوسف: ۸) و ما کنت تدری ما الکتاب (شوری: ۵۲)۔ و اما بنعمتک ربک فحدث، یہ وجودک عانلاً فاغنی پر متفرع ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت عطا کی اس لئے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرو اور اس کا اقرار اور اعتراف کر کیونکہ جب تنگی کے بعد فراخی آتی ہے تو اس کا خوب اقرار ہوتا ہے۔

سورة الانشراح (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۱﴾ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ﴿۱﴾ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ﴿۲﴾

(اے محمد ﷺ!) کیا ہم نے تمہارا سینہ کھول نہیں دیا؟ (بیشک کھول دیا)۔ اور تم پر سے بوجھ بھی اتار دیا

﴿۳﴾ الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ﴿۳﴾ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ﴿۴﴾

جس نے تمہاری پیٹھ توڑ رکھی تھی۔ اور ہم نے تمہارا ذکر بلند کیا۔

﴿۵﴾ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ﴿۶﴾

ہاں ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ (اور) بیشک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔

﴿۷﴾ فَاِذَا فَرَغْتَ فَانصَبْ ﴿۷﴾ لِیُّرِیْكَ رَبُّكَ فَارْغَبْ ﴿۸﴾

تو جب فارغ ہوا کرو تو (عبادت میں) محنت کیا کرو۔ اور اپنے پروردگار کی طرف متوجہ ہو جایا کرو۔

سورة التین (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۱﴾ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ﴿۱﴾ وَطُوْرِ سَیْنِیْنَ ﴿۲﴾ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ﴿۳﴾

انجیر کی قسم اور زیتون کی۔ اور طور سینین کی۔ اور اس امن والے شہر کی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

کہ ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔ پھر (رفتہ رفتہ) اس (کی حالت) کو پست سے پست کر دیا

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ﴿۴﴾ ﴿۵﴾

مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لئے بے انتہا اجر ہے۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدَ بِالذِّينِ ﴿۷﴾ ﴿۸﴾ أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَحْكَمِ الْحَاكِمِينَ ﴿۹﴾ ﴿۱۰﴾

تو (اے بنی آدم) پھر تو جزا کے دن کو کیوں جھٹلاتا ہے؟ کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں ہے؟ [1]

[1] ”والتین“ از قبیل ذکر مکان و ارادہ مکین، یہ ابراہیم علیہ السلام سے دلیل نقلی کی طرف اشارہ ہے اور تین (انجیر)

سے منبت تین یعنی انجیر کے پیدا ہونے کی جگہ مراد ہے، اور وہ ملک شام ہے۔ جہاں انجیر بکثرت پیدا ہوتی ہے، اور ملک شام ابراہیم علیہ السلام کا مقام ہجرت ہے جہاں ان پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہوئی تھی۔

”و الزیتون“ یہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے دلیل نقلی کی طرف اشارہ ہے اور اس سے بھی منبت زیتون یعنی

بیت المقدس مراد ہے، جو عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے المراد من الکلام القسم بمنابت التین ومنابت الزیتون (ابن جریر، قرطبی)۔ ”و طور سینین“ یہ موسیٰ علیہ السلام سے دلیل نقلی ہے سینین وہی مشہور پہاڑ یعنی طور سینا ہے جس پر موسیٰ علیہ السلام کو رب جل جلالہ کے ساتھ ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔

”وهذا البلد الامین“ اس سے مکہ مکرمہ مراد ہے اور یہ دلیل وحی کی طرف اشارہ ہے امین بمعنی امن ہے یعنی

پر امن جیسا کہ دوسری جگہ اشارہ ہے انا جعلنا حرما امننا (عنکبوت: ۶۷)۔

”لقد خلقنا“۔ یہ مذکورہ بالا قسموں کا جواب ہے، دمشق بیت المقدس طور سینا اور مکہ مکرمہ گواہ ہیں ان شہروں میں

انبیاء علیہم السلام پر ہم نے جو وحی بھیجی وہ شاہد ہیں اور اس میں اس کا بیان ہے کہ ہم نے انسان کو اپنی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ احسن اور اجمل پیدا کیا ہے ظاہری حسن و جمال کے اعتبار سے بھی اور باطنی خوبیوں کے لحاظ سے بھی۔ قال ابن

العربی لیس لله تعالیٰ خلق احسن من الانسان (قرطبی)۔ =

سورة العلق (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ﴿۱﴾ الَّذِي خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾
 (اے محمد ﷺ!) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے (عالم کو) پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پٹگی سے بنایا۔

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ﴿۴﴾ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۵﴾ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ﴿۶﴾ ﴿۷﴾
 پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا

= ”تم رد نہا“ باغیوں اور سرکشوں کے لئے تحویف اخروی ہے انسان کو ہم نے ظاہری اور باطنی خوبیوں سے نوازا مگر جب اس نے عقل سے کام نہ لے کر ہماری اطاعت سے سرتابی کی، تو ہم نے اس کو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں دھکیل دیا۔ یعنی ہم نے اس کے لئے اس سزا کا فیصلہ کر دیا۔

”الا الذین“ یہ مومنوں کے لئے بشارت اخرویہ ہے جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کئے ان کے لئے آخرت میں کبھی ختم نہ ہونے والا اجر و ثواب ہے۔ جنت میں ان کو جو نعمتیں ملیں گی وہ کبھی ختم نہ ہوگی۔

”فما یکذبک“ یہ جواب قسم پر متفرع ہے مذکورہ بالا بیان کے بعد کوئی چیز تمہیں حشر و نشر و جزا و سزا کے انکار پر آمادہ اور مجبور کرتی ہے؟ اللہ تعالیٰ کا انسان کو احسن تقویم میں پیدا کرنا اور ایک قطرہ آب سے ایسے عظیم الشان اور خوبیوں میں ساری مخلوق سے اعلیٰ و ارفع مخلوق پیدا کر لینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ انسان کو دوبارہ پیدا کرنے پھر بھی قادر ہے۔ اس لئے حشر و نشر و جزا و سزا کا انکار نہایت ہی قابل تعجب بات ہے۔

”الیس اللہ“ یہ دلیل عقلی ہے اللہ تعالیٰ تمام بادشاہوں میں سب سے بڑا بادشاہ ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اسکا یہ فیصلہ ہے کہ حشر و نشر اور جزا و سزا حق ہے۔

﴿۷﴾ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُفٍ ﴿۸﴾ ﴿۹﴾ إِنَّ رَأَاهُ اسْتَغْنَى ﴿۱۰﴾ ﴿۱۱﴾

مگر انسان سرکش ہو جاتا ہے۔ [1] جب کہ اپنے تئیں غنی دیکھتا ہے۔

﴿۱۲﴾ إِنَّ إِلِيَّ رَجْعُكُمْ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۴﴾ رَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَى ﴿۱۵﴾ ﴿۱۶﴾

کچھ شک نہیں کہ (اس کو) تمہارے پروردگار ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے۔

﴿۱۷﴾ عَبْدًا إِذَا صَلَّى ﴿۱۸﴾ رَأَيْتَ إِذْ يَسْعَى ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَتْ عَلَى الْهُدَىٰ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ أَمْرًا بِالتَّقْوَىٰ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾

ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھنے لگتا ہے۔ بھلا دیکھو تو اگر یہ راہِ راست پر ہو۔ یا پرہیزگاری کا حکم کرے؟

﴿۲۵﴾ أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۷﴾ أَلَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۹﴾

اور دیکھو تو اگر اس نے دینِ حق کو جھٹلایا اور اس سے منہ موڑا (تو کیا ہوا)؟ کیا اس کو معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے

﴿۳۰﴾ كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَه لِنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۲﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾

دیکھو اگر وہ باز نہ آئے گا تو ہم (اس کی) پیشانی کے بال پکڑ کر کھسیں گے۔ یعنی اس جھوٹے خطا کار کی پیشانی کے بال

﴿۳۵﴾ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ اَسْتَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ لَا تَطْعُهُ وَاَسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾

تو وہ اپنے یاروں کی مجلس کو بلا لے۔ ہم بھی اپنے ملائک کو بلائیں گے۔ دیکھو اس کا کہا نہ ماننا اور قرب حاصل کرتے رہنا۔

[1] صحیحین اور دوسری معتبر روایات سے ثابت اور جمہور سلف و خلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وحی کی ابتداء سورہ علق یعنی اقرأ سے ہوئی ہے، اور اس سورہ کی ابتدائی پانچ آیتیں ”ما لم يعلم“ تک سب سے پہلے نازل ہوئیں۔ بعض مفسرین نے سورہ مدثر کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے سورہ فاتحہ کو۔ امام بغوی نے فرمایا کہ جمہور سلف و خلف کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلی سورہ اقرأ کی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ کذا روی عن ابن عباس و الزہری وعمر بن دینار (در منشور)

اور جن لوگوں نے سورہ مدثر کو پہلی سورت فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اقرأ کی پانچ آیتیں نازل ہونے کے

بعد نزول قرآن میں ایک مدت تک توقف رہا، جس کو زمانہ فترت کہا جاتا ہے، اور وحی کی تاخیر و توقف سے رسول اللہ ﷺ کو سخت رنج و غم پیش آیا، اس کے بعد اچانک پھر جبرئیل امین سامنے آئے اور سورہ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں، اس وقت بھی نبی کریم ﷺ پر نزول وحی اور ملاقات جبرئیل سے وہ ہی کیفیت طاری ہوئی جو سورہ اقرآء کے نزول کے وقت پیش آئی تھی، اس طرح فترت کے بعد سب سے پہلے سورت مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں، اس لحاظ سے اس کو بھی پہلی سورت کہہ سکتے ہیں، اور سورہ فاتحہ کو جو جن لوگوں نے پہلی سورت فرمایا ہے اس کی بھی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ مکمل سورت سب سے پہلے سورہ فاتحہ ہی نازل ہوئی، اس سے پہلے چند سورتوں کی متفرق آیات ہی کا نزول ہوا تھا (مظہری)

صحیحین کی ایک طویل حدیث میں نبوت اور وحی کی ابتداء کا واقعہ اس طرح بیان ہوا ہے، کہ ام المؤمنین عائشہؓ نے فرمایا کہ: سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ پر سلسلہ وحی رویائے صالحہ یعنی سچے خوابوں سے شروع ہوا جس کی کیفیت یہ تھی کہ جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے بالکل اس کے مطابق واقعہ پیش آتا اور اس میں کسی تعبیر کی بھی ضرورت نہ تھی، صبح کی روشنی کی طرح واضح طور پر خواب میں دیکھا ہوا واقعہ سامنے آ جاتا تھا۔ [بخاری، کتاب بدء الوحی والتفسیر]

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مخلوق سے یکسوئی اور خلوت میں عبادت کرنے کا داعیہ قوی پیش آیا جس کے لئے آپ نے غار حرا کو منتخب فرمایا، یہ غار مکہ مکرمہ کے قبرستان المعلىٰ سے کچھ آگے ایک پہاڑ پر ہے جس کو جبل نور کہا جاتا ہے اس کی چھوٹی دور سے نظر آتی ہے۔ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: آپ اس غار میں جا کر راتوں کو رہتے اور عبادت کرتے تھے جب تک اہل و عیال کی خبر گیری کی ضرورت پیش نہ آتی وہیں مقیم رہتے تھے، اور اس وقت کے لئے آپ ضروری تو شہ لیجاتے تھے اور پھر تو شہ ختم ہونے کے بعد خدیجہ ام المؤمنینؓ کے پاس تشریف لاتے اور مزید کچھ دنوں کے لئے تو شہ لے جاتے یہاں تک کہ آپ اسی غار میں تھے کہ اچانک آپ کے پاس حق یعنی وحی پہنچی۔ غار حرا میں خلوت گزینی کی مدت میں علما کا اختلاف ہے صحیحین کی روایت ہے کہ آپ نے ایک ماہ یعنی پورے ماہ رمضان اس میں قیام فرمایا۔ ابن اسحاق نے سیرت میں، اور زرقانی نے شرح مواہب میں فرمایا کہ: اس سے زیادہ مدت کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں اور یہ عبادت جو آپ غار حرا میں نزول وحی سے پہلے کرتے تھے اس وقت نماز وغیرہ کی تعلیم تو ہوئی نہ تھی، ظاہر یہ ہے کہ اس وقت آپ کی عبادت محض مخلوق سے انقطاع اور اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ خاص اور تفکر کی تھی (مظہری)

عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: وحی آنے کی صورت یہ ہوئی کہ فرشتہ یعنی جبرئیل امین آپ کے پاس آیا، اور آپ سے کہا 'اقرأ' یعنی پڑھئے، آپ نے فرمایا 'ما انا بقارئ'، یعنی میں پڑھنے والا نہیں ہوں۔

صدیقہؓ کی روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے اس جواب پر جبرئیل امین نے مجھے آغوش میں لیکر اتنا دبایا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی اس کے بعد مجھے چھوڑ دیا اور پھر وہی بات کہی 'اقرا' میں نے پھر وہی جواب دیا کہ میں پڑھنے والا نہیں ہوں، تو پھر جبرئیل امین نے دوبارہ آغوش میں لیکر اتنا دبایا کہ مجھے اس کی تکلیف محسوس ہونے لگی، پھر چھوڑ دیا اور تیسری مرتبہ پھر کہا 'اقرا' میں نے پھر وہی جواب دیا 'ما انا بقارئ'، تو تیسری مرتبہ پھر آغوش میں دبایا پھر چھوڑ کر کہا: اقرا باسم ربک الایات الخمس، قرآن کی یہ سب سے پہلی پانچ آیتیں لیکر آپ گھر واپس تشریف لائے، آپ کا دل کانپ رہا تھا خدیجہؓ کے پاس آکر فرمایا 'زملونی زملونی' مجھے ڈھانپو مجھے ڈھانپو، خدیجہؓ نے آپ پر کپڑے ڈالے یہاں تک کہ یہ بہت کی کیفیت رفع ہوئی۔

صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ: اتفاقہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے خدیجہؓ کو غار حرا کا پورا واقعہ سنایا اور فرمایا کہ: اس سے مجھ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہو گیا۔ خدیجہؓ ام المؤمنینؓ نے عرض کیا کہ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ آپ کو ہرگز ناکام نہ ہونے دیں گے کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، بوجھ میں دے ہوئے لوگوں کا بوجھ اٹھا لیتے ہیں، بے روزگار آدمی کو کسب پر لگا دیتے ہیں، مہمانوں کی مہمان داری کرتے ہیں، مصیبت زدوں کی امداد کرتے ہیں، اس کے بعد خدیجہؓ آپ ﷺ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں یہ زمانہ جاہلیت ہی میں بت پرستی سے تائب ہو کر نصرانی ہو گئے تھے (کیونکہ اس وقت کا دین حق یہی تھا)۔

ورقہ بن نوفل (لکھے پڑھے آدمی تھے عبرانی زبان بھی جانتے تھے اور عربی تو ان کی مادری زبان تھی) وہ عبرانی زبان میں بھی لکھتے تھے اور انجیل کو عربی زبان میں لکھتے تھے اور اس وقت وہ بہت بوڑھے تھے بڑھاپے کی وجہ سے بینائی جاتی رہی تھی، خدیجہؓ نے ان سے کہا کہ میرے چچا زاد بھائی ذرا اپنے بھتیجے کی بات تو سنو۔ ورقہ بن نوفل نے نبی کریم ﷺ سے حال دریافت کیا تو آپ ﷺ نے غار حرا میں جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا، ورقہ بن نوفل نے سنتے ہی کہا کہ یہ وہ ہی ناموس یعنی فرشتہ ہے جس کو حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتارا تھا، کاش میں آپ کی نبوت کے زمانے میں قومی ہوتا اور کاش کہ میں اس وقت زندہ ہوتا جبکہ آپ کی قوم آپ کو (وطن سے) نکالے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے (تعجب سے پوچھا) کیا میری قوم مجھے نکالے گی؟ ورقہ نے کہا بلاشبہ نکالے گی، کیونکہ جب بھی کوئی آدمی وہ پیغام حق اور دین حق لے کر آیا جو آپ لائے ہیں تو اس کی قوم نے اس کو ستایا ہے، اور اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو میں آپ کی بھرپور مدد کروں گا۔ مگر ورقہ اس کی چند ہی روز کے بعد انتقال کر گئے، اور اس واقعہ کے بعد وحی قرآن کا سلسلہ بند ہو گیا (بخاری، باب بدء الوحی، و مسلم، کتاب الایمان

باب بدء الوحي)۔

فترت وحی کے مدت کے متعلق سہیلی کی روایت یہ ہے کہ ڈھائی سال تک رہی اور بعض روایات میں تین سال کی مدت بیان کی گئی ہے (مظہری)۔

”اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ“ یہاں لفظ ’اقْرَأْ‘ کو مکرر لایا گیا ہے، کہا جاسکتا ہے کہ پہلا ’اقْرَأْ‘ تو خود آپ کے پڑھنے کے لئے فرمایا تھا۔ یہ دوسرا تبلیغ و دعوت اور لوگوں کو پڑھانے کے لئے فرمایا، اور اگر محض تاکید کے لئے تکرار ہو تو وہ بھی کچھ بعید نہیں اور صفت ’اکرم‘ میں اس طرف اشارہ ہے کہ تخلیق عالم اور تخلیق انسان میں اللہ تعالیٰ کی اپنی کوئی غرض اور نفع نہیں بلکہ یہ سب تقاضائے جود و کرم ہے کہ بن مانگے کائنات کو وجود کی نعمت عظمیٰ عطا فرمائی۔

”الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ“ تخلیق انسانی کے بعد اس کی تعلیم کا بیان ہے کیونکہ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ بناتی ہے، پھر تعلیم کی عام صورتیں دو ہیں، ایک زبانی تعلیم، دوسرے بذریعہ قلم تحریر و خط سے، ابتدائے سورت میں لفظ ’اقْرَأْ‘ میں اگرچہ زبانی تعلیم ہی کی ابتداء ہے مگر اس آیت میں جہاں تعلیم دینے کا بیان آیا ہے اس میں قلمی تعلیم کو مقدم کر کے بیان فرمایا ہے۔

ایک صحیح حدیث ابو ہریرہؓ کی روایت سے ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لما خلق الله الخلق كتب في كتابه فهو عنده فوق العرش ان رحمتي غلبت غضبي. [بخاری، رقم: ۳۱۹۴] یعنی حق تعالیٰ نے ازل میں جب مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں جو عرش پر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے یہ فیصلہ لکھا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب رہے گی۔

اور حدیث میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ’اول ما خلق الله القلم فقال له اكتب فكتب ما يكون الي يوم القيامة فهو عنده في الذكر فوق عرشه‘ یعنی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اور اس کو حکم دیا کہ لکھے! اس نے تمام چیزیں جو قیامت تک ہونے والی تھیں لکھ دیں، یہ کتاب اللہ کے پاس عرش پر ہے (ترمذی، رقم: ۳۳۱۹)

علماء نے فرمایا ہے کہ عالم میں قلم تین ہیں، ایک سب سے پہلا قلم جس کو حق تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور تقدیر کائنات لکھنے کا اس کو حکم دیا، دوسرے فرشتوں کے قلم جس سے وہ تمام ہونے والے واقعات اور ان کی مقادیر کو نیز انسانوں کے اعمال کو لکھتے ہیں۔ تیسرے عام انسانوں اور جنوں کے قلم جن سے وہ اپنے کلام لکھتے اور اپنے مقاصد میں کام لیتے ہیں، اور کتابت درحقیقت بیان کی ایک قسم ہے اور انسان کی مخصوص صفت ہے (قرطبی)

امام تفسیر مجاہد نے ابو عمرو سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات میں چار چیزیں اپنے دست قدرت سے

خود بنائیں، اور ان کے سوا باقی مخلوقات کے لئے حکم دیا کن یعنی ہو جاوہ موجود ہو گئیں، یہ چار چیزیں یہ ہیں قلم۔ عرش، جنت، عدن، آدم علیہ السلام۔

علماء سلف و خلف نے ہمیشہ خط و کتابت کا بڑا اہتمام کیا ہے، جس پر ان کی تصانیف کے عظیم الشان ذخائر آج تک شاہد ہیں، افسوس ہے کہ ہمارے اس دور میں علماء و طلباء نے اس اہم ضرورت کو ایسا نظر انداز کیا ہے کہ سینکڑوں میں دو چار آدمی مشکل سے تحریر کتابت کے جاننے والے نکلتے ہیں، فالی اللہ الممشکیٰ.

”عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ“ اس سے پہلی آیت میں تعلیم کے ایک خاص ذریعہ کا ذکر تھا جو عام طور پر تعلیم کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی قلمی تعلیم۔ اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اصل تعلیم دینے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے لئے ذرائع تعلیم بے شمار ہیں، کچھ قلم ہی کے ساتھ مخصوص نہیں اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم دیا جس سے وہ پہلے ناواقف تھا، اس میں قلم یا کسی دوسرے ذریعہ تعلیم کا ذکر نہ فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یہ تعلیم انسان کی ابتداء آفرینش سے جاری ہے، کہ اول اس میں عقل پیدا کی جو سب سے بڑا ذریعہ علم ہے، انسان اپنی عقل سے خود بغیر کسی تعلیم کے بہت سی چیزیں سمجھتا ہے پھر اس کے پس و پیش میں اپنی قدرت کاملہ کے ایسے مناظر اور دلائل قدرت رکھتے جن کا مشاہدہ کر کے وہ اپنی عقل سے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان سکے، پھر وحی اور الہام کے ذریعہ بہت سی چیزوں کا علم انسان کو عطا فرمایا اور بہت سی ضروری چیزوں کا علم انسان کے ذہن میں خود بخود پیدا فرمایا، جس میں کسی زبان یا قلم کی تعلیم کا دخل نہیں۔ اور بعض مفسرین نے اس آیت میں انسان سے آدم یا نبی کریم ﷺ کو مراد قرار دیا ہے، کیونکہ آدم علیہ السلام سب سے پہلے انسان ہیں، جن کو تعلیم دی گئی ”وعلم آدم الاسماء کلھا“ اور نبی کریم ﷺ وہ آخری پیغمبر ہیں جن کی تعلیم میں تمام انبیاء سابقین کے علوم شامل ہیں۔

”أَرَأَيْتَ الْآلِدَىٰ يُنْهَىٰ، عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ“ اس آیت سے آخر سورت تک ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھنے کا حکم دیا اور آپ نے نماز پڑھنا شروع کی تو ابو جہل نے آپ کو نماز پڑھنے سے روکا اور دھمکی دی کہ آئندہ نماز پڑھیں گے اور سجدہ کریں گے تو وہ آپ کی گردن کو پاؤں سے کچل دے گا، اسکے جواب اور اس کو زجر کرنے کے لئے یہ آیات آئی ہیں (بخاری کتاب التفسیر) ان میں فرمایا ”لَمْ يَعْلَمْ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ“ یعنی کیا وہ یہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے، یہاں یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس کو دیکھ رہا ہے، اس لئے عام اور شامل ہے کہ نماز پڑھنے والی بزرگ ہستی کو بھی دیکھ رہا ہے اور اس سے روکنے والے بد بخت کو بھی، اور یہاں صرف اس جملہ پر اکتفاء کیا گیا کہ ہم یہ =

سورة القدر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ﴿۱﴾ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ﴿۲﴾

ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل (کرنا شروع) کیا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا ہے؟

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ﴿۳﴾ تَنْزِيلُ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ فِيهَا

شبِ قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ اس میں رُوح الامین اور فرشتے ہر کام کے (انتظام کے) لئے

بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ أَمْرٍ ﴿۴﴾ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ﴿۵﴾

اپنے پروردگار کے حکم سے اترتے ہیں۔ یہ (رات) طلوعِ صبح تک (امن اور) سلامتی ہے۔ [1]

= سب کچھ دیکھ رہے ہیں، آگے دیکھنے کے بعد کیا حشر ہوگا اُس کے ذکر نہ کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ہولناک انجام قابل تصور نہیں۔

”لَنْسَفَعًا بِالنَّاصِيَةِ“ سفع مصدر سے مشتق ہے جس کے معنی سختی کے ساتھ کھینچنے کے ہیں اور ناصیہ سر کے اگلے بالوں کو کہا جاتا ہے جو پیشانی کے اوپر ہوتے ہیں، جس شخص کے پیشانی کے بال کسی کے ہاتھ میں آجائیں وہ اس کے ہاتھ میں مجبور و مقہور ہو کر رہ جاتا ہے۔

[1] ابن ابی حاتم نے مجاہد سے مرسل روایت کیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا، جو ایک ہزار مہینے تک مسلسل مشغول جہاد رہا، کبھی ہتھیار نہیں اتارے، مسلمانوں کو یہ سکر تعجب ہوا، اور اس پر سورہ قدر نازل ہوئی، جس میں اس امت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے سے بہتر قرار دیا ہے۔

اور ابن جریر نے بروایت مجاہد ایک دوسرا واقعہ یہ ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد کا یہ حال تھا، کہ ساری رات عبادت میں مشغول رہتا اور صبح ہوتے ہی جہاد کے لئے نکل کھڑا ہوتا، دن بھر جہاد میں مشغول رہتا، ایک ہزار مہینے اس نے اسی مسلسل عبادت میں گزار دئے۔ اس پر حق تعالیٰ نے سورہ قدر نازل فرما کر اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرمادی اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

ابن کثیر نے بھی قول امام مالک کا نقل کیا ہے اور بعض ائمہ شافعیہ نے اس کو جمہور کا قول لکھا ہے خطابی نے اس پر اجماع کا دعویٰ کیا ہے مگر بعض محدثین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

”قدر“ کے ایک معنی عظمت و شرف کے ہیں، زہری وغیرہ علماء نے اس جگہ یہی معنی لئے ہیں اور اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ اس رات کی عظمت و شرف ہے۔ اور ابو بکر و راق نے فرمایا کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس وجہ سے کہا گیا کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہ تھی اس رات میں توبہ و استغفار اور عبادت کے ذریعہ وہ صاحب قدر و شرف بن جاتا ہے۔

قدر کے دوسرے معنی تقدیر و حکم کے بھی آتے ہیں اس معنی کے اعتبار سے لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں تمام مخلوقات کے لئے جو کچھ تقدیر ازل میں لکھا ہے اس کا جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آنے والا ہے وہ ان فرشتوں کے حوالہ کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ امور کے لئے مامور ہیں، اس میں ہر انسان کی عمر اور موت اور رزق و بارش وغیرہ کے مقدر اس مقررہ فرشتوں کو لکھوادی جاتی ہیں یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال میں حج نصیب ہوگا وہ بھی لکھ دیا جاتا ہے اور یہ فرشتے جن کو یہ امور سپرد کئے جاتے ہیں بقول ابن عباسؓ چار ہیں اسرائیل، میکائیل، ملک الموت، جبرائیل علیہم السلام (قرطبی)۔ اور یہ پہلے لکھا جا چکا ہے کہ امور تقدیر کے فیصلے اس رات میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سال میں جو امور تقدیر نافذ ہونا ہے وہ لوح محفوظ سے نقل کر کے فرشتوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں اور اصل نوشتہ تقدیر ازل میں لکھا جا چکا ہے۔

اتنی بات تو قرآن کریم کی تصریحات سے ثابت ہے کہ شب قدر ماہ رمضان مبارک میں آتی ہے مگر تاریخ کے تعیین میں علماء کے مختلف اقوال ہیں: جو چالیس تک پہنچتے ہیں مگر تفسیر مظہری میں ہے کہ ان سب اقوال میں صحیح یہ ہے کہ لیلۃ القدر رمضان المبارک کی آخری عشرہ میں ہوتی ہے مگر آخری عشرہ کی کوئی خاص تاریخ متعین نہیں بلکہ ان میں سے کسی بھی رات میں ہو سکتی ہے وہ ہر رمضان میں بدلتی بھی رہتی ہے، اور ان دس میں سے خاص طاق راتیں یعنی

۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹۔ میں از روئے بعض احادیث صحیحہ زیادہ احتمال ہے اس قول میں تمام احادیث جو تعین شب قدر کے متعلق آئی ہیں جمع ہو جاتی ہیں جن میں ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷، ۲۹۔ راتوں میں شب قدر ہونے کا ذکر آیا ہے۔ اگر شب قدر کو ان راتوں میں دائر اور ہر رمضان میں منتقل ہونے والا قرار دیا جائے تو یہ سب روایات حدیث اپنی اپنی جگہ درست اور ثابت ہو جاتی ہے کسی میں تعین کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسی لئے اکثر ائمہ فقہاء نے اس کو عشرہ اخیرہ میں منتقل ہونے والی رات قرار دیا ہے۔ ابو قلابہ امام مالک احمد بن حنبل، سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ، ابو ثور، مزنی، ابن خزیمہ وغیرہ سب نے یہی فرمایا ہے، اور ایک روایت میں امام شافعیؒ سے بھی اس کے موافق منقول ہے، اور دوسری روایات امام شافعیؒ کی یہ ہے کہ یہ رات منتقل ہونے والی نہیں بلکہ معین ہے (ابن کثیر)۔

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا تحرو الیلۃ القدر فی العشر الاواخر من رمضان یعنی شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو (بخاری: کتاب الصلاة باب السجود علی الانف و السجود علی الطین) اور صحیح مسلم میں ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا فاطلبوا ہافی الوتر منها یعنی شب قدر کو رمضان کے عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو (مسلم: باب فضل لیلۃ القدر: ۱۷۱۳) اس رات کی سب سے بڑی فضیلت تو وہی ہے جو اس صورت میں بیان ہوئی ہے کہ اس ایک رات کی عبادت ایک ہزار مہینوں یعنی تریاسی (۸۳) سال سے زائد کی عبادت سے بھی بہتر ہے پھر بہتر ہونے کی کوئی حد مقرر نہیں کتنی بہتر ہے؟ کہ دو گنی چو گنی دس گنی سو گنی وغیرہ سب ہی احتمالات ہیں۔

اور صحیحین میں ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شب قدر میں عبادت کے لئے کھڑا رہا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو گئے۔ (بخاری کتاب الایمان باب قیام لیلۃ القدر من الایمان، و مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان) اور ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ شب قدر میں وہ تمام فرشتے جن کا مقام سدرة المنتہی پر ہے جبرئیل امین کے ساتھ دنیا میں اترتے ہیں اور کوئی مومن مرد یا عورت ایسی نہیں جس کو وہ سلام نہ کرتے ہوں۔ بجز اس آدمی کے جو شراب یا خنزیر کا گوشت کھاتا ہو۔ (ابن ابی حاتم)۔

اور ایک حدیث میں رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر کی خیر و برکت سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم بدنصیب ہے۔ شب قدر میں بعض لوگوں کو خاص انوار کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے مگر نہ یہ سب کو حاصل ہوتا ہے نہ رات کی برکات اور ثواب حاصل ہونے میں ایسے مشاہدات کا کچھ دخل ہے، اس لئے اس کی فکر میں پڑنا نہیں چاہئے۔ (سنن کبریٰ)

للسائى: ۲۴۱۶)۔ عائشہ صدیقہؓ نے رسول پاک ﷺ سے دریافت کیا کہ اگر میں شب قدر کو پاؤں تو میں کیا دعا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ یہ دعا کرو: اللہم انک عفو تحب العفو فاعف عني، یا اللہ آپ بہت معاف کرنے والے ہے اور معافی کو پسند کرتے ہیں میرے خطائیں معاف فرمائیے (ترمذی: ۳۵۱۳)۔

”انا انزلنا فی لیلة القدر“ اس آیت میں تصریح ہے کہ قرآن کریم شب قدر میں نازل ہوا۔

”تنزل الملائكة و الروح“: روح سے مراد جبریل امین ہیں انسؓ کی روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جب شب قدر ہوتی ہے تو جبریل امین فرشتوں کی بڑی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں، اور جتنے اللہ کے بندے مرد و عورت نماز یا ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں سب کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں (مظہری)

”من کل امر“: میں حرف ”من“ بمعنی ”باء“ ہے جیسے یحفظونہ من امر اللہ، الاية (رعد: ۱۱) میں بھی من بمعنی با استعمال ہوا ہے۔ معنی یہ ہے کہ فرشتے لیلة القدر میں تمام سال کے اندر پیش آنے والے تقدیری واقعات لیکر زمین پر اترتے ہیں۔ اور بعض مفسرین مجاہد وغیرہ نے من کل امر کو سلام کے ساتھ متعلق کر کے یہ معنی قرار دیئے ہیں کہ یہ رات سلامتی ہے ہر شر و آفت اور بری چیز سے (ابن کثیر)

”سلام“: عبارت کی اصل ”ہی سلام“ لفظ ہی حذف کر دیا گیا، معنی یہ ہیں کہ یہ رات سلام اور سلامتی ہی ہے اور خیر ہی خیر ہے اس میں شر کا نام نہیں (قرطبی)۔ اور بعض نے تقدیر عبارت: سلام ہو قرار دے کر اس کو من کل امر کی صفت بنایا، اور معنی یہ ہوئے کہ یہ فرشتے ہر ایسا امر لیکر آتے ہیں جو خیر و سلام ہے (مظہری)

”ہی حتی مطلع الفجر“: یعنی لیلة القدر کی یہ برکات رات کے کسی خاص حصہ کی ساتھ مخصوص نہیں۔ شروع رات سے طلوع فجر تک ایک ہی حکم ہے۔ ان آیات میں لیلة القدر کو ایک ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان ایک ہزار مہینوں کے اندر بھی ہر سال ایک شب قدر آئے گی تو حساب کس طرح بنے گا، ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ یہاں ایک ہزار مہینوں سے مراد وہ ہیں جن میں شب قدر شامل نہ ہو اس لئے کوئی اشکال نہیں (ابن کثیر عن مجاہد)

جس شخص نے شب قدر میں عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے پڑھ لی اس نے بھی اس رات کا ثواب پالیا اور جو شخص جتنا زیادہ عبادت کرے گا زیادہ ثواب پائے گا۔ صحیح مسلم میں عثمان غنیؓ کی روایت ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کر لی تو آدھی رات کے قیام کا ثواب پالیا اور جس نے صبح کی نماز بھی جماعت سے ادا کر لی تو پوری رات جاگنے عبادت کرنے کا ثواب حاصل کر لیا۔ (مسلم: کتاب الصلوٰۃ: ۲۶۰)

سورة البينة (مدنیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

لَمْ یَكُنْ الَّذِیْنَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتَّىٰ

جو لوگ کافر ہیں اہل کتاب اور مشرک وہ (کفر سے) باز آنے والے نہ تھے جب تک

تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۖ ۱۱ ۖ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۖ ۱۲ ۖ

کہ ان کے پاس کھلی دلیل (نہ) آتی [1] اللہ کے پیغمبر جو پاک اوراق پڑھتے ہیں

[1] ”لم یکن“ اہل کتاب سے یہود اور نصاریٰ مراد ہیں منفکین یہاں تا مد ہے بمعنی مستہین عن کفرهم

(قرطبی) یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ اہل کتاب اور مشرکین کے کفر و شرک سے باز آنے کی انتہا نبی کریم ﷺ کے آمد بیان فرمائی ہے، اور حسی چونکہ انتہا غایت کے لئے ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ رسول ﷺ کی آمد پر ان کی پہلی حالت یعنی کفر و شرک پر قیام ختم ہو جائے۔ لیکن اس کے بعد والی آیت و ما تفرق الذین اتوا الكتاب کا منقضى یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی آمد کے بعد ان کے کفر میں اضافہ ہو گیا۔ اس طرح دونوں آیتوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے۔ اس کے متعدد جوابات ہیں۔

اول نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے اہل کتاب اور مشرکین کہا کرتے تھے کہ جب تک نبی موعود ﷺ نہ آجائے اس وقت تک ہم اپنا دین نہ چھوڑیں گے اس طرح ان آیتوں میں ان کے قول سابق کی حکایت ہے اور ما تفرق میں نفس الامر اور حقیقت کا واقعہ کا بیان ہے: کہ پیغمبر علیہ السلام کی آمد کے بعد ان کا حال ان کے دعوے کے خلاف ہے۔

دوم اہل کتاب اور مشرکین سارے کے سارے کفر و شرک سے ہٹنے والے نہیں تھے جب تک ان کے پاس رسول نہ آجاتا، جب رسول آگیا تو اب ان کا حال پہلا سا نہ رہا۔ بلکہ ان میں سے بہت سوں نے کفر و شرک چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ (ملخصاً من الکبیر للرازی) =

فِيهَا كُتِبَ قِيَمَةٌ ﴿۱۳۱﴾ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا

جن میں مستحکم (آیتیں) لکھی ہوئی ہیں۔ اور اہل کتاب جو مختلف ہوئے ہیں تو دلیل واضح کے آجانے کے بعد

جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَةُ ﴿۱۳۲﴾ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ

(ہوئے ہیں)۔ اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں (اور) یکسو ہو کر

حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقِيَمَةِ ﴿۱۳۳﴾

اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور یہی محکم دین ہے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ

جو لوگ کافر ہیں (یعنی) اہل کتاب اور مشرک وہ دوزخ کی آگ میں پڑیں گے (اور) ہمیشہ اس میں رہیں گے

= شیخ حسین علیؒ کے نزدیک یہی جواب راجح ہے حاصل یہ ہوا کہ اہل کتاب اور مشرکین کفر و شرک سے بٹنے والے

نہیں تھے جب تک کہ ان کے پاس واضح برہان نہ آجاتی اور یہ انتظام نہ ہو جاتا کہ اللہ کی طرف سے ان کے پاس رسول

آئے جو ان کو اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ کتاب کی تعلیم دے اور ان کو تبلیغ کرے اب چونکہ یہ کام ہو چکا ہے اور حق و باطل کے

درمیان امتیاز قائم ہو گیا ہے۔ اس لیے اب جو لوگ حق نہیں مانتے اور پیغمبر علیہ السلام کی دعوت کو جھٹلاتے ہیں اور نئی نئی راہیں

نکالتے ہیں وہ یہ سب کچھ محض ضد و عناد کی وجہ سے کر رہے ہیں۔ یہ مسئلہ کتب سابقہ میں بھی موجود ہے اور اہل کتاب کے علماء

ثقات اس پر ایمان بھی لایچکے ہیں اس لیے اب نہ ماننے والوں کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔

”رسول من اللہ“ البینۃ، سے بدل ہے صحف مطہرہ باطل کی نجاستوں سے پاک کتابیں اور صحیفہ، صحیفہ

ان اوراق کو کہا جاتا ہے جن میں کچھ لکھا ہو۔ و الصحف القراطیس التی یکتب فیہا والمراد بتطہیرھا

تنزیہھا من الباطل (روح المعانی ملخصاً)

”کتب قیمة“: پختہ اور محکم مضامین پر مشتمل سورتیں یا محکم احکام۔ رسول سے مراد نبی کریم ﷺ اور

صحف سے مراد قرآن کریم ہے۔ (کبیر)۔

فِيهَا أُولَئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ ﴿٤﴾ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

یہ لوگ سب مخلوق سے بدتر ہیں۔ (اور) جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے

أُولَئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ﴿٥﴾ لِحْزَأُوهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٍ عَدْنٍ

وہ تمام مخلوق سے بہتر ہیں۔ [2] ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا

جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں ہمیشہ ان میں رہیں گے

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهُ ﴿٨﴾

اللہ ان سے خوش اور وہ اس سے خوش یہ (صلہ) اس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتا رہا۔

[2] عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ ﷺ: المؤمن اکرم علی اللہ من بعض ملائکتہ. (ابن

ماجہ: ۳۹۴۷)۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (کامل درجہ کے) مومن (یعنی انبیاء اور اولیاء

اللہ) اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے بعض فرشتوں سے افضل و برتر ہیں۔

بعض فرشتوں سے مراد یا تو خواص فرشتے ہیں یا وہ سب فرشتے مراد ہیں جو عام فرشتوں میں کسی بھی طرح کی

برگزیدگی اور برتری رکھتے ہیں۔ طیبی نے یہ لکھا ہے کہ مومن سے مراد عام مومن ہیں، اور بعض فرشتوں سے مراد بھی عام

فرشتے ہیں، مجی السنۃ کہتے ہیں: یہ کہا جانا زیادہ بہتر ہے کہ عام مومن عام فرشتوں سے افضل ہیں، اور خواص مومن خواص

فرشتوں سے افضل ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوا۔ (یہ آئیہ کریمہ)

اہل السنۃ والجماعت اسی آیت سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ انسان فرشتوں سے افضل ہے لیکن بعض علماء نے

لکھا ہے، کہ اجمالی طور پر صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ انسان فرشتوں سے افضل ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ اس بات

کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے تاکہ انسان میں ہر کس و ناکس کا فرشتوں سے افضل ہونا مفہوم نہ ہو، اور یہ =

سورة الزلزال (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

﴿۲﴾ اِذَا زُلْزَلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ﴿۱﴾ وَاُخْرِجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ﴿۲﴾

جب زمین بھونچال سے ہلا دی جائے گی۔ اور زمین اپنے (اندر) کے بوجھ نکال ڈالے گی۔

﴿۳﴾ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ﴿۳﴾ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ﴿۴﴾

اور انسان کہے گا کہ اس کو کیا ہوا ہے؟ اس روز وہ اپنے حالات بیان کر دے گی۔

﴿۴﴾ بَانَ رَبِّكَ اَوْحٰى لَهَا ﴿۴﴾ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ﴿۵﴾

کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم بھیجا۔ اس دن لوگ گروہ گروہ ہو کر آئیں گے تاکہ ان کو ان کے اعمال دکھائے جائیں

﴿۸﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿۷﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿۸﴾

تو جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ بھی بُرائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ [۱]

= بھی ظاہر ہو جائے کہ اس مسئلہ میں عوام اور خواص کا مصداق کیا ہے، چنانچہ یہ تفصیل کی جانی چاہئے کہ خواص مومن سے مراد اللہ تعالیٰ کے تمام رسول اور نبی ہیں، اسی طرح خواص فرشتوں سے مراد جبریل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام وغیرہ ہیں، نیز عام مومنین سے مراد کامل درجہ کے اہل ایمان ہیں جیسے خلفاء راشدین اولیاء کاملین اور تمام علماء۔

ایک حدیث اور منقول ہے جو دو سندوں سے موصول ہے اور وہ حدیث یہ ہے: المومن اعظم حرمة منك (الكعبة). (المعجم الكبير للطبرانی: ۱۱/۳، ومجمع الزوائد: ۲۹۲/۳). مومن کا احترام واکرام کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔

[۱] عن ابن عباسؓ انه قال: قال رسول الله ﷺ ﴿اِذَا زُلْزَلَتْ﴾ تعدل نصف القرآن و﴿قل هو الله﴾

احد ﴿تعديل ثلث القرآن و﴿قل يا ايها الكافرون﴾ تعديل ربع القرآن (ترمذی: ۲۸۹۴، والحاكم: ۱/۵۶۶) یعنی ابن عباسؓ و انسؓ دونوں راوی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سورہ زلزال آدھے قرآن کے برابر ہے، اور سورہ اخلاص تہائی قرآن کے برابر ہے، اور سورہ کافرون چوتھائی قرآن کے برابر ہے۔

قرآن کریم میں مبدأ اور معاد کو بیان کیا گیا ہے، اور چونکہ زلزال میں معاد کا بہت عمدہ پیرایہ اور موثر انداز میں ذکر کیا گیا ہے، اس لئے یہ سورت آدھے قرآن کے برابر ہوئی۔ سورہ اخلاص کے تہائی قرآن کے برابر ہونے کی وجہ بعد میں آئے گی۔ سورہ کافرون چوتھائی قرآن کے برابر بائیں طور ہے کہ قرآن کریم میں توحید، نبوت، احکام اور قصص یہ چار مضمون مذکور ہیں اور سورہ کافرون میں توحید کا بہت اعلیٰ بیان ہے، اس لئے یہ سورہ چوتھائی قرآن کے برابر ہوئی۔

اور جس حدیث میں ہے کہ یہ سورت ربع القرآن کے برابر ہے تو اس کا جواب تحفة الاحوذی: ۲۰۶/۸، وغیرہ میں لکھا گیا ہے کہ وما جاء انهاربع القرآن، فتقريره ان يقال القرآن يشتمل على تقرير التوحيد والنبوات وبيان احكام المعاش واحوال المعاد، وهذه السورة مشتملة على القسم الاخير من الاربعة۔

عن عبدالله بن عمرو قال اتى رجل النبي ﷺ فقال اقرأني يا رسول الله! فقال اقرأ ثلاثا من ذوات ﴿الر﴾ فقال كبرت سني واشتد قلبي، وغلط لساني، قال اقرأ من ذوات ﴿حم﴾ فقال مثل مقالته، قال الرجل يا رسول الله! اقرأني سورة جامعة، فاقرأه رسول الله ﷺ ﴿اذا زلزلت﴾ حتى فرغ منها، فقال الرجل: والذي بعثك بالحق لا ازيد عليه ابدا، ثم ادبر الرجل، فقال رسول الله ﷺ "افلح الروي جمل" مرتين۔ احمد: ۱۶۹/۲، ابوداود: ۱۳۹۹۔

ابن عمروؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے پڑھائے! آپ نے فرمایا قرآن کریم کی ان سورتوں میں سے کہ جن کے شروع میں، الر، ہے پڑھو، اس نے عرض کیا میری عمر زیادہ ہو چکی ہے، اور دل میرا سخت ہو گیا ہے، (یعنی میری قلب پر حافظہ کی کمی اور نسیان کا غلبہ ہے) نیز میری زبان موٹی ہے، آپ نے فرمایا اگر تم وہ سورتیں نہیں پڑھ سکتے تو ان سورتوں میں سے تین سورتیں پڑھو جن کے شروع میں، حم، ہے، اس شخص نے پھر وہی کہا، پھر فرمایا کہ یا رسول اللہ مجھے کوئی جامع سورت پڑھائے، چنانچہ آپ ﷺ نے اسے سورہ زلزال پڑھائی، جب آپ ﷺ اس سے فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں اس پر کبھی بھی زیادتی نہیں کروں گا، پھر اس شخص نے پیٹھ پھیری تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ "اس شخص نے

مراد حاصل کر لی، یہ جملہ آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمائی۔

اس سورت کو سورۃ جامعہ اس لئے فرمایا گیا ہے کہ اس سورت میں یہ ایک ایسا آیت: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ اس آیت میں وہ تمام چیزیں آگئی ہیں جن کو کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جن کے مجموعہ کا نام ہے خیر و بھلائی اور وہ تمام چیزیں بھی اس میں شامل ہیں جن سے بچنے کا حکم دیا ہے جن کے مجموعہ کا نام ہے شر و برائی۔ جو حدیث ابی ہریرہؓ میں ذکر ہے کہ: عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال: الخيل لثلاثة، لرجل اجر، ولرجل ستر، وعلى رجل وزر، فاما الذي له اجر، فرجل ربطها في سبيل الله، فاطال طيلها في مرج اور وضة، فما اصابت في طيلها ذلك المرج و الروضة كان له حسنات، ولوانها قطعت طيلها فاستنتت شرفا او شرفين كانت اثارها وارواثها حسنات له. ولو انهامرت بنهر فشربت منه ولم يردان يسقى به كان ذلك حسنات له. وهى لذلك الرجل اجر، ورجل ربطها تغنيا وتعففا ولم ينس حق الله في رقابها ولا ظهورها فهى له ستر، ورجل ربطها فخرا ورتاء ونواء فهى على ذلك وزر، فستل رسول الله ﷺ عن الحمرفقال ما انزل الله فيها شيئا الا هذه الاية الفاذة الجامعة: "فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ، وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ" بخارى كتاب التفسير، مسلم: كتاب الزكوة باب اسم مانع الزكوة.

رسول ﷺ فرماتے ہیں: کہ گھوڑوں والے تین قسم کے ہیں، ایک اجر پانے والا، ایک پردہ پوشی والا، ایک بوجھ اور گناہ والا، اجر والا تو وہ ہے جو گھوڑا پالتا ہے جہاد کی نیت سے اگر اس کے گھوڑے کی اگاڑی پچھاڑی ڈھیلی ہوگئی اور یہ ادھر ادھر سے چرتا رہا، تو یہ بھی گھوڑے والے کے لئے اجر کا باعث ہے، اور اگر یہ رسی اس کی ٹوٹ گئی اور یہ ادھر ادھر چڑھ گیا تو اس کے نشان قدم اور اس کی لید کا بھی اسے ثواب ملتا ہے، اگر یہ کسی نہر پر جا کر پانی پی لے گوارادہ پلانے کا نہ ہوتا تو بھی ثواب مل جاتا ہے، یہ گھوڑا تو اس شخص کے لئے سراسر اجر و ثواب ہے۔ دوسرا وہ شخص جس نے اس لئے پال رکھا ہے کہ دوسروں سے بے پرواہ رہے اور کسی سے سوال کی ضرورت نہ ہو لیکن اللہ کا حق نہ خود اس میں بھولتا ہے نہ اس کی سواری میں، پس یہ اس کے لئے پردہ ہے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس نے فخر و ریا کاری اور ظلم و ستم کے لئے پال رکھا ہے، پس یہ اس کے ذمہ بوجھ اور اس پر گناہ کا بار ہے، پھر نبی ﷺ سے سوال ہوا کہ گدھوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا مجھ پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے سوائے اس تنہا اور جامع آیت کے اور کچھ نازل نہیں ہوا، کہ ذرے برابر نیکی اتنی ہی بدی ہر شخص =

سورة العاديات (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ﴿۵﴾ ﴿۶﴾

ان سرپٹ دوڑنے والے گھوڑوں کی قسم! جو ہانپ اٹھتے ہیں۔ پھر (پنجموں پر نعل) مار کر آگ نکالتے ہیں۔ پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں

فَاثْرُنَ بِهِ نَقْعًا ﴿۷﴾ ﴿۸﴾ فَوَسَطْنَ بِهِ جَمْعًا ﴿۹﴾ ﴿۱۰﴾ إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَنُودٌ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۲﴾

پھر اس میں گرد اٹھاتے ہیں۔ پھر اس وقت دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ کہ انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس ہے [1]

= دیکھ لے گا۔ عن ابی ہریرۃ قال قرأ رسول اللہ ﷺ هذه الآية يومئذ تحدث اخبارها“ قال اتدرون ما ”اخبارها“؟ قالوا اللہ ورسوله اعلم، قال فان اخبارها ان تشهد على كل عبد وامة بما عمل على ظهرها ان تقول عمل كذا وكذا يوم كذا وكذا فهذه اخبارها. ترمذی ابواب صفة القيامة وكتاب التفسیر۔ مسند احمد ۳/۴۲۲۔ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا: جانتے بھی ہو کہ زمین کی بیان کردہ خبریں کیا ہونگی؟ لوگوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ہی کو خوب علم ہے، تو آپ نے فرمایا: جو جو اعمال بنی آدم نے زمین پر کئے ہیں وہ تمام ظاہر کر دے گی، کہ فلاں فلاں شخص نے فلاں فلاں نیکی یا بدی فلاں جگہ فلاں وقت کی ہے۔

حدثني الحارث بن يزيد سمع ربيعة الجريشي ان رسول الله ﷺ قال: تحفظوا من الارض فانها امكم، وانه ليس من احد عامل عليها خيرا وشر الا وهى مخيرة - المعجم الكبير للطبراني: ۴۵۹۶۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زمین سے بچو یہ تمہاری ماں ہے، جو شخص جو نیکی بدی اس پر کرتا ہے یہ سب کھول کر بیان کر دے گی۔

[1] ﴿وَالْعَادِيَاتِ ضَبْحًا﴾ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ فَالْمُورِيَاتِ قَدْحًا ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ﴿۵﴾ ﴿۶﴾ پھر صبح کو چھاپہ مارتے ہیں۔ پھر اس وقت دشمن کی فوج میں جا گھستے ہیں۔ کہ انسان اپنے پروردگار کا احسان ناشناس ہے [1]

وَإِنَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ لَشَهِيدٌ ﴿۸﴾ وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ ﴿۹﴾

اور وہ اس سے آگاہ بھی ہے۔ وہ تو مال کی سخت محبت کرنے والا ہے۔

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعِثَ رَمَاهُ فِي الْقُبُورِ ﴿۱۰﴾ وَحُصِّلَ

کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا کہ جو (مردے) قبروں میں ہیں وہ باہر نکال لئے جائیں گے۔ اور جو (بھید) دلوں میں ہیں

مَا فِي الصُّدُورِ ﴿۱۱﴾ إِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيرٌ ﴿۱۲﴾

وہ ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ بیشک ان کا پروردگار اس روز ان سے خوب واقف ہو گا۔

سورة القارعة (مکیة)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الْقَارِعَةُ ﴿۱﴾ اَلَمْ اَلْقَارِعَةُ ﴿۲﴾ اَلَمْ اَدْرَاكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿۳﴾

کھڑکھڑانے والی۔ کھڑکھڑانے والی کیا ہے؟ اور تم کیا جانو کہ کھڑکھڑانے والی کیا ہے۔

= بہ نفعاً ﴿۴﴾ دوڑتے وقت گرد غبار اڑاتے ہیں ﴿۵﴾ فوسطن بہ جمعا ﴿۶﴾ پھر تیز رفتاری کے ساتھ جماعتوں کے اندر گھس

جاتے ہیں ﴿۷﴾ ان الانسان لربہ لکنود ﴿۸﴾ یہ لوٹ مار کرنے والے لگھوڑے اس پر شاہد ہیں کہ انسان اپنے

پروردگار کا نہایت ہی ناشکر گزار ہے: قالہ الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ.

عام مفسرین کے نزدیک یہ صفتیں مجاہدین کے گھوڑوں کی ہیں اور بعض کے نزدیک ان صفات سے فرشتے

یا اونٹ مراد ہیں۔ ﴿۹﴾ وانہ علی ذلک لشہید ﴿۱۰﴾ مجموعہ شاہد کے علاوہ انسان اپنی اس بیماری پر خود بھی شاہد ہے اور اسے

اپنا کردار خوب معلوم ہے۔

يَوْمَ يَكُونُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْتُوثِ ﴿۳۹﴾ وَتَكُونُ الْجِبَالُ

(وہ قیامت ہے) جس دن لوگ ایسے ہوں گے جیسے بکھرے ہوئے پتنگے۔ اور پہاڑ ایسے ہو جائیں گے

كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ ﴿۴۰﴾ اَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ﴿۴۱﴾

جیسے دھکی ہوئی رنگ برنگ کی اُون۔ تو جس کے (اعمال کے) وزن بھاری نکلیں گے۔

فَهُوَ فِي عِيشَةٍ رَاضِيَةٍ ﴿۴۲﴾ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴿۴۳﴾

وہ دلپند عیش میں ہو گا۔ اور جس کے وزن ہلکے نکلیں گے

فَأُمُّهُ هَاوِيَةٌ ﴿۴۴﴾ وَمَا أَذْرَاكَ مَا هِيَ ﴿۴۵﴾ اِنَّا نَحْنُ حَٰمِيَةُ ﴿۴۶﴾

اس کا مرجع ہاویہ ہے۔ اور تم کیا سمجھتے کہ ہاویہ کیا ہے؟ (وہ) دہکتی ہوئی آگ ہے۔

سورة التكاثر (مكية) [۱]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

الْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ﴿۱﴾ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ﴿۲﴾ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۳﴾

(لوگو!) تم کو بہت سی طلب نے غافل کر دیا۔ یہاں تک کہ تم نے قبریں جا دیکھیں۔ دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا

ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۴﴾ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ ﴿۵﴾

پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا۔ دیکھو اگر تم جانتے (یعنی) علم الیقین (رکھتے تو غفلت نہ کرتے

لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ﴿۶﴾ لَتَرَوُنَّهَا عَیْنَ الْیَقِیْنِ ﴿۷﴾ لَمَّا لَسْتُمْ لَهَا یَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِیْمِ ﴿۸﴾

تم ضرور روزِ آخر کو دیکھو گے پھر اس کو (ایسا) دیکھو گے عین الیقین۔ پھر اس روز تم سے نعمت کے بارے میں پرش ہوگی۔

[۱] عن ابن عمر قال قال رسول الله ﷺ الا يستطيع احدكم ان يقرأ الف اية في كل يوم قالوا

ومن يستطيع ان يقرأ الف اية في كل يوم قال اما يستطيع احدكم ان يقرأ الهكم التكاثر. رواه البيهقي في شعب الايمان: ۲۵۱۸، مستدرک: ۱/۵۶۶.

ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات پر قادر نہیں ہے کہ وہ روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھا کرے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ کون شخص اس بات پر قادر ہو سکتا ہے کہ وہ (ہمیشہ) روزانہ ایک ہزار آیتیں پڑھتا رہے؟ آپ نے فرمایا: کیا کوئی شخص اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ وہ روزانہ الہکم التكاثر پڑھ لیا کرے۔

”ہکاثر“ کثرت مال اور کثرت تعداد پر فخر کرنا اور کثرت میں ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کرنا: ای التباری فی الکثرت و التباہی بہابان یقول هؤلاء نحن اکثر و هؤلاء نحن اکثر (روح المعانی)۔ یا حتی زرتم المقابر موت سے کنایہ ہے یعنی تم اموال و افراد کی کثرت پر فخر کرتے رہو گے یہاں تک کہ قبروں میں پہنچ جاؤ گے۔

الہکم حرصکم علی تکثیر اموالکم عن طاعة ربکم حتی اتاکم الموت وانتم علی ذلک (کبیر) اور یہی تفسیر اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے یعنی زیارت مقابر سے مراد مر کر قبر میں پہنچنا ہے جیسا کہ حدیث مرفوع میں خود رسول پاک ﷺ نے حتی زرتم المقابر کی تفسیر میں فرمایا ”حتى یأتکم الموت“۔ (ابن کثیر بروایت ابن ابی حاتم) اس لئے مطلب ایت کا یہ ہوگا کہ تم لوگوں کو مال و دولت کی بہتات یا مال و اولاد اور قبیلہ و نسب پر تقاخر غفلت میں ڈال رہتی ہے، اپنے انجام اور آخرت کے حساب کی کوئی فکر نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ اسی حال میں تمہیں موت آجاتی ہے، اور وہاں عذاب میں پکڑے جاتے ہو۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ اس آیت میں عذاب قبر کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ امام ترمذی نے کتاب التفسیر میں علیؑ سے نقل کیا ہے: عن علیؑ ما زالنا نشک فی عذاب القبر حتی نزلت الہکم التكاثر یعنی علیؑ نے فرمایا ہم کو عذاب قبر میں شک تھا یہاں تک کہ الہکم التكاثر اتری۔

”عین الیقین“ مفعول مطلق ہے من غیر لفظہ یا یہ مفعول مطلق مقدر کی صفت ہے ای رؤیة عین الیقین (روح)۔

”عین الیقین“ سے مراد وہ یقین ہے کہ جو کسی چیز کے مشاہدہ کے بعد حاصل ہوتا ہے، اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ یقین کا ہے۔ اس میں ایک مشہور مقولہ کی طرف اشارہ ہے کہ لیس الخبر کالمعاینۃ۔ اس کا مزید تفصیل سورہ بقرہ میں گزر گئی ہے۔

سورة العصر (مکیة) [1]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَالْعَصْرِ ﴿١﴾ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ ﴿٢﴾ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا

عصر کی قسم! کہ انسان نقصان میں ہے۔ مگر وہ لوگ جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ﴿٣﴾

اور نیک عمل کرتے رہے اور آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہے۔

[1] یہاں پر ابن کثیر نے جناب عمرو بن العاصؓ سے اپنے مسلمان ہونے سے پہلے کا ایک واقعہ نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ مسلمہ کذاب سے ملے اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر رکھا تھا۔ عمرو کو دیکھ کر پوچھنے لگا کہ وہ اس مدت میں تمہارے نبی پر بھی کوئی وحی نازل ہوئی ہے؟ عمرو نے جواب دیا ایک مختصر سی نہایت فصاحت والی سورت اتری ہے۔ پوچھا وہ کیا ہے؟ عمرو نے سورت عصر پڑھ کر سنائی۔ مسلمہ ذرا دیر تک سوچتا رہا پھر کہنے لگا عمرو! دیکھو مجھ پر بھی اسی جیسی سورہ اتری ہے؟ عمرو نے کہا وہ کیا؟ کہا یہ نیا و بریا و برانمانت اذنان و صدور و سائر حضر نقر پھر کہنے لگے عمرو! کہو تمہارا خیال کیا ہے؟ میرا خیال تو تو خود ہی جانتا ہے کہ مجھے تیرے جھوٹا ہونے کا علم ہے۔ و بر بلی جیسا ایک جانور ہے اس کے دونوں کان ذرا بڑے ہوتے ہیں اور سینہ بھی، باقی جسم بالکل حقیر اور واہیات ہوتا ہے۔

اس کذاب نے ایسی فضول گوئی اور کوا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کلام کا معارضہ کرنا چاہا جسے سن کر عرب کے بت پرست لوگوں نے بھی اس کا کذب اور مفتری ہونا سمجھ لیا۔ طبرانی میں ہے کہ دو صحابیوں کا یہ دستور تھا کہ جب ملتے ایک اس سورہ کو پڑھتا دوسرا سنتا پھر سلام کر کے رخصت ہو جاتے (رواہ الطبرانی فی الاوسط: ۱۱/۳۵۹)۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ اس سورہ کو غور اور تدبر سے پڑھیں اور سمجھیں تو یہی ایک سورہ کافی ہے۔

سورة الہمزة (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ ﴿١﴾ الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ﴿٢﴾ ﴿٣﴾

ہر طعن آمیز اشارتیں کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے۔ جو مال جمع کرتا اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے۔

يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ﴿٣﴾ ﴿٤﴾ كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ﴿٥﴾ ﴿٦﴾

(اور) خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا۔ ہرگز نہیں وہ ضرور حطمہ میں ڈالا جائے گا۔

وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْحُطَمَةُ ﴿٦﴾ ﴿٧﴾ نَارُ اللَّهِ الْمَوْقُودَةُ ﴿٨﴾ ﴿٩﴾

اور تم کیا سمجھے کہ حطمہ کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے

الَّتِي تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ ﴿٩﴾ ﴿١٠﴾ إِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّوْصَدَةٌ ﴿١١﴾ ﴿١٢﴾ عَمِدٍ مُّمدَّدةٍ ﴿١٣﴾ ﴿١٤﴾

جو دلوں پر جا لپٹے گی۔ (اور) وہ اس میں بند کر دیئے جائیں گے۔ (یعنی آگ کے) لمبے لمبے ستونوں میں۔

سورة الفیل (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحَابِ الْفِيلِ ﴿١﴾ ﴿٢﴾ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ کیا ان کا داؤ غلط نہیں کیا؟

فِي تَضْلِيلٍ ﴿٣٥﴾ وَأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ﴿٣٦﴾
 (کیا)۔ اور ان پر جھلڑ کے جھلڑے جانور بھیجے

تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ﴿٣٧﴾ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّا كُوِلَ ﴿٣٨﴾
 جو ان پر کھنگر کی پنجمیاں پھینکتے تھے۔ تو ان کو ایسا کر دیا جیسے کھایا ہوا بھوس۔ [۱]

واقعہ فیل

[۱]

اس واقعے کا خلاصہ یہ ہے کہ ابرہہ صبح حبشی نے جب دیکھا کہ اہل عرب خانہ کعبہ کا حج کرتے ہیں، تو صنعاء میں ایک بہت بڑا کنیسہ تعمیر کیا، اور چاہا کہ عرب کا حج اسی کی طرف پھیر دے، مگر جب اس کی خبر بنو کنانہ کے ایک آدمی کو ہوئی تو اس نے رات کے وقت کنیسہ کے اندر گھس کر اس کے قبلے پر پانچاٹھ پوت دیا، ابرہہ کو پتہ چلا تو سخت برہم ہوا، اور ساٹھ ہزار کا ایک لشکر جزار لے کر کعبے کو ڈھانے کے لئے نکل کھڑا ہوا، اس نے اپنے لئے ایک زبردست ہاتھی بھی منتخب کیا، لشکر میں کل نو یا تیرہ ہاتھی تھے۔

ابرہہ یمن سے یلغار کرتا ہوا مغمس پہنچا، اور وہاں اپنے لشکر کو ترتیب دیکر اور ہاتھی کو تیار کر کے مکے میں داخلے کے لئے چل پڑا، جب مزدلفہ اور منی کے درمیان وادی مضر میں پہنچا تو ہاتھی بیٹھ گیا، اور کعبے کی طرف بڑھنے کے لئے کسی طرح نہ اٹھا، اس کا رخ شمال جنوب یا مشرق کی طرف کیا جاتا، تو اٹھ کر دوڑنے لگتا، لیکن کعبے کی طرف کیا جاتا تو بیٹھ جاتا، اسی دوران اللہ تعالیٰ نے چڑیوں کا ایک جھنڈ بھیج دیا، جس نے لشکر پر ٹھیکری جیسے پھتر گرائے اور اللہ تعالیٰ نے اسی سے انہیں کھائے ہوئے بھوس کی طرح بنا دیا۔

یہ چڑیاں ابا بیل اور قمری جیسی تھیں، ہر چڑی کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ایک چونچ میں اور دو پنچوں میں، کنکریاں چنے جیسی تھیں، مگر جس کسی کو لگ جاتی تھیں اس کے اعضا کٹنا شروع ہو جاتے تھے، اور وہ مر جاتا تھا، لشکر میں ایسی بھگدڑ مچی، کہ ہر شخص دوسرے کو روندنا چکیتا گرتا پڑتا، بھاگ رہا تھا، پھر بھاگنے والے ہر راہ پر گر رہے تھے، اور ہر چشمے پر مر رہے تھے، ادھر ابرہہ پر اللہ تعالیٰ نے ایسی آفت بھیجی کہ اس کی انگلیوں کے پورے چھڑ گئے اور صنعاء پہنچتے پہنچتے چوزے جیسا ہو گیا۔

پھر اس کا سینہ پٹ گیا، دل باہر نکل آیا اور وہ مر گیا، ابرہہ کے اس حملے کے موقع پر مکے کے باشندے جان =

سورة قريش (مكية)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

لَا يَلَافِ قُرَيْشٍ اِيْلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ ﴿١﴾ لِيَعْبُدُوا

قريش کے مانوس کرنے کے لئے۔ یعنی انہیں جاڑے اور گرمی کے سفر سے مانوس کرنے کے لئے لوگوں کو چاہیے کہ

رَبِّ هَذَا الْبَيْتِ ﴿٢﴾ الَّذِي اطعمهم من جوع وامنهم من خوف ﴿٣﴾

اس گھر کے مالک کی عبادت کریں۔ جس نے ان کو بھوک میں کھانا کھلایا اور خوف سے امن بخشا [۱]

= کے خوف سے گھائیوں میں بکھر گئے تھے۔ اور پہاڑ کی چوٹیوں پر جا چھپتے تھے، جب لشکر پر عذاب نازل ہو گیا تو اطمینان سے اپنے گھروں کو پلٹ آئے۔

یہ واقعہ بیشتر اہل سیر کے بقول نبی ﷺ کی پیدائش سے صرف پچاس یا پچپن (۵۵) دن پہلے ماہ محرم میں پیش آیا تھا، لہذا یہ سن ۵۷ء کے فروری کے آخر یا مارچ کے اوائل کا واقعہ ہے، یہ درحقیقت ایک تمہیدی نشانی تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اور اپنے کعبہ کے لئے ظاہر فرمائی تھی۔ کیونکہ آپ بیت المقدس کو دیکھنے کہ اپنے دور میں اہل اسلام کا قبلہ تھا، اور وہاں کے باشندے مسلمان تھے۔ اس کے باوجود اس پر اللہ تعالیٰ کے دشمن یعنی مشرکین کا تسلط ہو گیا تھا، جیسا کہ بخت نصر کے حملہ سن ۵۸ء اور اہل روما کے قبضہ سن ۶۰ء سے ظاہر ہے۔ لیکن اس کے برخلاف کعبہ پر عیسائیوں کو تسلط حاصل نہ ہو سکا، حالانکہ اس وقت یہی مسلمان تھے اور کعبہ کے باشندے مشرک تھے۔ (سیرت ابن ہشام: ۴۳۱)۔

[۱] اس پر تو سب مفسرین کا اتفاق ہے کہ معنی اور مضمون ہی کے اعتبار سے یہ سورہ فیل ہی سے متعلق ہے اور شاید اس وجہ سے بعض مصاحف میں ان دونوں کو ایک ہی سورت کر کے لکھا گیا تھا، دونوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی تھی مگر عثمان نے جب اپنے زمانے میں تمام مصاحف قرآن کو جمع کر کے ایک نسخہ تیار فرمایا اور تمام صحابہ کرام کا اس پر اجماع ہوا۔ اسی نسخہ قرآن کو جمہور کے نزدیک امام کہا جاتا ہے اس میں ان دونوں کو دو الگ الگ سورتیں ہی لکھا ہے۔ دونوں کے درمیان بسم

اللہ لکھی گئی ہے۔

”لایلاف قریش“ حرف لام ترکیب نحوی کے اعتبار سے اس کا متقاضی ہے کہ اس کا تعلق کسی سابق مضمون کے ساتھ ہو، اسی لئے اس کے متعلق میں متعدد اقوال ہیں، پچھلی سورت کے ساتھ معنوی تعلق کی بنا پر بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں محذوف جملہ انا اہل کنا اصحاب الفیل ہے یعنی ہم نے اصحاب فیل کو اس لئے ہلاک کیا کہ قریش مکہ سردی گرمی کے دوسفروں کے عادی تھے ان کے راہ میں کوئی رکاوٹ نہ رہے، سب کے دلوں میں ان کی عظمت پیدا ہو جائے۔ اور بعض علماء نے فرمایا کہ محذوف جملہ اعجبوا ہے یعنی تعجب کرو قریش کے معاملہ سے کہ کس طرح سردی و گرمی کے سفر آزادانہ بے خطر ہو کر کرتے ہیں، زجاج نے کہا کہ یہ لام تعجب ہے، (کبیر)

اور بعض نے فرمایا کہ اس کا تعلق اس جملہ سے ہے جو آگے آیت میں آ رہا ہے یعنی فلیعبدوا مطلب یہ ہوا کہ قریش کو اس نعمت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا اور اس کی عبادت میں لگ جانا چاہئے اس صورت میں فلیعبدوا کے اوپر حرف فاء اس لئے ہے کہ پہلے جملے میں ایک معنی شرط کے پائے جاتے ہیں۔ بہر حال اس سورت میں ارشاد یہ ہے کہ قریش مکہ چونکہ دوسفروں کے عادی تھے ایک سردی میں یمن کی طرف اور دوسرا گرمی میں شام کی طرف اور انہیں دوسفروں پر ان کی تجارت اور کاروبار کا مدار تھا، اور اسی تجارت کی بنا پر وہ مالدار اور اغنیاء تھے اس لئے حق تعالیٰ نے ان کے دشمن اصحاب فیل کو عبرتناک سزا دیکر ان کی عظمت لوگوں کے قلوب میں بڑھادی، یہ پورے ممالک میں جہاں بھی جائیں لوگ ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔

اس سورت میں اس کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام قبائل عرب میں قریش اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھ کو انتخاب کر لیا ہے۔ (مسلم: ۶: ۲۲) اور ایک حدیث میں رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ تمام آدمی قریش کے تابع ہیں خیر و شر (رواہ مسلم: ۶: ۴۸)

اور پہلی حدیث میں جس الہی انتخاب کا ذکر ہے غالباً اس کی وجہ ان قبائل کے خاص ملکات اور استعدادیں ہیں کفر و شرک اور جہالت کے زمانہ میں بھی ان کے بعض اخلاق اور ملکات نہایت اعلیٰ تھے ان میں قبول حق کی استعداد بہت کامل تھی یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام اولیاء اللہ میں بیشتر لوگ قریش میں سے ہوئے ہیں۔ (مظہری)۔

”رحلة الشتاء والصيف“ یہ بات معلوم و معروف ہے کہ مکہ مکرمہ ایک ایسے مقام میں آباد ہے جہاں کوئی

زراعت نہیں ہوتی وہاں باغات نہیں جن کے پھل مکہ والوں کو مل سکیں، اسی لئے بانی بیت اللہ خلیل اللہ علیہ السلام نے مکہ مکرمہ کے آباد ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی تھی کہ اس شہر کو جائے امن بنا دے اور اہل مکہ کو ثمرات کا رزق عطا فرمائے۔ ”ارزق اہلہ من الثمرات“ اور باہر سے ہر طرح کے پھل یہاں لائے جایا کریں یجسی ایسہ ثمرات کل شیء اس لئے اہل مکہ کے معاش کا مدار اس پر تھا کہ وہ تجارت کے لئے سفر کریں اور اپنی ضروریات وہاں سے لائیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ مکہ والے بڑے افلاس اور تکلیف میں تھے یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کے جد امجد ہاشم نے قریش کو اس کے لئے آمادہ کیا کہ دوسرے ملکوں سے تجارت کا کام کریں۔ ملک شام ٹھنڈا ملک تھا گرمی کے زمانے میں وہاں اور یمن گرم ملک ہے سردی کے زمانے میں اس طرف تجارتی سفر کرتے اور منافع حاصل کرتے تھے، اور چونکہ یہ لوگ بیت اللہ کے خادم ہونے کی حیثیت سے تمام عرب میں مقدس و محترم مانے جاتے تھے، تو یہ راستہ کے ہر خطرے سے بھی محفوظ رہتے تھے، اور ہاشم چونکہ ان سب کے سردار مانے جاتے تھے ان کا طریقہ یہ تھا کہ اس تجارت میں جو منافع حاصل ہوتے ان کو قریش کے امیر و غریب سب میں تقسیم کر دیتے تھے، یہاں تک کہ ان کا غریب آدمی بھی مالداروں کی برابر سمجھا جاتا تھا۔

پھر حق تعالیٰ نے ان پر یہ مزید احسان فرمایا کہ ہر سال کے دوسروں کی زحمت سے بھی اس طرح بچا دیا کہ مکہ مکرمہ سے ملے ہوئے علاقہ یمن ”بئالہ“ اور ”حرش“ کو اتنا سبز اور زرخیز بنا دیا کہ وہاں کا غلہ ان کی ضرورت سے زائد ہونے کی بنا پر ان کو اس کی ضرورت پڑی کہ یہ غلات وہاں سے لاکر جدہ میں فروخت کریں چنانچہ اکثر ضروریات زندگی جدہ میں ملنے لگیں، مکہ والے ان طویل دوسروں کے بجائے صرف دو منزل پر جا کر جدہ سے سب سامان لانے لگے۔ ایت مذکورہ میں حق تعالیٰ نے مکہ والوں پر اسی احسان و انعام کا ذکر فرمایا ہے۔

”فلیعبدوا رب هذا البيت“ انعامات کا ذکر کرنے کے بعد ان کا شکر ادا کرنے کے لئے قریش کو خصوصی خطاب کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی کہ اس گھر کے مالک کی عبادت کیا کرو، اس جگہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے رب البیت ہونے کی صفت کو خصوصیت سے اس لئے ذکر فرمایا کہ یہی بیت کعبہ ان کے تمام فضائل اور برکات کا سرچشمہ تھا۔

”الذی اطعمہم من جوع وامنہم من خوف“ اس میں قریش مکہ کے لئے دنیا کی ان تمام عظیم نعمتوں کو جمع فرما دیا ہے جو انسان کے خوش عیش رہنے کے لئے ضروری ہیں اطعمہم من جوع میں کھانے پینے کے ضروریات داخل ہیں اور امنہم من خوف میں دشمنوں ڈاکوؤں کے خوف سے مامون ہونا بھی شامل ہے۔

سورة الماعون (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

أَرَأَيْتَ الَّذِي يُكَذِّبُ بِالْإِنِّ الَّذِي يَدْعُ الْيَتِيمَ ﴿۱﴾
 بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو (روز) جزا کو جھٹلاتا ہے؟ یہ وہی (بد بخت) ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے
 وَلَا يَحْضُ عَلَىٰ طَعَامِ الْمَسْكِينِ ﴿۲﴾
 اور فقیر کو کھانا کھلانے کے لئے (لوگوں کو) ترغیب نہیں دیتا۔ تو ایسے نمازیوں کی خرابی ہے۔ جو نماز
 عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ﴿۳﴾
 کی طرف سے غافل رہتے ہیں۔ جو ریا کاری کرتے ہیں۔ اور برتنے کی چیزیں عاریتاً نہیں دیتے۔

سورة الكوثر (مکیہ) [۱]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ﴿۱﴾
 ہم نے تم کو کوثر عطا فرمائی ہے۔ تو اپنے پروردگار کے لئے نماز پڑھا کرو اور قربانی کیا کرو۔
 إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ﴿۲﴾
 کچھ شک نہیں کہ تمہارا دشمن ہی بے نام و نشان رہے گا۔

[۱] ابن ابی حاتم نے سدی سے، اور بیہقی نے دلائل النبوة میں محمد بن علی بن حسینؑ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص

کی اولاد ذکور مجائے اس کو عرب ”ابتر“ کہا کرتے تھے، یعنی مقطوع النسل، جس وقت نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے قاسم یا ابراہیم کا بچپن ہی میں انتقال ہو گیا تو کفار مکہ آپ کو ابتر کہہ کر طعنہ دینے لگے، ایسا کہنے والوں میں عاص بن وائل کا نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے، اس کے سامنے جب رسول کریم ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو کہتا تھا کہ ان کی بات چھوڑو یہ کچھ فکر کرنے کی چیز نہیں، کیونکہ وہ ابتر (مقطوع النسل) ہیں جب ان کا انتقال ہو جائے گا ان کا کوئی نام لینے والا بھی نہ رہے گا، اس پر سورہ کوثر نازل ہوئی۔

”إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكُوثَرَ“ امام بخاری نے ابن عباسؓ سے اس کی تفسیر میں روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ”کوثر“ وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی ہے، ابن عباسؓ کے خاص شاگرد سعید بن جبیرؓ سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے (بخاری فی التفسیر) تو سعید بن جبیرؓ نے جواب دیا کہ (ابن عباسؓ کا قول اس کے منافی نہیں بلکہ) وہ نہر جنت جس کا نام کوثر ہے وہ بھی اس خیر کثیر میں داخل ہے اس لئے مجاہد نے کوثر کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ دنیا و آخرت دونوں کی خیر کثیر ہے، اس میں جنت کی خاص نہر کوثر بھی داخل ہے۔

حوض کوثر: ایک روز جبکہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں ہمارے درمیان تھے اچانک آپ پر ایک قسم کی نیند یا بیہوشی کی سی کیفیت طاری ہوئی، پھر ہنستے ہوئے آپ نے سر مبارک اٹھایا ہم نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ کے ہنسنے کا سبب کیا ہے؟ تو فرمایا کہ مجھ پر اسی وقت ایک سورت نازل ہوئی ہے پھر آپ ﷺ نے بسم اللہ کیساتھ سورت کوثر پڑھی پھر فرمایا تم جانتے ہو، کوثر، کیا چیز ہے؟ ہم نے عرض کیا اللہ ورسولہ اعلم، آپ نے فرمایا: یہ ایک نہر جنت ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے جس میں خیر کثیر ہے اور وہ حوض ہے جس پر میری امت قیامت کے روز پانی پینے کے لئے آئے گی، اس کے پانی پینے کی برتن آسمان کے ستاروں کی تعداد میں ہوں گے، اس وقت بعض لوگوں کو فرشتے حوض سے ہٹادیں گے تو میں کہوں گا کہ میرے پروردگار! یہ تو میری امت میں ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا آپ نہیں جانتے کہ اس نے آپ کے بعد کیا نیا دین اختیار کیا ہے۔ (مسلم کتاب الصلوٰۃ باب البسملۃ ایتہ من کل سورۃ: ۱۲/۲، وابوداؤد کتاب السنۃ: ۱۳۳/۲)۔

حوض کی صفت میں روایت حدیث میں آیا ہے کہ اس میں دو پر نالے آسمان سے گریں گے، جو نہر کوثر کے پانی سے حوض کو بھر دیں گے، اس کے برتن آسمان کی ستاروں کی تعداد میں ہوں گے، اس حدیث سے سورت کوثر کا سبب =

سورة کافرون (مکیہ) [۱]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ﴿۱﴾ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾
(اے پیغمبر! منکرانِ اسلام سے) کہہ دو کہ اے کافرو!۔ جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو ان کو میں نہیں پوجتا

= نزول بھی معلوم ہوا، اور لفظ کوثر کی صحیح تفسیر بھی، یعنی خیر کثیر اور یہ بھی کہ اس خیر کثیر میں وہ حوض کوثر بھی شامل ہے جو قیامت میں امت محمدیہ کو سیراب کرے گی، نیز اس روایت نے یہ بھی واضح کر دیا کہ اصل نہر کوثر جنت میں ہے، اور یہ حوض کوثر میدان حشر میں ہوگی، اس میں دو پرنا لوں کے ذریعہ نہر کوثر کا پانی ڈالا جائے گا، اس میں ان روایات کی بھی تطبیق ہوگی جن سے معلوم ہوتا ہے کہ حوض کوثر پر امت کا ورود، دخول جنت سے پہلے ہوگا، اور اس حدیث میں جو بعض لوگوں کو حوض کوثر سے ہٹا دینے کا ذکر ہے یہ وہ لوگ ہیں جو بعد میں اسلام سے پھر گئے یا پہلے ہی سے مسلمان نہیں تھے، مگر منافقانہ اظہار اسلام کرتے تھے، نبی ﷺ کے بعد ان کا نفاق کھل گیا۔ واللہ اعلم۔

”الکوثر“ بروزن نوعل جو چیز عدد و قدر اور منزلت و منفعت میں کثیر ہو، اسے کوثر کہا جاتا ہے، العرب تسمی کل شیء کثیر فی العدد والقدیر کوثرًا۔ قرطبی۔ الکوثر سے مراد کے بارے میں مفسرین کے تقریباً پندرہ اقوال ہیں: سب سے زیادہ معروف قول دو ہیں: اول یہ کہ اس سے مراد حوض کوثر ہے جیسا کہ حدیث میں ذکر ہوا، دوم یہ کہ اس سے مراد قرآن مجید ہے جو دین و دنیا کا کوثر ہے، اور دین و دنیا کی خیر کثیر کا سرچشمہ ہے۔

القول الخامس عشر ان المراد من الكوثر جميع نعم الله على محمد ﷺ وهو المنقول عن ابن عباسؓ لان لفظ الكوثر يتناول الكثير الكثير، فليس حمل الآية على بعض هذه النعم اولى من حملها على الباقي فوجب حملها على الكل۔ کبیر۔ یعنی اس سے مراد ہر وہ خیر و برکت اور ہر وہ نعمت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو عطا فرمائی ہو، یہ قول ابن عباسؓ سے منقول ہے، اور یہ قول قرآن کو بطریق اولیٰ شامل ہے۔

وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ﴿۳﴾ وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ ﴿۴﴾

اور جس کی میں عبادت کرتا ہوں اس کی تم عبادت نہیں کرتے۔ اور جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں

وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ ﴿۳﴾ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ ﴿۴﴾

اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں۔ تم اپنے دین پر میں اپنے دین پر [۲]

[۱] عن فروة بن نوفل عن ابيه انه قال يارسول الله علمنى شيئا اقوله اذا اويت الى فراشى فقال اقل ايتها الكافرون "فانها براءة من الشرك - ابوداود رقم: ۵۰۵۵، ترمذی: ۳۴۰۳۔ فروہ بن نوفل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسی چیز یعنی آیت یا سورت سکھلا دیجئے جسے میں اپنے بستر پر جا کر (سونے سے پہلے) پڑھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ "پڑھ لیا کرو کیونکہ یہ سورت شرک سے بیزاری ہے، لہذا تو اسے پڑھ کر سونے، تو گویا شرک سے پاک ہو کر سونے اور مرو گے تو توحید پر مرو گے۔"

[۲] امام بخاری اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "لا اعلم ما عبدون" الان، ولا اجيبكم فيما بقى من عمرى، یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں: لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ، وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ، وَلَا أَنَا عَابِدٌ مَا عَبَدْتُمْ، وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ، ان جملوں میں بظاہر تکرار ہے، اس تکرار کی وجہ سے امام بخاری بیان فرماتے ہیں: "لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ، وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ" یہ زمانہ حال سے متعلق ہے، اور اگلی دو آیات کا تعلق زمانہ استقبال سے ہے، ولا اجيبكم فيما بقى من عمرى، سے اسی کی طرف اشارہ کیا، لیکن اشکال یہ ہوتا ہے کہ آپ ان کے معبودوں کی عبادت مستقبل میں نہیں کریں گے یہ تو درست ہے لیکن کفار میں سے کئی لوگوں نے ایمان قبول کر کے آپ کے معبود یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تو ان کے حق میں یہ کہنا کہ تم بھی میرے معبود کی عبادت نہیں کرو گے کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ امام بخاری نے اس کا جواب دیا: وهم الذين قال: وليزيدن كثيرا منهم ما انزل اليك من ربك طغيانا وكفرا، یعنی "وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ" سے وہ کفار مراد ہیں جن کے بارے میں فیصلہ ہو گیا تھا کہ ان کے حق میں قرآن کی آیت کا نزول طغیان اور کفر کے اضافہ کا باعث ہوگا ان کے بارے میں "وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ" فرمایا گیا ہے، سب کے بارے میں نہیں فرمایا گیا ہے۔ یا تکرار تا کید کے لئے ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ اول "مَا" سے مراد معبودان باطلہ ہیں اور دوسرے سے مراد طریقہ شرک و بدعتی ہے۔

سورة نصر (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ﴿۱﴾ وَأَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللّٰهِ

جب اللہ کی مدد آ پہنچی اور فتح (حاصل ہو گئی)۔ اور تم نے دیکھ لیا کہ لوگ جوق درجوق اللہ کے دین میں

أَفْوَاجًا ﴿۲﴾ سَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفَرُوا إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾

داخل ہو رہے ہیں تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرو اور اس سے مغفرت مانگو بیشک وہ معاف کرنے والا ہے [1]

[1] یہ سورت باجماع امت مدنی ہے اور اس کا نام سورۃ التودیع بھی ہے تودیع کے معنی کسی کو رخصت کرنے کے

ہیں، اس سورت میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لئے اس کو سورت التودیع بھی

کہا گیا۔

صحیح مسلم میں ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ سورت نصر قرآن کی آخری سورت ہے (قرطبی) مطلب یہ ہے کہ اسکے بعد کوئی

مکمل سورت نازل نہیں ہوئی، بعض آیات کا نزول جو اس کے بعد ہونا بعض روایات میں ہے وہ اس کے منافی نہیں،

جیسا کہ سورۃ فاتحہ کو قرآن کی سب سے پہلی سورت اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ مکمل سورت سب سے پہلے فاتحہ نازل ہوئی

ہے۔ سورت 'اقراء' اور سورت مدثر وغیرہ کی چند آیات کا اس سے پہلے نازل ہونا اس کے منافی نہیں۔

ابن عمرؓ نے فرمایا کہ یہ سورت حجۃ الوداع میں نازل ہوئی اس کے بعد آیت "الیوم اکملت لکم

دینکم" [المائدہ:] نازل ہوئی ان دونوں کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں صرف اسی (۸۰) روز رہے (اسی

روز کے بعد وفات ہو گئی) ان دونوں کے بعد آیت کلامہ نازل ہوئی جس کے بعد رسول پاک ﷺ کی عمر کے کل پچاس دن

رہ گئے تھے، اس کے بعد آیت "لقد جائکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتمم..... الایة" نازل ہوئی جس

کے بعد عمر کے کل پینتیس (۳۵) روز باقی تھے، اس کے بعد آیت "اتقوا یوماً ترجعون فیہ الی اللہ" نازل ہوئی، جس

کے بعد صرف اکیس روز (۲۱) اور مقاتل کی روایت میں صرف سات (۷) روز کے بعد وفات ہوگئی (قرطبی)۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس آیت اذاجاء نصر اللہ و الفتح میں فتح مکہ مراد ہے اور اس میں اختلاف ہے کہ یہ سورہ فتح مکہ سے پہلے نازل ہوئی ہے یا بعد میں۔ لفظ اذاجاء سے بظاہر قبل فتح نازل ہونا معلوم ہوتا ہے اور روح المعانی میں بحر محیط سے ایک روایت بھی اس کے موافق نقل کی ہے اس سورہ کا نزول غزوہ خیبر سے لوٹنے کے وقت بیان کیا گیا۔ اور خیبر کی فتح فتح مکہ سے مقدم ہونا معلوم و معروف ہے اور روح المعانی میں بسند عبد بن حمید قتادہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ اس سورہ کے نزول کے بعد دو سال زندہ رہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اس کا نزول فتح مکہ سے پہلے ہوا کیونکہ فتح مکہ سے وفات تک دو سال سے کم مدت ہے۔

فتح مکہ رمضان ۸ھ میں ہوئی اور وفات ربیع الاول ۱۱ھ میں۔ اور جن روایات میں اس کا نزول فتح مکہ یا حجۃ الوداع میں نازل ہونا بیان کیا گیا ہے ان کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس موقع پر رسول کریم ﷺ نے یہ سورت پڑھی ہوگی جس سے لوگوں کو یہ خیال ہوا کہ یہ ابھی نازل ہوئی ہے۔

متعدد احادیث مرفوعہ اور آثار صحابہ میں ہے کہ اس سورت میں رسول کریم ﷺ کی وفات کا وقت قریب آجانے کی طرف اشارہ ہے کہ اب آپ کی بعثت اور دنیا میں قیام کا کام پورا ہو چکا اب تسبیح و استغفار میں لگ جائے، جیسا کہ حدیث بخاری میں ہے کہ: 'عن ابن عباس قال: کان عمر یدخلنی مع اشیاخ بدر، فکان بعضهم وجد فی نفسہ، فقال: لم تدخل ہذا معنا ولنا أبناء مثله؟ فقال عمر: إنه ممن علمتم: فدعاهم ذات یوم فأدخلہ معهم، فمارؤیت أنه دعانی فیہم یومئذ إلا لیریہم، فقال: ماتقولون فی قول اللہ عزوجل، "إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ"؟ فقال بعضهم: أمرنا أن نحمد اللہ ونستغفرہ إذا جاء نصرنا وفتح علينا، وسکت بعضهم فلم یقل شیئا، فقال لی: کذا لک یل تقول یا ابن عباس؟ فقلت: لا، فقال: ماتقول؟ فقلت: هو أجل رسول اللہ ﷺ أعلمہ له، قال: "إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ" فذلک علامۃ أجلك "فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا" فقال عمر بن الخطاب: لا أعلم منها إلا ماتقول [بخاری، کتاب التفسیر]

عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ بڑی عمر والے بدری مجاہدین کے ساتھ ساتھ عمرؓ مجھے بھی شامل کر لیا کرتے تھے، تو شاید کسی کے دل میں اس سے کچھ ناراضگی پیدا ہوئی ہوگی، اس نے کہا کہ یہ ہمارے ساتھ نہ آیا کریں، ان جتنے تو ہمارے بچے ہیں، عمرؓ نے فرمایا کہ تم انہیں خوب جانتے ہو، ایک دن سب کو بلایا اور مجھے بھی یاد فرمایا، میں سمجھ گیا کہ آج انہیں کچھ دکھانا =

سورة لهب (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

تَبَّتْ یَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَتَبَّ ﴿۱﴾ اَلَمْ اَغْنِیْ عَنْهُ مَالُهُ وَاَمَّا کَسْبٌ ﴿۲﴾

ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔ نہ تو اس کا مال ہی اس کے کچھ کام آیا اور نہ وہ جو اس نے کمایا

= چاہتے ہیں، جب ہم سب جا پہنچے تو امیر المؤمنین نے ہم سے پوچھا کہ سورۃ 'اذا جاء' کی نسبت تمہیں کیا علم ہے؟ بعض نے کہا اس میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرنے اور گناہوں کی بخشش چاہنے کا حکم کیا گیا ہے کہ جب مددِ الٰہی آجائے اور ہماری فتح ہو تو ہم یہ کریں، اور بعض بالکل خاموش رہے تو آپؐ نے میری طرف توجہ فرمائی اور کہا کیا تم بھی یہی کہتے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا پھر اور کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کے انتقال کا پیغام ہے، آپ ﷺ کو معلوم کرایا جا رہا ہے کہ اب آپ ﷺ کی دنیوی زندگی ختم ہونے کو ہے آپ ﷺ تسبیح اور حمد میں اور استغفار میں مشغول ہو جائیے، عمرؓ نے فرمایا یہی میں بھی جانتا ہوں۔

ورأیت الناس: فتح مکہ سے پہلے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جن کو رسول کریم ﷺ کی رسالت اور اسلام کی حقانیت پر تقریباً یقین ہو چکا تھا، مگر اسلام میں داخل ہونے سے ابھی تک قریش کی مخالفت کے خوف سے یا کسی تذبذب کی وجہ سے رکے ہوئے تھے۔ فتح مکہ نے وہ رکاوٹ دور کر دی، تو فوج در فوج یہ لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

فسبح بحمد ربک: عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ اس سورت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ جب کوئی نماز پڑھتے تو یہ دعا کرتے تھے: سبحانک اللہم ربنا وبحمدک اللہم اغفر لی (رواہ البخاری، کتاب التفسیر)

سَيَصْلَىٰ نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿٣٣﴾ وَمَرَاتَهُ حَمَالَةَ الْحَطَبِ ﴿٣٤﴾

وہ جلد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہو گا۔ اور اس کی جو رو بھی جو ایندھن سر پر اٹھائے پھرتی ہے۔

فِي جِيدِهَا حَبْلٌ مِّن مَّسَدٍ ﴿٣٥﴾

اس کے گلے میں منوجھ کی رسی ہوگی [1]

[۱] صحیحین میں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ پر آیت ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ نازل ہوئی تو آپ ﷺ

کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے قبیلہ قریش کے لوگوں کو آواز دی، بعض روایات میں ہے کہ نیا صباحاۃ کہہ کر یا بنی عبدمناف اور یا بنی عبدالمطلب وغیرہ ناموں کے ساتھ آواز دی (اس طرح آواز دینا عرب میں خطرہ کی علامت سمجھا جاتا تھا) سب قریش جمع ہو گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن (تم پر چڑھ آیا ہے) اور صبح و شام میں تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے، کیا آپ لوگ میری تصدیق کرو گے، سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں ضرور تصدیق کریں گے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہیں ڈراتا ہوں ایک عذاب شدید سے (جو شرک و کفر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے) یہ سن کر ابولہب نے کہا تَبَّالِكُ الْهَذَا جَمَعْنَا، بلاکت ہو تیرے لئے کیا تو نے ہمیں اس کے لئے جمع کیا تھا اور آپ ﷺ کو مارنے کے لئے ایک پنجم اٹھالیا، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ [بخاری، کتاب التفسیر]

اس میں ابولہب اور اس کی بیوی اُم جمیل اور بیٹے عتبہ بنیوں کا انجام بتلا کر متنبہ کیا گیا ہے، کہ ہر مرد یا عورت اپنا ہویا بیگانہ، بڑا ہویا چھوٹا، جو بھی حق کی عداوت پر کمر باندھے گا وہ آخر کار تباہ و برباد اور ذلیل و خوار ہو کر رہے گا، پیغمبر ﷺ کی قرابتی قرابت بھی اسے بچانہ سکے گی، یہ قرابت ایمان و عمل کے ساتھ تو مفید ہو سکتی ہے، مگر اس کے بغیر کوئی قیمت نہیں رکھتی، اس کی شکست اور ناکامی پر آخری مہر اس طرح لگی، کہ جس دین کی بیخ کنی کے لئے اس نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا تھا اسی دین کو اس کی اولاد نے قبول کیا۔ اس سورت کا حاصل یہ ہے کہ پیغمبر ﷺ سے عداوت رکھنے کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

ابولہب کی بیوی، اُم جمیل مالدار ہونے کے باوجود سخت خلیل تھی جنگل سے خود لکڑیاں چن کر لایا کرتی تھی اور کانٹے =

سورة الاخلاص (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ﴿۳﴾

کہو کہ وہ (ذات پاک جس کا نام) اللہ ایک ہے۔ معبود برحق جو بے نیاز ہے۔ نہ کسی کا باپ ہے اور نہ کسی کا بیٹا۔

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

اور کوئی اس کا ہمسر نہیں۔ [1]

= نبی کریم ﷺ کے راستے میں ڈال دیا کرتی تھی، ایک دن وہ لکڑیاں کمر پر رکھ کر لارہی تھی اور سی اپنی پیشانی سے باندھ رکھی تھی، راستے میں سستانے اور آرام کرنے کے لئے بیٹھ گئی ایک فرشتہ پیچھے سے آیا اور اس نے وہ لکڑیاں کھینچیں تو سی اس کی پیشانی سے سرک کر گلے میں آگئی اور گلا گھٹ جانے سے وہ مر گئی قرآن کریم نے اس کو ”حمالة الحطب“ کہا ہے۔

بعض نے کہا ”حمالة الحطب“ کے معنی چغلیوں کے لئے ہیں اور محاورات عرب میں اسی معنی میں ریفظ استعمال ہوتا ہے، جیسے فارسی میں بھی ایسے شخص کو ہیزم کش کہتے ہیں، مجاہد نے یہی معنی کئے ہیں۔ [بخاری، قرطبی]

[۱] عن عائشة ان النبي ﷺ كان اذا اوى الى فراشه كل ليلة جمع كفيه ثم نفث فيهما فقرأ فيهما قل هو الله احد، وقل اعوذ برب الفلق، وقل اعوذ برب الناس، ثم يمسح بهما ما استطاع من جسده يمسح بهما على رأسه ووجهه وما اقبل من جسده يفعل ذلك ثلاث مرات (بخاری: ۵۷۴۸، ۵۰۱۷) عائشہ فرماتی ہے کہ رسول کریم ﷺ روزانہ رات میں جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو سونے سے پہلے اپنے دونوں ہاتھ ملا کر ان پر دم کرتے اور پھر ان پر ﴿قل هو الله احد﴾ ﴿قل اعوذ برب الفلق﴾ ﴿قل اعوذ برب الناس﴾ پڑھتے اور پھر اپنے دونوں ہاتھ اپنے جسم پر جہاں تک ہو سکتا پھیرتے، پہلے آپ ہاتھ پھیرنا، اپنے سر، منہ اور بدن کے آگے حصہ سے شروع کرتے (اس کے بعد بدن کے

دوسرے حصوں پر پھیرتے) آپ ﷺ یہ عمل (یعنی پڑھنا، دم کرنا، اور بدن پر دونوں ہاتھوں کا پھیرنا) تین مرتبہ کرتے تھے۔ اس حدیث سے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھوں پر دم تو پہلے کرتے تھے اور پڑھتے بعد میں تھے، چنانچہ بعض علماء کہتے ہیں کہ آپ ﷺ یہ طریقہ اس لئے اختیار فرماتے تھے تاکہ ساحروں کی مخالفت ظاہر ہو، کیونکہ وہ پہلے پڑھتے ہیں اور بعد میں دم کرتے ہیں، بعض علماء کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے دم کرنے کا ارادہ کرتے پھر پڑھتے اور اس کے بعد دم کرتے۔

یہ سورت ان سورتوں میں سے ہیں جو کہ متکثر الاسماء ہیں: رازی وغیرہ نے یہ نام لکھیں ہیں۔

(۱) سورت التفرید (۲) سورة التجرید (۳) سورة التوحید (۴) سورة الاخلاص (۵) سورة النجاة (۶) سورة الولاية (۷) سورة النسبة (۸) سورة المعرفة (۹) سورة الجمال (۱۰) سورة المقشقة (۱۱) سورة المعوذة (۱۲) سورة الصمد (۱۳) سورة الاساس (۱۴) سورة المانعة (۱۵) سورة المحضر (۱۶) سورة المنفرة (۱۷) سورة البراءة (۱۸) سورة المذكرة (۱۹) سورة النور (۲۰) سورة الامان۔

(۲) عن ابی الدرداء قال: قال رسول اللہ ﷺ: اعجز احدكم ان يقرأ في ليلة ثلث القرآن، قالوا وكيف يقرأ ثلث القرآن؟ قال قل هو الله احد تعدل ثلث القرآن. مسلم: ۸۱۱، والنسائی فی الكبرى: ۱۰۵۳۷. ابوالدرداء راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی شخص ایک رات میں تہائی قرآن پڑھنے سے عاجز ہے؟ صحابہ نے عرض کیا کہ تہائی قرآن کیسے پڑھا جائے؟ آپ نے فرمایا ”قل هو الله احد“ تہائی قرآن کے برابر ہے، جس شخص نے رات میں یہ سورت پڑھ لی گویا اس نے تہائی قرآن پڑھ لیا۔

قرآن کریم میں بنیادی طور پر تین قسم کے مضمون مذکور ہیں: (۱) قصص (۲) احکام (۳) توحید۔ چونکہ سورت اخلاص میں باری تعالیٰ کی توحید نہایت اونچے اور بلند انداز میں بیان ہے، یا یوں کہے کہ پورے قرآن مجید میں توحید کے بارہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، سورت اخلاص اس کا خلاصہ اور حاصل ہے اس لئے سورت اخلاص پڑھنا تہائی قرآن پڑھنے کے برابر ہے۔

اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کا حاصل یہ ہے کہ ”قل هو الله احد“ کا ثواب تہائی قرآن کے اصل ثواب کے بقدر مضاعف کیا جاتا ہے، (یعنی بڑھایا جاتا ہے) اس طرح ان دونوں اقوال میں ایک لطیف فرق

پیدا ہو گیا ہے، پہلے قول اور پہلی وضاحت کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص سورہ "قل هو اللہ احد" تین مرتبہ پڑھے تو یہ لازم نہیں آتا کہ اسے پورے قرآن کا ثواب ملے۔ جبکہ دوسرے قول کے مطابق "قل هو اللہ احد" تین مرتبہ پڑھنے سے ایک پورے قرآن کا اصل ثواب حاصل ہو جاتا ہے۔

عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو امیر بنا کر ایک لشکر کے ساتھ بھیجا وہ شخص نماز میں اپنے رفقاء کی امامت بھی کرتا تھا اور (اس کا معمول تھا کہ اپنی قرأت) قل هو اللہ احد پر ختم کرتا تھا، جب وہ (لشکر کے لوگ) واپس آئے تو انہوں نے اس کا تذکرہ نبی کریم ﷺ سے کیا، آپ نے ان سے فرمایا کہ اس شخص سے دریافت کرو کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ اس سے پوچھا گیا تو اس نے کہا کہ یہ اس لئے کرتا ہوں کہ اس سورت میں الرحمن، اللہ تعالیٰ کی صفت (وحدانیت) بیان کی گئی ہے، اور میں اسے پسند کرتا ہوں کہ (اللہ کی صفت وحدانیت کے اظہار کے پیش نظر) اس سورت کو ہمیشہ پڑھتا رہوں، نبی کریم ﷺ نے یہ سکر فرمایا کہ اس شخص کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے، کیونکہ وہ (اللہ تعالیٰ کو دوست رکھتا ہے)۔

شیخ ابن عربیؒ نے اشارات کا بیان تطویل سے لکھا کہ جس کا خلاصہ یہ کہ (قل حکم عین الجمع سے مظہر تفصیل پر وارد ہے) (ہو) حقیقت احدیت یعنی ذات صرف بدون لحاظ اعتبار ہے، اور سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی میں اس کی معرفت نہیں ہے، (اللہ) ضمیر مذکور سے بدل ہے، اور یہ اسم ذات مع جمع صفات ہے، اسی طرح بدل و مبدل منہ کے بیان سے ظاہر ہوا کہ صفات حق تعالیٰ اس کی ذات پاک سے امر زائد نہیں ہیں، بلکہ عین ذات ہیں، اور فرق فقط اعتباری سمجھ میں ہے، اسی وجہ سے اس سورت کا نام اخلاص ہے یعنی ذات پاک کو لگاؤ سے خالص کرنا۔

مترجم کہتا ہے کہ صوفیہ کا یہی قول ہے کہ صفات الہیہ عین ذات ہیں، اور متکلمین کا یہ قول ہے کہ زائد ہیں لیکن غیر نہیں، اور نہ عین ہیں، اور علماء محدثین اور صالحین نے کہا کہ یہ سب فضول کلام ہے، ہم قرآن وحدیث پر ایمان لائے، پس ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات سب پر ایمان لائے، جب آخرت میں جنت میں اس کے فضل سے پہنچے تو ہم اپنی مراد کو پہنچے اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

مترجم کہتا ہے کہ یہ بہت سیدھا طریقہ ہے اور بارہا ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور مخلوق کے اندر عقل کو پیدا کیا تو غیر ممکن ہے کہ عقل اسکے ادراک کر سکے، اگر کہا جاوے کہ یہاں "اللہ احد" فرمایا اور دیگر آیات میں "الواحد" فرمایا ہے؟ جواب، فرق دونوں میں کچھ نہیں سوائے اسکے کہ "احد" خالص ذات ہے "واحد" ذات مع صفات

ہے، پس اول 'ہو' فرمایا یعنی خالص حقیقت محضہ، اور اسکا بدل 'اللہ' فرمایا یعنی ذات مع صفات کے پھر فرمایا 'أحد' تاکہ سمجھ لیا جاوے کہ کثرت کوئی چیز نہیں ہے بلکہ وہ عین احدیت ہے، جیسے سمندر میں کوئی شخص قطرے اپنے وہم میں تصور کرے تو اس کثرت قطرات سے سمندر کے ایک ہونے میں کچھ خلل نہیں ہو سکتا ہے، "اللہ الصمد" یعنی ذات جامع الصفات جل جلالہ جمیع اشیاء کا مرجع ہے اسی سے سب کا قیام ہے کیونکہ ہر چیز اسی کی طرف محتاج ہے، جب وہ پیدا کرے اور اپنی قدرت میں باقی یعنی ظاہر رکھے تب تک وہ چیز ہماری نظر میں باقی رہتی ہے، اور جب اس نے یہ ظہور منادیا تو وہ دوسرے جہان میں ظاہر ہے، پس وہی غنی مطلق ہے اور باقی کل چیزیں اسی کی محتاج ہیں جیسے فرمایا کہ "یا ایہا الناس أنتم الفقراء واللہ هو الغنی الحمید" [فاطر: ۱۵]

یعنی اللہ تعالیٰ ہی غنی ہے اور تم سب محتاج ہو، واضح ہو کہ جب ہر چیز کا وجود ایسا ہے کہ خواہ مخواہ ہونا واجب نہیں رکھتا کیونکہ وہ چیز کبھی نہ تھی پھر ہوئی پھر نیست ہو گئی تو خود ظاہر ہے کہ اگر وہ خود ضرور ہوتی تو ہمیشہ سے ہوتی اور ہمیشہ رہتی تو معلوم ہوا کہ الوہیت کے لائق کوئی چیز نہیں ہے، اور معلوم ہو گیا کہ "لم یلد" یعنی اللہ تعالیٰ واجب الوجود قدیم ازلی ہے، اور کوئی چیز نہ تھی جو فرزند ہو کیونکہ او پر بیان ہوا کہ کسی میں وجود ذاتی نہیں ہے نہ اسکا مادہ ہو سکتا ہے اور نہ نتیجہ ہو سکتا ہے کیونکہ جو چیزیں ہیں وہ اسکے پیدا کرنے سے ظاہر ہیں، تو اپنی ذات سے نیست ہیں تو اسکی جنس نہیں ہو سکتی ہیں کیونکہ سب چیزیں محض عدم و نیست ہیں، پس نہ کسی میں سواے اسکے الوہیت ہے، نہ اور نہ بیٹا ہے، نہ جو رو ہے اور نہ اسکا کوئی ہمسر ہے، کیونکہ ذات واجب قدیم کے مقابلہ میں کیونکر یہ سب نیست چیزیں کچھ ہو سکتی ہیں۔ [مو اہب الرحمن]

"ہو" ضمیر بیضاوی نے کہا کہ یہ ضمیر شان ہے، ہو زید منطلق کی طرح، ابتداء کی وجہ سے یہ مرفوع ہے، اور "اللہ أحد" جملہ اس کی خبر ہے، اور 'ہو' کے ہوتے ہوئے عائد کی ضرورت نہیں ہے، یا یہ ضمیر اس مسؤل کو راجع ہے جس کے متعلق استفسار کیا جا رہا تھا جو کہ حدیث میں ہے کہ عن ابي بن كعب: أن المشركين قالوا للنبي ﷺ يا محمد ان نسب لنا ربك فأنزل الله: ﴿قل هو الله أحد، الله الصمد، لم يلد ولم يولد، ولم يكن له كفوا أحد﴾ [مسند أحمد: ۱۳۳، ۱۳۴، وغیرہ] یعنی مشرکین نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اپنے رب کے نسب و اوصاف بیان کرو، اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ یعنی اللہ کی نسب و نسبت یہ سورت ہے۔ کمالین والے لکھتے ہیں اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے 'أحد' کا لفظ جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں غیر معمولی ہے،

یوں تو اس کا استعمال بہت سے طریقوں سے ہوتا ہے، لیکن قرآن کریم کے علاوہ عربی زبان میں محض وصف کے

طور پر اس کے استعمال کی کوئی نظیر نہیں ملتی، قرآن نے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اس کا استعمال کیا ہے، اس غیر معمولی استعمال طرز بیان سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یگانہ اور یکتا ہونا اللہ کی صفت ہے، یعنی وہ اکیلا ہے اس کا کوئی ثانی نہیں ہے، پس مشرکین اور اہل کتاب کے سوالات کا مختصر اصل اس طرح ہوا کہ وہی اکیلا رب ہے، وہی اکیلا رالہ، وہی اکیلا خالق، مالک الملک، مدبر، منتظم، ورازق وغیرہ ہے، ربوبیت کے ان کاموں میں جن کو تم مانتے ہو کہ یہ اللہ ہی کے کام ہیں، اس کا کوئی شریک نہیں ہیں، انہوں نے یہ بھی پوچھا تھا کہ وہ کس چیز سے بنا ہے، اس کا نسب کیا ہے، اس کی جنس کیا ہے، وہ کس کا وارث ہے، اس کا وارث کون ہوگا؟

اور لفظ 'اللہ' سے تو دہریوں اور منکرین رالہ پر رد ہو گیا جو بالکل رالہ کے قائل ہی نہیں ہیں، اور اس کائنات کو محض نخت و اتفاق کا ایک نتیجہ قرار دیتے ہیں، یا مادہ کو قدیم مانتے ہیں، اسی طرح لفظ 'أحد' سے ان لوگوں پر رد ہو گیا جو ایک سے زائد معبود مانتے ہیں، خواہ وہ مجوس ہوں جو خالق خیر و شر یزدان و اہرمن الگ الگ مانتے ہیں، یا ہنود، یا آج کل کے قبر پرست۔ امام رازی نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت میں فقط الواحد اور الاحد آیا ہے، اور علاوہ اس کے وحد، اور وحید وغیرہ جو اس معنی میں ہیں، صفت الہی میں نہیں آتے ہیں۔

”الصمد“ علیٰ عکرمہ، کعب احبار کے نزدیک ”صمد“ وہ ہے جس سے بالاتر کوئی نہ ہو، عبد اللہ بن مسعود، ابن عباس، ابووائل، شقیق بن سلمہ کے نزدیک سردار کامل کے معنی میں ہے، اور ابن عباسؓ یہ بھی کہتے ہیں کہ ایسا سردار جو اپنی سیادت، شرف و عظمت، علم و بردباری، حکمت میں کامل ہو، وہ ”صمد“ کہلائے گا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ وہ سردار جس کی طرف لوگ مصیبت میں رجوع کریں۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں وہ جو سب سے بے نیاز ہو اور سب اس کے محتاج ہوں، عکرمہ کے اور بھی اقوال ہیں: مثلاً وہ چیز کہ جس میں سے نہ کبھی کوئی چیز نکلی ہو، نہ نکلتی ہو، اور جو نہ کھاتا نہ پیتا ہو، سدھی کہتے ہیں کہ جو مطلوب حاصل کرنے کا ذریعہ ہو یا مصائب دور ہونے کے لئے اس کی طرف رجوع کیا جائے، سعید بن جبیر کے نزدیک جو صفات و اعمال میں کامل ہو، ربیع بن انس کے نزدیک جس پر کوئی آفت نہ آتی ہو، اور مقاتل بن حیان کے نزدیک بے عیب کے معنی ہیں۔ ابن کیسان کے نزدیک وہ کہ جس کی صفت سے کوئی دوسرا متصف نہ ہو سکے، حسن بصریؒ، قتادہ کے نزدیک جو باقی رہنے والا لازوال ہو، مرثیہ الہمدانی کے نزدیک وہ جو اپنی مرضی اور کام میں خود مختار، آزاد ہو، اس کے حکم اور فیصلہ کے آگے دم مارنے کی مجال نہ ہو، ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں کہ لوگ جس کی طرف حاجات میں رجوع کریں۔

ابو بکر انباریؓ کا کہنا یہ ہے کہ اہل لغت اس پر متفق ہیں کہ ”صمد“ اس سردار کو کہتے ہیں جس سے بالاتر کوئی سردار نہ

ہو، اور جس کی طرف لوگ اپنے معاملات و ضروریات میں رجوع کریں، زجاج کہتے ہیں کہ جس پر سرداری ختم ہوگئی ہو اور لوگ اپنی حاجتوں میں اس کی طرف رجوع کریں۔

امام طبرانی نے کتاب السنہ میں ان سب اقوال کو نقل کر کے فرماتے ہیں: وکل هذه صحيحة وهو صفات ريساعز وجل هو الذى يصمد اليه فى حوائج، وهو الذى قد انتها سوده، وهو الصمد الذى لا جوف له، لا يأكل ولا يشرب وهو الباقي بعد خلقه۔

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ لفظ ”احد“ چونکہ اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے، اس لئے نکرہ لانا کافی سمجھا گیا، لیکن ”صمد“ کا لفظ چونکہ مخلوق کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اس لئے ”الصمد“ معرفہ استعمال کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلی صمد اللہ ہے اور مخلوق کو اگر کسی حیثیت سے صمد کہا بھی جائے تو جزوی لحاظ سے ہوگا، کیونکہ مخلوق اللہ کی طرح لازوال نہیں بلکہ فانی ہے۔ مرکب ہوتی ہے جس میں تقسیم و تجزیہ ہو کر کسی وقت اس کے اجزاء بکھر سکتے ہیں۔ مخلوقات میں احتیاج بھی ہے اور ان کی سیادت بھی اضافی ہے، اور اس کی برتری بھی مطلق نہیں بلکہ اضافی ہے۔ اسی طرح مخلوق کی حاجت برابری اور حاجت روائی بھی اضافی ہوگی، برخلاف اللہ تعالیٰ کے اس کی صمدیت ہر حیثیت سے کامل و مکمل ہے، اس لئے وہی ”الصمد“ کا مصداق ہے، اس سے جاہلوں پر رد ہو گیا جو کسی غیر اللہ کو کسی درجہ میں اختیار رکھنے والا سمجھتے ہیں، اسی طرح فرقہ آریہ کا بھی رد ہو گیا جو مادہ اور روح کی قدیم ہونے کی قائل ہیں اور ان دونوں کی طرف اللہ کا محتاج مانتے ہیں، ان دونوں کو اللہ کا محتاج نہیں مانتے۔

علی ابن ابی طلحہ نے اپنی تفسیر (الصحيحه) میں عبد اللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ: (الصمد) هو السيد الذى قد كمل فى سوده، و الشريف الذى قد كمل فى شرفه و العظيم الذى قد كمل فى عظمته، و الحليم الذى قد كمل فى حلمه، و العليم الذى قد كمل فى علمه، و الحكيم الذى قد كمل فى حكمته، وهو الذى قد كمل فى انواع الشرف و السوده، وهو الله سبحانه، هذه صفته لا تنبغى الا له، ليس له كفو، و ليس كمثل شىء، سبحانه الله الواحد القهار۔ یعنی الصمد کے معنی وہ سید جو سرداری میں کامل ہو اور وہ شریف جو شرافت میں کامل ہو اور وہ عظیم جو عظمت میں کامل ہو، اور وہ علیم جو علم میں کامل ہو، اور وہ حکیم جو حکمت میں کامل ہو، خلاصہ یہ کہ الصمد وہ ہے جو سب صفات کمال میں کامل ہو۔

ایک حدیث میں اس آیت کو ”الصمد“ کی تفسیر ٹھہرایا یعنی الصمد وہ ہے کہ ﴿لم يلد ولم يولد﴾ عن

بریدۃ ان رسول اللہ ﷺ سمع رجلا يقول: اللهم اني اسألك بانك انت الله لا اله الا انت، الاحد الصمد الذي لم يلد ولم يولد ولم يكن له كفوا احد، فقال: دعا الله باسمه الاعظم الذي اذا سئل به اعطى واذا دعى به اجاب. (رواه الترمذی: رقم: ۳۴۷۵، ابوداؤد: رقم: ۱۴۹۳) بریدہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا مانگتے ہوئے سنا کہ: اے الہی! میں تجھ سے اپنا مقصود و مطلوب اس وسیلہ کے ساتھ مانگتا ہوں کہ تو اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو ایسا یکتا اور بے نیاز ہے کہ نہ تو اس نے کسی کو جنا اور نہ اسے کسی نے جنا، اور اس کا کوئی ہمسر نہیں یہ سنکر آپ ﷺ نے فرمایا اس شخص نے اللہ تعالیٰ سے اسم اعظم کے ساتھ دعا مانگی، ایسا اسم اعظم کہ جب اللہ تعالیٰ سے اس کے ذریعہ سوال کیا جاتا ہے تو وہ سوال پورا کرتا ہے، اور جب اس کے ذریعہ دعا مانگی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے قبول کرتا ہے، یعنی وہ دعا اکثر قبول ہوتی ہے۔

زیادہ صحیح بات تو یہی ہے کہ اسم اعظم اللہ تعالیٰ کی اسماء میں پوشیدہ ہے، تعین کے ساتھ اس کا کسی کو علم نہیں ہے، جیسا کہ (لیلیۃ القدر) لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ اسم اعظم لفظ ”اللہ“ ہے، اور سید عبد القادر جیلانی کے قول کے مطابق اس شرط کے ساتھ کہ زبان سے جب ”اللہ“ ادا ہو تو دل میں اللہ کے علاوہ اور کچھ نہ ہو، یعنی اس اسم پاک کی تاثیر اسی وقت ہوگی جبکہ اللہ کو پکارتے وقت دل ماسوی اللہ سے بالکل خالی ہو۔ اس اسم اعظم کے سلسلے میں علماء کے اور بھی اقوال ہیں۔

بعض علماء نے سوال اور دعائیں یہ فرق نقل کیا ہے کہ سوال کے معنی ہیں طلب کرنا جیسے کہ کہا جائے، ”اللہم اعطنی“، یعنی اے اللہ مجھے فلاں چیز عطا کر اور اس کے جواب میں اللہ کی عطا یعنی اس کا دینا، اور دعا کے معنی ہیں پکارنا، جیسے کہ کہا جائے یا اللہ! اور اس کے جواب اللہ کی طرف سے اجابت یعنی قبول کرنا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ بندہ کی پکار پر فرمائے، لیک عبدی، ہاں اے میرے بندے۔ ”لم یلد ولم یولد“ اس سے نصاریٰ و یہود کا شرک باطل ہوا کیونکہ یہ دونوں صفتیں نقصان کی ہیں۔ ”ولم یکن له کفوا احد“ مجاہد نے کہا کہ نہ اس کی زوجہ ہے کیونکہ زوجہ انسان کی کفو ہوتی ہے اور ہر ایک چیز کا جوڑا اس کا کفو ہے۔ قرآن کریم میں بکثرت یہود و نصاریٰ کے باطل خیال کو رد کیا اور ان کے خیال کو بہت قبیح کلمہ قرار دیا، کہ قریب ہے کہ ان کی بد زبانوں کے کلمہ سے جو بیٹایا جو روں بناتے ہیں آسمان پٹ جاوے اور پہاڑ منہدم ہو، بلکہ ہر چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے تابعدار بنکر آوے گی ﴿تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَنْفَطِرْنَ مِنْ قَوْقِحٍ وَالْمَلَائِكَةُ يَسْبَحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا إِنْ اللَّهُ هُوَ الْعَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ (شوری: ۵)۔

سورة الفلق (مکیہ) [۱]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾

کہو کہ میں صبح کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ ہر چیز کی برائی سے جو اس نے بنائی۔

وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ ﴿۵﴾ ﴿۶﴾

اور شبِ تاریک کی برائی سے جب اس کا اندھیرا اچھا جائے، اور گندوں پر (پڑھ پڑھ کر) پھونکنے والیوں کی برائی سے

وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ ﴿۶﴾

اور حسد کرنے والے کی برائی سے جب وہ حسد کرنے لگے۔

[۱] عن عائشة قالت كان رسول الله ﷺ سحر حتى كان يرى انه ياتي النساء ولا ياتيهن ، قال سفيان وهذا اشد ما يكون من السحر اذا كان كذا ، فقال يا عائشة اعلمت ان الله تعالى قد افتانى فيما استفتيته فيه ، اتانى رجلان فقعد احدهما عند رأسى والاخر عند رجلي فقال الذى عند رأسى لالاخر ، ما بال الرجل ؟ قال مطبوب ، قال ومن طبه ؟ قال لبيد بن اعصم ، رجل من بنى زريق حليف اليهود ، كان منافقا ، قال : وفيم ؟ قال فى مشط ومشاقة قال واين ؟ قال فى جف طلعة ذكر تحت رعوة فى بئر ذروان ، قالت فاتى النبى ﷺ البئر حتى استخرجه فقال هذه البئر التى اريتها وكان مائها نقاعة الحناء ، وكان نخلها رؤوس الشياطين ، قال فاستخرج ، قالت فقلت افلا اى تنشرت ؟ فقال اما الله فقد شفانى واكره ان اتير على احد من الناس شررا (بخارى: كتاب الطب)۔

عائشہ سے مروی ہے کہ رسول ﷺ پر جادو کیا گیا آپ سمجھتے تھے کہ آپ ازواجِ مطہرات کے پاس آئے حالانکہ

نہ آئے تھے۔ (سفیان فرماتے ہیں کہ یہی سب سے بڑا جادو کا اثر ہے) جب یہ حالت آپؐ کی ہوگئی، ایک دن آپؐ فرمانے لگے کہ عائشہ! میں نے اپنے رب سے پوچھا اور میرے پروردگار نے بتلادیا، دو شخص آئے ایک میرے سرہانے بیٹھا، ایک پائنتیوں، سرہانے والے نے اس دوسرے سے پوچھا ان کا کیا حال ہے؟ دوسرے نے کہا ان پر جادو کیا گیا ہے، پوچھا کس نے جادو کیا ہے؟ کہا لبید بن اعصم جو بنی زریق کے قبیلے کا ہے جو یہود کا حلیف ہے اور منافق شخص ہے، کہا کس چیز میں؟ کہا سر کے بالوں اور کنگھی میں، پوچھا دکھا کہاں ہے؟ کہا زکھور کے درخت کے چھال میں پنجم کی چٹان تلے ذروان کے کوئیں میں، پھر نبی ﷺ اس کوئیں کے پاس تشریف لائے، اور اس میں سے وہ نکلوا، اس کا پانی ایسا تھا گویا مہندی کا گدلا پانی، اس کے پاس کے کھجوروں کے درخت شیطانوں کے سر جیسے تھے، میں نے کہا بھی کہ یا رسول اللہ ان سے بدلہ لینا چاہیے، آپؐ نے فرمایا: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾، اللہ تعالیٰ نے مجھے تو شفاء دیدی اور میں لوگوں میں برائی پھیلانا پسند نہیں کرتا۔

دلائل النبوة پیہتی میں ہے کہ یہ دونوں سورتیں ایک ساتھ ہی نازل ہوئی ہیں، اس لئے ان دونوں سورتوں کا نام معوذتین رکھا گیا ہے، ان کے مضامین بھی ایک دوسرے سے قریبی مناسبت رکھتے ہیں، تاہم یہ دونوں سورتیں الگ الگ ہیں اور مصحف عثمانی میں الگ الگ ناموں سے لکھی ہوئی ہیں، پہلی سورت جس میں پانچ (۵) آیات ہیں، دنیاوی مضمرات سے استعاذہ کیا گیا ہے، اور دوسری سورت جس میں چھ (۶) آیات ہیں دینی مضمراتوں سے استعاذہ کا بیان ہے، اس طرح تمام شرور سے استعاذہ، اور اللہ پر توکل کی تعلیم ہے۔

حدیث میں ہے کہ: ”عن عبد اللہ بن خبیب قال خرجنا فی لیلۃ مطر وظلمۃ شدیدۃ نطلب رسول اللہ ﷺ فأدر کناہ فقال: قل، قلت ما أقول؟ قال: قل هو اللہ أحد والمعوذتین حین نصبح وحین تمسی ثلاث مرات تکفیک من کل شیء“ [رواہ الترمذی، رقم: ۳۵۷۵، وأبو داؤد، رقم: ۵۰۸۲، والنسائی: ۲۵۰/۸]

عبد اللہ بن خبیب فرماتے ہیں کہ ہم ایک سخت اندھیری اور بارش کی رات میں رسول اللہ ﷺ کو ڈھونڈتے ہوئے نکلے (یعنی آپ ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے تھے ہم بھی آپ کو ڈھونڈتے ہوئے نکلے تاکہ آپ ﷺ کے ہمراہ جائیں) چنانچہ ہم نے آپ کو پایا، آپ نے اس وقت فرمایا کہ پڑھو! میں نے عرض کیا کہ کیا پڑھوں، آپ نے فرمایا ”صبح اور شام کے وقت تین مرتبہ قل هو اللہ أحد، قل أعوذ برب الفلق اور قل أعوذ برب الناس پڑھ لیا کرو، یہ تمہیں

ہر چیز سے کفایت کریں گی“ (یعنی ہر آفت و بلاء کو دفع کریں گی)۔

وعن عقبہ بن عامر قال: قلت یارسول اللہ أقرأ سورة هود او سورة يوسف؟ قال: لن تقرأ شیئا

أبلغ عند اللہ من قل أعود برب الفلق. [نسائی: ۱۵۸۲، وأحمد: ۱۲۹۴]

عقبہ بن عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا میں (پناہ چاہنے اور برائی کے دفعیہ کے لئے)

سورہ ہود یا سورہ یوسف پڑھ لیا کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم اللہ کے نزدیک قل أعود برب الفلق سے زیادہ بہتر کوئی چیز ہرگز نہیں پڑھ سکتے۔

لن تقرأ شیئا أبلغ عند اللہ، کا مطلب یہ ہے کہ آفات و بلاؤں اور برائیوں سے پناہ چاہنے کے سلسلہ میں

اس سورہ یعنی قل أعود برب الفلق، سے زیادہ کامل اور بہتر دوسری کوئی سورہ نہیں ہے، کیونکہ یہ سورہ سب سے زیادہ کامل ہے جس میں ہر مخلوق کی برائی اور شر سے پناہ مانگی گئی ہے، قل أعود برب الفلق من شر ما شر خلق.

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پناہ چاہنے کے سلسلہ میں دونوں سورتیں یعنی قل أعود برب

الفلق و قل أعود برب الناس سے زیادہ کامل اور کوئی سورہ نہیں ہے۔

ابن ملکؒ کہتے ہیں کہ اس جملہ سے مقصود ان دونوں سورتوں کے ذریعہ پناہ طلب کرنے کی رغبت

دلانا ہے، گویا علامہ طیبی اور ابن ملک دونوں کے قول کا حاصل یہ ہے کہ اس ارشاد گرامی میں صرف ایک سورہ یعنی قل أعود برب الفلق ذکر کی گئی ہے اور چونکہ قرینہ سے دوسری سورہ یعنی سورہ الناس بھی مفہوم ہوتی ہے، اس لئے یہاں دونوں

سورتیں مراد ہیں۔

”رب الفلق“ مفسرین کی اکثریت فلق سے مراد رات کی تاریکی پھاڑ کر سپیدہ صبح نکالنا لے رہی ہے، کیونکہ

فلق الصبح کا استعمال عربی میں طلوع صبح کے لئے بکثرت آتا ہے قرآن کریم میں دوسری جگہ ”فالق الاصبح“ (انعام

۹۶:۹۶) جملہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے ”فلق“ کے اصل معنی پھاڑنے کے ہیں دنیا میں جتنی چیزیں بھی پیدا ہوتی ہیں وہ کسی نہ

کسی چیز کو پھاڑ کر ہی نکلتی ہیں، چنانچہ تمام نباتات اپنی بیج اور زمین کو پھاڑ کر اپنی کونٹیلیں نکالتی ہیں تمام حیوانات یا انڈوں

کو توڑ کر نکلتے ہیں۔ یا رحم مادر سے برآمد ہوتے ہیں، یا کسی اور رو کاوٹ کو چیر کر باہر آتے ہیں، تمام چشمے پھاڑوں یا زمین کو شق

کر کے بہتے ہیں، اسی طرح دن کو دیکھتے کہ رات کا پردہ چاک کر کے نمودار ہوتا ہے، حتیٰ زمین و آسمان بھی پہلے ایک ڈھیر تھے

جس کو پھاڑ کر الگ الگ کر دیا۔ ”کانتار تفتناهما“ (انبیاء: ۳۰) ”فلق“ کے معنی اگر خاص صبح کے لئے جائیں،

تو مطلب یہ ہوگا کہ میں صبح کے مالک کی پناہ مانگتا ہوں اور فلق کے معنی اگر عمومیت کے ساتھ لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تمام مخلوق کے رب کی پناہ مانگتا ہوں یہاں اسم ذات اللہ کے بجائے صفت ربوبیت لانا پناہ جوئی کے لئے زیادہ موزوں اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔

”من شر ما خلق“ یعنی ہر مخلوق کی ہدی سے پناہ چاہتا ہوں، اس فقرہ میں چند باتیں قابل لحاظ ہیں، اول یہ کہ مخلوق کے پیدا کرنے کی نسبت تو اپنی طرف کی گئی، مگر شر پیدا کرنے کی نسبت اپنی طرف نہیں کی گئی، یعنی یہ نہیں فرمایا کہ ان شرور سے پناہ چاہتا ہوں جو اللہ نے پیدا کئے ہیں، بلکہ یہ فرمایا کہ ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اللہ نے پیدا کئے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے کسی مخلوق کو شر کے لئے پیدا نہیں کیا بلکہ اس کا ہر کام خیر و مصلحت ہی کے لئے ہوتا ہے البتہ مخلوقات کے اندر جو اوصاف اس نے اس لئے پیدا کئے ہیں کہ ان کی تخلیق کی مصلحت پوری ہو ان سے بعض اوقات اور بعض اقسام کی مخلوقات سے اکثر شر رونما ہوتا ہے، پس اس اعتبار سے فی نفسہ شر کا پیدا کرنا بھی شر نہ ہوا، جبکہ بے شمار مصالح اس میں مضمر ہوتے ہیں۔ اس فقرہ میں دنیا ہی کے نہیں آخرت کے ہر شر سے بھی پناہ مانگی گئی ہے۔

”ومن شر غاسق اذا وقب“ تمام مخلوقات کے ہر قسم کے شرور سے پناہ جوئی کے بعد خاص طور سے بعض مخلوقات کے شر سے پناہ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے۔

”غاسق“ کے لغوی معنی تاریک کے ہیں ”اقم الصلوٰۃ لذلک الشمس الی غسق اللیل“ (بنی اسرائیل: ۷۸) اور ”وقب“ کے معنی داخل ہونے یا چھپائے جانے کے ہیں، چونکہ اکثر جرائم و مظالم رات ہی کو ہوتے ہیں موزی جانور بھی رات ہی کو نکلتے ہیں، قتل اور غارت اور لوٹ مار کرنے والے بھی رات ہی کو حرکت میں آتے ہیں، چھاپہ ماری اور شرب خون کی کارروائیاں بھی رات کی تاریکی میں ہوتی ہیں، نبی ﷺ کے قتل کی سازشیں بھی رات ہی کے اندھیرے میں ہوتی تھیں، غرض رات کی تاریکی میں ہونے والے ان تمام شرور سے خاص طور سے پناہ مانگی گئی ہے، اور اندھیری رات کے شر سے طلوع فجر کے رب کی پناہ مانگنے میں جو لطیف مناسبت ہے وہ کسی صاحب بصیرت سے پوشیدہ نہیں، سحر وغیرہ رات ہی کو کئے جاتے ہیں، چاند گرہن یا غروب آفتاب بھی ہو سکتا ہے اور ظاہر و باطن کی تاریکیاں تلگدستی، پریشانی اور گمراہی سب اس میں داخل ہیں۔

”ومن شر النفث فی العقد“ نفثات تمام مفسرین کے نزدیک یہ لفظ بطور استعارہ چادو کرنے والے کے لئے استعمال ہوتا ہے، کیونکہ عموماً چادو گر کسی ڈورے دھاگے میں گرہ دیتے اور اس پر پھونکتے جاتے ہیں پس اس جملہ میں

جادوگروں یا جادوگر نبیوں کے شر سے پناہ مانگی گئی ہے، معوذتین میں یہی ایک فقرہ ہے جس کا براہ راست جادو کے واقعہ سے تعلق ہے جو نبی ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا۔

”ومن شر حاسد اذا حسد“ حسد کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے جو نعمت یا فضیلت یا خوبی عطا کی ہے اس پر کوئی دوسرا شخص جلے اور یہ چاہے کہ وہ اس سے سلب ہو کر حاسد کو مل جائے، یا کم از کم یہ کہ اس سے ضرور چھین جائے، البتہ حسد کی تعریف میں یہ بات نہیں آتی کہ کوئی شخص یہ چاہے کہ جو فضل دوسرے کو ملا ہے وہ مجھے بھی مل جائے۔ کیونکہ یہ غبطہ ہے جو جائز ہے۔ یہاں حاسد کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ اس حالت میں مانگی گئی ہے جبکہ وہ حسد کرے، یعنی اپنے دل کی آگ بجھانے کے لئے کوئی اقدام کرے، کیونکہ جب تک وہ کوئی اقدام نہیں کرتا اس وقت تک اس کا جلانا بجائے خود چاہے برا سہی مگر محسود کے لئے ایسا شر نہیں بنتا کہ اس سے پناہ مانگی جائے قرآن و سنت نے اس سے بغاوت سے تعبیر کیا ہے۔

لیکن اس تحقیق پر قدیم و جدید زمانہ کے بہت سے عقلمندوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایات اگر مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مشتبہ ہو جاتی ہے، کیونکہ اگر نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مخالفین نے جادو کے زور سے نبی سے کیا کیا کھلوا یا ہوگا؟ اور اس کی تعلیمات میں کتنی باتیں اللہ کی طرف سے ہوگی اور کتنے جادو کے اثر سے؟ بلکہ مخالفین جہاں تک کہتے ہیں کہ اس بات کو سچ مان لینے کے بعد تو یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ جادو ہی کے ذریعہ نبی کو نبوت کے دعویٰ پر اکسایا گیا ہو اور نبی نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھ لیا ہو کہ اس کے پاس فرشتہ آیا ہے، اور ان کا استدلال یہ بھی ہے کہ یہ روایات قرآن مجید سے متضاد ہیں، قرآن کریم میں تو کفار کا یہ الزام بیان کیا گیا ہے کہ نبی ایک سحر زدہ آدمی ہیں لہذا اس کی پیروی نہ کرو، بقول الظالمون ان تتبعون الا رجلا مسحورا (۷۷: اسراء)۔ پس یہ احادیث کفار کے اس الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی نبی پر جادو کا کیا اثر ہوا ہے؟

اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ آیا جادو کا واقعہ تاریخی شہادتوں سے ثابت ہے یا نہیں؟ اور یہ کہ آپ پر جادو کا اثر ہوا تھا یا نہیں؟ اور اگر ہوا تھا تو وہ کیا تھا اور کس حد تک تھا؟ اس کے بعد دیکھا جائے کہ جو کچھ روایات سے ثابت ہے اس پر کئے گئے اعتراضات وارد ہوتے ہیں یا نہیں؟

محدثین اور علماء امت کی یہ راست گوئی تھی کہ انہوں نے اپنے خیالات اور معمولات کے مطابق تاریخ کو مسخ کرنے یا حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ جو کچھ واقعات کی صورت میں پیش آیا تھا اسے جوں کا توں آنے

والوں تک پہنچا دیا، اور اس بات کی کوئی پروا نہیں کی، کہ ان حقائق سے اگر کوئی ان سے نتائج نکالنے پر آئے تو ان کا فراہم کردہ یہ مواد کس طرح اس کے کام آسکتا ہے؟ اب اگر ایک بات نہایت مستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے ثابت ہو تو کسی دیانت دار صاحب علم کے لئے نہ تو یہ درست ہے کہ وہ اس بنا پر تاریخ کا انکار کر دے کہ اس کو مان لینے سے اس کے نزدیک فلاں فلاں قباحتیں رونما ہوتی ہیں اور نہ یہی درست ہے کہ جتنی بات تاریخ سے ثابت ہو اس کو قیاسات کے گھوڑے دوڑا کر اس کی اصلی حد سے پھیلانے اور بڑھانے کی کوشش کرے، اس کے بجائے اس کا کام یہ ہونا چاہئے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لے اور پھر دیکھے کہ اس سے فی الواقع کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا؟

جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی کریم ﷺ پر جادو کا اثر ہونا قطعی طور پر ثابت ہے، اگر علمی تنقید کے ذریعہ اس کو غلط ثابت کیا جاسکتا ہے تو دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے، روایات اور واقعات کی کڑیاں ملانے سے جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ کہ آپ پر سحر کیا گیا اور آپ پر اس کا اثر بھی ہوا، مگر وہ اتنی ہی حد تک ہوا جیسے کسی بیماری سے انسان متاثر ہوتا ہے۔ کچھ مزاج میں تبدیلی آگئی، گویا یوں محسوس ہوا کہ آپ گھلتے جا رہے ہیں یا کسی کام کے متعلق خیال کیا کہ وہ کر لیا ہے گو نہیں کیا ہوتا تھا۔

ازواج مطہرات کے بارے میں خیال کرتے کہ آپ ان کے پاس گئے ہیں مگر نہیں گئے ہوتے تھے، یا کسی وقت آپ کی نظر پر یہ شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھ رہے ہیں، مگر نہیں دیکھا ہوا تھا، یہ تمام آپ کی ذات تک محدود رہے، دوسروں کو یہ محسوس نہیں ہو سکا کہ آپ پر کیا گزر رہی ہے۔ اس سے آپ کے نبی ہونے کی حیثیت میں کوئی فرق نہیں اتا تھا، نہ آپ کے فرائض میں کوئی خلل آیا تھا، کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ آپ کسی آیت کو بھول گئے ہوں یا کوئی آیت غلط پڑھ دی ہو، یا اپنی مجلسوں، خطبوں، وعظوں میں آپ کی تعلیمات میں کسی طرح کا فرق واقع ہو گیا ہو یا کوئی ایسا کام آپ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو، جو فی الواقع آپ پر نازل نہ ہوا ہو، یا آپ کی نماز چھوٹ گئی ہو اور اس کے متعلق بھی کبھی آپ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے، مگر نہ پڑھی ہو، معاذ اللہ ایسی کوئی بات پیش آ جاتی تو دھوم مچ جاتی، اور پورا ملک عرب اس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چپ نہ کر سکتی تھی اسے ایک جادوگر نے چپ کر دیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ کی حیثیت نبوت قطعاً اسے محفوظ اور غیر متاثر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں اپنی جگہ مخصوص کر کے آپ اس سے پریشان ہوتے رہے۔

آخر کار ایک روز آپ عائشہ کے یہاں تھے کہ آپ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی، اس حالت میں آپ کو

غنودگی ہوگی یا نیند آگئی، پھر جب بیدار ہوئے تو آپ نے عائشہؓ سے فرمایا کہ جو بات میں نے اپنے رب سے پوچھی وہ اس نے مجھے بتلا دی ہے، عائشہؓ نے دریافت کیا وہ کیا بات ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دو آدمی (مراد فرشتے) میرے پاس آئے ایک سرہانے کی اور دوسرا پانچٹی کی طرف، ایک نے پوچھا کہ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا کہ ان پر جادو ہوا ہے، اس نے پوچھا کس نے کیا ہے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے، پوچھا کہ کس چیز میں کیا ہے جواب دیا کنگھی اور بالوں میں ایک نر کھجور کے خوشہ کے غلاف کے اندر، پوچھا وہ کہاں ہے، جواب دیا کہ بنی زریق کے کوئیں میں، ذی اروان کے تہہ کے پنجم کے نیچے ہے، پوچھا اب اس کے لئے کیا کیا جائے؟ تو جواب دیا کہ کوئیں کا پانی سونت دیا جائے اور پھر پنجم کے نیچے سے اس کو نکالا جائے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے علیؓ، عمار بن یاسرؓ، اور زبیرؓ کو بھیجا ان کے ساتھ جبیر بن ایاس الزرقی اور قیص بن محسن الزرقی بھی شامل ہو گئے، بعد میں خود نبی ﷺ بھی چند اصحاب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے، پانی نکالا گیا اور خوشہ کا غلاف برآمد کر دیا گیا، اس میں کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑی ہوئی تھیں، اور موم کا ایک پتلا تھا جس میں سوئیاں چھوئی ہوئی تھیں، جبرئیل علیہ السلام نے بتلایا کہ آپ معوذتین پڑھیں چنانچہ آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور ایک ایک گرہ کھلتی جاتی اور پتلے میں سے ایک ایک سوئی نکالی جاتی رہی، معوذتین ختم ہوتے ہی ساری گرہیں کھل گئے اور ساری سوئیاں نکل گئیں اور آپ جادو کے اثر سے نکل کر بالکل ایسے ہو گئے جیسے کوئی بندھا ہوا پھر کھل گیا۔

اس کے بعد آپ نے لبید کو بلا کر باز پرس کی، اس نے اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا اس لئے آپ نے اس کو چھوڑ دیا کیونکہ اپنی ذات کے لئے کبھی آپ ﷺ نے کسی سے انتقام نہیں لیا، ایک یہودی کی طرف سے زہر خورانی کے واقعہ میں بھی آپ نے بعض صحابہؓ کے شہید ہوجانے کی وجہ سے اس سے قصاص لیا، اپنے معاملہ کو نظر انداز فرما دیا، یہی نہیں بلکہ سحر کے معاملہ کا چرچا کرنے سے بھی یہ کہہ کر آپ نے روک دیا کہ مجھے اللہ نے شفا دیدی ہے اب میں نہیں چاہتا کہ کسی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاؤں۔

یہ ہے جادو کے واقعہ کی تفصیل، اس میں کوئی چیز ایسی نہیں جو آپ کے منصب نبوت کے خلاف یا آپ کے کمال کے منافی ہو، اگر آپ مغز وہ احد میں زخمی کیا جاسکتا ہے اگر خیمبر کی واپسی پر آپ گھوڑے سے گر سکتے ہیں، اگر آپ ﷺ کو بچھو کاٹ سکتا ہے، اگر آپ ﷺ کو نماز میں سہو و نسیان ہو سکتا ہے، حدیث میں ہے ”انما انابشر انسی کمانسون فاذا نیست فذکرونی“ (ابوداؤد: ۸۶۱) اور ان میں سے کوئی چیز بھی اس تحفظ کے منافی نہیں ہے جس کا نبی ہونے =

سورة الناس (مکیہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿۱﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿۲﴾

کہو کہ میں لوگوں کے پروردگار کی پناہ مانگتا ہوں۔ لوگوں کے حقیقی بادشاہ کی۔ لوگوں کے معبودِ برحق کی

= کی حیثیت سے اللہ نے آپ سے وعدہ کیا تھا تو آپ اپنی ذاتی حیثیت سے جادو کے اثر سے بیکار بھی ہو سکتے ہیں۔

رہا یہ اعتراض کہ اس سے تو کفار کے الزام کی تصدیق ہوگی کہ نبی کریم ﷺ کو سحر زدہ آدمی کہتے تھے اس کا جواب یہ ہے کہ کفار آپ کو اس معنی سے سحر زدہ نہیں کہتے تھے، کہ آپ کسی جادوگر کے اثر سے بیمار ہو گئے ہوں بلکہ اس معنی میں کہتے تھے کہ آپ ﷺ مجنون ہو گئے ہیں، اور معاذ اللہ کسی جادوگر نے آپ کو پاگل کر دیا ہے، اور اسی پاگل پن میں آپ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور جنت و دوزخ کے افسانے سنارہے ہیں، اب ظاہر ہے کہ یہ اعتراض ایسے معاملہ پر سرے سے چسپاں ہی نہیں ہوتا، جس کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جادو کا اثر صرف محمد ﷺ کی ذات پر ہوا، آپ کی نبوت اس سے قطعاً متاثر نہیں ہوئی اور دعویٰ نبوت کو سحر کا اثر قرار دینا اس لئے غلط ہے کہ نبوت کے پندرہ سال گزرنے پر سحر کا واقعہ پیش آیا ہے اور اس کا اثر زائل ہونے کے بعد بھی بدستور منصب نبوت پر فائز رہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو لوگ جادو کو محض اوہام کی چیز قرار دیتے ہیں اس کی بنیاد محض یہ ہے کہ اس کے اثرات کی کوئی عقلی اور سائنسی توجیہ نہیں کی جاسکتی لیکن دنیا میں اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو تجربہ اور مشاہدہ میں آتی ہیں مگر سائنسی طریقہ سے نہیں بیان کیا جاسکتا کہ وہ کیسے رونما ہوتی ہیں اسی طرح کی توجیہ پر اگر ہم قادر نہیں ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس چیز کا ہی انکار کر دیا جائے جس کی ہم توجیہ نہیں کر سکتے۔

﴿۱﴾ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ ﴿۵﴾ ﴿۶﴾ ﴿۷﴾ ﴿۸﴾ ﴿۹﴾ ﴿۱۰﴾ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۹﴾ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

(شیطان) وسوسہ انداز کی بُرائی سے جو (اللہ کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے

﴿۱﴾ ﴿۲﴾ ﴿۳﴾ ﴿۴﴾ ﴿۵﴾ ﴿۶﴾ ﴿۷﴾ ﴿۸﴾ ﴿۹﴾ ﴿۱۰﴾ ﴿۱۱﴾ ﴿۱۲﴾ ﴿۱۳﴾ ﴿۱۴﴾ ﴿۱۵﴾ ﴿۱۶﴾ ﴿۱۷﴾ ﴿۱۸﴾ ﴿۱۹﴾ ﴿۲۰﴾ ﴿۲۱﴾ ﴿۲۲﴾ ﴿۲۳﴾ ﴿۲۴﴾ ﴿۲۵﴾ ﴿۲۶﴾ ﴿۲۷﴾ ﴿۲۸﴾ ﴿۲۹﴾ ﴿۳۰﴾ ﴿۳۱﴾ ﴿۳۲﴾ ﴿۳۳﴾ ﴿۳۴﴾ ﴿۳۵﴾ ﴿۳۶﴾ ﴿۳۷﴾ ﴿۳۸﴾ ﴿۳۹﴾ ﴿۴۰﴾ ﴿۴۱﴾ ﴿۴۲﴾ ﴿۴۳﴾ ﴿۴۴﴾ ﴿۴۵﴾ ﴿۴۶﴾ ﴿۴۷﴾ ﴿۴۸﴾ ﴿۴۹﴾ ﴿۵۰﴾ ﴿۵۱﴾ ﴿۵۲﴾ ﴿۵۳﴾ ﴿۵۴﴾ ﴿۵۵﴾ ﴿۵۶﴾ ﴿۵۷﴾ ﴿۵۸﴾ ﴿۵۹﴾ ﴿۶۰﴾ ﴿۶۱﴾ ﴿۶۲﴾ ﴿۶۳﴾ ﴿۶۴﴾ ﴿۶۵﴾ ﴿۶۶﴾ ﴿۶۷﴾ ﴿۶۸﴾ ﴿۶۹﴾ ﴿۷۰﴾ ﴿۷۱﴾ ﴿۷۲﴾ ﴿۷۳﴾ ﴿۷۴﴾ ﴿۷۵﴾ ﴿۷۶﴾ ﴿۷۷﴾ ﴿۷۸﴾ ﴿۷۹﴾ ﴿۸۰﴾ ﴿۸۱﴾ ﴿۸۲﴾ ﴿۸۳﴾ ﴿۸۴﴾ ﴿۸۵﴾ ﴿۸۶﴾ ﴿۸۷﴾ ﴿۸۸﴾ ﴿۸۹﴾ ﴿۹۰﴾ ﴿۹۱﴾ ﴿۹۲﴾ ﴿۹۳﴾ ﴿۹۴﴾ ﴿۹۵﴾ ﴿۹۶﴾ ﴿۹۷﴾ ﴿۹۸﴾ ﴿۹۹﴾ ﴿۱۰۰﴾

جنات میں سے (ہو) یا انسانوں میں سے۔ [۱]

[۱] سورت الناس بھی سورت فلق کی طرح مختلف فیہ ہے کہ یہ مدنی سورہ ہے یا مکی، لیکن ان دونوں قولوں کو جمع کرنے کی صورت میں کہا جاسکتا ہے کہ ممکن ہے ابتداء مکہ میں معوذتین اس وقت نازل ہوئی ہوں جب رسول ﷺ کی مخالفت چل رہی تھی اور پھر بعد میں مدینہ میں بھی منافقین اور یہود کی مخالفت کے طوفان جب اٹھے تو رسول ﷺ کو ان سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی گئی جیسا کہ عقبہ بن عامرؓ کی روایت میں مذکور ہے، اس کے بعد جب آپؐ پر جادو کیا گیا تو پھر بحکم الہی جبریل امین نے آکر پھر ان سورتوں کے پڑھنے کی ہدایت کی۔ کیونکہ واقعہ سحر پر نظر کی جائے جو سات (۷) ہجری میں پیش آیا تو پھر ان کا مدنی ہونا راجح معلوم ہوتا ہے۔

”سورت فلق“ کی طرح یہاں بھی اعوذ باللہ کی بجائے اللہ کی تین صفات کے ذریعہ استعاذہ کیا گیا ہے، ایک، رب الناس، دوسرے ملک الناس، تیسرے الہ الناس، الہ کے معنی فرضی معبود کے بھی آتے ہیں، اور حقیقی معبود کے بھی، یہاں دوسرے معنی مراد ہیں، سورہ فلق میں بدنی مضرتوں سے استعاذہ کیا گیا ہے، انسان کی طرف سے ہوں یا دوسرے مخلوق کی طرف سے لیکن سورہ الناس میں صرف انسانی نفوس کو جو مضرتیں عارض ہوتی ہیں ان سے استعاذہ کیا گیا ہے۔

لہذا ”رب الفلق“ میں اضافت عام اور رب الناس میں اضافت خاص ہوگی، اور اللہ اگرچہ رب العالمین ہے لیکن انسان کی تخصیص اس کی شرف کی وجہ سے ہے کہ جب اللہ انسانوں کا رب ہے تو دوسری مخلوق کا بدرجہ اولیٰ ہے، نیز جب وہ انسانی شرارت سے پناہ دے سکتا ہے، تو دوسری مخلوق کی شر سے بدرجہ اولیٰ پناہ دے گا اور وسوسہ جن کے دلوں میں ہوتا ہے وہ بھی انسان ہیں ان تینوں لفظوں کی ترتیب بڑی لطیف ہے کہ اول اللہ کی ربوبیت، پھر اس کی بادشاہت پھر اس کی معبودیت کا ذکر کیا گیا۔

اور ”ملک الناس، الہ الناس“ میں یہ دونوں لفظ رب الناس سے عطف بیان بھی ہو سکتے ہیں کیونکہ رب ممکن ہے بادشاہ نہ ہو اور بادشاہ ممکن ہے کہ معبود نہ ہو، اگرچہ اضافت ضمیر کی طرف ہو سکتی تھی لیکن مزید بیان تعظیم کے لئے مضاف الیہ اسم ظاہر لایا گیا ہے، اور بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ رب الناس میں بچے اور ملک الناس بڑے آدمی مراد ہیں۔ کیونکہ بچے تربیت کے محتاج ہوتے ہیں اور بڑے وسوسوں میں مبتلا ہوتے ہیں، اور الہ الناس میں بوڑھے مراد ہیں کیونکہ وہ مصروف عبادت رہتے ہیں، اس صورت میں لفظ الناس مکرر نہیں رہتا۔

من نشر الوسواس الخناس“ اس کا تعلق اعوذ سے ہے سورت فلق میں مستعاذ منہ تین چیزیں تھیں اور مستعاذ ایک تھا، لیکن سورہ ناس میں اس کے برعکس مستعاذ منہ ایک یعنی وسوسہ ہے اور مستعاذ تین صفات الہیہ ہیں، اس میں نکتہ یہ ہے کہ کچھلی سورت میں بدنی مضرات کا بیان تھا اور وہ متعدد ہیں اور اس سورت میں نفسانی مضرت کا بیان ہے اور وہ ایک ہے، اور چونکہ بدن کی سلامتی کا پیش خیمہ اور وسیلہ ہے اس لئے اس کو مقدم کیا گیا ہے، وسواس اور وسوسہ زلزال اور زلزلہ کی طرح دونوں مصادر ہیں، اگر فعل لال کو اوزان مصدر میں سے مانا جائے، ورنہ اسم مصدر ہے یا وسواس اور خناس کو مبالغہ کہا جائے شیطان کو وسواس یا وسوسہ زید عدل کی طرح مبالغہ کے لئے کہا گیا ہے، یا مضاف محذوف مانا جائے۔ ای ذوی الوسواس، الخناس خنس کے معنی مٹنے اور لوٹنے کے ہیں۔

”من الجنة والناس“ یہ وسواس کا بیان ہے یا الذی کا بیان ہے یا وسوس سے متعلق ہے، اور بعض نے اس کو الناس کا بیان کہا ہے جبکہ الناس سے مراد عام ہو، انسان اور جنات دونوں کو شامل ہے لیکن اس سورت میں تکلف کر کے کہنا پڑے گا کہ ”ناس“ بمعنی ناسی ہے جیسے ”یوم یدع الداع“ میں داع بمعنی داعی ہے اور نسیان انسان اور جن دونوں کو ہوتا ہے۔

”اعوذ“ تعوذ کے معنی پناہ جوئی کے ہیں، سورہ فلق اور سورہ ناس دونوں سورتوں کو معوذتین اسی لئے کہتے ہیں کہ ان میں تعوذ کی تلقین فرمائی گئی ہے تعویذ بھی اسی سے ماخوذ ہے۔ اس وجہ سے بعض مفسرین نے یہاں تعوذ اور تعویذ پر بحث کیا ہے تفسیر مواہب الرحمن والے لکھتے ہیں، کہ کیا شرعی تعویذ کے ساتھ دم کرنا جائز ہے؟ جواب اس زمانہ میں تعویذ اس کاغذ کو کہتے ہیں جس پر کچھ لکھ کر بچوں کے گلے میں لکاتے ہیں، یہ زمانہ سلف میں نہ تھا، لیکن بعض صحابہ نے آئیہ الکرسی کے مانند لکھ کر ان بچوں کے گلے میں ڈالی جو زبان سے نہیں پڑھ سکتے تھے اور ظاہر کیا کہ اس سے برکت مقصود ہے اور حفاظت اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔ اور تعویذ کے معنی اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دینا۔ تعوذ اللہ کی پناہ لینا، یہ بات

پڑھنے اور دعا کرنے سے ہوتی تھی اور جمہور صحابہ و تابعین پڑھ کر دم کرنے کو جائز رکھتے تھے۔ پھر امام نسفی سے نقل کرتے ہیں کہ مدارک میں لکھا کہ رقیہ کرنا ایسے کلام سے جائز ہے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب سے ہو، یا رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے ہو، اور ایسی عبارت سے جائز نہیں ہے جو سریانی، عبرانی، یا ہندی وغیرہ میں ہو، کیونکہ اس پر اعتقاد و اعتماد صحیح نہیں ہے۔ الخ۔ مولف کا بھی ایک رسالہ اس مسئلے پر چھپی ہوئی ہے۔

آخر التفسیر واللہ الحمد والمنة والحمد للہ رب العالمین وصلى اللہ علی سیدنا محمد وآلہ

وصحبہ اجمعین. ورضی اللہ عن الصحابة والتابعین اجمعین حسبن اللہ ونعم الوکیل۔

رحم اللہ من وقف علی خطا او عیب نبہنا علیہ وارشدنا طریق الثواب

اللہ کی رحمت ہو اس شخص پر جس نے ہمیں عیب اور خطائی پر مطلع کر کے راہ حق بتایا۔



کمپوزنگ: عبدالخالق فون پشاور

www.ircpk.com

المراجع

نمبر شمار	اسم الكتاب	اسم الصنف
۱	الجامع الصحيح	امام بخاری
۲	الجامع الصحيح	امام مسلم
۳	السنن	امام ترمذی
۴	السنن	امام ابوداؤد
۵	السنن	امام نسائی
۶	السنن	امام ابن ماجہ
۷	السنن	امام دارمی
۸	المسند	امام احمد
۹	فتح الباری	ابن حجر
۱۰	عمدة القاری	بدرالدین عینی
۱۱	مظاہر حق	قطب الدین
۱۲	تفسیر القرآن	ابن کثیر (عربی)
۱۳	تفسیر القرآن	ابن کثیر (اردو)
۱۴	الجامع لاحکام القرآن	قرطبی
	تفسیر اللباب	ابن عاؤل الحسینی
	معارف القرآن	مفتی محمد شفیع
	جوہر القرآن	شیخ القرآن غلام اللہ خان

مصنف کی دیگر تصنیفات

- ۱۔ اختلاف المطالع (اردو)
- ۲۔ اختلاف المطالع (پشتو)
- ۳۔ اصاب السلام (اردو)
- ۴۔ کتاب الامکار (اردو)
- ۵۔ کتاب الامکار مختصر (پشتو)
- ۶۔ کتاب الاربعين (پشتو)
- ۷۔ نيل المفازة (پشتو)
- ۸۔ تحفة العروس (پشتو)
- ۹۔ سلسلة الأحاديث الصحيحة (پشتو ترجمہ)
- ۱۰۔ کتاب التمام